مافیا
مکمل
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
قبال کاظمی

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اُس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

تحریر: اقبال کاظمی —— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور ۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

بار اول ——— 2003ء

ناشر ——— محمد علی قریشی

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— نوید بٹ

قیمت ——— 60/- روپے

پیش لفظ

بھارت کی بدنام زمانہ دہشت گرد تنظیم "را" نے پاکستان کو عرصے سے اپنا ٹارگٹ بنا رکھا ہے۔ اصل میں اس تنظیم کی بنیادی وجہ ہی پاکستان مخالف دشمنی تھی۔ اس دہشت گرد ایجنسی کی ساری صلاحیتیں پاکستان کے مفادات کو کچلنے اور پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر گھڑی مصروف عمل رہتی ہیں۔ یہ ادارہ بطور خاص بڑے سائنٹفک طریقے سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے دن رات اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ پاکستان سے خصوصاً محروم طبقے کے نوجوانوں کو اغوا کر کے ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے اور پھر انہیں پاکستان ہی کے خلاف دہشت گردی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیر نظر داستان "مافیا" جو 6 حصوں میں پیش کی جا رہی ہے اس کے مرکزی کردار "نظیر محمد ناجی" کو بھی بھارتی ایجنسی "را" کی کرتا دھرتا ایک حسین نوجوان "بیلا" نامی لڑکی کے ذریعے اغوا کر کے بھارت لے جایا گیا۔ مگر وہ ان کے چنگل سے آزاد ہو کر روپوش ہو گیا۔ اور پھر اس نے اس تنظیم کی لعنت سے ملک بچانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اور یہیں سے کہانی اپنی سنسنی خیزی کی ارتقائی منازل کی طرف رواں ہو جاتی ہے۔

مندروں کی سیاست، ان کا اندرونی ماحول، پنڈتوں، پجاریوں اور قدم قدم پر بکھیری خوبصورت داسیوں کے شب و روز کو کچھ اس انداز سے اجاگر کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا جیسے اپنی آنکھوں سے تمام مناظر کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ بھارت میں نظیر محمد ناجی کی زندگی میں کئی لڑکیاں آئیں جنہوں نے اس کی مدد بھی کی۔ اس ضمن میں "رادھا"، "اکا" اور "رتنا" کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بالآخر قدم قدم پر یہ نوجوان "را" کی جڑیں کھوکھلی کرتا ہوا اور موت سے آنکھ مچولی کھیلتا ہوا کسی نہ کسی طریقے سے بھارت کی سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر اپنی سرزمین پر بھی کسی نے اسے چین نہیں لینے دیا۔ وہ بھارت میں "را" کی

طرف سے ایک فہرست حاصل کر کے لایا تھا جس میں گیارہ پاکستانی غداروں کے نام شامل تھے جو بھارت کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ یہاں وہ اُن سے برسرِ پیکار ہو جاتا ہے اور پھر نئے ہنگامے جنم لینے لگ جاتے ہیں۔

پاکستان میں "ناجی" کے حوالے سے "تہمینہ"، "نرگس" اور ایرانی دوشیزہ "حریری" کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جبکہ جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والی ایک سرکش لڑکی "رضیہ" کا نام ناجی کے سب سے بڑے دشمن کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ کہانی کے وہ گوشے جن کے بغیر کہانی کا تعارف مکمل نہیں ہوتا، ایرانی دوشیزہ "حریری" کے حوالے سے "انقلابِ ایران اور اس کا پس منظر" اور نوادرات کی سمگلنگ کرنے والے گروہوں کے درمیان ایک شہزادی کی ڈھائی ہزار سالہ پرانی لاش کی خرید و فروخت کی کشمکش اس کہانی کا سرمایہ ہیں۔

اُمید ہے کہ اقبال کاظمی کی دیگر کہانیوں کی طرح یہ کہانی بھی آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

ادارہ

وہ کمرا آٹھ بائی آٹھ فٹ سے زیادہ بڑا نہیں تھا' سنگلاخ دیواریں' گرد آلود فرش' سامنے لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا دروازہ اور پچھلی دیوار میں تقریباً بارہ فٹ اوپر پندرہ انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا روشن دان' اس میں بھی لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں' اگر اس روشن دان میں سلاخیں نہ بھی ہوتیں تو میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ بلی کا بچہ تو شاید اس میں سے گزرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر میں بلی کا نہیں انسان کا بچہ تھا' پانچ فٹ سات انچ قد اور صحت مند جسم' مجھ جیسے ہٹے کٹے آدمی کیلئے اس روشن دان سے گزرنے کا تصور کرنا بھی دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوتی' اس روشن دان کا ایک فائدہ ضرور تھا کہ مشرقی رخ پر ہونے کی وجہ سے دن کے وقت وہاں سے کچھ دیر کیلئے دھوپ اور روشنی آ جاتی تھی اور میں آسمان کے کچھ حصے کا نظارہ کر سکتا تھا۔

سلاخوں والے دروازے کے سامنے ایک تنگ سی راہداری تھی جس کی وجہ سے دن کے وقت بھی کمرے کا ماحول نیم تاریک سا رہتا تھا۔

یہاں بجلی نہیں تھی' شام کے وقت راہداری میں تو ایک طرف لالٹین یا کیروسین لیمپ کی مدھم سی روشنی نظر آ جاتی تھی مگر میرا کمرا تاریکی میں ڈوبا رہتا تھا' گزشتہ تین دنوں کے دوران میرے کمرے میں روشنی کا بندوبست بھی نہیں کیا گیا تھا۔ شاید اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی تھی۔

جی ہاں۔ میں پچھلے تین دن سے پتھروں کی دیواروں والے اس کمرے میں قید تھا اور میری نگرانی کرنے والوں کے دل ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھے' ان تین دنوں کے دوران انہوں نے ایک مرتبہ بھی مجھے اس کمرے سے باہر نہیں نکالا تھا اور اس عرصہ کے دوران میں اس کمرے کے چپے چپے کا جائزہ لے چکا تھا بلکہ چپہ چپہ ناپ چکا تھا اور فرش پر بچھی ہوئی دھول میرے پیروں سے صاف ہو چکی تھی۔

ایک طرف دیواریں دھوئیں سے کالی ہو رہی تھیں۔ ان دونوں دیواروں کے سنگم پر فرش پر تین پتھر رکھ کر چولہا سا بنا ہوا تھا جس میں شاید برسوں سے بجھے ہوئے کوئلے اور راکھ پڑی ہوئی تھی' ان کوئلوں اور راکھ پر بھی دھول کی تہہ جمی ہوئی تھی اور اسی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہاں آگ برسوں پہلے نہیں تو مہینوں پہلے جلائی گئی ہو گی۔

دوسرے کونے میں تین فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا سیمنٹ کا کھرا (تین انچ اونچا چبوترہ) بنا ہوا تھا۔ اس کمرے کی ڈھلان دیواروں کی نکڑ کی طرف تھی' دیوار میں کمرے کی سطح سے ذرا نیچے تین چار انچ

گودائی کا سوراخ تھا جس سے کمرے میں بہنے والا پانی باہر نکل جاتا تھا۔ کمرے میں ایک طرف پلاسٹک کی بغیر ہینڈل کی بڑی سی بالٹی رکھی ہوئی تھی جس میں پانی بھرا ہوا تھا اور پلاسٹک کا ایک گلاس کسی مردہ مچھلی کی طرح پانی کی سطح پر تیر رہا تھا۔

ان تین دنوں کے دوران میں اپنی ہر فطری ضرورت کے لیے وہ کمرا ہی استعمال کر رہا تھا۔ اگرچہ میں ہر مرتبہ اچھا خاصا پانی بہا دیتا تھا لیکن بڑی ناگوار بو کمرے کی فضا میں گویا رچ بس گئی تھی اور میں اس کا عادی بھی ہو گیا تھا۔

تین دن پہلے جب مجھے ایک بند وین میں ڈال کر یہاں لایا گیا تھا تو اس وقت شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا۔ سفر کے دوران میری آنکھوں پر پٹی بندھی رہی تھی اس کے باوجود میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ تقریباً تین گھنٹوں کا یہ سفر کسی ویرانے میں طے ہوا تھا کیونکہ اس دوران مجھے کسی اور گاڑی کے قریب سے گزرنے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

میری آنکھوں کی پٹی اس وقت کھولی گئی جب وہ بند وین اپنا سفر ختم کر کے اس عمارت کے کمپاؤنڈ میں رک گئی تھی آنکھوں پر سے پٹی کھل جانے کے بعد بھی میں دیر تک کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا تھا کہ میری بینائی تو زائل نہیں ہو گئی۔ دو تین مرتبہ آنکھیں ملنے کے بعد ہی یہ احساس ہو سکا تھا کہ میری آنکھوں کی روشنی تو قائم تھی البتہ دن کی روشنی غائب ہو رہی تھی۔

میں وین کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی قدیم طرز کی کوئی عمارت تھی۔ بہت وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ فصیل نما دیواریں کافی اونچی تھیں جو جگہ جگہ سے ٹوٹی پھوٹی نظر آ رہی تھیں۔ بالکل سامنے وہ عمارت تھی جس کا طرز تعمیر دیکھ کر پرانے زمانے کے راجپوت راجوں مہاراجوں کا تصور ذہن میں ابھرا تھا۔ ایسی عمارتیں انڈین فلموں میں اکثر دیکھنے میں آتی ہیں۔

میں نے بہت سی انڈین فلمیں دیکھی ہیں ویسے ہم پاکستانی بھی عجیب ہیں۔ ہندوستان سے ہماری کھلی دشمنی ہے متعدد جنگیں ہو چکی ہیں۔ بھارت ہمارا ایک بازو کاٹ چکا ہے طاقت کے بل بوتے پر کشمیر کو ہڑپ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ سرحد پار کئی بار جارحیت کا مرتکب ہو چکا ہے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے دہشت گردی کر کے ہمارے شہروں میں بےگناہوں کے خون کی ہولی کھیل رہا ہے۔ پاکستان کی سلامتی کے خلاف بھارتی حکمرانوں کی سازش کا چکر گھڑی کی سوئی کی طرح چلتا رہتا..... جب کبھی صورتحال بہت زیادہ سنگین ہو جاتی ہے تو ہمارے عوام سڑکوں پر مظاہرے کرتے ہیں۔ جوش اور غصے میں اپنے ہی شہروں میں توڑ پھوڑ شروع کر دیتے ہیں ٹرینوں پر حملے کرتے ہیں سڑکوں پر بسوں اور گاڑیوں کو آگ لگا دیتے ہیں پتھراؤ کر کے دکانوں میں توڑ پھوڑ کرتے ہیں سیاست دان بھارتی حکمرانوں کے خلاف بڑے دھواں دھار قسم کے بیانات جاری کرتے ہیں۔ بھارت کے خلاف نفرت اور غصے کا اظہار ہر طرح سے ہوتا ہے مگر..... ہم فلمیں انڈین ہی دیکھتے ہیں۔ سڑکوں پر بھارتی جارحیت کے خلاف نعرے لگ رہے ہوں تو گھروں میں ٹی وی پر مادھوری اور جیا پردا کی ٹانگوں کو مار دینے والی فلمیں ہی چل رہی ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کی بات نہیں کرتا چھوٹے قسم کے ہوٹلوں میں بھی ٹی وی سی آر پر انڈین فلمیں چل رہی ہوتی ہیں یا

براہ راست آنے والے چینلز سے ریلے کیے جا رہے ہوتے ہیں۔

شاید میں اپنے موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ میں تو آپ کو بتا رہا تھا کہ میں نے بھی ایسے ہی تھیٹر نما قسم کے ہوٹلوں میں بہت سی انڈین فلمیں دیکھی ہیں اور ایسی عمارتیں انہی فلموں میں نظر آتی ہیں مگر یہ عمارت شاید عرصے سے ویران پڑی تھی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس عمارت کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں کئی کمرے ہوں گے لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اس عمارت کے کچھ حصے حوادث زمانہ کا شکار ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے تھے البتہ جو حصے محفوظ تھے وہ ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کے استعمال کیلئے رہ گئے تھے چاروں طرف پھیلی ہوئی خاموشی سے میں یہ بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ عمارت کسی آبادی سے میلوں دور ویرانے میں تھی جہاں عام آدمی کا گزر نہیں تھا۔

"یہاں کھڑا کیا دیکھ رہا ہے چل آگے بڑھ ورنہ یہیں کھڑے کھڑے زندگی گزار دے گا۔"
میرے دائیں طرف کھڑے ہوئے شخص نے مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اس کا قد چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا تھا۔ نیلے رنگ کی بڑے گھیر کی شلوار میلی سی سفید قمیض میرون رنگ کی نیلے پھولوں والی ایک چادر لمبائی کے رخ پر اس طرح تہہ کی گئی تھی کہ اس کی چوڑائی ایک بالشت سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی یہ چادر کمر پر لپیٹ کر اس کے دونوں پلو بغلوں سے گزار کر سامنے لاتے ہوئے کندھے پر سے پیچھے کی طرف ڈال دیئے گئے تھے اس شخص کے پیروں میں براؤن جوتے تھے جو خاصے پرانے تھے اس نے غالباً تین چار روز سے شیو نہیں کیا تھا بڑی بڑی چھچھے دار مونچھیں اور آنکھوں میں سرخی تھی جیسے کئی روز کا جاگا ہوا ہو یا کسی نشے کا عادی ہو سر کے بے تحاشا بڑھے ہوئے بال گردن پر پھیلے ہوئے تھے اور سر پر مخصوص طرز کی بنی ہوئی سرخ ٹوپی تھی جس میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے آئینے لگے ہوئے تھے۔

اس کے لباس اور انداز گفتگو سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کا تعلق پاکستان کے کس خطے سے ہو سکتا ہے۔ اس کے دوسرے ساتھی کا حلیہ بھی اس سے مختلف نہیں تھا یہی دونوں اس وین میں مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں کلاشنکوف۔

سامنے عمارت کے شکستہ برآمدے میں بھی انہی کے حلیے سے ملتا جلتا ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی کلاشنکوف نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں مجھے دھکے دیتے ہوئے برآمدے میں لے آئے۔

"اس کو سنبھال آچر۔" میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے مجھے ایک اور دھکا دیتے ہوئے برآمدے میں کھڑے ہوئے شخص کو مخاطب کیا۔ "چھوکرا بڑا غضب ناک ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت سے ہماری ساری محنت پر پانی پھر جائے۔"

"کیا بات کرتے ہو میراں۔" آچر نامی اس شخص نے جواب دیا۔ "آچر کے ہاتھ تو آیا ہوا باز بھی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے یہ چھوکرا کیا ہے؟ سے تو میں ایسے سنبھالوں گا کہ تم دا... کو بھی خبر نہیں ہو گی کہ یہ یہاں ہے اور اگر اس نے آچر سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تو ایسی مار لگاؤں گا کہ مرتے دم

تک میرا نام نہیں بھولے گا۔"

اور پھر اس نے اپنے کہے ہوئے پر عمل بھی شروع کر دیا جس کیلئے میں تیار نہیں تھا' تیار ہوتا بھی تو بھلا اس کا کیا بگاڑ لیتا۔ میں ان کا قیدی تھا۔ وہ رائفلیں اور ریوالور لیے کھڑے تھے۔

آچہ نامی اس شخص نے گربہ کشتن روز اول کے مصداق میری دھنائی کر کے مجھے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ میں جب تک یہاں رہوں شرافت سے رہوں اور ان کے سامنے ہاتھ تو کیا نظریں بھی اٹھانے کی کوشش نہ کروں۔

آچہ کی پٹائی سے میرے ہونٹوں سے خون بہہ نکلا' جسے میں بار بار قمیص کی آستین سے پونچھ رہا تھا' وہ مجھے دھکے دیتے ہوئے ایک شکستہ محراب میں داخل ہو کر ایک تنگ اور تاریک سی راہداری میں آ گئے ایک کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے کھلے ہوئے دروازے سے اندر جھانک لیا تھا۔ کمرے میں کسی جگہ کیروسین لیمپ کی لالٹین جل رہی تھی فرش پر دو بستر لگے ہوئے تھے کچھ اور چیزیں بھی نظر آئی تھیں۔

اس سے آگے والے دو کمروں کی دیواریں ٹوٹی ہوئی تھیں البتہ ان کے بعد کا کمرہ ٹھیک تھا۔ اس کا دروازہ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کا تھا کنڈا بھی تقریباً دو انچ موٹا تھا جو دیوار میں گھسا ہوا تھا۔ اس دیوار میں ایک طاقچہ سا بنا ہوا تھا جہاں اس کنڈے کو بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

میراں نامی شخص نے کلاشنکوف کی نالی میری پشت سے لگا رکھی تھی۔ آچہ نے قمیص کی جیب سے ایک کی رنگ نکالا اس میں صرف دو چابیاں تھیں۔ ایک تو عام سے سائز کی چابی تھی اور دوسری نسبتاً بڑی اس نے بڑی چابی سے طاقچے میں لگا ہوا تالا کھولا اور وزنی کنڈا کھینچ لیا آہنی کنڈے کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی تھی۔ دروازہ کھول کر آچہ نے اس زور سے میرے کولہوں پر لات رسید کی تھی کہ میرے منہ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ نکل گئی اور میں لڑکھڑاتا ہوا منہ کے بل گرا۔ اگر میں فوراً ہی اپنے دونوں ہاتھ آگے نہ کر لیتا تو چہرہ فرش سے ٹکراتا اور ایک آدھ دانت ضرور اپنی جگہ چھوڑ دیتا۔

آچہ نامی اس شخص نے بلاوجہ میری پٹائی کر کے اپنے لیے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی تھی اور میں جانتا تھا کہ مجھے اس سے پنجہ لڑانے کا موقع ضرور ملے گا' جب کسی کیلئے دل میں نفرت اور کدورت ہو تو اس سے دو دو ہاتھ کرنے میں مزہ بھی آتا ہے بلاوجہ کسی پر ہاتھ اٹھانا بے مزہ سی بات تھی۔

دھڑ سے آہنی دروازہ بند ہوا پھر وزنی کنڈے کے ملنے اور تالا لگنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی آچہ کی آواز بھی میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"اس وقت تو آرام سے سو جا صبح کو سویرے تم سے کچہری کریں گے۔"

آرام سے سو جانے کی بات تو اس نے ایسے کہی تھی جیسے میں اس کا وی آئی پی مہمان تھا اور بڑے آرام و احترام سے خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں نرم اور مخملی بستر میرا منتظر ہو۔

اور میرا بستر گرد آلود اور ناہموار فرش تھا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی' میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے اطراف میں ٹٹولنے لگا۔ فرش کی اینٹیں جگہ جگہ

سے ٹوٹی اور اکھڑی ہوئی تھیں اور گرد کی خاصی دبیز تہہ تھی' میں اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا پہلے میں نے سوچا کہ اٹھ کر ٹٹولتے ہوئے پورے کمرے کا جائزہ لوں پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا' کمرے میں گھور اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والی کہاوت یہاں بالکل صادق آتی تھی' اس کمرے کی صورتحال پتا نہیں کیا ہو۔ اندھیرے میں چلتے ہوئے کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔

میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا' ٹانگیں آگے کو پھیلا لیں اور ہونٹ ٹٹولنے لگا۔ خون رسنا اگرچہ بند ہو گیا تھا لیکن تکلیف بدستور تھی۔

میں اس وقت کچھ سوچنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' کم بخت آچہ نے میری پٹائی میں بڑی بے رحمی سے کام لیا تھا۔ ایک دو مکے سر پر بھی لگے تھے جس سے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

اس وقت مجھے اس تاریک کمرے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لیکن میرے خیال میں اس کی پچھلی دیوار میں کوئی روشندان بھی تھا جہاں سے ہوا آ رہی تھی۔ اگر دروازہ لکڑی کا ہوتا تو بند کمرے میں گھٹن ہوتی مگر اس وینٹی لیشن کی وجہ سے گھٹن تو نہیں تھی البتہ گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ میری قمیص پسینے میں تر ہونے لگی تھی اگر بات صرف گرمی کی ہوتی تو قابل برداشت تھی مگر اس اندھیرے میں تو مجھ پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی ..... مچھر..... جو بے دردی سے میرا خون چوس رہے تھے۔ مچھروں کو مارنے کے چکر میں میں نے تھپڑ مار مار کر اپنی گردن بھی سجا لی تھی۔ ہاتھوں کی پشت کا بھی یہی حال تھا اور چہرے کا بھی۔ جسم سے چپکی ہوئی قمیص بھی ان کم بختوں کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کمپاؤنڈ میں وین کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر وہ آواز بتدریج معدوم ہوتی چلی گئی' مجھے ساتھ لانے والے یہ تو دونوں واپس چلے گئے تھے یا ان میں سے کوئی ایک رہ گیا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد راہداری کی طرف سے باتوں کی آواز سنائی دی تو اندازہ ہو گیا کہ ایک آدمی آچہ کے پاس رہ گیا تھا اور دوسرا واپس چلا گیا تھا' لیکن ان کے ایک یا دو ہونے سے فی الحال مجھ پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

وہ دونوں شاید اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ سناٹا تھا۔ روح کی گہرائیوں میں اتر جانے والا سناٹا لیکن شاید میں غلط کہہ گیا' مچھروں کی لنکار بدستور میرے کانوں میں گونج رہی تھی اور ان سے بچنے کی کوشش میں' میں اپنے آپ کو طمانچے مار رہا تھا۔

وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔ لمحے صدیاں بن کر بیت رہے تھے۔ میں دعائیں مانگتا رہا کہ جلد سے جلد رات بیت جائے لیکن نظام قدرت کسی کی خواہشات کا تابع نہیں ہوتا۔ وقت کا پہیہ تو اپنی رفتار سے چلتا ہے اس میں بھی فرق نہیں آتا۔

کسی سیانے نے ٹھیک کہا ہے کہ نیند تو پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے اور میں تو اس وقت نہ تو پھانسی کے تختے پر تھا اور نہ ہی میرے گلے میں پھندا' نیند نے آخرکار مجھے دبوچ ہی لیا اور میں دیوار کے قریب ہی گرد آلود فرش پر دراز ہو گیا۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔

آنکھوں پر چمک پڑتے ہی میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا' میرا خیال تھا کہ کسی نے میرے چہرے پر

ٹارچ کی تیز روشنی ڈالی ہے مگر وہ ٹارچ کی روشنی نہیں دھوپ کی کرنیں تھیں جو اس کمرے کی عقبی دیوار کے روشندان سے براہ راست میرے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا ایک زوردار قسم کی انگڑائی لی اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں لیکن اس وقت یہاں پانی کی بالٹی نہیں تھی وہ بعد میں آئی تھی۔

میں دو چار منٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا پھر دروازے کے قریب آ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سلاخوں کو پکڑ کر ہلانے جلانے کی کوشش کی۔ خاصا مضبوط دروازہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کمرہ عمارت کی تعمیر کے وقت سے ہی بندی خانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا تھا۔ میں نے سلاخوں سے منہ لگا کر راہداری میں جھانکنے کی کوشش کی مگر زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکا۔

میں نے کل دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا اور ان کم بختوں نے بھی رات کو یہاں مار ہی کھلائی تھی اور ظاہر ہے مار سے پیٹ نہیں بھرتا اس وقت پیٹ میں کچھ اینٹھن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''آچہ..... میراں.....''

میں زور زور سے پکارنے لگا گزشتہ رات ان کی باتوں سے مجھے دو نام معلوم ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے چھوکرے..... کیوں کھپ مچا رکھا ہے؟'' ایک منٹ بعد ہی آچہ نام کا وہ شخص دروازے کے سامنے آ گیا۔

''کچھ کھانے کو تو دو سائیں۔'' پیٹ میں آگ سی لگی ہوئی ہے تم لوگ اپنے مہمانوں کو ایسے ہی بھوکا رکھتے ہو کیا؟'' میں نے کہا۔

''خود تو نواب صاحب دس بجے تک سویا ہے اور بات ہم کو سناتا ہے۔'' آچہ نے کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ادھر بیٹھو میں ابھی تیرے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔''

آچہ واپس چلا گیا۔ میں سلاخوں سے لگا کھڑا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ دونوں واپس آ گئے دوسرا میراں تھا اس مرتبہ آچہ کے کندھے پر رائفل نظر آ رہی تھی جبکہ میراں نے پانی سے بھری بالٹی اٹھا رکھی تھی۔

آچہ نے رائفل میراں کے حوالے کر دی جس نے رائفل ہی سے مجھے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ میں روشندان والی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ آچہ نے دروازہ کھول کر رائفل خود سنبھال لی اور میراں کو اشارہ کیا۔ وہ پانی سے بھری ہوئی بالٹی اٹھا کر کمرے میں آ گیا۔ اس کی نظریں میری طرف تھیں اور آچہ نے بھی مجھے رائفل کی زد پہ لے رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں کوئی جرأت کرنے کی کوشش کروں گا لیکن میں اطمینان سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

بالٹی کمرے میں رکھ کر میراں نے اس کا ہینڈل نکال لیا اور باہر چلا گیا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ میں بالٹی کے ہینڈل کو کسی وقت ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کروں گا لیکن کمرے میں کونے میں پڑے ہوئے چونے کے پتھروں کو وہ دونوں ہی بھول گئے تھے۔ آچہ نے بڑی تیزی سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور دونوں واپس چلے گئے۔

میں مسکراتا ہوا گھڑے کی طرف بڑھ گیا۔ ہونٹوں پر جما ہوا خون صاف کیا منہ پر پانی کے دو تین چھپکے مارے اور گلاس بھر کر پی بھی لیا۔ میں نے منہ پونچھنے کیلئے پینٹ میں اڑسی ہوئی قمیص کھینچ کر باہر نکالی چہرہ نیچے جھکایا پھر ارادہ بدل دیا۔ گرد آلود فرش پر سونے سے قمیص بہت گندی ہو رہی تھی۔

اس مرتبہ ان کی واپسی میں تقریباً بیس منٹ لگ گئے۔ میراں نے گیہوں کے تنکوں سے بنی ہوئی چنگیر اٹھا رکھی تھی جس میں توے کی پکی ہوئی ایک موٹی سی روٹی اور بہت گندے پلاسٹک کے مگ میں قہوہ تھا۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ دروازے میں کھڑے ہوئے آچہ نے مجھے رائفل کی زد پہ لے رکھا تھا۔ میں گہری نظروں سے باری باری دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسی صورتحال میں کوئی پنگا لینا خودکشی کے مترادف تھا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر کوئی موقع ملا تو اسے ضائع نہیں کروں گا۔

میراں میری طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ کمرے کے اندر تک چلے آنا اس کی بہت بڑی غلطی تھی وہ چنگیر فرش پر رکھنے کیلئے جھکا۔

''اب یہ بھی نہیں۔''

میں نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا ایک نظر دروازے میں کھڑے ہوئے آچہ کی طرف دیکھا میراں نے ایک غلطی تو یہ کی تھی کہ وہ کمرے کے وسط تک چلا آیا تھا اور دوسری اس سے بھی بڑی غلطی یہ کی تھی کہ میرے اور آچہ کے درمیان آ گیا تھا اور میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جھکتے ہوئے میراں کی طرف چھلانگ لگا دی۔

میں نے میراں پر چھلانگ اس طرح لگائی تھی کہ گرفت میں لیتے ہوئے اسے اپنے سامنے ہی رکھا تھا۔ چنگیر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ قہوے کا مگ الٹ گیا مگر میراں میری آہنی گرفت میں آ چکا تھا۔ میں اگرچہ اس کے پیچھے تھا مگر میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں چیخا بھی تھا۔

''آچہ..... اگر تم میراں کی زندگی چاہتے ہو تو رائفل پھینک دو۔ ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔''

''تیری تو.....''

آچہ کے منہ سے غلیظ گالیوں کا فوارہ ابل پڑا وہ میری ماں، بہنوں اور خاندان بھر کی خواتین سے زبانی طور پر غیر اخلاقی رشتے جوڑ رہا تھا۔ پھر وہ بھی آگے لپکا تھا میراں اگرچہ قد کاٹھ میں مجھ سے زیادہ تھا مگر میرے شکنجے میں آ چکا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور اسے اپنی ڈھال بنائے ہوئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کے گلے پر میری گرفت خاصی مضبوط تھی۔

آچہ نے مجھے ڈرانے کیلئے چھت کی طرف رائفل کا برسٹ مار دیا لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوا۔ وہ گالیاں بکتا ہوا قریب آ گیا اور رائفل کے بٹ سے مجھے ضرب لگانے کی کوشش کی مگر میں نے بڑی تیزی

سے میراں کو آگے کر دیا۔ رائفل کا بٹ میراں کے پہلو میں لگا اور وہ بلبلا اٹھا۔ دوسرے وار سے بچنے کیلئے بھی میں نے میراں ہی کو ڈھال بنایا تھا۔ اس مرتبہ میراں کے منہ سے بہت غلیظ قسم کی گالی نکل گئی تھی۔

دوسری چوٹ کھا کر میراں بری طرح مچلا تھا۔ اسی طرح اس کے گلے پر میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ میری کلائیوں پر رکھ کر زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی گردن میری گرفت سے نکل گئی لیکن اس نے جو دوسری حرکت کی تھی وہ خاصی خطرناک تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ کر انگوٹھے دونوں طرف ہنسلی کی ہڈیوں کے قریب رکھ دیے اور پوری قوت سے دباؤ ڈالنے لگا۔

میں اپنے آپ کو لڑائی بھڑائی کا بڑا ماہر سمجھتا تھا لیکن اس کم بخت میراں نے ایسا داؤ لگایا تھا کہ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں اس کی کلائیوں پر گرفت جمائے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت مجھے میراں کے چہرے پر بے پناہ درندگی نظر آئی تھی۔ لگتا تھا وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میرے پاس اب بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے گھٹنا پوری قوت سے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں مار دیا۔ اس نے بلبلاتے ہوئے نہ صرف میری گردن چھوڑ دی بلکہ دونوں ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں رکھتا ہوا دوہرا ہو گیا' میرے گھٹنے کی دوسری ضرب اس کے جھکے ہوئے چہرے پر لگی وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔

میراں کے الگ ہو جانے سے آچھو کو مجھ پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے رائفل کے بٹ سے میرے کندھے پر وار کیا' میں اس وقت دیوار سے ہٹ چکا تھا۔ رائفل کا بٹ میرے شانے پر لگا۔ میں لڑکھڑا کر ایک طرف ہٹا لیکن اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا' آچھو نے دوسرا وار کرنا چاہا تو میں نے رائفل پکڑ لی۔ اب ہم دونوں میں رائفل کیلئے کشمکش ہو رہی تھی۔ اس کا بٹ میرے ہاتھ میں تھا اور نالی آچھو کی گرفت میں تھی۔ میں نے ٹریگر دبا دیا۔ کمرا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا۔ رائفل کی نالی آچھو کی بغل سے پیچھے کو نکلی ہوئی تھی۔ گولیاں اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر سامنے والی دیوار کو ادھیڑنے لگیں۔ آچھو کے منہ سے نکلنے والی گالیوں کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ اسے اپنی مادری زبان میں جتنی گالیاں یاد تھیں رائفل کی گولیوں کی طرح اس کے منہ سے نکل رہی تھیں۔

اس دوران میراں بھی سنبھل چکا تھا۔ اس نے میری پشت پر پہنچ کر دو ہتڑ میری گردن پر رسید کر دیا۔ میں کراہتا ہوا منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ رائفل کا بٹ بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا وہ دونوں مجھ پر پل پڑے۔ گھونسے اور ٹھوکریں میرے جسم کے ہر حصے کی مزاج پرسی کرنے لگیں۔

وہ دونوں گینڈوں کی طرح طاقتور تھے ان کے گھونسوں اور ٹھوکروں میں بڑی جان تھی۔ مجھے ادھ موا کر کے چھوڑ دیا اور دونوں تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ آچھو نے بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا تھا۔ اس کے منہ سے اب بھی گندی گالیوں کا طوفان امڈ رہا تھا' آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی لیکن ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وہ دونوں بری طرح ہانپنے لگے تھے۔ اگر لڑائی چند منٹ اور جاری رہتی تو میں ان دونوں کو ڈھیر کر دیتا۔

"آچھو۔" میں چیختا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ "میرے جسم پر جتنی چوٹیں لگی ہیں مجھے یاد ہیں تم بھی یاد رکھنا' یہاں سے جانے سے پہلے ایک ایک چوٹ کا حساب لوں گا تم سے۔ کہیں چھوڑوں گا۔"

مجھے لپکتے دیکھ کر وہ دونوں دروازے سے کئی قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔ آچھو نے رائفل تان لی اور خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔

"اگر رئیس قبو کا ڈر نہ ہوتا تو اس رائفل کی ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دیتا' اب بیٹھ کر اپنی چوٹیں سہلاتے رہو' اگر ضرورت پڑی تو کسی وقت تمہاری اور خدمت کر دوں گا۔"

"خدمت تو اب میں تمہاری کروں گا۔" میں نے بھی چیخ کر کہا۔

وہ دونوں گالیاں بکتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ میں کچھ دیر تک دروازے کی سلاخیں پکڑے کھڑا رہا اور پھر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ کم بختوں نے بڑی زوردار مار لگائی تھی۔ مجھ سے بھی اندازے کی ذرا سی غلطی ہوئی تھی لیکن اس غلطی کا یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اگر مجھے موقع ملا تو انہیں اس طرح ہاتھ پیر چلانے نہیں دوں گا۔

میں دیر تک اپنی چوٹیں سہلاتا رہا۔ پیٹ میں ایک بار پھر اینٹھن سی ہونے لگی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا روٹی والی چنگیر فرش پر پڑی تھی میں نے آگے بڑھ کر روٹی اٹھا لی اور اس پر لگی ہوئی گرد جھاڑنے کے بعد ایک نوالہ توڑ کر منہ میں ڈالا۔ ہلکی سی کرکراہٹ اٹھی لیکن نمک والی یہ روٹی بہت مزہ دے رہی تھی۔ جب پیٹ خالی ہو تو ہر چیز مزہ دیتی ہے۔

روٹی کھا کر میں نے گلاس بھر پانی پیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ روشندان سے آنے والی دھوپ غائب ہو چکی تھی جس سے کمرے میں اندھیرا سا ہو گیا تھا۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ لوگ کون تھے اور مجھے یہاں کیوں لائے تھے۔ آچھو نے کسی رئیس قبو خان کا نام لیا تھا اور غالباً اس کے کہنے پر مجھے یہاں لایا گیا تھا' مگر یہ رئیس قبو کون تھا مجھ سے اس کی کیا دشمنی تھی جو مجھے یہاں ویرانے میں اس قید خانے میں لا کر ڈال دیا گیا تھا۔

دوپہر کے وقت پیٹ میں مروڑ سا اٹھنے لگا۔ میں دروازے کی سلاخوں کو جھنجھوڑتے ہوئے آچھو اور میراں کو آوازیں دینے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد میراں دروازے کے سامنے نمودار ہوا' اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"کیوں چیخ رہے ہو' ماں مر گئی ہے کیا!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔

"ماں تو بہت عرصہ پہلے مر گئی تھی۔ اس وقت تو میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا ہے مجھے تھوڑی دیر کیلئے یہاں سے باہر نکالو۔" میں نے کہا۔

"پاگل ہوا ہے کیا یا ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو تمہیں باہر نکالیں۔" میراں نے گھورتے ہوئے کہا۔ "وہ گھڑا ہے نا۔" اس نے کمرے کے کونے کی طرف اشارہ کیا۔ "جو کچھ کرنا ہے وہیں پر کرو۔ سمجھے۔"

وہ مزید کچھ کہے بغیر واپس چلا گیا' میں دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر مڑ کر کمرے کی طرف

دیکھا اور آخر کار مجھے وہ کھرا ہی استعمال کرنا پڑا تھا۔ بعد میں ڈھیر سارا پانی بہا دینے کے باوجود بو سے مرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

اس روز دوپہر اور رات کو بھی مجھے کھانے کو کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ وہ رات بھی میرے لیے خاصی اذیت ناک ثابت ہوئی تھی۔ جسم کے مختلف حصوں میں درد کی لہریں اٹھتی رہیں اور میں رات بھر بے چین رہا۔

صبح آنکھ کھلی تو کمرے میں روشندان سے آنے والی دھوپ چمک رہی تھی' دروازے کے قریب ہی ایک چنگیر رکھی ہوئی تھی جس میں قہوے کا مگا اور ایک روٹی تھی۔ میرا خیال ہے وہ لوگ دروازہ کھولے بغیر میرا یہ کھانا یا ناشتہ یہاں رکھ گئے تھے۔ دوسری چنگیر اور مگا بھی کمرے ہی میں پڑے ہوئے تھے' میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا' میں اگرچہ بے خبر سو رہا تھا لیکن وہ کمرے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور چنگیر اٹھا کر اپنی جگہ آ گیا۔ قہوہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔
ناشتہ کرنے کے بعد میں نے دونوں چنگیریں اور دونوں مگے دروازے کی سلاخوں سے نکال کر باہر رکھ دیے اور خود بھی دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ کبھی ان دونوں میں سے کسی کی آواز سنائی دے جاتی لیکن اس طرف کوئی نہیں آیا تھا' چنگیریں اور مگے بھی سارا دن وہیں پڑے رہے۔
شام سے ذرا پہلے مجھے کھانے کیلئے صرف ایک روٹی دی گئی۔ موٹی موٹی یہ روٹیاں غالباً آچر ہی پکاتا تھا۔ سالن وغیرہ کا شاید یہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ مجھے اس کوٹھری میں قید ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور ان تین دنوں کے دوران ان دونوں میں سے کوئی بھی کمرے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ایک تجربہ ہو جانے کے بعد وہ لوگ کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں تھے اور ان تین دنوں میں میری اپنی حالت بہت ابتر ہو چکی تھی۔ مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔

وہ چوتھے دن کی شام تھی کھانے میں مجھے حسب معمول وہی ایک نمکین روٹی دی گئی تھی۔ میں اس وقت کمرے کی تاریکی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا مچھروں کو مارنے کی کوشش میں اپنے آپ کو طمانچے مار رہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر چونک گیا۔ گاڑی کا انجن ایک مرتبہ غرا کر بند ہو گیا تھا۔ دو تین آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ وہ لوگ سندھی زبان میں باتیں کر رہے تھے' کوئی لفظ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ ان کا تیسرا ساتھی تھا جو اس روز مجھے یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد راہداری میں روشنی دکھائی دی جو لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی گئی قدموں کی آواز سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ دو سے زیادہ آدمی تھے۔ صرف ایک منٹ بعد وہ دروازے کے سامنے پہنچ گئے' میرا اندازہ درست نکلا وہ تین تھے۔ آچر' میراں اور تیسرا نیا چہرہ تھا۔ میراں کے ایک ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے میں لالٹین تھی' آچر کی رائفل اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں کی رنگ تھا۔ تیسرے کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی۔ میرا خیال تھا وہ لوگ مجھے اس کوٹھری سے باہر نکالیں گے' میراں نے چابی والا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا لیکن تیسرے آدمی نے اسے روک دیا۔ وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا

تھا۔ اس کا حلیہ بھی انہی جیسا تھا اور آنکھوں میں بھی سرخی تھی۔ وہ دروازے کے سامنے کھڑے اپنی زبان میں باتیں کرتے رہے۔ میں ان کی گفتگو کا مطلب تو نہیں سمجھ سکا لیکن باتوں سے تیسرے آدمی کا نام معلوم ہو گیا تھا وہ مقدم تھا۔
کچھ دیر بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ میرے سر میں اس وقت بڑی شدت کا درد ہو رہا تھا۔ میں نے دونوں بازو گھٹنوں پر رکھے اور ان پر سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔
مجھے نہیں معلوم کب دروازہ کھلا اور کب وہ لوگ اندر آئے مگر میرے پہلو میں لگنے والی وہ ٹھوکر بڑی زوردار تھی۔ میں چلبلا تا ہوا الٹ گیا۔ سنبھلنے سے پہلے ہی ایک اور ٹھوکر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی آچر کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔
''چلو اٹھو مگر خیال رکھنا اب کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو اس رائفل کی ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔'' اس کی رائفل کا رخ میری طرف تھا۔ مجھے ٹھوکر بھی اسی نے ماری تھی۔
''آچر......'' میں نے اٹھتے ہوئے دانت کچکچائے۔ ''تم اپنے لیے مشکلیں پیدا کر رہے ہو۔ مجھے کسی نہ کسی وقت موقع ضرور ملے گا' اور پھر میں ایک ایک چوٹ کا بدلہ لوں گا۔''
''دماغ تو دیکھو حرامی کا۔'' آچر نے ایک اور ٹھوکر ماری۔ ''مار کھا رہا ہے اور دھمکیاں بھی دے رہا ہے۔''
''موقع ملتے ہی میں ان دھمکیوں پر عمل بھی کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔
مقدم اور میراں نے بھی مجھے اپنے ہتھیاروں کی زد میں لے رکھا تھا۔ لالٹین دروازے کے باہر پڑی ہوئی تھی۔ وہ تینوں مجھے رائفلوں کی زد پر کمرے سے باہر لے آئے' میراں نے لالٹین اٹھا لی۔ آچر مجھے بار بار ٹھوکریں مار رہا تھا' شاید کوئی نفسیاتی گرہ تھی اسے نہتے اور بے بس لوگوں پر ہاتھ اٹھانے کا شوق تھا اور میں وثوق سے کہہ سکتا تھا اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو دو چار ہاتھ کھانے کے بعد ہی قدموں پر گر کر زندگی کی بھیک مانگنے لگے گا۔
وہ لوگ مجھے کمپاؤنڈ میں لے آئے۔ دوسرے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا تھا کمرے کا دروازہ بند تھا اور تالا لگا ہوا تھا۔ کمپاؤنڈ میں بغیر ہڈ والی ایک جیپ کھڑی تھی' اس کے پچھلے حصے میں آمنے سامنے دو لمبی سیٹیں تھیں۔ ان سیٹوں اور ڈرائیونگ سیٹ کے درمیان اوپر ایک پائپ لگا ہوا تھا جس میں سرچ لائٹ کی طرح کی دو لائٹیں نصب تھیں۔ اس پائپ سے دو پائپ پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے۔
مجھے پیچھے والی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ میرے بائیں ہاتھ میں ہتھکڑی لگا دی گئی۔ ہتھکڑی کا دوسرا حصہ پائپ سے لگا دیا گیا تھا۔ ہتھکڑی کی چابی آچر نے اپنی جیب میں ڈال لی۔ میراں میرے سامنے والی سیٹ پر ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اس نے لالٹین بجھا کر قریب ہی ایک شکستہ دیوار پر رکھ دی تھی۔ مقدم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور آچر پنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن سٹارٹ ہوا اور جیپ عمارت کے کمپاؤنڈ سے نکل کر ویرانے میں دوڑنے لگی۔

جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے تاحد نگاہ ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔ یہ ریت سخت تھی اور کہیں کہیں جھاڑیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

میراں ریوالور سنبھالے بہت محتاط انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہتھکڑی لگنے کے بعد میں اگرچہ بے بس ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود وہ میری طرف سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

ہمارا سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ اس دوران صرف دو مرتبہ بہت دور کچھ روشنیاں ٹمٹماتی دکھائی دی تھیں۔ وہ یقیناً کوئی چھوٹی بستیاں تھیں مگر ہماری جیپ ان سے دور ہی سے نکل گئی تھی۔

چھوٹی جھاڑیوں کی جگہ اب راستے کے دونوں طرف کیکر کے جھنڈ نظر آ رہے تھے جو بتدریج گنجان ہوتے چلے گئے۔ یہ کیکر کا جنگل تھا۔ راستہ درختوں میں بل کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ جیپ کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی۔

آخر کار کیکر کا یہ جنگل ختم ہو گیا۔ اس سے آگے زرعی علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے مگر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان کھیتوں میں فصلیں کونسی تھیں۔ البتہ یہ بات ضرور تھی کہ ان کھیتوں کی وجہ سے فضا میں کچھ خنکی سی آ گئی تھی جو بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

ابھی کھیتوں میں کافی دور ایک مدھم سی روشنی ٹمٹماتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور ہماری جیپ کا رخ اسی طرف تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد جیپ ایک کچے مکان کے سامنے رک گئی۔ یہاں پہلے سے سرخی رنگ کی ایک شاندار پجیرو کھڑی تھی۔ اس مکان کے اطراف میں درختوں کی بہتات تھی۔ جیپ رکی تو کسی طرف سے بھینس کی ڈکرانے کی آواز سنائی دی۔

مقدم نے ابھی انجن بند نہیں کیا تھا کہ دو آدمی دائیں بائیں درختوں سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ ان کے حلیے بھی آچر اور میراں سے مختلف نہیں تھے۔ مقدم نے انجن بند کر کے ہیڈ لیمپ بھی بجھا دیئے اور وہ تینوں نیچے اتر گئے۔

''رئیس قمو کہاں ہے؟'' مقدم نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''رئیس اندر بیٹھا ہے۔ تمہارے استقبال کیلئے یہاں تو نہیں کھڑا ہوگا۔'' ان میں سے ایک نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''قیدی کا خیال رکھنا۔'' مقدم نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس آدمی سے کہا۔ ''میں رئیس سے بات کر کے آتا ہوں۔''

''تم یہیں رک جاؤ' میں پہلے رئیس کو خبر تو کر دوں۔'' اس شخص نے مقدم کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور خود مکان کے دروازے میں داخل ہو گیا۔

مکان کے دروازے پر بلب جل رہا تھا۔ اسی کی روشنی ہمیں دور سے دکھائی دی تھی۔ میں نے مقدم کی طرف دیکھا اس شخص کے رویے سے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے' وہ بڑبڑاتا ہوا منہ ہو کر آچر اور میراں سے باتیں کرنے لگا' ان کی یہ حرکت دیکھ کر نجانے کیوں میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

مکان کے دائیں طرف شاید مویشیوں کا باڑہ تھا' بھینس کے ڈکرانے کی آواز بھی اسی طرف سے آئی تھی اور ہوا کے ساتھ گوبر کی ناگوار بو بھی آ رہی تھی۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کسی سندھی وڈیرے کا ڈیرا تھا۔ پجیرو جیسی شاندار اور قیمتی گاڑیاں انہی وڈیروں اور جاگیرداروں کے پاس زیادہ نظر آتی ہیں' یہ لوگ غریب کسانوں کا خون چوس چوس کر جس طرح دولت سمیٹتے ہیں اس کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں۔ کڑاکے کی سردی اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں زمین کا سینہ چیر کر اناج پیدا کرنے والے کسان اور ہاری تو نان شبینہ تک کو محتاج رہتے ہیں اور یہ وڈیرے اور جاگیردار عیش کرتے ہیں۔

لیکن مجھے یہاں کیوں لایا گیا تھا؟ اس سوال کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا سندھ میں وڈیروں کی پرائیویٹ جیلوں کے چرچے عام تھے' یہاں ہاریوں سے دن بھر کھیتوں میں بیگار لی جاتی تھی اور شام ہوتے ہی انہیں جیل میں بند کر دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی طرح مزدوروں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ مجھ جیسے بچے کے اور جوان آدمی مختلف علاقوں سے اغوا کر کے لائے جاتے تھے اور یہاں ان سے غلاموں جیسا سلوک ہی کیا جاتا تھا اور ان کی نجات مرنے کے بعد ہی ہوتی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں مجھے بھی تو اس لیے یہاں نہیں لایا گیا کہ رئیس قمو سے میرے پیسے کھرے کر لیے جائیں۔

وہ آدمی تقریباً پانچ منٹ بعد باہر آیا۔ اس نے آچر وغیرہ کو اشارہ کیا تو وہ تینوں اندر چلے گئے اس کے تقریباً دس منٹ بعد آچر مکان سے باہر آیا۔ اس نے دونوں آدمیوں سے کچھ کہا' جنہوں نے مجھے رائفلوں کی زد پر لے لیا اور آچر نے میری ہتھکڑی کھول دی۔

مکان کے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کھیتوں میں واقع اس کچے مکان کا کمرہ اندر سے اتنا شاندار ہوگا۔ وینز قالین' ایک طرف کنگ سائز ڈبل بیڈ جس پر ہلکے نیلے رنگ کی ملگجی سی چادر بچھی ہوئی تھی اس کے سامنے آرام دہ اور قیمتی صوفے ایک کونے میں سفید فارمیکا کی خوبصورت الماری' اس کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل اور ایک طرف خوبصورت ٹرالی پر رنگین ٹی وی اور نیچے حصے میں وی سی آر رکھا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت فریموں میں عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں آویزاں تھیں۔ بہت شاندار کمرہ تھا۔ ہر چیز شاندار تھی اور ان میں سب سے زیادہ شاندار چیز تھی جو ایک صوفے پر نظر آ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر بھارتی اداکارہ مادھوری کا تصور ذہن میں ابھر آیا مگر وہ مادھوری سے زیادہ حسین تھی اور صوفے پر اس کے بیٹھنے کا انداز اس سے بھی زیادہ حسین تھا۔ اس نے گلابی رنگ کا شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ ایک گھٹنا بچھا ہوا سا تھا اور دوسرا اٹھا ہوا' لباس ذرا سا سرکا ہوا تھا اور اس کے اندر کچھ گداز پنڈلیاں کی جھلک رہی تھیں' وہ ناخنوں پر پالش کر رہی تھی' اس نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر دوسرا گھٹنا بھی نیچے کر لیا۔

دوسرے صوفے پر رئیس قمو خان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چھ فٹ قد کا مالک گورا چٹا آدمی تھا۔ کلین شیو لگتا تھا تھوڑی دیر پہلے ہی شیو کیا ہوا اس نے کریم رنگ کا سفاری سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ گہری نظروں سے

میری طرف دیکھتا رہا پھر آچر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا حلیہ بنا رکھا ہے اس کا مار اپیٹا تھا کیا؟"

"اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی رئیس۔" آچر نے جواب دیا۔ "میراں پر حملہ کر دیا تھا اگر میں نہ بچاتا تو یہ اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ تھوڑی بہت سزا تو دینی ہی پڑی تھی رئیس۔ بڑا غضب ناک ہے یہ چھوکرا۔"

"کوئی دانہ پانی بھی دیا ہے یا بھوکا رکھا ہوا تھا۔" رئیس قبو نے پوچھا۔

"شام کو پانی دیا تھا رئیس۔" آچر نے جواب دیا۔

"روشن۔" رئیس قبو نے ایک آدمی کی طرف دیکھا۔

"جی سائیں۔" اس نے فوراً ہی رئیس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"اس کو غسل خانہ دکھاؤ اور بنگال کا کپڑوں کا ایک جوڑا بھی دے دو میرا خیال ہے اس کی پینٹ اسے پوری آ جائے گی۔" رئیس قبو نے کہا اور آچر وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ باہر جا کر بیٹھو ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جانا ہے تمہیں۔"

"جی سائیں۔" آچر وغیرہ نے بھی ہاتھ جوڑ دیے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

روشن نے رائفل سے مجھے اشارہ کیا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے ایک بار پھر صوفے پر بیٹھی ہوئی اس قیامت کی طرف دیکھا۔

یہ مکان اندر سے خاصا بڑا تھا۔ تین چار کشادہ کمرے تھے۔ روشن مجھے جس کمرے میں لے کر آیا وہ بھی پہلے کمرے سے زیادہ مختلف نہیں تھا البتہ اس کی دیواروں پر برہنہ تصویریں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اس کمرے میں داخل ہونے سے پہلے روشن نے آواز دے کر اپنے دوسرے ساتھی کو بھی بلا لیا تھا۔ وہ مجھے رائفل کی زد پر لیے کھڑا رہا اور روشن الماری کھول کر اس میں ٹنگے ہوئے کپڑے ٹٹولنے لگا۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک پینٹ اور اسی رنگ کی ٹی شرٹ نکال کر میری طرف اچھال دی۔ غالباً یہی کپڑے سب سے زیادہ استعمال شدہ تھے۔

وہ مجھے کمرے سے نکال کر مکان کے عقبی صحن میں لے آئے جہاں ایک طرف غسل خانہ بنا ہوا تھا۔ روشن نے بتی جلا دی اور مجھے اشارہ کیا میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

میری حالت دیکھ کر دوسروں کو بھی کراہت محسوس ہوتی ہو گی اور شاید اس لیے رئیس قبو نے مجھے نہانے اور کپڑے بدلنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے بھی کئی روز بعد نہانے کا موقع ملا تھا اور میں نے غسل خانے میں رکھا ہوا پورا ڈرم خالی کر دیا۔

وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے آئے یہ کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا اور اس میں خالص دیہاتی قسم کا خوبصورت فرنیچر آراستہ تھا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو روشن چیخ کر بولا۔

"نیچے بیٹھو نواب کا بچہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔"

میں قالین پر بیٹھ گیا' روشن کے اشارے پر دوسرا آدمی باہر چلا گیا اور روشن رائفل تانے دروازے میں کھڑا رہا۔ چند منٹ بعد وہ آدمی میرے لیے کھانا لے کر آ گیا' بھنی ہوئی مرغی کا بچا کھچا سالن تھا اور ڈھائی روٹیاں تھیں۔ بہرحال میں نے اس کھانے کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا' کھانے کے بعد مجھے گرم گرم چائے بھی پلائی گئی۔

ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہاں سے بھاگنے کا خیال بھی آیا تھا اگر میں ذرا سی ذہانت سے کام لیتا تو میری کوشش کامیاب بھی ہو سکتی تھی لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی میرے سامنے تھا' یہ ان کا علاقہ تھا۔ شکاری کتوں کی طرح میرا پیچھا کریں گے اور یا تو مجھے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے یا میں دوبارہ پکڑا جاؤں گا' میں نے بھاگنے کا خیال ذہن سے نکال دیا ویسے بھی ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ مجھے کہیں اور بھیجا جانے والا تھا۔

اس کمرے کی ایک دیوار پر کوریڈ کلاک بھی لگا ہوا تھا جس کی سوئیاں ساڑھے بارہ کا وقت بتا رہی تھیں۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ کونسا علاقہ ہے لیکن قرائن بتا رہے تھے کہ رات کا بقایا حصہ بھی سفر کرتے ہوئے ہی گزرے گا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب مجھے مکان سے باہر لے آیا گیا' رئیس قبو ان لوگوں کے ساتھ جیپ کے قریب کھڑا تھا اور اس کے ساتھ اس قیامت کو دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ سکون ورشی جینز کی ہلکے نیلے رنگ کی پینٹ اور سفید اوپن شرٹ میں وہ قیامت ہی لگ رہی تھی۔ قمیص کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ وہ ہوش اڑا دینے والا منظر دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسی وقت اس نے بھی گہری نظروں سے میری طرف دیکھا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ رئیس قبو کے ساتھ حویلی میں جائے گی لیکن جب وہ جیپ کی پسنجر سیٹ پر بیٹھی تو میرے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو گئی کہ یہ بھی وہیں جا رہی تھی جہاں مجھے لے جایا جا رہا تھا۔

مجھے ایک بار پھر ہتھکڑی لگا دی گئی۔ سٹیئرنگ مقدم نے سنبھال لیا تھا اور آچر اور میراں میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ میراں ذرا سائیڈ میں تھا اور آچر میرے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔

"تم لوگ کونسا راستہ پکڑو گے؟" رئیس قبو نے مقدم سے پوچھا۔

"ننگر پارکر والا وڈیرا سائیں۔" مقدم نے جواب دیا۔ "سلیمان شاہ بھی تو راستے میں ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔ اسے ساتھ لے کر ہم گھاٹیوں کی طرف نکل جائیں گے۔"

"گھاٹیوں کی طرف مت جانا' سوئی گام کا رخ بھی مت کرنا' دلدلی علاقے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے کدالیا کی طرف نکل جانا' وہ راستہ زیادہ محفوظ ہو گا۔" رئیس قبو نے کہا۔

"جی سائیں۔" مقدم نے جواب دیا۔

جیپ حرکت میں آ گئی اور رات کی تاریکی اور ویرانے میں ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ کچے راستوں سے نکل کر ہم پختہ سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک ویراواہ سے ہوتی ننگر پارکر کی طرف چلی گئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ لوگ مجھے سرحد پار لے جانا چاہتے تھے۔ میں نے ابھی تک ان

میں نے کسی سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ لوگ مجھے اس طرح اغوا کر کے سرحد پار کیوں لے جا رہے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد سامنے اونچی ہوتی ہی کچھ روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ وہ نگر پارکر نام کا چھوٹا سا شہر تھا لیکن جیپ اس طرف جانے کے بجائے پختہ سڑک سے اتر کر کچے راستے پر اتر گئی اور شہر کے دور ہی سے ہوتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ مزید چلنے کے بعد مقدم نے جیپ روک لی۔ دو مرتبہ ہیڈ لیمپس سے سگنل دے کر بجھا دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی جھاڑیوں سے نکل کر جیپ کے قریب آ گیا۔ وہ سلیمان شاہ تھا جو نجانے کب سے یہاں کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی جیپ حرکت میں آ گئی۔ اس مرتبہ مقدم نے ہیڈ لیمپس نہیں جلائے تھے اور راستہ بھی تبدیل کر لیا تھا۔

"صورتحال کیا ہے؟" مقدم نے پیچھے مڑ کر سلیمان شاہ سے پوچھا جو میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہے رفتار بڑھا دو۔" سلیمان شاہ نے جواب دیا۔

مقدم نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ سخت اور جمی ہوئی ریت تھی۔ راستہ بہرحال ناہموار تھا جس سے جیپ اچھل رہی تھی اور زوردار جھٹکے لگ رہے تھے۔ میں نے ہتھکڑی والے ہاتھ سے پائپ کو بھی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے ٹیلے شروع ہو گئے۔ تاریکی میں بہت دور پہاڑیوں کے تاریک سے ہیولے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ جیپ ان ٹیلوں کے گرد چکراتی دوڑتی رہی اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ اس وقت چار بج رہے تھے۔

سلیمان شاہ چھلانگ لگا کر پچھلی سیٹ سے اترا اور ڈرائیونگ سائیڈ پر مقدم کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس کے اشارے پر مقدم نے انجن بند کر دیا اور وہ دونوں کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگے۔

دس منٹ گزر گئے ہر طرف ویرانہ اور سناٹا تھا کہیں سے کوئی معمولی سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی اور پھر گھوں گھوں کی آواز سن کر میں بھی چونک گیا وہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی اور غالباً جیپ تھی ایسے علاقوں میں فور وہیل ڈرائیو جیپ ہی چل سکتی تھی۔ آواز لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جا رہی تھی اور پھر یوں لگا جیسے وہ گاڑی ہمارے سامنے والے ٹیلے کی دوسری طرف سے گزری ہو۔

سلیمان شاہ اس گاڑی کی آواز قریب آنے سے پہلے ہی ٹیلے پر چلا گیا تھا اور پھر گاڑی کی وہ آواز رفتہ رفتہ دور ہوتی چلی گئی۔ سلیمان شاہ دوڑتا ہوا ٹیلے سے اتر آیا۔

"نکل جاؤ۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس وقت راستہ بالکل صاف ہے جیپ کو جتنی تیز چلا سکتے ہو چلا کر نکل جاؤ۔"

مقدم نے ایک زوردار جھٹکے سے جیپ کو آگے بڑھا دیا۔ سلیمان شاہ وہیں رہ گیا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ دو تین گھنٹوں میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔

جیپ ٹیلے کے اوپر سے گھوم کر تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ یہ راستہ زیادہ ناہموار تھا۔ بڑے زبردست جھٹکے لگ رہے تھے میں دو مرتبہ اپنی سیٹ سے گرا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک جیپ اسی طرح دوڑتی رہی اور پھر اس کی رفتار کم ہو گئی۔ ان سب نے اطمینان کے سانس لیے تھے۔

رات انتقام پذیر تھی۔ خطرناک زون سے نکل آنے کے بعد وہ سب ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ رات کے ابتدائی حصے میں اگرچہ مجھے بڑے زور کی نیند آ رہی تھی لیکن اب نیند کا کوسوں دور تک نام و نشان تک نہیں تھا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے میراں اور آچو بار بار اونگھ رہے تھے۔ انہیں اس طرح اونگھتے دیکھ کر میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا اور میں نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے آگے دیکھا وہ خوبصورت حسینہ مقدم سے باتیں کر رہی تھی۔ میں کن انکھیوں سے میراں اور آچو کی طرف دیکھنے لگا۔ میراں اگلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ آچو سیٹ پر قدرے پیچھے کی طرف جھکا بیٹھا تھا۔ اس کی کلاشنکوف گود میں تھی۔ ایک ہاتھ کلاشنکوف پر تھا اور دوسرے ہاتھ سے کندھے کے قریب پائپ کو پکڑ رکھا تھا۔

میرا ایک ہاتھ پائپ سے ہتھکڑی میں تھا اور دوسرا آزاد تھا۔ میں نے کن آنکھوں سے ایک بار پھر صورتحال کا جائزہ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرنے سے پہلے میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ آچو میری طرف دیکھ رہا تھا۔ دو منٹ بعد میں نے ایک آنکھ میں ذرا سی جھری پیدا کر کے دیکھا آچو کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں وہ اونگھنے لگا تھا۔ میں بہت محتاط انداز میں سیٹ پر آہستہ آہستہ آگے کی طرف کھسکنے لگا۔ میرا انداز ایسا ہی تھا جیسے جھٹکے لگنے کی وجہ سے سیٹ پر ٹکنا مشکل ہو رہا ہو۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا تو یہ لوگ مجھے اس قدر ماریں گے کہ پچھلی ساری مار بھول جاؤں گا۔

اونگھنے کے انداز میں میری گردن نیچے جھک گئی اور جب میں نے ہاتھ آچو کی گود میں رکھی ہوئی رائفل کی طرف بڑھایا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں شاید اس کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے سے خبردار کر دیا تھا۔ میرا ہاتھ اپنی رائفل کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے بڑی پھرتی سے رائفل سنبھالنے اور سیدھا ہونے کی کوشش کی لیکن میں اس سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ رائفل ہاتھ میں آتے ہی میں بڑی تیزی سے سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آچو چیختا ہوا میری طرف جھپٹا مگر میرے پیر کی زوردار ٹھوکر سے وہ اپنی سیٹ پر الٹ گیا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر میراں بھی ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

میں اس دوران رائفل دونوں ہاتھوں میں سنبھال چکا تھا۔ اس کا رخ میراں کی طرف کر کے میں نے ٹریگر دبانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ بیک وقت کئی گولیاں شور مچاتی ہوئی میراں کے سینے اور پیٹ میں پیوست ہو گئیں اور وہ سیٹ سے اچھل کر اوندھے منہ فرنٹ بورڈ پر گرا۔

مقدم نے فوراً ہی جیپ روک لی۔ وہ سیٹ کے ساتھ رکھی ہوئی اپنی رائفل اٹھانا چاہتا تھا لیکن میری رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی حسینہ کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی سیٹ پر [illegible] سی ہو گئی۔

میں نے پھرتی سے گھوم کر آچو کو رائفل کی زد پر لے لیا۔ اپنے دو ساتھیوں کو گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھ کر وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا تھا۔

"آچو" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ تم سے اپنی چوٹوں کا حساب ضرور لوں گا اور اب حساب کا وقت آ گیا۔"

"مجھے معاف کر دو سائیں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ "میرا باپ مجھے معاف کر دے سائیں تیرے پاؤں پکڑتا ہوں۔" وہ جیسے ہی آگے جھکا میں نے اس کے منہ پر زوردار ٹھوکر مار دی وہ چیختا ہوا دوبارہ اپنی سیٹ پر گر گیا۔

"جیب سے ہتھکڑی کی چابی نکال کر اس چھوکری کو دو۔" میں نے کہا اور پھر اس حسینہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "او چھوری اس سے چابی لے کر جیپ سے ہٹو اور اس طرف آ کر میری ہتھکڑی کھولو۔"

وہ لڑکی سیدھی ہو گئی۔ آچو نے سیٹ کے اوپر سے ہی چابی اس کی طرف بڑھا دی تھی وہ نیچے اتر آئی اور جیپ کے اوپر سے گھوم کر میری طرف آ گئی اور ہتھکڑی میں چابی لگانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ میں نے آچو کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا مجھے ڈر تھا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے مگر میرا اندیشہ بے بنیاد ہی نکلا وہ سیٹ پر بیٹھا تھر تھر کانپتا اور معافی مانگتا رہا۔

ہتھکڑی کھلنے میں دو منٹ لگ گئے۔ میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور آچو کو زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

"نیچے اترو۔"

"مجھے معاف کر دو...... میں...... میں......"

میں نے اسے ایک اور ٹھوکر مار دی۔ میں جانتا ہوں کہ ظالم ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے اسے ذرا بھی رحم نہیں آتا مگر جب اپنی باری آتی ہے تو گڑگڑانے لگتا ہے اور رحم کی بھیک مانگنے لگتا ہے۔

"میں تو تمہیں بہت دلیر سمجھتا تھا لیکن تم تو بزدل نکلے۔" میں نے اسے دھکا دے کر جیپ سے نیچے گرا دیا۔ "جب تم نے اور میراں نے میری دھلائی کی تھی تو میں نے تو تم سے معافی نہیں مانگی تھی اب تم کیوں رحم کی بھیک مانگ رہے ہو تمہیں کم از کم اپنی مونچھوں کی تو لاج رکھنی چاہئے چلو اٹھو۔ مجھے تم سے اپنا حساب لینا ہے۔"

آچو اٹھ تو گیا مگر بدستور گڑگڑا رہا تھا۔ میں نے رائفل کا بٹ اس کے منہ پر مارا وہ چیخ اٹھا میرا ہاتھ نہیں رکا دوسری ضرب اس کی پسلیوں پر لگی وہ بلبلاتا ہوا نیچے گرا میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ زمین پر لوٹتا اور چیختا رہا لیکن مجھے اس پر ذرا رحم نہیں آیا۔

"اٹھو" میں نے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "جتنی تیز بھاگ سکتے ہو بھاگو۔"

وہ اٹھ تو گیا مگر بھاگنے کے بجائے دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ "بھاگتا ہے یا سینہ چھلنی کر دوں۔" میں چیخا۔

وہ چند لمحے دہشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ پندرہ بیس گز آگے نکل چکا تھا اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور ٹرائیگر کھینچ لیا ویرانہ ایک بار پھر تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا اس مرتبہ اس میں آچو کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ وہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

میں نے قریب جا کر اسے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو جیپ سے ٹیک لگائے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کسی جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہونا الگ بات ہے لیکن جب صورتحال ایسی ہو تو بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔ آچو کی حالت اس نے دیکھی تھی کہ وہ کس طرح گڑگڑا کر مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا اور وہ تو پھر ایک عورت تھی۔ فطرتاً کمزور۔ اس نے تین آدمیوں کو میرے ہاتھوں گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھا تھا اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔

میں نے رائفل کندھے پر لٹکا لی اور جیپ کے پچھلے حصے پر چڑھ گیا۔ میراں دونوں سیٹوں کے بیچ ادھڑا پڑا تھا میں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر پہلے اسے سیٹ پر ڈالا اور پھر جیپ سے نیچے دھکیل دیا اور اس کا ریوالور سیٹ پر ہی پڑا ہوا تھا جسے میں نے اٹھا لیا۔

ریوالور کے تمام چیمبر بھرے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال آیا میں جیپ سے کود کر میراں کی لاش کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ قمیض کے پہلو میں بھی ایک جیب تھی جس میں ریوالور کے فاضل کارتوس بھرے ہوئے تھے میں نے وہ کارتوس نکال کر اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لئے۔ ریوالور کو ہاتھ میں رکھا اور رائفل ریت پر پھینک دی اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا۔

مقدم کی لاش ڈرائیونگ سیٹ پر اوندھی پڑی تھی میں نے اسے کھینچ تان کر جیپ سے نکالا اور گھسیٹتے ہوئے دور لے جا کر ریت پر ڈال دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ اور اس کے سامنے فرنٹ سیٹ پر خون بکھرا ہوا تھا۔ لگتا تھا جیسے یہاں گائے ذبح کر دی گئی تھی۔

"اے۔" میں اس لڑکی کی طرف گھوم گیا جو بڑی دہشت زدہ سی نظروں سے میری یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"بیب...... بیلا......" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"بیلا...... اچھا نام ہے۔" میں نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے تم ڈرائیونگ بھی جانتی ہو چلو سیٹ پر بیٹھو۔" میں نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"مم...... مگر یہ خون......" وہ سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے ہکلائی۔

"ریت اٹھا کر سیٹ پر ڈالو اور بیٹھ جاؤ۔" میں نے جواب دیا اور آگے بڑھ کر سیٹ کے ساتھ رکھی ہوئی مقدم کی رائفل اٹھا کر جیپ کے پچھلے حصے میں ڈال دی۔

بیلا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں سے ریت اٹھا اٹھا کر سیٹ پر ڈالنے لگی۔ اچھا خاصا خون پھیلا ہوا تھا۔ ریت تر ہو گئی۔ مجھے ڈیش بورڈ کے خانے میں میلا سا ایک کپڑا مل گیا میں نے

اس کپڑے سے سیٹ پر ڈالی جانے والی ریت نیچے پھینک دی۔ مزید ریت ڈالنے سے خون پوری طرح اس میں جذب ہو گیا۔ اس کپڑے سے میں نے دوبارہ سیٹ صاف کر دی۔

پیلا نے جس طرح لفظ کھون کہا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہندو تھی۔ ہندی بولنے والوں کی زبان سے اردو کے بعض الفاظ مشکل ہی سے نکلتے ہیں۔

یہاں اس ساری کارروائی میں ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔ اس وقت شاید پانچ بجنے والے تھے۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ جیپ کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی میرے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرا ہاتھ میں نے ڈیش بورڈ پر جما رکھا تھا۔ ہمارے چاروں طرف تاحد نگاہ ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ سبزے کے نام پر کہیں کوئی جھاڑی تک نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کہاں کی رہنے والی ہو؟" میں نے پیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کوزگاؤں کی۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"یہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دہلی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ہے۔" پیلا نے جواب دیا۔

"اس وڈیرے سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ کیا نام ہے اس کا... ہاں رئیس قبو۔" میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ "دہلی ہندوستان کا کیپٹل ہے اور سرحد سے سینکڑوں میل دور ہے اور رئیس قبو کا وہ گاؤں یا ڈیرا سرحد سے کئی گھنٹوں کے فاصلے پر پاکستان میں واقع ہے تمہارا رئیس قبو سے کیا تعلق ہے؟"

"وہ میرا دوست ہے۔" پیلا نے جواب دیا۔ وہ اب آپ کو بڑی حد تک سنبھال چکی تھی۔ "چند سال پہلے وہ ہندوستان آیا تھا ہماری پہلی ملاقات دہلی میں ہوئی تھی اس کے بعد میں بھی ایک دو مرتبہ کراچی گئی تھی۔ وہ مجھے پسند کرنے لگا تھا... اس طرح ہماری ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا کبھی وہ ہندوستان آ جاتا اور کبھی میں پاکستان چلی جاتی۔"

"اور یہ آمد و رفت غیر قانونی ہوتی تھی۔" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ان ملاقاتوں کا مقصد؟"

"ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو گا۔" اس نے جواب دیا۔

"بات حلق سے نہیں اترتی۔" میں نے کہا۔ "میں اصل مقصد جاننا چاہتا ہوں لو سٹوری نہیں سننا چاہتا۔ رات کی تاریکی میں غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنا اور پھر ایک لاتعلق آدمی کو قیدی بنا کر سرحد پار پہنچانا۔ یہ تمہاری لو سٹوری کا حصہ تو نہیں، مجھے یقین ہے کہ مجھ سے پہلے بھی مجھ جیسے لوگوں کو اس طرح سرحد پار پہنچایا جاتا ہو گا۔ کیا ہندوستان میں کسی جگہ غلاموں کی منڈی بھی لگتی ہے۔"

"غلاموں کی منڈی۔" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں جہاں اغوا کیے ہوئے مجھ جیسے ہٹے کٹے نوجوانوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان میں کہیں ایسی کوئی منڈی لگتی ہو۔" پیلا نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے کہاں لے جایا جا رہا تھا؟"

میرے اس سوال پر وہ ایک بار پھر چونک گئی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"مجھے تو ان کے ساتھ کدانیا تک جانا تھا۔ وہاں سے میں ماؤنٹ ابو چلی جاتی اور سے پور ہوتی ہوئی دہلی کا رخ کرتی۔ تمہارے بارے میں میں نہیں جانتی کہ وہ تمہیں کہاں لے جانا چاہتے تھے۔"

ظاہر ہے مجھے اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مزید سوال کرنے کے بجائے میں خاموش بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ مشرقی افق پر شفق کی سرخی پھیلنے لگی تھی جو شاہ خاور کی آمد آمد کا پتہ دے رہی تھی۔

جیپ کو اچانک ہی دھچکے لگنے لگے تھے۔ انجن بری طرح کھانسنے لگا۔ اس کی رفتار بھی بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

"فیول ختم ہو گیا ہے۔" پیلا نے فیول بتانے والے ڈائل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سوئی زیرو پر پہنچ کر ساکت ہو چکی تھی۔

"گھبراؤ نہیں۔ پیچھے پٹرول کے تین کین رکھے ہوئے ہیں جیپ روک لو میں ٹینک میں پٹرول ڈال دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

پیلا نے جیپ روک کر انجن بند کر دیا۔ میں جیپ کے پچھلے حصے میں آ گیا جہاں سیٹ کے نیچے پٹرول کے کین رکھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک کین اٹھایا اور ڈھکنا کھول کر جیپ کی ٹنکی میں پٹرول ڈالنے لگا۔ وہ کین پانچ گیلن کا تھا میں نے پورے کا پورا پٹرول ٹنکی میں انڈیل دیا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دھوپ نکلتے ہی کرنیں سوئیوں کی طرح جسم میں چبھنے لگیں۔ میں جانتا تھا دھوپ جیسے جیسے تیز ہوتی جائے گی ہمارے لیے مشکلات بڑھتی جائیں گی۔ دن کے وقت اس صحرا میں سفر کرنا قیامت سے کم نہیں ہوتا۔

جیپ کو دوبارہ سٹارٹ ہونے میں چند منٹ لگے تھے۔ ہمارا سفر بہرحال دوبارہ شروع ہو گیا۔ جیپ کے دونوں طرف باہر کی سائیڈ پر پانی کا ایک ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے ایک مشکیزہ اتار لیا۔ پہلے چند گھونٹ پانی پیا اور پھر مشکیزہ پیلا کی طرف بڑھا دیا۔ ایک ہاتھ سے مشکیزہ منہ سے لگا کر پانی پینے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ پانی اس کے گلے پر بہتا ہوا شرٹ کے اندر کسی جگہ غائب ہو گیا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک سفر کرتے رہے۔ دھوپ خاصی تیز ہو گئی تھی۔ ریت بھی تپنے لگی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم جلد ہی کسی محفوظ جگہ پر نہ پہنچے تو ہمارے دماغ پلپلے ہو جائیں گے۔

پیلا نے اچانک جیپ روک لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ہم اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں۔" پیلا نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور لہجے میں تشویش تھی۔

"رئیس قبو نے روانگی سے پہلے مقدم سے کہا تھا کہ وہ دلدل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہیں راستہ کدالیا تک پہنچا دے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ اندازہ لگانا بھی مشکل ہے کہ دلدل کس طرف ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ وہ جیپ سے اتر گئی۔ میں نے بھی اپنی سیٹ چھوڑ دی اور ہم ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ گئے۔

"وہ اس طرف۔" میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جھاڑیاں نظر آ رہی ہیں ہو سکتا ہے دلدلی علاقہ بھی اسی طرف ہو۔"

"وہ سراب بھی ہو سکتا ہے۔" بیلا نے اس طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "کسی سراب کے چکر میں پھنسنے کے بعد موت ہی پیچھا چھوڑ سکتی ہے۔"

"وہ سراب نہیں ہے۔" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر سراب ہوتا تو کسی اور طرف بھی ایسا منظر دکھائی دیتا لیکن کسی طرف ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی۔ وہ جھاڑیاں ہی ہیں اور یقیناً دلدلی علاقہ بھی اسی طرف ہے۔"

ہم ٹیلے سے اتر آئے اور پھر بیلا نے جیپ کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

میرا اندازہ درست نکلا وہ جھاڑیوں کا جنگل تھا اور اس کے ساتھ دلدلی علاقہ تھا۔ جیپ تھوڑی سی بچکولے کھاتی پر چلتی رہی لیکن ہم ایک بار پھر دلدلی علاقے سے بہت دور نکل گئے ٹیلوں کے قریب سے گزرتے ہوئے جیپ کی رفتار پھر کم ہونے لگی اب تک ہم جس علاقے میں سفر کرنے آئے تھے ریت سخت اور جمی ہوئی تھی لیکن اب یہ خطہ ایسا نہیں تھا۔ ریت نرم تھی اور جیپ کے پہیے دھنس رہے تھے۔ کچھ دور چل کے بعد آخر کار جیپ رک گئی۔ بیلا انجن کو ریس دیتی رہی اور ریت میں دھنسے ہوئے پہیے گھومتے رہے۔

میں نیچے اتر آیا۔ پہیے پورے کے پورے ریت میں دھنسے ہوئے تھے۔ ان کے گھومنے سے ریت اڑ رہی تھی اور پہیوں کے نیچے رگڑ سے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ میں اطراف میں دیکھنے لگا پہیوں کے نیچے پتھر وغیرہ رکھ کر جیپ کو نکالا جا سکتا تھا مگر ہمارے چاروں طرف ریگستان تھا پتھروں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بیلا بھی نیچے اتر آئی۔ ہم آدھے گھنٹے تک کوشش کرتے رہے مگر جیپ ریت کے ان گڑھوں سے نہیں نکل سکی۔

اس وقت صبح کے نو بجے تھے مگر دھوپ ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ ٹی شرٹ چپک رہی تھی جس سے کچھ زیادہ ہی الجھن ہو رہی تھی۔ میں نے ٹی شرٹ اتار کر اسے سر پر ڈال لیا اور بیلا کی طرف دیکھنے لگا اس کی حالت مجھ سے زیادہ ابتر تھی وہ جیپ کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن تپش تو ظاہر ہے وہاں بھی تھی اس نے شرٹ کا ایک اور بٹن کھول دیا تھا۔ میں اس سے نظریں بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے مشکیزہ اٹھا کر پانی کے ایک دو گھونٹ بھرے اور مشکیزہ بیلا کی طرف بڑھا کر ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ میرے پیر تپتی ہوئی ریت میں دھنس رہے تھے۔ تقریباً پچاس فٹ اونچے ٹیلے پر چڑھنے میں

سات منٹ لگ گئے۔

ٹیلے کے دوسری طرف ریت کا ہموار میدان سا تھا لہریں لیتی اور شیشے کی طرح چمکتی ہوئی ریت پر نظر ٹکانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس میدان کے دوسری طرف ایک اونچی پہاڑی نظر آ رہی تھی میں دیر تک اس پہاڑی کی طرف دیکھتا رہا۔ جب مڑ کر دیکھا تو بیلا بھی ٹیلے پر چڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی میرے قریب کھڑی اس پہاڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے یاد آ گیا۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "یہ وہی پہاڑی ہے اگر ہم وہاں پہنچ جائیں تو کدالیا تک آسانی سے پہنچ سکیں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ کدالیا اس پہاڑی سے اتنا قریب ہے کہ ہم آسانی سے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کدالیا اس پہاڑی سے سات آٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔

"پہاڑی کے علاقوں میں ہمیں دھوپ سے بچنے اور آرام کرنے کی جگہ مل جائے گی۔ رات کے وقت کدالیا تک کا فاصلہ طے کرنا مشکل نہیں ہوگا۔"

بیلا کی بات قابل غور تھی۔ جیپ ریت کے گڑھوں میں اس طرح پھنسی تھی کہ اسے نکالنا ممکن نہیں رہا تھا بہتر یہی تھا کہ ہم جیپ چھوڑ کر کسی طرح اس پہاڑی تک پہنچ جائیں اور دن وہاں گزارنے کے بعد رات کے وقت کدالیا کا رخ کیا جائے۔ میں ایک بار پھر پہاڑی کی طرف دیکھنے لگا میرے خیال میں فاصلہ دو اڑھائی میل سے زیادہ نہیں تھا۔ یہاں پڑے پڑے چلچلاتی دھوپ کا شکار ہونے سے بہتر تھا کہ اس پہاڑی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی۔

"تم یہیں رکو میں جیپ سے پانی کے مشکیزے لے آؤں تو پھر ہم چلتے ہیں۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر ٹیلے سے اترنے لگا۔

میں نے پانی کے دونوں مشکیزے اپنے کندھوں پر ٹانگ لیے۔ چلتے چلتے میری نظر مقدم والی رائفل پر پڑ گئی میرے پاس اگرچہ میرا اس والا ریوالور موجود تھا لیکن میں نے رائفل بھی اٹھا لی۔

ٹیلے پر پہنچ کر میں نے ایک مشکیزہ بیلا کے حوالے کر دیا جسے اس نے کندھے پر ٹانگ لیا اور ہم ٹیلے کی دوسری طرف اترنے لگے۔ کچھ دور تک تو ہم چلتے رہے لیکن پھر قدم اٹھانا مشکل ہو گیا آسمان پر آگ برساتا ہوا سورج اور پیروں کے نیچے انگاروں کی طرح تپتی ہوئی ریت ایسے لگ رہا تھا جیسے جہنم کے کسی گرم ترین خطے میں آ گئے ہوں۔

میرا خیال تھا کہ ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اس پہاڑی تک پہنچ جائیں گے مگر ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد بھی وہ پہاڑی اتنی ہی دور نظر آ رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل آگ میں دہکتی ہوئی سلاخ کی طرح چپ رہی تھی اور اب یہ مجھے ایک ایسا بوجھ لگنے لگی تھی جسے زبردستی مجھ پر لاد دیا گیا ہو۔ میں نے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر اسے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

بیلا کی حالت مجھ سے زیادہ ابتر تھی۔ اس نے زندگی کا کچھ حصہ مشکلات میں ضرور گزارا ہوگا مگر

ایسا وقت تو اس پر کبھی نہیں آیا ہوگا۔ وہ ہر دو چار قدم بعد گر جاتی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ ساتھ گھسیٹنے کی کوشش کرتا رہا۔ اگر زمین سخت ہوتی تو شاید زیادہ مشکل پیش نہ آتی مگر نرم اور بھربھری ریت میں پیر دھنس رہے تھے۔ ایک پیر رکھنے کے بعد دوسرا قدم اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ پسینہ میرے جسم سے دھاروں کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ حلق بار بار خشک ہو جاتا اور زبان سوکھ کر کانٹے کی طرح تالو میں چبھنے لگتی۔ ہر چند منٹ بعد پانی کے ایک دو گھونٹ بھرنے پڑتے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہی حالت رہی تو ہمارے دونوں مشکیزے پہاڑی تک پہنچنے سے پہلے ہی خالی ہو جائیں گے۔

پہاڑی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ بیلا چلتے چلتے لڑکھڑا کر گر گئی۔ میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے ذہن میں ایک لمحہ کو خیال ابھرا تھا کہ کہیں سن سٹروک تو نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لیے مشکلات بڑھ جائیں گی۔ اگر بیلا ختم ہو گئی تو میں بھی اس جہنم سے زندہ نہیں نکل سکوں گا۔ میری زندگی بیلا کی زندگی سے مشروط تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر پانی کے چند چھینٹے مارے۔ کچھ پانی اس کے حلق میں ٹپکایا تو اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"بیلا۔" میں نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔ "ہمت سے کام لو بیلا۔ وہ پہاڑی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی بس تھوڑی سی ہمت چاہئے۔"

"م..... میں..... نہیں چل سکتی۔" بیلا کراہ اٹھی۔

"ہمت سے کام لو۔" میں نے کہا۔ "یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑنے سے تو بہتر ہے کہ کچھ کوشش کر ڈالی جائے۔ زندگی کو ہم سے شکوہ تو نہیں رہے گا کہ ہم نے اسے بچانے کیلئے کوشش نہیں کی۔" میں خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پہاڑی دو فرلانگ کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ پھر میری نظریں اوپر کی طرف اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ ہی میں کانپ اٹھا۔ ہمارے سروں کے عین اوپر بہت بلندی پر چار پانچ گدھ منڈلا رہے تھے۔

"بیلا۔" میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔ "وہ دیکھو آسمان پر منڈلاتے ہوئے گدھ ہمارے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر ہم ہمت ہار گئے تو وہ ہمارے مرنے کا انتظار کئے بغیر ہماری بوٹیاں نوچنا شروع کر دیں گے۔"

بیلا نے آسمان پر منڈلاتے ہوئے گدھوں کو دیکھا اور پھر جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا اور ہم لڑکھڑاتے ہوئے پہاڑی کی طرف چلنے لگے۔ گدھوں کے خوف نے بیلا میں تھوڑی سی ہمت پیدا کر دی تھی۔ میں بار بار آسمان کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ گدھوں کی تعداد اب بڑھ گئی تھی اور ان کی بلندی بھی کم ہو گئی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ شکار ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ ہم پر جھپٹ نہ پڑیں اس لیے میں بیلا کو گھسیٹتے ہوئے تیز تیز چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھا اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ گدھوں کی تعداد اور دس بارہ ہو گئی تھی۔ وہ کافی نیچے آ گئے تھے۔ بیلا ایک بار پھر لڑکھڑا کر گر گئی۔ میں نے

اسے کھینچ کر اسے کندھے پر لاد لیا اور تیز تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔

پہاڑی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ پیروں کے نیچے اب ریت بھی قدرے سخت اور جمی ہوئی تھی اس لیے مجھے چلنے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی لیکن میری اپنی حالت بہت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اپنے آپ کو ہی گھسیٹنا دشوار تھا اور ایک صحت مند عورت کا بوجھ کندھے پر لاد کر چلنا تو اور بھی مشکل تھا۔ میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور دھڑام سے نیچے گرا۔ بیلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو خوف سے میرے منہ سے بھی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ایک گدھ ہمارے سروں سے بیس بائیس فٹ اوپر سے ہوتا ہوا تقریباً پندرہ گز دور جا کر ریت پر بیٹھ گیا تھا اس کی نظریں ہم پر مرکوز تھیں۔ ایک اور گدھ نیچے آنے کیلئے غوطہ لگا رہا تھا۔

"بیلا بھاگو۔" میں اٹھتے ہوئے چیخا اور بیلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بیلا نے بھی صورتحال کی نزاکت کا احساس کر لیا تھا اس میں نجانے کہاں سے اتنی ہمت پیدا ہو گئی کہ وہ میرا ہاتھ پکڑے مجھ سے بھی تیز دوڑنے لگی۔ موت کا خوف انسان کے اندر اتنا حوصلہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ تعاقب میں آنے والی موت کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت بیلا میں بھی کچھ ایسا ہی حوصلہ عود کر آیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا اس وقت تک تین گدھ ریت پر لینڈ کر چکے تھے اور پھدک پھدک کر آگے بڑھ رہے تھے۔ جبکہ فضا میں منڈلانے والے گدھ بھی زیادہ بلندی پر نہیں رہ گئے تھے۔

ہم سرخ چٹان کے دامن میں پہنچ کر بھی تیزی سے دوڑتے رہے۔ اب میں نہیں بیلا میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہی تھی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک کشادہ دراڑ میں گھس گئے۔ یہ دراڑ کافی کشادہ اور کافی طویل تھی اس کا اختتام ایک کھلی جگہ پر ہوا تھا۔

یہ دراصل دو پہاڑیاں تھیں جو دور سے ایک ہی لگتی تھیں۔ ایک طرف یہ دونوں چٹانیں آپس میں ملی ہوئی تھیں اس طرح انگریزی کا حرف وی بن گیا تھا۔

اس کھلی جگہ پر پہنچ کر میں نے اوپر دیکھا آسمان پر گدھ منڈلا رہے تھے۔ یہ غالباً وہی گدھ تھے جو ہماری طرف سے مایوس ہو کر کسی اور شکار کی تلاش میں آسمان پر پرواز کرنے لگے تھے وہ گردش کرتے ہوئے بلندیوں کی طرف جا رہے تھے۔

ہم سائبان کی طرف آ گئے جو ابھری ہوئی ایک چٹان کے سائے میں ہی بیٹھ گئے۔ ہم دونوں ہانپ رہے تھے۔ پسینہ میرے مساموں سے اس طرح بہہ رہا تھا جیسے ویرانے میں لاتعداد چشمے پھوٹ پڑے ہوں۔ میں چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اپنے بے ربط سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے میں اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں دونوں چٹانیں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔

"لو پانی پی لو۔"

بیلا کی آواز سن کر میں گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سانس کی

رفتار پھر تیز ہوگئی اور جسم کے مسام پھر پسینہ اگلنے لگے۔ دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

بیلا نے قمیص اتار کر ایک طرف پھینک دی تھی اس کے جسم کے بالائی حصے پر اب وہ مختصر لباس تھا جسے عورتیں لباس کی حیثیت سے بھی مردوں کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کرتی ہیں۔

بیلا کا گداز بدن اس مختصر ترین لباس کی قید سے بھی آزاد ہونے کے لیے مچل رہا تھا۔ گلابی بدن پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

میری نظریں گویا اس کے بدن پر چپک کر رہ گئی تھیں۔ میری پیاس کچھ اور بڑھ گئی حلق خشک ہو گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے مشکیزہ لے کر منہ سے لگا لیا۔ پانی کے چند قطرے ہی میرے حلق میں گئے ہوں گے باقی پانی میرے گلے پر بہہ رہا تھا۔ بیلا نے میرے ہاتھ سے مشکیزہ لے لیا۔

میں پلک جھپکائے بغیر بیلا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے اندر زلزلہ سا آیا ہوا تھا۔ کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ میں نے بیلا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

بیلا میری نیت بھانپ گئی وہ ہاتھ چھڑا کر مزاحمت کرنے لگی لیکن میں ایک ایسے طوفان کی لپیٹ میں آ چکا تھا جس کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ سیلاب کا ایک زبردست ریلا تھا جو مجھے اپنے ساتھ بہاتا لے گیا۔ بیلا کی مزاحمت بھی برائے نام ہی ثابت ہوئی اور پھر وہ بھی میرے ساتھ اس سیلاب میں بہتی گئی۔

طوفان گزر گیا اب سکوت اور سناٹا سا طاری تھا۔ ایسا سناٹا جس نے میری روح کو بھی لپیٹ میں لے لیا تھا لیکن میں اپنے آپ کو بہت پرسکون اور ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔ اتنا ہلکا پھلکا کہ اپنے آپ کو روئی کے گالے کی طرح بادلوں کے ساتھ ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگا۔

میں بے حس و حرکت پڑا تھا اور میری آنکھیں بند تھیں۔ میں اس کیفیت سے باہر نہیں آنا چاہتا تھا لیکن بیلا کی چیخ سن کر میں اچھل پڑا۔ بیلا خوفزدہ سی نظروں سے میرے پیروں کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے منہ سے کچھ بولنے کے بجائے اشارہ کیا۔ میں نے اس طرف دیکھا تو مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سیاہ رنگ کا ایک بچھو میرے بائیں پیر کے ٹخنے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پیر اور بچھو کے بیچ صرف ایک انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے اپنا پیر ہٹایا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت بچھو نے ایک پتھر پر ڈنک مار دیا تھا۔ وہ بچھو جسامت میں خاصا بڑا تھا۔ میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر اسے کچل دیا اور ایک طرف پڑے ہوئے کپڑے اٹھا کر جھاڑنے لگا۔

میرا سارا نشہ کافور ہو گیا تھا اور میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے تک ہم تپتے ہوئے صحرا میں موت سے پنجہ آزمائی کر رہے تھے۔ محفوظ جگہ پر آ کر کچھ سکون ملا تو ہم بھول گئے کہ موت کا خوف کیا ہوتا ہے مگر یہی خوف ہمیں ایک بار پھر حقیقت کی دنیا میں لے آیا تھا۔

”تم نے بتایا تھا کہ اس پہاڑی میں بہت سے غار ہیں۔“ میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن کیا یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ ہوگی میرا مطلب ہے بچھو اور سانپ وغیرہ.....“

”اسی پہاڑی کی دوسری طرف دو تین غار ایسے بھی ہیں جو ان زہریلے حشرات الارض سے بالکل محفوظ ہیں۔“ بیلا نے جواب دیا۔ اس نے شرٹ کے نیچے کے صرف دو بٹن لگائے تھے اوپر والا حصہ کھلا ہوا تھا۔ ”میں کئی مرتبہ وہاں آ چکی ہوں وہاں کبھی ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔“

”تو پھر چلو اسی طرف چلتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

ہم اس کشادہ دراڑ سے نکل کر پھر پہاڑی کے دامن میں آ گئے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے سورج ہمارے سروں پر چمک رہا تھا۔ قیامت خیز دھوپ میں قدم اٹھانا محال ہو رہا تھا مگر ہم کسی حد تک تازہ دم ہو چکے تھے۔

یہ سرخ پہاڑی لمبائی میں تقریباً ایک میل کے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی لیکن نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بیلا پھر ایک دراڑ میں گھس گئی جو زیادہ کشادہ نہیں تھی اس آڑی ترچھی دراڑ میں دیر تک چلنے کے بعد ہم ایک غار میں داخل ہو گئے۔ بیلا آگے تھی اور میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

غار میں کچھ دور تک تو مدھم سی روشنی رہی اور اس کے بعد اندھیرا گہرا ہوتا چلا گیا۔ میں دیوار کو ٹٹولتا ہوا بیلا کے قدموں کی آواز پر اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا ایک جگہ بیلا نے رک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اس غار میں تین موڑ بھی آئے تھے۔

بیلا جس طرح بے دھڑک چل رہی تھی اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بیلا پہلے بھی یہاں آتی رہی ہے اور پہاڑی کے اندر غاروں کے اس راستے سے بخوبی واقف ہے۔ ایک لحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ بیلا مجھے کسی جال میں پھانسنے کی کوشش تو نہیں کر رہی لیکن اس خیال کو فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا اس ویرانے میں اس کی زندگی بھی میری زندگی سے مشروط تھی مجھے کسی جال میں پھنسا کر وہ اکیلی یہاں سے نہیں نکل سکتی تھی۔

ہم تقریباً بیس منٹ تک اس تنگ اور تاریک سے غاروں میں چلتے رہے اور آخر کار ایک کشادہ غار میں آ گئے۔ اس غار کے دہانے سے آنے والی روشنی سے غار کے اس حصے میں تاریکی کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔

بیلا نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا یہ غار اتنا کشادہ تھا کہ اس میں کم از کم دو سو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ چھت کہیں سے سات آٹھ فٹ بلند تھی اور کہیں سے بہت اونچی دیواریں اگرچہ ناہموار تھیں البتہ فرش ہموار تھا۔ غار کے اندر کسی قدر ٹھنڈک کا احساس بھی نمایاں تھا۔

بیلا غار کے دہانے کی طرف جا رہی تھی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑا۔ غار کا دہانہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے سامنے تقریباً پچاس فٹ تک ڈھلان چلی گئی تھی۔ دہانے کے دونوں طرف کشادہ سیڑھیاں بھی تھیں جو چٹان کو کاٹ کر بنائی گئی تھیں۔ سامنے تاحد نگاہ صحرا پھیلا ہوا تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں نگاہ ٹکانا مشکل ہو رہا تھا۔ سامنے قدرے دائیں طرف ایک راستہ سا بھی نظر آ رہا تھا۔

”یہی راستہ کدنیا کی طرف جاتا ہے۔“ بیلا نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”فاصلہ سات آٹھ کوس سے زیادہ نہیں اگر ہم سورج ڈھلنے کے آدھے گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں تو اس وقت گرمی

بھی نہیں ہوگی اور ہم اگر رکے بغیر چلتے رہیں تو زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے۔"

"اور اگر رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک گئے تو؟" میں نے کہا

"بھٹکنے کا اندیشہ اس لیے نہیں ہے کہ یہ راستہ بالکل نمایاں ہے نشان دہی کیلئے جگہ جگہ پتھر بھی رکھے ہوئے ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ لوگ اکثر اس طرف آتے رہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" بیلا نے سر ہلایا۔ "آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ لوگ اس طرف کیوں آتے رہتے ہیں۔"

ہم ایک بار پھر غار کے اندر آ گئے۔ بیلا دیوار میں ایک کھوہ کے قریب رک گئی اس نے میری طرف دیکھا اور اس کھوہ میں داخل ہو گئی اس کی واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے اس کے ایک ہاتھ میں لمبی سی مشعل تھی اور دوسرے میں دو پتھر اس نے مشعل مجھے تھما دی اور مشعل کے اگلے سرے کے قریب پتھروں کو آپس میں رگڑنے لگی۔ پتھروں میں رگڑ لگنے سے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں چند لمحوں کی کوشش کے بعد پتھروں سے پھوٹنے والی ان چنگاریوں سے مشعل بھڑک اٹھی۔ بیلا نے مشعل میرے ہاتھ سے لے لی اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگی میں بھی اس کے پیچھے تھا۔

ایک تنگ سی دراڑ سے گزر کر ہم ایک اور غار میں آ گئے۔ یہ غار بھی تنگ سا تھا اور چھت بھی کافی نیچی تھی۔ تقریباً چار منٹ تک اس سرنگ میں چلنے کے بعد ہم ایک اور کشادہ غار میں آ گئے۔ یہ کسی ہال کی طرح بہت کشادہ غار تھا اور اس کی چھت بھی کافی اونچی تھی چھت کے اوپر کسی جگہ چٹان میں سوراخ تھا جہاں سے ہوا اور روشنی آ رہی تھی۔ دھوپ کا تقریباً دو مربع فٹ دھبہ فرش پر اس طرح چمک رہا تھا کہ اس پر نگاہ ٹکانا مشکل ہو رہا تھا۔ وسیع و عریض تاریک غار میں چھت سے آنے والی روشنی کی یہ ہیم بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھی۔

تقریباً بیس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بیلا رک گئی۔ مشعل کی تھرتھراتی ہوئی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سامنے ایک چبوترے پر کسی ہندو دیوی کی بہت بڑی مورتی نظر آ رہی تھی۔

مورتی کے سامنے کا حصہ برہنہ تھا۔ دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے ایک ہاتھ میں ڈوریوں میں پروئی ہوئی نیچے اوپر تین کھوپڑیاں تھیں۔ دوسرے ہاتھ میں گنڈاسہ تھا جس سے خون ٹپکتا ہوا دکھ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ خون آلود تھے۔ گلے میں پھولوں، پتوں اور موتیوں کی مالاؤں کے علاوہ ایک مالا انسانی کھوپڑیوں کی بھی تھی۔ دو کھوپڑیاں جوان سینے کے دائیں طرف دو بائیں طرف اور ایک ناف پر جھول رہی تھی دیوی کی آنکھیں دہشت زدہ سے انداز میں پھٹی پھٹی اور سرخ زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا جیسے وہ شدید کرب میں ہو۔

ایک تو وہ صورت ہی ایسی وحشت ناک اور پھر مشعل کی تھرتھراتی ہوئی روشنی میں وہ اور بھی خوفناک لگ رہی تھی۔ ایک لمحہ کو تو میں بھی کانپ کر رہ گیا تھا۔ کچھ ایسی چیزیں بھی پڑی تھیں جو شاید کسی وقت بھینٹ کے طور پر وہاں رکھی گئی تھیں۔

"یہ کالی دیوی کی مورتی ہے۔" بیلا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "تباہی و بربادی کی دیوی عرصہ پہلے ڈاکو اپنے کسی مشن پر روانہ ہونے سے پہلے کالی کے قدموں میں انسانی جان کی بھینٹ دیا کرتے تھے۔ ڈاکو آج بھی اسے مانتے ہیں..... لیکن اب کسی انسان کی نہیں بکری وغیرہ کی بھینٹ دی جاتی ہے۔

کالی کی پوجا پورے ہندوستان میں کی جاتی ہے۔ اس کے ماننے والے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پہلے تو کالی کے ہر بڑے تہوار پر اس کے چرنوں میں انسانی جانوں کی بھینٹ دی جاتی تھی مگر پھر اس پر پابندی لگا دی گئی۔

یہ غار اگرچہ مندر نہیں ہے مگر اسے مندر سے زیادہ پوتر سمجھا جاتا ہے۔ ہر سال دسمبر میں یہاں ایک بہت بڑا میلا لگتا ہے۔ پورے ہندوستان اور دنیا بھر سے کالی کے ماننے والے یہاں جمع ہوتے ہیں اور ہندوستان میں یہ واحد جگہ ہے جہاں اب بھی انسانی جان کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ وہ تیغہ دیکھ رہے ہو؟" اس نے چبوترے پر رکھے ہوئے خون آلود تیغے کی طرف اشارہ کیا۔ "پچھلے دسمبر میں اس تیغے سے اس جگہ کالی کی خوشنودی کیلئے ایک انسان کا خون بہایا گیا تھا۔ تیغے پر جما ہوا یہ خون وہی ہے یہ اس وقت صاف کیا جائے گا جب اگلے دسمبر میں یہاں کسی اور انسان کی بھینٹ دی جائے گی۔"

"تم نے تو بتایا تھا کہ انسانی جان کی بھینٹ پر پابندی لگا دی گئی تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میلے کے موقع پر یہاں پولیس بھی موجود ہوتی ہوگی وہ....."

"ان دنوں یہاں انسانوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "کسی کو پتا نہیں چلتا کہ کب کس وقت اور کس کی بھینٹ چڑھائی گئی ہے جب یہ سادھ بجتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ دیوی کی پوجا شروع ہو چکی ہے۔"

"میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ عام دنوں میں یہ غار غیر محفوظ ہی رہتا ہوگا پولیس نے کبھی اس مورتی کو یہاں سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے کہا۔

"کئی مرتبہ ایسی کوششیں ہو چکی ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔ "کالی اپنی حفاظت خود کرتی ہے۔ اس نیت سے جو بھی اس طرف آیا پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا۔ کالایا اگرچہ زیادہ دور نہیں مگر اس طرف آنے کی ہمت کوئی نہیں کرتا۔ ایک ان دیکھی قوت ہے جو اس طرف آنے والے راستے کی نگرانی کرتی ہے۔ کالایا کے سب ہی لوگ اس پراسرار قوت سے خوفزدہ ہیں اس لیے کسی نے کبھی اس طرف کا رخ نہیں کیا۔"

"اور تم شاید اس قوت سے واقف ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "اور اس پراسرار قوت کو معلوم تھا کہ تم لوگ اس طرف آ رہے ہو اس لیے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔"

بیلا مسکرا کر رہ گئی۔

"تمہاری یہ باتیں اور ہونٹوں کی پراسرار مسکراہٹ ان باتوں کی تردید کرتی ہیں جو تم نے راستے میں بتائی تھیں میرا مطلب ہے وہ لو سٹوری۔"

"آؤ اب واپس چلیں۔" اس نے میری بات ٹال دی۔

میں نے بھی اپنی بات پر زور نہیں دیا۔ ہم اسی سرنگ نما راستے سے ہوتے ہوئے واپس آ گئے۔

بیلا نے مشعل دیوار میں بنے ہوئے ایک سوراخ میں پھنسا کر بجھا دی اور کچھ فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنے کندھے سے مشکیزہ اتار کر پانی کے چند گھونٹ پیئے اور پھر مشکیزہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے پاس بھی دوسرا مشکیزہ موجود تھا مگر اس نے میرے ہاتھ سے مشکیزہ لے لیا اور پانی پینے کے بعد مشکیزہ زمین رکھ دیا۔

"میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس سے میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ سندھ کے وڈیرے رئیس تیمو کا اور تمہارا تعلق کسی بہت بڑے اور بہت ہی خطرناک قسم کے گروہ سے ہے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس گروہ کے بارے میں زیادہ جاننے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ مجھے کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا تھا۔"

"تمہیں کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا تھا؟ یہ جاننے کی بھی شاید اب تمہیں ضرورت نہیں ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "میں اس سلسلے میں کچھ جانتی بھی نہیں۔ جو لوگ تمہیں کہیں لے جانا چاہتے تھے انہیں تم نے راستے میں ختم کر دیا۔ ویسے تم واقعی بہت دلیر ہو۔ ایک ہاتھ میں ہتھکڑی ہونے کے باوجود تم نے جس طرح ان تینوں کو ختم کیا تھا وہ قابل تعریف ہے۔ تمہاری بہادری کی تعریف تو آغا جی بھی کر چکا تھا۔ تم نے بندی خانے میں ان دونوں کی جس طرح پٹائی کی تھی اس کا بھی مجھے میراں سے پتا چل گیا تھا اور راستے میں تم نے جو کچھ بھی کیا اس پر تو میں اب بھی حیران ہوں۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔" میں نے اسے گھورا۔

"تمہارے سوال کا جواب تو میں نے دے دیا۔" وہ مسکرائی۔ "میں واقعی کچھ نہیں جانتی۔ ویسے بھی چند گھنٹوں بعد میرے اور تمہارے راستے الگ ہو جائیں گے کہ دالبندین پہنچنے کے بعد تم اپنی مرضی سے کہیں بھی جانے کیلئے آزاد ہو گے۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں۔" وہ مسکرا دی پھر بولی۔ "مگر مجھے حیرت ہے کہ تم ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگے۔ تمہارے بازوؤں میں بھری ہوئی قوت اور حوصلے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم دو چار آدمیوں کے بس کے نہیں ہو۔ پھر ان کے قابو میں کیسے آ گئے۔"

"میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ یہ بہت بڑا اور بہت ہی خطرناک قسم کا گروہ ہے اور اس گروہ میں تم جیسی حسین لڑکیوں کی بھی کمی نہیں جو مجھ جیسے لوگوں کو پھانسنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور وہ بھی تم جیسی حسین لڑکی تھی۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "حسین اور جوان لڑکیاں میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ چند روز پہلے میں اپنے ایک عزیز کی تلاش میں عمرکوٹ آیا تھا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ میرا وہ عزیز چھ مہینے پہلے کنری جا چکا ہے۔ جہاں مرچوں کے ایک بیوپاری کے پاس ملازم ہے۔"

"وہ شام کا وقت تھا۔ میرا خیال تھا کہ رات کسی چھوٹے موٹے ہوٹل میں گزار کر صبح کی بس سے کنری چلا جاؤں گا۔ میں ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ ایک کار میرے قریب آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک جوان اور خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ بہت دیر سے مجھے سڑکوں پر پھرتے ہوئے دیکھ

رہی ہے۔ اگر مجھے کوئی پریشانی ہو تو وہ میری مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں نے اپنی پریشانی بتا دی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک وڈیرے کی بیٹی ہے اگر میں پسند کروں تو اس کے ساتھ چلوں رات ان کا مہمان رہوں۔ صبح مجھے کنری بھیجنے کا بندوبست کر دیا جائے گا۔

"حقیقت یہ ہے کہ اس لڑکی کو دیکھ کر میری رال ٹپک پڑی تھی۔ میں کچھ کہے بغیر اس کی کار میں بیٹھ گیا۔ وہ مجھے شہر سے باہر ایک مکان میں لے آئی۔ اس مکان میں دو ادھیڑ عمر عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس لڑکی نے بتایا کہ اس کا باپ میرپور خاص گیا ہوا ہے اور کل دوپہر سے پہلے اس کی واپسی نہیں ہو گی۔

"وہ میری خاطر مدارات میں لگ گئی۔ پہلے چائے کے ساتھ پرتکلف ناشتہ پھر رات کے کھانے میں فرائی مرغ اور بہت سی چیزیں۔ کھانے کے بعد وہ مجھے ایک بیڈ روم میں لے آئی۔ باتیں کرتے ہوئے اس نے ٹی وی پر بیہودہ سی فلم لگا دی۔ اس وقت میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ وہ کوئی آوارہ مزاج لڑکی ہے جو اپنے مطلب کیلئے مجھ جیسے لوگوں کو پھنسا کر یہاں لے آتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایک اجنبی سے اس طرح بے تکلف نہ ہوتی اور ٹی وی پر وہ بیہودہ فلم نہ لگاتی۔

"میرا یہ شبہ درست نکلا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی اور پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں آنا چاہتی تھی اور میں تو پہلے ہی سے اس کیلئے تیار تھا۔ میرے ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ کوئی مزاحمت نہیں کی وہ تو مجھے لائی ہی اس مقصد کیلئے تھی۔

"اس کی دلربائی میرے اندر اشتعال پیدا کر رہی تھی۔ میرے حواس بکھر رہے تھے۔ میں نے ایک لمحہ کو بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا کوئی اور مقصد بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میری دسترس میں تھی اور میں اس کے علاوہ کچھ اور سوچنے کو تیار ہی نہیں تھا مگر اس سے پہلے کہ میں اسے پوری طرح زیر کرتا میرے سر پر زوردار دھماکہ ہوا۔ میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

"ہوش آیا تو اپنے آپ کو مقدم اور میراں جیسے جلادوں کے قبضے میں پایا جو مجھے ایک بند وین میں کہیں لے جا رہے تھے۔ ہمارا سفر کھنڈر نما اس عمارت میں ختم ہوا جہاں مجھے تین چار دن قید رکھا گیا۔ وہاں آتے ہی آغا جی نے میری دھنائی کر دی تھی اور پھر اگلے روز صبح جب میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو پھر ان کے قابو میں آ گیا۔ آغا جی کیلئے تو پہلے ہی دن سے میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی تھی اور جس طرح میں نے اسے موت کے گھاٹ اتارا وہ اسی نفرت کا نتیجہ تھا۔"

"میرا خیال ہے تم سندھی تو نہیں ہو شاید پنجاب کے کسی علاقے سے تعلق ہے تمہارا؟" اس نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں پنجاب کے ایک شہر قصور کا رہنے والا ہوں۔"

"اوہ قصور ۔۔۔ وہی ملکہ ترنم نور جہاں کا قصور!" وہ بول پڑی۔

"ہاں لگتا ہے تم پاکستان کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔" میں نے اسے گھورا۔

"تمہاری باتیں بڑی دلچسپ ہیں... مجھے اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔" اس نے کہا۔

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اپنے بارے میں بتانے لگا۔

"قصور سے چند میل آگے سرحد کی طرف دریائے بیاس کے کنارے ایک گاؤں ہے گنڈا سنگھ والا۔ اس سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک اور چھوٹی سی بستی ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ بستی پچیس تیس گھروں پر مشتمل ہے۔ میرا باپ مولوی بشیر محمد اس بستی کی مسجد کا امام تھا۔ میرا نام خیر محمد رکھا گیا تھا لیکن سب لوگ مجھے ناجی کہہ کر پکارتے تھے۔ میرا باپ مجھے بھی اپنی طرح مولوی بنانا چاہتا تھا لیکن میں تعلیم حاصل کر کے بہت بڑا افسر بننا چاہتا تھا۔

مڈل تک کی تعلیم تو میں نے گنڈا سنگھ والا میں حاصل کی اور پھر مجھے قصور کے ہائی سکول میں داخلہ لینے کیلئے قصور جانا پڑا۔ وہاں میری رہائش کا بندوبست شجاع نامی ایک شخص کے ہاں کیا گیا تھا جو میرے باپ کا دور کا رشتے دار تھا۔ شجاع کا پورے شہر میں بڑا دبدبہ تھا۔ مجھے جلد ہی پتا چل گیا کہ شجاع اس چھوٹے سے شہر کا بہت بڑا بدمعاش ہے اور سمگلروں کے ایک گروہ کا سرگرم رکن بھی۔ یہ لوگ افیون، چرس، سونا اور ہر وہ چیز انڈیا کو سمگل کرتے تھے جس سے انہیں کچھ حاصل ہوتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں سرحد پار کرنے کیلئے یہ لوگ چھوٹی چھوٹی بستیوں کے راستے استعمال کرتے تھے۔

"میرا ایک سال تو خیر بہت سے گزر گیا پھر شجاع نے مجھے بھی اپنے اس گھناؤنے بزنس میں شامل کر لیا۔ میں گروہ کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ چھ مہینے میں تین مرتبہ سرحد پار کے شہر فیروزپور کا بھی چکر لگا آیا تھا۔ مجھے اس کام سے شدید نفرت تھی۔ ہمارے لوگوں کے منہ کا نوالہ چھین کر دشمن کو کھلایا جا رہا تھا۔ میں اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ میری پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا تھا مگر شجاع کی مار پیٹ اور دھمکیوں نے مجھے ان کا ساتھ دینے پر مجبور کر رکھا تھا۔

ایک رات ہمارے گروہ کے چند آدمی لاکھوں روپے کا مال لے کر سرحد پر جانے والے تھے۔ شجاع بھی اس پارٹی میں شامل تھا اور میں بھی لیکن عین وقت پر میں "بیمار" پڑ گیا۔ میں نے اس پارٹی کے بارے میں پہلے ہی سے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ اگر ساتھ جاتا تو میری جان بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

رات دو بجے کے قریب پولیس اور رینجرز کی ایک مشترکہ پارٹی سے سمگلروں کی اس پارٹی کا تصادم ہو گیا جس میں دو آدمی رینجرز کے اور تین سمگلروں کے مارے گئے۔ شجاع گرفتار ہوا اور اسے تین سال کی سزا ہو گئی۔

شجاع کی عمر اس وقت پینتالیس سال کے لگ بھگ تھی اور اس کی بیوی کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی جبکہ میں اس وقت سولہ سترہ کا ہوں گا۔ ان کے گھر رہتے ہوئے میں نے محسوس کیا تھا کہ رضیہ مجھے اکثر عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہتی تھی۔ کئی مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار بھی کرتی۔ مجھے دبوچتی اور میرے رخساروں کے بوسے لیتی۔ میں سمجھتا تھا کہ چونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے رضیہ مجھے پیار

کرتی تھی لیکن یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ اس کے دل میں مامتا کی تڑپ نہیں ہوس کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"میں نے شروع ہی سے خوب قد کاٹھ نکالا تھا۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں ہی میں بھرپور جوان نظر آنے لگا تھا۔ گوری چٹی رنگت، ٹھوس جسم.... لڑکیاں مجھے دیکھ کر مسکرا اٹھتی تھیں۔

شجاع کے جیل جانے کے چند روز بعد میں رات کو اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ مجھے اپنے سینے پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی میرے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ وہ رضیہ تھی جو میرے لحاف میں گھسی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھنا چاہا تو رضیہ نے مجھے پکڑ کر لٹا دیا۔

"لیٹے رہو۔" اس کی سرگوشی میری سماعت سے ٹکرائی۔ "مجھے سردی لگ رہی تھی اس لیے تمہارے ساتھ لیٹ گئی ہوں۔"

"اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ رضیہ کو سردی لگ رہی تھی مگر اس کے جسم پر لباس نہیں تھا۔ میں نے ایک بار پھر اٹھنا چاہا تو اس نے مجھے دبوچ لیا۔

"آرام سے لیٹے رہو ورنہ میں اٹھ کر شور مچا دوں گی کہ تم نے ....."

رضیہ نے جملہ مکمل نہیں کیا لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ رضیہ کے ہاتھ بڑی سرعت سے حرکت کر رہے تھے۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ سنسنی کی لہریں میرے پورے جسم میں دوڑ رہی تھیں۔ سینے میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ طوفان مچل اٹھا تھا۔ میں رضیہ کی ہدایات پر عمل کرتا رہا۔

"اس رات مجھے زندگی کا ایک نیا تجربہ ہوا۔ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ رضیہ نے مجھے ایک نئی لذت سے آشنا کر دیا تھا۔ دن بھر مجھ پر عجیب نشے کی سی کیفیت طاری رہی۔ اس روز میں سکول نہیں گیا اور دن بھر بار بار کن انکھیوں سے رضیہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی دن بھر عجیب سی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

اور پھر یہ آئے دن کا معمول بن گیا۔ امتحان میں صرف تین مہینے رہ گئے تھے۔ سکول تو جاتا مگر پڑھائی میں میرا دل بالکل نہ لگتا۔ دھیان کہیں اور رہنے لگا۔

میں نے میٹرک کا امتحان دے تو دیا لیکن مجھے کسی اچھے رزلٹ کی توقع نہیں تھی لیکن جب رزلٹ نکلا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا تھا۔ شاید رضیہ سے ان انوکھے تعلقات سے پہلے کی پڑھائی کام آ گئی تھی۔

پھر نجانے کیا ہوا کہ رضیہ مجھ سے ناراض ہو گئی۔ اس نے مجھے گھر سے بھی نکال دیا۔ چند روز بعد میں نے محلے کے اپنے جیسے ایک گبھرو جوان کو رضیہ کے گھر سے نکلتے دیکھا تو مجھے اس کی ناراضگی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔

"میں نے ایک فیکٹری میں نوکری کر لی اور رضیہ کو بھول گیا۔ قصور شاید پاکستان کا گندہ ترین شہر ہے... چمڑا صاف کرنے کے چھوٹے بڑے لاتعداد کارخانے ہیں۔ ان فیکٹریوں کی وجہ سے آلودگی انسانی زندگی کیلئے خطرے کی انتہائی حد سے بھی کہیں اوپر جا چکی ہے۔

چمڑے کے ان کارخانوں سے بہنے والا گندہ پانی سڑکوں اور گلیوں میں جوہڑوں کی صورت میں کھڑا رہتا ہے۔ اس گندے پانی میں شامل کیمیکلز زیر زمین پانی کو بھی متاثر کر رہے ہیں۔ چند برسوں میں آنے والا کڑوا پانی پینے کے قابل نہیں رہا۔ لوگ مختلف مہلک بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں مگر نہ تو محکمہ صحت اس طرف توجہ دینے کیلئے تیار ہے اور نہ ہی دوسرے متعلقہ محکمے۔

بہرحال شجاع کو جیل گئے ہوئے ڈھائی سال ہو چکے تھے۔ دو مہینے اور گزر گئے اور پھر ایک روز پتا چلا کہ وہ جیل سے رہا ہو کر آ گیا ہے۔ میں ان دنوں لاہوری محلے کے ایک مکان میں رہ رہا تھا جہاں میں نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔ اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں دو ہی کمرے سلامت تھے۔ ایک میں بوڑھی مالکہ اکیلی رہتی تھی اور دوسرا میرے پاس تھا۔ دونوں کمروں کے بیچ وسیع صحن حائل تھا۔ میرے کمرے کا دروازہ گلی کی طرف کھلتا تھا۔ اس رات میں ہوٹل سے کھانا کھا کر کمرے میں آ کر لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو شجاع کو دیکھ کر نجانے کیوں میرا دل کانپ اٹھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ پورے تین سال تک جیل کی سختیوں نے شجاع کے کس بل نکال دیے تھے۔ وہ خاصا کمزور نظر آ رہا تھا۔

ان دونوں نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پھر جلد ہی یہ انکشاف بھی ہو گیا کہ شجاع کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اسے جیل میں کسی پولیس والے نے بتا دیا تھا کہ تین سال پہلے ان کی مخبری میں نے کی تھی جس کے نتیجے میں نہ صرف ان کا لاکھوں کا مال پکڑا گیا تھا بلکہ ان کی پارٹی کے تین آدمی مارے گئے اور شجاع کو بھی طویل عرصہ جیل میں گزارنا پڑا تھا۔ اسے میرے اور رضیہ کے ناجائز تعلقات کے بارے میں بھی پتہ چل گیا تھا۔

"میں اگر چاہتا تو اپنے کسی بندے کے ذریعے تمہیں بہت پہلے مروا چکا ہوتا۔" شجاع کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے تمہیں سہارا دیا اور تم میری عزت سے کھیلتے رہے نمک حرام..... میں نے تین ایک پل کانٹوں پر لوٹ کر گزارا ہے اور... مجھے سکون اس وقت ملے گا جب تمہیں خون میں لت پت اپنے قدموں میں لوٹتے ہوئے دیکھوں گا۔"

شجاع نے پستول نکال لیا۔ اس وقت نجانے میرے اندر اتنی ہمت کیسے پیدا ہو گئی کہ میں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ شجاع کو شاید اس کی توقع نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا میں پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا۔ پہلی گولی اس کے پیٹ میں لگی دوسری سینے میں اور جب وہ آگے کو جھکا تو تیسری گولی نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔ وہ مجھے اپنے قدموں میں خون میں لت پت تڑپتا دیکھنا چاہتا تھا لیکن خود میرے قدموں میں ڈھیر ہو گیا...

اس کا دوسرا ساتھی دہشت زدہ سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ دروازے تک پہنچتا میرے پستول سے نکلنے والی گولی اس کے کندھے میں پیوست ہو گئی۔ وہ چیختا ہوا مڑا۔ دوسری گولی اس کے پہلو میں لگی۔

میں نے ان دونوں کو موت کے گھاٹ تو اتار دیا تھا لیکن اب مجھ پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندا نظر آنے لگا۔ میں نے پستول پھینک دیا۔ ٹرنک میں رکھے ہوئے روپے نکال کر جیب میں ڈالے اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔

پہلے میں نے سوچا کہ گاؤں چلا جاؤں مگر خیال آیا کہ گاؤں میں تو فوراً ہی پکڑا جاؤں گا۔ میں لاری اڈے پر پہنچ گیا۔ اس وقت لاہور جانے والی ایک بس اڈے سے نکل رہی تھی میں دوڑ کر اس میں سوار ہو گیا۔ میرے پاس چھ سات سو روپے تھے جو کئی مہینوں سے تھوڑے تھوڑے سے بچا کر جمع کیے تھے۔ میرا خیال تھا کہ یہ رقم دس پندرہ دن کیلئے کافی تھی۔ اس دوران میں کوئی بندوبست کر لوں گا۔

لاہور میں پہلی رات میں نے ریلوے سٹیشن کے سامنے ایک چارپائی ہوٹل میں گزاری۔ بڑے شہروں کے لاری اڈوں اور ریلوے سٹیشنوں کے آس پاس ایسے لاتعداد غریب پرور ہوٹل ہوتے ہیں جہاں صرف پانچ روپے چارپائی کا کرایہ دے کر رات گزارنے کی جگہ مل جاتی ہے۔ ایسے ہوٹلوں میں کھانا بھی سستا ہوتا ہے لیکن پولیس والے بہت تنگ کرتے ہیں۔ ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد کوئی نہ کوئی سنتری ٹپک پڑتا ہے۔ کون ہے، کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جانا ہے؟ جیسے سوالات کر کے ہر پولیس والا کچھ نہ کچھ اینٹھ کر چلا جاتا ہے۔ اس ایک رات میں میری جیب سے بھی اسی طرح پچاس روپے نکل گئے تھے۔ اس طرح مجھے وہ ہوٹل بہت مہنگا پڑا تھا۔

میں کام اور پناہ کی تلاش میں ایک ہفتہ مارا مارا پھرتا رہا اور آخر کار دلی دروازے کے باہر ایک ہوٹل میں کام مل گیا۔ آرام کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ رات بارہ بجے کے بعد میں چھت پر جا کر سو جاتا مگر صبح پانچ بجے اٹھا دیا جاتا۔

ایک مہینے بعد انکشاف ہوا کہ اس ہوٹل کا مالک براؤن شوگر کا کاروبار بھی کرتا تھا اور اس کی اصل آمدنی وہی تھی۔ میں نے بعض بڑے بڑے لوگوں کو چم چماتی ہوئی گاڑیوں پر اور کئی سادہ لباس پولیس والوں کو بھی وہاں آتے دیکھا تھا۔ پولیس والوں کی مٹھی گرم کر دی جاتی۔ وہ چائے پیتے اور سیٹھ کو سلام کر کے چلے جاتے۔

ایک روز ہوٹل پر آنے والے ایک گاہک کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اسے پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ قصور میں چمڑے کے کارخانے میں میرے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا اور پھر باتوں ہی باتوں میں اس نے انکشاف کیا کہ قصور کی پولیس اب بھی مجھے تلاش کر رہی ہے۔ میں نے شجاع کے ساتھ جس آدمی کو دو گولیاں ماری تھیں وہ زندہ بچ گیا تھا اور اس نے پولیس کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ پولیس میری تلاش میں میرے گاؤں بھی گئی تھی اور مجھے وہاں نہ پا کر میرے باپ مولوی بشیر محمد کو گرفتار کر کے قصور کے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ میرے بارے میں پوچھنے کیلئے اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ اس نے حوالات ہی میں دم توڑ دیا۔ پولیس نے رات کی تاریکی میں اس کی لاش ایک سڑک پر ڈال کر گولی چلا دی اور یہ ظاہر کیا کہ اس نے فرار کی کوشش کی تھی اور پولیس مقابلے میں

مارا گیا۔

مجھے باپ کی موت کا بہت دکھ ہوا تھا اور پہلی مرتبہ پولیس کیلئے میرے سینے میں نفرت کی چنگاری بھڑکی تھی مگر افسوس اس بات کا تھا کہ اپنے بیگناہ باپ کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ شخص مجھ سے پچاس روپے ادھار لے کر چلا گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ پیسے مجھے واپس نہیں ملیں گے اور وہ شخص دوبارہ بھی آئے گا۔ اس نے اگرچہ مجھے تسلی دی تھی کہ میرے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا مگر میں مطمئن نہیں تھا۔ میں ہوٹل میں آنے والے ہر شخص کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ کوئی میری طرف غور سے دیکھتا تو میرا دل دھڑک اٹھتا۔

دو دن بعد وہ شخص پھر آیا اس مرتبہ اس نے دو دن کے وعدے پر سو روپے مانگے تھے۔ اب میں سمجھ گیا کہ وہ واقعی مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میں نے اسے سو روپے تو دے دیئے لیکن سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ یہ جگہ اب میرے لیے محفوظ نہیں رہی تھی۔ میں نے اس کے اگلے پھیرے سے پہلے پہلے یہ جگہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اسی رات بارہ بجے کے قریب وہ پھر ٹپک پڑا اور مجھ سے دو سو روپے کا مطالبہ کیا۔ بقول اس کے اسے فوری طور پر گوجرانوالہ جانا پڑ گیا تھا اور اس وقت کہیں سے رقم کا بندوبست نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ مجھ سے اسے انکار کی توقع نہیں تھی۔ اس وقت ہوٹل میں زیادہ گاہک نہیں تھے اور ویسے بھی میرا چھٹی کا وقت ہو گیا تھا۔ میں اسے ساتھ لے کر اکبری دروازے کی طرف چل پڑا۔ دلی دروازے اور اکبری دروازے کے بیچ ایک ایسی جگہ بھی آتی ہے جہاں سڑک کے عین درمیان میں دو تین پرانی عمارتیں ہیں۔ اس طرح یہ سڑک دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک ان قدیم عمارتوں کے سامنے سے اور دوسری پچھلی طرف سے نکلی ہے۔ میں اسے لے کر پچھلی طرف والی سڑک پر آ گیا۔ اس سڑک کے ساتھ ہی ایک پارک اور اس کے ساتھ گندہ نالا بہتا ہے جس کے دوسرے کنارے پر لاہور کے قدیم شہر کی عمارتیں ہیں۔

میں اسے لے کر پارک میں آ گیا۔ سڑک پر ٹریفک بھی کم تھا اور پارک بھی سنسان پڑا تھا۔ وہ ذرا گھبرا سا گیا تھا لیکن میں نے اسے بتایا کہ ہوٹل سے میری چھٹی ہو گئی ہے۔ یہاں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔

پارک کے وسط میں پہنچ کر میں نے اچانک ہی اسے دبوچ لیا۔ وہ عمر میں اگرچہ مجھ سے بڑا تھا لیکن جسمانی طور پر کمزور سا آدمی تھا۔ اس نے مزاحمت کرتے ہوئے چیخنے کی کوشش کی مگر میں نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن مروڑنے لگا۔ مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ مجھے زندہ رہنا تھا اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے اس جیسے لوگوں کا مرنا ضروری تھا۔

گردن مروڑ کر میں نے اسے گندے نالے میں پھینک دیا۔ اس کیلئے یہی جگہ سب سے زیادہ مناسب تھی۔ میں پارک میں سیدھا آگے نکل گیا اور پھر باہر نکل کر چکر کاٹتا ہوا ہوٹل واپس آ گیا اور چھت پر جا کر سو گیا۔

چند روز سکون سے گزر گئے اور پھر ایک رات جبکہ میں چھت پر دوسرے لڑکوں کے ساتھ سو رہا تھا

شور کی آواز سن کر جاگ گیا۔ ایک دو گولیاں چلنے کی آواز بھی سنائی دی۔ اسی دوران ایک آدمی سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا چھت پر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا تھا۔ وہ ہوٹل کا مالک سیٹھ رمضان تھا۔

"کیا ہوا سیٹھ جی گولیاں کیوں چل رہی ہیں۔" میں نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

"پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔" سیٹھ نے جواب دیا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ پولیس کو میرے بارے میں پتہ چل گیا ہے اور میری گرفتاری کیلئے چھاپا مارا گیا ہے۔ "اوئے تانی۔" سیٹھ کی آواز سن کر میں چونکا۔ "اس مرتبہ ان کتوں کو بھتہ نہیں ملی تو چھاپہ مار دیا۔ یہ تھیلا پکڑ اور بھاگ جا یہاں سے میں صبح نو بجے تمہیں بھاٹی چوک پر بھیجے پہلوان کے ہوٹل پر ملوں گا۔ سنبھال کر رکھنا تھیلا کہیں گرا مت دینا۔ اب بھاگ جا۔ اس طرف ساتھ والی چھت سے تانگوں کے اڈے کی طرف کود جانا۔"

میں نے اس کے ہاتھ سے تھیلا لیا اور ساتھ والی چھت پر چھلانگ لگا دی۔ اس سے اگلی چھت پر کود کر میں مین روڈ کی طرف آ گیا۔ اس طرف سڑک کے ساتھ تانگوں کا اڈا تھا جہاں صبح سے آدھی رات تک تانگے کھڑے رہتے تھے لیکن اس وقت اڈا خالی تھا۔ میں نے چھت کے کنارے پر پہنچ کر نیچے جھانک کر دیکھا اور پھر چھلانگ لگا دی۔ بلندی بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور ویسے بھی نیچے خشک لید کی تہیں بچھی ہوئی تھیں۔ نیچے گرتے ہی میں اٹھ کر بائیں طرف دوڑنے لگا مگر مجھے محتاط ہو جانا پڑا۔ سڑک کی دوسری طرف تھانہ تھا۔ گیٹ اگرچہ بند تھا مگر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر کوئی سنتری باہر آ سکتا تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سرکلر روڈ پر پہنچ گیا۔

اس وقت اگرچہ رات کے تین بجنے والے تھے لیکن ایک طرف ریلوے سٹیشن اور دوسری طرف لاری اڈا ہونے کی وجہ سے اس سڑک پر کچھ ٹریفک رواں تھا۔ میں سڑک پار کر کے ریلوے لائن کے ایک سوریہ پل کے نیچے سے گزرتے ہوئے مصری شاہ کی طرف نکل آیا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری منزل کہاں ہے۔ کون سا ٹھکانہ ہے جہاں مجھے جانا ہے۔ میں تو اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ پولیس کے ہاتھ نہ آ سکوں۔

مصری شاہ کے چوک سے ذرا پہلے ایک تانگہ مل گیا جو اندر ہی اندر ہوتا ہوا لاری اڈے کی طرف سے آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر تانگے والے نے میراں دی کھوئی کی آواز لگائی۔ میں دوڑ کر تانگے پر سوار ہو گیا۔ تین سواریاں پہلے ہی سے تانگے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

وہ رات میں نے میراں صاحب کے دربار کے کمپاؤنڈ میں گزاری۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی پڑے سو رہے تھے میں بھی ایک کونے میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سب لوگ فرش پر سو رہے تھے۔ میں نے تھیلا کھول کر جھانکا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ تھیلے میں ہزار پانچ سو اور سو روپے والے نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ ان نوٹوں کے نیچے سفید پوڈر کی تھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ تھیلے کو گرہ لگائی اور سٹریپ کو کلائی پر لپیٹ کر تھیلے کو گود میں رکھ لیا۔ غیر متوقع طور پر اتنی دولت ہاتھ آ گئی تھی اور اب تو میرے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ سیٹھ نے وہ تھیلا میرے حوالے کیوں کیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد ایک ہی بات ذہن میں آئی۔ وہ تھیلا کسی اور کو دینا چاہتا ہو گا لیکن بدحواسی اور جلد بازی میں میرے حوالے کر دیا۔ یا اسے مجھ پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے تھیلا مجھے دے کر صبح نو بجے بھاٹی چوک پر پیچھے پہلوان کے ہوٹل پر ملنے کو کہا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ شاید میں رقم اور ہیروئن کی تھیلیوں سے بھرا ہوا یہ تھیلا لے کر صبح نو بجے کے ہوٹل پر پہنچ جاؤں گا۔ اس نے واقعی یہ سوچا تھا تو وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق تھا۔ اتنی بڑی رقم کا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اتفاق سے یہ رقم میرے ہاتھ آ گئی تھی اور میں اتنا احمق نہیں تھا کہ یہ رقم اس کے حوالے کر دیتا۔

مجھے یہ بھی علم تھا کہ صبح جب میں نو بجے کے ہوٹل پر نہیں پہنچوں گا تو میری تلاش شروع ہو جائے گی۔ وہ شہر کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ میرے لیے محفوظ ترین جگہ یہ دربار ہی تھا۔

میں تقریباً ایک ہفتہ میراں صاحب کے دربار میں پڑا رہا۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند دربار میں حاضری دینے کیسے آتے۔ لنگر بھی بٹتے، خیرات بھی ملتی۔ مجھے کسی سے ایک جوڑا کپڑے بھی مل گئے تھے۔ میں جب یہاں آیا تھا تو میرے جسم پر میلی سی پینٹ شرٹ تھی۔ اب شلوار قمیص...... بے تحاشا بڑھے ہوئے شیو سے میرا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ میں نے بچوں کے سکول بیگ کی طرح کا ایک بیگ بھی خرید لیا تھا۔ نوٹوں اور ہیروئن سے بھرا ہوا تھیلا اس میں ڈال کر میں بیگ کو ہر وقت کندھے پر لٹکائے رکھتا۔ کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ میرے اس بیگ میں لاکھوں روپے مالیت کی ہیروئن اور لاکھوں کی نقد رقم موجود ہو گی۔ اتنی رقم پاس ہونے کے باوجود میں خیرات میں ملا ہوا کھانا کھاتا۔

دو دن اور وہاں رہ کر میں دس دن بعد دربار سے نکلا میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اگر پہچان لیا گیا تو وہ لوگ میری ہڈیوں کا سرمہ بنا دیں گے۔ میں صرف سیٹھ رمضان اور ہوٹل کے تین چار ملازموں کو پہچانتا تھا۔ نجانے کتنے لوگ میری تلاش میں ہوں گے... دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا جیسے کوئی اچانک ہی مجھے گرفت میں لے لے گا۔

ایک تانگے والے سے ذرا کچھ گہری گپ شپ ہو گئی اور پھر اسی کے توسط سے مجھے باغبانپورہ کے قریب بھوگی وال کے گنجان آباد علاقے میں ایک کھولی کرائے پر مل گئی۔ صرف ڈیڑھ سو روپے مہینے کرایہ تھا اور مجھ سے دو مہینے کا کرایہ ایڈوانس لیا گیا تھا۔ یہ مکان بالکل کھنڈر بن چکا تھا۔ صرف یہی ایک کمرہ قابل استعمال تھا جو مجھے دے دیا گیا۔ کھنڈر میں ایک طرف بغیر چھت کا غسل خانہ بھی تھا جس کے سامنے ٹاٹ کا پھٹا ہوا پردہ لٹکا ہوا تھا۔

تانگے والے سے میری دوستی گہری ہو گئی جب وہ تانگہ بند کرتا تو میرے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اس کھولی میں رہتے ہوئے میں نے بتدریج اپنا حلیہ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ بے تحاشا بڑھی ہوئی شیو کو خط بنوا کر باقاعدہ داڑھی کی صورت دی۔ آنکھوں میں عنابی شیڈ والے کانٹیکٹ لینز لگوا لیے اور پینٹ شرٹ بھی پہننا شروع کر دی۔ صرف تین دن بعد میں نے باغبانپورہ میں ڈھنگ کا ایک مکان کرائے پر لے

اور وہاں منتقل ہو گیا۔

سرور تانگے والا وہاں بھی میرے پاس آتا رہا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ بھیس بدل کر شہر سے نکل جاؤں گا لیکن پھر بھاگنے کا خیال ذہن سے جھٹک کر لاہور ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ قصور میں سیٹھ نے مجھے سمگلنگ کے دھندے میں دھکیلنے کی کوشش کی تھی تو مجھے اس پر غصہ آیا تھا لیکن اب یہ بات میری سمجھ میں آ رہی تھی کہ جیب خالی ہو تو انسان کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھا جاتا ہے۔ پیسہ جیب میں ہو تو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ میرے جیسا میٹرک پاس نوجوان جس کا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہ ہو اسے سرکاری محکمہ میں کلرکی بھی نہیں ملتی۔ میرے پاس دولت آ گئی تھی۔ اسے میں سنبھال کر خرچ کرتا تو دو چار سال آرام سے گزر سکتا تھا لیکن کب تک میں نے سیٹھ رمضان کو دیکھ لیا تھا کہ کس طرح وہ بیٹھے بیٹھے لاکھوں روپے کما رہا تھا۔ اس طرح راتوں رات دولت مند بننے کا راز مجھے بھی معلوم ہو گیا تھا اور مجھے بیٹھے بٹھائے مل رہا تھا۔

تھیلے میں ملنے والی رقم ساڑھے سات لاکھ روپے تھے اور اتنی ہی مالیت کی ہیروئن بھی تھی۔ ایک اچھا اسٹارٹ مل سکتا تھا۔ میں کئی روز تک سرور تانگے والے کا جائزہ لیتا رہا۔ میرے خیال میں وہ قابل اعتماد ساتھی بن سکتا تھا۔ اسے اعتماد میں لینے کے بعد آخرکار ایک روز میں نے اس سے ہیروئن کی بات کر ہی لی۔

اور اس طرح میرا ہیروئن کا بزنس شروع ہو گیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہا۔ کچوکے لگاتا رہا۔ میں اپنے ضمیر کو تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کرتا رہا۔ بعض اوقات اسے ڈانٹ بھی دیتا۔ کم بخت تو اس وقت کہاں مر گیا تھا جب شجاع کی جوان اور حسین بیوی کے ساتھ اپنی راتوں کو رنگین بنایا کرتا تھا۔ ضمیر کی اس کشمکش کے دوران میں دولت بڑھتی رہی۔

میرا مقابلہ سیٹھ رمضان کے گروہ سے تھا۔ اس گروہ میں بڑے بڑے جغادری قسم کے لوگ شامل تھے۔ مجھے بھی کچھ قابل اعتماد اور اچھے آدمی مل گئے تھے۔ شہر میں اور بھی کئی گروہ یہ گھناؤنا دھندا کر رہے تھے لیکن سیٹھ رمضان کے گروہ سے تو گویا میری ٹھن گئی تھی۔

سیٹھ رمضان کو بھی پتہ چل گیا کہ میں کون ہوں اور پھر وہ کھل کر سامنے آ گیا۔ اس طرح ہماری گینگ وار شروع ہو گئی۔ جہاں جس کا داؤ چلتا وار کر گزرتا۔ اس گینگ وار میں اب تک میرا ایک اور سیٹھ رمضان کے دو آدمی مارے جا چکے تھے۔

اور پھر نجانے کس طرح سیٹھ رمضان کو یہ پتا چل گیا کہ نظیر تھما جی نیچی میں قصور پولیس کو قتل کے جرم میں مطلوب ہوں۔ بات لاہور پولیس تک پہنچ گئی۔ پولیس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ ڈیڑھ سال پہلے بھاٹی دروازے کے قریب گندے نالے سے جو لاش ملی تھی اس کا قاتل بھی میں ہی ہوں۔

میرے گرد پولیس کا گھیرا تنگ ہوتا رہا۔ میں روپیہ پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ میرے ساتھی بھی ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ میں بالکل تنہا رہ گیا تھا اور پھر ایک رات پولیس نے میرے مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ میں بڑی مشکل سے وہاں سے جان بچا کر بھاگ سکا تھا۔

میرے لیے اب لاہور میں کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ میں راتوں رات وہاں سے بھاگ کر سیالکوٹ چلا گیا۔ دو دن وہاں رہا اور پھر وزیر آباد چلا گیا جہاں سٹین لیس کی کٹلری تیار کرنے والی ایک فیکٹری میں نوکری کر لی۔ رہائش کے لیے فیکٹری کے قریب ہی ایک کمرا بھی کرائے پر مل گیا۔

ان سارے ہنگاموں میں چار آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ مجھے مفرور دہشت گرد قرار دے دیا گیا تھا اور اخبارات میں میری تلاش کے لیے بڑے بڑے اشتہار چھپ رہے تھے۔ میری گرفتاری کے لیے لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس اشتہار کے ساتھ میری وہ تصویر چھپ رہی تھی جو میں نے میٹرک کے امتحانی فارم پر لگائی تھی۔ اس تصویر اور میرے موجودہ چہرے میں بڑا فرق تھا اس لیے مجھے اپنے پہچانے جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔

میں دو سال تک کٹلری کے اس کارخانے میں کام کرتا رہا۔ اس دوران میں لاہور پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ سیٹھ رمضان نے منشیات کے دھندے میں پھر اپنے قدم جما لیے تھے۔ میں نے ایک بار پھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مرتبہ میرا اس قسم کے کاروبار کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر میں سیٹھ رمضان کو سبق سکھانا چاہتا تھا جس نے مجھے برباد کیا تھا اور خود کیسے پھل پھول سکتا تھا۔

لاہور آنے سے پہلے میں نے داڑھی صاف کروا دی البتہ مونچھیں بڑھا لیں۔ لاہور آنے کے بعد دو تین دن تک رمضان کے ہوٹل کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ بالوں کے بدلے ہوئے سٹائل اور بھاری مونچھوں کی وجہ سے کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے میرے پاس سٹین لیس کے بلیڈ والا وہ خنجر بھی موجود تھا جو وزیر آباد کی کٹلری فیکٹری میں، میں نے خود تیار کیا تھا۔

ان دو تین دنوں کے دوران میں نے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں۔ رمضان کی رہائش ماڈل ٹاؤن میں تھی۔ اس کی گاڑی کئی روز سے خراب تھی اور وہ رکشے پر آتا جاتا تھا اور یہ کہ وہ رات گیارہ بجے کے قریب ہوٹل سے اٹھ جایا کرتا تھا۔

اس رات وہ گیارہ بجنے کے قریب اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا تو میں وہاں سے ہٹ کر ایک رکشے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ چند منٹ بعد رمضان ہوٹل سے نکل کر سامنے ہی کھڑے ہوئے ایک رکشے پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے قریب کھڑے ہوئے رکشے میں بیٹھ گیا اور جیب سے سو کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا اس رکشے کا پیچھا کرنا ہے۔ ڈرائیور نے کوئی سوال نہیں کیا سو کے نوٹ نے اس کی زبان بند کر دی تھی۔

دونوں رکشے کراؤن چوک سے برانڈرتھ روڈ پر اور اس سے آگے آ کر میکلوڈ روڈ پر مڑ گئے۔ لاہور کے رکشوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ پیچھے سے بند ہوتے ہیں اور دائیں بائیں لگے ہوئے مضبوط اسپرنگوں والے میگزین قسم کے دروازے بھی بند ہوتے ہیں۔ اس میں بیٹھا ہوا شخص سامنے تو دیکھ سکتا ہے دائیں بائیں یا پیچھے نہیں۔ اس طرح رمضان یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

مال روڈ عبور کر کے رمضان والا رکشا جین مندر والی سڑک پر آ گیا۔ اس سڑک پر بائیں طرف نیشنل بینک اور اس سے آگے اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر والی بلڈنگ ہے۔ دن کے وقت تو اس سڑک پر اچھا خاصا رش ہوتا ہے، لیکن اس وقت وہاں سناٹا تھا۔ میں نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ اے جی آفس کے قریب وہ اپنا

رکشا آگے نکال کر دوسرے رکشے کو روک لے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

رکشا رکتے ہی میں نیچے اتر آیا۔ میرے رکشے والے نے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میرے اترتے ہی وہ وہاں سے بھگا لے گیا۔ میں بجلی کے کوندے کی طرح دوسرے رکشے کی طرف لپکا۔ میرے ایک ہاتھ میں خنجر تھا دوسرے ہاتھ سے میں نے دروازہ کھول دیا۔

رمضان پہلے تو مجھے پہچان نہیں سکا لیکن جب میں نے اسے بازو سے پکڑ کر رکشے سے باہر کھینچا تو میری پہچان کر اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ میں جانتا تھا کہ اس کی جیب میں پستول موجود ہو گا لیکن اس کا ایک ہاتھ میری گرفت میں تھا اور دوسرے ہاتھ میں تھیلا جو غالباً نوٹوں اور ہیروئن کی تھیلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ رکشے کا ڈرائیور بھی شاید صورت حال کو بھانپ گیا تھا۔ اس نے بھی بھاگ لینے ہی میں عافیت سمجھی۔

رمضان نے زوردار جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور ایک طرف دوڑ لگا دی اور پھر دیوار پھاند کر اے جی آفس بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں کود گیا۔ وہ مدد کے لیے چیخ رہا تھا۔ میں بھی خنجر لہراتا ہوا اس کے پیچھے لپکا۔ وہ بلڈنگ کی طرف دوڑ رہا تھا۔ یہی اس نے غلطی کی تھی کہ وہ عمارت کے کمپاؤنڈ میں کود گیا تھا یہاں اسے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ سڑک پر دوڑتا تو شاید کوئی اس کی مدد کو آ جاتا۔ اس بلڈنگ کا چوکیدار تو اس وقت کسی کونے کھدرے میں دبکا ہو گا۔

رمضان کو میں نے عمارت کے برآمدے میں جا لیا۔ اس کی اور میری دشمنی ہیروئن کے دھندے تک محدود تھی اور اس کی وجہ سے میرا کاروبار تباہ بھی ہو جاتا تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوتا۔ یہ دھندا میں نے اسی کے پیچھے شروع کیا تھا لیکن اس نے تو میری جڑیں تک کھود ڈالی تھیں۔ پورے شہر کی پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا تھا اور اب تو میں پورے ملک کی پولیس کو مطلوب تھا۔

رمضان گڑگڑا رہا تھا لیکن مجھے اس پر رحم نہیں آیا۔ میں اس وقت درندہ بن گیا تھا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ میں اس کے سینے پر خنجر کے پے در پے وار کرتا رہا۔ وہ چیختا رہا اور پھر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے تھیلا چھینا اور [illegible] والی کی طرف دوڑ لگا دی۔

دیوار پھاند کر جیسے ہی سڑک پر آیا بائیں طرف سے پولیس وین سائرن بجاتی ہوئی آ گئی۔ اس طرف آگے ایک پٹرول پمپ تھا اور میرا خیال ہے یہ وین وہاں کھڑی ہو گی اور ہم دونوں میں سے کسی رکشے کے ڈرائیور نے یہاں کسی گڑبڑ کی اطلاع دے دی ہو گی۔

میں نے سڑک پار کر کے جین مندر کی طرف دوڑ لگا دی اور مندر کے ساتھ ایک تنگ سی گلی میں گھس رہا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی میرے بازو کے قریب سے گزرتی ہوئی دیوار میں لگی۔ تھیلا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں تھیلا اٹھانے کو جھکا تو دوسری گولی میرے سر سے چند فٹ اوپر دیوار میں لگی۔ اگر جھکنے میں ایک لمحہ کی تاخیر ہو جاتی تو میرے بھیجے میں اتر جاتی۔ میں نے تھیلے کا خیال چھوڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔

آگے تنگ اور تاریک گلیاں تھیں جو میرے لیے بالکل اجنبی تھیں، لیکن میں بہرحال ان گلیوں میں دوڑتا رہا۔ میرے پیچھے بھی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ غالباً دو پولیس والے تھے جو ان تنگ اور تاریک گلیوں میں میرا پیچھا کر رہے تھے، لیکن میں نے جلد ہی انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

میں ان گلیوں سے نکل کر ایک کشادہ سڑک پر پہنچ گیا اور سڑک پار کر کے دوڑتا ہوا پارک میں گھس گیا۔

بہت وسیع و عریض پارک تھا جس کا ایک کونا چوبرجی کے قریب والی سڑک پر جا ملتا تھا۔ اس کونے میں پی آئی اے پلانیٹیریم بھی بنا ہوا تھا اور بچوں کی تفریح کے لیے ایک جہاز بھی استادہ تھا۔ اس پارک کے دائیں بائیں سڑکوں پر کباب کے ہوٹل تھے جہاں خاصی رونق تھی۔ میں محتاط انداز میں چلتا ہوا چوبرجی سے پہلے گندے نالے کی پلیا کر کے شام نگر میں داخل ہو گیا۔

اس سڑک پر دونوں طرف بنگلہ نما رہائشی مکان تھے۔ میں کچھ آگے جا کر ایک گلی میں مڑ گیا۔ دو پہلے جب میں لاہور میں دھندا کرتا تھا تو میرا ایک آدمی شام نگر میں بھی رہتا تھا مجھے اسی کے مکان کی تلاش تھی۔

میرے پیچھے ایک رکشا بھی گلی میں مڑا تھا۔ اس کے ہیڈلیمپ کی روشنی سے بچنے کے لیے میں ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ میری پینٹ اور شرٹ پر رمضان کے خون کے دھبے پڑ گئے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دھبوں کو دیکھ کر کسی شبے میں مبتلا ہو جائے۔

رکشا ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ صرف ایک عورت اتری تھی اس نے کرایہ دینے کے لیے رکشے کے آگے آ کر ہیڈلیمپ کی روشنی میں پرس کھولا تو میں اس کی شکل دیکھ کر چونک گیا وہ رضیہ تھی۔ رضیہ شجاع کی بیوی

رکشا وہیں سے مڑ کر واپس چلا گیا۔ میں دیوار کی آڑ میں کھڑا رہا۔ مجھے چابیوں کی چھن چھناہٹ اور تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رضیہ اس مکان میں اکیلی رہتی تھی۔ وہ اندر چلی گئی تو میں بھی دیوار کی آڑ سے اٹھا اور بڑی آہستگی سے رضیہ والے مکان کی دیوار سے اندر کود گیا۔

تقریباً اسی وقت اندر بتی جلی تھی۔ میں نے برآمدے میں پہنچ کر بڑی آہستگی سے دستک دی۔ "کون ہے۔" اندر سے رضیہ کی آواز سنائی دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول دیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ میرے خون آلود کپڑے اور ہاتھ میں خنجر دیکھ کر رضیہ کے چہرے پر دہشت سی پھیل گئی۔ اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا تو میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو خنجر سینے میں اتار دوں گا۔" میں ہولے سے غرایا۔ "ویسے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے اجنبی نہیں ہوں۔ میں تابی ہوں۔"

میں نے رضیہ کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ اب بھی خوف زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ "خون آلود کپڑے تمہارے ہاتھ میں خنجر۔ یہ سب کیا ہے؟" وہ ہکلائی۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے بعد میں سناؤں گا۔ گھر میں اس وقت تمہارے علاوہ اور کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کوئی نہیں۔ میں اکیلی رہتی ہوں۔" رضیہ نے کہتے ہوئے دروازے کا بولٹ چڑھا کر لاک لگا دیا۔ "مندر کی طرف بڑی زبردست چیکنگ ہو رہی ہے کسی کو قتل کر دیا گیا ہے اور چاروں طرف پھیلی ہوئی پولیس قاتل کی تلاش کر رہی ہے۔" "کہیں....."

وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "پولیس کو میری تلاش ہے۔ میں اس طرف ایک دوست کی تلاش میں آیا تھا۔ اتفاق سے تمہیں رکشے سے اترتے ہوئے دیکھ لیا۔"

رضیہ مجھے ایک کمرے میں لے آئی۔ اس کی کہانی بھی خاصی دلچسپ تھی۔ قصور میں پولیس نے اسے بھی شجاع کے قتل میں پھنسانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اس کے سات آٹھ مہینے بعد وہ اپنا مکان بیچ کر لاہور آ گئی۔ بہت بڑا مکان تھا جس کے اسے صرف آٹھ لاکھ روپے ملے تھے۔ دو لاکھ روپے الگ رکھ کر چھ لاکھ اس نے قومی بچت اکاؤنٹ میں جمع کروا دیے جہاں سے ہر مہینے تقریباً نو ہزار روپے منافع کے طور پر مل جاتے تھے وہ صرف میٹرک پاس تھی مگر محلے کے ایک کنڈرگارٹن سکول میں ٹیچر کی جگہ مل گئی۔ اسے نوکری کی ضرورت تو نہیں تھی مگر لوگوں کی باتوں سے بچنے کے لیے اسے یہ نوکری کرنی پڑی تھی۔

رضیہ سے میری ملاقات تقریباً چھ سال بعد ہوئی تھی۔ اس عرصے میں وہ بھی کچھ بدل گئی تھی۔ حسن اس پر پہلے سے زیادہ نکھار آ گیا تھا۔

میں رضیہ کے ہاں ایک ہفتہ رہا۔ پہلے تو مجھے شبہ ہوا تھا کہ مجھے پکڑوا نہ دے۔ لیکن پرانے تعلقات کے باعث وہ قابل اعتماد ثابت ہوئی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے ایک بار پھر وہی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ یہاں وہ بڑی شرافت کی زندگی گزار رہی تھی۔ محلے والوں کو اس نے بتایا کہ میں اس کا کزن ہوں۔ چند روز بعد چلا جاؤں گا۔ اس کے ہاں پڑوس کی خواتین کا آنا جانا بھی تھا مگر میں کبھی کسی کے سامنے نہیں آیا تھا۔

رضیہ کے توسط سے میں حالات سے باخبر تھا۔ اخبار بھی منگوا لیتا تھا۔ رمضان کے قتل کی خبر کے ساتھ میرا وہ حلیہ بھی شائع کیا گیا تھا جو رکشا ڈرائیوروں نے پولیس کو بتایا تھا اور پولیس نے میرے بارے میں ایک رائے بھی قائم کر لی تھی۔ اخبارات بھی کچھ ایسے ہی نتیجے پر پہنچے تھے کہ رمضان کا قاتل تابی ہے جو پولیس کو پہلے ہی قتل کے کئی مقدمات میں مطلوب ہے۔ ایک اخبار نے تو یہ سرخی بھی لگائی تھی "کیا شہر میں دوبارہ گینگ وار شروع ہونے والی ہے؟" لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس مرتبہ میں جس مقصد سے لاہور آیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا اور اب تو میں یہاں سے بھاگنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔

اخبارات میں ایک بار پھر میری تلاش کے حوالے سے پانچ لاکھ روپے انعام والے اشتہارات چھپنا شروع ہو گئے تھے۔ میری میٹرک کے امتحانی فارم والی پرانی تصویر کے ساتھ ایک فرضی خاکہ بھی شائع کیا گیا تھا جو رکشا ڈرائیوروں کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق تیار کیا گیا تھا، لیکن میرے چہرے اور اس خاکے میں ذرا بھی مشابہت نہیں تھی۔ اس خاکے کو میری تصویر نہیں ایک اچھا کارٹون ضرور کہا جا سکتا تھا۔

اس ایک ہفتے کے دوران میں نے پھر داڑھی بڑھا لی اور مونچھیں صاف کروا دیں۔ بالوں کا سٹائل بھی تبدیل کرا لیا اور پھر ایک روز میں نے لاہور سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ رضیہ بھی میرے ساتھ تھی۔ پروگرام تو یہ بنا تھا کہ رضیہ میرے ساتھ کراچی جائے گی اور چند روز وہاں رہنے کے بعد واپس آ جائے گی، لیکن میں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا وہ کچھ اور تھا۔ یہاں سے تو میں رضیہ کو اس لیے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ مجھ پر کوئی شبہ نہ کیا جائے۔ میرے بارے میں تو یہی مشہور تھا کہ میں اکیلا ہوں اور جب بیوی ساتھ ہو گی تو کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جائے گا۔

ہم بس کے ذریعے ملتان پہنچے جہاں ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ دو دن ملتان کی سیر کرتے رہے۔ تیسرے دن میں نے بڑی ہوشیاری سے رضیہ کے پرس سے ساری رقم نکال لی اور اسے ہوٹل کے کمرے میں سوتا چھوڑ کر ریلوے سٹیشن پہنچ گیا جہاں کراچی جانے والی ٹرین تیار کھڑی تھی۔

رضیہ کی اب مجھے ضرورت نہیں رہی تھی۔ میرے غائب ہو جانے سے اسے ہوٹل میں پریشانی ضرور ہوئی ہو گی لیکن مجھے اس کی پریشانیوں کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ میرا کراچی جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے حیدرآباد سٹیشن پر ہی اتر گیا اور وہاں سے عمرکوٹ آ گیا جہاں میرا دور کا ایک عزیز رہا کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے میری ان سرگرمیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو گا اور میں اپنے آپ کو اس کے ساتھ یہاں سیٹ کر لوں گا۔

عمرکوٹ پہنچتے ہی سب سے پہلے میں نے بس اڈے کے قریب فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے ایک حجام سے اپنی داڑھی صاف کروائی اور اپنے عزیز کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جس کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ یہاں سے کام چھوڑ کر کہیں جا چکا ہے اور پھر اسی دوران میری ملاقات اس حسین ناگن سے ہو گئی جس کی وجہ سے میں اس وقت مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔" میں اپنی کہانی سنا کر خاموش ہو گیا۔

میرے قریب بیٹھی ہوئی بیلا نے مجھے گھورا اور ایک ہاتھ سے میرے بازو کے مسل کو سہلانے لگی۔

"جوان اور خوبصورت عورت سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔" میں نے کہتے ہوئے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا۔

دیوانگی اور وحشت کا کھیل ایک بار پھر شروع ہو گیا جنون نے حواس مشتعل کر دیے اور جب دیوانگی کے لمحات بیت گئے تو میرے ذہن پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور میں انبساط کی سی کیفیت میں ڈوبتا چلا گیا۔

آنکھ کھلی تو بیلا میرے پاس نہیں تھی۔ غار میں اندھیرا کچھ بڑھ گیا تھا۔ دہانے کے باہر صحرا میں دھوپ چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر تاریکی میں ادھر ادھر دیکھا۔ بیلا دکھائی نہیں دی۔ میں نے ہولے سے اسے پکارا بھی مگر جواب نہیں ملا۔ میں اٹھ کر غار کے دہانے پر آ گیا۔ دور دور تک صحرا کی ریت چمک رہی تھی اور لو کے تھپیڑے چل رہے تھے۔ ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ بیلا مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گئی لیکن پھر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس تپتے ہوئے صحرا میں سفر کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ میں دوبارہ غار کے اندر آ گیا اور ایک بار پھر بیلا کو پکارا لیکن اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ جب ہم باتیں کر رہے تھے تو جلتی ہوئی مشعل دیوار میں ٹنگی ہوئی تھی مگر اب تاریکی تھی۔

اور پھر یکایک ہی میں اچھل پڑا۔ بیلا یقیناً کالی کی مورتی والے غار میں گئی ہو گی یہ خیال آتے ہی میں دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا پہلے وہ تنگ سی دراز اور پھر سرنگ سے گزرتا ہوا آخر کار میں کالی کی مورتی والے ہال میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی گہری تاریکی تھی۔ چھت کے سوراخ سے بھی اب دھوپ نہیں آ رہی تھی۔ سورج ایک طرف جھک گیا تھا اور دھوپ اب اس چٹان کے اس سوراخ پر نہیں پڑ رہی تھی۔ ایک طرف دیوار پر بہت مدھم سی روشنی کا شائبہ سا تھا۔

میں ایک جگہ پر کھڑا اس طرف دیکھتا رہا جہاں میرے خیال میں کالی کی مورتی ہونی چاہیے تھی اور پھر ٹھٹک گیا۔ اس تاریکی میں بھی کالی کی مورتی کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اچھل پڑا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے مورتی نے بڑی آہستگی سے دائیں بائیں حرکت کی ہو۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے اور گردن پر چیونٹے سے رینگتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ دیویوں اور دیوتاؤں کے بارے میں پرہول سے خیالات میرے ذہن میں سر ابھارنے لگے اور کالی کے بارے میں تو بہت سی پراسرار باتیں مشہور تھیں۔ مورتی

نے ایک بار پھر حرکت کی۔ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا، لیکن اسی لمحہ مورتی نے تیسری بار حرکت کی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

میں گہری نظروں سے مورتی کی طرف دیکھنے لگا اور پھر بات میری سمجھ میں آ گئی مورتی کے پیچھے کوئی بہت مدھم سی روشنی تھی وہ روشنی بہت آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔ مورتی کے پس منظر میں اس متحرک روشنی سے ہی یوں لگا تھا جیسے مورتی حرکت کر رہی ہو۔

وہ روشنی بہت ہی مدھم تھی۔ بس شبہ ہوتا تھا کہ اس طرف کسی قسم کی روشنی موجود ہے۔ میں چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا غور سے اس طرف دیکھتا رہا اور پھر دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ نجانے کیوں مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ بیلا کالی کی اس مورتی کے پیچھے کسی جگہ موجود ہے۔

مورتی والے چبوترے کے قریب پہنچ کر میں ایک لمحہ کو رکا اور پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اب چبوترے اور چٹان کی دیوار کے بیچ تقریباً چار فٹ جگہ تھی میں دیوار ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور ایک تنگ سی دراز میں گھس گیا۔ اس دراز میں دو آدمی پہلو بہ پہلو بمشکل چل سکتے تھے۔ چند گز آگے دائیں طرف کسی جگہ روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی بھی متحرک تھی اور اسی کے عکس میں کالی کی مورتی ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

بیلا کے بارے میں اب میرے شبہات قوی تر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟ میں یہی سوچتا ہوا دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ آگے وہ دراز دائیں طرف مڑ گئی تھی اور روشنی اسی طرف سے آ رہی تھی۔ دفعتاً ایک آواز سن کر میرے قدم رک گئے۔ میں نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ بیلا کی آواز تھی جو کسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وہ بہت خطرناک ہے حکم، اگر شہر پہنچن میں کامیاب ہو گئے تو قابو میں آوت والو نا ہی ہے۔ ہاں حکم ہاں..... میرے سامنے تین بندوں کو مار دیو ہے۔ بہت ہمت والا ہووے ہے.....“ وہ خاموش ہو گئی اور چند لمحوں بعد پھر اس کی آواز سنائی دینے لگی۔ "وہ اس وقت سووت رہیو ہے تم لوگ سورج ڈوبن سے پہلے یہاں پہنچنا رہیو حکم..... اگر وہ ہاتھ سے نکل گیو تو..... ہاں..... ٹھیک ہے حکم....."

میں نے آگے بڑھ کر بڑی احتیاط سے اس دراز میں جھانکا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ غار ایک عام کمرے سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ پتھر کے ایک چبوترے پر ایک جدید ترین ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ بیلا گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں پر ہیڈ فون لگے ہوئے تھے اور وہ ٹرانسمیٹر پر کسی کو میرے بارے میں اطلاع دے رہی تھی۔ وہ نجانے کب سے یہاں تھی۔ پچھلے واقعات کی ساری تفصیل بتا چکی ہو گی اور ان لوگوں کو سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے یہاں پہنچنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ وہ اب تک مجھ سے بڑی صاف اردو میں باتیں کرتی رہی تھی۔ ایک آدھ لفظ ہندی کا بھی استعمال کر جاتی تھی لیکن ٹرانسمیٹر پر وہ ٹھیٹھ راجستھانی زبان میں بات کر رہی تھی اور اس کی گفتگو کا مفہوم میں سمجھ گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کے آنے تک وہ مجھے قابو میں رکھے گی۔

اب صورتحال کچھ اور واضح ہو گئی تھی۔ یہ واقعی کوئی بہت بڑا اور خطرناک گروہ تھا جس کے پاس اتنا جدید ترین مواصلاتی نظام بھی موجود تھا اور یہ پہاڑی انہی کے قبضے میں تھی جسے انہوں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا اور قریبی شہر کدالیا کے رہنے والوں کے دلوں میں اس قدر دہشت پیدا کر رکھی تھی کہ کوئی اس طرف آنے کی جرأت نہیں کرتا

تھا۔

''ٹھیک ہے خلم......'' اندر سے بیلا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''اس کے مکفرتم کا بے کرتے ہو۔ وہ میری مٹھیا میں ہے...... بس ختم۔ میں تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔''

میں سمجھ گیا کہ گفتگو کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ میں تیزی سے چلتا ہوا دراز سے باہر آ گیا اور کالی کی مورتی والے چبوترے کے سامنے کی طرف آ کر بیلا کا انتظار کرنے لگا۔

میرا انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ تقریباً ایک منٹ بعد ہی دیوی کی مورتی کے پیچھے روشنی دکھائی دی اور بیلا کے ہلکے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ چبوترے کی دائیں طرف سے آ رہی تھی اور میں بائیں طرف چلتا ہوا چبوترے کے پیچھے جا رہا تھا۔ ریوالور میں نے جیب میں ڈال لیا تھا کیونکہ میرے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

میں کالی کی مورتی کے عین پیچھے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اس کے اٹھے ہوئے بازو کے نیچے کے خلا سے میں بیلا کو دیکھ سکتا تھا۔ مورتی کے گلے میں پیپل کے خشک پتوں اور سوکھے ہوئے پھولوں کے بہت سے ہار بھی پڑے ہوئے تھے اور میرا چہرہ ان کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

میرا خیال تھا بیلا سیدھی غار سے باہر چلی جائے گی لیکن مورتی کے سامنے پہنچ کر اس نے مشعل چبوترے کے کونے پر رکھ دی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتی رہی۔ پھر قدرے اونچی آواز میں بولی۔

''میری رکھشا کرنا کالی ماں، میرے اندر اتنا حوصلہ پیدا کر دے کہ میں اس منش کو قابو میں رکھ سکوں۔ اگر یہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے اتنی شکتی دے کہ یہ راکھشس میرے قابو میں رہے۔''

اس نے چبوترے پر رکھی راکھ کی چٹکی بھری اور ماتھے پر ٹیکہ لگا لیا۔ اس نے جیسے ہی ایک قدم پیچھے ہٹایا، میرا ہاتھ مورتی کے گلے میں پڑی ہوئی مالاؤں سے ٹکرا گیا۔ خشک پتوں میں ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور مالا میں لٹکی ہوئی ایک کھوپڑی ہلنے لگی۔ بیلا دہشت زدہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔

''جے بھوانی...... جے کالی ماتا کی......'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا وہ چند لمحے خوف زدہ سی نظروں سے کالی کی مورتی کو دیکھتی رہی پھر مشعل اٹھانے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھی میں مورتی کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔

''جے بیلا کی......'' میں نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

بیلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''کالی دیوی سے شکتی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے اندر تو خود اتنی شکتی ہے کہ بڑے سے بڑے سورما کو چت کر سکتی ہو۔ حسن و شباب کی شکتی دنیا کی سب سے بڑی شکتی ہوتی ہے۔ اس نے تو حکومتوں کے تختے الٹ دیئے۔ میں تو ایک کمزور سا آدمی ہوں۔''

''تت...... تم یہاں کیسے آ گئے؟'' وہ چبوترے کی طرف بڑھتے ہوئے ہکلائی۔

''جیسے تم آئی تھیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''فرق صرف یہ تھا کہ یہاں تک آنے کے لیے مجھے تاریکی میں ٹھوکریں کھانی پڑی تھیں۔ بہرحال تم نے کس کو یہاں بلایا ہے وہ کون لوگ ہیں اور تمہاری اصلیت کیا ہے؟''

''تت...... تم نے......'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے کچھ اور پھیل گئی تھیں۔

''ہاں...... میں نے ٹرانسمیٹر پر تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ اس پہاڑی کے غاروں میں تم لوگوں نے اپنا مستقل اڈہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا یہ گروہ کن سرگرمیوں میں مصروف ہے اور مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔''

''ہم...... میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ بدستور چبوترے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''اور اس بریف کیس میں کیا ہے جو تم نے جیپ میں کہیں چھپایا تھا؟'' میں نے ایک اور سوال کیا۔ اس نے ٹرانسمیٹر پر ہی اپنے مخاطب کو بتایا تھا کہ بریف کیس اس نے جیپ میں چھپایا تھا جو وہیں رہ گیا ہے۔

''ہم...... میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' بیلا نے کہتے ہوئے چبوترے کے کنارے پر پڑی ہوئی مشعل اٹھا لی۔

اس نے مشعل کو لٹھ کی طرح دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اچانک مجھ پر حملہ کر دیا۔ میرے لیے اس کی یہ جرأت بالکل غیر متوقع تھی۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچا سکا لیکن لڑکھڑاتے ہوئے اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور پیچھے گر گیا۔ بیلا نے یکے بعد دیگرے دو تین وار کیے۔ میں زمین پر لوٹ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک مرتبہ جلتی ہوئی مشعل میرے بائیں شانے پر لگی۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا لیکن اس کے بعد میں نے اسے کوئی موقع نہیں دیا۔

چوٹ کھانے کے بعد میں بڑی پھرتی سے اٹھ گیا۔ مشعل کے وار کو بائیں ہاتھ پر روکا اور دائیں ہاتھ سے اس کے پیٹ میں گھونسا رسید کر دیا۔ وہ بلبلا کر دوہری ہو گئی۔ میں نے مشعل اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دی اور بیلا کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ مردوں کا دل بہلانے میں اچھی تھی تو لڑائی بھڑائی میں بھی کم نہیں تھی لیکن میں نے اسے زیادہ چھیلنے کا موقع نہیں دیا۔ اسے اٹھا کر میں نے کالی کے چرنوں کے سامنے چبوترے پر پٹخ دیا اور وہ تیغہ اٹھا لیا جو انسانی جانوروں کی بھینٹ کے وقت استعمال ہوتا تھا۔

تیغہ خاصا وزنی تھا۔ اس کا پھل آگے سے زیادہ چوڑا تھا۔ اس پر پچھلی بھینٹ کا خون جما ہوا تھا۔ میں نے تیغہ دونوں ہاتھوں میں اٹھایا تو خون کی چند پپڑیاں اکھڑ کر بیلا کے سینے پر گریں۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

''مسلمان ہونے کے ناتے میں پتھر کی ان بے جان مورتیوں کو نہیں مانتا لیکن آج میں کالی کے چرنوں میں تمہاری بھینٹ ضرور دوں گا۔'' میں نے کہتے ہوئے تیغے کو سر سے اوپر اٹھا لیا۔

اسی وقت میری نظر مورتی کی طرف اٹھ گئی۔ ایک سیاہ کوبرا سوکھے پتوں کی مالاؤں سے نکل کر نیچے کی طرف رینگ رہا تھا۔ اگر سوکھے پتوں میں ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز سنائی نہ دیتی تو میں اس خطرناک سانپ کو نہ دیکھ پاتا۔ بیلا نے سانپ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو خوف زدہ نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی اٹھے ہوئے تیغے کو دیکھ رہی تھی۔ کوبرا سوکھے پتوں سے کئی انچ باہر آ گیا اور پھر اس کا پھن پھولنے لگا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ

بیلا پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ میں نے ایک نظر بیلا کی طرف دیکھا اور پھر چیختے ہوئے پوری قوت سے تیغے کو نیچے لے آیا۔

بیلا کے منہ سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی، لیکن تیغے نے اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر کوبرے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کا سر والا حصہ بیلا کے قریب چبوترے پر گرا۔ میں نے ایک ہاتھ سے بیلا کو پکڑ کر بڑی تیزی سے چبوترے سے نیچے کھینچ لیا۔ کوبرے کا سر والا حصہ کچھ دیر چبوترے پر پیچ و تاب کھاتا رہا پھر بے حرکت ہو گیا۔ سانپ کا دوسرا حصہ مورتی کے پیچھے کسی جگہ گرا تھا۔

بیلا پھٹی پھٹی سی نظروں سے چبوترے پر پڑے ہوئے سانپ کے اس آدھے حصے کو دیکھتی رہی پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور میرے سینے پر گھونسے برسانے لگی۔

"تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ تم واقعی مجھے قتل کرنے جا رہے ہو۔"

"ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے اس لیے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔" میں نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ مت سمجھنا کہ ہم میں کوئی مفاہمت ہو رہی ہے۔ تم نے تو میرے گرد ایک مضبوط جال تیار کر لیا ہے۔ مجھے نہ صرف اس جال سے نکلنا ہے بلکہ تمہارے سینے میں چھپے ہوئے سارے راز بھی نکلوانے ہیں، لیکن فی الحال یہاں سے تو نکلو۔"

میں مشعل اٹھا کر بیلا کے ہاتھ میں تھما دی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ باہر والے غار میں آ کر بیلا نے مشعل دیوار کے اس سوراخ میں گاڑھ دی اور دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔

میں چند لمحے وہاں کھڑا رہا۔ پھر زمین پر پڑا ہوا مشکیزہ اٹھا کر پانی کے چند گھونٹ بھرے اور مشکیزہ نیچے پھینک کر بیلا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا غار کے دہانے تک لے گیا۔

دھوپ ماند پڑنے لگی تھی۔ سورج اس پہاڑی کے پیچھے جا چکا تھا۔ پہاڑی کا سایہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے بعد سورج غروب ہونے والا تھا۔ بیلا نے ٹرانسمیٹر پر جن لوگوں سے بات کی تھی انہیں سورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہاں پہنچ جانا تھا اور ظاہر ہے یہاں آ کر وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ بیلا نے تو انہیں اطمینان دلا دیا تھا کہ ان کے آنے تک مجھے قابو میں رکھے گی لیکن اب وہ خود میرے قابو میں آ گئی تھی۔

بیلا کو وہیں چھوڑ کر میں پانی کا مشکیزہ اٹھا لایا اور پھر بیلا کا ہاتھ پکڑ کر میں غار کے دہانے سے باہر نکل آیا۔ ان لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے مجھے کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی تھی۔ بیلا میرے ساتھ جانے سے ہچکچا رہی تھی، لیکن میں اس کا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچنے لگا۔

غار کے دہانے کے سامنے ڈھلان تھی جو بہت دور تک چلی گئی تھی۔ میں غار سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر چٹان کے ساتھ ساتھ دائیں طرف چل پڑا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرف چٹان میں سامنے کے رخ پر کوئی ایسی محفوظ جگہ مل جائے گی جہاں سے میں سامنے والے راستے پر نگاہ بھی رکھ سکوں گا۔

ہم نے تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ بیلا نے اچانک ہی ہاتھ چھڑا کر مجھے زوردار دھکا دیا

اور غار کے دہانے کی طرف دوڑنے لگی۔ میں اس ڈھلان پر کئی گز تک لڑھکتا چلا گیا۔

اپنے آپ کو سنبھالنے کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ اگر بیلا غار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی تو میں اسے تلاش نہیں کر سکوں گا۔ میں نے غار کے دو حصے ہی دیکھے تھے لیکن اس کے اندر اتنی درازیں اور چھوٹے چھوٹے غار تھے کہ کسی کو تلاش کر لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور بیلا نے بھی غالباً یہی سوچا تھا کہ اپنے ساتھیوں کے آنے تک اپنے آپ کو مجھ سے بچائے رکھے اور پھر وہ لوگ مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ میں بھوکا پیاسا کب تک پہاڑ وہ سکوں گا۔

یہ خیال آتے ہی میں نے جیب سے ریوالور نکال کر گولی چلا دی۔ اتفاق سے گولی نشانے پر لگی۔ بیلا چیخ کر گر پڑی اور ڈھلان پر لڑھکتی چلی گئی۔

میں تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔ اس دوران وہ ڈھلان پر لڑھکتی ہوئی تقریباً بیس گز نیچے آ چکی تھی۔ اس کی چیخیں بھی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

آگے ڈھلان پر ایک بڑا سا نوکدار پتھر پڑا ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پتھر سے ٹکراتی میں نے اسے روک لیا وہ اب بھی ہولے ہولے چیخ رہی تھی۔ اٹھانے سے پہلے میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میری گولی اس کی بائیں پنڈلی کی کھال کو چھیلتی ہوئی چلی گئی تھی جس سے بہت معمولی سا خون رس رہا تھا۔

"معمولی سی کھال چھلی ہے۔ کوئی قیامت نہیں آ گئی۔"

میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ "اگر یہی گولی تمہاری کھوپڑی میں لگتی تو کیا ہوتا، لیکن اب دوبارہ ایسی حرکت کرو گی تو......" میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

وہ لنگڑاتی ہوئی میرے ساتھ چلتی رہی۔ اس کے حلق سے کراہیں سی خارج ہو رہی تھیں پندرہ بیس گز تک ڈھلان پر لڑھکنے سے اسے کچھ اور چوٹیں بھی آئی تھیں۔

میں بیلا کا ہاتھ پکڑ کر چٹان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ستر اسی گز کا فاصلہ طے کر کے میں ایک تنگ سی دراڑ کے سامنے رک گیا۔ یہ دراڑ ساٹھ کا زاویہ بناتی ہوئی اوپر کو چلی گئی تھی۔ میں نے پہلے بیلا کو آگے دھکیلا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھنے لگا۔

پندرہ بیس فٹ اوپر بڑے بڑے پتھر قریب قریب پڑے ہوئے تھے۔ پہلے دو پتھروں کے بیچ اتنی جگہ تھی کہ ہم دونوں آسانی سے وہاں بیٹھ سکتے تھے۔ میں نے آس پاس کا جائزہ لیا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ چٹان کا یہ حصہ پہاڑی میں ذرا آگے کو نکلا ہوا تھا یہاں سے نہ صرف غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا بلکہ سامنے بھی دور دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

بیلا پتھر سے ٹیک لگائے شاید اب بھی ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ میں نے اس کی ٹانگ سیدھی کر دی اور پتلون کا پائنچہ اوپر اٹھا کر پنڈلی کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔ زخم بہت معمولی تھا۔ صرف کھال چھلی تھی جس سے خون رس رہا تھا۔

"اپنی شرٹ اتارو۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" بیلا نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا۔ "میں تکلیف سے مری جا رہی ہوں اور تم"

"شرٹ اتارو۔" اس مرتبہ میرے لہجے میں سختی تھی اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر میں خود ہی آگے جھک کر اس کی شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔

بیلا نے مزاحمت نہیں کی۔ البتہ ناگوار سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ اگر مجھے کچھ کرنا ہی تھا تو وہ مجھے روک نہیں سکتی تھی۔

میں نے قمیص اتار کر بڑی احتیاط سے دامن سے تین انچ چوڑی پٹی پھاڑی اور شرٹ اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"لو پہن لو کہیں اس ویرانے کی نظر نہ لگ جائے تمہیں۔" میں نے کہا۔

بیلا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ شرٹ پہننے لگی اور میں اس کے زخم پر پٹی لپیٹنے لگا۔ اس وقت میں اس کے لیے یہی کر سکتا تھا اور ویسے مجھے امید تھی کہ پٹی لپیٹنے کے بعد خون کا وہ معمولی سا رساؤ بند ہو جائے گا۔

دن ڈھل رہا تھا۔ بیلا پتھر سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی اور میری نظریں صحرا کی طرف آنے والے راستے پر مرکوز تھیں۔ تھوڑے وقفے سے بیلا بھی آنکھیں کھول کر اس طرف دیکھ لیتی تھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ بیلا کی آنکھوں میں بھی اب تشویش ابھر آئی تھی۔ میں اس صحرائی راستے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کہیں انہوں نے اپنا پروگرام بدل تو نہیں دیا۔ وہ تو یہ جانتے تھے کہ میں بیلا کی سازش سے واقف ہوں اور ہو سکتا ہے انہوں نے یہ سوچا ہو کہ رات کی تاریکی میں چھاپا ماریں گے اور اس وقت مجھے کہیں بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس طرح میں آسانی سے ان کی گرفت میں آ جاؤں گا۔

اور پھر دفعتاً میں چونک گیا۔ سامنے بہت دور ایک سیاہ نقطہ سا حرکت کرتا ہوا نظر آیا کچھ ہی دیر بعد گاڑی کے انجن کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ جو رفتہ رفتہ واضح ہوتی گئی۔

وہ کوئی گاڑی تھی جو ڈھلان کے قریب رک گئی۔ تین آدمی گاڑی سے اترے اور ڈھلان پر چڑھنے لگے۔ ان کا رخ غار کے دہانے کی طرف تھا۔

"چلو اٹھو یہاں سے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ "اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی یا تم نے سوچ کر نکلنے کے لیے کوئی حرکت کی تو گولی اس مرتبہ تمہاری کھوپڑی میں لگے گی۔"

میں اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتا ہوا اس ڈھلوانی دراڑ میں لڑھکتا گیا۔ راستے میں پتھر کے لڑھکنے کی آواز بھی بلند ہوئی تھی۔ میں ایک دم رک گیا۔ بیلا کو بھی میں نے ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکے۔

چند منٹ گزر گئے کوئی دشمن سامنے نہیں آیا۔ میں دراڑ سے نکل آیا تھا۔ غار کے دہانے کی طرف دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ غالباً وہ تینوں غار کے اندر چلے گئے تھے۔ میں نے بیلا کا ہاتھ پکڑا اور ڈھلان پر گاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔ دوڑتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اندیشہ ابھرا۔ ممکن ہے اس گاڑی پر آنے والوں کی تعداد چار ہو، تین تو غار میں چلے گئے اور چوتھا گاڑی ہی میں بیٹھا ہو لیکن اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اگر گاڑی میں کوئی ہوگا تو دیکھا جائے گا۔

ڈھلان پر دوڑتے ہوئے بیلا کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور یہ آوازیں انہیں ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھیں۔

"منہ بند رکھو اور تیز دوڑو۔" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ بیلا نے دوسرا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

ہم گاڑی سے چند گز دور ہی تھے کہ بیلا لڑکھڑا گئی۔ میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور اس کے ساتھ خود بھی گر گیا۔ لیکن میں نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں نے بیلا کو بھی ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا دیا اور اسے گھسیٹتا ہوا گاڑی کی طرف دوڑا۔

گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ بیلا گاڑی سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگی تھی۔

گاڑی میں چابی بھی لگی ہوئی تھی۔

"سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کرو۔ جلدی۔" میں نے بیلا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"مم... میں گاڑی... نہیں چلا سکتی۔" وہ اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "میری بات مانو... مجھے یہیں چھوڑ جاؤ اور تم بھاگ جاؤ یہاں سے... یہ راستہ سیدھا کیلاؤ کی طرف جاتا ہے۔ وہاں سے تم کسی بھی طرف جا سکتے ہو۔ جاؤ دیر نہ کرو۔ وہ اس وقت غار کے اندر ہیں اگر باہر آ گئے تو تمہارے لیے یہاں سے بھاگنا مشکل ہو جائے گا۔"

"تم شاید بھول گئی ہو کہ میرے بغیر وہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" میں نے کہا اور پھر اسی لمحے غار کی طرف سے ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے... ادھر کون ہے گاڑی کے پاس..."

"جلدی کرو... انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔" میں نے چیخ کر بیلا سے کہا اور اسے سیٹ پر دھکیل دیا اور مڑ کر دیکھا غار کے دہانے پر ایک آدمی کھڑا تھا جو اندر کی طرف رخ کر کے چیخ رہا تھا۔

"جلدی... رامسو... یہ گیرت... وہ لوگ ادھر کو بھاگ رہے ہیں..."

میں گاڑی کے اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول رہا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ نشانہ یقیناً میں ہی تھا۔ گولی گاڑی سے چند فٹ آگے ریت میں دھنس گئی۔ میں نے گھوم کر ریوالور سے یکے بعد دیگرے تین فائر کر دیے۔ ایک گولی نشانے پر لگی۔ وہ شخص چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

بیلا اگنیشن میں لگی ہوئی چابی گھمانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا یا وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ریوالور کی نال اس کے پہلو میں لگا دی۔

"ایک سیکنڈ میں انجن سٹارٹ نہ ہوا تو تمہارے اس خوبصورت جسم میں سوراخ کر دوں گا۔" میرے منہ سے غراہٹ نکلی۔

یہ دھمکی کام کر گئی اور اگلے ہی لمحے انجن سٹارٹ ہو گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا غار کے دہانے پر اب ایک دوسرا آدمی نظر آ رہا تھا۔

"ریورس میں جتنی تیز لے جا سکتی ہو لے چلو۔" میں نے بیلا کے جسم پر ریوالور کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا کہ یوٹرن لینے کے لیے گاڑی پیچھے آگے جائے گی اور اس طرح ہمارے اور غار کے درمیان

فاصلہ کم ہو جائے گا۔

بیلا کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔ گاڑی لہراتی ہوئی تیزی سے چیپے کی طرف دوڑ رہی تھی اور پھر اسی لمحہ غار کی طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ رائفل کا پورا برسٹ مارا گیا تھا۔ میں نے بھی ہاتھ باہر نکال کر ایک دو راؤنڈ فائر کیے پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ ریوالور کی رینج سے نکل چکے تھے۔ گولیاں ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ غار کی طرف سے ایک اور برسٹ مارا گیا۔ اس مرتبہ چھناکے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں تیزی سے نیچے جھک گیا۔ میرا خیال تھا ونڈ اسکرین میں گولی لگی تھی لیکن اسکرین سلامت تھی۔

گاڑی تقریباً چار سو گز دور جا چکی تھی۔

"گاڑی روکو اور اب یوٹرن لے کر چلاؤ۔" میں نے کہا۔ ریوالور کی نال بدستور بیلا کے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

بیلا نے گاڑی روک لی اور گیئر بدل کر یوٹرن لیتے ہوئے اسے دوڑا دیا۔ میں نے اس کے پہلو سے ریوالور ہٹا لیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ لوگ فائرنگ کرتے ہوئے اگرچہ گاڑی کے پیچھے دوڑ رہے تھے مگر بہت پیچھے رہ گئے تھے اور اندھیرے میں نظر بھی نہیں آ رہے تھے۔

بیلا کے جسم پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری تھی لیکن دونوں ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے اور وہ گاڑی کو سنبھالے ہوئے تھی۔

یہ فور وہیل ڈرائیو انجن والی لینڈ کروزر تھی۔ صحراؤں میں ایسی ہی گاڑیاں کام دیتی ہیں۔ کوئی عام گاڑی تو ریت پر چند گز سے زیادہ نہیں چل سکتی۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ پچھلی سیٹ پر ایک رائفل پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پیچھے جھک کر وہ رائفل اٹھا لی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

یہ روسی کارا کوف رائفل تھی۔ سائز میں اگرچہ کلاشنکوف سے چھوٹی تھی مگر اس سے زیادہ جاندار تھی۔ اس کی رینج بھی کلاشنکوف سے زیادہ تھی۔ اس میں نیچے ساٹھ گولیوں والا ایک لمبا میگزین لگا ہوا تھا۔ میں نے رائفل کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اسے آٹومیٹک پر سیٹ کر کے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

پچھلی سیٹ پر کینوس کا ایک تھیلا اور رائفل کے تین میگزین اور بھی رکھے ہوئے تھے میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک ہم پہاڑی سے دو میل دور آ چکے تھے۔ بیلا نے ہیڈ لیمپس روشن کیے تو میں چیخ اٹھا۔

"ہیڈ لیمپس بجھا دو۔ راستے سے تم واقف ہو، روشنی کی ضرورت نہیں۔" بیلا نے ہیڈ لیمپس ہی نہیں اندر کی بتی بھی بجھا دی۔

"تم انسان نہیں درندے ہو۔" بیلا میری طرف دیکھے بغیر بولی۔ "اپنی تمام تر درندگی کے باوجود تم زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔ تم نے یہاں ان کے ایک آدمی کی جان لی ہے۔ وہ تمہیں کسی صورت زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"جب تک تم میرے ساتھ ہو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

میں نے کہا۔

"اس خوش فہمی میں مت رہنا۔" بیلا نے کہا۔ "اب وہ لوگ تجھے بھی معاف نہیں کریں گے۔"

"اگر وہ لوگ پوری رفتار سے بھی دوڑتے ہوئے آئیں تو وہ ڈھائی گھنٹے سے پہلے تو کدالیا نہیں پہنچ سکیں گے جبکہ ہم اس وقت تک کدالیا سے بھی بہت دور نکل چکے ہوں گے۔"

"یہ بھی تمہاری خوش فہمی ہے کہ ہم کدالیا پہنچ سکیں گے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "تم بھول گئے ہو کہ اس غار میں ایک ٹرانسمیٹر بھی موجود ہے اور عین ممکن ہے کہ کدالیا میں اپنے ساتھیوں کو ہمارے فرار کی اطلاع دے چکے ہوں ایسی صورت میں وہ لوگ ہمیں ریگستان میں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اوہ۔" میں اچھل پڑا۔ اس ٹرانسمیٹر کو تو میں واقعی بھول گیا تھا۔ "کیا کدالیا پہنچنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"ذرا آگے جا کر ہم اس راستے سے ہٹ کر کسی بھی طرف سے نکل سکتے ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔

"رفتار بڑھا دو اور پھر کسی اور طرف سے نکلنے کی کوشش کرو۔" میں نے کہا۔

بیلا اس وقت اپنے آپ پر مکمل قابو پا چکی تھی۔ اسٹیئرنگ بھی پوری طرح اس کے کنٹرول میں تھا۔ اس نے رفتار کچھ اور بڑھا دی اور پھر تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے گاڑی کو اصل راستے سے ہٹا کر آہستہ آہستہ بائیں طرف موڑنا شروع کر دیا۔ اس طرح ہمارا رخ کسی قدر ترچھا ہو گیا تھا۔

"ہم کدالیا شہر کے بائیں طرف نکلیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ ہماری یہ کوشش کامیاب ہو سکے گی۔" بیلا نے کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے وہ ہمارا راستہ نہیں روک سکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

لینڈ کروزر تیزی سے دوڑتی رہی۔ اس علاقے میں ریت کچھ زیادہ سخت اور اٹی ہوئی تھی۔ ویسے بھی یہ نشیبی علاقہ تھا اس لیے گاڑی کی رفتار میں خود بخود اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

پانچ چھ منٹ بعد دائیں طرف سے بہت دور بہت مدھم سی روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ دوسری آبادی کی بکھری ہوئی روشنیاں تھیں جو بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ آبادی کتنی بڑی ہو سکتی ہے۔

"مر گئے۔"

بیلا کی کراہتی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"کیا ہوا؟" میں نے جلدی سے رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آ رہے ہیں۔" بیلا ایک بار پھر کراہی، اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے وہ سامنے دیکھو، ایک گاڑی ہماری طرف آ رہی ہے۔"

میں اس طرف دیکھنے لگا۔ سامنے بہت دور دو روشنیاں اچھلتی ہوئی ہماری طرف آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے وہ کوئی گاڑی ہی تھی جس کے ہیڈ لیمپس روشن تھے۔ کسی طرف بھاگنے کی کوشش بیکار تھی۔ کھلے صحرا میں ہم کہاں جا سکتے تھے۔ وہ ہمیں بڑی آسانی سے گھیر سکتے تھے۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ اس میں اگرچہ خطرہ تھا، لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"گاڑی روک لو۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مم..... مجھے چھوڑ دو....." وہ ہکلائی۔ "اب وہ دنیا کے کسی کونے میں ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ انسان نہیں درندے ہیں، راکشس مجھے مت چھوڑو۔ میں مر جانے دو۔ ان کے ہاتھ آنے کے بجائے میں اس ریگستان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانا بہتر سمجھتی ہوں۔"

"پاگل ہوگئی ہو۔" میں نے اسے پسنجر سیٹ پر پٹخ دیا اور خود اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رائفل سیٹ کے پاس نیچے کھولی اور انجن سٹارٹ کر دیا۔ "مجھے راستہ بتاتی رہنا، ایسا نہ ہو کہ ہم صحرا میں ہی چکر لگاتے رہیں۔"

اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے گاڑی اسی طرف موڑ دی اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ وہاں سے روانہ ہوتے وقت بیلا نے ریت پر پڑی ہوئی وہ دونوں لاشیں بھی دیکھ لی تھیں۔

"وہ تین تھے، تینوں ختم ہو گئے۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "اب وہ ہمارا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"یہ بھول ہے تمہاری۔" بیلا اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"وہ لوگ مرگ تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تمہاری وجہ سے میں بھی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا....."

"فی الحال کچھ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور دائیں طرف روشنیوں کی طرف دیکھنے لگا جو اب واضح ہوتی جا رہی تھیں۔ "میرا خیال ہے اب اس طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم شہر کے باہر ہی باہر سے ہوتے ہوئے کسی طرف نکل جائیں گے۔ یہ علاقہ تمہارا دیکھا بھالا ہے، مجھے راستہ بتاتی رہنا۔"

اس مرتبہ بیلا جواب دینے کے بجائے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

کندالیا زیادہ بڑا شہر نہیں تھا ایک قصبہ تھا۔ اور میرا خیال ہے خاصا بارونق قصبہ تھا۔ بیرونی سڑک پر بھی دکانیں وغیرہ تھیں۔ یہ شام کا ابتدائی حصہ تھا اس سڑک پر بھی بڑی رونق تھی کہیں کہیں۔ مجھے گاڑی کی رفتار کم بھی کرنی پڑی تھی اور یہ بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ بعض لوگوں نے بڑی حیرت سے گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔

چند منٹ بعد ہی ہم قصبے کو پیچھے چھوڑ آئے۔ اب ہماری لینڈ کروزر ایک ویران سڑک پر دوڑ رہی تھی جس کے دونوں طرف کھیت تھے۔ لیکن کھیتوں کا یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا اب سڑک کے دونوں طرف بنجر اور پتھریلا ویرانہ تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی۔ بستی میں یقیناً ایسی دکانیں بھی ہوں گی جہاں سے کھانے پینے کی کوئی چیز مل سکے مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ آدھی رات کے وقت رتیش تو کے ڈیرے پر کھانا کھایا تھا اور اس کے بعد پانی پر ہی گزارہ ہوتا رہا تھا اور اس وقت تو پانی بھی نہیں تھا۔

"ڈیش بورڈ کا کمپارٹمنٹ کھول کر دیکھو شاید اس کے اندر کچھ رقم مل جائے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بعض لوگ ڈیش بورڈ میں چھوٹی موٹی رقم ضرور رکھ چھوڑتے ہیں۔

بیلا کمپارٹمنٹ کھول کر اندر ہاتھ مارنے لگی۔ میرا اندازہ درست نکلا اس کمپارٹمنٹ میں پٹرول کی دو تین رسیدوں اور چند دیگر کاغذات کے علاوہ ایک معقول رقم بھی موجود تھی۔

"میں تو سمجھی تھی کہ پیٹ بھرنے کے لیے چوری کرنی پڑے گی یا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں گے مگر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔" وہ نوٹ گنتے ہوئے بولی۔

"چوری کے بارے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ تمہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نہیں صرف ایک اشارہ کرنے کی ضرورت ہوگی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے گھور کر رہ گئی اور نوٹ میری طرف بڑھا دیئے۔

"بارہ سو اٹھارہ روپے ہیں۔"

"یہ رقم اپنے پاس ہی رکھو۔" میں نے کہا۔ "آگے بستی میں کوئی مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی روکوں گا تم کسی دکان سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آنا۔"

ہم بستی میں پہنچ گئے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کی چاروں گلیاں ایک چوراہے کی صورت میں ملتی تھیں چوراہے کے عین بیچ میں برگد کا بہت بڑا درخت تھا جس کے چاروں طرف چبوترہ بنا ہوا تھا اس چوراہے پر چاروں طرف چند دکانیں بھی تھیں یہاں کسی ہوٹل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ حلوائی کی ایک دکان نظر آ گئی دکان کے سامنے کشادہ چبوترے پر پتھروں کے چولہوں پر دو کڑاہیاں رکھی ہوئی تھیں تین چار آدمی بھی کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے کچھ آگے جا کر گاڑی روک لی بیلا اتر کر اس دکان کی طرف چلی گئی میں سیٹ کے پاس پڑی ہوئی کار اوف اٹھا کر چیک کرنے لگا میگزین نکال کر دیکھا تو بڑا دکھ محسوس ہوا۔ ریگستان میں، میں نے اچھی خاصی فائرنگ کی تھی یا تو میگزین خالی ہو چکا تھا یا اس میں دو چار گولیاں ہی بچی ہوں گی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر جھک کر بھرا ہوا میگزین اٹھا کر رائفل میں فٹ کر دیا اور خالی میگزین سیٹ پر پھینک دیا اور جب میں نے حلوائی کی طرف دیکھا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا بیلا وہاں نہیں تھی۔ میں دوسری دکانوں کی طرف دیکھنے لگا وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

میں گاڑی سے اتر آیا گن میرے ہاتھ میں تھی چند قدم آگے بڑھ کر تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر آگے جا کر میں حلوائی کی دکان سے بیلا کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا کہ منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ چوراہے کی دوسری طرف سے آ رہی تھی میں وہیں رک گیا۔

بیلا کے ایک ہاتھ میں پلاسٹک کا تھیلا تھا گاڑی میں بیٹھتے ہی میں نے انجن سٹارٹ کر دیا اور وہ تھیلا گود میں رکھ کر کھولنے لگی۔ وہ بہت کچھ لے کر آئی تھی۔ لیکن سب سے مزے کی چیز تندور کی پکی ہوئی وہ روٹی تھی جسے بیسن میں لپیٹ کر تلا گیا تھا۔ بیسن میں انار دانہ اور آلو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے سٹیئرنگ سنبھالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے روٹی کا رول بنا کر کھانے لگا۔

"یہ سڑک ہمیں کہاں لے جائے گی؟" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تقریباً تیس میل آگے ایک بڑا قصبہ ہے جہاں سے ایک سڑک جودھ پور، دوسری ماؤنٹ ابو اور تیسری باڑمیر سے ہوتی ہوئی جیسلمیر کی طرف چلی جاتی ہے میرا خیال ہے ہم باڑمیر کی طرف نکلیں گے وہ راستہ ہمارے لیے زیادہ محفوظ رہے گا۔ لیکن....."

"لیکن کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ انہوں نے فون پر اگلے قصبے میں اپنے آدمیوں کو اطلاع کر دی ہو گی اور ہمیں وہاں روکنے کی کوشش کی جائے گی۔" بیلا نے جواب دیا۔

"اس قصبے سے پہلے کسی طرف نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک دو کچے راستے ہیں جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ریگستان سے ہو کر گزرتے ہیں وہ راستے اگرچہ زیادہ محفوظ نہیں ہیں، لیکن مجبوری کی حالت میں ایسے ہی کسی راستے پر نکلنا پڑے گا۔" بیلا نے کہا۔

یہ سڑک زیادہ اچھی نہیں تھی کہیں کہیں تو اتنے بڑے بڑے کھڈے تھے کہ متبادل راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا اور اس وجہ سے گاڑی کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔

اس چھوٹے سے گاؤں سے ہم کوئی بیس میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور وہ قصبہ ابھی تقریباً دس میل دور تھا۔

یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ وہ بہت خطرناک لوگ تھے اور ان کے پاس اپنا بہترین مواصلاتی نظام بھی موجود تھا وہ ہمیں گھیرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، لیکن میں اب تک یہ نہیں جان سکا تھا کہ مجھ سے انہیں کیا دشمنی تھی جو مجھے پاکستان سے اغوا کر کے یہاں لائے تھے اور کسی خاص جگہ پر لے جا رہے تھے۔ ان کے کئی آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے اور اب تو شاید وہ مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہیں گے۔ بیلا بھی مجھے ان کے حوالے نہیں کر سکی تھی۔ وہ شاید یہی سمجھے ہوں گے کہ میں بیلا ہی کی مدد سے بھاگنے میں کامیاب ہوا ہوں، اس طرح بیلا بھی عتاب میں تھی اور اس کی زندگی کو بھی خطرہ تھا میں اب تک کوئی حکمت عملی طے نہیں کر سکا تھا سوائے اس کے کہ اپنا دفاع کروں اور ان سے بچتا پھروں، اگر مجھے اس سارے ہنگامے کا پس منظر معلوم ہو جاتا تو شاید میں ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے کوئی بہتر حکمت عملی تیار کر لیتا، بیلا میرے ساتھ تھی لیکن اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں اور مجھے کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا تھا۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گاڑی لڑکھڑا گئی میں نے جلدی سے بریک پیڈل دبا دیا۔ ڈرائیونگ سائیڈ کا فرنٹ ٹائر برسٹ ہو گیا تھا میں اسے اتفاق سمجھا تھا، لیکن بیلا کی چیخ سن کر چونک گیا۔

"وہ اس طرف۔" اس نے چیختے ہوئے اشارہ کیا۔

میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا سڑک سے ذرا ہٹ کر جھاڑیوں میں دو آدمیوں کو بھاگتے دیکھ کر ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی ٹائر اتفاقاً برسٹ نہیں ہوا تھا اس پر فائر کیا گیا تھا اور حیرت ہے کہ مجھے گولی کی آواز سنائی نہیں دی تھی اور پھر اسی لمحہ ایک گونجتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"تم لوگ ہماری رائفلوں کی زد پر ہو ہاتھ اٹھا کر نیچے اتر آؤ ورنہ گاڑی سمیت تباہ کر دیے جاؤ گے۔"

میں نے سائیڈ میں رکھی ہوئی کلاشنکوف اٹھائی اور بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "نیچے ہو کر بیٹھ جاؤ اور جیسے ہی فائرنگ شروع ہو دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر جانا۔" اب میں دوسری طرف گھوم گیا اور جھاڑیوں کی طرف رخ کر کے چیخا۔ "ہم نیچے اتر رہے ہیں خالی ہاتھ ہیں گولی مت چلانا۔"

"کوئی غلط حرکت کی تو زندہ نہیں بچ سکو گے۔" جھاڑیوں کی طرف سے وہی آواز سنائی دی۔

میرا مقصد پورا ہو گیا تھا میں نے جھاڑیوں میں دو ہیولوں کو دیکھا تھا اور اب پتا چل گیا تھا کہ وہ صرف دو تھے اور مجھے آواز سے کم از کم ایک کی پوزیشن کا اندازہ ہو گیا تھا میں نے دروازہ کھول دیا اور زمین پر پیر رکھنے سے پہلے ہی رائفل کا ٹرائیگر دبا دیا اس کے ساتھ ہی میں نے سیٹ سے کود کر بائیں طرف چھلانگ لگا دی۔

جھاڑیوں کی طرف سے چیخ کی ایک خوفناک آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی جوابی فائرنگ شروع ہو گئی۔ بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ فائرنگ صرف ایک آدمی کر رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ دوسرا میری گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔ میں لینڈ کروزر کی آڑ میں ہو گیا بیلا سیٹ سے اتر کر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ جھاڑیوں کی طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی، اس طرف گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہو چکے تھے اور مجھے یقین تھا کہ اس طرف سے گاڑی کے دروازے بھی چھلنی ہو چکے ہوں گے۔

میں نے جیب سے ریوالور نکال کر بیلا کے ہاتھ میں تھما دیا وہ موقع پا کر میری پشت میں بھی اس ریوالور کی گولی اتار سکتی تھی لیکن اسے صورتحال کا اندازہ ہو چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ غداری نہیں کرے گی۔

"اس طرف سے اکا دکا فائر کرتی رہو۔ میں اس طرف سے دیکھتا ہوں۔" میں نے بیلا کو اشارہ کیا اور گاڑی کی آڑ لے کر جھاڑیوں کی طرف فائر کرنے لگا۔ یہ مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا ایک ہیولے کو جھاڑیوں سے نکل کر ٹیلوں کی طرف بھاگتے دیکھ کر میں نے فائر کھول دیا وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا میں نے بھی اس طرف دوڑ لگا دی۔ اس کی ٹانگوں میں گولیاں لگی تھیں اور وہ اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا ٹیلے کی طرف جا رہا تھا میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مت مار کرو بیو ہار ابج۔" اس شخص نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میرے ننھے ننھے بال بچے اناتھ ہو جاویں گے۔"

"اگر تم میرے ہونے والے بچوں کو اناتھ اور بیوی کو ودھوا کر دیتے تو کیا ہوتا؟" میں نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور پھر اس سے مختلف سوالات کرتا رہا وہ صرف دو آدمی موٹر سائیکل پر یہاں آئے تھے آگے کئی مقامات پر ناکا بندی کی گئی تھی۔

میں نے رائفل کی نال اس کی کھوپڑی سے لگا کر ٹرائیگر دبا دیا میں ایسے کسی آدمی کو زندہ چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا جو میری زندگی کا چراغ گل کرنا چاہتا ہو۔

جھاڑیوں میں چھپی ہوئی موٹر سائیکل تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی میں موٹر سائیکل سڑک پر لا کر سٹارٹ کرتے ہوئے چیخا۔

"بیلا جلدی سے بیٹھ جاؤ ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔" بیلا موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے اسی لمحہ اتر کر لینڈ کروزر کی طرف دوڑ گئی چند سیکنڈ بعد واپس آئی تو اس نے وہ پلاسٹک کا تھیلا اٹھا رکھا تھا جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔

وہ سیٹ پر دونوں طرف پیر رکھ کر بیٹھی تھی آگے جھک کر اس نے دونوں بازو میرے سینے سے لپیٹ لیے تھے کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس خوشگوار پچویشن سے ضرور لطف اندوز ہوتا لیکن اس وقت تو ہم دونوں کی جان پر بنی

ہوئی تھی اس شخص نے بتایا تھا کہ آگے جگہ جگہ روڈ بلاک تھے تاکہ اگر ہم ایک جگہ سے بچ نکلیں تو دوسری جگہ روکنے کی کوشش کی جائے۔

میں نے موٹر سائیکل کی حق نہیں چلائی تھی رفتار بھی تیز نہیں تھی میری نظریں سرچ لائٹس کی طرح دائیں بائیں گھوم رہی تھیں اور پھر اچانک ہی میں نے موٹر سائیکل دائیں طرف ایک کچے راستے پر موڑ دی پتھریلا راستہ غیر ہموار تھا اور اس کے دونوں طرف ٹیلے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم ٹیلوں سے نکل کر ایک پختہ سڑک پر پہنچ گئے۔ آگے میدانی علاقہ تھا اور سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے، لیکن دور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے تاریک ہیولے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

دائیں بائیں ایک دو چھوٹی بستیاں بھی دکھائی دی تھیں، لیکن ہم رکے بغیر ان بستیوں سے نکل گئے تھے مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور یہ سڑک ہمیں کہاں لے جائے گی میں تو اس علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا مجھے یقین تھا کہ انہیں اپنے دو اور آدمیوں کے قتل کا پتا چل گیا ہوگا اور موت کے ہرکارے ہر طرف ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔

آگے پھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں ایک چھوٹی سی بستی کے قریب سے گزر کر سڑک کا ایک موڑ گھومے ہی تھے کہ مجھے موٹر سائیکل کی رفتار کم کرنی پڑی۔ آگے ایک گاڑی کھڑی تھی جس کے ہیڈ لیمپس روشن تھے ہم پوری طرح روشنی میں نہا گئے تھے اس گاڑی کے سامنے روشنی میں دو تین آدمی بھی نظر آ رہے تھے وہ سب کے سب دھوتی کرتوں میں تھے اور پھر مجھے اس روشنی میں ایک ساڑھی کا آنچل بھی لہراتا ہوا نظر آ گیا۔ ایک آدمی سڑک کے وسط میں آ کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا اس لیے قریب پہنچ کر میں نے موٹر سائیکل روک لی۔

وہ ایک چھوٹا پک اپ ٹرک تھا جس میں کچھ عورتیں اور بچے بھی بھرے ہوئے تھے وہ آدمی ہمارے قریب آ گئے انہوں نے بتایا کہ پک اپ کی کمانی ٹوٹ گئی ہے اور وہ لوگ کوئی ایک گھنٹے سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس دوران اس طرف سے کوئی گاڑی بھی نہیں گزری جس سے کوئی مدد لی جا سکے۔

"میں تم لوگوں کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے ٹوٹی ہوئی کمانی کی مرمت کی جا سکے۔"

"ایک کرپا تو کر سکتے ہو مہاراج۔" وہ شخص بولا "یہاں سے پندرہ کوس آگے بیلا پور نام کا گاؤں ہے وہاں ہمیر سنگھ کی دکان ہے اس کو بتا دیو کہ مان سنگھ کا ٹرک یہاں خراب ہو گیا ہے وہ اپنا ٹرک لے کر آ جائے۔"

"ہمیر سنگھ کی دکان اس وقت کھلی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی دکان پوری رات کھلی رہتی ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "میں تمہاری منت کروں ہوں بھایا میرا سندیسہ ہمیر سنگھ کو ضرور دے دینا۔"

"تم لوگ اس وقت آ رہے کہاں سے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"بیلا پور سے آگے چین مندر کی یاترا کو گئے تھے بھایا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"بیلا پور کیسی جگہ ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ تو نہیں؟" میں نے ایک اور سوال کیا یہ لوگ اتفاق سے مل گئے

تھے اور میں ان سے کچھ معلومات حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں پر ہاں....." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنا ہے ناگ راج کے کچھ منش وہاں بیٹھے ہوئے ہیں انہیں کچھ اپرادھیوں کی تلاش ہے ایک مرد اور ایک ناری....." وہ کہتے کہتے رک گیا اور ایک بار پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے کلاشنکوف ٹی شرٹ کے اندر ڈال رکھی تھی، اگر اسے رائفل نظر آ جاتی تو شاید کچھ سمجھ جاتا۔

"ٹھیک ہے میں ہمیر سنگھ کو تمہارا سندیسہ پہنچا دوں گا۔" میں نے کہا اور موٹر سائیکل کو گیئر میں ڈال کر چھوڑ دیا۔

"بیلا پور تک جانا ہمارے لیے خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔" بیلا نے میرے کان سے منہ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ ناگ راج کون ہے اور ہم کس طرف جا رہے ہیں۔"

"بیلا پور کے نام سے میں سمجھ گئی ہوں کہ ہمارا رخ ماؤنٹ ابو کی طرف ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔

"ماؤنٹ ابو ہی وہ جگہ ہے جہاں تمہیں لے جایا جانا تھا اور ناگ راج......" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ناگ راج ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے وہ ایک سادھو کے بھیس میں رہتا ہے لیکن انسان نہیں درندہ ہے، راکھشس، شیطان، اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں وہ بہت بڑا اپرادھی ہے مگر کوئی آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ پولیس کے بڑے بڑے آفیسر اس کے نام سے ہی کانپتے ہیں بڑے بڑے نیتا اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں ہم غلط راستے پر نکل آئے ہیں، مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم موت کے منہ میں جا رہے ہیں، لیکن بیلا پور کے نام سے مجھے یہ راستہ یاد آ گیا اس گاؤں سے تین چار میل پہلے بائیں طرف پہاڑیوں میں ایک کچا راستہ ہے، میں تمہیں بتا دوں گی موٹر سائیکل اس طرف موڑ لینا۔"

میں نے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی بیلا اب تھوڑا بہت کھل گئی تھی لیکن میں ابھی بہت کچھ جاننا چاہتا تھا اور پھر دفعتاً بیلا کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"ہمارے پیچھے کوئی گاڑی آ رہی ہے بہت تیزی سے۔"

میں نے ہینڈل پر لگے ہوئے آئینے کا زاویہ درست کر کے دیکھا عقب میں بہت دور روشنی چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ ناگ راج کے آدمی ہیں جو قصبے سے ہمارے پیچھے آ رہے ہوں گے ان یاتریوں نے انہیں بتا دیا ہوگا کہ ہم موٹر سائیکل پر اس طرف جا رہے ہیں۔ موٹر سائیکل ان پہاڑیوں میں کسی بھی کچے راستے پر اتار لو۔" بیلا نے چیخ کر کہا وہ گاڑی بہت تیزی سے قریب آ رہی تھی میں نے موٹر سائیکل اچانک ہی دائیں طرف ایک تنگ سے راستے پر موڑ دی۔ چٹانوں کے درمیان بل کھاتا ہوا پتھریلا راستہ اندھیرے میں چھپ گیا تھا اور آخر کار یہ راستہ ایک چٹان پر ختم ہو گیا آگے عمودی ڈھلان تھی میں نے موٹر سائیکل روک لی اس وقت بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ سڑک پر گاڑی کے رکنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

"نیچے اترو۔ جلدی کرو۔" میں نے بیلا سے کہا۔

"بیلا اتر گئی، میں موٹر سائیکل کو ڈھلان پر ذرا آگے لے گیا اور پھر اسے ہلکا سا دھکا دے کر چھوڑ دیا۔ موٹر سائیکل ڈھلان پر بڑی تیزی سے کچھ دور تک سیدھی چلتی رہی اور پھر الٹ کر لڑھکنے لگی اس کا ہیڈ لیمپ اب بھی روشن تھا۔

میں نے شرٹ کے نیچے سے کارکوف نکال لی اور بیلا کا ہاتھ پکڑ کر ایک چٹان پر چڑھنے لگا بیلا کے اس ہاتھ میں تھیلا تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے ریوالور پکڑ لیا تھا۔

ان چٹانوں پر ہمارا رخ سڑک کی طرف تھا ہم جس راستے سے موٹر سائیکل پر چٹانوں میں داخل ہوئے تھے اس طرف سے زور زور سے بولنے اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ہم سڑک کے کنارے والی چٹان پر پہنچ گئے میں ایک پتھر کی آڑ سے بڑی احتیاط سے سڑک کی طرف دیکھنے لگا وہ ایک جیپ تھی جس کے ہیڈ لیمپس روشن تھے، لیکن جیپ میں یا اس کے آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا میں نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر جیپ کی طرف اچھال دیا کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا میں نے بیلا کو اشارہ کیا اور چٹان سے چھلانگ لگا دی بلندی آٹھ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی، لیکن بیلا نیچے کرتے ہی کراہ اٹھی اس کی ٹانگ میں پہلے ہی تکلیف تھی میں اس کا ہاتھ پکڑ کر جیپ کی طرف دوڑنے لگا۔ بیلا بری طرح لنگڑا رہی تھی۔

ان کی تعداد دو یا تین تو ضرور ہوگی اور میرے خیال میں وہ دنیا کے سب سے بڑے بے وقوف تھے جو جیپ چھوڑ کر سب کے سب ہمارے پیچھے پہاڑیوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

میں نے بیلا کو پسنجر سیٹ پر بیٹھنے میں مدد دی اور پھر اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا انجن سٹارٹ کرنے میں نے شرارتاً ایک مرتبہ ہارن بجایا اور پھر جیپ کو ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا ہارن کی آواز سن کر وہ لوگ تاپ کر رہ گئے ہوں گے۔

"تم واقعی ذہین آدمی ہو۔" بیلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ ان چٹانوں میں پھنس کر مارے جائیں گے مگر تمہاری ذہانت نے کام کر دکھایا۔"

"اگر بیوقوت ہوتا تو بہت پہلے مارا جا چکا ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔ "اب راستے کا خیال رکھنا اگر غلطی سے بیلا پور پہنچ گئے تو پھر بچنا مشکل ہو جائے گا ویسے اس وقت مجھے بڑے زور کی بھوک لگنے لگی ہے اپنی زنبیل میں سے کوئی چیز نکال کر دو کھانے کے لیے۔"

بیلا نے تھیلا کھول لیا تھیلے میں کچھ اور چیزیں بھی تھیں لیکن مجھے بیسن والی روٹی پسند آئی تھی اس وقت بھی بیلا نے مجھے وہ روٹی ہی دی تھی جسے میں مزے لے لے کر کھانے لگا۔ بیلا بھی وہی روٹی کھا رہی تھی۔

بغیر چھت کی کھلی جیپ تھی تیز ہوا سامنے سے ٹکرا رہی تھی۔ بیلا نے رفتار کم کرنے کو کہا اور متجسس نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ اس طرح طے ہو گیا اور پھر اس نے بائیں طرف چٹانوں میں ایک تنگ سے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

"اس طرف موڑ لو۔" اس نے کہا۔

وہ راستہ زیادہ کشادہ نہیں تھا لیکن مجھے جیپ اس طرف موڑنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ آگے نشیب کی طرف۔ وہ راستہ بتدریج کشادہ ہوتا چلا گیا تھا ہم تقریباً دو گھنٹوں تک پہاڑیوں میں

بتدریج نشیب کی طرف جاتے ہوئے اس آڑے ترچھے راستے پر چلتے رہے یہاں پہاڑیوں میں گھاس اور سرسبز جھاڑیاں تھیں اور درخت بھی بکثرت نظر آ رہے تھے۔

نصف گھنٹہ مزید سفر کرنے کے بعد ہم ایک جھیل کے کنارے پر پہنچ گئے قریب ہی دو تین چھوٹی عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں اور ان سے کچھ دور قدرے بلندی پر ایک مندر کا ہیولا بھی دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے جیپ کاٹیج نما ایک عمارت کی پچھلی طرف سے جا کر روک دی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے مغرب کی طرف رات کے آخری پہر کے چاند کا مرجھایا ہوا سا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ جھیل کے پرسکون پانی میں چاند کا عکس بھی ہلکورے سے لیتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ سبزے اور جھیل کی وجہ سے موسم میں قدرے خنکی آ گئی تھی ہم جھیل سے اتر کر کاٹیج کے برآمدے میں بیٹھ گئے رات کی تاریکی میں اندر جانا مناسب نہیں تھا یہ اندازہ تو میں پہلے ہی لگا چکا تھا کہ مندر اور یہ عمارتیں ویران پڑی ہیں اس لیے کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے بیلا سے پوچھا۔

"بھولے ناتھ کی جھیل ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "باہر کے لوگوں میں عام تاثر یہ ہے کہ راجستھان ریگستان اور بنجر پہاڑیوں پر مشتمل ویران علاقہ ہے، لیکن یہ بڑی حسین جگہ ہے کہیں پہاڑیوں میں جگہ جگہ ایسی جھیلیں ملیں گی جتنی خوبصورت اور تاریخی عمارتیں راجستھان میں ہیں اتنی ہندوستان کے کسی اور خطے میں نہیں ہیں۔ سب سے زیادہ قلعے بھی راجستھان ہی میں ہیں جو آج بھی اس خطے کے ماضی کی عظمت کی یاد دلاتے ہیں ہندوستان کے اس خطے راجپوتانہ نے ہندوستان کی سیاست میں ہمیشہ اہم رول ادا کیا ہے۔ اس خطے نے بڑے بڑے بہادر، سورما اور جنگجو پیدا کیے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "کہا جاتا ہے کہ سات سو سال پہلے ہندوستان کے بادشاہ علاؤ الدین خلجی نے راجپوتانہ کی مہارانی پدمنی کے حسن کا چرچا سنا تو اس نے پدمنی کو حاصل کرنے کا عہد کرتے ہوئے چتوڑ پر حملہ کر دیا۔ راجپوت تلواریں سونت کر مقابلے میں آ گئے مہارانی پدمنی نے شاہی خاندان کی چودہ ہزار عورتوں کے ساتھ خودکشی کر لی اس جنگ میں علاؤ الدین خلجی کو فتح تو ہوئی مگر اسے مٹھی بھر راکھ کے سوا کچھ نہیں ملا۔

راجپوتانہ کے راجواڑے ہمیشہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے رہے لیکن انہوں نے جب بھی متحد ہو کر مقابلہ کیا دشمن کو منہ کی کھانی پڑی پورے راجستھان میں بکھری ہوئی شاندار عمارتیں دیکھ کر تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ لوگ کس قدر شاندار زندگی گزارتے تھے راجپوتوں کو آج بھی ہندوستانی معاشرے اور سیاست میں اہم مقام حاصل ہے۔"

"اور یہ ناگ راج کون ہے؟" میں اصل موضوع پر آ گیا۔ "کیا اسے بھی ہندوستان کی سیاست میں کوئی اہم مقام حاصل ہے؟"

"ناگ راج۔" بیلا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "ناگ راج وہ ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "چند سال پہلے تک ناگ راج ایک بہت معمولی سا سادھو ہوا کرتا تھا جو ادی ناتھ مندر کی سیڑھیوں پر پڑا رہتا تھا اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ طاقت پکڑتا چلا گیا اور پھر اس طاقت کے بل بوتے پر وہ

ادی ناتھ مندر کا پروہت بن گیا۔ اس سے ایک دن پہلے پرانا پروہت پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا تھا کہا جاتا ہے کہ مندر پر قبضہ کرنے کے لیے ناگ راج ہی نے اسے مروا دیا تھا۔

"ناگ راج کو زہریلے سانپ پالنے کا شوق ہے وہ لوگوں کو ان سانپوں کے شعبدے دکھاتا رہتا ہے اس کا اصلی نام تو کوئی نہیں جانتا، لیکن ان ناگوں کی وجہ سے وہ ناگ راج کے نام سے مشہور ہو گیا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے ناگ راج اس قدر طاقت اختیار کر گیا کہ بڑے بڑے پولیس آفیسر بھی اس کے نام سے تھر تھر کانپنے لگے۔ جے پور کے نیتا بھی ادی ناتھ مندر کی یاترا کے لیے وہاں آنے لگے، مندر کی یاترا تو ایک بہانہ تھی وہ گھنٹوں ناگ راج سے راز و نیاز میں مصروف رہتے اور پھر ایک مرتبہ لوگوں نے راجستھان کے چیف منسٹر کو بھی ناگ راج کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا۔ راجستھان کے تمام نیتا اور وزیر اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور پھر چند سال پہلے ملک کی ایک اہم ترین شخصیت کو ناگ راج کے چرنوں پر جھکتے دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔"

"وہ اہم شخصیت کون تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اشوک پردھان۔" بیلا نے جواب دیا۔ "وہ حکومت کے ایک اہم منصب پر فائز ہے اسے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا ماہر سمجھا جاتا ہے پڑوسی ممالک کے خلاف جوڑ توڑ اور سازشیں تیار کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اسے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی را کا دماغ کیا جاتا ہے۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا را کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سنا تھا مگر ناگ راج سے را کے سربراہ کا تعلق ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا بیلا بھی اب آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

"یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ پڑوسی ممالک خصوصاً پاکستان کے خلاف ہر سازش کے پیچھے را کا ہاتھ ہوتا ہے اور یہ غلط بھی نہیں ہے، ایک مضبوط، خوشحال اور مستحکم پاکستان بھارت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، بھارت کو چین سے اتنا خوف کبھی نہیں رہا جتنا وہ پاکستان سے خوفزدہ رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے بھارتی حکمران پاکستان کے خلاف سازش کے تانے بانے بنتے رہتے ہیں تاکہ پاکستان کو کمزور کیا جا سکے۔"

بیلا چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "چند سال پہلے را کے سربراہ اشوک پردھان نے پاکستان کے خلاف ایک اور خوفناک سازش تیار کی، اس کا دعویٰ تھا کہ اس منصوبے پر عمل کر کے پاکستان میں اندرونی طور پر وسیع پیمانے پر انتشار پیدا کر کے وہاں کی حکومت کو اس طرح اپنے اندرونی مسائل میں الجھایا جا سکتا ہے کہ وہ کسی اور طرف توجہ نہ دے سکے اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے را کو ناگ راج جیسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔"

"اور وہ سازش کیا تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اننگ واد" بیلا نے جواب دیا۔ "اشوک پردھان کا خیال تھا کہ پاکستان میں دہشت گردی پھیلا کر وہاں کی حکومت کو کمزور کیا جا سکتا ہے جب سڑکوں پر آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا ہو، راہ چلتے لوگوں کو اچانک ہی خون میں نہلا دیا جائے، سڑکوں پر لاشیں بچھی ہوں، کاروبار تباہ ہو جائے تو لوگ خاموش نہیں رہ سکتے۔ حکومت کے خلاف مظاہرے اور پر تشدد ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں حکومت جب اندرونی مسائل میں الجھی رہے گی تو دوسرے معاملات پر توجہ نہیں دے پائے گی۔"

"ہر ملک میں غدار اور بے ضمیر لوگ آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر اپنی ماں کا بھی سودا کر دیتے ہیں پاکستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں، بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی را کو بڑی آسانی سے پاکستان میں بھی ایسے لوگ مل گئے تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے حکومت سے ناراض تھے ان میں زیادہ تعداد جوانوں کی تھی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ بے روزگار تھے انہیں شکوہ تھا کہ انہیں جائز حقوق سے بھی محروم کیا جا رہا ہے بہت سے دوسرے عوامل بھی حکومت سے ان کی ناراضی کا سبب بنے ہوئے تھے کوئی راشی افسروں سے پریشان تھا اور کوئی پولیس کی زیادتیوں کا شکار، ایسے نوجوان بڑی آسانی سے را کے ہاتھ لگ گئے، غنڈہ عناصر اس کے علاوہ تھے جو معمولی سی رقم کے لیے درجنوں بے گناہوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے لیکن ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "لیکن یہ سب لوگ غیر تربیت یافتہ تھے اس میں شبہ نہیں کہ وہ رائفل کا ٹریگر دبانا جانتے تھے مگر کسی پلاننگ کے بغیر کام کر رہے تھے بعض لوگ پکڑے گئے تو چند تھپڑ کھانے کے بعد ہی انہوں نے اعتراف کر لیا کہ انہیں دہشت گردی کے لیے بھارت سے پیسہ اور اسلحہ مل رہا ہے اس طرح را کا نام بھی سامنے آ گیا۔

"یہ منصوبہ بھی اشوک پردھان ہی کا تھا کہ نوجوانوں کو پہلے باقاعدہ تربیت دی جائے اس کے بعد انہیں میدان میں اتارا جائے اس مقصد کے لیے انہیں ناگ راج جیسے آدمی کی تلاش تھی جو ان دنوں ادی ناتھ مندر کے پروہت کو موت کے گھاٹ اتار کر منظر عام پر ابھرا تھا۔ حکومت خفیہ طور پر اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگی۔ ناگ راج بنیادی طور پر جرائم پیشہ آدمی ہے، حکومت اس کے جرائم کو نظر انداز کرتی رہی اور اسے ہاتھ پیر پھیلانے کا موقع ملتا رہا اور پھر نیتاؤں نے اس سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔

"ناگ راج سے اشوک پردھان کی ملاقات گویا اس منصوبے کی تکمیل تھی اور منصوبہ یہ تھا کہ ماؤنٹ ابو کی پہاڑیوں میں ایسے کیمپ قائم کیے جائیں جہاں اننگ واد کی ٹریننگ دی جائے۔ نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت دینے کے لیے ماہرین کو بھی یہاں بھیج دیا گیا۔

"ماؤنٹ ابو پہاڑی علاقہ ہے یہاں قدم قدم پر خوبصورت قدرتی مناظر بکھرے ہوئے ہیں، سنگ مرمر کی پہاڑیاں بھی ہیں جہاں دنیا کا بہترین سنگ مرمر پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف ان پہاڑیوں میں ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں ایسے اڈے قائم کیے جا سکتے ہیں جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔"

"منصوبے کے مطابق یہاں ان نوجوانوں کو تربیت دی جاتی ہے جو پاکستان میں کسی نہ کسی وجہ سے اپنی حکومت سے ناراض تھے اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور محرومیوں کا انتقام لینا چاہتے تھے یا وہ لوگ جو مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث تھے اور پیسے کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے، بعض لوگ تو خوشی سے یہاں آنے کو تیار ہو جاتے اور بعض لوگوں کو اغوا کر کے یہاں لایا جاتا، ہر نوجوان پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، لیکن ان سے جو کام لیا جاتا ہے ان کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیمپوں میں آتے ہی سب سے پہلے ان نوجوانوں کی برین واشنگ کی جاتی، ان کے ذہنوں میں پاکستان کے خلاف اتنی نفرت بھر دی جاتی کہ وہ پاکستان کا نام سنتے ہی بھڑک اٹھتے، برین واشنگ کے بعد ماہرین انہیں تخریب کاری اور گوریلا جنگ کی تربیت دیتے، تربیت مکمل ہونے کے بعد انہیں سرحد پار پہنچا دیا جاتا ہے یہاں

وہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں رئیس جیسے ہمارے بہت سے ایجنٹ موجود ہیں ان کے علاوہ ایسے آدمی بھی ہیں جو پس پردہ رہ کر ان نوجوانوں کو مدد دیتے ہیں۔ پاکستان میں اس وقت ان کا سب سے بڑا ٹارگٹ کراچی ہے دوسرے شہروں میں بھی اکا دکا وارداتیں کروا دی جاتی ہیں، لیکن کراچی کے مخصوص طبقاتی اور سیاسی حالات کی بنا پر یہاں خاص توجہ دی جاتی ہے۔"

"ہوں۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "تو مجھے بھی ماؤنٹ ابو اسی لیے لے جایا جا رہا تھا۔"

"ہاں" بیلا نے جواب دیا۔ "میں نے بتایا نا کہ انٹیلی جنس ایجنسی را ایک ایک نوجوان پر لاکھوں روپے خرچ کرتی ہے بعض بھولے بھالے نوجوان بھی پھنس جاتے ہیں تم بھی محض اتفاق سے ان کے ہاتھ لگ گئے تھے جب انہیں تمہارے ماضی کا پتا چلے گا تو بہت خوش ہوں گے۔"

"انہیں کون بتائے گا؟" میں نے اسے گھورا۔

بیلا کچھ گڑبڑا سی گئی "میرا مطلب ہے۔" وہ بات بناتے ہوئے بولی۔ "تم اب تک ان کے سات آٹھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو، وہ تمہیں ہر قیمت پر ٹریپ کرنے کی کوشش کریں گے تم جیسے آدمیوں کی انہیں زیادہ ضرورت ہوتی ہے جو اپنی ایسی کارروائیوں سے زیادہ سے زیادہ دہشت پھیلا سکے۔ بے رحم اور سفاک۔۔۔"

بیلا چند لمحے خاموش رہی پھر میں بیلا سے ماؤنٹ ابو اور پاکستانی نوجوانوں کو دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دینے والے ان کیمپوں کے بارے میں پوچھتا رہا۔

رات بھر جاگتے اور بھاگ دوڑ کرتے گزری تھی، میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی لیکن میں سونا نہیں چاہتا تھا جبکہ بیلا بار بار اونگھ رہی تھی آخر کار برآمدے کے گرد آلود فرش پر لیٹ کر سو گئی اور میں اٹھ کر آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔

بڑی خوبصورت جگہ تھی ان عمارتوں کی موجودگی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ کبھی یہاں بڑی رونق ہوتی ہو گی مگر یہ عمارتیں اب تقریباً کھنڈروں میں بدل چکی تھیں اور صاف لگتا تھا کہ عرصے سے اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔

بلندی پر واقع مندر بھی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اندر ایک چبوترے پر ایک ٹوٹی ہوئی سورتی رکھی ہوئی تھی۔ شاید لوگ اپنے اس بھگوان کو بھی بھول گئے تھے اور اسے وقت کے حوادث کے حوالے کر دیا تھا۔

میں گھوم پھر کر دوبارہ اسی جگہ آ گیا۔ بیلا گہری نیند سو رہی تھی ایک روز پہلے اس کے ماتھے پر پٹی باندھنے کے لیے اسی کی قمیص کا دامن پھاڑ دیا تھا جس سے قمیص چھوٹی ہو گئی تھی اور اوپر کو سرک گئی تھی۔ قمیص کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کے سینے کا زیروبم میرے سینے میں گدگدی سی پیدا کرنے لگا۔ میں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹا لیں اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں نیند کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھیں اور آخر کار نیند نے مجھے مغلوب کر لیا۔

میری آنکھ کھلی تو کارا کوف بیلا کے ہاتھ میں تھی مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دی اور کارا کوف میرے سامنے رکھ دی۔ "میں اسے چیک کر رہی تھی۔" وہ کھسیانے پن سے بولی۔

"تمہاری زنبیل میں کھانے کو کچھ بچا ہے یا نہیں؟" میں نے کہا۔

"بہت کچھ ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔

"میں نے اٹھ کر جھیل کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور دوبارہ برآمدے میں آ گیا بیلا تھیلے میں سے کچھ چیزیں نکال چکی تھی۔ ہم دونوں پیٹ پوجا کرنے لگے۔

کھانا کھانے کے بعد مجھ پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا۔

اس مرتبہ جو آنکھ کھلی تو ایک دلچسپ بلکہ ہوشربا منظر دیکھنے کو ملا، بیلا جھیل میں نہا رہی تھی، وہ کنارے سے زیادہ دور نہیں تھی میں اٹھ کر کنارے کے قریب آ گیا وہ میری طرف دیکھ کر دونوں ہاتھوں سے پانی کے چھینٹے اڑانے لگی اس کے ہونٹوں پر دعوت دینے والی مسکراہٹ تھی۔

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ٹی شرٹ اتار کر کنارے پر پڑی ہوئی اس کی شرٹ کے قریب پھینک دی اور پانی میں چھلانگ لگا دی۔ بیلا قہقہے لگاتے ہوئے میری طرف چھینٹے اڑا رہی تھی۔

مجھے پانی میں اترے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایک آواز سن کر میں چونک گیا، وہ کسی گاڑی کے انجن کی بہت مدھم سی آواز تھی جو پہاڑیوں میں بازگشت سی پیدا کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

بیلا نے بھی یہ آواز سن لی اس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی وہ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر کنارے کی طرف تیرتی ہوئی نکلی۔

"بھاگو ناگی۔ وہ لوگ آ رہے ہیں۔" میں بھی تیرتا ہوا کنارے پر آ گیا، بیلا اس وقت ان پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جس طرف سے ہم آئے تھے، بہت دور ایک پہاڑی کے ڈھلوان راستے پر سفید رنگ کی ایک وین دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے بیلا کی طرف دیکھا، وہ شرٹ پہن چکی تھی اور پینٹ لگا رہی تھی میں ٹی شرٹ پہنتا ہوا برآمدے کی طرف لپکا جہاں کارا کوف کے قریب ہی ریوالور اور تھیلا بھی رکھا ہوا تھا۔ بیلا بھی میرے پیچھے ہی تھی اس نے تھیلے کے ساتھ ریوالور اٹھایا تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اب اس پر بھروسا کیا جا سکتا تھا کہ ریوالور اس کے پاس رہنے دیا جاتا ہم دونوں کاٹیج کے پچھلی طرف کھڑی ہوئی جیپ کی طرف لپکے۔

میں نے فوراً ہی سٹیئرنگ سنبھال کر انجن سٹارٹ کر دیا۔ بیلا نے مندر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے جیپ کو ایک زوردار جھٹکے سے اس طرف بڑھا دیا ہم دونوں نے جسم کی پینٹ پہنی ہوئی تھی جس سے نچڑنے والا پانی پیروں کے قریب فرش پر جمع ہو رہا تھا سر کے بالوں سے بھی پانی نچڑ رہا تھا۔

"مندر کے پچھلی طرف راستہ ہے جیپ اسی طرف موڑ لو۔" بیلا نے کہا۔

جیپ غراتی ہوئی مندر والے ٹیلے پر آ گئی اس کے پچھلی طرف ایک کشادہ پتھریلا راستہ تھا جو پہاڑیوں کے اندر چلا گیا تھا۔

ایک موقع پر ہماری جیپ بلندی پر آ گئی دائیں طرف ایک ڈھلان پر وہ سفید وین اترتی ہوئی دکھائی دی تھی اس کا رخ ایسا تھا جیسے وہ سامنے سے ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کر رہی ہو اور پھر دفعتاً فائرنگ کی آوازیں گونج اٹھیں، وین سے فائرنگ کی گئی تھی، لیکن ہم رینج سے باہر تھے۔

"یہ لوگ آگے نکل کر ہمیں روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" بیلا نے کہا۔ "وہاں سے کوئی راستہ نہیں ہے پہلے انہیں مندر کی طرف جانا پڑے گا مطمئن رہو

وہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے آگے بہت سے راستے ہیں ہم کسی بھی طرف نکل سکتے ہیں۔"

ہماری جیپ ایک بار پھر ڈھلان پر اترنے لگی اس طرح وہ وین بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

دھوپ اگرچہ خاصی تیز تھی لیکن پہاڑیوں پر درخت اور سرسبز جھاڑیوں کی وجہ سے گرمی کا احساس نہیں ہو رہا تھا میں پر پیچ پتھریلے راستوں پر تیزی سے جیپ دوڑاتا رہا۔

سہ پہر کے قریب میں نے جیپ روک لی اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا مگر کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ وین پر پیچ پہاڑی راستوں پر کسی اور طرف نکل گئی تھی۔

یہ جگہ خاصی محفوظ تھی، ایک طرف پہاڑی میں کھوہ سی بنی ہوئی تھی اس پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹی سی ندی بھی بہہ رہی تھی۔ جیپ کا انجن خاصا گرم ہو گیا تھا اور ہمیں بھی کچھ آرام کی ضرورت تھی میں جیپ سے اتر کر ندی کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد شام کا دھندلکا پھیلنے لگا۔ ہم نے وہ رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا، میں نے جیپ کے پچھلے حصے سے پٹرول کا کین اٹھا کر ٹنکی میں انڈیل دیا اور ریڈی ایٹر میں بھی پانی ڈال دیا۔

اس جیپ کے پچھلے حصے میں بھی آمنے سامنے دو سیٹیں تھیں ایک سیٹ پر میں لیٹ گیا، دوسری پر بیلا۔ میرے خیال میں ہم خطرے سے باہر نہیں ہوئے تھے وہ وین پر پیچ پہاڑی راستوں پر بھٹکتی ہوئی اس طرف بھی آ سکتی تھی، لیکن اس بھاگ دوڑ نے مجھے اس قدر تھکا دیا تھا کہ سیٹ پر لیٹتے ہی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

میں بہت گہری نیند سویا تھا آنکھ کھلی تو صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ بیلا مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھی اور پھر سورج طلوع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ہم دوپہر تک ان پہاڑیوں میں سفر کرتے رہے اور پھر ایک جگہ جیپ روک لی گئی اس جگہ گنجان درخت اور اونچی جھاڑیاں تھیں جیپ کو ان درختوں اور جھاڑیوں میں ایسی جگہ کھڑا کیا گیا تھا کہ دور سے نہ دیکھا جا سکے۔

"اس پہاڑی کے دوسری طرف ماؤنٹ ابو شہر ہے۔" بیلا بتا رہی تھی۔ "وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم اس طرف آنے کی حماقت کریں گے، ویسے بھی یہاں ہمیں کوئی پہچانتا نہیں ہے اس لیے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔"

"سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر واقع یہ شہر بڑا خوبصورت ہے، یہاں کئی مندر اور لاتعداد تاریخی عمارتیں ہیں سب سے زیادہ حسن نا کی جھیل میں ہے، یہاں بڑی تعداد میں سیاح آتے رہتے ہیں، اس لیے ہم پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکے گا ابو روڈ ریلوے سٹیشن شہر سے اٹھائیس کلومیٹر دور ہے آمد و رفت کے لیے رات گئے تک بسیں اور ٹیکسیاں وغیرہ چلتی رہتی ہیں ہم بس سٹیشن سے کسی بھی بس پر بیٹھ کر ریلوے سٹیشن پہنچ جائیں گے اور پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

"میں تو مکمل طور پر اجنبی ہوں، کسی نے ابھی تک مجھے نہیں دیکھا اسی لیے میرے یہاں پہچان لیے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، لیکن تم انہی کی ساتھی ہو اگر تمہیں کسی نے پہچان لیا تو؟"

"مجھے صرف گورکھ سنگھ اور اس کے چند ساتھی پہچانتے ہیں ان میں سے بیشتر کو تم منالیا کی پہاڑی اور اس کے آس پاس ختم کر چکے ہو گورکھ سنگھ نے ہمارے بارے میں یہاں اطلاع تو دے دی ہو گی لیکن وہ اپنا مشن چھوڑ کر یہاں نہیں آیا ہو گا اس لیے یہاں مجھے بھی کوئی نہیں پہچان سکے گا۔" بیلا نے جواب دیا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے ذرا پہلے ہم نے جیپ چھوڑ دی اور پہاڑی پر چڑھنے لگے، پہاڑی زیادہ بلند نہیں تھی، چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے میرے ہونٹوں سے بے اختیار سیٹی نکل گئی نشیب میں دور تک شہر پھیلا ہوا تھا بعض قلعہ نما خوبصورت عمارتیں یہاں سے بھی دکھائی دے رہی تھیں، اندھیرا بہت آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا، لیکن بیشتر روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔

ہم پہاڑی سے اتر کر سالار بازار کی طرف چلنے لگے، یہ اس شہر کا مرکزی اور سب سے خوبصورت علاقہ تھا تمام شاپنگ سنٹرز بھی اسی طرف تھے۔ بعض راہ چلتے لوگ ہمیں گھور رہے تھے، زیادہ تر بیلا ہی ان کی نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی اس کی شرٹ نیچے سے پھٹی ہوئی تھی اور اوپر کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

بیلا ایک دکان کے سامنے رک گئی جہاں مقامی دستکاری کی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ بیلا نے ایک سستی سی چادر خرید کر اوڑھ لی دکان سے نکل کر چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گئی سامنے کافی دور دو پولیس والے ٹہلتے ہوئے آ رہے تھے۔

"تمہاری گن کہاں ہے؟" بیلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"شرٹ کے نیچے چھپا رکھی ہے کیوں؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں پولیس والے اجنبیوں کو بلاوجہ پریشان کرتے رہتے ہیں، پھر رقم بٹورنے کے لیے وہ جامہ تلاشی سے بھی نہیں چوکتے، گن مجھے دے دو ظاہر ہے وہ میری جامہ تلاشی لینے کی کوشش نہیں کریں گے۔" بیلا نے کہا اور چادر دونوں ہاتھوں سے اس طرح پھیلا دی جیسے اسے اپنے جسم پر درست کرنا چاہتی ہو، میں نے بڑی پھرتی سے اپنی شرٹ کے نیچے سے کارا کوف نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دی اور اس نے چادر درست کر لی۔

بیلا کا کہا درست ثابت ہوا تھا سامنے سے آنے والے پولیس والوں نے ہمیں روک لیا چند الٹے سیدھے سوال کیے ایک نے میرا لباس بھی تھپتھپا کر دیکھا وہ بیلا کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے تو رہے تھے لیکن اس کے جسم کو ہاتھ لگانے کی کوشش کسی نے نہیں کی۔

پولیس والے آگے بڑھ گئے اور ہم اپنے راستے پر چل دیے، اگر کارا کوف میرے پاس ہوتی تو یقیناً پکڑے گئے ہوتے یا مار دھاڑ شروع ہو چکی ہوتی۔

بیلا سالار بازار کی طرف جانے کے بجائے دوسری سڑک پر مڑ گئی تقریباً بیس منٹ بعد ہم ایک بہت بڑے مندر کے سامنے موجود تھے، "مندر میں ذرا بھگوان سے پرارتھنا کر لوں، پھر دوسرے گیٹ سے بس سٹیشن کی طرف نکل چلیں گے۔" بیلا نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

میں صحن میں برآمدے کے ستون کے قریب رک گیا بیلا اندر جا کر چند منٹ بعد ہی واپس آ گئی اور پھر ہم طویل برآمدے میں ایک طرف چلنے لگے اور آخر کار ایک دروازے میں داخل ہو گئے۔

یہ بہت بڑا کمرا تھا فرش پر پندرہ بیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے وسیع و عریض چبوترے پر ایک لمبا تڑنگا آدمی کھڑا تھا، اس نے گیروے رنگ کا لمبا سا چوغہ پہن رکھا تھا لیکن شیو اور سر بھی گنجا تھا۔ موٹی موٹی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی اس کے گلے میں دو تین مالائیں تھیں۔ میں کانپ اٹھا، وہ سیاہ کوبرا تھا جو مسلسل حرکت کر رہا تھا اس شخص کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی اس کے ساتھ ایک چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی جس کے ایک طرف خوبصورت

پٹاری رکھی ہوئی تھی اور میز کے وسط میں دودھ سے بھرا ہوا شیشے کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔

وہ شخص سنسکرت زبان میں کچھ کہہ رہا تھا پھر اس نے جھک کر پٹاری کا ڈھکن اٹھا دیا ایک خوفناک قسم کا سانپ پھن پھیلائے پٹاری سے برآمد ہوا اور رینگتا ہوا پیالے سے دودھ پینے لگا۔ دودھ پینے کے بعد وہ سانپ پھر پٹاری میں چلا گیا اس شخص نے پٹاری کا ڈھکن بند کر دیا دونوں ہاتھوں سے دودھ کا پیالہ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا وہ ایک ہی سانس میں سارا دودھ پی گیا اور خالی پیالہ میز پر پھینک دیا۔

"یہ ناگ راج ہے۔" بیلا نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اب یہ بھاشن دے گا ہمیں اس کے سامنے والے دروازے سے باہر نکلنا ہے ان آدمیوں کے قریب فرش پر بیٹھ جاؤ ہم آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے دوسری طرف نکل جائیں گے۔" نجانے کیوں میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے ایک نظر ناگ راج کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ بیلا بھی میرے قریب ہی بیٹھ گئی۔

ناگ راج بھاشن شروع کر چکا تھا اس کا موضوع پاپ اور پن تھا، پھر وہ ظلم کے خلاف بولنے لگا پھر اپرادھ کی باتیں ہونے لگیں۔ وہ بار بار میری طرف بھی دیکھ رہا تھا لگتا تھا جیسے براہ راست میرے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو اگر بیلا مجھے پہلے ہی اس کے بارے میں سب کچھ نہ بتا چکی ہوتی تو میں اس کی باتوں سے ضرور متاثر ہوتا۔

"ہم سب اپرادھی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اپرادھ ہمارے من میں ہے جب تک ہم اپنے من کو درپن کی طرح نہیں کریں گے اپرادھ ختم نہیں ہوگا اس کے لیے سنگرش کی ضرورت ہے بڑی تپسیا کرنی پڑے گی بڑے کشٹ اٹھانے ہوں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"مگر ہم دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں فریب دیتے ہیں دوسرے ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں کوئی اپرادھی چھپ نہیں سکتا اس لیے بھی ہم میں ایک اپرادھی موجود ہے مگر......"

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے میں نے بیلا کو کہنی مار کر اشارہ دیا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگا بیلا بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل کر میرے سامنے آ گئی اس نے پلو جسم سے اتار کر پھینک دی اور مجھے کارا کوف رائفل کی زد پر لیتے ہوئے چیخی۔

"ناگ راج جی۔ یہ وہ اپرادھی جواب تک کئی آدمیوں کی ہتیا کر چکا ہے یہی ہے وہ پاکستانی جس کی تلاش میں تمہارے آدمی مارے مارے پھر رہے ہیں۔"

میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا، دماغ سن ہو گیا رگوں میں خون منجمد ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا اور میں پتھرائی ہوئی نظروں سے بیلا کو دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

میرے اندر ایک عجیب سناٹا طاری تھا۔ سنسنی کی ایک لہر تھی جس نے پورے وجود کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہڈیوں کا گودا تک شاید برف کی طرح جم کر رہ گیا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی پر چیونٹیاں اور گردن پر کنپٹی سے رینگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک لمحہ کو تو یوں محسوس ہوا جیسے اس دنیا میں میرا وجود ہی نہ رہا ہو اور پھر جیسے میں ہوش میں آ گیا۔ بیلا کے اس اقدام نے مجھے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے کٹھن ترین حالات کا مقابلہ کیا تھا۔ موت کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تھا، لیکن کبھی اتنا خوف محسوس نہیں کیا تھا۔ میری ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگیں۔ لگتا تھا لڑکھڑا کر گر پڑوں گا، لیکن میں نے فوراً ہی اس کیفیت پر قابو پا لیا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھا تھا، لیکن بیلا مجھ سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ اپنی جان کے خوف سے وہ مجھ سے غداری نہیں کرے گی۔ پچھلے دو دنوں کے دوران وہ کم از کم تین مرتبہ اپنے آپ کو اس طرح میرے حوالے کر چکی تھی کہ کوئی شریف عورت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور یہ میری سب سے بڑی حماقت تھی کہ بیلا کو زیر کر لینے کے بعد میں اسے شریف سمجھنے لگا تھا اور یہ فرض کر لیا تھا کہ اب وہ میرے کھونٹے سے بندھ چکی ہے اور مجھ سے الگ ہونے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آئے گا، لیکن وہ بہت عیار ثابت ہوئی۔

[illegible] نے اس دوران قدم قدم پر میرا ساتھ دیا۔ موت کے ان فرشتوں سے بچنے کے لیے بار بار میری مدد کی۔ اس کی [illegible] سے ان کے کئی آدمی میرے ہاتھوں مارے بھی گئے۔ بار بار میرے ہاتھوں اپنی عزت لٹا کر اسے کئی آدمی مروا کر [illegible] نے فرض کر لیا تھا کہ اب وہ مجھ سے دور نہیں ہوگی۔ لیکن میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک ایسی تنظیم کی رکن تھی جو [illegible] سالہ کے بعد دہشت گردی اور تخریب کاری میں دوسرے نمبر پر تھی۔ [illegible] اخبارات میں را کی سرگرمیوں کے [illegible] میں پڑھتا رہتا تھا پاکستان کی سرحدوں کے اندر ہونے والی تخریب کاری اور دہشت گردی کی ہر واردات کے پیچھے را کا ہاتھ ہوتا تھا۔ ٹرینوں، بسوں اور مختلف مقامات پر بموں کے دھماکے، سڑکوں پر فائرنگ وغیرہ اسی تنظیم کی کارستانیاں تھیں اور بیلا بھی اسی تنظیم کی رکن تھی، جو پاکستان کو کسی بھی طرح نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔ بیوقوف تو میں ہی تھا جو بیلا جیسی عورت کے چکر میں آ گیا تھا۔ وہ کتنی خوبصورتی سے مجھے بے وقوف بناتی رہی تھی۔ اپنے آدمیوں کو میرے ہاتھوں مروا کر اس نے میرا اعتماد حاصل کیا تھا۔ ناگ راج اور دوسرے [illegible] ساتھیوں کے قصے سنا کر اس نے میری ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں اور اس دوران بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے مجھے بتدریج موت کی بھیانک وادی کی طرف دھکیلتی رہی تھی اور میں بڑے اطمینان سے اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو راستے میں بھی کسی جگہ مجھ پر قابو پانے کی کوشش کر سکتی تھی۔ ایسے کئی

مواقع اسے ملے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے مجھے رائفل کی زد پر لے کر اپنی بات منوا سکتی تھی، لیکن وہ میری ذہانت اور بے خوفی سے بھی واقف رہی ہوگی۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ اس کی ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو پائے گی اور الٹا اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا اور میں بڑی آسانی سے اس کی چال میں آ گیا تھا۔

بیلا اس وقت کارا کوف تانے میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بکھری ہوئی سفاکی نے اس کا سارا حسن غارت کر دیا تھا۔ آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری تھی۔ اس کی انگلی رائفل کے ٹریگر پر تھی اور میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میری کسی معمولی سی حرکت پر بھی ٹریگر دبانے سے دریغ نہیں کرے گی۔

"بیلا" میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا کر رہی ہو تم؟ کیا تم یہ بھول گئی ہو کہ یہ لوگ اب تمہارے بھی دشمن ہیں اور تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اور تم یہ بھول گئے ہو کہ میں بھارتیہ ناری ہوں۔" بیلا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"بھارتیہ ناری اپنے خون کی بلی تو دے سکتی ہے، لیکن اپنے ورش کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"اور وہ..... وہ جو تم میرے ساتھ "

"تمہارے ساتھ وہ سب کچھ کرنے کے لیے میں اب بھی تیار ہوں"

بیلا نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے تم ایک بہت مضبوط اور طاقتور مرد ہو۔ تمہارا قرب حاصل کرنے کے بعد کوئی عورت کسی دوسرے مرد کے پاس جانا پسند نہیں کرے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "وہ سب کچھ تو میں نے تمہیں اپنی مٹھی میں لینے کے لیے کیا تھا میری عزت میرے ورش کی عزت سے زیادہ اہم تو نہیں۔"

"بڑی عجیب منطق ہے۔" میں نے کہا وہ۔ جس ورش کی عورتیں اس طرح اپنی عزت لٹاتی پھر رہی ہوں اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔" "بہر حال رائفل نیچے کر لو۔ لوگ کچھ خوفزدہ سے ہو رہے ہیں اور وہ جلاد بھی ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ صورتحال بگڑ جائے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ اب تم یہاں سے جا سکو گے۔" بیلا غرائی۔

"کنیا!" ناگ راج کی گونجتی ہوئی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا۔ وہ خون بھری سرخ آنکھوں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ "کون ہو تم کنیا اور یہ پورکھ کون ہے جس پر تم اتنے بڑے اپ[illegible] کا اروپ لگا رہی ہو"

"ناگ راج" بیلا چیخی۔ "یہ وہی اپرادھی ہے جو اب تک کئی خون کر چکا ہے۔ اسے پاکستان سے لایا جا رہا تھا راستے میں اس نے اپنے تین محافظوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اور اس کے بعد یہ خون پر خون کرتا چلا گیا۔ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بڑی مشکل سے اسے یہاں تک لائی ہوں۔"

میرا خیال ہے ناگ راج نے بیلا کو پہچان لیا تھا، لیکن دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اس شناسائی کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت مندر میں تھا اور مندر میں اس کی حیثیت کچھ اور تھی۔

"اگر یہ ہتیارا ہے تو اسے قانون کے حوالے کیا جانا چاہیے تھا۔" ناگ راج نے کہا۔ "ایسی چیزوں کے فیصلے قانون ہی کرتا ہے۔ یہ مندر ہے، بھگوان کا گھر۔ دنیا میں اس سے پوتر جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ میں ایسا کام پسند نہیں کرتا جس سے یہ پوتر استھان ناپاک ہو جائے۔ تم اپنی یہ رائفل پھینک دو اور اسے اس دروازے سے باہر

لے جاؤ۔ اس کا فیصلہ کرنے کا ہمیں کوئی ادھیکار نہیں۔ اسے لے جاؤ یہاں سے۔"

میں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح لاتعلقی کا اظہار کرے گا۔ لیکن بات میری سمجھ میں آ گئی۔ وہ کسی قسم کا شدید رد عمل ظاہر کر کے لوگوں کے سامنے اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو پاپ، ظلم اور ناانصافی کے خلاف بھاشن دے رہا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا تھا جس سے اس کی 'امیج' پر حرف آتا۔ اسی لیے اس نے بیلا کو جھڑک دیا تھا اور اسے رائفل پھینک کر مجھے یہاں سے لے جانے کا حکم دیا تھا۔ بیلا نے بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا، لیکن اس نے رائفل پھینک دی۔

جب بیلا مجھ پر رائفل تان کر چیخی تھی تو وہاں بیٹھے ہوئے سب ہی لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ تو خوفزدہ ہو کر باہر بھاگ گئے تھے اور اس وقت ہال میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے تھے۔ ان میں سے دو آدمی اٹھ کر آگے آ گئے۔

"مہاراج!" ان میں سے ایک ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ آگیا دیں تو ہم اس اپرادھی کو پولیس کے حوالے کر دیں، بیچاری اکیلی ہے آپ نے اسے نہتا بھی کر دیا ہے کہیں راستے میں یہ پاکھنڈی اس ناری کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔"

"شانت رہو۔" ناگ راج نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ناری اسے ہمارے چرنوں تک لائی ہے تو اسے پولیس تک بھی لے جائے گی۔ میرا آشیرواد اس کے ساتھ رہے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بیلا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اسے یہاں سے لے جاؤ کنیا۔ ہم دھرم چاری لوگ ایسے معاملوں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس میں مت الجھاؤ۔ جاؤ اسے لے جاؤ۔"

بیلا کی آنکھوں میں ایک لمحہ کو الجھن سی تیر گئی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے بلی جیسی ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

"اس دروازے کی طرف چلو۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میرے پاس ریوالور موجود ہے۔"

میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ہال میں موجود لوگ دوبارہ اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے اور ناگ راج کا بھاشن بھی دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

میں سامنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بیلا میرے ساتھ جڑ کر چل رہی تھی۔ میں نے بہر حال یہ طے کر لیا تھا کہ مندر سے نکلتے ہی بیلا کی گردن ناپ لوں گا اور اسے ایسی سزا دوں گا کہ آئندہ زندگی میں کسی کے ساتھ اس طرح کا دھوکا کرنے کی کوشش نہیں کرے گی، لیکن میں ایک بار پھر یہ بھول گیا تھا کہ میں ایسے لوگوں کے چنگل میں پھنس گیا تھا جو نہایت عیار، دھوکے باز، سفاک اور ظالم تھے۔

اس دروازے کے باہر دائیں بائیں بہت کشادہ اور طویل برآمدہ تھا جس کے سامنے کشادہ صحن تھا اور اس کے دوسری طرف بھی مندر کے حصے کی کوئی عمارت تھی۔ برآمدے اور صحن میں بہت سے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ میرے لیے فرار کا بہترین موقع تھا۔ اتنے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں بیلا گولی چلانے کی حماقت نہیں کرے گی۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ برآمدے میں نکلتے ہی دو آدمی دائیں بائیں میرے ساتھ جڑ کر چلنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ایک سرگوشیانہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"کوئی بر اخیال من میں مت لانا بھایا۔ ورنہ تمہاری لاش یہاں تڑپتی رہے گی۔"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب ناگ راج کی چال بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے اپنے چیلوں کے سامنے مجھے بیلا کے ساتھ ہال سے نکلنے کا موقع تو دیدیا تھا، لیکن یہاں اس کے گرگے میرے منتظر تھے اور باہر نکلتے ہی انہوں نے دونوں طرف سے مجھے گھیر لیا تھا۔ پستولوں کی چبھن میں اپنے دونوں پہلوؤں میں محسوس کر رہا تھا۔

"وہ سامنے والے برآمدے میں جانا ہے بھایا۔" اس مرتبہ دوسرا آدمی بولا تھا۔ "اس عمارت کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے جہاں نہ تو باہر کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے اور نہ ہی اندر کی آواز باہر جا سکتی ہے۔ اس تہہ خانے میں چل کر تم سے حساب کتاب کریں گے۔ ویسے تم ہو بہت جرائی آدمی، اتنے تھوڑے سے وقت میں اتنا لمبا چوڑا کھاتہ کھول لیا۔ ناگ راج تم سے ناراض بھی ہے اور بہت خوش بھی۔" وہ شخص رکے بغیر بولتا رہا۔ "ناراض اس لیے کہ تم نے اس کے کئی بندے مار دیے ہیں اور خوش اس لیے کہ بہت عرصہ بعد تیرے جیسا بندہ ملا ہے۔ تمہیں جب سدھا کر واپس پاکستان بھیجا جائے گا تو وہاں تو قیامت آ جائے گی۔ ویسے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں بھایا۔ ناگ راج تیرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرے گا۔ بڑا خیال رکھے گا تیرا حساب کتاب تو ہمیں کرنا ہے۔ اور ناگ راج کے آنے سے پہلے پہلے ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہوں گے۔ بس اب چپکے سے چلتا رہ....."

صحن میں بہت سے لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ میں نے کنکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ میرے لیے بہترین موقع تھا۔ اگر یہ لوگ مجھے تہہ خانے تک لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو میری آزادی کے تمام راستے بند ہو جائیں گے اور اس تہہ خانے میں میرے ساتھ جو کچھ ہونا تھا اس کا بھی مجھے اندازہ تھا۔ ناگ راج کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ وہ دنیا کا سفاک ترین آدمی ہے۔ میں نے اب تک ان کے کم از کم آٹھ بندے مار دیے تھے۔ وہ مجھے تہہ خانے میں مہمان بنا کر تو نہیں رکھیں گے۔

میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ دونوں طرف سے پستولوں کی چبھن اب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتے میں نے بڑی تیزی سے دونوں کہنیاں پیچھے کی طرف ماریں۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ میری دونوں کہنیاں ان دونوں کی کلائیوں پر لگیں۔ ان کے پستول دونوں طرف میرے پہلوؤں سے ہٹ گئے۔ ان میں سے ایک کے منہ سے اوں کی آواز نکل گئی تھی، لیکن میں ان کا ردعمل دیکھنے کے لیے وہاں رکا نہیں۔

سامنے ایک سادھو دونوں ہاتھ جوڑے چلا رہا تھا۔ گھٹنوں تک گیروے رنگ کا میلا سا چوغہ، بے تحاشا بڑھے ہوئے بال، داڑھی اور مونچھوں کے بال بھی اس طرح بڑھے ہوئے تھے کہ منہ کا دہانہ چھپ گیا تھا، صرف پچکے ہوئے گال اور سرخ آنکھیں نظر آ رہی تھیں ماتھے پر قشقہ تھا۔

اپنے ان دونوں عیاروں کو دھکا دینے کے بعد میں اس سادھو کی طرف لپکا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں عیاروں یقیناً ان کے ساتھ بیلا کا ردعمل کیا ہوگا۔ میں نے بجلی کے کوندے کی طرح لپک کر اس سادھو کو پکڑ کر ان کی طرف دھکیل دیا۔ میری یہ کارروائی بھی ان کے لیے غیر متوقع تھی۔ سادھو ان دونوں سے جا کر ٹکرایا اس کے ساتھ ہی بیک وقت دو فائر ہو گئے اور دو گولیاں اس سادھو کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔ سادھو ان دونوں کو ساتھ لیتا ہوا

فرش پر گرا تھا۔

انہوں نے گولیاں اضطراری کیفیت میں چلائی تھیں۔ میرے خیال میں وہ یہی سمجھے تھے کہ میں نے پلٹ کر ان پر حملہ کیا تھا اور ان دونوں نے بیک وقت گولیاں چلا دی تھیں۔ پوجا کے لیے آنے والا بے چارہ سادھو گولیاں کھا کر ڈھیر ہو گیا تھا۔

وہ دونوں سادھو کو ایک طرف دھکیل کر بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے بھاگتے ہوئے دیکھ کر پھر گولی چلا دی اور اس مرتبہ یہ گولی ایک بوڑھی عورت کے سینے میں پیوست ہو گئی، جو دونوں ہاتھوں میں ایک تھال اٹھائے اندر کی طرف جا رہی تھی۔ تھال میں ایک ناریل، پھولوں کا ہار کچھ مٹھائی اور ایسی ہی چیزیں تھیں۔ گولی لگتے ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح لہرائی۔ تھال اس کے ہاتھ سے نیچے پتھریلے فرش پر گرا اور چھناکے کی آواز پیدا کرتا ہوا ایک طرف لڑھکنے لگا۔

پہلی دو گولیاں اس وقت چلی تھیں جب سادھو ان دونوں کے اوپر گرا تھا۔ دونوں کے پستول سادھو کے پیٹ کے ساتھ لگ گئے تھے۔ اس لیے گولیوں کی آواز زیادہ نہیں ابھر سکی تھی اور لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے، لیکن تیسری گولی اور بڑھیا کی چیخ اور تھال کے چھناکے سے وہاں ایک بھگدڑ مچ گئی۔ عورتوں کی چیخیں آسمان کی خبر لانے لگیں۔ مرد بھی چیختے ہوئے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔

میں اس وقت تک لوگوں کو دھکیلتا ہوا مندر کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا یہ گولی بیلا نے چلائی تھی۔ اس نے نشانہ تو میرا ہی لیا ہوگا لیکن گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ ان دونوں میں سے ایک آدمی پھر کسی عورت سے ٹکرا کر گر پڑا تھا جبکہ دوسرا بدستور لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

"ناجی۔ رک جاؤ۔ تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔ میں کہتی ہوں رک جاؤ۔" بیلا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بیلا مجھ سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھی اور اتفاق سے اس وقت میرے اور اس کے درمیان کوئی نہیں تھا۔ بیلا نے ریوالور کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور وہ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھی، لیکن میں نے اس کی پوزیشن کی پروا کیے بغیر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اسی لمحہ فائر ہوا اور مجھے یوں لگا جیسے میرے بائیں بازو میں کہنی سے کچھ اوپر دہکتا ہوا انگارہ پیوست ہو گیا ہو۔ گولی میرے بازو میں لگی تھی۔ گولی گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی یا اندر ہی رہ گئی تھی۔ یہ دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے دروازے کے سامنے پتھر کی کشادہ سیڑھیوں پر چھلانگ لگا دی اور دوڑتا چلا گیا۔

پتھر کی بارہ تیرہ سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر کشادہ گلی تھی جو تقریباً پچاس گز آگے جا کر مین روڈ سے جا ملتی تھی۔ اس گلی کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں جو پھولوں، ناریل، مٹھائی، مورتی اور ایسی کئی لاتعداد چیزوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پوجا اور یاترا کے لیے آنے والے لوگ یہیں سے چیزیں خریدتے اور مندر میں بھگوان کی مورتی کے سامنے بھینٹ کر دیتے۔"

مندر کے اندر تو غدر سا مچا ہوا تھا مگر باہر کے لوگ ابھی تک غالباً اس ہنگامے سے بے خبر تھے کچھ لوگ

سیڑھیوں پر آ رہے تھے اور دکانوں کے سامنے تو بہت سے لوگ تھے گلی میں بھی لوگ موجود تھے دو تین بوڑھی عورتیں گلی کے وسط میں کھڑی ہار بھی بیچ رہی تھیں۔

میں ابھی آخری سیڑھی پر تھا کہ ایک اور فائر ہوا اس مرتبہ گولی بیلا کے ایک ساتھی نے چلائی تھی، میں لوگوں کو دھکے دیتا ہوا گلی میں دوڑتا رہا۔

سامنے آتے ہوئے ہٹے کٹے آدمی سے زوردار دھکا لگا میں اچھل کر دکانوں کے قریب سڑک پر گرا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ دو دکانوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا جہاں پھولوں کے خالی ٹوکرے، خالی کارٹن اور اسی قسم کی چیزیں پڑی تھیں میں نے اٹھ کر اس طرف چھلانگ لگا دی۔

دکانوں کے پیچھی طرف رہائشی مکان تھے اور تنگ اور اندھیری گلیاں تھیں۔ میں ان گلیوں میں دوڑتا رہا مجھے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں، ایک دو فائر بھی ہوئے تھے، لیکن میں رکے بغیر دوڑتا رہا۔

اجنبی شہر کی اجنبی گلیاں اور اجنبی لوگ۔ مجھے کہیں پناہ ملنے کی توقع نہیں تھی۔ پہلے مجھے بیلا کی مدد حاصل تھی، لیکن اب وہ بھی میری دشمن ہو گئی تھی مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا اپنے طور پر ہی کرنا تھا۔

میرے بازو سے خون بہہ رہا تھا اور تکلیف بڑھ رہی تھی۔ اگر خون فوری طور پر نہ روکا گیا تو صورتحال بگڑ سکتی تھی۔ کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا، لیکن خون کا بہاؤ روکنا بہت ضروری تھا۔

مجھے ایک جگہ پڑا ہوا پرانا چیتھڑا مل گیا جسے میں نے سختی سے بازو کے زخم پر لپیٹ لیا دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور دانتوں سے گرہ لگائی اور ان گلیوں میں چلتا رہا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کس طرف جا رہا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے۔ میرے خیال میں میرے لیے ایک ہی جگہ محفوظ ہو سکتی تھی۔ شہر کی نواحی پہاڑیاں، لیکن مجھے راستوں کا علم نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کون سا راستہ مجھے کس طرف لے جائے گا۔ میں تو بس چلتا رہا۔

گلیوں سے نکل کر میں ایک کشادہ سڑک پر آ گیا جس پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میں نے سڑک پار کر لی اور ایک سٹریٹ لیمپ کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ ایک چیختی ہوئی آواز سن کر اچھل پڑا۔

"وہ رہا...... پکڑو...... گولی مار دو اسے۔"

میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا وہ دو آدمی تھے جو میری طرف دوڑے آ رہے تھے، میں نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ ایک کشادہ گلی تھی جس کے دونوں طرف شاندار بنگلے بنے ہوئے تھے۔ ایک دو بنگلوں کے سامنے گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ میں اس گلی میں دوڑتا ہوا ایک اور گلی میں مڑ رہا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔

یہ وہ دونوں نہیں تھے جن سے مندر میں سامنا ہوا تھا کوئی اور تھے اس کا مطلب تھا کہ بیج پیلانے پر میری تلاش شروع ہو گئی تھی۔

میں جیسے ہی ایک اور گلی میں گھوما ٹھٹھک کر رک گیا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت بنگلے سے نکل کر سامنے کھڑی ہوئی کار کا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس نے کار میں بیٹھ کر جیسے ہی انجن سٹارٹ کیا میں نے اپنی جگہ سے دوڑ لگا دی کار

کے قریب پہنچ کر میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا، اس عورت نے میری طرف دیکھا اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے۔ میرا حلیہ ہی کچھ ایسا تھا کہ کوئی شریف آدمی میرے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے اسے بازو سے پکڑ کر بے دردی سے باہر گھسیٹ لیا۔ وہ بری طرح چیخ اٹھی۔ کار سے باہر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے اس کا پیر ساڑھی میں الجھ گیا میں نے اسے دھکا دے کر گرا دیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ عورت چیختے ہوئے مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

انجن سٹارٹ تھا۔ میں نے گاڑی کو گیئر میں ڈال کر کلچ چھوڑ دیا گاڑی ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھی اور اس وقت دو آدمی بنگلے سے نکل کر زمین پر گری ہوئی اس عورت کی طرف لپکے تھے اور پھر ایک آدمی چیختا ہوا کار کے پیچھے دوڑا۔ اس وقت میرا تعاقب کرنے والے بھی گلی میں داخل ہو چکے تھے وہ بھی کار کے پیچھے دوڑے، ایک نے گولی چلا دی۔

گولی نے پہلے تو ونڈ اسکرین توڑی اور پھر اگلی اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔ میں نے کار بڑی تیزی سے ایک اور گلی میں گھما دی اور پھر میں کار کو مختلف گلیوں اور سڑکوں پر گھماتا ہوا شہر کے ایک اور علاقے میں نکل آیا۔

میرا اندازہ درست تھا۔ میری تلاش پورے شہر میں ہو رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے شکاری کتے کسی کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں۔ میں کافی فاصلہ طے کر چکا تھا۔

پہاڑی کے دامن میں آباد یہ علاقہ خاصا بارونق تھا۔ پہاڑیوں پر بھی خوبصورت عمارتیں تھیں۔ ایک طرف بلندی پر کوئی بہت بڑا مندر تھا۔ یہ مندر دراصل کئی عمارتوں پر مشتمل تھا جو ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور پہاڑی پر دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس خطے میں آباد ہندوؤں کی اکثریت جین مت کی پیروکار تھی۔ یہ ہندو دیوتا ادیناتھ کو ماننے والے تھے جسے ہمالیہ کا بیٹا بھی کہا جاتا تھا۔ یوں یہاں دوسرے دیوتاؤں کے مندر بھی تھے مگر زیادہ تعداد جین مندروں کی تھی۔ سامنے پہاڑی پر دور تک پھیلا ہوا مندر بھی جین مندر ہی تھا۔

کار کا انجن اچانک ہی ہچکولے کھانے لگا۔ میں نے گیئر بدل بدل کر اس کا ردھم برقرار رکھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور پھر فیول بتانے والے ڈائل پر نظر پڑتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ پٹرول ختم ہو چکا تھا۔ میں نے کار روک لی اور اپنے زخمی بازو کو دیکھنے لگا۔ خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے جس کپڑے سے پٹی باندھی تھی وہ بہت ہی غلیظ اور گندہ تھا۔ وہ کپڑا دراصل میں نے اندھیری گلی میں چلتے ہوئے زمین سے اٹھایا تھا اگر روشنی میں اس کپڑے کو دیکھا ہوتا تو اسے چھونا بھی پسند نہ کرتا۔

کار کے ڈیش بورڈ والے خانے میں پیلے رنگ کا فلالین کا ایک ڈسٹر رکھا ہوا تھا وہ ڈیش بورڈ وغیرہ صاف کرنے کے لیے تھا اور اتنا بڑا نہیں تھا کہ پٹی باندھنے کے کام آ سکتا۔

میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔ سیٹ کے نیچے ایک اور کپڑا مل گیا جو خاصا بڑا تھا، میں نے بازو پر بندھی ہوئی پٹی کھول کر وہ گندہ کپڑا کار سے باہر پھینک دیا اور دوسرا کپڑا بازو پر لپیٹنے لگا۔ میں دائیں ہاتھ کی انگلیوں

اور واقعات سے گرہ لگا رہا تھا کہ پیچھے آنے والی ایک کار بڑی تیز رفتاری سے میرے قریب سے گزر گئی، لیکن تقریباً پچاس گز آگے جا کر وہ کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے رک گئی۔

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ اس کار کے اندر کی بتی جل رہی تھی۔ اس میں دو آدمی نظر آ رہے تھے۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر اور دوسرا اس کے ساتھ والی سیٹ پر۔ وہ دونوں پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے اور پھر وہ کار بڑی تیزی سے ریورس گیئر میں پیچھے آنے لگی۔

میری چھٹی حس نے فوراً ہی خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ میں کار کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور پہاڑی والے مندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ بائیں طرف والی پہاڑی پر کسی قسم کی آبادی نہیں تھی مگر مندر والی پہاڑی پر لاتعداد مکان بھی تھے اور جانے کے لیے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو سڑکیں تھیں۔ میں جس سڑک پر دوڑ رہا تھا اس کے دونوں طرف مکان تھے۔

”اے...... رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔“

پیچھے سے ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ کار میرے والی کار سے چند گز کے فاصلے پر رک چکی تھی اور دونوں آدمی نیچے اتر آئے تھے انہیں میں سے ایک نے مجھے للکارا تھا۔

میں دوڑتا رہا۔ بتدریج بلندی کی طرف دوڑتے ہوئے میرا سانس پھولنے لگا لیکن رکنے کا مطلب اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا تھا اس آدمی نے ایک مرتبہ وارننگ دینے کے بعد گولی چلا دی تھی۔ قسمت اچھی تھی گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی میں نے مکانوں کے بیچ ایک تنگ سی گلی میں چھلانگ لگا دی اور دوڑتا چلا گیا۔

میں ایک بار پھر کشادہ گلی میں نکل آیا اور پھر اچانک ہی دائیں طرف سے دوڑتا ہوا ایک آدمی سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا وہ بھی مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکا۔ میرے اور اس کے درمیان تین چار گز کا فاصلہ تھا اس نے ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔

موت آنکھوں کے سامنے ہو تو بزدل سے بزدل آدمی کے دل میں بھی تھوڑا بہت حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور میں تو بہت عرصے سے موت سے پنجہ آزمائی کر رہا تھا۔ اب میں موت سے نہیں ڈرتا تھا اور ویسے بھی میں نے یہ اصول اپنا رکھا تھا کہ خود زندہ رہنا ہے تو اپنے دشمنوں کو ختم کر دو۔

میں اپنی جگہ کھڑے کھڑے طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھلا اور اس سے پہلے کہ وہ شخص گولی چلاتا میں ہوا میں اڑتا ہوا اس شخص کے اوپر گرا اور اسے ساتھ لیتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

ریوالور اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ اس شخص نے سنبھلتے ہی ریوالور کی طرف چھلانگ لگا دی۔ شاید وہ ریوالور ہی کو اپنی زندگی کی ضمانت سمجھتا تھا۔ لیکن میں نے اسے ریوالور تک پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔ میرے پیر کی ٹھوکر پچھلا اس زور سے اس کے سر پر لگی کہ وہ بلبلاتا ہوا دور جا گرا اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا تھا۔ میں نے دوسری ٹھوکر رسید کر دی۔ یہ ٹھوکر اس کی پسلیوں پر لگی تھی وہ پیچھے الٹ گیا میں نے ایک گر ریوالور اٹھایا اور گلی میں دوڑ لگا دی میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اس پر ہاتھوں، پیروں کی پریکٹس کرتا رہتا اور پھر یہ اندیشہ بھی تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی بھی کسی لمحہ یہاں پہنچ جائے گا اور پھر میرے لیے اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔

یہ راستہ ذرا سا گھوم کر مجھے مندر کے دروازے کی طرف لے گیا۔ گلی کے اختتام پر کچھ کھلی جگہ تھی۔ دائیں طرف ایک منقش سفید سی چھوٹی سی عمارت تھی۔ اس سے آگے ملی ہوئی عمارت دو منزلہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اوپر جانے کے لیے کشادہ سیڑھیاں تھیں جن پر ٹین کا سائبان سا بنا ہوا تھا۔ سیڑھیوں کے بائیں طرف ایک دیوار سی اٹھی ہوئی تھی جس کے دوسری طرف کنڈ وغیرہ تھے جن میں چند درخت اور جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔

مندر کی سیڑھیوں پر اکا دکا لوگوں کی آمدورفت تھی میں سیڑھیوں پر دوڑتا چلا گیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر بہت بڑا ہال تھا جہاں کچھ لوگ نظر آ رہے تھے میں دائیں طرف دوڑتا چلا گیا۔ اور پھر ایک جگہ پر رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہ جین مندر ساتھ ساتھ جڑی ہوئی کئی عمارتوں پر مشتمل تھا جو پہاڑی پر دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور وہ عمارتیں بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ باہر سے تو لگتا تھا جیسے ایک دوسرے سے ملی ہوئی سفید رنگ کی وہ عمارتیں الگ الگ ہوں مگر اندر سے وہ ساری عمارتیں ایک ہی تھیں۔ اندر سے یہ مندر عجیب سی بھول بھلیوں کا منظر پیش کر رہا تھا کسی اجنبی کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہے۔

مندر میں اس وقت زیادہ لوگ نہیں تھے۔ میں وہاں کھڑا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس مندر کے دوسری طرف نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ تو ضرور ہو گا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کس طرف جانا چاہیے۔ چند گز دور کھڑا ہوا ایک پجاری میرا حلیہ اور میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر چیخ اٹھا۔

”او مورکھ یہ......“

میں اس کی پوری بات نہ سن سکا۔ مندر کے داخلی راستے کی طرف کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے آگے کی طرف دوڑ لگا دی۔ داخلی راستے کی طرف سے بھی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ دوڑتا ہوا دو آدمی جلد ہی سامنے آ گیا۔ یہ ان دونوں میں سے ایک تھا جو کار سے اتر کر میرے پیچھے لگے تھے۔ ایک کو تو میں نے ناکارہ بنا دیا تھا اور اس کا ریوالور بھی چھین لیا تھا۔ یہ دوسرا تھا اور اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا۔ وہ دائیں طرف دوڑتا چلا گیا۔ میں نے بائیں طرف دوڑ لگا دی۔ میرے دوڑنے کی آوازیں سن کر وہ شخص پیچھے مڑا اور گولی چلا دی میں بڑی پھرتی سے ایک اور ستون کی آڑ میں ہو گیا اور جوابی فائر کر دیا۔ مندر کا اندرونی حصہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ کچھ لوگ خوف سے چیختے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ایک طرف دوڑتا رہا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ میں مسلسل بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ بڑے لمبے چوڑے ہال تھے اور ہر ہال کے بعد اوپر جانے کیلئے چند سیڑھیاں تھیں۔ میں شاید مندر کے انتہائی اندرونی حصہ کی طرف نکل آیا۔ وہ شخص کافی بہت پیچھے رہ گیا تھا اور راہداریوں کی بھول بھلیوں میں مجھے تلاش کر رہا تھا۔

میں ایک دروازے کے قریب رک گیا۔ چند لمحے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر جب ایک طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی تو میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر گھمایا۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بولٹ کر دیا اور سامنے دوسرے دروازے کی طرف لپکا۔ یہ دروازہ بھی

لاک نہیں تھا۔ اس کے دوسری طرف ایک تنگ سی راہداری تھی جس کے اختتام پر ایک اور دروازہ تھا میں نے دروازہ کھولا تو اچھل پڑا۔

اس کمرے کے اندر کا منظر بڑا دلچسپ تھا۔ یہ وسیع کمرہ بہت شاندار طور پر آراستہ تھا۔ ایک ننگ دھڑنگ سے پجاری اور دو تین عریاں جوان اور حسین عورتوں نے اس کمرے کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔

پجاری ایک بڑی سی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا وہ چوکی بڑی آرام دہ تھی۔ ایک لڑکی پجاری کی گود میں بیٹھی اسے اپنے ہاتھوں سے شراب پلا رہی تھی اور دوسری پیچھے سے اس پر جھکی ہوئی تھی۔

مندروں اور پجاریوں کے بارے میں، میں نے بہت کچھ دیکھا تھا بعض فلموں میں ایسے مناظر بھی دیکھے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ مندر عبادت گاہیں نہیں بلکہ پجاریوں کی عیاشی کے اڈے تھے۔ مندروں پر غنڈوں، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ پجاریوں کا قبضہ تھا اور اس وقت یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کمرے میں دائیں طرف ایک اور دروازہ بھی نظر آ رہا تھا، جو نیم وا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ تینوں اچھل پڑے، لڑکیاں چیخ ہوئی ایک طرف ہٹ گئی تھیں اور ایک تخت پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھا کر اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"کپڑے وہیں پھینک دو اور اس طرف ہٹ کر کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے ان لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ریوالور سے اشارہ کیا۔ "تمہارے ان خوبصورت جسموں کو کوئی اور دیکھ لے گا تو ان پر داغ نہیں لگ جائے گا۔"

وہ دونوں کپڑے وہیں پھینک کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

"کون ہو تم سورکھا" پجاری نے سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔ "تم یہاں تک آ تو گئے ہو تو واپس نہیں جا سکو گے۔"

"میری بات غور سے سنو پنڈت بھگے لال۔" میں نے اسے ریوالور کی زد پر لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ دھرم کے نام پر تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ میں اتفاق سے اس طرف آ گیا ہوں اگر تم مجھے باہر نکلنے کا راستہ بتا دو تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ میں سمجھوں گا کہ یہاں میں نے کچھ نہیں دیکھا۔"

"تم کون ہو اور یہاں تک کیسے آئے۔" پجاری نے مجھے گھورا۔ "تمہارا حلیہ اور تمہارے ہاتھ میں یہ ریوالور۔"

"کچھ لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں، مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ بتاؤ اور عیش کرتے رہو۔"

"کہاں جانا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"اس مندر سے باہر۔ کسی اور کی نظروں میں آئے بغیر۔"

میں نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے اس مندر میں بہت سے ایسے راستے ہیں جہاں سے خفیہ طور پر آمدورفت ہو سکتی ہے مجھے بھی کسی ایسے ہی راستے سے باہر نکال دو اور بے فکر ہو کر ان خوبصورت ناریوں سے جی بہلاتے رہو۔"

"للیتا" پنڈت نے ایک لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس راکھشس کو اس طرف سے باہر نکال

دے۔"

"صرف للیتا نہیں۔ تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو گے۔" میں نے ریوالور سے اشارہ کیا۔

اور پھر میں نے اسے اپنی جگہ سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ان میں سے کسی کو کپڑے پہننے کا موقع بھی نہیں دیا۔ للیتا نامی لڑکی نے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ یہ بھی شاندار طریقے سے آراستہ کمرہ تھا۔ اس کی دوسری طرف بھی دروازہ تھا ہم آگے پیچھے اس دروازے میں داخل ہو گئے۔ سب سے آگے للیتا تھی اس کے پیچھے پجاری۔ اس کے پیچھے دوسری لڑکی اور آخر میں میں تھا۔

وہ ایک تنگ سی راہداری تھی، جو مسلسل نشیب کی طرف چلی گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے ہم زمین کی تہہ میں اتر رہے ہوں۔ راستے میں دو تین اور راہداریاں بھی ملی تھیں، لیکن ہم اسی راہداری میں چلتے رہے۔

اس راہداری کا اختتام ایک کمرے پر ہوا۔ اس کمرے سے نکل کر ہم ایک اور کمرے میں آ گئے۔ پجاری کے اشارے پر للیتا نے سامنے والا دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ ہی میرے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اس دروازے سے تقریباً پچاس گز آگے وہ سڑک تھی جہاں وہ دونوں کاریں کھڑی تھیں۔ سڑک اور اس دروازے کے بیچ ویران سی جگہ تھی اور اونچی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

اس سرنگ میں چلتے ہوئے میں نے پنڈت سے کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں یہ اچپال گڑھ کا علاقہ تھا اور جس مندر میں اس وقت موجود تھا یہ اچپال شور مندر تھا۔

"اب آپ جائیے مہاراج اور ان لونڈیوں کے ساتھ عیش کیجیے۔ بس یوں سمجھئے کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا لیکن......" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا مورکھا؟" پنڈت نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے تلاش کرنے والے بدمعاش اگر تم تک پہنچ جائیں تو تم انہیں میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔ اگر تم نے دشمنی کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے بڑا دشمن کوئی نہیں ہوگا، لیکن میرا خیال ہے تم سمجھدار ہو۔ راز کو راز رکھنا جانتے ہو ویسے یہ جگہ مجھے پسند آ گئی ہے ضرورت پڑی تو پھر یہاں آؤں گا۔"

"تم مجھے شریف آدمی لگتے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے تم نے بتایا نہیں کہ تمہارا پیچھا کون لوگ کر رہے ہیں۔ کون تمہاری ہتیا کرنا چاہتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے کوئی بہت بڑا اپرادھ کیا ہو اور پولیس تمہارا پیچھا کر رہی ہو۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے پیچھے پولیس نہیں، ناگ راج کے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ ویسے اگر تم چاہو تو میرے جانے کے بعد ناگ راج کو اطلاع دے سکتے ہو کہ میں اس کے آدمیوں کو چکمہ دے کر مندر سے فرار ہو گیا ہوں۔"

"وہ راکھشس۔ شیطان۔" پنڈت نے دانت کچکچائے۔ "وہ انسان نہیں درندہ ہے۔ اس نے یہاں کے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ وہ غنڈہ ہے۔ بدمعاش ہے۔ اس نے پولیس کو قبضے میں کر رکھا ہے کئی نیتا بھی اس کے قبضے میں ہیں۔ اس نے دھرم کے نام پر یہاں بدمعاشی کے اڈے کھولے ہیں وہ جس کو چاہے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے کوئی اسے پوچھنے اور روکنے والا نہیں۔ اس نے دھرم بھرشٹ کر دیا ہے۔"

میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی کم از کم ایک آدمی تو ایسا ملا تھا جو ناگ راج کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی باتوں سے یہ بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ ناگ راج نے اس شہر میں اچھی خاصی دہشت پھیلا رکھی ہے۔

"ناگ راج سے دشمنی مول لے کر تم نے اپنے لیے مصیبتیں کھڑی کر لی ہیں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس شہر میں تمہیں کوئی بھی پناہ دینے کو تیار نہیں ہوگا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"میرا خیال ہے تمہاری طرح کچھ اور لوگ بھی تو ہوں گے جو ناگ راج کو پسند نہ کرتے ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس ناگ کے ڈسے ہوئے بہت ہیں۔" پنڈت نے کہا۔ "لیکن کوئی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی کوئی تمہاری مدد کرے گا۔"

"تم بھی نہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"م ..... میں ......" وہ بوکھلا سا گیا۔ "وہ بہت شکتی والا ہے میں اس کے خلاف تمہاری کیا مدد کر سکوں گا۔"

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ان لڑکیوں کی موجودگی میں، میں اس سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھی مجھ سے نظریں چرانے لگا۔ میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ جگہ تین چار کمروں کا ایک باقاعدہ مکان تھا اور اس میں ضرورت کی چیزیں بھی موجود تھیں۔

اسی دوران دوسرے کمرے سے ایسی آواز سنائی دی جیسے انٹرکام کا بزر بجا ہو۔ وہ تینوں چونک گئے۔ پنڈت نے للیتا کو اشارہ کیا وہ اس کمرے میں چلی گئی اس کی واپسی میں دو منٹ لگے تھے۔ اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔ وہ کچھ دیر تک پنڈت کے کان میں سرگوشی کرتی رہی۔ پھر پنڈت میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"ناگ راج کے دو آدمی مندر کی تلاشی لے رہے ہیں۔ انہیں شبہ ہے کہ مندر کے پجاریوں نے تمہیں کہیں چھپا رکھا ہے۔ تم اس وقت جاؤ میرا وہاں پر جانا بہت ضروری ہے۔" وہ بات کرتے کرتے للیتا کی طرف مڑ گیا۔ "للیتا اس منش کو چابی دو۔" وہ پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "اس مکان کی چابی لے جاؤ جب یہاں آؤ تو ساتھ والے کمرے میں انٹرکام پر شوشی شوشی تین کے بٹن دبا دینا۔ مجھ سے رابطہ ہو جائے گا۔ اب تم جاؤ اس وقت تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

اس کے اشارے پر للیتا نے دوسرے کمرے سے مجھے ایک چابی لا کر دے دی۔ میں نے چابی بڑی احتیاط سے جیکٹ کی جیب میں ڈالی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

میرے نکلتے ہی للیتا نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ دور سڑک پر سٹریٹ لائٹ جل رہی تھی لیکن اس کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ مکان کے سامنے گہری تاریکی تھی میں جھاڑیوں میں الجھتا اور تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا ہوا سڑک کی طرف چلتا رہا۔ ریوالور میرے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے بازو کے زخم میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

سڑک سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر میں رک گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پانچ منٹ کے دوران صرف دو گاڑیاں وہاں سے گزری تھیں اور وہ دونوں کاریں دائیں طرف پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر

سڑک پر کھڑی تھیں۔ میں بڑی گہری نظروں سے اس طرف دیکھ رہا تھا کسی کار کے اندر یا قرب و جوار میں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

وہ دو آدمی تھے اور دونوں اس وقت جین مندر میں مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا پستول میرے قبضے میں تھا۔ میں جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا تیزی سے کاروں کی طرف چلنے لگا۔ پیچھے والی کار کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ جو کار میں نے اس عورت سے چھینی تھی اس کا تو پٹرول ختم ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے مجھے اس جین مندر میں پناہ لینی پڑی تھی اور اب یہ دوسری کار ہی میرے کام آ سکتی تھی۔

میں نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے سیٹ پر بیٹھ کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور انجن سٹارٹ کرنے لگا۔

میں نے گاڑی واپس گھما دی اور اسے تیزی سے دوڑانے لگا مجھے اب بھی کچھ پتہ نہیں تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ میں یہاں سے دور نکل جانا چاہتا تھا مندر سے مایوس ہونے کے بعد وہ یقیناً مجھے آس پاس کے علاقوں میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اس گاڑی کی وجہ سے مجھے دور جانے کا موقع مل رہا تھا۔

تقریباً دو میل آگے پہلا چوراہا تھا۔ چوراہے کے ایک طرف خوبصورت عمارت پر لگے کلاک کی سوئیاں گیارہ کا وقت بتا رہی تھیں۔ چوراہے سے آگے نکلتے ہی سرخ بتی سے مجھے رکنے کا اشارہ کیا گیا میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایک پولیس کی وردی میں اور دو سادہ لباس میں تھے۔ پولیس والے کے ہاتھ میں رائفل تھی جبکہ سادہ لباس دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور یا پستول تھے۔ ایک سادہ لباس والا سرخ شیڈ والی ٹارچ لیے سڑک کے عین وسط میں کھڑا تھا اور ٹارچ کو حرکت دیتے ہوئے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

میں نے کار کی رفتار کم کر دی۔ وہ شاید مطمئن ہو گئے تھے کہ کار رکنے والی ہے لیکن قریب پہنچ کر میں نے ایک دم ایکسیلیٹر پر پوری قوت سے پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ کار ایک دم چیخ سی اٹھی سامنے کھڑے ہوئے شخص نے بڑی تیزی سے ایک طرف چھلانگ لگائی تھی مگر اس کا ایک پیر کار کی سائیڈ سے ٹکرا گیا وہ اچھل کر گرا۔ کار کی رفتار تیز ہونے کے باوجود میں نے اس کی چیخ سن لی تھی۔ اس کے دونوں ساتھی پہلے اس کی طرف دوڑے پھر قریب کھڑی ہوئی موٹر سائیکل کی طرف لپکے۔

میں کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ آگے کوئی شاپنگ سنٹر تھا۔ تیز اور رنگ برنگی روشنیاں دور ہی سے نظر آ رہی تھیں کسی شاپنگ ایریا کی طرف جانے میں پھنس جانے کا خطرہ تھا میں نے کار ایک سڑک پر بائیں طرف گھما دی اور اس وقت گردن گھما کر پیچھے بھی دیکھا تھا میرے تعاقب میں آنے والی موٹر سائیکل بہت دور تھی۔

یہ رہائشی علاقہ تھا میں کار کو مختلف سڑکوں پر گھماتا رہا اور پھر ایک موڑ پر گھومتے ہی زوردار دھماکہ ہوا کار لرز گئی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میرے روکتے روکتے بھی کار ایک بنگلے کی دیوار سے ٹکرا گئی۔

میں سیٹ پر اچھل گیا۔ میرا سر ونڈ سکرین سے ٹکرایا لیکن غنیمت ہوا کہ چوٹ زیادہ نہیں آئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے دروازہ کھول کر کار سے باہر چھلانگ لگا دی اور جیب سے ریوالور نکال کر کار کی آڑ میں پوزیشن لے لی۔ میرا خیال تھا کہ کار پر فائرنگ کی گئی تھی جس سے ایک ٹائر برسٹ ہو گیا تھا لیکن کار رکنے کے بعد بھی کوئی سامنے

نہیں آیا نہ ہی کسی طرف سے فائر ہوا۔

ٹائر کسی نوکیلے پتھر یا کسی ایسی ہی چیز کی وجہ سے برسٹ ہوا تھا۔ بہرحال یہ کار بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی اور میں ابھی بیچ منجدھار ہی میں تھا۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ملی تھی جہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتا۔

بنگلے کے اندر سے زور زور سے بولنے کی آوازیں سن کر میں چونک گیا۔ وہ کم از کم دو آدمی تھے جو غالباً دھماکے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے باہر آ رہے تھے میں نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔

میں جانتا تھا کہ چند منٹ بعد یہاں لوگ جمع ہو جائیں گے اور پولیس کو بھی اس کی اطلاع دی جائے گی اور پھر اس علاقے میں وسیع پیمانے پر میری تلاش شروع ہو جائے گی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد میں اس سڑک پر پہنچ گیا جہاں ایک کانسٹیبل اور دو سادہ لباس والوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ دائیں طرف وہ شاپنگ سنٹر تھا جہاں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ میں تیزی سے سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گیا۔ اس طرف بھی رہائشی علاقہ تھا۔ راستے اونچے نیچے تھے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ علاقہ پہاڑیوں کے دامن میں اور پہاڑیوں پر آباد ہے۔

میں بنگلوں سے بہت دور قدرے دائیں طرف نکل گیا۔ ایک ادھوری مگر قدرے پھیلی ہوئی عمارت کافی الگ تھلگ نظر آ رہی تھی۔ عمارت کے گیٹ پر ایک بلب بھی روشن تھا۔ عمارت کی پیشانی پر ایک بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ہندی اور انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے کچھ آگے بڑھ کر بورڈ پر انگریزی تحریر پڑھی۔ "میرا بائی آشرم"

میں اس آشرم کے اوپر سے گھوم کر پچھلی طرف چلا گیا۔ آشرم کی عمارت سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر ایک بڑی وسیع و عریض چار دیواری نظر آ رہی تھی جس میں لوہے کا ایک گیٹ بھی لگا ہوا تھا۔

اس وقت چاند طلوع ہونے لگا۔ یہ جگہ اگرچہ ویران تھی لیکن میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چاند کی مدھم سی روشنی نظر میں پہنچتے ہی میں ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔

اس وقت آدھی رات ہو چکی تھی۔ مختلف سمتوں میں اگرچہ روشنیاں نظر آ رہی تھیں مگر یہاں ہو کا عالم طاری تھا۔ گہرا سناٹا تھا میں اس پتھر کے پیچھے دبکا اس چار دیواری کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے اندر کوئی عمارت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ چار دیواری جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

چند منٹ بعد میں پتھر کی آڑ سے نکل کر چار دیواری کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے اندر کوئی عمارت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ چار دیواری جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

چند منٹ بعد میں پتھر کی آڑ سے نکل کر چار دیواری کے قریب پہنچ گیا اور اندر جھانکنے لگا۔ بہت وسیع و عریض احاطہ تھا۔ دائیں طرف ایک جگہ ملبے کا ڈھیر نظر آ رہا تھا اور بائیں طرف احاطے کے تقریباً وسط میں ایک اونچے چبوترے پر ایک بارہ دری سی دکھائی دے رہی تھی۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ احاطہ ویران تھا اور رات گزارنے کیلئے میرے لیے محفوظ جگہ تھی۔ میں شکستہ دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا اور دبے قدموں بارہ دری کی طرف چلنے لگا۔

وہ بارہ دری دراصل ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ ایک طرف تقریباً تین فٹ اونچے چبوترے پر کسی دیوی کی پتھر کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ چاند کی مدھم سی روشنی میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ مورتی بہت خوبصورت رہی ہوگی۔

لیکن جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ دیوی آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اور اس کی گود میں چند سوکھے ہوئے پھول پڑے ہوئے تھے جو نجانے کب یہاں ڈالے گئے ہوں گے۔ بارہ دری کی چھت پر تین رسیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ کسی وقت پیتل کی گھنٹیاں بندھی ہوں گی لیکن اب صرف رسیاں رہ گئی تھیں۔

میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ یہ احاطہ اور یہ چھوٹا سا مندر عرصے سے ویران پڑا تھا اور یہ جگہ میرے لیے محفوظ تھی۔ مورتی کے پیچھے چبوترے پر اتنی جگہ تھی کہ میں آرام سے لیٹ سکتا تھا۔

پہلے تو میں مورتی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا پھر گرد آلود فرش پر لیٹ گیا۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ شہر میں بھی سبزے اور درختوں کی بہتات تھی اور اس اطراف کی پہاڑیاں بھی درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ سبزے کی وجہ سے موسم میں اچھی خاصی خنکی آ گئی تھی۔ شام سے اب تک بھاگ دوڑ میں کچھ پتہ نہیں چلا تھا لیکن اب موسم اثر انداز ہو رہا تھا اور بازو کی تکلیف بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ زخم میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے۔

شام سے اب تک میں کئی بار موت سے متصادم ہوا تھا۔ کئی بار میں نے موت کو نیچا دکھایا تھا، لیکن زخم کی تکلیف مجھے نڈھال کیے دے رہی تھی۔ ہمت جواب دینے لگی۔ حوصلہ ساتھ چھوڑنے لگا اور میں زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

رات کے پچھلے پہر سردی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ سردی میں بازو کا زخم کچھ اور تکلیف دہ ہو گیا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں زخم کو لپیٹ کر ہوا لگنے سے بچا لیتا۔ کھلی جگہ پر ہوا بھی کچھ تیز تھی اور اس ہوا سے بچنے کے لیے بھی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں مورتی والے چبوترے سے ٹیک لگائے بیٹھا سردی سے کانپتا رہا اور اس وقت کو کوسنے لگا جب تصور میں شجاع کے گھر سے میری بربادی کی ابتدا ہوئی تھی اور میری زندگی میں دراڑیں پڑنا شروع ہوئی تھیں۔ ہاں ... میری بربادی کے ذمے دار وہی لمحات تھے جب سردی کا بہانہ کر کے رضیہ بے لباس ہو کر میرے لحاف میں گھس آئی تھی۔ اگر میں اس وقت اپنے آپ کو بچا لیتا تو آج یہاں موت سے آنکھ مچولی نہ کھیل رہا ہوتا، لیکن میں اپنے آپ کو نہیں بچا سکا تھا۔ رضیہ تو جذبات کا وہ سیلاب بن کر آئی تھی جو بڑے بڑے پہلوانوں اور سورماؤں کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ اس طوفان کے سامنے میری کیا حیثیت تھی۔

بہرحال، میں اپنی بربادی کا ذمے دار رضیہ کو سمجھتا تھا۔ اگر وہ اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کے لیے مجھے رستے سے نہ بھٹکاتی تو شاید میں پڑھ لکھ کر کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پر ہوتا اور سکون و اطمینان کی زندگی گزار رہا ہوتا۔ بہرحال، اب ان لمحات کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بازو کے زخم میں اب بڑی شدت سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے ٹی شرٹ اتار کر بازو پر لپیٹ لی تاکہ زخم کو ہوا سے بچایا جا سکے۔

ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ پیچھے مندر چلا جاؤں۔ مندر کے بیرونی مکان کی چابی میرے پاس موجود تھی۔ میں رات کا باقی حصہ تو آرام اور سکون سے وہاں گزار سکتا تھا، لیکن پھر یہ خیال ذہن سے

نکال دیا تھا۔ پورے شہر میں میری تلاش ہو رہی تھی۔ میں ان لوگوں سے بچ کر زیادہ دور نہیں جا سکوں گا۔ میرے لیے یہی جگہ محفوظ تھی۔

میرا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میں چبوترے سے ٹیک لگائے سمٹا ہوا بیٹھا رہا۔ چاند اپنا سفر طے کرتا ہوا پہاڑیوں کی طرف جھک رہا تھا اور میں حساب لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دن طلوع ہونے میں کتنا وقت باقی رہ گیا ہے۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ آخر کار تقدیر کو مجھ پر ترس آ گیا اور نیند مجھے تھپکیاں دینے لگی۔ نیند ہی مجھے وقتی طور پر اس اذیت سے بچا سکتی تھی یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں نیند ہی میں سردی سے ٹھٹھر کر ختم ہو جاتا اور میری اکڑی ہوئی لاش اس ویران مندر میں پڑی رہتی۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا کوئی مجھے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ وہ خواب نہیں ایک خوفناک حقیقت تھی۔ ایک ہیولہ سا میرے اوپر جھکا ہوا تھا جو مجھے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگرچہ تیز روشنی تھی مگر میری آنکھوں کے سامنے دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ حواس قابو میں نہیں تھے۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے میں نے ایک بار پھر اپنے اوپر جھکے ہوئے اس ہیولے کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی مگر دھند کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال ابھرا۔ ناگ راج کے کسی آدمی نے مجھے تلاش کر لیا تھا اور مجھے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں مزاحمت کرنا چاہتا تھا لیکن میرے بدن میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ کوئی معمولی سی حرکت بھی کر سکتا۔ پورا جسم جیسے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا میں نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر اس چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی مگر دھند کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور پھر نجانے کیسے میرا سیدھا ہاتھ حرکت میں آیا۔ میں نے اپنے اوپر جھکے ہوئے ہیولے کو گرفت میں لینے کی کوشش کی مگر میرا ہاتھ بے جان سا ہو کر رہ گیا اور اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو اس وقت بھی دھند سی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس مرتبہ یہ دھند بتدریج چھٹتی چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔

یہ ایک مختصر سا کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا اور چھت پر لٹکا ہوا ایک بلب جل رہا تھا۔ میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا تھا اور میرے اوپر دو تین موٹے موٹے کمبل پڑے ہوئے تھے۔ میں گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ چارپائی کے قریب ایک تپائی اور اس کے ساتھ دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے والی دیوار پر ایک کیلنڈر لٹکا ہوا تھا جس پر ہنومان کی تصویر تھی اور اوپر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

میرے ذہن پر چھائی ہوئی دھند بھی آہستہ آہستہ چھٹنے لگی اور گزرے ہوئے واقعات فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے گزرنے لگے۔ میں ناگ راج کے شکاری کتوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔ میں نے ایک ویران سے مندر میں پناہ لی تھی جہاں میں گرد آلود چبوترے پر پڑا سردی سے ٹھٹھرتا رہا تھا اور پھر میں نے کسی ہیولے کو اپنے اوپر جھکتے ہوئے دیکھا تھا۔

کیا میں اس وقت ناگ راج کی قید میں ہوں!

لیکن اس خیال کو میں نے فوراً ہی ذہن سے جھٹک دیا۔ ناگ راج کی قید میں مجھے اس طرح آرام دہ بستر پر نہیں لٹایا جا سکتا تھا۔ اس کے کئی آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ وہ میرے جسم کا جوڑ جوڑ تو الگ کر سکتے تھے لیکن ایسی کوئی آسائش مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ پھر یہ کون سی جگہ ہے اور مجھے یہاں کون لایا ہے!

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے میز پر رکھے ہوئے گلاس کی طرف دیکھا اور اپنے آپ کو ذرا سا اوپر اٹھا کر گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس وقت ایک اور سنسنی خیز انکشاف ہوا۔ کمبلوں کے نیچے میرے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس طرح حرکت کرنے سے بازو میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ میں نے کمبل اٹھا کر بازو کی طرف دیکھا۔ صاف ستھری پٹی بندھی ہوئی تھی جس پر ایک طرف خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نظر آ رہا تھا۔ میرا ذہن بری طرح الجھ گیا۔ وہ کون نیک دل تھا جسے مجھ سے اس قدر ہمدردی ہو گئی تھی۔

میرا جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ پیاس کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے۔ میں نے اپنے آپ کو چارپائی پر ذرا سا اور اوپر کھینچا اور تپائی پر رکھا ہوا گلاس اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

گلاس پوری طرح میری گرفت میں نہیں آ سکا۔ انگلیوں سے پھسل کر میز پر گرا اور لڑھکتا ہوا فرش پر گر کر چھناکے کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ انجانے سے خوف کی ایک لہر پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔ میں دہشت زدہ سی نظروں سے بجڑے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

چند سیکنڈ گزر گئے، باہر قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ میرا خیال تھا خوفناک شکل کا کوئی آدمی اندر آئے گا جس کے ہاتھ میں پستول یا رائفل ہوگی، لیکن آنے والا وہ خوفناک شکل والا آدمی تھا نہ اس کے ہاتھ میں پستول یا رائفل تھی۔

وہ ایک حسین عورت تھی۔ صبیح و ملیح چہرہ، آنکھوں میں ہلکی سی نیلاہٹ، ساڑھے پانچ فٹ کے قریب قد، چھریرا اور سڈول جسم، لمبے سیاہ ریشمی بال کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں نہ تو چوڑیاں تھیں اور نہ ہی جسم پر کوئی زیور نظر آ رہا تھا۔ سفید اجلی ساڑھی جس کے بارڈر پر تقریباً ایک انچ چوڑی سیاہ کناری تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی، لیکن یہ عمر بھی اس کے حسن پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میری دشمن نہیں ہو سکتی۔

"پپ..... پانی" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کراہا۔ "مجھے پیاس لگی ہے اور یہ گلاس۔"

"گلاس ٹوٹ گیا تو کوئی بات نہیں۔ تم اس کی چنتا مت کرو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا..... باہر کی طرف رخ کر کے قدرے اونچی آواز میں بولی۔ "گرادھا گلاس میں جل لے کر آؤ۔" وہ پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "اب کیسی طبیعت ہے۔" اس نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم تو اب بھی تاپ میں پھنک رہے ہو، مگر گھبراؤ نہیں، بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔"

تقریباً دو منٹ بعد ایک اور عورت پانی سے بھرا ہوا گلاس لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی عمر پچیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس کی رنگت اگرچہ قدرے سانولی تھی مگر چہرے کے نقوش بڑے دلکش تھے۔ اس کی بائیں کلائی میں سونے کی تین چوڑیاں، کانوں میں بندے اور گلے میں سونے کی باریک سی چین بھی تھی

جس میں کہیں کہیں سیاہ موتی بھی نظر آ رہے تھے اس نے گلابی رنگ کی سستی قسم کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ ماتھے پر بندیا بھی چمک رہی تھی۔

وہ رادھا تھی جسے پہلی عورت نے آواز دے کر پانی لانے کے لیے کہا تھا۔ پہلی عورت کے بارے میں تو مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ بیوہ تھی۔ ہندو بیوہ عورتیں نہ تو زیور پہنتی ہیں نہ چوڑیاں اور نہ ہی رنگین کپڑے۔ سفید ساڑھی ہی ان کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے مگر رادھا بیوہ نہیں تھی۔ اس کی کلائیوں میں چوڑیاں بھی تھیں، کانوں میں بندے اور گلے میں وہ چین بھی جسے منگل سوتر کہا جاتا ہے۔ منگل سوتر صرف سہاگن عورتیں ہی پہنتی ہیں اور اس نے گلابی ساڑھی بھی پہن رکھی تھی۔

سفید ساڑھی والی نے گلاس رادھا کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے فرش پر بکھرے ہوئے گلاس کے ٹکڑے اٹھانے کو کہہ کر میرے اوپر جھک گئی۔ ایک ہاتھ میری گردن میں ڈال کر ذرا سا اوپر اٹھایا اور پانی کا گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ میں نے صرف چند گھونٹ ہی پانی پیا اور پھر سر تکیے پر ٹکا دیا۔

"رادھا" وہ عورت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم فوراً شانتا کے پاس چلی جاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تاپ بہت تیز ہے۔ اگر وہ خود آ کر دیکھ لے تو اچھی بات ہوگی۔"

"جی، ماتا جی۔" رادھا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے سفید ساڑھی والی کو ماتا جی کہا تھا۔ حالانکہ ان دونوں کی عمر میں چند ہی سال کا فرق تھا اور میرے خیال میں ماتا کا لفظ اس نے احتراماً استعمال کیا تھا۔

رادھا کے ساتھ وہ عورت بھی باہر چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ چارپائی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر بھی بجلی کی روشنی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہ رات کا وقت تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ تقریباً آدھی رات کے وقت میں اس ویران مندر میں آیا تھا۔ یہ عورت نجانے کس وقت مجھے اٹھا کر یہاں لے آئی تھی اور پتہ نہیں کتنی دیر بعد میری آنکھ کھلی تھی، لیکن ابھی رات ختم نہیں ہوئی تھی۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تو تم وہی نوجوان ہو جس کی تلاش میں ناگ راج کے آدمی اب بھی شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔" اس عورت نے کرسی پر قدرے آگے جھکتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم کون ہو؟ یہ کون سی جگہ ہے اور مجھے یہاں کون لایا ہے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے اس سے سوال کر ڈالا۔

"میرا نام اِلکا ہے۔ اِلکا اگنی ہوتری۔" اس نے جواب دیا۔ "یہ جگہ جہاں تم اس وقت موجود ہو ایک چھوٹا سا آشرم ہے اور یہاں میرے اور رادھا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "آج صبح سویرے میں درگا ماتا کے مندر میں گئی تو تمہیں وہاں بے ہوش پڑے ہوئے پایا۔ تم زخمی تھے۔ میں نے تمہیں اٹھانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اور پھر رادھا کو یہاں سے بلا کر لے گئی۔ ہم دونوں تمہیں بڑی مشکل سے اٹھا کر یہاں لے آئیں۔ میرا خیال تھا کہ پولیس کو تمہارے بارے میں اطلاع دے دی جائے لیکن اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ تم وہ تو نہیں جسے ناگ راج کے آدمی تلاش کر رہے ہیں۔ میں کل رات نو بجے کے قریب بازار گئی تھی تو مجھے پتہ چل گیا تھا کہ ایک آدمی ناگ راج کی قید سے فرار ہو گیا ہے جسے

پورے شہر میں تلاش کیا جا رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے پولیس کو اطلاع دینے کا ارادہ بدل دیا اور رادھا کو بھیج کر ڈاکٹر شانتا کو بلا لیا۔ وہ میری قابل اعتماد دوست ہے۔"

"تم نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی یا مجھے ناگ راج کے آدمیوں کے حوالے کیوں نہیں کیا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"ناگ راج۔" اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "وہ انسان نہیں درندہ ہے۔ موت کا دوسرا نام ناگ راج ہے اور میں جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم یہ تسلی ہو گئی تھی کہ میں یہاں محفوظ تھا اور اِلکا اگنی ہوتری میری ہمدردی اور ہمدردی کی بنا پر ہی وہ مجھے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر یہاں لے آئی تھی۔

"اس وقت بھی تمہیں بہت تیز بخار تھا اور تمہارا بازو بھی زخمی تھا۔" اِلکا کہہ رہی تھی۔ "ڈاکٹر شانتا میرا پیغام ملتے ہی یہاں پہنچ گئی تھی۔ تمہاری حالت خاصی تشویشناک تھی۔ اس نے سب سے پہلے تمہیں ایک انجکشن لگایا اور زخم کی ڈریسنگ بھی کر دی۔ شاید تمہارے بازو میں گولی لگی تھی۔"

"ہاں۔ میں رات بھر بھاگتا رہا اور تکلیف سے تڑپتا رہا۔ زخم کے علاج کے لیے کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔" میں نے کہا۔

اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ میرے جسم پر لباس کیوں نہیں تھا۔

"ڈاکٹر شانتا اگرچہ کچھ دوائیں بھی دے گئی تھی مگر تمہیں ہوش آ جاتا تو کوئی دوا دی جاتی۔ وہ پھر کو شانتا تمہیں دوبارہ دیکھنے آئی تھی اس نے تمہیں ایک اور انجکشن دیا تھا اور اب تم ہوش میں آئے ہو۔ پورے چودہ گھنٹے بعد۔"

"چودہ گھنٹے۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ میں صبح چھ بجے تمہیں درگا ماتا کے مندر سے اٹھا کر لائی تھی اور اب رات کے آٹھ بج چکے ہیں۔" اِلکا نے کہا۔ "اس وقت بھی تمہیں بخار بہت تیز ہے بس شانتا آتی ہی ہوگی۔ تم چنتا مت کرو... بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔"

میرے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہی رات ابھی ختم نہیں ہوئی، لیکن یہ انکشاف خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ میں پورا دن بے ہوش پڑا رہا تھا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اِلکا کو مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی تھی۔ اس نے ساتھ رادھا اور تیسرا نام ڈاکٹر شانتا کا تھا۔ وہ بھی عورت ہی تھی۔ اس گفتگو کے دوران کسی مرد کا نام سامنے نہیں آیا تھا جس کا مطلب تھا کہ میں ابھی تک عورتوں ہی کے ہتھے چڑھا ہوا تھا۔

"تم مسلمان ہو اور میرا خیال ہے اس علاقے کے رہنے والے بھی نہیں ہو۔" اِلکا نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔

میں اچھل پڑا۔ میری پیشانی پر تو نہیں لکھا ہوا تھا کہ میں مسلمان ہوں پھر اسے کیسے پتہ چلا۔

"تمہارا یہ شبہ درست ہے کہ میرا تعلق اس علاقے سے نہیں ہے، لیکن تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں مسلمان

ہوں۔" میں نے پوچھا۔

"کوئی اور زخم دیکھنے کے لیے میں نے اور شانتا نے تمہارے کپڑے اتار کر پورے جسم کو چیک کیا تھا۔" اس نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔ "اس طرح ہمیں پتہ چل گیا کہ تم ہندو نہیں ہو اور اس وقت بات کرتے ہوئے تمہارا لب و لہجہ بھی بتا رہا ہے کہ تم اس علاقے کے بلکہ ہندوستان کے رہنے والے بھی نہیں ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "تم کون ہو اور ناگ راج سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"تمہارا یہ خیال درست ہے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا بھی نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اس پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ "میں پاکستانی ہوں اور ناگ راج کے آدمی مجھے پاکستان سے اغوا کر کے لائے تھے۔" میں چند لمحوں کو خاموش رہا اور پھر اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ راستے میں کس طرح میں ان کی قید سے بھاگ نکلا تھا اور کس طرح بیلا مجھے دھوکے سے ناگ راج کے سامنے لے گئی تھی۔

"ناگ راج بہت زہریلا آدمی ہے۔" اکا نے کہا۔ "کبھی کبھار اس کی قید سے کوئی آدمی بھاگ نکلتا ہے تو اسی طرح طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اب تک تو یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کی قید سے بھاگنے والا کوئی شخص زندہ نہیں بچ سکا۔ اسے پناہ دینے والوں کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود تم نے مجھے پناہ دی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تم کوئی چوٹ کھائی ہوئی ہو لیکن کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ ناگ راج کے آدمیوں کو یہاں میری موجودگی کا پتہ چل گیا تو وہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں جانتی ہوں۔" اکا نے جواب دیا۔ "آج دن میں مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا ہے۔ تم نے آدھی رات تک ناگ راج کے آدمیوں کو پورے شہر میں نچائے رکھا۔ تم بھین مندر میں بھی گئے تھے اور اس کے دو آدمیوں نے وہاں تک تمہارا پیچھا کیا تھا۔ تم تو وہاں سے بھاگ گئے لیکن انہیں شبہ تھا کہ پجاریوں نے تمہیں مندر میں کسی جگہ چھپا رکھا ہے۔ تمہارے بارے پوچھنے کے لیے انہوں نے ایک پجاری پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ان دونوں کو بعد میں پتا چلا کہ تم کسی طرح مندر سے نکل گئے تھے اور ان کی کار لے کر بھاگ نکلے تھے۔" وہ چند لمحے کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "گزشتہ رات تم نے ایک بنگلے کے سامنے جس عورت کی کار چھینی تھی وہ پولیس کے ڈی ایس پی کی بیوی ہے اور اس کے بعد تو پولیس بھی تمہاری تلاش میں سرگرم ہو گئی تھی۔ رات بھر شہر میں ہنگامہ رہا۔ کئی ایسے لوگوں کو پکڑ کر بند کر دیا گیا جن پر تمہیں پناہ دینے کا شبہ ہو سکتا تھا۔ آج بھی دن بھر تمہاری تلاش جاری رہی۔ شہر سے باہر جانے والے تمام راستے رات ہی کو بند کر دیے گئے تھے۔ کوئی شخص پولیس یا ناگ راج کے آدمیوں کی نظروں میں آئے بغیر شہر سے باہر نہیں جا سکتا۔ سنا ہے ناگ راج پاگل ہوا پھر رہا ہے۔ تم پہلے آدمی ہو جو ابھی تک اس کے ہاتھ نہیں آ سکے۔ اس نے تو یہ اعلان بھی کروا دیا ہے کہ اگر کسی نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے تو تمہیں پولیس کے حوالے کر دے بصورت دیگر اسے بھی تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔"

"اور اس کے باوجود تم نے مجھے پناہ دے رکھی ہے۔" میں نے کہا۔

"ناگ راج کی دھمکی بہت واضح اور وہ ایسی دھمکیوں پر عمل کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتا لیکن..."

خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں چوٹ کھائے ہوئے ہوں۔ میرے سینے میں انتقام کی ایسی آگ بھڑک رہی ہے جو ناگ راج کے خون کے چھینٹوں سے ہی ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے!"

"جس عورت کا سہاگ لٹ جائے اس کے ساتھ اس سے بڑی ٹریجڈی اور کیا ہو سکتی ہے۔" اکا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا سہاگ اجاڑنے والا بھی زہریلا آدمی ہے جسے لوگ ناگ راج کہتے ہیں۔ میرے پتی نے میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا اور میں نے اسے وچن دیا تھا کہ قاتلوں سے اس کی ہتیا کا بدلہ ضرور لوں گی اور میں اپنے اس وچن کا پالن ضرور کروں گی۔ مجھے وقت کا انتظار تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ وقت اب آ گیا ہے۔"

"تمہارے پتی کی ناگ راج سے کیا دشمنی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا پتی شیام داس پولیس آفیسر تھا۔" اکا کہنے لگی۔ "ہم دس سال پہلے جے پور میں تھے۔ انہی دنوں یہاں ماؤنٹ ابو میں کچھ گڑبڑ شروع ہو گئی۔ مرکزی حکومت کو کچھ پراسرار سرگرمیوں کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی آدمی پراسرار طور پر ہلاک ہو جاتا۔ یوں تو ایسی وارداتیں پورے شہر میں ہو رہی تھیں مگر زیادہ لاشیں نکی جھیل کے آس پاس مل رہی تھیں۔ یہ بہت خوبصورت جھیل ہے۔ اس علاقے کی سب سے بڑی تفریح گاہ۔ تم نے دیکھا ہو گا ماؤنٹ ابو شہر بھی بہت خوبصورت ہے۔ پرفضا تفریحی مقام ہونے کے علاوہ یہاں کچھ قدیم تاریخی عمارتیں بھی ہیں جنہیں دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں، لیکن ان پراسرار وارداتوں کی وجہ سے یہ شہر ویران ہونے لگا۔ لوگ ادھر کا رخ کرنے سے گھبرانے لگے۔

"مقامی پولیس ان پراسرار لوگوں کا سراغ لگانے میں ناکام ہو گئی تھی جو ایسی وارداتیں کر کے خوف و ہراس پھیلا رہے تھے۔ مجرموں کا سراغ لگانے کے لیے جے پور سے چند پولیس افسروں کو یہاں بھیج دیا گیا۔ ان میں میرا پتی بھی شامل تھا۔ ان پولیس افسروں کے آنے سے پراسرار وارداتوں کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے رک گیا، لیکن ان پراسرار لوگوں کے خلاف تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا۔"

"انہی دنوں ناگ راج سر ابھار رہا تھا۔ شروع میں یہ ایک بدحال سادھو کی طرح اودی ناتھ مندر کے سامنے بیٹھا اپنے جنتر منتر کے چھوٹے موٹے شعبدے دکھا کر بھیک مانگا کرتا تھا۔ اس کے گلے میں ہر وقت ایک دو سانپ لٹکے رہتے تھے۔ ہندوستان کے سادھو، جوگی، مہنت اور پنڈت طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو متاثر کرتے اور اپنی جھولیاں بھرتے رہتے ہیں۔ ناگ راج بھی ایک ایسا ہی سادھو تھا۔"

"میرا پتی ایک ذمے دار پولیس آفیسر تھا۔ وہ ایسے لوگوں پر بھی نگاہ رکھتا تھا جو بظاہر کچھ نہیں ہوتے مگر درپردہ بہت کچھ ہوتے ہیں۔ اسے ناگ راج پر بھی شبہ ہوا تھا۔ اسی لیے اس نے ناگ راج کی بھی نگرانی شروع کرا دی۔"

"ناگ راج اس دوران تیرتھ سے اٹھ کر اودی ناتھ مندر کے اندر پجاریوں کے منڈل میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں اس نے اپنا ایک رنگ بنا لیا۔ انہی دنوں مندر کا ایک پجاری پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا۔ اس کی لاش نکی جھیل کے قریب پہاڑیوں میں پائی گئی تھی۔ اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ مرلی دھر نام کا وہ پجاری ناگ راج

کی سرگرمیوں کے خلاف تھا۔ اس لیے شبہ تھا کہ اس کی موت میں ناگ راج کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ میرے پتی اس کیس کی تحقیقات کر رہے تھے۔ انہوں نے ناگ راج کو شبہ میں گرفتار کر لیا، ناگ راج نے میرے شوہر کو دھمکیاں دیں کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اور پھر وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے۔ جے پور کے ایک افسر اعلیٰ کے حکم پر ناگ راج کو اسی رات چھوڑ دیا گیا اور پھر اس کے دو مہینے بعد ادی ناتھ مندر کا پروہت بھی پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا۔ اس کی لاش نا کی جھیل میں تیرتی ہوئی کشتی پر پائی گئی تھی۔ لاش برہنہ تھی اور جسم پر اتنے زخم تھے کہ انہیں گننا مشکل ہو گیا تھا۔ البتہ چہرے پر ایک خراش تک نہیں تھی۔ چہرہ شاید اس لیے صحیح سلامت چھوڑ دیا گیا تھا کہ اسے آسانی سے شناخت کر لیا جائے۔"

"پروہت کی اس پراسرار موت کے فوراً ہی بعد ناگ راج نے اپنے چیلوں کی مدد سے ادی ناتھ مندر کے سنگھاسن پر قبضہ کر لیا اور پروہت بن بیٹھا۔"

"پرانے زمانے میں جس طرح راجواڑے ایک دوسرے کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ آور ہوتے تھے۔ اسی طرح مندروں پر قبضہ کرنے کی ریت بھی بہت پرانی ہے۔ بڑے بڑے مندر نا صرف آمدنی اور عیاشی کے بڑے بڑے اڈے ہیں بلکہ یہ سازشوں کے گڑھ بھی ہیں۔ ادی ناتھ مندر تو بہت قدیم اور بہت بڑا ہے۔ یہ مندر پہلے جین گرو ادی ناتھ کی یادگار کے طور پر تعمیر ہوا تھا۔ اس کی تعمیر میں سفید ماربل استعمال کیا گیا ہے۔ اسے کاشی کاری اور فن تعمیر کا ایک بہترین شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس مندر کی آمدنی بھی بے حساب ہے۔"

"میرے پتی کو شبہ تھا کہ ادی ناتھ مندر کے پروہت کے پراسرار قتل میں ناگ راج کا ہاتھ ہے۔ اسے یہ بھی شبہ تھا کہ ناگ راج کچھ اور پراسرار سرگرمیوں میں بھی مصروف ہے۔ شیام لال نے اسی رات مندر پر چھاپہ مار کر ناگ راج اور اس کے چند گرگوں کو گرفتار کر لیا۔ اس میں پولیس کو پجاریوں کی طرف سے کچھ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ناگ راج کے کمرہ خاص کی تلاشی کے دوران کچھ ایسی چیزیں بھی ملی تھیں جن سے ایک طرف یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ وقتی کسی قسم کی پراسرار سرگرمیوں میں ملوث ہے تو دوسری طرف یہ سنسنی خیز انکشاف بھی ہوا تھا کہ ناگ راج بہت دور تک ہاتھ پیر پھیلا چکا ہے۔ اس کی رسائی حکومت کے ایوانوں تک ہو چکی ہے۔"

"میرا پتی جانتا تھا کہ اس بار پھر ناگ راج کی رہائی کے لیے اوپر سے کوئی آرڈر آ جائے گا۔ اس لیے وہ ایسے کسی حکم کے آنے سے پہلے ہی ناگ راج سے کچھ اگلوا لینا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اسے تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا تھا۔"

"ناگ راج کی گرفتاری کی خبر رات ہی رات جے پور اور دہلی پہنچ چکی تھی۔ صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے ہی دہلی سے ہند سرکار کا ایک بہت بڑا آفیسر اور جے پور سے راجستھان کا چیف منسٹر ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچ گئے اور پھر ایک گھنٹے بعد نہ صرف ناگ راج حوالات سے باہر تھا بلکہ میرے پتی شیام لال کو بھی اختیارات سے تجاوز کرنے اور پرامن اور قانون پسند شہریوں کے خلاف غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کرنے کے الزام میں پولیس کی ملازمت سے نکال دیا گیا۔"

"اس ذلت کے بعد بھی میرے پتی نے مازمت ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ناگ راج کی اصلیت کو بے نقاب کر کے ہی رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی ان نیتاؤں اور سرکاری افسروں کو بھی ننگا کر

دے گا جو اس کی پراسرار سرگرمیوں میں شریک تھے۔

"شیام لال نے بڑی محنت سے ناگ راج کے خلاف کچھ ایسی معلومات حاصل کر لی تھیں جن کا انکشاف اس علاقے کے پرامن لوگوں کے لیے بم دھماکے سے کم نہ ہوتا۔ شیام لال مزید آگے بڑھنا چاہتا تھا، لیکن ایک رات مجھے اطلاع ملی کہ میرا پتی ہسپتال میں پڑا ہے۔"

"میں شیام لال کو دیکھ کر کانپ اٹھی۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ اتنے زخم تھے کہ انہیں گننا ممکن نہیں تھا۔ چہرے پر ایک معمولی سی خراش بھی نہیں تھی۔ وہاں پر موجود ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ کچھ آدمی اسے ہسپتال چھوڑ گئے تھے۔ شیام لال انہیں اسی حالت میں ایک سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا۔"

"شاید میرے ہی انتظار میں شیام لال کی کچھ سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔ اس میں بولنے یا جسم کے کسی حصے کو حرکت دینے کی سکت نہیں تھی۔ وہ ویران سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے وچن دیا تھا کہ جس نے اس کی یہ حالت کی ہے اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے میری آغوش میں دم توڑ دیا۔"

"میں سمجھ گئی تھی کہ شیام لال کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔ ادی ناتھ مندر کے پروہت کی لاش بھی اسی حالت میں ملی تھی۔ اپنے پتی کی موت پر میں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا، شور نہیں مچایا اور شاید اسی لیے آج تک ناگ راج جیسے درندے کی نظروں سے بچی ہوئی ہوں۔"

"میں اپنے پتی کے قاتل سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے بھی یہاں سے واپس جانے کا خیال ذہن سے نکال دیا۔ میرے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ میں نے درگا تا کے اس ویران کھنڈر کے قریب یہ زمین خرید کر چھوٹا سا آشرم بنا لیا۔ جے پور کے چیف منسٹر نے مجھے مالی مدد کی پیش کش کی تھی جسے میں نے قبول نہیں کیا۔ البتہ اودھے پور کی میرا بائی نامی ایک نیک دل عورت نے اس آشرم کے لیے مالی امداد کی پیشکش کی تو میں انکار نہ کر سکی۔ میں نے یہ آشرم اسی کے نام سے کر دیا۔ میرا بائی کا تعلق ٹھاکر خاندان سے ہے۔ وہ جاگیردار ودھوا عورت ہے۔ سال میں ایک مرتبہ چند روز کے لیے یہاں آتی ہے۔ یہاں اس نے شاندار محل نما بنگلہ بنوا رکھا ہے۔ اس کی طرف سے مجھے آشرم کے لیے دو لاکھ روپے سالانہ ملتے ہیں۔ لیکن اتنے اخراجات نہیں ہیں۔ پہلے تو یہاں بہت ساری ودھوا اور بے سہارا عورتیں رہتی تھیں لیکن پھر ان کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ پولیس یہاں آنے والی عورتوں کو دھمکاتی ہے اور میں جانتی ہوں یہ سب کچھ کس کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ میں یہاں آنے والی عورتوں کو ناگ راج یا حکومت کے خلاف بھڑکاؤں گی۔ لیکن میں نے آج تک ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جس سے ناگ راج کے آدمیوں یا پولیس کو میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع مل سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اپنے پتی کی موت یا اس کی آتما سے کیے ہوئے وچن کو بھول چکی ہوں۔ میرا سینہ تو آج بھی انتقام کی آگ سے سلگ رہا ہے اور میں انتقام لیے بغیر اس دنیا سے نہیں جاؤں گی۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہارا انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میری مدد کرو گے تم۔ یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ تم میرے ذریعے سے ناگ راج سے اپنا انتقام لو گی۔"

"میں طویل عرصے سے خاموش نہیں بیٹھی رہی۔" اکا گنی ہوتری نے کہا۔ "میں اندر ہی اندر کام کر کے

ناگ راج کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ میرے ساتھ چند ہمدرد اور مخلص لوگ بھی شامل ہیں جو کسی نہ کسی طرح ناگ راج کے ڈسے ہوئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمہیں دیکھ کر تمہاری باتیں سن کر مجھے کچھ امید ہوئی ہے تم پہلے شخص ہو جو فرار ہونے کے بعد اب تک ناگ راج سے بچے ہوئے ہو۔ اب تک کوئی بھی شخص فرار ہونے کے بعد چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکا اور جب تمہیں ناگ راج کی اصلیت معلوم ہوگی تو شاید تم خود ہی میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔"

"ناگ راج یہاں پاکستانی نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت دے رہا ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "تو تم جانتے ہو؟"

"زیادہ نہیں۔ صرف اتنا ہی سنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت نہیں دے رہا۔ انسانی بم تیار کر رہا ہے۔" انکا نے کہا۔ "تم پاکستانی ہو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں سے بھیجے گئے انسانی بموں نے پاکستان کے مختلف شہروں خصوصاً کراچی میں کیا تباہی پھیلا رکھی ہے۔ سنا ہے عروس البلاد کہلانے والا وہ شہر اب شام کو اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی ویران ہو جاتا ہے۔"

"ناگ راج محض سادھو نہیں، وہ را کا نہایت خطرناک آدمی ہے جو کئی سال پہلے اس مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا۔ اس نے منصوبے کے تحت بڑی چالاکی سے یہاں قدم جمائے اور ان کی جنگل کی پہاڑیوں کے پیچھے تخریب کاری اور دہشت گردی کی تربیت دینے کا کیمپ تیار کیا۔ اس کیمپ میں صرف گولیاں چلانا ہی نہیں سکھائی جاتیں بلکہ بڑے سائنٹیفک طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں برین واشنگ کے روسی ماہرین کے علاوہ اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کے ماہرین بھی موجود ہیں جو جدید ترین ٹیکنیکس کے ذریعے دہشت گردی کی تربیت دیتے ہیں۔ بعض نوجوان جو دولت کے لالچ میں اپنی خوشی سے را کے ایجنٹوں کے توسط سے پاکستان سے یہاں آ تو جاتے ہیں، لیکن یہاں سب کچھ دیکھ کر پچھتاتے ہیں۔ ان کے ضمیر میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہوتی ہے۔ وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن چند گھنٹوں کے اندر ہی اندر مارے جاتے ہیں۔"

"تم اس لحاظ سے خوش قسمت ہو کہ اب تک زندہ بچے ہوئے ہو اور میرے پاس آ گئے ہو۔ تم جس طرح اب تک ان سے بچے ہوئے ہو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم ذہین بھی ہو اور بہادر بھی اور تمہارا ضمیر بھی زندہ ہے۔ تم اگر چاہو تو یہاں رہ کر اپنے وطن کی سلامتی کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتاؤں گی۔" انکا نے کہا۔ "میرے پاس بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے حکمرانوں اور لیڈروں کی بھی آنکھیں کھول دیں گی۔"

"مگر تم یہ سب کچھ مجھے کیوں دے رہی ہو۔" میں نے اسے گھورا۔ "تم ہندو ہو۔ ہندوستانی ہو، تمہیں تو اپنے وطن کا مفاد عزیز ہونا چاہئے۔"

"مجھے اپنے دیش کا مفاد سب سے زیادہ ہے۔ میرے پتی نے بھی اس کے لیے جان دے دی۔" انکا

نے کہا۔ "عام ہندوستانی پرامن اور پرسکون حالات میں زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اسے صرف دو وقت کی روٹی چاہئے۔ وہ جیو اور جینے دو کے اصول کے قائل ہیں مگر نیتاؤں اور حکمرانوں نے اپنی سیاست چمکانے کے لیے غریب عوام کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کوئی بھی پڑوسی ملک سے چھیڑ چھاڑ یا جنگ نہیں چاہتا کیونکہ وہ جانتے ہیں اگر جنگ ہوئی تو نقصان انہی کا ہوگا۔ نیتاؤں کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ پہلے سے زیادہ دولت جمع کر لیں گے اور پہلے سے زیادہ عیاشی کی زندگی گزاریں گے۔"

"یہ تو حکمران ہی ہیں جو ایسی ہولناک سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ آنے والا ہر حکمران اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے یہی نئی پالیسی چلاتا ہے۔ سیدھے سادھے عوام کو دباؤ میں رکھنے کے لیے پاکستان کا نام ہر بھارتی حکمران استعمال کرتا ہے۔"

"میں اپنے دیش کے خلاف نہیں ہوں۔ اس کی سلامتی کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ ہمارے بعض جنونی حکمران بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلیں۔ عوام تو معصوم ہوتے ہیں۔ بے گناہ... چاہے وہ کسی بھی ملک کے ہوں۔ ان کے خون سے ہولی کیوں کھیلی جائے۔ کیا بگاڑا ہے ان بے گناہوں نے؟"

"یہاں کے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان پہاڑیوں کو آتش فشاں بنا دیا گیا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ یہاں بعض ایسے نوجوان بھی آ جاتے ہیں جو حقیقت جاننے کے بعد اپنا ارادہ بدل دیتے ہیں اور بھاگنے کی کوشش میں مارے جاتے ہیں، لیکن اگر ایسا ہی کوئی نوجوان راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے دوسرے نوجوانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرے تو اسے مایوسی نہیں ہوگی کیمپ میں موجود جدید ترین اسلحے سے اگر سینکڑوں نوجوان بغاوت کر دیں تو اس خوبصورت شہر کو چند گھنٹوں میں راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔ سینکڑوں لوگ مارے جائیں۔ میں اس نکتہ نظر سے بھی دہشت گردی کے اس منصوبے کی مخالف ہوں۔ تم اگر چاہو تو میری مدد کر سکتے ہو۔ ہم اکیلے نہیں ہوں گے۔ چھ اور لوگ بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔ میں یہاں سے نکلنے میں بھی تمہاری مدد کروں گی۔ جب تم واپس جاؤ گے تو تمہارے پاس اتنا مواد ہوگا کہ تم نہ صرف اپنی حکومت کو دہشت گردی کے ثبوت فراہم کر سکو گے بلکہ را کے ان ایجنٹوں کے ٹھکانوں کی نشاندہی بھی کر سکو گے جو کراچی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں دہشت گردوں کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے ہیں اور......"

وہ بات پوری نہیں کر پائی تھی کہ باہر گھنٹی کی آواز سن کر خاموش ہو گئی۔ "شاید رادھا اور ڈاکٹر شانتا آ گئی ہیں۔" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "رادھا کے جانے کے بعد میں نے باہر والا دروازہ بند کر دیا تھا۔" میں دیکھتی ہوں۔"

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا اور پھر ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ اگر اس نے ڈاکٹر شانتا کے بجائے پولیس کو بلایا ہو تو میں کیا کر سکوں گا، لیکن یہ خیال میں نے ذہن سے جھٹک دیا... میں چودہ گھنٹے اس کمرے میں بے ہوش پڑا رہا تھا۔ وہ کسی بھی وقت مجھے پولیس کے حوالے کر سکتی تھی اور اگر پولیس کے حوالے کرنا ہی تھا تو اس ویران مندر سے اٹھانے کے بعد مجھے آرام دہ بستر پر کیوں لٹایا جاتا۔ میرے زخموں کی مرہم پٹی کیوں کی جاتی۔

باہر ہلکے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور انکا ایک اور عورت کے ساتھ کمرے میں

داخل ہوئی۔ وہ دراز قامت دبلی پتلی سی عورت تھی۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ رنگت کسی قدر سانولی اور چہرے کے نقوش واجبی سے تھے۔ وہ ڈاکٹر شانتا تھی۔

"ہیلو۔" وہ مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔ کندھے پر لٹکا ہوا پرس چارپائی پر رکھ دیا۔ پہلے میری پیشانی کو چھو کر دیکھا پھر بیگ میں سے تھرمامیٹر نکال کر اسے ایک دو مرتبہ جھٹکنے کے بعد میرے منہ میں ٹھونس دیا اور میری کلائی پکڑ لی۔ اس کی نظریں اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر مرکوز تھیں۔ ایک منٹ بعد اس نے میری کلائی چھوڑ دی اور تھرمامیٹر دیکھتے ہوئے بولی۔

"رادھا نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" وہ الکا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تاپ ایک سو دو ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو دوائیں میں صبح دے گئی تھی اب ان کا استعمال شروع کر دو۔ میں ایک اور دوا دے رہی ہوں یہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بھی استعمال کراتی رہو۔ آج رات کم سے کم دو مرتبہ یہ دوائیں اس کے پیٹ میں ضرور جانی چاہئیں۔ صبح تک بخار اتر جائے گا اور اس نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں کھایا۔ میں نے رادھا سے کہا تھا کہ ڈبل روٹی لیتی آئے۔" الکا نے جواب دیا۔

"اس وقت چائے کے ساتھ ڈبل روٹی ہی کھلا دو۔ دوا اس کے بعد دینا۔" شانتا نے کہا۔

اسی لمحہ رادھا اندر داخل ہوئی۔ الکا نے اسے چائے بنانے کو کہا اور خود بھی اس کے ساتھ باہر چلی گئی۔ ڈاکٹر شانتا مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ وہ بہت خوش مزاج اور باتونی عورت تھی۔ بظاہر تو وہ میری کیفیت دریافت کر رہی تھی لیکن مجھے بولنے کا موقع کم ہی مل رہا تھا وہ خود ہی بولے چلی جا رہی تھی۔

وہ میری طبیعت دریافت کرتی رہی۔ میرے بارے میں اور کچھ نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں اور مجھے کیسے لگی تھی۔

دس پندرہ منٹ بعد الکا اور رادھا کمرے میں داخل ہوئیں۔ رادھا نے ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں کپ چائے کے علاوہ ایک پلیٹ میں ڈبل روٹی کے سلائس بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ دی۔ الکا نے مجھے سہارا دے کر اٹھا دیا اور ڈبل روٹی والی پلیٹ میرے سامنے رکھ کر چائے کا کپ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے ایک کپ شانتا کو دیا اور تیسرا کپ خود لے کر بیٹھ گئی۔

"تم نے اپنے لیے چائے نہیں بنائی رادھا؟" اس نے رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بنائی ہے تاجی۔" رادھا نے جواب دیا۔ "رسوئی میں رکھی ہوئی ہے کام کر رہی ہوں۔ وہیں پی لوں گی۔"

رادھا باہر چلی گئی اور الکا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے شانتا کو میرے بارے میں بتانے لگی۔ شانتا توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بار بار میری طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد شانتا چلی گئی۔ ناشتے کے بعد مجھے دوا بھی کھلا دی گئی تھی اور شاید یہ اسی دوا کا اثر تھا کہ میرے ذہن پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔

"تم آرام کرو۔ میں کچھ کام نمٹا لوں۔" الکا کہتے ہوئے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

نیند میں بھی بے چینی سی رہی۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے مجھے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا گیا ہو۔ میں

ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ الکا میرے اوپر جھکی ہوئی تھی اور اس کی سرگوشیانہ آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"تاجی...... تاجی...... اٹھو جلدی کرو......"

میں بدحواسی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ نیند میں ہی شاید کمبل اپنے اوپر سے اتار دیا تھا۔ برہنگی کا احساس ہوتے ہی میں نے ایک کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔

"کیا ہوا...... کیا بات ہے؟" میں نے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"ناگ راج کے آدمی اس طرف آ رہے ہیں۔ اٹھو جلدی کرو۔ یہ جگہ تمہارے لیے محفوظ نہیں ہے۔" الکا نے کہا۔

میں کمبل جسم پر لپیٹ کر چارپائی سے اٹھ گیا لیکن بخار کی وجہ سے کمزوری اس قدر زیادہ تھی کہ کھڑے ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ میں لڑکھڑا گیا۔ اگر الکا مجھے سہارا نہ دیتی تو میں یقیناً گر پڑتا۔ چارپائی کے پچھلی طرف بھی ایک دروازہ تھا جو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ الکا نے ایک ہاتھ سے مجھے سہارا دے رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ دروازہ کھول رہی تھی۔ اسی لمحہ رادھا بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

"رادھا۔" الکا بولی۔ "یہ کمرا ٹھیک کرو۔ دوائیں بھی یہاں سے ہٹا دو اور ہر وہ نشانی مٹا دو جس سے کسی کی موجودگی ثابت ہو سکے۔ جلدی کرو۔"

الکا مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔ اس کمرے کو اسٹور روم ہی کہا جا سکتا تھا۔ مختلف چیزیں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں۔ ایک طرف دیوار میں ایک الماری بنی تھی جس کا دروازہ لکڑی کا تھا لیکن اوپر والے حصے میں دو شیشے بھی لگے ہوئے تھے۔ اس الماری سے ذرا آگے اسی دیوار پر کسی دیوی کی تصویر کا فریم لگا ہوا تھا۔ الکا نے وہ فریم ہٹا دیا۔ اس کے پیچھے دیوار میں ایک طاقچہ سا بنا ہوا تھا جس میں ایک آہنی ہک سا لگا ہوا تھا۔ الکا نے وہ ہک گھما دیا۔

الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔ دیوار میں اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ ایک آدمی آسانی سے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ الکا اندر داخل ہو گئی اور مجھے بھی ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

"آگے سیڑھیاں ہیں۔ دھیان سے اترنا۔" الکا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

خلا میں گہری تاریکی تھی۔ میں نے ٹٹول کر قدم آگے بڑھایا اور الکا کے سہارے سیڑھیاں اترنے لگا۔ میرا ایک ہاتھ الکا نے تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے مجھے کمبل سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

بارہ سیڑھیاں اترنے کے بعد چند قدم آگے بڑھ کر ہم رک گئے۔ الکا مجھے چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گئی اور پھر چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کمرا روشنی سے بھر گیا۔ یہ ایک وسیع تہہ خانہ تھا جس میں آگے تین کمرے بنے ہوئے تھے۔ دائیں طرف والے کمرے کو تالا لگا ہوا تھا۔ الکا مجھے بیچ والے کمرے میں لے آئی۔

یہاں ایک شاندار بیڈ بچھا ہوا تھا۔ ایک خوبصورت الماری اور ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ آرام دہ سیٹ تھی جس پر ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ بیڈ کے عین سامنے والی دیوار پر کلاک بھی آویزاں تھا جس کی سوئیاں تین بجے کا وقت بتا رہی تھیں۔ گویا یہ رات کا آخری پہر تھا۔

"تم یہاں آرام سے لیٹ جاؤ۔" انکا نے کہا۔ "یہاں گرمی تو نہیں ہے، لیکن اگر ضرورت محسوس کرو تو پنکھا کھول دینا۔"

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟" میں نے کمبل درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے کپڑے اوپر ہی کہیں رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کو بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔ اگر ان لوگوں کو کسی قسم کا شبہ بھی ہو گیا تو وہ اس آشرم کی بنیادیں تک ادھیڑ ڈالیں گے۔ تم یہ کمبل اوڑھ کر یہیں لیٹے رہو۔ جیسے ہی گلی میں آ جاؤں گی اور تمہارے کپڑے بھی لیتی آؤں گی۔"

میں بیڈ پر بیٹھ گیا اور انکا کو سیڑھیوں والے راستے کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

میرا جسم بدستور پسینے میں شرابور تھا۔ بخار اتر گیا تھا اور کچھ گھبراہٹ اور بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کمبل اتار دیا اور پلنگ کی پٹی پر بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ الماری کے دائیں طرف ایک دروازہ دیکھ کر میں اٹھ گیا۔

وہ باتھ روم تھا۔ فرش اور دیواروں پر پانچ فٹ تک سفید ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سنگ مرمر کا بہت بڑا باتھ ٹب تھا۔ تمام چیزیں بہت قیمتی اور شاندار تھیں۔ مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ سامنے ہی نظر آ گئی۔

میں نے سٹینڈ پر لٹکا ہوا تولیہ اٹھایا۔ جسم کا پسینہ پونچھنے لگا۔ میں کئی روز سے نہیں نہایا تھا۔ انکا وغیرہ نے شاید بے ہوشی کی حالت میں اسپنجنگ کی تھی لیکن جسم اب بھی بہت گندا ہو رہا تھا اور میرے خیال میں اس وقت نہانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے تولیے سے رگڑ رگڑ کر اپنا جسم صاف کیا اور جب تولیہ سٹینڈ پر لٹکایا تو مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ تولیہ بہت گندا ہو گیا تھا۔

میں دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ میں کمبل اوڑھ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا اور اس طرح برہنہ بیٹھا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ میں الماری کھول کر تلاشی لینے لگا۔ بہت قیمتی اور شاندار ملبوسات لٹکے ہوئے تھے۔ مجھے اپنے مطلب کی چیز مل گئی۔ میں نے ایک ہینگر پر ٹنگا ہوا سلیپنگ سوٹ اتار کر پہن لیا اور الماری بند کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔

اب نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں انکا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کی باتوں پر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ کیا واقعی اس کے دل میں اس قدر زیادہ انسانی ہمدردی تھی کہ وہ دشمن ملک کے عوام کو بچانے کے لیے اپنے ملک کی مخالفت پر اتر آئی تھی یا محض ناگ راج سے اپنے شوہر کی موت کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ میں اتفاق سے اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ میرے بارے میں وہ بہت کچھ جان چکی تھی اور شاید سمجھ گئی تھی کہ ناگ راج سے مجھ جیسا دلیر اور نڈر آدمی ہی ٹکر لے سکتا ہے۔ مجھے میرے وطن کی سلامتی کے حوالے سے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتی تھی۔

دوسری طرف میری صورت حال بھی کچھ ایسی تھی کہ مجھے بھی انکا جیسے لوگوں کی ضرورت تھی۔ ناگ راج کی طاقت کا میں کچھ اندازہ لگا چکا تھا۔ جس طرح پورے شہر میں مجھے تلاش کیا جا رہا تھا اس سے پتا چلتا تھا کہ پولیس بھی مکمل طور پر اس کے کنٹرول میں ہے اور اس کے وسائل بھی لامحدود ہیں۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ان حالات میں میرے لیے اکیلا لڑنا ممکن نہیں تھا اور مجھے انکا جیسی عورت کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میرے اس فیصلے کے پیچھے کچھ وطن پرستی کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ میں معلوم کرنا

چاہتا تھا کہ یہاں میرے وطن کے خلاف کیا سازشیں ہو رہی ہیں اور یہ سب کچھ انکا جیسی عورت کی مدد سے ہی معلوم ہو سکتا تھا۔

تہہ خانے کی چھت پر چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں کبھی ایک طرف سے سنائی دیتیں اور کبھی دوسری طرف سے جس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ اوپر پورے آشرم کی تلاشی لے رہے تھے۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا جس وقت انکا مجھے تہہ خانے میں لائی تھی اس وقت تین بج رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر اسے یہ اطلاع کیسے ملی تھی کہ ناگ راج کے آدمی آ رہے ہیں۔

اس آشرم میں کوئی ٹیلی فون تھا یا کسی نے خود وہاں آ کر اطلاع دی تھی مگر اطلاع دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ رات کے آخری پہر اس قسم کی اطلاع تو کوئی ایسا شخص ہی دے سکتا ہے جو ان میں شامل ہو مگر وہ کون ہو سکتا ہے! انکا کا کوئی جاسوس! میں جیسے جیسے سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا گیا۔

انکا کے بارے میں بھی میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ وہ بیوہ تھی۔ کاٹن کی سفید ساڑھی میں وہ بہت سادہ نظر آتی تھی، لیکن یہاں الماری میں قیمتی اور خوبصورت ساڑھیاں اور دیگر ملبوسات بھرے ہوئے تھے۔ وہ کئی سال پہلے بیوہ ہوئی تھی۔ یہ ملبوسات اگر شادی سے پہلے کے تھے تو انہیں سنبھال کر رکھنے کی تک سمجھ میں نہیں آتی تھی، لیکن پھر یہ سوچ کر سر جھٹک دیا کہ ابھی تو وہ جوان تھی، حسین تھی، ہو سکتا ہے اس نے سوچا ہو کہ اگر کبھی دوسری شادی کا ارادہ کر لیا تو یہ کپڑے کام آ سکیں گے۔

ہندو مذہب میں بیوہ عورت کے لیے دوسری شادی کی گنجائش نہیں مگر اب تو مذہب میں بھی بہت سی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ پہلے تو عورت شوہر کے ساتھ ہی اس کی چتا میں جل کر ستی ہو جاتی تھی مگر اس ظالمانہ رسم کو ختم کر دیا گیا اور بھی بہت سی رسومات میں تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ کچھ تبدیلیاں ملکی قوانین کے ذریعے لاگو کی گئی تھیں۔ بیوہ عورت کے لیے یہ آپشن موجود تھا کہ وہ اگر چاہے تو اپنا گھر بسانے کے لیے دوسری شادی بھی کر سکتی ہے اور ہو سکتا ہے انکا نے بھی کوئی ایسی بات سوچ رکھی ہو اور اس لیے وہ قیمتی کپڑے بھی سنبھال رکھے ہوں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد سیڑھیوں کی طرف سے ہلکے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں اس طرف دیکھنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد انکا کمرے کے دروازے میں نمودار ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"چلے گئے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "کم بختوں نے پورے آشرم کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ بلسوں تک کی تلاشی لی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میں نے تمہیں کسی تکیے میں چھپا دیا ہو۔"

"تمہیں کیسے اطلاع ملی کہ وہ لوگ یہاں آ رہے ہیں؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بہت عرصے سے ناگ راج کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہی ہوں۔" وہ بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اس کے اندر سرکل میں میرے بھی کچھ ہمدرد موجود ہیں۔ ایک ایسے ہی ہمدرد نے مجھے بروقت خبردار کر دیا تھا۔"

"کیا تمہارے اس ہمدرد کو معلوم ہے کہ میں یہاں پر موجود ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" انکا نے نفی میں سر ہلایا۔ "دراصل جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی ہے ناگ راج ان لوگوں کو

ضرور چیک کرتا ہے جو ماضی میں اس سے نقصان اٹھا چکے ہیں۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ آشرم کا رخ بھی ضرور کرے گا۔ میرے ہمدرد کو یہ تو معلوم نہیں کہ تم یہاں موجود ہو۔ اس نے تو محض ہمدردی کے طور پر اطلاع دی تھی کہ میں اپنا کوئی بندوبست کرلوں، تاکہ راج کے آدمی بھی اسی طرح وحشی اور درندے ہیں۔"

"تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی تھی؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"شاید تمہارے ذہن میں کسی قسم کے شبہات سر ابھار رہے ہیں۔" انکا میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "آشرم میں ٹیلی فون موجود ہے اور مجھے یہ اطلاع فون پر ہی ملی تھی۔ بہرحال، وہ لوگ آئے تو دھمکیاں دیں اور چلے گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ آشرم میں نے اپنی نگرانی میں تعمیر کروایا تھا اور اس تہہ خانے کی تعمیر کو خفیہ رکھا تھا۔ اس آشرم کی تعمیر کے لیے میں نے مزدور اور کاریگر جے پور سے بلوائے تھے تاکہ مقامی مزدوروں کو بھی تہہ خانے کا پتا نہ چل سکے۔ ویسے راجستھان کی عمارتوں میں تہہ خانہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ تقریباً ہر دوسری عمارت اور خاص طور پر مندروں کے نیچے تہہ خانے موجود ہیں مگر ان کے بارے میں چند متعلقہ لوگ ہی جانتے ہیں اور میرے آشرم کے اس تہہ خانے کے بارے میں تو میرے اور رادھا کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ تیسرے فرد تم ہو جو اس راز سے واقف ہوئے ہو۔"

"رادھا کون ہے اور میرے خیال میں وہ تو دوھوا نہیں ہے؟" میں نے کہا۔

"رادھا کئی سال سے میرے پاس ہے اور میری وفادار ہے۔" انکا نے جواب دیا۔ "جن دنوں میرے شوہر کی ہتیا کی گئی یہ انہی دنوں اپنے شوہر کے ساتھ مدھیہ پردیش سے یہاں آئی تھی لیکن چند روز بعد اس کا شوہر اچانک ہی لاپتا ہوگیا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ میں شامل تھا مگر اپنا گروہ چھوڑ کر یہاں آگیا تاکہ شریفانہ زندگی گزار سکے لیکن پولیس کو پتا چل گیا اور وہ پکڑے جانے کے خوف سے فرار ہوگیا۔"

"اس بات کو کئی سال ہوچکے ہیں۔ اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں۔ میرا خیال ہے وہ کہیں مر کھپ گیا ہوگا مگر رادھا میرے خیال سے متفق نہیں۔ اسے یقین ہے کہ اس کا پتی زندہ ہے اور مدھیہ پردیش کی چمبل وادی میں ڈاکوؤں کے کسی گروہ میں شامل ہے۔ رادھا کو یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا اور اسی لیے وہ یہاں سے کہیں اور جانے کو تیار بھی نہیں۔"

"میں نے رادھا کو اس وقت سہارا دیا تھا جب وہ ہر طرف سے مصائب میں گھر گئی تھی۔ پولیس اس کے پتی کے بارے میں معلوم کرنے کے بہانے آئے دن اسے پریشان کیا کرتی تھی۔ میں اسے اپنے پاس لے آئی۔ اس وقت پولیس کے بعض آفیسر میرا احترام کرتے تھے۔ اس لیے میری وجہ سے رادھا کو پولیس کی آئے دن کی پوچھ گچھ سے بھی نجات مل گئی۔ رادھا اسی وقت سے میرے پاس ہے اور مجھے ماتا جی کہتی ہے۔"

"حالانکہ تم دونوں کی عمر میں آٹھ دس سال سے زیادہ فرق نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" انکا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو صبر کر بیٹھی ہوں مگر رادھا اب بھی منہ زور گھوڑی کی طرح ہے۔ اگر میں نے اسے کھینچ کر نہ رکھا ہوتا تو اپنے آپ کو تماشا بنا چکی ہوتی۔ میری کڑی نگرانی کے باوجود بھی کبھار کوئی نہ کوئی گل کھلا ہی دیتی ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں کسی بے سہارا عورت کے لیے زندگی گزارنا بڑا مشکل ہے۔ عورت جوان اور خوبصورت بھی ہو تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔" انکا خاموش ہو کر پھر گہرے سانس لینے لگی

اور پھر اچانک ہی جیسے چونک گئی۔ "ارے، میں نے اب تک خیال ہی نہیں کیا اچھا کیا تم نے یہ کپڑے نکال کر پہن لیے۔"

"اس الماری میں تمہارے کپڑے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"تم نے یہ کپڑے اب تک سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ تم شادی کیوں نہیں کرلیتیں؟" میں نے کہا۔ شادی کے نام پر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے میری بات ٹال دی اور اٹھ کھڑی ہوگئی۔

"رات بہت ہوچکی۔ اب تم آرام کرو۔" اس نے میری پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ "تمہارا بخار اتر گیا ہے۔ آرام کرو گے تو دو چار روز میں بالکل ٹھیک ہوجاؤ گے۔ بازو میں اب زیادہ تکلیف تو نہیں؟"

"نہیں۔ دو چار دن ڈریسنگ ہوگی تو زخم بھی ٹھیک ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

"ایک دو دن تمہیں اس تہہ خانے میں رہنا پڑے گا۔ ان وحشیوں کا کوئی بھروسا نہیں۔ پھر کسی وقت چھاپہ نہ ماریں۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

انکا چلی گئی۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پونے پانچ بجنے والے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو گھڑی ساڑھے دس کا وقت بتا رہی تھی۔ میرے اوپر کمبل پڑا ہوا تھا حالانکہ مجھے یاد تھا کہ سوتے وقت میں نے کمبل نہیں اوڑھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ انکا کسی وقت تہہ خانے میں آئی تھی اور مجھے کمبل اوڑھا کر چلی گئی تھی۔

چند منٹ بعد قدموں کی آواز سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ رادھا تھی۔ اس نے ایک ہاتھ میں ٹرے اٹھا رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں میرے کپڑے تھے۔ کپڑے صاف ستھرے اور دھلے ہوئے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ کپڑے کہاں چھپائے گئے ہوں گے۔

"سیانے کہتے ہیں کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو کپڑے پہنانا بڑے پن کا کام ہوتا ہے۔" وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔ "اب تم کیا کہتے ہو پہلے کھانا کھاؤ گے یا کپڑے پہنو گے؟"

"پہلے کپڑے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ یہ بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی کہ رادھا اس وقت خوش نظر آرہی تھی۔ اس کے لہجے میں بھی بے تکلفی تھی۔ میں اس وقت کمبل اوڑھے ہوئے تھا۔ اس لیے وہ یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ میں کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔

"ہم آنکھیاں بند کرکے کھڑی ہیں، تم کپڑے بدل لو۔" اس نے کپڑے میرے اوپر کمبل پر پھینک دیے۔

"تم نے تو کہا تھا کہ ننگے کو کپڑے پہنانا بڑے پن کا کام ہے۔ اب خود ہی پہنا دو نا۔" میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہائے رام۔" اس نے کنواری لڑکیوں کی طرح شرما کر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔ "ہمیں لاج آتی ہے

ہے تم کھو دی جاتی لیوما۔"

وہ جس طرح کھل رہی تھی میں اس کی نیت بھانپ رہا تھا۔ انکا مجھے پہلے ہی بتا چکی تھی کہ وہ منہ زور گھوڑی ہے اور کڑی نگرانی کے باوجود کبھی کبھار کوئی گل کھلا دیتی ہے۔ اس وقت بھی اس کی نیت مجھے کچھ اچھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ مجھے کپڑے دے کر کمرے سے باہر چلی جاتی لیکن اس کی نیت میں فتور تھا اس لیے وہیں کھڑی رہی تھی۔ اس نے اگرچہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ انگلیوں کی درزوں میں سے جھانک رہی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو میں نے کپڑے اٹھا کر کرسی پر پھینک دیئے۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور پھر میں نے ایک دم سے اپنے اوپر سے کمبل اتار دیا۔

"ہرے رام۔" اس نے چیختے ہوئے ایک بار پھر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے لیکن اس مرتبہ جلدی ہی اس نے ہاتھ ہٹا لیے۔

میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بیڈ سے اتر کر باتھ روم میں گھس گیا اور غسل کرنے کے بعد کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹرے گود میں رکھ کر ناشتا کرنے لگا۔

"انکا کیا کر رہی ہے؟" میں نے رادھا کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"وہ شانتا دیوی کے دوار گئی ہے جی۔" رادھا نے جواب دیا۔

"اوہ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اسی لیے تم اتنی چہک رہی ہو۔"

"تم ہم کو بہت اچھا لگت ہو جی۔" رادھا نے دل کی بات کہہ دی۔

میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔

"اچھا۔ یہ برتن اٹھاؤ اور یہاں سے چلتی بنو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

رادھا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس کی ساڑھی کا پلو نیچے لٹکا ہوا تھا۔ وہ برتن اٹھانے کے لیے میرے سامنے اتنا جھک گئی کہ میری نظریں اس کے بلاؤز کے اندر تک پہنچ گئیں۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں بیماری میں کوئی بدپرہیزی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میری دوائیں بھی بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیں۔ رادھا کے جانے کے بعد میں نے ایک خوراک کھائی اور بستر پر لیٹ گیا۔

بارہ بجے کے قریب انکا آ گئی۔ اس نے میری خیریت پوچھی اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد واپس چلی گئی۔ اس کے کہنے کے مطابق میری تلاش اب بھی جاری تھی۔ ناگ راج کے آدمی ہر اس جگہ کو چیک کر رہے تھے جہاں میرے چھپنے کا شبہ ہو سکتا تھا۔ کچھ پارٹیاں اس رات مختلف شہروں کی طرف جانے والے راستوں پر بھی نکل گئی تھیں لیکن ظاہر ہے انہیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا ہوگا۔

میں تین دن تک اس تہہ خانے میں بند رہا۔ رادھا اور انکا میرا ہر طرح کا خیال رکھے ہوئے تھیں۔ میرا بخار اتر چکا تھا مگر دواؤں کا استعمال جاری تھا۔ میرے زخموں کی ڈریسنگ بھی انکا ہی کر رہی تھی۔

چوتھے روز مجھے تہہ خانے سے نکالا گیا۔ وہ صبح کا وقت تھا اور میں پہلی بار کھلی فضا میں آیا تھا اور پہلی مرتبہ اس آشرم کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ یہ جگہ تقریباً چار کنال رقبے پر مشتمل تھی۔ دو طرف کمرے بنے ہوئے تھے جن کے سامنے ڈھلوان چھتوں والے لمبے برآمدے بھی تھے۔ بیس کمرے تھے۔ دس ایک طرف اور دس دوسری طرف۔ درمیان میں ایک لمبا سا لان تھا جس کے کناروں پر پھولوں کے پودے تھے۔ لان کے عین وسط میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا اس کے تھوڑے فاصلے پر چند سایہ دار درخت بھی تھے جن کے نیچے کنکریٹ کے بنچ رکھے ہوئے تھے۔ گیٹ بہت اونچا تھا جو عام طور پر بند ہی رہتا تھا۔ آمدورفت کے لیے چھوٹا دروازہ استعمال ہوتا تھا۔ اونچے چبوترے پر بنے ہوئے اس مندر میں ایک چھوٹے چبوترے پر سیاہ رنگ کا ایک گول اور لمبوترا سا پتھر رکھا ہوا تھا جس کے اوپر کے حصے پر سفید رنگ سے چہرے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ہندوؤں میں اندرا دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی ان کی خوبصورت مورتیاں بھی بنائی جاتی تھیں۔ یہ سیاہ پتھر بھولا ناتھ تھا۔

وہ پانچواں روز تھا۔ شہر میں میری تلاش اب بھی جاری تھی۔ ناگ راج پاگل ہوا جا رہا تھا۔ میری گمشدگی نے اس پر جنون سا طاری کر دیا تھا۔ اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر میں یہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو ان کا دہشت گردی کے اس گروپ کا راز کھل جائے گا۔ انکا کی اطلاع کے مطابق ناگ راج پر جے پور اور دہلی سے بھی دباؤ پڑ رہا تھا کہ مجھے ہر صورت میں تلاش کیا جائے اور کسی بھی صورت میں سرحد کی طرف نہ جانے دیا جائے۔ انکا ہی سے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دہلی کا ایک بہت بڑا آفیسر راجستھان کے چیف منسٹر کے ساتھ خفیہ طور پر یہاں آ چکا تھا اور انہوں نے دو گھنٹوں تک ناگ راج سے ملٹھ گڑھ میں ملاقات کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد ناگ راج نے اپنی کارروائی تیز کر دی تھی۔

اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے۔ میں اور انکا آشرم کے کمپاؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے کنکریٹ کے بنچ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ کسی کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ رادھا اس وقت سامنے سے گزر رہی تھی۔ وہ کمرے میں گھس گئی اور صرف ایک منٹ بعد وہ باہر نکلی تو بری طرح بدحواس ہو رہی تھی۔

"ماتا جی، ماتا جی۔" وہ دور ہی سے چیخی۔ "دربودان فون پر کہت ہے کہ ناگ راج کے گنڈے یہاں پہنچت رہے ہیں۔"

"کیا۔" انکا اچھل کر فون والے کمرے کی طرف دوڑی۔

اسے کمرے سے باہر آنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ اس نے چیخ کر رادھا کو کچھ ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر اس کمرے کی طرف دوڑی جو میرے بیڈ روم کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔

ہم دونوں نے وہاں سے ہر وہ چیز اٹھا لی جس سے میری موجودگی کا ثبوت ملتا۔ اس لمحے رادھا بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ وہ چھوٹے والے دروازے سے صورتحال کا جائزہ لے کر آئی تھی۔

"ماتا جی۔ جیپ گیٹ کے قریب آ رہی ہے۔ جلدی کریو۔" وہ چیخی۔ میں اور انکا سٹور والے کمرے کی طرف لپکے۔ انکا نے دیوار پر آویزاں فریم ہٹا کر خانے میں لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ الماری گھوم گئی۔ انکا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزیں خلا میں پھینک دیں اور مجھے اندر دھکیل دیا۔

"تم نیچے چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں سے نمٹنے کے بعد آؤں گی۔" میں نے سر ہلایا اور زینے کے قریب پہنچ

زر بک کو دوسری طرف پھیر دیا۔

الماری گھوم کر اپنی جگہ پر آ گئی۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ میں دیوار ٹٹولتے ہوئے نیچے اترنے لگا لیکن تیسری سیڑھی پر رک گیا۔ تہہ خانے میں جا کر تو میں بالکل لاعلم رہتا جبکہ یہاں ٹھہرے رہ کر میں کچھ سننے کی کوشش کر سکتا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی زور زور سے آشرم کا گیٹ دھڑ دھڑائے جانے کی آواز سنائی دی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد رادھا کے چیخنے کی آوازیں میری سماعت سے ٹکرائی تھیں اور اس کے بعد تو یوں لگا جیسے اس آشرم میں بھونچال آ گیا ہو۔

وہ لوگ غالباً تین چار کی تعداد میں تھے جو توڑ پھوڑ کر رہے تھے اور اس توڑ پھوڑ میں ایک گونجتی ہوئی بھاری آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تلاش کرو اس حرام کے پلے کو۔ نظر آ جائے تو بھون ڈالو گولیوں سے۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ پاگل ہو گئے ہو تم لوگ۔" الکا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں تم سے پوچھتی ہوں انسپکٹر رنبیر سنگھ کس کی تلاش ہے تمہیں اور یہ کیا طریقہ ہے تلاشی لینے کا تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں پولیس کمشنر سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں الکا دیوی اور تم بھی جانتی ہو کہ ہمیں کس کی تلاش ہے۔" وہی بھاری آواز سنائی دی۔ "تم یہ بھی جانتی ہو کہ کسی آتنک وادی کو پناہ دینا کتنا بڑا جرم ہے۔"

"آتنک وادی۔" الکا بولی۔ "جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرے پتی نے قانون رکھشا کرتے اور مجرموں کے خلاف لڑتے ہوئے جان دی۔ میں وہی الکا ہوں جس نے اپنے پتی کی موت پر اپنی زبان بند رکھی تھی اور منہ سے شکایت کا ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ میں وہی الکا ہوں جو دیش کی سلامتی کو اپنا دھرم سمجھتی ہے اور آج تم اس الکا پر آتنک وادیوں کو پناہ دینے کا الزام لگا رہے ہو۔ یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ ایک سپاہی کی ودھوا دیش کے دشمن کو اپنے گھر میں پناہ دے گی۔ سارے عالم پر آشرم تو اناتھ بچوں اور ودھواؤں۔ بے سہارا ناریوں کے لیے ہے۔ ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں تم جیسے لوگوں نے ٹھکرا دیا ہے۔ بھول گئے تمہاری بوڑھی ماتا جی بھی چند روز اس آشرم میں رہ چکی ہے جب تمہاری بدمزاج پتنی نے اسے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔ یہ آشرم ٹھکرائے ہوئے لوگوں کا سہارا تو بن سکتا ہے مگر کسی مجرم کی پناہ گاہ نہیں بن سکتا۔"

"مگر الکا دیوی۔" اپنی ماں کا حوالہ سن کر رنبیر سنگھ ٹھنڈا پڑ گیا۔

"ناگ راج کو اطلاع ملی تھی کہ رادھا کو بازار سے ایک مردانہ چپل خریدتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ ناگ راج اپنے آدمیوں کو براہ راست بھی یہاں بھیج سکتا تھا لیکن اس نے یہ ذمے داری مجھے سونپ دی اور اپنے تین آدمی بھی ساتھ کر دیے۔"

"اوہ۔" الکا کی آواز سنائی دی۔ "بازار سے مردانہ چپل خریدنا کوئی جرم تو نہیں۔ تم رادھا کو ایک بار نہیں بیسیوں مرتبہ دیکھ چکے ہو۔ وہ جس ڈیل ڈول کی مالک ہے اسے دیکھ کر تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس کے سائز کی زنانہ سینڈل یا چپل بازار میں نہیں ملتی۔ دو دن پہلے اس نے ایک مردانہ چپل خریدی تھی اور وہ اب بھی اس کے پیروں میں

موجود ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

"شما کر دو الکا دیوی۔" کچھ دیر بعد انسپکٹر رنبیر سنگھ کی آواز سنائی دی۔ اس نے شاید رادھا کے پیروں میں وہ مردانہ چپل دیکھ لی تھی جو دو دن پہلے دراصل میرے لیے ہی منگوائی گئی تھی اور ویسے یہ حقیقت بھی تھی کہ رادھا کے پیر خاصے بڑے تھے۔ اس کے سائز کے سینڈل یا چپل بازار میں دستیاب نہیں تھے اور وہ اکثر مردانہ چپل ہی پہنتی تھی۔

"اگر تمہیں اب بھی کسی قسم کا شبہ ہے تو اس آشرم کی خوب اچھی طرح تلاشی لے لو۔ دیواریں بھی ادھیڑ ڈالو اس کی۔ ہندو زر چلا دو اس آشرم پر تاکہ ناگ راج کو تسلی ہو جائے کہ میں نے یہاں کسی اپرادھی کو پناہ نہیں دی۔"

"ہمیں شما کر دو دیوی۔" ایک نئی مردانہ آواز سنائی دی۔ "میں ناگ راج کو سمجھا دوں گا کہ تم پر شبہ درست نہیں ہے۔ ویسے تم بھی اس بات کا خیال رکھنا دیوی جس شخص کی ہمیں تلاش ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ ناگ راج کے کئی آدمیوں کی ہتیا کر چکا ہے۔ ناگ راج کو یقین ہے کہ وہ ابھی تک شہر ہی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ اگر کبھی اتفاق سے نظر آ جائے تو انسپکٹر رنبیر کو اطلاع دے دینا۔"

"اس کا حلیہ بتا دو۔ میں ذہن میں رکھوں گی۔" الکا نے کہا۔

"اس کا حلیہ تو ہم بھی نہیں جانتے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "جو شخص اسے پہچانتا تھا وہ بھی اس رات اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا جب وہ ناگ راج کے مندر سے فرار ہوا تھا۔ اسے چہرے سے کوئی بھی نہیں پہچانتا۔"

"حیرت ہے۔" الکا نے کہا۔ "جس شخص کی کسی نے شکل تک نہیں دیکھی اسے تلاش کس طرح کیا جا رہا ہے۔ جانے کتنے بے گناہ اب تک تم لوگوں کے ظلم کا شکار ہو چکے ہوں گے۔"

"ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ وہ بچ کر نہیں جائے گا۔"

اسی شخص نے کہا۔ "تم اس بات کا خیال رکھنا۔ اطراف میں کوئی مشتبہ شخص دیکھو تو فوراً اطلاع دینا۔"

وہ لوگ اسی کمرے میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ پھر آوازیں بتدریج دور ہوتی چلی گئیں۔ میرے لیے اب وہاں کھڑے رہنا بے کار تھا۔ میں ٹٹول ٹٹول کر سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا۔ بڑے کمرے کی بتی جلا کر میں اور بیڈ روم میں آ کر بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ میرے لیے یہ انکشاف بہرحال خوش آئند تھا کہ ناگ راج کا کوئی آدمی مجھے پہچانتا نہیں تھا۔ لیکن اس کی دور بین کی داد دینی پڑی۔ وہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ الکا اور رادھا پہلے سے اس کے آدمیوں کی نگاہوں میں تھیں۔ ایک مرتبہ پہلے بھی آشرم کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ اس کے کسی آدمی نے رادھا کو بازار میں مردانہ چپل خریدتے ہوئے دیکھ لیا تھا اسی پر انہیں شبہ ہوا تھا۔ ان لوگوں کی آمد کی اطلاع پا کر میں پھر تہہ خانے کی طرف دوڑا تھا اور رادھا نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے وہ نئی چپل اپنے پیروں میں پہن لی تھی۔

میں اس تازہ ترین صورتحال پر غور کر رہا تھا کہ الکا بھی تہہ خانے میں آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور ہاتھ میں ٹرے جس میں چائے کے کپ تھے۔

"اگر دو منٹ کی طرف سے بروقت اطلاع نہ ملتی تو آج دھر لیے گئے ہوتے۔" وہ ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کرسی پر بیٹھ گئی اور چائے کا ایک کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میں نے کہا تھا کہ ناگ راج بہت

زہریلا اور چالاک آدمی ہے۔ وہ کسی معمولی سی بات کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ جانتے ہوا سے یہاں تمہاری موجودگی کا شبہ کیوں ہوا تھا؟"

"دو دن پہلے رادھا نے بازار سے ایک مردانہ چپل خریدی تھی۔" میں نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"اوہ" وہ چونک گئی۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں اماری کے پیچھے سیڑھیوں پر کھڑا تم لوگوں کی ساری باتیں سن رہا تھا۔ ویسے رادھا واقعی عقل مند ہے۔ اس نے چپل اپنے پیروں میں پہن لی تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اگر رادھا کے پیر اتنے بڑے نہ ہوتے اور وہ پہلے ہی سے مردانہ چپلیں استعمال نہ کر رہی ہوتی تو اس چپل کو دیکھ کر وہ یقیناً اس تہہ خانے کے بارے میں سوچتے اور تہہ خانے کا راستہ دریافت کرنے کے لیے میرے اور رادھا کے شریر کی بوٹی بوٹی کر دیتے۔"

"تم یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو۔ میرے لیے اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈال رکھا ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں ہر بات دوبارہ نہیں دہراؤں گی۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں ناگ راج سے اپنے پتی کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ میرا سینہ انتقام کی آگ سے سلگ رہا ہے اور یہ آگ ناگ راج کے خون کے چھینٹوں ہی سے ٹھنڈی ہو سکتی ہے اور میرا یہ انتقام تم لو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں نے ان درندوں سے تمہاری جان بچائی ہے۔ تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ انسانیت کے ناتے یہ میرا فرض تھا۔ میں تم پر اپنا کوئی ادھیکار نہیں سمجھتی لیکن مجھے یقین ہے کہ تم میرا ساتھ ضرور دو گے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں۔ اس راکھشس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میرے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں، لیکن میں جانتی ہوں وہ زیادہ دور تک میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ نجانے کیوں میں تم پر اتنا بھروسہ کر رہی ہوں۔ مجھے تم جیسے ذہین اور نڈر آدمی کی ضرورت ہے جو وقت آنے پر آگ میں کودنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ اگر تم انکار کر دو گے تو میں تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ تم چاہو گے تو میں تمہیں بحفاظت یہاں سے نکال بھی دوں گی اور یہ سمجھ لوں گی کہ میں نے اپنے پتی کے انتقام کا سپنا دیکھا تھا جو بکھر گیا۔ یہی ہو گا نا کہ میں نے اپنی آغوش میں دم توڑتے ہوئے پتی کو جو وچن دیا تھا اس کا پالن نہیں کر سکوں گی اور میرے پتی کی بے چین آتما بھٹکتی رہے گی۔"

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اس وقت میری زندگی کا ایک ایک سانس اس کا مقروض اور احسان مند تھا۔ اگر اس رات وہ مجھے درگا ماتا کے ویران کھنڈر سے اٹھا کر یہاں نہ لاتی تو شاید میں سردی سے ٹھٹھر کر مر چکا ہوتا یا ناگ راج کے آدمیوں کے ہاتھ لگ کر اپنی زندگی گنوا چکا ہوتا۔ جس طرح شہر میں میری تلاش ہو رہی تھی اس کے پیش نظر یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ مجھے کہیں پناہ نہ ملتی اور صبح ہونے کے بعد چند گھنٹوں میں ہی ان کے ہاتھوں مارا گیا ہوتا، لیکن یہ انکا ہی کی ہوتری ہی تھی جس نے مجھے بچایا تھا۔ مجھے ایک نئی زندگی دی تھی اور ابھی مجھے اس کی ضرورت تھی جبکہ میں اس کی ضرورت بن گیا تھا۔

"میں احسان فراموش نہیں ہوں انکا دیوی۔" میں نے چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری جنگ لڑوں گا۔ لیکن پھر تمہیں بھی اپنا وعدہ پورا کرنا ہو گا۔"

"تم مجھے آزمانا چاہتے ہو۔ میں اپنے وچن کا پالن کروں گی۔ یہ مشن پورا ہو جانے کے بعد تم جہاں چاہو گے میں تمہیں پہنچا دوں گی۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نرم اور گداز ہاتھ کے لمس نے مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ انکا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"لیکن..." میں نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اس تہہ خانے میں بیٹھے رہ کر تو کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے مجھے باہر نکلنا ہو گا۔"

"ایک دو دن تک تو تم باہر نہیں نکل سکو گے۔" انکا نے کہا۔ "ابھی تمہاری تلاش زور و شور سے جاری ہے اور تمہارے بازو کا زخم بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔ آج کی رات بھی تمہیں اس تہہ خانے ہی میں گزارنی ہو گی۔ ناگ راج بہت چالاک اور مکار ہے۔ وہ آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ہو سکتا ہے آج کی رات وہ لوگ دوبارہ یہاں ریڈ کریں۔"

ویسے میں ناگ راج کو بڑی حد تک سمجھ چکا تھا..... لیکن انکا اسے مجھ سے زیادہ جانتی تھی، اس لیے میں نے اس کی تجویز مان لی۔

انکا کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ اسی رات دو بجے کے قریب دھڑ دھڑ کی آوازیں سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ یہ آوازیں میرے سر کے اوپر چھت پر سے آ رہی تھیں۔ تہہ خانے کی چھت دس فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اوپر کسی کمرے میں اٹھا پٹخ ہو رہی تھی۔ ایک ہلکی نسوانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ چیخ انکا کی تھی یا رادھا کی۔

میں اچھل کر پلنگ سے اتر گیا۔ پلنگ کے قریب فرش پر اگرچہ رادھا کی ایک پرانی چپل موجود تھی (نئی چپل وہ اپنی چھوڑ گئی تھی) لیکن میں ننگے پیر کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف آ گیا اور دیوار سے چپک کر بہت آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آ گیا اور آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ آوازیں دوسرے کمرے سے آ رہی تھیں۔ ایک آدمی چیختے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بتا کہاں چھپا رکھا ہے اپنے یار کو۔"

جواب میں انکا کی چیخ بھری پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں چھپایا۔ تم لوگ آج دن میں بھی یہاں کی تلاشی لے چکے ہو۔ اب بھی تلاشی لے لو۔ پورے آشرم کو چھان مارو۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں چھپایا۔"

"تلاشی تو ہم لیں گے۔" وہی مردانہ آواز سنائی دی۔ "ہم نے تمہارے اس آشرم کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اگر وہ اپرادھی یہاں سے برآمد ہوا تو آشرم میں بھولا ناتھ کی جگہ پر تمہیں کیلوں سے گاڑ دیا جائے گا۔"

"جاؤ تلاشی لے لو..... اگر کوئی اپرادھی یہاں سے مل گیا تو جو سزا چاہو دے دینا۔" انکا نے کہا۔

آشرم میں توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ وہ کئی آدمی تھے۔ ان کی چیختی ہوئی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد یہ ہنگامہ ختم ہوا اور آخر کار خاموشی چھا گئی۔ میں اس کے بعد بھی کافی دیر تک وہیں پڑا رہا، پھر اوپر آ کر کمرے میں آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ الکا مجھے صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے تہہ خانے میں آئے گی مگر وہ نہیں آئی۔ میں دیر تک بستر پر پڑا سوچتا رہا۔ صورتحال سنگین سے سنگین تر ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے رات دو بجے اچانک ہی آشرم کو گھیرے میں لے کر چھاپا مارا تھا۔ ان کا خیال ہوگا کہ اگر میں آشرم میں موجود ہوں تو مجھے کہیں چھپنے کا موقع نہ مل سکے لیکن انہیں اس مرتبہ بھی مایوس لوٹنا پڑا۔

صبح نو بجے کے قریب الکا نے مجھے جگایا۔ اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی پیشانی پر گومڑ سا بنا ہوا تھا اور دائیں آنکھ کے نیچے بھی ایک نیلا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رات کو میرے بارے میں پوچھنے کے لیے الکا پر کچھ تشدد بھی کیا گیا تھا۔

"یہ... یہ کیا؟" میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

"کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔" اس کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر وہ رات کے چھاپے کی تفصیل بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "میرے خلاف ایسی حرکتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میرا پتی ہی تھا جس نے اس پکھنڈی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی تھی اور دو مرتبہ اسے گرفتار بھی کیا تھا مگر دونوں مرتبہ حکومت ہی کے افسروں نے بچا لیا تھا۔ اسی جرم میں میرے پتی کو پولیس کی ملازمت سے نکال دیا گیا لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا اور آخر کار اس کے بارے میں کچھ خفیہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس سے پہلے کہ میرا پتی اس کے خلاف کوئی ٹھوس کارروائی کرتا اسے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

"میں اگرچہ خاموش رہی تھی کسی پر الزام نہیں لگایا تھا مگر ناگ راج کو شبہ تھا کہ میں بھی کچھ ضرور کروں گی۔ اس نے میرے خلاف براہ راست قدم اٹھانے کے بجائے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اس آشرم میں درجنوں بے سہارا اور دکھیا عورتیں تھیں۔ میں شہر میں بے شمار عورتوں کی سیوا کرتی رہتی تھی۔

ناگ راج کو شبہ تھا کہ میں اس طرح لوگوں کی سیوا کر کے اپنا ایک مقام بنانا چاہتی ہوں تاکہ طاقت حاصل کر کے اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکوں۔ اس نے میرا آشرم اجاڑ دیا۔ اس کے غنڈے آشرم میں گھس آتے۔ یہاں رہنے والی عورتوں کو پریشان کرتے۔ وہ لوگ مختلف اوقات میں دو تین عورتوں کو اٹھا کر بھی لے گئے تھے۔ میرے خلاف یہ پراپیگنڈا کیا جانے لگا کہ میں آشرم میں رہنے والی خوبصورت عورتوں سے پیشہ کراتی ہوں۔ اس طرح میرا آشرم ویران ہوتا چلا گیا۔

"ناگ راج کے دہشت گردی کے کیمپ سے آئے دن کوئی نہ کوئی فرار ہوتا رہتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے ناگ راج کے آدمی میرے آشرم پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے کیمپ سے فرار ہونے والے نوجوانوں کی تھوڑی بہت مدد بھی کی تھی لیکن وہ خود بھی بزدل اور کم ہمت نکلے اور مارے گئے۔ ناگ راج کے

آدمی میرے خلاف کوئی ثبوت حاصل نہ کر سکے کہ میں نے کیمپ سے فرار ہونے والے کسی نوجوان کی مدد کی تھی اور اب......" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم میں مجھے وہ تمام صلاحیتیں نظر آ گئی ہیں جو میں کسی نوجوان میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اگر تم میں ذرا سی بھی کمزوری دکھائی دیتی تو میں تمہیں فوراً ہی چلتا کر دیتی اور اپنے آپ کو اس طرح خطروں میں نہ ڈالتی۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ تم نے مجھے پناہ دے کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ لیکن اس طرح بیٹھے رہ کر تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں آشرم میں کسی تہہ خانے کی موجودگی کا شبہ ہو گیا تو میں چوہے کی طرح پکڑا جاؤں گا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس حد تک آگے بڑھیں مجھے باہر نکلنا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "آج انہوں نے تمہاری یہ حالت کی ہے کل اس سے آگے بھی بڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اب میں انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔ آج شام میں باہر نکلوں گا تاکہ ......"

"دھیرج، ڈئیر...... دھیرج۔" الکا مسکراتے ہوئے بولی۔ "صرف آج کا دن اور آج کی رات اور انتظار کر لو۔ پہلے میں تمہاری حفاظت کے لیے کچھ انتظامات کر لوں۔ اس کے بعد تم جو چاہو کر سکتے ہو۔"

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ جو خود بے سہارا ہو وہ میری کیا حفاظت کرے گی، لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ اس کے پاس کچھ ایسے ذرائع ضرور ہوں گے کوئی معمولی عورت کسی پشت پناہی کے بغیر اتنی بڑی طاقت سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔

"وریودن کون ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ "اس نے ہر موقع پر تمہیں پیشگی اطلاع دی ہے اور میرا خیال ہے گزشتہ رات بھی اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ ناگ راج کے آدمی آشرم پر ریڈ کرنے والے ہیں۔"

"گزشتہ رات اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ یہ چھاپہ اچانک ہی مارا گیا تھا۔" الکا نے جواب دیا۔ "وریودن میرے سورگ باشی پتی کا دوست ہے۔ پہلے وہ بھی پولیس میں ہی تھا پھر ناگ راج کے گینگ میں شامل ہو گیا۔ وہ ناگ راج کے بہت قریب ہے مگر میرا وفادار ہے۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں ناگ راج کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "راجندر مارگ کی بغلی گلی میں اس کا ایک چھوٹا سا کلب ہے۔ جہاں جوا بھی ہوتا ہے، شراب بھی ملتی ہے اور عورت بھی۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ وقت پڑنے پر تم مرینا کلب میں اس سے مدد لے سکتے ہو۔"

الکا کافی دیر تک میرے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ اس نے مجھے ڈاکٹر شانتا کے کلینک کے بارے میں بھی بتا دیا۔ شانتا کا مکان کلینک کے پیچھے ہی تھا اور میں ضرورت کے وقت اس سے بھی مدد لے سکتا تھا۔

وہ دن اور رات بھی مجھے تہہ خانے ہی میں گزارنی پڑی۔ اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے شام سے ذرا پہلے باہر نکلنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ الکا اس وقت تہہ خانے ہی میں موجود تھی۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہی رہنے دیا اور دیوار پر لگے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔ میری شیو بے تحاشا بڑھی ہوئی تھی۔ اسے باقاعدہ داڑھی بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے بال مجھے دوسروں کی نظروں میں مشتبہ بنا سکتے تھے۔ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ بے ترتیب بالوں کو باقاعدہ داڑھی کی صورت دے سکتا

شیو بنا لیتا۔

دیوار میں دائیں طرف شیشے کے دو کیبنٹ لگے ہوئے تھے۔ میں بلا مقصد ان کی تلاشی لینے لگا اور پھر ایک کیبنٹ میں شیونگ کا سامان دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھ سے پہلے یہاں کوئی اور مرد بھی رہ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے اس حسین بیوہ کی زندگی میں اب بھی کسی مرد کا دخل ہو۔

میں نے ریزر اٹھایا اور گھوم کر سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی اکا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"شیونگ کا یہ سامان کس کا ہے کیا مجھ سے پہلے بھی کوئی......"

"اوہ......" اکا ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ گئی۔ "تمہارے سوا آج تک کوئی مرد اس تہہ خانے میں نہیں آیا۔" "تو پھر یہ ریزر اور......"

"تفصیل جاننا ضروری ہے کیا۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی شرمندگی تھی۔ "اسے وہیں رکھ دو۔ یہ گندا ہے میں تمہیں دوسرا ریزر دیتی ہوں۔"

میں اس کے چہرے کے تاثرات اور لہجے سے اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ میں نے وہ ریزر اسی کیبنٹ میں رکھ دیا۔ اکا نے اپنی الماری سے ایک نیا ریزر نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

کئی روز بعد شیو بنا کر مجھے بڑا سکون ملا تھا۔ جب میں باتھ روم سے باہر نکلا تو میری طرف دیکھتے ہوئے اکا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ شیو بنانے کے بعد میں نے کپڑے بھی بدل لیے تھے۔ میرے بازو کا زخم ٹی شرٹ کی آدھی آستین سے باہر تھا۔ زخم کافی حد تک بھر چکا تھا۔ بازو کو حرکت دینے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اکا نے اینٹی سیپٹک ٹیپ سے زخم پر کراس بینڈیج لگا دی تھی۔ میں اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"جب میں درگا والے ویران مندر میں آیا تھا تو میری جیب میں ایک چابی اور ایک عدد ریوالور بھی تھا۔" میں نے اکا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری چیزیں محفوظ ہیں۔" اکا نے کہتے ہوئے الماری کھول لی اور نیچے والی ایک دراز سے ریوالور اور چابی نکال کر میرے حوالے کر دی۔ اس نے چابی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور میں نے بھی بتانا ضروری نہیں سمجھا۔

جب میں اکا کے ساتھ تہہ خانے سے باہر نکلا تو سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر رادھا کی آنکھوں میں بھی عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

اکا مجھے آشرم کے مندر کی طرف لے آئی۔ مندر کے پچھلی طرف اونچی باؤنڈری وال تھی جس میں دائیں طرف ایک چھوٹا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اکا نے وہ دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور پھر مجھے اشارہ کر دیا۔

میں باہر نکل کر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ اس طرف ویران علاقہ تھا چھوٹے چھوٹے ٹیلے جن کے پیچھے پہاڑیاں بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ میں ٹیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں طویل چکر کاٹتا ہوا آبادی کی طرف بڑھنے لگا۔

اس وقت میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں کئی روز بعد آشرم سے باہر نکلا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ

پولیس اور ناگ راج کے آدمی اب بھی شکاری کتوں کی طرح مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ مجھے شکل سے کوئی نہیں پہچانتا تھا، لیکن اگر کہیں شبہ کی بنا پر روک لیا گیا تو کچھ مشکل ضرور پیش آ سکے گی۔

میں دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ باہر نکلا تھا۔ بڑا خوبصورت علاقہ اور بڑا خوبصورت شہر تھا۔ قدیم عمارتوں کی بہتات تھی۔ دراصل ہل اسٹیشن ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ ہمیشہ ہی سے راجستھان کے راجوں، مہاراجوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا تھا۔ جو بھی راجہ یا جاگیردار گرمیوں کا موسم گزارنے کے لیے یہاں آتا اپنے لیے محل نما عمارت بنوا لیتا۔ ان عمارتوں کا طرز تعمیر بھی بہت شاندار تھا۔

شہر پہاڑیوں کے دامن میں پھیلا ہوا تھا۔ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لیکن یہاں ہر وہ کشش موجود تھی جس کی کسی بڑے شہر میں توقع کی جا سکتی تھی۔ یہاں چند بڑے اور شاندار ہوٹل بھی تھے۔

مال اور بازار شہر کا مرکزی علاقہ تھا۔ اس کے علاوہ شہر کے مختلف علاقوں میں بھی چھوٹے چھوٹے شاپنگ سنٹر تھے۔

میں ایک بہت طویل چکر کاٹ کر شہر کے مرکزی حصے تک پہنچ سکا تھا۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے سیر و تفریح کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اس طرف آتے ہوئے میں نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ واپسی کے لیے کون سا راستہ مناسب رہے گا۔

مال اور بازار کی ایک دکان سے میں نے ایک تھیلا خرید لیا۔ نیواڑ کی پٹی کے اسٹریپ والا کینوس کا یہ تھیلا کافی مضبوط تھا اور اسے بیگ کی طرح کندھے پر لٹکایا جا سکتا تھا۔ میں نے اکثر لوگوں کے پاس اس قسم کے تھیلے دیکھے تھے۔ میں نے کچھ اور چیزیں بھی مختلف دکانوں سے خرید کر اس تھیلے میں بھر لیں۔

شہر کے اس مرکزی علاقے میں خاصی رونق تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ بھی تھے اور غیر ملکی سیاح بھی۔ میں ایک آٹو سٹینڈ پر رک گیا۔ دو غیر ملکی سیاح ایک آٹو ڈرائیور سے نا کی جھیل پر چلنے کی بات کر رہے تھے۔ میں بھی قریب کھڑا رہا۔ وہ دوسرے آٹو میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے نا کی جھیل چلنے کو کہا۔

آشرم سے نکلنے سے پہلے اکا سے مجھے اچھی خاصی رقم مل گئی تھی اور میں نے اس کا فون نمبر بھی ذہن نشین کر لیا تھا جو صرف تین ہندسوں پر مشتمل تھا۔ آٹو اونچی نیچی سڑکوں پر چلتا رہا اور میری نظریں اطراف میں گردش کرتی رہیں۔

نیلگوں پانی والی وہ جھیل بہت خوبصورت تھی۔ اطراف میں سبزے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں تھیں جس جگہ آٹو رکا تھا وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور دور تک خوبصورت لان بنے ہوئے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے کئی سٹال تھے اور چند اچھے ریستوران بھی تھے۔ خشکی کی ایک شاہراہ سی جھیل میں اندر تک چلی گئی تھی۔ اس پٹی پر بھی خوبصورت لان تھا اور پھولوں کے پودے بھی تھے۔ خشکی کی یہ پٹی جیٹی کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھی۔ اس کے اطراف میں کئی کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔ سیاحوں کی تفریح کے لیے کشتیوں کا گھاٹ قدرے ہٹ کر تھا۔ جھیل کے پار سبز پہاڑی پر لاتعداد کاٹیج اور بنگلے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

میں ایک یورپی جوڑے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ادھیڑ عمر عورت خاصی فربہ اندام تھی جبکہ اس کا ساتھی دبلا پتلا سا تھا۔ اس کی عمر بھی پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ مرد نے نیکر اور شرٹ پہن رکھی تھی جبکہ عورت گہرے نیلے

رنگ کی پینٹ اور بغیر آستین کی دھاری دار بنیان پہنے ہوئے تھی۔ بنیان کا گلا بھی خاصا فراخ تھا۔ قریب سے گزرنے والے مرد کم از کم دو تین مرتبہ مڑ کر اس کی طرف ضرور دیکھتے تھے۔ میرا ان کے قریب رہنے کا مقصد آنکھیں سینکنا نہیں تھا۔ میں تو ان کے قریب رہ کر دوسروں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں بھی انہی کا ساتھی ہوں۔ اس طرح میں شبے سے بچ سکتا تھا۔ مجھے اپنے اس مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی۔ میں نے انہیں باتوں میں لگا لیا اور اس کے بعد میں ان کے ساتھ ہی گھومتا رہا۔

شام ڈھلنے لگی تھی۔ جھیل پر رونق کم ہونے لگی۔ لوگ واپس جا رہے تھے وہ انگریز جوڑا پارکنگ کی طرف بڑھا تو میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ ان کے پاس کرائے کی کار تھی اور ڈرائیور بھی موجود تھا۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

میں راجستھانی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے بار بار مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"بھایا" آخر کار وہ خاموش نہ رہ سکا۔ "تم نے ان لوگوں سے کیسے دوستی گانٹھ لی۔ میں سویرے سے ان کے ساتھ ہوں یہ تو کسی کو قریب نہ آنے دیتے ہیں۔"

"یہ گورے انگریز ہیں میں کالا انگریز ہوں۔ اس لیے دوستی ہو گئی۔" میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہو بھایا" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بمبئی سے۔" میں نے جواب دیا۔ "آج ہی آیا ہوں۔ ایک دو دن رہوں گا۔ تفریح کے لیے اگر ساتھی مل گئے ہیں تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔"

"ہمے کوئی اعتراض نہ ہو سے بھایا۔ پر ان کی ناتیل نا ہمی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"اوہ" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے ان سے کوئی لالچ نہیں۔ میں تو ایسے ہی وقت گزارنے کے لیے۔" میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

جھیل پر ان دونوں سے باتوں کے دوران مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ لوگ ڈیلی وارد روڈ پر پیلس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے لیکن کار روندرا مارگ کے شاپنگ ایریا میں پہنچ کر رک گئی۔

شام ہو چکی تھی اور شہر کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ کار سے اتر کر ہم تینوں ایک طرف چلنے لگے۔ میں نے ایک بار مڑ کر دیکھا تو کار کے قریب کھڑا ہوا راجستھانی ڈرائیور اب بھی مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

ایک موڑ گھومتے ہی ایک کافی ہاؤس کا بورڈ دیکھ کر ہم رک گئے۔ میں نے ان دونوں کو کافی کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی اور ہم کافی ہاؤس میں داخل ہو گئے۔

ہم کافی ہاؤس میں زیادہ دیر نہیں بیٹھے۔ وہ لوگ شاپنگ کرنا چاہتے تھے۔ بازار میں خاصی چہل پہل تھی۔ میں کچھ دور تک ان کے ساتھ چلا پھر ان سے الگ ہو گیا۔ وہ فربہ اندام فرنگی عورت ہماری اس ملاقات پر بہت خوش تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ کل کا دن بھی یہاں رہیں گے۔ ہوٹل کے کمرے کا نمبر بتاتے ہوئے مجھے آنے کی دعوت بھی دی تھی۔

میں ناگ راج کے بارے میں ابھی تک کوئی حتمی عمل طے نہیں کر سکا تھا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ ناگ راج ادی ناتھ کے مندر میں ہے مگر اس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ بے دھڑک مندر میں گھس جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ مجھے کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس کے ذریعے میں اس مندر کے اندرونی حصے تک پہنچ سکوں اور میرے خیال میں ایسا آدمی مرینا کلب میں ہی مل سکتا تھا۔

مرینا کلب الکا آنٹی ہوتری کے وفادار وریودن کی ملکیت تھا، لیکن میرا وریودن سے رابطہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں فی الحال اس سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔

مرینا کلب تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی مگر اندر سے کلب کئی حصوں میں منقسم تھا۔ ایک طرف جوا خانہ تھا، دوسری طرف بار اور سامنے وسیع ہال تھا جہاں ڈانس پروگرام بھی ہوتے تھے۔ میں آتش ہال میں آ گیا۔ ابھی شام ہوئی تھی کلب میں خاصی رونق تھی۔ میں ایک میز پر بیٹھ گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو اور لڑکیاں وہاں آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ آپس میں کسی بات پر قہقہے لگا رہی تھیں۔ پہلے تو انہوں نے میری طرف توجہ نہیں دی اور پھر معذرت کرنے لگیں۔ ان کے لباس، چہروں کے میک اپ اور ہر ہر انداز سے یہ بالکل واضح تھا کہ وہ شکاری عورتیں تھیں اور مجھے دیکھ کر باقاعدہ پلاننگ کے تحت یہاں آئی تھیں۔ وہ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگیں اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئیں۔

میں نے اپنے لیے بیئر اور ان کے لیے وہسکی منگوالی۔ لاہور میں جب میں ہیروئن کا دھندا کرتا تھا تو کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ شراب بھی پی لیتا تھا، لیکن اس وقت میں نے بیئر پر ہی اکتفا کیا تھا کیونکہ اس سے نشہ نہیں ہوتا تھا۔

ٹھنڈی بیئر کی چسکیاں لیتے ہوئے ان سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ میں ادھر ادھر دیکھ بھی رہا تھا اور میں نے یہ بات بھی نوٹ کر لی کہ کم از کم دو آدمی ایسے تھے جو مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہال کی میزیں بھرتی جا رہی تھیں اور پھر موسیقی کا پروگرام شروع ہو گیا۔ پہلے ایک ہیجڑہ نما نوجوان بری آواز میں گانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی حرکتیں بھی ہیجڑوں جیسی ہی تھیں۔ اس کے بعد مائیک ایک لڑکی نے لے لیا۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ اس کا گانا شروع ہوتے ہی ایک رقاصہ بھی میدان میں آ گئی۔ اس کا لباس گانے والی سے بھی زیادہ مختصر تھا وہ میزوں کے درمیان تھرکنے لگی۔

ہماری میز پر ایک اور آدمی بیٹھ گیا تھا۔ میرے ساتھ پہلے سے بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں سے ایک اسے پٹانے کی کوشش کرنے لگی جبکہ دوسری مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں اب بھی محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا تھا اور پھر داخلی دروازے کی طرف نظر اٹھتے ہی میں چونک گیا۔

ایک مرد اور ایک عورت اندر داخل ہو رہے تھے۔ دراز قامت اور قدرے بھاری بھرکم مرد نے تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا، لیکن یہ سوٹ اس پر بالکل نہیں جچ رہا تھا۔ اس کی شکل وصورت سے ہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا تعلق اس سوسائٹی سے نہیں ہے۔ قیمتی لباس پہن لینے سے شکل تو نہیں بدل جاتی۔ اس کی ساتھی عورت کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ دراز قامت، بھرا بھرا سڈول جسم، مختصر سا سلیولیس بلاؤز اور خوبصورت ساڑھی۔ ساڑھی ناف سے نیچے بندھی ہوئی تھی کمر پر سونے کی ایک چین لپٹی ہوئی تھی جس میں لگا ہوا لاکٹ ناف کے رین اوپر تھا۔ وہ

حرکت کرتی تو اوپر اس میں جڑا ہوا نگینہ جگمگا اٹھتا۔

وہ بیلا تھی جسے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

بیلا کا اور میرا تین چار دن کا ساتھ رہا تھا۔ اس دوران وہ جینز اور شرٹ پہنے رہتی تھی اور اس عرصے کے دوران میں اس کے خوبصورت جسم کے نشیب و فراز سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا تھا لیکن اس وقت وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

وہ دونوں دروازے کے قریب ہی رک گئے تھے۔ بیلا متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میں بالکل سامنے کے رخ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بیلا ہی واحد ہستی تھی جو میری صورت آشنا تھا۔ میں نے اس کی نظروں سے بچنے کے لیے سر جھکا لیا اور سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے باتیں کرتے ہوئے کن انکھیوں سے بیلا کی طرف دیکھتا بھی رہا۔

وہ دونوں ہال میں آ کر ایک میز پر بیٹھ گئے۔ بیلا کی پشت میری طرف تھی میں بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بڑی عجیب صورت حال تھی۔ اگر بیلا مجھے دیکھ لیتی تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔

چند منٹ بعد ہی ایک آدمی نے بیلا کے قریب جھک کر سرگوشی کی۔ بیلا کرسی سے اٹھ گئی جبکہ اس کا ساتھی اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

بیلا ہال کے دائیں طرف زینے پر جا رہی تھی۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ وہ اوپر کشادہ بالکونی پر جا کر بائیں طرف مڑ گئی۔ اوپر بالکونی پر بھی کچھ میزیں لگی ہوئی تھیں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں اپنا ٹپ ادا کر چکا تھا۔ چند منٹ بعد میں نے ان شکاری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے سیٹ چھوڑ دی اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔ جن دو آدمیوں کو میں نے شروع میں نوٹ کیا تھا وہ اب بھی مشتبہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

اوپر جا کر میں نے سرسری سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور ایک ایسی میز کی طرف بڑھ گیا جہاں پہلے ہی سے ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ مرد ادھیڑ عمر اور خاصا بھاری بھرکم اور بدصورت تھا۔ وہ کوئی مارواڑی سیٹھ تھا جو سیر و تفریح کے لیے یہاں آیا ہوا تھا اور وہ لڑکی اسے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ آگے کو اس طرح جھک کر بیٹھی ہوئی تھی کہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی نظریں بلاؤز کے اندر تک پہنچ سکتی تھیں۔ میں بے تکلفی سے اس میز کی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھا تھا جبکہ اس مارواڑی سیٹھ کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ اس نے جلدی سے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا اور کرسی چھوڑ دی۔

"کون ہو تم ....؟" لڑکی نے مجھے گھورا۔ "اس حرکت کا مطلب؟" میرا شکار ہاتھ سے نکال دیا۔"

"مجھے بھی شکار سمجھو ڈیئر۔" میں نے کہا اور میں نے بھی جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "اسے بیعانہ سمجھو لیکن پہلے ہم باتیں کریں گے۔ اگر تم مجھے پسند آ گئیں تو ساتھ لے چلوں گا۔ اس مارواڑی سیٹھ کے ہاتھ سے نکل جانے سے جو تمہارا نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کر دوں گا ویسے وہ شخص مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ تم جیسی حسین لڑکی اور وہ ...."

لڑکی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور میرا جملہ نامکمل رہ گیا۔

"بہت بے باک ہو۔" وہ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "اور تم شاید پہلے یہ اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ میں تمہارے معیار پر پوری اتر سکتی ہوں یا نہیں۔"

"بالکل درست کہا۔" میں نے جواب دیا۔ "شکل و صورت میں تو تم لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک ضرور ہو، لیکن میرا ٹیسٹ صرف شکل و صورت اور جسم کی خوبصورتی تک ہی محدود نہیں۔ میں اس لڑکی کو باتوں سے بھی پرکھتا ہوں جسے چند گھنٹے میرے ساتھ گزارنا ہوں۔ جاہلانہ باتیں کرنے والی لڑکیوں سے مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔ سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔"

"پہلی مرتبہ تم جیسا باذوق شخص ملا ہے۔ تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے بھی کچھ ایسی ہی امید ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اپنے گلے میں یہ تھیلا کیوں لٹکائے پھر رہے ہو۔" اس نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

"دراصل میں آج ہی یہاں پہنچا ہوں اور رہائش کا ابھی کہیں بندوبست نہیں کیا۔" میں نے جواب دیا۔ "سیلانی آدمی ہوں، سیر و سیاحت کا دلدادہ اور مختلف دیش کی حسیناؤں سے ملاقات کا شوقین ہوں۔ پنجاب کے شہر جالندھر سے چلا تھا پھرتا پھراتا آج یہاں پہنچ گیا ہوں۔"

"یہاں کب تک ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جب تک موڈ ہوگا۔ ویسے یہ اچھی جگہ ہے۔ ہو سکتا ہے چند روز ٹک جاؤں، لیکن ابھی تو پہلے مجھے اپنی رہائش کا بندوبست کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔" اس نے پرامید نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بالکل اکیلی رہتی ہوں تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ بڑے آرام سے رہو گے۔"

"ہاں۔ اس کا میں اندازہ لگا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میں اس طرف بھی دیکھ رہا تھا جہاں بیلا گئی تھی۔ اس طرف ایک کشادہ راہداری تھی جس میں آمنے سامنے کمرے تھے۔ راہداری کے آخر میں اوپر جانے کے لیے زینہ بھی تھا اور میرا خیال ہے اس کے ساتھ ہی نیچے جانے کے لیے بھی راستہ تھا۔

"تقریباً پندرہ منٹ بعد راہداری کے ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور بیلا ایک آدمی کے ساتھ برآمد ہوئی۔ درمیانے قد کا وہ آدمی صحت مند اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ اس نے سفید پینٹ اور آف وائٹ سپورٹس شرٹ پہن رکھی تھی۔ جوتے بھی سفید ہی تھے۔ اس کا اپنا رنگ تانبے کی رنگت جیسا تھا جیسے زندگی کا بیشتر حصہ کڑی دھوپ میں گزرا ہو۔ بال قریب سے تراشے ہوئے تھے اور جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ گلے میں سونے کی چین والا لاکٹ تھا جو شرٹ کے اوپر اس کے سینے پر جھول رہا تھا۔ ایک کان میں بھی سونے کی بالی پہن رکھی تھی۔

"یہ کون ہے؟" میں نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی سے پوچھا۔ انداز ایسا سرسری سا تھا کہ اسے کوئی شبہ نہ ہو۔

"ڈریو ماں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اس کلب کا مالک۔ اس علاقے کی منشیات کا ڈان۔ اس کا گینگ ڈان کا

پہنچ.......

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ لڑکی کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔ اس نے جس انداز میں دریودن کا تعارف کرایا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے دریودن اور ناگ راج کے نام سے بھی نفرت تھی۔ غالباً کوئی چوٹ کھا چکی تھی۔

"اور اس کے ساتھ یہ سندری کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ دریودن اور بیلا کمرے سے نکلنے کے بعد راہداری میں ہی کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تھے۔ بیلا کا رخ دوسری طرف تھا۔

"یہ سندری نہیں ناگن ہے ناگن۔" لڑکی کے لہجے میں شدید نفرت تھی۔ "ناگ راج سے زیادہ زہریلی، پتہ نہیں اب تک کتنے گھروں کو برباد کر چکی ہے۔"

دریودن اور بیلا کی باتیں ختم ہو گئیں۔ دریودن تو نیچے ہال کی طرف چلا گیا تھا اور بیلا راہداری میں مخالف سمت میں جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ اوپر والے زینے کی طرف جائے گی، لیکن وہ اس زینے سے پہلے ہی بائیں طرف مڑ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے، کہاں رہتی ہو؟" میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اور ایک رات کی فیس کتنی لیتی ہو؟"

"میرا نام چھیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "بس سٹینڈ کے پیچھے کی طرف بھیم نگر سٹریٹ پر رہتی ہوں کاٹیج نمبر دو سو پندرہ۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میری فیس گاہک کی جیب پر ڈیپنڈ کرتی ہے۔ ویسے تم سے پانچ سو روپے میں بات ہو سکتی ہے۔"

میں نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تم یہاں سے سیدھی اپنے کاٹیج جاؤ گی۔ آج کی رات تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہونا چاہئے میرا انتظار کرنا۔"

وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی، لیکن میں اپنی سیٹ چھوڑ چکا تھا۔ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر میں راہداری میں چلتا ہوا آخر میں پہنچ گیا۔ بائیں طرف نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ بیلا اسی طرف گئی تھی۔

یہ اس کلب کا عقبی زینہ تھا۔ زینے کے اختتام پر راہداری تھی جس میں شاید کچن بھی تھا۔ انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو آ رہی تھی۔ اسی راہداری آگے کلب کے ہال کی طرف چلی گئی تھی۔

میں نے ہال والی سمت میں دیکھا، پھر اچانک ہی ایک خیال آیا کہ بیلا کو اگر ہال میں جانا ہوتا تو اس زینے سے نہ آتی۔ میں دوسری طرف مڑ گیا۔ چند قدم آگے یہ راہداری دائیں طرف مڑ گئی اور سامنے ہی اس عمارت کا عقبی دروازہ تھا، یہاں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ دروازہ لاک یا بولٹ نہیں تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

عقب میں ایک تنگ سی گلی تھی اور بیلا اس گلی میں دائیں طرف جا رہی تھی۔ وہ تقریباً بچاس گز آگے نکل چکی تھی۔ میں دروازے سے باہر آ گیا اور آہستہ آہستہ اس طرف چلنے لگا۔

بیلا ایک اور کشادہ گلی میں گھوم گئی۔ یہ رہائشی علاقہ تھا دائیں بائیں بڑے بڑے عالیشان بنگلے تھے۔ اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔

میرا خیال تھا کہ بیلا کو زیادہ دور نہیں جانا تھا، لیکن وہ ان گلیوں ہی گلیوں میں چلتی ہوئی کلب سے تقریباً ایک میل دور نکل آئی تھی اور اب وہ ایسے علاقے میں تھی جہاں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر کاٹیج بنے ہوئے تھے۔

بیلا ایک کاٹیج کے سامنے رک گئی۔ میں بھی ایک درخت کے نیچے رک گیا اور بیلا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کاٹیج تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی آہنی دروازے کا کنڈا ہٹایا گیا ہو، مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بیلا نے اپنے پرس میں سے چابی نکال کر کاٹیج کا دروازہ کھولا تھا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے دو منٹ بعد کاٹیج میں روشنی ہو گئی۔ میں چند لمحے اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ کاٹیج کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ دروازے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا، وہ اندر سے بند تھا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

کمپاؤنڈ وال پانچ چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ پتھروں سے بنی ہوئی اس دیوار پر کسی قسم کا پلستر نہیں تھا۔ مجھے اوپر چڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور میں بڑی آہستگی سے دوسری طرف کود گیا۔

تقریباً بیس فٹ آگے برآمدہ تھا جس کا دروازہ بند تھا۔ یہ ڈبل پٹ کا دروازہ تھا اور اوپر کے حصے پر نیلے رنگ کے شیشے لگے ہوئے تھے اندر روشنی ہو رہی تھی میں نے دروازے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا مگر اندر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔

میں نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور دروازے پر آہستگی سے ایک مرتبہ ہاتھ مار دیا۔ دھب کی ہلکی سی آواز ابھری تھی اور میرا اندازہ تھا کہ بیلا نے آواز سن لی ہوگی اور وہ معلوم کرنے کے لیے دروازہ ضرور کھولے گی۔

میرا اندازہ درست نکلا، چند سیکنڈ بعد ہی کنڈا ہٹائے جانے کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

میں دروازے کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اندر سے آنے والی روشنی براہ راست میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ریوالور میرے ہاتھ میں تھا جس کا رخ بیلا کے سینے کی طرف تھا۔

میری صورت دیکھتے ہی بیلا کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے شاید دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے الٹے ہاتھ سے زوردار دھکا دیا تو وہ چیختی ہوئی لڑکھڑا کر پشت کے بل گری میں نے پھرتی سے دروازہ بند کر دیا اور آگے بڑھ کر بیلا کے سینے پر پیر رکھ دیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں اگر چاہوں تو تمہیں چیونٹی کی طرح مسل دوں، مگر تمہاری موت اس قدر آسان نہیں ہوگی۔" میرے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔ "میرے بازو کا یہ زخم ابھی ہرا ہے اور تکلیف بھی دے رہا ہے۔ میں اس زخم سے ٹپکنے والے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا، تم سے اور تمہارے اس گرو گھنٹال ناگ راج سے۔ اس کے جسم کا سارا زہر تو میں اس طرح نکال دوں گا کہ اگر کبھی چیونٹی بھی اسے کاٹ لے گی تو وہ تڑپ تڑپ کر ختم ہو جائے گا۔"

"تت.... تم" اس کے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی۔ "مم..... میں تو سمجھی تھی کہ تم اس شہر سے جا چکے ہو۔"

"لیکن کسی کو اس بات کا یقین نہیں کیونکہ کئی روز گزرنے کے بعد بھی میری تلاش جاری ہے اور نجانے

میرے شبے میں کتنے بے گناہوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہوگا۔ لیکن دیکھ لو۔ ناگ راج کے آدمی شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے یہاں سے نکل بھی سکتا تھا۔ مگر میں صرف یہاں موجود ہوں بلکہ زندہ اور سلامت بھی ہوں۔ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک ناگ راج کا تیاپانچا نہ کر دوں۔ میں جانتا ہوں اس ایک آدمی کے ختم ہو جانے سے میرے وطن کے خلاف سازشوں کا سلسلہ ختم تو نہیں ہوگا مگر تمہاری حکومت کو ایسا دھچکا ضرور لگے گا کہ آئندہ بے گناہوں کے خلاف ایسی کوئی سازش کرنے کے لیے انہیں سو بار سوچنا پڑے گا۔"

"یہ خوش فہمی ہے تمہاری۔" بیلا نے کہا۔ "تم ناگ راج کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور تم بھی یہاں سے بچ کر نہیں جا سکو گے لیکن..... اگر تم چاہو تو میں یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

"بہت خوب۔" میں نے کہا۔ "اس روز تو تم بھارت ماتا کی بیٹی بن گئی تھیں جو اپنے دیش کے لیے اپنی عزت اور اپنی جان کی بلی بھی دے سکتی ہے، لیکن اب کیا ہوا؟ دیش کے دشمن کی مدد کر کے غداری کیوں کر رہی ہو؟"

"اس دن میں نے جو کچھ بھی کیا وہ میری مجبوری تھی۔" بیلا کراہی۔ "دو تین دن تم سے دوستی بھی رہی ہے۔ میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"دوستی۔" میں نے اس کے سینے پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ وہ کراہ اٹھی اور دونوں ہاتھوں سے میرے پیر کو سینے پر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم دوستی کی بات کر رہی ہو۔ صرف دو تین دن کی دوستی۔ تمہارے پرکھ ہندو۔ بنئے تو دوستی کے صدیوں پرانے رشتوں کو یاد نہیں رکھ سکے۔ میں نے 47ء میں پاکستان بنتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر تاریخ تو پڑھی ہے ہندوؤں نے پاکستان کا نام لینے والوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ اور تم لوگوں نے تو آج تک پاکستان کو دل سے قبول ہی نہیں کیا۔ اسے تباہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تم لوگ مگر ہر مرتبہ تمہی لوگوں کو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔ تمہارا تعلق تو اس قوم سے ہے جو دوستی کی آڑ میں چھرا گھونپتے ہیں اور تم دوستی کی بات کر رہی ہو۔ صرف دو دن کی دوستی۔ نہیں بیلا ڈیئر۔ وہ دوستی نہیں تمہاری مجبوری تھی جس کے لیے تم نے اپنی عزت کی بھی پروا نہیں کی۔ ویسے میں ایک بات کی داد ضرور دوں گا تم واقعی ذہین ہو اور کس قدر خوبصورتی سے مجھے یہاں تک لا کر پلیٹ میں سجا کر ناگ راج کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ مگر تمہارے وہ آدمی بودے نکلے جو مجھے قابو میں نہ رکھ سکے اور آج تک مجھے تلاش بھی نہیں کر سکے حالانکہ میں اسی شہر میں موجود ہوں۔"

"میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ میرا وشواش کرو پلیز۔" بیلا نے کراہتے ہوئے کہا۔ "اس وقت مجھے معلوم تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نکل جاتے تو وہ لوگ مجھے بھی زندہ نہ چھوڑتے۔ لیکن اب کوئی نہیں جانتا کہ ہم دوبارہ ملے ہیں۔ میں تمہیں آرام سے یہاں سے نکال دوں گی۔"

"اس شہر سے نکلنے میں مجھے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن ابھی میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ناگ راج سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے۔ میرے بچپن میں ہمارے گاؤں کے قریب کھیتوں میں ایک سانپ مارا گیا تھا۔ وہ سانپ پوری طرح مرا نہیں تھا۔ اسے ایک لکڑی پر لٹکا کے پورے گاؤں میں گھمایا جا رہا تھا اور آخر میں اس کا پھن کچل دیا تھا۔ اب پھر مجھے سانپوں سے کھیلنے کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔ اب میں یہ ضرور دیکھنا چاہوں گا کہ اس کا کتنا زہر ہے جو زہریلے سانپوں کا جھولا دو رہا ہے۔"

"ناگ راج جیسے آدمی سے دشمنی مول لے کر تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہی ہوں اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ اور یہ پیر ہٹاؤ، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

"اوہ۔ تمہیں تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔" میں نے پیر ہٹانے کے بجائے دباؤ ڈال دیا۔ وہ ایک بار پھر کراہ اٹھی۔ "جب لوگوں کو زخموں سے چور کر کے انہیں سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے تو اس وقت تم لوگوں کو احساس نہیں ہوتا کہ انہیں بھی تکلیف ہوتی ہو گی۔ ابھی تو میں نے پیر کا ہلکا سا بوجھ ڈالا ہے جب تمہارے اس خوبصورت شریر کی بوٹیاں کاٹوں گا تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔"

بیلا کی آنکھیں ایک بار پھر دہشت سے پھیل گئیں۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر پیر ہٹا لیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ایک ہاتھ سے سینہ سہلانے لگی۔ اس کی ساڑھی کا پلو نیچے لٹکا ہوا تھا، لیکن اسے شاید اس کی پروا نہیں تھی۔

"ارپیتا کون ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اچانک ہی سوال کیا۔

وہ اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"تت تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" وہ وحشت زدہ سے لہجے میں بولی۔

"میں اور بھی بہت سے لوگوں کے بارے میں جانتا ہوں مثلاً پولیس انسپکٹر رنبیر سنگھ جو اپنا فرض اور ذمہ داریاں بھلا کر ناگ راج کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔"

"اوہ، بہت جانکاری ہے تمہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہت سی جانکاری میں تم سے بھی لینا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کمرے میں دو تین کرسیوں اور ایک تپائی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ "یہ کس کا کاٹیج ہے، کون رہتا ہے یہاں؟"

"میرا کاٹیج ہے۔ اکیلی رہتی ہوں۔" بیلا نے جواب دیا۔

"میں ذرا یہ کاٹیج دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔ آؤ میں دکھاتی ہوں۔" بیلا نے کہا۔ میرے رویے کی تبدیلی سے اس کا کچھ حوصلہ بڑھا تھا اور اس کا خوف بھی بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔

وہ مجھے کاٹیج دکھانے لگی۔ چار کمرے تھے۔ ایک نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ایک کامن روم اور دو بیڈ روم تھے۔ وہ ایک بیڈ روم میں رک گئی۔ وہ مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کی پیشکش قبول کر لوں اور یہاں سے بھاگ جاؤں اور پھر اچانک ہی اس نے میرے ریوالور والے ہاتھ پر جھپٹا مار دیا۔ مجھے پہلے ہی اس اقدام کی توقع تھی۔ وہ تو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی البتہ میرے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر لگا اور وہ گھومتی ہوئی پشت کے بل بیڈ پر گری۔

"ابھی تم دوستی کے دعوے کر رہی تھیں۔" میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیا۔

"سانپ سانپ ہی ہوتا ہے۔ جب وہ چاہے گا پالا جائے تو بھی دودھ سے باز نہیں آتا۔" میں اس کے بالوں کو جھٹکے دے رہا تھا اور وہ کراہ رہی تھی اور چلا رہی تھی۔ موقع پا کر میری ٹانگوں کے بیچ میں زور دار گھونسا مار دیا۔ ضرب زوردار تھی میں کراہ اٹھا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے اس نے ایک اور ضرب لگائی اور

کے بال میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے اور میں دوہرا ہو گیا۔

بیلا تیزی سے اٹھ گئی اس نے گھٹنے سے میرے منہ پر ضرب لگائی میں الٹ کر بیڈ سے نیچے گرا۔ بیلا نے بھی میرے اوپر چھلانگ لگا دی اور میرے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔ میں اس دوران اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر ریوالور اس کے ہاتھ میں آ گیا تو وہ میری کھوپڑی اڑانے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں لگائے گی۔ اس کشمکش میں ریوالور کا ٹریگر دب گیا۔ گولی میرے سر کے قریب سے گزر گئی۔

بیلا جونک کی طرح میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر میری ٹانگوں کے بیچ میں ضرب لگانے کی کوشش کی مگر اس مرتبہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں ریوالور میرے ہاتھ سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل پر جا گرا اس نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی لیکن اس کے بال میری گرفت میں آ گئے۔ اس کے سر کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ چیخ کر رہ گئی۔ میں نے اسے اپنی طرف کھینچ کر اس کے منہ پر دو تین تھپڑ جڑ دیے۔

بیلا ماہر تربیت یافتہ تھی۔ وہ کوئی عام عورت ہوتی تو اب تک ڈھیر ہو چکی ہوتی، لیکن اسے آخری لمحوں تک جدوجہد اور مزاحمت کرنا سکھایا گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

ہم دونوں بیڈ پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں تھا کہ اس وقت بیلا میرے لیے لوہے کا چنا ثابت ہو رہی تھی۔ وہ بستر کی اچھی ساتھی تھی تو حریف بھی زوردار ثابت ہو رہی تھی، لیکن آخر کار وہ عورت ہی تھی۔ زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکی اور اپنے آپ کو چھڑا کر دروازے کی طرف لپکی شاید اس نے راہ فراری میں عافیت سمجھی تھی۔

میں نے بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اس کی ساڑھی میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس نے بڑی پھرتی سے نال کا بکل کھول دیا۔ ساڑھی اس کے جسم سے الگ ہو گئی۔

اب اس کے جسم پر مختصر سا بلاؤز اور پیٹی کوٹ رہ گیا تھا، کمر پر لپٹی ہوئی سونے کی چین پہلے ہی ٹوٹ کر کہیں گر چکی تھی۔ میں نے اسے پکڑ کر ایک بار پھر بیڈ پر گرا دیا۔

وہ تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے سامنے پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی اس نے دونوں بانہیں آگے کو پھیلا دیں۔

"مجھے تم جیسے مرد پسند ہیں جو طاقت کا اظہار بھی کرتے ہوں۔ آؤ۔"

میری نظریں اس کے جسم پر رینگ رہی تھیں۔ تنفس کی وجہ سے اس کے سینے کا زیر و بم قیامت ڈھا رہا تھا۔ نہیں ... میرے اندر سے آواز ابھری .... آج رات نہیں......

وہ بے انتہا چالاک و عیار تھی۔ اب تک اس نے کئی پینترے بدلے تھے اور اپنی ایک چال ناکام ہونے کے بعد دوسری چال چلنے کی کوشش کر رہی تھی اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"آؤ نا۔ کیوں دیر کر رہے ہو؟" وہ بانہوں کو حرکت دیتے ہوئے بولی۔

ٹھیک اس لمحہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میں چونک گیا میں نے لپک کر ڈریسنگ ٹیبل پر سے

پڑا ریوالور اٹھا لیا اور بیلا کی طرف دیکھا گاڑی کی آواز سن کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

"اب تمہارے اور موت کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا ہے نانی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم نے میری پیشکش سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا اب تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔"

"اگر تم نے منہ سے آواز نکالنے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں نے کہتے ہوئے ریوالور سے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بیڈ سے اتر آئی اس وقت کال بیل کی آواز سنائی دی تھی۔ میں بیلا کو ریوالور کی زد پر لے کر کمرے سے باہر نکل آیا اور راہداری میں بائیں طرف مڑ گیا۔ اس وقت میں نے بیلا کے ساتھ گھوم پھر کر کاٹیج کا جائزہ لیا تھا اس کا مقصد کسی ایمرجنسی صورت میں فرار کے راستوں کا جائزہ لینا تھا اور اب ایمرجنسی آن پڑی تھی۔ میں بیلا کو عقبی دروازے کی سمت لے آیا۔ اس دوران کال بیل دو مرتبہ اور بج چکی تھی۔

"دروازہ کھول۔ کنڈا ہٹانے کی آواز پیدا نہ ہو۔" میں نے سرگوشی کی۔

یہ دروازہ بھی دو پٹ کا تھا۔ بیچ میں زنجیر اور اوپر چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ بیلا نے پہلے زنجیر ہٹائی اور پھر چٹخنی نیچے کی طرف کھینچنے لگی اور ٹھیک اس وقت باہر والے دروازے کی طرف سے دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔ میرا خیال ہے وہ دو آدمی تھے جو کال بیل کا جواب نہ پا کر اندر کو آئے تھے اور پھر کچھ ہی دیر بعد برآمدے والا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس کے ساتھ ہی ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

"بیلا دیوی۔ دروازہ کھولو۔ ورنہ ہم توڑ دیں گے۔"

میں بیلا کو ریوالور کی زد پر لے کر دروازے سے باہر آ گیا۔ وہ جس طرح باہر کی دیوار پھاند کر اندر کود آئے تھے اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ دوسری آواز پر کوئی جواب نہ ملا تو وہ برآمدے والا دروازہ توڑ دیں گے۔

میں بیلا کو لے کر کاٹیج کے اوپر گھومتا ہوا سامنے کی طرف آ گیا اور دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا کاٹیج کے سامنے سڑک پر سفید رنگ کی کار کھڑی تھی۔ کار خالی تھی اس کے آس پاس بھی کوئی نہیں تھا۔

میری توقع کے عین مطابق برآمدے والے دروازے پر زور زور سے ٹکریں ماری جا رہی تھیں اور پھر چرچراہٹ کی زوردار آواز سنائی دی۔ شاید دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔

میں نے ریوالور سے بیلا کے پہلو پر دباؤ ڈال کر آگے دھکیلا اور ہم دونوں کار کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر بیلا کو اندر دھکیل دیا۔

"چابی اگنیشن میں لگی ہوئی ہے۔ انجن سٹارٹ کرو۔ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں نے کہا اور تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا اور ریوالور کی نال بیلا کی گردن سے لگا دی۔

بیلا سمجھ چکی تھی کہ میں اپنی دھمکی پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ اس نے بڑی شرافت سے انجن سٹارٹ کر دیا۔ اندر سے دو آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر کار کا انجن سٹارٹ ہوتے ہی ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"پھر گیونتور سنگھ۔ وہ رنڈی بھاگ گیو۔"

"گاڑی آگے بڑھاؤ۔ جلدی کرو۔" میں نے بیلا کی گردن پر ریوالور کا دباؤ بڑھایا۔

بیلا نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

گاڑی ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ دو آدمی کاٹیج سے باہر آ گئے اور چیختے ہوئے گاڑی کے پیچھے دوڑے۔

"رفتار بڑھاؤ۔" میں چیخا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

اس لمحہ شعلہ سا چمکا اور فضا ٹھائیں ٹھائیں کی آواز سے گونج اٹھی۔ ان میں سے کسی نے گاڑی پر فائر کیے تھے میں نے بھی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر پیچھے کی طرف دو فائر جھونک دیے۔ وہ دونوں فائرنگ کرتے ہوئے کار کے پیچھے دوڑتے رہے۔ ان کی ایک گولی سے کار کی ایک عقبی بتی ٹوٹ گئی تھی اور دوسری گولی نے عقبی ونڈ سکرین میں سوراخ کر دیا تھا۔ وہ گولی ترچھی لگی تھی اور شیشہ توڑتی ہوئی کھڑکی سے دوسری طرف نکل گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو روکنے کے لیے دو فائر اور کر دیے۔

"تم اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔" بیلا نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ دوستی کر لو تو میں تمہیں محفوظ جگہ پر لے جاؤں گی جہاں وہ تمہارا سراغ نہیں لگا سکیں گے اور پھر موقع ملتے ہی تمہیں شہر سے باہر پہنچا دوں گی۔"

"میرے پاس بہت سی ایسی محفوظ جگہیں ہیں جہاں وہ میرا سراغ نہیں لگا سکیں گے گاڑی بس اسٹینڈ کی طرف لے چلو۔" میں نے کہا۔

"کچھ ہی دیر میں تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی اور وہ شہر کا چپہ چپہ چھان ماریں گے اب بھی کہتی ہوں....."

"بس سٹینڈ کی طرف....." میں نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

کار اونچی نیچی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بس سٹینڈ کی طرف نکل آئی۔

"پچھم کی طرف بھیم سنگھ سٹریٹ۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

کار دو تین گلیوں میں گھوم کر ایک کشادہ گلی میں آ گئی اس گلی کے نکڑ والے مکان پر ڈاکٹر شانتا کے نام کا بورڈ دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ انکا نے مجھے شانتا کا پتہ بھی سمجھایا تھا، اب یہ اتفاق تھا وہ کلینک میری نظروں میں آ گیا تھا جو اس وقت بند تھا۔

کار مزید دو تین گلیوں میں گھومنے کے بعد بھیم سنگھ سٹریٹ پر آ گئی۔ یہ بھی کافی کشادہ سڑک تھی جس کے دونوں طرف ٹاؤن ہاؤسز بنے ہوئے تھے۔ دو سو پندرہ نمبر کا کاٹیج تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ یہ تمام کاٹیجز ایک ہی جیسے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔

ابھی رات کا ابتدائی حصہ تھا میرے خیال میں دس بھی نہیں بجے ہوں گے۔ تقریباً تمام ہی کاٹیجز کی بتیاں جل رہی تھیں۔ ادھر ادھر دو چار کاریں بھی کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔

کار کا انجن بند کر دیا گیا اور میں بیلا کو لے کر نیچے اتر آیا اور کاٹیج نمبر دو سو پندرہ کے دروازے کی طرف

بڑھنے لگا۔

میں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا اور بیلا کو ریوالور کی زد پر لیے دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ انتظار زیادہ ثابت نہیں ہوا۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ چھمیا ہی تھی اس

وقت اس نے بہت ہی مختصر لباس پہن رکھا تھا۔ اسے میرا انتظار تھا اور شاید اس خیال میں تھی کہ آتے ہی اس سے لپٹ جاؤں گا لیکن میرے ساتھ بیلا کو اور میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اس کا چہرہ ...اں ہو گیا۔ بیلا کی حالت بھی ایسی تھی کہ اسے صورتحال کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی

میں بیلا کو دھکا دے کر اندر داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ چھمیا ایک طرف کھڑی متوحش ...ظروں سے کبھی مجھے اور کبھی بیلا کو دیکھ رہی تھی۔

"یہاں کھڑی میری شکل کیا دیکھ رہی ہو۔ اندر چلو۔" میں چھمیا کی طرف دیکھ کر غرایا۔

چھمیا مجھ سے زیادہ میرے ریوالور سے خوفزدہ تھی۔ وہ تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف ...گئی یہ ایک مختصر سا پختہ آنگن تھا۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑی کیاریوں میں ...گے ہوئے تھے۔

سامنے والے دروازے میں داخل ہوتے ہی لاؤنج تھا جس کے دائیں طرف کچن اور اس کے ...اوپر جانے کے لیے زینہ تھا۔ بائیں طرف دو کمرے تھے۔ لاؤنج کے دوسری طرف عقبی دروازہ تھا اس ...لاؤنج کو ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ باقی دو بیڈ رومز تھے۔ یہ کاٹیج صرف اتنا ہی مختصر سا تھا۔ ...ایک کمرہ چھت پر بھی تھا۔

چھمیا کے چہرے پر اب بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ اب بھی کبھی میری طرف دیکھتی اور کبھی بیلا ...طرف۔ کلب میں اس نے دریودن، راج اور بیلا کے بارے میں جو اچھے الفاظ استعمال نہیں کیے ...تھے میں اس وقت اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وقت پڑنے پر وہ اس معاملے میں میرا ساتھ دے سکتی تھی ...اس لیے میں بیلا کو یہاں لے آیا تھا۔

"یہ..... یہ بیلا....." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں..... یہ بیلا ہے۔" میں نے کہا۔ "کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں اس کے ساتھ بیٹھ کر ...اطمینان سے باتیں کر سکوں اور ہماری آواز باہر نہ جائے۔"

"وہ..... وہ کمرہ....." اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے کیا ہوا۔ اس کی یہ ...حالت....."

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ میری پرانی دوست ہے آپس میں تھوڑی سی غلط فہمی پیدا ہو ...گئی تھی۔" میں نے کہا۔ "اور ہاں۔ یہاں کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔"

"دارو ہے یا پھر چائے بن سکتی ہے۔" چھمیا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میرے لیے چائے بنا دو اور اس کے لیے دارو لے آؤ۔" میں نے کہا۔

"چھمیا نے ہمیں ایک بیڈروم میں پہنچا دیا۔ خاصا وسیع کمرہ تھا اور کنگ سائز ڈبل بیڈ بھی شاندار اور آرام دہ تھا۔ دیواروں پر انگلش رسالوں سے کاٹی ہوئی عورتوں کی نیم عریاں تصویریں چسپاں تھیں۔ میرا خیال ہے چھمیا اپنے گاہکوں کو یہیں کراس کمرے میں لاتی ہوگی۔ چھمیا ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر جانے لگی تو میں نے کہا۔

"ایک بات کا خیال رکھنا چھمیا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں نے لاؤنج میں ٹیلی فون بھی رکھا ہوا دیکھا ہے اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ میرے ساتھ تعاون کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔ میرا خیال ہے اگر یہ حسین ناگن تمہارے راستے سے ہٹ جائے تو تمہیں دریودن کے کلب میں آگے بڑھنے کا موقع مل سکتا ہے میں نے وہاں جتنی بھی لڑکیاں دیکھی ہیں تم ان میں سب سے زیادہ حسین ہو۔ تم کلب میں اس کی جگہ لے سکتی ہو۔ میری بات تم سمجھ گئی ہوگی۔ اب جاؤ اور جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔"

"چھمیا چند لمحے خوفزدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ یقیناً سمجھ گئی تھی کہ میں نے جو کہا ہے اس پر عمل بھی کروں گا۔

میں نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اچانک ہی بیلا کو اٹھا کر بیڈ پر پٹخ دیا اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں بیڈ کے سامنے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"تم بہت غلط کر رہے ہو ناگی۔" بیلا نے کہا۔ "تمہاری ذہانت اور دلیری میں کوئی شبہ نہیں مگر تم خونی بھیڑیوں کے حصار میں ہو۔ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"تمہارے پاس کہنے کو صرف یہی الفاظ رہ گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس بات کو بھول جاؤ کہ اب تم کسی طرح مجھ پر اثر انداز ہو سکو گی۔ اب تمہیں میری نہیں، اپنی فکر کرنی چاہیے۔"

"اس بھرم میں مت رہنا کہ چھمیا جیسی طوائفوں کی پناہ میں رہ کر تم اپنے آپ کو بچائے رکھو گے۔ وہ لوگ تو تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ اب تک تمہاری تلاش شروع ہو چکی ہوگی اور انہیں یہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"ان کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوگا کہ میں تمہارے پیچھے اس کاٹیج میں گیا تھا وہ تو یہی سمجھیں گے کہ شاید تم ہی کسی وجہ سے بھاگی ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ اتنے بیوقوف نہیں ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔ "کمرے کی حالت، فرش پر پڑی ہوئی میز سائڈ دیکھ کر انہیں کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئے گی اور پھر تم یہ بھول گئے ہو کہ جب تم میرے کاٹیج میں آئے تھے تو تمہارے پاس ایک تھیلا بھی تھا جو اس کاٹیج ہی میں رہ گیا ہے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو میں کہہ سکتی ہوں کہ تم نے مرینا کلب سے میرا پیچھا شروع کیا اور کلب میں بھی وہ تھیلا تمہارے کندھے پر رہا ہوگا۔ کلب میں آنے والے ہر شخص پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ اگر کسی نے ناگی کی حیثیت سے تمہیں نہیں پہچانا تو وہ تھیلا ان لوگوں کی نظروں میں ضرور آ

گیا ہوگا اور کاٹیج میں وہ تھیلا پا کر انہیں دو اور دو چار کا حساب لگانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

بیلا کی باتیں سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔ میرا وہ تھیلا واقعی بیلا کے کاٹیج میں رہ گیا تھا، لیکن پھر میں اپنے آپ کو تسلی دینے لگا کہ تھیلے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے میرے بارے میں کوئی سراغ لگایا جا سکتا اور پھر یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ اس تھیلے کے بارے میں یہ تصور کر لیا جاتا کہ وہ میری ملکیت ہے اس میں شبہ نہیں کہ کلب میں دو آدمیوں نے مشتبہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا لیکن مجھے پہچانا تو کوئی نہیں تھا۔ پہچان لیا جاتا تو وہ لوگ مجھے کلب سے نکلنے کا موقع نہ دیتے۔

"میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہ جانتا ہوں کہ تمہارا گرو گھنٹال میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ البتہ میں تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر ضرور مجبور کر دوں گا۔"

بیلا کے کچھ کہنے سے پہلے چھمیا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں دو کپ چائے کے علاوہ وہسکی یا ووڈکا کی بوتل اور ایک گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹرے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی اور چائے کا ایک کپ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ چھمیا نے بوتل کھول کر گلاس میں شراب انڈیلی گلاس بیلا کی طرف بڑھا دیا۔

"میں شراب نہیں پیتی۔" بیلا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔

"لیکن آج تو تمہیں پینی پڑے گی۔" میں نے کہا۔ "میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ آدمی سچ اسی وقت بولتا ہے جب اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو یا وہ نشے میں ہو۔ کھوٹ تو تمہارے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ تم سچائی کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دو گی۔ البتہ شراب کے نشے میں تم وہ سب کچھ اگل دو گی جو میں پوچھنا چاہوں گا۔"

"میں نے کہہ دیا نا کہ میں شراب نہیں پیتی۔" بیلا نے جواب دیا۔

میں نے چھمیا کو اشارہ کیا۔ اس نے گلاس ٹرے کے قریب رکھ دیا اور چائے کا دوسرا کپ لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ چھمیا نے میری ہدایت پر عمل کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرنے کو تیار تھی۔

"یہ رنڈی۔" بیلا نے چھمیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہیں بچا لے گی۔ یہ شاید یاسمین کا انجام بھول گئی ہے جس کی لاش مارکیٹ پر پڑی ہوئی ملی تھی۔"

میں نے چھمیا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے تھے۔ آنکھوں میں اچانک ہی سرخی ابھر آئی تھی، اس کے جسم پر لرزہ سا طاری ہونے لگا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی ہولے ہولے کانپنے لگے۔ چائے چھلک کر اس کے کپڑوں پر گری، میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اس کی قوت برداشت جواب دے گئی وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اس نے چائے کا کپ بیلا پر پھینک دیا۔

گرم گرم چائے بیلا کے چہرے اور سینے پر گری۔ وہ چیخ اٹھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی چھمیا نے پلنگ پر چڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ وہ بیلا کے بال مٹھیوں میں جکڑے زور زور سے جھٹکے دیتے ہوئے

چیخ رہی تھی۔

"تم نے مجھے رنڈی کہا۔ رنڈی تو تو ہے۔" وہ بیلا کے سینے پر سوار ہو گئی۔

"پہلے تو مجھے شبہ تھا کہ میری بہن کو ناگ راج نے قتل کروایا ہے میں تو اتنے دنوں سے اپنی بہن کے ہتیاروں کی تلاش میں تھی اور آج تم نے بک ہی دیا۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی بتاؤ کس نے قتل کی تھی میری بہن کی؟"

یہ میرے لیے ایک نیا انکشاف تھا۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ چھمیا نے کلب میں ان لوگوں کے خلاف اتنی شدید نفرت کا اظہار کیوں کیا تھا۔

اس وقت صورتحال بڑی نازک تھی۔ جب میں چھوٹا تھا تو گاؤں میں عورتوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ دو عورتوں کی لڑائی میں بڑی دلچسپی کی بات یہ ہوتی ہے کہ ان کے بارے میں بڑے سنسنی خیز انکشافات ہوتے ہیں، لیکن یہاں میرے لیے سنسنی خیز انکشاف یہ تھا کہ چھمیا کی چھوٹی بہن ناگ راج کے آدمیوں کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور ظاہر ہے وہ انتقام کی آگ میں جل رہی ہوگی اور اس وقت تو اس پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ اس نے بیلا پر اچانک ہی حملہ کیا تھا۔ بیلا اپنا دفاع نہیں کر سکی تھی۔ چھمیا اس کے سینے پر سوار تھی اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ رکھا تھا بیلا کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

میں بھی چھلانگ لگا کر بیڈ پر پہنچ گیا اور بیلا کو چھمیا کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ چھمیا کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور میں بڑی مشکل سے بیلا کو اس سے نجات دلانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ گلو خلاصی ہوتے ہی بیلا نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ چھمیا نے پھر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔

"چھمیا ہوش میں آؤ۔" پاگل ہو گئی ہو تم۔ اگر تم نے اسے مار دیا تو بہن کے قاتلوں تک کیسے پہنچ سکو گی۔"

بات چھمیا کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ بیڈ سے اتر گئی اس کا پورا وجود غصے سے کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے ایک ہاتھ سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا اور بیلا کو بیڈ پر گرا دیا۔

بیلا کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں دہشت سی بھر گئی تھی، میرے بارے میں تو شاید وہ یہی سمجھتی تھی کہ اسے کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچاؤں گا، لیکن اب چھمیا کی بہن کے قتل کا معاملہ بیچ میں آ گیا تھا۔ اس نے شاید چھمیا کو دبانے کے لیے اس کی بہن کے قتل کی بات کی تھی مگر اب وہ خود پھنس گئی تھی۔

"تمہیں بتانا ہوگا کہ میری بہن کا ہتیارا کون ہے۔" چھمیا کرسی پر بیٹھے بیٹھے غرائی۔

"مم..... میں نہیں جانتی۔" بیلا ہکلائی۔

"تم جانتی ہو اور تم ضرور بتاؤ گی۔" چھمیا ایک بار پھر کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور شراب کا گلاس اٹھا لیا۔ "لو..... پیو..... وہ شاید میرے ہی بتائے ہوئے فارمولے پر عمل کرنے جا رہی تھی۔

"مم..... میں شراب نہیں پیتی۔" بیلا کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔

"میں پلاؤں گی تمہیں۔" چھمیا نے کہا اور شراب اس کے چہرے پر گرا دی گلاس رکھ کر اس نے بوتل اٹھائی اور ایک بار پھر بیڈ پر چڑھ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتی تھی اور میں بھی اس معاملے میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا۔

میں نے بیلا کو گرفت میں لے لیا اور چھمیا نے شراب کی بوتل اس کے منہ میں ٹھونس دی۔ بیلا سر جھٹکنے لگی، لیکن میں نے اسے مضبوطی سے گرفت میں لے رکھا تھا کچھ شراب ہونٹوں سے بہہ کر اس کی گردن اور سینے کو بھی تر کرنے لگی۔

چھمیا نے بوتل اس وقت تک نہیں ہٹائی جب تک وہ آدھی نہیں ہو گئی۔ بوتل ہٹتے ہی بیلا نے ایک زوردار ابکائی لی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ اور پیٹ سہلاتے ہوئے ابکائیاں لے رہی تھی۔ ہاؤ کا ویسے ہی بڑی ظالم شے ہے دو تین پیگ ہی دماغ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں اور یہ تو وسکی وا ڈکا تھی جو پانی سوڈا ملائے بغیر آدھی بوتل اس کے منہ میں انڈیل دی گئی تھی۔ اس کے پیٹ اور سینے میں یقیناً آگ بھڑک اٹھی ہوگی۔

"اب یہ بکے گی۔" چھمیا نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔ میں کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ باہر سڑک پر کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سن کر میرا ماتھا ٹھنکا میں نے چھمیا کی طرف دیکھا وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ صرف دو منٹ بعد وہ واپس ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "وہ لوگ آ گئے۔" وہ ہکلائی۔

"کون؟" میں بھی اچھل پڑا۔

"ناگ راج کے آدمی۔ وہ انسان نہیں، یمراج ہیں، موت کے فرشتے، وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" چھمیا نے کہا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ بیلا نے ٹھیک ہی کہا تھا وہ لوگ مجھے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے غلطی کہاں پر ہوئی تھی جس سے انہوں نے میرا سراغ لگا لیا تھا اور پھر میرے دماغ میں چھناکا سا ہوا۔ وہ گاڑی کالج کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ شہر بھر میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے یہ شہر تھا ہی کتنا بڑا۔ ادھر سے گزرتے ہوئے گاڑی نظروں میں آ گئی ہوگی۔

میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ شراب ابھی صرف سینے اور پیٹ میں آگ لگائے ہوئے تھی۔ دماغ پر اثر انداز ہونا شروع نہیں ہوئی تھی۔

"مم۔ میں نے کہا تھا نا کہ وہ تمھیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ اب یہاں تم دونوں کی لاشیں گریں گی۔" اس نے ہاتھ سے سینہ سہلاتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ اس نے شاید چیخنے کے لیے منہ کھولا تھا، لیکن میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر کان کے پیچھے ایک نس سہلانے لگا۔ بیلا چند سیکنڈ میں جھول گئی میں نے اسے بستر پر ڈال دیا اور چھمیا کو اشارہ کیا۔

میں نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ چھمیا دوسرے کمرے سے اپنا شولڈر بیگ اٹھا لائی اور مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ لاؤنج میں پہنچ کر پہلے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی لیکن پھر عقبی دروازے کی طرف مڑ گئی۔ اس وقت باہر سے دھپ دھپ کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ وہ تین آدمی پچھلے صحن میں کود گئے تھے۔ چھمیا کا چہرہ خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی سے پچھلی طرف کا دروازہ کھول دیا اور پھر ہم جیسے ہی باہر نکلے اس نے دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

یہ گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دونوں طرف بنے مکانوں کی پشت اس طرف تھی اس لیے یہاں پر تو روشنی کا معقول انتظام تھا اور نہ ہی کسی قسم کی آمد و رفت تھی۔ ویسے بھی آدھی رات ہو چکی تھی۔ موسم میں خنکی بھی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں تھے۔

"اس طرف۔" چھمیا نے کہا اور ایک طرف دوڑنے لگی۔ وہ ننگے پیر تھی اور میرے پیروں میں جوگرز تھے۔ اس لیے قدموں کی آواز بھی نہیں ہونے کے برابر تھی۔

دفعتاً فضا میں فائر کی آواز گونج اٹھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہمارے تعاقب میں کوئی نہیں تھا فائر کی آواز چھمیا کے کاٹیج کی طرف سے آئی تھی اور میرا خیال تھا کہ انہوں نے کاٹیج کا دروازہ کھولنے کے لیے لاک پر فائر کیا تھا۔

ہم دوڑتے ہوئے ایک اور گلی میں مڑ گئے۔ میں جانتا تھا کہ وہ کاٹیج میں چیلا کو بے ہوش پڑے دیکھ کر اور کوئی اور ہمیں نہ پا کر فوراً ہی ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔

چھمیا ایک اور تنگ سی گلی میں گھس گئی۔ یہ گلی زیادہ طویل نہیں تھی۔ اس کے اختتام پر کچھ کھلی جگہ اور اس سے آگے اکا دکا بنگلے تھے۔

"اس طرف ذرا آگے میری ایک دوست رہتی ہے اس کے ہاں ہمیں پناہ مل جائے گی۔" چھمیا نے کہا اور دوڑی۔

"ایک منٹ چھمیا" میں رک گیا۔ "پولیس تمہیں جانتی ہے بلکہ ان گروہ کے بہت سے لوگ تمہیں جانتے ہیں وہ تمہاری دوستوں کو بھی جانتے ہوں گے تم کسی بھی دوست کے ہاں گئی جاؤ گی پکڑی جاؤ گی۔"

"تو پھر" چھمیا نے پوچھا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"شانتی کلینک کس طرف ہے۔" میں نے پوچھا "تمہارے کاٹیج کی طرف آتے ہوئے میں نے کسی جگہ پر بورڈ دیکھا تھا لیکن اب راستہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"اس طرف۔" چھمیا نے ایک طرف اشارہ کیا اور ہم نے دوڑ لگا دی۔

دو تین گلیاں گھومنے کے بعد ہم پھر ایک کشادہ سڑک پر نکل آئے۔ آگے موڑ پر تیز روشنی دکھائی دی۔ دوسری طرف سے کوئی گاڑی آ رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور چھمیا کا ہاتھ پکڑ کر ایک بنگلے کی طرف دوڑ لگا دی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اس موڑ پر گھوم رہی تھی۔ میں نے چھمیا کا ہاتھ پکڑے ہوئے بنگلے کے سامنے گارڈ ڈینیا کی باڑ کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ چھمیا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے لے کر پیچھے کھسکتا چلا گیا۔

ٹھیک اسی لمحے وہ گاڑی اسی طرف گھومی تھی اور اس کے ساتھ ہی فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ وہی حرامی تھے جو ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ غالباً فائرنگ اس لیے کی جا رہی تھی کہ اس علاقے میں کوئی ہمیں اپنے گھر میں پناہ دینے کی حماقت نہ کرے۔

وہ گاڑی تیز رفتاری سے بالکل ہمارے سامنے سے گزر گئی۔ ہم اس وقت تک باڑ کے پیچھے دبکے رہے جب تک وہ گاڑی اگلے موڑ پر گھوم کر نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

ہم باڑ سے نکل کر پھر ایک طرف دوڑنے لگے۔ سڑک سنسان تھی جب صورتحال ایسی ہو تو کون اپنے گھر سے نکلنے کی حماقت کر سکتا ہے۔ اگلے موڑ پر ہم اس طرف گھوم گئے جس طرف سے وہ گاڑی آئی تھی۔

"وہ بنگلہ اگلی گلی کے موڑ پر ہے جہاں شانتی کلینک ہے۔" چھمیا نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

ہم تیز تیز اس طرف چلنے لگے اور آخر کار مزید کسی رکاوٹ کے اس بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ کارنر کا بنگلہ تھا۔ سامنے کی طرف کلینک تھا جس پر بورڈ لگا ہوا تھا۔ گیٹ بند تھا۔ بنگلے کا ایک دروازہ گلی میں بھی تھا۔ میں چھمیا کا ہاتھ پکڑے اس طرف پہنچ گیا

اس طرف بھی گیٹ کے سامنے تقریباً چار فٹ چوڑا لان تھا جس کے آگے گارڈینیا کی تقریباً دو فٹ اونچی باڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے گیٹ کے ساتھ دیوار پر لگی ہوئی کال بیل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گلی کے دوسرے موڑ پر کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں گھومتی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے چھمیا کا ہاتھ پکڑا اور باڑ کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

وہ کوئی کار تھی جو ہلکی رفتار سے آ رہی تھی اور پھر وہ ہمارے عین سامنے اس طرح رک گئی کہ اس کا رخ سامنے والے بنگلے کی طرف تھا مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ جو کوئی بھی تھا اس بنگلے کا رہنے والا تھا۔ کار سے دو مرتبہ ہارن بجایا گیا۔

کار کی عقبی بتیوں کی سرخ روشنی باڑ پر پڑ رہی تھی باڑ زیادہ گھنی نہیں تھی۔ روشنی جھاڑیوں سے چھن کر ہم پر بھی پڑ رہی تھی۔ ہم بے حس و حرکت گھاس پر لیٹے رہے۔

کار سے تیسری مرتبہ ہارن بجانے پر سامنے والے بنگلے کا گیٹ کھلا۔ کار اندر چلی گئی اور گیٹ بند ہو گیا اس کے بعد بھی تین چار منٹ تک ہم باڑ کے پیچھے گھاس پر لیٹے رہے اور جب میں نے اٹھنا چاہا تب احساس ہوا کہ چھمیا ڈر سے خوف کے مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ جسم فروش بازاری عورت تھی۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی دلدادہ۔ اس قسم کی صورتحال سے غالباً پہلی مرتبہ دوچار ہوئی تھی اور خوفزدہ تھی میں نے اس کا کندھا تھپتھپا کر آہستگی سے اسے اپنے سے الگ کیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اٹھ گیا۔

گیٹ کے پاس پہنچ کر میں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر کہیں بزر بجنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں نے گیٹ کی درز سے اندر ایک کھڑکی میں روشنی دیکھی تھی اور میرا خیال تھا کہ شانتا ابھی جاگ

رہی ہوگی۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "انکا کی ہوری کا مہمان۔ شانا جی۔ جس کا تم نے ملاپ کیا تھا۔"

مزید کچھ نہیں پوچھا گیا اور گیٹ کا ذیلی دروازہ آہستگی سے کھل گیا میں چھپا کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ شانا نے گیٹ بند کر دیا اور اشارہ کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ گیٹ کے اندر کی طرف ایک فیاٹ کار کھڑی تھی۔ ہم اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سامنے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گئے۔ شانا نے میرے ساتھ چھپا کو گیٹ میں داخل ہوتے تو دیکھا تھا لیکن وہاں تاریکی میں اس پر توجہ نہیں دی گئی مگر روشنی میں آتے ہی وہ چونک گئی۔

"یہ۔ یہ کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اس کی وجہ سے آج میری جان بچی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دشمنوں کے نرغے سے بھی مجھے یہی نکال کر لائی ہے۔ اگر یہ ساتھ نہ ہوتی تو میں یہاں تک نہ پہنچتا اور راستے ہی میں مارا جاتا۔ وہ اس کی جان کے بھی دشمن ہو رہے ہیں۔ اس لیے میں اسے بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

شانا بڑی ناگواری نظروں سے چھپا کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آ گئی۔ جب میں بیلا کے ساتھ چھپا کے کاٹیج پر آیا تھا تو اس نے بہت مختصر سا بلاؤز اور سکرٹ سے ملتی جلتی کوئی چیز پہن رکھی تھی اس کے بعد بیلا سے نمٹنے کے چکر میں اس پر توجہ نہیں دی تھی اور اب شانا کو اسے گھورتے پا کر مجھے بھی خیال آ رہا تھا کہ کسی کے گھر جانے کے لیے چھپا کا یہ لباس بالکل مناسب نہیں تھا۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔" شانا چھپا کو اشارہ کرتے ہوئے ایک کمرے میں گھس گئی۔

"چھپا نے میری طرف دیکھا اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ چند منٹ بعد وہ شانا کے ساتھ باہر نکلی تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ چھپا نے ٹخنوں تک لمبی میکسی پہن رکھی تھی شانا خود بھی میکسی پہنے ہوئے تھی۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اسی علاقے میں تمہیں تلاش کر رہے ہیں، کچھ دیر پہلے میں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔" شانا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انہیں یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہاں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم جس جگہ سے بھاگے ہیں وہ یہاں سے کم از کم ایک میل دور ہے ہم چھپتے چھپاتے یہاں پہنچے ہیں۔"

"تقریباً ایک گھنٹہ پہلے انکا کا فون آیا تھا۔" شانا بولی۔ "وہ تمہارے لیے بہت پریشان ہے۔ میں پہلے اسے فون پر اطلاع دے دوں۔"

ہم اس وقت نشست گاہ میں تھے۔ ایک طرف سٹینڈ پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا شانا نے انکا کا نمبر ملایا اور رابطہ ملنے پر میرے بارے میں اطلاع دینے لگی پھر اس نے فون کا ریسیور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں کچھ دیر تک انکا سے باتیں کرتا رہا پھر شانا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہائی ہائی باتیں تو بعد میں ہوں گی پہلے ہمیں کچھ کھانے کو دو۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"رسوئی میں دیکھتی ہوں۔ تم لوگ اس کمرے میں بیٹھ جاؤ میں یہاں کی بتی بجھا دوں گی کیونکہ باہر سے اس کمرے کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔" شانا نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں اور چھپا اس کمرے میں آ گئے یہ بیڈ روم تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ دو تین کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ چھپا بھی پلنگ کی پٹی پر ٹک گئی۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے تاثرات تھے۔

"آرام سے بیٹھو چھپا۔" میں نے کہا۔ "ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ جگہ بالکل محفوظ ہے یہاں ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

چھپا اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی کلب میں، میں نے اسے بتایا تھا کہ سیلانی آدمی ہوں۔ گھومتا گھماتا آج ہی ماؤنٹ ابو پہنچا ہوں اور ابھی تک میں نے کہیں رہائش کا بندوبست بھی نہیں کیا اور اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لیے یقیناً حیرت انگیز اور ذہن کو الجھا دینے والا تھا۔ خاص طور سے ہماری یہ پناہ گاہ۔

چھپا یقیناً سوچ رہی ہوگی کہ اگر میں اس شہر میں اجنبی ہوں تو ایک ہندی ڈاکٹر نے اپنے گھر میں پناہ کیوں دے دی اور شانا سے میری باتیں اور انکا کی بڑی سے فون پر ہونے والی میری گفتگو نے بھی اس کے ذہن کو الجھا رکھا ہوگا۔

"تقریباً آدھے گھنٹے بعد شانا ہمارے لیے کھانا لے آئی۔ آلو گوبھی کی بھجیا اور گرم گرم چپاتیاں، بھجیا کی خوشبو سے بھوک اور چمک اٹھی۔ اس وقت کھانا کھانے میں واقعی مزہ آ گیا۔

کھانے کے بعد شانا مجھے الگ لے گئی اور صورتحال دریافت کرنے لگی۔ میں نے اسے بیلا کے بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھا تاہم اسے یہ بتایا کہ بازار میں گھومتے ہوئے ایک آدمی کو مجھ پر شبہ ہو گیا تھا اس سے بچنے کی کوشش میں، میں مزید الجھتا چلا گیا اور کسی طرح چھپا تک پہنچ گیا۔ جو مجھے بچانے کی کوشش میں خود بھی اس چکر میں پھنس گئی۔ میں نے اسے چھپا کی اصلیت کے بارے میں بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

"ٹھیک ہے۔" شانا نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ "میں تم لوگوں کو اوپر والے کمرے میں چھوڑ دیتی ہوں۔ صبح کام کرنے والی عورت آ جاتی ہے اس نے اگر تم لوگوں کو دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا صبح مجھے بہرحال اس کا بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔ اگر کسی کو یہاں تم لوگوں کی موجودگی کا شبہ ہو گیا تو ناگ راج کے آدمی تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی ختم کر دیں گے۔"

"ڈرتی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اگر مجھے کوئی خوف ہوتا تو تمہیں اندر گھسنے ہی نہ دیتی۔" شانا نے جواب دیا۔

"نہیں بے خوف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کو خاطر ہی میں نہ لایا جائے۔ محتاط رہنا بہرحال

اچھی بات ہے۔"

یہ دو منزلہ بنگلہ تھا۔ اوپر جانے کے لیے زینہ بھی ہال ہی میں تھا۔ اوپر بھی تین کمرے تھے۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے شانتا نے پہلے کھڑکیوں کے پردے برابر کیے اور پھر مدھم روشنی والا بلب جلا دیا۔

"تم لوگ یہاں سو جاؤ۔ کل صبح بات کریں گے۔" شانتا کہتے ہوئے واپس چلی گئی۔

میری وہ رات بڑی بے چینی سے ہی گزری تھی۔ چھمیا تو خوفزدہ ہونے کے باوجود بستر پر لیٹتے ہی سو گئی تھی مجھے رات کے آخری پہر تک نیند نہیں آ سکی تھی۔ رات بھر سڑک پر گاڑیوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جس کا مطلب تھا کہ ہماری تلاش جاری تھی۔

میں اگرچہ چار بجے کے بعد ہی سویا تھا لیکن صبح نو بجے شانتا کے چیخنے چلانے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر غور سے سننے لگا۔ مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ ملازمہ پر برس رہی تھی۔

اور پھر ایک گھنٹے بعد شانتا ہمیں نیچے لے گئی۔ تب پتہ چلا کہ شانتا کسی بات کو بہانہ بنا کر ملازمہ پر برس پڑی تھی اور اسے کام سے نکال دیا تھا۔

ہمیں ناشتہ دے کر شانتا کلینک میں چلی گئی۔ کلینک والا حصہ بالکل الگ تھلگ تھا اندر سے اگرچہ دروازہ تھا مگر شانتا نے اسے بند کر دیا تھا۔

اور پھر اس دوران شانتا سے کچھ اور باتیں معلوم ہوئیں۔ ناگ راج کے آدمی رات بھر ہمیں تلاش کرتے رہے تھے۔ چھمیا کے کاٹیج والے علاقے میں وہ لوگ زبردستی گھروں میں گھس گئے تھے اور ہمارے بارے میں پوچھنے کے لیے لوگوں سے مار پیٹ بھی کی تھی لوگوں کو یہ دھمکیاں بھی دی گئی تھیں کہ اگر کسی نے ہمیں پناہ دی تو اس کے گھر کو جلا کر بھسم کر دیا جائے گا۔

اس رات ہم نیچے والے ایک کمرے ہی میں سوئے تھے۔ دو بجے کے قریب میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ بنگلے کے سامنے رکی تھی اور پھر اس کے چند سیکنڈ بعد ہی کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی بار بار بیل کا بٹن دبا رہا ہو اور اس کے ساتھ ہی گیٹ بھی دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ ریوالور بھی میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میری نیند کافور ہو چکی تھی۔ چھمیا بھی جاگ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک دم خوف کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

میں کمرے سے باہر آیا تو شانتا اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی انجانے سے خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ کال بیل بجانے کے ساتھ گیٹ اب بھی زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ ایک انجانا سا خوف مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ گردن پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا ان لوگوں کو شاید پتہ

چل گیا تھا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اور ایسے وقت پر ریڈ کیا تھا کہ بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔

یہاں سے بھاگنے کا واقعی کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس بنگلے کے پچھلی طرف ایک اور دو منزلہ بنگلہ تھا۔ درمیان میں فصیل کا بنا ہوا تھا اور دوسرا دروازہ تھا جو دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ میں نے شانتا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ چھمیا بھی بستر سے اٹھ کر میرے ساتھ جڑ کر کھڑی ہوئی تھی۔

شانتا دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے چھمیا کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شانتا کے قریب پہنچ گیا اور دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ میں چوہے کی موت نہیں مارا جانا چاہتا تھا۔ ریوالور میرے ہاتھ میں تھا۔ اس میں تین چار گولیاں تھیں اور مجھے یقین تھا کہ مرنے سے پہلے تین چار کو تو مار دوں گا۔ شانتا نے دروازہ کھولا اور باہر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔

باہر سے کچھ کہا گیا جسے میں نہیں سن سکا۔ شانتا نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ میں ریوالور لیے دروازے کی آڑ میں کھڑا رہا۔ ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ ڈاکٹر شانتا نے ہمیں پھنسانے کی تو کوشش نہیں کی تھی، لیکن اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

شانتا کے واپس آنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

"کیا ہوا۔ کون ہے باہر؟" اس کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

"میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔" شانتا نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "میں تو سمجھی تھی اس ناگ راج کے آدمیوں نے دھاوا بول دیا، مگر یہ کنور ٹھاکر سنگھ کا بیٹا ہے، کنور جی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ میں گیٹ کو باہر سے تالا لگا کر چلی جاؤں گی۔"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ شانتا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی میں چھمیا کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر لیا۔

ہم شانتا کے بنگلے میں تین دن رہے اس دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ بنگلہ ہمارے لیے محفوظ نہیں تھی۔ رات کو کلینک بند ہونے کے بعد بھی کوئی نہ کوئی یہاں آتا ہی رہتا تھا اور کسی بھی وقت ہمارا راز کھل سکتا تھا۔ اس لیے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا اور شانتا کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

"کہاں جاؤ گے۔ اکا کے آشرم؟" شانتا نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "فی الحال وہاں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ کوئی اور جگہ دیکھنی پڑے گی۔"

"وہ لوگ پاگل کتوں کی طرح تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ جاؤ گے کہاں۔"

"ایک جگہ ہے میری نظروں میں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے تم بھی کسی مصیبت میں پڑ جاؤ وہ جگہ ہمارے لیے زیادہ محفوظ رہے گی۔"

مجھے اب بھی یہ اطمینان تھا کہ بیلا کے علاوہ کوئی اور مجھے نہیں پہچانتا تھا اور ظاہر ہے بیلا چونکہ

گھٹے سڑکوں پر تو نہیں گھومتی رہتی ہوگی، جو مجھے دیکھ لے گی۔ ویسے ان تین دنوں کے دوران چیلا کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس رات چھیا نے واڈکا کی آدھی بوتل اس کے پیٹ میں انڈیل دی تھی۔ وہ نجانے کس حال میں تھی۔

میرے لیے مسئلہ اب چھیا کا تھا۔ چھیا کو تو وہ سب لوگ پہچانتے تھے۔ اسے آسانی سے شناخت کیا جا سکتا تھا، لیکن بہرحال تھوڑا بہت رسک تو لینا ہی تھا۔ میں چھیا کو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مجھے اس کی جان پیاری تھی بلکہ میں اس سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس کی چھوٹی بہن ناگ راج کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہوئی تھی وہ اپنی بہن کا انتقام لینا چاہتی تھی اور میں اس چکر میں اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

میں اگر شہر سے نکلنا چاہتا تو میرے لیے زیادہ مشکل نہیں تھی۔ میرے اندر اتنی صلاحیت تھی کہ ان بدمعاشوں کا گھیرا توڑ کر نکل سکتا تھا مگر میں یہاں رہنا چاہتا تھا۔ اکا اگی ہوتری میری مدد کر رہی تھی۔ وہ میرے ذریعے ناگ راج سے اپنے پتی کا انتقام لینا چاہتی تھی اور میں اس آڑ میں اس سازش کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا جو راجستھان کے ان پہاڑوں میں میرے وطن کے خلاف ہو رہی تھی۔ جہاں سے انسانی ہتھیار تیار کر کے سرحد پار بھیجے جا رہے تھے جو میرے شہروں میں تباہی پھیلا رہے تھے۔ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں بھی جرائم پیشہ تھا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے قانون کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ کئی لوگ میرے ہاتھوں مارے گئے تھے میں طویل عرصہ تک نوجوان نسل کے خون میں ہیروئن کا زہر شامل کرتا رہا تھا لیکن میں تھا تو پاکستانی۔ پاکستان میری شناخت تھا۔ میں نے اس مٹی سے جنم لیا تھا اس مٹی کی تاثیر تو میرے خون میں شامل تھی۔ پاکستان میں قانون شکن اور جرائم پیشہ ہونے کے باوجود اس سرزمین کی محبت کو اپنے دل سے تو نہیں نکال سکتا تھا۔ اس کی آن اور سلامتی کے لیے ہر محب وطن پاکستانی کی طرح میں بھی اپنی جان تک دینے کو تیار تھا۔

اتفاق سے میں ایک ایسی سازش سے واقف ہو گیا تھا جس نے میرے وطن اور میرے ہم وطن بھائیوں کی سلامتی کو خطرے میں ڈال رکھا تھا اور اس گھناؤنی سازش سے واقف ہونے کے بعد میں اس سے لاتعلق تو نہیں رہ سکتا تھا۔ اکا اس سازش کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی اور وہ سب کچھ میں اس صورت میں معلوم کر سکتا تھا جب اس کے شوہر کا انتقام لینے کے لیے اس کی مدد کروں۔ اس کے بعد میں یہاں سے نکل جاتا۔ میں نے دوسروں کی جنگ شروع کر دی تھی لیکن اس میں میرا بھی مفاد تھا۔

اس رات نو بجے کے قریب ہم شانتا کے بنگلے سے نکلے۔ چھیا نے شانتا کی ایک ساڑھی باندھ رکھی تھی اور میک اپ کی آڑ میں چہرے کا حلیہ کچھ اس طرح بنا لیا تھا کہ اسے پہلی نظر میں شناخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بالوں کا سٹائل بھی اس نے کسی حد تک بدل لیا تھا۔

ہم دونوں شانتا کی فیاٹ کی پچھلی سیٹ پر تھے اور شانتا نے اسٹیرنگ سنبھال رکھا تھا۔ میں نے شانتا سے کہا تھا کہ وہ ہمیں اچل گڑھ کے علاقے میں کسی جگہ اتار دے۔ کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

"اچل گڑھ یہاں سے شروع ہو جاتا ہے تمہیں کہاں جانا ہے؟" شانتا نے کار ایک سڑک کے کنارے روکتے ہوئے کہا۔

"بس یہیں روک لو۔" میں نے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

کار چند گز آگے جا کر رک گئی میں اور چھیا نیچے اتر آئے۔ شانتا نے وہیں سے یوٹرن لیا اور واپس چلی گئی۔ اس سڑک پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت تھی۔ میں وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے کس طرف جانا چاہیے، لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"کیا گڑبڑ ہے؟ کہاں جانا چاہتے ہو تم؟" چھیا نے پوچھا۔

"اچل شوار مندر۔" میں نے جواب دیا۔ "مگر راستہ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔ میں بتاتی ہوں۔" چھیا نے کہا۔

اس سڑک پر تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک اور سڑک پر مڑ گئے جو بتدریج بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ یہ رہائشی علاقہ تھا کہیں کہیں کوئی دکان بھی نظر آ جاتی ہم لوگوں سے دور دور آگے بڑھتے رہے اور پھر جیسے ہی ایک اور سڑک پر گھومے راستہ میری سمجھ میں آ گیا۔ یہ وہی سڑک تھی جس طرف میں پہلے روز رات کے وقت ایک عورت کی کار چھین کر آیا تھا اور اس سڑک پر آگے جا کر کار کا پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ بہت آگے بلندی پر اچل شوار مندر کی بتیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس سڑک پر پیدل لوگوں کی آمدورفت بھی تھی۔ زیادہ تر لوگ سامنے سے آ رہے تھے ان میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی اور غالباً یہ وہ لوگ تھے جو اچل شوار مندر کی یاترا سے واپس آ رہے تھے۔

چھیا میرے بالکل ساتھ جڑی ہوئی چل رہی تھی۔ میں نے شروع ہی سے محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ خوفزدہ تھی۔ خوف ہونا بھی چاہیے تھا اگر پہچان لی جاتی تو زندگی کی مہلت بھی نہ ملتی۔

میں اس جگہ پہنچ کر رک گیا جہاں رات میری کار خراب ہوئی تھی اور تعاقب کرنے والوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت سامنے سے ایک موٹر سائیکل آ رہی تھی میں چھیا کے ساتھ سیدھا چلتا رہا موٹر سائیکل ہمارے قریب سے گزر کر دور پہنچی تو میں چھیا کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی ڈھلان پر جھاڑیوں میں اترتا چلا گیا۔

"ارے ارے..... کہاں جا رہے ہو۔" چھیا چیخ اٹھی۔

"خاموشی سے چلتی رہو۔" میں نے کہا۔

چھیا کی ساڑھی بار بار جھاڑیوں میں الجھ رہی تھی لیکن میں اسے کھینچتا ہوا دوڑتا رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر سڑک پر سے کسی نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ کسی عورت کو رات کے وقت جھاڑیوں میں لے جانے کا مطلب لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ہم جھاڑیوں سے نکل کر اس مکان کے سامنے پہنچ گئے جو دراصل اچل شوار مندر ہی کا ایک حصہ تھا اور مندر میں آمدورفت کے خفیہ راستے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ میں جینز کی جیب میں چابی ٹٹولنے لگا۔

"یہ..... یہ کس کا مکان ہے؟" چھیا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پورے ماؤنٹ آبو میں ہمارے لیے یہ سب سے محفوظ جگہ ہے۔" میں نے جیب سے چابی

نکالتے ہوئے کہا۔

مجھے یہاں سے گئے ہوئے کئی روز ہو چکے تھے اگرچہ مندر کے پنڈت نے چابی دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں جب بھی آؤں گا اندر داخل ہونے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ لیکن نجانے میرے ذہن میں یہ خیال کیوں آ رہا تھا کہ اندر سے بولٹ نہ لگا دیا گیا ہو۔

مگر میرا یہ اندیشہ بے بنیاد نکلا۔ چھوٹی قفل میں چابی گھماتے ہی دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ پہلے میں نے چھیا کو اندر جانے کا راستہ دیا پھر خود اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور دیوار ٹٹول کر بتی جلا لی۔

اس وقت بھی مرتبہ میں نے اس مکان کا تفصیلی جائزہ لیا۔ تین کمرے تھے ایک دروازے کے سامنے والا بیچ کمرہ تھا جس میں تین چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک بیڈ روم کے طور پر آراستہ تھا اس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ بستر بھی لگے ہوئے تھے۔ تیسرے کمرے میں دو تین کرسیاں اور ضرورت کی کچھ اور چیزیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹا سا کچن اور باتھ روم بھی تھا۔ کچن میں ضرورت کے برتن تو موجود تھے مگر کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی۔

چھیا بھی میرے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھی۔ آخر میں ہم دوبارہ بیڈ روم میں آ گئے۔ یہاں چارپائیوں کے بیچ میں ایک پرانی سی تپائی بھی پڑی تھی اور دروازے والی دیوار کے ساتھ دو کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس دیوار پر انٹرکام سیٹ بھی لگا ہوا تھا۔

میں نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا لیا اور ذہن پر زور دیتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ اس پنڈت نے مجھے کون سے نمبر پریس کرنے کو کہا تھا۔ آخرکار مجھے وہ نمبر یاد آ گئے اور میں نے بٹن دبا دیئے۔ زیرو زیرو تھری۔

تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی تھی۔ آواز کسی عورت کی تھی۔

”للیتا!“ میں نے اندھیرے میں تیر مارا۔

”ہاں میں للیتا ہوں۔ تم کون ہو؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”میں وہی ہوں جس نے چند روز پہلے اتفاق طور پر پنڈت کے عشرت کدے میں تم لوگوں سے ملاقات کی تھی اور تم لوگوں نے مجھے چھوٹے مکان سے رخصت کیا تھا اور تمہارے پنڈت نے مجھے اس مکان کی چابی بھی دی تھی۔“ میں نے اسے تفصیل سے یاد دلایا کہ میں کون ہوں۔ نام اس لیے نہیں بتایا کہ اس رات ہمارا تعارف نہیں ہوا تھا۔

”ناتی۔“ للیتا کی آواز سنائی دی۔

”تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟“ میں اس کے منہ سے اپنا نام سن کر چونک گیا۔

”ناگ راج کے آدمی تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تین چار دن پہلے تم نے بیلا کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ بھی سب کو پتہ چل گیا ہے۔ بیلا کے ذریعے تمہارا نام پورے ماؤنٹ آبو کے رہنے والوں کو معلوم ہو گیا ہے اور وہ لڑکی کہاں ہے جو تمہارے ساتھ بھاگی تھی کیا نام ہے اس کا ہاں وہ گیا چھیا۔“

”وہ میرے ساتھ ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”تم اپنے گرو کے ساتھ یہاں آ رہی ہو یا میں“

”تم وہیں رکو، راستہ بھول جاؤ گے۔“ للیتا نے کہا۔ ”میں گرو کو لے کر آتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں یہاں انتظار کر رہا ہوں۔“ میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ چھیا ایک ... الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”ذہن کو مت الجھاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے سمجھنے میں تمہیں کچھ وقت لگے گا۔ ویسے میں کوئی ... بھی نہیں ہوں کہ آسانی سے سمجھ میں نہ آ سکوں۔ مختصر سی بات یہ ہے کہ ناگ راج میری جان کا ... وہ مجھے ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتا ہے۔ کئی روز سے مجھے شہر میں تلاش کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہاں ... کچھ ایسے ہمدرد بھی پیدا ہو گئے ہیں جو مجھے اب تک اس کی پہنچ سے دور رکھے ہوئے ہیں۔“

”اور یہ بیلا کا کیا چکر ہے؟ اسے کیسے جانتے ہو؟“ چھیا نے پوچھا۔

”بیلا ہی دراصل وہ ناگن ہے جو مجھے دھوکے سے ناگ راج کے پاس لے گئی تھی۔“ میں نے ... ”میں اوی ناتھ مندر سے بھاگ نکلا تھا اور کسی طرح اس مندر میں پہنچ گیا اور اتفاق سے اس ... پروہت کی خلوت گاہ میں داخل ہو گیا جہاں وہ دو عورتوں کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔ رازداری ... پر اس نے میری مدد کی اور مجھے اس مکان کے راستے سے باہر نکال دیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا تھا ... ناگ راج کے دو آدمی میری تلاش میں اس مندر میں گھس گئے تھے اور انہوں نے میرے بارے میں ... کے لیے ایک پجاری کو اذیت دے کر ہلاک بھی کر دیا تھا۔ یہ وہی مکان ہے جہاں سے میں مندر سے ... نکلا تھا۔“

”تمہارا مطلب ہے یہ مکان۔ یعنی اس مکان کا مندر سے بھی کوئی تعلق ہے؟“ چھیا کے لہجے ... تھی۔

”یہ مندر صدیوں پہلے تعمیر ہوا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”پرانے زمانے میں راجاؤں کے محلوں ... میں سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ مندروں اور محلوں میں زیر زمین خفیہ راستے بھی بنائے جاتے تھے ... اس مندر کے صرف ایک ہی خفیہ راستے سے واقف ہوا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں اور بھی بہت ... خفیہ راستے اور سرنگیں ہوں گی۔“

”پنڈت بھیرو سنگھ۔“ چھیا بڑبڑائی۔ ”اس مندر کا پروہت ہے بڑا عیاش سا آدمی ہے ایک ... میں بھی اس کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی تھی۔“

”اوہ۔“ میں چونک گیا۔ ”اس کا مطلب ہے وہ تمہیں پہچانتا ہوگا۔“

”نہیں۔“ چھیا مسکرائی۔ ”ہمارا آمنا سامنا صرف چند سیکنڈ کا تھا۔ میں آشیرواد لینے آئی تھی ... اس نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اسے دھکا دے کر بھاگ نکلی تھی۔“

ہم باتیں کرتے رہے تھے کہ اندر کی طرف کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ میں اس کمرے ... گیا۔ پنڈت بھیرو سنگھ للیتا کے ساتھ سرنگ والے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

”سواگتم سواگتم۔“ وہ مجھے دیکھتے ہی چلایا اور آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ”آج آپ

تک ناگ راج کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن تم نے اسے نچا کر رکھ دیا ہے۔ وہ کلائی میں چھلکی کی طرح ناچ رہا ہے۔ اس کا کوئی دشمن چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکا، لیکن تم اب تک صرف زندہ ہو بلکہ اس کے سینے پر مونگ دل رہے ہو۔ مجھے وشواش ہے کہ تم اسے جھکنے پر مجبور کر دو گے" وہ خاموش ہو کر چھیا کی طرف دیکھنے لگا "یہ ناری کون ہے؟"

"یہ میری ہے۔ تم اس کی طرف نگاہ مت ڈالنا۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ نہیں نہیں، میرے پاس بہت ہیں، چاہو تو تم بھی دو چار لے سکتے ہو۔" بھیرو سنگھ نے کہا۔

"مجھے ناریوں کا اچار نہیں ڈالنا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

بھیرو سنگھ ایک دم مجھ سے بے تکلف ہو گیا تھا۔ اس رات اپنا راز فاش ہو جانے کے خوف سے میری مدد کرنے پر مجبور ہوا تھا اور اب وہ ناگ راج کی وجہ سے میرا ساتھ دینے کو تیار ہو گیا تھا۔

"یہ جگہ تم لوگوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" بھیرو سنگھ نے کہا۔ للیتا نے باہر والا دروازہ اچھی طرح چیک کر لیا اور تمام بتیاں بجھا دیں جو ہم نے جلائی تھیں۔

ہم سرنگوں میں ان کے ساتھ چلتے رہے میں نے کچھ دیر بعد ہی محسوس کر لیا تھا کہ ہم کسی اور راستے پر جا رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ تک پیچ و خم کھاتی ہوئی سرنگوں میں سے گزرنے کے بعد ہم مندر والی پہاڑی کے دوسری طرف ایک اور بنگلہ نما خوبصورت مکان میں نکل آئے۔ اس کے سامنے ایک کشادہ اور خوبصورت لان بھی تھا اور باؤنڈری وال تقریباً بارہ فٹ بلند تھی۔ بنگلے کے سامنے ایک تنگ سا راستہ تھا جو تقریباً ایک فرلانگ آگے جا کر سڑک سے جا ملتا تھا۔

"یہاں تم لوگ آرام سے رہ سکو گے میں ایک داسی کو یہاں بھیج دوں گا جو تم لوگوں کے لیے جل پانی کا بندوبست کر دے گی۔" وہ کہتے ہوئے للیتا کی طرف مڑ گیا۔ "للیتا تم جاؤ ان کے لیے جل پانی کا بندوبست کرو میں اس پاجی سے کچھ باتیں کروں گا۔"

"پاجی نہیں ناگی۔" میں نے تصحیح کی۔

"وہی وہی۔" پنڈت بھیرو نے سر ہلایا۔

للیتا اسی خفیہ راستے میں داخل ہو گئی اور ہم عالیشان نشست گاہ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ چھیا لاتعلق سی بیٹھی رہی اور کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر اس بنگلے کا معائنہ کرنے لگی۔

"ناگ راج تو ہے ہی راکھشس پر شمشیر سنگھ بھی بڑا پاکھنڈی ہے۔" پنڈت بھیرو کہہ رہا تھا۔ "وہ اس کا دست راست ہے۔ اسے راستے سے ہٹا دیا جائے تو ناگ راج کی آدھی طاقت ختم ہو جائے گی۔"

"شمشیر سنگھ کون ہے؟" میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رانا شمشیر سنگھ...." پنڈت بھیرو بولا۔ "شہر کے تین بڑے ہوٹل اس کی ملکیت ہیں۔ اس کے علاوہ بڑی لمبی چوڑی جائیداد بنا رکھی ہے اس نے۔ دس سال پہلے یہاں آیا تھا تو میری طرح لنگوٹی باندھ

تا۔ پھر پتا نہیں اس نے یہ سب کچھ کیسے بنا لیا۔ ناگ راج کو اٹھانے میں اس کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ ناگ راج کو کسی سرکاری ایجنسی کی حمایت حاصل ہے۔" میں نے ...کا نام میں نے جان بوجھ کر نہیں لیا تھا۔

"وہ تو سب ہی جانتے ہیں۔" پنڈت بھیرو نے کہا۔ "اسی وجہ سے بڑے بڑے نیتا اور افسر بھی ...اسے نمسکار کرتے ہیں۔ پر شمشیر سنگھ کا کانٹا نکل جائے تو اس کی آدھی طاقت ختم ہو جائے گی اور ...مندر ہمارے قبضے میں آ جائے گا۔"

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ گویا پنڈت بھیرو سنگھ بھی مجھے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا ...تھا۔ اب تک جن لوگوں کو میں نے اپنا ہمدرد پایا تھا ان سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ ان سب کا مشترکہ ...بھی ایک ہی تھا۔ ناگ راج.... اور وہ لوگ مجھے اس کے خلاف مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ...خود ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ناگ راج کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے اور اتفاق سے میرا دشمن بھی ...تھا۔

اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ ناگ راج اس شہر کے لوگوں کے لیے ہوا بنا ہوا تھا۔ ...ہی شخصیت نے ان سب کو مسخر کر رکھا تھا اور مجھے اس بت کو توڑنا تھا۔

ہم دیر تک رانا شمشیر سنگھ اور کچھ اور ناموں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ ...للیتا بھی ہمارے لیے کھانا لے کر آ گئی۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی۔ اس کی عمر بیس سال سے ...زیادہ نہیں تھی۔ بے حد حسین تھی۔ اس کا لباس بھی کچھ عجیب سا تھا۔ آدھے گز کپڑے کا ٹکڑا جسم کے نچلے حصے پر ...لپٹا ہوا تھا اور جسم کے بالائی حصے پر لپٹا ہوا کپڑا تو دو بالشت سے زیادہ نہیں تھا۔ مجھے پنڈت کی قسمت پر ...رشک آنے لگا۔ عیش کر رہا تھا۔

للیتا اور پنڈت بھیرو چلے گئے لیکن سندری نام کی وہ داسی ہمارے پاس ہی رہ گئی۔ چھیا کے ...چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ غصے سے کچھ جلنے لگی تھی۔

یہ بنگلہ میرے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوا تھا۔ یہاں میں اونچی چار دیواری کے اندر آزادی ...سے گھوم پھر بھی سکتا تھا اور کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہو کر سامنے والی ...پہاڑیوں کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ان پہاڑیوں پر کہیں کہیں کاٹیج اور بنگلے وغیرہ بھی دکھائی دے رہے ...تھے۔

مجھے اس بنگلے میں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے۔ اس دوران نہ تو میں باہر نکلا تھا اور نہ ہی کسی ...ذریعے سے اکا اتنی ہوتری یا شانتا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں میرے بارے ...میں فکرمند ہوں اور کسی رنگ میں سوچ رہی ہوں۔

ان تین دنوں میں میری داڑھی اور مونچھیں بے تحاشہ بڑھ چکی تھیں سر کے بال بھی بڑھ گئے ...تھے۔ میں نے ایک خاص مقصد کے تحت کئی روز سے نہ تو داڑھی مونچھوں کو چھیڑا تھا اور نہ ہی سر کے بال ...کٹوائے تھے جس کے نتیجے میں وہ چڑیا کے گھونسلے کی طرح پھیل گئے تھے۔

اور پھر ایک روز میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ پنڈت بھیرو نے میرے لیے سادھوؤں والے لباس اور دوسری چیزوں کا بندوبست کر دیا تھا۔ گھٹنوں تک لمبا گیروا چوغہ، دونوں کلائیوں میں کنگن کڑے، ہاتھوں کی انگلیوں میں چاندی کی موٹی موٹی انگوٹھیاں جن میں مصنوعی عقیق اور اسی قسم کے پتھر جڑے ہوئے تھے۔ ماتھے پر تلک، گلے میں رنگ برنگ موٹے موٹے موتیوں کی مالائیں، ایک ہاتھ میں ترشول اور دوسرے ہاتھ میں تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا ایک گول ڈنڈا، جسے اسی ہاتھ سے اسی کلائی میں پہنے ہوئے آہنی کڑے کو بھی تھام رکھا تھا۔ پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں جنہیں پہن کر میں نے کئی روز تک چلنے کی پریکٹس کی تھی۔ میری آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی۔ کندھے پر ایک میلا سا تھیلا بھی لٹکا ہوا تھا۔ اس عرصہ میں میں نے تحریکی حلیہ اور پنڈت بھیرو سے ہندی کے چند جملے بھی سیکھ لیے تھے۔ ہندی الفاظ بولنے میں مجھے نے بھی میری بڑی مدد کی تھی۔

اسی روز صبح گیارہ بجے جب میں مندر کے گیٹ سے باہر نکلا تو مجھے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں ہر لحاظ سے ہندو سادھو ہی لگ رہا تھا۔ چلتے ہوئے میں کچھ ایسے اشلوک بھی پڑھتا جا رہا تھا جنہیں میں خود بھی نہیں سمجھتا تھا، دوسروں کی سمجھ میں کیا آتے۔

میں دن بھر شہر میں گھومتا رہا۔ مختلف مندروں میں بھی گیا۔ کھڑاؤں کی وجہ سے مجھے چلنے میں خاصی تکلیف ہو رہی تھی اس لیے میں نے کھڑاؤں تھیلے میں ڈال لیں اور زیادہ تر ننگے پیر ہی پھرتا رہا۔

شام سے ذرا پہلے میں اوری ناتھ مندر کے سامنے پہنچ گیا۔ پانچ بجے سے رات نو بجے تک یہاں بڑی چہل پہل ہوا کرتی تھی۔ مندر کی سیڑھیوں کے سامنے والی سڑک پر اور بھی بہت سے سادھو اپنے اپنے اڈے جمائے بیٹھے تھے۔ میں بھی پھولوں والی ایک دکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی دکان تھی جس کی بغل میں وہ تنگ سا راستہ تھا جہاں سے میں اس رات فرار ہوا تھا۔ اس جگہ کا انتخاب میں نے اس لیے کیا تھا کہ ہنگامی صورتحال میں اسی راستے بھاگنے کا موقع مل سکے۔

دوسرے سادھوؤں کی طرح میں نے بھی ایک کپڑا زمین پر بچھا دیا۔ اس کے قریب ہی ترشول زمین پر گاڑ دیا اور ایک پیر پر کھڑا ہو گیا۔ ایک پیر پر دیر تک کھڑے رہنا بڑی مشقت کا کام تھا لیکن مجھے یاتریوں کو متاثر کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی شعبدہ تو دکھانا تھا۔ پنڈت بھیرو سنگھ نے مجھے اور بھی چند چھوٹے چھوٹے چمتکار سکھا دیے تھے جن سے ضعیف العقیدہ ہندوؤں کو متاثر کیا جا سکتا تھا مگر ابھی وہ چمتکار دکھانے کا موقع نہیں آیا تھا۔

میں تقریباً دو گھنٹوں تک ایک ٹانگ پر کھڑا رہا۔ میں نے دونوں ہاتھ نمسکار کے انداز میں جوڑ رکھے تھے۔ اس دوران پوزیشن میں بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ یاتری میرے قریب آ کر رکتے، نمسکار کرتے میرے سامنے بچھے ہوئے کپڑے پر کچھ پیسے یا کوئی اور چیز ڈال دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔ دو گھنٹوں میں اس کپڑے پر پندرہ بیس روپوں کی رقم کے علاوہ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں جمع ہو گئی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ مندر کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے سادھوؤں کی اتنی کمائی ہو رہی تھی تو مندر کی آمدنی کا کیا عالم ہو گا۔ میں نے تو یہ سنا تھا کہ عورتیں اپنے قیمتی زیور تک اتار کر مورتیوں کے چرنوں میں ڈال دیتی تھیں

اور یہی دولت پجاریوں کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔

میں نے یہ بات بھی خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے دوسرے سادھو بڑی خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک ایسا آدمی بھی میرے پاس آ کر رکا تھا جس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی اس نے اپنی ماں کو پشت پر لاد رکھا تھا۔ اس عورت کی عمر ستر سے اوپر ہی ہو گی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی۔ اس شخص نے ایک ہاتھ سے ماں کو سنبھالے رکھا دوسرے ہاتھ سے جیب سے بچا کھچا پیسے کا سکہ نکال کر میرے سامنے بچھے ہوئے کپڑے پر ڈالا اور مندر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور پھر میں نے ایک اور دلچسپ منظر دیکھا۔ اس سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ رزق حلال کھانے والے کس کس طرح مشقت کرتے اور کیسے کیسے کٹھن مراحل سے گزرتے ہیں۔

اس آدمی کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ مخصوص انداز میں بندھی ہوئی میلی سی دھوتی کے علاوہ جسم پر اور کوئی لباس نہیں تھا۔ اس نے کندھے پر ایک ڈنڈا رکھا ہوا تھا جس کے دونوں طرف ترازو کی طرح پلڑے تھے۔ ایسے ترازو آپ نے لکڑی کے ٹال پر ضرور دیکھے ہوں گے اور اس ترازو کے دونوں پلڑوں میں دو نحیف و نزار بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا سارا بوجھ اس مزدور کی گردن پر تھا جس نے ایک ہاتھ سے گردن پر ٹکے ہوئے ڈنڈے کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں سہارے کے لیے ایک لکڑی تھی۔ اس کے سیاہ بدن پر پسینہ موتیوں کی طرح چمک رہا تھا اور وہ اپنے کندھوں پر دو یاتریوں کا بوجھ اٹھائے، اوپر مندر کی سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری طرف میری طرح بنے کٹے سادھو اور پنڈت تھے جو حرام کی کھا رہے تھے۔

دو گھنٹوں تک ایک پیر پر کھڑے رہنے کے بعد میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میں گہری نظروں سے ہر آتے جاتے شخص کو دیکھ رہا تھا۔ مندر میں آنے والوں میں دولت مند بھی تھے اور ایسے غریب بھی کہ جن کے جسموں پر ایک لنگوٹ کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں تھا۔

مجھے دراصل ایک ایسے شخص کا انتظار تھا جو شام چھ اور نو بجے کے دوران کسی بھی وقت وہاں نکلتا تھا۔ اس وقت نو بجنے والے تھے لیکن میرا مطلوبہ آدمی وہاں نہیں آیا۔

رونق اب ختم ہونے لگی تھی۔ سڑک پر بیٹھے ہوئے سادھو بھی اپنا کاروبار سمیٹ کر ایک ایک کر کے جانے لگے تھے۔ میں نے بھی چادر پر بکھرے ہوئے سکے اور نوٹ سمیٹے۔ انچاس روپے پچیس پیسے کی رقم تھی۔ پرساد کے نام پر ملنے والی مختلف اقسام کی مٹھائی کے ٹکڑے، ناریل اور کھانے پینے کی دیگر چیزیں اس کے علاوہ تھیں۔

مندر والی گلی سے باہر آ کر میں نے ساری رقم اور تمام چیزیں فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی ایک بڑھیا کی جھولی میں ڈال دیں اور ہری اوم، ہری اوم کا ورد کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میرا مطلوبہ آدمی تین دن بعد نظر آیا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ بعد مندر سے نکلا تھا وہ شخص جیسے ہی مندر میں داخل ہوا تھا میں نے اپنا بوریا بستر سمیٹ لیا تھا اور جیسے ہی وہ واپس آیا میں نے اس کا پیچھا شروع

کر دیا۔ گلی سے باہر سڑک پر سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ وہ شخص اندر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ میں بڑی پھرتی سے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور نیفے کے اندر سے ریوالور نکال کر اس کے پہلو سے لگا دیا۔

"شور مت مچانا مسٹر کالیا۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "کار کو نائی جھیل کی طرف لے چلو۔"

"کون ہو تم؟" کالیا کا چہرہ دھواں ہو گیا، لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ "کالیا پر ریوالور تاننے کا مطلب سمجھتے ہو؟"

"اگر تم نے گاڑی آگے نہ بڑھائی تو گولی تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔" میں نے اسے دھمکی دی۔ "اور ایک بات اور سن لو۔ ناجی صرف اپنی بات منوانا جانتا ہے۔ دوسرے کی بات کا مطلب سمجھنے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔"

"ناجی..... نائی....." وہ ہکلا گیا۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر دھواں ہو گیا، لیکن اگلے ہی لمحے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"میں شہر کے سارے راستوں سے واقف ہو چکا تھا۔ تمہاری کار نے نائی جھیل کے علاوہ کسی اور طرف کا رخ کیا تو بلا دریغ گولی مار دوں گا۔" میں نے اسے دباؤ میں رکھنے کے لیے ریوالور کی نال سے اس کے پہلو پر ہلکا سا دباؤ ڈال دیا۔

وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس وقت کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرتا۔ کار شہر سے نکل کر نائی جھیل کی طرف جانے والی سڑک پر آ گئی۔ دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ میری ہدایت پر کالیا نے ایک پتھریلے راستے پر موڑ دی اور پہاڑیوں میں کافی اندر جا کر میں نے کار رکوا لی اور کالیا کو نیچے اتار لیا۔

"ہم دونوں کے علاوہ یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے۔" میں نے اسے ریوالور کی زد پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میری ایک دو باتوں کا جواب دے دو گے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ بصورت دیگر یہ سمجھ لو کہ یہاں تمہاری چیخیں سننے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔"

"تم اب تک بچے ہوئے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پر حاوی ہو گئے ہو۔" کالیا نے کہا۔ "تمہاری موت گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ تمہارے قریب آ رہی ہے۔ تم بچ نہیں سکو گے۔"

"دہشت گردی کی تربیت کا کیمپ کہاں ہے اور شمشیر سنگھ کا اس سے کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ اچھل پڑا۔ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر اچانک ہی اس نے میرے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی۔ ریوالور میرے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔

اس کا یہ پہلا حملہ غیر متوقع تھا، لیکن اس کے بعد میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ میں نے اسے گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

یہاں ہمارے بیچ مداخلت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ہم آزادی سے ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ کبھی میں اس پر حاوی ہو جاتا اور کبھی وہ مجھے دبا لیتا۔ ایک موقع پر میں پشت کے بل گرا میرا سر ایک پتھر سے ٹکرایا، آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی سی چنگاریاں رقص کرنے لگیں۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دیتے اور پھر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

کالیا نے دونوں ہاتھوں میں ایک بہت بڑا پتھر اٹھا لیا تھا۔ شاید وہ میرا سر کچلنا چاہتا تھا، لیکن میں عین وقت پر بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ پتھر ٹھیک اس جگہ لگا جہاں ایک سیکنڈ پہلے میں موجود تھا۔

اس کے بعد میں نے کالیا کو موقع نہیں دیا۔ اس کی دھنائی کے ساتھ میں اس سے سوال بھی پوچھ رہا تھا لیکن وہ بڑا سخت جان ثابت ہوا۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔ اس پر مزید توانائی ضائع کرنا بے کار تھا۔ دوسری مرتبہ جیسے ہی وہ نیچے گرا میں نے ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔

کالیا کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی۔ وہ پتھروں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہا اور میں ایک طرف کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔

میں نے اپنا ریوالور تلاش کیا۔ کالیا کی لاش کو کار کی ڈکی میں ڈالا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کر دیا۔

کار میں نے شہر کے پچھلے چوراہے پر چھوڑ دی اور بڑے اطمینان سے مختلف راستوں پر چلتا ہوا اپنے ٹھکانے پر آ گیا۔

صبح پورے شہر میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ناگ راج کا ایک اہم آدمی مارا گیا تھا اور واضح طور پر میرا نام لیا جا رہا تھا۔ ناگ راج کے آدمی اور پولیس ایک بار پھر میری تلاش میں سرگرم ہو گئی۔

ایک ہفتہ گزر گیا اور اس ایک ہفتے کے دوران ناگ راج کے تین اہم آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ پورے شہر میں ایک دہشت سی پھیل گئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ناگ راج کے قریبی آدمی اس طرح مارے جا رہے تھے اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

آخری آدمی کو میں نے اوبی ناتھ مندر کے اندر ہی گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔ اس کی لاش برآمد ہوئی تو مندر کے پجاریوں میں بھی ایک سنسنی سی پھیل گئی۔

اس روز میں نے پہلی مرتبہ ناگ راج کو دیکھا۔ وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ اس کے سر پر بال ہوتے تو وہ یقیناً انہیں نوچ ڈالتا۔ ویسے اس کا غیظ و غضب قابل دید تھا۔

اور پھر اسی روز ناگ راج مندر سے غائب ہو گیا۔ یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں نے ناگ راج جیسے شخص کو روپوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس سے اگلے روز رات نو بجے کے قریب پٹرول پمپ کے علاقہ میں واقع ایک شاپنگ سنٹر میں بیلا کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ بیلا جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ میں نے اب تک جتنے آدمیوں کو شکار بنایا تھا ان میں سے ہر ایک نے انکشاف کیا تھا کہ بیلا، ناگ راج اور رانا شمشیر سنگھ کے سب سے زیادہ قریب

ہے۔

میں نے بیلا کا تعاقب شروع کر دیا۔ پچھلی مرتبہ وہ اپنے ساتھیوں کی مداخلت کی وجہ سے بچ گئی تھی، لیکن اب میں اسے ایسی جگہ لے جاتا جہاں ناگ راج یا اس کے آدمیوں کے فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکتے تھے۔

بیلا شاپنگ کرتی پھر رہی تھی۔ وہ کئی دکانوں میں گئی تھی۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا جب وہ کسی دکان میں جاتی تو میں باہر کھڑا رہتا۔ اس نگرانی کے دوران بیلا نے ایک مرتبہ بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔

آخر کار وہ کچھ آگے جا کر سرخ رنگ کی ایک کار کے قریب رک گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں تین چار شاپنگ بیگز تھے۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا پہلے جھک کر شاپنگ بیگز پچھلی سیٹ پر ڈالے اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے جیسے ہی چابی اگنیشن میں لگائی میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"سندری۔" میں نے جھکتے ہوئے کہا۔ "یہ سادھو بہت تھک گیا ہے۔ اگر تم اسے اپنی کار پر کچھ دور تک چھوڑ دو تو بڑی کرپا ہوگی۔ بھگوان تم سے خوش ہو جائیں گے۔"

"یہ لوگ آپ کے لیے دوسری کار لے آئے ہیں سادھو مہاراج۔ آپ اس میں بیٹھ جائیے۔" بیلا نے مسکراتے ہوئے میرے پیچھے اشارہ کیا۔

میں نے مڑ کر دیکھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ دو آدمی تھے جو مجھ سے صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے جن کا رخ میری طرف تھا۔ میں نے جیسے ہی اپنی جگہ سے حرکت کی ان میں سے ایک نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول کا دستہ میرے سر پر رسید کر دیا۔

ضرب خاصی زوردار تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

آنکھ کھلنے پر میں نے اپنے آپ کو ننگے فرش پر پڑے ہوئے پایا۔ میرے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے اس وقت بھی دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ سر میں اٹھنے والی ٹیس شدید تھی۔ میرا ہاتھ سر پر پہنچ گیا۔ تقریباً دو انچ کو مڑا ابھرا ہوا تھا۔

اب تک میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ لیکن سر میں اٹھنے والی ٹیس سے ہر بات واضح ہوتی چلی گئی اور مجھے یاد آنے لگا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے بیلا سے اس کی کار میں لفٹ مانگی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ کار میں بیٹھنے کے بعد بیلا کو گن پوائنٹ پر سمندر والے بنگلے میں لے جاؤں گا لیکن میں ہی اس کے جال میں پھنس گیا تھا۔

وہ واقعی ذہین عورت تھی۔ ذہانت اور چالاکی میں اس مرتبہ بازی لے گئی تھی۔ شاپنگ سنٹر میں مجھے اپنے تعاقب میں پا کر اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہو گا اور اس نے کسی دکان ہی سے اپنے آدمیوں کو فون کر دیا ہو گا اور میں بڑی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گیا تھا۔

وہ کمرہ خاصا بڑا تھا مگر فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش بالکل ننگا اور صاف ستھرا تھا۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بہت پرانے ماڈل کا پنکھا بہت ہلکی رفتار سے چل رہا تھا البتہ اس کی آواز خاصی بلند تھی۔ پنکھے کی رفتار اور چھت کی بلندی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ میں ہاتھ اٹھا کر بڑی آسانی سے اس پنکھے کو روک سکتا تھا۔

میں کچھ دیر تک فرش پر پڑا ٹیوب لائٹ کی مرکری روشنی میں کمرے کی سپاٹ دیواروں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر میں ٹیسیں اب بھی اٹھ رہی تھیں مگر تکلیف قابل برداشت تھی۔

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک عجیب سی الجھن سر ابھار رہی تھی۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی یا روشندان وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی تہہ خانہ تھا۔ لیکن الجھن یہ نہیں تھی کہ یہاں کوئی کھڑکی یا روشن دان کیوں نہیں تھا۔ کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور میرے بائیں گال پر شاید کسی مچھر نے کاٹا تھا۔ کھجانے کے لئے میں نے ہاتھ اٹھایا تو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ میرا چہرہ صاف تھا۔ داڑھی اور مونچھیں غائب تھیں۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ شاپنگ سنٹر میں مجھے اپنے تعاقب میں پا کر بیلا کو

شبہ ہوا تھا۔ مجھے اغوا کر کے یہاں لانے کے بعد اس کے آدمیوں نے سب سے پہلا کام غالباً یہی کیا ہوگا کہ بے ہوشی میں میری داڑھی مونچھیں صاف کر دی گئیں۔ وہ میرے صورت آشنا نہیں تھے لیکن بیلا نے تو مجھے پہچان ہی لیا ہوگا۔

مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے نہیں تھے۔ انہیں شاید یہ اطمینان رہا ہوگا کہ میں یہاں سے بھاگ نہیں سکوں گا۔ جب میں نے شاپنگ ایریا میں بیلا کا تعاقب شروع کیا تھا تو اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ تعاقب کا یہ سلسلہ تقریباً پون گھنٹے تک جاری رہا تھا اور پھر میں ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس وقت کیا بجا تھا۔ آیا یہ رات ہی کا حصہ تھا یا دوسرا دن شروع ہو چکا تھا۔

میرے جسم پر وہی لباس تھا یعنی گیروے رنگ کا چوغہ جس کے نیچے میں نے چڈی پہن رکھی تھی اور بیلٹ میں ریوالور اڑسا ہوا تھا میں نے ٹٹول کر دیکھا بیلٹ تو کمر پر بندھی ہوئی تھی مگر ریوالور غائب تھا۔ وہ اتنے بیوقوف تو ہرگز نہیں تھے کہ میری تلاشی نہ لیتے۔

میں اٹھ کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ دروازہ لکڑی کا تھا مگر خاصا مضبوط تھا اور دلچسپی کی بات یہ تھی کہ اندر کی طرف دروازے میں نہ ہینڈل تھا اور نہ ہی چٹخنی یا کنڈا وغیرہ۔ یعنی میں نہ تو دروازے کو اندر کی طرف سے بند کر سکتا تھا اور نہ ہی اسے کھولنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

میں اس کمرے میں ٹہلتا رہا۔ میرا ذہن اب کام کرنے لگا تھا مگر کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک بات بہرحال طے تھی کہ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں ان کے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ میری پے در پے کارروائیوں کی وجہ سے ناگ راج کو مندر چھوڑ کر کسی اور جگہ منتقل ہونا پڑا تھا۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ میرے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے گا ناگ راج ہی کرے گا اور اسے یقیناً میرے پکڑے جانے کی اطلاع دی جا چکی ہوگی۔

میں دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا اور پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب میں چھمیا اور پنڈت بھیرو سنگھ کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب سے میں نے سادھو کا ڈھونگ رچایا تھا دن بھر شہر میں گھومنے کے بعد رات دس بجے کے قریب اپنے ٹھکانے پر پہنچ جایا کرتا تھا۔ لیکن آج تو میں اس تہ خانے میں قید تھا۔ وہ لوگ یقیناً پریشان ہوں گے۔ ہو سکتا ہے بھیرو سنگھ نے اپنے کچھ آدمیوں کے ذریعے میری تلاش شروع کرا دی ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں دل ہی دل میں یہ دعا بھی مانگ رہا تھا کہ چھمیا میری تلاش کے لئے باہر نکلنے کی حماقت نہ کر بیٹھے۔ اسے تو آسانی سے شناخت کیا جا سکتا تھا۔ اگر وہ ان کے ہاتھ لگ گئی تو بڑی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ وہ معمولی سے تشدد کے بعد ہی لیڈی ڈاکٹر شانتا کا پتہ بتا دیتی اور شانتا دو چار تھپڑ کھانے کے بعد اگلا فی دوتری کا راز کھول دیتی۔ اس طرح نہ صرف بہت سے لوگ مارے جاتے بلکہ میرا سارا منصوبہ بھی خاک میں مل جاتا۔

میں ابھی سب کچھ سوچتا ہوا دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا تھا لیکن سر پر پڑنے والی ٹھوکر مجھے ہوش میں لے آئی۔ میں ٹھوکر کھا کر فرش پر لڑھک گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور حملہ آور ہونے والے انداز میں ٹھوکر مارنے والے کی طرف لپکا۔ یہ حرکت مجھ سے بالکل لاشعوری اور

اضطراری طور پر ہوئی تھی۔ اس وقت تو میں مکمل طور پر اپنے حواس میں بھی نہیں تھا۔ جس کے نتیجے میں پسلی پر لگنے والے گھونسے نے میرے چودہ طبق روشن کر دیئے۔ میں لڑکھڑا کر گرا۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی تھی اور آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر نیلی پیلی سی چنگاریاں رقص کرنے لگی تھیں۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میرے حواس ابھی بحال نہیں ہوئے تھے کہ مجھ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ ٹھوکریں ہزلی ہتھوڑوں کی طرح میرے جسم پر برس رہی تھیں ہر ٹھوکر پر میں بلبلا اٹھتا۔

حقیقت یہ تھی کہ میں ابھی تک اس جلاد کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا تھا جو مجھ پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔ آخری ٹھوکر کھا کر میں سنبھل گیا اور دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ میں نے آستین سے ہونٹوں سے بہنے والا خون صاف کیا اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ مجھ سے تین چار قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، باڈی بلڈروں جیسا مضبوط جسم، دونوں کانوں میں بالیاں تھیں، آنکھوں میں خون جیسی سرخی اور سر کے بال بڑے کراپ کئے تھے۔ دائیں بائیں اور پیچھے سے کھوپڑی صاف تھی۔ درمیان میں تقریباً ایک انچ اونچے بال اس طرح تھے جیسے کھوپڑی پر جالا ہوا سیاہ برش رکھا ہوا ہو۔ اس نے نیلی جینز اور اوپر بغیر آستین کی بنیان پہن رکھی تھی۔ کمر پر چمڑے کا چوڑا بیلٹ تھا اور دونوں کلائیوں پر بھی باڈی بلڈروں کی طرح سیاہ چمڑے کے اسٹریپ بندھے ہوئے تھے۔

دوسرا آدمی دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ اس کا حلیہ اگرچہ کچھ مختلف تھا مگر شکل صورت سے وہ بھی چھٹا ہوا ہی لگتا تھا۔ وہ دروازہ عام دروازوں کی طرح اندر یا باہر کی طرف نہیں کھلتا تھا بلکہ سلائیڈنگ ڈور تھا جو اس وقت آدھے کے قریب کھلا ہوا تھا اور باقی آدھا حصہ دیوار میں غائب تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ دروازہ باہر سے ہی کسی میکنزم کے تحت کھلتا اور بند ہوتا ہوگا۔

وہ مشٹنڈا ایک بار پھر میری طرف بڑھا۔ میں دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا ایک طرف ہٹتا چلا گیا اور پھر جیسے ہی وہ میری طرف لپکا میں جھکائی دے کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا لگا۔

"بھاگ کر کہاں جاؤ گے" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس نے بازوؤں پر زور ڈال کر باڈی بلڈروں کی طرح مسل دکھائے اور پھر میری طرف بڑھنے لگا۔

مجھے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ میں اپنے جیسے دو چار آدمیوں کا تو بیک وقت مقابلہ کر سکتا تھا مگر یہ میرے سامنے ایک انوکھی چیز تھی۔ اب تک تو وہ مجھ پر ٹھوکریں ہی برساتا رہا تھا لیکن اگر میں اس کے ہاتھ لگ گیا تو وہ میری گردن مروڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔

وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ میں نے خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا مگر تکیے پر نظر پڑتے ہی میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا۔

میں نے خوف کو ذہن سے جھٹک کر اپنی جگہ سے حرکت کی۔ اچھل کر بہت سست رفتاری سے چلتے ہوئے تکیے پر ہاتھ جمائے اور جھولتے ہوئے دونوں پیر پوری قوت سے اس کے سینے پر مار دیئے

اتفاق سے ایک پیر اس کے منہ پر لگا تھا۔ وہ بلبلاتا ہوا الٹ گیا۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔ اگر اس کا کوئی دانت ٹوٹا نہیں تھا تو اپنی جگہ سے ہل ضرور گیا تھا۔

میں پنکھا چھوڑ کر دوبارہ اس دیوار سے جا لگا اور دوسرے آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس نے بڑی پھرتی سے پستول نکال لیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ میں پھر اس دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ہاتھ کی پشت سے منہ سے بہنے والا خون پونچھتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوفناک ہو گیا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنے چوغے کے نیچے کمر پر بندھا ہوا بیلٹ کھول لیا۔ اس کا بکل بڑا ٹھوس اور خطرناک تھا۔ میں نے دوسری طرف سے بلٹ کو بل دے کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"آ..... حرامی..... آگے آ"

میں نے اشتعال دلانے والے لہجے میں کہا۔ میری زندگی بھی لڑائی بھڑائی میں گزر گئی تھی اور اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھا کہ جو لوگ اپنے آپ کو بہت طاقتور اور ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں اگر لڑائی کے دوران انہیں اشتعال دلا دیا جائے تو وہ حواس کھو بیٹھتے ہیں اور حریف پر اوٹ پٹانگ انداز میں حملے کر کے اپنی توانائی ضائع کرتے ہیں اور حریف اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

میری یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ وہ بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح میری طرف لپکا۔ اس کے ساتھ ہی میرا ہاتھ بھی حرکت میں آ گیا۔ بیلٹ کا اسٹیل کا بکل اس کے کندھے پر لگا کتنا ہی طاقتور سہی، وہ تھا تو گوشت پوست کا انسان، کندھے پر لگنے والی چوٹ نے اسے ایک بار پھر بلبلانے پر مجبور کر دیا۔

میرے اس وار سے اس کی انا بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ اس کا گھمنڈ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ واقعی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ میرے بیلٹ کی ہر ضرب پر وہ پہلے سے زیادہ زور سے چیختا ہوا میری طرف لپکتا۔

میں نے موقع پا کر دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ پستول پکڑے اطمینان سے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ مجھے سزا دینے کے لئے شاید اس دیوزاد کو خاص طور پر یہاں لایا گیا تھا اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے شخص کو اطمینان تھا کہ وہ مجھ پر قابو پا لے گا۔ معاملہ ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ مداخلت ضرور کرتا لیکن اس کے خیال میں شاید ابھی ایسا مرحلہ نہیں آیا تھا۔

وہ دیوزاد غصے میں بپھرا ہوا تھا۔ اس کا جنون بڑھتا جا رہا تھا اور آخر کار اس کا ایک داؤ چل گیا۔
اور یہی لمحہ میرے لئے قیامت خیز ثابت ہوا تھا۔ میں نے حملہ کیا تو اس مرتبہ بیلٹ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے زوردار جھٹکا دیا۔ بیلٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا سر پر شدید چوٹ لگی تھی۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ لیکن میں جلد ہی سنبھل گیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ دیوزاد بیلٹ سے میری کھال ادھیڑ دے گا مگر اس نے بیلٹ ایک طرف پھینک دی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ میں نے ایک دو مرتبہ اس سے بچنے کی کوشش کی مگر آخر کار اس کی گرفت میں آ ہی گیا۔ اس نے مجھے اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ میں دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اس نے پھر مجھے کسی کھلونے کی طرح اٹھا کر دوسری دیوار کے ساتھ دے مارا۔ ان دو جھٹکوں سے ہی میرا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا۔ لیکن اس بار میں پھرتی سے اٹھ گیا۔ میرے ذہن میں

پھر وہی حربہ آیا تھا۔ میں نے پنکھے کی طرف دیکھا جو اب رک چکا تھا۔ میں نے پہلے کی طرح اچھل کر پنکھے کو پکڑا اور اس کے سینے میں لات مارنے کی کوشش کی مگر وہ دیوزاد اس مرتبہ محتاط ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے ٹخنوں کے قریب سے میری دونوں ٹانگیں پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ پنکھا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں اس کے ہاتھوں میں الٹا لٹک گیا۔

وہ مجھے اس طرح الٹا لٹکائے ہوئے تھا جیسے مردہ مچھلی کو دم کی طرف سے پکڑ کر لٹکایا جاتا ہے۔
میں دونوں ہاتھ چلاتا رہا پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں اسے ٹانگوں سے پکڑ کر گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کے پیر ستونوں کی طرح فرش پر جمے ہوئے تھے۔ اس دیوزاد نے غراتے ہوئے مجھے کچھ اور اوپر اٹھا لیا اور اس طرح مجھے ایک موقع مل گیا۔ میرے ہاتھ اس کے گھٹنوں کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ میں اس کے گھٹنوں کے جوڑوں پر پیچھے کی طرف ٹکے مارنے لگا۔ میرا حربہ کارگر ثابت ہوا۔ گھٹنوں کے پچھلی طرف ہلکا سا ہاتھ لگنے سے بھی کوئی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ وہ بھی اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکا۔ پہلے لڑکھڑایا اور پھر پشت کے بل گرا۔

میرا سر فرش سے ٹکرا گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میری گردن کندھوں کے اندر دھنس گئی ہو۔ میری ٹانگیں اب بھی اس کے ہاتھ میں تھیں۔ میں ٹانگوں کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میرا ایک پیر اس کے منہ پر لگا۔ وہ کراہ اٹھا اور میرے پیر اس کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جسم کا سارا خون میرے دماغ میں اتر آیا تھا اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر دھند سی چھانے لگی۔ میں دیوار سے ٹیک لگا کر سر زور زور سے جھٹکنے لگا اور اس سے پہلے کہ میں وہاں سے ہٹتا اس دیوزاد نے اٹھ کر ایک بار پھر مجھے گرفت میں لے لیا۔ اس مرتبہ میری گردن اس کے قابو آ گئی تھی۔ اس کا انگوٹھا میرے نرخرے پر تھا اور وہ دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ مگر کامیابی کا ایک فیصد امکان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میری گردن آہنی شکنجے میں کسی ہوئی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ اگر چند سیکنڈ اور اس صورتحال سے دوچار رہا تو میری روح میرے جسم کو داغ مفارقت دے جائے گی۔ میں ایک بار پھر زور آزمائی کرنے لگا اور پھر اسی لمحے ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ چھوڑ دو اسے لکھن"

میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دروازے کے قریب پیلا کا دھندلا سا چہرہ دکھائی دیا۔

میں اس دیوزاد کے نام سے بھی متعارف ہو گیا۔ پیلا نے اس کو لکھن کہہ کر مخاطب کیا تھا مگر لکھن مجھے چھوڑنے کے بجائے گردن کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میرے حلق سے پھنسی پھنسی سی خرخراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"لکھن!" پیلا چیخی۔ "میں کہتی ہوں چھوڑ دو اسے۔ اگر یہ مر گیا تو ناگ راج ہم میں سے کسی کو

بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" لکھن غرایا۔ "اس نے میری انسلٹ کی ہے۔"

عجیب منطق تھی۔ وہ دوسروں کی جان سے کھیلتا رہے تو کوئی بات نہیں۔ کوئی اپنے آپ کو بچانے کے لئے مزاحمت کرے تو اس کی انسلٹ تھی۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں آنے والا خاموشی سے مر جائے۔

"میں کہتی ہوں چھوڑ دو ورنہ گولی چلا دوں گی۔" بیلا چیخی۔

میں نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ بیلا نے اس آدمی سے پستول لے لیا تھا جو پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس کے پیچھے دروازے کے قریب دو اور آدمی بھی کھڑے تھے۔

بیلا کی اس وارننگ کے باوجود لکھن مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ بیلا آگے آ گئی اس نے ایک بار پھر لکھن کو وارننگ دی اور پھر دوسرے ہی لمحے کمرے کی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی لکھن کی پنڈلی میں لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔ میری گردن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں پٹ سے زمین پر گرا اور دونوں ہاتھوں سے گردن سہلانے لگا۔

گولی لگنے کے بعد لکھن ایک ٹانگ پر بیٹھ کر رہ گیا۔ پھر وہ غراتا ہوا بیلا کی طرف بڑھا۔

"مار ڈالوں گا تمہیں رنڈی۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

بیلا نے پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے پیروں میں ایک اور گولی چلا دی اور دروازے میں کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخی۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے ورنہ مر جائے گا میرے ہاتھوں، حرامی کہیں کا۔" بیلا کے لہجے میں نفرت بھی تھی اور حقارت بھی۔

وہ دونوں آدمی بھی خاصے تیم شحیم تھے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے لکھن کو قابو میں کیا اور اسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔ تیسرا آدمی وہیں کھڑا رہا تھا۔ بیلا میرے قریب آ کر گھٹنوں پر جھک گئی۔

"مجھے افسوس ہے تاجی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہیں تھوڑی سی سزا دینے کے لئے لکھن کو یہاں بلایا گیا تھا۔ لیکن میں اگر وقت پر نہ پہنچ جاتی تو وہ تو تمہیں ختم ہی کر دیتا۔ لگتا ہے تم نے اس کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی تھی اور اس لئے اس پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ آج تک کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا۔"

"اور تم نے مجھے بچانے کے لئے اس کی ٹانگ پر گولی مار دی۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں ایک ہاتھ سے اب بھی گردن سہلا رہا تھا۔

بیلا دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے ڈر تھا کہ میں اس پر حملہ نہ کر دوں۔

"اگر وہ تمہیں نہ چھوڑتا تو میں اس کی کھوپڑی میں بھی گولی مار سکتی تھی۔" بیلا نے کہا۔ "اس لئے نہیں کہ مجھے تم سے کسی قسم کی ہمدردی ہے۔ بلکہ تمہاری جان اس وقت ہمارے لئے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ بے خوفی اور مار دھاڑ کی صلاحیت تمہاری اہمیت کو بڑھا رہی ہے۔" وہ اٹھ کر مزید پیچھے ہٹ گئی اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو تم پر بھی غصہ آ رہا

سورج۔ تم خاموشی سے تماشا دیکھتے رہے اور اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ بہر حال اسے اوپر لے چلو۔"

"میں اس راکھشس کو روکنے کی کوشش کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا۔" سورج کہتے ہوئے آگے بڑھا اور مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔

"میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لکھن سے دھینگا مشتی میں میرا چغہ پھٹ گیا تھا جو نیچے لٹک کر پیروں میں الجھ رہا تھا۔

لکھن کے ہاتھوں گدھوں کی طرح پٹنے کے باوجود میرا حوصلہ پست نہیں ہوا تھا اور میں اس وقت بھی اس پوزیشن میں تھا کہ سورج کو اپنی گرفت میں لے کر اسے ڈھال بنا لیتا اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ لیکن لکھن کا حشر میں دیکھ چکا تھا۔ مجھے اپنی حراست میں رکھنے کے لئے بیلا سورج کو بھی گولی مار سکتی تھی۔

ہم تہہ خانے سے نکل کر اوپر آ گئے۔ مجھے ایک کمرے میں لے جا کر کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ یہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی اور وہ بڑی گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ باہر کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے اور پھر گاڑی کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ دونوں لکھن کو لے جا رہے تھے۔

"سورج" بیلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت عرصہ بعد بلکہ زندگی میں پہلی بار بھگوان تمہارے گھر میں پدھارے ہیں۔ سادھو سنت دیوتا سمان ہی تو ہوتے ہیں۔ تمہیں اس سے اچھا موقع کہاں ملے گا۔ اپنے پاپوں کا پرائسچت کر لو۔ سیوا کرو سادھو مہاراج کی۔"

"کیا سیوا کروں سادھو مہاراج؟" سورج میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"پانی..... مجھے پانی پلا دو۔" میں نے کہا میرے ہونٹوں سے بہنے والا خون جم گیا تھا اور حلق خشک ہو رہا تھا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ کم بخت لکھن نے مجھے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔

سورج دوسرے کمرے میں جا کر پانی سے بھرا ہوا گلاس لے آیا۔ اس دوران دوسرا آدمی رائفل تانے کھڑا رہا تھا۔ بیلا کے ہاتھ میں بھی پستول موجود تھا۔ سورج پانی سے بھرا ہوا گلاس لے کر میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے بھی ہاتھ آگے بڑھایا لیکن گلاس میرے ہاتھ میں دینے کے بجائے پانی میرے منہ پر پھینک دیا۔

"میرے بھائی کا ہتھیارا میرے ہاتھوں سے پانی پینا چاہتا ہے۔" وہ گلاس ایک طرف پھینکتے ہوئے غرایا۔ "میں پلاتا ہوں تمہیں پانی۔ بلکہ گنگا جل پلا دوں گا تمہیں۔"

اس نے میرے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ اس قدر بھرپور تھا کہ میرا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے آپ کو سنبھال سکتا ایک زوردار گھونسہ میرے منہ پر پڑا اور میں کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا اور قلابازی کھاتا ہوا دور جا گرا۔

سورج بھی گھوم کر میرے قریب آ گیا اور مجھ پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ میرے منہ اور ناک سے ایک بار پھر خون بہہ نکلا تھا۔

"بس کرو سورج۔" بیلا چیخی۔ "اسے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دو۔"

سورج کے ہاتھ رک گئے۔ وہ حکم عدولی کرنے پر لکھن کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اس نے پہلے کرسی سیدھی کی اور پھر مجھے اٹھا کر کرسی پر پٹخ دیا اور پھر یہ انکشاف میرے لئے خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ روپا تھومند، میں جو پجاری میرے ہاتھوں مارا گیا تھا وہ سورج کا بھائی تھا۔ تہہ خانے میں وہ خود تو ضبط کئے کھڑا رہا تھا مگر اس نے لکھن کو میری پٹائی کرنے سے نہیں روکا تھا۔

ان کم بختوں نے مار مار کر میرا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ میری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو دم توڑ چکا ہوتا۔ لیکن میں بڑا سخت جان تھا۔ اب تک اپنے آپ کو زندہ رکھے ہوئے تھا۔ بیلا اب بھی پستول لئے میرے سامنے کھڑی تھی۔

"بیلا" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔ "میری جو بھی نوٹ پھوٹ ہو رہی ہے اس کا حساب رکھنا۔ یہ سب کچھ تمہارے کھاتے میں جمع ہو رہا ہے اور سارا حساب تمہیں چکانا ہوگا۔"

"اوہو" بیلا چہکی۔ "تو کیا اب بھی تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر جا سکو گے؟"

"میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔" میں نے جواب دیا۔ "زندگی کے آخری سانس تک لڑوں گا۔ اور یہ حساب چکانے کی کوشش کروں گا۔"

"واقعی بہت بہادر ہو۔" بیلا مسکرائی۔ "لیکن ان تمام تکلیفوں سے بچ سکتے ہو۔ اگر ان لوگوں کا پتہ بتا دو جنہوں نے تمہیں اب تک پناہ دے رکھی تھی۔ ناگ راج یہ جاننے میں دلچسپی رکھتا ہے کہ وہ غدار کون ہیں۔"

"تم چھیا کے بارے میں جان چکی ہو۔ پھر کیوں پوچھ رہی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں" بیلا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "چھیا میں اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ اتنے روز تک تمہیں چھپائے رکھتی۔ اس رات جب تم مجھے اس کے کاٹیج میں لے کر گئے تھے تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہاری اور اس کی دوستی چند گھنٹوں سے پرانی نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں جنہوں نے چھیا کے پاس آنے سے پہلے تمہیں پناہ دے رکھی تھی اور میں یہ بھی جاننا چاہوں گی کہ چھیا اس وقت کہاں ہے؟"

"کوشش کر دیکھو۔" میں نے کہا۔ "اگر تم میرے جسم کا ریشہ ریشہ بھی الگ کر دو گی تو اس سلسلے میں میری زبان نہیں کھلے گی۔"

"ناگ راج نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی ہے۔" بیلا نے کہا۔ "اگر میں کامیاب نہ ہو سکی تو پھر تمہیں ناگ راج کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ زبان کھلوانے کے لاکھوں طریقے جانتا ہے۔ اس کے پاس ایسے ایسے ناگ ہیں جن کے کاٹنے سے آدمی مرتا تو نہیں لیکن وہ موت کی دعائیں ضرور مانگتا ہے۔ وہ اذیت تم برداشت نہیں کر سکو گے۔ بہتر ہے تم ابھی زبان کھول دو۔"

"کوشش کر دیکھو۔" میں نے جواب دیا۔

بیلا نے سورج کو اشارہ کیا وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی۔ بوتل دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ کنٹری ہے۔ کچی بھٹی کی شراب۔ جو زہر بھی بن سکتی تھی۔

"تم نے مجھے داؤ کا پلائی تھی۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہاں اس وقت یہ کنٹری ہی دستیاب ہے۔ دیسے ہے یہ مزے کی چیز۔" بیلا نے کہتے ہوئے دوسرے آدمی کو اشارہ کیا۔

سورج نے شراب کی بوتل میز پر رکھ دی اور پھر ان دونوں نے مجھے اس طرح جکڑ لیا کہ میں حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔ بیلا نے بوتل میرے منہ میں ٹھونس دی۔ میں سر جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس طرح کچھ شراب میرے ہونٹوں سے باہر بھی گرتی رہی۔

"اسے کہتے ہیں پرانوں کے بدلے پران۔" بیلا نے بوتل ہٹائی۔ "اس کا مطلب ہے آنکھ کے بدلے آنکھ۔ تم موت کا بدلہ موت بھی کہہ سکتے ہو۔ لیکن تم نے مجھے شراب پلائی تھی۔ اس لئے میں نے بھی شراب پر ہی اکتفا کیا ہے۔ صرف اتنی ہی پلائی جتنی تم نے مجھے پلائی تھی۔"

وہ شراب کیا تھی کھولتا ہوا لاوا تھا جو میرے اندر انڈیل دیا گیا تھا رگوں میں خون ابلنے لگا۔ پیٹ اور سینے میں آگ سی لگ گئی۔ ایک بھونچال سا آ گیا میرے اندر۔

سورج نے مجھے پیچھے سے پکڑ رکھا تھا۔ میرے پیٹ میں طوفانی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آنتیں منہ کو آ رہی ہوں۔ اور جب میں زور سے مچلا تو سورج نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اچھل کر کرسی پر دوہرا ہو گیا اور پھر نیچے گرا اس کے ساتھ ہی مجھے زوردار قے ہو گئی۔

پیٹ کے اندر مچلنے والا طوفان کسی طرح تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ قے پر قے ہو رہی تھی۔ اندر کا پورا سسٹم ہل کر رہ گیا تھا لگتا تھا جیسے آنتیں بھی باہر آ جائیں گی۔

آخر کار میں اپنی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا مگر کچی بھٹی کی اس شراب نے میرا دماغ بے قابو کر دیا تھا۔ دھماکے سے ہو رہے تھے۔

سورج نے مجھے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا اور میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرا آدمی پہلے کی طرح اپنی جگہ پر چلا گیا تھا۔ اب تک کے ہنگاموں سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بیلا کے علاوہ اس مکان میں صرف یہی دو آدمی تھے۔ تیسرا کوئی نہیں تھا اگر ہوتا تو اب تک سامنے آ چکا ہوتا۔ اگر وہ آدمی لکھن کو لے کر نہ جاتے تو بیلا اور لکھن سمیت ان کی تعداد چھ ہوتی۔

"میری بات غور سے سنو سورج۔" سورج نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "بیلا نے ٹھیک کہا ہے کہ ہم پرانوں کے بدلے پران کے اصولوں پر چلتے ہیں۔ یعنی موت کے بدلے موت۔ تم نے میرے بھائی کی ہتیا کی ہے۔ میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں۔ اب تک صبر کئے ہوئے ہوں لیکن صبر کا پیالہ چھلک بھی سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں بے قابو ہو جاؤں تم ان لوگوں کے نام بتا دو جنہوں نے تمہیں اب تک پناہ دے رکھی تھی۔ بصورت دیگر میں اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لئے کارروائی شروع کر دوں گا۔"

"ایک بار اور۔" بیلا نے کہا۔ "تم نے صرف یہی سنا ہے کہ ناگ راج بہت سفاک اور بے رحم ہے لیکن وہ دوستوں کا خیال بھی رکھتا ہے۔ وہ بلاوجہ کسی پر اتیاچار نہیں کرتا۔ وہ بہت مہربان پرش ہے۔ اگر تم ان لوگوں کے نام بتا دو گے تو ناگ راج خوش ہو جائے گا اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس کے بعد تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا جائے گا۔ تمہاری بھرپور سیوا کی جائے گی اور یہ کاٹیج، جہاں تم پر تشدد ہو رہا ہے تمہارے

لئے سوارگ بن جائے گا۔ یہاں تمہیں ہر سہولت میسر ہوگی۔ تمہاری پسند کی اپسرائیں ہوں گی جو تمہاری منتی چاپلی کریں گی۔"

اس وقت میرا سر کسی قدر جھکا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سورج میرے بالکل سامنے کھڑا تھا اور بیلا قدرے بائیں جانب تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ میری طرف تھا۔ تیسرا آدمی دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ میری حالت اگرچہ اچھی نہیں تھی۔ پیٹ اور سینے میں آگ سی لگی ہوئی تھی اور دماغ میں دھوئیں سے بھر رہے تھے اور اس سے پہلے کہ شراب میرے دماغ پر چڑھ جائے میں نے رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ تو سب سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ مجھے جان سے نہیں مارنا چاہتے تھے۔ ناکامی کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میری اور پٹائی ہو جائے گی۔

میں نے اپنے فیصلے پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میرا ہاتھ بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔ ان میں سے کسی کو اس کی توقع نہیں تھی کہ میں اس مرحلے پر کچھ کر سکوں گا۔ میرا ہاتھ بیلا کے پستول والے ہاتھ پر پڑا۔ میں نے اسے اس طرح کھینچا کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہوئے سورج سے ٹکرائی۔

بیلا نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی ٹریگر دبا دیا تھا۔ مگر میں نے جھٹکا دیتے ہی اس کا ہاتھ بھی موڑ دیا تھا۔ پستول کا رخ اس وقت سورج کی طرف تھا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ میں نے دوسرا فائر کرنے کا موقع دیئے بغیر بڑی پھرتی سے پستول چھین لیا اور دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ وہ میری گود میں گر گئی۔

دروازے پر کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے فوراً ہی رائفل تان لی۔ میں نے بائیں ہاتھ بیلا کے سینے پر لپیٹ کر اسے اپنی طرف دبا رکھا تھا اور دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔ اب تک کی صورتحال سے میں سمجھ چکا تھا کہ بیلا کو اس گروہ میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ اس نے اگرچہ اپنے ایک آدمی کو گولی مار کر مضروب کر دیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

"اپنے آدمی سے کہو رائفل پھینک دے ورنہ میں تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں بیلا کے کان کے قریب غرایا۔

بیلا کسمسائی مگر میں نے اس کی کنپٹی پر پستول کی نال کا دباؤ بڑھا دیا وہ بے بس ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنے آدمی کو رائفل پھینک دینے کا حکم دیا۔ وہ شخص چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے بیلا کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے رائفل ہاتھ سے چھوڑ دی۔

"کمرے کے اس کونے میں چلے جاؤ جہاں میز پر وہ مورتی رکھی ہوئی ہے۔" اس مرتبہ میں نے اس شخص کو حکم دیا۔

رائفل پھینکنے کے بعد اس شخص نے کہے بغیر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ سرکتا ہوا کونے کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے زوردار دھکا دے کر بیلا کو اپنی گود سے ہٹا دیا اور ایک جھٹکے سے خود بھی اٹھ گیا لیکن بیلا کو میں نے اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا تھا۔ میرا ہاتھ اب اس کے سینے کے بجائے سامنے سے گردن پر لپٹا ہوا تھا اور اسے ایک جھٹکے سے پھر اپنے ساتھ دبا لیا تھا۔

سورج فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ پیٹ سے بہنے والا خون فرش کو تر کر رہا تھا۔ میں بیلا کو ڈھال بنائے دروازے کی طرف بڑھنے لگا اور پھر ایکدم رک گیا۔ میری نظریں ایک طرف رکھے ہوئے ٹیلی فون پر جم گئیں۔ میں نے پستول سے فون کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ ٹیلی فون کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے پھرتی سے جھک کر رائفل اٹھائی اور بیلا کو دھکا دیتا ہوا باہر آ گیا۔ باہر نکلتے ہی میں نے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگا دیا۔

باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہ آئی کہ یہ کاٹیج جھیل کے کنارے پر تھا۔ قرب و جوار میں اور بھی کاٹیج ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کسی نے فائرنگ کی آواز سن لی ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کوئی اپنے کاٹیج سے باہر نہیں نکلے گا۔ ایسی جگہوں پر لوگ عیاشی کے لئے آتے ہیں۔ اپنی عیاشی چھوڑ کر بکھیڑوں میں کوئی نہیں پڑتا۔

میں بیلا کو دھکے دیتا ہوا ایک ڈھلان پر اترتا چلا گیا۔ وہ بار بار کراہ رہی تھی۔ ایک جگہ میں رک گیا۔ جھیل کے کنارے پر کچھ روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں لوگ پکنک منانے کے لئے جاتے تھے اور میں بھی وہاں جا چکا تھا جہاں انگریز جوڑے سے ملاقات ہوئی تھی۔

"اگر میں چاہوں تو تمہیں گولیوں سے چھلنی کر کے پھینک دوں۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا، کیونکہ میں تم سے پھر بھی ملنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں جتنا تیز بھاگ سکتی ہو اس طرف بھاگتی چلی جاؤ۔"

"تم غلطی کر رہے ہو ڈئیر۔" بیلا نے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ تم ایک نڈر اور دلیر آدمی ہو۔ لیکن راج سے دشمنی مول لے کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ لیکن اگر تم چاہو تو یہ دشمنی دوستی میں بدل سکتی ہے۔ راج کے ساتھ رہ کر تم عیش کرو گے۔"

"اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں تم بھاگنا شروع کر دو۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رائفل کا رخ نیچے کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی بیلا کے پیروں کے قریب زمین پر لگی۔ بیلا کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"بھاگو۔" میں چیخا۔

بیلا نے مڑ کر ڈھلان کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ تاریکی میں غائب ہو گئی۔

میرے پیٹ اور سینے میں اب بھی آگ سی لگی ہوئی تھی۔ شراب اب دماغ کی طرف چڑھنے لگی تھی۔ ٹھنڈی ہوا بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ میں سر کو جھٹکتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔ ایک جگہ رک کر رائفل میں نے جھیل کی طرف اچھال دی۔ اس کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ اپنی حفاظت کے لئے بیلا کا پستول ہی کافی تھا۔

بیلا کو مارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بیلا کو ساتھ لئے پھرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ بہت عیار اور چالاک تھی۔ کسی بھی وقت کوئی ایسی حرکت کر سکتی تھی جو میرے لئے نقصان دہ ہوتی۔

میں ایک پہاڑی پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف دور دور تک پھیلی ہوئی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ میں سانس درست کرنے کو چند لمحے رکا اور پھر پہاڑی پر اترنے لگا۔

میں سادھو کے بھیس میں تین چار دن تک شہر میں آزادی سے گھومتا رہا تھا اور مجھے راستوں سے اچھی خاصی واقفیت ہوگئی تھی۔ میں شہر پہنچ کر آسانی سے اچل شوار مندر کی طرف جانے والا راستہ تلاش کر سکتا تھا۔ میں نے بیلا والے کاٹیج میں ٹیلی فون توڑ دیا تھا۔ میرے فرار کی اطلاع فوری طور پر شہر نہیں پہنچ سکتی تھی۔

میں پہاڑیوں پر دوڑتا رہا اور پھر ایک پہاڑی پر پہنچتے ہی میں رک گیا۔ بلندی پر تھوڑے فاصلے پر کچھ بتیاں نظر آرہی تھیں۔ میں غور سے اس طرف دیکھنے لگا اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ میں اتفاقیہ طور پر اچل شوار مندر کی طرف نکل آیا تھا۔ وہ روشنیاں مندر ہی کی تھیں۔ یہ پہاڑی اس طرف تھی جہاں سے مندر والے بنگلے کی طرف پہنچا جا سکتا تھا۔

اس پہاڑی سے اترتے ہوئے میں دو تین کاٹیجز کے قریب سے بھی گزرا تھا۔ ایک کاٹیج کے تو بالکل پہلو سے گزرا تھا۔ اس کی تمام بتیاں جل رہی تھیں اور اندر سے موسیقی اور قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں پہاڑی سے اتر کر اس بنگلے کے گیٹ پر پہنچ گیا اور کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

تقریباً چار منٹ تک میں بار بار گھنٹی بجاتا رہا۔ اس دوران میں بار بار ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ رات کا آخری پہر تھا اور کسی کے اس طرف آنے کا امکان نہیں تھا مگر کسی بھی امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے گیٹ کی جھری سے اندر جھانک کر بھی دیکھا تھا۔ اندر کہیں روشنی نظر آرہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر بیل بجائی اور یہ سوچ لیا تھا کہ اس مرتبہ کوئی جواب نہ ملا تو گیٹ پر چڑھ کر دوسری طرف کو جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں نے اوپر دیکھا ہی تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا تھا۔ بنگلے کی چار دیواری کسی قلعے کی فصیل کی طرح بہت اونچی تھی۔ گیٹ بھی بہت اونچا تھا اور اس کے اوپر بھی تقریباً چار فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی۔ گیٹ اور اوپر کی دیوار کے درمیان میں خلا ہر چار انچ کے فاصلے پر موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ گویا گیٹ پھاندنا بھی ممکن نہیں تھا۔ تقریباً پندرہ فٹ اونچی دیوار بھی چکنی تھی اور اس پر چڑھنا بھی ممکن نہیں تھا۔

اندر کی طرف ہلکے قدموں کی چاپ سن کر میں چونک گیا۔ جھری سے آنکھ لگا کر دیکھا۔ تاریکی میں دو ہیولے گیٹ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔ دونوں ہیولے مزید قریب پہنچے تو میں سیدھا ہوگیا۔

”کون ہے؟“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ یہ ہم تری کی آواز تھی۔

”میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔“ میں نے جھری سے منہ لگا کر سرگوشی میں جواب دیا۔

مجھے میں چابیوں کی آواز سنائی دی۔ ہم تری چابیوں کا گچھا لے کر آئی تھی۔ چند سیکنڈ بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا اور میرے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند بھی ہوگیا۔

ہم تری کے ساتھ چھمیا تھی۔ مجھے دیکھ کر ان دونوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اندھیرا تھا۔

وہ میری شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس لیے وہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتی تھیں کہ میں کس حال میں ہوں لیکن اندر کمرے میں آتے ہی وہ دونوں مجھے دیکھ کر اچھل پڑیں۔ ایک تو میری مونچھیں اور داڑھی غائب تھی۔ مستزاد یہ کہ میرا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ ناک اور ہونٹ پھولے ہوئے تھے۔ خون جما ہوا تھا۔ چہرے پر ضرب کے نشان بھی صاف نظر آرہے تھے۔ چوغہ پھٹا ہوا تھا۔ پیشانی پر ابھرا ہوا گومڑ بھی صاف نظر آرہا تھا۔

”دس بجے تک تم نہیں لوٹے تو مجھے کسی گڑبڑ کا شبہ ہو گیا تھا۔“ چھمیا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوا تھا۔ کس سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ لگتا ہے تمہیں اچھی خاصی چوٹیں لگی ہیں۔“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”کم بختوں نے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا ہے۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔“ میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایتوں بستر پر پھینک دیا اور بایاں کندھا سہلانے لگا۔

”بیٹھو۔ یہاں بیٹھو۔“ چھمیا نے مجھے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا اور میرا چوغہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھاتی چلی گئی۔

چوغے کے نیچے میں صرف چڈی پہنے ہوئے تھا۔ مجھے اس طرح برہنہ دیکھ کر ان دونوں میں سے کسی نے شرمانے یا لجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میری حالت دیکھ کر دونوں کی آنکھوں میں وحشت سی بھر آئی۔ میرے پورے جسم پر نیل پڑے ہوئے تھے۔

”یہ۔ یہ کیا ہوا؟“ چھمیا سسک اٹھی۔ ”لگتا ہے وہ کئی آدمی تھے جنہوں نے تمہیں بے دردی سے مارا ہے۔“

”ہاں۔ وہ کم بخت تلعن واقعی کئی آدمیوں کے برابر تھا۔“ میں نے کہا

”تل... تلعن...“ چھمیا ہکلا کر رہ گئی۔ ”تم اس کے ہاتھوں سے کیسے بچ گئے۔ وہ تو درندہ ہے اس کے ہاتھ سے تو آج تک کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔“

”لگتا ہے تم ان میں سے بہت سے لوگوں کو جانتی ہو۔“ میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ”بہرحال، وہ بھی اس وقت میری طرح اپنی چوٹیں سہلا رہا ہوگا۔ زندگی بھر یاد کرے گا کہ کسی مرد کے پلے پڑا تھا۔“

”اوہ۔“ چھمیا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ پھر وہ ہم تری کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”ہلدی اور کڑوا تیل ہو تو اسے گرم کر کے مالش کی جائے۔ ورنہ تکلیف بڑھ جائے گی۔“

”دونوں چیزیں کچن میں موجود ہیں۔ میں ابھی گرم کر کے لاتی ہوں۔“ ہم تری نے جواب دیا پھر بولی۔ ”گرو جی کو اطلاع دے دی جائے۔ وہ بہت پریشان ہیں۔“

”نہیں۔ پنڈت کو ابھی بے آرام مت کرو۔ صبح اطلاع دے دینا اور تیل گرم کرنے سے پہلے مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔ کم بخت نے شراب کی پوری بوتل میرے پیٹ میں انڈیل دی تھی۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔“ میں نے کہا۔

ہم تری کمرے سے باہر چلی گئی اور چھمیا میرے جسم پر ان جگہوں کو سہلانے لگی جہاں نیل نظر آرہے تھے۔ میرا خیال ہے ٹھوکروں اور گھونسوں سے دو تین جگہوں سے میرا گوشت اندر سے پھٹ گیا تھا۔

چھمیا کسی ایسی جگہ پر ہاتھ رکھتی تو میں تکلیف سے کراہ اٹھتا۔

چھمیا نہ صرف میری اس حالت سے پریشان ہو رہی تھی بلکہ ان لوگوں کو کوس بھی رہی تھی جنہوں نے میری یہ درگت بنائی تھی۔ ککشن کو تو وہ منہ بھر بھر کر گالیاں دے رہی تھی۔

سمترتی بغیر دودھ کے چائے بنا کر لائی تھی۔ اس میں ہلکی سی کھٹاس بھی تھی۔ غالباً اس نے تھوڑی سی املی ڈال دی تھی۔ سمترتی نے واقعی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ مجھے اس وقت واقعی کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی۔ چند گھونٹ پینے کے بعد ہی میرے پیٹ کی بے چینی کم ہونے لگی۔

مجھے چائے دے کر سمترتی دوبارہ کچن میں چلی گئی تھی۔ اور چند منٹ بعد وہ ہلدی ملا کر تیل گرم کر کے لے آئی۔ اس وقت تک میں چائے پی چکا تھا۔ چھمیا نے مجھے بستر پر اوندھا لٹا دیا اور میری پشت پر مالش کرنے لگی۔ میں ہولے ہولے کراہتا رہا۔ گرم تیل کی مالش سے مجھے بڑا سکون بھی مل رہا تھا۔

سمترتی کمرے سے جا چکی تھی۔ چھمیا دیر تک میرے جسم پر مالش کرتی رہی۔ ساتھ ہی وہ کچھ بڑبڑاتی بھی جا رہی تھی۔ ایک تو میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور دوسرا چھمیا کے نرم و گداز ہاتھوں کے لمس سے ایک عجیب سی کیفیت نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ غنودگی سی طاری ہونے لگی اور پپوٹے بھاری ہو کر جھکے چلے گئے اور پھر مجھے پتہ نہیں کب سو گیا تھا۔

آنکھ کھلی تو میرے جسم پر پلنگ پوش جیسا ملائم ریشوں والا کمبل پڑا ہوا تھا۔ میں نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکیوں پر اگرچہ پردے پڑے ہوئے تھے مگر باہر سے ان پر پڑنے والی روشنی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ دن اچھا خاصا چڑھ گیا تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد چھمیا کمرے میں آئی تو اس نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

"پنڈت بھیرو صبح سے اب تک دو مرتبہ تمہیں دیکھنے کے لئے آ چکا تھا۔" چھمیا نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"باہر کی کیا صورتحال ہے۔ کچھ پتہ چلا؟" میں نے پوچھا۔

"بہت خونی۔" چھمیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر پہلے جب پنڈت بھیرو تمہیں دیکھنے کے لئے آیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ ناگ راج واقعی پاگل ہو گیا ہے۔ شہر کی کوئی جگہ محفوظ نہیں۔ اس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ہر مشتبہ اور غیر متعلق شخص کی پکڑ دھکڑ کی جا رہی ہے۔ ہوٹلوں میں قیام پذیر لوگوں کو بھی پریشان کیا جا رہا ہے۔ اس کے آدمی زبردستی کمروں میں گھس جاتے ہیں۔ احتجاج کرنے پر انہوں نے کئی لوگوں کو زدوکوب بھی کیا ہے۔ ہوٹلوں کے لوگوں کے ایک وفد نے پولیس کمشنر سے مل کر شکایت کی تھی لیکن وہ بھی کچھ نہیں کر سکا۔ وہ بھی ناگ راج کے سامنے بے بس ہے۔ شاید تم نئی جھیل کے قریب کسی کاٹیج میں ان کی قید سے بھاگے تھے؟"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"رات کے آخری پہر ناگ راج کے آدمیوں نے اس علاقے میں واقع درجنوں کاٹیج کی تلاشی لی تھی۔ وہاں بھی احتجاج اور مزاحمت کرنے پر انہوں نے کئی لوگوں کو زدوکوب کیا تھا اور دلچسپ خبر یہ ہے کہ ناگ راج نے ان چار آدمیوں کو لائن میں کھڑے کر کے گولیوں سے بھون ڈالا جو کاٹیج میں تمہاری نگرانی

پر مامور کئے گئے تھے۔ پانچویں کو شاید تم نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "پستول چلا کے ہاتھ میں تھا میں نے اسے گرفت میں لینے کی کوشش کی تو گولی چل گئی اور سورج اس کی زد میں آ گیا۔ کیا ککشن کو بھی مار دیا گیا؟"

"ہاں۔ سب سے پہلے اس پر گولیاں برسائی گئی تھیں۔" چھمیا نے جواب دیا۔ "اس کے جسم پر گولیوں سے ادھڑی ہوئی کھال دیکھ کر ناگ راج اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اس نے ککشن جیسے درجنوں آدمی پال رکھے ہیں جن پر وہ لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے۔ ککشن کا تمہارے ہاتھوں اس طرح پٹ جانا وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔"

"اور دیا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ناگ راج کی چہیتی ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔" چھمیا نے جواب دیا۔

"یہ ساری باتیں تمہیں پنڈت بھیرو نے بتائی ہیں۔ اسے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا تھا۔

"بھیرو اور ناگ راج میں پرانی مخاصمت چل رہی ہے۔" چھمیا نے جواب دیا۔ "ان چند برسوں اور مہینوں میں مندروں کی ملکیت پر جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ مندروں کے پجاری پراسرار طور پر ہلاک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف اندر ہی اندر سازشیں چلتی رہتی ہیں۔ بہت عرصہ پہلے ناگ راج نے اس مندر پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اس وقت بعض بڑے لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "پچھلی مرتبہ ناگ راج کے آدمیوں سے بھاگ کر جب تم یہاں آئے تھے تو ناگ راج کے آدمی بھی تمہارا پیچھا کرتے ہوئے مندر میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس مندر کے پجاریوں نے تمہیں کہیں چھپا دیا ہے۔ دو پجاریوں پر اتنا تشدد کیا گیا کہ ایک تو موقع پر ہی ہلاک ہو گیا اور دوسرا ابھی تک ہسپتال میں پڑا ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی اور دو پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ پنڈت بھیرو خود پولیس کمشنر سے ملا تھا لیکن ناگ راج کے آدمیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس وقت سے بھیرو ناگ راج سے خار کھائے بیٹھا ہے۔ وہ ہر قیمت پر اسے شکست دینا چاہتا ہے۔ وہ خود تو سامنے نہیں آ سکتا اس لئے اس نے تمہیں پناہ دی ہے۔ اس کے آدمی تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی خبر پہنچاتے رہتے ہیں اور بھیرو کے خیال میں ناگ راج کے جاسوس بھی اس مندر میں موجود ہوں گے۔ اس لئے وہ بہت محتاط رہنا چاہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ کسی وقت یہ جگہ بھی ناگ راج کے آدمیوں کی نظروں میں آ سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" چھمیا بولی۔ "بھیرو کے صرف تین چار آدمی ہی مندر کے نیچے سرنگوں سے واقف ہیں۔ بھیرو کے کہنے کے مطابق وہ جان تو دے سکتے ہیں مگر زبانیں نہیں کھولیں گے اور یہ بنگلہ تو ویسے بھی بالکل الگ تھلگ لگتا ہے۔ اس کی دیواریں بہت اونچی ہیں باہر سے دیکھا نہیں جا سکتا اور کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہوگا۔ بھیرو کے خیال میں یہ ہمارے لئے بہترین اور محفوظ جگہ ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اب تم منہ ہاتھ دھو لو۔ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ تمہارے انتظار میں، میں نے اور سمترتی نے بھی ابھی

تک کھانا نہیں کھایا۔"

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ چھمیا نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور باتھ روم کے دروازے تک لے گئی۔

باتھ روم میں سب سے پہلے میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی اور چونک گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی نظر میں، میں خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکا تھا۔ دونوں ہونٹ سوجے ہوئے تھے اور ناک سموسہ بن کر رہ گئی تھی۔ دایاں رخسار بھی سوجا ہوا تھا۔ بائیں رخسار پر بھی نیل تھا۔ پیشانی پر خاصا بڑا گومڑ تھا۔ جسم کے دوسرے حصے بھی کچھ ایسا ہی افسوسناک منظر پیش کر رہے تھے۔ اپنی یہ حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اب مجھے کئی روز تک باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

باتھ روم سے باہر نکلا تو چھمیا میرے انتظار میں کھڑی تھی۔ میں پھر اپنے بستر پر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کمر کے پیچھے تکیہ رکھ لیا تھا۔

چھمیا کھانا لے آئی۔ چنگیر کا ایک تھال میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ چنگیر کی کٹوریوں میں دو طرح کے سالن تھے۔ ایک میں سبزی اور دوسری میں مرغی کا سالن۔ ہندو گائے کا گوشت نہیں کھاتے مگر مرغی اور مچھلی وغیرہ بڑے شوق سے کھا لیتے ہیں۔ دوسری کٹوری چھمیا اور سمتری نے اپنے بیچ میں رکھ لی تھی۔

ہمارے یہاں آنے کے بعد بنگلے کے کچن میں ہر چیز اسٹور کر دی گئی تھی۔ سمترا کو مستقل طور پر ہماری سیوا کے لئے یہاں چھوڑ دیا گیا تھا اور کھانا وہی پکاتی تھی۔ وہ ہر طرح سے ہمارا خیال رکھے ہوئے تھی لیکن اس نے اب تک میری ایسی کوئی خدمت نہیں کی تھی جسے میں یہاں سے جانے کے بعد بھی یاد رکھ سکتا۔ شاید چھمیا کی وجہ سے ایسی خدمت کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ایسی سیوا کا موقع تو مجھے ابھی تک چھمیا نے بھی نہیں دیا تھا حالانکہ وہ کئی روز سے میرے ساتھ رہ رہی تھی۔

میں تقریباً بارہ دن تک اس بنگلے میں قید رہا۔ ہلدی تیل کی رگڑ اور مالش سے میری چوٹیں ٹھیک ہو گئیں اور اب مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔ پنڈت بھیرو ناتھ سے اب چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی۔ اس کے مندر میں ناگ راج کے جاسوس موجود تھے۔ کوئی یاتری کے بھیس میں اور کوئی پجاری کے بھیس میں۔ اس لئے بھیرو ناتھ محتاط ہو گیا تھا۔ وہ رات گیارہ بجے کے قریب آتا اور تقریباً گھنٹہ بھر بیٹھ کر واپس چلا جاتا۔ اس سے مجھے ساری معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ ناگ راج کے آدمی اب بھی میری تلاش میں تھے۔

میں اب باہر نکلنا چاہتا تھا۔ بہت آرام ہو چکا تھا۔ میں یہاں پڑے پڑے بور ہو گیا تھا۔ دراصل میری فطرت ایسی نہیں تھی کہ میں کسی جگہ ٹک کر بیٹھا رہتا۔ میں تو متحرک رہنا چاہتا تھا۔

اور پھر اس روز میں نے باہر نکلنے کا پروگرام بنا لیا۔ میرے سر کے بال خاصے لمبے ہو گئے تھے جنہیں میں نے چٹیا کی صورت میں باندھ لیا۔ شیو بنایا لیکن مونچھیں رہنے دیں۔ البتہ ٹھوڑی پر دائیں طرف ایک تل سا بنا لیا۔ بائیں کان میں ایک عدد بندہ بھی پہن لیا۔ اس کے لئے مجھے کان چھیدنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ سمتری کے پاس کلپ والے ایسے بندے موجود تھے جنہیں کان کی لو پر چپکایا جاتا تھا اور دیکھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ یہ کلپ والا بندہ ہے یا کان چھیدا ہوا ہے۔ میرے بائیں بازو

پر اسی زخم کا نشان موجود تھا۔ اسے چھپانے کے لئے میں نے پورے آستین والی قمیص پہن لی تھی اور چیلا کا چھینا ہوا پستول بھی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا۔ میری جیب میں اچھی خاصی رقم بھی موجود تھی۔

اس حلیے میں مندر کی طرف سے نکلنا حماقت تھی۔ اسی لئے میں نے بنگلے کے گیٹ والا راستہ ہی اختیار کیا تھا۔ باہر جانے سے پہلے میں نے چھمیا کو بتا دیا تھا کہ اگر رات کو واپس نہ آسکوں تو پریشان نہ ہو۔ کوٹھی سے باہر نکلتے ہوئے میں نے آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ بھی لگا لیا تھا۔

جس وقت میں گیٹ سے نکلا اس وقت شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ کچھ ہی دیر میں سورج غروب ہو جاتا۔ لیکن میرے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میرے حلیے میں بڑی حد تک تبدیلی آ گئی تھی۔ میں مطمئن بھی تھا، کیونکہ اب بھی صرف چیلا ہی ایک ایسی ہستی تھی جو مجھے پہچان سکتی تھی۔ اس رات آشرم میں میری داڑھی مونڈھ کر جن لوگوں نے میرا اصلی چہرہ دیکھا تھا انہیں ناگ راج نے مروا دیا تھا۔ کوئی اور شناخت کرنے والا نہیں تھا اور چیلا سے فوری طور پر آمنا سامنا ہونے کی توقع نہیں تھی۔

پنڈت بھیرو نے مجھے چند ایسے ٹھکانے بتا دیئے تھے جہاں ناگ راج کے بعض خاص آدمیوں سے مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ بھیرو نے جو اڈے بتائے تھے ان میں دریودن کے مرینا کلب کا نام بھی شامل تھا۔

دریودن کے بارے میں پنڈت بھیرو نے جو باتیں بتائی تھیں وہ بڑی دلچسپ تھیں۔ کئی سال پہلے وہ پولیس میں حوالدار تھا۔ انسپکٹر شیام لال جے پور سے یہاں آیا تو اس نے جرائم پیشہ لوگوں کی سرکوبی کے لئے جو ٹیم بنائی تھی اس میں حوالدار دریودن بھی شامل تھا۔ وہ شیام لال کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ اس کے ہاتھوں ناگ راج کے دو آدمی بھی مارے گئے تھے۔ انسپکٹر شیام لال کی سفارش پر اسے سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی مل گئی تھی۔

انسپکٹر شیام لال نے جب ناگ راج کو گرفتار کیا تو دریودن بھی اس ٹیم میں شامل تھا۔ عام لوگوں کی نظروں میں انسپکٹر شیام لال نے ناگ راج کو سلاخوں کے پیچھے بند کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ امید یہ تھی کہ اب ناگ راج نہیں بچ سکے گا۔ اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوگا تو اسے پھانسی سے کم سزا نہیں ہوگی لیکن اسی رات بازی پلٹ گئی۔

چیف منسٹر راتوں رات جی کو جے پور سے یہاں پہنچ گیا۔ ناگ راج آزاد ہو گیا اور انسپکٹر شیام لال کو پولیس کی ملازمت سے نکال دیا گیا۔ وہ اپنے طور پر ناگ راج کے خلاف کام کرتا رہا مگر ایک روز اس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی ملی۔

دوسری طرف دریودن بہت ہی کمینہ اور گھٹیا انسان ثابت ہوا۔ انسپکٹر شیام لال کی معطلی کے بعد اس نے کئی مرتبہ شیام لال کو دھمکیاں دی تھیں کہ وہ ناگ راج کے خلاف اپنی سرگرمیاں بند کر دے۔

اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد دریودن پولیس کی ملازمت چھوڑ کر ناگ راج کے چکر میں شامل ہو گیا۔ مرینا کلب ناگ راج ہی کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اسے ناگ راج کا بہت قریبی آدمی سمجھا جاتا ہے۔

مجھے اتفاق سے ہوتری کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس نے دریودن کے بارے میں کچھ اور بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ خفیہ طور پر انکا سے ملا ہوا ہو۔ اس کا یقین اس طرح بھی آتا تھا کہ جب میں انکا کے آشرم پر چھپا ہوا تھا تو دریودن نے کم از کم دو مرتبہ انکا کو ناگ راج کے آدمیوں کے چھاپے کے بارے میں

میں ایکدم سنبھل گیا۔ رجنی بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

لڑکے نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کھیسیں نکال دیں۔ اس کی عمر گیارہ بارہ سال کے قریب تھی۔ لیکن اس کا انداز بتاتا تھا کہ ایسے معاملات سے بخوبی واقف ہے۔ میں نے جلدی سے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے کچھ نہیں دیکھا حکم" وہ نوٹ لے کر جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔ "اپنا منہ بھی بند رکھوں گا۔"

"تمہیں یہ پیسے منہ بند رکھنے کے لئے نہیں منہ کھولنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں حکم۔" لڑکے نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "کیا دوسرے لوگوں کو بھی بتادوں کہ یہاں کیا میلن ملاپ ہو رہا ہے۔ لیکن لگ جائے گی یہاں حکم۔"

"میرا مطلب یہ نہیں کہ تم شور مچا دو۔" میں نے کہا۔ "پانچ کا نوٹ تمہیں یہ معلوم کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ آتما رام کہاں ملے گا؟"

آتما رام کا نام سنتے ہی لڑکے کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ آنکھوں میں عجیب سا خوف ابھر آیا۔ اس نے جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اپنی دی ہوئی بخشش اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ حکم۔"

اس نے ایک بار پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ "اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو آتما رام کے بارے میں کبھی نہ پوچھتے۔ جاؤ حکم۔ اگر تمہیں اپنی زندگی پیاری ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر آتما رام کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی کہ کوئی اجنبی اس کے بارے میں پوچھ رہا ہے تو تم دونوں میں سے کوئی بھی یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔"

"کیوں۔ آتما رام کوئی بدروح ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "آج کل ویسے بھی اس کا کٹ کھنا ہوا ہے پچھلے چند روز میں وہ تین آدمیوں کی ٹانگیں توڑ چکا ہے۔"

"اسے پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے کیا؟" میں نے لڑکے کو گھورا۔

"تم یہاں نئے آئے ہو اس لئے تمہیں معلوم نہیں ہے حکم۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "ایک پردیسی نے ان سب کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ یہ لوگ اس کی تلاش میں ہیں۔ انہیں ہر اجنبی پر اس کا شبہ ہوتا ہے۔ اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ حکم۔"

"تم راجستھانی تو نہیں لگتے۔ بہت صاف اردو بول لیتے ہو۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"میں میرٹھ کا رہنے والا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "فلمی ہیرو بننے کے لئے گھر سے بھاگا تھا مگر بمبئی کے بجائے یہاں پہنچ گیا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "صرف اتنا بتادو کہ آتما رام کہاں ملے

گا۔ ہم چلے جائیں گے۔"

"وہ رات کو دس بجے یہاں آتا ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتایا ہے تو وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اب تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔ ہم جا رہے ہیں۔" میں نے کہا لڑکے نے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ کپ اٹھائے اور باہر چلا گیا۔

"تم کون ہو؟" اس کے جانے کے بعد رجنی نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔ "آتما رام کو کیوں پوچھ رہے تھے۔"

"کچھ نہیں۔ آؤ چلیں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

باہر نکلتے ہوئے میں نے محسوس کر لیا کہ ساتھ والے کیبن سے بھی دو آدمی باہر نکلے تھے۔ وہ شروع سے ہی چھپتے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔ میں کاؤنٹر پر بل دینے کو رکا تھا۔ رجنی میرے ساتھ کھڑی تھی۔ ان میں سے ایک بدمعاش نے قریب سے گزرتے ہوئے شاید رجنی کے کولہے پر چٹکی کاٹی تھی۔ رجنی سسکاری بھر کر رہ گئی۔ اس نے مڑ کر کھا جانے والی نظروں سے اس بدمعاش کی طرف دیکھا لیکن وہ باہر پہنچ چکا تھا۔ جبکہ اس کا دوسرا ساتھی ہم سے پیچھے کھڑا تھا میں بل دے کر رجنی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دوسرا بدمعاش بھی ہمارے پیچھے ہی تھا۔ ہم جیسے ہی باہر نکلے وہ بھی آگے نکل گیا اور ان دونوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ان میں سے ایک نے بڑی بے تکلفی سے رجنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہمارے ساتھ چلتی ہو کیا؟"

رجنی کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔ آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔ وہ طوائف تھی۔ کسی کے ساتھ بھی جا سکتی تھی۔ مگر غنڈوں اور بدمعاشوں سے تو سب ہی لوگ گھبراتے ہیں۔ اس لڑکے نے جس طرح رجنی کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ اس میں بھی میرے لئے حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ جہاں غنڈہ گردی کا راج ہو وہاں اس قسم کی حرکتیں روز کا معمول بن جاتی ہیں۔

"اے مسٹر کیا بات ہے۔ ہاتھ چھوڑو اس کا۔" میں اس غنڈے کی طرف دیکھ کر غرایا۔

"اگر نہیں چھوڑوں تو کیا کر لو گے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

میں نے صرف ایک لمحہ توقف کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میرا گھونسہ اس کے جبڑے پر لگا۔ وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ رجنی کا ہاتھ اگرچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا مگر رجنی بھی لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ میرا یہ حملہ اس غنڈے کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل فٹ پاتھ پر گرا۔ میرے دائیں طرف کھڑے ہوئے دوسرے غنڈے نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چاقو نکال لیا اور چیختا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ مگر میں بھی غافل نہیں تھا۔ بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا حملہ آور اپنے جھونک میں آگے کو جھکتا چلا گیا۔ میں نے گھوم کر اس کے کولہے پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ کراہتا ہوا منہ کے بل گرا۔

اس دوران پہلا غنڈہ اٹھ کر حملہ آور ہو چکا تھا۔ میں پھرتی سے نیچے جھک گیا اور اسے ٹانگوں سے

کی کھال اتار دوں گا۔"

وہ دونوں پھر میری طرف لپکے۔ ان کے ارادے خطرناک تھے۔ لگتا تھا وہ پستول کی پروا کیے بغیر مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ اس سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ انہیں موت کا نہیں آتمارام کا خوف تھا۔ میں نے پھر گولی چلا دی۔ یہ گولی ان دونوں میں سے ایک کے پیر میں لگی۔ وہ چیخ کر اچھلا۔ اس نے مجروح پیر اوپر اٹھا لیا اور ایک پیر پر ناچنے لگا۔

آتمارام چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ دو آدمی ہوٹل کے دروازے سے نکل کر میری طرف لپکے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لمبا سا تیغہ تھا۔ جس کا بلیڈ آگے سے چاند کی طرح خم کھائے ہوئے تھا۔

وہ وحشیانہ انداز میں چیختے ہوئے میری طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کا یہ جارحانہ انداز دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ اب میری پستول کی گولیاں بھی انہیں نہیں روک سکیں گی۔ میں نے ان کے پیروں میں ایک دو فائر کئے اور ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ اب یہاں کھڑے رہنا خودکشی کے مترادف تھا۔

ریسٹورنٹ سے چند گز آگے ایک گلی تھی۔ اس گلی میں مڑتے ہوئے میں نے ایک بار پھر پیچھے دو فائر کر دیئے۔ تیسری مرتبہ ٹریگر دبایا تو ٹک کی آواز ابھر کر رہ گئی۔ میں نے پستول اس شخص پر کھینچ مارا جو میرے قریب پہنچ رہا تھا۔ پستول اتفاق سے اس کے سر پر لگا اور وہ چیختا ہوا گر گیا۔

میں اس گلی میں دوڑتا رہا اور ریسٹورنٹ کے پیچھے ایک اور گلی میں نکل گیا۔ میرے پیچھے دو آدمی تھے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں تیغہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گیا تو وہ میرے ٹکڑے کر دیں گے۔

میں دو تین گلیوں میں گھوم کر پچھلی طرف کی ایک سڑک پر نکل آیا۔ میرے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے جیب سے اپنا ریوالور نکال لیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چند گز آگے فٹ پاتھ پر چار پانچ پھول فروش عورتیں تختوں پر اپنی دکانیں سجائے بیٹھی تھیں۔ یہ دکانیں ایک بہت بڑی حویلی کی دیوار کے ساتھ تھیں اور بالکل سامنے ایک روشن گلی تھی۔ اس طرف بھی اس طرح کی پھولوں کی کچھ دکانیں دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس گلی میں کوئی مندر ہوگا۔

میرے عقب میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میرے ذہن میں اس وقت کوئی بات واضح نہیں تھی کہ مجھے کس طرف جانا چاہئے اور پھر ایک موٹر سائیکل پھولوں والی دکانوں کے سامنے رکتے دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

موٹر سائیکل پر پیچھے ایک عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ موٹر سائیکل سے اتر گئی اور پھول فروش عورت سے باتیں کرتے ہوئے تختے پر رکھے ہوئے گجرے اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ مرد موٹر سائیکل پر ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے انجن بند نہیں کیا تھا ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں دیوار کی آڑ سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب پہنچ گیا اور موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوئے شخص کو ریوالور کی زد میں لیتے ہوئے بولا۔

"خاموشی سے موٹر سائیکل سے اتر جاؤ ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا۔" اس شخص کا چہرہ دھواں ہو گیا اس کی ساتھی عورت نے بھی میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ لیا تھا وہ بری طرح چیخ پڑی۔

"جلدی کرو۔ اترو نیچے۔" میں نے ایک بار پھر غراتے ہوئے ریوالور کی نال سے اس کے کندھے پر زور دار ضرب لگائی۔

وہ کراہ اٹھا۔ مگر اس نے موٹر بائیک سے اترنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ ہینڈل پر رکھ کر موٹر سائیکل کو گرنے سے بچا لیا۔ وہ شخص دوسرے ہاتھ سے مضروب کندھا پکڑے دوہرا ہو گیا تھا میں نے اسے زور سے لات رسید کر دی۔ وہ کراہتا ہوا پھولوں کے تختے پر گرا۔ اس کی ساتھی عورت چیختی ہوئی اس کے اوپر گر گئی اور ایک ہاتھ میری طرف اٹھاتے ہوئے چیخی۔

"مت مارو۔ اسے مت مارو۔ میرے پتی نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

وہ اس کی پتنی تھی اور اس نے پتی ورتا کی بہترین مثال پیش کی تھی۔ اپنے پتی کو بچانے کے لئے اس نے اپنے آپ کو ڈھال بنا لیا تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے موٹر سائیکل کی ضرورت تھی وہ مجھے مل گئی تھی۔ پھولوں والی عورتیں بھی چیخ رہی تھیں۔ دو عورتیں تو چیختی ہوئی ایک طرف کو بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔

میرا تعاقب کرنے والے دونوں تاریک گلی سے نکل کر سڑک پر آ گئے تھے اور پھر ایک کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وہ رہا...... بھاگو...... پکڑو اسے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تقریباً تیس گز کے فاصلے پر تھے۔ وہ آدمی تیغہ لہراتا ہوا بڑی تیزی سے آگے بڑھا آ رہا تھا۔ میں موٹر سائیکل پر بیٹھ چکا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہی تھا گیئر میں ڈال کر میں نے کلچ گرپ کو دبائے رکھا اور پیچھے کی طرف فائر جھونک دیا۔ مگر ان دونوں کے دوڑنے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں نے سیدھے ہوتے ہوئے کلچ گرپ چھوڑ دی موٹر بائیک ایک زوردار جھٹکے سے اچھلی اسی لمحے مجھے یوں لگا جیسے کوئی چیز زوں کی آواز سے میرے سر کے اوپر سے ہوتی ہوئی چند گز آگے سڑک پر گری ہے۔ وہ تیغہ تھا جو اس بدمعاش نے دوڑتے ہوئے میری طرف پھینکا تھا اور میری قسمت اچھی تھی کہ وہ خطرناک ہتھیار میرے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔

میں موٹر سائیکل کی ایکسیلیٹر گرپ دباتا چلا گیا۔ آگے پر رونق علاقہ تھا۔ سڑک پر ٹریفک بھی تھا اور پیدل لوگوں کی آمدورفت بھی لیکن میں نے بائیک کی رفتار کم نہیں کی۔ پیدل چلنے والے ویسے ہی موٹر بائیک کی آواز سن کر بدک رہے تھے۔

میں نے اپنے آپ کو آتمارام کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیں گے اور میں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

مندر سے نکلتے وقت میں نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ مختلف تھا۔ پنڈت بھیرو نے جن لوگوں کے اوپر بتائے تھے ان میں آتمارام کا نام بھی شامل تھا۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح آتمارام کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ لیکن میرے اس منصوبے کی صورت ہی غلط ہو گئی تھی۔ پہلے رجنی ٹکرائی۔ میں نے آتے ہی بھانپ لیا تھا کہ وہ شکاری عورت ہے۔ لیکن اس لئے اسے ساتھ لے لیا تھا کہ مجھ پر کم سے کم شبہ ہو سکے اور پھر رجنی کی وجہ سے ریسٹورنٹ میں گڑبڑ ہوئی۔ اگر وہ غنڈے اسے نہ چھیڑتے تو ہم وہاں سے نکل

جاتے اور میں رجنی سے پیچھا چھڑا کر آتمارام سے ملاقات کے لئے دوبارہ وہاں آتا لیکن پھر یہ خیال بھی آیا کہ رجنی کو انہوں نے محض چھیڑ خانی کے لئے نہیں چھیڑا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ والے کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہماری باتیں سن لی تھیں اور جان گئے تھے کہ میں آتمارام کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ انہیں مجھ پر شبہ ہو گیا تھا اور رجنی کو اس لئے چھیڑا تھا کہ مجھے جھگڑے میں الجھا کر میرے بارے میں تصدیق کرنا چاہتے تھے اور اتفاق سے اسی وقت آتمارام بھی پہنچ گیا اور اس طرح بازی پلٹ گئی۔ اگر وہ لوگ مجھے ریسٹورنٹ کے اندر لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تو وہاں سے میری ٹوٹی پھوٹی لاش ہی نکلتی۔ اسی لئے میں نے فوری طور پر اپنے آپ کو آتمارام کے سامنے ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس طرح میں انہیں یہ بھی تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ ان کے ڈر سے کہیں چھپ کر نہیں بیٹھا ہوا۔

میں موٹر سائیکل دوڑاتا ہوا بارونق علاقے سے نکل آیا تھا۔ کھلی کھلی اور ویران سی سڑکیں تھیں۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کس طرف نکل آیا ہوں اور کس طرف جانا چاہئے۔

میں ایک اور سڑک پر نکل آیا۔ اس سڑک پر دونوں طرف بہت ہٹ کر حویلی نما پرانی طرز کے مکان بنے ہوئے تھے۔ ان کی دیواریں فصیلوں کی طرح اٹھی ہوئی تھیں۔ یہ راجستھان کے بڑے بڑے ٹھاکروں کی حویلیاں تھیں جو صرف گرمیوں کا موسم گزارنے کے لئے یہاں آتے تھے۔

میں اب تک شہر کے اندرونی علاقوں میں پھرتا رہا تھا۔ اس طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ میں نے موٹر سائیکل کی رفتار کم کر لی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ کس طرف جانا چاہئے۔

میں نے موٹر سائیکل ایک اور سڑک پر موڑ لی۔ اس وقت میں اپنا ریوالور جیب میں ڈال چکا تھا اور میرے دونوں ہاتھ ہینڈل پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ میں نے بائیک ایک اور سڑک پر موڑ دی۔ ٹھیک اسی لمحہ دائیں طرف والی سڑک سے کوئی گاڑی نمودار ہوئی میں پوری طرح اس گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہا گیا۔

میں سڑک پر موڑ سے آگے نکل چکا تھا۔ وہ گاڑی بھی اسی طرف مڑی تھی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا وہ گاڑی نہایت تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتی ہوئی آگے آ کر اس طرح رک گئی کہ میرا راستہ بند ہو گیا۔ گاڑی کے اس طرح آگے نکلنے اور بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا اور پھر میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ کوئی کار نہیں جیپ تھی۔ میرے اور جیپ کے درمیان تقریباً پندرہ گز کا فاصلہ تھا۔ میں نے پوری قوت سے بائیک کو روکنے کی کوشش کی مگر بائیک بے قابو ہو کر جیپ سے ٹکرا ہی گئی میں اچھل کر سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں جا گرا۔

میرے دماغ میں جھناکے سے ہو رہے تھے اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا میرے کندھے پر زوردار ٹھوکر لگی میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دوسری ٹھوکر نے مجھے دوبارہ جھاڑیوں میں لڑھکا دیا۔

جیپ رکتے ہی اس کے ہیڈ لیمپس بجھا دیئے گئے تھے مگر موٹر سائیکل کی بتی جل رہی تھی اور اس کا رخ جھاڑیوں کی طرف ہی تھا۔ اس کی روشنی ہم دونوں پر پڑ رہی تھی۔ مجھے ٹھوکریں مارنے والا آتمارام تھا۔

میں نے آتمارام کو تیسری ٹھوکر مارنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دے دیا

اٹھ کھڑا ہوا۔ آتمارام ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا تھا۔ لیکن وہ گرا نہیں تھا میں نے اٹھتے ہی اس کے منہ پر گھونسہ مارنے کی کوشش کی مگر اس نے نہ صرف جھکائی دے کر اپنے آپ کو بچا لیا بلکہ میرے پیٹ پر بھی زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ میں بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ اس نے نیچے سے گھٹنے کی ٹھوکر میری ٹھوڑی پر ماری۔ میرے منہ سے ایک اور کراہ نکلی اور میں اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر میرے پیٹ پر دو گھونسے جڑ دیئے۔ تیسرا گھونسہ میں نے اپنے بائیں ہاتھ پر روکا۔ اس کی کلائی میری گرفت میں آ گئی۔ میں نے اس کی بغل کے نیچے دو تین گھونسے رسید کر دیئے۔ ہر گھونسے پر وہ مینڈک کی طرح پھدک رہا۔ آخری گھونسہ میں نے اوپر جبڑوں اور کنپٹی کے جوڑ پر مارا تھا۔ وہ ضرب زیادہ شدید تھی میں نے اس کی کلائی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس کے بازو کو مروڑتے ہوئے خود بھی گھوم گیا۔ اس کے منہ سے چیخیں خارج ہونے لگیں وہ کندھے سے نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ گھوم کر اس کے پیٹ میں ٹھوکر ماری اور ساتھ ہی اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اس مرتبہ وہ چیخ اٹھا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ ٹھوکریں کھاتا اور اچھلتا رہا۔

میں نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری تو میرا پیر ایک پتھر پر رپٹ گیا۔ میں لڑکھڑایا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اس موقع سے آتمارام نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مجھ پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ یہ کھلی جنگ تھی۔ دوسرا کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے مجھے اس کو بے قابو کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ مجھے اس پر برتری بھی حاصل تھی کہ جسمانی طور پر اس سے ہلکا ہونے کی وجہ سے میں اس کے مقابلے میں زیادہ پھرتیلا تھا۔

دو تین گھونسے کھانے کے بعد میں نے اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی۔ وہ نیچے گرا تو میں بھی اس کے ساتھ ہی گرا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا جھاڑیوں میں لڑھکتے رہے اس دوران مجھے اس کی ٹھوڑی کی پٹائی کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن آخرکار اس نے مجھے پیروں پر اٹھا کر اچھال دیا۔ میں پشت کے بل پتھروں میں گرا میرے منہ سے کراہ نکل گئی لیکن میں نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی۔

آتمارام بھی سنبھل چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہو گا۔ لیکن اس نے جیپ کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی اٹھ کر اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ٹھیک اسی وقت کمر سے پکڑ لیا جب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اسے کمر سے پکڑ کر پیچھے کھینچ رہا تھا۔ اس نے دونوں کہنیاں پیچھے کی طرف چلا دیں۔

ایک کہنی کی ضرب میری پسلی پر لگی تھی۔ میں کراہتا ہوا پیچھے ہٹ گیا وہ پھر سیٹ پر جھپٹ گیا۔ میں یہ تک بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب وہ سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھ میں تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبا لوہے کا ایک راڈ دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

آتمارام کے پاس کوئی چاقو یا پستول وغیرہ نہیں تھا اور وہ یہ راڈ لینے کے لئے ہی جیپ کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے راڈ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور چیختا ہوا حملہ آور ہوا۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف

ہٹ گیا! اگر یہ راڈ میرے سر پر پڑتا تو میرا بھیجہ سڑک پر بکھر چکا ہوتا۔

میرے ایک طرف ہٹ جانے سے وہ اپنی جھونک میں آگے نکل گیا میں نے اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کردی۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل سڑک پر گرا مگر اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میں جیپ کے بانٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا وہ ایک بار پھر دھاڑتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں اس مرتبہ بھی جھکائی دے کر اپنے آپ کو بچا گیا۔ لوہے کا راڈ جیپ کی ونڈ سکرین پر لگا اور سکرین ایک چھناکے سے چور چور ہوکر بکھر گئی۔ اس مرتبہ مجھے موقع مل گیا میں نے پھرتی سے نیچے جھک کر اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ میرا خیال تھا میں اسے کھینچتا ہوا پیچھے سے جاؤں گا مگر اس نے ٹوٹی ہوئی ونڈ اسکرین کے فریم کو پکڑ لیا میں نے اسے چھوڑ اور پھر اٹھا کر پیچھے کی طرف اچھال دیا۔ وہ الٹا قلابازی کھاتا ہوا بانٹ کے دوسرے کنارے پر پشت کے بل گرا اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ جیپ کی دوسری طرف جا گرا۔ میں نے بھی جیپ کے اوپر چڑھ کر اس پر چھلانگ لگادی۔ اس طرح گرنے سے آتما رام کو شدید چوٹ لگی تھی۔ میں اسے سڑک کی ڈھلان پر رگیدتا ہوا ایک بار پھر جھاڑیوں میں لے گیا۔

میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کرلی تھی کہ اب وہ مقابلے کے بجائے مزاحمت کر رہا تھا۔ لیکن اسے ایک موقع مل گیا۔ اس نے دونوں پیر میرے پیٹ پر جما کے پیچھے اچھال دیا۔ میں پشت کے بل پتھروں پر گرا اور میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔

آتما رام ایک طرف کو دوڑا لیکن پھر رک گیا۔ میں نے اسے جھکتے ہوئے دیکھا میں اس وقت اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آتما رام سیدھا ہوگیا اس نے دونوں ہاتھوں میں وزنی پتھر اٹھا رکھا تھا۔ اس نے پتھر کو سر سے بلند کرلیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال کر یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے دونوں گولیاں آتما رام کے سینے میں لگیں۔ وزنی پتھر اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر اس کے قریب ہی گرا اور وہ بھی کچھ دیر تک کٹے ہوئے درخت کی طرح لہراتا رہا پھر دھڑام سے نیچے گرا اور ڈھلان پر جھاڑیوں میں لڑھکتا چلا گیا۔

میں پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے آتما رام کی طرف دیکھتا رہا اس کی آتما رخصت ہوچکی تھی اور بے حس و حرکت شریر رہ گیا تھا۔

میں نے وہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جیپ کی طرف لپکا۔ موٹر سائیکل کے بجائے اب میں نے جیپ کو ترجیح دی تھی۔ سیٹ پر ٹوٹی ہوئی سکرین کے کانچ کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے احتیاط سے سیٹ صاف کی انجن اسٹارٹ کردیا۔

آتما رام مجھے تلاش کرتا ہوا اس طرف آنکلا تھا۔ اس کے آدمی چاروں طرف پھیل گئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کسی نے گولیوں کی آواز بھی سن لی ہو۔

میں جیپ کو تیز رفتاری سے اسی طرف دوڑاتا چلا گیا جس طرف اس کا رخ تھا میرا خیال تھا کہ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر جیپ چھوڑ دوں گا۔

تقریباً نصف میل آگے ایک چوراہا تھا۔ ابھی تک تو کسی سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا لیکن توقع تھی کہ اس چوراہے پر کسی نہ کسی سے تصادم ضرور ہوگا۔ چوراہے کی طرف جانے والی ایک سڑک ڈھلان تھی۔ ایک عمارت پر لگا ہوا قحبہ اپ کا نیون سائن دیکھ کر میں نے یہ علاقہ بھی شناخت کرلیا تھا۔ اس چوراہے کے دوسری طرف وہ علاقہ تھا جہاں سے انکا گی ہورٹی کے آشرم کی طرف بھی ایک راستہ جاتا تھا۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں نے جیپ کی رفتار کم کردی۔ وہ راڈ ابھی تک ٹوٹی ہوئی سکرین کے فریم میں اٹکا ہوا تھا۔ میں نے وہ راڈ اٹھا کر اسٹیئرنگ میں اس طرح پھنسا دیا کہ وہ دائیں بائیں نہ گھوم سکے اور پھر میں نے جیپ سے چھلانگ لگا دی۔

سنبھل کر ایک لمحہ کو جیپ کی طرف دیکھا اور پھر بائیں طرف بنگلہ نما عمارتوں کی طرف دوڑ لگادی۔ اونچے نیچے ٹیلوں پر بنگلے بنے ہوئے تھے۔ میں دوڑتا رہا۔ میرا رخ بھی اسی چوراہے کی طرف تھا مگر میں سڑک کے متوازی دوڑ رہا تھا۔ اس طرح میرے اور سڑک کے بیچ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ حائل ہوچکا تھا۔

زوردار دھماکے کی آواز سن کر میں ایک لمحہ کو رکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جیپ یا تو چوراہے کے وسط میں بنے ہوئے گول چبوترے سے ٹکرائی تھی یا دائیں بائیں سے آنے والی کسی اور گاڑی سے ٹکرائی تھی۔ میں ایک بار پھر دوڑنے لگا۔ اور آخرکار سڑک پر پہنچ گیا اور مڑ کر چوراہے کی طرف دیکھنے لگا چوراہا یہاں سے تقریباً تین سو گز دور تھا۔ وہ جیپ بائیں طرف سے آتی ہوئی ایک کار سے ٹکرائی تھی۔ ہوسکتا ہے اس تصادم کے کام میں سوار کوئی زخمی ہوا ہو یا مر بھی گیا ہو۔ دھماکہ بہت زوردار تھا جس کی آواز میں نے دور سے سنی تھی۔

چوراہے کے چاروں طرف کچھ دکانیں تھیں۔ ابھی شاید دس بھی نہیں بجے تھے تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور لوگ جائے حادثہ پر جمع ہو رہے تھے۔ میں چند لمحے اسی طرف دیکھتا رہا پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سڑک پار کرلی اور سامنے والے علاقے میں داخل ہوکر اسی رفتار سے دوڑتا رہا اب مجھے بھاگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آتما رام کے آدمی اگر چوراہے پر موجود تھے یا پہنچ بھی گئے تو وہ لوگ مجھے اسی طرف تلاش کریں گے جس طرف سے جیپ آئی تھی۔ یہ جیپ آتما رام کی تھی، اس کی ونڈ سکرین پہلے سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے ونڈ سکرین کے ٹوٹنے کو دوسری کار سے تصادم کا نتیجہ سمجھا جائے لیکن جیپ میں آتما رام کو نہ پاکر ان میں یقیناً کھلبلی مچ جائے گی۔ وہ اس علاقے میں چاروں طرف پھیل جائیں گے جس طرف سے جیپ آئی تھی اور عین ممکن ہے کہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر انہیں آتما رام کی لاش بھی مل جائے اور اس کے بعد جو ہوگا اس کا اندازہ لگانا زیادہ دشوار نہیں تھا۔

میں شاید راستہ بھول گیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مختلف سمتوں میں چکراتا رہا اور آخرکار آشرم کی طرف جانے والا راستہ مل گیا۔ آشرم کے گیٹ پر معمول کے مطابق مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا اور انتظار کرنے لگا دو منٹ تک کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے دوبارہ گھنٹی بجائی۔ میرا خیال تھا انکا اور رادھا سوچکی ہوں گی۔ تیسری مرتبہ گھنٹی بجانے پر اندر سے رادھا کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"دروازہ کھولو رادھا میں ہمسارا انکا دیوی کا مہمان" میں نے کہا۔ رادھا نے میری آواز پہچان لی

اور دروازہ فوراً ہی کھول دیا۔ لیکن میں جیسے ہی اندر داخل ہوا وہ اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے۔

"ک..... کون ہوت ہو جی......" وہ ہکلائی۔

"ڈونٹ وری رادھا...... میں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "الکا کہاں ہے۔ سو رہی ہے یا۔" اور پھر میں بات ادھوری چھوڑ کر الکا کی طرف دیکھنے لگا جو اپنے کمرے کے سامنے برآمدے میں کھڑی تھی۔ الکا نے بھی مجھے آواز ہی سے پہچانا تھا۔ وہ مجھے کمرے میں لے آئی۔ میں نے کرسی پر بیٹھنا چاہا تو وہ جلدی سے بولی۔

"یہاں نہیں۔ نیچے چلو۔ رادھا۔ تم جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔" اس نے آخری جملہ رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ماسٹر بیڈ روم میں آ کر اس نے تہہ خانے کا راستہ کھولا اور ہم نیچے آ گئے کمرے میں آتے ہی میں بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔ میں تھک گیا تھا اور جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے۔" الکا بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم تقریباً ڈیڑھ مہینے سے غائب تھے۔ تمہاری طرف سے تو کوئی خبر نہیں ملی لیکن وقتاً فوقتاً شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے پتہ چلتا رہتا تھا کہ تم اسی شہر میں موجود ہو۔ یہ چھوٹا سا شہر ہے یہاں خبریں پر لگا کر اڑتی ہیں۔ کوئی معمولی بات بھی آناً فاناً پورے شہر میں پھیل جاتی ہے۔"

"تمہیں میرے بارے میں کوئی پریشانی نہیں تھی؟" میں نے پوچھا۔

"پریشانی تو ان لوگوں کے بارے میں ہوتی ہے جو اپنی حفاظت کرنا نہیں جانتے اور تم" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اور تم اپنی حفاظت کرنا بھی جانتے ہو اور دوسروں کو نیچا دکھانا بھی۔ تم نے ڈیڑھ مہینے سے ناگ راج کے آدمیوں کو نچا رکھا ہے اور وہ ابھی تک تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔"

"اصل ناچ تو اب شروع ہو گا۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" الکا نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے آتمارام میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آتمارام۔" الکا اچھل پڑی۔ "تم آتمارام تک کیسے پہنچے؟"

"میں کسی بل میں تو چھپا ہوا نہیں بیٹھا تھا۔" میں مسکرایا۔ "جب جنگ شروع ہوتی ہے تو دونوں فریق اپنی اپنی چالیں چلتے ہیں۔ کوئی کامیاب ہوتا ہے اور کوئی مارا جاتا ہے۔ ابھی تو کامیابیاں ہی میرے قدم چوم رہی ہیں کسی وقت مارا بھی جاؤں گا۔"

"یہ بھی اور خوفناک تو ہوگی۔ مگر مجھے پورا وشواش ہے کہ تم ان لوگوں کے ہاتھوں نہیں مارے جاؤ گے۔" الکا نے کہا۔ سیڑھیوں کی طرف سے قدموں کی ہلکی سی چاپ سن کر اس نے گردن گھما کر دیکھا، پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "رادھا چائے لے آئی ہے۔ تم منہ ہاتھ دھو لو۔"

میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈے پانی سے منہ کو رگڑا اور آئینے میں دیکھنے لگا۔ میری ٹھوڑی کا تل غائب ہو چکا تھا اور پھر کان کی طرف دیکھ کر میں چونک گیا اسپرنگ والا وہ بندہ غائب تھا جو مندر سے نکلنے سے پہلے میں نے کان کی لو سے چپکایا تھا۔ وہ بندہ غالباً آتمارام کے ساتھ لڑائی میں کہیں گر گیا تھا۔

رادھا نے عقلمندی یہ کی تھی کہ چائے کے ساتھ ایک پلیٹ میں دال موٹھ اور نمکین بسکٹ بھی لے آئی تھی۔ مجھے بھوک تو لگ رہی تھی اس وقت یہی سب کچھ غنیمت تھا۔ الکا نے رادھا کو کچھ ہدایت دے کر واپس بھیج دیا۔ رادھا نے جاتے ہوئے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک نظر آئی تھی جو میں نے پہلے روز دیکھی تھی۔

"کیا ناگ راج کے آدمی اب بھی یہاں نگرانی کرتے رہتے ہیں؟" میں نے الکا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آخری مرتبہ تمہارے جانے کے دوسرے دن انہوں نے آشرم کی تلاشی لی تھی۔ انہیں تمہارے ساتھ کسی لڑکی کی بھی تلاش تھی۔" الکا نے کہا اور پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "کون ہے وہ لڑکی؟"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میرے اور الکا کے درمیان ایسا کوئی جذباتی تعلق نہیں تھا لیکن اس نے جس انداز سے کسی لڑکی کے بارے میں پوچھا تھا اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ میرے ساتھ کسی لڑکی کا نام اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"کال گرل۔ اس کا نام چھایا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس رات مرینا کلب میں اس سے ملاقات نہ ہو جاتی تو وہ میری زندگی کی آخری رات ہوتی اور پھر اس رات اسے بھی اپنا گھر چھوڑ کر میرے ساتھ شانتا کے گھر میں پناہ لینی پڑی تھی۔ اب وہ بھی میری طرح ان لوگوں کو مطلوب ہے۔ اس کی بہن تقریباً ایک ماہ پہلے ناگ راج کے آدمیوں کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور وہ بھی تمہاری طرح انتقام کی آگ میں سلگ رہی ہے۔"

"نجانے کتنے لوگوں کے سینے انتقام کی بھٹی بنے ہوئے ہیں۔" الکا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "آخری مرتبہ شانتی سے تمہارے بارے میں اطلاع ملی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟"

باتیں کرتے ہوئے الکا بھی چائے پی رہی تھی۔ میں نے بسکٹوں اور دال موٹھ والی پلیٹ خالی کر دی تھی اور پھر میں اسے اب تک کے بیتے ہوئے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔ اسے میں نے یہ نہیں بتایا کہ اپال شومندر کا پروہت پنڈت بھیرو بھی میرا ساتھ دے رہا ہے۔ اسے میں نے یہی بتایا کہ اب تک چھایا کی ایک دوست کے گھر میں پناہ لے رکھی تھی اور چھایا اس وقت وہیں ہے۔

"مجھے ناگ راج کے چند قریبی آدمیوں کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔ ان میں آتمارام کا نام بھی شامل تھا۔" میں کہہ رہا تھا۔ "میں آتمارام کو اٹھا کر اپنے خفیہ ٹھکانے تک لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن گڑبڑ ہو گئی۔ پہلے تو میں اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور پھر وہ میرے ہاتھ لگ گیا اور شاید اس کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی تھی۔"

"آتمارام، ناگ راج کا بہت قریبی آدمی ہے۔" الکا نے کہا

"اب تک اس کے کئی آدمی تمہارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں مگر آتما رام کی موت۔ وہ پاگل ہو جائے گا۔"

"میں اس کے قریبی آدمیوں پر وار کر کے ناگ راج کو اس کے بل سے باہر نکالنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "تم مجھے ناگ راج کے بارے میں کچھ چیزیں دکھانا چاہتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ مدافعانہ انداز ترک کر کے کچھ جارحیت اختیار کی جائے۔"

"ایک دو روز ٹھہر جاؤ۔" انکا نے کہا۔ "آتما رام والا ہنگامہ ذرا ٹھنڈا پڑ جائے تو میں تمہیں سب کچھ بتا اور دکھا دوں گی۔"

اس کے بعد بھی انکا دیر تک بیٹھی باتیں کرتی رہی اور پھر تین بجے کے قریب اٹھ کر چلی گئی میں بھی بستر پر لیٹ گیا اور شاید وہ بھی رات تھی کہ اتنے ہنگامے کے بعد میں بستر پر لیٹتے ہی سو گیا تھا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھے دیکھ کر میں انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا کپ کو پرچ سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے کپ کو چھو کر دیکھا ابھی گرم ہی تھا جس کا مطلب تھا کہ رادھا یا انکا کچھ دیر پہلے ہی میرے لئے یہ چائے یہاں رکھ کر گئی تھی۔

میں بستر سے اٹھنا چاہتا تھا کہ پانی گرنے کی آواز سن کر چونک گیا میں نے باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ شاید رات کو باتھ روم گیا ہوں گا اور بے خیالی میں کوئی نلکا کھلا چھوڑ دیا ہو گا۔

میں نے اٹھ کر جیسے ہی باتھ روم کا دروازہ کھولا میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے اور پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں نے آنکھیں ملیں۔ انگلی کو دانتوں سے کاٹ کر دیکھا مگر وہ کوئی خواب نہیں۔ حقیقت تھی۔

باتھ ٹب اوپر تک جھاگ سے بھرا ہوا تھا اور اس جھاگ میں انکا ننگی ہو کر اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ جھاگ کے اندر چھپا ہوا تھا اور اوپر کا کچھ حصہ باہر تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لمبی ڈنڈی والا مساج برش تھا جس سے وہ اپنی پیٹھ سہلا رہی تھی۔ وہ بازو پورا اٹھا ہوا ہونے سے اس کے سامنے کا رخ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا لگتا تھا جیسے سینے میں سانس رک جائے گا اور پھر چہرے پر پڑنے والے پانی کے چھینٹے جیسے مجھے ہوش میں لے آئے۔

انکا میری طرف پانی کے چھینٹے اچھال رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر آگ لگا دینے والی مسکراہٹ تھی۔ میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے میری طرف پانی کے چھینٹے اڑا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت سے ٹب میں بھری ہوئی جھاگ بھی بادلوں کی طرح حرکت کر رہی تھی اور بادلوں کی طرح حرکت کرتی ہوئی اس جھاگ میں ڈھکا چھپا وہ نظارہ میرے دل پر قیامت ڈھا رہا تھا اور پھر میرے حواس تو پہلے ہی غائب تھے اور میں بھی بادلوں میں اتر گیا۔

کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ میں اس کے بعد دیر تک نشے میں ڈوبا رہا تھا۔ ایک عجیب سا سحر تھا جس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں کب باتھ

روم سے نکل کر بیڈ پر آیا تھا۔

بہت دیر بعد جب میں اس کیفیت سے باہر نکلا تو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں اکیلا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر چائے کا کپ بھی نہیں تھا۔ وہ خمار اترنے کے بعد میں اس وقت بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا اور پھر ٹھیک اس وقت قدموں کی چاپ سن کر میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ انکا ٹرے اٹھائے سیڑھیوں کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں اس وقت بے لباس ہی پڑا ہوا تھا میں نے چادر اٹھا کر اپنے اوپر ڈال لی اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ انکا کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"تم تو خوب سوئے۔" وہ ٹرے چھوٹی میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "میں تو سوچ رہی تھی کہ شاید اس وقت بھی تمہیں جھنجھوڑ کر جگانا پڑے گا۔"

"خوب سوئے کا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔

"تین بجنے والے ہیں۔ اب تم بھوجن کر لو۔ تمہارے چکر میں، میں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔" انکا نے کہا۔

"تین۔" مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ صبح جب میں اٹھا تھا تو ساڑھے نو بج رہے تھے اور اس کے بعد چند منٹ کے عرصہ میں جو کچھ بھی ہوا تھا اس نے مجھ پر ایسا نشہ طاری کر دیا تھا کہ میں تین بجے تک ہوش و حواس سے بیگانہ رہا تھا۔

میں چادر لپیٹے اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا میرے کپڑے باتھ روم میں ہی ٹنگے ہوئے تھے۔ شیو وغیرہ کی اور کپڑے پہن کر کمرے میں آ گیا۔ انکا تکونے پراٹھے اور آلو کی بھجیا بنا کر لائی تھی۔ بھجیا بڑے مزے کی تھی اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اس وقت کھانے میں واقعی مزہ آ رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں بار بار کن انکھیوں سے انکا کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ صبح جو کچھ بھی ہوا تھا وہ جوش اور نادانی میں ہوا تھا۔ وہ بھی ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور میں بھی۔ اور اس کے بعد شاید وہ پچھتا رہی ہو گی۔ اپنی نادانی پر ندامت محسوس کر رہی ہو گی۔ وہ بیوہ تھی۔ اس کے شوہر کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ ایسی باتیں اس کی ذلت و رسوائی کا باعث بن سکتی تھیں۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے نادانی کے تاثرات نہیں تھے۔ اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا دانستہ طور پر ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ پہلے بھی ایسا کرتی رہی تھی اور بیوہ ہونے کے باوجود وہ شادی شدہ عورتوں جیسی زندگی کے مزے لوٹ رہی تھی۔

"دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کل جب چھیا کی بات ہوئی تھی تو میں نے انکا کے لہجے اور چہرے پر عجیب سے تاثرات محسوس کئے تھے۔ صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ چھیا کے نام پر وہ اندر ہی اندر کسی قسم کی جلن محسوس کرنے لگی تھی اور شاید یہ اسی کا ردعمل تھا کہ اس نے اپنے آپ کو پلیٹ میں سجا کر بلکہ باتھ ٹب میں بھری ہوئی جھاگ میں سجا کر میرے سامنے پیش کر دیا تھا۔

انکا ناگ راج سے اپنے شوہر کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ چھیا بھی اپنی بہن کے قتل کے بدلے کی آگ میں جل رہی تھی۔ انکا نے شاید یہ سوچا ہو کہ کہیں میں اس کے ہاتھ سے نہ نکل جاؤں۔ مجھے اپنی

گرفت میں رکھنے کے لئے اس نے یہ نیا جال پھینکا تھا۔

میری زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں۔ سب سے پہلی عورت رضیہ تھی۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود وہ مجھ پر ہاتھ صاف کر گئی تھی۔ مجھے اور بھی کئی عورتوں سے قرب کا "شرف" حاصل ہوا تھا۔ ان کا تعلق مختلف طبقوں سے تھا۔ میرے خیال میں عورت کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو عورت ہی ہوتی ہے اور عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

انکا تقریباً دو گھنٹوں تک میرے پاس بیٹھی رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹا انکا ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔

رات دس بجے کے قریب انکا کھانا لے کر آئی تو واپس نہیں گئی۔ وہ رات اس نے میرے ساتھ ہی گزاری اور میرے گرد پھیلائے ہوئے جال کی گرہیں مضبوط کرتی رہی۔

صبح اس کے ساتھ میں بھی تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ کبھی دھوپ چمکنے لگتی اور کبھی سورج بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا۔ دھوپ چھاؤں کا یہ منظر بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ میں نے ایک بات اور بھی خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ رادھا ادھر ادھر آتے جاتے بڑی معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اور انکا کے بارے میں سب کچھ سمجھ چکی تھی۔ وہ کوئی بچی تو تھی نہیں۔ پچھلی رات انکا نے میرے ساتھ تہہ خانے میں گزاری تھی۔

اس روز سہ پہر کے وقت شانتا بھی آ گئی۔ گزشتہ روز سے اب تک اگرچہ انکا نے فون پر کچھ لوگوں سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں مگر شانتا سے کچھ تازہ ترین خبریں ملی تھیں۔

رجنی، جو اس رات ریسٹورنٹ کے سامنے جھگڑے کے وقت موقع پا کر بھاگ گئی تھی، پکڑی گئی تھی اور اس کے ذریعے اس آٹو ڈرائیور کو بھی پکڑ لیا گیا تھا جو دراصل رجنی کا دلال تھا۔ جس رات آتما رام میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اس کے آدمی پاگل ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ کیا بتا سکتے تھے۔ ان دونوں کو تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ آٹو ڈرائیور نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ میں اس کے آٹو پر کہاں سے سوار ہوا تھا اور اب وہ لوگ مجھے اس علاقے میں تلاش کر رہے تھے۔

انکا بھی شانتا کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ شام ہونے سے پہلے لوٹ آئے گی۔ ان کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں آشرم کے آخر میں بارہ دری میں بیٹھا چھوٹے سے مندر کے سامنے کھڑا تھا کہ رادھا بھی وہاں آ گئی۔

"کیا دیکھتے ہو بابو؟" اس نے میرے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کے کتنے بھگوان ہیں۔" میں نے کہا۔ "کوئی بھولا ناتھ ہے کوئی گنیش دیوتا، کوئی ہنومان، کوئی ناگ دیوتا، کوئی لکشمی اور کوئی شیرانوالی۔"

"یہ تو سب پتھر کے بت ہیں، بھگوان تو من میں ہوتا ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔

رادھا نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ پتھر کے یہ بت تو محض اپنی تسلی کے لئے تراش لیے گئے تھے۔ بھگوان تو من میں ہوتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں خدا کو نہیں دیکھا مگر خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ عقیدہ، ایمان اور ایقان ہی تو سب کچھ ہوتا ہے۔

میں وہاں کھڑا رادھا سے باتیں کر رہا تھا کہ گیٹ کے باہر کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی دو آدمیوں کے زور زور سے بولنے کی آواز بھی میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔ میں اچھل پڑا۔ رادھا کا چہرہ بھی دھواں ہو گیا میں اس کمرے کی طرف لپکا مگر رادھا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"وہاں جانے کا وقت نہیں ہے۔ ادھر آؤ۔"

وہ مجھے کھینچتی ہوئی بارہ دری والے چبوترے کے پچھلی طرف لے گئی۔ یہ چبوترہ تقریباً تین فٹ اونچا تھا۔ اطراف میں سفید ماربل کی سلیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ چبوترے کے قریب بیٹھ گئی اور ایک سل پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اس پتھر کو اس طرف دباؤ یہ اپنی جگہ سے ہٹ جاوے گا جلدی کرو۔" رادھا نے سرگوشی میں کہا۔

میں دونوں ہاتھ سل پر رکھ کر ایک طرف دبانے لگا۔ ذرا سی کوشش سے وہ سل سلائیڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف سرک گئی۔

"اندر جاؤ۔ جلدی۔" رادھا بولی۔

میں جلدی سے اس خلا کے اندر اتر گیا۔ اوپر سے وہ چبوترہ تین فٹ اونچا تھا لیکن نیچے سے بھی دو تین فٹ مزید گہرا تھا اس طرح زمین سے چبوترے کی چھت کی اونچائی تقریباً پانچ فٹ تھی۔ اوپر جس جگہ مورتی رکھی ہوئی تھی وہاں کسی جگہ سے ہلکی سی روشنی اندر آ رہی تھی۔

نیچے اترتے ہی میں نے وہ ماربل کی سل کھینچ کر اس کی جگہ پر فٹ کر دی اور جیب سے ریوالور نکال کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میرا قد ساڑھے پانچ فٹ سے نکلا ہوا تھا۔ اس لئے مجھے کچھ جھک کر کھڑے ہونا پڑا تھا۔

اسی وقت اس مندر کی چھت پر لگی ہوئی پیتل کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ گھنٹی رادھا نے بجائی تھی اس کے فوراً ہی بعد گیٹ کی کال بیل کی ہلکی سی آواز بھی سنائی دی تھی۔

رادھا نے بڑے زور سے گیٹ کا کنڈا کھولا تھا۔ وہ غالباً وہی آدمی تھے جو اندر آ گئے تھے۔ وہ دونوں باری باری رادھا سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ ان کی آواز تو سنائی دے رہی تھی مگر باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میری گردن دکھنے لگی اور آخر کار میں نیچے بیٹھ گیا۔ یہ جگہ کچھ چوڑی بھی اتنی ہی تھی جتنا اوپر چبوترہ تھا اور وہ چبوترہ دس بائی دس فٹ کا تو ضرور رہا ہوگا۔

میں اسے چبوترے کا تہہ خانہ ہی کہوں گا۔ اوپر مورتی کے قریب کسی سوراخ سے مدھم سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ لیکن وہ روشنی ایسی نہیں تھی کہ کچھ نظر آ سکتا۔ تاریکی تو تھی ہی مگر گھٹن بالکل نہیں تھی۔ چھت والے اس ایک سوراخ کے علاوہ شاید کوئی اور بھی ایسی جگہ تھی جہاں سے ہوا آ رہی تھی۔

اس تہہ خانے میں مجھے بیٹھے ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب اس سوراخ سے بھی روشنی نہیں آ رہی تھی جس سے قبر جیسی تاریکی چھا گئی تھی۔ ایک دو مرتبہ میں نے دیوار سے کان لگا کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ وہ دونوں آدمی غالباً باہر فوارے کے قریب کی بنچ پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آوازیں سنائی

دے رہی تھیں مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ بیچ بیچ میں رادھا کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

پچھلے دنوں جب میں تہہ خانے میں چھپا تھا تو ناگ راج کے آدمیوں نے کم از کم دو مرتبہ آشرم پر چھاپہ مارا تھا۔ ان کے چیخنے چلانے اور توڑ پھوڑ کی آوازیں تہہ خانے میں بھی سنائی دیا کرتی تھیں مگر ان دونوں آدمیوں کی نہ تو چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دی تھیں اور نہ ہی توڑ پھوڑ کی۔ وہ جس طرح رادھا سے باتیں کرتے رہے تھے اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔ گپ شپ کے انداز میں باتوں کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اب میں اپنے آپ میں بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ کون لوگ تھے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ناگ راج ہی کے آدمی ہوں اور آشرم کی مستقل نگرانی کے لئے یہاں آگئے ہوں۔ ونکا پر انہیں شبہ تو تھا ہی۔

مزید پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر چبوترے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور چھت پر لٹکی ہوئی گھنٹی پہلے ایک مرتبہ پھر دوسری مرتبہ بجی۔ چند لمحے خاموشی رہی اور پھر قدموں کی آواز واپس چلی گئی۔ میں سانس روکے بیٹھا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے میری کوئی معمولی سی حرکت یا سانس لینے کی آواز انہیں کسی شبے میں مبتلا کردے۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اب میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر دیوار کی سل ہٹا دوں۔ میں اس خیال سے اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا۔ سل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ قدموں کی ہلکی سی چاپ سن کر چونک گیا۔ وہ کم از کم دو آدمیوں کے چلنے کی آواز تھی جو چبوترے کے گرد گھومتے ہوئے ٹھیک اس جگہ رک گئے تھے جہاں وہ سل تھی۔

میں تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے باہر سے کوئی ماربل کی اس سل کو ہٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔

میرے جسم کے مسام پسینا اگلنے لگے۔ میں نے ریوالور کا رخ اس طرف کر دیا۔ وہ سل آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے لگی۔ تقریباً آدھا انچ کی جھری پیدا ہوئی تو ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا در آیا اور اس کے ساتھ ہی رادھا کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔

"اس پتھر کو ہٹاؤ اے بابو۔ ہمارا زور نا ہی لاگت ہے۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے ایک ہاتھ جھری میں ڈال کر سل کو آخر تک دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا تھا میں نے ان آدمیوں کے جانے کی آواز نہیں سنی تھی۔ رادھا میرے ساتھ دھوکہ تو نہیں کر رہی تھی؟

باہر بھی گہری تاریکی تھی۔ رادھا بالکل سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور ہیولہ بھی دکھائی دے رہا۔ لباس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ بھی کوئی عورت تھی۔

"وہ لوگ چلے گئے۔ اب آجاؤ باہر۔"

یہ انکا کی آواز تھی۔ میں نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا۔ ریوالور جیب میں ٹھونسا اور دونوں ہاتھ کنارے پر جما کر اپنے آپ کو اوپر اٹھانے لگا۔

میرے باہر آتے ہی رادھا نے وہ سل برابر کر دی۔ اور ہم تینوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں آ گئے۔ انکا نے رادھا سے کچھ کہا اور مجھے لیکر تہہ خانے میں آ گئی۔

"وہ لوگ کون تھے۔ تقریباً دو گھنٹوں تک یہاں بیٹھے رہے تھے اور میں نے ان کے واپس جانے کی آواز بھی نہیں سنی۔" میں نے انکا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے سورگ باشی پتی کے رشتہ دار ہیں۔ بے پور سے آئے تھے۔" انکا نے بتایا۔ "وہ آج کی رات یہیں رہنا چاہتے تھے آشرم میں مگر میں نے انہیں چلتا کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "رادھا نے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا جو تمہیں مندر والے چبوترے کے تہہ خانے میں چھپا دیا۔ اگر وہ لوگ تمہیں دیکھ لیتے تو بلاوجہ کی الجھن پیدا ہوتی۔"

"تم کب آئی تھیں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ پہلے۔" انکا نے جواب دیا۔ "وہ لوگ پیدل واپس گئے ہیں۔ شاید اس لئے تمہیں ان کے جانے کا پتہ نہیں چلا۔"

"پیدل۔" میں چونک گیا۔ "مگر وہ تو کسی گاڑی۔"

"گاڑی اب بھی باہر کھڑی ہے۔" انکا نے میری بات کاٹ دی۔ "یہ گاڑی دراصل میری ہی ہے جو جے پور میں تھی۔ میں نے ہی کئی روز پہلے فون کیا تھا کہ گاڑی یہاں پہنچا دی جائے۔ آج لے کر آئے ہیں۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ ہمیں کہیں آنے جانے میں آسانی رہے گی۔"

ہم باتیں کر رہے تھے کہ رادھا چائے لے کر آ گئی۔ انکا نے تہہ خانے میں آنے سے پہلے اس سے غالباً چائے کے لئے ہی کہا تھا۔

اس وقت انکا مجھے فوری طور پر تہہ خانے میں لے آئی تھی۔ اسے شاید یہ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ واپس نہ آ جائیں۔ لیکن اب وہ مطمئن ہو گئی تھی اور رات کا کھانا ہم نے اوپر والے کمرے ہی میں کھایا تھا۔

رات دو بجے تک ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر میں تہہ خانے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ مجھے دیر تک نیند نہیں آ سکی۔ میں دیر تک یہی سوچتا رہا کہ کب تک چھپا رہوں گا۔ آتما رام کی موت کے بعد ناگ راج کے حلقے میں خاصی کھلبلی مچ گئی تھی اور ان کی سرگرمیاں پہلے سے بڑھ گئی تھیں جیسے جیسے دن گزر رہے تھے میرے لئے مشکلات بڑھ رہی تھیں۔ میں اگر چاہتا تو کسی بھی وقت یہاں سے نکل سکتا تھا۔ مجھے انکا یا چھپا سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ بدلے کی آگ میں جلتی ہیں تو جلتی رہیں۔ مجھے ان سے کوئی غرض نہیں تھی لیکن پاکستان کے خلاف دہشت گردی کے منصوبے نے میرے قدم روک لئے تھے۔ یہاں سے جانے سے پہلے یہ کام تو کر جانا چاہتا تھا تاکہ ان بنیوں کو احساس تو دلا سکوں کہ ہر شخص بے ضمیر اور وطن فروش نہیں ہوتا۔

اس تہہ خانے میں دیوار پر آویزاں گھڑی کی ٹک ٹک کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ اس سناٹے میں بعض اوقات مجھے اپنی سانس کی آواز بھی سنائی دینے لگتی تھی۔

چار بجے کے قریب میری آنکھیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

اور پھر وہ آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں شاید زیادہ دیر نہیں سویا تھا۔ دماغ میں غبار سا تھا

اور آنکھوں کے سامنے دھندلی تھی۔ مگر اس بھاری مردانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور جب سامنے دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ دو آدمی تھے جو کمرے کے دروازے میں کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں کلاشنکوف رائفل تھی۔ دوسرا خالی ہاتھ تھا۔ میں نے اپنا ریوالور تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر تکیے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن آواز سن کر میرا ہاتھ رک گیا۔

"نہیں مسٹر ناگی تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔"

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا اور دماغ سن ہو کر رہ گیا۔ میں اس چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دے کر دوبارہ ان کی طرف دیکھا۔ کلاشنکوف بردار قدرے پست قامت تھا۔ اور دوسرا دریودن تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی اور اس کی نظریں مجھے اپنے سینے میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ الکا نے میرے ساتھ دھوکہ کیا تھا یا وہ خود دھوکا کھا گئی تھی۔ پچھلی مرتبہ جب میں یہاں تھا تو الکا نے یہی بتایا تھا کہ دریودن اس کا وفادار ہے۔ وہ آشرم پر پڑنے والے ہر چھاپے سے پہلے فون پر اسے خبردار کر دیتا تھا۔ اور جب میں یہاں سے نکلا تھا تو الکا نے مجھے دو تین نام بتائے تھے جن سے میں بوقت ضرورت مدد لے سکتا تھا۔ ان میں دریودن کا نام بھی شامل تھا اور اسی رات میں دریودن کے کلب گیا بھی تھا۔ میرا خیال تھا کہ مریتا کلب سے دریودن کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ان کے مطابق دریودن سے رابطہ کروں گا لیکن پھر مجھے بیلا نظر آ گئی۔ اور میں دریودن کا خیال ذہن سے نکال کر بیلا کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آپ کو بتا چکا ہوں اور اب میں ڈیڑھ مہینے بعد اس آشرم میں آیا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے ناگ راج کا ایک خاص آدمی آتما رام میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ناگ راج کے آدمی پاگل کتوں کی طرح میری تلاش میں بھاگے پھر رہے تھے۔ دریودن ناگ راج کے چند خاص اور عقلمند آدمیوں میں شمار ہوتا تھا۔ دوسری طرف الکا کو دعویٰ تھا کہ وہ اس کا وفادار ہے۔ کیا الکا نے دریودن کو یہاں میری موجودگی کے بارے میں بتا دیا تھا؟

دریودن کس کا وفادار تھا۔ ناگ راج کا یا الکا کا؟ الکا تنہا تھی وہ بے یار و مددگار تھی۔ اس کی مدد تو پولیس بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پولیس اس کے شوہر کے قاتلوں کو اچھی طرح جانتی تھی لیکن آج تک کسی کو پکڑا نہیں گیا تھا۔ دوسری طرف ناگ راج تھا۔ نہایت طاقتور، چالاک اور عیار آدمی تھا۔ پولیس اس کے قبضے میں تھی۔ کوئی معمولی آفیسر تو کیا پولیس کمشنر بھی اس کے خلاف کوئی بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ بڑے بڑے منتری، منسٹر اور چیف منسٹر تک اس کی مٹھی میں تھے۔ اس کے خلاف کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں دریودن کس کا ساتھ دے گا۔ الکا یا ناگ راج کا؟

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ الکا بیوہ تھی۔ اب تک میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ ہندو بیوہ عورت کسی مرد کے بارے میں نہیں سوچتی۔ پہلے زمانے میں تو ہندو عورت شوہر کی موت پر اس کی چتا میں ہی جل کر ستی ہو جایا کرتی تھی۔ مگر قانون کی طاقت کے بل بوتے پر یہ ظالمانہ رسم ختم کر دی گئی۔ ودھوا عورت کو بھی زندہ رہنے کا حق دیا گیا۔ اسی ملکی قانون نے ہندو بیوہ عورت کو یہ حق بھی دیا کہ وہ چاہے تو دوسری شادی بھی کر سکتی ہے۔

الکا بیوہ تھی۔ ایک مرتبہ دوسری شادی کی بات ہوئی تھی تو اس نے مذہب کی آڑ لے کر صاف انکار کر دیا تھا۔ اور اس روز اس نے اپنے آپ کو جس طرح میری سپردگی میں دیا تھا اس سے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بیوہ ہونے کے باوجود وہ زندگی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

دریودن اس کی وفاداری کا دم بھرتا تھا اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ الکا اسے اپنے خوبصورت جسم کی دعوت پیش کرتی رہتی تھی۔ اور وہ اسے خوش رکھنے کے لئے ناگ راج کے خلاف ایسی چھوٹی موٹی باتیں بتاتا ہو گا جن سے ناگ راج کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

لیکن۔ اب معاملہ آتما رام کا تھا جو ناگ راج کا خاص آدمی تھا۔ آتما رام کی موت کے بعد دریودن نے سوچا ہوگا کہ کل کو اس کی باری بھی آ سکتی ہے۔ اسے الکا سے پتہ چل گیا ہوگا کہ میں آشرم کے تہہ خانے میں موجود ہوں اور اس نے مجھے پکڑنے کے لئے الکا کو بھی دھوکا دیا تھا۔

میں نے ریوالور نکالنے کے لئے تکیے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تھی تو دریودن نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے لہجے میں بھی بے پناہ سرد مہری تھی۔ میرا ہاتھ رک گیا تھا میری دونوں کہنیاں بستر پر ٹکی ہوئی تھیں اور میرا سر تکیے سے ذرا سا اوپر اٹھا ہوا تھا۔ دریودن میری طرف دیکھتے ہوئے اس طرح آگے بڑھا کہ میں دوسرے آدمی کی رائفل کی زد میں رہوں۔ اس کی نظریں بھی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے جھک کر میرے تکیے کے نیچے سے ریوالور نکالا اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"اب تم اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو مسٹر ناگی۔" اس کے لہجے میں اب پہلے جیسی کرختگی نہیں تھی۔ "مجھے دوست سمجھو" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ سب کچھ مجھے اس لئے کرنا پڑا کہ اب تک تم بہت خطرناک ثابت ہوئے ہو۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے دیکھ کر تم کوئی کارروائی نہ کر ڈالو۔ اب تم آرام سے بیٹھ سکتے ہو۔" اس نے دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ اس نے رائفل جھکا لی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"اگر تم دوست ہو تو الکا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ آتی ہی ہوگی۔ دراصل ہم سے بھی غلطی ہو گئی۔"

دریودن نے کہا۔ "پہلے یہاں الکا ہی کو آنا چاہیے تھا۔ وہ تمہیں جگا کر صورتحال سے آگاہ کر دیتی تو ہم بعد میں تمہارے سامنے آتے۔ لیکن الکا نے پہلے ہمیں بھیج دیا کہ وہ خود چائے لے کر آ رہی ہے۔ ہمارا تمہیں جگانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ہم تمہیں الکا کے آنے سے پہلے جگانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ میں تو دروازے میں کھڑا دیکھ رہا تھا کہ وہ کون سو رہا ہے جس نے ناگ راج کے آدمیوں کو نچا کر رکھ دیا ہے اور جنگل میں کہرام مچا رکھا ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور میں حیرت سے یہی کہہ رہا تھا کہ تم وہ شخص ہو۔ اسی وقت ہماری باتوں کی آواز سن کر تمہاری آنکھ کھل گئی اور کسی غلط فہمی سے بچنے کے لئے ہمیں یہ ڈرامہ کرنا پڑا۔ یہ انداز اختیار کرنا پڑی۔ آنکھ کھلتے ہی تم نے جس پھرتی سے ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا وہ قابل تعریف ہے تم واقعی مہا سورما ہو۔ میں تمہیں پرنام کرتا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور میرا ریوالور میرے سامنے بستر پر رکھ دیا۔

"شکریہ مسٹر وریودن۔ تم لوگوں نے تو واقعی مجھے ڈرا دیا تھا۔" میں سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا۔" وہ چونک گیا۔ "میں نے تو ابھی اپنا تعارف نہیں کرایا۔"
"غائبانہ تعارف انکا نے کرا دیا تھا اور اس رات میں نے تمہیں مرینا کلب میں دیکھا تھا جب بیلا میرے ہاتھ لگی تھی۔" میں نے کہا۔
"اوہ..... تو تم میرے کلب میں بیلا کا تعاقب کرتے ہوئے پہنچے تھے۔" وہ بولا۔
"نہیں۔ جب بیلا آئی تو میں پہلے سے وہاں موجود تھا۔" میں نے کہا۔ "میں نے بیلا کو جاتے ہوئے دیکھا تو میں بھی اس کے پیچھے اوپر والی بالکونی میں پہنچ گیا تھا۔ وہ تمہارے دفتر میں چلی گئی اور میں چھمیا والی میز پر بیٹھ گیا۔"
"تو تم چھمیا کو پہلے سے جانتے تھے۔" وریودن نے کہا۔
"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ اس سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ وہ شکاری عورت ہے اسے پٹانے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا اور پھر جب میں نے بیلا کے بارے میں بات کی تو اس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں سلگتی دیکھ کر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بھی چوٹ کھائے ہوئے ہے۔ ایک سال پہلے اس کی چھوٹی بہن ناگ راج کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ یہی لڑکی اس وقت میرے کام آ سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب تم بیلا کے ساتھ کلب سے باہر نکلے تو چھمیا نے بتایا کہ تم کون ہو۔ میں نے چھمیا کو کچھ ہدایات دے کر بیلا کا تعاقب شروع کر دیا۔ مرینا کلب میں، میں ملنا تو تم سے ہی چاہتا تھا مگر بیلا کی وجہ سے میرا پروگرام بدل گیا۔" میں چند لمحے خاموش ہوا پھر اس رات کے واقعات تفصیل سے بتانے لگا۔
"اور اس کے بعد تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ یہاں تو لوٹ کر نہیں آئے تھے۔" وریودن نے میرے خاموش ہونے پر پوچھا۔
"میں نے ایک اور محفوظ جگہ تلاش کر لی تھی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔
"چھمیا کہاں ہے؟" وریودن نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔
"وہ بھی محفوظ ہے۔"
"گڈ۔ ذہین آدمی ہو۔" وریودن مسکرا دیا۔ "پرسوں رات آتما رام تک کیسے پہنچے تھے؟"
"میں نے کچھ لوگوں کے نام معلوم کر لئے ہیں جو ناگ راج کے بہت قریب ہیں۔ ان میں آتما رام کا نام بھی شامل تھا۔" میں نے کہا۔ "میں ناگ راج کے آس پاس کے آدمیوں کو ختم کر کے اسے یہ احساس کرا دینا چاہتا ہوں کہ میں بہت جلد اس کا پھن بھی کچلنے والا ہوں۔"
"بات یہ ہے ناتی۔" وریودن نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔
"اتفاق سے تم ایک خطرناک جنگل میں آ گئے ہو اور اتفاق سے تم نے ایک ایسے ناگ پر پاؤں رکھ دیا ہے جو سب سے خطرناک اور سب سے زہریلا ہے۔ تمہارے چاروں طرف بھی زہریلے ناگ پھن پھیلائے کھڑے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو میں اس کی نہایت اذیت ناک موت کی پیشگوئی کر سکتا تھا۔ تمہارے بارے میں مجھے پورا وشواس ہے کہ تم ناگوں کے اس چکر سے نکل جاؤ گے۔" وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ باہر راہداری کی طرف سے قدموں کی چاپ سن کر خاموش ہو گیا۔

وہ انکا تھی جو چائے کی ٹرے اٹھائے چلی آ رہی تھی۔ میں نے سامنے گھڑی کی طرف دیکھا اس وقت صبح کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ گویا ان لوگوں کے آنے سے پہلے میں صرف دو گھنٹے سو سکا تھا۔ میرے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔
میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا اور ٹھنڈے پانی کا نل کھول کر سر نیچے کر دیا۔ ٹھنڈے یخ پانی سے میرے دماغ کی تپش کچھ کم ہوئی۔
وریودن اور سمپت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انکا بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ میں بھی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور ہم اپنے اپنے کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگے۔
"اب صورتحال یہ ہے۔" وریودن نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ "ناگ راج کو یہاں ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت بھیجا گیا تھا اسے سرکار کے بعض اعلیٰ افسروں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اگر ناگ راج اپنے آپ کو محدود رکھتا تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن اس نے اپنے گرد کچھ ایسے آدمی جمع کر لئے جن کا کردار کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں تھا۔ وہ ہاتھ پیر پھیلاتا رہا اور پھر اپنے انہی غنڈوں کی مدد سے اس نے مندر کے پروہت کو قتل کر کے مندر پر قبضہ کر لیا۔ ہمارے یہ مندر دراصل عبادت گاہیں نہیں دولت کا خزانہ ہیں۔ ہر کوئی ان پر قابض ہونا چاہتا ہے اور اس کے لئے اندر ہی اندر سازشیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔"
"ناگ راج نے دولت کے لئے اوبیاتھ مندر پر قبضہ کیا تھا۔ یہاں تک بھی معاملہ قابل برداشت تھا لیکن وہ مزید پھیلتا چلا گیا۔ مندر میں جانے والی کوئی بھی حسین عورت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں تھی اس کے خلاف کچھ شکایتیں بھی ہوئیں مگر ان پر توجہ نہیں دی گئی۔ بعض ذمے دار پولیس افسروں نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا چاہا مگر انہیں بھی پراسرار طور پر مروا دیا گیا۔ انکا کا پتی بھی ان فرض شناس اور ذمے دار افسروں میں شامل تھا جو ناگ راج کی زیادتیوں کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔"
"ناگ راج کی مستیاں بڑھتی رہیں۔ ایک سال کے عرصہ میں چھ عورتیں اس کی ہوس کا شکار ہو کر اپنے جیون سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ان کی بگڑی ہوئی لاشیں ویران سڑکوں پر پڑی ہوئی ملی تھیں۔ بے شمار عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے عزت لٹ جانے کے بعد رسوائی کے خوف سے اپنی زبانیں بند رکھیں۔ تین عورتوں نے آتم ہتیا کر لی اور ان میں ایک سمپت کی بہن بھی شامل ہے اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔"
میں نے سمپت کی طرف دیکھا۔ بہن کے تذکرے پر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔
"انکا تمہیں بہت کچھ بتا چکی ہے اس لئے میں بات کو زیادہ طول نہیں دوں گا۔" وریودن کہہ رہا تھا۔ "ناگ راج پھیلتا چلا گیا اور اس قدر طاقت اختیار کر گیا کہ راجستھان کا منسٹر اور نئی دہلی کے بعض سرکاری آفیسر بھی اس کے سامنے بے بس ہو گئے۔ ویسے ایک بات یہ بھی کہ اسے جو ذمے داری سونپی گئی تھی اسے وہ بڑی خوبی سے نبھا رہا تھا اور اب بھی نبھا رہا ہے۔ اس لئے ابھی سرکار کی طرف سے اس

کی ہر زیادتی کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس سیلاب کے سامنے بند باندھنا چاہتے ہیں۔ کچھ کوششیں بھی کی گئیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اتفاق سے تم نہایت خستہ حالت میں انکا تک پہنچ گئے اور پھر انکا کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ تم وہی سورما ہو جو سرحدی قصبے کدالیا سے یہاں تک ناگ راج کے آدمیوں کو کاٹتا آیا ہے اور آخر کار ناگ راج کے سامنے اوپا تھ مندر سے بھی بھاگ نکلا تھا۔

"ناگ راج کے آدمی تمہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ یہ ذمے داری مجھے بھی سونپی گئی۔ انکا تمہارے بارے میں بتا چکی تھی۔ انکا ناگ راج کی نظروں میں مشتبہ تھی۔ اس لئے اسے شبہ تھا کہ تم پناہ دے سکتی ہے۔ میں انکا کو پہلے ہی سے خبردار کر دیتا اور تمہیں تہہ خانے میں چھپا دیا جاتا۔

"میں پولیس میں حوالدار تھا۔ شیام لال کے قتل کے کچھ عرصہ بعد میں ناگ راج کے منظورِ نظر لوگوں میں شامل ہو گیا اور اپنی حرامزدگیوں کی وجہ سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ شیام لال میرا فرسٹ کزن تھا۔ ناگ راج کو میرے اور شیام لال کے بیچ یہ رشتہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔ ہم راجپوت تھا کر لوگ دشمن سے انتقام ضرور لیتے ہیں بھی اس میں کچھ وقت تو لگتا ہے لیکن دشمن کو نرک میں پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔

"شیام لال کے علاوہ اور بہت سے بے گناہ ایسے تھے جو ناگ راج کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ میں نے چوری چھپے ان کے رشتہ داروں سے رابطے کرنا شروع کر دیے اور انہیں اپنا ہم نوا بنا لیا۔ ہم اب بھی کمزور تھے۔ ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو اس زہریلے ناگ کے پھن کو کچل سکے اور بالآخر تمہاری صورت میں وہ آدمی ہمیں مل گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اور صرف تم ہی وہ شخص ہو جو اس ناگ کا سر کچل سکتے ہو۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ میں کچھ بولوں گا مگر میری خاموشی پر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"تمہیں انکا سے یہ پتہ چل گیا ہے کہ ناگ راج کو یہاں کون سا مشن سونپا گیا ہے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ میں نے اس مرتبہ بھی زبان نہیں کھولی۔ وہ کہنے لگا۔ "پاکستان سے تم جیسے نوجوانوں کو اغوا کر کے یا لالچ دے کر یہاں لایا جاتا ہے۔ پاکستان خصوصاً کراچی کے سیاسی حالات ایسے ہیں کہ ہمیں اپنے مطلب کے نوجوان آسانی سے مل جاتے ہیں۔ یہاں انہیں ہر قسم کی سہولت دی جاتی ہے۔ شراب، عورتیں، ہر چیز فراہم کی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی برین واشنگ کر کے ان کے ذہنوں میں پاکستان کے خلاف اس قدر نفرت بھر دی جاتی ہے کہ پاکستان کا نام سنتے ہی ان کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگتی ہیں۔ انہیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ انہیں پاکستان میں ان کے جائز حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ زیادتیاں کی جاتی ہیں۔ انہیں نچلے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ انہیں مختلف لوگوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی ایسی ویڈیو فلمیں بھی دکھائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر خون کھول اٹھتا ہے۔ اس طرح سے ان کے دلوں میں نفرت بھر دی جاتی ہے۔ انہیں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دے کر انسانی بم بنا دیا جاتا ہے اور جب انہیں واپس بھیجا جاتا ہے تو وہ اپنے ہی شہریوں کے لئے موت کے فرشتے بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو فریڈم فائٹر سمجھ کر لڑتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ کارروائیاں حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گی یا ان کی قربانیاں دوسروں کے لئے راستہ کھول دیں گی۔

"میں یہ سب کچھ تمہیں اس لئے بتا رہا تھا کہ مجھے تم سے یا تمہارے ملک سے ہمدردی ہے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں اگر تم ناگ راج کے خلاف ہماری مدد کرو گے تو ہم بھی تم سے تعاون کریں گے۔ تمہیں کچھ ایسے ٹھوس ثبوت دیئے جائیں گے جنہیں تمہاری حکومت ہماری سرکار کے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔ ان ثبوتوں کو بین الاقوامی عدالت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہماری سرکار کو بدنامی اور ہزیمت ضرور ہوگی مگر ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ساری بات ناگ راج پر آئے گی اور اس کا راج ختم ہو جائے گا۔"

"حیرت ہے۔" میں نے پہلی بار زبان کھولی۔ "یہ باتیں تم اپنے ہی ملک کے خلاف کر رہے ہو۔"

"یہ سیاست ہے میرے دوست۔" دریودن مسکرایا۔ "سیاست بہت گندی چیز ہے اپنے ذاتی مفاد اور اقتدار کے لئے سیاستدان اور حکمران تو ہزاروں بے گناہوں کو کٹوا دیتے ہیں۔ ان کے اقتدار کی کرسی ہلنے لگتی ہے تو کبھی چین اور کبھی پاکستان سے جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔ ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں مگر انہیں کسی کی پروا نہیں ہوتی۔ سازش کا عنصر تو ہندوستان کی مٹی میں شامل ہے یہاں تو دھرم بھی سازشوں سے نہیں بچا اور ہم اپنے ملک کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہے۔ غداری نہیں کر رہے۔ اپنا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ اس سے ہماری سرکار کو تھوڑا بہت نقصان تو پہنچے گا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ سلسلہ وقتی طور پر رک جائے گا لیکن کچھ عرصہ بعد پھر شروع ہو جائے گا۔ دشمن تو دشمن ہی ہوتا ہے نا، اس سے دوستی نہیں ہو سکتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "کل رات تمہیں کچھ ایسی چیزیں دکھائی جائیں گی جس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا ساتھ دے کر تم اپنے دیش کی کتنی بڑی خدمت کرو گے۔"

دریودن دیر تک بولتا رہا۔ انکا اور سمپت اس دوران خاموش ہی رہے تھے۔ میں بھی زیادہ تر خاموشی سے باتیں سنتا رہا۔

وہ لوگ دوپہر بارہ بجے تک وہاں رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ دریودن نے انکا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوشش کرے گا کہ اب ناگ راج کا کوئی آدمی اس طرف نہ آ سکے۔ ویسے بھی انکا کے کہنے کے مطابق پچھلے ایک مہینے سے کسی نے اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔ لیکن بہر حال، دریودن نے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

انکا بھی ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اپنی گاڑی پر چلی گئی تھی۔ میں نے گیٹ میں کھڑے ہو کر گاڑی دیکھی تھی۔ سیاہ رنگ کی لینڈ کروزر تھی۔ دیکھنے میں وہ اگرچہ پرانی ہی لگتی تھی لیکن انجن کی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی خاصی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔

انکا کے جانے کے بعد میں فوارے کے قریب نیم کے درخت کے نیچے بیچ پر بیٹھ گیا اور دریودن کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اسی دوران رادھا چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے کپ میرے قریب بیچ پر رکھ دیا اور خود سامنے دوسرے بیچ پر بیٹھ گئی۔ میں نے ایک دو مرتبہ اس کی طرف دیکھا اس کی نظروں میں کوئی ایسی بات تھی جو مجھے بے چین کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر مندر کی طرف چلی گئی۔

دریودن کی باتوں نے میرے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے پنڈت بھیرو سنگھ کی

باتیں بھی سنی تھیں اور چھپیا کی بھی۔ وہ سب ناگ راج سے کسی نہ کسی بات کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ پنڈت بھیرو کو اس بات کا خوف تھا کہ ناگ راج اس کے مندر پر بھی قبضہ کر لے گا اور وہ زندگی کی تمام عیاشیوں سے محروم ہو جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے اسے زندگی سے ہی محروم کر دیا جائے۔ اکا اپنے شوہر کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ چھپیا اور سمپت کے سینے میں اپنی بہنوں کے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ وہ سب ناگ راج سے انتقام لینا چاہتے تھے اور ان سب نے اس نیک کام کے لئے میرا انتخاب کیا تھا۔

دریودان اور اکا نے مجھے آمادہ کرنے کے لئے ایک ایسا راستہ دکھایا تھا جس پر چلنے سے میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مٹی کی محبت بھی بڑی عجیب ہوتی ہے جب میں پاکستان میں تھا تو صرف اتنا جانتا تھا کہ پاکستان کا شہری ہوں۔ لیکن اس مٹی کی محبت میں، میں نے کوئی قابل فخر کام نہیں کیا تھا البتہ جرائم کی راہ اپنا کر اس کے مسائل میں کچھ اضافہ ضرور کر دیا تھا اور اب جب میں وطن سے دور دشمنوں میں گھرا ہوا تھا تو اس وطن کی محبت میرے سینے میں طوفان بن کر اٹھ رہی تھی اور میں نے بھی طے کر لیا تھا کہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی یہاں سے جاؤں گا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندو بنیا کبھی کسی کا وفادار نہیں رہا اور دریودان نے بھی یہ اعتراف کیا تھا کہ سازش اور غداری اس قوم کی فطرت میں شامل تھی۔ ان کا دھرم بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رہا تھا اور اس نے غلط نہیں کہا تھا کچھ مثالیں تو میرے سامنے تھیں۔ ناگ راج نے پروہت کو قتل کر کے اویناتھ مندر پر قبضہ کیا تھا۔ پنڈت بھیرو سنگھ اپنی گدی بچانے کے لئے ناگ راج کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اکا اور دریودان وغیرہ تو قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے انہوں نے مجھے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

وہ چاہتے تو اپنے کسی آدمی سے بھی کام لے سکتے تھے لیکن اس طرح خود ان پر زد پڑتی جبکہ میرے فرار کے بعد وہ کہہ سکتے تھے کہ پاکستانی جاسوس ناگ راج کو قتل کر کے اہم راز لے کر فرار ہو گیا۔ اس طرح بات ان پر نہیں پاکستان پر آتی۔

جہاں تک میری سوچ کا تعلق تھا تو میرے خیال میں اس کا فائدہ پاکستان ہی کو پہنچتا تھا۔ اگر میں ناگ راج کو قتل کر کے یا ان کے مشن کو کسی اور طریقے سے نقصان پہنچا سکتا تو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتوں کا سلسلہ ختم نہ ہوتا تو ان میں وقتی طور پر کمی آ سکتی تھی۔

"بابو۔" رادھا کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ میرے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔ "بھوجن کرتے ہو یا نہیں۔"

"او بھوجن۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔ بھوک تو لگ رہی ہے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد میں اکا والے کمرے میں موجود تھا۔

رادھا نے فرش پر ہی دری بچھا دی تھی۔ اور میرے بیٹھتے ہی اس نے تھال میرے سامنے رکھ دیا۔ میں کھانا کھاتا رہا اور وہ میرے سامنے بیٹھی مجھے دیکھتی رہی۔

اکا شام کے قریب واپس آئی تھی۔ اس وقت وہ گاڑی آشرم کے گیٹ کے اندر لے آئی تھی۔

اس نے کینوس کا ایک بیگ گاڑی سے نکال کر اپنی الماری میں رکھ دیا۔ رات بارہ بجے تک تو میں اس کے کمرے میں بیٹھا باتیں کرتا رہا اور پھر سونے کے لئے تہہ خانے والے کمرے میں آ گیا۔ دریودان نے اگرچہ وعدہ کیا تھا کہ ناگ راج کے آدمیوں کو اس طرف نہیں آنے دے گا مگر احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے رات تہہ خانے ہی میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

رات کو کسی وقت سوتے میں سینے پر بوجھ محسوس کر کے میری آنکھ کھل گئی۔ وہ بوجھ بڑا نرم و گداز تھا۔ اکا یا تو میری توانائی و رعنائی سے متاثر ہوئی تھی یا وہ مجھے پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لینا چاہتی تھی تاکہ میں ہاتھ پیر بھی نہ مار سکوں۔ اسی لئے وہ بار بار مجھ پر مہربان ہو رہی تھی۔

میری نیند اڑ چکی تھی۔ رات کا باقی حصہ اکا سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے ہی گزرا تھا۔ صبح میں دیر تک سویا رہا۔

اس رات کھانا کھانے کے بعد تقریباً دس بجے کے قریب اکا ایک بار پھر میرے ساتھ تہہ خانے میں موجود تھی۔ لیکن اس وقت اس کی آمد کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس کے ہاتھ میں کینوس کا وہی بیگ تھا جسے ایک روز پہلے میں نے اسے گاڑی سے اتارتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بیگ بیڈ پر رکھ کر اس کی زپ کھول رہی تھی۔

بیگ سے برآمد ہونے والی چیزیں دیکھ کر میں حیران ہو رہا تھا پولیس کی یونیفارم، کیپ، ہولسٹر اور ریوالور کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔

"یہ وردی پہن لو۔ ہم ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔" اکا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتی تھی جس کے لئے پولیس کی وردی پہننا ضروری تھا۔

"یہ میرے پتی کی یونیفارم ہے۔" اکا نے میری الجھن کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "جس جگہ ہم جا رہے ہیں تمہارے لئے یہ وردی پہننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر اس علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکو گے۔"

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر یونیفارم اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔ اس کا شوہر شیام لال غالباً میرے ہی قد و قامت کا مالک تھا کیونکہ یہ وردی مجھے اس طرح فٹ آ گئی تھی جیسے میرے لئے ہی سلائی گئی ہو شولڈرز پر لگے ہوئے بیج انسپکٹر کا ہر کر رہے تھے۔ میں ہمیشہ پولیس کی وردی کو دور سے ہی دیکھ کر بھاگتا رہا تھا اور اب خود یہ وردی پہن لی تھی۔ میرے سر کے بال خاصے لمبے تھے جنہیں میں نے کیپ میں چھپا لیا اور جب میں باہر نکلا تو مجھے دیکھ کر اکا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں اس وردی میں دیکھ کر مجھے اپنا پتی یاد آ رہا ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح بہت اسمارٹ تھا۔" اکا نے مجھے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"وردی دیکھ کر پتی یاد آ رہا ہے۔" میں نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کسی اور موقع پر اس کی یاد نہیں آئی۔"

”تم بہت شریر ہو۔“ انکا نے آہستہ سے میرے سینے پر گھونسہ مارا۔ میں نے ہولسٹر بیلٹ اٹھا کر کمر سے باندھ لیا اور ریوالور کھول کر چیک کرنے لگا۔ اعشاریہ تین آٹھ کے اس ریوالور کا چیمبر گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ بیلٹ میں بھی تقریباً دو درجن کارتوس لگے ہوئے تھے۔

”ویری اسمارٹ۔“ انکا نے ایک بار پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ارادہ ہے۔“ میں نے اسے گھورا۔ ”وردی اتار دوں؟“

”ابھی نہیں۔“ انکا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

ہم تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ رادھا اس وقت رسوئی میں تھی۔ چند منٹ بعد ہی وہ ہمارے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ ہم غالباً کسی ایسی جگہ پر جا رہے تھے جہاں پانی یا چائے ملنے کی توقع نہیں تھی کیونکہ ہمیں چائے دینے کے بعد رادھا نے پانی کی ایک بڑی چھاگل بھی گاڑی میں رکھ دی تھی۔

چائے پینے کے فوراً ہی بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے اس وقت رات کے گیارہ بجے رہے تھے۔ انکا نے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا۔ میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

لینڈ کروزر مختلف سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی دلواڑہ روڈ پر پیلس ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ انکا نے انجن بند کر دیا اور ابھی آئی کہہ کر نیچے اتر گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا وہ ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

ہوٹل پیلس کسی زمانے میں اجمیر ہاؤس ہوا کرتا تھا۔ بہت شاندار عمارت تھی۔ اس میں کچھ تبدیلیاں کر کے رہائشی ہوٹل بنا لیا گیا تھا۔ شہر میں دو چار ہی تو ایسے بڑے ہوٹل تھے جنہیں فائیو اسٹار بھی کہا جا سکتا تھا اور ڈیلکس بھی۔ اور پیلس ہوٹل کا شمار بھی ایسے ہی ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔

میں اپنی سیٹ پر بیٹھا محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ریوالور بھی ہولسٹر سے نکال کر گود میں رکھ لیا تھا اور اس کا سیفٹی کیچ بھی ہٹا دیا تھا۔ بظاہر میرے لئے خطرے کی کوئی بات نہیں تھی مگر میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

انکا تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آئی تھی اس نے سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ میں نے انکا سے یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ پیلس ہوٹل میں کیوں گئی تھی اور نہ ہی اس نے کچھ بتایا۔

گاڑی ہلکی رفتار سے سڑک پر دوڑتی رہی۔ اس طرف کچھ آگے دلواڑہ کا علاقہ تھا جہاں چند قدیم جین مندر تھے۔ دن کے وقت تو دلواڑہ روڈ پر یاتریوں اور سیاحوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی لیکن آدھی رات کے وقت سڑک پر سناٹا تھا۔ اس سڑک پر واقع اکا دکا عمارتیں بھی اب بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی یہ سڑک تاریکی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انکا نے گاڑی روک لی۔ وہاں دائیں طرف ایک اور تنگ سڑک مڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ موڑ پر ایک چھوٹا سا بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر ہندی میں کچھ تحریر تھا اور نیچے تیر کا نشان بنا ہوا تھا۔

انکا نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا دیئے۔ ایک منٹ کے توقف کے بعد اس نے دو مرتبہ

ہیڈ لیمپس جلائے بجھائے اور سڑک پر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انکا نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا کر کوئی مخصوص سگنل دیا تھا اور اب اسے کسی کا انتظار تھا۔ اس وقت ہیڈ لیمپس بجھے ہوئے تھے اور چاروں طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

چند منٹ بعد ہی ایک ہیولا دائیں طرف جھاڑیوں سے نکل کر ہماری طرف بڑھتا نظر آیا میں نے ریوالور ہاتھ میں لے لیا۔ وہ ہیولا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ڈرائیونگ سائیڈ پر گاڑی کے قریب رک گیا۔ انکا نے اس سے کچھ بات کی اور پھر دروازہ کھول دیا اور انجن چلتا چھوڑ کر سیٹ کے اوپر سے پھلانگ کر پچھلی سیٹ پر چلی گئی۔ وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور اسٹیئرنگ سنبھال کر گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ذہن میں یہ شبہات بھی سر ابھار رہے تھے کہ میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کیا جا رہا۔ لیکن پھر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میں تو اب تک مکمل طور پر انہی کے رحم و کرم پر تھا وہ جب چاہتے میرا خاتمہ کر سکتے تھے۔

تقریباً نصف میل آگے جانے کے بعد گاڑی دائیں طرف پہاڑیوں میں ایک تنگ راستے پر مڑ گئی۔ پہاڑیوں میں ان پتھریلے راستوں پر کئی موڑ گھومنے کے بعد گاڑی ایک ویران اور کھنڈر عمارت کے سامنے رک گئی۔ یہ غالباً کوئی مندر تھا جو ایک اونچے چبوترے پر بنا ہوا تھا۔ اس شخص نے انجن بند کر دیا اور ہم تینوں نیچے اتر آئے۔ انکا نے پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا ایک بیگ بھی اٹھا لیا تھا۔

انکا بیگ لئے مندر کے اندر چلی گئی۔ اور اس کے کچھ ہی دیر بعد اندر کسی جگہ روشنی دکھائی دینے لگی۔ انکا نے کوئی لیمپ جلایا تھا۔ میں اس دوسرے آدمی کے ساتھ باہر چبوترے پر بیٹھا رہا۔ اس وقت بھی میرا ذہن کچھ الجھ گیا تھا۔ انکا اس ویران مندر میں کیا کرنے گئی تھی؟ مندر ٹوٹا پھوٹا تھا اور یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ یہاں کوئی پوجا پاٹ کی جاتی ہوگی۔ باہر بکھرے ہوئے پتھر دیکھ کر تو یہ اندازہ لگایا ہی جا سکتا تھا کہ اس طرف تو کوئی پجاری بھی بھول کر نہیں آیا ہوگا۔

انکا نے اندر سے پکار کر کچھ کہا تو اس آدمی نے اٹھ کر گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے۔ گاڑی کا رخ مندر کی طرف تھا اور روشنی سیدھی پڑ رہی تھی۔ صرف ایک منٹ بعد انکا مندر کے دروازے سے برآمد ہوئی تو اسے دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

انکا کے جسم پر بہت مختصر لباس تھا۔ زیریں حصے پر چند انچ چوڑا اورنج رنگ کا کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اس کپڑے کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ گھٹنوں سے اوپر بلکہ بہت اوپر تک ٹانگیں برہنہ تھیں۔ بلاؤز بھی کچھ عجیب سا تھا۔ چند انچ چوڑا کپڑا صرف سامنے کے رخ پر تھا۔ پشت برہنہ تھی۔ کمر پر چاندی کی ایک ڈھیلی ڈھالی سی چین بندھی ہوئی تھی۔ گلے میں سونے کی چین اور کانوں میں بھی بندے تھے۔ ایسا لباس میں نے صرف انڈین فلموں میں دیکھا تھا اور اب انکا کو اسی لباس میں دیکھ رہا تھا۔

انکا قریب پہنچی تو میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ میری سانس بے قابو ہو رہی تھی اور میں بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھا اگر وہ دوسرا آدمی نہ ہوتا تو شاید میں اپنے حواس کھو بیٹھتا۔

انکا ہمارے قریب ہی چبوترے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا بیگ ایک بار پھر کھول لیا اور گاڑی کے

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں میک اپ کرنے لگی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم گاڑی میں آ گئے اس مرتبہ انکا آگے پسنجر سیٹ پر بیٹھی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر تھا۔ انکا کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ بیوہ عورت ہے۔ اس کی بیوگی نے تو اس روز دم توڑ دیا تھا جب میں نے اسے تہہ خانے والے باتھ روم کے ٹب میں دیکھا تھا۔

لینڈ کروزر پہاڑیوں سے نکل کر پھر سڑک پر آ گئی اور تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگی۔ دلواڑہ کے جین مندر اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ گاڑی ایک بار پھر پہاڑیوں میں تنگ سے راستے پر مڑ گئی۔ چٹانوں میں پیچ و خم کھاتا ہوا یہ راستہ بتدریج بلندی کی طرف جا رہا تھا اور آخر کار گاڑی نشیب میں اترنے لگی اور ایک چٹان کے اوپر سے گھومتے ہی رک گئی۔

دو تین کمروں پر مشتمل ایک مختصر سی عمارت تھی۔ جس کے ساتھ ہی خاردار تاروں کا ایک گیٹ بنا ہوا تھا۔ خاردار تاروں کی باڑ دائیں بائیں پہاڑیوں میں دور تک چلی گئی تھی۔ اس باڑ نے غالباً کئی مربع میل تک کا علاقہ گھیرے میں لے رکھا تھا۔

گیٹ کے سامنے گاڑی رکتے ہی دو آدمی سامنے آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ ان میں سے ایک تو گیٹ کے اندر ہی رائفل تانے کھڑا رہا اور دوسرا گیٹ کھول کر گاڑی کے قریب آ گیا۔

"کون ہو تم لوگ اور اس طرف کیسے آ گئے؟" گارڈ کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"اوہ" ڈرائیور گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "اس کا مطلب ہے تمہیں ابھی تک اطلاع نہیں دی گئی۔"

"کیسی اطلاع؟" گارڈ نے اسے گھورا۔

"گورکھ سنگھ کو فون پر بتا دو کہ تارا بائی گیٹ پر انتظار کر رہی ہے۔" ڈرائیور نے کہا اس مرتبہ اس کا لہجہ بھی کھردرا تھا۔

"تارا بائی" گارڈ زیر لب بڑبڑایا۔ اس نے جھک کر دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی انکا کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھنے لگے۔ "یہ کون ہے؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ڈرائیور سے پوچھا۔

"تارا بائی کا سرکاری گارڈ انسپکٹر رنجیت، جے پور سے اس کے ساتھ آیا ہے۔ اب تم جاؤ اور گورکھ سنگھ کو اطلاع کر دو۔ اگر تارا بائی واپس چلی گئی تو تمہاری نوکری ختم ہو جائے گی۔"

گارڈ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے ڈرائیور اور انکا کو دیکھتا رہا پھر گیٹ کے اندر چلا گیا۔ اس نے دوسرے گارڈ سے کچھ کہا اور عمارت میں غائب ہو گیا اس کی واپسی تقریباً تین منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے دوسرے گارڈ کو اشارہ کر دیا اس نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

تقریباً سو گز آگے ایک اور چٹان کے گرد گھومتے ہی میں چونک گیا سامنے نشیب میں روشنیوں کا جھرمٹ سا تھا۔ ادھر ادھر بھی کچھ روشنیاں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"یہ وہ کیمپ ہے جہاں پاکستانی نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔" انکا نے نشیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گورکھ سنگھ اس کیمپ کا ڈپٹی کمانڈر ہے۔ یہاں تک آنے کے لئے

یہی ایک طریقہ تھا جو ہم نے اپنایا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں دکھانا چاہتی تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کس طرح انسانی بم تیار کیے جاتے ہیں تم جو کچھ بھی دیکھو ذہن نشین کرتے رہنا۔ واپس جا کر میں تمہیں کچھ ایسی چیزیں دوں گی جو تم اپنے ساتھ لے جا سکو گے۔"

میں نشیب میں جگمگاتی ہوئی ان روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دہشت گردی کی تربیت کا یہ کیمپ بہت محفوظ جگہ پر لگایا گیا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان پہاڑیوں میں کیا ہو رہا ہے۔

ہم چند منٹ میں ہی دہشت گردوں کی اس بستی میں پہنچ گئے۔ فوجی بیرک نما چند عمارتیں تو قریب قریب تھیں اور ایسی ہی کچھ عمارتیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ یہ کیمپ شہر سے کم از کم پندرہ میل کے فاصلے پر تھا بجلی اور ٹیلی فون کی لائنیں خاص طور پر یہاں تک لائی گئی تھیں۔

اگرچہ رات کا ایک بجنے والا تھا مگر کیمپ میں خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ انکا مجھے بتا رہی تھی کہ یہاں ساری سرگرمیاں رات ہی کو ہوتی ہیں صرف فائرنگ دن کے وقت کرائی جاتی ہے۔

گاڑی ایک الگ تھلگ کاٹیج نما عمارت کے سامنے رک گئی۔ اس وقت ایک آدمی کاٹیج سے باہر نکلا وہ خاصا لحیم شحیم آدمی تھا۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ماتھے پر تلک کا نشان نظر آ رہا تھا جو اس کے کٹر ہندو ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

وہ اس کیمپ کا ڈپٹی کمانڈر گورکھ سنگھ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکارانہ مسکراہٹ تھی۔ جبکہ انکا کی مسکراہٹ قیامت ڈھا رہی تھی۔ انکا گورکھ سنگھ کے ساتھ کاٹیج کے اندر چلی گئی جبکہ ہمیں ایک اور آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ہمیں ایک اور بیرک کے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

ہم کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے اور پھر باہر نکل آئے۔ میرے ساتھ آنے والا وہ شخص بھان سنگھ تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی یہاں آ چکا تھا۔ وہ مجھے مختلف بیرکوں میں گھماتا رہا۔ ہر بیرک میں کوئی نہ کوئی سرگرمی دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے اپنے ان پاکستانی نوجوانوں کو دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا جو یہاں دہشت گردی کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ ہندوؤں کے زہریلے پروپیگنڈے اور لالچ نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور یہ اپنے ہی وطن اور اپنے ہی بھائیوں کے دشمن بن گئے تھے۔

ہم تقریباً دو گھنٹوں تک گھومتے رہے ہمیں کسی نے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ روک ٹوک صرف بیرونی گیٹ پر تھی۔ اس گیٹ سے اندر آنے والے کو اپنا ہی سمجھا جاتا تھا اور اس پر کسی بھی طرف آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

ہم دوبارہ اس کمرے میں آ گئے۔ بھان سنگھ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر دروازے کے سامنے کھڑا رہا پھر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ ایک بیرک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں ٹھٹک کر رک گیا۔ ایک دروازے کے پیچھے سے بے ساختہ نسوانی قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں دروازے کے سامنے رک گیا۔ پردہ ڈالا ہوا تھا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازے میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔ دباؤ ڈالا تو آواز پیدا کیے بغیر کھلتا چلا گیا اور پھر اندر کا منظر دیکھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ دو نوجوان تھے جو اپنے حلیوں سے وحشی سی لگ رہے تھے۔ بڑھے ہوئے بال اور بڑھے ہوئے شیو ان کی حرکتیں بھی وحشیوں سے مختلف نہیں تھیں۔ ان کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں جن کے جسموں پر اگرچہ لباس مختصر تھا مگر وہ دونوں ان کا یہ لباس بھی نوچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ شراب کی بوتلیں اور گلاس بھی پڑے ہوئے تھے جن سے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ دونوں نوجوان نشے میں دھت تھے۔ وہ دونوں لڑکیاں ہلکے ہلکے قہقہے لگا کر انہیں مزید اشتعال دلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میں یہ شرمناک منظر زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکا اور دروازہ آہستگی سے بھیڑ کر وہاں سے ہٹ گیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے افسوس ہو رہا تھا۔ اگر میں ان نوجوانوں میں سے کسی پر یہ ظاہر کر دیتا کہ میں پاکستانی ہوں اور میری آمد کا مقصد کیا ہے تو وہ یقیناً میری بوٹیاں نوچ لیتے۔

میں دوبارہ اسی کمرے میں آ گیا۔ جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا وہ دیکھ چکا تھا اب مزید ادھر ادھر گھومنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں آنے کا میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

میں کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ بھان سنگھ نے مجھے جگا دیا۔ اس وقت دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی اور وہ آدمی بھی دروازے کے قریب کھڑا تھا جو شروع میں ہمیں یہاں چھوڑ گیا تھا۔

اس وقت دن کا ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ ہم ڈپٹی کمانڈر گورکھ سنگھ کے کاٹیج کے سامنے آ گئے جہاں لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ انکا پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کی رات کیسی گزری ہو گی۔

بھان سنگھ نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

واپسی پر لینڈ کروزر پھر پہاڑیوں میں اسی تنگ راستے پر مڑ گئی اور آخر کار اس نوٹے پھوٹے مندر کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ انکا بیگ اٹھا کر مندر کے اندر چلی گئی۔ میں اپنی سیٹ پر ہی بیٹھا رہا تھا تقریباً آدھے گھنٹے بعد انکا مندر سے برآمد ہوئی۔ اب وہ بالکل بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ نہ ماتھے پر بندیا، نہ ہونٹوں پر لپ اسٹک۔ چہرے پر میک اپ کا کوئی ہلکا سا نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جسم پر وہی نیلے کنارے والی کاٹن کی سفید ساڑھی۔

وہ بجھی بجھی اور معصوم سی بیوہ تھی۔

بھان سنگھ کو ہوٹل چیلس کے قریب اتار دیا گیا اور ڈرائیونگ سیٹ انکا نے سنبھال لی اس کے بعد ہم سیدھے آشرم میں آ گئے تھے۔

اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا رات بھر جاگنے کی وجہ سے میری آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔ ردوما ہمیں دیکھتے ہی رسوئی میں گھس گئی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں تہہ خانے میں آ گیا اور بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

چار بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو کمرے کے سامنے کچھ چیزیں رکھی ہوئی دیکھ کر چونک گیا۔ میں دروازے کے قریب پہنچ کر ان چیزوں کو دیکھنے لگا۔ ایک ٹیبل پر ٹی وی اور وی سی آر کے علاوہ ایک چھوٹی

ٹیبل پر ایک عدد فلم پروجیکٹر ایک اسکرین اور ایک بکس رکھا ہوا تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا۔

میں باتھ روم میں گھس گیا اور کتنی دیر تک ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے کھڑا رہا اور جب باہر نکلا تو انکا کمرے میں موجود تھی۔ اس نے کمرے کی ایک دیوار پر دو فٹ چوڑی اور تین فٹ لمبی سکرین لگا دی تھی اور سامنے والی دیوار کے قریب میز پر پروجیکٹر سیٹ کر رہی تھی۔ ٹی وی اور وی سی آر وہ پہلے ہی کمرے کے ایک کونے میں سیٹ کر چکی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے انکا کی طرف دیکھا۔

"کچھ ایسی چیزیں دکھانا چاہتی ہوں جو تم رات کے اس کیمپ میں نہیں دیکھ سکے تھے۔" انکا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ڈبہ اٹھا کر کھولنے لگی۔

میں قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ انکا نے پروجیکٹر آن کر دیا سامنے دیوار پر رکھی ہوئی اسکرین تیز روشنی میں چمکنے لگی۔ روشنی ایک طرف سے آؤٹ ہو رہی تھی۔ انکا نے فریم ایڈجسٹ کیا اور ڈبے میں سے ایک سلائیڈ نکال کر پروجیکٹر میں لگا دی۔ ایک نوجوان کا چہرہ اسکرین پر ابھر آیا اسی کے ساتھ ہندی میں کچھ لکھا بھی ہوا تھا۔

"یہ کراچی کا نوجوان چھیلا ہے۔" انکا مجھے بتانے لگی۔ "یہ میٹرک پاس اور بے روزگار تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی شہر کے ایک گنجان علاقے میں ٹھیلا لگایا کرتا تھا۔ پولیس کو بھتہ نہ دینے پر جھگڑا ہوا۔ پولیس نے اسے اٹھا کر تھانے میں بند کر دیا اور وہ تشدد کے دوران ہلاک ہو گیا۔ چھیلے نے انتقام لینے کے لئے ایک پولیس والے کو قتل کر دیا اور اس طرح چھیلے اور پولیس میں آنکھ مچولی شروع ہو گئی۔ اس دوران چھیلا را کے ایک ایجنٹ کے ہاتھ لگ گیا اور اسے یہاں بھیج دیا گیا۔ چھیلا دہشت گردی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد تقریباً دو مہینے پہلے کراچی واپس گیا ہے۔"

اس نے پروجیکٹر پر دوسری سلائیڈ لگا دی اسکرین پر ایک اور چہرہ ابھر آیا۔ یہ بھی نوجوان ہی تھا۔ عمر تیس چوبیس سال ہی ہو گی۔ چہرے پر چھوٹی گول داڑھی تھی اور پیشانی پر دائیں طرف چاند تارے کا نشان بنا ہوا تھا۔

"یہ چھلاوہ ہے۔" انکا اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔ "یہ بھی کراچی پولیس کے ظلم کا شکار تھا۔ چھلاوہ گریجوایٹ ہے۔ یہ بھی چھیلے کی طرح بے روزگاری کا شکار تھا۔ کراچی ہی کے ایک نسل پرست لیڈر نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ وہ تعصب کا شکار ہے اور اسی تعصب ہی کی بنا پر اسے اس کے جائز حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اس نے اپنا حق لینے کے لئے غلط طریقہ استعمال کیا جس کے نتیجے میں پکڑا گیا۔ ڈیڑھ مہینہ جیل کاٹ کر باہر نکلا تو اس کے دل میں نفرت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ یہ اپنی محرومی اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ لیکن ناکام رہا، بار پولیس سے بال بال بچا۔ ہمارے ایجنٹ نے اسے یہاں بھیج دیا۔ یہ بھی تقریباً دو مہینے پہلے واپس گیا ہے۔"

انکا نے اس کے بعد دیگرے چند نوجوانوں کی تصویریں دکھائیں جو یہاں سے دہشت گردی کی تربیت لے کر واپس جا چکے تھے۔

''ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جو معصوم اور بے گناہ شہریوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔'' الکا کہہ رہی تھی۔ ''یہ سب کسی نہ کسی نسل پرست اور قوم پرست جماعت میں شامل ہیں اور یہ اپنے آپ کو فریڈم فائٹر سمجھ کر اپنی حکومت کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اس کا فائدہ ہندسرکار کو پہنچ رہا ہے۔ ایک طرف یہ دہشت گرد تباہی اور بربادی پھیلا رہے ہیں اور دوسری طرف وہاں کی حکومت ان سیاسی پارٹیوں کے خلاف محاذ آرا ہے۔ جن کے نام پر یہ نوجوان دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ ویسے کراچی میں را کے تین ایجنٹ انہیں کنٹرول کرتے ہیں۔'' اس نے خاموش ہو کر پروجیکٹر پر یکے بعد دیگرے تین اور تصویریں دکھائیں۔ ان میں دو مرد تھے اور ایک عورت۔ اس عورت کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی تصویر دیکھ کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ بے حد حسین تھی۔ اس کی ناک پر بائیں طرف مسور کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کا تل تھا اور لگتا تھا جیسے اس نے لونگ پہن رکھی ہو۔

''یہ جگنو ہے۔'' الکا اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ''پورے پاکستان میں اگرچہ را کے کئی ایجنٹ پھیلے ہوئے ہیں مگر جگنو ان میں سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کے پاس اور بھی کئی حسین لڑکیاں ہیں جن کے ذریعے وہ نوجوانوں کو پھانستی ہے اور انہیں بلیک میل کر کے اپنے طور پر ان سے کام لیتی رہتی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں یہ سب کچھ تمہیں اس لئے بتا رہی ہوں کہ جب تم کراچی پہنچو تو ان لوگوں کی نشاندہی کر کے اپنے نمبر بنا سکو۔ تمہیں سامنے آنے کی بھی ضرورت نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر تم سامنے آ بھی جاؤ تو ان کی گرفتاری کے بدلے تمہاری حکومت تمہارے گناہ معاف کر سکتی ہے۔''

وہ مجھے ان کے بارے میں اور بھی بہت کچھ بتاتی رہی اور جب میں نے ان کے ٹھکانوں کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔

''کچھ بتانے کا کوئی فائدہ نہیں یہ لوگ اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ تمہیں خود ان لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ کسی ایک کو تلاش کر لو گے تو سمجھنا تمہاری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ ویسے ایک بات ذہن میں رکھنا یہاں انہیں اس طرح تربیت دی گئی ہے کہ کوئی ایک آدمی دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا وہ اپنی جان تو دے دے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔''

اس نے کچھ اور سلائیڈز بھی دکھائی تھیں۔ چار آدمیوں کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ناگ راج کے منڈل کے بہت ہی خاص آدمی ہیں۔ ان میں ایک کیمپ کا ڈپٹی کمانڈر گورکھ سنگھ بھی شامل تھا۔

''یہ ناگ راج کے بہت ہی خاص آدمی ہیں اور کیمپ کے بارے میں ناگ راج ان سے مشورے کرتا رہتا ہے۔ ان میں گورکھ سنگھ تو زیادہ تر کیمپ ہی میں رہتا ہے دوسرے تیسرے روز شہر میں بھی آ جاتا ہے اور باقی تین شہر ہی میں رہتے ہیں۔''

میں نے ان کے چہرے اور بھی ذہن نشین کر لیے۔ الکا نے پروجیکٹر بند کر دیا اور ٹی وی آن کر کے وی سی آر پر ایک فلم لگا دی۔ یہ فلم کیمپ سے متعلق تھی جس میں ٹائم بم تیار کرنے اور تخریب کاری کے دوسرے طریقوں کی تربیت دیتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ ہر چیز اتنی واضح تھی کہ مطلوبہ چیزیں حاصل کر کے

کوئی بھی ذہین شخص ٹائم بم آسانی سے تیار کر سکتا تھا۔

اور آخر کار الکا نے ٹی وی بھی بند کر دیا اور پھر وہ دیر تک بیٹھی اسی موضوع پر باتیں کرتی رہی۔

''اس میں شبہ نہیں کہ نقصان ہمارا بھی ہوگا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''لیکن ہم ہر قیمت پر ناگ راج سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور میرے سینے میں لگی ہوئی آگ تو اس وقت تک سرد نہیں ہوگی جب تک میں ناگ راج کی لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی۔''

میرا ذہن بار بار الجھتا رہا۔ اپنا ذاتی انتقام لینے کے لئے یہ لوگ اپنے قومی مقاصد کو کیوں نقصان پہنچا رہے تھے۔ بہرحال دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی تو نہیں ہر ملک میں اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں بھی لاتعداد ایسے لوگ موجود ہیں۔ سیاست دان کیا نہیں کر رہے۔ اپنی سیاست چمکانے کے لئے وہ کیا کچھ نہیں کرتے اور یہ لوگ جو یہاں دہشت گردی کی تربیت لے رہے ہیں یہ بھی تو اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگائے ہوئے ہیں۔ بہرحال مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ الکا یا اس جیسے دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے تو ایک موقع مل رہا تھا اور مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔

الکا نے صبح ناگ راج کے جن قریبی ساتھیوں کی تصویریں دکھائی تھیں ان کے نام اور پتے میں نے ذہن نشین کر لیے تھے۔ ان میں ہوٹل ہل لاک کے مالک روی پنڈت کا نام بھی شامل تھا۔ سب سے پہلے میں نے اسی سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے اگلے روز میں آشرم سے نکلا تو شام ہو چکی تھی۔ میرے جسم پر گرے کلر کا تھری پیس سوٹ تھا۔ یہ سوٹ الکا کے مرحوم پتی شیام لال کے کپڑوں کے ذخیرے میں سے نکالا گیا تھا۔ الکا نے اس کے تمام کپڑے اب تک سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ قد و قامت میں وہ میرے ہی جیسا رہا ہوگا اس لئے اس کے کپڑے مجھے فٹ آ گئے تھے۔

میں نے شیو بنا لیا تھا مگر مونچھیں رہنے دی تھیں۔ ٹوتھ برش ٹائپ کی بھوری مونچھیں میرے چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ آنکھوں پر دودھیا شیشوں کی عینک سے میرا حلیہ کچھ اور بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ ناگ راج کے آدمی اب بھی مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ وریودن یا اس کے جن ساتھیوں نے مجھے دیکھا تھا ظاہر ہے وہ میرا راز فاش نہیں کر سکتے تھے۔

آشرم سے نکل کر میں مختلف راستوں سے ہوتا ہوا مین روڈ پر آ گیا یہاں مجھے ایک آٹو مل گیا جس نے مجھے پٹرول پمپ پہنچا دیا۔ یہ علاقہ پٹرول پمپ کے نام سے مشہور تھا خاصا بارونق علاقہ تھا۔ سامنے ہی ہل لاک ہوٹل تھا لیکن میں ابھی اس ہوٹل میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

میں اس بارونق علاقے میں گھومتا رہا اور پھر ہوٹل ہل لاک کے سامنے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے لئے میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جہاں سے میں باہر کا نظارہ بھی کر سکتا تھا۔ ہل لاک ہوٹل بھی میری نظروں کے سامنے تھا۔

یہ معیاری قسم کا ریسٹورنٹ تھا اور یہاں اونچی سوسائٹی قسم کے لوگوں کی آمد و رفت نہیں تھی۔ یہاں گاہکوں کو سرو کرنے کے لئے خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں ان لڑکیوں کو منتخب کرنے والا جمالیاتی ذوق سے پوری طرح آگاہ تھا ایک سے ایک حسین لڑکی تھی۔ ان کے لئے لباس کا انتخاب کرتے ہوئے بھی اس

بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ گاہکوں کی نظریں ان پر سے نہ ہٹ سکیں۔

جس ویٹرلیس نے میری میز پر کافی سرو کی تھی وہ میرے ذوق اور معیار کے عین مطابق تھی۔ دراز قامت، سڈول جسم اور تیکھے نین نقش۔ جب وہ میز پر کافی رکھنے کے لئے جھکی تو اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ میری نظریں اس کے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی بلاؤز کے گریبان کے اندر تک رینگ گئی تھیں۔ ان ویٹریسوں کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ فارغ اوقات میں یہ گاہکوں کا دل بہلانے کے کام بھی آتی ہوں گی۔

"اور کوئی سیوا جناب!" اس نے کپ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور کیا سیوا کرسکوگی ڈیئر۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "تم تو ڈیوٹی پر ہو اور ظاہر ہے تم ڈیوٹی چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکوگی۔"

"میں آٹھ بجے آف ہوجاؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"گڈ۔ پھر کہاں ملوگی؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت ساڑھے سات بجے ہیں۔" میں نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آٹھ بجے کے بعد ریسٹورنٹ کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

میں کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے شیشے سے باہر دیکھتا رہا۔ آٹھ بجنے میں دس منٹ کم تھے کہ ویٹرلیس دوبارہ آگئی اس نے خالی کپ اٹھایا اور مجھ سے کافی کا بل بھی وصول کرلیا۔ اس کے پانچ منٹ بعد میں اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آگیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک عورت میرے قریب آکر کھڑی ہوگئی وہ اگرچہ حسین تھی لیکن میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی کیوں کہ میں ویٹرلیس سے بات کرچکا تھا۔

"آپ نے مجھے پہچانا نہیں سر۔"

میں قریب کھڑی ہوئی اس عورت کی آواز سن کر چونک گیا۔ میں واقعی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ یہ وہی ویٹرلیس تھی۔ بدلے ہوئے لباس میں وہ خود بھی بدل گئی تھی۔ ساڑھی اور بالوں کے اسٹائل نے اس کا حلیہ بالکل ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس لباس میں وہ پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"اوہ۔ میں تمہیں واقعی نہیں پہچان سکا تھا۔" میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آؤ۔ ذرا ٹہلتے ہیں پھر کوئی پروگرام بنائیں گے۔"

ہم دونوں ایک طرف چلنے لگے۔ اس کا نام رتنا تھا وہ گریجوایٹ تھی اور مشرقی پنجاب کی رہنے والی تھی۔ رتنا کے کہنے کے مطابق وہ ایک کمپنی میں سیکرٹری تھی اس کا باس اسے دھوکے سے پہلے بمبئی اور پھر گوا لے گیا جہاں چھ مہینوں تک اسے قیدی بنا کر رکھا اس دوران نہ صرف وہ خود اس کی عزت سے کھیلتا رہا بلکہ اس کے دوست بھی دعوتیں اڑاتے رہے۔ پھر وہ اسے پہلے بے پور اور آخر میں یہاں لے آیا۔ جہاں اسے ایک امیر زادے ملی گئی اور باس اس لڑکی کے ساتھ رفو چکر ہوگیا

وہ جس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اس کا تین دن کا بل واجب الادا تھا اور ہوٹل کے مالک

نے بل وصول کرنے کے لئے اسے روک لیا وہ دو مہینوں تک نہ صرف خود اس سے بل وصول کرتا رہا بلکہ سود وصول کرنے کے لئے اسے گاہکوں کی خدمت میں بھی پیش کرتا رہا۔

ہوٹل کے مالک سے نجات ملنے کے بعد وہ مختلف ہاتھوں کا کھلونا بنی رہی اب وہ اس قابل نہیں رہی تھی کہ گھر واپس جاسکتی۔ اس نے ماؤنٹ ابو ہی میں رہنے کا فیصلہ کرلیا کیوں کہ اس کے خیال میں زندگی گزارنے کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ ریسٹورنٹ میں ملازمت کرنے کے ساتھ ساتھ وہ فارغ اوقات میں بھی گاہکوں کی سیوا کرلی تھی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے ٹہلنے والے انداز میں ایک طرف چل رہے تھے کہ کھلبلی سی مچ گئی رتنا بھی گھبرا سی گئی۔

"کیا بات ہے لوگ بدحواس ہوکر ادھر ادھر کیوں بھاگ رہے ہیں۔" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رتنا سے پوچھا۔

"وہ ادھر دیکھو۔" رتنا نے ہوٹل ہل لاک کی طرف اشارہ کیا۔ "ناگ راج آرہا ہے اور لوگ اس لئے ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ ناگ راج انسان نہیں بھوت ہے ایک بدروح جو یہاں کے لوگوں کے اعصاب پر سوار ہے ہر شخص اس سے خوفزدہ ہے۔"

میں نے ہوٹل ہل لاک کی طرف دیکھا تین گاڑیاں ہوٹل کے سامنے آکر رکی تھیں آگے ایک جیپ تھی جس پر چار وحشی سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں پیچھے سفید رنگ کی ماروتی کار تھی اور اس کے پیچھے بھی ایک جیپ تھی۔ اس میں بھی چار عدد ایسے ہی وحشی سوار تھے۔ ان میں دو کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور دو کے ہاتھوں میں تیغ۔

سفید ماروتی کار کا دروازہ کھلا پہلے ایک آدمی برآمد ہوا اور پھر ناگ راج نیچے اترا میں نے صرف ایک مرتبہ اسے دیکھا تھا بیلا مجھے دھوکے سے اٹھا کر مندر میں لے گئی تھی اور اب ناگ راج کو پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہی ساڑھے دس والا پیلا چوغہ اور گلے میں مالاؤں کے ساتھ ایک سانپ بھی نظر آرہا تھا۔ ناگ راج کے بعد کار سے اترنے والی ہستی کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ بیلا تھی۔ وہ اس وقت واقعی قیامت لگ رہی تھی۔

ناگ راج نے کار سے اتر کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر ہوٹل کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ بیلا اور دوسرے آدمی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ دو گن مین بھی ان کے پیچھے ہوٹل میں داخل ہوگئے تھے جب کہ دوسرے باہر ہی کھڑے رہے تھے۔

میں آشرم سے نکلا تھا تو ارادہ یہ تھا کہ ہوٹل ہل لاک کے مالک روی چندرت سے دو دو ہاتھ کروں گا مگر اس وقت یہاں کی صورتحال کچھ تبدیل ہوگئی تھی۔ ناگ راج کے آجانے سے پورے علاقے میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ اس صورتحال میں میرا ہوٹل میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لہٰذا میں نے رسک لینے کا فیصلہ کرلیا اور رتنا کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کی طرف چلنے لگا۔

"کہاں جارہے ہو؟" رتنا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''ہوٹل بل لاک۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں نے ناگ راج کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے میں
آج اسے ذرا قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟'' رتنا نے مجھے گھورا۔ ''لوگ اس بدروح سے دور بھاگ رہے ہیں
اور تم اس کے قریب جانا چاہتے ہو۔''

''ہم اس کے بالکل قریب نہیں جائیں گے۔ ذرا دور رہ کر دیکھوں گا کہ وہ کیا چیز ہے۔'' میں
نے جواب دیا۔

کچھ لوگ اب بھی ہوٹل میں آ جا رہے تھے۔ میں رتنا کا ہاتھ تھامے اس سے باتیں کرتا ہوا
کی طرف چلتا رہا۔ گیٹ کے قریب ادھر ادھر کھڑے ہوئے کن میٹوں نے ہماری طرف دیکھا میں
محسوس کر لیا کہ وہ لوگ مجھ سے زیادہ رتنا میں دلچسپی لے رہے تھے۔ ایک نے تو شاید کوئی جملہ بھی کسا تھا
میں اس پر توجہ دیئے بغیر رتنا کا ہاتھ تھامے چلتا رہا۔

مرکزی ہال میں زندگی کے ہنگامے عروج پر تھے۔ رقص و سرود کی محفل جاری تھی۔ مستیاں شباب
پر تھیں۔ میں رتنا کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ناگ راج کے ساتھ اندر آنے
آدمی اور دونوں کن مین ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے آگے ایک راہداری تھی۔ دائیں طرف
کاؤنٹر تھا اس کے ساتھ بھی ایک راہداری تھی۔ میں نے ایک دو ویٹروں کو ٹرے اٹھائے اس طرف سے آتا
جاتے دیکھا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ میزوں پر سرو کرنے کے لئے شراب اندر سے لائی جا رہی تھی
کہ کاؤنٹر سے شراب صرف ان لوگوں کو سرو کی جا رہی تھی جو وہیں بیٹھ کر پینا چاہتے تھے۔

چند منٹ بعد میں نے رتنا کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر کاؤنٹر کے ساتھ والی راہداری
میں داخل ہوگیا۔ یہ راہداری خاصی طویل تھی کچن بھی اسی طرف تھا۔ ایک ویٹر کو آخری دروازے سے
دیکھ کر میں رک گیا۔ ویٹر نے دونوں ہاتھوں میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں وسکی، سوڈے کی بو
اور بڑے نازک سے تین لمبے گلاس رکھے ہوئے تھے۔

''اسے کہاں جا رہے ہو بھایا؟'' میں نے ویٹر کو روک کر پوچھا۔

''دفتر ما۔ ناگ راج آیو ہے عیش کرت ہے سالا۔'' ویٹر نے سالا کہہ تو دیا تھا لیکن اس
ساتھ ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''ایک منٹ۔ ادھر آؤ۔'' میں اسے لے کر جلدی سے ایک کھلے ہوئے دروازے میں
یہ لانڈری اسٹور تھا دیواروں کے ساتھ ریکس میں دھلی ہوئی چادریں، میز پوش، پردے اور اسی قسم کی چ
رکھی ہوئی تھیں۔ سائیڈ میں ایک میز بھی تھی۔

''دیکھو بھایا۔'' میں نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں ناگ راج سے ملنا چاہتا ہوں
میری زندگی اور موت کا سوال ہے مگر کوئی مجھے اس تک پہنچنے نہیں دیتا۔ یہ میرے لئے ایک اچھا موقع
میری مدد کر سکتے ہو۔''

''میں تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہوں۔'' ویٹر نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اس سے ٹرے لے کر میز پر رکھ دی اور اپنی جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اس کے
میں دبا دیا۔

''تم اپنا کوٹ اور پگڑی مجھے دے دو یہ ٹرے میں دفتر میں لے جاتا ہوں مجھے ناگ راج کے
اپنی فریاد پیش کرنے کا موقع مل جائے گا میرا کام ہو جائے گا۔ ساری زندگی تمہیں دعائیں دوں گا۔''
ویٹر کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

''صاب۔ منیجر کو پتا چل گیا تو وہ مجھے نوکری سے نکال دیوے گا۔'' وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

''کسی کو پتا نہیں چلے گا تم اس کمرے میں رکنا بس میں پانچ منٹ میں لوٹ آؤں گا۔ لو یہ پانچ
سو روپے اور رکھ لو اور اب جلدی سے پگڑی اور کوٹ اتار دو۔ میں نے پانچ سو کا ایک اور نوٹ اس کے ہاتھ
میں تھما دیا اور ساتھ ہی اپنا کوٹ اتار کر جیبوں کی چیزیں پتلون کی جیبوں میں منتقل کرنے لگا۔

ویٹر چند لمحے ہچکچایا پھر اس نے پہلے پگڑی اتار کر میز پر رکھی اور پھر کوٹ بھی اتار دیا۔ میں نے
جلدی سے اس کا سفید کوٹ پہن کر اوپر تک بٹن بند کر لئے اور پگڑی سر پر جما لی۔ یہ غنیمت تھا کہ ویٹروں کی
یونیفارم میں پتلون بلیک کلر کی تھی ورنہ مجھے اس کی پتلون بھی اتروانی پڑتی۔

''دروازہ کھولو اور میری واپسی تک تم اسی کمرے میں رہنا۔ مجھے پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگیں
گے۔'' میں نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''جلدی آ جائیو بھیا نا ہیں تو اپنی شامت آ جاوے گی۔'' ویٹر نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میں نے باہر نکلنے سے پہلے ادھر ادھر جھانک لیا تھا۔ میرے باہر آتے ہی ویٹر نے دروازہ بند
کر دیا تھا۔

میں آگے جا کر دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ اس راہداری میں بھی کمرے تھے۔ ایک دروازے
کے سامنے پروپرائٹر کی تختی لگی ہوئی تھی اور ایک دربان بھی موجود تھا۔ میں دروازے کے سامنے رکا تو اس
نے ایک لمحہ کو میری طرف دیکھا اور دروازہ کھول دیا میں ٹرے سنبھالے اندر داخل ہو گیا۔

بہت وسیع و عریض کمرہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا دائیں طرف شیشے کے ٹاپ والی بہت
بڑی میز تھی جس پر دو ٹیلی فون اور ایک انٹرکام سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف سنگ مرمر سے تراشی ہوئی
کمر بھر اونچی ایک مورتی بھی رکھی ہوئی تھی۔ دیواروں پر خوب صورت فریموں میں مختلف ڈانسرز کی نیم
برہنہ تصاویر آویزاں تھیں اور ان میں ایک تصویر بیلا کی بھی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ بیلا اچھی
ڈانسر بھی تھی۔ تصویر میں اس کے بدن پر لباس برائے نام ہی تھا اور پوز نہایت شرمناک تھا۔

ناگ راج میز کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر بیلا بیٹھی ہوئی تھی۔
اس نے ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی تھی اور لباس اپنی جگہ سے سرکا ہوا تھا۔ صوفے کے سامنے تین
فٹ کے فاصلے پر روی پنڈت نہایت مودبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

مجھے اپنی قوت مشاہدہ پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نہ صرف ہر چیز کا
جائزہ لے لیا تھا بلکہ اپنے فرار کا راستہ بھی تلاش کر لیا تھا۔ آفس ٹیبل کے بائیں طرف والی کھڑکی کھلی ہوئی

تھی اور دوسری طرف اندھیرا تھا جس کا مطلب تھا کہ باہر کوئی کھلی جگہ تھی۔

میں نے ٹرے میز پر رکھ دیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو رہی تھی۔ میں نے ناگ راج کا سامنا کرنے کا فیصلہ فوری طور پر اور بغیر پلاننگ کے کیا تھا۔ ناگ راج کے چھ مسلح محافظ باہر کھڑے تھے دو اندر موجود تھے۔ کسی ایسے ہوٹل یا کلب میں بھی چار چھ غنڈے موجود رہتے تھے ناکامی کی صورت میں میرے لئے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ لیکن میں نے کبھی ناکامی کا سوچا ہی نہیں تھا۔ میں نے ہمیشہ اپنی ذہانت اور خود اعتمادی پر بھروسہ کیا تھا اور کٹھن ترین حالات میں بھی ہمیشہ کامیاب رہا تھا اور اس وقت بھی میں نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں بھی ذہانت اور خود اعتمادی کا زیادہ دخل تھا۔

جب میں اندر داخل ہوا تھا تو بیلا نے سرسری سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا پھر روی پنڈت کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو ناگ راج سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میں ایک طرف کھڑا ہوا تو بیلا اٹھ کر میز کے قریب پہنچ گئی اور اسکاچ کی بوتل کھولنے لگی۔ اس موقع پر اس نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور کھا جانے والے لہجے میں بولی۔

"تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ جاؤ۔"

میں دروازے کی طرف بڑھ گیا ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اسے گھمانے کے بجائے لاک ناب دبا دی اور اس کے ساتھ ہی کنڈے کا راڈ بھی کھینچ دیا اور اوپر والی چٹخنی بھی لگا دی۔ بیلا نے مجھے کنڈا اور چٹخنی لگاتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ ایک دم چیخی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم۔ دروازہ کیوں لاک کر دیا۔"

بیلا کے چیخنے پر ناگ راج اور روی پنڈت بھی میری طرف متوجہ ہو گئے۔ روی پنڈت نے پہلی مرتبہ مجھے غور سے دیکھا وہ یقیناً اپنے ہوٹل اور کلب کے تمام ویٹروں کو پہچانتا تھا۔ جب میں اندر آیا تو وہ ناگ راج سے باتوں میں مصروف تھا اور مجھ پر توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس کے ہوٹل کا ویٹر نہیں ہوں۔

"کون ہو تم اور یہ دروازہ کیوں بند کیا ہے تم نے؟" وہ غرایا تا کہ کوئی اور مداخلت نہ کر سکے۔

میں نے اطمینان سے کہتے ہوئے پگڑی اتار کر ناگ راج کی گود میں پھینک دی وہ بھی اچھل پڑا اس کے چہرے پر ایک دم سناٹا طاری ہو گیا اور آنکھوں کی سرخی کچھ اور بھی گہری ہو گئی۔

"کون ہو تم...... اس بدتمیزی کا مطلب جانتے ہو؟" روی پنڈت پھر غرایا۔ میں نے کوٹ بھی اتار کر ناگ راج پر ہی اچھال دیا اور عینک اتار کر میز پر پھینک دی۔

"مجھے اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "میں وہ ہوں جس کی تلاش میں تم لوگ دو مہینوں سے پاگل کتوں کی طرح دوڑتے پھر رہے ہو اور مجھے حیرت ہے کہ بیلا نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا حالانکہ یہ تو میرے بہت قریب رہی ہے اتنا قریب کہ......"

"تت...... تم......" بیلا اچھل پڑی۔ بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر شیشے کے گلاس سے

ٹکرائی۔ نازک سا گلاس ٹرے ہی میں گر کر چکنا چور ہو گیا۔ بوتل بھی اس طرح اوندھی گری تھی کہ شراب میز کے شیشے پر بہنے لگی۔

"بوتل اٹھاؤ...... شراب ضائع ہو رہی ہے۔" میں نے بیلا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

بیلا نے بوتل پکڑ لی اس نے بوتل کو گردن کی طرف سے پکڑا تھا میں اس کی نیت بھانپ گیا۔ میرا اندازہ درست نکلا اس نے اچانک ہی بوتل میری طرف دے ماری تھی میں پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ بوتل میرے عقب میں دیوار کے سامنے لگے ہوئے خوبصورت پردے پر لگی پردہ محض خوب صورتی کے لئے لگایا گیا تھا پردہ نہ ہوتا تو بوتل دیوار سے ٹکرا کر دھماکہ ضرور پیدا کرتی۔ بوتل میرے قریب سے گزری تھی اس لئے شراب کے کچھ چھینٹے میرے اوپر بھی گرے تھے۔

"اپنے حواس پر قابو رکھو خوبصورت ناگن۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اتنی قیمتی شراب ضائع کر دی اب اپنے اس گرو گھنٹال کو کیا پلاؤ گی۔"

"میں تمہارا خون پینا پسند کروں گا سور کے۔" ناگ راج سانپ ہی کی طرح پھنکارا۔ "تمہاری قسمت اچھی تھی کہ اب تک بچتے رہے لیکن اب قسمت کی دیوی تمہارا ساتھ چھوڑ چکی ہے۔ تم نے شیروں کی کچھار میں آ کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔"

"شیروں کی کچھار نہیں یہ وائٹ ہاؤس ہے جہاں پاگل کتے رہتے ہیں اور میں ان پاگل کتوں سے بچنا چاہتا ہوں۔" میں نے طیش دلانے والے انداز میں کہا۔

اس دوران روی پنڈت نے جیب میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر میں نے اس سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

"ہاتھ اپنی جیب سے دور رکھو۔" میں اسے ریوالور کی زد پر لیتے ہوئے غرایا۔ "ورنہ تم وقت سے پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

روی پنڈت کا ہاتھ جیب سے دور ہٹ گیا۔ میں دو قدم اٹھا کر اس کے پیچھے پہنچ گیا اور اس کا بازو تھپتھپانے لگا پستول اس کی پتلون کی جیب میں تھا۔ بیلا اس وقت میرے دائیں طرف تھی۔ میں اس پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھا لیکن اسے موقع مل ہی گیا میں روی پنڈت کی جیب سے پستول نکالنے کے لئے جیسے ذرا سا آگے کو جھکا اس نے سوڈے کی بوتل اٹھا کر میرے سر پر مارنے کی کوشش کی میں تیزی سے جھک گیا بوتل روی پنڈت کے کندھے پر لگی وہ کراہ اٹھا۔ میں نے اسے زوردار دھکا بھی دے دیا تھا وہ ناگ راج سے ٹکرایا اور وہ دونوں صوفے پر گر گئے۔

میں نے پلٹ کر فوراً ہی بیلا پر حملہ کر دیا۔ میرے بائیں ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ میز سے ٹکرا گئی۔ لیکن اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ مجھ پر حملہ کر دیا تھا اگر میں محتاط نہ ہوتا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی لیکن میں نہ صرف بچ گیا بلکہ اسے ایک لات بھی رسید کر دی تھی وہ روی پنڈت سے ٹکرا گئی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس مرتبہ وہ

دونوں ناگ راج پر گرے۔ روی پنڈت کی پیشانی ناگ راج کی ناک سے ٹکرائی وہ چیخ اٹھا اور اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ وہ ماں بہن کی بڑی سائنٹفک قسم کی گالیاں بک رہا تھا۔ اس نے دھکا دے کر ان دونوں کو اپنے اوپر سے گرا دیا۔

"تم تو ہلکی سی چوٹ پر ہی بلبلا اٹھے سانپ کی اولاد۔" میں ناگ راج کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "میرے کانوں میں تو ان بے گناہوں کی چیخیں گونج رہی ہیں جن کے خون سے تمہارے تربیت یافتہ وحشت گرد ہولی کھیل رہے ہیں اور وہ بے گناہ جنہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ لیکن اب تمہارا یہ خونی ڈرامہ ختم ہونے والا ہے۔ اب کوئی بے گناہ تمہارے ہاتھوں سے نہیں مارا جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو بالک کہ میں ناگ راج ہوں۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔ "زہریلے سانپوں پر راج کرنے والا۔ تم تو معمولی چھوکرے ہو۔ اس معمولی سی کامیابی کو اپنی فتح سمجھ بیٹھے۔ تم یہاں آ گئے ہو پچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"اب بھی تمہیں کوئی خوش فہمی ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا لیکن چند منٹ بعد ہی تمہاری یہ خوش فہمی دور ...."

میں جملہ مکمل نہیں کر سکا روی پنڈت کے پیر کی ٹھوکر میری پنڈلی پر لگی اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گدھے کی طرح دولتی جھاڑ دی تھی۔ بہرحال اس کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ میں ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا بیلا نے اٹھ کر میرے اوپر چھلانگ لگا دی اور مجھے لیتی ہوئی دوسرے صوفے پر گری۔

اس کم بخت میں بلا کی طاقت بھری ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے میرے پستول والے ہاتھ پر دانت گاڑ دیئے میں بری طرح بلبلا اٹھا ریوالور میرے ہاتھ سے نکل کر میز پر جا گرا۔ اس دوران روی پنڈت بھی اٹھ گیا تھا اس نے میرے اوپر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

میں نے لات مار کر روی پنڈت کو پیچھے گرا دیا کہنی سے بیلا کے سینے پر زوردار ضرب لگائی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ بیلا اور روی پنڈت نے اٹھ کر مجھے دونوں طرف سے اس طرح جکڑ لیا کہ میں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا۔

مجھے ان کی گرفت میں دیکھ کر ناگ راج بھی پھنکارتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اس کی ناک سے اب بھی خون رس رہا تھا جسے وہ بار بار آستین سے پونچھ رہا تھا۔ میرے سامنے کھڑے ہو کر وہ قہر آلود نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے تکئے میں ٹھنسے ہوئے ناگ کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے سورما دیکھے ہیں لیکن تم جیسا سورما کبھی نہیں دیکھا۔" وہ پھنکارتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میری اچھا تھی کہ تمہاری برین واشنگ کر کے تمہیں دنیا کا خطرناک ترین آدمی بنا کر سرحد کے اس پار بھیج دیا جاتا مگر اپنے ساتھ گستاخی کرنے والوں کو میں کبھی معاف نہیں کرتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہو پھر ہاتھ میں پکڑا ہوا ناگ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں اگر چاہوں تو اس

ناگ سے ڈسوا کر ایک سیکنڈ میں تمہارے جیون کا انت کر دوں۔ اس ناگ کا ڈسا دوسرا سانس نہیں لیتا لیکن میں تمہیں اس طرح نہیں ماروں گا بالک..... میں نے تمہاری موت کا ایسا بندوبست کیا ہے کہ تم اگلے سات جنموں تک میرا نام نہیں بھولو گے۔" اس نے چوغے کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک سرنج نکالی جس میں ہرے سے رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔ سوئی پر پلاسٹک کیپ چڑھا ہوا تھا۔ "یہ انجکشن میں نے زہریلے ناگوں کے زہر سے تیار کیا ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے لگانے سے آدمی فوری طور پر نہیں مرتا یہ زہر خون میں شامل ہوتے ہی جسم کو جھٹکے لگنے لگتے ہیں۔ شریر اکڑ جاتا ہے پھر جھٹکا لگتا ہے پورے شریر میں یہ زہر بجلی کے کرنٹ کی طرح پھیل جاتا ہے۔ ہر جھٹکے پر آتما نکلتی محسوس ہوتی ہے مگر آتما آسانی سے نہیں نکلتی وہ کم از کم دس منٹ تک شریر کو تڑپاتی ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ زہر میں نے خاص طور پر تمہارے دیش کے لوگوں کے لئے تیار کیا ہے۔ ابھی تو میں نے اس کا توڑ بھی دریافت نہیں کیا اس کی ضرورت بھی نہیں۔ اس کا صرف ایک تجربہ میں نے ایک کتے پر کیا تھا وہ پانچ منٹ میں ختم ہو گیا۔ اب تم پر تجربے کا بھی مزہ آئے گا۔ میں اس کی بہت معمولی سی مقدار تمہارے شریر میں داخل کروں گا اور تم اس طرح جھٹکے لے لے کر تڑپو گے کہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اس نے نیڈل کا کیپ اتار کر صوفے پر ڈال دیا اور سرنج والا ہاتھ آگے کر کے میری طرف بڑھا۔ مجھے "سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا موت کو سامنے دیکھ کر تو بڑے سے بڑے سورما کانپ اٹھتے ہیں میں تو معمولی سا آدمی تھا۔ میں دل ہی دل میں کلمہ پڑھنے لگا۔

بیلا اور روی پنڈت نے مجھے دونوں طرف سے جکڑ رکھا تھا۔ میں اس وقت اگرچہ بے بس تھا لیکن اس قدر آسانی سے بھی نہیں مرنا چاہتا تھا۔ ناگ راج جیسے ہی میرے سامنے پہنچا میں نے اپنے جسم کی پوری قوت استعمال کر کے اپنے آپ کو اوپر اٹھایا اور دونوں پیر پوری قوت سے ناگ راج کے سینے پر رسید کر دیئے۔

میری یہ حرکت ان تینوں کے لئے خلاف توقع تھی۔ میں نے جب اپنے جسم کو اوپر اٹھانا شروع کیا تھا تو بیلا اور روی پنڈت نے میرے بازوؤں پر گرفت مضبوط کر دی تھی۔ وہ سمجھے تھے کہ شاید میں اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن جب میرے دونوں پیر ناگ راج کے سینے پر پڑے اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے گرا تو ان کے سوچنے کا وقت گزر چکا تھا۔

ناگ راج چیختا ہوا صوفے کے قریب گرا تھا۔ سرنج بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ میں نے اسے ٹھوکر مارنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا پیر زمین پر ٹکتے ہی میں پوری قوت سے آگے کو جھکا بیلا اور روی پنڈت کے پیر اکھڑ چکے تھے وہ دونوں الٹی قلابازی کھاتے ہوئے میرے آگے گرے۔

میں نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو ان کی گرفت سے آزاد کرایا اور لپک کر میز پر پڑا ہوا ریوالور اٹھا لیا اور اس کے ساتھ ہی بیلا اور روی پنڈت پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ناگ راج نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اس کے تربوز جیسے گنجے سر پر بھی ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

ٹھیک اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا ساتھ ہی کوئی بھاری آواز میں روی پنڈت کا نام لے کر چیختے ہوئے چلا رہا تھا۔

"روی پنڈت دروازہ کھولو کیا ہو رہا ہے اندر......"

میں نے لپک کر ایک طرف پڑی ہوئی سرنج بھی اٹھالی اور روی پنڈت کو ریوالور کی زد پر لیتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"باہر جو کوئی بھی ہے اس سے کہہ دو کوئی بات نہیں ہے۔ نہیں...... تم نہیں...... ناگ راج تم بولو...... جلدی کرو ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں نے ریوالور کا رخ اس کی کھوپڑی کی طرف کر دیا۔

ناگ راج کی آنکھیں جیسے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ اپنی نظروں سے شاید مجھے مسخر کرنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر اس کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور پھر اسے میرے حکم کی تعمیل کرنی ہی پڑی تھی۔

"اندر کچھ نہیں ہو رہا ہے گنگر...... جاؤ تم لوگ اپنا کام کرو ہٹ جاؤ یہاں سے...."

باہر خاموشی چھا گئی۔ انہیں انھاتھ کی آواز سن کر کسی قسم کا شبہ ہوا تھا مگر ناگ راج کی گرجدار آواز سن کر وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

"تم کسی انسان پر اسے اس زہر کا تجربہ کرنا چاہتے تھے ناگ راج۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی تجربہ کر کے دکھاتا ہوں کہ تمہارا یہ زہر انسان کے شریر پر کس طرح اثر کرتا ہے۔"

میں نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور روی پنڈت کو کالر سے پکڑ کر اٹھالیا اس کا چہرہ خوف سے اس طرح سفید ہو گیا جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر میں نے اسے موقع نہیں دیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرنج کی نیڈل اس کی گردن پر رکھ کر پسٹن دبا دیا۔

روی پنڈت ایک دم اچھل پڑا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا وہ صرف ایک سیکنڈ اپنے پیروں پر کھڑا رہ سکا تھا پھر اچھل کر گر پڑا اور فرش پر مینڈک کی طرح پھدکنے لگا بالکل وہی کیفیت تھی جیسے مرغی کے گلے پر چھری پھیر کر اسے چھوڑ دیا جائے۔ روی پنڈت زمین سے ایک ایک فٹ اچھل رہا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کس قدر اذیت کا شکار تھا۔ ناگ راج نے ٹھیک ہی کہا تھا زہر بجلی کا کرنٹ بن کر اس کے خون میں چلا گیا تھا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بھی بڑی خوفناک تھیں۔

اور پھر میں چونک گیا ناگ راج کا سانپ زمین پر رینگتا ہوا میری طرف آرہا تھا میں اچانک اپنی جگہ سے اچھلا میرا پیر سانپ کے سر پر پڑا اور میں پوری قوت سے سر کو مسلنے لگا سانپ سوسو بل کھا رہا تھا اور پھر میں اچھل کر کئی فٹ دور جا کھڑا ہوا۔

ناگ کا سر پوری طرح کچلا جا چکا تھا وہ جان کنی کی کیفیت میں تھا۔ ایک طرف روی پنڈت مرغ بسمل کی طرح اچھل رہا تھا اور دوسری طرف سانپ سوسو بل کھا رہا تھا۔ سانپ کی دم روی پنڈت کی ٹانگ پر لگی اور پھر وہ ٹانگ سے لپٹتا چلا گیا۔ اس ناگ نے جان کنی کی کیفیت میں بھی اپنا زہر ضائع نہیں ہونے دیا

اس نے روی پنڈت کی ٹانگ پر دانت گاڑ دیے اور سارا زہر اس کے شریر میں اتار دیا۔

روی پنڈت کی چیخوں سے دروازہ ایک بار پھر دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا۔ انہیں شاید پتا چل گیا تھا کہ ویٹر کے بھیس میں کوئی اور آدمی بھی کمرے میں موجود ہے۔

میں نے ایک بار پھر اپنا ریوالور نکال لیا اور شیشے کے ٹاپ والی میز کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس سے پہلے کہ دروازہ ٹوٹ جائے یا وہ لوگ پچھلی طرف سے آجائیں میں یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

روی پنڈت کے جسم کو اب بھی جھٹکے لگ رہے تھے وہ دوہرا ہو کر گیند کی طرح اچھل رہا تھا میں نے بیلا کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"ناگ راج۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھوں یہ تمہاری پہلی شکست ہے۔ تمہارے ایک ناگ کا سر میں نے کچل دیا ہے تمہارا سر میں اس وقت کچلوں گا جب تمہارے حصار کے سارے ناگوں کے سر کچل دوں گا۔ میں اس شہر سے بھاگوں گا نہیں تم سے پھر ملاقات ہوگی اور تم سے بھی ڈیئر۔" آخری چند الفاظ میں نے بیلا کی طرف دیکھ کر کہے تھے۔

بیلا اس قدر خوفزدہ تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکی۔ میں نے سرنج ناگ راج کے قریب صوفے پر اچھال دی۔

"اسے سنبھال کر رکھنا پھر کام آئے گی۔" میں نے مسکرا کر کہا اور میز الٹ دی۔

میز کا شیشہ بیلا پر گرا اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

دروازے کو اب ٹکریں ماری جا رہی تھیں اور شاید دروازہ ٹوٹنے ہی والا تھا۔ میں کھڑکی کے قریب پہنچ گیا مڑ کر دیکھا اور بڑی پھرتی سے ایک طرف جھک گیا۔ ناگ راج نے زہر بھری سرنج پکڑ کر پوری قوت سے میری طرف اچھال دی تھی۔ سرنج میزائل کی طرح میرے چہرے سے صرف دو انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ اگر وہ نیڈل مجھے چبھ بھی جاتی تو میرا حشر بھی روی پنڈت سے مختلف نہ ہوتا۔ میں نے کھڑکی سے چھلانگ لگا دی اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

اس طرف عقبی لان تھا۔ اس طرف اگرچہ کہیں کوئی بلب نہیں جل رہا تھا مگر عمارت کی بعض کھڑکیوں سے آنے والی مدھم سی روشنی میں لان میں پودوں وغیرہ کو دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک لمحہ کو رک کر ادھر ادھر دیکھا اور سامنے لان کے پرلے کنارے پر گارڈینیا کی باڑ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ باڑ پھلانگ کر دوسری طرف کودتے ہوئے میں کسی چیز سے ٹکرا کر گرا اس کے ساتھ ہی فضا میں ایک ہلکی سی چیخ بھی ابھری تھی مگر وہ میری چیخ نہیں تھی نسوانی چیخ تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک غراتی ہوئی مردانہ آواز بھی سنائی دی۔

"اے..... کون ہو.....؟"

میں نے مڑ کر دیکھا باڑ کے پیچھے گھاس پر لباس سے بے نیاز ایک عورت اور ایک مرد اپنی لو اسٹوری کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ میری اچانک مداخلت سے وہ دونوں گڑبڑا گئے تھے۔ لیکن میں انہیں دیکھنے کے لئے وہاں نہیں رکا۔ میں اٹھ کر دائیں طرف دوڑتا چلا گیا۔

دائیں طرف سوئمنگ پول تھا جہاں اس وقت خاصی رونق تھی میں سوئمنگ پول سے بچتے ہوئے ایک طرف دوڑتا چلا گیا اور عقبی دیوار کے قریب پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دیوار خاصی اونچی تھی۔

اب اس طرف سے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جس طرف سے میں بھاگ کر آیا تھا۔ وہ لوگ یا تو دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تھے یا پیلا نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ لوگ بہرحال کھڑکی کے راستے کمرے سے باہر آ گئے تھے اور میری تلاش میں چیختے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ میرے ذہن میں گارڈینیا کی باڑ کے پیچھے اس جوڑے کا خیال آ گیا یقیناً ان کی خیر نہیں تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک طرف دوڑ لگا دی اور پھر ایک جگہ مجھے دیوار پر چڑھنے کا موقع مل گیا۔ دوسری طرف کودنے میں مجھ سے ذرا غلطی ہو گئی۔ اندھیرے میں دیوار کی بلندی کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ پختہ جگہ پر گرتے ہوئے میرا بایاں پیر رپٹ گیا میں لڑکھڑا کر گرا میرے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی تھی۔ میں نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر پھر گر گیا پیر میں موچ آ گئی تھی۔ شدید تکلیف ہو رہی تھی اور پیر زمین پر ٹک نہیں رہا تھا لیکن یہاں رکے رہنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں جانتا تھا کہ موت کے فرشتے کچھ ہی دیر میں ہوٹل سے باہر آ جائیں گے اور میرے لئے یہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

میں نے ناگ راج کی پٹائی کی تھی اس کے ایک ناگ کا سر کچل دیا تھا۔ روی پنڈت کو اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس وقت ناگ راج کا چہرہ بہت ہی بھیانک ہو گیا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کی رگوں میں دوڑنے والا زہریلا خون کھول رہا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ میں نے اسے پوری طرح بے بس کر دیا تھا۔ اسے شاید اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے چیلے اس کی پوجا کرتے تھے وہ میرا جو حشر کریں گے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

شور کی آوازیں اب بلند ہو گئی تھیں۔ یہ آوازیں سوئمنگ پول کی طرف سے آ رہی تھیں اور ان میں عورتوں کی چیخیں نمایاں تھیں۔

میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تنگ سی گلی تھی تقریباً بیس گز آگے ایک موڑ دکھائی دے رہا تھا میں نے اس طرف دوڑ لگا دی۔ بائیں پیر پر بوجھ نہیں پڑ رہا تھا اور میں گویا ایک پیر پر ہی دوڑ رہا تھا۔ اس گلی میں مڑتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس طرف بنگلے تھے اور دوسرے بنگلے کے سامنے ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ بنگلے کے سامنے لمبا چوڑا لان بھی تھا اور گارڈینیا کی باڑھ بھی لگی ہوئی تھی۔ میں لنگڑاتا ہوا موٹر سائیکل کے قریب پہنچ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ موٹر سائیکل لاک نہیں تھی لیکن میں ابھی موٹر سائیکل پر بیٹھنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ پچھلی گلی سے شور سنائی دیا غالباً دو آدمی تھے جو چیختے ہوئے اس طرف دوڑے آ رہے تھے۔ میں نے ایک دم باڑ کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور ریوالور والا ہاتھ آگے کو نکال کر باڑ کے گھاس پر لیٹ گیا۔

وہ دو آدمی تھے جو اس گلی میں مڑ کر دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے تھے ان میں ایک کے ہاتھ میں تیغہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں رائفل وہ جیسے ہی آگے نکلے بنگلے کے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا ایک آدمی

اور ایک عورت نے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

میں ایک منٹ تک اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا رہا اور پھر باہر آ کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھا اس مرتبہ کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ موٹر سائیکل پہلی ہی کک میں اسٹارٹ ہو گئی۔ موٹر بائیک کے انجن کی آواز سن کر اس شخص نے پھر دروازہ کھول کر جھانکا اور پھر چیختا ہوا میری طرف لپکا لیکن میں موٹر بائیک کو گیئر میں ڈال چکا تھا کلچ چھوڑتے ہی موٹر سائیکل اچھل کر آگے بڑھی۔ وہ شخص چیختا ہوا میرے پیچھے دوڑا لیکن میں اس کی پہنچ سے دور نکل چکا تھا۔

اس علاقے سے نکل کر میں نے موٹر سائیکل ایک جگہ چھوڑ دی اور لنگڑاتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا اسی طرح میں تقریباً دو گھنٹوں بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچ سکا تھا۔

انکا مجھے فوراً ہی تہہ خانے میں لے گئی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے پہلے یہ خبر اس تک پہنچ چکی تھی۔

"ایک گھنٹہ پہلے مجھے دریودن نے فون پر بتا دیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم میرے وشواش پر پورے اترے۔ ناگ راج کو تم نے جو چوٹ لگائی ہے وہ اس عرصے تک نہیں بھلا سکے گا۔ اس کا ایک ایک آدمی حرکت میں آ گیا ہے اب تم دو چار دن تک باہر نہیں نکلو گے۔"

"میں باہر نکل بھی نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔ "میرے پیر میں موچ آ گئی ہے اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی ہے۔"

میں اس وقت بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ انکا نے میرے جوتے اتار دیئے۔ میرا بایاں ٹخنا سوج گیا تھا۔ انکا کچھ دیر تک پیر کو ٹٹول کر دیکھتی رہی پھر اٹھ کر تہہ خانے سے باہر چلی گئی اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے پلاسٹک کا ٹب فرش پر رکھا اور گرم پانی سے میرے پیر دھونے لگی۔

تولیے سے پیر خشک کرتے ہوئے اس نے اچانک ہی ایک دو زوردار جھٹکے دیئے ایک جھٹکا تو اس قدر شدید تھا کہ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

انکا نے کالے مرہم سے مالش کر کے پیر پر پٹی لپیٹ دی اور مجھے لٹا دیا۔ میری پوری ٹانگ میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن یہ تکلیف بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

میں چار دن تک عملاً بستر پر پڑا رہا اس دوران انکا اس طرح میری خدمت کرتی رہی جیسے بیوی شوہر کی کرتی ہے۔ مجھے بستر سے اٹھا کر باتھ روم میں وہی لے جاتی تھی۔ چار دن مکمل آرام اور روزانہ کالے مرہم کی مالش سے میرے پیر کی تکلیف بڑی حد تک کم ہو گئی۔ اس دوران انکا سے مجھے باہر کے حالات بھی معلوم ہوتے رہے۔ ناگ راج اپنے کسی خفیہ ٹھکانے پر منتقل ہو گیا تھا اور وہ اپنے تین چار خاص آدمیوں کے ذریعے احکامات جاری کر رہا تھا۔ جس رات میں اسے ذلیل کر کے ہوٹل سے بھاگا تھا اسی رات اس نے اپنے چار محافظوں اور ہوٹل کے اس ویٹر کو گولیوں سے اڑا دیا تھا جس سے میں نے پگڑی اور کوٹ لیا تھا۔

چھ دن ہو گئے تھے۔ میں اب تہہ خانے میں تھوڑا بہت چلنے بھی لگا تھا مگر پیر پر پوری طرح دباؤ نہیں پڑ رہا تھا۔ مجھے دو چار دن مزید آرام کی ضرورت تھی۔

اور پھر اس روز صبح ہی انکا نے بتایا کہ وہ ایک ضروری کام سے جے پور جا رہی ہے اگلے روز شام تک لوٹ آئے گی۔ اس نے رادھا کو میرے بارے میں کچھ ہدایات دے دی تھیں۔

انکا کے جانے کے بعد بھی میں دوپہر تک اکیلا تہہ خانے میں پڑا رہا۔ ٹی وی اور وی سی آر کی وجہ سے مجھے وقت کاٹنے کا ایک ذریعہ مل گیا تھا۔ میں بیڈ پر آرام سے فلمیں دیکھتا رہتا۔ اس روز رادھا دوپہر کا کھانا لے کر آئی تو وہیں بیٹھی رہی وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور پھر وہ خالی برتن اٹھا کر چلی گئی۔

کھانے کے بعد میں سو گیا تھا۔ سہ پہر کے قریب آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ وہ رادھا تھی جو چائے لے کر آ رہی تھی چپل گھسیٹ کر اس کی چلنے کی عادت تھی جس سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوتی تھی اور یہ آواز سن کر ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ لیکن رادھا کو دیکھ کر میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

رادھا نے اس وقت راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ یوں تو راجستھانی لباس میں جسم بڑی حد تک ڈھکا رہتا ہے مگر رادھا نے جو لباس پہنا تھا وہ خاص خاص موقعوں پر ہی پہنا جاتا ہے۔ بہت مختصر سی کالے رنگ کی چولی اور اس سے بھی زیادہ مختصر کالے رنگ کا لہنگا۔ یہ لباس کے نام پر تہمت تھی لیکن اس مختصر سے کالے لباس میں رادھا کا گورا بدن قیامت ڈھا رہا تھا۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھ کر سیدھا ہونا چاہا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں آن گری۔

رادھا بڑی جاندار عورت تھی۔ اس نے مجھے ایسی ایسی قلابازیاں کھلائیں کہ میں اپنی ساری چوکڑی بھول گیا مگر رادھا کو تھپیڑ تو لگنے ہی پڑے تھے۔

میری وہ رات اسی طرح ہوا میں تیرتے ہوئے گزری تھی اور صبح رادھا نے میرے بستر سے اٹھنے سے پہلے کچھ باتیں کہیں جنہیں سن کر میرا دماغ سن ہو گیا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے غیر یقینی لہجے میں کہا۔

"میں سچ کہتی ہوں بابو۔" رادھا نے کہا۔ "وہ ڈائن ہے ناگن۔ اب تک تم جیسے کتنے نوجوانوں کو کھا چکی ہے۔ تم پتا نہیں کیسے بچتے رہے ہو؟"

مجھے رادھا کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انکا نے مجھے پناہ دی تھی۔ مجھے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ وہ سب بھی پتہ تھی مجھے ناگ راج کے حوالے کر سکتی تھی لیکن اس نے مجھے ناگ کی نگاہوں سے بچائے رکھا تھا۔ میری حفاظت کی تھی یہ بات تو میں مانتا ہوں کہ وہ مجھ سے پہلے بھی نوجوانوں کو کھا چکی ہوگی۔ بیوہ ہونے کے باوجود اس نے جس طرح اپنی بھوک بجھانے کے لئے مجھے استعمال کیا تھا اس سے رادھا کی باتوں پر یقین کر لینے کو جی چاہتا تھا کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی کھیل کھیلتی رہی ہوگی۔ یہ اتفاق

ہوگی مگر دوسری باتیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔

انکا اس دن شام سے پہلے ہی لوٹ آئی تھی۔ رادھا اس کے آنے سے پہلے ہی اپنی اوقات میں آ گئی تھی یعنی وہی ساڑھی اور بلاؤز جو وہ عام طور پر پہنا کرتی تھی۔

"کیا بات ہے تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟" انکا نے پوچھا اس وقت ہم تہہ خانے والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں۔" میں گڑبڑا گیا وہ واقعی ذہین عورت تھی جس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس کے بارے میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ "تمہارے نہ ہونے سے بڑی بوریت ہوئی۔"

"کیوں...... رادھا سے گپ شپ کر لیتے ویسے اس نے کوئی حرکت تو نہیں کی۔"

آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"رادھا!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ تو کھانا یا چائے میز پر رکھ کر ایسے بھاگتی تھی جیسے اگر وہ رک گئی تو میں اسے کھا جاؤں گا۔"

"حیرت ہے۔" انکا بولی۔ "جب تم پہلی مرتبہ یہاں آئے تھے تو تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چمک ابھری تھی اس سے مجھے تو اس کے ارادے کچھ خطرناک لگتے تھے۔"

"شاید وہ جان گئی ہے کہ تم مجھے شکار کر چکی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ انکا بھی مسکرا دی تھی۔

اس رات میں بے چین سا رہا۔ کبھی انکا کے بارے میں سوچنے لگتا اور کبھی یہ سوچتا کہ رادھا نے مجھے انکا کے بارے میں سب کچھ کیوں بتایا تھا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ سکی۔ جیسے جیسے سوچتا ذہن الجھتا رہا۔

مزید دو دن گزارنے کے بعد میں آشرم سے نکل گیا۔ انکا سے میں نے کہہ دیا تھا کہ شاید دو چار دن واپس نہ آ سکوں۔

میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد آشرم سے نکلا تھا مجھے انکا نے خبردار کر دیا تھا کہ ناگ راج کے آدمی اب بھی میری تلاش میں ہیں۔ میں دوسروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا پیدل ہی چلتا رہا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اچال شوار مندر سے ملحق بنگلے میں پہنچا تو بری طرح تھک چکا تھا۔ یہاں کچھ مزید انکشافات ہوئے۔ اس رات ہوٹل بل لاک میں میرے ہاتھوں روپی پنڈت کے قتل اور ناگ راج کے زخمی ہونے کے بعد اس کے آدمی واقعی پاگل ہو گئے تھے۔ انہوں نے دو مرتبہ اچال شوار مندر پر چھاپہ مارا تھا اور دونوں مرتبہ ایک ایک پجاری کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ انہیں شبہ تھا کہ پنڈت بھیرو سنگھ نے مجھے مندر میں کہیں چھپا رکھا ہے۔ انہوں نے پنڈت بھیرو سنگھ کو بھی سنگین نتائج کی دھمکیاں دی تھیں۔

اس رات ایک بجے کے قریب پنڈت بھیرو بھی خفیہ راستوں سے ہوتا ہوا مجھ سے ملنے کے لئے آ گیا۔ باتوں کے دوران میں میں نے انکا کے بارے میں دریافت کیا تو وہ چونک اٹھا۔

"تم اسے کیسے جانتے ہو؟" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "وہ عورت نہیں

ناگن ہے۔ اس کا ڈسا تو پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس کے قریب بھی مت جانا۔"

اور پھر اس نے اکا کے بارے میں جو کچھ بتایا اس سے رادھا کی باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ مجھے حیرت تھی کہ اکا نے اب تک میرے سامنے کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کی تھی جس سے مجھے اس پر کسی قسم کا شبہ ہو سکتا۔

بہرحال میرا ارادہ اب دہشت گردی کے کیمپ میں ڈپٹی کمانڈر گورکھ سنگھ سے دو دو ہاتھ کرنے کا تھا اس کے لئے مجھے کچھ تیاری کی ضرورت تھی اور اکا اور دریودن کا تعاون بھی درکار تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔ اکا نے اس رات پروجیکٹر پر مجھے جن چار آدمیوں کی تصویریں دکھائی تھیں ان میں گورکھ سنگھ بھی شامل تھا۔ روپی پنڈت کو میں ٹھکانے لگا چکا تھا میرا خیال تھا کہ گورکھ سنگھ سے آخر میں نمٹوں گا لیکن رادھا اور پنڈت بھیرو سے اکا کے بارے میں باتیں سن کر میں نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا اور اب سب سے پہلے میں گورکھ سنگھ سے ہی نمٹنا چاہتا تھا اور اس کی تیاری میں نے اسی روز سے شروع کر دی اس کے لئے مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت تھی۔ میں نے ان چیزوں کی لسٹ پنڈت بھیرو کے حوالے کر دی۔

"یہ چیزیں مندر کے کسی پجاری سے مت منگوانا بلکہ ایسی عورتوں کو استعمال کرنا جن پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے۔" میں نے پنڈت کو لسٹ تھماتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو سب چیزیں آ جاویں گی۔" پنڈت نے جواب دیا۔

اور پھر وہ چیزیں جمع کرنے میں دو دن لگ گئے۔ تمام چیزیں مکمل ہوتے ہی میں ایک الگ تھلگ کمرے میں آ گیا اور پھر مجھے دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میرا تیار کردہ ہر ٹائم بم بچوں کے سکول کے لنچ بکس سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لیکن انتہائی تباہ کن تھا۔ ایک ٹائم بم سے اس بنگلے جیسی عمارت تو تباہ ہو ہی سکتی تھی۔

اس سے اگلے روز میں نے اپنے سر کے پچھلے حصے پر ایک چٹکی سی چٹیا چھوڑ کر پورا سر منڈھوا دیا۔ بھنویں بھی صاف کروا دیں البتہ داڑھی اور مونچھیں بے ترتیب رہنے دیں۔ یہ کام متھرا اور چھیا نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ سر پر صرف ایک جگہ کٹ سا لگا تھا جس پر پھٹکری مل کر پاؤڈر ڈال دیا گیا تھا۔

ماتھے پر کشکا، بدن پر صرف دھوتی اور اوپر کندھوں پر میں نے پیلے رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی جس پر جگہ جگہ ہندی میں اوم، چھپا ہوا تھا اس چادر کے دونوں کناروں کو آگے لا کر میں نے ایک ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ترشول تھا۔ ہندو مت میں اس ترشول کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسے طاقت کی علامت بھی سمجھا جاتا تھا اور حقیقتاً یہ ایک خوف ناک ہتھیار بھی تھا۔ اگلے سرے پر ہاتھ کی انگلیوں کی طرح نکلی ہوئی تین شاخیں جن کی دھار چاقو سے زیادہ تیز تھی پچھلا سرا بھی نیزے کی طرح نوکیلا تھا۔ گویا اس ہتھیار کو دونوں طرف سے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ خالص ہندوانہ انداز میں دھوتی باندھنے میں پنڈت بھیرو نے مدد کی تھی۔ دو تین مرتبہ کھول کر میں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ دھوتی کیسے باندھی جاتی ہے۔ اس کا انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے شلوار پہن رکھی ہو۔ دھوتی کی ڈب (کمر پر بل) میں، میں نے ریوالور بھی چھپا لیا

تھا جسے ضرورت کے وقت میں آسانی سے نکال سکتا تھا۔ ترشول والے ڈنڈے کے ساتھ تقریباً بیچ میں ایک ٹلی سی لگی ہوئی تھی جس پر میں نے پیتل کا ایک چھوٹا سا ڈول لٹکا لیا تھا اس میں تین چار روپے کی ریزگاری کے علاوہ پوری کے چند ٹکڑے بھی رکھے ہوئے تھے۔ میرے گلے میں کئی رنگ برنگی مالائیں تھیں۔

پنڈت بھیرو مجھے تیار کر کے تنقیدی نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"اوم نمش رام..... ہری اوم..... ہری اوم....." میں دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

پنڈت بھیرو اچھل پڑا۔

"اگر تم مندر میں بیٹھ جاؤ تو میری گدی خطرے میں پڑ جاوے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

میں بھی مسکرا دیا۔ یہ اشلوک میں نے ایک سادھو کو پڑھتے ہوئے دیکھا تھا جو مجھے یاد رہ گیا تھا۔

میں مندر والے بنگلے سے نکلا تو ننگے پیر تھا چند گز چلنے سے میرے پیر گرد آلود ہو گئے۔ میں ہری اوم ہری اوم کا ورد کرتا ہوا سڑکوں پر چلتا رہا۔

دریودن کا بنگلہ تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اس وقت بنگلے پر ہی مل سکتا تھا اور میرا اندازہ درست نکلا۔

"دریودن سیٹھ سے کیا کام ہے تمہیں؟" گیٹ کے چوکیدار نے مجھے گھورا۔

"سنا ہے بڑا دھن وان اور دیالو ہے۔ ہم اس کی جے جے کار کرتے آیا ہوں۔ جا بالک۔ دریودن کو بول کہ انبالے سے سادھو پاجی آیا ہوں آشیرواد دینے کے لئے اسے ہمارا آشیرواد ملے گا تو اس کی ساری سمسیائیں مٹ جاویں گی۔"

"سادھو پاجی!" چوکیدار نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں ..... سادھو پیا جی رام کا متر۔" میں نے کہا۔ "جا جلدی سے اسے بتا دے ورنہ شبھ سمے نکل جاوے گا۔ ہم تمہارے لئے بھی بھگوان سے پرارتھنا کریں گے۔"

چوکیدار الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ پاجی اور بیلا رام کے حوالوں سے دریودن سمجھ جائے گا کہ میں کون ہوں۔ ٹھیک تین منٹ بعد چوکیدار بڑے احترام سے مجھے اندر لے گیا۔ دریودن شاندار ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر اٹھ گیا۔

"نمسکار مہاراج! دھن بھاگ ہمارے۔ پدھاریئے مہاراج، پدھاریئے۔"

اس نے خاص انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر میرا استقبال کیا۔

میرے پیر گرد آلود ہو رہے تھے۔ میں بڑی بے تکلفی سے قالین پر چلتا ہوا صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ ترشول بھی میں نے صوفے کے ساتھ ہی ٹکا دیا تھا۔

دریودن میرے سامنے قالین پر بیٹھ گیا اس نے ابھی تک دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ میں نے پوری کا ایک ٹکڑا ڈول میں سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہم اوپناتھ مندر کی یاترا کرتے آیا ہوں یہ بھگوان کا پرساد ہے۔"

میں نے کہا اور پھر دروازے میں کھڑے چوکیدار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لے بالک تو

بھی بھگوان کا پرساد نے۔ ساری سمسیائیں مٹ جائیں گی۔

چوکیدار نے بھی آگے بڑھ کر بڑے احترام سے بھگوان کا پرساد لے لیا۔ دریودن نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ چوکیدار کے جانے کے بعد وہ میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"یہاں کیوں آئے ہو اگر کسی کو شبہ ہو گیا تو تمہارے ساتھ میری گردن بھی ماری جائے گی۔"

"مجبوری تھی ویسے مجھے کوئی پہچان نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔

"یہ درست ہے۔ میں بھی تمہیں نہیں پہچان سکا تھا۔ میں پانچی اور بیلا کے نام سے سمجھ گیا تھا۔ ویسے تم نے نام خوب چنا۔ ناگی سے پاگی۔" وہ بولا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تم ابھی گورکھ سنگھ کو فون کر کے بتاؤ کہ سادھو بیلا رام ایک بڑی زوردار قسم کی لونڈیا لے کر آ رہا ہے آج رات۔ کل دوپہر کو لونڈیا جیسلمیر واپس چلی جائے گی۔"

"تم جانتے ہو حالات بہت خراب ہیں اگر اس نے انکار کر دیا تو؟" دریودن نے کہا۔

"گورکھ سنگھ جیسا آدمی انکار نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔ "پچھلی مرتبہ انکا کو وہاں بھیجنے سے پہلے بھی تم نے ہی اسے فون کیا تھا۔"

"پروگرام کیا ہے۔" دریودن نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ابھی تک ذہن میں کوئی بات واضح نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جلد سے جلد اس بکھیڑے کو نمٹا دینا چاہتا ہوں تاکہ تم لوگ شانت رہو اور میں بھی یہاں سے جا سکوں۔"

"تم نے انکا سے بات کی ہے؟" اس نے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں چار پانچ روز سے اس سے نہیں ملا۔ تم سے بھی بتا دو بلکہ میرا خیال ہے اسے بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔ بعد میں اسے پتا تو چل ہی جائے گا۔"

"مجھے یاد آیا انکا تو یہاں ہے بھی نہیں وہ سے پور گئی ہوئی ہے کل دوپہر تک واپس آئے گی۔" دریودن نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم گورکھ سنگھ سے بات کرو۔" میں نے کہا۔

دریودن وہاں سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ چھ سات منٹ تک فون پر بات کرتا رہا۔ ایک دو بار قہقہے بھی لگائے تھے۔ پھر فون بند کر کے میرے قریب آ گیا۔

"وہ آج رات گیارہ بجے تمہارا انتظار کرے گا۔" وہ بولا۔

"میرا نہیں لونڈیا کا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا وہ بھی مسکرا دیا۔ اس کے بعد میں زیادہ دیر وہاں نہیں رکا تھا۔ دریودن مجھے رخصت کرنے کے لئے گیٹ تک میرے ساتھ آیا تھا۔ اس وقت دو غنڈے بھی مجھے ادھر ادھر گھومتے نظر آئے۔ دریودن نے مجھے چند نوٹ دیئے تھے جو میں نے ترشول کے ساتھ تھیلے

...ے ڈول میں ڈال لیے تاکہ دوسرے بھی دیکھ لیں کہ میں یہاں دان لینے کے لئے ہی آیا تھا۔ ڈرائنگ ... باہر م سے نکلتے ہی میں نے اوم نمس دوام۔ ہری اوم، ہری اوم، کا ورد شروع کر دیا تھا جو گیٹ سے نکلنے کے بعد ... جاری رہا۔

دریودن کے بنگلے سے نکلنے کے بعد میں نے اچل شوار مندر کا ہی رخ کیا تھا۔ لیکن اس بات کا ... خیال رکھا تھا کہ میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ بنگلے پر پہنچ کر میں نے چھمیا کو بتا دیا کہ آج رات ہمیں ... کہاں جانا ہے۔ میں نے اسے اپنا اصل منصوبہ نہیں بتایا تھا اسے صرف یہ بتایا تھا کہ اس نے چند گھنٹوں تک گورکھ سنگھ کا دل بہلانا ہے۔

ساڑھے نو بجے تک چھمیا تیار ہو گئی۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے ... اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا اور اس مختصر سے لباس میں تو وہ قیامت بن گئی تھی۔

کمپاؤنڈ میں گہرے نیلے رنگ کی ایک ڈاٹسن کار کھڑی تھی۔ میری ہدایت کے مطابق یہ کار کہیں ... سے چوری کر کے یہاں لائی گئی تھی اور واپسی پر میں نے اسے کہیں بھی چھوڑ دینا تھا۔

میں نے اس کمرے سے وہ تھیلا نکال لیا جس میں ٹائم بم رکھے ہوئے تھے۔ چھمیا کو علم نہیں تھا ... اس تھیلے میں کیا ہے اور نہ ہی اسے یہ پتا چل سکا تھا کہ میں وہ دن تک اس کمرے میں بند کیا کرتا رہا تھا۔

تھیلا میں نے پچھلی سیٹ کے نیچے رکھ دیا تھا۔ چھمیا فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

شہر کی اندرونی سڑکوں پر جانے کے بجائے میں نے بیرونی راستہ اختیار کیا اور آخر کار دلواڑی روڈ پر آ گیا۔ یہ راستہ پوری طرح میرے ذہن میں تھا۔ دس بج کر پچپن منٹ پر ہماری گاڑی کیمپ کے گیٹ کے سامنے موجود تھی۔ گارڈ وہی تھا لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکا۔ اس کو ہمارے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ چھمیا کی طرف دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔

گورکھ سنگھ کے کاٹیج کے سامنے اس کا ایک آدمی موجود تھا۔ میں نے چھمیا کو اس کے حوالے کر دیا اور خود کار میں بیٹھا رہا۔ وہ آدمی جلد ہی واپس آ گیا۔ اس نے مجھے ایک کمرے میں بیٹھنے کی پیشکش کی مگر میں نے گاڑی میں بیٹھنے کو ترجیح دی۔ البتہ کار کو کاٹیج سے چند گز دور ایک درخت کے نیچے لے گیا اور انجن بند کر کے پچھلی سیٹ پر آ کر نیم دراز ہو گیا۔ وہ شخص چلا گیا تو چند منٹ بعد میں نے سیٹ کے نیچے سے تھیلا نکالا۔ پنسل ٹارچ جلا کر فرش پر رکھ لی اور اس کی مدھم سی روشنی میں بموں کے فیوز لگانے لگا۔ میں بار بار تیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ میں نے تمام بموں کی گھڑیوں پر ایک منٹ بعد کا وقت لگا دیا تھا۔

تمام بم تھیلے میں ڈال دیئے۔ ایک بم اوپر اوڑھی ہوئی چادر میں چھپا کر کار سے اتر آیا اور محتاط ... میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا گورکھ سنگھ کے کاٹیج کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ... کے مسام پسینہ اگلنے لگے تھے۔

کاٹیج کا باہر والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر والا دروازہ بند تھا ... شیشے سے روشنی نظر آ رہی تھی۔ اندر

سے چھپا اور کورکھ-تکھ سے ہلکے قہقہوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دروازے کے اوپر چھ انچ چوڑی کارنس بنی ہوئی تھی۔ میں نے ٹائم بم کارنس پر رکھ دیا اور تیزی سے باہر آ گیا۔ اس وقت میرے قدموں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ میرے پورے جسم میں سنسناہٹ برقی لہروں کی طرح دوڑ رہی تھی۔ میں کار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود میرا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

مہاراج۔" میں وہ آواز سن کر اچھل پڑا۔ وہی آدمی کار کے دوسری طرف کھڑا تھا جو چھپا کو اندر چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ مجھے پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ وہ شخص کب وہاں آیا تھا۔

"مہاراج۔" وہ شخص کہہ رہا تھا۔ "آپ اس کمرے میں جا کر آرام سے بیٹھ جائیے جب میڈم فارغ ہو جائے گی تو میں آپ کو بتا دوں گا۔"

"نہیں بالک!" میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "اندر بیٹھ کر میرا سانس گھٹتا ہے میں باہر ٹہل کر وقت گزار لوں گا۔"

وہ شخص چلا گیا۔ چند منٹ بعد میں نے تھیلا کار میں سے نکال کر کندھے پر لٹکا لیا اور پھر چادر اس طرح ڈال لی کہ تھیلا چھپ گیا اور پھر میں کیمپ میں ٹہلنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ میں، میں نے باقی چاروں بم بھی مختلف جگہوں پر فٹ کر دیئے اور دوبارہ کار کے قریب آ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہی آدمی ایک بار پھر دکھائی دیا۔ اس مرتبہ میں نے اسے آواز دے کر بلا لیا۔

"بالک۔" میں نے کہا۔ "سرکار سے پوچھ کر بتاؤ کہ ہم یہاں رہ کر انتظار کریں یا واپس چلے جائیں اور صبح آ کر سندری کو لے جائیں۔"

مہاراج۔ میرا تو خیال ہے کہ آپ چلے ہی جائیے۔ میڈم صبح سے پہلے فارغ نہیں ہوگی، آپ آرام سے دن چڑھے آ جائیے۔" اس نے کہا۔

"جیتے رہو بالک۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "تم نے میری بہت بڑی سمسیا حل کر دی۔ ٹھیک ہے ہم چلتے ہیں۔ دن چڑھے آ کر سندری کو لے جائیں گے۔"

میں کار میں بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کر کے اس کا رخ واپس جانے والے راستے پر موڑ دیا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ مناسب رفتار سے کار چلاتا رہا۔ گیٹ پر مجھے کار روکنی پڑی۔ محافظ کی طرف دیکھ کر میں مسکرا دیا۔ اس نے کار میں جھانک کر دیکھا پھر گیٹ کھول دیا۔

آگے بھی میں متوسط رفتار سے کار چلاتا رہا۔ پہاڑیوں سے نکل کر میں نے کار ولوا روڈ پر موڑ دی اور تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ پہلا دھماکہ سنائی دیا۔ فاصلہ اگرچہ چار میل سے کم نہیں تھا مگر آواز بتا رہی تھی کہ دھماکہ زوردار تھا۔ میں نے کار کی رفتار بڑھا دی اور پھر یکے بعد دیگرے دھماکے سنائی دیتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

کار شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر چھوڑ کر میں پیدل ہی ایک طرف تیز تیز چلنے لگا۔ اکا کے

آشرم تک پہنچنے میں مجھے آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

رادھا نے میری آواز سن کر دروازہ تو کھول دیا تھا لیکن میری شکل دیکھتے ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور پھر اسے یقین کرنا ہی پڑا کہ میں غلط آدمی نہیں ہوں۔

اکا تو آشرم میں نہیں تھی۔ دریودن نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ جے پور گئی ہوئی ہے۔ میں جو کچھ بھی کر کے آیا تھا اس سے میرے اعصاب میں ابھی تک کشیدگی تھی۔

"رادھا۔ تم میرے لئے چائے بناؤ۔ میں اپنا حلیہ بدل کر آتا ہوں۔" میں کہتے ہوئے تہ خانے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"کوئی بڑا انرتھ ہو گیو ہے کیا؟" رادھا نے پوچھا۔

"ہاں..... بہت بڑا....." میں نے جواب دیا۔

تہ خانے میں آتے ہی میں باتھ روم میں گھس گیا۔ سب سے پہلے میں نے ریزر سے اپنے سر پر وہ چٹیا صاف کی جو خاص مقصد سے رکھی تھی پھر داڑھی اور مونچھیں صاف کر رہا تھا کہ رادھا چائے لے کر آ گئی۔

داڑھی مونچھیں صاف کرنے کے بعد میں نے الماری سے اکا کے پتی کی ایک پینٹ شرٹ نکالی اور رادھا کی موجودگی کی پروا کئے بغیر دھوتی اتار کر پینٹ شرٹ پہننے لگا۔

چائے کے دوران میں رادھا سے ایک بار پھر اکا کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ رادھا باتیں کرتے ہوئے میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور میرے اوپر گری جا رہی تھی۔ مجھے اس کی نیت میں فتور صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا اور پھر میں نے بھی اسے مایوس نہیں کیا۔

وہ رات نہ رادھا سوئی تھی اور نہ میں۔ صبح چھ بجے کے قریب رادھا پھر چائے بنا کر لے آئی۔

چائے پیتے ہوئے ہم ایک بار پھر اکا کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ وہ زہریلی ناگن ہے۔" رادھا کہہ رہی تھی۔ "اس کے پتی کو ناگ راج نے نہیں خود اکا نے قتل کیا تھا۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"میں بھلا تمہیں جھوٹ بولتی ہوں بابو۔" رادھا نے جواب دیا۔ "تم اس کی اصلیت جان لو گے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنی زہریلی ہے۔ ایک منٹ۔ میں تمہیں ثبوت دے سکتی ہوں۔ میرے ساتھ اندر آؤ۔"

میں رادھا کے ساتھ اپنے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے سامنے آ گیا جس کے دروازے پر میں نے ہمیشہ تالا دیکھا تھا۔

"یہ تالا توڑ دو تمہیں ہر چیز اس کمرے میں مل جائے گی۔" رادھا نے کہا۔

تالا خاصا مضبوط تھا۔ اسے توڑنے میں مجھے خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ اس موٹے سے تالے کے علاوہ دروازے کا بغلی قفل بھی توڑنا پڑا تھا۔ میں اور رادھا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ بتی جلانے

ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

یہ کمرا دفتر کے طور پر آراستہ تھا۔ شیشے کے سلائیڈنگ دروازوں والے شیلفوں میں کتابیں بھی ہوئی تھیں۔ ایک شیلف میں وسیع دائرہ عمل والا ٹرانسمیٹر بھی رکھا ہوا تھا جو آن تھا۔

میز کی درازیں مقفل تھیں۔ میں نے تالے توڑ دیئے اور ان میں رکھی ہوئی فائلیں نکال نکال کر دیکھنے لگا۔ میں جیسے جیسے فائلیں دیکھتا جا رہا تھا میرے جسم میں سنسنی کی لہریں سی پھیلتی جا رہی تھیں۔ رادھا کی ہر بات کی تصدیق ہو رہی تھی۔

انکا اگنی ہوتری بھارتی انٹیلی جنس، اکی ڈپٹی ڈائریکٹر تھی۔

میرا دماغ سن ہونے لگا۔ میں جیسے جیسے فائلیں دیکھتا رہا میرے جسم میں سنسناہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ رادھا بھی میز کی درازوں کی تلاشی لے رہی تھی۔

اور پھر کمرے کے باہر ہلکی سی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

انکا اگنی ہوتری دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کارا کوف رائفل تھی جس کا رخ میری طرف تھا۔

☆.....☆.....☆
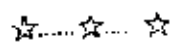
انکا اگنی ہوتری کو سامنے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کنپٹیاں سنسنا اٹھیں۔ وہ عورت نہیں موت کا فرشتہ لگ رہی تھی۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ یہ وہ حسین عورت تھی جو میرا دل بہلانے کے لئے میرے بستر کی زینت بنتی رہی تھی جس نے ناگ راج جیسے بے حد زہریلے ناگ سے بچانے کے لئے مجھے اپنے آشرم میں پناہ دی تھی اور اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے اس کے کئی راز مجھے بتائے تھے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر ناگ راج کو ہلکا سا شبہ بھی ہو گیا تو اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس نے ہر خطرہ مول لے کر مجھے ناگ راج کی نظروں سے بچائے رکھا تھا اور اب خود مجھ پر رائفل تانے کھڑی تھی۔ میری جان کی دشمن ہو رہی تھی اور اس کی وجہ بھی سامنے تھی۔ میں اس کا راز جان گیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقف ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ مجھے کیوں کر زندہ چھوڑ سکتی تھی۔

”تت.....تم.....“ میں ہکلا کر رہ گیا۔ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل نیچے گر گئی۔

”ہاں میں۔“ انکا زخمی ناگن کی طرح پھنکاری۔ ”اچھا ہوا میں وقت پر پہنچ گئی ورنہ تم یہ سارے راز لے کر یہاں سے نکل گئے ہوتے۔“

”.....مگر تم تو بے ہوش ہو گئی تھیں۔“ میں نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ میں بے ہوش ہی ہو گئی تھی۔“ انکا کی آواز اب بھی ناگن کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ ”مجھے رات دو بجے ٹیلی فون پر ہریدون سے کیمپ کی تباہی کی اطلاع ملی تھی اور میں اس کے تھوڑی ہی دیر بعد یہاں کے لئے روانہ ہو گئی تھی۔ اکیلے رات ہی رات طویل فاصلہ طے کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر میں اس صورت حال میں کسی بھی خطرے کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں تھی کیونکہ ہریدون نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ کل دن میں تم اس سے ملے تھے اور تم گورکھ کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے اس لئے کیمپ کی تباہی کی خبر سنتے ہی میں سمجھ گئی تھی کہ یہ تمہارے علاوہ کسی اور کا کام نہیں ہو سکتا۔“ وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس کی خونخوار نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”اگر معاملہ گورکھ سنگھ کے قتل تک محدود رہتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہوتی ایک اور کانٹا میرے راستے سے نکل گیا مگر کیمپ کی تباہی۔ میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ذاتی دشمنی میں قومی مفاد کو نقصان پہنچانے کا تصور میں

نے کبھی نہیں کیا۔ اس کیمپ پر ہمارے کروڑوں روپے خرچ ہوئے تھے اور ہماری قومی سلامتی کے کئی منصوبے اس سے وابستہ تھے لیکن تم نے کیمپ کو تباہ کر کے ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ اسے بحال کرنے میں برسوں لگ جائیں گے مگر ہو سکتا ہے ناگ راج سے انتقام کی آگ میں سلگتے ہوئے میں تمہاری اس زیادتی کو برداشت کر جاتی۔ ناگ راج کو نااہل قرار دے کر اس کی ذمے داری بھی اس پر ڈال دی جاتی لیکن یہ سب کچھ......" اس نے میز پر بکھری ہوئی ڈالروں کی طرف دیکھا۔ "تم میرے ہر راز سے واقف ہو چکے ہو۔ میری اصلیت جان گئے ہو۔ اس لئے اب تم اس تہہ خانے سے زندہ نہیں نکل سکو گے اور یہ کتیا۔" وہ رادھا کی طرف دیکھ کر غرائی۔ "میرے ٹکڑوں پر پلنے والی آج میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہے۔ اس نے تمہیں سب کچھ بتایا ہوگا۔ اس کتیا کو تو میں ایسی سزا دوں گی کہ یہ جی سکے گی اور نہ مر سکے گی۔" وہ ایک بار پھر میری طرف متوجہ ہوگئی۔ "میں نے تم پر اعتماد کیا۔ تمہیں اس کیمپ کے بارے میں ہر بات بتائی۔ تمہیں کیمپ کے اندر جانے کا موقع فراہم کیا مگر تم غدار نکلے۔"

"غدار نہیں۔ میں اپنے وطن کا وفادار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت تک میں اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکا تھا۔ "میں جرائم پیشہ ضرور ہوں لیکن اپنے وطن کا غدار نہیں۔ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں جیسے بھی سنگین حالات میں رہوں میرے وطن کی محبت میرے دل میں زندہ رہے گی۔ یہ سب کچھ جاننے کے بعد میں کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ یہاں میرے بے گناہ ہم وطنوں کی تباہی اور ملک کی سلامتی کے خلاف خطرناک سازشیں ہوتی رہیں اور میں آنکھیں بند کر لوں اور تم نے مجھے سب کچھ اس لئے نہیں بتایا تھا کہ تمہیں مجھ پر اعتماد تھا۔ یہ تو ایک چارہ تھا جو تم نے میرے سامنے ڈالا تھا۔ تم نے مجھے سبز باغ دکھایا تھا کہ تمہارا انتقام لے کر میں یہ سارے راز اپنے ساتھ لے جا سکوں گا۔ نہیں انکا آنٹی جی تمہارا اصل منصوبہ تو یہ تھا کہ میں جیسے ہی ناگ راج کو ختم کرتا تم لوگ مجھے بھی ٹھکانے لگا دیتے۔ میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں جو تمہاری چال میں آجاتا۔ میں تو مناسب وقت اور موقع کا انتظار کر رہا تھا اور اتفاق سے اس دوران تمہارے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہو گئیں جن پر مجھے یقین نہیں آتا تھا مگر اب یہ سب کچھ دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ جو کچھ سنا تھا وہ سچ تھا۔"

"اور تم یہ سچ لے کر یہاں سے نہیں جا سکو گے۔" انکا پھنکاری۔ "میں اپنے ہاتھوں سے اس تہہ خانے میں تمہاری قبر بنا دوں گی اور یہ......" وہ رادھا کو گھورنے لگی۔ "یہ تو زندگی کے آخری لمحے تک اپنا انجام دیکھتی رہے گی۔"

انکا کی انگلی رائفل کے ٹرائیگر پر پہنچ گئی۔ رائفل کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں اس وقت میز کے پیچھے کھڑا تھا اور ایسا کوئی موقع نہیں تھا کہ میز پر سے کود کر اس پر چھلانگ لگا دیتا۔ وہ مجھے اپنے قریب پہنچنے سے پہلے ہی گولیوں سے چھلنی کر دیتی۔ اس دوران میں اس کے بارے میں ایک اور رائے قائم کر چکا تھا کہ وہ اکیلی تھی۔ اگر اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو اب تک وہ بھی سامنے آچکا ہوتا۔ انکا نے خود ہی بتایا تھا کہ اسے رات دو بجے کے بعد دریودن سے ٹیلی فون پر کیمپ کی تباہی کی اطلاع ملی تھی اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ اکیلی ہی یہاں کے لئے روانہ ہو گئی تھی۔ جے پور سے ماؤنٹ آبو تک تقریباً چار گھنٹوں کا فاصلہ تھا جو اس نے غالباً کہیں رکے بغیر طے کیا تھا۔ وہ سیدھی آشرم ہی آئی تھی اور اس

نے غالباً دریودن کو بھی یہاں پہنچنے کی اطلاع نہیں دی تھی لیکن جے پور سے روانہ ہونے سے پہلے اسے ضرور بتا دیا ہوگا کہ وہ آرہی ہے اس کا مطلب تھا کہ دریودن بھی کسی وقت یہاں پہنچنے والا ہوگا۔ اس وقت تو بہرحال وہ اکیلی تھی لیکن میں اس کے قبضے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کی انگلی کی معمولی سی حرکت میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی اور میں اس طرح ایک عورت کے ہاتھوں بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا مجھے کچھ کرنا تھا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا مگر کوئی بات سمجھ نہیں آرہی تھی۔ زندگی کے ان آخری لمحوں میں بھی میں مایوس نہیں تھا اور پھر قدرت نے مجھے ایک موقع فراہم کر دیا۔

میرے دائیں طرف رادھا کھڑی تھی جس کے اور میرے درمیان چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ خوف و دہشت سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا اور غالباً وہ بھی اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سوچ رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا اور پھر انکا کے پیچھے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے چیخی۔ "مہاراج ناگ راج آپ......"

یہ نہیں ناگ راج کا خوف تھا یا نفسیاتی جھٹکا کہ انکا تیزی سے پیچھے گھوم گئی۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا تو دنیا کا سب سے بڑا احمق کہلاتا۔ میں نے بڑی پھرتی سے میز کو دونوں ہاتھوں سے الٹ دیا اور اس سے پہلے کہ انکا صورت حال کو سمجھ سکتی میز کا الٹا ہوا کنارہ اس کی پنڈلیوں پر لگا وہ چیختی ہوئی پشت کے بل گری۔ رائفل اب بھی اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اچانک جھٹکا لگنے سے رائفل کا ٹرائیگر دب گیا۔ اس کے پشت کے بل گرنے کی وجہ سے رائفل کی نال بھی اوپر کی طرف اٹھ گئی تھی۔ رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے چھت کا پلستر ادھیڑ دیا۔

میز کے الٹنے کے ساتھ ہی میں نے بھی چھلانگ لگا دی تھی میں انکا کے قریب گرا اور سب سے پہلے میں نے اس کے رائفل والے ہاتھ کو گرفت میں لے کر اس کا بازو پیچھے کی طرف موڑتا چلا گیا اس کی انگلی ٹرائیگر سے ہٹ گئی تھی اور رائفل نے گولیاں اگلنا بند کر دی تھیں۔

رادھا بھی اچھل کر سامنے آگئی تھی۔ وہ انکا کا دوسرا بازو پکڑ کر مروڑنے لگی۔ میں نے جھٹکا دے کر انکا کے ہاتھ سے رائفل چھڑائی اور کھڑا ہو گیا۔ انکا کا دوسرا بازو اب بھی رادھا کی گرفت میں تھا اس کی دونوں ٹانگیں میز کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔

انکا نے میز کو دھکیل کر اپنے اوپر سے ہٹایا اور حیرت انگیز پھرتی سے فرش پر پڑی ہوئی رائفل کی طرف چھلانگ لگا دی مگر اس کے پیٹ پر پڑنے والی میرے پیر کی ٹھوکر نے اسے دوسری طرف لڑھکنے پر مجبور کر دیا۔

انکا اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ رادھا نے آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ سب سے پہلے اس نے انکا کی ناک پر گھونسہ مارا۔ وہ چیخ اٹھی۔ اس کی ناک سے بھی خون بہہ نکلا۔ اس نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور پھر سنبھل گئی وہ را کی تربیت یافتہ تھی تکلیف برداشت کرنا بھی جانتی تھی۔ وہ پلٹ کر رادھا پر جھپٹی۔

دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں۔ دونوں کے بال ایک دوسرے کی مٹھیوں میں تھے اور وہ خون خوار بلیوں کی طرح غرا رہی تھیں۔ انکا کو بہرحال اس لڑائی میں بھی مہارت حاصل تھی لیکن رادھا

ں کے مقابلے میں زیادہ صحت مند اور طاقت ور تھی۔ وہ اسے بری طرح رگید رہی تھی۔

ان دونوں کی ساڑھیاں جسموں سے الگ ہو چکی تھیں۔ دونوں کے بلاؤز پھٹ کر تار تار ہو چکے تھے۔ میں ایک شریف آدمی کی طرح دور کھڑا ان کی یہ سنسنی خیز اور دلچسپ لڑائی دیکھتا رہا۔ ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ رادھا غراتے ہوئے ایسی ایسی گالیاں بک رہی تھی جو میرے خیال میں ردوں کی زبان پر بھی نہیں آتی ہوں گی۔

یہ لڑائی خاصی دلچسپ تھی اور اسے دیکھ کر دیر تک محظوظ ہوا جا سکتا تھا لیکن میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ یہ اندیشہ بہر حال تھا کہ دریوdhن یہاں نہ پہنچ جائے۔

رادھا نے انکا کو دیوار کے ساتھ پٹخ دیا۔ انکا کا سر دیوار کے ساتھ ٹکرایا تو وہ چیخ اٹھی۔ رادھا آگے بڑھی تو میں نے اسے روک دیا۔

"بس رادھا۔ بہت ہو چکی۔" میں نے کہا۔ "ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے اگر کوئی آ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

رکتے رکتے بھی رادھا نے اس کے پیٹ پر ایک زوردار ٹھوکر مار دی۔ انکا ایک بار پھر بلبلا اٹھی۔

"مار دو۔ ختم کر دو اسے۔" رادھا چیخی۔ "اگر یہ زندہ بچ گئی تو ہمیں دنیا کے کسی کونے میں پناہ نہیں ملے گی۔"

اور پھر اچانک ہی اس نے جھپٹا مار کر میرے ہاتھ سے رائفل چھین لی اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا' رادھا نے انکا کے سامنے کھڑے ہو کر ٹریگر دبا دیا۔ تہہ خانہ تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولیاں انکا کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور خون کی کئی دھاریں بہہ نکلیں۔

رادھا نے رائفل میری طرف اچھال دی جسے میں نے ایک ہاتھ سے کیچ کر لیا۔ رادھا تیزی سے بیڈ روم میں گھس گئی۔ میں انکا کے دفتر والے کمرے میں آ گیا اور زمین پر بکھری ہوئی فائلوں میں وہ فائل تلاش کرنے لگا جس میں پاکستان میں را کے ایجنٹوں کے نام اور پتے موجود تھے۔ فائل تلاش کر کے میں نے قمیص کے اندر پیٹ میں اڑس لی اور بیڈ روم میں آ گیا۔

رادھا باتھ روم سے نکل رہی تھی۔ اس کی ناک سے خون بہنا رک گیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے بال بھی درست کر لئے تھے۔ اس نے انکا کی الماری کھول کر انکا کی ایک ساڑھی اور بلاؤز نکالا اور میری موجودگی کی پروا کئے بغیر پہننے لگی۔ یہ بلاؤز اسے کسی قدر تنگ تھا۔ اس کے پہننے سے اس کا سینہ کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا جب وہ ساڑھی لپیٹنے لگی تو میں اپنی جگہ پر کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

ساڑھی پہن کر انکا نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور پھر ڈریسنگ ٹیبل سے کاجل کی ڈبیہ اٹھا کر چھوٹی انگلی سے میری بھنووں پر کاجل لگا دیا۔ میں نے آئینے میں دیکھا تو منڈھی ہوئی بھنووں کا مسئلہ تو حل ہو گیا تھا لیکن گنجا سر دیکھ کر مجھے اچانک ہی کچھ یاد آ گیا۔ میں نے انکا کے پتی پریتم لال کے کپڑوں والی الماری کھول لی اس میں دو تین مختلف رنگوں کی گولف کیپ رکھی ہوئی تھیں میں نے براؤن رنگ کی کیپ اٹھا کر سر پر جمالی اور رادھا کی طرف دیکھ کر آنکھ مار دی۔ رادھا بھی مسکرا دی۔

ہم بہت محتاط انداز میں تہہ خانے سے باہر آ گئے تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اس وقت

سورج نکل آیا تھا وہ نرم رو پہلی دھوپ چھیل رہی تھی۔ ہم دونوں گیٹ کی طرف لپکے۔ رادھا نے چھوٹا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور مجھے اشارہ کر دیا۔

انکا کی لینڈ کروزر باہر کھڑی تھی اس کے ڈرائیونگ سائیڈ والا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انکا بڑی عجلت میں اندر گئی تھی۔ گاڑی میں چابی بھی موجود تھی۔ رادھا پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

اگرچہ ابھی صبح ہی کا وقت تھا مگر رات کو پہاڑیوں میں واقع کیمپ میں ہونے والے دھماکوں کی وجہ سے بڑی افراتفری نظر آ رہی تھی۔ کئی لوگ موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں پر دنتاڑہ روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ وہ لوگ غالباً یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ پہاڑیوں میں دھماکے کہاں اور کیوں ہوئے ہیں۔ پولیس بھی بڑی سرگرم نظر آ رہی تھی۔ ناگ راج کے آدمی بھی ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ میں گاڑی کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" رادھا نے پوچھا۔

"کسی محفوظ جگہ پر۔" میں نے جواب دیا اور ظاہر ہے میرے پاس اچل ٹھاکر مہندر والے بنگلے کے سوا اور کوئی جگہ ہو سکتی تھی۔

"گاڑی کو آگے بائیں طرف موڑ لو۔" رادھا نے کہا "میرے پاس بھی ایک محفوظ جگہ ہے ہم چند روز وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔"

میں نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی اور گاڑی اسی طرف موڑ دی جس طرف رادھا نے اشارہ کیا تھا۔

"ابھی غالباً سات ہی بجے تھے۔ اکا دکا دکانیں ہی کھلی تھیں۔ رادھا نے ایک جگہ گاڑی رکوائی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ یہ پٹرول پمپ کے سامنے میں تھا۔ پارک کیا تھا۔ ہم ایک تنگ سی گلی میں سے ہوتے ہوئے دوسری طرف نکل آئے۔ ایک حلوائی کی دکان پر پوریاں تلی جا رہی تھیں۔ رادھا نے پوریاں اور آلو کی بھاجی خریدی اور ہم ایک اور گلی میں داخل ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا لیکن ہم پیدل چلتے ہوئے اس علاقے سے تقریباً دو میل دور نکل آئے۔ انکا کی گاڑی میں چھوڑ دی گئی تھی جہاں ہم اترے تھے البتہ کلاشنکوف رائفل میں نے اٹھا لی تھی جسے رادھا نے اپنی ساڑھی کے نیچے چھپا لیا تھا۔

اس علاقے میں آبادی بہت کم تھی۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ خوبصورت کاٹیج نما مکان تھے جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ رادھا ایک کاٹیج کے سامنے رک گئی۔ چاروں طرف باؤنڈری وال بھی اور گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ رادھا نے پوریوں والی تھیلی مجھے تھما دی اور ساڑھی کے پلو سے چابیوں کا گچھا نکال کر تالا کھولنے لگی۔ آشرم سے اگرچہ ہم عجلت میں بھاگے تھے مگر رادھا نے ایسی باتوں کا خیال رکھا تھا۔ اس کاٹیج کی چابیوں کے علاوہ اس نے اچھی خاصی رقم بھی ساتھ لے لی تھی۔

کمپاؤنڈ میں اگرچہ ایک چھوٹا سا لان بنا ہوا تھا لیکن مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے نہ بے ترتیب تھی۔ گھاس بڑھی ہوئی تھی اور خودرو جھاڑیوں کی بھی کثرت نظر آ رہی تھیں۔

تین کمروں پر مشتمل کاٹیج بڑا خوبصورت تھا اس میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک فریج بھی موجود تھا جس میں ضرورت کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ رسوئی کے ساتھ چھوٹے سے سٹور میں بھرے ہوئے راشن کی مقدار اتنی تھی کہ دو آدمی کم از کم ایک مہینے تک آرام سے گزارہ کر سکتے تھے۔

کاٹیج کی عقبی دیوار ایک ٹیلے سے ملی ہوئی تھی۔ اس طرف سے نکل کر پہاڑیوں کی طرف کہیں بھی جایا جا سکتا تھا۔ میں نے گھوم پھر کر کاٹیج کا اچھی طرح جائزہ لے لیا یہ جگہ ہر لحاظ سے محفوظ تھی۔ یہاں جو انتظامات تھے انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ رادھا نے پہلے ہی سے یہاں آنے کی تیاری کر رکھی تھی لیکن میرے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ رادھا یکا یک الکا کے خلاف کیوں ہو گئی تھی۔ کئی روز پہلے جب اس نے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو میرے سامنے ڈھیر کر دیا تھا تو اس وقت بھی اس نے الکا کے خلاف کچھ باتیں کی تھیں۔ اس وقت میں یہی سمجھ تھا کہ ایسی باتیں وہ رقابت کی وجہ سے کر رہی ہے۔ وہ میرے اور الکا کے تعلقات سے واقف ہو چکی تھی اور وہ بھی چاہتی تھی کہ میں اس پر زیادہ توجہ دوں اسی لئے اس نے الکا کے خلاف باتیں کی تھیں لیکن کل رات جو کچھ بھی ہوا تھا وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا۔ اس نے نہ صرف الکا کے سارے راز فاش کر دیئے تھے بلکہ نہایت بے رحمی سے اس کا بدن گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ اس سے پہلے ایسا بھی لگتا تھا کہ وہ الکا سے کسی پرانی دشمنی کا بدلہ لے رہی ہو۔

میں جس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا وہ بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ فرش پر پلاسٹک میٹ بچھا ہوا تھا۔ ریگزین کا ایک پرانا سا صوفہ سیٹ تھا چار کرسیاں تھیں اور درمیان میں سفید فارمیکا کے ٹاپ والی کافی ٹیبل پڑی ہوئی تھی۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ رادھا سٹیل کی ایک تھالی میں ناشتہ لے کر آ گئی۔ وہ بازار سے خریدی ہوئی پوریاں اور آلو کی بھجی۔ ناشتے کے بعد رادھا چائے بھی بنا کر لے آئی۔ رادھا میرے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کاٹیج میں داخل ہوتے ہی الکا والی ساڑھی اتار پھینکی تھی۔ اس وقت اس کے جسم پر صرف چٹی کوٹ اور بلاؤز تھا۔ گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے میری نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں رادھا" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم نے الکا کے ساتھ کئی سال سے رہ رہی تھیں۔ وہ تمہاری محسن تھی تم اسے ماتا جی کہتی تھیں پھر یکا یک اس سے اتنی نفرت کیوں؟"

"محسن ماتا جی۔" رادھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "میرے من میں یہ نفرت یکا یک ہی نہیں ابھری۔ یہ لاوا تو بہت عرصے سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ مجھے اسی دن کا تو انتظار ہی تھا۔"

"تفصیل سے کچھ بتاؤ گی؟" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس وقت وہ بڑی صاف اردو بول رہی تھی۔

"یہ تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے۔" رادھا گہرا سانس لیتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں گریجویٹ ہوں اور راج گڑھ کی رہنے والی ہوں۔ یہ بہار کی سرحد کے قریب ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے۔ ماں باپ نے پیٹ کاٹ کر کسی نہ کسی طرح پڑھا دیا تھا کہ میں

ان کے بڑھاپے کا سہارا بنوں گی کوئی اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں ہی ان کی امیدوں کا مرکز تھی لیکن گریجویشن کرنے کے بعد جب میں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو بہت جلد پتہ چل گیا کہ دنیا اتنی حسین نہیں جتنی نظر آتی ہے۔ خاص طور پر مجھ جیسی حسین اور جوان عورتوں کے لئے تو یہ دنیا نرک سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ قدم قدم پر خون خوار بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔

"میں نوکری کے لئے جہاں بھی گئی میری سند اور میری قابلیت سے زیادہ میری جوانی اور میرے حسن کو دیکھا گیا۔ ہر جگہ مجھے دفتر کی میز کے بجائے بستر کی زینت بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح میں ہر جگہ سے بھاگتی رہی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے آخری نوکری سیٹھ دولت رام کے پاس کی تھی اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ چھوٹا قد بھاری بھر کم جسم مٹکے کی طرح نکلی ہوئی توند اور بلڈاگ جیسا چہرہ۔ سب سے زیادہ اونچی دولت سے تھی وہ ہر طرف سے دولت سمیٹ رہا تھا۔

"مجھے اس کے دفتر میں کام کرتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے اور مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی تھی جس سے مجھے کسی قسم کا خوف محسوس ہوتا پھر وہ دن بھی آ گیا جس کی میں کم سے کم سیٹھ دولت رام جیسے آدمی سے توقع نہیں کر سکتی تھی۔

"میں سیٹھ دولت رام جی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس روز کام کرتے ہوئے اچانک ہی سیٹھ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس نے حکم دیا کہ میں تمام کھاتے اٹھا کر اس کے ساتھ چلوں۔ گھر بیٹھ کر کام کریں گے۔

"مجھے سیٹھ دولت رام سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ میں بے دھڑک اس کے گھر پہنچی آ گئی۔ بہت بڑا عالیشان بنگلہ تھا جہاں وہ دو نوکروں کے ساتھ اکیلا ہی رہتا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا اور ایک بوڑھی عورت تیسرا ڈرائیور تھا۔ ڈرائیور کو گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

سیٹھ دولت رام مجھے اوپر والے ایک کمرے میں لے گیا یہ بہت شاندار بیڈ روم تھا۔ سیٹھ بیڈ پر لیٹ گیا اور میں نے اپنے کھاتے کافی ٹیبل پر پھیلا لئے کام کے دوران میں سیٹھ سے کچھ باتیں پوچھتی بھی رہی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد سیٹھ دولت رام اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں شربت کا گلاس تھا جو اس نے میرے سامنے رکھ دیا۔ مجھے ندامت بھی ہوئی کہ سیٹھ میرے لئے خود شربت لے کر آیا تھا۔ وہ نوکرانی یا نوکر سے بھی منگوا سکتا تھا۔

شربت پینے کے تھوڑی دیر بعد جیسے دماغ پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ سر میں اچانک ہی درد شروع ہو گیا تھا اور غنودگی طاری ہونے لگی۔ میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ میں بار بار سر جھٹکتی رہی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ غنودگی بڑھتی رہی۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال بھی نہیں آیا تھا کہ میری یہ کیفیت شربت کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ میں نے کام چھوڑ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔"

رادھا چند لمحوں کو خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے ہوش آیا تو میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میرا سر بوجھل ہو رہا تھا اور پھر یہ سمجھنے میں

نیز انکشاف ہوا کہ میرے جسم پر لباس نام کی کوئی شے نہیں۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے سر کو جھٹکے دیتے ہوئے سیٹھ دولت رام کی طرف دیکھا جو ایک کرسی پر بیٹھا ہانپ رہا تھا۔

"میرا دل چاہا کہ میں سیٹھ دولت رام کا گلا گھونٹ دوں اور اس ارادے سے میں اٹھی بھی مگر سیٹھ نے قریب ہی رکھا ہوا پستول اٹھا لیا اور مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے شور مچایا یا یہاں سے جانے کے بعد اس کے خلاف زبان کھولی تو وہ مجھے چوری کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دے گا اور پولیس میرا وہ حشر کرے گی کہ میں زندگی بھر یاد رکھوں گی.....

"سیٹھ دولت رام برہمن تھا۔ ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات۔ یہ دوسری ذاتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہم جیسے لوگوں کو تو ملیچھ سمجھتے ہیں اور قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے لیکن جب ہوس کی آگ بھڑک رہی ہو تو یہ بھول جاتے ہیں کہ کون ملیچھ ہے اور کون برہمن

"سیٹھ دولت رام عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اس کا زور ختم ہو چکا تھا۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ مجھے کراہت اور گھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ کپڑے پہنے اور میز پر پڑا ہوا اپنا پرس اٹھا کر کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"میرا دماغ گھوم رہا تھا اور پورے جسم میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے سیدھی پولیس اسٹیشن چلی جاؤں اور سیٹھ دولت رام کے خلاف رپورٹ لکھوا دوں لیکن پھر سیٹھ کی دھمکی یاد آ گئی۔ وہ دولت مند آدمی تھا۔ اس کی بات سنی جاتی۔ ہم غریب تھے ہماری کون سنتا اور پھر پولیس سے بھی بھلائی کی کوئی توقع نہیں تھی۔ رسوائی جو ہوتی وہ الگ۔ میرے ماں باپ بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ اس لئے میں نے اس سلسلے میں خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

"سیٹھ دولت رام کی کوٹھی سے کچھ دور آ کر میں ایک آٹو پر بیٹھ گئی اور جب اپنے گھر کے قریب پہنچ کر کرایہ دینے کے لئے پرس کھولا تو اس میں سو سو کے دس کڑکڑاتے ہوئے نوٹ دیکھ کر میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے سیٹھ دولت رام نے یہ رقم کسی وقت میرے پرس میں رکھ دی تھی۔

"اس رات میں سو نہیں سکی۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہوتے رہے۔ سیٹھ دولت رام کا بل ڈاگ جیسا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھومتا رہا۔

"اس دن کے بعد میں سیٹھ دولت رام کے دفتر نہیں گئی۔ میں نے ماں اور پتا کو بتا دیا تھا کہ میں نے نوکری چھوڑ دی ہے چند روز بعد مجھے ایک آشرم میں کام مل گیا۔ یہاں بے سہارا اور بیوہ عورتیں رہتی تھیں اس آشرم کے تمام اخراجات ایک سیٹھ اٹھاتا تھا۔ یہاں ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ اس آشرم میں رہنے والی تمام عورتیں حسین تھیں اور کوئی بھی پچیس سال سے زیادہ کی عمر کی نہیں تھی اور پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی کہ یہاں بوڑھی یا بدصورت عورتیں کیوں نہیں تھیں۔ ایسی عورتوں کو یہاں گھسنے ہی نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ سیٹھ جو اس آشرم کا خرچ اٹھاتا تھا، یہ آشرم دراصل اس کی عیاشی گاہ تھی اور اس کے دوستوں کو یہاں سے عورتیں سپلائی کی جاتی تھیں۔

"انکا [illegible] میری پہلی ملاقات بھی اس آشرم میں ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ وہ یہ آشرم دیکھنے کے لئے آیا تو وہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہو گئی اور مجھ سے میرے

حالات کے بارے میں پوچھتی رہی وہ مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔

"اور پھر چند روز بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ دو ہزار روپے مہینہ تنخواہ طے ہوئی تھی۔ میرے تمام اخراجات بھی اس کے ذمے تھے۔ تنخواہ پوری کی پوری میرے ماتا پتا کو بھیج دی جاتی۔

"چند ہفتے جے پور میں رہنے کے بعد ہم بھرت پور آ گئے۔ انکا کا پتی شیام لال پولیس انسپکٹر تھا۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ دو تین مہینوں تک تو میرے ساتھ انکا کا سلوک بہت اچھا رہا اور پھر ایک رات اس نے میرے ساتھ جو کیا وہ میں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ وہ مجھے مریتا کلب لے گئی مجھے اپنے مقاصد کی بھینٹ چڑھا دیا۔ درندوں نے اس رات میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ میں بیان نہیں کر سکتی اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ انکا مجھے کسی نہ کسی مرد کے ساتھ کمرے میں بند کر دیتی اور یہ سب وہ لوگ تھے جنہیں وہ اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

ایک سال بعد مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ انکا را کی ڈپٹی ڈائریکٹر تھی۔ اسے یہاں ناگ راج کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ناگ راج را کا آدمی نہیں ہے لیکن اسے را کی سرپرستی حاصل ہے اور دہشت گردی کے کیمپ کا منصوبہ خفیہ طور پر اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اگرچہ بہت اچھے طریقے سے کام کر رہا تھا مگر وہ ضرورت سے زیادہ پھیلتا چلا گیا اس نے اپنے نام کی دہشت پھیلا دی کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

"شیام لال ایک ذمہ دار پولیس آفیسر تھا۔ اس نے دو مرتبہ ناگ راج کو سلاخوں کے پیچھے بند کیا لیکن دونوں مرتبہ اوپر سے ایسا دباؤ پڑا کہ اسے چھوڑنا پڑا دوسری مرتبہ تو راجستھان کا چیف منسٹر اور دلی کے کئی اعلیٰ آفیسر یہاں آ گئے تھے۔ شیام لال کو پولیس کی نوکری سے نکال دیا گیا۔

"شیام لال نے اپنے طور پر ناگ راج کے خلاف تحقیقات جاری رکھیں۔ کیمپ والا منصوبہ بے حد خفیہ تھا لیکن شیام لال اس کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ یہاں را کے اور بھی بہت سے ایجنٹ موجود تھے جو خاص طور پر شیام لال پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو شیام لال کے بارے میں رپورٹ بھیج دی جس پر انکا دیوی کو یہ حکم ملا کہ وہ خود ہی شیام لال کا بندوبست کرے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے آشرم کے اس تہہ خانے میں انکا نے اپنے سامنے شیام لال کو مروایا تھا۔ اس کے جسم پر ان گنت گھاؤ لگائے گئے تھے اور پھر اس کی لاش الور شہر کی ایک ویران سڑک پر پھینکوا دی۔

"اس سے پہلے ناگ راج دو آدمیوں کو اس طرح قتل کروا چکا تھا۔ انکا نے اپنے پتی کے قتل کا الزام بھی ناگ راج پر لگایا لیکن زیادہ شور نہیں مچا۔ اس کے بعد اس نے ناگ راج کے خلاف بھی اپنی زبان بند کر لی تھی۔"

رادھا ایک بار پھر چند لمحوں کو خاموش ہو گئی۔ اس دوران وہ پلک جھپکے بغیر میرے چہرے کو تکتی رہی۔ جب خاموشی کچھ طویل کھنچ گئی تو میں نے کہا۔

"یہ تو پرانی باتیں ہو چکی ہیں تم اس کے بارے میں پہلے بھی بتا چکی ہو لیکن تمہارے دل میں

اچانک اتنی شدید نفرت کیسے ابھر آئی۔؟"

"تمہاری وجہ سے۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جب وہ تمہیں زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں ویران مندر سے اٹھا کر لائی تھی تو میں سمجھ گئی تھی کہ وہ تمہاری ہمدرد بن کر تمہیں اپنے کسی مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ تم جوان ہو خوبرو ہو۔ تمہیں زخمی دیکھ کر وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ تم غالباً پولیس کو مطلوب ہو۔ تمہاری ہمدرد بن کر تمہیں دباؤ میں رکھ کر اپنے مقصد کے لئے استعمال کرے گی۔ اپنے مخصوص حلقے میں وہ جنسی بی کے نام سے پہچانی جاتی ہے اس وقت میں یہی سمجھی تھی کہ وہ تمہیں بھی اپنی شہوانی خواہشات مٹانے کے لئے استعمال کرے گی لیکن اگلے روز جب یہ پتہ چلا کہ تم ناگ راج کے ہاتھوں سے بھاگے تھے اور یہ کہ تم کون ہو تو اس نے تمہارے بارے میں اپنا پروگرام بدل دیا۔

انکا اور اس کے چند ساتھی تمہارے دیش کے خلاف دہشت گردی کے اس مشن کو متاثر کیے بغیر ناگ راج کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ تمہارے آجانے سے انکا نے ایک اور منصوبہ بنایا وہ تمہارے ذریعے ناگ راج اور اس کے خاص خاص آدمیوں کو ختم کرانا چاہتی تھی۔ دوسری طرف اس نے یہ منصوبہ بھی بنایا تھا کہ تمہیں وہ تمام راز بتا دیئے جائیں جن سے متاثر ہو کر تم اس کے لئے قتل و غارت پر آمادہ ہو جاؤ۔

"آشرم پر ناگ راج کے آدمیوں کے چھاپے ناٹک تھے۔ وہ انکا ہی کے آدمی تھے جو توڑ پھوڑ کر کے چلے جاتے تھے اس طرح انکا تمہیں دباؤ میں رکھنا چاہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر تمہیں بچا رہی ہے۔

"جس روز دریودن نے تم سے ملاقات کی تھی اسی رات انکا اور دریودن نے یہ منصوبہ بھی بنایا تھا کہ تمہیں کیمپ دکھا دیا جائے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ یہاں تمہارے دیش کے خلاف کیا ہو رہا ہے اور تم پورے جوش و خروش کے ساتھ ان کے لئے کام کرو۔ ان کا اصل منصوبہ تھا کہ جب تم ناگ راج کو ختم کر دیتے یہ لوگ تمہیں بھی ختم کر دیتے اور یہ بات سامنے لائی جاتی کہ یہاں اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا اس کا ذمے دار ایک پاکستانی ایجنٹ تھا جو آخر کار انکا یا اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ پتہ نہیں کیوں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "پتہ نہیں کیوں مجھے تم سے ہمدردی اور انکا سے نفرت ہو گئی تھی اور اسی لئے میں نے تمہارے سامنے انکا کے خلاف زبان کھولی تھی۔ میں تمہیں اس ناگن سے بچانا چاہتی تھی مگر تمہیں شاید میری باتوں کا یقین نہیں آیا تھا اور آج اسی لئے میں نے تمہیں اس کمرے کا راز بتا دیا تھا۔ تم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا مگر اس کم بخت کی موت ہی آئی تھی جو عین وقت پر وہاں پہنچ گئی تھی۔ انکا کے خلاف یہ نفرت اچانک نہیں بہت عرصہ سے لاوے کی طرح میرے سینے میں پک رہی تھی اور آج آخر کار نفرت کا وہ لاوا ابل نکلا۔"

"اور یہ کاٹیج؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا ہے؟" رادھا نے جواب دیا۔ انکا نے مجھے اپنے پاس دو ہزار روپے مہینے پگار پر رکھا تھا۔ وہ دو ہزار روپے تو باقاعدگی سے میرے ماتا پتا کو بھیجتی رہی لیکن یہاں اس نے مجھے جس راستے پر لگا دیا تھا اس سے میری واپسی ممکن نہیں تھی۔ انکا مجھے بھی کئی رقمیں بھی دیتی رہی کچھ میں بھی لوگوں سے بٹورتی رہی تھی میں نے رقم جمع کر کے ایک سال پہلے یہ کاٹیج خرید لیا تھا اور انکا اور اس کے ساتھیوں کو اس کے بارے

میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ میں اس ایک سال کے عرصے میں یہاں بمشکل دس بارہ دن رہی ہوں گی لیکن ہر دوسرے تیسرے دن صفائی وغیرہ کے لئے یہاں کا چکر ضرور لگاتی رہی ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "جب میں نے انکا اور دریودن کا پروگرام سنا تو اس وقت میں نے تمہارا ساتھ دینے اور انکا کو مزا چکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا اس روز سے میں نے یہاں کچھ چیزیں بھی جمع کرنا شروع کر دی تھیں میں نے یہاں اتنا راشن جمع کر لیا ہے کہ ہم کم از کم ایک مہینہ باہر نکلے بغیر اطمینان سے یہاں رہ سکتے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں گوشت کھانے کو نہیں مل سکے گا۔"

"یہاں آ کر گوشت کا تو شاید میں واقعی ہی بھول گیا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حالات ذرا پر سکون ہو جائیں تو میں تمہیں گوشت بھی لا کر کھلا دوں گی اور اب تو مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہی ہوں تمہیں نیند آ رہی ہو تو تم بھی سو جانا۔" رادھا کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ اس نے کاٹیج کے تمام دروازے بند کر دیئے اور دائیں طرف والے کمرے میں چلی گئی۔

میں دیر تک وہاں بیٹھا صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ گزشتہ رات میں نے کیمپ میں جو دھماکے کئے تھے ان کا کیا نتیجہ نکلا تھا اور کیمپ کے ڈپٹی کمانڈر راور چھیا کا کیا انجام ہوا تھا۔

چھیا کو وہاں چھوڑ کر مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا اس میں شبہ نہیں کہ اس نے میری بڑی مدد کی تھی۔ میری خاطر اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈالا تھا مگر اس نے جو کچھ بھی کیا تھا کسی ہمدردی کی بنا پر نہیں میرے ذریعے اپنی بہن کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے کیا تھا۔ بنیا قوم کا کوئی بھی فرد بلا مقصد کسی پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ سرحد پار کرنے کے بعد سے لے کر اب تک میں اس قوم کو بڑی حد تک سمجھ چکا تھا انکا کو میں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتا تھا اور وہی میری سب سے بڑی دشمن نکلی تھی اور پھر دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھر آیا۔

سب سے پہلے مجھے بیلا نے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے بھی مجھے اعتماد میں لینے کے لئے اپنے کئی آدمی میرے ہاتھوں مروا دیئے تھے۔ اور پھر انکا۔ اس نے بھی یہی سب کچھ کیا تھا۔ وہ نہ صرف مجھے ناگ راج کے آدمیوں سے بچاتی رہی تھی بلکہ اپنے آپ کو میرے لئے کھلونا بھی بنا دیا تھا جس سے میں جی بھر کے کھیلا تھا۔ انکا نے بھی کئی آدمی میرے ہاتھوں مروا دیئے تھے لیکن یہ سب کچھ ڈرامہ تھا۔ ایک جال تھا جو میرے گرد بچھایا گیا تھا جس طرح بیلا اور انکا نے اپنے کئی آدمی کو مروا دیئے تھے اور مجھے دھوکے میں رکھا تھا اسی طرح رادھا بھی مجھے انکا سے بچا کر لے آئی تھی۔ اس نے نہ صرف انکا کے تمام راز فاش کر دیئے تھے بلکہ اسے میرے سامنے گولیوں سے چھلنی بھی کروا دیا تھا کہیں رادھا بھی میرے گرد کوئی جال تو نہیں بچھا رہی تھی۔ بیلا اور انکا آئی بی اور را کی ایجنٹ ثابت ہوئی تھیں کہیں رادھا کا تعلق بھی تو را سے نہیں تھا۔

گزشتہ رات جب میں آشرم پہنچا تھا تو میں نے رادھا کو بتا دیا تھا کہ میں نے دہشت گردی کے کیمپ میں بموں کے دھماکے کئے ہیں۔ بموں کے ان دھماکوں کے بعد میں را کے لئے موسٹ وانٹیڈ بن گیا تھا ہر شخص کو میری تلاش تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ رادھا نے بھی فوری طور پر یہ منصوبہ بنا لیا ہو کہ انکا کو ختم کر کے مجھے اعتماد میں لے لے اور پھر بڑے اطمینان سے مجھے پلیٹ میں سجا کر را کے بھیڑیوں کے سامنے

پیش کر دے۔

مجھے امید نہیں تھا کہ ایسا ہی ہو یہاں تو ہر شخص ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا اور سب نے مجھے ہی قربانی کا بکرا بنا لیا تھا۔ میرے ذریعے اپنے آدمی مروا رہے تھے تاکہ وقت آنے پر مجھے گرفت میں لے کر اپنے نمبر بڑھا سکیں۔ اچال شوار مندر کا پروہت پنڈت بھیرو ناتھ بھی اسی چکر میں تھا۔ اس نے مجھے پناہ بھی اسی لئے دی تھی اور ناگ راج کو مروانے کے لئے میرے ساتھ ہر قسم کا تعاون کر رہا تھا۔

میں جیسے جیسے سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا رہا۔ آخر کار میں نے یہ طے کر لیا کہ اب میں پہلے کی طرح بے وقوف نہیں بنوں گا۔ اب مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

اس وقت دن کے گیارہ بجنے والے تھے میں کاٹیج کا عقبی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تیز چمکتی ہوئی دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ عقبی لان میں ایک طرف گھاس اور خودرو جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری طرف ایک لمبی سی کیاری بنی ہوئی تھی جس میں لگی ہوئی کدو کی بیلیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں ان میں لوکی بھی لگی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے رادھا نے یہاں بیج ڈال دیئے ہوں گے اور یہ بیلیں خود رو پودوں کی طرح بڑھتی رہیں۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک باہر رہا اور پھر اندر آ گیا۔ میری آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی میرے لئے مزید جاگنا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں دوسرے کمرے میں گھس گیا۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا فرش پر بھی کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں تھی۔ میں رادھا والے کمرے میں آ گیا۔

اس کمرے میں دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور اسپرنگ والا سنگل بیڈ تھا جس پر رادھا سو رہی تھی وہ بالکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی ایک بازو پہلو میں پھیلا ہوا تھا اور دوسرا سینے پر رکھا ہوا تھا بال اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے مجھے اس پر بے حد پیار آنے لگا اور پھر میں نے غیر ارادی طور پر جھک کر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے۔

رادھا کسمسائی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے مجھے بانہوں کی لپیٹ میں لے کر بستر پر گرا لیا لیکن وہ اس وقت بھی نیند میں تھی۔ ایک ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر بے حرکت ہو گئی چند سیکنڈ بعد میری آنکھیں بھی بند ہوتی چلی گئیں۔

میں بیدار ہوا تو شام ہو رہی تھی رادھا کمرے میں نہیں تھی آنکھ کھل جانے کے بعد بھی میں دیر تک بستر پر پڑا رہا اور پندرہ منٹ گزر گئے۔ کاٹیج میں کسی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے رادھا کو آواز دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا میرا خیال تھا کہ رادھا کچن میں چائے بنا رہی ہو گی لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ کاٹیج کے اندر کہیں بھی نہیں تھی۔

میں نے سامنے والا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو میرے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑتی چلی گئیں دروازہ باہر سے بند تھا میں عقبی دروازے کی طرف آ گیا وہ بھی باہر سے بند تھا۔ میں دوبارہ بیڈ روم میں آ گیا سونے سے پہلے میں نے کارا کوف رائفل پلنگ کے قریب چپائی پر رکھی تھی لیکن اب وہ رائفل وہاں نہیں تھی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے کیا رادھا کے بارے میں میرے خدشات درست

تھے۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ گھومنے لگا۔ رادھا مجھے اس کاٹیج میں بند کر گئی تھی پتہ نہیں اسے گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ واپس آنے والی ہو اور وہ اکیلی ہو گی یا اس کے ساتھ موت کے فرشتے بھی ہوں گے۔

یہ کاٹیج تقریباً پچاس سال پہلے بنا ہو گا۔ اس کی تعمیر میں پتھر استعمال کئے گئے تھے۔ دروازے بھی بہت مضبوط تھے۔ کھڑکیوں میں بھی موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ میں اس چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ موت کے فرشتوں کے انتظار کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر پورے کاٹیج کا جائزہ لیا اور سامنے کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ کھڑکی بند رکھی تھی لیکن اس کی جھری سے میں باہر دیکھ سکتا تھا۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا اور پھر باہر قدموں کی آواز سن کر چونک گیا میں نے کھڑکی کی جھری سے آنکھ لگا کر دیکھا رادھا باہر والے گیٹ سے داخل ہو کر اندر کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں کپڑے کا تھیلا تھا اور دوسرے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا۔

میں چوکنا ہو گیا میرا خیال تھا اس کے ساتھ دو چار آدمی اور ہوں گے لیکن وہ اکیلی تھی باہر کسی اور کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے تقریباً ایک منٹ بعد برآمدے والے دروازے کے تالے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا میں جس جگہ پر بیٹھا ہوا تھا وہ آڑ میں تھی۔ رادھا نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھے نہیں دیکھا تھا لیکن وہ دروازہ بند کرنے کے لئے جیسے ہی مڑی مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔

”اوہ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔“ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

”اور میں جو اتنی دیر سے سولی پر لٹکا ہوا تھا اس کا تمہیں خیال نہیں۔“ میں کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔

”کیوں سولی پر کیوں لٹکے ہوئے تھے۔“ رادھا نے مجھے گھورا۔

”مجھے سوتا چھوڑ کر تم چلی گئی تھیں اور دروازے بھی باہر سے لاک کر گئی تھیں۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ میں سمجھا تھا کہ تم۔“

”کہ میں بھی انکا کی طرح بے وفا ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ مکمل کر دیا۔

”ہاں۔“ میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے اور میرے چاروں طرف تو سانپ ہی سانپ پھیلے ہوئے ہیں۔ زہریلے ناگ جو ہر گھڑی مجھے ڈسنے کو بے چین ہیں۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔“ رادھا نے گہرا سانس لیا۔ ”لیکن تمہارے ساتھ دھوکا کرنا ہوتا تو تمہیں یہاں کیوں لاتی۔ بیٹے اس وقت تم نے واقعی مجھے ڈرا دیا۔ دیکھو میرا دل ابھی تک تیزی سے دھڑک رہا ہے۔“ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ ”تم کہاں گئی تھیں؟“ میں نے ہاتھ اس کے سینے سے ہٹاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”یہاں قریب ہی ایک بنئے کی دکان ہے۔ وہاں سے کچھ چیزیں لینے گئی تھی۔“ رادھا نے کہا

ہوئے تھیلا میز پر رکھ دیا۔

"اگر تمہیں کوئی پہچان لیتا تو؟" میں نے اسے گھورا۔

"بہرحال باہر کیا صورت حال ہے؟"

"بہت خوفناک۔" رادھا نے جواب دیا۔ "بنیے کی دکان پر دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ پہاڑوں کے کیمپ میں بڑی تباہی مچی ہے۔ شہر کے لوگوں میں بڑا خوف و ہراس ہے۔ پولیس اور ناگ راج کے آدمی پکڑ دھکڑ کر رہے ہیں۔ صحیح صورت حال تو کسی ایسے شخص سے معلوم ہو سکتی ہے جو گھوم پھر کر آیا ہو یا پھر ہم خود جا کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" میں نے رادھا کو گھورا۔

"صورت حال سے واقف ہونے کے لئے ہمیں تھوڑا بہت رسک لینا پڑے گا۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بعد میں بات کریں گے۔ ابھی میں چائے بناتی ہوں۔ کچھ پکوڑیاں لے کر آئی ہوں۔ تم تو دن بھر سوتے رہے میں بھی دیر سے جاگی تھی دوپہر کو کچھ نہیں کھایا۔ اب مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ تھیلا لے کر کچن میں چلی گئی۔ اس میں کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ ایک پلیٹ میں پکوڑیاں رکھ کر چائے بنانے لگی۔

"تم کھاؤ میں آ رہی ہوں۔" اس نے کچن میں سے آواز دی۔

"لیکن میں نے پکوڑیوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ رادھا میرے لئے دن بھر بھوکی رہی تھی میرا بھی اخلاقی فرض تھا کہ کچھ دیر اس کا انتظار کر لوں مجھے زیادہ نہیں پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہم بیچ والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے برآمدے والا اور عقبی دروازہ بھی نظر آ رہا تھا۔ برآمدے والا دروازہ تو بند تھا البتہ ہوا کی آمدورفت کے لئے رادھا نے عقبی دروازہ کھول رکھا تھا۔ عقب میں کاٹیج کی کمپاؤنڈ وال سے تقریباً پچاس گز آگے ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ باہر اندھیرا تھا اور پہاڑی پر درختوں کے جھومتے ہوئے ہیولے نظر آ رہے تھے۔

میں اور رادھا ابھی تک یہ طے نہیں کر پائے تھے کہ آج ہمیں باہر نکلنا چاہئے یا نہیں۔ جتنا خطرہ میرے لئے تھا اتنا ہی خطرہ رادھا کے لئے بھی تھا۔ دریودن کو پتہ چل گیا ہوگا کہ اکاش قتل ہو چکی ہے۔ اس کی لاش بھی دریافت ہو گئی ہو گی اور کمرے میں بکھری ہوئی ٹائلیں اور دوسری چیزیں دیکھ کر بھی وہ سمجھ گیا ہوگا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے۔ رادھا کو وہاں سے غائب پا کر اس پر شبہ ہونا بھی لازمی بات تھی۔ دریودن کو میرے ساتھ رادھا کی بھی تلاش ہو گی اس لئے میں سمجھتا تھا کہ فی الحال ہم دونوں کا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں چونک کر باہر دیکھنے لگا۔ میرا رخ عقبی دروازے کی طرف تھا اور پہاڑی کے پیچھے اچانک ہی روشنی نظر آنے لگی تھی۔

"یہ... یہ روشنی کیسی ہے؟" میں نے رادھا کو متوجہ کیا وہ بھی مڑ کر اس طرف دیکھنے لگی اور پھر ہم دونوں اٹھ کر دروازے میں آ گئے۔ پہاڑی کے پیچھے نارنجی رنگ کی روشنی ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے

اس پہاڑی کے پیچھے کسی جگہ بہت بڑا الاؤ روشن ہو۔

"شاید کہیں آگ لگی ہے" رادھا بڑبڑائی۔

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ رات کو پہاڑیوں میں کیمپ کی تباہی کے بعد ناگ راج کے آدمیوں نے آج دن میں شہر میں ہنگامے کئے ہوں گے ہو سکتا ہے وہ ہنگامے اب بھی جاری ہوں اور انہوں نے کسی عمارت کو آگ لگا دی ہو۔

"آؤ... ذرا اس پہاڑی پر چل کر دیکھتے ہیں" میں نے کاٹیج کی عقبی دیوار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

کاٹیج کی عقبی دیوار میں کوئی دروازہ وغیرہ نہیں تھا میں اچھل کر پانچ فٹ اونچی دیوار پر چڑھ گیا اور پھر رادھا کو بھی ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔

دوسری طرف سے دیوار زیادہ بلند تھی۔ زمین تقریباً آٹھ فٹ نیچے تھی۔ اندھیرے میں چھلانگ لگاتے ہوئے چوٹ لگنے کا اندیشہ تھا۔ میں نے رادھا کا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے لٹکا دیا اور پھر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا وہ دھب کی آواز سے نیچے گری اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میں بھی دونوں ہاتھ دیوار پر جما کر نیچے لٹک گیا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیئے۔ تب میں سمجھا کہ رادھا کے منہ سے چیخ کیوں نکلی تھی اس طرف گہرائی میری توقع سے زیادہ تھی میرا قد تقریباً چھ فٹ تھا اور دیوار سے لٹکا ہوا ہونے کے باوجود میں تقریباً چار فٹ نیچے گرا تھا اور میرے منہ سے بھی کراہ سی خارج ہو گئی تھی۔

ایک منٹ توقف کے بعد ہم پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس پہاڑی کے دوسری طرف تقریباً دو میل آگے نشیب میں شہر کا مرکزی علاقہ تھا جو رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور اس کے پرلی طرف کسی عمارت میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً بہت بڑی عمارت تھی۔ آگ دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ رادھا بھی اس آگ کو دیکھ کر کانپ اٹھی تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

میں شہر کی روشنیوں اور آگ کے اٹھتے ہوئے شعلوں کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آتش زدہ وہ عمارت کس علاقے میں ہو سکتی ہے۔ میرے ذہن میں اس عمارت کے بارے میں ایک موہوم سا خیال تو ابھر رہا تھا لیکن میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

"یہ کون سی عمارت ہو سکتی ہے؟" میں نے رادھا کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "کسی ٹھاکر کی حویلی یا کسی راجہ کا محل؟"

"نہ یہ کسی ٹھاکر کی حویلی ہے اور نہ کسی راجہ کا محل یہ اچال شوار مندر ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔ رادھا نے وہی بات کہی تھی جس کا خیال ایک لمحہ پہلے میرے ذہن میں آیا تھا۔

"ہاں۔ یہ اچال شوار مندر ہے۔" رادھا نے باشوق لہجے میں جواب دیا۔ "میں کئی سال سے ماؤنٹ ابو میں ہوں پورے وشواش سے کہہ سکتی ہوں کہ کون سی عمارت کہاں ہے" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی

پھر بولی۔ ''اگر تمہیں کبھی اس طرف جانے کا اتفاق ہوا ہو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ اچل شوار مندر اونچی جگہ پر ہے اور یہ ایک نہیں کئی عمارتوں پر مشتمل ہے اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی ہیں۔ تم ان شعلوں سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ کیسی ڈھلان سی بن گئی ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ بیک وقت پوری عمارت کو آگ کیوں لگ گئی۔''

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مندر کو آگ اتفاقیہ نہیں لگی ہوگی۔ یہ یقیناً ناگ راج کا کام ہوگا۔ اسے پتہ چل گیا ہوگا کہ میں اس مندر میں پناہ لئے ہوئے ہوں۔ پنڈت بھیرو سے تو ویسے ہی اس کی کھلی دشمنی چل رہی تھی۔ اس پر ناگ راج کو پہلے بھی شبہ تھا اس کے آدمی میری تلاش میں کئی مرتبہ چھاپے بھی مار چکے تھے لیکن ہو سکتا ہے اس مرتبہ چھاپہ مارنے کے بجائے یہ انتہائی کارروائی کی ہو۔

میں نے رادھا کو اپنے اور اس مندر سے تعلق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں کو دیکھتا رہا۔ آگ کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور میرے خیال میں یہ آگ فائر بریگیڈ کے قابو میں آنے والی نہیں تھی۔

فائر بریگیڈ تو اس آگ پر قابو نہیں پا سکتا۔'' میں نے رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''ماؤنٹ ابو میں صرف ایک فائر انجن ہے اور وہ بھی صدیوں پرانا۔ اس آگ پر تو پورے ہندوستان کے فائر انجن مل کر بھی قابو نہیں پا سکتے۔'' رادھا نے کہا۔

''شام کا وقت ہے۔ مندر میں سیکڑوں یاتری ہوں گے وہ بے چارے۔''

''ان میں بہت سے جل کر راکھ ہو گئے ہوں گے۔'' رادھا نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

''اس آگ کو دیکھ کر تم نے کچھ اندازہ لگایا۔''

''ہاں۔ کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

''جب کسی عمارت میں آگ لگتی ہے تو آہستہ آہستہ پھیلتی ہے لیکن یہ تو لگتا ہے جیسے پوری عمارت میں بیک وقت آگ بھڑک اٹھی ہو۔''

''میرا بھی یہی اندازہ ہے۔'' رادھا بولی۔

''تمہارے خیال میں یہ کس قسم کی تخریب کاری ہو سکتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ آگ محض اتفاق سے نہیں لگی بلکہ لگائی گئی ہے۔ کیمپ کو چونکہ تم نے تباہ کیا ہے اس لئے یہ الزام بھی تمہارے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔'' رادھا نے کہا۔

''تو تمہارے خیال میں یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟'' میں نے پوچھا

''یہاں ایک ہی راکشش ہے اور ایسی گھناؤنی حرکت وہی کر سکتا ہے۔'' رادھا نے جواب دیا۔ ''ناگ راج۔ اچل شوار مندر کے پنڈت بھیرو سے اس کی پرانی دشمنی ہے وہ اس مندر پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا مگر پنڈت بھیرو نے اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم بھی

وجہ ناگ راج کے بچھائے ہوئے جال سے نکل کر بھاگے تھے اس وقت اس کے آدمیوں نے مندر پر چھاپہ مارا تھا۔ ناگ راج کو شبہ تھا کہ پنڈت بھیرو نے تمہیں پناہ دی ہوئی اس نے دو پجاریوں پر اس قدر تشدد کیا تھا کہ ایک تو وہیں مر گیا تھا اور دوسرا ابھی تک ہسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ کیمپ کی تباہی کے بعد اسے شبہ ہوا ہوگا کہ تم نے وہیں پناہ لے رکھی ہے کیونکہ تم اس وقت ایک ایسے سادھو کے بھیس میں تھے جس کے [illegible] پر چھپا گئی۔ اچل شوار مندر سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر پجاری اور سادھو اسی حلیے میں ہوتے ہیں۔ یہاں لئے یہ سمجھ لیا گیا ہوگا کہ تم اس مندر میں چھپے ہوئے ہو۔ ناگ راج نے اس مندر ہی کو آگ لگا دی اور الزام بھی اب تم پر ہی آئے گا۔''

''ہو سکتا ہے تمہارا تجزیہ درست ہو لیکن مندر کو آگ لگانا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ مندر تو بھگوان کا گھر ہے۔''

''تم ناگ راج کو نہیں سمجھتے۔'' رادھا نے کہا۔ ''وہ جرائم پیشہ آدمی ہے۔ دھرم اس کے لئے کمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ ناگ راج تو کیا یہاں بڑے بڑے پنڈت اور برہمن دھرم سے کھلونے کی طرح کھیلتے ہیں۔ بیشتر مندر تو جرائم اور عیاشیوں کے اڈے ہیں۔ ان کے خفیہ تہہ خانوں میں گوپیوں اور یاترا کے لئے آنے والی عورتوں کی چیخیں گونجتی ہیں جو کسی کو سنائی نہیں دیتیں۔ تم نے ہندوستانی فلموں میں بھی دیکھا ہوگا کہ یہ بڑے بڑے پنڈت دھرم کو کس طرح کاروباری مقاصد اور اپنی عیاشیوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہ پاکستان نہیں ہے جہاں مذہب پر قرآن کی بے حرمتی پر خون ریز ہنگامے ہو سکتے ہیں وہاں ایک خدا' ایک کتاب اور ایک رسول کے ماننے والے ہیں۔ ان کی آن اور ان کی عظمت کے لئے وہ تو اپنی جان دے دیتے ہیں مگر یہ ہندوستان ہے یہاں ایک نہیں سیکڑوں بھگوان ہیں اور ان بھگوانوں کی جو درگت بنائی جاتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں پاکستان میں عربی آیت لکھا ہوا کاغذ کا کوئی ٹکڑا کہیں زمین پر پڑا ہوا نظر آ جائے تو اسے چوم کر آنکھوں سے لگا کر بڑے احترام سے کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے اور یہاں گیتا کے اوراق میں مونگ پھلی اور پان بکتے ہیں۔ یہاں دھرم کو دھرم نہیں کاروبار کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور مندر بڑے لوگوں کی عیاشیوں کے اڈے ہمارے ان عبادت خانوں پر تو ناگ راج جیسے لوگوں کا قبضہ ہے۔ ناگ راج تو صاف کہتا ہے کہ جو چیز میرے ہاتھ نہیں آتی میں اسے تباہ کر دیتا ہوں۔ اس نے اچل شوار مندر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی جس میں وہ ناکام رہا اور اب اسے تباہ کر دیا اس سے اچھا موقع اسے کبھی مل ہی نہیں سکتا تھا۔ اس پر کوئی شبہ نہیں کرے گا بات اس پاکستانی ایجنٹ پر آئے گی جس نے دہشت گردی کا تربیتی کیمپ تباہ کیا ہے۔''

مجھے رادھا کی باتوں پر زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ پچھلے ڈھائی تین مہینوں کے دوران میں یہاں بہت کچھ دیکھ چکا تھا۔ ناگ راج نے ادریا تھ مندر کے پروہت کو قتل کر کے مندر پر قبضہ کیا تھا۔ پنڈت بھیرو ایک اور مندر پر قبضہ کئے بیٹھا تھا۔ یہ اس دھرم کی کوئی سیوا نہیں کر رہے تھے انہوں نے اپنی عبادت گاہوں کو عیاشی کے اڈے اور چکلے بنا رکھا تھا۔ الکا نے آشرم کھولا ہوا تھا لیکن وہ بے سہارا اور بیوہ عورتوں کی خدمت نہیں کر رہی تھی۔ اس آشرم کو وہ اپنے مذموم مقاصد اور عیاشی کے لئے استعمال کرتی تھی۔ رادھا راج گڑھ کے ایک آشرم میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکی تھی۔

رادھا کا تعلق بھی اسی جرم سے تھا۔ اس کا کردار بھی میرے سامنے تھا لیکن وہ بہر حال اپنے دھرم کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتی تھی۔

ہم تقریباً دو گھنٹوں تک وہاں کھڑے آگ کے شعلوں کی طرف دیکھتے رہے۔ شعلے بجھ اور بلند ہو گئے تھے۔ آخرکار ہم پہاڑی سے اتر کر اپنے کاٹیج کی طرف واپس آ گئے۔ پچھلی دیوار خاصی اونچی تھی باہر سے اس پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ ہمیں اوپر سے گھوم کر اندر آنا پڑا تھا۔

"بھوک لگ رہی ہو تو کھانا گرم کر دوں؟" رادھا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس آگ کو دیکھ کر پیٹ کی آگ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" میں نے جواب دیا "ویسے بھی تم نے کچھ پکایا ہے تمہیں کھانا کون لگی گیا!؟"

"جب تم سو رہے تھے تو میں نے لوکی اور چنے کی دال پکائی تھی۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دو روٹیاں ڈالنے میں کتنی دیر لگے گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے پکا لو روٹی بھی۔ لوکی کدو تو شاید تم نے اپنی کھیتی کے استعمال کئے ہوں گے۔" میں نے کہا

"ہاں۔ ایک مرتبہ سیلاب آئی تھی تو ایسے ہی تھوڑی سی جگہ کھود کر بیج ڈال دیئے تھے۔ کبھی وقت پر پانی تو دیا نہیں تھا لیکن بہرحال بیلیں پھل دے رہی ہیں۔"

رادھا کچن میں چلی گئی جو سامنے ہی تھا میں اسے آٹا گوندھتے اور پھر روٹیاں پکاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس کاٹیج کے آس پاس سناٹا تھا۔ قریب ترین کاٹیج بھی تقریباً سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تھا۔ کسی وقت سڑک پر سے کوئی گاڑی گزر جاتی تو لمحاتی طور پر فضا کا سناٹا ٹوٹ جاتا اور پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔

کھانا کھاتے ہوئے اچانک ہی مجھے کلاشنکوف کا خیال آ گیا۔

"تم نے وہ رائفل کہاں چھپا رکھی ہے؟" میں نے رادھا سے پوچھا۔

"چھپا دی ہے کیا مطلب؟" اس نے مجھے گھورا "وہیں پلنگ کے قریب میز پر رکھی ہوئی تھی۔ وہیں ہوگی میں سمجھتی ہوں۔"

"وہ اٹھ کر کمرے کی طرف چل پڑی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ پلنگ کے قریب دیوار سے ذرا ہٹ کر تپائی پڑی ہوئی تھی لیکن رائفل وہاں نہیں تھی۔ رادھا ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر اس نے میز کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا۔ رائفل میز کے نیچے زمین پر پڑی تھی۔ تپائی جو ٹھوکر لگنے سے گر گئی ہوگی۔ تپائی پر پڑا ہوا میز پوش چونکہ نیچے تک لٹکا ہوا تھا اس لئے وہ رائفل مجھے نظر نہیں آ سکی تھی۔ رادھا نے رائفل اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھما دی جسے میں نے پلنگ پر ڈال دیا اور واپس آ کر کھانا کھانے لگے۔

کھانے کے بعد میں پھر پچھلی دیوار سے میں کھڑا ہو کر پہاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ پہاڑی کے پیچھے نارنجی روشنی اب بھی نظر آ رہی تھی۔ میرا خیال ہے آگ پھر اور بھڑک اٹھی تھی کیونکہ روشنی تیز ہو گئی تھی میں وہاں سے ہٹ کر پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ رادھا اونگھنے لگی اور پھر وہ کمرے میں جا کر سو گئی میں وہیں بیٹھا یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ مندر میں آتش زدگی کا مجھے افسوس ہو رہا تھا۔ رادھا نے شاید ٹھیک کہا تھا کہ میرے گنجے سر پر چٹیا کی وجہ سے یہ اندازہ لگایا گیا ہوگا کہ میرا تعلق اچال شوار مندر سے ہو سکتا ہے۔ اب مجھے یاد آ رہا تھا کہ میں نے اس مندر کے کئی پجاریوں اور باہر بیٹھنے والے سادھوؤں کو بھی اسی ہیئت میں دیکھا تھا۔ خود پنڈت بھیرو کے گنجے سر پر بھی پچھلی طرف بالشت بھر لمبی چٹیا تھی۔ کیمپ کے گیٹ پر محافظوں نے مجھے اچھی طرح دیکھا تھا اور بعد میں میرا حلیہ بتا دیا ہوگا۔

مندر کی وہ آگ اتنی خوفناک تھی کہ اس میں موجود کسی کا زندہ بچنا ممکن ہی نہیں تھا۔ پنڈت بھیرو کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ تہہ خانے کے خفیہ راستوں سے نکل کر زندہ بچ گیا ہوگا یا جل کر بھسم ہو گیا ہوگا۔ ویسے اگر وہ جل کر مر گیا ہو تو مجھے اس کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ میں کس قدر احسان فراموش ہوں کہ جن لوگوں نے کٹھن ترین حالات میں میری مدد کی مجھے پناہ دی اور میں ان کا احسان ماننے کے بجائے ان کی موت کی دعائیں مانگتا ہوں تو یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ ان لوگوں نے میری ہمدردی یا مجھے پناہ انسانی ہمدردی کی بنا پر نہیں دی تھی بلکہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے مجھے قربانی کا بکرا بنایا تھا۔ ہر ایک نے مجھ سے اپنے مخالفین کو قتل کروایا تھا اور ہر ایک کا منصوبہ یہ تھا کہ کام ہو جانے کے بعد میرا کام بھی تمام کر دیا جائے لیکن یہ تو بھلا ہو رادھا کا کہ اس نے بروقت خطرے سے آگاہ کر کے مجھے بچا لیا تھا۔ مجھے رادھا پر بھی اعتماد نہیں تھا۔ اس کے بارے میں بھی میں مشکوک تھا اور جہاں تک پنڈت بھیرو کا تعلق ہے تو وہ تھا ہی اس قابل البتہ مندر میں جو بے گناہ مارے گئے ہوں گے ان کا مجھے واقعی افسوس تھا۔

رات بیتی جا رہی تھی اور ان واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ حالات جیسے ہی نارمل ہوں گے میں یہاں سے نکل جاؤں گا کیونکہ مزید یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔

اس رات میں نے کئی مرتبہ اٹھ کر پہاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ لگتا تھا وہ آگ کئی روز تک بجھنے والی نہیں تھی کیونکہ اب اس طرف نارنجی روشنی آسمان تک نظر آ رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ آگ بڑھ گئی تھی اور یقیناً اس آگ نے آس پاس کی دوسری عمارتوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا ہوگا۔

تین بجے کے قریب مجھے نیند آنے لگی میں صوفے پر ہی لیٹ گیا کرسی کے کشن کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا تھا

"میں رات بھر بے چین ہی رہا اس لئے صبح آنکھ بھی جلدی کھل گئی۔ رادھا مجھ سے پہلے ہی جاگ گئی تھی۔ چائے ناشتے کے بعد میں نے وہ فائل نکال لی جو ناگا کے آشرم سے لایا تھا اس فائل میں را کے ان ایجنٹوں کے نام پتے تھے جو پاکستان میں مذموم سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان میں تین عورتوں کے نام بھی شامل تھے ایک نام تو وہی تھا جس کی تصویر اس نے مجھے پوسٹ کارڈ پر دکھائی تھی۔ مجھے اپنے مشاہدے اور حافظے پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔ یہ نام پتے بھی ذہن نشین کرنے کے بعد میں نے فائل بند کی اور اس کی راکھ سنک میں بہا دی۔ "یہ کیا کیا تم نے؟" رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ میں اس فائل کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔" میں نے جواب دیا "ویسے

اس کا ایک ایک لفظ میرے ذہن میں محفوظ ہو چکا ہے تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"
میں اٹھ کر برآمدے میں آ گیا۔ باہر کی دیوار اتنی اونچی تھی کہ میں کھڑا بھی رہتا تو مجھے باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا میں لان میں کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر رادھا کی طرف مڑ گیا جو میرے قریب ہی کھڑی تھی۔
"تمہارے پاس کوئی کھرپی وغیرہ تو ہوگی۔" میں نے کہا "وقت کاٹنے کا کوئی ذریعہ تو ہو۔ گھاس ہی کاٹ دی جائے۔"
رادھا اندر سے کھرپی لے آئی اور میں نے ایک طرف سے فالتو جھاڑیاں کھودنا شروع کر دیں۔
مجھے ایک دلچسپ مشغلہ مل گیا تھا۔ ویسے بھی میرا بچپن گاؤں میں گزرا تھا۔ ایسے کاموں میں دلچسپی فطری بات تھی۔ میں شام تک لان میں مصروف رہا باہر کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی۔
میرے منع کرنے کے باوجود شام سے ذرا پہلے رادھا نے باہر جانے کی تیاری شروع کر دی۔
"گھبراتے کیوں ہو۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی
"کوئی مجھے پہچان نہیں سکے گا اگر بالفرض پکڑی بھی گئی تو میں مرنے کو ترجیح دوں گی تمہارا نام میری زبان پر نہیں آئے گا۔"
رادھا جب تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو میں کچھ دیر کے لئے تو سانس لینا بھول گیا۔ میں بے حس و حرکت کھڑا پلکیں جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ راجستھانی لباس میں تھی۔ چہرہ اس کی اصل صورت سے بہت مختلف تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔
"یہ..... یہ میک اپ" میں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"میں نے انکا کے ساتھ رہتے ہوئے بہت کچھ سیکھا ہے" رادھا نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے اتنی کچھ چیزیں جمع کر رکھی ہیں۔ جو تمہارے کام بھی آ سکتی ہیں ایک بات اور۔" وہ چند لمحوں کو رکی پھر بولی۔ "میں تمام معلومات کر کے ہی واپس آؤں گی۔ ہو سکتا ہے مجھے دیر ہو جائے۔ آدھی رات سے پہلے پہر جان لیتے جاؤں گی لیکن اگر صبح تک نہ لوٹوں تو سمجھ لینا کوئی گڑبڑ ہے اور پھر تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہوگا اپنے طور پر کرنا ہوگا۔"
وہ چلی گئی اور میں کرسی پر بیٹھا سوچتا رہا کہ کیا رادھا میرے ساتھ واقعی مخلص ہے۔ مجھے مکمل طور پر اعتماد میں لے کر یہ بھی مجھے دھوکا دے گی!!"
رادھا میرے لئے کھانا تیار کر گئی تھی۔ میں نے نو بجے کے قریب کھانا کھایا اور پھر کاٹیج سے نکل کر اس پہاڑی پر آ گیا مندر کی آگ اگرچہ اب بجھ چکی تھی لیکن دو دن گزرنے کے بعد بھی کہیں کہیں سے شعلے اٹھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔
میں زیادہ دیر وہاں نہیں رکا اور کاٹیج میں واپس آ گیا۔ وقت گزاری کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بڑی سخت بوریت بلکہ بیزاری ہو رہی تھی۔ میں نے گن سامنے تپائی پر رکھ دی اور صوفے پر بیٹھا دیواروں کو گھورنے لگا۔
اس وقت گیارہ بجنے والے تھے۔ رادھا نے کہا تھا کہ وہ آدھی رات سے پہلے واپس آ جائے

گی۔ مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر وہ پہچان لی گئی تو اس کا زندہ بچنا مشکل ہوگا۔ ایک اور خیال بار بار میرے ذہن میں آ رہا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دریودن یا کسی اور سے مل کر میرے خلاف کوئی منصوبہ بنا رہی ہو۔ یہ سب ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے ہوئے تھے۔ اپنے دیش کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اپنے اپنے نمبر بنانے میں مصروف تھے اور اب تک کئی آدمی مروا چکے تھے لیکن کسی کے ہاتھ ابھی تک کچھ نہیں آیا تھا۔
میں نے آخری بار گھڑی دیکھی تو ساڑھے گیارہ بجے تھے اور پھر شاید میں اونگھ گیا تھا اور اسی اونگھ میرا میں سونے سے پہلے دراز ہو گیا تھا اور پھر اچانک کسی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں گزشتہ رات بھی نہیں سویا تھا اور دن میں بھی جاگتا رہا تھا۔ اس وقت تھوڑا سا اونگھنے کے بعد آنکھ کھلی تو دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ مجھے اپنے سامنے دو ہیولے سے دکھائی دیئے میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور پھر ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔
میری ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی۔ سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میرے سامنے رادھا کے ساتھ سمپت بھی کھڑا تھا اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ اور ہاتھ میں پستول جس کا رخ میری طرف تھا۔ اس کے ساتھ کھڑی ہوئی رادھا بھی مسکرا رہی تھی اس نے میز سے میرا کوف اٹھائی تھی اور اس کا رخ بھی میری طرف تھا۔
رادھا کے بارے میں میرے خدشات درست نکلے تھے۔ میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور جسم اس طرح ڈھیلا پڑ گیا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو میں صوفے پر آڑا ترچھا پڑا وحشت زدہ سی نظروں سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔
"ہمارے جال میں پھنسا ہوا شکار بچ کر نہیں نکل سکتا۔" سمپت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پنڈت بھیرو، انکا یا رادھا ..... کسی کے پاس بھی رہتے بات ایک ہی ہوتی ہم لوگوں میں اختلافات بھی لیکن اصل مشن تو ہمارا ایک ہی ہے ہم اسے نظر انداز تو نہیں کر سکتے۔ تم انکا کی ہوڑکی کے پاس تھے یا پنڈت بھیرو کے مندر میں چھپے ہوئے تھے بات ایک ہی تھی یہ بھی تم سے وہی کام لینا چاہتے تھے جو ہمارا بھی مشن تھا۔ یعنی تاگ راج کی زندگی کا خاتمہ۔ وہ ہم سب کا مشترکہ دشمن ہے۔ ہم صرف اس کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اپنے دیش کو نقصان پہنچانا ہمارا مقصد نہیں تھا لیکن تم نے کیمپ تباہ کر دیا جس سے ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا تم نے انکا کو بھی مار ڈالا وہ را کی ایک ذمہ دار آفیسر تھی۔ دریودن تو کل سے تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ رادھا تمہاری ہمدرد بن کر تمہیں اپنے ساتھ لے آئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر تم غائب ہو گئے تو تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لگتا ہے تم نے یہاں اپنے بہت سے ہمدرد بنا لئے ہیں جو خوف سے بے نیاز تمہیں پناہ دینے کو تیار ہیں۔ مثال کے طور پر پنڈت بھیرو۔ کون سوچ سکتا تھا کہ تم اس کے پاس پناہ لئے ہوئے ہو لیکن وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا اور تم بھی انجام کے قریب پہنچ رہے ہو۔"
"تم اپنی اس طویل تقریر میں کم از کم تین مرتبہ پنڈت بھیرو کا نام لے چکے ہو یہ کون ہے؟"
میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ رادھا ہمیں سب کچھ بتا چکی ہے۔ تم دو مہینوں سے پنڈت بھیرو

کے وندر میں چھپے ہوئے تھے اور وہ تمہیں ہر قسم کی سہولت فراہم کیے ہوئے تھا۔" سمپت نے کہا۔

چھیا کا نام سن کر میں اچھل پڑا۔ گویا وہ زندہ تھی لیکن میں انجان بنا رہا۔

"چھیا...... یہ کون ہے؟"

"اب زیادہ انجان بننے کی کوشش مت کرو" سمپت نے مجھے گھورا۔ "تم اسے اپنے ساتھ لے کر کیمپ میں گئے تھے۔ گورکھ سنگھ تو اسے بغل میں لے کر اپنے کاٹیج میں گھس گیا اور تم نے موقع پا کر کیمپ میں مختلف جگہوں پر ٹائم بم فٹ کر دیئے تمہارا خیال تھا کہ چھیا بھی ختم ہو جائے گی اور کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا کہ کیمپ کو بموں سے اڑانے والا کون تھا لیکن وہ بچ گئی اور اس نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ پولیس اور ٹھاکر راج کے آدمی پاگل کتوں کی طرح تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ دریودن تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔"

"سمپت" رادھا نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے یہ پستول مجھے دو اور اس کمرے میں پلنگ کے نیچے سے رسی اٹھا لاؤ تم جانتے ہو یہ کتنا خطرناک ہے اسے کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

میں خون خوار نظروں سے رادھا کی طرف دیکھ رہا تھا سمپت نے اپنا پستول رادھا کے حوالے کر دیا اور جیسے ہی وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لئے آگے بڑھا رادھا نے اس کے پیر میں پیر پھنسا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا اس کے منہ سے کراہ خارج ہوگئی تھی۔

"تاجی ..... پکڑو اسے" رادھا چیخی

میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا ایک لمحہ تو میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ ہوا کیا ہے۔ رادھا سمپت کو یہاں لے کر آئی تھی اور مجھ پر رائفل تانے کھڑی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے بازی پلٹ گئی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو تاجی ..... پکڑو اسے" رادھا چیخی تو میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس دوران سمپت بھی صورت حال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ٹانگ چلا دی اس کی ٹھوکر رادھا کی ٹانگ پر لگی اور وہ چیختی ہوئی پشت کے بل گری پستول اور کارا کوف دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ پستول سمپت کے قریب گرا تھا اس نے لوٹ لگا کر پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن ٹھیک اسی لمحے میں نے چھلانگ لگا دی اور سمپت کے اوپر جا گرا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اس دوران سمپت پستول کو پکڑنے کی کوشش بھی کرتا رہا مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ سمپت اگرچہ قد و قامت میں مجھ سے چھوٹا تھا مگر وہ بے پناہ طاقت کا مالک تھا۔ وہ جونک کی طرح مجھ سے لپٹ گیا تھا۔

پشت کے بل گرنے سے رادھا کا سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ چوٹ زیادہ لگی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے فرش پر پڑی تھی۔

سمپت میرا گلا دبانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں نے اس کی گرفت نہیں جمنے دی تاہم وہ مجھے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اس نے میرا سر دو تین مرتبہ دیوار سے ٹکرا دیا۔ میرے سر کے پچھلے حصے میں لگنے والی چوٹ خاصی شدید تھی۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے

اس کے پیٹ میں دو تین گھونسے رسید کر دیئے ایک گھونسے کی چوٹ کارآمد ثابت ہوئی وہ کراہ اٹھا۔ میرے گلے پر اس کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے اسے پیچھے اچھال دیا اور خود بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سمپت پشت کے بل گرا تھا۔ پستول اس سے چند فٹ کے فاصلے پر تھا وہ کسی جانور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اس کا ہاتھ پستول پر پڑا لیکن اس سے پہلے کہ وہ پستول کو گرفت میں لیتا میرے بوٹ کی ٹھوکر اس کے ہاتھ پر پڑی پستول فرش پر لڑھکتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ سمپت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میرے بوٹ کی ٹھوکر نے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو کچل دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا مگر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی وہ کچھ دیر تک تو پٹتا رہا لیکن پھر اس کا بھی داؤ چل گیا اس نے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا میں ایک ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا اور پھر پشت کے بل گرا میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اس نے مجھے دبوچ لیا۔

سمپت کی ٹھوکریں وزنی ہتھوڑوں کی طرح میرے جسم پر برس رہی تھیں۔ چند ٹھوکریں برسانے کے بعد اس نے ایک بار پھر پستول کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں نے بڑی پھرتی سے ایک پیر آگے کر دیا اس کی ٹانگ میں اڑنگا لگا اور وہ منہ کے بل فرش پر گرا اس کے منہ سے بڑی خوفناک چیخ نکلی تھی۔ اس کا منہ فرش سے ٹکرایا تھا اور غالباً سامنے کے دو دانت اپنی جگہ سے ہل گئے تھے اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا چند ٹھوکریں برسانے کے بعد میں نے اسے پشت کی طرف سے گرفت میں لے لیا اور دونوں بانہیں پیچھے کی طرف موڑنے لگا۔ غالباً اس کے کندھوں کے جوڑ ہل گئے تھے وہ چیخنے لگا میں نے رادھا کی طرف دیکھا وہ بیٹھی سر کو زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی۔ سمپت کی چیخیں سن کر وہ بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور میز پوش اٹھا کر سمپت کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ پر دو تین گھونسے جڑ دیئے اور پیٹ پر زوردار لات رسید کر دی۔

"حرام جادے" وہ بلی کی طرح غرائی۔ "تو سمجھتا تھا کہ ہم تمہیں یہاں اس مارے لائی ہوں کہ تاجی کو پلیٹ میں رکھ کر تمہارے سامنے پیش کر دوں گی۔ تم لوگن اس قابل کہاں ہوت ہو کہ کوئی بھلائی کی جاوے۔ تم لوگن نے کئی پرش تک ہمارا جت سے کھیت رہت ہو۔ ہمار بوٹیاں نوچت ہو۔ اب ہمار باری ہے۔ گن گن کر بدلے لیوت رہوں گی۔"

رادھا اب اپنی اصل زبان بول رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بڑی نادر قسم کی گالیاں بھی نکل رہی تھیں اور پھر وہ دوسرے کمرے سے رسی لے آئی میں نے سمپت کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اسے فرش پر لڑھکا دیا۔ اس کے چہرے پر اذیت و کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔

رادھا نے کارا کوف اور پستول اٹھا کر میز پر رکھ دیئے اور کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی اور میں ایک طرف کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ سمپت کو یہاں لے کر آئی تھی۔ شاید مجھے پکڑوانے یا مروانے کے لئے لیکن پھر اچانک ہی بازی پلٹ گئی تھی بلکہ رادھا پلٹ گئی تھی۔

"تمہیں حیرت ہو رہی ہے" رادھا نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر

تکلیف کے تاثرات نمایاں تھے۔ سر پر اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ "اگر میں بیچ بچاؤ نہ کرتی تو یہ حرامی میرا انت کر دیتا۔"

"اوہ" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم بھی۔"

"بیلا اور انکا کی طرح تمہیں فریب [illegible]" اس نے میری بات پوری کر دی۔ "میں بتاتی ہوں یہ سب کیسے ہوا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "شہر کی صورت حال بہت ہی خوفناک ہے۔ پولیس، را اور ناگ راج کے آدمی شکاری کتوں کی طرح تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تمام چھوٹے بڑے ہوٹل، گیسٹ ہاؤسز اور کوئی سرائے ایسی نہیں چھوڑی جہاں ان لوگوں نے بار بار چھاپے نہ مارے ہوں۔ اچاریہ شوار مندر کی آتشزدگی کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا۔ مندر کو آگ ناگ راج کے آدمیوں نے لگائی تھی اور اس کا الزام بھی تمہارے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ مندر میں اس وقت تقریباً تین سو یاتری تھے جن میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے۔ ان میں سے صرف چند ایک ہی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ خیال ہے کہ تقریباً دو سو افراد جل کر بھسم ہوئے ہیں اور کئی زخمی ہوئے ہیں مگر انہیں بھی پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یہاں صرف ایک سرکاری ہسپتال ہے وہاں پہلے ہی ان لوگوں کو بھر دیا گیا تھا جو بم دھماکوں میں زخمی ہوئے تھے۔ پرائیویٹ ڈاکٹروں کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہیں کہ وہ مندر میں زخمی ہونے والے تمام زخمیوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ بہت برا حال ہو رہا ہے زخمیوں کا۔" بہر حال میں معلومات حاصل کرتی پھر رہی تھی کہ نارائن ہوٹل سے نکلتے ہوئے اس حرامی سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس نے سمپت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ مجھے دیکھ کر ٹھٹکا تھا لیکن پھر آگے نکل گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے مجھ پر شبہ ہو گیا تھا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ اگر اس نے میرا تعاقب شروع کر دیا تو میرے لئے پریشانی ہو سکتی ہے۔ یہ میری نگرانی کے لئے کسی اور کو بھی استعمال کرتا اس طرح یہ میرے ٹھکانے کا پتہ چلا لیتا اور پھر ہم دونوں مارے جاتے اس لئے میں نے خود ہی اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا چند قدم چلنے کے بعد میں پلٹ کر اس کی طرف آ گئی۔

"ہم دونوں ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ اس نے مجھے بتایا کہ انکا کے قتل کے سلسلے میں مجھے بھی تلاش کیا جا رہا ہے میں بڑی مشکل سے اسے یقین دلانے میں کامیاب ہو سکی کہ انکا اور جوتری کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور نہ ہی میں کسی خوف سے روپوش ہوئی ہوں بلکہ میں نے تمہیں انکا کو قتل کر کے آشرم سے فرار ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور تمہاری نگرانی کرتی رہی ہوں۔ میں نے اسے باور کرا دیا کہ میں نے تمہارا ٹھکانہ معلوم کر لیا ہے اور اب مزید کلب جا رہی تھی تاکہ دریودن کو تمہارے بارے میں اطلاع دے سکوں لیکن اگر یہ چاہے تو خود تمہیں پکڑ کر دریودن کے حوالے کر سکتا ہے اس طرح اسے بھی کچھ اہمیت حاصل ہو جائے گی۔

"یہ حرامی جاندار نیا کا سب سے بڑا [illegible] بے وقوف ثابت ہوا اور خوشی سے میرے ساتھ آ گیا۔ راستے میں یہ بیٹھے منصوبے بناتا رہا [illegible] تھا۔"

"ناگ راج [illegible] دریودن کا [illegible] ہے۔"

"یہ سب حرامی ہیں۔" رادھا نے کہا۔ "ایک دوسرے کی کاٹ میں رہتے ہیں۔ یہ تمہیں دریودن کے پاس لے جاتا تو انعام میں ہزار دو ہزار روپے مل جاتے جب کہ ناگ راج نے تمہارے لئے پورے پانچ لاکھ روپے کا انعام رکھا ہے۔"

"اوہ" اس انکشاف پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اب تم جو بھی جانکاری چاہتے ہو اس سے حاصل کرو۔" رادھا نے کہا "یہ سب کچھ جانتا ہے ایک ایک بات معلوم ہے اس حرامی کو۔"

اس نے سمپت کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات اور آنکھوں میں وحشت نمایاں تھی۔ میرے بارے میں وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ میں ناگ راج کے حلقے میں بھیرانج کے نام سے مشہور ہو چکا ہوں اور یہ غلط بھی نہیں تھا اب تک تو میں واقعی ان لوگوں کے لئے موت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا۔

"میں تمہارے منہ سے کپڑا ہٹا رہا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے ضرورت سے زیادہ اونچی آواز نکالی تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔ سمجھے۔"

سمپت نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کچھ بڑھ گئی تھی۔ میں نے اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا۔ منہ کے بل فرش پر گرنے سے واقعی اس کے سامنے کے دو دانت ہل گئے تھے۔ کپڑا منہ سے نکلتے ہی منہ میں جمع ہوا خون بھی بہہ نکلا تھا۔

"پانی.... مجھے پانی دو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے رادھا کو اشارہ کیا وہ فرج سے ٹھنڈا پانی لے آئی میں نے سمپت کے ہاتھ بھی کھول دیئے مجھے یقین تھا کہ اتنی پٹائی ہونے کے بعد اب وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا جس سے اسے مزید نقصان اٹھانا پڑے۔

رادھا نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما کر کارکوف اٹھائی اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ سمپت کے معاملے میں مجھ سے زیادہ محتاط تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر سمپت کسی طرح بچ کر نکلا تو اس کا کیا حشر ہو گا۔ سمپت نے ایک دو مرتبہ کلی کی۔ پانی کے ایک دو گھونٹ بھرے اور گلاس وہیں فرش پر رکھ دیا۔

"ہاں.... اب بتاؤ.... سب کچھ کیسے ہوا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ "اچاریہ شوار مندر کو آگ کس نے لگائی تھی؟"

"ناگ راج کے آدمیوں نے۔" سمپت نے جواب دیا۔

"اسے پتہ چل گیا تھا کہ تم پچھلے دو مہینوں سے وہاں چھپے ہوئے ہو اور پنڈت بھیرو تمہارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کر رہا ہے اور ناگ راج کو ختم کرنے کے لئے تمہاری مدد کر رہا ہے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ کیمپ میں بم دھماکوں کے بعد تم سیدھے وہیں جاؤ گے لیکن تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم مندر کا رخ کرنے کے بجائے انکا کے آشرم پہنچ گئے۔"

"ناگ راج کو کیسے پتہ چلا کہ میں مندر میں پناہ لئے ہوئے ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ [illegible] سب کچھ بتا دیا تھا۔" سمپت نے جواب دیا۔

"چھیا نے؟" میں اچھل پڑا۔

"کیمپ میں دھماکوں کے دوران گورکھ سنگھ تو ختم ہو گیا تھا مگر چھیا بچ گئی تھی۔" سمپت نے بتایا۔ "وہ شدید زخمی ہوئی تھی اس نے ناگ راج کو بتا دیا کہ سادھو کے بھیس میں تم اس کے ساتھ آئے تھے اور بم تم نے ہی لگائے تھے۔"

"میں تمہاری باتوں سے کچھ الجھ رہا ہوں سمپت۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ چھیا نے یہ کیسے کہہ دیا کہ بم میں نے لگائے تھے حالانکہ میں نے اسے اپنے اصل پروگرام سے بالکل بے خبر رکھا تھا۔"

"وہ بے وقوف نہیں ہے۔" سمپت نے جواب دیا۔ "جب تم نے اسے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ تم کیمپ میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہو۔ اس کا خیال تھا کہ تم گورکھ سنگھ کو گھیر کر قتل کرنا چاہتے ہو لیکن بموں کا تو اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا۔ اسے غصہ اسی بات کا تھا کہ تم نے اسے بھی دھوکے میں رکھا تھا اور دوسروں کے ساتھ اسے بھی مارنے کی کوشش کی تھی۔ اسی لئے اس نے تمہارے بارے میں ہر بات ناگ راج کو بتا دی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "کیمپ میں بم دھماکوں کی اطلاع ملتے ہی ناگ راج وہاں پہنچ گیا تھا اس وقت تک وہاں سب کچھ تباہ ہو چکا تھا بیس آدمی تو فوری طور پر ہی ہلاک ہو گئے تھے اور کئی زخمی ہوئے تھے۔ چھیا بھی زخمیوں میں شامل تھی۔ اس نے ناگ راج کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"ناگ راج نے اسی وقت چند آدمی مندر کی طرف دوڑا دیئے تھے۔ انہوں نے مندر کے علاوہ اس بنگلے کو بھی گھیرے میں لے لیا تھا جہاں تم چھپے ہوئے تھے لیکن پنڈت بھیرو مندر کے تہہ خانوں میں چھپ گیا تھا۔ ناگ راج کے آدمیوں نے شام تک مندر کو گھیرے میں لے رکھا اور آخر کار ناگ راج کے حکم پر چاروں طرف پٹرول چھڑک کر مندر کو آگ لگا دی گئی۔ ان کا خیال تھا کہ تم بھی پنڈت بھیرو کے ساتھ تہہ خانے میں کہیں چھپے ہوئے ہو آگ لگتے ہی یا تو باہر نکل آؤ گے یا جل کر بھسم ہو جاؤ گے تم قسمت کے دھنی ثابت ہوئے جو مندر نہیں گئے تھے مگر ایک بات میں تمہیں بتا دوں ناگ راج بہت زہریلا آدمی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کرتا۔"

"اپنے دشمنوں کو معاف کرنا تو میں نے بھی نہیں سیکھا۔" میں نے سمپت کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لیکن میں دشمن سے انتقام لینے کے لئے اس طرح پاگل نہیں ہوتا اپنے حواس کو قابو میں رکھتا ہوں اور بہت سوچ سمجھ کر وار کرتا ہوں اور میرا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔" میں خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا؟ "میں نے ناگ راج کی طرح احمقوں کی فوج نہیں پال رکھی۔ غنڈوں اور بدمعاشوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے کھوپڑی سے کام لیتا ہوں جس کا اندازہ تم سب لوگ لگا چکے ہو بہر حال مجھے کیمپ کے بارے میں بتاؤ وہاں کتنا نقصان ہوا ہے۔"

"بیس آدمی تو فوراً مر گئے تھے۔ چھ ہسپتال جا کر ختم ہوئے۔ اس طرح اب تک اٹھائیس آدمی ختم ہو چکے ہیں جن میں چوبیس تمہارے ہم وطن ہیں۔" سمپت نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے ان ہم وطنوں کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ غدار

تھے اور غداروں کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ بہر حال کیمپ کے بارے میں ہمیں کچھ اور بتاؤ۔"

"آدھے سے زیادہ کیمپ تباہ ہو چکا ہے اس کی سرگرمیاں بحال ہونے میں کم سے کم چار مہینے لگیں گے۔ تم نے کیمپ کی تباہی کے لئے جو بم استعمال کئے تھے وہ بہت طاقت ور تھے۔" سمپت نے کہا۔ "تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں اب تک اوپر اطلاع نہیں پہنچی تھی لیکن اب ناگ راج کو سب کچھ بتانا پڑا۔ اعلیٰ حکام کا خیال ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو سکتے۔ تمہارے ساتھ ضرور کچھ اور آدمی بھی ہیں جو ان معاملات میں تمہاری مدد کر رہے ہیں۔ تمہارے بارے میں اعلیٰ سطح پر انکوائری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ دلی سے کچھ ماہرین کو بھی طلب کر لیا گیا ہے۔ راجستھان کا چیف منسٹر کل سے یہاں ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔ ناگ راج نے مندر کی آتش زدگی بھی تمہارے کھاتے میں ڈال دی ہے وہ اپنی کوئی غلطی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ وہ تو یہاں پر موجود را کے بعض افسروں کو بھی اپنے ساتھ لپیٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چیف منسٹر اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے مگر میں وشواش سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ناگ راج کی باتیں تسلیم کرے گا اور وہ صاف بچ نکلے گا۔"

"حیرت ہے سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کے نخرے اٹھائے جا رہے ہیں۔" میں نے کہا

"اس کی وجہ ہے۔" سمپت نے جواب دیا۔ "وہ دہشت گردی کے کیمپ کو بڑے اچھے طریقے سے چلا رہا تھا۔ اس نے دہشت گردی اور تشدد کی ایسی ایسی ترکیبیں استعمال کی ہیں کہ کوئی دوسرا سوچ بھی نہیں سکتا۔ برین واشنگ کے تو اس نے ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں کہ جن پر حیرت ہوتی ہے۔ اگر تمہیں صرف پندرہ منٹ اس سے بات کرنے کا موقع مل جائے تو تم بھی اپنے دیش سے ساری وفاداری بھول جاؤ گے اور تمہاری باتیں سن کر معلوم ہوگا کہ پاکستان کا تم سے بڑا کوئی اور دشمن ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی ایک اور مثال میں تمہیں بتاتا ہوں۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ "ہمارا ایک ساتھی 'پریم ناتھ' را کا بہترین ایجنٹ تھا۔ وہ پاکستان میں کئی کامیاب مشن انجام دے چکا تھا۔ پوری انٹیلی جنس میں اسے پاکستان کا بدترین دشمن سمجھا جاتا تھا۔ ناگ راج نے اس کی برین واشنگ کر دی اور وہ بھارت کا دشمن اور پاکستان کا ہمدرد بن گیا۔ اس بحث میں اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ پریم ناتھ ہمارے لئے خطرناک بن گیا تھا۔ اسے مجبوراً گولی مار کر ختم کرنا پڑا۔"

"تو تمہارا تعلق را سے ہے؟" میں نے پوچھا

"ہاں!" سمپت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ماؤنٹ ابو میں را کے کئی آدمی ہیں جو ناگ راج اور اس کے آدمیوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں مجھے دریودن اور اس کے گروپ کی نگرانی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ سب ناگ راج کے گرگے ہیں جنہیں اس نے مختلف شعبے بانٹ رکھے ہیں اگر ہم لوگ ان کی سرگرمیوں کی رپورٹیں اوپر نہ بھیجتے رہیں تو یہ لوگ بالکل ہی بے قابو ہو جائیں۔"

"ناگ راج کے اور کیا منصوبے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔ ایسے منصوبے بنانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔" سمپت نے جواب دیا۔

"میں تمہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم ماؤنٹ ابو کی حدود سے زندہ باہر نہیں جا

سکو گے۔ اس بات کا مجھے پورا وشواش ہے۔ بہر حال' اس نے جو نیا منصوبہ بنایا ہے وہ بہت ہی خوف ناک ہے۔"

"اور وہ منصوبہ وہ زہر ہے جو اس نے تیار کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ" وہ اچھل پڑا۔ "تو تم جانتے ہو؟"

"ہاں اور میں اس انجکشن کا تجربہ بھی کر چکا ہوں۔ ناگ راج کے سامنے روی پنڈت پر انجکشن لگنے کے بعد وہ جس طرح تڑپا ہے وہ منظر میں نہیں بھول سکتا۔ لیکن یہ اطمینان رکھو۔ ناگ راج کا یہ منصوبہ ہمارے ملک کے خلاف استعمال نہیں ہو سکے گا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے" سمپت نے کہا۔ "تمہیں ناگ راج پر ایک مرتبہ ہاتھ اٹھانے کا موقع مل گیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ہر مرتبہ اس پر حاوی رہو گے اور میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دوں۔" وہ خاموش ہو گیا اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "اس وقت ہم میں جو باتیں ہو رہی ہیں اس کا ایک ایک لفظ گوپال کے کانوں تک پہنچ رہا ہے اسے پتہ چل چکا ہے کہ میں تمہارے قبضے میں ہوں اور تمہارے ساتھ کون ہے۔"

"اوہ" میں اچھل پڑا۔ "تمہارے پاس کوئی ٹرانسمیٹر ......" میں گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں ...... میرے گلے میں یہ لاکٹ دیکھ رہے ہو۔" اس نے سونے کی چین میں لگے ہوئے لاکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں آنے کے بعد جب رادھا نے مجھے دھکا دے کر گرایا تھا تو میں نے اس وقت یہ ٹرانسمیٹر آن کر دیا تھا۔ یہاں ہونے والی ساری باتیں گوپال سن چکا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ ابھی تک لوکیشن نہیں بتا سکا لیکن اب۔"

اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی رادھا چیل کی طرح اس پر جھپٹی اور اس کے گلے سے لاکٹ نوچ لیا۔ سمپت نے اٹھ کر اس سے لاکٹ چھیننے کی کوشش کی تھی مگر میں نے زوردار ٹھوکر رسید کر دی وہ کراہتا ہوا وہیں پر الٹ گیا۔

رادھا نے لاکٹ کھول کر دیکھا اس میں واقعی ٹرانسمیٹر پوشیدہ تھا۔ رادھا چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر لاکٹ فرش پر پھینک کر میری طرف دیکھا۔ میں نے لاکٹ کو پیر کے نیچے کچل دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ سمپت کے پاس لاکٹ میں ٹرانسمیٹر موجود تھا مگر اس نے کسی کو اپنی لوکیشن نہیں بتائی تھی حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ ممکن ہے اس نے یہ سوچ رکھا ہو کہ اپنے طور پر ہی ہمیں زیر کرنے کی کوشش کرے گا۔ مجھے ناگ راج کے حوالے کر کے اسے پانچ لاکھ روپے مل سکتے تھے جبکہ ٹرانسمیٹر پر اطلاع دینے کے بعد اس کے دوسرے آدمی بھی پہنچ جاتے اور وہ انعام سے محروم رہ جاتا۔

"تمہیں اس سے پہلے اور کچھ نہیں پوچھنا" رادھا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں ...... اب کیا پوچھنا ہے۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

رادھا نے کارا کوف میرے ہاتھ سے لے لی اور سمپت کے ہاتھ ایک بار پھر پشت پر باندھ دیئے

اور منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا۔

"تم نے زندگی میں کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا سمپت" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اب تمہاری زندگی ختم ہونے والی ہے ان آخری لمحوں میں بھگوان کو یاد کر لو۔"

سمپت کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔ وہ کبھی رادھا کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی میری طرف۔

رادھا نے اسے پیر کی ٹھوکر مارتے ہوئے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور پھر دھکے دیتی ہوئی کمرے سے باہر لے آئی۔ کاٹیج کے گیٹ سے نکلنے سے پہلے اس نے محتاط انداز میں سڑک پر دونوں طرف جھانکا اور سمپت کو رائفل کی زد پر لے کر باہر آ گئی۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا سمپت کا پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ ہم سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے اور سامنے والی پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا اس طرف آبادی ویسے ہی بہت کم تھی۔ پہاڑیوں پر کاٹیج ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھے اس لئے کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔

وہ پہاڑی تقریباً چار سو فٹ اونچی تھی۔ سمپت کے ہاتھ چونکہ پشت پر بندھے ہوئے تھے اس لئے اسے اوپر چڑھتے ہوئے اپنا توازن قائم رکھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ دو مرتبہ لڑکھڑا کر گرا بھی تھا اور دونوں مرتبہ رادھا نے اسے ٹھوکریں مار کر اٹھایا تھا۔ اس کے ساتھ رادھا کا سلوک دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ واقعی اس کے ساتھ اپنا کوئی پرانا حساب چکا رہی تھی۔

اس پہاڑی سے اترنے کے بعد ہم ایک اور چھوٹی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ رادھا اسے کسی ایسی جگہ لے جا کر مارنا چاہتی تھی جہاں بعد میں اس کی لاش مل جائے تو ہمارا کوئی سراغ نہ لگایا جا سکے۔

گہری تاریکی اور سناٹا تھا۔ اس پہاڑی سے اترتے ہوئے سمپت نے اچانک ہی ایک کھڈ میں چھلانگ لگا دی۔ رادھا چیختی ہوئی اس کے پیچھے لپکی اور ساتھ ہی اس نے رائفل کا ٹریگر دبا دیا تھا۔ ویرانہ فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا۔ رادھا کی چلائی ہوئی گولی سمپت تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ نشیب میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ رادھا کے پیچھے میں نے بھی کھڈ میں چھلانگ لگا دی اور نشیب میں دوڑتا چلا گیا۔ میں اس خوف سے حقیقت سے اچھی طرح واقف تھا کہ اگر سمپت بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارے بچنے کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔

دائیں طرف چیخ کی ہلکی سی آواز سن کر میں چونک گیا۔ رادھا نے بھی وہ آواز سن لی تھی اور پھر ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔

سمپت تاریکی میں کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔ بھاگتے ہوئے کسی طرح اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکل گیا تھا۔ گرنے سے اسے چوٹ لگی تو وہ بے اختیار چیخ اٹھا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو دوبارہ اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوتا یا کوئی پتھر اٹھا کر ہم میں سے کسی پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا مگر جب ہم قریب پہنچے تو وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رادھا اس کے سامنے اکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ رائفل سامنے کو تانی اور لبلبی دبا دی۔ باڑھ چل گئی۔ فائرنگ کے ساتھ سمپت کی بھیانک چیخیں بھی پہاڑیوں میں گونج اٹھی تھیں رائفل خاموش ہو گئی۔ رادھا خود بھی ہانپتی چلی گئی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ چند لمحے بعد

میں نے آگے بڑھ کر رادھا کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم واپس چل پڑے۔

کاٹیج تک پہنچنے میں ہمیں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ دروازہ بند کرتے ہوئے رادھا نے رائفل ایک طرف پھینک دی اور پلٹ کر مجھ سے لپٹ گئی اس نے اپنے آپ کو ایک دم ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ وہ ایک خوف ناک تجربے سے گزری تھی اور شاید یہ اس کا رد عمل تھا۔

میں نے اسے اپنی بانہوں کی گرفت میں لے لیا۔ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر اسے لے جا کر صوفے پر بٹھا دیا اس کا سارا بوجھ میرے اوپر تھا اس کا سانس اب بھی پھولا ہوا تھا۔

رادھا کو اپنے آپ کو سنبھالنے میں تقریباً پندرہ منٹ لگے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں یہ جگہ ہمارے لئے بالکل محفوظ ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔ "پہاڑیوں میں گونجتی ہوئی فائرنگ کی آواز سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کہاں کیا ہوا ہے اور اگر کوئی دن میں اس طرف پہنچ بھی گیا تو اس وقت تک سمپت کی لاش شناخت کے قابل نہیں رہے گی ان پہاڑیوں میں لاتعداد خون خوار بھیڑیے گھومتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اب تک کچھ بھیڑیے وہاں پہنچ گئے ہوں اور انہوں نے دعوت اڑانا شروع کر دی ہو۔ صبح تک وہ لاش کسی کو مل بھی گئی تو شناخت کے قابل نہیں رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل نہیں" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ "تم مجھے ان عورتوں سے بالکل مختلف پاؤ گے جن سے اب تک تمہارا واسطہ پڑا ہے تمہارے دشمن اگر یہاں تک آ بھی گئے تو تم تک پہنچنے کے لئے انہیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟" میں اچھل پڑا۔ "کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو؟"

"محبت اور وہ بھی تم جیسے وحشی سے۔" رادھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "ارے یہ تو اس مٹی کی محبت ہے جس سے تم نے جنم لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونک گیا۔ میں واقعی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "پہلے چائے بنا لوں اس کم بخت سمپت نے تو میرا دماغ ہلا کر رکھ دیا ہے بس صرف چند منٹ۔"

رادھا رسوئی میں گھس گئی اور میں اس کی بات پر غور کرتا رہا جو اس نے کہا تھا۔ "یہ تو اس مٹی کی محبت ہے جس سے تم نے جنم لیا ہے۔" میں اس کی بات کا مطلب اب بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ میری جنم بھومی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ میری رشتے دار تو نہیں تھی اسے مجھ سے کوئی خاص لگاؤ ہوتا۔

رادھا تقریباً بیس منٹ بعد چائے بنا کر لائی تھی۔ اس نے ایک کپ خود لے لیا اور ایک میرے سامنے رکھ دیا۔ چائے کی دو تین چسکیاں لینے کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خود

ہی بات شروع کرے گی مگر مجھے ہی زبان کھولنی پڑی۔

"تم نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے رادھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مٹی کی محبت سے کیا مراد ہے کیا کہنا چاہتی ہو تم۔ میری جنم بھومی سے تمہارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یہ مٹی کی محبت بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ کوئی خواہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جائے یہ اپنی گرفت سے نہیں نکلنے دیتی۔" رادھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے بھی اس مٹی سے جنم لیا ہے۔ جس سے تمہارا خمیر اٹھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

نظر [illegible] ابھی جاری ہے اقبال واقعات کیلئے حصہ دوئم ملاحظہ فرمائیں

مافیا
2
کاظمی

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اُس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش ۞ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

بار اول ——— 2003ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید
قیمت ——— 60/روپے

"میں نے پاکستان کی سرزمین پر جنم لیا تھا۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں پاکستان کے صحرائے تھر میں واقع نگر پار کر نامی ایک چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ شہر بھارتی سرحد کے قریب واقع ہے اس کی پچانوے فیصد آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ ہمارا تعلق بھیل قوم سے ہے۔ یہ قبیلہ نجانے کب تھر میں جا کر آباد ہوا تھا۔ بہر حال میرے باپ کی وہاں تھوڑی سی زمین تھی جس سے ہمارے کنبے کا گزارا ہو رہا تھا۔

"میں اسی ماحول میں پیدا ہوئی تھی۔ میری پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں اپنے بھائی کے پندرہ سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ اس بیچ میں میری ماں کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

"میں جب ایک سال کی تھی تو میرے بڑے بھائی جگدیش کی شادی کر دی گئی۔ ہمارے ہاں شادیاں بڑی بے جوڑ ہوتی ہیں۔ لڑکی بارہ سال کی تو دولہا چالیس کا۔ لڑکا پندرہ سولہ کا تو دلہن 35 سال کی۔ جگدیش کی جورو بھی عمر میں اس سے بیس سال بڑی تھی یعنی جگدیش سولہ کا اور رکھنا چھتیس سال کی وہ بڑی حسین تھی۔ اونچی لمبی صحت مند۔ گاؤں کے کئی مردوں کی نظریں اس پر تھیں۔

"جگدیش کی شادی پر میرے باپ نے وڈیرے کے پاس زمین گروی رکھ کر لمبی رقم قرض لی تھی جو سب کی سب شادی پر خرچ کر دی گئی۔ پتا جی نے وڈیرے سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی رقم دو سال کے اندر اندر لوٹا دی جائے گی مگر دو سال تک تھر میں بارش نہیں ہوئی۔ زمینیں پانی کے بنا چٹخ گئیں۔ اناج پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسرا سال شروع ہوتے ہی وڈیرے نے اپنی رقم کی واپسی کا تقاضہ شروع کر دیا۔

"تیسرے سال بارش ہوئی اس سال فصل بھی اچھی ہوئی لیکن جب فصل تیار ہوئی اور کٹائی کا وقت آیا تو وڈیرے کے آدمیوں نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ پتا جی وڈیرے کی منت سماجت کرتے رہے تھوڑی سی مہلت مانگی مگر وڈیرہ تیار نہیں ہوا۔ اس نے اناج کا ایک دانہ نہیں اٹھانے دیا۔

"راجستھان سے لے کر اور سندھ کے وڈیرے ایک ہی قبیل کے لوگ ہیں یہ کاشتکاروں اور ہاریوں کو اپنے زرخرید غلام سمجھتے ہیں۔ ان پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد وڈیرے نے بیگار لینا شروع کر دی۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک قرضے کی پائی پائی ادا نہیں ہو جاتی نہ ہی

ہمیں زمین کا قبضہ ملے گا اور نہ ہی ہم کہیں اور کام کر سکتے ہیں۔

"میں پانچ سال کی ہو گئی۔ وڈیرے نے ہمارے مکان پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ ہم وڈیرے کے قیدی بن گئے میرے ماتا پتا، بھائی اور بھابھی دن بھر کھیتوں میں کام کرتے اور رات کو مویشیوں والی حویلی میں ڈال دیا جاتا جہاں اور بھی بیسیوں ہاری تھے وہ بھی ہماری طرح وڈیرے کے قیدی تھے۔

"ایک روز کھیتوں پر کام کے دوران وڈیرے کے دو آدمی ریکھا کو پکڑ کر زبردستی کہیں لے جا رہے تھے کہ جگدیش نے دیکھ لیا۔ جھگڑے میں اس کے ہاتھوں وڈیرے کا ایک آدمی مارا گیا۔ وڈیرے کے آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے جگدیش کو اتنا مارا کہ وہ وہیں پر ختم ہو گیا۔ بھابھی ریکھا نے کنوئیں میں کود کر آتما ہتیا کر لی۔

"پولیس آئی لیکن نہ تو وڈیرے کے کسی آدمی کو پکڑا اور نہ ہی وڈیرے سے کوئی باز پرس ہوئی۔ پولیس ہندوستان کی ہو یا پاکستان کی وہ غریبوں کی نہیں دولت مندوں کے مفادات کی رکھشا کرتی ہے میرے ماتا پتا کو تھانے میں بند کر دیا۔ میں بھی ان کے ساتھ تھی وہ تو بھلا ہو اس نئے انسپکٹر کا جو اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد عمرکوٹ سے تبدیل ہو کر آیا تھا۔ وہ ایماندار آدمی تھا اس نے ہمیں چھوڑ دیا

"اس کے چند روز بعد ہی پتا جی مجھے اور ماتا جی کو لے کر چوری چھپے سرحد پار کر کے راجستھان آ گئے۔ اسمگلروں کی ایک پارٹی نے سرحد پار کرنے میں ہماری مدد کی تھی۔ ہم لوگ دھکے کھاتے ہوئے کسی نہ کسی طرح راج گڑھ پہنچ گئے۔ یہاں بھی ہماری قوم کے کچھ لوگ آباد تھے جنہوں نے ہماری مدد کی۔

"ماتا پتا نے محنت مزدوری کر کے مجھے تعلیم دلائی لیکن تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تمہیں بتا چکی ہوں۔" رادھا خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی اور کچھ دیر بعد کہنے لگی۔

"میرے خون میں اسی زمین کی محبت شامل ہے جس کی مٹی سے میں نے جنم لیا تھا۔ وہاں میرے ماتا پتا بھائی بھاوج کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا وہ قابل نفرت ہے لیکن ان تمام تر نفرتوں کے باوجود میں اس مٹی کی محبت کو اپنے سینے سے نہیں نکال سکی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس کے لہجے میں افسردگی سی آ گئی تھی۔ "یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ دوبارہ کہہ رہی تھی۔ "کیمپ میں بعض پاکستانی جوان تو ایسے بھی تھے جو ان کے اصل منصوبوں سے واقف ہونے کے بعد یہاں سے بھاگنا چاہتے تھے۔ انہیں سے کچھ نے کوشش بھی کی مگر پکڑے گئے۔

"انکا نے تمہارے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ وہ کیمپ سے فرار ہونے والے پاکستانی نوجوانوں کی مدد کرتی رہتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے پچھلے ایک سال کے دوران انکا نے ایسے پانچ نوجوانوں کو دھوکے سے ہلاک کر دیا جو کیمپ سے بھاگنے کے بعد اتفاق سے اس سے ٹکرا گئے تھے۔ میرے خیال میں ایسے لوگوں کا یہی حشر ہونا چاہئے تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی دوسروں کی مدد کے محتاج تھے۔ انہیں ہوس اور لالچ یہاں لے کر آیا تھا لیکن جب انہیں احساس ہو گیا کہ اس طرح ملنے والی دولت انہیں مہنگی پڑے گی تو انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی اور مارے گئے۔ دراصل ان کے سامنے کوئی مقصد نہیں تھا۔ ان کی کوئی منزل نہیں تھی لیکن تمہیں دیکھ کر اور تمہاری باتیں سن کر میں بھی سمجھ گئی تھی تم بھی اگرچہ اپنی جان بچا

کر بھاگے تھے اور جان بچانا چاہتے تھے لیکن تم میں اور ان نوجوانوں میں بڑا فرق تھا۔

"انکا تمہارے گرد جال بن رہی تھی اور میں تمہاری مدد کرنا چاہتی تھی مگر مجھے اس کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ادھر تم دلدل میں دھنستے جا رہے تھے تمہارے گرد بچھائے ہوئے جال کی رسیاں کھینچی جا رہی تھیں اور آخر کار میں نے بھی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

"جس رات دریودن نے آشرم کے تہہ خانے میں تم سے ملاقات کی تھی میں سمجھ گئی تھی کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے انہوں نے تمہیں اپنے منصوبے کے آخری مرحلے میں داخل کر دیا ہے۔ اب میرے لئے بھی خاموش رہنا ممکن نہیں رہا تھا اور اسی لئے میں نے تمہیں انکا اور دریودن کے بارے میں بتا دیا تھا لیکن تمہیں شاید میری باتوں کا یقین نہیں آیا تھا اور پھر کل میں نے تمہیں وہ ثبوت فراہم کر دیئے جس کی تمہیں ضرورت تھی۔

"میں نے تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سلسلے میں کچھ انتظامات بھی شروع کر دیئے تھے۔ میرے اس کاٹیج کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں میں نے یہاں راشن جمع کرنا شروع کر دیا۔

"انکا کو قتل کرنے کے بعد اگر ہم چند منٹ اور وہاں رکتے تو مارے جاتے۔ مجھے سمپت ہی نے ریسٹورنٹ میں چائے پینے کے دوران بتایا تھا کہ دریودن نے رات دو بجے کے قریب انکا کو ٹیلی فون پر جے پور میں کیمپ میں ہونے والے دھماکوں کی اطلاع دے دی تھی اور انکا اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جے پور سے نکل کھڑی ہوئی تھی اور اس نے دریودن کو بھی اپنی روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ دریودن اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انکا سیدھی اس کے پاس پہنچے گی لیکن سات بجے تک انکا اس کے پاس نہیں پہنچی تو وہ خود آشرم پہنچ گیا اور تہہ خانے کی صورت حال دیکھ کر اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہاں کیا ہوا ہو گا انہوں نے تمہارے ساتھ میری تلاش بھی شروع کر دی۔

"ہم بروقت وہاں سے نکل آئے تھے ہم اس وقت تک یہاں رہیں گے جب تک یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ رہے گی ہم یہاں آرام سے بیٹھے دال چاول کھاتے رہیں گے۔"

رادھا خاموش ہو گئی اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی یا پھر مجھے اس کی مسکراہٹ اچھی لگ رہی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچتا رہا میں جرائم پیشہ تھا۔ میرے ہاتھوں پاکستان میں کئی قتل ہو چکے تھے۔ پولیس سے بچتا پھر رہا تھا کہ بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا اور یہاں مصائب میں گھر گیا پھر اپنی مٹی کی محبت نے مجھے بے چین کر دیا اور اب رادھا سے ایسی ہی باتیں سن کر مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا اس نے پاکستان میں صرف پانچ سال گزارے تھے پانچ سال کی عمر میں تو کوئی بچہ اپنے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ کسی اور کے بارے میں یا وطن کے بارے میں کیا سوچے گا لیکن رادھا نے اس مٹی سے جنم لیا تھا اور پانچ سال کی عمر تک کھیتوں میں اسی مٹی سے کھیلتی رہی تھی اور اس مٹی کی محبت اس کے خون میں شامل ہو گئی تھی۔

"میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟" رادھا نے کہا اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"تم نے مجھے وحشی کہا تھا۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"ہاں۔ تم تو ہو ہی وحشی۔" رادھا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"وحشیوں والا حلیہ اس وقت میرا ہے یا تمہارا؟" میں نے کہا۔

رادھا نے پہلی مرتبہ اپنا جائزہ لیا وہ شام کو [illegible] یہاں سے گئی تھی تو حالت بھی بہتر تھی کوئی تبدیلی تو یہاں آنے کے بعد شروع ہوئی تھی۔ [illegible] جھینگا مستی میں نہ صرف اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے بلکہ بال بھی چڑیا کے گھونسلے کی طرح بکھر گئے تھے اور میک اپ بھی بگڑ گیا تھا وہ میرے سامنے اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کی ٹانگیں اوپر تک برہنہ ہو رہی تھیں۔

وہ چند لمحے مجھے گھورتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا رادھا کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا کیا واقعی وہ سچ تھا۔ کیا واقعی اس کے دل میں جنم بھومی کی مٹی کی محبت اب بھی موجود تھی؟ مجھے بہر حال اس پر اعتماد کرنا تھا۔ اس وقت تک جب تک کوئی بات مجھے اس سے بددل نہ کر دیتی۔

اس وقت دو بجنے والے تھے میں صوفے پر لیٹ گیا اس کے تھوڑی ہی دیر بعد رادھا کی آواز سنائی دی۔

"میں سونے جا رہی ہوں تمہیں نیند آئے تو آ جانا۔"

میں نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ رادھا کمرے سے باہر نہیں آئی تھی اس نے دروازے ہی سے گردن نکال کر مجھے بتا دیا تھا کہ وہ سونے جا رہی ہے۔

میں صوفے پر لیٹا بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ صوفہ زیادہ چوڑا بھی نہیں تھا کہ ڈھنگ سے کروٹ بدل سکتا۔ اس میں شاید نائلون کے سپرنگ بھرے ہوئے تھے سیٹ درمیان سے کسی قدر ابھری ہوئی تھی۔ آگے اور پیچھے کی طرف ڈھلوان تھی۔ بیٹھنے کے لئے تو یہ صوفہ بہت اچھا تھا لیکن سونے کے لئے بالکل ٹھیک نہیں تھا اسی وجہ سے میری پچھلی رات بھی بے آرامی اور بے چینی میں گزری تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک کروٹیں بدلنے کے بعد میں اٹھ گیا۔ کچھ دیر بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا میرا خیال تھا کہ میں آہستگی سے پلنگ کے کنارے پر لیٹ جاؤں گا تاکہ رادھا کی نیند خراب نہ ہو لیکن میں جیسے ہی پلنگ پر چڑھا رادھا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"مجھے وشواش تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

[illegible]

صبح رادھا مجھ سے پہلے ہی اٹھ چکی تھی۔

[illegible] اس وقت رادھا بھی میرا ساتھ دے رہی تھی [illegible] شیطان کو شکست دینے کے [illegible]

شیطان سے بچنے کے لئے ہی میں نے یہ مصروفیت تلاش کر لی تھی۔ ہمارے لئے باہر کے حالات جاننا بہت ضروری تھا۔ سمپت کی گمشدگی نے دریودن کو چونکا دیا ہو گا۔ اب یہ پتہ نہیں سمپت کے قتل کا انکشاف ہو چکا تھا یا نہیں لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس گمشدگی میں بھی دریودن کو میرا ہی ہاتھ نظر آیا ہو گا۔

گزشتہ رات سمپت نے جو کچھ بتایا تھا اس سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ دہشت گردی کے کیمپ کی تباہی سے حکومت کی پوری مشینری ہل کر رہ گئی تھی دہلی سے تیلک جیسے را اور حکومت کے اہم ترین افسران اور راجستھان کے چیف منسٹر کی آمد اس بات کا ثبوت تھی کہ کیمپ تباہ کر کے میں نے انہیں اچھا خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ کیمپ کی تباہی کے علاوہ را کی ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اناکالی ہوتری بھی میرے ہاتھوں ماری گئی تھی اور مندر کو بھی جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ مندر کی تباہی بھی میرے کھاتے میں ڈال دی گئی تھی۔ یہ صدیوں پرانا مندر تھا۔ مختلف ادوار میں تین مرتبہ پہلے بھی اسے نذر آتش کیا جا چکا تھا اور ہر مرتبہ اس کی تعمیر نو اور وسعت میں اضافہ ہوتا رہا تھا اور اب تو وہ آگ اس قدر خوفناک تھی کہ شاید اس کی دیواروں کے پتھر بھی پگھل گئے ہوں گے۔

ناگ راج نے اعلیٰ حکام کو جو رپورٹ دی ہو گی وہ بھی یقیناً میرے خلاف ہو گی۔ مجھے تمام واقعات کا ذمہ دار قرار دے کر سارے الزامات میرے سر پر تھوپ دیئے گئے ہوں گے۔

گزشتہ رات سمپت نے بتایا تھا کہ ناگ راج دہشت گردی کے ایک اور منصوبے پر کام کر رہا ہے وہ خوفناک زہر جو انجکشن کے ذریعے کسی جاندار کے خون میں شامل کر دیا جائے تو اس کے جسم کو بجلی سے زیادہ خوفناک جھٹکے لگتے ہیں کم از کم دس پندرہ منٹ شدید ترین اذیت کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے اس کا مظاہرہ تو میں دیکھ بھی چکا تھا۔

یہ تو ناگ راج نے بھی بتایا تھا کہ وہ یہ زہر تیار کر رہا ہے جسے پاکستان میں دہشت گردی کے لئے استعمال کیا جائے گا یہ انجکشن ابھی تجرباتی مرحلے میں تھا۔ اس کا توڑ دریافت کرنا ابھی باقی تھا اور اس رات وہ مجھ پر اس زہر کا تجربہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا ایک آدمی روی چندت میرے ہاتھوں اس تجربے کا شکار ہو گیا تھا۔

پہلے میں نے سوچا تھا کہ حالات جیسے ہی معمول پر آئیں گے میں ماؤنٹ ابو سے نکل جاؤں گا لیکن اب میں نے ارادہ بدل دیا تھا اگر یہ زہر پاکستان پہنچ گیا تو تباہی پھیل جائے گی یہ تخریب کاری اور دہشت گردی کا ایک نیا طریقہ ہو گا اس کے لئے نہ گولیاں چلانی پڑیں گی نہ بموں کے دھماکے کرنے پڑیں گے۔ اس زہر کے انجکشنوں کے ذریعے موت بے گناہوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی رہے گی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ناگ راج جیسے سانپ کا سر کچل کر ہی یہاں سے جاؤں گا اور یہ کام مجھے جلد از جلد کرنا تھا کہ وہ بڑی مقدار میں زہر کی تیاری پر کام شروع نہ کر سکے۔

اس روز شام سے ذرا پہلے رادھا نے باہر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ کل سمپت کو اسی پر شبہ [illegible] تھا اور رادھا نے یہ عقلمندی کی تھی کہ اسے [illegible] ضروری تھی [illegible] پلنگ کے نیچے رکھا ہوا رادھا کا [illegible] [illegible]

موجود تھی۔ تین عدد مردانہ جوڑے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک جوڑا تو خالص راجستھانی تھا میں نے وہی جوڑا پہن لیا میرے سر پر پگڑی رادھا نے باندھی تھی۔ سیندوری رنگ کی پگڑی کو بل دے کر لپیٹا گیا تھا۔ میں نے جب آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مخصوص راجستھانی لباس مخصوص انداز میں بندھی ہوئی پگڑی اپنے اس حلئے میں میں مکمل طور پر راج پوت جنگ جو لگ رہا تھا۔ رادھا بھی مجھے دیکھ کر مسکرا دی تھی اس نے اپنی مانگ میں سیندور بھرتے ہوئے میرے ماتھے پر بھی سیندور کا ٹیکہ لگا دیا اور پھر میری آنکھوں میں سرمہ ڈالنے لگی۔ میں آئینے میں دیکھ کر ایک بار پھر مسکرا دیا۔ سرمے کی دھار آنکھوں کے گوشوں میں دور تک نکلی ہوئی تھی بالکل دیہاتیوں کی طرح

رادھا نے بھی راجستھان کا دیہاتی لباس پہنا تھا۔ اس نے بڑے بھونڈے میک اپ سے اپنا چہرہ بگاڑ لیا تھا اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ اس طرح اس کا چہرہ بڑی حد تک تبدیل ہو گیا تھا لیکن اس کی جسمانی کشش اپنی جگہ برقرار تھی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی ہم کاٹیج سے نکلے تھے اور طویل چکر کاٹتے ہوئے شہر کے مرکزی علاقے میں پہنچ گئے۔

کیمپ میں بم دھماکوں اور مندر میں آتشزدگی کے بعد چار دن گزر چکے تھے مگر شہر میں اب بھی خوف و ہراس کی سی کیفیت تھی۔ ہر شخص سہما ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس واقعہ کے بعد دوسرے قریبی شہروں سے بھی پولیس کی نفری طلب کر لی گئی تھی۔ مشتبہ افراد کو روک کر پوچھ تاچھ کی جا رہی تھی۔ ان پولیس والوں کے علاوہ ناگ راج اور دریودن کے آدمی بھی شہر میں پھیلے ہوئے تھے۔

مالا روڈ پر خاصی رونق تھی۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں ہندوستان کے مختلف شہروں اور غیر ممالک سے آئے ہوئے سیاحوں کی بھیڑ رہتی تھی یہاں ہینڈی کرافٹس کی بیسیوں دکانیں تھیں اس علاقے میں سیاحوں کی دلچسپی انہی دکانوں کی وجہ سے تھی۔

ہم دونوں اس طرح گھوم رہے تھے جیسے ابھی ابھی کسی دیہات سے آئے ہوں اور یہاں کی ہر چیز ہمارے لئے انوکھی اور عجیب ہو۔ ہم نے ماربل کی مصنوعات کی ایک دکان سے ہنومان کی ایک چھوٹی سی مورتی بھی خرید لی تھی جسے رادھا سینے سے لگائے ہوئے تھی۔

نو بجے کے قریب ہم راجندر مارگ کی طرف نکل آئے۔ اسی طرف دریودن کا مرینہ کلب بھی تھا۔ اس علاقے میں بھی رونق تھی لیکن پولیس کی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔

بازاروں میں گھومتے پھرتے ہم نے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں۔ چیف منسٹر واپس جے پور جا چکا تھا لیکن دو تین اعلیٰ افسران یہاں موجود تھے کیمپ کی تباہی کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی تھی جس نے ایک ڈیلکس ہوٹل میں کیمپ لگا کر کام شروع کر دیا تھا شہر میں بھی یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جس شخص کو اس سلسلے میں کچھ معلومات ہوں وہ بلا خوف و خطرہ وہاں آ کر بیان دے سکتا ہے۔

ایک جگہ دو پولیس والوں نے ہمیں بھی روک لیا وہ مجھ سے الٹے سیدھے سوال کرنے لگے مگر رادھا نے بڑی خوب صورتی سے صورت حال کو سنبھال لیا۔ "اے حولدار۔" وہ کانسٹیبل کو گھورتے ہوئے بولی۔ "ہمار مرد سے کیا بات کرت ہو۔ یہ تو پہلی بار گاؤں سے باہر نکلت ہے۔ ہم سے پوچھو ہمار ہر بات

کا جواب دیوان ہیں۔"

"کہاں سے آئے ہو تم لوگ اور کہاں رہت رہے ہو۔" کانسٹیبل نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔

"ہمار گھر دوار وراوراسے آگے ہوں جی۔" رادھا نے جواب دیا۔ "اور پوچھو کیا پوچھت ہو۔ ہم تمہیں چور لگت ہیں ڈاکو لگت ہیں جو یوں روکت ہو۔ سالا کہیں کا....."

"اے اے..... جوبن سنبھال ورنہ "

"میں تو اپنا جوبن سنبھال رہت ہوں..... تو اپنی جوبان سنبھال۔" رادھا مزید پھیل گئی۔

میں دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا کہ رادھا کو شاید پولیس والوں کا تجربہ نہیں تھا۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ اس دوران دو تین آدمی بھی جمع ہو گئے تھے۔ دوسرے پولیس والے نے رادھا کو بازو سے پکڑا تو رادھا نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلی کی طرح غرائی۔

"اپن کے شریر کو اپنا گندہ ہاتھ مت لگیو۔ خون کی ندیاں بہت جاویں گی۔"

"ہمار چچا چھوڑن کا کیا لیوگی۔" پہلے پولیس والے نے جھنجلا کر کہا۔

"ہم چلتی ہوں پر اپنے ساتھی کو سنبھالیو۔ کسی ناری کا ہاتھ یوں نہ پکڑے۔ جے رام جی کی۔ چلو جی" رادھا نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جے رام جی کی۔" پولیس والے نے گہرا سانس لیتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

چند قدم چلنے کے بعد رادھا نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"اس وقت تو تمہاری چھڑے بازی کام آ گئی لیکن ہر جگہ یہ حربہ کام نہیں دے گا۔" میں نے کہا۔" اور پھر میں وہاں کھڑا اپنے آپ کو چغد ہی محسوس کر رہا تھا۔ کیا یہ عجیب صورت حال نہیں تھی کہ مرد تو خاموش کھڑا تھا اور عورت لڑنے مرنے کو تیار تھی۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کو آگے بڑھنا پڑتا ہے۔" رادھا نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرحال اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں ناگ راج کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اب اس سے دو دو ہاتھ کرنا بہت ضروری ہو گیا اس پر چوٹ لگانے کا یہ بہترین موقع ہے۔"

"اس وقت ناگ راج بہت بھنایا ہوا ہے اس تک پہنچنے کی کوشش کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کوشش کر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔" رادھا نے جواب دیا۔ "اس وقت دریودن سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں ہو سکتا وہی ہمیں ناگ راج تک لے جا سکتا ہے۔"

"دریودن" میں بڑبڑایا۔ "وہ اس وقت اپنے کلب میں ہو گا لیکن اس علاقے میں ہمیں کوئی اندر

رادھا کار سے اتر آئی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پھر راما کا نام لے کر مجھے پکارنے لگی۔ اسکی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی دباؤ میں نہیں تھی۔ میں نے چند سیکنڈ اور انتظار کیا اور پھر چبوترے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا۔ رادھا کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔

"یہ رہا میں رادھا دیوی۔" میں نے اسے آواز دی۔

رادھا ایک دم گھوم گئی "اوہ" وہ بولی۔ "میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ میں سمجھی تھی کہ تم ڈر کر بھاگ گئے ہو۔"

"کیسے بھاگ سکتا ہوں رادھا دیوی۔" میں نے اونچی آواز میں کہا تاکہ دریودن بھی سن لے۔ "میری لگائی اس راکھشس کے قبضے میں ہے اور میں کیسے بھاگ سکتا ہوں۔ تم اسے بچا لو گی نا؟ ہمارا مطلب ہے ہماری لگائی کو۔ اس راکھشس سے؟"

"ہاں ہاں۔ ہم تمہاری لگائی کو بچا لیں گے۔ بیٹھو گاڑی میں بیٹھو۔" رادھا نے کہتے ہوئے پچھلی طرف اشارہ کیا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔ پہلے سے بیٹھا ہوا آدمی پیچھے سرک گیا۔ اس کے ہاتھ میں کاربائن تھی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھا تو کاربائن کی نال میرے کندھے کو چھونے لگی۔

"اس بندوقری کو پیچھے کو ہٹا دے بھایا۔ کہیں ہمارا کام نہ کر دے۔" میں نے ہاتھ سے رائفل پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا اور رائفل دوسری طرف کر کے اس کی نال کھڑکی سے باہر نکال دی۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا وہ دریودن کا گارڈ تھا بڑی ہی خوفناک شکل تھی اس کی۔

اس رات آشرم میں دریودن سے میری ملاقات تقریباً دو گھنٹوں تک جاری رہی تھی۔ تاہم اس وقت وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میری آواز نہ پہچان لے اس لئے میں بگڑے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"موٹر جری تیز چلائیو صاب جی۔ کہیں وہ راکھشس میری لگائی کی اجت لوٹ کر اس کی ہتیا نہ کر دے۔" میں نے آگے جھک کر دریودن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"رادھا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تین دن سے تمہارے کاٹیج میں ہے۔ تم نے پہلے پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع کیوں نہیں دی۔" دریودن نے کندھے سے میرا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اس نے میری لگائی کو وہ بنا رکھا ہے کیا کہت ہیں۔ ہاں۔ یرگمال میں باہر نکلوں ہوں تو کہت ہے کسی کو بتایا تو میری لگائی کی ہتیا کر دے گا اور اس سے پہلے اس کے ساتھ وہ کرے گا۔ بلاوکار...... رام رام......"

"آج تم نے کیسے ہمت کر لی؟" دریودن نے پوچھا۔

"میں سودا لینے کو آیا تھا جی۔" میں نے کہا۔ "رادھا دیوی سے ملاقات ہو گئی۔ یہ تو واقعی دیوی سمان ہیں جی۔ میری سمسیا سن کر بولی کہ ہمت کرلو۔ دریودن مہاراج میری لگائی کو چھڑا بھی لیں گے اور اس راکھشس کو بھی پکڑ لیں گے۔ اسے بہت مار لگائیو صاب جی۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں اسے ایسی مار لگاؤں گا کہ وہ زندگی بھر یاد کرے گا۔" دریودن نے کہا۔ "مگر تم نے شہر سے اتنی دور کاٹیج کیوں لیا۔ جھیل کے پرے۔"

"ہمارا نیا نیا بیاہ ہوا ہے جی۔" میں نے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم سوچا تھا چند روز آرام سے رہویں گے۔ کوئی ستائے گا نہیں مگر وہ......"

"راکھشس بیچ میں کود پڑا۔" دریودن نے میری بات پوری کر دی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ یہ منصوبہ رادھا ہی نے بنایا تھا اور اب تک بڑا کامیاب جا رہا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق رادھا نے دریودن سے یہ کہا ہو گا کہ اکاسے کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ خوف کی وجہ سے روپوش ہو گئی تھی اور اس دوران وہ مجھے بھی تلاش کرتی رہی۔ آج میرا سراغ ملا تو سیدھی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے دریودن کو پہلے سے طے شدہ یہ کہانی سنائی تھی کہ میں نے تفریح کے لئے آئے ہوئے ایک جوڑے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

دریودن نے رادھا کی کہانی پر یقین کر لیا تھا اور فوراً ہی اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ اس نے صرف ایک آدمی ساتھ لیا تھا اور یہ اس کی ایک اور حماقت تھی۔

کار تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ اسے راستے میں صرف ایک جگہ روکا گیا مگر دریودن کی شکل دیکھتے ہی راستہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب گاڑی شہر کی حدود سے نکل کر جھیل کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ رادھا اور دریودن کیمپ کی تباہی، اکاسے کے قتل اور مندر کی آتشزدگی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

"اس روز وہ حرامی ایک سادھو کے بھیس میں میرے پاس آیا تھا۔" دریودن کہہ رہا تھا۔ "اس نے میرے سامنے گیتا پر ہاتھ رکھ کر کے قتل کا منصوبہ رکھا تھا اور میں نے اس سے تعاون کا وعدہ کر لیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کیمپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو میں اسے وہیں پر شوٹ کر دیتا۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے یہاں اپنے اتنے سارے ساتھی کیسے پیدا کر لئے۔" رادھا نے کہا۔ "وہ تقریباً دو گھنٹوں تک پنڈت بھیرو کے پاس رہا اور کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکا۔"

"ایسے لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں اور یہ بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار ہے۔" دریودن نے جواب دیا۔ "جانیں چھینتا چلا جا رہا ہے اور کوئی اب تک اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکا۔ لگتا ہے شکر راج نے ہی اس مرتبہ پاکستان سے کسی راکھشس ہی کو اٹھا لئے تھے۔"

"وہ واقعی راکھشس ہے۔" رادھا نے کہا پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔ "آج مجھے کلب میں سمپت نظر نہیں آیا۔"

"وہ کل رات سے غائب ہے۔" دریودن نے جواب دیا۔ "پہلے مجھے شبہ تھا کہیں وہ بھی اس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے ناگ راج کے آدمیوں نے اسے ختم کر دیا ہو۔" رادھا بولی۔

"ناگ راج" دریودن دانت کچکچا کر رہ گیا۔ "اس کی جڑیں تو کچھ زیادہ ہی مضبوط ہو گئی ہیں۔"

کار اب نانکی جھیل کے قریب پہنچ رہی تھی۔ جھیل کے قریب واقع ریستورانوں اور ہوٹلوں کی

بتیاں جگمگا رہی تھیں۔

"یہاں سے کس طرف جانا ہے؟" دریودن نے پوچھا۔

"ان بتیوں سے آگے رام مندر کی طرف ایک راستہ جاتا ہے۔ ادھر ہی ایک مکان ہے جھیل کنارے۔ بس وہی ہے" میں نے کہا "ذرا ہوشیار رہیو صاحب جی۔ وہ راکھشس بہت چالاک ہوتے ہیں۔"

دریودن نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ کار جھیل کنارے ان روشنیوں سے پہلو کتراتے ہوئے گزر گئی۔ ذرا ہی آگے جا کر میں نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا اور سیٹ پشت سے ٹیک لگا کر قدرے اونچی آواز میں بڑبڑانے لگا۔

"اوم..... شمشی رام..... ہری اوم..... ہری اوم....."

دریودن اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ اسٹیرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ کار لہرانے لگی لیکن اس نے فوراً ہی اسٹیرنگ پر قابو پالیا۔ مڑ کر میری طرف دیکھا اور میرے ساتھ بیٹھے ہوئے گارڈ کو مخاطب کر کے چیخا۔

"سنور سنگھ گولی مار دو اسے۔ یہ وہی راکھشس ہے۔" لیکن میں نے سنور سنگھ کو گولی مارنے کا کیا سنبھلنے کا بھی موقع نہیں دیا۔ وہ میری دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پستول اس کے پہلو پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ بھدی ہلکی سی آواز اور سنور سنگھ کی خوفناک چیخ گونجی۔ گولی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ میں نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر اسے نیچے دھکیل دیا۔

دریودن نے کار روک لی اور اس نے بھی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔ رادھا بھی بڑی پھرتی سے نیچے اتر آئی تھی میں نے بھی نیچے اترنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ دریودن جھیل کی طرف دوڑ رہا تھا۔ میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا تو رادھا چیخی۔

"گولی مت چلانا۔ ان روشنیوں سے ہمارا فاصلہ زیادہ نہیں ہے وہاں پولیس والے بھی ہوں گے فائر کی آواز سن لی جائے گی۔"

میں نے دریودن کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ جھیل وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھی لیکن میں نے دریودن کو پچاس گز سے آگے نہیں جانے دیا۔ جھاڑیوں سے اٹے پتھریلے راستے پر دوڑنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ پچاس گز آگے جا کر دریودن دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس کا رخ روشنیوں کی طرف تھا۔ دوڑنے کے ساتھ ساتھ وہ مدد کے لیے چیخ بھی رہا تھا لیکن پھر میں نے نہ تو اسے چیخنے کا موقع دیا اور نہ ہی بھاگنے کا۔ میں نے عقب سے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتا ہوا جھاڑیوں میں گرا۔

دریودن نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے دوبارہ چھاپ لیا اور اس کے سر پر گھونسے برسانے لگا لیکن وہ ایک بار پھر میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگنے کی کوشش میں تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور تھا۔ اگر چاہتا تو مجھے زیر کرنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن وہ بزدل تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ دریودن جیسے ظالم اور سفاک لوگوں کی طاقت ان کے ان گرگوں میں ہوتی ہے جو ان کے گرد حصار قائم کئے رہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ میں کچھ نہیں ہوتے کسی کے قابو میں آ جائیں تو یا تو بھاگنے کی

کوشش کرتے ہیں یا اسی طرح بلبلاتے ہیں۔

رادھا بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ یہ وہی پستول تھا جو گزشتہ رات سمپت سے چھینا تھا۔ میں نے اپنا پستول جیب میں ڈال لیا تھا اور دریودن کی مرمت خالی ہاتھوں سے ہی کر رہا تھا۔

دریودن ایک بار پھر میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے میرے منہ پر زوردار لات بھی ماردی تھی میں کراہتا ہوا پیچھے گرا لیکن دریودن کو بھی بھاگنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ رادھا نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی تھی۔ وہ منہ کے بل گرا اور رادھا نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی اس دوران میں نے اٹھ کر دریودن کو چھاپ لیا۔

"اسے وہاں لے چلو۔ رام مندر میں۔" رادھا نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی یہاں کوئی مندر ہے؟" میں نے پوچھا

"ہاں..... ادھر ایک ٹوٹا پھوٹا سا مندر ہے یہ بھی اس کے بارے میں جانتا ہے اس لئے تو خاموشی سے اس طرف آ گیا تھا۔" رادھا نے جواب دیا۔

"اور وہ کاٹیج جہاں میری لگائی اس راکھشس کے قبضے میں ہے۔" میں نے قریب واقع ایک کاٹیج کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"چلو۔ اسی کاٹیج ہی میں لے چلو۔ وہ زیادہ قریب ہے۔" رادھا بولی میں دریودن کو دھکے دینے لگا۔ لڑائی کے دوران میری پگڑی میرے گلے کا ہار بن گئی تھی۔ میں نے اسے سمیٹ کر مفلر کی طرح گلے میں لٹکا لیا۔

وہ کاٹیج زیادہ دور نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر وہاں کوئی موجود ہوا تو مشکل ہو جائے گی لیکن رادھا کا خیال تھا کہ کاٹیج خالی ہوگا۔ ایک تو سیزن ختم ہو رہا تھا اور دوسرے پچھلے چند روز سے یہاں کے حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ سیر و تفریح کے لئے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے لوگ بھاگ رہے تھے۔

رادھا کا خیال درست نکلا کاٹیج خالی تھا اور تاریکی میں ڈوبا ہم دریودن کو ایک ایسے کمرے میں لے آئے جس کی روشنی جھیل کی تفریح گاہ سے نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

روشنی میں دریودن کا جائزہ لیتے ہوئے میں مسکرا دیا۔ اس کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت بہادر اور بہت چالاک ہو" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "لیکن اب تم بچ کر نہیں جا سکو گے میرے آدمی کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

"تمہارے آدمی" میں چونک گیا۔ "کیا انہیں سپنا آئے گا کہ تم یہاں ہو۔"

"مجھے یہ حماقت ضرور ہوئی کہ تمہیں پہچان نہیں سکا لیکن اتنا بے وقوف بھی نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔" دریودن نے جواب دیا۔ "رادھا کے ساتھ کلب سے نکلنے سے پہلے میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی گاڑی کی بتیاں جلائے بغیر فاصلہ دے کر ہمارا تعاقب جاری رکھیں۔ اپنے ساتھ صرف ایک گارڈ اس لئے لیا تھا کہ میں رادھا یا وہ آدمی رک نہ جائے جسے وہ ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ کاش میں تمہیں

راستے ہی میں پہچان لیتا تو تم اب تک نرک میں پہنچ چکے ہوتے۔ ویسے میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں۔"

"میری ہمت کی داد نہیں دو گے کہ کس خوب صورتی سے تمہیں کلب سے نکال لائی ہوں۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری ہمت کی داد تو میرے آدمی دیں گے جو یہاں پہنچنے ہی والے ہیں اور وہ داد ایسی ہو گی کہ آئندہ تم خواہش نہیں کرو گی۔" دریودن نے کہا۔

رادھا نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ دریودن کے منہ سے کراہ سی خارج ہو گئی۔

"اچھا ہوا تم نے اپنے آدمیوں کے بارے میں بتا دیا دریودن" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں اتنا وقت مل جائے گا کہ تم سے اپنی بات منوا سکیں اگر تم شرافت سے میری باتوں کا جواب دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری موت آسان بنا دوں گا۔ بصورت دیگر تم اس موت کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو میں نے تمہارے لئے سوچ رکھی ہے" وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا۔

"ناگ راج کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ناگ راج" دریودن کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ آ گئی۔ "ہمارا بدترین دشمن ہونے کے باوجود اب وہ ہمارا ہیرو ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم اسے تمہارے ہاتھوں قتل کروانا چاہتے تھے لیکن تم نے کیمپ کو تباہ کر کے ہماری آپس کی دشمنی مٹا دی ہے۔ وہ کیمپ تمہارے دیش میں تباہی پھیلانے کے لئے انسانی بم تیار کر رہا تھا جو تم نے تباہ کر دیا اس سے ہمارا ذاتی نہیں ہمارے دیش کا نقصان ہوا ہے اور ہم اپنے دیش کا نقصان برداشت نہیں کر سکتے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی ذاتی دشمنیاں ختم کر کے ناگ راج کا ساتھ دیا جائے۔"

"اور ناگ راج شاید کسی اور منصوبے پر کام کر رہا ہے" میں نے کہا۔

"ہاں اور وہ منصوبہ اس کیمپ سے بھی زیادہ خوف ناک ہے" دریودن نے کہا "کیمپ کی سرگرمیاں بحال کرنے میں شاید کئی مہینے لگ جائیں مگر ناگ راج کے نئے منصوبے پر زیادہ سے زیادہ دو مہینے لگیں گے۔"

"لیکن شاید تم لوگوں کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکے" میں نے کہا۔ "تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے کس طرح تم لوگوں کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت تک ماؤنٹ آبو سے نہیں جاؤں گا جب تک یہاں اپنے دیش کے خلاف ہونے والی سازشوں کو کچل نہ دوں تم دیکھو گے کہ جس طرح میں نے دہشت گردی کا کیمپ تباہ کیا ہے۔ اس طرح ناگ راج کا دوسرا منصوبہ بھی ناکام بنا دوں گا۔ اس کے تیار کئے ہوئے زہر سے اس کو ایسے جھٹکے دوں گا کہ کوئی دوسرا ایسی کوئی چیز تیار کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

"تت ..... تم ..... جانتے ہو؟" دریودن ہکلا گیا۔

"ہاں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میں ناگ راج کے اس زہر کا تجربہ اس کی موجودگی میں دو ایک چوہے پر کر چکا ہوں ..... ناگ راج کی قسمت اچھی تھی جو اس وقت میرے ہاتھ سے بچ گیا لیکن میں

اسے چھوڑوں گا نہیں اس کا تیار کیا ہوا زہر اس پر استعمال کروں گا۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔

"نہیں۔" دریودن نے کہا۔ "میں تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ دشمنی اور تمام تر نفرت کے باوجود ہم اس کی سرکشا کریں گے۔"

"اپنی سرکشا تو تم کر نہیں سکے اسے کیا بچاؤ گے۔" میں نے کہا "میں تمہیں صرف تین سیکنڈ کی مہلت دے رہا ہوں اس دوران اگر تم نے زبان نہ کھولی تو میرے ہاتھ حرکت میں آ جائیں گے۔"

"نہیں میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" دریودن نے کہا۔

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک ہی میرا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔ دریودن کے منہ پر پڑنے والا تھپڑ اس قدر بھرپور تھا کہ وہ چکرا کر رہ گیا اس کے ہونٹوں سے خون کی ہلکی سی دھار بہہ نکلی تھی اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں فٹ بال کی طرح اس پر ٹھوکریں برساتا رہا۔ وہ بلبلاتا ہوا فرش پر ادھر ادھر لڑھکتا رہا۔

دریودن واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ثابت ہوا تھا اتنی مار کسی جانور پر پڑتی تو وہ بھی انسانوں کی طرح بولنے لگتا میں اسے چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا میرا سانس پھول گیا تھا۔

میں نے رادھا کو اشارہ کیا اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ کالج آ راست تھا میں دوسرے کمرے کی بتی جلائے بغیر ٹٹولتا ہوا کچن کی طرف آ گیا اور بتی جلا کر متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی میں نے وہ چھری اٹھائی انگوٹھے سے اس کی دھار کو آزما کر دیکھا اور واپس اسی کمرے میں آ گیا۔ دریودن اب بھی فرش پر پڑا تھا اور رادھا اس پر پستول تانے کھڑی تھی۔ دریودن اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا یہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے رادھا کی طرف دیکھا۔

"مجھے ہندوستان کی ملکہ بنانے کی بات کر رہا تھا۔ شرط یہ کہ میں تمہارے بجائے اس کا ساتھ دوں۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں" میں چھری کی دھار پر انگلی پھیرتے ہوئے دریودن کے قریب آ گیا۔ میرے ہاتھ میں چھری دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ "بات یہ ہے دریودن کہ حریف مقابلہ نہ کرے تو مجھے لڑائی میں مزہ نہیں آتا۔ مجھے تم سے زوردار مقابلے کی توقع تھی مگر تم بالکل پھسپھسے نکلے۔ اب میں نے ایک اور فیصلہ کیا ہے" میں اس کے قریب بیٹھ گیا "معاملہ یک طرفہ ہو تو کیوں نہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ اب میں اس چھری سے تمہاری بوٹیاں کاٹوں گا اور اس وقت تک تمہارے شریر کو کاٹتا رہوں گا جب تک تم زبان نہیں کھولتے۔"

"نن ..... نہیں ..... تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی آنکھوں میں خوف کچھ اور بھی گہرا ہو گیا۔

"مجھے کون روک سکتا ہے۔" میں نے کہا اور اس کی ٹانگ پر وار کر دیا۔ دریودن چیخ اٹھا۔ چھری گھٹنے کے قریب اس کی ران میں پیوست ہو گئی۔ میں نے ایک دو ہلکے ہلکے جھٹکے دیئے اور پھر ایک

زوردار جھٹکے سے چھری کو باہر کھینچ لیا۔

"خون کی دھار بہہ نکلی۔ دریودن دونوں ہاتھوں سے ٹانگ پکڑے فرش پر لوٹنے لگا۔

"میں جو کہتا ہوں اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "میں تمہیں اس طرح تڑپا تڑپا کر ختم کروں گا کہ تمہاری آتما آئندہ سات جنم تک بھی میرے نام سے کانپتی رہے گی۔

"نن.. نہیں ..... میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" دریودن چیخا۔

میں نے اس کی دوسری ٹانگ پر وار کیا اور پھر تو گویا مجھ پر دیوانگی سی طاری ہوگئی میں اس کی دونوں ٹانگوں پر چھری سے وار کرتا رہا اور وہ چیختا رہا۔ اس کی ٹانگوں سے بہنے والا خون فرش کو داغ دار کرتا رہا آخر کار میں نے ہاتھ روک لیا اور اس کی ایک ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"اب میں تمہارے بیٹے کی کھال ادھیڑوں گا۔" میں نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو .... ٹھہرو..." دریودن کے منہ سے مردہ سی آواز نکلی۔ "میں بتاتا ہوں۔"

"گڈ" میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "اگر پہلے ہی فیصلہ کر لیتے تو تمہیں اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی اب جلدی سے بتاؤ ناگ راج کہاں ہے اور اس کے ساتھ کون کون ہے؟"

"وہ .. وہ گوپال کے بنگلے پر ہے" دریودن نے رک رک کر کہا۔ "اس کے ساتھ گوپال بالا اور شنکر بھی ہے مگر تم آسانی سے اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

"یہ میرا دردسر ہے" میں نے کہا۔ "گوپال کا بنگلہ کہاں ہے؟"

"تا جی... جلدی کرو۔ کسی گاڑی کی آواز سنائی دے رہی ہے" رادھا کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ گاڑی کے انجن کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دریودن نے جب یہ کہا تھا کہ اس کے آدمی یہاں پہنچنے والے ہیں تو میں اسے غلط سمجھا تھا لیکن اب یقین کر لینا پڑا کہ اس نے غلط نہیں کہا تھا اس کے آدمی شاید کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور اب اس طرف آرہے تھے۔ انہوں نے راستے میں نور سنگھ کی لاش اور دریودن کی کار بھی دیکھ لی ہوگی۔

"اب... اب تم لوگ نہیں بچ سکو گے" دریودن نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کی آواز خاصی کمزور ہوگئی تھی۔ "اور تمہارا جو حشر ہوگا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"میرا حشر دیکھنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔" میں نے کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کی کھوپڑی پر گولی چلا دی۔ دریودن اس مرتبہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی میں نے رادھا کا ہاتھ پکڑا اور دوڑ کر کمرے سے باہر آگیا۔ گاڑی کے انجن کی آواز پہلے واضح ہوگئی تھی۔

ہم کاٹیج کے اوپر سے گھوم کر دائیں طرف آگئے میں نے رادھا کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود آگے بڑھ کر دوسری طرف جھانکنے لگا۔ وہ گاڑی تقریباً دوسو گز دور تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس بجھے ہوئے تھے اور وہ تیزی سے اس طرف آرہی تھی۔ میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جھیل کا کنارہ بھی وہاں سے تقریباً دوسو گز دور تھا۔ اس طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے رادھا کا ہاتھ پکڑا اور دوڑتا ہوا کاٹیج کے دوسری

طرف آگیا اس طرف جھاڑیاں تھیں اور کچھ آگے ٹیلہ نما چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں سے ہمیں کسی طرف نکلنے کا موقع مل سکتا تھا۔

ہم دوڑتے ہوئے اونچی جھاڑیوں میں ایک پتھر کے پیچھے رک گئے وہ گاڑی کاٹیج سے تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر رک گئی تھی۔ تین آدمی کار سے اتر کر کاٹیج کی طرف دوڑے... اس طرف آتے ہوئے انہوں نے شاید فائر کی آواز سن لی تھی۔ کاٹیج کے قریب پہنچ کر ایک تو سامنے کے رخ سے آگے بڑھنے لگا ایک دائیں طرف چلا گیا اور دوسرا بائیں طرف اس طرح وہ کاٹیج کو گھیرے میں لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا میں نے غور سے کار کی طرف دیکھا اس میں کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ صرف تین ہی آدمی تھے۔

"رادھا" میں نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اگر ہم اس کار تک پہنچ جائیں تو آسانی سے یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔"

"چانس تو ہے" رادھا نے جواب دیا۔

اور پھر ہم بڑی احتیاط سے جھاڑیوں میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے اندیشہ اس بات کا تھا کہ اگر ہمارے کار تک پہنچنے سے پہلے انہوں نے دریودن کی لاش دریافت کر لی تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

وہ کار ہم سے صرف دس گز کے فاصلے پر تھی آگے جھاڑیاں نہیں تھیں میں نے رادھا کو یہیں رکنے کا اشارہ کیا اور اٹھ کر تیزی سے دوڑتا ہوا کار تک پہنچ گیا۔ وہ تینوں آدمی کاٹیج میں داخل ہو چکے تھے اس لئے میں کسی کی نظروں میں نہیں آیا۔

ایک منٹ بعد رادھا بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ کار کے آگے والے دونوں دروازے کھلے ہوئے تھے میں اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا اور رادھا دوسری سیٹ پر۔

پہلی مرتبہ چابی گھماتے ہی انجن اسٹارٹ ہو گیا اور پھر اسی لمحے کاٹیج کے اندر سے کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی انہوں نے دریودن کی لاش دریافت کر لی تھی اور باہر کار کے انجن کی آواز بھی سن لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی میں نے انجن کو گیئر میں ڈال کر ایک جھٹکے سے کلچ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ ہی اسٹیئرنگ گھما دیا کار ایک زوردار جھٹکے سے اچھلی تھی اور پھر اسی لمحے فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ ہم دونوں نیچے جھک گئے تھے کئی گولیاں کار کی ڈکی میں لگی تھیں ایک گولی پچھلی ونڈ اسکرین کو چیرتی ہوئی ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

کافی آگے نکل آنے کے بعد میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ہم فائرنگ کی زد سے نکل آئے تھے میں کار کو تیزی سے دوڑاتا لے گیا۔

دریودن کی کار اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں میں اسے چھوڑ گیا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر نور سنگھ کی لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔

"اگر ہم نے کار پر ہی شہر کی طرف جانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے ہمیں گھیرنے کی کوشش کی

جائے۔" رادھا نے کہا۔

"فائرنگ کی آواز اس تفریح گاہ میں کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں سن لی گئی ہوگی۔ وہ لوگ بھی پیچھے بھاگے چلے آ رہے ہیں یہاں سے آگے کسی جگہ فون کر دیا جائے گا اور ہمیں راستے میں روکنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟" میں نے کہا۔ "یہ کار چھوڑ کر پیدل دوڑ لگا دی جائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے" رادھا نے کہا "ہم اس کار کو ان عمارتوں کے عقب میں کہیں دور چھوڑ دیں اور کسی طرح جھیل پر کشتیوں کے گھاٹ پر پہنچ جائیں وہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی کشتی مل جائے گی۔ ہم جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائیں تو وہاں ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

تجویز معقول تھی۔ یہ راستہ تفریح گاہ کی عمارت کے عقب میں دو تین سو گز دور تھا۔ میں کار کو مزید آگے نکال کر لے گیا اور پھر اسے راستے سے ہٹ کر روک لیا اور انجن بند کر دیا۔

ہم دونوں کار سے اتر کر تفریح گاہ کی طرف دوڑنے لگے۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے ہوں گے لیکن اس تفریح گاہ میں واقع ہوٹلوں اور ریستورانوں میں رونق عروج پر تھی۔ لوگ یہاں عیاشی کے لئے آتے تھے اور ظاہر ہے رات بھر ہنگامے رہتے تھے۔

ہم ان عمارتوں سے تقریباً سو گز کی طرف جھیل کے کنارے کی طرف نکلے تھے۔ اس طرف خشکی کی ایک کشادہ پٹی جھیل کے کچھ اندر تک چلی گئی تھی جس پر بڑا خوبصورت لان بنا ہوا تھا۔ اس پٹی کے تقریباً آخر میں کھجور کے پانچ درخت اس طرح لگے ہوئے تھے جیسے چاق و چوبند پہریداروں نے آگے جانے کا راستہ روک رکھا ہو۔ اندر کوئی ہوٹل اس سکے۔ پٹی کے کنارے کے ساتھ ساتھ کشتیاں بھی روکی جاتی تھیں۔ جھیل کے اندر کچھ روشنیاں متحرک نظر آ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ کچھ لوگ اب بھی کشتیوں پر جھیل کی سیر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ہم جس طرف آئے تھے وہاں کنارے کے ساتھ دو تین کشتیاں موجود تھیں رادھا آگے بڑھنا چاہتی تھی مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ ایک کشتی اسی کنارے کی طرف آ رہی تھی اس پر کسی راڈ پر لٹکا ہوا ایک بلب روشن تھا اور انجن کی پھٹ پھٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ کشتی کنارے کے ساتھ لگ کر رک گئی ہم دونوں پودوں کی آڑ میں دبک گئے تھے۔ ایک عورت اور ایک مرد اس کشتی سے اترے اور قہقہے لگاتے ہوئے ہوٹل کی عمارت کی طرف چلے گئے۔ کشتی میں ایک آدمی رہ گیا تھا اور وہ شاید ملاح تھا۔ میں نے رادھا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں پودوں کی آڑ سے نکل کر کشتی کے قریب پہنچ گئے۔

وہ ملاح کشتی کے ہک کی زنجیر کھمبے کے ہک میں پھنسا کر تالا لگا رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور ہمارے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"اب میں نے تالا بند کر دیا ہے بھیا۔ سیر کو جانا ہو تو کوئی اور ناؤ لے لو۔"

"ہم تو تمہارے ساتھ ہی جائیں گے" میں نے کہتے ہوئے پستول نکال لیا میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وہ شخص خوفزدہ ہو گیا۔ قفل منہ آ رہا تھا اس نے زنجیر کا تالا کھول دیا اور کشتی پر سوار ہوتے

ہوئے بولا۔ "بیٹھو بھایا" اس کا لہجہ بڑا مردہ سا تھا۔ ہمارے کپڑوں کی وجہ سے وہ ہمیں بھی اپنے جیسا ہی سمجھا تھا اس لئے مجھے بے تکلفی سے بھایا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

میں نے پہلے رادھا کو کشتی پر سوار ہونے میں مدد دی اور جب میں خود سوار ہو رہا تھا تو ٹھیک اس وقت ہوٹل کی عمارت کے دوسری طرف بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی شور گونجنے لگا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ تینوں آدمی راستے میں کھڑی ہوئی دیوان کی کار پر یہاں پہنچ گئے تھے وہ تینوں دوڑتے ہوئے ہوٹل کے سامنے والے رخ پر آ گئے اور پھر میں نے ان تینوں کو ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ہم یہاں کشتی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

ملاح نے کشتی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کشتی آہستہ آہستہ کنارے سے پیچھے ہٹنے لگی اور اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار بھی بڑھتی چلی گئی۔ ملاح بے حد خوفزدہ تھا۔ میں پستول لئے اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے اب تک ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔

کشتی گہرے پانی کی طرف دوڑتی رہی۔ بہت وسیع و عریض جھیل تھی۔ قریب ترین دوسرا کنارہ تفریح گاہ کے عین سامنے تھا اس کا فاصلہ بھی پندرہ سو گز سے کم نہیں تھا۔ اس طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں وہیں کاٹیج بنے ہوئے تھے اور اس وقت ہم اسی طرف جانا چاہتے تھے۔

جھیل کے وسط میں پہنچ کر میں نے رادھا کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر ملاح کے قریب بیٹھ گئی اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ ملاح بدحواس ہو گیا وہ میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی سیٹ پر کنارے کی طرف جتا چلا گیا۔ رادھا اس سے چپکی جا رہی تھی۔

"بڑے نامرد ہو میں تمہیں پچھاڑے رہی ہوں اور تم ڈر رہے ہو" رادھا اس پر مزید جھکتے ہوئے بولی۔

"ہا...... ہا...... ہم سریف آدمی ہوں۔" ملاح ہکلا کر رہ گیا۔

"سریف آدمی" رادھا بولی۔ "میں اکیلی ہوتی تو تم میری بوٹیاں نوچ لیتے چل ہٹ۔"

رادھا نے اسے زوردار دھکا دیا۔ ملاح کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ جھیل میں گر گیا رادھا قہقہہ لگا رہی تھی اور ملاح چیخ رہا تھا۔

"مجھے بچا لیو...... میں تیرنا نہ جانت ہوں۔"

"اچھا ہے... مچھلیاں عیش کریں گی۔" رادھا نے پھر قہقہہ لگایا۔

کشتی پانی کی سطح پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر ملاح کی سیٹ پر آ گیا اور ہینڈل سنبھال لیا اور پھر دوسرے کنارے تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگی۔

وہ پہاڑی پانچ چھ سو فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ ڈھلان بھی ایسی تھی کہ آسانی سے چڑھا جا سکتا تھا۔ جھاڑیوں اور درختوں کی بہتات تھی اس پہاڑی پر کئی کاٹیج تھے۔ صرف دو تین کاٹیج ایسے تھے جن میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ باقی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم ان سے دور رہ کر پہاڑی پر چڑھتے چلے گئے۔

کے جھگڑوں میں کئی قتل بھی ہوئے لیکن میں ہمیشہ ان معاملات سے الگ تھلگ رہی اور اب دو چار روز سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہو گیا ہے میں واقعی دو چار روز آرام کرنا چاہتی ہوں تمہارے ساتھ"

وہ اٹھ کر میرے صوفے پر آ گئی اور سر میرے کندھے پر ٹکا دیا۔ میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا مجھے اپنی گردن پر رادھا کے گرم گرم سانسوں کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔

رادھا میرے کندھے پر سر ٹکائے سو گئی تھی میں نے بڑی آہستگی سے اٹھا کر اسے اسی صوفے پر لٹا دیا۔ کاٹیج کا چکر لگا کر دروازہ اور کھڑکیاں چیک کیں اور بتی بجھا کر دوسرے صوفے پر لیٹ گیا۔ رادھا کا پستول سینٹر ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے بھی اپنا پستول وہیں رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میری آنکھیں بند تھیں مگر ذہن جاگ رہا تھا۔ میں اس کاٹیج کے بارے میں سوچ رہا تھا جہاں چند روز پہلے تہہ خانے میں مجھ پر تشدد کیا گیا تھا ان سب کے چہرے مجھے یاد تھے۔ دیوقامت 'لکھن' سورج مل' بیلا اور تین دوسرے آدمی جنہیں بعد میں ناگ راج نے محض اس لئے گولیوں سے بھون ڈالا تھا کہ میں ان کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ صرف بیلا بچی تھی جسے ناگ راج نے بخش دیا تھا اس کی وجہ بھی بعد میں میری سمجھ میں آ گئی تھی اور رادھا نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی۔

"بیلا ناگ راج کی رکھیل ہی نہیں اس کی سب سے اہم اور سب سے ذہین کارکن بھی تھی۔ اسے ناگ راج نے ہی ایک اہم مشن پر پاکستان بھیجا تھا اور واپسی پر وہ ہمارے ساتھ آ ئی تھی۔ اس سفر کے دوران بیلا سے میری دوستی ہوئی تھی جو اب تک چل رہی تھی۔

یہ وہی کاٹیج تھا جہاں سے میں جان بچا کر بھاگا تھا اور اب میں یہاں اطمینان سے لیٹا آرام کر رہا تھا۔ وقت بھی عجیب چیز ہے کل تک یہ کاٹیج میرا مقتل بنتے جا رہا تھا اور اب یہی میری پناہ گاہ بن چکا تھا۔

"میرا دماغ بوجھل ہونے لگا اور میں یہی سب کچھ سوچتے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ دھپ کی وہ آواز اگرچہ بہت ہلکی تھی مگر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ذرا سا سر اوپر اٹھایا اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں میں گویا سورج اتر آیا۔ بہت تیز روشنی تھی میری آنکھیں چندھیا گئیں میرا ذہن ایک دم بیدار ہو گیا۔ میں نے میز پر رکھے ہوئے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن میرے ہاتھ پر زوردار ٹھوکر لگی دوسری ٹھوکر میری پسلیوں پر پڑی تھی میں صوفے سمیت پیچھے الٹ گیا۔ پچھلی طرف صوفے سے گرتے ہوئے میں نے رادھا کی چیخ بھی سنی تھی میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو سر پر ایک اور ٹھوکر پڑی میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔

میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے رقص کرتی ہوئی نیلی پیلی چنگاریاں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر اندھیرے کی چادر تانے لگیں میں سر کو زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی۔ اگر میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تو یہ میری زندگی کی آخری رات ہو گی جبکہ ہوش میں رہ کر میں اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔ میرے بائیں کندھے پر ایک اور ٹھوکر لگی اور میں چیختا ہوا فرش پر الٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے رادھا کی بھی ایک اور چیخ سنی تھی۔ میں حواس برقرار رکھنے کے لئے سر کو

مسلسل جھٹکے دے رہا تھا بالآخر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا آنکھوں کے سامنے پھیلنے والی تاریکی چھٹنے لگی۔ میں ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اس مرتبہ مجھے کوئی ٹھوکر نہیں پڑی بلکہ ایک طرف کھٹ چٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور کمرہ روشنی سے بھر گیا۔

"میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور ایک نظر میں صورت حال کا جائزہ لے لیا اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دو پولیس والے تھے ایک کے جسم پر سب انسپکٹر کی وردی تھی اور دوسرا حوالدار تھا۔ وردیوں یا ناگ راج کے آدمیوں کے مقابلے میں ان پولیس والوں سے نمٹنا آسان تھا۔

سب انسپکٹر کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے میں ٹارچ جو ابھی تک روشن تھی میز پر سے ہمارے دونوں پستول غائب تھے۔ سب انسپکٹر رادھا کے قریب کھڑا تھا اور حوالدار کمرے کی بتی جلا کر واپس آ رہا تھا۔ میرے جسم پر ٹھوکریں اسی نے برسائی تھیں اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا۔ حوالدار نے مجھے ایک اور ٹھوکر ماردی اس کے ساتھ ہی وہ غرایا۔

"وہاں چل کر بیٹھو ادھر"

میں اٹھ کر کھوپڑی سہلاتا ہوا رادھا کے قریب فرش پر بیٹھ گیا۔ رادھا کے جسم سے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور سامنے کھڑا ہوا سب انسپکٹر بڑی ہوس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رادھا کو بھی اس نے کئی ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس کے چہرے پر کرب اور تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا رادھا والا پستول دور تھا البتہ میرا پستول سینٹر ٹیبل کے نیچے پڑا ہوا تھا لیکن اس تک رسائی حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔

"یہ تو میں سمجھ گیا کہ تم لوگ کون ہو" سب انسپکٹر نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر اپنا سواد لینے کے لئے دوسروں کا مکان استعمال کرنا کہاں کی شرافت ہے کتنے پیسے لئے ہیں تم نے اس سے" اس نے آخری الفاظ رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

"یہ... یہ مجھے بہکا کر یہاں لایا تھا تھانیدار جی" رادھا نے خوفزدہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے اس سے کوئی پیسہ نہیں لیا اس نے کہا تھا کہ مکان اس کا ہے مجھے نہیں معلوم تھا یہ چور ہے سالا۔ خالی پیلی رعب جما کر عیاشی کرتا ہے۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رادھا بھی میری طرح سمجھ گئی تھی کہ معاملہ وہ نہیں جو ہم سمجھ رہے تھے اور پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی کہ یہ دونوں پولیس والے یہاں تک پہنچے کیسے تھے اور کاٹیج کے اندر کیسے داخل ہو گئے تھے۔

سامنے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا جس کے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھول لی گئی تھی۔ رات کو سونے سے پہلے بھی میں نے دیکھا تھا کہ اس کھڑکی کا ایک شیشہ نہیں تھا لیکن میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

وہ دوسرا کاٹیج یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تھا جہاں رات کو میں نے روشنی دیکھی تھی ان لوگوں کو معلوم ہو گا کہ یہ کاٹیج خالی پڑا ہے ہمارے آنے کے بعد یہاں روشنی دیکھ کر انہوں نے پولیس کو اطلاع دے دی ہو گی انہوں نے سوچا ہو گا کہ شاید کوئی چور واردات کرنے یہاں گھسا ہے۔

کون ہوں لیکن اب تم پھنس گئے ہو تمہارے لئے جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔"

"اگر تم چاہو تو ہم میں اب بھی معاملہ طے ہو سکتا ہے" سب انسپکٹر نے جواب دیا "تم ہمیں چھوڑ دو ہم تمہاری طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے ہم نے تمہیں دیکھا ہی نہیں۔"

"عقل مند ہو" میں مسکرا دیا "مجھے تمہاری یہ تجویز پسند آئی اس لئے اب تم لوگ اپنی یہ وردیاں اتار دو۔"

"میرا مطلب وہی ہے جو میں نے کہا ہے" میں نے کہا "جلدی اتار دو وردی ورنہ میں کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

"اس دیوی کے سامنے" سب انسپکٹر نے عجیب سی نظروں سے رادھا کی طرف دیکھا۔

"کچھ دیر پہلے تو تم بڑی ہوس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اب یہ دیوی ہو گئی۔ اتارو وردی" میں نے کہتے ہوئے پستول کو حرکت دی۔

سب انسپکٹر شرٹ کے بٹن کھولنے لگا اس نے پہلے قمیض اتاری اور پتلون کی بیلٹ کھولتے ہوئے رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔

"جلدی کرو ہمارے پاس وقت نہیں ہے" میں دھاڑا رادھا منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے سب انسپکٹر کی وردی اٹھا کر اس کی طرف اچھال دی۔

"دوسرے کمرے میں جا کر تبدیل کر لو۔ جلدی کرو۔"

رادھا وردی اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی میں نے حوالدار کو وردی اتارنے کا اشارہ کیا۔

ان دونوں نے اندر گارمنٹ پہنے ہوئے تھے میرے حکم پر وہ دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ سروں سے اوپر دیوار پر ٹکا دیئے۔

"رادھا سب انسپکٹر کی وردی پہن کر آ گئی۔ میں نے اسے اشارہ کیا اور حوالدار کی وردی اٹھا کر دوسرے کمرے میں گھس گیا۔

اب صورت حال مکمل طور پر ہمارے حق میں تھی میں اگر چاہتا تو ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا مگر میں بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا مگر کسی گڑبڑ کی صورت میں صورت حال مختلف ہوتی۔

رادھا نے اپنا لہنگا پھاڑ کر ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور انہیں فرش پر بٹھا کر دونوں کے پیر بھی انگوٹھے سے باندھ دیئے اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی ان کا منہ بند کرنا بھی ضروری تھا رادھا کو کوئی کپڑا نہیں ملا تو اس نے اپنا بلاؤز پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر لیا ایک ٹکڑا حوالدار کے منہ میں اور دوسرا سب انسپکٹر کے منہ میں ٹھونستے ہوئے بولی۔

"اسے چوستے رہنا اس میں بھی بڑا سواد ہے"

رادھا کے اس جملے پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ رادھا نے سب انسپکٹر کی کیپ بھی اٹھا کر سر پر جما لی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ اس وردی میں بہت شاندار لگ رہی تھی میں نے بھی حوالدار کی ٹوپی اٹھا کر اپنے گنجے سر پر رکھ لی ان دونوں کے ریوالور ہم نے اپنے اپنے ہولسٹروں میں رکھ لئے تھے

جلد اپنے پستول جیبوں میں ٹھونس لئے تھے۔

"گھبراؤ مت" میں نے باہر نکلنے سے پہلے پیچھے مڑ کر کہا۔ "ہم تمہارے تھانے میں اطلاع کر دیں گے۔ وہ لوگ تمہیں آ کر چھڑا لیں گے"

باہر نکلنے سے پہلے میں نے بتیاں بجھا دیں البتہ دروازہ کھلا رہنے دیا تھا۔ کاٹیج کے سامنے پولیس جیپ موجود تھی۔ رادھا نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

راستہ دوسرے کاٹیج کے قریب سے گزرتا تھا۔ اس کاٹیج کی بتیاں اب بھی جل رہی تھیں برآمدے میں دو انسانی ہیولے بھی نظر آئے تھے وہ جو کوئی بھی تھے یقیناً یہ جاننے کے لئے وہاں کھڑے تھے کہ کیا ہوا؟

"سبزے سے ڈھکی ہوئی ان پہاڑیوں پر جا بجا لاتعداد کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ راستہ پتھریلا اور ناہموار تھا۔ آخر کار ہم پہاڑیوں سے نکل کر پختہ سڑک پر آ گئے۔

اس وقت رات کی تاریکی دم توڑ رہی تھی۔ روشنی سی پھیلنے لگی تھی۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس روشن تھے۔ رادھا نے رفتار زیادہ تیز نہیں رکھی تھی۔ پہلے چوراہے پر پہنچتے ہی اندازہ ہو گیا کہ رات کو شہر کی صورتحال کیا رہی ہو گی۔ ہماری تلاش جاری تھی۔ پولیس نے کئی راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی ہر پولیس پارٹی کے ساتھ ناگ راج کے بھی ایک دو مسلح آدمی موجود تھے لیکن ہمیں اپنا راستہ بنانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ روکا تو تقریباً ہر جگہ گیا تھا لیکن پولیس کی جیپ اور ہمارے جسموں پر پولیس کی وردیاں ہر جگہ کام آئی تھیں۔

ایک جگہ ایک پولیس پارٹی نے ایک کار کو روک رکھا تھا وہ پولیس پارٹی دو کانسٹیبلوں اور ایک حوالدار پر مشتمل تھی کار میں دو افراد تھے ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک جوان آدمی عورت ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود خوبصورت تھی اس کے جسم پر قیمتی ساڑھی تھی جبکہ اس جوان آدمی نے بھی قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ ان دونوں کو کار سے اتار لیا گیا تھا اور حوالدار ان سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

رادھا نے ان کے قریب جیپ روک لی میں نے ریوالور ہولسٹر سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"کیا بات ہے حوالدار کون ہیں یہ لوگ کیوں پریشان کر رہے ہو انہیں" رادھا نے حوالدار کی طرف دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

حوالدار نے کھٹ سے سلیوٹ جھاڑ دیا پھر بولا "آپ جانتی ہیں میڈم رات سے دہشت گردوں کی تلاش کے لئے ہر شخص کو چیک کرنے کا حکم ملا ہے۔"

"لیکن شریف لوگوں کو پریشان کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔" رادھا نے کہا "کیا تمہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ...... [illegible] لباس میں ہیں اور وہ آدمی گنجا ہے جس کی تمہیں تلاش ہے"

میری طرح" میں نے سر سے ٹوپی اتار کر اسے اپنا گنجا سر دکھایا اور پھر ٹوپی سر پر رکھ لی۔

"یس میڈم" حوالدار جلدی سے بولا

"جانے دو انہیں اور مشتبہ لوگوں پر نگاہ رکھو۔ شریف لوگوں کو پریشان مت کرو" رادھا نے کہا

حوالدار نے ایک بار پھر ایڑیاں بجا دیں۔

”دھنے باد آفیسر“ اس شخص نے رادھا کا شکریہ ادا کیا ”ہم تو واقعی پریشان ہو گئے تھے“

”شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں آپ لوگ بھی سوچ سمجھ کر گھر سے نکلا کریں“ رادھا نے کہا اور جیپ آگے بڑھا دی۔

مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے رادھا نے جیپ ایک جگہ روک لی اور انجن بند کر دیا ہم دونوں نیچے اتر آئے پہاڑیوں کی طرف جانے والی وہ سڑک سنسان تھی جیپ وہاں چھوڑ کر ہم واپس آ گئے اور مین روڈ پار کرنے کے بعد ہم ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے اس سڑک پر نکل آئے جہاں پہاڑیوں پر ایک دوسرے سے فاصلے پر کاٹیج بنے ہوئے تھے ہم سڑک چھوڑ کر پہاڑی راستوں پر چلتے رہے اور آخر ٹھیک اس وقت اپنے کاٹیج پہنچ گئے جب مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی رادھا نے دروازہ لاک کر دیا اور کمرے میں گھس کر پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر چھوٹے والے کمرے میں آ کر صوفے پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

ایک ہفتے تک ہم واقعی دال چاول کھاتے رہے اس دوران ہم نے کاٹیج کے گیٹ سے جھانک کر دیکھا تک نہیں تھا البتہ دن بھر لان میں لگے رہتے۔ ان سات آٹھ دنوں میں ہم دونوں نے مل کر کاٹیج کے آگے اور پیچھے دونوں طرف کے لان سنوار دیے تھے۔ کیاریاں بنا دی تھیں۔

میں نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ رادھا کے چہرے کی رونق بحال ہو گئی تھی پچھلے دنوں تو واقعی وہ زندگی کے سنگین ترین تجربات سے گزری تھی اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے اگر ایک آدھ دن مزید وہ صورتحال برقرار رہتی تو ہمت ہار بیٹھتی یا اس کا ذہنی توازن بگڑ جاتا۔

ہم آٹھ دن تک باہر نہیں نکلے تھے۔ اس لئے شہر کی صورت حال کا بھی ہمیں کچھ اندازہ نہیں تھا البتہ یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ دیودن کے قتل کے بعد ناگ راج کے حلقے اور پولیس میں کھلبلی سی مچ گئی ہو گی۔

دو دن اور گزرے اور آخر کار میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ میری داڑھی خاصی بڑھ گئی تھی میں نے قینچی سے داڑھی اور مونچھوں کے بال سیٹ کر لئے کہ بے ترتیب نہ لگیں۔ رادھا کی زنبیل سے ایک پرانا سوٹ بھی برآمد ہو گیا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد باہر نکلا تو میرا حلیہ بدلا ہوا تھا نیلے رنگ کے سوٹ کوٹ کے کالر میں ایک عدد پھول بھی لگا ہوا تھا۔ داڑھی مونچھیں سر پر گیروے رنگ کے کپڑے کی دو پلی ٹوپی ایسی ٹوپیاں ہندوؤں کو عام طور پر پہنے دیکھا تھا۔ ماتھے پر انگریزی کے حرف یو شیپ کا تلک اور بائیں گال پر بڑا سا سیاہ مسہ تھا یہ مسہ رادھا نے کسی چیز سے تیار کر کے گال پر چپکا دیا تھا اور میری آنکھوں میں نجانے کیا چیز ڈالی تھی کہ آنکھیں بالکل سرخ ہو گئی تھیں میرے ایک کان میں کلپ والا بندہ تھا یہ بندہ میں نے ایک مرتبہ پہلے بھی لگایا تھا جو لڑائی میں گر گیا تھا۔ گلے میں سرخ پٹے کا ڈاٹ والا مفلر تھا اس حلئے میں میں کوئی غنڈہ ہی لگتا تھا۔

کاٹیج سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد میں پہاڑی رستے پر مڑ گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں بس اسٹینڈ کے علاقے میں پہنچ گیا اتنے روز سے یہاں مار دھاڑ کرتے ہوئے میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ کس علاقے میں کس قسم کے لوگ رہتے ہیں بس اسٹینڈ کے علاقے میں اگرچہ چند اچھے اعلیٰ معیار کے ہوٹل گیسٹ ہاؤسز اور ریستوران بھی تھے مگر مجموعی طور پر آبادی کو متوسط درجے کا قرار دیا جا سکتا تھا۔ مزدور طبقے کے لوگ بھی زیادہ تر اسی علاقے کے گرد و نواح میں آباد تھے اور ظاہر ہے جہاں اس قسم کی آبادی ہو وہاں مجھ جیسے غنڈوں کو ہاتھ پیر مارنے کا موقع مل جاتا ہے۔

شام کے وقت یہاں بڑی چہل پہل اور رونق ہوتی تھی اٹھائیس کلومیٹر دور آبو روڈ ریلوے اسٹیشن پر جے پور اور احمد آباد کی طرف سے دو ٹرینیں آتی تھیں ان کے مسافر بسوں کے ذریعے ماؤنٹ آبو آتے تھے اور یہ بسیں سات بجے کے قریب یہاں پہنچتی تھیں۔ باڑمیر، جودھ پور، جے پور، احمد آباد اور ودھ پور سے آنے والی بسیں بھی شام چھ سے نو بجے کے دوران وقفے وقفے سے یہاں پہنچتی تھیں اور اس وجہ سے یہاں خاصی رونق ہو جاتی تھی۔ بس اسٹینڈ کے علاقے میں رات کے وقت چہل پہل کی ایک وجہ وہ ریڈ لائٹ ایریا بھی تھا اور شکار گاہ بھی تھیں میں نئے شکار کی تلاش میں آیا تھا اور تھی سیر و تفریح کے لئے۔

اس روز دیودن نے بتایا تھا کہ ناگ راج، گوپال کے بنگلے میں چھپا بیٹھا ہے اور وہیں سے ہدایات جاری کر رہا ہے اس کے ساتھ بیلا اور شنکر بھی تھے۔ بیلا کو تو میں اچھی طرح جانتا تھا مگر شنکر میرے لئے اجنبی تھا تاہم ان دونوں کے بارے میں رادھا نے مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا۔

گوپال ماؤنٹ آبو میں تین گیسٹ ہاؤسز، جنگل کنارے پانچ عدد کاٹیج اور ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک تھا۔ اس کے فلیٹ میں چھ سات بسیں تھیں جو ماؤنٹ آبو سے راجستھان کے مختلف شہروں تک چلتی تھیں۔ ایک بس کا روٹ تو دہلی تک تھا۔

ناگ راج جب شروع میں یہاں آیا تھا تو اس نے گوپال جیسے لوگوں کی مدد سے ہی یہاں قدم جمائے تھے ان دنوں گوپال کے پاس صرف ایک کھٹارہ سی بس تھی جو اودھے پور کے روٹ پر چلا کرتی تھی اس کے علاوہ وہ کچھ عورتوں کا دھندا بھی کرتا تھا۔ ایک گیسٹ ہاؤس کے منیجر سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی اور اس کے توسط سے وہ سیاحوں کو عورتیں سپلائی کرتا تھا اور ان سے ملنے والا کمیشن آپس میں بانٹ لیتے تھے مگر ناگ راج سے ملاقات کے بعد اس کے دن پھرنے لگے۔ کھٹارہ بس کی جگہ لگژری کوچ نے لے لی اور وہ گیسٹ ہاؤس بھی گوپال نے خرید لیا اور پھر چند ہی برسوں میں اس کا شمار شہر کے معززین میں ہونے لگا شہر میں آنے والے سیاحوں کو عورتیں سپلائی کرنے والا دولت مند ہوتے ہی معزز بن گیا تھا۔ لوگ اس کے ماضی کو بھول گئے تھے لیکن اس شہر میں ایک ایسی ہستی بھی تھی جو گوپال کے لگائے ہوئے زخموں کو نہیں بھولی تھی۔

وہ لکشمی تھی گوپال کی سابقہ رکھیل۔ اس نے برے وقتوں میں گوپال کا ساتھ دیا تھا۔ اسے کما کر دیتی رہی تھی لیکن جب گوپال کے پاس دولت آئی تو وہ لکشمی کو بھول گیا۔ ان کی آخری ملاقات ایک بڑی بھیانک قسم کی لڑائی پر ختم ہوئی تھی۔ لکشمی نے چوراہے پر سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں سینڈل سے گوپال کی پٹائی کی تھی اور گوپال نے اسے بالوں سے پکڑ کر سڑک پر گھسیٹا تھا دونوں ایک دوسرے سے گتھم

گتھا ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اگر پولیس والے میدان میں نہ کود پڑتے تو گوپال لکشمی کے ہاتھوں مارا جاتا یا لکشمی گوپال کے ہاتھوں ختم ہو جاتی وہ رات ان دونوں نے حوالات میں کاٹی تھی اور آخر کار ناگ راج ہی نے انہیں پولیس سے نجات دلائی تھی اس وقت لکشمی نے گوپال کو خوفناک انتقام کی دھمکی دی تھی۔

یہ سب کچھ مجھے رادھا نے بتایا تھا اس بات کو دو سال ہو گئے تھے۔ لکشمی ابھی تک گوپال کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی البتہ گوپال کی حرکتوں نے لکشمی کو ریڈ لائٹ ایریا آباد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رادھا کے کہنے کے مطابق لکشمی خود تو اس دھندے سے ریٹائر ہو چکی تھی البتہ اس نے تین چار لڑکیاں رکھی ہوئی تھیں جو اس کا بزنس چلا رہی تھیں اور اس وقت میں لکشمی سے ملنے کے لئے ہی آیا تھا اور اس علاقے میں آنے کے لئے یہی حلیہ مناسب تھا جو میں نے اختیار کیا تھا۔

میں نے ایک گھٹیا سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر نہایت بدذائقہ چائے زہر مار کی۔ ریسٹورنٹ کے سامنے ہی وہ اندھیری گلی تھی جو ریڈ لائٹ ایریا کہلاتی تھی میں اس ریسٹورنٹ میں بیٹھا اس گلی میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہا اور پھر باہر آ گیا یہاں مجھے اپنے جیسے اور بھی کچھ لوگ نظر آئے تھے جو اس علاقے میں دادا گیری کرتے تھے۔ ایک میرے پاس بھی آ گیا ظاہر ہے ایسے لوگ اپنے علاقے میں کسی اور غنڈے کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"مہاشے" وہ مجھے اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولا "تم لگتے ہو لیکن یہ اپنا علاقہ ہے یہاں تمہاری دادا گیری نہیں چلے گی۔ خیریت چاہتے ہو تو جیسے چپکے سے آئے ہو ویسے ہی دم دبا کر چپکے سے واپس چلے جاؤ"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اس کا قدم پانچ فٹ کے لگ بھگ تھا۔ جسم قدرے بھاری بھرکم' کالی چتون اور دھاری دار پتلون پہنے ہوئے تھا۔ بال لمبے اور الجھے ہوئے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک چھچھوندر سا تھا۔

میں نے اچانک ہی آگے بڑھ کر اسے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور دوسرے ہی لمحے اسے دور پھینک دیا۔ سڑک پر گرتے ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر آگے بڑھ کر اسے دو تین ٹھوکریں رسید کر دیں۔

"تجھ دادا کے منہ لگتا ہے سالا... چیر کے پھینک دوں گا" میں غراتا ہوا پھر آگے بڑھا مگر اس نے فوراً ہی ہاتھ جوڑ دیئے

"گرو... گرو..." وہ چیخ رہا تھا۔ "شما کرو گرو مجھ سے بھول ہوئی۔"

"جاؤ۔ شما کیا" میں نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری "کیا یاد کرو گے..." وہ اٹھ کر ایک طرف کو بھاگ نکلا جب اس نے مجھے للکارا تھا تو اس کے دو تین گرگے بھی قریب ہی جمع ہو گئے تھے مگر اپنے دادا کا حشر دیکھ کر وہ ادھر ادھر کھسک گئے تھے

میں اندھیری گلی میں داخل ہو گیا۔ دونوں طرف مکانوں میں لوگ نظر آ رہے تھے دروازے ساتھ ساتھ تھے۔ بعض دروازے بند تھے اور بعض کھلے ہوئے۔ کھلے ہوئے ہر دروازے کے سامنے دو دو تین تین

نیم عریاں طوائفیں کھڑی تھیں۔ ان دروازوں کے اندر بہت مدہم روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ اس مدہم روشنی کے پس منظر میں طوائفوں کے چہرے واضح طور پر نظر نہیں آ رہے تھے مگر سودے ہو رہے تھے۔ دروازے بند ہو رہے تھے اور کھل رہے تھے میں ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ یہ دو پٹ کا دروازہ تھا۔ جس کا ایک پٹ بند تھا کھلے ہوئے پٹ کے سامنے اسٹول پر جو عورت بیٹھی تھی وہ غالباً اپنے آپ کو اپسرا ہی سمجھتی ہوگی اس نے صرف چولی کوٹ اور اوپر مختصر سا بلاؤز پہن رکھا تھا۔

"باہر کھڑے کھڑے کیا دیکھت ہو بھیتر آؤ" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کسی قدر آگے جھک گئی۔

"لکشمی بائی کہاں ملے گی؟" میں نے پوچھا۔

"ارے اپن کو بھی چکھ کر دیکھو۔ لکشمی بائی کو بھول جاؤ گے" اس نے کہا اسی لمحہ بند کواڑ کے پیچھے سے ایسی آواز سنائی دی جیسے دھینگا مشتی ہو رہی ہو پھر دھڑ سے دروازہ کھلا ایک آدمی باہر گلی میں گرا اس کے پیچھے کوئی کپڑا بھی باہر اچھال دیا گیا میرے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا جس آدمی کو باہر پھینکا گیا تھا وہ برہنہ تھا اور بعد میں اس کی دھوتی پھینکی گئی تھی۔ وہ دھوتی لپیٹتا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ طوائف تھی اس نے کسی وجہ سے اپنے گاہک کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا اور اب اسے گالیاں دے رہی تھی۔ مجھے وہ بھارتی فوجی یاد آ گئے جو 65ء کی جنگ میں پاکستانی مجاہدین کے جوابی حملہ پر اپنی دھوتیاں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

میں نے ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھا۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ مرغی کے ڈربے کی طرح تھا جسے درمیان میں پردہ تان کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا میں آگے بڑھ گیا۔ ایک اور دروازے پر کھڑی عورت سے لکشمی بائی کے بارے میں پوچھا۔ اس نے سامنے والے دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں جیسے ہی اس طرف پہنچا۔ دروازے کے دونوں پٹ بیک وقت کھلے دو آدمی باہر نکلے اور گلی کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ وہاں سے ایک طوائف جیسے ہی باہر نکلی میں نے اس سے لکشمی بائی کے بارے میں پوچھا۔

"لکشمی بائی دھندا نہیں کرتی میرے ساتھ آؤ" اس نے صاف اردو میں جواب دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ راجستھان کی رہنے والی نہیں تھی۔

"میں دھندے کے لئے نہیں آیا اسے کھورا دھانے ایک آدمی بھیجا ہے" میں نے جواب دیا رادھا مجھے بتا چکی تھی وہ اور لکشمی ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر اندر چلی گئی۔ اس کمرے میں دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا اس دوران دوسری طوائف باہر آ گئی اور مجھے پٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ اندر جانے والی طوائف تین چار منٹ بعد واپس آ گئی اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اس کمرے کے پیچھے ایک مختصر سا آنگن تھا اور ایک طرف اوپر جانے کے لئے لکڑی کے تختوں کی سیڑھیاں تھیں۔

"اوپر چلے جاؤ" وہ عورت سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کے واپس چلی گئی۔ آنگن میں اندھیرا تھا۔ میں احتیاط سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ہر تختہ میرے پیروں کے بوجھ سے چرچرا رہا تھا۔ سیڑھیوں کے

اختتام پر چار مربع فٹ جگہ خالی تھی اور آگے دروازہ تھا جو بھڑا ہوا تھا مگر روشنی باہر جھلک رہی تھی۔ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"آ جاؤ دروازہ کھلا ہے" اندر سے کھنکتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک گیا۔ رادھا نے بتایا تھا کہ کلاشی خود اس دھندے سے ریٹائر ہو چکی ہے اور میں نے ذہن میں ایک تصور قائم کر لیا تھا کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہو گی لیکن اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی عمر 35 سے 40 کے درمیان رہی ہو گی رنگت ایسی گوری کہ ہاتھ لگانے سے میلی ہو جانے کا ڈر تیکھے تیکھے نین نقش دراز قامت اور سڈول اور بھرا بھرا سا جسم وہ واقعی اپسرا لگ رہی تھی۔ مجھے گوپال پر بڑا غصہ آیا جس نے اتنی حسین عورت کو چھوڑ دیا تھا۔

وہ کرسی پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ سامنے صوفے پر ایک ادھیڑ عمر آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا جبکہ کلاشی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"تمہیں تو کسی مندر میں ہونا چاہئے تھا مہاشے جی یہاں کیوں آ گئے بیٹھو" میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کلاشی سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"میں تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں کلاشی جی" میں نے کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر ساتھ والے کمرے میں لے گئی میں نے مڑ کر اس آدمی کی طرف دیکھا میری مداخلت اسے پسند نہیں آئی تھی اور وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔

"کہو... کیا بات ہے؟" کلاشی نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے پوچھا۔

"میں گوپال کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں" میں نے جواب دیا میری آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

وہ اس طرح چونک گئی جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو بھویں تن گئیں وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔ میرا مطلب ہے وہ رادھا کون ہے جس کا نام لے کر تم نے نیچے سندیسہ بھیجا تھا۔"

"آشرم والی رادھا جو آج کل ناگ راج گوپال اور پولیس کو مطلوب ہے" میں نے جواب دیا۔

"تت... تم..... کیا تم وہی ہو جو"

"تم ٹھیک سمجھ رہی ہو" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں اطمینان سے بات کرنا چاہتا ہوں مگر تمہارا یہ مہمان"

"میرا پرانا عاشق ہے۔ کبھی کبھی باتیں کرنے کے لئے تھوڑی دیر کو آ جاتا ہے۔ اس سے مجھے موٹی رقم مل جاتی ہے۔ اس لئے انکار نہیں کرتی۔ تم یہاں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں" کلاشی کہتے ہوئے اس کمرے میں واپس چلی گئی۔

یہ بیڈ روم تھا۔ بہت شاندار میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا ادھر ادھر دیکھنے لگا تقریباً دس منٹ بعد اس

کمرے کا باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر کلاشی درمیانی دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر عجیب سنسنی کے سے تاثرات ابھر آئے تھے وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو" وہ بولی اس کے لہجے میں بھی ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔ "وہ لوگ جہنم کی بلاؤں کی طرح تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور تم اس طرح آزادی سے گھوم رہے ہو۔"

"اگر مجھے کوئی خوف ہوتا تو کسی بل میں گھس کر بیٹھا رہتا" میں نے جواب دیا۔

"گوپال کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس نے کہا۔

"کلاشی کی اب تک کی باتوں سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اب بھی انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اور گوپال کے خلاف کسی بھی کارروائی میں میرا ساتھ دینے سے نہیں ہچکچائے گی۔ میں چند لمحوں تک اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات سے بھی اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ میں نے اس کے اور گوپال کے حوالے سے رادھا کی بتائی ہوئی کچھ باتیں دہرائیں تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو" وہ بولی "میں گوپال کو نرک تک پہنچانے کے لئے آخری حد تک جانے کو تیار ہوں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ گوپال کو شہر کے اسی چوراہے پر اپنے قدموں میں تڑپ تڑپ کر دم توڑتے ہوئے دیکھوں جہاں اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچا تھا۔ آج بھی مجھے وہ سب کچھ یاد آتا ہے تو میرا خون کھول اٹھتا ہے۔"

"بالکل ویسا ہی ہو گا جیسا تم چاہتی ہو" میں نے کہا۔ "مگر اس کے لئے مجھے تمہارے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے۔" میں چند لمحے خاموش ہوا پھر اسے بتانے لگا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

"گوپال اس بنگلے میں نہیں ہے" میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا "میں اگرچہ اب تک اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکی مگر اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں سات آٹھ روز پہلے جب تم نے دریودن کو قتل کیا تھا اس سے اگلے ہی روز اس نے وہ بنگلہ چھوڑ دیا تھا۔ ناگ راج بہت بے رحم اور سفاک آدمی ہے وہ آج تک بیسیوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے لیکن اب اسے اپنا جیون خطرے میں نظر آ رہا ہے تو وہ چھپتا پھر رہا ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارا اصل نشانہ وہی ہو گا اور جس طرح تم اس کے آدمیوں کو یکے بعد دیگرے ختم کرتے جا رہے ہو اس کے دل میں تمہارا خوف بیٹھتا جا رہا ہے اسے یقین ہے کہ تم اس تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔ ایک بار تو وہ تمہارے ہاتھ آ بھی گیا تھا۔ تم نے اس کی پٹائی کر کے اسے گھائل کر دیا اور اس کے سامنے روی پنڈت کو مار ڈالا اس رات تم ناگ راج کو جس طرح چھوڑ گئے تھے اس کے قریبی حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تم نے کسی وجہ سے اس کا جیون دان کیا تھا۔ تم کسی خاص موقع کی تلاش میں ہو اس لئے وہ بار بار ٹھکانے بدل رہا ہے۔ شہر بھر کی پولیس اور اس کے بیسیوں آدمی اب تک تمہارا کھوج نہیں لگا سکے۔ وہ تمہیں چھلاوہ سمجھتے ہیں۔"

"تمہیں یہ ساری کتھا کیسے معلوم ہوئی میرا مطلب ہے ناگ راج کو زخمی کرنے والی بات؟" میں نے پوچھا۔

"اس گروہ میں میرے بھی کچھ ہمدرد ہیں۔" کلاشی نے جواب دیا "وہ لوگ اگرچہ قابل اعتما

نہیں ہیں لیکن مجھے ان سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں اور پھر یہ بات تو پورے شہر میں پھیل چکی ہے کہ ناگ راج تمہارے ہاتھوں گھائل ہوا تھا۔"

وہ لوگ اب کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "ناگ راج اور گوپال۔"

"اس کاٹیج میں جہاں اس رات دریودن کو قتل کرنے کے بعد تم نے اور رادھا نے پناہ لی تھی اور پولیس والوں کو ننگا کر کے باندھ گئے تھے۔" لکشمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ" میں چونک گیا "تم بہت کچھ جانتی ہو"

"جانکاری رکھنی پڑتی ہے" لکشمی نے کہا "میں رنڈی ہوں میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں اور بہت سی باتیں بغیر پوچھے ہی معلوم ہو جاتی ہیں۔

"مگر تم تو اب دھندا نہیں کرتیں" میں نے کہا۔

"بہت سے لوگ میرے قریب بیٹھنے کو ہی فخر سمجھتے ہیں" لکشمی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ہاں تم چیز ہی ایسی ہو" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"دریودن کے آدمی تم لوگوں کو جھیل والی تفریح گاہ کے آس پاس ڈھونڈتے رہے کیونکہ وہ کار بھی تفریح گاہ سے کچھ فاصلے پر مل گئی تھی جس پر تم لوگ دریودن کو قتل کرنے کے بعد فرار ہوئے تھے پھر شہر میں بھی تمہاری تلاش شروع ہو گئی۔ صبح جھیل میں ایک ملاح کی لاش ملی اور دوسرے کنارے پر ایک کشتی بھی مل گئی تو اس طرف بھی تمہاری تلاش شروع کر دی گئی۔ اور دس بجے کے قریب وہ لوگ اس کاٹیج تک پہنچ گئے جہاں دونوں پولیس والے بندھے پڑے تھے ان پولیس والوں نے ہی یہ انکشاف کیا تھا کہ تم دونوں نے رات اس کاٹیج میں گزاری تھی اور پکڑے جانے کے بعد انہیں دھوکے سے باندھ کر فرار ہو گئے" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ناگ راج کو شبہ تھا کہ تم ایک دو دن میں گوپال کے بنگلے تک بھی پہنچ جاؤ گے۔ اس نے بھی تمہاری ہی چال پر عمل کیا یعنی اس کاٹیج کا انتخاب کیا ہے جس پر تمہیں شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کاٹیج میں ان کی منتقلی بڑی راز داری سے عمل میں آئی تھی۔"

"لیکن تمہیں کیسے پتہ چل گیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس سے اگلے ہی روز گوپال کا ایک آدمی متھیا کی ایک لونڈیا کو لے گیا تھا۔" لکشمی نے جواب دیا "ناگ راج میں زہر بھرا ہوا ہے اور جب تک یہ زہر اس کے خون سے نکال نہ دے اسے چین نہیں پڑتا۔"

متھیا کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک پرائیوٹ سپلائر۔" لکشمی نے کہا۔ "بڑے بڑے لوگوں کو لونڈیاں سپلائی کرتا ہے اس کے پاس ایک سے ایک حسین لونڈیا ہے لیکن مجھ پر مرتا ہے اسے اگرچہ گوپال کی طرف سے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ اس نے کسی کو یہ بتایا کہ اس رات لونڈیا کہاں گئی تھی تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا لیکن متھیا مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھتا ہے تو اس کی زبان فر فر چلنے لگتی ہے۔"

"اور یہ شنکر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس شہر کا سب سے بڑا بدمعاش ہے" لکشمی نے جواب دیا "وہ بھی ناگ راج ہی کی طرح بہت سے رحم اور بے حد سفاک آدمی ہے بلکہ درندہ ہے۔ آدمی کو ٹانگوں سے پکڑ کر چیر دیتا ہے شہر کے سارے بدمعاش اس کے نام سے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ ناگ راج نے اسے خاص طور پر اپنے قریب رکھا ہوا ہے۔"

"ناگ راج، گوپال، بیلا اور شنکر" میں نے یہ نام دہرائے "اور کتنے آدمی ہیں اس کاٹیج میں؟"

"ایک دو اور ہوں گے زیادہ نہیں۔" لکشمی نے جواب دیا۔ "ناگ راج یہ بھی سمجھتا ہے کہ زیادہ بھیڑ بھاڑ اس کا راز فاش کر سکتی ہے اس لئے اس نے اپنے قریب صرف دو چار ایسے آدمی رکھے ہیں جو ضرورت کے وقت اپنی جان لڑا دیں۔"

"میں صحیح تعداد معلوم کرنا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"کل معلوم کر کے بتا سکوں گی لیکن کیسے بتاؤں گی تمہارا اس طرح آزادی سے پھرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔" لکشمی نے کہا۔

"کل شام ٹھیک آٹھ بجے میں تمہیں اپ ٹو ڈیٹ (؟) کے پریم نواس ریسٹورنٹ میں ملوں گا۔" میں نے اسے رتنا والے ریسٹورنٹ کا پتہ بتا دیا۔ "میرے خیال میں اس کاٹیج میں ٹیلی فون تو نہیں ہے لیکن۔"

"گوپال کے پاس سیلولر فون ہے میں اس کا نمبر معلوم کر لوں گی۔" لکشمی نے بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اگر تمہارے چہرے پر یہ داڑھی مونچھیں اور گال پر مسہ نہ ہو تو تم یقیناً بہت شاندار ہو گے" اس نے بھی اٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مطمئن رہو وقت آنے پر میں تمہیں اپنی اصل صورت بھی دکھا دوں گا۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ لکشمی نے باہر کا دروازہ کھول کر کسی لڑکی کا نام لے کر آواز دی۔

"جی ماتا رانی" نیچے سے فوراً ہی آواز سنائی دی

"اندر کوئی ہے تو نہیں۔ مہمان جا رہا ہے" لکشمی نے کہا۔

"نہیں ماتا رانی" نیچے سے جواب ملا۔

میں نے لکشمی کی طرف دیکھا اور پھر سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس اندھیری گلی سے نکل کر میں جیسے ہی سڑک پر پہنچا تین چار غنڈوں نے مجھے گھیر لیا ان میں ایک وہ بھی تھا جسے میں نے اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔ ان کے ارادے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ اس وقت تو وہ غنڈہ گردو کہتا ہوا بھاگ گیا تھا اور اب اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے مجھے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ میں اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ لڑائی سے میرا کام

کوشش میں چاقو کی نوک میری کلائی کی کھال کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ اس نے تیسرا وار کیا تو میں نے جھکائی دے کر اس کی کلائی پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اسے گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا ایک موقع پر اس نے مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن خود اس کی گردن میری گرفت میں آ گئی۔ میں اس کی گردن کو زوردار جھٹکے دیتا رہا اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا اور آخر کار ایک اور زوردار جھٹکے سے کڑک کی آواز ابھری اور وہ میرے ہاتھوں میں مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے اسے فرش پر پھینک دیا وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر رادھا کی رسی کھول دی وہ کرسی سے اٹھ کر اپنی کلائیاں سہلانے لگی۔

"تم باہر گئی تھیں" میں نے رادھا کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارے پیچھے گئی تھی" رادھا نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اتفاق سے میں نے اسے اپنے پیچھے دیکھ لیا اور واپس آ گئی لیکن یہ کم بخت بھی میرے پیچھے یہاں تک پہنچ گیا اس نے اچانک ہی اندر گھس کر مجھے دبوچ لیا۔"

"اچھا ہوا میں بروقت پہنچ گیا ورنہ یہ تمہیں مار ڈالتا ویسے یہ ہے کون؟" میں نے لاش کی طرف دیکھا۔

"ہو گا اسی گروہ کا کوئی بدمعاش" رادھا نے جواب دیا۔

اور پھر ہم سوچنے لگے کہ لاش کو کیسے ٹھکانے لگایا جائے باہر کہیں پھینکنا مناسب نہیں تھا کیونکہ اسے کندھے پر لاد کر زیادہ دور نہیں لے جایا جا سکتا تھا اور پھر یہی طے ہوا کہ عقبی لان میں گڑھا کھود کر لاش کو دبا دیا جائے

رات کو میں نے رادھا کو لکشمی سے ملاقات کی تفصیل بھی بتا دی تھی اور جب میں نے بتایا کہ آج شام آٹھ بجے مجھے پریم لوٹس ریسٹورنٹ میں لکشمی سے ملاقات کرنی ہے تو رادھا بھی میرے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔

"دو سال پہلے جب گوپال سے لکشمی کا جھگڑا ہوا تھا تو انہی دنوں اس سے میری آخری ملاقات ہوئی تھی۔" رادھا نے کہا۔ "اس کے بعد وہ کچھ عرصہ لاپتہ رہی۔ آج میں بھی اس سے مل لوں گی۔"

باہر نکلنے کے لئے ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ بھیس بدلنے کا تھا۔ مجھے تو خیر کل والے گیٹ اپ میں ہی جانا تھا لیکن رادھا کے سلسلے میں کچھ پریشانی تھی جو شخص کل میرے ہاتھوں مارا گیا تھا وہ ٹھاکر راج بلی کے گروہ کا تھا۔ اس نے رادھا کو کسی طرح پہچان لیا تھا اور اپنے بڑوں کو اطلاع دینے کے بجائے اس نے اکیلے ہی رادھا کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ میرا پتہ معلوم کر کے پانچ لاکھ روپے کا انعام حاصل کر سکے اور یہ لالچ ہی اس کی موت کا باعث بن گیا تھا۔

رادھا نے بلیک جینز اور میرون رنگ کی ٹی شرٹ پہن لی۔ بالوں کا اسٹائل اور چہرے کا حلیہ بھی بدل لیا۔ آنکھوں پر عینک لگا لینے سے چہرہ کچھ اور مختلف ہو گیا۔

ہم کاٹیج سے نکل کر مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے تقریباً پچیس منٹ بعد پریم لوٹس

ریسٹورنٹ میں پہنچ گئے۔ اس وقت ٹھیک آٹھ بجے تھے۔ ریسٹورنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ میں نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جس کے ساتھ ہی سائیڈ اسٹریٹ کا دروازہ بھی تھا اور وہاں سے سامنے والے دروازے پر بھی نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

آرڈر لینے کے لئے ویٹرس آئی تھی وہ اس وقت بھی مجھے نہیں پہچان سکی تھی اس کے جانے کے ٹھیک دو منٹ بعد میں نے لکشمی کو دروازے میں دیکھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور عورت کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

وہ نیلا تھی جینز اور اونچی شرٹ میں جس کے اوپر کے بٹن کھلے ہوئے تھے نیچے دامن کے دونوں کناروں پر بڑی طرح گرہ لگی ہوئی تھی۔ شرٹ خاصی اونچی تھی اور اس کا پیٹ برہنہ ہو رہا تھا۔

اس نے دروازے میں رک کر ایک لمحہ کو ادھر ادھر دیکھا اور پھر نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی ہماری میز کی طرف بڑھنے لگی۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔

نیلا ہماری میز کے قریب آ کر رک گئی اور پھر بے تکلفی سے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی اور مجھے اپنا دل پسلیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

نیلا پلک جھپکے بغیر مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں میرے وجود میں پاتال تک اترتی جا رہی تھیں۔ نیلا سے کئی مرتبہ میرا آمنا سامنا ہوا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے اتنا قریب رہے تھے کہ جتنا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تھر کے تپتے ہوئے صحرا میں واقع اس پہاڑی غار میں کالی کے مندر میں بیتنے والے وہ لمحات تو میں کبھی نہیں بھلا سکتا جب نیلا میری سانسوں میں سما جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ میری دشمن جان تھی لیکن ان لمحات میں وہ بھی ایسے کئی سوالات فراموش کر بیٹھی تھی اور میں بھی۔ اس کے بعد بھی ایسے کئی مواقع آئے تھے جب ہم نے بیچ کے تمام فاصلے مٹا دیئے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا لیکن ان لمحات کی کیفیت کچھ اور تھی۔ اب اس کی نظروں میں نہ سحر تھا نہ دل میں گدگدی پیدا کرنے والی کشش۔ بے پناہ سرد مہری تھی ان نظروں میں کاٹ تھی چبھن تھی۔

وہ ناگن تھی جو مجھے ڈسنے کیلئے یہاں آئی تھی۔ میرا دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر غیر ارادی طور پر ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا باہر اس کے کچھ ساتھی موجود ہوں گے لیکن ریسٹورنٹ کے سامنے دروازے کے باہر اور اطراف میں لگے ہوئے شیشوں کے پار جہاں تک میری نظر گئی کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا۔ ریسٹورنٹ کے اندر بھی ایسا کوئی آدمی موجود نہیں تھا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا۔

میری نظریں لکشمی کی طرف اٹھ گئیں جو ہم سے تین میزوں کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لکشمی اور نیلا تقریباً ایک ساتھ ہی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی تھیں اور پھر نیلا تو ہماری میز کی طرف آ گئی تھی جبکہ لکشمی نے اچانک ہی اپنا رخ بدل لیا تھا اور دوسری میز پر جا بیٹھی تھی۔

میرے دل میں اچانک ہی خیال ابھرا۔ لکشمی سے آج کی ملاقات کا پروگرام تقریباً چوبیس گھنٹے پہلے بنا تھا۔ میرا اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ ہر کسی نے اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کر کے پہلے میرا اعتماد حاصل

سے ہٹ گئی۔

"ناگ راج کسی انسان کا نام نہیں۔ وہ ناگ راج ہے۔ موت کا فرشتہ.... تمہیں چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہے۔" بیلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس روز محض اتفاق تھا کہ تمہارا داؤ چل گیا تھا۔"

"اور یہ اتفاق دوبارہ بھی پیش آ سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اس مرتبہ وہ بچے گا نہیں جس طرح اس روز میں نے اس کے زہریلے ناگ کا سر کچل دیا تھا اسی طرح اس کا سر بھی کچل دوں گا۔"

"تم اپنے بارے میں بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔" بیلا نے کہا۔

"دو چار آدمیوں کی ہتیا کر کے تم سمجھتے ہو کہ ناگ راج کو مار ڈالو گے۔ اس کے گرد دیودن اور روی پنڈت سے زیادہ خطرناک آدمیوں کا حصار ہے تم اس تک کبھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

"گوپال اور شنکر!" میں مسکرا دیا۔ "میں جب تمہارے گرو گھنشال تک پہنچنا چاہوں گا تو یہ لوگ میرا راستہ نہیں روک سکیں گے۔"

بیلا ایک بار پھر اچھل پڑی۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر متغیر ہو گیا۔ وہ میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر رادھا کی طرف دیکھنے لگی۔

"اسے مت گھورو، وہ بے چاری ان باتوں سے بالکل لاعلم ہے۔" میں نے کہا۔

"لو چائے پیو۔ کہو تو وہسکی منگوا دوں۔ تمہیں شاید اس وقت اس کی ضرورت ہو۔" میں نے ایک کپ اس کی طرف سرکا دیا۔ اسی وقت رتنا بھی ایک کپ اندر رکھ کر چلی گئی۔

بیلا ایک بار پھر میری طرف دیکھنے لگی۔ میری باتوں نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ اس کا اظہار اس کی آنکھوں اور چہرے سے ہو رہا تھا۔

"تت.... تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" اسے اپنے لہجے پر بھی قابو نہیں رہا تھا۔

"میں ناگ راج کے بھیڑیوں سے بچنے کے لئے روپوش ضرور ہوں لیکن حالات سے بے خبر نہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں تو تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ ناگ راج اس وقت چوہے کی طرح کس بل میں چھپا ہوا ہے۔"

"کہاں؟" اس نے غیر ارادی طور پر پوچھ لیا۔

"جیل جاگی کے اسی کاٹیج میں جہاں دریودن کو ٹھکانے لگانے کے بعد تم نے اور رادھا نے رات کا باقی حصہ گزارا تھا اور وہ پولیس والوں کو ننگا کر کے باندھ گئے تھے۔"

"اوہ!" بیلا کے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکلا جیسے غبارے میں سے ہوا نکل گئی ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا اور کندھے جھک گئے۔ پورا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔

"حیران ہو رہی ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "میں یہاں اجنبی ہوں لیکن ناگ راج کے ڈکیتوں کی پوری فوج میرا سراغ نہیں لگا سکی مگر میں اس کی تمام سرگرمیوں سے واقف ہوں اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ جب چاہوں اس ناگ کا سر کچل سکتا ہوں لیکن اسے بے بسی کی موت مارنا چاہتا ہوں جسے ماؤنٹ آبو کے باسی عرصہ تک یاد رکھیں۔ پہلے میں ایک ایک کر کے اس کے گرگوں کا خاتمہ کروں گا جن پر اسے ناز ہے۔ اسے بالکل اکیلا کر دوں گا اور پھر اس پر ہاتھ ڈالوں گا۔ اس کی

بے بسی کا تماشا تم بھی دیکھو گی۔"

"ناممکن۔" بیلا کی نظریں اب بھی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "سب کچھ جاننے کے باوجود تم غلطی کر رہے ہو۔ یہاں تمہاری لاش پر کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہی ہوں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

"میں اس شہر سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک ناگ راج کو نرک میں نہ پہنچا دوں۔ اس کی زندگی میری قوم کی تباہی ہے۔ میں ناگ راج کو اس کے تیار کئے ہوئے زہر سے ختم کرنے کے بعد ایک لمحہ بھی نہیں رکوں گا اور اس وقت اگر تم بھی میرے ساتھ جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور نہ رادھا کو۔"

بیلا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تمہاری باتیں سننے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے کہ تمہیں زندہ رہنے کیلئے ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دی جائے لیکن نہ جانے کیوں مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ ترس آ رہا ہے تم پر.... میں تمہیں دو دن کی مہلت دے رہی ہوں، موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کوئی تمہارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بصورت دیگر ایسے حالات ہو جائیں گے کہ فرار کا کوئی راستہ نہ پا کر تم آتما ہتیا کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"مجبور وہ لوگ ہوتے ہیں جو کمزور اور بزدل ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نہ تو کمزور ہوں اور نہ بزدل اس لئے میں تو اپنا مشن پورا ہونے سے پہلے فرار کی کوشش کروں گا اور نہ ہی بقول تمہارے آتما ہتیا کروں گا۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھے واقعی تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں اپنی فکر کرو تم؟" میں مسکرا دیا۔

"تمہارے پاس دو دن ہیں۔" بیلا نے کہا۔ "کل کا دن اور پرسوں تک تم آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا لیکن پرسوں شام کا سورج غروب ہونے کے بعد تمہاری زندگی کی ضمانت ختم ہو جائے گی۔ تم مجھے بہت یاد آؤ گے اب میں چلتی ہوں۔"

"کہاں جاؤ گی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ظاہر ہے ناگ راج کے پاس۔" وہ بولی۔

"اگر تم ایک دلچسپ تماشا دیکھنا چاہتی ہو تو آج رات وہاں نہ جاؤ۔ یا کم سے کم ناگ راج کو یہ مت بتاؤ کہ میں اس کے کاٹیج سے واقف ہوں۔"

"تو کیا ہو گا؟" بیلا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تمہارا وہ گرو گھنشال آج رات ہی کاٹیج چھوڑ کر کہیں اور غائب ہو جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بیلا چند لمحے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی۔ باہر جانے سے پہلے اس نے کاؤنٹر پر چائے کا بل بھی ادا کر دیا تھا۔ میں رادھا کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ہمارے بائیں طرف والی میز پر ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک جوان آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ عورت کی رنگت گہری سانولی اور چہرے کے نقوش بس واجبی سے تھے۔ وہ بس ایسی ہی تھی کہ ایک بار دیکھیں اور دوسری بار دیکھنے کی خواہش نہ ہو۔ اس کے برعکس مرد بڑا خوبرو تھا۔ اس کی عمر بھی تیس بتیس سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ یقیناً اس بدنما عورت کا شوہر تھا اور احساس کمتری کا شکار بھی جس شخص کے ساتھ بیلا اور رادھا جیسا میں بیٹھی ہوئی ہوں اس پر رشک تو آنا ہی چاہیے یا اسے دیکھ کر اپنا خون کھولنا چاہیے اور میرا خیال ہے وہ شخص اس وقت کسی ایسی ہی کیفیت میں جتلا تھا۔

"میری نظریں مختلف لوگوں کے چہروں کا جائزہ لیتی ہوئی لکشمی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ جس میز پر بیٹھی تھی وہاں پہلے سے ہی کالا بھجنگ سا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور لکشمی نے فوراً ہی اس سے باتیں شروع کر دی تھیں جیسے ان میں پرانی دوستی ہو اور اتفاق سے ملاقات ہوئی ہو۔ وہ شخص یقیناً اپنی قسمت پر ناز کر رہا ہوگا۔"

بیلا کو دیکھ کر لکشمی کے خلاف میرے دل میں نفرت کے جو جذبات ابھرے تھے وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ لکشمی نے مجھ سے غداری نہیں کی تھی بلکہ بیلا کا یہاں پہنچ جانا محض اتفاق تھا۔ ویسے لکشمی نے عقل مندی کی تھی کہ وہ ہماری طرف آنے کے بجائے دوسری میز پر چلی گئی اور میرا خیال ہے کہ بیلا اسے نہیں جانتی تھی۔ اس نے واپس جاتے ہوئے بھی لکشمی کو دیکھا تو ضرور ہوگا مگر اس پر توجہ دیئے بغیر نکل گئی تھی۔

"چلیں؟" میں نے رادھا کی طرف دیکھا۔ "اب یہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"اور لکشمی سے ملاقات؟" رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اس کا رخ چونکہ میری طرف تھا اس لئے وہ لکشمی کو نہیں دیکھ سکی تھی۔

"وہ سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔" میں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ "لیکن اب کھلے عام لکشمی سے ملنا مناسب نہیں عین ممکن ہے بیلا نے جاتے جاتے کسی کو ہماری نگرانی کیلئے کہہ دیا ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ لکشمی ان کی نظروں میں آجائے۔

میں نے رتنا کو ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا کر بل لانے کو کہا تو اس نے بتایا کہ بل تو میڈم نے جاتے جاتے ادا کر دیا تھا۔ مجھے معلوم تو تھا میں بیلا کو کاؤنٹر پر بل کی ادائیگی کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ ویٹریس سے تو میں نے اخلاقاً پوچھ لیا تھا۔

لکشمی کی میز کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے سرسری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ رادھا بھی اجنبی بن کر اس کے قریب سے گزر گئی۔

تقریباً نو بجے کا وقت تھا۔ بازار میں بڑی چہل پہل تھی۔ ہم ریسٹورنٹ سے نکل کر تقریباً پچاس گز آگے سرات سپر سٹور کے سامنے رک گئے اور شو ونڈو میں سجی ہوئی چیزیں دیکھنے لگے۔ ریسٹورنٹ سے نکلنے کے بعد میں نے صرف ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس وقت لکشمی کو اس کالے بھوت کے ساتھ ریسٹورنٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

میں شو ونڈو میں رکھی ہوئی چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے رادھا سے باتیں کر رہا تھا۔ لکشمی اس کالے بھوت کے ساتھ ہمارے قریب رک گئی۔ وہ رادھا کے ساتھ لگی کھڑی شو ونڈو کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے اپنے ساتھی سے کچھ کہہ رہی تھی اور وہ پھر دونوں وہاں سے آگے نکل پڑے۔ دو منٹ بعد رادھا بھی میرا ہاتھ پکڑ کر آگے چل پڑی۔ اس نے کاغذ کی ایک گولی اپنے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں منتقل کر دی تھی۔ کاغذ کی یہ گولی لکشمی نے اس وقت رادھا کے ہاتھ میں تھما دی تھی جب وہ اس کے ساتھ جڑ کر کھڑی تھی۔

میں ایک جگہ رک کر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔ میں نے گولی کی طرح مڑا تڑا ہوا وہ کاغذ کھول لیا۔

کاغذ پر سیلولر فون نمبر اور اس کے نیچے تین نام لکھے ہوئے تھے۔ گوپال شنکر اور دو بے۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کاٹیج میں ناگ راج اور بیلا کے علاوہ صرف یہی تین آدمی تھے۔ میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ٹیلی فون بوتھ ادھر ہے۔" رادھا نے میرا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

ہم چند گز آگے ایک پبلک ٹیلی فون کے قریب آ گئے۔ بوتھ میں پہلے ہی سے ایک آدمی موجود تھا۔ مجھے دو تین منٹ انتظار کرنا پڑا۔ پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا تو میں بوتھ میں گھس گیا۔ رادھا بھی میرے ساتھ اندر آ گئی تھی۔ بوتھ میں جگہ کم ہونے کی وجہ سے وہ میرے ساتھ جڑی کھڑی تھی۔

میں نے ہک پر لٹکا ہوا ریسیور اٹھا کر سلاٹ میں مطلوبہ سکے ڈالے اور نمبر ملانے لگا۔ رابطہ تقریباً دو تین سیکنڈ بعد قائم ہو سکا تھا۔ دوسری طرف سے کال ریسیو کرنے والے کی آواز خاصی بھاری تھی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تمہیں کس سے بات کرنی ہے۔" اس کا لہجہ بڑا کھردرا تھا۔

"ناگ راج سے بات کراؤ۔" میں نے بھی اس مرتبہ کرخت لہجے میں کہا۔

"میں جے پور سے بول رہا ہوں۔ چیف منسٹر کا سیکرٹری رام اوتار بول رہا ہوں۔"

"ایک منٹ ہولڈ کریں مہاراج... میں ابھی مہاراج کو فون دیتا ہوں۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔

اور پھر ایک منٹ سے پہلے ہی ناگ راج کی پھنکارتی ہوئی سی آواز میرے کان سے ٹکرائی۔

"کون ہو تم؟ کیا نام بتایا تم نے۔ ہاں رام اوتار.... میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔ چیف منسٹر ہاؤس میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ تم کون ہو؟"

"تمہارا گرو۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کیا بکتے ہو.... کون ہو تم؟" ناگ راج غرایا۔

"بکتا نہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں تمہارا گرو ہوں ناگ راج۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے آدمی پاگل کتوں کی طرح پورے شہر میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں مگر میرا سراغ نہیں لگا سکے اور میں نے تمہارا پتا چلا لیا اور حقیقت یہ ہے کہ تم کسی بھی وقت میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتے۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔" ناگ راج چیخا۔

"کیا میری سچائی کا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ میں اس وقت تمہارے سیلولر فون پر تم سے بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔ ناگ راج۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔

دو گھنٹوں کے بعد تمہیں زمین بھی پناہ دینے سے انکار کر دے گی۔"

"ناگ راج چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن میں نے فون بند کر دیا اور رادھا کی طرف دیکھتا ہوا بوتھ سے باہر آ گیا۔

"کیا اسے فون کر کے تم نے غلطی نہیں کی؟" رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"دو گھنٹے تو بہت ہیں۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے پہلے وہاں سے بھاگ نکلے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس وقت وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچ رہا ہوگا مگر نہیں اس کے سر پر تو بال ہی نہیں ہیں۔ شاید اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہوگا۔ میں اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے واقعی پاگل کر دینا چاہتا ہوں۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟" رادھا نے پوچھا۔

"تھوڑا گھومیں پھریں گے کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ تم جیسی حسینہ کے ساتھ گھومتے ہوئے کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ دیکھو... لوگ کس طرح للچائی ہوئی نظروں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ کچھ لوگ میری قسمت پر رشک کر رہے ہوں گے اور کچھ مجھے کوس رہے ہوں گے۔ آؤ اس طرف چلتے ہیں۔"

ہم دونوں ایک طرف چلنے لگے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے مرد واقعی للچائی ہوئی نظروں سے رادھا کو گھور رہے تھے۔ جینز اور ٹی شرٹ میں رادھا واقعی لوگوں کے دلوں پر قیامت ڈھا رہی تھی۔

"گرو... گرو مہاراج۔"

میں یہ آواز سن کر چونک گیا۔ مڑ کر دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ شکتی لال تھا۔ وہی غنڈہ جس سے گزشتہ رات میری مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ میرے حلیے کی وجہ سے اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے حلیے کے دو لڑکے اور بھی تھے۔

"گرو مہاراج۔" وہ جھک کر میرے پیر چھوتے ہوئے بولا۔ "آج تو تمہیں ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائے پینی ہوگی گرو۔"

"نہیں بھئی شکتی۔" میں نے کہا۔ "اس وقت میں جلدی میں ہوں پھر کبھی۔ میں صرف چائے ہی نہیں پیوں گا۔ کھانا بھی تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔"

"لونڈیا تو بڑی زوردار ماری ہے گرو۔ یہ کون ہے؟" اس نے میری طرف جھکتے ہوئے کان میں سرگوشی کی۔

میں جواب دینے کے بجائے مسکرا کر رہ گیا تھا اور پھر دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"تمہارے ساتھ کتنے لڑکے ہیں۔ ان میں کوئی تجربے کار ہے یا نہیں۔" میں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی لفڑا؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ "حکم کرو گرو۔ جان لڑا دیں گے۔ ان میں کوئی بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔"

"کام ذرا مشکل ہے کسی کو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے اسے مزید آزمانے کی کوشش کی۔

"میں نے کہا نا کہ جان لڑا دیں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔" میں چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "شنکر کو جانتے ہو؟"

"وہ سالا حرامی۔" شکتی نے گندی گالی دی۔ "اس نے راجو کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ وہ اب بھی ہسپتال میں پڑا ہے۔ اپن لوگ تو اس حرامی شنکر کی تلاش میں ہے۔ وہ سالا غائب ہو گیا ہے۔"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں وہ کہاں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم کو معلوم ہے۔" شکتی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ "جلدی بولو گرو۔ اپن ابھی جا کر اس کا کام تمام کر دے گا۔"

"مجھے بھی شنکر کی طرف کچھ حساب نکلتا ہے۔ اگر تم لوگ ساتھ دو تو میرا حساب بھی برابر ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم آرڈر کرو۔ ہم ابھی دس بیس لڑکوں کو جمع کر کے اس کا حساب کر دوں گا" شکتی نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"زیادہ نہیں چار پانچ لڑکے کافی ہوں گے۔ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ دو تین اور لے لو مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔ شنکر کے ساتھ بھی دو تین آدمی ہیں ذرا خطرناک قسم کے تم لوگوں کو بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"تم چنتا مت کرو گرو۔ تمہیں اس کا پتہ بتاؤ اور تم گھر جا کر آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہم آج رات شنکر کا باجا بجا دیں گے۔ کل صبح تم نیوز سنو گے۔"

"آج رات نہیں۔ رات تو بہت لمبی ہوتی ہے۔" میں نے کہا "تمہارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔ وہ اپنا ٹھکانہ بدل دے گا۔"

"تو پھر جلدی بتاؤ۔ دیر مت کرو۔" شکتی بولا۔

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر راستے میں جھیل کے کنارے پہاڑیوں میں اس کاٹیج کا پتہ سمجھانے لگا۔

"وہ... وہ کاٹیج..." شکتی کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "اس کے نیچے ایک تہہ خانہ بھی ہے نا؟"

"بالکل وہی کیا تم وہاں جا چکے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دو مہینے پہلے وہ لوگ راجو کو پکڑ کر وہیں لے گئے تھے۔" شکتی لال نے جواب دیا۔ "اصل میں بات یہ تھی کہ راجو کا اس اشک وادی سے تعلق ہے جسے پولیس اور ناگ راج کے آدمی آج بھی کھوجتے پھر رہے ہیں۔ شنکر یہاں کا بہت بڑا دادا بنا ہوا ہے۔ دوسروں کی چمچہ گیری کرتا ہے سالا۔ ہمیں جب پتا چلا کہ وہ لوگ راجو کو وہاں لے گئے ہیں تو ہم نے فوراً ہی ہلہ بول دیا۔ شنکر کے آدمی راجو کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان سالوں نے بہت تشدد کیا تھا راجو پر اس کی ایک ٹانگ توڑ دی تھی مگر اس کے بعد تو وہ کاٹیج خالی پڑا تھا۔"

"اب شنکر اس کاٹیج میں ہے۔" میں نے کہا۔ "اسے گھیرنے کا اس سے اچھا موقع تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔"

"بس تو ہم چلتا ہوں کل تم سن لو گے کہ شنکر کا باپ کیسے بجا تھا۔" شکتی نے کہا اور ایک بار جھک کر میرے پیر چھوتے ہوئے بولا۔ "مجھے آشیرباد دو داوا۔"

میں نے ہاتھ اس کے سر کے اوپر اٹھا دیا اور زیر لب بڑبڑایا۔ "چڑھ جا بیٹا سولی پر رام بھلی کرے گا۔"

شکتی لال ان دونوں لڑکوں کو لے کر فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شکتی ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کاٹیج پر چڑھ دوڑے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کی مجھے پروا نہیں تھی لیکن ایک بات طے تھی کہ کاٹیج پر شکتی اور اس کے آدمیوں کے حملے سے ناگ راج ضرور بدحواس ہو جائے گا۔ وہ یقیناً یہ سمجھے گا کہ حملہ میں نے کرایا ہے۔ اس سے وہ کم از کم یہ اندازہ ضرور لگائے گا کہ میں نے بھی اپنے اردگرد کچھ ایسے لوگ جمع کر لئے ہیں جو اپنی جان کی پروا کئے بغیر اس کے مقابلے پر آ سکتے ہیں۔

میں اور رادھا ایک اور ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔ ہم نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔ بازار سے کچھ چیزیں خریدیں اور اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

آج بیلا سے ملاقات کے بعد مجھے خدشہ تھا کہ میرا تعاقب کرنے کی کوشش ضرور کی جائے گی۔ بیلا نے وعدہ کیا تھا کہ دو دن تک میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اور مجھے اس شہر سے صحیح سلامت نکلنے کا موقع فراہم کیا جائے گا لیکن مجھے بیلا پر اعتماد نہیں تھا البتہ فوری طور پر میں نے اپنے اردگرد کسی مشتبہ شخص کو نہیں دیکھا تھا مگر ڈیڑھ دو گھنٹوں بعد جو کچھ ہونے والا تھا اس کے بعد میری تلاش میں شہر کا چپہ چپہ چھان مارا جائے گا اور پتا نہیں کتنے لوگوں کی شامت آئے گی۔

اپنے کاٹیج تک واپس آنے میں ہم نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔ مختلف علاقوں کے چکر کاٹے پڑے تھے اور جب یقین ہو گیا کہ ہماری نگرانی نہیں ہو رہی تب ہی ہم نے اصل راستے کا رخ کیا تھا۔

کاٹیج پہنچنے کے بعد میں نے رادھا کو شکتی لال کے بارے میں بتایا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"تم واقعی بہت چالاک ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جب ناگ راج کے کاٹیج پر حملہ ہوگا تو وہ یقیناً بدحواس ہو جائے گا۔ ویسے یہ شکتی لال کون ہے اور تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"اس سے میری ملاقات کل ہوئی تھی۔" میں اسے شکتی سے ملاقات کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں میں کہہ رہا تھا۔ "کل پہلی ملاقات میں میں نے شکتی اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ایک چھٹی کھا کر وہ اس وقت بھاگ گیا تھا لیکن بعد میں دو چار غنڈوں کو جمع کر لایا تھا۔ اس وقت اگر میں ڈر جاتا تو آج شکتی اس طرح جھک کر میرے پیر نہ چھوتا۔ مجھے یہاں دشمنوں کی نہیں دوستوں کی ضرورت ہے اگر آج کے مشن میں یہ زندہ بچ گیا تو میرا بے دام غلام ہو جائے گا۔"

"میری طرح۔" رادھا مسکرائی۔ "تم واقعی لاجواب چیز ہو۔ ہمارے تعلقات کو زیادہ روز نہیں ہوئے لیکن لگتا ہے کئی جنموں کا ساتھ ہو۔"

"اب فلمی ڈائیلاگ مت بولنا۔" میں نے اسے گھورا۔

میری اس بات پر رادھا نے بڑا زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

"ویسے ایک بات بتا دوں۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے شکتی لال وغیرہ ہائی آباد کے رہنے والے نہیں ہیں اگر وہ یہاں کے ہوتے تو تمہارے کہنے پر سوچے سمجھے بغیر اس طرح شنکر کے پیچھے نہ دوڑ پڑتے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"یہاں کا رہنے والا ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ شنکر انسان نہیں درندہ ہے اس سے ٹکرانے کی کوشش کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس نے شنکر کا نام ضرور سنا ہوگا مگر اس کی زندگی کے بارے میں سنے والی کہانیوں پر یقین نہیں کیا ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اور پھر اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ وہ دراصل شنکر پر نہیں ناگ راج پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔"

"ناگ راج کے بارے میں میں نے اسے جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ناگ راج کے نام سے اس کے دل میں کوئی خوف بیٹھ جاتا اور وہ میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیتا۔ ویسے اس قسم کے لوگ ہوتے بہت سرپھرے ہیں۔ انجام کی پروا کئے بغیر آگ میں کود پڑتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ آگ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"میری طرح۔" رادھا ایک بار پھر مسکرا دی۔ "میں بھی جانتی تھی کہ آگ میں کود رہی ہوں اور یہ آگ مجھے نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"کیا بات ہے آج تم بار بار اپنی مثالیں دے رہی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آج تم سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔" اس نے آگے بڑھ کر دونوں بانہیں میرے گلے میں حمائل کر دیں۔

"شکتی آج تم واقعی ڈائیلاگ بولنے کے موڈ میں ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آؤ آج مجھے بھی کچھ ڈائیلاگ یاد آ رہے ہیں۔"

وہ رات بھی پچھلی راتوں کی طرح گزر گئی۔ صبح میں دیر سے جاگا تھا رادھا بھی پلنگ پر پڑی تھی۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم پچھلے لان میں آ گئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ جس جگہ ہم نے اس شخص کو دفن کیا تھا وہ جگہ باقی لان سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ کل رات شہر میں اس شخص کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا۔ ویسے اس کاٹیج میں کسی کے آنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا مگر رادھا کا خیال تھا کہ اس جگہ کو الگ تھلگ نظر نہیں آنا چاہئے۔ ہم دونوں کھرپیاں لے کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور لان کے کناروں سے ذرا سی گھاس اکھاڑ کر اس جگہ لگانے لگے۔

شام کو میں پھر ایک نئے میک اپ میں کاٹیج سے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے گردن پر سیاہ نشان کا علاج بھی کرایا تھا۔ رادھا نے کریم لگا دی تھی اور وہ نشان چھپ گیا تھا۔

آج میں نے رادھا کو خبردار کر دیا تھا کہ پرسوں کی طرح وہ میرے پیچھے آنے کی کوشش نہ کرے اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ آج رات شاید میں واپس نہیں آؤں گا اس پر وہ کچھ چونک سی گئی تھی۔

"کیوں۔ کیا ارادہ ہے؟" اس نے مجھے گھورا۔

پُر بند تھے تھے پھر اسے ہم جیسے غریب انسانوں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ ہم ہر سال یہیں آ کر ٹھہرتے ہیں۔ ڈیڑھ سو روپے مہینے میں کھولی مل جاتی ہے۔"

"وہ۔" مجھے رادھا کی بات یاد آ گئی" اس کا اندازہ کس قدر درست تھا کہ شکتی اس شہر کا رہنے والا نہیں ہو سکتا۔

"یہ تمہیں تو بعد میں ہوں گی۔ پہلے یہ بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے یہ کوئی غالباً کل رات..."

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میری ٹانگ میں گولی لگی ہے۔ بھانوت نے بتایا تھا؟" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"نہیں بھانوت نے صرف اتنا بتایا تھا کہ تم زخمی ہو" میں نے جواب دیا۔ "کل رات تم جس مشن پر گئے تھے وہ ایسا ہی تھا۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے گرو۔" شکتی نے کہا پھر بھانوت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں کھڑے کھڑے ہماری شکلیں کیا دیکھ رہا ہے بھاگ کے جا اور چھیلی کے ڈھابے سے گرو کیلئے چائے لے کر آ۔"

بھانوت سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

"ہاں۔ تو کل رات کیا ہوا تھا؟" میں فوراً ہی اصل موضوع پر آ گیا۔ میں رادھا کے کاٹیج سے نکل کر سیدھا ریڈ لائٹ ایریا آیا تھا اور وہاں سے بھانوت کے ساتھ یہاں آ گیا۔ راستے میں کل کی صورتحال کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔

"تمہاری اطلاع بالکل درست تھی گرو۔ مگر ہم سے تھوڑی غلطی ہوئی۔" شکتی نے کہا۔ "تم نے خبردار تو کر دیا تھا کہ وہاں شنکر کے دو تین آدمی اور ہوں گے مگر جو بازی لگا میں چاہتا تھا وہ نہ کر سکا تھا۔ ہم کل چار آدمی تھے اور ہمارے پاس صرف دو کے پاس ریوالور تھے ان لوگوں کے پاس خطرناک قسم کی آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ چھیلا اس دھوکے میں مارا گیا۔ اس کے پاس خنجر تھا اور وہ کاٹیج کے اندر گھس چلا گیا۔ وہ بڑا دلیر آدمی تھا مگر تھا بیوقوف بھی اس لئے مارا گیا۔"

"شنکر کا کیا ہوا؟" میں نے چھیلا کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھاگ گیا سالا۔" شکتی نے کہا۔ "بزدل تھا پوری طرح مسلح ہونے کے باوجود ہمارے سامنے نہ ٹک سکا۔ اپنے ایک آدمی کی لاش چھوڑ کر بھاگ گئے وہ لوگ۔"

"اور۔ کون تھا وہ؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اسے۔" شکتی نے جواب دیا۔ "وہ بھی ہماری طرح بدمعاش تھا پر ذرا اونچے درجے کا۔ بڑے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں دادا گیری کرتا تھا۔ اب نرگ میں دادا گیری کرے گا۔ مگر شنکر بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اس وقت تک اپنے زخم یاد رہیں گے۔"

"وہ۔ کیا تم بھی زخمی ہوا تھا" میں ایک بار پھر چونک گیا۔

"بھاگتے ہوئے راستے میں ٹانگ پر ہی یہ گولی لگا گئی تھی۔" شکتی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر انہا کے پاس گاڑی نہ ہوتی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"یہاں تمہیں کوئی خطرہ تو نہیں۔" میں نے کہا۔ "میرا مطلب ہے شنکر سے پہلے بھی تم لوگوں کی

جھڑپ ہو چکی ہے۔ تمہارا ایک دوست چھیلا ان کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس کی لاش تم لوگ اپنے ساتھ تو نہیں لا سکے ہو گے۔ اگر وہ لاش شناخت کر لی گئی تو وہ لوگ تم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"چھیلا کی لاش شناخت کے قابل رہی کہاں۔" شکتی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ کاٹیج کے اندر گھس گیا تھا جہاں اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا اور پھر ان لوگوں نے بھاگتے ہوئے کاٹیج کو آگ لگا دی تھی۔ چھیلا کی لاش بھی کاٹیج کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی تھی۔"

"اور اسے کی لاش؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے بھاگتے ہوئے کاٹیج سے کئی گز دور بھانوت کی گولی لگی تھی۔ کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے لیکن گرو تم کیوں پریشان ہو۔ اگر کچھ ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔ تم بالکل چنتا مت کرو۔ میں یہاں بالکل محفوظ ہوں۔"

"مجھے چنتا اس لئے ہے کہ شنکر کے ساتھ اس کاٹیج میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جسے دنیا کا خطرناک ترین آدمی کہا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا اس موقع پر میں نے اس کو ناگ راج کے بارے میں بتا دینا ضروری سمجھا تھا۔

"کون؟" شکتی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ناگ راج۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے دیکھا۔

"کیا؟" شکتی اچھل پڑا۔ ٹانگ کو جھٹکا لگنے سے اس کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ "تم کیا کہہ رہے ہو گرو؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا اصل ٹارگٹ شنکر نہیں ناگ راج تھا۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "شنکر کے بارے میں نفرت بھرے خیالات بیان کر کے تم نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہمیں اس کاٹیج کا پتہ بتا دیا تھا دراصل تم شنکر کو نہیں ناگ راج کو مروانا چاہتے تھے۔"

"ناگ راج کو مارنا تم جیسے آدمیوں کے بس کی بات نہیں... اس کی موت تو میرے ہاتھوں لکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کل رات میں اسے اس کاٹیج سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کیلئے تمہارا انتخاب میں نے اس لئے کیا تھا کہ مجھے تمہاری جرأت اور ذہانت پر بھروسہ تھا اور تم میرے بھروسے پر پورے اترے۔"

"گرو۔" وہ میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔ "تم وہ تو نہیں ہو..."

"تم ٹھیک سمجھے ہو شکتی۔" میں نے بات کاٹ دی۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ ناگ راج ایک ایسا زہریلا ناگ ہے جو اپنے زہر سے ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ پچھلے دنوں اس مندر کو آگ لگوا دی جس میں سینکڑوں یاتری بھسم ہو گئے تھے۔ تم بھی میری اس بات سے اتفاق کرو گے کہ ایسے راکشس کا تو وجود ہی دھرتی سے مٹا دینا چاہئے۔"

"مندر کو آگ اس نے لگائی تھی؟" شکتی کے لہجے میں بے یقینی تھی میری باتوں سے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"اس نے الزام مجھ پر لگایا تھا مگر حقیقت یہی ہے کہ مندر کو آگ اس نے لگوائی تھی کیونکہ اسے شبہ تھا کہ میں نے اس مندر میں پناہ لے رکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ایک دن پہلے تک میں اس مندر کے پروہت پنڈت بھیرو ناتھ کے پاس پناہ لئے ہوئے تھا لیکن جب ناگ راج نے مندر کو آگ لگوائی اس روز میں وہاں نہیں تھا۔ کل رات جو عورت میرے ساتھ تھی وہ اس بات کی تصدیق کر سکتی ہے۔ وہ پہلے ناگ راج ہی کے ساتھیوں میں سے تھی لیکن اب میرے لئے اس نے بھی اپنا جیون خطرے میں ڈال رکھا ہے۔"

"اوہ۔" وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ اب تو تمہارا غلام ہوں۔ تم جو کہو گے میں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "اس سلسلے میں بعد میں کسی وقت تفصیل سے بات کریں گے۔"

اسی وقت بھاگوت کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھینکا تھا جس میں چائے کے تین گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے السٹین ایک طرف سرکا کر تینوں گلاس میز پر رکھ دیئے اور تاروں کا چھینکا دروازے کے پیچھے اچھال دیا۔ وہ خود دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

میں نے گلاس اٹھا کر چائے کی دو تین چسکیاں بھریں۔ اچھی چائے تھی گلاس میز پر رکھ دیا اور جیب سے دو ہزار روپے کے نوٹ نکال کر شکتی کے تکیے کے نیچے رکھ دیئے۔

"تم کوئی بات نہیں کرو گے۔" میں شکتی کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔ "ڈھنگ سے اپنا علاج کرو اور جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ ابھی تم لوگوں کو کام کرنا ہے اور تمہارا تیسرا دوست کہاں ہے کیا نام ہے اس کا؟" میں نے تیسری چارپائی کی طرف دیکھا۔

"مستورام۔ وہ علاقے میں گھوم رہا ہے۔" شکتی کے بجائے بھاگوت نے جواب دیا۔

ہم باتیں کرتے اور چائے پیتے رہے اور پھر بھاگوت خالی گلاس لے کر چلا گیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" میں نے شکتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم پروفیشنل تو نہیں لگتے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تمہارا تعلق بھی کسی اچھے اور شریف گھرانے سے ہے۔"

"میں احمد آباد کا رہنے والا ہوں۔ میرا تعلق واقعی ایک معزز اور شریف گھرانے سے تھا۔ مگر اب تو وہ خاندان ہی مٹ چکا ہے۔" شکتی اداس لہجے میں بولا۔

"ہم دو بہن بھائی تھے اور میری دیدی پشپا میرے پتا جی کا دیہانت تو اس وقت ہو گیا تھا جب میری عمر صرف چھ سال تھی۔ ان کا سارا کاروبار ماتا جی نے سنبھال لیا۔ وہ بڑی ہمت والی عورت تھیں۔ احمد آباد میں ہماری کپڑے کی فیکٹری تھی جس کے بنے ہوئے کپڑے پورے بھارت میں بے حد پسند کئے جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم جس بنگلے میں رہائش پذیر تھے وہ محل کی طرح بہت وسیع و عریض اور شاندار تھا۔"

"ایک سال بعد ماتا جی کا بھی دیہانت ہو گیا۔ سارا بزنس میرے تاؤ نے سنبھال لیا۔ انہوں نے میری دیدی کی شادی چچے والا اور شرابی بیٹے سے کر دی۔ اس کے چند مہینوں بعد مجھے ...

بنگلور کے ایک اناتھ آشرم میں داخل کرا دیا گیا۔ آشرم والوں کو اچھی خاصی رقم دی گئی تھی۔ وہ میری کڑی نگرانی رکھتے۔ ایک سال تک تو مجھے بلڈنگ ہی سے نہیں نکلنے دیا گیا۔"

"میں تقریباً چھ سال اس اناتھ آشرم میں رہا اور پھر مجھے ایک جرائم پیشہ گروہ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ وہ لوگ مجھے بمبئی لے گئے۔ اناتھ آشرم میں مجھے باتوں ہی باتوں میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی رہی تھی کہ میں ایک بہت غریب گھرانے کا فرد ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں لیکن میں اپنے بڑے باپو ماتا پتا اور اپنی دیدی کو کیسے بھول سکتا تھا۔ مجھے وہ شاندار بنگلہ بھی یاد تھا جہاں میری زندگی کے ابتدائی چھ سات سال گزرے تھے۔"

"بمبئی آنے کے بعد میں نے ایک دو مرتبہ بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بڑا منظم گروہ تھا۔ وہ لوگ تو چھوٹی عمر کے لڑکوں سے وارداتیں کرواتے تھے اور ہر لڑکے پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔"

"مجھے مار پیٹ اور جیب تراشی سکھائی گئی۔ ایک روز سینما کے سامنے ایک آدمی کی پاکٹ مارتے ہوئے میں پکڑا گیا۔ بھاگنے کی کوشش میں وہ آدمی زخمی ہو گیا۔ اس کا ایک ہاتھ کلائی سے کٹ کر بازو سے الگ ہو گیا۔ میں نے پوری قوت سے اس شخص پر حملہ ضرور کیا تھا مگر مجھے توقع نہیں تھی کہ میرا وار اس قدر کارگر ثابت ہو گا۔"

"عدالت سے مجھے سات سال کی سزا ہوئی۔ میں جیل میں بھی دنگے فساد کرتا رہا جس سے میری سزا بڑھتی رہی۔ کئی وارڈن میرے ہاتھوں زخمی ہو چکے تھے اور ہر مرتبہ میری سزا میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح مجھے سات کے بجائے دس سال جیل میں گزارنے پڑے۔"

"جب میں جیل سے رہا ہوا تو میری عمر پچیس سال ہو چکی تھی۔ بچپن کی یادیں اب بھی میرے ذہن میں تازہ تھیں۔ جیل سے باہر آتے ہی کئی گروہوں کے لوگوں نے مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر میں ان سے دور بھاگتا رہا۔ چند روز بمبئی میں گزارنے کے بعد میں احمد آباد آ گیا۔"

"میرا تاؤ اگرچہ ساٹھ سال کا ہو چکا تھا لیکن وہ اب بھی اسی طرح ہٹا کٹا تھا جیسا میں نے اسے بچپن سے دیکھا تھا۔ اس نے مجھے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا۔ اسی وقت یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ شادی کے ڈیڑھ سال بعد میری دیدی کا بھی دیہانت ہو گیا۔ کچن میں کام کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی تھی اور وہ جل کر مر گئی تھی۔ دیدی کی موت کے بعد تاؤ نے ساری جائیداد اپنے نام منتقل کروا لی تھی اور میرے بارے میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ میرا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا اور لوگوں کے سامنے میرا کریا کرم بھی کر دیا گیا تھا۔"

"تاؤ اور اس کے بیٹے نے جس طرح مجھے دھکے دے کر گھر سے نکالا تھا وہ میں آج تک نہیں بھول سکا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جس طرح مجھے اناتھ آشرم میں داخل کرا دیا گیا تھا اسی طرح میری دیدی کو بھی قتل کر دیا گیا تھا تاکہ تاؤ ہماری جائیداد پر قبضہ کر سکے۔"

"میں نے تاؤ اور اس کے بیٹے کے خلاف مقدمہ کر دیا مگر اس کا حشر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ میں ... تاؤ کے پاس دولت تھی اس نے ثابت کر دیا کہ اس کے بھتیجے کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا اور میں ... ہوں۔"

"مقدمہ ختم ہونے کے بعد میں بمبئی واپس چلا گیا۔ وہاں میں نے اپنے کچھ حمایتی پیدا کر لئے۔ یہ بھانوت، رنجو اور منظور م میرے اس وقت کے دوست ہیں۔ انہوں نے ہر برے وقت میں میرا ساتھ دیا۔ دو تین مہینوں کے بعد میں ایک روز چھپ کے احمد آباد آ گیا اور اپنے تاؤ کو قتل کر دیا۔"

"تاؤ کے بیٹے نے پولیس میں میرا نام لکھوا دیا تھا۔ تیسرے دن مجھے بمبئی سے گرفتار کرا لیا لیکن میں نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ جس رات احمد آباد میں میرے تاؤ کا قتل ہوا میں اس رات بمبئی میں موجود تھا۔ مجھے قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا مگر پولیس میرے پیچھے پڑ گئی۔ مجھے بمبئی میں بھی چین سے نہیں ٹکنے دیا گیا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ مختلف شہروں میں پھرتا ہوا بجے پور آ گیا۔ ہم چاروں محنت مزدوری کر کے شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے مگر ہمارے ماتھوں پر جرائم پیشہ ہونے کے ٹھپے لگ چکے تھے۔ ہمارے دامن داغدار ہو چکے تھے۔

"آخر کار ہم نے اس دلدل میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔ چار سال پہلے ہم یہاں آئے تھے۔ یہاں سیزن چل رہا تھا۔ بڑی رونق تھی۔ یہاں ہماری دادا گیری چل گئی اور پھر ہم ہر سال سیزن میں یہاں آنے لگے۔ یہاں کے چھوٹے چھوٹے مقامی غنڈوں نے بھی ہماری برتری مان لی تاہم ایک دو بڑے غنڈے ایسے تھے جو ہمارے لئے خطرہ تھے مگر ہم نے ان کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی۔"

"یہ سیزن ہمارے لئے بہت برا ثابت ہوا۔ یہاں کے حالات ایک دم بگڑ گئے تھے۔ رونق اجڑ گئی۔ ناگ راج کے آدمیوں نے خوف و ہراس پھیلا دیا۔ سیر و تفریح کے لئے آنے والے لوگ واپس جانے لگے۔ یہی لوگ دراصل ہماری روزی کا ذریعہ بنتے تھے۔ اس روز تمہیں دیکھا تو میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہماری روزی میں لات مارنے کی کوشش کرو گے۔ اسی لئے میں نے تم سے الجھنے کی کوشش کی تھی مگر کیا پتہ تھا کہ تم میرے بہترین دوست ہو گے۔ میں نے تو واقعی تمہیں گرو مان لیا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ناگ راج واقعی دنیا کا سب سے خطرناک آدمی ہے کوئی اس کے سامنے نظر نہیں اٹھا سکتا مگر تم نے اسے تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔"

"وہ دھرتی پر بوجھ ہے اور دھرتی کو اس بوجھ سے نجات دلانی ہے۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ میں دراصل ناگ راج کو قتل کیوں کرنا چاہتا ہوں۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا علاج کراؤ اور آرام کرو میں ایک دو دن بعد تم سے ملوں گا۔"

"آپ تو ہر وقت حاضر ہوں گرو۔" شتی لال نے کہا۔

اسی وقت بھانوت بھی واپس آ گیا۔ میں نے ان دونوں سے ہاتھ ملایا اور اس قحبہ گاہ سے باہر آ گیا۔

راجندر مارگ پہنچنے میں مجھے چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت ساڑھے نو بج رہے تھے۔ میں پریم نور ریسٹورنٹ میں رتنا سے ملنا چاہتا تھا۔ گزشتہ چند دنوں سے وہ نائٹ ڈیوٹی پر رہ رہی تھی۔

اس رات جب پہلی مرتبہ رتنا سے ملاقات ہوئی تھی تو میں اسے ایک نائٹ کلب میں لے گیا تھا

جہاں ناگ راج کو آتے دیکھ کر میں نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا اور اسے ہال ہی میں چھوڑ کر ایک ویٹر کے بھیس میں دفتر والے کمرے میں گھس گیا تھا جہاں ناگ راج سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد پچھلی کھڑکی سے فرار ہو گیا تھا۔ رتنا کلب ہی میں رہ گئی تھی۔ بعد میں مجھے خیال آیا تھا کہ چونکہ رتنا کو میرے ساتھ کلب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا گیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعد میں اسے پکڑ لیا گیا ہو اور تشدد کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو لیکن کئی روز بعد رتنا کو زندہ سلامت دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔ پچھلے ان چند دنوں کے دوران میں تین چار مرتبہ پریم نور ریسٹورنٹ میں گیا تھا اور جان بوجھ کر ایسی ٹیبل پر بیٹھا تھا جہاں رتنا گاہکوں کو سرو کر رہی تھی۔ صرف ایک مرتبہ اس نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا تھا مگر وہ مجھے پہچان نہیں سکی اور مجھے یقین تھا کہ وہ آج بھی مجھے نہیں پہچان پائے گی۔

میں ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو رتنا کو دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہوا۔ لیکن میں اس کی مخصوص میزوں میں سے کسی پر بیٹھنے کے بجائے دوسری میز پر بیٹھ گیا جہاں ناٹے قد کی ایک اور سانولی سی لڑکی سرو کر رہی تھی۔ ریسٹورنٹ میں اس وقت زیادہ رش نہیں تھا۔ کئی میزیں خالی تھیں اور ان پر صرف ایک یا دو گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں چائے کے ساتھ سینڈوچ اور رتنا کی طرف دیکھتا رہا جو انہی میزوں پر گاہکوں کو سرو کرنے میں مصروف تھی۔"

ٹھیک دس بجے رتنا کاؤنٹر پر حساب دینے کے بعد ریسٹورنٹ کے پچھلے ایک دروازے میں داخل ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی۔ میں نے ویٹریس کو بلا کر بل ادا کیا اور ریسٹورنٹ سے باہر آ کر سڑک کے دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد رتنا ریسٹورنٹ سے برآمد ہوئی اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ بیگ کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ دراز قد اور گٹھے ہوئے متناسب جسم ہونے کی وجہ سے یہ لباس بھی رتنا پر خوب جچ رہا تھا۔ میں وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ تقریباً تیس گز آگے نکل گئی تو میں بھی حرکت میں آ گیا اور اگلے موڑ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے برابر پہنچ گیا۔

"ہیلو سوہنیو! اکلے کلے کتھے جا رہے ہو سوہن دیاں تے؟" میں نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پنجابی میں کہا۔

"وہ چونک گئی۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میرا کلیاں جانا پسند نئیں تے تسی وی میرے نال چلو۔" اس نے بھی پنجابی میں ہی بات کی تھی۔

"ویسے تاں کتھے کون چلنا اے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"جہاں بھی، تم دو سو روپے دے سکتے ہو۔ رات بھر اپنے پاس رکھنا ہو تو ایک ہزار۔" اس نے دو ٹوک الفاظ میں اپنی فیس بتا دی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر میں گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہوں جس کی بدصورت مالکہ خوبصورت لڑکیوں سے الرجک ہے تمہیں وہاں نہیں لے جا سکتا۔ تمہارا گھر کیسا رہے گا۔ میں رات تمہارے ساتھ ہی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"ایسی صورت میں سو روپیہ گھر کا کرایہ بھی ہوگا۔ رتنا نے کہا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ سو فیصد کاروباری لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"نو پرابلم۔" میں نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

ہم کناٹ ہوٹل پیلس ہاؤس کے پہلو سے گزرتے ہوئے تنگ گلی میں آ گئے اور پھر ایک اور گلی میں مڑ کر رتنا ایک خوبصورت مکان کے سامنے رک گئی۔ اس نے بیگ میں سے چابی نکال کر باہر کا دروازہ کھولا اور پہلے مجھے اندر داخل ہونے کیلئے راستہ دیا پھر خود اندر آ کر دروازہ بند کر دیا۔

یہ نہایت مختصر سا آنگن تھا۔ بائیں طرف کی دیوار سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس آنگن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جب ہم مکان میں داخل ہوئے تو میرا اندازہ درست نکلا۔ مکان کو اندر سے بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس طرف دو کمرے تھے۔ پچھلی طرف باتھ روم تھا اور ایک چھوٹا سا کچن بھی تھا۔

رتنا مجھے جس کمرے میں لے کر آئی اس میں ایک ڈبل بیڈ دو کرسیاں ایک چھوٹی تپائی اور ضرورت کی صرف چند چیزیں تھیں۔ ایک طرف دیوار میں سیف کی الماری بھی بنی ہوئی تھی۔ رتنا نے تالا کھول کر اپنا بیگ الماری میں رکھا اور بیڈ کے قریب تپائی پر پڑا ہوا شب خوابی کا لباس اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

میں کچھ دیر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رتنا کی واپسی تقریباً چند منٹ بعد ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سانس کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور سنسنی کی لہریں پورے جسم میں پھیلتی چلی گئیں۔

رتنا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر اس طرح بیٹھ گئی کہ میرے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے۔

"آج میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔" وہ توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ "ریسٹورنٹ سے نکلی تو دل چاہ رہا تھا کہ گھر جاتے ہی بستر پر گر کر سو جاؤں گی۔ مگر تمہارے منہ سے پنجابی سنی تو تمہیں انکار نہ کر سکی۔ گھر سے دور کسی کو اپنی زبان بولتے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ پنجاب میں کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں لاہور کا رہنے والا ہوں رتنا جی۔" میں نے جواب دیا۔

"تم بھول گئی ہو۔ ہم چند روز پہلے مل چکے ہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ شاید وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ "کئی روز پہلے مجھے ایک پنجابی نوجوان ملا تھا جو مجھے کل ایک ہوٹل لے گیا تھا اور وہاں۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔ "تت... تم... وہ تو نہیں۔"

"بالکل وہی ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد بھی میں کئی مرتبہ ریسٹورنٹ میں آ چکا ہوں۔ پرسوں رات بھی آیا تھا میرے ساتھ ایک خوبصورت عورت تھی۔ تم نے ہمیں چائے سرو کی تھی۔ اسی دوران ایک اور خوبصورت عورت تمہارے پاس آ گئی تھی۔"

"بیلا۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔" میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "لیکن تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"میرا دماغ گھوم رہا ہے۔" اس نے کنپٹیاں دونوں ہاتھوں میں تھام لیں۔ "اس رات تم

ہوٹل کے مالک روی چندر کو قتل اور ناگ راج کو گھائل کر کے بھاگے تھے۔ تم تو فرار ہو گئے تھے اور ناگ راج کے آدمیوں نے ہوٹل میں قیامت مچا دی تھی۔ میں اس رات بال بال بچی تھی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحوں بعد اس نے سر سے ہاتھ ہٹائے اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی میں کچن والے دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔ اگر چند منٹ وہاں رکتی تو مجھے مار دیا جاتا۔ انہیں اس عورت کی تلاش تھی جس کے ساتھ تم ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ میں بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی یہاں تک پہنچی تھی اور پھر دو دن تک گھر سے باہر نہیں نکلی۔ میں جانتی تھی کہ اگر پہچان لی گئی تو زندہ نہیں بچوں گی۔ اس وقت تو بچ گئی تھی مگر پھر آ گئے ہو۔ اگر ان لوگوں کو شبہ بھی ہو گیا تو تمہارے ساتھ میرے شریر کے بھی ٹکڑے کر دیں گے۔"

"پریشان کیوں ہوتی ہو رتنا۔" میں نے کہا۔ "ناگ راج کے آدمی پچھلے تین مہینوں سے میری تلاش میں ہیں اور آج تک میرا سراغ نہیں لگا سکے حالانکہ میں آزادی سے گھوم پھر رہا ہوں۔ اول تو کسی نے مجھے تمہارے ساتھ آتے ہوئے نہیں دیکھا اور بالفرض کسی نے دیکھ بھی لیا ہوگا تو وہ نہیں سمجھ سکے گا کہ میں کون ہوں۔"

"تم کہتے ہو وہ لوگ تمہیں نہیں پہچانتے لیکن کل بیلا بھی تمہارے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ وہ ناگ راج کی رکھیل ہے اور بڑی خطرناک عورت ہے۔ کیا وہ تمہارے بارے میں ناگ راج کو نہیں بتا دے گی۔"

"اس کے بتا دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "کل میں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو اس پر ظاہر کیا تھا۔ دراصل اس کے ذریعے میں ایک پیغام ناگ راج تک پہنچانا چاہتا تھا۔" میں نے بیلا سے ملاقات کے سلسلے میں تھوڑا سا جھوٹ بولا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم عرصے سے یہاں رہ رہی ہو۔ ناگ راج کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ وہ انسان نہیں شیطان ہے۔ ہزاروں بے گناہ لوگوں کا قاتل۔ کیا ایسے شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے؟" میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

میں نے رتنا پر بھی وہی ہتھکنڈا استعمال کیا جو شکتی پر بڑی کامیابی سے آزما چکا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد میں رتنا کو بھی قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ناگ راج جیسے شخص کو جینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا تو وجود ہی مٹا دینا چاہئے...

رتنا کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دہشت گردی کے کیمپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ کیمپ کی تباہی کے بعد عام شہریوں کی طرح اسے بھی صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ وہ بھارتی سینکوں کی تربیت کا کیمپ تھا جسے ایک پاکستانی تنظیم وادی نے تباہ کر دیا تھا اور مزید خوف و ہراس پھیلانے کے لئے دہشت گردوں نے ایک مندر کو آگ لگا دی تھی جس میں سینکڑوں بے گناہ جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "وہ بھارتی سینکوں کی ٹریننگ کا نہیں ان دہشت گردوں کی ٹریننگ کا کیمپ تھا جن کے ذریعے پاکستان میں تباہی پھیلائی جا رہی ہے۔ ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے اور تمہیں میری بات کا شاید یقین نہ آئے لیکن سچ یہ ہے کہ ناگ

راج دہشت گردی کے اس کیمپ کا انچارج ہے۔ اس نے دہشت گردی کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں کہ شیطان بھی کانپ کر رہ جائے۔ بڑے بڑے سرکاری آفیسر' منسٹر یہاں تک کہ راجستھان کا چیف منسٹر بھی اس کے دباؤ میں ہے۔۔ وہ سب اس سے خوفزدہ ہیں۔ ناگ راج نے اپنے گرد طاقت کا ایک بہت مضبوط حصار قائم کر لیا تھا۔ اپنی اس طاقت اور اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ان اعلیٰ سرکاری افسروں کو بھی قتل کروا دیا جنہیں اس کی پالیسیوں سے اختلاف تھا لیکن اب اس کی طاقت کا یہ حصار ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے اس میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ بھارت اور پاکستان کے بیچ شروع سے اختلاف رہے ہیں اور یہی اختلاف تین بڑی جنگوں کا باعث بن چکے ہیں لیکن ان جنگوں میں نقصان کس کا ہوا؟ عوام کا۔ کسی نیتا کے خاندان کا کوئی فرد کسی جنگ میں نہیں مارا گیا۔ یہ وہی حکمران ہیں جو شروع سے اب تک ہم اور تم پر حکومت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ نہرو خاندان کا کوئی فرد محاذ جنگ پر مارا گیا ہو یا گھائل ہوا ہو۔ لال بہادر شاستری' مرار جی ڈیسائی' گجرال' واجپائی یا کسی بھی حکمران کا نام لے کر بتاؤ کہ ان میں سے کسی کے بچے اغوا ہوئے ہوں' نہیں رتنا۔ قربانی کا بکرا تو عوام کو بنایا جاتا ہے۔ توپوں کے گولے ہم پر برستے ہیں۔ گھر ہمارے اجڑتے ہیں۔ عورتیں ہماری بیوہ اور بچے ہمارے یتیم ہوتے ہیں۔ ان بدمعاشوں کے گھروں میں تو اس وقت بھی رقص و سرود کی محفلیں جمی ہوتی ہیں جب عوام جنگ کا عذاب بھگت رہے ہوتے ہیں۔"

"اور یہ کیسی سیاست ہے کہ اپنے قدم جمانے رکھنے کے لئے دوسرے ملکوں کے بے گناہ شہریوں پر گولیاں برسائی جائیں۔ اگر تمہارے شہروں میں سڑکوں پر چلتے پھرتے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو اچانک گولیوں سے بھون دیا جائے' روزانہ ہر گلی سے دس دس ارتھیاں اٹھنے لگیں' موت کے خوف سے بارونق گلیاں اور بازار اجڑ جائیں تو تم کیا سوچو گی؟ نہیں رتنا۔ یہ سیاست نہیں۔ یہ لوگ سیاست دان نہیں۔ یہ تو وہ جنونی ہیں جو ہر قیمت پر اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان کی مسند اقتدار کے نیچے کتنے بے گناہوں کی لاشیں دبی ہوئی ہیں۔" میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ رتنا خاموش بیٹھی میری صورت دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لمحہ بدل رہے تھے۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں پاکستان کا ایجنٹ' جاسوس یا دہشت گرد نہیں ہوں۔ مجھے بھی پاکستان سے اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا تاکہ میری برین واشنگ کر کے دہشت گردی کی تربیت دے کر مجھے انسانی بم بنا دیا جائے اور میں پاکستان واپس جا کر اپنے ہی لوگوں پر موت برسانے لگوں۔ یہ بیلا ہی مجھے لے کر آئی تھی لیکن میں ان کے شکنجے سے بھاگ نکلا اور اگر میں اپنے لوگوں کو بچانے کیلئے ان جنونیوں کے خلاف محاذ آرا ہو گیا ہوں تو میں نے کیا غلط کیا ہے۔ اپنے دفاع کا حق سب کو ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی قوم سے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ صرف چند جنونیوں کو ختم کر کے امن قائم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کچھ عرصہ کیلئے ہی سہی ان کے قدم روکے جا سکتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ۔ میری جگہ اگر تم ہوتیں تو کیا یہ سب کچھ نہ کرتیں؟ بلکہ تم تو خود اس قسم کی صورتحال کا شکار ہو۔ تمہارا تعلق یقیناً ایک شریف گھرانے سے ہے مگر تمہاری زندگی برباد کر دی گئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا کیا ان لوگوں سے الگ ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ سب ایک ہیں۔ ان کا طریقہ واردات مختلف ہے

ناگ راج اور اس کے آدمی لوگوں کو زندگی سے محروم کر دیتے ہیں اور تمہارے ساتھ زیادتی کرنے والے نے تمہاری معاشرتی زندگی ہی تباہ کر دی۔ تمہاری مرضی اور ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ تمہیں اس مقام تک پہنچایا گیا ہے جہاں تم خود اپنی نظروں سے بھی گر گئی ہو۔ کیا تمہارے سینے میں اپنی اس بربادی کے انتقام کی آگ نہیں بھڑک رہی۔ کیا تم خاموش رہو گی اور ساری زندگی طوائف بنی رہو گی؟ نہیں رتنا نہیں تم ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ تم یقیناً باعزت زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ دوسروں کے سامنے سر جھکا کر نہیں سر اٹھا کر جینا چاہتی ہو' دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلنا چاہتی ہو' میں غلط تو نہیں کہہ رہا رتنا؟" میں کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔

رتنا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے آگے جھک کر اپنا سر میرے کندھے پر ٹکا دیا۔

"میں اپنی بربادی کو کبھی نہیں بھولی۔" وہ سسکی سی بھرتے ہوئے بولی۔ "لیکن میں ایک کمزور اور مجبور عورت کیا کر سکتی تھی۔ ہمارے معاشرے میں تو عورت کیلئے جوان اور حسین ہونا اس کیلئے زندگی کا سب سے بڑا عذاب بن جاتا ہے۔ اگر وہ اکیلی اور بے سہارا بھی ہو تو بھیڑیے اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ اپنے باس سے دھوکا کھانے کے بعد شاید میں سنبھل جاتی مگر میں خونخوار بھیڑیوں کے حصار میں پھنس گئی تھی۔ وہ میرے ہمدرد اور محافظ بن کر میری بوٹیاں نوچتے رہے اور میں کچھ نہ کر سکی۔ میں اب بھی انتقام لینا چاہتی ہوں مگر کس سے لوں۔"

"جس نے تمہیں اس راستے پر دھکیلا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے تو احساس بھی نہیں ہوگا کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کر چکا ہے۔ وہ تو اب بھی عیش کر رہا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری طرح کئی اور لڑکیوں کی زندگیاں برباد کر چکا ہو۔"

"کاش! میری یہ آشا پوری ہو سکتی۔" میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رتنا کچھ اور آگے سرک گئی۔ اب ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا تھا اس نے میری قمیص کے بٹن کھول دیئے اور میرے بالوں بھرے سینے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ میری کیفیت ایسی تھی جیسے کسی تالاب میں پانی کی پرسکون سطح پر کنکر پھینک دیا گیا ہو۔ ہیجان خیز لہریں میرے اندر چاروں طرف پھیلنے لگیں۔ رتنا کے سانسوں کی گرمی نے میرے اندر آتش کی بھڑکا دی اور یہ آگ اس طرح بھڑکی کہ میرے لئے اس پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور میں شعلوں میں گھرا ہوا اس الاؤ میں جلتا رہا۔

ہوش اس وقت آیا جب طوفان گزر چکا تھا۔ میں بیڈ پر اکیلا پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ رتنا وہاں نہیں تھی۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی چند منٹ پہلے رتنا ان لوگوں کے بارے میں بتا رہی تھی جنہوں نے ہمدرد بن کر اس کو لوٹا تھا۔ میں نے بھی اس سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اسے دنیا کی مظلوم ترین عورت قرار دے کر اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ اس کی بربادی کا انتقام لینے کیلئے اس کا ساتھ دینے کے دعوے کر رہا تھا لیکن.... میں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ میں ان لوگوں سے کتنا مختلف ثابت ہوا تھا جو ہمدرد بن کر اسے لوٹتے رہے تھے؟

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں نے رتنا کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا تھا اسے کوئی فریب نہیں دیا تھا۔ وہ تو بہتی ہوئی گنگا تھی جس میں میں نے بھی ہاتھ دھو لئے تھے اب یہ کوئی

شرمندگی نہیں تھی۔

میں نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا بارہ بج رہے تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر قدموں کی آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ رتنا دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اس نے وہی شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے بیڈ پر پڑی ہوئی چادر اپنے اوپر ڈال لی۔

"میں تو سمجھی تھی تم سو گئے ہو۔" اس نے دونوں مگ میز پر رکھ دیئے اور خود سامنے کرسی پر بیٹھ گئی "لیکن میں آج تمہیں سونے نہیں دوں گی۔ اس لئے ذرا اسٹرانگ قسم کی چائے بنا کر لائی ہوں۔ تمہاری باتوں نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آج میں ساری رات تم سے باتیں کروں گی۔ بہت ساری باتیں لو۔ چائے پیو تاکہ تمہاری نیند اڑ جائے۔"

"نیند تو کیا میرے تو ہوش و حواس بھی اڑ چکے ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"میں تو پتا نہیں کس کس کے ہوش اڑا چکی ہوں خود آج پہلی بار ہوش میں آئی ہوں۔" رتنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی روز یہ سوچنا چاہئے تھا کہ یہاں ہر شخص بھنورا ہے۔ پہلے بھنورے ہوتے ہے۔ مجھے اس راستے پر ڈالا تھا اور اس کے بعد ہر شخص بھنورا بن کر مجھے آگے دھکیلتا رہا۔ کسی نے میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ کسی نے آج تک ایسی باتیں نہیں کیں۔ کسی نے نہیں کہا تھا کہ میں بھی سر اٹھا کر چل سکتی ہوں۔ دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر سکتی ہوں۔"

"ہاں" میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور تم ایسا ضرور کرو گی؟" میں نے جواب دیا۔

ہم چائے کی چسکیاں لیتے اور باتیں کرتے رہے۔ رتنا نے اپنے بارے میں ایک ایک بات بتا دی تھی اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ اس کا اصلی نام رتنا نہیں سریندر کور ہے اور اس کا تعلق جالندھر کے ایک سکھ گھرانے سے ہے۔

رتنا نے پوری رات جاگنے اور باتیں کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا اور وہ واقعی جاگتی اور باتیں کرتی رہی۔ نیند مجھے بھی نہیں آرہی تھی۔ میں بھی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

اس نے دلچسپ انکشاف بھی کیا کہ اس کا باس تیجا سنگھ بھنڈر اس کی خلوت میں آنے والا پہلا مرد نہیں تھا۔ اس کی منگنی ہو چکی تھی اور پہلی مرتبہ اس کے منگیتر نے ہی اسے کلی سے پھول بنایا تھا لیکن اس کے بعد بھی وہ اس بات پر قائم تھا کہ شادی اسی سے کرے گا۔

"اب پتا نہیں وہ مجھے قبول کرے گا یا نہیں۔" رتنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہاں آئے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں اس دوران میں نے اپنے گھر سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں زندہ ہوں یا مر کھپ چکی ہوں۔"

"یہ خوبصورت جگہ ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں ہندوستان کے مختلف شہروں سے لوگ آتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے بازار میں دو سکھوں کو بھی دیکھا تھا تمہاری بھی کسی ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو تمہارے شہر کا ہو اور تمہیں جانتا ہو۔"

"ایک سکھ بس ڈرائیور ہے بلدیو سنگھ۔" رتنا نے جواب دیا۔ "یوں تو وہ جالندھر میں ہمارے محلے کا رہنے والا ہے میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں مگر وہ مجھے نہیں جانتا وہ جے پور کی ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک ہے اور ہر دوسرے دن بس لے کر یہاں آتا ہے۔ اس نے کئی مرتبہ ہمارے ریسٹورنٹ میں آکر کھانا بھی کھایا ہے۔ ایک دو مرتبہ تو اس نے اشاروں کنایوں میں میرے ساتھ وقت گزارنے کی بات بھی کی تھی مگر میں نے اسے کبھی گھاس نہیں ڈالی۔"

"شاید اس لئے کہ وہ تمہیں پہچان نہ لے۔" میں نے کہا۔ "جب ملاقات بے تکلفانہ ہو تو باتوں میں ایسی کوئی بات نکل ہی آتی ہے۔"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" رتنا نے جواب دیا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بج چکے تھے لیکن رتنا کا خاموش ہونے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ ابھی تک کرسی پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ لیتی اور کبھی دوسری ٹانگ پہلی ٹانگ پر۔ میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا اور بار بار میری نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

آخر کار وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر آگئی اور نیم دراز ہو کر میری چادر کا کچھ حصہ اپنے اوپر کھینچ لیا۔ اس کی باتوں کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔

میری آنکھ دوپہر بارہ بجے کے قریب کھلی تھی۔ رتنا اس وقت بھی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر تھا۔ میں نے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ بیڈ سے اتر کر اپنے کپڑے اٹھائے اور کمرے سے نکل کر باتھ روم میں گھس گیا۔

"آدھے گھنٹے بعد جب میں باتھ روم سے نکلا تو رتنا اس وقت بھی سو رہی تھی۔ میں نے جھنجھوڑ کر اسے جگایا تو وہ اس وقت بھی شرارت کے موڈ میں نظر آئی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔"

"ایک بجنے والا ہے میں جا رہا ہوں۔" میں نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اٹھ کر دروازہ بند کر لو۔"

"ایک منٹ۔" وہ بستر سے اٹھ گئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے چابیوں کا گچھا نکالا اور اس میں سے دو چابیاں نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"آج کل میں عام طور پر رات ساڑھے دس بجے گھر پہنچ جاتی ہوں۔ ویسے احتیاطاً تم یہ چابیاں اپنے پاس رکھ لو۔ ایک چابی باہر والے گیٹ کی ہے اور ایک اندر والے دروازے کی۔ جب بھی ادھر آؤ میں گھر پر نہ ہوں تو..."

"ٹھیک ہے۔" میں نے چابیاں لے کر جیب میں رکھ لیں۔ "میں ایک دو دن میں تم سے ملاقات کروں گا اور پھر کوئی پروگرام بنائیں گے۔"

رتنا باہر والے دروازے تک میرے ساتھ آئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ رتنا دروازہ بند کر کے واپس جا چکی تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھے بغیر گلی میں ایک طرف چلتا رہا۔

پٹرول پمپ کے علاقے میں آکر میں کھانا کھانے کیلئے ایک ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔

میں کل بہت دیر تک بازار میں گھومتا رہا تھا اور رات کو رتنا سے بھی بہت سی باتیں ہوئی تھیں مگر پرسوں رات کے واقعہ کا تذکرہ کہیں نہیں سنا تھا۔

شکتی لال اور اس کے ساتھیوں نے ناگ راج کے کاٹیج پر پرسوں حملہ کیا تھا۔ اس حملے میں ایک آدمی ناگ راج کا مارا گیا تھا اور ایک شکتی کا دوست شنکر زخمی ہوا تھا۔ اس حملے کی وجہ سے ناگ راج کو وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔

میں کاٹیج پر شکتی کے اس حملے سے چند گھنٹے پہلے بلا کو بتا چکا تھا کہ ناگ راج کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس سے یہ بھی کہا تھا کہ ناگ راج اسی رات وہ کاٹیج چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور اس کے بعد میں نے ٹیلی فون پر بھی ناگ راج کو دھمکی دے دی تھی۔ ان ساری باتوں کے پیش نظر اس میں شبے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کاٹیج پر حملے کے سلسلے میں میرا ہی نام آئے گا مگر مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ پورے شہر میں ابھی اس حملے کے بارے میں کچھ سننے میں نہیں آیا تھا حالانکہ پہلے کوئی معمولی سی بات بھی ہوتی تو پورے شہر میں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ رتنا ایک ریسٹورنٹ میں ویٹرس تھی جہاں بھانت بھانت کے لوگ آتے تھے۔ اگر ریسٹورنٹ میں ایسا کوئی ذکر ہوا ہوتا تو رتنا بھی اس کا تذکرہ ضرور کرتی۔

اس وقت میں جس ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہا تھا وہاں بھی بہت سے لوگ تھے مختلف آوازیں میرے کانوں میں پڑ رہی تھیں مگر ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی جس سے میں نے یہ رائے قائم کی کہ ناگ راج کے حکم پر اس واقعہ کو چھپا دیا گیا تھا۔ اس میں یقیناً اس کی توہین تھی کہ وہ مجھ سے ڈر کر بھاگ گیا تھا۔

میں ریسٹورنٹ سے نکل کر حسب معمول مختلف علاقوں کے چکر کاٹتا ہوا رادھا والے کاٹیج پر پہنچ گیا۔ باہر کا گیٹ ادھ کھلا دیکھ کر مجھے کچھ حیرت ہوئی۔ اندر داخل ہوا تو برآمدے والا دروازہ بھی چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ میں رادھا کو آواز دیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

تمام کمروں کی بتیاں جل رہی تھیں اور رادھا غائب تھی۔ میں وسطی کمرے میں بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ میرے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں اور دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔

سنسناہٹ تھی کہ پورے جسم میں پھیلتی جا رہی تھی۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "کاٹیج کی ساری بتیاں جل رہی تھیں۔ اس کمرے کی دو کرسیاں الٹی ہوئی تھیں اور صوفہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا۔ کاٹیج کا پچھلا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔"

میں نے اس دروازے سے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر دوبارہ اندر آ گیا۔ جس کمرے میں ہم سویا کرتے تھے وہاں بھی کچھ ابتری دکھائی دے رہی تھی۔ چارپائی پر بچھا ہوا بستر بھی بے ترتیب تھا اور نیچے رکھے ہوئے ٹرنک کی ساری چیزیں بھی فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جو کچھ بھی ہوا تھا رات ہی کے کسی وقت ہوا تھا۔ اگر دن میں ہوا ہوتا تو تمام کمروں کی بتیاں نہ جل رہی ہوتیں۔

میرا دماغ پھرکی کی طرح گھوم رہا تھا۔ کیا وہ ناگ راج کے آدمی تھے؟ انہیں کس طرح پتا چل گیا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں اور انہوں نے رات کو یہاں پر ریڈ کر دیا تھا اور وہ رادھا کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ سامان کی بے ترتیبی اور ابتری بتا رہی تھی کہ رادھا نے زبردست قسم کی مزاحمت کی ہو گی۔

وہ اسے ساتھ لے گئے تھے۔ اس پر تشدد کر کے میرے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں گے اور رادھا انہیں میرے بارے میں کیا بتا سکے گی؟

یہ اتفاق تھا کہ میں نے اس دوران دو ٹھکانے بنا لئے تھے جن کے بارے میں رادھا کو بھی علم نہیں تھا۔ شکتی لال کا انسانوں والا اصطبل جہاں کسی ہنگامی صورت حال میں مجھے پناہ مل سکتی تھی اور رتنا کا کاٹیج۔ رتنا کے کاٹیج کا بندوبست تو گزشتہ رات ہی ہوا تھا۔ رادھا کو میں نے اس سے پہلے بھی رتنا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ نہ ہی وہ شکتی لال کے بارے میں کسی کو کچھ بتا سکتی تھی البتہ لکشمی کے پاس مجھے رادھا ہی نے بھیجا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو لکشمی کے بارے میں بتا دے۔

میرے لئے زیادہ دیر یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ یہاں جو کچھ بھی ہوا تھا رات ہی کو ہوا تھا اور وہ لوگ جاتے ہوئے تمام دروازے بھی کھلے چھوڑ گئے تھے اور ممکن ہے دور کسی جگہ پر چھپ کر کاٹیج کی نگرانی کر رہے ہوں۔ میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چارپائی کے ساتھ میز پر کارا ہوف رائفل اور رادھا والا پستول رکھا رہتا تھا۔ اب وہ دونوں چیزیں غائب تھیں۔ وہ لوگ یہاں سے بھی کچھ نہ کچھ لے گئے ہوں گے۔

مجھے جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے آخری بار ادھر ادھر نگاہ دوڑائی باتھ روم کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا۔ میرے قدم غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ گئے۔

میں نے دروازہ کھولنے کیلئے ہاتھ سے دبایا تو دروازہ تین چار انچ کے قریب مزید کھل گیا مگر پھر اس طرح اٹک گیا جیسے پیچھے کوئی چیز آ گئی ہو۔ میں نے ایک دو مرتبہ ہلکے ہلکے جھٹکے دیئے مگر دروازہ پیچھے کسی چیز سے اٹک رہا تھا۔

اب میں جھٹکے دینے کے بجائے آہستہ آہستہ دروازے کو پیچھے دھکیلنے لگا۔ اس میں اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ میں اندر جھانک کر دیکھ سکتا تھا اور پھر جیسے ہی میں نے اس خلا میں سر ڈال کر اندر دیکھا میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اب تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ اندر کھونٹی پر لٹکا ہوا کوئی کپڑا وغیرہ فرش پر گر گیا ہو گا جس سے دروازے میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی مگر وہ کوئی کپڑا نہیں تھا۔ رادھا تھی جو فرش پر پڑی ہوئی تھی اور دروازہ اس کے پیر سے اٹک رہا تھا۔

میں نیچے بیٹھ گیا اور ہاتھ اندر کر کے رادھا کا پیر پیچھے ہٹانے لگا اور پھر دروازے میں اتنی جگہ پیدا ہو گئی کہ میں آڑھا ترچھا ہو کر اندر داخل ہو سکتا تھا۔

میں ایک بار پھر کانپ کر رہ گیا۔ رادھا فرش پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ اور پیر پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور اس پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی تاکہ کپڑا باہر نہ نکل سکے۔

"رادھا.....رادھا"

میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رادھا کو ہلانے لگا مگر وہ بے ہوش تھی۔ سب سے پہلے میں نے پٹی کھول کر منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکالا پھر ہاتھوں اور پیروں کی بندشیں کھول دیں۔

رادھا کو بیڈ پر سیدھا لٹا کر میں نے اپنا کان اس کے سینے سے لگا دیا۔ وہ زندہ تھی۔ مگر دل کی دھڑکن بہت مدھم تھی۔ میں سیدھا ہو کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے جسم پر کئی جگہ خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ رانوں پر سینے اور پیٹ اور بازوؤں پر۔ لگتا تھا جیسے کسی درندے نے دانتوں سے بھنبھوڑا ہو۔

میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ چہرے پر بار بار پانی کے چھینٹے دینے کے ساتھ میں اسے آواز دیتا اور جھنجھوڑتا بھی رہا۔

رادھا تقریباً بیس منٹ بعد ہوش میں آ سکی تھی۔ آنکھیں کھولنے کے بعد بھی دیر تک اس کے حواس بحال نہیں ہو سکے تھے۔ وہ ویران اور اجنبی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ میں نے اس کا سر اٹھا کر پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایک دو گھونٹ پینے کے بعد اس نے گلاس ہٹا دیا۔

"رادھا۔ ہوش میں آؤ رادھا۔ یہ میں ہوں۔ تانی۔" میں اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ میں نے اس کے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

"ہوش میں آؤ رادھا۔ یہ سب کیا ہوا۔ کون تھے وہ لوگ؟"

وہ کئی منٹ تک اجنبی اور ویران سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

میں نے اس کا سر تکیے پر رکھ دیا۔ چادر اوڑھا دی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ سب سے پہلے میں نے باہر والے دروازے بند کئے اور پھر باورچی خانے میں گھس گیا۔

چائے بنانے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ میں دونوں کپ لے کر رادھا والے کمرے میں آ گیا۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے دیوار کو گھور رہی تھی۔ میں نے دونوں کپ میز پر رکھ دیئے اور بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"وہ کون تھے رادھا" میں نے پوچھا۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر ایک دم مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے ہونٹوں سے سسکیاں خارج ہو رہی تھیں۔ میں اس کا کندھا تھپتھپانے لگا اور پھر آہستگی سے اسے پیچھے ہٹا دیا۔

"وہ جو کوئی بھی تھے رادھا۔ بچ نہیں سکیں گے۔ میں انہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ لوں گا۔ چائے پی لو۔" میں نے کہتے ہوئے کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

رادھا کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ کپ کو ٹھیک طرح سے نہیں پکڑ پا رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے چائے پلائی۔ اس کا خالی کپ میز پر رکھ کر اپنا اٹھا لیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

رادھا کی حالت دیکھ کر میں اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کس خوفناک صورتحال سے گزری ہوگی۔ وہ اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ پتا نہیں کب سے باتھ روم میں بندھی ہوئی تھی۔ میں نے کپ میز پر رکھ

دیا۔ رادھا ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس مرتبہ میں نے بھی اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا اور اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے تسلی دینے لگا۔ اس وقت دلاسے اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ وہ پہلے سسکیاں بھرتی رہی پھر ہونٹوں سے کراہیں خارج ہونے لگیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنے آپ پر قابو پا سکی تھی۔ اس نے چادر اتار دی اور اپنے بدن پر زخموں کو دیکھنے لگی۔

صاف لگ رہا تھا کہ اسے دانتوں سے بھنبھوڑا گیا تھا۔ کہیں اس زور سے دانت گاڑے گئے تھے کہ خون نکل آیا تھا اور کہیں دانتوں کے نشان کے ساتھ آس پاس کی جلد نیلی پڑ گئی تھی۔ جس نے بھی یہ حرکت کی تھی وہ کوئی جنونی ہی ہو سکتا تھا۔

"باتھ روم میں ڈیٹول کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔" رادھا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں ڈیٹول کی بوتل اٹھا لایا اور کپڑے کا ایک کنارہ بھگو کر زخم صاف کرنے لگا۔ رادھا کے ہونٹوں سے سسکاریاں سی نکل رہی تھیں۔ پھر اس نے سختی سے دانت بھینچ لئے۔

رادھا اس کے بعد بھی دیر تک سسکیاں بھرتی رہی۔ میں نے اسے چادر اوڑھا دی۔ اب وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"کون تھے وہ لوگ رادھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ "تم اطمینان رکھو۔ تانی اتنا کمزور نہیں ہے کہ تمہاری توہین کا بدلہ نہ لے سکے۔ تم جانتی ہو میں طوفان سے ٹکرا جانے کی بھی ہمت رکھتا ہوں میں ان لوگوں کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔"

رادھا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "بیلا۔ وہ بیلا تھی۔" "اس کے ساتھ دو مسٹنڈے بھی تھے۔ بیلا تو ایک طرف کھڑی تماشا دیکھتی رہی تھی اور وہ دونوں مجھے بھیڑیوں کی طرح نوچتے رہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیلا کو یہاں اس ٹھکانے کا پتہ کیسے چلا؟" میں نے کہا۔

"تم کئی روز تک بیلا کے قریب بلکہ بہت قریب رہ چکے ہو مگر اسے جان نہیں سکے۔" رادھا نے جواب دیا۔ "پرسوں شام پریم تورس ریسٹورنٹ میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے دو باتیں کہی تھیں۔ ایک تو یہ کہ تمہیں اس شہر سے نکل جانے کیلئے دو دن کی مہلت دی تھی اور مجھے دھمکی دی تھی کہ مجھ پر کتے چھوڑ دے گی اور آج دو کتے ساتھ لے کر آ گئی تھی۔"

"میرا سوال اب بھی اپنی جگہ برقرار ہے یعنی اسے ہمارے ٹھکانے کا پتہ کیسے چلا؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں وہی تو بتانے جا رہی تھی۔" رادھا نے جواب دیا۔ "بیلا کے ساتھ رہنے کے باوجود تم اسے نہیں جان سکے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ پرسوں شام بھی اس نے اس طرح ہماری نگرانی شروع کروا دی تھی کہ ہر قسم کی احتیاط کرنے کے باوجود مجھے شبہ نہیں ہو سکا۔"

"پرسوں رات ہی سے ہمارے کاٹیج کی مسلسل نگرانی کی جا رہی تھی۔ انہیں شاید تمہارے باہر جانے کا انتظار تھا۔ کل رات ایک بجے کے قریب بیل بجی تو میں سمجھی کہ تم واپس آ گئے ہو۔ میں نے بے دھڑک ہو کر دروازہ کھول دیا۔ بیلا کی شکل دیکھتے ہی میں بدحواس ہو گئی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتی بیلا اور

اس کے دونوں مسٹنڈے مجھے دھکے دیتے ہوئے اندر آ گئے۔

"بیلا کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ اس بات سے واقف تھی کہ تم کالج میں موجود نہیں ہو۔ وہ تمہارے بارے میں پوچھتی رہی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ پچھلی رات تم کالج پر حملے سے بھی ناگ راج کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ اگر چاہتی تو کل دن میں کسی بھی وقت ہمارے کالج پر حملہ کر کے ہم دونوں کو ختم کر سکتی تھی لیکن وہ تمہیں آج شام تک مہلت دے چکی ہے۔ آج اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ تمہیں یہ باور کرانے کیلئے کیا گیا کہ وہ جو کچھ کہتی ہے اس پر عمل بھی کر سکتی ہے۔ اس نے جانے سے پہلے تمہارے نام پیغام دیا تھا کہ وہ آج شام کے بعد تمہیں اس شہر میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ اگر تم کہیں نظر آ گئے تو تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

"میں نے اس کے پیغام کا مفہوم سمجھ لیا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن بیلا نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے اس کی سزا اسے بھگتنا پڑے گی۔ اس کا بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی حشر ہوگا۔"

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیلا اس قدر گری ہوئی حرکت کرے گی۔ ایک عورت دوسری عورت کی اس طرح تذلیل کرے گی؟ لیکن بیلا شاید عورت نہیں کوئی بدروح تھی۔ اس کے لائے ہوئے غنڈے بھیڑیوں کی طرح رادھا کی بوٹیاں نوچتے رہے اور وہ قریب کھڑی تماشا دیکھتی رہی تھی۔

بیلا کے یہاں تک پہنچ جانے کی باتیں سننے کے بعد میرے لئے سوچ کے اور بھی بہت سے دروازے کھل گئے تھے۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ بیلا بہت چالاک تھی۔ اس نے پہلی رات ہی ہمارے ٹھکانے کا پتہ چلا لیا تھا۔ مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ اس رات جھیل کے کنارے والے کالج پر حملہ میں نے ہی کیا تھا۔ اس حملے میں دو بے مارا گیا تھا۔ گرو بے شاید ان کیلئے زیادہ اہم نہیں تھا لیکن چونکہ ناگ راج کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ میری وجہ سے اسے وہ ٹھکانہ چھوڑنا پڑا تھا اور اس کے ری ایکشن کے طور پر رادھا کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا تھا۔ اس طرح بیلا مجھے یہ پیغام دینا چاہتی تھی کہ وہ میرے خلاف جب چاہے خطرناک قدم اٹھا سکتی ہے۔

بیلا نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ہمارے اس ٹھکانے کا پتہ چلا لیا تھا۔ لیکن کیا وہ شکتی اور رتنا کے بارے میں بھی واقف ہو چکی تھی؟ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔ میرے پاس ایسا کوئی اور ٹھکانہ بھی نہیں تھا جہاں فوری طور پر پناہ لی جا سکے۔

بیلا شاید پہلی مرتبہ اپنی بات پر قائم رہی تھی۔ میرا ٹھکانہ معلوم کر لینے کے باوجود اس نے میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی بلکہ میرے کالج سے جانے کا انتظار کیا تھا اور اس کے بعد ہی رادھا پر تشدد کیا گیا تھا لیکن بیلا کی دی ہوئی مہلت آج شام تک تھی اور میں نے یقین کر لیا تھا کہ شام تک وہ کوئی قدم نہیں اٹھائے گی۔ مگر اس کے بعد..... اس کے بعد جہنم کی تمام بلائیں ہمارے پیچھے لگ جائیں گی۔ یہ کالج تو اب محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہمیں کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جو محفوظ ہو اور ہم شام سے پہلے پہلے وہاں منتقل ہو سکیں۔ شکتی یا رتنا کے ٹھکانوں پر میں جانا نہیں چاہتا تھا کم از کم اس وقت تک ان سے دور رہنا چاہتا تھا جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ ٹھکانے بیلا کی نظروں میں نہیں آ سکے۔

"رادھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "یہ جگہ اب ہمارے لئے محفوظ نہیں ہے۔ ہمیں شام سے

پہلے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہئے مگر کوئی جگہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"ایک اور محفوظ جگہ ہے میرے ذہن میں۔" رادھا نے کہا۔

"کونسی جگہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر شانتا۔" رادھا نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر شانتا۔" میں چونک گیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ کیمپ میں دھماکوں کے بعد چھیا نے انہیں پنڈت بھیرو کے مندر کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ڈاکٹر شانتا کے بارے میں بھی بتا دیا گیا ہوگا۔ چھیا میرے ساتھ وہاں جا چکی ہے۔"

"چھیا نے نہیں بتایا۔" رادھا نے کہا۔ "اگر بتایا ہوتا تو وہ لوگ مندر کی طرح ڈاکٹر شانتا کے مکان کو بھی جلا کر راکھ کر ڈالتے۔"

"لیکن کیا شانتا پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ وہ الکا کی دوست تھی اور الکا ہمارے ہاتھوں ماری گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"ڈاکٹر شانتا الکا کی نہیں میری دوست تھی۔" رادھا کے ہونٹوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "شانتا سے پہلے میری ہی دوستی ہوئی تھی۔ پھر الکا کی ہوتی ہی سے بے تکلفی بڑھتی گئی۔ شانتا اب بھی میری دوست اور مجھے یقین ہے کہ اس موقع پر وہ ہماری مدد ضرور کرے گی اور یوں بھی وہ تم سے بہت متاثر ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اب تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"اس وقت دن کی روشنی میں؟" رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔ ہم شام ہونے کا انتظار نہیں کر سکتے۔" میں نے جواب دیا۔

رادھا اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کیا اور فرش پر پھیلے ہوئے کپڑے اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی اور آخر کار پیٹی کوٹ بلاؤز پہن کر اورنج رنگ کی ساڑھی لپیٹنے لگی۔ پھر ضروری چیزیں سمیٹ کر ایک بیگ میں ڈال لیں۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت بھی کہیں دور سے کالج کی نگرانی ہو رہی ہوگی۔ ہم نے دروازے بند کر دیئے لیکن اندر کی بتیاں جلتی رہنے دی تھیں۔

اس وقت پانچ بجنے والے تھے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی۔ نرم دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ کالج سے نکل کر سڑک پر آ کر دو چار قدم اٹھاتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میرے چہرے پر چمک سی پڑی تھی اور آنکھیں ایک لمحہ کو چندھیا سی گئی تھیں۔ میں اس جگہ رک کر متلاشی انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

دائیں طرف سڑک کے ساتھ پہاڑی پر ذرا اوپر قد آدم جھاڑیوں میں شاید کوئی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ موٹر سائیکل تو دکھائی نہیں دے رہی تھی البتہ اس کے ہینڈل پر لگا ہوا آئینہ جھاڑیوں کی شاخوں سے ذرا سا اوپر کو نکلا ہوا تھا جس پر دھوپ پڑ رہی تھی اور اس آئینے کی چمک ہی میرے چہرے پر پڑی تھی۔

نگرانی کے بارے میں میرا خیال درست نکلا تھا۔ موٹر سائیکل تھی تو اس کے ساتھ یقیناً کوئی آدمی بھی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہوگا جو نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سڑک پر رک کر اس طرح ادھر ادھر دیکھا تھا کہ نگرانی کرنے والے کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے۔

میں رادھا کے ساتھ سڑک پر چلنے لگا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی اور کسی وقت وہ کراہ بھی اٹھتی تھی۔ میں نے رادھا کو اپنے چہرے پر پڑنے والی شیشے کی چمک اور پہاڑی پر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی موٹر سائیکل کے بارے میں بتا دیا۔

"اگر وہ ہمارے پیچھے لگا رہا تو؟" رادھا نے کہا۔

"شانت رہو۔ میں اس کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دوں گا" میں نے جواب دیا۔

"ہم تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھے اور جیسے جیسے چلتے جا رہے تھے فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس دوران ہم نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔"

تقریباً سو گز آگے ایک موڑ تھا۔ وہ موڑ گھومنے کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔

"آرام سے چلتی رہو اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا" میں نے رادھا سے کہا۔

تین چار منٹ بعد موٹر سائیکل کی آواز کچھ اور واضح ہوئی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اب وہ موٹر بائیک بھی اس سڑک پر مڑ گئی تھی جس پر ہم جا رہے تھے۔ یہ سڑک دور دور تک ویران تھی۔ موٹر بائیک کی آواز قریب محسوس کرکے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

موٹر سائیکل سوار اس طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جیسے تفریح کے لیے نکلا ہو۔ بائیک کی رفتار بھی بہت ہلکی تھی۔ میں نے رادھا کی طرف دیکھا اور سڑک کے بیچ میں آ کر موٹر سائیکل کو رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ موٹر سائیکل ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ رادھا اسی دوران سڑک کے کنارے بیٹھ چکی تھی اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

"ایک دیا کر دیو ہم پر بھایا" میں نے موٹر سائیکل سوار کی طرف دیکھتے ہوئے مسکین سے لہجے میں کہا۔ وہ درمیانے قد کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر گردن گھما کر رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمیں اوپر تھ مندر جانا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں تو کوئی سواری نظر نہ آوے۔ میری جورو بیمار ہے، تم مہربانی کرو ہمیں اپنی پھٹ پھٹیا پر بٹھا کر آگے کسی جگہ چھوڑ دو جہاں سے ہمیں کوئی سواری مل جائے۔"

اس نے ایک بار پھر چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور سیٹ سے کھسک کر آگے پٹرول والی ٹنکی پر پہنچ گیا۔

"اپنی جورو کو میرے پیچھے بٹھا دو اور خود اس کے پیچھے بیٹھ جائیو۔" اس نے کہا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آدمی آخر تک ہماری نگرانی نہیں

کرے گا اگر میں اسے نہ بھی روکتا تو آگے کسی جگہ یہ کسی اور کو اشارہ کر دیتا اور وہاں سے دوسرا آدمی ہمارا تعاقب شروع کر دیتا لیکن میں اسے وہاں تک پہنچنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"اے بھاگوان۔ جلدی آ جا۔ شریمان ہمیں اپنی پھٹ پھٹیا پر آگے چوک پر چھوڑ دیں گے۔" میں نے رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔

رادھا اٹھ کر موٹر سائیکل کے قریب آ گئی اور اس شخص کے پیچھے اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کی ایک ٹانگ ایک طرف اور دوسری دوسری طرف تھی۔ میں رادھا کے پیچھے بیٹھنے کے بجائے موٹر سائیکل کے سامنے آ گیا اور اچانک ہی جیب سے پستول نکال لیا۔

"اب تم موٹر سائیکل سے اتر جاؤ بھایا" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

اس شخص کا چہرہ بھواں ہو گیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا گھونسہ جڑ دیا۔ وہ کراہتا ہوا پیچھے رادھا سے ٹکرایا۔

"اگر تم نے نیچے اترنے میں لمحہ کی دیر کی تو گولی مار دوں گا" میں نے پستول اس کے سینے کی طرف اٹھا دیا۔

"یہ مت سمجھنا کہ تم بچ کر نکل جاؤ گے۔" وہ موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے بولا۔ "ہمارے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ پاتال تک تمہارا پیچھا کریں گے۔"

"فی الحال تم تو ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہارے آدمیوں سے بعد میں نمٹ لوں گا" میں نے کہا۔

وہ نیچے اترا تو موٹر سائیکل رادھا نے سنبھال لی۔

"اب تم اس پہاڑی کی طرف دوڑ لگا دو۔" میں نے اس شخص کو پستول سے اشارہ کیا۔

وہ میرے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھا۔ وہ سڑک سے ہٹ کر چند ہی گز آگے بڑھا تھا کہ میں نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کی کھوپڑی میں لگی اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

فائر کی آواز دور تک پھیل گئی تھی۔ میں نے پستول جیب میں ڈالا اور رادھا کو پیچھے ہٹا کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔ رادھا نے بھی اب دونوں ٹانگیں ایک طرف کر لی تھیں۔ میں نے ایک ہی کک میں موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور اسے واپس موڑ کر تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد پہاڑیوں میں ایک تنگ سی پگڈنڈی پر ڈال دیا۔

مجھے یقین تھا کہ ہر سڑک پر ان کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہوگا۔ اس لیے میں بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک پہاڑیوں میں گھومنے کے بعد ہم ایک سڑک پر نکل آئے۔ اس وقت سورج غروب ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ یہ کوئی شاپنگ ایریا تھا اور یہاں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔

"ہوشیار جی۔" رادھا آگے جھکتے ہوئے میرے کان کے قریب چیخی۔

"موٹر سائیکل پر دو آدمی ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ انہوں نے یہ موٹر سائیکل پہچان لی ہے اور

مجھے بھی پہچان لیا ہے۔ ان میں ایک سنگرام ہے۔ میں بھی اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔"

میں نے موٹر سائیکل کے ہینڈل پر لگے آئینے کا زاویہ درست کر کے دیکھا۔ وہ موٹر سائیکل تقریباً پچاس گز دور تھی۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر رادھا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"وہ قریب پہنچیں تو گولی چلا دینا۔" میں نے کہا اور موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی۔

دوسری موٹر سائیکل بھی قریب آ رہی تھی۔ سڑک پر ٹریفک تھا اور میں بڑی ہوشیاری سے اپنی موٹر سائیکل کو اس ٹریفک سے نکال رہا تھا اور پھر دفعتاً فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ ہمارا تعاقب کرنے والوں نے ٹریفک اور لوگوں کی پروا کئے بغیر گولی چلا دی تھی۔ گولی ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

"گولی چلاؤ رادھا۔" میں چیخا۔

رادھا نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل کر ڈالا اور پیچھے کی طرف گھوم کر پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ رادھا کی چلائی ہوئی گولی موٹر سائیکل چلانے والے کے سینے پر لگی تھی۔ وہ چیخا اور موٹر سائیکل لہراتی ہوئی ایک کار سے ٹکرا گئی۔ دونوں پیچھے کر نے دوسرے آدمی کی ٹانگیں کار کے نیچے آ گئی تھی۔ اس کی چیخ مرنے والے کی چیخ سے زیادہ خوفناک تھی۔

میرے سامنے ایک آٹو رکشا آ گیا۔ اس سے بچنے کیلئے میں نے موٹر سائیکل کو بریک لگائے تو رادھا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ وہ اچھل کر سڑک پر گر گئی اس کی چیخ سن کر میں نے پوری قوت سے بریک دبا دیئے۔ موٹر سائیکل کے ٹائر چیخ اٹھے اور بائیک چرائی ہوئی تقریباً دس گز آگے جا کر الٹ گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔

گولیاں چلنے سے افراتفری مچ گئی تھی۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ میں موٹر سائیکل سڑک پر گری ہوئی چھوڑ کر رادھا کی طرف دوڑا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔ گرنے سے رادھا کے بازو اور کولہے پر اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول اب بھی موجود تھا۔ میں اسے دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچنے لگا۔ وہ لنگڑاتی ہوئی میرے ساتھ چل رہی تھی۔ میں اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

لوگوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔ ایک موٹر سائیکل کو کار سے ٹکراتے اور دوسری سے ایک عورت کو گرتے دیکھا تھا لیکن اصل بات شاید کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اگر ہمیں ویسے کوئی حادثہ پیش آیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں لوگ ہمدردی کرتے ہمیں گھیرے میں لے چکے ہوتے لیکن فائرنگ نے خوف و ہراس پھیلا دیا اور لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

"جلدی کرو۔" میں رادھا کی طرف دیکھ کر چیخا۔

رادھا ساڑھی سنبھالتی ہوئی میرے پیچھے مردوں کی طرح بیٹھ گئی۔ اس نے میرے ساتھ چپک کر بایاں بازو میرے سینے پر لپیٹ دیا تھا۔ پستول والا ہاتھ اس نے میرے کندھے پر رکھ دیا تھا۔

رادھا واقعی حوصلہ مند عورت تھی۔ وہ پہلے ہی زخموں سے چور تھی موٹر سائیکل سے گرنے سے بھی اسے اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں مگر اب بھی وہ ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

ٹریفک جام ہونے لگا تھا۔ میں بڑی تیزی سے موٹر سائیکل کو نکالتا ہوا لے گیا اور جلد ہی اس علاقے سے نکل گیا۔ یہ سب کچھ دو تین منٹ کے اندر اندر ہو گیا تھا اور ہم اس نازک ترین صورتحال سے

[صحیح] و سلامت نکل آئے تھے۔

"مجھے یاد نہیں رہا کہ ڈاکٹر شانتا کا مکان کس طرف ہے مجھے راستہ بتاتی رہنا اور اب یہ پستول چھپا [لو۔ کسی] نے دیکھ لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

میں نے گردن کو ذرا سا گھماتے ہوئے کہا۔

رادھا نے قدرے پیچھے ہٹ کر پستول کو ساڑھی کی ڈبل میں اڑس لیا اور پھر میرے ساتھ چپک گئی۔ [اس] مرتبہ اس نے دونوں بانہیں میرے سینے پر لپیٹ لی تھیں۔ اسی طرح جھکے ہوئے وہ اپنا چہرہ میرے قریب [لا ک]ر مجھے راستہ بھی بتاتی رہی۔

شام ہو چکی تھی۔ شہر کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ ڈاکٹر شانتا کے کلینک تک پہنچنے میں مزید پندرہ بیس [منٹ] سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ کلینک بند تھا میں نے موٹر سائیکل پچھلی گلی میں موڑ لی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اندر [سا]منے شانتا کی کار کھڑی تھی جس کا انجن سٹارٹ تھا شانتا اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں [مو]ٹر سائیکل کو گیٹ کے اندر لیتا چلا گیا اور اسے بائیں طرف دیوار کے قریب روک کر انجن بند کر دیا۔

شانتا موٹر سائیکل کو اس طرح اندر آتے دیکھ کر گھبرا سی گئی اور کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ [ا]س نے کار کا انجن بند کر دیا تھا۔

"کون ہو تم لوگ اور اس طرح اندر گھسے آنے کا کیا مطلب ہے؟"

وہ ہماری طرف بڑھتے ہوئے غصے سے بولی۔ لان میں اندھیرا تھا اور وہ ہماری شکلیں نہیں دیکھ سکی [تھ]ی۔ اگر وہ میری صورت دیکھ بھی لیتی تو مجھے نہیں پہچان سکتی تھی البتہ رادھا کو وہ ضرور پہچان لیتی۔

"ڈاکٹر شانتا میں ہوں رادھا۔" رادھا نے سرگوشی کی۔ "گیٹ بند کر دو پھر بات کریں گے۔"

شانتا ٹھٹک کر رک گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے گیٹ بند کر کے [اند]ر سے لاک لگا دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ہماری طرف آ گئی۔

"رادھا تم... یہ کون ہے؟" اس نے سرگوشی میں بات کرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"یہ ناتھ ہے۔" رادھا نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "تم کہیں جا رہی تھیں کیا؟"

"نہیں میں باہر سے آئی ہوں گاڑی بند کر رہی تھی آؤ تم لوگ اندر آؤ۔" ڈاکٹر شانتا نے کہا۔

پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ شانتا نے کار میں سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔ چابیوں کا گچھا [نکا]لا اور دروازے کا تالا کھولنے لگی۔ ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا لیکن لائٹ [نہیں] جلائی۔

"میرا ہاتھ پکڑو اور احتیاط سے میرے پیچھے چلتی رہو۔" شانتا نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

رادھا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے رادھا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ ہم اندھیرے میں چلتے ہوئے [ایک کم]رے میں داخل ہو گئے۔ شانتا نے اس کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد ہی لائٹ جلائی تھی۔ روشنی [ہو]تے ہی اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ خوف سے آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی [تھی۔] وہ ہمیں اس کمرے میں لے آئی جہاں میں پہلے بھی چند روز گزار چکا تھا۔

"[راد]ت... تم لوگ یہاں کیسے آئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟" شانتا کے لہجے میں گھبراہٹ

تھی۔

"ڈرو نہیں' ہمیں کسی نے اس طرف آتے ہوئے نہیں دیکھا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن پہلے تم اپنی دوست کو دیکھ لو۔ اس کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔"

"کیا ہوا رادھا؟" وہ رادھا کی طرف مڑ گئی جو اس دوران بیڈ کے کنارے پر بیٹھ چکی تھی۔

رادھا نے جواب دینے کے بجائے ساڑھی کا پلو پوری طرح ہٹا دیا اور بلاؤز کے سامنے کے بٹن کھول دیئے۔ بلاؤز کی تراش کچھ ایسی تھی کہ تمام بٹن کھلتے ہی بلاؤز سامنے سے اوپن شرٹ کی طرح کھل گیا۔ اس نے بلاؤز اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔

ڈاکٹر شانتا اس کے سینے' بانہوں اور پیٹ پر زخم دیکھ کر اچھل پڑی۔ "یہ... یہ کیا ہوا؟" وہ چلا کر رہ گئی۔

"یہ ان لوگوں کی درندگی کے نشان ہیں جو اپنے آپ کو بھگوان کا اوتار کہتے ہیں۔" رادھا نے زہریلی ہوئی آواز میں کہا اور ٹخنوں پر سے ساڑھی اٹھا دی۔ "یہ... یہ دیکھو۔ ہوس کے ان پجاریوں نے مجھے کیا کر دیا ہے۔ مجھے خونخوار بھیڑیوں کی طرح دانتوں سے اس طرح نوچا گیا کہ میں ہر بار مرتی رہی مگر موت نہیں آئی۔"

میں اس کمرے سے باہر نکل گیا' رادھا نے جس انداز سے بات شروع کی تھی اس سے میں متاثر ہو گیا تھا۔ ہمارے آ جانے سے ڈاکٹر شانتا کے دل میں اگر کوئی ناگوار تاثر قائم ہوا بھی ہو گا تو رادھا کی باتوں سے وہ تاثر زائل ہو جائے گا۔

تقریباً دس منٹ بعد ڈاکٹر شانتا اس کمرے سے باہر نکلی اور مرکزی کمرے سے ہوتی ہوئی دروازے میں داخل ہوئی جو کلینک کی طرف کھلتا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ واپس آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں مرہم کی دو ٹیوبیں' سپرٹ کی بوتل اور کاٹن کا رول تھا۔ وہ میری طرف دیکھے بغیر رادھا والے کمرے میں گئی' میں مرکزی کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر شانتا نے دروازے پر آ کر اشارہ کیا تو میں بھی اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔

رادھا بیڈ پر چادر اوڑھے پڑی تھی۔ اس کا بلاؤز' ساڑھی اور انڈر گارمنٹس ایک طرف کرسی پر پڑے ہوئے تھے۔ میں اندر آیا تو ڈاکٹر شانتا نے وہ کپڑے سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے۔

"اچھا کیا جو تم نے زخموں کو ڈیٹول سے صاف کر دیا تھا۔" شانتا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے مرہم لگا دیا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی لیکن دو تین روز تکلیف تو رہے گی۔"

"ڈیٹول کا مشورہ بھی اس نے دیا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کے علاوہ یہ راستے میں موٹر سائیکل سے گری تھی۔ اس سے بھی چوٹ لگی ہو گی۔"

"میں نے سب دیکھ لیا ہے۔" شانتا نے کہا' پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم میرے ساتھ آؤ' موٹر سائیکل کو اندر لے آؤ' سامنے پڑوس والے مکان کی چھت سے موٹر سائیکل نظر آ سکتی ہے۔ پہلے اس کا بندوبست ہو جائے تو پھر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

میں ڈاکٹر شانتا کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے دروازہ کھولے رکھا اور میں موٹر بائیک کھینچتا

ہوا اسے چھپا کر کے اندر لے آیا۔ شانتا نے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

موٹر سائیکل کے لئے سب سے پچھلے کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جہاں زیادہ سامان نہیں تھا۔ ہم دوبارہ رادھا والے کمرے میں آ گئے اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شانتا مجھ سے کرید کرید کر سوال کر رہی تھی اور میں بڑے محتاط انداز میں جواب دے رہا تھا۔

"میں جیو اور جینے دو کے اصول کی قائل ہوں۔" شانتا نے کہا۔

"میں کوئی سیاست دان نہیں ہوں لیکن بہت سے لوگوں کی طرح مجھے بھی سرکار کی بعض پالیسیوں سے اختلاف ہے۔ اعتدال پسند لوگ کبھی ان نیتاؤں کی حمایت نہیں کریں گے جو جنگی جنون میں مبتلا ہیں۔ عوام بھی کسی ملک سے جنگ نہیں چاہتے۔ وہ امن و سکون سے رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں دو وقت کی روٹی چاہئے۔ مگر اس دیش میں جس طرح عوام کو بیوقوف بنایا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں ملتی۔ ہماری ہر سرکار نے پڑوسیوں کے خلاف ہمیشہ جارحانہ پالیسی اپنائی ہے۔ پڑوسی ممالک دوستی کا ہاتھ بڑھاتے بھی ہیں تو اسے جھٹک دیا جاتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں خود بھی آرام سے جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو' پڑوسیوں کے حوالے سے ہماری سرکار کی پالیسی یہ ہے کہ نہ خود ترقی اور خوشحالی کی طرف بڑھیں گے نہ بڑھنے دیں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان پہاڑیوں میں دہشت گردی کی تربیت دینے کا کوئی کیمپ ہے۔ اس شہر کے باسی تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہاں کسی قسم کی فوجی تنصیبات ہیں اور کسی عام آدمی کو اس طرف جانے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ مجھے تو بہت بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہاں کیا ہے۔ تم نے اپنے دیش اور اپنے لوگوں کی خاطر وہ کیمپ تباہ کر دیا لیکن تم نے وہ کام ایسے بھی کر ڈالے جو نہیں کرنے چاہئیں تھے۔"

"مثلاً؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں انگائی ہوتری کی چتا نہیں کرنی چاہئے تھی۔" شانتا نے کہا۔

"وہ تمہاری محسنہ تھی اس نے تمہیں پناہ دی تھی اور کئی بار تمہاری جان بچائی تھی۔"

"فساد کی اصل جڑ تو وہی کتیا تھی۔" مجھ سے پہلے رادھا بول پڑی۔ بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے اس نے اپنے آپ کو اوپر کھینچا تو اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ "اس نے کسی ہمدردی کی بنا پر اسے پناہ نہیں دی تھی۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "وہ اس کے ذریعے نہ صرف ناگ راج کو قتل کروانا چاہتی تھی بلکہ اس کے اور بھی بہت خطرناک منصوبے تھے۔ اس نے ناجی کو یہ لالچ دیا تھا کہ اگر وہ ناگ راج اور اس کے بعض ساتھیوں کو قتل کر دے تو وہ کیمپ کو تباہ کرنے میں اس کی مدد کرے گی اور اسے وہاں کے کچھ ایسے راز بھی فراہم کرے گی جنہیں یہ اپنی سرکار کو پیش کر کے سرخرو ہو سکے گا۔ اس کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ ناجی' ناگ راج کی چتا کر دے تو اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے مگر میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ انگا اگنی ہوتری سے تمہاری دوستی میری وجہ سے ہوئی تھی۔ تم کئی سال سے اس کے ساتھ ہو لیکن کیا تمہیں معلوم ہے انگا اگنی ہوتری دراصل کون تھی؟"

"کون تھی؟" شانتا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ را کی ڈپٹی ڈائریکٹر تھی اور ناگ راج بھی دراصل را کیلئے ہی کام کر رہا ہے۔"

"کیا؟" شانتا اچھل پڑی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" رادھا نے کہا۔

"اوہ۔" شانتا بولی۔ "اسی لئے وہ اکثر میرے بعض مریضوں کے بارے میں کرید کرید کر پوچھا کرتی تھی۔ وہ مریض جن کا شمار یہاں کے دولت مندوں میں ہوتا ہے اور وہ ناگ راج سے بھی کوئی نہ کوئی تعلق رکھتے تھے لیکن تم نے اجپال شوار مندر کو آگ کیوں لگائی تھی۔ اس میں سینکڑوں بے گناہ مارے گئے تھے۔"

"مندر کو آگ میں نے نہیں لگائی تھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "کیمپ کو تباہ کرنے سے پہلے میں اس مندر میں پنڈت بھیرو کے پاس پناہ لئے ہوئے تھا۔ چھمیا بھی میرے ساتھ تھی۔ ہم دو ڈھائی مہینے اس مندر میں رہے تھے۔ جب میں نے کیمپ کو تباہ کیا چھمیا بھی میرے ساتھ تھی وہ شدید زخمی ہوئی تھی۔ میں سمجھا کہ وہ مر چکی ہے اس لئے میں اسے چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلا بعد میں پتہ چلا کہ چھمیا بچ گئی تھی۔ اس نے ناگ راج کو بتایا کہ میں اجپال شوار مندر میں پناہ لئے ہوئے ہوں۔ ناگ راج نے مندر کو آگ لگوا دی۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ کیمپ تباہ کرنے کے بعد میں مندر کی طرف جانے کے بجائے انکا کے آشرم میں آ گیا تھا۔ انکا اس وقت آشرم میں نہیں تھی وہ صبح چھ بجے کے قریب وہاں پہنچی اس نے تہہ خانے میں ہم دونوں کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر رادھا نے مجھے بچا لیا اور۔"

"اور میں نے اسے گولیوں سے بھون دیا۔" رادھا نے میری بات پوری کر دی۔

"تم نے؟" شانتا نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" رادھا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اگر میں ایسا نہ کرتی تو وہ ہم دونوں کو ختم کر دیتی بہرحال اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس کے بعد سے ہم مسلسل بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ ہم نے ایک محفوظ پناہ گاہ تلاش کر لی تھی مگر انہوں نے اس کا سراغ لگا لیا اور کل رات جب ناگی موجود نہیں تھا تو بیلا دو آدمیوں کو لے کر پہنچ گئی اور میرے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تم دیکھ رہی ہو۔ آج ہم وہاں سے نکلے تو ہمیں راستے میں گھیرنے کی کوشش کی گئی اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں آج بھی دو آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ ہم بہت طویل چکر کاٹ کر اس طرف آئے ہیں۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ ہم اس وقت کہاں ہیں اس لئے تمہیں زیادہ پریشان۔"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔" شانتا نے اس کی بات کاٹ دی۔

کیمپ میں دھماکوں کے بعد چھمیا نے ناگ راج کو بتا دیا تھا کہ میں مندر میں چھپا ہوا ہوں میں نے شانتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں چھمیا کے ساتھ چند روز یہاں بھی رہا تھا۔ تم سے کسی نے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی یا اپنے آس پاس کسی مشتبہ شخص کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔" شانتا نے جواب دیا۔ "اگر چھمیا نے میرے بارے میں بتایا ہوتا تو انہیں دنوں میرے اس گھر کو بھی راکھ کر دیا گیا ہوتا اور میں نے اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی بھی نہیں دیکھا جس پر کوئی شبہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہم زیادہ یہاں نہیں رہیں گے رادھا کو چند روز آرام اور علاج کی ضرورت ہے۔ یہ جیسے ہی ٹھیک ہو گی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"میں کسی بات سے خوفزدہ نہیں ہوں۔" شانتا نے جواب دیا۔ "تم کو میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"دھنے باد شریمتی جی۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"تم نے آج کلینک نہیں کھولا!" رادھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں دراصل آٹھ دس روز کیلئے مدراس جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔" شانتا نے جواب دیا۔ "کلینک تو کل سے بند پڑا ہے میں نے باہر لکھ کر لگا دیا ہے کہ ذاتی وجوہ کی بنا پر کلینک پندرہ روز کیلئے بند رہے گا۔ آج دوپہر میں نے گھر کا کام کرنے والی عورت کو بھی دس دن کی چھٹی دے دی ہے۔ میرا پروگرام کل یہاں سے احمد آباد اور بمبئی جانے کا تھا وہاں سے ٹرین کے ذریعے مدراس چلی جاتی مگر ظاہر ہے اب میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے تمہارا پروگرام غارت ہو گیا۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ تمہاری چھٹیاں ضائع نہ ہوں۔ میری نظروں میں ایک اور جگہ ہے مگر وہ مشکوک ہے۔ ایک دو دن میں پتہ چل جائے گا اگر وہ جگہ محفوظ ہوئی تو ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے اور تم مدراس چلی جانا۔"

"کونسی جگہ؟" شانتا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ایک دو دن میں بتاؤں گا۔ اس کے بارے میں معلومات بھی تمہیں ہی حاصل کرنی ہوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"آٹھ بج رہے ہیں۔" شانتا گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں تم لوگوں کیلئے کچھ کھانے کا بندوبست کروں۔"

شانتا کمرے سے باہر چلی گئی اور میں رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد بھی ہم تینوں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ڈاکٹر شانتا کو جمائیاں آنے لگیں۔ وہ اٹھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔ تم اگر چاہو تو ساتھ والے کمرے میں چلے جاؤ۔ وہاں بھی بستر لگا ہوا ہے۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا وہ چاہتی تھی کہ میں رات رادھا کے کمرے میں نہ رہوں۔ پچھلی مرتبہ جب چھمیا میرے ساتھ آئی تھی تو اس وقت بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ وہ چھمیا کو اپنے کمرے میں سلاتی تھی اور اب رادھا کو مجھ سے الگ رکھنا چاہتی تھی۔ وہ بہت شریف النفس عورت تھی اور ہمیں بھی شرافت کے دائرے میں رکھنا چاہتی تھی... اسے کیا معلوم یہاں آنے سے پہلے ہم کیا کیا گل کھلاتے رہے ہیں۔

رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ رادھا کو بھی نیند آ رہی تھی میں اٹھ کر اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ شانتا نے مجھے جس کمرے میں سونے کیلئے کہا تھا وہ اس سے آگے تھا اور اس راہداری کے دوسری طرف

شافتہ کا کمرہ تھا۔ میں نے راہداری میں جھانک کر دیکھا۔ شاتنا والے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ شاتنا اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اس نے شاید مجھے دیکھ لیا تھا۔

"آ جاؤ اندر آ جاؤ۔ جی۔"

شاتنا کی آواز سن کر میں اندر داخل ہو گیا اور غیر ارادی طور پر دروازہ بھی پوری طرح بھیڑ دیا۔ میں بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھنے لگا تو وہ اپنی ٹانگیں سیٹتے ہوئے بولی۔

"یہاں آ جاؤ۔ آرام سے بیٹھو" اس نے مجھے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "وہاں تم لوگوں کے پاس بیٹھی تھی تو بڑے زور کی نیند آ رہی تھی لیکن یہاں تک آتے آتے نیند اڑ گئی۔ سوچا کچھ پڑھ ہی لوں۔"

اس نے کتاب تکیے کے قریب رکھ دی۔ وہ میڈیکل سائنس کے موضوع پر کوئی کتاب تھی۔ شاتنا ڈاکٹر تھی اور ظاہر ہے اسے اس قسم کی کتابوں سے دلچسپی تھی۔

اس وقت میرے پیروں میں چپل تھی اور میں چپل اتار کر بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور شاتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ شاتنا سانولی رنگت کی مالک دبلی پتلی سی عورت تھی۔ اس کے چہرے میں بھی زیادہ کشش نہیں تھی لیکن اس وقت نجانے کیوں وہ مجھے بہت اچھی لگی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اور کچھ جھلکیاں میرے لئے اس میں دلچسپی پیدا کر رہی تھیں۔

شاتنا میری نظروں کو بھانپ رہی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ ایک موقع پر بات کرتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ میری طرف جھکتی چلی گئی۔

میں نے شاتنا کا ہاتھ بری نیت سے نہیں پکڑا تھا لیکن اسے اس طرح اپنی طرف جھکتے پا کر میرے دل میں بھی کچھ کچھ ہونے لگا۔ میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور پھر شاتنا کی شرافت کا بھرم کھلتا چلا گیا۔

تین چار دن میں رادھا کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ البتہ ایک دو زخم ایسے تھے جو ذرا گہرے تھے۔ انہیں ٹھیک ہونے میں ظاہر ہے کچھ وقت لگتا۔ موٹر سائیکل سے گرنے سے جو چوٹ لگی تھی وہ بھی بڑی حد تک ٹھیک ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر شاتنا نے اگرچہ مدراس کا پروگرام ذہن سے نکال دیا تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ اس کا پروگرام خراب نہ ہو اور وہ چند روز کیلئے چلی جائے۔ میرے ذہن میں ایک اور بات بھی تھی اس نے کہہ رکھا تھا کہ کلینک کے دروازے پر بھی لکھ کر لگا دیا تھا کہ وہ شہر سے باہر جا رہی ہے۔ اس لئے دس روز تک کلینک بند رہے گا لیکن اس کے یہاں رہتے ہوئے کلینک بند رہنے سے اس پر کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا۔

ان چار دنوں کے دوران میں نے شاتنا ہی کے ذریعے رتنا کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا کہ اس رات بیلا نے میری نگرانی کروا کے رتنا اور شکتی لال کے ٹھکانے بھی معلوم کر لئے ہوں گے۔ بیلا کے آدمیوں نے صرف رادھا کے کالج تک توجہ مرکوز رکھی تھی۔ شاید انہوں نے سوچ ہو گا کہ میں کہیں باہر جاؤں گا تو واپس وہیں آؤں گا۔

اس رات نو بجے کے قریب ہم شاتنا کے بنگلے سے نکلے میں اور رادھا کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ شاتنا نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ موٹر سائیکل شافتہ کے بنگلے میں ہی چھوڑ دی گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ

چند روز بعد جب یہاں کے حالات بالکل پرسکون ہو جائیں گے تو میں وہ موٹر سائیکل لے جا کر کہیں چھوڑ دوں گا۔

شاتنا نے ہمیں رتنا کے مکان والی گلی کے موڑ پر اتار دیا اور گاڑی کو آگے نکال لے گئی میں اور رادھا گلی میں چلتے رہے۔ گلی میں اکا دکا لوگوں کی آمدورفت تھی مگر کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔

رتنا والے مکان کے قریب پہنچ کر میں نے جیب سے وہ دونوں چابیاں نکال لیں جو اس روز رتنا نے مجھے دی تھیں۔ ایک چابی سے باہر والا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند بھی کر دیا اور پھر آگے بڑھ کر دوسری چابی سے میں نے برآمدے والا دروازہ کھول دیا۔

رادھا کو ابھی تک میں نے رتنا کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ شاتنا کے ذریعے رتنا کے بارے میں معلومات حاصل کرائی تھیں تو رادھا کو اس کی ہوا نہیں لگنے دی تھی اور اب رادھا اس کاٹیج میں آ کر کچھ حیران ہو رہی تھی۔ رتنا والے کمرے میں بیڈ پر کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک کرسی کی پشت پر عورتوں کے استعمال کے انڈر گارمنٹس رکھے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں کسی عورت کی رہائش ہے۔

یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد رادھا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"بعض عورتوں میں سلیقہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "گھر سے باہر تو وہ بہت ٹیپ ٹاپ میں رہتی ہیں ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں لیکن گھر کی حالت ایسی ہوتی ہے جو چیز جہاں چاہا پھینک دی کوئی چیز سنبھال کر نہیں رکھی جاتی۔"

میں نے بیڈ پر بکھرے ہوئے رتنا کے کپڑے سمیٹ کر اس کرسی پر ڈال دیئے جس کی پشت پر انڈر گارمنٹس پڑے ہوئے تھے۔

"اور میرا خیال ہے کہ وہ رات تم نے یہاں گزاری تھی۔" رادھا نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجبوری تھی۔" میں ڈھٹائی سے مسکرا دیا۔ "تم یہ تھیلا یہاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دو اور چائے بنانا ہو تو میں تمہیں کچن دکھا دوں۔ میرا خیال ہے وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہو گی۔"

"معلوم ہوتا ہے تم اس کاٹیج کی ہر چیز دیکھ چکے ہو۔" رادھا نے مجھے گھورا۔

"میں صرف ایک رات یہاں رہا تھا۔" میں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اس ایک رات میں جو کچھ نظر آیا دیکھ لیا۔"

رادھا چند لمحے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس میں زخموں پر لگانے کیلئے مرہم اور کچھ دوسری دوائیں تھیں۔

"یہ کس کا کاٹیج ہے۔" وہ میری طرف گھوم گئی۔ "کون رہتی ہے یہاں۔"

"تم اسے چہرے سے پہچانتی ہو۔ آمنا سامنا بھی ہو چکا ہے لیکن نام سے واقف نہیں ہو اس لئے نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے وہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں یہاں آ جائے گی۔ مل لینا اس سے آؤ تمہیں کچن دکھا دوں۔"

رادھا میرے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔ کچن میں جانے سے پہلے اس نے پورے کاٹیج کا جائزہ لیا۔ میں اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا وہ یقیناً اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ اسے یہ بات بہت ناگوار گزری تھی کہ میں نے وہ رات کسی اور عورت کے ساتھ گزاری تھی۔

عورت بھی عجیب شے ہے۔ کوئی مرد اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ لے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ انتقام لینے پر اتر آئے تو دنیا کو تہہ و بالا کر دیتی ہے اور کسی کو اپنا مان لے تو اس کیلئے جان تک دے دیتی ہے۔ اس کے ساتھ کسی دوسری عورت کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ یوں تو رادھا نے میرے لئے بہت کچھ کیا تھا اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی تھی لیکن اب پہلی مرتبہ انکشاف ہوا کہ میرے بارے میں اس کی سوچ کیا تھی۔ اس کے جذبات کیا تھے۔ میرے حوالے سے کسی دوسری عورت کے بارے میں جان کر وہ سلگ اٹھی تھی۔ اگر اسے پتہ چل جاتا کہ میں نے ایک رات شانتا کے ساتھ بھی گزاری تھی تو وہ شاید شانتا کو بھی قتل کر دیتی اور اب یہاں رتنا کا معاملہ تھا۔ مجھے بہت محتاط رہنے کی ضرورت تھی اور میں کسی کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جہاں تک میرا تعلق تھا تو میں اس قسم کے جذبات سے بالکل عاری تھا۔ میری زندگی میں بہت سی عورتیں آئی تھیں۔ میں نے کسی کے بارے میں جذباتی ہو کر نہیں سوچا تھا ان عورتوں کی حیثیت میرے نزدیک ایسی تھی جیسے ضرورت کے وقت کوئی چیز خریدی اور استعمال کر کے پھینک دی۔ ایسی عورتوں میں شرافت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی وہ یا تو پیسے کے لئے قریب آتی ہیں یا مجھ جیسے خوبرو جوان مردوں سے اپنی ہوس کی آگ بجھانے کیلئے۔ شریف عورتیں کبھی غیر مردوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتیں اور میں نے بھی کبھی کسی شریف عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اور اس قماش کی عورتوں کو میں معاف نہیں کرتا تھا۔

میری زندگی میں سب سے پہلے رضیہ آئی تھی۔ اسی نے مجھے زندگی کی اس رنگینی سے روشناس کرایا تھا۔ اس کے بعد کئی عورتیں آئیں اور چلی گئیں وہ سب یا تو مجھ سے پیسہ کھینچنا چاہتی تھیں یا اپنی ہوس مٹانا چاہتی تھیں لیکن بیلا ان سے مختلف ثابت ہوئی اس کا مقصد کچھ اور تھا اور اونچا کھیل کھیل رہی تھی اور پھر اس کی ایجنٹ بھی اس کھیل میں شامل ہو گئی۔ رادھا' رتنا اور شانتا کو بھی میں ان سے مختلف نہیں سمجھتا تھا۔ ان میں سے کوئی اگر مجھے اپنے مندر کا دیوتا بنا چکی تھی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی میں ان کے حسن و شباب سے کھیل تو سکتا تھا لیکن انہیں زندگی کا روگ نہیں بنا سکتا تھا۔ یہاں میں اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ مجھے گن پوائنٹ پر لایا گیا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد صورت حال کا اندازہ ہوا تو میں نے ایک مقصد کا تعین کر لیا تھا۔ ایک راستہ منتخب کر لیا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے اپنے آپ کو ان حسین ناگنوں کیلئے کھلونا بنا لیا تھا۔ مجھے ان کی ضرورت تھی اور اس وقت تک ان کی خواہشات پوری کرتا رہوں گا جب تک میرا مقصد پورا نہیں ہو جاتا لیکن اب مجھے کچھ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ رادھا کے جذبات کے اظہار نے مجھے چونکا دیا تھا۔

ہم کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ باہر کا دروازہ ہولے سے کھٹکھٹایا گیا میں نے باہر نکل کر دیوبی دروازے سے جھانکا اور مطمئن ہو کر دروازہ کھول دیا وہ رتنا تھی۔

رادھا رتنا کو دیکھ کر چونک گئی۔ رتنا تو بڑی گرمجوشی سے ملی تھی لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ رادھا کے انداز قدرے سرد مہری تھی۔ اس کے سینے میں حسد اور رقابت کے جذبات سر ابھارنے لگے تھے۔

"مجھے اطلاع مل گئی تھی۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا تم آج یہاں آگئے میرے پاس کچھ اہم خبریں ہیں لیکن باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے کچھ کھا پی لیا جائے۔ میں تم لوگوں کے لئے فرائی فش لے کر آئی ہوں۔"

چند منٹ بعد وہ پلیٹوں میں فرائی فش نکال کر لے آئی۔ آج دن شانتا کے ذریعے میں نے اسے پیغام بھجوا دیا تھا کہ ہم رات نو بجے کے قریب یہاں پہنچ جائیں گے اور اسی لئے وہ آتے ہوئے راستے میں کسی جگہ سے مچھلی بھی لے آئی تھی۔

"ہاں۔ وہ خبریں کہاں ہیں؟" میں نے کانٹا نکال کر مچھلی کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ مچھلی بہت اچھی فرائی کی ہوئی تھی اور مجھے کئی روز بعد ایسی چیز کھانے کا موقع ملا تھا۔

"تمہیں اور رادھا کو اب بھی پورے شہر میں تلاش کیا جا رہا ہے۔" رتنا نے کہا۔

"اس خبر میں کوئی نیا پن نہیں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تمہارے لئے نویں گور خبر یہ ہے کہ ناگ راج ماؤنٹ آبو سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔" رتنا نے مسکرا کر کہا۔

"کیا؟" میں واقعی اچھل پڑا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا۔ کس نے بتایا؟"

"آج شام ریسٹورنٹ میں دو آدمی آئے تھے۔" رتنا کہنے لگی۔ "میری ڈیوٹی انہی کی میز پر تھی۔ چائے پیتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ میں ناگ راج کا نام سن کر چونکی تھی اور پھر میں اس میز کے ارد گرد ہی منڈلاتی رہی تاکہ ان کی باتیں سن سکوں۔"

"اور وہ باتیں کیا تھیں۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تفصیل نہیں جان سکی لیکن ان میں سے ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ناگ راج کے چلے جانے کے بعد وہ لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اب تک وہ ناگ راج کی وجہ سے بچے ہوئے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا پولیس آفیسر بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ اکیلے رہ جائیں گے تو ایک معمولی کانسٹیبل بھی انہیں سڑک پر ننگا کر دے گا۔"

"کون تھے وہ لوگ۔ ان میں سے کسی کو پہچانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا تھا مگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو بجو رام کے نام سے مخاطب کیا تھا۔" رتنا نے بتایا۔

"بجو رام۔" میں نے زیر لب یہ نام دہرایا۔ پھر رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔ "اس نام کے کسی شخص کو جانتی ہو؟"

"میں نے بھی یہ نام پہلی مرتبہ سنا ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔

"معلوم کرنا پڑے گا۔" میں نے کہا اور رتنا سے کرید کرید کر پوچھنے لگا مگر وہ مزید کچھ نہیں بتا سکی۔ میرے لئے یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا کہ ناگ راج کب اور کہاں جا رہا ہے مگر کوئی بات سمجھ

میں نہیں آ رہی تھی اور پھر یقیناً میرے ذہن میں شکتی لال کا نام ابھرا۔ اس کے ذریعے کوشش کی جا سکتی ہے۔

"ان دونوں کا حلیہ کیا تھا؟" میں نے رتنا سے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کس قسم کے آدمی تھے یا اس شکل و صورت ان کا شمار شرفا میں کیا جا سکتا ہے یا...."

"بس ایسے ہی تھے۔" رتنا نے جواب دیا۔ "کوئی شریف آدمی ناگ راج کے قریب نہیں پھٹکتا اور نہ ہی انہیں پولیس کا کوئی خوف ہوتا ہے۔ ان دونوں کو تم نہایت نچلے درجے کا بدمعاش کہہ سکتے ہو۔"

"سمجھ گیا۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ناگ راج کے بارے میں یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ کب اور کہاں جا رہا ہے اور یہ بات ہمیں بچو رام یا اس کا ساتھی ہی بتا سکے گا۔"

"لیکن بچو رام کا پتہ تم کیسے چلاؤ گے...." رادھا نے کہا۔

"اس کا پتہ چلانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جا رہا ہوں واپسی میں دیر ہو جائے گی مگر تم لوگ پریشان مت ہونا۔"

میں نے باتھ روم میں جا کر ہاتھ دھوئے اور پھر تیار ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ میری داڑھی کافی بڑھ چکی تھی اور مونچھیں بھی پھیل گئی تھیں اس پر اورنج کپڑے کی بل دار پگڑی باندھ کر میں راجستھانی راجپوت ہی لگ رہا تھا جس کا تعلق نچلے طبقے سے ہو۔

گلی سے نکل کر میں بائیں طرف مڑ گیا۔ ریڈ لائٹ ایریا زیادہ دور نہیں تھا لیکن میں سامنے کی طرف سے جانے کے بجائے پچھلی طرف ایک گلی میں مڑ گیا اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے شکتی لال کے ٹھکانے تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی اس وقت بھانوٹ بھی وہاں موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں کے چہروں پر رونق آ گئی۔

"پائے لاگوں گرو۔" شکتی نے ہاتھ میرے چرنوں کی طرف جھکاتے ہوئے کہا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"لیٹے رہو۔" میں کہتے ہوئے چارپائی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کئی دن پہلے تمہارا نام سننے میں آیا تھا گرو جب تم ناگ راج کے دو آدمیوں کو ٹھکانے لگا کر موٹر بائیک پر بھاگ نکلے تھے اور تمہارے ساتھ وہ لونڈیا بھی تھی بڑا ہنگامہ مچا تھا شہر میں۔" شکتی میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"انہوں نے ہمیں گھیرنے کی پوری طرح کوشش کی تھی مگر قسمت اچھی تھی جو بچ نکلے۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "بچو رام کو جانتے ہو؟"

"اسے کون نہیں جانتا گرو۔" شکتی بولا۔ "پر کیا بات ہے اس سے مڈبھیڑ ہو گئی کیا؟"

"نہیں...." میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ وہ کون ہے ناگ راج سے اس کا کیا تعلق ہے اور وہ کہاں ملے گا۔"

"بچو رام شنکر کا آدمی ہے۔" شکتی نے کہا۔ "شنکر نے دراصل پورے شہر میں اپنی دادا گیری کی دھاک بٹھا رکھی ہے۔ چھوٹے چھوٹے جتنے بھی بدمعاش ہیں سب اس کو مانتے ہیں اور اس کے آدمیوں کو بھتہ دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے علاقے ٹھیکے پر لے رکھے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "بچو رام

نے ایک علاقے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اس علاقے میں چند بڑے ہوٹل گیسٹ ہاؤسز ریسٹورنٹس اور بڑے بڑے سپر سٹورز بھی ہیں جن سے بچوں رام روزانہ بھتہ وصول کرتا ہے۔"

"بچو رام نے ایک رکھشا منڈل بنا رکھا ہے۔ اس کے آدمی روزانہ شام کو ڈبے لے کر پورے علاقے میں گھومتے ہیں اور ہر ہوٹل اور دکان سے رکھشا منڈل کے نام پر بھتہ وصول کرتے ہیں۔ کاروبار کے مطابق بھتوں کے ریٹ بھی مقرر ہیں جو روزانہ خاموشی سے طے شدہ بھتہ دیتا ہے وہ ان کے شر سے محفوظ رہتا ہے اور جو انکار کرتا ہے اس کی دکان پر اسی روز ڈاکہ پڑتا ہے یا توڑ پھوڑ ہو جاتی ہے۔ لوگ ایسے ناخوشگوار واقعات سے بچنے کیلئے خاموشی سے بھتہ دے دیتے ہیں۔ بچو رام ہر ہفتے شنکر کو دو لاکھ روپے ادا کرتا ہے ویسے سنا ہے کہ وہ ہفتے میں چار پانچ لاکھ روپے کے قریب رقم جمع کر لیتا ہے۔"

"کیا ناگ راج سے بھی براہ راست اس کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں وہ شنکر کا آدمی ہے ہو سکتا ہے ناگ راج سے بھی اس کا کوئی تعلق ہو مگر قصہ کیا ہے گرو؟" اس نے پوچھا۔

"ناگ راج یا شنکر کا کچھ پتہ چلا کہ وہ کہاں ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"ابھی نہیں۔" شکتی نے جواب دیا۔ "کوئی خاص سمسیا؟" اس نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "کچھ دیر پہلے مجھے پتہ چلا ہے کہ ناگ راج یہ شہر چھوڑنے کا منصوبہ بنا رہا ہے اگر وہ یہاں سے نکل گیا تو پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ سارا حساب کتاب یہاں کا یہیں پہ برابر کیا جائے لیکن ناگ راج، شنکر اور گوپال وغیرہ کہاں چھپے بیٹھے ہیں یہ ہم کچھ نہیں جانتے اور ناگ راج کا منصوبہ کیا ہے اس کے بارے میں بچو رام ہی بتا سکتا ہے اور بچو رام کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ آج ہی رات۔"

"تو چنتا کیوں کرتے ہو گرو۔" شکتی لال نے کہا۔ "ہم بچو رام کو آج رات ہی پکڑ لیں گے۔ اس کی زبان کھلوانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔" اس نے مڑ کر بھانوٹ کی طرف دیکھا۔ "بھانوٹ۔ گرو کی ساری باتیں تم نے سن لی ہیں۔ بچو رام اس وقت کہاں ہوگا؟"

"اس وقت وہ بدری کے شراب خانے میں ہوگا۔ روزانہ رات دس بجے کے بعد وہ وہیں ملتا ہے۔ میں ایک گھنٹے کے اندر اندر اسے یہاں لا کر گرو کے قدموں میں پھینک دوں گا۔"

"یہاں نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔

"تم منٹو کو ساتھ لے جاؤ ہم جھیل کے ڈھابے سے آگے والے موڑ پر تمہارا انتظار کریں گے مگر ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگنا چاہئے۔"

"نہیں لگے گا۔" بھانوٹ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے چند منٹ بعد شکتی بھی چارپائی سے اتر گیا اور جوگرز پہننے لگا۔

"تمہاری ٹانگ کا زخم اب کیسا ہے چلنے میں تکلیف تو نہیں ہوتی۔" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں گرو۔" شکتی نے جواب دیا۔ "وہ وید جی تو کمال کا آدمی نکلا اس نے چھ سو روپے لئے

تھے۔ سو روپے علاج اور پانچ سو روپے اپنی زبان بند رکھنے کے۔ پتہ نہیں کونسا مرہم لگاتا تھا۔ دو تین پٹیاں لگانے سے ہی زخم بھر گیا اب تو بہت معمولی سی تکلیف ہے مگر نہ چلنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

ہم دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ شکتی نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور ہم اس اصطبل نما حویلی سے باہر آ گئے۔

گلی میں بائیں طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی دکان تھی جو اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔ اندر لالٹین جل رہی تھی۔

"چھیلی او چھیلی....." شکتی نے دروازے میں جھانکتے ہوئے آواز دی۔

"کیا ہے رے۔ کون ہے کیا چاہئے۔" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"دو چائے بنا کر دے۔ ذرا جلدی..... ذرا اچھی بنانا" شکتی نے کہا۔ میں اس دکان سے ذرا آگے جا کر کھڑا ہو گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد شکتی چائے کے دو گلاس لے کر آ گیا ہم وہاں کھڑے چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ چائے ختم کر کے اس نے خالی گلاس واپس کئے اور دوبارہ میرے قریب آ کر اشارہ کیا۔ وہاں سے تقریباً سو گز آگے ایک موڑ تھا۔ اس موڑ کے ایک طرف تو تاریکی میں ڈوبے ہوئے پرانی طرز کے مکان تھے اور دوسری طرف آگے ویرانہ تھا۔ اس موڑ پر ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دیکھ کر ہم دونوں ٹیلے کی آڑ میں چلے گئے۔

وہ ایک جیپ تھی جو موڑ پر آ کر رک گئی۔ ایک آدمی اتر کر آگے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیپ رکتے ہی ہیڈ لیمپس بجھا دیئے گئے لیکن اس آدمی کی آواز سنتے ہی ہم سامنے آ گئے۔ وہ بھاتوت تھا۔

جیپ کی پچھلی والی سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ ایک سیٹ پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ بیچ والے کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں چاقو۔

میں اور شکتی سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے اور بھاتوت نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور انجن سٹارٹ کر کے جیپ آگے بڑھا دی۔ اس نے ہیڈ لیمپس روشن نہیں کئے تھے۔

وہ اماوس کی رات تھی۔ گہری تاریکی تھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس تاریکی میں روشنی کے بغیر جیپ چلانا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن بھاتوت بڑی مہارت کا مظاہرہ کر رہا تھا اور راستہ بھی غالباً اس کا دیکھا بھالا تھا اور وہ غالباً یہ بھی جانتا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

تقریباً بیس منٹ تک ٹیلوں میں چلنے کے بعد جیپ ایک اور تنگ سے راستے پر مڑ گئی۔ تقریباً دو سو گز آگے کسی عمارت کے کھنڈر تھے۔ بھاتوت جیپ کو ان کھنڈروں میں لے گیا اور ایک دیوار کی آڑ میں روک کر ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے۔

"نیچے" مٹھو کے ساتھ شکتی کا ایک اور آدمی تھا جو بچو رام کو جیپ سے اتار کر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں لے آیا۔ شکتی نے اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا اور ہاتھ بھی کھول دیئے۔ پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"...... یہ بچو جو پوچھنا ہے"

"تم لوگ بچ کے نہیں" بچو رام بول اٹھا۔ "جب میرے آدمیوں کو پتہ چلے گا کہ مجھے کڈنیپ کیا گیا ہے تو وہ تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"وہ تو تمہارا کھوج نہیں لگا پائیں گے ہمیں کیسے ڈھونڈیں گے۔" شکتی نے اسے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"اگر تم تشدد سے بچنا چاہتے ہو تو میری باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولا۔ "ناگ راج یہ شہر چھوڑ کر کہاں جانا چاہتا ہے۔ اس کا منصوبہ کیا ہے۔"

بچو رام چونک گیا۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا وہ خوفزدہ سی نظروں سے چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں ناگ راج کے کسی منصوبے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تو پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ یہاں سے جانے والا ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"نہیں..... نہیں مجھے کچھ معلوم نہیں" وہ گھگھیایا۔

میں نے مزید کچھ پوچھے بغیر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ وہ زمین پر لوٹتا اور چیختا رہا۔ ایک موقع پر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر بھاتوت نے اسے پکڑ لیا اور گھونسے ٹھوکریں مارتے ہوئے میرے قدموں میں لا پھینکا۔

"اب زبان کھولتا ہے یا تیری زبان کاٹ دوں" بھاتوت نے اسے بالوں سے پکڑ کر سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو اس کے چہرے کے سامنے لہرانے لگا۔

لیکن بچو رام نے زبان نہیں کھولی وہ واقعی بہت سخت جان تھا۔ اس مرتبہ مٹھو نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر اس کی کہنی پورے زور سے اپنے گھٹنے پر ماری بچو رام ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ وہ زمین پر بری طرح مچلنے لگا۔

"میں تمہارے شریر کا جوڑ جوڑ الگ کر دوں گا۔" مٹھو نے اس کا دوسرا بازو پکڑ لیا۔ اس مرتبہ بھی مٹھو نے وہی عمل دہرایا۔ اس مرتبہ بچو رام کی چیخیں پہلے سے زیادہ بلند تھیں۔ مٹھو نے اس کی ٹانگ پکڑی تو بچو رام چیخ اٹھا۔

"ٹھ ٹھہرو.........بب.........بتا.........تا.........ہوں۔"

میں نے مٹھو رام کو اشارہ کیا وہ بچو رام کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ بچو رام دیر تک ادھر پڑا کراہتا رہا اس کے دونوں بازو کہنیوں سے ٹوٹ کر بیکار ہو گئے تھے۔

"اب بولتا ہے یا ٹانگ بھی توڑ دوں۔" مٹھو نے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔ "جلدی بول ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"بب.....بتاتا ہوں۔" بچو رام رو دیا۔

میں نے چند منٹ اسے موقع دیا تا کہ اپنے آپ کو سنبھال لے پھر میں نے سوالات کا سلسلہ

شروع کر دیا۔ وہ فرفر بولنے لگا۔"

"کیمپ کی تباہی کے بعد..... بڑے بڑے افسر ناگ راج سے ناراض ہو چکے ہیں۔ ناگ راج نے سارا الزام اگرچہ ایک پاکستانی آتنک وادی پر لگا دیا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بھی بری الذمہ ثابت نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ حکام کو بھی یہ شبہ ہے کہ اچل شوار مندر کو آگ بھی اسی نے لگوائی تھی۔ کوئی ایک شخص دتی بڑی بلڈنگ بلکہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی کئی بلڈنگوں کو اس طرح آگ نہیں لگا سکتا کہ وہ بیک وقت بھڑک اٹھے۔ ناگ راج پر اگرچہ یہ الزام ثابت نہیں ہو سکا مگر اس کی تحقیقات کیلئے دلی سے ماہرین بلوائے گئے ہیں۔"

"ناگ راج کو را کی پشت پناہی حاصل تھی مگر وہ بھی اب اس سے ناراض ہیں کیونکہ یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ اس نے اپنی ذاتی دشمنی کی بنا پر را کے بھی کئی آدمیوں کو مروا دیا تھا۔"

"سرکار ناگ راج کو محض اس لئے چھوٹ دے رہی ہے کہ وہ ایک اور خطرناک منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ وہ منصوبہ مکمل ہو جانے سے ہماری سرکار پاکستان میں دہشت گردی کا ایسا طوفان اٹھا دے گی جس پر وہاں کی سرکار قابو نہیں پا سکے گی۔"

"اور ناگ راج کا وہ منصوبہ خطرناک زہریلے انجکشنوں کی تیاری ہے جس کے لگنے سے انسان جھٹکے کھا کر مر جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" بچو رام بولا۔ "دوسری طرف ناگ راج اس پاکستانی مہاشے سے خوفزدہ ہے جس کی وجہ سے اسے اتنے نقصان اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ ناگ راج کے کئی اہم آدمی اس کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں اور ناگ راج کو ڈر ہے کہ اگر یہی صورتحال رہی تو وہ پاکستانی نوجوان کسی وقت اس تک بھی پہنچ جائے گا اس لئے اس نے یہاں سے چلے جانے کا منصوبہ بنایا ہے تاکہ کسی محفوظ مقام پر جا کر اپنے منصوبے پر کام کر سکے۔"

"کیا سرکار کو اس کے اس پروگرام کا پتہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" بچو رام نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ چوری چھپے یہاں سے نکلنا چاہتا ہے اس کا خیال ہے کہ کچھ عرصہ غائب رہے گا اور جب ایجاد زہریلا منصوبہ مکمل کر کے سرکار کو پیش کر دے گا تو سرکار اس کے سارے گناہ معاف کر دے گی۔"

"اس کے ساتھ کون کون جا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "وہ کب اور کہاں جائے گا۔"

"بیلا، شنکر، گوپال اور پنڈت امریش ہوں گے۔ ناگ راج زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا لیکن ہو سکتا ہے آخری وقت میں وہ کسی اور کو بھی ساتھ لے لے اس میں میرا نام بھی ہو سکتا ہے مگر مجھے اس کی توقع نہیں۔"

"ناگ راج کا یہ منصوبہ اتنا خفیہ ہے تو تمہیں کیسے پتہ چلا!" میں نے پوچھا۔

"مجھے شنکر نے بتایا تھا۔" بچو رام نے جواب دیا۔ "اس نے کہا تھا کہ اگر مجھے ساتھ نہ لے جایا جا سکا تو ہم اپنا بندوبست کر لیں۔"

"شنکر کہاں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ راجندر مارگ کے ایک پرائیوٹ کلینک میں ہے۔" بچو رام نے جواب دیا۔ میں بچو رام سے مزید سوال کرتا رہا اور جب یہ معلوم ہوا کہ ناگ راج اس وقت کہاں چھپا ہوا ہے اور وہ کب اور کہاں کیسے روانہ ہو گا تو میں نے شکتی کو اشارہ کر دیا۔ وہ آگے بڑھا تیزی سے جھکا اور اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو دستے تک بچو رام کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ بچو رام کے منہ سے نکلنے والی وہ آخری چیخ خوفناک تھی جو پہاڑیوں میں گونج پیدا کرتی چلی گئی۔

پہاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آتے ہی بھانوٹ نے جیپ کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے اور پھر جیپ کو آگے لے جا کر اس سڑک پر موڑ دیا جو راجندر مارگ کی طرف چلی گئی تھی۔

سڑکوں کی رونق اجڑ رہی تھی۔ ابھی ہم اگلے چوک سے کچھ دور ہی تھے کہ دائیں طرف سے آنے والی سفید رنگ کی ایک ماروتی کار تیزی سے چوک پار کرتی ہوئی ہماری جیپ کے آگے سے بائیں طرف مڑ گئی لیکن چند گز آگے جا کر بریکوں کی تیز چرچراہٹ سے رک گئی۔ اس دوران ہماری جیپ سیدھی چوک سے آگے نکل گئی تھی۔

سفید ماروتی کار تیزی سے مڑ کر ہمارے پیچھے لگ گئی اور نہایت تیز رفتاری سے ہمیں اوور ٹیک کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ شکتی پچھلی سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آگے کی طرف منہ کر کے چیخ اٹھا۔

"بھانوٹ ہوشیار۔ یہ بچو رام کے آدمی ہیں۔ انہوں نے شاید جیپ پہچان لی ہے۔"

"چنتا مت کرو نمٹ لیں گے ان سے۔" بھانوٹ نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ کار میں صرف دو آدمی تھے۔ ایک ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ کار جیپ سے تقریباً بیس گز آگے نکل کر سڑک پر آڑھی ترچھی رک گئی اور پچھلی سیٹ والا آدمی بڑی پھرتی سے اتر کر سامنے کھڑا ہو گیا اس کے ہاتھ میں پستول تھا مگر اس کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ فوری طور پر گولی چلانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

جب ہم پہاڑیوں کی طرف جا رہے تھے؟ بھانوٹ نے بتایا تھا کہ کس طرح انہوں نے بچو رام کو شراب خانے سے باہر نکال کر گرفت میں لیا تھا اور اس کی جیپ لے اڑے تھے اور میرا خیال تھا کہ اس کے غائب ہونے کا پتہ چل جانے پر اس کے آدمیوں نے اس کی تلاش شروع کر دی ہو گی اور اس ماروتی پر سوار آدمیوں نے جیپ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ کوئی کارروائی کرنے سے پہلے تصدیق کر لینا چاہتے تھے کہ بچو رام جیپ میں ہے یا نہیں۔

"ہوشیار۔"

"بھانوٹ چیخا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پوری قوت سے ایکسیلیٹر دبا دیا۔ جیپ بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح آگے بڑھی۔ سامنے کھڑے ہوئے شخص نے چھلانگ لگا کر ایک طرف ہٹنے کی کوشش کی لیکن جیپ کی ٹکر سے نہ بچ سکا۔ جیپ کی ٹکر کھا کر وہ کار سے ٹکرایا اور پھر دوسرے ہی لمحے جیپ اس شخص اور کار کو گھسیٹتی ہوئی دور تک لے گئی۔ وہ شخص جیپ اور کار کے درمیان پچک کر رہ گیا تھا۔"

"ٹکر لگتے ہی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اچھل کر باہر گرا وہ جیپ کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا۔ اس نے زمین پر گرتے ہی گولی چلا دی تھی۔ گولی جیپ کی بائیں طرف والی ہیڈ لائٹ پر لگی تھی

مگر شنکی نے اسے دوسرا فائر کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے جیپ سے چھلانگ لگا دی اور ہوا میں تیرتا ہوا اس شخص کے اوپر جا گرا۔

جیپ ایک زوردار جھٹکے سے رک گئی۔ میں نے بھی چھلانگ لگا دی۔ وہ کار بری طرح پچک گئی اور اس آدمی کا تو قیمہ سا بن کر رہ گیا تھا۔

شنکی اور دوسرا آدمی آپس میں گتھم گتھا تھے۔ شنکی نے اس کا پستول والا ہاتھ گرفت میں لے رکھا تھا میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس شخص کے بازو پر پیر رکھ دیا اور پوری قوت سے اسے کچلنے لگا اس کے ہاتھ کی انگلیاں کھل گئیں اور پستول شنکی کے قبضے میں آ گیا۔

شنکی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پے در پے اس کے سینے پر تین گولیاں چلا دیں۔

بھانوت اس دوران جیپ کو ریورس میں لے کر کئی گز پیچھے لے جا چکا تھا میں اور شنکی جیپ کی طرف دوڑے اور ہمارے بیٹھتے ہی جیپ اچھل کر آگے بڑھ گئی۔ مٹھو اور اس کا ساتھی پہلے ہی جیپ پر سوار ہو چکے تھے۔

"بھانوت۔" شنکی نے اس آدمی سے چھینا ہوا پستول جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے گرو کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ دو اور پھر جیپ کو کسی ویران سڑک پر چھوڑ دو۔ کس طرف جانا ہے گرو؟" آخری الفاظ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر راستہ بتانے لگا اور پھر رتنا کے مکان والی گلی سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر جیپ رکوالی۔ میرے اترتے ہی جیپ فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔

میں جب رتنا کے مکان کے سامنے پہنچا تو رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ میں نے ہولے سے دستک دی اس کے ایک منٹ بعد اندر والا دروازہ کھلا۔ قدموں کی ہلکی سی آواز ابھری اور باہر والے دروازے کے قریب رتنا کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں رتنا دروازہ کھولو۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

دروازہ آہستگی سے کھل گیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔

وہ دونوں جاگ رہی تھیں اور مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ دونوں میں دوستی ہو چکی تھی کیونکہ یہاں آنے کے بعد میں نے رادھا کے رویے میں کشیدگی اور تناؤ کے جو آثار محسوس کیے تھے وہ ختم ہو چکے تھے۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تم آج رات بھی غائب رہو گے۔ کسی اور کے پاس۔" رادھا نے شرارت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے ایک ٹھکانہ تو تھا جہاں رات گزار سکتا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اس کا پتہ بھی تم نے ہی بتایا تھا۔"

"کونسا ٹھکانہ؟" رادھا چونک گئی۔ "میں نے تمہیں کونسا پتہ بتایا تھا؟"

"شنکی کو بھول گئیں؟" میں نے کہا۔ "[illegible] تو میں نے اس کے بارے میں پوچھا تھا مگر ہم

نے صورتحال پر قابو پا لیا تھا اور یہاں تک آنے میں کوئی پریشانی بھی نہیں ہوئی۔"

"ہم لوگ سے تمہاری کیا مراد ہے؟" رادھا نے مجھے گھورا۔

"دشمنوں کے اس شہر میں میرے اور بھی کچھ ہمدرد ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور وہ بھی میرے ایک اشارے پر جان دینے اور لینے کو تیار رہتے ہیں اور وہ لوگ آج رات کم از کم تین آدمیوں کو نرک میں پہنچا چکے ہیں۔"

"اوہ۔" رادھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "بہرحال تم جس کام کیلئے گئے تھے اس کا کیا ہوا۔"

"وہی بتانے جا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "رتنا کی اطلاع درست ہے ناگ راج یہ شہر چھوڑنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ میں نے پجاری رام سے سب کچھ اگلوا لیا ہے اور اس کی زبان بھی ہمیشہ کیلئے بند ہو گئی ہے۔" میں چند لمحوں کیلئے خاموش ہوا پھر انہیں تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ "را والے بھی ناگ راج سے ناراض ہیں۔ کیمپ کی تباہی کے باوجود اسے محض اس لئے چھوٹ دی جا رہی ہے کہ وہ زہریلے انجکشن تیار کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ ناگ راج کا خیال ہے کہ یہاں رہ کر میری وجہ سے وہ سکون سے کام نہیں کر سکے گا۔ اس کے علاوہ وہ را والے بھی اسے پریشان کریں گے۔ اس لئے وہ چوری چھپے اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ نکل جانے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ وہ کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہے جہاں را والے بھی اس کا سراغ نہ لگا سکیں اور وہ سکون سے اپنے منصوبے پر کام کر سکے۔ اس کا خیال ہے کہ جب وہ اپنا منصوبہ مکمل کر کے پیش کرے گا تو سرکار اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "لیکن میں نہ تو اسے یہاں سے جانے کا موقع دوں گا اور نہ ہی وہ منصوبہ مکمل کرے گا۔ اس نے جس طرح میرے ملک کے بے گناہ شہریوں پر دہشت گردی کی صورت میں قہر نازل کر رکھا ہے۔ اس کی میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ آئندہ ایسا کوئی منصوبہ بناتے وقت یہاں کی سرکار کو سو مرتبہ سوچنا پڑے گا۔"

"یہاں ناگ راج جیسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ تم ایک کو مارو گے تو دس ناگ راج پیدا ہو جائیں گے۔" رادھا نے کہا۔

"پاکستان میں بھی مجھ جیسے سرپھروں کی کمی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ایک مرے گا تو سو پیدا ہوں گے اور کسی دشمن کو اس کے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

"ناگ راج کو اتنی زیادہ چھوٹ ملنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔" رادھا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چند سال پہلے ایف بی آئی کا ایک آدمی ایک پولیس انسپکٹر کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی کیس پر کام کر رہے تھے۔ پولیس انسپکٹر نے کامیابی کا سہرا اپنے سر سجانے کیلئے ایف بی آئی کے ایجنٹ کو مار دیا اور الزام اس جرائم پیشہ گروہ کے سرغنے پر تھوپ دیا جس کے بارے میں وہ لوگ تحقیقات کر رہے تھے لیکن انسپکٹر کا راز فاش ہو گیا اور عدالت نے اسے موت کی سزا دے دی لیکن ..." رادھا ایک لمحہ کو رک گئی۔ "لیکن ناگ راج نے کئی اہم آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ سرکار اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے لیکن اسے چھوٹ دی جاتی رہی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ بڑی کامیابی سے

دہشت گردی کا کیمپ چلا رہا تھا۔"

"زہر کے انجکشن"

"اور بھی بہت کچھ۔" رادھا نے میری بات کاٹ دی۔

"وہ پاکستان میں تخریب کاری' دہشت گردی اور لوٹ کا کھیل رچانے کے علاوہ اور بھی کئی اہم منصوبوں پر کام کر چکا ہے اور بعض منصوبے تو ایسے ہیں کہ تمہارے ملک کے لوگ بڑی خوشی سے اس کا شکار ہو رہے ہیں۔"

"مثلاً!" میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہیروئن۔" رادھا بولی۔ "تمہارے ملک میں ہیروئن استعمال کرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے تجاوز کر رہی ہے۔ یہ وہ زہر ہے جو آہستہ آہستہ خون میں اثر کرتا ہے اور اسے استعمال کرنے والا مفلوج ہو کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور لوگ یہ زہر خوشی سے پیتے ہیں پیسے خرچ کر کے۔" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر بولی۔ "تمہارے ہاں ہیروئن کے پھیلاؤ کا الزام اب تک افغانستان پر تھوپتے رہے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ افغانستان سے بھی بڑی مقدار میں ہیروئن تمہارے ملک میں پہنچی ہے لیکن تمہارے ملک کے شمالی علاقوں میں بھی ہیروئن تیار کرنے کی لاتعداد فیکٹریاں کام کر رہی ہیں اور ہیروئن کی تیاری میں جو کیمیکل استعمال ہوتا ہے وہ بھارت سے جاتا ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔ یہ میرے لئے ایک سنسنی خیز انکشاف تھا۔

"یہ سچ ہے۔" رادھا نے کہا۔ "یہ کیمیکل بہت مہنگا ہوتا ہے لیکن پاکستانی سمگلروں کو برائے نام قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ جسے وہ اپنی قیمت پر اپنے دیش میں ہیروئن تیار کرنے والوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔"

"لیکن اس کا ناگ راج سے کیا تعلق؟" میں نے پوچھا۔

"اس کیمیکل کا فارمولا بھی ناگ راج ہی کے شیطانی دماغ کی پیداوار ہے۔" رادھا نے جواب دیا۔ "ناگ راج بنیادی طور پر ایک سنیاسی ہے۔ اسے جڑی بوٹیوں اور سانپوں پر اتھارٹی سمجھا جاتا ہے۔ انہی چیزوں کی وجہ سے وہ سرکاری نظروں میں آ گیا اور سرکار نے اس کی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔"

"ناگ راج نے اپنے آپ کو بہت بڑا دہشت گرد بھی ثابت کیا ہے۔ اس نے تشدد کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں کہ پتھر بھی بولنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہماری پولیس بڑے بڑے مجرموں کی زبان کھلوانے کیلئے وہی طریقے استعمال کرتی ہے۔"

"سرکار نے ناگ راج کو بہت سے پراجیکٹ سونپ دیئے جنہیں وہ بڑی کامیابی سے چلا رہا ہے۔ دہشت گردی کی تربیت کا کیمپ تم نے تباہ کر دیا۔ زہر کے انجکشنوں کی تیاری والا منصوبہ آخری مرحلے میں ہے مگر ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کا منصوبہ بڑی کامیابی سے جاری ہے۔ یہ کیمیکل بڑی مقدار میں کامیابی سے پاکستان سمگل کیا جا رہا ہے۔"

"یہ کیمیکل کہاں تیار ہوتا ہے۔ ماؤنٹ آبو میں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" رادھا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس کی فیکٹری پوکھران میں ہے۔ وہیں سے یہ کیمیکل سرحد پار تھر اور چولستان کی طرف سمگل کر دیا جاتا ہے۔"

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ میری اور رادھا کی باتوں کے دوران ہی رتنا چائے بنا کر لے آئی تھی اور میں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے رادھا کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ ایسی باتیں کسی عام آدمی کے علم میں نہیں ہوتیں۔ صرف وہی شخص جان سکتا ہے جس کا تعلق اندر سے ہو۔ رادھا نے مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بتایا تھا لیکن اب اس کی باتوں سے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کیا رادھا بھی اکا وتی ہوتری کی طرح را یا کسی اور تنظیم سے تعلق رکھتی ہے اور کسی خاص مقصد کیلئے میری مدد کر کے اپنے آدمی مروا رہی ہے۔"

"کیا سوچ رہے" رادھا نے مجھے خاموش پا کر پوچھا۔ "کہیں تم بھی......" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

رادھا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"مجھے شبہ تھا تم یہ بات کہو گے لیکن میرے بارے میں سچ وہی ہے جو تمہیں بتا چکی ہوں۔" "لیکن تم شاید بھول گئے ہو کہ میں کئی سال سے اکا وتی ہوتری کے ساتھ تھی اور میں اس کے بہت سے راز جانتی تھی۔ اگر تمہیں اس رات آشرم کے تہہ خانے میں رکنے کا موقع ملتا تو تم اطمینان سے تمام فائلیں پڑھ لیتے اس کے پاس ناگ راج کے بارے میں مکمل ریکارڈ موجود ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میرے بارے میں تمہیں اطمینان رکھنا چاہئے میں تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کروں گی۔ تم مجھے آزما چکے ہو اور میں مزید ہر آزمائش کیلئے تیار ہوں۔"

"مجھے تم پر بھروسہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے نہیں رہنا چاہئے میں ناگ راج کو اس شہر سے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے؟" رادھا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ناگ راج کے ٹھکانے کا پتہ چل گیا ہے۔ گوپال اور ایک دو اور آدمی اس کے ساتھ ہیں لیکن میں فی الحال اسے نہیں چھیڑنا چاہتا البتہ میرا خیال ہے کہ شنکر پر ہاتھ ڈال دیا جائے وہ راجندر مارگ کے ایک پرائیویٹ کلینک میں آرام کر رہا ہے۔"

"کونسا کلینک!" رادھا نے پوچھا۔

میں نے اسے وہ نام بتا دیا جو بچو رام سے معلوم ہوا تھا پھر بولا۔

"شنکر کو بچو رام اور دو دوسرے آدمیوں کے مرنے کی اطلاع پہنچ چکی ہو گی۔ بچو رام کے بارے میں شاید وہ اس شبے میں مبتلا رہے کہ اسے کہیں غائب کر دیا گیا ہے لیکن میں اسے کچھ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا ہوں کہ کل رات ہی اس سے نمٹ لیا جائے۔"

"شاردا کلینک تو یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک میل کا فاصلہ ہے۔" رتنا نے ہماری گفتگو کے دوران پہلی مرتبہ زبان کھولی اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "ڈاکٹر شاردا کو بھی اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ کئی مرتبہ ہمارے ریسٹورنٹ میں اپنے دوستوں کے ساتھ آ چکی ہے اور جب اس کے ہاں کوئی

تقریب ہوتی ہے تو کیٹرنگ کی سروس ہمارے ریسٹورنٹ کو ہی دی جاتی ہے۔ وہ بہت مہنگا کلینک ہے بڑے بڑے لوگ ہی وہاں جاتے ہیں۔

"گڈ۔" میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ "اس کا مطلب ہے تم ایک دو دن کیلئے وہاں داخلہ لے سکتی ہو۔"

"کیوں بھئی مجھے کیا تکلیف ہے؟" رتنا نے مجھے گھورا۔

"ابھی میں تمہارے پیٹ میں ایک زوردار گھونسہ ماروں تو تمہیں بہت سی تکلیفیں لاحق ہو سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔ "ان جیسے پرائیویٹ کلینکوں میں داخل ہونے کیلئے کسی خاص وجہ یا بیماری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نخرہ بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ دولت مند لوگوں کو تو چھینک بھی آتی ہے تو وہ علاج کیلئے ولایت اور امریکہ بھاگ جاتے ہیں۔"

"لیکن میں اتنی دولت مند تو نہیں کہ ......"

"او..... کم آن۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ سمجھ گئی۔" رتنا نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

اور پھر ہم دیر تک منصوبہ بناتے رہے۔ ہم تینوں نے ہر پہلو سے اس منصوبے کا جائزہ لیا۔ اندیشہ صرف اس بات کا تھا کہ عین آخری لمحوں میں شنکر کو کوئی شبہ نہ ہو جائے یا وہ اپنا پروگرام تبدیل نہ کر دے لیکن بہرحال مجھے ننانوے فیصد یقین اس بات کا تھا کہ ہمارا منصوبہ کامیاب ہوگا۔

شام کا جھٹ پٹا تھا۔ راجندر نگر کے شاپنگ ایریا میں بڑی رونق تھی۔ تمام ریسٹورنٹس پوری طرح آباد تھے۔ فٹ پاتھوں پر کھانے پینے کی چیزوں کے ٹھیلوں پر بھی گاہک ناؤنوش میں مشغول تھے۔ دکانوں کی بتیاں جگمگا اٹھی تھیں۔

میں اور لکشمی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دکانوں کے سامنے فٹ پاتھ پر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس طرح چل رہے تھے جیسے پہلی مرتبہ اس شہر میں آئے ہوں۔ لکشمی نے جو راجستھانی لباس پہن رکھا تھا اس کی تراش ایسی تھی کہ اس کے بدن کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ میں بھی راجستھانی لباس میں تھا لیکن میرے اور لکشمی کے حلیوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ اپسرا لگ رہی تھی اور مجھے دیکھ کر ہر کوئی اندازہ لگا سکتا تھا کہ سیدھا جنگل سے آ رہا ہوں۔ اکثر لوگ مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہم چوک کے قریب ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو کر ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گئے جہاں سے باہر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس ریسٹورنٹ میں عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک بہت بڑا شراب خانہ تھا۔

"یہ وہی چوک تھا جہاں دو سال پہلے لکشمی اور شنکر میں لڑائی ہوئی تھی اور شنکر نے اسے بے لباس کر کے بالوں سے پکڑ کر سڑک پر گھسیٹا تھا۔ اس علاقے میں کچھ لوگ لکشمی کو جانتے بھی تھے۔ جب ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے مٹکے جیسی توند والے سیٹھ نے عجیب سی نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔"

رات کو میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں رتنا کو سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرنا تھا وہ آج

چکی تھی اور اس کے واپس نہ آنے کا مطلب تھا کہ اس نے شاردا کلینک میں داخلہ لے لیا تھا۔ میرے حوالے سے اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ شنکر بھی اس کلینک میں تھا اور رتنا کو اسے اپنے حسن و شباب کے جال میں پھنسا کر کلینک باہر نکالنا تھا اور اسی چوک پر لے کر آنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ رتنا کو اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوگی۔ شنکر جیسے عیاش مرد رتنا جیسی حسین عورتوں کے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔

اس وقت سات بجنے والے تھے میں اور لکشمی چائے پی چکے تھے۔ میں نے ویٹر کو بل بھی ادا کر دیا تھا۔ میں بار بار سامنے والے شراب خانے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوا سات بجے کے قریب بغیر چھت کی ایک جیپ شراب خانے کے سامنے آ کر رکی۔ جیپ میں چار افراد تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شنکر تھا وہ لمبے تڑنگے قد اور سرخی بدن کا مالک تھا۔ سر گنجا تھا۔ شیو بنا ہوا تھا اور مونچھیں اتنی بڑی تھیں کہ دو تین سال کی عمر کا بچہ انہیں پکڑ کر جھولا جھول سکتا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر رتنا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ پچھلی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ شکل اور اپنے حلیے ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں چوڑے بلیڈ والی تلوار تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں پستول یا ریوالور۔

جیپ رکنے کے چند سیکنڈ بعد ہی شراب خانے کے باہر کھڑے ہوئے لوگ ادھر ادھر کھسکنے لگے۔ بھیل پوری، چائے اور ناریل بیچنے والے دو ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔ ٹھیلے والے بھی اپنے ٹھیلے دھکیلتے ہوئے وہاں سے دور ہٹنے لگے۔ شاید وہ لوگ جانتے تھے کہ کسی جگہ شنکر جیسے آدمیوں کی موجودگی کا سبب ہنگاموں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

میں لکشمی کو اشارہ کرتا ہوا اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی باہر نکلی تھی ہم ایک طرف کھڑے ہو کر سامنے دیکھنے لگے۔

شنکر نے پیچھے مڑ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں جیپ سے اتر کر شراب خانے میں گھس گئے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی شراب خانے میں افراتفری سی مچ گئی۔ چند منٹ بعد وہ ایک آدمی کو مارتے پیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ وہ آدمی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ دونوں اسے بری طرح پیٹتے ہوئے جیپ کے قریب لے آئے۔ شنکر نے اس سے کچھ پوچھا پھر اس کے پیٹ پر ایک زوردار لات ماری اور وہ بلبلاتا ہوا پشت کے بل گر پڑا۔

میں نے لکشمی کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود فٹ پاتھ سے اتر کر آگے بڑھ گیا۔

"شنکر!" میں نے چیخ کر کہا۔ "تمہیں جس کی تلاش ہے وہ یہاں ہے۔"

میری آواز سن کر شنکر ایک دم پیچھے مڑا وہ کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا ہم پہلی مرتبہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تھے اور ظاہر ہے وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا اور ویسے بھی میرا حلیہ اس وقت وحشیوں جیسا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو شنکر۔" میں دوبارہ چیخا۔ "میں نادر ہوں۔ اس وقت بالکل اکیلا ہوں آؤ مجھے پکڑ لو۔ میری گرفتاری پر ناگ راج بہت خوش ہوگا تمہیں بہت بڑا انعام ملے گا۔"

شنکر چھلانگ لگا کر جیپ سے اتر آیا۔ اس نے پتلون کے بیلٹ میں خنجر اڑس رکھا تھا جسے اس نے نکال لیا اور پنجے تلے قدم اٹھاتا ہوا میری طرف بڑھنے لگا۔"

"آج تمہاری موت ہی آئی ہے جو تم نے مجھے للکارا ہے۔" وہ خونخوار بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ "آج تک تم بچتے رہے ہو مگر شنکر سے سامنا پہلی مرتبہ ہوا ہے آج یہاں تمہاری لاش ہی گرے گی۔"

"میں بھی چاہتا ہوں کہ آج کچھ ہو جائے۔" میں نے جواب دیا۔ "آج تک تو تم لوگ ہمیشہ بھاگتے رہے ہو لیکن اب میں تمہیں بھاگنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

شنکر کے دونوں گرگے بھی میری طرف بڑھے لیکن اچانک ہی کسی طرف سے دو آدمی برآمد ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے ان میں ایک شگفتی لال تھا اور دوسرا بھانوت۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے شنکر کے دونوں گرگوں کو اپنے پستولوں کی زد پر لے لیا۔

"اے" شگفتی لال چیخا۔ "تم دونوں الگ رہو اور یہ پستول اور تلوار پھینک دو۔"

ان دونوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے جنہیں ایک اور آدمی نے دوڑ کر اپنے قبضے میں لے لیا وہ منظور تھا ان کا چوتھا ساتھی بھی وہیں کہیں موجود تھا۔

چوک ویران ہو رہا تھا۔ لوگ کونوں کھدروں میں دبک رہے تھے۔ اپنے آدمیوں کو میرے آدمیوں کی گرفت میں دیکھ کر شنکر کے چہرے پر ایک لمحہ کو تغیر سا نمودار ہوا تھا مگر اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

میں خالی ہاتھ تھا اس سے شاید شنکر کا حوصلہ بڑھا تھا۔ وہ للکارتا ہوا اور خنجر لہراتا ہوا میری طرف لپکا اس کا خیال تھا کہ میں بت کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہوں گا اور وہ خنجر میرے سینے میں پیوست کر دے گا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں ادھر ادھر ہٹنے کے بجائے بڑی تیزی سے نیچے بیٹھ گیا۔ شنکر اپنی جھونک میں مجھ سے ٹکرایا اور قلابازی کھاتا ہوا سڑک پر گرا۔ خنجر اس کے ہاتھ ہی میں تھا۔ میں بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور شنکر کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی میں جانتا تھا کہ اگر اسے سنبھلنے کا موقع مل گیا تو میں آسانی سے اس پر قابو نہیں پا سکوں گا مجھے اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ کچھ اور غنڈے یہاں نہ پہنچ جائیں اور ظاہر ہے وہ شنکر ہی کا ساتھ دیں گے۔

میں ایک تسلسل سے اس پر ٹھوکریں برساتا رہا اور بالآخر ایک بار شنکر کو موقع مل گیا اس نے خنجر سے حملہ کیا تو خنجر کی نوک میری قمیص کی آستین کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ بالکل معمولی سا چرکا میرے بازو پر بھی لگا تھا۔

شنکر نے دوسرا وار کیا۔ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں میں لڑکھڑا گیا اور پشت کے بل گرا۔ شگفتی اور بھانوت وغیرہ چیخ چیخ کر میری حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ شنکر نے چھلانگ لگا دی۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

شنکر لڑکھڑاتے ہوئے سنبھل گیا لیکن میں اس سے پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔ شنکر نے حملہ کیا میں اس مرتبہ نہ صرف اپنے آپ کو بچا گیا بلکہ اس کی ٹانگوں کے بیچ میں زوردار ٹھوکر بھی رسید کی وہ بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا۔ ٹھوکر جسم کے نازک ترین حصے پر لگی تھی۔ ایسی جگہ پر چوٹ تو بڑے سے بڑے سورما کو بھی سجدے میں گرا دیتی ہے۔

وہ نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر لگائی۔ وہ چیختا ہوا سیدھا ہو گیا۔ میری تیسری ٹھوکر بھی اس کی ٹانگوں کے بیچ میں لگی تھی وہ اس مرتبہ سجدے میں گر گیا اس نے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے بیچ

میں دبا رکھے تھے۔

میں نے ایک لمحہ کو ادھر دیکھا۔ دور دور لوگ کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے اور پھر اسی لمحہ میں نے لاشی کو اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھا وہ چیختی ہوئی ہماری طرف آ رہی تھی۔

لاشی نے خنجر اٹھا لیا اس کی آواز سن کر شنکر نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور پھر اس کے چہرے پر پہلی مرتبہ خوف کے تاثرات ابھر آئے۔

"شنکر ... یاد ہے یہ جگہ" لاشی چیخی۔ "اس جگہ تم نے مجھے ننگا کر کے بالوں سے گھسیٹا تھا۔ اس وقت لوگوں نے میری بے بسی پر قہقہے لگائے تھے۔ آج وہ لوگ تمہاری بے بسی پر ہنسیں گے۔ آج تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا اس کے بعد اس شہر میں کوئی شنکر پیدا نہیں ہوگا۔"

لاشی نے اچانک ہی حملہ کر دیا۔ شنکر اپنے بچاؤ کیلئے ایک طرف جھکا مگر خنجر کی نوک نے اس کی پشت پر تقریباً چار انچ لمبا گھاؤ لگا دیا۔ لاشی نے دوسرا وار کیا اس مرتبہ شنکر اپنے آپ کو بچا نہ سکا اور چاقو اس کے پہلو میں پیوست ہو گیا لاشی نے ایک جھٹکے سے چاقو باہر کھینچ کر دوبارہ وار کیا۔

شنکر کی چیخیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ لوگ دور دور کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے مگر کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ لاشی پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ شنکر پر خنجر سے پے در پے حملے کرتی رہی۔ شنکر اب اپنا بچاؤ کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے جسم پر بیسیوں گھاؤ لگ چکے تھے جن سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

اور پھر لاشی نے ایک اور حرکت کی اس نے خنجر سے شنکر کی پتلون کاٹ ڈالی شنکر برہنہ ہو گیا۔ لاشی نے خنجر زمین پر پھینک دیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی بڑی بڑی مونچھیں پکڑ کر اسے گھسیٹنے لگی۔

"شنکر!" وہ چیخ رہی تھی۔ "یاد ہے تم نے مجھے اسی طرح ننگا کر کے اس جگہ بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ اسی طرح لوگوں کے سامنے مجھے ذلیل کیا تھا۔ دیکھو لوگ آج تمہارا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ آج میرے سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی آج میں شانت ہو گئی ہوں۔"

شنکر اب اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ چیخ سکے۔ لاشی نے اس کی مونچھیں چھوڑ دیں اور اس کے سر پر ٹھوکریں مارنے لگی۔

"لاشی!" میں اس کا ہاتھ پکڑ کر چیخا۔ "اب بھاگو یہاں سے۔" میں بڑی مشکل سے لاشی کو چھڑا کر وہاں سے ہٹا سکا تھا اور پھر اسی لمحہ مجھے دوسری طرف سے شور کی آواز سنائی دی میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا شگفتی لال اور بھانوت وغیرہ کچھ آدمیوں سے الجھ گئے تھے۔ شنکر کے دو آدمی تو پہلے ہی سے بھانوت اور شگفتی کے قبضے میں تھے۔ شنکر کے دو آدمی اور اس طرف نکل آئے تھے اور انہوں نے بھانوت وغیرہ پر حملہ کر دیا تھا۔

منظور کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے اپنے ایک حریف کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم کر دی اور دوسرے پر حملہ آور ہوا۔

رتنا جیپ پر نہیں تھی۔ منصوبے کے مطابق لڑائی شروع ہوتے ہی وہ غائب ہو گئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اب تک اپنے گھر پہنچ چکی ہوگی یا پہنچنے والی ہوگی۔ مجھے اب وہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ شنکر کے

آدمیوں سے نمٹنے کیلئے شفتی اور اس کے دوست کافی تھے۔ میں نے لکشمی کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

وہ رات بڑی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی تھی شنکر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے وہ دونوں آدمی مارے گئے تھے جو جیپ پر اس کے ساتھ آئے تھے۔ شفتی کا ایک آدمی بھی اس میں کام آیا تھا اور سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ رات کو وہاں آس پاس موجود چند غنڈوں نے بھی شنکر کے آدمیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ لوگ پہلے دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے اور شنکر کی ہلاکت کے بعد وہ بھی میدان میں اتر آئے تھے اور اس کے آدمیوں کی پٹائی کرنے لگے تھے۔

شنکر اس شہر کے غنڈوں اور بدمعاشوں کیلئے بھی دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ وہ لوگ اس کا نام سن کر ہی تھر تھر کانپنے لگتے تھے مگر شنکر کی ہلاکت کے ساتھ ہی وہ بھی اس کے ڈر سے آزاد ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کے کارکنوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے تھے۔

رات بھر شہر میں ہنگامے ہوتے رہے۔ غنڈے اور بدمعاش پوری طرح آزاد ہو گئے تھے۔ شنکر اور ناگ راج کے درجنوں آدمی اس جنگ میں کود گئے تھے مگر انہیں دم دبا کر بھاگنا پڑا۔ شنکر کی زخموں سے چور لاش بھی رات چوک پر پڑی رہی تھی۔

پولیس نے اس لڑائی میں مداخلت نہیں کی تھی اور بالآخر صبح کے وقت لڑائی خود بخود ختم ہو گئی تو پولیس لاشیں اٹھا کر لے گئی۔

لکشمی کو میں اپنے ساتھ رتنا کے مکان پر لے آیا تھا۔ اس کار پلانٹ ایریا میں اپنے مکان پر جانا خطرناک ہو سکتا تھا جبکہ رتنا کا یہ مکان ہر لحاظ سے محفوظ تھا۔ رتنا ہم سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمارے اس منصوبے کی کامیابی کا سہرا رتنا کے سر بندھنا چاہئے۔ اس نے بڑی ذہانت اور ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے پہلے شاردا کلینک میں شنکر کو اپنے حسن کے جال میں پھانسا اور پھر اسے یہ باور کرا دیا کہ اس کا مطلوبہ آدمی اس کا سب سے بڑا دشمن "تاجی" شہر کے ایک شراب خانے کی بالائی منزل پر پناہ لئے ہوئے ہے۔

رتنا نے اسے یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ تاجی بالکل اکیلا ہے وہ زیادہ سے زیادہ دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے۔ زیادہ آدمی ہوں گے تو شور سن کر تاجی کو بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔

مرد کے گاؤدی ہونے میں کوئی شبہ نہیں حسین عورت کے سامنے تو وہ بالکل ہی چغد بن جاتا ہے اور جب رتنا جیسی عورت ہو تو اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ میں بھی ایسے احمقانہ تجربات سے گزر چکا تھا اور شنکر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ وہ بڑی آسانی سے رتنا کے جال میں پھنس گیا تھا۔ رتنا اس کے ساتھ شاردا کلینک سے نہیں نکلی تھی بلکہ وہ چند منٹ پہلے نہرا کے موڑ پر کھڑی ہو گئی تھی اور جب شنکر اپنے دو آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تھا تو وہ جیپ پر سوار ہوئی تھی۔ اس طرح وہی دو آدمی تھے جو رتنا کو پہچان سکتے تھے اور وہ دونوں ختم ہو گئے تھے۔ اس لئے اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ رتنا کو پہچان لیا جائے گا اور کوئی اس کے گھر بھی پہنچ جائے گا۔

اس معرکے سے واپس آنے کے بعد رادھا نے سب سے پہلے ہمیں چائے پلائی اور پھر کرید کرید

کر پوچھنے لگی میں رادھا کو سارے ہنگامے کی تفصیل بتا رہا تھا اور لکشمی خاموش بیٹھی میری طرف دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ آنکھوں میں اب بھی وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

"خاموش کیوں ہو لکشمی!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ شنکر کو اسی جگہ تمہارے قدموں پر ڈال دوں گا جہاں اس نے تمہارے ساتھ توہین کی تھی۔"

"ہاں۔" لکشمی کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ "تم نے اپنا وچن پورا کر دیا آج میری آتما کو شانتی مل گئی ہے۔" وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کر اچانک ہی مجھ سے لپٹ گئی اور چٹ پٹ میرے منہ پر بوسے دینے لگی۔"

میں بدحواس سا ہو گیا اور "ارے ارے" چیختا ہوا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن لکشمی کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور جب اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو میں اچھل کر دور ہٹ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔"

رادھا اور رتنا قہقہے لگا رہی تھیں اور پھر رتنا نے مجھے بازو سے پکڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کر دیا۔ میرے پورے چہرے پر لپ اسٹک کے دھبے تھے میں مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر دھبے پونچھنے لگا۔

"یہ لکشمی کے پیار کے نشان ہیں آسانی سے نہیں مٹیں گے۔" رادھا نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ رات اسی طرح گزر گئی تھی۔

اب رتنا ہی وہ واحد ہستی تھی جو گھر سے باہر نکل سکتی تھی۔ ہم تینوں کا فی الحال باہر جانا مناسب نہیں تھا۔

دوپہر دو بجے کے قریب رتنا تیار ہو کر باہر چلی گئی اس کی واپسی چار بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس کی رپورٹ بڑی حوصلہ افزا تھی۔ نہ صرف تمام غنڈے شہر سے غائب ہو گئے تھے بلکہ ناگ راج اور شنکر وغیرہ کے آدمی بھی کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ شہر میں پولیس گشت کر رہی تھی اور لوگ پہلی مرتبہ کھل کر ناگ راج کے خلاف باتیں کرنے لگے تھے۔

رتنا کی باتیں سن کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جب میں اس شہر میں آیا تھا تو ناگ راج کے خلاف زبان کو حرکت دینا تو کیا سوچنا بھی بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ لوگ سہمے ہوئے تھے۔ یہاں ناگ راج کا راج تھا۔ ہوٹلوں، تفریح گاہوں اور مندروں میں بھی اس کے کارندے دندناتے پھرتے تھے وہ جسے چاہتے ننگا کر دیتے۔ ناگ راج کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے والے کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ پولیس والے خاموش کھڑے تماشا دیکھتے رہتے۔ کئی پولیس آفیسر بھی ناگ راج کے عتاب کا شکار بن کر اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ناگ راج نے اپنے مخالفین کو چن چن کر ہلاک کر دیا تھا مگر کوئی اس کی طرف انگلی اٹھانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا اور آج پہلی بار لوگ کھل کر اس کے خلاف باتیں کرنے لگے تھے۔

رتنا سے شہر کی صورتحال جاننے کے بعد میں نے اندازہ لگا لیا کہ اب میرے لئے بھی شہر میں زیادہ خطرہ نہیں تھا اس لئے میں نے شام کے قریب باہر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

داڑھی مونچھیں بے تحاشہ بڑھی ہوئی تھیں۔ انہیں میں نے یونہی چھوڑ دیا۔ دھوتی کرتا پہننے کے بعد سر پہ سفید لمبوتری ٹوپی رکھ لی اور ماتھے پر سرخ تلک لگا لیا۔

سب سے پہلے میں ریڈ لائٹ ایریا میں پہنچا اگرچہ شام گہری ہوئی تھی مگر آج اس علاقے میں زیادہ رونق نہیں تھی۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک ادھر ادھر گھومتا رہا اور پھر مجھے منو نظر آ گیا۔ اس نے بھی فوراً ہی مجھے پہچان لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک اندھیری گلی میں لے گیا۔

"گرو۔ تم کیوں آ گئے؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔ "پولیس پورے شہر میں تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ تمہیں تو کئی روز تک گھر سے باہر ہی نہیں نکلنا چاہئے۔"

"اطمینان رکھو۔" میں نے کہا۔ "مجھے پولیس تو کیا ناگ راج کے آدمی بھی نہیں پہچانتے اور تم لوگ کیسے ہو کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟ سب ٹھیک ہے نا؟"

"سب ٹھیک ہے گرو۔" منو نے جواب دیا۔ "یہاں ایک ایسا آدمی بھی گھوم رہا ہے جس پر مجھے شبہ ہے۔ میں تو اس کی نظروں میں آ چکا ہوں لیکن ایسا نہ ہو تم بھی اس کی نظروں میں آ جاؤ اس لئے تم اس علاقے سے نکل جاؤ۔"

"کیا وہ ناگ راج کا آدمی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" منو نے جواب دیا۔ "وہ بار بار اس گلی کے چکر لگا رہا ہے جہاں لکشمی کا کوٹھا ہے۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں تم ہوشیار رہنا اگر کوئی گڑبڑ ہو تو۔"

"تم چنتا مت کرو گرو۔" منو نے میری بات کاٹ دی۔ "کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم نمٹ لیں گے۔"

میں ریڈ لائٹ ایریا سے نکل کر راجندر مارگ کی طرف آ گیا۔ منو سے ملنے والی اطلاع کے بعد مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ شنکر یا ناگ راج کے آدمیوں کو لکشمی کی تلاش تھی۔ وہ سال کی لڑکی کے بعد لکشمی کھل کر سامنے آئی تھی۔ اس نے سینکڑوں لوگوں کے سامنے خنجر کے پے در پے وار کر کے شنکر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اسے زخمی کر کے مونچھوں سے پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ میں اس کے ساتھ تھا۔

مجھے لکشمی کے ساتھ دیکھ کر شنکر کے آدمی یا ناگ راج سمجھ گیا ہوگا کہ شنکر کو لکشمی نے نہیں دراصل میں نے قتل کیا تھا۔ اب انہیں لکشمی کی تلاش تھی تاکہ اس کے ذریعے مجھ تک پہنچ سکیں اور میں ان کے سامنے دندناتا پھر رہا تھا۔

راجندر مارگ کے علاقے میں ادھر ادھر گھومنے کے بعد میں رتنا کے ریسٹورنٹ میں آ گیا یہاں کوئی بات خلاف معمول نظر نہیں آئی تھی میں اسی میز پر بیٹھا تھا جہاں رتنا سرو کیا کرتی تھی اور غائب ہے آج وہاں رتنا کی جگہ کوئی اور لڑکی تھی میں نے کافی کا آرڈر دے دیا اور غور سے اس ویٹرس کی طرف دیکھنے لگا یہ کوئی نئی لڑکی نہیں تھی پہلے ہی سے یہاں کام کرتی تھی۔

وہ درمیانے قد کی سانولی سی رنگت کی مالک تھی۔ چہرے کے نقوش بڑے تیکھے تھے جب وہ کافی رکھ کر واپس جانے لگی تو میں نے اسے روک لیا۔

"ایک بات تو بتاؤ سندری۔" میں نے دس روپے کا نوٹ اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ "وہ پہلے والی چھوکری کہاں گئی وہ دکھائی نہیں دی؟"

"کیوں کیا بات ہے؟" اس نے کہتے ہوئے میز پر ہاتھ رکھ کر نوٹ اپنے قبضے میں لے لیا۔

"وہ چھوکری ہم کا دل لے گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "آج تو وہ نظر نہ آوے ہے۔ بھاگ تو نہیں گئی ہے کسی کے سنگ۔"

"نہیں وہ کسی کے ساتھ بھاگی نہیں۔" ویٹرس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل بھی نہیں آئی تھی ہو سکتا ہے دو چار دن اور نہ آئے۔"

"او اچھا اچھا سمجھ گیو۔" میں نے سر ہلایا۔ "یہ عورتن لوگ بھی عجیب ہیں ہر مہینے ان کی طبیعت خراب ہو جاوے ہے۔"

ویٹرس مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی شاید وہ میری بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

میں اطمینان سے کافی پیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ ریسٹورنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ دروازے کے قریب والی میز پر ایک عورت اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ عورت کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کا جسم ڈھلا ہوا تھا لیکن اس نے میک اپ کا سہارا لے کر اپنے آپ کو جوان اور پرکشش بنانے کی بھرپور کوشش کی تھی اور اس کوشش میں وہ بری طرح ناکام رہی تھی۔ اس کے ساتھی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی وہ درمیانے قد کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ بڑی بڑی بل کھائی ہوئی مونچھیں سرخ آنکھیں ایک کان میں چاندی کی بالی اور دائیں ہاتھ میں دو انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں۔ اس نے نیلی شرٹ اور گہرے گھری کی جینز پہن رکھی تھی۔ اس شخص کا کسی بھی طرح شریفوں کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان دونوں کی جوڑی بھی بڑی غیر فطری سی تھی۔ عورت کے بارے میں تو بلا شبہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ چکوری تھی لیکن اس وقت یہ کہنا مشکل تھا کہ ان دونوں میں سے کس نے کس کو شکار کیا تھا۔

وہی ویٹرس ان کی میز پر بھی سرو کر رہی تھی۔ میری ٹیبل سے ہٹنے کے تھوڑی دیر بعد ویٹرس اس ٹیبل پر نظر آئی۔ اس نے ایک پلیٹ جس میں غالباً بل رکھا ہوا تھا اس آدمی کے سامنے رکھ دی اور جھک کر مسکراتے ہوئے کچھ کہا بھی تھا۔ میں نے اس شخص کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوتے دیکھے تھے جیسے چونک گیا ہو۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا بھی تھا لیکن پھر فوراً ہی اس نے رخ بدل لیا تھا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ مجھے صورت حال کا تجزیہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ رتنا کل رات شنکر کے ساتھ تھی۔ شنکر کے وہ دونوں آدمی اگرچہ مارے گئے تھے مگر ہو سکتا ہے کسی اور نے رتنا کو اس کے ساتھ دیکھ لیا ہو اور شبہ ہو گیا ہو کہ رتنا کے ذریعے شنکر کو جال میں پھنسایا گیا تھا مگر نہیں اگر رتنا پر کوئی شبہ ہوتا تو اس کے گھر تک آسانی سے پہنچا جا سکتا تھا۔ ریسٹورنٹ کے مالک اور یہاں کام کرنے والی دوسری لڑکیوں کو اس کے گھر کا پتہ ہوگا اور پھر آج تو خود رتنا نے مجھے شہر میں گھومتی ہوئی دکھائی تھی اور واپس آ کر اس نے بتایا تھا وہ اپنے ریسٹورنٹ بھی گئی تھی۔ مالک کو یہ بتانے کیلئے کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ

"سحرا تم..... تم زندہ ہو۔"

"یہاں بات کرنے کا موقع نہیں ہے۔" سحرا نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "میری گاڑی اس موڑ کے دوسری طرف کھڑی ہے ہم اس علاقے سے نکل جائیں تو بات کریں گے۔"

ہم تیز تیز چلتے رہے۔ موڑ گھوم کر تقریباً پچاس گز آگے شاپنگ سنٹر کے سامنے وہ نیلے رنگ کی ایک فیاٹ کار کے قریب رک گئی۔ کندھے پر لٹکتے ہوئے بیگ سے کی رنگ نکالا ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور پسنجر سیٹ کی طرف جھکتے ہوئے اس نے دروازے کی لاک ناب ہٹا دی۔ میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ سحرا نے انجن سٹارٹ کر کے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور یوٹرن لیتے ہوئے اسے مین روڈ پر لے آئی۔ اس کا رخ اس مقام کے مخالف سمت میں تھا جہاں ہنگامہ ہوا تھا اور ہم جلد ہی اس علاقے سے دور نکل گئے۔

میں سحرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے نیلی جینز اور سفید اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ مجھے پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ سحرا کو دیکھ کر مجھے واقعی بڑی حیرت ہوئی تھی میں تو اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ بھی مندر کی آگ میں جل کر راکھ ہو چکی ہوگی۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ بھی۔"

"ہم سب بچ گئے تھے۔" سحرا نے میری بات کاٹ دی۔ "میرا مطلب ہے میں کلینا اور پنڈت جی اگر ہم چند مزید منٹ مندر میں رہ جاتے تو دوسروں کے ساتھ ہم بھی جل کر بھسم ہو چکے ہوتے۔"

"تم نے مجھے پہچانا کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"تم دو ڈھائی مہینے مندر میں ہمارے ساتھ رہ چکے ہو۔" سحرا نے جواب دیا۔

"آخری مرتبہ جب تم مندروالے بنگلے سے نکلے تھے تو تم نے سر داڑھی، مونچھیں اور بھویں تک صاف کر دی تھیں اور یہ شبھ کام میرے ہی ہاتھوں انجام پایا تھا لیکن۔" وہ مسکرائی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس سے پہلے تم اس حلیے میں تھے اسی لئے اس وقت تمہیں دیکھ کر مجھے پہچاننے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "میں نے تمہیں اس ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں سامنے کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں بھی تمہارے پیچھے ہی ریسٹورنٹ میں داخل ہونا چاہتی تھی لیکن دروازے کے ساتھ والی میز پر چوپڑا کو ایک چڑیل کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ یہ چوپڑا وہی حرامی جس سے ابھی تمہارا دنگا ہوا تھا۔"

"اس نے مجھے اپنا نام بتایا تھا۔" میں نے کہا۔ "لیکن کیا تم اسے پہلے جانتی تھیں۔"

"وہ ٹھگو کے پالے ہوئے پندرہ 17 بدمعاشوں میں سے ایک ہے۔" سحرا نے کہا۔

"تھا۔" میں ہنس دیا۔ "تم بھی دیکھ چکی ہو کہ وہ کار کے نیچے آ کر کچلا گیا تھا وہ اب تک نرک میں پہنچ چکا ہوگا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" وہ بولی۔ "بہرحال میں باہر ہی کچھ دور موڑ پر رک کر تمہارے باہر آنے کا انتظار کرتی رہی اور جب تم باہر نکلے تو چوپڑا بھی تمہارے پیچھے ہی تھا۔ میرا تو ماتھا ٹھنکا اور میں بھی تم دونوں کے پیچھے چلنے لگی اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ اکیلا تھا اگر اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو شاید پھر مجھے بھی مداخلت کرنی پڑتی۔"

"کیا مطلب!" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ میں پستول پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔" سحرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تم اکیلے ہی اس کیلئے کافی ثابت ہوئے۔"

"اب تک تو ان پر بھاری پڑ رہا ہوں۔ بہرحال اب تم بتاؤ تم لوگ مندر سے کیسے نکلے۔" میں نے پوچھا۔

"کیمپ کی تباہی کی خبر ہمیں صبح گیارہ بجے کے قریب مل گئی تھی۔" سحرا بتا رہی تھی۔ "گرو کو تو اسی بات کا اندیشہ تھا کہ اس نے وہاں سے بھاگنے کی تیاری کر لی۔ سونا روپیہ اور ضروری چیزیں سمیٹ کر ہم بنگلے میں آ گئے اور سرنگ کا راستہ اندر سے بند کر دیا اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ شام کو تھوڑی ہی دیر بعد ناگ راج کے آدمی مندر پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازے بند کر کے مندر کے اندر ہر طرف پٹرول چھڑک دیا۔ اس وقت مندر میں سینکڑوں یاتری موجود تھے۔ بچے بھی بوڑھے بھی اور عورتیں بھی۔ ایک عورت نے دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی تو ناگ راج کے کسی آدمی نے گولی چلا دی۔ مندر کے اندر بھگدڑ مچ گئی کئی لوگ کچلے گئے۔ ناگ راج کے آدمی پٹرول چھڑکتے اور گولیاں چلاتے رہے اور پھر انہوں نے باہر نکلتے ہوئے آگ لگا دی اور دروازے باہر سے بند کر دیئے باہر بھی پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔"

"جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا میں کچھ چیزیں لینے کیلئے گرو کے اوپر والے کمرے میں گئی ہوئی تھی۔ میں نے گرو کو بتایا تو ہم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہاں سے بھاگ نکلے اس گاڑی کا انتظام دن ہی میں کر لیا گیا تھا۔ ہم بروقت وہاں سے نکل آئے تھے کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد دیکھتے ہی دیکھتے مندر کی تمام عمارتوں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔"

"وہ بنگلہ جہاں میں تمہیں لے جا رہی ہوں۔ گرو بھیرو کی ملکیت ہے جو اس نے دو سال پہلے بنوایا تھا۔ اس بنگلے کی تعمیر کیلئے مختلف شہروں سے مزدور اور کاریگر منگوائے گئے تھے۔ بنگلے کی تعمیر کے بعد وہ سب مزدور اور کاریگر یکے بعد دیگرے پراسرار طور پر ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ گرو نہیں چاہتا تھا کہ اس بنگلے کے تہہ خانوں کا کوئی راز دار زندہ رہے۔ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ بنگلہ پنڈت بھیرو سنگھ کی ملکیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم بڑے سکون سے وہاں زندگی گزار رہے ہیں جبکہ ناگ راج یہی سمجھ رہا ہے کہ پنڈت بھیرو بھی مندر کی آگ میں بھسم ہو گیا تھا۔"

"پنڈت بھیرو نے یہ نہیں سوچا کہ ناگ راج نے مندر کو آگ کیوں لگائی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ناگ راج کو پتہ چل گیا تھا کہ تم دو ڈھائی مہینے تک اس مندر میں چھپے رہے ہو۔ ایک روز پہلے

تک وہیں تھے۔" سمترا نے جواب دیا۔

"اور ناگ راج کو یہ بات کس نے بتائی تھی۔ پنڈت بھیرو کو کس پر شبہ تھا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا پہلا شبہ تم پر تھا۔" سمترا نے کہا۔ "اس کا خیال تھا کہ کیمپ میں دھماکوں کے بعد تم پکڑے گئے ہو اور ناگ راج نے تشدد کر کے تم سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے اسے بڑا دکھ ہوا تھا لیکن کئی روز بعد یہ انکشاف ہوا کہ ناگ راج کو یہ راز چھپا نے بتایا تھا جو زخمی حالت میں ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ اب گرو کو یہ افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے تمہارے بارے میں ایسا کیوں سوچا تھا۔" "تمہارے بارے میں سنتے رہتے تھے گرو تم سے رابطہ کرنا چاہتا تھا مگر تم تو چھلاوہ تھے۔ ابھی یہاں ابھی وہاں۔" "میں اور للیتا تمہاری کھوج میں پھرتی رہتی تھیں یہ بھی اچھی بات ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا کہ ہم پنڈت بھیرو سنگھ کی داسیاں ہیں۔ اس لئے ہم آزادی سے گھومتی رہتی ہیں۔ للیتا تو تمہاری کھوج میں ہیرا کے ذریعے شنکر تک پہنچ گئی اور حرامی شنکر نے گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔" سمترا کی آواز بھرا گئی وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی

"اوہ.... یہ کب کی بات ہے؟" میں چونک گیا۔

"تقریباً ایک مہینہ پہلے کی بات ہے۔" سمترا نے جواب دیا۔ "بعد میں پتہ چلا تھا کہ للیتا نے شنکر کو حرامی کہہ کر اس کے منہ پر تھوک دیا تھا اس نے طیش میں آ کر للیتا کا گلا گھونٹ دیا اور اب میں گرو کے ساتھ اکیلی ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "گرو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔"

"ایک منٹ۔" میں نے کہا۔ "اگر میں اپنے ایک دو ساتھیوں کو ہمراہ لے لوں تو پنڈت کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔ دراصل میری وجہ سے ان لوگوں کی زندگیاں بھی خطرے میں ہیں۔"

میرے ذہن میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ ریسٹورنٹ کی ویٹرس نے مجھے پہچان کر چپڑا کو بتا دیا تھا۔ اس سے پہلے میں ویٹرس سے رتنا کے بارے میں دریافت کر چکا تھا اگر اسے شبہ ہو گیا تو وہ رتنا سے میرا کوئی نہ کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش ضرور کرے گی ایسی صورت میں رتنا کا مکان محفوظ نہیں تھا۔

"گرو کو کیا اعتراض ہوگا۔" سمترا نے کہا۔ "وہ تو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔"

"تو پھر کار کو اگلے چوک میں بائیں طرف موڑ لو۔" میں نے کہا تقریباً پندرہ منٹ بعد کار رتنا کے مکان کے سامنے رکی تھی۔ دروازہ کھلنے پر سمترا بھی میرے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ اسے دیکھ کر رتنا وغیرہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

میں نے انہیں صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے دو تین گھنٹوں تک وہ لوگ کوئی قدم نہ اٹھائیں لیکن اس کے بعد یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس لئے تم لوگ ہمارے ساتھ چلو۔"

"رتنا تو اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔" رادھا بھی تیار ہو گئی لیکن لکشمی ہمارے ساتھ جانے کیلئے تیار نہیں تھی۔

"میں نے جیون میں صرف ایک آدمی سے پریم کیا تھا اور وہ تھا شنکر۔" لکشمی نے کہا۔ اس کے لہجے میں بڑا سوز تھا۔ "وہ بھی مجھے بہت چاہتا تھا مگر دو سال پہلے ایک معمولی سی بات پر ہمارا جھگڑا ہوا اور اس نے مجھے بھرے بازار میں رسوا کر دیا۔"

"میں اگر اس کی طرف لوٹ جاتی تو وہ سب کچھ بھول جاتا اور میرے چرنوں پر گر کر معافی مانگتا مگر میرے سینے میں تو انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور میں دو سال تک اسی آگ میں جلتی رہی اور پھر آخر میں میں نے اسے اپنے ان ہاتھوں سے ختم کر دیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں تو اب بھی اسے اتنا چاہتی ہوں جتنا پہلے چاہتی تھی۔ نہیں نانی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم لوگ جاؤ بھگوان تم سب کی رکھشا کرے۔ تمہیں کوئی کشٹ نہ اٹھانا پڑے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ میں واپس جا رہی ہوں۔ شنکر کے آدمی یقیناً میری تلاش میں ہوں گے۔ میں اپنا جیون دے کر ہی اپنے اس اپرادھ کا پراچت کر سکتی ہوں۔"

ہم سب عجیب سی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے ہماری ایک نہیں سنی اور ہم سے پہلے ہی مکان سے نکل گئی۔

پانچ منٹ بعد ہم لوگ باہر نکلے میں نے گلی میں ادھر ادھر دیکھا لکشمی رات کی تاریکی میں کہیں غائب ہو چکی تھی۔

پنڈت بھیرو مجھے دیکھ کر واقعی بہت خوش ہوا تھا اور میں اسے دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا۔ وہ کسی طرف سے بھی مندر کا پجاری نہیں لگتا تھا۔

بہترین تراش کا کریم کلر کا تھری پیس سوٹ، کلین شیو، بھرپور چہرہ، چمکتی ہوئی آنکھیں اور سر پر تقریباً گردن تک لمبے بال تھے جو بڑے سلیقے سے سیٹ تھے۔ پیروں میں چمکتے ہوئے قیمتی سلیپر تھے اور ہاتھ میں خوبصورت واکنگ اسٹک وہ کسی طرح بھی پجاری نہیں لگتا تھا اسے اس حلیے میں بڑی آسانی سے کوئی بہت بڑا بزنس مین یا کسی اسٹیٹ کا رئیس سمجھا جا سکتا تھا۔

میرے ساتھ رادھا اور رتنا کی موجودگی پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ وہ خوش ہوا تھا کہ میں انہیں بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

ایک سرسبز پہاڑی پر واقع یہ دو منزلہ بنگلہ بہت بڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف تقریباً دس ایکڑ زمین کا احاطہ تھا جو اونچی چار دیواری سے گھری ہوئی تھی۔ میں رات کے وقت باہر کا حصہ تو نہیں دیکھ سکا لیکن پنڈت مجھے بنگلے کے اندر گھماتا رہا۔ گراؤنڈ فلور پر نصف درجن بیڈ روم تھے جو ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ پنڈت بھیرو کا کمرا تو عشرت کدہ ہی لگتا تھا۔ اس نے اپنی عیاشی کا ہر سامان یہاں جمع کر رکھا تھا۔ مرکزی ہال کمرا بہت وسیع و عریض تھا اس کے ایک طرف جدید ترین بار کا سیٹ بنا ہوا تھا جس کے پیچھے دیوار کے ساتھ شیلف میں بڑھیا ترین انگلش شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

اوپر کی منزل پر بھی تقریباً اتنے ہی کمرے تھے۔ وہاں بھی ہال کمرے کے ایک حصے میں چھوٹا سا بار بنا ہوا تھا لیکن بھیرو نے اس وقت ہمیں وہ عبادت خانہ نہیں دکھایا البتہ مجھے ایک ایسے کمرے میں

لے گیا جسے دیکھ کر میں مزید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

پنڈت بھیرو نے اپنی حفاظت کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اس کمرے میں کئی مانیٹرنگ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ ہر سیٹ کی سکرین پر بنگلے کے بیرونی حصوں کے مختلف مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ گیٹ پر بھی کیمرے لگے ہوئے تھے۔ کوئی شخص نظروں میں آئے بغیر داخل نہیں ہو سکتا تھا اگر کوئی کسی طرح فصیل سے کودنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس کمرے میں ایک الارم بج اٹھتا تھا۔ اس الارم کا ایک کنکشن بھیرو کے بیڈروم میں بھی تھا۔ رات کو اس کا سوئچ آن کر دیا جاتا تھا۔

پنڈت بھیرو مجھے یہ سارا سسٹم سمجھا رہا تھا اور ادھر سمترا' رادھا اور رتنا کو بنگلے کے بارے میں بتا رہی تھی بالآخر ہم سب ہال کمرے میں جمع ہو گئے اور سمترا بھوجن تیار کرنے کیلئے کچن میں گھس گئی۔

میری حیرت کسی طرح ختم نہیں ہو رہی تھی۔ پنڈت بھیرو جسے مندر میں دیکھ کر گھن اور کراہت آتی تھی۔ ایسا ماڈرن ثابت ہوگا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کھانے کی میز پر استعمال ہونے والی کراکری بھی چینی اور جاپانی تھی۔ اس عالیشان بنگلے میں کوئی بھی چیز ہندوستانی نظر نہیں آ رہی تھی۔

رادھا اور رتنا کو اگرچہ الگ الگ کمرے دیئے گئے تھے مگر وہ ایک ہی کمرے میں سوئی تھیں۔

میں اور پنڈت بھیرو رات کو دیر تک ہال میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ شراب کی چسکیاں بھی لیتا جا رہا تھا اور ظاہر ہے مجھے اس چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پنڈت بھیرو کو سب سے زیادہ فکر ناگ راج کی تھی۔

"میں ساری زندگی اس طرح خوف کے سائے میں نہیں گزار سکتا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "جب تک ناگ راج زندہ ہے میرے سر پر بھی تلوار لٹکی رہے گی۔ میرے تمام وفادار ساتھی اس رات آگ میں بھسم ہو گئے۔ ان میں کوئی بھی زندہ نہیں بچا مجھے تمہاری تلاش تھی۔ تمہاری کھوج میں لاجا بھی جیون کھو بیٹھی۔ میں نے یہ سب کچھ بڑی محنت سے بنایا ہے اور اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن جب تک ناگ راج زندہ ہے میں اس دولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ عالیشان بنگلہ میرے لئے ایک خوبصورت قید خانہ ہے۔ آزاد ہوتے ہوئے بھی میں اس بنگلے سے باہر نہیں نکل سکتا۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا اور چند لمحوں بعد کہنے لگا۔ "میں نے تم پر وشواس کیا ہے ایک ایسے وقت میں تمہاری مدد کی جب موت کے دیوتا تمہارا تعاقب کر رہے تھے۔ بیشک تم نے بھی میری بہت مدد کی ہے۔ میرے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ میرے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی تم نے میرے لئے تو بہت کچھ کیا ناگ راج کے آدمیوں کو چن چن کر ہلاک کر دیا۔ ہمارا بھی بہت نقصان ہوا مگر آج بھی ہم اسی جگہ کھڑے ہیں جہاں پہلے دن تھے میں تمہاری طرف سے فکرمند تھا لیکن اب تم آ گئے ہو تو ہمیں مل کر سوچنا ہوگا۔ ناگ راج یہاں سے بھاگنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اگر وہ نکل گیا تو پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ جب تک اس کا انت نہیں ہو جاتا اس وقت تک میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا رہوں گا اور تمہاری جس مقصد کیلئے یہ جنگ ہے وہ بھی پورا نہیں ہوگا۔ ہمیں اس ناگ کا سر کچلنا ہوگا۔"

"میں نے ناگ راج کا ٹھکانہ معلوم کر لیا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "صرف ایک دو دن کی بات ہے اس کے بعد تمہیں بھی آزادی مل جائے گی اور میرا مقصد بھی پورا ہو جائے گا لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم اب تک یہاں کیوں ٹکے ہوئے ہو۔ تمہارے پاس اتنی دولت ہے کہ تم کہیں بھی جا کر عیش کی زندگی گزار سکتے ہو۔"

"نہ تو میں یہ سب کچھ یہاں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ہم اس کے باتھ روم میں آ گئے۔ باتھ روم میں گھس کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ بڑی شاندار نقشو لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف سنگ مرمر کا بہت بڑا باتھ ٹب تھا۔ اس نے دیوار پر لگی ہوئی ایک ناب دبا دی۔ باتھ ٹب اوپر اٹھتا چلا گیا اس کے نیچے سیڑھیاں تھیں۔

وہ تہہ خانہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی چلی گئیں۔ بہت وسیع و عریض اور بہت شاندار تہہ خانہ تھا وہ مجھے ایک وسیع کمرے میں لے آیا اور اس کمرے کا منظر دیکھ کر میں پلکیں جھپکنا بھول گیا۔

دیواروں میں شیشے کے دروازے والی بڑی بڑی الماریاں بنی ہوئی تھیں اور ان الماریوں میں سونے کی لاتعداد اور چھوٹی بڑی مورتیاں' سونے چاندی کے زیورات اور ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ دو بڑی بڑی الماریاں ایسی تھیں جن میں نوٹوں کے بنڈل بھرے ہوئے تھے۔ بلاشبہ تہہ خانے کا صرف ایک کروڑوں روپے مالیت کا تھا اور یہ وہ سب چیزیں تھیں جو مندر میں بھینٹ کی جاتی تھیں۔

"کیا میں یہ سب کچھ چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔" پنڈت بھیرو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس بنگلے کی تیاری پر بھی مندر کی کم از کم دو سال کی آمدنی خرچ ہوئی ہے۔ آؤ میں تمہیں ایک اور چیز دکھاؤں۔" وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا اس نے دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا کور کھول دیا اس کے اندر بھی ایک بٹن لگا ہوا تھا جس کے دباتے ہی دائیں طرف والی دیوار شق ہو گئی۔ دوسری طرف ایک سرنگ تھی جس میں مدھم روشنی ہو رہی تھی۔

"یہ سرنگ یہاں سے نصف میل دور پہاڑی کے دامن میں ایک کاٹیج پر ختم ہوتی ہے۔" پنڈت بھیرو کہہ رہا تھا۔ "اس سرنگ پر میرے کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ کسی ایمرجنسی کی صورت میں یہاں سے نکلنے کا یہ محفوظ ترین راستہ ہے اور اس راستے سے صرف میں اور سمترا واقف ہیں۔ تیسرے آدمی تم ہو جسے میں یہاں لے کر آیا ہوں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ تم پر کتنا وشواس کرتا ہوں۔"

"میں تمہارے وشواس کو دھوکا نہیں دوں گا۔" میں نے کہا۔

"مجھے پورا وشواس ہے۔" بھیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ اب اوپر چلیں۔"

ہم اوپر آ گئے اس وقت رات کے تین بج چکے تھے اس کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے پھر میں سونے کے لئے اس کمرے میں آ گیا جو میرے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ میں بستر پر لیٹا دیر تک پنڈت بھیرو کے بارے میں سوچتا رہا۔ دھرم کو خراب کرنے والے یہی پنڈت اور پجاری لوگ تھے اور اسی لئے دھرم پر سے لوگوں کا وشواس ختم ہوتا جا رہا تھا۔

میں پنڈت بھیرو کو بڑی مشکل سے قائل کر سکا تھا کہ اسے باہر نکلنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے کسی قسم کے میک اپ کی ضرورت نہیں اس حلیے میں اسے کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا۔

دو دن تک ہم سمترا کے ذریعے ناگ راج کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے اور تیسرے روز شام کو ہم اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ میں۔۔۔ پنڈت بھیرو، ہمارے ساتھ تھا رادھا اور سمترا بھی تھیں۔

ہوٹل بلٹن تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ناگ راج، گوپال پنڈت امریش اور بیلا کے ساتھ اس ہوٹل کی تیسری منزل کے ایک سویٹ میں پناہ لئے ہوئے تھا اور آج ہم نے اس پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

ہال میں بڑی رونق تھی۔ جے پور سے آئی ہوئی رقاصہ فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ بھیرو اور رادھا ایک میز پر بیٹھے تھے۔ میں سمترا کے ساتھ دوسری میز پر بیٹھا تھا۔ کافی پینے کے بعد میں نے بھیرو کو اشارہ کیا وہ رادھا کے ساتھ اٹھ کر اوپر جانے والے زینے کی طرف چلا گیا۔ اس کے پانچ منٹ بعد میں اور سمترا اٹھ کر لابی میں آ گئے اور لفٹ میں سوار ہو کر چوتھی منزل پر پہنچ گئے وہاں سے سیڑھیوں کے ذریعے تیسری منزل پر آ گئے اور پھر ٹھیک اسی وقت دوسری لفٹ کا دروازہ کھلا دو آدمی باہر نکلے دونوں کے ہاتھوں میں کارا کوف رائفلیں تھیں۔ لفٹ سے نکلتے ہی انہوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لے لیا اور ہمیں دھکیلتے ہوئے دوبارہ لفٹ میں گھس گئے۔

چھٹی منزل پر ہم لفٹ سے باہر نکلے اس دوران ان میں سے ایک آدمی میری تلاشی لے کر پستول اپنے قبضے میں کر چکا تھا۔

راہداری سنسان پڑی تھی وہ ہمیں لے کر آخری دروازے کے سامنے رک گئے۔ ہلکی سی دستک دیتے ہی دروازہ کھل گیا اور پھر اندر داخل ہوتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ رادھا اور پنڈت ایک طرف کھڑے تھے انہیں بھی ایک آدمی نے کارا کوف کی زد پر لے رکھا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گڑبڑ کہاں ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں کیسے پہچان لیا تھا۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اس سے تو لگتا تھا جیسے یہ لوگ پہلے ہی سے ہمارے استقبال کیلئے تیار کھڑے تھے۔

ہمیں بھی پنڈت بھیرو اور رادھا کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ پنڈت بھیرو کی حالت ایسی تھی جیسے مرنے سے پہلے ہی جان نکل رہی ہو۔ خوف کی شدت سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔ رادھا اور سمترا کی حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ میرا دل بھی کانپ رہا تھا لیکن میں ایسا خوفزدہ نہیں تھا کہ مرنے سے پہلے ہی مر جاؤں۔ تقریباً دو منٹ بعد ایک وزنی دروازہ کھلا اور ناگ راج برآمد ہوا۔ اس کے ساتھ بیلا بھی تھی۔ دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ناگ راج کے گلے میں سیاہ رنگ کا ایک ناگ لہرا رہا تھا۔

"تم بہت ہمت والے ہو۔" ناگ راج میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن کہیں نہ کہیں تو ہمت جواب دے ہی جاتی ہے۔ تم نے میرے سارے آدمیوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا مگر آخر میرے قبضے میں آ گئے ہو اور میرے لئے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم

نے مجھے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مجھے اپنی ساکھ بحال کرنے میں برسوں لگ جائیں گے لیکن مجھے افسوس ہو گا کہ وہ سب کچھ دیکھنے کیلئے تم زندہ نہیں رہو گے۔ میں تمہارے ہی آدمیوں کے ذریعے تمہاری قوم پر ایسا عذاب نازل کروں گا کہ تاریخ بھی اسے نہیں بھول سکے گی۔ بہرحال میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ سب سے پہلے میں تمہارے سامنے تمہارے ان ساتھیوں کو وہ انجکشن دوں گا جو انہیں تڑپا تڑپا کر ختم کر دیں گے۔ یہ میرا آخری تجربہ ہو گا اور اس کے بعد ان کی پروڈکشن شروع ہو جائے گی۔"

گوپال پنڈت امریش کے ساتھ اسی دروازے سے برآمد ہوا ناگ راج کے اشارے پر پنڈت امریش نے رادھا کو گرفت میں لے لیا۔ خوف کی شدت سے رادھا نیم جان ہو رہی تھی وہ چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی مگر پنڈت امریش کی گرفت میں وہ چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

گوپال انجکشن لے کر آگے بڑھا اس نے نیڈل رادھا کے پیٹ میں پیوست کر کے پسٹن دبا دیا۔ رادھا چیخ اٹھی۔ گوپال نے نیڈل ایک جھٹکے سے باہر کھینچ لی۔ ایک لمحہ کو یوں لگا جیسے رادھا پرسکون ہو گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی۔ پنڈت امریش نے رادھا کو چھوڑ دیا۔

رادھا ایک لمحہ کو بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر یوں لگا جیسے اس کے جسم میں تناؤ پیدا ہو رہا ہو چہرے سے کرب و اذیت کے تاثرات ابھرنے لگے اور پھر اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی وہ دوہری ہوتی چلی گئی اور دوسرے ہی لمحہ وہ تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلی جیسے بجلی کا زوردار جھٹکا لگا ہو رادھا ایک بار پھر اچھلی۔

میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے رادھا کو دیکھ رہا تھا۔ میرا دل اس وقت جیسے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆...☆...☆

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ گردن پر ان گنت کیڑے سے رینگتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا پھٹی پھٹی سی نظروں سے رادھا کی طرف دیکھ رہا تھا جو اس طرح جھٹکے کھا رہی تھی جیسے اس کے بدن میں رہ رہ کر ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بڑی خوفناک چیخیں نکل رہی تھیں۔

میں نے پنڈت بھیرو اور سترا کی طرف دیکھا۔ پنڈت بھیرو کی حالت تو ایسی تھی جیسے وہ کھڑے کھڑے گر جائے گا۔ اس نے یہ خوفناک منظر پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس نے کئی سال پہلے مندر پر قابض ہونے کے لیے لوگوں پر بہت ظلم کیے تھے۔ اپنے مخالفین کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا تھا۔ اس نے بھی دوسروں کی بے بسی پر قہقہے لگائے تھے ان کے تڑپنے کا تماشہ دیکھا تھا۔ ان کے شریر کو گھائل کر کے خوش ہوتا رہا تھا لیکن اذیت رسانی کا یہ طریقہ آج اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا خوف نے اس کے پورے وجود کو لپیٹ میں لے لیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ بھی یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور خوف شاید اس کے روم روم میں بھر گیا تھا اور پھر اس کی پتلون اوپر سے نیچے تک گیلی ہوتی چلی گئی۔ پیشاب اس کی پتلون اور جوتے کو تر کرتا ہوا فرش پر بچھے ہوئے قالین کا بھی بیڑہ غرق کرنے لگا۔ انتہائی نازک اور سنگین ترین صورت حال ہونے کے باوجود میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ زندگی بھی عجیب چیز ہے زن، زر اور زمین جیسی تین سی چیزیں زندگی کا محور ہیں۔ دنیا کی ابتدا سے اب تک جو کچھ ہوتا آیا ہے۔ اس کی بنیاد بھی تین سی چیزیں رہی ہیں۔ دوسروں کو تشدد کا نشانہ بنا کر اور اذیتیں دے کر ہلاک کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھا جاتا بعض اوقات تو خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ کسی اور کی زندگی کا چراغ گل کرتے ہوئے کوئی افسوس یا دکھ نہیں ہوتا لیکن جب بات اپنی زندگی کی ہو خطرات اپنی طرف بڑھتے نظر آئیں تو خوف کے مارے پیشاب خطا ہو جاتا ہے اور یہی کیفیت اس وقت پنڈت بھیرو کی تھی۔

میری نظریں سترا کی طرف اٹھ گئیں اس کی حالت اپنے گرو سے زیادہ ابتر تھی اس حسین اور نو عمر گوپی نے زندگی میں صرف عیش ہی دیکھے تھے اس قسم کی صورت حال سے کبھی سامنا نہیں ہوا ہوگا کہ دوسروں کو تڑپتے ہوئے دیکھا جائے اور ذہن میں یہ خیال بھی ہو کہ وہ خود بھی اس خوفناک انجام سے دوچار ہونے والی ہے۔

اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا جیسے سارا خون کسی انجانی اور ان دیکھی قوت نے نچوڑ لیا ہو۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں اور لگتا تھا کہ اب گری کہ تب گری میرا خیال درست نکلا اس کی ٹانگوں

میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے جھکتی چلی گئی۔

میں ایک بار پھر رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ قالین پر پڑی بار بار جھٹکے کھا کر گیند کی طرح اچھل رہی تھی۔ اس کا جسم کبھی چاقو کی طرح دہرا ہو جاتا اور کبھی وہ بالکل سیدھی ہو جاتی اور سپرنگ کی طرح پورے جسم میں اس قدر شدید تناؤ ہوتا لگتا جیسے اس کی کھال پھٹ جائے گی۔

اس وقت وہ اوندھی پڑی تھی ایک زوردار جھٹکے سے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلی اور نیچے گر کر سیدھی ہو گئی۔ اب اس کے منہ سے چیخیں نہیں نکل رہی تھیں مگر ایک اور چیز دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ کئی روز پہلے میں نے ناگ راج کے چیلے روی چندر کو بھی اسی اکھشن سے اسی طرح جھٹکے کھا کر اور تڑپتے ہوئے مرتے دیکھا تھا اس کی موت بھی بڑی اذیت ناک اور دوسروں کے لیے عبرت ناک تھی مگر رادھا اس وقت جس کیفیت سے دوچار تھی اس نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔

رادھا کے منہ، ناک اور کانوں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید تناؤ پیدا ہو رہا تھا آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں تڑپنے اور جھٹکے کھانے کے دوران رادھا نے اپنی قمیض بھی پھاڑ دی تھی اس کے سینے کا بیشتر حصہ اور پیٹ برہنہ تھا۔ پورے جسم کی کھال کھنچ رہی تھی اور پھر اس کی کھال پھٹنے لگی اس میں اس طرح دراڑیں پڑنے لگیں جیسے برسوں سے قحط سالی کا شکار بنجر اور خشک زمین پھٹ رہی ہو۔

میری مٹھیاں بھنچ گئیں دانت کچکچانے لگے۔

"ناگ راج... میں ان گنت معصوموں کی پرواہ کیے بغیر چیختا ہوا اس کی طرف لپکا" میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اے... ایک گن مین نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر کلاشنکوف رائفل کا دستہ میرے سینے پر مارا۔ زور سے بولا، ورنہ گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

ضرب خاصی زوردار تھی یوں لگا جیسے میری کوئی پسلی ٹوٹ گئی ہو میں کراہتا ہوا لڑکھڑا کر رادھا کے قریب ہی گر پڑا۔ میں دوبارہ اٹھ کر ناگ راج کی طرف لپکنا چاہتا تھا کہ اس شخص نے رائفل کی نال میرے سینے پر رکھ دی اور دباؤ ڈالتے ہوئے غرایا۔

"اس طرف... اس طرف کھڑے ہو جاؤ ورنہ..."

اس کی انگلی ٹریگر پر تھی معمولی سا دباؤ میری زندگی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ زندگی ختم ہو گئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا اور کچھ نہیں کر سکوں گا اور ناگ راج کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ زندگی رہنے کی صورت میں کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی تھی۔

میرے دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ رادھا کی اذیت ناک موت نے میرے ہوش و حواس چھین لیے تھے لیکن گن مین کی جان سے مار دینے کی دھمکی نے جیسے یہ سوچنے کا موقع فراہم کر دیا تھا کہ میرے لیے زندہ رہنا ضروری تھا اس طرح کم از کم آخری لمحوں تک میں کوئی جدوجہد تو کر سکتا تھا۔

وہ امید کا بہت نازک سا تار تھا جسے میں نے تھام لیا گن مین ایک بار پھر غرایا اور میں اٹھ کر سترا کے قریب کھڑا ہو گیا جو ابھی تک فرش پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور مجھے حیرت تھی کہ وہ ابھی تک بے ہوش کیوں نہیں ہوئی تھی۔

میری مٹھیاں اب بھی بھنچی ہوئی تھیں۔ دانت کچکچا رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر رادھا کی طرف دیکھا چہرے پر تھپڑوں کی وجہ سے نقش کسی حد تک بگڑ گئے تھے۔ آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔ اس کے بدن پر پڑنے والی دراڑوں سے خون رسنے لگا تھا۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میری مٹھیاں اس سختی سے بھنچی ہوئی تھیں کہ انگلیوں کے جوڑ بالکل سفید پڑ گئے۔ میں جس طرح غصہ برداشت کر رہا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔

"ناگ راج" میں اس کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "تم ذہن میں رکھ لو تمہاری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ میں نے جس طرح رادھا کو تڑپتے ہوئے دیکھا ہے تمہیں اس سے زیادہ تڑپا کر ماروں گا۔ تم موت مانگو گے مگر تمہاری موت اتنی آسان نہیں ہونے دوں گا۔"

"اپنی زبان پر قابو رکھ بالک کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا مستک گھوم جائے اور ہم تمہیں وقت سے پہلے نرک میں پہنچا دیں۔" ناگ راج نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے قہر برس رہا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے گلے میں لٹکے ہوئے سیاہ ناگ کو مسلسل سہلا رہا تھا۔ "ہمارے ایک اشارے پر تمہارے جیون کا انت ہو سکتا ہے مگر ہم تم کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ تمہاری موت اس سے بھی زیادہ خوفناک ہو گی۔" اس نے رادھا کی لاش کی طرف اشارہ کیا "ویسے آج ہم بہت خوش ہوں۔ اس روز تم نے اس انجکشن سے روی پنڈت کو بھی مرتے ہوئے دیکھا تھا اور آج اس رنڈی کو بھی مرتے ہوئے دیکھ لیے ہو۔ کتنا فرق ہے دونوں کی موت میں روی پنڈت تو بیچارا بڑے آرام سے مر گیا تھا مگر اس کی موت سے مزہ آ گیا ہم بہت خوش ہوا ہوں ہمارا آخری تجربہ کامیاب ہوا اب دنیا کی کوئی طاقت ہم کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ تمہارے شہر والا میں سڑکوں پر ایسے مناظر جگہ جگہ نظر آئیں گے۔ لوگ اس طرح تڑپتے اور اپنا خون بہاتے رہیں گے اور دنیا کا کوئی ڈاکٹر ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ابھی تو ہم بھی اس کا علاج دریافت نہیں کر سکا ہوں اور ہم اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا ہوں۔"

"مگر میں تمہارے دماغ کا علاج ضرور سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم انسانیت کے دشمن ہو۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کل کو یہی سب کچھ تمہاری قوم کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم بے گناہوں کی زندگی سے کھیل رہے ہو اگر تمہیں اپنے آپ پر اتنا ہی بھروسہ ہے تو اپنے ان چیلوں سے کہو کہ راستے سے ہٹ لیں میں ایک منٹ میں تمہارا مستک درست کر دوں گا۔"

"اب ہم تمہاری بات کا برا نہیں مانتا ہوں۔" ناگ راج نے کہا۔ "مرنے والا ہر شخص ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ تم بھی مرنے والے ہو لیکن پہلے میں تمہیں ان دونوں کا تماشہ دکھاؤں گا اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر پنڈت بھیرو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تو نے تو خوب روپ بدلا بھیرو۔ پہلے تو ہم واقعی نہیں پہچان سکا تھا مگر تمہارے الٹے ہاتھ کی چھوٹی انگلی نے تمہارا بھید کھول دیا۔"

ناگ راج کی اس بات پر میں چونک گیا۔ پہلی مرتبہ پنڈت بھیرو سے میری ملاقات ہوئی تھی تو اس وقت میں نے اس کے بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی دیکھی تھی جو بہت چھوٹی تھی اور نیچے پر انگلی کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس پر کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ ناگ راج نے اس کی یہ چھوٹی انگلی جب

تب دیکھی ہوئی لیکن اس چھوٹی سی انگلی سے اسے پہچان لیا تھا۔

"ہم تو سمجھا تھا کہ تم بھی مندر کی آگ میں جل کر بھسم ہو گئے تھے۔ مگر تم تو زندہ و سلامت ہمارے سامنے کھڑا ہے اور وہ بھی فرنگی بن کر تم جانتے ہو ہم اپنے دشمن کو معاف نہیں کرتا ہوں تم بچ گئے اس کا مطلب ہے تم وہاں سے ساری دولت بھی نکال لے گئے تھے۔ اب تم مرے گا مگر پہلے وہ ساری دولت ہمارے کو دے گا۔ ہم جانتا ہوں اس مندر میں بہت دولت تھی۔ سونے کی کئی مورتیاں تھیں جو ہم تم سے لوں گا۔"

پنڈت بھیرو اس سے پہلے تھر تھر کانپ رہا تھا لیکن میری بے باکی اور بے خوفی دیکھ کر اس نے بھی حوصلہ پکڑا اور اپنے آپ پر قابو پا کر ناگ راج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ناگ راج تمہارا وقت اب ختم ہو چکا ہے۔ لوگ تمہارے خلاف ہو چکے ہیں۔ سرکار بھی تمہارے خلاف ہو چکی ہے۔ میری موت پر نہ تو لوگ خاموش ہوں گے اور نہ سرکار۔ تم بچ نہیں سکو گے تمہیں اپنے کرموں کی سزا ضرور ملے گی۔"

"تمہاری لاش دیکھ کر بھی کوئی وشواش نہیں کرے گا کہ تم پنڈت بھیرو ہو۔ مجھے اچنبھا ہے۔ تم نے برہمنوں کی گدی کیسے سنبھال لی۔"

"برہمن تو تم بھی نہیں ہو تم بھی نیچ جاتی کے ہو۔ سوپنی کے بیٹے جو لوگوں کے جوتے گانٹھتے گانٹھتے پنڈت ناگ راج بن گئے تم جیسے بہروپیوں نے تو دھرم کو نشٹ کر رکھا ہے۔" بھیرو نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہاں ایک نئی بحث شروع ہو گئی تھی اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں ذات پات کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کو اونچی ذاتوں والے قریب نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ برہمنوں کو ہندوؤں میں اعلیٰ ترین ذات سمجھا جاتا تھا۔ دھرم کی ٹھیکیداری بھی انہی کے پاس تھی۔ مندروں پر انہی کے قبضے تھے لیکن بھیرو اور ناگ راج جیسے تیلی، موچی، چمار اور دوسری نچلی ذاتوں کے لوگ بھی اس گنگا میں ڈبکیاں لگا رہے تھے۔

"ابھی ہم تیرے کو بتاؤں گا کہ دھرم نشٹ کون کر رہا ہے۔" ناگ راج نے کہا۔ "پہلے اس چھوکرے کو انجکشن لگاؤں گا اور پھر تم سے ہم یہ پوچھوں گا کہ وہ دولت کہاں چھپائی ہے۔ اسکے ...."

ناگ راج کا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ چھناکے کی ایک زوردار آواز ابھری جس نے ہم سب کو چونکا دیا اس کمرے کی کھڑکیاں سڑک کی طرف تھیں۔ چھناکے کی آواز سے پہلے ایسی آواز بھی سنائی دی تھی جیسے پستول یا ریوالور سے گولی چلائی گئی ہو۔ میلا اور پنڈت امر لعل تیزی سے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ کھڑکی کا وہ شیشہ گولی کی آواز سے ہی ٹوٹا تھا۔ وہ گولی کس نے چلائی تھی کہاں سے آئی تھی؟ آسمان سے گری تھی یا کوئی گزرتی ہوئی ٹرک فائرنگ کرتا ہوا ہوٹل کی اس چھٹی منزل کے سامنے سے گزر گیا تھا۔

بہرحال قسمت نے مجھے ایک موقع فراہم کر دیا تھا۔

چھناکے کی آواز سے سب ہی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ شیشے کا ایک ٹکڑا اس گن مین کے ہاتھ پر لگا تھا جو کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ چیخ کر اچھل پڑا اور عین اسی وقت میں نے چیختے ہوئے اس گن مین پر چھلانگ لگا دی جو مجھے اور سمترا کو کلاشنکوف کی زد میں لیے کھڑا تھا۔

میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کے ہاتھ سے کارا کوف چھین لی اور اس گن مین کو نشانے پر لے کر ٹرائیگر دبا دیا جس نے بھیرو کو زد پر لے رکھا تھا۔ رائفل سے نکلنے والی تین چار گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور وہ خون کے فوارے چھوڑتا ہوا نیچے گرا۔

میں نے رائفل کا رخ تیسرے گن مین کی طرف کر دیا جس کے ہاتھ پر شیشے کا ٹکڑا لگا تھا۔ وہ بھی آن کی آن میں ڈھیر ہو گیا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے نکل کر [illegible] سے باہر جا گری۔ ناگ راج واقعی بہت چالاک آدمی تھا اس نے غالباً ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں صورت حال کا اندازہ لگا کر اس دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی جہاں سے پہلے وہ برآمد ہوا تھا اس نے اندر گھستے ہی دروازہ بند کر لیا تھا۔

دوسرے گن مین کی رائفل ایک طرف گری ہوئی تھی۔ گوپال نے بھی پہلے ناگ راج کے پیچھے چھلانگ لگانے کی کوشش کی تھی مگر ناگ راج دروازہ بند کر چکا تھا۔ سرنج ابھی تک گوپال کے ہاتھ میں تھی جسے اس نے ایک طرف پھینک دیا اور قالین پر پڑی ہوئی گن کی طرف چھلانگ لگا دی مگر اسی لمحے پنڈت بھیرو بھی جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر گوپال کی کھوپڑی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ گوپال چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ پنڈت بھیرو نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر ٹھوکریں برسانے لگا۔ وہ گن مین جس سے میں نے رائفل چھینی تھی سمترا کی طرف جھپٹا۔ شاید وہ اسے گرفت میں لے کر اپنی ڈھال بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے سمترا تک پہنچنے کا موقع نہیں دیا۔ میری رائفل سے نکلنے والی گولیوں کی بوچھاڑ نے اسے راستے ہی میں ڈھیر کر دیا تھا۔

میں نے سمترا کی طرف دیکھا وہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے اور بری طرح چیخ رہی تھی۔

"سمترا..... سنبھالو اپنے آپ کو۔"

میں چیختا ہوا اندر والے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ شاید اندر سے لاک کر دیا گیا تھا۔ میں نے لاک پر رائفل کی نال رکھ کر ٹرائیگر دبا دیا اور زور دار ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا میں نے ایک نظر پنڈت بھیرو کی طرف دیکھا وہ اب بھی گوپال پر ٹھوکریں برسا رہا تھا

میں رائفل تانے دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ بیڈروم تھا جو خالی تھا البتہ دائیں طرف ایک اور دروازہ تھا اسے بھی رائفل کی نال سے کھولا یہ دوسری طرف سٹنگ روم تھا اور سامنے ہی راہداری کی طرف کھلنے والا دروازہ تھا یہ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔

میں اس کمرے سے نکل کر راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ [illegible] طرف سامنے والی رو کے ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک عورت باہر جھانک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر میں پہلے ہی اس کے قریب پہنچ گیا اور دروازے میں پیر پھنسا دیا۔

"اس دروازے سے ایک آدمی نکلا تھا وہ کدھر گیا؟" میں نے چیخ کر پوچھا۔

"او..... اس طرف....." عورت نے ہکلا کر ایک طرف اشارہ کیا۔ میرا پیر ہٹتے ہی اس نے دروازہ دھڑ سے بند کر لیا۔

اس طرف راہداری کے اختتام پر مختصر سی لابی اور لفٹس تھیں ان سے ذرا ہٹ کر نیچے جانے کے

لیے زینہ تھا۔ میں لفٹوں کی طرف دوڑ پڑا لیکن نصف راستے میں رک گیا۔

راہداری میں ایک سیاہ ناگ رینگتا ہوا بڑی تیزی سے ایک کمرے کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ یہ وہی ناگ تھا جو کچھ دیر پہلے تک ناگ راج کے گلے کا ہار بنا ہوا تھا۔ دوڑتے ہوئے شاید یہ سانپ گر گیا تھا۔ ناگ راج نے اپنے آدمیوں کی پروا نہیں کی تھی۔ انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ سانپ کی اسے کیا پروا ہو سکتی تھی۔

میں نے رائفل کا رخ نیچے کی طرف کر کے ٹرائیگر دبا دیا۔ سانپ کے پرخچے اڑ گئے۔ میں دوڑتا ہوا لفٹ کے قریب پہنچ گیا اوپر روشن نمبر دیکھ کر سمجھ گیا کہ ایک لفٹ نیچے جا رہی تھی اور دوسری اوپر آ رہی تھی اور اتفاق سے اس وقت دونوں دروازوں پر [illegible] روشن تھے۔

میں نے زینے پر آ کر دیکھا زینہ بھی سنسان تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ناگ راج لفٹ کے ذریعے نیچے جا چکا تھا اسے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ البتہ نیچے پہنچ کر وہ ہمارے لیے مسئلہ پیدا کر سکتا تھا میں نے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

جب میں کمرے میں پہنچا تو ایک عجیب منظر میرے سامنے تھا۔ پنڈت بھیرو نے گوپال کو دونوں ہاتھوں پر سر سے اوپر اٹھا رکھا تھا گوپال بری طرح چیخ رہا تھا۔ پنڈت بھیرو نے چکر کاٹتے ہوئے اسے سر کے اوپر گھمایا اور پھر کھڑکی کی طرف اچھال دیا۔

ایک زور دار چھناکا ہوا اور گوپال کھڑکی توڑتا ہوا باہر کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ فضا میں گونجنے والی اس کی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی۔

پنڈت بھیرو نے قالین پر پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی اور پھر ہم دونوں نے سمترا کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا دیا وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"اپنے حواس کو قابو میں رکھو سمترا۔" میں نے اسے جھنجوڑ دیا۔ "ناگ راج بھاگ گیا ہے۔ ہمیں بھی فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔"

پنڈت بھیرو نے سمترا کو سنبھال لیا تھا۔ میں نے سمترا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رادھا کی لاش پر جھک گیا۔ رادھا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ اپنا جیون دے دے گی مگر میرے دشمن کو دھوکا نہیں دے گی۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ میں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھی میں نے مڑ کر رادھا کی لاش کی طرف دیکھا اور پھر ہم تینوں لفٹ کی طرف دوڑنے لگے۔

اوپر آنے والی لفٹ کی پلیٹ پر پانچ کا ہندسہ روشن تھا اور پھر اسی وقت چھ کا ہندسہ روشن ہو گیا لفٹ کا دروازہ کسی بھی وقت کھل سکتا تھا۔ میں رائفل تان کر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ لفٹ سے جو کوئی بھی برآمد ہو گا اسے رائفل کی زد پر لے کر لفٹ میں گھس جائیں گے اور نیچے پہنچ کر بھی رائفل کے زور پر اپنا راستہ بناتے ہوئے نکل جائیں گے۔ بھیرو نے ایک ہاتھ سے سمترا کو بازو سے پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں رائفل سنبھال رکھی تھی۔

لفٹ کا دروازہ کھلا اور اندر سے برآمد ہونے والے دو آدمیوں کو دیکھ کر میں اچھل پڑا وہ [illegible]

اور مشورام تھے۔ "گولی مت چلانا گرو" شکتی مجھے دیکھتے ہی چیخ اٹھا۔ "لفٹ میں آجاؤ جلدی کرو۔"

مشورام اور شکتی کو دیکھ کر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے مگر یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ وہ لوگ یہاں کیسے پہنچے تھے۔ میں نے پہلے بھیرو اور سمترا کو اندر داخل ہونے کا موقع دیا پھر خود بھی اندر گھس گیا۔ شکتی نے اب بھی آٹومیٹک دروازے کو ہاتھ سے روک رکھا تھا پھر اس نے باہر گردن نکال کر ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ کہاں ہے گرو... وہ تمہاری...؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا وہ رادھا کو پوچھ رہا تھا۔

"وہ اب ہم میں نہیں رہی شکتی۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

شکتی نے دروازہ چھوڑ دیا مشو پہلے ہی گراؤنڈ فلور کا بٹن دبا چکا تھا۔ آٹومیٹک دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ نے تیزی سے نیچے کا سفر شروع کر دیا۔

"ناگ راج دوسری لفٹ سے نیچے بھاگ گیا۔" میں نے شکتی کو بتایا۔

"وہ کہیں نہیں جا سکے گا۔" شکتی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ گراؤنڈ فلور پر ہم لفٹ سے باہر نکلے تو لابی میں سناٹا تھا۔ شاندار استقبالیہ کاؤنٹر بھی خالی پڑا تھا۔ البتہ باہر والے دروازے کے قریب اور لفٹ کے سامنے ایک ایک آدمی کھڑا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ایسی ہی رائفلیں تھیں جو ہمارے پاس تھیں وہ شکتی لال کے آدمی تھے۔ "ناگ راج کہاں گیا؟ تم لوگوں نے اسے روکا کیوں نہیں" شکتی نے لفٹ کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"ناگ راج تو ادھر نہیں آیا۔" اس آدمی نے جواب دیا۔

اور پھر انکشاف ہوا کہ اس وقت لفٹ جب نیچے پہنچی تو خالی تھی۔ میرا دماغ گھوم گیا۔ ناگ راج کہاں غائب ہو گیا۔

شکتی نے چیخ کر اپنے آدمیوں کو کچھ ہدایات دیں اور ہمیں لے کر باہر کی طرف دوڑا۔ شیشے کے بڑے مرکزی دروازے سے نکل کر ہم اپنی ٹیکسی کی طرف دوڑے۔

"گرو... تم لوگ نکل جاؤ... ہم یہاں سنبھال لیں گے۔" شکتی نے چیخ کر کہا۔ پارکنگ میں سناٹا تھا۔ ہوٹل کے سامنے البتہ سڑک پر ٹریفک جاری تھا۔ ہوٹل ہلٹن کیا تھا قبرستان بنا ہوا تھا۔ راستے سے اس جیسے میں سنسان اور ویران نظر آ رہے... وہ تو بعد میں انکشاف ہوا کہ شکتی کا ایک آدمی ہوٹل کے اگلے گیٹ پر بھی کھڑا تھا جس نے اندر آنے والی گاڑیوں کو باہر ہی روک رکھا تھا۔ باہر والوں کو یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے یا کیا ہو چکا ہے۔

میں سمترا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور پنڈت بھیرو نے ٹیکسی کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ ہوٹل کا خارجی راستہ خالی تھا۔ ٹیکسی تیزی سے اس راستے سے نکلی اور بائیں طرف مڑ کر تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

پنڈت بھیرو نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ہمارا تعاقب تو نہیں ہو رہا اور بار بار عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں دیکھ رہا تھا کئی سڑکوں پر گھمانے کے بعد اس نے ٹیکسی موڑ کر ایک اور سڑک پر

پر موڑ دی۔

سمترا میرے ساتھ چپکی بیٹھی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور اس کا بدن اب بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ جھرجھری سی لے کر میری آغوش میں اوندھی ہو گئی۔ میں اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

ٹیکسی پہاڑی والی سڑک پر چڑھ کر بنگلے کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ پنڈت بھیرو کار کا انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر گیا اور گیٹ کے ستون پر کال بیل کے بٹن کے ساتھ لگے ہوئے ٹیلی ویژن کے ریموٹ کنٹرول جیسے ڈیوائس پر چند بٹن دبانے لگا۔

گیٹ کھل گیا وہ دوبارہ کار میں اندر آ گیا اور کار کو گیٹ کے اندر لے جا کر روک دیا اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"سمترا اتر کر گیٹ بند کرو۔"

سمترا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ اور گیٹ کے اندر کی طرف لگے ہوئے اسی طرح کے ڈیوائس پر ایک بٹن دبا دیا۔ یہ دروازہ عام دروازوں کی طرح اندر یا باہر کی طرف نہیں کھلتا تھا۔ بلکہ اس کے بڑے بڑے دروازے سائیڈ تک تھے۔ فرش پر لوہے کی ایک پٹی لگی ہوئی تھی۔ دروازوں کے نیچے چھوٹے چھوٹے پہیے لگے ہوئے تھے۔

بھیرو نے اپنی حفاظت کا بہت شاندار انتظام کر رکھا تھا۔ یہ آٹومیٹک گیٹ ریموٹ کنٹرول کے ذریعے بھی کھولا جا سکتا تھا لیکن اس وقت اس کے پاس ریموٹ نہیں تھا جس وجہ سے اسے کار سے اتر کر ستون پر لگے ہوئے مخصوص بٹن دبانے پڑے تھے۔

سمترا گیٹ بند کر کے دوبارہ کار میں آ گئی اس مرتبہ وہ سیدھی بیٹھی تھی اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہے۔

بنگلے کی اصل عمارت گیٹ سے کافی فاصلے پر تھی اور وہاں تک پختہ سڑک بنی ہوئی تھی جس کے دونوں طرف پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ ان کیاریوں میں یا لان میں کسی اور جگہ رات کی رانی کے پودے بھی لگے ہوئے تھے۔ تیز خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

پورچ میں کار روک کر بھیرو نے انجن بند کر دیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا اور گھوم کر نیچے اتر آیا۔

"سمترا" بھیرو نے سمترا کی طرف دیکھ کر کہا جو اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر چکی تھی "کار کو لے جا کر پیچھے والے گیراج میں بند کر دو اور ساری چیزیں اس میں سے نکال لینا۔"

سمترا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگی۔ میں بھیرو کے ساتھ برآمدے میں آ گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اسی وقت برآمدے والا دروازہ کھلا اور رتنا برآمد ہوئی۔ چہرہ ستا ہوا اور آنکھوں میں ہلکی سی سرخی بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ سوتے میں سے اٹھ کر آئی تھی۔

"سو رہی تھیں؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی تھی۔" رتنا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا "رادھا کہاں

ہے۔" اس نے سترا کو تو دیکھ لیا تھا مگر ظاہر ہے رادھا اسے دکھائی نہیں دی تھی۔

"رادھا ناگ راج کی درندگی کا شکار ہوگئی۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "آؤ اندر بیٹھ کر آرام سے بات کریں گے۔"

رتنا کا چہرہ دھواں ہوگیا وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی ان دونوں کا تعلق اگرچہ چند روز سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔ پہلے روز رتنا کو دیکھ کر رادھا کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے لیکن چند گھنٹوں بعد ہی ان میں دوستی ہوگئی تھی اور پچھلے چند روز کے دوران تو ان میں گاڑھی چھننے لگی تھی اور اب رادھا کی موت کی خبر سن کر رتنا پر گویا بجلی سی گری تھی وہ بے حس و حرکت کھڑی پلک جھپکے بغیر میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"آؤ اندر چلیں۔" میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

پنڈت بھیرو ہم سے پہلے اندر جا چکا تھا۔ ہم بڑے ہال میں داخل ہوئے تو میری نظریں ہال کے آخری سرے پر بار کاؤنٹر کی طرف اٹھ گئیں۔ بھیرو وہسکی کی ایک چھوٹی سی بوتل منہ سے لگائے غٹاغٹ پی رہا تھا۔ اس وقت اسے واقعی اس چیز کی ضرورت تھی میں بھی بڑی شدت سے کافی یا چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

"کافی یا چائے بنا سکتی ہو۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔

"ہاں... تم بیٹھو۔ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" رتنا کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

میں ایک صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔ کوراکوف سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ میرا دماغ ابھی تک گھوم رہا تھا اور کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ رادھا کی موت کا خوفناک منظر بار بار میری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا۔ میں نے کئی لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھا تھا کئی لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا مگر ایسی خوفناک موت میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی وہ منظر یاد کر کے میرا دل اب بھی کپکپانے لگتا تھا اور یہ سوچ کر ہی میرا دماغ گھوم رہا تھا کہ ناگ راج کے تیار کیے ہوئے یہ انجکشن میرے ملک پہنچ جائیں گے اور وہاں موت کا یہ خوفناک کھیل کھیلا جائے گا۔ بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جائے گی۔ "نہیں نہیں... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" میں زور زور سے سر جھٹکنے لگا۔

سترا بیڈ روم والے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی اس کے ایک ہاتھ میں کوراکوف رائفل اور دوسرے ہاتھ میں کچھ اور چیزیں تھیں جو وہ فیاٹ سے نکال کر لائی تھی اس نے وہ تمام چیزیں صوفے پر پھینک دیں اور پنڈت بھیرو کی طرف جانے لگی۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے تاثرات اب بھی موجود تھے اس نے بھیرو کے ہاتھ سے شراب کی بوتل جھپٹ کر اپنے ہونٹوں سے لگالی۔

رتنا شاید کچن میں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد وہ کچن سے نکلی تو ٹرے میں صرف دو کپ تھے وہ بھیرو اور سترا کو شراب پیتے دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ وہ لوگ چائے یا کافی نہیں پئیں گے۔

رتنا کافی بنا کر لائی تھی۔ اسٹرانگ بلیک کافی میری خواہش کے عین مطابق تھی مجھے اس وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت تھی۔ میں اور رتنا آمنے سامنے بیٹھے کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔

"کیا ہوا؟" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "رادھا کیسے...؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔" میں نے افسردہ سے لہجے میں کہا اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا اس دوران سترا اور پنڈت بھیرو بھی ہمارے قریب آ کر بیٹھ گئے تھے۔ بھیرو کے ہاتھ میں اب بھی شراب کی بوتل تھی جس سے وہ وقفے وقفے سے چسکیاں لے رہا تھا۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔" میں کہہ رہا تھا۔ "انہوں نے جس طرح ہمیں گھیرا تھا اس سے لگتا تھا کہ انہیں ہمارے وہاں پہنچنے کی خبر مل گئی تھی اور انہوں نے کوئی کارروائی کرنے سے پہلے ہی ہمیں بے بس کر دیا تھا۔"

"انہیں خبر ہو گئی ہو گی۔" پنڈت بھیرو نے کہا۔ "ناگ راج بہت چالاک آدمی ہے ہو سکتا ہے اس کے آدمیوں میں سے کسی کو ہم پر شبہ ہو گیا ہو رادھا تم سترا یا میں بھی شبے کی زد میں آ سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے رادھا کو پہچان کر فوری طور پر ناگ راج کو اطلاع دے دی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "لیکن شکتی وغیرہ وہاں کیسے پہنچے؟"

"وہ کون لوگ تھے میں تو انہیں شٹ سے نکلتے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔"

"وہ بھی تمہاری طرح میرے ہمدرد ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ناگ راج کے ظلم کے خلاف وہ بھی سینہ سپر ہیں اب تک بہت کام کر چکے ہیں لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ وہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ تو وہ بتا سکیں گے کہ وہاں کیسے پہنچ گئے تھے لیکن ان کی مداخلت کی وجہ سے ہماری جان بچ گئی۔" پنڈت بھیرو نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اب مجھے یقین ہے کہ کھڑکی پر باہر سے گولی انہوں نے ہی چلائی ہوگی۔ انہیں کسی طرح پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم کہاں ہیں۔ اس گولی نے ہی ہمیں بچا لیا۔ میرے سامنے آ سکے تو میں ان کا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔"

"بیلا اور پنڈت امریش بھی غائب ہو گئے تھے۔" میں نے کہا۔ "ناگ راج کا فرار بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم لفٹ سے نیچے پہنچے تو وہ خالی تھی۔ وہ راستے میں کہاں غائب ہو گیا۔"

"وہ اس لفٹ میں سوار ہی نہیں ہوا ہوگا۔" بھیرو نے جواب دیا۔

"اگر وہ لفٹ اوپر کی کسی منزل پر خالی ہوتی تو خود بخود گراؤنڈ فلور پر آ جاتی ہے اور ناگ راج... وہاں پر ہی کسی کمرے میں غائب ہو گیا ہوگا اور بیلا وغیرہ بھی کسی کمرے میں چھپ گئے ہوں گے۔"

"ہاں ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔" میں نے سر ہلا دیا اور سترا کی طرف دیکھنے لگا وہ اپنے آپ کو ابھی تک پوری طرح نہیں سنبھال پائی تھی۔

"بہتر ہے تم جا کر سو جاؤ۔ تھوڑی نیند لے لوگی تو تمہاری طبیعت سنبھل جائے گی۔" میں نے سترا سے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم جا کر سو جاؤ۔" بھیرو نے بھی میری تائید کی۔

سترا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"ناگ راج کو اب تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔" پنڈت بھیرو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ جب تک زندہ ہے میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔ اتنی کچھ دولت ہوتے ہوئے بھی میں قیدیوں کی طرح اس بنگلے میں محصور رہوں گا۔ اب تو بیلا اور پنڈت امریش نے بھی شکل دیکھ لی ہے وہ لوگ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ خوفزدہ تھا اور اسی خوف سے وہ اس بنگلے میں چھپا بیٹھا تھا آج میں نے یہ باور کرا کے باہر لے گیا تھا کہ اسے کوئی نہیں پہچان سکے گا لیکن ناگ راج نے اسے چھٹی انگلی سے پہچان لیا تھا۔ مجھے اس بات کا بھی افسوس تھا کہ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی لیکن اسے خرچ کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور وہ اس بنگلے میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔

"ڈرتے کیوں ہو پنڈت۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اس طرح ڈرتے رہے تو تمہارا پورا جیون انہی دیواروں کے اندر گزر جائے گا۔ ہمت کرو گے تو اپنے دشمن کو زیر بھی کر سکو گے آج تم نے جو کچھ کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم کچھ بلکہ بہت کچھ کر سکو گے۔ ناگ راج کو بھی یہ پتہ چل گیا ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو پہلے تو میں بھی اس سے چھپتا پھرتا تھا لیکن اپنے کئی آدمی میرے ہاتھوں مروانے کے بعد اب وہ مجھ سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اب وہ ہم پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا ہم اس پر حملہ کریں گے ایک دو دن میں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے اور اس کے بعد میں اسے بھاگنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"تمہاری وجہ سے ہی تو مجھے شکتی ملی ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ اس راکھشش کا سامنا کیا تھا۔" پنڈت بھیرو نے کہا۔ "اور تم ساتھ رہو گے تو میرے اندر یہ شکتی قائم رہے گی بلکہ تم میرے ساتھ ہی رہو گے یہاں تمہیں کوئی کشٹ نہیں ہوگا۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں تم دیکھ چکے ہو جو چاہو، جتنا چاہو یہاں سے لے سکتے ہو بس اس راکھشش کو زندہ نہیں رہنا چاہیے اس کا انت ہی میرا جیون ہے۔"

اور پھر ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ پنڈت بھیرو اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں اور رتنا اس کے بعد بھی دیر تک بیٹھے رادھا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا تو رتنا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"کمرے میں جا کر آرام سے بستر پر سو جاؤ یہاں بے چین ہو رہے ہو۔"

"تم چلو میں آتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت مجھے نیند آ رہی تھی لیکن رتنا کے چلے جانے کے بعد میری آنکھیں بند نہیں ہوئیں اور میرے ذہن میں سوچوں کا دھارا ایک بار پھر بہہ نکلا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ میں اپنے دیس میں ہوتا تو شاید میرے اندر وطن پرستی کا جذبہ اتنا اچھل نہ پاتا۔ کسی کا وعظ میرے ضمیر کو نہ جھنجوڑتا اور میں وہی مجرم کا مجرم ہی رہتا۔

مجرم تو میں اب بھی تھا۔ یہاں جو جرائم مجھ سے سرزد ہوئے تھے ان کا مقصد کچھ اور تھا پے در پے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بھی میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا دل میں کوئی خلش نہیں تھی یہاں میں جو کچھ بھی کر رہا تھا اپنے وطن کی بھلائی اور اپنے ہم وطنوں کی بھلائی کے لیے کر رہا تھا اور یہ محض اتفاق تھا کہ یہاں آ کر میں اپنے وطن کے خلاف بہت بڑی سازش سے آگاہ ہو گیا تھا اور مجھے اپنے وطن سے دور رہتے ہوئے وطن کی کچھ خدمت کا موقع مل رہا تھا۔ میرے دل میں کبھی ایک لمحہ کو بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے ان خدمات کا صلہ ملے گا۔ کوئی تمغہ میرے سینے پر سجایا جائے گا۔ میں تو وطن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس آگ میں کود پڑا تھا۔ میں نے نتائج کی بھی پروا نہیں کی تھی اور مجھے یہ تجربہ بھی ہوا تھا کہ آدمی وطن سے دور رہے تو مٹی کی محبت زیادہ شدت سے ابھرتی ہے اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھ

بھی اپنے وطن سے بے پناہ پیار تھا اس لیے وہ اس سلسلے میں میری مدد کر رہی تھی کہ ہر ایک اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے مجھے استعمال کر رہا تھا میرے ذریعے ایک دوسرے کو انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا تھا مگر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی میرا کام ہو رہا تھا۔

رادھا ان لوگوں میں واحد ہستی تھی جس نے بے لوث ہو کر میری مدد کی تھی اور اپنی جان بھی دے دی تھی اس کی وجہ شاید یہی نہیں بلکہ یقیناً یہی تھی کہ اس کا خمیر بھی اسی مٹی سے اٹھا تھا جس کے خلاف یہ گھناؤنی سازشیں ہو رہی تھیں اس نے جنم تو پاکستان کی سرزمین پر لیا تھا اور چھ سات سال کی تھی جب اپنے ماں باپ کے ساتھ راجستھان آ گئی تھی۔ پاکستان میں بھی ان کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوا تھا ان کی زمین چھین لی گئی۔ بھائی اور بھاوج کو قتل کر دیا گیا ایسی صورت حال میں تو ان کے دماغ میں پاکستان کے خلاف نفرت بھری ہونی چاہیے تھی لیکن وہ اپنے سینے میں اس دھرتی کی محبت کو پروان چڑھاتی رہی وہ خود ہندوستان میں پروان چڑھی تھی مگر اس کی جڑیں پاکستان کی مٹی میں تھیں۔

آخری دنوں میں، میں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ رادھا مجھ سے پریم بھی کرنے لگی ہے۔ اس نے اگرچہ زبان سے کبھی اظہار نہیں کیا تھا مگر اس کی ہر حرکت چیخ چیخ کر پکار رہی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے اس روز جب میں اسے رتنا کے مکان میں لے کر گیا تھا تو اس وقت بھی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا مگر آنکھوں، چہرے کے تاثرات اور ہر ہر حرکت سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ میرے ساتھ کسی دوسری عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔

کئی روز پہلے کی بات ہے ایک مرتبہ رادھا نے دبے دبے الفاظ میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ پاکستان جانا چاہتی ہے مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی البتہ اس نے پاکستان کی سلامتی کے لیے جان دے دی تھی۔ میں یہی کہوں گا وہ پاکستانی تھی اس نے اپنی جان دے کر مٹی کا قرض اتار دیا تھا۔

یہ سب لوگ مجھے نہ ملتے تو شاید اس حد تک بھی کامیابیاں کہاں ملتیں کئی مرتبہ بھاگنے کے بعد زیادہ سے زیادہ دو چار روز میں پکڑا جاتا اور بے دردی سے مار دیا جاتا مگر ان لوگوں کی مدد سے میں اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ ناگ راج جیسا دہشت گرد بھی مجھ سے چھپتا پھر رہا تھا۔

ناگ راج..... جس کے نام کی دہشت تھی۔ جس کے حکم کے بغیر پرندہ بھی اس شہر میں پر نہیں مار سکتا تھا۔ صوبے کا چیف منسٹر، بڑے بڑے سیاستدان، وزیر اور اعلیٰ ترین پولیس آفیسر اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے تھے جو اس شہر کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ اب وہی ناگ راج اپنی سلامتی کے لیے پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔

میں مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں جو دولت بکھری دیکھ چکا تھا۔ وہ بھی ناگ راج کے عتاب کا شکار ہو چکا تھا۔ ناگ راج نے اسے زندہ جلانے کی کوشش کی تھی مگر بھیرو کی قسمت اچھی تھی کہ صرف خود بچ نکلا بلکہ مندر کی ساری دولت بھی نکال لایا تھا اور وہ دولت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور بھیرو نے ناگ راج کو نرک میں پہنچانے کے لیے مجھے وہ دولت خرچ کرنے کا اختیار دے دیا تھا لیکن میں کتنی دولت خرچ کر سکتا تھا؟ بہرحال میں نے بھیرو کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ششی لال اور اس کے ساتھی میرے ذہن میں تھے۔ ہوٹل ہلٹن سے نکلتے وقت میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس نے اپنے قبیلے کے کچھ اور لڑکے بھی پارٹی میں شامل کر لیے تھے اور میں ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لیکن میں یہ معمہ اب تک حل نہیں کر سکا تھا کہ ششی اور اس کے ساتھی عین وقت پر ہلٹن کیسے پہنچ گئے تھے یہ معمہ تو اس وقت حل ہو سکتا تھا جب ششی سے ملاقات ہوتی۔ میں یہی سب کچھ سوچتے ہوئے صوفے پر ہی نیم دراز ہو کر سو گیا۔

صبح سب لوگ مجھ سے پہلے ہی بیدار ہو چکے تھے لیکن مجھے کسی نے نہیں جگایا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو گیارہ بج رہے تھے۔ بارہ بجے کے قریب میں نے ناشتہ کیا اور جب میں برآمدے والے دروازے سے باہر نکلا تو پورچ میں سرخ رنگ کی ایک ٹویوٹا کار دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ پنڈت بھیرو وسیع برآمدے میں بانس سے بنی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ کار کہاں سے آ گئی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے بھیرو کی طرف دیکھا۔

"پچھلے گیراج میں کھڑی تھی۔" بھیرو نے جواب دیا۔ "ایک کار اور بھی ہے فیاٹ شاید رات کو لائی گئی تھی اس لیے فی الحال میں نے اسے گیراج بند کرا دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا۔" میں نے کہا۔

اس وقت سمترا ہمارے لیے کافی لے کر آ گئی۔ اب وہ مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں تھی۔ طرف دیکھ کر وہ مسکرائی۔

"اس وقت تو بہت خوش نظر آ رہی ہو کل رات میں سمجھا تھا شاید تمہارا کریا کرم کرنا پڑے گا۔" نے کہا۔

"ہم جیسے لوگ تمہاری طرح مضبوط اعصاب کے مالک تو نہیں ہوتے" سمترا کے بجائے بھیرو نے جواب دیا۔ "رات تو میری حالت بھی ایسی تھی کہ میرے بھی اوسان خطا ہو گئے تھے۔ میری حالت تم نے دیکھ لی تھی۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "تمہاری ہمت دیکھ کر میں نے حوصلہ پکڑا تھا اگر اکیلا ہوتا تو میرا اتم سنسکار ہو چکا ہوتا۔"

"حوصلہ اور جرأت یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔" میں نے بھیرو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو جیون کس کام کا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" بھیرو کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ہم دونوں کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔ رتنا بھی باہر آ گئی تھی اور پھر رتنا اور سمترا اٹھ کر لان کی طرف چلی گئیں۔

بھیرو کے اس بنگلے میں آئے ہوئے تین چار دن ہو چکے تھے مگر میرا زیادہ وقت اندر ہی گزرا تھا۔ اس وقت میں بھی اٹھ کر بھیرو کے ساتھ برآمدے سے اتر آیا۔

بنگلے کی عمارت کے اردگرد بہت وسیع و عریض کیا ... تھا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ دس ایکڑ ... جس میں طرح طرح کے درخت لگے ہوئے تھے ان میں کئی پھل دار درخت تھے۔ جھاڑیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے دیکھ بھال نہ ہونے کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ عمارت کے دائیں پہلو میں کنڈی شیپ کا ایک بہت بڑا سوئمنگ پول بھی تھا مگر اس میں پانی نہیں تھا۔

اور ... ان کی دبیز گھاس بے تحاشا بڑھی ہوئی تھی۔ اس لان کے اطراف میں درختوں نے حصار بنا رکھا تھا۔ بڑے اور گنجان پتوں والے ان درختوں کا پھیلاؤ زیادہ نہیں تھا بالکل سیدھے اوپر تک چلے گئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک مضبوط دیوار سی بن گئی تھی اور اس طرح سوئمنگ پول کے گرد ایک پردہ بن گیا تھا۔

اس بنگلے تک پانی پہنچانے کے لیے خاص طور پر پائپ لائن بچھائی گئی تھی۔ یہ بنگلہ چونکہ بلندی پر تھا اس لیے پانی اوپر تک پہنچانے کے لیے اس پائپ لائن میں طاقتور کشش پمپ لگا ہوا تھا۔ ٹیلی فون اور بجلی بھی مہیا کی گئی تھی۔

"یہ زمین میں نے تقریباً دس سال پہلے خریدی تھی۔" پنڈت بھیرو میرے ساتھ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔ "اس زمین کی خریداری اور اس پر ہونے والی تعمیر کو میں راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ میں پنڈت بھیرو سنگھ کی حیثیت سے یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی مجھے اس طرح بھیس بدل کر سامنے آنا پڑا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ پہاڑی ... کے ایک ٹھاکر نے خریدی ہے۔ تقریباً چھ سال تک یہ پہاڑی ایسے ہی پڑی رہی اور پھر میں نے ... کلکتہ سے بلوایا تھا۔ تمام مزدور اور کاریگر بھی باہر سے بلوائے گئے تھے اگر میں اس احتیاط سے کام نہ لیتا تو آج ہم آزادی سے یہاں نہیں رہ سکتے تھے۔"

بھیرو نے بنگلے کی تعمیر کے سلسلے میں رازداری کی جو احتیاط برتی تھی وہ مجھے سمترا بتا چکی تھی۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے تک گھومتے رہے۔ بھیرو مجھے بتا رہا تھا کہ اس نے اگرچہ بنگلے کی حفاظت کے بہت معقول انتظامات کر رکھے تھے۔ رات کے وقت چار دیواری کے اوپر لگی ہوئی خاردار تاروں میں کرنٹ چھوڑ دیا جاتا تھا مگر وہ ان انتظامات سے مطمئن نہیں تھا مہا گرو راج کا خوف اس کے دل و دماغ پر ... تھا لیکن اب اسے امید پیدا ہو چلی تھی کہ اسے جلد ہی اس کشمکش سے نجات مل جائے گی۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی میں اور رتنا باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے ویسے تو میں سمترا کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر وہ گزشتہ رات ناگ راج، ویلا اور پنڈت امرناتھ کی نظروں میں آ چکی تھی۔ اس کا چہرہ ابھی ان کے ذہنوں میں تازہ ہوگا۔ فوری طور پر پہچان لی جائے گی حالانکہ یہ بات بھی طے تھی کہ وہ تینوں ہماری تلاش میں سڑکوں پر نہیں پھر رہے ہوں گے کہ ہم ان کی نظروں میں آ جاتے جبکہ رتنا کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ اب تک میرا اور اس کا کوئی تعلق سامنے نہیں آ سکا تھا۔

میں نے پنڈت بھیرو سے ایک خطیر رقم لے لی تھی اور اس نے مجھے ٹویوٹا کی چابی بھی دے دی۔ ... نے کپڑے کے تھیلے میں لپیٹ کر کار کے ڈیش بورڈ والے خانے میں رکھ دی اور ایک کلاشنکوف اگلی سیٹ کے آگے فٹ سیٹ کے نیچے ڈال دی اور اس پر رتنا نے پیر رکھ لیے۔ یہ رائفل رتنا کے ... کے پاس پستول موجود تھی روانہ ہونے سے پہلے پنڈت بھیرو نے ہمیں آشیرواد دیا۔

... کوئی فکر نہیں تھی اس لیے مجھے ... کی فکر نہیں تھی۔ شہر رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ میں ... سڑکوں پر گھماتا رہا اور پھر ایک شاپنگ ایریا کے سامنے روک دیا جہاں پانی پوری کا ایک ٹھیلا بھی ... رتنا نے ٹھیلے والے کو اشارہ کر کے پانی پوری لانے کو کہا۔

کھانے پینے کی چیزوں میں مٹھائی کو عورت کی سب سے بڑی کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ رتنا نے
بڑے شوق سے درجن بھر گول گپے کھائے اور پیالے میں بھرا ہوا املی کا پانی غٹاغٹ پی گئی۔

یہاں ٹھہرے ہونے کا میرا مقصد محض گول گپے کھانا ہی نہیں تھا میں اس طرح شہر کے مختلف
مقامات پر رک کر صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا اس طرح مختلف جگہوں پر رکتے ہوئے ہم ہوٹل ہلٹن کی
طرف بھی گئے۔ ہوٹل کے گیٹ پر دو مسلح پولیس والے نظر آرہے تھے۔ میں رکے بغیر کار کو آگے بڑھا لے
گیا۔

تقریباً نو بجے کے قریب میں نے کار ریڈ لائٹ ایریا کے قریب ایک نیم تاریک گلی کے موڑ پر
روک لی۔

"تم کار میں بیٹھی رہو۔ میں چند منٹ میں آتا ہوں۔" میں نے اپنی طرف کا دروازہ بند کر دیا۔ رتنا
نے اس طرف جھک کر لاک ناب دبا دی تھی میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا ریڈ لائٹ ایریا کی طرف چلنے لگا مختلف
گلیاں ادھر سے گھوم کر اس اندھیری گلی میں داخل ہو گیا جہاں لکشمی کا کوٹھا تھا میں مختلف دروازوں کے سامنے
اس طرح رکتا ہوا چل رہا تھا جیسے یہاں میری آمد کا مقصد عیاشی کے سوا کچھ نہ ہو۔

میں نے اس گلی کے دو چکر لگائے لیکن لکشمی والا دروازہ مجھے بند ہی نظر آیا اندر اندھیرا بھی تھا
تیسری مرتبہ اس طرف سے گزرتے ہوئے دروازے کے سامنے رکا تو سامنے والے دروازے میں کھڑی
ہوئی طوائف نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"اے ...... ادھر کیا دیکھت ہو۔ ہمار دوار آجاؤ نا ... پانچ روپلی میں خوس کر دیں گی۔"

میں اس دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ دراز قامت طوائف بھی خاصی حسین تھی میں نے جیب
سے دس کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس وقت ایک آدمی میری طرف دیکھتا ہوا قریب سے گزر
گیا تھا۔

"آؤ ... بھیتر آؤ نا ..." طوائف نے دس کا نوٹ گریبان میں ٹھونستے ہوئے کہا وہ مجھے راستہ
دینے کے لیے ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"میں بھیتر نہیں آؤں گا۔ صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے سامنے والا دروازہ آج کیوں بند ہے۔" میں
نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"یہ دروجا تو اس روز بند ہو گیا تھا جب لکشمی بائی کی ہتیا کر دی گئی تھی۔" طوائف نے جواب دیا۔

"ارے یہ کب کی بات ہے؟" میں اچھل پڑا۔

"جس روز اس نے چوک پر شنکر کی ہتیا کی تھی اس رات تو وہ غائب رہی تھی۔ اگلے روز رات
واپس آئی تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شنکر کے آدمیوں نے اس کی ہتیا کر دی وہ اس کا سر یہاں پھینک کر
گئے تھے۔" اس نے گلی کے فرش کی طرف اشارہ کیا۔ "لکشمی بائی کی ایک لونڈیا بھی ماری گئی تھی دوسری کو
اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ دن تو یہ باہر بھی بند رہا تھا۔" وہ چند لمحے خاموش رہی اور ایک بار
اندر آنے کی دعوت دی۔

میں دھنے باد کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ میرا رخ گلی کے مخالف سمت میں تھا گلی میں چند ہی قدم چلا

گیا تھا کہ پیچھے قدموں کی چاپ سن کر چونک گیا میں نے مڑ کر دیکھنا چاہا مگر اس لمحہ کوئی سخت چیز میرے پہلو کو
چبھنے لگی اس کے ساتھ ہی ایک غراتی ہوئی آواز میرے کان سے ٹکرائی۔

"خاموشی سے چلتے رہو۔ اگر شور مچایا یا کوئی حرکت کی تو گولی چلا دوں گا۔"

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی یہ وہی آدمی تھا جو اس
وقت میرے قریب سے گزرا تھا جب میں اس طوائف کو دس روپے کا نوٹ دے رہا تھا۔ میں خاموشی سے
چلتا رہا۔ ہم اس گلی سے نکل کر دوسری گلی میں آگئے۔ جو سنسان بھی تھی اور زیادہ تاریک بھی تھی۔

"یہاں رک جاؤ۔" اس شخص نے فوراً حکم دیا۔ "اور جیب میں جو کچھ ہے نکال کر میرے حوالے
کر دو۔"

"میری جیب میں ایک عدد پستول بھی ہے جس میں چھ کی چھ گولیاں موجود ہیں۔" میں نے
پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "میرے پاس رقم بھی تمہاری توقع سے بہت زیادہ ہے میں سب کچھ تمہارے
حوالے کر دوں گا لیکن پہلے مجھے شنکی لال کے پاس لے چلو ..... کہاں ہے وہ۔"

"شنکی ..... کون ہو تم ....." وہ شخص گڑبڑا سا گیا۔ پھر ایک دم سے آگے آکر میرے پیر چھوئے اور دونوں
ہاتھ جوڑتا ہوا بولا "شما کر دو گرودیو۔ پہچانا نہیں تھا۔ میں تو معمولی اسامی سمجھ کر تمہارے پیچھے لگا تھا۔"

میں نے غور سے اس شخص کو دیکھا یہ شنکی کا وہ چوتھا ساتھی تھا جو شنکر پر حملے والے دن ان کے ساتھ
تھا۔ اس نے مجھے آواز سے پہچان لیا تھا۔

"شنکی کہاں ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔ "اپنی کھولی میں؟"

"نہیں گرو ..... وہ بس اسٹینڈ کے علاقے میں ہے۔ میرے ساتھ آؤ سامنے والی سڑک سے ہمیں
آٹو رکشا مل جائے گا۔"

"آٹو رکشا کی ضرورت نہیں میرے پاس کار ہے میرے ساتھ آؤ۔" میں نے جواب دیا۔

ہم مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے اس گلی میں آگئے جہاں کار کھڑی تھی لیکن کار کے قریب پہنچتے ہی
میں اچھل پڑا۔ رتنا کار میں نہیں تھی میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے ہینڈل پر
ہاتھ رکھ کر اپنی طرف کھینچا دروازہ کھل گیا۔ میری نظر سب سے پہلے لیفٹ سیٹ پر پڑی تھی سیٹ کی حالت
بتا رہی تھی کہ کار [illegible] وہاں موجود نہیں تھی میں دروازہ بند کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ایک لمحہ کے اندر اندر میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات آئے تھے اور پھر گلی کے اندر کی طرف
[illegible] گلی میں کسی ہیولے کو متحرک دیکھ کر میں نے جیب سے پستول نکالا لیکن وہ ہیولا جیسے ہی آگے آیا میرے
منہ سے گہرا سانس نکل گیا وہ رتنا تھی۔

"ایک آدمی مشکوک انداز میں دو تین مرتبہ کار کے سامنے سے گزرا تھا اس لیے میں کار سے اتر کر
اس مکان کی تاریک ڈیوڑھی میں چھپ گئی تھی۔" رتنا نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

"کس کی ہمت ہے جو ہمارے علاقے میں ہمارے آدمیوں کو پریشان کرے۔" شنکی کے چیلے
نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتاؤ دیدی وہ کون تھے۔"

"چلو بیٹھو ..... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا وہ

پچھلے دروازے کی ایک ناب دبا دی۔

رتنا اپنی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کلاکوف دوبارہ فرنٹ سیٹ کے نیچے رکھ دی تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار آگے بڑھا دی۔

بس سٹینڈ کے اڈے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شکتی کا چیلا گوبند راستے بھر ہوشیار رہا تھا۔ اس کے کہنے پر میں نے کار ایک جگہ روک دی اور ہمیں وہیں رکنے کا کہہ کر وہ خود کار سے اتر گیا۔

میں کچھ دیر تک اسے ایک طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ یہ بارونق شاپنگ ایریا تھا۔ میں نے کار آگے بڑھا دی اور ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے پارکنگ ایریا میں ایسی جگہ روک دی جہاں سے میں چاروں طرف نگاہ رکھ سکتا تھا۔ دس منٹ گزر گئے نہ تو گوبند واپس آیا اور نہ ہی شکتی لال کی صورت کہیں دکھائی دی۔

"گوبند بھی غائب ہو گیا۔" رتنا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ان لوگوں کا کوئی ایک ٹھکانہ تو نہیں۔ وہ شکتی کو تلاش کر رہا ہوگا۔" میں نے کہا اور پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے لکشمی کے بارے میں بتانے لگا۔

"بیچاری۔" رتنا افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے اپنی موت کو خود ہی دعوت دی تھی۔ ہمارے ساتھ رہتی تو محفوظ رہتی وہ لوگ اس کی تاک میں رہے ہوں گے اور لکشمی جیسے ہی وہاں پہنچی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔"

"ٹھاکر کی موت کے بعد وہ خود بھی شاید زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی۔" میں نے کہا۔

"ارے یہ یہاں کہاں؟" رتنا کہتے ہوئے سامنے دیکھنے لگی۔

"کون؟" میں نے بھی اس طرف دیکھا۔

"وہ رجنی ہے۔ میرے ساتھ پریم نواس ریسٹورنٹ میں کام کرتی ہے۔" رتنا نے سامنے اشارہ کیا۔

ساڑھی میں ملبوس دراز قامت ایک خوبصورت لڑکی ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ اس طرف آ رہی تھی وہ سامنے والے شاپنگ سینٹر سے نکلے تھے اور دونوں کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے۔ وہ پارکنگ ایریا میں داخل ہو کر ہماری طرف ہی آ رہے تھے اور پھر دائیں طرف والی کار کے قریب رک گئے مرد کار کا دروازہ کھولنے لگا۔

"ارے رجنی۔" رتنا کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھی۔ رجنی بڑی گرمجوشی سے اس سے ملی وہ دو تین منٹ تک باتیں کرتی رہی رجنی کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ ریسٹورنٹ والوں کو رتنا پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا البتہ وہ پریشان ضرور تھا کہ وہ بغیر اطلاع کے اتنے روز کام پر کیوں نہیں آئی ایک ملازم کو اس کے گھر بھی بھیجا گیا تھا مگر وہاں تالا لگا ہوا تھا

رجنی کا ساتھی کار میں بیٹھ چکا تو پھر رجنی بھی رتنا سے ہاتھ ملا کر کار میں بیٹھ گئی۔ رتنا اپنی کار میں آ گئی اور رجنی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کرنے لگی۔

"یہ اطمینان تو ہوا کہ ریسٹورنٹ میں میرے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہوا۔" رتنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ضرورت پڑنے پر ہم تمہارا مکان استعمال کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بالکل اب ہمیں وہاں جانے میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

دس منٹ اور گزر گئے اور پھر شکتی اور گوبند دکھائی دیے وہ اس جگہ کھڑے تھے جہاں میں نے گوبند کو کار سے اتارا تھا۔ وہ دونوں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے میں نے کار کا ہارن بجا دیا۔ شکتی نے اس طرف دیکھا تو میں نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر ہلا دیا۔

شکتی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پارکنگ ایریا کی طرف آ گیا۔ اس دوران میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔

"پائے لاگوں گرو۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کھڑکی کے سامنے جھک گیا۔

"اگر تمہیں یہاں کوئی ضروری کام نہ ہو تو پہلے بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا۔

"یہاں کوئی کام نہیں گرو۔" شکتی نے کہا۔ گوبند کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا میں نے انجن اسٹارٹ کر کے کار کو پارکنگ ایریا سے نکالا اور سڑک پر ایک طرف موڑ دیا۔

دس منٹ بعد میں نے کار ایک مندر کی طرف جانے والے راستے پر موڑ کر روک لی۔ اس وقت نو بجنے والے تھے اور اس سڑک پر اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی میں نے انجن بند کر دیا اور سیٹ پر پیچھے مڑ کر بیٹھ گیا۔

"سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ کل رات تم ہوٹل ہلٹن کیسے پہنچ گئے۔" میں نے شکتی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اور تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ ہم اس ہوٹل کے اندر اور چھٹی منزل پر کس کمرے میں ہیں۔"

شکتی لال مسکرا دیا وہ چند لمحے رتنا کی طرف دیکھتا رہا پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

"بات یہ ہے گرو کہ کل رات جب آپ لوگ بستی میں داخل ہوئے تھے تو متھو رام نے تمہیں اور رادھا کو دیکھ لیا تھا۔" اس نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"متھو رام نے فوراً ہی مجھے ٹھاکر ریسٹورنٹ فون کر دیا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اس وقت وہیں بیٹھا ہوں گا۔ ریسٹورنٹ میں نہ بھی ہوتا تو چند منٹ کے اندر اندر مجھے پیغام مل جاتا بہر حال متھو کا پیغام ملتے ہی میں وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس وقت تین چار بندے میرے ساتھ تھے۔

"مجھے معلوم تھا کہ ناگ راج ہلٹن کی چھٹی منزل کے کس سویٹ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے جیسے ہی سنا کہ تم لوگ بھی وہاں پہنچ گئے ہو تو مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔"

"میں جب ہوٹل پہنچا متھو رام نے بتایا کہ تم لوگ ان کے قبضے میں آ چکے ہو اور وہ لوگ تمہیں ناگ راج والے کمرے میں لے گئے ہیں دراصل جب تم لوگوں کو لفٹ سے نکلتے ہی دو آدمیوں نے [illegible] کر دبوچ لیا تھا متھو اس وقت زینے پر تھا وہ فوراً ہی واپس آ گیا وہ اس وقت اکیلا تھا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ باہر آ کر ہمارا انتظار کرنے لگا۔

"صورت حال کا علم ہوتے ہی میں بھی پریشان ہو گیا اگر ہم چھٹی منزل پر ہلہ بول دیتے تو پھر فائدہ نہ ہوتا۔ تمہیں اور ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا۔ میں نے ایک اور طرف سے رسک لینے کا فیصلہ کر لیا اس وقت

میرے ساتھ پانچ آدمی تھے جنہیں میں نے مختلف پوزیشنوں پر کھڑا کر دیا اور بھانوت کو باہر سے چھٹی منزل کے آخری کمرے کی کھڑکی پر فائر کرنے کا اشارہ کیا اس وقت کھڑکی کے قریب کچھ سائے سے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔

"بھانوت کی چلائی ہوئی پہلی گولی پتہ نہیں کس طرف چلی گئی تھی البتہ دوسری گولی کھڑکی کے شیشے پر لگی۔ مجھے توقع تھی کہ شیشہ ٹوٹنے سے کمرے میں کچھ کھلبلی ضرور مچے گی اور تم لوگ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو گے۔" وہ خاموش ہو کر چند لمحے مسکراتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال درست نکلا کھڑکی کے قریب کچھ افراتفری نظر آئی اندر کی طرف کیا ہو رہا تھا اس کا مجھے کچھ اندازہ لگا سکتا تھا۔ ہم لوگ بھی فوراً حرکت میں آ گئے ایک آدمی باہر والے گیٹ پر کھڑا ہو گیا۔ لابی میں بھی ایک دو فائر کرنے سے ہمارا مقصد حاصل ہو گیا تھا لوگ کمروں میں اور کچن کے کھدروں میں گھس گئے۔

"تھوڑی ہی دیر بعد اوپر سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چھٹی منزل کے اس کمرے میں معرکہ شروع ہو چکا ہے۔ میں ٹھوکو لے کر لفٹ کی طرف دوڑا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کو نقصان پہنچا تو ناگ راج کے آدمیوں میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

"لفٹ سے نکلتے ہی تم لوگوں سے سامنا ہو گیا اور جب یہ پتہ چلا کہ ناگ راج دوسری لفٹ سے نیچے گیا ہے تو ہمارے لیے وہاں رکنے کا موقع نہیں تھا لیکن ناگ راج اس وقت ہمیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "راد ھا کی موت کا مجھے بہت دکھ پہنچا ہے۔ لیکن اس کی موت رائیگاں نہیں جائے گی۔ ہم اس کا بدلہ ضرور لیں گے مگر گرو تمہارے ساتھ وہ لمبا سا آدمی اور وہ چھوکری کون تھی!"

"پنڈت بھیرو۔" شکتی واقعی اچھل پڑا۔ "مگر اسے تو ناگ راج نے مندر ہی میں جلا کر بھسم کر دیا تھا۔"

"مندر بھسم ہو گیا تھا بھیرو بچ نکلا تھا۔" میں نے کہا۔ "مندر کو آگ لگائے جانے سے پہلے میں تقریباً ڈھائی مہینے اس کے پاس رہا تھا اور اب پھر اس کے پاس ہوں۔ تین چار روز پہلے اتفاق سے اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ یہ گاڑی بھی اسی کی ہے۔ بہرحال تمہارے پاس کتنے آدمی ہیں۔ گزشتہ رات میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تمہارے پریوار میں کچھ بڑھوتری ہوئی ہے۔"

"ہاں گرو۔" شکتی مسکرا دیا۔ "شنکر اور اس کے تین چار بڑے گرگوں کی موت کے بعد کچھ اور لوگ یہاں قدم جمانے کی کوشش کر رہے ہیں ان میں ایک میں بھی ہوں میرے پریوار میں اب دس آدمی ہیں جن میں دو چھوکریاں بھی ہیں۔ میں نے پورے شہر میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ کوئی دوکاندار کسی بدمعاش کو ہفتہ دے نام بغیر سمجھے کے ان کی رکھشا کریں گے۔ تمہاری کرپا سے یہاں ہمارے قدم جم رہے ہیں گرو۔"

"لیکن تم کسی کو بلاوجہ تنگ نہیں کرو گے اور کسی پر ظلم نہیں کرو گے۔" میں نے کہا۔

"جو خود ظلم کا شکار رہا ہو وہ کسی بے گناہ پر ظلم نہیں کر سکتا البتہ کسی ظالم کو چھوڑوں گا نہیں۔" شکتی نے جواب دیا۔

"ناگ راج کا کیا ہوا اسے تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔" میں نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"کل رات ناگ راج ہمیں دھوکا دے گیا تھا۔" شکتی بولا۔ "ہم سمجھے تھے کہ وہ لفٹ کے ذریعے فرار ہو گیا ہے لیکن وہ حرامی سامنے والے کمرے میں گھس گیا تھا۔"

"سامنے والے کمرے میں۔" میں چونک گیا مجھے یاد آ گیا کہ جب میں ناگ راج کے کمرے سے باہر نکلا تھا تو سامنے والے کمرے کے سامنے ایک عورت کھڑی تھی جس نے مجھے دیکھ کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی اور میرے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ ناگ راج لفٹ کی طرف بھاگا ہے۔

بات اب میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ ناگ راج نے مجھے گمراہ کرنے کے لیے اپنے گلے کا سیاہ ناگ راہداری میں ذرا آگے پھینک دیا اور خود اس کمرے میں گھس گیا تھا یقیناً سامنے والے کمرے بھی اسی کے استعمال میں رہے ہوں گے۔

"بیلا اور پنڈت امریش بھی اس کمرے میں تھے۔" شکتی کہہ رہا تھا۔

"میں اور بھانوت رات بھر ہوٹل کے آس پاس موجود رہے تھے تم لوگوں کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد پولیس بڑی تعداد میں وہاں پہنچ گئی تھی اور کچھ بے گناہوں کو پکڑا بھی گیا تھا۔ رات کو شہر کے مختلف علاقوں سے کچھ بدمعاشوں کو بھی پکڑا گیا تھا مگر میرے آدمی محفوظ ہی رہے تھے۔

"ناگ راج کا سراغ لگاؤ شکتی۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ اس شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو اسے شکتی حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور تم جانتے ہو زخمی ناگ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"چنتا مت کرو گرو۔" شکتی نے جواب دیا۔ "زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں پتہ چلا لوں گا لیکن تم سے رابطہ کرنے کا مسئلہ ہے کوئی ایمرجنسی ہو تو کیسے اطلاع دوں گا۔"

میں نے اسے پنڈت بھیرو کا فون نمبر بتا دیا تین ہندسوں کا یہ نمبر یاد رکھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ پھر میں نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کپڑے کا لپٹا ہوا تھیلا نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ایک لاکھ روپے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو کچھ کھلاؤ پلاؤ ان کے حلیے بدلواتا کہ ضرورت کے وقت بڑے ہوٹلوں اور کلبوں میں آنے جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔"

"تم تو مجھے اپنے احسانوں کے بوجھ تلے دبائے جا رہے ہو گرو۔" شکتی نے کہا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔" میں نے کہا۔ "میرے پاس پیسے ہیں تو تمہیں بھی دے رہا ہوں نہ ہوتے تو شاید میں تم سے کچھ مانگ لیتا۔"

تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے گرو۔" شکتی بولا۔ "اچھا ٹھیک ہے اب میں تمہیں کہاں ڈراپ کروں۔" میں نے سیدھا ہو کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے...." وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "گاندھی اسٹریٹ کے کارنر پر اتار دینا۔ وہاں سے آگے میں خود ہی چلا جاؤں گا۔"

میں نے کار آگے بڑھا دی۔ کئی مرتبہ گاندھی اسٹریٹ سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شہر کے تمام راستے مجھے ازبر ہو چکے تھے۔ اس لیے گاندھی اسٹریٹ تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

یہ بھی شہر کا ایک بارونق علاقہ تھا۔ یہاں چند بڑے ہوٹل اور نائٹ کلب بھی تھے۔ صدر بازار کی طرح یہاں بھی زیادہ تر سیاحوں کا رش رہتا تھا ایک بڑی کشادہ سڑک تھی اور اس کے دونوں جانب لاتعداد چھوٹی سڑکیں تھیں جہاں دکانیں وغیرہ تھیں۔

میں نے کار گاندھی کارنر پر روک لی۔ شیخ لال نے ہم دونوں کو پرنام کیا اور تھیلا سنبھال کر کار سے اتر گیا میں نے کار آگے بڑھا دی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہوئی۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہیں رک کر کچھ کھا پی لیا جائے۔ تمہارا ریسٹورنٹ کیسا رہے گا۔"

"وہیں چلو۔" رتنا نے کہا۔ "صورت حال کا صحیح اندازہ بھی ہو جائے گا۔"

میں نے کار ایک اور سڑک پر موڑ دی۔

"یہ صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا یا دھر لیے جائیں گے۔" میں نے کہا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔

دس منٹ بعد میں نے کار پریم نواس ریسٹورنٹ سے چند گز آگے فٹ پاتھ کے ساتھ لگا کر روک دی اور انجن بند کر دیا۔

ریسٹورنٹ میں صرف ایک دو میزیں ہی خالی تھیں۔ رتنا نے مجھے ایک خالی میز پر بیٹھنے کو کہا اور خود کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ ہمارے اندر داخل ہوتے ہی سیٹھ نے رتنا کو دیکھ لیا تھا۔ میں خالی میز پر بیٹھ گیا۔ رتنا تقریباً پانچ منٹ بعد آئی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا... خیریت؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سالا... حرامی... اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے۔" رتنا کا لہجہ بھی بگڑا ہوا تھا۔ "کہتا ہے اگر کل میں کام پر نہیں آئی تو میری نوکری ختم کر دے گا۔"

"اور کچھ نہیں سب خیریت ہے۔" اس نے جواب دیا۔ اس وقت ویٹرس بھی آ گئی اس نے میری طرف دیکھا پھر رتنا کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"کہاں غائب ہو دیدی وہ حرامی تمہاری چھٹی کر دینے کا سوچ رہا ہے۔"

"کر دے چھٹی مجھے اب اس کی نوکری کی پروا نہیں۔" رتنا نے جواب دیا۔

"کہیں اور کام مل گیا ہے کیا؟" ویٹرس نے کہتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں... یہی سمجھو... اور کام بھی پکا۔" رتنا مسکرائی۔ "اچھا تم یہ بتاؤ ان دنوں میں کوئی مجھے پوچھنے تو نہیں آیا تھا؟"

"نہیں۔" ویٹرس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "البتہ تم اتنے روز نہیں آئیں تو سیٹھ نے ہریش کو تمہارے گھر بھیجا تھا وہاں تالا لگا ہوا تھا کہاں رہ رہی ہو آج کل؟"

"عیش ہو رہے ہیں۔" رتنا مسکرائی۔ "تم جاؤ ہمارے لیے کافی اور چکن سینڈوچ لے آؤ۔"

چند منٹ بعد ویٹرس نے مطلوبہ چیزیں ہماری میز پر سرو کر دیں۔ سینڈوچ کھاتے اور کافی پیتے ہوئے بھی میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا مجھے وہ ویٹرس نظر نہیں آئی جس نے اس روز میری مخبری کی تھی۔

میں نے ویٹرس کو بل لانے کو کہا اس نے فوراً ہی پلیٹ ہمارے سامنے رکھ دی جس میں بل رکھا ہوا تھا۔ رتنا نے مجھے بل ادا کرنے سے روک دیا اپنے پرس میں سے دس روپے کا نوٹ نکال کر ویٹرس کو ٹپ دے دی اور پلیٹ میں سے بل اٹھا لیا۔

"یہ بل میں کاؤنٹر پر ادا کروں گی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

بل چونتیس روپے کا تھا۔ رتنا نے پرس میں سے دس دس کے چار نوٹ نکال کر بل کے ساتھ سیٹھ کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیے۔

"چھ روپے تمہاری بخشش۔ جیب میں رکھ لینا۔" رتنا کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔

سیٹھ خونخوار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔ میں بھی سیٹھ کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔

ہم ریسٹورنٹ کے دوسرے دروازے سے نکلے تھے ہمیں اوپر سے گھوم کر کار کی طرف آنا پڑا۔ میں نے جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر دوسری طرف کے دروازے کی لاک ناب اٹھا دی۔ رتنا بھی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور کار کو گھماتے ہوئے جیسے ہی سڑک پر آیا پیچھے سے ایک غراہٹ سن کر اچھل پڑا۔

"اگلے چوک پر کار کو نہرو مارگ کی طرف موڑ لینا مسٹر تاشی۔" میرے ہاتھ غیر ارادی طور پر اسٹیئرنگ سے اٹھ گئے اور کار سڑک پر لہرانے لگی۔

"کار سنبھالو۔" پیچھے بیٹھا ہوا شخص غرایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال میری گردن سے لگ گئی۔

کار بڑی تیزی سے فٹ پاتھ کی طرف جا رہی تھی اگر میں بروقت اسے نہ سنبھال لیتا تو وہ فٹ پاتھ سے ٹکرا کر الٹ جاتی یا کسی نوعیت کا سنگین حادثہ پیش آ سکتا تھا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا میں نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا آئینے میں نظر آنے والے شخص کے چہرے کا نقش بہت ہی خوفناک تھا۔ گہری رنگت، بڑی بڑی مونچھیں جو رخساروں کے قریب سے اوپر کو مڑی ہوئی تھیں انہیں گل مونچھیں کہنا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔ راجستھانی مرد عام طور پر ایسی خوفناک قسم کی مونچھیں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ شیو بنا ہوا ایک روز پہلے بنایا گیا تھا سر کے بال بھی بہت قریب سے ترشے ہوئے تھے۔ گہری رنگت پر اس کے ماتھے پر سفید تلک عجیب سا لگ رہا تھا۔ سیاہ مونچھوں کے نیچے اس کے چمکتے ہوئے سفید دانت بھی بڑا پراسرار تاثر دے رہے تھے۔

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے کہا اس وقت میرے دل کی دھڑکن خاصی تیز ہو رہی تھی۔

"میں نے تمہیں تمہارا نام لے کر مخاطب کیا تھا۔" اس شخص کا لہجہ کسی سانپ کی پھنکار سے ملتا جلتا تھا۔ "اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔ ویسے تمہاری ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔ صرف چوبیس گھنٹے پہلے ناگ راج کی موجودگی میں یہاں سے تمہارے [illegible] لے گئے تھیں مگر تم کس قدر آزادی سے گھوم رہے ہو۔"

"اوہ۔" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ "تو تم ناگ راج کے چیلے ہو۔"

"ہاں لیکن اس وقت میں تمہیں ناگ راج کے پاس نہیں لے جاؤں گا۔"

"تو پھر کہاں لے جاؤ گے" میں نے کہا۔ "اپنے گھر لے جانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"نہیں میں تمہیں ہنومان کے مندر لے جاؤں گا۔ وہاں میرے کچھ اور ساتھی بھی موجود ہیں۔"

"حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "تم پہلے شخص ہو جو مجھے ناگ راج کے پاس لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جانا چاہتے ہو کیا تم ناگ راج سے پانچ لاکھ کا انعام نہیں لینا چاہتے۔"

"لعنت بھیجو ناگ راج اور اس کے پانچ لاکھ پر۔" اس شخص نے کہا۔ "پنڈت بھیرو کی دولت کے سامنے اب اس کے پانچ لاکھ کی کوئی حیثیت نہیں رہی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناگ راج مجھے پانچ لاکھ کا انعام دینے کی بجائے آشیرواد پر ہی ٹال دے۔"

"پنڈت بھیرو کی دولت! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" میں نے کہا اور رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔

رتنا کا چہرہ خوف سے دھواں ہو رہا تھا اس کا ایک ہاتھ فرنٹ سیٹ پہ آہستہ آہستہ مسلسل حرکت کر رہا تھا میں سمجھ گیا وہ فرنٹ سیٹ ہٹا کر اس کے نیچے چھپی ہوئی کلاکوف رائفل کو سامنے لانا چاہتی تھی تاکہ بوقت ضرورت اسے آسانی سے گرفت میں لے سکے۔

"انجان بننے کی کوشش مت کرو۔" وہ شخص غرایا "اس رات میں بلگن میں نہیں تھا لیکن مجھے پتہ چل گیا تھا کہ پنڈت بھیرو بھی تمہارے ساتھ تھا وہ مندر میں آگ سے بچ گیا تھا۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مندر کی ساری دولت اپنے ساتھ لے گیا ہو گا اور اب وہ دولت ہمارے کام آئے گی۔ ناگ راج کو تو ہم اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گے البتہ اسے اتنا ضرور فائدہ ہو گا کہ اسے اپنے دو بدترین دشمنوں یعنی تم سے اور بھیرو سے نجات مل جائے گی۔"

میرا دماغ اس وقت بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہ لوگ دولت کی خاطر ناگ راج سے غداری کر رہے تھے۔

"اگر میں تمہیں بھیرو کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں تو؟" میں نے کہا۔

"ٹھاکرے تم سے سب کچھ معلوم کر لے گا وہ کسی کی زبان کھلوانے کے معاملے میں ناگ راج سے زیادہ خطرناک ہے۔" اس شخص نے کہا۔

"ٹھاکرے تمہارا مطلب ہے بال ٹھاکرے۔" میں نے کہا۔

"بال ٹھاکرے نہیں۔ امرت ٹھاکرے۔" وہ شخص بولا۔ "وہ چند روز پہلے ہی اندل گڑھ سے آیا ہے۔ کل رات جب اسے پتہ چلا کہ بھیرو زندہ ہے تو یہ منصوبہ اس نے بنایا تھا اور اتفاق سے آج تم میرے ہاتھ لگ گئے۔ ٹھاکرے بہت خوش ہو گا اسے دولت سے بڑی محبت ہے۔ اس کے لیے تو اس نے اپنے دولت مند چچا کو بھی قتل کر دیا تھا مگر اس کے ہاتھ کچھ نہیں لگا اس کی بہن نے اسے ٹھینگا دکھا دیا اور وہ پولیس سے بچتا دھکے کھاتا ہوا یہاں آ گیا۔"

"یعنی اس نے دولت کے لیے اپنی بہن کا سہاگ اجاڑ دیا۔" میں نے کہا۔ "ویسے ہمارے ملک

میں ایسے لاتعداد ٹھاکرے پائے جاتے ہیں جو دولت کے لیے اپنی قوم کی ماؤں بہنوں کے سہاگ اجاڑ رہے ہیں سڑکوں پر خون بہا رہے ہیں اور خود عیش کر رہے ہیں۔ ویسے بال ٹھاکرے بھی عجیب ڈرامہ آدمی ہے وہ......"

"بند کرو اپنی بکواس اور خاموشی سے کار چلاتے رہو۔" وہ دہاڑا۔

دراصل میں اسے باتوں میں لگا کر قابو میں کرنے کا کوئی موقع تلاش کر رہا تھا لیکن وہ بہت محتاط ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ پستول کی نال ایک لمحہ کو بھی میری گردن سے نہیں ہٹی تھی۔

کار اس وقت نہرو مارگ علاقے میں داخل ہو چکی تھی یہ علاقہ بھی میرا دیکھا ہوا تھا اس سے آگے بازی پچمری تھی اور وہیں سے ایک سڑک ہنومان مندر کی طرف جاتی تھی جو آبادی سے بہت ہٹ کر واقع تھا۔ اس مندر میں شام تک لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ سڑک ویران ہو جاتی تھی...... اور مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں نے اس مندر میں ڈیرے جما رکھے ہوئے ہیں۔

ہم نہرو مارگ کی آبادی سے باہر نکل آئے تھے میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس نے آنکھ سے اشارہ کر دیا میری نظریں غیر ارادی طور پر اس کے پیروں کی طرف اٹھ گئیں۔ کلاکوف رائفل کا دستہ سیٹ کے نیچے سے جھانک رہا تھا۔

وہ شخص اب پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

"دیکھو بھایا۔..." رتنا نے پیچھے مڑ کر کچھ کہنا چاہا مگر اس شخص نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے بھایا مت کہو رنڈی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ مار دیا۔

تھپڑ رتنا کی گردن پر کان کے قریب لگا۔ وہ چیختی ہوئی نیچے جھک گئی۔

"عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔" میں نے کہتے ہوئے پیچھے گردن گھمانے کی کوشش کی مگر اس نے میری گردن پر پستول کا دباؤ بڑھا دیا۔

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔" وہ غرایا۔

میں نے کن انکھیوں سے رتنا کی طرف دیکھا اسے تھپڑ کھا کر جھکنے کا موقع مل گیا تھا اس نے دونوں پیر اوپر اٹھا کر بڑی پھرتی سے رائفل کھینچ لی اور ٹھیک اسی وقت میں نے اسٹیرنگ کے دائیں طرف جھکتے ہوئے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی مگر کار ایک زوردار جھٹکے سے رک گئی۔

گن مین اپنی جگہ سے اچھل کر اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا۔ اس نے ٹریگر بھی دبا دیا تھا پستول سے چلائی ہوئی گولی سامنے ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی۔

رتنا رائفل سنبھالتی ہوئی تیزی سے سیدھی ہو گئی اسے پوزیشن لینے کا موقع نہیں مل سکا۔ اتنی جگہ ہی نہیں تھی کہ وہ کسی طرح کی پوزیشن لے سکتی تاہم اس نے بڑی تیزی سے پلٹتے ہوئے رائفل کی نال سے وار کر دیا ضرب اس شخص کے رخسار پر لگی وہ چیختا ہوا پیچھے سیٹ پر الٹا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سیٹوں کے بیچ والی جگہ پر گر گیا تھا۔

سیدھا ہونے کی کوشش میں میری ٹانگ مڑ گئی تھی اور اس دوران اس شخص نے دروازہ کھول باہر چھلانگ لگا دی تھی۔

رتنا بھی میری طرح اپنی سیٹ پر الجھ کر رہ گئی تھی۔ میں نے سنبھلتے ہوئے رائفل اس کے ہاتھ سے لی اور دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔

وہ شخص سڑک سے اتر کر نشیب کی جھاڑیوں میں الجھتا ہوا دوڑا جا رہا تھا۔ اگر وہ نکل گیا تو ہماری ساری خطرے میں پڑ جائے گی۔ بعد میں وہ کار کے ذریعے ہمارے ٹھکانے تک پہنچ سکتے تھے۔ میں اسے زندہ نکل جانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں نے رائفل سیدھی کر کے ٹریگر دبا دیا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی تیز چیخیں بھی فضا میں گونجیں اور وہ شخص لڑکھڑا کر گرا اور ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا میں نے بھی ڈھلان پر دوڑ لگا دی۔

وہ جھاڑیوں میں الجھا تڑپ رہا تھا اسے پشت پر صرف ایک گولی لگی تھی میں نے رائفل اس کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا اور اس کی موت کا اطمینان کر لینے کے بعد سڑک کی طرف دوڑا۔

رتنا بھی سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کار کی طرف دوڑ لگا دی۔

کار کا انجن بند ہو چکا تھا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور یوٹرن لیتے ہوئے کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا رائفل میں نے رتنا کو دے دی تھی جسے اس نے دوبارہ فٹ سیٹ کے نیچے ڈال دیا تھا۔ سامنے بہت دور کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دیکھ کر میں چونک گیا سناٹے میں فائرنگ کی آواز بہت دور تک گونجی ہوگی۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس کی گاڑی ہو جو صورتحال معلوم کرنے کیلئے اس طرف آ رہی ہو۔

"پولیس۔" رتنا بولی۔ "سامنے سے پولیس کی گاڑی آ رہی ہے۔"

اب میں نے بھی ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کے اوپر سرخ روشنی اسپارک کرتے ہوئے دیکھ لی تھی۔ میں نے کار تیزی سے بائیں طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی اور تقریباً دو موگز آگے ایک اور موڑ پر کار گھماتے ہوئے میں نے گردن گھما کر دیکھا پولیس کی کار بھی اس طرف مڑ رہی تھی میں نے کار کی رفتار بڑھا دی اور راستے مختلف سڑکوں پر دوڑاتا ہوا دوبارہ نہرو مارگ کے علاقے میں آ گیا اور وہاں سے چیڑ وادی کی طرف نکلنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

چنت بھیرو کی کوٹھی کی طرف آتے ہوئے بھی میں نے پوری احتیاط سے کام لیا تھا اور آخر کار میں نے گاڑی اس راستے کی طرف موڑ دی اور پھر کار کو اس سڑک پر موڑ دیا جو پہاڑی پر بھیرو کی کوٹھی کی طرف جاتی تھی۔ اس سڑک کے موڑ پر پرائیویٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

وہ پہاڑی سڑک سے تقریباً تین سو فٹ بلند تھی اور گیٹ کا سڑک کے موڑ سے دو ڈھائی سو گز کا فاصلہ تھا اس طرف گاڑی موڑتے ہوئے میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عجیب سے تاثرات تھے۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ "تمہارے چہرے سے تو لگ رہا ہے جیسے اب بھی سنسنی کی کیفیت میں مبتلا

نہیں۔ کچھ نہیں میں ابھی تک اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "ویسے ایک

بات طے شدہ ہے کہ کچھ عرصہ تمہارے ساتھ رہی تو اور کچھ ہو نہ ہو میں بلیک کوئن ضرور بن جاؤں گی۔"

"یہ بلیک کوئن کون ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک انڈین فلم کی ہیروئن۔" رتنا بھی مسکرا دی۔ "ایک ٹھاکر کے ہاتھوں اپنی عزت لٹا کر ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہو جاتی ہے اور اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے نہ صرف اس ٹھاکر کو بلکہ اس جیسے تمام ٹھاکروں کو چن چن کر ختم کر دیتی ہے۔ وہ ہمیشہ کالے کپڑے پہنتی ہے اس لیے وہ بلیک کوئن کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔ ہر قسم کے ٹھاکر اور زمیندار اس کا نام سن کر ہی تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔"

"تو گویا تم بلیک کوئن بننا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔

رتنا مسکرا کر رہ گئی۔ میں نے گاڑی گیٹ کے سامنے روک دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا گیٹ کے قریب پہنچ کر یکایک مجھے خیال آیا کہ اس روز بھیرو نے پلر پر لگے ہوئے ڈیوائس پر جن مخصوص نمبروں کے بٹن دبائے تھے جس سے گیٹ کھل گیا تھا لیکن مجھے وہ نمبر معلوم نہیں تھے۔

میں پلر پر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ریموٹ کنٹرول جیسے اس ڈیوائس کے نیچے اطلاعی گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ انٹر کوم والا ڈیوائس بھی تھا بٹن دبا کر اندر مکینوں سے بات کی جا سکتی تھی۔ میں نے بٹن دبا دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ڈیوائس کے اسپیکر پر سمترا کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں سمترا جی گیٹ کیسے کھلے گا۔" میں نے ڈیوائس کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"تمہاری گاڑی ہم نے دیکھ لی تھی تمہاری کال کا انتظار تھا۔ گیٹ کھل رہا ہے آ جاؤ۔" سمترا نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی پلر کے اندر ایک طرف سے کلک کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور گیٹ کا فولادی پٹ بڑی تیزی سے سرکتا ہوا دیوار میں غائب ہونے لگا مجھے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ گیٹ کوٹھی کے اندر سے بھی کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔

میں گیٹ کے قریب سے ہٹ کر کار میں بیٹھ گیا اور اسے آگے بڑھا لے گیا چند گز آگے جا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو گیٹ بند ہو رہا تھا۔

پورچ میں کار روکی تو اس وقت سمترا بھی برآمدے والے دروازے سے نکل کر باہر آ گئی۔ وہ رتنا کی صورت دیکھ کر سمجھ گئی کہ ہم کسی خاص صورتحال سے گزر کر آ رہے ہیں۔

"کوئی گڑبڑ؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "گڑبڑ کو ہم اس فصیل کے باہر بہت دور چھوڑ آئے ہیں تم ہمیں چائے پلا دو تو بڑا احسان ہوگا۔"

"اس کی فکر نہیں کرو ہم تو تم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔" سمترا نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"چونکہ ہم نے کر دیا تھا اچھا یوں کرو کہ تم لوگ اپنا حلیہ ٹھیک کر لو اور اس کے ساتھ ہی ہمارے سونے سے پہلے اکٹھے بیٹھ کر چائے پیئیں گے اور گپ شپ بھی ہوتی رہے گی۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کپڑے بدل لیتی ہوں۔" رتنا کہتی ہوئی بھیرو کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

رہتا تو ہال کمرے میں صوفے پر ڈھیر ہو گئی تھی اور میں اپنے کمرے میں آ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور ہال کمرے میں آ گیا اگرچہ شاندار ڈائننگ ٹیبل بھی موجود تھی مگر رتنا قالین پر دسترخوان بچھا رہی تھی۔ اس نے بالکل روایتی انداز میں پیتل کی تھالی اور برتنوں میں دو آدمیوں کا کھانا پروس دیا اور دو کپ چائے کے بھی دسترخوان پر رکھ دیے۔ بھیرو اس وقت صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اشارہ کرتا ہوا وہ صوفے سے اٹھ گیا۔

"ناگ راج کے بارے میں کوئی سن گن؟" بھیرو نے کھانے کے دوران پوچھا۔

"ایک دو روز میں پتہ چل جائے گا۔ میں نے آدمی پیچھے لگا دیے ہیں۔" میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں میں نے شکتی لال کو یہاں کا فون نمبر دیا ہے اس کی کال آئے تو تم لوگ پریشان مت ہو جانا۔"

"کیا وہ قابل اعتماد ہے؟" بھیرو نے میری طرف دیکھا۔

"قابل اعتماد؟" میں نے اسے گھورا۔ "کل رات اگر شکتی اور اس کے ساتھی ہماری مدد نہ کرتے تو ہمارا انجام بھی راڑھا کی طرح ہوتا۔ مجھے حیرت ہے بھیرو تم پوچھ رہے ہو کہ شکتی قابل اعتماد ہے یا نہیں۔"

"میری بات کا برا مت مناؤ۔" بھیرو نے کہا۔ "بہت کچھ کرنے کے باوجود بعض لوگوں کا وشواش نہیں کیا جا سکتا۔ جس ماحول سے شکتی کا تعلق ہے اس ٹائپ کے لوگ وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی بڑا لالچ ان کی نیت اور ارادہ بدل سکتا ہے۔"

"بھیرو سنگھ۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "ایک طرف ناگ راج ہے جس کے پاس دولت اور طاقت ہے دوسری طرف میں ہوں جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی نہیں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا پھر رہا ہوں لیکن شکتی لال نے میرا ساتھ دیا جبکہ وہ تمام حقائق سے واقف ہے۔ ناگ راج نے میرے لیے پانچ لاکھ کا انعام بھی لگا رکھا ہے۔ اسے جس پر میری مدد کرنے کا شبہ ہوتا ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ تمہاری اپنی مثال سامنے ہے۔ مندر کو آگ لگا کر تمہیں بھی جلا کر راکھ کر دینے کی کوشش کی گئی۔ کیونکہ ناگ راج کو شبہ ہو گیا تھا کہ تم نے مجھے اپنے مندر میں پناہ دی تھی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے شکتی نے میرا ساتھ دیا اپنے ہاتھ ناگ راج کے آدمیوں کے خون سے رنگے کل رات اس نے ہمارے لیے کیا کچھ نہیں کیا اس کے باوجود تم کہہ رہے ہو کہ وہ اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ اس پر وشواش نہیں کیا جا سکتا۔" بھیرو نے جواب دیا۔ "میں نے تو تم سے یہ پوچھا تھا کہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟"

"تمہارے نظریے کے مطابق کسی ایسے شخص پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جس کی وفاداریاں مشکوک ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس طرح میں تو کسی طرح بھی بھیرو سے لائق نہیں ٹھہرتا۔ میرا دھرم مختلف، میرا دیش مختلف، میرے مقاصد مختلف مجھے اس وقت تمہارے دیش کا دشمن نمبر ون سمجھا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود میں تمہارے لیے قابل بھروسہ ہوں تمہیں مجھ پر اس قدر وشواش ہے کہ اپنا ایک ایک راز مجھے بتا دیا جس دولت کے لیے تم نے اپنی زندگی سادھو بن کر مندروں میں گزار دی۔ ساری جوانی تیاگ دی جس کے لیے تم نے ناگ راج جیسے دنیا کے خطرناک ترین آدمی سے دشمنی مول لی اس دولت کا راز مجھے کیوں بتا دیا۔ مجھ

سے تمہیں کوئی خوف نہیں آتا کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ تم مجھ پر پورا وشواش کرتے ہو تمہیں یقین ہے کہ میں تمہارے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کروں گا۔"

بھیرو چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر مدہم لہجے میں بولا۔

"بات ہے کریکٹر کی..... کردار کی..... تم نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے بتا دیا تھا کہ تم کون ہو حالانکہ اس وقت بھی تم جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے اور اس وقت تمہیں زیادہ خطرہ تھا میں تمہیں پولیس سے مروا بھی سکتا تھا مگر مجھے تمہاری سچائی نے متاثر کیا اور پھر ایک کاز کے لیے کام کر رہے ہو۔ تم ہمارے دیش کے دشمن سہی مگر اپنے مقصد سے تو مخلص ہو۔ میں پہلی ہی ملاقات میں جان گیا تھا کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے اسی لیے میں نے تم پر پورا بھروسہ کیا اور اپنا ہر راز تمہیں بتا دیا۔"

عجیب منطق تھی اس کی لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ یہ بے تکی باتیں اپنی خجالت مٹانے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"شکتی بھی ایسا ہی ہے کہ اس پر مکمل بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر تمہیں اس پر بھروسہ ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" بھیرو نے جواب دیا۔ "اگر تم اسے یہاں بھی لے آؤ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اب تم ایک دم پگھل گئے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "لیکن اسے یہاں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں..... یہ ٹھاکرے کون ہے؟ بال ٹھاکرے نہیں۔ امرت ٹھاکرے۔"

"امرت ٹھاکرے!" بھیرو چونک گیا۔ "نہیں آمنا سامنا ہوا ہے یا یہ نام کہیں سنا ہے۔"

"نام سنا ہے آمنا سامنا ہونے میں تھوڑی کسر رہ گئی تھی۔" میں نے کہا اور پھر اسے اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سنانے لگا آخر میں کہا۔ "وہ شخص مجھے ٹھاکرے کے پاس لے جانا چاہتا تھا لیکن خود اوپر پہنچ گیا بہرحال ایک یہ نئی بات سامنے آئی ہے کہ ناگ راج کے بعض چیلوں کو پتہ چل گیا ہے کہ تم زندہ ہو اور ان کی نظریں تمہاری دولت پر ہیں اب انہیں ناگ راج کی نہیں تمہاری دولت کی فکر ہے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے میں نے کیا کہا تھا۔" بھیرو کو ایک بار پھر بات کرنے کا موقع مل گیا۔ "تم نے اس شخص کو ٹھکانے لگایا ہے اور اس کا جو حلیہ بتایا ہے اس سے میں سمجھ گیا ہوں وہ کون تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "وشمبر سنگھ ناگ راج کا بہت پرانا سیوک ہے ناگ راج پہلی بار اس شہر میں آیا تھا وشمبر تب بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس وقت یہ بہت مریل سا اور دبلا پتلا ہوا کرتا تھا جیسے فاقوں کا مارا ہو۔ ناگ راج کے شعبدوں کو بڑھاوا دینے میں اس نے بہت کام کیا شنکر، گوپال، روی پنڈت، امریش جیسے لوگوں کو بھی وشمبر سنگھ ناگ راج کے قریب لایا تھا اور بینا جیسی چھوکری کو بھی یہی ناگ راج کے پاس لے کر گیا تھا۔ ناگ راج بھی اس کا بہت خیال رکھتا تھا لیکن میں نے کہا تھا نا کہ ایسے لوگوں کی وفاداریاں تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"ناگ راج کے پاس رہتے ہوئے وشمبر سنگھ کو کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اس نے اپنے شہر چتوڑ گڑھ میں ایک شاندار حویلی بھی بنوائی ہے لیکن ناگ راج کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کا ہے۔ وشمبر سنگھ اس کے عیش میں تو برابر کا شریک تھا۔ مگر اس کی دولت میں حصے دار نہیں۔ اس معاملے میں وہ ناگ راج کا محتاج

تھا۔

"اور جب اسے پتہ چلا کہ میں زندہ ہوں اور اچانک تلوار سندر کی ساری دولت بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوں گا تو ناگ راج سے اس کی وفاداری نے دم توڑ دیا اور اس نے ناگ راج کو دھوکے میں رکھ کر اس دولت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ امرت ٹھاکرے کو اس نے رات ہی رات میں اکال گڑھ سے بلوا لیا ہوگا یا ہو سکتا ہے کہ وہ کئی روز پہلے ہی یہاں آ گیا ہو اور کل رات میرے پاس سے بھاگ کر اس نے امرت ٹھاکرے سے مل کر میری دولت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو اور اتفاق سے آج تم اس کے ہاتھ لگ گئے مجھے تلاش کر لیتا تو شاید اس کے بس میں نہ ہوتا تم پر تشدد کر کے میرا کھوج لگا چکا ہوگا۔"

"اپنی جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "میں تشدد سے بچنے اور جان کے خوف سے اسے تمہارا پتہ بتا سکتا تھا۔"

"لیکن مجھے تم پر پورا وشواس ہے۔" بھیرو نے کہا۔

"بالکل اسی طرح مجھے بھی شکتی پر پورا وشواس ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے تمہاری بات کا یقین کر لیا۔" بھیرو بولا۔ "اور یہ بھی کہہ دوں کہ اسے یہاں بھی لے آؤ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"بہرحال میں نے تم سے امرت ٹھاکرے کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے اسے اصل موضوع پر لاتے ہوئے کہا۔

"امرت ٹھاکرے۔" بھیرو کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دور میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

بھیرو اور سترا ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے مجھے اس بنگلے میں رہتے ہوئے پانچ چھ روز ہو چکے تھے اور فون کی گھنٹی میں نے پہلی مرتبہ سنی تھی میں نے آج ہی تقریباً دو گھنٹے پہلے شکتی کو یہاں کا نمبر دیا تھا اس لیے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کال شکتی ہی کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے اسے ناگ راج کے بارے میں کوئی اہم بات معلوم ہوئی ہو اور وہ مجھے اطلاع دینا چاہتا ہو۔

بھیرو کے کہنے پر سترا نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا اور صرف ہیلو کہا چند سیکنڈ وہ خاموشی سے دوسری طرف کی آواز سنتی رہی پھر مجھے اشارہ کیا وہ شکتی لال ہی کی کال تھی۔ میری آواز سنتے ہی وہ بولا۔

"تم خیریت سے گھر پہنچ گئے ہو۔"

"ہاں کیا بات ہے؟ کوئی گڑبڑ؟" میں نے پوچھا۔

"دراصل پریم نواس ریسٹورنٹ کے قریب گوبند نے شمبر کو تمہاری کار کی پچھلی سیٹ پر چھپ کر بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بدھو تھا کچھ کرنے کے بجائے مجھے اطلاع دینے کے لیے بھاگا چلا آیا اور جب میں وہاں پہنچا تو تمہاری کار وہاں سے جا چکی تھی ہم تمہیں اور تمہاری کار کو پورے شہر میں تلاش کرتے رہے آخر تقریباً ایک گھنٹے بعد پتہ چلا کہ پولیس کو نہرو پارک سے ذرا آگے سڑک کنارے جھاڑیوں میں شمبر کی لاش پڑی ہوئی ملی تھی جسے گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس اس علاقے میں کسی کار کا پیچھا بھی کرتی رہی تھی

موقع پر گوبند ہی نے تمہاری کار کو بڑی تیزی سے ایک طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا اور تھوڑی دیر بعد پولیس کی گاڑی بھی تیز رفتاری سے اسی طرف گئی تھی میں پریشان ہو رہا تھا میں نے سوچا معلوم کر لوں تم خیریت سے تو گھر پہنچ گئے ہو؟"

"ہاں..... ہم خیریت سے پہنچ گئے تھے۔ تم چنتا مت کرو۔" میں نے کہا۔

"شمبر نے کچھ....."

"اس کی کہانی ختم ہو گئی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم کل دن میں بارہ بجے کے قریب فون کرنا اور میں نے جو کام بتایا ہے اس پر دھیان رکھو..... اس میں زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

"تم چنتا مت کرو گرو۔ ہم اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔" شکتی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں کل تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔" میں نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور بھیرو کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ "شکتی کے کسی آدمی نے شمبر کو ہماری کار میں چھپتے دیکھ لیا تھا۔ انہیں اگرچہ پولیس کی اطلاع بھی مل چکی ہے مگر وہ میرے لیے پریشان تھا۔"

"وہ تمہیں گرو مانتا ہے۔ اسے تمہاری چنتا کرنی ہی چاہیے۔" بھیرو نے جواب دیا اس کے ہونٹوں پر پہلی مرتبہ مسکراہٹ تھی۔ "ہاں..... تو تم امرت ٹھاکرے کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔" میں نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔

"امرت ٹھاکرے!" بھیرو کے منہ سے ایک بار پھر گہرا سانس نکل گیا۔ "امرت ٹھاکرے کی ماں بمبئی شہر سے کئی میل دور بسماں نامی ایک گاؤں کی رہنے والی تھی اس کا باپ نیچ جاتی کا تھا۔ بچپن ہی سے گھروں میں پانی بھرا کرتا تھا۔ بسماں نامی یہ گاؤں مدھیہ پردیش کی سرحد کے بالکل قریب واقع تھا اس سے آگے مدھیہ پردیش کا چمبل ویلی کا علاقہ ڈاکوؤں اور باغیوں کی جنت کہلاتا ہے۔ خطرناک ٹیلوں، گھاٹیوں اور گھنے جنگلوں پر مشتمل چمبل ویلی کا وہ علاقہ واقعی ڈاکوؤں کی جنت ہے۔ ڈاکو گروہ در گروہ آزادی سے اس علاقے میں گھومتے رہتے ہیں یہی جنگل، کھائیاں اور گھاٹیاں ان کا مسکن ہیں۔ پولیس تو کیا سرکار کا کوئی آدمی ان خطرناک گھاٹیوں اور جنگلوں میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا البتہ قانون سے بھاگے ہوئے خطرناک مجرم، چور، ڈاکو اور قاتل اس طرف کا رخ کرتے ہیں یہ اپنے آپ کو یہاں محفوظ سمجھتے ہیں اور انہیں ڈاکوؤں کے کسی نہ کسی گروہ میں پناہ مل جاتی ہے اسی چمبل ویلی نے ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکو پیدا کیے ہیں۔ یہ جنگل پھولن دیوی کا بھی مسکن رہا۔ اس کے گروہ نے اس علاقے میں تباہی مچا رکھی تھی اور بھوپت ڈاکو کا نام تو ہندوستان کی تاریخ بھی نہیں بھلا سکے گی۔

"بھوپت کا نام اس وقت سامنے آیا تھا جب ہندوستان کے بٹوارے کی باتیں ہو رہی تھیں اس گروہ میں صرف چند ہی آدمی تھے مگر اس نے ہند سرکار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ حکمران اور بنیا اس کے نام سے لرزتے کانپتے تھے وہ ان دولت مندوں پر بجلی بن کر گرتا جنہوں نے غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریاں بھر رکھی تھیں۔ بھوپت یہ دولت لوٹ کر غریبوں میں بانٹ دیتا۔ غریب اس سے بہت خوش تھے۔ وہ اسے بھگوان مان سمجھتے تھے اس کی پوجا کرتے تھے۔

"بھوپت نے کئی برسوں تک ہندوستان میں دہشت پھیلائے رکھی اور جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو

بھویت اپنے ساتھیوں سمیت پاکستان چلا گیا جہاں کچھ ہی عرصے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور شرافت کی زندگی گزارتے ہوئے گمنامی کی موت مر گیا۔"

"تم امرت ٹھاکرے کی بات کر رہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بسماں نامی اس گاؤں میں یوں تو بہت سی حسین لڑکیاں تھیں مگر پدمنی رانی کے حسن و شباب کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے اسے نہیں دیکھا مگر سنا ہے بہت حسین تھی اگر ماشکی کی بیٹی نہ ہوتی کسی امیر گھرانے کی ہوتی تو واقعی رانی ہوتی۔ گاؤں کا ٹھاکر تو واقعی اسے اپنی رانی بنانا چاہتا تھا وہ عمر میں اگرچہ پدمنی سے تیس چالیس سال بڑا تھا مگر پدمنی جیسی نوخیز لڑکی اپنی حویلی کی زینت بنانا چاہتا تھا ایک مرتبہ اس نے پنگھٹ پر دوسری عورتوں کی موجودگی میں پدمنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پدمنی نے ٹھاکر کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور یہیں سے اس گھر کی بربادی کا آغاز ہو گیا۔

"ٹھاکر کے کارندوں نے پدمنی کے ایک بھائی کو مار ڈالا اس کے بوڑھے باپ کو گاؤں کی گلیوں میں گھسیٹا اس کے گھر کو آگ لگا دی۔ پدمنی چھپتی پھر رہی تھی کبھی ایک گھر میں کبھی دوسرے گھر میں...... چار روز تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر گاؤں کے چند سیانوں کے سمجھانے پر ٹھاکر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

"مگر یہ بھی اس کی چال تھی اس نے پدمنی کو معاف کر دیا مگر اس کے سینے میں انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ چند روز بعد تکم سنگھ ڈاکو کے گروہوں نے گاؤں پر حملہ کر دیا کئی گھر جلا دیئے گئے کئی لڑکیوں اور عورتوں کو گلیوں میں ننگا کر کے رسوا کیا گیا۔ پدمنی کے گھر کو بھی آگ لگا دی گئی اس کے باپ کو مار ڈالا گیا اور تکم سنگھ ڈاکو پدمنی کو اٹھا کر لے گیا۔

"سننے میں آیا تھا کہ تکم سنگھ نے ٹھاکر کے کہنے پر گاؤں پر حملہ کیا تھا۔ تکم سنگھ کا نام اس گاؤں والوں کے لیے نیا نہیں تھا وہ اکثر اس طرف آتا رہتا اور ٹھاکر کی حویلی میں کئی کئی روز تک مہمان بن کر رہتا اور ٹھاکر نے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے پدمنی کو ڈاکوؤں سے اٹھوا دیا۔

"تکم سنگھ پدمنی کو لے کر چمبل ویلی چلا گیا اور پدمنی کو رکھیل بنا کر اپنے پاس رکھا اس دوران گاؤں کا ٹھاکر بھی چمبل ویلی کے چکر لگاتا رہا تھا۔ دو سال بعد سننے میں آیا کہ پدمنی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اس کا نام تکم سنگھ نے امرت ٹھاکرے رکھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ امرت ٹھاکرے کس کا بیٹا ہے۔ گاؤں کے ٹھاکر کا جو اکثر چمبل ویلی جاتا رہتا تھا تکم سنگھ کا یا اس کے گروہ میں شامل کسی اور ڈاکو کا بہرحال امرت ٹھاکرے چمبل ویلی میں ہی پل کر جوان ہوا اس سے تین سال چھوٹی ایک بہن بھی تھی۔

امرت ٹھاکرے گندے خون کی پیداوار ہے ڈاکوؤں میں پل بڑھ کر وہ ڈاکو ہی بنا اسے رشتوں کے تقدس کا بھی کوئی احساس نہیں تھا وہ مکمل طور پر ایک وحشی تھا اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ ماں بہن کے رشتے کیا ہوتے ہیں عورت اس کے لیے عورت ہی تھی۔

"امرت ٹھاکرے نے پہلی مرتبہ جنگل میں دوسرے گروہ کی ایک عورت کے ساتھ رات گزاری تو اسے پتہ چلا کہ زندگی کیا ہوتی ہے دراصل اس عورت ہی نے اسے اپنی طرف مائل کیا تھا۔ امرت ٹھاکرے کئی روز تک اس عورت کے ساتھ جوانی کا یہ کھیل کھیلتا رہا اور پھر اس عورت کا گروہ وہاں سے کسی اور طرف

کوچ کر گیا۔

"امرت ٹھاکرے اس وقت اکیس بائیس سال کا تھا اس کے سینے میں ہوس کی جو آگ بھڑکا دی گئی تھی وہ الاؤ کی طرح پھیلتی جا رہی تھی اور پھر ایک روز اس آگ کو بجھانے کے لیے اس نے اپنی جوان بہن کو دبوچ لیا اگر اسے رشتے کی حرمت کا پتہ ہوتا تو وہ ایسی حرکت کبھی نہ کرتا وہ تو عورت کو عورت ہی سمجھتا تھا بہن بہانے کا ایک کھلونا لیکن اس مرتبہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا لڑکی کی چیخیں سن کر اس کی ماں بھاگی آئی اور بیٹی کو اس کے چنگل سے نجات دلائی۔

"تکم سنگھ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے امرت ٹھاکرے کو دھنک کر رکھ دیا۔ امرت ٹھاکرے وہاں سے بھاگ نکلا اور چھپتا چھپاتا راجستھان میں آ گیا یہاں وہ طویل عرصہ تک ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا کبھی کسی ٹھاکر کی چاکری کر لیا کرتا اور کبھی چوری چکاری سے کام چلاتا۔

کئی مرتبہ اسے اچھی جگہوں پر کام ملا وہ اگر کسی جگہ پر ٹکا رہتا تو آرام سے جیون گزر جاتا مگر عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری بن چکی تھی اسے جہاں بھی موقع ملتا بھوکے بھیڑیے کی طرح عورت پر ٹوٹ پڑتا۔

"دو سال پہلے اس نے مادھوپور کے ایک ٹھاکر کی بیٹی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہاں سے بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ٹھاکرے کے آدمی ایک سال تک اس کا پیچھا کرتے رہے مگر وہ بچتا رہا۔

"ایک سال پہلے وہ اکال گڑھ پہنچ گیا جب وہ ٹھاکر کی حویلی سے بھاگا تو بہت سی دولت بھی اڑا لایا تھا جو وہ بہت سنبھال کر خرچ کر رہا تھا۔ اکال گڑھ میں آ کر اس نے اس جگہ ٹکنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے دو، چار آدمی بھی جمع کر لیے دولت اور عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے وہ اس کے لیے کبھی کچھ کرنے کو تیار رہتا ہے اور اب وہ یہاں آ گیا ہے اس کی نظریں بھی میری دولت پر ہیں اور وہ"

"فکر مت کرو۔" میں نے بھیرو کی بات کاٹ دی۔ "اس کے ہاتھ ہماری دولت تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"مجھے تم سے یہی امید ہے۔" بھیرو نے کہا۔

وہاں صرف میں اور بھیرو بیٹھے ہوئے تھے محرا اور رتنا بہت دیر پہلے اٹھ کر جا چکی تھیں۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا رات کے دو بجنے والے تھے۔ بھیرو کے سامنے وسکی کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ وہ گلاس میں تھوڑی تھوڑی انڈیل کر پی رہا تھا اور لگتا تھا کہ وہ پوری بوتل ختم کر کے ہی اٹھے گا۔ مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے میں بھی بیٹھا رہا۔

بھیرو بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔ وہ پہلے تو اپنی زندگی کے بعض یادگار واقعات بتاتا رہا ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی عورت موجود تھی اور میرے لیے یہ انکشاف بھی بڑا دلچسپ ثابت ہوا کہ اسے مندر کی طرف سے ملی بھی ایک عورت ہی تھی۔

"کل رات بلان میں ناگ راج سے تمہارے کچھ ڈائیلاگ ہوئے تھے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ درست ہے کہ تم برہمن نہیں ہو۔"

"ہاں یہ درست ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ میں ذات کا تیلی ہوں۔" بھیرو نے جواب دیا۔ "دھرم کا ٹھیکہ تو برہمنوں نے لے رکھا ہے وہ دنیا بھر کے پاپ کریں انہیں پوتر ہی سمجھا جاتا ہے اور ہم نیچی جاتی کے ہندوؤں کو تو مندروں میں گھسنے بھی نہیں دیا جاتا۔ ذات پات کی یہ حد صدیوں سے جاری ہے لیکن آج بھی صورت حال وہی ہے جو ہزار سال پہلے تھی۔"

"مگر تم اتنے بڑے مندر کے پروہت کیسے بن گئے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔" بھیرو نے گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ "میں گنگا نگر کا رہنے والا ہوں میرا باپ ایک برہمن زمیندار کے کھیتوں پر کام کرتا تھا ہم چلچلاتی دھوپ اور کڑاکے کی سردی میں زمین کا سینہ چیر کر اناج پیدا کرتے اور برہمن کے کارندے ایک ایک دانہ اٹھا کر لے جاتے۔"

"ایک روز مجھے زمیندار کی حویلی میں جانے کا موقع ملا اس وقت میری عمر چوبیس پچیس سال تھی۔ بڑا گھبرو جوان تھا میں یوں تو پہلے بھی حویلی میں جاتا رہتا تھا لیکن زمیندار کی بیٹی کو اس روز میں نے پہلی مرتبہ دیکھا۔

"نیلما کماری بچپن ہی سے شہر میں اپنے ماما کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کر رہی تھی اور ان دنوں گاؤں میں آئی ہوئی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایسی جوان اور حسین لڑکی میں نے پہلی مرتبہ دیکھی تھی میں نے نظریں جھکالیں ہم دونوں میں بہت فاصلہ تھا ذات پات کا دولت اور غربت کا میں یہ فاصلہ طے نہیں کر سکتا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ نیلما کے سینے میں بھی پریم کی چنگاری سلگ رہی تھی۔

"ان ہی دنوں نیلما کا بھائی ونے بھی آیا ہوا تھا اور یہ اتفاق ہے کہ اس نے میری چھوٹی بہن کو پسند کر لیا میری بہن ریکھا بھی لاکھوں میں ایک تھی اور وہ دونوں چھپ چھپ کر ملتے رہے پھر انہوں نے شادی کر لی مگر ونے کے ماں باپ نے میری بہن کو بہو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس کے ساتھ نوکروں سے بھی بدتر برتاؤ کیا جاتا ونے نے محبت کے جوش میں ریکھا سے شادی کر لی تھی لیکن وہ اپنے گھر میں اسے اس کا مقام نہ دلا سکا۔

"میں اپنی بہن کی حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا اور پھر میں نے طے کر لیا کہ ونے کے ماں باپ کو اپنے قدموں پر جھکا کر ہی رہوں گا پہلے میں ڈر کے مارے نیلما کے ماں باپ کو پتہ چلا کہ نیلما کے پیٹ میں میرا گناہ پل رہا ہے تو وہ آگ بگولا ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ نیلما کو میری جھولی میں ڈال دیں گے لیکن بازی پلٹ گئی انہوں نے نیلما کو علاج کے لیے شہر بھیج دیا اور مجھے مار مار کر ادھ موا کر دیا میری پٹائی کرنے والوں میں میرا بہنوئی ونے بھی شامل تھا یہ برہمنوں کی فطرت ہے اپنے مطلب کے لیے وہ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں ونے میری بہن سے شادی رچا چکا تھا تو اس نے میرے جذبوں میں سر رکھ دیا تھا اس وقت نہیں سوچا تھا کہ ہم نیچ جاتی کے ہیں اور جب ان کی اپنی بیٹی اس ڈگر پر چلی تو وہ لوگ میرے مارنے پر تیار ہو گئے۔

"وہ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے مگر میں بچ گیا ساتھ والے مندر کا پجاری اتفاق سے کھیتوں میں سے گزر رہا تھا وہ مجھے اٹھا کر اپنے مندر میں لے گیا وہ ہریجنوں کا مندر تھا پجاری کو جب پتہ چلا کہ میں کون ہوں اور میرے ساتھ کیا ہوا ہے تو اس نے مجھے مندر کے تہہ خانے میں چھپا دیا اور وید سے میرا علاج کراتا رہا۔

"چند روز بعد پتہ چلا کہ انہوں نے میری بہن ریکھا کو جلا کر مار ڈالا تھا گاؤں کے کسی آدمی نے خفیہ پولیس کو اطلاع کر دی۔ پولیس آئی اور دعوتیں اڑا کر چلی گئی۔ پولیس نے بھی اس بات کو مان لیا تھا کہ رسوئی میں کام کرتے ہوئے ریکھا کی ساڑھی میں آگ لگ گئی تھی۔ اسے بچانے کی کوشش کی گئی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

"میرے سینے میں انتقام کا لاوا کھولتا رہا ماں باپ بیٹی کے دکھ میں پہلے ہی مر چکے تھے۔ بہن بھی مجھ سے چھن گئی۔" "میں کئی روز تک ہریجنوں کے اس مندر میں چھپا رہا تقریباً دو مہینوں بعد تندرست ہو کر باہر نکلا تو میرا حلیہ بھی بدل چکا تھا۔ بڑے بڑے بال بے ترتیب داڑھی مونچھیں اور رخسار پر ایک زخم کا نشان مندر کے پجاری نے بتایا کہ اب مجھے بھیرو سنگھ کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔

"دراصل اس ہریجن مندر کا پجاری بھی برہمنوں سے چوٹ کھائے بیٹھا تھا وہ میرے علاج کے دوران مجھے انتقام کے لیے اکساتا رہا تھا۔ تہہ خانے سے نکلنے کے بعد بھی میں کئی روز تک اس مندر میں رہا اس دوران اپنے گاؤں کے کچھ لوگوں کو بھی وہاں دیکھا تھا وہ لوگ بھی مجھے نہیں پہچان سکے اور پھر میں جوگی بن کر اپنے گاؤں میں آ گیا۔

"میں نے اپنے گاؤں کے مندر میں ڈیرہ جما لیا کسی کو مجھ پر شبہ نہیں ہوا کوئی مجھے پہچان نہیں سکا میں نے مندر کے پجاری کی سیوا کر کے چند ہی روز میں اسے اپنی مٹھی میں لے لیا۔

"چھ مہینے گزر گئے۔ میں نے مندر میں پورے طور قدم جما لیے اس دوران زمیندار بھی کئی مرتبہ مندر آیا تھا اور ہر مرتبہ اس نے جھک کر میرے چرن چھوئے تھے اور پھر ایک روز نیلما بھی شہر سے واپس آ گئی۔

"وہ ہر دوسرے تیسرے دن مندر آتی تھی ایک روز موقع پا کر میں نے اسے بتا دیا کہ میں کون ہوں وہ بہت خوش ہوئی اس کے دل میں میرے لیے اب بھی محبت تھی اور میرے سینے میں تو نفرت اور انتقام کا لاوا کھول رہا تھا اسے پتہ چل چکا تھا کہ اس کے گھر والوں نے میرے ساتھ اور ریکھا کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ انہی دنوں گاؤں میں میلہ لگنے والا تھا اور پھر میلے کے دوسرے ہی دن میں نیلما کو لے کر گاؤں سے نکل گیا ہم پہلے جے پور اور پھر وہاں سے جودھ پور آ گئے جہاں میری ملاقات ناگ راج سے ہوئی۔

"ناگ راج اتوپ گڑھ کا رہنے والا تھا میں پہلے بھی اسے جانتا تھا وہ گاؤں کے موچی کا بیٹا تھا۔ اوائل عمری میں ہی غلط راستوں پر چل نکلا تھا ایک مرتبہ اس نے گاؤں کے ایک برہمن کی بیٹی کے ساتھ بلاتکار کرنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا پنچایت نے اسے گاؤں سے نکال دیا اور حکم دیا کہ آئندہ وہ اس طرف کا رخ نہ کرے۔

"اتنا عرصہ وہ کہاں رہا؟ مجھے اس کا کچھ علم نہیں تھا لیکن جودھ پور میں اسے ایک مندر کے پجاری کے بہروپ میں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیا کر رہا تھا اس نے ہمیں پناہ دے دی میرے لیے یہی کافی تھا وہ مندر زیادہ بڑا نہیں تھا اس کے پچھلی طرف دو کمروں کے مکان میں اس کی رہائش تھی ایک کمرہ اس نے ہمیں دے دیا۔

"دوسرے ہی روز یہ انکشاف ہوا کہ ناگ راج نے اس مندر کو نہ صرف کمائی بلکہ عیاشی کا بھی اڈا

بنا رکھا تھا وہ مندر میں آنے والی خوبصورت عورتوں کو بہلا پھسلا کر پچھلے دروازے سے مکان میں لے آتا اور یہاں ان کے ساتھ بدکاری کرتا اور انہیں دھمکی دیتا کہ زبان کھولی تو جان سے مار ڈالے گا۔

"میں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ناگ راج نیما کو بڑی گہری ہوئی نظروں سے دیکھا کرتا تھا اور پھر ایک ہفتے بعد تو وہ نیلما پر چل پڑا۔"

"میں اس وقت مندر میں تھا۔ ناگ راج کو مندر سے غائب ہوتے دیکھ کر مجھے اس پر شبہ ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی مندر کے پچھلے دروازے سے مکان والے حصے میں آ گیا میری توقع کے عین مطابق وہ نیما کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور نیما اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے مچل رہی تھی۔

"میں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ دروازے کی آڑ میں کھڑا نیلما کی بے بسی کا تماشا دیکھتا رہا وہ میری پتنی نہیں تھی نہ ہی مجھے اس سے کوئی لگاؤ تھا میں تو اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے تماشہ دیکھتا رہا۔

"میں کمرے میں اس وقت داخل ہوا جب ناگ راج باہر نکل رہا تھا۔ نیلما بستر پر بیٹھی چکی سسکیاں بھر رہی تھی وہ مجھ سے لپٹ کر اونچی آواز میں رونے لگی میں نے اسے دلاسہ دیا کہ ناگ راج کو اس زیادتی کی سزا دوں گا وہ مجھے وہاں سے چلنے کو کہہ رہی تھی میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ ان حالات میں ہم یہاں سے نکلتے ہیں تو جیسے ہی کوئی مناسب بندوبست ہوا وہاں سے چلے جائیں گے۔

"تین مہینے گزر گئے۔ میں تو اس کے ساتھ جو کرتا وہ کرتا ہی تھا ناگ راج بھی موقع پا کر عیش کرتا رہا۔ نیما ایک بار پھر ماں بننے والی تھی اور یہ کہنا دشوار تھا کہ اس کے پیٹ میں پلنے والا گناہ کس کا تھا میرا یا ناگ راج کا؟

"میں نے نیلما سے وعدہ کیا تھا کہ گھر سے بھاگنے کے فوراً ہی بعد ہم شادی کر لیں گے۔ تین مہینے گزر گئے تھے اور اب اپنی حالت دیکھ کر وہ مجھے بار بار شادی کے لیے کہنے لگی میں اسے ٹالتا رہا اور جب اس نے زیادہ دباؤ ڈالا تو میں نے صاف انکار کر دیا کہ اس سے شادی نہیں کر سکتا اس کے پیٹ میں پلنے والا بچہ میرا نہیں ناگ راج کا ہے۔

"اس کے دوسرے ہی روز نیلما نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔ مجھے اس کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوا۔ ناگ راج نے اپنے دوسرے پجاریوں کی مدد سے نیلما کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا۔ چند روز بعد میں بھی وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ ناگ راج کے مندر کی کمائی سے میرے پاس اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی تھی۔ پہلے میں نے سوچا کہ کسی اور شہر جا کر اپنا حلیہ درست کر لوں اور اس رقم سے کوئی چھوٹا موٹا دھندا شروع کر دوں لیکن یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ مندر کی زندگی کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ بڑے بڑے لوگ آ کر چرن چھوتے تھے۔ دولت، حسین، جوان عورتیں۔ یہ سب کچھ اور کہاں مل سکتا تھا۔ عیش ہی عیش تھے اس زندگی میں تو۔"

"میں شہر شہر قریہ قریہ پھرتا سادھوؤں کی یاترا کرتا رہا۔ اس دوران میں نے اس زندگی کے نشیب و فراز کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا اور پھر تقریباً دس سال پہلے میں ماؤنٹ آبو آ گیا۔ یہاں اچلیشور مندر میں مجھے جگہ مل گئی اور بہت جلد پروہت کا معتمد بن گیا۔ پروہت بیمار ہوا تو میں نے اس کی بڑی سیوا کی اس

کا پھل مجھے اس طرح ملا کہ اس نے مرنے سے پہلے مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

"میں مندروں میں ہونے والی سازشوں سے واقف تھا۔ یہاں میرے خلاف بھی کچھ سازشیں ہونے لگیں میں نے چند خاص پجاریوں کو اپنا معتقد بنا لیا تھا ان کے ذریعے میں نے اپنے مخالفین کو ختم کروا دیا اور پھر مندر کے اندر کسی کو میرے خلاف سازش کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔"

"تقریباً ایک سال بعد ناگ راج بھی ماؤنٹ آبو پہنچ گیا اس نے اوریا تھ مندر کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ اپنے قدم جمائے اور پروہت کو قتل کر کے خود اوریاتھ مندر کا پروہت بن گیا اس کے ساتھ ہی اس نے شعبدے بازیاں شروع کر دیں۔

"ناگ راج پھیلتا چلا گیا وہ بڑی طاقت حاصل کر چکا تھا۔ اس کے نام کی دہشت پھیل گئی۔ اس نے طاقت ہی کے بل بوتے پر میرے مندر پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس دوران میں بھی کچھ بڑے بڑے بااثر لوگوں سے تعلقات بنا چکا تھا۔ ان کی مداخلت سے معاملہ ٹل گیا مگر ناگ راج بڑا کینہ پرور آدمی ہے وہ اندر ہی اندر میرے خلاف سازشیں کرتا رہا ان سازشوں کے چکر میں دونوں طرف کے کئی آدمی مارے گئے۔ اس طرح ہماری دشمنی بڑھتی گئی۔

"پچھلے چند مہینوں سے جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ تم دیکھ رہے ہو۔ ناگ راج ہر قیمت پر اچلیشور مندر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اپنے اس مقصد میں تو وہ کامیاب نہیں ہو سکا البتہ اس نے مندر کو آگ لگا دی۔

"تم نہ ہوتے تو صورتحال کچھ اور ہوتی۔ تمہاری وجہ سے اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ ایسا وقت ضرور آئے گا جب مجھے وہ مندر چھوڑنا پڑے گا۔ اسی لیے اس بنگلے کی تعمیر کے فوراً ہی بعد میں نے مندر کی سونے چاندی کی مورتیاں، زیورات اور دوسری چیزیں یہاں منتقل کرنا شروع کر دی تھیں۔ یہ میری زندگی بھر کی کمائی ہے لیکن لگتا ہے میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکوں گا۔ پوری زندگی اس بنگلے میں قیدی کی طرح گزر جائے گی۔"

"مایوس کیوں ہو۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اس بنگلے میں تم عیش تو کر رہے ہو۔ ناگ راج کا قصہ ختم ہو جائے تو باہر بھی آزادی سے عیش کرو گے۔"

"مجھے تو اب امرت لال کی بھی فکر ہو گئی ہے۔ یہ بھی خراب آدمی ہے اور ناگ راج سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" بھیرو نے کہا۔

"اس کی تو فکر ہی مت کرو۔" میں نے کہا۔ "اس کا بندوبست تو ایک دو روز میں ہی ہو جائے گا۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" بھیرو نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا۔" میں نے کہتے ہوئے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا چار بجنے والے تھے۔ "میرا خیال ہے تم یہ بوتل ختم کر کے ہی اٹھو گے۔ میں جا رہا ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔"

بھیرو نے سر ہلا دیا۔ میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو دروازے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا کمرے کی بتی جل رہی تھی اور بیڈ پر سمترا اور رتنا سو رہی تھیں میں دوسرے کمرے میں آ گیا اور بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

دوپہر بارہ بجے سحرا نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔
"وہ تمہارے چیلے کا فون آیا ہے۔ کیا نام ہے اس کا..... شفقی۔"
میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ گیا۔ رات کو میں نے ہی شفقی سے کہا تھا کہ وہ آج دوپہر بارہ بجے کے قریب مجھے فون کرے۔ میں کمرے سے نکل کر ہال کمرے میں آ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔
"ہیلو۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔
"ہیلو گرو۔" شفقی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔
"ہاں..... تم ایسا کرو، مجھے تین بجے کے قریب بس اسٹینڈ پر بمبئی کا لیا ریسٹورنٹ میں ملو۔ ہم اطمینان سے بات کریں گے۔" میں نے کہا۔ میں اس وقت واقعی نیند میں تھا اور کوئی بات ٹھیک طرح سے سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔
"ٹھیک ہے گرو۔ ویسے ہم نے اس جگہ کا پتہ چلا لیا ہے جہاں گزشتہ رات وشرم سنگھ تمہیں لے جانا چاہتا تھا۔"
"کیا.....؟" میں چونک گیا۔ "تمہیں کیا معلوم کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا تھا۔"
"ہم بھی اسی گندے تالاب میں ہاتھ پیر مار رہے ہیں گرو۔" شفقی کی آواز سنائی دی۔ "میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہیں کس پوائنٹ پر اس طرف لے گیا ہوگا لیکن راستے میں تمہیں اس پر حاوی ہونے کا موقع مل گیا اور وہ فرار کی کوشش میں تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔"
"یہاں تک تو تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے لیکن آگے بولو۔" میں نے کہا۔
"وہ تمہیں بھوانی مندر لے جانا چاہتا تھا۔" شفقی نے جواب دیا۔
"جہاں مرت شاکرے میرا انتظار کر رہا تھا۔" میں اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔
"گرو!" شفقی میری بات سن کر گویا اچھل پڑا تھا۔
"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ بقول تمہارے میں بھی اسی تالاب میں ہوں۔" میں نے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے۔ تین بجے بمبئی کا لیا ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوگی۔"
میں نے ریسیور رکھ دیا اور وہیں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سحرا میرے لیے چائے لے آئی۔
"تمہارا گرو ابھی تک سو رہا ہے کیا؟" میں نے کپ لیتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔ وہ تو صبح دن چڑھے کے بعد سویا ہے اور شام سے پہلے اس کے اٹھنے کی توقع نہیں اور رتنا بھی ابھی تک سو رہی ہے۔" سحرا کہتے ہوئے میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اس طرح میری طرف جھکی تھی کہ میرے ہاتھ میں پرچ میں رکھا ہوا کپ چھلک گیا۔ میں نے کپ جلدی سے میز پر رکھ دیا اور سحرا کو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔
میں مندر والے بنگلے میں تقریباً ڈھائی مہینے رہا تھا۔ ان دنوں رادھا بھی میرے ساتھ تھی۔ سحرا کو ہماری سیوا کے لیے اس بنگلے میں چھوڑ دیا گیا تھا اس کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہیں تھی..... بے حد حسین اور بھرپور شباب تھا مگر رادھا کی وجہ سے میں اس کے حسن سے سیراب نہیں ہو سکا تھا اور اب جو وہ

میرے اوپر جھکی تو مجھے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں لیکن یہ کوئی موقع تھا نہ جگہ..... رتنا کسی بھی وقت آ جاتی۔ اسی لیے میں نے سحرا کو کندھوں سے پکڑ کر سیدھا بٹھا دیا تھا۔ وہ شاید میرا مطلب سمجھ گئی تھی اٹھ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔
چائے پی کر میں کچھ دیر وہاں بیٹھا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ رتنا بیڈ پر آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کر باہر آ گیا۔ میری داڑھی اور مونچھیں بے تحاشا بڑھ گئی تھیں لیکن میں نے انہیں صاف نہیں کیا مجھے اس حلیے میں پہچاننے والے ایک دو ہی رہ گئے تھے۔ میں چاہتا تھا وہ بھی سامنے آ جائیں تو ان سے بھی نمٹ لیا جائے۔
دو بجے کے قریب میں نے سحرا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ گیسر وہ بھی اس وقت تک سو رہا تھا اور رتنا بھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"فیاٹ نکال دو آج میں اس پر جاؤں گا۔"
سحرا چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر باہر نکل کر عقبی گیراج کی طرف چلی گئی۔ میں بھی پورچ میں آ گیا۔ دس منٹ بعد سحرا فیاٹ ڈرائیو کرتی ہوئی پورچ میں آ گئی اور نیچے اتر کر مجھے رکنے کا اشارہ کر کے اندر چلی گئی اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے ہاتھ میں چنری قسم کا کوئی کپڑا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
اس نے وہ کپڑا پٹکے کی طرح میری کمر کے گرد لپیٹ کر ایک گرہ لگا دی اور مسکراتے ہوئے بولی۔
"اب تم لگتے ہو راجپوت۔"
میری داڑھی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر بل دار سیندوری رنگ کی پگڑی بھی تھی۔ صرف ایک پٹکے کی کسر رہ گئی تھی جو سحرا نے پوری کر دی۔
میں نے فیاٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور کار جیسے ہی حرکت میں آئی سحرا اندر پہنچ گئی اور جب میری کار گیٹ کے قریب پہنچی گیٹ خود بخود کھل گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سحرا نے اندر جا کر انٹرکام کے قریب لگا ہوا سوئچ آن کر دیا تھا جس سے گیٹ کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔ یہ انٹرکوم برآمدے والے دروازے کے اندر کی طرف لگا ہوا تھا اور کھڑکی سے گیٹ کی طرف دیکھا بھی جا سکتا تھا میں نے ہاتھ باہر نکال کر ہلا دیا اور گیٹ سے نکلتے ہوئے کار کی رفتار بڑھا دی۔
یہ فیاٹ کار دیکھنے میں اگرچہ پرانی سی لگتی تھی لیکن اس کا انجن بہترین حالت میں تھا۔ ڈیش بورڈ کا جائزہ لیتے ہوئے میری نظر فیول بتانے والے سوئی کی طرف اٹھ گئی۔ ٹنکی میں پٹرول کم تھا۔ تھوڑا آگے نکل کر میں نے کار ایک پٹرول پمپ پر روک لی اور ٹنکی فل کروا لی۔
اس رات ہم بلٹن میں اس کار پر آئے تھے۔ ہوٹل کے پارکنگ یارڈ میں داخل ہوتے ہوئے تو شاید کسی نے نوٹس نہیں لیا ہوگا لیکن چھٹی منزل پر ہنگامے کے بعد جب ہم لوگ واپس بھاگے تھے تو شتی لال کے ایک آدمی نے گیٹ پر قبضہ کر رکھا تھا اور ہوٹل میں آنے والوں کو باہر ہی روکا ہوا تھا۔ ہم اس فیاٹ پر

بڑی تیزی سے ہوٹل سے نکلے تھے۔ ممکن ہے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اس کار کو دیکھا ہو مگر میں دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ اس کا نمبر کسی نے نوٹ نہیں کیا ہوگا۔ ویسے شہر میں اس رنگ کی کئی کاریں تھیں اور ضروری نہیں تھا کہ اس کار کو پہچان لیا جائے اور اسی لیے آج میں نے اس کار پر آنے کا فیصلہ کیا تھا گزشتہ رات ہمارے پاس سفید ٹویوٹا تھی پولیس نے اس کار کا پیچھا بھی کیا تھا تعاقب کرنے والی پولیس کی گاڑی بہت دور تھی ظاہر ہے اتنی دور سے وہ کار کا نمبر نوٹ نہیں کر سکے ہوں گے۔ مگر ان کے ذہن میں سفید کار ضرور ہوگی ہو سکتا ہے سفید کاروں کو چیکنگ کے لیے روکا جا رہا ہو اس لیے میں نے آج اس سفید ٹویوٹا کے بجائے اس فیاٹ کو ترجیح دی تھی۔

جب میں لیمنگٹن امپینڈ کے علاقے میں پہنچا تو پونے تین بجے تھے میں کار کو مختلف چھوٹی سڑکوں پر گھماتا رہا اور پھر ٹھیک تین بجے اسے ممبئی کالیا ریسٹورنٹ کے سامنے والے پارکنگ لاٹ پر روک دیا۔ نیچے اتر کر میں نے اپنے آپ کا تنقیدی جائزہ لیا اور راجپوتی شان سے ریسٹورنٹ کی طرف چلنے لگا۔

ممبئی کالیا ایک معیاری ریسٹورنٹ تھا۔ شیشے والے دو دروازے پر ہندی اور انگریزی کے حروف میں "داخلہ حقوق محفوظ" لکھا ہوا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہ ریسٹورنٹ خاص لوگوں کے لیے مخصوص تھا اور ہوٹل کی انتظامیہ کسی بھی شخص کو ناپسندیدہ قرار دے کر کان سے پکڑ کر باہر نکال سکتی تھی میں ایک دو مرتبہ پہلے بھی یہاں آ چکا تھا اور شرافت کی آڑ میں یہاں جو کچھ ہوتا تھا اس سے بھی واقف تھا۔

ہوٹل کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ ششی کو یہاں بلا کر غلطی تو نہیں کی ممکن ہے اس کے حلیے کی وجہ سے اسے اندر ہی نہ داخل ہونے دیا جائے لیکن پھر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا ششی جیسے لوگ اپنا راستہ بنانا جانتے ہیں۔

میں جیسے ہی قریب پہنچا دربان نے دروازہ کھول دیا میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے راجپوتانہ شان سے سر ہلایا اور اندر داخل ہو گیا۔ بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ میزیں ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر بڑے سلیقے سے لگی ہوئی تھیں آخر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کیبن کی طرز کے بنے ہوئے کئی پرائیویٹ کیبن تھے۔ بائیں طرف اوپر جانے کا زینہ تھا زینے کے ساتھ دیوار پر نیلی روشنی کی پٹی لگی ہوئی تھی اوپر بھی اسی طرح کے کیبن تھے۔ اس لیے زینے پر صرف ان ہی لوگوں کو جانے کی اجازت تھی جن کے ساتھ خواتین ہوں اور میں جانتا تھا کہ اوپر ان نیلے کیبنوں میں کیا ہوتا ہے۔

میں دروازے سے دو قدم آگے بڑھ کر رک گیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہال میں بہت مدھم روشنی تھی بہت ہلکا سا سنگیت عجیب سا تاثر دے رہا تھا۔

دائیں طرف پانچ نمبر میز پر ایک عورت اور مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا لیکن اس شخص کے ہاتھ ہلانے پر میں نے دوبارہ اس طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

وہ ششی تھا۔ پہلی نظر میں واقعی میں اسے نہیں پہچان سکا تھا سلیقے سے تراشے ہوئے بال درمیان سے مانگ نکلی ہوئی تھی ہندو ہونے کی بنا پر ماتھے پر تلک، جسم پر تھری پیس سوٹ، سفید شرٹ اور گہرے نیلے رنگ کی ٹائی۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کوئی بدقماش اور بدمعاش آدمی

ہے۔ بڑا شریفانہ چہرہ تھا اور اس کے ساتھ لڑکی بھی بڑی پوبت قسم کی تھی۔ اس کی عمر چوبیس پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت، سڈول جسم، بڑے تیکھے نقوش، گردن تک کٹے ہوئے گھنی رنگ کے ابریشم جیسے بال، گلابی رنگت اور غزال جیسی موٹی آنکھیں جن میں ستاروں جیسی چمک تھی۔

مجھے یاد آیا کہ ششی نے پہلے بتایا تھا کہ اس کی پارٹی میں چند افراد کا اضافہ ہو چکا ہے جن میں دو چھوکریاں بھی شامل ہیں اور مجھے حیرت تھی کہ اس جیسی حسین چھوکری ششی کے ہاتھ کیسے لگ گئی جبکہ ایک عرصے تک ششی کا حلقہ بھی ایسا تھا کہ کوئی شریف آدمی اس کے قریب پھٹکنا بھی پسند نہیں کرتا تھا لیکن پھر یہ خیال آیا کہ یہ لڑکی اگر شریف ہوتی تو ششی جیسے آدمی کے قریب نہ آتی۔

ان دونوں نے اٹھ کر میرا استقبال کیا۔ ششی نے تو حسب معمول جھک کر میرے چرن چھوئے تھے۔

"یہ مدھو ہے گرو۔" ششی نے اس کا تعارف کرایا۔ "سالی کو کوئی اور نہیں ملا تھا مجھ پر ہی مر مٹی۔"

ششی کے اس جملے پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مدھو بھی مسکرا دی اور پھر چند منٹ کی گفتگو کے بعد ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ مدھو بڑی بے تکلف اور بیباک قسم کی لڑکی تھی ہم جتنی دیر وہاں بیٹھے رہے وہ میری طرف ہی متوجہ رہی اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی پلو ڈھلکا ہوا تھا بلاؤز ایک تو ویسے ہی مختصر تھا اور اس پر ستم یہ کہ وہ بار بار اس طرح پہلو بدلتی کہ میں اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتا۔

ممبئی کالیا ریسٹورنٹ میں بھی لڑکیاں ہی سروس کرتی تھیں ششی نے ویٹرس کو بلا کر کافی منگوائی اور وہ کافی کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

"تم نے فون پر ٹھاکرے کے بارے میں کچھ کہا تھا گرو اس کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟"

"اس کی ولدیت مشکوک ہے۔" میں نے کہا اور پھر امرت ٹھاکرے کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو بھیرو ڈنگے سے معلوم ہوا تھا۔

"تم تو اس کا پورا شجرہ جانتے ہو گرو۔" ششی حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر کسی دشمن کے خلاف کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "بہرحال کل رات وشمبر سنگھ، مجھے امرت ٹھاکرے کے پاس ہی لے جانا چاہتا تھا تاکہ مجھ پر تشدد کر کے پنڈت بھیرو کے بارے میں معلوم کر سکیں۔ وہ بھیرو کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وشمبر تو ختم ہو گیا ٹھاکرے ہمارے لیے مسئلہ بن سکتا ہے اس لیے اس کا بندوبست ابھی ہو جانا چاہیے۔"

"میں نے ٹھاکرے کے بارے میں معلوم کر لیا ہے گرو۔" ششی نے جواب دیا۔ "وہ اپنے دو چیلوں کے ساتھ ہنومان مندر میں ٹھہرا ہوا ہے۔ مندر کا پجاری رام پرکاش اس کے آنے سے خوش نہیں ہے لیکن وہ اس کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہے۔"

"اور دوسرے کام کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا میرا اشارہ ناگ راج کی طرف تھا۔

"اس کا بھی آج پتہ چل جائے گا۔" ششی نے جواب دیا۔ "آج صبح ہی ان کا ایک آدمی ہماری نظروں میں آ گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ آج رات تک اس کے ٹھکانے کا پتہ چل جائے گا۔"

"تو پھر کیوں نہ اس دوران امرت ٹھاکرے کو چیک کر لیا جائے۔" میں نے کہا۔

"جیسا تم کہو۔" فلکی بولا۔ "لیکن میرے خیال میں ٹھاکرے کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ لاتعداد جرائم میں پولیس کو مطلوب ہے اگر اسے پتہ چل جائے کہ پولیس ہنومان مندر کی طرف آ رہی ہے تو وہ وہاں سے بھاگنے میں دیر نہیں لگائے گا۔"

"میں نے ٹھاکرے کے بارے میں جو کچھ سنا ہے اس کے پیش نظر میں اس کے حوالے سے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتا۔ ابھی تو یہ اکیلا ہے اس پر قابو پایا جا سکتا ہے اور اگر اس نے ناگ راج سے رابطہ کر لیا تو یہ بھی ایک بڑا مسئلہ بن جائے گا۔"

"تو ٹھیک ہے کرو..... دیکھتے ہیں۔" فلکی نے جواب دیا۔

اور جب ہم ممبئی کالیہ ریسٹورنٹ سے نکلے تو ساڑھے چار بج رہے تھے مدھو کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور فلکی میرے ساتھ اگلی سیٹ پر۔

میں کار کو مختلف سڑکوں پر گھماتے ہوئے نہرو مارگ کی طرف لے آیا اور پھر اسے ہنومان مندر کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا اس طرف دو تین اور تاریخی نوعیت کے بڑے مندر بھی تھے۔ اس لیے اس وقت اس سڑک پر کسی قدر رونق بھی تھی اس روٹ پر دو بسیں بھی چلتی تھیں جو ایک مخصوص پوائنٹ تک جاتی تھی۔ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی یہ بسیں بھی بند ہو جاتی تھیں نہرو مارگ سے تقریباً دو میل آگے نکلنے کے بعد میں نے کار دائیں طرف ایک اور سڑک پر موڑ لی اس سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جو سبزے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ رنگ برنگے جنگلی پھول خوشنما منظر پیش کر رہے تھے۔

اس سڑک پر تقریباً دو فرلانگ آگے ہنومان مندر تھا۔ یہ بھی ایک قدیم مندر تھا مگر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یاتریوں کی ایک بڑی تعداد اس طرف آیا کرتی تھی۔ مندر سے ذرا پہلے سڑک کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا پھول، مورتیاں، ناریل، مٹھائی اور بہت سی چیزیں جو بھینٹ کے طور پر مندر میں چڑھائی جاتی تھیں۔

میں نے کار ایک طرف کھڑی کر دی جہاں پانچ چھ گاڑیاں پہلے بھی کھڑی تھیں اس وقت یاتریوں کی ایک معقول تعداد یہاں موجود تھی لوگ مندر میں آ جا رہے تھے۔ ہم نے ایک بوڑھی عورت سے کچھ پھول خریدے اور مندر کی طرف چلنے لگے۔

مندر ایک ٹیلے پر تھا اور اس تک پہنچنے کے لیے کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف بھکاری چادریں بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ مندر سے واپس آنے والے یاتری ان بھکاریوں کے سامنے کچھ نہ کچھ ڈال دیتے۔

مندر کی عمارت باہر سے بظاہر چھوٹی لگتی تھی مگر اندر سے ہال بہت بڑا تھا۔ سامنے ہی چبوترے پر ہنومان کی ایک بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ جس کے سامنے پھولوں اور بھینٹ کے طور پر چڑھائی جانے والی چیزوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

مورتی کے سامنے پھول چڑھانے کے بعد ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح ادھر ادھر گھومنے لگے۔ میں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ اس مندر میں کوئی تہہ خانہ یقیناً تھا۔ میری چھٹی حس بار بار کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی میں نے کئی مرتبہ محسوس کیا تھا جیسے کوئی میری نگرانی کر رہا ہو۔ میں نے کئی بار مڑ کر ادھر

ادھر دیکھا بھی تھا مگر آس پاس کوئی مشتبہ شخص دکھائی نہیں دیا تھا ایک مرتبہ مڑ کر دیکھا تو مدھو ایک پجاری سے باتیں کر رہی تھی وہ پجاری ہاتھوں سے اشارے کرتے ہوئے غالباً اسے اس مندر کے بارے میں بتا رہا تھا۔

فلکی میرے ساتھ ساتھ تھا چند منٹ بعد دوبارہ ادھر ادھر دیکھا تو مدھو کہیں نظر نہیں آئی اور نہ ہی وہ پجاری نظر آ رہا تھا جس کے ساتھ وہ باتیں کرتی ہوئی دیکھی گئی تھی۔

فلکی پریشان ہو گیا۔ وہ مدھو کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگا باہر بھی دیکھ کر آیا مگر مدھو کہیں نہیں تھی۔

"یہ کہاں غائب ہو گئی؟" وہ ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"یہیں کہیں ہو گی چنتا کیوں کرتے ہو آ جائے گی۔" میں نے کہا۔

اور پھر مجھے وہ پجاری نظر آ گیا قریب سے گزرا تو میں نے اسے روک لیا۔

"مہاراج کچھ دیر پہلے میرے اس دوست کی پتنی وہاں کھڑی آپ سے باتیں کر رہی تھی کہاں چلی گئی وہ؟" میں نے کہا۔

"وہ دیوی۔" پجاری بولا۔ "مہاراج سوامی وشوا ناتھ کا آشیرباد لینے گئی ہے بڑے مہان اور گیانی ہیں سوامی جی ان کے آشیرباد سے من کی ہر آشا پوری ہو جاتی ہے آؤ میرے ساتھ آؤ..... میں تمہیں بھی سوامی جی کے پاس لے چلتا ہوں۔"

میں نے فلکی کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں اس پجاری کے پیچھے چل دیئے ایک راہداری میں سے ہوتے ہوئے ہم ایک کمرے میں داخل ہو گئے یہ کمرہ خالی تھی۔ سامنے ایک تخت رکھا ہوا تھا جس پر مسند بچھی ہوئی تھی۔

"یہاں رک جاؤ۔" پجاری نے ہمیں کمرے کے وسط میں روک دیا۔ "سوامی جی اس دیوی کے ساتھ ابھی آتے ہیں۔"

پجاری مسند کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور زمین کی گہرائی میں گرتا چلا گیا۔

تقریباً دس فٹ نیچے میں اپنے پیروں پر ہی گرا تھا گرتے ہی میں لڑکھڑا تو گیا تھا لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ فلکی بھی میرے قریب گر کر قلابازی کھا گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ سکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی کمر کو جھٹکا آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

میں نے اوپر دیکھا چھت سے نیچے کی طرف لٹکے ہوئے دو تختے آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہے تھے اور پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر برابر ہو گئے میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

یہ خاصا وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے ایک طرف دروازہ بھی نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ میرے ذہن میں ایک دم ہی مدھو کا خیال ابھر آیا اسے میں نے اس پجاری سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا اور وہی پجاری ہمیں اس کمرے میں لے کر گیا تھا جہاں سے ہم اس تہہ خانے میں ٹپک پڑے تھے میری چھٹی حس جس گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی وہ درست نکلا تھا اور میرے ذہن میں اب مدھو کے بارے میں شبہات سر

ابھار رہے تھے۔ مدھو چند روز پہلے ہی شکتی کی پارٹی میں شامل ہوئی تھی اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ جرائم پیشہ بھی ہو سکتا ہے اس کا تعلق پیچھے سے ناگ راج یا کسی اور پارٹی سے رہا ہو اور وہ کسی خاص مقصد کے تحت شکتی کی پارٹی میں شامل ہوئی ہو..... اس نے ریسٹورنٹ میں میری اور شکتی کی باتیں بھی سنی تھیں اور اس مندر میں آ کر وہ اپنا کام کر گزری اس پجاری کو وہ یقیناً پہلے سے جانتی ہوگی۔

"اے سالا" شکتی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہم مدھو کو تلاش کر رہے تھے اور اس چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"فکر مت کرو۔ وہ بھی یہیں آ جائے گی مگر ہماری طرح نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر تقریباً اسی وقت وہ دروازہ کھلا اور دو آدمی برآمد ہوئے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں چوڑے بلیڈ والی تلوار تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ڈبل بیرل بندوق جس میں غالباً بارہ بور کے کارتوس استعمال ہوتے تھے۔ ان کے حلیے بھی ایسے تھے جیسے ابھی ابھی جنگل سے آئے ہوں۔ بے تحاشہ بڑھے ہوئے بال بڑی بڑی مونچھیں اور سیاہ لباس جو انڈین فلموں میں اکثر ڈاکوؤں کو پہنائے جاتے تھے ان دونوں کی آنکھیں سرخ تھیں میں انہیں دیکھ کر ہنس پڑا۔ وہ اب بھی شاید پچاس سال پہلے کے دور میں رہ رہے تھے تلوار اور ڈبل بیرل بندوق اس دور کی یادگاریں تھیں آج کے دور میں تو ڈاکو بھی جدید ترین آٹو میٹک اسلحہ استعمال کرتے تھے۔ ان دونوں نے ہمیں تلوار اور بندوق کی زد پہ لے لیا اور پھر وہ ہمارے پیچھے پہنچ گئے۔ بندوق کی نالی میری پشت سے لگ گئی اور تلوار کی نوک شکتی کی کمر سے چھونے لگی۔

"چلو..... آگے چلو۔" ان میں سے ایک نے غرا کر کہا۔

ہم بے چون و چرا ان کے آگے چل پڑے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ انہوں نے ہماری تلاشی نہیں لی تھی۔ میرے پاس پستول موجود تھا اور مجھے یقین تھا کہ شکتی نے بھی اپنے لباس میں پستول چھپا رکھا ہوگا۔ لگتا تھا کہ تہہ خانہ مندر کی عمارت سے بھی بڑا تھا۔

یہ ایک طویل راہداری تھی جس کے دائیں بائیں کمرے تھے۔ تقریباً پچاس فٹ آگے راہداری دائیں طرف مڑ گئی اور اس کے اختتام پر ایک اور وسیع و عریض کمرہ تھا۔

کمرہ بہت شاندار تھا فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ریشمی غلافوں والے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بائیں طرف ایک شاندار مسند پر ایک پہلوان قسم کا لمبا تڑنگا آدمی بیٹھا ہوا تھا اس کے سر کے بال بہت چھوٹے تھے۔ کانوں میں بڑی بڑی بالیاں تھیں۔ گلے میں سونے کی موٹی سی چین اور ایک ہاتھ کی دو انگلیوں میں موٹے موٹے نگینوں والی چاندی کی انگوٹھیاں تھیں۔ اس نے سفید دھوتی باندھ رکھی تھی اوپر کالے رنگ کی واسکٹ تھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور بالوں بھرا سینہ نظر آ رہا تھا۔ کمر پہ چمڑے کا چوڑا بیلٹ بندھا ہوا تھا جس میں تلوار نما خنجر اڑسا ہوا تھا۔

ایک لڑکی اس کے گھٹنے سے لگی بیٹھی تھی۔ اس کے جسم پہ لباس برائے نام ہی تھا۔ دوسری لڑکی کو اس نے بغل میں دبوچ رکھا تھا وہ مدھو تھی قریب ہی دوسری مسند پہ وہ پجاری بیٹھا ہوا تھا جو مندر میں ہمیں اس کمرے میں لے کر آیا تھا۔

"میں نے کہا تھا کہ مدھو بھی تمہیں یہیں ملے گی۔" میں نے شکتی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اس کی تو....." شکتی کہتا ہوا آگے بڑھا مگر گدی پہ پڑنے والے گھونسے نے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

امرت ٹھاکر نے دونوں لڑکیوں کو ایک طرف دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا قد ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کی آنکھیں کچھ اور بھی سرخ ہو گئی تھیں اس نے شکتی کو ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور خنجر کے دستے پہ ہاتھ رکھ کر غرایا۔

"ہم ناگ راج نہیں ہوں جو تم سے ڈر کر بھاگ جاویں گے۔" اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "لوگ ہم کو حرامی بولتے ہیں اور ہم ہوں بھی حرامی..... ہم کا باپ بھی حرامی تھا ہم نے اپنی بہن کے ساتھ بلادکار کا کوشش کیا تھا مگر وہ سالی بچ گئی۔"

"میں تمہارے بارے میں اس سے کہیں زیادہ جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ سب ہم تم کا اس واسطے بتاوت ہیں کہ ہم کتنا بڑا حرامی ہوں۔"

"اس میں کیا شبہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم لاتوں سے بھلا..... بھوت کو پکڑ کر..... چیر دیوت ہیں۔" اس نے ہاتھوں کی حرکت سے جتایا کہ وہ کس طرح بندے کو دو ٹکڑوں سے پکڑ کر چیر دیتا ہے۔

"ہم ٹھ کرے ہوں ٹھاکر ہے۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ناگ راج بزدل ہے اس کی طاقت دوسروں میں ہے۔ دوسرے سالے مر گیا تو وہ بھی بھاگ گیا۔ ہم اپنے اندر طاقت رکھتا ہوں۔ یہ....." اس نے دونوں بازو اٹھا کر باڈی بلڈروں کی طرح مسل دکھائے۔

"ہم تم کا اور بہت کچھ دکھاوں گا..... یہ جو چھوکری ہے نا۔"

اس نے مدھو کو صرف اشارہ کیا۔ "اس نے تم دونوں کے سوا تم دونوں کا اور پی جھٹ ہے کہ ہم اس کو اپنی رانی بنالوں گا۔ سالی ہم کا ایک بھیم نہیں سنبھال سکے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ سالا خوبصورت چھوکری لوگ کسی کا نہیں ہونا۔ تمہارا بھی نہیں تھا اس کا بیگن ماتی بھی ادھر کو لڑھکتا ہے کبھی ادھر کو..... سالا ہم سے بات کرو۔"

"میں اب تک تمہاری بکواس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" میں نے اس کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تم تم کا اس سالے بھیرو کے پاس لے جاؤ گے۔ بڑی مایا ہے اس حرامی کے پاس اور ہم کا اس دولت کی ضرورت ہے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں بھیرو کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں تو؟" وہ بیلٹ میں اڑسا ہوا خنجر نکالتے ہوئے بولا۔ "تم سالا اکیلا آدمی ہے جو بھیرو کے بارے میں جانت ہو ہم تم کا ایسے کاٹوں گا کہ تم خود بولے گا۔ اے تراوی لوگ۔" یہ آخری چند الفاظ اس نے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ "اس دوسرے کو ادھر لے جاؤ اس کمرے میں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"رک جاؤ ٹھاکر..... یہ ایسے نہیں بولے گا۔" مدھو اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ "میں بتاتی ہوں یہ کیسے زبان کھولے گا۔"

ٹھاکرے نے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زوردار جھٹکا دیا بلاؤز پھٹ گیا اور مدھو برہنہ ہو گئی۔

"سالی حرامی۔" ٹھاکرے غرایا۔ "ہم کا بتاوت۔ بچہ کہ یہ کیسے جبان کھولے گا۔ اپنے یار کو بچانا چاہتی ہے۔"

مدھو کی آنکھوں میں بھی خون اتر آیا اور پھر اس نے جو حرکت کی وہ ہم سب کی توقع کے خلاف تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے ساڑھی کی فال میں چھپا ہوا لیڈی آٹومیٹک پستول نکال لیا اور اس کے پہلو سے لگاتے ہوئے غرائی۔

"سالا حرامی...... تم سمجھتے تھے کہ میں انعام کے لالچ میں انہیں یہاں لائی تھی یہ خنجر پھینک دو اور اپنے آدمیوں سے بھی کہو ہتھیار پھینک دیں ورنہ میں اس چھوٹے سے پستول کی ساری گولیاں تمہارے شریر میں اتار دوں گی۔"

ٹھاکرے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا مگر اس نے خنجر نہیں پھینکا۔

"میں تین تک گنوں گی اگر تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تو گولی چلا دوں گی۔" مدھو نے کہا اور گنتی گننے لگی۔ ابھی اس نے دو ہی کہا تھا کہ ٹھاکرے نے خنجر پھینک دیا اور اپنے آدمیوں کو بھی ہتھیار پھینک دینے کا اشارہ کیا۔

وہ پجاری اس دوران الگ تھلگ بیٹھا رہا تھا لیکن صورت حال بدلتے دیکھ کر وہ بدحواس ہو کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اس نے دوسری لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا اس کا چہرہ بھی دھواں ہو رہا تھا پجاری اس کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ ایک اندرونی دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔

ان دونوں آدمیوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ میں نے شکتی کو اشارہ کیا۔ وہ تلوار اٹھانے کے لیے جھکا تو ان دونوں میں سے ایک نے جے کالی ماں کا نعرہ لگاتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔

شکتی بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور پھر سنبھلتے ہوئے اس نے بھی بجرنگ بلی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے حریف کی کھوپڑی پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

دوسرا آدمی بندوق کی طرف لپکا تھا لیکن میں نے اسے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ وہ جیسے ہی جھکا میری ٹھوکر اس کے سینے پر پڑی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ میں نے اس پر ایک ٹھوکر اور لگا دی۔

اور ٹھیک اسی لمحہ مدھو کی چیخ سنائی دی اور ٹھاکرے نے بھی اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا وہ بڑی تیزی سے نیچے جھکا اور مدھو کو ٹانگوں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ مدھو چیختی ہوئی شکتی سے ٹکرائی اور وہ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ پستول ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی تھی۔ گرتے ہوئے اس کا ٹریگر دب گیا تھا۔ ٹھاکرے اس وقت اپنا خنجر اٹھانے کے لیے جھک رہا تھا مدھو کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس کی ایک انگلی کی پور کو اڑاتی ہوئی نکل گئی وہ خنجر اٹھائے بغیر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور اس نے بھی اس دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی جہاں پجاری اس لڑکی کو لے کر غائب ہو چکا تھا۔

مدھو اور شکتی آپس میں الجھے ہوئے تھے اور ٹھاکرے کے دونوں آدمی مجھے لپٹ گئے تھے۔ وہ کالی

ماں کا نام لے لے کر مجھ پر گھونسے برسا رہے تھے۔ ان کم بختوں میں فولاد بھرا ہوا تھا۔ وزنی ہتھوڑوں کی ضربیں تھیں جو مجھ پر برس رہی تھیں ایک گھونسہ سر پر لگا تو میرا دماغ گھوم گیا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرتی رہیں پھر اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی میں اپنے سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

اسی دوران فائر کی ایک اور آواز گونجی اس کے ساتھ ہی میرے کان کے قریب ایک چیخ ابھری اور پھر یوں لگا جیسے کوئی درخت جڑ سے اکھڑ کر میرے اوپر آن گرا ہو میں اس کے بوجھ تلے دبتا گیا۔

پھر کسی نے وہ بوجھ میرے اوپر سے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ میں اب بھی زور زور سے سر جھٹک رہا تھا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ لیکن تاریکی بتدریج چھٹنے لگی مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بٹھا دیا گیا۔

"گرو...... گرو...... ہوش میں آؤ۔"

یہ شکتی کی آواز تھی جو کسی گہرے کنوئیں کی تہہ سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور پھر میرا ذہن صاف ہوتا چلا گیا۔ مجھے شکتی اور مدھو نے سنبھال رکھا تھا۔ سامنے فرش پر ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کی لاش پڑی تھی اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

"وہ... کہاں گئے؟" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ بھاگ گئے گرو ادھر سے۔" شکتی نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو...... پکڑو انہیں۔" میں ایک دم اس دروازے کی طرف لپکا اب میں پوری طرح اپنے حواس میں آ چکا تھا۔

مدھو کی ساڑھی کھل گئی تھی اور وہ پیروں میں الجھ رہی تھی۔ اس نے پلو اور فال کو سمیٹ کر ایک ہاتھ میں سنبھالا اور ہمارے ساتھ اس دروازے کی طرف دوڑی پستول اس کے دوسرے ہاتھ میں تھا۔ دروازے کی طرف دوڑتے ہوئے میں نے بھی اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا تھا۔ پہلے جب مدھو نے ٹھاکرے کو اپنے پستول کی زد پر لیا تھا تو مجھے پستول نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

وہ بھی ایک کمرہ تھا جس میں پوجا وغیرہ لگا ہوا تھا۔ اس سے آگے ایک اور دروازہ تھا جو بند تھا میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے کنڈا لگا ہوا تھا۔

یہ دو پٹ کا دروازہ تھا۔ میری اور شکتی کی دو تین مشترکہ ٹکروں سے دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔ دوسری طرف پہلے چند گز تک راہداری اور پھر تنگ سی سرنگ تھی ہم اس سرنگ میں دوڑتے چلے گئے۔ آگے شکتی تھا۔ پیچھے میں اور آخر میں مدھو تھی۔

تقریباً سو گز آگے اس سرنگ کے دہانے پر روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ ہم دوڑتے ہوئے سرنگ کے دہانے سے باہر آ گئے۔ دہانے سے آگے کیکر کی قد آدم کانٹے دار جھاڑیاں تھیں جو دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہم بڑی مشکل سے ان جھاڑیوں سے باہر آ سکے تھے مجھے حیرت تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی ان کانٹے دار جھاڑیوں سے کیسے نکل گئے تھے۔ بائیں طرف دور تک اس قسم کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں جبکہ دائیں طرف اکا دکا جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ آسمان پر مشرق میں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ جن پر

سورج کی روشنی پر رعب تھی اور فضا میں ہلکی سی سرخی تھی۔

میں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر وہ تین سائے دوڑتے ہوئے نظر آگئے۔ سب سے آگے پجاری تھا اس کے پیچھے نما کرے اور آخر میں اس کا وہ آدمی جو بعد میں زندہ بچ کر بھاگ نکلا تھا۔

شکتی میرے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اس نے گولی چلا دی لیکن وہ لوگ پستول کی رینج سے بہت دور نکل چکے تھے۔ شکتی نے دو تین اور فائر جھونک دیے۔ گولیوں کی آواز دیر تک پہاڑیوں میں بازگشت پیدا کرتی رہی۔

"بیکار ہے۔" میں نے کہا۔ "گولیاں ضائع مت کرو۔" میں ایک بار پھر دوڑتے ہوئے ان سایوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے وہ لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی جسے پنڈت اپنے ساتھ لے کر بھاگا تھا ہو سکتا ہے وہ کسی ٹیلے یا جھاڑیوں کی آڑ میں ہو۔

"بھاگ گئے سالے۔"

شکتی کی آواز سن کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مدھو ہمارے ساتھ نہیں تھی۔

"مدھو کہاں ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے شکتی کی طرف دیکھا

"مدھو....." وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بڑبڑایا اور پھر اونچی آواز میں مدھو کو پکارنے لگا۔

"میں یہاں ہوں۔" جھاڑیوں کی طرف سے مدھو کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں اس طرف لپکے۔ مدھو جھاڑیوں میں زمین پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی ساڑھی کئی کانٹوں میں الجھی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے اس کی ساڑھی کو کانٹوں سے نکالا اور واپس کھلی جگہ کی طرف آ رہے تھے کہ میں کسی کے کراہنے کی آواز سن کر چونک گیا مدھو اور شکتی نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ وہ آواز جھاڑیوں کی طرف سے آئی تھی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پستول سنبھالے جھاڑیوں میں گھس گیا۔

کراہنے کی آواز بہ متواتر سنائی دے رہی تھی۔ تقریباً دس گز آگے نکل کر میں ٹھٹک کر رک گیا وہی لڑکی جو مندر سے پجاری کے ساتھ بھاگی تھی، جھاڑیوں میں الجھی زمین پر بیٹھی کراہ رہی تھی۔ اس کے جسم کو مختصر لباس کانٹوں میں الجھ ہوا تھا اس کے چہرے، پنڈلیوں، بانہوں اور بدن کے ہر اس حصے پر خراشیں نظر آ رہی تھیں جو لباس کی قید سے آزاد تھے کیکر کے سوئی کی طرح لمبے کانٹوں نے اسے چھلنی کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے دونوں پیروں میں بھی کئی کانٹے پیوست تھے۔

مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کی چیلاہٹ پھیل اور گہری ہو گئی۔

"مم..... مجھے مت مارنا....." وہ خوفزدہ لہجے میں ہکلائی۔ "بھگوان کے لیے مجھے مت مارنا..... میں..... میں نردوش ہوں..... میرا کوئی دوش نہیں ہے۔"

"ڈرو نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" میں نے کہتے ہوئے پستول جیب میں رکھ لیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

اس کے دونوں پیروں میں کئی کانٹے پیوست تھے اور پورے بدن پر کچھ خراشیں گہری تھیں جن سے خون بھی رس رہا تھا۔

میں نے شکتی کو آواز دے کر بلا لیا اس لڑکی کو دیکھ کر وہ بھی چونک گیا تھا ہم دونوں نے اسے کانٹوں سے نجات دلائی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد اسے لے کر جھاڑیوں سے باہر آ گئے۔ مدھو خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

لڑکی بہت خوفزدہ تھی اس کا خیال تھا کہ ہم اسے مار ڈالیں گے اور وہ رو رو کر اپنی بے گناہی کا یقین دلا رہی تھی۔

"میں سچ کہتی ہوں۔ میں بالکل نردوش ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "شیام مجھے آج صبح لے کر آیا تھا۔ اپنے مہمانوں کی سیوا کے لیے..... میرا ان لوگوں سے اور کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"شیام کون؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی پنڈت شیام جو مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا بے غیرت۔" لڑکی کی باتوں سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ سچ کہہ رہی تھی اگر ہمیں یہاں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا اسے تو فیس دے کر نما کرے کا دل بہلانے کے لیے لایا گیا تھا۔

"کہاں رہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دل واڑہ، بکانیر ہاؤس کے پیچھے۔" اس نے جواب دیا۔

"چلو..... ہم تمہیں راستے میں کہیں چھوڑ دیں گے لیکن۔" میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر تم نے پولیس کو یا کسی اور کو ہمارے بارے میں بتایا تو ہم تمہیں تلاش کر لیں گے اور پھر تم زندہ نہیں بچو گی۔"

"مم..... میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ میں تو کل ہی یہ شہر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔" اس نے جواب دیا۔

اس سرنگ کے راستے مندر کے تہہ خانے میں جانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا اس وقت اندھیرا بھی پھیلنے لگا تھا ہم ٹیلوں میں ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے دوسری طرف سڑک پر مندر سے تقریباً سو گز آگے نکل آئے۔ دکانیں اور مندر کی سیڑھیاں وہاں سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ جب ہم یہاں آئے تھے تو کئی گاڑیاں کھڑی تھیں اور خاصی رونق تھی لیکن اب وہاں مکمل سناٹا تھا۔ دکانیں بند تھیں اور گاڑیاں تو کیا کسی ذی روح کا بھی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا البتہ ہماری فیاٹ وہاں کھڑی تھی۔

"شکتی تم جا کر گاڑی لے آؤ ہم یہیں کھڑے ہیں۔" میں نے کہا اور جیب سے کی رنگ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

شکتی مندر کی طرف چلا گیا میں نے مدھو کی طرف دیکھا اس کے بلاؤز کو نما کرے نے پھاڑ دیا تھا اپنی برہنگی چھپانے کے لیے اس نے ساڑھی کا پلو پوری طرح سینے پر پھیلا کر اس کے دونوں کونے پیچھے گردن پر باندھ لیے تھے۔ میں دوسری لڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور پھر میں نے کمر پر بندھا ہوا چمڑی جیسا رنگ برنگا پٹکا کھول کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ صحرا کا میری کمر پر باندھا ہوا پٹکا اس طرح کام آ گیا تھا البتہ میری بل دار پگڑی لڑائی کے دوران تہہ خانے ہی میں گر گئی تھی اس لڑکی نے پٹکا کھول کر چادر کی طرح جسم پر لپیٹ لیا۔

ششی کار کے قریب پہنچ گیا تھا اور پھر ایک پجاری کو مندر کی سیڑھیوں سے اتر کر اس طرف آتے دیکھ کر میں چونک گیا وہ دو تین منٹ تک آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے پھر ششی کار میں بیٹھ گیا۔

کار ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا' وہ دونوں لڑکیاں پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔

''وہ پجاری کیا کہہ رہا تھا'' میں نے پوچھا

''کہہ رہا تھا کہ مندر کے تہہ خانے میں خون ہو گیا ہے۔ مندر کا بڑا پجاری پنڈت شیام اور اس کے مہمان غائب ہیں۔ لوگوں کو جب پتہ چلا تو سب بھاگ گئے اس نے کسی سے کہا تھا کہ جاتے ہوئے نہرو مارگ کی پولیس چوکی میں اطلاع دے دے۔ اسے پریشانی ہے کہ پولیس ابھی تک کیوں نہیں پہنچی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ہم جاتے ہوئے چوکی پر بتا دیں۔''

''اسے تم پر شبہ تو نہیں ہوا تھا؟''

''نہیں۔'' ششی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''میں نے اسے بتایا تھا کہ ہم مندر سے نکل کر اس طرف ٹیلوں میں چلے گئے تھے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے بعد مندر میں کیا ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

کار مندر والی سڑک سے نکل کر مین روڈ پر آ گئی اندھیرا گہرا ہو گیا تھا ششی نے کار کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیے لیکن اندر کی بتی نہیں جلائی تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سامنے سے ایک گاڑی آتی ہوئی نظر آئی ہیڈ لیمپس کی روشنیوں کے بیچ میں اوپر سرخ بتی بھی اسپارک کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

''پولیس کی گاڑی ہے۔'' ششی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر رکنے کا اشارہ کیا جائے تو کار روک لینا اور تم سب لوگ ایک بات سن لو۔'' میں نے پیچھے مڑتے ہوئے کہا۔ ''ہم چین مندروں کی یاترا سے آ رہے ہیں ہمیں ہنومان مندر میں ہونے والے کسی واقعہ کا کوئی علم نہیں ہے۔'' میری نظریں اس لڑکی کے چہرے پر مرکوز تھیں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میرا قیاس درست نکلا سامنے سے آنے والی پولیس کی گاڑی سڑک کے وسط میں کھڑی ہو گئی دو مسلح پولیس والے اتر کر سڑک کے بیچ میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ششی نے ان کے قریب پہنچ کر گاڑی روک لی ایک پولیس والا رائفل تانے وہیں کھڑا رہا اور دوسرا جو سب انسپکٹر تھا نے بارعب لہجے میں پوچھا۔

''جین مندروں کی یاترا کو گئے تھے مہاراج ہم سے کوئی غلطی ہو گئی کیا!'' ششی نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہنومان مندر بھی گئے تھے؟'' آفیسر نے پوچھا۔

''نہیں مہاراج۔'' ششی نے جواب دیا۔ ''ہم نے سوچا تھا واپسی پر ہنومان جی کے مندر ضرور جاویں گے مگر میری پتنی یہ بھاگوان'' اس نے ہاتھ سے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''ایک ڈھلان سے کانٹے دار جھاڑیوں میں گر پڑی کانٹوں سے سارا شریر چھل گیا اس لیے ہم ہنومان جی کے مندر بھی نہیں جا سکے کیا منہ لے کر جاوے گی یہ ہنومان جی کے سامنے۔''

سب انسپکٹر نے جھک کر پہلے مجھے اور پھر پیچھے دیکھا ہم شریف آدمی تھے ہمارے ساتھ دو عورتیں

تھیں ہم تو کسی جرم میں ملوث ہو ہی نہیں سکتے تھے اور پھر اس وقت پیچھے سے جین مندروں کی طرف سے آنے والی آخری بس بھی پہنچ گئی سب انسپکٹر نے ہمیں جانے کا اشارہ کیا اور بس کو روکنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیا۔

''باقی راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا ششی کار کو مختلف سڑکوں پر گھماتا ہوا پیکاڈیر ہاؤس (جیلس ہوٹل) کے پچھلی طرف لے گیا وہ لڑکی راستے ہی میں اترنا چاہتی تھی مگر ششی اسے گھر تک پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ راستہ بتاتی رہی اور بالآخر ششی نے کار ایک بنگلے کے سامنے روک لی وہ لڑکی ہمارا شکریہ ادا کر کے کار سے اتر گئی۔ ششی نے اس وقت تک کار آگے نہیں بڑھائی جب تک بنگلے کا گیٹ کھلنے کے بعد وہ لڑکی اندر نہیں چلی گئی۔

''اب تمہیں جہاں جانا ہے گاڑی اس طرف موڑ لو۔'' میں نے کہا۔

''اپن نے ایک کھولی کرائے پر لے لی ہے گرو تم بھی دیکھ لو۔'' ششی نے کار ایک سڑک پر گھماتے ہوئے کہا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے کار ایک پرانی سی عمارت کے سامنے روک لی اور ہم نیچے اتر گئے۔ وہ عمارت کسی زمانے میں پرشکوہ حویلی رہی ہوگی مگر اب کسی کھنڈر کا منظر پیش کر رہی تھی اس میں ایک دوسرے سے فاصلے پر چند مکان ایسے تھے جو اب بھی رہائش کے قابل تھے اور انہی میں ایک مکان ششی نے لے رکھا تھا یوں تو اس مکان کے تین کمرے تھے لیکن رہائش کے قابل ایک ہی تھا ایک کمرے کی آدھی چھت گری ہوئی تھی اور دوسرے کی چھت سرے سے تھی ہی نہیں۔

کمرے میں ایک چارپائی، دو کرسیاں اور ضرورت کی دوسری چیزیں موجود تھیں۔

''بیٹھو گرو۔'' ششی نے ایک گہری سانس کر دی پھر مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''گرو کے لیے چائے بنا..... اچھی سی۔''

مدھو اس کمرے میں چلی گئی جس کی چھت آدھی تھی تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بغیر دودھ کی چائے بنا کر لے آئی۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' میں نے مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے پہلے ہمیں وہاں پھنسایا کیوں تھا؟''

''میں نے ریسٹورنٹ میں تم لوگوں کی باتیں سن لی تھیں۔'' مدھو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مندر پہنچ کر میں نے سوچا کہ ٹھاکرے تک پہنچنے کے لیے پتہ نہیں تم لوگ کونسا طریقہ اختیار کرو اور اس میں کامیابی ہو نہ ہو بڑا میں نے پجاری شیام لال کو بتا دیا کہ ٹھاکرے کو جس شخص کی تلاش ہے وہ اس وقت میرے ساتھ مندر میں موجود ہے۔ شیام لال مجھے ایک خفیہ راستے سے تہہ خانے میں ٹھاکرے کے پاس لے گیا اور وہیں طے ہوا کہ تم دونوں کو کس طرح تہہ خانے میں لایا جائے..... تم دونوں کے بارے میں مجھے پورا وشواش تھا کہ تم ان کے قابو میں نہیں آ سکو گے ویسے میں بھی پوری طرح تیار تھی۔''

''تم تو واقعی بہت ہوشیار نکلیں۔'' میں نے اس کی تعریف کی۔

چائے پینے کے بعد میں زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ ششی عمارت کے باہر تک مجھے رخصت کرنے کے

لیے آیا میں نے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور اس کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

دو تین روز گزر گئے اس دوران ٹیلی فون پر شکتی سے شہر کی خبریں تو معلوم ہوتی رہیں مگر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا امرت ٹھاکرے اور ہنومان مندر کے پجاری پنڈت شیام لال کے بارے میں بھی کوئی خبر نہیں تھی۔

شکتی ویراس کے ساتھی ناگ راج کا ٹھکانہ تلاش کر رہے تھے مگر ابھی تک اس سلسلے میں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

چوتھے روز شکتی سے فون پر ملنے والی خبر بڑی دھماکہ خیز تھی پولیس نے پنڈت شیام لال کو شہر سے پندرہ کوس دور پہاڑیوں میں ایک جین مندر سے گرفتار کر لیا تھا پہلے تو وہ پولیس کو کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا لیکن جب اسے مندر کے تہہ خانے میں ملنے والی لاشوں کے حوالے سے قتل کے کیس میں پھنسانے کی دھمکی دی گئی تو اس نے سب کچھ بک دیا۔

پنڈت شیام لال کے کہنے کے مطابق چند روز پہلے وشمبر ناتھ ٹھاکرے اور اس کے ساتھیوں کو مندر میں لے کر آیا تھا۔ وشمبر نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اچلیشوار مندر کا پنڈت بھیرو زندہ ہے اور شہر ہی میں کہیں روپوش ہے اور یہ کہ وہ مندر کی ساری دولت بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ پنڈت بھیرو کے ٹھکانے سے صرف ایک آدمی واقف ہے وہ پاکستانی آنگ وادی جو سرکار اور ناگ راج کو بھی مطلوب ہے۔

پنڈت شیام لال کے بیان کے مطابق ٹھاکرے اور وشمبر نے اس پاکستان آنگ وادی کے ذریعے پنڈت بھیرو تک پہنچنے کا منصوبہ بنایا لیکن اس دوران وشمبر کو قتل کر دیا گیا اور پھر چند روز پہلے وہ پاکستانی آنگ وادی اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ جن میں ایک لڑکی بھی تھی اچانک ہی ہنومان مندر پہنچ گیا انہیں کسی نہ کسی طرح مندر کے تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا مگر وہ بڑے زبردست نکلے ٹھاکرے کا ایک آدمی ان کے ہاتھوں مارا گیا اور ٹھاکرے اور ان لوگوں کو اپنی جانیں بچا کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ ٹھاکرے اپنے زندہ بچ جانے والے ساتھی کے ہمراہ پہاڑیوں میں کہیں غائب ہو گیا اور وہ خود پہاڑیوں میں بھٹکتا ہوا اگلے روز دوپہر کو اس جین مندر میں پہنچ گیا۔

اس اطلاع کا دھماکہ خیز پہلو یہ تھا کہ پولیس نے اب میرے ساتھ پنڈت بھیرو کی تلاش بھی شروع کر دی تھی۔ بھیرو اب کسی مندر کا پنڈت نہیں رہا تھا اس کی وہ حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ اس کے قبضے میں کروڑوں روپے کی دولت تھی اصولی طور پر یہ دولت اگرچہ مندر کی ملکیت تھی مگر ہر شخص اسے حاصل کرنے کا آرزومند تھا۔ وشمبر شخص جس نے اس دولت کے لیے اپنے گرو ناگ راج سے بغاوت کر دی تھی اور میرے ہاتھوں مارا گیا تھا امرت ٹھاکرے اور اب پولیس۔ پولیس کے بعض اعلیٰ آفیسر اس معاملے میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے وہ بھی ہر قیمت پر پنڈت بھیرو کو تلاش کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی دولت پر قبضہ کر سکیں۔

میں نے پنڈت بھیرو کو اس خبر کی ہوا تک نہیں لگنے دی اس طرح اس کے بدک جانے کا اندیشہ تھا اور ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسی حماقت کر بیٹھے جس سے وہ خود ہی ان کے جال میں پھنس جائے البتہ میں نے اسے یہ بتا دیا کہ ٹھاکرے کے بھاگ جانے سے صورتحال کچھ بگڑ گئی ہے اس لیے چند روز تک اسے محتاط رہنا ہوگا۔ محتاط تو وہ پہلے ہی تھا۔ مندر سے فرار ہونے کے بعد اس نے اس بنگلے میں پناہ لی تھی اور کبھی باہر جھانک

کر دیکھا تک نہیں تھا وہ تو میں ہی تھا جس نے اس رات اسے بنگلے سے باہر نکالا تھا اور ناگ راج نے اسے چھنگلی سے شناخت کر لیا تھا اور اب تو میرے خیال میں وہ اپنے کمرے سے بھی باہر نہیں نکلے گا۔

امرت ٹھاکرے کی مجھے پروا نہیں تھی اگر وہ پاگل ہو اور بھیرو کو قتل کر کے اس کی دولت پر قبضہ کر لیتا ہے تو میری بلا سے میرے ٹھینگے سے کیا جاتا تھا مجھے سب سے زیادہ فکر ناگ راج کی تھی میں اسے ہر قیمت پر تلاش کرنا چاہتا تھا اگر وہ اس شہر سے نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس کا زندہ بچ کر نکل جانا میرے ہم وطنوں کے لیے بہت بڑا عذاب بن سکتا تھا۔

میں نے اس انجکشن کے اثرات دیکھے تھے پہلی مرتبہ جب روی چندت کو وہ انجکشن لگا تھا تو وہ جھٹکے کھا کر اذیت کا شکار ہو کر مرا تھا اور پھر اس نے اس انجکشن میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں اور یہ اس کا آخری تجربہ تھا جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر کامیاب ہوا تھا۔ رادھا نے جس طرح تڑپ تڑپ کر جان دی تھی وہ منظر میں زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔ اس کے نہ صرف ناک کان اور منہ سے خون بہہ نکلا تھا بلکہ اس کے پورے جسم کی جلد بھی پھٹ گئی تھی وہ منظر یاد کر کے میں کانپ اٹھا یہ انجکشن دہشت گردی کے مقصد کے لیے میرے بے گناہ ہم وطنوں پر استعمال کیا جانے والا تھا اور اس لیے مجھے ناگ راج کی تلاش تھی میں اسے اس شہر سے نکلنے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اس رات نو بجے مجھے ڈاکٹر شانتا کا خیال آ گیا۔ اس کے گھر اور کلینک دونوں جگہوں پر ٹیلی فون تو تھے مگر مجھے ان میں سے کسی کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ ٹیلی فون کے آس پاس مجھے ڈائریکٹری بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی میں نے سترا سے پوچھا تو اس نے میز کی دراز سے ڈائریکٹری نکال کر مجھے دے دی چند صفحات پر مشتمل یہ ایک خوبصورت کتابچہ تھا۔ ماؤنٹ آبو کا کوئی بھی ٹیلی فون نمبر چار ہندسوں سے متجاوز نہیں تھا۔ تمام نمبروں کے لیے اگرچہ دو تین صفحات ہی کافی تھے مگر ان کے ساتھ راجستھان کے بڑے بڑے شہروں کے اہم فون نمبر بھی دیئے ہوئے تھے اور باقی صفحات اشتہارات سے بھرے ہوئے تھے۔

ڈائریکٹری میں شانتا نام سے تین ٹیلی فون نمبر تھے۔ ایک شانتا رام جو قدیم عمارتوں کی دیکھ بھال اور تعمیرات کا ٹھیکیدار تھا۔ ڈائریکٹری میں اس کے نام کا پورے صفحے کا ایک اشتہار بھی تھا دوسرا نمبر شانتا بجل کے نام سے تھا اور یہ ایک شراب خانے کا تھا۔ تیسرا نمبر شانتا کماری کے نام کا تھا اس کے آگے ڈاکٹر لکھا ہوا تھا اور ایڈریس بھی اس کے کلینک کا تھا۔

میں نے ڈائریکٹری ایک طرف رکھ کر وہ نمبر ملایا اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے کلینک بند ہو چکا تھا اور شانتا یقیناً اپنے بنگلے میں ہوگی۔ کلینک والے فون کی گھنٹی کی آواز اندرونی کمروں تک ضرور جاتی ہوگی۔ گھنٹی بجتی رہی اور میں کال ریسیو ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

دس بارہ مرتبہ گھنٹی بج چکی تھی۔ میں مایوس ہو کر ریسیور رکھنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی اور ایک مدھم سی نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو۔"

"ڈاکٹر شانتا؟" میں نے پوچھا فون پر اس کی آواز سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔

"بول رہی ہوں ... آپ کون؟" اس نے پوچھا۔

"شاتنا میں ناجی بول رہا ہوں۔ یہ وہ ہے نا؟ مجھے بھولی تو نہیں؟" میں نے کہا۔

"تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں مگر تم کہاں غائب ہو... ایک منٹ۔" وہ ایک لمحہ کو رکی پھر بولی۔

"میں تمہیں دوسرا نمبر دیتی ہوں اس پر فون کرو۔"

میں نے اس کا بتایا ہوا نمبر ذہن نشین کرلیا اور ریسیور رکھ دیا۔ تقریباً دو منٹ بعد میں نے دوبارہ ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ملایا اس مرتبہ پہلی گھنٹی پر ہی کال ریسیو کرلی گئی۔

"کوئی خاص بات؟" میں نے شاتنا کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں... میں تین چار دن سے تمہیں تلاش کررہی تھی مگر ناگ راج جیسا آدمی آج تک تمہارا کھوج نہ لگا سکا۔ میں اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہوجاتی۔" شاتنا نے کہا۔

"اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم مجھے کھوج رہی تھیں اور آج میں نے خود ہی تم سے رابطہ کرلیا۔ کہو... وہ خاص بات کیا ہے؟"

"ناگ راج تم سے چھپتا پھر رہا ہے اور تم اس کی تلاش میں ہو اس کا کوئی سراغ ملا؟" شاتنا نے پوچھا۔

"ابھی نہیں لیکن میں جلد ہی اسے ڈھونڈ نکالوں گا لیکن کیوں؟" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ "کیا تمہیں اس کا کوئی سراغ مل گیا ہے؟"

"یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن میں نے ببیلا کا پتہ لگا لیا ہے۔" شاتنا نے کہا۔

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔ "کہاں ہے وہ؟ ناگ راج بھی یقیناً اس کے ساتھ ہوگا کہاں دیکھا تھا تم نے ببیلا کو؟"

"یہ چار دن پہلے کی بات ہے۔" شاتنا بتانے لگی۔ "صبح چار بجے کے قریب دو آدمی میرے گھر پر آگئے وہ کسی مریض کو دکھانے کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے میں نے انکار کیا تو ان میں سے ایک نے پستول نکال لیا اس طرح وہ گن پوائنٹ پر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک کار میں سفر کرنے کے بعد انہوں نے میری آنکھوں کی پٹی کھولی تو میں ایک کمرے میں تھی اور میرے سامنے بیڈ پر ببیلا پڑی ہوئی تھی۔"

"ببیلا... کیا ہوا تھا اسے؟" میں نے پوچھا۔

"ابورشن۔" شاتنا نے جواب دیا۔ "ابھی پہلا ہی مہینہ تھا۔ شروع کے تین مہینے تو عورت کے لیے نہایت خطرناک ہوتے ہیں لیکن ببیلا جیسی لڑکیاں آرام سے تھوڑی سمجھتی ہیں کہ کرلو۔ بے وقوفی کرتی ہیں اور ببیلا کی زندگی تو دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے وہ چند لمحوں تک خاموش ہوئی پھر بولی۔ "انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ مریضہ کو کیا تکلیف ہے ببیلا کی حالت دیکھ کر میں نے اسے اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا لیکن وہ وہیں پر اس کا علاج کروانا چاہتے تھے میں نے ایک آدمی کو بھیج کر بازار سے کچھ چیزیں منگوالیں۔

"مجھے وہ پورا دن اور پوری رات وہیں رہنا پڑا میں اسی ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی مجھے کمرے سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔"

"تو پھر تمہیں یہ تو پتہ نہیں چلا ہوگا کہ وہ کون سی جگہ تھی؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے پتہ چلا لیا تھا۔" شاتنا نے جواب دیا۔ "کھڑکی کے سامنے بھی اگرچہ وینیز پردہ پڑا رہتا تھا اور ایک آدمی چوبیس گھنٹے کھڑکی میں موجود رہتا تھا مگر ایک مرتبہ موقع پا کر میں نے کھڑکی سے باہر جھانک لیا تھا وہ پریم پہاڑی پر کوئی کاٹیج ہے۔"

"پریم پہاڑی!" میں لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ کوئی جگہ ہے؟"

"حیرت ہے ماؤنٹ آبو میں رہتے ہوئے تم آج تک اس جگہ کے بارے میں نہیں جان سکے۔ بہرحال شہر میں کسی سے بھی پوچھ لو گے تو تمہیں اس پہاڑی کے بارے میں بتادیا جائے گا۔"

"تو کیا مجھے اس پہاڑی کو کاٹ کر دودھ کی نہر کھودنی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"نہیں وہ کاٹیج تلاش کرنا ہے۔" شاتنا نے جواب دیا۔ "مجھے جس کاٹیج میں لے جایا گیا تھا اس کے مشرق کی طرف تقریباً ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر جو کاٹیج ہے اس کے برآمدے کی چھت پر کیٹس دیوتا کی بہت بڑی مورتی بنی ہوئی ہے ان دونوں کاٹیج کے بیچ میں اور کوئی کاٹیج نہیں ہے اگر تم وہ گنیش دیوتا والا کاٹیج تلاش کرلو تو اس کاٹیج تک آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔"

"ببیلا کے علاوہ میں نے صرف وہی دو آدمی دیکھے تھے جو مجھے وہاں لے کر گئے تھے ہوسکتا ہے ناگ راج اس کاٹیج کے کسی اور کمرے میں ہو یا ہوسکتا ہے وہ نہیں اور ہو بہرحال یہ سب کچھ تمہیں خود معلوم کرنا پڑے گا۔" شاتنا نے جواب دیا۔

"تمہیں دوبارہ بھی وہاں لے جایا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" شاتنا کی آواز سنائی دی۔ "وہ پورا دن اور پوری رات میں وہاں رہی تھی۔ ببیلا کی حالت سنبھل گئی تھی میں نے کچھ دوائیں وغیرہ منگوادی تھیں کہ وہ باقاعدگی سے اسے استعمال کراتے رہیں اگلے روز وہ لوگ صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے ہی مجھے میرے بنگلے پر چھوڑ گئے تھے اس کے بعد انہوں نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے ببیلا ٹھیک ہی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے شاتنا۔ میں کل رات کسی وقت تم سے ملوں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

شاتنا نے واقعی بڑا کام کیا تھا اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ آج مجھے اس کا خیال آگیا تھا اور میں نے اسے فون کرلیا تھا۔ اگر شاتنا کو فون نہ کرتا تو اتنی اہم معلومات حاصل نہ ہوتیں۔

رتنا بھی میرے قریب آکر بیٹھ گئی اور میں اسے شاتنا کے بارے میں بتانے لگا پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ پریم پہاڑی کہاں ہے؟"

"پریم پہاڑی!" اس نے مجھے گھورا۔ "پریم پہاڑی وہ جگہ ہے جہاں پیار کرنے والوں پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر ملک کے کسی نہ کسی شہر میں کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ مادر پدر آزاد قسم کے لوگ اپنی جنجھوں پر جا کر اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیتے ہیں لندن کا ہائیڈ پارک بہت مشہور ہے وہاں لوگ ہر قسم کی باتیں کسی خوف کے بغیر آزادی سے کہہ سکتے ہیں وہاں نہ صرف ملک کو بھی غلیظ گالیاں دی جاتی ہیں بلکہ مریم اور عیسیٰ کے بھی بخیے ادھیڑے جاتے ہیں اس طرح کلیو میں جھیرن پارک بہت شہرت رکھتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس پارک کا بہ

پڑے ہوئے تھے۔ ایک کمرے سے کچھ آوازیں تو سنائی دے رہی تھیں مگر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں مدھو کو اشارہ کرتا ہوا کاٹیج کی دیوار کے ساتھ مڑ گیا۔ میں کچھ اور آگے بڑھنا چاہتا تھا لیکن اسی لمحے عقب سے ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم دونوں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" یہ آواز میرے لیے بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہمیں اس کاٹیج کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا اور وہ لوگ ہمارے استقبال کو تیار ہو گئے تھے۔

"ہتھیار پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھالو۔" وہ غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔ "اب اگر ایک لمحہ کی تاخیر ہوئی تو فائر کھول دوں گا۔"

میں نے آواز سے اپنے عقب میں اس شخص کی سمت اور فاصلے کا اندازہ لگالیا اور دوسرے ہی لمحے بڑی تیزی سے نیچے گر کر لوٹ لگاتے ہوئے فائر کھول دیا۔

اس شخص نے بھی فائر کھول دیا تھا اسکے پاس بھی آٹومیٹک رائفل تھی اس کی چلائی ہوئی گولیاں میرے اوپر سے ہوتی ہوئی کاٹیج کی دیوار میں پیوست ہو گئیں جبکہ میری رائفل سے نکلی ہوئی چند گولیوں نے اسے ڈھیر کر دیا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ اس کے چیخنے کی آواز بھی سناٹے میں گونج گئی تھی۔

اسکے ساتھ ہی مجھے مدھو کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں اٹھ کر اس کی طرف لپکا فائرنگ شروع ہوتے ہی اس نے بھی ایک طرف چھلانگ لگا دی تھی اور اس کا پیر رپٹ گیا تھا وہ چیختی ہوئی ڈھلان پر لڑھک گئی تھی۔ میں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"اس طرف بھاگو۔" میں اسے پکڑ کر ایک طرف دوڑنے لگا۔

دوسری طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ مدھو کی ٹانگ پر چوٹ لگی تھی اور اسے دوڑنے میں دشواری پیش آرہی تھی اس کا پستول بھی کہیں گر گیا تھا وہ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گری میں بھی لڑکھڑا گیا تھا۔

وہ اس شخص کی لاش تھی جو میری گولیوں سے مرا تھا اس کی رائفل بھی قریب ہی پڑی ہوئی تھی میں نے وہ رائفل اٹھا کر مدھو کے ہاتھ میں تھما دی اس کے ساتھ ہی میں نے مدھو کو دھکا دیتے ہوئے ایک طرف چھلانگ لگا دی اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو دشمنوں کی گولیاں ہم دونوں کو چھلنی کر دیتیں۔

میں نے سنبھلتے ہی فائر کھول دیا تھا۔ مدھو بھی اب سنبھل چکی تھی اور وہ بھی رائفل سے فائر کر رہی تھی۔

کاٹیج کے دوسری طرف سے بھی فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن چند منٹ بعد ہی فائرنگ کا زور ٹوٹ گیا پھر مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر سناٹا چھا گیا میں اپنی جگہ پر دبکا رہا۔

دو منٹ گزر گئے اور پھر کاٹیج کے سامنے کے رخ سے شکتی کی آواز سنائی دی۔ "کرو... کرو کہاں ہو تم...؟"

"میں یہاں ہوں" میں نے جواب دیا اور مدھو کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گیا۔

شکتی برآمدے کے سامنے کھڑا تھا اور اندر والے دروازے میں اس کا رخ اندر کی طرف تھا اور اس نے

پستول تان رکھا تھا۔

"بھاگ گئے سالے... ڈرپوک۔" شکتی بولا۔

"اندر کون ہے؟" میں نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دلچسپ چیز۔ دیکھو گے تو منہ میں پانی بھر آئے گا۔" شکتی نے جواب دیا۔

شکتی کو میں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم بیلا کے چکر میں یہاں آئے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ بیلا ہو گی جسے دیکھ کر شکتی خوش ہو رہا تھا لیکن دروازے میں قدم رکھتے ہی میں ٹھٹک گیا اور اسکے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر بے اختیار خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"وہ ایک ہیجڑا تھا جو سامنے ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بھونڈے انداز میں تھپا ہوا میک اپ اور خوف سے اس کا چہرہ کچھ اور بھی بگڑ گیا تھا اس نے زنانہ کپڑے پہن رکھے تھے۔

"ابے او چھکے۔" شکتی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "سچ بتا تیرا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے ورنہ کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔"

"کک... کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ ہیجڑا خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ لوگ آج دن میں مجھے یہاں لے کر آئے تھے۔ موج میلے کے لیے مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے سالے۔ ہائے رام۔ اب میں کیا کروں کدھر جاؤں۔"

"میں تمہیں یہاں سے سیدھا نرک میں بھیج دوں گا۔ وہاں موج میلا کرتے رہنا۔" شکتی نے اسے گھورا۔

"جب تم آئے تھے تو یہاں کون تھا؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک چھوکری تھی ... بیچاری ... بیمار پڑی تھی۔ بری حالت پر میں آئی تو وہ چلی گئی۔" چھکے نے جواب دیا۔

مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انہیں آج دوپہر ہی کسی طرح ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تھا اور بیلا یہاں سے کہیں اور منتقل ہو گئی تھی ہمارے بارے میں انہیں اطلاع یقینا ٹورازم والوں سے ملی ہو گی شکتی نے رشوت دے کر اجازت نامہ حاصل کیا تھا اور اس طرح مشتبہ ہونا لازمی بات تھی۔

یہاں تین آدمی چھوڑ دیے گئے تھے جو ہمارے استقبال کے لیے تیار بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان میں سے ایک مارا گیا تھا۔ اور دو بھاگ نکلے تھے بیلا کو شاید یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں میں آؤں گا۔ اگر میرے بارے میں کوئی بھنک ملی ہوتی تو وہ اتنا کچا انتظام نہ کرتی۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا کہیں انہیں ڈاکٹر شاستا پر تو کوئی شبہ نہیں ہو گیا تھا یہ خیال آتے ہی میں نے شکتی وغیرہ کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ چھکا بھی منت سماجت کرنے لگا کہ ہم اسے یہاں چھوڑ کر نہ جائیں وہ بھی ہمارے پیچھے ہی کاٹیج سے باہر نکلا تھا اور پھر یوں لگا جیسے ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو ... تین اطراف سے گولیوں کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ یہ پہاڑی علاقہ پہاڑ کے سرسراتے جھونکوں کے بجائے گولیوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

جھکا کاٹیج کے دروازے پر آنے والی روشنی میں تھا وہ گولیوں کا نشانہ بن گیا اور وہیں ڈھیر ہو گیا میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی رنجنا اور شکتی بھی میرے پیچھے ہی دوڑ رہے تھے۔

ہم کاٹیج کے پچھلی طرف آ گئے۔ اس طرف ان کا کوئی آدمی نہیں تھا شاید ان کا خیال ہو کہ ہمیں سامنے ہی سے گھیر کر ختم کر دیں گے لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم عین وقت پر کاٹیج سے باہر آ چکے تھے۔

ان لوگوں نے ہمیں بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا ان کے دو آدمی بھی کاٹیج کے پچھلی طرف آ گئے اور تاریکی میں اندھا دھند گولیاں چلانے لگے۔ ہم جوابی فائرنگ کر کے اپنی پوزیشن کی نشاندہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نے شکتی وغیرہ کو بھی منع کر دیا کہ وہ فائر نہ کریں۔

میرے خیال میں اپنے کاٹیج کی طرف جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا یہاں ہم پر جو حملہ ہوا تھا وہ بھرپور تھا اور اس میں کئی آدمی شریک تھے اس کا مطلب تھا کہ ہمارے کاٹیج کو بھی گھیرے میں لے رکھا ہوگا۔

"ادھر شکتی۔" میں ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔ "ادھر ایک کاٹیج کے سامنے میں نے ایک کار کھڑی دیکھی تھی۔"

ہم مڑ کر دوسری طرف دوڑنے لگے۔ وہ کاٹیج مغرب کی طرف تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا فائرنگ اب بھی ہو رہی تھی لیکن ہم بہت دور نکل آئے تھے۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ کار اب بھی کاٹیج کے سامنے کھڑی تھی۔ دروازہ لاک تھا۔ شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ شکتی نے پستول کا بٹ مار کر ڈرائیونگ سائیڈ کی کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا اور اندر ہاتھ ڈال کر لاک دبا دیا اور اندر بیٹھ کر دوسرے دروازے بھی کھول دیے۔

چابی اگنیشن میں لگی ہوئی نہیں تھی شکتی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسٹیئرنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر دو تاریں کھینچ لیں اور انہیں جوڑ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا اس دوران مدھو اور رنجنا پچھلی سیٹ پر اور میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

پہلے شیشہ ٹوٹنے اور پھر انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر تقریباً تیس گز دور کاٹیج کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اے..... کون ہے؟"

اسی لمحے دور سے فائرنگ کی آواز سنائی دی وہ شخص اندر بھاگ گیا اور دھڑ سے دروازہ بند ہو گیا۔

انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ شکتی نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی پانچ منٹ بعد ہی ہم چوکی والی سڑک پر پہنچ گئے۔ دونوں کانسٹیبل رائفلیں تانے سڑک کے بیچ میں کھڑے تھے۔ شکتی نے ان کے قریب کار روک لی اور کسی کانسٹیبل کے بولنے سے پہلے وہ خود ہی بول اٹھا۔

"او بھائی... اپنے تھانے کو فون کرو... کوئی بڑا ڈاکوؤں کا گروہ ہم بیچاروں پر چڑھ آیا ہے بچوں کو بچاؤ۔"

دونوں پولیس والے گڑبڑا گئے ان میں ایک تو فوراً کیبن کی طرف بھاگ گیا اور دوسرا ابھی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ کیا کرے شکتی نے تیزی سے کار آگے بڑھا دی اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

شکتی نے پولیس والوں کو بدحواس کر دیا تھا وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکے تھے کہ ہم گئے تو کسی اور کار میں اور ہماری واپسی دوسری کار میں ہو رہی تھی۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں ہم شہر پہنچ گئے۔ میری ہدایت پر شکتی نے کار کا رخ راجندر مارگ کی طرف موڑ لیا۔

چند منٹ بعد ہی کار ڈاکٹر شانتا کے کلینک سے چند گز آگے نکل کر رک گئی میں نے انہیں کار ہی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود نیچے اتر کر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

اندر کسی کمرے کی بتی جل رہی تھی میں نے دو تین مرتبہ کال بیل بجائی مگر کوئی جواب نہ پا کر میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارنے لگے میں نے گیٹ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلا ہوا تھا۔ میں ریوالور سنبھالے گیٹ سے داخل ہو کر بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا آگے والا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا شانتا اتنی بے پروا نہیں ہو سکتی تھی کہ رات کے وقت دروازے کھلے چھوڑ دے۔

"شانتا..." میں نے اندر داخل ہو کر پکارا مگر کوئی جواب نہیں ملا میں ہال کمرے سے گزرتا ہوا اس کے بیڈروم کے سامنے پہنچ گیا دروازہ بند تھا مگر اندر روشنی جل رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

شانتا کی لاش بیڈ پر پڑی تھی اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر خنجر دستے تک پیوست تھا اور بستر کی چادر خون سے سرخ ہو رہی تھی۔

اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ ساڑھی پہنا کرتی تھی لیکن اس وقت اس کے جسم پر صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ تھا جسم کے مختلف حصوں پر نشانات بتا رہے تھے کہ موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا آنکھیں پھٹی پھٹی پڑی ہوئی تھیں اور چہرے پر خوف و اذیت کے تاثرات جیسے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

خنجر دستے تک اس کے سینے میں پیوست تھا خون اس کے سینے اور پیٹ کو تر کرتا ہوا بستر کی چادر پر پھیلا ہوا تھا۔ خون کو دیکھ کر میری آنکھوں میں الجھن کی تیر گئی۔ خون قدرے سیاہی مائل اور جما ہوا سا لگ رہا تھا میں نے چادر پر بکھرے ہوئے خون پر انگلی رکھی تو میرا اندازہ درست نکلا خون جما ہوا تھا میں نے شانتا کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا پھر اس کے سینے اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

شانتا کا جسم بالکل ٹھنڈا ہو رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ اسے مرے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ چند گھنٹے کی بات ہوتی تو لاش اس طرح برف جیسی ٹھنڈی نہ ہوتی۔

اب بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ رتنا یا اس کے ساتھیوں کو شانتا پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے آج دن میں کسی وقت یہاں آ کر شانتا کو دبوچ لیا تھا اس پر تشدد کر کے میرے بارے میں پوچھ گچھ کی ہوگی۔ منہ میں کپڑا اس لیے ٹھونس دیا گیا تھا کہ وہ شور نہ مچائے اس نے غالباً اپنے دفاع میں ہاتھ چلائے ہوں گے اس لیے اس کے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ شانتا کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے آسانی سے زبان نہیں کھولی ہوگی بہت زیادہ تشدد کے بعد جب اس کی قوت برداشت جواب دے گئی ہوگی تو اس نے میرے بارے میں کچھ بتایا ہوگا اور انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ کاٹیج سے ہٹا دیا انہیں تو شاید ... میں آنے کی ... انتقام لینے کے لیے انہوں نے ... کی جگہ ایک خنجر سے

کو کانچ میں بٹھا دیا تھا لیکن وہ خود ہی مذاق کا نشانہ بن گئے۔ نہ صرف وہ بیچارہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا بلکہ وہ میرا بھی کچھ نہ بگاڑ سکے۔

میں چند لمحوں تک شانتا کی لاش کو دیکھتا رہا پھر جھک کر اس کے سینے میں پیوست خنجر کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی میں اچھل پڑا۔ فون کی گھنٹی میرے لیے بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم بے قابو ہوگئی تھی۔ میں متوحش نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگا۔ گھنٹی دو مرتبہ بج چکی تھی۔ تیسری مرتبہ گھنٹی بجنے کے بعد میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور ماؤتھ پیس میں کچھ بولنے کے بجائے دوسری طرف سے کسی کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا چند سیکنڈ بعد ہی ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی...

"تو موتی رہ کر تم اپنی شناخت نہیں چھپا سکو گے ناجی مجھے یقین تھا کہ تم پریم پہاڑی سے فرار ہونے کے بعد سیدھے یہیں آ ؤ گے۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا وہ بیلا تھی۔

"تم بہت برا کر رہی ہو بیلا۔" میں نے جواب دیا۔ "بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تمہیں کیا ملا؟ خواری، ذلت رسوائی؟"

"یہ لوگ بے گناہ نہیں ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔ "انہی لوگوں کی وجہ سے ہمیں اتنا نقصان اٹھانا پڑا اگر ان جیسے لوگ تمہارا ساتھ نہ دیتے تو بہت پہلے تمہارا قصہ ختم ہو چکا ہوتا اور پھر شانتا پر تو مجھے بہت پہلے ہی شبہ ہو جانا چاہیے تھا مگر شاید میں بھول گئی تھی کہ ڈاکٹر شانتا، اکائی بھرتری کی دوست تھی اور تم طویل عرصے تک اکائی کے پاس پناہ لیے رہے تھے۔"

"اگر تمہارے گرو اور اس کے چیلوں نے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوتا تو مجھے کہیں پناہ نہ ملتی اور میرا قصہ اب تک واقعی ختم ہو چکا ہوتا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ یہاں کے لوگ اپنے دیش کے دشمن کو تو پناہ دے رہے ہیں اس کے لیے اپنا جیون تک بھینٹ کر رہے ہیں لیکن تم لوگوں کو کہیں پناہ نہیں مل رہی تم لوگ جو اس دیش کے سیوک ہونے کے دعویدار ہو اپنے ہی دیش میں اپنے شہر میں اپنے ہی لوگوں سے چھپتے پھر رہے ہو۔"

"یہ سب تمہاری شخصیت کا کمال ہے" بیلا نے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ تم بے پناہ پرکشش اور ساحرانہ شخصیت کے مالک ہو خواتین تو تمہیں ایک نظر دیکھتے ہی اپنے آپ کو بھول جاتی ہیں مجھ جیسی عورت بھی اپنے آپ کو تمہارے سحر سے نہ بچا سکی اور میں اب بھی اعتراف کرتی ہوں کہ تم جیسا جوان رعنا میری نظروں سے نہیں گزرا یہ تمہاری شخصیت کا کمال ہے کہ تم نے اپنے ارد گرد حسین اور جوان عورتوں کا میلہ سا لگا رکھا ہے اگر تمہیں کہیں ٹک کر بیٹھنے کا موقع ملتا تو راجہ اندر بن چکے ہوتے اور میں بھی تمہارے دربار کی داسیوں میں شامل ہوتی۔"

"کیا واقعی تم یہ بات سنجیدگی سے کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو میرے پاس آ جاؤ میں تمہیں پاکستان لے چلوں گا جہاں ہم ٹھاٹھ سے زندگی گزاریں گے۔"

"اب تم پاکستان کا خیال ذہن سے نکال دو۔" بیلا نے کہا۔ "تمہارا خاتمہ اس زمین پر ہوگا جہاں تم کھڑے ہو۔"

اب تک کی صورت حال تو یہی بتاتی ہے کہ وہ تم سنڈیکار میرا نہیں تم لوگوں کا ہونے والا ہے۔ بہرحال میں تمہاری طبیعت کے بارے میں پوچھنا تو بھول ہی گیا۔ بوجھ سے نجات پا کر اب تو تم اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوگی ویسے دنیا میں آنے سے پہلے اس مر جانے والے بچے کا باپ کون تھا۔"

"ہوگا کوئی حرامی..... مگر وہ تم نہیں ہو سکتے۔" بیلا نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "ویسے میں تمہیں ایک موقع اور دے رہی ہوں بلکہ یہ کہو کہ یہ پیشکش ناگ راج کی طرف سے ہے۔"

"تمہاری بات سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔" میں نے کہا۔

"پنڈت بھیرو سنگھ کی آج کل پھر تم سے گاڑھی چھن رہی ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "اس وقت تم واحد شخص ہو جو یہ جانتا ہے کہ بھیرو کہاں ہے تم اگر چاہو تو اس کی ساری دولت لے کر یہاں سے جا سکتے ہو تمہیں اس دولت سمیت بحفاظت سرحد پار پہنچانے کی ذمے داری بھی لی جا سکتی ہے۔ یہ ناگ راج کی طرف سے تمہاری جان بچانے کی آخری پیشکش ہے۔"

"ناگ راج واقعی بہت چالاک ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ مجھے وہ دولت لے جانے کی پیشکش کر رہا ہے جس پر سرے سے اس کا کوئی حق ہی نہیں ہے ویسے میں اپنے وفاداروں کو دھوکا نہیں دیتا ان سے تو ابھی مجھے بہت سے کام لینے ہیں۔ ناگ راج جیسے زہریلے ناگ کا سر کچلنا ہے۔"

"تمہارا یہ سپنا کبھی پورا نہیں ہوگا۔" بیلا نے کہا۔ "بہت جلد پورا ہوگا" میں نے کہا۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں کس طرح تم لوگوں کے پیچھے ہوں تم لوگوں کو کہیں ٹکنے کا موقع نہیں مل رہا زیادہ سے زیادہ دو تین دن..... اس کے بعد ناگ راج کا قصہ ختم ہو جائے گا اور تم..... تمہیں تو میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا ویسے تم مجھے پسند آ گئی ہو۔ مجھے ایسی ہی کسی لڑکی کی ضرورت ہے جو میرے ساتھ مل کر جرائم کی دنیا میں ایک نئی تاریخ رقم کر سکے۔"

"اوہ۔" بیلا جیسے چونک گئی۔ "تو پھر یہاں ہمارے ساتھ کیوں نہیں مل جاتے..... ناگ راج تمہیں جرائم کی دنیا کا شہنشاہ بنا دے گا۔"

"میں شکار مرا ہوا نہیں، مار کر کھاتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے اس وقت میرے ذہن میں ایک اور خیال آ رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے باتوں میں لگا کر وقت گزارنا چاہتی ہو تاکہ تمہارے آدمی یہاں پہنچ کر مجھے گھیر سکیں۔

"میرے آدمی اگر اتنے سیانے ہوتے تو تمہیں اتنی مہلت نہ ملتی۔ بہرحال ناگ راج کی طرف سے میری پیشکش برقرار ہے۔ اگر تمہارا جواب ہاں ہو تو ہوٹل پیلس کے ہیڈ ویٹر نریش کو پیغام دے دینا۔ ہم ملاقات کا بندوبست کر لیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا میں نے بھی ریسیور رکھ دیا ایک نظر شانتا کی لاش کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے ڈاکٹر شانتا کی موت کا افسوس ضرور ہوا تھا مگر میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا ایک نظر شانتا کی لاش کی طرف دیکھا اور دروازے

کی طرف بڑھ گیا۔

پنڈت بھیرو کے عالیشان بنگلے میں رہ کر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے شہر کے اندرونی علاقے میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا میں نے رتنا کے مکان کی چابی لے لی۔ کسی ایمرجنسی میں مجھے اس مکان کی ضرورت بھی پڑ سکتی تھی۔ رتنا کو میں نے بھیرو کے بنگلے پر ہی چھوڑ دیا۔ سمترا مجھے گاڑی پر بٹھا کر بنگلے سے تقریباً نصف میل دور ایک موڑ پر چھوڑ گئی تھی۔ جہاں سے میں ایک آٹو پر بیٹھ کر سالار بازار پہنچ گیا۔

شام کا وقت تھا بازار میں رونق تھی۔ میں کچھ دیر ادھر ادھر ٹہلتا رہا پھر ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد میں چائے پی کر باہر نکلا چائے تو ایک بہانہ تھی دراصل مجھے ایک مشتبہ آدمی نظر آ گیا تھا جس کے بارے میں خیال تھا کہ وہ میری نگرانی کر رہا ہے اس لیے میں ریسٹورنٹ میں بیٹھ گیا تھا باہر آ کر محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا وہ آدمی نہیں نظر آیا محض میرا وہم تھا۔

بس اسٹاپ کے علاقے میں بھانوت سے ملاقات ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ شکتی بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔ اسے تلاش کرنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے ہم تینوں ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔

"پیلس ہوٹل کا ہیڈ ویٹر نریش" میں نے شکتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی ضرورت ہے وہ بیلا یا ناگ راج کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر کس وقت ملنا چاہتے ہو اس سے؟" شکتی نے کہا۔

"آج رات..... تم اسے کب تک لا سکتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دو تین گھنٹے تو لگ جائیں گے۔" شکتی نے جواب دیا۔ "تمہارا اس طرح آزادی سے گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں ہے تم ایسا کرو میری کھولی میں چلے جاؤ مدھو وہاں موجود ہوگی۔ میں نریش کو قابو میں کر کے تمہیں اطلاع بھیج دوں گا اور تم بتائی ہوئی جگہ پر آ جانا۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" میں اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ شکتی اور بھانوت وہیں بیٹھے رہے تھے۔

میں مختلف علاقوں میں گھومتا ہوا اس طرف نکل آیا جہاں ایک کھنڈر نما عمارت میں شکتی نے کھولی لے رکھی تھی۔ میں نے اس مرتبہ بھی اپنے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔

اس کھنڈر نما عمارت میں بجلی نہیں تھی۔ رات کے آٹھ بجے تھے اور گہرا اندھیرا تھا کمپاؤنڈ کے آخری سرے پر ایک چھوٹے سے لالٹین کی مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی مگر میں اس طرف جانے کے بجائے بائیں طرف ایک شکستہ دیوار کے پیچھے مڑ گیا۔ شکتی کی کھولی اس طرف تھی۔

کمرے کا دروازہ بھیڑا ہوا تھا اور اندر سے لالٹین کی مدھم روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر مدھو کو آواز دیتے ہوئے دروازہ کھول دیا مگر مدھو کمرے میں نہیں تھی۔ مدھو نے باورچی خانہ اس کمرے میں بنا رکھا تھا۔ ان دونوں کمروں کے درمیان وہ کمرہ تھا جس کی چھت سرے سے غائب تھی۔

ان چھوٹے کمروں میں کھڑکیوں اور دروازوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں آدھی چھت والے کمرے کے سامنے آ گیا۔ مدھو کو آواز دینا ہی چاہتا تھا کہ بائیں طرف پانی گرنے کی آواز سن کر

ٹھٹک گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس طرف جھانکا کمرے کے ایک کونے میں پھٹا ہوا ٹاٹ تان کر غسل خانہ بنا دیا گیا تھا اندر مدھم سی جل رہی تھی اس کی تھرتھراتی ہوئی لو میں مدھو کا سایہ سامنے والی دیوار پر حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"مدھو" میں نے ہولے سے اسے پکارا۔

مدھو یک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ سے پانی کا مگا نیچے گر گیا تھا۔

"کک..... کون ہے؟" اس کے منہ سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"میں ہوں مدھو۔" میں نے کہا۔ "تم کمرے میں نہیں تھیں تو میں ادھر آ گیا..... کیا کر رہی ہو"

میرا آخری سوال بہت ہی احمقانہ تھا۔ ٹاٹ پھٹا ہوا تھا اور اتنا اونچا بھی نہیں تھا اس کی گردن سے بہت نیچے تک کا حصہ نظر آ رہا تھا اس نے دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ لیے تھے۔ "اوہ..... کرو..... تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"مجھے افسوس ہے میں نے تمہیں ڈرا دیا بہرحال تم اشنان کر کے کمرے میں آ جاؤ..... میں وہاں بیٹھا ہوں۔" میں کہتے ہوئے واپس مڑ گیا اور کمرے میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد مدھو کمرے میں داخل ہوئی اس نے مختصر سا کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ بدن پر پانی کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور کنپٹیاں سلگ اٹھیں جب کوئی جوان اور حسین عورت اس طرح بے باکی سے سامنے آ جائے تو بیوقوف سے بیوقوف مرد بھی اس کا مطلب سمجھ جاتا ہے اور میں تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ نے تو میرے اندر کی آگ کو کچھ اور بھی بھڑکا دیا۔ وہ چارپائی پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھانے کے لیے جھکی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اس نے میری طرف دیکھا اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی اور پھر ہاتھ کے ہلکے سے جھٹکے سے وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں گر گئی۔

منشو پورے دو گھنٹے بعد آیا تھا میں اس وقت مدھو کی بنائی ہوئی بغیر دودھ کی چائے پی رہا تھا۔

"کرو..... جلدی چلو..... بھانوت اور شکتی نریش کو ہوٹل سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔" منشو نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

میں نے پیالی میز پر رکھ دی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ مدھو کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا اور منشو کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔

عمارت کے باہر موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ منشو نے ایک ہی کک میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم شہر کی نواحی پہاڑیوں میں ایک مندر کے کھنڈر میں موجود تھے۔ یہاں ایک مشعل جل رہی تھی ایک آدمی زمین پر پڑا ہوا تھا اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ قریب ہی بھانوت اور شکتی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بھانوت کے ہاتھ میں خنجر تھا مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں اس شخص کی طرف دیکھنے لگا اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی گٹھیلا جسم، صحت مند اور طاقتور آدمی تھا مگر چہرے پر خوف نمایاں تھا اس نے میرون رنگ کی پتلون اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی

جس پر چلیس ہوٹل کا مونوگرام بنا ہوا تھا وہ چلیس ہوٹل کا ہیڈ ویٹر نریش تھا۔

"تت..... تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"بیلا نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہارے ذریعے کوئی پیغام اس تک بھیج سکتا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ "پیغام نہیں میں خود اس تک پہنچنا چاہتا ہوں کہاں ملے گی وہ؟"

"ب۔۔۔ بیلا۔۔۔ کون بیلا؟" وہ ہکلا کر رہ گیا "میں کسی بیلا کو نہیں جانتا۔"

"حیرت ہے تم بیلا کو نہیں جانتے حالانکہ وہ اس علاقے میں شیطان کی طرف مشہور ہے چلو مان لیا کہ تم اسے نہیں جانتے لیکن اس نے مجھے کیسے کہہ دیا کہ تم میرا پیغام اس تک پہنچا دو گے۔" میں نے کہا۔

"میں..... کسی بیلا کو نہیں جانتا۔" نریش نے جواب دیا۔ "ہوٹل میں آنے والی بہت سی لڑکیاں پیغام رسانی کے لیے ویٹروں کو استعمال کرتی ہیں اور ویٹروں کو ان کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ مجھ سے بیلا نام کی کسی عورت نے کچھ نہیں کہا۔ ہوسکتا ہے بعد میں کسی وقت خود ہی مجھ سے رابطہ کرکے پوچھے کہ کسی نے اس کے لیے کوئی پیغام تو نہیں دیا۔ یہ لڑکیاں بڑی خطرناک ہوتی ہیں اپنے دھندے کے لیے دوسروں کو استعمال کرتی ہیں۔"

"جس بیلا کی میں بات کررہا ہوں وہ دنیا کی سب سے خطرناک عورت ہے" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم نہیں اٹھاتی اس نے مجھے تمہارا نام بتایا تھا تو کچھ سوچ کر ہی بتایا ہوگا وہ تمہیں اچھی طرح جانتی ہے اور تم بھی اسے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"نہیں۔ میں بیلا نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔" نریش نے کہا۔

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر شکتی کو اشارہ کیا۔ شکتی اچانک ہی اس پر پل پڑا نریش کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنا بچاؤ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ شکتی اس پر لاتیں اور گھونسے برساتا رہا۔ نریش کی چیخیں کھنڈروں میں گونجتی رہیں شکتی نے اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا اور سر سے اوپر لے جا کر زمین پر پٹخ دیا۔ نریش کے منہ سے نکلنے والی وہ چیخ بہت ہی خوفناک تھی شکتی اسے دوبارہ اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ نریش چیخ اٹھا۔

"ٹھہرو۔ ٹھہرو۔۔۔ ب...... بتاتا ہوں۔"

"سالا حرامی....." شکتی اسے ٹھوکر مارتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ "پہلے بول دیتا تو اتنا کشٹ نہیں ہوتا اچھا بول بیلا کدھر ہے؟"

"وہ۔۔۔ وہ ناگ راج کے ساتھ ہے۔" نریش نے جواب دیا۔

"تم اس سے کدھر ملتے ہو؟" شکتی نے دوسرا سوال کیا۔

"میں اس سے نہیں ملتا۔" نریش بولا۔ "بیلا نے کہا تھا کوئی اس سے ملاقات کرنے کے لیے کہے تو اسے اودھے سنگھ کے پاس بھیج دوں۔"

"اودھے سنگھ کون ہے؟" اس مرتبہ میں نے پوچھا۔

"ٹھاکر شمشیر سنگھ کا دیوان۔" نریش نے جواب دیا۔ "وہ چلیس ہوٹل کے پیچھے گلی میں تیسرے بنگلے

میں رہتا ہے۔"

"بنگلے کا نمبر؟" میں نے پوچھا۔

"نمبر مجھے معلوم نہیں ہوٹل کے بالکل پیچھے والی گلی۔ دائیں طرف تیسرا بنگلہ۔" نریش نے جواب دیا۔

"اس کے ہاتھ کھول دو" میں نے بھانوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بھانوٹ نے نریش کی پشت پر پہنچ کر خنجر سے اس کی رسی کاٹ دی۔ نریش چند لمحے کلائیاں سہلاتا رہا پھر قمیص کی آستین سے ہونٹوں سے بہنے والا خون صاف کرنے لگا۔

"تم واپس جا کر اپنے منیجر کو کوئی اور کہانی سناؤ گے" میں نے نریش کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یعنی کچھ غنڈے کسی اور کے دھوکے میں تمہیں پکڑ کر لے گئے تھے اور تمہاری پٹائی کرکے چھوڑ دیا۔ چاہو تو نامعلوم غنڈوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ بھی کرسکتے ہو لیکن اگر اصل بات تمہاری زبان پر آئی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

"م..... میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" نریش بولا۔ میں نے شکتی کو اشارہ کیا اور پھر ہم اس کھنڈر سے باہر آگئے جب میں آیا تھا تو اس وقت یہاں ایک سفید ماروتی کار کھڑی تھی جواب بھی موجود تھی اس کے قریب ہی ہنڈا والی موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی یہ دونوں چیزیں وہ اڑا کر لائے تھے۔

"تم موٹر بائیک کہیں چھوڑ کر اپنے علاقے میں چلے جاؤ اور گرو تم بیٹھو کار میں۔" شکتی نے کہا۔

میں اور بھانوٹ ماروتی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نریش بھی ہمارے پیچھے ہی آیا تھا مگر شکتی نے اسے بھگا دیا۔

"یہاں سے دوڑ لگاتے ہوئے جاؤ بھایا۔" شکتی نے کہا۔ "کھا کھا کر تمہارے شریر پر چربی چڑھ گئی ہے ذرا دوڑ لگایا کرو۔"

"م..... مجھے یہاں۔" وہ ہکلا گیا۔ "یہاں جنگل۔"

"کچھ نہیں کہیں گے تمہیں جنگل۔" شکتی نے کہتے ہوئے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھا دی۔

نریش کار کے پیچھے دوڑ رہا تھا شکتی نے رفتار بڑھا دی۔ پہاڑیوں سے نکل کر ہم سڑک پر آ گئے اور شہر کے پہلے چوراہے پر ذرا آگے نکل کر ہم نے کار چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگے۔

"اب کیا پروگرام ہے گرو؟" شکتی نے پوچھا۔

"دیوان اودھے سنگھ کا بنگلہ۔" میں نے کہا۔ "میں اسے بے خبری میں پکڑنا چاہتا ہوں نریش دو ڈھائی گھنٹوں سے پہلے نہیں پہنچ سکے گا۔ اور میں اس کے آنے سے پہلے پہلے اودھے سنگھ سے نمٹ لینا چاہتا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے اس طرف چلو۔" شکتی نے جواب دیا۔

ہم ایک اور سڑک پر مڑ گئے اور مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے دل واڑہ روڈ پر چلیس ہوٹل کے

سامنے پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت نو بجے تھے۔ ہوٹل کے سامنے رونق تھی ہم پچھلی سڑک پر آ گئے اور پھر پچھلی گلی میں مڑ گئے۔

اس طرف بہت بڑے بڑے بنگلے تھے وسیع و عریض کمپاؤنڈ ہونے کی وجہ سے ہر دو بنگلوں کے درمیان اتنا فاصلہ بن گیا تھا کہ ایک بنگلے میں کوئی چیختا تو اس کی آواز دوسرے بنگلے میں نہیں جا سکتی تھی۔ دائیں طرف تیسرے بنگلے کے گیٹ پر دیوان اور جے سنگھ کے نام کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ گیٹ پر کوئی چوکیدار یا دربان وغیرہ نہیں تھا جو لوگ خود ہی اتنے خونخوار ہوں انہیں چوکیداروں کی کیا ضرورت تھی۔ بھاوت کو سڑک پر ہی چھوڑ دیا گیا اور پھر میں اور شکتی موقع پا کر بنگلے کی دیوار پر چڑھ کر اندر کود گئے۔

یہ کم از کم دس ہزار مربع گز کا پلاٹ تھا بنگلے کی عمارت عین وسط میں تھی چاروں طرف لان تھا اور لاتعداد درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ عمارت کے سامنے والے لان میں صرف ایک بلب روشن تھا جس پر لگے ہوئے شیڈ نے اس کی روشنی محدود کر دی تھی۔ درمیان میں ایک حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا لیکن فوارہ اس وقت بند تھا برآمدے میں بھی مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا۔

میں اور شکتی چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑے رہے پھر دونوں نے پستول نکال لیے اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ نو بجے رات کے ابتدائی حصے میں کسی بنگلے میں اس طرح گھسنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن میں ہر طرح کا خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری تھا کہ بنگلے میں کتنے افراد تھے۔ بنگلے کے پچھلی طرف پہنچ کر ہم رک گئے میں نے شکتی کو دائیں طرف جانے کا اشارہ کیا اور اسے ہدایت کر دی کہ جب تک کوئی ایمرجنسی نہ ہو یا میرا سگنل نہ ملے وہ اس وقت تک کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

عمارت کے پچھلی طرف بھی برآمدہ تھا لیکن اس طرف روشنی نہیں تھی۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔ دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ آواز پیدا کیے بغیر کھلتا چلا گیا۔ میں نے اندر داخل ہو کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

یہ تنگ سی راہداری تھی اور آگے غالباً ہال کمرہ تھا جہاں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور راہداری کے اختتام پر پہنچ گیا۔ دائیں طرف بھی کشادہ راہداری تھی۔

مجھے اندازہ لگانے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی کہ اس وقت بنگلے میں دو تین افراد سے زیادہ نہیں تھے اور وہ بھی غالباً ایک ہی کمرے میں تھے کیونکہ دائیں طرف سے باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور اللہ کا نام لے کر اس راہداری میں مڑ گیا اس بنگلے میں داخل ہو کر اوکھلی میں سر تو دے ہی دیا تھا اب موسلوں سے ڈرنے کا وقت نکل گیا تھا۔

میں راہداری میں کھلنے والی اس کمرے کی کھڑکی کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ میرا اندازہ درست نکلا اندر تین ہی افراد تھے جن میں ایک عورت کی آواز بھی شامل تھی۔ ایک آدمی اس وقت کہہ رہا تھا۔

"یہ تمہارے لیے بہترین موقع ہے رتی..... تم سندرتا میں بیلا سے کم نہیں وہ کتیا ایک ڈیڑھ مہینے کے لیے تو بیکار ہو گئی تم پہلے بھی چند روز ناگ راج کے پاس رہ چکی ہو۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور ناگ راج کو مٹھی میں لینے کی کوشش کرو۔"

"بیلا وہاں سے نکلے تو مجھے ناگ راج کے قریب جانے کا چانس ملے نا۔" یہ لڑکی کی آواز تھی۔

"اس کا بندوبست میں کر دوں گا۔" اس آدمی نے کہا۔ "آج سے دو دن بعد تم راج محل پہنچ جاؤ۔ کئی روز سے تم ناگ راج کی نظروں میں نہیں آئی ہو۔ وہ تمہیں دیکھے گا تو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ بیلا کو ایک دو دن کے لیے وہاں سے ہٹا دیا جائے اور تمہارے لیے یہ مہلت کافی ہو گی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ان میں بھی آپس میں اندر ہی اندر ایک دوسرے کی کاٹ ہو رہی تھی۔

"اور اس کا کیا ہو گا ٹھاکرے؟" لڑکی کی آواز سنائی دی۔ ٹھاکرے کا نام سن کر میں چونک گیا۔

"میری اس سے بات ہو چکی ہے۔" مرد نے جواب دیا۔ "ناگ راج کے جانے کے بعد ہم بھیرو کو تلاش کریں گے وہ اس شہر میں ہے وہ پستانی آتنک وادی ہمارے ہاتھ آ جائے تو بھیرو تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ ٹھاکرے کا کام صرف بھیرو کو ٹھکانے لگانا ہے اس کے بعد ٹھاکرے کو ہم ٹھکانے لگا دیں گے اور پھر بھیرو کی دولت ہو گی اور ہم ہوں گے۔"

میں دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا تھا میرا ہاتھ اوپر اٹھ گیا۔ میرے سر کے اوپر دیوار پر ایک پینٹنگ ٹنگی ہوئی تھی۔ میرا ہاتھ اس پینٹنگ سے ٹکرایا اور وہ پینٹنگ میرے سر سے ٹکرا کر نیچے گری۔

"اے..... ادھر کون ہے؟" اندر سے دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی میں نے تیزی سے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ راہداری کے موڑ پر گھوم رہا تھا کہ فائر کی آواز گونجی اس وقت میرا ایک ہاتھ پیچھے تھا۔ گولی میری درمیان والی انگلی کی پور کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے دہکتا ہوا انگارہ میری انگلی کو چھو کر گزر گیا ہو میں مڑ کر دوسری راہداری میں برآمدے والے دروازے کی طرف دوڑا اس لمحہ ایک اور فائر ہوا مگر میں دروازے سے نکل چکا تھا۔

برآمدے سے تقریباً بیس گز دور ایک درخت کی آڑ لے کر میں نے پہلا فائر کیا لیکن اندھیرے میں چلائی ہوئی گولی ضائع گئی۔

اب دوسرا آدمی بھی باہر آ چکا تھا اور وہ آٹومیٹک رائفل سے اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا کچھ گولیاں درختوں میں پیوست ہو رہی تھیں اور کچھ سیدھی نکل گئیں۔ شکتی بھی میری طرف آ گیا اور مجھ سے چند گز دور ایک درخت کی آڑ سے جوابی فائرنگ کرنے لگا۔

فائرنگ کی آواز سے درختوں پر اپنے گھونسلوں میں سوئے ہوئے لاتعداد پرندے شور مچاتے ہوئے درختوں کے اوپر ہی منڈلانے لگے۔

"دگرو۔" مجھے شکتی کی آواز سنائی دی۔ "تم پچھلی طرف کی دیوار پھاند کر نکل جاؤ میں انہیں روکتا ہوں۔"

"میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا شکتی تم بھی پیچھے ہٹتے رہو۔" میں نے کہا۔

"میری فکر مت کرو میں نکل جاؤں گا تم پچھلی دیوار کے قریب پہنچو۔" شکتی نے جواب دیا۔
میں اکا دکا فائر کرتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ وہ دونوں برآمدے کے پلرز کی آڑ میں کھڑے فائرنگ کر رہے تھے ان میں سے کسی نے آگے آنے کی کوشش نہیں کی یا وہ خود بھی آگے نہیں بڑھنا چاہتے تھے۔ میں درختوں کی آڑ لیتا ہوا پچھلی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ دیوار خاصی اونچی تھی میں ایک درخت پر چڑھ کر دیوار پر اترا اور باہر چھلانگ لگا دی۔
وہ گلی اگرچہ کشادہ تھی مگر روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ سامنے والے رخ پر بھی ایسے ہی بڑے بنگلے تھے مگر ان کی پشت اس طرف تھی اس لیے اس طرف سناٹا تھا۔ میں نے دیوار سے کود کر ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف دوڑ لگا دی تقریباً پچاس گز آگے جا کر میں نے پیچھے دیکھا۔ ایک اور آدمی دیوار سے کودا تھا۔ وہ یقیناً شکتی تھا۔ میں ایک بنگلے کی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا چند سیکنڈ بعد ہی وہ سیدھا دوڑتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا وہ شکتی تھا۔
"رکو نہیں کرو...... دوڑتے رہو۔"
شکتی کی آواز سن کر میں نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔
بہت جلد ہم اس گلی سے نکل گئے اور پھر دو تین گلیاں گھوم کر ہم وہاں سے بہت دور نکل چکے تھے۔ میں رک گیا۔
"ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوئے گرو۔" شکتی نے کہا۔ "وہ دیوان سالا بہت حرامی ہے اس نے اگر پولیس کو فون کر دیا تو اس علاقے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا جائے گا۔"
ہم دونوں تیز تیز چلتے رہے شکتی کا خیال درست نکلا تھا۔ چاروں طرف سے پولیس کے سائرن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن ہم اس علاقے سے بہت دور نکل آئے تھے اور پھر ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے ہم شکتی کی کھولی والی عمارت کی طرف نکل آئے۔
"کہیں بھاتوت نہ پھنس گیا ہو۔" میں نے کھنڈر نما عمارت میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
"وہ بہت عقل مند ہے۔" شکتی نے جواب دیا۔ "وہ نکل گیا ہو گا اور تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہی ہو گا۔"
ہم دونوں کھولی میں آ گئے مدھو چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی ہمیں دیکھ کر اٹھ گئی وہ میری طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔
"اے مدھو...... چائے بنا کر لا ذرا کڑک...... خالی بیلی سر دکھنے لگا۔"
مدھو کمرے سے باہر نکل گئی اور تقریباً دس منٹ بعد بغیر دودھ کی چائے بنا کر لے آئی۔
ابھی ہم چائے پی رہے تھے کہ باہر تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور چند سیکنڈ بعد ہی منٹو شکتی کو آواز دیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔
"کیا ہوا تمہارے چوکھٹے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" شکتی نے اسے گھورا منٹو کو اس طرح بدحواس دیکھ کر میرا ماتھا بھی ٹھنکا تھا۔
"گرو۔" منٹو ہاری ہاری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بھاتوت کو پولیس نے پکڑ لیا ہے وہ اسے مارتے ہوئے لے گئے ہیں۔"

"کیا بکتا ہے۔" شکتی دھاڑا اس نے قہوے کی پیالی میز پر رکھ دی تھی۔
"میں ٹھیک کہتا ہوں گرو۔" منٹو نے کہا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے پولیس والے اسے پیلس ہوٹل کی پسی گلی سے پکڑ کر مارتے ہوئے لا رہے تھے پھر اسے جیپ میں بٹھا کر لے گئے۔"
"ٹھیک ہے تم جاؤ اور دوسرے لڑکوں سے بھی کہہ دو اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جائیں۔" شکتی نے کہا۔
منٹو فوراً ہی باہر بھاگ گیا۔
"بھاتوت بہت مضبوط آدمی ہے۔" شکتی میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مگر پولیس کے پاس بھی زبان کھلوانے کے بہت طریقے ہیں ہمیں یہ کھولی فوراً چھوڑنی ہو گی۔"
"کہاں جاؤ گے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"یہاں سے باہر نکل کر سوچیں گے۔" شکتی نے جواب دیا۔
"میرے پاس ایک جگہ ہے۔ تم لوگ اپنی ضروری چیزیں سمیٹ کر تیار ہو جاؤ۔" میں نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔
مدھو ایک تھیلے میں اپنے کپڑے اور ضروری چیزیں بھرنے لگی شکتی نے بھی اپنی ایک دو چیزیں اس میں ڈال دیں اور ہم کھولی سے باہر آ گئے۔ مدھو نے تالا لگا کر چابی تھیلے میں ڈال لی۔
اس کھنڈر نما عمارت سے نکل کر ہم گلی میں تیز تیز ایک طرف چلنے لگے یہ اتفاق تھا کہ اس روز میں نے رتنا کے مکان کی چابی جیب میں رکھ لی تھی۔ اور اب میں انہیں اس طرف لے جا رہا تھا۔
میں راستہ بھٹک گیا جس کی وجہ سے اچھا خاصا وقت ضائع ہو گیا لیکن آخر کار ہم رتنا کے مکان والی گلی میں پہنچ گئے۔
میں نے جیب سے چابیوں کا رنگ نکال کر باہر والے دروازے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہونے کے بعد پہلے وہ دروازہ بند کیا پھر آگے بڑھ کر دوسرا دروازہ کھول دیا۔
مدھو بتیاں جلا کر مکان کا جائزہ لینے لگی۔ رتنا کے بیڈ روم میں بستر پر اس کے کپڑے بکھرے ہوئے تھے جنہیں مدھو سمیٹ کر ایک طرف رکھنے لگی۔
"یہ تمہارا مکان ہے گرو؟" اس نے کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"یہ مکان رتنا کا ہے اور یہ کپڑے بھی اس کے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ مدھو بستر جھاڑنے لگی یہ مکان کئی روز سے بند تھا اور ہر چیز پر گرد پڑی ہوئی تھی اس نے ایک میلے کپڑے سے کرسیاں بھی جھاڑ دیں۔
اس رات ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے شکتی کو بھاتوت کی فکر تھی یہ تو میں بھی دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن پولیس کی مار کے سامنے تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں اگر پولیس نے اس کی زبان کھلوا لی تو وہ سب کچھ اگل دے گا۔
یہ پریشانی مجھے بھی تھی اگر اس نے بتا دیا کہ ہم پیلس ہوٹل کے ہیڈ ویٹر ترلش کو اغوا کر کے لے گئے

تھے اور اس سے کیا کچھ معلوم کیا تھا تو بات صرف پولیس تک محدود نہیں رہے گی۔ ناگ راج اور بیلا کو بھی پتہ چل جائے گا کہ میں ان کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ وہ ہوشیار ہو جائیں گے اور اپنا ٹھکانہ بدل دیں گے۔

"راج محل کہاں ہے۔" میں نے شکتی سے پوچھا۔

"امید بھون سے ذرا آگے بہت بڑی عمارت ہے اندر سے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا باہر سے تو کوئی محل ہی لگتا ہے۔" شکتی نے جواب دیا۔

"کل ہمیں اس محل میں داخل ہونا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نے دیوان لودھے سنگھ کے بنگلے میں ان کی کچھ باتیں سنی تھیں جن سے پتہ چلا ہے کہ ناگ راج اور بیلا اس راج محل میں ہیں میں چاہتا ہوں کہ اب ان پر آخری اور کاری ضرب لگا دی جائے اگر وہ لوگ وہاں سے بھی نکل گئے تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"کل کا انتظار کیوں کیا جائے ..... آج ہی رات کیوں نہیں۔" شکتی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "آج پولیس دیوان لودھے سنگھ کے معاملے میں الجھی ہوئی ہے اگر ناگ راج وغیرہ کو پتہ چل بھی گیا ہو تو وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ ہم اتنی جلدی ان پر چڑھ دوڑیں گے۔"

"آج رات۔" میں نے کہا۔ "کیا تم تیار ہو؟"

"میں تو ہر وقت تیار رہتا ہوں تم لوگ انتظار کرو میں کسی سواری کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔" شکتی نے کہا اور وہ مکان سے چلا گیا۔

شکتی کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی دروازے کی گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنی تھی۔

وہ شکتی ہی تھا جو کسی کی گاڑی چرا کر لایا تھا۔ باہر نکل کر میں نے مکان کو تالا لگا دیا اور میں مدھو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آ گئی اور تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگی۔

سڑک کے دونوں طرف ڈھلان تھی جس نے سڑک بلاک کر رکھی تھی۔ ٹارچ کی سرخ روشنی سے کار کو رکنے کا اشارہ کیا جا رہا تھا "آگے پولیس ہے۔" شکتی بولا۔ "میں کار کی رفتار کم کر رہا ہوں تم دونوں نیچے اتر کر ٹیلوں میں نکل جاؤ۔" کار کی رفتار ہلکی ہوتے ہی پہلے میں نے دروازہ کھول کر چھلانگ لگائی اور پھر مدھو نے ہم ڈھلان پر جھاڑیوں میں لڑھکتے چلے گئے۔ میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں جھکے ہوئے تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگے۔ کار تقریباً سو گز آگے جا کر رک گئی تھی اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی پہلے کسی کے زور زور سے چلانے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد فضا گولی کی آواز سے گونج اٹھی اس کے ساتھ ہی چیخ کی آواز بھی سنائی دی۔

مدھو خوفزدہ ہو کر [illegible] سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"ادھر دیکھو [illegible] وہاں کار [illegible] فضا میں ایک بار پھر [illegible] آواز سنائی دی۔

[illegible]

"یہاں۔ اس طرف دیکھو جھاڑیوں میں۔" یہ بھاری آواز سڑک پر اس جگہ سے سنائی دی تھی جہاں ہم نے کار سے چھلانگ لگائی تھی۔

اور پھر جھاڑیوں میں ڈھلان پر دو تارچوں کی روشنیاں چمکتی ہوئی دکھائی دیں میں نے ادھر ادھر دیکھا دائیں طرف دو بڑے بڑے چٹانی پتھروں کے درمیان ایک تنگ سی دراز نظر آ رہی تھی پہلے میں نے مدھو کو اندر دھکیلا اور پھر خود اندر گھس گیا شروع میں وہ دراز بہت تنگ تھی ہم بمشکل اندر گھس سکے تھے لیکن آگے جا کر کافی کشادہ جگہ تھی ہم سائیڈ پر ہو کر پتھر سے چپک کر بیٹھ گئے میں نے دائیں ہاتھ میں پستول سنبھال لیا تھا۔

وہ لوگ ڈھلان سے آگے پتھروں میں آ گئے اور پھر ان کے قدموں کی آوازیں ہمارے بالکل قریب سنائی دینے لگیں۔ مدھو میرے ساتھ جڑی بیٹھی تھی اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں خوف کی شدت سے وہ چیخ نہ اٹھے۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا دیا۔ قدموں کی آوازیں ان پتھروں کے بالکل سامنے سنائی دینے لگیں اور پھر ٹارچ کی تیز روشنی دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

مدھو کسمسائی تو میں اس کے اوپر جھک گیا میرا ہاتھ اس کے منہ پر ہی چپک کر رہ گیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی رینگتی ہوئی دراز کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

تارچ کی

یہ غنیمت تھا کہ پتھروں کے درمیان وہ دراڑ باہر سے تنگ تھی اور ہم کسی طرح اپنے آپ کو اندر گھسیٹ چکے تھے مگر اندر سے کافی کشادہ ہوتی چلی گئی تھی اور ہم آرام میں تھے۔ باہر سے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جاتا تو ہم نظر نہیں آ سکتے تھے۔

تارچ کی روشنی پتھر پر پڑ رہی تھی اس کی بہت مدھم سی دھاب اندر بھی آئی تھی اور پھر وہ روشنی آہستہ آہستہ سرکنے لگی۔ میں نے نظریں ہٹا کر دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مدھو سمٹ کر میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی لیکن اس کا ایک پیر دراڑ کے عین سامنے پھیلا ہوا تھا اور دراڑ کے کنارے پر رینگتی ہوئی روشنی آہستہ آہستہ اندر آ رہی تھی۔ میں نے پستول والا ہاتھ آگے بڑھا کر مدھو کا پیر بڑی آہستگی سے پیچھے کھینچ لیا اور ٹھیک اسی وقت روشنی کی دھار اس جگہ سے ہوتی ہوئی دراڑ میں آگے تک چلی گئی تھی اس وقت میں نے مدھو کی طرف دیکھا۔ میں نے اس کا منہ سختی سے دبا رکھا تھا۔ اسے یقیناً سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی اور خوف سے اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔

مدھو مردمار قسم کی لڑکی تھی۔ وہ غنڈہ گردی اور دادا گیری کرتی تھی مگر حسن و شباب کے بل بوتے پر غنڈہ گردی کرنا اور بات تھی اور حقیقی خطرے کا سامنا کرنا دوسری بات۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہادر اور حوصلہ مند لڑکی تھی وہ کئی مرتبہ شکتی کے ساتھ خطرناک حالات سے گزر چکی تھی۔ گزشتہ رات پریم پہاڑی پر بھی اس نے بڑے حوصلے کا ثبوت دیا تھا، لیکن اس وقت صورتحال کچھ اور تھی۔ نہایت نازک اور سنگین۔ ہم اس وقت ایک ایسے بل میں تھے جہاں اگر ہمیں دیکھ لیا جاتا تو آٹومیٹک رائفل کا ایک ہی برسٹ ہماری زندگیوں کا خاتمہ کر دیتا اور ہمیں اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی مہلت بھی نہ ملتی۔

روشنی اب اس دراڑ کے باہر مختلف سمتوں میں رینگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ قدموں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ان کے پیروں کے نیچے آنے والے چھوٹے چھوٹے پتھر لڑھک رہے تھے۔ سناٹے میں ان کے قدموں کی اور پتھروں کے لڑھکنے کی آواز بھی بڑا خوفناک تاثر پیدا کر رہی تھیں۔

وہ ہم سے تقریباً دس بارہ گز دور جا چکے تھے۔ مدھو اب بھی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔

''سنو مدھو'' میں نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر بہت ہلکی سرگوشی کی۔ ''میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں۔ اپنے حواس پر قابو رکھنا۔ تمہارے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلنی چاہیے۔''

''میں نے آہستگی سے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ مدھو کے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکلا

جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو وہ چند لمحے میرے ساتھ لپٹی رہی پھر الگ ہو گئی۔

قدموں کی آوازیں اب خاصی دور چلی گئی تھیں۔ میں رینگتا ہوا دراڑ کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دراڑ واقعی بہت تنگ تھی۔ میری کمر اور سینہ دب رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ہم پلک جھپکنے کی دیر میں اس میں داخل کیسے ہو گئے تھے لیکن پھر خیال آیا کہ موت کا خوف بعض اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ذہنوں پر بھی موت کا خوف سوار تھا۔ اس دراڑ میں گھستے ہوئے بھی سینے اور کمر پر دباؤ پڑا ہو گا مگر اس کا احساس نہیں ہوا تھا اور اب جبکہ موت کا خوف کسی حد تک زائل ہو گیا تھا تو بہت معمولی سی تکلیف بھی پوری شدت سے اپنا احساس دلانے لگی تھی۔

میں نے دراڑ سے باہر نکل کر زمین سے اٹھے بغیر ادھر ادھر دیکھا تقریباً پچیس گز آگے وہ مختلف سمتوں میں ٹارچ کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس طرف کوئی نہیں تھا میں نے دراڑ کی طرف منہ کر کے سرگوشی کی۔

''آؤ...... مدھو...... باہر آ جاؤ۔''

اندر مدھو کے رینگنے کی آوازیں سنائی دیں اور پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے وہ کراہ رہی ہو۔

''کیا ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ دراڑ تنگ ہو گئی ہے شاید مجھ سے نہیں نکلا جا رہا۔ پھنس گئی ہوں۔'' مدھو نے کراہتے ہوئے جواب دیا اس کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

''دراڑ تنگ نہیں ہو گئی تم سیدھی آنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ذرا آڑی ہو کر نکلو۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آڑی تو ہوں۔'' مدھو نے جواب دیا۔

میں اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ مدھو جیسے چکی کے دو پاٹوں میں پھنس گئی تھی لیکن بہرحال وہ باہر آنے میں کامیاب ہو گئی وہ گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی ایک ہاتھ سے اپنا سینہ سہلانے لگی۔

''وہ لوگ اس طرف ہیں۔'' میں نے اشارے سے بتایا۔ ''ہمیں اس طرف سے نکلنا ہو گا ان پتھروں کے پیچھے۔''

''شکتی کہاں ہے؟''

''مدھو کا یہ سوال سن کر میں کانپ اٹھا۔ ہمارے چھلانگ لگانے کے بعد تقریباً سو گز آگے جب کار رکی تھی تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد گولی چلنے اور کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی، گولی کس پر چلائی گئی تھی اور وہ چیخ کس کی تھی؟ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا لیکن بہرحال ایک بات طے تھی کہ اگر وہ زندہ تھا تو پولیس کے شکنجے میں جکڑا جا چکا تھا۔

''باتوں کا وقت نہیں ہے۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''یہاں سے نکلو تو بعد میں شکتی کے بارے میں سوچیں گے۔''

''مدھو اس مرتبہ خاموش رہی ہم ان دونوں چٹانی پتھروں کے پیچھے آ چکے تھے۔ دوسری طرف ذرا

سا نشیب تھا اور پھر ایک ٹیلے کی چڑھائی تھی۔ اس ٹیلے پر بھی جا بجا بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اوپر ایک چٹانی پتھر کے قریب پہنچے تو ایک پتھر مدھو کے پیر کے نیچے سے کھسک گیا۔ اس کے ساتھ ہی مدھو کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اگر میں فوراً ہی اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو وہ ڈھلان پر لڑھک جاتی۔

وہ پتھر حجم میں دو اینٹوں کے برابر تھا جو ڈھلان پر لڑھکتا ہوا دوسرے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو بھی ساتھ لے جا رہا تھا۔ مدھو کی چیخ اور پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی۔

"وہ اس طرف۔" ایک بھاری آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔ "بھاگو وہ اس طرف ہے۔"

"وہ تو کسی چھوکریا کی چیخ تھی حکم۔" ایک اور آواز میرے کان سے ٹکرائی۔

"ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو بھاگ۔" پہلی آواز نے کہا۔ یہ دونوں آوازیں ہم سے تقریباً ستر اسی گز کے فاصلے پر تھیں۔ میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑا اور ٹیلے پر تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگا۔ ہمارے حق میں ایک اچھی بات یہ تھی کہ ان ٹیلوں پر جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے اور ہم ان کی آڑ لے کر دوڑ رہے تھے۔

دفعتاً فائر کی ایک آواز گونجی اور مدھو کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر لڑکھڑائی مگر میں نے اسے فوراً سنبھال لیا۔ مدھو بری طرح کانپ رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اسے لے کر ایک بڑے پتھر کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ مدھو پتھر سے ٹیک لگا کر اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے پتھر کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تقریباً چالیس گز کے فاصلہ پر ایک آدمی ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں اس کی شکل تو ظاہر ہے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی ٹارچ کی روشنی کے پس منظر میں وہ خاصا طویل لگ رہا تھا۔ یا تو وہ احمق تھا کہ اس نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی یا اسے یقین تھا کہ وہ صرف اس چھوکریا کے پیچھے جا رہا ہے جس کی چیخ سنی گئی تھی اور ظاہر ہے اسے یہ یقین بھی رہا ہوگا کہ وہ چھوکریا غیر مسلح ہے اور اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہی ہے۔

میں نے پستول والا ہاتھ آگے نکال لیا اور نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا فائر کی آواز اور اس کے ساتھ ہی سناٹے میں اس آدمی کی چیخ بھی گونج گئی تھی۔ گولی غالباً اس کی ٹانگ میں لگی تھی وہ نیچے گر گیا ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لڑھکتی ہوئی دور جا کر رک گئی وہ ابھی تک جل رہی تھی اور اس کی روشنی مخالف سمت میں تھی۔

میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑا اور ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ وہ چھوکریا اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جو مسلح تھا اب وہ پہلے کی طرح بے دھڑک ہو کر ہمارے پیچھے نہیں آ سکیں گے [illegible] گیا ہمارے لیے مہلت تھی اور میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ ٹیلوں پر [illegible] مجھے چند سیکنڈ کے لیے رکنا پڑا۔

[illegible]

یہ اسی طرح محتاط ہو جانے سے ہمیں وہاں سے دور نکلنے کا موقع مل گیا۔

اگرچہ ابھی تک ہم لوگ خطرے کی حدود سے نہیں نکلے تھے لیکن میرے خیال میں اب ہمیں اس طرح بھاگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مدھو کی وجہ سے چند سیکنڈ رکنا پڑا اور پھر ہم تیز تیز چلنے لگے میں نے اب بھی مدھو کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

آخر کار ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں نشیب میں شہر کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ میں ان روشنیوں کی طرف دیکھتے ہوئے اندازہ لگانے لگا کہ ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں اور آخر کار ہوٹل ہلٹن کا نیون سائن دیکھ کر میں کچھ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

شکتی جب ہمیں لے کر روانہ ہوا تھا تو امید بھون تک پہنچنے کے لیے ہمیں شہر کے بعض بارونق علاقوں میں سے گزرنا پڑا تھا جبکہ دیوان اودے سنگھ کے بنگلے پر حملے اور بھاوت کے پکڑے جانے کے بعد شہر میں جگہ جگہ چیکنگ شروع ہو گئی تھی۔ دیوان اودے سنگھ غالباً بہت زیادہ بااثر آدمی تھا اس کے فون کرنے پر پولیس کی پوری مشینری حرکت میں آ گئی تھی جس کے نتیجے میں بھاوت پکڑا گیا تھا اور بھی بہت سے لوگ گرفت میں آئے ہوں گے۔

شکتی بھی ہمیں لینے کے بعد شہر کی طرف سے اس لیے نہیں نکلا تھا کہ کہیں دھر نہ لیے جائیں وہ کار کو شہر کے نواح میں پہاڑیوں کے بیچ اس سڑک پر لے آیا تھا جو آگے جا کر احمد آباد کی طرف جانے والی سڑک سے جا ملتی تھی لیکن اس سے پہلے وہ موڑ تھا یہاں سے ایک سڑک امید بھون کی طرف جاتی تھی۔ شکتی اس طرف سے جانا چاہتا تھا لیکن اس موڑ پر پولیس پارٹی کھڑی تھی۔ شکتی نے عقلمندی کی تھی کہ کار کی رفتار ہلکی کر کے ہمیں اترنے کا موقع دے دیا تھا اور خود سیدھا پولیس کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔

وہاں ایک گولی چلی تھی اور کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی۔ یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گولی کس نے چلائی تھی اور چیخا کون تھا بہرحال یہ طے شدہ بات تھی کہ اگر وہ زندہ پولیس کے ہاتھ آیا تھا تو بھی اس کا پھر اسے بچانا بہت مشکل تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ میں بھاگ نہیں جاؤں گی۔"

مدھو کی آواز سن کر میرے خیال منتشر ہو گئے۔ مدھو کے منہ سے پہلی بار آواز نکلی تھی اور وہ نارمل لگ رہی تھی اب اس کی سانس بھی معمول کے مطابق تھی۔

"بھاگ تو نہیں جاؤ گی لیکن کہیں گر پڑو گی تمہیں لڑکھڑانے کی عادت پڑ گئی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم جو ہو میرے ساتھ مجھے سنبھالنے والے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دو۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "[illegible] ہوٹل کا نیون سائن نظر آ رہا ہے ہمیں اس ہوٹل کے دوسری طرف جانا ہے وہاں سے میں راستہ [illegible]"

[illegible]

"اب ہم اس مکان کا رخ نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ اس کی چابیاں کا رنگ بھاگ دوڑ میں کہیں گر گیا ہے اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ شکتی پولیس کی حراست میں ہے ہو سکتا ہے وہ پولیس کو اس مکان کے بارے میں بتا دے اس لیے وہاں جانا اب خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"شکتی بہت مضبوط ہے وہ جان دے دے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔" مدھو نے کہا۔ "بالکل یہی الفاظ شکتی نے بھاونت کے بارے میں کہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس نے زبان کھول دی جس کی وجہ سے ہمیں اس کھولی سے بھاگنا پڑا نہیں مدھو میں کوئی رسک لینے کو تیار نہیں ہوں۔"

"میرے اندر چلنے کی سکت نہیں رہی لیکن ہم رات یہاں نہیں گزار سکتے۔ چلو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" مدھو نے کہا۔

ہم ٹیلوں سے اتر کر نشیب میں چلنے لگے۔ تقریباً نصف میل آگے آبادی شروع ہو گئی۔ ہم محتاط انداز میں اندھیری سڑکوں پر چلتے رہے۔ آدھی رات بیت چکی تھی اس علاقے کی سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ یہاں رہتے ہوئے میں راستوں سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ جشن ہوٹل سے بہت دور میں نے راستہ بدل دیا اب ہمارا رخ کرشن مجوبن کی طرف تھا۔ جنت بھیرو کا بنگلہ اسی علاقے میں تھا۔

اس وقت ہم کشادہ سڑک کو پار کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے آنے والی ایک کار قریب سے گزری تو ہم پوری طرح روشنی میں نہا گئے میں نے مدھو کے کان میں سرگوشی کی اور اس طرح لڑکھڑا کر چلنے لگا جیسے شراب کے نشے میں دھت ہوں مدھو نے مجھے سنبھال رکھا تھا۔

وہ کار ہمارے قریب سے گزر گئی چند گز آگے جا کر رکی اور پھر ریورس گیئر میں پیچھے آتی ہوئی ہمارے قریب رک گئی۔ کار میں ایک ہی آدمی تھا جو اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کھڑکی سے گردن نکال کر مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کس شرابی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ آؤ کار میں بیٹھو میں تمہیں پہنچا دوں گا۔"

"یہ میرا پتی ہے جیادہ چڑھا گیا ہے۔" مدھو نے جواب دیا۔

"اسے کہیں سڑک پر ڈال دو ہوش آئے گا تو خود ہی گھر پہنچ جائے گا تم کار میں آ جاؤ سندری" اس شخص نے کہا۔

اور سندری نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لیا ساتھ ہی اس کے منہ سے گالیاں نکلنے لگیں وہ شخص بدحواس ہو گیا اور پھر اسے بھاگنے ہی میں خیریت نظر آئی تھی۔

"بھاگ گیا..... سالا حرامی۔" مدھو مخصوص انداز میں بڑبڑائی۔

کار کافی دور جا چکی تھی ہم تیزی سے سڑک پار کر کے دوسری طرف پہنچ گئے اور پھر بنگلے تک پہنچنے میں ہمیں مزید ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔

راستے میں ہم شکتی کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ مدھو بار بار شکتی کے بارے میں اس یقین کا اظہار کر رہی تھی کہ وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔

"تم شکتی کو کب سے جانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہماری دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے لیکن میں نے اسے سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔"

مدھو نے جواب دیا۔ "میں چہرے ہی سے کسی کے بارے میں بہت کچھ جان لیتی ہوں اور میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔"

"میرے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم تو دنیا میں سب سے نرالے ہو۔" مدھو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہر شخص میں کہیں نہ کہیں کوئی لچک ہوتی ہے لیکن تم بے لوچ ہو۔ عورت تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے اور عورت وہ ہستی ہے جو کسی بھی مرد کو ناک سے لکیریں نکلوانے پر مجبور کر سکتی ہے مگر تم ان مردوں سے مختلف ہو عورت کو اپنی کمزوری بنا لینے کے باوجود تم نے اسے اپنی مجبوری نہیں بنایا کیونکہ تمہیں عورت کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود تمہارے پیچھے آتی ہے۔ تمہارے اندر کوئی ایسی پراسرار کشش ہے کہ کوئی بھی عورت پہلی ہی ملاقات میں تمہارے بارے میں وہ سب کچھ سوچنے لگتی ہے جو ایک جوان عورت کو سوچنا چاہیے اور تم اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہو میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ تم سے ملاقات کے بعد کوئی عورت اپنا دامن نہیں بچا سکی ہوگی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مدھو کا تجزیہ بالکل درست تھا۔ اس نے عورت کے بارے میں مجھے سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ میرے قریب آنے والی کوئی عورت اپنا دامن نہیں بچا سکی تھی۔

"اور کیا جانتی ہو میرے بارے میں؟" میں نے پوچھا۔

"تم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے انتہا تک جا سکتے ہو اور تمہیں اس بات کی پروا بھی نہیں ہوتی کہ تمہیں اپنی کامیابی کے لیے کتنے آدمیوں کی قربانی دینی پڑتی ہے اور تم دوسروں سے کام لینا بھی خوب جانتے ہو۔" مدھو نے جواب دیا۔

میرے بارے میں مدھو کا یہ تجزیہ بھی بالکل درست تھا۔ اس سے میری اگرچہ زیادہ ملاقاتیں نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے میرے اندر تک جھانک لیا تھا۔ تاہم مدھو ابھی تک یہ نہیں جانتی تھی کہ میں یہ لڑائی کیوں لڑ رہا ہوں اور میرا اصل مقصد کیا تھا۔ شکتی نے اسے یہی بتایا تھا کہ ہم ناگ راج کے خلاف لڑ رہے ہیں اور ناگ راج کے بارے میں سب ہی لوگ جانتے تھے کہ اسے موت کے گھاٹ اتارنا بہتوں کا خواب ہے۔

ہم باتیں کرتے ہوئے بھیرو والے بنگلے کے گیٹ پر پہنچ گئے تھے میں نے انٹرکام والا بٹن دبا دیا اس وقت ایک بجنے والا تھا۔ رتنا کو معلوم تھا کہ میں اس کے مکان کی چابی لے گیا ہوں ہو سکتا ہے وہ بھی سمجھ رہی ہو کہ میں وہاں چلا گیا ہوں گا اور اس وقت وہ دونوں سو رہی ہوں گی مگر جب دوسری مرتبہ بٹن دبایا تو انٹرکام ڈیوائس کے ننھے سے اسپیکر پر نسوانی آواز سنائی دی تھی۔

میری آواز سن کر وہ مطمئن ہو گئی۔ اس کا اطمینان اس طرح بھی ہو گیا ہو گا کہ اس نے اندر انٹرکام کے قریب ہی لگی ہوئی ایک چھوٹی سی اسکرین پر میری صورت بھی دیکھ لی ہو گی۔ بھیرو نے بنگلے کی حفاظت کا بہت عمدہ انتظام کر رکھا تھا۔ گیٹ کے تین فٹ باہر کی طرف فرش باقی حصے سے بالکل مختلف تھا۔ تین فٹ کے اس حصے پر کہیں بھی قدم رکھتے ہی گیٹ پر نصب خفیہ کیمرہ آن ہو جاتا تھا اور اندر انٹرکام کے قریب

سکرین پر اور بھیرو کے کنٹرول روم میں ٹی وی پر گیٹ کے آس پاس کا منظر ابھر آتا تھا۔
کلک کی ہلکی سی آواز ابھری اور گیٹ کھل گیا۔ میں مدھو کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اور چند گز آگے بڑھ کر مدھو نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو گیٹ بند ہو چکا تھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" مدھو نے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ میں لوگوں کو مسخر کر لینے کی قوت رکھتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ بنگلہ بھی ایک ایسے ہی آدمی کا ہے جسے میں اپنی اس پراسرار قوت سے مسخر کر چکا ہوں۔ پنڈت بھیرو نام ہے اس کا۔"

"اوہ۔" مدھو کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"ظاہر ہے یہ نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ شکتی کے ساتھ رہتے ہوئے وہ بھیرو کے بارے میں بھی بہت کچھ جان چکی تھی۔

"یہ آمدے والا دروازہ ہمیں کھلا ہوا ملا اندر کی طرف سحرا کھڑی تھی اس نے سکرین پر گیٹ کے سامنے مدھو کو میرے ساتھ دیکھا ہوگا اور اب اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔

سحرا نے مدھو کا نام تو ضرور سنا تھا مگر اس سے ملاقات پہلی بار ہو رہی تھی۔

"یہ مدھو ہے۔" میں نے تعارف کرایا تو سحرا مسکرا دی تھی۔ "رتنا کہاں ہے؟" میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ تو سو گئی۔" سحرا نے جواب دیا۔ "جگا دوں؟"

"نہیں رہنے دو۔" میں نے کہا۔ "تم ہمارے لیے کافی یا چائے بنا دو آج تو سمجھو کہ ہم موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔"

"میں پہلے چائے بنا لاؤں پھر تفصیل پوچھوں گی۔" سحرا کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

میں مدھو کے ساتھ ہال میں بیٹھ گیا۔ مدھو بڑی نڈھال سی لگ رہی تھی ہم ایک خوفناک مرحلے سے گزرے تھے۔ ٹیلوں پر بھاگتے ہوئے وہ بار بار ہانپ جاتی تھی اور پورا شہر ناپتے ہوئے آئے تھے۔ وہ یقیناً تھک گئی تھی اور میری حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔

سحرا کافی بنا کر لے آئی اس نے ایک ایک کپ ہمارے سامنے رکھ دیا اور تیسرا خود لے لیا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا قصہ ہے؟" وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

میں نے گرم گرم کافی کی ایک دو چسکیاں لیں اور پھر اسے بتانے لگا کہ ہم پر کیا بیتی تھی۔

"تمہارے خیال میں شکتی زبان بند رکھے گا؟" میرے خاموش ہونے پر سحرا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ویسے تو شکتی بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔" میں نے جواب دیا۔

باتیں کرتے ہوئے میں نے مدھو کی طرف دیکھا۔ کافی کا کپ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اونگھ رہی تھی۔ سحرا نے بھی اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ سے کافی کا کپ لے لیا۔ مدھو نے آنکھیں کھول دیں۔

"اس کمرے میں جا کر سو جاؤ تمہیں نیند آ رہی ہے۔" سحرا نے کہا۔

"ہاں.....آ..... اچھا۔" مدھو بڑبڑائی مگر اٹھنے کے بجائے صوفے پر ہی لیٹ گئی۔

سحرا نے میری طرف دیکھا۔ "چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔ "تھکن سے تو میرا بھی برا حال ہو رہا ہے۔"

"تو پھر تم بھی سو جاؤ نا۔ باتیں صبح ہو جائیں گی۔" سحرا نے کہا۔

سحرا ٹھیک کہہ رہی تھی تیز اسٹرانگ کافی پینے کے باوجود میرے لیے آنکھیں کھلی رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں اٹھ کر کمرے میں آ گیا اور بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں اگلے روز دوپہر تک سوتا رہا جب بیدار ہوا تو جسم ٹوٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد میں دیر تک بستر پر پڑا رہا اور پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ پانی اگرچہ برف کی طرح ٹھنڈا تھا مگر ایک شاور کے نیچے کھڑا رہا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ساری کسلمندی دور ہو گئی۔

سحرا رتنا اور مدھو ہال کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تم زندہ ہو!" رتنا میری طرف دیکھ کر بولی۔ "کئی مرتبہ تمہیں جگانے کی کوشش کی اس طرح جھنجھوڑا کہ مردہ بھی آنکھیں کھول دیتا لیکن تم تو مردوں سے بھی بازی لے گئے۔"

"اس وقت بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی ہے میں اور کوئی بات نہیں سنوں گا اگر پانچ منٹ کے اندر مجھے کھانے کو نہ ملا تو تم تینوں میں سے کسی ایک کو کھا جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

سحرا قہقہہ لگاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی اور پھر واقعی پانچ منٹ کے اندر اندر میرے سامنے ناشتہ لگا ہوا تھا۔ اسی دوران بھیرو بھی آ گیا۔ اس وقت وہ خاصا چاق و چوبند اور ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ میں اس کی یہ کیفیت دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا اس سے پہلے تو وہ بے حد مایوسی کا شکار تھا وہ میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بہت خوش ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تمہارے ذہن پر جو بوجھ تھا وہ ہٹ چکا ہے اور تم خاصے مطمئن نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں... اب مجھے کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" بھیرو نے جواب دیا۔

"میں نے ایک آدمی کا بندوبست کر لیا ہے جو مجھے ناگ راج سے دور رکھے گا اور میری رکھشا کرے گا۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔" میں اس کی بات پر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "لیکن بہرحال وہ شخص کون ہے اور تمہارا اس سے رابطہ کیسے ہوا؟"

"وہ بہت عرصہ پہلے میرے پاس آیا کرتا تھا۔ اسے بھی ناگ راج سے شدید نفرت ہے اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔" بھیرو نے جواب دیا۔

"وہ ہے کون؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بدھان اور وہ ہے سنگھ۔" بھیرو نے جواب دیا۔

میں اچھل پڑا۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا!" میں نے اسے گھورا۔ "میں تمہیں بچانے کی

کوشش کر رہا ہوں اور تم خود موت کے کنویں میں چھلانگ لگا رہے ہو۔"

"دیوان اودھے سنگھ قابل اعتماد آدمی ہے وہ مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔" بھیرو نے کہا۔

"اس وقت ہر وہ شخص تمہارا دشمن ہے جسے تمہاری دولت کے بارے میں علم ہے۔" میں نے کہا۔ "دیوان اودھے سنگھ بھی دوسروں کی طرح تمہاری دولت اڑانے کا منصوبہ بنا رہا ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے امرت ٹھاکرے جیسے شخص کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔"

"کیا.....؟" بھیرو کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"میرا خیال ہے گمرا نے تمہیں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔" میں نے کہا۔

"نہیں.....کوئی خاص بات؟" بھیرو بولا۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں اسے کل رات کے واقعات کے بارے میں بتانے لگا۔ "کل رات میں نے خود دیوان اودھے سنگھ کی باتیں سنی ہیں۔ وہ نہ صرف رنجنی نامی کسی خوبصورت لڑکی کے ذریعے ناگ راج کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ اس کا منصوبہ یہ ہے کہ ٹھاکرے کے ذریعے تم پر قابو پا لے اور پھر ٹھاکرے کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، لیکن لگتا ہے اب اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی تم نے اس کی یہ مشکل خود ہی حل کر دی ہے اور تمہاری باتوں سے میں اس نتیجے پر بھی پہنچا ہوں کہ تمہیں اب میری ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں میں بھی یہاں رہنا پسند نہیں کروں گا میں رتنا اور مدھو کو لے کر آج شام ہی کو یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تم نہیں جا سکتے یہاں سے۔" بھیرو نے مخصوص لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ "ایک تم ہی تو ہو جس پر میں آنکھیں بند کر کے وشواش کر سکتا ہوں تم نہ ہوتے تو ناگ راج اب تک مجھے ٹھکانے لگا چکا ہوتا میری ہی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے کہ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے تم پر وشواش نہیں رہا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "دراصل آدمی جب حد سے زیادہ مایوس ہو جاتا ہے تو اس سے نادانی میں ایسی ہی حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں مگر اس وقت تم نے مجھے ایک بار پھر بچا لیا۔"

"تم نے اودھے سنگھ سے رابطہ کیسے کیا تھا۔ فون پر؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مگر بھگوان کا شکر ہے کہ میں نے اسے اپنا پتہ نہیں بتایا تھا اور یہ کہا تھا کہ دوبارہ اس سے بات کروں گا۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا میں دراصل یہی جاننا چاہتا تھا کہ اس نے اودھے سنگھ کو یہاں آنے کی دعوت تو نہیں دے دی تھی۔

"مگر تم دیوان تک کیسے پہنچ گئے؟" بھیرو نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"تم تو کئی دن سے شراب کے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے جبکہ ایسی صورتحال میں مدہوش نہیں ہوش میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے ڈاکٹر شانتا سے ملاقات سے لے کر آخر تک سب کچھ بتا دیا۔ "بیلا نے کہا تھا کہ اگر مجھے اس کی پیشکش قبول ہو تو میں پیلس ہوٹل کے ہیڈ ویٹر نریش سے رابطہ کروں۔ وہ مجھے دیوان اودھے سنگھ تک پہنچا دیتا اور اودھے سنگھ مجھے بیلا یا ناگ راج کے سامنے لے

جاتا.....لیکن میں اپنے طور پر ناگ راج تک پہنچنا چاہتا تھا۔ نریش سے دیوان اودھے سنگھ کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد میں اور مکھی گزشتہ رات نو بجے اس کے بنگلے پر پہنچ گئے اور وہاں مجھے ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا۔ ان کی باتوں سے مجھے یہ پتہ چل گیا کہ ناگ راج اور بیلا کہاں ہیں اور دوسرے یہ انکشاف بھی ہوا کہ تمہاری دولت نے ان میں پھوٹ ڈال دی ہے ناگ راج سے ان کی وفاداریاں مشکوک ہو چکی ہیں ہر شخص تمہاری دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ ناگ راج جیسے شخص کو بھی دھوکہ دینے کو تیار ہے۔"

"بیلا اور ناگ راج کہاں ہیں؟" بھیرو نے پوچھا۔

"رانا پیلس میں۔" میں نے جواب دیا۔ "کل رات میں مدھو اور مکھی اس طرف جا رہے تھے کہ راستے میں پولیس سے ٹکراؤ ہو گیا میں اور مدھو تو بچ نکلے مگر مکھی پولیس کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ مجھے اس کی فکر ہے۔"

"رانا پیلس۔" بھیرو کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "یہ ٹھاکر شیر سنگھ کا محل ہے، لیکن وہ خود آج کل یہاں نہیں ہے بیلا اور ناگ راج نے چھپنے کے لیے اس مرتبہ بہترین جگہ تلاش کی ہے۔ رانا پیلس میں کسی اجنبی کے لیے داخل ہونا آسان نہیں ہے۔"

"لیکن میں آج رات وہاں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" بھیرو نے مجھے گھورا۔

"یہی سمجھ لو۔" میں مسکرا دیا۔ "ناگ راج کو اب میں زیادہ مہلت نہیں دینا چاہتا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو میری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔"

"سوچ لو۔" بھیرو نے کہا۔ "رانا پیلس بہت خطرناک جگہ ہے اول تو کسی اجنبی کے لیے وہاں داخل ہونا ہی ممکن نہیں اگر وہ داخل ہو بھی جائے تو زندہ واپس نہیں آ سکتا۔"

"میں وہاں جاؤں گا اور زندہ واپس آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔" بھیرو نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گا کہ وہ تمہاری رکھشا کرے مگر بھگوان ہر جگہ تو نہیں ہوتا اس لیے۔"

"میں تمہارے بھگوان کے بھروسے پر نہیں اپنے اللہ کے بھروسے پر جاؤں گا اور ہمارا خدا تمہارے بھگوان کی طرح نہیں کہ کسی جگہ ساتھ دینے سے انکار کر دے ہمارا خدا ہر جگہ موجود ہے۔ آسمانوں پر بھی اور سمندر کی گہرائیوں میں بھی مجھے اس کی ذات پر کامل بھروسہ ہے۔"

بھیرو کچھ کہنے کے بجائے گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ پھر میں نے ہی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کل رات ہم رانا پیلس ہی کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں پولیس کی وجہ سے گڑبڑ ہو گئی۔ مجھے ذرا اس کی لوکیشن سمجھا دو امید بھون سے کس طرف جانا ہو گا۔"

"تمہیں تلاش کرنے یا کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" بھیرو نے کہا۔ "امید بھون سے تقریباً دو سو گز آگے مین روڈ کے ساتھ ایک دیوار شروع ہو جاتی ہے وہ دیوار رانا پیلس ہی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آگے چلتے رہنا سو گز آگے جا کر گیٹ ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ ایک بار پھر سوچ

لو۔"

"اب سوچنے کا نہیں عمل کرنے کا وقت ہے بھیرو۔" میں نے جواب دیا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہم تو یہاں بیٹھے سوچتے رہیں اور وہ اپنا کام کر گزرے۔" بھیرو اس بار بھی خاموش رہا۔

میں کئی مرتبہ امید بھون اور اس سے آگے اس فصیل کے سامنے سے گزرا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہی رانا پیلس ہے۔ وہ فصیل اتنی اونچی تھی کہ اس کے اندر پیلس کی عمارت باہر سے نظر نہیں آتی تھی۔ گیٹ بہت بڑا اور دوہرا تھا تقریباً تیس فٹ لمبا۔ گیٹ اس کے آگے دو بڑے بڑے پلرز اور اس سے آگے پھر تیس فٹ لمبا گیٹ۔ میں نے کبھی یہ گیٹ بھی کھلا ہوا نہیں دیکھا تھا اور مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کے اندر میرے لیے کیا ہو سکتا تھا۔

رنجنا کو میں کسی وجہ سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ گزشتہ رات کے خوفناک تجربے کے بعد بھی مدھو میرے ساتھ جانے کو تیار تھی اور صحرا ابھی ہماری مدد کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ اس نے وہ علاقہ دیکھا ہوا تھا، وہ مجھے بتا رہی تھی کہ کس طرف سے پیلس میں داخل ہونا مناسب رہے گا۔

"شمشیر سنگھ آج کل پیلس میں نہیں ہے۔ وہ اپنی فیملی کو لے کر جے پور گیا ہوا ہے۔" صحرا بتا رہی تھی۔ "جب شمشیر سنگھ یہاں ہوتا ہے تو پیلس میں بڑی رونق ہوتی ہے لیکن جب وہ دو مہینوں کے لیے جے پور چلا جاتا ہے تو یہاں دو چار نوکروں کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا اندر۔ یہ پیلس بہت وسیع و عریض ہے۔ گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی تمہیں احساس ہوگا کہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے ہو۔ وسیع و عریض لان، حوض، سوئمنگ پول، شاندار برآمدے اور راہداریاں ایسی چیزیں تم نے صرف قصوں ہی میں دیکھی ہوں گی۔"

"تم تو ایسے بتا رہی ہو جیسے اندر سے بھی اس پیلس کو اچھی طرح دیکھا ہوا ہو!" میں نے اسے گھورا۔

"کئی سال پہلے ایک مرتبہ اندر جانے کا موقع ملا تھا۔" صحرا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور آج سے تین سال پہلے ایک مرتبہ اور ایسا چانس ملا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "پہلی مرتبہ میں اس وقت یہاں آئی تھی جب جے پور کالج میں فرسٹ ایئر کی سٹوڈنٹ تھی۔ میں کالج گروپ کے ساتھ ماؤنٹ ابو آئی تھی۔ اس وقت ہمیں بہت سی دوسری تاریخی عمارتوں کے علاوہ رانا پیلس کی سیر بھی کرائی گئی تھی اور دوسری مرتبہ۔"

"اور دوسری مرتبہ.....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دوسری مرتبہ میں رقاصاؤں کے ایک طائفے میں شامل تھی۔" صحرا نے جواب دیا۔ "جے پور کی میرا بائی کو مجرے کے لیے بلایا گیا تھا۔ وہ چند دوسری لڑکیوں کی طرح مجھے بھی ساتھ لے آئی تھی۔"

"میرے لیے حیرت کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "پہلی مرتبہ تم سٹوڈنٹ کی حیثیت سے یہاں آئی تھیں اور دوسری مرتبہ رقاصہ کی حیثیت سے۔ یہ فرق۔"

"کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ میں جے پور میں میرا بائی سے رقص بھی سیکھ رہی تھی۔" صحرا نے جواب دیا۔ "جب میں میرا بائی کے ساتھ یہاں آئی تھی تو اس وقت میں ایف اے کر چکی تھی۔ رانا پیلس میں مجرے کے دوسرے دن میں نے اچانک شیو مندر میں بھی رقص کا مظاہرہ کیا۔ رگھو جی کو میرا رقص اتنا پسند آیا کہ انہوں نے مجھے مندر میں روک لیا اور اس وقت سے میں ان کے چرنوں میں ہوں۔" وہ

خاموش ہو کر بھیرو کی طرف دیکھنے لگی۔

"رگھو جی کو رقص پسند آیا تھا یا تمہاری جوانی اور سندرتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" بھیرو بیچ میں بول پڑا۔ "تم اس کی جوانی اور سندرتا تو دیکھ ہی چکے ہو رقص بھی دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔"

"اپنے کام سے فارغ ہو لیں تو ضرور دیکھیں گے۔" میں نے جواب دیا اور ایک بار پھر اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ "تو ہمیں کتنے بجے یہاں سے روانہ ہونا ہے۔"

"ہم گیارہ بجے چلیں گے۔" صحرا نے کہا۔ "میں تم لوگوں کو پیلس کے سامنے اتار کر ایک مقررہ جگہ پر انتظار کروں گی۔ پیلس کے سامنے اترنے سے پہلے تمہیں وہ جگہ بھی دکھا دوں گی تاکہ وہاں پہنچنے میں مشکل نہ ہو۔" صحرا آخری مرتبہ تین سال پہلے رانا پیلس گئی تھی ظاہر ہے اسے سب کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ وہ تفصیل سے گھوم بھی نہیں سکی تھی انہیں پیلس کے ایک حصے تک محدود رکھا گیا تھا لیکن اسے بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئی تھیں، جو میرے لیے مددگار ثابت ہو سکتی تھیں۔

ہم ٹھیک گیارہ بجے تیار ہو کر فیاٹ پر اس بنگلے سے نکلے۔ ہم نے گہرے رنگ کے کپڑے پہنے تھے تاکہ تاریکی میں نمایاں نہ ہو سکیں۔ میں نے کاراکوف رائفل لباس کے اندر چھپا لی تھی۔ ایک خنجر بھی لباس میں چھپا لیا تھا۔ مدھو نے بھی پستول رکھ لیا تھا۔

مدھو پچھلی سیٹ پر بیٹھی اور میں صحرا کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار بنگلے سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی امید بھون کی طرف نکل آئی۔

رانا پیلس کی دیوار سڑک کے ساتھ ساتھ ایک میل تک چلی گئی تھی۔ دوسری طرف بھی دیوار کی حالت اتنی ہی تھی۔ چاروں طرف ایک میل تک پھیلی ہوئی چار دیواری سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اندر سے پیلس کتنا وسیع اور کتنا شاندار ہو گا۔

چاروں طرف چکر لگانے کے بعد ہم مین گیٹ والی سڑک پر نکل آئے۔ گیٹ سے تقریباً ڈیڑھ سو گز آگے نکل کر صحرا نے کار کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے اور یوٹرن لیتے ہوئے سڑک کے دوسری طرف کار کو درختوں کے ایک جھنڈ میں لے جا کر روک دیا۔

"میں یہاں تم لوگوں کا انتظار کروں گی۔" اس نے کہا۔ "گیٹ سے نکل کر یہاں تک آنے میں تم لوگوں کو زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

وہ کار کو دوبارہ سڑک پر لے آئی اور ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ پیلس کے گیٹ کے سامنے پہنچتے ہی انجن بند ہو گیا اور کار رک گئی۔ صحرا بار بار سیلف کی گھنٹی دباتی ہر مرتبہ کار کا انجن غرا کر خاموش ہو جاتا۔ صحرا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی اور بونٹ اٹھا دیا۔

پیلس کے گیٹ کا ایک ذیلی دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی برآمد ہوا۔ یہ دروازہ دونوں پلرز کے درمیان تھا۔ وہ لمبا تڑنگا شخص گیٹ کا محافظ تھا۔ اس نے روایتی لباس پہن رکھا تھا سر پر پگڑی اور کمر پر لنگی بندھی ہوئی تھی۔ اسے کار کی طرف آتے دیکھ کر میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور بڑی پھرتی سے نیچے اتر کر کار کے پیچھے چھپ گیا۔

"کیا ہوا تمہاری کار کو۔ اسے عین گیٹ کے سامنے خراب ہونا تھا۔" اس آدمی نے قریب آتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں رعب نمایاں تھا۔ ظاہر ہے وہ راج پیلس کا گارڈ تھا ایسی جگہوں کے تو معمولی اورادنی ملازم بھی شیر ہوتے ہیں۔

"کیا کروں مہاراج انجن میں کوئی خرابی ہوگئی ہے میں کیا کرسکتی ہوں۔" مترا نے اس کی طرف مڑتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ تم......" وہ آدمی چونک گیا۔ "تمہارے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے۔"

"نہیں مہاراج۔ میری دیدی ہے وہ بھی پریشان ہورہی ہے۔" مترا نے جواب دیا۔

"یہاں تو تمہیں اس وقت کوئی مدد بھی نہیں ملے گی۔" محافظ بولا۔

"ٹھہرو۔ میں سوچتا ہوں میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں۔"

میں چوپائے کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا کار کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف آ گیا۔ اس دوران میں نے کلاکوف بھی نکال لی تھی۔ وہ لمبا تڑنگا محافظ مترا کے ساتھ بالکل چپکا ہوا انجن پر جھکا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا وہ اس کی مدد کس طرح کرنا چاہتا ہے۔ میں بڑی پھرتی سے اس کے پیچھے پہنچ کر کھڑا ہوگیا اور رائفل کی نال اس کی پشت پر لگا کر غرایا۔

"سیدھے کھڑے ہوجاؤ مہاشے اگر کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو اس رائفل کی ساری گولیاں تمہارے شریر میں سوراخ کردیں گی۔"

وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔ مترا بھی تیزی سے اس کے قریب سے ہٹ گئی تھی۔

"کون ہو تم لوگ۔" محافظ نے دونوں ہاتھ بھی اوپر اٹھا دیے۔ "اس حرکت کا مطلب جانتے ہو؟"

"بہت اچھی طرح۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر شرافت کا ثبوت دو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں صرف پیلس کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"پچھتاؤ گے تم لوگ۔" محافظ غرایا۔

"پچھتانے کی ہماری عادت بہت پرانی ہے آج بھی پچھتا لیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

مدھو کار سے اتر آئی تھی مترا دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اس مرتبہ پہلی ہی کوشش میں انجن سٹارٹ ہوگیا۔ وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی کار کو آگے بڑھا لے گئی۔

"اب تم بھی چلو۔ گیٹ کے اندر اور تمہارے دونوں ہاتھ سر سے اوپر ہی رہنے چاہئیں۔" میں نے محافظ کو رائفل سے دھکا دیا۔

ہم گیٹ کے اندر آگئے۔ مدھو نے گیٹ بند کردیا دونوں پلرز کے درمیان اندر کی طرف گارڈ روم تھا۔ محافظ نے ٹھیک کہا تھا وہ اکیلا ہی تھا دراصل محافظ کی ڈیوٹی تو محض خانہ پری کے لیے تھی۔ اس کی کمر پر تلوار بھی آرائش کے لیے تھی ورنہ یہاں کسی محافظ کی ضرورت بھی نہیں تھی کوئی احمق بھی راج پیلس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

گارڈ روم میں پہنچ کر میں نے محافظ کو فرش پر اوندھا لٹا دیا اور میرا اشارہ پاکر مدھو نے اس کے سر سے پگڑی اتار لی۔ اس نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگی۔ پھر میں بھی اس کی مدد کرنے لگا اور اس

کے پیر بھی سختی سے باندھ دیے۔ پگڑی ہی کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔

"میرا خیال ہے دو گھنٹوں تک تم اس طرح آرام سے پڑے رہ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔ "ہم واپس جاتے ہوئے تمہیں کھول دیں گے۔"

میں اور مدھو گارڈ روم سے باہر آگئے۔ ایک گیٹ کے سامنے سڑک تھی اور دوسرے گیٹ کے سامنے سفید سنگ مرمر کی پانچ کشادہ سیڑھیاں۔ میں مدھو کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر سنگ مرمر کا بہت وسیع و عریض فرش تھا اور اس سے آگے گھاس کے پلاٹ تھے۔

بہت لمبے چوڑے لان تھے اور ان میں جگہ جگہ پھولوں کے پودوں کے تختے تھے۔ سرو اور دوسرے پودے بھی جابجا بہت سلیقے سے لگے ہوئے تھے۔ سامنے بہت دور پیلس کی عمارت نظر آرہی تھی اس گارڈ نے بتایا تھا کہ پیلس کے اندر دو محافظ اور ہیں، لیکن حیرت کی بات تھی کہ پورے پیلس میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔

ہم درختوں اور پودوں کی آڑ میں چلتے رہے۔ مجھے بڑی حیرت ہورہی تھی وہ لوگ بھی تھے جو ایک کمرے کی کھولی میں گزارہ کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے گھر بلا مبالغہ میلوں رقبے پر پھیلے ہوئے تھے اور انہیں یہ بھی چھوٹے ہی لگتے ہوں گے۔

ایک بہت بڑے حوض کے قریب ہم رک گئے۔ حوض پانی سے بھرا ہوا تھا اور عین وسط میں بہت بڑا فوارہ بھی لگا ہوا تھا۔ میں حوض سے ذرا آگے ایک پودے کی آڑ میں رک گیا۔

پیلس کی عمارت یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں کچھ دیر تاریکی میں گھورتا رہا پھر مدھو کو اشارہ کرتا ہوا آگے چلنے لگا۔ رات کا اندھیرا تھا اور ہم نے کپڑے بھی گہرے رنگ کے پہن رکھے تھے اور ہم پودوں کی آڑ لیتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

لان کے کنارے پر پہنچ کر ہم چند لمحوں کو رکے۔ میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آگے سنگ مرمر کے فرش پر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پہلے برآمدے میں داخل ہوگئے۔

بہت لمبا چوڑا برآمدہ تھا۔ فرش سنگ مرمر کا تھا اور لاتعداد ستونوں پر بھی سنگ مرمر کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ چھت بہت اونچی تھی ہم ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور آخرکار ایک کشادہ راہداری میں داخل ہوگئے۔ راہداری کے اختتام پر ایک بہت بڑا ہال تھا وہاں بہت مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

میں دیوار کے ساتھ چپک کر ہال کی طرف بڑھتا رہا۔ میرے ایک ہاتھ میں کلاکوف رائفل تھی۔ میرے پیچھے مدھو تھی اس نے بھی پستول سنبھال رکھا تھا۔ راہداری کے اختتام پر پہنچ کر میں رک گیا اور ہال کی طرف دیکھنے لگا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے بہت شاندار فرنیچر سلیقے سے آراستہ تھا۔ چھت پر کئی فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑی بڑی تصاویر آویزاں تھیں لیکن روشنی بہت مدھم ہونے کی وجہ سے کوئی چیز واضح طور پر نظر نہیں آرہی تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا لیکن اس روشنی کا منبع مجھے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ لگتا تھا وہ روشنی دیواروں سے پھوٹ رہی ہو۔

ہال کے پرلی طرف ایک ایسی ہی کشادہ راہداری دکھائی دے رہی تھی وہاں تک پہنچنے کے لیے

پورے ہال میں سے گزرنا پڑتا اور میں کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ دائیں طرف بھی ایک تنگ سی راہداری تھی میں مدھو کو اشارہ کرتا ہوا اسی طرف چل پڑا۔

وہ راہداری زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ اس میں دائیں بائیں صرف دو کمروں کے دروازے تھے۔ میں نے باری باری دونوں دروازوں کو آزما کر دیکھا دونوں مقفل تھے۔

اس راہداری کے اختتام پر بھی ایک قدرے چھوٹا ہال تھا لیکن یہاں فرش پر نہ تو قالین تھے اور نہ ہی کسی قسم کا فرنیچر البتہ یہاں بھی بہت مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ یہاں بھی روشنی کا کوئی منبع دکھائی نہیں دیا۔

اس ہال میں سامنے ایک دوسرے سے فاصلے پر دو دروازے تھے۔ بائیں طرف بھی دو دروازے البتہ بائیں طرف صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ میرے خیال میں یہ سب کمروں کے دروازے تھے اس رات دیوان اودھے سنگھ کے بنگلے میں سنی جانے والی باتوں سے یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ بیلا اور ناگ راج راما یہیں تھے اس لیے میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لے کر یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب میں شدید الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس چیز میں شاید اس طرح کی درجنوں راہداریاں اور بھول بھلیاں ہوں گے۔ اگر میں انہیں تلاش کرنے کے لیے ایک ایک کمرے میں جھانکنے لگتا تو شاید صبح ہو جاتی اور میں پورے کمرے نہ دیکھ پاتا۔ اس عمارت میں تہہ خانے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو سوچنا ہی محال تھا کہ کوئی عمارت ہو اور اس میں تہہ خانے نہ ہوں لیکن اس وقت میں نے تہہ خانے کا خیال ذہن سے نکال دیا پہلے مجھے کمروں کو چیک کرنا تھا۔ باہر والے محافظ نے بتایا تھا کہ دوسرے محافظ عمارت کے اندر بھی موجود ہیں مگر ابھی تک کہیں ان کی موجودگی کے آثار بھی دکھائی نہیں دیے تھے۔

"مدھو۔" میں نے پیچھے مڑ کر سرگوشی کی۔ "یہ بہت زیادہ کمرے ہیں ہمیں دائیں طرف والے کمرے سے ابتدا کرنی چاہیے ہو سکتا ہے ان کا سراغ مل جائے گا پھر کہیں پھنس جائیں گے۔"

"اوکھلی میں سر تو دے ہی چکے ہیں اب اگر موسلے برسنے لگیں تو کیا پرواہ کی جا سکتی ہے۔" مدھو نے جواب دیا۔

میں دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا دائیں طرف والے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مدھو بھی دیوار کے ساتھ لگی میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں رک گیا کان لگا کر اندر سے کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر دوسری طرف بھی سناٹا تھا۔ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بڑی آہستگی سے گھمایا یہ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر میں نے اندر جھانکا گہری تاریکی تھی اور کوئی معمولی سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اگر یہ کوئی بیڈ روم تھا اور اندر کوئی سو رہا تھا تو خراٹوں یا سانس کی آواز سنائی دینی چاہیے تھی مگر اندر تو تاریکی سے بھی زیادہ گہرا سناٹا تھا۔

میں نے دروازہ پوری طرح کھول دیا کمرے کی تاریکی دور نہیں ہوئی میں دونوں ہاتھوں میں رائفل سنبھالے اندر داخل ہو گیا اور مدھو بھی میرے پیچھے اندر آ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔

میں کسی سوئچ کی تلاش میں دیوار ٹٹولنے لگا مگر دروازے کے دونوں طرف دور دور تک کوئی سوئچ نہیں تھا میرا ہاتھ ابھی دیوار پر ہی تھا کہ مدھو شاید کچھ خوف زدہ ہو گئی تھی وہ میرے ساتھ

چپک کر کھڑی ہو گئی۔

میں آگے بڑھا ایک قدم اور دوسرا قدم زمین پر نہیں پڑا۔ میں ایک چیز پر لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا اور کسی ڈھلان پر پھسلتا چلا گیا مدھو کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی میں بڑی تیزی سے پھسلتا ہوا دھمک کی آواز سے ایک جگہ پر گرا میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ مدھو بھی میرے قریب ہی گری تھی۔ اس نے چیختے ہوئے ہاتھ چلائے تو میری قمیص اس کی گرفت میں آ گئی۔

اس طرح اچانک گرنے سے میرے ہاتھ سے رائفل نکل گئی تھی اس کی آواز سے یوں لگا تھا جیسے وہ مزید نیچے جا کر پختہ فرش پر گری ہو۔

اور پھر کھٹاک کی آواز سنائی دی۔ مدھو میرے ساتھ لپٹ گئی۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی تیز روشنی پھیل گئی۔ گہری تاریکی اور پھر اچانک تیز روشنی ہو جانے سے میری آنکھیں چندھیا گئیں اور جب آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو میں اپنے اردگرد کا جائزہ لیتے ہی کانپ اٹھا جسے ہم کمرہ سمجھ کر اندر داخل ہوئے تھے وہ کمرہ نہیں بلکہ ایسی جگہ تھی جو ہمارا مقبرہ بن سکتی تھی۔ میں نے اوپر دیکھا وہ دروازہ غائب تھا جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے اس کی جگہ سٹیل کی ایک بہت موٹی پلیٹ تھی جو شٹر کی طرح اوپر سے گری تھی شاید نہیں بلکہ اس کا تعلق یقیناً بجلی کے کسی کنکشن سے تھا جس سے وہ بلب روشن ہو گیا تھا۔ میں نے چھت کی طرف دیکھا چھت بہت اونچی تھی۔ سرچ لائٹ کی طرح کا وہ شیڈ چھت سے لٹکا ہوا تھا۔ روشنی اتنی تیز تھی جیسے سورج چمک رہا ہو۔

جس جگہ دروازہ تھا اس سے تین فٹ آگے تو ہموار فرش تھا مگر اس سے آگے ساٹھ کے زاویے پر بنی ہوئی ڈھلان تھی اس ڈھلان کا فرش شیشے کی طرح چکنا تھا جس پر پھسلتے ہوئے ہم تقریباً آٹھ فٹ نیچے ہموار جگہ پر گرے تھے یہ حصہ بھی تقریباً تین فٹ چوڑی تھی۔ اس کے ایک فٹ نیچے ایسی ہی چوڑی جگہ اور اس سے ایک فٹ نیچے تیسری کشادہ جگہ۔ اس طرح کی گویا تین کشادہ سیڑھیاں بن گئی تھیں۔ تیسری سیڑھی کے آگے تقریباً آٹھ فٹ گہرائی میں دس فٹ چوڑا اور بیس فٹ لمبا فرش تھا جو سب سے نیچے وہ ایک کمرہ سا بن گیا تھا جس میں سامنے فرش سے ایک فٹ اوپر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ میری رائفل اور مدھو کا پستول نیچے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ فرش سے دروازے تک جس سے ہم داخل ہوئے تھے تقریباً سولہ فٹ کی بلندی تھی۔

دیواریں بالکل چکنی اور سپاٹ تھیں نچلے کمرے کی دیواریں کچھ میلی میلی سی تھیں اور ان پر ایسے نشان نظر آ رہے تھے جیسے کائی جمی ہوئی ہو۔ کچھ دیر پہلے میں نے اس عمارت کے نیچے کی تہہ خانے کا جو سوچا تھا اور اس صورت حال نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی تھی۔ میرے خیال میں جب ہم دروازے میں داخل ہوئے تھے تو میرا یا مدھو کا پیر فرش پر کسی ایسی جگہ پڑ گیا تھا جس کے نیچے کوئی ایسا سسٹم تھا جس کے دب جانے سے اوپر سے آہنی پلیٹ نے نیچے گر کر دروازہ بند کر دیا تھا لیکن یہ کس قسم کا تہہ خانہ تھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں نے مدھو کی طرف دیکھا وہ اب بھی مجھ سے چمٹی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس صورت حال نے مجھے بھی خوف زدہ کر دیا تھا مگر میں اپنے آپ پر قابو رکھے

ہوئے تھا۔

"وہ پیچھے ایک دروازہ نظر آرہا ہے۔" میں نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ "ہوسکتا ہے اس طرف سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہو۔ آؤ یہاں بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کوئی کوشش کی جائے۔"

میں اٹھ کر کھڑا ہوا تو منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی ڈھلان سے پھسلتے ہوئے نیچے گرنے سے کولہے پر چوٹ لگی تھی۔ مدھو کی بھی یہی حالت تھی۔

ہم نیچے تیسری سیڑھی پر آ گئے۔ فرش تقریباً پانچ فٹ نیچے تھا پہلے میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑ کر نیچے لٹکا دیا اور پھر خود بھی لٹک کر نیچے آ گیا سب سے پہلے میں نے کارا کوف رائفل اور پستول اٹھایا پستول میں نے مدھو کی طرف بڑھا دیا جو ایک ہاتھ سے اپنا کولہا سہلا رہی تھی۔

عجیب سی سیلن کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی شاید یہ جگہ عرصے سے بند پڑی تھی۔ زمین کی سطح سے کئی فٹ نیچے ہونے کی وجہ سے سیلن پیدا ہو گئی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ یہ لکڑی کا دو پٹ والا دروازہ تھا جس کے اوپر زنجیر والا کنڈا لگا ہوا تھا ایسے دروازے اب عام طور پر صرف گاؤں دیہاتوں کے گھروں میں نظر آتے ہیں۔

میں نے ہاتھ اوپر اٹھا کر زنجیر والا کنڈا گرا دیا اور دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دروازے کی دوسری طرف کوئی راستہ نہیں تھا کنکریٹ کی ٹھوس دیوار تھی۔

میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی اور سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اب اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ ہم چوہے دان میں پھنس گئے تھے اور ایسا محض اتفاقاً نہیں ہوا تھا ہمیں بڑی خوبصورتی سے پھنسایا گیا تھا۔

میں وحشت زدہ سی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایسا چوہے دان تھا جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے موت ہی اس قید سے نجات دلا سکتی تھی لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ زندگی میں اس سے بھی زیادہ نازک اور سنگین صورتحال سے کئی مرتبہ واسطہ پڑ چکا تھا۔ ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی تدبیر نکل آئی تھی یہاں صورتحال اگرچہ زیادہ سنگین اور مختلف تھی مگر اس کے باوجود میں مایوس نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً سناٹے میں ایک نسوانی قہقہے کی آواز گونج اٹھی۔ میں اچھل پڑا مدھو بھی چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی تھی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا وہ آواز چھت پر کسی جگہ سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اوپر کسی جگہ کوئی سپیکر لگا ہوا تھا۔ قہقہہ رک گیا۔

"تمہاری بہادری اور ذہانت کی داد دینا بڑی زیادتی ہوگی تاجی۔" وہ آواز چیلا کی تھی۔ "اس روز میں نے تم سے صرف اتنا کہا تھا کہ تمہیں میری پیشکش قبول ہو تو پیلس ہوٹل کے ہیڈ ویٹر زلفی سے رابطہ قائم کر لینا تم نے اسے اغوا کر لیا اور تشدد کر کے یہ معلوم کر لیا کہ وہ تمہیں دیوان اودھے سنگھ کے پاس لے جاتا تو تم اس رات اودھے سنگھ کے بنگلے پر پہنچ گئے تم شاید اسے بھی اغوا کرنا چاہتے تھے مگر تمہیں وہاں سے بھاگنا پڑا لیکن میرے لیے حیرت کی بات ہے کہ تمہیں یہ کیسے پتہ چل گیا کہ میں رانا پیلس میں موجود

ہوں۔"

"تم اور ناگ راج پاتال میں بھی چھپ جاؤ تو میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکو گے۔" میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ناگ راج کا وقت پورا ہو چکا ہے تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔"

"اس وقت تم موت کے کنویں میں ہو جس سے زندہ باہر آنا ممکن ہی نہیں لیکن تم باتیں واقعی بہادروں جیسی کرتے ہو اس لیے تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو مجھے تم جیسے بہادر اور حوصلہ مند لوگ پسند ہیں اور ہاں تم نے یہ نہیں پوچھا کہ مجھے یہاں تمہاری موجودگی کا پتہ کیسے چلا۔" چیلا نے کہا۔

"اس دروازے میں داخل ہو کر شاید ہم سے کوئی غلطی ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔

"نہیں تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔" چیلا نے کہا۔ "موت کے اس کنویں میں نہ سہی تم پیلس کے کسی اور حصے میں کسی اور جال میں پھنستے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "جب تم نے باہر گیٹ پر ... کو قابو میں کیا تھا تو میں وہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ گیٹ پر خفیہ ٹی وی کیمرے لگے ہوئے ہیں گیٹ میں داخل ہونے کے بعد تم دونوں ایک لمحے بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے اور جب تمہاری بدقسمتی سے تم لوگ اس کمرے میں داخل ہوئے تو میں نے کھیل ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہیں بیٹھے بیٹھے بٹن دبا کر تمہاری واپسی کا راستہ بند کر دیا۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔

"اور اس وقت بھی تم دونوں میری نظروں میں ہو۔" چیلا کی آواز سنائی دی۔ "یہ پستول اور کاراکوف اب تمہارے کسی کام کی نہیں۔ سوائے اس کے کہ تم اسے آتم ہتیا کے لیے استعمال کر سکتے ہو لیکن میں جانتی ہوں تم ایسا نہیں کرو گے تم بزدل نہیں ہو تم آخری لمحوں تک مقابلہ کرو گے۔"

"یہ تم نے ٹھیک کہا کہ میں آخری لمحوں تک مقابلہ کروں گا اور جیت آخرکار میری ہی ہوگی۔" میں کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تمام دیواریں بالکل سپاٹ تھیں کوئی ایسا معمولی سا نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سرچ لائٹ کے قریب ہی کسی جگہ وہ سپیکر اور کیمرہ لگا ہوا تھا جس سے وہ ہماری نقل و حرکت دیکھ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی یقیناً کوئی مائیک بھی ہوگا جس کے ذریعے ہماری آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔

"تمہاری تمام خوش فہمیاں اب ختم ہو جانی چاہئیں مسٹر تاجی۔" چیلا کی آواز سنائی دی۔ "اس وقت تم ایسی جگہ پر ہو جہاں تمہارا بھگوان بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا مجھے اس بات کا افسوس رہے گا کہ ناگ راج تمہاری موت کا تماشہ نہیں دیکھ سکے گا وہ تو تمہیں اپنے تیار کیے ہوئے انجکشن کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا مگر وہ اس وقت یہاں نہیں ہے تمہارے بارے میں یہ فیصلہ مجھے ہی کرنا پڑا۔ تم جیسے بہادر اور حوصلہ مند آدمی کو بے بسی کی موت مرتے دیکھ کر مجھے واقعی بہت دکھ ہوگا اور یہ لڑکی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "بہت سندر لڑکی ہے تمہارے بجائے اگر ناگ راج کی نظروں میں آ گئی تو اس کا جیون سپھل ہو جاتا لیکن میں اتنی بیوقوف نہیں ہوں کہ اس جیسی حسین لڑکی کو ناگ راج کے قریب پھٹکنے دیتی۔ عورت کے معاملے میں، میں ناگ راج پر بھروسہ نہیں کر سکتی یہ درست ہے کہ ناگ راج جیسے زہریلے ناگ کو ہر شب ایک عورت کی ضرورت پڑتی ہے لیکن میں نے کسی عورت کو ایک رات سے زیادہ اس کے

میں نے مدھو کو سہارا دے کر اوپر چڑھا دیا اور پھر مدھو نے مجھے بھی اوپر کھینچ لیا ہم سب سے اوپر والی سیڑھی پر آ گئے اب ہم فرش سے تقریباً آٹھ فٹ اوپر تھے لیکن جس تیزی سے پانی بھر رہا تھا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں میں پانی یہاں بھی پہنچ جائے گا۔

میں اوپر والی ڈھلان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مدھو بھی میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ موت کا خوف مجھ پر بھی طاری تھا۔ موت اس پانی کی صورت میں ایک ایک انچ کر کے ہماری طرف بڑھ رہی تھی اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں اس وقت بھی مایوس نہیں ہوا تھا۔ میں خدا کا ایک گناہگار بندہ میری ساری زندگی گناہوں کی دلدل میں گزری تھی لیکن باری تعالیٰ کی ذات پر میرا یقین ہمیشہ ہی سے غیر متزلزل رہا تھا۔ میں کبھی مایوس نہیں ہوا تھا۔

پچھلے تقریباً چار مہینوں سے جھوٹے خداؤں یعنی بتوں کی پوجا کرنے والوں میں گھرا ہوا تھا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ ایک نیک مقصد کے لیے میں نے ان بت پرستوں سے جنگ شروع کی تھی۔ معصوم اور بےگناہ لوگوں کو ظلم سے نجات دلانا نیکی کا کام تھا اور میں اکیلا ہونے کے باوجود اب تک نہ صرف یہ جنگ کامیابی سے لڑ رہا تھا بلکہ میں نے انسانیت کے دشمنوں کے قدم بھی اکھاڑ دیے تھے اور اب تقریباً آخری مرحلے پر میں بری طرح پھنس گیا تھا مگر خدا کی ذات سے ناامید نہیں ہوا تھا اگر یہ کام میرے ہاتھوں انجام پانا تھا تو مجھے یقین تھا کہ یہاں بھی بچاؤ کا کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔

پانی سب سے نیچے والی سیڑھی تک پہنچ گیا۔ پہلی سیڑھی سے نیچے وہ کمرا دس فٹ چوڑا اور بارہ فٹ لمبا تھا اور ڈھائی گھنٹے کے اندر وہ کمرا پانچ فٹ کی بلندی تک پانی سے بھر گیا تھا اس کا مطلب تھا کہ تیسری سیڑھی تک پانی آنے میں ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے گا۔

ہم اس وقت تیسری سیڑھی پر کھڑے تھے اس سے اوپر آٹھ فٹ اونچی ڈھلان بنی ہوئی تھی ساٹھ کے زاویے پر وہ ڈھلان اس قدر چکنی تھی کہ اس پر چڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پانی بڑی تیزی سے بھر رہا تھا۔ دوسری سیڑھی بھی ڈوب رہی تھی۔ میں نے مدھو کی طرف دیکھا خوف سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا اس نے مجھے اس قدر مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا جیسے ڈر ہو کہ میں اسے چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔

"مدھو۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں سہارا دیتا ہوں تم اوپر چلی جاؤ۔"

"اور تم۔" مدھو کے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"تم اوپر پہنچ جاؤ گی تو میں بھی آ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور ڈھلان کی پشت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں۔ "ایک پیر میرے ہاتھوں پر رکھو اور دوسرا کندھے پر آسانی سے اوپر پہنچ جاؤ گی۔"

میرا قد چھ فٹ کے قریب تھا۔ میرے اوپر چڑھ کر مدھو آسانی سے اوپر دیوار کے ساتھ تین فٹ چوڑے فرش پر پہنچ سکتی تھی۔

مدھو نے ایک پیر میرے ہاتھوں پر رکھ دیا میرے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو اوپر

اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ گڑگڑاہٹ کی ہلکی سی آواز سن کر رک گئی۔ میں چونک گیا بائیں طرف دیکھا تو اس طرف کی دیوار کا تقریباً آٹھ فٹ چوڑا حصہ گڑگڑاہٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ شٹر کی طرح اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ یہ دیوار سب سے اوپر والی سیڑھی کے برابر سے اوپر کو اٹھنا شروع ہوئی تھی۔

"مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی یہاں میں اتنا دیکھ چکا تھا کہ اب کسی بات پر حیرت کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ دیوار اوپر اٹھ رہی تھی اور اس کے دوسری طرف موٹی موٹی آہنی سلاخوں کا جنگلا ہمارے سامنے آ رہا تھا۔ سلاخیں چھ چھ انچ کے فاصلے پر لگی ہوئی تھیں اور اس کے دوسرے طرف بھی پانی تھا جو اس کمرے میں اب تک بھر جانے والے پانی کی سطح کے برابر تھا۔

وہ دیوار تقریباً چار فٹ اوپر جا کر رک گئی اور دوسری طرف کا منظر دیکھ کر مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا وہ کمرہ تقریباً دس فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ لمبا تھا اس کے دوسری طرف بھی پانی سے اوپر ایسی ہی کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور اس طرف کا منظر دیکھ کر مدھو کے منہ سے چیخ نکل گئی وہ خوف سے لڑکھڑائی اگر میں اسے نہ سنبھال لیتا تو یقیناً پانی میں گر جاتی۔

آہنی جنگلے کے اس پار کشادہ سیڑھیوں پر تین مگرمچھ بیٹھے ہوئے تھے ان کی بلوریں چمکتی ہوئی آنکھیں ہمیں گھور رہی تھیں اور پھر وہ تینوں مگرمچھ شڑاپ شڑاپ پانی کی آواز پیدا کرتے ہوئے پانی میں اتر گئے اور تیزی سے ہماری طرف بڑھنے لگے۔ مدھو ایک بار پھر چیختی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ دو مگرمچھ جنگلے سے تین فٹ کے فاصلے پر رک گئے جبکہ تیسرا جنگلے سے ٹکرا گیا تھا۔ تیسری سیڑھی پر بھی پانی اوپر آ رہا تھا پانی اب میرے ٹخنوں کو چھونے لگا تھا۔

"مدھو جلدی کرو اوپر چڑھ جاؤ۔" میں ایک بار پھر ڈھلان سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

مدھو میرے ہاتھ اور کندھے پر پیر رکھ کر اوپر والے چبوترے پر پہنچ گئی۔ اس نے سینے کے بل لیٹ کر ایک ہاتھ نیچے لٹکا دیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس چکنی ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو مرتبہ میرا پیر پھسلا مگر تیسری مرتبہ اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

ہم دونوں ٹھیک اس جگہ بیٹھے تھے جہاں وہ دروازہ تھا جس سے ہم موت کے اس کنوئیں میں داخل ہوئے تھے مگر اب وہاں تقریباً ایک انچ موٹی لوہے کی چادر تھی۔

تینوں مگرمچھ جنگلے کے دوسری طرف پانی میں بے چینی سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے وہ بار بار اپنی دمیں پانی میں مار رہے تھے۔ شڑاپ شڑاپ کی آوازوں کے ساتھ چھینٹے اڑ رہے تھے ان کی بےچینی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بھوکے تھے اگر موٹی سلاخوں والا وہ جنگلا بیچ میں حائل نہ ہوتا تو ہمیں نگل چکے ہوتے۔

پانی ڈھلان پر بھی ایک فٹ تک آ چکا تھا۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے کبھی مدھو کو دیکھتا، کبھی ان خونخوار مگرمچھوں کو اور کبھی پانی کو جس کی سطح ہر لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔

اور پھر دفعتاً چھت کی طرف سے ایک نسوانی قہقہہ سن کر میں چونک گیا اور پھر بیلا کی آواز سنائی دی۔

"ان گھڑیالوں کی بےچینی دیکھ رہے ہو تاجی۔ یہ تین دن سے بھوکے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "مگر اب انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا چند منٹ بعد یہ آہنی جنگلا اوپر اٹھ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ تم

پر جھپٹ پڑیں گے کاش ڈاگ راج یہاں ہوتا اور یہ دلچسپ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا...... او......" یکا یک اس کی آواز غائب ہوگئی غالباً مائیک بند ہو گیا تھا۔

مدھو نے مجھے دونوں بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور ہم دونوں اس آہنی جنگلے کی طرف دیکھ رہے تھے جو بیلا کے کہنے کے مطابق کسی بھی وقت اوپر اٹھ سکتا تھا اس کے دوسری طرف موت ہم پر جھپٹنے کے لیے تیار تھی۔

"اب...... اب کیا ہوگا...... نا...... جی" مدھو کے تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے یہ آواز بمشکل نکل رہی تھی۔

"اللہ پر بھروسا رکھو کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔" میں نے کہا۔

"عجیب آدمی ہو۔" مدھو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ "موت نے ہمیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں اور تم اپنے اللہ...."

مدھو جملہ مکمل نہیں کر سکی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے والی جگہ پر ایک انچ موٹی اس آہنی پلیٹ کو دیکھ رہی تھی جو آواز پیدا کیے بغیر آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔

"وہ دیکھا...... دیکھا تم نے....." میں بے اختیار چیخ اٹھا "بندہ دل کی گہرائیوں سے توبہ کرے اور دعا مانگے تو خدا اسے مایوس نہیں کرتا۔"

آہنی پلیٹ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی اور تقریباً آدھ فٹ کا خلا پیدا ہو چکا تھا ہم نے اس پلیٹ کے پوری طرح اوپر اٹھنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور پیٹ کے بل گھسٹ کر باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے اور کسی حادثے کے بغیر اس دروازے سے باہر آ گئے اور ٹھیک اس وقت چھت کے سپیکر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی یہ آواز بیلا کی نہیں تھی۔

"ناجی...... مدھو میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لوگ موت کے اس کنویں سے باہر آ چکے ہو تم لوگ اس ہال میں آ جاؤ جہاں شاندار فرنیچر ہے۔ راستہ ہے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔"

میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ یہ آواز سمترا کی تھی۔ میں نے مدھو کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے اس تنگ سی راہداری میں دوڑنے لگا اس وقت ہم دونوں نہتے تھے میری کاراکوف رائفل اور مدھو کا پستول موت کے اس کنویں میں ہی گر گئے تھے میں سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی محافظ ہمارے مقابل آ گیا تو ہم اپنا بچاؤ نہیں کر سکیں گے لیکن سمترا کا کہنا درست ثابت ہوا اور کسی نے ہمارا راستہ نہیں روکا۔

ہم دونوں اس شاندار ہال میں پہنچ گئے وہاں کسی کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ سمترا کہاں تھی۔ ہم دونوں کے پیروں میں جوگرز تھے جن سے نچڑنے والا پانی قیمتی قالین کا بیڑا غرق کر رہا تھا۔

"سامنے راہداری میں آ جاؤ۔" سمترا کی آواز دیواروں سے پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ "راہداری کے آخر میں دائیں طرف والے کمرے کا دروازہ تمہیں کھلا ہوا ملے گا۔ اس کمرے کے اندر ایک اور دروازہ ہے وہاں چلے آؤ۔"

مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ اس ہال میں بھی کہیں خفیہ کیمرے نصب تھے جن کی مدد سے

ہمیں دیکھ رہی تھی۔ پیلس میں جگہ جگہ ایسے خفیہ کیمرے لگے ہوئے تھے اور بیلا نے ٹھیک ہی کہا تھا بڑے گیٹ میں داخل ہونے کے بعد ہم ایک لمحہ کو بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے۔

سمترا کی آواز ہماری رہنمائی کر رہی تھی۔ ہم فرش پر بچھے ہوئے قیمتی قالینوں کا ستیاناس کرتے سامنے والی راہداری میں داخل ہو گئے جو خاصی طویل تھی اس کے دائیں طرف آخری کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا یہ بہت وسیع اور شاندار خوابگاہ تھی ایک طرف بہت بڑی مسہری تھی جس کے اوپر خوبصورت چھتری بنی ہوئی تھی مسہری کے چاروں طرف کینوپی پر شفون کے سفید پردے لٹکے ہوئے تھے۔

سامنے ایک اور دروازہ تھا پہلے میں اسے راستہ سمجھا لیکن دیوار دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی جس سے وہ تین فٹ چوڑا راستہ بن گیا تھا پہلے میں اس راستے سے اندر داخل ہوا اور اندر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

یہ کمرہ کسی سیٹلائٹ ٹی وی چینل کا کنٹرول روم لگتا تھا۔ لاتعداد ٹی وی سیٹ تھے جن میں سے صرف تین چار سکرینیں روشن تھیں ایک سکرین پر اس کمرے کا منظر دکھائی دے رہا تھا جو ہمارا مقبرہ بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ پانی اب اس ڈھلان سے صرف ایک فٹ نیچے رہ گیا تھا دوسری سکرین پر اس ہال کا منظر تھا جس سے ہم گزر کر آئے تھے۔ تیسری سکرین اس راہداری کا منظر پیش کر رہی تھی اور چوتھی سکرین بیرونی گیٹ کا منظر دکھا رہی تھی۔

ایک کرسی کے سامنے دیوار پر ایک بہت بڑا پینل بنا ہوا تھا جس پر مختلف رنگوں کے لاتعداد بٹن لگے ہوئے تھے کئی ڈائلز تھے ان رنگ برنگے بٹنوں کی مدد سے تمام کیمروں اور پیلس کے خفیہ راستوں کو کنٹرول کیا جاتا تھا اس کمرے کے فرش پر ایک آدمی کی لاش پڑی تھی اس کے سینے سے بہنے والا خون فرش پر جم چکا تھا۔ اس لاش سے ذرا ہٹ کر بیلا اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ دونوں ٹانگیں آگے کو پھیلی ہوئی تھیں اور ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اس کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی سینے گردن اور چہرے پر کچھ خراشیں نظر آ رہی تھیں اس کے سامنے کرسی پر سمترا بیٹھی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف یا اس قبیل کی آٹومیٹک رائفل تھی جس کا رخ بیلا کی طرف تھا۔

"کاش! ڈاگ راج یہاں ہوتا تو یہ دلچسپ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ بیلا دانت کچکچا کر رہ گئی وہ کچھ بولی نہیں۔

"ناراض ہو؟" میں نے پھر کہا۔ "کوئی بات نہیں میں جانتا ہوں کہ تمہاری ناراضی کس طرح دور کی جا سکتی ہے لیکن یہاں موقع نہیں ہے۔" اب میں سمترا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میرا خیال ہے یہ پوچھنے کا بھی وقت نہیں ہے کہ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔ بہر حال اب یہاں سے نکلنا چاہیے۔ گیٹ والے محافظ نے مجھے بتایا تھا کہ پیلس کے اندر دو محافظ اور بھی ہیں لیکن میرا ان سے ابھی تک سامنا نہیں ہوا مگر ہو سکتا ہے....."

"اب تمہارا ان سے سامنا نہیں ہوگا۔" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔

"کیا مطلب کیا تم نے انہیں بھی...." میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں وہ زندہ ہیں مگر اس کی طرح بے بس ہو چکے ہیں اور پیلس کے کسی کونے میں پڑے اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے۔" سمترا نے جواب دیا۔

"میں تو تمہیں بہت کمزوری لڑکی سمجھتا تھا مگر حیرت ہے کہ تم نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔" میں بولا۔

"عورت خواہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو اپنی اداؤں سے بڑے بڑے پہلوانوں کو چت کر دیتی ہے میں نے بھی انہیں ایک ادا دکھائی تھی صرف ایک جھلک" سحرا نے کہتے ہوئے سامنے سے اپنی قمیص شرٹ کی طرح کھول دی۔

وہ جھلک دیکھ کر تو میں بھی اچھل پڑا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے قمیص درست کر لی۔

"پہلے میں نے ایک کو زیر کیا اور پھر دوسرے کو۔" سحرا کہہ رہی تھی۔

"اس وقت یہ کتیا شاید اپنی تمام تر توجہ تم پر مرکوز کیے ہوئے تھی یا شاید دوسرے کمرے بند کر رکھے تھے اس لیے یہ مجھے نہیں دیکھ سکی اور میں آسانی سے یہاں پہنچ گئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔

"یہاں پھر ایک سور نے مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی مگر ایک ہی گولی نے اسے ٹھنڈا کر دیا اور پھر اس کتیا پر قابو پانے میں بھی مجھے خاصی محنت کرنا پڑی تھی اگر مجھے یہاں پہنچنے میں چند منٹ دیر ہو جاتی تو تم لوگ گھڑیالوں کی خوراک بن چکے ہوتے۔ بہرحال اب کیا کرنا ہے اس کا؟" وہ خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"ناگ راج تو یہاں ہے نہیں۔" میں نے کہا۔ "اس کا پتہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا پتہ یہی بتا سکتی ہے اس لیے اسے ساتھ لے چلنا ہوگا۔"

"تو پھر جلدی کرو۔" سحرا ایک ٹی وی سکرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"پانی اب اس کمرے سے باہر بہنا شروع ہو گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں یہ پورے پیلس میں پھیلنے لگے گا۔"

"میں نے سکرین کی طرف دیکھا پانی اس دروازے سے باہر نکل کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

"یہ پانی کیسے بند ہوگا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے بیلا کی طرف دیکھا۔

"پانی بند کرنے کی ضرورت نہیں۔" بیلا سے پہلے سحرا بول پڑی۔ "رانا شمشیر سنگھ کو جب پتہ چلے گا کہ اس کا محل پانی سے تباہ ہو رہا ہے تو وہ ناگ راج کے شریر کے اتنے ٹکڑے کر دے گا کہ گنتی مشکل ہو جائے گی۔"

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور بیلا کی طرف گھوم گیا۔

"اٹھئے شریمتی جی۔" بیلا کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اگر اس کے ہاتھ کھلے ہوتے تو وہ میرا منہ نوچ لیتی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ہاتھ پشت پر بندھے ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی اور دھڑام سے نیچے گر گئی۔

"ابھی چند روز پہلے ہی تم زندگی کے ایک نازک مرحلے سے گزری ہو۔" میں نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو بیڈ ریسٹ کرنا چاہیے تھا مگر تم ہو کہ کدکڑے لگاتی پھر رہی ہو بری بات ہے۔ تمہیں خود سوچنا چاہیے یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔ چند روز آرام کر لیتیں تو کیا حرج تھا۔ جان ہے تو جہان ہے میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا تھا۔"

"تمہارا وقت ہے۔" بیلا کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔ "تم ایسی باتیں کر سکتے ہو لیکن جب

میری باری آئے گی تو تمہاری بولتی بند ہو جائے گی۔"

"امید پر دنیا قائم ہے۔" میں نے کہا اور اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ "اب ہم ساری رات یہاں بیٹھ کر باتیں تو نہیں کر سکتے کسی اور جگہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ راستے میں تم کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گی جو تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔"

"میں بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گی۔" بیلا نے کہا۔

میں نے مدھو کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر زندگی کا رنگ لوٹ آیا تھا آنکھوں میں پہلے جیسی چمک بھی دکھائی دینے لگی تھی۔

میں نے بیلا کو بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ ہم بیرونی خوابگاہ میں آ کر راہداری میں آ گئے۔ سحرا نے تمام ٹی وی سیٹ کھلے چھوڑ دیئے تھے وہ ہمارے آگے آگے چل رہی تھی اور رائفل کو اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا تاکہ کسی ناگہانی صورت حال سے نمٹا جا سکے۔

بڑے ہال سے گزر کر باہر جانے والی راہداری کی طرف مڑتے ہوئے میں نے دوسری طرف مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پانی اب اس تنگ سی راہداری میں پھیل رہا تھا۔ پانی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ صبح ہونے تک پانی پیلس کے تمام کمروں میں پھیل جائے گا اور ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا اور جب رانا شمشیر سنگھ اپنے پیلس کی حالت دیکھے گا تو وہ واقعی ناگ راج کی بوٹیاں نوچ لے گا۔

باہر آتے ہوئے ہمیں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی اس پیلس میں واقعی تین محافظ تھے اور چوتھا بیلا کا وہ ساتھی تھا جو اس کمرے میں سحرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ حیرت اس بات پر تھی کہ اتنے بڑے پیلس میں صرف تین محافظ لیکن وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ سب لوگوں کو ناگ راج کے کہنے پر وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا صرف تین محافظ رہنے دیئے گئے تھے وہ اپنے گرد زیادہ ہجوم پسند نہیں کرتا تھا۔

ناگ راج دو دن وہاں رہا تھا پھر اسے کسی طرح پتہ چل گیا کہ مجھے رانا پیلس میں اس کی موجودگی کا پتہ چل گیا ہے وہ خاموشی سے کسی اور جگہ منتقل ہو گیا اور بیلا کو یہاں چھوڑ دیا گیا تاکہ میں یہاں پہنچوں تو مجھ سے نمٹ لیا جائے۔

بیلا نے بڑے اچھے انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔ میرا انت کرنے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن عین آخری لمحوں میں سحرا کی مداخلت سے بازی پلٹ گئی اور بیلا ہماری قیدی بن گئی۔

وسیع و عریض برآمدوں سے ہوتے ہوئے ہم باہر آ گئے اجالا نمودار ہو رہا تھا۔ ہم رات گیارہ بجے کے بعد آئے تھے اور پوری رات یہاں موت و حیات کی کشمکش میں گزر گئی تھی اس خوفناک رات کی صبح بہت بھلی لگ رہی تھی۔

گیٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے گارڈ روم میں جھانک کر دیکھا وہ محافظ پہلو کے بل پڑا تھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں میں نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا اور بیلا وغیرہ کے ساتھ گیٹ سے باہر آ گیا۔

سڑک سنسان تھی ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے درختوں کے اس جھنڈ میں آ گئے جہاں سحرا کی کار کھڑی تھی۔

سحرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں بیلا اور مدھو کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیلا ہم دونوں کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گئی تھی۔ بیلا کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ سحرا سے رائفل بھی میں نے لے لی تھی۔

کار درختوں کے جھنڈ سے نکل کر تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی شہر کی تمام سڑکیں ابھی سنسان پڑی تھیں۔ سحرا کار کو ان راستوں پر دوڑا رہی تھی جہاں کسی پولیس پارٹی سے آمنا سامنا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ یوں بھی اس وقت موسم میں خاصی خنکی تھی پولیس والے بھی سڑک پر گشت کرنے کے بجائے کہیں کونوں کھدروں میں دبکے ہوئے تھے۔

چالیس منٹ میں ہم بنگلے میں پہنچ گئے۔ بیلا کی آنکھوں سے پٹی کمرے میں آنے کے بعد ہی کھولی گئی تھی۔ میں نے پشت پر بندھے ہوئے اس کے ہاتھ بھی کھول دیئے۔

"اگر تم شرافت کا ثبوت دو تو یہاں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہو لیکن اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے تمہارے ہاتھ پیر بندھے ہوں گے ویسے اس وقت تم آرام کرو باقی تھوڑی دیر بعد ہوں گی چائے کے ساتھ۔"

میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت ظالم ہو تم۔" بیلا بستر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں آج پتہ چلا؟" میں مسکرا دیا۔

"نہیں۔ پتہ تو مجھے اس دن چل گیا تھا جب تھر کے صحرا میں اس تپتی ہوئی چٹان پر تم نے پہلی بار"

"یادداشت بہت تیز ہے تمہاری۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو۔ ہم تھوڑی دیر بعد تم سے بات کریں گے۔"

میں کمرے سے باہر آ گیا رتنا بھی ہماری آوازیں سن کر جاگ چکی تھی اور سحرا اور مدھو کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور پھر وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

مدھو چائے تیار ہونے سے پہلے ہی صوفے پر نیم دراز ہو کر سو گئی تھی۔ سحرا اور میں بھی رات بھر جاگے تھے۔ سحرا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور میری آنکھوں میں بھی شدید جلن ہو رہی تھی۔

"تم وہاں کیسے پہنچ گئی تھیں؟" میں نے سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے کہا تھا کہ دو ڈھائی گھنٹے تک واپس آ جاؤ گے۔" سحرا نے جواب دیا۔ "دو ڈھائی گھنٹوں تک تو میں مطمئن رہی لیکن جیسے جیسے دیر ہوتی گئی میری پریشانی بھی بڑھتی گئی اور آخر کار تین بجے کے قریب میں نے جیل میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "باہر والا محافظ گارڈ روم میں بندھا ہوا تھا۔ جیل کی ایک راہداری میں ایک محافظ سے سامنا ہو گیا اس نے مجھے رائفل کی زد پر لے لیا۔ اس موقع پر میں نے وہی حربہ استعمال کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ مرد کیسا بھی ہو عورت کے سامنے ڈھے

جاتا ہے وہ محافظ بھی کچھ ایسا ہی نکلا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا وہ خوش تھا کہ رات عیش کرتے ہوئے گزرے گی مگر دو ہی منٹوں میں، میں نے اس کا جھٹکا کر دیا اور اسے باندھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم لوگ کہاں ہو۔ اس قسم کے کل بڑے پراسرار ہوتے ہیں کسی کو تلاش کر لینا آسان نہیں ہوتا۔ میں اگرچہ بہت محتاط انداز میں گھوم رہی تھی مگر ایک اور محافظ کے ہتھے چڑھ گئی۔ وہ بھی اپنی ذمے داری اور فرض بھول کر مجھے نعمت غیر مترقبہ سمجھا لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کا ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی رائفل پر بھی قبضہ کر لیا اور ایک بار پھر تم لوگوں کی تلاش شروع کر دی اس مرتبہ کسی محافظ سے سامنا نہیں ہوا تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں اس کمرے تک پہنچ گئی جہاں بیلا موجود تھی۔

"ایک ٹی وی سکرین پر تم لوگوں کو دیکھ کر میں بدحواس سی ہو گئی بیلا جنگل کے سامنے کرسی پر بیٹھی مختلف بٹنوں کو دبا رہی تھی۔ اس دوران کمرے میں موجود دوسرے آدمی نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ چیختا ہوا میری طرف بڑھا مگر میں نے گولی چلا دی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"بیلا کرسی سے اٹھ کر میری طرف لپکی اس نے رائفل کی پروا کیے بغیر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ رائفل میرے ہاتھ سے گر گئی وہ مزاحمت لڑنے میں بڑی تیز ہے لیکن میں نے بھی اسے ایسی پٹخنیاں دیں کہ یاد کرے گی۔ اور پھر میں نے اسے رائفل کی زد پر لے کر دروازہ کھلوایا جس سے تم لوگ باہر آ سکے۔"

"مدھو ہلکان ہو رہی تھی۔" میں نے کہا۔ "خوفزدہ تو میں بھی تھا مگر مجھے اپنے خدا پر بھروسا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ گناہگار کی دعا ضرور سنے گا اور پھر اس نے تمہیں ہماری مدد کے لیے بھیج دیا۔"

"اب اس کا کیا کرنا ہے۔" سحرا نے پوچھا۔

"پہلے تو اس سے ناگ راج کے ٹھکانے کا پتہ پوچھا جائے گا اور اس کے بعد سوچا جائے گا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اسی وقت رتنا چائے بنا کر لے آئی اس نے تمام کپ میز پر رکھ دیئے۔

"ایک کپ اسے دے آؤ وہ تمہارے ساتھ والے کمرے میں ہے۔" میں نے رتنا سے کہا۔

وہ ایک کپ اٹھا کر بیلا والے کمرے کی طرف چلی گئی اور پھر کسی خیال کے تحت میں بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔ رتنا مجھ سے پہلے کمرے میں داخل ہو چکی تھی میں باہر ہی رک گیا۔

"اوہ" بیلا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "تو تم بھی اس کے ساتھ ہو۔"

"شروع دن سے۔" رتنا نے جواب دیا۔ "اس رات جب تم پریم تورس ریسٹورنٹ میں ناجی کو دھمکیاں دے کر گئی تھیں میں اس وقت بھی اس کے ساتھ تھی۔"

"اس میں ایسی کیا بات ہے کہ شہر کی تمام لڑکیاں اس پر مری جا رہی ہیں۔" یہ بیلا کی آواز تھی۔

"اس سے پہلی ملاقات تمہاری ہوئی تھی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "تم ہم سے زیادہ جانتی ہو کہ اس میں ایسی کیا بات ہے۔"

بیلا کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ بیلا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تو تمہیں اس بات پر حیرت ہے کہ شہر کی لڑکیاں مجھ پر کیوں مری جا رہی ہیں۔" میں نے کرسی پر

بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں بہت حسین ہوں اس شہر میں مجھ سے بھی زیادہ جوان اور خوبرو مرد موجود ہیں، لیکن تمہارے سوال کا اصل جواب یہ ہے کہ یہ تمام لڑکیاں جو میرے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار ہیں تمہارے اپنوں کی ستائی ہوئی ہیں۔ یہ ان لوگوں سے اپنی بربادی کا بدلہ لینا چاہتی ہیں اور وہ سترا جس سے تمہارے دو دو ہاتھ ہو چکے ہیں جانتی ہو کون ہے!''

''مجھے کسی کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں۔'' بیلا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم لوگ ایک نہ ایک روز ہمارے قابو میں آؤ گے اور پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

''سب کچھ تو ختم ہو چکا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ناگ راج کے تمام گرگے ایک ایک کر کے ختم ہو چکے ہیں۔ امریش پنڈت اور تم رہ گئی ہو ناگ راج کے دن اب پورے ہو چکے ہیں۔ ویسے تمہیں یہ جاننے میں ضرور دلچسپی ہو گی کہ یہ کون سی جگہ ہے۔''

''چلو..... تم بتا ہی دو۔'' بیلا نے کہا۔

''یہ بنگلہ پنڈت بھیرو کا ہے جس کی اس وقت تم سب لوگوں کو تلاش ہے۔''

''کیا'' بیلا اچھل پڑی۔ چائے چھلک گئی اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ ''بکواس کرتے ہو تم۔''

''ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں اس کا یقین آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''بھیرو تم سے خار کھائے بیٹھا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کی بربادی کی ذمے دار تم اور صرف تم ہو اور میرا خیال ہے کہ اس کا کچھ غلط بھی نہیں ہے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں یاد ہو گا کہ کئی سال پہلے جب تم ماؤنٹ ابو آئی تھیں تو کچھ خطرناک قسم کے لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے تھے اور تم زندگی بچانے کے لیے بھاگی پھر رہی تھیں اس وقت پنڈت بھیرو ہی کام آیا تھا۔ اس نے تمہیں پناہ دی تھی تم تقریباً ایک سال اس کے پاس رہیں اور پھر تم ناگ راج کی طرف چلی گئیں بھیرو کو اس بات کا افسوس نہ ہوتا اسے دکھ تو اس بات کا ہوا تھا کہ تم نے ناگ راج کو اس کے کچھ راز بھی بتا دیے تھے جس سے بھیرو کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ تمہاری وجہ سے ناگ راج کے ہاتھوں مسلسل نقصان اٹھاتا رہا۔ میں تمہیں یہاں لے تو آیا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں دیکھتے ہی جان سے مار دینے کی کوشش کرے گا۔''

بیلا کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ پہلے شاید وہ میری بات کو مذاق سمجھی تھی لیکن بعد کی باتیں سن کر اسے شاید یقین آ گیا تھا کہ میں غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

''تمہارے لیے بچاؤ کا ایک راستہ ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''اگر تم ناگ راج کا ٹھکانا بتا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بھیرو کو تمہارے قریب بھی نہیں پھٹکنے دوں گا تم جانتی ہو بھیرو، ناگ راج کو اس وقت اپنا دشمن نمبر ایک سمجھتا ہے اس نے نہ صرف اچل شوار مندر کو آگ لگا دی بلکہ بھیرو کو بھی زندہ جلانے کی کوشش کی تھی وہ اب بھی ناگ راج سے چھپتا پھر رہا ہے اگر تم ناگ راج کا ٹھکانہ بتا دو تو بھیرو کی سمسیا بھی حل ہو جائے گی میرا کام بھی بن جائے گا اور تم بھی عیش و آرام کی زندگی گزار سکو گی۔''

بیلا خاموشی سے میری باتیں سنتی رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لحظہ بدل رہے تھے میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا اور پھر میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں شاید میری باتوں کا یقین نہیں آیا..... آؤ میرے ساتھ۔''

میں نے بیلا کا ہاتھ پکڑ کر پلنگ سے نیچے کھینچ لیا اور اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

میں اسے لے کر پنڈت بھیرو والے کمرے میں داخل ہوا تو سترا بھی ہمارے پیچھے وہاں پہنچ گئی۔

بھیرو گہری نیند سو رہا تھا اس کے خراٹے کمرے کی فضا میں ارتعاش سا پیدا کر رہے تھے اس کی توند بھی غبارے کی طرح پھول پچک رہی تھی۔ بھیرو کو دیکھ کر بیلا کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے تھے اب تو اسے یقین کرنا ہی پڑا تھا کہ میں نے جو کہا تھا غلط نہیں تھا۔

میں نے سترا کو اشارہ کیا اس نے اس کمرے میں تہہ خانے کا راستہ کھول دیا ہم سیڑھیاں اترتے ہوئے تہہ خانے میں آ گئے میں بیلا کو اس وسیع و عریض کمرے میں لے گیا جہاں دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔

''یہ بھیرو کی دولت ہے۔'' میں نے بیلا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''آج ہر شخص اسے حاصل کرنے کے لیے بھیرو کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے اور بھیرو بے بس ہے۔ وہ اس وقت تک اس دولت کو استعمال نہیں کر سکتا جب تک اپنے سب سے بڑے دشمن ناگ راج کو ختم نہ کر دے باقی تو وہ کتے ہیں جن کے آگے ہڈیاں ڈال دی جائیں تو وہ خاموش ہو جائیں گے اس دولت کے حصول کے لیے ناگ راج کے اپنے آدمیوں میں پھوٹ پڑ رہی ہے پہلے شمبر مارا گیا اور اب دیوان اور جے سنگھ ایسا ہی منصوبہ بنا رہا ہے۔ مگر کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر تم چاہو تو اس میں سے آدھی دولت تمہاری ہو سکتی ہے۔''

''کیا.....'' بیلا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں صرف ناگ راج کا پتہ بتانا ہو گا۔''

''دنیا کا کوئی بھی لالچ مجھے میرے دیش سے غداری پر نہیں اکسا سکتا۔'' بیلا نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''تم جانتے ہو ناگ راج جس مشن پر کام کر رہا ہے اس سے ہماری قومی سلامتی وابستہ ہے میں اس کا ساتھ دولت کے لالچ میں نہیں دے رہی میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں اپنے دیش کے لیے کر رہی ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ناگ راج جیسے راکشس کو میں اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتی اس کے مشن کو ہر حال میں پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے اس کے لیے میں اپنی جان کی بھینٹ بھی دے سکتی ہوں دنیا کا کوئی لالچ مجھے غداری پر آمادہ نہیں کر سکتا۔''

''ناگ راج کے مشن کی کامیابی میرے ملک کی تباہی ہے اس لیے میں یہ مشن کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اور جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ کوئی لالچ تمہیں غداری پر آمادہ نہیں کر سکتا تو میں تمہارے اس جذبے کی تعریف ضرور کروں گا ہر شخص کو اپنے وطن کا وفادار ہونا چاہیے لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ تمہاری سرکار بیلا کی وجہ سے میرے وطن کے معصوم اور بیگناہ لوگوں کا قتل عام کر رہی ہے ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے ناگ راج کا مشن بھی

اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے تم اپنے دیش سے وفاداری نبھا رہی ہو میں اپنے وطن سے وفاداری نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس مشن کو میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے لیے میں نے بھی اپنی جان داؤ پر لگا رکھی ہے۔ ناگ راج کو اس منصوبے کی تکمیل سے پہلے ختم کرنا میری زندگی کا اہم ترین مشن ہے۔ مجھے ناگ راج کی تلاش ہے اور اس کا پتہ صرف تم بتا سکتی ہو۔ میں تم سے اس کا ٹھکانہ معلوم کروں گا اور یہ نہیں سوچوں گا کہ تم عورت ہو۔ میں ہر وہ حربہ استعمال کروں گا جس سے تمہاری زبان کھلوائی جا سکے۔"

"کوشش کر دیکھو۔" بیلا نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی گویا مجھے چیلنج کر رہی تھی۔

میں اسے ایک اور کمرے میں لے آیا۔ پنڈت بھیرو جی کسی مہا رلعہ سے کم نہیں تھا۔ کئی برسوں کی مدت میں تعمیر ہونے والے اس بنگلے میں اس نے تمام انتظامات کر رکھے تھے۔ اس کمرے کے عین وسط میں لوہے کے سپرنگوں والا ایک پلنگ رکھا ہوا تھا جس پر آرام دہ میٹرس بچھا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار پر کافی اوپر چبھنے والی تیز روشنی اس پلنگ پر لیٹنے والے کے چہرے پر پڑتی تھی۔ ضرورت کے وقت بجلی کے تار منسلک کر کے اس پلنگ میں کرنٹ بھی دوڑایا جا سکتا تھا لیکن میں فی الحال اتنا آگے نہیں جانا چاہتا تھا۔

بھیرو نے مجھے اس کمرے کی ایک ایک چیز کے بارے میں بڑے فخر سے بتایا تھا۔ یہ کمرہ دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے ایک بیڈ روم ہو اور یہاں رکھی ہوئی چیزیں جیسے کثرت میں استعمال ہوتی ہوں۔ لیکن درحقیقت ان کا استعمال کچھ اور تھا۔

میں نے سمترا کی مدد سے بیلا کو پکڑ کر اس پلنگ پر لٹا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر پلنگ کے ساتھ لگے ہوئے آہنی کلپوں میں جکڑ دیے اور سامنے والی موقولائٹ جلا دی اس کی روشنی براہ راست بیلا کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ بیلا سر جھٹکنے لگی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم ایک منٹ سے زیادہ آنکھیں بند نہیں رکھ سکو گی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو۔" وہ چیخی۔ "تف ہے تم پر ایک مرد ہو کر عورت پر ظلم کر رہے ہو تمہیں تو مرد کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔"

"یہاں میں تمہیں اپنی مردانگی دکھانے نہیں جا رہا۔" میں نے کہا۔ "اور تم عورت نہیں شیطان ہو اور شیطان کسی بھی روپ میں ہو سکتا ہے اگر تم عورت ہوتیں تو اپنی آنکھوں کے سامنے بے گناہ اور معصوم عورتوں کی عزت لٹتے دیکھ کر قہقہے نہ لگاتیں تمہاری وجہ سے اب تک نجانے کتنی عورتوں کی زندگیاں برباد ہو چکی ہیں، کتنے گھر اجڑ چکے ہیں نہیں بیلا تم اس قابل نہیں ہو کہ تم پر ترس کھایا جائے یا رحم کیا جائے..... تمہارے اس خوبصورت جسم کی بوٹیاں کاٹتے ہوئے مجھے بالکل افسوس نہیں ہو گا میں تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹ کر اس ہیٹر پر ڈالتا جاؤں گا تم اپنی آنکھوں سے اپنے آپ کو ٹکڑوں میں روسٹ ہوتے دیکھو گی اپنا گوشت جلنے کی بو سونگھو گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ جب کسی کو زندہ جلایا جاتا ہے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔ سمترا۔" میں آخر میں سمترا کی طرف گھوم گیا۔ "ہیٹر کا پلگ لگا دو۔"

دیوار کے قریب بجلی کے ساکٹ والے میز پر ایک الیکٹرک ہیٹر رکھا ہوا تھا۔ سمترا نے پلگ لگا کر سوئچ آن کر دیا۔ ہیٹر کا کوائل [illegible] منٹ آہستہ آہستہ سرخ ہوتا چلا گیا۔ بیلا کے چہرے پر زردی

کھنڈنے لگی۔ آنکھوں میں وحشت بھی ابھر آئی میں نے الماری سے ایک زنبور نکال لیا۔

"میں تمہارے پیروں کے ناخنوں سے شروع کروں گا۔" میں نے اس کے پیروں کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کتنی سخت جان ہو اور کب تک برداشت کرتی ہو ویسے میرا تجربہ یہ ہے کہ ظالم انسان بہت جلد ہتھیار ڈال دیتا ہے لیکن تم ذرا مختلف قسم کی ہو شاید کچھ دیر برداشت کر لو۔"

میں اس کے سیدھے پیر کے انگوٹھے کا ناخن زنبور میں پکڑنے کی کوشش کرنے لگا بیلا زور زور سے پیر کو حرکت دے رہی تھی میں نے ایک ہاتھ سے اس کا پیر پکڑ لیا اور ناخن کو زنبور کی گرفت میں لے لیا۔

"کیا ارادہ ہے!" میں نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔ "زبان کھولو گی یا اکھاڑ دوں ناخن؟"

"نہیں۔" بیلا چیخی۔ "میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

بیلا کو شاید اب بھی یہ گھمنڈ تھا کہ اس کے ساتھ گزرے ہوئے کچھ اچھے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے میں اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کروں گا اور یہ سب کچھ اسے محض ڈرانے کے لیے کر رہا ہوں لیکن میں مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے زنبور کو ہلکا سا جھٹکا دیا بیلا چیخ اٹھی۔

"بتاؤ گی یا نہیں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" بیلا سر پٹختی ہوئی چیخی اور پھر اس نے سختی سے دانت بھینچ لیے۔ میرے لیے اب اس کا لحاظ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں زنبور کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا بیلا کی چیخیں تہہ خانے میں گونج رہی تھیں وہ زور زور سے سر پٹخ رہی تھی۔ ہاتھ پیر آہنی کلپوں میں جکڑے ہوئے نہ ہوتے تو وہ تڑپتے ہوئے پلنگ سے نیچے گر جاتی۔ میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا انگوٹھے کا پورا ناخن جڑ سے اکھڑ گیا اور خون کا فوارہ بہہ نکلا۔

بیلا کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بڑی خوفناک تھیں وہ زور زور سے سر جھٹکتی ہوئی ہاتھ پیروں کو آزاد کرانے کی کوشش کرتی رہی۔

سمترا منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس سے یہ منظر نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ بیلا آہستہ آہستہ پرسکون ہوتی چلی گئی اس کے انگوٹھے سے بہنے والے خون سے نہ صرف [illegible] چادر کا ایک حصہ تر ہو گیا تھا بلکہ خون فرش پر بھی ٹپک رہا تھا۔

میں بیلا کے سرہانے کی طرف آ گیا۔ زنبور میرے ہاتھ میں تھا جس میں خون آلود ناخن پھنسا ہوا تھا بیلا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"میں نے جو کہا تھا اس کی ابتدا کر چکا ہوں۔" میں نے اسے ناخن دکھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تمہارا ناخن اکھاڑا ہے اور تھوڑی دیر بعد تمہاری خوبصورت سڈول پنڈلی سے گوشت کا ایک پارچہ الگ کروں گا۔"

میری بات ادھوری رہ گئی۔ بیلا نے میرے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ نفرت تھی اب اسے احساس ہو گیا تھا کہ میں اس کے ساتھ کسی قسم کی مروت نہیں برتوں گا۔

"مجھے تمہاری اس حرکت پر غصہ نہیں آیا۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "شکست خوردہ لوگ

ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔"

"تم جو چاہو کرلو۔ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔" بیلا نے کہا اس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

میں نے اس کا ناخن ہیٹر پر ڈال دیا۔ ناخن کے ساتھ ماس بھی تھا کمرے میں ناخن اور گوشت جلنے کی تیز بو پھیل گئی ایک منٹ بعد میں نے ہیٹر کا سوئچ آف کردیا۔ زنبور وہیں میز پر رکھ دیا اور سحرا کو اشارہ کرتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔ سحرا کا چہرہ بھی اس وقت زرد ہو رہا تھا۔ ہوسکتا ہے پہلے اس نے کبھی ایسا خوفناک منظر نہ دیکھا ہو۔

تہہ خانے سے باہر آکر کمرے سے گزرتے ہوئے بھی میں نے بھیرو کے بیڈروم کی طرف دیکھا وہ اب بھی بے خبر سو رہا تھا ہم ہال کمرے میں آگئے مدھوا ب بھی صوفے پر آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی اور رتنا دوسرے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

سورج طلوع ہو چکا تھا دھوپ کی کرنیں کھڑکیوں کے راستے اندر آرہی تھیں سحرا، رتنا کے پاس بیٹھی سرگوشیوں میں اسے تہہ خانے میں ہونے والے واقعہ کے بارے میں بتا رہی تھی اور وہ دونوں کن انکھیوں سے کبھی کبھی میری طرف بھی دیکھ رہی تھیں۔

"میں تو اپنے کمرے میں جا کر سو رہا ہوں کبھی کوئی مجھے جگانے کی کوشش نہ کرے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ کر کے سونا میں کچن میں جارہی ہوں۔" رتنا ایک دم اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

اور پھر ایک گھنٹے بعد میں ناشتہ کر کے اٹھ گیا۔

"بیلا کو بھی ناشتہ کروا دو اور اس کے زخم کی ڈریسنگ بھی کر دو۔" میں نے سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے ابھی تہہ خانے ہی میں رہنے دینا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ بھیرو اس کے قریب نہ جانے پائے۔ بیلا سے ابھی میں نے بہت کچھ پوچھنا ہے وہ ہمارے لیے اس وقت تک اہم ہے جب تک ناگ راج کا پتہ نہیں بتا دیتی۔"

میں اپنے کمرے میں آگیا بستر پر لیٹتے ہوئے بھی میں بیلا ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا وہ واقعی بہت سخت جان ثابت ہوئی تھی اس طرح کسی آدمی کا ناخن اکھاڑا جاتا تو سب سے پہلے تو وہ گھنٹے بھر کے لیے بے ہوش ہو جاتا اور پھر ہوش میں آنے کے بعد فرفر بولنے لگتا مگر بیلا نہ صرف یہ اذیت برداشت کرگئی تھی بلکہ میرے منہ پر تھوک کر یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی تھی کہ وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک ہے۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں سو گیا اور پھر میری آنکھ شام کے وقت ہی کھلی تھی میں اٹھ کر ہال کمرے میں آیا تو پنڈت بھیرو بھی وہاں موجود تھا اور اس وقت بڑے خوشگوار موڈ میں نظر آرہا تھا۔

"وِنڈر فل مین۔" وہ مجھے دیکھتے ہی چیکا۔ "بیلا کو بندی خانے میں لا کر تم نے ناگ راج کے خلاف آدھی یدھ جیت لی ہے۔"

آدھی یدھ تو میں نے اسی روز جیت لی تھی جب پہلی مرتبہ اڑیلا مندر میں ناگ راج کے سامنے سے فرار ہوا تھا اور اس کے آدمی میرا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ بیچ کی ساری ٹرائل تو محض ایک دوسرے کی

قوت آزمائی کے لیے لڑی جارہی تھی۔" میں نے کہا۔

"اور آزمائش ہی آزمائش میں تم نے اس کی کمر توڑ دی۔" بھیرو نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "سحرا نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے جے پور میں رانا شمشیر سنگھ کو اپنے پیلس کی بربادی کی اطلاع مل چکی ہوگی ہوسکتا ہے وہ یہاں پہنچ بھی گیا ہو تم رانا شمشیر سنگھ کو نہیں جانتے وہ کسی وجہ سے اگر اب تک ناگ راج کا ساتھ دیتا آیا ہے تو اب وہ ناگ راج کو زندہ نہیں چھوڑے گا وہ تو اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اس سے پہلے میں ناگ راج تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ضرور پہنچ سکے مگر یہ بیلا......"

"جب تک میں نہ کہوں تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھتا ہے من چاہتا ہے اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں مگر تم کہتے ہو تو میں اسے کچھ نہیں کہوں گا بلکہ اس کے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔ جب تک تم اجازت نہیں دو گے۔" "دو چار دن اور انتظار کرلوں گا بہت حساب کرنا ہے میں نے اس سے۔" بھیرو نے کہا۔

"میں غور سے بھیرو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس کی اندرونی کیفیت کا اظہار کر رہے تھے اس نے اگرچہ کہہ دیا تھا کہ وہ دو چار دن انتظار کرے گا مگر مجھے شبہ تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ مجھے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔

بیلا اس وقت میرے لیے بہت اہم تھی ناگ راج کے تمام اہم آدمی ایک ایک کر کے میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے اب صرف بیلا ہی ایک ایسی ہستی تھی جو اس کی خفیہ پناہ گاہ کے بارے میں جانتی تھی اور میں اسے ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا تھا۔

تین دن گزر گئے اس دوران بیلا کو تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آیا گیا تھا۔ میں نے اس کے لیے اپنے ساتھ والے کمرے کا انتخاب کیا تھا یہ کمرہ سائز میں میرے بیڈروم سے دوگنا بڑا تھا اس میں وال ٹو وال قالین بچھا ہوا تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ قالین کے اطراف میں گاؤ تکیے اور خوبصورت کشن رکھے ہوئے تھے۔ سحرا نے بتایا کہ بھیرو جب موڈ میں ہوتا تو اس کمرے میں محفل جمایا کرتا تھا لیکن للیتا کی موت کے بعد اس نے یہاں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ مندر والے بنگلے میں رہتے ہوئے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ بھیرو سحرا کے مقابلے میں للیتا کو زیادہ چاہتا تھا۔ للیتا ختم ہوگئی تھی تو اس کا دل بھی شاید بجھ گیا تھا۔ سنا تھا سحرا بھی بہت اچھی رقاصہ تھی لیکن ابھی تک مجھے اس کا ڈانس دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا بہرحال اس بڑے کمرے میں ایک بیڈ لگا کر میں نے بیلا کو وہاں منتقل کردیا تھا اور بیٹھنے کے لیے بیڈ کے قریب ایک دو کرسیاں بھی ڈلوا دی تھیں۔

انگوٹھے کا ناخن اکھاڑنے کے بعد میں نے بیلا کے ساتھ اور کوئی زیادتی نہیں کی تھی تاہم میں بعض اوقات دو دو تین تین گھنٹے اس کے پاس بیٹھا رہتا میں اسے باتوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نفسیاتی حربے استعمال کر رہا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی اس کے برعکس وہ مجھے پٹی پڑھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اگر میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو میرے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیے جائیں گے۔ ہندوستان کی حسین ترین لڑکیاں میری سیوا کریں گی۔

میرا خیال تھا بیلا وقت گزارنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میرے پاس وقت نہیں تھا اب مجھے ہر صورت میں اس کی زبان کھلوانی تھی۔

"اب میں تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔" میں نے اس روز بیلا سے باتوں کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ان چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تم نے از خود زبان کھول دی تو ٹھیک ہے بصورت دیگر میں تمہیں پھر تہہ خانے میں لے جاؤں گا اور تمہاری بوٹیاں کاٹ کاٹ کر پھینکتا رہوں گا میرا ہاتھ اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک تم زبان نہیں کھولو گی۔"

میں بیلا کو یہ وارننگ دے کر کمرے سے باہر آ گیا۔

ان تین چار دنوں کے دوران میں نے شہر کے حالات پر بھی نگاہ رکھی تھی۔ دو مرتبہ میں خود باہر گیا تھا اور ایک مرتبہ رتی اور سمترا گھوم پھر کر آئی تھیں اور اس دوران چند دلچسپ باتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

رانا شمشیر سنگھ اطلاع ملتے ہی جے پور سے واپس آ گیا اس کے آنے سے پہلے پانی پیلس کے ہر حصے میں پھیل چکا تھا اور پیلس کی ہر چیز تباہ ہو گئی تھی۔ کروڑوں روپے کا نقصان ہوا تھا پہلے تو مجھے بھی اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ اتنا پانی کہاں سے آ رہا تھا لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ پیلس کے پیچھے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر بہنے والی نہر تک زیر زمین پائپ لائن بچھا کر پانی پیلس تک لانے کا بندوبست کیا گیا تھا اور یہ سارا انتظام پیلس کی تعمیر کے وقت ہی کیا گیا تھا۔ اس قسم کے تمام خطرناک شعبدوں کو اسی کنٹرول روم سے چینل کیا جاتا تھا۔ اس رات بیلا نے ایک بٹن دبا کر نہری پائپ لائن کا والو کھول دیا تھا مگر اسے بند نہیں کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں پانی پیلس کے کمروں میں بھرتا رہا اس کا انکشاف کئی گھنٹوں بعد ہوا تھا اور رانا شمشیر سنگھ کو اطلاع دے دی گئی تھی اور اس کے آنے تک سب کچھ تباہ ہو چکا تھا اور اب رانا شمشیر سنگھ کے آدمی بڑی سرگرمی سے ناگ راج کو تلاش کر رہے تھے جبکہ میں ان سے پہلے ناگ راج تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

دوسرا انکشاف یہ ہوا تھا کہ اس رات جب میں اور مدھو شکتی کے ساتھ رانا پیلس کی طرف جا رہے تھے اور راستے میں پولیس کو دیکھ کر میں اور مدھو کار سے کود گئے تھے اور بعد میں ہم نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی، شکتی گولی لگنے سے زخمی ہو گیا تھا اور ماؤنٹ ابو کے سرکاری ہسپتال میں پڑا تھا جب سے مجھے شکتی کے بارے میں پتہ چلا تھا میں اسے ہسپتال سے نکالنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور آخر کار یہ طے پایا تھا کہ آج شام میں اور مدھو ڈاکٹر اور نرس کے بھیس میں ہسپتال جائیں گے اور شکتی کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اس سلسلے میں کچھ معلومات بھی حاصل کر لی تھیں اور ڈاکٹر اور نرس کے کپڑوں اور دوسری متعلقہ چیزوں کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

شام سات بجے نرسوں اور ڈاکٹروں کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی تھی شام سات بجے آنے والا سٹاف صبح سات بجے تک ڈیوٹی پر رہتا تھا۔ میں نے شکتی والے وارڈ میں ڈیوٹی دینے والے ڈاکٹر کا پتہ چلا لیا تھا اور اسے پانچ ہزار روپے دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ نرس کو ساتھ لے کر کم از کم دو گھنٹوں کے لیے ہسپتال سے غائب ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کو مہینے بھر کی تنخواہ چار ہزار روپے ملتی تھی دو گھنٹوں کے لیے پانچ ہزار والی بات تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچی ہوگی۔

شکتی کو ہسپتال کے جس وارڈ میں رکھا گیا تھا اس کے دونوں دروازوں پر پولیس کا پہرہ تھا ایسی صورت میں ہسپتال میں داخل ہونا اور شکتی کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ہماری اپنی جانوں کا بھی خطرہ تھا مگر میں شکتی کے لیے یہ رسک لینے کو تیار تھا اس نے میرے لیے بہت کام کیا تھا اور میں اس سے ابھی اور کام لینا چاہتا تھا۔

میں اور مدھو ساڑھے آٹھ بجے فیاٹ پر بنگلے سے نکلے۔ مدھو نرس کی سفید یونیفارم میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں نے پینٹ شرٹ پر سفید گاؤن پہن رکھا تھا۔ گاؤن کی جیب میں اسٹیتھوسکوپ رکھا ہوا تھا۔

کار میں نے ہسپتال کے پچھلے دروازے کے سامنے کھڑی کر دی۔ ہسپتال کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے میں نے جیب سے سفید شیشوں والی عینک نکال کر آنکھوں پر لگائی اور اسٹیتھوسکوپ کو جیب سے نکال کر گلے میں لٹکا لیا مدھو نے بھی آنکھوں پر عینک لگائی تھی۔

رات نو بجے نائٹ ڈیوٹی کے ڈاکٹر اپنے اپنے وارڈ میں آخری راؤنڈ لگایا کرتے تھے۔ پروگرام کے مطابق ڈاکٹر مدن کو وارڈ کی نرس کے ساتھ ساڑھے آٹھ بجے وہاں سے چلے جانا تھا۔

پستول میری پتلون کی جیب میں بھی تھا اور مدھو نے بھی اپنے لباس میں پستول چھپا رکھا تھا۔

ہسپتال میں داخل ہوتے ہوئے ہم دونوں کے دل بڑی تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ مدھو کے چہرے کی رنگت کسی حد تک متغیر ہو گئی تھی۔ مدھو کے حوالے سے ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ باحوصلہ لڑکی تھی خطرات سے نہیں گھبراتی تھی آگ میں بھی کود پڑتی تھی وہ الگ بات ہے کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتی تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔

ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے وارڈ میں داخل ہو گئے۔ اس طرف دونوں پولیس والے دروازے کے سامنے بنچ پر بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے اچٹتی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

وارڈ میں داخل ہوتے ہی میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ شکتی دوسری طرف چوتھے بیڈ پر تھا۔ ہم نے دوسری قطار کے مریضوں کو چیک کرنا شروع کر دیا۔ میں چارٹ اٹھا کر دیکھتا پھر چارٹ مدھو کے حوالے کر دیتا اور مریض سے چند سوالات کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ شکتی بڑی گہری نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور جب ہم اس کے بیڈ کے قریب پہنچے تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"مسٹر.... "

"خاموش۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "تمہارا زخم کیسا ہے؟"

"ٹھیک نہیں ہے ڈاکٹر۔" شکتی نے قدرے اونچی آواز میں جواب دیا۔

گولی اس کی ران میں لگی تھی میں نے اس کی پٹی کھول دی زخم کے اردگرد نیلاہٹ سی تھی اس وقت ایک پولیس والا بھی قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"نرس۔" میں نے مدھو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسے فوراً آپریشن تھیٹر میں پہنچاؤ زخم میں زہر پھیل

رہا ہے فوراً آپریشن کرنا ضروری ہے۔"

"یس ڈاکٹر۔" مدھو نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر جی۔" پولیس والا بولا۔ "یہ مریض ایک خطرناک مجرم ہے اسے افسروں کی اجازت کے بغیر وارڈ سے باہر نہیں لے جایا جا سکتا۔"

"اور تمہارا آفیسر صبح آئے گا۔" میں نے اسے گھورا۔ "اس وقت تک زہر پوری ٹانگ میں پھیل جائے گا اور اس کی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ نہیں کانسٹیبل میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ اس کا آپریشن ابھی ہو گا اور پھر ہم اسے آپریشن تھیٹر میں ہی لے جا رہے ہیں اور یہ اس پوزیشن میں بھی نہیں ہے کہ فرار ہونے کی کوشش کر سکے۔ اگر تمہیں کوئی اندیشہ ہے تو تم ہمارے ساتھ چلو آپریشن تھیٹر کے دروازے پر کھڑے رہنا۔"

کانسٹیبل کچھ ہچکچایا مدھو نے بڑی تیزی دکھائی اور وارڈ کے آخر میں پڑی ہوئی وہیل چیئر لے آئی میں نے مدھو کی مدد سے شکتی کو بیڈ سے اٹھا کر وہیل چیئر پر بٹھا دیا۔

مدھو وہیل چیئر دھکیلنے لگی۔

کانسٹیبل نے وارڈ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور خود ہمارے ساتھ چل پڑا میں نے اپنا ہاتھ گاؤن کے نیچے پتلون کی جیب میں ڈال رکھا تھا۔ ہم جیسے ہی تیسری راہداری میں مڑے ہمارے ساتھ آنے والا کانسٹیبل ٹھٹک گیا۔

"ڈاکٹر جی آپریشن تھیٹر ادھر ہے آپ ادھر کہاں ...؟"

"وہ مین آپریشن تھیٹر اس وقت خالی نہیں۔" میں نے کانسٹیبل کی بات کاٹ دی۔ "ایمرجنسی آپریشن تھیٹر میں لے جا رہے ہیں۔"

"پر یہ تو باہر جانے کا راستہ ہے ڈاکٹر جی۔" کانسٹیبل بولا۔

مدھو نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا میں نے اسے اشارہ کیا وہ نہ صرف چلتی رہی بلکہ اس نے اپنے لباس کے اندر سے پستول نکال کر شکتی کے ہاتھ میں دے دیا کانسٹیبل ہم سے اگرچہ دو قدم پیچھے تھا مگر اس نے مدھو کی حرکت دیکھ لی۔

"اے۔" وہ چیخا۔ "رک جاؤ تم لوگ..... چھوڑ دو قیدی کو۔" کانسٹیبل نے ایک دم رائفل تان لی لیکن میں نے اس سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ گاؤن کے نیچے سے نکال کر فائر کر دیا۔ گولی اس کانسٹیبل کے کندھے پر لگی وہ چیختا ہوا نیچے گرا رائفل بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔

"بھاگو مدھو..." میں چیخا۔

مدھو میرے کہنے سے پہلے ہی وہیل چیئر کو تیزی سے دھکیلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی کرسی پر بیٹھے ہوئے شکتی نے اپنا تندرست پیر آگے بڑھا کر دروازے کو زور دار دھکا دیا وہیل چیئر آسانی سے دروازے سے باہر آ گئی۔

کار وہاں سے تقریباً دس گز دور تھی اس سے آگے گھاس کا پلاٹ تھا جہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں عورتیں بھی تھیں یہ ان بعض مریضوں کے عزیز و اقارب تھے جو شہر سے باہر دور دراز کے گاؤں

دیہاتوں سے آئے ہوئے تھے اور شب بسری کے لیے لان ہی میں ڈیرے جما رکھے تھے۔ ہسپتال کی راہداری میں گولی چلنے کی آواز سن کر وہ سب ہی چونک کر اس طرف دیکھنے لگے تھے۔

دروازے سے کار تک راستہ کچا تھا مدھو تیزی سے وہیل چیئر کو دھکیل رہی تھی میں اس سے پہلے ہی دوڑ کر کار کے قریب پہنچ گیا کار کا دروازہ میں نے لاک نہیں کیا تھا ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ اس دوران مدھو بھی قریب پہنچ چکی تھی۔

"جلدی کرو مدھو۔" میں چیخا۔ "اگر دوسرے پولیس والے آ گئے تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

مدھو نے کار کے پچھلے دروازے کے قریب وہیل چیئر روک لی۔ دروازہ کھولا اور خود اوپر سے گھوم کر دوسرے دروازے سے اندر آ گئی اور شکتی کو ہاتھ سے پکڑ کر اندر کھینچنے لگی۔ شکتی نے اٹھنے کے لیے تندرست پیر سے وہیل چیئر کے پائیدان پر دباؤ ڈالا وہ چند انچ اوپر تو تھا کہ وہیل چیئر اس کے نیچے سے نکل گئی اور تین چار فٹ پیچھے ہٹ گئی شکتی بھی منہ کے بل کار کے دروازے کے قریب گرا اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

اسی دوران ہسپتال کی راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی وہ یقیناً پولیس والوں میں سے کوئی ایک تھا۔ راہداری میں چلنے والی گولی کی آواز سن کر اس طرف آیا تھا۔

"مدھو..... جلدی کرو اسے اندر کھینچو۔" میں چیخا کار کا انجن میں سٹارٹ کر چکا تھا۔

مدھو شکتی کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ رہی تھی۔ شکتی کا آدھا دھڑ کار کے اندر تھا وہ تندرست پیر پر زور دے کر اپنے آپ کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران راہداری کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا ایک پولیس والا برآمد ہوا رائفل کو اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس نے صورتحال کا جائزہ لے لیا اور دوسرے ہی لمحے فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی اس کے ساتھ ہی شکتی اور مدھو کی چیخوں کی آواز بھی فضا میں پھیل گئی۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا مدھو سیٹ پر اوندھی پڑی تھی اس کے دونوں ہاتھ سر پر تھے جیسے سر کو کسی ممکنہ چوٹ سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو اور شکتی کار سے باہر گر چکا تھا اس کا بدن گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کر لیا اور ہینڈ بریک پیڈل پر رکھا ہوا پیر اٹھا لیا کار ایک زوردار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔

لان میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں بھگدڑ سی مچ گئی لوگ بدحواس ہو کر ادھر ادھر دوڑنے لگے ایک آدمی کار سے ٹکرا کر دور جا گرا تھا یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کار کے نیچے نہیں آیا تھا۔

وہ پولیس والا اب کار پر فائرنگ کر رہا تھا ایک آدھ گولی کار کی ڈگی یا پچھلے حصے پر ضرور لگی ہو گی خوش قسمتی طور پر کار کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا کیونکہ میں نے کار کو بڑی تیزی سے عمارت کے دوسری طرف گھما دیا تھا اس طرف بھی لوگوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔

میں کار کو ہسپتال کے عقبی گیٹ کی طرف دوڑاتا چلا گیا اس دوران وہ پولیس والا بھی دوڑتا ہوا عمارت کے دوسری طرف آ گیا تھا لیکن اس طرف لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ فائرنگ نہیں کر سکتا تھا البتہ وہ چیختا ہوا کار کے پیچھے دوڑ رہا تھا مگر میں کار کو گیٹ سے نکال لے گیا۔

پندرہ بیس منٹ تک کار کو مختلف سڑکوں پر دوڑانے کے بعد میں اصل راستے پر آ گیا اور اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد کار بھیرو والے بنگلے کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔

پہلے مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ کوئی گولی مدھو کو بھی نہ چاٹ گئی ہو لیکن ہسپتال سے نکلتے ہی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں بند کر رکھی تھیں میں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ بھی خاموش بیٹھی رہی تھی۔

پورچ میں گاڑی روک کر میں نے مڑ کر مدھو کی طرف دیکھا اس کا چہرہ اب بھی دھواں ہو رہا تھا آنکھوں میں بے پناہ دہشت تھی اور سانس اس قدر تیز تھا کہ سینے کا زیر و بم دور سے ہی نظر آ رہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو نا مدھو۔'' میں نے پہلی مرتبہ اسے مخاطب کیا۔

''آں..... ہاں۔'' وہ جیسے چونک گئی۔ ''ہم..... میں ٹھیک ہوں۔''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بنگلے کے اندر سے چیخوں کی آواز سن کر میں چونک گیا اور کار کا دروازہ کھول کر جلدی سے نیچے اتر آیا۔ ٹھیک اسی لمحہ دھڑ سے برآمدے والا دروازہ کھلا اور سمترا نمودار ہوئی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''ناجی جلدی آؤ وہ اسے مار ڈالے گا۔'' وہ دروازے ہی سے چیخی۔ میں نے برآمدے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں سمجھ گیا تھا وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا۔ کہاں ہے وہ؟'' میں نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا ہوا تم آ گئے۔'' سمترا نے کہا۔ ''وہ دس منٹ سے بیلا کے کمرے میں گھسا ہوا ہے اور دروازہ اندر سے لاک کر رکھا ہے۔ اندر سے بیلا کی چیخوں کی آواز سن کر ہم نے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی مگر بھیرو دروازہ نہیں کھول رہا۔''

''رتنا۔'' میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی بارہ بج رہے تھے۔ ''تم باہر مدھو کو دیکھو۔''

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بیلا والے کمرے کے سامنے پہنچ گیا اور دروازے کا ہینڈل گھمانے کی کوشش کرتے ہوئے بھیرو کو آوازیں دینے لگا۔ اندر سے مسلسل دھما چوکڑی اور بیلا کی چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''بھیرو..... دروازہ کھولو بھیرو۔'' میں دروازے کو دھڑ دھڑاتے ہوئے چیخا۔

''بھاگ جاؤ یہاں سے۔'' اندر سے بھیرو کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''اب یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔''

میں نے کندھے سے دو تین ٹکریں ماریں مگر دروازہ اس طرح کھلنے والا نہیں تھا میں نے جیب سے پستول نکال لیا اور اس کی نال قفل پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا تالا ٹوٹ گیا۔ میں دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

کمرے کا منظر بڑا خوفناک تھا بیڈ کی چادر اور قالین پر جا بجا خون کے دھبے نظر آ رہے تھے بیلا قالین پر اس طرح پڑی تھی کہ اس نے کہنیاں نیچے ٹکا رکھی تھیں اور آہستہ آہستہ پیچھے کھسک رہی تھی اس کے

جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا اس کی دونوں چھاتیوں پر گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے متعدد زخم تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ سینے پر بھی ایسے دو تین زخم نظر آ رہے تھے صاف لگ رہا تھا کہ اسے دانتوں سے بھنبھوڑا گیا تھا وہ چیختی ہوئی آہستہ آہستہ پیچھے دیوار کی طرف سرک رہی تھی اور بھیرو اس سے تین چار قدم کے فاصلے پر تھا اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور منہ خون آلود تھا ہونٹوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ چہرے پر بے پناہ جنون تھا۔ وہ اس وقت انسان نہیں خونخوار بھیڑیا یا عفریت لگ رہا تھا۔

''بھیرو رک جاؤ۔'' میں چیخا۔ ''رک جاؤ۔''

بھیرو نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا میں کانپ اٹھا ایسا خوفناک چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چہرے پر بے پناہ سفاکی اور آنکھوں میں شدید نفرت تھی لگتا تھا جیسے چنگاریاں پھوٹ رہی ہوں۔ وہ مڑ کر بیلا کی طرف بڑھنے لگا۔ بیلا چیختی ہوئی اپنے آپ کو مسلسل پیچھے گھسیٹ رہی تھی۔

''بھیرو رک جاؤ۔'' میں ایک بار پھر چیخا۔ ''میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔''

مگر بھیرو نہیں رکا میں نے آخری بار اسے رکنے کو کہا اور پھر پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کے پہلو میں لگی وہ چیخ اٹھا۔ اس کا ایک ہاتھ پہلو پر اس جگہ پہنچ گیا جہاں گولی لگی تھی اور پھر وہ ریچھ کی طرح ڈکراتا ہوا میری طرف بڑھا اس کا چہرہ کچھ اور خوفناک ہو گیا تھا اس وقت وہ واقعی کوئی عفریت لگ رہا تھا میں نے اسے رک جانے کو کہا مگر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھتا رہا۔ میں بے دربے پستول کا ٹریگر دباتا چلا گیا۔ پستول میں موجود باقی چار گولیاں بھی بھیرو کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔ لیکن لگتا تھا جیسے اس دیوزاد پر پستول کی گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا ہو وہ دو قدم اور آگے بڑھ آیا اور پھر لڑکھڑا گیا۔ چند لمحے سنبھلنے کی کوشش کرتا رہا پھر کٹے ہوئے درخت کی طرح لہرا کے نیچے گرا اور اس کے جسم سے بہنے والا خون قالین میں جذب ہونے لگا۔

☆..... .....☆ ☆

میرا جسم پسینے میں شرابور ہونے لگا۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی پسینے سے تر ہو گئیں۔ میں نے پستول پھینک دیا اور مڑ کر دیکھا تو سمترا اور رتنا دروازے میں کھڑی تھیں ان دونوں کے چہرے خوف سے پیلے ہو رہے تھے اور آنکھوں میں بے پناہ دہشت بھری ہوئی تھی۔

میں مڑ کر بیلا کی طرف دیکھنے لگا وہ دیوار کے قریب پہنچ گئی تھی اور ٹیک لگا کر اپنے آپ کو اوپر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی میں اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''اسے اٹھا کر میرے کمرے میں لے جاؤ اور ڈریسنگ کرو اس کی۔'' میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''رتنا اور سمترا یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خوفزدہ تھیں میرا موڈ دیکھ کر وہ کچھ اور بھی سہم گئیں میں ہال کمرے میں آیا تو مدھو بھی سہمی ہوئی وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

عجیب صورتحال تھی معاملات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جا رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے میں کسی ماخوق

چکر میں پھنس گیا ہوں صرف ایک گھنٹہ پہلے ہم اپنے ایک ساتھی کی لاش چھوڑ کر آئے تھے اگر ہمیں ایک دو منٹ کا وقت مل جاتا تو ہم شتی کو ہسپتال لے آنے میں کامیاب ہو جاتے اس کا صدمہ ابھی میرے ذہن پر تھا کہ یہاں آتے ہی اس خوفناک ترین صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بیلا کی حالت دیکھ کر میں کانپ اٹھا تھا۔ لگتا تھا بھیرو جیسے پاگل ہو گیا ہو اس پر بڑی خطرناک قسم کی جنونی کیفیت طاری تھی۔ اس نے دانتوں سے بیلا کو اس طرح جھنجوڑا تھا جیسے وہ کسی خونخوار بھیڑیے کے ہتھے چڑھ گئی ہو اگر مجھے یہاں پہنچنے میں چند منٹ کی دیر ہو جاتی تو وہ بیلا کو مار ڈالتا۔ میرے بار بار روکنے کے باوجود وہ نہیں مانا تھا اور مجبوراً مجھے اس پر گولی چلانی پڑی تھی۔ پہلی گولی کھانے کے بعد وہ جس طرح میری طرف بڑھا تھا اس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ قابو میں آنے والا نہیں ہے اسے زندہ چھوڑ کر میں اپنے لیے مزید مسائل پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بھیرو کی موت کا افسوس ہوا تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اس کی زندگی میرے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔

سمترا اور رتنا بیلا کو اٹھا کر میرے کمرے میں لے گئیں میں اٹھ کر ایک اور کمرے میں گھس گیا جہاں کسی وقت میں نے میڈیسن بکس رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ میں وہ بکس اٹھا کر باہر آ گیا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی اسی دوران سمترا میرے کمرے سے باہر آ گئی وہ جیسے ہی دوسرے کمرے میں داخل ہونے لگی میں نے آواز دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"میڈیسن بکس میرے پاس ہے سمترا۔"

وہ میری طرف آ گئی میں نے میڈیسن بکس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"تم خود چل کر دیکھو اسے میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا اس راکھشس نے اس طرح جھنجوڑا ہے اسے۔" وہ بکس میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا میرا خیال تھا کہ میرے ہاتھوں بھیرو کے مارے جانے پر وہ کسی شدید ردعمل کا اظہار کرے گی مگر اس کے منہ سے بھیرو کے لیے راکھشس کا لفظ سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ بیلا کی حالت نے اسے متاثر کیا تھا اور وہ بھیرو کو وحشی کہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

"مم... میں کیسے دیکھوں۔" میرا مطلب ہے اس کے جسم پر کوئی لباس۔"

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔" ہم تینوں چاروں ناریاں جو اس وقت یہاں موجود ہیں تم ان کے شریروں کی اونچ نیچ سے اچھی طرح واقف ہو میرا خیال ہے ہم میں سے کسی کو لاج نہیں آئے گی۔"

میں اٹھ کر اس کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ رتنا بیڈ کے قریب کھڑی تھی اور بیلا بیڈ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں ابھی تین دن پہلے میں نے اس کے پیر کے انگوٹھے کا ناخن اکھاڑا تھا اور وہ بری طرح تڑپی تھی۔ ابھی اس کی ایک تکلیف کم نہیں ہوئی تھی کہ یہ بپتا آن پڑی اس کے بیڈ پر بچھی ہوئی چادر خون آلود ہو رہی تھی۔ رتنا نے دوسری چادر اٹھا کر اس کے جسم پر اس طرح ڈال دی کہ اس کی ستر پوشی کسی حد تک ہو گئی۔

آواز سن کر بیلا نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے ایک لمحے کو اس کے چہرے کی طرف دیکھا

اور پھر اینٹی سیپٹک لوشن سے اس کی ناخنوں کے زخم صاف کرنے لگا۔ بھیرو واقعی وحشی ثابت ہوا تھا اس نے بیلا کو دانتوں سے بری طرح جھنجوڑا تھا۔ بعض جگہوں پر صرف دانتوں کے نشان تھے اور بعض جگہ سے بوٹیاں تو نچ لی گئی تھیں۔ اینٹی سیپٹک لوشن لگنے سے بیلا بری طرح مچلنے لگی۔ رتنا نے اسے بانہوں سے اور سمترا نے اسے ٹانگوں سے پکڑ لیا۔ تقریباً پون گھنٹے تک میں اس کے زخم صاف کرتا رہا پھر سمترا نے مجھے بیگ میں سے مرہم کی ایک ٹیوب نکال دی۔

مرہم لگنے سے بیلا پر سکون ہوتی چلی گئی۔

اس موقع پر مجھے ڈاکٹر شانتا بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی وہ ہوتی تو سب کچھ سنبھال لیتی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس وقت بیلا کا کوئی نہ کوئی ٹیسٹ ہونا ضروری تھا کم از کم ٹیٹنس کا ٹیسٹ کر کے اسے بچاؤ کا انجکشن لگایا جا سکتا تھا مگر ایسا کوئی انتظام نہیں تھا۔

"مجھے افسوس ہے بیلا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے لیکن وہ نہیں مانا اور موقع ملتے ہی یہ حرکت کر گزرا اور اسے سزا دینا ضروری ہو گیا اگر میں اسے گولی نہ مارتا تو وہ تمہیں ختم کر دیتا۔"

بیلا بولی کچھ نہیں خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔

"اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔" میں نے دوبارہ کہا۔ "اس وقت کچھ پینا پسند کرو گی چائے یا کافی۔"

"میں کافی پینا چاہوں گی۔" بیلا نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔" رتنا کہتے ہوئے جلدی سے باہر نکل گئی۔ میں کرسی کھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ سمترا نے چادر پھیلا کر بیلا کے جسم پر ڈال دی تھی وہ بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

رتنا پندرہ بیس منٹ میں کافی بنا کر لے آئی۔ بیلا نے اپنے آپ کو گھسیٹ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی اور رتنا کے ہاتھ سے کپ لے کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔ اس کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے لیکن وہ بتدریج اپنے حواس پر قابو پاتی جا رہی تھی چند گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے میری طرف دیکھا۔

"تم آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"حالانکہ میں ایسا پیچیدہ آدمی نہیں ہوں۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت سیدھا سادا آدمی ہوں تمہیں تو پہلے ہی روز سمجھ لینا چاہیے تھا کہ میں کیا ہوں کسی سے دوستی کرتا ہوں تو اس کے لیے اپنی جان بھی دینے کو تیار ہو جاتا ہوں اور دشمنی میں ساری حدیں پھلانگ جاتا ہوں۔"

"میں اب تک بھی تو نہیں سمجھ سکی کہ تم میرے دوست ہو یا دشمن۔" وہ بولی۔ "تم نے کئی مرتبہ میری جان بچائی اور کئی مرتبہ میری جان لینے کی کوشش کی تین دن پہلے تم نے میرے پیر کا ناخن اکھاڑا تھا اس وقت تمہارے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی میں تو سمجھی تھی کہ تم واقعی میری بوٹیاں کاٹ کاٹ کر پھینکتے رہو گے۔"

"وہ میری مجبوری تھی ویسے میرے خاندان میں دور دور تک کوئی قصائی نہیں گزرا۔" میں نے کہا۔

"اور آج میری خاطر تم نے اس شخص کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جو تمہارا محسن تھا

جس نے تمہاری زندگی بچائی تھی اور تمہیں پناہ دی تھی۔" بیلا نے میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"انسان جب انسانیت سے گر جائے وہ تمام اخلاقیات کو نظرانداز کر دے تو اسے سزا دینی ہی پڑتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تین دن پہلے تم نے میرا ناخن اکھاڑ کر اس طرح مجھے اذیت پہنچائی تھی کیا وہ انسانیت کے عین مطابق تھا؟" بیلا نے مجھے گھورا۔

"میں تمہیں جان سے نہیں مارنا چاہتا تھا۔ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ ایک کاز کے لیے تھا اور بھیرو نے جو کچھ کیا وہ اس کی دیوانگی تھی، جنون تھا وہ انسان سے وحشی بن گیا تھا۔"

"نانی نے بھیرو کی ہتیا کر کے بہت اچھا کیا۔" سحرا بیچ میں بول پڑی۔

"وہ واقعی وحشی تھا وہ اس سے پہلے للیتا کے ساتھ بھی ایسا ہی کر چکا ہے وہ سب کچھ میرے سامنے ہوا تھا اسی کمرے میں۔"

"کیا مطلب!" میں اچھل پڑا۔ "بھیرو نے تو بتایا تھا کہ للیتا کسی اور کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور تم نے بھی اس کی تائید کی تھی۔"

"وہ میری مجبوری تھی۔" سحرا نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ایک رات ہم تینوں اسی کمرے میں موجود تھے۔ للیتا رقص کر رہی تھی ایک موقع پر وہ ذرا سا جھکی تو بھیرو نے اسے پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا اور اس کے شریر پر جگہ جگہ دانت کاٹنے لگا۔ للیتا قہقہے لگاتی رہی پھر اس کے قہقہے چیخوں میں بدل گئے پہلے تو میں بھی یہ سمجھی کہ بھیرو مذاق کر رہا تھا مگر وہ مذاق نہیں تھا بھیرو للیتا کے شریر کو جگہ جگہ دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ للیتا چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ چڑیا کی طرح اس کے پنجے میں پھنسی ہوئی تھی۔ للیتا لہولہان ہو رہی تھی میں نے اسے چھڑانے کی کوشش کی تو بھیرو نے مجھے دھکا دے کر دور گرا دیا اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی اور درندگی تھی وہ خونخوار درندہ ہی لگ رہا تھا۔ میں ڈر کر کمرے سے بھاگ گئی اور اپنے کمرے میں بند ہو کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا اور رات بھر اپنے کمرے میں بند رہی۔"

"صبح میں ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر نکلی تو بھیرو اپنے کمرے میں اطمینان سے سو رہا تھا میرا دل تو چاہا تھا کہ اسے موت کی نیند سلا دوں اس خیال سے میں نے میز کی دراز سے پستول نکالنے کی کوشش بھی کی تھی مگر آہٹ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور میں اپنے ارادے پر عمل نہ کر سکی۔"

"اور آج اس نے وہی سب کچھ بیلا کے ساتھ کیا اس کا مر جانا ہی اچھا تھا کل کو وہ میرے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ بھی سب کچھ کرتا۔"

اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ بھیرو کو قتل کرنے پر سحرا نے کسی شدید ردعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا تھا وہ بھیرو سے اپنے لیے بھی خطرہ محسوس کرنے لگی تھی اور پھر اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف بھی کیا کہ للیتا سے پہلے وہ مندر کے تہہ خانے میں بھی تین لڑکیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

بھیرو واقعی درندہ تھا یہ تو میں پہلے ہی روز سمجھ گیا تھا کہ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی اور اب مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ کسی قسم کے ذہنی مرض میں مبتلا تھا اور یہ جنون بھی

کبھی اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔

بیلا بھی بڑی توجہ سے سحرا کی باتیں سن رہی تھی۔ سحرا بھیرو کی زندگی کے ایسے ایسے راز فاش کر رہی تھی جنہیں سن کر حیرت ہوتی تھی ان باتوں میں دو تین مرتبہ ناگ راج کا ذکر بھی آیا تھا اور ناگ راج کے تذکرے پر بیلا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرے تھے۔

رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ ابھی بھیرو کی لاش بھی ٹھکانے لگانی تھی۔ یہ دوسری بات تھی جو میں اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگانے جا رہا تھا۔ سحرا اور رتنا مجھ سے پہلے اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں اور جب میں اٹھنے لگا تو بیلا نے مجھے روک لیا میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں..... تمہیں ناگ راج کی تلاش ہے نا؟" بیلا نے کہا۔

"ظاہر ہے۔ یہ ساری بھاگ دوڑ اسی سلسلے میں ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کے بارے میں صرف تم جانتی ہو اور تم کچھ بتانے کو تیار نہیں مگر میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا وہ اس دھرتی پر ہے میں اسے تلاش کر لوں گا ایک آدھ دن اور ضائع ہو گا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"وہ تمہیں جین مندر میں ملے گا۔" بیلا کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

"کیا" میں اچھل پڑا اس نے اتنی اذیت اٹھائی تھی مگر زبان نہیں کھولی تھی اور اب پوچھے بغیر کتنے اطمینان سے اس نے بتا دیا تھا کہ ناگ راج کہاں ہے گا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" بیلا نے کہا۔ "ول واڑہ روڈ پر یہاں سے گیارہ میل آگے پہاڑیوں میں ایک قدیم مندر ہے جو اب کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا ہے مگر اس کا تہہ خانہ بہت عرصے سے ناگ راج کے استعمال میں ہے اس ویران مندر کا تہہ خانہ ہی دراصل ناگ راج کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ وہ سانپوں کے زہر پر تمام تجربات وہیں کرتا ہے۔ تہہ خانے میں اس نے ایک چھوٹی سی لیبارٹری بنا رکھی ہے۔ یہ لیبارٹری اتنی جدید نہیں لیکن ناگ راج کی ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود ہے۔ وہ آج کل وہیں پر ہے۔"

"مجھے حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "تم کس قدر آسانی سے اس کے بارے میں بتا رہی ہو۔"

"آج کے واقعہ کے بعد یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ یہ لوگ واقعی انسانیت کے دشمن ہیں۔" بیلا نے کہا۔ "پنڈت بھیرو ہو یا ناگ راج ... یہ لوگ ہوس کے پجاری ہیں انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہے اپنے دھندوں کے فائدے کے لیے کتنے بے گناہ مارے جاتے ہیں انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے یہ لوگ اگر چاہتے تو اپنی صلاحیتوں کو انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال کر سکتے تھے مگر انہوں نے غلط راستوں کا انتخاب کیا۔ ہیروئن کا کیمیکل، سانپ کے زہر سے انجکشنوں کی تیاری... یہ کوئی خدمت نہیں نہ اپنے دیش کی نہ انسانیت کی۔ ان سے معصوم اور بے گناہ لوگوں کی تباہی و بربادی کا کام ہی لیا جا سکتا ہے اور میں سمجھتی ہوں ایسے لوگوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ایک انسان کو قتل کر کے اگر ہزاروں بے گناہوں کی زندگیاں بچائی جا سکتی ہیں تو کسی ایسے کوئی جرم نہیں سمجھتی تم جو کچھ کر رہے ہو ٹھیک ہی کر رہے ہو۔"

"یہ سب کچھ شاید تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ خود تمہارے ساتھ یہ ہوا ہے اور میں نے اس ڈگی سے

تمہاری جان بچائی ہے اور تم احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں چکانا چاہتی۔" بیلا نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ جب دوسروں کے ساتھ یہ سب ہوتا ہے تو انہیں کتنی اذیت ہوتی ہے جب میں چیخ رہی تھی تو میرے کانوں میں میری اپنی نہیں اس بارہ سالہ معصوم لڑکی کی چیخیں گونج رہی تھیں جسے ناگ راج نے میرے سامنے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "ناگ راج میں زہر بھرا ہوا ہے اسے ہر رات ایک عورت کی ضرورت پڑتی ہے اگر کسی رات اسے عورت نہ ملے تو وہ اپنی ہی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے۔ میں جانتی ہوں صرف میں جانتی ہوں کہ پنڈت بھیرو کی طرح وہ بھی کئی بے گناہ عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ بہت سی عورتیں تو ایسی تھیں جو پوجا کے لیے مندر میں آئی تھیں اور غائب ہو جاتی تھیں ان کے گھر والے انہیں تلاش کرتے رہ گئے مگر ان کا سراغ نہیں ملا۔ ناگ راج کے چند خاص چیلے یا میں جانتی ہوں کہ ان کا کیا حشر ہوا۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی میں اس کے چہرے کو تکتا رہا چند لمحوں بعد وہ خود ہی بولی۔ "مگر اب جب بھیرو کے بارے میں بتا رہی تھی تو میرے ذہن میں ناگ راج کے حوالے سے یہ ساری باتیں آ رہی تھیں مجھے وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا اور اس لیے میں نے تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں کئی مہینوں سے تمہیں دیکھ رہی ہوں اور اب میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم اپنے لیے کچھ نہیں کر رہے تمہارا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اپنی قوم کے لیے کر رہے ہو میں نے جو کچھ کیا اپنی قوم کے لیے کیا مگر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے ناگ راج کا ساتھ کیوں دیا اسے نہ تو اپنی قوم سے ہمدردی ہے نہ کسی اور سے وہ دہشت گرد اور جنونی ہے اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے اس نے ہر اس شخص کو مروا دیا جس سے مخالفت کا خدشہ تھا۔ اس کی نگرانی کے لیے انٹیلی جنس نے کچھ ایجنٹ مقرر کر رکھے تھے مگر ناگ راج نے ایک ایک کر کے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے قریبی ساتھیوں میں میرے علاوہ صرف امرلیش پنڈت زندہ بچا ہے اگر آج تم مجھے چھوڑ دو اور میں ناگ راج کے پاس واپس چلی جاؤں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے میں نے تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"تو گویا تم نے موت کے خوف سے ناگ راج کے بارے میں بتایا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں موت سے نہیں ڈرتی۔" بیلا نے کہا۔ "مجھے یوں لگتا ہے کہ اب میرے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ اب اگر تم بھی مجھے مار ڈالو تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا۔"

"اور تم جانتی ہو کہ میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔" میں نے کہا۔ "میں ایک اور بات جاننا چاہتا ہوں جب میں پہلی مرتبہ ارنی ناتھ مندر سے فرار ہوا تھا تو اکا ماتی ہوجری نے مجھے پناہ دی تھی وہ میری ہمدرد بن گئی تھی مگر بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ را کی ایجنٹ تھی اور مجھے ناگ راج کے خلاف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی تھی کیا تم بھی را کی"

"نہیں۔" بیلا نے میری بات کاٹ دی۔ "میرا را یا کسی ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے مجھے تو اپنے دیش سے محبت ہے اور اس جذبے کے تحت ناگ راج کے گروپ میں شامل ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ

بات بٹھا دی گئی کہ پاکستان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا وجود ہمارے لیے خطرہ ہے۔ اسے ہر صورت میں مٹانا ہے مگر ہم کھلی جنگ میں پاکستان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسے ختم کرنے کے لیے ہمیں دوسرے طریق اختیار کرنے ہوں گے۔ پاکستان کے اندر دہشت گردی اور تخریب کاری سے اس ملک کی جڑیں کمزور کی جا سکتی ہیں۔

"میں جوان اور حسین تھی اس لیے میرا انتخاب کیا گیا۔ مجھے ہر دوسرے تیسرے مہینے پاکستان بھیجا جاتا وہاں میں نے ریکی تو جیسے کئی لوگوں کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا کر اپنے لیے کام پر آمادہ کیا۔ میں کراچی اور حیدرآباد جیسے شہروں میں گھوم کر ایسے نوجوانوں کو پھنسائی جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنی حکومت سے اپنے لوگوں سے اور اپنے آپ سے ناراض تھے۔ مجھ جیسی حسین اور جوان لڑکی ہو تو کوئی بھی نوجوان اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا میں انہیں ورغلا کر ریکی تو جیسے لوگوں کے حوالے کر دیتی جو انہیں یہاں بھیج دیتے۔ یہاں ناگ راج کے کیمپ میں برین واشنگ کر کے ان کے ذہنوں میں پاکستان کے خلاف اتنی نفرت بھر دی جاتی کہ وہ اپنے دیش کے دشمن بن جاتے انہیں تخریب کاری اور دہشت گردی کی تربیت دے کر پاکستان واپس بھیج دیا جاتا جہاں وہ اپنے ہی ہم وطنوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیتے۔

"ناگ راج میں پاکستان کے خلاف اتنا زہر بھرا ہوا ہے کہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس نے پہلے ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والا کیمیکل تیار کیا جو پاکستانی سمگلروں کو بہت کم قیمت پر فراہم کیا جاتا اس کا مقصد پاکستان کی نوجوان نسل کو ہیروئن کا عادی بنا کر ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج کرنا تھا۔"

"ناگ راج اس پر بھی مطمئن نہیں تھا وہ سانپ کے زہر سے ایسا انجکشن تیار کرنے کے تجربات کر رہا تھا جس سے موت کو زیادہ سے زیادہ اذیت ناک بنایا جا سکے اس دوران تم ٹپک پڑے اور تم نے آج تک جو کچھ کیا وہ شروع سے آخر تک میری نظروں میں ہے میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم دہشت گرد نہیں ہو تم اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کی بھلائی کے لیے یہ جنگ لڑ رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ناگ راج جیسے لوگوں کو واقعی ختم ہو جانا چاہیے۔ ایسے لوگوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے جو دوسروں کی تباہی کا باعث بن رہے ہوں۔"

"یہ کایا پلٹ میرے لیے حیرت انگیز ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اب بھی میرے گرد کوئی جال بچھا رہی ہو!"

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ پر مشکل ہی سے وشواش ہوگا۔" بیلا نے کہا۔ "لیکن میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ سچ ہے اور ایک بات تمہیں اور بھی بتا دوں میں اب بھی اپنے دیش کی وفادار ہوں اسے غداری مت سمجھنا میری یہ بات میں دیش کے خلاف نہیں ایک آدمی کے خلاف ہوں جو دوسروں کے لیے اور اپنے دیش کے لیے بہت خطرناک ہے۔ وہ اب تک کتنے لوگوں کو مروا چکا ہے کیا اپنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر دیش کی خدمت ہو سکتی ہے۔"

ان لوگوں کی وطن سے وفا اور غداری کی منطق عجیب تھی جو لوگ میرا ساتھ دے رہے تھے وہ سب

یہی کہتے تھے کہ وہ اپنے دیش سے غداری نہیں کر رہے غداری نہ سہی لیکن اتنا میں سمجھتا تھا کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ تھا۔ بہرحال مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ ان لوگوں کی وجہ سے میرا کام ہو رہا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ بھیرو نے میرا بہت ساتھ دیا تھا اس کی موت کا مجھے افسوس ہوا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں غلطی خود اس کی تھی اگر وہ میری بات مان لیتا تو شاید اس وقت میرے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا ہوتا۔

"مجھے تفصیل سے بتاؤ ناگ راج کون سے مندر میں ہے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم دلی وائز روڈ پر جا چکے ہو۔" بیلا نے کہا۔ "نیپے والے راستے پر مڑنے کے بجائے مین روڈ پر سیدھا آگے نکل جاؤ اس سے تقریباً ڈیڑھ میل آگے دائیں طرف شمشان گھاٹ کا بہت بڑا بورڈ لگا ہوا ہے اس طرف کسی زمانے میں شمشان گھاٹ ہوا کرتا تھا لیکن اب ختم ہو چکا ہے اس بورڈ کے ساتھ ہی پہاڑیوں میں ایک تنگ سا راستہ ہے پہاڑیوں میں بل کھاتے ہوئے اس راستے پر تقریباً دو میل آگے ایک مندر کے کھنڈرات ہیں اس مندر کا صرف ایک کلس بچا ہے باقی سب کچھ ڈھیر ہو چکا ہے اس کھنڈرات کے نیچے ایک بہت بڑا تہہ خانہ ہے۔"

"اس تہہ خانے کا راستہ کہاں سے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مندر کے اس مینار سے تقریباً سو گز مشرق کی طرف چٹان سے ملی ہوئی ایک شکستہ سی چار دیواری ہے۔ یہ چار دیواری ایک کمرے کی باقیات میں سے ہے اور وہ چٹان کمرے کی ایک دیوار کا کام دیتی تھی۔ اس چٹان میں ایک تنگ سی کھوہ کے اندر تقریباً دس فٹ آگے سیاہ رنگ کا ایک پتھر نظر آئے گا اس پتھر کے نیچے اس تہہ خانے کا راستہ ہے۔"

"کیا وہ پتھر اتنا بڑا ہے۔"

"وہ پتھر اتنا بڑا نہیں ہے۔" بیلا نے میری بات کاٹ دی۔ "تم آسانی سے اٹھا سکتے ہو اس پتھر کے نیچے تہہ خانے کا میکنزم ہے۔"

"بڑا پیچیدہ راستہ ہے۔" میں نے کہا۔ "بہرحال وہاں ناگ راج کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"تین۔" بیلا نے جواب دیا۔ "مہرشی چندر اور دو اور آدمی جو ناگ راج کے کام میں اس کی مدد کرتے ہیں۔"

"باہر سے حفاظت کا کوئی انتظام ہے میرا مطلب ہے کوئی ایسا آدمی جسے نگرانی کے لیے رکھا گیا ہو؟"

"نہیں۔" بیلا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "وہ علاقہ اتنا ویران ہے کہ کوئی دن کے وقت بھی ادھر نہیں جاتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ "ایک بات کا یقین کر لو اگر کوئی دھوکہ ہوا تو تم زندہ نہیں بچ سکو گی۔"

"میں جانتی ہوں تمہیں دھوکہ دینا بہت مشکل ہے۔" بیلا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اگر تمہاری اطلاع درست نکلی اور میرے ساتھ کوئی دھوکہ نہ ہوا تو حسب وعدہ بھیرو کی دولت میں سے آدھی تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا اور باقی آدھی سمترا کا حق ہے۔" میں نے کہا۔

"تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے جائیداد کا بٹوارہ کر رہے ہو۔" بیلا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

میں چند لمحے اس کے چہرے کو تکتا رہا پھر کمرے سے باہر آ گیا۔ دروازہ میں نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

سمترا، انیتا اور مدھو بال کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں ان تینوں کے چہرے پر سوگواری تھی ہم لوگ کئی مہینوں سے اس قسم کے حالات کا شکار تھے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی لاش بچھی پڑی تھی کبھی اپنے کسی ساتھی کی اور کبھی دشمنوں میں سے کسی کی۔ میں اور مدھو شکتی کو ہسپتال سے نکال لے گئے تھے اور اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے تھے مگر عین آخری لمحوں میں شکتی موت کا شکار ہو گیا تھا اور واپس آتے ہی بھیرو کو مجھے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارنا پڑا تھا۔ ان تینوں لڑکیوں کو بیلا اور بھیرو والے واقعے نے زیادہ متاثر کیا تھا۔ انہیں بھیرو کی موت کا زیادہ افسوس نہیں تھا۔ بیلا کی حالت نے انہیں دہلا کر رکھ دیا تھا اور اسی وجہ سے یہ تینوں افسردہ تھیں۔

"کوئی پھاوڑا وغیرہ ہو گا؟" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کرنا ہے؟" سمترا نے یہ سوال بے خیالی میں کر ڈالا تھا۔

"بھیرو کی لاش کو کمرے ہی میں پڑا رکھنا ہے یا اس کا کوئی اور بندوبست کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ......" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہم دونوں بنگلے کے پچھلی طرف آ گئے جہاں کاروں کے لیے گیراج بنے ہوئے تھے۔ ایک خالی گیراج میں باغبانی میں استعمال ہونے والی چیزیں پڑی تھیں۔ گھاس کاٹنے کی مشین، پھاوڑے، کھرپیاں اور ایسی ہی بہت سی چیزیں تھیں میں نے ایک پھاوڑا اٹھایا اور سمترا کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر رک گیا۔

یہ نرم جگہ تھی میں پھاوڑے سے زمین کھودنے لگا۔ سمترا ایک طرف کھڑی خاموشی سے دیکھتی رہی تقریباً دو گھنٹوں میں اتنی گہری قبر تیار ہو گئی کہ بھیرو کی لاش کو اس میں دفن کیا جا سکتا تھا۔

اب دیو زاد کی لاش کو کمرے سے اٹھا کر یہاں لانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ لاش کو ایک چادر میں لپیٹ کر ہم چاروں اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس گڑھے تک لائے تھے اور پھر چادر سمیت لاش کو گڑھے میں دھکیل کر اس پر مٹی ڈال دی گئی۔

"ختم ہوا پاپ۔" میں ہاتھ جھاڑتے ہوئے بڑبڑایا۔ "تمہارے دھرم کے مطابق تو اس کا انتم سنسکار چتا پر ہونا چاہیے تھا مگر......"

"جو شخص جیون بھر دھرم کو دھوکہ دیتا رہا ہو اس کا انتم سنسکار تو اس سے بھی برا ہونا چاہیے تھا اس کی لاش تو پہاڑیوں میں پھینک دینی چاہیے تھی کتے اور گدھ کھا جاتے۔" سمترا نے کہا۔

مجھے سمترا کی اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی اس نے بھیرو کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس کے پیش نظر اس کا یہ ردعمل ہونا ہی چاہیے تھا۔ ہماری وہ رات جاگتے ہوئے ہی گزری تھی۔ زیادہ تر پنڈت بھیرو کی باتیں ہوتی رہیں۔ سمترا ایسے ایسے انکشاف کر رہی تھی کہ مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ للیتا کے بارے میں بھی اس نے حیرت انگیز انکشافات کیے تھے۔"

سمترا کے کہنے کے مطابق للیتا کا تعلق ہریانہ کے ایک بہت بڑے زمیندار گھرانے سے تھا۔ اس نے سوشیالوجی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کر رکھی تھی۔ وہ کالج میں پروفیسر بننا چاہتی تھی مگر باپ نے اجازت نہیں دی اس کے خیال میں اتنے بڑے زمیندار کی بیٹی کو ملازمت کی ضرورت نہیں تھی۔

چند سال پہلے للیتا اپنے خاندان کے بعض افراد کے ساتھ جین مندروں کی یاترا کے لیے گئی تھی وہ لوگ راجستھان کے مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے ماؤنٹ ابو پہنچے تھے ان کا خیال تھا کہ چند روز یہاں رہ کر پالی، بیکانیر اور راج گڑھ سے ہوتے ہوئے ہریانہ واپس چلے جائیں گے۔

ماؤنٹ ابو میں مختلف مندروں کی یاترا کرتے ہوئے وہ لوگ اچل شوار مندر پہنچے تو یہاں ان لوگوں کی ملاقات پنڈت بھیرو سے ہو گئی۔ بھیرو نے للیتا پر نجانے کیا جادو کیا تھا کہ وہ لوگ جتنے روز ماؤنٹ ابو میں رہے للیتا روزانہ اچل شوار مندر جاتی رہی اور جب اس کے گھر والے واپس جانے لگے تو للیتا نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا اور وہ مندر کی دیویوں میں شامل ہو گئی۔

للیتا کے گھر والے پریشان ہو گئے اس کے باپ کو بھی ہریانہ سے بلا لیا گیا مگر للیتا کسی طرح بھی ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ ہندو دھرم کے مطابق جو ناری گوپی بن کر مندر کی سیوا کرنا چاہتی ہو اسے زبردستی واپس نہیں لے جایا جا سکتا اور قانون تو ہمیشہ ہی دھرم کے سامنے بے بس رہا ہے۔

پھر سمترا بھی بھیرو کے جادو کا شکار ہو گئی۔ سمترا اب بھی حیران تھی کہ بھیرو کے پاس نجانے ایسی کون سی پراسرار قوت تھی کہ جس لڑکی پر وہ نگاہ ڈالتا وہ اس کے چرنوں میں ڈھیر ہو جاتی حالانکہ شکل صورت کے لحاظ سے بھیرو ایسا نہیں تھا کہ کوئی عورت ایک مرتبہ اس کی طرف دیکھنے کے بعد دوسری بار دیکھنا پسند کرتی۔

سمترا کے کہنے کے مطابق اس نے کئی حسین لڑکیوں کو پنڈت بھیرو کے پیر چاٹتے ہوئے دیکھا تھا ان میں کئی لڑکیوں کا تعلق تو بڑے بڑے معزز اور دولت مند گھرانوں سے تھا وہ عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر مندر کی داسیاں بن گئی تھیں اور بھیرو کی ہوس کی آگ بجھا رہی تھیں۔

کئی لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں کم از کم تین لڑکیاں ایسی تھیں جنہیں بھیرو نے بھیڑیوں کی طرح دانتوں سے بھنبھوڑ ڈالا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر ختم ہوئی تھیں۔

سمترا کے خیال میں اگر مندر کو نذر آتش نہ کیا جاتا اور وہ لوگ وہیں رہتے تو للیتا اس بھیانک انجام سے دوچار نہ ہوتی۔ مندر میں تو کئی لڑکیاں بھیرو کی ہوس کی آگ بجھانے کے لیے موجود تھیں مگر اس بنگلے

میں محصور ہو جانے سے صرف یہی دو بھیرو کے پاس رہ گئی تھیں اور اس رات للیتا کے رقص کے دوران بھیرو اپنے جنون پر قابو نہیں رکھ سکا تھا اور اس نے للیتا کو دانتوں سے بھنبھوڑ کر مار ڈالا تھا۔

"اس واقعہ کے بعد سمترا چند روز تک سہمی رہی پھر اس کا خوف آہستہ آہستہ دور ہوتا چلا گیا کہ چونکہ وہ اکیلی رہ گئی تھی اس لیے شاید بھیرو اس کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک نہ کرے۔

اور پھر اس رات بیلا اس کے قابو میں آ گئی اور یہ بیلا کی خوش قسمتی تھی کہ میں بروقت پہنچ گیا تھا۔ بیلا تو بچ گئی مگر بھیرو کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

دوسرے روز شام کا اندھیرا پھیلتے ہی میں بنگلے سے نکل کھڑا ہوا میں اکیلا تھا اور پیدل ہی تھا۔ ناگ راج کے ٹھکانے پر ریڈ کرنے کے لیے مجھے ایک دو قابل اعتماد آدمیوں کی ضرورت تھی۔ شکتی ختم ہو گیا تھا بھاگوت اس سے پہلے ہی پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ زندہ تھا یا پولیس نے اسے تشدد کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ متھورام زندہ تھا اسے تلاش کر لیا جاتا تو میرا کام بن سکتا تھا۔ بنگلے سے نکلنے سے پہلے جب میں نے رتنا وغیرہ کو بتایا کہ کہاں جا رہا ہوں تو ان تینوں نے کہا کہ متھورام وغیرہ کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں وہ تینوں میرے ساتھ جانے کو تیار ہیں مگر میں ناگ راج جیسے چالاک اور عیار دشمن کے مقابلے میں عورتوں کی فوج کو لے کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں تقریباً دو گھنٹوں تک شہر کے ایسے علاقوں میں گھومتا رہا جہاں متھورام کے ملنے کی توقع ہو سکتی تھی اور بالآخر وہ بس سٹینڈ کے علاقے میں نظر آ گیا۔ پہلے تو وہ مجھے پہچان نہیں سکا لیکن میری آواز سن کر اچھل پڑا۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے گرو...... ہم تو پورے شہر میں تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔"

"پورا شہر مجھے کھوج رہا ہے مگر میں اس شہر میں ہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں... یہ تو ٹھیک کہا تم نے پورا شہر تمہیں کھوج رہا ہے اور خاص طور پر اس شہر کی پولیس تو تمہاری تلاش میں بڑی سرگرم ہے ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ دو دن پہلے تم نے شکتی کو ہسپتال سے اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر اس بیچارے کا نیم پورا ہو گیا تھا۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے شکتی کو اٹھانے کی کوشش کی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس جعلی ڈاکٹر اور نرس کا جو حلیہ بتایا گیا تھا اس سے ہم بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ تمہارے اور مدھو کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا اور اس وقت تو تمہارا حلیہ پہلے سے بھی بہت بدلا ہوا ہے۔"

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جلد ہی اصل موضوع پر آ گیا۔

"مجھے تمہارے ساتھ ایک اور آدمی کی ضرورت ہے تمہاری طرح بھروسے کا ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ پانڈے ہے نا گرو...... جان لڑا دینے والا ہے۔" متھورام نے کہا۔

"اسلحے کا کیا انتظام ہو گا۔" میں نے پوچھا۔

"پٹرول پمپ کے علاقے میں ایک آدمی ہے جس سے ہر قسم کا اسلحہ مل سکتا ہے مگر وہ ذرا مہنگا ہے۔"

"کتنا مہنگا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کاراکوف ایک فل میگزین کے ساتھ تیس ہزار روپے میں۔" متھورام نے جواب دیا۔

میں نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ ایک لاکھ روپے ہیں۔" میں نے کہا۔ "دو رائفلیں لے لینا مگر اسے شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ کس مقصد کے لیے لے رہے ہو بہت محتاط ہو کر سودا کرنا اور پرسوں رات نو بجے ول واز وروڈ پر شہر سے دو میل باہر اس پلیا پر ملاقات ہوگی جہاں سنگ میل بھی لگا ہوا ہے۔"

"سمجھ گیا گرو۔" مغورام نے نوٹوں کی گڈی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"ہم نو بجے سے پہلے ہی پلیا پر پہنچ جائیں گے بالکل تیز کوئی اور بندے تو نہیں چاہئیں ابھی بتا دو گرو۔"

"نہیں تم اور پانڈے تیسرا کوئی نہیں اچھا اب میں چلتا ہوں یاد رکھنا پرسوں رات نو بجے۔" میں نے کہا اور مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس کے بعد میں تقریباً دو گھنٹوں تک مختلف بازاروں میں گھومتا رہا ایک اوسط درجے کے ریسٹورنٹ میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ برابر والی میز پر بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کی باتیں سننے کا موقع مل گیا وہ دونوں راما پیلس کے بارے میں باتیں کر رہے تھے ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ پانی کی وجہ سے راما پیلس کا لاکھوں کا فرنیچر تباہ ہو گیا تھا اور راناشمشیر سنگھ کے آدمی ناگ راج کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

ناگ راج بہت چالاک آدمی تھا اس نے اپنے اصل ٹھکانے کے بارے میں راناشمشیر سنگھ کو بھی نہیں بتایا تھا اسے شاید اندازہ تھا کہ راناشمشیر سنگھ کسی وقت کسی وجہ سے اس کے خلاف ہو سکتا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ اس کے پیلس میں پانی بھر گیا تھا اور وہ ناگ راج کا دشمن ہو گیا تھا۔

ناگ راج روپوش ہو کر واقعی اکیلا رہ گیا تھا۔ سرکار کے بعض بڑے افسران بھی اس کے خلاف تھے اور وہ خفیہ پناہ گاہ میں چھپا اپنے تیار کیے ہوئے زہر کو آخری شکل دینے میں مصروف تھا اسے یقین تھا کہ جب وہ یہ زہریلے انجکشن سرکار کو پیش کرے گا تو سرکار اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گی۔

بیلا ہی صرف جانتی تھی جو ناگ راج کے ٹھکانے کے بارے میں جانتی تھی پہلے تو تشدد کے باوجود وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں ہوئی تھی لیکن پھر حیرت انگیز طور پر اس نے نہ صرف ناگ راج کا ٹھکانہ بتا دیا تھا بلکہ اس کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے اس طرز عمل پر میں کچھ شبہے میں مبتلا ہو گیا تھا۔

بیلا کو راما پیلس سے غائب ہوئے چار روز ہو چکے تھے ناگ راج بھی تو سمجھ گیا ہوگا وہ سمجھ گیا ہوگا کہ بیلا میرے ہاتھ لگ گئی ہے اسے ضرور یہ شبہ ہوگا کہ بیلا کہیں زبان نہ کھول دے اور اس نے ضروری انتظامات کر لیے ہوں گے اسی لیے میں نے اس پر آخری ضرب لگانے سے پہلے دو دن کا اور ٹائم دے دیا تھا تاکہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ بیلا یا تو کہیں غائب ہو گئی ہے یا اگر میرے ہاتھ لگی ہے تو اس نے زبان نہیں کھولی۔

اگلے دو روز تک میں بنگلے سے باہر نہیں نکلا زیادہ وقت اپنی حسیناؤں کے ساتھ گپ شپ میں گزارا جب سب بیلا کے کمرے میں جمع ہوتے تو میں اپنے آپ کو واقعی راجا اندر سمجھنے لگتا مگر میں راجا اندر بھی

تو اس سے کم بھی نہیں تھا۔ تہہ خانے میں دولت کے انبار لگے ہوئے تھے اور میرے دائیں بائیں دنیا کی چار حسین ترین لڑکیاں موجود تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ میں راجا اندر کی طرح اتنا بے شرم نہیں تھا کہ چاروں کے ساتھ بیک وقت اخلاق سوز حرکتیں شروع کر دیتا۔

ہم بیلا کے کمرے میں ہوتے تو وہ دلچسپ اور سنسنی خیز باتیں سناتی رہتی اس کی باتوں میں ناگ راج کا تذکرہ اور اس سے شدید نفرت کا اظہار ہوتا۔

تیسرے روز شام آٹھ بجے کے قریب میں روانگی کے لیے تیار ہو گیا اور حسب معمول میرے ساتھ جانے کے لیے مدھو بھی تیار تھی میں نے بھیرو کے تہہ خانے سے ایک کلاشنکوف رائفل اور ایک پستول نکال لیا تھا۔ پستول میں نے اپنی جیب میں رکھا اور کلاشنکوف مدھو کے حوالے کر دی۔ بیلا کو پتہ تھا میں کہاں جا رہا ہوں میں نے سمترا اور رتنا کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ بیلا پر نگاہ رکھیں۔

سرخ فیٹ ہسپتال میں پولیس کی نظروں میں آ چکی تھی اس لیے اسے استعمال کرنا اب خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے سفید ٹویوٹا کار نکال لی تھی۔ مدھو نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر رائفل پیروں کے قریب فرنٹ سیٹ کے نیچے رکھ لی تھی۔

بنگلے سے نکل کر میں نے مالا روبی روز اور بس سٹاپ کے علاقے کا ایک چکر لگایا اور پھر کار کا رخ ہوٹل پیلس کی طرف موڑ دیا۔

پیلس ہوٹل ول واز وروڈ پر ہی واقع تھا۔ ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے کار کا رخ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی ہم جلد ہی آبادی سے باہر نکل گئے۔ میں نے کار کی رفتار مزید کم کر دی دو میل آگے اس پلیا تک پہنچنے میں مزید دس منٹ لگ گئے۔

اس وقت سامنے سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی میں نے پلیا کے قریب کار روکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسے سیدھا آگے نکال لے گیا۔ سامنے سے آنے والی کار سست روی سے ہمارے قریب سے گزر گئی اس میں عورتیں اور بچے بھرے ہوئے تھے وہ لوگ شاید کسی مندروں کی طرف سے آئے تھے یا ممکن ہے ریلوے اسٹیشن کی طرف سے آ رہے ہوں کیونکہ یہی سڑک اس طرف بھی جاتی تھی۔

کچھ آگے جا کر میں نے یوٹرن لیا اور کار کو تیزی سے دوڑاتا ہوا پلیا کے قریب پہنچ گیا وہاں مجھے ایک بار پھر یوٹرن لینا پڑا تھا۔ یوٹرن لیتے ہی میں نے کار روک دی اور نیچے اتر کر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آ گیا تاکہ قریب ہی ٹیلوں میں چھپے ہوئے مغورام اور پانڈے مجھے دیکھ لیں اور پھر ٹھیک ایک منٹ بعد دونوں ٹیلوں سے نکل کر سامنے آ گئے۔

"بیٹھو... جلدی کرو۔" میں نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پھر ان دونوں کے بیٹھتے ہی میں نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی رفتار اس وقت بھی مناسب ہی رکھی تھی۔

ہم اس راستے کے قریب سے گزر گئے جو دہشت گردی کے کیمپ کی طرف جاتا تھا اس طرف دیکھتے ہوئے میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

تقریباً دو میل آگے جا کر سڑک کے دائیں طرف شانتی گھاٹ کا وہ پرانا سا بورڈ نظر آ گیا یہاں

پہاڑیوں میں کہیں ہندوؤں کا شمشان گھاٹ تھا جہاں وہ اپنے مردے جلایا کرتے تھے لیکن یہ شمشان گھاٹ کافی عرصے سے ختم ہو چکا تھا۔

اس بورڈ کے ساتھ چٹانوں میں ایک تنگ سا راستہ تھا میں نے کار اس طرف موڑ دی راستہ خاصا دشوار تھا دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں اور ان کے ساتھ چٹانیں تھیں سامنے سے اگر کوئی سائیکل سوار بھی آ جاتا تو گزرنا مشکل ہو جاتا۔

بالآخر وہ کھنڈر نظر آ گئے میں نے کار ایک طرف چٹان کے قریب روک لی اور انجن بند کر دیا۔ بتیاں بھی آف کر دیں ہم تقریباً پانچ منٹ تک بے حس و حرکت کار میں بیٹھے رہے۔ میں یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کھنڈروں کی نگرانی تو نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن میرے خیال میں وہاں کوئی نہیں تھا اگر کوئی ہوتا تو کسی نہ کسی ردعمل کا اظہار ضرور ہوتا۔

میں نے مکھو رام اور پانڈے کو اشارہ کیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ دروازہ کھولنے اور بند کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا تھا تاکہ کوئی آواز پیدا نہ ہو سکے۔

مندر کا وہ چوکور مینار تقریباً ساٹھ فٹ بلند تھا۔ مینار پر کائی جمی ہوئی تھی اور کئی جگہوں سے اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں۔

رات کے وقت سمت کا اندازہ لگانا دشوار تھا مگر وہ چٹان نظر آ گئی جس کے بارے میں پیلا نے بتایا تھا اس کے آگے ایک شکستہ چار دیواری بھی تھی ہم دبے قدموں چلتے ہوئے اس چار دیواری میں داخل ہو گئے۔

آثار بتا رہے تھے کہ وہ کمرہ بہت وسیع و عریض رہا ہوگا۔ چٹان کا دوسرا حصہ ہموار تھا اور اسے کمرے کی ایک دیوار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا یا اس چٹان کی ماہیت دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ وہ کمرا تعمیر کیا گیا تھا۔

چٹان میں وہ کھوہ زیادہ بڑی نہیں تھی ایک آدمی بمشکل اندر داخل ہو سکتا تھا لیکن اس سے آگے کی جگہ کافی کشادہ تھی اور پانچ چھ آدمی آسانی سے کھڑے ہو سکتے تھے۔

''میں نے اس کھوہ میں داخل ہوتے ہوئے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی روشنی کر لی اور اس کی محدود روشنی میں جائزہ لینے لگا اس کھوہ کے آخر میں دیوار کے ساتھ کالے رنگ کا ایک تقریباً دو فٹ اونچا اور ایک فٹ گولائی کے حجم کا پتھر پڑا ہوا تھا۔ پتھر اوپر سے کسی گنجے سر کی طرح گول اور چکنا تھا اس کے سامنے والے رخ پر سفید رنگ سے آنکھیں اور منہ کی طرح کا نشان بنا ہوا تھا۔ پیشانی پر بھی کشقے کی طرح تین سفید لکیریں تھیں۔ میں ہندو دھرم کو برا نہیں کہتا لیکن یہ عجیب تھے سیکڑوں بھگوان تھے ان کے ہر بھگوان کی ہزاروں قسم کی مورتیاں تھیں اور نہیں تو پتھر پر رنگ سے نقش ابھار کر ہی اسے بھگوان مان لیا۔ کالے رنگ کا یہ پتھر بھولا ناتھ تھا۔

مدھو اور مکھو رام بھی اندر آ گئے تھے جبکہ پانڈے رائفل سنبھالے کھوہ کے دہانے ہی پر رک گیا تھا میں نے مکھو رام کو اشارہ کیا اس نے رائفل میرے ہاتھ میں تھما دی اور پتھر پر جھک گیا۔

''شما کرنا پربھو..... میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے وہ پتھر اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

اس کے نیچے ایک چھوٹے سے گڑھے میں ایک آہنی کنڈا لگا ہوا تھا۔ میرے اشارے پر مکھو رام اس کنڈے کو پکڑ کر کھینچنے لگا۔ چٹانی دیوار کا ایک حصہ آواز پیدا کیے بغیر اپنی جگہ سے دائیں طرف حرکت کرنے لگا۔ میں نے مکھو کی رائفل اس کے حوالے کر دی اور حرکت کرتی ہوئی دیوار کو دیکھنے لگا۔

دیوار میں اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ دو آدمی آسانی سے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ ہم اس خلا کے دائیں بائیں بے حس و حرکت کھڑے کسی ردعمل کا انتظار کرنے لگے۔ ایک منٹ گزر گیا مگر کچھ نہیں ہوا۔

میں نے خلا میں جھانک کر دیکھا دوسری طرف گہری تاریکی تھی میں نے پنسل ٹارچ جلا لی اور اس کی روشنی میں جائزہ لینے لگا۔ اس خلا کے اندر ڈھلان سی تھی میں مدھو اور مکھو وغیرہ کو اشارہ کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا اور ٹارچ کی روشنی میں اندر کی طرف سے دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ اس طرف بھی زمین میں ایک آہنی کنڈا لگا ہوا تھا۔

میں دوسرے ہاتھ میں پستول سنبھالے دیوار کے ساتھ ساتھ محتاط انداز میں ڈھلان پر آنے لگا۔ تقریباً دس فٹ نیچے جا کر یہ راستہ دائیں طرف مڑ گیا تھا میں نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا اس طرف نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں اور ان سے آگے کوئی کمرہ تھا جہاں مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی میں نے ٹارچ بجھا دی اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے محتاط انداز میں سیڑھیاں اترنے لگا۔ اب مجھے بہت ہلکی سی آواز بھی سنائی دینے لگی جیسے اس قید خانے کے کسی کونے میں کوئی چھوٹی مشین چل رہی ہو۔

وہ خاصا وسیع ہال تھا ایک طرف دو تین میزیں لگی ہوئی تھیں جن پر کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ چار آدمی تھے جو ان میزوں کے قریب کھڑے تھے ان میں ایک کو تو میں نے فوراً ہی پہچان لیا وہ امر لش پنڈت تھا۔ دو کے چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔ چوتھا میز پر جھکا ہوا تھا اس کی پشت میری طرف تھی لیکن مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ناگ راج تھا۔

آخری سیڑھی فرش سے تقریباً تین فٹ اونچی تھی میں چھلانگ لگا کر نیچے اترا تو دھب کی آواز ابھری وہ چاروں بیک وقت اسی طرف گھوم گئے وہ چوتھا آدمی ناگ راج ہی تھا وہ سیدھا ہوا تو میز پر رکھی ہوئی وہ چیز بھی میری نظروں میں آ گئی جس پر وہ جھکا ہوا تھا وہ شیشے کی ایک مٹکی تھی جس میں سبزی مائل پیلے سے رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔

ناگ راج کی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''پدھارئیے ..... پدھارئیے مہاراج۔'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ''مجھے وشواش تھا کہ تم یہاں تک ضرور پہنچو گے تم آ تو گئے ہو مگر یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔ یہ سمجھو کہ تمہاری موت ہی تمہیں یہاں لے آئی ہے۔''

"تمہارا کھیل ختم ہو چکا ناگ راج۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا مدھو اور مٹھو رام وغیرہ بھی آگے آ گئے تھے ان تینوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں۔

"تم نے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ تمہاری موت کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا میں تمہاری لاش کو اس زہر سے غسل دوں گا جو تم نے دوسروں کے لیے تیار کیا ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے مورکھ۔" ناگ راج نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "دنیا کا کوئی زہر مجھ پر اثر نہیں کر سکتا اور دنیا کی کوئی طاقت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"اب بھی اس خوش فہمی میں ہو۔" میں نے کہا۔ "تم تک پہنچنے کے لیے تو میں نے بڑے جتن کیے ہیں دو مرتبہ میرے ہاتھوں سے بچ نکلے ہو لیکن آج تمہارے لیے کوئی چانس نہیں ہے۔"

میرے اشارے پر مٹھو وغیرہ نے امریش پنڈت اور اس کے دونوں ساتھیوں کو رائفلوں کی زد پر لے کر میزوں سے دور ہٹا دیا۔ میں ناگ راج کے قریب پہنچ گیا۔ مدھو میرے ساتھ تھی اس نے ناگ راج کو اپنی رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ میز پر تقریباً دو درجن سرنجیں رکھی ہوئی تھیں جن میں سے کچھ ایک زردی مائل سیال سے بھری ہوئی تھیں اور کچھ خالی تھیں۔

"میرا منصوبہ مکمل ہو چکا ہے۔" ناگ راج نے کہا۔ "یہ سرنجیں سرکار کو بھیج دی جائیں گی اور وہ اپنے طور پر اس انجکشن کی آزمائش کریں گے اور اس کے فوراً ہی بعد اس کی باقاعدہ پروڈکشن شروع ہو جائے گی اور ایک مہینے کے بعد تمہاری قوم پر جو عذاب نازل ہو گا اس سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔"

"بڑی خوش فہمی ہے تمہیں۔" میں نے کہتے ہوئے ایک بھری ہوئی سرنج اٹھا لی۔ "یہ سب کچھ تمہارے ساتھ یہیں ختم ہو جائے گا ناگ راج۔ یہ تہہ خانہ تمہارا مقبرہ بنے گا اور......" میں سرنج ناگ راج کے بازو کی طرف بڑھانے لگا۔ "تم کہتے ہو کہ دنیا کا کوئی زہر تم پر اثر نہیں کر سکتا میں ذرا دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا تیار کیا ہوا یہ زہریلا انجکشن تم پر اثر کرتا ہے یا نہیں اگر یہ زہر اثر نہ کر سکا تو پستول کی گولی ضرور اثر کرے گی۔"

ناگ راج کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا وہ ایک قدم پیچھے ہٹا مگر مدھو نے رائفل کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔

اور پھر میری توقع کے عین مطابق ناگ راج بڑی تیزی سے نیچے جھکا اس نے جھکتے ہوئے میرے پیٹ پر سر سے ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ناگ راج اپنی ہی جھونک میں منہ کے بل گر پڑا۔

ناگ راج ایسا شریف آدمی نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے گرفت میں آ جاتا مجھے توقع تھی کہ وہ کوئی حرکت ضرور کرے گا اس لیے میں بھی خاصا محتاط تھا۔ ناگ راج جیسے ہی منہ کے بل گرا میں نے تیزی سے گھوم کر ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی اس کا منہ فرش سے ٹکرایا اور وہ کراہ اٹھا میں نے اس کے شولڈر بلیڈ پر ایک اور ٹھوکر جما دی اس کی پیشانی ایک بار پھر فرش سے ٹکرائی لیکن اس مرتبہ وہ فوراً ہی پلٹ کر سیدھا ہو گیا۔

مدھو نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سینے پر رائفل تان دی۔

"اب اگر تم نے حرکت کی تو ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔" مدھو کے حلق سے بلی جیسی غراہٹ نکلی۔

میں نے گھوم کر دیکھا امریش پنڈت اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر مٹھو رام اور پانڈے نے انہیں سنبھال لیا تھا۔

میں جھک کر ناگ راج کے سامنے بیٹھ گیا اس کا پیٹ ننگا تھا۔

"تم نے رادھا کے پیٹ میں انجکشن لگایا تھا نا۔" میں نے ناگ راج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس لیے میں تمہارے بھی پیٹ ہی میں انجکشن لگاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ یہ زہر تم پر اثر کرتا ہے یا نہیں۔"

ناگ راج کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہونے لگے اس نے جھوٹ کہا تھا کہ کوئی زہر اس پر اثر نہیں کرے گا۔ یہ انجکشن اس کا تیار کیا ہوا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کے خون میں شامل ہو جانے کے بعد اس زہر کا ایک قطرہ اس کا وہی حشر کرے گا جو رادھا کا ہو چکا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر کسمسایا مدھو نے رائفل کی نال اس کی پیشانی پر رکھ دی اس کے ساتھ ہی وہ غرائی۔

"اب اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو انجکشن سے پہلے ہی رائفل کی گولیاں تمہارا خاتمہ کر دیں گی۔"

ناگ راج کے چہرے پر موت کے سائے لہرانے لگے میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرنج کی سوئی اس کے پیٹ سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر تھی کہ تہہ خانے کی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی میں ایک دم اچھل پڑا اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آواز گونجی۔

"جی... ناگ راج کو چھوڑ دو اور تم لوگ ہتھیار پھینک کر الگ کھڑے ہو جاؤ ورنہ تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

پانڈے نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر اسی لمحہ اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی اور وہ ڈھیر ہو گیا دو تین گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔

"تم لوگ میری رائفل کی زد پر ہو۔" وہ آواز دوبارہ سنائی دی اور اس مرتبہ میں چونک گیا۔ "اپنے ہتھیار پھینک دو اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

میں نے مدھو کو اشارہ کیا اس نے ناگ راج کی پیشانی سے رائفل ہٹا لی میرا ہاتھ بھی خود بخود پیچھے ہٹ گیا تھا اور پھر اسی لمحہ ناگ راج نے لیٹے ہی لیٹے میرے سینے پر پوری قوت سے لات رسید کر دی میں کراہتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ سرنج اور پستول بھی میرے ہاتھ سے دور جا گرے تھے۔

بازی پلٹ گئی تھی پانڈے ختم ہو گیا تھا۔ امریش پنڈت اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لے لیا اور سرنج اب ناگ راج کے ہاتھوں میں تھی میں نے گردن گھما کر دیکھا۔

تہہ خانے کی آخری سیڑھی پر بملا رائفل تانے کھڑی تھی۔

☆..........☆..........☆

پہلے جب میں نے آواز سنی تھی تو کچھ چونکا تھا مگر اس وقت بیلا کا خیال ذہن میں نہیں آیا تھا اس کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے زخمی حالت میں پنڈت بھیرو کے بنگلے پر چھوڑ کر آیا تھا سمترا اور رتنا اس کی نگرانی کے لیے موجود تھیں اور میں نے سمترا کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ بیلا کا خیال رکھیں۔

اور اب بیلا کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر حقیقت کو جھٹلانا بھی ممکن نہیں تھا وہ بیلا ہی تھی۔ جس نے اس وقت سمترا کا شب خوابی کا ایک ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہن رکھا تھا۔

"اب تک تو تم بہت ذہانت کا ثبوت دیتے آئے تھے ناگی۔" بیلا میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "لیکن بالآخر عقل تمہارا ساتھ چھوڑ ہی گئی تم نے میرے پیر کے انگوٹھے کا ناخن اکھاڑا اس وقت مجھے جو اذیت اٹھانی پڑی وہ میں بیان نہیں کر سکتی لیکن میں نے تمہیں ناگ راج کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور میرے ساتھ پنڈت بھیرو کے وحشیانہ سلوک کے بعد میں نے تمہیں پوچھے بغیر اس کا ٹھکانہ بتایا میں نے جو ظلم کی داستان سنائی تھی تم نے اس پر یقین کر لیا اور مجھے یقین تھا کہ تم جب یہاں آ ؤ گے تو مجھے بند کرنے کی بجائے ان لڑکیوں میں سے کسی کو میری نگرانی کے لیے چھوڑ کر آ ؤ گے تم نے یہ تو ضرور سوچا ہوگا کہ شاید یہاں کے بارے میں میری اطلاع غلط ہو یا آدمیوں کی تعداد کے بارے میں دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہو مگر تم نے یہ کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ میں خود تمہارے پیچھے یہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"ہاں۔ یہ واقعی نہیں سوچا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم اگرچہ شدید زخمی تھیں اور میرے خیال میں کئی روز تک بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں تھیں لیکن میں بھول گیا تھا کہ میرا واسطہ تم جیسی عیارترین عورت سے ہے۔ مجھے نہیں معلوم تم نے سمترا اور رتنا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ویسے تم سے کسی بھلائی کی توقع تو ہرگز نہیں کی جا سکتی۔"

"وہ دونوں زندہ ہیں۔" بیلا نے جواب دیا۔ "رتنا کو میں نے ہاتھ باندھ کر ڈال دیا تھا اور سمترا وہ بھاگ گئی جب میں رتنا کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کھسک گئی میں نے اسے پورے بنگلے میں تلاش کر لیا تہہ خانے میں بھی دیکھ لیا اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گئی اور تم جانتے ہو اپنی جان سب کو پیاری ہوتی ہے بہر حال۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے وہ پتہ نہیں کس طرح یہاں تک پہنچی تھی اور اس وقت شدید وہ کھڑے رہنے میں بھی تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ "بہر حال اب تمہاری کہانی ختم ہو چکی ہے تم نے ہماری توقع سے بڑھ کر یہاں تباہی و بربادی پھیلائی اگر تمہیں اکا اتنی جوتری اور پنڈت بھیرو جیسے غداروں کی مدد نہ ملتی تو پہلے ہی روز تمہارا قصہ تمام ہو چکا ہوتا مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ تمہیں قدم قدم پر غداروں کا سہارا ملتا رہا اور تم ہمارے خلاف کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ ہمارے کچھ اہم آدمی بھی تمہارے ہاتھوں مارے گئے اگر تم بچ کر نکل جاتے تو مجھے افسوس ہوتا لیکن بہر حال آج ہمارے دونوں مشن پورے ہو گئے تم بھی ہمارے قابو

میں آ گئے اور ناگ راج کا مشن بھی پورا ہو گیا۔ یوں تو ناگ راج اپنے تیار کیے ہوئے انجکشن کیمپ میں زندہ بچ جانے والے چند آدمیوں پر آزما چکا ہے مگر اس کی آخری آزمائش آج تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر کی جائے گی۔ ناگ راج کیا دیکھ رہے ہو تمہارا شکار تمہارا بدترین دشمن تمہارے سامنے ہے۔"

اس نے آخری الفاظ ناگ راج کو مخاطب کر کے کہے تھے اور اس نے جس انداز میں ناگ راج کو مخاطب کیا تھا اس پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا لگتا تھا ناگ راج اس کا کوئی ادنیٰ ماتحت ہو۔

"یس میڈم۔" ناگ راج بولا۔

میں ایک بار پھر چونک گیا۔

"تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی۔" بیلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناگ راج دوسروں کے لیے ہوا ہے لیکن میرے لیے اشاروں پر چلنے والا کتا تمہیں چونکہ اب ختم ہو جانا ہے اس لیے تمہیں یہ راز بھی بتا رہی ہوں کہ زہریلے انجکشنوں والا منصوبہ میرے ہی ذہن کی پیداوار تھا اور ناگ راج میرے ہی حکم پر اس منصوبے پر کام کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے یہ کوئی بہت ہی اونچا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔" میں نے کہا۔ بیلا کے اس انکشاف پر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں۔ یہ واقعی اونچا کھیل ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکے گا۔" بیلا نے جواب دیا اس نے دوسرے دو آدمیوں کو اشارہ کیا ان دونوں نے اچانک ہی آگے بڑھ کر مجھے ہاتھوں سے گرفت میں لے لیا۔ بیلا ناگ راج کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ناگ راج اپنا کام مکمل کرو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"تمہارے پاس واقعی زیادہ وقت نہیں ہے کیونکہ چند لمحوں بعد تمہارا انت ہونے والا ہے۔" سیڑھیوں کے اوپر سے یہ آواز سن کر سب ہی اچھل پڑے تھے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی وہ سمترا تھی جو کلاکوف رائفل لیے سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑی تھی۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو ورنہ سب کو بھون کر رکھ دوں گی۔" سمترا کے منہ سے نکلنے والی غراہٹ بڑی خوفناک تھی۔

بیلا کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی اس نے رائفل پھینک کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا دونوں آدمی مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ امریش پنڈت نے اچانک ہی ایک طرف اچھلتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف فائر کھول دیا اس کی چلائی ہوئی گولیاں تو سمترا کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں البتہ سمترا کی رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے اسے ادھیڑ کر رکھ دیا۔

تہہ خانے میں دوسری مرتبہ گولیاں چلی تھیں دو آدمی ڈھیر ہو گئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ایسی سنگین صورت حال دیکھ کر وہ حسب معمول کانپنا شروع کر دے گی مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے لپک کر اپنی رائفل اٹھا لی اور اسے نال کی طرف سے پکڑ کر لٹھ کی طرح گھما دیا۔ رائفل کا بٹ ناگ راج کے ماتھے پر لگا۔

ناگ راج چیختا ہوا منہ کے بل فرش پر گرا سرنج اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری تھی۔ مدھو نے

ناگ راج کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر حملے جاری رکھے۔ وہ رائفل کے بٹ سے اس پر ضربیں لگا رہی تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی اس پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ حیرت تو مجھے ناگ راج پر بھی ہو رہی تھی وہ دیوقامت آدمی تحابات کرتا تو دوسرے کا کلیجہ دہل جاتا تھا اس کے نام کی اتنی دہشت تھی کہ لوگ تھر تھر کانپنے لگتے تھے میرا دو تین مرتبہ اس سے آمنا سامنا ہو چکا تھا اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے زمین کا خدا یہی ہو لیکن اب وہ ایک عورت سے چوہے کی طرح پٹ رہا تھا اور کوئی مزاحمت کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بچانے کے لیے زمین پر ادھر ادھر لوٹ رہا تھا وہ میں نے ایک مرتبہ پہلے بھی کہا تھا کہ ایسے سفاک، درندہ صفت اور بے رحم لوگوں کی طاقت اپنے آپ میں نہیں ان گرگوں میں ہوتی ہے جو ان کے گرد حصار بنائے رہتے ہیں وہ اپنے ہاتھوں پیروں کو حرکت نہیں دیتے دوسروں کو حکم دیتے ہیں اور جب خود قابو میں آ جاتے ہیں تو غبارے کی طرح ان کی ساری ہوا نکل جاتی ہے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" مدھو ایک اور ضرب لگاتے ہوئے چیخی۔ "میرا اشوک تمہاری وجہ سے مارا گیا میں تمہیں بھی مار ڈالوں گی نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔"

اور پھر اس نے لپک کر فرش پر پڑی ہوئی سرنج اٹھا لی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا مدھو نے نیڈل ناگ راج کے پہلو میں پیوست کر دی اور پوری قوت سے سرنج کا پسٹن دبا دیا۔

میں اچھل کر مدھو کی طرف لپکا مگر وہ اپنا کام کر چکی تھی اسی لمحے ناگ راج کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی وہ اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر نیچے گرا اس نے مجھے وقف کرنے کی کوشش کی تھی کہ دنیا کا کوئی زہر اس پر اثر نہیں کر سکتا یہ زہریلا انجکشن اسی کا تیار کیا ہوا تھا اور آخرکار خود اس کا شکار ہو گیا تھا۔

تہہ خانہ ناگ راج کی چیخوں سے گونج رہا تھا اور وہ گیند کی طرح زمین پر اچھل رہا تھا میں نے بیلا کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر موت کا خوف طاری ہو گیا تھا آنکھیں وحشت سے پھٹی پڑی رہی تھیں۔

دوسرے دونوں آدمیوں کو مدھو نے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا وہ بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے میں ایک بار پھر ناگ راج کی طرف دیکھنے لگا اب وہ پہلے کی طرح زیادہ نہیں اچھل رہا تھا اس کے ہونٹوں، ناک اور کانوں سے خون بہنے لگا تھا۔

میں نے گردن گھما کر منھو رام کی طرف دیکھا ان دونوں آدمیوں کو حرکت کرتے دیکھ کر میں چیخ اٹھا۔

"منھو..... بچو"

اور پھر تہہ خانہ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا میڑھیوں پر کھڑی ہوئی سمترا نے بھی ان دونوں کو منھو پر جھپٹتے دیکھ لیا تھا اور فائرنگ اس نے کی تھی وہ دونوں چھلنی ہو کر ڈھیر ہو گئے تھے۔ منھو رام بھی بدحواس ہو کر ایک طرف گر گیا تھا

میں ایک بار پھر ناگ راج کی طرف متوجہ ہو گیا وہ اب زمین پر پڑا پھڑک رہا تھا اس کے جسم پر ورم پڑنا شروع ہو گئی تھیں اس کی کھال بنجر اور خشک زمین کی طرح پھٹنے لگی تھی۔ میں نے تلے قدم اٹھاتا ہوا بیلا کے قریب پہنچ گیا۔

"اپنے ناگ راج کا انجام تو تم نے دیکھ لیا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اپنے اس زہریلے انجکشن کا فارمولا کہیں لکھا نہیں ہو گا میں اس کی فطرت سمجھ گیا تھا وہ بہت چالاک آدمی تھا اگر اس نے فارمولا کہیں لکھا ہوتا تو بہت پہلے تم ہی لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا ہوتا یہ فارمولا ہی اس کی زندگی کی ضمانت بنا ہوا تھا جسے اس نے اپنے سینے تک محدود رکھا اور اب اس کے ساتھ سب کچھ ختم ہو گیا میں نے نہ صرف اپنے بے گناہ ہم وطنوں کو ایک بہت بڑے عذاب سے بچا لیا ہے بلکہ اس شہر کے باسیوں کو بھی ایک عفریت سے نجات دلا دی ہے۔"

بیلا پلک جھپکے بغیر میری طرف دیکھتی رہی اور پھر یکایک ہی مجھ پر جھپٹ پڑی وہ بلی کی طرح غراتے ہوئے نوکیلے ناخنوں سے میرا منہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی میں اپنا چہرہ بچانے میں تو کامیاب ہو گیا مگر میری گردن اس کے قابو میں آ گئی میں بڑی مشکل سے اپنی گردن چھڑانے میں کامیاب ہو سکا تھا اور پھر میں نے بیلا کو اٹھا کر دور پھینک دیا وہ چیختی ہوئی کئی فٹ دور زمین پر گری وہ اٹھ کر پھر میری طرف جھپٹی مگر میرا بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر لگا اور وہ چیختی ہوئی ایک بار پھر ڈھیر ہو گئی۔

مجھے تم پر پہلے بھی شبہ تھا اور اب میں تمہاری اصلیت جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے بیلا کو بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن اس مرتبہ وہ زمین پر پڑی کراہتی رہی۔

میں نے اسے چھوڑ کر اپنا پستول اٹھا لیا اور میز پر پڑی ہوئی شیشے کی نلکی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا نلکی چکنا چور ہو گئی اور اس میں بھرا ہوا سبزی مائل سیال بکھر گیا۔ میں نے پیر کی ٹھوکر سے میز بھی الٹ دی اور سیال سے بھری ہوئی سرنجیں پیروں میں مسل کر توڑ ڈالیں۔ سمترا بھی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آ گئی اس نے بیلا کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا بیلا اب اکیلی رہ گئی تھی۔ بیلا کے آنے سے بازی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی مگر سمترا نے صورتحال کو قابو میں کر لیا تھا اور میرے خیال میں اس معرکے کی کامیابی کا سہرا سمترا کے سر ہی بندھنا چاہیے تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔"

"میں تو اس کے ساتھ آئی تھی۔" سمترا نے مسکراتے ہوئے بیلا کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بکواس کرتی ہے میرے ساتھ نہیں آئی۔" بیلا چیخی۔

"میں تمہارے ہی ساتھ آئی ہوں سرخ فیاٹ میں۔" سمترا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "تا جب تمہارے کمرے میں گئی تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں بھی اسی طرف گئی تھی دروازے پر پہنچ کر مجھے کچھ شبہ سا ہوا میں نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا تم رتنا کو پلنگ پر باندھ رہی تھیں مجھے اور کچھ نہیں سوجھا تو میں بنگلے سے باہر بھاگ آئی اور فیاٹ کی ڈگی میں چھپ گئی تم جو کچھ کر رہی تھیں اس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم ان لوگوں کے پیچھے جاؤ گی۔

"میرا خیال درست نکلا یہ اتفاق تھا کہ میں نے بنگلے سے نکلتے ہوئے تمہارے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سن لی تھی۔ اس طرح مجھے فوری طور پر کار میں چھپنے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ بصورت دیگر ہو سکتا ہے

میں کسی اور کارروائی کے بارے میں سوچتی بہر حال میرا فیصلہ درست ثابت ہوا تم تقریباً تین منٹ بعد بنگلے سے باہر آئی تھیں اس دوران تم یقیناً مجھے بنگلے کے اندر اور تہہ خانے میں کھوجتی رہی تھیں۔

''تم کئی روز سے ہمارے ساتھ تھیں اس دوران تم دیکھ چکی تھیں کہ بنگلے کے باہر کا گیٹ کس طرح کھولا اور بند کیا جاتا تھا تم نے پہلے اندر سے بنگلے کا گیٹ والا سوئچ آن کیا اور پھر فیاٹ میں آ کر بیٹھ گئیں۔''

''میں ڈکی میں دبکی بیٹھی تھی کار کی تیز رفتاری سے میرا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ تمہیں کار میں میری موجودگی کا شبہ نہ ہو جائے۔

''یہاں پہنچ کر تم کار سے اتریں تو میں ڈکی کا ڈھکنا اٹھا کر تمہیں دیکھتی رہی کہ کس طرف گئی ہو اتفاق سے فیاٹ کی پچھلی سیٹ پر یہ کلاشنکوف رکھی ہوئی تھی میں نے ڈکی سے نکل کر رائفل اٹھائی چٹان کے قریب دوسری کار دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ نا جی لوگ پہنچ گئے ہیں۔

''میں نے جلد ہی کھنڈروں میں اس چٹان میں وہ کھوہ تلاش کر لی تھی تم کار سے اتر کر اس طرف گئی تھیں۔ اس لیے مجھے بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس تہہ خانے کا راستہ بھی کھلا ہوا تھا اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ایک منٹ کی تاخیر ہو جاتی تو وہ راکھشس نا جی کو ختم کر چکا ہوتا۔'' اس نے خاموش ہو کر ناگ راج کی طرف دیکھا۔

میری نظریں بھی اس طرف اٹھ گئیں ناگ راج بے حس و حرکت ہو چکا تھا اس کے جسم کی دراڑوں سے خون رس رہا تھا۔

''اب چلنے کا ارادہ ہے یا یہاں بیٹھ کر ماتم کرنا چاہتی ہو۔'' میں نے کہتے ہوئے بیلا کی طرف دیکھا۔

بیلا خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑی اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے اس کی ٹانگوں کے زخم تکلیف دے رہے تھے۔ مجھے تو حیرت اس بات پر تھی کہ اتنی زخمی ہونے کے باوجود اس نے یہ بھاگ دوڑ کیسے کر لی تھی۔

ہم پانچ افراد اس تہہ خانے میں چھوڑ کر باہر نکل آئے سب سے آگے مشورام تھا اس کے پیچھے بیلا پھر میں اور میرے پیچھے سمترا اور مدھو تھی۔

کھنڈروں سے نکل کر ہم کاروں کے قریب آ گئے۔ سرخ فیاٹ سفید ٹیوٹا سے چند گز پیچھے کھڑی تھی۔ فیاٹ لے جانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا ہم پانچوں ٹیوٹا میں سما سکتے تھے۔ میں نے سمترا کو اشارہ کیا وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے۔ مدھو فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاتی اور میں اور مشورام بیلا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر۔

سمترا ڈرائیونگ سائیڈ پر جانے کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ بیلا نے مجھے زوردار دھکا دیا۔ میں لڑکھڑا کر سمترا سے ٹکرایا اور ہم دونوں نیچے گر گئے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بدحواسی میں سمترا سے ٹکرا کر پھر گر گیا۔

مجھے دھکا دیتے ہی بیلا نے چٹانوں کی طرف چھلانگ لگا دی مشورام اس وقت کار کے دوسری

طرف تھا اسے سامنے آنے میں چند سیکنڈ لگ گئے۔

''پکڑو اسے۔ بھاگنے نہ پائے۔ شوٹ کر دو اسے۔'' میں سمترا کو اپنے اوپر سے ہٹا کر اٹھتے ہوئے چیخا۔

مشورام نے فوراً ہی میرے حکم کی تعمیل کی تھی۔ پہاڑیاں فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھیں مگر بیلا نکل گئی تھی میں کلاشنکوف اٹھا کر اس طرف دوڑا۔

چٹانوں میں بیلا کے دوڑنے سے پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں میں ہر آواز پر فائر کر دیتا لیکن بیلا کی چیخ سنائی نہیں دی۔

میں اور مشورام تقریباً آدھے گھنٹے تک بیلا کو تلاش کرتے رہے لیکن وہ تاریکی کا فائدہ اٹھا کر پہاڑیوں میں غائب ہو چکی تھی مزید بھٹکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہم واپس آ گئے سمترا اور مدھو کار کے قریب کھڑی تھیں۔

''بھاگ گئی حرامزادی۔ تم جلدی کرو۔'' میں نے کار کا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

سمترا فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور مدھو اور مشورام پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے میں نے انجن سٹارٹ کر کے یوٹرن لیا اور کار کو تیزی سے واپسی کے راستے پر دوڑا دیا۔

بیلا پہاڑیوں میں اندر کی طرف غائب ہوئی تھی اسے شہر تک پہنچنے میں دو تین گھنٹے ضرور لگ سکتے اگر اس کے زخموں نے پریشان کیا تو زیادہ وقت بھی لگ سکتا تھا اور میرے خیال میں ہمیں تین چار گھنٹوں کی مہلت تھی اور مجھے اس دوران بہت کچھ کرنا تھا۔

سڑک پر آ کر میں نے کار کی رفتار بڑھا دی اس پیا سے ابھی میں بہت دور تھا کہ مشورام نے کہا۔

''اب تو کھیل ختم ہو چکا کرو مجھے اسی پلیا کے پاس اتار دینا میرے پاس ایک محفوظ جگہ ہے میں رات وہاں گزار کر کل صبح ہی اس شہر سے چلا جاؤں گا۔''

''اور مجھے بھی اس کے ساتھ ہی اتار دیا کرو۔'' مدھو نے کہا۔ ''ہم اکٹھے ہی کہیں چلے جائیں گے۔''

''کوئی خطرہ تو نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''خطرات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ہم کوشش کریں گے رات ہی رات میں یہاں سے نکل جائیں۔'' مشو نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

پلیا کے قریب میں نے کار روک لی وہ دونوں نیچے اتر گئے اور نمسکار کر کے پہاڑیوں میں غائب ہو گئے میں نے کار آگے بڑھا دی۔ مزید آدھے گھنٹے بعد ہم بنگلے میں پہنچ چکے تھے سب سے پہلے میں بیلا والے کمرے کی طرف بھاگا۔

رتنا بیڈ پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ میں

نے اسے بندشوں سے آزاد کرایا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

رتنا پانچ چھ منٹ بعد ہوش میں آسکی تھی۔

"اوہ..... تم ٹھیک ہو تاجی۔" سب سے پہلے اس نے میرے بارے میں ہی پوچھا۔ "سحرا اور دھو کہاں ہیں؟"

"ہم سب ٹھیک ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بیلا فرار ہوگئی ہے ہمیں یہ جگہ چھوڑنی ہے تم اپنے حواس پر قابو پاؤ۔"

میں رتنا کو لے کر ہال کمرے میں آگیا راستے میں، میں نے سحرا کو بتا دیا تھا کہ ہمارے لیے کون سی جگہ سب سے زیادہ محفوظ ہوسکتی ہے۔

بھیرو کے بنگلے سے نصف میل دور اس ٹیلے کی ڈھلان پر سڑک کے کنارے وہ چھوٹا بنگلہ جس کا راستہ تہہ خانے میں سے جاتا تھا وہی جگہ ہمارے لیے سب سے زیادہ محفوظ تھی۔ کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا تھا اور ہم وہاں سے اس بنگلے پر بھی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ تہہ خانے میں اس سرنگ کا راستہ اس قدر خفیہ اور پیچیدہ تھا کہ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

بنگلے کے کچن اور سٹور میں ڈبہ بند خوراک کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا ہم تینوں مختلف چیزوں کے ڈبے ٹوکریوں میں بھر بھر کر تہہ خانے میں پہنچانے لگے اور پھر اپنے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں بھی تہہ خانے میں پہنچا دی گئیں۔ اوپر کو برآمدے والا دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ یہ سمجھا جاسکے ہم اندر موجود نہیں ہیں۔

میں نے ایک خطیر رقم بھی اس کمرے سے نکال لی تھی اور پھر ایک اور حیرت انگیز چیز دیکھنے میں آئی۔ سحرا نے سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا کور کھول کر اس کے اندر ایک بٹن دبا دیا اس کمرے کے دروازے کے سامنے ایک دیوار اٹھتی چلی گئی یہ دیوار فرش سے نمودار ہوئی تھی اور دروازے کو چھپاتی ہوئی چھت سے جا لگی تھی دروازے کے دائیں بائیں کی دیواریں اس طرح اس نئی دیوار سے مل گئی تھیں کہ ان میں معمولی سی درز بھی باقی نہیں رہی۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں اب کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کوئی کمرہ موجود تھا۔ بھیرو نے یہ راز مجھ سے چھپائے رکھا تھا اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اسے مکمل طور پر مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔

اس سرنگ میں مناسب فاصلے پر بلب لگے ہوئے تھے۔ سرنگ میں داخل ہونے کے بعد سحرا نے وہ خفیہ راستہ اس طرف سے بھی بند کردیا تھا۔

نصف میل تک سامان لے جاتے ہوئے میرا بدن پسینے سے شرابور ہوگیا پانچ کمروں پر مشتمل وہ بنگلہ بھی ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ سامنے کی طرف کشادہ لان بھی تھا جہاں خودرو جھاڑیوں نے قبضہ جما رکھا تھا کمروں میں ہر چیز دھول میں اٹی ہوئی تھی ہم نے سامان ایک طرف ڈھیر کر دیا اور کرسیاں جھاڑ کر بیٹھ گئے اب ہمیں کوئی جلدی نہیں تھی۔

"سامان ڈھونے اور شفٹنگ میں تین گھنٹے لگ گئے تھے۔ دس پندرہ منٹ ریسٹ کرنے کے بعد رتنا اٹھ کر

کچن میں چلی گئی وہ سب سے پہلے کچن کی صفائی کرنا چاہتی تھی تاکہ کچھ کھانے پینے کا بندوبست ہو سکے۔

سحرا مجھے لے کر ایک اور کمرے میں آگئی۔ یہ وسیع و عریض کمرہ بیڈروم کے طور پر آراستہ تھا۔ کنگ سائز ڈبل بیڈ گولائی میں تھا اس پر میٹرس تو تھا مگر چادر نہیں بچھی ہوئی تھی۔ بیڈ کے عین سامنے والی دیوار پر ایک کشادہ شیلف پر ٹی وی سیٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دیوار پر ایک پینل بھی تھا جس پر مختلف بٹن اور ڈائل لگے ہوئے تھے ایک ٹی وی سیٹ بیڈ کے بائیں طرف ٹرالی پر بھی رکھا ہوا تھا اور ٹرالی کے نچلے حصے میں وی سی پی بھی نظر آرہا تھا۔ مجھے کچھ حیرت بھی ہوئی کہ ایک ہی کمرے میں دو دو ٹی وی سیٹوں کی کیا ضرورت تھی یہی سوال میں نے سحرا سے کیا تو وہ مسکراتے ہوئے اس ٹی وی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے ایک کپڑا اٹھا کر ٹی وی سیٹ صاف کیا اور پینل پر ایک دو بٹن دبا دیئے ٹی وی سیٹ کے نچلے پینل میں ایک ننھا سا سرخ نقطہ روشن ہوگیا جس کا مطلب تھا کہ سیٹ میں پاور آن ہوگئی تھی۔ سحرا نے سیٹ کا ایک بٹن دبا دیا۔ سکرین پر کروڑوں کی تعداد میں رنگ برنگے نقطے چمکنے لگے۔

سحرا نے پینل پر بھی ایک بٹن دبا دیا۔ سکرین پر ایک منظر ابھر آیا یہ کسی ڈرائنگ روم یا اس قسم کے کسی کمرے کا منظر تھا۔ صوفے پر ان کے بیچ میں شیشے کے ٹاپ والا سینٹر ٹیبل نظر آرہا تھا سینٹر ٹیبل پر ایک بک بھی رکھی ہوئی دکھائی دے رہا تھا اور پھر میں وحشت اچھل پڑا یہ دوسرے بنگلے کے ہال کمرے کا منظر تھا۔ میں نے سینٹر ٹیبل اور صوفے پہچان لیے تھے۔

"تم ٹھیک سمجھے........" سحرا مسکرا دی۔ "بھیرو نے ان بنگلوں کی تعمیر پر کروڑوں روپے خرچ کیے تھے۔ اس بنگلے میں اوپر اور تہہ خانے میں چار جگہوں پر خفیہ کیمرے نصب ہیں ان کا بڑے بنگلے کے کنٹرول روم سے کوئی تعلق نہیں ہے ان چاروں کیمروں کو یہیں سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔" وہ خاموش ہو کر پینل پر لگے ہوئے ایک چھوٹے سے لیور کو آہستہ آہستہ حرکت دینے لگی سکرین پر ہال کمرے کا منظر بدلتا رہا۔

سحرا نے پینل پر ایک اور بٹن دبا دیا۔ اب سکرین پر بھیرو کے بیڈ روم کا منظر دکھائی دینے لگا۔ اس نے تیسرا بٹن دبایا سکرین پر تہہ خانے کا منظر ابھر آیا چوتھا بٹن دبانے سے تہہ خانے کے اس کمرے کا منظر دکھائی دینے لگا سحرا نے پھر ہال کمرے والا منظر سیٹ کر دیا اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگی۔

"حیرت انگیز۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"بھیرو بہت چالاک آدمی تھا۔" سحرا نے کہا۔ "وہ جانتا تھا کہ کسی نہ کسی وقت اسے مندر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا اس لیے اس نے تمام انتظامات پہلے ہی کر لیے تھے مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔" اس نے ٹی وی کو اسی جگہ پر سیٹ رہنے دیا اور پینل پر ایک اور بٹن دباتے ہوئے بولی۔ "یہ کیمرے بہت حساس ہیں جیسے ہی کوئی برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوگا یہاں سگنل نظر آنا شروع ہو جائے گا۔ اور بیپ کی آوازیں ہمیں بتا دیں گی کہ کوئی شخص بنگلے میں داخل ہوا ہے۔"

بھیرو کو شیش محل پنڈت ہی سمجھتا رہا تھا لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ یہ اور بات تھی کہ موت کے سامنے اس کی کوئی چالاکی کام نہیں آسکی۔

ہم دونوں اس کمرے کی صفائی کرنے لگے فرنیچر وغیرہ صاف کرنے کے بعد سحرا نے الماری سے ایک بیڈشیٹ نکال لی۔ بیڈ پر چادر بچھانے میں مجھے بھی اس کی مدد کرنی پڑی تھی اور پھر اس وقت رتنا دروازے پر نمودار ہوئی۔

”چائے تیار ہے آپ لوگ تشریف لے آئیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ہم اس کے ساتھ نشست گاہ میں آ گئے۔ رتنا نے سنٹر ٹیبل اور صوفے بھی جھاڑ دیئے تھے اور کچن کی صفائی کر کے چائے بنائی تھی چائے کے کپ میز پر رکھے ہوئے تھے۔

پہلی مرتبہ ہمیں سکون سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم اس صورتحال پر تبادلہ خیال کرتے رہے مجھے سب سے زیادہ فکر بیلا کی تھی میرے لیے یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ یہ سارا سیٹ اپ اس کا تھا اور اس نے ناگ راج جیسے شخص کو آگے کر رکھا تھا۔ دوسرے لوگ ناگ راج کے نام ہی سے کانپتے تھے اور خود ناگ راج بالا کے سامنے بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔

بیلا کہاں گئی ہو گی؟ یہ سوال بار بار میرے ذہن میں ابھر رہا تھا۔ مجھے اس کی ہمت کی داد دینی پڑتی تھی۔ وہ بڑی سخت جان اور آہنی اعصاب کی مالک ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اس کے پیر کے انگوٹھے کا ناخن اکھڑا تھا اور بھیرو نے اسے خونخوار بھیڑیے کی طرح بھنبھوڑ کر رکھ دیا تھا اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ کم از کم پندرہ بیس روز تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گی لیکن اس نے اپنے آہنی اعصاب اور قوت ارادی کے بل بوتے پر جو کچھ کیا تھا وہ میرے لیے حیرت انگیز ہی نہیں ناقابل یقین تھا اور پھر جس طرح وہ دوڑتی ہوئی پہاڑیوں میں غائب ہوئی تھی اس نے تو مجھے اور بھی حیران کر دیا تھا۔

ہو سکتا ہے وہ اب بھی ان پہاڑیوں میں کہیں پڑی ہو یا کسی محفوظ جگہ پر پہنچ چکی ہو لیکن بہرحال آج رات مجھے کسی نہ کسی ردعمل کی توقع تھی اگر وہ کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئی ہوگی تو یا تو اس وقت نڈھال پڑی ہوگی یا بھیرو کے بنگلے پر حملے کی تیاری کر رہی ہو گی۔

چائے پینے کے بعد ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ بنگلہ نجانے کتنے عرصے سے بند پڑا تھا ہر چیز پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ رتنا کیچن اور بیڈ روم صاف کرنے لگی جبکہ میں اور سحرا اس ماسٹر بیڈ روم میں آ گئے جہاں ٹی وی سیٹ لگا ہوا تھا۔ یہاں بیٹھے بیٹھے بڑے اطمینان سے دوسرے بنگلے کو مانیٹر کیا جا سکتا تھا۔ دو بج گئے ہم نے دوپہر کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اس وقت مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ بھوک کا احساس اس طرح بھی ہوا تھا کہ میرے نتھنوں سے ایک بڑی خوشگوار مہک ٹکرا رہی تھی۔ جیسے کہیں چاول پک رہے ہوں میں نے سحرا کی طرف دیکھا وہ بھی نتھنے پھیلا پھلا رہی تھی۔

”کیا تم بھی وہی محسوس کر رہی ہو جو میں سمجھ رہا ہوں؟“ میں نے کہا۔

”ہاں۔ کہیں چاول پک رہے ہیں۔“ سحرا نے جواب دیا۔

ہم دونوں کمرے سے باہر آ گئے کچن سے برتنوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ہم دونوں وہاں پہنچے تو کچن میں موجود رتنا ہماری طرف دیکھ کر مسکرا دی وہ پتیلی میں ابال لے جانے والے چاول پکانے کے لیے ایک چھلنی میں ڈال رہی تھی۔

اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم تینوں بیٹھے دال چاول کھا رہے تھے۔ مجھے راد ھا بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی۔ میں کئی روز اس کے ساتھ کاٹیج میں رہا تھا اور ہم دال چاول ہی کھاتے رہے تھے اور آج دال چاول نے اس کی یاد دلا دی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم تینوں اس کمرے میں آ گئے جہاں ٹی وی مانیٹر سیٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ بیڈ اتنا بڑا تھا کہ دو تو کیا چار آدمی بھی بڑے اطمینان سے سو سکتے تھے ہم تینوں بیڈ پر بیٹھ گئے۔ آج رات جو کچھ ہوا تھا اور ہونے والا تھا اس کے پیش نظر نیند آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سحرا نے دوسرا ٹی وی آن کر کے وی سی پی پر ایک ہندی فلم لگا دی تھی اور آواز ہلکی ہی رکھی تھی۔ فلم نہایت بے ہودہ اور واہیات تھی ذو معنی ڈائیلاگ اور جذبات برانگیختہ کر دینے والے حیا سوز مناظر۔ رتنا میرے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی جب بھی کوئی ایسا منظر آتا وہ مجھے چٹکیاں کاٹنے لگتی۔

فلم دیکھتے ہوئے میری نظریں بار بار سامنے شیلف پر رکھے ہوئے مانیٹرنگ سیٹ کی طرف اٹھ جاتیں لیکن سکرین پر صرف ایک ہی منظر تھا برآمدے کا بند دروازہ نظر آ رہا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جیسے ہی یہ دروازہ کھلے گا اور کوئی اندر داخل ہو گا تو سیٹ پر مسلسل نشر ہونا شروع ہو جائیں گے مگر خاموشی ہی رہی۔

چار بج رہے تھے فلم چل رہی تھی رتنا بیڈ پر آڑھی ترچھی ہو کر سو گئی تھی سحرا جاگ رہی تھی اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مگر میری طرح وہ بھی جاگتی رہنا چاہتی تھی اسے بھی کسی غیر معمولی واقعہ کے رونما ہونے کی توقع تھی۔

”رات کا آخری پہر بھی اپنے اختتام کی طرف رینگ رہا تھا وقت کی رفتار جیسے تھم گئی ہو ایک ایک لمحہ صدیوں میں کر بیت رہا تھا۔

مجھے کمرے میں بیٹھے بیٹھے گھٹن سی محسوس ہونے لگی میں اٹھ کر نشست گاہ میں آ گیا اور ایک کھڑکی کا پردہ سرکا دیا باہر دھندلا سا اجالا پھیلنے لگا تھا میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور برآمدے میں رکھی ہوئی ایک کرسی لا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے میں دوسرے بنگلے کے گیٹ پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

تازہ اور ٹھنڈی ہوا بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تک تو میں موسم کی خوشگواریت سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر میرے اعصاب مضمحل ہونے لگے۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کے باوجود نیند کے جھونکے تھپکیاں دے رہے تھے۔ میرے لیے وہاں بیٹھے رہنا ناممکن ہو گیا اور میں اٹھ کر اندر آ گیا۔

فلم ختم ہو چکی تھی یا ویسے ہی ٹی وی بند کر دیا گیا تھا۔ سحرا بھی رتنا کے قریب آڑھی ترچھی سو رہی تھی بیڈ پر اگرچہ بہت جگہ تھی مگر میں نے وہاں لیٹنا مناسب نہیں سمجھا اور دیوار کے قریب پڑے ہوئے کاؤچ پر لیٹ گیا میں نے آخری بار مانیٹرنگ سیٹ کی طرف دیکھا اور پھر میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

میری آنکھ کھلی تو اس وقت گیارہ بج رہے تھے سحرا اور رتنا اب بھی گہری نیند سو رہی تھیں میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی لیکن میں نے اس وقت اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ سب سے پہلے میری نظر مانیٹرنگ سیٹ کی طرف ہی اٹھی مگر وہاں ایک ہی منظر اور خاموشی تھی میں

کوچ سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا اور کپڑے اتار کر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ ٹھنڈے ٹخ پانی نے جسم پر کپکپی سی طاری کر دی لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میری ساری سستی اور کاہلی دور ہو گئی میں باتھ روم سے نکلا تو وہ دونوں اب بھی سو رہی تھیں میں کچن میں آ گیا اور مطلوبہ چیزیں تلاش کر کے چائے بنانے لگا۔

میں چائے لے کر برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گیا یہ بنگلہ چونکہ پہاڑی کے دامن میں تھا اس لیے سڑک سے کسی قدر بلندی پر تھا یہاں سے سڑک بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ اکا دکا گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ میں کرسی پر اس طرح بیٹھا تھا کہ سڑک کی طرف سے اگر مجھے کوئی دیکھ بھی لے تو اسے میرا چہرہ نظر نہ آ سکے۔

بھیرو والے بنگلے کا برآمدہ بھی وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ پورچ میں سفید ٹویوٹا کھڑی تھی کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے اور مجھے اس بات پر حیرت بھی تھی کہ بیلا نے ابھی تک کوئی کارروائی کیوں نہیں کی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اب بھی پہاڑیوں میں کہیں بے ہوش پڑی ہو؟ گزشتہ رات اس کی حالت واقعی ناگفتہ بہ تھی اس نے شدید زخمی حالت میں اتنی زیادہ بھاگ دوڑ کر لی تھی کہ آخر میں اس کی ہمت جواب دے گئی ہو اور کہیں گر کر بے ہوش ہو گئی ہو۔

یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی طرح اپنے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گئی ہو اور کسی دوسرے کو ناگ راج کے انت کے بارے میں بتا دیا ہو مگر بھیرو کے اس بنگلے کے بارے میں کچھ نہ بتایا ہو۔ ناگ راج اور اس کا پورا ریکٹ ختم ہو چکا تھا بھیرو کے بنگلے میں کروڑوں کی دولت تھی اور کسی کو اس میں حصہ دار بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ بات دل کو لگتی بھی ہو سکتی ہے بیلا نے یہی سوچا ہو اور اب وہ اس بنگلے پر قبضہ کرنے کے لیے کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہو۔ رات کو اپنی حالت کے پیش نظر اسے موقع نہیں ملا آج دن میں یا رات کو کوئی کارروائی کرے۔ بہر حال میں نے اپنا سارا انتقام لے لیا تھا مجھے بھیرو کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرا مشن پورا ہو چکا تھا اب مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ مقورام اور مدھو گزشتہ رات ہی جا چکے تھے میں نے سوچا تھا کہ انہیں کچھ رقم دے دوں گا لیکن کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر رات ہی سے رخصت ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے جان زیادہ پیاری تھی۔ رتنا کو میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا میرا منصوبہ شروع ہی سے یہ تھا کہ رتنا کے ساتھ مشرقی پنجاب کی طرف نکل جاؤں گا اور وہاں کسی جگہ سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہو جاؤں گا۔ صحرا کے بارے میں، میں زیادہ پریشان نہیں تھا۔ وہ شاید یہیں رہنا پسند کرے گی۔

میں برآمدے میں کرسی پر بیٹھا یہی سب کچھ سوچ رہا تھا کہ رتنا دروازے میں نمودار ہوئی مجھے دیکھ کر وہ دوبارہ اندر چلی گئی اور میں بھی اٹھ کر اندر آ گیا۔

وہ پورا دن اسی طرح گزر گیا میں کچن کرے میں بیٹھ کر کھڑکی سے جھانکتا اور کبھی برآمدے میں آ کر بیٹھ جاتا مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

وہ دوسرا دن تھا ہمارا یہ دن بھی مکان کی منزلی تنہائی کرتے ہوئے گزر گیا تھا اس دوران بھی ہم تینوں باری باری سامنے والے بنگلے پر نگاہ رکھتے رہے تھے مگر صورت حال جوں کی توں تھی۔

رات کھانے کے بعد بھی ہم دیر تک بیلا ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ رتنا کا خیال تھا کہ ناگ راج کی موت کے بعد وہ ڈر گئی تھی اور اب شاید کبھی ادھر کا رخ نہ کرے لیکن میرا خیال مختلف تھا۔

''بیلا کو میں بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ آسانی سے شکست ماننے والی نہیں ہے۔ ناگ راج تو خطرناک تھا ہی بیلا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے'' صحرا۔ ''میں اس کی طرف گھوم گیا۔ ''تم نے تو خود دیکھا تھا وہ ناگ راج سے کس طرح بات کر رہی تھی جیسے وہ کوئی اس کا بہت ہی ادنیٰ غلام ہو اور بیلا نے کہا تھا کہ یہ سارا منصوبہ تو اسی کا ہے ناگ راج کو تو محض شو پیس کے طور پر آگے بڑھایا ہوا ہے۔''

''ہاں۔ بیلا کو یہ کہتے ہوئے تو میں نے بھی سنا تھا'' صحرا نے کہا۔

''اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد ناگ راج کو بھی قتل کر دیا جاتا بیلا نے جس طرح ناگ راج جیسے شخص کو قابو میں کیا ہوا تھا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر خطرناک ہے وہ آسانی سے شکست نہیں مان سکتی مجھے یقین ہے کہ وہ پلٹ کر حملہ ضرور کرے گی۔''

''میرا مطلب ہے دوسرے بنگلے پر۔'' میں نے کہا اور پھر ایک اور خیال کے تحت صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آج رات تہہ خانے سے کچھ اور چیزیں نکال لی جائیں اگر بیلا نے بنگلے پر قبضہ کر لیا تو سب کچھ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا تمہارے پاس اتنا کچھ تو ہونا چاہیے کہ یہاں سے کہیں اور چلی جاؤ تو آرام سے زندگی گزار سکو۔''

''تمہارا مطلب ہے تم یہاں سے جانے کے لیے پر تول رہے ہو'' صحرا نے مجھے گھورا۔

''فوری طور پر نہیں'' میں نے جواب دیا۔ ''چند روز صورت حال کا جائزہ لوں گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی بندوبست کر کے ہی جاؤں گا تاکہ بعد میں تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو اور تم آرام سے زندگی گزار سکو اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات وہاں سے کچھ اور چیزیں نکال لی جائیں۔''

اور پھر اس رات ایک بجے کے قریب ہم تینوں بھیرو والے بنگلے کے تہہ خانے میں موجود تھے۔ صحرا نے سوئچ بورڈ کا لیور ہٹا کر اس کمرے کے سامنے کی دیوار بھی ہٹا دی۔

میں نے نقد رقم ایک بڑے تھیلے میں بھر لی صحرا اور رتنا اپنے لیے زیورات چھانٹنے لگیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی زیورات موجود تھے اور شاید ان کے لیے انتخاب مشکل ہو رہا تھا بہر حال انہوں نے بھی ایک تھیلے میں اچھے خاصے زیورات بھر لیے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم وہاں سے واپس لوٹے تھے وہ رقم میں نے ایک الماری میں رکھ دی۔ زیورات میں سے صرف دو سیٹ رتنا نے اپنے پاس رکھے اور باقی صحرا کے حوالے کر دیے۔ صحرا نے اپنی پسند سے ایک خوبصورت نیکلس زبردستی اسے دے دیا میں اس وقت دل میں مسکرا رہا تھا زیور عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور یہاں یہ دونوں خواتین بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ یہ مال مفت تھا اور یہاں اس کی کوئی کمی بھی نہیں تھی۔

وہ رات بھی خیریت سے گزر گئی۔ ہم باہر کے حالات سے بالکل بے خبر تھے اب تین دن ہو چکے تھے اور میرے لیے باہر کے حالات جاننا بہت ضروری تھا اور پھر اس روز میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ سحرا اور رتنا کو پتہ چلا تو وہ دونوں بھی تیار ہو گئیں اور پھر یہ پروگرام بنا کہ وہ دونوں الگ جائیں گی اور میں الگ لیکن ہم لوگ ایک دوسرے سے دور نہیں رہیں گے۔ سحرا اور رتنا نے راجستھانی لباس پہنا اور چہروں پر اس قدر بھونڈا میک اپ کیا تھا کہ ان کے حلیے بگڑ کر رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کسی نہایت پسماندہ گوٹھ سے آئی ہوں میں نے اپنے لیے ایک ہندو سادھو کا گیٹ اپ پسند کیا تھا۔ ویسے بھی اب مجھے پہچاننے والا کوئی نہیں رہا تھا صرف ایک بیلا تھی اور ظاہر ہے وہ میری تلاش میں سڑکوں پر نہیں پھر رہی ہو گی۔ سادھو کے گیٹ اپ میں تو میرا حلیہ اور بھی بگڑ گیا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم بنگلے سے نکل گئے ہم تینوں کے پاس پستول موجود تھے جو لباس میں چھپا رکھے تھے۔ بنگلے کی چابیاں سحرا نے اپنے پلو سے باندھ لی تھیں۔ گیٹ سے نکلتے ہی میں ایک طرف اندھیرے میں کھڑا ہو گیا اور جب وہ تقریباً سو گز آگے نکل گئیں تو میں بھی رام رام جپتا ہوا ان کے پیچھے چل پڑا۔

☆......☆......☆

نظیر محمد ناجی کی ایڈونچرس سے بھرپور یہ آپ بیتی ابھی جاری ہے بقیہ واقعات کیلئے حصہ سوئم ملاحظہ فرمائیں

مافیا
3
بال کاظمی

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

بار اوّل ——— 2003ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/60 روپے

سالار بازار سب سے زیادہ قریب تھا۔ اس علاقے میں بڑی رونق تھی بڑی تعداد میں سیاح بھی آ رہے تھے۔ سحرا اور رتنا ادھر ادھر گھومتی رہیں اور میں ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ کبھی وہ رک جاتیں تو میں بھی قریب ہی رک جاتا اور آس پاس موجود لوگوں سے باتیں کرنے لگتا۔

ہمیں مختلف شاپنگ ایریاز میں گھومتے ہوئے دو گھنٹے گزر گئے سحرا نے ایک حلوائی کی دکان سے نان خطائی اور پکوڑے وغیرہ خریدے اور دور ہٹ کر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر کھانے لگیں میں بھی ان کے قریب چلا گیا اور بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلا دیا ان دونوں نے ناگواری نگاہوں سے میری طرف دیکھا سحرا نے دو جلیبیاں اور تین چار پکوڑے میرے ہاتھ پر رکھ دیئے اور میں اسے دعائیں دیتا ہوا قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کوئی زیادہ گڑبڑ نہیں ہے۔" سحرا نے سرگوشیانہ لہجے میں اس طرح کہا جیسے وہ رتنا سے کچھ کہہ رہی ہو۔ "لوگوں کو ناگ راج اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا پتہ چل گیا ہے لوگ اس راکشس سے نجات پانے پر بہت خوش ہیں اس لیے شہر میں رونق بھی نظر آ رہی ہے۔"

"اور راما شیر سنگھ کو اب بیلا کی تلاش ہے۔" میں نے منہ چلاتے ہوئے اپنی معلومات سے آگاہ کیا۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔ شہر میں گھومنا بیکار ہے۔"

"یہ کھا لیں تو چلتے ہیں۔" سحرا نے جواب دیا۔

ہم تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے اس کے بعد میں نے ان سے بات نہیں کی تھی اور الگ تھلگ ہی رہا تھا وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے سحرا نے کچھ اور مٹھائی لے لی تھی۔

اس مرتبہ میں ان سے آگے تھا۔ بازار کے اگلے موڑ پر اکا دکا لوگ ہی تھے میں مڑنا ہی چاہتا تھا کہ عقب سے رتنا کی چیخ سن کر چونک گیا اور تیزی سے پیچھے مڑا۔

وہ دو ہٹے کٹے غنڈے تھے جو رتنا کو پکڑ کر زبردستی قریب کھڑی ہوئی جیپ میں بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ رتنا چیختے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی اور سحرا بھی اسے غنڈوں کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں تھی مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ غنڈے حلوائی کی دکان سے ہی ان کے پیچھے لگے تھے۔ یوں تو سحرا کے بھی حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا مگر رتنا کی بات ہی کچھ اور تھی لمبا قد، گداز جسم اور موٹی موٹی سیاہ آنکھیں راجستھانی لباس میں تو اس کا بدن کچھ اور بھی تن گیا تھا اور وہ واقعی دلوں پر قیامت ڈھا رہی تھی۔ میں یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ غنڈے محض اس کے حسین ہونے کی وجہ سے اسے اٹھا لے جانے کے چکر میں تھے اگر کوئی اور بات ہوتی تو وہ سحرا کو بھی گرفت میں لینے کی کوشش کرتے اور انہیں اغوا کرنے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے تاکہ اس طرح ہنگامہ نہ ہوتا۔

وہ دونوں چیخ رہی تھیں اور لوگ دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ کوئی آگے آنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ میں پلٹ کر فوراً ہی اس طرف دوڑا اور جاتے ہی ایک غنڈے سے لپٹ گیا۔ اس غنڈے کو پیچھے سے گرفت میں لیا تھا اس نے میرے پیٹ میں کہنی ماری مگر میری گرفت اتنی کمزور تو نہیں تھی کہ وہ آسانی سے چھوٹ جاتا میں چیخ چیخ کر لوگوں کو بھی غیرت دلا رہا تھا کہ اگر ان کے گھر کی کسی عورت کو اس طرح اٹھانے کی کوشش کی جائے تو کیا اس وقت بھی وہ خاموش کھڑے تماشا دیکھتے رہیں گے۔

میری یہ چیخ و پکار نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ دو پانچ بہو آدمی آگئے۔ مجھے ایک غنڈے نے چاقو نکال لیا مگر میں نے اسے ہاتھ ہلانے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کی طرف موڑتا گیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اب دس بارہ آدمیوں نے ان غنڈوں کو گھیر لیا تھا اور ان کی پٹائی کر رہے تھے میں نے سمترا اور رتنا کو اشارہ کیا وہ دونوں وہاں سے کھسک گئیں اور میں بھی غنڈوں کی پٹائی میں لوگوں کے ساتھ شامل ہو گیا

"دو پولیس والے بھی شور سن کر وہاں پہنچ گئے انہیں پوری بات بتائی گئی اور غنڈوں کو ان کی تحویل میں دے دیا گیا۔

"وہ لونڈیاں کہاں ہیں؟" ایک پولیس والا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"شریف ناریاں تھیں اپنی عزت بچا کر ادھر کو چلی گئی ہیں حوالدار۔" میں نے مخالف سمت کی ایک گلی کی طرف اشارہ کر دیا۔

"کوئی بات نہیں تم ہمارے ساتھ چلو سو دھو مہاراج۔"

ایک پولیس والے نے کہا۔ "ان کے خلاف رپٹ لکھوانے کے لیے کسی کی ضرورت تو ہوگی۔"

"ہم تو ان دنگا فساد سے الگ رہتے مہاراج۔" میں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"ہم سادھو سنت لوگ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے انہوں نے عورتوں کو نہ چھیڑا ہوتا تو ہم یہاں بھی نہ رکتے اپنی راہ چلتے رہتے۔"

"ہاں سوامی جی کوئی بات نہیں چلو حوالدار جی۔" ایک آدمی نے کہا۔ دوسرے لوگوں نے بھی ان کی تائید کی اور میرے دیوم کو بچ کر گئے لیکن بہر حال اس آدمی کو بھی ساتھ لے لیا گیا جس نے مجھے ساتھ لے جانے کو کہا تھا۔

میں پہلی بار تھانے میں آیا تھا یہاں ایک سے ایک گھاگ پولیس والا تھا مجھے اندیشہ تھا کہ اوٹ پٹانگ قسم کے سوالات نہ شروع کر دیئے جائیں یا کسی کو مجھ پر کوئی شبہ نہ ہو جائے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ان غنڈوں کے خلاف رپورٹ لکھی گئی مجھ سے میرا پتہ پوچھا گیا تو میں نے بڑے اطمینان سے ایک آشرم کا پتہ لکھوا دیا اور پھر تھانے کے گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ سمترا اور رتنا گھر پہنچ گئی ہوں گی اور مجھے دیر ہو جانے پر پریشان ہو رہی ہوں گی۔ لیکن تھانے سے نکل کر دوسری گلی کا موڑ گھوما ہی تھا کہ وہ دونوں اچانک ہی تاریکی سے نکل کر میرے سامنے آگئے اور میں اچھل پڑا وہ سمترا اور رتنا تھیں۔

"تت ...... تم۔" مارے حیرت کے میرے منہ سے بات بھی ٹھیک سے نہیں نکل رہی تھی۔

"تمہیں چھوڑ کر ہم کیسے جا سکتی تھیں۔" رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب جلدی سے یہاں سے نکل چلو اگر کوئی پولیس والا اس طرف آ گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

ہم تیزی سے گلی میں چلتے رہے دو تین گلیاں گھوم کر ہم سڑک پر نکل آئے اور پھر آدھے گھنٹے بعد ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔

"کم بخت نے ایسی چٹکی کاٹی تھی کہ بوٹی نچ گئی۔" رتنا کہتے ہوئے اپنا بازو دیکھنے لگی۔

اس کے بازو پر نیل پڑ گیا تھا اس نے گھاگھرا اور بغیر آستین کی چولی پہن رکھی تھی نہ صرف بازو بلکہ کمر بھی برہنہ تھی کپڑا صرف چولی کے اگلے حصہ پر تھا کمر پر صرف آدھا انچ چوڑے دو فیتے تھے۔

گھر پہنچ کر بھی ان دونوں میں سے کسی نے لباس نہیں بدلا البتہ چوڑیاں بھی اتار کر پھینک دی تھیں میں کبھی ایک کی طرف دیکھتا اور کبھی دوسری کی طرف۔ بعض اوقات تو میرے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو جاتی کہ مجھے سانس لینا دشوار ہو جاتا۔

اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ سمترا میرے ساتھ بیٹھی رہی اور رتنا کچن میں گھس گئی۔ سمترا نے جو مٹھائی خریدی تھی وہ غنڈوں سے ہاتھا پائی کے دوران بھی محفوظ رہی تھی جسے اب سمترا نے ایک پلیٹ میں نکال لیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب ہم نے کھانا کھایا اور پھر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے تازہ ہوا اچھی لگ رہی تھی۔ ہم شہر کے حالات پر ہی تبصرے کرتے رہے۔ ناگ راج کی موت کے بعد لوگوں نے واقعی سکھ کا سانس لیا تھا لوگ تو یہی سمجھتے رہے تھے کہ وہ ایک غنڈہ اور بدمعاش تھا جس نے شہر والوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا اور اس کی موت پر انہوں نے سکھ کا سانس لیا تھا لیکن اندر کی کہانی انہیں معلوم نہیں تھی۔ انہیں کیا معلوم کہ ناگ راج کی موت سے ان کی سرکار کو کتنا ناقابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ سرکار کے کیسے کیسے منصوبے خاک میں مل گئے تھے۔

بیلا کی گمشدگی ہمارے لیے حیرت انگیز تھی اب مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ذہنی مریضہ تھی ہی، اس رات بھاگ دوڑ کی وجہ سے اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی اور وہ کہیں روپوش ہو گئی تھی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک برآمدے میں بیٹھے رہے اور پھر اندر آ گئے۔ سمترا نے دروازہ لاک کر دیا اور ہم ماسٹر بیڈ روم میں آ گئے۔ کمرے میں آتے ہی سمترا نے ویڈیو فلم لگا دی جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ان دونوں کا سونے کا ابھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔

فلم میں وہی بے ہودگی اور بے حیائی کے منظر تھے بعض منظر دیکھ کر سمترا اور رتنا ایک دوسرے کو چٹکیاں کاٹنے لگتیں۔ انڈین فلموں میں کوئی کہانی نہیں ہوتی۔ محض بے حیائی کی وجہ سے ہی یہ فلمیں چلتی ہیں۔

دو بجے کے قریب ٹپ ٹپ کی آواز سن کر ہم تینوں اچھل پڑے اور تینوں نے بیک وقت گھوم کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف دیکھا۔ آئینے پر ایک سرخ قلم اسپرے کر رہی تھی۔

"سمترا اچھل کر اٹھی۔" آئینے کے قریب پہنچ گئی اور ایک ٹن دبا کر ٹیلی ویژن آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہوئے گلی میں ڈریسنگ ٹیبل کی طرف دیکھنے لگا۔ بھیرو کے بنگلے کے برآمدے سے دروازے کا منظر نظر آ رہا تھا۔

دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور سکرین پر جو چہرہ دکھائی دیا وہ میرے لیے حیرت انگیز تھا۔

وہ امرت ٹھاکرے تھا اور اس کے بعد جو چہرہ سکرین پر نظر آیا اس نے تو مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ مدھو تھی۔

سحرا لیور کو حرکت دے کر کیمرے کو فوکس کرتی رہی اور سکرین پر ان چہروں کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی رہی۔

مدھو کو امرت ٹھاکرے کے ساتھ دیکھ کر میرے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس رات ناگ راج کو ٹھکانے لگانے کے بعد واپس آتے ہوئے وہ دونوں راستے میں کیوں اتر گئے تھے۔ کھنڈر کے تہہ خانے میں مٹھو رام اور مدھو کچھ دیر کیلئے ایک دوسرے کے قریب رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران موقع پا کر مدھو نے مٹھو رام کو بھیرو کے خزانے کے بارے میں بتا دیا ہو۔ بھیرو اب جہنم میں پہنچ چکا تھا۔ اس خزانے کا کوئی وارث نہیں تھا۔ وہ اس کا ہو سکتا تھا جو اس پر قبضہ کرے۔ مٹھو رام یہ بھی جانتا تھا کہ ناگ راج اور امرت ٹھاکرے کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ وہ دولت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مدھو سے بھیرو کے قتل کا سننے کے بعد ہو سکتا ہے مٹھو کے ذہن میں بھی کوئی ایسا خیال آیا ہو اور مدھو کو ساتھ لے کر راستے میں اتر گیا کہ رات کسی محفوظ جگہ پر گزارنے کے بعد صبح سویرے ہی اس شہر سے نکل جائیں گے۔

مٹھو رام کو امرت ٹھاکرے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوں گی۔ اس نے ٹھاکرے سے رابطہ کیا۔ دو تین دن منصوبہ بندی میں لگے ہوں گے اور آخر کار وہ امرت ٹھاکرے کو لے کر یہاں پہنچ گئے۔ ان کی رہنمائی مدھو نے کی ہوگی۔

میں اسکرین پر ان لوگوں کی صورتیں دیکھ رہا تھا جو بڑآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ ٹھاکرے، مدھو اور دو آدمی اور تھے مگر ان میں مٹھو نہیں تھا۔ ٹھاکرے اور اس کے ساتھیوں کے پاس آٹو میٹک رائفلیں تھیں مگر مدھو خالی ہاتھ تھی۔

ان لوگوں کی نقل و حرکت کے ساتھ سحرا پینل کے لیور کو بھی حرکت دیتی رہی۔ وہ لوگ چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ سحرا لیور کو بھی ایک طرف گھماتی کبھی دوسری طرف۔ اسکرین پر ہال کمرے کے مختلف مناظر ابھر رہے تھے اور آخر کار اس راہداری کا منظر ہمارے سامنے آ گیا جس میں بھیرو والا کمرہ تھا۔ اس کے سامنے والی سمت میں دو کمرے اور تھے۔

اس لیور کا تعلق اس الیکٹرونک ٹی وی کیمرے سے تھا جو ہال میں کسی جگہ لگا ہوا تھا اور سحرا اس لیور کے ذریعے اس کے زاویے تبدیل کر رہی تھی۔ اب راہداری کا منظر دکھائی دے رہا تھا جہاں امرت ٹھاکرے مدھو کے ساتھ کھڑا تھا۔ ٹھاکرے کے دوسرے ساتھی سامنے والے کمروں میں گھس گئے تھے۔ چند سیکنڈ بعد وہ بھی سامنے آ گئے۔ ٹھاکرے نے انہیں اشارہ کیا۔ ایک تو راہداری کے دہانے پر کھڑا رہا اور دوسرا ہال کی طرف چلا گیا۔

مدھو نے ٹھاکرے کی طرف دیکھتے ہوئے بھیرو والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹھاکرے نے دروازے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا۔ سحرا نے جلدی سے پینل پر ایک اور بٹن دبا دیا۔ اب بھیرو

کے کمرے میں لگے ہوئے کیمرے نے کام شروع کر دیا تھا اور اسکرین پر کمرے کے اندر کی طرف سے دروازے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ سامنے ہی مدھو اور ٹھاکرے کھڑے تھے۔ ٹھاکرے بہت محتاط انداز میں رائفل لے کر اندر داخل ہوا اور جب مدھو اندر داخل ہوئی تو میں چونک سا گیا۔

”اسے ذرا فوکس میں رکھو اور کلوز اپ میں لو۔“ میں نے سحرا سے کہا سحرا نے مدھو کو فوکس میں رکھتے ہوئے لیور پر ایک ننھا سا بٹن دبا دیا۔ مدھو کا چہرہ اسکرین پر پھیلتا چلا گیا۔

”یہ... یہ دیکھو۔“ میں نے سحرا کو متوجہ کیا۔ ”کیا مدھو کے چہرے سے ایسا نہیں لگتا جیسے اسے اس کی مرضی کے خلاف یہاں لایا گیا ہے۔ اس سے زبردستی کوئی کام لیا جا رہا ہو۔“

سحرا غور سے مدھو کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ رتی بھی اٹھ کر قریب آ گئی۔ وہ بھی بھرپور توجہ سے اسکرین پر مدھو کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

”ان کے ساتھ مٹھو رام بھی نہیں ہے۔“ میں نے کہا ”پہلے مدھو کو ان کے ساتھ دیکھ کر میں یہ سمجھا تھا کہ اس نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے اور بھیرو کی دولت کیلئے وہ اور مٹھو رام ٹھاکرے سے جا ملے ہیں مگر مدھو کے چہرے کو دیکھ کر لگتا ہے کہ صورتحال کچھ اور ہے۔“

”میں ایسا نہیں سمجھتی۔“ سحرا نے کہا ”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان پر اسی حد تک بھروسہ کیا جائے جس کے یہ اہل ہیں۔ دولت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ بھیرو مر چکا ہے اور ہر شخص اس کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مدھو اور مٹھو رام نے بھی ٹھاکرے کے ساتھ مل کر اس دولت کو اڑانے کا منصوبہ بنایا ہوگا۔ مدھو کا ان لوگوں کو یہاں تک لے آنا میری بات کا ثبوت ہے۔“

”نہیں سحرا“ میں نے کہا ”انہوں نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے۔ مکھی لال پانڈے اور ان کے کئی ساتھیوں نے ہمارے لیے اپنی جانیں دی ہیں۔ مدھو بھی کئی مرتبہ اپنی جان کی بازی لگا چکی ہے۔ وہ کسی بھی وقت موت کا شکار ہو سکتی تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں اس دولت کا لالچ ہوتا تو بڑی آسانی سے نہیں ختم کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں ہوا اور اب جبکہ مدھو یہ جانتی ہے کہ نیلا جیسی خطرناک عورت فرار ہو چکی ہے۔ نیلا ہمارے اس ٹھکانے سے واقف ہے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں ہلہ بول سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ادھر کا رخ کرنا حماقت ہی ہوگی۔ نہیں سحرا معاملہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ مدھو کے چہرے پر خوف کے تاثرات کچھ اور کہانی سنا رہے ہیں۔“

”مجھے وشواش نہیں ہوتا“ سحرا نے کہا۔

میرے کہنے پر وہ ایک بار پھر لیور کو حرکت دینے لگی۔ کیمرے کا زاویہ بدلنے لگا۔ امرت ٹھاکرے بیڈ روم میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔ اس نے بھیرو کی الماری کھول دی اور اس میں بھرے ہوئے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال کر نیچے پھینکنا شروع کر دیں اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھول کر دیکھنے لگا۔

کیمرا اس کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ ٹھاکرے مدھو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان کے حرکت کرتے ہوئے ہونٹ بتا رہے تھے کہ وہ آپس میں کوئی بات کر رہے تھے۔

”کیا اس کیمرے میں ساؤنڈ سسٹم نہیں ہے؟“ میں نے سحرا سے پوچھا۔

"اوہ مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔" سحرا نے کہا اور پینل پر سفید رنگ کا ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹی وی سیٹ پر ٹھاکرے کی آواز سنائی دینے لگی۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے کہاں گئے وہ لوگ؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں"۔ مدھو نے جواب دیا۔ "بیلا مندر والے کھنڈروں سے بھاگ گئی تھی۔ اسے اس جگہ کا معلوم ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کے خوف سے یہاں سے بھاگ گئے ہوں۔"

"اور تہہ خانے کا رستہ کہاں ہے؟" ٹھاکرے نے پوچھا۔

"اس باتھ روم کے اندر" مدھو نے اشارے سے بتایا۔

امرت ٹھاکرے باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مدھو اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ ٹھاکرے کیمرے کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا۔ سحرا نے کچھ دیر تک مدھو کو فوکس میں رکھا پھر لیور کو آہستہ آہستہ حرکت دینے لگی۔ اب کمرے کے دروازے پر ایک اور آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں رائفل تھام رکھی تھی اور وہ اس طرح کھڑا تھا کہ کمرے کے اندر اور باہر راہداری پر بھی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

چند منٹ بعد ٹھاکرے کی آواز سن کر سحرا نے کیمرے کا زاویہ بدل دیا۔ ٹھاکرے باتھ روم سے نکل آیا تھا اور بڑی خونخوار نظروں سے مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تہہ خانے کا راستہ کدھر ہے چھوکری۔"

"اسی باتھ روم میں ہے"۔ مدھو نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔ "وہ لوگ اسی باتھ روم میں سے تہہ خانے میں آتے جاتے تھے۔ میں تہہ خانے میں کبھی نہیں گئی۔ نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ راستہ کیسے کھولا جاتا ہے۔"

حقیقت تھی۔ مدھو کو تہہ خانے کے راستے کا علم نہیں تھا۔ وہ ایک آدھ مرتبہ بھیرو کے اس کمرے میں تو آئی تھی لیکن باتھ روم میں کبھی نہیں گئی تھی۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ خفیہ راستہ باتھ روم ہی میں سے ہے لیکن اس نے کبھی وہ راستہ دیکھا نہیں تھا۔

"سیدھی طرح سے بتاتی ہے یا دوسرا طریقہ اختیار کروں"۔ ٹھاکرے نے کہتے ہوئے اس کے بال مٹھی میں پکڑ کر اس کا سر پیچھے کی طرف جھکا دیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ دی۔ "اگر تم نے نہیں بتایا تو اس رائفل کی ساری گولیاں تمہاری کھوپڑی میں اتار دوں گا اور تو بھی اپنے اس یار کے پاس پہنچ جائے گی"۔

میں نے سحرا کی طرف دیکھا۔ وہ ہولے سے سر ہلا کر رہ گئی۔ میری بات درست نکلی تھی۔ مدھو بھی اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئی تھی۔ اسے زبردستی لایا گیا تھا اور ظاہر ہے یہاں لانے کیلئے اس کے ساتھ کوئی زیادتی بھی کی گئی ہو گی اور ٹھاکرے کی اس بات نے بھی مجھے چونکا دیا تھا کہ "اور تو بھی اپنے یار کے پاس پہنچ جائے گی"۔ اس بات کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ منو رام کو ختم کر دیا گیا تھا لیکن مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ یہ دونوں ٹھاکرے کے ہاتھ کیسے لگے تھے۔

مدھو کی چیخ کی آواز سن کر میں سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ٹھاکرے اسے بالوں سے پکڑے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا اور پھر اس نے زور دار دھکا دیتے ہوئے مدھو کو بیڈ پر گرا دیا۔

"او بیر"۔ وہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "اس سے پوچھ دھرتی کے بھیتر جانے کا راستہ کدھر کو ہے۔ نہ بتاوے تو اس کا مستک درست کر دے نہیں تو اپنا مستک گھوم جائے گا"۔

"بتا دے گی۔ کیوں نہیں بتاوے گی"۔ بیر مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے اپنی رائفل ٹھاکرے کے حوالے کر دی اور مدھو کی طرف بڑھنے لگا۔

مدھو پشت کے بل بیڈ پر پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں وحشت ابھر آئی تھی۔ وہ کہنیوں کے بل آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

"م م..... میں سچ کہتی ہوں"۔ وہ ہکلا رہی تھی۔ "تہہ خانے کا راستہ اس باتھ روم میں ہے لیکن مجھے پتہ نہیں"۔

بیر نے بیڈ پر چھلانگ لگا دی اس نے مدھو کو اس طرح دبوچ لیا تھا جیسے بلی چوہے کو دبوچتی ہے۔ مدھو مزاحمت کر رہی تھی۔ بیر اسے بری طرح رگید رہا تھا۔ ایک موقع پر مدھو نے بیر کو دھکا دے کر اپنے اوپر سے ہٹا دیا اور بیڈ سے چھلانگ لگا کر دروازے کی طرف دوڑی۔ اس کا اوپر کا لباس تار تار ہو گیا تھا اور جسم برہنہ ہو رہا تھا۔

وہ دروازے تک نہیں پہنچ سکی۔ ٹھاکرے نے دونوں رائفلیں کرسی پر پھینک کر مدھو کو دبوچ لیا اور اسے قالین پر گرا کر خونخوار بھیڑیے کی طرح اسے نوچنے لگا۔

ہم ٹی وی پر یہ اندوہناک منظر دیکھ رہے تھے۔ مدھو کی چیخیں ہمارے کانوں میں گونج رہی تھیں مگر ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

اور پھر دفعتاً ٹی وی کے اسپیکر پر ابھرنے والی فائرنگ کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ یہ آواز بھیرو والے بنگلے ہی میں کسی طرف سے آئی تھی۔ سحرا نے جلدی سے ہال والا کیمرا آن کر دیا اور لیور کو حرکت دینے لگی بعد ہی ٹھاکرے کا دوسرا ساتھی فوکس میں آ گیا۔ وہ رائفل پکڑے بدحواسی میں چیختا ہوا راہداری کی طرف دوڑ رہا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ٹھاکرے اور بیر بھی اس کمرے سے نکل آئے۔ ٹھاکرے چیخ چیخ کر اپنے دونوں ساتھیوں کو احکامات دے رہا تھا۔ ان تینوں نے برآمدے والے دروازے کے آس پاس پوزیشن سنبھال لی تھی اور باہر کی طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ باہر سے بھی فائرنگ ہو رہی تھی اور ہمارے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ باہر سے کون لوگ فائرنگ کر رہے تھے۔ ویسے میرے ذہن میں بیلا کا خیال تھا۔

سحرا نے ایک بار پھر کمرے والا کیمرا آن کر دیا۔ مدھو قالین پر پڑی تھی۔ اس کا لباس پھٹ چکا تھا۔ چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور پھر اچانک ہی جیسے اس کی آنکھوں میں عجیب چمک نظر آئی۔ وہ رینگتی ہوئی بیڈ کے نیچے چلی گئی۔

میرا خیال تھا کہ وہ فائرنگ سے خوف زدہ ہو کر چھپنا چاہ رہی تھی۔ مدھو کئی مرتبہ میرے ساتھ اہم معرکوں میں حصہ لے چکی تھی۔ جب قیدی بنی تھی تو وہ اس طرح خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی اور اب بھی وہ خوف زدہ ہو کر چھپنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن چند سیکنڈ بعد ہی وہ رینگتی ہوئی بیڈ کے نیچے سے نکلی تو اس مرتبہ

میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

مدھو کے ہاتھ میں کاراکوف رائفل تھی اور میرے خیال میں یہ بھیرو کی رائفل تھی جو کسی وقت نیچے گر گئی ہوگی اور اب تک وہیں پڑی تھی۔ مدھو چونکہ قالین پر پڑی ہوئی تھی اس لیے اس نے بیڈ کے نیچے یہ رائفل دیکھ لی تھی۔

مدھو اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ کمرے سے نکل گئی۔

اب ہال کمرے والا کیمرا آن ہو گیا تھا۔ مدھو فوکس میں تھی۔ وہ رائفل سنبھالے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب خوف کے بجائے سفاکی تھی۔ راہداری کے آخر میں پہنچتے ہی اس نے فائرنگ شروع کر دی۔

تڑتڑاہٹ کی آواز کے ساتھ بیری کی چیخ بھی گونجی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گرا۔ اس کے جسم سے خون کی کئی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔ امرت ٹھاکرے اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ اس نے تیزی سے مڑ کر فائر کھول دیا۔ کئی گولیاں مدھو کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ وہ تیورا کر گری۔ خون اس کے جسم سے فواروں کی طرح پھوٹ پڑا تھا۔

سحرا نے کیمرا ایک بار پھر ٹھاکرے پر فوکس کیا۔ وہ چیختا اور فائرنگ کرتا ہوا کھڑکی سے باہر کی طرف چھلانگ لگا رہا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی دروازے سے باہر چھلانگ لگا چکا تھا۔

باہر سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سحرا نے کیمرا ایک بار پھر مدھو پر فوکس کر دیا۔ مدھو پشت کے بل پڑی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں اب بھی رائفل موجود تھی۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے تاثرات منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

سحرا نے کیمرے کو ایک بار پھر برآمدے والے دروازے پر فوکس کر دیا اور لیور سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ سیدھی ہو کر عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"تم نے ٹھیک ہی کہا تھا"۔ وہ بولی۔ "اسے زبردستی یہاں لایا گیا تھا اور وہ واقعی وفادار تھی۔ اس نے تہہ خانے کا راستہ نہیں بتایا۔"

"میرا خیال ہے اسے راستہ معلوم نہیں تھا"۔ رتنا نے کہا۔ "جس طرح جان کے خوف سے انہیں لے کر یہاں تک آ گئی تھی۔ اگر تہہ خانے کا راستہ معلوم ہوتا تو وہ بھی بتا دیتی"۔

"اسے معلوم تھا"۔ سحرا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "ایک مرتبہ میں اسے تہہ خانے میں لے گئی تھی اور اسے سب کچھ دکھایا تھا۔ وہ گن پوائنٹ پر ان کے ساتھ یہاں تک تو آ گئی تھی گو یہاں آ کر اس نے اپنی جان دے دی پر تہہ خانے کا راستہ نہیں بتایا"۔

میں عجیب سی نظروں سے سحرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"تو پھر اب مدھو کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اپنے خیالات پر شرمندگی ہے اور مدھو کی موت کا افسوس"۔ سحرا بولی۔

"بے چاری"۔ رتنا بولی۔ "اچھی لڑکی تھی۔ ہمارا ساتھ اگرچہ چند روز ہی رہا لیکن لگتا تھا جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ بڑی بے تکلف ہو گئی تھی وہ ہم سب سے مجھے دیدی کہتی تھی"۔

"ہاں اب صرف افسوس ہی کیا جا سکتا ہے"۔ میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اسے مرتے ہوئے دیکھتے رہے اور اس کی کوئی مدد نہ کر سکے"۔

"لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ ٹھاکرے کے ہاتھ کیسے لگی اور منوہر رام کہاں ہے"۔ رتنا نے کہا۔ "اس رات تو منوہر نے کہا تھا کہ اس کے پاس ایک محفوظ جگہ ہے جہاں رات گزار کر وہ صبح سویرے ہی نکل جائیں گے"۔

"ہاں یہ معمہ ابھی حل طلب ہے"۔ میں نے کہا۔ "رہی منوہر رام کی بات تو وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے ٹھاکرے کو کہتے ہوئے سنا تو تھا کہ وہ مدھو کو بھی اس کے یار کے پاس پہنچا دے گا"۔

"ہاں اور میرا خیال ہے منوہر نے پہلے ہی مزاحمت کی ہوگی جس پر اسے ختم کر دیا گیا ہوگا"۔ سحرا نے کہا۔

میں ایک بار پھر ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ وہی کھلے ہوئے دروازے کا منظر دکھائی دے رہا تھا اور فائرنگ کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بنگلے کے کمپاؤنڈ میں کسی جگہ فائرنگ ہو رہی تھی لیکن ہم کسی کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد خاموشی چھا گئی اور اس کے دو تین منٹ بعد دو آدمی دوڑتے ہوئے برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں۔ وہ تیزی سے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ سحرا بڑی مشکل سے باری باری انہیں فوکس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس بھاگ دوڑ سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ اس طرح دوڑتے ہوئے مکان کو چیک کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک مدھو کی لاش کے قریب رک گیا اور دوسرا دوڑتا ہوا باہر چلا گیا۔

تین منٹ بعد اسکرین پر جو چہرہ نظر آیا اسے دیکھ کر ہم تینوں ہی اچھل پڑے۔ وہ چیلا تھی۔ اس نے ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ وہ قدرے لنگڑا کر چل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا جس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

چیلا کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو احکامات جاری کر رہی تھی۔ ایک آدمی تو مدھو کی لاش کے قریب ہی کھڑا رہا۔ دوسرا برآمدے والے دروازے پر جم گیا اور تیسرا راہداری میں آ گیا۔

چیلا اسے راہداری میں چھوڑ کر بھیرو کے کمرے میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر کے اندر سے نہ صرف لاک کر دیا بلکہ اوپر کا بولٹ بھی چڑھا دیا۔ وہ مڑ کر باتھ روم کی طرف بڑھی۔

ہمیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ تہہ خانے میں جائے گی۔

سحرا نے پینل پر ایک اور بٹن دبا کر تہہ خانے والا کیمرا آن کر دیا اور پھر ٹھیک ایک منٹ بعد چیلا

تہہ خانے میں نظر آئی۔ وہ چند لمحے ایک جگہ پر کھڑی رہی پھر تیز تیز قدم اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے ادھر ادھر گھومنے لگی۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

بیلا کی اس حالت پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے اس کمرے کی تلاش تھی جس میں بھیرو کا خزانہ بھرا ہوا تھا لیکن اب وہ کمرہ غائب تھا۔ بیلا کو شاید اپنے آپ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں اسے اسی کمرے میں لے کر گیا تھا۔ اس نے ایک ایک چیز اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور اب نہ صرف وہ تمام چیزیں بلکہ پورا کمرہ ہی غائب تھا۔ وہ دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہی تھی۔

"اس کی حالت دیکھ کر مزا آ رہا ہے۔" صحرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی مزا آ رہا ہے۔" میں نے کہا "بھیرو واقعی عقلمند تھا اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو وہ ساری دولت ہاتھوں سے نکل چکی ہوتی"۔

"مگر بھیرو کو اس کا کیا فائدہ ہوا۔" صحرا نے کہا "وہ تو اس سے کوئی فائدہ اٹھائے بغیر نرک میں چلا گیا۔"

"ایسے آدمیوں کا انجام تو یہی ہوتا ہے"۔ میں نے کہا "بہرحال یہ دولت اب تمہارے کام آئے گی۔ تم نے بھیرو کے لیے اپنا سب کچھ تیاگ دیا تھا اور بھیرو تمہارے لیے یہ دولت چھوڑ گیا۔ چند روز بعد حالات پرسکون ہو جائیں تو یہاں سے کسی دوسرے شہر منتقل ہو جانا اور آرام سے باقی زندگی گزار دینا"۔

صحرا نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا۔ ہم ایک بار پھر اسکرین کی طرف دیکھنے لگے۔ بیلا اب واپس آ رہی تھی۔ تہہ خانے سے باہر آ کر بیلا چند لمحے بھیرو والے کمرے میں رکی اور پھر دروازہ کھول دیا۔

"تم دروازہ بند کر کے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟" راہداری میں کھڑے ہوئے شخص نے مشتبہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کپڑے اتار کر ایک منتر کر رہی تھی۔ تم سے مطلب؟" بیلا نے اسے گھورا "تمہیں مجھ سے سوال کرنے کا حق کیسے مل گیا کیشو؟"

میرے دماغ میں چھناکا سا ہوا۔ اس نام سے مجھے یاد آ گیا کہ اس شخص کو میں نے کہاں دیکھا تھا۔ بیلا اور اس کے ساتھی جب مجھے گھر سے اغوا کر کے لا رہے تھے تو ہم نے بلکہ میں نے اور بیلا نے چند گھنٹے صحرا میں اس پہاڑی میں واقع کالی کے مندر میں گزارے تھے اور وہیں پر موقع پا کر بیلا نے ٹرانسمیٹر پر ناگ راج سے بات کی تھی۔ اس کی باتیں میں نے بھی سن لی تھیں اور ٹرانسمیٹر پر اسی گفتگو میں بیلا نے کیشو رام کا نام بھی لیا تھا اور پھر ایک موقع پر بابو نٹ کے ہاں میں بیلا کے ساتھ کیشو سے آمنا سامنا بھی ہوا تھا۔ ناگ راج کے تقریباً سارے ہی ساتھی اگرچہ ختم ہو چکے تھے مگر یہ کیشو رام بچا ہوا تھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے تم پر کوئی شبہ نہیں ہے۔" کیشو رام گڑبڑا سا گیا۔ "میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا"۔

"ٹھیک ہے" بیلا نے جواب دیا "مجھے حیرت ہے یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے"۔

"وہ ٹھاکرے تھا بیلا جی" کیشو نے کہا۔ "میں نے خود اسے پچھلی طرف سے بھاگتے ہوئے دیکھا۔

یہ لاش اس کے ساتھی کی ہے۔" اس نے دروازے کے قریب پڑی ہوئی ہیرکی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"مگر یہ مدھو۔ یہ تو ناگ کے ساتھ تھی۔" بیلا نے مدھو کی لاش کی طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے یہ لوگ یہاں ہوں اور ٹھاکرے نے یہاں حملہ کیا تو وہ مدھو کی لاش چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہمارا مقابلہ صرف ٹھاکرے اور اس کے آدمیوں سے ہوا"۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مدھو کی یہ لاش میرا مطلب ہے اس حالت میں پھینکا ہوا لباس"۔

"ٹھاکرے انسان نہیں راکشس ہے"۔ کیشو نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مدھو ان لوگوں کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہو گی۔ وہ ٹھاکرے اور اس کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی یہ حالت ٹھاکرے اور اس کے آدمیوں نے ہی کی ہو گی۔ مدھو کے ہاتھ میں رائفل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کچھ کرنے کا موقع مل گیا ہو گا"۔

"شاید ایسا ہی ہوا ہو۔ بہرحال یہ دونوں لاشیں اٹھوا کر بنگلے کے پچھلی طرف پھینکوا دو اور یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو"۔ بیلا نے کہا۔

کیشو اور اس کے ساتھی باری باری مدھو اور ہیر کی لاشیں اٹھا کر باہر کسی جگہ ڈال آئے اور پھر اس کے تقریباً چند منٹ بعد بیلا بھی باہر چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

صحرا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کیمرا آف کر دیا۔ مانیٹرنگ سیٹ کی اسکرین تاریک ہو گئی مگر اس کے نچلے پینل پر ننھی سی سرخ بتی جلتی رہی۔

"بیلا دوبارہ آئے گی"۔ میں نے صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے کیشو وغیرہ کو اس خزانے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اسی لیے بھیرو کے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا لیکن تہہ خانے میں جا کر اسے خود بھی بڑی مایوسی ہوئی لیکن یہ مایوسی ایسی نہیں کہ وہ امید چھوڑ دے۔ وہ دوبارہ بنگلے میں آئے گی۔

"لیکن میرا خیال ہے اس سے پہلے پولیس بنگلے میں آئے گی"۔ صحرا نے کہا "بنگلے میں فائرنگ کی آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر میں پولیس بھی پہنچنے والی ہو"۔

"پولیس کو بنگلے کے کمپاؤنڈ میں دو لاشوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا"۔ میں نے کہا۔ "بہرحال ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہم بھی محفوظ ہیں اور وہاں تہہ خانے میں وہ خزانہ بھی"۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہم کسی بھی لمحہ مانیٹرنگ سیٹ سے سگنل کے منتظر تھے مگر خاموشی رہی۔ چار بج گئے۔ میں بیڈ پر آڑا ترچھا ہو کر لیٹ گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ بھیرو کے بنگلے میں اتنی شدید فائرنگ کے باوجود پولیس کیوں نہیں پہنچی تھی۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اور پھر صبح سات بجے کے قریب صحرا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔

"باہر پولیس کھڑی ہے"۔ صحرا نے کہا۔ "شاید وہ لوگ رات والی فائرنگ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتے ہیں"۔

"اوہ..." میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ "تم لوگ باہر تو نہیں نکلیں۔ میرا مطلب ہے پولیس والوں

نے تمہیں دیکھا تو نہیں؟“

”نہیں میں نے کال بیل کی آواز سن کر کھڑکی سے جھانکا تھا۔“ سحرا نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔“ میں کہتے ہوئے پلنگ سے اٹھ گیا۔ جسم پر ایک چادر لپیٹ لی اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ گیٹ کے سامنے دو پولیس والے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر فائرنگ کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”مہاراج۔ رات کو گولیاں تو بہت چلت رہی تھیں۔ پر ہم ڈر کے مارے باہر نہیں نکلا تھا۔ دل کا کمزور ہوں مہاراج۔ بہت ڈر لاگت ہے۔ ہم کا تو تمام درو بے بند کر بیٹھا رہیو تھا۔ سویرے آنکھ لاگت تھی۔“

”یہاں اس بنگلے میں کون رہتا ہے۔ چند روز پہلے تک تو یہ خالی تھا۔“ اسی پولیس والے نے پوچھا۔

”رانا امیر سنگھ کا چاکر ہوں مہاراج“۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”وہ لوگ جودھ پور سے آون والے ہیں۔ ہم کا پہلے بھیج دیا صفائی ستھرائی کرن واسطے۔“

”تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟“ ایک اور سوال کیا گیا۔

”نہیں مہاراج۔ اکیلا ہوں“۔ میں نے جواب دیا۔

وہ دونوں باری باری مجھ سے اس فائرنگ کے بارے میں سوال کرتے رہے اور پھر رخصت ہو گئے۔ فائرنگ رات کو تین بجے ہوئی تھی اور پولیس اس کے بارے میں معلوم کرنے اب آئی تھی۔ ویسے میں نے اپنے بارے میں جو بتایا تھا اس پر مجھے خوف زدہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بنگلہ تھا تو اسی پہاڑی پر مگر بھیرو کے بڑے بنگلے سے اس کا فاصلہ نصف میل کے قریب تھا اور دوسرا قریب ترین بنگلہ بھی ایک ڈیڑھ فرلانگ کے قریب تھا۔ اس لیے میں مطمئن تھا کہ پولیس والے کسی اور سے ہمارے اس بنگلے کے بارے میں نہیں پوچھیں گے۔ ویسے بھی رانوں اور ٹھاکروں کے نام میں بڑی تاثیر تھی۔ ایسے بھاری بھرکم ناموں کے بارے میں کوئی زیادہ تحقیقات بھی نہیں کرتا تھا۔

رتنا ابھی تک سو رہی تھی۔ سحرا نے اسے جگایا تو تھا مگر وہ پھر سو گئی تھی۔ میں بھی صرف تین گھنٹے ہی سو سکا تھا۔ میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی لیکن اب میرا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سحرا میرے انتظار میں برآمدے کے قریب ہی کھڑی تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ بلا ٹل گئی ہے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا اور کچن میں گھس گئی۔ میں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سحرا چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے دونوں کپ سنٹر ٹیبل پر رکھ دیئے اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ بھی صرف تین گھنٹے ہی سوئی تھی اور اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔

ہم رات کے واقعات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ حیرت اس بات پر تھی کہ کل رات بھیرو کے بنگلے پر ٹھاکرے نے ریڈ کیا اور اس کے ایک گھنٹے بعد بیلا بھی اپنے آدمی لے کر پہنچ گئی تھی۔ اسے اتفاق سمجھا جائے یا بیلا کا کوئی آدمی بنگلے کی نگرانی کر رہا تھا جس نے ٹھاکرے وغیرہ کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر بیلا کو اطلاع کر دی تھی۔ مزید حیرت اس بات پر تھی کہ پولیس کئی گھنٹوں بعد پہنچی تھی اور ادھر ادھر سے

فائرنگ کے بارے میں پوچھ کر چلی گئی تھی مگر پولیس بھیرو والے بنگلے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

چائے پیتے ہوئے میری نظر سحرا کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا ایک پیر تو نیچے ہی تھا اور دوسرا پیر اس نے صوفے پر رکھ لیا تھا۔ وہ رات والا راجستھانی لباس ہی پہنے ہوئے تھی۔ گھاگرا گھٹنے پر سے نیچے کھسک گیا تھا۔ وہ کئی روز سے میرے ساتھ تھی لیکن اس وقت نجانے کیوں اسے دیکھ کر میری سانس تیز ہونے لگی۔ اس نے بھی شاید میری نگاہوں کے مرکز کو تاڑ لیا تھا لیکن گھاگرا درست کرنے کے بجائے وہ کچھ اور پھیل گئی اور اس پر ستم یہ کہ اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی بھی لے ڈالی۔ مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

سحرا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گئی اور صوفے پر نیم دراز ہو کر سر میرے گھٹنے پر رکھ دیا۔

”مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ آنکھوں میں بہت شدید جلن ہو رہی ہے۔“ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تو پھر اندر جا کر آرام سے سو جاؤ نا“۔ میں نے اسے اپنے اوپر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

”تم بھی سو جاؤ“۔ تم بھی تو رات بھر جاگے ہو“۔ اس نے اٹھ کر میرا بازو پکڑ لیا۔

اور جب میں رتنا والے کمرے کی طرف بڑھا تو سحرا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر دوسری طرف کھینچنے لگی۔

”رتنا کی نیند خراب ہوگی۔ اسے سونے دو۔ دوسرے کمرے میں آ جاؤ“۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ سحرا نے مجھے دھکا دے کر بستر پر گرا دیا اور خود بھی میرے اوپر ڈھیر ہو گئی۔

دو دن اور گزر گئے۔ بھیرو والے بنگلے میں کوئی نہیں آیا۔ البتہ بنگلے کے پچھلی طرف پہاڑی پر میں نے گدھوں کو منڈلاتے نیچے اترتے اور پرواز کرتے دیکھا تھا۔ مدھو اور ہیرا کی لاشیں اسی رات بیلا نے باہر پھنکوا دی تھیں اور اب گدھ دو دن سے دعوت اڑا رہے تھے۔ میں مدھو کیلئے اپنے آپ میں بے حد افسوس کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے لیے جان دے دی تھی۔ ہم نہ تو اسے بچانے کی کوشش کر سکے تھے اور نہ ہی اس کے انتم سنسکار کا کوئی بندوبست۔ اگر اس رات بیلا وغیرہ کے جانے کے بعد ہم تہہ خانے کے راستے اس کی لاش اٹھا بھی لاتے تو اسے ٹھکانے لگانا ہمارے لیے مسئلہ بن جاتا۔ بہرحال اب تو میں اس کی روح کیلئے دعا کر سکتا تھا۔

تیسرا دن بھی گزر رہا تھا۔ بھیرو والے بنگلے کی طرف کسی نے رخ نہیں کیا تھا۔ میں اپنے آپ میں کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ یہ خاموشی مجھے کھل رہی تھی۔ اسے نہ صرف یہ علم تھا کہ اتنے عرصے تک ہم بھیرو کے اس بنگلے میں رہے تھے بلکہ وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ اس بنگلے کے تہہ خانے میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے جسے وہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ اس رات کیشو رام اور دو تین آدمیوں کو لے کر آئی تھی۔ اس نے کیشو رام کو بھی اس خزانے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اسی لیے اس نے بھیرو والے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

بیلا کو تہہ خانے میں خزانہ نہیں ملا تھا۔ وہ مشکوک ہو گئی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ کسی وقت واپس

جائے گی اور اکیلی آ جائے گی۔ اس خزانے کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

"سمترا!" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آج رات بھیرو کا وہ خزانہ بھی یہاں لے آئیں۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔ سمترا نے جواب دیا۔ "تم لوگ تو جانے کا پروگرام بنا رہے ہو۔ میں اکیلی سب کچھ کیسے سنبھالوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں نے بھی طے کر رکھا ہے کہ تم لوگوں کے جانے کے ایک دو روز بعد میں بھی کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں گی۔ جو کچھ بھی اس تہہ خانے سے لے آئے ہیں اسے تو میں کسی نہ کسی طرح سمیٹ ہی لوں گی لیکن زیادہ مال میرے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر .... یا وہ خزانہ اسی طرح زمین کے سینے میں چھپا رہے گا۔" میں نے کہا۔

"یہاں سے جانے کے بعد میں کسی آشرم کو اس خزانے کے بارے میں گمنام اطلاع دے دوں گی۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" سمترا نے جواب دیا۔

میرے خیال میں سمترا ٹھیک ہی کہتی تھی۔ ہمیں اس خزانے کی زیادہ فکر نہیں ہونی چاہیے تھی۔

اس سے اگلے روز میں نے ایک بار پھر گھر سے باہر نکلنے کا پروگرام بنایا لیکن اس مرتبہ میں اکیلا ہی جانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں میں نے ایک نیا بہروپ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کئی ہفتوں سے ایک خاص مقصد کے تحت میں نے اپنی داڑھی مونچھوں کو نہیں چھیڑا تھا۔ جس کے نتیجے میں داڑھی اور مونچھیں بے تحاشا بڑھ گئی تھیں۔ میں قینچی اور ریزر لے کر آئینے کے سامنے بیٹھ گیا۔ داڑھی اور مونچھیں تھوڑی بہت تراش کر انہیں سلیقے سے سیٹ کیا اور سر کے بال سمیٹ کر سکھوں کی طرح پگڑی باندھنے لگا۔ اس حلیے میں رتنا نے بھی میری تھوڑی بہت مدد کی تھی۔ بالکل تیار ہو کر میں آئینے میں اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔ سیاہ پتلون سفید شرٹ سر پر پگڑی اور داڑھی مونچھوں میں میں بالکل سکھ لگ رہا تھا۔

"سردار جی"۔ رتنا میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "اس وقت تو میرا بھی دل چاہنے لگا ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں"۔

"تمہیں میں اپنی سردارنی بنا کر لمبے سفر پر ساتھ لے کر جاؤں گا لیکن اس وقت تو میں اکیلا ہی جا رہا ہوں۔ ذرا موج میلا کرنے کیلئے"۔ میں نے جواب دیا۔

"اپنے ہوش قابو میں رکھنا" رتنا نے مجھے گھورا۔ "موج میلے میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جو تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دے"۔

"مصیبتیں تو اب خود میرے پاس آ کر پھنس جاتی ہیں۔ مجھے کیا پھنسائیں گی"۔ میں نے کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

کالی پتلون اور سفید شرٹ پر کوٹ گہرے نیلے رنگ کا تھا جو کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا اور جچ بھی رہا تھا۔ میں نے ایک معقول رقم کے علاوہ پستول بھی کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں بنگلے سے نکل کر پیدل ہی ایک طرف چلتا رہا اور پھر

مجھے ایک آٹو رکشہ مل گیا جس پر بیٹھ کر میں بس اسٹاپ کے علاقے میں پہنچ گیا۔ میں نے آٹو والے کو کرایہ ادا کیا اور پیدل ٹہلتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ خاصی رونق تھی۔ اندازہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں پر ناگ راج اور اس کے غنڈوں کا جو خوف تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور لوگ آزادی سے گھوم پھر رہے تھے۔

دراصل میرا یہاں آنے کا مقصد کچھ اور تھا۔ میں یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ شہر سے نکلنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہاں میں نے پورا گینگ ختم کیا تھا۔ ناگ راج کو ختم کر دیا تھا۔ عام لوگوں نے تو سکھ کا سانس لیا تھا مگر پولیس اور سرکاری ایجنسیاں خصوصاً "را" کے ایجنٹ اب بھی صورتحال پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ انہیں اب بھی میری تلاش تھی شہر میں پکڑ دھکڑ تو بہت کم ہو گئی تھی لیکن میری معلومات کے مطابق شہر سے باہر جانے والوں کو چیک کیا جا رہا تھا۔ بعض مشتبہ افراد کو پکڑ بھی لیا جاتا تھا۔ جنہیں اپنی تسلی کرنے کے بعد ہی چھوڑا جاتا تھا اور میں یہاں سے نکلنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتا تھا کہ مجھ پر کسی قسم کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔

رتنا نے ایک مرتبہ مجھے ایک سکھ بس ڈرائیور کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ سکھ بس ڈرائیور رتنا پر لٹو تھا اور بقول رتنا کے وہ شخص چونکہ اس کے شہر کا رہنے والا تھا اس لیے اسے کبھی لفٹ نہیں ڈالی تھی اور میں نے اسی سکھ بس ڈرائیور کی آڑ میں اس شہر سے نکلنے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے میں نے کئی روز پہلے ہی داڑھی مونچھیں بڑھانا شروع کر دی تھیں۔

میں نے بس اسٹیشن سے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ دوسرے شہروں سے آنے والی تمام بسیں آ چکی تھیں۔ یہ چونکہ پہاڑی علاقہ تھا راستہ خطرناک بھی تھا اس لیے ان بسوں کے شیڈول اس طرح بنائے گئے تھے کہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ماؤنٹ آبو پہنچ جائیں۔ البتہ آبو روڈ ریلوے اسٹیشن سے آنے والی دو تین بسیں رات نو بجے تک پہنچتی تھیں۔ ایک دو ایکسپریس ٹرینیں چونکہ شام چھ اور سات بجے کے درمیان آبو روڈ ریلوے اسٹیشن پہنچتی تھیں اس لیے یہ بسیں ان ٹرینوں سے اترنے والے مسافروں کو لے کر آتی تھیں۔

اس روز بھی دوسرے شہروں سے آنے والی تمام بسیں پہنچ چکی تھیں لیکن ادھر ادھر سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ پنجاب کی طرف سے آنے والی کسی بس کا ڈرائیور سکھ نہیں تھا۔ البتہ یہ پتہ چل گیا کہ بلدیو سنگھ نامی سکھ ڈرائیور ہفتے میں دو دن جے پور کی بس پر یہاں آتا ہے۔ اس کے آنے کے دن مقرر تھے۔ جس دن وہ آتا تھا اس سے اگلے دن صبح سویرے اس کی واپسی ہوتی تھی۔ میں نے نہ صرف وہ دن ذہن نشین کر لیے بلکہ یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ رات کہاں گزارتا ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں راجندر مارگ کی طرف آ گیا۔ رتنا والے پریم نواس ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ڈٹ کر اپنی پسند کا کھانا کھایا رتنا کی جگہ کام کرنے والی خوبصورت ویٹرس نے مجھے اس شہر میں اجنبی سمجھ کر رات دس بجے کے بعد اپنی کمپنی کی پیشکش بھی کی تھی مگر میں نے مسکراتے ہوئے ٹال دیا۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر میں گھومتا ہوا ایک موڑ پر پہنچ گیا اس موڑ سے کوئی راستہ کسی مندر کی طرف بھی جاتا تھا اسی لیے موڑ پر گل فروشوں کی کچھ دکانیں بھی تھیں۔ ان دکانوں کے علاوہ ایک طرف لکڑی کے تین چار تختے بھی بچھے ہوئے تھے۔ ان پر بھی ٹوکریوں میں پھول بھرے ہوئے تھے۔ ان تختوں پر پھول بیچنے والی لڑکیاں تھیں۔

میرا وہاں رکنے کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ میں سڑک کے دوسری طرف ایک آدمی کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ نوجوان تھا۔ اس کی عمر بیس اکیس سال رہی ہوگی۔ اس نے سفید پتلون اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں نے اسے فوراً ہی پہچان لیا اس نوجوان کو میں شروع کے دنوں میں شکتی کے ساتھ دیکھ چکا تھا لیکن بعد میں کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اس وقت وہ ایک اور آدمی کی تاک میں تھا۔

میں ان کے متوازی فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔ ایک موقع پر اس نوجوان نے بڑی صفائی سے دوسرے آدمی کا بٹوہ اڑا لیا اور بڑی تیزی سے سڑک پار کر کے اس فٹ پاتھ پر آ گیا جہاں میں موجود تھا۔ اس نوجوان نے بٹوہ اڑانے میں ہاتھ کی ایسی صفائی دکھائی تھی کہ اس کے شکار کو پتہ ہی نہیں چل سکا تھا اور وہ بڑے اطمینان سے اپنے راستے پر چلتا رہا تھا۔

وہ نوجوان اب مجھ سے پانچ چھ قدم آگے چل رہا تھا اور جیسے ہی وہ ایک گلی میں مڑنے لگا میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تیزی سے مڑا۔ اس کے چہرے پر بدحواسی نمایاں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید پکڑا گیا ہے لیکن ایک سکھ کو دیکھ کر وہ کسی قدر مطمئن ہو گیا۔

"کیا بات ہے سردار جی؟" اس کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"اگر تم خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم نے کسی کی پاکٹ ماری ہے"۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک دم گڑبڑا گیا۔

"ڈرو نہیں میرے ساتھ چلتے رہو۔ اس گلی میں"۔ میں نے کہتے ہوئے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم گلی میں مڑ گئے۔

گلی کافی کشادہ تھی۔ دونوں طرف پرانی طرز کے مکان تھے۔ اسٹریٹ لائٹ کا انتظام مناسب نہیں تھا کھمبوں پر بلب تو فیوز تھے یا ٹوٹے ہوئے تھے۔ پوری گلی میں صرف چار بلب جل رہے تھے۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

میں اس جیب تراش کا ہاتھ پکڑے چلتا رہا۔ اس نے بھی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید جانتا تھا کہ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو دھر لیا جائے گا۔

ہم اس گلی سے نکل کر دوسری طرف والے شاپنگ ایریا میں آ گئے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ اچھا پر رونق ریسٹورنٹ تھا زیادہ رش بھی نہیں تھا۔ کونے کی ایک میز پر بیٹھ کر میں نے ویٹر کو چائے لانے کیلئے کہا اور اس نوجوان کی طرف دیکھنے لگا۔

"سردار جی"۔ اس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ "آپ مجھے پاکٹ مار تو نہیں لگتے لیکن اگر آپ کو حصہ چاہیئے تو میں دینے کو تیار ہوں"۔

"اوئے... اوئے..." میں نے اسے گھورا۔ "کیا میں تمہیں پاکٹ مار یا اٹھائی گیرا لگتا ہوں"۔

"نہیں سردار جی اسی لیے تو میں نے کہا کہ آپ ایسے نہیں لگتے مگر حصہ چاہیئے تو..."۔

"اچھا چل وہ بٹوہ نکال... دیکھوں اس میں کتنی رقم ہے"۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے وہ بٹوہ نکال لیا جو راہ گیر کی جیب سے اڑایا تھا جس میں دو سو پچاس روپے

...چند کاغذات تھے۔ اس نے ڈیڑھ سو روپے میری طرف بڑھا دیئے۔

"یہ آپ لے لیں سردار جی سو روپے میں رکھ لیتا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"رکھ اوئے رکھ.... ان کو اپنے پاس رکھ"۔ میں نے کہا اور ویٹر کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ویٹر ہمارے سامنے چائے رکھ کر چلا گیا تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام گنگا رام ہے جی"۔ اس نے جواب دیا۔ "کہیں دیکھا ہوگا جی"۔

"میرا خیال ہے کئی روز پہلے میں نے تمہیں ریڈ لائٹ ایریا میں دیکھا تھا"۔ میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میں براہ راست شکتی وغیرہ سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے باتوں میں گھیر کر متھو رام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ "اس وقت تمہارے ساتھ تین لڑکے اور بھی تھے وہ کبھی نظر نہیں آئے۔ بھاگ گئے کیا؟" میں اسے شکتی لال بھانوٹ اور متھو رام کے پوچھنے لگا۔

"سردار جی تم تو ان کے حلیے ایسے بتا رہے ہو جیسے بہت قریب سے جانتے ہو"۔

"دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن پٹاخہ قسم کی لڑکی تھی"۔ میں نے کہا۔

"اوہ... سمجھ گیا"۔ گنگا رام نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "آپ شاید مدھو کی بات کر رہے ہیں۔ وہ واقعی بڑی زوردار چھوکری تھی مگر شکتی کے علاوہ کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتی تھی"۔

"اپنے پلے کچھ ہوتا تو تب گھاس ڈالتی ہیں"۔ میں نے کہا۔ "بہرحال اب کہاں ہیں وہ لوگ؟"

"سردار جی وقت گزارنے کیلئے کوئی چھوکری چاہیئے تو اپن سے کھل کر بات کرو نا"۔ گنگا رام نے

"او نہیں یار... میں کوئی عیاش آدمی نہیں ہوں۔ وہ لڑکی بس اس پر ذرا دل آ گیا تھا تم صرف اتنا بتاؤ وہ لوگ ہیں کہاں؟" میں نے کہا۔

"وہ سب لوگ تو ختم ہو گئے سردار جی اب تو ان کا نشان بھی نہیں رہا"۔ گنگا رام نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ختم ہو گئے کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔ "انہیں زمین کھا گئی کیا؟"

"ایسا ہی سمجھیں سردار جی"۔ گنگا رام نے کہا۔ "شکتی بھانوٹ رسوا اور سب مارے گئے۔ شکتی کو ایک ... لیا تھا میں اسے سمجھاتا بھی رہا کہ یہ کرو انہیں کسی مصیبت میں ڈال دے گا مگر ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی۔ میں اسی لیے ان سے الگ ہو گیا تھا۔ ناگ راج جیسے آدمی سے پنگا لینا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ وہ سب لوگ ایک ایک کر کے مارے گئے"۔

"مگر سنا ہے ناگ راج بھی مارا گیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں... وہ بھی مارا گیا"۔ گنگا رام نے کہا۔ "اس رات متھو رام اور مدھو میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا وہ شہر سے نکلنا چاہتے ہیں میں نے انہیں مشورہ دیا کہ اگر وہ لوگ اپنی جان بچانا

چاہتے ہیں تو صبح کا انتظار کرنے کے بجائے رات ہی رات میں یہاں سے نکل جائیں۔ انہوں نے میرا مشورہ مان لیا اور رات ہی کو یہاں سے بھاگ گئے مگر موت نے جسے تاک لیا ہو وہ بچ نہیں سکتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "وہ دونوں یہاں سے بیس کوس دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے مگر بدقسمتی سے امرت ٹھاکرے پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ دونوں اس کے ہاتھ لگ گئے۔ ٹھاکرے ان سے شکتی کے گرو کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے ذریعے پنڈت بھیرو کے خزانے تک پہنچ سکے۔ گرو نے پتہ نہیں انہیں کیا گھول کر پلا دیا تھا وہ اس کے بارے میں زبان کھولنے کو تیار نہیں تھے۔ مٹھو رام تو اس کے ہاتھوں مارا گیا اور ٹھاکرے مدھو کو لے کر غائب ہو گیا۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا ٹھاکرے نے اسے بھی مار ڈالا۔"

"بڑا افسوس ہوا یار۔" میں نے تاسف کا اظہار کیا۔

"اچھا چائے پی اور میری ایک بات مان لے۔"

"وہ کیا سردار جی؟" اس نے کپ اٹھاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ دھندہ چھوڑ دے ورنہ کسی دن تو بھی مارا جائے گا۔" میں نے کہا "تم جوان آدمی ہو۔ ہٹے کٹے ہو۔ محنت مزدوری کر سکتے ہو۔ ہمارے پنجاب میں کہتے ہیں۔" کر مزدوری تے کھا چوری"۔ محنت سے کما کر چوری کھاؤ گے تو بڑا مزہ ہے اس میں۔"

"سردار جی" گنگا رام نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "منہ کو حرام کی لت لگی ہو تو حلال کی کھانے میں مزہ نہیں آتا۔ حلال پچتا ہی نہیں ہم جیسے لوگوں کو۔"

"ہاں... ٹھیک کہتے ہو۔ کسی کو حرام نہیں پچتا اور کسی کو حلال نہیں پچتا۔ مگر میری ایک بات سمجھ لے۔ حلال کھانے میں بڑا سواد ہے۔" میں نے کہا۔

"کوشش کروں گا سردار جی۔" اس نے خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب تو جا میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھوں گا۔" میں نے کہا۔

وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد میں بھی زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھا تھا۔

میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے بازاروں میں گھومتے رہنا بیکار تھا میں نے پھل اور کچھ اور چیزیں خریدیں اور واپسی کے لیے چل پڑا۔

اسی رات میں ابھی گہری نیند میں سو رہا تھا کہ رتنا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جلدی چلو۔" وہ مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ "بیلا بھیرو کے بنگلے میں آئی ہے۔"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس کمرے میں پہنچنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ سترا مانیٹرنگ سیٹ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکرین پر بال کمرے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ بیلا کمرے کے وسط میں کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میرا خیال ہے وہ ابھی ابھی اندر داخل ہوئی تھی۔

"اس کے ساتھ اور کون ہے؟" میں نے سترا سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" سترا نے جواب دیا۔ "بنگلے کے باہر کوئی ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن اندر وہ اکیلی ہی

آئی ہے۔"

"تو پھر وہ یقیناً اکیلی ہی ہوگی۔" میں نے کہا۔ اور اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔

بیلا راہداری کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ سترا کیمرے کو حرکت دیتی رہی۔ بیلا بھیرو کے کمرے سے ہوتی ہوئی تہہ خانے میں آ گئی۔ وہ کچھ دیر کھڑی الجھی ہوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر اس دن کی طرح دیواریں ٹھونک بجا کر دیکھنے لگی۔

اس دن بیلا کے ساتھ کیشو رام کے علاوہ دو آدمی اور تھے اس سے پہلے وہ یقیناً بنگلے کی نگرانی کرواتی رہی تھی اور کسی کے بنگلے میں داخلے کی اطلاع پا کر ہی کیشو رام وغیرہ کو لے کر یہاں پہنچی تھی۔ اس نے سوچا ہوگا کہ شاید ہم ہوں گے لیکن غیر متوقع طور پر اس کا مقابلہ ٹھاکرے سے ہوا تھا ٹھاکرے دو لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور بیلا جس طرح بھیرو والے کمرے کا دروازہ بند کر کے تہہ خانے میں گئی تھی اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کیشو وغیرہ کو اس نے خزانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور آج وہ اکیلی آئی تھی۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں بڑی شدید قسم کی الجھن تھی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کمرہ کہاں غائب ہو گیا۔

"اسے گھیر نہ لیا جائے؟" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔

"بیلا اس بنگلے میں اکیلی آئی ہے۔" رتنا نے وضاحت کی۔ "ہم سرنگ کے راستے تہہ خانے میں گھس کر اسے پکڑ لیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ رتنا" میں نے کہا۔ "کیا اب تک تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس قدر عیار عورت ہے۔ وہ اندر تو اکیلی آئی ہے لیکن باہر یقیناً اس کا کوئی نہ کوئی آدمی موجود ہوگا اور پھر تم دونوں نے ایک اور بات پر غور نہیں کیا۔"

"وہ کیا...؟" اس مرتبہ سترا نے بھی سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اس روز پولیس یہاں صبح سات بجے پہنچی تھی۔ حالانکہ فائرنگ چار بجے کے قریب ہوئی تھی۔" میں نے کہا "پولیس نے آج تک اس بنگلے کا رخ نہیں کیا بیلا بہت اونچی شے ہے۔ سترا تم تو اس رات قلندر کے تہہ خانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو۔ بیلا ناگ راج کی رکھیل نہیں تھی۔ وہ اس سے بہت اونچی چیز ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کے پاس کوئی بہت بڑا سرکاری عہدہ بھی ہے۔ اس نے پولیس کو اس بنگلے سے دور رکھا ہوگا اور اب جبکہ ہمارا مشن مکمل ہو چکا ہے۔ تمام کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں ہمیں اس موقع پر ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے کہ پھر کسی الجھن میں پڑ جائیں۔"

"ہاں... تم ٹھیک کہتے ہو۔" سترا نے سر ہلا دیا۔

"اب ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ خاموشی سے اس شہر سے نکل جائیں۔" میں نے کہا "آج میں ضروری معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ ہم ایک دو دن میں یہاں سے چلے جائیں گے۔"

میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ سترا کے چہرے پر کچھ اداسی سی چھا گئی تھی۔ وہ لیور کے ذریعے تہہ خانے کے کیمرے کو حرکت دیتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ بیلا اب بھی تہہ خانے

"اوئے کرم چند..... میں ذرا کام جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے واپسی میں دیر ہو جائے۔" بلدیو سنگھ نے کہا۔

"بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سردار جی رات کو واپس ہی نہ آ سکیں۔ یہ صبح اڈے پر ہی پہنچ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"آہو جی..." بلدیو سنگھ جلدی سے بولا۔ "اگر میں نہ آیا تو تم سویرے اڈے پر پہنچ جانا۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ہم اس کمرے سے نکل آئے اور مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے رتنا کے مکان پر پہنچ گئے۔ ہم اپنا پروگرام طے کر کے ہی گھر سے نکلے تھے اور سمترا پروگرام کے مطابق ہم سے پہلے رتنا کے مکان پر پہنچ چکی تھی۔ وہ ہمارا سامان بھی لے آئی تھی جو ہمیں ساتھ لے جانا تھا۔

اندر آنے کے بعد بلدیو سنگھ نے سمترا کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"اوئے یہ کڑی ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"آہو بلدیو سنگھ جی۔ بڑی مظلوم کڑی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بلدیو سنگھ دیر تک سمترا کو دیکھتا رہا۔ لگتا تھا جیسے اس کی نظریں سمترا کے کپڑوں کے اندر کا بھی جائزہ لے رہی ہوں۔ وہ سمترا سے مختلف سوالات کرتا رہا اور سمترا بڑی مظلوم اور مسکین سی بنی بیٹھی اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

"تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں کچھ کھانے کو لے آؤں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

میں مکان سے نکل کر تقریباً دو تین گھنٹوں تک ادھر ادھر ٹہل کر وقت گزارتا رہا اور پھر گیارہ بجے کے قریب کچھ کھانے پینے کا سامان اور شراب کی دو بوتلیں لے کر واپس آ گیا۔ اس دوران سردار بلدیو سنگھ ان دونوں سے اچھا خاصا بے تکلف ہو چکا تھا۔ سمترا راجستھانی لباس میں بلدیو سنگھ پر کچھ زیادہ ہی ظلم کر رہی تھی۔

بارہ بجے کے قریب ہم نے کھانا ختم کیا اور پھر پینے پلانے کا دور شروع ہوا۔ پینے والا سردار بلدیو سنگھ تھا اور پلانے والی اس کی دو حسینائیں جن پر زمانہ مرتا تھا۔ میں اس وقت بڑی خوبصورت سے وہاں سے ہٹ گیا تھا کہ وہ دونوں اسے سنبھال لیں گی اور بلدیو سنگھ تو رات کے کسی حصے میں واپسی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میں صبح چھ بجے تک اطمینان سے سوتا رہا اور پھر رتنا نے مجھے جگا دیا۔ میں دوسرے کمرے میں آیا تو بلدیو سنگھ نشے میں دھت پڑا ہوا تھا۔ سمترا کی آنکھیں بھی رات بھر جاگنے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

بس آٹھ بجے روانہ ہونی تھی۔ میں نے اور رتنا نے تیاری شروع کر دی میں نے بلدیو سنگھ کی جیب سے بس کا لائسنس وغیرہ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ راجستھانی لباس کے ساتھ اس نے چہرے پر بڑا بھونڈا میک اپ کیا تھا۔ راجستھانی لباس بھی ایسا تھا جو عام طور پر بڑی بوڑھیاں پہنتی تھیں۔ ڈھیلا ڈھالا لباس جس سے پورا جسم ڈھکا ہوا تھا اس میں کسی مرد کے لئے کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔

اس نے کپڑے کا ایک تھیلا بغل میں دبا لیا جس میں ایک جوڑا میرا، دو جوڑے اس کے اپنے،

ایک خطیر رقم اور قیمتی زیورات تھے لاکھوں کی مالیت کے یہ زیورات سمترا نے اسے زبردستی دیئے تھے۔

"ہمارے فرار کی کامیابی کا دارومدار تم پر ہے سمترا" میں نے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے دوپہر سے پہلے یہاں سے کہیں نکلنا چاہئے۔"

"تم چنتا مت کرو۔" سمترا نے کہا۔ "دوپہر تو کیا اسے شام تک ہوش نہیں آئے گا کہ یہ کہاں ہے۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی میں نے بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کیا۔ مجھ سے الگ ہو کر وہ رتنا سے لپٹ گئی۔ وہ بڑا جذباتی منظر تھا دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مجھے بھی سمترا سے جدا ہونے کا بے حد افسوس ہو رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ مجھے پوری طرح احساس تھا کہ ہم اسے کس پوزیشن میں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ کوئی معمولی سی غلطی اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "حالات پرسکون ہوتے ہی یہاں سے نکل جانا۔ زندگی رہی تو پھر کہیں نہ کہیں ملاقات ہوگی۔"

"تم بھی اپنا خیال رکھنا۔" سمترا نے کہا۔ "اور تم بھی۔" آخری جملہ اس نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو کس کیا اور ہم مکان سے باہر آ گئے۔ اس وقت گلی میں اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن سب اپنے اپنے دھیان میں تھے کسی کو اس سے غرض نہیں تھی کہ کون یہاں سے جا رہا ہے۔

گلی کے موڑ پر پہنچ کر ہم دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سمترا اب بھی دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ ہم دونوں نے ہاتھ ہلایا اور دوسری طرف مڑ گئے۔

ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلتے رہے۔ رتنا نے تھیلا چادر کے نیچے بغل میں دبا رکھا تھا۔ بس سٹیشن کے قریب پہنچ کر ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

یہ سیاحت کا سیزن تھا۔ ماؤنٹ آبو آنے والی بسیں تو مسافروں سے بھری ہوئی تھیں مگر باہر جانے والوں کی تعداد کم تھی۔ بکنگ ونڈو کے سامنے صرف دو تین مسافر تھے۔ رتنا بھی لائن میں لگ گئی۔ میں بس کی طرف آ گیا۔ بس میں بیس بائیس مسافر بیٹھے ہوئے تھے کنڈیکٹر کرم چند چھت پر سامان باندھ رہا تھا۔ اس وقت آٹھ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ کرم چند نے مجھے دیکھ لیا اور وہیں سے چیخ کر بولا۔

"سردار جی۔ اپنا استاد کہاں ہے۔ صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔"

"تم ذرا نیچے آؤ۔" میں نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ رسی کو گرہ لگا کر نیچے اتر آیا۔

"کیا بات ہے سردار جی۔ استاد کہاں ہے؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میرے چہرے سے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا چکا تھا۔

"ایک گڑبڑ ہو گئی ہے کرم چند۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارا استاد بلدیو سنگھ تو بالکل ہی پھنس چکا تھا۔"

"کیا ہوا سردار جی!" کرم چند کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

"او۔ ہونا کیا تھا۔ رات کو گلاس پر گلاس چڑھاتا رہا۔ منع کرنے کے باوجود نہیں مانا۔ صبح ہوتے ہی الٹیاں شروع کر دیں۔ طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ اسپتال لے جانا پڑا۔ ابھی میں اسے اسپتال چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ شام تک تو وہ اپنے حواس میں نہیں آ سکے گا۔"

"یہ تو گڑبڑ ہو گئی سردار جی۔" کرم چند فکر مند لہجے میں بولا۔ "اس وقت تو اڈے پر کوئی اور ڈرائیور بھی نہیں ہے اور ہماری بس کے روانہ ہونے میں صرف تین چار منٹ رہ گئے ہیں۔"

"بلدیو سنگھ نے اسی لئے مجھے بھیجا ہے۔ میں بھی بہت اچھا ڈرائیور ہوں۔ اس نے کہا تھا کہ کرم چند بھی بڑا اچھا ڈرائیور ہے۔ ہم دونوں باری باری چلاتے ہوئے بس لے جائیں گے۔ وہ کل صبح کسی بس سے آ جائے گا۔" میں نے کرم چند کو اچھا ڈرائیور اس لئے کہہ دیا تھا کہ پرانے کنڈیکٹر عام طور پر پورے نہیں تو آدھے ڈرائیور ضرور بن چکے ہوتے ہیں۔

"منیجر سے بات کرنی پڑے گی۔" کرم چند نے کہا۔ "ویسے برا مت مانو سردار جی۔ کل رات وہ ناری کون تھی آپ کے ساتھ۔"

"وہ ایسے ہی مل گئی تھی۔ شغل میلے کے لئے۔" میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"سمجھ گیا سردار جی۔" کرم چند بولا۔ "اپنا استاد ساری تنخواہ اسی طرح شغل میلے پر خرچ کر دیتا ہے۔ کوئی خوبصورت ناری ہو تو وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ آؤ سردار جی۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں منیجر سے بات کرتا ہوں۔"

ہم دونوں منیجر کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہ اکیلا ہی تھا۔ منیجر ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی تھا۔ توند مٹکے کی طرح پھولی ہوئی تھی۔ سر گنجا اور کھوپڑی کے پیچھے طرف بالشت بھر لمبی چٹیا تھی۔ ماتھے پر سرخ ٹیکہ بھی لگا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کٹر ہندو ہے۔

کرم چند دھیمے لہجے میں اس سے بات کرتا رہا۔ منیجر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"بلدیو سنگھ کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔" اس نے کہا۔ پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ "تمہارے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے۔"

"ہو جی۔" میں نے جیب سے بلدیو سنگھ والا لائسنس نکال لیا اور اس کا صرف لشکارہ دے کر دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔

"ٹھیک ہے سردار جی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت اڈے پر کوئی اور ڈرائیور نہیں ہے مجبوری ہے آج تم ہی گاڑی لے جاؤ۔ مگر سنبھال کے چلانا۔ راستہ خطرناک ہے۔"

"میں نے بڑے بڑے خطرناک راستوں پر گاڑی چلائی ہے جناب۔" میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ بیڑو۔ ٹائم ہو رہا ہے۔" منیجر بولا۔

ہم دونوں دفتر سے باہر آ گئے۔ کنڈیکٹر تو واؤچر لینے کے لئے اسسٹنٹ منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا اور میں بس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے میں نے مسافروں پر نگاہ ڈالی۔ رتنا چوکی

سیٹ پر کھڑکی کی طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے چادر سے گھونگھٹ سا نکال رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بھاری بھرکم ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے گیئر بکس اور ایکسیلیٹر وغیرہ کا اچھی طرح جائزہ لیا اور اللہ کا نام لے کر اگنیشن کی گھما دی۔ چھوٹی گاڑیاں چلانے میں تو میں اپنے آپ کو بہت ماہر سمجھتا تھا مگر کار اور بس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

کرم چند بھی بس میں آ گیا۔ اس نے سرسری سے انداز میں بس کے اندر کا جائزہ لیا اور دروازہ بند کر کے مجھے روانگی کا اشارہ کر دیا۔ میں اللہ کا نام لے کر بس کو حرکت میں لے آیا۔

شہر سے بسوں کی آمد و رفت کا راستہ مجھے معلوم تھا میں بہت محتاط انداز میں اور بہت ہلکی رفتار سے بس کو مختلف سڑکوں پر گھماتا ہوا دلی دروازہ پر لے آیا۔ یہی سڑک آبورود ریلوے اسٹیشن کی طرف چلی گئی تھی اور وہاں سے مختلف شہروں کی طرف سڑکیں نکلتی تھیں۔

شہر سے نکلتے ہی ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ آسمان پر بادل تو پچھلے دو تین دنوں سے نظر آ رہے تھے اور اب انہوں نے اچانک ہی برسنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ماؤنٹ آبو سے پندرہ منٹ آگے کسی دیہات کی طرف ایک راستہ پھوٹتا تھا۔ اس موڑ پر پولیس کی عارضی چوکی بنی ہوئی تھی لوہے کی زنجیر ڈال کر سڑک بند کر دی گئی تھی۔ میں نے بیریئر کے قریب پہنچ کر بس روک لی۔ کرم چند نے دروازہ کھول دیا۔ دو پولیس والے اندر گھس آئے اور مسافروں کا جائزہ لینے لگے۔ دو چار آدمیوں سے انہوں نے کچھ سوالات بھی کئے تھے ان کے انداز اور لہجے میں بڑی بدتمیزی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر مسافر تو ان سے الجھ بھی پڑا تھا۔

"آتنک وادیوں کی تلاش ہے۔ انہیں تو پکڑ نہیں سکتے سالے جنتا کو پریشان کرتے ہیں۔" وہ شخص بڑبڑا رہا تھا۔

ایک پولیس والا تو اسے بس سے اتارنے پر تیار ہو گیا تھا اس موقع پر دوسرے مسافروں کو مداخلت کرنی پڑی تھی۔ میں خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

پولیس والوں نے مجھ پر کوئی توجہ نہیں دی تھی بلکہ میری طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ ڈرائیوروں کو شاید وہ مستثنیٰ سمجھتے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد بیریئر ہٹا لیا گیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے بس آگے بڑھا دی۔ بوندا باندی کا فائدہ مجھے ہوا تھا اگر بارش نہ ہوتی تو مجھے بس تیز چلانا پڑتی اور وہ صورت حال خطرناک ہوتی میرے لئے بس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ بارش کی وجہ سے میں بس کو ہلکی رفتار سے چلاتا رہا اس طرح بس بھی میرے کنٹرول میں رہی۔

آبورود تک انتیس کلومیٹر کا راستہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا تھا بس میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر بڑبڑا رہے تھے لیکن میں کسی کی پروا کئے بغیر بڑے آرام سے بس چلاتا رہا۔

میرا دھیان متھرا کی طرف بھی تھا۔ اگر بلدیو سنگھ اس کے قبضے سے نکل گیا تو صورت حال ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ٹیلی فون پر آگے اطلاع دے دی جاتی اور آگے بس روک لی جاتی مگر مجھے متھرا کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا۔ بلدیو سنگھ کو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس فطرت کا آدمی ہے۔ متھرا اگر تین دن تک

بھی اسے روکے رکھے تو وہ اف نہیں کرے گا بلکہ اس حسین جال سے خود بھی نہیں نکلنا چاہے گا۔

آبو روڈ ریلوے سٹیشن کے اسٹاپ پر ہم صرف پانچ منٹ رکے تھے یہاں سے کچھ اور مسافر بس میں سوار ہوئے تھے۔ یہاں سے چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے بس روک لی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کرم چند کو بٹھا دیا اور خود کنڈیکٹر کی ڈیوٹی سنبھال لی۔

کرم چند واقعی اچھا ڈرائیور تھا۔ وہ بس کو مناسب رفتار سے سڑک پر دوڑاتا رہا بس کی رفتار سے مسافر بھی اب مطمئن ہو گئے تھے۔

لیکن بارش بدستور ہوتی رہی۔ کرم چند بڑی مہارت سے بس چلا رہا تھا راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی تھیں۔ میں کئی مہینے پہلے پیلا کے ساتھ تھر کی طرف سے گدھایے سے ہوتا ہوا آیا تھا اس طرف بھی کہیں وسیع و عریض ریگستان تھے اور کہیں پہاڑیاں تھیں۔ بھاگ دوڑ میں مجھے وہ علاقہ اچھی طرح دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن اس وقت بس پر سفر کرتے ہوئے میں پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا کہیں پہاڑیاں اور کہیں میلوں دور تک پھیلے ہوئے صحرا۔

دوپہر کے وقت ہم پالی پہنچ گئے۔ شہر کے پھیلاؤ سے لگتا تھا کہ اس کی آبادی دو ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ یہاں ریلوے سٹیشن بھی تھا یہاں سے ایک لائن جودھ پور اور دوسری مارواڑ کی طرف چلی گئی تھی۔ مارواڑ زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ ریلوے جنکشن تھا ایک لائن جے پور دوسری آبو روڈ تیسری گنگرول سے ہوتی ہوئی ادھے پور کی طرف چلی گئی تھی۔

اس سفر کے دوران میں میں نے ایک مرتبہ بھی رتنا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ پالی شہر میں داخل ہونے کے بعد ایک جگہ بس رکی تو میں نے رتنا کو اشارہ کیا وہاں اترنے والے دو مسافروں کے ساتھ وہ بھی اپنا تھیلا سنبھالتی ہوئی اتر گئی۔ تقریباً سو گز آگے جا کر میں نے بس رکوا لی۔

"کرم چند۔" میں نے نیچے اتر کر ڈرائیونگ سائیڈ کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "بس کو اڈے پر لے جاؤ چند منٹ میرا انتظار کرنا مجھے ایک ضروری کام ہے میں نمٹا کر آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سردار جی۔ پر ذرا جلدی آ جانا ہم پالی کے اڈے پر دس منٹ سے زیادہ نہیں رکتے۔" کرم چند نے کہا۔

"بس میں یوں چٹکی بجاتے ہوئے پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے چٹکی بجائی اور سڑک پار کر کے ایک بازار میں داخل ہو گیا۔

یہ شہر کا نواحی علاقہ تھا رتنا بھی سڑک پار کر کے اس طرف آ رہی تھی میں اس نے انتظار میں گلی کے موڑ پر رک گیا اور پگڑی اتار کر سر کھجانے لگا۔ پگڑی اتارنے سے میرے بال گردن پر پھیل گئے تھے۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی چند قدم چلنے کے بعد میں نے اپنی پگڑی اس کے حوالے کر دی جو اس نے تھیلے میں ڈال لی۔

اس گلی میں دکانیں اکا دکا ہی تھیں زیادہ تر رہائشی مکان ہی تھے۔ ہم باتیں کرتے ہوئے وہاں سے بہت دور نکل گئے اور پھر ایک حجام کی چھوٹی سی دکان دیکھ کر میں رک گیا۔ دکان میں کوئی گاہک نہیں تھا۔ حجام اکیلا بیٹھا ہی پر استرا تیز کر رہا تھا۔ دکان کے سامنے نیم کا ایک درخت تھا۔

"تم یہاں درخت کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ میں اس حجام سے اپنا حلیہ درست کروا لوں۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رتنا درخت کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گئی اس نے تھیلا گود میں دبا رکھا تھا اور چادر اس طرح اوڑھی ہوئی تھی کہ چہرہ چھپ گیا تھا میں دکان میں داخل ہوا تو حجام ہاتھ روک کر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"میری شکل کیا دیکھ رہے ہو بھایا۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے کو بندہ بنا دے تو۔ یہ سارے بال کاٹ دے اور داڑھی مونچھ۔ ہاں یہ بھی صاف کر دے۔ پر نہیں۔ مونچھیں چھوڑ دینا یہ تو مردوں کی نشانی ہوویں نا۔"

"بیٹھو۔ حجام نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اگر آپ نے کسی دیہات میں حجام کی دکان دیکھی ہو تو سمجھ لیں کہ وہ دکان بھی ایسی ہی تھی۔ سامنے دیوار پر دو فٹ چوڑا تختہ لگا ہوا تھا جس پر دیوار کے سہارے ایک پرانا سا آئینہ تھا اور اسی کے قریب ہی استرے قینچیاں وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

حجام نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد میں نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا سر کے بال ایک انچ سے زیادہ بڑے نہیں تھے۔ درمیان سے مانگ بنا دی گئی تھی۔ ٹوتھ برش ٹائپ کی بھاری مونچھیں میرے چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔ میں نے غالباً دو اڑھائی مہینوں بعد بال کٹوائے تھے اور اپنے آپ کو بڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"بات یہ ہے بھایا۔" میں نے حجام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سسرال آئے ہیں تو سسرالیوں کی طرح رہنا چاہئے نا۔" میں نے دس کا نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا تو وہ خوش ہو گیا۔

رتنا درخت کے نیچے بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اب تو واقعی بندے دے پتر لگ رہے ہو۔" اس نے چادر کے گھونگھٹ کی آڑ سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ یقیناً مسکرائی بھی تھی۔

"اب تمہیں بندے دی پتر بنانا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم گلیوں ہی گلیوں میں چلتے ہوئے اس علاقے سے بہت دور نکل آئے اور پھر ایک چھوٹی سی سرائے میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایک کمرہ حاصل کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے کمرے کا صرف ایک دن کا کرایہ ادا کیا تھا۔

کمرے میں ایک ہی چارپائی تھی۔ رتنا اندر داخل ہوتے ہی چارپائی پر گر گئی۔ اس نے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دی۔

"چار گھنٹے بس میں بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی اور پھر ایک گھنٹہ تم نے درخت کے نیچے بٹھائے رکھا۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کمر سیدھی کرنے اپنا حلیہ درست کرا لو تو چلیں یہاں سے۔" میں کہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرسی کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ مجھے سنبھل کر بیٹھنا پڑا۔ سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی میز بھی ایسی ہی

تھی۔

میں سرائے کے منشی کو چائے کے لئے کہہ آیا تھا۔ چند منٹ بعد ہی دروازہ دھڑ سے کھلا اور میلے سے لباس میں ایک نوعمر لڑکا چائے لے کر اندر داخل ہوا۔ دروازہ کھلتے ہی رتنا گڑبڑا کر اٹھ گئی تھی۔ لڑکے کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر کوئی بڑا اس طرح دروازہ کھولتا تو میں اس پر چڑھ دوڑتا۔

"چائے کے پیسے دیو۔" لڑکے نے دونوں کپ میز پر رکھتے ہوئے میری طرف ہاتھ پھیلا دیا۔

میں نے اس سے پوچھ کر چار روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے میں نے اسے بخشش نہیں دی تھی۔ وہ مجھے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ ہم نے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی مگر ہم زیادہ دیر یہاں رکنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

چائے پی کر رتنا اپنے تھیلے میں سے کپڑے نکالنے لگی۔ یہاں کوئی باتھ روم نہیں تھا۔ اس قسم کی سرائے میں ایسی کوئی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی اس نے جگ میں بچے ہوئے پانی سے منہ ہاتھ دھویا پھر دروازہ کو کنڈا لگا کر کپڑے بدلنے لگی۔ میں کرسی پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ رتنا اپنے ساتھ دو جوڑے لے کر آئی تھی۔ اس وقت اس نے ساڑھی پہن لی تھی۔ میں نے بھی پینٹ شرٹ تبدیل کر لی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد ہم کمرے سے باہر آ گئے۔ رتنا نے ساڑھی پر چادر اوڑھ لی تھی تاکہ اس کی تبدیلی کو محسوس نہ کیا جا سکے مگر سرائے سے کچھ دور آنے کے بعد اس نے چادر اتار کر تھیلے میں ڈال لی اور تھیلا میں نے سنبھال لیا۔

میرا خیال تھا کہ بس اڈے پر ہمیں جے پور کے لئے کوئی نہ کوئی بس مل جائے گی لیکن بس اڈے پر پہنچتے ہی جو صورت حال نظر آئی اس نے مجھے چونکا دیا۔

وہ بس ابھی تک اڈے پر کھڑی تھی اس میں مسافر بھی موجود تھے مجھے چونکہ پہچانے جانے کا اب کوئی اندیشہ نہیں تھا اس لئے میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے مزید آگے بڑھتا چلا گیا لیکن چند ہی قدم چلنے کے بعد رتنا نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"وہ دیکھو۔ دائیں طرف۔ شیڈ کے نیچے۔"

میں نے اس طرف دیکھا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ امرت ٹھاکرے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ وہاں کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک ستون سے کرم چند ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی اچھی خاصی مرمت ہو چکی تھی۔ دائیں طرف گنگا رام بھی کھڑا تھا۔

لوگ دور دور کھڑے تھے ٹھاکرے جیسے لوگوں کے قریب جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ ڈرامہ پتہ نہیں کب سے چل رہا تھا مگر کوئی پولیس والا ابھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"کیا بات ہے بھائی۔ وہ اس غریب کو کیوں مار رہے ہیں۔" میں نے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا۔

"وہ جو زمین پر پڑا ہے ماؤنٹ آبو سے آنے والی بس کا کنڈیکٹر ہے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "اور وہ ٹھاکرے ہے۔ بہت بڑا ڈاکو اور بدمعاش۔" اس نے ٹھاکرے کی طرف اشارہ کیا۔ "ٹھاکرے

اس سے بس کے سکھ ڈرائیور کے بارے میں پوچھ رہا ہے پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔"

"اور وہ سکھ ڈرائیور کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کنڈیکٹر کا کہنا ہے اور مسافر بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ شہر کے پہلے اسٹاپ پر اتر گیا تھا اس نے دس منٹ میں اڈے پر پہنچنے کو کہا تھا مگر پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ڈرائیور کچھ لے کر بھاگا ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔" اس شخص نے کندھے اچکا دیے۔ "یہاں تو ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کی حکومت ہے قانون تو بالکل بے بس ہو کر رہ گیا ہے۔ اب دیکھو بھائی۔ بیچارے کنڈیکٹر کو مار مار کر ادھ موا کر دیا مگر پولیس کو دور دور تک پتہ نہیں۔"

"پولیس بھی تو ان ڈاکوؤں اور بدمعاشوں سے ڈرتی ہے۔" میں نے کہا۔

"ڈرتی کیا ہے گھوس کھاتی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "جب تک پولیس والوں کے کرم اچھے نہ ہوں گے یہی کچھ ہوتا رہے گا۔"

میں جواب دینے کے بجائے کرم چند کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس دوران گنگا رام آگے آ گیا اور لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"اے..... تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو نا ہے۔ مجرا ہو رہا ہے کیا؟ چلو بھاگ لیو یہاں سے۔"

اس کا انداز بالکل تھرڈ ریٹ غنڈوں جیسا تھا اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اسے اس وقت ٹھاکرے جیسے شخص کا آشیرباد حاصل تھا حالانکہ چار دن پہلے جب میں نے اسے پکڑا تھا تو اس کی جان نکل رہی تھی۔ اس نے میری طرف بھی دیکھا تھا لیکن اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکے تھے۔

"چلو..... نکلو پیارے کہیں کوئی اور پھڈا نہ شروع ہو جائے۔" رتنا نے میرا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔ رتنا چاندھڑ کی رہنے والی تھی وہ میرے بارے میں بھی جانتی تھی کہ میرا تعلق بھی پنجاب سے ہے اس لئے اب وہ باتوں میں اکثر پنجابی کے الفاظ استعمال کرنے لگی تھی۔

میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہمارا انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی بس سے اترے ہوں یا کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

"اس کمینے ٹھاکرے کو شاید یہ شبہ ہو گیا ہے کہ اس بس کے سکھ ڈرائیور کے بھیس میں تم تھے۔" رتنا نے کہا اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ "لیکن حیرت ہے وہ یہاں کیسے پہنچ گیا یا وہ پہلے سے یہاں موجود تھا اور اسے اطلاع مل گئی تھی کہ تم اس بس پر سکھ ڈرائیور کے بھیس میں آ رہے ہو۔"

"بات اتنی سہل نہیں جتنی تم سمجھ رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "چار دن پہلے میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ شہر میں مجھے منشی کا ایک پیارا دوست گنگا رام مل گیا تھا۔"

"ہاں..... وہی جس نے تمہیں سکھو رام اور مدھو کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ٹھاکرے کے ہاتھ لگ گئے تھے۔" رتنا بولی۔

"ہاں..... اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ محض اتفاق سے ٹھاکرے کے ہاتھ نہیں لگے تھے۔" میں نے کہا۔

"ناگ راج کو ٹھکانے لگانے والی رات مدھو اور مٹھو رام راستے میں ہماری کار سے اتر گئے تھے۔ مٹھو نے کہا تھا کہ وہ رات اپنے کسی دوست کے پاس گزاریں گے اور صبح سویرے یہاں سے چلے جائیں گے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اور میرے خیال میں مٹھو کا وہ دوست گنگا رام تھا جسے مٹھو نے اس رات کی کارروائی کے بارے میں بتایا ہوگا۔ گنگا رام جیسے لوگ کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ پہلے ہی سے جانتا ہوگا کہ ٹھاکرے کو بھیرو کے خزانے کے سلسلے میں میری تلاش ہے۔ اس نے مدھو اور مٹھو رام کو ٹھاکرے کے حوالے کر دیا۔ مٹھو نے اپنی جان دے دی مگر میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور مدھو نے جو کچھ کیا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی تم نے دیکھ لیا تھا۔"

"مگر... گنگا رام آج کی اس کہانی میں کہاں فٹ ہوتا ہے۔" رتنا نے کہا۔

"چار دن پہلے وہی گنگا رام مجھے ملا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اس نے مجھے پہچان لیا تھا مگر کچھ بولا نہیں تھا۔ بعد میں اس نے ٹھاکرے کو میرے بارے میں بتا دیا ہوگا۔"

"مگر وہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ میرا مطلب ہے ٹھاکرے کو کیسے پتہ چلا کہ تم سکھ ڈرائیور کے بھیس میں ہو۔" رتنا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے آج صبح گنگا رام نے مجھے بس میں دیکھ لیا تھا اور وہ ٹھاکرے کو بتانے کے لئے بھاگا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "سفید پینٹ شرٹ والا وہ غنڈہ جو ابھی کچھ دیر پہلے لوگوں کو وہاں سے ہٹا رہا تھا وہ گنگا رام تھا۔"

"کیا...؟" رتنا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "اس نے ٹھاکرے کو بتایا ہوگا اور ٹھاکرے نے ہمارا پیچھا شروع کر دیا اس کو روانگی میں دیر ہوئی ہوگی۔ ورنہ وہ ہمیں راستے ہی میں روک لیتے۔ ویسے یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ ہم شہر کے نواحی علاقے میں بس سے اتر گئے تھے۔ اڈے تک آتے تو شاید دھر لیے جاتے۔"

"اب کیا ارادہ ہے۔" رتنا نے پوچھا۔

"جو بھی بس روانہ ہوتی ہوئی نظر آئے اس پر سوار ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "انہیں یہ تو معلوم نہیں ہوگا کہ میرے ساتھ کوئی عورت بھی ہے لیکن اس طرف بھی میری تلاش میں آدمی ضرور بھیجے ہوں گے جہاں میں بس سے اترا تھا اور اگر وہ نجام کی دکان تک پہنچ گئے تو انہیں ساری کہانی کا پتہ چل جائے گا۔"

"مجھے تو بیچارے بلدیو سنگھ پر ترس آ رہا ہے۔" رتنا نے کہا۔ "اگر وہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو نجانے اس کا کیا حشر کریں گے۔"

"شام تک تو وہ صحرا ہی کے قبضے میں رہے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس سے چھوٹتے ہی وہ بس سٹیشن جائے گا اور پھر پولیس تھانہ ہوگا۔ بہرحال، میرا خیال ہے اسے کچھ نہیں ہوگا البتہ وقت آنے پر صحرا کی اور دوسرے شہروں میں ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔"

"اگر صحرا ان کے ہاتھ لگ گئی تو؟" رتنا بولی۔

"وہ ذہین لڑکی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ بلدیو سنگھ کو تمہارے نئے مکان میں چھوڑ کر اپنے بنگلے پر چلی جائے گی۔ میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ جیسے ہی حالات پرسکون ہوں تم ادھر چلی جانا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے جودھ پور جانے والی بسوں کے سٹینڈ پر پہنچ گئے۔ میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جودھ پور کے لئے دس منٹ بعد ایک بس روانہ ہونے والی ہے۔ میں نے جلدی سے ٹکٹ خرید لئے اور ایک اسٹال سے کھانے کی کچھ چیزیں خرید لیں۔ کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانے کا وقت نہیں تھا۔ نان، پکوڑے اور کچھ اور چیزوں کے علاوہ میں نے پانی کی ایک بوتل بھی لے لی تھی۔

بھوک اس شدت کی لگ رہی تھی کہ مزید صبر نہیں ہو سکا۔ بس میں اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ اس طرح کھانا کھانے والے ہم اکیلے نہیں تھے۔ ہماری آگے والی سیٹ پر ایک جوڑا اور پچھلی سیٹوں پر بھی دو تین آدمی کچھ نہ کچھ کھا رہے تھے۔

یہ سفر بھی خاصا طویل ثابت ہوا تھا۔ ہم شام چھ بجے کے قریب جودھ پور پہنچ گئے۔ وسیع و عریض ریگستان کے بیچوں بیچ پہاڑیوں پر آباد اس شہر کی شان ہی نرالی تھی۔ یہ شہر سب کے لئے اپنی آغوش وا کئے ہوئے تھا مگر ریت کے داخلے پر پابندی تھی۔ شہر کے چاروں طرف دس میل کے فاصلے پر اونچی دیوار بھی تاکہ صحرا کی اڑتی ہوئی ریت کو شہر میں پھیلنے سے روکا جا سکے۔

ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے گھومنے پھرنے کے بجائے ہم نے کسی محفوظ جگہ پر ٹک جانے کو ترجیح دی۔ رتناڈہ کے علاقے میں ڈیفنس لیبارٹری روڈ پر ہوٹل کرنی بھون سے کچھ فاصلے پر درمیانے درجے کے ایک رہائشی ہوٹل کی ساتویں منزل پر ہمیں ایک تین بیڈ والا کمرہ مل گیا۔ یہ ہوٹلوں والے بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ مسافروں کو لوٹنے کے لئے بڑے بڑے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اکیلا آدمی ہوگا تو معذرت کر لیں گے کہ کوئی سنگل بیڈ روم خالی نہیں ہے۔ اس سے ڈبل بیڈ روم کا کرایہ وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسافر دو ہوں گے تو انہیں ٹرپل بیڈ روم دیں گے۔ ہم اگر کوشش کرتے تو کسی اور ہوٹل میں ڈبل بیڈ کا کمرا مل سکتا تھا مگر ہم گھومنے پھرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اس لئے ٹرپل بیڈ والا کمرا ہی لے لیا۔ یہاں بھی میں نے صرف ایک دن کا کرایہ دیا تھا اور رجسٹر پر آمد کے خانے میں بیکانیر اور جانے کے خانے میں ماؤنٹ آبو لکھا تھا اور آمد کا مقصد سیر و تفریح تحریر کیا تھا۔

باہر سے اس ہوٹل کی بلڈنگ تو بہت خوبصورت تھی مگر اندر سے یہ نہایت تھرڈ کلاس ثابت ہوا تھا۔ کمرا بے حد بڑا نہیں تھا۔ لوہے کے سپرنگ والے تین بیڈ تھے جن پر نہایت گھٹیا میٹرس اور میلی سی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹی ہوئی میز اور دو کرسیاں تھیں۔ ایک دیوار پر کیلنڈر ٹنگا ہوا تھا جس پر سری دیوی کی نیم عریاں تصویر تھی۔ وہ تصویر کچھ زیادہ ہی فری اسٹائل انداز میں کھینچی گئی تھی۔

ایک دیوار میں چھوٹی سی الماری بنی ہوئی تھی۔ جس میں کنکریٹ کے شیلف لگے ہوئے تھے جس پر پرانے اخبار بچھے ہوئے تھے۔ الماری کا دروازہ وغیرہ نہیں تھا۔ میں نے تھیلا اس الماری میں رکھ دیا اور جوتے اتارے بغیر ایک پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ رتنا بھی دوسرے پلنگ پر لیٹ گئی تھی۔

"کھانے کا کیا بندوبست ہوگا۔" کچھ دیر بعد رتنا نے پوچھا۔

"ہم یہ تھیلا کمرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ نہ ہی اسے ساتھ اٹھائے گھوم سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "کھانا ہمیں کمرے ہی میں منگوانا ہوگا۔"

"یہ ہوٹل ایسا ہے تو یہاں کا کھانا بھی اچھا نہیں ہوگا۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو کئی مہینوں سے اچھے کھانے کو ترس گیا ہوں... راجستھان سے نکلنے کے بعد ہی کوئی ڈھنگ کی چیز کھانے کو ملے گی۔"

میں نے اٹھ کر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ ویٹر تقریباً دس منٹ بعد آیا۔ اس نے اگرچہ ہوٹل کی یونیفارم پہن رکھی تھی مگر یہ یونیفارم اس قدر میلی تھی جیسے مہینے بھر سے اس کے جسم سے الگ نہ ہوئی ہو۔ میں نے کھانے کے بارے میں پوچھا تو وہ درجنوں نام گنواتا چلا گیا مگر ایک چیز کا نام بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔

"دال چاول ہیں یا نہیں۔" رتنا نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ملے گا۔ ضرور ملے گا۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"تو پھر دال چاول ہی لے آؤ۔" رتنا نے کہا۔

ویٹر ہمیں گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم کوئی لمبا چوڑا آرڈر دیں گے جس سے اسے ہماری کھال اتارنے کا مزید موقع ملے گا۔

ویٹر کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ چاول پلیٹوں میں الگ تھے اور دال ایک پیالے میں الگ تھی۔ بس پانی ہی پانی تھا۔ دال کا دانہ غوطہ لگا کر ڈھونڈنے سے ہی مل سکتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں دیر تک کھڑکی میں کھڑے بازار کی رونق دیکھتے رہے۔ ہمارا کمرا ساتویں منزل پر تھا اور ہم دونوں طرف دور دور تک دیکھ سکتے تھے۔ سامنے سڑک کے دوسری طرف بھی بڑی بڑی بلڈنگیں تھیں۔ ان میں بھی ایک ہوٹل تھا اور باقی بلڈنگوں میں رہائشی فلیٹ تھے۔

گیارہ بجے کے قریب دروازے پر دستک کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ ویٹر برتن لے جا چکا تھا۔ یہ کون ہو سکتا تھا؟ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اسے وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اور جیسے ہی دروازہ کھولا دو پولیس والوں کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی لیکن میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور چہرے سے کسی قسم کے تاثرات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ان میں ایک کانسٹیبل تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل۔ کانسٹیبل کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی اور ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ میں چھوٹی سی چھڑی تھی۔

"کیا بات ہے حوالدار جی۔" میں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا ان کے کھڑے ہونے کے انداز سے میں سمجھ گیا تھا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ پولیس والے رات کو ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے مسافروں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ مقصد کچھ بٹورنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔

"ہاں بھئی۔ تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ کیا کام کرتے ہو؟" حوالدار نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

میں نے اپنا وہی نام بتادیا جو ہوٹل کے رجسٹر میں لکھوایا تھا۔

"بیکانیر میں اپنی دکان ہے۔ مرچوں کی آڑھت کی۔" میں نے کہا۔

"گھومنے پھرنے کو نکلے ہیں جی، دوارکا جا رہے ہیں۔ ہفتہ دس دن وہاں رہیں گے پھر واپس چلے جائیں گے۔"

"تمہارے ساتھ کون ہے؟" حوالدار نے نیم کھلے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"میری پتنی ہے جی۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو بیس روپے نکالو۔" حوالدار بولا۔

"وہ کیوں جی، ہوٹل کا کرایہ تو ہم دے چکے ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ ہوٹل کا کرایہ نہیں، تمہاری سرکشا کے لئے یہ چھوٹی سی رقم لے رہے ہیں۔ بہت سی پریشانیوں سے بچ جاؤ گے۔ اگر نہیں دو گے تو۔" وہ خاموش ہو کر تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھی زبردستی ہے۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے جیب سے بیس روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔

"اب رات بھر عیش کرو اپنی پتنی کے ساتھ۔" حوالدار مسکرایا۔ "کوئی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔ جے رام جی کی۔"

"دھنے باد۔" میں نے کہا اور پھر جے رام جی کی کہتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

رتنا اب بھی کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ میں نے جیسے ہی دروازہ بند کیا وہ میری طرف گھوم گئی۔

"کیا پوچھ رہے تھے وہ لوگ؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مسافروں سے بھتہ جمع کر رہے تھے۔" میں نے جواب دیا۔ "بیس روپے میں ٹل گئے۔ ان کے اوٹ پٹانگ سوالات سے بچ گئے۔ ورنہ پریشانی ہو سکتی تھی۔"

رتنا بیڈ پر لیٹ گئی۔ میں بھی دوسرے بیڈ پر لیٹ گیا۔ ہم نے پورا دن سفر کیا تھا۔ تھکن سے بری حالت ہو رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی تھوڑی ہی دیر بعد میں سو گیا۔

میں پتا نہیں کتنی دیر سویا تھا کہ سینے پر بوجھ محسوس کر کے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے کروٹ لینے کی کوشش کی مگر دباؤ کم نہیں ہوا۔ وہ رتنا تھی جو میرے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کا ایک بازو میرے سینے پر تھا۔ میں نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں اور پھر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ رتنا کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"ارے... کیا ہو گیا ہے تجھے۔" میں بڑبڑایا۔

"تو میں کیا کر رہی ہوں، سو جاؤ۔" رتنا نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "مجھے ڈر لگ رہا تھا اس لئے یہاں آ گئی۔"

میری نیند غائب ہو چکی تھی۔ میرے ذہن میں رضیہ کے الفاظ گونجنے لگے۔ تصور میں جب میں رضیہ کے گھر میں رہ رہا تھا۔ اس کا شوہر جیل میں تھا اور ایک رات رضیہ اسی طرح میرے بستر پر آ گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ سردی لگ رہی تھی اس لئے میرے پاس آ گئی تھی اور مجھے حیرت ہوئی تھی کہ سردی لگنے کے باوجود اس نے لباس کیوں اتار رکھا تھا اور اب رتنا کو ڈر لگ رہا تھا تو وہ میرے پاس آ گئی تھی مگر لباس کیوں بستر پر ہی چھوڑ آئی تھی۔ بہرحال، رتنا سے میں نے یہ نہیں پوچھا کہ ڈر لگ رہا تھا تو اس نے اپنے لباس سے پیچھا کیوں چھڑایا تھا کیونکہ اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ جب کوئی عورت اس طرح کسی مرد کے پاس آ کر سردی لگنے یا ڈر لگنے کی بات کرے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

رات کا باقی حصہ جاگتے ہوئے ہی گزرا تھا۔ صبح آٹھ بجے میں نے بستر چھوڑ دیا اور جب تک

تیار ہو کر باتھ روم سے نکلا تو رتنا اس وقت بھی سو رہی تھی۔ میں نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم ایک گھنٹے میں یہاں سے نکل جائیں گے۔" میں نے کہا۔

رتنا باتھ روم میں گھس گئی اور میں کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر باہر جھانکنے لگا۔ نیچے بازار میں دکانیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں اور لوگوں کی آمدورفت بھی جاری تھی۔

آٹھ بجے کے قریب ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ناشتہ کیا اور پھر ایک آٹو رکشہ پر بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہاں سے ہمیں جے پور یا بیکانیر کے لئے کوئی نہ کوئی ٹرین مل جائے گی۔ اسٹیشن پر پہنچ کر پتا چلا کہ جے پور کی ٹرین آدھا گھنٹہ پہلے جا چکی ہے۔ دوسری ٹرین گیارہ بجے جائے گی۔ البتہ آدھے گھنٹے بعد بیکانیر کے لئے ٹرین مل سکتی ہے۔ بیکانیر کے لئے چیتو ڑگڑھ سے آنے والی یہ ٹرین بیس منٹ بعد یہاں پہنچنے والی تھی۔ میں نے بیکانیر کے لئے ٹکٹ خرید لئے اور ہم دونوں پلیٹ فارم پر آ گئے۔ داخلی گیٹ سے کچھ دور ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ جہاں ایک جوان عورت اور ایک ادھیڑ عمر مرد پہلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے اور انہیں ناگور جانا تھا۔ وہ عورت فوراً ہی رتنا سے بے تکلف ہو گئی اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ اس کے برعکس اس عورت کا شوہر غالباً خاموش طبیعت کا مالک تھا۔ نمسکار کے تبادلے کے علاوہ مجھ سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

پلیٹ فارم پر خاصا ہجوم ہو گیا تھا۔ ٹرین آنے میں پانچ منٹ باقی تھے پلیٹ فارم پر اطلاعی گھنٹی بھی بج چکی تھی۔

وہ بنچ اگرچہ صرف چار ہی افراد کے لئے مخصوص تھی لیکن اس پر اتنی گنجائش تھی کہ پانچ افراد بھی بیٹھ سکتے تھے اور شاید یہی سمجھتے ہوئے وہ ادھیڑ عمر عورت میری طرف کنارے پر بیٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں اسے جگہ دینے کے لئے سرک کر اس آدمی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ بیٹھنے والی وہ عورت اگرچہ ادھیڑ عمر تھی، رنگت بھی قدرے سانولی تھی لیکن اس کے چہرے کے نقوش اور فگر غضب کے تھے۔ وہ میرے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھی تھی اور میں اپنے آپ میں کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا...

ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہوئی تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رتنا اور وہ دونوں میاں بیوی بھی اٹھ گئے تھے مگر وہ ادھیڑ عمر عورت بنچ پر بیٹھی رہی تھی۔

ٹرین آتے ہی پلیٹ فارم پر افراتفری سی مچ گئی تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی تو اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ٹرین کی طرف چلے گئے اور میں اپنے سامنے سے گزرتی ہوئی ٹرین کی بوگیوں کے نمبر دیکھنے لگا۔ ہماری سیٹیں نو نمبر کی بوگی میں تھیں۔ ریزرویشن کے اضافی پیسے بھی دیئے تھے اس لئے مجھے اطمینان تھا کہ ہماری سیٹوں پر کوئی دوسرا مسافر قبضہ نہیں کرے گا۔

"اگر تم نے تکلیف کی تو..." رتنا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ٹرین میں بیٹھنا نہیں ہے؟"

ٹرین رک چکی تھی۔ کچھ اترنے والے مسافر اور کچھ سوار ہونے والے مسافروں کی ہڑبونگ۔ خاصی افراتفری دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ ہجوم چھٹ لینے دو۔ ہماری سیٹیں تو ریزرو ہیں۔ پریشانی کیا بات ہے۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بنچ پر بیٹھی ہوئی عورت بھی اب اٹھ گئی تھی۔ وہ چند لمحے عجیب سی نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی رتنا کو دیکھتی رہی اور پھر ایک طرف چلنے لگی۔ رتنا کو نجانے کیا بے چینی تھی کہ وہ بار بار مجھے ٹرین پر سوار ہونے کو کہہ رہی تھی۔ اصولی طور پر ہمیں اب ٹرین پر سوار ہو جانا چاہئے تھا مگر میں بھی اپنے آپ میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

ٹرین دس منٹ یہاں رکتی تھی۔ پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ میں رتنا کو اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن تین چار قدم ہی چلا تھا کہ ایک آدمی سے ٹکرا گیا۔ وہ شخص بھی ٹرین کی طرف دیکھتا ہوا چل رہا تھا مگر ٹکر لگنے کے بعد وہ لڑکھڑایا تو میں نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر سنبھال لیا اور دوسرے ہی لمحے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ کیشو رام تھا۔

تقریباً پانچ مہینے پہلے بیلا کیساتھ کیشو رام سے آمنا سامنا ہوا تھا تو اس وقت بھی میرے چہرے پر گھنی داڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے اور چڑیا کے گھونسلے کی طرح الجھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ جبکہ اس وقت میں اپنے اصل روپ میں تھا اور کیشو رام نے میرا یہ چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن میرے دل میں چور تھا۔ اسے براہ راست اپنے چہرے پر نظریں جمائے پا کر میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔ اس کے دونوں بازو میں نے ابھی تک تھام رکھے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے خلاف کوئی سنگین قدم اٹھاتا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔

"معاف کرنا شریمان جی! میرا دھیان دوسری طرف تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے اس کے بازو چھوڑ دیئے۔ وہ جے رام جی کی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھا اور رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اسی رات بھیرو والے بنگلے میں بیلا کے ساتھ وہ مانیٹرنگ سیٹ پر کیشو رام کو دیکھ چکی تھی اور اس وقت کیشو کو پہچاننے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"لگتا ہے یہ راکھشس ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔" رتنا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اگر کیشو رام یہاں ہے تو بیلا بھی جودھ پور پہنچ چکی ہوگی۔ کیشو رام تو مجھے اس حلیے میں نہیں پہچانتا۔ اسے تو داڑھی والے سوامی کی تلاش ہوگی۔ میرا یہ چہرہ صرف بیلا ہی پہچان سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ اسٹیشن پر موجود نہ ہو۔ ٹرین چلنے میں صرف تین منٹ رہ گئے ہیں۔ آؤ۔ جلدی کرو۔"

ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے نو نمبر کی بوگی کے سامنے پہنچ گئے۔ اس وقت مسافروں کا ہجوم کم ہو گیا تھا۔ ٹرین کے روانہ ہونے میں کچھ ہی دیر رہ گئی تھی اس لئے جانے والے مسافر کسی بھی بوگی میں سوار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ نو نمبر بوگی کے دروازے کے اندر کی طرف بھی رش تھا۔ میں نے دھکیلا رتنا کو چڑھا دیا اور خود اوپر چڑھ گیا۔ مختصر سی راہداری میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی جو ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے... میں اس وقت باتھ روم کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر

آ رہی ہے۔اس آبادی سے نکل کر ہم کسی اور طرف نکل جائیں گے۔تمہارا اندیشہ غلط نہیں ہو سکتا۔اس لئے ذرا تیز چلو۔"

ہم اس پلیٹ فارم کی آخری حد پر ریلوے یارڈ پر پہنچے ہی تھے کہ دائیں طرف ایک مال گاڑی کے پیچھے سے وہی عورت نمودار ہوئی جو پلیٹ فارم پر میرے ساتھ بنچ پر بیٹھی تھی اور بعد میں جاتے وقت اس نے عجیب سی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔

"شریمان جی۔" اس نے ہماری طرف آتے ہوئے مجھے آواز دی۔"اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں،ادھر کو آ جاؤ۔"

میں چونک گیا۔اس نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم کسی خطرے سے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ یہاں تک ہمارے پیچھے کیسے آ گئی تھی۔میں رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔جیسے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی ہے اور اس عورت نے اسی کو پکارا تھا۔

"میں نے آپ ہی کو آواز دی ہے شریمان جی اور شریمتی جی۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"ادھر کو آ جاؤ۔"

میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں میں بھی الجھن تھی۔ایک لمحہ کو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ وہ بیلا کی ساتھی تو نہیں لیکن اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اگر وہ بیلا کی ساتھی ہوتی اور اس نے ہم میں سے کسی کو پہچان لیا تھا تو ہمیں پلیٹ فارم پر بنچ سے اٹھنے کا موقع نہ ملتا۔ہم دونوں اس کے قریب آ گئے۔

"میرا نام سیتا ہے،مجھے اپنا ہمدرد سمجھو۔" اس نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔"میں نے جب تم دونوں کو پلیٹ فارم پر دیکھا تھا تو اس وقت سمجھ گئی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے اور نجانے مجھے یہ وشواس بھی کیوں تھا کہ تم لوگ اس ٹرین سے رہ جاؤ گے اور میرا اندازہ درست نکلا۔ٹرین جانے کے بعد میں نے تم دونوں کو دوسری پٹڑی پر مال گاڑی کے نیچے سے گزرتے ہوئے دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ تم لوگوں کو اس وقت کسی مدد کی ضرورت ہے۔اس لئے میں بھی اس پلیٹ فارم سے اتر کر اس مال گاڑی کے پیچھے چلتی رہی۔اب وہ ٹرین بھی رک گئی ہے۔کسی نے زنجیر کھینچ دی ہے۔کوئی گڑبڑ ہوئی ہے؟ اس کا پتا تو بعد میں چل جائے گا۔فی الحال تو تم لوگوں کو ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں محفوظ رہ سکو۔میرے ساتھ آؤ۔"

میں نے اور رتنا نے ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑے۔ہم مال گاڑیوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے وہاں سے کسی قدر دور ریلوے یارڈ سے باہر آ گئے۔یہاں ریلوے لائن اور سڑک کے درمیان کی جگہ پر بہت سی جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔یہ بھیل خانہ بدوش تھے جو ہر جگہ کو اپنی ملکیت سمجھ کر جھونپڑے ڈال لیتے تھے۔ہم لوگ جھونپڑیوں سے نکل کر سڑک کے کنارے پر آ گئے۔دائیں طرف ریلوے سٹیشن تھا اور بائیں طرف کوئی آگے ایک چوراہا تھا۔

"تم لوگ یہاں رکو۔میں گاڑی لے کر آتی ہوں۔" سیتا نے کہا۔

ہم ایک جھونپڑے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔جھونپڑوں کے درمیان کھلی جگہ پر ایک گھنا شاخوں

والا درخت تھا جس کے سائے میں بیٹھی ہوئی بھیل عورت مشکوک سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تو یہ عورت کچھ مشتبہ لگتی ہے۔ایسا نہ ہو کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔بہتر ہوگا کہ یہاں سے کسی طرف بھاگ چلو۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مشتبہ تو مجھے بھی لگتی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کا تعلق بیلا سے نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا۔"اگر ٹرین بیلا کی وجہ سے رکی ہے تو سمجھو کہ اس علاقے میں بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ہم اگر یہاں سے بھاگ بھی لیں تو زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔ہمیں کسی محفوظ جگہ کی ضرورت ہے اور ایسی جگہ ہمیں یہ سیتا ہی فراہم کر سکتی ہے۔یہ کون ہے اور اسے یکایک ہم سے ہمدردی کیوں ہوئی ہے۔اس کا بھی پتا چل جائے گا۔اگر اس نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا کرنے کی کوشش کی تو یہ زندہ نہیں بچ سکے گی۔"

ہم ان جھونپڑوں کے پاس تقریباً دس منٹ تک کھڑے رہے۔اس دوران رتنا نے ایک بھیل عورت سے پانی لے کر بھی پیا تھا۔وہ عورت اپنے آپ کو اچھوت سمجھتے ہوئے پانی دینے میں کچھ پس و پیش کر رہی تھی مگر جب رتنا نے کہا کہ وہ کسی ذات کو اچھوت نہیں سمجھتی تو اس عورت نے ایلومینیم کے کٹورے میں مٹکے سے پانی بھر کر دے دیا۔اسی کٹورے میں سے چند گھونٹ میں نے بھی پیے تھے۔

جس جگہ ہم کھڑے تھے وہاں دھوپ تھی۔پسینے سے میری قمیص جسم سے چپک گئی تھی۔ان بھیل عورتوں نے ہمیں کہا بھی تھا کہ ہم درخت کے سائے میں کھڑے ہو جائیں مگر ہم نے اسی جگہ پر کھڑے رہنے کو ترجیح دی جہاں سیتا ہمیں چھوڑ کر گئی تھی۔

سڑک پر ٹریفک کی آمد و رفت جاری تھی۔دس منٹ بعد سلور کلر کی ایک مرسڈیز جھونپڑوں کے سامنے آ کر رکی تو میں نے اور رتنا نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔مرسڈیز کے اسٹیئرنگ کے ساتھ ہم دونوں نے سیتا کو بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔کار میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

کار ایئر کنڈیشنڈ تھی کیونکہ اس کے تمام شیشے چڑھے ہوئے تھے۔آگے والی کھڑکی کا شیشہ آدھا نیچے سرک گیا اور سیتا نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے آواز دی۔

"آ جاؤ شریمان جی۔"

میں اور رتنا کار کی طرف بڑھ گئے۔پچھلا دروازہ کھول کر پہلے میں اندر داخل ہوا اور پھر رتنا بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔کار میں بیٹھتے ہی یوں لگا تھا جیسے ہم جہنم سے نکل کر جنت میں آ گئے ہوں۔کار کا ایئر کنڈیشنر فل اسپیڈ پر چل رہا تھا۔

"بڑی گڑبڑ ہوئی ہے شریمان جی۔" سیتا نے کار کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔"میں ٹرین رکنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے رک گئی تھی۔اس سے دیر ہوئی۔ٹرین پلیٹ فارم پر واپس آ گئی ہے اور شاید اب اس کی روانگی میں دو چار گھنٹوں کی تاخیر ہو جائے۔ٹرین کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر لیا ہے اور کسی مسافر کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں۔"

"کیوں..... کیا ہوا؟" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔"ٹرین میں ڈاکو گھس گئے ہیں کیا؟"

"معاملہ اس سے بھی زیادہ خطرناک لگتا ہے۔" سیتا نے سامنے دیکھتے ہوئے آئینے کا زاویہ درست

"میں اس غلطی کو سمجھ رہی ہوں۔ اس لئے تو تم لوگوں کی مدد کر رہی ہوں۔" سیتا نے کہتے ہوئے معنی خیز نظروں سے رتنا کی طرف دیکھا۔ "لیکن تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔ آؤ اندر تو چلو۔"

اس وقت برآمدے والا دروازہ کھلا اور گیٹ پر موجود گارڈ کی طرح کا ایک اور لمبا تڑنگا آدمی باہر نکلا۔ اس کے سر پر بھی گہرے سرخ رنگ کی پگڑی اور براؤن کلر کی یونیفارم تھی۔ یہ بھی ملازم ہی تھا مگر اس کے بیلٹ میں کوئی پستول وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

برآمدہ بھی بہت وسیع و عریض تھا۔ یہاں بھی فرش پر سفید ماربل کے بڑے بڑے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بھی ماربل ہی نظر آ رہا تھا۔ راجستھان میں ماربل اور سنگ مرمر کی پہاڑیاں نہیں بلکہ پہاڑ تھے۔ اس لئے گھروں کی تعمیر میں ماربل اور سنگ مرمر کا استعمال کثرت سے کیا گیا تھا۔

دروازے سے برآمد ہونے والے لمبے تڑنگے ملازم نے دروازہ کھول دیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔

بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ فرش پر دبیز قالین اور بہت شاندار قیمتی فرنیچر آراستہ تھا۔ دیواروں پر تصاویر آویزاں تھیں جو سیتا کے ذوق کا ثبوت فراہم کر رہی تھیں اس وسیع و عریض بنگلے اور اس کی آرائش کو دیکھ کر اس کی مالی حیثیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ایک عورت دائیں طرف کی راہداری سے نکل کر ہال میں آ گئی اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ درمیانہ قد، سڈول جسم اور چہرے کے نقوش واجبی سے تھے۔ رنگت کسی قدرے کھلتی ہوئی تھی اس نے ہلکے فیروزی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جو اس پر بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"شاردا!" سیتا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں ان کی خاطر خدمت میں کوئی کسر نہیں رہنی چاہئے میں کوئی شکایت نہ سنوں۔ ان کا سامان لے جا کر کمرے میں رکھ دو اور چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔"

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ شاردا بھی ملازمہ تھی۔ سیتا کا حکم سن کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمارے سامان میں سوٹ کیس یا کچھ اور چیزیں ہوں گی مگر جب اسے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تو وہ رتنا کے تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"لائیے میڈم۔ یہ بیگ مجھے دے دیجئے۔"

"نہیں نہیں۔ یہ میرے پاس ہی ٹھیک ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

سیتا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"شاردا..... میڈم کو ان کا کمرہ دکھا دو۔" اس نے کہا۔

"آیئے میڈم۔" شاردا نے رتنا کی طرف دیکھا۔

رتنا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے اشارہ کر دیا۔ وہ خاموشی سے شاردا کے ساتھ راہداری میں چلی گئی۔

"بیٹھو۔" ان کے جانے کے بعد سیتا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سیتا بھی میرے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی

پھر بولی۔

"لونڈیا تو بہت زوردار ہے۔ عمر اگرچہ پچیس سے کچھ اوپر ہی لگتی ہے مگر لاکھوں میں ایک ہے۔ جوان چھوکریوں کو بھی مات کرتی ہے۔ کہاں سے اڑا کر لائے ہو؟"

"جی!" میں اچھل پڑا۔ سیتا کے بارے میں جو میں نے سوچا تھا وہ درست ثابت ہوا تھا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ میں رتنا کو کہیں سے بھگا کر لایا ہوں۔ وہ واقعی بڑی گھاگھ قسم کی عورت تھی اس کی زبان اور لب و لہجے سے بھی میں نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کس کیریکٹر کی مالک ہو گی۔

"رچنا میری پتنی ہے۔ میں اسے کہیں سے بھگا کر نہیں لایا۔" میں نے کہا۔ میں نے جان بوجھ کر رتنا کا نام غلط بتایا۔

"میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں مسٹر۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ بھی اب بالکل بدل گیا تھا۔ "میں تو تم دونوں کو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ بھاگے ہوئے ہو۔ اگر وہ تمہاری پتنی ہے تو کہیں جانے کے لئے اس طرح ڈرنے کی کیا ضرورت تھی اور تمہارے پاس کوئی سوٹ کیس بھی نہیں۔ وہ تھیلا بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ۔۔"

"میں اسے کہیں سے بھگا کر نہیں لایا سیتا دیوی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میرا اندازہ ہے کہ اسٹیشن پر تمہیں رچنا کا کوئی رشتے دار نظر آ گیا ہو گا جس سے تم لوگ بدحواس ہو گئے اور شاید وہ شخص ٹرین میں بھی سوار ہو گیا تھا جس وجہ سے تم لوگ ٹرین سے اتر گئے۔ میں شروع سے تم دونوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ میں نے تم لوگوں کو دیکھتے ہی جو اندازہ قائم کیا تھا وہ درست نکلا۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو سیتا دیوی۔" میں نے کسی قدر کڑے لہجے میں کہا۔

ویسے یہ اچھا ہی تھا کہ اس نے ہمارے بارے میں یہ رائے قائم کی تھی اور یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے بیلا والے واقعے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں جوڑا تھا۔ ویسے راستے میں اس نے ٹرین کی بوگی نمبر نو کا جو حوالہ دیا تھا وہ شاید ہمیں ڈرانے کے لئے تھا۔

"دیکھو مسٹر۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "میں کچھ غلط نہیں سمجھ رہی ہوں۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ ایک نظر کسی کے چہرے پر ڈالوں تو اس کے اندر تک جھانک لیتی ہوں۔ تم لوگوں کے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں پریم کہانیوں پر یقین نہیں رکھتی اس لئے یہ مت کہنا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے بہت پریم کرتے ہو اس لئے بھاگ نکلے ہو۔ یہ پریم ویریم سب ڈھکوسلے ہیں۔ آج کل جو کچھ بھی ہوتا ہے دولت اور عورت کے لئے ہوتا ہے تم بھی یقیناً اس کے حسن سے متاثر ہو۔ تم بھی خوبرو اور جوان ہو وہ آسانی سے تمہارے جال میں پھنس گئی ہو گی اور تم اسے بھگا لائے۔ اس تھیلے میں یقیناً نقدی اور زیورات ہوں گے جو وہ گھر سے چرا کر لائی ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب ہو گا یہ کہ تم اسے مستقل اپنے گلے کا ہار بنا کر نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں ہر وقت پکڑے جانے کا خوف ہو گا ایسے کیسوں میں ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی کسی لڑکی کو بھگا کر لاتا ہے تو لڑکی گھر سے نقدی اور زیورات بھی چرا کر لے آتی ہے۔

دونوں کچھ روز عیش کرتے ہیں اور جب لڑکی کی لائی ہوئی دولت ختم ہو جاتی ہے تو لڑکا اس لڑکی کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے اور اس سے جان چھڑانے کے لئے اسے کسی اجنبی شہر میں اجنبی لوگوں کے بیچ بے سہارا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ وہ خود تو غائب ہو جاتا ہے لیکن لڑکی پولیس یا غنڈوں کے ہاتھ لگ جاتی ہے اور میں وثوق سے کہہ رہی ہوں کہ تم بھی رچنا کے ساتھ یہی کچھ کرو گے۔ اس لئے......" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ خاموشی کا یہ وقفہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا وہ کہہ رہی تھی۔ "میں تمہیں بھلائی کے لئے ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ یہ عورت تمہارے لئے عذاب بنی رہے گی۔ اگر پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو اغوا کے کیس میں چار چھ سال کے لئے اندر ہو جاؤ گے۔ جب بات پولیس اور عدالت تک پہنچے گی تو یہ عورت بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ اس لئے تمہاری بھلائی کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ابھی اس عورت سے پیچھا چھڑا لو۔"

میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کے بارے میں سیتا کا تجزیہ بالکل درست تھا۔ خود رتنا اس تجربے سے گزر چکی تھی بلکہ اس کی زندگی برباد ہو گئی تھی۔ وہ اگرچہ گھر سے بھاگ نہیں تھی اپنے یار کے ساتھ آئی تھی۔ اس کا یار چند روز عیش کر کے اسے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور وہ بعد میں ہوٹل کا کرایہ چکاتی رہی تھی۔

"تم لوگ چند روز یہاں میرے پاس رہو۔ عیش کرو۔ اپنے من کی آشائیں پوری کر لو اور پھر رچنا کو یہاں چھوڑ کر خاموشی سے چلے جاؤ۔ وہ تھیلا بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ اس میں کیا ہو گا زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار کا مال۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں بلکہ دس بیس ہزار میں بھی تمہیں دے دوں گی۔ میں جانتی ہوں رچنا سے تمہارا دل جلد ہی بھر جائے گا تم اسے کہیں نہ کہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے اور وہ غنڈوں کے ہاتھ لگ جائے گی یہاں میرے پاس رہے گی تو زندگی بھر عیش کرے گی اسے رانی بنا کر رکھوں گی۔"

اب اصل حقیقت سامنے آ گئی تھی کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ اس نے شروع ہی سے رتنا کو تاڑ لیا تھا اور ہمارے چہروں سے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم کچھ پریشان ہیں اس نے اپنے طور پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ میں رچنا کو بھگا کر لایا ہوں اور اس نے ہماری ہمدردی کر کے ہمیں پھنسا لیا تھا اور گھر میں آتے ہی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اس نے میرے سامنے اپنا مقصد بیان کر دیا تھا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ اونچے درجے کی طوائف تھی۔ یہ دراصل جواہر نگر کا علاقہ تھا۔ یہاں دولت مندوں کی کمی نہیں تھی اور سیتا ان دولت مندوں کو عورتیں سپلائی کرتی تھی۔ یہ عالیشان بنگلہ، قیمتی سازو سامان اور مرسڈیز جیسی نئے ماڈل کی کار۔ یہ سب کچھ اسے ایسے ہی نہیں مل گیا تھا۔ ویسے میں اس کی نگاہ انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ رتنا واقعی ایسی تھی کہ اسے رانی بنا دیا جائے۔

یہاں آنے کے بعد فوراً ہی میں نے ایک بات نوٹ کر لی تھی کہ ہم زبردستی یہاں سے نہیں جا سکتے۔ اس نے دو مسٹنڈے پال رکھے تھے۔ ان میں سے ایک مسلح بھی تھا ان پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ سیتا طوائف تھی اور اس قسم کی طوائفیں ایسے غنڈے ضرور پالتی ہیں ان سے نہ صرف عورتیں قابو میں رہتی ہیں بلکہ معززاور دولت مند گاہک بھی دباؤ میں رہتے ہیں۔

ریلوے اسٹیشن پر جو کچھ بھی ہوا تھا وہ ہمارے لئے نہایت سنگین تھا کیشو رام نے رچنا کی اصلیت ظاہر کر دی تھی۔ صرف اس کے کہنے پر ٹرین کو روک کر گھیرے میں لے لیا گیا تھا اور پیالا کے ہوش میں آنے کے بعد تو وہاں کھلبلی مچ گئی ہو گی۔ ماؤنٹ آبو میں کھنڈر کے تہہ خانے میں یہ انکشاف بھی میرے لئے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ ناگ راج تو محض ایک مہرہ تھا اور وہ ناگ راج سے اوپر کی شے تھی اور اب کیشو رام نے ریلوے اسٹیشن پر بھی یہ انکشاف کر دیا تھا کہ رچنا بہت بڑے سرکاری عہدے پر ہے اور یہ عہدہ کیا تھا۔ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا لیکن یہ اندازہ تھا کہ وہ پورے شہر کو ہلا کر دینے کی قوت رکھتی ہے۔ شبہ تو نا الگ بات تھی لیکن وہ مجھے اپنی آنکھوں سے دکھا چکی تھی۔ میں نے اسے بے ہوش کر کے ٹرین کے گندے ٹائلٹ میں ڈال دیا تھا اور ظاہر ہے اب وہ ہر جگہ ہمیں تلاش کرا رہی ہو گی۔

جودھ پور بہت بڑا شہر تھا لیکن ہمارے لئے کہیں پناہ حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ کسی ہوٹل میں تو ظاہر ہے ہم نہیں ٹھہر سکتے تھے گزشتہ رات ہوٹل کا تجربہ مجھے ہو چکا تھا اب جو ہوٹلوں میں چیکنگ ہو گی اس میں نجانے کتنے بے گناہ شبے میں دھر لئے جا گئے ہوں گے۔

سیتا کا مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ اپنی جگہ لیکن ہمیں کسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی جو ہمیں مل گئی تھی۔ ہمیں دو چار دن تو ہر صورت میں یہاں رہنا تھا اور اس دوران میں یہاں سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ سیتا کے شبے کو تقویت دی جائے کہ میں واقعی رتنا کو بھگا کر لایا ہوں اور تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد اس کا یہ قیمتی مشورہ مان لوں کہ چند روز یہاں رتنا کے ساتھ عیش کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوہ کچھ نہیں......" میں اس کی آواز سن کر چونک گیا۔

"تم لوگوں کے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔ "میرا مشورہ مان کر تم آنے والی بہت سی مصیبتوں سے بچ سکتے ہو۔ چند روز یہاں رہو، کھاؤ پیو اور رتنا کے ساتھ عیش کرو اور پھر خاموشی سے یہاں سے چلے جاؤ۔ رچنا کو میں سنبھال لوں گی۔"

"میں تمہارے اندازے کو چیلنج نہیں کروں گا۔" آخر کار میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔"

سیتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "اس میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بولی۔ "تمہارے سامنے اب صرف یہی ایک راستہ ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہے یہاں تمہیں ہر قسم کی سہولت ہو گی۔ کوئی تم دونوں کے معاملے میں مداخلت نہیں کرے گا۔ بنگلے کی چار دیواری کے اندر آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو گیٹ سے باہر نکلنا خطرناک ہو گا۔"

"لیکن اگر رچنا کو کوئی شبہ ہو گیا تو وہ ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔" میں نے اس طرح کہا جیسے اس کی بات مان رہا ہوں۔

"تم اسے کوئی شبہ مت ہونے دو۔ ہماری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" سیتا نے کہا۔ "میرے پیچھے ملنے والے بڑے لوگ یہاں آتے ہیں میں انہیں منع کر دوں گی کہ چند روز ادھر کا رخ نہ کریں تاکہ رچنا انہیں دیکھ کر کسی شبے میں مبتلا نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک بار پھر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا جائے گا۔"

"تمہارے ساتھ دھوکا کیوں ہوگا۔" سیتا نے کہا۔ "میں تو چاہوں گی کہ تم یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور چلے جاؤ۔ میں خود تمہیں ٹرین پر بیٹھا کر آؤں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "تو میں یہ سمجھوں کہ تم میرے مشورے پر عمل کرنے کو تیار ہو۔"

"ہاں...... مجبوری ہے۔" میں نے شکست خوردہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"ویسے مجھے تم پر ایک اور بات کا بھی شبہ ہے۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم ہندو نہیں ہو۔" اس نے کہا۔ "تم بالکل صاف اردو بولتے ہو۔ تمہاری گفتگو میں بعض ایسے الفاظ بھی سننے کو ملے ہیں جو صرف مسلمان ہی استعمال کرتے ہیں۔"

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ واقعی بہت چالاک تھی اس نے محض باتوں سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔

"کیا رچنا کو معلوم ہے کہ تم مسلمان ہو؟" اس نے میرے جواب کا انتظار کئے بغیر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ گویا اس نے طے کر لیا تھا کہ میری قومیت کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا تھا وہ درست تھا۔

"ہاں...." میرا لہجہ اس مرتبہ بھی شکست خوردہ سا تھا۔ "وہ جانتی ہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن یہ پریم دین دھرم کو نہیں دیکھتا۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہے میں جب اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا تو اسے بہت دکھ ہوگا۔"

"اب تو اس سے نجات حاصل کرنا تمہارے لئے اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔" سیتا نے کہا۔ "یہاں کٹر ہندو رہتے ہیں اور کوئی ہندو یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان لڑکا ان کے گھر کی کسی عورت سے اس طرح کے تعلقات رکھے اور تم تو اسے بھگا کر لائے ہو۔ خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ تم جانتے ہو ہندوستان میں آئے دن نسلی فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ سینکڑوں بے گناہ مارے جاتے ہیں پکڑے جانے کی صورت میں تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔ اس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہیں ایک ہفتہ دے رہی ہوں۔ اس دوران جی بھر کے رچنا کے ساتھ اپنے ارمان نکال لو۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شاردا آ گئی۔ اس نے بتایا کہ ڈائننگ ٹیبل پر چائے لگا دی گئی ہے۔

"میں رچنا کو بلا کر لاتا ہوں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ شاردا نے مجھے راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ رچنا کس کمرے میں ہے۔

میں جب کمرے میں داخل ہوا تو رچنا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تھیلا اس نے گود میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا بیڈ روم بہت شاندار تھا۔ میں رچنا کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سیتا کو شبہ ہے کہ میں تمہیں محبت کا جھانسہ دے کر گھر سے بھگا کر لایا ہوں۔" میں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس کے شبے کی تصدیق کر دی ہے یعنی یہ اعتراف کر لیا ہے کہ تمہیں بھگا کر لایا

ہوں تمہارا نام رچنا ہے اور میرا نام سلیم ہے۔ وہ بہت چالاک عورت ہے اس نے تاڑ لیا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ غلطی میری ہی تھی کہ روانی میں ایسی باتیں کرتا رہا جس سے اسے میرے مسلمان ہونے کا شبہ ہوا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا ہے کہ تم یہ جانتی ہو کہ میں مسلمان ہوں اور بھی بہت سی باتیں ہوئی ہیں جو بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال جو ضروری تھا وہ بتا دیا ہے تاکہ تم اس کی باتوں کا مناسب جواب دے سکو۔"

"لگتا ہے یہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا۔" رچنا نے کہا۔

"تمہارا شبہ درست ہے لیکن باقی باتیں بعد میں ہوں گی وہ چائے پر ہمارا انتظار کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے کہاں رکھوں؟" اس نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ تھیلا اس وقت ہزاروں لاکھ مالیت کا تھا اور اسے کمرے میں اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ میری نظریں ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ایستادہ سفید الماری پر جم گئیں اس میں چابی بھی لگی ہوئی تھی۔ میں نے الماری کو کھول کر دیکھا اور پھر تھیلا اس میں رکھ کر چابی رچنا کو دے دی جسے اس نے گریبان میں بلاؤز کے اندر ڈال لیا۔

ہم دونوں کمرے سے نکل کر اسی ہال میں آ گئے دائیں طرف ایک کشادہ محراب بنی ہوئی تھی جہاں شیشوں کا سفید پردہ ڈالا ہوا تھا۔ اس کے دوسری طرف ڈائننگ روم تھا۔ سیتا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ہم شیشوں کا پردہ ہٹا کر اس طرف آ گئے۔

ڈائننگ روم بھی بہت شاندار تھا میز پر آٹھ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ضرورت کے وقت زیادہ بھی بیٹھ سکتے تھے۔ اس سے آگے کچن تھا۔ جس میں ایک بہت کشادہ کھڑکی تھی جس کے دونوں طرف سفید ماربل کے سلیب لگے ہوئے تھے جن پر چیزیں رکھی جا سکتی تھیں۔

میز پر بہت سے لوازمات آراستہ تھے۔ شاردا کچن میں تھی ہمیں دیکھ کر اس نے کپ میں چائے انڈیلی اور کپ ہم تینوں کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

"تم جاؤ۔ ضرورت ہوئی تو بلا لوں گی۔" سیتا نے شاردا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور شاردا خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

"شروع تو ہو جاؤ بھئی۔" سیتا نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ "یہ کیک لو اور یہ قیمہ سموسی کا ہے۔ کوئی تکلف مت کرنا تم لوگ اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

میں نے کیک کا ٹکڑا اٹھا لیا اور اس کے ساتھ چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ رچنا بھی بسکٹ کھاتے ہوئے چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ سیتا بڑی گہری نظروں سے رچنا کا جائزہ لے رہی تھی اور پھر اس نے رچنا سے مختلف سوالات شروع کر دیئے۔ یہ غنیمت تھا کہ اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ہم کہاں کے رہنے والے ہیں اور کہاں سے آئے ہیں وہ رچنا سے ذاتی نوعیت کے سوال کر رہی تھی اور رچنا بڑی خوبصورتی اور مہارت سے جواب دے رہی تھی۔

"میں گریجویٹ ہوں۔" رچنا بتا رہی تھی۔ "میرے پتا جی ایک سرکاری دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہیں ہم تین بہن بھائی ہیں بڑا بھائی ولایت پڑھنے گیا تھا اس نے وہیں شادی کر لی۔ بابو جی کو اتنا دکھ ہوا کہ انہوں

نے بیٹے سے قطع تعلق کرلیا۔ مجھ سے چھوٹا بھی ایک بھائی ہے وہ کالج میں پڑھتا ہے میں نے گریجوایشن کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرلی۔

''اس دوران میرے کئی رشتے آئے خاندان سے بھی اور خاندان سے باہر سے بھی۔ بعض رشتے تو بہت اچھے گھرانوں سے آئے تھے مگر بابو جی ہر ایک کو انکار کرتے رہے۔ ماتا جی کو اس کا بڑا دکھ تھا کہ میری شادی کی عمر نکلی جارہی تھی لیکن وہ ہمیشہ پتا جی کے دباؤ میں رہی تھیں کبھی زبان کھولنے کی ہمت نہ کرسکیں اور یہی دکھ سینے میں لئے پرلوک چلی گئیں۔

''ماتا جی کے دیہانت کے بعد تو پوتی بالکل ہی بدل گئے۔ خاندان کے دوسرے لوگوں نے بھی سمجھایا کہ اب بیٹی کی شادی کردینی چاہئے اس کی عمر نکلی جارہی ہے مگر بابو جی کسی کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ انہیں تو میری شادی کے نام سے چڑ ہوگئی تھی۔ انہوں نے مجھے کمائی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا تھا۔ شاید بڑے بیٹے کی تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات بھی وہ مجھ سے پورے کرنا چاہتے تھے۔

''میں نے دل پر پتھر کی سل رکھ لی۔ میں نے وہ سپنے ہی دیکھنا چھوڑ دیئے جو میری عمر کی غیر شادی شدہ لڑکیاں دیکھا کرتی ہیں بلکہ میں تو سپنے دیکھنے والی لڑکی سرحد پار کرکے بہت دور جاچکی تھی اور پھر سلیم کے گھر والے میرے محلے میں آکر آباد ہوئے۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہم ایک سال تک ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر ملتے رہے۔ سلیم کا خیال تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے ذریعے میرے پتا جی سے بات کرے تو شاید وہ ہماری شادی پر رضامند ہوجائیں مگر میں اپنے پتا کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ بڑے اچھے اچھے ہندو گھرانوں سے میرے لئے رشتے آئے تھے اور پتا جی نے انکار کردیا تھا۔ وہ ویسے بھی کٹر ہندو ہیں۔ برہمن، کسی مسلمان سے میری شادی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دوسری نیچ جاتیوں کی طرح وہ مسلمانوں کو بھی نیچ اور ملیچھ سمجھتے ہیں۔

''میں سلیم سے بہت پریم کرتی ہوں۔ اس سے دور رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ ملاپ کا کوئی راستہ نہ پاکر آخر کار ہم نے گھر سے بھاگنے کا پروگرام بنالیا۔ میرے پتا جی دفتر گئے ہوئے تھے۔ پروگرام کے مطابق سلیم محلے کے باہر سڑک کے موڑ پر میرا منتظر تھا۔ ہم دونوں اسٹیشن پہنچ گئے لیکن پتہ نہیں میرے چھوٹے بھائی کو کیسے خبر ہوگئی اسے اسٹیشن پر دیکھ کر میری آتما کانپ اٹھی۔ اس کے ساتھ دو دوست بھی تھے وہ بھی ہمیں پہچانتے تھے۔ وہ لوگ بھی ٹرین پر سوار ہوگئے تھے اور ہمیں مجبوراً پچھلی طرف سے ٹرین سے اترنا پڑا اگر آپ ہمیں نہ ملتیں تو ہم ضرور پکڑے جاتے۔''

''اب تم لوگوں کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' سیتا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''یہاں تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے چند روز یہیں رہو۔ وہ لوگ تمہاری تلاش سے مایوس ہوجائیں گے تو ٹھنڈے ہوکر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد میں تم لوگوں کو اپنی گاڑی پر اوسیاں چھوڑ آؤں گی وہاں سے آگے جانے کے لئے ٹرین یا بس مل جائے گی۔''

''دھنے باد سیتا جی۔'' رتنا نے کہا۔

''اس میں دھنے باد کی کیا ضرورت ہے۔'' سیتا مسکرائی۔ ''تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری دیدی ہوں اور

اس آڑے وقت میں، میں نے تمہاری مدد کی ہے اور ہاں ... یہاں رہتے ہوئے جھجکنا نہیں، جس چیز کی ضرورت ہو بلاتکلف مجھے کہہ دینا لیکن ایک بات کا خیال رکھنا بنگلے میں تم آزادی سے گھوم پھر سکتی ہو لیکن گیٹ سے باہر قدم مت رکھنا اور ایسا نہ ہو کوئی جانکار تمہیں دیکھ لے اور تمہاری بھاگ دوڑ اور میرے کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔''

''فکر مت کرو دیدی۔ ہم گیٹ سے باہر نہیں نکلیں گے۔'' رتنا نے کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ چائے پی جاچکی تھی۔ سیتا ہمیں اپنا بنگلہ دکھانے لگی۔ بہت شاندار بنگلہ تھا قیمتی سازو سامان سے آراستہ اس دوران وہ ہمیں اپنے بارے میں بھی بتاتی رہی تھی اس کے کہنے کے مطابق اس کا شوہر کروڑ پتی آدمی تھا جس کا دو سال پہلے دیہانت ہوگیا تھا۔

''تم ودھوا ہو دیدی۔ مگر تم نے سفید ساڑھی تو نہیں پہنی۔'' رتنا نے نکتے کی بات نکالی۔

''میں ودھوا ضرور ہوں مگر پرانی رسموں پر عمل کرکے اپنی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔'' سیتا نے جواب دیا۔ ''کیا یہ ظلم نہیں کہ عورت جوانی میں ودھوا ہوجائے تو وہ زندگی بھر سفید ساڑھی پہنے اور خوشیوں کو ترستی رہے میں ایسی فرسودہ رسموں کو نہیں مانتی۔ میں تو چاہتی ہوں کہ جس طرح ستی کی ظالمانہ رسم ختم کردی گئی ہے اسی طرح یہ رسم بھی ختم کردی جانی چاہئے۔ ودھوا عورت کو بھی خوشیوں میں اپنا حصہ وصول کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔''

ہم بنگلے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ سیتا شاید ہمیں لان دکھانے کے لئے جانا چاہتی تھی مگر اسی وقت اندر کہیں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ایک منٹ بعد شاردا دروازے سے برآمد ہوئی۔

''راجکمار کشور سنگھ کا فون ہے میڈم۔'' شاردا نے سیتا کو بتایا۔ ''میں ابھی آئی۔'' سیتا کہتے ہوئے اندر چلی گئی۔

ہم دونوں برآمدے میں کھڑے رہے۔ شاردا بھی اندر جاچکی تھی البتہ دوسرا لمبا تڑنگا ملازم برآمدے میں کھڑا تھا۔ میں اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا مگر اسی لمحہ سیتا باہر آگئی۔ اس نے فون پر بہت مختصر بات کی تھی۔

''وہ سامنے کیا ہے؟'' میں نے دور ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں غالباً کوئی قلعہ تھا۔ سیتا نے پہلے چونک کر میری طرف دیکھا۔ مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اسے تو یہی بتایا گیا تھا کہ ہم جودھ پور ہی کے رہنے والے تھے لیکن میں نے ایک ایسا سوال کرڈالا تھا جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''وہ چار سو فٹ اونچی پہاڑی پر پرانا قلعہ ہے۔'' سیتا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھنے کی چیز ہے۔ موقع ملے تو ضرور دیکھنا۔''

اس کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے مجھ پر کچھ اور شبہ ہوچکا تھا۔ ''میں ابھی کسی کام سے جارہی ہوں راجکمار کشور سنگھ کا شمار جودھ پور کے ایک ایسے پریوار سے ہے جنہوں نے طویل عرصہ اس علاقے پر حکمرانی کی ہے اس نے مجھے کسی کام سے بلایا ہے اور میں انکار نہیں کرسکتی۔ تم لوگ آرام سے یہاں رہو۔ تم

دونوں کے لئے وہی کمرہ مخصوص کر دیا گیا ہے جہاں شاردا رچنا کو لے کر گئی تھی۔ میں تم لوگوں کو الگ الگ کمروں میں رکھ کر تم دونوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتی۔" وہ آخری جملہ کہتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا دی تھی۔

"تم کب تک آؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"میری واپسی کی کیا فکر۔" سیتا نے جواب دیا۔ "یہاں لان میں یا بنگلے کے اندر گھومو پھرو اور انجوائے کرو۔"

اس نے شاردا کو بھی ہدایت کر دی ہمارے کھانے وغیرہ کا خیال رکھے اور پھر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر کار میں بیٹھ گئی۔

کار پختہ راستے پر مختصر سا چکر کاٹتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے گارڈ نے گیٹ کھول دیا کار چند سیکنڈ کو وہاں رکی سیتا نے گارڈ سے کچھ کہا اور کار باہر نکال لے گئی۔

میں اور رتنا برآمدے سے نکل کر لان میں گھومتے رہے یوں تو مختلف کیاریوں میں بھی گلاب کے پودے نظر آرہے تھے لیکن ایک تختہ صرف گلاب کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں کئی اقسام کے گلاب لگے ہوئے تھے۔ ہلکا گلابی، سرخ، گہرا سرخ، پیلا، سفید اور منقش رنگ کے پھول بھی کھلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک پھول توڑ کر رتنا کے بالوں میں لگا دیا اور کھڑا ہوا گارڈ ہماری طرف دیکھتا رہ گیا لیکن بولا کچھ نہیں۔

اس وقت دوپہر کا ایک بج چکا تھا دھوپ خاصی تیز تھی ہم کچھ دیر ایک درخت کے نیچے پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے رہے اور پھر اندر آ گئے۔ شاردا کچن میں تھی اور دوسرا ملازم کسی اور کام میں مصروف تھا۔ ہم اس کمرے میں آ گئے جو ہمارے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رتنا میرے سامنے پلنگ پر ٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے سیتا کو کہانی تو بہت اچھی سنائی ہے اور میرے خیال میں اب اسے مطمئن ہو جانا چاہئے کہ میں واقعی تمہیں بھگا کر لایا ہوں لیکن..."

"لیکن کیا......؟" رتنا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"معاملہ گڑبڑ ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کے لئے خاصی محنت کرنی پڑے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" رتنا نے مجھے گھورا۔

میں چند لمحے خاموش رہا پھر اسے سیتا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ رتنا کے چہرے کی رنگت بار بار بدل رہی تھی۔

"اس سے گفتگو کے دوران کچھ غلطیاں مجھ سے بھی ہوئیں جن سے اس کے شبہات کو تقویت ملی۔ ویسے اچھا ہی ہے کہ وہ ہمارے بارے میں جو سمجھتی ہے وہی سمجھتی رہے اور اس کا دھیان کسی اور طرف نہ جائے۔" میں کہہ رہا تھا۔ "سیتا...... ہندوؤں میں یہ نام مریم کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے مگر اس سیتا کے کرم اس نام کے بالکل برعکس ہیں۔ یہ بہت اونچے درجے کی طوائف ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو عورتیں

سپلائی کرتی ہے۔ اس دھندے سے وہ شاہانہ زندگی گزار رہی ہے۔ وہ ریلوے سٹیشن پر ہمارے پیچھے بھی اس لئے گئی تھی۔ اس نے تمہیں تاڑ لیا تھا۔ وہ تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اسے باقی باتیں بتانے لگا۔ "اس کا منصوبہ یہ ہے کہ میں چند روز یہاں رہ کر تمہارے ساتھ عیش کر لوں اور پھر تمہیں یہیں چھوڑ کر غائب ہو جاؤں اور وہ تم پر قبضہ کر لے اور تمہیں اپنی مرضی کے مطابق چلاتی رہے۔ اس نے مجھے ایک ہفتے کا وقت دیا ہے اور مجھے شبہ ہے کہ اس ایک ہفتے کے دوران وہ ہمارے بارے میں اور بھی بہت کچھ جان لے گی۔ وہ بہت چالاک ہے وہ اور دو کے ملاپ کا نتیجہ اخذ کرنا جانتی ہے۔ جب اسے ہماری اصلیت کا پتہ چلے گا تو نجانے اس کا ردعمل کیا ہوگا لیکن ہمارے لئے صورت حال سنگین تر ہو جائے گی لیکن ظاہر ہے ہم اس کے قیدی بن کر نہیں رہ سکتے۔ نہ ہی اسے من مانی کرنے کا موقع دے سکتے ہیں ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے دو تین دن کے اندر اندر کرنا ہوگا اور یہ دو تین دن بھی ہمارے لئے بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔ پولا اب کھل کر سامنے آ گئی ہے وہ ہماری کھوج میں اپنی پوری طاقت استعمال کرے گی۔ ہو سکتا ہے اس نے پورا شہر بلاک کر دیا ہو۔ لیکن بہرحال، دو تین دن میں ہمیں ہر صورت میں یہاں سے نکلنے کا موقع تلاش کرنا ہے۔"

رتنا اس صورت حال سے واقعی ڈر گئی تھی ہم کٹھن سے کٹھن صورت حال کا مقابلہ کرتے آئے تھے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا لیکن اس وقت ہم آزاد تھے اور اب صورت حال مختلف تھی۔ ہم اس چوہے دان میں پھنس کر رہ گئے تھے جہاں دو مسلح محافظ بھی موجود تھے۔ میں اکیلا ہوتا تو مار دھاڑ کرتا ہوا نکل جاتا مگر رتنا کی وجہ سے کچھ دشواری پیدا ہو سکتی تھی۔ اسے یہاں چھوڑ جانے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بہرحال اس چوہے دان سے نکلنے کے لئے ہمیں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرنا تھا۔

ہم دونوں بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا وہ شاردا تھی جو اندر جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بھوجن تیار ہو گیا ہے۔ میڈم کا فون آیا تھا وہ تو ابھی نہیں آئیں گی آپ لوگ بھوجن کر لیں۔"

اس وقت ڈھائی بج رہے تھے مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ شاردا کے جانے کے بعد میں رتنا کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ ہندو گوشت نہیں کھاتے تھے مگر سبزیوں، دالوں اور دوسری چیزوں سے طرح طرح کے کھانے تیار ہوتے تھے۔ اس وقت میز پر تین چار قسم کے کھانے تھے۔ پالک کے کوفتے، آلو تھی، بھنی ہوئی ماش کی دال اور ایک چیز تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ ہر ڈش میں گھی کا استعمال ضرور ہوتا تھا جس سے کھانے کی لذت دوچند ہو جاتی تھی۔

کھانے کے بعد ہم دوبارہ کمرے میں آ گئے کچھ سستی سی طاری ہونے لگی تھی۔ میں بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ رتنا بھی دروازہ اندر سے لاک کر کے بیڈ پر ہی آڑی ترچھی لیٹ گئی۔

دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ چھ بج رہے تھے۔ رتنا بھی جاگ گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا وہ شاردا تھی۔

"میڈم چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" اس نے پہلے رتنا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے

"ہم دس منٹ میں آ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

شاردا کے جانے کے بعد رتنا نے پھر دروازہ بند کر دیا۔ میں چند سیکنڈ اپنی جگہ پر لیٹا رہا اور پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ نیند کی وجہ سے میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ میں نے ٹب میں سر جھکا کر ٹھنڈے پانی کے دو تین مگے سر پر ڈالے تو ہوش ٹھکانے آ گئے۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

میں تیار ہو کر باہر آ گیا۔ رتنا سے میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ بھی منہ ہاتھ دھو کر آ جائے۔

سیتا لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر وہی صبح والی ساڑھی تھی اور چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"وہ کہاں ہے تمہاری پریم داسی؟" سیتا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آ رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ ایسی سستی طاری ہوئی کہ نیند پر قابو نہ پا سکے۔"

"ہاں...... دوپہر کے کھانے کے بعد اکثر ایسا ہوتا ہے۔" سیتا نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد رتنا بھی آ گئی سیتا نے بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ رتنا کے آنے کے فوراً ہی بعد شاردا چائے لے کر آ گئی تھی۔

"صبح تم نے قلعے کے بارے میں پوچھا تھا۔" سیتا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں جودھ پور کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ویسے میرے خیال میں آدمی جس علاقے میں رہتا ہو وہاں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ضرور ہونی چاہئیں۔ میں تمہیں جودھ پور کے بارے میں کچھ بتا دیتی ہوں۔ یہ معلومات بعد میں کسی وقت تمہارے کام آ سکتی ہیں۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہمارے بارے میں اور بھی بہت کچھ معلوم کر چکی ہے۔

"جودھ پور ایک بہت قدیم تاریخی شہر ہے۔" سیتا کہہ رہی تھی۔ "یہ خطہ صدیوں سے بنجر اور ویران رہا ہے میلوں دور تک اب بھی ریگزار پھیلے ہوئے ہیں یہاں سب سے پہلے 1211ء میں قنوج (یوپی) کے راٹھور آ کر آباد ہوئے تھے۔ اس زمانے میں یہاں زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ خطہ جہنم کا نمونہ تھا۔ قنوج سے نقل مکانی کر کے آنے والے راٹھور مختلف علاقوں میں آباد ہوتے چلے گئے۔ ان کی نسبت سے یہ علاقہ مارواڑ کہلانے لگا۔

"چھوٹے چھوٹے قبیلے مختلف علاقوں میں آباد تھے جن کے سردار اپنے آپ کو راجہ کہلاتے تھے۔ مندور اس وقت اس خطے کا سب سے بڑا قصبہ تھا اور اسے راج دھانی کی حیثیت حاصل تھی لیکن یہاں زندگی کی وہ سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ پانی سب سے بڑا مسئلہ تھا جبکہ جودھا پانی کے ذخائر کو ترس رہا تھا۔ 1459ء میں راؤ جودھا نے مندور سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک اور شہر آباد کیا جو اس کے نام پر جودھ پور کہلانے لگا۔

"پانچ صدیوں تک اس شہر نے ترقی کی منازل بھی طے کیں اور بڑے نشیب و فراز بھی دیکھے۔ موجودہ صدی کے وسط میں ایک خوفناک قحط نے اس شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت مہاراجہ امید سنگھ یہاں حکمران تھا۔ اس نے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے اپنے لئے ایک شاندار مکان کی تعمیر شروع کرا دی۔ تین سو سینتالیس کمروں پر مشتمل یہ مکان آج بھی دنیا کا سب سے بڑا مکان سمجھا جاتا ہے۔ آج کل اس مکان میں ایک رہائشی ہوٹل قائم ہے۔

"چار سو فٹ اونچی پہاڑی پر وہ قلعہ اس زمانے میں تعمیر ہوا تھا جب راجستھان کے راجواڑے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے۔ ایک دوسرے کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے خونریز جنگیں روز کا معمول بن چکی تھیں۔

"قلعے تک جانے والا راستہ اس زمانے میں زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ اس راستے میں مختلف فاصلوں پر سات مضبوط دروازے بنے ہوئے تھے۔ قلعے کے اندر کئی خوبصورت محل ہیں۔ جن کی سرخ پتھروں کی دیواروں پر نہایت خوبصورت نقش کاری کا کام کیا ہوا ہے۔ آج اس قلعے کو ایک میوزیم کی حیثیت حاصل ہے جہاں قدیم زمانے کی تصاویر، ہتھیار، تخت، ملبوسات اور بہت سی نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔

"بڑا خوبصورت شہر ہے یہ جودھ پور تمہیں گھوم پھر کر دیکھنا چاہئے تھا۔ آدمی کو اپنے علاقے کے بارے میں اتنی معلومات تو ہونی چاہئیں کہ اسے کسی دوسرے سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے سیتا جی کہ...."

"اصل بات یہ ہے کہ تم اس شہر کے رہنے والے نہیں ہو۔" سیتا نے میری بات کاٹ دی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "آج صبح ریلوے اسٹیشن پر جو کچھ بھی ہوا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ بیلا اور اس کے آدمیوں کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو ماؤنٹ آبو میں تباہی پھیلا کر بھاگا ہے۔ اتفاق سے وہ شخص بھی مسلمان ہے۔ بیلا نے اسے ٹرین میں دیکھ لیا تھا لیکن وہ اسے ٹائلٹ میں بے ہوش کر کے بھاگ گیا۔

"بیلا انٹیلی جنس میں ایک بہت اونچے عہدے پر ہے۔ اس نے ناکی نامی اس شخص کی تلاش کے لئے پورے شہر کی ناکہ بندی کرا دی ہے کوئی پرندہ بھی اجازت کے بغیر شہر سے نہیں نکل سکتا۔ تمام ہوٹل، سرائے اور گیسٹ ہاؤسز پولیس کے گھیرے میں ہیں۔ سڑکوں پر بھی پولیس پھیلی ہوئی ہے۔ سینکڑوں مشتبہ لوگوں کو گھیرے میں لیا جا چکا ہے جن سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ ویسے اندر سے میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ سیتا بالکل صحیح رخ پر جا رہی تھی۔ اس نے اگرچہ ابھی تک براہ راست ہمارے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ وہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئی ہے۔

"کوئی تعلق نہ بھی ہو تو تمہارے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔" سیتا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے تم لوگوں کو پناہ دی ہے اور تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گی۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے مجھے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

"تم ہماری محسن ہو۔" میں نے کہا۔ "ہم تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"ویسے تم نے بہت اچھی کہانی سنائی تھی۔" سیتا نے رتنا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

رتنا کوئی جواب نہیں دے پائی۔ وہ بھی صورت حال کو سمجھ گئی تھی اور مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ شاید سیتا کا مزید سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے چائے ختم کرتے ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"مسٹر نعیم یا جو بھی تمہارا نام ہے۔" سیتا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارے چاروں طرف خطرات منڈلا رہے ہیں اس میں اب شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ تم وہی ہو جس کی تلاش بیلا کو ہے۔ ایسے شخص کی مدد کرنا سنگین ترین جرم ہے۔ دیش سے غداری ہوگی مگر میں تم سے کئے ہوئے وعدے پر اب بھی قائم ہوں مجھے یہ لڑکی چاہئے اس کے لئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیوں.....؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اگر یہ دیش سے غداری ہے تو"

"اس دیش نے مجھے کیا دیا ہے۔" سیتا نے میری بات کاٹ دی۔ "میں ایک باعزت خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں بیتا کی طرح پوتر تھی مگر مجھے طوائف بنا دیا گیا۔ میرے ماں باپ کو ذلیل و رسوا کیا گیا۔ دیش کے نیتاؤں نے میرا سب کچھ چھین لیا مجھے طوائف بنا دیا۔ میں دیش کی بھلائی کیوں سوچوں۔"

وہ چند لمحوں کو رکی پھر بولی۔ "صبح سے اب تک تم نے میرے بارے میں بہت سی باتیں سوچی ہوں گی۔ اب صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ہمیں کھل کر بات کرلینی چاہئے کچھ دو اور کچھ لو کے اصول کے تحت ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے ویسے بھی رتنا سے تمہاری کوئی رشتہ داری تو نہیں ہے نا۔ اسے میرے حوالے کردو۔ میں تمہیں حفاظت سے اس شہر سے نکال دوں گی۔"

میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔ اب کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ اس نے واضح الفاظ میں فرد جرم عائد کردی تھی اور میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ بوگی نمبر کا حوالہ تو وہ پہلے ہی دے چکی تھی۔ جس کے ڈبے میں ٹرین کے چلتے ہی ایک عورت کو بے ہوش کرکے ڈال دیا گیا تھا اور اب بیلا نے ہوش میں آنے کے بعد بتا دیا تھا کہ اسے بے ہوش کرنے والا وہی تھا جس کی تلاش میں ماؤنٹ آبو سے یہاں آئی تھی اور اگر میں سیتا کے سامنے انکار کر دیتا تو وہ مجھے کسی نہ کسی طرح بیلا کے سامنے لے آتی۔ یہ اندازہ تو میں بھی لگا سکتا تھا کہ سیتا بھی بہت اونچی شے تھی اس کے تعلقات بھی بہت اوپر تک تھے جن عورتوں کی رسائی راجوں مہاراجوں تک ہو ان کے لئے بیلا تک پہنچنا کون سا مشکل کام تھا اور بیلا کو ویسے بھی ایسے لوگوں کی تلاش تھی جو اسے میرے بارے میں کچھ بتا سکیں۔

"ٹھیک ہے سیتا دیوی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "غلطی میری ہی تھی جو میں تمہارے دام میں پھنس گیا۔ مجھے تمہاری یہ شرط بھی منظور ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا میں وہ شخص ہوں جس نے ناگ راج جیسے شخص اور اس کے چیلوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ جس نے تمہاری سرکار کو نچا رکھا ہے۔ حکومت کی پوری مشینری حرکت میں ہے مگر میرا آج تک سراغ نہیں لگایا جاسکا۔ میں بیلا سے خوفزدہ نہیں ہوں دو تین مرتبہ وہ میرے ہاتھ لگی اور میں نے اسے نکل جانے کا موقع دیا۔ آج بھی اگر میں چاہتا تو ٹرین کے ڈبے میں اس کا گلا گھونٹ کر اس کے جیون کا انت کرسکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ بیلا ایک ذہین اور دلیر عورت ہے اور میری بہترین دشمن اور میں اپنے دشمن کو وار کرنے کا پورا پورا موقع دیتا ہوں یہاں

تک کہ وہ تھک کر خود ہی میرے قدموں پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ بیلا بھی ایک روز خود بخود میرے قدموں پر ڈھیر ہو جائے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے میرے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تو میرے ان خونی پنجوں سے بچ کر نہیں جاسکو گی۔ یہاں صرف دو گارڈ ہیں اگر چہ اور بھی ہوں تو میرا راستہ نہیں روک سکیں گے لیکن میں تمہاری شرط مان کر تم پر اعتبار کر رہا ہوں۔"

"میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ تمہیں دھوکا دینے کی کوشش کروں گی۔" سیتا نے کہا۔ "میں اگرچہ جودھ پور میں رہتی ہوں مگر گزشتہ چند مہینوں کے دوران میں ماؤنٹ آبو کے بھی کئی چکر لگا چکی ہوں۔ وہاں جو کچھ بھی ہوتا رہا وہ سب میرے علم میں ہے میں اب تک ناگ راج کو ہی دنیا کا سفاک ترین انسان سمجھتی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ اس سے بھی زیادہ سفاک اور ظالم... نہیں شاید میں نے غلط کہا۔ سفاک اور ظالم نہیں ایک بہادر انسان سے ملاقات کرنے کا موقع ملے گا تم نے میری بات مان لی۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہئے مجھے صرف رتنا چاہئے ایسی حسین عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میں صرف چند مہینوں بلکہ چند ہفتوں میں اس سے اتنی کمائی کروں گی کہ زندگی بھر اس گندے کام کے بارے میں نہیں سوچوں گی۔"

"حیرت ہے۔ تم نے اس سے اتنی توقعات وابستہ کرلیں۔" میں نے کہا۔

"میں عورتوں کی سوداگر ہوں۔" سیتا مسکرائی۔ "اور جانتی ہوں کہ مجھے کس سے کتنی توقع ہونی چاہئے اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس کے لئے مجھے ایک ایسا گاہک بھی مل گیا ہے جو مجھے مالا مال کردے گا۔"

"کیا.....؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "یعنی دیکھے بغیر گاہک۔"

"وہ گاہک اسے دیکھ چکا ہے۔" سیتا مسکرائی۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ صبح جب ہم چائے پی کر کمرے میں آئے تھے تو راجکمار کشور سنگھ کا فون آیا تھا۔ میں اسی سے ملنے کے لئے گئی تھی۔ راجکمار کشور سنگھ نے راستے میں رتنا کو میری گاڑی میں دیکھ لیا تھا میرے پاس جو بھی لڑکی آتی ہے اس کا پہلا گاہک وہی ہوتا ہے۔ اور رتنا کو میری گاڑی میں دیکھ کر یہی سمجھا تھا کہ کوئی نیا مال آیا ہے۔ اس لئے اس نے مجھے بلایا تھا لیکن میں نے اسے ایک ہفتے کے لئے ٹال دیا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کروں گی ایک ہفتے تک یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ تم لوگ یہاں ہو۔ چند روز میں بیلا کی سرگرمیاں ماند پڑ جائیں گی اور میں تمہیں حفاظت سے شہر سے باہر پہنچا دوں گی۔"

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ ذہن میں رکھنا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہارا کوئی راجکمار بھی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

"اطمینان رکھو۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ مجھے اپنا جیون پیارا ہے۔" سیتا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر موضوع بدل گیا۔ سیتا ناگ راج کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ اس نے کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔ ہر شخص سے میں ایسی ہی باتیں سن چکا تھا

"تم نے اب تک اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم پڑھی لکھی ہو اور میرا خیال ہے تمہارا تعلق بھی ایک اچھے اور شریف گھرانے سے ہے۔"

"وہ اچھا اور شریف گھرانہ ختم ہو گیا۔" بیتا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا تعلق بمبئی کے ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ انہوں نے مجھے خوب پڑھایا لکھایا۔ مجھے کالج ہی کے زمانے سے سیاست کا چسکا لگ گیا۔ میں کالج یونین کی سرگرم رکن تھی۔ پھر انہی دنوں ایک سیاسی پارٹی میں شامل ہو گئی اور ایک ورکر کی حیثیت سے بڑی محنت سے کام کرتی رہی۔ میں سوشیالوجی کی طالبہ تھی۔ خدمت خلق کا شوق تھا۔ جھگی بستیوں میں رہنے والوں کی حالت دیکھتی تو میرا دل خون کے آنسو روتا۔ میں ان کی حالت بدلنا چاہتی تھی اور اسی لئے سیاست میں آئی تھی۔

"میں جس سیاسی پارٹی میں شامل ہوئی تھی اس کا نعرہ بھی یہی تھا۔ "غریبی مٹاؤ" میں پارٹی کے نیتا جیون لال شرما کی بہت معترف تھی۔ وہ ہر بھاشن میں یہی کہتا کہ جب تک غریبوں کی حالت نہیں بدل جاتی، اس وقت تک دیش میں خوشیاں نہیں آ سکتیں۔ وہ پڑوسی ملکوں کو نہیں غریبی کو بھارت کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا۔

"ایک مرتبہ ہمارے یونٹ نے ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا۔ جیون لال شرما کو بھاشن دینا تھا۔ میں اپنے علاقے کی بڑی سرگرم کارکن تھی۔ مجھے بھی اس جلسے میں بھاشن دینے کا موقع دیا گیا۔ میں پہلی مرتبہ اتنے بڑے جلسے کے اسٹیج پر آئی تھی لیکن میں ذرا بھی نہیں جھجکی اور خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

"اس سے اگلے روز جیون لال شرما نے مجھے اپنے دفتر طلب کیا اور میری خوب تعریف کی اور اس امر کا اشارہ دیا کہ اگر میں چاہوں تو اس کے ساتھ رہ کر کام کر سکتی ہوں۔ میں فوراً تیار ہو گئی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جیون لال شرما کی اصلیت میرے سامنے آ گئی۔

"وہ غریبوں کی قسمت بدلنے کے نعرے لگاتا تھا لیکن غریبوں کی بستیوں میں جوئے، شراب اور ہیروئن کے تمام اڈے اس کی ملکیت تھے۔ اس کا یہ گھناؤنا کاروبار پورے شہر کی غریب اور متوسط بستیوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے غنڈے دکانداروں کے علاوہ طوائفوں سے بھی بھتہ وصول کرتے تھے۔

"مجھ پر جیون لال شرما کے اس گھناؤنے کردار کا انکشاف محض اتفاقیہ طور پر ہوا تھا۔ اس وقت جیون لال کے پاس شہر کے دو اور معزز آدمی بھی موجود تھے۔ میں نے جیون لال شرما کو کھری کھری سنا دیں اور پھر اس وقت پتہ چلا کہ شہر کے وہ دونوں معززین بھی اس کے کاروبار میں شریک تھے۔

"میں نے جیون لال شرما کو جنتا کے سامنے اس کی اصلیت بتا دینے کی دھمکی دی تو مجھے کوٹھی سے باہر نہیں نکلنے دیا گیا۔ وہ تینوں رات بھر مجھے خونخوار بھیڑیوں کی طرح بھنبھوڑتے رہے اور پھر صبح ہونے سے پہلے مجھے ایک سنسان سڑک پر پھنکوا دیا گیا۔ جیون لال نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کبھی اس کا نام زبان پر لائی تو وہ مجھے اور میرے گھر والوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

"ایک شریف آدمی نے مجھے سڑک سے اٹھا کر گھر پہنچا دیا۔ میرے ماتا اور پتا جی میری حالت دیکھ کر چیختے رہے۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ میرے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کس نے کیا تھا۔ اتفاق سے جو شخص مجھے سڑک سے اٹھا کر لایا تھا وہ جیون لال شرما کی مخالف پارٹی کا آدمی تھا۔ اس نے ساری باتیں سن لیں

اور مجھے پہچان بھی لیا۔

"صبح سات بجے کے قریب مخالف پارٹی کا نیتا پریم چند اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ ہمارے گھر پہنچ گیا۔ میرے پتا جی اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے رہے کہ وہ اس معاملے کو اچھال کر رسوا نہیں ہونا چاہتے بلکہ وہ اپنے پریوار کو لے کر دو چار روز میں یہ شہر ہی چھوڑ دیں گے مگر پریم چند کو جیون لال شرما کو نیچا دکھانے کا موقع مل گیا تھا اس نے پتا جی کی ایک نہیں سنی اور مجھے ساتھ لے جا کر تھانے میں رپورٹ درج کروا دی۔

"پریم چند نے شرما کو نیچا دکھانے کے لئے ہماری عزت کو خوب اچھالا۔ وہ جلسوں میں اس کے خلاف خوب زہر اگلتا ادھر جیون لال شرما بھی کھول رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں خود پریم چند کے پاس گئی تھی۔

"چند روز بعد شرما کے غنڈوں نے ہمارے گھر پر حملہ کر دیا۔ اتفاق سے میں اس وقت گھر پر نہیں تھی۔ غنڈے میرے بوڑھے ماں باپ کو گھر سے گھسیٹتے ہوئے سڑک پر لے آئے اور دونوں کو بے دم کر کے مارتے پیٹتے رہے۔ میری ماں نے تو وہیں دم توڑ دیا اور پتا جی اسپتال پہنچ کر ختم ہو گئے۔

"میں اس وقت اپنے دور کے ایک رشتے دار کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ مجھے وہیں پر اطلاع مل گئی کہ میرے ماتا پتا کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میرے رشتے داروں نے مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیا۔

"میری جان کے خوف سے مجھے کئی روز تک غائب رکھا گیا اور پھر چوری چھپے مجھے کھنڈالا پہنچا دیا گیا۔ جہاں ہمارے ایک اور رشتے دار رہتے تھے۔ تین دن وہاں رکھنے کے بعد وہ مجھے پونا لے آئے۔

"جیون لال شرما کے غنڈے مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ لیکن میں ان کے ہاتھ نہیں آئی میں نے بمبئی کا رخ نہیں کیا۔ اپنے گھر کو بھول گئی۔ مجھے صرف ایک بات یاد تھی مجھے اپنی بے عزتی اور اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ لینا تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح گوا پہنچ گئی۔ وہاں ان دنوں جگن ناتھ کا بڑا چرچا تھا وہ بہت بڑا بدمعاش اور منشیات کا اسمگلر تھا۔ پورے گوا پر اس کا راج تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح جگن ناتھ تک پہنچ گئی اور اس کا اعتماد حاصل کر لینے کے بعد اس سے دوستی کی بات کہہ دی۔

"جگن ناتھ ہوشیار آدمی تھا۔ اس کے دل میں شبہ ہوا کہ میں کسی دوسرے گینگ کی جاسوس تو نہیں؟ اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے بمبئی میں میرے بارے میں معلومات حاصل کیں تو تصدیق ہو گئی کہ میں نے اسے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ غلط نہیں تھا۔

"جگن ناتھ منشیات کا بیوپاری تھا۔ دوسری پارٹیوں سے بھی اس کی مسلسل چلتی رہتی تھی۔ جیون لال شرما بھی گوا میں قدم جمانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جگن ناتھ نے ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

"اور پھر بمبئی میں ان دونوں پارٹیوں میں زبردست تصادم ہوا۔ جگن ناتھ اور جیون لال شرما بھی براہ راست ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ اس تصادم میں وہ دونوں مارے گئے۔ میں کچھ عرصہ جگن ناتھ کے گینگ میں رہی جس کی کمان ایک اور آدمی نے سنبھال لی تھی۔ میں دو لڑکیوں کے ساتھ اس گینگ سے الگ ہو گئی۔ وہ دونوں لڑکیاں جوان اور بے حد حسین تھیں۔ ان دونوں نے میرے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا میری طرح اس دنیا میں ان کا بھی کوئی نہیں تھا۔ میں ان دونوں کو لے کر حیدرآباد آ گئی جہاں ہم نے چوری چھپے جسم فروشی کا دھندہ شروع کر دیا۔

"کچھ عرصہ حیدرآباد گزارنے کے بعد ہم تینوں مختلف شہروں میں ہوتی ہوئی جے پور پہنچ گئیں

اور پھر دو سال پہلے ہم جے پور سے یہاں جودھ پور منتقل ہو گئیں۔ یوں تو جے پور میں بھی بڑے بڑے دل والے موجود ہیں مگر جودھ پور کی بات ہی کچھ اور ہے۔ راجکمار کشور سنگھ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یہ بنگلہ مجھے اس نے تحفے میں دیا تھا۔

"ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا پچھلے سال انتقال ہو گیا۔ دوسری کو ایک ٹھاکر نے پسند کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا میرے پاس لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں اور میرا کام چلتا رہتا ہے۔

"آج اتفاق سے میں اپنے کسی ملنے والے کو سی آف کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن گئی تھی کہ تم لوگ میری نظروں میں آ گئے۔ تم دونوں کے چہروں سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ میں نے اس وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ آخر تک تم لوگوں کا پیچھا کروں گی۔ میرا فیصلہ درست نکلا۔ رچنا کو دیکھ کر میرے دل میں جو خواہش اٹھی تھی۔ وہ پوری ہو گئی۔" سیتا خاموش ہو گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

میں گہری نظروں سے سیتا کی طرف دیکھ رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اپنے بارے میں اس نے کوئی بھی بات غلط نہیں کہی تھی اور میں جانتا تھا کہ اس نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس پر پورا اترے گی۔ وہ کسی کو ہمارے بارے میں نہیں بتائے گی لیکن میں نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

اس رات کھانا کھانے کے بعد سیتا نے لاؤنج میں رکھے ہوئے ٹی وی پر فلم لگا دی۔ فلم کی کہانی بھی ایک ایسی عورت کے گرد گھومتی تھی جس کا تعلق ایک شریف گھرانے سے تھا مگر سماج کے ٹھیکیداروں نے اسے طوائف بننے پر مجبور کر دیا تھا۔

رچنا کو نیند آ رہی تھی۔ وہ بار بار جمائیاں لے رہی تھی۔ لیکن فلم دلچسپ تھی اس لئے بیٹھی دیکھتی رہی۔ ایک بجے کے قریب فلم ختم ہوئی تو میں اور رچنا اپنے کمرے میں آ گئے۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر کے لاک لگا دیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ سیتا کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گی جس سے اسے بھی نقصان اٹھانا پڑے۔ وہ میرے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی۔ وہ عقل مند عورت تھی اس سے کسی ایسے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔

"بڑی خطرناک عورت ہے۔" میں نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"یہ ہمارے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے ایسا نہ ہو کہ رات ہی کو ہمیں گھیر لیا جائے۔" رچنا نے کہا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس کی نظریں تم پر ہیں اور اس نے تمہارے لئے موٹا گاہک بھی تلاش کر لیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو؟" رچنا نے مجھے گھورا۔

"یہ سچ ہے۔ راجکمار کشور سنگھ تمہیں حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو رہا ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے ساری باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔

"کمینی..... حرامزادی۔" رچنا نے دانت کچکچائے۔ "میرا سودا کر رہی ہے میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔"

ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے تک باتیں کرتے رہے کہاں تو یہ کہ رچنا کو بڑی شدت سے نیند آ رہی تھی اور کہاں یہ کہ اس کی نیند غائب ہو گئی۔ بات ہی تھی کہ سیتا ہمارے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی اور ہم بوپے وان میں پھنس گئے تھے۔ بات صرف اس بنگلے تک ہوتی تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا مگر سارا شہر بلاک کر دیا گیا تھا۔ ہمیں دو تین دن کا وقت چاہئے تھا لیکن موجودہ صورت حال نے رچنا کو زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے میں نے ٹیوب لائٹ بجھا کر ہرے رنگ کا نائٹ بلب جلا دیا تھا۔ مدھم سبز روشنی بڑی بھلی لگ رہی تھی میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ میں سونا چاہتا تھا مگر رچنا کسی اور موڈ میں تھی۔ اس نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور پھر میرے لئے بھی اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔

اس رات بھی ہم صبح چار بجے تک جاگتے رہے اور جب ہم سوئے تو ہم بارہ بجے سے پہلے بیدار نہیں ہو سکے تھے۔

سیتا گھر میں اکیلی تھی۔ شاردا کے بارے میں اس نے بتایا کہ دتا پور میں اس کی ماتا کا دیہانت ہو گیا ہے اور وہ ایک گھنٹے پہلے دتا پور جا چکی ہے اس کی واپسی تیجے سے پہلے نہیں ہو گی۔

اس روز ہمارے لئے ناشتہ سیتا ہی نے تیار کیا تھا ناشتہ کیا دوپہر کا کھانا ہی تھا۔ سیتا نے بھی ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر کھایا تھا اور پھر وہ کہیں جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

"میری واپسی میں تین چار گھنٹے لگیں گے۔" وہ برآمدے سے اتر کر کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "ٹی وی پر ایک نیا ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا ہے نئی فلم ہے تم دونوں اسے دیکھ کر یقیناً بہت محظوظ ہو گے۔ بوریت محسوس کرو تو وہ فلم دیکھ لینا۔"

سیتا چلی گئی۔ ہم کچھ دیر تک لان میں بیٹھے رہے اور پھر اندر آ گئے گارڈ گیٹ کے ساتھ اپنے کیبن ہی میں تھا۔ دوسرا لمبا تڑنگا ملازم بھی اس کے پاس جا بیٹھا تھا۔

رچنا نے ٹی وی پر رکھا ہوا ویڈیو کیسٹ اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے ٹرالی کے نیچے رکھے ہوئے وی سی آر میں لگا دیا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

کسی میرا کی فلم کا گانا تھا لیکن اس گانے کے بیچ میں ہی ایک اور سین دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ رچنا نے بھی بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا تھا۔ میں گہری نظروں سے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا اسکرین پر پہلے میرا چہرہ دکھائی دیا اور پھر رچنا کا منظر بدلتے رہے اور ہم ٹی وی اسکرین پر وہ سب کچھ دیکھتے رہے جو گزشتہ رات میرے اور رچنا کے درمیان ہوا تھا۔ رچنا نے اٹھ کر ٹی وی اور وی سی آر بند کر دیا اور ویڈیو کیسٹ نکال کر اس کا فلیپ کھولا اور ویڈیو ٹیپ کھینچتی چلی گئی اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے غلیظ گالیوں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔

"یہ فلم ضائع کر کے تم سمجھتی ہو کہ ہم محفوظ ہو گئے ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے چالاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس حرکت کی تو مجھے بھی توقع نہیں تھی۔"

"وہ سمجھتی ہے کہ ہمیں بلیک میل کر کے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر سکے گی۔" رچنا دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ "اب تو میں اسے واقعی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اسے اس طرح سسکا سسکا کر ماروں

گی کر...."

"ہمیں صرف کل کا دن اور انتظار کرنا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آج کا دن خاموشی میں ہی گزار دیا جائے تو بہتر ہے کل ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

رتنا دیر تک سیتا کو گالیاں بکتی رہی پھر ہم اٹھ کر کمرے میں آ گئے۔ میں گہری نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مگر مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی جہاں کیمرہ چھپا ہونے کا شبہ ہو مگر آخر کار ایک ایسی جگہ نظر آ ہی گئی۔ ایک مورتی دیوار پر ٹنگی ہوئی تھی۔ وہ مورتی حجم میں چار پانچ انچ سے زیادہ بڑی نہیں تھی۔ پتہ نہیں وہ ہندوؤں کا کون سا دیوتا تھا۔ مورتی کا منہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے وہ مورتی دیوار سے ہٹا دی اور پھر دیوار میں ایک گول سوراخ دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی سوراخ میں کیمرے کے لینس کا شیشہ بھی چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں اس کمرے سے نکل کر گھومتا ہوا پچھلی طرف کی راہداری میں آ گیا یہاں بھی ایک کمرے کا دروازہ تھا جس پر تالا لگا ہوا تھا مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کیمرہ اس کمرے کی دیوار میں نصب تھا اور وہ کیمرہ یقیناً انفرا ریڈ شعاعوں کے سسٹم کے تحت کام کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں بھی فلم بڑی صاف بنی تھی۔

میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے تالا توڑا جا سکتا ویسے بھی تالا توڑنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔ سیتا نے جو ویڈیو کیسٹ ہمارے لئے رکھا تھا وہ یقیناً ڈپلی کیٹ تھا اس کا اوریجنل تو وہ کہیں غائب کر چکی ہوگی۔

سیتا کی واپسی چار بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی وہ ادھڑی ہوئی فلم دیکھ لی۔

"مجھے یقین تھا کہ اس کا یہی حشر ہوگا۔" وہ بکھری ہوئی فلم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن اس کی اوریجنل کاپی محفوظ ہے۔"

"اس کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اسے گھورا۔

"ایسی چیزوں کے فائدے تو صرف میں ہی سمجھ سکتی ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ میں سیتا سے مزید کوئی بات کئے بغیر رتنا کو لے کر کمرے میں آ گیا۔ میں نے اس روز رتنا کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا تھا۔ اس روز میں نے سیتا سے بھی زیادہ بات نہیں کی اور اسے یہی تاثر دیا کہ میں اس کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوں۔

اس رات ہم اگرچہ محتاط ہو گئے تھے مگر میں نے وہ مورتی دیوار سے اتار کر کنٹی پر ایک تصویر کا فریم لگا دیا تھا۔

رتنا رات بھر بے چین رہی۔ کبھی وہ لیٹ جاتی کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور کبھی کرسی پر بیٹھ جاتی۔ وہ کوئی پارسا عورت نہیں تھی مجھ سے ملاقات سے پہلے وہ ایک طوائف کی طرح ہی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کی زندگی میں نجانے کتنے مرد آئے تھے۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے بڑا عرصہ ہو گیا تھا مگر کسی کے ساتھ ایک بستر کو

پہنچنا الگ بات تھی اور ان مکروہ حرکات و سکنات کی فلم بنانا دوسری بات۔ اسے اس بات کا دکھ تھا کہ یہ فلم نجانے کتنے لوگ دیکھیں گے۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اگر ہمیں یہاں رہنا ہوتا تو پریشانی کی بات ہوتی۔ ہمیں تو یہاں رہنا ہی نہیں۔ یہ فلم کسی سینما یا ٹی وی پر بھی چلا دی جائے تو ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا۔ ہمیں یہاں کوئی نہیں جانتا ہے اور ویسے بھی ہم یہاں نہیں ہوں گے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں کوئی نہیں جانتا۔ ہم یہاں نہیں ہوں گے مگر ذلت کا احساس مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔" رتنا نے کہا۔

"ہم کوشش کریں گے کہ جانے سے پہلے وہ اوریجنل فلم بھی تلاش کر کے ضائع کر دی جائے۔" میں نے کہا۔

"مگر ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟" وہ بولی۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔ "بس تم یہ بات ذہن میں رکھ لو کہ کل شام تک ہم یہاں سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔"

کچھ دیر تک خاموش رہی اور پھر میں اسے سمجھانے لگا کہ میرا منصوبہ کیا ہے اور اس پر کس طرح عمل کیا جائے گا۔

"کیا میں پھر...."

"مجبوری ہے۔" میں نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "بس یوں سمجھو کہ اس کے بعد ہماری ساری مشکلیں دور ہو جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" رتنا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ کل ہمیں موقع مل جائے گا۔"

"ہاں۔ امید تو ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

اور پھر دوسرے دن ہمیں وہ موقع مل بھی گیا۔ ناشتے کے بعد سیتا باہر چلی گئی۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ دوپہر کے کھانے تک واپس آئے گی۔

دوسرا السیا تو بنگلا ملازم فرنیچر کی ڈسٹنگ وغیرہ کر رہا تھا۔ رتنا لاؤنج ہی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اٹھ کر باہر آ گیا۔ چند منٹ تک ادھر ادھر گھومتا رہا پھر درخت کے نیچے گھاس پر لیٹ گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد برآمدے سے رتنا کی آواز سنائی دی وہ مجھے پکار رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر اس طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رتنا اپنا کام کر چکی تھی اس وقت اس کے جسم پر جو لباس بھی ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر سینے میں ہلچل سی مچنے لگی تھی۔ میں نے دوبارہ اس کی آواز سنی مگر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ تقریباً دو منٹ بعد میں نے اپنے قریب گارڈ کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں اور گارڈ کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا ہے؟" میں نے خوابیدہ سے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کو شریمتی جی بلا رہی ہیں۔" گارڈ نے کہا۔

"مجھے بڑے زور کی نیند آ رہی ہے یار۔ اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ اسے کسی چیز کی ضرورت ہوگی جاؤ۔

تم جا کر پوچھ لو۔" میں نے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

گارڈ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے رتنا کی طرف دیکھا اور بے تلے قدم اٹھاتا ہوا برآمدے کی طرف چلنے لگا۔ میں نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا رتنا گارڈ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اور پھر گارڈ اس کے ساتھ اندر چلا گیا اور اس کے ٹھیک تین منٹ بعد میں نے اندر سے فائر کی دبی دبی سی آواز سنی۔ وہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کوئی پٹس پھسا پٹاخہ چلایا گیا ہو۔ میں اٹھ کر تیزی سے برآمدے کی طرف دوڑا۔ رتنا بیچ والے کمرے میں تھی اس کے لباس کا اوپر کا حصہ غائب تھا۔ دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ گارڈ بیڈ پر پڑا تھا اور ٹھیک دل کے مقام پر سینے سے بہنے والا خون چادر پر پھیل رہا تھا۔ رتنا نے پستول اس کے سینے پر رکھ کر گولی چلائی تھی اس لئے فائر کی آواز زیادہ نہیں ابھری تھی۔

مجھے دیکھ کر رتنا نے پستول بیڈ پر پھینک دیا اور قمیص پہننے لگی۔

"عورت کو اس حالت میں دیکھ کر کم بخت اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اسے اتنا ہوش نہیں رہا تھا کہ اس کا پستول کب ہولسٹر سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ گیا اسے پتہ تو اس وقت چلا جب میں نے پستول اس کے سینے پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔"

"اور وہ دوسرا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ساتھ والے کمرے میں۔" رتنا نے جواب دیا۔

ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ دوسرے لمبے تڑنگے ملازم کی لاش قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں رسی پڑی ہوئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رسی کا بندوبست کرنے کے بعد ہی رتنا اسے کمرے میں لے کر آئی تھی۔ وہ اگرچہ خاصا لمبا تڑنگا اور طاقتور تھا مگر رتنا بھی بڑی اونچی لمبی تھی۔ اس کی بانہوں میں بھی طاقت اور دل میں نفرت اور انتقام کی آگ تھی۔ وہ اس کے گلے میں رسی ڈال کر اسے کل دیتی چلی گئی تھی۔ لمبے تڑنگے ملازم نے ہاتھ پیر ضرور مارے ہوں گے مگر گلے میں پڑے ہوئے پھندے نے اسے بے بس کر دیا تھا اور آخر کار وہ بچی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

میں نے اسٹور روم سے ایک ہتھوڑا تلاش کر لیا اور اس دروازے کے سامنے آ گیا جس پر تالا لگا ہوا تھا۔ ہتھوڑے کی ایک ہی ضرب سے تالا ٹوٹ گیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ سامنے والی دیوار پر ایک چھوٹے سے شیلف پر ویڈیو کیمرہ رکھا ہوا تھا۔ کیمرے کے سامنے دیوار میں وہ سوراخ تھا جہاں سے دوسرے کمرے کی فلم بنائی گئی تھی۔

میں نے کیمرہ اٹھا کر فرش پر پھینک دیا اور ہتھوڑے کی چند ضربوں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ویڈیو فلم کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک الماری میں صرف دو ویڈیو کیسٹیں تھے۔ میں نے دونوں کیسٹ توڑ پھوڑ دیے اور پھر میں نے اور رتنا نے پورا بنگلہ چھان مارا مگر کہیں اور کوئی کیسٹ نہیں ملا۔ سیتا یا تو وہ کیسٹ کہیں اور لے جا چکی تھی یا ان دونوں میں سے کوئی ایک تھا جنہیں میں توڑ پھوڑ چکا تھا۔

رتنا تیاری کرنے لگی۔ اس نے الماری سے اپنا تھیلا نکال لیا۔ میں سیتا کے کمرے سے الماری کے اوپر رکھا ہوا ایک سوٹ کیس بھی اٹھا لایا تھا اور پھر رتنا بھی میرے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی۔ اس نے سیتا کے وارڈ روب سے چند اچھی ساڑھیاں اور کچھ دیگر لباس نکال لئے اور ہم دوبارہ اس کمرے میں

آ گئے۔ رتنا نے پہلے دو ساڑھیاں سوٹ کیس میں بچھائیں۔ پھر اپنے تھیلے کا سامان رکھا اور اس کے اوپر دوسرے کپڑے اور ساڑھیاں رکھنے لگی۔ اس نے اپنا لباس اتار کر سیتا ہی کی ایک ساڑھی پہن لی تھی۔ سوٹ کیس کا تالا لگا کر اس نے چابی اپنے بلاؤز کے گریبان میں ڈال لی۔

اب ہمارے پاس انتظار کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ سیتا نے کہا تھا کہ وہ دوپہر کے کھانے تک واپس آ جائے گی۔ اس وقت ایک بجا تھا اور یہاں دوپہر کا کھانا دو ڈھائی بجے کے قریب کھایا جاتا تھا۔

رتنا نے چائے بنائی جس کے ساتھ وہ کچھ کھانے کو بھی لے آئی تھی۔ چائے پیتے ہوئے میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ سیتا کسی اور کو ساتھ نہ لے آئے۔ ویسے نجانے میرے دل میں یہ شبہ کیوں تھا کہ وہ آج کسی کو ساتھ لے کر آئے گی۔

دو بجے کے قریب کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ رتنا اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اٹھ کر باہر کی طرف لپکا اور گیٹ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے آپ پر بدحواسی سی طاری کر لی تھی۔

گیٹ کھلتے ہی سیتا کار اندر لے آئی۔ وہ اکیلی ہی تھی مگر گارڈ کی جگہ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"گارڈ کہاں مر گیا؟" اس نے کار روک کر پوچھا۔

میں جلدی سے گیٹ بند کر کے کار کے قریب آ گیا

"تم نے کہا تھا کہ یہاں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ ہمارے ساتھ اس طرح دھوکا ہوگا تو"

"کیا ہوا۔۔۔؟ کیا زیادتی ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"تمہارے وہ دونوں مسٹنڈے رتنا کو لے کر کمرے میں گھسے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر رکھا ہے۔ پتا نہیں اب تک وہ اس بے چاری کا کیا حشر کر چکے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"ان کی یہ جرأت کیسے ہوئی۔" سیتا کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔ "میں شوٹ کر دوں گی ان دونوں کو۔" اس نے کار ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور پورچ میں جا کر روک دی۔ اس دوران میں بھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ برآمدے والے دروازے میں ہم اکٹھے ہی داخل ہوئے تھے۔

"وہ اس طرف ہمارے کمرے میں۔" میں نے اشارہ کیا۔

سیتا مجھ سے آگے تھی۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ اندر سے رتنا کی گھٹی گھٹی ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے وہ اپنے آپ کو کسی سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"رگھو۔۔۔ دروازہ کھولو۔" سیتا نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا صرف ایک سیکنڈ بعد دروازہ زوردار جھٹکے سے کھل گیا۔ میں نے سیتا کو زوردار دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی سامنے بیڈ پر اوندھے منہ گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ بیڈ پر گرتے ہی سیدھی ہو گئی تھی۔ اسی لمحہ رتنا بھی دروازے کی آڑ سے نکل آئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔" سیتا ہکلا کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ "رگھو کہاں ہے؟"

"وہ دونوں ٹرک میں پہنچ چکے ہیں اور بہت جلد تمہیں بھی ان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ فلم کہاں ہے؟"

"وہ فلم ایک ایسی جگہ جا چکی ہے جہاں تمہارے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔" سیتا نے جواب دیا۔

"لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے نکل سکو گے۔ اس شہر کی چاروں طرف سے ناکہ بندی ہے۔ چپے چپے پر پولیس کھڑی ہے۔ اس بنگلے سے نکل کر تم چند گز دور نہیں جا سکو گے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں نے تم پر اعتبار کیا لیکن تم مجھے دھوکا دے رہے ہو۔ میں اب بھی اپنے وچن پر قائم ہوں۔ تم نے اگر میرے دونوں آدمی مار دیئے ہیں تو میں انہیں بھول جاؤں گی اور وعدے کے مطابق تمہیں حفاظت سے شہر سے باہر پہنچا دوں گی۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور تمہاری بات مان لی تھی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے سیتا دیوی کہ میں نے پہلے ہی روز تمہیں پہچان لیا تھا کہ تم کون ہو اور ہماری مدد کیوں کر رہی ہو۔ ہمیں بھی پناہ کی تلاش تھی اس لئے ہم خاموشی سے تمہارے ساتھ آ گئے تھے اور میں تمہاری ہر بات مانتا چلا گیا تھا۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ تم ہماری اصلیت معلوم کر لو گی اور ایسا ہی ہوا لیکن تم نے ہمیں سرکار کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دی۔ تمہاری نظریں رتنا پر تھیں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ اس روز کی رزق کمر نے اسے تمہارے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیا تھا۔ تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ رتنا تمہارے لئے سونے کی چڑیا ثابت ہو گی اور تم یہاں کے دولت مندوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹو گی اور جب تم نے ہماری ویڈیو فلم بنائی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کو اس طرح بھی بلیک میل کرتی ہو۔ اتنی دولت ایسے ہی تو اکٹھی نہیں ہو جاتی۔

"رتنا میری وہ ساتھی ہے جس نے ناگ راج اور بیلا کے خلاف جنگ میں قدم قدم پر میرا ساتھ دیا۔ اس نے میری خاطر ایک بار نہیں کئی بار موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکا ہے جو عورت میرے لئے موت کے منہ میں چلی گئی ہو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اس سے دھوکا کروں گا اور اسے تم جیسی شیطان عورت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔"

"تم پچھتاؤ گے۔" سیتا نے کہا اور پھر اس نے اچانک ہی بجلی کی طرح دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

مگر رتنا مجھ سے زیادہ پھرتیلی ثابت ہوئی۔ اس نے جلدی سے ٹانگ آگے کر دی۔ سیتا اس کی ٹانگ سے الجھ کر لڑکھڑاتی ہوئی دروازے میں گری اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتی رتنا نے اسے چھاپ لیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی راہداری میں آ گئیں۔ دونوں کے منہ سے بلیوں جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ میں قریب کھڑا دلچسپ نظروں سے انہیں لڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

دونوں نے ساڑھیاں پہن رکھی تھیں اور دونوں بار بار اپنی ہی ساڑھیوں میں الجھ رہی تھیں۔ دونوں کے بلاؤز پھٹ گئے تھے اور بال چڑیوں کے گھونسلوں کی طرح بکھر گئے تھے۔

رتنا سیتا پر حاوی تھی۔ اس نے جلد ہی سیتا کو نیچے گرا لیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر اس کے نرخرے پر

پنجے جما دیئے۔ سیتا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر رتنا میں نہ جانے اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔ سیتا کی آنکھیں حلقوں سے ابل آئیں۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی سی آواز نکل رہی تھی۔ اس کی قوت مدافعت بھی ختم ہوتی جا رہی تھی اور آخرکار وہ بے حس و حرکت ہو گئی مگر رتنا نے اس کے گلے سے ہاتھ اس وقت تک نہیں ہٹائے جب تک اس کی موت کا یقین نہیں ہو گیا۔

رتنا اسے چھوڑ کر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی دیر تک ہانپتی رہی۔

"اب جلدی سے اٹھ کر اپنا حلیہ درست کر و تاکہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رتنا نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر سیتا والے کمرے میں گھس گئی۔ میں اپنے کمرے سے سوٹ کیس نکال کر لاؤنج میں آ گیا۔

رتنا تقریباً پندرہ منٹ بعد کمرے سے باہر آئی۔ اس نے اپنے بال وغیرہ درست کر کے سیتا ہی کی ایک اور ساڑھی پہن لی تھی۔

ہم دونوں برآمدے میں آ گئے۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور سوٹ کیس اٹھائے برآمدے سے اتر کر کار میں آ گیا۔ چابیوں کا گچھا کار میں لگا ہوا تھا۔ میں نے سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کار اسٹارٹ کر کے لاؤ، میں گیٹ کھولتا ہوں۔"

میں دوڑ کر گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ اس دوران رتنا بھی کار کو گھما کر اس طرف لے آئی۔ میں نے گیٹ کھول دیا تھا۔ رتنا نے کار باہر نکال کر روک لی۔ میں نے گیٹ بند کیا اور کار کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رتنا نے کار دائیں طرف موڑ لی اور اس کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

سیتا نے غلط نہیں کہا تھا۔ شہر میں واقعی چپے چپے پر پولیس موجود تھی۔ اہم سڑکوں پر بعض مقامات پر گاڑیاں روک کر چیکنگ بھی کی جا رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ سب کچھ بیکار تھا۔ تو مجھے کوئی پہچانتا تھا اور نہ ہی رتنا کو۔ بیلا ہی ایک ہستی تھی جو ہم دونوں کی صورت آشنا تھی لیکن ظاہر ہے وہ ایک وقت میں صرف ایک ہی جگہ پر موجود ہو سکتی تھی۔ بیک وقت مختلف جگہوں پر اس کی موجودگی کا تصور محال تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ بیلا نے میرا حلیہ بتا دیا ہو گا لیکن ہر شخص اتنا ذہین نہیں تھا کہ محض بتائے ہوئے حلیے سے کسی کو شناخت کر لیا جائے اور پھر پچھلے تین چار دنوں کے دوران کچھ تبدیلی بھی آ گئی تھی۔ اس دوران شیو کسی حد تک بڑھ گیا تھا اور مونچھیں تو میں نے اسی روز صاف کر دی تھیں جب سیتا ہمیں یہاں لے کر آئی تھی اور پھر بیلا نے مجھے ٹرین میں اکیلے ہی دیکھا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ کوئی اور تھا بھی یا نہیں۔ اگر تھا بھی تو وہ کون تھا۔ کوئی مرد یا عورت؟ بہرحال بہت سی باتیں تھیں جو میری شناخت کے سلسلے میں دوسروں کے لئے الجھن پیدا کر سکتی تھیں۔

رتنا کار کو شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی۔ شہر سے باہر جانے کا راستہ نہ اسے معلوم تھا اور نہ مجھے۔ راستوں سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہم گھومتے ہوئے کلاک ٹاور کی طرف نکل آئے۔

گھنٹا گھر چوک کا یہ علاقہ شہر کا سب سے بارونق علاقہ تھا۔ چیکنگ اس طرف بھی ہو رہی تھی۔

پولیس والے ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے اور میرے خیال میں وہ چند حق تھے جو اس طرح مکمل شناخت کے بغیر کسی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اس علاقے میں لاتعداد ریسٹورنٹ اور کئی چھوٹے بڑے رہائشی ہوٹل بھی تھے۔ ان ہوٹلوں میں لوگ کو شک تو کیا جاسکتا تھا مگر کسی کو تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری تشویش بڑھ رہی تھی۔ اندیشہ اس بات کا تھا کہ اگر سیتا کا کوئی جاننے والا اس کے بنگلے پر پہنچ گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ ظاہر ہے ہمیں سیتا کے بنگلے میں کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر اس کی کار کی تلاش شروع ہو سکتی تھی۔ سیتا اس شہر کی بہت معروف شخصیت تھی اور مجھے یقین تھا کہ بہت سے لوگ اس کی کار کو بھی پہچانتے ہوں گے اور کار ہی شناخت ہمارے لئے مسئلہ بن سکتی تھی۔ سب سے زیادہ اندیشہ مجھے شاردا کی طرف سے تھا۔ وہ آج کسی بھی وقت واپس آ سکتی تھی۔

"اس طرح تو ہم پورے شہر میں گھومتے رہیں گے اور ہمیں باہر جانے کا راستہ نہیں ملے گا۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت ہم نجانے کہاں کہاں گھومتے ہوئے امید بھون کی طرف نکل آئے تھے۔ "بہتر ہوگا کہ کسی سے راستہ پوچھ لیا جائے۔"

رتنا نے کار ایک موڑ پر روک لی جہاں ایک ناریل فروش کی ریڑھی کھڑی تھی۔ ریڑھی کے قریب ایک نوجوان لڑکی اور ایک مرد کھڑا تھا وہ دونوں ناریل میں اسٹرا لگائے اس کا پانی پی رہے تھے۔

"او بھایا۔" میں نے ناریل فروش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مندور جانے کا رستہ کس طرف کو ہے؟"

اس عورت اور مرد نے بھی ہماری طرف دیکھا تھا۔ ریڑھی والا اپنا کام چھوڑ کر کار کے قریب آ گیا اور قدرے جھک کر رتنا کو راستہ سمجھانے لگا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا مگر اس کی نظریں رتنا کے گریبان میں جھانک رہی تھیں۔ رتنا نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

مندور جودھ پور سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر پرانا شہر تھا۔ صدیوں پہلے یہ شہر اس خطے کا مرکز ہوا کرتا تھا مگر جودھ پور کی تعمیر کے بعد یہ شہر ویران ہو گیا تھا۔ اگرچہ اب بھی یہاں آبادی تھی لیکن شہر کی وہ حیثیت نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ یہاں لاتعداد اور قدیم تاریخی عمارتیں تھیں۔ عالیشان محل تھے۔ حویلیاں تھیں اور اب لوگ انہی تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کے لئے یہاں آیا کرتے تھے۔

ہمارا ان قدیم اور تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مندور کی طرف جانے والی سڑک ہی دراصل آگے ناگور کی طرف چلی گئی تھی۔ ناگور اگرچہ تین چار گھنٹوں کے فاصلے پر تھا لیکن وہاں سے ہمیں کسی اور طرف جانے کا راستہ مل سکتا تھا۔

ایک موڑ پر دو پولیس والے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک بیڑی کے کش لگا رہا تھا۔ رتنا نے ان کے قریب کار روک لی۔ دونوں پولیس والے ایک دم ہوشیار ہو گئے۔ رتنا نے ایک پولیس والے کو اشارے سے قریب بلایا تو وہ دونوں بھاگتے چلے آئے۔

"تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ مندور کا راستہ کس طرف ہے۔" رتنا نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ان دونوں نے مختلف سمتوں میں اشارہ کیا تھا۔ ظاہر ہے دونوں طرف سے کوئی نہ کوئی راستہ اس طرف جاتا ہوگا۔

"تم لوگ کس ڈیوٹی پر ہو، میرا مطلب ہے کوئی خاص ڈیوٹی یا گشت؟" رتنا نے اس مرتبہ پھر باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"پورے شہر کی پولیس ایک مفرور کو تلاش کر رہی ہے جی۔" ایک پولیس والے نے جواب دیا۔ "لیکن ہم جانت ہیں کہ وہ مفرور ہندوستان کی سرحد بھی پار کر چکا ہوگا۔"

"اور کیا۔" دوسرے نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "وہ چار دن تک یہاں تو نہیں رکا رہے گا۔ ہم تو یونہی ٹیم پاس کرتے ہیں دیوی جی۔"

ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ ان دونوں نے مجھے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ دونوں رتنا ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ سیتا دیوی کی گاڑی ہے نہ دیوی جی۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ بہت سے لوگ سیتا کی کار کو پہچانتے تھے۔

"ہاں..... یہ سیتا دیوی کی کار ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔ "ہم سیتا کے مہمان ہیں۔ بمبئی سے آئے ہوئے ہیں۔ مندور دیکھنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے، مگر ایک گھنٹے سے بھٹک رہے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کس طرف جانا ہے۔ اس شہر میں نئے آئے ہیں نا، پہلی مرتبہ۔"

"ہم آپ کی کوئی مدد کراں دیوی جی۔" ایک کانسٹیبل نے کہا۔ "ہمارا مطلب ہے۔ آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاواں اور رستہ بتاتا رہاں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" رتنا نے گردن ہلائی اور میری طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دی۔ "ایسا کرو تم دونوں گاڑی میں بیٹھ جاؤ ہم تمہیں انعام دیں گے اور سیتا دیوی سے کہہ کر اور بھی انعام دلوائیں گے۔"

ایک پولیس والے نے فوراً ہی کار کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا مگر دوسرا کچھ ہچکچا رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دروازے کی لاک ناب ہٹا دی۔ وہ پولیس والا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"کیوں بھایا، تم کیوں نہیں بیٹھ رہے؟" میں نے دوسرے پولیس والے سے کہا۔

"ہم کا ڈیوٹی اس سڑک پر ہے صاحب جی۔" اس نے جواب دیا۔ "انسپکٹر صاحب آ گیو تو ہم کا نوکری سے نکال دے گا۔"

"انسپکٹر کچھ نہیں کہے گا۔ تم بیٹھو۔" میں نے کہا۔ "کوئی راستے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ اے سی صاحب نے تمہاری ڈیوٹی ہمارے ساتھ لگائی ہے۔ سیتا دیوی کو تم جانتے ہو، کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ سنبھال لے گی۔"

دوسرا پولیس والا بھی ہچکچاتا ہوا اپنے ساتھی کے پاس پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے پاس کلاشنکوف قسم کی رائفلیں تھیں جو انہوں نے اپنے پیروں کے بیچ میں کھڑی کر لی تھیں۔

"ہمیں راستہ بتاتے رہنا۔" رتنا نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے تو لیجئے بائیں کو موڑ لیو دیوی جی۔ آگے کا رستہ پھر بتاتے رہیں گے۔" ایک پولیس والے نے کہا۔

اگلے موڑ پر رتنا نے کار بائیں طرف موڑ دی اور پھر وہ پولیس والا راستہ بتاتا رہا۔ تقریباً بیس منٹ بعد کار شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ گئی مگر کچھ آگے جانے کے بعد رتنا کو کار کی رفتار کم کرنی پڑی۔

آگے ایک عارضی پولیس چوکی بنی ہوئی تھی اور سڑک پر بیریئر لگا ہوا تھا۔ اس بیریئر کے قریب کم از کم چار پولیس والے نظر آ رہے تھے۔

رتنا نے بیریئر کے قریب پہنچ کر کار روک لی۔ [illegible] دو پولیس والوں نے کار کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک ادھیڑ عمر پولیس والا سڑک سے ذرا ہٹ کر درخت کے سائے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر قریب آ گیا۔ وہ سب انسپکٹر تھا اور ظاہر ہے اس پارٹی کا انچارج وہی تھا۔ اس نے پہلے کار کو دیکھا پھر جھک کر مجھے گھورا اور پھر گھوم کر ڈرائیونگ سائیڈ پر آ گیا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹیبلوں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ ان دونوں نے بیٹھے بیٹھے ہی اپنے اپنے ہاتھ ماتھے پر رکھ دیے تھے۔

"یہ کار تو سیتا دیوی کی ہے۔ آپ لوگ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟" سب انسپکٹر نے جھک کر رتنا سے پوچھا۔ اس کی نظریں بھی رتنا کے چہرے سے پھسلتی ہوئی بلاؤز میں رینگ گئی تھیں۔

"میں سیتا کی کزن ہوں اور یہ میرے پتی ہیں۔" رتنا نے بڑے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "ہم لوگ کل شام کو ممبئی سے آئے ہیں۔ مندور شہر دیکھنے جا رہے ہیں۔ سیتا مصروفیت کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں آ سکی۔ اس نے بتایا تھا کہ یہاں کچھ گڑبڑ ہے اس لیے سیتا کے ایک دوست پولیس آفیسر نے یہ دو کانسٹیبل ہمارے ساتھ کر دیے ہیں۔" رتنا نے بات کرتے ہوئے اس انداز میں پہلو بدلا تھا کہ سب انسپکٹر کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"صرف مندور یا کہیں اور بھی جانے کا ارادہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"صرف مندور۔" رتنا مسکرائی۔ "بڑی تعریف سنی ہے وہاں کی تاریخی عمارتوں کی۔ دو تین گھنٹوں میں واپسی ہو جائے گی۔"

سب انسپکٹر اگرچہ مطمئن ہو گیا تھا۔ ہمارے ساتھ ان دو کانسٹیبلوں کی موجودگی بھی اس کے اطمینان کے لیے کافی تھی۔ لیکن وہ رتنا سے کچھ اور بھی سوال کرتا رہا۔ اس دوران اس نے دو تین مرتبہ میری طرف بھی دیکھا تھا مگر بالکل سرسری سے انداز میں۔ اس کی توجہ کا مرکز تو رتنا تھی اور میں سمجھ گیا کہ وہ سوالات کے بہانے زیادہ سے زیادہ وقت لینا چاہتا تھا تاکہ آنکھوں کو تراوٹ پہنچا سکے۔

"تو کیا اب ہم جا سکتے ہیں آفیسر؟" رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل، آپ جائیے دیوی جی۔" آفیسر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مندور اسی راستے سے ہو گی نا؟"

"کیا کوئی اور راستہ بھی ہے؟" رتنا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ایک دو کچے راستے اور بھی ہیں مگر وہ آپ کے لیے مناسب نہیں ہوں گے۔" سب انسپکٹر نے کہا اور پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے کانسٹیبلوں کو ہدایت کرنے لگا کہ دیوی جی کا خیال رکھا جائے۔

رتنا نے پہلو بدلتے ہوئے سب انسپکٹر کو ترچھی نظروں سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ کچھ دور تک تو کار ہلکی رفتار سے چلتی رہی اور پھر ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھاتی چلی گئی۔

[illegible] کار رہی تھی۔

تیز رفتاری کی وجہ سے مندور پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ قدیم شہر کی تاریخی عمارتیں دور سے ہی نظر آ رہی تھیں۔ یہ سڑک شہر کے پہلو سے گزرتی ہوئی ناگوری کی طرف چلی گئی تھی۔ سڑک کے دائیں طرف بھی اکا دکا عمارتیں نظر آ رہی تھیں مگر شہر کا بڑا حصہ سڑک کے بائیں طرف اور قدرے ہٹ کر تھا۔

"آگے ایک پٹرول پمپ ہے دیوی جی۔" پچھلے بیٹھے ہوئے ایک کانسٹیبل نے کہا۔ "وہاں سے گاڑی بائیں ہاتھ موڑ لیں۔"

پٹرول پمپ کا نام سنتے ہی میں نے کار کے ڈیش بورڈ کی طرف دیکھا۔ رتنا کی نظریں بھی اس طرف اٹھ گئی تھیں۔ فیول بتانے والے ڈائل کی سوئی درمیان میں تھی۔ کانسٹیبل نے بروقت یاد دلایا تھا۔

رتنا نے کار پٹرول پمپ پر روک لی۔ ٹنکی فل کروانے کے بعد میں نے ادائیگی کی اور کار پٹرول پمپ کی حدود سے نکل کر بائیں طرف والی ایک سڑک پر مڑ گئی۔ یہ سڑک مندور شہر کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھی۔

یہ شہر بالکل ویران نہیں تھا۔ مقامی لوگوں کی آبادی بھی تھی اور سیاحوں کی آمد و رفت بھی۔ سڑک کے دونوں طرف بڑی خوبصورت عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

پونے پانچ بجے تھے۔ رتنا نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ قریب ہی ایک ڈھابہ تھا۔ رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔ میں نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر پچاس پچاس روپے ان دونوں کانسٹیبلوں کو دے دیئے۔

"تم دونوں اس ڈھابے پر بیٹھ کر چائے وغیرہ پیو۔ ہم گھوم پھر کر دو تین گھنٹوں میں واپس آ جائیں گے اور اگر واپس نہ آئے تو سمجھ لینا کہ ہم نے کسی راجہ کے محل یا حویلی میں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں تم لوگ بس پر بیٹھ کر واپس چلے جانا۔" کسی محل یا حویلی میں رات گزارنے کی بات کرتے ہوئے میں نے مخصوص انداز میں ایک آنکھ بھی دبا دی تھی۔

کانسٹیبلوں کو اس سے غرض نہیں تھی کہ ہم رات کسی محل میں گزاریں گے یا کھنڈر میں۔ پچاس پچاس روپے ملنے پر ان کی باچھیں کھل گئی تھیں وہ دونوں کار سے اتر گئے۔

"سات بجے تک ہمارا انتظار کرنا اور پھر چلے جانا۔" میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رتنا نے کار آگے بڑھا دی اور پھر شہر سے نکل کر مین روڈ پر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ مین روڈ پر آتے ہی رتنا نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

مندور شہر دور رہ گیا تھا۔ ناگوری کی طرف سے آنے والا ٹریفک بھی اب کم ہو گیا تھا۔ کبھی کوئی مال بردار ٹرک یا بس سامنے سے آتی ہوئی نظر آ جاتی۔

سڑک کے دونوں طرف دور دور تک ریتیلے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ کسی وقت اکا دکا آبادی بھی نظر آ جاتی۔ ان بستیوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہاں کے رہنے والے کیا کرتے تھے۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ریگستان میں اب کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی نظر آ جاتیں [illegible]

سات بجے کے قریب رتنا نے ایک چھوٹی سی بستی میں سڑک کے کنارے ایک ڈھابے کے سامنے کار [illegible]

روک لی۔

"یہاں سے کھانے کی کوئی چیز ملے تو لے لو اور اب گاڑی تم چلاؤ۔ میں تھک گئی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے انجن بند کر دیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔

میں بھی نیچے اتر آیا۔ دو تین دکانیں گھومنے کے بعد کچھ چیزیں مل گئیں جنہیں ہم راستے میں بھی کھا سکتے تھے۔ رتنا پنجر سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

میں پہلی مرتبہ اس کار کے اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ بہت شاندار کار تھی۔ لگتا تھا جیسے ہم جہاز پر سفر کر رہے ہوں۔ ویسے جودھ پور سے بھاگنے میں ہمیں کوئی اور کار بھی مل سکتی تھی۔ ہم گن پوائنٹ پر کوئی بھی کار چھین سکتے تھے مگر سیتا کی اس کار کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ ہمیں شہر سے نکلنے میں آسانی ہوئی تھی۔ سیتا کے نام نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا تھا۔ پہلے وہ دو کانسٹیبل مل گئے جن سے راستہ پوچھنے کے لئے ہم رکے تھے۔ ان کانسٹیبلوں نے سیتا کی کار پہچان لی اور رتنا نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے ان دونوں کانسٹیبلوں کو کار میں بٹھا لیا تھا۔ کار میں ان کانسٹیبلوں کی موجودگی کا بھی ہمیں بڑا فائدہ ہوا چیک پوسٹ پر پولیس آفیسر پہلے سیتا کی کار اور پھر ان کانسٹیبلوں کی وجہ سے بڑی آسانی سے جھانسے میں آ گیا تھا جس سے ہم کسی پریشانی کے بغیر وہاں سے نکل آئے تھے۔

اب ان کانسٹیبلوں اور سب انسپکٹر کا کیا حشر ہوگا؟ اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں تھی۔ اتنا تو مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر سیتا اور اس کے محافظوں کے قتل کا پتا چل جائے گا ہو سکتا ہے اب تک پتہ چل بھی چکا ہو اور ہماری تلاش شروع ہو چکی ہو۔

آگے پہاڑیاں شروع ہو گئی تھیں۔ یہ پہاڑیاں ڈیڑھ دو ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھیں اور دائیں بائیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان پہاڑیوں میں بڑے خطرناک موڑ تھے۔ ڈرائیور کی معمولی سی غفلت موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔ اس لئے میں بہت محتاط ہو کر گاڑی چلا رہا تھا۔

یہ پہاڑی سلسلہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ دوسری طرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ جن پر سبزہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یوں تو یہ کار ائیر کنڈیشنڈ تھی مگر میں نے اے سی بند کر کے دونوں طرف کی کھڑکیوں کے شیشے گرا دیئے تھے۔ تازہ ہوا اے سی سے کہیں بہتر تھی اور اس وقت ہوا میں کسی قدر خنکی اور نمی محسوس ہو رہی تھی جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ قرب و جوار میں کوئی جھیل موجود ہے۔

راجستھان کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بنجر اور بے برگ و گیاہ ریگزار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا خوبصورت علاقہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ یہاں میلوں دور تک ایسے ریگستان بھی پھیلے ہوئے ہیں جہاں زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے ساتھ ہی سبزے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں اور خوبصورت قدرتی جھیلیں بھی ہیں۔

کسی جھیل کے بارے میں میرا خیال درست نکلا تھوڑا ہی آگے جانے کے بعد دائیں طرف ایک موڑ پر سنگرام گڑھ اور سنگرام لیک کا بورڈ نظر آیا۔ ہندی اور انگریزی میں لکھا ہوا یہ بورڈ کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور سے ہی نظر آ گیا تھا۔ کار جیسے ہی اس بورڈ سے آگے نکلی میں نے کار روک لی۔

"کیا ہوا؟" رتنا نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اس طرف سے چلتے ہیں۔" میں نے کار کو ریورس گیئر میں لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میری چھٹی حس کسی خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ نجانے یہ خیال بار بار کیوں آ رہا ہے کہ ہمارا پیچھا ہو رہا ہے اور پیچھا کرنے والے ہمارے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

"پیچھے تو میلوں دور تک کوئی گاڑی نہیں ہے۔" رتنا نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی گاڑی ہوتی تو اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ضرور آتی۔"

"میری چھٹی حس بھی غلط نہیں ہو سکتی۔" میں نے کہا اور کار کو کافی پیچھے لے جا کر بورڈ کے قریب اسی راستے پر موڑ لیا جو ٹیلوں میں بل کھاتا ہوا اندر کی طرف چلا گیا تھا۔

یہ ریت کے ٹیلے نہیں تھے۔ سرخ بھربھری مٹی تھی۔ ہم پیچھے جو پہاڑیاں چھوڑ کر آئے تھے وہ بھی سرخ تھیں۔ ٹیلوں کے درمیان بل کھاتا ہوا راستہ کچا تھا۔ کار کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں ہو سکتی تھی۔

سڑک کے موڑ پر لگے ہوئے بورڈ پر سنگرام کا فاصلہ بارہ کلومیٹر لکھا ہوا تھا لیکن میرے خیال میں یہ فاصلہ بیس کلومیٹر سے کم نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اختتام پر نشیبی علاقہ تھا جہاں کچھ دور ایک بستی کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں...

ٹیلوں سے نکلتے ہی تاڑ اور ناریل کے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جھیل کے کنارے پر آباد سنگرام گڑھ نامی وہ بستی خاصی بڑی تھی اور میرے اندازے کے مطابق اس کی آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ ضرور رہی ہوگی۔ یہاں بجلی نہیں تھی۔ بازار میں مناسب فاصلوں پر لکڑی کے لیمپ پوسٹ لگے ہوئے تھے جن پر کیروسین کے لیمپ جل رہے تھے۔ دکانوں وغیرہ میں بھی پیٹرومکس اور کیروسین کے لیمپ روشن تھے۔

اس بستی کا ایک ہی بازار تھا جہاں خاصی رونق تھی۔ لوگ حیرت سے ہماری کار کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک جگہ کار روک لی۔ قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔

"یہاں کوئی اچھا ریسٹورنٹ ہے۔ میرا مطلب ہے ہوٹل۔" میں نے پوچھا۔

"جھیل پر چلے جاؤ بھائی۔" اس شخص نے مارواڑی زبان میں جواب دیا۔ "ادھر کو مڑ جاؤ، سیدھا جھیل پر پہنچ جاؤ گے۔"

میں نے آگے جا کر کار جھیل کی طرف جانے والے راستے پر موڑ لی۔

جھیل کے کنارے پر ناریل کے درختوں کی بہتات تھی۔ یہاں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین چار ریسٹورنٹ تھے۔ میرے خیال میں اس طرف ٹورسٹ وغیرہ آتے ہوں گے جن کے لئے یہ ریسٹورنٹ بنائے گئے تھے۔

میں نے ایک جگہ گاڑی روک لی اور ہم دونوں نیچے اتر کر ایک ریسٹورنٹ کی طرف چلے گئے جہاں سامنے لان میں چند میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ بیٹھے بھی ہوئے تھے۔ یہ غالباً بستی ہی کے لوگ تھے جو شام کی تفریح کے لئے اس طرف آ گئے تھے۔ تین چار جگہوں پر لکڑی کی بلیوں پر پیٹرومکس ٹنگے ہوئے تھے جن کی روشنی آس پاس کے ماحول کو اجاگر کرنے کے لئے کافی تھی۔

لوگ ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں اور رتنا لان کے کونے کی ایک میز پر بیٹھ گئے۔ اس کے چند منٹ بعد ہی دھوتی اور کرتے میں ملبوس ایک ویٹر ہمارے پاس آ گیا اور کندھے پر پڑی ہوئی میل سی صاف

سے میز صاف کرنے لگا۔

"کافی ملے گی؟" میں نے پوچھا۔

"ضرور ملے گی، بلیک یا ملک والی؟" ویٹر بولا۔

"ملک والی۔" میں نے جواب دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہماری میز پر کافی سرو کر دی گئی۔ خوش ذائقہ کافی تھی۔ ہم ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے اس جھیل اور بستی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ فضا میں مچھلیوں کی بو بھی بسی تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس بستی کے لوگوں کا ذریعہ معاش ماہی گیری تھا۔ وہ اس جھیل سے مچھلیاں پکڑ کر جودھ پور یا ناگور جیسے شہروں میں لے جاتے ہوں گے۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے میری نظریں ان ٹیلوں کی طرف اٹھ گئیں جس طرف سے ہم آئے تھے۔ وہ ٹیلے بلندی پر تھے اور وہاں کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ روشنیاں کبھی سامنے آ جاتیں اور کبھی کسی ٹیلے کی آڑ میں چھپ جاتیں۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔

"رتنا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں کہا۔ "اس گاڑی کی رفتار دیکھ کر مجھے کچھ شبہ ہو رہا ہے۔"

"تو پھر نکل چلو یہاں سے۔" رتنا نے جواب دیا۔

میں نے ویٹر کو بلا کر بل کی رقم ادا کر دی اور پانچ روپے کا نوٹ بخشش کے طور پر بھی دے دیا۔

"ناگور جانے کے لئے ایک راستہ تو وہ ہے۔" میں نے ویٹر کو متوجہ کر کے ٹیلوں کی طرف اشارہ کیا۔ "کوئی دوسرا راستہ بھی ہے؟"

"وہ جھیل کے ساتھ ساتھ چلے جاؤ گے تو تمہیں کوس آگے جہم پورم ہے۔ اس گاؤں سے آگے ایک بہت بڑی ترکی مورتی بنی ہوئی ہے اس کے ساتھ ہی وہ راستہ مین روڈ سے جا ملتا ہے۔"

"ٹھیک ہے دھنے باد۔" میں نے فوراً کرسی چھوڑ دی۔

رتنا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی اور ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کار کے قریب آ گئے۔ رتنا نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی ساڑھی میں چھپا ہوا پستول نکال کر گود میں رکھ دیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے کار ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

لوگوں نے ہمیں یہاں آتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور جاتے ہوئے بھی دیکھ رہے تھے۔ اگر ٹیلوں کی طرف سے آنے والی اس گاڑی میں ہمارے مخالفین ہی تھے تو وہ قصبے میں داخل ہوتے ہی ہمارے بارے میں ضرور پوچھیں گے اور پھر جھیل تک پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی اور میں چاہتا تھا کہ اس دوران اپنے اور ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ حاصل کر لوں۔

میں نے کار کو ویٹر کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا۔ جھیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ یہ راستہ بھی کچا تھا۔ کار کی تیز رفتاری کی وجہ سے گرد بھی اڑ رہی تھی۔ میں نے کھڑکی پر لگا ہوا ایک بٹن دبا کر دونوں طرف کے شیشے چڑھا دیئے اور ایئر کنڈیشنر آن کر دیا۔

رتنا بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ وہ گاڑی ابھی جھیل کی طرف نظر نہیں آئی تھی۔ میں کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ یہ راستہ جھیل کے ساتھ ساتھ تقریباً نصف میل تک چلا گیا تھا اور اس سے آگے جھیل سے دور ہٹتا ہوا ٹیلوں میں داخل ہو گیا تھا۔ شروع میں تو یہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے لیکن آگے جا کر انہوں نے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی صورت اختیار کر لی تھی جن پر جھاڑیاں اور پودے وغیرہ تو تھے مگر کوئی درخت نہیں آ رہا تھا۔

"وہ گاڑی اس ریسٹورنٹ کے قریب رکی ہے جہاں سے ہم اٹھ کر آئے ہیں۔" رتنا نے پیچھے دیکھتے ہوئے بتایا۔

میں نے کار کی رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ اگر یہ ہمارے مخالفین کی گاڑی تھی تو وہ لوگ ہمارے پیچھے آنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ گاڑی سے اتر کر انہیں جیسے ہی پتا چلے گا کہ ہم لوگ یہاں سے نکل گئے ہیں وہ فوراً ہی ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔

ٹیلوں کے بیچ راستہ بل کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ جو بالکل تنگ تھے جس کی وجہ سے رفتار بھی نہیں بڑھ رہی تھی۔ چند موڑ کاٹنے کے بعد سامنے والی چٹان پر کچھ اوپر روشنی پڑتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ گاڑی انہی لوگوں کی تھی۔ کوئی موڑ گھومتے ہوئے اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی سامنے والی چٹان پر پڑی تھی۔ اس گاڑی کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ جودھ پور سے ہمارے تعاقب میں ایک گاڑی نہیں، دو یا ممکن ہے تین گاڑیاں آئی ہوں۔ وہ لوگ راستے میں پڑنے والی بستیوں سے ہمارے بارے میں پوچھتے آ رہے ہوں گے اور یہ بستی چونکہ مین روڈ سے بہت ہٹ کر تھی اس لئے ایک گاڑی اس طرف آ گئی تھی اور باقی گاڑیاں سیدھی مین روڈ پر نکل گئی تھیں اور ممکن ہے جب ہم اس گاؤں سے دوبارہ مین روڈ پر پہنچیں تو وہاں بھی کوئی گاڑی ہماری منتظر ہو۔

رتنا نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں نے بھی کھڑکیوں کے شیشے گرا دیئے تاکہ ضرورت کے وقت فائر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بھی اپنا پستول جیب سے نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ لیا تھا۔ یہ دونوں پستول بلونت آہو جا کے دیئے ہوئے تھے۔ ہم چار دن سیتا کے ہاں رہے تھے مگر اسے اپنے پاس پستول کی موجودگی کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

میں سیتا کو بہت چالاک سمجھتا تھا۔ بعض معاملات میں تو اس نے واقعی بہت چالاکی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے ہماری اصلیت معلوم کر لی تھی مگر ایک معاملے میں وہ دنیا کی سب سے بڑی احمق ثابت ہوئی۔ ہمارے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود اس نے ہمیں اپنے قابو میں رکھنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی گئی تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے باوجود اس نے ہماری نگرانی کے لئے مزید آدمیوں کا انتظام نہیں کیا تھا صرف ایک آدمی پر بھروسہ کیا تھا جو بڑی آسانی سے رتنا کا شکار ہو گئے تھے۔ اس حوالے سے ایک بات میری سمجھ میں آئی تھی۔ وہ یہ کہ رتنا کو دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئی تھی اور اس نے میری بات کا یقین کر لیا تھا کہ میں رتنا کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور اگر میں واقعی اس کی بات مان لیتا تو وہ یقیناً کسی نہ کسی طرح منافقت شروع کر دیتی اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔

پہاڑیوں میں یہ تنگ سا راستہ مزید دشوار اور تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ سامنے سے اگر کوئی چھوٹی کار
آ جائے تو اسے کراس کرنے کے لئے جگہ نہ تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں میں غلط راستے پر تو نہیں آ گیا
لیکن دوسری گاڑی بھی ہمارے پیچھے ہی آئی تھی۔

مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ کسی موقع پر گاڑی جواب نہ دے جائے۔ مرسڈیز کار ایسے پہاڑی راستوں
پر چلنے کے لئے نہیں بنائی گئی تھی۔

ایک اور موڑ گھومتے ہی مجھے کار روک لینی پڑی۔ سامنے ایک عمودی چٹان تھی اور آگے جانے کا
راستہ بند تھا۔ البتہ دائیں طرف ایک تنگ سا راستہ تھا۔ میں نے کار کو کسی قدر ریورس میں لیا اور پھر گیئر بدل
کر اسے اسی تنگ سے راستے پر موڑ دیا۔ کچھ دور تک تو یہ راستہ خاصا تنگ رہا پھر بتدریج کشادہ ہوتا چلا گیا
دو تین موڑ کاٹنے کے بعد ہم ایک بھر پور نشیب کی طرف جانے لگے۔ ایک موڑ گھومتے ہوئے جھیل کے
دوسرے کنارے پر بستی کی روشنیاں بھی دکھائی دی تھیں مگر میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

اور پھر ایک موڑ گھومتے ہی مجھے کار کا بریک پیڈل دبا دینا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر
حلق میں آ گیا۔

سامنے ایک جیپ کھڑی تھی جس کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ جیپ کے آس پاس کسی کی موجودگی
کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں میں وحشت
بھر گئی تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیپ اس طرح کھڑی تھی کہ راستہ بالکل بند ہو گیا تھا۔ پچھلا موڑ تنگ
ہونے کی وجہ سے کار کو ریورس میں بھی نہیں لیا جا سکتا تھا۔

اور پھر اسی لمحہ ویرانے میں ایک آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

''تاجی! تم لوگ ہماری رائفلوں کی زد پر ہو۔ کار کے ہیڈ لیمپس جلتے رہنے دو اور نیچے اتر کر ہماری
روشنی میں آ جاؤ۔ کوئی گڑبڑ کی تو بھون دیے جاؤ گے۔''

مجھے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ بیلا کی آواز تھی!

☆......☆......☆
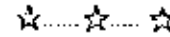
اس وقت مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے
تھے۔ بیلا کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ بیلا کا اتنی جلدی ہمارے تعاقب میں یہاں تک پہنچ جانا
حیرت انگیز تھا اور پھر جس طرح اس نے مجھے گھیرا تھا وہ اس سے زیادہ انوکھی بات تھی۔ میں جھیل کنارے
ریسٹورنٹ کے اس ویٹر کے بارے میں سوچنے لگا جس نے ہمیں پہاڑیوں کی طرف یہ راستہ بتایا تھا۔ میرا
خیال تھا جب ہم ٹیلوں کی طرف گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دیکھ کر آپس میں باتیں کر رہے تھے اور
جس طرح ہم نے ویٹر سے کسی اور راستے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو اسے ہم پر شبہ ہو گیا ہوگا۔ وہ سمجھ
گیا ہوگا کہ ہم کوئی جرم کر کے بھاگے ہیں اور غالباً پولیس ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر
پہاڑیوں میں وہ راستہ بتا دیا تھا جو گھوم کر دوبارہ اس طرف آ نکلتا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ اگر ہم واقعی کوئی
جرم کر کے بھاگے ہوئے ہیں اور پولیس نے ہمیں ان پہاڑیوں میں گھیر کر پکڑ لیا تو اسے بھی انعام میں تھوڑی
بہت رقم مل جائے گی لیکن میں اس طرح آسانی سے گرفت میں آنے والا تو نہیں تھا۔

کار کے ہیڈ لیمپس جل رہے تھے اور میں سامنے کھڑی ہوئی جیپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیلا اور
اس کے ساتھی یقیناً تاریکی میں چھپے ہوں گے۔ وہ جیپ جس جگہ کھڑی تھی وہاں ایک اور راستہ ملتا تھا۔ ایک
راستہ جنگل کی طرف سے آ رہا تھا دوسرا سیدھا آگے نکل گیا تھا اور ہم اس راستے سے گزر کر پہاڑیوں میں
چکر کھاتے یہاں تک پہنچے تھے۔ تیسرا راستہ جیپ کے پچھلی طرف تھا وہ راستہ قدرے کشادہ تھا اور
پہاڑیوں میں اندر کی طرف چلا گیا تھا۔

میں نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا جس جگہ ہماری کار رکی تھی۔ وہ تنگ سی جگہ تھی البتہ
پچاس گز پیچھے کی جگہ اتنی کشادہ تھی کہ وہاں سے کار کو گھمایا جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال
ابھرا۔ اس میں اگرچہ خطرہ بہت زیادہ تھا لیکن آدھا فیصد امکان اس بات کا بھی تھا کہ اگر میں اپنی کوشش
میں کامیاب ہو گیا تو بچ نکلنے کی تھوڑی بہت امید پیدا ہو سکتی تھی۔

میں نے پسنجر سیٹ پر بیٹھی ہوئی رتنا کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ اس نے
پرس میں رکھا ہوا پستول ہاتھ میں پکڑ لیا تھا لیکن بغیر سوچے سمجھے پستول کا استعمال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔
ان کے نرغے میں تھا ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے جبکہ ہم ان کی زد پر تھے۔ وہ ہمیں نشانہ کر رہے تھے۔

''رتنا'' میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ ''تقریباً پچاس گز پیچھے اتنی کشادہ جگہ ہے کہ ہم وہاں سے
کار کو پیچھے موڑ سکیں مگر اصل مسئلہ کار کو وہاں تک لے جانے کا ہے۔ میں جیسے ہی اشارہ کروں نیچے جھک

جاتا۔ میں اگر کار کو ریورس میں وہاں تک لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو ان کے گھیرے سے نکلنے کی کچھ امید پیدا ہو سکتی ہے۔"

"بیلا کے ساتھ پتا نہیں کتنے آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمیں گھیر رکھا ہو گا۔ ایسی کوئی حرکت ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔" رتنا نے کہا۔

"ہمیں خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم آسانی سے خود کو بیلا کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ہم نے بیلا کو جس طرح تکلیفیں پہنچائی ہیں وہ ہم سے ایک ایک بات کا بدلہ لے گی۔ ایسی اذیتوں سے بہتر ہے کہ ہم بچاؤ کی کوشش میں ان کی گولیوں سے چھلنی ہو جائیں۔ تیار ہو جاؤ۔" میرے دونوں ہاتھ سٹیئرنگ پر تھے میں نے بایاں ہاتھ تو سٹیئرنگ پر ہی جمائے رکھا اور دایاں ہاتھ اٹھا کر گیئر لیور پر رکھ لیا۔

"گیئر لیور سے ہاتھ ہٹا لو تاجی۔" بیلا کی آواز سناٹے میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "میں سمجھ رہی ہوں تم کیا کرنا چاہتے ہو مگر تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ بہتر ہے ایسی کوئی حماقت مت کرو۔ ہاتھ ہٹا لو اور رتنا تم بھی اپنا پستول کھڑکی سے باہر پھینک دو۔"

میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ کار کے اندر کی بتی بجھی ہوئی تھی اور مجھے حیرت تھی کہ بیلا نے اندھیرے میں ہماری حرکات کیسے دیکھ لی تھیں۔ اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت صرف بلی میں پائی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی اور جانور میں بھی یہ صلاحیت پائی جاتی ہو لیکن کسی انسان کے بارے میں آج تک نہیں سنا تھا کہ وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا ہے۔

"میں تم لوگوں کو صرف تین سیکنڈ کا وقت دے رہی ہوں۔" بیلا کی آواز سنائی دی۔ "رتنا پستول پھینک دو اور تم دونوں کار سے باہر آ جاؤ۔"

اور پھر ٹھیک اسی لمحے فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ کئی گولیاں کار کے بانٹ پر لگیں۔ بانٹ میں سوراخ ہو گئے اور ظاہر ہے ان گولیوں سے انجن کو بھی نقصان پہنچا ہو گا۔

"اگر تین سیکنڈ میں تم لوگوں نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا تو گولیوں کی اگلی بوچھاڑ تم دونوں کے جسموں پر برسے گی۔" بیلا کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے پہلے سے قدرے اونچی آواز میں ایک کہا۔ دو کی آواز سنائی دی۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اس نے پستول کھڑکی کے کھلے ہوئے شیشے سے باہر پھینک دیا اور میں نے بھی گیئر لیور سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"گڈ" بیلا کی آواز سنائی دی۔ "اب تم لوگ شرافت سے کار سے باہر آ جاؤ، اچھے بچوں کی طرح۔"

رتنا میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے کندھے اچکائے اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ رتنا بھی کار سے اتر گئی تھی۔

"تم دونوں جیپ کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ۔" بیلا نے اگلا حکم دیا۔ "اور تم دونوں کے ہاتھ اپنی اپنی گردن پر ہونے چاہئیں۔"

میں نے رتنا کو اشارہ کیا اس نے دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ لئے۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ

اپنی گردن پر رکھے اور رتنا کو اشارہ کرتا ہوا جیپ کی طرف چلنے لگا۔ جیپ کے قریب پہنچ کر ہم رک گئے۔ میرے اور رتنا کے بیچ تین چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ ہم دونوں مکمل طور پر اپنی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔ ہماری کوئی بھی حرکت بیلا اور اس کے ساتھیوں کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی اور میرا خیال ہے ہم پہلی ہی دوڑ میں بلی کی آنکھوں والی بیلا ہمیں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ بیلا کئی مرتبہ میرے ساتھ رہ چکی تھی۔ کئی مہینوں سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ موت کی آنکھ مچولی کھیل رہے تھے لیکن بیلا کی اندھیرے میں دیکھنے والی صلاحیت پہلی مرتبہ میرے علم میں آئی تھی۔

میں دونوں ہاتھ گردن پر رکھے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ میری آنکھیں ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں چندھیا رہی تھیں۔ اطراف میں پہاڑیوں پر تاریکی تھی۔ بیلا اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے۔

ایک طرف سے پتھر لڑھکنے کی آواز سن کر میں چونک گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سنائی دیتی رہی اور پھر دھب کی ایک بھاری آواز سنائی دی۔ کسی نے پہاڑی ڈھلان پر چند فٹ اوپر سے چھلانگ لگائی تھی اور پھر ایک انسانی ہیولہ چند قدم آگے بڑھ کر ہماری کار کے قریب رک گیا۔ وہ ہیولا کار کے ہیڈ لیمپ سے تقریباً ایک فٹ پیچھے کھڑا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی چھنی ہوئی تھی اور ہیڈ لیمپ کے قریب اس پھیلاؤ کے مدھم سے پس منظر میں اس ہیولے کو میں نے پہچان لیا وہ بیلا تھی۔

اس کے ہاتھ میں کار اوف رائفل تھی اور میں اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ بھی دیکھ سکتا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" بیلا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ یہاں تک پہنچ گئے۔ میرے حساب سے تو تمہیں ماؤنٹ آبو میں ہی گھیر لینا چاہئے تھا۔ وہاں میں ہی بھاگ دوڑ کے قابل نہیں رہی تھی جس سے تمہیں وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔"

پہاڑیوں میں کھنڈر والے مندر سے، جہاں ہم نے ناگ راج کو ٹھکانے لگایا تھا، فرار ہونے کے بعد دوسری مرتبہ بیلا سے آمنا سامنا ہوا تھا۔

"تمہارے اتنی جلدی ریکور ہونے پر مجھے واقعی حیرت ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ سب میری ول پاور کا چمتکار ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "بھیرو اور تم نے تو مجھے مفلوج کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میری جگہ کوئی عورت تو کیا کوئی مرد بھی ہوتا تو اتنے گھاؤ کھانے کے بعد کم از کم ایک مہینہ بستر سے نہ اٹھ پاتا۔"

"ہاں یہ تو واقعی درست کہا تم نے لیکن۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ واقعی تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہم ان پہاڑیوں میں پھنس کر تمہارے ہاتھ لگ گئے۔ اگر ریسٹورنٹ کا ویٹر ہمیں دھوکا نہ دیتا تو شاید تم ساری زندگی میری صورت بھی دیکھنے کو ترستی رہتیں۔"

"کیسا دھوکا۔" وہ چونک سی گئی۔ "ویٹر نے تمہیں کیا دھوکا دیا؟"

"اس نے شاید تاڑ لیا تھا کہ ہم کوئی جرم کر کے بھاگے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس نے

گاڑی کے دوسری طرف ٹیلوں میں آتی ہوئی تمہاری جیپ کی روشنی بھی دیکھ لی تھی جسے وہ پولیس کی جیپ سمجھا ہوگا جو ہمارے تعاقب میں آرہی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر ہمیں اس طرف بھیج دیا تھا کہ چم پودم کا راستہ ان پہاڑیوں میں سے جاتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہمارے تعاقب میں آنے والی پولیس کو بتا دے گا۔ ہم پکڑے جائیں گے تو اسے بھی کچھ انعام ملے گا۔"

"تم غلط سمجھے، ویٹر نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا۔" بیلا نے کہا۔ "اس نے چم پودم کی طرف جانے والے راستے کی بالکل درست نشاندہی کی تھی۔ غلطی تو تمہاری تھی جو ان بھول بھلیوں میں صحیح راستہ تلاش نہیں کر سکے۔ نئے آنے والے اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔

"جیپ کے پچھلی طرف چٹانوں میں وہ راستہ دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس طرف مڑ جاتے تو میں واقعی جیون بھر تمہاری صورت دیکھنے کو ترستی رہتی لیکن تم یہاں سے سیدھے نکل گئے تھے۔ پہلی مرتبہ اس طرف آنے والے اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں اور انہیں چٹانوں میں بل کھاتے ہوئے تنگ سے راستے پر چکر کھاتے ہوئے اس طرف آنا پڑتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ "یہاں پہنچ کر ہم نے آگے دھول اڑتی دیکھی تو میں سمجھ گئی کہ تم لوگ دھوکا کھا گئے ہو اور یا تو اسی راستے سے واپس آؤ گے یا گھوم کر اس طرف سے آؤ گے جہاں سے اب آ رہے ہو۔ اس لئے میں نے تمہارے پیچھے جانے کے بجائے یہیں رک کر تمہارا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔"

اس وضاحت کے بعد ریسٹورنٹ کے ویٹر پر غصہ کرنے کی واقعی کوئی وجہ نہیں تھی۔

"چلو۔ یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ غلطی میری تھی۔" میں نے کہا۔ میں اسے باتوں میں لگا کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ کتنے آدمی تھے۔ ابھی تک تو کوئی بھی سامنے نہیں آیا تھا۔ "لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم جودھ پور سے اسی طرف نکلے ہیں ہم جے پور یا پھر ان کی طرف بھی جا سکتے تھے۔"

"تم اپنے جرائم کی فہرست میں خود ہی بڑھوتری کرتے جا رہے ہو لیکن تمہیں ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا۔" بیلا نے جواب دیا۔ "ہم تمہیں جودھ پور ریلوے سٹیشن یا اس کے آس پاس ہی پکڑ لیتے لیکن تم لوگ سیتا کے ہاتھ لگ گئے۔ سیتا اونچے درجے کی طوائف ہے وہ بھی کہ شاید تم رتنا کو نہیں سے بھگا کر لائے ہو۔ وہ تمہیں بھگا کر رتنا پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ چھپ جانے سے تم لوگ چند روز کیلئے محفوظ ہو گئے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ چلا" میرا مطلب ہے کہ سیتا کو ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا اور وہ بھیلہ جو سکے سے اپنے گھر لے آئی تھی؟" میں نے کسی قدر چونکتے ہوئے کہا۔

"تم شاید سیتا کی ملازمہ شاردا کو بھول گئے ہو۔" بیلا نے جواب دیا۔ "شاردا کی ماں کا دیہانت ہو گیا تھا اور وہ اودھے پور چلی گئی تھی۔ اس دوران تم لوگوں کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ اگر بات صرف سیتا کی حیا کی ہوتی تو سمجھ میں آ گئی تھی لیکن مجھے حیرت ہے تم لوگوں نے ان دو بے چارے محافظوں کو کیسے ٹھکانے لگایا ہوگا۔ انہیں خاص طور پر ہدایت کی گئی ہوگی کہ تم لوگوں پر نگاہ رکھی جائے۔"

"عورت کے حسن میں بڑی طاقت ہے۔ اس حقیقت سے تم بھی واقف ہو گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔" بات بیلا کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ "بہرحال۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ہم

لوگوں کے کوٹھی سے نکلنے کے تقریباً دو گھنٹوں بعد شاردا اودھے پور سے واپس آ گئی۔ اس نے کوٹھی میں سیتا اور محافظوں کی لاشیں دیکھیں تو سمجھ گئی کہ یہ سب تم دونوں کا کیا دھرا ہے۔ سیتا نے تم دونوں کی اصلیت بھی معلوم کر لی تھی اور اس نے شاردا کو بھی بتا دیا تھا اسے یقین تھا کہ تم اپنی جان بچانے کیلئے رتنا کو اس کے حوالے کر کے چلے جاؤ گے۔ بہرحال، شاردا نے واپس آ کر کوٹھی میں وہ خوفناک منظر دیکھا تو اس نے فوراً ہی سیتا کے ایک جاننے والے پولیس انسپکٹر کو فون کر دیا اور پولیس انسپکٹر کے پہنچنے پر شاردا نے تم دونوں کے بارے میں بتا دیا۔

"جودھ پور کی ساری پولیس اس وقت میرے تابع ہے اور میرے احکامات پر شہر کی ناکہ بندی کر کے تم دونوں کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ شاردا سے معلوم ہونے کے بعد انسپکٹر نے مجھے فون پر اطلاع دی اور میں بھی سیتا کی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ میں نے خود شاردا سے ساری باتیں پوچھیں۔ اس نے بتا دیا کہ سیتا کو پتہ چل گیا تھا کہ تم دونوں وہی ہو جنہیں شہر میں تلاش کیا جا رہا ہے لیکن اسے دیش سے زیادہ اپنا ذاتی مفاد عزیز تھا۔ اس لئے اس نے تم دونوں کو چھپائے رکھا۔

"میں شاردا سے کرید کرید کر پوچھتی رہی اور پھر شاردا نے بتایا کہ سیتا کی کار بھی موجود نہیں ہے تو میں ایک دم اچھل پڑی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تم لوگ سیتا کی گاڑی پر فرار ہوئے ہو گے۔ میں نے وہیں سے فون پر پولیس ہیڈکوارٹر کو سیتا کی گاڑی کے بارے میں اطلاع دی اور سیتا کی کوٹھی کے معاملات انسپکٹر کے سپرد کر کے خود بھی پولیس ہیڈکوارٹر پہنچ گئی۔

"پولیس ہیڈکوارٹر کے کنٹرول روم سے سیتا کی کار کے بارے میں پیغام نشر کیا جا چکا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد مندور روڈ پر قائم کی گئی چوکی سے اطلاع ملی کہ سیتا کی کار مندور کی طرف گئی ہے جس میں سیتا کے مہمان تھے اور ان کی حفاظت کیلئے دو کانسٹیبل بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نے فوراً ہی مندور کی طرف دوڑ لگا دی۔ چوکی انچارج نے تم دونوں کے حلیے بتا کر میرے شبہ کی تصدیق کر دی۔ میں وہاں رکے بغیر آگے روانہ ہو گئی۔ مندور میں ایک جگہ مجھے دونوں کانسٹیبل بھی مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ تم لوگ انہیں ایک جگہ چھوڑ کر مندور کی تاریخی عمارتیں دیکھنے گئے ہوئے ہو اور واپس وہیں آؤ گے۔

میں ان کی طرح بے وقوف نہیں تھی کہ وہیں بیٹھ کر تم لوگوں کی واپسی کا انتظار کرتی اور مجھے یقین تھا کہ اب تک تم بہت دور نکل چکے ہو گے۔ میں نے مندور میں رکے بغیر جیپ کو دوڑا دیا۔

"راستے میں سنگرام نگر اور سنگرام جھیل کا بورڈ دیکھ کر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ تعاقب سے بچنے کیلئے تم راستے میں کسی ایسی جگہ پناہ لے سکتے ہو جس کے بارے میں شبہ نہ کیا جا سکے۔ میں نے جیپ سنگرام نگر کی طرف موڑ لی۔ گاؤں میں سیتا کی گاڑی کے بارے میں پوچھا تو میرے شبے کی تصدیق ہو گئی اور پتہ چلا کہ تم لوگ جھیل کی طرف گئے ہو۔ جھیل کے ریسٹورنٹ کے ویٹر نے بتایا کہ تم لوگ اس پہاڑی راستے سے چم پودم کی طرف گئے ہو۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر تمہارا تعاقب جاری رکھا اور اس طرف اڑتی ہوئی دھول نے بتایا کہ تم لوگ کس طرف گئے ہو۔ اس لئے میں یہاں رک کر تمہارا انتظار کرنے لگی اور مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔"

"تم اب تک صرف میں کا لفظ استعمال کرتی رہی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اکیلی ہو اور واقعی بہت بہادر ہو۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"تمہاری چالاکیوں اور تمام ہتھکنڈوں سے واقف ہونے کے بعد تو مجھے فوج کا ایک دستہ ساتھ لانا چاہئے تھا لیکن میرے ساتھ نہ فوج کا دستہ ہے اور نہ ہی میں اکیلی ہوں۔" بیلا نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ ایک ہی آدمی ہے اور میں تمہیں یقین دلا دینا چاہتی ہوں کہ اس مرتبہ تمہاری کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر ایک طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولی۔ "رتام سنگھ، اب مجھے تمہاری ضرورت ہے آگے آجاؤ۔"

اس مرتبہ دوسری طرف سے پتھر لڑھکنے کی آواز سنائی دی اور پھر ایک آدمی سامنے آگیا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا اور وہ مضبوط جسم کا مالک تھا۔ سر پر اورنج رنگ کی پگڑی اور لباس خالص راجستھانی تھا۔ داڑھی صاف تھی، مونچھیں زیادہ بڑی نہیں تھیں مگر کناروں سے اوپر کو بل کھائے ہوئے تھیں۔ اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جو کار کے ہیڈلیمپس کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ رتنا سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

بیلا بھی آگے آ گئی اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس نے آنکھوں پر عینک لگا رکھی تھی۔ عینک کے شیشے نہ تو سفید تھے اور نہ ہی تاریک شیشوں میں نیلاہٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔

"رانا" بیلا نے رتام سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہی وہ رقاصہ ہے جس نے پچھلے چھ مہینوں سے ہمیں انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ ہمارے سارے منصوبے اس نے خاک میں ملا دیئے ہیں۔ تمہارے گروناگ راج کا قتل بھی یہی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ تم ان کی سیوا کیسے کرتے ہو۔ لیکن یہاں نہیں پہلے انہیں باندھ کر جیپ میں ڈالو باقی کام آشرم پہنچ کر کریں گے۔"

"ان کی سیوا تو میں ایسی کروں گا بیلا رانی کہ یہ کئی جنموں تک رانا رتام سنگھ کو یاد رکھیں گے۔" رانا نے کہا اور خنجر کمر پر باندھے ہوئے پٹے میں چمڑے کے ہولسٹر میں اڑس لیا اور جیپ کے دوسری طرف چلا گیا۔ جیپ میں رسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ایک رسی اٹھا کر رتنا کے سامنے آگیا۔

"ارے بیلا رانی" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ چھوکری تو بڑے غضب کی ہے اس کو تو ذرا سے کھاتے میں ڈال دو۔"

"یہ تمہارے ہی کھاتے میں جائے گی۔" بیلا نے جواب دیا۔ "فی الحال اس کے ہاتھ باندھ کر جیپ میں ڈال دو۔"

"پلٹ کے کھڑی ہو چھوکری اور ہاتھ پیچھے کر لو۔" رانا رتام سنگھ رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔

رتنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے گردن پر رکھے ہوئے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ اس کے چہرے پر شدید تناؤ تھا اور آنکھوں میں بھری ہوئی وحشت صاف نظر آرہی تھی۔

"تمہارے چہرے پر خوف! مجھے حیرت ہے۔" بیلا کہتے ہوئے قریب آگئی۔ یہ بات اس نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہی تھی۔ "تم تو بہت بہادر ہو۔ تم نے تو اس سورما کے ساتھ مل کر بڑے بڑے

کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اگر تم بچ کر نکل جاتیں تو مجھے افسوس ہوتا رانا تم جیسی حسین عورتوں کی سیوا کرنے میں بڑا ماہر ہے۔ یہ عورتوں کی سیوا کے بڑے بڑے گُن جانتا ہے۔"

"اور شاید تم اس کے گُنوں کا مزا چکھ چکی ہو۔" رتنا نے جواب دیا۔

بیلا کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔ اس نے کارا کوف بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور رتنا کو تھپڑ مارنے کیلئے اس کی طرف لپکی۔ میری آنکھوں میں ایک دم چمک سی ابھر آئی۔ بیلا نے خود ہی ایک موقع فراہم کر دیا تھا اور میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے طاقتور سپرنگ کی طرح اچھلا۔ میرے پیر کی ٹھوکر بیلا کے رائفل والے ہاتھ پر لگی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے گری نہیں لیکن بیلا لڑکھڑا گئی۔ وہ رتنا کو تھپڑ مارنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے دوسرا ہاتھ بھی رائفل پر جما دیا لیکن میں نے اسے رائفل سیدھی کرنے کا موقع نہیں دیا۔

دوسری طرف رتنا نے بھی اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ خاصی قدآور عورت تھی۔ اس نے اچھل کر رانا رتام سنگھ کے منہ پر سر کی زوردار ٹکر ماردی۔ ٹکر رانا کی ناک پر لگی تھی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنی ناک پر پہنچ گیا، دوسرے ہاتھ سے اس نے رتنا کو پکڑنے کی کوشش کی مگر صرف ساڑھی کا پلو اس کے ہاتھ میں آسکا۔ رتنا دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دے کر چکراتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ رانا نے اب ساڑھی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور رتنا کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا مگر اسے شاید اس کی پرواہ نہیں تھی۔ رتنا اپنی جگہ پر لکڑی کے لٹو کی طرح گھوم رہی تھی جس سے اس کی ساڑھی کے بل کھلتے چلے گئے۔ آخر میں ساڑھی اس کی ٹانگوں میں الجھ گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ ساڑھی پوری کی پوری رانا کے ہاتھ میں آچکی تھی جسے اس نے ایک طرف پھینک دیا۔

"تمہارے کو تو میں کچا کھا جاؤں اور ڈکار نہ لوں چھوکری۔" رانا غراتا ہوا رتنا کی طرف بڑھا۔

میں بیلا میں الجھا ہوا تھا۔ ہم دونوں میں رائفل کیلئے کشمکش ہورہی تھی۔ اس وقت بیلا میں بے پناہ طاقت آگئی تھی۔ رائفل پر اس کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ کھینچا تانی میں ٹریگر دب گیا، گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ رانا رتام سنگھ کی چیخوں کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے اس کے ایک پیر میں سوراخ کر دیئے تھے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹیڑھا ترچھا گر گیا تھا مگر گرتے ہوئے بھی اس نے رتنا کو گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی مگر رتنا بڑی پھرتی سے لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گئی۔ اگر رتنا اس کی گرفت میں آجاتی تو وہ اس کی گردن ہی مروڑ دیتا۔ رانا کے غالباً دائیں پیر پر کم از کم دو گولیاں لگی تھیں۔ یقیناً ہڈیاں بھی ٹوٹ گئی ہوں گی۔ اس کی ناک سے بھی خون بہہ رہا تھا لیکن وہ بڑا ڈھیٹ ثابت ہوا تھا اتنی تکلیف کے باوجود دوبارہ رتنا کی طرف لپکا تھا۔ رتنا بھی اب پوری طرح فارم میں تھی اسے احساس تھا کہ وہ اس وقت زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔ معمولی سی سستی یا غفلت اسے موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

رانا رتام سنگھ کڑیل جوان تھا۔ ناک پر لگنے والی ٹکر اور پیر میں لگنے والی گولیوں نے اسے مفلوج نہیں کیا تھا۔ وہ اٹھ کر غراتا ہوا ایک بار پھر رتنا کی طرف لپکا۔ رتنا نے اس مرتبہ وہ حربہ استعمال کیا جو کسی بھی

مرد کو کچھ دیر کیلئے تو مفلوج کر سکتا تھا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر بڑے زور سے رانا کی ٹانگوں کے بیچ میں لگی رانا اس مرتبہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا اور دوہرا ہوتا چلا گیا۔ پگڑی بھی کھل کر گلے کا ہار بن گئی تھی۔ رتنا نے اس کی پگڑی کو گردن پر بل دے کر دونوں طرف سے پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگی۔

بیلا میرے لئے عذاب جان بنتی جا رہی تھی۔ میں نے رائفل تو اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دی تھی مگر وہ جونک کی طرح مجھ سے لپٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے نوکیلے ناخنوں سے میری گردن پر کچھ خراشیں بھی آ گئی تھیں جن میں شدید جلن ہو رہی تھی اور پھر بیلا نے میرے خلاف بھی وہی حربہ استعمال کیا جو رتنا نے رانا کیخلاف استعمال کیا تھا۔ میری ٹانگوں کے بیچ میں لگنے والی ٹھوکر بڑی قیامت خیز ثابت ہوئی تھی۔ میں بری طرح چیخ اٹھا۔ بیلا نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور دونوں ہاتھ ملا کر کسی ریسلر کی طرح میری گردن پر زوردار دوہتڑ مار دیا۔ میں منہ کے بل نیچے گرا۔

میرا خیال تھا بیلا مجھ پر اس طرح کا کوئی دوسرا وار کرے گی لیکن وہ حملہ کرنے کے بجائے دو تین گز دور پڑی ہوئی رائفل کی طرف لپکی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ سن کر میں چونک گیا۔

رتنا نے میری چیخ سن لی تھی اور پھر اس نے بیلا کو رائفل کی طرف لپکتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ رانا کو چھوڑ کر بیلا کی طرف لپکی اور اسے آدھے راستے ہی میں جا لیا۔ رتنا کی ٹکر لگنے سے بیلا لڑکھڑا کر پتھروں پر گری اور اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ نے ہی مجھے اس طرف متوجہ کیا تھا۔ رتنا نے بیلا کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اسے ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور لپک کر رائفل اٹھا لی۔

"اب کوئی حرکت کی تو بھون ڈالوں گی گولیوں سے۔" رتنا بیلا کو رائفل کی زد میں لے کر غرائی۔

میں بھی اس وقت تک سنبھل چکا تھا۔ جیسے ہی میں نے بیلا کی طرف دیکھا اور پھر رتنا کی طرف دیکھتے ہی چیخ اٹھا۔ رانا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے خنجر کو نوک کی طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ رتنا پر خنجر پھینکنے کیلئے پر تول رہا تھا۔

"رتنا بچو۔" میں چیخا۔

رتنا بڑی پھرتی سے ایک طرف جھک گئی اور خنجر زن کی آواز سے اس کے قریب سے گزر گیا۔ رتنا فوراً ہی سنبھل گئی۔ اس نے رائفل رانا کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑاتی ہوئی کئی گولیاں رانا کے جسم کے مختلف حصوں میں پیوست ہو گئیں۔ اس کے حلق سے نکلنے والی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی۔

بیلا نے اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر سے دوبارہ زمین پر گر گئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ بازی پلٹ گئی تھی۔ چند منٹ پہلے ہم ان کے رحم و کرم پر تھے لیکن اب وہ اپنا سب کچھ ہار چکی تھی۔ رتنا نے جس بے رحمی سے رانا رتلام سنگھ کو گولیوں سے چھلنی کیا تھا اس نے بیلا کو بھی دہلا کر رکھ دیا تھا۔

میں نے رتنا کو پہلے بھی لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ آج دن میں تو بینڈ سے اس کی دھواں دھار قسم کی فائٹ ہوئی تھی مگر وہ عورتوں کی لڑائی تھی اور اب رتنا نے جس طرح رانا کو رگیدا اور گھسیٹا تھا وہ قابل تعریف تھا۔ میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کروں گا کہ میری نئی زندگی رتنا ہی کی مرہون منت تھی۔ اگر وہ وقت پر کارروائی کر کے رائفل پر قبضہ نہ کر لیتی تو اس وقت ہم زمین پر پڑے ہوتے اور بیلا ہم سے حساب

کتاب کر رہی ہوتی اور رانا رتنا کا جو حشر کرتا وہ تو میں جانتا ہی تھا۔ وہ بے پور پہنچنے کا انتظار نہ کرتا بلکہ اسی جگہ رتنا کے بخیے ادھیڑ دیتا۔

میری ناف کے نچلے حصے میں اب بھی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کم بخت بیلا نے بڑی زوردار ٹھوکر ماری تھی۔ میں اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا چند قدم دور تک گیا اور پھر واپس آ گیا۔ اس طرح تھوڑی دیر چلنے سے میری حالت کچھ بہتر ہو گئی۔

"تم خوش قسمت ہو کہ رتنا نے رائفل کا رخ تمہاری طرف نہیں کر دیا۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب کیا ارادہ ہے یہیں پڑی رہو گی یا ہمارے ساتھ جانا چاہتی ہو۔"

"میرا تو خیال ہے کہ اسے بھی یہیں ختم کر دیا جائے۔" بیلا سے پہلے رتنا بول پڑی۔ "اس کا قصہ ہی ختم ہو جانا چاہئے اگر یہ بچ کر نکل گئی تو ہمارے لئے اسی طرح قدم قدم پر دشواریاں پیدا کرتی رہے گی۔" اس نے رائفل کا رخ بیلا کی طرف کر دیا اور انگلی ٹریگر پر رکھ لی۔

"نہیں رتنا" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہماری زندگی کی ضمانت ہے۔ قدم قدم پر ہمارے کام آئے گی۔ ابھی تک ہم ڈینجر زون میں ہیں، خطرے سے نکلنے کے بعد کوئی مناسب موقع دیکھ کر ہم اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔"

بیلا کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے اس نے پہلے رتنا کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اب تک یہ سب کچھ کھیل ہو رہا ہو۔ خوف کے سائے بھی اس کے چہرے سے ایک دم غائب ہو گئے تھے اور حیرت انگیز طور پر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے اٹھا دیا۔ وہ اس طرح اپنے کپڑے جھاڑنے لگی جیسے یہ سب کچھ مذاق تھا۔ میں تقریباً چھ مہینوں سے بیلا سے زندگی اور موت کی آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اس کی فطرت سے بڑی حد تک واقف ہو چکا تھا۔ اس کے ہتھکنڈوں اور چالاکیوں سے واقف تھا۔ اس نے اگرچہ اس وقت ہتھیار ڈال دیئے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ موقع ملتے ہی کوئی نہ کوئی حرکت کر گزرے گی۔ میں بڑی گہری نظروں سے اس کی حرکتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس کی جیب میں کوئی پستول وغیرہ ہو گا۔

میں بیلا نے جسم کو اوپر سے نیچے تک ٹٹول ڈالا۔ اس کے پاس خنجر یا پستول نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں اس کے سامنے آ گیا۔

"تسلی ہو گئی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ "اس وقت تو میں ہار مان گئی لیکن یہ زندگی کی آخری بازی نہیں ہے۔ میں جیون کے آخری لمحوں تک مزاحمت جاری رکھوں گی۔ تمہیں اپنے دیش کی سرحد سے نکلنے نہیں دوں گی لیکن کاش! تم ہمارے آدمی ہوتے۔" آخری بات کہتے ہوئے اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"دوسروں کو پیار محبت اور اخلاق سے اپنا بنایا جاتا ہے دہشت گردی سے نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم لوگ خلوص نیت سے ہمارے ملک کے وجود کو تسلیم کر لیتے تو آج یہ صورتحال نہ ہوتی۔ ہم

ایک دوسرے کی دشمنی میں اپنی توانائی ضائع نہ کر رہے ہوتے۔ یہ ساری توانائیاں اپنے اپنے عوام کو خوشحال بنانے میں صرف ہوتیں تو آج برصغیر کے ان دونوں ممالک کو پسماندہ تسلیم نہ کیا گیا ہوتا لیکن تمہاری سرکار نے ہمارے وجود کو اپنے لئے خطرہ سمجھا اور شروع ہی سے ہمارے وجود کو مٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"تقریر اچھی کر لیتے ہو۔" بیلا نے کہا۔ "ہے کیا ارادہ ہے، انہی ویران پہاڑیوں میں زندگی گزارنا چاہتے ہو کیا؟"

"پروگرام یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ چلو گی۔" میں نے کہا۔ "مگر اس طرح نہیں، مجھے اب تم پر اعتبار نہیں رہا بلکہ شروع ہی سے تم پر اعتبار نہیں تھا۔ ہاتھ پیر باندھ کر تمہیں جیپ میں ڈال دیا جائے گا اگر میں تمہیں رتنا کے حوالے کر دوں تو یہ شاید تمہیں ایک منٹ بھی زندہ رکھنا پسند نہ کرے۔ تم میری بدترین دشمن ہو۔ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنے میں تمہارا بڑا ہاتھ ہے لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ میں تمہیں جان سے نہیں مارنا چاہتا یا یہ کہ میں اپنے ہاتھوں سے یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال اس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا کہ تمہارا کیا کیا جائے۔ فی الحال تو میں تمہارے ہاتھ پیر باندھنا چاہتا ہوں۔"

میں نے جیپ سے وہی رسی اٹھا لی جس سے رات رتنا مجھ کو باندھنا چاہتا تھا۔ پہلے میں نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اسے اٹھا کر جیپ کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور اس کے پیر باندھنے لگا۔

"میری ایک آفر ہے نانی۔" بیلا نے کن انکھیوں سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "اس حرافہ سے پیچھا چھڑا لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ پاکستان بھی جا سکتی ہوں۔ حفاظت سے سرحد پار کرانا میرا کام ہے۔"

"میں فی الحال زندگی کی سرحد پار نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے کہا۔

"اگر میں یہ چاہتی تو بہت پہلے تمہیں زندگی کی سرحد پار کرا چکی ہوتی۔" بیلا نے کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ تم سے اتنا لگاؤ کیوں ہو گیا ہے کہ۔۔"

"میں اس وقت کوئی پریم کہانی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور اس کے پیروں میں رسی کی گرہ لگا کر اٹھ گیا۔

"میرا خیال ہے تم اس جیپ پر جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔" بیلا نے کہا۔ "اس گاڑی کا کیا کرو گے؟" اس نے ہٹا والی کار کی طرف دیکھا۔

"یہ گاڑی میری نہیں ہے۔ اسے یہاں چھوڑ دیا جائے تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہو گا اور میرا خیال ہے ویسے بھی یہ گاڑی اب استعمال کے قابل نہیں رہی۔ تمہاری چلائی ہوئی گولیوں نے اس کے انجن میں ضرور کوئی گڑبڑ کی ہو گی اور میرے خیال میں اس علاقے میں سفر کرنے کیلئے جیپ سے بہتر اور کوئی سواری نہیں ہو سکتی۔"

"یہ پولیس کی جیپ ہے۔" بیلا نے کہا۔ "تمہارے لئے کسی مصیبت کا باعث بھی بن سکتی ہے۔"

"مصیبتوں سے تو نمٹتے آ رہے ہیں۔ کوئی نئی مصیبت آ گئی تو اس سے بھی نمٹ لیں گے۔" میں نے جواب دیا اور جیپ سے اتر گیا۔

ہٹا والی گاڑی کی ڈگی کھول کر میں نے سوٹ کیس نکالا اور جیپ میں بیلا کے سامنے والی سیٹ

کے نیچے رکھ دیا۔ بیلا بڑے غور سے سوٹ کیس کو دیکھ رہی تھی پھر میں نے رتنا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

یہ بھی کھلی جیپ تھی یعنی بغیر چھت کی۔ انجن سٹارٹ کرنے سے پہلے میں نے ڈیش بورڈ کے ڈائلز پر نظر ڈالی۔ فیول بتانے والی سوئی بتا رہی تھی کہ ٹینکی فل تھی۔

انجن سٹارٹ کر کے میں نے جیپ کو ریورس میں لیا اور کچھ پیچھے لے جا کر اسے آگے بڑھا دیا اور اسے چٹانوں کے درمیان اس راستے پر موڑ دیا جسے پہلے میں نظر انداز کر چکا تھا۔

بیلا نے ٹھیک کہا تھا جو پورمن کی طرف جانے والا اصل راستہ یہی تھا جو کافی کشادہ تھا۔ دو بسیں بھی آسانی سے پہلو بہ پہلو چل سکتی تھیں۔ پختہ سڑک نہیں تھی۔ چٹانوں میں بل کھاتے ہوئے راستے کو بلڈوزر سے ہموار کیا گیا تھا۔ بعض مقامات پر چٹانیں کاٹ کر راستہ بنایا گیا تھا۔

ہم تقریباً آدھے گھنٹے تک ان چٹانوں میں رہے۔ پتھریلے اور ناہموار راستے پر جیپ بری طرح جھٹکے کھا رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بیلا بار بار اچھل رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کیلئے کوئی سہارا بھی نہیں لے سکتی تھی۔ کوئی زوردار جھٹکا لگتا تو وہ اپنی سیٹ پر زور سے اچھلتی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل جاتی۔ بیلا ہی کی وجہ سے میں نے جیپ کی رفتار بھی زیادہ نہیں رکھی تھی۔

پہاڑیوں سے نکل کر ہم کھلے میدان میں آ گئے۔ میدان نہیں بلکہ ہمارے چاروں طرف ریگستان تھا۔ سخت اور جمی ہوئی ریت تھی لیکن چند میل کا فیصلہ طے ہونے کے بعد علاقہ تبدیل ہونے لگا۔ اب راستے کے دونوں طرف جھاڑیاں نظر آنے لگی تھیں اور فضا میں کچھ خنکی سی بھی آ گئی۔ خنکی وہیں ہوتی ہے جہاں پانی اور سبزہ ہو۔ سبزے کے آثار تو نظر آنے لگے تھے آگے کہیں کوئی جھیل بھی ضرور ہوگی دراصل راجستھان میں جگہ جگہ یہ قدرتی جھیلیں ہی زندگی کا باعث تھیں۔ اگر یہ جھیلیں نہ ہوتیں تو یہاں آبادی بھی نہ ہوتی اور شاید یہ علاقہ دنیا کا سب سے بڑا ریگستان کہلاتا۔

"کیا تمہیں ایک بات پر حیرت نہیں ہوئی بیلا۔" میں نے کہا۔ "ہم تقریباً چالیس منٹ تک ان پہاڑیوں میں برسرپیکار رہے۔ وہ جھیل اور بستی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن کسی نے مداخلت نہیں کی۔ میرا مطلب ہے بستی کے لوگ فائرنگ کی آوازیں سن کر صورتحال معلوم کرنے کیلئے اس طرف نہیں آئے۔"

"وہ لوگ پاگل نہیں ہیں۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بیلا نے جواب دیا۔ "اگر پہاڑیوں میں فائرنگ دن کے وقت ہوئی تب بھی اس طرف کوئی نہ آتا۔ رات کے وقت کیوں آتے لگے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس بستی میں پولیس والوں کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہو گی۔ انہیں کیا پڑی ہے کہ رات کو پہاڑیوں میں آ کر فائرنگ کی وجہ معلوم کرتے اور بستی کے لوگ وہ فائرنگ کی آوازیں سن کر اپنے گھروں میں بند ہو گئے ہوں گے۔ ڈاکوؤں کے گروہ تو آئے دن بستیوں پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔"

"ارے چھوڑو نانی۔" رتنا نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ اب تک خاموش بیٹھی رہی تھی۔ "یہ بنیا قوم ہے ہی ڈاکو جوڑ توڑ کی، مار دھاڑ سے تو ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے۔ اگر ان کی سازشیں نہ

ہوتیں تو اب تک ہندوستان میں خالصتان بھی بن چکا ہوتا۔"

"اوہو۔ بلی میڈم کی تو بھی زکام ہو گیا۔" بیلا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "خالصتان کیلئے تم سکھوں نے کیا کچھ نہیں کیا لیکن کیا ملا تم لوگوں کو؟ ذلت، رسوائی کے سوا کچھ ملا؟ ہندوستان میں تم لوگوں کی جو عزت تھی وہ بھی ختم ہو گئی اور دیش سے باہر بھی رسوا ہوئے۔"

رتنا نے بھی بہت سخت قسم کا جواب دیا۔ اسے بیلا کا جواب بھی سننا پڑا۔ کچھ دیر تک ان دونوں میں زبانی تکرار ہوتی رہی پھر رتنا بیٹھیں میں آ کر اپنی سیٹ پر کھڑی ہو گئی اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اس کا بٹ زور سے مار دیا۔ بیلا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ سیٹ سے نیچے گر گئی۔ رتنا کو سنبھل کر ہوتے دیکھ کر اگر وہ جلدی سے سر نہ جھکا لیتی تو رائفل کا بٹ اس کے شانے کے بجائے سر پر لگتا اور کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ میں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیپ روک لی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" میں نے رتنا کو گھور کر دیکھا اور پھلانگ لگا کر جیپ کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ بیلا منہ کے بل سیٹوں کے درمیان گری تھی۔ شانے پر رائفل کی ضرب کے علاوہ اسے گرنے سے بھی چوٹ لگی ہوگی۔ میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر دوبارہ سیٹ پر بٹھا دیا۔

"میرے ہاتھ پیر کھول دو۔ میں نے اس کتیا کو بتاتی ہوں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔" بیلا کے حلق سے بلی جیسی غراہٹ نکلی۔

"مجھے کسی ڈھنگ کی جگہ پر پہنچ لینے دو میں تم دونوں کو قوت آزمائی کا پورا پورا موقع دوں گا۔" میں نے اپنی سیٹ پر آتے ہوئے کہا اور رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "رتنا تم بھی ذرا اپنے غصے پر قابو رکھو۔ بیلا اس وقت ہماری قیدی ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جنیوا کنونشن کے مطابق جنگی قیدیوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک غیر قانونی ہے۔ قیدی کی دیکھ بھال کرنا اور اسے اچھی حالت میں رکھنا ہمارا فرض ہے۔"

"جنگی قیدی۔" رتنا غرائی۔ "تم نہیں جانتے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ان کے سورما تو دندناتے ہوئے گولڈن ٹمپل میں گھس گئے تھے اور وہاں سے پکڑے جانے والے نوجوانوں کے ساتھ انہوں نے جو بہیمانہ سلوک کیا اسے دیکھ کر شیطان کا بھی سر جھک گیا تھا۔ ان لوگوں نے خالصہ تحریک کے دوران ہمارے جتنے بھی نوجوان پکڑے تھے ان میں سے اکثر کو اس طرح غائب کر دیا کہ ان کا آج تک پتہ نہیں چلا اور جن کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا تھا وہ زندگی بھر کیلئے مفلوج ہو گئے تھے۔ کسی کی آنکھیں نکال دی گئیں، کسی کی ٹانگیں توڑ دی گئیں اور کسی کے بازو کاٹ دیئے گئے اور تم کہتے ہو کہ مجھے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے۔ اسے تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں نے اسے صرف رائفل کا بٹ مارا ہے۔ اس کے گندے شریر میں گولیوں سے سوراخ نہیں کر دیئے۔"

"تمہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ضرور ملے گا مگر بیلا اس وقت ہماری قیدی ہے۔" میں نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس وقت ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو یہی ہمارے کام آ سکتی ہے۔" میں نے آخری جملے دھیمے لہجے میں کہے تھے تا کہ آواز بیلا کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

بیلا پچھلی سیٹ پر کراہ رہی تھی۔ رائفل کے بٹ سے اسے یقیناً زوردار چوٹ لگی تھی اور ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے وہ اپنی چوٹ سہلا بھی نہیں سکتی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے جیپ کو حرکت میں لے آیا اور بتدریج اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ اب سڑک کے اطراف میں خود رو جھاڑیاں نہیں تھیں۔ باقاعدہ کھیت تھے اور جابجا اونچے درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ رات کے وقت یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان کھیتوں میں کون سی فصلیں تھیں اور درخت کس قسم کے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد سامنے بہت دور ٹمٹماتی ہوئی سی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہم جم پورم نامی قصبے کے قریب پہنچ رہے تھے۔

وقت کا مجھے اندازہ نہیں تھا لیکن میرے خیال میں دس بجنے کے لگ بھگ ہوں گے۔ میری نظریں ان روشنیوں پر تھیں جو رفتہ رفتہ واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

"بیلا" میں نے پہلے گردن گھماتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے ہم جم پورم پہنچنے والے ہیں۔ یہ کتنا بڑا قصبہ ہے اور یہاں پولیس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"بیلا نے بھی گردن گھما کر سامنے دیکھا پھر بولی۔

"اس قصبے کی آبادی آٹھ دس ہزار کے قریب ہے۔ یہاں ایک پولیس چوکی ہے۔ عملے کی تعداد تیس پینتیس ضرور ہوگی لیکن ان علاقوں کے پولیس والے ڈاکوؤں سے زیادہ خوفناک ہیں۔ یہاں تو دن کے وقت بھی مسافروں کو بھی پریشان کیا جاتا ہے۔ رات کو تو سفر کرنے والوں کی جامہ تلاشی لے کر ان سے قیمتی چیزیں چھین لی جاتی ہیں۔ احتجاج کرنے پر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے لوگ رات کے وقت چھوٹے علاقوں میں سفر نہیں کرتے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے جیپ کو کسی اور راستے پر موڑ لیں تا کہ قصبے میں داخل ہوئے بغیر باہر ہی باہر سے نکلا جائے۔" میں نے کہا۔

"بیکار ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دیکھ لی گئی ہوں گی۔ یہ سڑک سیدھی قصبے کے مین بازار میں جاتی ہے جہاں ہوٹل وغیرہ دیر تک کھلے رہتے ہیں۔ لوگ کسی ایک جگہ اکٹھا ہونا شروع ہو گئے ہوں گے تا کہ اس خطرناک علاقے میں رات کو سفر کرنے والوں کو دیکھ سکیں۔ اگر جیپ کو کسی اور راستے سے نکالنے کی کوشش کی گئی تو پولیس کو شبہ ہو جائے گا اور ہمیں گھیرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"یہ بھی تو پولیس کی جیپ ہے کیا اس کے باوجود ہمیں کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "تم بالکل ہو سکتا ہے جیپ چھینی بھی جا سکتی ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔

"یہاں بجلی تو نظر آ رہی ہے۔ ٹیلی فون کی لائن بھی ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"بجلی کیلئے قصبے کا اپنا چھوٹا سا پاور ہاؤس ہے البتہ ٹیلی فون کی لائن نہیں ہے مگر پولیس چوکی میں وائرلیس ضرور ہوگا۔" بیلا نے کہا۔

"اوہ" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ نجانے میرے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا تھا کہ

ممکن ہے ٹیلی فون اور وائرلیس کے ذریعے اس علاقے کے پولیس سٹیشنوں کو ہمارے بارے میں اطلاع دی جاچکی ہو۔

"میری ایک بات مانو گے۔" بیلا نے کہا۔

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے ہاتھ پیر کھول دو اور مجھے سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھنے دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں بحفاظت اس قصبے سے نکال لے جاؤں گی۔" بیلا نے کہا۔

"نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔" مجھ سے پہلے رتنا چیخ اٹھی۔

"تم چپ رہو۔ میں نے تم سے بات نہیں کی۔" بیلا اس سے بھی زیادہ زور سے چیخی۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "میری تمہاری دشمنی ضرور ہے لیکن بعض اوقات تمہاری باتیں مجھے سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور اسی لئے اس وقت بھی میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت تم ہمارے رحم و کرم پر ہو لیکن بعد میں ہم تمہارے رحم و کرم پر ہوں گے۔" اس مرتبہ بھی رتنا ہی بولی تھی۔

"تمہارے رحم و کرم پر ہونے کے باوجود میں اس قصبے میں داخل ہوتے ہی تم لوگوں کیلئے مصیبت بن سکتی ہوں۔" بیلا نے کہا۔ "میں چیخ چیخ کر لوگوں کو بتا دوں گی کہ تم لوگ کون ہو۔ تم عقل کی اندھی ضرور ہو مگر لوگ اندھے نہیں ہیں وہ جب مجھے اس طرح بندھے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں یقیناً شبہ ہوگا اور پولیس کے بارے میں تو میں تمہیں بتا ہی چکی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جیپ روک لی۔ اس مرتبہ میں نے رتنا کو بولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ "میں گن لے کر تمہارے ساتھ بیٹھوں گا بیلا۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو اپنی اور رتنا کی زندگیوں کی پرواہ کئے بغیر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"تم یقیناً ایسا کر سکتے ہو لیکن مجھے جیون سے بہت پریم ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "میں اتنی جلدی کی موت نہیں مرنا چاہتی۔ میں ابھی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

میں نے جیپ کے پچھلے حصے میں آ کر بیلا کی رسیاں کھول دیں۔ وہ کلائیاں سہلانے لگی اور پھر اس کا ایک ہاتھ اپنے شانے پر بھی پہنچ گیا جہاں رائفل کے بٹ سے چوٹ لگی تھی۔ اس دوران رتنا بھی آگے والی سیٹ سے اٹھ کر پیچھے آ گئی تھی۔ ان پہاڑیوں سے جب ہم روانہ ہوئے تھے تو رتنا نے اپنی ساڑھی تھا کر دھوتی کی طرح لپیٹ لی تھی۔ اس وقت بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے ساڑھی کو اس طرح لپیٹ لیا کہ بے ڈھنگی نہ ہو۔ میں نے رائفل لے کر آگے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیلا نے سٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔

"ارے مجھے یاد آیا تمہاری وہ عینک کہاں ہے جو پہاڑیوں میں ہمارا پیچھا کرتے وقت تم نے لگا رکھی تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میرا خیال تھا وہ عینک کہیں گر گئی تھی۔

"یہ رہی۔" بیلا نے پتلون کی جیب سے عینک نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

میں نے اس سے عینک لے کر کچھ دیر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا اور پھر غیرارادی طور پر اسے آنکھوں پر لگا لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اچھل پڑا۔ سامنے سڑک پر تو جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی تھی لیکن باہر اندھیرا تھا۔ مگر عینک لگاتے ہی مجھے یوں لگا جیسے اچانک ہی دن نکل آیا ہو۔ چاروں طرف تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ میں نے عینک اتار لی پھر وہی اندھیرا تھا۔ چند لمحوں بعد میں نے عینک دوبارہ لگا لی۔ اس بار پھر اطراف میں روشنی پھیل گئی۔ میں جس طرف بھی دیکھتا دن جیسی روشنی نظر آتی۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ ان پہاڑیوں میں جب میں اور رتنا کار میں بیٹھے ہوئے تھے تو بیلا ہماری ہر حرکت کو کس طرح دیکھ رہی تھی۔

"یہ عینک۔" میں نے عینک اتار کر بیلا کی طرف دیکھا۔

"روس کی بنی ہوئی ہے۔" بیلا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "افغانستان میں روسی فوجی یہ استعمال کرتے ہیں تاکہ رات کی تاریکی میں بھی افغان مجاہدین پر نگاہ رکھی جا سکے۔ ہمیں بھی روس نے یہ عینکیں بڑی تعداد میں تحفے میں دی ہیں۔ ہمارے سرحدی محافظ یہ عینکیں استعمال کرتے ہیں اور رات کی تاریکی میں بھی سرحد کے دوسری طرف دور دور تک دیکھ سکتے ہیں۔"

میں ایک بار پھر عینک کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس وقت جیپ قصبے کے قریب پہنچ رہی تھی۔ بیلا نے رفتار ہلکی کر دی۔ قصبے کی آبادی سڑک کے دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دائیں بائیں کی گلیوں میں اندھیرا تھا لیکن مرکزی بازار میں روشنی تھی جس طرف ہماری جیپ بڑھ رہی تھی۔

بیلا کا کہنا درست ثابت ہوا تھا۔ بہت سے لوگ سڑک پر کھڑے ہماری جیپ کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ اس طرف شاید رات کے وقت کوئی گاڑی نہیں آتی تھی۔ ان لوگوں کا یقیناً تجسس ہوگا کہ رات کے وقت آنے والے کون لوگ ہیں۔

آگے ایک چھوٹا سا چوراہا تھا جس کے وسط میں ایک دو ڈھائی فٹ اونچا وسیع چبوترا بنا ہوا تھا چبوترے پر مالشیوں کا قبضہ تھا، چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور کئی لوگ مالش کروا رہے تھے۔

جیپ ابھی اس چبوترے سے کچھ دور ہی تھی کہ ایک آدمی اچانک ہی کسی طرف سے نکل کر آ گیا۔ بیلا کو اچانک ہی بریک لگانے پڑے تھے۔ میں بھی اپنی سیٹ پر اچھل کر رہ گیا تھا۔

وہ ایک پولیس کانسٹیبل تھا۔ گھٹنوں تک نیکر آدھے آستین کی قمیض سر پر ٹوپی بیلٹ کے ہولسٹر میں پستول تھا اور ہاتھ میں چھڑی تھی۔ داڑھی اور مونچھیں کچھ اس طرح کی تھیں کہ اس کا چہرہ خاصا خوفناک تھا۔ وہ پولیس والے سے زیادہ کوئی ڈاکو نظر آ رہا تھا۔

"کیا تمہیں سڑک پر چلنے کی تمیز نہیں۔ اگر جیپ کے نیچے آ جاتے تو کون ذمے دار ہوتا۔" بیلا نے کہا۔

"زبان سنبھال کر بات کر چھوکری۔" پولیس والے کے لہجے میں بڑی کرختگی تھی۔ "جیپ کا انجن بند کر اور نیچے اتر آ اور تو بھی بڑیا اور یہ چھوکری نیچے کر لو۔" اس نے آخری الفاظ میری طرف دیکھتے ہوئے کہے۔

بیلا نے جیپ کو سڑک کے کنارے پر لے کر انجن بند کر دیا۔ سامنے ہی ایک ہوٹل تھا جس کے سامنے بڑی۔۔۔

کے کنارے تک میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور سب ہماری طرف دیکھ رہے تھے ان سب کو شاید اس بات پر حیرت تھی کہ ایک آدمی اور دو عورتیں رات کے وقت سفر کر رہی تھیں جبکہ ان علاقوں میں قدم قدم پر ڈاکوؤں کا خطرہ تھا۔

یہ سب رانگڑ تھے اور آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں تو سنائی دے رہی تھیں لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ ان علاقوں میں زیادہ تر مارواڑی زبان بولی جاتی تھی۔ علاقہ کوئی بھی ہو، شہر اور دیہات کی زبان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں چھ مہینوں سے ماؤنٹ آبو میں تھا وہاں بھی مارواڑی ہی بولی جاتی تھی اور میں یہ زبان سمجھنے کے علاوہ بولنے بھی لگا تھا مگر دیہاتوں میں بولی جانے والی یہ زبان میرے سر پر سے گزر جاتی تھی اور اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورتحال تھی۔ کچھ لوگ اٹھ کر جیپ کے قریب آ گئے تھے۔ ان میں کئی ایسے تھے جو کھا جانے والی نظروں سے بیلا اور رتنا کو گھور رہے تھے۔ وہ پولیس والا بھی سامنے سے ہٹ کر ڈرائیونگ سائیڈ پر آ گیا۔

"کدھر سے آ رہی ہو۔ آدھی رات کو؟" پولیس والے نے بیلا سے کہا پھر میری طرف اور رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ آخر میں اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔ "کیوں بھایا۔ دو دو کو لے کر گھوم رہے ہو، بڑا جور ہے تیرے اندر۔"

"بکواس بند کرو اور اپنے آفیسر کو بلاؤ" بیلا نے پولیس والے کو مخاطب کرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

"مارا کھد افسر ہوں۔" پولیس والے نے جواب دیا۔ "تم سے کیا چھوکریا تھلے اتر کر اپنی چال دکھا۔"

"میں کہتی ہوں اپنے افسر کو بلاؤ ورنہ کھڑے کھڑے تمہاری وردی اتار دوں گی۔" بیلا غرائی۔

"او بھایا۔" پولیس والا قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ چھوری مارا وردی اتارے گی۔ سب کا سامنے۔ میری وردی جرا پاسے کو چل کے اتاروتا۔ ہو واں۔ اندھیرے"

اس نے آخری الفاظ بیلا کو مخاطب کر کے کہے تھے اور ساتھ ہی ایک طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

بیلا پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ اسی دوران سامنے سے آنے والی ایک پولیس جیپ قریب آ کر رک گئی، لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے۔ اس جیپ میں ایک سب انسپکٹر اور کانسٹیبل تھے۔ جیپ رکتے ہی وہ پھرتی سے نیچے اترا تھا۔ سب انسپکٹر کا ریوالور ہولسٹر سے اتر کر اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا اور کانسٹیبلوں نے بھی رائفلیں تان لی تھیں۔

سب انسپکٹر اس قصبے کی چوکی کا انچارج تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہاں کا مہاراجہ تھا۔ اس نے ہم سے طرح طرح کے سوال شروع کر دیے اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اسے وائرلیس پر جودھپور سے میرے اور رتنا کے فرار کی اطلاع مل چکی تھی اور اسے شبہ تھا کہ ہم وہی مفرور ہو سکتے ہیں لیکن اسے تیسری عورت (بیلا) کی موجودگی نے الجھا دیا تھا اور جب بیلا نے اسے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ کون ہے تو سب انسپکٹر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا اس کی آنکھوں میں شبے کی جھلک ابھر آئی۔

"وائرلیس پر گرزور سے میری بات کراؤ۔ اس طرح تمہیں وشواس ہو جائے گا کہ میں غلط نہیں

کہہ رہی۔" بیلا نے کہا۔

"وائرلیس تو چوکی میں ہے۔" سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

"چلو۔ ہم وہیں چلتے ہیں۔" بیلا نے کہا۔

میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے بازی میرے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہو۔ مجھے یہ احساس تھا کہ تھانے جا کر ہم بالکل بے بس ہو جائیں گے خطرہ تو میں اس وقت بھی محسوس کر رہا تھا ہم ان کے نرغے میں تھے مگر تھانے میں تو صورتحال اس سے بھی زیادہ سنگین ہو گی۔

سب انسپکٹر اور پولیس والے اپنی جیپ میں سوار ہو گئے۔ بیلا نے بھی انجن سٹارٹ کر دیا میں نے بیلا کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"پریشان کیوں ہو رہے ہو۔" بات کرتے ہوئے بیلا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "اس وقت بازی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتی ہوں لیکن میں تمہیں دھوکے سے نہیں ماروں گی۔ جب بھی وار کروں گی للکار کر کروں گی۔ اس وقت تم پریشان ہو۔ تمہارا دل بھی [illegible] تیز ہو گا۔"

دونوں جیپیں آگے پیچھے چلتی ہوئی ایک گلی میں داخل ہو کر ایک مکان کے سامنے رک گئیں۔ جس کے خستہ دروازے پر چم پورم پولیس سٹیشن کا چھوٹا بورڈ لگا ہوا تھا۔

ہم جیپ سے اتر کر پولیس والوں کے ساتھ اندر آ گئے۔ میں بیلا کے ساتھ تھا اور اس طرح جڑا ہوا تھا کہ پستول کی نال اس کے پہلو کو چھو رہی تھی۔ میں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر بیلا نے کوئی فریب دیا تو انجام کی پرواہ کیے بغیر فائر کھول دوں گا۔

ہم لوگ سب انسپکٹر کے کمرے میں آ گئے، کانسٹیبل باہر ہی رک گئے۔ سب انسپکٹر نے میز پر رکھے ہوئے وائرلیس کا ہیڈ فون کان سے لگا لیا اور سیٹ آن کر کے فریکوئنسی ملانے لگا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ بازار میں جب بیلا نے کسی گرزور کا نام لیا تھا تو سب انسپکٹر کچھ مرعوب ہو گیا تھا اور اس کے رویے میں کسی حد تک تبدیلی آ گئی تھی۔

رابطہ قائم ہوتے ہی سب انسپکٹر نے ہیڈ فون بیلا کی طرف بڑھا دیا۔ بیلا نے ہیڈ فون کانوں پر لگا لیا اور سیٹ پر کسی قدر جھک کر بات کرنے لگی۔ اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے اپنے سے کسی کمتر آدمی سے بات کر رہی ہو۔

تقریباً پانچ منٹ بات کرنے کے بعد بیلا نے ہیڈ فون دوبارہ سب انسپکٹر کے حوالے کر دیا۔ وہ کوئی تین چار منٹ تک یس [illegible] کرتا رہا پھر اس نے ہیڈ فون اتار کر سیٹ پر رکھ دیا اور اٹھ کر کھٹ سے بیلا کو سیلوٹ جھاڑ دیا پھر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"مارو واسطے کوئی کھدمت میڈم!"

"شکریہ۔" بیلا نے جواب دیا۔ "ہمیں جلد سے جلد یہاں سے جانا ہے۔ اگر وہ لوگ غائب ہو گئے تو بہت برا ہو گا۔"

"کوئی بھوجن، چائے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہاں۔ بھوجن بھی کریں گے اور چائے بھی پئیں گے مگر یہاں نہیں باہر ہوٹل میں بیٹھ کر" ... نے جواب دیا۔

ہم لوگ دوبارہ بازار میں آ گئے۔ اس ہوٹل میں بیٹھ گئے جس کے سامنے ہماری جیپ کھڑی تھی۔ لوگ اب پہلے سے بھی زیادہ حیران تھے کہ پولیس والے ہمارے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ وہ ... کچھ زیادہ ہی بدحواس نظر آ رہا تھا جس نے بیلا کو اندھیرے میں جا کر وردی اتارنے کیلئے کہا تھا۔ ... نے اسے اپنے قریب بلا لیا۔

"کیوں بھایا۔ وردی یہیں اتارو گے یا اندھیرے میں جا کر۔" بیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے کو معاف کر دو میڈم۔" وہ پولیس والا بیلا کے قدموں پر گر گیا۔

"جاؤ معاف کیا۔" بیلا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "مگر آئندہ کسی کے ساتھ اس طرح بات مت کرنا۔"

"نہیں کروں گا۔" کانسٹیبل نے کہا۔

کھانا کھانے اور چائے وغیرہ پینے میں ایک گھنٹہ لگ گیا اور جب ہم جیپ پر سوار ہونے لگے تو انسپکٹر نے ایک بار پھر سلیوٹ کیا۔ اس نے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ وہ ہمیں راستے میں ڈاکوؤں وغیرہ سے تحفظ فراہم کرنے کیلئے ہمارے ساتھ ہائی وے تک چلنے کو تیار ہے لیکن بیلا نے اسے ٹال دیا تھا۔

قصبے سے نکل کر جیپ ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگی۔ سٹیرنگ اب بھی بیلا ہی کے ہاتھ میں تھا۔ میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور رائفل گود میں رکھی ہوئی تھی۔ رتنا پچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھی تھی۔

وائرلیس پر ہونے والی بیلا کی باتیں میں نے بھی سنی تھیں۔ گردور جودھ پور کا پولیس کمشنر تھا۔ بیلا نے اسے بتایا تھا کہ وہ ہم لوگوں کی تلاش میں دور تک نکل آئی ہے لیکن ہمارا کوئی سراغ نہیں ملا۔ ... کی بستیوں سے بھی اس بات کے شواہد نہیں ملے کہ کسی نے ایک مرد اور ایک عورت کو اس طرف کا رخ کرتے ہوئے دیکھا ہو۔ اس نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے ہم لوگ اس طرف آنے کے بجائے راستے کو ... پور پھلاوری کی طرف نکل گئے ہوں۔ وہاں سے ہم چوہدران یا بیکانیر کی طرف نکلنے کی کوشش کریں گے۔

اوسیان، منڈور سے بالکل مخالف سمت میں تھا۔ بیلا کے علاوہ کچھ اور پولیس والے بھی ہماری تلاش میں اس طرف آئے تھے اور پولیس کمشنر گردور نے کہا تھا کہ وہ انہیں وائرلیس پر اطلاع دے کر بلا لے گا اور اوسیان کی طرف ہماری تلاش شروع کر دی جائے گی۔

بیلا نے اس موقع پر واقعی اپنی بات کا لحاظ رکھا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو بڑی آسانی سے ہمیں گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ مزاحمت کی صورت میں ہمیں موت کے گھاٹ بھی اتارا جا سکتا تھا لیکن اس وقت بیلا نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ مجھے دھوکے سے نہیں مارے گی۔

پھلودی کا فیصلہ طے کرنے کے بعد بیلا نے جیپ روک لی۔ آگے دائیں بائیں ذرا ترچھے راستے تھے۔ اس طرح یہاں انگریزی کا حرف وائی بن گیا تھا۔ سامنے دونوں سڑکوں کے بیچ میں

ایک اونچی ایک چٹان تھی جس پر تین سمتوں میں مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک سامنے کے رخ پر، ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ یہ تری مورتی تھی یعنی تین چہروں والی یا سہ رخی مورتی۔

... ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اب ہمارے دائیں بائیں اور سامنے بھی ریگستان تھا اور تری مورتی والی چٹان کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ آس پاس کوئی ٹیلا یا پہاڑی نہیں تھی۔ یہ واحد چٹان تھی جسے تراش کر مورتی کی شکل دی گئی تھی۔

ان دونوں سڑکوں کے عین بیچ میں ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ہندی میں غالباً دو مختلف شہروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ دونوں طرف تیر کے نشان تھے اور نیچے فاصلے بھی لکھے ہوئے تھے مگر وہ الفاظ یا حروف سمجھ میں نہیں آئے۔

"اس طرف ناگرا ہے اور دائیں طرف بڑی سڑک جے پور کی طرف جاتی ہے۔" بیلا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناگرا کی طرف جانے والی شاہراہ پر پولیس سے آمنا سامنا ہو سکتا ہے اس لئے میں جیپ کا رخ جے پور کی طرف موڑ رہی ہوں۔"

اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے جیپ دائیں طرف والی سڑک پر موڑ دی۔

میرا پروگرام کچھ اور تھا۔ میں دراصل رتنا کو لے کر ناگرا کی طرف نکلنا چاہتا تھا جہاں سے ہم بیکانیر سے ہوتے ہوئے ہریانہ یا مشرقی پنجاب کی طرف نکل جاتے۔ پنجاب میں داخل ہونے کے بعد میں رتنا کو جالندھر چھوڑتا اور خود امرتسر یا فیروز پور کی طرف نکل جاتا جہاں سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہونے کا بندوبست کرتا لیکن لگتا تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان ثابت نہیں ہوگا۔ اس وقت بیلا ہمارے ساتھ تھی اور وہ ہمیں جے پور کی طرف لے جا رہی تھی۔ وہ غالباً یہی سمجھی تھی کہ ہم جے پور جانا چاہتے ہیں۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ہمارے چاروں طرف ریگستان تھا۔ کسی ریگستان میں سفر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ دن میں بھی اور رات میں بھی۔ دن میں ریت گرم ہو کر آگ اگلنے لگتی ہے اور رات کے وقت ریت ٹھنڈی ہو کر خنکی پیدا کر دیتی ہے اور بعض اوقات تو یہ سردی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اس وقت سردی اگرچہ قابل برداشت تو نہیں تھی لیکن بدن میں ہلکی سی تھرتھراہٹ پیدا کر رہی تھی۔

رتنا جیپ کی پچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ جب سے راستے میں بیلا سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تھی اس وقت سے اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ اسے شاید یہ بات بھی کھل رہی تھی کہ میں بیلا سے باتیں کیوں کر رہا تھا۔ اس پر اتنا اعتماد کیوں کر رہا تھا لیکن بیلا پر مجھے اعتماد بالکل نہیں تھا اس میں شبہ نہیں کہ جودھ پور میں وہ ہمارے بڑے کام آئی تھی۔ اپنی جان کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے وہ ہمیں پولیس سے بچا لائی تھی۔ اگر میں اور رتنا اکیلے ہوتے تو یقیناً اس قصبے میں پولیس کے قابو آ چکے ہوتے لیکن یہ بیلا ہی تھی جو ہمیں بچا لائی تھی اور میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس نے یہ سب کچھ جان کے خوف سے کیا تھا۔ پولیس چوکی کے اندر تو ہم اس پوزیشن میں تھے کہ ہمیں بہت آسانی سے سلاخوں کے پیچھے بند کیا جا سکتا تھا اور میں اپنے پاس رائفل ہونے کے باوجود بیلا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ بیلا یقیناً کوئی بہت اونچا کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ ہمیں کچھ اس طرح شکنجے میں کسنا چاہتی تھی کہ ہم اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

آگے ایک بار پھر پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا ابھی راستہ اتنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ بیلا

ڈرائیونگ میں بھی بڑی مہارت کا ثبوت دے رہی تھی۔

''ایک بات میں تم سے پوچھنا بھول گئی۔'' بیلا نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''پنڈت بھیرو کے بنگلے کے تہہ خانے میں تم نے مجھے ایک ایسا کمرہ بھی دکھایا تھا جس میں اس کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ خوبصورت الماریاں، شوکیس وغیرہ جن میں سونے کی مورتیاں، جواہر اور قیمتی چیزیں بھری ہوئی تھیں مگر۔''

''مگر جب تم اس تہہ خانے میں پہنچیں تو وہ کمرہ ہی غائب تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''کیسے؟'' وہ اچھل پڑی۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں بعد میں وہاں گئی تھی۔''

''تمہارے پاس یہ عینک ہے جس سے تم اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہو لیکن میری نظریں اس سے بھی زیادہ تیز ہیں۔ میں ننگی آنکھوں سے زمین کی گہرائیوں میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں وہ منظر بھی نہیں بھول سکتا جب تم کیشو کو بھیرو والے کمرے کے باہر چھوڑ کر تہہ خانے میں گئی تھیں اور پاگلوں کی طرح اس کمرے کو تلاش کر رہی تھیں۔ دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت تمہاری مایوسی قابل دید تھی۔''

''تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا۔ کیا تم۔''

''میں نے کہا نا کہ میں زمین کی گہرائیوں میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے تم اس وقت بنگلے میں موجود تھے ورنہ کسی طرح مجھے دیکھ۔ اوہ۔'' وہ یکایک خاموش ہو گئی۔

''میں وہاں سے کم از کم دو میل دور تھا۔'' بیلا کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

''سمجھ گئی۔'' بیلا بولی۔ ''بھیرو بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے بنگلے میں شارٹ سرکٹ ٹی وی لگوا رکھا تھا ممکن ہے کسی اور جگہ۔'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

''دو میل دور۔'' میں نے کہا۔ ''ایک چھوٹے سے مکان میں بیٹھا میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔''

''اور وہ کمرہ؟'' بیلا نے پوچھا۔ ''جس میں وہ خزانہ بھرا ہوا ہے؟''

''وہ تمہارا سپنا تھا۔'' میں ایک بار پھر مسکرا دیا۔ ''میں نے تمہیں تہہ خانے میں ایسا کوئی کمرہ نہیں دکھایا۔ تم نے کوئی سپنا دیکھا ہو گا اور ہاں یہ تو بتاؤ ہمارے وہاں سے فرار کے بعد مترا سے تو تمہارا آمنا سامنا نہیں ہوا۔''

''مترا۔ بھیرو کی رکھیل۔'' بیلا نے کہا۔ ''کہاں ہے وہ۔ میرا تو خیال تھا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی۔''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''وہ ہم سے الگ ہو گئی تھی۔ اس کا ارادہ جیسلمیر جانے کا تھا ہو سکتا ہے وہ موقع پا کر اس طرف نکل گئی ہو۔''

''تم بہت چالاک ہو۔'' بیلا نے کہتے ہوئے ایک جگہ جیپ روک دی۔ ''کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''اب جیپ تم چلاؤ۔ میں تھک گئی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے نیچے اتر گئی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ رتنا بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے اس سیٹ پر اتر آئی تھی جو میں نے خالی کی تھی۔ اس نے مجھ سے رائفل بھی لے لی تھی۔ بیلا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''ناجی۔ پہلے اسے باندھ دو پھر جیپ آگے بڑھانا۔'' رتنا نے کہا۔

''میں چلتی جیپ سے چھلانگ لگا کر کہیں بھاگوں گی نہیں۔'' بیلا نے اس کی بات سن کر کہا۔ ''ان پہاڑیوں میں خونخوار بھیڑیوں کی خوراک بننے سے بہتر تو یہی ہے کہ ناجی ہی کے ہاتھوں ماری جاؤں۔''

''بہت شوق ہے ناجی کے ہاتھوں مارے جانے کا۔'' رتنا بولی۔ اس کے لہجے میں بے پناہ طنز تھا۔

''ہاں۔ کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔'' بیلا نے جواب دیا۔

میں گڑبڑا گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ان میں پھر کوئی معرکہ نہ شروع ہو جائے۔ بڑی مشکل سے انہیں خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

راستہ خاصا خطرناک تھا۔ مسلسل بلندی اور خطرناک موڑ۔ ذرا سی غفلت موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ بیلا بتا رہی تھی کہ اسی سلسلہ کوہ میں کہیں ماربل کی پہاڑیاں بھی تھیں۔ چاندنی راتوں میں وہ منظر دیدنی ہوتا ہے جب ماربل کی پہاڑیاں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

ایک خطرناک موڑ گھومتے ہی جیپ کا انجن کھانسنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر ان پہاڑیوں میں جیپ خراب ہو گئی تو رات کا باقی حصہ ہمیں یہیں گزارنا پڑے گا اور شاید صبح بھی دیر تک کوئی مدد ملنے کا امکان نہیں تھا۔

جیپ کی رفتار بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ میں اسے سڑک کے کنارے پر لے گیا۔ سڑک کے ایک طرف چٹانیں تھیں اور دوسری طرف خطرناک ڈھلان جہاں جابجا بڑے بڑے چٹانی پتھر بھی نظر آ رہے تھے۔

میں نے ڈیش بورڈ کی طرف دیکھا۔ فیول بتانے والی سوئی ای (E) پر ساکت ہو چکی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ فیول ختم ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' رتنا نے پوچھا۔

''پیٹرول ختم ہو چکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''پیچھے ایک جیری کین رکھا ہوا ہے۔ بیلا۔'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔ ''سیٹ کے نیچے سے جیری کین نکال لو۔''

میں نے جیپ روک لی۔ پیچھے سے کوئی جواب نہیں ملا تھا اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بیلا جیپ پر نہیں تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھا تو رتنا نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ بھی رائفل سنبھالے ایک جھٹکے سے جیپ سے اتر گئی۔

''یہ، یہ بیلا کہاں غائب ہو گئی۔'' میں بدحواس سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''میں نے کہا تھا کہ اسے باندھ دو۔'' رتنا نے کہا۔ ''مگر تم نے تو بیلا جیسی دشمن پر بھی بھروسہ

کرلیا تھا۔ اس نے قصبے میں ہمیں پولیس سے اس لئے بچایا تھا کہ اس وقت وہ خود بھی ہمارے رحم و کرم پر تھی اور میں نے کہا تھا کہ وہ دھوکا دے گی۔"

"لیکن وہ گئی کہاں؟" میں نے کہا۔ "ان ویران پہاڑوں میں تو اور بھی خطرہ ہے۔ خونخوار بھیڑیے اور دوسرے درندے اسے چیر پھاڑ دیں گے۔"

"میرا خیال ہے جب جیپ کی رفتار کم ہوئی تھی تو وہ موقع پا کر کہیں اتر گئی تھی۔ وہ درندوں سے زیادہ خوفناک ہے اسے کسی درندے کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔" رتنا نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔"

"تمہارا خیال ہے رات کی تاریکی میں اسے ان پہاڑوں میں تلاش کیا جائے۔" میں نے کہا۔ "وہ اگرچہ ہمارے لئے آگے چل کر خطرناک ہو سکتی ہے لیکن رات کے وقت تو وہ ان پہاڑوں سے نکل کر کسی آبادی تک نہیں پہنچ سکتی اور اس وقت تک ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ لعنت بھیجو اس پر ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔" میں سیٹ کے نیچے سے پٹرول کا ڈبا اٹھانے کیلئے جھکا تو ایک بار پھر اچھل پڑا۔ وہ سوٹ کیس بھی رتنا نے کار سے نکال کر اسی سیٹ کے نیچے رکھا تھا مگر اب وہ سوٹ کیس نہیں تھا، دوسری سیٹ کے نیچے بھی نہیں تھا۔

"وہ۔۔" میں گہرا سانس لیتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" رتنا نے پوچھا۔

"بیلا وہ سوٹ کیس بھی اپنے ساتھ لے گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" رتنا چیخی۔ "تلاش کرو اسے ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔"

اور پھر ٹھیک اسی وقت ڈھلان پر کسی جگہ پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ ہم دونوں چونک گئے۔ رتنا نے فوراً ہی آواز کی سمت رائفل کا ایک برسٹ مار دیا۔ ویران پہاڑیاں فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھیں۔ رتنا نے جسم پر لپٹی ہوئی ساڑھی اتار کر جیپ میں پھینک دی اور ڈھلان کی طرف لپکی۔ میں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" میں چیخا۔

"میں اس کتیا کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ وہ میرا سب کچھ لے گئی۔" رتنا بھی جواب میں چیخی۔

"ایک سیکنڈ۔ رک جاؤ۔" میں نے کہا مجھے اچانک ہی اس عینک کا خیال آ گیا۔

میں نے عینک نکال کر آنکھوں پر لگا لی اور ڈھلان پر دیکھنے لگا۔ میرے سامنے پورا علاقہ روشن ہو گیا۔ ڈھلان خاصی خطرناک تھی۔ بھربھری زمین پر جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر نظر آ رہے تھے۔ چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور پھر ایک سائے کو ڈھلان پر بہت نیچے دوڑتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ بلاشبہ بیلا تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہمارا سوٹ کیس بھی تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی ایک پتھر کی آڑ میں چلی گئی۔

"وہ اس طرف ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گو مجھے یقین تھا کہ بیلا اب ہمارے ہاتھ نہیں آئے گی لیکن رتنا کی وجہ سے میں اس کا پیچھا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ہم دونوں تیزی سے ڈھلان پر دوڑتے رہے۔ میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ بھربھری مٹی اور

چھوٹے چھوٹے پتھر ہمارے پیروں کے نیچے پھسل رہے تھے۔ جس کی وجہ سے قدم جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان دیکھی طاقت ہمیں دھکیل رہی ہو۔

رتنا کے دوسرے ہاتھ میں رائفل تھی اور ایک ہاتھ میں نے پکڑ رکھا تھا۔ اچانک اس کا پیر رپٹ گیا۔ وہ دوڑتے دوڑتے توازن کھو بیٹھی۔ میں نے بھی اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ لڑکھڑا کر گری اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ رتنا کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ ڈھلان پر لڑھکتی چلی گئی۔

میں نے چھلانگ لگا دی۔ پہلے میری ایڑھیاں زمین پر لگیں جو چند انچ بھربھری زمین میں دھنسیں اور پھر میں اسی ڈھلان پر اس طرح پھسلتا چلا گیا جیسے کسی تفریح گاہ میں بہت اونچی سلائیڈ سے پھسل رہا ہوں۔ میرے ساتھ منوں کے حساب سے مٹی اور پتھر بھی لڑھک رہے تھے۔

رتنا مجھ سے چند فٹ دائیں طرف تھی اور وہ پہلو کے بل لڑھک رہی تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں اب بھی نکل رہی تھیں۔ قریب پہنچ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے آپ کو بھی روکنے کی کوشش کرنے لگا اور میری یہ کوشش تقریباً دس گز مزید نیچے جا کر کامیاب ہو سکی تھی۔

میں نے رتنا کو سہارا دے کر اٹھایا تو وہ بری طرح کراہ اٹھی۔ عینک میری آنکھوں پر موجود تھی۔ رتنا کو دونوں بانہوں سے پکڑ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے بازو اور ٹانگوں پر پتھروں پر لڑھکنے سے رگڑ اور کانٹے دار جھاڑیوں سے جسم پر کئی جگہ خراشیں پڑ گئی تھیں۔ بلاؤز اور پیٹی کوٹ گرد آلود ہو چکے تھے۔

"کہاں گئی وہ۔ میں اس کمینی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" رتنا نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں نے اسے اس طرف پتھروں کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سوٹ کیس بھی اس کے پاس تھا۔ مگر۔" میں کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "رائفل کہاں ہے؟"

"کہیں گر گئی ہے۔" رتنا نے بے بسی سے جواب دیا۔

میں نے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ڈھلان پر اوپر کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے رتنا لڑھکتی ہوئی آئی تھی، جھاڑیاں اور پتھر صاف نظر آ رہے تھے مگر رائفل کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میرا خیال تھا وہ بھی جھاڑیوں میں گر کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ ہم تقریباً سو گز دوڑتے اور لڑھکتے ہوئے آئے تھے۔ رائفل کی تلاش میں دوبارہ اوپر جانا آسان نہیں تھا۔ میں اس طرف مڑ گیا جہاں بیلا کو دیکھا تھا وہ جگہ کسی قدر بائیں طرف دو سو گز نیچے تھی اور بیلا تو اب وہاں سے بھی دور جا چکی ہوگی۔ میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑا اور ایک بار پھر ڈھلان پر دوڑنے لگا اور آخر کار ایک جگہ رک گئے۔ میں چاروں طرف دیکھنے لگا اس عینک کی بدولت مجھے تاریکی میں بھی ہر چیز دن کی روشنی کی طرح صاف دکھائی دے رہی تھی مگر بیلا کہیں دکھائی نہیں دی۔ میں نے محض اندازے کی بنا پر ایک راستے کا تعین کیا اور رتنا کا ہاتھ پکڑے اس طرف دوڑنے لگا۔

مجھے تو ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی مگر رتنا اندھیرے میں دوڑتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ ہم اس ڈھلان پر پچاس گز اور نیچے اتر گئے۔

ہم پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ آگے جھاڑیاں کچھ گنجان ہوتی تھیں اور چھدرے چھدرے درخت بھی نظر آ رہے تھے اور ان درختوں کے دوسری طرف پانی چمکتا دیکھ کر میں چونک گیا۔ درختوں کے پیچھے کوئی جھیل تھی اور میرا خیال تھا کہ بیلا اسی طرف گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے جھیل کے دوسری طرف کسی طرف جانے کا کوئی راستہ ہو۔

"آؤ۔ اس طرف دیکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے بیلا جھیل کی طرف گئی ہوگی۔" میں نے کہا۔

رتنا میرے ساتھ چل پڑی۔ ابھی ہم نے چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ ایک آواز سن کر ہم دونوں ہی اچھل پڑے۔ وہ آواز پچھلی طرف سے آئی تھی اور پہاڑیوں میں گونجتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"نانی۔ رتنا۔"

بازگشت پیدا کرتی ہوئی وہ آواز بلاشبہ بیلا کی تھی۔ ہم ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ بازگشت ختم ہوئی تو آواز دوبارہ سنائی دی۔

"میں یہاں ہوں نانی۔ سڑک پر جہاں تم نے جیپ کھڑی کی تھی۔"

میں نے اوپر دیکھا اور مجھے گردن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ بیلا سڑک کے کنارے اس جگہ کھڑی تھی جہاں سے ہم ڈھلان پر اترے تھے۔ سوٹ کیس اس کے ہاتھ میں تھا اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ مجھے تو سڑک کے کنارے پر کھڑی ہوئی بیلا بالکل واضح طور پر نظر آ رہی تھی لیکن رتنا کو تاریکی کے باعث اس کا ہیولا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے عینک رتنا کی طرف بڑھا دی۔

"اسے لگا کر دیکھو۔ تمہیں سب کچھ نظر آ جائے گا۔"

رتنا نے عینک آنکھوں پر لگا لی۔ پہلے تو وہ کچھ حیران ہوئی پھر اس کے منہ سے گندی گالیاں نکلنے لگیں۔ اسی لمحے بیلا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھی۔

"نانی۔ میں جیپ لے جا رہی ہوں۔ ان پہاڑیوں سے نکلنے کیلئے جھیل کے دوسری طرف تمہیں ایک راستہ مل جائے گا۔ اس طرف قبائلیوں کی ایک بستی بھی ہے۔ اگر تم بھیڑیوں اور قبائلیوں سے بچ سکو تو میں تم لوگوں کو دو دن کی مہلت دے رہی ہوں۔ ان دو دنوں میں جہاں تک جا سکتے ہو چلے جاؤ۔ اس کے بعد بلیک کیٹس کے ذریعے تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ تم جانتے ہو بلیک کیٹ گروپ میں کیسے سفاک اور بے رحم لوگ ہیں اور تمہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ یہ تمہارے لئے آخری موقع ہے میں جا رہی ہوں۔ بے ہند"

"پکڑو اسے نانی۔ وہ ہمارا سب کچھ لے کر بھاگ رہی ہے۔" رتنا چیختی ہوئی اس راستے کی طرف لپکی جس طرف سے ہم آئے تھے۔

میں نے بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔

"بیکار ہے۔" میں نے کہا۔ "ہمارے وہاں پہنچنے تک وہ بہت دور جا چکی ہوگی۔ اس ڈھلان پر تین چار سو گز اوپر چڑھنا آسان نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رتنا روہانسی آواز میں بولی۔ "میں تمہیں پہلے ہی کہتی تھی اسے باندھ کر رکھو۔ وہ دھوکا دے جائے گی۔"

"ہاں۔ میں واقعی اس مرتبہ بھی دھوکا کھا گیا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ یقیناً کسی موقع کی تلاش میں تھی اور موقع ملتے ہی وہ ہمارا سوٹ کیس بھی لے اڑی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اس نے واقعی بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیا۔ اگر وہ خالی ہاتھ جیپ سے اتر کر بھاگتی تو شاید ہم اس کا پیچھا نہ کرتے لیکن وہ سوٹ کیس ساتھ لے گئی۔ تم جس طرح اس سوٹ کیس کی دیکھ بھال کر رہے تھے اس سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اسی میں ہے۔ وہ میرے ساتھ بھیرو کے تہہ خانے میں اس کی دولت دیکھ چکی تھی۔ اسے یہ بھی شبہ ہوا ہوگا کہ ہوسکتا ہے اس دولت کا کچھ حصہ اس سوٹ کیس میں ہو۔ اسی لئے وہ سوٹ کیس اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ ہم دونوں جیپ چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگیں گے۔

"ان پہاڑوں میں روپوش ہونے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو ہمیں چکر دینا چاہتی تھی کہ ہم جیپ چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگیں گے تو وہ ہمیں چکر دے کر سڑک پر واپس آ جائے گی۔ وہ اپنے مقصد میں سو فیصد کامیاب رہی اور ہم بے وقوف بن گئے۔"

اسی وقت جیپ کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ بیلا اتنی دیر تک شاید پٹرول ڈالتی رہی تھی اور اب اس نے جیپ سٹارٹ کر لی تھی۔ چند ہی سیکنڈ بعد اوپر سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی۔ کچھ دیر تک روشنی سڑک کے ساتھ ساتھ چٹانوں پر متحرک دکھائی دیتی رہی اور پھر غائب ہو گئی۔

"وہ چلی گئی۔" رتنا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔ اور اب ہمیں بھی چلنا چاہئے۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اس نے کم از کم ایک مہربانی تو کی ہے کہ ان پہاڑیوں سے نکلنے کا راستہ بتا دیا ہے ورنہ ہم بھٹکتے رہتے۔"

"لیکن اگر اس میں بھی دھوکا ہوا تو ہم ان پہاڑیوں میں ہی بھٹکتے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم سڑک پر پہنچ کر اسی طرف چلنا شروع کر دیں جس طرف جیپ گئی ہے۔" رتنا نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ایک اصول پسند دشمن ہے۔ میں اب بھی اس پر اس حد تک تو اعتماد کر سکتا ہوں کہ اس نے راستے کے بارے میں غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہوگا اور یوں بھی سڑک پر چلتے رہنا حماقت ہوگی۔ پہاڑیوں میں سڑک کا راستہ زیادہ طویل ہوتا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ دوسرا راستہ ہمیں جلد ہی پہاڑیوں سے باہر لے جائے۔ آؤ۔ اس طرف چلتے ہیں۔"

ہم جھیل کی طرف چلنے لگے۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے رہے درخت گنجان ہوتے گئے۔ رات کے وقت اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کون سے درخت تھے لیکن چیڑ کی طرح بالکل سیدھے اور چھتریوں کی طرح بہت اوپر تھے۔ بیچ میں کوئی شاخ نہیں تھی۔

جھیل اور درختوں کی وجہ سے اس جگہ خاصی خنکی تھی۔ رتنا میرے ساتھ جڑ کر چل رہی تھی۔ اس کے جسم پر صرف بلاؤز اور پتلی کوٹ تھا اور ظاہر ہے اسے مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی تھی۔

جھیل کے کنارے پر ہم رک گئے۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک رتنا کی ڈری ڈری سی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"وہ۔ وہ ادھر دیکھو۔ چیتا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس سے عینک لے کر اپنی آنکھوں پر لگائی۔ وہ چیتا نہیں کوئی اور جانور تھا جو جھیل سے پانی پی کر کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ جانور ہمارے لئے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس طرف جانے کا ارادہ بدل دیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

دائیں کنارے پر ہم سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر کچھ ہٹ نظر آ رہے تھے۔

"چلو، اس طرف چلتے ہیں۔" میں نے ہٹس کی طرف اشارہ کیا۔

"مم۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔" رتنا بولی۔ اس کے دل پر خوف سا طاری ہو رہا تھا اور اس خوف ہی کی وجہ سے اسے پہلے سے زیادہ سردی لگنے لگی تھی۔

میں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیا اور تیز تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس طرح ہم تقریباً آدھے گھنٹے میں ان ہٹس تک پہنچے جن کی تعداد پانچ تھی اور ایک دوسرے سے دس، دس، پندرہ، پندرہ گز کے فاصلے پر تھے۔

رتنا اب تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اسے سنبھالے ہوئے تھا۔ لکڑی کے وہ ہٹس غیر آباد اور ٹوٹے پھوٹے تھے۔ میں کسی ایسے ہٹ کی تلاش میں تھا جہاں سردی سے بچنے کیلئے پناہ لی جا سکے۔ اسی دوران کسی طرف سے غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ رتنا خوفزدہ ہو کر مجھ سے لپٹ گئی میں نے اس طرف دیکھا تو مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ دو بھیڑیے تھے جو خونخوار دانت نکالے ہم پر غرا رہے تھے۔ میں نے زمین پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر ان کی طرف دے مارا۔ میرا پتھر بازی کا نشانہ اتنا اچھا نہیں تھا۔ وہ دونوں نہ صرف بچ گئے بلکہ پہلے سے زیادہ خوفناک انداز میں غرانے لگے۔

میں رتنا کو لے کر تیزی سے ایک اور ہٹ کی طرف بڑھا۔ دونوں بھیڑیے ہماری طرف لپکے۔ شدید سردی ہونے کے باوجود میرے جسم کے مسامات سے پسینا اگلنے لگے تھے۔ رتنا کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی تھی لیکن پھر اچانک ہی وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے جھکی اور ایک پتھر اٹھا کر دے مارا۔ اتفاق سے یہ پتھر ایک بھیڑیے کے سر پر لگا وہ چلایا تو دوسرا بھیڑیا طیش میں آ کر پہلے سے زیادہ خوفناک انداز میں غرانے لگا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ ان کے غرانے کی آواز سن کر ان کے اور بھائی بند یہاں نہ پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں ہمارے زندہ بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بھیڑیا اکیلا ہو تو ڈرتا ہے لیکن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو شیر کی طرح دلیر ہو جاتے ہیں۔

میں رتنا کا ہاتھ پکڑ کر اگلے کاٹیج کی طرف لپکا جس میں دروازہ بھی تھا اور [illegible] کے قریب کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے ایک نظر میں کاٹیج کے اندر کا جائزہ لے لیا۔ اس وقت ایک بھیڑیا ہماری طرف لپکا میں نے رتنا کو اندر دھکیلا اور خود بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس لمحے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔ بھیڑیا دروازے سے [illegible] رہا تھا۔ میں نے دروازے کو مضبوطی سے دبائے رکھا اور اوپر سے نیچے تک اس کا جائزہ لینے لگا۔ دروازے کے تقریباً درمیان میں چوڑے کا تقریباً چھ انچ کا پٹا لگا ہوا تھا اس کے اوپر چٹخنی تھی جس میں ایک موٹی سی کیل تھی جو اوپر سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ چوکھٹ کے اس سے تھوڑے فاصلے پر کیل موجود تھی میں نے ایک

سوراخ سے پٹے کو مڑے ہوئے کیل میں پھنسا دیا اور دروازے سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ باہر غراہٹوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کچھ اور بھیڑیے بھی وہاں جمع ہو رہے تھے اور پھر دروازے پر پنجے مارے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بڑے خطرناک بھیڑیے تھے، پنجے مار کر دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال ہم اب ان کی خونخواری سے محفوظ ہو چکے تھے۔

اپنی کیفیت پر قابو پانے کے بعد میں اس ہٹ کا جائزہ لینے لگا۔ دس بائی دس فٹ کا کمرہ تھا۔ دائیں اور بائیں طرف کی دیواروں میں دو دو بڑے تین فٹ کی کھڑکیاں تھیں جنہیں لکڑی کی پٹیاں لگا کر بند کر دیا گیا تھا لہٰذا بھیڑیوں کا ان کھڑکیوں کی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کاٹیج کے فرش پر پیال بچھی ہوئی تھی اور رتنا اس پیال پر اوندھی پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"رتنا۔" میں نے ہولے سے پکارا۔ "آؤ یہاں آ جاؤ۔ بھیڑیے اب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

رتنا نے بمشکل سیدھے ہو کر میری طرف دیکھا، خوف اور سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتی ہوئی میرے قریب آ گئی اور مجھ سے اس طرح لپٹ گئی جیسے سردی سے بچنے کیلئے میرے اندر سما جانے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے بھی دونوں بانہیں اس کے گرد لپیٹ دیں۔ ہٹ کے اندر اگرچہ ہم ہوا سے بچ گئے تھے لیکن سردی بہرحال تھی اور ہماری ہڈیوں کے گودوں تک میں اترتی جا رہی تھی اور اس سے بچنے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس سردی سے بچنے کیلئے ایک دوسرے کو اپنے جسم کی حرارت پہنچاتے رہیں۔

پندرہ بیس منٹ تک رتنا کے دانت بجتے رہے اور پھر وہ بتدریج اپنے آپ پر قابو پا گئی۔

بھیڑیے اب دروازے پر پنجے نہیں مار رہے تھے، البتہ وقفے وقفے سے ان کے غرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن میں نے دروازے کی ایک نصف انچ چوڑی جھری میں سے باہر جھانکا تو ایک لمحہ کو کانپ کر رہ گیا۔ وہ آٹھ بھیڑیے تھے جو کاٹیج کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کی چمکتی ہوئی نظریں دروازے پر ہی لگی ہوئی تھیں اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اگر یہ خونخوار بھیڑیے دن نکلنے کے بعد بھی اسی طرح کاٹیج کی ناکہ بندی اور محاصرہ کئے رہے تو ہم یہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔

دروازے کے نیچے سے اور دروازے میں سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ میں رتنا کو لے کر کونے میں چلا گیا۔ وہ اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ میں نے اپنی قمیض اتار کر اسے پہنانی چاہی تو اس نے منع کر دیا۔

"نہیں، قمیض پہن لو۔ تمہیں سردی لگ جائے گی۔" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا اور ایک بار پھر میرے ساتھ لپٹ گئی۔

دروازہ خاصا مضبوط تھا۔ بھیڑیوں کے پنجوں سے اس کے کھل جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس وقت تو صرف وہی ایک خطرہ تھا جس سے ہم محفوظ ہو گئے تھے۔ میں نے بھی اپنا سر رتنا کے کندھے پر جھکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

آہٹ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا کمرے میں اندھیرا تھا مگر کھڑکیوں سے باہر مدھم سا اجالا پھیل رہا تھا۔ اس طرح سر جھکائے بیٹھے میری جھپک لگ گئی

تھی۔ میرے خیال میں اب عینک لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسے فولڈ کر کے قمیض کی جیب میں رکھ لیا اور ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ وہ آواز کیسی تھی اور کہاں سے آئی تھی۔

دوسری مرتبہ وہ آواز پھر سنائی دی تو میں دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی اور ہٹ کے باہر بھیڑیے ابھی تک موجود تھے اور دروازے پر پنجے مار رہے تھے اور پھر میں اچھل پڑا اور دائیں طرف والی کھڑکی کو دیکھنے لگا۔ اس کھڑکی پر لکڑی کی پٹیاں کیلوں کی مدد سے اس طرح لگائی گئی تھیں کہ ایک کراس بن گیا تھا۔ اس طرح وہ کھڑکی چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور ایک چھوٹا بچہ بھی اس میں سے نہیں گزر سکتا تھا لیکن باہر سے ایک بھیڑیا اچھل اچھل کر اس کھڑکی کے راستے اندر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کم بخت بڑے عقل مند اور مستقل مزاج بھیڑیے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ شکار اندر موجود ہے۔ انہوں نے رات تو باہر بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی اور اب ان کا اجالا پھیلنے پر ایک بار پھر کوشش شروع کر دی تھی۔

میں بے حس و حرکت اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ ہماری طرف سے کوئی حرکت ان بھیڑیوں کو ہوشیار کر سکتی تھی۔ رتنا میری گود میں سر رکھے سو رہی تھی وہ اس طرح دوہری ہو رہی تھی کہ گھٹنے پیٹ سے لگے ہوئے تھے۔ سردی کی وجہ سے اس کے بدن میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ رات بیت گئی تھی مگر سردی میں اضافہ ہو گیا تھا اور یہ سردی اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک سورج طلوع نہیں ہو جاتا۔

باہر سے غراہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لگتا تھا جیسے دو بھیڑیے جھنجلا کر آپس ہی میں لڑ پڑے ہوں۔ غراہٹ کی آواز سن کر رتنا بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی اور خوفزدہ سی ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے منہ سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

”ڈرو نہیں، ہم محفوظ ہیں۔“ میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ”دن کا اجالا پھیل رہا ہے اور میرا خیال ہے پوری طرح روشنی پھیلتے ہی یہ بھیڑیے یہاں سے بھاگ جائیں گے۔“

اسی لمحے ایک اور بھیڑیے نے کھڑکی پر چھلانگ لگائی۔ رتنا نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے چیخ کر مجھے اس طرح اپنی بانہوں کی گرفت میں لے لیا کہ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

”ڈرو نہیں۔ بھیڑیا اندر نہیں آ سکتا۔“ میں ایک بار پھر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔

رتنا بدستور مجھ سے لپٹی رہی اور میں اس کی پیٹھ تھپتھپاتا رہا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا، باہر دن کی روشنی اب واضح ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد بھیڑیوں نے اپنی کوشش بھی ترک کر دی۔ نہ دروازے پر پنجے مارے جا رہے تھے اور نہ ہی کوئی بھیڑیا پہلے کی طرح کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ شاید مایوس ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ میں نے رتنا کو اپنے سے الگ کیا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دے دیا اور اٹھے ہوئے گھٹنوں کو دونوں بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دبے پاؤں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا اور محتاط انداز میں باہر جھانکنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں چونک گیا۔ باہر دھند پھیلی ہوئی تھی۔

دھند اس قدر دبیز تھی کہ چند گز آگے کی کوئی چیز ہی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جھیل، پہاڑیاں اور درخت گہری دھند کی لپیٹ میں آ کر نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے اس دھند کی وجہ سے بھی سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

میں دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ رتنا گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی ہوئی کانپ رہی تھی۔ میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سہارا دیتے ہوئے اپنی طرف کھینچا تو وہ میری آغوش میں اوندھ گئی۔

تقریباً ایک گھنٹہ اور گزر گیا باہر دن کی روشنی اب بہت واضح ہو گئی تھی۔ دھوپ کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے رتنا کو ایک طرف ہٹایا اور اپنی جگہ سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی۔ میرے ساتھ رتنا بھی اچھل پڑی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ دوبارہ مجھ سے لپٹ گئی۔

وہ فائر کی آواز تھی جو خاصی بھاری تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بارہ بور کی بندوق سے فائر کیا گیا تھا۔ ایسی بندوقیں عام طور پر جانوروں کے شکار کیلئے استعمال کی جاتی ہیں یا بینکوں کے گارڈز کے پاس ایسی بندوقیں دیکھی جاتی ہیں جنھوں نے کمر پر بندھے ہوئے بیلٹ میں موٹے موٹے کارتوس سجا رکھے ہوتے ہیں۔

میں نے رتنا کو ایک طرف ہٹایا اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ باہر اب دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور دھند غائب ہو چکی تھی۔ جھیل کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔

میرے خیال میں وہ کوئی شکاری تھا۔ ایسی جگہوں پر صبح کے وقت شکار آسانی سے مل جاتا ہے۔ جانور پانی پینے کیلئے آتے ہیں تو انہیں آسانی سے شکار کر لیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں ہرنوں کی بہتات تھی۔

میں کھڑکی سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ سامنے جھیل تھی مگر زیادہ بڑی نہیں تھی۔ پیدل چلتے ہوئے دو گھنٹوں میں اس کے گرد چکر لگایا جا سکتا تھا۔ جھیل کے چاروں طرف قد آور درختوں کی بھی بہتات تھی۔ سامنے دوسرے کنارے پر بھی کچھ ویران ہٹس دکھائی دے رہے تھے۔ بڑی خوبصورت جھیل تھی بہترین تفریح گاہ تھی مگر مجھے حیرت تھی کہ یہ جگہ ویران کیوں تھی۔ ٹوٹے پھوٹے ہٹس کی موجودگی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ چند سال پہلے تک یہاں بڑی رونق ہوا کرتی ہوگی پھر کسی وجہ سے لوگوں نے اس طرف آنا چھوڑ دیا اور یہ علاقہ ویران ہو گیا۔

کھڑکی سے مجھے کوئی انسان دکھائی نہیں دیا جس نے گولی چلائی تھی۔ میں رتنا کے قریب آ گیا اور اس سے مشورہ کرنے لگا کہ ہمیں اس وقت باہر نکلنا چاہئے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ شکاری اکیلا ہو یا ان کی تعداد زیادہ ہو۔ وہ ہمارے لئے خطرناک بھی ہو سکتے تھے اور مددگار بھی۔

آخر کار میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ بھیڑیوں کی موجودگی کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بھیڑیا عام طور پر رات کے وقت شکار کی تلاش میں باہر نکلتا ہے اور دن کے وقت اپنے بھٹ میں دبکا رہتا ہے۔ گولی چلنے کے بعد تو کسی بھیڑیے کا آس پاس موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے احتیاطاً جھری میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ تقریباً ڈیڑھ سو

گز دور جھیل کے کنارے کوئی جانور ٹہلتا ہوا دکھائی دیا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے چڑے کا فیتہ کیل سے کھینچ کر دروازہ کھول دیا۔

چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دھند کا اب نام و نشان تک نہیں تھا۔ چمکتی ہوئی سنہری دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ میں رتنا کو بھی بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا اور ہٹ کی دیوار کے ساتھ دھوپ میں بٹھا کر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں بھی رات بھر سردی میں ٹھٹھرتا رہا تھا۔ اس وقت دھوپ میں زیادہ حدت نہیں تھی لیکن ٹھٹھرے ہوئے بدن کو بہت اچھی لگ رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ سورج جیسے جیسے اوپر اٹھا جائے گا دھوپ میں تپش بڑھتی جائے گی اور اس وقت بدن کو بھلی لگنے والی یہی دھوپ جھلسانے لگے گی۔

رتنا اب کپکپا نہیں رہی تھی۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر کاٹیج کے دوسری طرف آ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے چونک جانا پڑا۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر درختوں کے نیچے بغیر چھت کی ایک سفید ماروتی جیپ کھڑی تھی اور اس سے تقریباً ڈیڑھ سو گز آگے جھیل کے کنارے کے قریب ایک آدمی کسی چیز پر جھکا ہوا تھا اور جب وہ سیدھا ہوا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ کالا ہرن تھا جسے اس نے شکار کیا تھا۔ کالا ہرن اس علاقے میں نایاب تھا اور اس کے شکار پر سخت پابندی تھی۔ خلاف ورزی کرنے والے کو بھاری جرمانے کے علاوہ چھ مہینے قید کی سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ وہ شخص یقیناً یہ سب کچھ جانتا ہوگا اور مجھے حیرت تھی کہ اس کے باوجود اس نے کالے ہرن کا شکار کیوں کیا تھا۔

اس شخص کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ صحت مند اور قدرے دراز قامت تھا۔ اس نے سفید نی شرٹ اور خاکی پتلون پہن رکھی تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈبل بیرل بندوق تھی، دوسرے ہاتھ سے اس نے ہرن کی ٹانگ پکڑ رکھی تھی اور اسے گھسیٹتا ہوا جیپ کی طرف لا رہا تھا۔

میں کاٹیج کی آڑ میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس شخص نے مردہ ہرن کو اٹھا کر جیپ کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔ چند لمحے وہاں کھڑا ہانپتا رہا پھر جھیل کے کنارے پر پہنچ کر دائیں طرف چلتا رہا وہ تقریباً دو سو گز دور نکل چکا تھا اگرچہ وہ ہمارے سامنے سے گزرا تھا لیکن اس نے ہماری طرف نہیں دیکھا تھا۔

میں نے رتنا کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جیپ کی طرف چلنے لگا۔ مجھے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

جیپ کے پچھلے حصے میں آمنے سامنے دو سیٹیں تھیں جن کے درمیان وہ مردہ کالا ہرن پڑا ہوا تھا۔ بہت خوبصورت ہرن تھا۔ کالا ہرن پورے ہندوستان میں صرف راجستھان میں ہی پایا جاتا تھا اور اس کی نسل بھی ناپید ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی کھال بہت مہنگی بکتی تھی اور اس لئے شکاری بھی قید اور جرمانے کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر اس کی تاک میں رہتے تھے۔

ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جو میرے مطلب کی نہیں ہو سکتی تھیں البتہ اس سیٹ کے سامنے نچلی سیٹ ایک ٹفن اور چائے کا بڑا سا فلاسک رکھا ہوا تھا جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ شکاری کہیں بہت دور سے آیا ہے اور پورا دن یہاں رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جیپ کے پچھلے حصے میں پٹرول کا ایک بڑا ڈبہ بھی رکھا ہوا تھا۔

اس وقت ہمارے لئے سب سے ضروری چیز چائے تھی۔ بغیر اجازت کسی کی کوئی چیز لینا نہ صرف تعزیری بلکہ اخلاقی جرم بھی تھا لیکن اس وقت ہمیں اس چیز کی سخت ضرورت تھی اور پھر نظریہ ضرورت کے تحت میں نے وہ فلاسک اٹھا لیا۔ نظریہ ضرورت کے تحت آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں اور یقین کریں آپ کا ضمیر بھی آپ کو ملامت نہیں کرے گا۔

میں نے ابھی فلاسک اٹھایا ہی تھا کہ ایک نسوانی چیخ سن کر اچھل پڑا۔ چیخ کی یہ آواز کاٹیج کی طرف سے آئی تھی اور ظاہر ہے چیخنے والی رتنا کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے فلاسک وہیں چھوڑا اور کاٹیج کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں تک پہنچنے میں مجھے ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔

صورتحال خاصی تشویشناک تھی۔ اس شکاری نے رتنا کو دبوچ رکھا تھا۔ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں رتنا کا بازو زخمی ہو گیا تھا لیکن اس نے مزاحمت جاری رکھی تھی۔ رتنا اس وقت زمین پر گری ہوئی تھی اور وہ شخص اس کے سینے پر سوار اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس شخص کو سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اسے شاید اس مداخلت کی توقع نہیں تھی۔ وہ بری طرح بدحواس ہو گیا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اسے گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

"تم اسے بھی شکار سمجھے تھے جو آسانی سے تمہارے ہاتھ آ جاتی۔" میں نے غراتے ہوئے اسے ایک اور گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا اور اس نے اٹھنے کی کوشش کرنے کے بجائے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مجھے شما کر دو مہاراج، غلطی ہو گئی۔" وہ گڑگڑایا۔

"تم کیا سمجھے تھے اسے، لاوارث، مال غنیمت؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں اس دیوی کو لاوارث ہی سمجھا تھا مہاراج۔" وہ بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ کوئی اسے کہیں سے بھگا کر لایا ہے اور اپنا کام نکال کر اسے یہاں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس کی حالت بھی ایسی ہی مہاراج دیکھ کر من مچل گیا۔"

"اب تمہیں دیکھ کر میرا من مچل رہا ہے۔" میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"شما کر دو مہاراج، جو ڈنڈ کہو دینے کو تیار ہوں۔" وہ شخص بدستور گڑگڑا رہا تھا۔

"تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ یہ خوبصورت جگہ اتنی ویران کیوں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کئی سال پہلے یہاں ایک لڑکی کی ہتیا کر دی گئی تھی۔" وہ شخص کہنے لگا۔ "سنا ہے وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک منانے کیلئے جے پور سے آئی تھی۔ وہ لوگ ہفتے بھر کا پروگرام بنا کر آئے تھے اس گروہ میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ ان دنوں یہاں ایک پنڈت بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے مگر وہ پنڈت بڑا بدمعاش نکلا۔ ایک رات وہ شکنتلا نامی اس لڑکی کو بہلا پھسلا کر لے گیا اور اس کے ساتھ بلاتکار کرنے کی کوشش کی۔ شکنتلا اپنے آپ کو بچانے کیلئے چیختی چلاتی رہی، پکڑے جانے کے خوف سے پنڈت نے اس کی ہتیا کر دی۔"

"کہتے ہیں شکنتلا بہت معصوم تھی۔ اس کی آتما یہاں بھٹکتی رہتی اور پھر یہاں قتل کی پراسرار وارداتیں ہونے لگیں۔ ہر سال کسی نہ کسی رات کسی نہ کسی آدمی کی لاش ملتی رہی جسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا

ہوتا تھا۔ بہت جلد یہ بات مشہور ہوگئی کہ شکنتلا کی آتما انتقام لے رہی ہے۔ لوگوں نے اس طرف آنا چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ یہ خوبصورت جگہ ویران ہوتی چلی گئی۔"

"تمہیں اس طرف آتے ہوئے ڈر نہیں لگا؟" میں نے پوچھا۔

"میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "مہینے میں ایک مرتبہ یہاں آتا ہوں۔ اچھا شکار مل جاتا ہے کسی کی مداخلت کا خدشہ بھی نہیں ہوتا۔"

"یہاں آمدورفت کا راستہ کس طرف سے ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ادھر سرخ پہاڑی کے ساتھ ایک راستہ ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "ان پہاڑیوں کے دوسری طرف بھی ایک چھوٹی سی جھیل ہے جس کے قریب ایک ماڑو قبیلہ آباد ہے اس بستی کے ساتھ ہی وہ سڑک ہے جو آگے جا کر جے پور جانے والے ہائی وے سے جا ملتی ہے۔"

"ہائی وے کا کتنا فاصلہ ہے یہاں سے۔" میں نے پوچھا۔

"تقریباً چالیس میل۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تو تمہیں آتماؤں پر وشواس نہیں ہے لیکن تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ اسی شکنتلا کی آتما ہے جس نے۔"

"نہیں۔" وہ چیخا۔

"ابھی جب یہ تمہارا گلا گھونٹے گی تو تمہیں وشواس ہو جائے گا اور پھر تمہاری آتما بھی یہاں بھٹکتی رہے گی۔" میں نے کہا۔

اس نے میری بات کا یقین کیا یا نہیں لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس نے کچھ دور زمین پر پڑی ہوئی اپنی بندوق کی طرف چھلانگ لگا دی مگر میں نے اسے بندوق تک نہیں پہنچنے دیا اور راستے ہی میں دبوچ لیا۔ وہ چیختا چلاتا رہا۔ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کی گردن میری گرفت میں آ گئی تھی اور جب کسی کی گردن میری گرفت میں آ جائے تو اسے موت ہی پناہ دے سکتی تھی۔

اگر اس شخص سے خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوئی ہوتی تو صورتحال کچھ اور ہوتی مگر اس نے رتنا کے ساتھ زیادتی کر کے اپنی موت کا جواز پیدا کر لیا تھا۔ میں نے اس کی گردن کو [illegible] دو جھٹکے دیئے تھے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

میں نے اس کی ٹی شرٹ اور پینٹ اتار لی اور لاش کو گھسیٹ کر کاٹیج کے پچھلی طرف جھاڑیوں میں بھیڑیوں کی خوراک بننے کیلئے ڈال دیا۔ میں ایسے کسی شخص کے ساتھ رحمدلانہ سلوک کرنے کو تیار نہیں تھا جو میرے ساتھ بلاوجہ پنگا لینے کی کوشش کرتا ہے۔

"جھیل پر چل کر منہ ہاتھ دھو لو اور یہ کپڑے پہن لو۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ناشتہ کرنے کے بعد ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"ناشتہ۔" رتنا نے اس طرح میری طرف دیکھا جیسے میرا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

"ہاں۔" اس کی جیپ میں ناشتہ نہیں کھانے کا سامان بھی موجود ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

رتنا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر ہم دونوں جھیل کے کنارے پر آ گئے میں نے بھی منہ ہاتھ دھو لیا۔

جیپ کے قریب آ کر رتنا کپڑے بدلنے لگی اور میں نے جیپ کے پچھلے حصے میں پڑے ہوئے مردہ کالے ہرن کو گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانا ضروری نہیں تھا۔ جیپ میں کالے ہرن کی موجودگی ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

رتنا کپڑے بدل کر جیپ کے قریب آ گئی۔ پھٹا ہوا بلاؤز اور پیٹی کوٹ اس نے وہیں جھاڑیوں میں ڈال دیا تھا۔ پینٹ شرٹ اس کے جسم پر بالکل فٹ آ گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے یہ کپڑے اسی کے ناپ کے سلوائے گئے ہوں۔

میں نے جیپ میں سے تھرمس اور ٹفن نکال لیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گھاس پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ رتنا بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔ اب وہ رات والی رتنا سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔ رات کو تو کسی انجانے خوف اور سردی نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

میں نے ٹفن کھول لیا۔ ایک ڈبے میں پراٹھے تھے، دوسرے میں آلو اور میتھی کی بھجیا اور تیسرے میں مرغی کی بھنی ہوئی رانیں تھیں۔

کھانا اتنی مقدار میں تھا کہ ہم دونوں کا پیٹ بھرنے کے بعد بھی بچ گیا جسے میں نے اسی طرح ٹفن چھوڑ دیا۔ یہ ٹفن ساتھ لے جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ ایسے ہی کھلا پڑا رہے گا۔ ہمارے جانے کے بعد کسی جانور کا بھلا ہو جائے گا۔

چائے بھی بہت خوش ذائقہ تھی۔ واقعی مزہ آ گیا تھا۔ فلاسک میں کچھ چائے بچ گئی تھی جسے میں نے جیپ میں رکھ لیا۔ رتنا جب جیپ میں بیٹھنے لگی تو میری نظر اس کے پیروں پر پڑی۔ وہ ننگے پیر تھی۔

"ایک منٹ۔" میں کہتا ہوا ہٹ کی طرف چلنے لگا۔

کاٹیج کے پیچھے وہ لاش ابھی تک کسی جانور کی نظروں میں نہیں آئی تھی۔ میں اس کے پیروں سے جوگرز اتار کر واپس آ گیا۔ اتفاق سے وہ جوگرز بھی رتنا کو فٹ آ گئے۔

جیپ پر بیٹھتے ہوئے مجھے اچانک ہی ایک اور خیال آیا اور میں نے مردہ ہرن اٹھا کر دوبارہ جیپ میں ڈال دیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میری نظریں ڈائلز کا بھی جائزہ لے رہی تھیں۔ فیول بتانے والی سوئی ای اور ایف کے بیچ میں تھی جس کا مطلب تھا کہ پٹرول کی ٹنکی آدھی کے قریب تھی۔

میں نے جیپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور اس کا رخ جھیل کے کنارے کی طرف موڑ دیا۔ رتنا اپنے لباس کی تلاشی لے رہی تھی۔

پینٹ کی ایک جیب میں سگریٹ کا پیکٹ، لائٹر اور کچھ ریزگاری تھی جبکہ پچھلی جیب میں والٹ تھا۔ والٹ کھولتے ہی رتنا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی اس میں تقریباً چھ ہزار روپے کی رقم موجود تھی۔

"وہ لٹیرا ہمارا سب کچھ لے گئی۔ میں تو پریشان ہو رہی تھی کہ کسی طرح کسی آبادی میں پہنچ بھی گئے تو بھیک مانگیں گے یا کیا کریں گے۔" رتنا کہہ رہی تھی۔ "مگر اس والٹ میں تقریباً چھ ہزار روپے موجود

ہیں کام چل جائے گا۔"

"پانچ ہزار روپے کی رقم تو میری جیب میں بھی پڑی ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے ایسی کوئی پریشانی بھی نہیں پالی۔ رقم کے بارے میں مجھے کبھی فکر نہیں ہوئی کوئی نہ کوئی بندوبست تو ہو ہی جاتا ہے۔"

رتنا چند لمحے خاموش رہی پھر بیلا کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ اسے جتنی بھی زنانہ مردانہ گالیاں یاد آ رہی تھیں وہ بیلا کو ان سے نواز رہی تھی۔ میں جھیل کے کنارے کنارے متوازن رفتار سے جیپ چلاتا رہا اور پھر اچانک ہی جیپ روک لی۔

"کیا ہوا؟" رتنا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"وہ دیکھو۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

پانچ چھ مور تھے دو تو پر پھیلائے ناچ رہے تھے اور باقی ادھر ادھر گھاس میں دانا دنکا چگ رہے تھے۔ ان ناچتے ہوئے موروں کو دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ قدرت نے کتنے حسین رنگ بھی دیئے تھے ان کے پروں میں۔

میں نے جیپ آگے بڑھائی تو اس کی آواز سے مور ہماری موجودگی سے آگاہ ہو گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ سب پھڑ پھڑاتے ہوئے اڑ گئے۔

جھیل کے دوسرے کنارے ایک کشادہ راستہ پہاڑیوں میں چلا گیا تھا۔ میں نے جیپ اسی راستے پر موڑ دی۔ یہ پہاڑی سلسلہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم ان پہاڑیوں سے نکل آئے۔ دو تین میل تک سخت ریت تھی اور اس سے آگے سبزہ دکھائی دینے لگا۔ وہ مرچوں کے کھیت تھے جو سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہم ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے۔ بائیں طرف ایک جھیل تھی جو پہلی جھیل سے چھوٹی تھی۔ جھیل کے آس پاس ناریل کے بے شمار درخت بھی نظر آ رہے تھے۔

کچے مکانوں اور جھونپڑیوں پر مشتمل وہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ یہ ایک قبیلہ تھا جو نہ جانے کب سے یہاں آباد تھا اور جھیل کی وجہ سے انہوں نے یہاں تھوڑی بہت کھیتی باڑی بھی شروع کر رکھی تھی۔ مرچیں راجستھان کی خاص فصل تھی اور یہاں بھی مرچیں ہی نظر آ رہی تھیں۔

سڑک بستی کے سامنے سے گزرتی تھی۔ جب جھیل پر لوگوں کی آمدورفت تھی تو یہ سڑک بھی آباد رہی ہوگی لیکن اب اس کا کچھ حصہ کچے مکانوں اور جھونپڑیوں میں شامل ہو گیا تھا اور باقی حصہ جو بچ رہا تھا وہاں کالے بھجنگ ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے۔ دو تین آدمی اور دو عورتیں بھی سڑک کے کنارے نیم کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ مرد تو چارپائیوں پر بیٹھے حقے کے کش لگا رہے تھے اور عورتیں زمین پر ہی بیٹھی خالی بوریوں کی مرمت کر رہی تھیں۔ مرچوں کی فصل تیار ہونے والی تھی اور فصل کی تیاری سے پہلے یہ لوگ اپنی تیاریاں مکمل کر لینا چاہتے تھے۔

میں نے درخت کے قریب جیپ روک لی۔ وہ لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھنے لگے۔ صبح انہوں نے اس جیپ کو جھیل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہوگا اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ اس میں ایک ہی آدمی

تھا انہیں یہ بھی حیرت ہو رہی ہوگی کہ ہم کہاں سے آ گئے تھے۔

میں جیپ کا انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ وہ تینوں آدمی بھی اٹھ کر ہمارے قریب آ گئے۔ ان کی رنگت توے کی طرح سیاہ اور لباس راجستھانی تھے۔ سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں تھیں۔ ان میں سے کسی کی عمر پچاس سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن چہروں پر بڑی سختی تھی اور یہ سختی ٹھٹھرا دینے والی سردی اور چلچلاتی دھوپ میں محنت و مشقت کا نتیجہ تھی۔

"اس بستی کا مکھیا کون ہے؟" میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھا۔ ان میں دو تو وہیں کھڑے رہے اور تیسرا تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بستی میں چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس دوران سڑک پر کھیلنے والے بچے ہمارے گرد جمع ہو چکے تھے۔ سردار کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لمبا قد، بھاری بھرکم جسم، خالص راجستھانی لباس، سر پر سیندوری رنگ کی پگڑی اور گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں تھیں۔ ساٹھ سال عمر ہونے کے باوجود اس کی صحت قابل رشک تھی۔

ہم چند منٹ وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے پھر وہ ہمیں بستی میں لے گئے۔ بستی کے وسط میں برگد کا ایک بہت بڑا اور پھیلا ہوا درخت تھا جس کی جڑ کے چاروں طرف وسیع و عریض چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے کے ارد گرد بھی بہت وسیع جگہ تھی۔ وہاں بھی چارپائیوں پر کچھ عورتیں اور مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہمارے لئے فوراً ہی ایک چارپائی خالی کر کے اس پر دری بچھا دی گئی۔ سردار سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں مشروبات بھی پیش کر دیئے گئے۔ بستی میں موجود لوگ ہمارے ارد گرد جمع ہو گئے تھے۔ ہم ان کیلئے عجوبہ تھے اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ بہت عرصہ بعد انہوں نے باہر کے لوگوں کو دیکھا تھا۔

ایک عجیب بات مجھے یہ محسوس ہوئی کہ اس بستی کے مردوں کے رنگ تو توے کی طرح سیاہ تھے البتہ عورتوں کی رنگت صاف تھی بعض عورتیں تو رتنا کی طرح گوری چٹی تھیں۔

میں نے مکھیا کو ایک فرضی کہانی سنا دی۔ اس کہانی کے مطابق ہم جھیل کے دوسری طرف پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے کہ ہماری کار ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ اس وقت دن کا بہت سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ ہم امداد کی تلاش میں ایک پہاڑی راستے پر چل پڑے اور تقریباً دو گھنٹوں بعد جھیل پر پہنچ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہاں آبادی ہوگی اور ہمیں کوئی مدد مل جائے گی مگر وہاں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ہم نے جھیل کے آس پاس چاروں طرف دیکھا مگر ہمیں کوئی اور انسان دکھائی نہیں دیا۔ جو شکار کیا ہوا ایک کالا ہرن جیپ میں پڑا ہوا ملا۔ ہم اسی جیپ پر بیٹھ کر اس طرف آ گئے ہیں۔

"وہ شکاری ہر مہینے اس طرف جاتا تھا۔" مکھیا نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ "ہم نے کئی بار اسے منع کیا لیکن وہ نہیں مانا۔ اسے آتماؤں پر وشواس نہیں تھا اور آج آخر کار اس بھٹکی ہوئی آتما کا شکار ہو ہی گیا۔"

مکھیا چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اس آتما کی کہانی سنانے لگا جو ہم اس شکاری سے بھی سن چکے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی ہم نے کسی کو اس جھیل کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔" مکھیا کہہ رہا تھا۔ "جے پور سے آنے والا وہ شکاری ہر مہینے ادھر آتا تھا اور کئی ہرن شکار کر کے لاتا تھا۔ یہاں آ کر وہ ہمارے

حوالے کر دیتا گوشت ہمارے کام آ جاتا اور کھال صاف کر کے ہم اسے دے دیتے۔ ہرن کا گوشت خاص طور پر کالے ہرن کا گوشت بہت مزے کا ہوتا ہے۔"

"شکار کیا ہوا وہ کالا ہرن جیپ میں رکھا ہوا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"اسے اتروا کر گوشت بنوا لو کھال بھی تم رکھ لینا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "آگے کی بستی یہاں سے کتنی دور ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی بستی جہاں پولیس کو اس لاش کے بارے میں اطلاع دی جا سکے۔"

"پولیس کو خبر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" کھیا نے جواب دیا۔ "وہ شکاری ایک بھٹکی ہوئی آتما کے انتقام کا شکار ہوا ہے اور پولیس اس آتما کا پتہ نہیں لگا سکتی اور ویسے بھی اس لاش کا اب کچھ نہیں بچا ہو گا۔ بھیڑیے اور دوسرے جانور اسے چٹ کر گئے ہوں گے تم لوگ پولیس کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں ہی پریشان کریں گے۔ میری مانو تو اپنے یہ حلیے بھی بدل لو۔ اس علاقے کی بستیوں میں شہر کے رہنے والوں کو تو پولیس والے ویسے ہی تنگ کرتے رہتے ہیں۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ روح والی کہانی کی بات بن گئی تھی اس بستی کے لوگ اور کھیا کوئی شریف آدمی ہی تھا جو ہمیں آگے متوقع پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔

ہرن جیپ سے اتروا لیا گیا تھا۔ ہم وہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے مگر کھیا نے ہمیں روک لیا۔

اور پھر دوپہر کا کھانا ہم نے وہیں کھایا۔ ہمارے کھانے میں دوسرے لوازمات کے علاوہ کالے ہرن کا بھنا ہوا گوشت بھی شامل تھا جو واقعی بے حد لذیذ تھا۔ کھانے کے بعد کچھ لڑکیاں رتنا کو اپنے ساتھ لے گئیں اور مجھے بھی ایک آدمی ایک جھونپڑے میں لے گیا اور مجھے کپڑے بدلنے کو کہا۔ وہ خود جھونپڑے سے باہر نکل گیا تھا میں نے اس کے دیئے ہوئے کپڑے پہن لئے۔ میں نے آواز دی تو وہ آدمی جھونپڑے میں آ گیا اور میرا لباس درست کرنے لگا اور میرے سر پر پگڑی بھی باندھ دی اور پھر اس نے آئینے کا ایک ٹکڑا میرے سامنے کر دیا۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بالکل بدل گیا تھا اس لباس کے ساتھ جوتے بھی تھے جو میں نے پہن لئے جوگرز اور اپنے کپڑے میں نے وہیں چھوڑ دیئے البتہ پینٹ کی جیب سے میں نے رقم نکال لی تھی۔

جب میں برگد کے نیچے چوپال میں پہنچا تو کچھ دیر بعد وہ لڑکیاں رتنا کو بھی لے آئیں۔ اسے دیکھ کر تو میں واقعی اچھل پڑا۔ لباس شخصیت کو کس طرح بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اس کا اندازہ آج مجھے پہلی بار ہوا تھا۔

رتنا کی دونوں بانہوں میں کلائیوں سے لے کر کندھوں تک پلاسٹک کی چوڑی چوڑی سفید اور کالی چوڑیاں تھیں۔ کانوں میں چوڑیوں جیسے بڑے بڑے بالے تھے۔ ناک میں بھی کھیل کی جگہ ایک پتلی سی چوڑی نظر آ رہی تھی اور گلے میں بھی مخصوص ڈیزائن کا ایک انچ چوڑا ہنسلی تھا۔ یہ زیور دیکھنے میں چاندی کا لگتا تھا لیکن بہت ہلکا ایلومینیم جیسی کسی دھات سے بنا ہوا تھا جس میں چاندی جیسی چمک تھی۔

میں نے کھیا کو کچھ رقم دینی چاہی مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ بقول اس کے ہم اسے پہلے ہی

بہت کچھ دے چکے تھے۔ یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ کالے ہرن کی کھال جے پور میں بیس سے پچیس ہزار تک بک جاتی تھی۔ بہرحال میں کھیا کا شکر گزار تھا اس نے ہمارے حلیے تبدیل کر کے ہماری بہت بڑی مشکل حل کر دی تھی۔ وہ سب لوگ بستی سے نکل کر سڑک تک ہمارے ساتھ آئے جیپ پر بے شمار بچے لدے ہوئے تھے۔ کھیا کو دیکھتے ہی وہ جیپ سے اتر گئے۔ کھیا نے ایک تھیلا میرے حوالے کر دیا جس میں ہمارے پرانے کپڑے اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھی تھیں اور مجھے یہ دیکھ کر بھی خوشی ہوئی کہ کالا ہرن اتارنے کے بعد جیپ کے پچھلے حصے سے خون بھی صاف کر دیا گیا تھا۔

ہم جیپ پر بیٹھ گئے میں نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کھیا نے مجھے راستہ سمجھا دیا تھا کہ جے پور والے ہائی وے تک جانے کے لئے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ جیپ روانہ ہوئی تو بچے شور مچاتے ہوئے دور تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ بستی کی حدود سے نکلتے ہی میں نے رفتار بڑھا دی۔ اس وقت تین بج رہے تھے سبزہ پیچھے رہ گیا تھا آگے پھر وہی ریگزار تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں تپتے ہوئے صحراؤں میں سفر کرنا خاصا دشوار ہوتا ہے اور پچھلے کئی دنوں سے میں بار بار ان تجربات سے دوچار ہو رہا تھا۔ کھیا کی ہدایت بھی میرے کام آ گئی تھی اس ریگزار میں بھی کئی جگہوں پر مختلف سمتوں میں راستے پھوٹتے ہوئے دیکھے تھے۔ ظاہر ہے ان اطراف میں بھی آبادیاں ہوں گی مگر میں کھیا کے بتائے ہوئے راستے پر جیپ دوڑاتا رہا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد ہم پختہ شاہراہ پر پہنچ گئے۔ سڑک کے اس موڑ پر سایہ دار درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ میں نے جیپ درختوں کے نیچے روک لی۔ پسینے سے ہمارا برا حال ہو رہا تھا ہم جیپ سے اتر کر درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ ریگستان میں اگرچہ لو چل رہی تھی لیکن درختوں کے نیچے قدرے سکون تھا۔ تھوڑی دیر بعد رتنا جیپ سے فلاسک لے آئی۔ اس میں ابھی خاصی چائے موجود تھی۔ پتہ نہیں یہ چائے کب بنا کر فلاسک میں بھری گئی تھی لیکن حیرت انگیز طور پر چائے کے ذائقے میں کوئی فرق نہیں آیا اور یہ غالباً فلاسک کا کمال تھا فلاسک اچھا نہ ہو تو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد چائے بدذائقہ ہو جاتی ہے۔

درختوں کا وہ جھنڈ سڑک سے ہٹ کر تھا اور یہ نیشنل ہائی وے تھی۔ ہم تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے اس دوران ہائی وے پر کسی گاڑی کا گزر نہیں ہوا تھا۔

فلاسک میں ابھی کچھ چائے باقی تھی۔ رتنا نے فلاسک بند کر کے جیپ میں رکھ دیا اور ہم آگے جانے کے لئے تیار ہو گئے اور جس وقت میں جیپ کو درختوں سے نکال کر سڑک پر لایا اسی وقت بائیں طرف سے ایک مال بردار ٹرک آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے ٹرک کو راستہ دینے کے لئے جیپ روک لی۔ ٹرک نے ہارن بجایا۔ قریب سے گزرتے ہوئے ڈرائیور نے ہماری جیپ کی طرف بھی دیکھا تھا۔

یہ ٹرک جے پور جا رہا تھا میں نے بھی جیپ اس کے پیچھے لگا دی اور جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ ٹرک ڈرائیور شرارت پر آمادہ تھا۔ میں نے جب بھی اسے اوورٹیک کرنے کی کوشش کی وہ ٹرک کو قصداً جیپ کے آگے لے آتا۔ میرا خیال تھا قریب سے گزرتے ہوئے ڈرائیور نے رتنا کو دیکھ لیا تھا عورت چیز ہی ایسی ہے جسے دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے اور جب بات رتنا جیسی عورت کی ہو تو بوڑھے مردوں کے سینے میں بھی ہلچل مچنے لگتی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ ٹرک ڈرائیور نے رتنا کو دیکھ لیا تھا یا تو اس کی نیت میں فتور آ گیا تھا یا وہ محض شرارتاً ہمیں پریشان کرنا چاہتا تھا۔ ٹرک پر ڈرائیور یقیناً اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک ہیلپر بھی تھا جو

دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا۔

لمبے روٹس پر سفر کرنے والے ٹرک ڈرائیور عام طور پر مسلح ہوتے ہیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں روک کر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہمارے لئے واقعی مشکل ہو جائے گی۔ ہمارے پاس کوئی اسلحہ وغیرہ بھی نہیں تھا۔

میں نے کئی مرتبہ ہارن بجایا مگر ٹرک نے راستہ نہیں دیا اور آخر کار میں جیپ کی رفتار بڑھا کر اسے بالکل سائیڈ پر لیتا چلا گیا اور آخر کار کچے پر اتار کر ٹرک کو اوور ٹیک کر گیا۔ رتنا نے پیچھے مڑ کے ڈرائیور کو ٹھینگا دکھا دیا۔

ہماری جیپ تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑتی رہی۔ وہ ٹرک بہت پیچھے رہ گیا تھا مگر مخالف سمت سے آنے والی اکا دکا گاڑیوں کا سامنا ہوتا تھا۔

جے پور کئی گھنٹوں کی مسافت پر تھا لیکن میرا جے پور جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بیلا آج صبح سے پہلے ہی جے پور پہنچ گئی ہوگی اور اس نے ہمارے استقبال کی تیاری کر لی ہوگی۔ بیلا نے اگرچہ ہمیں دو دن کی مہلت دی تھی لیکن میں اب اس پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ دو دن تو بہت ہوتے ہیں اس عرصہ میں آدمی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ سکتا ہے اور ہندوستان کی سرحد تو چند گھنٹوں میں پار کی جا سکتی ہے۔ اس نے سوچ سمجھ کر ہی دو دن کی بات کی ہوگی۔

بیلا نے ایک اور بات بھی کی تھی۔ اس نے بلیک کیٹس کی دھمکی دی تھی۔ بلیک کیٹس۔ بھارت کی خطرناک ترین فورس اس کا قیام تو پتہ نہیں کب عمل میں آیا تھا لیکن اندرا گاندھی کے دور میں یہ فورس کھل کر سامنے آئی تھی۔ اسے باقاعدہ اسکواڈ کا نام بھی دیا گیا تھا۔ اس میں انتہائی سفاک ترین لوگ بھارتی سینا کی کمانڈو فورس سے لئے گئے تھے۔ یہ لوگ کسی پر رحم کرنا تو جانتے ہی نہیں تھے۔

میں نے چھ مہینوں سے را کو نچا رکھا تھا۔ ان کے اہم ٹھکانے تباہ کرنے کے علاوہ ان کے اہم ترین آدمیوں کو چن چن کر ختم کیا تھا لیکن وہ ہندی شیطانی تو ہمیں لگتی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔ میں اکیلا تھا۔ مجھے اس طرح کی سہولتیں حاصل نہیں تھیں لیکن ہر مرحلے پر مجھے اکا دکا لوگوں کا تعاون حاصل رہا تھا یہ الگ بات تھی کہ مجھ سے تعاون کرنے والے ہر شخص نے مجھے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں بڑی ہوشیاری سے انہی کو استعمال کرتا رہا تھا۔ بقول تمہارے ان کے بوتے ہی کے سہارے پر مارتا رہا تھا اور میں نے ان کا ماؤنٹ آبو والا ہیڈ آفس مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔

یہ انکشاف میرے لئے واقعی بڑی سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ بیلا ہی دراصل اس ادارے کی روح تھی۔ وہ را میں کسی بہت اونچی جگہ پر تھی۔ مجھے گھیرنے کی ہر کوشش میں ناکام ہونے کے بعد ہی بیلا کھل کر سامنے آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں عام را کے قابو میں آنے والا نہیں اسی لئے اس نے بلیک کیٹس کی دھمکی دی تھی۔

بیلا کی بہادری اور حوصلہ مندی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ حد سے زیادہ چالاک بھی تھی۔ گزشتہ رات وہ میرے قبضے میں آ گئی تھی اور پھر ایک ایسا موقع آیا تھا کہ میری کلاشن اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو چم پورم میں یہ کہانی ختم ہو سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس کی شاید دو وجوہات تھیں ایک تو

یہ کہ وہ مجھے زندہ حراست میں لینا چاہتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ میں زندہ ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ گزشتہ رات اس قسم کی کوئی کوشش کی جاتی تو میری زندگی کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمارے زیر دست ہونے کے باوجود وہ میری رائفل کی زد پر تھی۔ میں نے ایک لمحے کو بھی اسے اپنے سے الگ نہیں ہونے دیا تھا۔ حتیٰ کہ پولیس اسٹیشن میں بھی میں نے رائفل کی نال اس طرح اس کے پہلو سے لگائے رکھی تھی کہ کسی کو پتہ نہیں ہو سکا تھا۔ اگر بیلا ایسی کوئی کوشش کرتی بھی تو میری رائفل کی گولیاں اسے خاک و خون میں لوٹا دیتیں۔

بیلا نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے چم پورم میں ہمیں پولیس سے بچایا تھا لیکن رات یہیں نہ صرف دھوکہ دے گئی تھی بلکہ سوٹ کیس ساتھ لے جا کر گویا ہمیں ایک زور دار چپت بھی لگا گئی تھی۔ وہ سوٹ کیس نکل کر جیپ سے نہ اترتی تو ہم یقیناً اتنی زیادہ اہمیت نہ دیتے مگر سوٹ کیس کی وجہ سے ہمیں جیپ چھوڑ کر اس کے پیچھے جانا پڑا تھا اور وہ ہمیں چکمہ دے گئی تھی۔ ہمیں وہ رات اذیت میں گزارنی پڑی تھی۔ میں زندگی میں کئی مرتبہ کٹھن ترین مراحل سے گزرا تھا لیکن اس رات کو کبھی نہیں بھول سکتا اتنی اذیت کبھی نہیں اٹھائی تھی۔

میں جیپ ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ تمباکو کی ہلکی سی بو محسوس کر کے چونک گیا۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا جسے اس نے ابھی ابھی سلگایا تھا۔

"یہ... یہ کیا... میرے لئے یہ بھی حیرت کی۔" میں نے پہلے تو تمہیں کبھی سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"تم تو میں گھنٹیوں سے بیٹھے ہو کوئی بات ہی نہیں کر رہے مجھے بوریت دور کرنے کے لئے کچھ تو کرنا ہی تھا۔ ڈیش بورڈ کے خانے میں سگریٹ کا پیکٹ رکھا ہوا تھا میں نے سوچا کیوں نہ اسے آزمانے کی کوشش کی جائے۔" رتنا نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں دراصل بیلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "وہ اب کس رنگ میں ہمارے سامنے آئے گی اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ اس نے ہمیں دو دن کی مہلت دی ہے۔ تمہارے خیال میں ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔"

"اگر تم نے بیلا کی اس بات پر یقین کر لیا ہے تو تم واقعی دنیا کے سب سے بڑے احمق ہو۔" رتنا نے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اس نے ہمیں گھیرنے کا بندوبست کر رکھا ہوگا اور مجھے شبہ ہے کہ ہم بہت جلد کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ہم اب تک اس طرح آزادی سے سفر کیوں کر رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ کسی بھی وقت جیسے ہی ہم داخل ہوئے تو دھر لئے جائیں گے۔"

"اگر میں واقعی ایسا احمق ہوتا تو تم اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے سگریٹ کا ایک اور کش لگاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ وہ جس اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا رہی تھی اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ

پہلے بھی تمہارا کو نوٹس کرتی رہی ہے۔

"مطلب یہ کہ کوئی بیوقوف تو تم جیسی لڑکی کو نہیں پا سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" رتنا نے مجھے گھورا۔

"تمہیں ٹالنے کی کوشش کیوں کروں گا۔" میں نے کہا۔ "تمام حالات تمہارے سامنے ہیں۔ بِلا پر اعتماد کر کے میں نے واقعی غلطی کی تھی لیکن اب ایسی غلطی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ابھی تو ہم کسی آبادی سے میلوں دور ہیں کسی قسم کی صورت حال کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کسی بستی میں پہنچ کر ہی پتہ چلے گا کہ ہمارے آگے کیا ہے۔"

جیپ اس وقت سڑک کے عین وسط میں جا رہی تھی۔ سامنے بہت دور ایک بڑی گاڑی آتے دیکھ کر میں نے جیپ سائیڈ پر کر لی۔ وہ ایک مال بردار ٹرک تھا جو کچھ دیر بعد ہی زناٹے کی آواز سے ہمارے قریب سے گزر گیا۔

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ دھوپ کی حدت میں کمی آ گئی تھی اور اب سڑک کے دونوں طرف کچھ سبزہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ آگے کوئی آبادی تھی۔

چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سڑک سے ہٹ کر ایک خوبصورت عمارت نظر آئی۔ یہ کوئی ہوٹل تھا۔ وہ درختوں کی بہتات بھی تھی اور عمارت کے سامنے خوبصورت لان بھی تھا۔ دو کاریں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔

"اگر ہم کچھ دیر کے لئے یہاں رک جائیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" میں نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھا۔

"میں بھی اس سیٹ پر بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں تھوڑی دیر یہاں رک کر تازہ دم ہو لینا چاہئے۔" رتنا نے جواب دیا۔

میں نے جیپ سڑک سے اتار کر ہوٹل کی طرف جانے والے راستے پر موڑ لی۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی اس عمارت کے پیچھے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جو بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ یہاں بجلی بھی تھی اور ٹیلی فون کی لائن بھی نظر آ رہی تھی۔

میں نے جیپ ایک کار کے پیچھے روک لی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ سنگل اسٹوری عمارت خاصی وسیع و عریض تھی۔ برآمدہ بہت کشادہ تھا اس میں ایک طرف دو پبلک ٹیلی فون بوتھ بھی لگے ہوئے تھے۔ بائیں طرف ایک بہت وسیع اونچا چبوترہ تھا جس پر چند میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ اس چبوترے کے طرف میں لوہے کی ریلنگ لگی ہوئی تھی جس کے ساتھ ساتھ پودوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔

تین میزیں ایسی تھیں جن پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ایک میز پر ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک جوان عورت تھی۔ ان کے ساتھ چار پانچ سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا دوسری میز پر تین جوان لڑکیاں تھیں بالکل ماڈرن لباس میں۔ تیسری میز پر دو آدمی بیٹھے ہوئے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ ان دونوں کی عمریں چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوں گی ایک دبلا پتلا اور لمبے قد کا مالک تھا جبکہ دوسرا درمیانے قد کا اس کی گردن کندھوں کے اندر دھنسی ہوئی تھی۔

وہ ماڈرن لڑکیاں ہمیں دیکھ کر ہنس پڑیں۔ ایک نے تو زوردار قہقہہ بھی لگایا تھا۔ ہمارے گیٹ اپ ہی ایسے تھے کہ شہروں کے رہنے والے ہمیں دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتے تھے۔

تیسری میز پر بیٹھے ہوئے وہ دونوں آدمی البتہ سنجیدگی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں اور رتنا ریلنگ کے قریب ایک میز پر بیٹھ گئے یہاں سے عمارت کے پچھلی طرف کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ چبوترہ کسی چٹان کو ہموار کر کے بنایا گیا تھا پچھلی طرف عمودی ڈھلان تھی اور بہت گہری اور وسیع و عریض کھائی تھی جو درختوں اور جھاڑیوں سے اٹی ہوئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ایک ویٹر ہماری میز پر آ گیا۔ اس نے کئی چیزوں کے نام گنوا دیئے لیکن میں نے اسے صرف چائے کا آرڈر دیا تھا اور ساتھ میں کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لانے کو کہہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہماری میز پر چائے لگا رہا تھا تو میں اس سے اس ہوٹل کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"قریبی شہر یہاں سے دس میل دور ہے صاحب جی۔" ویٹر بتا رہا تھا۔ "یوں تو شہر میں بڑی تفریح گاہیں ہیں۔ بڑے اچھے اچھے ہوٹل نائٹ کلب اور شراب خانے ہیں مگر لوگ کچھ تبدیلی چاہتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "ہمارے سیٹھ کا ایک ہوٹل شہر میں بھی ہے جس میں شراب خانہ اور نائٹ کلب بھی ہے مگر تین چار سال پہلے اس نے ادھر بھی ہوٹل بنایا۔ شہر سے یہاں تک بجلی اور ٹیلی فون کا لائن لایا۔ یہاں بوت موج میلا ہوتا ہے مہاراج لوگ شام سے پہلے ہی یہاں آنا شروع ہو جاتے ہیں اور رات دو بجے تک بڑا ہلہ گلہ ہوتا ہے۔ سنڈے نائٹ کو تو یہاں ساری رات کھیل تماشہ ہوتا ہے یہاں؟ السی بھی ہوتا ہے ہر قسم کا دارو بھی ملتا ہے اور مہاراج جو آدمی لوگ اکیلا ہوتا ہے ان کو وہ بھی ملتا ہے۔ آپ سمجھ گیا نا؟" اس نے مخصوص انداز میں ناک پر انگلی رکھی اور کن انکھیوں سے رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔

میں سمجھ گیا وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ ہوٹل دراصل عیاشی کا اڈہ تھا جس کی سرگرمیاں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی شروع ہوتی تھیں۔

"یہاں رہائش کا بھی بندوبست ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"تین کمرے ہیں۔" ویٹر نے جواب دیا۔ "پچھلی طرف کاٹیج بھی ہیں۔ تم آج رات ادھر رہ جاؤ مہاراج۔ بڑا کھیل ہو گا۔"

"اچھا۔ دیکھیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کدھر سے آیو ہے مہاراج۔" ویٹر نے پوچھا۔

"بہت دور سے۔" میں نے کہا۔ "جے پور جانے کا ہے۔ بہت تھک گیا ہے ابھی سوچے گا رات ادھر رہ جوئے گا یا چلا جائے۔"

میں ویٹر کو ٹالنا چاہتا تھا مگر اب وہ ٹلنے کا نام نہیں لے رہا تھا وہ بار بار رتنا کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ یہاں اصل کھیل شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی شروع ہوتا تھا جب لوگ شہر سے یہاں آنا شروع ہوتے تھے۔ اس وقت تو ویٹروں کو کسی کی بات سننے کی فرصت نہیں ہوتی ہو گی۔ اس وقت چونکہ صرف چار چھ گاہک تھے اس لئے یہ ویٹر بھی فرصت میں تھا۔ میں بڑی مشکل سے اسے وہاں سے ہٹانے میں کامیاب ہو

رکا تھا۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ شہر کی طرف سے آگے پیچھے آنے والی دو کاریں وہاں آ کر رکیں۔ دونوں کاروں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ دو عورتیں تو بہت ماڈرن لباس میں تھیں۔ اتنا ماڈرن کہ انہیں دیکھ کر دل میں خواہ مخواہ بے چینی سی ہونے لگتی۔

تیسری میز پر بیٹھے ہوئے وہ دو آدمی سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے اب بھی کن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک اٹھ کر برآمدے کی طرف چلا گیا اور ایک ٹیلی فون بوتھ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں کرسی پر کچھ اس انداز سے بیٹھا ہوا تھا کہ پورا برآمدہ اور وہ ٹیلی فون بوتھ بھی صاف نظر آ رہے تھے اور وہ شخص بوتھ میں داخل ہونے کے بعد بھی میری نظروں میں تھا۔ فون پر بات کرتے ہوئے وہ بار بار ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے ہماری جیپ کی طرف بھی دیکھا تھا۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور اس کے ساتھ ہی پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی۔ رتنا نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کہ بیلا نے ہمارے استقبال کی تیاری کر لی ہو گی اور اس بری بستی میں پہنچتے ہی ہمارے لئے کسی نئی مصیبت کا آغاز ہو جائے گا۔

نجانے کیا بات تھی کہ یہاں آتے ہی ان دونوں آدمیوں کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے تھے لیکن میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ بیلا نے اگر ہمارے استقبال کی تیاری کر رکھی تھی تو اپنے آدمیوں کو میرا اور رتنا کا حلیہ بتایا ہو گا۔ اس وقت ہم جس میک اپ میں تھے اگر بیلا بھی ہمارے سامنے ہوتی تو اسے ہمیں پہچاننے میں کچھ دشواری پیش آتی۔ چہ جائیکہ بتائے ہوئے حلیے پر کوئی تیسرا آدمی ہمیں فوراً پہچان لے۔ گو کہ یہ بات منطق سے میل نہیں کھاتی تھی مگر نجانے کیوں مجھے ان پر شبہ ہو گیا تھا اور وہ شخص ٹیلی فون پر کسی دوسرے کو ہمارے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔

چند منٹ بعد وہ شخص واپس آ کر اپنی میز پر بیٹھ گیا تو اس وقت بھی کن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ سرگوشیوں میں اپنے ساتھی سے باتیں کرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کھیل شروع ہو چکا ہے رتنا۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر سرگوشی میں کہا۔

"تم شاید ان دونوں کی بات کر رہے ہو جو ہمارے بائیں طرف والی میز پر بیٹھے ہوئے ہیں۔" رتنا نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے یہ وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔

"تھوڑی دیر پہلے ویٹر نے بتایا تھا کہ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد آدھی رات تک یہاں بڑے ہنگامے ہوتے ہیں۔" رتنا نے کہا۔ "یہاں کچھ ایسے لوگ بھی آتے ہوں گے جن کا مقصد تفریح نہیں کچھ اور ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے شکاری قسم کے لوگ مرد بھی اور عورتیں بھی۔"

"یہ کیسے پتہ چلا؟" میں بولا

"ان میں ایک تو گینڈے کی طرح کی موٹی گردن والا اور دوسرا لمبے قد والا ہے۔" رتنا نے کہا۔ "لمبے قد والا ٹیلی فون کرنے گیا تو تمام وقت اس کی نظریں عورتوں پر تھیں اور گینڈے کی گردن والا موقع پا کر مجھے بھی

تیز اشارے کر رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ بیلا کے آدمی نہیں ہو سکتے یہ عورتوں کے شکاری ہیں۔ مختلف قسم کے لوگ۔ ان سے دوسرے طریقے سے نمٹا جا سکتا ہے۔"

"کیا طریقہ؟" میں نے پوچھا۔

"اب اگر وہ کوئی حرکت کرے تو میں اٹھ کر اسے گریبان سے پکڑ لوں۔ اس طرح ان کی اصلیت سامنے آ جائے گی۔" رتنا نے جواب دیا

مجھے رتنا کے پروگرام سے اتفاق کرنا پڑا۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بیلا نے چے پوری کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی شروع کرا دی ہو گی تاکہ اسے ہمارے بارے میں اطلاع مل سکے۔ اگر یہ بیلا کے آدمی ہوتے تو اس طرح کی کوئی حرکت نہ کرتے جس سے ہمیں ان پر شبہ ہوتا۔ وہ دور رہ کر ہماری نگرانی کرتے۔

اس کا مطلب تھا کہ رتنا کا خیال درست تھا۔ یہ شکاری قسم کے لوگ تھے۔ ایسی جگہوں پر اس قسم کے لوگ نہ ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم رات کا کچھ حصہ یہاں گزار لیں گے۔ انجوائے کریں گے اور ویسے بھی ہمیں اب کسی کار کی ضرورت ہو گی۔ جیپ سے اب پیچھا چھڑا لینا چاہئے۔"

"کار کہاں سے لو گے؟" رتنا نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"یہ دونوں لوگ شہر سے پیدل تو یہاں نہیں آئے ہوں گے۔" میں نے کہا۔ "ہمارے آنے سے پہلے جو دو تین کاریں کھڑی تھیں ان میں سے ایک کار ان کی بھی ہو گی۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے؟" رتنا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"چائے پینے کے بعد ویٹر کے ساتھ کمرہ دیکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ایک کمرہ لے لیں گے۔ کچھ دیر آرام کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔"

اس وقت سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا اور پھر ٹھیک اسی وقت ایک اور کار وہاں آ کر رکی۔ ایک آدمی اور ایک لڑکی کار سے اترے۔ آدمی کی عمر پچپن کے لگ بھگ رہی ہو گی جبکہ لڑکی بیس سے زیادہ کی نہیں تھی۔ مرد نے جینز شرٹ اور لڑکی نے ساڑی پہن رکھی تھی۔

میں نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔ وہ برتن اٹھانے لگا تو میں نے اس سے کمرے کی بات کی اور پھر اس کے جانے کے دو منٹ بعد ہم بھی اٹھ کر برآمدے میں سے ہوتے ہوئے ویٹنگ لاؤنج میں آ گئے جہاں شاندار استقبالیہ کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔

ویٹر ہمیں کمرہ دکھانے سے پہلے ہوٹل کے دوسرے حصے دکھاتا رہا۔ بہت بڑا ڈائننگ ہال تھا اس کے ایک طرف وسیع و عریض سٹیج تھا کچھ لوگ ہال میں ٹیبل وغیرہ سیٹ کر رہے تھے۔ ایک طرف بہت بڑا بار کاؤنٹر تھا جس کے پیچھے شیلفوں میں شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

اس سے ملحق ایک اور چھوٹا ہال تھا۔ یہ جوا خانہ تھا۔ رولیٹ کے علاوہ یہاں جوا کھیلنے کی اور بھی بہت سی مشینیں لگی ہوئی تھیں اور میرا خیال تھا کہ بہت کم لوگ یہاں سے جیت کر جاتے ہوں گے۔

باہر سے یہ عمارت کچھ زیادہ بڑی نہیں لگتی تھی لیکن اندر سے خاصی وسیع تھی اور پیچھے کی طرف

پھیلی ہوئی تھی۔ مرکزی لابی کے ایک طرف کسی درخت کی تین شاخوں کی طرح تین راہداریاں تھیں۔ ہر راہداری میں دس کمرے تھے۔ پانچ ایک طرف اور پانچ سامنے۔ ویٹر ہمیں درمیان والی راہداری میں لے گیا اور پہلے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ سامنے ہی دیوار پر آویزاں فریم میں ایک عورت کی عریاں تصویر لگی ہوئی تھی۔ تصویر کا پوز دیکھ کر میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ صرف وہی ایک تصویر نہیں دوسری دیواروں پر اور بھی ایسی تصویریں آویزاں تھیں جنہیں دیکھ کر جذبات مشتعل ہوتے ہوں۔

رتنا تو فوراً ہی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ زیادہ بڑا کمرہ نہیں تھا ایک طرف سنگل بیڈ تھا ایک چھوٹی ٹیبل اور دو کرسیاں اور ایک چھوٹا سا ملحق باتھ روم۔

لوگ یہاں تفریح اور عیاشی کے لئے آتے تھے وہ پیسہ خرچ کرتے تھے اور ان کی تفریح کو زیادہ سے زیادہ رنگین بنانے کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ یہ کمرے ظاہر ہے رہائش کے لئے نہیں صرف عیاشی کے لئے تھے اور چند گھنٹوں کے لئے ہی کرائے پر دیئے جاتے ہوں گے۔

ماؤنٹ آبو میں بھی میں نے بہت کچھ دیکھا تھا جودھ پور میں سیتا جیسی عورت سے ملاقات ہوئی تھی اور اب یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ رام رام جپنے والی بھیا قوم یورپ سے بھی ایڈوانس ہوتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ بھی اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے۔

”یہ کمرہ مجھے پسند نہیں یہاں گھٹن سی ہے کوئی کاٹیج دکھاؤ۔“ میں نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ تمام کمرے اسی طرح آراستہ ہوں گے۔

ویٹر نے کمرے سے نکلتے ہوئے کن انکھیوں سے رتنا کی طرف دیکھا اور ہمیں ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

ویٹر نے استقبالیہ کاؤنٹر سے چابیوں کا گچھا لیا اور ہم اس کے ساتھ عمارت کے ایک پچھلے دروازے سے باہر آ گئے۔ دن کی روشنی اس وقت غائب ہو رہی تھی۔ پچھلی طرف جگہ جگہ برقی قمقمے روشن ہو گئے تھے۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی یہ۔ پہاڑی کے دامن میں ناریل کے اونچے درختوں اور سبزے میں گھرے ہوئے کئی چھوٹے چھوٹے کاٹیج تھے۔

ویٹر ایک کاٹیج کے سامنے رک گیا۔ اس کے پچھلی طرف کچھ سطح جگہ تھی اور اس سے آگے عمودی ڈھلان تھی جو نشیب میں وادی کی طرف چلی گئی تھی۔ اس طرف بھی درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

یہ کاٹیج بھی ایک کمرے اور ملحق باتھ روم پر مشتمل تھا اس کے اندر کی صورت حال بھی اس کمرے سے مختلف نہیں تھی۔ میں کاٹیج سے باہر آ گیا جہاں رتنا کھڑی تھی۔ اس نے ویٹر کی موجودگی میں کاٹیج میں داخل ہونے سے گریز کیا تھا۔

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ جگہ میرے لئے آئیڈیل تھی۔

”ٹھیک ہے یہ کاٹیج ہمیں دے دو مگر اس کا کرایہ کیا ہوگا؟“ میں نے مڑ کر سوالیہ نگاہوں سے ویٹر کی طرف دیکھا۔

”پندرہ سو روپے۔“ ویٹر نے جواب دیا۔

”کیا؟“ میں اچھل پڑا۔ ”ٹھیک ہے۔“ میں نے اپنے آپ کو صدمے سے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”یہ کاٹیج میرے نام کر دو۔“

”آپ استقبالیہ پر آ جاؤ مہاراج۔“ ویٹر نے کہا۔

میں نے ویٹر سے کاٹیج کی چابی لے کر رتنا کے حوالے کر دی۔

”تم یہیں رک جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔ اندر سے دروازہ بند کر لینا۔“ میں رتنا سے کہتا ہوا ویٹر کے ساتھ دوبارہ عمارت میں آ گیا۔ استقبالیہ کاؤنٹر پر میں نے رجسٹر کی خانہ پری کی اور کرایہ بھی ادا کر دیا۔ اس دوران میں نے جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں آدمی وہیں بیٹھے ہوئے تھے باہر اچھی خاصی رونق ہو گئی تھی۔ پارکنگ ایریا میں کاروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔

رتنا نے دروازے کو اندر سے بولٹ لگا رکھا تھا۔ میری آواز پہچان کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر کے بولٹ لگا دیا اور پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ رتنا نے دیواروں پر آویزاں عورتوں کی عریاں تصویروں والے تمام فریم پلٹ دیئے تھے۔ اسے شاید اپنی ہم جنس کی یہ تذلیل پسند نہیں آئی تھی لیکن وہ غالباً یہ بات بھول گئی تھی کہ یہ تصویریں زبردستی نہیں کھینچی گئی تھیں۔ ان عورتوں کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی اور انہوں نے بڑے شوق سے یہ تصویریں کھنچوائی تھیں اور مزے کی بات یہ تھی کہ یہ تمام تصویریں ہندوستانی عورتوں کی تھیں کوئی بھی یورپین نہیں تھی کہ یورپ کی خواتین پر کوئی الزام دھرا جا سکتا۔

یہ کاٹیج ہوٹل کی عمارت سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔ دوسرے کاٹیج بھی تیس پینتیس گز کے فاصلے سے کم نہیں تھے۔ اسی طرح کسی کی پرائیویسی مجروح نہیں ہوتی تھی۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے باہر آوازیں سنائی دینے لگیں جس کا مطلب تھا کہ پڑوس کے کاٹیج بھی بک ہو رہے تھے۔

نو بجے کے قریب میں رتنا کو لے کر باہر آ گیا۔ کاٹیج کو تالا لگایا اور ہم دونوں ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آ گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے ہال میں دو چار میزیں ہی خالی تھیں۔ دوسرے ہال میں بھی لوگ بھرے ہوئے تھے اور جوئے خانے میں بھی بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ لوگ شام ہونے کے فوراً ہی بعد یہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا جس نے بھی یہ ہوٹل بنایا تھا وہ اپنے بزنس میں بہت کامیاب تھا۔

وہ دونوں آدمی اب مجھے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شروع میں پارکنگ ایریا میں جو دشمن کاریں دیکھی تھیں وہ اب بھی موجود تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں بھی یہیں موجود تھے۔ اگر وہ دشمن کی تاک میں تھے تو انہیں یقیناً پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم نے کاٹیج لے لیا ہے۔

ہم دونوں کے مخصوص لباس کی وجہ سے لوگ ہماری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ایسی ماڈرن جگہ پر دیہاتی لباس۔ ہنسنے والی بات ہی تو تھی۔ بعض لوگ تو شاید یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم نے تفریحاً یہ لباس پہن رکھے ہیں۔

ڈائننگ ہال میں ایک خالی میز مل گئی۔ ہم نے وہاں بیٹھ کر اطمینان سے کھانا کھایا۔ بل ادا کرتے وقت مجھے اچانک ہی اس والٹ کا خیال آیا جو جیل والے شکاری کی پینٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔

"ارے وہ والٹ کہاں ہے جو شکاری کی جیب سے نکلا تھا۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں پوچھا۔

"محفوظ ہے۔ اسے کوئی نہیں چھو سکتا۔" رتنا نے کہتے ہوئے نظروں سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ آ گئی تھی میں بھی مسکرا دیا۔

ہم ڈائننگ ہال سے نکل کر ڈانس ہال میں آ گئے۔ اس وقت دس بج چکے تھے اور اکا دکا میزیں ہی خالی نظر آ رہی تھیں۔ اسٹیج پر ایک رقاصہ بے ہنگم موسیقی پر اچھل کود کر رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ اصل پروگرام ساڑھے گیارہ بجے شروع ہونے والا تھا۔ جس میں جے پور کی ایک معروف رقاصہ کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔

میں نے رتنا کو اشارہ کیا اور ہم عقبی دروازے کی طرف چلنے لگے۔ ظاہر ہے ہمارا مقصد یہاں تفریح میں الجھنا نہیں تھا ہم تو کسی خاص وجہ سے یہاں رک گئے تھے۔ بیلا کی دی ہوئی مہلت کو تقریباً چھ گھنٹے گزر چکے تھے اور اگلے پچیس گھنٹوں میں مجھے سرحد پار کر لینی چاہئے اور یہ تقریباً ناممکن نظر آ رہا تھا۔

ہال سے نکل کر ہوٹل کی عمارت کی پچھلی طرف جاتے ہوئے میری نظر غیر ارادی طور پر پارکنگ کی طرف اٹھ گئی۔ ہماری جیپ سے ذرا آگے سرخ رنگ کی کار کے قریب گینڈے جیسی گردن والا کوتاہ قامت آدمی کھڑا تھا۔ مجھے اس طرف متوجہ پا کر وہ ایک دم آڑ میں ہو گیا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ یقیناً ہماری جیپ کی نگرانی کر رہا تھا تا کہ اگر ہم وہاں سے روانہ ہوں تو اس کی نظروں میں آ سکیں۔

عمارت کے عقب میں کاٹیج کی طرف جاتے ہوئے میں محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ مختلف کاٹیج کی طرف بعض لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی وہ جو بھی تھے جوڑا جوڑا تھے مگر ایک آدمی کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اکیلا تھا اور تاریکی میں تھا۔ میں نے اسے بڑی تیزی سے ایک درخت کی آڑ میں چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ غالباً گینڈے کا لمبے قد والا ساتھی تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

کاٹیج میں پہنچ کر میں نے دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔

"تھیلا بیڈ پر رکھا ہوا ہے۔ اس میں سے کپڑے نکال کر جلدی سے بدل لو۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ وہی تھیلا تھا جو مادھو تیلی نے ہمیں دیا تھا۔ اس میں ہمارے پرانے کپڑے تھے۔

رتنا نے تھیلے میں سے خاکی پتلون اور سفید ٹی شرٹ نکال لی اور وہیں کھڑے کھڑے اپنے کپڑے اتار دیئے اور پینٹ شرٹ پہن لی۔ کاٹیج کی ایک دیوار پر ایک خوبصورت فریم والا آئینہ بھی آویزاں

تھا وہ اس کے سامنے کھڑی ہو کر زیور اتارنے لگی۔ ناک میں پڑی ہوئی نتھ اور چوڑی اتارنے میں اسے کچھ دشواری پیش آئی تھی اور آنکھوں میں پانی بھی آ گیا تھا۔

اس دوران میں نے بھی کپڑے بدل لئے۔ ہم دونوں کے جوگرز بھی تھیلے میں موجود تھے۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر جوگرز پہننے لگا اور رتنا بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئی تھی۔ میں جوگرز کے فیتے باندھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ویٹر ہوں مہاراج۔" باہر سے جواب ملا۔ "منیجر صاحب نے رجسٹر بھیجا ہے۔ ایک جگہ آپ کے دستخط رہ گئے ہیں۔"

میں نے "ابھی کھولتا ہوں" کہتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھا۔ یہ ویٹر کی آواز نہیں تھی۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا وہ دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑی ہو گئی۔ دروازہ کھلنے کی صورت میں وہ پیچھے چھپ کر رہ جاتی۔ میں نے بھی ایک سائیڈ پر ہو کر دروازہ کھول دیا اور پھر میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ وہی دونوں آدمی تھے ایک لمبے قد والا اور دوسرا گینڈے جیسا۔ لمبے قد والے کے ہاتھ میں پستول تھا جبکہ دوسرا خالی ہاتھ تھا۔ دونوں مجھے دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے۔

"کیا ہے بھایا... کون ہو تم لوگ اور اس طرح زبردستی اندر آنے کا کیا مطلب ہے؟" میں نے کسی قدر خوفزدہ ہونے کا مظاہرہ کیا۔

"ہمارا شبہ درست نکلا۔" لمبے قد والا پستول کو حرکت دیتے ہوئے بولا۔ "تم وہی دونوں ہو جن کے بارے میں ہمیں جے پور سے اطلاع ملی تھی۔ تمہیں اس جیپ پر دیکھ کر ہی ہمیں شبہ ہو گیا تھا۔ اس جیپ کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں وہ جے پور کے شکاری مہندر سنگھ کی ہے۔ میں اسے پچھلے چھ مہینوں کے دوران کم از کم دو مرتبہ پکڑ چکا ہوں مگر کم بخت کا ہاتھ فوراً ہی نوٹوں کی گڈی پر پہنچ جاتا تھا ایسے آدمی کو سلاخوں کے پیچھے بند کرنا تو اچھا نہیں لگتا نا۔ بہرحال تم لوگوں کو اس جیپ پر دیکھ کر مجھے شبہ ہوا تھا میں نے پبلک ٹیلی فون سے مادام بیلا کو اطلاع دی اور تم لوگوں کا حلیہ بتایا تو اس نے تصدیق کر دی کہ وہ تم دونوں ہو سکتے ہو۔ اس نے کہا تھا کہ تم دونوں کو کسی نہ کسی طرح روک کر رکھا جائے وہ اطلاع ملتے ہی جے پور سے روانہ ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے اب تک کرنا پہنچ چکی ہو یا پہنچنے والی ہو۔ وہ چھوکری کہاں ہے؟"

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر شروع میں میرے ذہن میں جو شبہ ابھرا تھا وہی درست نکلا تھا۔ ان میں سے گینڈے کی گردن والے نے رتنا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ ہم انہیں غنڈے سمجھتے رہیں اور ان کی اصلیت پر شبہ نہ کر سکیں۔

"تم لوگ شاید حلیے بدل کر یہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا رہے تھے وہ چھوکری کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"وہ ڈانس فلور پر گئی ہے۔" میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ کہتے ہو۔ ہم نے اسے یہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔" اس مرتبہ گینڈے کی گردن والا بولا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ پینٹ شرٹ میں ہے ہو سکتا ہے تم لوگ اسے پہچان نہ سکے ہو۔ ویسے بھی باہر اندھیرا ہے۔"

وہ دونوں چند لمحے خاموش رہے پھر لمبے قد والا اپنے ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ہوشیار رہنا یہ بڑا خطرناک لگتا ہے۔" گینڈے کی گردن والے شیوا نے کہا اور میری طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور رتنا دروازے کے پیچھے بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ لمبے قد والا مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔

"میں اعتراف کر لیتا ہوں کہ ہم وہی ہیں جن کی تمہیں تلاش تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم اس طرف سے آئیں گے۔"

"میڈم بیلا راٹھی ایک بہت اونچے عہدے پر ہے۔ وہ بیوقوف نہیں۔" لمبے قد والے نے جواب دیا۔ "جودھ پور کی طرف سے تین راستے جے پور کی طرف جاتے ہیں تینوں راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ ہم یہاں اس لئے موجود ہیں کہ تم لوگ کہیں نہ کہیں پہنچ کر کسی اور طرف نہ نکل جاؤ۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم بھی راہی ہو۔" میں نے کہا اور ہاتھ کو اس طرح حرکت دی کہ اسے کوئی شبہ نہ ہو سکے لیکن رتنا میرے ہاتھ کی حرکت کا مطلب سمجھ لے۔

رتنا مطلب سمجھ گئی۔ وہ بڑی آہستگی سے دروازے کے پیچھے سے نکلی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر پوری قوت سے دو ہتڑ اس کی گدی پر جما دیا۔ اس شخص کے منہ سے ہلکی سی چیخ کی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے کو گرا۔ میں نے سب سے پہلے اس کے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر ماری۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر بیڈ پر گرا جسے میں نے فوراً ہی قبضے میں لے لیا۔ وہ شخص سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی کنپٹی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ کنپٹی پر لگنے والی ٹھوکر نے اسے کم از کم دو گھنٹوں کیلئے اس دنیا سے غافل کر دیا تھا۔ میں نے اسے گھسیٹ کر دروازے کے پیچھے ڈال دیا اور پستول رتنا کے ہاتھ میں دے دیا۔ رتنا ایک بار پھر دروازے کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ میں کھلے ہوئے دروازے کے سامنے اس طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا جیسے کسی نے ہینڈز اپ کرا رکھا ہو۔

صرف دو منٹ بعد کاٹیج کے قریب تیز تیز قدموں کی آواز ابھری اور پھر گینڈے کی گردن والا شیوا دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔

"راکیش وہ، ہاں نہیں۔" وہ کہتے کہتے رک گیا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "راکیش کہاں ہے؟"

میں نے گردن سے اندر کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ راکیش کا نام لیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ رتنا نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ شیوا تیزی سے پیچھے گھوما اور پھر اس کے چہرے پر خوف کے سائے پھیلتے چلے گئے۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "راکیش کہاں ہے؟"

"پڑا ہے تمہارے سامنے۔" میں نے فرش پر پڑے ہوئے راکیش کی طرف اشارہ کیا۔

راکیش کو مردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑا پا کر اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات کچھ اور گہرے ہو گئے۔

"تت۔ تم نے اسے مار دیا۔" شیوا ہکلایا۔

"نہیں ابھی زندہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

شیوا نے بڑی پھرتی سے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر میرا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ رتنا نے بڑی پھرتی سے اس کے پیچھے پہنچ کر پستول کی نال اس کی کھوپڑی سے لگا دی۔

"اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گی۔" وہ غرائی۔

میں نے آگے بڑھ کر شیوا کی جیب سے پستول نکال لیا اور رتنا کو اشارہ کر دیا۔ رتنا نے بڑی پھرتی سے پستول کو نال کی طرف سے پکڑ کر دستہ پوری قوت سے اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ وہ کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

"رتنا ہری اپ۔" میں نے شیوا کی جیب سے نکالا ہوا پستول اپنی جیب میں ڈال لیا۔ "یہاں کوئی رسی تلاش کرو۔"

"یہ کوئی مویشیوں کا باڑہ تو نہیں کہ رسی مل جائے۔" رتنا بولی۔ اس نے بھی راکیش والا پستول جیب میں ڈال لیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر اس نے بستر کی چادر کھینچ لی اور اسے لمبائی کے رخ پر پھاڑنے لگی۔

اس چادر کی بالشت بھر چوڑی پانچ چھ پٹیاں بن گئیں۔ میں نے پہلے راکیش کے پیر اور ہاتھ پشت پر باندھے اور پھر شیوا کو بھی اسی طرح باندھ دیا اور پھر بتی بجھا کر کاٹیج سے باہر آ گیا۔

ہوٹل کی عمارت کی طرف سے موسیقی اور لوگوں کے شور کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس طرف کے کاٹیج تاریک پڑے ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کلب کا پروگرام ختم ہونے کے بعد یہ کاٹیج آباد ہونا شروع ہوں گے۔ تقریباً پچاس گز دور کسی پول پر بلب جل رہا تھا لیکن درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کی وجہ سے اس کی روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

ہمارے والے کاٹیج کے سامنے درختوں کی وجہ سے اندھیرا تھا۔ عمارت کی طرف سے شور کی آوازیں تو آ رہی تھیں لیکن اس طرف کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

میں نے اندر آ کر پہلے راکیش کو کندھے پر اٹھایا اور باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا ہوا تیزی سے کاٹیج کے پچھلی طرف چلنے لگا۔ اس طرف بھی ایک دو کاٹیج تھے مگر وہ خاصے دور تھے اور اس طرف بھی تاریکی تھی۔ عقب میں بائیں طرف وہ گہری ڈھلان تھی جو میں نے دن کے وقت دیکھی تھی۔ وہ ڈھلان خاصی گہری تھی نیچے دور تک درخت اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے راکیش کو کندھے سے اتار کر اس ڈھلان پر لڑھکا دیا۔ وہ جھاڑیوں میں الجھتا ہوا نیچے کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ کچھ دیر تک جھاڑیوں کی شاخوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر خاموشی چھا گئی۔ راکیش کم از کم پندرہ بیس گز نیچے جا کر رکا تھا۔

میں تیزی سے کاٹیج میں واپس آ گیا اور شیوا کو کندھے پر اٹھا لیا۔ وہ کم بخت گینڈے کی

طرح بھاری تھا۔ اسے کھائی تک لے جاتے ہوئے میں بری طرح ہانپ گیا تھا۔ اسے ڈھلان پر لڑھکا کر میں لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

وہ دونوں زندہ تھے۔ میں نے انہیں اپنے ہاتھوں قتل نہیں کیا تھا لیکن کسی ایسے آدمی کو زندہ چھوڑنا بھی میرے اصول کے خلاف تھا جو میری جان کا دشمن ہو۔ انہیں میں نے ہاتھ پیر باندھ کر اس گہری کھائی میں لڑھکا دیا تھا۔ ان دونوں کے منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی نہ تو وہ کوئی حرکت کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کے منہ سے کوئی آواز نکل سکتی تھی۔ اس گہری کھائی کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہاں بھیڑیوں کی آمد و رفت ضرور ہوگی۔ اگر وہ بھیڑیوں کی خوراک بننے سے بچ گئے تو زہریلے سانپ یا بچھو وغیرہ ان کی زندگیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اگر وہ ان سے بھی محفوظ رہے تو اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

اس بات کا امکان ہرگز نہیں تھا کہ کوئی انہیں بچا لے گا۔ رات کے وقت تو کسی کا اس طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صبح کے وقت اگر کوئی تفریحاً اس طرف چلا بھی گیا تو اس وقت تک دم گھٹنے سے ہی ان کا خاتمہ ہو چکا ہوگا۔

میں کاٹیج میں واپس پہنچا تو ٹھٹک سا گیا۔ رتنا تصویروں والے فریم سیدھے کر چکی تھی اور ایک تصویر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے یہ تصویر زیادہ پسند آ گئی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ نہیں۔" وہ چونک کر بولی۔ "یہ...... یہ شوبھا کی تصویر ہے۔"

"شوبھا! یہ کون ہے؟ کیا تم جانتی ہو اسے؟" میں نے حیرت سے کہا اور تصویر کو دیکھنے لگا۔

تصویر دراصل سولہ بائے بیس انچ سائز کا کلر فوٹو گراف تھا۔ اس لڑکی کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔۔۔ بے حد حسین تھی۔ جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ تصویر اس انداز سے کھینچی گئی تھی کہ بدن کے تمام نشیب و فراز واضح تھے۔ لڑکی کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ تصویر کھنچوانے کیلئے اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا تھا بلکہ اس نے بخوشی کیمرے کا سامنا کیا تھا۔

"یہ۔ پریم نواس ریسٹورنٹ میں میرے ساتھ ویٹرس تھی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "صرف دو تین مہینے رہی تھی پھر اچانک ہی نوکری چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"لعنت بھیجو اس پر۔" میں نے کہا۔

"میں سوچ رہی ہوں کسی جگہ میری بھی ایک تصویر لگی ہوئی نہ ہو۔ یا میری ویڈیو فلم۔"

"میتا کے بنگلے میں موجود تم لوگوں کی تمام ویڈیو فلمیں ضائع کر دی گئی تھیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آؤ اب چلیں۔ زیادہ دیر یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔"

رتنا نے بیڈ کے قریب چھوٹی میز پر رکھا ہوا چابیوں کا گچھا اور وہ نوٹ نکال لئے جو ان دونوں کو بے ہوش کرنے کے بعد ہم نے ان کی جیبوں سے نکالے تھے۔ نوٹ رتنا نے اپنی جیب میں ٹھونس لئے اور چابیوں کا گچھا میری طرف بڑھا دیا۔

رنگ میں تین چابیاں تھیں۔ اور یہ تینوں کار کی چابیاں تھیں۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور رتنا کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے عمارت کے پہلو کی طرف سے ہوتے ہوئے پارکنگ کی طرف چلنے لگے۔ راستے میں صرف ایک آدمی نظر آیا تھا جو شراب کی بوتل لئے کسی کاٹیج کی طرف جا رہا تھا۔

پارکنگ ایریا کی طرف کوئی نہیں تھا۔ کسی کو گاڑیوں کی نگرانی پر مقرر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ میں نے اب بھی رتنا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم دونوں گاڑیوں کے درمیان چکراتے ہوئے اپنی جیپ کی طرف بڑھنے لگے جو دور ہی سے نظر آ رہی تھی۔

دائیں طرف چبوترے پر ابھی ہنگامہ جاری تھا۔ نیم عریاں لباس میں ایک رقاصہ میزوں کے درمیان تھرک رہی تھی۔

جیپ کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ وہ سرخ گاڑی اس سے آگے تھی جو میں نے شروع میں جیپ اور گاڑی کے ساتھ دیکھی تھی۔ بعد میں ایک موقع پر میں نے گینڈے کی گردن والے شیو کو اس کار کے قریب کھڑے دیکھا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ کار انہی کی تھی۔

جیپ کے قریب کھڑے ہو کر میں نے چابیوں کا رنگ رتنا کی طرف بڑھا دیا اور خود ادھر ادھر دیکھنے لگا۔۔۔ رتنا جھجکتی ہوئی سرخ کار کے قریب جا چکی تھی۔

چبوترے پر سب لوگ اپنی مستیوں میں غرق تھے۔ کسی کو اس سے غرض نہیں تھی کہ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔ لیکن ایک آدمی ایسا بھی تھا جو ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس میز پر دو عورتیں اور ایک آدمی اور بھی تھا۔ وہ تینوں آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے لیکن اس شخص کے بارے میں کہا جا سکتا تھا کہ ان تینوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس کے ساتھ ہی رتنا کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

میں جیپ سے ہٹ کر سرخ کار کے قریب آ گیا۔ پیجرز سائیڈ والا دروازہ کھولتے ہوئے میں نے ایک بار پھر چبوترے کی طرف دیکھا۔ اس شخص کے چہرے پر الجھن کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

کار حرکت میں آ چکی تھی۔ میں نے سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ پارکنگ ایریا میں گاڑیاں اس طرح کھڑی تھیں کہ عین بیچ میں کوئی بڑی گاڑی آسانی سے نکل سکتی تھی۔ رتنا سرخ کار کو دونوں کاروں کے درمیان اس راستے پر لے آئی۔ پارکنگ ایریا کے اختتام پر مین روڈ کی طرف چل دیا اور۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ شخص ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر چبوترے سے پارکنگ کی طرف دوڑ لگا دی۔ اب اس کے ہاتھ میں پستول یا ریوالور قسم کی کوئی چیز نظر آ رہی تھی۔ اس شخص کے بارے میں میرا شبہ درست نکلا وہ بھی راکیش اور شیوا کا ساتھی تھا جسے

غالباً انہوں نے فون کر کے اپنی مدد کیلئے شہر سے بلوا لیا تھا اور وہ ان دونوں سے الگ تھلگ ہی رہا تھا تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں ان کی مدد کر سکے اور اب ہمیں سرخ کار پر جاتے دیکھ کر اسے گڑبڑ کا احساس ہوگیا تھا اور اس نے ہمارے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔

"رفتار بڑھاؤ رتنا" میں نے کہتے ہوئے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔" ان دونوں کا ایک ساتھی ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔"

رتنا نے ایک دم رفتار بڑھا دی۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے۔ ایک گولی ہماری کار کی عقبی سکرین توڑتی ہوئی ہم دونوں کے درمیان سامنے والی ونڈ سکرین میں سوراخ کرتی ہوئی ہم سے آگے نکل گئی۔ دوسری گولی غالباً پیچھے ڈکی یا فینڈر میں لگی تھی۔

ہم دونوں بڑی پھرتی سے نیچے جھک گئے تھے۔ رتنا نے سٹیرنگ ذرا سا دائیں طرف گھمایا تھا۔ اسی طرح ہمیں پارکنگ میں کھڑی ہوئی دوسری گاڑیوں کی آڑ مل گئی۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ شخص اب پارکنگ ایریا میں اس طرف دوڑ رہا تھا جہاں سے ہم نے یہ کار اڑائی تھی اور پھر میں نے اسے جیپ میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

چبوترے کی طرف اگرچہ موسیقی اور لوگوں کا شور تھا لیکن گولیوں کی آواز اس شور پر غالب آ گئی تھی۔ موسیقی ختم ہو گئی تھی اور لوگ بھی کچھ بدحواس ہو کر پارکنگ ایریا کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

جب ہم یہاں آئے تھے تو میں نے جیپ کی چابی سوئچ ہی میں چھوڑ دی تھی۔ اور اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ شخص جیپ پر تعاقب کر کے ہمارے لئے پریشانی پیدا کر سکتا تھا۔

ہماری کار ہوٹل کے ایریا سے نکل کر سڑک پر آ رہی تھی کہ کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکہ ہوا۔ میں اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ سٹیرنگ پر رتنا کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی اور کار لہرا گئی مگر رتنا نے اسے فوراً ہی سنبھال لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔

ہماری جیپ کے پرخچے اڑ گئے تھے اور آس پاس کھڑی ہوئی دوسری کاریں بھی زد میں آ گئی تھیں جن سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے۔ اس شخص کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا جس نے ہمارے تعاقب کیلئے جیپ سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔

ہوٹل میں بھگدڑ مچ گئی۔ چبوترے پر سجی ہوئی راگ رنگ کی محفل بھی درہم برہم ہو گئی۔ لوگ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ میزیں کرسیاں الٹ رہی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور فضا چیخوں سے گونج رہی تھی۔

رتنا نے کار روک دی۔ میں بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک اور دھماکہ ہوا ایک کار کا پٹرول ٹینک پھٹ گیا تھا۔ شعلوں میں لپٹی ہوئی کار کئی فٹ اوپر اچھلی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چاروں طرف بکھر گئی۔ جلتی ہوئی کار کے کچھ ٹکڑے چبوترے پر لوگوں کے ہجوم پر گرے۔ چیخ و پکار پہلے سے زیادہ بلند ہوئی۔ کئی لوگ زخمی ہوئے تھے۔

"رکو نہیں کار آگے بڑھاؤ رتنا۔" میں نے سیٹ پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

رتنا یک دم جیسے ہوش میں آ گئی۔ وہ سنبھل گئی اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بیلا کے الفاظ یاد ہونے چاہئیں۔" میں نے کہا۔ ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فاصلہ زیادہ ہو جانے سے لوگوں کے شور کی آوازیں کم ہو گئی تھیں لیکن شعلے دکھائی دے رہے تھے۔" اس نے کہا تھا کہ اب مجھے جان سے مارنے کی کوشش کی جائے گی۔ جودھ پور سے جے پور جانے والے تمام راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ یہ دونوں یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں ہم پر شبہ ہو گیا تھا اور اپنی مدد کیلئے ایک تیسرے آدمی کو بھی بلا لیا تھا۔ اس دوران موقع پا کر ان دونوں میں سے کسی نے ہماری جیپ میں بم لگا دیا تھا جس کا تار اگنیشن سے جوڑ دیا گیا تھا تاکہ اگر ہم انہیں چکمہ دیکر بھاگنے کی کوشش کریں تو جیپ سٹارٹ کرنے کیلئے سوئچ گھماتے ہی ہمارے پرخچے اڑ جائیں۔

"یہ کام انہوں نے اس وقت کیا ہوگا جب ہم کاٹیج میں آ چکے تھے اور غالباً ان کے تیسرے ساتھی کو اس کا علم نہیں تھا۔ اس نے جیسے ہی جیپ سٹارٹ کرنے کی کوشش کی زوردار دھماکہ ہوا اور پھر وہی کچھ ہوا جو تم دیکھ چکی ہو۔" بات ختم کر کے میں نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہم تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے مگر شعلے اب بھی نظر آ رہے تھے۔

دو تین میل کا فاصلہ اور طے ہو گیا۔ ہم شہر کے نواح میں داخل ہو چکے تھے۔ سڑک کے اطراف میں عالیشان کوٹھیاں دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کوئی بڑا شہر تھا۔ سامنے دور دور تک جگمگاتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ایک منٹ۔ رک جاؤ۔" میں نے ایک موڑ سے آگے نکلتے ہی گاڑی رکوا لی۔ "یہ شہر میں داخل ہونے والی مرکزی سڑک ہے، ہو سکتا ہے آگے کہیں۔۔۔"

میں جملہ مکمل نہیں کر سکا کیونکہ اس وقت فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی تھی۔ رتنا نے کار سائیڈ پر روک لی۔ اس طرف تھوڑا بہت ٹریفک بھی تھا۔ سڑک پر چلنے والی دوسری گاڑیاں بھی یا تو رک گئی تھیں یا سائیڈ پر ہو گئی تھیں۔ چند سیکنڈ بعد ہی سامنے کسی موڑ سے پولیس کی ایک جیپ اور فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں نمودار ہوئیں اور چیختی دھاڑتی ہمارے قریب سے گزر گئیں۔

"میرا خیال ہے کسی نے ہوٹل سے ٹیلیفون پر پولیس اور فائر بریگیڈ کو اطلاع دیدی ہے۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اس وقت میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شہر میں داخل ہونے والی مرکزی سڑک ہے ہو سکتا ہے آگے کہیں چیکنگ ہو رہی ہو اور اب تو یہ بات یقینی ہو گئی ہے۔ کار کو بائیں طرف والی سڑک پر موڑ لو۔"

اس وقت پولیس کی دو اور گاڑیاں سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دیں۔ وہ گاڑیاں ہمارے قریب سے گزر گئیں تو رتنا نے کار کو ریورس میں لے لیا اور بائیں طرف والی ذیلی سڑک پر موڑ دی۔

یہ شہر کا نوجی رہائشی علاقہ تھا اور غالباً اسی علاقے میں دولتمندوں کی رہائش تھی کیونکہ کوٹھیاں بہت شاندار اور بڑی بڑی تھیں۔ کہیں کہیں دکانیں بھی تھیں لیکن اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ البتہ ایک موڑ پر ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ کھلا تھا جس میں چند ہی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

ہمارے لئے سب سے بڑا مسئلہ اس وقت اس کار سے نجات حاصل کرنا اور کسی محفوظ جگہ کا بندوبست کرنا تھا۔ رازش مجھے بتا چکا تھا کہ اس نے ہمارے ہوٹل میں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد پیلا کو ٹیلیفون پر ہمارے بارے میں اطلاع دیدی تھی اور پیلا فوراً ہی جے پور سے روانہ ہوگئی تھی۔ وہ یا تو کمرا پہنچ گئی ہوگی اور یا پہنچنے والی ہوگی۔ اس نے یہ بات تقریباً ایک گھنٹہ پہلے بتائی تھی۔ اگر اس وقت تک پیلا کمرا نہیں پہنچی تھی تو اب پہنچ گئی ہوگی اور اسے بھی ہوٹل میں ہونے والے دھماکوں اور ان سے پھیلنے والی تباہی کا پتہ چل گیا ہوگا۔ اور اس نے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگائی ہوگی کہ وہ سب کچھ میرا کیا دھرا ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ خود بھی ہوٹل پہنچ گئی ہو۔ ایک بات بہرحال طے تھی کہ کچھ ہی دیر بعد پورے شہر میں چیکنگ شروع ہو جائے گی۔ ہوٹل، سرائے، گیسٹ ہاؤس کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جائے گی جہاں اجنبیوں کیلئے رہائش کا بندوبست ہوسکتا ہو اس لئے ظاہر ہے ہم کسی ایسی جگہ کا بندوبست نہیں کرسکتے تھے اور فوری طور پر کار سے نجات حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔

آگے ایک بڑا چوراہا دیکھ کر میں نے رتنا کو کار روک لینے کو کہا۔

"کار کو اس گلی میں موڑ کر روک لو۔ ہوسکتا ہے آگے چیکنگ شروع ہوگئی ہو۔"

"لیکن ہم پیدل کہاں جائیں گے۔" رتنا نے کار گلی میں موڑتے ہوئے کہا۔ وہ گلی بنگلوں کے درمیان تھی اور اس وقت سناٹا تھا۔ رتنا نے ایک جگہ کار روک لی اور انجن بند کر دیا۔ ہم دونوں آہستگی سے دروازے کھول کر نیچے اتر آئے۔

چوراہے کے اطراف میں کئی ریستوران تھے اور وہاں خاصی رونق نظر آرہی تھی۔ ایک اونچی بلڈنگ پر اوپر سے نیچے تک کسی نائٹ کلب کا نیون سائن بھی جگمگا رہا تھا۔ اور وہ نائٹ کلب غالباً اسی بلڈنگ میں واقع تھا۔ چوراہے پر ٹریفک بھی رواں تھا لیکن وہاں کسی قسم کی چیکنگ نہیں ہورہی تھی۔

ہم چوراہے پر ایک طرف قدرے تاریکی میں کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ ایک بس آکر رکی اور کنڈیکٹر دروازے میں کھڑے ہوکر "سٹیشن سٹیشن" چلانے لگا۔ میرے خیال میں اس چوراہے پر سٹیشن جانے والی کوئی سواری نہیں تھی مگر کنڈیکٹر بدستور "سٹیشن سٹیشن" چلا رہا تھا۔

بس میں مسافروں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بس میں سوار ہوگیا۔ رتنا ایک ایسی سیٹ پر بیٹھ گئی جس پر کھڑکی کی طرف ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی۔

میں پیچھے کی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں میں پہلے ہی طے ہوچکا تھا کہ اپنے اپنے ٹکٹ لیں گے اور ریلوے سٹیشن کے سٹاپ پر اتریں گے۔

بس تقریباً دو منٹ تک وہاں رکی رہی۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے مسافر ڈرائیور اور کنڈیکٹر کو برا بھلا کہہ رہے تھے مگر وہ بھی پاکستانی بس ڈرائیوروں کی طرح بے حس تھے۔ مسافروں کے چیخنے چلانے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اگر چیکنگ شروع ہوگئی تو بسوں کو بھی نہیں بخشا جائے گا۔ ایسے معاملات میں ریلوے سٹیشنوں پر اگرچہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ دی جاتی تھی لیکن یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے آس پاس ہم جیسے لوگوں کو پناہ مل سکتی تھی۔

ریلوے سٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ بس تقریباً بیس منٹ میں وہاں پہنچ گئی اور پھر پتہ چلا کہ جے پور سے کوئی ٹرین آنے والی تھی جو تین گھنٹے لیٹ تھی۔ ہم نے پلیٹ فارم پر یا مسافر خانے میں جانے کی ضرورت نہیں کی۔

بس سٹاپ سے ذرا آگے تانگہ سٹینڈ تھا۔ میں بس سے اتر کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ تیز رفتاری سے آنے والی پولیس کی ایک گاڑی ہم سے چند گز آگے رک گئی اور اس گاڑی سے جو لوگ اترے انہیں دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔

وہ بلیک کیٹ کے کمانڈوز تھے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ کالی پتلون، کالی شرٹ اور سروں پر کالے رومال بندھے ہوئے تھے جن کی گرہیں پیچھے کی طرف تھیں۔ یہ بلیک کیٹس کمانڈوز کی وردی تھی۔ ان سب کے ہاتھ میں خطرناک قسم کی سب مشین گنیں تھیں۔ وہ جیپ سے اتر کر سٹیشن کے مرکزی گیٹ کی طرف دوڑے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔

بس سے اترنے والے اور پہلے کھڑے ہوئے لوگ متوحش نظروں سے بلیک کیٹس کو دیکھ رہے تھے۔

"اب پھوٹ لو یہاں سے بھایا۔ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔" ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا۔ وہ دونوں ہمارے ساتھ بس سے اترے تھے لیکن کسی گڑبڑ کا احساس ہونے پر دوبارہ بس میں چڑھ گئے۔ بس بھی فوراً ہی حرکت میں آگئی اور کچھ اور لوگ بھی بس کی طرف لپکے تھے۔ اس صورتحال سے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بلیک کیٹس نے خاصی دہشت پھیلا رکھی تھی۔

بس جا چکی تھی۔ باقی لوگ بھی ادھر ادھر کھسک رہے تھے۔ میں نے تانگہ سٹینڈ کی طرف دیکھا۔ وہاں تین تانگے اور بگھیاں کھڑی تھیں۔ کوچوان ایک طرف بیٹھے بیڑیوں کے کش لگاتے ہوئے گپیں ہانک رہے تھے اور پھر ایک کوچوان اٹھ کر اپنی بگھی میں آگیا اور گھوڑے کے آگے سے چارے کی بوری اٹھا کر اس نے بگھی میں ڈال دی تھی۔

بگھی جیسے ہی سٹینڈ سے نکلی میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے سامنے دیکھ کر کوچوان نے بگھی روک لی۔

میں نے رتنا کو اشارہ کیا اور آگے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رتنا پیچھے بیٹھ چکی تھی۔ بگھی پھر حرکت میں آگئی۔

کوچوان کی عمر پچاس سے کچھ اوپر ہی رہی ہوگی۔ میلی سی دھوتی اور کرتا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ پیروں میں پرانی سی ہوائی چپل تھی۔ تین چار دن کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ بائیں کان میں چاندی کی بالی تھی جو کان کی لو میں پھنسی ہوئی سی تھی۔ غالباً یہ بالی بچپن میں اسے پہنائی گئی تھی۔ سر درمیان سے بالکل گنجا اور اطراف میں سفید بالوں کی جھالر تھی۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس بگھی سے اسے غالباً اتنی آمدنی بھی نہیں ہوتی تھی کہ اپنی حالت بہتر بنا سکتا۔ اس آمدنی میں تو اس کا اپنا اور گھوڑے کا پیٹ بھی نہیں بھرتا ہوگا۔ بگھی کی حالت بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ ہر طرف سے چوں چراہٹ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"کہاں جاؤ گے بھایا۔" کوچوان نے پوچھا۔

"جہاں لے جاؤ تاؤ۔" میں نے جواب دیا۔

"جودھ پور جانے والی گڈی تین گھنٹے لیٹ آوے گی۔ ہمارے سے اتنا انتظار نہیں ہوتا اور پھر

لوگ آ گئے ہیں نا۔ کالی وردی والے سالے حرامی۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہووے گی۔،، وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”ہم تو گھر جا رہت ہوں۔،، آج تو دارو کے پیسے بھی نہیں ہوئے تم کہاں جاؤ گے؟،،

”جہاں لے چلو تاؤ۔،، میں نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔ ”ہم تمہیں دارو بھی لے دیں گے۔ اصل میں ہمیں بھی اسی گڈی کا انتظار تھا۔ جودھ پور جانے کو تھا۔ اب نہیں جاویں گے۔،، تمہارے پریوار کے کتنے لوگ ہیں تاؤ، کتنا کما لیتے ہو روج کا۔،،

”پریوار تو ان کا ہوتا ہے جن کا کوئی ہو۔،، کوچوان نے جواب دیا۔ ”میرے دو بیٹے تھے، دونوں مجھے چھوڑ کر بمبئی چلے گئے ہیرو بننے کیلئے۔ سالے حرامی۔ اب وہاں مجوری کرتے ہیں۔،، وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”پتنی نے زندگی بھر ساتھ دیا لیکن ایک سال پہلے وہ بھی سورگ میں چلی گئی۔ اکیلا ہوں۔ اس گھوڑے کے ساتھ ایک کھولی میں رہتا ہوں۔ پر تم لوگ کون ہو۔ کہاں جاؤ گے۔،،

ہم بھی تمہاری طرح دکھی ہیں تاؤ۔،، میں نے کہا۔ ”ہم نے اپنی پسند کی شادی کی ہے۔ میرے پتا نے ہمیں گھر سے نکال دیا۔ ہم جودھ پور ماما کے پاس جا رہے تھے مگر گڈی لیٹ ہو گئی اور کالی وردی والے بھی آ گئے۔ ہم نے سوچا یہ ہمیں بھی ستاویں گے اس لئے سٹیشن سے واپس آ گئے، اب سوچ رہا ہوں رات کہاں گزاریں گے۔،،

”جی چھوٹا کیوں کرتے ہو۔،، کوچوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں جو ہوں تمہارا تاؤ۔ مجھے یاد آ گیا کہ جب میں نے تمہاری چاچی سے اپنی مرضی سے بیاہ کیا تھا تو میرے پتا نے بھی ہمیں گھر سے نکال دیا تھا۔ ہم جے پور میں تھے، دھکے کھاتے ہوئے یہاں آ گئے اور میں نے بگھی چلانی شروع کر دی۔ بڑی بھاگوان تھی تمہاری چاچی۔،،

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس نے بھی مجھ سے ایک رشتہ جوڑ لیا تھا اور ہمارا کام بن گیا تھا۔،،

”بڑی مہربانی ہے تاؤ۔ میں تمہارا شکریہ۔،،

”ارے تاؤ بھی کہتے ہو اور شکریہ بھی ادا کرتے ہو۔،، اس نے میری بات کاٹ دی۔

”میں تمہارا بھتیجا ہوا نا تاؤ۔ تو یوں کرو۔،، میں نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔ ”راستے میں اپنے لئے دارو لے لینا۔ انکار مت کرنا یہ رو پے رکھ لو۔،،

تاؤ نے سو کا نوٹ مٹھی میں دبا لیا اور پھر ایک شراب خانے کے سامنے بگھی روک کر دوڑتا ہوا شراب خانے میں گھس گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دیسی شراب کی بوتل تھی اور سو کے نوٹ میں سے بچے ہوئے پیسے کرتے کی اندر کی جیب میں ڈال رہا تھا۔

بگھی ایک بار پھر چل پڑی۔ گھوڑا مریل سا تھا اور بمشکل بگھی کو کھینچ رہا تھا۔ سڑکوں پر پولیس کی سرگرمی بڑھ رہی تھی۔ کہیں کہیں بلیک کیٹس کی گاڑیاں بھی دوڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ میرے دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ خدشہ تھا کہ کسی جگہ ہماری بگھی کو روک لیا جائے۔

بگھی مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی ایک کچی آبادی کی طرف نکل آئی۔ آبادی کے باہر ایک مندر بھی تھا۔ بگھی اس مندر کے قریب سے ہوتی ہوئی پچھلی طرف چلی گئی۔ کچی آبادی کے آوارہ کتوں نے

کچھ دور تک بگھی کا پیچھا کیا تھا مگر تاؤ کی گالیاں سن کر واپس چلے گئے تھے۔

آبادی سے تقریباً پانچ سو گز دور دو تین شکستہ سی عمارتیں تھیں جن کے اطراف میں درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ تاؤ نے ایک ٹوٹی ہوئی دیوار سے اندر لے جا کر بگھی روک لی۔ یہاں لید کی بو صاف محسوس ہو رہی تھی۔

تاؤ کے ساتھ ہی ہم بھی بگھی سے اتر آئے۔ وہ ہمیں لے کر ایک اور دیوار کے پیچھے مڑ گیا۔ اس طرف لمبا چوڑا صحن تھا جس کے وسط میں گھنی شاخوں والا ایک درخت بھی نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف برآمدہ تھا اور دو کمرے تھے۔ یہاں اندھیرا اتنا تھا کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رتنا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ تاؤ نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک کمرے کا تالا کھولا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دیا سلائی روشن ہوئی اور اس کے تھوڑی دیر بعد کمرے میں کیروسین لیمپ کی زوردار روشنی پھیل گئی۔ ہم بھی کمرے میں آ گئے۔

”لو بھایا۔ تم لوگ یہاں بیٹھ جاؤ۔ میں گھوڑے کو کھول کر اسے چارا ڈال دوں۔،، تاؤ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا۔ ایک طرف جھلنگا سی چارپائی پڑی تھی جس پر بہت میلا سا بستر بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف دیوار کے ساتھ کھجور کے پتوں کی چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر پانی کا مٹکا، ایک تھالی اور کچھ اور چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار پر لگی ہوئی کھونٹی پر دو تین پرانے سے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا وہ وحشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

”مجبوری ہے۔،، میں نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکا دیئے۔،، اس وقت اس سے زیادہ بہتر اور محفوظ جگہ مل بھی نہیں سکتی تھی۔ کون سوچ سکتا ہے کہ ہم یہاں پناہ لئے ہوئے ہوں گے۔،،

”تمہارا تاؤ بالکل ہی اکیلا تو نہیں ہوگا۔،، رتنا بولی۔

”یہاں بستی کے لوگوں کا آنا جانا بھی ہوگا۔ میرا مطلب ہے اس کے کوئی جاننے والے۔،،

”یہ سوچنا بعد کی بات ہے۔ فی الحال تو ہم محفوظ جگہ پر آ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔،، میں نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

رتنا چارپائی پر بیٹھی تو اندر دھنس گئی۔ میں قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

پندرہ بیس منٹ بعد تاؤ واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل بھی تھی۔ اس نے سرسری سی نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور چٹائی پر بیٹھ کر بوتل کھولتے ہوئے بولا۔

”دارو پیو گے؟،،

”نہیں تاؤ۔ میں دارو نہیں پیتا۔،، میں کہتے ہوئے اس کے پاس چٹائی پر بیٹھ گیا۔

تاؤ نے بوتل منہ سے لگا کر چند گھونٹ بھرے اور پھر اپنی رام کہانی سنانے لگا۔ اس سے پہلے میں نے تاؤ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ہمارے بارے میں اپنے جاننے والوں اور بستی والوں کو کچھ نہیں بتائے گا اور اس نے بڑے خلوص سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ دو پہیوں کو بھی کانوں کان خبر نہیں دے گا۔

"کیا خبر ہے؟" میں نے رتنا سے پوچھا۔

"پاکستانی دہشت گرد مکرانا پہنچ گیا۔ یہ ہیڈ لائن ہے۔" رتنا نے کہا اور پھر بتانے لگی کہ پولیس اور بلیک کیٹ کمانڈوز رات بھر ہمیں شہر میں تلاش کرتے رہے ہیں اور تلاش کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک دہشت گرد پکڑا نہیں جاتا۔ شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی بھی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ شہر سے دس میل دور ہوٹل میں ہونے والی دو گھنٹہ جھڑپ کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی ڈال دی گئی ہے۔ اس حادثے میں تین افراد ہلاک اور دو زخمی ہوئے ہیں۔ کئی گاڑیاں تباہ ہوئی ہیں۔

تاؤ کو آتے دیکھ کر رتنا خاموش ہو گئی۔ تاؤ ایلومونیم کے دو گلاس اندر سے لیکر آیا تھا۔ اس نے دونوں گلاس ڈرم سے بھر کر چٹائی پر رکھ دیئے اور اخبار کے ایک ٹکڑے پر اپنے لئے کھانا لے کر قدرے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا لکھا ہے پتر میں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لوگ بولت ہیں کہ آتنک وادیوں کو پناہ دینے والوں کو بھی گولی مار دی جائے گی۔"

"ہاں تاؤ۔ پتر میں کچھ ایسی ہی باتیں لکھی ہیں۔" میں نے رتنا سے اخبار لیتے ہوئے کہا۔ اخبار کے پہلے صفحے پر ہوٹل میں ہونے والی تباہ کاری کی بھی کئی تصویریں تھیں اور بلیک کیٹ کمانڈوز اور پولیس اہلکاروں کی بھی جنہیں اپنی سرگرمیوں میں مصروف دکھایا گیا تھا۔ "ایسے لوگوں کو پناہ نہیں دینی چاہئے تاؤ۔" میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "دیش کے دشمنوں کو تو واقعی گولی مار دینی چاہئے۔"

"ہاں بھایا۔ دیش کے دشمنوں کے ساتھ ہو تو ایسا ہی چاہئے۔" تاؤ نے کہا۔

اور پھر باتوں ہی باتوں میں، میں نے بوڑھے کو چوہان کو بتا دیا کہ ہم چند روز یہاں رہنا چاہتے ہیں اور اس کا خرچ بھی ہم دیں گے۔ "بات دراصل یہ ہے تاؤ۔" میں نے کہا۔ "میرے پتا جی ان کالی وردی والوں سے زیادہ ظالم اور سفاک آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمیں گھر سے نکال دیا تھا مگر اس وقت وہ سخت غصے میں تھے۔ غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد وہ اپنے فیصلے پر پچھتا رہے ہوں گے اور انہوں نے بھی ہماری تلاش شروع کرا دی ہو گی۔ مگر ہم اب گھر واپس جانا نہیں چاہتے۔ پتا جی نے مجھے جائیداد سے عاق کر دینے کی دھمکی دی تھی۔ مجھے جائیداد کی ضرورت نہیں، میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ میں پتا جی کو بتا دوں گا کہ میں ان کے بغیر بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اس جائیداد پر۔"

اس جیسی سندر ناری کیلئے جائیداد تو کیا دنیا پر بھی لعنت بھیجی جا سکتی ہے۔" تاؤ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ ساتھ ساتھ کچوری، بھاجی اور تندوری روٹیوں سے بھی انصاف کرتا جا رہا تھا۔ شاید کئی روز بعد اسے اس طرح پیٹ بھر کر کھانے کو ملا تھا۔ "تم لوگن کوئی چنتا ہی مت کرو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "جتنے دن یہاں رہنا چاہتے رہو مگر مجھے ڈر ہے کہ میں تم پر یہ کوئی سیوا نہیں کر سکوں گا۔"

"اپنی سیوا ہم خود کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ "تم بس اتنی مہربانی کرنا کہ کسی کو ہمارے بارے میں مت بتانا۔ یہ بات میں بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میرے پتا جی بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان کے تعلقات بھی بہت ہیں۔ انہیں پتا چل گیا تو مجھے گھر لے جائیں گے اور مجھے میری پتنی سے جدا کر دیں گے۔"

"میں نے کہا نا کہ تم لوگن کوئی چنتا مت کرو۔" بوڑھا بولا "کبھی ہم نے بھی پریم کیا تھا اور اس پریم کیلئے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم لوگن یہاں ہو۔ جتنے روز چاہو یہاں رہو، میں تو کہتا ہوں کہ یہیں رہ جاؤ۔ کوئی کام دھندا نہ ملے تو میری بھی چلاتے رہنا۔ دو وقت کی روٹی تو مل ہی جائے گی۔"

میں اس کی بات پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

"یہ زمین اور مکان کس کا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ساری زمینیں ٹھاکر رنبیر سنگھ کی تھیں۔" بوڑھے تاؤ نے جواب دیا۔ "پچاس سال پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو چاروں طرف ہرے بھرے کھیت تھے۔ ٹھاکر رنبیر سنگھ کے باپ دادا اس حویلی کے مالک تھے۔ چالیس سال پہلے بھونچال (زلزلہ) میں سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ٹھاکر کے گھر والے دیواروں کے نیچے دب کر مر گئے۔ وہ اکیلا رہ گیا۔

"تیس برس پہلے جب میں ٹھاکر کے پاس آیا تو وہ اس کمرے میں بیمار پڑا تھا۔ میں نے اس کی بہت سیوا کی تھی۔ مرنے سے پہلے اس نے کورٹ کاغذ پر یہ سارے مکان میرے نام لکھ دیئے۔ بھونچال کے بعد پتہ نہیں کیا ہوا کہ ساری زمینیں ویران ہونے لگی تھیں۔ سارے لوگن اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ لوگن نے ان زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ بستی میرے سامنے بنی تھی۔ ٹھاکر رنبیر سنگھ نے یہ حویلی اور مکان مجھے دیئے تھے مگر اب سرکار کہتی ہے کہ میں یہ جگہ خالی کر دوں۔ وہ بستی بھی خالی کرائی جانے گی اور یہ زمین کسی کو بیچ دی جائے گی۔ یہاں بڑے بڑے پلازے بنیں گے۔"

کھانا کھاتے ہوئے ہم باتیں کرتے رہے اور پھر رتنا نے بچا ہوا کھانا سنبھال کر رکھ دیا کہ دوپہر کو کام آ سکے۔

بارہ بجے کے قریب بوڑھے نے اپنے دھندے پر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے اسے کچھ رقم دی تاکہ وہ چادریں، ضرورت کی کچھ اور چیزیں اور رات کیلئے کھانا لے آئے۔ میں نے اسے یہ تاکید کر دی کہ وہ کوئی بھی چیز اس بستی سے نہ خریدے۔

بوڑھا بھی لیکر چلا گیا۔ ہمارے پاس کرنے کیلئے کوئی کام نہیں تھا سوائے اس کے کہ نیم کی ٹھنڈی چھاؤں میں چٹائی پر پڑے اونگھتے رہیں۔

یوں تو یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ تھی۔ بقول تاؤ کے اس طرف کوئی آتا بھی نہیں تھا لیکن یہ خدشہ بہرحال موجود تھا کہ بستی کا کوئی آدمی یا بچے کسی وقت اس طرف آ سکتے تھے لیکن بہرحال ایک ایسی جگہ موجود تھی جہاں سے ہم بستی کی طرف سے والے راستے پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور ایک بار پھر گھوم پھر کر ان کھنڈروں کا جائزہ لینے لگے۔ یہ ساری عمارتیں بڑی اینٹوں سے بنی ہوئی تھیں۔ پچھلی طرف ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کے بیشتر حصے زمین بوس ہو چکے تھے۔ مجھے ان عمارتوں کے طرز تعمیر سے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ دو سو سال پہلے یہاں سب سے پہلے ایک خاندانی حویلی تعمیر کی گئی ہو گی اور پھر ضرورت کے مطابق اس میں توسیع ہوتی گئی۔ یہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے پانچ چھ مکان تھے اور دالانوں سے

ذریعے اندر ہی اندر ایک سرے سے دوسرے سرے تک آیا جا سکتا تھا۔

گھومتے پھرتے ہوئے ہم نے ان کھنڈروں میں ایک ایسی جگہ بھی تلاش کر لی تھی جہاں ہنگامی صورتحال میں چھپا جا سکتا تھا۔

بوڑھا کوچوان اس رات نو بجے کے قریب واپس آ گیا۔ وہ ہماری ضرورت کی چیزیں اور کھانے پینے کا سامان لے آیا تھا۔ چادریں میں نے اس سے منگوائی تھیں کہ زمین پر بچھا کر سو سکیں۔ اس جھنگا سی چارپائی پر چند گھنٹے سونے سے کمر دوہری ہو گئی تھی۔ میں نے وہ چارپائی کمرے سے باہر نکال کر بوسیدہ برآمدے کے آخری سرے پر ڈال دی اور دونوں چادریں زمین پر بچھا دیں۔

ہم نے کھانا وہیں بیٹھ کر کھایا۔ بوڑھا تانگہ دوسری چیزوں کے علاوہ اپنے لئے دیسی شراب کی بوتل بھی لے آیا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے بوتل کھول لی اور اس کے ساتھ باتیں بھی شروع ہو گئیں۔

وہ ایک کوچوان تھا۔ اسے شہر کے مختلف علاقوں میں جانے کا موقع ملتا تھا۔ اس لئے وہ بعض دوسرے لوگوں کی نسبت شہر کے حالات سے زیادہ باخبر تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق شہر میں دہشت گردوں کی تلاش اب بھی جاری تھی۔ کوئی سرائے، ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس ایسا نہیں تھا جہاں پولیس اور کالی وردی والے لوگوں کو پریشان نہیں کر رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن اور بسوں کے اڈے پر بھی لوگوں کو پریشان کیا جا رہا تھا مگر ان آتنک وادیوں کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ میں تانو سے کرید کرید کر پوچھتا رہا۔

ہمیں وہاں رہتے ہوئے چار دن گزر گئے۔ اس دوران اگرچہ کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا لیکن بوڑھے کوچوان پر اب مجھے کچھ شبہ سا ہونے لگا تھا۔ وہ بھی چالاک تھا۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے ملتا تھا۔ ان کی باتیں سنتا تھا۔ تانگہ بان، رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مخ حرامی ہوتے ہیں اور یہ بوڑھا تو شرابی بھی تھا۔ اب تک اگرچہ میں اس پر بھروسا کرتا رہا تھا اور ان چار دنوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو میرے لئے تشویش کا باعث بنتی لیکن اس رات اس کی باتوں سے مجھے شبہ ہونے لگا تھا۔ چار دن تک تو میں اس سے شہر کے حالات کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا تھا لیکن اس رات وہ مجھ سے اور رتنا سے ہمارے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میرے باپ نے پسند کی شادی کرنے پر ہمیں گھر سے نکال دیا تھا اب وہ میرے باپ اور رتنا کے ماں باپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

باتوں باتوں میں اس نے ہمیں یہ بھی احساس دلایا تھا کہ پولیس اور کالی وردی والوں کو جن دہشت گردوں کی تلاش ہے ان میں ایک خوبصورت عورت اور ایک مرد شامل ہے۔

میرا خیال ہے کہ اب تک اسے ہم پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا اور اپنے شبہ کی تصدیق کے لئے ہی وہ ہم سے کرید کرید کر سوال کر رہا تھا۔ میں اسے بے وقوف یا سیدھا سادھا تو پہلے بھی نہیں سمجھتا تھا لیکن اب یہ احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہے۔

بوڑھے کوچوان پر شبہ ہو جانے کے بعد میرا سکون رخصت ہو گیا تھا۔ ہمیں فوری طور پر اب کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرنا تھا اور یہاں سے باہر نکلے بغیر ہم کوئی ایسا بندوبست نہیں کر سکتے تھے لیکن اس صورتحال میں باہر نکلنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اگلے روز جب بوڑھا کوچوان بگھی لے کر چلا گیا تو میں اور رتنا بھی ان کھنڈروں کے پچھلی طرف نکل آئے جہاں جھاڑیوں سے اٹے ہوئے میدان کے دوسری طرف بلند عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

میدان میں جھاڑیوں کے بیچ ایک پگڈنڈی سی بنی ہوئی تھی۔ ہم دونوں آگے پیچھے چلتے رہے۔ میدان عبور کرنے کے بعد آبادی شروع ہوتے ہی ہم الگ ہو گئے۔ میں آگے تھا اور رتنا تقریباً دس گز پیچھے۔ اس طرح ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اکٹھے ہونے کی صورت میں ہم پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا تھا کیونکہ پولیس کو ایک جوان آدمی اور ایک خوبصورت عورت کی تلاش تھی۔

وہ بہت شاندار علاقہ تھا۔ بلند و بالا عمارتیں اور رہائشی فلیٹ اور بڑے بڑے اسٹور وغیرہ تھے۔ کئی ریسٹورنٹس بھی تھے۔ میں نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور ایک معیاری قسم کے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ پچھلے چار پانچ دنوں کے دوران ہم اچھی چائے پینے کو ترس گئے تھے۔ بوڑھا کوچوان رات کو آتے وقت کہیں سے چائے تو لے آتا تھا لیکن وہ بدذائقہ چائے ٹھنڈی ہو کر کچھ اور بھی بدذائقہ ہو جاتی تھی اس لئے میں نے سوچا تھا کہ سب سے پہلے ایک کپ چائے کا ہو جائے۔

اندر داخل ہوتے ہوئے میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ دروازے کے شیشے پر اندر کی طرف ایک کاغذ لگا ہوا تھا جس پر ہندی اور انگریزی زبانوں میں لکھا ہوا تھا۔ "ایک ویٹرس کی ضرورت ہے جو انگریزی بول سکتی ہو۔ خوبصورتی کو اضافی صلاحیت سمجھا جائے گا۔"

میں نے مڑ کر ایک بار پھر پیچھے آتی ہوئی رتنا کی طرف دیکھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ خاصا وسیع و عریض ہال تھا جس میں ایک دوسرے سے فاصلے پر میزیں لگی ہوئی تھیں۔ دو دیواروں کے ساتھ پرائیویٹ کیبن بھی بنے ہوئے تھے جن کے سامنے پردے گرے ہوئے تھے۔ میزوں پر [illegible] لگے ہوئے تھے۔ مدھم روشنی کی وجہ سے ماحول کچھ پراسرار سا ہو گیا تھا۔ ایئرکنڈیشنر کی وجہ سے اندر کی فضا میں ہلکی سی خنکی تھی۔ کئی میزوں پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر جوڑے ہی تھے۔

میں ایک ایسی میز پر بیٹھ گیا جہاں شیشے سے باہر نگاہ بھی رکھی جا سکتی تھی۔ قریب والے کیبن سے سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ صرف دو منٹ بعد رتنا بھی اندر داخل ہوئی۔ اس نے ایک لمحہ کو دروازے میں رک کر ادھر ادھر دیکھا اور میری میز سے تیسری میز پر بیٹھ گئی۔ درمیان والی میز پر ایک جوان لڑکی اور ایک ادھیڑ عمر مرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں آگے جھکے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی ایک ویٹرس میری میز پر آ گئی۔ درمیانہ قد، متناسب جسم اور چہرے کے نقوش بہت دلفریب۔ اس کی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اس کی عمر تیئیس سال رہی ہوگی۔ ماتھے پر بندیا چمک رہی تھی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ شرٹ اور سلیولیس بلاؤز۔ بلاؤز پر ریسٹورنٹ کا مونوگرام بھی بنا ہوا تھا۔ ویٹرسوں کے معاملے میں ریسٹورنٹ کی انتظامیہ کا انتخاب واقعی لاجواب تھا۔ انہی کی وجہ سے ایسے ریسٹورنٹ چلتے بھی تھے۔

میں نے اسے چائے کا آرڈر دے دیا۔ میرا چار دن کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتی ہوئی رتنا والی میز کی طرف بڑھ گئی۔ میں بائیں طرف والی میز کی طرف دیکھنے لگا۔

"[illegible] رہے رتنا تم؟"

یہ آواز سن کر میں اچھل پڑا اور تیزی سے گھوم کر رتنا والی میز کی طرف دیکھنے لگا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے۔ وہی ویٹرس بڑی گرمجوشی سے رتنا سے ہاتھ ملا رہی تھی۔ رتنا کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ یہاں کسی شناسا کا مل جانا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

ویٹرس چند لمحے رتنا سے باتیں کرتی رہی اور پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ طمانیت سی دیکھ کر مجھے بھی قدرے اطمینان ہوا لیکن میرا دل اب بھی دھڑک رہا تھا۔

ویٹرس تقریباً پندرہ منٹ بعد کچن سے برآمد ہوئی۔ اس نے پہلے میری ٹیبل پر کس چائے کا کپ رکھا اور پھر رتنا کی میز کی طرف چلی گئی اور چائے کا کپ اس کی میز پر رکھنے کے بعد بھی وہاں کھڑی اس سے باتیں کرتی رہی۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا کیشیئر بھی ویٹرس کو اور کبھی رتنا کو گھور رہا تھا۔

رتنا کی چائے ختم ہوتے ہی ویٹرس اس کے پاس آ گئی اور پھر رتنا اٹھ کر اس کے ساتھ ریسٹورنٹ کے پچھلے حصے کی طرف چلی گئی جہاں ایک دروازے پر آفس کی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ وہ دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔

ویٹرس تو دس منٹ بعد واپس آ گئی لیکن رتنا اندر ہی رہی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔ ویٹرس نے میرے سامنے بل رکھ دیا۔ میں نے بل ادا کر دیا لیکن اس کے بعد بھی میں بیٹھا رہا۔ ویٹرس ادھر ادھر آتے جاتے مجھے گھورتی رہی۔ اس کے خیال میں مجھے بل ادا کر کے اٹھ جانا چاہیے تھا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد رتنا دفتر سے باہر نکلی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی میز پر نہیں بیٹھی۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا اور کاؤنٹر پر پہنچ گئی جہاں وہ ویٹرس بھی کھڑی تھی۔ وہ چند منٹ مسکرا کر باتیں کرتی رہیں پھر رتنا اس سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گئی۔ اس کے دو منٹ بعد میں نے بھی سیٹ چھوڑ دی اور اٹھ کر باہر آ گیا۔

رتنا تقریباً بیس گز آگے ایک گلی کے موڑ پر کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ گلی میں مڑ گئی۔ میں بھی پندرہ بیس گز کا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ یہ گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ یہاں ان بلند و بالا عمارتوں کے رہائشی حصوں کے گیٹ تھے۔ ان عمارتوں کے پیچھے بنگلے تھے۔

بلند عمارتوں سے آگے نکل کر رتنا ایک اور گلی میں مڑ گئی۔ یہاں دونوں طرف بنگلے تھے اور زیادہ لوگوں کی آمد و رفت نہیں تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا رتنا کے ساتھ مل گیا۔

"یہ ویٹرس کون تھی۔ تمہیں کیسے جانتی ہے۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

اس کا نام "کنیا کماری ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔ "تم سے ملاقات سے تقریباً تین مہینے پہلے یہ میرے ساتھ ماؤنٹ آبو کے پریم نواس ریسٹورنٹ میں کام کرتی تھی لیکن پھر منیجر سے جھگڑا ہو گیا اور یہ نوکری چھوڑ کر چلی گئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "کنیا کماری بہت عرصے سے یہاں کام کر رہی ہے۔ اس ریسٹورنٹ کو ایک ویٹرس کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے منیجر سے ملوانے

لے گئی تھی۔ مجھے تو نوکری مل گئی ہے اور رہائش کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔"

"کہاں۔ میرا مطلب ہے رہائش کا بندوبست؟" میں نے پوچھا۔

"کنیا کماری ہوٹل کے سامنے والی گلی میں واقع ایک عمارت کے فلیٹ میں رہتی ہے۔" رتنا نے بتایا۔ "پہلے اس کے ساتھ کوئی اور لڑکی رہتی تھی۔ وہ کہیں اور چلی گئی۔ اب وہ اکیلی ہے۔ اس نے پیشکش کی ہے کہ ہم آدھا کرایہ دے کر اس کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

"تم نے میرے بارے میں بھی بتایا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں میں نے کہا تھا کہ میرا ایک دوست بھی میرے ساتھ رہے گا۔ میں نے اس وقت تمہاری شاندہی نہیں کی تھی۔" رتنا نے کہا۔ "اس نے مجھے پتہ سمجھا دیا ہے۔ وہ چار بجے ڈیوٹی سے آف ہوگی۔ ہمیں کم سے کم پانچ بجے تک گھوم پھر کر وقت گزارنا ہے۔"

"وہ تمہارے بارے میں کچھ اور تو نہیں جانتی۔ میرا مطلب ہے۔"

"بالکل نہیں۔" رتنا میرا مطلب سمجھ کر بولی۔ "وہ ان واقعات سے پہلے ہی ماؤنٹ آبو سے جا چکی تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے بھی ایک مہینہ پہلے پریم نواس ریسٹورنٹ کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ وہاں سے جے پور چلی گئی اور دو دن پہلے یہاں آ گئی ہوں۔"

اس وقت تقریباً دو بجے تھے اور ہمیں کم از کم تین گھنٹے اور گزارنے تھے اور یہ وقت بھی ہم نے بازار میں گھومتے ہی گزارا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے سے دور رہ کر چلتے ہوئے۔ اس دوران ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں ایک دوسرے سے دور بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیا تھا۔

اور پھر ٹھیک پانچ بجے ہم اس ریسٹورنٹ کے سامنے سڑک کے پار ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ اس مرتبہ رتنا مجھ سے آگے تھی۔ وہ ایک عمارت کے گیٹ میں داخل ہوئی تو میں بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔

کنیا کماری کا فلیٹ دوسری منزل پر تھا۔ وہ گھر پہنچ چکی تھی۔ بیل بجتے ہی دروازہ کھل گیا۔ رتنا اندر داخل ہوئی تو اس کے پیچھے ہی میں بھی اندر گھس آیا اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ کنیا کماری مجھے دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔ وہ شاید چیخنا چاہتی تھی مگر رتنا جلدی سے بولی۔

"ڈرو نہیں کنیا، یہی ہے میرا دوست۔ سے ملو یہ جو۔"

کنیا کماری کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم نارمل ہو گئے۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر ہمیں سٹنگ روم میں لے آئی۔

یہ فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔ دو بیڈ روم اور ایک ڈرائنگ روم۔ دونوں کے ساتھ منسلک باتھ روم تھے اور کچن اور اسٹور وغیرہ بھی تھا۔

کنیا کماری گھریلو لباس میں پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ قمیص کسی قدر تنگ تھی جس سے اس کے خدوخال کچھ نمایاں ہو گئے تھے۔ اس نے سب سے پہلے چائے سے ہماری تواضع کی پھر فلیٹ دکھانے لگی۔

"یہ تمہارا بیڈ روم ہے۔" وہ رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن مسٹر دیبے لچھو تو۔"

"تم فکر مت کرو۔" رتنا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم گزارہ کر لیں گے۔" آخری جملہ کہتے

ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ کنیا کماری بھی مسکرا دی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک پیکٹ رنتا کی طرف بڑھا دیا۔

"کل ڈیوٹی پر جانا ہے اور یہ تمہاری یونیفارم ہے۔ تم نے جو فگرز بتائے تھے یہ اس کے مطابق ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میری ڈیوٹی صبح دس سے چار بجے تک ہے اور تمہاری ڈیوٹی دو سے رات دس بجے تک ہوگی۔ ویسے تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت تو نہیں۔ کل ڈیوٹی پر آؤ گی تو میں تمہیں سمجھا دوں گی۔"

"کل سے۔" رنتا کے لہجے میں کسی قدر حیرت تھی۔

"ہاں۔ وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ کل سے کام شروع کر دو۔" کنیا کماری نے کہا۔

وہ دونوں وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں اور میں دوسرے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔

مجھے رات نو بجے کے قریب جگا دیا گیا۔ اس وقت کنیا کماری کھانا تیار کر چکی تھی۔ میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے میری کسلمندی دور ہو گئی۔ ہم نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور پھر وہیں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ کنیا کماری قابل اعتماد ثابت ہوئی۔ ویسے بھی اسے ہماری اصل کہانی کا علم نہیں تھا اس لئے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

مجھے بقول تمھے ان دنوں چھٹیاں اور دو دو میسر تھیں۔ دو بجے تک رنتا موجود ہوتی اور چار بجے کے بعد کنیا کماری آ جاتی۔ وہ کوئی ٹیپ پروین نہیں تھی۔ تیسرے ہی روز میری بانہوں میں آ گئی تھی۔ دن کے وقت میں بہت کم نکلتا تھا، البتہ رات کو آٹھ نو بجے کے قریب باہر نکل کر حالات کا اندازہ لگا لیتا۔

ایک رات ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ شوبھا کا ذکر نکل آیا۔ وہی شوبھا جس کی عریاں تصویر ہم نے موٹل کے ہٹ میں دیکھی تھی۔

"وہ مہاراج کی نس ہے۔" کنیا کماری نے کہا۔ "موٹل والے سیٹھ امداد حسن کا شہر میں بھی بہت بڑا ہوٹل اور نائٹ کلب ہے۔ شوبھا نائٹ کلب میں ڈانس پروگرام دیتی ہے۔"

"ہاں۔ وہ بڑی اچھی رقاصہ ہے۔" رنتا نے کہا۔ "اس کی خواہش تھی کہ اسے کسی کلب میں کوئی کام مل جائے لیکن۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر اس کی تصویر کے بارے میں بتانے لگی۔

"ہمیں اس سے کیا غرض۔ وہ اس کا ذاتی فعل ہے۔" کنیا کماری بولی۔ "ویسے وہ بھی اچھی لڑکی ہے۔ مجھ سے بھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ کہو تو تمہاری ملاقات کرا دوں۔ کبھی کبھی تمہارا ذکر بھی ہوتا رہا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" رنتا نے کہا۔

رنتا نے اگرچہ بات ٹال دی تھی لیکن اس سے اگلے دن رات گیارہ بجے کے قریب ہم ایک عالیشان کوٹھی میں ایک شاندار ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ شوبھا کی کوٹھی تھی اور وہ اس وقت ہمارے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اگرچہ ڈھنگ کے لباس میں تھی مگر میں چشم تصور سے اسے اس تصویر کے

روپ میں دیکھ رہا تھا۔

ان ملاقاتوں میں پرانی باتیں ہوتی رہیں اور پھر رات ایک بجے کے قریب شوبھا نے اپنی شاندار کار میں ہمیں کنیا کماری کے فلیٹ والی بلڈنگ کے سامنے ڈراپ کیا تھا۔

دو تین روز اور گزر گئے۔ میں اکثر اس بڈھے کوچوان کے بارے میں بھی سوچتا ہوں جو ... چنڈ میں پڑ کر نجانے کن پراسرار سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا تھا لیکن ہم نے بروقت اس سے اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔

ایک رات شوبھا، کنیا کماری کے فلیٹ پر آ گئی۔ وہ اگلے روز ہمیں رات کے کھانے پر مدعو کر رہی تھی۔ رنتا اور کنیا کماری انکار نہ کر سکیں۔

اگلے روز رنتا کو ریسٹورنٹ سے چھٹی کرنی پڑی۔ اگر کنیا کماری کی سفارش نہ ہوتی تو اسے چھٹی نہ ملتی۔

ہم رات نو بجے شوبھا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ ہمارے علاوہ کوئی اور مہمان مدعو نہیں تھا۔ ساڑھے نو بجے ہم نے کھانا شروع کیا ہی تھا کہ ایک ملازم نے آ کر شوبھا کے کان میں سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے آنے دو انہیں۔" شوبھا نے اونچی آواز میں کہا پھر بائیں طرف ہم تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہماری ایک مشترکہ دوست آئی ہے جس سے مل کر تم لوگوں کو یقیناً بہت خوشی ہوگی۔"

ملازم باہر چلا گیا۔ میں نہ جانے کیوں اپنے آپ میں بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ رنتا کی آنکھوں میں بھی الجھن سی ابھر آئی تھی۔ شاید وہ بھی سوچ رہی تھی کہ مشترکہ دوست کون ہو سکتی ہے۔

ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دو منٹ بعد دروازے کا پردہ ہٹا اور تین افراد اندر داخل ہوئے۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے بے یقینی کی نظروں سے آنے والوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ان میں ایک پیلا تھی اور دو بلیک کیٹ کمانڈوز۔

☆ ☆

میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی۔ رتنا کے چہرے پر بھی خوف کے سائے گہرے ہو گئے تھے مگر ابھی نازک لمحہ نہیں آیا تھا۔ بلیک کیٹ کے دونوں کمانڈوز میز کے دوسری طرف دروازے کے قریب رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر پتھر جیسی سختی تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری تھی۔ ان کی انگلیاں رائفلوں کے ٹرائیگرز پر تھیں اور وہ ایکشن لینے کے لیے مکمل طور پر تیار تھے۔

بیلا ان کے بائیں طرف تھی۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ چمک تھی وہ چمکتی ہوئی نظروں سے کبھی میری طرف دیکھتی اور کبھی رتنا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کنیا کماری کے لیے یہ صورت حال بالکل انوکھی اور دہلا دینے والی تھی۔ وہ یہ تو جانتی تھی کہ پولیس اور بلیک کیٹ کو ایک پاکستانی دہشت گرد اور اس کی ایک ساتھی عورت کی تلاش ہے۔ فارغ اوقات میں وہ ہمارے ساتھ اس موضوع پر تبادلہ خیال بھی کرتی تھی لیکن اس نے یہ تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ پولیس جن دہشت گردوں کو پورے شہر میں تلاش کرتی پھر رہی تھی وہ اس کے فلیٹ میں موجود تھے۔ وہ یہ شبہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ رتنا اس کے ساتھ ماؤنٹ ابو کے ہوٹل میں کام کر چکی تھی۔ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی اور رتنا اس کی نظروں میں دہشت گرد نہیں ہو سکتی تھی اور میرے بارے میں بھی اس نے کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ میں ہی وہ دہشت گرد ہو سکتا ہوں کیونکہ پولیس کو ایک پاکستانی دہشت گرد کی تلاش تھی اور وہ مسلمان تھا جبکہ رتنا نے اس سے میرا تعارف دیپ ملہوترہ کے نام سے کرایا تھا اور ظاہر ہے یہ کسی مسلمان کا نام نہیں ہو سکتا تھا اس وقت کی صورت حال سے بھی وہ فوری طور پر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ یہ بلیک کیٹ کمانڈو ہمارے لیے آئے ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں سمجھی ہوگی البتہ خوف سے اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا اور اس خوف کے نتیجے میں وہ چیختی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔" بیلا کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے تھے۔ آنکھوں میں سفاکی ابھر آئی تھی۔ "کوئی بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔"

کنیا کماری دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ خوف نے اس پر لرزہ سا طاری کر دیا تھا اور دو ہونے کا چپ لگی تھی۔

"بڑے افسوس کی بات ہے شوبھا۔" رتنا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سامنے بیٹھی ہوئی شوبھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا کہ ایک طوائف سے کسی کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ ہوٹل کے کاؤنٹر میں تمہاری برہنہ تصویر دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم کیا

بن گئی ہو۔ میں تم سے نہیں ملنا چاہتی تھی لیکن کنیا کماری کی معصومیت نے ہمیں پھنسا دیا۔"

"تم شاید بھول گئی تھیں کہ ماؤنٹ ابو میں پریم نواس ریسٹورنٹ کے منیجر سے میرا جھگڑا تمہاری وجہ سے ہوا تھا اور مجھے نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔" شوبھا نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں اس بات کو نہیں بھولی تھی۔ چند روز پہلے کنیا کماری کے ساتھ تم سے ملاقات ہوتے ہی وہ ساری باتیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئی تھیں اور پھر تم لوگوں کے جانے کے بعد ہی مجھے خیال آیا کہ تم دونوں وہ تو نہیں ہو جنہیں پولیس کی تلاش ہے۔ تمہارے اس دوست کا تعارف اگرچہ دیپ ملہوترہ کے نام سے ہوا تھا لیکن مجھے اس کی باتوں سے شبہ ہو گیا تھا کہ یہ مسلمان ہے۔ پہلی ملاقات میں گفتگو کے دوران اس نے دو چار ایسے الفاظ استعمال کیے تھے جو عام طور پر کسی ہندو کے منہ سے نہیں نکلتے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اگلے روز میں نے تم دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ اس آپریشن کی انچارج بیلا ہے۔ بیلا سے پہلے بھی میری ملاقاتیں رہی ہیں لیکن اس روز پتہ چلا کہ بیلا یہاں سے جے پور واپس جا چکی ہے۔ میں بیلا سے ملاقات کے لیے خود جے پور پہنچ گئی اور بڑی مشکل سے اس تک پہنچ سکی تھی۔ بیلا سے ملاقات کے بعد یہ تصدیق ہو گئی کہ اس پاکستانی دہشت گرد کے ساتھ تم ہو یعنی ماؤنٹ ابو کے پریم نواس ریسٹورنٹ کی سابق ویٹرس رتنا۔"

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں اب بھی رتنا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"میں نے بیلا سے پروگرام بنا لیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"بیلا اگر چاہتی تو کنیا کماری کے فلیٹ پر بھی چھاپہ مارا جا سکتا تھا مگر اس میں کسی گڑبڑ کا امکان تھا۔ اس لیے میں نے تم لوگوں کو ڈنر پر مدعو کر لیا اور اگر اس دعوت میں اپنی پرانی دوست بیلا کو بھی مدعو کر لیتی تو یہ اتفاقی ہوتی۔ اس لیے....."

"تم واقعی طوائف ہو۔" رتنا نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"یہ..... یہ سب کیا ہے؟" کنیا کماری باری باری ہم سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں بھی تھرتھراہٹ تھی۔ "کیا یہ دیپ ملہوترہ....."

"رتنا نے ٹھیک کہا تھا کہ تم واقعی بہت معصوم ہو۔" شوبھا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ دیپ ملہوترہ نہیں وہ پاکستانی دہشت گرد ہے جس نے ہمارے دیش میں تباہی پھیلا رکھی ہے اور یہ رتنا اس کی شریک کار ہے۔"

"یہ شخص نائی۔" شوبھا کے خاموش ہونے پر بیلا نے کہا۔

"ایک منٹ۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر بیلا کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "تم نے ہمیں کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ بلکہ قدم قدم پر ہمارے لیے جال پھیلا رکھے تھے۔ ماؤنٹ ابو کی تباہی میں بھی ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔ ہم تھک چکے تھے اور کچھ دیر آرام کرنے کے لیے رکے تھے لیکن تمہارے دو آدمی شیوا اور راکیش پہلے سے وہاں موجود تھے۔ تمام راستوں کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ دو دن کی مہلت تو محض زبانی بات تھی۔ تم نے ہمارے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیے تھے۔

وہ تمہارے ہی آدمی کی حرکت تھی۔ اس طرح مونٹل میں ہونے والی تباہی ہم پر تو نہیں عائد ہوتی۔" میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں ایک بااصول دشمن سمجھتا تھا لیکن تم نے قدم قدم پر دھوکہ دیا۔ اب مجھے تم پر بالکل اعتبار نہیں رہا۔ اب میں بھی تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو تم میرے ساتھ کرتی رہی ہو۔"

"واہ" بیلا ... ہاکا سا قہقہہ لگایا۔ "تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہم کوئی گیم کھیل رہے ہوں۔"

"یہ کھیل ہی تو ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "زندگی اور موت کا کھیل۔ ابھی تک ہم دونوں کی بازی برابر چل رہی ہے لیکن جو اس کھیل پر گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ جیت جائے گا اور دوسرا زندگی کی بازی ہار جائے گا۔"

"اس وقت کھیل پر میری گرفت مضبوط ہے۔" بیلا نے کہا۔ "تم ہار چکے ہو۔ تمہاری زندگی اور موت کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا ہے۔"

"ابھی کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔" میں نے کہا۔ "کسی بھی کھیل کا فیصلہ تو آخری لمحوں میں ہوتا ہے اور میرے خیال میں ابھی آخری لمحات نہیں آئے۔"

"بڑے پراعتماد ہو۔" بیلا مسکرائی۔ "موت کے ان فرشتوں کو سامنے دیکھ کر بھی تمہیں خوش فہمی ہے کہ ابھی کھیل کا فیصلہ نہیں ہوا۔"

"ہاں میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم بھی اس بات کی گواہ ہو کہ بعض اوقات عین آخری لمحوں پر بازی پلٹ جاتی ہے۔"

"اب یہ بازی پلٹنے والی نہیں ہے۔" بیلا نے کہا اور شوبھا اور کنیا کماری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم دونوں یہاں سے اٹھ جاؤ۔"

شوبھا تو فوراً ہی اٹھ کر ایک طرف ہو گئی البتہ کنیا کماری اپنی کرسی پر بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے اب بھی گہرے تھے۔

"اٹھو۔ جلدی کرو۔" بیلا کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

کنیا کماری دونوں ہاتھوں سے میز کا سہارا لے کر اٹھ گئی۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس نے بھی دونوں ہاتھ اپنے سامنے میز کے کنارے پر ٹکا لیے تھے۔

کنیا کماری کی کرسی میرے بالکل سامنے تھی۔ وہ جیسے ہی کرسی سے اٹھ کر ایک طرف ہٹی میں نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے میز کے نیچے ٹانگیں لمبی کر کے ایک پیر سے کرسی کو زوردار ٹھوکر ماری۔ کرسی بڑی تیزی سے فرش پر پھسلتی ہوئی ایک کمانڈو کی ٹانگوں سے ٹکرائی کرسی اس کی پنڈلی کی ہڈی سے ٹکرائی تھی۔ وہ چیختا ہوا ایک ٹانگ پر ناچ گیا۔ اس کا رائفل والا ایک ہاتھ اوپر اٹھ گیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے رتنا بھی بڑی تیزی سے دونوں ہاتھ میز کے کنارے پر ٹکائے میز کے نیچے لمبی ہو گئی۔ اس کے دونوں پیروں کی ٹھوکر دوسرے کمانڈو کی ٹانگوں پر پڑی۔ وہ بھی لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ میں بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا اور اس سے بھی زیادہ تیزی دکھاتے ہوئے میں نے میز الٹ دی۔ الٹتی ہوئی میز کا کنارہ بیلا کو بھی لگا اور وہ

بھی چیختی ہوئی پشت کے بل گری تھی۔

میں اچھل کر الٹی ہوئی میز کے دوسری طرف پہنچ گیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایک کمانڈو کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ رائفل قبضے میں لینے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ بلیک کیٹ کمانڈوز انتہائی اعلیٰ تربیت یافتہ تھے اس فورس کو ... سکواڈ کا نام بھی دیا جاتا تھا۔ اپنے حریف پر قابو پانے کے لیے یہ جان کی بازی بھی لگا دیتے تھے لیکن یہاں وہ مار کھا گئے تھے۔ نہایت چوکس ہونے کے باوجود ہماری یہ کارروائی ان کی توقع کے بالکل خلاف تھی۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گی کہ ہم جیسے نہتے شکار پوری طرح ان کے رحم و کرم پر ہونے کے باوجود ایسی کوئی حرکت کریں گے اور اسی خود اعتمادی میں وہ مار کھا گئے تھے۔

رائفل ہاتھ میں آتے ہی میں نے انہیں زد میں لے لیا۔ رتنا نے بھی پھرتی سے اٹھ کر دوسرے کمانڈو کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔ اب وہ سب ہمارے رحم و کرم پر تھے۔ میں نے انہیں رائفل کی زد پر لے کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا کر دیا اور ان دونوں کے لباس تھپتھپانے لگا۔ ان کے کپڑوں کے اندر چھوٹے پستول بھی چھپے ہوئے تھے۔ میں نے وہ پستول بھی نکال لیے۔ بیلا بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"میں نے کہا تھا کہ کسی بھی کھیل کا فیصلہ عین آخری لمحوں میں ہوتا ہے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور وہ آخری لمحات یہ ہیں جنہوں نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اس کے باوجود تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔" بیلا نے غراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی اس وقت کامیابی کا دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس بات سے انکار نہیں کرو گی کہ اس وقت مجھے تم پر بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔ یہ بات میں تسلیم کرتی ہوں لیکن یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ تمہاری یہ بالادستی زیادہ وقت تک قائم نہیں رہ سکے گی۔" بیلا نے جواب دیا۔

"اور تم لوگ اس شہر سے نکل نہیں سکو گے۔" یہ بات شوبھا نے کہی تھی۔

"تیری تو ..." رتنا نے اسے ایک غلیظ گالی دی۔ "تمہارا تو بتو میں اس طرح بگاڑوں گی کہ کوئی تمہارے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ کتیا، حرامزادی، یہاں ہمیں ایک محفوظ جگہ مل گئی تھی۔ ہم چند روز آرام سے یہاں رہتے اور خاموشی سے نکل جاتے لیکن تمہاری وجہ سے ..." اس نے رائفل گھما کر اس کا بٹ شوبھا کے سینے پر مارا۔

ضرب خاصی زوردار تھی۔ شوبھا چیخ کر دوہری ہو گئی۔ رتنا نے رائفل کی دوسری ضرب اس کے منہ پر لگائی۔ ٹھوڑی پر لگنے والی یہ ضرب پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔ شوبھا ایک بار پھر چیخ اٹھی مگر رتنا پر اس کے چیخنے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ رائفل کے بٹ سے اس کے منہ پر ضربیں لگاتی رہی۔ رتنا نے واقعی ٹھیک کہا تھا کہ وہ شوبھا کا تو بتو اس طرح بگاڑ دے گی کہ کوئی اس پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ شوبھا چیختی رہی اور رتنا اس کی دھنائی کرتی رہی۔ شوبھا کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے کے اوپر کے دو دانت ٹوٹ کر گر گئے تھے۔ شاید جبڑا بھی فریکچر ہو گیا تھا۔ وہ فرش پر پڑی بری طرح تڑپ رہی تھی۔

شوبھا کے اس بنگلے میں دو ملازم تھے اور اس وقت دونوں اندر ہی تھے۔ میں نے بیلا، بلیک کیٹ کے دونوں کمانڈوز اور دونوں ملازموں کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ کنیا کماری ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ایک موقع پر ایک کمانڈو نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کے سینے پر زور سے رائفل کا بٹ مارا کہ وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور اس کے بعد کسی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

بیلا ان کمانڈوز سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ رتنا کو اس نے پہلے بھی لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ خود اس کے ساتھ بھی دو دو ہاتھ ہو چکے تھے لیکن اس کا یہ جنون بیلا نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

رتنا نے شوبھا کو ادھ موا کر کے چھوڑ دیا اور پھر وہ بیلا کی طرف گھوم گئی۔

"ناگن، تمہارے ساتھ رعایت کرتا رہا ہے۔ مگر میں تمہارا کوئی لحاظ نہیں کروں گی۔" وہ بیلا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے غرائی۔ "وہ سوٹ کیس کہاں ہے؟ اگر تم سوٹ کیس میرے حوالے کر دو تو شاید تمہاری موت کو کچھ آسان بنا دوں۔"

"وہ..... وہ سوٹ کیس... جے پور میں ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ وہ بظاہر بہت خوفزدہ نظر آ رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بہت بڑی اداکارہ ہے۔ اس نے قدم قدم پر ہمیں دھوکا دیا تھا اور اب بھی محض خوفزدہ ہونے کی اداکاری کر رہی تھی۔

رتنا نے اس کے کولہے پر رائفل کے بٹ سے ایک زوردار ضرب لگائی۔ بیلا چیخ اٹھی۔ اسی لمحے ایک کمانڈو نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی میں فوراً ہی اس طرف متوجہ ہو گیا۔ میں تو شاید اسے روکنے کی کوشش کرتا لیکن رتنا پر جنون طاری تھا اس نے رائفل سیدھی کر کے فائر کھول دیا۔ پہلے تو چھلانگ لگانے والا کمانڈو چھلنی ہو کر گرا اور پھر رتنا نے دوسرے کو بھی چھلنی کر دیا۔

اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیلا نے کھڑکی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ کسی طاقتور چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلی اور پرندے کی طرح اڑتی ہوئی کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ میں دوڑ کر کھڑکی کے قریب پہنچا مگر اس طرف گھپ اندھیرا تھا۔ ایک طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تو سنائی دے رہی تھیں مگر بیلا دکھائی نہیں دی۔ میں نے اندھیرے میں ایک برسٹ مار دیا مگر گولیوں کی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

میں کمرے میں فائرنگ کی آواز سن کر واپس مڑا۔ شوبھا کے دونوں ملازم باہر والے دروازے کے قریب ڈھیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے شاید بھاگنے کی کوشش کی تھی اور رتنا نے انہیں اڑا دیا تھا۔

"اور تم....." وہ شوبھا کی طرف مڑ کر غرائی جو دونوں ہاتھ فرش پر ٹکائے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں اگر چاہوں تو تمہیں بھی چھلنی کر سکتی ہوں لیکن تم زندہ رہو گی۔ اپنی اسی بگڑی ہوئی صورت کے ساتھ تم جب بھی آئینہ دیکھو گی تو تمہیں یاد آئے گا کہ تمہارا حلیہ کس نے بگاڑا تھا اور تم....." وہ کنیا کماری کی طرف مڑ گئی۔ "تم نے ہمیں پناہ دی اور ہم پر بہت بڑا احسان کیا۔ ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ تم جہاں چاہو جا سکتی ہو۔" کنیا کماری تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس خون خرابے نے اس کی حالت اور بھی بگاڑ

دی تھی اس کے لیے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

"د..... دیدی....." وہ رتنا کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔ "بیلا بھاگ گئی ہے تم نے اسے بھی زندہ چھوڑ دیا۔ یہ لوگ بعد میں مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ....."

"تو پھر چلو..... جلدی کرو۔" میں نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اب تک کی صورتحال سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ بیلا اپنے ساتھ صرف انہی دو کمانڈوز کو لائی تھی جو رتنا کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا وہ زیادہ بھیڑ بھاڑ کی قائل نہیں تھی۔ اس نے جب بھی میرے خلاف کوئی کارروائی کی تھی اپنے ساتھ دو تین سے زیادہ آدمیوں کو استعمال نہیں کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی اس نے یہی غلطی کی تھی۔ حالانکہ پچھلے تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ کم سے کم ایک درجن کمانڈوز ضرور لانے چاہئیں تھے تاکہ مجھے گھیر سکتے۔ اگر کوئی باہر بھی موجود ہوتا تو اندر ہونے والی فائرنگ کے بعد باہر سے مداخلت ضرور ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

یہ رہائشی علاقہ تھا بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ فائرنگ کے بعد باہر سناٹا چھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے فائرنگ سن کر کسی نے فون کر دیا ہو اور پولیس کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ بیلا بھی بھاگ گئی تھی۔ وہ بہت چالاک عورت تھی کوئی فوری کارروائی کر سکتی تھی۔ اس لیے میں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

میں کنیا کماری کا ہاتھ پکڑے اسے تقریباً کھینچتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ رتنا بھی اسی وقت باہر آ گئی۔ پورچ میں شوبھا کی سیاہ رنگ کی شاندار کار کھڑی تھی۔ میں نے پچھلا دروازہ کھول کر کنیا کماری کو اندر بٹھا دیا اور باہر والے گیٹ کی طرف دوڑا۔ رتنا نے انجن سٹارٹ کیا اور گاڑی کو گھماتی ہوئی گیٹ کی طرف لے آئی۔ میں اس دوران گیٹ کھول چکا تھا گاڑی جیسے ہی گیٹ کے قریب پہنچی میں پسنجر سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

گلی کافی کشادہ تھی۔ گیٹ کے بائیں طرف سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ یہ یقیناً وہ کار تھی جس پر بیلا ان کمانڈوز کو لے کر آئی تھی اور بنگلے کی عقبی کھڑکی سے بیلا پیدل فرار ہو گئی تھی۔

میں ایک دم چونک گیا۔ کنیا کماری مجھے پچھلی سیٹ پر نظر نہیں آئی۔ میں نے اچک کر دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا کنیا کماری سیٹ پر لیٹی ہوئی تھی اس پر کپکپاہٹ طاری تھی اور غالباً دانت بھی بج رہے تھے۔

اس وقت ساڑھے دس بھی نہیں بجے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک کی آمدورفت جاری تھی۔ کچھ پتہ نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ کنیا کماری کے فلیٹ پر واپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا کوئی اور ایسی جگہ ہماری نظروں میں نہیں تھی جہاں پناہ لی جا سکتی۔ اس وقت تو ہم اس علاقے سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔

کنیا کماری بھی اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ گئی تھی کار میں قدرے سکون محسوس کر کے اس نے اپنے آپ پر بڑی حد تک قابو پا لیا تھا۔ وہ متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"اگلے چوراہے پر کار دائیں طرف موڑ لینا دیدی۔"

کنیا کماری کی آواز سن کر ہم دونوں چونک گئے۔ ہم نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"کہاں ...... کوئی ٹھکانہ ہے تمہاری نظروں میں، جہاں فی الحال پناہ مل سکے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں ...... بابو روشن علی۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔ "وہ مسلمان ہے۔ تمہاری وجہ سے ہم سب کو چند روز کے لیے اس کے ہاں پناہ مل سکتی ہے۔"

"کیا اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ کون ہے وہ؟" میں نے پھر پوچھا۔

"وہ ایک بزنس مین ہے۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔ "چند مہینے پہلے میں ایک اور ریسٹورنٹ میں تھی۔ وہ بہت اونچے معیار کا ریسٹورنٹ تھا۔ وہاں بابو روشن جیسے دولت مند لوگ ہی آتے تھے۔ بابو روشن مجھ پر...... "وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میرا مطلب ہے وہ مجھے پسند کرنے لگا تھا وہ ہمیشہ میری میز پر آ کر بیٹھتا تھا ایک مرتبہ وہ مجھے اپنی کوٹھی پر بھی لے گیا تھا ممکن ہے اس کی نیت کچھ اور ہو مگر میں دامن بچا کر نکل آئی تھی۔" وہ خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی اسی دوران رتنا چوراہے پر اس کی بتائی ہوئی سمت میں کار موڑ چکی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری وجہ سے ہمیں بابو روشن کے ہاں پناہ مل جائے گی لیکن کیا یہاں کے لیے اس کی وفاداریاں مشکوک ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔ "وہ ایک وفادار ہندوستانی ہے لیکن یہاں مذہب کا بھی معاملہ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔ اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور دیکھنا وہ آگے رکا کا نیون سائن لگا ہوا ہے نا۔ اس سے کار بائیں طرف موڑ لینا۔" اس نے آخری جملہ رتنا سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

یہ شہر کے دولت مند لوگوں کی رہائشی علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کھمبوں پر اگرچہ مرکری بلب روشن تھے مگر درختوں کی وجہ سے ان کی روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی بیچ میں تو اندھیرا ہو رہا تھا۔ رتنا نے کنیا کماری کے کہنے پر کار ایک اور کشادہ گلی میں موڑ لی تھی اس سڑک پر بھی بنگلوں کے سامنے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں۔

رتنا نے کار کی رفتار کم کر کے اسے ایک کٹ سے درختوں کے پیچھے سروس روڈ پر لے لیا اور پھر اسے اس بنگلے کے گیٹ کے سامنے روک دیا جس کی نشاندہی کنیا کماری نے کی تھی۔ کار کا رخ گیٹ کی طرف تھا۔

کنیا کماری کار سے اتر گئی اور گیٹ کی بیل بجانے لگی۔ تقریباً دو منٹ بعد ذیلی دروازہ کھلا۔ وہ کوئی عورت تھی۔ کنیا کماری نے اس سے کچھ بات کی اور ذیلی دروازے میں داخل ہو کر گیٹ پوری طرح کھول دیا۔ رتنا کار کو اندر لے گئی۔

کنیا کماری نے گیٹ بند کر دیا اور دوڑتی ہوئی کار کے ساتھ ہی پورچ میں پہنچ گئی۔

"اس طرف" اس نے آگے اشارہ کیا۔ "کار وہاں سامنے پارک کر دینا۔ اس درخت کے نیچے روک دو۔"

رتنا نے کار پورچ سے آگے نکال کر دائیں طرف موڑ کر ایک بہت بڑے اور گھنے درخت کے نیچے روک لی۔ اس جگہ اندھیرا تھا اور یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ یہ کس چیز کا درخت ہے۔ رتنا نے انجن بند کر دیا اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

کنیا کماری نے برآمدے کی بتی بجھا دی تھی لیکن اندر بتیاں جل رہی تھیں جن کی کچھ روشنی باہر آ رہی تھی لیکن برآمدے کی بتی بجھا دینے کا یہ فائدہ تھا کہ ہمیں باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ ویسے بنگلے کی چار دیواری خاصی اونچی تھی باہر سے ہمیں دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا، لیکن کنیا کماری نے احتیاطاً یہ قدم اٹھایا تھا اور مجھے کنیا کماری پر حیرت بھی تھی کہاں تو یہ کہ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے دانت بج رہے تھے اور کہاں یہ کہ وہ اتنی تیزی دکھا رہی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اب وہ اپنے آپ کو خطرے سے باہر سمجھ رہی تھی۔

جس عورت نے گیٹ کھولا تھا وہ بھی برآمدے میں آ چکی تھی، لیکن ہم اندھیرے میں اسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس نے برآمدے والا دروازہ کھول دیا اور ہم کنیا کماری کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ وہ عورت بھی اندر آ گئی۔ میرے اور رتنا کے پاس رائفلیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

برآمدے والے دروازے سے گزر کر ہم جس کمرے میں داخل ہوئے وہ خاصا بڑا اور شاندار فرنیچر سے آراستہ تھا۔ اسے بڑا ہال کہنا مناسب ہو گا۔ فرش پر دیواروں تک قالین بچھے ہوئے تھے۔ بہت قیمتی صوفے ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھے ہوئے تھے۔ صوفوں کے تین سیٹ تھے اور ہر سیٹ کے سامنے شیشے کے ٹاپ والی کافی ٹیبل رکھی ہوئی تھیں۔

پچھلے ہال کے دائیں طرف ایک کشادہ راہداری تھی اور اس راہداری میں بھی آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ راہداری کے آخر میں شیشے کا ایک بڑا دروازہ نظر آ رہا تھا اس ڈیزائن اور طرز کے بنگلے میں نے انگریزی فلموں میں دیکھے تھے اور آج میں خود ایک ایسے بنگلے میں موجود تھا اور مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اس وسیع و عریض بنگلے میں ابھی تک کوئی اور ذی روح دکھائی نہیں دیا تھا۔

میں نے اس عورت کی طرف دیکھا جو گیٹ کھول کر ہمارے ساتھ اندر آئی تھی۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب اور جسم کی ساخت بڑے غضب کی تھی فگر زبردست آئیڈیل اور قیامت خیز تھے۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اس لباس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ مسلمان تھی اس کے چہرے کے نقوش بھی بڑے پرکشش تھے اور آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ اس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ بابو روشن کی بیوی ہو گی اور کنیا کماری کو یقیناً بہت اچھی طرح جانتی ہو گی۔ اسی لیے تو اس کے لیے گیٹ کھول دیا تھا اور ہم بھی اس کے ساتھ بے تکلفی سے اندر آ گئے تھے۔

"یہ نرگس ہے۔" کنیا کماری نے تعارف کرایا۔ "بابو روشن کی ہاؤس کیپر۔ گھر کی ساری ذمے داری اس کے کندھوں پر ہے۔"

"اوہ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس کے علاوہ وہ یہاں اور کتنے لوگ ہیں؟"

"کوئی نہیں۔" کنیا کماری کے بجائے نرگس نے جواب دیا۔ "بابو روشن کلب گئے ہوئے ہیں ان کی واپسی دو بجے کے قریب ہو گی مگر تم لوگ کون ہو اور یہ ......" اس نے ہماری رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بی بی۔" کنیا کماری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس سے پتہ چلا کہ نرگس کو بی بی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ "یہ روشن بابو کے دوست ہیں۔"

تم مجھے بتاؤ۔ روشن بابو کون سے کلب گئے ہوئے ہیں ان سے فون پر بات کرتی ہوں اور تم ہمارے لیے چائے یا کافی بنا دو۔"

نرگس چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی اور پھر ہال کے بائیں طرف ایک دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گئی۔

"تم نے بتایا تھا کہ بابو روشن کے ساتھ صرف ایک مرتبہ یہاں آئی تھیں مگر نرگس کے ساتھ تو تم خاصی بے تکلف ہو۔" میں نے کنیا کماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نرگس سے تو اکثر فون پر گپ شپ ہوتی رہتی ہے۔ وقتاً فوقتاً بازار میں ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ بہت اچھی عورت ہے۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔

"یقیناً بہت اچھی ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھی نہ ہوتی تو بابو روشن پورا گھر اس کے سر پر نہ چھوڑتا لیکن بابو روشن کے بیوی بچے؟"

"اس نے یہ روگ پالنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔" کنیا کماری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں اسے فون پر بتاتی ہوں۔" کنیا کماری کہتے ہوئے دائیں طرف والے صوفے کی طرف چلی گئی جس کے قریب سائیڈ ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔

صوفے پر بیٹھ کر اس نے ریسیور اٹھایا اور نرگس کے بتائے ہوئے نائٹ کلب کا نمبر ملانے لگی۔ میں بھی اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف کال جلد ہی ریسیو کر لی گئی۔ ظاہر ہے کال آپریٹر نے ریسیو کی تھی۔

"میں بابو روشن کے گھر سے نرگس بول رہی ہوں۔" اس نے آپریٹر کی ہیلو کے جواب میں کہا۔ "بابو روشن اس وقت کلب میں موجود ہیں۔ پلیز! انہیں ذرا لائن پر بلا دیں۔ ٹھیک ہے میں ہولڈ کیے ہوئے ہوں۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے کلب کے آپریٹر کو اپنے بجائے نرگس کا نام کیوں بتایا تھا۔ تقریباً دو منٹ بعد دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی دی تو کنیا کماری نے قدرے مدھم لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"بابو روشن۔" میں کنیا کماری بول رہی ہوں لیکن تم میرا نام مت لینا۔ ہاں میں نے ہی آپریٹر کو اپنا نام نرگس بتایا تھا اپنے نام سے فون نہیں کر سکتی تھی۔ میں اس وقت تمہاری کوٹھی پر موجود ہوں۔ ہاں ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے تم فوراً آ جاؤ۔ کسی کو بتانے یا ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہاں ہاں..... ٹھیک ہے۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"روشن بابو تقریباً ایک گھنٹے میں یہاں پہنچ جائے گا۔" وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"آؤ..... وہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔" اس نے اس طرف اشارہ کیا جہاں رتنا بیٹھی ہوئی تھی۔

ہم دونوں بھی رتنا کے قریب آ گئے۔ میں تو رتنا کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا کنیا کماری سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔

"راستے میں بات کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن اب بتاؤ تم نے ہمارے ساتھ آ کر اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی؟" میں نے کنیا کماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ساتھ نہ بھی آتی تو میری جان خطرے میں رہتی۔" اس نے جواب دیا۔ "تم نے پیا۔ نیا بات سنی تھی میرے بارے میں بھی اس کا ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔ تم لوگ کہیں فرار ہو جاتے اور میں پکڑی جاتی تو وہ لوگ مجھے اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیتے۔ ان اذیتوں سے تو بہتر یہی ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ رہوں۔ مجھے یہ بھروسہ تو ہے گا کہ تم لوگ مجھے بچا سکتے ہو۔ تمہاری بات سننے کے بعد ہی میں نے تم لوگوں کے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"کون سی بات؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے کہا تھا کہ میں نے تم لوگوں کو پناہ دے کر تم پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔ "میں نے تم دونوں میں سے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا تھا میں نے ماؤنٹ آبو میں چند مہینے رتنا دیدی کے ساتھ کام کیا تھا وہ صرف چند مہینوں کا ساتھ تھا مگر رتنا دیدی کی شخصیت نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اس روز اپنے ریسٹورنٹ میں اسے دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی اگر مجھے پہلے یہ معلوم ہوتا کہ پولیس کو تم لوگوں کی تلاش ہے وہ تم دونوں ہو تو بھی میں دیدی کی وجہ سے تم لوگوں کی مدد ضرور کرتی۔" وہ چند لمحوں خاموش ہوئی پھر بولی "میں نے تم لوگوں کو شوبھا سے ملا کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔

وہاں جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا۔ میرا دل تو اب بھی کانپ رہا ہے لیکن تم لوگوں کی جگہ میں ہوتی تو یہی سب کچھ کرتی۔ اپنی جان بچانے کے لیے دوسروں کی جان لینا ہی پڑتی ہے۔ دیدی نے تو بڑی مہربانی کی کہ اس حرامزی کو زندہ چھوڑ دیا۔ رائفل میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں اسے بھی اڑا دیتی۔"

"تم اکیلی بھی یہاں آ کر پناہ لے سکتی تھیں۔ ہمیں ساتھ لانے کی ضرورت کیا تھی۔ ہو سکتا ہے روشن ہمیں اپنے ہاں پناہ دینے سے انکار کر دے۔" میں نے کہا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔ "اور جہاں تک تم لوگوں کو ساتھ لانے کا تعلق ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ تم میری قوم کے بیٹوں سے زیادہ قابل اعتبار ہو۔ تم مجھے دھوکا تو نہیں دو گے۔ اس لیے میں نے تم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ یہاں لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ویسے اگر تم چاہتے تو مجھے اکیلے اور بے سہارا چھوڑ کر جا سکتے تھے مگر تم نے ایسا نہیں کیا جس کا مطلب ہے کہ تمہیں بھی میرا احساس ہے۔ میری شرافت کا احساس ہے اسی لیے تو تم نے بلا جھجک میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور دیکھو اب تمہارا یہ ساتھ کب تک رہتا ہے۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نرگس کو اس دروازے سے برآمد ہوتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ ایک خوبصورت ٹرالی دھکیلتی ہوئی لا رہی تھی جس پر چائے کے علاوہ دیگر لوازمات بھی رکھے ہوئے تھے۔

چائے ختم ہونے کے بعد نرگس برتن سمیٹ رہی تھی کہ کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ نرگس ٹرالی کو چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ کنیا کماری بھی اس کے پیچھے ہی گئی تھی۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا اور ہال سے باہر جھانکنے لگا۔

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ کنیا کماری وہیں پلر کے قریب رک گئی اور نرگس تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کی طرف چلی گئی۔

گیٹ کھلا اور سفید رنگ کی ایک شاندار کار اندر داخل ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی پورچ

میں آ کر رک گئی۔ انجن بند ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت آدمی کار سے نکل کر برآمدے کی طرف بڑھا۔ اس نے سوٹ پہن رکھا تھا۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقوش واضح طور پر نظر نہیں آ رہے تھے لیکن قد و قامت سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ خاصا سمارٹ آدمی ہے۔ وہ تیزی سے برآمدے میں داخل ہوا۔ ستون کی آڑ میں کھڑی ہوئی کنیا کماری کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔

"روشن بابو۔ ادھر، میں یہاں ہوں۔"

روشن بابو چونکنے والے انداز میں آواز کی سمت مڑ گیا۔ میں دروازے کی جالی سے اس طرف دیکھ رہا تھا کنیا کماری ستون کی آڑ سے نکل آئی تھی۔

"اوہ۔ کنیا تم یہاں ہو۔ کیا معاملہ ہے۔ خیریت تو ہے۔ تمہارا فون سن کر تو میں پریشان ہو گیا تھا۔" روشن بابو نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خیریت ہی نہیں ہے روشن بابو۔" کنیا کماری کی آواز سنائی دی۔ "ایک گڑبڑ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے مجھے یہاں آنا پڑا اور رازداری سے تمہیں فون کرنا پڑا۔ مجھے افسوس ہے میں نے فون کر کے کلب میں تمہاری تفریح غارت کر دی اور تمہیں سب کچھ چھوڑ کر یہاں آنا پڑا۔"

"کلب کی تفریح پر لعنت بھیجو۔" روشن بابو کی آواز سنائی دی اور اس نے آگے بڑھ کر کنیا کماری کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"معاملہ بہت سنگین ہے روشن بابو۔" کنیا کماری نے کہا۔ اس وقت نرگس بھی گیٹ بند کر کے برآمدے میں آ چکی تھی۔ وہ برآمدے میں رک کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے جس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ انہیں نرگس سے کوئی حجاب نہیں تھا۔ "بی بی۔ تم اندر مہمانوں کے پاس چلو۔ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔" کنیا کماری نے نرگس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مہمان!" روشن بابو بولا۔ "کیسے مہمان تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

"میں وہی بتانا چاہتی ہوں۔" کنیا کماری نے جواب دیا۔

نرگس کو دروازے کی طرف آتے دیکھ کر میں وہاں سے ہٹ گیا۔ نرگس نے اندر داخل ہو کر عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور برتن سمیٹ کر ٹرالی دھکیلتی ہوئی کچن والے دروازے کی طرف چلی گئی میں رتنا کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

برآمدے کی طرف سے کنیا کماری اور روشن بابو کی کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر کوئی بات واضح طور پر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ رتنا بھی مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا۔ کنیا کماری اور بابو روشن اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی کمر میں بازو حمائل کر رکھے تھے۔ دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بات بن گئی تھی۔

بابو روشن اونچے لمبے قد، صحت مند جسم اور سرخ و سفید رنگت کا مالک تھا اس کی شخصیت واقعی متاثر

تھی۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر میں صوفے سے اٹھ گیا۔

"یہ روشن بابو ہیں۔" کنیا کماری نے تعارف کرایا۔ "یہ تانی اور یہ رتنا دیوی۔" میں نے اپنا مصافحہ کے لیے آگے بڑھایا لیکن روشن بابو نے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ "ارے ظالم اپنوں سے اس طرح تھوڑی ملتے ہیں... میرے سینے سے لگ جا۔" اور پھر اس نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ اس انداز میں واقعی بڑی گرم جوشی تھی۔ اس نے مجھے اپنے سے الگ کر کے دونوں ہاتھوں سے تھامے رکھا۔ پھر مجھے دیکھتا رہا پھر پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک بار پھر سینے سے لپٹا لیا۔

"مجھے کنیا کماری نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" وہ مجھے الگ کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ "را" کی کمر تم نے توڑی ہے مگر سورج کو دیکھ کر یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہو کر رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیوی جی۔ آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آتا کہ تم جیسی حسین عورت اتنی بہادر ہو سکتی ہے وہ اپنے حسن سے بڑے بڑے سورماؤں کو چت کر سکتی ہے لیکن جب اس کے ہاتھ میں اسلحہ آ جاتا ہے تو عورت واقعی قیامت بن جاتی ہے۔" وہ نرگس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ قریب آئی تو روشن بابو بولا۔ "بی بی! یہ ہمارے مہمان ہیں لیکن یہاں ان کی موجودگی کا بنگلے کی چار دیواری سے باہر نہیں جانا چاہیے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں؟"

"کیا مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے روشن بابو۔" نرگس نے کہا۔

"اچھا تو اب کافی بناؤ۔ ہم سب کے لیے۔" روشن بابو نے کہا۔

نرگس کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم سب صوفوں پر بیٹھ گئے رتنا کنیا کماری کے ساتھ اور روشن بابو میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میری ران کے اوپر سے لا کر کندھے پر رکھا ہوا تھا۔

"اچھا ہوا کنیا کماری تم لڑکوں کو یہاں لے آئیں۔ پورے شہر کی پولیس اور بلیک کیٹس کی دوڑتی پھر رہی ہیں اب بات سمجھ آتی ہے۔ یہ قیامت ان کی لائی ہوئی ہے۔" روشن بابو کہہ رہا تھا۔ "ان کے بارے میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تم سب کی خاطر تمہارے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیں تو میں تو مرد ہوں یار۔ تمہارا بھائی ہوں۔ ہمارا دین کا رشتہ ہے تمہارے لیے تو میں اپنی جان دے سکتا ہوں۔"

"بڑی مہربانی ہے روشن بابو۔" میں نے کہا۔ "لیکن اگر تمہارے دل میں کوئی ایسی بات ہو تو ہم یہاں سے جانے کو تیار ہیں۔ ہمیں کوئی نہ کوئی ٹھکانا مل ہی جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم مصیبت میں آؤ۔"

"ارے تمہارے لیے تو اپنی جان بھی حاضر ہے۔" روشن بابو نے کہا۔ "میرا آدھے سے زیادہ خاندان پاکستان میں ہے زیادہ لوگ کراچی میں مقیم ہیں۔ مجھے معلوم ہے "را" کے تربیت یافتہ دہشت گرد کتنی تباہی پھیلا رہے ہیں۔ چند مہینے پہلے ہمارے خاندان کے دو لڑکے بھی ان کی دہشت گردی کا شکار ہو گئے تھے۔ شام کے وقت وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ کے سامنے بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ دہشت گرد گولیاں برساتے ہوئے نکل گئے۔ وہاں پانچ لڑکے خاک و خون میں لوٹ گئے تھے۔ تو عمر تھے وہ سب۔ سولہ سترہ برس کیا عمر ہوتی ہے ہائی سکول کے سٹوڈنٹ تھے انہیں میں دو لڑکے ہمارے

خاندان کے تھے۔ ذرا سوچو ان گھروں پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "مجھے معلوم تھا کہ پاکستان میں "را" کے تربیت یافتہ دہشت گردوں نے تباہی پھیلا رکھی ہے لیکن یہ پتہ نہیں تھا وہ تربیتی کیمپ کہیں راجستھان میں ہے۔ اس کا انکشاف تو اس وقت ہوا جب تم نے ماؤنٹ ابو کی پہاڑیوں میں اس کیمپ کو تباہ کیا تھا۔ ہندو سرکار نے اگرچہ اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اس کیمپ میں دہشت گردوں کو تربیت دی جاتی تھی جو پاکستان جا کر دہشت گردی پھیلاتے تھے۔

"اور پھر اس کے بعد تمہاری سرگرمیوں کی خبریں باقاعدگی سے اخباروں میں چھپتی رہیں۔ ایک آدمی نے "را" کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ لوگ خوفزدہ ہونے کے باوجود بڑی دلچسپی سے خبریں پڑھتے تھے۔ تمہارے بارے میں میرے دل میں بھی ایک دو مرتبہ خواہش ابھری تھی کہ کاش تم سے میری ملاقات ہو سکے لیکن یہ خواب ہی تھا اور مجھے خوشی ہے کہ آج اس خواب کی تعبیر مل گئی اور تمہارے ساتھ رتنا دیوی کو دیکھ کر اور بھی زیادہ خوشی ہوئی اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ انسانیت اور سچائی کا ساتھ دینے والے بھی موجود ہیں۔ ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، عیسائی یہ تو شناخت ہے اصل مذہب تو انسانیت ہے جس کے لیے اس قسم کے لوگ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی تعداد اگرچہ کم ہے مگر ان کا وجود ہے۔"

"اور ان میں سے ایک آپ بھی ہیں روشن بابو۔" رتنا نے کہا۔

روشن بابو کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نرگس کافی لے آئی۔

نرگس نے سب کے سامنے کافی کا ایک ایک کپ رکھ دیا۔ ایک کپ وہ خود لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ روشن بابو نے کافی کی ایک چسکی لی اور ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"دن کے وقت میں تو گھر پر کم ہی رہتا ہوں لیکن یہ بی بی..... دراصل یہی اس گھر کے سیاہ سفید کی مالکہ ہے۔ تم لوگوں کا خیال رکھنا اب اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلاتکلف اس سے کہہ دیجئے۔"

"ہماری ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم یہاں ڈسٹرب نہ ہوں۔ میرا مطلب ہے یہاں آپ کے دوستوں کی آمد و رفت....."

"تم لوگ جب تک یہاں رہو گے کوئی یہاں نہیں آئے گا۔" روشن بابو نے میری بات کاٹ دی۔ "اگر میرا کوئی دوست ادھر آ بھی گیا تو بی بی اسے سنبھال لے گی۔ ویسے اطمینان رکھو یہاں کسی کو تمہارے لوگوں کی موجودگی کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ ویسے....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے دو چار روز میں ہنگامے ذرا ٹھنڈے ہو جائیں گے تو تم لوگوں کو اپنے پہاڑی والے بنگلے پر منتقل کر دوں گا وہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں۔ تم لوگ آرام سے وہاں رہ سکو گے۔"

"یہ ہنگامے دو چار دنوں میں ٹھنڈے ہونے والے نہیں ہیں روشن بابو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر عام آدمیوں کا معاملہ ہوتا تو یہ بات مختلف ہوتی لیکن اصل قصہ یہ ہے کہ بلیک کیٹس کے کمانڈو بھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں اور تم سمجھ سکتے ہو کہ اس طرح معاملہ کتنا سنگین ہو گیا ہے۔ کیا چار دن میں ہنگامے سرد ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے کنیا دیوی نے بتایا تھا۔" روشن بابو نے کہا۔ "بلیک کیٹس فورس قائم تو کسی اور مقصد کے لیے کی گئی تھی لیکن اب یہ ایک دہشت گرد فورس بن چکی ہے اب اس فورس پر بھی "را" کا قبضہ ہے اور "را" والے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ نرگس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ ایک دو منٹ تک فون پر بات کرتی رہی پھر روشن بابو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کلب سے تمہارا فون ہے۔ سوشیلا بول رہی ہے۔"

روشن بابو نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ چند منٹ تک بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا اور نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کلب میں ویک اینڈ کے لیے ایک پروگرام بن رہا تھا اس کے لیے مجھے بھی ایک ذمے داری سونپی گئی تھی آج اس سلسلے میں سوشیلا سے میٹنگ تھی لیکن وہ اس وقت تک نہیں پہنچی تھی۔ اب فون پر اس کی بات کر رہی تھی۔ میں نے اس سے معذرت کر لی ہے کہ میں اس پروگرام میں شریک نہیں ہو سکوں گا میرے بجائے پرتاپ سنگھ کو لے لیا جائے۔"

"لیکن میرا خیال کچھ اور ہے۔" نرگس نے کہا۔ "تم کسی پروگرام میں بے شک حصہ نہ لو لیکن آج رات اگر کلب چلے جاؤ تو تمہیں شہر کے حالات کی خبر مل سکتی ہے۔"

"گڈ آئیڈیا۔" روشن بابو کہتے ہوئے ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں میری واپسی میں دو ڈھائی بج سکتے ہیں تم مہمانوں کے آرام کا بندوبست کرو۔ میرا خیال ہے انہیں اوپر پیچھے والا کمرہ دے دو۔ اگر میری واپسی تک یہ سو نہ گئے تو گپ شپ ہوگی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد روشن بابو کلب چلا گیا۔ رتنا نے گاڑی پورچ سے ذرا آگے درخت کے نیچے کھڑی کی تھی۔ نرگس گیراج سے کار کا کور نکال لائی اور میں نے کنیا کماری کے ساتھ مل کر شوبھا والی کار پر کور ڈال دیا تاکہ اگر کوئی یہاں آئے بھی تو اسے وہ کار نظر نہ آسکے۔

"آؤ..... میں تم لوگوں کو کمرہ دکھا دوں۔" اندر آ کر کنیا کماری نے رتنا اور میری طرف دیکھا۔

ہم دونوں نے اپنی اپنی راتفلیں اٹھائیں اور کنیا کماری کے ساتھ اوپر والے حصے میں آ گئے۔ یہاں کی لابی بھی بہت کشادہ تھی۔ اس کا ایک حصہ وسیع ہال کی طرح پیچھے کی طرف پھیلا ہوا تھا جس میں نچلے فلور کی طرح شاندار فرنیچر آراستہ تھا۔ کنیا کماری نے آخر میں ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گئی۔

اس کمرے کو دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بہت وسیع و عریض کمرہ تھا درمیان میں بہت بڑا گول بیڈ تھا جس پر شاندار مخملی چادر بچھی ہوئی تھی۔ قالین دبیز تھا کہ پیر دھنس رہے تھے۔ دیوار کے ساتھ ایک صوفہ سیٹ بھی رکھا ہوا تھا اس کمرے کی ہر چیز بہت شاندار اور بہت قیمتی تھی۔

اس نے مڑ کر رتنا کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی حیرت کے تاثرات نمایاں تھے۔

"بی بی کا کمرہ نیچے ہے۔" کنیا کماری کہہ رہی تھی۔ "اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیڈ کے

ساتھ لگا ہوا یہ بٹن دبا دینا بی بی کے کمرے میں گھنٹی بجے گی اور وہ یہاں آ جائے گی ویسے یہ بیل رات کو استعمال کے لیے ہے دن میں تو تم لوگ دروازے میں کھڑے ہو کر بی بی کو آواز بھی دے سکتے ہو۔"

میں کنیا کماری کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ شوبھا کے بنگلے سے فرار کے بعد اس طرف آتے ہوئے کنیا کماری نے کوئی اور کہانی سنائی تھی اس کے کہنے کے مطابق روشن بابو اسے پسند کرنے والے دیکھنے کے لیے چائے پینے کے بہانے اس ریسٹورنٹ میں آیا کرتا تھا جہاں وہ کام کرتی تھی اور یہاں وہ صرف ایک مرتبہ روشن بابو کے ساتھ اس کی کوٹھی میں آئی تھی لیکن یہاں آنے کے بعد یہ انکشاف ہو رہے تھے۔ نرگس سے وہ اس طرح بے تکلف تھی جیسے بہت پرانی دوستی ہو اور ہمیں اس کوٹھی کے بارے میں بھی اس طرح بتا رہی تھی جیسے برسوں سے یہاں رہ رہی ہو اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس نے راستے میں جو کہانی سنائی تھی وہ ادھوری تھی جبکہ اصل کہانی کچھ اور تھی جو آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

"ملعونہ کہیں کی۔" میں نے دل ہی دل میں کہا اور کنیا کماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ رتنا کے ساتھ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تھی۔ میں بھی ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کنیا کماری کہہ رہی تھی۔

"یہ کوٹھی ہمارے لیے بالکل محفوظ ہے۔ ہم دو چار دن یہاں رہیں گے اور پھر موقع ملتے ہی پہاڑی والے مکان پر چلے جائیں گے وہاں ہم کسی مداخلت کے بغیر آزادی سے رہ سکیں گے۔"

"تم نے راستے میں بتایا کہ اس کوٹھی میں بھی صرف ایک مرتبہ آئی تھیں اور......"

"ارے بھئی سمجھا کرو نا۔" رتنا نے میری بات کاٹ دی۔ اس نے بھی میری طرح ہر بات نوٹ کر لی تھی۔ "کوئی عورت کسی مرد تو کیا کسی دوسری عورت کو ہر بات تفصیل سے تو نہیں بتا سکتی۔ ہمارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ روشن بابو سے اس کی دوستی ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اب میں کچھ جاننے کے لیے کوئی اصرار نہیں کروں گا۔"

کنیا کماری کچھ جھینپ سی گئی۔

"ٹھیک ہے" وہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ "روشن بابو نے واپس آ کر کوئی خاص بات بتائی تو تم لوگوں کو بلا لوں گی۔ اگر کوئی خاص بات نہ ہوئی تو صبح ملاقات ہو گی اب تم لوگ آرام کرو۔"

وہ باہر چلی گئی۔ رتنا کماری نے دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا اور ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"یہ روشن بابو بھی مجھے کچھ گڑبڑ ہی لگتا ہے۔ اتنی بڑی اور عالیشان کوٹھی ایسی کوٹھیاں تو نگر دنا اونچے پیمانے پر غیر قانونی دھندہ کرنے والوں کے پاس ہی ہو سکتی ہیں۔"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ روشن بابو کوئی قانونی بزنس کرتا ہے یا غیر قانونی دھندا۔" میں نے کہا۔ "ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہمیں یہاں پناہ مل گئی ہے ہم چند روز یہاں رہیں گے بشرطیکہ اس دوران کوئی گڑبڑ نہ ہو اور پھر جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے ہم ویسے ویسے ہی اس دلدل میں مزید گہرائی کی طرف دھنس رہے ہیں۔"

"اس میں میرا یا تمہارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

"خود بخود کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں کہ ہم مزید الجھتے جا رہے ہیں۔ کسی طرح جان چھڑانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر بولی "راستے میں ہوٹل والا واقعہ اس میں ہمارے ارادے کو تو کوئی دخل نہیں تھا صرف اتنا تھا کہ وہاں دو آدمی ہمارے انتظار میں بیٹھے تھے ان سے ہم نے نجات حاصل کر تو لی تھی ہم وہاں سے نکل جاتے لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ ان کم بختوں میں سے کسی نے ہماری جیپ میں بم لگا دیا تھا اور ان کا تیسرا ساتھی بھی وہاں پہنچ گیا تھا جس نے اس جیپ پر ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی تھی اور جیپ سمیت اڑ گیا۔

"کسی طرح وہ معاملہ بھی ٹھنڈا ہو رہا تھا ہمیں کنیا کماری کے پاس ایک محفوظ ٹھکانہ مل گیا تھا مگر جوان حرامزادی شوبھا کا جس نے ہمارے لیے نئی مصیبت کھڑی کر دی۔ حالات تو خود بخود ہمیں الجھاتے جا رہے ہیں۔ اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ اب بات کچھ یوں ہے کہ ہم تو کمبل کو چھوڑنا چاہتے ہیں لیکن کمبل ہمیں نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"ہاں ٹھیک کہتی ہو۔ یہ کمبل ہی ہمیں نہیں چھوڑنا چاہتا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کمبل سے ہمیں نجات حاصل کرنی ہے ہر صورت میں۔"

میں بات کرتا ہوا ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔ شیفون کا پردہ کھینچ کر ایک طرف ہٹایا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیئے۔

اس سمت میں تقریباً پندرہ فٹ نیچے لان تھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہاں گھاس تھی یا پھولوں کے پودے تھے یا صرف گھاس تھی۔ بہرحال یہ جگہ خاصی وسیع و عریض تھی اور باؤنڈری وال تقریباً سو گز پیچھے نظر آ رہی تھی۔ اس باؤنڈری وال کے پیچھے بہت دور نشیب میں روشنیاں نظر آ رہی تھیں جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ روشن بابو کی یہ کوٹھی اور اس کے ساتھ والی کوٹھیاں بلندی پر تھیں اور پچھلی طرف نشیب تھا البتہ دائیں طرف کی روشنیاں بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھیں جس کا مطلب تھا کہ اس طرف آبادی بلندی پر تھی۔

رتنا بھی میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی موجودگی کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"دور تک پھیلی جھلملاتی ہوئی یہ روشنیاں کتنی بھلی لگ رہی ہیں۔" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... بہت بھلی....." میں نے اپنا بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیا۔ "لیکن ہم ان روشنیوں کا نظارہ دوری سے کر سکتے ہیں۔ ہم قریب جا کر ان کی جگمگاہٹ سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔"

"صرف چند روز کی بات ہے۔" رتنا نے اپنا بوجھ میرے اوپر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہم ہمیشہ ہی تو چھپتے نہیں رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن تو ان اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آئیں گے اور آزادی سے گھومیں پھریں گے۔"

"ہاں شاید۔" میں نے کہا اور اسے اپنے سے الگ کر کے کھڑکی بند کر دی اور پردہ برابر کر کے بیڈ کی طرف آ گیا۔ "میرا خیال ہے اب سو جانا چاہئے۔ مجھے کچھ تھکن سی محسوس ہونے لگی ہے۔"

میں بیڈ پر لیٹ گیا۔ بہت آرام دہ میٹرس تھا۔ بیڈ اتنا بڑا تھا کہ پانچ چھ افراد بڑے آرام سے اس پر لیٹ سکتے تھے۔ رتنا نے بیڈ کی ٹیک کے پہلو میں لگا ہوا بٹن دبا کر تیز روشنی بجھا دی اور نائٹ بلب جلا دیا۔ نیلگوں روشنی آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں واقعی اس بھاگ دوڑ میں تھک گیا تھا۔ ذہنی تھکاوٹ جسمانی تھکاوٹ سے زیادہ تھی۔ میں سو جانا چاہتا تھا لیکن چاہنے کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔

مجھے احساس نہیں کہ کتنا وقت گزرا ہوگا اور پھر دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر ہم دونوں چونک گئے۔ میں سمجھا کہ روشن بابو واپس آ گیا ہوگا اور کوئی اہم خبر لایا ہوگا اور ممکن ہے ہمیں بلانے آئی تھی۔ میں نے اٹھنا چاہا تو رتنا نے مجھے دبوچ لیا اور کان میں سرگوشی کرنے لگی۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ وہ ہمیں باہر کی صورتحال سے آگاہ کرنا چاہتے ہوں گے ان کی بات ہم صبح بھی سن سکتے ہیں۔"

"اگر کوئی ایمرجنسی ہوتی تو اس طرح آرام سے دستک نہ دی جاتی۔ آرام سے لیٹے رہو جو کچھ بھی ہوگا صبح دیکھا جائے گا۔" رتنا نے کہا۔

میں نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ دروازے پر ایک بار پھر پہلے کی طرح ہلکی سی دستک ہوئی۔ رتنا نے شاید ٹھیک ہی تھا کہ کوئی ایمرجنسی ہوتی تو دستک دینے کا انداز ایسا نہ ہوتا۔

اس کے بعد دستک کی آواز سنائی نہیں دی اگر ہم کسی اور جگہ ہوتے تو پتا کھٹکنے کی آواز سے بھی ہوشیار ہو جاتے لیکن یہاں ہمیں پورا اطمینان تھا اس لیے آرام سے بستر پر پڑے رہے تھے۔

صبح میری آنکھ کھلی تو سامنے دیوار گیر کلاک کی سوئیاں نو بجے کا وقت بتا رہی تھیں۔ رتنا بستر پر نہیں تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا باتھ روم کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں بستر پر لیٹا رہا۔

رتنا تقریباً آدھے گھنٹے بعد باتھ روم سے برآمد ہوئی۔ رتنا میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ میں اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

پونے دس بجے کے قریب میں اور رتنا کمرے سے نکلے تو پورے گھر پر سناٹا تھا۔ میں نے بالکونی سے جھانک کر دیکھا۔ نیچے ہال میں بھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ ابھی سو رہے تھے لیکن نرگس کے بارے میں میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ جب میں یہ سوچ رہا تھا تو ٹھیک اسی وقت نیچے ہال میں کچن کی طرف والا دروازہ کھلا اور بلی جیسی نرگس ایک ٹرے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اس دروازے سے برآمد ہوئی۔ ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے ہوئے تھے۔ نرگس نے بھی ہمیں بالکونی میں کھڑے دیکھ لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اوپر آئے گی لیکن اس کا رخ ہال کے دائیں طرف والی راہداری کی طرف تھا۔ میں سمجھ گیا کہ روشن بابو اور منیا کماری نیچے کسی کمرے میں تھے اور نرگس ان کے لیے بیڈ ٹی لے کر جا رہی تھی میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ کر مسکرا دی۔

"روشن بابو منیا کماری کا پرانا چاہنے والا ہے۔" وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"اس نے منیا کماری کی وجہ سے ہمیں بھی یہاں پناہ دی ہے۔ ہمیں پناہ دینے میں ممکن ہے اس کی نیت صاف ہو لیکن منیا کماری سے وہ اس کی قیمت تو وصول کر سکتا ہے۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نرگس کو اس راہداری سے واپس آتے دیکھ کر خاموش رہا۔ نرگس نے ہماری طرف دیکھا اور بولی۔

"تم دونوں کے لیے چائے اوپر لے آؤں یا نیچے آؤ گے۔"

"چائے تو ہم نیچے ہی آ کر پئیں گے لیکن کیا چائے تیار ہونے تک ہم کوٹھی کا اوپر کا یہ حصہ دیکھ سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"پوری آزادی ہے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔" نرگس کہتے ہوئے کچن والے دروازے میں گھس گئی۔

اوپر چار کمرے تھے۔ دو اس ہال کے ایک طرف اور دو دوسری طرف وہ چاروں کے چاروں قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ روشن بابو اتنی بڑی کوٹھی میں اکیلا ہی رہتا تھا تو کوٹھی کو ایسے قیمتی سامان سے بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن بہرحال یہ دولت کے کھیل تھے روشن بابو کے پاس دولت تھی وہ اسے کسی بھی طرح خرچ کر سکتا تھا۔

چوتھا کمرہ بالکل اسی طرز کا تھا جس میں ہم نے رات گزاری تھی۔ اس کی بڑی بڑی محرابی کھڑکیاں بھی پچھلی طرف کھلتی تھیں۔ میں نے ایک کھڑکی کھول دی اور باہر جھانکنے لگا۔

رات کو اس طرف کچھ نظر نہیں آیا تھا لیکن دن کی روشنی میں نظر ڈالتے ہی میں چونک گیا۔ اس طرف ایک بہت بڑا سوئمنگ پول تھا جس میں شفاف پانی جھلک رہا تھا۔ پول کے فرش اور دیواروں پر نیلی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں جن سے پانی بھی نیلا نظر آ رہا تھا۔ کھڑکی سے نیچے دیوار سے دس فٹ آگے تک گھاس کا قطعہ تھا۔ پول کے تین اطراف میں اسی طرح دس دس فٹ تک گھاس تھی البتہ دائیں طرف گھاس کا یہ سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ اس طرف سے گھوم کر کوٹھی کے سامنے والے حصے کی طرف جایا جا سکتا تھا۔ اسی طرف لینٹر کی چھت والا ایک شیڈ بھی تھا جس کے نیچے غالباً کپڑے وغیرہ بدلنے کے لیے برتھ بنے ہوئے تھے۔

عقبی دیوار تقریباً پندرہ فٹ اونچی تھی۔ اگر وہ دیوار اتنی اونچی نہ بھی ہوتی تو باہر سے جھانکے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس دیوار کے عقبی طرف عمودی ڈھلان تھی اور وہ آبادی جہاں ہم نے رات کو روشنیاں جگمگاتی ہوئی دیکھی تھیں وہاں سے خاصی دور تھیں۔ بائیں طرف بلندی پر واقع آبادی بھی خاصی دور تھی۔ دائیں طرف تقریباً دو سو گز دور نشیب کی طرف جاتی ہوئی ایک سڑک تھی جس پر ٹریفک نظر آ رہا تھا۔

اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ گزشتہ رات روشن بابو نے نرگس سے یہ کیوں کہا تھا کہ ہمیں پچھلا کمرہ دے دیا جائے۔ سامنے والے کمروں کا رخ سڑک کی طرف تھا اور اس بات کا احتمال تھا کہ سڑک کی طرف سے ہمیں دیکھ لیا جائے جبکہ پچھلی طرف ایسا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

ہم کچھ دیر تک کھڑکی میں کھڑے باہر دیکھتے رہے پھر میں نے کھڑکی بند کر دی اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔ جب ہم نیچے آئے تو ٹھیک اسی وقت نرگس بھی ٹرے اٹھائے کچن والے دروازے سے نکل رہی تھی۔

نرگس نے چائے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی اور رتنا کے ساتھ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنا کپ اٹھا لیا اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے میری نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میرے

لیے جانے کے خوف سے چہرہ دشوار ہو گیا کہ کم بخت نظریں بھی قابو میں نہیں تھیں۔ رتنا میری اس کیفیت کو تاڑ گئی۔ پہلے تو وہ مسکرائی رہی پھر اپنا کپ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"آؤ...... باہر چل کر بیٹھتے ہیں تازہ ہوا میں۔" وہ بی بی کی طرف گھوم گئی۔

"بی بی...... اوپر سے تم نے جو پیچھے سوئمنگ پول دیکھا تھا اس طرف اوپر سے گھوم کر جانا پڑے گا یا کوئی اور......"

"وہ راہداری کے سامنے والا دروازہ سوئمنگ پول ہی کی طرف کھلتا ہے۔" بی بی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میں بھی اپنا کپ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے رتنا کی وجہ سے اٹھنا پڑا تھا۔ ورنہ نرگس کے سامنے سے اٹھنے کو کس کم بخت کا دل چاہتا تھا۔

راہداری والے دروازے کے باہر تین چار گارڈن چیئرز بھی رکھی ہوئی تھیں جن کے بیچ میں بانس کی تیلیوں والی ایک میز بھی رکھی تھی۔ ہم دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جن کی وجہ سے ہوا کے جھونکے بڑے خوشگوار لگ رہے تھے۔

"نرگس یہاں کی ہاؤس کیپر ہے۔"

"دیکھا ......" رتنا نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔ "روشن بابو نے بیوی کا منصب نہیں دیا لیکن کوئی مرد عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گزشتہ رات کنیا کماری نے جب بتایا تھا کہ نرگس ہاؤس کیپر ہے تو میں اس وقت سمجھ گئی تھی اتنی حسین ہاؤس کیپر رکھنے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔"

"تم مردوں کو الزام دے رہی ہو۔" میں نے اسے گھورا۔ "عورت بھی......"

"بس بس رہنے دو۔" رتنا نے اس بار بھی میری بات کاٹ دی۔ "عورت کو اس راستے پر دھکیلنے والا بھی مرد ہی ہے میری زبان نہ کھلواؤ اور اس موضوع کو یہیں ختم کر دو۔"

"یہ موضوع تم نے ہی چھیڑا تھا۔ بہر حال ختم۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور واقعی اس موضوع پر بات ختم ہو گئی۔

چائے پینے کے بعد ہم کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہے اور پھر اندر سے کنیا کماری کے قہقہے سن کر ہم بھی اندر آ گئے کنیا کماری اور روشن بابو ہال کمرے میں کھڑے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ کنیا کماری کا چہرہ کھلا جا رہا تھا۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کل رات یہی لڑکی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے دانت بج رہے تھے اور اس سے اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اور اب اس طرح قہقہے لگا رہی تھی جیسے سب کچھ بھول چکی ہو۔ حالانکہ یہ کوئی بھول جانے والی بات نہیں تھی ذہن بھاری تک میں تھا کنیا کماری بھی اس وقت ہمارے جرم میں برابر کی شریک تھی۔

کنیا کماری نے شب خوابی کا باس پہن رکھا تھا۔ یہ باس ظاہر ہے نرگس ہی نے اسے دیا ہوگا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اس کا حلیہ دیکھ کر کہا جا سکتا تھا "تیری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا افسانہ۔"

ہمیں دیکھ کر ان دونوں کی ہنسی رک گئی۔

"ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" روشن بابو نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نرگس کو

آواز دیتے ہوئے بولا۔ "بی بی...... ناشتہ لگاؤ۔ بھوک لگ رہی ہے۔"

اس کی آواز سن کر بی بی کچن والے دروازے سے جھانکنے لگی۔

"ناشتہ تو تیار ہے۔ تم لوگ تو تیار ہو جاؤ۔"

"ہم تیار ہیں۔ بس تم ناشتہ لگاؤ۔" روشن بابو کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

کنیا کماری وہیں کھڑی رہی۔ وہ کچھ شرمندہ سی لگ رہی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد نرگس ناشتے کے لوازمات سے لدی ٹرالی دھکیلتی ہوئی وارد ہوئی۔ اس نے سب کچھ سنٹرل ٹیبل پر ہی لگا دیا۔ دوسری ٹیبل بھی ساتھ ملائی گئی تھی۔ ورق پراٹھے، ہاف فرائی انڈے، ڈبل روٹی، مکھن اور ٹماٹر کے علاوہ چیز اور امرود کا جام تھا۔ روشن بابو بھی اپنے کمرے سے آ گیا اور پھر ہم سب مل کر ناشتہ کرنے لگے۔ نرگس نے بھی ابھی تک بڑی بڑی چمکدار رکھی تھی اور وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

"رات کو کچھ معلوم ہوا روشن بابو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ڈھائی بجے واپس آیا تو تم لوگ سو چکے تھے۔" روشن بابو نے جواب دیا۔ "ویسے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ پورے شہر کی پولیس ایک بار پھر تم لوگوں کی تلاش میں متحرک ہو گئی ہے بلکہ بیس بھی جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں کنیا کماری کے فلیٹ پر بھی پولیس نے قبضہ کر لیا ہے۔ شوبھا ہسپتال میں ہے سنا ہے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔"

ناشتے کے بعد نرگس نے برتن سمیٹے اور کپڑے بدل کر سودا وغیرہ لینے کے لیے چلی گئی۔ ویسے یہ بھی اچھی بات تھی کہ یہاں کام کرنے کے لیے کوئی اور ملازم نہیں تھا۔ سارا کام نرگس ہی نے سنبھال رکھا تھا دوم تھا بھی کیا روشن بابو صبح ناشتہ کر کے چلا جاتا تھا اور اس کی واپسی رات ہی کو ہوتی تھی۔ عام طور پر وہ رات کو بھی باہر ہی کھانا کھاتا تھا۔ اس طرح نرگس اکیلی ہی وہ دن بھر یا تو ڈسٹنگ وغیرہ کرتی رہتی یا ٹی وی پر کچھ وقت نکال کر لان کی بھی دیکھ بھال کر لیتی تھی۔ روشن بابو نرگس کے واپس آنے سے پہلے ہی تیار ہو چکا تھا۔

"مجھے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بنگلے کے اندر تم لوگ آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو۔ چار دیواری خاصی اونچی ہے۔ باہر سے کسی کے دیکھ لیے جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔ پچھلی طرف سوئمنگ پول اور اس کے ساتھ والا لان ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔"

روشن بابو اپنی گاڑی پر چلا گیا۔ نرگس دوپہر کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن میں چلی گئی۔ رتنا اور کنیا کماری وقت گزارنے کے لیے فرنیچر کی ڈسٹنگ کرنے لگیں اور میں ٹی وی پر فلم لگا کر بیٹھ گیا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے ساڑھے تین بجے کھایا کھانا کھاتے ہی مجھ پر سستی طاری ہونے لگی۔ میں اور اس کمرے میں آ گیا جہاں رات گزاری تھی۔ رتنا بھی میرے ساتھ تھی بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد میں گہری نیند سو چکا تھا۔

☆......☆......☆

شور کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔

وہ عورتوں کی چیخوں کی آواز تھی۔ میرے دماغ پر اس وقت سنسناہٹ سی طاری تھی۔ میں سر کو

زور زور سے جھٹکے دیتا ہوا اٹھ گیا۔ نسوانی چیخوں کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے سر کو ایک دو اور جھٹکے دیئے اور بستر سے چھلانگ لگا کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں گزشتہ رات رائفلیں رکھی تھیں۔ اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے اچانک ہی ایک اور خیال آیا جب میں بستر پر لیٹا تھا تو رتنا بھی میرے ساتھ تھی لیکن اس وقت وہ کمرے میں نہیں تھی۔ میں رائفل اٹھائے دروازے کی طرف لپکا لیکن ٹھٹک کر رک گیا۔ عورتوں کے چیخنے کی آوازیں عقبی سمت سے آ رہی تھیں۔ میں مڑ کر پچھلی کھڑکی کی طرف دوڑا پردہ ہٹانے اور کھڑکی کھولنے میں ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگا اور پھر جیسے ہی میں نے باہر جھانکا میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

رتنا، نرگس اور کنیا کماری سوئمنگ پول میں ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے اچھالتے ہوئے چیخ رہی تھیں۔ میرے دماغ میں ایک بار پھر سنسناہٹ ہونے لگی۔ ان تینوں نے نہایت مختصر زیر جامے پہن رکھے تھے میں نے رائفل نیچے رکھ دی اور دونوں کہنیاں کھڑکی پر ٹکا کر کسی قدر آگے جھک گیا اور گہرے سانس لیتا ہوا انہیں دیکھنے لگا۔ وہ تینوں اپنے دھیان میں تھیں اور پھر ایک موقع پر نرگس کی نظریں اوپر اٹھ گئیں اور اس نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کچھ کہا۔ رتنا اور کنیا کماری نے بیک وقت اوپر دیکھا۔

"شرم نہیں آتی۔ اوپر سے جھانک کر عورتوں کو نہاتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ ہمت ہے تو نیچے آؤ نا۔ ہم تمہیں بتائیں کہ اس طرح جھانکنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔" کنیا کماری نے چیخ کر کہا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

اس وقت شام کے چھ بجنے والے تھے۔ آسمان پر بادل بھی گہرے ہو گئے تھے۔ میں پول کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ رتنا قریب آ گئی تھی۔ وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھیں اور پھر اچانک ہی اس نے میری ٹانگ کھینچ لی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور شڑاپ سے پانی میں گرا اور پھر ان تینوں نے مجھے چھاپ لیا۔

اتفاق سے بارش بھی شروع ہو گئی لیکن ہم پول سے باہر نہیں نکلے اور تقریباً ایک گھنٹے تک پانی میں مستیاں کرتے رہے۔ جب باہر نکلے تو بارش تیز ہو چکی تھی۔ رتنا تھر تھر کانپ رہی تھی اور اس کے دانت بج رہے تھے۔ اتنی دیر تک پانی میں رہنے سے اسے سردی لگنے لگی تھی۔

میرا خیال تھا وہ کپڑے بدل لے گی تو سردی رک جائے گی مگر اس کی کپکپی بڑھتی گئی اندر آ کر اس نے کمبل بھی اوڑھ لیا۔ نرگس نے گرم گرم کافی بھی پلائی مگر وہ مسلسل کپکپاتی رہی۔

اب مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں نے اسے کمرے میں لا کر بستر پر لٹا دیا۔ نرگس نے اس پر دو کمبل ڈال دیئے اور میں نے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا تو مزید پریشان ہو گیا اس کا جسم بخار سے تپنے لگا تھا۔ نرگس نے اسے پیراسیٹامول کی دو گولیاں کھلا دیں۔

میرا خیال تھا کہ پیراسیٹامول سے بخار اتر جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا بخار تیز ہوتا رہا۔ رات نو بجے کے قریب روشن بابو واپس آیا تو رتنا کی صورتحال سے وہ بھی گھبرا گیا۔ اس نے اسی گلی میں رہنے والے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کو فون کر دیا اور اسے فون پر ہی بتا دیا کہ نرگس کی کزن آئی ہوئی ہے جسے سردی لگنے سے

بخار ہو گیا ہے۔

"تم دونوں دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔" روشن بابو نے مجھے اور کنیا کماری کو اشارہ کیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا اور پھر دروازے پر دستک کی آواز سن کر میں چونک پڑا کنیا کماری مجھ سے پہلے ہی دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے نرگس کھڑی تھی اس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات نمایاں تھے۔ "آ جاؤ تم لوگ۔ ڈاکٹر جا چکا ہے۔" اس نے کہا۔

میں اس کمرے سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ رتنا کی آنکھیں بند تھیں۔ اس پر اگرچہ دو کمبل پڑے ہوئے تھے مگر سینے کا زیر و بم بتا رہا تھا کہ اس کا سانس بہت تیز چل رہا تھا۔

"اگر یہ سونا چاہتی ہے تو سونے دو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ ابھی وہ انجکشن لگا کر گیا ہے۔" نرگس نے کہا۔

"انجکشن..... شاید بخار توڑنے کے لیے۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "اسے نمونیہ ہو گیا ہے۔" نرگس نے بتایا۔

"کیا....." میں اچھل پڑا اور رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے آنکھیں دوبارہ بند کر لی تھیں۔

"جسونت سنگھ بہت سیانا ڈاکٹر ہے۔" نرگس کہہ رہی تھی۔ "اچھا ہوا جو بروقت اسے بلا لیا گیا وہ کہہ رہا تھا کہ اگر دیر ہو جاتی تو اس کی جان خطرے میں پڑ سکتی تھی لیکن اب زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ انجکشن لگا دیا ہے اور دوائیں لکھ کر دی ہیں جن کے استعمال سے یہ جلد اچھی ہو جائے گی۔"

"روشن بابو کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کے ساتھ ہی باہر گیا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "ذرا آگے ایک چھوٹی سی مارکیٹ ہے۔ وہاں میڈیکل سٹور سے دوائیں بھی لیتا آئے گا۔"

ہم تینوں دیوار کے قریب پڑے ہوئے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ روشن بابو کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی وہ تین چار قسم کی دوائیں لے کر آیا تھا۔ کاغذ کی ایک تھیلی میں لپٹی ہوئی برانڈی کی چھوٹی بوتل بھی تھی۔ ہماری باتوں کی آواز سن کر رتنا نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں۔

نرگس نے اسے دوائیں دے دیں۔ دو تین گھونٹ برانڈی کے بھی پلا دیئے گئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد رتنا ایک بار پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

رتنا کی یہ اچانک بیماری میرے لیے نہایت تشویش ناک تھی اور ظاہر ہے اسے ٹھیک ہونے میں چند روز لگیں گے اور اس دوران خدانخواستہ پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کی بھنک مل گئی تو ہم فرار بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ میرے لیے بھاگ جانا اگرچہ کچھ مشکل نہیں تھا مگر میں رتنا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ کئی مہینوں سے میرے ساتھ تھی اس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ کئی بار موت سے پنجہ آزمائی کی تھی اور مجھے یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ میں اسے خطرے میں چھوڑ کر بھاگ جاؤں اور ویسے بھی اس سے کچھ ایسا لگاؤ سا

ہوگیا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر جانے کا سوچ نہیں سکتا تھا۔

اس رات میں اس کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ رتنا نیند میں بھی بار بار بے چین ہو رہی تھی۔ ہوسکتا ہے اسے زیادہ تکلیف نہ ہوئی ہو لیکن اس کی بے چینی سے میں کرب میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

صبح سات بجے کے قریب نرگس میرے لیے چائے لے کر آگئی۔ اس وقت رتنا نے بھی آنکھیں کھول دیں اس وقت وہ بہت زیادہ بے چین ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے پسلیوں کے درد نے اس کے چہرے کے تاثرات بھی بگاڑ دیے تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر چائے کے چند گھونٹ پلا دیے۔ نرگس نے بھی اسے ایک پین کلر گولی دے دی تھی لیکن رتنا کی تکلیف کم نہیں ہوئی تھی۔

"میں روشن بابو کو جگاتی ہوں۔" نرگس کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں نے چائے کے چند گھونٹ بھرے۔ کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور بیڈ پر بیٹھ کر رتنا کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں بے پناہ کرب تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی رتنا۔" میں اس کا گال تھپتھپانے لگا۔ "ٹھنڈ لگ گئی ہے اور کوئی بات نہیں"

"میرے.... میرے یہاں بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ رک رک کر بولی دونوں ہاتھوں سے پسلیاں دبانے لگی۔

"ابھی دوا دی ہے روشن بابو ڈاکٹر کو بلا لائے گا تھوڑا سا برداشت کرو۔ ٹھیک ہو جاؤ گی۔" میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

اسی وقت کنیا کماری اور روشن بابو اندر داخل ہوئے۔ روشن بابو ڈریسنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا رتنا کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا۔ ایک منٹ کو رکا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد نیچے ہال سے روشن بابو کی آوازیں سن کر میں اور کنیا کماری اس کمرے سے نکلے اور جلدی سے دوسرے کمرے میں داخل ہوگئے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے روشن بابو اور ڈاکٹر کی آوازیں سنی تھیں۔ میں نے دروازے کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں سامنے والے کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں چلے گئے تو میں اور کنیا کماری رتنا والے کمرے میں آگئے۔

"انجکشن لگایا ہے۔" نرگس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ "روشن بابو ڈاکٹر کے ساتھ گیا ہے۔ کوئی اور دوا لکھ کر دی ہے۔ تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔"

میں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ انجکشن لگنے کے تھوڑی ہی دیر بعد رتنا کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی۔ نرگس اس کے لیے ناشتہ بنا کر لے آئی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے رتنا کو ناشتہ کروایا۔ حقیقتاً وہ بھی پریشان ہو رہی تھی۔ بیس پچیس منٹ بعد روشن بابو آگیا۔

"یہ ایک کریم دی ہے ڈاکٹر نے۔" اس نے ایک ڈبیہ نرگس کی طرف بڑھا دی۔ "سینے اور پشت پر مالش کرنی ہے ناشتہ کروانے سے دوسری دوا بھی کھلا دو اور مالش کر دو انشاء اللہ ٹھیک ہو

جائے گی۔"

"ناشتہ میں نے کروا دیا ہے دوائیں دے دیتی ہوں۔" نرگس نے کہا اور پھر اپنے ہاتھ سے رتنا کو دوا کھلانے لگی۔

"اب تم لوگ باہر جاؤ میں اسے مالش کر دوں۔" اس نے باری باری ہم سب کی طرف دیکھا۔

ہم لوگ کمرے سے باہر آ گئے۔ نرگس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ہم تینوں نیچے آ کر بیٹھ گئے۔ نرگس تقریباً آدھے گھنٹے بعد آئی تھی۔

"وہ سو گئی ہے کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم لوگ تیار ہو جاؤ میں ناشتہ بنانے جا رہی ہوں۔"

اس کے دس پندرہ منٹ بعد رتنا کے علاوہ ہم سب اسی ہال کمرے میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے رات کو وقفے وقفے سے ہلکی بارش ہوتی رہی تھی اور اس وقت موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ ناشتے کے بعد بھی ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے دس بجے کے قریب روشن بابو اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر واپس آ گیا۔

"اتنی تیز بارش میں کہاں جاؤ گے۔" نرگس نے کہا۔

"دفتر میں ایک بہت ضروری کام ہے بی بی۔" روشن بابو نے جواب دیا۔ "آج میں نے ایک پارٹی کو وقت دے رکھا ہے ایک معاملے میں کئی دنوں سے ڈیل چل رہی ہے شاید آج کچھ فائنل ہو جائے اس لیے میرا جانا بہت ضروری ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "ڈاکٹر جسونت سنگھ نے کہا تو تھا کہ اب تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ دوپہر کو بھی دوائیں دینی ہیں اور اسی کریم سے سینے اور پشت پر مالش بھی کرنی ہے لیکن بالفرض کوئی تکلیف ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر جسونت کو فون کر دینا۔ وہ گھر پر نہ ہوا تو کلینک پر ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خیال رکھوں گی۔" نرگس نے جواب دیا۔

روشن کے جانے کے بعد وہ باہر کا گیٹ بند کر آئی۔ رات بھر کی بارش سے موسم میں خاصی خنکی آ گئی تھی لیکن تمام دروازے اور کھڑکیاں بند ہونے کی وجہ سے اندر کی فضا خوشگوار تھی۔

میں نرگس اور کنیا کماری کے ساتھ اوپر والے ہال میں آ گیا اور اس کمرے کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے اس سے پہلے میں نے رتنا کے کمرے میں جھانک کر دیکھ لیا تھا۔

باتیں کرتے ہوئے میں نرگس کو گھیرا کر اس طرف لے آیا کہ وہ خود ہی اپنے بارے میں بتانے لگی۔

نرگس کے کہنے کے مطابق اس کا تعلق ٹونک کے ایک متوسط گھرانے سے تھا اس کا باپ ممبئی میں روشن بابو کے باپ کے پاس ملازم تھا جبکہ نرگس ٹونک میں اپنی ماں کے پاس رہ رہی تھی۔ وہ اس وقت دس سال کی تھی کہ اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ یوں تو ٹونک میں اس کے خاندان کے اور لوگ بھی تھے مگر نرگس کا باپ اسے ٹونک میں کسی رشتہ دار کے پاس چھوڑنے کے بجائے اپنے پاس ممبئی لے آیا۔ یہاں وہ

روشن بابو کے گھر میں رہنے لگی۔ روشن بابو اس وقت تیرہ چودہ سال کا تھا۔ روشن کے باپ نے نرگس کو بھی سکول میں داخل کروا دیا اور اس طرح وہ بھی تعلیم حاصل کرنے لگی۔

روشن بابو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ زیادہ لاڈ پیار نے اسے کسی حد تک بگاڑ بھی دیا تھا۔ نرگس کے ساتھ بھی اس کی اکثر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ نرگس نے گریجویشن کر لیا روشن کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ماں کے انتقال کے بعد روشن بابو کے رویہ میں تبدیلی آ گئی اور وہ نرگس کی طرف مائل ہونے لگا۔

روشن بابو کے باپ کو اندازہ ہو گیا کہ ان دونوں میں بات کچھ آگے بڑھ سکتی ہے۔ اس نے نرگس کے باپ کو مجبور کر دیا کہ وہ جلد سے جلد کوئی لڑکا دیکھ کر نرگس کی شادی کر دے۔ اس طرح دو مہینے کے اندر اندر نرگس کی شادی ہو گئی لیکن چند روز بعد ہی یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ روشن کا شوہر عبدالقادر نہ صرف شرابی اور جواری ہے بلکہ ڈاکوؤں کا مخبر بھی ہے۔ اس نے چند روز بعد ہی نرگس کے تمام زیورات جوئے میں ہار دیئے اور اس کے باپ سے بڑی بڑی رقمیں طلب کرتا رہا۔ نرگس کا باپ خاموشی سے اس کے مطالبات پورے کرتا رہا۔

ایک روز عبدالقادر نے جوئے میں بڑی رقم ہارنے کے بعد اپنی بیوی کو بھی داؤ پر لگا دیا اور اسے بھی ہار گیا۔ وہ نرگس کو دھوکے سے اپنے ساتھ لے گیا اور اس جواری کے حوالے کر دیا۔ نرگس بڑی مشکل سے اپنی عزت اور جان بچا کر وہاں سے بھاگی تھی۔ وہ اپنے باپ کے گھر جانے کے بجائے روشن بابو کے گھر آ گئی اور اسے سب کچھ بتا دیا۔

نرگس کے باپ کو جب پتہ چلا تو اس پر دل کا ایسا دورہ پڑا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ روشن بابو کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہو چکا تھا وہ خاصا جوشیلا جوان تھا۔ اس نے عبدالقادر کو بازار میں پکڑ لیا اور اس کی ٹھیک ٹھاک دھنائی کر ڈالی۔ اس کے تین دن بعد جوئے کے اڈے پر پولیس نے چھاپہ مارا اس وقت اڈے پر کئی جواری تھے جن میں کچھ مسلح بھی تھے۔ انہوں نے پولیس پر حملہ کر دیا پولیس کی جوابی کارروائی سے دو جواری مارے گئے جن میں نرگس کا شوہر عبدالقادر بھی تھا۔

نرگس اب روشن بابو کے گھر ہی رہنے لگی۔ چند مہینوں بعد روشن بابو کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ اب روشن بابو نرگس سے شادی کر لے گا مگر اس نے شادی نہیں کی البتہ وہ ایک ہی گھر میں رہتے رہے۔ لوگ ان کے بارے میں باتیں بھی کرتے مگر روشن بابو جیسے شخص کو بھلا کسی کی پروا ہو سکتی تھی۔

باپ کے انتقال کے بعد روشن بابو نے کاروبار سنبھال لیا تھا اور اسے خوب ترقی دی تھی۔ اس نے یہ کوٹھی بنوائی اور پرانا محلہ چھوڑ کر وہ لوگ یہاں منتقل ہو گئے۔

نرگس کے کہنے کے مطابق روشن بابو نے شادی نہیں کی البتہ خوبصورت عورتیں اس کی کمزوری تھی۔ وہ عورتیں بدلتا رہتا تھا لیکن نرگس کے ساتھ اس کے تعلقات میں بھی زوال نہیں آیا تھا۔ اس نے نرگس کو گھر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا۔ کنیا کماری سے بھی اس کی دوستی سال بھر پرانی تھی اور وہ کئی مرتبہ یہاں آ چکی تھی۔ روشن بابو کے ساتھ کئی عورتیں اس کوٹھی میں آ چکی تھیں مگر نرگس نے اس کی سرگرمیوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کے ساتھ آنے والی عورتوں کی سیوا کرتی تھی۔

اب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی تھی کہ ایک ہاؤس کیپر گھر کے مالک سے اتنی بے تکلف کیوں تھی۔ وہ دونوں اگرچہ رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہوئے تھے مگر ان کے تعلقات میاں بیوی جیسے ہی تھے۔

روشن بابو اور نرگس کا کردار اگرچہ کسی لحاظ سے بھی قابل تعریف نہیں تھا لیکن مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے تھی وہ ہمارے ہمدرد بن گئے تھے اور ہمارے لیے یہی بات کافی تھی۔ رتنا کی بیماری سے وہ جس طرح پریشان ہو رہے تھے اس سے بھی ان کی ہمدردی کا اندازہ ہوتا تھا۔

نرگس دوپہر کا کھانا تیار کرنے کے لیے نیچے چلی گئی۔

دو بجے کھانا تیار ہو گیا تھا۔ رتنا بھی جاگ گئی تھی۔ روشن بابو نہیں آیا تھا۔ نرگس کھانا اوپر والے کمرے میں لے آئی تھی۔ اس نے پہلے رتنا کو تھوڑا بہت کھانا کھلا کر دوا میں دیں اور پھر ہم اسی کمرے میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے بعد رتنا کے سینے پر کریم کی مالش کرنے کے لیے ہمیں کمرے سے نکال دیا۔ نرگس جس طرح رتنا کی خدمت کر رہی تھی اس سے میں کافی متاثر ہوا تھا۔

نرگس اور کنیا کماری تو نیچے چلی گئی تھیں میں رتنا کے قریب بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک میں رتنا سے باتیں کرتا رہا پھر مجھ پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا اور میں باتیں کرتے کرتے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میری آنکھ کھلی تو شام ہونے والی تھی اور اس وقت بڑی قیامت خیز بارش ہو رہی تھی۔ میں کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ کھڑکی بند تھی۔ بارش بہت دھواں دھار تھی۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا میں کچھ دیر تک کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا پھر کمرے سے نکل کر نیچے آ گیا۔ اس وقت چھ بجنے والے تھے مگر روشن بابو ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

”وہ اپنے دفتر ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔“ میرے پوچھنے پر نرگس نے بتایا۔ ”میں نے فون کیا تھا بارش رکنے کے بعد ہی آئے گا۔ سڑکوں پر جل تھل ہو رہا ہے یہاں ایسا ہی ہوتا ہے یا تو دو دو سال بارش نہیں ہوتی اور جب ہوتی ہے تو اس طرح قیامت ڈھا دیتی ہے۔“

بارش تو واقعی قیامت خیز تھی۔ لگتا تھا جیسے بارش نے طے کر لیا ہو کہ آج ہی برسے گی اور پھر کبھی نہیں برسے گی اور مجھے تو لگتا تھا کہ یہ بارش رات بھر رکنے کا نام نہیں لے گی اور اس کی شدت میں بھی کمی نہیں آسکے گی۔

میرا خیال درست نکلا۔ بارش رات بھر ہوتی رہی۔ نرگس اور کنیا کماری بھی نیچے کے تمام دروازے بند کر کے اوپر ہمارے کمرے میں آ گئی تھیں۔ رات گیارہ بجے کے قریب روشن بابو کا فون آ گیا تھا کہ اب وہ گھر نہیں آ سکے گا رات دفتر ہی میں گزارے گا۔

موسم ایک دم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ نرگس چند کمبل لے آئی تھی۔ رتنا پر ایک اور کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ سردی سے طبیعت نہ بگڑ جائے۔ یہ غنیمت تھا کہ اس قیامت خیز بارش میں بجلی بند نہیں ہوئی تھی۔ ویسے نرگس نے احتیاطاً دو ٹارچیں اپنے قریب رکھ لی تھیں۔

صبح میری آنکھ جلدی کھل گئی۔ بارش کا دھواں دھار سلسلہ صبح چھ بجے تک جاری رہا تھا اور پھر اس کا زور ٹوٹ گیا۔ مزید ایک گھنٹے بعد بارش بند ہو چکی تھی۔

نرگس نے بڑی مشکل سے آٹھ بجے کے قریب بستر چھوڑا تھا۔ وہ نیچے چلی گئی اور ہم سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ ساڑھے نو بجے کے قریب روشن بابو بھی آ گیا۔ وہ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا تھا اور اس کے بقول بارش نے شہر میں تباہی مچادی تھی۔

ہم تو خیر وقت کے قیدی تھے ہی لیکن بابو روشن بھی دو تین دن تک باہر نہیں نکلا۔ رتنا کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی اس روز کے بعد ڈاکٹر جسونت صرف ایک مرتبہ اور آیا تھا اس نے وہی ادویات باقاعدگی سے جاری رکھنے کی ہدایت کی تھی اور روشن بابو کو یہ بتایا تھا کہ وہ ایک میڈیکل کانفرنس میں شرکت کے لیے دہلی جا رہا ہے۔ اس کے بعد ایک ذاتی کام کے سلسلے میں بریلی جانا ہوگا۔ اس طرح اس کی واپسی میں کم از کم ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ اس دوران اگر مریضہ کی طبیعت خراب ہو جائے تو اسے فوری طور پر ہسپتال لے جائیں۔

بارش اگرچہ ختم ہو چکی تھی مگر شہر کی حالت اب بھی بہت ابتر تھی اور اس کے ساتھ ہی ہماری تلاش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ گزشتہ رات ایک پاکستانی نوجوان کو گرفتار کیا گیا تھا جو تین دن پہلے اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے پاکستان سے یہاں آیا تھا اس کے ساتھ اس گھر کے بچوں اور لوگوں کو بھی حراست میں لے کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

روشن بابو تین روز بعد گھر سے باہر نکلا تھا۔ اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے میں اور کنیا کماری رتنا والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نرگس نیچے کسی کام میں مصروف تھی۔ ہم تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نیچے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ تین مرتبہ گھنٹی بجنے کے بعد ہی نرگس نے ریسیور اٹھایا تھا۔ میرے خیال میں وہ روشن بابو کی کال ہوگی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد نرگس کمرے میں داخل ہوئی وہ بری طرح بدحواس ہو رہی تھی۔ اس کی کیفیت دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

”کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہاں ریڈ ہونے والا ہے اٹھو جلدی کرو۔“ نرگس نے چیخ کر کہا۔

میں اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے لپک کر اپنی رائفل اٹھائی تھی۔ دوسری رائفل کنیا کماری نے سنبھال لی۔ میرا دماغ چکرا رہا تھا یہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ کوٹھی کا پچھواڑہ بھی ایسا نہیں تھا کہ ہم دیوار پھاند کر کسی طرف نکل سکتے۔ کوٹھی کے پچھلی طرف دیوار کے ساتھ ڈھلوان تھی جس پر اترنا ممکن نہیں تھا۔

”میرے ساتھ آؤ.....جلدی کرو“ نرگس نے چیخ کر کہا۔

”کہاں؟“ میں نے پوچھا۔

”نیچے تہہ خانے میں۔“ نرگس نے جواب دیا۔

رتنا ابھی اس قابل نہیں تھی کہ اپنے پیروں سے چل سکتی۔ میں نے اسے کندھے پر لاد لیا۔ کنیا کماری میز پر رکھی ہوئی اس کی دوائیاں اٹھانے لگی۔ نرگس نے دونوں کمبل اٹھا لیے تھے۔

ہم کمرے سے نکل کر تیزی سے چلتے ہوئے نیچے آ گئے۔ نرگس آگے تھی اور ہم اس کے

نرگس کچن والے دروازے میں داخل ہو گئی۔ میں پہلی مرتبہ اس طرف آیا تھا۔ آگے ایک کشادہ راہداری تھی جس کے دونوں طرف دیواروں پر کیبنٹ بنے ہوئے تھے جن میں قیمتی اور خوبصورت برتن آراستہ تھے۔

اس راہداری سے آگے بہت کشادہ کچن تھا۔ بہت ماڈرن اور جدید ترین ایک طرف تقریباً چھ انچ اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ڈیپ فریزر رکھا ہوا تھا۔ چبوترے کے ایک طرف ڈھلان سی بنی ہوئی تھی۔ نرگس نے فریزر کے ساتھ والی دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا ایک بٹن دبا دیا۔ ڈیپ فریزر چبوترے سے پھسلتا ہوا نیچے فرش پر آ گیا۔ ڈیپ فریزر کے پیچھے دیوار کے نچلے حصے پر بھی ایک سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ فریزر کا پلگ بھی اس سوئچ بورڈ کے ایک ساکٹ میں لگا ہوا تھا۔ نرگس نے جھک کر ایک بٹن دبا دیا۔

چبوترے کی ایک اینٹ کے برابر باؤنڈری تو اپنی جگہ پر قائم رہی البتہ اس کا درمیانی حصہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا ہوا فرش کے اندر غائب ہوتے گئے۔ اندر سیڑھیاں تھیں جن میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

”جلدی سے نیچے اتر جاؤ۔ میں تم لوگوں کی باقی چیزیں لے کر آتی ہوں۔“ نرگس کہتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اس نے دونوں کمبل کنیا کماری کے کندھے پر ڈال دیے تھے۔ میں رتنا کو کندھے پر سنبھالے آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ کنیا کماری میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

نیچے کشادہ تہہ خانہ تھا جس میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر میں اندر گھس گیا۔ یہ کمرہ بیڈ روم کی طرح آراستہ تھا۔ میں نے رتنا کو بستر پر لٹا دیا اور کنیا کماری کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

نرگس نیچے والے کمرے سے کنیا کماری کے کپڑے لے کر نکل رہی تھی۔ میں اوپر دوڑ گیا۔ میں نے روشن بابو کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور رتنا نے نرگس کے ہمارے پرانے کپڑے اور جوتے اوپر تھے۔ میں کمرے میں گھس کر وہ سب چیزیں سمیٹنے لگا اور باہر نکلنے سے پہلے تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا کوئی معمولی سی چیز بھی ہمارا راز فاش کر سکتی تھی۔

میں جب نیچے پہنچا تو نرگس سیڑھیوں کے قریب کھڑی تھی۔ ہم دونوں تیزی سے چلتے ہوئے کچن میں پہنچ گئے اور ٹھیک اسی وقت باہر گاڑیوں کے رکنے کی آواز سنائی دی... کچن کی کھڑکی سے کوٹھی کا گیٹ سامنے دکھائی دیتا تھا۔ میں نے اس طرف دیکھا تو پچھلے گیٹ کے ساتھ دیوار پر دو ہاتھ نظر آئے۔ وہ باہر سے کوئی آدمی دیوار پر چڑھ رہا تھا اس سے ذرا فاصلے پر دو ہاتھ اور نظر آئے اور اگلے ہی لمحے دو آدمی دیوار پر چڑھ گئے۔ میرے دل کی دھڑکن خطرے کی حد تک تیز ہو گئی۔ وہ بلیک کیٹس کمانڈوز تھے۔

نرگس نے کنیا کماری کے کپڑے تہہ خانے کی سیڑھیوں پر پھینک دیے۔

”جلدی کرو وہ لوگ اندر کود رہے ہیں۔“ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

میں خلا میں گھس گیا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ نیچے آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے میں نے اوپر دیکھا۔ خلا کا فرش سرکتا ہوا اپنی جگہ پر آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی چیزیں نیچے پھینک دیں اور سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا آخری سیڑھی پر بیٹھ گیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی اوپر دوڑتے ہوئے قدموں کی دبی دبی سی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر نرگس کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں چبوترے کے نیچے دبکا بیٹھا رہا۔ اوپر سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی

رہی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ لوگ شاید کچن سے نکل کر دوسری طرف چلے گئے تھے۔ میں نیچے آ گیا۔ سیڑھیوں پر سے کنیا کماری کے کپڑے اور زمین پر پڑی ہوئی دوسری چیزیں اٹھائیں اور تہہ خانے کا وسیع ہال عبور کر کے اس کمرے میں آ گیا۔ کنیا کماری نے رتنا کو بستر پر ٹھیک سے لٹا کر کمبل اوڑھا دیئے تھے۔ رتنا کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔

"ڈر کیوں رہی ہو رتنا۔" میں نے کہا۔ "ہم یہاں بالکل محفوظ ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر انہوں نے نرگس پر تشدد کر کے اس کی زبان کھلوا لی تو ہم یہاں اس چوہے دان میں مارے جائیں گے۔" رتنا نے جواب دیا۔

"نرگس ایسی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب تک میں ان دونوں کے بارے میں بہت اچھی رائے قائم کر چکا ہوں۔ نرگس اور روشن بابو اپنی جان تو دے سکتے ہیں مگر ہمارے بارے میں نہیں بتائیں گے۔ ویسے میرا خیال ہے روشن بابو بھی پہنچنے ہی والا ہوگا۔ وہ اس شہر کا معزز اور بااثر آدمی ہے اس معاملے کو سنبھال لے گا۔"

"کاش! ایسا ہی ہو۔" رتنا نے کہا۔

اس کمرے میں ایک چھوٹی میز اور دو تین کرسیاں بھی پڑی تھیں۔ کنیا کماری نے میز صاف کر کے دوائیں وغیرہ اس پر رکھ دیں اور کرسیاں صاف کرنے لگی۔ میں تھوڑی دیر بعد پھر سیڑھیوں پر چلا گیا مگر اوپر کی کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

دو گھنٹے گزر گئے ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے۔ بلیک کیٹس کے کمانڈوز کوٹھی میں موجود تھے یا چلے گئے تھے اور کیا وہ لوگ نرگس اور روشن بابو کو بھی ساتھ لے گئے تھے یا چھوڑ گئے تھے، لیکن میرے لیے سوچنے کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پولیس کو یہاں ہماری موجودگی کا پتہ کیسے چلا تھا۔ انہیں کوئی اطلاع ملی تھی یا محض روشن بابو کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کا شبہ ہوا تھا اور روشن بابو کو کیسے پتہ چلا تھا کہ کوٹھی پر ریڈ ہونے والی ہے۔

میں نے کنیا کماری کے ساتھ پورے تہہ خانے کا جائزہ لے لیا تھا۔ بہت وسیع و عریض تہہ خانہ تھا۔ اس میں ایک بڑا ہال اور چار کمرے تھے ایک کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا اور تین بیڈ روم۔ ہال اور کمروں میں لائٹس، سٹینڈز اور ایسی چیزیں نظر آ رہی تھیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ تہہ خانہ کسی وقت نگار خانے کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ شاید کبھی یہاں کسی فلم کی شوٹنگ کی گئی ہو اور فالتو چیزیں یہیں چھوڑ دی گئی ہوں۔

تین گھنٹے بعد سیڑھیوں کی طرف سے ہلکی سی آہٹ سن کر میں نے رائفل سنبھال لی اور میں دروازے کی آڑ لے کر کھڑا ہو گیا۔ کنیا کماری نے بھی رائفل اٹھا کر میری طرح پوزیشن سنبھال لی تھی۔ رتنا کماری کا بیڈ سائیڈ میں تھا اس نے اور کنیا کماری نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر پولیس یا بلیک کیٹس کمانڈوز ہوئے تو ہم بلا دریغ فائر کھول دیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس طرح ہمارے زندہ بچنے کے امکانات بھی نہ ہونے کے برابر تھے لیکن ہم مرنے سے پہلے بھی کچھ کر دکھانا چاہتے تھے، لیکن... وہ نہ تو پولیس

اور نہ ہی بلیک کیٹ کمانڈوز۔

وہ نرگس اور روشن بابو تھے۔ نرگس کی حالت دیکھ کر میں اچھل پڑا اس کے بال بکھرے ہوئے اور ہونٹ بھی کچلی ہوئی تھی دایاں گال سوجا ہوا تھا جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ روشن بابو کے آنے سے پہلے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ میں دروازے کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ رائفل میرے ہاتھ میں تھی۔

"چلے گئے وہ حرامی۔" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ تھی۔

"یہ تو شکر ہے کہ مجھے بروقت پتہ چل گیا تھا اور میں نے نرگس کو فون کر دیا تھا ورنہ بے خبری میں مارے جاتے اور تم لوگوں کے ساتھ ہمارا بھی حساب کتاب ہو چکا ہوتا۔" روشن نے کہتے ہوئے ہال کی دیوار پر لگے ہوئے ایک باکس کا ڈھکنا کھول دیا۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس باکس میں ایک ٹیلی ویژن تھا۔ باکس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا سوئچ بورڈ تھا۔ روشن نے ایک سوئچ آن کر دیا اور ٹی وی کے قریب رکھا ہوا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ایک بٹن دبا دیا۔ ٹی وی سکرین روشن ہو گئی۔ برآمدہ اور اس کے سامنے گیٹ تک کا منظر دکھائی دینے لگا۔

"اب ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" اس نے ریموٹ کنٹرول ایک طرف رکھ دیا۔ "ہو سکتا ہے وہ دوبارہ کسی وقت یہاں آ جائیں مگر ہمیں فوراً پتہ چل جائے گا۔"

میں حیرت سے کبھی ٹی وی سکرین اور کبھی روشن بابو کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے یاد آ گیا کہ ایسے ہی سارے انتظامات ماؤنٹ ابو میں پنڈت بھیرو نے بھی اپنی کوٹھی میں کر رکھے تھے۔

ہم لوگ رتنا والے کمرے میں آ گئے۔ یہاں بھی کھلے دروازے سے ٹی وی سکرین پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

"مجھے افسوس ہے رتنا دیوی۔" روشن بابو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں تو زیادہ سے زیادہ آرام کی ضرورت تھی لیکن یہاں اچانک یہ افتاد آن پڑی جس کی وجہ سے تمہیں بھی تکلیف ہوئی۔"

"تکلیف کیسی۔" رتنا بولی۔ "اگر تم بروقت بی بی کو فون نہ کر دیتے تو یہاں کی صورتحال کچھ اور ہوتی۔"

"لیکن روشن بابو۔" میں نے کہا۔ "تم تو آفس میں تھے۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہاں ریڈ ہونے والا ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے تابی۔" روشن بابو نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "میرے پتا کا بزنس تو بہت صاف ستھرا تھا لیکن جب میں نے کاروبار سنبھالا تو تاجر۔ کاری کی بنا پر پے در پے نقصان ہونے لگا۔ پھر دوستوں کے مشورے پر میں نے بزنس تبدیل کر دیا اور جو نیا بزنس شروع کیا اس میں پولیس کا تعاون ضروری تھا۔ میرا کاروبار اگرچہ جرائم کے زمرے میں آتا ہے لیکن پولیس سے تعلقات ہوں تو پھر پکڑ دھکڑ کا خوف نہیں رہتا صرف تعلقات ہی نہیں انہیں حصہ بھی دینا پڑتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس طرح پولیس میں اوپر کی سطح پر کچھ تعلقات ہیں جو آج کام آ گئے ایک اے سی

پی نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ بلیک کیٹس کی ایک پارٹی ایک گھنٹے کے اندر اندر میری کوٹھی پر ریڈ کرنے والی ہے۔ میں نے فوراً بی پی کو فون کر دیا۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا اس کی نظریں سامنے ٹی وی سکرین پر مرکوز تھیں پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اے سی پی کا خیال تھا کہ یہ ریڈ میرے بزنس کے سلسلے میں ہو رہا ہے لیکن بلیک کیٹس کے نام سے میں چونکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بلیک کیٹس کو کسی طرح یہاں تم لوگوں کی موجودگی کا شبہ ہو گیا ہے اس لیے میں نے بی پی کو فون کر دیا تھا اور خود بھی اپنے دفتر سے روانہ ہو گیا تھا مگر مجھے یہاں آنے میں کچھ دیر ہو گئی کمانڈوز مجھ سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے بی پی کے ساتھ کچھ زیادتی بھی کی جس کا مجھے افسوس ہے۔ میں بروقت پہنچ گیا تھا ورنہ ہو سکتا ہے وہ تشدد کر کے بی پی سے کچھ پوچھنے میں کامیاب ہو جاتے۔"

"ناممکن۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم بھول گئے شاید۔ ایک مرتبہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔ پولیس نے تمہاری تلاش میں چھاپہ مارا تھا اور تم روپوش ہو گئے تھے۔ تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھنے کے لیے پولیس نے کیا کیا جتن نہیں کیے تھے لیکن وہ میری زبان نہیں کھلوا سکے تھے۔ آج میں کیسے زبان کھول دیتی۔"

"ہاں...... یہ بات تو ہے۔" روشن بابو مسکرا دیا۔

روشن بابو اور نرگس کی باتوں نے میرے لیے سوچ کی اور بہت سی راہیں کھول دی تھیں۔ شروع میں جب ہم یہاں آئے تھے تو رتنا نے کوٹھی دیکھ کر ایک بات کہی تھی کہ اتنی شاندار کوٹھی یا تو کسی سمگلر کی ہو سکتی ہے یا کسی ایسے شخص کی جس کی آمدنی ناجائز اور بے حساب ہو۔ اس وقت میں نے رتنا کی بات ٹال دی تھی لیکن اب روشن بابو خود ہی کھل رہا تھا کہ وہ کسی غیر قانونی کاروبار سے وابستہ ہے گو ابھی اس نے اپنے اس بزنس کی وضاحت نہیں کی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دو چار دن میں اس سلسلے میں بھی کھل جائے گا۔

وہ دونوں تقریباً ایک گھنٹے تک تہہ خانے میں رہے۔ پھر اوپر چلے گئے۔ نرگس نے بتایا تھا کہ کمانڈوز نے اچھی خاصی توڑ پھوڑ کی تھی۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ اسے بہت کچھ سمیٹنا تھا میں نے اور رتنا کماری نے اس کے کام میں مدد کی پیشکش کی تھی مگر روشن بابو نے منع کر دیا۔

"ہو سکتا ہے وہ لوگ دوبارہ ریڈ کریں تو تم لوگوں کو تہہ خانے میں آنے کا موقع بھی نہ مل سکے...." روشن بابو نے کہا۔ "اس لیے اچھا یہ ہے کہ تم لوگ دو چار دن تہہ خانے ہی میں رہو تو بہتر ہے۔ رتنا جیسے ہی ٹھیک ہو گی میں تم لوگوں کو پہاڑی والے بنگلے پر بھیج دوں گا۔ وہاں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔"

"ایک منٹ۔" مجھے اچانک ہی ایک بات یاد آ گئی۔ "ڈاکٹر جسونت رتنا کا علاج کر رہا تھا کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے کوئی شبہ ہو گیا ہو اور اس نے باہر جانے سے پہلے پولیس کو اطلاع دے دی ہو۔"

"نہیں۔ ڈاکٹر جسونت ایسا نہیں کر سکتا۔" روشن بابو نے جواب دیا۔ "اگر اس نے کوئی اطلاع دی ہوتی تو بلیک کیٹس ہم سے یہ ضرور پوچھتے کہ وہ عورت کہاں ہے جس کا علاج ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی البتہ مجموعی طور پر تم تینوں کے بارے میں پوچھتے رہے۔ انہوں نے دو گھنٹوں تک تلاشی لی ہے انہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے ان کے شبے کو تقویت ملتی۔"

"اور اتفاق کہو کہ تین دن پہلے میں نے کار کی نمبر پلیٹ اتار کر زمین میں دفن کر دی تھی اور یہ

تم بھی جانتے ہو۔" روشن بابو نے کہا۔ "انہوں نے اس کار کے بارے میں بھی پوچھا تھا اور میں نے بتا دیا تھا کہ میری اپنی کار ہے جو بہت دنوں سے خراب کھڑی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اے سی پی نے فون پر مجھے اطلاع دی تھی وہ بھی اس چھاپہ مار پارٹی کے ساتھ تھا یہ اس کی مہربانی ہے کہ جہاں تک گولا فائرنگ نہیں ہوئی ورنہ بلیک کیٹس کمانڈوز آسانی سے کسی کو بخشا نہیں چھوڑتے لیکن میں یہ بات بھی جانتا ہوں کہ یہ بچھو کی طرح پلٹ کر بھی حملہ کرتے ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو دو تین دن زیر زمین ہی رہنا ہو گا۔ ہاں وہ ریموٹ کنٹرول میرے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ "اب اگر کوئی گیٹ پھلانگ کر بنگلے میں داخل ہو گا تو اس پر بھیپ بھیپ کی آواز سنائی دے گی۔ یہ سفید بٹن دبا دینا اور پھر مختلف بٹنوں سے تمہیں سب کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔" وہ مجھے ریموٹ کنٹرول کے بارے میں سمجھاتا رہا۔ ہر بٹن کا تعلق کوٹھی کے مختلف حصوں میں اس طرح خفیہ کیمرے لگے ہوئے تھے کہ کوئی بھی کوشش کے باوجود انہیں تلاش نہیں کر سکتا تھا۔

روشن بابو نے مجھے اندر سے تہہ خانے کے راستے کا میکنزم بھی سمجھا دیا تھا لیکن یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بچے طور پر وہ راستہ کھولنے کی کوشش نہ کروں۔ ان کے جانے کے بعد میں ریموٹ کنٹرول کے مختلف بٹن دبا کر کوٹھی کے مختلف حصوں کو دیکھتا رہا پھر اسے برآمدے والے کیمرے پر سیٹ کر دیا اور رتنا کماری کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔

تہہ خانے میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ باہر دن کا وقت تھا یا رات ہو چکی تھی دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا بھی ہمیں تہہ خانے میں لا کر دیا گیا تھا۔

روشن بابو نے ٹھیک کہا تھا بلیک کیٹس نے کوٹھی پر دوبارہ دھاوا بول دیا تھا۔ میں اس وقت سو رہا تھا بھیپ بھیپ کی آواز پر میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا۔ میری نظریں سامنے ٹی وی سکرین پر مرکوز تھیں۔

وہ تعداد میں چھ تھے جو گیٹ اور اس کے ساتھ کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ بلیک کیٹ کمانڈوز تھے۔ ان سب کے پاس سب مشین گنیں تھیں پھر دو آدمی اور کود کر اندر آ گئے۔ اس طرح ان کی تعداد آٹھ ہو گئی تھی۔ دو دو کمانڈوز دائیں بائیں ہو گئے اور چار برآمدے میں آ گئے تین نے دروازے کے سامنے پوزیشن سنبھال لی اور چوتھا دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ لگتا تھا جیسے وہ دروازہ توڑ دے گا۔

دو منٹ بعد روشن بابو نے دروازہ کھولا۔ وہ چاروں کمانڈوز اسے دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے میں نے ریموٹ کنٹرول کا دوسرا بٹن دبا دیا اب ٹی وی سکرین پر ہال کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ دو کمانڈوز اندر آ گئے تھے اس دوران نرگس بھی اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ ایک کمانڈر نے روشن بابو اور نرگس کو رائفل کی زد پہ رکھا اور باقی پوری کوٹھی میں پھیل گئے۔ میں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے منظر بدل کر انہیں دیکھتا رہا وہ لوگ ایک ایک کمرے کی تلاشی لیتے رہے۔ پلنگوں کے نیچے، پردوں کے پیچھے ایسی جگہوں کی تلاشی لے رہے تھے جہاں کسی بلی کے بچے کے چھپنے کا بھی امکان ہو سکتا تھا مگر انہیں مایوسی ہوئی کچھ نہیں ملا تھا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کوٹھی میں رہے تھے۔ اس پارٹی کے انچارج کا روشن بابو سے کچھ تلخ جملوں کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ آواز تو میں نہیں سن سکا تھا مگر ان کے چہروں کے تاثرات بتا رہے تھے کہ ان میں

گرما گرمی ہو رہی تھی اور آخرکار وہ لوگ چلے گئے۔ ان لوگوں کی واپسی بھی گیٹ پھلانگ کر ہوئی تھی۔ روشن بابو نے برآمدے والا دروازہ بند کر دیا اور وہ نرگس کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ میں نے ریموٹ پر برآمدے والا بٹن دبا دیا اور واپس مڑا تو کنیا کماری سے ٹکرا گیا جو پتہ نہیں کس وقت میرے پیچھے آ کھڑی ہو گئی تھی۔

''اوہ..... تم کب آ گئیں؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''جب تم کمرے سے نکل رہے تھے تو میری آنکھ بھی کھل گئی تھی میں اسی وقت یہاں آ کھڑی ہو گئی تھی اور وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جو.....''

''جو میں نے دیکھا ہے۔'' میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''ہاں۔'' کنیا کماری نے گردن ہلائی۔ ''روشن بابو نے ٹھیک کہا تھا بلیک کیٹس کمانڈوز آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔''

ہم کمرے میں آ گئے۔ رتنا سو رہی تھی کنیا کماری اس کے ساتھ لیٹ گئی اور میں کوچ پر دراز ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ روشن بابو ہمیں اس صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے تہہ خانے میں آئے گا مگر کافی دیر گزر گئی وہ نہیں آیا تو میں نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم تین دن اور اس تہہ خانے میں رہے۔ رتنا اب کافی بہتر ہو چکی تھی مگر ادویات کا استعمال جاری تھا۔

اور پھر اس رات دو بجے کے قریب روشن بابو تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا۔

''کیا بات ہے روشن بابو؟'' خیریت میں نے دریافت کیا۔

''تم لوگ جلدی سے تیار ہو جاؤ..... یہاں سے جانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔'' روشن بابو نے کہا۔

''کہاں؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پہاڑی والے بنگلے پر۔'' اس نے جواب دیا۔

ہم چند منٹ میں تیار ہو کر تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ وہاں نرگس کے ساتھ ایک جوان عورت اور ایک جوان آدمی بھی کھڑا تھا۔ اس شخص کی عمر تیس بتیس سال رہی ہو گی۔ گرے سوٹ میں بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔ عورت بھی خاصی حسین تھی اور اس کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔

''یہ ہے میرا دوست اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس ..... ستیش کوہلی اور یہ اس کی دوست سوشیل۔'' روشن بابو نے تعارف کرایا۔

میں اس تعارف پر کانپ کر رہ گیا اور یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ روشن بابو ہمارے خلاف کوئی چال تو نہیں چل رہا۔

''ستیش میرا بہت گہرا دوست بھی ہے اور بزنس پارٹنر بھی۔'' روشن بابو نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''بلیک کیٹس کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں نے ہی تم لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے لیکن یہ بھی شبہ ہے کہ

میری کوٹھی کے نیچے کوئی تہہ خانہ ہے جہاں میں نے تم لوگوں کو چھپایا ہوا ہے۔ ستیش کی اطلاع کے مطابق وہ ایک آدھ دن میں کوٹھی پر پھر چھاپہ مارنے والے ہیں اور اس مرتبہ وہ تہہ خانے پر توجہ دیں گے اس لیے میں نے ستیش مہتہ کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دیا ہے۔ یہ اپنی پولیس کی جیپ لے کر آیا ہے اور تم دونوں کو میرے پہاڑی والے بنگلے پر پہنچا دے گا۔ سوشیل بھی تم لوگوں کے ساتھ جائے گی تم لوگ وہاں اطمینان سے رہنا میں اور نرگس بھی ایک دو دن میں آ جائیں گے۔''

میں چند لمحے خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر رتنا کو اشارہ کیا۔ ہم لوگ باہر آ گئے۔ برآمدے میں تاریکی تھی۔ غالباً یہ بتی جان بوجھ کر بجھا دی گئی تھی۔ پورچ میں روشن بابو کی کار کے پیچھے پولیس کی بند جیپ کھڑی تھی۔

''مجھے اور رتنا کو کنیا کماری کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ستیش نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور سوشیل اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

جیپ بنگلے سے نکل کر شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ رات کا پچھلا پہر تھا اور سڑکوں پر سناٹا تھا لیکن ایک چوراہے سے آگے نکلتے ہی پولیس کی ایک پارٹی نے ہماری جیپ روک لی۔ وہ دو کانسٹیبل تھے ایک طرف اندھیرے میں ایک جیپ بھی کھڑی تھی جس میں پولیس اہلکار اور بیٹھے ہوئے تھے۔ اگلی سیٹ پر غالباً اس پارٹی کا انچارج بیٹھا ہوا تھا جو سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

ہماری جیپ کے قریب آنے والے دونوں کانسٹیبلوں نے ستیش مہتہ کو پہچانتے ہی سلیوٹ جھاڑ دیا۔ پولیس پارٹی کا انچارج بھی اپنی جیپ سے اتر کر آ گیا۔ وہ سب انسپکٹر تھا۔ اس نے بھی ٹھک سے سلیوٹ جھاڑ دیا۔

''تم لوگوں کے ساتھ بلیک کیٹس کیوں نہیں ہیں۔'' ستیش مہتہ نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''حالانکہ یہ طے ہوا تھا کہ ہر پولیس پارٹی کے ساتھ دو کمانڈوز بھی ہوں گے۔''

''یہ ان کی مرضی ہے سر۔ ہم انہیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی مرضی سے ہم پر مسلط رہیں تو اور بات ہے۔'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ تم لوگ اپنی جیپ پر ہمارے پیچھے آؤ۔'' ستیش نے کہا۔

وہ سب پولیس والے اپنی جیپ پر سوار ہو گئے۔ ستیش مہتہ نے جیپ آگے بڑھا دی اور گردن گھما کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بلیک کیٹس اپنے آپ کو ہم سے سپیریئر سمجھتے ہیں انہیں اختیارات بھی ہم سے زیادہ دیئے گئے ہیں۔ ہر موقع پر پولیس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں بھگوان جانے ہم پر یہ عذاب کب تک مسلط رہے گا۔''

''بلیک کیٹس کا یہ عذاب صرف پولیس پر ہی نہیں پوری جنتا پر ہے۔'' سوشیل نے کہا۔ ''انہیں تو سرکار نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے جب چاہیں، جس کے گھر میں چاہیں گھس جاتے ہیں اور جسے چاہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔ پہلے بھی بے گناہ شخص کو اٹھا لیتے ہیں اور پھر ٹھوس لے کر چھوڑتے ہیں۔''

''ارے بھائی۔ یہ تو ہم سے بھی گھوس لیتے ہیں۔'' ستیش نے کہا۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ جیپ مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی سجے پور کی طرف جانے والی سڑک پر آ گئی۔ پولیس کی جیپ بھی ہمارے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

شہر کے آخری چوراہے پر بلیک کیٹس کی ایک پارٹی نے ہمیں روک لیا۔ جتیش مہتہ اگرچہ پولیس میں اے سی پی تھا ہمارے ساتھ پولیس پارٹی بھی تھی مگر بلیک کیٹس پارٹی کا انچارج جو رتبے میں جتیش سے بہت نیچے تھا بڑی بدتمیزی سے بات کر رہا تھا۔

"رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔ یہ تفریح کا وقت نہیں ہے۔ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے جتیش مہتہ سے پوچھا۔ "یہ لڑکی کون ہے اور آپ کے ساتھ یہ دوسرے کون لوگ ہیں؟"

"مسٹر بلیک کیٹ۔" جتیش مہتہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کس سے بات کر رہے ہو۔"

"جانتا ہوں سر۔" بلیک کیٹ نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔ ہر اس شخص سے باز پرس کرنا ہمارا فرض ہے جو اس طرح...."

"آفیسر۔" دوسری جیپ سے سب انسپکٹر بھی اتر کر آ گیا۔ "تمہاری ڈیوٹی مشتبہ لوگوں سے باز پرس کرنا ہے۔ کسی پولیس آفیسر سے نہیں۔"

"تم ہماری ڈیوٹی میں مداخلت کر رہے ہو سب انسپکٹر۔" بلیک کیٹ کمانڈو نے غراتے ہوئے کہا۔

مجھے صورتحال بگڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں نے سیٹ کے قریب رکھی ہوئی رائفل سیدھی کر لی لیکن اسے سیٹ کی آڑ میں ہی رکھا تھا۔

"تم اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہے ہو۔" سب انسپکٹر نے بھی چیخ کر کہا۔ "مسٹر جتیش مہتہ ہمارے آفیسر ہیں۔ اپنی فیملی کے ساتھ سجے پور جا رہے ہیں تمہارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ مسٹر مہتہ پولیس آفیسر ہیں اور بس..... بحث کی ضرورت نہیں۔ جیپ کا راستہ چھوڑ دو ورنہ جو کچھ بھی ہوگا اس کی تمام تر ذمے داری تم پر ہوگی۔"

صورتحال سنگین سے سنگین تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے رتنا اور کنیا کماری کی طرف دیکھا ان کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے پر اسلحہ تان لیا تھا کسی طرف سے ایک فائر خون خرابے کا باعث بن سکتا تھا۔

جتیش مہتہ نے اپنے سب انسپکٹر سے کچھ کہا اور انجن سٹارٹ کر کے جیپ آگے بڑھا دی۔ میرا خیال تھا کہ بلیک کیٹس روکنے کی کوشش کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ جیپ آگے بڑھتی چلی گئی اور دونوں پارٹیاں ایک دوسرے پر اسلحہ تانے کھڑی رہیں۔

شہر سے نکلتے ہی پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ سڑک پہاڑیوں میں پیچ و خم کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مسلسل سفر کرنے کے بعد جیپ ایک اور تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔ اس طرف پہاڑیاں زیادہ بڑی نہیں تھیں۔ ہر دو تین سو گز کے فاصلے پر کوئی بنگلہ نظر آ رہا تھا۔ یہ سرسبز علاقہ تھا پہاڑیوں میں ایک چھوٹی سی جھیل تھی اور اس جھیل کی وجہ سے ہی دولت مندوں نے اطراف کی پہاڑیوں پر بنگلے

بنا رکھے تھے۔ جھیل کے کنارے پر دو تین ریسٹورنٹ بھی تھے لیکن یہ رات کا آخری پہر تھا اور ریسٹورنٹ بند تھے۔ بنگلوں کی بھی صرف گیٹ یا برآمدوں کی بتیاں جلی ہوئی نظر آ رہی تھیں اس کے علاوہ سناٹا تھا۔

مزید آدھا گھنٹہ سفر کرنے کے بعد جیپ ایک اور راستے پر مڑ گئی۔ یہ راستہ بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا جس کے اختتام پر روشن بابو کا بنگلہ تھا۔ بنگلے کے سامنے چٹان کاٹ کر ایک چھوٹا سا ہموار میدان سا بنایا گیا تھا۔ جتیش مہتہ نے گیٹ کے سامنے جیپ روک لی اور ہارن بجانے لگا۔

گیٹ تین چار منٹ بعد کھلا۔ لمبے تڑنگے چوکیدار کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ گیٹ کھولنے سے پہلے چھوٹی سی کھڑکی سے اس نے تصدیق کر لی تھی کہ جیپ پر کون ہے۔

بنگلہ ڈبل سٹوری اور بہت شاندار تھا کئی کمرے تھے اور سب کے سب قیمتی سامان اور فرنیچر سے آراستہ پورچ میں ایک سٹیشن ویگن بھی کھڑی تھی۔

"رات گزارنے کے لیے جہاں جگہ ملتی ہے سو جاؤ۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔" جتیش مہتہ نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سوشیل کے ساتھ ایک کمرے میں گھس گیا۔

میں صبح آٹھ بجے کے قریب کنیا کماری اور رتنا کو سوتا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ جتیش مہتہ اور سوشیل بھی ابھی تک سو رہے تھے۔ میں برآمدے میں آ گیا چوکیدار اس وقت لان میں تھا مجھے دیکھتے ہی قریب آ گیا۔

"چائے وغیرہ کے مہاراج بنا کر لاؤں۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں..... اگر چائے پلا دو تو بڑی اچھی بات ہو گی۔" میں نے کہا۔

میں ٹہلتا ہوا بنگلے کے قریب آ گیا اور دوسری طرف کا منظر دیکھ کر مجھے جیسے سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ایسا حسین منظر میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بنگلے کے دوسری طرف تقریباً عمودی ڈھلان تھی جو تقریباً ڈیڑھ سو گز نیچے تک چلی گئی تھی۔ ڈھلان کے اختتام پر جھیل تھی جس کا نیلا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جھیل کے کنارے چاروں طرف کہیں کہیں ہٹس بنے ہوئے تھے۔ سامنے کی پہاڑیوں پر بھی بنگلے اور ہٹس نظر آ رہے تھے۔ سبزہ بے تحاشا تھا۔ ٹیرس کے ایک طرف چٹان کاٹ کر نیچے تک جانے کے لیے سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔

میں بالکنی کی ریلنگ پر جھکا یہ خوبصورت منظر دیکھ رہا تھا کہ چوکیدار چائے لے کر آ گیا۔ میں قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"صاحب بھی اٹھ گئے ہیں۔ میں ناشتہ بنا کر تم کو بتا دیوں گا۔" چوکیدار نے کہا۔ اس کا نام لکشمن تھا وہ یہاں کا چوکیدار بھی تھا اور خانساماں بھی۔ "ٹھیک ہے میں چائے پی کر ان لوگوں کو بھی جگاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

لکشمن اندر چلا گیا اور میں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جھیل کا خوبصورت منظر دیکھنے لگا۔ جھیل کے کنارے پر کاٹیج کے آس پاس لوگوں کی نقل و حرکت بھی نظر آ رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم نے ناشتہ کیا اور سب لوگ ٹیرس پر آ کر بیٹھ گئے۔ جتیش مہتہ اس جگہ کے بارے میں بتا رہا تھا جس راستے سے ہم بنگلے والے راستے پر مڑے تھے وہ راستہ پہاڑیوں میں مل جاتا؟

ہوا آگے جا کر جے پور جانے والی سڑک سے جا ملتا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق جے پور یہاں سے تقریباً چار گھنٹے کے فاصلے پر واقع ہے۔

"یہ جگہ....." وہ ہاتھ سے چاروں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "راجستھان کی خوبصورت ترین جگہ ہے۔ فلموں کے یونٹ یہاں شوٹنگ کے لیے آتے رہتے ہیں اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ بنگلہ کئی فلموں میں استعمال ہو چکا ہے۔ یہاں مادھوری ڈکشٹ، ہیما مالنی، سری دیوی، شاہ رخ، امریش پوری، سلمان خان اور سنجے دت سمیت انڈین فلم انڈسٹری کے تمام بڑے بڑے آرٹسٹ آ چکے ہیں۔"

"اوہ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا روشن بابو کا فلم انڈسٹری سے بھی کوئی تعلق ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی کاروباری تعلق۔"

"ہاں..... لیکن اس کی نوعیت مختلف ہے۔" ستیش مہتہ نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "ہم دونوں مل کر وڈیو فلمیں تیار کرتے ہیں ہمارے دو پارٹنر اور بھی ہیں جو بمبئی میں ہیں۔ ہماری ہر فلم کی شوٹنگ اسی جھیل کے آس پاس کی پہاڑیوں کے حسین مناظر اور اسی بنگلے میں ہوتی ہے یہاں تمہیں ایسی چیزیں نظر آئیں گی جو فلم سازی میں استعمال ہوتی ہیں۔"

میں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی۔ روشن بابو نے بتایا تھا کہ اس کا بزنس غیر قانونی ہے جس میں کچھ جھگڑا بھی ہوتی رہتی ہے اور پولیس کو بھتہ دینا پڑتا ہے اور پھر گزشتہ رات ستیش مہتہ سے تعارف کراتے ہوئے اس نے انکشاف کیا تھا کہ یہ اس کا بزنس پارٹنر بھی ہے۔ وڈیو فلمیں بنانا کوئی غیر قانونی کاروبار تو نہیں لیکن ہو سکتا ہے کاپی رائٹ کا کوئی معاملہ ہو۔

ستیش مہتہ یہ جان چکا تھا کہ ہم کون ہیں اور ہم اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ مطلوب مجرم ہیں لیکن یہ حیرت کی بات بھی کہ وہ ایک پولیس آفیسر تھا اور ہمیں بچا کر شہر سے نکال لایا تھا۔ ہندوستانی پولیس کی کرپشن کے بارے میں فلموں میں تو بہت کچھ دیکھا تھا اور اب وہی سب کچھ میرے سامنے ہو رہا تھا۔ پولیس آفیسر نہ صرف جرائم پیشہ لوگوں کی سرپرستی کرتے تھے بلکہ خود بھی غیر قانونی کاروبار میں ملوث تھے۔ وہ چونکہ خود اپنے آپ کو قانون کے مالک سمجھتے تھے اس لیے انہیں قانون کا کوئی خوف نہیں تھا۔

ستیش مہتہ اویو ہر موضوع پر بات کرتا رہا لیکن اس نے ہمارے بارے میں بات نہیں کی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر ستیش مہتہ شہر واپس چلا گیا۔ سوشیل کو وہ یہیں چھوڑ گیا تھا۔ ستیش نے کہا تھا کہ یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ستیش کے جانے کے بعد ہم دیر تک ٹیرس پر بیٹھے رہے پھر سوشیل، کنیا کماری کو ساتھ لے کر بنگلے کے پچھلی طرف والی پہاڑی پر چلی گئی۔ اس بنگلے کے آس پاس تقریباً تین سو گز تک اور کوئی بنگلہ نہیں تھا۔ اس طرف کسی کی آمد و رفت نہیں تھی اس لیے کسی کے دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ نیچے جھیل کے آس پاس اگرچہ پکنک پر آنے والے لوگوں کی سرگرمیاں نظر آ رہی تھیں مگر فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ چہروں کی پہچان ممکن نہیں تھی اس لیے بھی یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ تھی۔

شام کا دھندلکا پھیلنے سے ذرا پہلے سوشیل اور کنیا کماری بھی پہاڑی سے واپس آ گئیں۔ کھٹول شاید انہی کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ ان دونوں کے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لے آیا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی ہم دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ اندھیرا پھیلا تو مچھر بھی آ گئے اگرچہ وہاں روشنی کا انتظام بھی تھا مگر کچھ خنکی بھی ہو گئی تھی اس لیے ہم اٹھ کر اندر آ گئے۔

ہم چاروں رہنے والے کمرے میں تھے۔ سوشیل کہیں سے تاش کی گڈی نکال لائی تھی۔ ہم بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے اور پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد بھی ہم دیر تک وہیں بیٹھے تاش کھیلتے رہے۔ اس دوران میں ایک مرتبہ اٹھ کر باہر بھی گیا تھا۔

برآمدے کی بتی بجھی ہوئی تھی اور کھٹول ایک طرف کرسی پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا جس کی ناگوار بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی تو ایک دم یوں لگا جیسے مجھے قے ہونے والی ہو۔ میں برآمدے سے نکل کر کھلی فضا میں آ گیا اور ٹہلتا ہوا ٹیرس پر پہنچ گیا۔

نیچے جھیل کی طرف اب تاریکی اور سناٹا تھا۔ جھیل کے کنارے پر صرف ایک جگہ کسی کاٹیج میں روشنی نظر آ رہی تھی اس کے علاوہ ہر طرف تاریکی تھی۔ اچانک فائر کی آواز سن کر میں اچھل پڑا یہ آواز پہاڑیوں میں چاروں طرف بازگشت سی پیدا کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گولی کہاں چلی تھی۔

میں ٹیرس سے اتر کر برآمدے میں واپس آیا تو کھٹول بدستور کرسی پر بیٹھا اطمینان سے بیڑی کے کش لگا رہا تھا جبکہ میرے خیال میں گولی چلنے کی آواز پر اسے تشویش ہونی چاہئے تھی۔

"یہ گولی کہاں چلی ہے؟" میں نے خود ہی کھٹول سے پوچھ لیا۔

"کیا جانیں بھایا۔" کھٹول کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے دیوار کے ساتھ کھڑی رائفل بھی اٹھا لی تھی۔ "لوگ ادھر جھیل پر عیاشی کے لیے آتے ہیں ان میں کبھی آپس میں جھگڑا بھی ہو جاتا ہے اور ایک آدھ لاش بھی گر جاتی ہے۔"

وہ برآمدے سے نکل کر ٹیرس کی طرف چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر اچانک مجھے اپنی رائفل یاد آ گئی۔ جب ہم بنگلے میں داخل ہونے تھے تو جیپ سے اترتے ہوئے میں نے رائفل جیپ میں ہی چھوڑ دی تھی اور کنیا کماری نے بھی اپنی رائفل جیپ میں رہنے دی تھی اس کے بعد ہمیں ان رائفلوں کا خیال ہی نہیں آیا تھا اور اس طرح وہ دونوں رائفلیں جیپ میں پڑی پڑی واپس چلی گئی تھیں اور اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم کیا کریں گے۔

کچھ دیر تک کھٹول کے ساتھ ٹیرس پر کھڑا رہا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر واپس آ گیا اس وقت اگرچہ گیارہ ہی بجے تھے مگر لگتا تھا جیسے رات آدھی سے زیادہ بیت گئی ہو۔

وہ تینوں بیڈ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ سوشیل بہت جلد ان دونوں سے بے تکلف ہو گئی تھی۔ وہ جس طرح اس بنگلے میں اور اس کے اطراف میں گھومتی پھرتی رہی تھی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ یہاں پہلے بھی آتی رہی ہے اور کھٹول سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔

"میرا تو کافی کو دل چاہ رہا ہے۔" سوشیل اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم میں سے کون کون پیئے گا؟"

"سب ہی پئیں گے۔" کنیا کماری نے کہا۔

سوشیل کمرے سے نکل کر کنٹول کو آوازیں دینے لگی اور پھر وہ تقریباً بیس منٹ بعد کنٹول کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی جس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں کافی کے مگ رکھے ہوئے تھے۔ کنٹول کافی دے کر واپس چلا گیا۔

ہم تقریباً ڈیڑھ بجے تک باتیں کرتے رہے پھر سوشیل اور کنیا کماری دوسرے کمرے میں چلی گئیں اور میں رتنا کے قریب ہی بیڈ پر لیٹ گیا۔

دو دن گزر گئے۔ اس دوران اس بنگلے میں کسی قسم کی آمد و رفت نہیں ہوئی تھی اور ہم بھی شہر کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ یہاں ٹیلی فون نہیں تھا اس لیے روشن بابو یا جیتش مہتہ سے بھی ہمارا رابطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دن کے وقت ہم زیادہ تر ٹیرس پر لان میں بیٹھے رہتے اور شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اندر آ جاتے اس دوران میں نے رتنا کے ذریعے سوشیل کے بارے میں بھی تھوڑی بہت معلومات حاصل کر لی تھیں۔

وہ بمبئی کی رہنے والی تھی اسے بچپن ہی سے رقص کا شوق تھا جو آخر کار اسے نائٹ کلبوں تک لے گیا۔ وہ اچھی رقاصہ نہیں تھی لیکن اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ تقریباً دو سال پہلے ایک نائٹ کلب میں اس کی وجہ سے دو گروہوں میں ہنگامہ ہو گیا تھا جس میں ایک آدمی مارا گیا تھا اس ہنگامے میں اگرچہ وہ ملوث نہیں تھی لیکن پولیس نے اسے بھی شامل تفتیش کر لیا تھا۔ چند مہینوں بعد اسے بے قصور سمجھ کر اس کا نام کیس سے خارج کر دیا گیا۔ وہ اگرچہ بے قصور تھی لیکن ہنگامے کی بنیاد چونکہ وہی بنی تھی اس لیے اسے ڈر تھا کہ دونوں میں سے کوئی پارٹی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی اس لیے وہ بمبئی سے بھاگ کر سے پور آ گئی۔

یہاں وہ کئی مہینوں تک چھوٹے چھوٹے نائٹ کلبوں میں پروگرام کرتی رہی اور پھر ایک روز وہ بمبئی میں ہنگامے کے دوران مارے جانے والے کی پارٹی کے دو آدمیوں کی نظروں میں آ گئی۔ جنہوں نے اسے اغوا کرنے کی کوشش کی مگر اتفاق سے جیتش مہتہ کے ہاتھ لگ گئی۔

جیتش مہتہ ان دنوں چھٹی پر سے پور گیا ہوا تھا۔ سوشیل نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جیتش نے اسے اپنے پاس رکھنے کی پیشکش کی جسے اس نے قبول کر لیا۔ سوشیل کا خیال تھا کہ جیتش چونکہ پولیس آفیسر ہے اس لیے اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہو گا۔

جیتش اسے کراچی لے آیا اور وہ رکھیل کے طور پر اس کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ پچھلے چھ مہینوں سے اس کے ساتھ تھی اور اس زندگی سے مطمئن تھی۔ ایک موقع پر میں نے سوشیل سے روشن بابو اور جیتش مہتہ کے وڈیو فلموں کے مشترکہ بزنس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ٹال گئی میں نے بھی اصرار نہیں کیا۔

اس سے اگلے روز شام سے ذرا پہلے روشن بابو بھی پہنچ گیا۔ جیتش اس کے ساتھ نہیں تھا البتہ ایک اور آدمی تھا جس کی عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی دراز قامت، خوبرو اور سمارٹ آدمی تھا۔

روشن بابو سے گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ شہر میں ہماری تلاش اب بھی جاری ہے مگر یہاں سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پولیس میں جیتش مہتہ واحد آدمی ہے جو ہمارے بارے میں جانتا ہے جبکہ پولیس اور بلیک کیٹس ہماری تلاش میں اندھیرے میں ٹکٹ ٹوئیاں مار رہی ہے۔

روشن بابو اور جوگندر نامی وہ آدمی تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے پاس بیٹھے رہے میں نے نوٹ کیا تھا جوگندر اس دوران بار بار کنیا کماری اور رتنا کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی نظروں میں ہوس کی چمک نمایاں تھی اور پھر وہ دونوں ایک کمرے میں گھس گئے۔ یہ کمرہ شروع ہی سے مقفل تھا اور اس کی چابی شاید روشن بابو ہی کے پاس تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بھی اس کمرے میں جانا چاہا تھا مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا میں واپس آ گیا۔

رات کا کھانا ہم سب نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ جوگندر اس وقت بھی کھا جانے والی نظروں سے رتنا اور کنیا کماری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کھانے کے بعد ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب کنٹول نے کافی پلا دی۔ کافی پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے دماغ پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک ہی نیند غلبہ پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی رتنا کی طرف دیکھا وہ بھی اونگھ رہی تھی۔ میں نے رتنا کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے کمرے میں آ گیا اور اس کے ساتھ ہی بستر پر لیٹ گیا میری آنکھیں نیند سے بند ہوتی جا رہی تھیں اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

اور پھر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میرے پیٹ اور سینے میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے آنتیں آپس میں الجھ رہی ہوں۔ سینے میں بے پناہ جلن تھی سب کھایا پیا حلق کی طرف امڈتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور شاید اسی بے چینی کی وجہ سے میری آنکھ کھلی تھی بلکہ آنکھیں پوری طرح نہیں کھل پا رہی تھیں۔ دماغ پر اب بھی بے پناہ بوجھ تھا۔

اور پھر اچانک ہی یوں لگا جیسے قے ہو رہی ہو۔ ایک زوردار ابکائی ہوئی اور میں اٹھ کر باتھ روم کی طرف لپکا۔ بڑی زوردار قے ہوئی لگتا تھا جیسے پیٹ اور سینے میں کھولتا ہوا لاوا حلق کو جلاتا ہوا باہر نکل رہا ہو۔

میں تقریباً دس منٹ تک باتھ روم میں بیٹھا قے کرتا رہا۔ ناک اور آنکھوں سے بھی پانی بہہ نکلا تھا۔ قے ہو جانے سے میری حالت کچھ بہتر ہوئی پیٹ اور سینے کی بے چینی کم ہو گئی اور میری آنکھیں بھی پوری طرح کھل گئیں۔ دماغ کا بوجھ بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا۔

میں تولیے سے منہ پونچھتا ہوا باتھ روم سے نکلا تو نظریں بیڈ کی طرف اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ ہی میں اچھل پڑا۔ رتنا بستر پر نہیں تھی مجھے یاد نہیں تھا کہ جب میں بستر سے اٹھا تھا اس وقت رتنا موجود تھی یا نہیں۔ میں کمرے سے نکل آیا۔ رتنا کو ایک دو مرتبہ ہولے سے پکارا مگر جواب نہیں ملا۔ سوشیل اور کنیا کماری والے کمرے میں جھانکا تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ دونوں بھی کمرے میں نہیں تھیں میں نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ سب لوگ باہر ٹیرس پر بیٹھے ہوں میں باہر نکلنے کے لیے دروازے کے قریب پہنچا تو ایک بار پھر چونک گیا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ پچھلا دروازہ بھی لاک تھا میں نے کنٹول کو بھی آوازیں دیں مگر جواب میں خاموشی رہی۔

میں نے تمام کمرے دیکھ ڈالے اوپر والے کمروں کو بھی چیک کر لیا مگر وہ لوگ کہیں نہیں تھے۔

میں حیران تھا کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پھر اچانک ہی مجھے اس کمرے کا خیال آ گیا جہاں شام کے وقت روشن بابو اور جوگندر گئے تھے میں اوپر کی منزل سے نیچے آ کر راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے کے سامنے آ گیا۔ کمرے کو باہر سے تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ میں نے پہلے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے کی کوشش کی مگر ہینڈل نے حرکت نہیں کی۔ بیرونی قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا دی مگر اس طرح بھی مقصد پورا نہیں ہوا۔ کی ہول کے اندر کی طرف شاید چابی لگی ہوئی تھی یا کوئی ایسی چیز تھی جس سے اندر جھانکنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ویسے نجانے مجھے یہ یقین کیوں تھا کہ وہ سب لوگ اس کمرے میں تھے۔

میں دروازے پر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چوکھٹ پر اوپر کال بیل کی طرح کا ایک بٹن لگا ہوا نظر آیا۔ میں نے وہ بٹن دبا دیا۔ اندر سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی نہیں دی تو میں نے دوسری مرتبہ بٹن دبا دیا۔ اس مرتبہ بھی کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ یہ گھنٹی کا بٹن نہیں تھا کسی اور مقصد کے لیے لگایا گیا تھا میں دروازے کی طرف پشت کر کے کھڑا راہداری میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ بڑھ رہی تھی کسی گڑبڑ کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔

میں اپنے خیالات میں غرق تھا کہ میرے پیچھے اچانک ہی دروازہ کھلا کسی کا بازو میری گردن پر لپٹا اور مجھے ایک زوردار جھٹکے سے پیچھے کھینچ کر زمین پر گرا دیا گیا۔

مجھ پر یہ افتاد اچانک ہی پڑی تھی اور پشت کے بل گرتے ہوئے میرا سر کسی چیز سے ٹکرایا تھا جس سے میرے منہ سے سسکاری سی نکل گئی اور میرا ایک ہاتھ سر پر پہنچ گیا تھا میرے حواس بھی ایک لمحے کو معطل ہو گئے تھے اور جب حواس بحال ہوئے تو اپنے سامنے کا منظر دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

میرے سامنے کھول رائفل تانے کھڑا تھا اور اس سے ذرا ہٹ کر ایک سٹینڈ پر وہ مووی کیمرہ لگا ہوا تھا جو فلموں کی شوٹنگ میں استعمال ہوتا ہے۔ کیمرہ سٹینڈ کے قریب ہی روشن بابو کھڑا تھا اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

میرا رخ دروازے کی طرف تھا مجھے ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ میرے پیچھے کمرے میں کیا ہے میں نے دونوں کہنیاں زمین پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی تو روشن بابو نے اچانک ہی آگے بڑھ کر میری پسلیوں پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ یہ حملہ بھی میرے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ میں پھر پیچھے گر گیا تھا۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"یہ...... یہ کیا روشن بابو......" میں نے کہتے ہوئے روشن بابو کی طرف دیکھا۔ اس کے اس رویے پر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔

"اٹھ کر دیکھو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا یہ کیا ہے۔" روشن بابو نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

میں کہنیوں پر زور دے کر اٹھ گیا۔ اس مرتبہ روشن بابو نے مجھے ٹھوکر نہیں ماری تھی تاہم کھول نے مجھے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی بے پناہ سفاکی تھی۔

میں جیسے ہی اٹھ کر سیدھا ہوا میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اب پورا کمرہ میرے سامنے تھا۔

بہت وسیع و عریض کمرہ تھا اور بہت شاندار طریقے سے آراستہ۔ تھوڑے فاصلے پر دو بیڈ بچھے ہوئے تھے۔

ایک بیڈ پر کنیا کماری بے حس و حرکت پڑی تھی وہ بے ہوش تھی اور اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ دوسرے بیڈ پر رتنا اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی اس کے جسم پر زیر جامہ تھا اور چہرے پر بے پناہ خوف کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ بیڈ کے دائیں طرف جوگندر کھڑا تھا اس کے جسم پر بھی کوئی لباس نہیں تھا۔ بائیں طرف سوشیل کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس کا رخ رتنا کی طرف تھا۔

"تم میرا بزنس جاننے کے لیے بہت بے چین تھے۔" روشن بابو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لو۔ یہ ہے میرا بزنس اور اس میں حیثیت بہت ہی نہیں اس سے بھی بڑے بڑے پولیس آفیسر شامل ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں روشن بابو۔" میں نے کہا۔

"یہ سب کچھ دیکھ کر بھی نہیں سمجھے تو دنیا کے سب سے بڑے گھامڑ ہو۔" روشن بابو نے کہا۔ "بلیو فلمیں بنانا ہی میرا بزنس ہے ہماری مارکیٹ ہندوستان کے علاوہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ میرے اس بزنس میں بڑے بڑے لوگ شامل ہیں بعض ایسے نام بھی اس بزنس سے وابستہ ہیں جن کے بارے میں جان کر تمہیں حیرت ہوگی۔ بہرحال میں تمہیں اپنے بزنس کی تفصیل نہیں بتاؤں گا۔ تمہیں تو بے ہوش کرنے کے لیے کافی میں لمبی ڈوز دی گئی تھی اور تمہیں صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن حیرت ہے کہ صرف ایک گھنٹے میں ہوش میں آ گئے۔ بہرحال اب یہاں تک پہنچ گئے ہو تو اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ بھی لو۔ یہ ہماری بہت سی فلموں کا ہیرو ہے۔" اس نے جوگندر کی طرف اشارہ کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ہر فلم کے لیے اس کے لیے ایک نئی ہیروئن کا انتظام کرنا پڑتا ہے آج میرا خیال تھا کہ کنیا کماری کو اس فلم کی ہیروئن بنایا جائے گا مگر وہ سالی بے ہوش ہو گئی تمہاری رتنا دیوی کا پروگرام بعد کا تھا مگر اس وقت مجبوراً اس کو لانا پڑا مگر یہ بھی بزدل نکلی۔ دیکھو کیسے کانپ رہی ہے۔"

"روشن بابو۔" میرے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی تھی۔ "تم نے ہمیں دوست کہا ہے۔ ہماری مدد کی ہے ہماری جان بچائی ہے اور یہ......"

"میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر تم لوگوں کو اس لیے پناہ نہیں دی تھی کہ تمہاری سیوا کرتا رہوں گا۔" روشن بابو نے جواب دیا۔ وہ اب پہلے سے بالکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ "یہ کنیا کماری...... ہمیں اس جیسی حسین لونڈیوں کی تلاش رہتی ہے کئی مہینے پہلے یہ میری نظروں میں آ گئی تھی۔ ایک مرتبہ اسے اپنی کوٹھی بھی لے گیا تھا مگر یہ بھڑک کر بھاگ نکلی اس کے بعد یہ اتفاق سے راہ راست پر آ گئی اور پھر یہ میرے شکنجے میں پھنس گئی۔ یہ میرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھی مگر فلم بنانے کو تیار نہیں تھی اور میں نے بھی طے کر رکھا تھا کہ اس کی فلم ضرور بناؤں گا۔ اس جیسی لونڈیوں کی فلمیں تو لوگ بار بار دیکھتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس رات جب میں کوٹھی پہنچا تو کنیا کماری نے برآمدے ہی

میں تم سے ملاقات کی تھی۔ اس نے تم لوگوں کے بارے میں بتایا مجھے تو یہی جان کر خوشی ہوئی تھی کہ کنیا کماری ایک سنگین مصیبت میں پھنس چکی ہے اور پھر جب میں نے رتنا کو دیکھا تو میں نے تم لوگوں کو پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں اگرچہ ہماری جان کو بھی خطرہ تھا مگر لاکھوں کا بزنس بھی میرے سامنے تھا۔ میں نے اگلے ہی روز اپنے بزنس پارٹنر لال کی پی تھیش مہتہ کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

"ہم تو انہی دنوں ان دونوں کے بلیو پرنٹ بنا کر تم لوگوں کو وہاں سے بھگا دینا چاہتے تھے مگر رتنا بیمار ہو گئی اور ہمیں کئی روز انتظار کرنا پڑا۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "اب وہ صورتیں جب ان دونوں کے بلیو پرنٹ تو ہم بنا ہی لیں گے اگر تم لوگ تعاون کرو تو ہم اس کے بعد تم لوگوں کو بحفاظت یہاں سے دور پہنچا دیں گے۔ بصورت دیگر تم لوگوں کو بلیک کیٹس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"میں نے مسلمان سمجھتے ہوئے تم پر اعتماد کیا مگر تم ان ہندوؤں سے بھی زیادہ ذلیل ثابت ہوئے ہو۔" میں نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں کے مسلمان ہندوؤں سے زیادہ جرم و گناہ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تمہاری یہ حرکت نہایت گھناؤنی اور ناقابل معافی ہے تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔"

"کون دے گا سزا۔" روشن بابو نے کہا۔ "ہم ہندوستانی ہیں ہمارا مفاد ہندوستان کی سلامتی سے وابستہ ہے ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہندوستان کی سلامتی کو کوئی خطرہ ہو۔ لیکن کاروبار ہمارا حق ہے۔ جائز یا ناجائز۔ یہاں سب چلتا ہے۔ ناجائز دھندوں کو روکنے والے قانون کے محافظ ہم سے زیادہ ان دھندوں میں ملوث ہیں اس لیے ہمارے خلاف کارروائی کون کرے گا۔ ہمیں کون سزا دے گا تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"روشن بابو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے تم ان لڑکیوں کو چھوڑ دو ورنہ......"

"ورنہ کیا۔" روشن بابو نے مجھے گھورا۔ "تم پولیس کے پاس جا نہیں سکتے اس لیے کہ تم اس وقت ہندوستان کی پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب ہو۔ میں جب تمہیں پلیٹ میں سجا کر ویلا کے سامنے پیش کروں گا تو وہ بہت خوش ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نے کئی مہینوں سے ہندوستان کی پولیس اور 'را' کو نچا رکھا ہے۔ بلیک کیٹس کو خطرناک ترین فورس سمجھا جاتا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ تمہارا یہ خواب پورا نہیں ہوگا کہ مجھے پلیٹ میں سجا کر ویلا کو پیش کر سکو گے۔"

"پولیس سے بچنا آسان ہوتا ہے لیکن مجھ جیسے شخص سے بچنا......" روشن بابو کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میں نے دائیں طرف کھڑے ہوئے کھنول پر چھلانگ لگا دی۔ روشن بابو کو باتوں میں لگانے کا میرا مقصد یہی تھا کہ کھنول میری طرف سے کسی قدر بے پروا ہو جائے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ میں اگر کوئی حملہ کروں گا تو روشن بابو پر ہی کروں گا۔ میں نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی وہ کامیاب رہی۔ کھنول میرے اس پھندے میں آ گیا۔ میں چھلانگ لگا کر کھنول پر اس طرح گرا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ رائفل پر پڑے تھے۔ کھنول میری طرف سے بے پروا ہونے کے باوجود پوری طرح غافل نہیں تھا اس نے مجھے دھکا دینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اب وہ رائفل بچانے کی کوشش کر رہا تھا اس چھینا جھپٹی میں رائفل کا

ٹریگر دب گیا رائفل کی نال سے نکلنے والی گولیاں بیڈ پر بے ہوش پڑی کنیا کماری کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ وہ بستر پر ایک دو مرتبہ اچھلی اور پھر بے حس و حرکت ہو گئی۔ اس کے جسم سے خون کی کئی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

رائفل کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ کمرہ رتنا اور سوشیل کی چیخوں سے بھی گونج اٹھا تھا اور پھر سوشیل نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے مجھ پر گولی چلا دی۔ اسے میں کھنول کی بدقسمتی ہی کہوں گا کہ سوشیل کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ میں نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھوں سے رائفل کھینچ لی اور اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کھنول کٹے ہوئے درخت کی طرح لہراتا ہوا نیچے گر گیا۔

روشن بابو نے مجھ پر چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس کا پیر کمرے کے سٹینڈ میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے رائفل کا بٹ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا ایک طرف گرا۔

دوسری طرف کی صورتحال بھی خاصی دلچسپ تھی اپنے ہاتھوں کھنول کی ہلاکت کے بعد سوشیل بدحواس سی ہو گئی تھی اور بیڈ پر بیٹھی ہوئی رتنا نے خوفزدہ ہونے کے باوجود بڑی پھرتی سے اس پر چھلانگ لگا دی۔ پلک جھپکنے کی دیر میں سوشیل کا پستول رتنا کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ رتنا پستول کے دستے سے سوشیل پر پے در پے ضربیں لگا رہی تھی اور سوشیل کی چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

یہ جو کچھ بھی ہوا تھا ایک منٹ کے اندر اندر ہو گیا تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح پلک جھپکنے کی دیر میں کایا پلٹ جائے گی۔ جگندر ایک طرف کھڑا پھٹی پھٹی سی نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر بے پناہ خوف تھا اور پھر اس نے اچانک ہی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں نے رائفل گھما کر ٹریگر دبا دیا۔ رائفل سے نکلنے والی کئی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور وہ فرش پر گر کر خون میں لوٹنے لگا۔

روشن بابو قالین پر پڑا پھٹی پھٹی سی نظروں سے کبھی لاشوں کو اور کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا اسے توقع نہیں تھی کہ صورتحال اس طرح بدل جائے گی۔ وہ مجھے پلیٹ میں سجا کر ویلا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن اب خود میرے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔

"اٹھ کر اس طرف کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے روشن بابو کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول گئے تھے کہ میں وہ شخص ہوں جس نے تگ راج کا تختہ الٹ دیا اپنے ہر چیلنج پر مجبور کر دیا تھا ایک دنیا اس کے نام سے کانپتی تھی لیکن وہ میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو گیا۔ 'را' اور بلیک کیٹس کی پوری قوت بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی اور تم مجھے پلیٹ میں سجا کر ویلا کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ اٹھو اس طرف کھڑے ہو جاؤ۔ دیوار کے ساتھ۔"

اٹھنے کی کوشش میں روشن بابو کا پیر ایک بار پھر سٹینڈ میں الجھ گیا۔ سٹینڈ الٹ گیا اور اس پر رکھا ہوا گلدان بھی دور جا گرا تھا وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر سوشیل کے قریب دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ رتنا نے سوشیل کی اچھی خاصی درگت بنا دی تھی۔ اس کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ رتنا اسے پستول کی زد

پر لیے کھڑی تھی۔

"رتنا۔۔۔تم کپڑے پہنو۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

رتنا نے پستول پلنگ پر پھینک دیا اور ایک طرف پڑے ہوئے کپڑے اٹھا کر پہننے لگی۔

"ہاں۔ تو روشن دین صاحب۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔" میں نے رائفل کی نال اس کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

"روشن دین۔" سوشیل نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "یہ مسلمان نہیں روشن لال ہے۔ تمہیں کسی نے غلط بتایا تھا کہ یہ مسلمان ہے۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ "تمہاری اصلیت کیا ہے روشن بابو۔ خود ہی بتا دو۔"

"ہم۔۔۔ میں ہندو ہوں۔ روشن لال۔" روشن بابو نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اس رات جب میں بنگلے میں آیا تھا تو کنیا کماری مجھے برآمدے میں ہی مل گئی تھی اور ہم تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ کنیا کماری نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کے ناتے تم لوگوں کی مدد ضرور کروں گا۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ جو لڑکی اندر بیٹھی ہوئی ہے بہت خوبصورت ہے اور میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں اس لیے میں اپنے آپ کو تم لوگوں کے سامنے مسلمان ہی ظاہر کروں۔ اس طرح میں روشن لال سے روشن دین بن گیا۔ کنیا کماری خود مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی اسے پناہ کی ضرورت تھی اس لیے وہ تم لوگوں کو میرے پاس لے آئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ رتنا کو دیکھ کر میں تم لوگوں کو پناہ دے دوں گا۔ مجھے کنیا جیسی لڑکی کی بھی ضرورت تھی اس لیے میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے تم لوگوں کا ہمدرد بن گیا۔ میں نے تیرتھ مہتہ کو بھی سب کچھ بتا دیا۔ پولیس آفیسر ہونے کے ساتھ وہ میرا بزنس پارٹنر بھی ہے۔ اپنی ڈیوٹی سے زیادہ اسے بھی اپنے بزنس کی فکر رہتی ہے۔ ہم نے یہی پروگرام بنایا تھا کہ اپنا کام پورا ہو جانے کے بعد تیرتھ مہتہ تم تینوں کو گرفتار کر کے سرکار کے سامنے پیش کر دے گا اور اس طرح اسے سرکار سے انعام اور ترقی بھی مل جائے گی۔"

"نرگس کون ہے کیا وہ بھی۔"

"وہ واقعی مسلمان ہے۔" روشن بابو نے میری بات کاٹ دی۔ "اس نے تم لوگوں کو اپنی جو کہانی سنائی تھی اس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں وہ ہمارے ہی گھر میں پلی بڑھی ہے ہم بچپن ہی میں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے اس کی شادی جس شخص سے ہوئی تھی وہ واقعی جواری تھا اور اسے بھی جوئے میں ہار گیا تھا لیکن میں نے اس کی دھنائی کر دی اور اس کے چند روز بعد وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا اور نرگس مستقل طور پر میرے ساتھ رہنے لگی۔

"میرا بزنس بہت اچھا تھا بالکل صاف ستھرا کسی قسم کا کوئی ڈر خوف نہیں تھا مگر بیڑا غرق ہو تیرتھ مہتہ کا اس کی دوستی مجھے مہنگی پڑی اس نے مجھے اس گھناؤنے دھندے پر لگایا تھا اسی کی وجہ سے مجھے ذلیل ہونا پڑ رہا ہے۔"

"ذلیل تو تم ہو ہی رہے ہو اب تمہیں جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔ "مجھے زندہ رہنے دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں کہو گے تمہیں حفاظت سے پہنچا دوں گا۔"

"اب میں کسی بچے پر اعتماد نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔ "تم لوگوں پر بھروسہ کرتے کرتے تو میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ اگر پہلے ہی دن وعدے پر اعتبار نہ کیا ہوتا تو آج میں اپنے وطن پہنچ چکا ہوتا۔ رتنا۔۔۔" میں بات کرتے کرتے رتنا کی طرف گھوم گیا۔ "وہ پستول اٹھا لو اور۔۔۔"

میں جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ مجھے رتنا کی طرف متوجہ پا کر روشن بابو نے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ روشن بابو اپنی ہی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا آگے نکلا تو میں نے اس کے کولہوں پر زوردار لات رسید کر دی اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں اس پر لاتیں اور رائفل کے بٹ برساتا رہا اس کی چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں میں اسے مارتا ہوا اس کونے میں لے گیا جہاں سوشیل کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

روشن بابو بمشکل اٹھ کر کھڑا ہو سکا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔

"تمہیں زندہ چھوڑ کر ہم اپنے آپ کو دوبارہ موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتے۔" میں نے کہا۔ "تمہارا وقت آ گیا ہے تم دونوں کو ختم کرنا ہی ہو گا۔" میں نے انگلی ٹرائیگر پر رکھ لی اور اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی بول سکتا میں نے ٹرائیگر دبا دیا۔ کمرہ ایک بار پھر فائرنگ اور ان دونوں کی چیخوں سے گونج اٹھا وہ دونوں قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ ان کے جسموں سے خون کی کئی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

رتنا بھی ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی سفاکی تھی۔ اب تک کے تجربات نے اسے بھی میری طرح سنگدل بنا دیا تھا۔ اس بات کو وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اگر خود زندہ رہنا ہے تو دشمن کو ختم کرنا ہو گا۔

"چلو رتنا۔" میں نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یہاں سے بہت محتاط ہو کر نکلنا ہو گا۔ کمرے میں بار بار فائرنگ ہوتی رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی قریبی بنگلے کا کوئی مکین آوازیں سن کر اس طرف آ گیا ہو۔"

"آواز اس کمرے سے باہر نہیں گئی ہو گی۔" رتنا نے کہا۔ "میں نے اور کنیا کماری نے جب چیخنے کی کوشش کی تھی تو روشن بابو نے بتایا تھا کہ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے ہماری آوازیں باہر نہیں جائیں گی۔"

"اوہ۔" میں چونک گیا۔ "میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا تو نہ دستک کی آواز اندر سنائی دی تھی اور نہ ہی اندر کی کوئی آواز باہر سنائی دی تھی۔"

"مگر اندر دو مرتبہ گھنٹی بجی تھی۔ شاید باہر کوئی آیا تھا۔" رتنا نے کہا۔

"نہیں۔ وہ گھنٹی میں نے ہی بجائی تھی۔ لیکن مجھے اس کی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی اس لیے میں نہیں سمجھا تھا کہ دروازے کے اوپر لگے ہوئے بٹن کا تعلق گھنٹی سے نہیں کسی اور چیز سے ہو گا۔ بہرحال اب ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

رتنا نے مڑ کر بیڈ پر پڑی ہوئی گولیوں سے چھلنی کنیا کماری کی برہنہ لاش کی طرف دیکھا پھر دوسرے بیڈ سے چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی اور میرے ساتھ دروازے کی طرف آ گئی میں نے دروازہ کھول کر احتیاطاً پہلے باہر جھانکا اور پھر کمرے سے نکل آیا۔

باہر سناٹا تھا اس وقت رات کے دو بجنے والے تھے۔ حشرات الارض کی آوازوں کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔ میں پورچ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کا جائزہ لینے لگا ایک تو وین تھی جو یہاں آنے سے پہلے بھی وہاں کھڑی تھی دوسری روشن بابو کی شاندار ایئر کنڈیشنڈ کار تھی۔ میں نے کار کو ترجیح دی اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ جگہ محفوظ سمجھ کر کار کے دروازے بھی کھلے چھوڑ دیئے گئے تھے اور اگنیشن میں چابیوں کا گچھا بھی لٹکا ہوا تھا۔ میں نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر کا جائزہ لیا۔ فیول بتانے والی سوئی بتا رہی تھی کہ بھری ہوئی ٹینکی سے بہت کم پٹرول استعمال ہوا تھا۔ ڈیش بورڈ کے خانے میں گاڑی کے کاغذات بھی تھے اور چند کرنسی نوٹ بھی رکھے ہوئے تھے۔ اچانک مجھے خیال آ گیا کہ ہمیں رقم کی ضرورت بھی پڑ سکتی تھی میں کار سے باہر آ گیا۔

”تم یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ میں کہتے ہوئے دوبارہ اندر آ گیا۔

ساؤنڈ پروف کمرے میں پہنچ کر میں نے روشن بابو کی لاش کو سیدھا کیا اور اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا مجھے مایوسی نہیں ہوئی پتلون کی جیب سے برآمد ہونے والے ویلٹ میں ساڑھے چار ہزار سے کچھ زائد کی رقم موجود تھی میں نے رقم نکال کر ویلٹ وہیں پھینک دیا اور باہر آتے ہوئے دوسرے کمرے سے ایک کمبل بھی اٹھا لیا۔ باہر اچھی خاصی سردی ہو رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ راستے میں اس کمبل کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

رتنا پنجر سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے کمبل میرے ہاتھ سے لے کر اپنی ٹانگوں پر پھیلا لیا۔ میں پورچ میں کھڑی ہوئی وین کی طرف آ گیا۔ وین کے پچھلی طرف ایک خالی ڈبہ پڑا ہوا تھا دوسری چیزوں کے ساتھ ربڑ کی ایک نلکی بھی موجود تھی۔

میں نے وین کی ٹنکی میں نلکی ڈال کر سانس سے پٹرول کھینچا اور ڈبہ بھرتے ہی نلکی ہٹا دی اور ڈبہ اٹھا کر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

برآمدے والے دروازے اور دونوں طرف دور تک بڑی پٹرول چھڑک کر میں کچھ پیچھے ہٹ گیا اور دیا سلائی جلا کر اس طرف اچھال دی۔ بھک کی آواز کے ساتھ پٹرول نے آگ پکڑ لی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کار کی طرف دوڑ لگا دی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کیا اور اسے تیزی سے باہر والے گیٹ کی طرف لیتا چلا گیا۔ گیٹ کے پاس مجھے کار روکنی پڑی کیا پچھے اتر کر گیٹ کھولا اور دوبارہ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔

گیٹ سے آگے تقریباً دو سو گز تک ڈھلان تھی میں نے کار کی رفتار کم رکھی اور پھر آگے اصلی راستے پر مڑتے ہی میں نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ کنیا نے بتایا تھا کہ پہاڑیوں میں بل کھاتا ہوا یہ راستہ آگے جا کر جے پور کی طرف جانے والے ہائی وے سے مل جاتا ہے۔ ابھی سڑک پر مڑتے ہی میں نے اور رتنا نے بیک وقت گردن گھما کر دیکھا۔ پٹرول سے لگائی ہوئی آگ نے فوراً ہی کوٹھی کو لپیٹ میں

لے لیا تھا۔ شعلے بتدریج پھیل رہے تھے یہاں آگ بجھانے کے لیے کسی قسم کی امداد ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ شاندار بنگلہ صبح تک راکھ کا ڈھیر بن چکا ہوگا اور جب ملبہ ہٹایا جائے گا تو پر اسرار لاشوں کی ہڈیوں کی راکھ بھی ضرور ملے گی۔

آگ کے شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ روشنی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ ہم ایک پہاڑی کے گرد گھوم کر دوسری طرف چلے گئے اور جلتا ہوا وہ بنگلہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

رتنا نے میری رائفل اپنی ٹانگوں کے سامنے رکھ لی تھی اور کمبل کھول کر پوری طرح اپنے اوپر چیٹ لیا تھا میں نے اچھا ہی کیا تھا جو کمبل اٹھا لیا تھا کیونکہ اچھی خاصی خنکی ہو گئی تھی۔

سڑک پہاڑیوں میں بل کھاتی جا رہی تھی۔ رتنا خاموش بیٹھی آگے دیکھ رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم جے پور جانے والے ہائی وے پر پہنچ گئے۔ رتنا نے گردن گھما کر دیکھا اور پھر ایک دم چیخ اٹھی۔

”ارے دیکھو۔“

میں نے بھی گردن گھما کر دیکھا۔ خاصی بلندی پر لگتا تھا جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ روشن بابو کا بنگلہ پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا اور شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے لگ رہے تھے۔

ہائی وے پر مڑتے ہی میں نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک کے دونوں طرف اگرچہ پہاڑیاں تھیں مگر سڑک سیدھی اور ہموار تھی۔ کبھی کوئی موڑ آ جاتا تو مجھے کار کی رفتار کم کرنی پڑتی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم پہاڑیوں سے نکل کر کھلے میں آ گئے سڑک کے دونوں طرف چٹیل میدان تھا بلکہ شاید ریگستان تھا۔

”یہ تو میں سمجھ گئی ہوں کہ ہمارا رخ جے پور کی طرف ہے۔“ رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن جے پور میں جانا کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی ٹھکانہ؟“

”تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہم کنیا کے فلیٹ میں تھے تو کنیا کماری نے بتایا تھا کہ اس کی ایک کزن جے پور میں محکمہ سیاحت میں گائیڈ ہے۔“ میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”جے پور پہنچتے ہی ہم سب سے پہلے اس کو تلاش کریں گے میرا خیال ہے اس سے رابطہ کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں ہوگی۔“

”بغیر نام کے کسی کو تلاش کرنا آسان تو نہیں ہوتا۔“ رتنا نے کہا۔

”تم شاید کنیا کماری کی ساری باتیں بھول چکی ہو لیکن مجھے سب یاد ہے۔ اس کی کزن کا نام ...“ میں نے جواب دیا۔

”عورتوں کی باتیں بہت یاد رکھتے ہو۔ اچھا بتاؤ کیا نام بتایا تھا اس نے۔“ رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شعلہ وتی۔“ میں نے جواب دیا۔ ”یہ اتفاق ہے کہ جب سے میں اس چکر میں پھنسا ہوں میرا واسطہ عورتوں ہی سے رہا ہے۔ سب سے پہلے تو عروٹ میں وہ حسین ناگن ملی تھی جو مجھے مہمان بنا کر اپنے گھر لے گئی تھی اور بے ہوش کر کے رگھو کے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا پھر بملا سے واسطہ پڑا جو اب تک جاری ہے۔ ماؤنٹ ابو میں اکلا آئی ہوٹل کی مادھوری، کھتری بلیج اور تم...... اور تمہارا ساتھ اب تک مل رہا ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ تمہیں بھول گیا ہوں تو یہ میری زیادتی ہوگی۔“

"مجھے بھول سکتے ہو؟" رتنا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی روشن بابو کے بنگلے میں ہونے والے خون خرابے کا اثر اس کے ذہن سے زائل ہو چکا تھا۔

"کبھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہیں کبھی نہ بھولنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔"

"مثلاً" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مثلاً یہ کہ تم قابل اعتماد ہو۔ تم میں وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اور تم مجھے اچھی لگتی ہو۔" میں نے کہا۔

"کیا واقعی.....؟" رتنا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم مجھے مطلب براری کے لیے اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہو اور جب بیلا کے چکر سے نجات مل جائے گی تو مجھے بھی چلتا کرو گے۔"

"اب تم زیادتی کر رہی ہو۔" میں نے رتنا کو گھورا۔ "اب تو میں نے طے کر لیا ہے کہ اگر ہم زندہ سلامت بیلا کے چکر سے نکل گئے تو تمہیں اپنے ساتھ پاکستان لے جاؤں گا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" رتنا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

رتنا میری طرف دیکھتی رہی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور کمبل اوپر تک کھینچ لیا۔

"جے پور ہم کب تک پہنچیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"جگیش مہتہ نے بتایا تھا کہ تقریباً چار گھنٹوں کا راستہ ہے۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ تو ہو چکا ہے میرے حساب سے صبح ہونے تک ہم جے پور پہنچ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"اور یہ کار؟" اس نے پوچھا۔

"یہ کار ہمارے لیے ڈیتھ وارنٹ ہے اسے ہم ساتھ لے کر نہیں گھوم سکتے۔" میں نے جواب دیا۔ "راستے میں اگر کسی پولیس پارٹی نے معمول کے مطابق چیک کرنے کے لیے روک لیا یا جے پور میں صبح سویرے کسی جگہ روکا گیا تو معاملے کو سنبھالا جا سکتا ہے لیکن اس کے بعد یہ کار ہمارے لیے واقعی ڈیتھ وارنٹ ثابت ہوگی۔ اس لیے شہر میں داخل ہوتے ہی ہمیں اس سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے صبح بھی شہاوری کو تلاش کرنے تک کار اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔" رتنا بولی۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟" میں نے اسے گھورا۔ کوٹھی کو لگنے والی آگ دور تک دیکھی گئی ہوگی جھیل کے اطراف میں کاٹیج یا پہاڑیوں پر دوسرے بنگلوں میں رہنے والوں کو صبح سویرے ہی اس آتش زدگی کا پتہ چل جائے گا۔ کوئی نہ کوئی شہر میں پولیس کو بھی اطلاع دے دے گا یا ہو سکتا ہے صبح جگیش مہتہ بھی وہاں آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح اسے صبح ہی پتہ چل جائے گا۔ اسے صورتحال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئے گی کار غائب پا کر وہ سمجھ جائے گا کہ ہم جے پور کی طرف ہی گئے ہیں وہ فوراً ٹیلی فون پر جے پور اطلاع کر دے گا اور اس طرح اس کار کی وجہ سے ہم فوراً ہی پکڑے جائیں گے۔"

"یعنی بیلا سے ملے بغیر!" رتنا نے کہا۔ "میرے خیال میں بیلا سے ایک الوداعی ملاقات

ضروری ہے اگر وہ ہمیں تلاش نہ کر سکی تو ہم اسے تلاش کریں گے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" میں نے اسے گھورا۔

"تم شاید بھول گئے ہو کہ چم پورم سے نکلنے کے بعد پہاڑوں میں بیلا ہمیں کتنی زوردار چپت لگا کر بھاگی تھی۔" رتنا نے کہا۔

"اوہ۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ تمہارا مطلب وہ سوٹ کیس۔

"ہاں۔" رتنا نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "میں وہ سوٹ کیس ہر قیمت پر بیلا سے واپس لینا چاہتی ہوں۔"

"ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس طرح ایک نئی جنگ شروع ہو جائے گی اور ہمارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ایک بات تم نے بھی اچھی طرح سمجھ لی ہوگی کہ دولت کے بغیر اس دنیا میں زندہ نہیں رہا جا سکتا۔" رتنا نے کہا۔ "اس سوٹ کیس میں اتنی دولت ہے کہ ہمیں زندگی بھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لیے"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جے پور کی صورتحال کا جائزہ لے کر ہی کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

اس مرتبہ رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کار تیز رفتاری سے محدود اور سیدھی سڑک پر دوڑتی رہی۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے تقریباً ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے سامنے بہت دور پھیلی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں وہ جے پور کی ہرگز نہیں ہو سکتی تھیں کوئی بڑا قصبہ یا شہر تھا۔ روشنیاں بتدریج قریب آتی جا رہی تھیں۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ شہر پر سناٹا طاری تھا۔ البتہ شہر میں داخل ہوتے ہی چند کتے بھونکتے ہوئے ہمارے پیچھے لگ گئے انہوں نے کچھ دور تک ہمارا تعاقب کیا اور پھر شاید تھک کر رک گئے تھے۔

میں کار کو اس سڑک پر سیدھا لیتا چلا گیا۔ ایک موڑ پر دو آدمیوں کو دیکھ کر میں نے ان کے قریب کار روک لی۔ وہ دونوں اس علاقے کے چوکیدار تھے دونوں کے ہاتھوں میں لمبی لمبی لاٹھیاں تھیں۔

"او بھایا۔" میں نے کھڑکی کا شیشہ گرا کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جے پور کا راستہ کس طرف کو ہے بھایا۔"

ان میں سے ایک کار کے قریب آ گیا۔ اس نے قدرے جھک کر پہلے رتنا کو دیکھا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہاں سے سیدھا چلے جاؤ۔ ایک چوک پر مروتی کا بہت بڑا بورڈ نظر آئے گا وہاں سے کھبے کو مڑ جانا اس سڑک پر اور بھی بہت سے موڑ ہیں مگر تم سیدھے چلے جانا ریلوے پھاٹک پار کر کے تم جے پور جانے والی سڑک پر پہنچ جاؤ گے۔"

"دھنے واد بھایا۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کار آگے بڑھا دی۔

ماروتی کے بورڈ والا چوراہا وہاں سے کافی دور تھا یہ شہر اگرا جیسا تو نہیں تھا لیکن کافی بڑا تھا تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم ریلوے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ ریلوے پھاٹک کے آس پاس بڑی آبادی

سڑک کے دونوں طرف دکانیں تھیں جو ظاہر ہے اس وقت بند تھیں لیکن چائے کی دو تین دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ بھی ان دکانوں کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے نظر آ رہے تھے یہ مزدور قسم کے لوگ تھے۔ ریلوے سٹیشن بھی وہاں سے دائیں طرف زیادہ دور نہیں تھا۔

میں نے چائے کی ایک دکان سے چند گز آگے کار روک لی دکان کا ایک ملازم لڑکا کار رکتے دیکھ کر دوڑا آیا میں نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا لیا۔

"اے لڑکے... دو چائے لاؤ..... ذرا اچھی ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تقریباً دس منٹ بعد چائے سے بھرے ہوئے دو گلاس لے آیا۔ ایک میں نے رتنا کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا خود لے لیا۔

چائے بہت اچھی تھی اور اس وقت ہمیں طلب بھی ہو رہی تھی۔ ہم اطمینان سے بیٹھے چائے پیتے رہے۔ گلاس تقریباً پندرہ منٹ بعد خالی ہوئے تھے۔ میں نے لڑکے کو بلا کر دونوں گلاس اس کے حوالے کر دیئے اس نے اس اسپیشل چائے کے چار روپے طلب کیے تھے میں نے پانچ کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور انجن سٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد دن کا اجالا پھیلنے لگا۔ ہمارے دونوں طرف ریگزار تھا جس میں بہت دور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں تھوڑا بہت پانی تھا اور سبزہ اُگ آیا تھا۔

دھوپ نکل آئی اور مزید آدھے گھنٹے بعد شہر کے آثار دکھائی دینے لگے بہت بڑا شہر تھا اور بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ قلعہ نما بعض عمارتیں دور ہی سے نظر آ رہی تھیں۔

جے پور قلعہ بند شہر تھا۔ جب یہ شہر آباد ہوا تھا تو چاروں طرف صحرا کی اڑتی ہوئی ریت اور حملہ آوروں کو روکنے کے لیے بہت بڑی فصیل بنائی گئی تھی۔ پہلے تو یہ شہر فصیل کے اندر تک محدود تھا مگر پھر فصیل کے باہر بھی دور تک پھیلتا چلا گیا۔

شہر ابھی دور تھا مگر اس شہر پر گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔ شہر کی نواحی بستیوں سے گزرتے ہوئے ہم بارونق علاقے میں پہنچ گئے۔ اس طرف ایک لاری اڈا بھی تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کار یہیں کہیں چھوڑ دینی چاہیے۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رائفل کمبل میں لپیٹ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دو اور پستول مجھے دے دو۔"

رتنا نے پستول میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ رتنا نے رائفل کمبل میں لپیٹ کر کمبل پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

میں نے کار کی رفتار بہت کم کر رکھی تھی اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت صبح کے سوا سات بج رہے تھے۔ بازاروں میں اچھی خاصی گہما گہمی ہو رہی تھی۔ میں نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر کار روک دی نیچے اتر کر میں نے دروازے لاک کر دیئے اور چابی جیب میں ڈال لی۔ تقریباً پانچ [illegible] ٹانگیں اکڑ گئی تھیں کار سے اتر کر ہم چند منٹ وہیں کھڑے آپس میں

[illegible]ش کرتے رہے اور پھر ایک طرف چلنے لگے۔ کئی سڑکیں اور بازار گھوم کر ہم وہاں سے بہت دور نکل آئے بازار پوری طرح کھل گئے تھے ہم ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے جس کے سامنے حلوہ پوری اور کچوری بھی تلی جا رہی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد بھی کچھ دیر تک وہاں بیٹھے رہے اور جب ریسٹورنٹ سے نکلے تو نو بج چکے تھے۔ ریسٹورنٹ کے سامنے ہی دو تین آٹو رکشہ کھڑے تھے۔ رتنا پہلے بھی جے پور آ چکی تھی اور اس شہر کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی تھی۔ ہم دونوں ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ گئے اور رتنا نے ڈرائیور کو جنتر منتر چلنے کو کہہ دیا۔

آٹو رکشہ مختلف سڑکوں پر دوڑتا رہا۔ ایک چوک سے رتنا نے ڈرائیور کو جنتر منتر کی طرف جانے کے بجائے سٹی پیلس کی طرف چلنے کو کہہ دیا۔ اگرچہ جنتر منتر آبزرویٹری سے بھی سٹی پیلس تک جایا جا سکتا تھا لیکن رتنا نے دوسری طرف جانے کو ترجیح دی تھی۔

اس طرف گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ تنگ سے بازار اور گلیاں بازاروں میں اچھا خاصا رش تھا۔ رتنا نے ایک جگہ رکشہ رکوا لیا اور کرایہ دے کر ہم نیچے اتر آئے۔

"کہاں جانے کا ارادہ ہے۔" میں نے پوچھا۔ "مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی خاص جگہ تمہارے ذہن میں ہو۔"

"ہمیں رشتاوری کی تلاش ہے نا۔" رتنا نے کہا۔ "اگر ہم محکمہ سیاحت کے دفتر سے معلوم کریں گے تو کسی کی نظروں میں آ جائیں گے اس طرح سٹی پیلس ہے غیر ملکی سیاحوں کی پارٹیاں اس طرف آتی رہتی ہیں ان کے ساتھ محکمہ سیاحت کے گائیڈ بھی ہوتے ہیں ہم کسی گائیڈ سے رشتاوری کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔"

"گڈ آئیڈیا۔" میں نے کہا۔ "تمہاری عقلمندی کی داد ضرور دوں گا۔"

"میں بیوقوف کب تھی؟" رتنا نے مجھے گھورا۔

"میں نے تمہیں بیوقوف کب کہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"زبان سے نہیں کہتے مگر سمجھتے ہو۔" رتنا نے بھی مسکرا کر کہا۔

"یہ تمہاری سمجھ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اس مرتبہ رتنا خاموش رہی اور ہم پر ہجوم بازاروں میں سے ہوتے ہوئے سٹی پیلس پہنچ گئے۔ یہ عظیم الشان محل 1716ء میں مہاراجہ جے سنگھ ثانی نے تعمیر کروایا تھا اس کے ایک حصہ میں آج بھی شاہی خاندان کی رہائش ہے جبکہ ایک حصے کو میوزیم بنا دیا گیا ہے جو راجہ مان سنگھ کے نام سے منسوب ہے۔

اس وقت دس بجنے والے تھے۔ کچھ سیاح محل کے مختلف حصوں میں گھوم رہے تھے۔ یہ مقامی سیاح تھے جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے آئے تھے ان کے ساتھ کوئی ایسا آدمی یا عورت نظر نہیں آ رہی تھی جسے گائیڈ سمجھا جا سکتا۔ ہم بھی ادھر ادھر گھومتے رہے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد غیر ملکی سیاحوں کی ایک پارٹی محل میں داخل ہوئی یہ سب کے سب یورپین تھے ان کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر ہندوستانی عورت بھی تھی جس کا لباس اور اس پر لگا ہوا بیج بتا رہا تھا کہ وہ محکمہ سیاحت کی گائیڈ [illegible]

وہ غیر ملکی سیاحوں کو محل کے مختلف حصوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ہم بھی اس پارٹی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ایک موقع پر میں اس گائیڈ کے قریب پہنچ گیا۔

"معاف کرنا دیوی جی۔" میں نے ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے ہوئے کہا۔ "شتاوری دیوی کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں وہ کہاں ملیں گی۔"

"شتاوری" خاتون گائیڈ نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو دو ہفتوں سے چھٹی پر ہے اور مزید دو تین ہفتوں تک ڈیوٹی پر آنے کی توقع نہیں۔"

"اوہ......" میں نے کہا۔ "ہم آگرہ سے آئے ہیں اور اس کے ایک عزیز کا پیغام اس تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس سے ملاقات کیسے ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ کو شتاوری کے گھر کا پتہ سمجھا دیتی ہوں آپ آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ خاتون گائیڈ نے کہا اور شتاوری کا ایڈریس سمجھانے لگی۔ آخر میں بولی "میں بھی بہت دنوں سے شتاوری سے نہیں مل سکی اس سے کہئے گا کہ مالا بھی اسے پوچھ رہی ہے۔"

"ضرور کہوں گا۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

سٹی پیلس سے باہر آ کر ہمیں فوراً آٹو رکشا مل گیا۔ اس مرتبہ ہمیں سول لائنز کے علاقے میں جانا تھا۔ اس لیے ہمیں ڈرائیور کو پتہ سمجھانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ہم نے جے محل پیلس ہوٹل سے کچھ فاصلے پر رکشہ چھوڑ دیا۔ سول لائنز میں جیکب روڈ پر واقع یہ فائیو سٹار ہوٹل بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا تھا ہم رکشے سے اتر کر ہوٹل کے ساتھ والی سڑک پر مڑ گئے۔

جے محل پیلس ہوٹل کے پچھلی طرف ایک بہت بڑا پارک تھا اور اس کے پیچھے بنگلے تھے۔ ہم پارک میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پارک کے دائیں طرف کونے میں گارڈینیا کی بہت اونچی باڑ لگی ہوئی تھی۔ صاف لگتا تھا کہ یہ باڑ آؤٹ کلین کے طور پر لگائی گئی تھی اس کے پیچھے طرف کوارٹر ٹائپ کی ایک چھوٹی سی عمارت بھی دکھائی دے رہی تھی۔

پارک میں رونق تھی۔ لوگوں کی آمدورفت تھی اور بچے بھی کھیل رہے تھے۔ ہم پارک کی مختلف روشوں پر سے گزرتے ہوئے اس باڑ کے قریب پہنچ گئے بائیں طرف اندر داخل ہونے والا راستہ تھا جس پر ٹاٹ کا پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں باڑ کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ رتنا نے ٹاٹ کا پردہ اٹھا کر اندر بھی جھانکا تھا مگر کوئی آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔

"ارے بھئی کوئی ہے اندر۔" میں نے پردہ اٹھا کر آواز لگائی۔

اندر سے کوئی جواب نہیں ملا لیکن پارک میں دور سے ایک آدمی کو تیز تیز قدموں سے اس طرف آتے دیکھ کر میں اس پردے سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا اس آدمی کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ قریب سے ترشے ہوئے بال بالکل سفید تھے۔ شیو بھی غالباً دو تین دن سے نہیں بنایا گیا تھا مونچھیں بھی بالکل سفید اور خاصی بڑی تھیں۔ کناروں سے نیچے کو جھکی ہوئی تھیں اس نے سفید میلی سی دھوتی اور سفید کرتا پہن رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں کھرپی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اس پارک کا مالی تھا۔ سٹی پیلس میں اس خاتون گائیڈ [illegible] مجھے اس مالی کا دھیان بھی نہ تھا جو اس وقت میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔

"جی مہاراج تم کو ادھر کس سے ملن کا ہے؟" مالی نے میرے سامنے آ کر کہا پھر رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ہی اس پارک کے مالی ہو۔ تمہارا نام کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"یشودھر مہاراج۔" اس نے جواب دیا۔

"ہاں یشودھر مہاراج۔ ہم۔"

"یشودھر مہاراج" نہیں۔ صرف یشودھر، مہاراج۔" وہ ایک دم گڑبڑا سا گیا۔

"تم شودھر ہو یا یشودھر۔ ہم تمہیں مہاراج ہی کہیں گے۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

"ہمیں دراصل شتاوری دیوی سے ملنا ہے۔ وہ یہیں رہتی ہے نا؟"

"شتاوری رہتی تو یہیں ہے پر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں مہاراج؟" وہ ایک بار پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم آگرہ سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "شتاوری دیوی کے لیے ایک پیغام ہے جو ہم اسی کو بتائیں گے ہم اس سے مل سکتے ہیں یا نہیں؟"

"ایک منٹ رکو مہاراج۔ ہم پوچھ کر آتے ہیں۔" مالی نے کہا اور ہمیں وہیں رکنے کو کہہ کر اندر چلا گیا۔

یشودھر کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بجنے والے تھے۔ روشن بابو کی پہاڑی کوٹھی کی آتش زدگی کا علم تو صبح ہی کرانا والوں کو ہو گیا ہو گا اور مجھے یقین تھا کہ ہمارے بارے میں اطلاع جے پور بھی پہنچ چکی ہو گی اور ہو سکتا ہے یہاں ہماری تلاش شروع ہو چکی ہو مگر ہم ابھی تک محفوظ تھے۔

ہم یشودھر کے ساتھ اندر چلے گئے۔ گارڈینیا کی باڑ سے گھرا ہوا یہ کمپاؤنڈ تقریباً بیس گز چوڑا اور چالیس گز لمبا تھا۔ اس کے آخر میں دو سرونٹ کوارٹر بنے ہوئے تھے ان دونوں کے سامنے برآمدہ ایک ہی تھا لیکن درمیان میں دیوار کھڑی کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ دو کمرے اس دیوار کے ایک طرف تھے اور دو دوسری طرف۔ میں برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گارڈینیا کی باڑ اتنی اونچی تھی کہ باہر سے اندر یا اندر سے باہر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

مالی یشودھر کے کوارٹر کے ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی سیلن کا احساس ہوا۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک چارپائی پر ایک عورت لیٹی ہوئی تھی جس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر وہ صحت مند ہوتی تو اسے بے حد حسین کہا جا سکتا تھا مگر بیماری نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ دھبے سے پڑے ہوئے تھے۔

ہمیں دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ رتنا اس عورت کی چارپائی کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

"یہ شتاوری ہے مہاراج۔" یشودھر نے کہا۔ "آپ خود اس کو بتاؤ کہ کہاں سے آئے ہو۔

کا بے کو ملی ہو۔"

"ہاں..... ہم جانتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم مجھے ایک گلاس پانی پلا دو۔"

یشودھر باہر نکل گیا۔ میں کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہاں کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کمرہ کسی طرح بھی انسانی رہائش کے قابل نہ تھا لیکن نچلے درجے کے لوگوں کو انسان سمجھا ہی کب جاتا ہے۔ کمرے کی دیواروں کا پلستر ادھڑا ہوا تھا پچھلی دیوار میں ایک چھوٹا سا روشندان تھا جس میں چڑیوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔

"آپ لوگ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

ششادوری نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہم تمہاری کزن کنیا کماری کے دوست ہیں۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا۔ "لیکن صورتحال ایسی ہے کہ ہم یشودھر کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کر سکتے ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ یشودھر سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔"

"یشودھر سے میرا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے صرف انسانیت کا رشتہ ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسے وقت پر سہارا دیا جب سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے، لیکن اگر کوئی ایسی بات ہے تو" وہ یشودھر کو اندر آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

یشودھر نے پلاسٹک کا ایک میلا سا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ عام حالات میں ایسے گلاس کو میں ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتا لیکن میں نے تو اس سے بھی برے وقت کا سامنا کیا تھا۔

"یشودھر کاکا۔" ششادوری اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "سامنے والے جوگادرنارائن لال کے ہوٹل سے چائے لے آؤ۔ کہنا اچھی سی چائے بنائے۔" اس نے تکیے کے نیچے سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

یشودھر نے ایک بار پھر ہم دونوں کی طرف دیکھا اور نوٹ مٹھی میں دبا کر کمرے سے نکل گیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کھولی سے باہر جا چکا ہے تو میں نے ششادوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم کنیا کماری کے دوست ہیں لیکن تمہارے لیے کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔"

"کنیا کماری تو کرانا میں رہتی ہے اور یشودھر نے بتایا تھا کہ آپ لوگ آگرہ سے آئے ہیں۔ کنیا سے آپ کا کیا تعلق ہے اور ایسی کیا بات ہے جو آپ بتاتے ہوئے جھجک رہے ہیں۔" ششادوری کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے بات کس طرح کروں۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔

"بات دراصل یہ ہے ششادوری بہن۔" رتنا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔ "کنیا کماری کچھ عرصہ جودھ پور میں میرے ساتھ رہتی تھی۔ انہی دنوں اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور انہی دنوں ایک آدمی نے کنیا کماری کے ساتھ کچھ نازیبا [illegible] کی کوشش کی تھی۔ وہ اسے بات پر بلیک میل کر رہا تھا۔ کنیا نے مجھے بتا دیا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ اس نے کچھ عرصے پہلے ایسا شخص

کنیا کماری کے ساتھ پریم کا ناٹک رچا کر اس کی کچھ قابل اعتراض تصویریں کھینچ لی تھیں اور وہ انہیں تصویروں سے اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا۔ کنیا کماری نوکری چھوڑ کر جودھ پور سے کہیں اور چلی گئی اور میں بھی کچھ عرصہ بعد آگرہ چلی گئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں نے آگرے میں شادی کر لی۔ یہ میرے پتی ہیں مدن لعل" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "چند روز پہلے ہم آگرہ سے جودھ پور گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر کرانا رک گئے اور اتفاق سے اگلے روز ایک ریسٹورنٹ میں کنیا کماری سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ہمیں اپنے فلیٹ پر لے گئی۔ میں نے اس روز کی اس کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ پریشان ہے اور میرے پوچھنے پر اس نے بتا دیا کہ جس شخص کو جودھ پور میں پولیس کے حوالے کیا تھا اس کا تعلق بہت بڑے گینگ سے ہے۔ اس گینگ میں کچھ پولیس آفیسرز بھی شامل ہیں اور بیلا نام کی عورت بھی جس کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔ یہ لوگ بھولی بھالی خوبصورت لڑکیوں کو پھانس کر انہیں اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

"ان لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ کنیا کماری کرانا میں ہے۔ انہوں نے اسے ڈھونڈ نکالا اور ایک بار پھر اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ میں کنیا کماری کو لے کر تھیش مہتہ نامی ایک پولیس آفیسر کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے ہماری مدد کا وعدہ کر لیا لیکن اگلے ہی روز ہمیں پتہ چلا کہ تھیش مہتہ نامی وہ پولیس آفیسر بھی اس گینگ میں شامل ہے۔ وہ کنیا کماری کو کسی طرح بہلا پھسلا کر کرانا سے تقریباً بیس میل دور ایک پہاڑی بنگلے میں لے گیا۔ مجھے پتا چلا تو ہم بھی انہیں تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہاں بیلا نام کی وہ عورت بھی موجود تھی۔

"وہ لوگ کنیا کماری کی بلیو فلم بنانا چاہتے تھے جس کے لیے اس پر تشدد بھی کیا گیا تھا۔ ہم نے کنیا کماری کو لے کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر ہمیں بھی بنگلے میں گھیر لیا گیا۔ فائرنگ کا تبادلہ بھی ہوا جس کے نتیجے میں ایک گولی کنیا کماری کے سینے میں لگی۔"

"کنیا کماری نے میری گود میں دم توڑا تھا۔ آخری سانس لینے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ ہم اپنی جان بچا کر سیدھے پور ششادوری کے پاس چلے جائیں۔ وہ ہماری مدد کرے گی۔ ہم بڑی مشکل سے وہاں سے جان بچا کر بھاگے ہیں اور یہاں آ گئے ہیں۔ ہم پولیس کے پاس نہیں جا سکتے کیونکہ اس گینگ میں پولیس آفیسر بھی شامل ہیں اور ظاہر ہے ان کی وجہ سے پولیس ہماری کوئی مدد نہیں کرے گی بلکہ الٹا ہم کو پھنسانے کی کوشش کی جائے گی۔"

"میں تو خود حالات کی ڈسی ہوئی ہوں تم لوگوں کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔"

"تمہیں دیکھتے ہی ہمیں تمہارے حالات کا اندازہ ہو گیا تھا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اتنا کر سکتی ہو کہ ہمیں چند روز یہاں پناہ دے دو۔ میرا مطلب ہے ہم چند روز تک پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتے۔ یوں تو ہم کہیں بھی جا سکتے تھے لیکن یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں سے کنیا کماری کی چتا کا بدلہ لیا جائے اور ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک مجرموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دیں۔ کنیا کماری بہت اچھی لڑکی تھی تمہاری بہت تعریف کرتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ تم بھی کسی قسم کی زیادتی کا شکار ہوئی ہو اور تمہارے ساتھ بھی ناانصافی ہوئی ہے۔" یہ بات

میں نے یونہی بے تکی ہانک دی تھی لیکن اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر لگا تھا۔
''زیادتی۔'' شتشاوری نے گہرا سانس لیا۔ ''میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ شاید دنیا میں کسی کے ساتھ نہ ہوا ہو۔ بہرحال، میں یشودھر کاکا سے کہوں گی کہ تم لوگوں کو چند روز یہاں رہنے دے۔''
''اور یہ بھی کہ ہمارے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بس دو چار دن کی بات ہے۔ وہ طاقتور لوگ ہیں جب تک میں ان کے مقابلے پر قدم نہ جمالوں ہم کھل کر ان کے سامنے نہیں آ سکتے اور اس دوران ہم تمہارا علاج بھی کرائیں گے۔ یہاں کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے مالی حالات بھی کچھ اچھے نہیں ہیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
شتشاوری گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ رتنا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسی وقت یشودھر اندر داخل ہوا۔
''تم اپنے مہمانوں سے باتیں کرو بیٹا۔ میں ذرا پارک کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔
''یشودھر سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' میں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔
''کوئی نہیں۔'' شتشاوری نے کہا۔ ''میں بھی کنیا کماری کی طرح فریب کا شکار ہوئی ہوں۔ کنیا کو تو موت نے نجات دلا دی مگر میری نجات نجانے کب ہو؟؟'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بھشنا سے میری ملاقات شملہ میں ہوئی تھی۔ میں وہاں ایک ہوٹل میں ملازم تھی اور بھشنا سیر و تفریح کے لیے وہاں آیا تھا اور ہمارے ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے کمرے میں سروس میں ہی دیتی تھی۔ وہ آیا تو تین چار روز کے لیے تھا مگر ایک مہینے تک وہاں رکا رہا۔ میں ڈیوٹی کے بعد اکثر اس کے ساتھ گھومتی رہتی تھی۔ وہ مجھے پسند کرنے لگا تھا۔
''وہ بہت شریف آدمی تھا۔ اس نے مجھے کبھی چھوا تک نہیں تھا۔ ایک روز اس نے مجھے شادی کی پیشکش کر دی جسے میں نے قبول کر لیا۔ ہماری شادی شملہ ہی میں ہو گئی اور جب وہ مجھے لے کر جے پور واپس آیا تو اس کے گھر والوں نے مجھے بہو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔
''بھشنا نے بھی گھر چھوڑ دیا۔ اس نے مجھے الگ مکان لے دیا اور خود بھی میرے ساتھ رہنے لگا۔ چند ہی روز بعد یہ انکشاف ہوا کہ بھشنا کی منگنی ہو چکی تھی اور کچھ ہی عرصے بعد شادی ہونے والی تھی۔ لڑکی والوں کو جب پتہ چلا کہ بھشنا نے مجھ سے شادی کر لی ہے تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا وہ لوگ مجھے بھی دھمکیاں دینے لگے کہ میں اسے چھوڑ کر چلی جاؤں مگر میرا پتی میرے ساتھ تھا ہم دونوں ڈٹ گئے۔ بھشنا کے پتا نے اسے اپنی جائیداد سے عاق تو کر ہی دیا تھا لیکن لڑکی والے ہماری جانوں کے دشمن ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھشنا نے ان کی لڑکی کو چھوڑ کر انہیں ذلیل کیا ہے اس لیے وہ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔
''اور پھر ایک رات انہوں نے پٹرول چھڑک کر ہمارے گھر کو آگ لگا دی۔ بھشنا ان دنوں ذہنی طور پر بہت زیادہ پریشان تھا۔ اسے رات کو نیند بھی نہیں آتی تھی۔ اس نے خواب آور گولی کھائی ہوئی تھی۔
آگ ایک دم پھیل گئی تھی۔ میری آنکھ کھل گئی میں نے بھشنا کو جگانے کی کوشش کی مگر کامیاب

نہیں ہو سکی۔ اس پر خواب آور گولی کا اثر تھا۔ میں اسے کسی نہ کسی طرح گھسیٹ کر کمرے کے باہر دروازے تک لے آئی لیکن لکڑی کی ایک جلتی ہوئی بلی میرے اوپر گری میرے کپڑوں کو آگ لگ گئی۔
''باہر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ شور ہو رہا تھا دو آدمی اندر گھس آئے وہ مجھے کھینچ کر باہر لے گئے۔ انہوں نے بھشنا کو بھی بچانے کی کوشش کی لیکن لکڑی کا ایک بڑا جلتا ہوا شہتیر اس کے اوپر گرا وہ لوگ بھشنا کو بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔
مجھے ہسپتال میں ہوش آیا تھا۔ جہاں دوسرے دن مجھے بتایا گیا کہ سب کچھ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ بھشنا بھی... میں اس شہر میں بالکل اکیلی تھی کوئی مجھ سے ہمدردی جتانے والا نہیں تھا۔ بھشنا کے پتا اور اس کی سابق منگیتر کے گھر والوں نے مجھے پھنسانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مجھ پر الزام لگایا کہ بھشنا کو مارنے کے لیے میں نے آگ لگائی تھی۔
''میں نے ان کے خلاف قانون کا سہارا لینے کی کوشش کی تھی مگر وہ دولت مند لوگ تھے۔ ان کے بہت تعلقات تھے۔ مجھے پولیس کے ذریعے ڈرایا دھمکایا گیا پولیس طرح طرح سے مجھے پریشان کرتی رہی۔
''چھ مہینے بعد عدالت نے مجھے اس الزام سے بری کر دیا اور اس آتشزدگی کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا۔ میں بہت چیخی چلائی کہ یہ اتفاقی حادثہ نہیں تھا مگر میری ایک نہیں سنی گئی۔
''میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس روز میں عدالت کے گیٹ کے پاس کھڑی رو رہی تھی کہ مجھے یشودھر مل گیا۔ ہمدردی کے دو بول سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور مجھے بیٹی کی طرح اپنے پاس رکھا۔
''میں نے ٹورازم گائیڈ کا ایک سال کا کورس کر لیا اور میں پچھلے ایک سال سے محکمہ سیاحت میں ٹورسٹ گائیڈ پر ملازم ہوں۔ کبھی کام ملتا ہے اور کبھی کئی کئی روز تک بیکار بیٹھی رہتی ہوں۔ میں جو کچھ بھی کماتی ہوں یشودھر کے حوالے کر دیتی ہوں۔ پچھلے ایک ہفتے سے بیمار پڑی ہوں اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے مالی حالات بہت دگرگوں ہیں مگر یشودھر کاکا نے میرے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ ہر دوسرے دن مجھے سرکاری ڈسپنسری میں لے جاتا ہے۔ مگر تم جانتے ہو کہ سرکاری ڈسپنسریوں میں کس قسم کا علاج ہوتا ہے۔ اچھی دوائیں تو ڈسپنسری والے بیچ کر کھا جاتے ہیں اور مریضوں کو ڈسپرین کی پڑیاں اور رنگین پانی گھول کر دے دیا جاتا ہے۔ آرام کیسے آئے گا۔''
''تمہارا مرض کیا ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
''مرض تو بہت معمولی ہے۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''جگر بڑھ گیا ہے۔ مناسب علاج ہو تو دو دن میں ٹھیک ہو جاتا ہے مگر ایک وید کی دی گئی غلط دوائی سے الٹیاں شروع ہو گئیں جو مسلسل تین دن تک جاری رہیں۔ اب الٹیاں تو بند ہو گئی ہیں مگر اس کے ساتھ دوسری چار تکلیفیں شروع ہو گئی ہیں۔''
''پریشان مت ہو شتشاوری۔'' رتنا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں آج شام تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گی۔ ہم تمہارا علاج کرائیں گے۔ تم دو چار روز میں ٹھیک ہو جاؤ گی۔''
''مگر

"اگر مگر کچھ نہیں۔" رتنا نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "ہمیں غیر مت سمجھو۔ کنیا کماری میری بہت اچھی دوست تھی۔ میری چھوٹی بہن کی طرح ہم کلکتہ واپس بھی جا سکتے تھے مگر اس کے بدلے کی آگ ہمیں یہاں لے آئی ہے۔ وہ پولیس آفیسر ستیش مہتہ جسے پورنی کا رہنے والا ہے اور وہ لڑکی ہیلا۔۔ اس نے بھی جے پور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا ہے۔ ہم جب تک ان دونوں سے کنیا کماری کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے یہاں سے نہیں جائیں گے۔ تم بس اتنی مہربانی کرو... یشودھر کاکا کو سمجھا دو کہ ہم تمہارے رشتے دار ہیں اور آگرے سے آئے ہیں۔ وہ باہر ہمارے بارے میں کسی کو نہ بتائے۔"

"میں یشودھر کاکا کو سمجھا دوں گی دیدی۔" شنشاوری نے کہا۔ "وہ بہت اچھا آدمی ہے اگر وہ مجھے سہارا نہ دیتا تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔ اسے تو خوشی ہوگی کہ میرا کوئی ہمدرد یہاں آگیا ہے۔"

"اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو۔" رتنا نے کہا "ہم تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ بھی لیں گے۔ تمہارا پتی تو اس دنیا میں نہیں رہا مگر تمہارے سسرال والوں سے تمہارا حق ضرور دلوائیں گے۔ پر اس سلسلے میں ذرا تم خاموش ہی رہنا۔ پہلے ہمیں کنیا کماری والے مسئلے سے نمٹ لینے دو پھر دیکھنا تمہارا سسر کس طرح یہاں آ کر تمہارے قدموں پر گرتا ہے۔"

ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر رتنا اٹھ کر گھر کی صفائی کرنے لگی۔

دو بجے کے قریب یشودھر کاکا آگیا۔ وہ حیرت سے مجھے اور رتنا کو کام کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"یشودھر کاکا۔" "یہ میرے ایک سورگ باشی پتا کے رشتے دار ہیں انہیں میرے بارے میں پتہ چلا تو آ گئے ہیں۔ یہ چند روز یہاں رہیں گے تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"مجھے کیوں اعتراض ہوگا بیٹا۔" یشودھر نے کہا۔ "یہ تو بھگوان کی کرپا ہے کہ تمہارے اپنے تمہارے پاس آ گئے ہیں۔"

"تم بھی تو میرے اپنے ہو یشودھر کاکا۔" شنشاوری نے کہا۔ "باتیں ہم بعد میں کریں گے۔ اب پہلے تم ان کے بھوجن کا بندوبست کرو... دیکھو ان لوگوں نے آتے ہی جھاڑ پونچھ شروع کر دی ہے میری کوئی بات سنتے ہی نہیں۔"

یشودھر خاموش ہی رہا۔ میں نے جیب سے پچاس روپے نکال کر زبردستی اس کی مٹھی میں دبا دیے۔

"یشودھر کاکا، ابھی تو تم کسی ہوٹل سے کھانے کو کچھ لے آؤ۔ پھر شام کو کچھ چیزیں لے آنا۔ میری پتنی شیلا کھانا پکایا کرے گی۔" میں نے کہا۔

شنشاوری نے بتایا تھا کہ گھر کے سارے کام وہ خود ہی کرتی تھی صبح کام پر جانے سے پہلے وہ یشودھر کاکا کے لیے روٹی پکا کر رکھ جایا کرتی تھی اور رات کا کھانا آ کر تیار کرتی تھی۔ لیکن اس کے بیمار ہونے سے سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ گیا۔

"یہ ساتھ والا کوارٹر خالی ہے یہاں کوئی نہیں رہتا کیا یشودھر کاکا کو کیا اس پورے پارک کی دیکھ بھال کرنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں... یہاں تین مالی ہیں۔" شنشاوری نے جواب دیا۔ "باقی دونوں آگے بستی میں اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ ایک اور مالی پہلے یہاں ساتھ والے کوارٹر میں بھی رہتا تھا لیکن دونوں کمروں کی چھتیں ٹوٹی ہوئی ہیں اس لیے وہ بستی میں چلا گیا۔ اس کوارٹر کا بھی یہی کمرہ ٹھیک ہے ساتھ والے کمرے کی چھت ایک کونے سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ یشودھر کاکا نے کئی مرتبہ اپنے محکمے کو کوارٹر کی مرمت کے لیے لکھ کر دیا ہے مگر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔ افسروں کے بنگلوں پر تو ہر وقت کام ہوتا رہتا ہے پر غریبوں کو کون پوچھتا ہے۔"

"ہاں... یہ بات تو ہے۔ غریب ہی ہر جگہ پستا ہے۔" میں نے کہا۔

رتنا نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ شنشاوری بات بات پر ہمارا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ میں اس وقت برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رتنا نے شنشاوری کو بھی برآمدے میں چارپائی پر بٹھا دیا تھا باہر پارک کی طرف بچوں وغیرہ کے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اٹھ کر باڑ میں ایک جگہ سے جھانکا۔ پارک میں بڑی رونق تھی سینکڑوں کی تعداد لوگ موجود تھے بچے بھی شور مچاتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔ میں دوبارہ برآمدے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"لیڈی ڈاکٹر کا کلینک کہاں ہے؟" میں نے شنشاوری سے پوچھا۔

"اس طرف پارک کے ساتھ سڑک کے دوسری طرف۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "ڈاکٹر انجلا چھ بجے آتی ہے۔"

"رتنا تمہیں ساتھ لے جائے گی اور ہاں۔ اگر تمہارے پاس فالتو کپڑے ہوں تو ایک جوڑا رتنا کو دو چار دن کے لیے مستعار دے دو۔" میں نے کہا۔

"میرے پاس چار پانچ جوڑے ہیں۔ دیدی کوئی سا بھی پہن لے میرے خیال میں میرے کپڑے اسے پورے آ جائیں گے۔" شنشاوری نے جواب دیا۔

رتنا اسے سہارا دے کر اندر لے گئی اور چارپائی کے نیچے سے ٹرنک نکال کر کھول لیا اور اس میں رکھے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لے کر ایک جوڑا نکال لیا۔

پانی کا ڈرم آنگن میں رکھا ہوا تھا۔ رتنا شنشاوری کو ایک بار پھر باہر لے آئی اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اندر لے جا کر اس کے کپڑے تبدیل کیے اور پھر خود تیار ہونے لگی۔

رتنا کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ شوخ رنگ پھولدار کپڑے کی شلوار قمیص اور رنگ برنگی چنری تھی۔ اس نے چنری اس طرح اوڑھ لی کہ چہرہ چھپ گیا۔

"بخار ہو رہا ہے تمہیں۔ پیدل چل لو گی؟" رتنا نے شنشاوری سے پوچھا۔

"یشودھر کاکا مجھے سائیکل پر بٹھا کر لے جاتا ہے۔ وہ ابھی آتا ہی ہوگا۔" شنشاوری نے جواب دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد یشودھر اور اس کے ساتھ دو اور آدمیوں کو آتے دیکھ کر میں کمرے میں چلا گیا۔ وہ دونوں بھی مالی تھے دونوں گھاس کاٹنے والی مشینیں کھینچتے ہوئے لا رہے تھے۔ وہ دونوں اپنا

سامان کمپاؤنڈ ہی میں رکھ کر واپس چلے گئے میں بھی کمرے سے باہر آ گیا۔

یشودھر کو معلوم تھا کہ ششاوری کو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اس لیے وہ بھی فوراً ہی کمرے سے اپنی سائیکل کو کھینچنے لگا۔ رتنا ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

میں کوارٹر کے ارد گرد گھوم پھر کر جائزہ لینے لگا۔ کوارٹر کے پچھلی طرف بھی کھلی جگہ تھی۔ اس طرف گارڈینیا کی باڑ نہیں تھی البتہ جھاڑیاں وغیرہ سے حد بندی کر دی گئی تھی۔ ایک طرف سوکھی لکڑیوں کا ڈھیر بھی لگا ہوا تھا۔ اس سے تقریباً پچاس گز آگے پارک کا جنگلہ تھا جس کے دوسری طرف بیس پچیس فٹ چوڑی سڑک تھی اور اس سے آگے رہائشی بنگلے تھے۔

جھاڑیوں کی باڑ کے قریب ہی ایک کونے میں کچی اینٹوں کی دیواریں کھڑی کر کے ٹائلٹ بھی بنا ہوا تھا جس کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ بنا ہوا تھا۔ میں گھوم پھر کر دوبارہ کمپاؤنڈ میں آ گیا اور کرسی پر بیٹھ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

کمراہ میں تو خوب ہنگامہ مچا ہوا ہوگا۔ بیلا کو بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم اتنے روز کمراہ میں کہاں روپوش رہے تھے اور کس طرح وہاں سے فرار ہوئے تھے۔ اے سی پی تیتش مہتہ کے بارے میں اگر یہ پتہ چل گیا ہوگا کہ وہ روشن بابو کے بنگلے میں ہماری موجودگی سے آگاہ تھا تو اس کی شامت ہی آ گئی ہوگی۔

بیلا کو بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم جے پور کی طرف فرار ہوئے ہیں وہ بھی جے پور پہنچ چکی ہوگی اور اب تک تو روشن بابو کی اس کار کا بھی پتہ چل گیا ہوگا جو ہم نے لاری اڈے کے پاس لاوارث چھوڑ دی تھی۔ کار سے برآمد ہونے والی رائفل نے پولیس کو ساری کہانی سمجھا دی ہوگی۔ جے پور میں ہماری تلاش شروع ہو چکی ہوگی اور یہ تلاش کس پیمانے پر اور کس انداز میں ہو رہی تھی اس کا ابھی تک مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔

رتنا اور ششاوری کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس وقت اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ششاوری کو بستر پر بٹھا کر رتنا نے دونوں کمروں میں کیراسین لیمپ جلا دیے اور دوسرے کمرے میں چولہا جلا کر چائے بنانے لگی۔ وہ کنڈینسڈ ملک کا ڈبہ بھی لے آئی تھی۔

میں ششاوری کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگا۔ ڈاکٹر نے دوائیں لکھ کر دی تھیں جو رتنا لے آئی تھی دواؤں کے استعمال کے ساتھ اسے دو چار دن پرہیز کے لیے بھی کہا گیا تھا۔

رتنا چائے بنا کر لے آئی۔ یشودھر کاکا بھی ہمارے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ ششاوری کی دیکھ بھال کے لیے وہ ہمیں بہت دعائیں دے رہا تھا۔

"اچھا یشودھر کاکا تم ایسا کرو۔" میں نے جیب سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ششاوری اور شیلا سے پوچھ کر کچھ سامان لے آؤ۔ بلکہ ایسا کرو کہ تم شیلا کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ جس چیز کی ضرورت ہوگی یہ دیکھ کر لے لے گی۔"

چائے پینے کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ یشودھر نے اپنی سائیکل بھی لے لی تھی۔ میں ششاوری کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اس نے یشودھر کو سمجھا دیا تھا کہ ہمارے بارے میں زیادہ پوچھا نہ

جائے اگر کوئی پوچھے تو یہی کہا جائے کہ ہم ششاوری کے رشتے دار ہیں اور آگرہ سے آئے ہیں۔

رتنا اور یشودھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس آئے تھے۔ سائیکل کے کیریئر پر سامان لدا ہوا تھا۔ ایک دو تھیلے رتنا نے بھی اٹھا رکھے تھے۔ وہ ضرورت کی ہر چیز لے آئی تھی۔ یہ راشن ہم چاروں کے لیے ایک مہینے کے لیے کافی تھا۔ راشن کے علاوہ رتنا انگریزی کا ایک ایوننگ پیپر بھی لے آئی تھی۔

توقع کے عین مطابق اخبار کی ہیڈ لائن ہمارے ہی بارے میں تھی۔ کمراہ میں روشن بابو کے راکھ شدہ بنگلے کے ساتھ اس کار کی تصویر بھی چھپی تھی جو ہم نے جے پور کے ایک بازار میں چھوڑ دی تھی اور کار سے برآمد ہونے والی رائفل کی تصویر بھی موجود تھی۔

اخبار نے بڑی تفصیل سے کمراہ کے واقعات کے بارے میں لکھا تھا۔ بکس میں ایک خبر یہ بھی تھی کہ کمراہ کا ایک پولیس آفیسر تیتش مہتہ دہشت گردوں سے ملا ہوا ہے اور وہ بھی دہشت گردوں کے ساتھ روپوش ہو چکا ہے۔ اخبار نے اس یقین کا اظہار بھی کیا تھا کہ دہشت گرد جے پور میں موجود ہیں اور پولیس اور بلیک کیٹس بڑی سرگرمی سے انہیں تلاش کر رہے ہیں۔

اخبار میں بہت سی خبریں ہمارے حوالے سے تھیں۔ پولیس کی طرف سے لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ کسی اجنبی کو پناہ نہ دیں۔ کوئی مشتبہ آدمی ان کی نظروں میں آئے تو فوراً پولیس کو اطلاع دی جائے۔

یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ ہم نے ششاوری کو کمراہ، روشن بابو کے بنگلے میں آتش زدگی اور تیتش مہتہ کے بارے میں بتا دیا تھا اور اخبار کی خبر سے اس نے بھی یقین کر لیا تھا کہ تیتش مہتہ واقعی گینگ سے ملا ہوا تھا اور پکڑے جانے کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا۔ اگر ہم نے ششاوری کو یہ سب کچھ نہ بتایا ہوتا تو اخبار میں یہ خبریں پڑھ کر وہ یقیناً ہم پر شبہ کرتی۔

چار پانچ روز گزر گئے میں نے شیو بنانا شروع کر دیا تھا۔ رتنا آزادی سے گھوم پھر رہی تھی۔ وہ ساڑھی کو گھونگٹ کی طرح اوڑھ لیتی جس سے اس کا چہرہ چھپ جاتا۔ ہندو عورتوں کا اس طرح گھونگٹ نکالنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے رتنا دن میں ایک دو مرتبہ پارک کے دوسری طرف واقع بازار کے چکر لگا لیتی تھی۔ اس طرح حالات کی بھی خبر رہتی تھی۔

صحیح علاج اور صحیح دوا سے ششاوری بھی بہت تیزی سے روبہ صحت ہو رہی تھی۔ وہ تین دن بعد اس نے اٹھ کر چلنا پھرنا شروع کر دیا اور ایک ہفتے بعد تو وہ بالکل صحت مند نظر آنے لگی تھی۔ ایک روز وہ اپنے دفتر بھی چلی گئی اور رتنا کو بھی ساتھ لے گئی۔ ان کی واپسی سہ پہر کے لگ بھگ ہوئی تھی۔ محکمہ سیاحت کو بھی الرٹ کر دیا گیا تھا کہ وہ اجنبیوں پر نگاہ رکھے اور محکمہ سیاحت کے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کو بھی وارننگ دے دی گئی تھی کہ وہ ان جگہوں پر قیام کرنے والے مشکوک لوگوں کے بارے میں پولیس کو اطلاع دیتے رہیں۔

دو تین دن اور گزر گئے اور پھر میں نے ششاوری سے اصل کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ہمارا جے پور آنے کا مقصد یہاں سے وہ سوٹ کیس حاصل کرنا تھا جس میں لاکھوں کی دولت تھی۔ ششاوری کو یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اسے یہ تو باور کرا دیا گیا تھا کہ کنیا کماری کے قتل

میں سب سے زیادہ حصہ بیلا کا ہے اس لیے ہم سب سے پہلے بیلا ہی سے نمٹنا چاہتے ہیں۔
شتاوری بڑی خوش اسلوبی سے کام کر رہی تھی اس نے دو چار دن بعد ہی بیلا کا سراغ لگا لیا اور
اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ بیلا ''را'' کی آفیسر ہے۔
''اس کا مطلب ہے کہ اس گینگ کی جڑیں بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔'' میں نے کہا۔
''بہرحال، ہم نے کسی کو چھوڑنا نہیں ہے۔''
مزید دو دن بعد شتاوری نے بیلا کے بارے میں اور بھی بہت سی معلومات حاصل کر لیں وہ
سنسار چندر روڈ پہ واقع ایک بنگلے میں رہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ صرف ایک ملازمہ تھی۔
اور پھر اس کے اگلے روز ہم نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اور رتنا دس بجے کے
قریب شتاوری کے کوارٹر سے نکلے اور ایک آٹو رکشہ نے ہمیں بیس منٹ میں سنسار چندر روڈ پر پہنچا دیا
وہ بنگلہ تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ کال بیل کے جواب میں دروازہ ادھیڑ عمر
ملازمہ نے کھولا تھا۔
''میڈم کو بتاؤ ماؤنٹ ابو سے مہمان آئے ہیں لیکن ایک منٹ۔'' میں نے کہا۔ ''میڈم کے پاس
کوئی مہمان تو نہیں آئے ہوئے؟''
''جی نہیں۔ وہ اکیلی بیٹھی ہیں۔'' ملازمہ نے جواب دیا۔
''چلو...... ہم تمہارے ساتھ ہی چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔
ہم ملازمہ کے ساتھ ہی اندر آ گئے۔ برآمدے والے دروازے میں داخل ہوتے ہی بہت
شاندار کامن روم تھا۔ ملازمہ نے دائیں طرف اشارہ کر دیا۔
''بیلا دیوی اس کمرے میں ہے میں انہیں بلاتی ہوں۔''
''نہیں۔ تم یہیں رکو۔ ہم اسے سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔'' میں نے ملازمہ کو وہیں روک دیا۔
''تم ہمارے لیے چائے بنا کر لے آؤ۔''
ملازمہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ میں اور رتنا راہداری میں چلتے ہوئے اس کمرے میں آ گئے۔ بیلا بیڈ
پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔
''ہیلو بیلا۔'' میں نے کہا۔
''بیلا نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اچھل پڑی۔
''تت...... تم......''
''آرام سے بیٹھی رہو۔'' میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ ''ہم دوست بن کر آئے ہیں۔''
بیلا اپنی جگہ بے حرکت ہو کر رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی تھی۔

☆...... ☆...... ☆

بیلا کے بارے میں آپ بھی اب تک بہت کچھ جان چکے ہوں گے۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کی
عورت تھی۔ وہ کئی مرتبہ سنگین ترین صورت حال سے دوچار ہوئی تھی۔ موت کو سامنے دیکھ کر بھی اس نے
اپنے حواس بحال رکھے تھے اور آخری لمحات میں اس نے کوئی فیصلہ کرنے میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی تھی۔
اس وقت بھی اپنے بنگلے میں مجھے اپنے سامنے دیکھ کر وہ کچھ دیر کو حواس باختہ تو ضرور ہوئی تھی
لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ وہ چند لمحے پھٹی پھٹی سی نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی
پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ تناؤ بتدریج کم ہوتا چلا گیا آنکھوں میں ابھر آنے والی دہشت بھی
کم ہو گئی۔ وہ بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے ٹانگیں دراز کیے بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب
اپنے قریب اوندھی کر کے رکھ دی اور ٹانگیں سمیٹتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں
نے غراتے ہوئے اسے روک دیا۔
''نہیں بیلا۔ تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گی۔''
''سگریٹ۔'' بیلا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔ ''میں سگریٹ کا پیکٹ اٹھانا چاہتی تھی اور تم
دیکھ رہے ہو کہ ٹیبل پر کوئی پستول وغیرہ نہیں ہے۔''
سائیڈ ٹیبل پر کچھ اور چیزوں کے علاوہ سلیٹ ایکسپریس کا سگریٹ کا پیکٹ بھی رکھا ہوا تھا۔
لیکن یا اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی جسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ میں نے اسے سگریٹ کا پیکٹ
اٹھانے کی اجازت دے دی۔
بیلا نے پیکٹ اٹھا کر ایک سگریٹ نکالا اور ماچس یا لائٹر کے لئے میز پر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
''لائٹر کہاں گیا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ٹیبل پر رکھی ہوئی چیزوں پر ہاتھ مارنے لگی۔ ''یہیں تو رکھا
تھا میں نے''
میں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت میرے پستول کی زد
میں ہے مگر اس کا اطمینان اور سکون قابل تعریف تھا۔ وہ کچھ دیر تک میز پر ہاتھ مارتی رہی پھر کسی قدر بے چین
سی نظر آنے لگی اور تکیے کے نیچے ہاتھ مارنے لگی۔ تکیے کا کونا جیسے ہی اوپر اٹھا پستول کے دستے کی
جھلک دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔
بیلا نے بھی بڑی تیزی سے حرکت کی تھی۔ اس نے ایک طرف جھکتے ہوئے تکیے کے نیچے رکھے
ہوئے پستول پر ہاتھ ڈال دیا یہ اتفاق تھا کہ اس کا ہاتھ پستول کی نال پر پڑا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی

اور حرکت کر سکتی میں اس کے اوپر جا گرا۔ دھکا لگنے سے اس کا سر پلنگ کی پشت گاہ سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے اس کی گردن پر ضرب لگائی اس کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنا سر اور دوسرے ہاتھ سے گردن تھام لی۔ میں نے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا اور اچھل کر پلنگ سے نیچے اتر آیا۔ بیلا والا پستول میں نے رتنا کے حوالے کر دیا۔

"اب اگر یہ کوئی ایسی حرکت کرے تو گولی مار دینا۔" میں نے کہا اور پھر بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ تم بہت حوصلہ مند اور بہت نڈر ہو لیکن حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بعض اوقات انسان کو لے ڈوبتی ہے اگر میں تم پر چھلانگ لگانے کے بجائے پستول کا ٹرائیگر دبا دیتا تو تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو چکا ہوتا اور اب تم دیکھ رہی ہو کہ تمہارا پستول رتنا کے ہاتھ میں ہے اور رتنا کے بارے میں تم جان چکی ہو کہ اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور یہ تمہارا بالکل لحاظ نہیں کرے گی ویسے بھی آج کل اس کے سر پر خون سوار ہے۔"

"تم لوگوں نے یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے ناجی۔" بیلا نے گردن سہلاتے ہوئے کہا۔
"تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہر جگہ بچتے رہے ہو۔ لیکن یہ میرا بنگلہ ہے یہاں سے تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"اگر کوئی گڑ بڑ کی تو گھاٹے ہی میں رہو گی۔"

"تم اپنے جرائم کی فہرست میں اضافہ کرنے جا رہے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"تم جب بھی پکڑے جاؤ گے تمہارا وہ حشر ہو گا کہ دنیا یاد رکھے گی اور پھر کسی غیر ملکی اتنک وادی کو بھارت ماتا کی دھرتی پر قدم رکھنے کی جرات نہیں ہو گی۔"

"میں دہشت گرد نہیں ہوں۔ یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ مجھے دہشت گرد بنانا چاہتے تھے میں نے تو جو کچھ بھی اب تک کیا ہے اپنے بچاؤ کے لئے کیا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "پہلے تو میں اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ میرے ملک کی سلامتی خطرے میں ہے میرے وطن کے بے گناہ لوگوں کا خون بہانے کے لئے یہاں دہشت گردوں کو تربیت دی جا رہی ہے تو ظاہر ہے میں اپنی آنکھیں بند نہیں رکھ سکتا تھا۔ اپنے دفاع کا حق تو سب کو ہے اگر میں نے اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو تم لوگوں کی دہشت گردی سے بچانے کے لئے یہاں کوئی چھوٹی موٹی کارروائیاں کی ہیں تو کوئی گناہ نہیں کیا اور مجھے خوشی ہے کہ میں اب تک اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں اور تم یہ بھی جان چکی ہو کہ ڈر اور خوف جیسے الفاظ اب میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

"ایک بات تم نے اب تک نہیں سوچی۔" بیلا نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ کہ تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ اگر کسی طرح یہاں سے نکل بھی گئے تو اپنے ملک میں سزا سے نہیں بچ سکو گے۔ تم خود ہی بتا چکے ہو کہ وہاں تمہارے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سنگین جرائم میں ملوث ہو۔ پاکستان کی پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ پکڑے گئے تو تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔"

"اگر میں پاکستان میں پکڑا گیا تو پھانسی کا پھندا خود اپنے گلے میں ڈال لوں گا۔" میں نے اس

کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اب یہ مت کہنا کہ میں پاکستان کا خیال ذہن سے نکال کر تمہاری کوئی پیش کش قبول کر لوں۔ یہاں مجھے کوئی جاگیر الاٹ کر دی جائے گی۔ راجہ اندر کی طرح میرے چاروں طرف حسین اور جوان لڑکیوں کے جھرمٹ ہوں گے اور میں زندگی بھر یہاں عیش کروں گا۔"

"نہیں۔" بیلا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میرے دیش کے کئی بے گناہ تمہارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اپنے ہم وطنوں کے قاتل کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"اب اپنی بکواس بند کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" رتنا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم شرافت سے وہ سوٹ کیس ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔"

"تم لوگوں کے لئے نکل جانا اتنا آسان نہیں ہو گا۔" بیلا مسکرائی۔ رتنا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ باہر ہلکے قدموں کی آواز سن کر چونک گئی۔ اس نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر بیلا کی طرف رخ کر کے برہم لہجے میں بولی۔

"تمہاری ملازمہ چائے لے کر آ رہی ہے اس پر یہ ظاہر نہ ہو کہ ہم نے تمہیں گن پوائنٹ پر لے رکھا ہے۔" وہ پستول کو چنری میں چھپائے ہوئے پھر گویا ہوئی۔ "میری انگلی پستول کے ٹرائیگر پر ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑ بڑ کی یا ملازمہ کو کوئی اشارہ کرنے کی کوشش کی تو میں ٹرائیگر دبا دوں گی۔"

میں نے بھی پستول پتلون کی جیب میں ڈال لیا۔ لیکن انگلی ٹرائیگر پر ہی رکھی۔ بیلا جیسی عورت سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

رتنا ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور اس نے مسکراتے ہوئے بیلا سے بات بھی شروع کر دی تھی اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے بیلا سے ہماری بہت پرانی دوستی ہو۔ ملازمہ ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ میری نظریں بیلا پر مرکوز تھیں۔ رتنا نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی چیزیں ایک طرف ہٹا دیں۔

"ٹرے یہیں رکھ دو پوا۔" اس نے ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ملازمہ نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک بار پھر بیلا کی طرف دیکھا۔ بیلا اب بھی گردن سہلا رہی تھی۔ پستول کی ضرب لگنے سے گردن کی جلد اس جگہ سے سرخ ہو گئی تھی۔

"ایک گلاس پانی بھی لا دو پوا۔" میں نے ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے پانی کی طلب نہیں تھی لیکن میں اس عورت کو جلد سے جلد کمرے سے نکالنا چاہتا تھا۔

ملازمہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں بھی دروازے کے قریب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ صرف دو منٹ بعد ہی ملازمہ پانی لے کر آ گئی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔ دو گھونٹ پانی پی کر خالی گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ملازمہ وہاں سے واپس چلی گئی۔ میں نے پھر جیب سے پستول نکال لیا۔ جب تک ملازمہ کمرے میں رہی تھی میں نے بیلا پر گہری نگاہ رکھی تھی تا کہ وہ اس کو کوئی اشارہ نہ کر سکے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ اس بڑھیا کو کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی الجھن سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ اگر اس بڑھیا کو واقعی کسی قسم کا شبہ ہو گیا تھا تو وہ فون پر کسی اور کو خبردار کر سکتی تھی۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا۔ اس نے پستول والا ہاتھ چنری کے اندر سے نکال لیا۔ میں بیلا کی طرف دیکھتا ہوا دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ بیلا کی آنکھوں میں بھی الجھن تیر رہی تھی۔

دروازے سے نکل کر میں نے راہداری میں ادھر ادھر جھانکا اور پھر دبے قدموں ہال کمرے کی طرف چلنے لگا۔ ہال کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر روشنی جل رہی تھی۔

اندر کسی کا سایہ دیکھ کر میں تیزی سے اس طرف لپکا اور کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ سے جھانک کر اندر دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ وہ دیوار کی ساکٹ میں ٹیلی فون کا پلگ لگا کر مڑ رہی تھی۔ ٹیلی فون سیٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہال کمرے والا ٹیلی فون سیٹ نکال کر کمرے میں لے آئی تھی۔ وہ یہاں سے فون کرنا چاہتی تھی تاکہ ہال کمرے سے اس کی آواز نہ سنی جا سکے۔

اس نے کرسی پر بیٹھ کر ٹیلی فون سامنے رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے کے لئے ڈائل پر انگلی رکھی ہی تھی کہ میں نے دھکا مار کر دروازہ کھول دیا۔

بڑھیا اچھل پڑی۔ فون کا ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

"خاموش۔" میں نے پستول کی نال ہونٹوں پر رکھ کر کہا۔ "مجھے پہلے ہی تم پر شبہ ہو گیا تھا۔ اچھا ہی ہوا میں معلوم کرنے کے لئے اس طرف آ گیا۔ اگر مجھے خیال نہ آتا تو تم اپنا کام کر گزری ہوتیں۔ کس کو فون کر رہی تھیں؟"

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو بیلا دیوی کے دوست نہیں ہو سکتے۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ "اگر دوست ہوتے تو بیلا کے چہرے پر اس طرح ہوائیاں نہ اڑ رہی ہوتیں۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم واقعی بیلا کے دوست ہیں۔ بہت پرانے دوست اور تم جانتی ہو کہ جب دوستی بہت پرانی ہو جاتی ہے تو بے تکلفی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ مذاق ہی مذاق میں ہاتھا پائی بھی ہونے لگتی ہے۔ بیلا سے بھی ہماری کچھ ایسی ہی دوستی ہے۔ اس وقت بیلا سے مذاق کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گیا تھا اور بیلا کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر تم سمجھیں کہ ہم اس کے دشمن ہیں اور تم شاید پولیس کو اطلاع دینے جا رہی تھیں۔"

"ہاں۔ تم لوگ بیلا کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔" ملازمہ نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ آؤ۔ تم بھی اس کمرے میں چلو تاکہ بیلا سے جو بھی باتیں ہوں تمہارے سامنے ہی ہوں اور تم بھی سمجھ لو کہ ہماری دوستی یا دشمنی کی نوعیت کیا ہے۔" میں نے اسے پستول سے اشارہ کیا۔

بڑھیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم چیخ اٹھا۔

"چلو ہلو اپنی جگہ سے۔"

وہ ایک بار پھر اچھل پڑی۔ اس کا چہرہ خوف سے ایک دم پیلا پڑ گیا۔ اس مرتبہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ آگے بڑھتے ہی وہ بدحواسی سے ایک کرسی سے ٹکرا گئی۔ کرسی الٹ گئی۔ وہ خود بھی گرتے گرتے بچی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ لیا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔ وہ اب خوف سے

تھر تھر کانپ رہی تھی۔

میں ابھی ہال کے وسط میں پہنچا تھا کہ رتنا کی چیخ سن کر اچھل پڑا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ بیلا کا کوئی داؤ چل گیا تھا۔ بیلا نہایت مکار عورت تھی اس سے نمٹنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

میں بڑھیا کو گھسیٹتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ دروازے کے سامنے پہنچتے ہی مجھے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا۔ بیلا اور رتنا بیڈ پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ دونوں کی گرفت پستول پر تھی اور دونوں ایک دوسرے سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ میرے لئے صورتحال زیادہ سنگین اس لئے بھی تھی کہ پستول پر بیلا کی گرفت زیادہ مضبوط تھی اور ادھر اس کی ایک انگلی بھی ٹریگر پر تھی۔ پستول کی نال کا رخ آہستہ آہستہ رتنا کی طرف مڑ رہا تھا۔

بیلا نیچے تھی اور رتنا اوپر۔ بیلا نے مجھے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسی وقت رتنا نے اس کے ہاتھ کو زوردار جھٹکا دیا۔ پستول کا رخ میری طرف ہو گیا۔ بیلا نے ٹریگر دبا دیا یا جھٹکا لگنے سے انگلی کے دباؤ سے ٹریگر دب گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کمرہ ایک نسوانی چیخ سے گونج اٹھا۔ میں جلدی سے مڑا۔ میرے ساتھ کھڑی ملازمہ کے بائیں گال سے خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ بیلا کے پستول سے نکلی ہوئی گولی اس کے چہرے پر لگی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا وہ لہراتی ہوئی دھڑام سے نیچے گری۔ اس کے ساتھ ہی میں اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ اگر ایک لمحے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو دوسری گولی میرا بھیجہ اڑا دیتی۔

میں نے پلنگ پر چھلانگ لگا دی اور پستول کے دستے سے بیلا کے کندھے پر زوردار ضرب لگائی۔ بیلا چیخ اٹھی لیکن اس نے پستول پر گرفت نہیں چھوڑی۔ میں نے دوسری ضرب لگائی۔ اس مرتبہ بیلا کی مٹھی ڈھیلی ہو گئی اور رتنا نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ کندھے کی ہڈی پر لگنے والی ضربیں خاصی زوردار تھیں۔ بیلا کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ رتنا اسے چھوڑ کر اٹھ گئی اور اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ اس دوران میں نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ بیلا رتنا کی ٹھوکروں سے پلنگ سے نیچے گر گئی تھی۔ رتنا نے بھی پلنگ سے چھلانگ لگا دی اور ایک بار پھر اس پر ٹھوکریں برسانے لگی۔ آخر میں بیلا کو بالوں سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔ رتنا پر جنون طاری ہو چکا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اسے گولی نہ مار دے۔ بیلا کی موت کے بعد ہمارا یہاں آنے کا مقصد بھی ختم ہو جاتا۔

اس کمرے میں دو گولیاں چلی تھیں اور مجھے شبہ تھا کہ اگر فائرنگ کی آواز باہر سن لی گئی ہو گی تو کوئی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کوئی فائرنگ کی آواز سن کر پولیس کو فون کر دے۔ ویسے بھی اس وقت ابھی گیارہ بھی نہیں بجے تھے۔ یہ ایسا وقت تھا کہ بیلا کے کسی مہمان یا کسی ماتحت کے آنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔

بیلا کچھ دیر تک قالین پر پڑی اپنی پسلیاں سہلاتی رہی۔ پھر رتنا نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سر کے بال چڑیا کے گھونسلے کی طرح بکھر گئے تھے اور اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ رتنا کے دل میں تمہارے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہے وہ ذرا کوئی لحاظ نہیں کرے گی۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نہیں مانیں رتنا کو اکیلے

پاکر تم نے یقیناً کوئی ایسی ویسی حرکت کی ہوگی۔"

"حرکت یہ دیکھو" رتنا چیخی۔ "اس کتیا نے میرے اوپر گرم گرم چائے پھینک دی تھی اور مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔"

میں نے مڑ کر رتنا کی طرف دیکھا۔ سینے اور پیٹ پر سے اس کی قمیص تر ہو رہی تھی۔ وہ بار بار قمیص کو چٹکی سے پکڑ کر جسم سے ہٹا رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ کرب کے آثار بھی تھے۔

"اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم سوٹ کیس ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ بصورت دیگر تمہاری اس ملازمہ کے ساتھ تمہاری بھی لاش پڑی ہوئی نظر آئے گی۔"

"وہ سوٹ کیس میرے پاس نہیں ہے۔" بیلا نے جواب دیا۔ "وہ مال تم لوگوں نے چندت بھیرو کے بنگلے سے حاصل کیا تھا اور وہ مندروں کا لوٹا ہوا مال تھا جو میں نے سرکاری خزانے میں جمع کرا دیا تھا۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا کوئی حرکت کرتا رتنا نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ بیلا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ تھپڑ اس قدر زوردار تھا کہ وہ گھوم کر رہ گئی۔

"سوٹ کیس ہمارے حوالے کر دو ورنہ میں تمہیں بھی سرکاری خزانے میں جمع کروا دوں گی۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔" بیلا نے رتنا کی بات کاٹ دی۔

"بیلا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "مانتا ہوں کہ تم بہت حوصلہ مند اور بہادر ہو لیکن ایسے موقع پر ضد کرنا بہادری نہیں۔ اسے آتما ہتیا کہتے ہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ رتنا پر اس وقت جنون طاری ہے تم اپنی ضد چھوڑ دو۔ اپنی کھال بچاؤ اور سوٹ کیس ہمارے حوالے کر دو۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔ وہ سوٹ کیس میں نے ..."

اس مرتبہ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

"کیا میں تمہیں نہیں جانتا۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "تم شاید زیادہ سے زیادہ وقت لینا چاہتی ہو تا کہ اگر باہر کسی نے فائر کی آواز سنی ہو تو وہ پولیس کو اطلاع کر دے یا تمہارا کوئی جاننے والا اس طرف آ نکلے۔ لیکن تم بھول گئی ہو کہ میں بھی خطرات کا عادی ہو چکا ہوں اور یہ بھی جانتی ہو کہ موت نے کئی مرتبہ مجھے گھیرا ہے لیکن میں ہر مرتبہ موت کے حصار سے نکل گیا۔ مجھے اب کوئی ڈر خوف نہیں رہا۔ تم نے مجھے کہاں کہاں گھیرنے کی کوشش نہیں کی مگر اب تک تمہیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ مرادا میں تم کتنے جتن کر چکی ہو۔ کیا ملا تمہیں۔ اپنے ہی آدمیوں کی لاشیں۔ اب بھی ایک لاش تمہارے سامنے پڑی ہے اور یقین کرو میری لاش دیکھنے کی تمہیں حسرت ہی رہے گی۔"

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے اپنے ہی غدار تمہیں پناہ دیتے رہے ہیں۔" بیلا نے کہا۔ "مگر مرادا میں روشن لال اور اے سی پی جیتش مہتہ تمہیں پناہ نہ دیتے تو تم اس شہر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہر مرتبہ تم عین وقت پر بچ نکلتے رہے ہو۔ مگر مرادا میں بلیک کیٹ کمانڈوز کی ہلاکت کے بعد تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم لوگ ناپ اسٹیشن پر روشن لال کے بنگلے کو آگ لگا کر جس طرح فرار ہوئے تھے وہ اگلے ہی روز یہاں پولیس کو مل گئی تھی اور اس مرتبہ اس شہر کی اس طرح ناکہ بندی کی گئی

ہے کہ بلی کا بچہ بھی اجازت کے بغیر باہر نہیں جا سکتا اور شہر میں بھی خفیہ طور پر تم لوگوں کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ اس مرتبہ تم لوگوں کے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے تم لوگ ..."

"ہم لوگ اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیں۔" میں نے اس کی بات پوری کر دی۔ "ویسے یہ بات تم نے ٹھیک ہی کہی کہ تمہارے ہی غدار ہمیں پناہ دیتے رہے ہیں جب تمہاری پولیس فورس میں جیتش مہتہ جیسے لوگ ہوں گے تو ہم جیسے لوگوں کو بھی راستے ملتے رہیں گے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ اپنی ضد چھوڑ دو اور وہ سوٹ کیس ہمارے حوالے کر دو۔ بصورت دیگر میں تمہیں رتنا کے حوالے کر دوں گا اور خود یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھتا رہوں گا۔ رتنا کے ہاتھ تم دیکھ چکی ہو یہ پنجاب کی جٹی ہے۔ خالص دیسی گھی اور مکھن ملائی کی پلی ہوئی اس کے اندر تم سے زیادہ طاقت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" بیلا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "میں وہ سوٹ کیس تمہیں دے رہی ہوں لیکن اس خوف سے نہیں کہ اس وقت میری جان خطرہ میں ہے بلکہ اس لئے کہ تم لوگ وہ سوٹ کیس لے کر اس شہر سے باہر نہیں جا سکو گے۔"

"دھنے باد۔ شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب ذرا جلدی کرو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں جانا پڑے گا۔ سوٹ کیس یہاں نہیں ہے۔"

بیلا نے کہا۔ "تو چلو۔" میں نے اشارہ کیا۔

بیلا نے اس وقت شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ عورتیں عام طور پر رات کو سوتے وقت نائٹی یا میکسی قسم کا لباس پہننا پسند کرتی ہیں مگر بیلا نے مردانہ سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔ ہم اس کمرے سے نکل آئے۔ میں نے بیلا کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ رتنا بھی خاصی محتاط نظر آ رہی تھی۔ ہم اس کمرے سے نکل کر ایک اور کمرے میں آ گئے یہ کمرہ لائبریری کے طور پر آراستہ تھا۔ ایک طرف رائٹنگ ٹیبل بھی رکھی ہوئی تھی۔ شیلف میں لگی ہوئی کتابیں دیکھ کر میں بے اختیار مسکرا دیا۔ بیلا کے ادبی ذوق کی داد دینا پڑتی تھی۔ دنیا بھر کے نامور ادیبوں کی کتابیں جمع تھیں اس لائبریری میں۔ مجھے شاعری یا ادب سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں تھا۔ جب لاہور میں تھا تو بھی وقت گزارنے کے لئے لائبریری سے ابن صفی یا کسی اور مصنف کی کوئی جاسوسی کتاب لے آتا تھا لیکن بیلا کی اس لائبریری میں بعض پاکستانی ادیبوں اور شاعروں کی کتابیں دیکھ کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ایک پورا شیلف علامہ اقبال کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔

"ان کتابوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تمہیں پاکستانی ادیب اور شاعر پسند ہیں۔ جب کہ پاکستان سے تمہیں شدید نفرت ہے۔" میں نے بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"ادیب شاعر یا فنکار کسی بھی ملک کا ہو پسند کئے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ سرحدوں کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اور پھر فن تو فن ہوتا ہے کسی بھی ملک کا ہو۔"

"میں نے بحث چھیڑنے کے لئے بات نہیں کی تھی۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "سوٹ کیس نکالو۔ کہاں رکھا ہے۔"

بیلا دائیں طرف والی دیوار کے قریب کھڑی ہوگئی۔ ایک شیلف میں کتابوں کے ساتھ کالی دیوی

کی ایک سوتی بھی رکھی ہوئی تھی کالی کی زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور آنکھیں بھینچی ہوئی تھیں۔ جیسے کسی اذیت میں مبتلا ہو۔ ہیلا نے مورتی کو پکڑ کر گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ریک آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے گھومنے لگا۔ اس ریک کے پیچھے دیوار میں الماری کی طرح خلا تھا۔ ہیلا نے جھک کر جیسے ہی ہاتھ بڑھایا میں نے اسے روک دیا۔

"بس اب تم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

ہیلا نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ "بہت چالاک ہو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

میں اس خلا کے قریب پہنچ گیا۔ ہیلا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے شرٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر مزید کھول دیا۔ عورت ہونے کے ناتے یہ اس کا سب سے خطرناک حربہ تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یقیناً میری رال ٹپک پڑتی لیکن اس وقت ہیلا کی اس قسم کی کسی دعوت سے فائدہ اٹھانے کا سوچنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ رتنا نے اس کی یہ حرکت نہیں دیکھی تھی اگر دیکھ لیتی تو شاید ہیلا کو اس کا کچھ مزہ چکھانے کی کوشش بھی کرتی۔

میں ریک ہٹنے سے نمودار ہونے والے دیوار کے خلا کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ خلا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس میں وہ سوٹ کیس رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی دو دراز میں، چند ہینڈ گرینیڈ، دو پستول، دو ریوالور اور ایک تلوار بھی رکھی ہوئی تھی۔

"اس لیے تم سوٹ کیس خود نکالنا چاہتی تھیں۔" میں نے مڑ کر مسکراتے ہوئے ہیلا کی طرف دیکھا۔

"اور تم بہت چالاک ثابت ہوئے۔" ہیلا بھی مسکرا دی۔

"میں تمہاری نس نس سے واقف ہو چکا ہوں۔" میں نے کہا۔ "کوئی اور ہوتا تو شاید تمہارے اس فریب میں آ جاتا۔"

میں نے سوٹ کیس نکال لیا اور دوسرے ہاتھ سے ریک کو گھما دیا۔ کھٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور ریک اپنی جگہ پر فٹ ہو گیا۔

"چلو۔ اب اس کمرے میں واپس چلو۔" میں نے اشارہ کیا۔ میں آگے تھا۔ میرے پیچھے ہیلا اور اس کے پیچھے رتنا۔ میں سوٹ کیس اٹھائے دروازے سے نکل چکا تھا۔ ہیلا نے ایک دم پلٹ کر رتنا پر حملہ کر دیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر رتنا کے پستول والے ہاتھ پر لگی تھی۔ پستول تو رتنا کے ہاتھ سے نہیں نکلا لیکن وہ اس اچانک حملے سے لڑکھڑا گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتی ہیلا نے اس کے ہاتھ پر ایک اور ٹھوکر ماری۔ اس مرتبہ پستول رتنا کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہیلا اس پر جھپٹ پڑی۔ رتنا نے بڑی پھرتی سے اس کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا دی۔ ہیلا لڑکھڑاتی ہوئی منہ کے بل گری۔ قالین پر پڑا ہوا پستول اس کے ہاتھ سے چند انچ دور تھا۔

میں سوٹ کیس پھینک کر بڑی تیزی سے ہیلا کی طرف لپکا۔ اس سے پہلے کہ ہیلا پستول پر ہاتھ ڈال سکتی میں اس کے اوپر گرا اور اس کے بالوں سے پکڑ کر زور دار جھٹکا دیتے ہوئے پیچھے کھینچ لیا۔ اس کے منہ

سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

میں نے ہیلا کو پکڑ کر اٹھا دیا اور دونوں ہاتھ پشت کی طرف سے اس کی بغلوں میں ڈال کر اس کی گردن پر انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں۔ ہیلا پہلے تو اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آزادی کی صورت میں اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔

"تم باز نہیں آؤ گی۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھوں کا ذرا سا جھٹکا تمہاری گردن توڑ دے گا۔ اب اگر۔"

میرا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ رتنا نے اس پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ہیلا چیختی رہی۔ وہ پوری طرح میری گرفت میں تھی اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"اب بس کرو رتنا۔" میں نے کہا۔ "تم وہ سوٹ کیس اٹھاؤ میں اسے لے کر دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

رتنا ہانپ گئی تھی۔ وہ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر اس نے پہلے اپنا پستول اٹھایا اور باہر آ کر سوٹ کیس اٹھا لیا۔ میں الٹے قدموں ہیلا کو گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں آ گیا اور ہیلا کو پلنگ پر پھینک دیا۔

"میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔" میں نے ہیلا کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اب اگر تم نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تو اس پستول کی ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"

"جب بھی موقع ملے گا اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کروں گی۔" ہیلا نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم ہی نے تو کہا تھا کہ اپنا دفاع کرنا ہر شخص کا حق ہے میں آخری لمحوں تک اپنا دفاع ضرور کروں گی۔"

"ٹھیک ہے کوشش کرتی رہو لیکن انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" میں نے کہا اور پھر رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی رسی وغیرہ تلاش کرو۔"

رتنا نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر باہر چلی گئی اس کی واپسی دو منٹ میں ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں دو رسیاں تھیں۔

"اب بھی اپنا دفاع کا حق استعمال کرو گی یا شرافت سے ہاتھ بندھوا لو گی۔" میں نے ہیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پلنگ پر چڑھ گیا۔

ہیلا نے بڑی شرافت سے دونوں ہاتھ پشت پر بندھوا لئے تھے۔ دوسری رسی سے میں نے اس کے دونوں پیر بھی باندھ دیئے تھے۔

"ہم یہاں سے جانے کے تھوڑی دیر بعد کسی پولیس سٹیشن فون پر اطلاع دے دیں گے اور وہ لوگ آ کر تمہیں کھول دیں گے۔" میں نے ہیلا سے کہا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے کسی ایسے کپڑے کی تلاش تھی جس سے اس کا منہ بھی بند کر سکوں مگر کوئی کپڑا نظر نہیں آ رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر ہیلا کی شرٹ لی۔ اس میں ہیلا کے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ اسکارف مل گیا میں نے اسکارف کا گولا بنا کر ہیلا کے منہ میں حلق تک ٹھونس دیا۔ وہ بری طرح مچل رہی تھی۔

"مروّتی نہیں۔ صرف چند منٹ کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "اور یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ جسے تم عرصہ تک یاد رکھو گی۔ آج رات میں یہاں سے بہت دور جا چکا ہوں گا اور تم لوگ بال نوچتے رہ جاؤ گے۔"

میں نے سوٹ کیس اٹھا کر رتنا کو اشارہ کیا۔ وہ خونخوار نظروں سے بیلا کی طرف دیکھتی ہوئی میرے ساتھ ہی دروازے سے باہر آ گئی۔

ایک بار پھر مجھے حیرت تھی یہاں دو گولیاں چلی تھیں۔ بیلا بھی بار بار چیخی تھی مجھے اندیشہ تھا کہ کوئی نہ کوئی یہاں پہنچ جائے گا لیکن میرا خیال تھا کہ یا تو فائرنگ اور چیخوں کی آواز باہر نہیں سنی گئی تھی اگر یہ آوازیں سن کر کسی نے پولیس کو فون کیا بھی ہوتا تو پولیس اپنا روایتی کردار ادا کر رہی تھی۔ تاخیر سے جائے واردات پر پہنچنا برصغیر کی پولیس کا طرہ امتیاز تھا۔

پورچ میں بیلا کی کار کھڑی تھی۔ اگنیشن میں چابی بھی لگی ہوئی تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر سوٹ کیس اندر ڈال دیا اور رتنا کو اشارہ کرتا ہوا تیزی سے گیٹ کی طرف چلنے لگا۔

جب میں نے گیٹ کھولا تو رتنا کار اسٹارٹ کر کے اس طرف لے آئی تھی۔ کار جیسے ہی باہر نکلی میں نے گیٹ بند کر دیا اور دوڑ کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رتنا نے کار گلی میں بائیں طرف موڑ لی۔ سامنے والی روڈ کے تیسرے بنگلے کے گیٹ کے ذیلی دروازے میں ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہماری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ کار جیسے ہی قریب پہنچی وہ دونوں تیزی سے دروازے کے اندر ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے بیلا کے بنگلے سے فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں سنی تھیں اور ہو سکتا ہے انہوں نے پولیس کو فون بھی کیا ہو اور اب پولیس کا انتظار کر رہے ہوں۔

یہ سارا رہائشی علاقہ تھا۔ اونچی نیچی سڑک کے دونوں بائیں بنگلے تھے۔ رتنا کار کو مختلف گلیوں میں گھماتی رہی۔ ظاہر ہے یہ علاقہ پہلے ہمارا دیکھا ہوا نہیں تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ ہم ان گلیوں میں ہی گھومتے ہوئے پکڑے نہ جائیں۔

"راستہ یاد ہے نا!" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہم ان گلیوں میں بھٹکتے رہیں اور کسی جگہ......"

"اطمینان رکھو۔" رتنا نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے سارے راستے یاد ہیں اس طرف ایک چھوٹا سا شاپنگ سنٹر ہے مارکیٹ کے قریب سے ہوتے ہوئے ہم سنسار چند روڈ پر نکل جائیں گے۔"

ایک اور گلی میں مڑنے کے بعد ہم شاپنگ سنٹر کی طرف نکل آئے۔ بیشتر دکانیں بند ہو چکی تھیں البتہ دو تین ریسٹورنٹس اور کھانے پینے کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاپنگ سنٹر کے سامنے ایک چھوٹا سا چوراہا تھا۔ ہماری کار چوراہے پر پہنچی تھی کہ سامنے سے پولیس کی ایک جیپ آتی ہوئی دکھائی دی۔ رفتار خاصی تیز تھی اس جیپ پر ڈرائیور کے علاوہ تین اور پولیس والے رائفلیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

"اب جلدی سے اس علاقے سے نکل چلو رتنا۔" میں نے مڑ کر جیپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہیں بیلا کے بنگلے پر پہنچنے میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ بیلا کے ہاتھ پیر کھلتے ہی جہنم کی ساری بلائیں بھی کھل جائیں گی۔"

"فکر مت کرو۔ وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہیں پاسکیں گے۔" رتنا نے جواب دیا اس کا لہجہ بے حد پرسکون تھا۔

اس نے کار ایک اور کشادہ گلی میں موڑ لی اور پھر ہم ہوٹل مان سنگھ کے قریب سے ہوتے ہوئے سنسار چند روڈ پر نکل آئے۔ یہ بارونق علاقہ تھا۔ سڑک پر ٹریفک بھی تھا۔ رتنا کچھ دور تک کار کو سنسار چند روڈ پر ہی دوڑاتی رہی اور پھر سول لائن کے علاقے تک پہنچنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

جیب روڈ پر جے محل پیلس تاج ہوٹل سے تقریباً سو گز دور ایک سڑک کے موڑ پر رتنا نے کار روک لی۔

"تم سوٹ کیس لے کر یہاں اتر جاؤ۔ میں اس کار کو جے محل پیلس کے پارکنگ پلاٹ پر چھوڑ آتی ہوں۔" رتنا نے کہا۔

"کیا وہاں کار چھوڑنا خطرناک نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ظاہر ہے جلد یا بدیر گاڑی کا پتہ چل جائے گا اور پھر اس علاقے میں ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" رتنا بولی۔ "وہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ کار یہاں چھوڑ کر کسی اور کار یا ٹیکسی وغیرہ پر کسی طرف چلے گئے ہوں گے بیلا تمہیں اتنا بیوقوف تو نہیں سمجھتی کہ تم یہ کار اپنے گھر کے آس پاس چھوڑ دو گے۔"

"گویا تم ایک ایسا نفسیاتی حربہ استعمال کر رہی ہو جو......"

"ہاں۔ اسے نفسیاتی حربہ ہی سمجھ لو۔" رتنا نے میری بات کاٹ دی۔ "اب تم دیر مت کرو۔ سوٹ کیس لے کر اس طرف کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے واپس آنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

میں دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ پچھلی سیٹ سے سوٹ کیس بھی اٹھا لیا۔ کار حرکت میں آ گئی۔

ہوٹل کی طرف خاصی رونق تھی۔ کئی بلند و بالا عمارتوں پر نیون سائن جگمگا رہے تھے لیکن میں جس سڑک کے موڑ پر کھڑا تھا اس سے آگے رہائشی علاقہ تھا اور اس طرف ٹریفک کی آمد و رفت بھی کم تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ جس جگہ میں کھڑا تھا اس موڑ پر ایک بہت بڑا بنگلہ تھا۔ دیوار چار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بنگلے کے اندر دیوار کے ساتھ ساتھ درختوں کی بہتات تھی۔ کئی درختوں کی شاخیں باہر فٹ پاتھ پر جھکی ہوئی تھیں۔ میں سوٹ کیس اٹھا کر چند گز آگے دیوار کے قریب درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

رتنا کی کار ہوٹل کے سامنے پہنچ چکی تھی اور پھر وہ گیٹ میں داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ پارکنگ پلاٹ وہاں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب میرے ذہن میں ایک اور خدشہ سر ابھار رہا تھا۔ بیلا کی کار بہت قیمتی اور جہازی جسامت ہوئی تھی جب کہ رتنا کا حلیہ مجموعی طور پر ایسا نہیں تھا کہ اسے کار کا مالک سمجھا جا سکتا۔ وہ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھی اور سر پر چادر لی تھی۔ یہ لباس بھی اتنا قیمتی نہیں تھا۔ اس قسم کے لباس میں آنے والوں کو تو ایسے ہوٹلوں میں گھسنے ہی نہیں دیا جاتا لیکن رتنا کو ہوٹل میں تو داخل نہیں ہونا تھا۔ اسے تو کار پارکنگ میں چھوڑنی تھی اور بس۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ رتنا کو اتنی دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔ میری پریشانی بڑھنے لگی اس دوران میرے قریب سے کئی گاڑیاں گزری تھیں۔ ایک ٹیکسی ہلکی رفتار سے میرے قریب سے گزری چند گز آگے جا کر رک گئی ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی مگر اندھیرے میں اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے اندر کی بتی جلا دی۔

وہ جوان اور حسین عورت تھی اس نے جس قسم کا لباس پہن رکھا تھا اور جیسا میک اپ کر رکھا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ شکاری عورت تھی اکثر ٹیکسی ڈرائیور اس قسم کی عورتوں کے ساتھ مل کر لوگوں کو پھانستے ہیں۔

"کہاں جانا ہے بھایا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کھڑکی سے گردن نکال کر پوچھا۔ "ٹیکسی کا انتظار ہے تو آ جاؤ۔ میں چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں بھایا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔" میں نے جواب دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور اتر کر میرے قریب آ گیا۔ اس نے پہلے زمین پر رکھے ہوئے سوٹ کیس کو دیکھا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسافر لگتے ہو۔ کوئی ٹھکانا نہیں ہے تو ہمارے ساتھ چلو۔ سر چھپانے کو جگہ بھی مل جائے گی اور وہ بھی۔" اس نے ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ "ایک نمبر مال ہے۔ خوش ہو جاؤ گے۔ تم سے زیادہ نہیں لیں گے جو جی میں آئے دے دینا۔"

"میں نے کہا نا مجھے کہیں نہیں جانا۔" میں نے کہا۔

"شرماتے ہو۔" ٹیکسی ڈرائیور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"پردیسی ہو۔ بدماشوں یا پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو لٹ جاؤ گے ہمارے ساتھ چلو۔ رات بھر عیش کرو گے۔ قریب جا کر دیکھو تو مال کیسا ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ میں نے کہیں نہیں جانا۔" میں نے کہتے ہوئے جیب سے پستول نکال لیا۔

ڈرائیور میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر چونک گیا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے بھایا۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "جبر تھوڑی ہے نا۔ میں تو تمہارے بھلے کو کہہ رہا تھا۔ یہ لونڈیا تمہارا بہت کھیال رکھے گی۔ تم نہیں جانا چاہتے تو ٹھیک ہے ٹھیک ہے بھایا۔"

وہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور ٹیکسی ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔ میں ہوٹل کی طرف دیکھنے لگا۔ رتنا کا کوئی نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا یہاں کھڑے رہنا میرے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بیلا نے ہاتھ پیر کھلتے ہی سب سے پہلے پولیس ہیڈکوارٹر کو ہمارے بارے میں اطلاع دی ہوگی اور ریڈیو پر شہر بھر میں پولیس کی پٹرولنگ کاروں کو ہمارے بارے میں خبردار کر دیا ہوگا اور ہماری تلاش شروع ہو چکی ہوگی میں یہاں اندھیرے میں کھڑا ویسے ہی مشکوک لگ رہا تھا اگر اس طرف سے گزرتی ہوئی پولیس کی گاڑی نے دیکھ لیا تو شامت ہی آ جائے گی۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بنگلے کی دیوار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں نے سوٹ کیس

اٹھا کر دیوار پر رکھا اور پھر خود بھی دیوار پر بیٹھ کر آہستگی سے اس کے دوسری طرف کود گیا۔ اس طرف آگے بہت وسیع لان تھا اور اس کے دوسری طرف بنگلے کی عمارت تھی جس کے برآمدے میں بلب جل رہا تھا۔ بلب کی روشنی اگرچہ یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی مگر گنجان پودوں کی وجہ سے میں روشنی کی زد میں آنے سے محفوظ تھا۔

میں دیوار کے اوپر سے دوسری طرف جھانکتا رہا۔ رتنا ابھی تک ہوٹل سے باہر نہیں آئی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ پانچ منٹ اور گزر گئے۔

اب مجھے رتنا کے بارے میں واقعی تشویش ہونے لگی تھی۔ ایک مرتبہ تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ سوٹ کیس وہیں پودوں میں چھوڑ دوں اور خود جا کر معلوم کروں۔

میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ دور سے رتنا کو آتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ اتفاق سے اسی وقت تین چار گاڑیاں آگے پیچھے اس طرف گھوم گئیں اس لئے میں نے دیوار سے باہر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ گاڑیوں کے آگے نکلتے ہی رتنا اس جگہ پہنچ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسی اثنا ایک اور تیز رفتار کار وہاں سے گزری۔ اس کے ہیڈ لیمپ کی روشنی میں رتنا کے چہرہ پر نمایاں طور پر تشویش نظر آ رہی تھی۔

"رتنا میں یہاں ہوں۔" میں نے سرگوشی میں پکارا۔

رتنا آواز کی طرف گھوم گئی مگر مجھے پھر بھی نہیں دیکھ سکی۔ میں نے سوٹ کیس اٹھا کر دیوار پر رکھ دیا اور خود بھی اوپر چڑھ کر فٹ پاتھ کی طرف کود گیا۔ دھپ کی آواز سن کر رتنا اچھل پڑی۔

"اوہ۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ تم کہاں غائب ہو گئے۔" رتنا بولی۔ "مگر تم ادھر کیوں چھپ گئے تھے؟"

میں نے شکاری عورت اور ٹیکسی ڈرائیور کا قصہ سنایا پھر بولا۔ "مجھے یہاں نہ پا کر کہیں ڈر گئی تھیں یہ تو نہیں سوچ لیا تھا کہ میں سارا مال لے کر بھاگ گیا ہوں۔"

"ایسے گندے خیالات میرے ذہن میں نہیں آ سکتے۔" رتنا نے کہا۔ "مجھے تم پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا کہ اپنے آپ پر۔ بہرحال اب یہاں سے چلو۔ ہوٹل کے پارکنگ میں ذرا سی گڑبڑ ہو گئی تھی ایسا نہ ہو لوگ ہماری تلاش شروع کر دیں۔"

"اوہ یہ پوچھنا تو میں بھول ہی گیا تھا تم تو وہاں صرف گاڑی کھڑی کرنے گئی تھیں اتنی دیر کیسے لگ گئی؟"

"میری گاڑی وہاں کھڑی ہوئی ایک اور گاڑی سے ٹکرا گئی تھی جس سے اس کا ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹ گیا۔" رتنا بتا رہی تھی۔ "پارکنگ کے نگران کو پتہ چلا تو اس نے پکڑ لیا تھا مگر اسی وقت گاڑی کا مالک بھی پہنچ گیا۔ وہ تو شاید میری معذرت قبول کر کے درگزر کر دیتا مگر اس کی بیوی بڑی سناکی نکلی، وہ کسی طرح چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ پانچ ہزار روپے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اس پر بات بڑھتی رہی۔ کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے آخرکار میں یہ کہہ کر وہاں سے نکلی ہوں کہ اپنی مالکن کو بلا کر لاتی ہوں، وہ شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ میں کار چھوڑ کر بھاگ نہیں پاؤں گی۔ میں نے جاتے جاتے اپنی مالکن کو فون کر کے بلاتی ہوں کہا ہے

میں واپس تو نہیں جاؤں گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری تلاش شروع کر دے اس لئے جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

میں نے مزید کوئی سوال کئے بغیر سوٹ کیس اٹھالیا اور تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ سوٹ کیس خاصا وزنی تھا میں اسے کبھی ایک ہاتھ میں منتقل کرتا اور کبھی دوسرے ہاتھ میں۔

پارک کی طرف جانے کے لئے ہمیں ہوٹل سے چیلس کی بغلی گلی سے گزرنا پڑتا لیکن رتنا نے وہاں کی جو صورت حال بتائی تھی اس کے پیش نظر اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس لئے ہم ایک اور سڑک پر گھوم گئے اور بنگلوں کے درمیان گلیوں میں گھومتے ہوئے پارک کے پچھلی طرف نکل آئے۔

"اتنے پرہنگام مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب مجھے ایک بات کا خیال آرہا ہے۔" رتنا نے چلتے چلتے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"بیلا کے ہاں ہم نے یہ چیک نہیں کیا کہ یہ سوٹ کیس وہی ہے یا کوئی اور۔ اور یہ کہ جس دولت کے لئے ہم نے اتنی جان خطرے میں ڈالی تھی وہ اس میں ہے بھی یا نہیں؟"

"یہ خیال تو مجھے بھی نہیں آیا تھا۔" میں نے کہا۔ "سوٹ کیس تو وہی ہے اور وزنی بھی ہے میرا خیال ہے وہ سب کچھ اسی میں موجود ہوگا جو تم نے رکھا تھا۔"

"اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔" رتنا بولی۔

"یہ سوٹ کیس بیلا نے خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اگر اس میں وہ سب کچھ نہ ہوتا تو اسے اتنی حفاظت سے نہ رکھتی۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "بہر حال اب تو ہم یہ دو دو کر ہی چکے ہیں اس میں اگر دولت کے بجائے پتھر بھرے ہوں تو ہماری قسمت۔"

"اگر پتھر ہوئے تو انہی پتھروں سے بیلا کا سر پھوڑ دوں گی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گی اپنی دولت لے کر ہی جاؤں گی۔"

"دولت حاصل کرنے کے چکر میں خواہ جان چلی جائے۔" میں نے کہا۔

"مجھے اس کی پروا نہیں۔" رتنا نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

میں نے اس وقت خاموشی میں بہتری سمجھی۔ ہم پارک کے گرد چکر کاٹتے ہوئے ایک طرف نکل آئے جہاں یشودھر کے کوارٹر کے پچھلی طرف آہنی جنگلے کی سلاخیں مڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی اور اس سڑک پر سناٹا تھا اس کے دوسری طرف بنگلوں کی گلیوں میں بھی سناٹا طاری تھا۔

ہم جنگلے میں سے گزر کر کوارٹر کے عقبی صحن سے ہوتے ہوئے اندر آگئے۔ میرا خیال تھا کہ ششادری اور یشودھر سو چکے ہوں گے لیکن ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر جلنے والے لیمپ کی مدھم سی روشنی باہر بھی آرہی تھی ہمارے قدموں کی مدھم سی چاپ سن کر یشودھر فوراً ہی باہر آگیا۔

"کون ہے بھایا؟"

"ہم ہیں یشودھر۔" میں نے کہا۔ میری آواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔ ہم کمرے میں آگئے

ششادری چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی وہ ہمیں دیکھ کر اندر آگئی۔

"کہاں رہ گئے تھے تم لوگ۔ ہم تو پریشان ہو گئے تھے یشودھر کاکا تو سمجھ رہا تھا کہ تم لوگ راستہ بھٹک گئے ہو۔" ششادری نے کہا۔

"راستہ تو نہیں بھٹکے تھے۔" میں نے سوٹ کیس زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آگرہ کا رہنے والا ایک دوست مل گیا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ دیر ہو گئی۔ یشودھر کاکا۔" میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "پہلے پانی اور پھر چائے کو دل چاہ رہا ہے۔"

یشودھر کاکا تمہیں پانی پلا دے گا اور چائے میں بناتی ہوں۔" ششادری کہتے ہوئے چارپائی سے اتر گئی۔

یشودھر نے برآمدے میں رکھے ہوئے مٹکے میں سے گلاس بھر کے میرے ہاتھ میں دیدیا۔ میں اس وقت واقعی بہت شدت سے پیاس محسوس کر رہا تھا ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا رتنا کو بھی پیاس لگ رہی تھی اس نے خود ہی اٹھ کر پانی پی لیا۔

یہاں سونے کا بندوبست ہم لوگوں نے کچھ یوں کر رکھا تھا کہ ششادری اور یشودھر کاکا تو اس کمرے میں اپنی اپنی چارپائیوں پر سوتے تھے۔ دوسرے کمرے میں پہلے تو ایک ہی جھلنگا سی چارپائی ہوا کرتی تھی۔ ہم چونکہ ان کی نظروں میں میاں بیوی تھے اس لئے دو چار روز تو میں نے اور رتنا نے ایک ہی چارپائی پر گزارہ کیا تھا پھر میں نے یشودھر کاکا سے بازار سے بان کی ایک اور چارپائی منگوا کر اس کمرے میں ڈلوالی تھی وہ کمرہ کچن کا کام بھی دیتا تھا اور میں اور رتنا سوتے بھی وہیں تھے اور اس وقت ششادری چائے بنانے کے لئے اس کمرے میں گئی تھی۔

"تمہیں نیند آرہی ہے یشودھر کاکا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے تم سو جاؤ۔ ہم اپنے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔"

یشودھر کو واقعی نیند آرہی تھی وہ صبح چھ بجے سے پہلے ہی اٹھ کر پارک میں چلا جایا کرتا تھا۔ اور رات کو سوتا بھی جلدی تھا۔ آج ہماری وجہ سے وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔

یشودھر کچھ کہے بغیر اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اور خود بھی سوٹ کیس اٹھا کر دوسرے کمرے میں آگیا اور سوٹ کیس ایک چارپائی پر رکھ دیا۔ ششادری اس وقت اسٹوو پر کھولتے پانی میں چائے کی پتی ڈال رہی تھی۔

"یشودھر کاکا کو نیند آرہی تھی اس لئے ہم یہاں آگئے ہیں۔" میں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ جلدی سو جاتا ہے آج تم لوگوں کی وجہ سے جاگ رہا تھا۔" ششادری نے جواب دیا۔

دس منٹ میں چائے تیار ہو گئی۔ اس نے ہمیں چائے دی اور خود بھی ایک مگ لے کر رتنا کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

بیلا کا پتہ ہم نے ششادری کے ذریعے ہی لگایا تھا۔ اسے ہم نے اصل بات تو نہیں بتائی تھی صرف یہ بتایا تھا کہ ہم نے کنیا کماری کو بدمعاشوں سے بچانے کی کوشش کی تھی جس پر یہ لوگ ہمارے بھی

دشمن ہو گئے تھے ان کے ہاتھوں کنیا کماری کے مارے جانے کے بعد ہم اس کی موت کا بدلہ لینا چاہتے تھے کنیا کماری کے نام سے ہی اس نے ہمیں اپنے پاس پناہ دی تھی اور بیلا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔

ششا دری نے ابھی تک سوٹ کیس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی یہ دریافت کیا تھا کہ ہمارا کون سا جاننے والا مل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنی دیر ہو گئی تھی لیکن صبح جب اخبار میں بیلا کے بنگلے پر ہنگامے اور اس کی ملازمہ کے قتل کی خبر چھپے گی تو اس میں ہماری اصلیت کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہوگا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے ششا دری ہم پر شبہ کرے گی۔

ہم کئی روز سے یہاں رہ رہے تھے اس دوران ششا دری کی باتوں سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ بری طرح بددل ہے اس کے ساتھ ماضی میں جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اس کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی تھیں۔ اس کے پتی کو زندہ جلا دیا گیا تھا اور اس کی دادرسی کے بجائے پولیس نے اسی کو اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ وہ انصاف کے لئے بھاگی پھری تھی لیکن اسے کہیں سے انصاف نہیں ملا تھا اور وہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئی تھی۔

ششا دری کا تعلق مدھیہ پردیش کے ایک متوسط درجے کے باعزت گھرانے سے تھا۔ کام کی تلاش میں شملہ پہنچ گئی تھی جہاں اس کی ملاقات بھٹناگر سے ہوئی پھر انہوں نے شادی کر لی جس پر اس کے گھر والے ناراض ہو گئے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جے پور آ گئی لیکن یہاں بھی بھٹناگر کے گھر والوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ وہ اپنے شوہر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس طرح وہ نہ گھر کی رہی اور نہ گھاٹ کی۔

وہ جوان اور حسین تھی۔ بہت سے لوگوں نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اپنے آپ کو بچاتی رہی اس کے حسن و شباب سے فائدہ اٹھانے کے لئے وقتی طور پر سہارا دینے والے تو بہت تھے لیکن ہمدرد اور مخلص کوئی نہ تھا ایسے میں یشودھر نے اسے سہارا دیا اور اسے بیٹی بنا کر اپنے گھر لے آیا۔

اس ساری صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اگر اسے اصل بات بتا دی جائے تو شاید وہ پوری طرح ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے لیکن ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ ہماری اصلیت سے آگاہ ہونے کے بعد وہ ہمیں پولیس کے حوالے نہ کر دے۔

فوری طور پر ہمارا اس شہر سے نکلنے کا ارادہ نہیں تھا۔ میرے خیال میں کم از کم ہفتہ دس دن تک تو ہماری تلاش کا ہنگامہ جاری رہے گا اور ظاہر ہے کہ اس دوران ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ کسی وقت ششا دری کو اعتماد میں لے کر اسے اصل بات بتا دی جائے۔

”یہ سوٹ کیس کیسا ہے؟“ آخر کار ششا دری نے پوچھ ہی لیا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ آگرے والے جس دوست سے ہماری ملاقات ہوئی تھی اس کے پاس رہنے کو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”بہت سے لوگ جو کسی ہوٹل میں کمرہ نہیں لے سکتے ریلوے سٹیشن کے آس پاس چارپائی ہوٹلوں میں دو روپے دے کر رات بھر کے لئے چارپائی حاصل کر لیتے ہیں لیکن سامان رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ میرا وہ جاننے والا بھی ایسا ہی غریب آدمی ہے۔ اس نے اپنا یہ سوٹ

کیس ہمارے حوالے کر دیا۔ ایک دو دن بعد جب وہ واپس جائے گا تو سوٹ کیس لے جائے گا۔“

ششا دری نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ رتنا نے اسے باتوں میں الجھا لیا میں بھی خاموش بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔

ڈھائی بج گئے۔ ششا دری بار بار جمائیاں لینے لگی اور آخر کار وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں بھی اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔ ششا دری نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں کچھ دیر برآمدے میں کھڑا رہا اور پھر کمرے میں آ کر دروازہ بند کر دیا۔ دس پندرہ منٹ تک میں اور رتنا سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے پھر رتنا نے سوٹ کیس اپنے سامنے رکھ لیا اور اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ سوٹ کیس لاک تھا اور ظاہر ہے چابی ہمارے پاس نہیں تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کمرے کے کونے میں جہاں یشودھر کی سائیکل کھڑی تھی وہاں سائیکل کا ایک ٹوٹا ہوا پہیہ بھی پڑا تھا۔ میں نے اس پہیے میں سے ایک تار نکال لیا اور سوٹ کیس کے تالے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ چند سیکنڈ میں ہی دونوں تالے کھل گئے اور پھر جیسے ہی میں نے ڈھکنا اٹھایا رتنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی...

ہماری محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ سوٹ کیس میں اوپر رتنا کے کپڑے تہہ کئے ہوئے رکھے تھے۔ رتنا بے صبری سے کپڑے اٹھا اٹھا کر ایک طرف رکھنے لگی اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ کرنسی نوٹوں کی گڈیاں، زیورات اور وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو اس میں رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بیلا نے یہ سوٹ کیس کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ اسے جوں کا توں رکھ دیا گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اگر بیلا اسے کھول کر دیکھ بھی لیتی تو اس میں سے کوئی چیز نہ لیتی۔

”بھگوان کا شکر ہے سب کچھ موجود ہے کچھ بھی غائب نہیں ہے۔“ رتنا نے کہا۔

”یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اب کیا پروگرام ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بیلا پاگل ہو رہی ہو گی۔“ رتنا نے کہا۔ ”وہ ہماری تلاش میں زمین آسمان ایک کر دے گی۔ کچھ روز تک تو ہم گھر سے نکل نہیں سکیں گے۔ میرا خیال ہے چند روز ہمیں یہیں پر دبکے رہنا پڑے گا۔ ہنگامہ ذرا کم ہو تو یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنا سکیں گے لیکن......“

”لیکن کیا؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا یہ سوٹ کیس یہاں محفوظ رہے گا۔“ رتنا بولی۔

”سوٹ کیس کو کوئی خطرہ نہیں ہے ہم دونوں تو چوبیس گھنٹے یہاں موجود ہوں گے دونوں میں سے کوئی ایک تو رہے گا لیکن میرے خیال میں ششا دری کو اعتماد میں لے کر اسے اصل بات بتا دینی چاہئے۔“

”رسک کیوں لے رہے ہو۔“ رتنا نے کہا۔ ”ہمارا کام ہو گیا ہے ہمیں چند روز یہاں رہنا ہے اس میں شبہ نہیں کہ ششا دری اب تک قابل اعتماد ثابت ہوئی ہے لیکن وہ بھی شاید کنیا کماری کے حوالے سے وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ ہم اس کی کزن کا بدلہ لینے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ اگر اسے اصل بات بتا دی جائے تو شاید اس کا رویہ کچھ مختلف ہو۔ اس لئے میرے خیال میں خاموش ہی رہو۔“

”ہماری اصلیت کا پتہ تو اسے چل جائے گا۔“ میں نے کہا۔ ”آج بیلا کے بنگلے میں جو کچھ بھی

ہوا ہے وہ کل کے اخبارات میں چھپ جائے گا۔ بیلا ہماری پوری کہانی اخبارات میں چھپوائے گی اور اپنی ملازمہ کے قتل کا الزام بھی ہمارے کھاتے میں ڈال دے گی۔ شاداری کو اخبار کے ذریعے ہمارے بارے میں پتہ چلے گا تو بات مختلف ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ ہم سے بدظن ہو جائے اور ہمارے خلاف کوئی قدم اٹھا بیٹھے۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اسے اعتماد میں لے کر بتا دیا جائے۔"

"تو پھر صبح دیکھا جائے گا۔ اب تو وہ سوگئی ہوگی اور مجھے بھی اب نیند آرہی ہے۔" رتنا نے کہا۔

"نیند تو مجھے بھی آرہی ہے۔" میں نے کہا اور سوٹ کیس بند کر کے چارپائی کے نیچے رکھ دیا۔

میں نے ایک بار پھر اٹھ کر دروازے کا کنڈا چیک کیا۔ یہ دو پاٹ کا دروازہ تھا جس کے اندر کی طرف زنجیر والا کنڈا لگا ہوا تھا لیکن زنجیر ڈھیلی تھی۔ دروازے کے پٹوں میں خلا رہ جاتا تھا اور اندر ہاتھ ڈال کر کنڈا آسانی سے کھولا جا سکتا تھا۔ البتہ کنڈے میں ایک مڑا ہوا سریا پھنسا دیا جاتا تھا حفاظتی نقطہ نظر سے یہ انتظام بھی اس طرح بیکار ہو کر رہ جاتا تھا کہ باہر سے ایک معمولی سی ٹکر سے دروازہ ٹوٹ کر اندر گر سکتا تھا لیکن یہاں ابھی فی الحال کسی کے گھسنے کا خدشہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کمرے کی پچھلی دیوار میں قدرے اوپر چند اینٹیں نکلی ہوئی تھیں۔ اس سوراخ سے کوئی آدمی داخل تو نہیں ہوسکتا تھا مگر چند اینٹیں اکھاڑ کر سوراخ کو بڑی آسانی سے کشادہ کیا جا سکتا تھا۔

یہ چیزیں میں نے پہلے بھی نوٹ کی تھیں لیکن اس وقت اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا اور اب چونکہ ہمارے کمرے میں وہ سوٹ کیس موجود تھا جس میں کئی لاکھ کی نقدی اور لاکھوں روپے مالیت کے سونے کے زیورات بھرے ہوئے تھے اس لئے مجھے بڑی شدت سے عدم تحفظ کا خیال آرہا تھا۔

رتنا کے ذہن میں بھی شاید کوئی ایسی ہی بات تھی۔ اس سے وہ بھی نیند میں بار بار بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ میں بھی نیند میں کچھ بے چین ہی رہا تھا۔

یشودھر کاکا صبح چھ بجے اٹھ کر پارک میں چلا جایا کرتا تھا۔ اس وقت اکا دکا لوگ جوگنگ اور ہوا خوری کے لئے پارک میں آتے تھے بعض لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر پودوں کو بھی نقصان پہنچایا کرتے تھے اور بعض لوگ پھول توڑ کر گلدستے بنانے کے چکر میں رہتے تھے اور یہ یشودھر کاکا کی ڈیوٹی تھی کہ پارک میں آنے والے لوگوں کو ایسی حرکتوں سے باز رکھے۔ وہ سات بجے تک واپس آجاتا اس وقت تک دوسرے مالی آجاتے یشودھر کاکا ناشتہ کر کے ساڑھے سات بجے پھر پارک میں چلا جاتا۔

آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کیروسین لیمپ جل رہا تھا۔ میں نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر اٹھ کر دروازے کی خلا سے باہر جھانکا یشودھر کاکا باہر جا رہا تھا میں دوبارہ چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس وقت چھ بجے تھے اور میں جانتا تھا کہ سات بجے کے قریب شاداری بھی اٹھ جائے گی اور اس کمرے میں آکر ناشتہ تیار کرے گی۔

میں ایک گھنٹے تک اونگھتا رہا اور پھر دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ شاداری ہی تھی اس نے حسب معمول مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور اندر آگئی۔

میں نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا اور چارپائی پر لیٹ گیا شاداری نے سٹوو جلایا اور چائے بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ رتنا اس وقت گہری نیند سو رہی تھی رات بھر کی بے چینی کے بعد نیند نے اسے

دبوچ لیا تھا۔

میں چارپائی پر کروٹ کے بل لیٹا شاداری کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے اس وقت لہنگا اور چولی پہن رکھی تھی سر پر چنری بھی نہیں تھی اور اس وقت وہ بہت نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

پہلے روز جب میں نے شاداری کو دیکھا تھا تو وہ بہت اجڑی اجڑی سی لگی تھی بیماری نے بھی اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا اس کا حسن غارت ہو گیا تھا لیکن صحت یاب ہونے کے بعد اس کا حسن نکھر آیا تھا آنکھوں میں چمک اور گالوں پر سرخی نظر آنے لگی تھی وہ واقعی بہت حسین تھی۔

میں نے پہلے ایسی نظروں سے کبھی شاداری کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نجانے کیا بات تھی کہ آج وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی میری آنکھوں سے نیند کا خمار بھی غائب ہو چکا تھا اور میں پلک جھپکے بغیر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ شاداری نے بھی ایک دو مرتبہ میری طرف دیکھا تھا اور کسمسا کر رہ گئی تھی۔

چائے بنا کر اس نے تین کپوں میں انڈیلی اور ایک کپ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ وہ چارپائی سے کچھ دور چوکی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ بڑھانے کے لئے اسے ذرا آگے جھکنا پڑا۔ اس نے میری نگاہوں کے مرکز کو تاڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کپ لے لیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

شاداری نے رتنا کو بھی جگا دیا۔ رتنا نے چارپائی پر ہی بیٹھے بیٹھے کپ لے لیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ شاداری چوکی پر بیٹھی چائے پیتی رہی۔

چائے پینے کے بعد میں باہر آگیا۔ صبح کی تازہ ہوا بڑی بھلی لگ رہی تھی یہ بہت خوبصورت اور شاندار پارک تھا۔ میرا بھی دل چاہتا تھا کہ صبح سویرے ہوا خوری کے لئے پارک میں نکلا کروں مگر میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رتنا بھی کمرے سے باہر آگئی۔ وہ کچھ دیر میرے پاس کھڑی رہی اور پھر کوارٹر کے پچھلی طرف چلی گئی جہاں ٹوائلٹ بنا ہوا تھا اس کے دو تین منٹ بعد شاداری باہر آگئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کچھ کہے بغیر آنگن کا ٹاٹ والا پردہ اٹھا کر چلی گئی۔

شاداری کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کی کلی تھی۔ قریب پہنچ کر اس نے کچھ کہے بغیر کلی میری طرف بڑھا دی۔ میں نے کلی لیتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شاداری کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ اسی وقت رتنا کو آتے دیکھ کر میں نے شاداری کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

رتنا نے میری یہ حرکت دیکھ لی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ آگئی شاداری کی پشت اس طرف تھی اس لئے وہ رتنا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ نہیں دیکھ سکی تھی۔

"میں ناشتہ بناؤں۔ یشودھر کاکا آنے ہی والا ہوگا۔" شاداری کہتے ہوئے اندر چلی گئی۔

"کیا بات ہے بڑے پیار سے پھول پیش کئے جا رہے ہیں۔" رتنا نے میرے قریب آکر سرگوشی میں کہا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"میں نے یہاں پارک میں سے وہ کلی دیکھی تھی۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "اور میں نے ہی شاداری سے کہا تھا کہ وہ کلی مجھے لا دے۔"

"تمہاری نظر کلیوں پہ ہی پڑتی ہے۔" رتنا بولی۔ "کوئی اور موقع ہوتا تو میں تمہارا منہ نوچ لیتی اور

اسکے بھی ہاتھ توڑ دیتی لیکن...." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن رات کو میں دیر تک اس معاملے پر سوچتی رہی ہوں۔ اگر شتشادری کو ہماری اصلیت کا پتہ چل گیا تو ممکن ہے وہ تجھ سے اکھڑ جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے اعتماد میں لے لیا جائے۔ میں نہیں جانتی کہ تم دونوں میں یہ چکر کب سے چل رہا ہے لیکن یہ اچھا موقع ہے اگر وہ خود ہی جال کی طرف آ رہی ہے تو پھانس لو اسے اس طرح اس کی زبان بند ہو جائے گی۔"

"بڑی گندی باتیں کرنے لگی ہو۔" میں نے اسے گھورا۔

"کبھی کبھی ایسی باتیں کرنی ہی پڑتی ہیں۔" رتنا نے جواب دیا۔

"ناشتے کے بعد میں کچھ سودا لانے کے بہانے مارکیٹ چلی جاؤں گی اس وقت یشودھر کا کا بھی نہیں ہو گا تم دونوں تنہا ہو گے کوشش کرنا وہ تمہارے جال میں پھنس جائے۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ یشودھر کا کا کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں چمپا کے پھول تھے قریب آ کر اس نے پھول رتنا کی طرف بڑھا دیئے۔

"تمہارے لئے لایا ہوں۔"

رتنا نے پھول لے لئے یشودھر کا کا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھا۔

"اب یہ کیوں؟ کیا سمجھوں کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟ اور کیا حق ہے اس کے۔"

"بس بس۔" رتنا نے مجھے ٹوک دیا۔ "تم شتشادری سے عشق کی پینگیں بڑھا رہے ہو تو کیا اس بڈھے کو کوئی حق نہیں کہ...."

میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ رتنا بھی ہنسنے لگی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد شتشادری ناشتہ تیار کر کے کمرے میں لے آئی۔ پہلے جب وہ اس وقت ناشتہ تیار کیا کرتی تھی تو ہم سو رہے ہوتے تھے آج کئی دنوں بعد ہم ناشتے کے لئے اٹھ بیٹھے تھے۔

ناشتہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد یشودھر اپنی گدڑی کی گٹھڑی، مشین اور کھرپیاں وغیرہ لے کر چلا گیا۔ نو بجے کے قریب رتنا بھی مارکیٹ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ میں بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ رات والے واقعہ کے بعد رتنا کا اس طرح باہر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن رتنا کے خیال میں اکیلے ہونے کی صورت میں اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ چہرے پر اس طرح اوڑھنی لیتی تھی کہ گھونگھٹ سا بن جاتا تھا اور چہرہ تقریباً چھپ کر رہ جاتا تھا۔ ویسے بھی اس شہر میں ہمارے سوا انہیں کون پہچانتا تھا اور رتنا کے خیال میں آج تو اس کا باہر جانا اور بھی ضروری تھا تاکہ مجھے اور شتشادری کو کھل کھیلنے کا موقع مل سکے۔

رتنا کے جانے کے بعد میں برآمدے میں چارپائی پر بیٹھا رہا اور شتشادری اپنے کاموں میں مصروف رہی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ یشودھر آ گیا۔ وہ معمول پر دوپہر ایک بجے کے قریب کھانا کھانے کے لئے ہی آیا کرتا تھا آج یقیناً کوئی خاص بات تھی جو اس وقت آ گیا تھا۔

"شتشادری بیٹا۔" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا۔

"میں میونسپلٹی کے دفتر جا رہا ہوں۔ ہم سب مالیوں کو بڑے صاحب نے بلایا ہے۔ واپس آنے میں دیر ہو جانے کی پریشانی مت ہونا۔"

"اچھا کاکا۔" شتشادری نے کہا۔ "اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔" اس نے یشودھر کو کچھ پیسے بھی دے دیئے تھے تاکہ وہ دوپہر کو کچھ لے کر کھا لے۔

یشودھر کے جانے کے بعد ہم دونوں اکیلے رہ گئے۔ گویا میرے لئے میدان صاف ہو گیا تھا۔ میں برآمدے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چارپائی پر نیم دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد شتشادری کسی کام سے کمرے میں آئی تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک گلاس پانی تو پلا دو۔"

شتشادری پانی لے آئی۔ پانی پی کر میں نے خالی گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے گلاس لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

شتشادری کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ میرے اوپر آ گری۔ رتنا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ معمولی سی کوشش شتشادری کو پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں گرا دے گی۔

مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ شتشادری اس قدر آسانی سے میری جھولی میں کس طرح آن گری تھی۔ میں نے تو آج پہلی مرتبہ ہی ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن وہ شاید پہلے ہی کچھ طے کئے بیٹھی تھی اشارہ ملتے ہی وہ ڈھیر ہو گئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا اور پھر باہر آہٹ سن کر شتشادری ایک دم مجھ سے الگ ہو گئی اور تقریباً اسی وقت باہر سے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔ وہ جو کوئی بھی تھا یشودھر کو آواز دے رہا تھا۔ شتشادری اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے باہر چلی گئی۔

میں دروازے کی اوٹ سے باہر جھانکنے لگا مگر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شتشادری بھی آنگن کے دروازے کے پٹ کے پردے سے باہر چلی گئی تھی میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ شتشادری کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔

"میرے دفتر سے آدمی آیا تھا" شتشادری نے دروازے کی میں رکتے ہوئے کہا۔ "پہلے تو میں بیمار رہی۔ اس کے بعد بھی کئی روز سے نہیں گئی۔ آج کل سیاحت کا سیزن شروع ہو چکا ہے غیر ملکی سیاح بڑی تعداد میں یہاں آ رہے ہیں اس لئے مجھے دفتر میں رپورٹ کرنے کو کہا گیا ہے۔"

"کیا یہاں بہت زیادہ سیاح آتے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"تاریخی اعتبار سے راجستھان ہندوستان کا اہم ترین علاقہ ہے۔" شتشادری نے جواب دیا۔ "اس خطے کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ ہزاروں سال قدیم مندر ہیں۔ یہ جنگجو راجپوتوں کی سرزمین ہے یہاں قدم قدم پر تمہیں قدیم تاریخ کا ایک نیا باب ملے گا اور یہی چیز غیر ملکیوں کو اس طرف کھینچ لاتی ہے۔ یہاں ہر سال پچاس ہزار سے زیادہ غیر ملکی سیاح آتے ہیں۔ تاریخی مقامات کے علاوہ یہاں سیاحوں کی دلچسپی کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ قدیم ہندوستانی رقص، میلے تہوار اور پراسرار روایتیں۔ یہ سب غیر ملکی سیاحوں کے لئے بہت ہی دلچسپی کی ہیں۔"

"میں زیادہ تو نہیں پھرا ہوں۔ لیکن ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی ہے اس کا کوئی خاص پس منظر ہے یا اسے بھیڑ چال ہی کہا جائے گا۔"

میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"مثلاً کیا بات نوٹ کی ہے تم نے؟" ششادری نے پوچھا۔

"یہاں زیادہ عمارتیں گلابی رنگ کی ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔" ششادری نے بتایا۔ "شہر 1728ء میں مہاراجہ سوائے جے سنگھ دوئم نے تعمیر کروایا تھا۔ اس وقت زیادہ عمارتیں ہلکے سرمئی رنگ کی ہوا کرتی تھیں۔ جن پر سفید رنگ کا بارڈر لگایا جاتا تھا۔ 1883ء میں برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کا شوہر پرنس البرٹ جے پور کے دورے پر آیا تو اس وقت کے مہاراجہ نے حکم جاری کر دیا کہ شہر کی تمام عمارتوں پر گلابی رنگ کر دیا جائے یہ پرنس البرٹ کو خوش آمدید کہنے کا ایک انداز تھا۔"

"بس بس بس۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "تم واقعی بہت اچھی گائیڈ ہو اور تمہارا انداز بیان بھی بہت دلچسپ ہے۔"

"تمہیں دلچسپی کی ایک اور بات بتاؤں۔" ششادری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جے گڑھ قلعہ کے بارے میں بہت عرصے سے یہ افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ اس کے تہہ خانوں میں ہزاروں ٹن سونا اور ہیرے جواہرات دفن ہیں۔ قلعہ میں بعض لوگوں کی پراسرار سرگرمیاں بھی دیکھی گئی تھیں۔ حکومت کو بھی شاید ان افواہوں پر یقین آ گیا اور یہ قلعہ سیاحوں کے لئے بند کر دیا گیا۔ سات سال تک قلعہ کے تہہ خانوں اور مختلف حصوں میں کھدائی ہوتی رہی لیکن ہزاروں ٹن سونا اور ہیرے جواہرات تو کیا ایک ماچس بھی نہیں ملا جسے دور سے سمجھ کر شوکیس میں سجایا جا سکے۔ آخر کار کچھ عرصہ پہلے اس قلعہ کو سیاحوں کے لئے کھول دیا گیا۔ اب بھی یہاں ایسے بہت سے لوگ آتے ہیں جو وہ خزانہ تلاش کرنا چاہتے ہیں یہاں اب بھی کبھی کبھی پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آئی ہیں لیکن آج تک کوئی اس دفینے کا سراغ نہیں لگا سکا۔"

"تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب کیسا فیصلہ؟" وہ میرے اس سوال پر چونک گئی تھی

"دفتر جانے کا۔" میں نے کہا۔

"میں نے مزید ایک ہفتے کے لئے معذرت کر لی ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا اس دوران تم لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی۔"

"ہاں۔ تمہاری ضرورت تو اب بہت پڑے گی۔" میں نے ذومعنی جواب دیا۔

ششادری میرے قریب ہی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر قریب کھینچ لیا۔ اب ششادری وہ نہیں تھی جو ایک گھنٹہ پہلے تک تھی۔ صرف ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اس نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد وہ میری کوئی بات ماننے سے انکار نہیں کرے گی اور نہ ہی ہمارے خلاف کوئی ایسا قدم اٹھائے گی جس سے ہمیں یا اسے بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ اس لئے میں نے اسے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کر لیا۔

کل رات تم لوگ بیلا سے نمٹنے کے لئے گئے تھے۔ تم لوگوں کو دیر ہو گئی تو مجھے پریشانی ہوئی تھی واپس آ کر تم لوگوں نے آگرے کے کسی دوست کی کہانی سنا دی لیکن اصل بات کیا ہے وہ تم نے ابھی تک نہیں بتائی۔" ششادری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے بات کرنے کا موقع خود اس نے فراہم کر دیا تھا۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"ششادری اگر تمہیں پتہ چلے کہ ہم وہ نہیں جو تمہیں بتایا گیا تھا تو تمہارا ردعمل کیا ہو گا؟"

"کیا مطلب؟" اس نے مجھے گھورا۔

"مطلب یہ کہ رتنا میری پتنی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے کہیں سے بھگا کر لائے ہو؟" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کچھ ایسی ہی بات سمجھ لو۔ اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور ہو سکتا ہے ہماری اصلیت جاننے کے بعد تمہارا ردعمل بہت شدید ہو اور......"

کوارٹر کے عقبی سمت سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر میں خاموش ہو گیا۔ ششادری بھی ایک جھٹکے سے مجھ سے الگ ہو گئی اور لباس درست کر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

قدموں کی آواز اب کوارٹر کے سامنے کی طرف آ گئی تھی اور پھر رتنا کی آواز سنائی دی اس وقت گیارہ بجنے والے تھے رتنا نو بجے کی گئی تھی مجھے صرف دو گھنٹے ملے تھے اور میں ان دو گھنٹوں میں وہ سب کچھ کر گزرا تھا جس کے لئے ایک رات درکار ہوتی ہے۔

رتنا کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے اس نے پہلے ششادری کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے مخصوص انداز میں ایک آنکھ کا گوشہ دبا دیا۔ رتنا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"لو بھئی یہ سنبھالو۔" رتنا نے دونوں شاپنگ بیگز ششادری کی طرف بڑھا دیئے۔ "ایک تھیلے میں تلی ہوئی مچھلی بھی ہے دوپہر کے کھانے میں کھا لیں گے۔" دوپہر کو پکانے کے لئے ترکاری بھی لے آئی ہوں دونوں مل کر پکا لیں گی۔"

ششادری نے دونوں تھیلے لے کر برآمدے میں پڑی ہوئی چارپائی پر رکھ دیئے اور ان میں سے چیزیں نکالنے لگی۔ رتنا مٹکے سے پانی نکال کر پینے لگی۔ ایک تھیلے میں اخبار بھی تھا۔ اخبار تہہ کیا ہوا تھا لیکن ششادری نے اسے نکال کر چارپائی پر رکھا تو اس کی تہہ کھل گئی اور اس کی ہیڈ لائن سامنے آ گئی۔ میں نے بھی انگریزی اخبار کی وہ ہیڈ لائن دیکھ لی۔

"را کی آفیسر بیلا کی موجودگی میں پاکستانی دہشت گردوں کے ہاتھوں ملازمہ کا قتل۔"

میں آگے بڑھ کر اخبار اٹھانا چاہتا تھا مگر مجھ سے پہلے ششادری نے ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ اسے غالباً بیلا کے نام نے اٹریکٹ کیا تھا۔ وہ دوسرے کام چھوڑ کر خبر پڑھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لمحہ بدل رہے تھے۔ بالآخر اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھنے لگی۔

"یہ... کیا ہے؟" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

تے تو وہ ساری دولت بھی ایک ٹرک پر لے آتے۔ راشی پولیس افسروں کو گھوس کھلاتے اور کسی دشواری کے بغیر آرام سے نکل جاتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا اور وہ خزانہ اب بھی پنڈت بھیرو کے بنگلے کے تہہ خانے میں پڑا ہوا ہے۔"

میں خاموش بیٹھا رہا۔ رتنا نے اگرچہ زیورات کے حوالے سے پنڈت بھیرو کے تحفے کے بارے میں تھوڑا سا جھوٹ بولا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت اچھی طرح سے بات کو نبھا رہی تھی اور شتادوری کے چہرے کے تاثرات بھی بتدریج بدلتے جا رہے تھے اس کے چہرے پر اب وہ تناؤ نہیں تھا جو اخبار پڑھنے کے بعد ہوا تھا۔

رتنا نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے چارپائی کے نیچے رکھا ہوا سوٹ کیس اٹھا کر اوپر رکھ دیا۔ رتنا نے سوٹ کیس کا ڈھکنا کھولا اور کپڑے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیئے۔ ان کپڑوں کے نیچے نوٹوں کے بنڈل اور زیورات دیکھ کر شتادوری کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

اخبار نے ہمارے بارے میں جو سنسنی خیز انکشافات کئے تھے۔ انہیں پڑھنے کے بعد شتادوری نے کسی شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن میں ہمارے خلاف جو خیالات پیدا ہوئے بھی تھے وہ ان باتوں اس سے میرے تعلقات اور اس دولت کی چمک نے دھو ڈالے تھے۔ اس کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ہم نے اس کے ہاں پناہ لے رکھی تھی ہمارے پکڑے جانے کی صورت میں نہ صرف وہ پکڑی جاتی بلکہ اس کا شوہر بھی پھنس جاتا۔ شتادوری ماضی میں ایسے حالات سے دوچار ہو چکی تھی کہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی اسے زیادتیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ پچھلے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے وہ کبھی یہ نہیں چاہے گی کہ وہ اس قسم کے حالات سے دوچار ہو اور موجودہ صورتحال تو پہلے سے بہت مختلف تھی۔ سرکار کا اعلان بالکل واضح تھا کہ دہشت گردوں کو پناہ دینے والوں کو بھی گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ شتادوری اپنی صفائی بھی پیش نہ کر سکتی۔ اسے صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا جاتا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "شروع میں اگر مجھے پتہ چل جاتا تو شاید صورتحال مختلف ہوتی۔ میں تم لوگوں سے معذرت کر لیتی۔"

"تم اب بھی کہو تو ہم یہاں سے چلے جائیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" شتادوری نے کہتے ہوئے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "اب میں ایسا نہیں کر سکتی۔ تم لوگوں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی۔ تم لوگ ایسے وقت میں میرے کام آئے ہو جب میں اکیلی تھی اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے میری بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ تم لوگوں کی ہمدردی سے مجھے زندگی ملی ہے۔ میں اپنے محسنوں کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی لیکن..."

"لیکن کیا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بیشو دھرکا کو کسی ذمے داری میں نہیں لے سکتی۔" وہ بولی۔ "اگر اسے کسی طرح پتہ چل گیا کہ تم لوگ وہی ہو جس کی پولیس کو تلاش ہے تو معاملہ گڑبڑ ہو سکتا ہے۔ وہ اگرچہ ان پڑھ ہے اخبار نہیں پڑھ سکتا مگر ایسی خبریں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ یہ چرچا تو آج شہر کے بچے بچے کی زبان پر ہوگا۔ ان سوٹ کیس کا بھی ذکر ہے اور رات کو جب تم واپس آئے تھے تو بیشو دھرکا نے تم لوگوں کے پاس یہ سوٹ کیس بھی دیکھا تھا ہو سکتا ہے کہ۔"

"اسے میں سنبھال لوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "سوٹ کیس تو اس نے دیکھ لیا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں کیا ہے۔"

"بہتر ہوگا کہ اس میں تالا ڈال دیا جائے۔" شتادوری نے کہا۔

"میں ایک چھوٹا تالا لے آئی ہوں کسی شاپنگ بیگ میں رکھا ہے۔"

رتنا نے کہا۔ "اور تمہیں ان میں کوئی چیز پسند ہو تو لے سکتی ہو۔ میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گی۔" اس نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری ہمدردی اور محبت ہی میرے لئے سب کچھ ہے دیدی۔" شتادوری نے یہ بات کہی تو رتنا سے تھی مگر دیکھ میری طرف تھا۔

رتنا میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ اس نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر کپڑے رکھ دیئے اور سوٹ کیس بند کر دیا۔

"اگر تمہیں کوئی چیز پسند آئی ہے تو وہ ہمارے پاس امانت ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "جب چاہو لے لینا۔" اس نے برآمدے میں چارپائی پر رکھے ہوئے ایک شاپنگ بیگ میں سے چھوٹا سا تالا نکال کر سوٹ کیس کو لگا دیا۔ میں نے سوٹ کیس اٹھا کر چارپائی کے نیچے پیچھے کر کے رکھ دیا۔

"سوٹ کیس یہاں محفوظ ہے؟" میں نے شتادوری کی طرف دیکھا۔

"ہم میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت یہاں موجود تو رہتا ہے اس لئے چوری کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" شتادوری نے جواب دیا۔

ہم تینوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ رتنا کے آنے سے پہلے شتادوری چہک رہی تھی مگر اب وہ پہلے جیسی بات نہیں رہی تھی شاید وہ سوچ رہی ہو کہ حقیقت جاننے کے بعد ہماری حمایت کر کے اس نے کچھ غلط تو نہیں کیا۔

رتنا بازار سے لائی ہوئی چیزیں سنبھالنے لگی اور میں شتادوری کے پاس بیٹھ رہا۔ میں باتوں میں اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ ہمارے بارے میں پراگندہ خیالات اس کے ذہن سے نکل جائیں۔

"ایک بات بتاؤ۔" شتادوری میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم مجھے تنہا تو نہیں چھوڑ دو گے؟"

"نہیں شتادوری۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اب تو تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا ہے اور مخلص دوستوں کو برے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔ ہم رتنا کو دیکھ رہی ہو۔" میں نے رتنا کی طرف اشارہ کیا جو ایک پلیٹ ہاتھ میں اٹھائے کمرے سے باہر آ رہی تھی۔ "ہم دونوں کی دوستی بھی ایسی ہی ہے ہم نے ہر برے وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب تک ہم محفوظ ہیں تم بھی آڑے وقت میں ہمارے کام آئی ہو۔ ہم تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔"

رتنا نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پلیٹ سامنے رکھ دی۔ اس میں وہ تلی ہوئی مچھلی تھی جو وہ بازار سے لے کر آئی تھی۔

”میں نے سوچا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے ساتھ کھائیں گے مگر اس کی خوشبو سے صبر نہیں ہو پایا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہم مچھلی کھانے لگے۔ واقعی بہت لذیذ تھی۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ ششادری اب آہستہ آہستہ کھل رہی تھی اور پھر وہ پہلے کی طرح چہکنے لگی۔ شاید ہماری باتوں سے اس کی تسلی ہو گئی تھی۔

اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ رتنا نے مجھے اشارہ کیا کہ میں ششادری کو باتوں میں بہلائے رکھوں جب کہ وہ خود دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ششادری بھی اٹھ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

میں نے اخبار اٹھا لیا۔ اب تک میں نے صرف ہیڈ لائن دیکھی تھی۔ ششادری سے باتوں میں الجھ کر اخبار پڑھا ہی نہیں تھا۔

ہمارے بارے میں شائع ہونے والی وہ خبر خاصی دلچسپ تھی۔ ویلا نے پولیس میں جو باقاعدہ رپورٹ لکھوائی تھی اس کے مطابق وہ اس وقت گھر میں اکیلی تھی کہ ہم دونوں پستول تانے بنگلے میں داخل ہو گئے اسی دوران گھر کی ملازمہ وہاں آ گئی اس نے شور مچانے کی کوشش کی تو ہم نے اسے گولی مار دی۔

ویلا نے یہ بیان بھی دیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ناجی اور رتنا نے ماؤنٹ آبو کے ایک جین مندر سے کچھ قیمتی زیورات چرائے تھے جو ایک جھڑپ کے دوران ویلا کے قبضے میں آ گئے۔ ویلا ان زیورات کو سرکاری خزانے میں جمع کروانا چاہتی تھی مگر دیگر مصروفیات کی وجہ سے اسے موقع نہیں مل سکا۔ گزشتہ رات وہ دونوں یعنی میں اور رتنا اس کے بنگلے میں گھس آئے اور ملازمہ کو قتل کرنے کے بعد ویلا کو رسیوں سے باندھ دیا اور زیورات والا سوٹ کیس لے کر فرار ہو گئے۔

اس مرکزی خبر کے ساتھ ہی دو تین اور چھوٹی چھوٹی خبریں بھی تھیں۔ ایک خبر یہ تھی کہ ویلا کی کار بے پیلس ہوٹل کے پارکنگ سے مل گئی تھی جسے ایک مسٹن عورت وہاں چھوڑ کر گئی تھی۔ پارکنگ میں رتنا کا جو جھگڑا ہوا تھا اس کے بارے میں بھی لکھا ہوا تھا۔

پولیس کے بیان کے مطابق وہ دونوں (یعنی ہم) ویلا کے بنگلے سے اس کار میں فرار ہو کر بے پیلس ہوٹل کی طرف آئے تھے۔ اس عورت نے اپنے ساتھی کو دور اتار دیا اور کار ہوٹل کے پارکنگ میں چھوڑ کر واپس چلی گئی اور دونوں کسی آٹو یا ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی اور طرف نکل گئے۔ پولیس شہر بھر کے ٹیکسی اور آٹو ڈرائیوروں سے پوچھ گچھ کر رہی ہے۔

ان خبروں کے علاوہ ”شمٹ وادی کا دان بیر“ کے عنوان سے فرنٹ پیج پر ایک اور اسٹوری بھی چھپی تھی جس میں ماؤنٹ آبو کے واقعات کے حوالے سے [illegible] اور رتنا کے بارے میں کچھ تفصیل بتائی گئی تھی اور گجرات کے نواح میں واقع موٹل میں ہونے والی تباہی کا تذکرہ بھی [illegible] تھا اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ہم گجرات میں دو بلیک کیٹ کمانڈوز سمیت چار افراد کو قتل کرنے کے [illegible] پہاڑی پر واقع ایک بنگلے میں [illegible] روز روپوش رہنے کے بعد ہم نے پھر اپنی تخریبی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔

ویلا کے بیان کے حوالے سے ایک خدشے کا اظہار بھی کیا گیا تھا کہ زیورات کا سوٹ کیس حاصل کرنے کے بعد ہم اس شہر سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے اس لئے نہ صرف شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی بلکہ شہر کے بدنام اور مشتبہ افراد کو حراست میں لے کر پوچھ گچھ بھی کی جا رہی تھی۔

میں اخبار پڑھنے میں منہمک تھا کہ اپنے قریب کسی کی موجودگی محسوس کر کے چونک گیا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو ششادری چائے کا مگ لئے کھڑی تھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”ارے چائے۔“ میں نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں تو روٹی کا انتظار کر رہا تھا اور تم چائے لے آئیں۔“

”روٹی آج دیر سے ملے گی۔ دیدی نے کہا کہ تمہیں چائے دے دوں۔“ ششادری نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا۔ ششادری میرے قریب ہی چارپائی کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

”ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانو گے؟“ اس وقت اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”کہو کیا بات ہے؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں تقریباً ایک سال سے یشودھر کاکا کے ساتھ رہ رہی ہوں۔“ ششادری کہہ رہی تھی۔ ”ویسے تو وہ ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہے لیکن اگر اسے کسی بات پر شبہ ہو جائے تو معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی اس کی باڑی کے قریب سے گزر گیا تھا۔ یشودھر کاکا کو شبہ ہوا کہ شاید وہ کوئی چیز [illegible] سے نکال کر گیا ہے اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں ہوا۔ اتفاق سے دو تین دن بعد وہی آدمی دوبارہ نظر آ گیا۔ یشودھر کاکا نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے [illegible] کہ وہ پیشاب کرنے کے لئے جھاڑیوں کے پیچھے چلا گیا تھا یشودھر کاکا نے بڑی مشکل سے اس کی بات کا یقین کیا تھا۔“

”کیا اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ تھا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔“ ششادری نے سر ہلا دیا۔ ”میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی بات پر شبہ ہو جائے تو معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے وہ لوگوں سے رات والے واقعہ کے بارے میں سنے گا۔ اسے یہ بھی پتہ چلے گا کہ اس واقعہ کے ذمہ دار ایک عورت اور ایک مرد تھے جن کے پاس ایک سوٹ کیس تھا اور ان دونوں کو بے پیلس ہوٹل کے آس پاس [illegible] دیکھا گیا ہے اور تم لوگ بھی آدھی رات کے قریب واپس آئے تھے اور تمہارے پاس بھی ایک سوٹ کیس تھا۔“

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ میں نے اسے گھورا۔

”ہو سکتا ہے [illegible] سوٹ کیس پر [illegible]“ ششادری نے کہا۔

[illegible] اس میں سے نقدی اور زیورات نکال کر کہیں اور چھپا دیے جائیں۔ [illegible] سوٹ کیس کی [illegible]

دیئے جائیں۔ یشودھر کاکا اصرار کرے تو اسے سوٹ کیس کھول کر دکھا دیا جائے۔"

اگرچہ احمقانہ سوچ تھی مگر اس کے مشورے پر عمل کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے یشودھر کے ذہن میں کوئی ایسی بات آ بھی جائے۔ "مگر یہ چیزیں کہاں چھپائی جائیں گی مجھے تو اس کوارٹر میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔" میں نے کہا۔

"ایسی جگہ ہے اور بہت محفوظ جگہ ہے۔" اس مرتبہ ششادری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کے تکیے۔ زیورات اور نوٹوں کے بنڈل کپڑوں میں لپیٹ کر تکیوں میں بھرلو۔ اس سے محفوظ اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔"

ششادری واقعی ذہین تھی۔ اس کوارٹر میں کوئی قیمتی چیز چھپانے کے لئے اس سے زیادہ محفوظ کوئی اور جگہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میں فوراً ہی اٹھ کر اندر آ گیا۔ رتنا اس وقت چوکی پر بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی میں نے اسے ششادری کی تجویز بتائی اور پھر فوراً ہی اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔

سوٹ کیس میں میرے کپڑوں کے علاوہ رتنا کی تین چار ساڑھیاں بھی تھیں۔ نوٹوں کے بنڈل اور زیورات آدھے آدھے کر کے دو ساڑھیوں میں لپیٹ کر دو تکیوں میں اسی طرح رکھ دیئے گئے کہ کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔ باقی کپڑے سوٹ کیس ہی میں رہنے دیئے گئے جن کے بارے میں کہا جاسکتا تھا کہ میرے دوست کے ہیں جس نے مجھے سوٹ کیس رکھنے کو دیا تھا۔

ششادری کا یہ فیصلہ بروقت اور صحیح ثابت ہوا تھا۔ یشودھر کاکا اس روز چار بجے کے قریب میونسپلٹی کے دفتر سے واپس آیا تو ششادری کو ایک طرف لے جا کر دیر تک سرگوشیاں کرتا رہا میں اور رتنا اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ ششادری یشودھر کو لے کر وہاں آ گئی۔

"دیدی۔" ششادری نے کہا اس کے چہرے پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ "اس سوٹ کیس میں کیا ہے جو رات کو تم لوگ لے کر آئے ہو؟"

"وہ میرے ایک جاننے والے کا سوٹ کیس ہے جس میں اس کے کپڑے وغیرہ ہوں گے اور کیا؟ مگر تم اتنے غصے میں کیوں ہو۔" رتنا کے بجائے میں نے جواب دیا۔ "میں وہ سوٹ کیس دیکھنا چاہتی ہوں کھول کر۔" ششادری نے بدستور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں نے رتنا کی طرف دیکھا۔ رتنا نے سوٹ کیس چارپائی کے نیچے سے نکال کر چارپائی پر رکھ دیا اور تالا کھول دیا۔ ششادری نے سوٹ کیس کا ڈھکنا کھولا اور اس میں رکھے ہوئے کپڑے ایک ایک کر کے چارپائی پر ڈالتی چلی گئی۔ اس نے سوٹ کیس کی پچھلی جیبیں بھی الٹ دیں مگر ان میں بھی کچھ نہیں تھا۔

"تسلی ہو گئی یشودھر کاکا۔" وہ یشودھر کی طرف مڑ گئی۔

"شما کر دو بیٹی۔ مجھے وہم آ گیا تھا۔" یشودھر کاکا نے ندامت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا بات ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں یشودھر کاکا کو وہم ہو گیا تھا کہ اس سوٹ کیس میں نوٹوں کے بنڈل اور سونے کے زیورات بھرے ہوئے ہیں۔" ششادری نے کہا۔

"میں نے کہا نا بیٹا وہم ہو گیا تھا میں نے تمہارے مہمانوں پر شک کیا۔ مجھے شما کر دو۔" یشودھر

کاکا نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یشودھر کاکا نے شاید کسی سے اس خبر کے بارے میں سنا ہوگا۔" میں نے اخبار اٹھالیا" اور یشودھر کاکا کو ہم پر شبہ ہوا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ کاکا کی تسلی ہو گئی۔ ویسے کاکا۔" میں اس کی طرف گھوم گیا۔ "ہم بھی ہندوستانی ہیں اس دیش کے رہنے والے۔ دیش کی رکھشا کرنا ہمارا دھرم ہے ایسا کوئی آتنک وادی میرے ہاتھ لگ جائے تو اس کی ٹانگیں چیر کر رکھ دوں گا۔"

"دھنے باد۔" یشودھر کاکا بولا۔ "ایک بات ہے بیٹا یہ دیش ہے تو ہم ہیں دیش نہیں تو کچھ بھی نہیں۔"

"سچ کہتے ہو یشودھر کاکا۔" میں نے کہا اور پھر رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ارے بھئی یشودھر کاکا کو چائے تو پلاؤ تھکا ہوا آیا ہے۔"

"ہاں بیٹا میں چائے تو ضرور پیوں گا۔" یشودھر کاکا نے کہا۔ "میں ذرا پارک کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔"

یشودھر باہر چلا گیا اور ششادری میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"اب تو اسے ہم پر کوئی شک نہیں ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"سوٹ کیس کے حوالے سے تو اس کی تسلی ہو گئی ہے لیکن اس کے من کی بات ہم میں سے کوئی بھی نہیں جان سکتا ویسے میرا خیال ہے ایک آدھ دن میں تم لوگوں کو کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔" ششادری نے کہا۔

یشودھر کی باتیں سن کر میں بھی چونک گیا تھا ممکن ہے اس وقت اس کی تسلی ہو گئی ہو لیکن بعد میں کسی بھی وقت اس کے دل میں کوئی شبہ جنم لے سکتا تھا اور وہ بات ہمارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی اور اس سے پہلے کہ اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات آئے ہمیں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔

"تمہارے ذہن میں ایسی کوئی جگہ ہے جہاں ہم دو چار روز گزار سکیں۔" میں نے ششادری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"امبر میں ایک ایسی جگہ ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔ "میری ایک دوست ہے وہ بھی ٹورازم میں گائیڈ ہے صبح دفتر جا کر اس سے بات کروں گی۔"

"اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کسی حد تک۔" ششادری نے جواب دیا۔ "امبر ہی راجستھان کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا۔ راجاؤں نے صدیوں وہاں بیٹھ کر اس خطے پر حکمرانی کی ہے۔ وہاں بے شمار تاریخی عمارتیں ہیں۔ وہاں ٹورازم کی ایک برانچ بھی ہے جس کی انچارج نندنی ہے۔ اس کی رہائش بھی امبر ہی میں ہے دفتر کے اسٹاف میں صرف دو افراد شامل ہیں ایک نندنی اور دوسرا اس کا ماتحت گپتا۔ نندنی پٹیالہ کی رہنے والی ہے وہ بعض دوست کو اپنے کوارٹر میں رہائش کی جگہ بھی دے دیتی ہے۔"

"اور تمہارے آفس والوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا؟" میں نے پوچھا۔

"سب جانتے ہیں۔" ششادری نے کہا۔ "وہ چونکہ پرانی ملازمہ ہے بڑے آفسروں کی منہ

چیقھی بھی ہے اس لئے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔"

"وہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا کوارٹر الگ تھلگ ہے کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں۔" ششادری نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں وہاں سب جانا ہوگا؟"

"میں کل صبح پہلے دفتر جاؤں گی پھر امبر۔ اس سے بات کر کے آؤں گی ممکن ہے ہم کل شام سے پہلے ہی وہاں چلے جائیں۔" ششادری مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر یشودھر کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

چائے تیار ہو چکی تھی ہم سب نے اکٹھے ہی بیٹھ کر چائے پی۔

"تمہیں دفتر میں کیوں بلایا تھا یشودھر کا کا؟" ششادری نے پوچھا۔

"اگلے ہفتے میونسپل کمشنر پارکوں کا معائنہ کریں گے۔ اس لئے سب کو بلایا تھا کہ اپنے اپنے کام پر دھیان دیا جائے جس سے کوئی غفلت ہوئی اسے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔"

"تم تو ویسے ہی صبح سے شام تک پارک میں کام میں مصروف رہتے ہو تم سے کیا غفلت ہوگی دیکھ لینا تمہارا پارک پہلے نمبر پر آئے گا۔" ششادری نے کہا۔

چائے کے دوران اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر یشودھر پارک میں چلا گیا۔

اگلے روز ششادری صبح سویرے ہی اپنے دفتر چلی گئی۔ گلابی رنگ کی ساڑھی میں اس کا حسن کچھ اور بھی نکھر آیا تھا۔ یہ ساڑھی اس کے سرکاری ڈریس میں شامل تھی جس پر بائیں طرف سینے پر آئی ٹی ڈی سی انڈیا ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کا بیج لگا ہوا تھا۔

ششادری کی واپسی پانچ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس وقت یشودھر موجود نہیں تھا۔

"کام ہو گیا۔" ششادری نے ہمارے قریب آتے ہوئے کہا۔ "اب صورت حال یہ ہے کہ تم دونوں میں سے ایک کو بھی میرے ساتھ جانا ہوگا۔ میں اسے امبر چھوڑ کر آؤں گی۔ دوسرا کل صبح ٹورسٹوں کے ساتھ بس میں جائے گا۔"

"تم رتنا کو اس وقت چھوڑ آؤ۔ میں صبح چلا جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

رتنا نے فوراً ہی اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور ایک تھیلی بیگ میں دبا لیے۔ یشودھر کے آنے سے پہلے ہی وہ دونوں پچھلی طرف سے کوارٹر سے نکل گئیں۔ اس مرتبہ ششادری کی واپسی شام سات بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا تھا جس میں کچھ چیزیں بھری ہوئی تھیں اس نے وہ تھیلا میرے کمرے میں چارپائی کے پیچھے رکھ دیا۔

یشودھر نے رتنا کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بات بنا دی۔

"آج صبح تم یہاں نہیں تھے تو رتنا کا ایک رشتہ دار اسے تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچ گیا تھا۔ ہم ان کے ہاں جانا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ ضد کرنے لگا اس لئے رتنا پانچ بجے کے قریب ان کے ہاں چلی گئی ایک دو دن بعد شاید میں بھی چلا جاؤں۔"

"شاید ہم ڈھنگ سے تم لوگوں کی سیوا نہیں کر سکے" یشودھر نے کہا۔

"نہیں یشودھر کا کا یہ بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تم دونوں کی محبت تو ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی ہم یہیں بائیس دن اور جے پور میں رہیں گے اور اسی دوران تم سے ملنے کے لئے آتے رہیں گے۔"

یشودھر کا کا رات کو جلدی سو گیا۔ ششادری میرے کمرے میں آ گئی اور چارپائی کے پیچھے سے تھیلا نکال کر سامنے رکھ لیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کپڑے تمہارے لئے۔" ششادری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "راستے میں سپیروں کی ایک بستی ہے وہیں سے میں نے تمہارے لئے یہ کپڑے لے لئے تھے۔ رتنا تو گھونگھٹ کاڑھے ہوئے تھی اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تم نے بھی اگرچہ داڑھی بڑھا لی ہے مگر تمہیں روک لئے گئے تو پریشانی ہو جائے گی۔ یہ جوگیوں والے کپڑے پہن لینا۔ تمہیں سپیرا سمجھ کر نظرانداز کر دیا جائے گا۔"

"ویسے خطرے کی صورت حال کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چیکنگ ہو رہی ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔ "چھوٹے بڑے تمام ہوٹلوں پارکنگ گیسٹ ہاؤسز اور تمام سرکاری گیسٹ ہاؤسز کو بھی چیک کیا جا رہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "سوٹ کیس میں سے اپنے سارے کپڑے نکال کر اس تھیلے میں ڈال لینا۔ سوٹ کیس ساتھ لے جانا درست نہیں ہے۔ اسے میں ٹھکانے لگا دوں گی۔"

اور پھر وہ مجھے بتانے لگی کہ صبح مجھے یہاں سے نکل کر کس طرف جانا ہوگا اور امبر جانے والی بس مجھے کہاں سے ملے گی۔ "ریلوے سٹیشن کے سامنے بس سٹینڈ ہے جہاں سے ہر ایک گھنٹے کے بعد امبر کے لئے بس چلتی ہے۔ دو روپے کرایہ ہے امبر میں یہ بس ہمارے ٹورازم آفس کے سامنے رکتی ہے وہاں تم شنکری سے مل لینا۔ وہ تمہیں رتنا کے پاس کوارٹر میں لے جائے گی۔"

"تم نے اسے ہمارے بارے میں کیا بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم رتنا کو آگرہ سے بھگا کر لائے ہو اور کچھ عرصہ چھپ کر رہنا چاہتے ہو تم لوگ جب تک رہو گے خرچ بھی کرتے رہو گے۔ لیکن اسے اس دولت کی ہوا نہیں لگنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے اس کے دل میں کسی وقت کوئی لالچ آ جائے وہ اکیلی ہے تو نہیں لیکن محتاط رہنا ضروری ہے میں نے رتنا کو بھی ساری باتیں سمجھا دی ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ ششادری نے تھیلے میں سے گیروے رنگ کے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال کر رکھ دی تھیں۔ ان میں رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں اور ایک عدد بین بھی تھی جسے دیکھ کر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے تکیے کے غلاف سے ساڑھی میں لپٹے ہوئے نوٹوں کے بنڈل اور زیورات نکال کر تھیلے میں ڈال لئے اور ششادری نے سوٹ کیس میں سے بھی کپڑے نکال کر تھیلے میں ٹھونس دیے۔ وہ تھیلا میں نے سرہانے رکھ لیا۔

ششادری جب اٹھ کر جانے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں جا رہی ہو۔ تھوڑی دیر تو بیٹھو۔" میں نے کہا۔

مشتاوری نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر دھم سے چارپائی پر گر گئی۔
مشتاوری صبح چھ بجے سے پہلے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ دوبارہ میرے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دروازہ پوری طرح کھول دیا اور ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔

ساڑھے سات بجے پشودھر پارک میں جانے لگا تو میں نے اسے بتایا کہ میں بھی آج کسی وقت چلا جاؤں گا۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی مٹھی میں دو سو روپے بھی دے دیئے تھے۔ اس کے جاتے ہی میں کپڑے بدلنے لگا۔ گیروے رنگ کی دھوتی اسی رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لمبا سا کرتا اور گیروے ہی رنگ کی پگڑی جس میں مخصوص انداز میں بل پڑے ہوئے تھے کپڑے پہن کر میں نے مالائیں پہنیں۔ پگڑی سر پر جمائی۔ اپنے میلے کپڑے تھیلے میں ٹھونسے اور تھیلا کندھے پر لٹکا کر بین ہاتھ میں پکڑ لی۔"
"بالکل سپیرے لگتے ہو۔" مشتاوری میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "کوارٹر کے پچھواڑے سے نکل جاؤ۔ میں پشودھر کو بتادوں گی کہ تم چلے گئے ہو۔ میں آج دن میں کسی وقت امبر آؤں گی۔"
مشتاوری نے پہلے کوارٹر کے پچھلی طرف جا کر سڑک کی طرف دیکھا اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں اس کے قریب سے گزرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اور جھگی کی ٹوٹی ہوئی سلاخوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

میں جے چلیں ہوٹل کے قریب سے ہوتا ہوا وہاں سے تقریباً ایک میل آگے نکل گیا۔ مجھے ریلوے اسٹیشن جانا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس طرف کون سی بس جاتی ہے میں دیر تک اسٹاپ پر کھڑا بسوں کو دیکھتا رہا۔ آخرکار ایک آدمی سے پوچھنے کے بعد میں ایک بس میں سوار ہو گیا۔
بس سے اتر کر میں تقریباً آدھا گھنٹہ ریلوے اسٹیشن کے آس پاس گھومتا رہا۔ اسٹیشن کے سامنے بلیک کیٹ کمانڈوز بھی تھے اور خفیہ والے بھی جو اسٹیشن پر آنے والے لوگوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اسٹیشن سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیرون شہر جانے والی بسوں کا اسٹینڈ بھی تھا اس طرف بھی بلیک کیٹس اور خفیہ والے نظر آ رہے تھے۔

ایک طرف کوئی مداری مجمع لگائے ہوئے تھا میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر ٹورزم والے بس اسٹینڈ کی طرف چلا گیا۔ یہاں محکمہ سیاحت کے ڈائریکٹر کا دفتر تھا اور یہیں سے سیاحوں کے لئے پیکج ٹرپ کئے جاتے تھے یہاں سے امبر کے علاوہ بعض دوسرے علاقوں کو بھی بسیں جاتی تھیں سیاحوں کے علاوہ عام لوگ بھی ان بسوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔
ایک بس میں چند مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی سوار ہو کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یہ ایئر کنڈیشنڈ بس تھی اور اس کا آگے کی طرف ایک ہی دروازہ تھا پچھلی طرف دروازہ نہیں تھا۔ میں بالکل آخری سیٹ پر کونے میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میرا تھیلا دیوار کی طرف دب گیا تھا البتہ بین میں نے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔
بس چلنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے اور پھر کالج کے اسٹوڈنٹس کی ایک ٹولی بس میں سوار ہو گئی۔ وہ بارہ اسٹوڈنٹس تھے جن میں آدھی تعداد لڑکیوں کی تھی۔ ان میں صرف ایک لڑکی ایسی تھی جس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی کسی نے جینز شرٹ پہن رکھی تھی کسی نے اسکرٹ بلاؤز۔ ایک لڑکی نے نہایت مختصر

شارٹ نیکر اور اس سے بھی زیادہ مختصر بلاؤز پہن رکھا تھا۔ لڑکے بھی عجیب و غریب حلیوں میں تھے کسی کے بال گردن تک لمبے تھے کسی نے برگر کٹ بنوا رکھے تھے اور کوئی گنجا تھا۔ سب کے ایک ایک کان میں سونے یا چاندی کی بالی نظر آ رہی تھی۔ یہ لوگ اسٹوڈنٹس سے زیادہ سڑک چھاپ غنڈے لگتے تھے۔ انہوں نے بس میں گھستے ہی ہڑبونگ مچا دی۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگ گھور گھور کر انہیں دیکھ رہے تھے۔
میرے ساتھ جو لڑکی بیٹھی تھی اس نے جینز اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے سینہ آدھے سے زیادہ برہنہ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکا بیٹھ گیا جس نے غالباً جان بوجھ کر اس لڑکی کو دبا رکھا تھا اور وہ لڑکی میرے اوپر جھکی جا رہی تھی اس طرح میں اس لڑکی کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

"یہاں ایک سپیرا بھی بیٹھا ہوا ہے۔" لڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک لڑکے نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "ارے مہاراج ذرا بین تو بجاؤ ان لڑکیوں میں ایک ناگن بھی ہے ایسا رقص کرے گی کہ تم بھی جھوم اٹھو گے۔"

"میرے دانت میں درد ہے بھایا۔ میں بین نہیں بجا سکتا۔" میں نے جبڑے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس لڑکے نے میرے ہاتھ سے بین لے لی۔ اسے بین بجانی تو نہیں آتی تھی لیکن کچھ بے سری آوازیں نکال رہا تھا۔ نیکر والی لڑکی نے اٹھ کر ناچنا شروع کر دیا۔
بس اب بھر چکی تھی۔ ڈرائیور بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اس نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ ایک بلیک کیٹ کمانڈو بس کے دروازے میں کھڑا ہو گیا اور مسافروں کو گھورنے لگا۔ اس کی نظریں ایک لمحہ کو میرے چہرے پر بھی رکی تھیں لیکن اسی لمحہ نیکر والی لڑکی اس کے سامنے آ گئی اور اسے بازو سے پکڑ کر اوپر کھینچنے لگی۔

"آ جاؤ نا ڈیئر۔ یہاں کیوں کھڑے ہو۔ میرے ساتھ والی سیٹ خالی ہے وہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔"
بلیک کیٹ کمانڈو جھینپ گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بس سے اتر گیا۔ کنڈیکٹر نے دروازہ بند کر دیا اور بس حرکت میں آ گئی۔ لڑکوں نے ایک بار پھر ہڑبونگ شروع کر دی۔ وہ کورس کی صورت میں کوئی فلمی گانا گانے کی کوشش کر رہے تھے مگر سب کی آوازیں بے سری تھیں۔ میرے پڑوس میں بیٹھے ہوئے لڑکے نے پھر بے سری بین بجانا شروع کر دی اور نیکر والی لڑکی اٹھ کر ناچنے لگی۔ وہی لڑکی سب سے زیادہ شوخ اور چنچل تھی۔

امبر صرف گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا لیکن جے پور کے پرہجوم ٹریفک کی وجہ سے شہر سے نکلنے میں ہی آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ شہر کے آخری چوراہے پر ایک عارضی چیک پوسٹ بنادی گئی تھی یہاں بھی شہر سے باہر جانے والی گاڑیاں روک کر چیکنگ کی جا رہی تھی۔ ایک بلیک کیٹ کمانڈو نے ہماری بس میں بھی گھسنے کی کوشش کی مگر لڑکیوں کی ہاہو نے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔
باقی فاصلہ طے ہونے میں تقریباً دس منٹ اور لگ گئے اور آخرکار جب بس امبر کے ٹورازم آفس کے سامنے رکی تو سب سے پہلے وہ مادر پدر آزاد لڑکیاں اور لڑکے شور مچاتے ہوئے نیچے اترے تھے۔

نیچے اترتے ہوئے میں نے باہر دیکھا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دو تین چار پولیس والے تھے جو بس سے اترنے والے ایک ایک مسافر کو روک کر پوچھ گچھ کر رہے تھے لڑکیاں اور لڑکے تو شور مچاتے ہوئے نکل گئے تھے لیکن دوسرے مسافران کی طرح پولیس والوں کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔

میں نے بس سے اتر کر ایک طرف کھسکنا چاہا تو ایک پولیس والے نے مجھے روک لیا۔

"اوئے کہاں جا رہا ہے؟"

میں رک گیا۔ پولیس والا مجھ سے طرح طرح کے سوال کرتا رہا۔

"تھیلے میں کیا ہے!" اس نے تھیلے کو اوپر سے ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

"کپڑے ہیں مہاراج۔" میں نے جواب دیا۔ "شہر میں ایک بیگم صاحب نے پرانے کپڑے دیئے تھے کام آویں گے مہاراج۔"

"تھیلا کھولو۔" پولیس والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میری روح فنا ہو گئی۔ تھیلا کھولنے کا مطلب میں اچھی طرح سمجھتا تھا۔ لیکن انکار بھی نہیں کر سکتا تھا میں نے تھیلا کندھے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اس کا منہ ایک ڈوری سے بندھا ہوا تھا میں نے ڈوری کھول دی۔ سب سے اوپر میرے وہ کپڑے رکھے ہوئے تھے جو میں نے صبح اتارے تھے وہ خاصے میلے کپڑے تھے۔" میں نے باہر نکال لئے اور انہیں پھیلا کر کانسٹیبل کو دکھانے لگا۔

"ہمارے کپڑے ایسے ہی ہیں مہاراج۔ پرانے میلے۔"

"چل چل سب کچھ نکال تھیلے سے۔" کانسٹیبل نے میری بات کاٹ دی اور پھر خود ہی تھیلے میں ہاتھ ڈال دیا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ کسی بھی لمحے میرا راز فاش ہو سکتا تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ میرے پاس اگرچہ پستول موجود تھا مگر فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ فرار کی کوشش میں یہ لوگ مجھے گولیوں سے بھون کر رکھ دیتے۔

اور پھر قسمت مجھ پر مہربان ہو گئی۔ کانسٹیبل نے ایک اور کپڑا باہر کھینچا تھا کہ ٹھیک اسی وقت پولیس کی ایک تیز رفتار جیپ بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ وہاں آ کر رکی۔ سب لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے وہ کانسٹیبل بھی جو میرے تھیلے کی تلاشی لے رہا تھا۔

جیپ میں ایک انسپکٹر اور چند کانسٹیبل تھے۔ وہ جیپ رکتے ہی چھلانگ لگا کر نیچے اتر آئے۔ انسپکٹر اور دو کانسٹیبل کو اپنی طرف لپکتے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

میرے تھیلے کی تلاشی لینے والے کانسٹیبل نے تھیلے میں سے نکلا ہوا کپڑا پھینک کر جھٹ سے انسپکٹر کو سیلوٹ جھاڑ دیا۔

"یہاں تمہارا انچارج کون ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"حوالدار مان سنگھ۔ وہ ادھر کھڑا ہے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"تمہارے پاس جتنے بھی آدمی ہیں انہیں ادھر جمع کرلو اور ہیڈ کانسٹیبل کو بھی بلاؤ جلدی کرو۔" انسپکٹر نے کہا۔ "اطلاع ملی ہے کہ وہ دونوں جے پور سے نکل کر ادھر کی طرف آ گئے ہیں۔ اپنے آدمیوں کو

بلاؤ جلدی اب۔"

"جی حکم۔" کانسٹیبل فوراً ہی دوسری طرف چلا گیا جہاں ہیڈ کانسٹیبل کھڑا تھا۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلدی سے کپڑے تھیلے میں ڈالے اور تھیلا کندھے پر لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں جاؤں حکم؟" میں نے مسکین سی صورت بنا کر انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

انسپکٹر نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ وہ میری تلاش میں یہاں آیا تھا۔ میں اس کے سامنے کھڑا تھا مگر اس میں وہ بصیرت نہیں تھی جو میری شناخت میں اس کی رہنمائی کرتی۔

"جاؤ۔ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ بھاگو یہاں سے۔"

انسپکٹر نے گرجدار آواز میں کہا۔

میں نے وہاں سے ہٹنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹورازم کے دفتر سے ذرا ہٹ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور کرتے کی جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ ایک روپے کی بیڑیاں میں نے بس میں بیٹھنے سے پہلے خاص طور پر خریدی تھیں میں تمباکو نوشی کا عادی نہیں تھا لیکن ضرورت کے تحت کبھی کبھار ایک آدھ سگریٹ پی لیا کرتا تھا آج چونکہ میں چیرے کے بھیس میں تھا اس لئے خاص طور پر بیڑیاں خریدی تھیں۔ اور ادھر ادھر پھرنے کے بجائے میں نے یہاں بیٹھنے کو ترجیح دی تھی پولیس والوں کی نظروں میں رہوں گا تو شبہ نہیں ہوگا اور ویسے بھی مجھے یہاں نندنی سے ملنا تھا۔

وہ پولیس انسپکٹر بڑا احمق ثابت ہوا تھا۔ اسے میری اور رتنا کی تلاش تھی۔ اس کے آنے سے پہلے پولیس والے بس سے اترنے والوں کو چیک کر رہے تھے اور اس نے آتے ہی یہ چیکنگ ختم کرا دی تھی اور پولیس والوں کو ادھر ادھر دوڑا دیا تھا اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ان کا مطلوب آدمی ان لوگوں میں بھی ہو سکتا تھا جنہیں چیک کیا جا رہا تھا۔ انسپکٹر خود ایک کانسٹیبل کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گیا تھا۔ میں درخت کے نیچے بیٹھا بیڑی کے کش لگاتا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ بس ٹورازم کے دفتر کے سامنے سے ہٹ کر وہاں سے تقریباً بیس گز دور اسٹینڈ پر چلی گئی تھی جہاں پہلے بھی ایک بس کھڑی تھی۔ بس سے اترنے والے کچھ لوگ ادھر ادھر جا چکے تھے اور کچھ ابھی تک وہاں کھڑے تھے ان میں تین چار عورتیں بھی تھیں۔ اس بس میں ہمارے ساتھ صرف تین غیر ملکی سیاح آئے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی تھی ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک ادھیڑ عمر آدمی۔ میرے خیال میں مرد اور عورت میاں بیوی تھے اور وہ لڑکی ان کی بیٹی۔ وہ یورپ کے کسی ملک کے رہنے والے تھے۔

آفس کے برآمدے میں گائیڈ کی وردی پہنے ایک بھاری جسم کا ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ اور دو تین مقامی آدمی اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔

نندنی مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی تھی۔ شاداری نے اگرچہ اس کا کچھ حلیہ بھی بتایا تھا لیکن اس کی سب سے بڑی شناخت تو یہی تھی کہ وہ گائیڈ کے ڈریس میں ہوگی۔ عورتوں کے لئے گائیڈ کا ڈریس گلابی ساڑھی ہی تھا۔

چند منٹ گزر گئے بہت سے لوگ ادھر ادھر جا چکے تھے۔ صرف چند ہی لوگ وہاں رہ گئے

تھے ایک تو وہی یورپین فیملی تھی۔ باقی ہندوستانی تھے جن کا تعلق مختلف شہروں سے تھا پانچ مرد تھے جنہوں نے پینٹ شرٹس وغیرہ پہن رکھی تھی تین عورتیں تھیں اور تینوں نے ساڑھیاں پہن رکھی تھیں۔

میں نے ایک اور بیڑی سلگائی۔ ابھی چند ہی کش لگائے تھے کہ گلابی ساڑھی میں ملبوس ایک عورت دفتر سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ اس کے دائیں طرف سینے پر پیتل کا ایک بیج بھی لگا ہوا تھا وہ یقیناً نندنی تھی۔ نندنی کچھ دیر تک سیاحوں سے بات کرتی رہی پھر قریب کھڑے ہوئے گائیڈ کو ہدایات دینے لگی مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ گائیڈ تھا۔

گائیڈ سیاحوں کی پارٹی کو لے کر ایک طرف چلا گیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا بیڑی کے کش لگاتا رہا نندنی کچھ دیر تک برآمدے میں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ اس نے سرسری سی نگاہ سے میری طرف بھی دیکھا تھا پھر وہ اندر چلی گئی۔

اب دفتر کے آس پاس کوئی نہیں رہا تھا۔ دونوں بس کے ڈرائیور بسوں کے قریب ایک بنچ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے میں نے آخری کش لے کر بیڑی ایک طرف پھینک دی۔ تھیلا کندھے پر لٹکایا اور بین سنبھالتے ہوئے تلے قدم اٹھاتے ہوئے دفتر کی طرف چل پڑا۔

برآمدے میں رک کر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ بڑا سا کمرہ تھا جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو میزیں لگی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر محکمہ سیاحت کے بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے ایک ہندوستان کا نقشہ اور اس کے ساتھ ایک راجستھان کا نقشہ آویزاں تھا پوسٹروں میں اہم تاریخی عمارتیں دکھائی گئی تھیں۔

دائیں طرف والی میز کے پیچھے نندنی بیٹھی ہوئی تھی وہ ایک رجسٹر پر کچھ لکھ رہی تھی آہٹ پا کر اس نے میری طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے تم اندر کیوں گھس آئے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایسی جگہ بھیک مانگنا جرم ہے جہاں غیر ملکی سیاحوں کی آمدورفت ہو تمہیں تین مہینے کے لئے بند کیا جا سکتا ہے۔"

"میں بھکاری نہیں ہوں بی بی جی۔" میں نے ٹھیٹ پنجابی لہجے میں جواب دیا۔

میرے منہ سے پنجابی سن کر وہ اچھل پڑی۔ مجھے شتادری نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ پٹیالہ کی رہنے والی ہے رتنا کا تعلق بھی جالندھر سے تھا اور میں بھی پنجاب ہی کا رہنے والا تھا۔

"اوہ۔ تو تم پنجاب کے رہنے والے ہو اور تمہیں شاید کسی طرح یہ پتہ چل گیا ہے کہ میں بھی پنجاب کی رہنے والی ہوں اس لئے پنجابی بول کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔

"تم دیکھ ہی چکے ہو کہ پولیس کو بعض خطرناک مجرموں کی تلاش ہے وہ ابھی پکڑ دھکڑ شروع کر دیں گے میں تمہارے ساتھ اتنی رعایت کر سکتی ہوں کہ تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں بہتر ہو گا کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تو چلا جاؤں گا بی بی جی پر تمہاری اس پروڈی کا کیا ہو گا جو کل شام سے تمہارے گھر میں آئی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"تک گیا۔" وہ اچھل پڑی۔ "تمہیں کیسے معلوم کہ"

"میں کل شام کو بھی یہاں تھا۔ اس عورت کو میں نے ایک گائیڈ کے ساتھ آتے دیکھا تھا جو اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی وہ عورت۔"

"ایک منٹ۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "تم تو وہی ہو۔"

"ہاں وہی ہوں جس کا تمہیں انتظار تھا۔" میں نے اس کی بات پوری کر دی۔

"اوہ۔" نندنی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ ایک منٹ میرے ساتھ آؤ۔" یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں وہی ہوں جس کا تمہیں انتظار تھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ تھوڑی سی عقل میری کھوپڑی میں بھی ہے۔" نندنی نے جواب دیا۔ "کل شام جب شتادری لڑکی کے ساتھ یہاں آئی تھی تو اس وقت آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ان دونوں کے بارے میں یا تو تمہیں معلوم تھا یا مجھے۔ اب تم ..... بہت اچھا بھیس بدلا ہے تم نے۔ میں کھڑکی سے دیکھ رہی تھی بس سے اترتے ہی ایک پولیس والے نے تمہیں روکا بھی تھا مگر انسپکٹر کے آ جانے سے تمہاری گلوخلاصی ہوئی۔ بہرحال تم اس طرف چلے جاؤ۔" اس نے دفتر کے پچھلی طرف اشارہ کیا۔ "درختوں کے اس جھنڈ کے پرلی طرف ایک مختصر سی عمارت تھی جس کے چاروں طرف اونچی چاردیواری تھی اس چاردیواری کے اندر کی طرف سے بھی کچھ درخت نظر آ رہے تھے اور پچھلی طرف بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ناریل کے درخت نظر آ رہے تھے۔

میں دروازے کے سامنے رک گیا۔ پہلے کسی درز سے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ رتنا تھی۔

"آیئے۔ پدھاریئے جوگی مہاراج۔" رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ دستک دینے والا میں ہوں۔"

"مجھے نندنی نے فون پر بتا دیا تھا۔" رتنا نے کہا۔ "اب اندر آ جاؤ یا باہر ہی کھڑے رہو گے۔"

میں اندر داخل ہو گیا۔ رتنا نے دروازہ بند کر دیا۔ شتادری نے اور پھر نندنی نے بھی مجھے کہا تھا کہ یہ کوارٹر ہے لیکن یہ اچھا خاصا بنگلہ تھا۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی میرے خیال میں تین چار کمرے ضرور ہوں گے۔ چاروں طرف بہت وسیع و عریض کمپاؤنڈ تھا۔ عمارت کے سامنے والا حصہ خوبصورت لان پر مشتمل تھا۔ ناریل اور تاڑ کے کئی درخت تھے۔ پیچھے دو تین اور پودے بھی نظر آ رہے تھے اور پھر دو ہرنوں کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ عمارت کے پچھلی طرف سے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے تھے اور پھر اس طرف غائب ہو گئے۔ میں کچھ اور آگے بڑھا تو دو تین خرگوش بھی نظر آئے کئی مرغیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

"یہاں تو اچھا خاصا چڑیا گھر بنا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

"پچھلی طرف جاؤ گے تو تمہیں مور بھی نظر آئیں گے۔" رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال۔

پہلے اندر تو چلو۔ پتہ کا گھر بعد میں دیکھ لینا۔" ہم اندر آ گئے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ کوارٹر چار کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک سٹنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ راجستھانی فرنیچر تھا جو پاکستان کے سندھی فرنیچر سے ملتا جلتا تھا۔ ایک کمرہ نندنی کے استعمال میں تھا اور دوسرا اب رتنا کے پاس تھا۔ تیسرے کمرے میں کچھ فالتو سامان رکھا ہوا تھا۔

رتنا مجھے کمرے دکھاتی پھر رہی تھی۔ تھیلا ابھی تک میرے کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ آخر کار ہم رتنا والے کمرے میں آ گئے۔ میں نے سٹنگ روم میں ٹیلی فون رکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ دفتر والے ٹیلی فون کی ایکسٹینشن لائن تھی اور نندنی نے اس فون پر رتنا کو میرے بارے میں بتا دیا ہوگا۔

"یہاں تک پہنچنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی۔" رتنا نے پوچھا۔

"دشواری نے تو نندنی کی بچی کل شام میرے سے پیٹن اور کپڑے سے لوٹ گئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "ان کی وجہ سے مجھے یہاں تک آنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی البتہ یہاں بس سے اترتے ہی پولیس والوں نے پوچھ گچھ شروع کر دی تھی اور ایک کانسٹیبل تو میرے تھیلے کی تلاشی بھی لینے لگا تھا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ پولیس کو کیسے پتہ چل گیا کہ ہم امیر گنج پہنچ چکے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ پولیس کو کسی اور پر ہمارا شبہ ہو گیا ہو۔ لیکن ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔" رتنا نے جواب دیا۔ "تم کپڑے بدل لو۔ میں تمہارے لئے چائے بنا لاتی ہوں۔" وہ کمرے سے چلی گئی۔ میں نے تھیلے میں سے میلے کپڑے نکال کر ایک طرف ڈال دیئے۔ ان کے نیچے سے دوسرے کپڑے نکال لئے۔ کپڑے بدل کر جوتوں والے کپڑے ایک طرف رکھ دیئے۔ والٹ اور بٹوہ بھی انہی کپڑوں میں لپیٹ دی تھی۔ اتنے میں رتنا میرے اور اپنے لئے چائے لے آئی۔

"تمہارا تھیلا کہاں ہے اور ان کا کیا کرتے ہے؟" میں نے تھیلے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"تھیلا تو یہ رکھا ہے۔" رتنا نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔ "اور میرا خیال ہے تھیلے کی چیزیں بھی اس تھیلے میں ڈال کر تھیلے کو اس الماری میں رکھ دیا جائے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ الماری دیوار کے اندر بنی ہوئی تھی۔ جس کے آگے دو پٹ والا دروازہ لگا ہوا تھا۔

"تو پھر سب چیزیں سمیٹ کر تھیلا اندر رکھ دو۔" میں نے کہا۔ "نندنی کو پتہ تو نہیں چلا کہ تمہارے اس تھیلے میں کیا ہے؟"

"نہیں۔" رتنا نے کہتے ہوئے اپنا کپ میز پر رکھ دیا اور تھیلا جھکا کر اس کا غلاف کھولنے لگی۔ میں نے تھیلے میں سے فالتو کپڑے نکالے۔ قیمتی زیورات اور نوٹوں سے بھرا ہوا [illegible] بھی اچھی طرح لپیٹ کر تھیلے میں ڈال دیئے گئے۔

الماری کے نچلے خانے میں [illegible] اور دوسری چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ رتنا نے تھیلا ان کے پیچھے چھپا دیا اور الماری بند کر دی [illegible] پھر میں نے [illegible] مطمئن نظر آنے لگی [illegible] منتظر نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"باہر چل کر بیٹھتے ہیں تازہ ہوا میں۔" میں نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر لان میں بانس کے کھمبوں کی چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کئی روز بعد اس طرح آزاد اور کھلی فضا میں بیٹھے تھے اور مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ بنگلے کے اردگرد کا کمپاؤنڈ تقریباً دو ایکڑ رقبے پر مشتمل تھا۔ چار دیواری بہت اونچی تھی یہاں ہم اس لحاظ سے بھی محفوظ تھے کہ ہمیں باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

چائے پینے کے بعد میں ٹہلتا ہوا پچھلی طرف آ گیا۔ سامنے کی طرف تو خوبصورت لان تھا لیکن پچھلے حصے پر شاید زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی۔ خودرو گھاس اور چھوٹی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک طرف بیرونی دیوار کے ساتھ بہت بڑا حصہ جنگلے کی طرح گھرا ہوا تھا۔ یہ دراصل پنجرہ تھا جو تیس فٹ چوڑا اور تیس پینتیس فٹ لمبا تھا۔ اس کی بلندی عقبی دیوار کے برابر تھی۔ ایک طرف دیوار تھی تین اطراف میں اور چھت پر بڑی نما جالی لگی ہوئی تھی اس پنجرے کے اندر کئی ایسے پودے بھی تھے جن کی بلندی سات فٹ آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی دو خوبصورت مور اس پنجرے میں ٹہل رہے تھے ایک مور نے پنکھ پوری طرح پھیلائے ہوئے تھے لیکن ہمیں دیکھ کر اس نے پنکھ سمیٹ لئے۔

اس طرف اگرچہ خودرو گھاس اور جھاڑیاں بکثرت پھیلی ہوئی تھیں انہی جھاڑیوں میں سانپوں کا خطرہ رہتا ہے راجستھان میں ویسے بھی سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں مگر جس جگہ مور موجود ہوں سانپ وہاں سے میلوں دور رہتا ہے مور کو سانپ کا بدترین دشمن سمجھا جاتا ہے سانپ میلوں دور سے مور کی بو سونگھ لیتا ہے اور اس طرف کا رخ نہیں کرتا۔

دونوں ہرن بھی بڑے خوبصورت تھے اور آزادی سے گھوم پھر رہے تھے۔ خرگوش بھی اگر چہ دو تین تھے مگر انہوں نے جگہ جگہ گڑھے کھود رکھے تھے۔

"نندنی کو اس قسم کے جانور پالنے کا شوق ہے مگر خرگوشوں سے وہ تنگ آ گئی ہے۔ شاید آج کل میں ان جوڑی کو بیچ دے۔" رتنا نے کہا۔

"خرگوش پیارا جانور ہے مگر شرارتی بھی۔ پورے گھر کو کھود کر رکھ دیتا ہے۔" میں نے کہا اور پچھلے دروازے کے قریب آ کر رک گیا۔

دروازے کے کنڈے میں ایک موٹا سا مڑا ہوا تار پھنسا ہوا تھا۔ رتنا نے وہ تار نکال کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے دور تک اکا دکا جھاڑیاں اور دوسرے درختوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ اس سے آگے چٹیل میدان سا تھا جو بتدریج نشیب کی طرف چلا گیا تھا۔ اس میدان کے پرلی طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔

"نندنی بتا رہی تھی کہ یہاں کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی جھیل ہوا کرتی تھی۔" رتنا کہہ رہی تھی۔ "اس جھیل کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ سرسبز تھا لیکن پھر اس طرف زمین میں ایک شگاف سا پیدا ہو گیا اور جھیل کا سارا پانی اس شگاف کے راستے زمین کے اندر ہی اندر کسی دوسری طرف چلا گیا [illegible] بات کے بعد میں بھی یہاں پانی نہیں رکتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر [illegible] کہتے ہوئے [illegible] گی۔ "اس

راجستھان کی قدیم ترین آبادی ہے سب سے پہلے 1400 قبل مسیح میں بھیل اور مینا قبائل آ کر آباد ہوئے تھے پھر آریا راجستھان میں در آئے۔ انہوں نے راجستھان کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ بھیل اور مینا قبائل بکھرتے چلے گئے لیکن امبر اور اس کے گردونواح کے علاقوں میں مینا قبیلے ہی کا قبضہ رہا۔

"راجستھان کا قدیم اور سب سے پہلا دارالحکومت امبر ہی تھا لیکن اس جھیل کے خشک ہو جانے اور بعض دوسری وجوہات کی بناء پر یہ شہر ویران اور بے نور آباد ہوتا چلا گیا۔ آج یہاں لوگ صرف سیر و تفریح اور ان قدیم تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ یہاں آنے والوں کو ہاتھیوں پر بٹھا کر شہر کی سیر کرائی جاتی ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے توصیفی نظروں سے رتنا کی طرف دیکھا۔

"نندنی کے ساتھ ایک ہی رات میں تم نے اتنی ساری معلومات حاصل کرلیں میرے خیال میں تم چند روز اور اس کے پاس رہ جاؤ تو بہت اچھی گائیڈ بن سکتی ہو۔"

رتنا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "رات کو ہم دونوں اکیلی تھیں اور دیر تک بیٹھی باتیں کرتی رہیں نندنی چونکہ گائیڈ ہے اس لئے وہ مجھے اسی حوالے سے بہت کچھ بتاتی رہی۔"

"اور کیا باتیں ہوئیں یعنی ہمارے بارے میں۔" میں نے پوچھا۔

"ششی وری نے اسے بتایا تھا کہ تم مسلمان ہو اور میں ہندو۔ آگرہ میں ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ تم مجھے بھگا کر لائے ہو۔ میرے پتا جی نے ہمارے خلاف پولیس میں بھی رپورٹ کروا رکھی ہے اس لئے ہم کچھ عرصہ روپوش رہنا چاہتے ہیں۔"

"اس نے تمہاری زبان اور باتوں سے یہ اندازہ نہیں لگایا کہ تم ہندو نہیں بلکہ سکھ ہو اور میرے خیال میں نندنی بھی سکھ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں وہ سکھ ہے مگر اس نے میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں کی لیکن میرے خیال میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ویسے بھی دو چار دنوں کی تو بات ہے۔" رتنا نے کہا۔

"دو چار دن تو بہت لمبی مدت ہے دو چار گھنٹوں میں ہی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

رتنا نے دروازہ بند کر دیا اور ہم دونوں ٹہلتے ہوئے سامنے والے لان کی طرف آ گئے۔

"اور وہ دوسرا آدمی کیشو۔ وہ کیسا ہے اس سے تمہارا سامنا ہوا یا نہیں؟" میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"رات کو اس نے کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا تھا۔" رتنا نے جواب دیا۔ نندنی نے اسے بتایا تھا کہ میں اس کی کزن ہوں اور پنجاب سے آئی ہوں۔ میرا پتی بھی آنے والا ہے۔ سو آج تم بھی آ گئے۔" وہ بات کرتے ہوئے مسکرا دی۔

"ویسے وہ کیسا آدمی ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"وہ نندنی کا ماتحت ہے لیکن اس کے علاوہ بھی وہ بہت مطیع اور فرمانبردار قسم کا آدمی ہے اس کا اندازہ تم اس بات سے بھی لگا سکتے ہو کہ رات کے کھانے کے بعد برتن اسی نے دھوئے تھے اور صبح کا ناشتہ

بھی اس نے تیار کیا تھا۔"

"کیا وہ بھی یہیں رہتا ہے؟" میں چونک گیا۔

"نہیں۔" رتنا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی رہائش دفتر کے پیچھے والے کمرے میں ہے۔ ویسے رات کافی دیر تک یہیں بیٹھا رہا تھا۔ میں نے صبح ہی نندنی سے کہہ دیا تھا کہ جب تک ہم یہاں رہیں گے کھانا وغیرہ میں پکایا کروں گی۔"

"تو پھر اب کیا پکانے کا ارادہ ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سالن تو میں نے صبح ہی پکا لیا تھا۔" رتنا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں مرغیوں کی کمی نہیں۔ ہم کئی روز تک دعوت اڑا سکتے ہیں۔ ویسے نندنی نے پوری گھر داری کا اہتمام کر رکھا ہے۔ گھر میں پورا راشن بھرا ہوا ہے۔ دالیں، آٹا، چاول ہر چیز موجود ہے۔"

"تو ٹھیک ہے، تم آرام سے دوپہر کو روٹی پکانے کی تیاری کرو اور میں تھوڑی سی نیند کر لوں۔" میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"رات کیا کرتے رہے تھے جواب نیند آ رہی ہے۔" رتنا نے مجھے گھورا۔

"تم ہی تو مجھے وہاں ششی وری کے پاس چھوڑ کر آئی تھیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بیشودھرکا کا تو جلد ہی سو گیا تھا اور ہم دونوں رات دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔"

"اب تم اپنے آپ کو سنبھال لو، بہت ہو چکی۔" رتنا نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں کمرے میں آ گئے۔ میں تو پلنگ پر لیٹ گیا۔ رتنا کچھ دیر کرسی پر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ میں واقعی تھک گیا تھا میری بھی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

نندنی دوپہر کو آئی اور کھانا کھا کر چلی گئی تھی۔ رتنا نے مجھے جگانے کے بہت جتن کئے تھے مگر میں اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اگر کوئی میرا گلا بھی کاٹ دیتا تو مجھے پتہ نہ چلتا۔

شام چھ بجے کے قریب ششی وری بھی آ گئی۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ رکنے کے بعد واپس چلی گئی۔ اس کے ہوتے ہوئے ہی نندنی نے بتایا تھا کہ صبح پولیس جن ملزموں کی تلاش میں آئی تھی وہ پکڑے گئے ہیں۔ اس اطلاع پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ پولیس کو تو ہماری تلاش تھی پکڑے کون بے گناہ گئے تھے اور پھر نندنی نے یہ انکشاف کیا کہ ایم آئی روڈ پر جیولر، ریڈیل، چپل، تانبے، پیتل، لکڑی کی آرٹسٹک مصنوعات وغیرہ کی سینکڑوں دکانیں تھیں صبح سویرے ایک قتل ہو گیا تھا۔ ایک غیر ملکی سیاح کو لوٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مزاحمت پر اسے چھرا مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس واردات میں ایک عورت اور ایک مرد ملوث تھے۔ پولیس انہیں تلاش کرتی پھر رہی تھی جن کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ جے پور سے امبر کی طرف فرار ہو گئے ہیں۔ پولیس بھی ان کے تعاقب میں یہاں پہنچ گئی اور آخرکار انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

اس رات بھی ہم دیر تک جاگتے رہے۔ نندنی کا تعلق پٹیالہ کے ایک سکھ گھرانے سے تھا۔ اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ دراز قامت، حسین اور پڑھی لکھی عورت تھی۔ شادی کے چند مہینوں بعد ہی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ کچھ عرصہ تو اپنے ماں باپ کے پاس رہی پھر نوکری کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور دلی پہنچ گئی۔ یہاں اسے ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت تو مل گئی مگر

کچھ ہی عرصہ بعد کمپنی کے جنرل منیجر کی پٹائی کے جرم میں اسے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے۔ وہ ایک بار پھر نوکری کی تلاش میں دردر کی ٹھوکریں کھانے لگی وہ جہاں بھی گئی مال غنیمت سمجھ کر اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی گئی وہ اپنے آپ کو بچاتی رہی لیکن کب تک؟ اپنے ہی ایک ہم مذہب کے فریب کا شکار ہو کر عزت سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

نندلی کی تنخواہ اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن افسروں کی منظور نظر ہونے کی وجہ سے وہ پرآسائش زندگی گزار رہی تھی۔

ہم رات دو بجے تک باتیں کرتے رہے نندلی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہمارے کمرے میں ایک ہی پلنگ تھا اور ظاہر ہے مجھے اور رتنا کو ایک ہی بیڈ پر سونے میں کوئی حجاب نہیں تھا۔

اگلے روز نندلی دوپہر کے کھانے کے لئے آئی تو میں اس وقت لان میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رتنا اندر کسی کام میں مصروف تھی۔ نندلی میرے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر مدھم لہجے میں بولی۔

"یہاں تو تم لوگ بالکل محفوظ ہو، کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن تم لوگوں کی تلاش تو ہر طرف ہو رہی ہے یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے مسٹر ناگی۔"

نندلی کے منہ سے اپنا نام سن کر میں اچھل پڑا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کانوں کی لویں تپنے لگیں۔

"کک کیا مطلب؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا، میرا نام ناگی نہیں ہے۔" میرے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال ابھرا تھا کہ کہیں ششادری نے نندلی کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کوئی سازش تو تیار نہیں کی اس نے ہمیں شودھرکا کا کوارٹر چھوڑ کر یہاں آنے کا مشورہ دیا تھا اور یقیناً ہمارے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا ہو گا۔

"ڈرو نہیں۔" نندلی نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ مت سمجھنا کہ مجھے ششادری نے کچھ بتایا ہو گا اس پر شبہ مت کرنا تمہیں پہچاننے میں مجھے تھوڑا وقت لگا لیکن اب حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش مت کرنا۔ یہ بات میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے مجھ پر بھی کوئی شک مت کرنا میں تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی مگر تمہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ تم دونوں وہی ہو جن کی را اور پولیس کو تلاش ہے یعنی پاکستانی دہشت گرد ناگی اور اس کی ساتھی رتنا جو ماؤنٹ آبو میں تباہی پھیلانے کے بعد پورے راجستھان میں خوفناک تخریبی کارروائیاں کرتے پھر رہے ہیں اور کئی لوگ ان کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "بالکل ہم وہی ہیں جن کی پولیس کو تلاش ہے۔"

"اور دو روز پہلے جے پور میں ایک آفیسر رام لال کے بنگلے پر اس کی بیوی بھی تمہارے ہاتھوں ماری گئی تھی؟" نندلی نے کہا اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے رام لال کے ہاتھ [illegible] اور بھی بہت سے جرم ہمارے کھاتے میں ڈال دیئے گئے ہیں، تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"پرسوں ششادری نے مجھے رتنا کے بارے میں بتایا تو میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم مسلمان ہو اور رتنا ہندو ہے لیکن رتنا ہندو نہیں لگتی یہ اس کا اندازہ میں نے اس کی باتوں سے لگایا ہے اور کل جب تم یہاں آئے تو میں اس وقت بھی چونکی تھی تم نے جو نام اپنایا تھا وہ بہت ہی پرفیکٹ تھا مجھے شبہ ہوا کہ تم صرف رتنا کو بھگا کر ہی نہیں لائے بلکہ کسی اور سنگین جرم میں بھی ملوث ہو میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔" وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "جب تم لوگ کمرانا سے فرار ہوئے تھے اور وہ کار جے پور میں پکڑی گئی تھی تو اس کے دوسرے ہی روز پولیس کی طرف سے ایک سرکلر جاری کیا گیا تھا۔ یہ سرکلر شہر کے تمام بڑے ہوٹلوں، گیسٹ ہاؤسز اور محکمہ سیاحت کے دفاتر میں بھی تقسیم کئے گئے تھے۔ اس سرکلر میں تم دونوں کے نام، حلیے اور تمہارے سارے کارنامے درج ہیں۔ تم دونوں کا حلیہ بھی لکھا ہوا تھا۔ یہ سرکلر میں نے میز کی کسی دراز میں ڈال دیا تھا۔ پرسوں رتنا آئی تو میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی لیکن کل تمہیں دیکھ کر کچھ شبہ ہوا تھا اور پھر کل ہی تمہارے سامنے ششادری کے منہ سے بھی کچھ ایسی باتیں نکل گئی تھیں جنہوں نے مجھے الجھا دیا تھا۔ آج میں نے یہ سرکلر تلاش کیا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ دکھایا۔

"رتنا کی جس عورت کا حلیہ اس میں درج ہے وہ اس رتنا پر بالکل فٹ آتا ہے اور اگر تمہارے چہرے سے داڑھی مونچھ صاف کر دی جائے تو تمہارا حلیہ بھی اس ناگی سے ملتا ہے جس کی تلاش ہو رہی ہے، لو یہ سرکلر پڑھ لو۔" اس نے کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

میں وہ سرکلر پڑھنے لگا اس میں میرے کارناموں کی پوری تفصیل درج تھی، حلیہ کے حوالے سے ہم دونوں کے خاکے بھی درج تھے اور ہمیں خطرناک قرار دیا گیا تھا کہ ہمیں دیکھتے ہی گولی سے اڑا دیا جائے گا تاہم ہمارے بارے میں مثبت اطلاع دینے والے کو بہت بڑا انعام دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

میں نے وہ کاغذ تہہ کر کے اسے واپس کر دیا۔

"ہماری حقیقت جان لینے کے بعد تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "پولیس کو اطلاع دو گی یا کسی اور چیز پر نظر ہے؟"

"آج دو روز پرانے اخباروں میں شائع ہوئی ہیں ان میں مندر والے سے چرائے ہوئے قیمتی زیورات کا بھی تذکرہ ہے۔" نندلی نے بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔ "میں نے وہ سوٹ کیس تم لوگوں کے پاس نہیں دیکھا، ممکن ہے وہ سوٹ کیس تم نے کہیں چھپا دیا ہو، رتنا اپنے ساتھ ایک تھیلا لے کر آئی تھی [illegible] اس کی جان پر بنی ہوئی ہو وہ تھیلے جیسی کسی چیز کو اتنی حفاظت سے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور پھر کل رات [illegible] جب رتنا گہری نیند سو گئی تھی میں نے اس تھیلے کا [illegible] دریافت کر لیا تھا اور کل" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "کل تم نے بھی بغل میں ایک تھیلا دبا رکھا تھا [illegible] جب اس کانسٹیبل نے تمہارے تھیلے کی تلاشی لینا شروع کی تھی تو تمہارا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کانسٹیبل نے تمہاری اس کیفیت پر توجہ نہ دی ہو لیکن اس کی توجہ [illegible] مرکوز تھی اور پھر اچانک [illegible] سے تمہارا گھونسا [illegible] یقین ہو گیا کہ وہ دولت جس کا اخباروں میں ذکر ہے میرے گھر میں موجود ہے لیکن وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی اس کی

نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن میرے دل میں کوئی لالچ نہیں اگر تم ہندوستان کے تمام مندروں کا خزانہ بھی میرے سامنے ڈھیر کردو تو میرے دل میں کوئی لالچ نہیں آئے گا میں ماضی میں جس قسم کے حالات سے دوچار رہی ہوں اس سے مجھے دولت سے نفرت ہوگئی ہے لوگوں نے مجھے ہوس کا نشانہ بنایا۔ دولت کے لئے مجھے استعمال کیا مجھ جیسی حسین عورت اگر چاہے تو اپنے لئے دولت کے انبار لگا سکتی ہے یہاں پرکاش کمار بھی اگرچہ مجھے کھلونا سمجھ کر کھیلتا رہا مگر اس نے مجھے ایک راستہ دکھا دیا تھا پرکاش نے مجھے صرف اپنی ضرورت بنایا تھا مجھے پلیٹ میں سجا کر کسی اور کے سامنے پیش نہیں کیا تھا لیکن میں مرد کی فطرت سے واقف ہوں دوسرے آفیسر بلاوجہ مجھ پر مہربان نہیں تھے میں ایک جگہ ٹکے رہنے کے خیال سے ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہوں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، آزادانہ گفتگو، کبھی کبھی ان کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی لینا، میں ان چیزوں میں کوئی برائی نہیں سمجھتی لیکن کسی نے آج تک میرے جسم کو نہیں چھوا۔ مجھے اس محکمہ میں چار سال ہوچکے ہیں میں اگر چاہتی تو ان افسروں کو اپنے قدموں پر جھکا کر اپنے لئے دولت کے انبار لگا سکتی تھی مگر مجھے دولت کی ہوس نہیں۔ میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔"

"تو پھر......" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا چاہتی ہو تم، ایک محب وطن ہندوستانی ہونے کے ناطے ہمیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہتی ہو؟"

"میں چاہتی ہوں کہ تم لوگ خیر و عافیت سے نکل جاؤ۔" نندنی نے کہا۔

میں اچھل پڑا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ بولی "میں ہندوستانی ضرور ہوں مگر ہندوستان میں میری خالصہ قوم کے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے اس سے مجھے ہندوستان سے نفرت ہوگئی ہے تم لوگوں کی حقیقت جاننے کے بعد دو باتوں سے مجھے تم دونوں سے ہمدردی ہوگئی ہے پہلی بات تو یہ کہ رتنا کا تعلق میرے دھرم سے ہے وہ میرے دیش کی رہنے والی ہے میں اس کی مدد کیوں نہ کروں اور تم۔" اس نے ایک بار میرے چہرے پر نظریں جما دیں "تم پاکستانی ہو، ہندوستان میں جب خالصہ تحریک چلی تھی تو پاکستان دنیا کا واحد ملک تھا جس نے اخلاقی طور پر خالصہ تحریک کی حمایت کی تھی۔ اس پر ہندو حکمرانوں نے پاکستان کو سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ پاکستان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے اور میں احسان فراموش نہیں ہوں کہ ہندوستان میں ایک پاکستانی پر برا وقت آیا ہے تو میں اس کی طرف سے منہ موڑ لوں۔ رتنا تمہارا ساتھ دے رہی ہے تو اس نے تمہاری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے تو میں تمہارا ساتھ کیوں نہ دوں۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا میری توقع کے بالکل برعکس نندنی ہماری اصلیت جان لینے کے باوجود ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہوگئی تھی۔

"اور مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ شیشا دری نے مجھے قابل اعتماد نہیں سمجھا اور تم لوگوں کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا۔"

"اگر شیشا دری کو تم پر اعتماد نہ ہوتا تو ہمیں تمہارے پاس ہرگز نہ بھیجتی۔" میں نے جواب دیا۔

"شیشا دری کی ایک مختلف کہانی ہے اگر وہ ہمیں اپنے کوارٹر میں جگہ نہ دیتی تو ہم یقیناً پکڑے جا چکے ہوتے۔"

میں نے بات کرتے ہوئے گردن گھما کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ رتنا نے ہمیں اندر سے دیکھ لیا تھا اور وہ چائے بنا کر لا رہی تھی۔

قریب آ کر اس نے ٹرے درمیان میں پڑی ہوئی میز پر رکھ دی اور ایک کپ اٹھا کر نندنی کی طرف بڑھا دیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"چائے تو میں پی لوں گی رتنا لیکن وہ زیور کہاں چھپا رکھے ہیں تم نے؟" نندنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رتنا اس زور سے اچھلی کہ وہ کرسی سمیت الٹ گئی۔ نندنی کے حلق سے قہقہہ ابل پڑا میں نے جلدی سے اٹھ کر رتنا کو سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔

"تت...... تم؟" وہ نندنی کی طرف دیکھ کر ہکلا کر رہ گئی۔

"ارے......" نندنی نے کپ جلدی سے میز پر رکھ دیا اور آگے جھک کر رتنا کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ "ارے تم تو ایک دم ڈر گئیں۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

رتنا نے میری طرف دیکھا، مجھے اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

"پریشان مت ہو رتنا۔" میں نے کہا۔ "نندنی سب کچھ جان چکی ہے لیکن یہ ہماری طرف ہے، ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ واقعی تم سے مذاق کر رہی تھی۔"

رتنا بہت دیر تک اپنی کیفیت پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے نندنی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نندنی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میں واقعی مذاق کر رہی تھی تم تو ڈر گئیں، بیٹھ جاؤ، چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نندنی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

رتنا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی، میں اسے بتانے لگا کہ نندنی نے کس طرح ہمارے بارے میں بالکل صحیح رائے قائم کی تھی میں نے اسے وہ سرکلر بھی دکھایا۔

"اگر میری نیت خراب ہوتی تو تم لوگوں کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتی اور خاموشی سے پولیس کو یہاں بلوا لیتی، تم لوگوں کو تو اس وقت پتہ چلتا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ چکی ہوتیں" نندنی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں نے پرسوں رات ہی تمہاری باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ہندو نہیں سکھ فیملی سے تعلق رکھتی ہو، ہم دونوں کا دھرم ایک ہے، اگر ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دیں گے تو اور کون دے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "یہاں تم لوگ بالکل محفوظ ہو، تم لوگوں کو خیر و عافیت سے یہاں سے نکالنا اب میری ذمے داری ہے لیکن اس کے لئے چند روز انتظار کرنا پڑے گا کم از کم اس وقت تک جب تک تم لوگوں کی تلاش کا ہنگامہ ٹھنڈا نہیں ہو جاتا۔"

رتنا اس کی باتوں سے بظاہر مطمئن ہوگئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی اس دوران شیشا دری بھی پہنچ گئی۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے وہ اپنی ڈیوٹی سے سیدھی یہاں آئی تھی کیونکہ اس کے جسم پر ابھی گلابی ساڑھی تھی اور سینے پر بیج بھی لگا ہوا تھا۔ نندنی نے اس سے بھی شکایت کی اس نے یہاں کے حوالے سے اسے قابل اعتماد نہیں سمجھا اور ہمارے بارے میں سچی بات نہیں بتائی۔

شنادری کا جواب وہی تھا کہ اگر بھروسہ ہوتا تو ہمیں یہاں لے کر نہ آتی۔

امیر سے سیاحوں کی آخری بس آٹھ بجے جاتی تھی اس لئے شنادری تو واپس چلی گئی اور رتنا اور نندنی رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگیں میں برآمدے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور نندنی کے بارے میں سوچنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ وہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش تو نہیں کر رہی۔ ایسا تو نہیں کہ ہمیں دھوکے میں رکھ کر اچانک ہی ہمارے خلاف کوئی کارروائی کروا ڈالے۔ بہر حال ہمیں اس سلسلے میں محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

کھانے کے بعد نندنی دیر تک ہمارے کمرے میں بیٹھی رہی اور جب وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تو میں اور رتنا دیر تک سرگوشیاں کرتے رہے اور آخر کار میری پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

یہاں رہتے ہوئے ہمیں پانچ روز ہو چکے تھے اس دوران ہمارا زیادہ وقت بنگلے کے اندر رہتے ہوئے ہی گزرتا تھا۔ البتہ شام کے بعد ہم پچھلے دروازے سے باہر نکل جاتے اور دیر تک کھلے میدان میں ٹہلتے رہتے۔ نندنی کا ماتحت گپتا بھی ہم سے کچھ بے تکلف ہو چکا تھا۔ وہ واقعی بڑا سیدھا سادا، مطیع و فرمانبردار قسم کا آدمی تھا۔ نندنی اور رتنا کو دیدی کہہ کر بلاتا تھا۔

ان پانچ دنوں کے دوران شنادری باقاعدگی سے آتی رہی تھی اس نے ہمیں ایک پرانا سا اٹیچی کیس بھی لا کر دے دیا تھا ہم نے اپنا مال اور کپڑے اس میں رکھ لئے تھے۔ نندنی بھی کم از کم تین مرتبہ شنادری کے ساتھ جے پور جا چکی تھی۔

وہ ساتواں روز تھا۔ نندنی جے پور گئی ہوئی تھی اس کی واپسی شام سات بجے کے قریب ہوئی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ رتنا نے فوراً ہی چائے بنا کر اسے پیش کر دی۔

"بہت تھکی ہوئی ہو اور پریشان بھی نظر آ رہی ہو کوئی خاص بات؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کی تلاش کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اب کچھ نئے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں اس مرتبہ ٹورازم کے گیسٹ ہاؤسز اور سرکاری ڈاک بنگلوں کو بھی چیک کیا جا رہا ہے۔ مجھے شبہ ہے کسی روز وہ لوگ اس طرف کا بھی رخ نہ کر لیں۔" نندنی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "میں چاہتی ہوں کہ تم لوگ اس سے پہلے ہی یہاں سے چلے جاؤ اور میں اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہی ہوں۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے اگر میری کوشش کامیاب ہوئی تو اس کے لئے کچھ رقم خرچ کرنی پڑے گی۔"

"کتنی رقم؟" میں نے پوچھا۔

"تیس چالیس ہزار" نندنی نے جواب دیا۔ "اس پلان میں تین چار آدمی ملوث ہوں گے۔ انہیں رقم کا لالچ دے کر ہی آمادہ کیا جا سکتا ہے۔"

"پلان کیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ہمارے ہیڈ کوارٹر سے دوسرے شہروں کے لئے بھی ٹورز کا انتظام کیا جاتا ہے۔" نندنی نے جواب دیا۔ "ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی ایک پوائنٹ پر جانے والے سیاحوں کی تعداد کم سے کم چالیس ہو۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ آج کل میں سارسکا پیلس کے لئے کسی ٹور کا انتظام ہو جائے، میں نے ڈائریکٹر سے بھی بات کی ہے۔

"سارسکا پیلس یہاں سے کتنی دور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تقریباً سو کلومیٹر" نندنی نے جواب دیا۔ "دہلی کی طرف جانے والی ہائی وے پر تقریباً ساٹھ کلومیٹر آگے جا کر شمال کی طرف ایک سڑک نکلتی ہے جو سارسکا اور مسسر تھ سے ہوتی ہوئی الور تک چلی جاتی ہے۔ سارسکا دہلی نیشنل ہائی وے نمبر آٹھ سے تقریباً چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے یہ علاقہ گھنے جنگلات سے پٹا ہوا ہے جہاں ٹائیگر، چیتے، نیل گائے، ریچھ، ہرن اور دوسرے جنگلی جانور بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سارسکا اسی جنگل کے کنارے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے یہاں ایک قدیم تاریخی محل بھی ہے ایک بہت شاندار پرائیویٹ ہوٹل اور چند ریسٹورنٹس ہیں، شکار اور جنگلی حیات سے دلچسپی رکھنے والے غیر ملکی سیاح اس طرف جاتے رہتے ہیں۔ اگر اس ٹور کا بندوبست ہو گیا تو تمہیں یہاں سے نکالنا آسان ہو جائے گا۔"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"اس بس کے ڈرائیور اور گائیڈ کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔" نندنی نے جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں گاڑی چلانی آتی ہے نا، میرا مطلب ہے بس چلا سکتے ہو نا؟" نندنی نے پوچھا، میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ڈرائیور کی وردی تمہیں پہنا دی جائے گی اور گائیڈ کی ساڑھی رتنا کو، اصل ڈرائیور اور گائیڈ عام مسافروں کی حیثیت سے بس میں سفر کریں گے۔ سارسکا پہنچ کر تم دونوں ادھر اور وہاں سے دہلی یا آگرہ کی طرف نکل جاؤ۔"

"اگر گائیڈ بھی کوئی مرد ہوا تو رتنا کیا کرے گی۔" میں نے پوچھا۔

"بیرونی ٹرپس پر عام طور پر لیڈی گائیڈز کو بھیجا جاتا ہے۔" نندنی نے جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گی کہ اس بس پر بھی کسی لیڈی گائیڈ ہی کی ڈیوٹی لگائی جائے۔"

"تو یہ بندوبست کب ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"کوشش کروں گی کہ پرسوں تک یہ ٹور ارینج ہو جائے۔" نندنی نے جواب دیا۔

"اور اگر بعد میں راز کھل گیا کہ تم نے ہمیں فرار ہونے میں مدد دی تھی تو جانتی ہو اس کا انجام کیا ہو گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں۔" نندنی نے جواب دیا۔ "لیکن میرے ساتھ جو ہو گا مجھے اس کی پروا نہیں تم لوگ تو نکل جاؤ گے اور جب تم لوگ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جاؤ تو مجھے یاد کر لینا۔" بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس سے اگلے روز شام سات بجے کے قریب نندنی کو کسی فون پر کوئی پیغام ملا، اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند منٹ بعد باہر نکلی تو میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ کہیں جانے کے لئے تیار ہوئی تھی ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی اس پر خوب سج رہی تھی ہلکے سے میک اپ نے اس کے حسن کو نکھار دیا تھا۔

"کہیں جا رہی ہو؟" میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ڈائریکٹر صاحب نے طلب کیا ہے اپنے بنگلے پر۔" نندنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوسکتا ہے میں دیر سے واپس لوٹوں۔ میں گپتا کو یہاں چھوڑ جاؤں گا اگر میری عدم موجودگی میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو تم لوگ بالکل ریسیور مت اٹھانا۔ گپتا ہی کال ریسیو کرے گا۔

نندلی کو ایسی کوئی ہدایت دینے کی ضرورت نہیں تھی ہمارے یہاں رہتے ہوئے کئی مرتبہ فون کی گھنٹی بجی تھی لیکن ہم فون کے قریب بھی نہیں گئے تھے۔ نندلی آٹھ بجے والی بس پر چلی گئی اس کے تھوڑی ہی دیر بعد گپتا آ گیا اور رات کا کھانا تیار کرنے کی ذمہ داری اس نے سنبھال لی۔

کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں تو اپنے کمرے میں آ گئے اور گپتا برتن دھونے کے بعد سٹنگ روم میں صوفے پر لیٹ گیا میں اور رتنا سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا۔

ہمارا خیال تھا کہ نندلی گیارہ بارہ بجے کے قریب آ جائے گی وہ تو نہیں آئی البتہ پونے بارہ کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی میں کمرے سے نکل کر سٹنگ روم میں آ گیا۔ گپتا صوفے پر سو رہا تھا۔ اس کے خراٹے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے زیادہ تیز تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر گپتا کو جھنجھوڑ دیا اور ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا اس نے جلدی سے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

وہ کچھ دیر تک فون پر بات کرتا رہا اور پھر ریسیور رکھ کر میری طرف مڑ گیا۔

''دیدی صبح آئے گی۔ آپ لوگ بھی سو جائیے۔'' اس نے کہا اور صوفے پر لیٹ گیا۔ میں چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ رتنا سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''نندلی کا فون تھا وہ وہیں رہے گی۔'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''کہاں؟'' رتنا نے بے اختیار پوچھ لیا۔

''اپنے ڈاکٹر بلگرامی کی کوٹھی پر جو ہمارے فرار کا بندوبست کر رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''بے چاری۔'' رتنا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے لئے کیا کچھ کر رہی ہے۔''

میں جواب دینے کے بجائے پلنگ پر لیٹ گیا۔ رتنا تو اس کے تھوڑی دیر بعد سو گئی تھی مجھے دیر تک نیند نہیں آئی میں یہی سوچتا رہا کہ ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا۔ ایسا تو نہیں کہ نندلی جان بوجھ کر یہاں سے ہٹ گئی ہو اور رات کو کسی وقت چھاپہ پڑ جائے۔

میں نے اپنا پستول تکیے کے قریب رکھ لیا۔ باہر کوئی پتا بھی کھڑکتا تو میں چونک پڑتا۔ کئی بار جیسے باہر تاریکی میں دبے دبے قدموں کی آواز سنائی دی تھی اور کئی بار میں نے اٹھ کر کھڑکیوں سے جھانکا مگر سب کچھ میرا واہمہ ثابت ہوا۔

دن کی روشنی پھیلنے لگی، ڈربے میں بند مرغیوں میں تین چار مرغ بھی تھے انہوں نے باری باری بانگیں دینا شروع کر دیں۔

اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہو گا۔ رات بھر جاگتے رہنے سے میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆
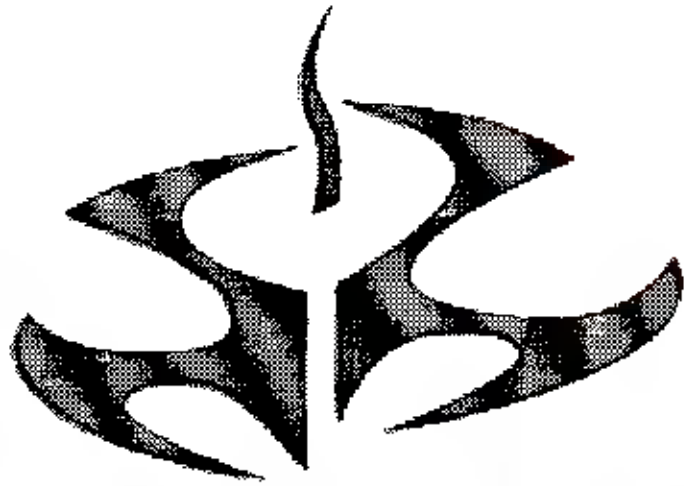
[illegible] واقعات کیلئے حصہ چہارم ملاحظہ فرمائیں

مافیا
4
قبال کاظمی

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالہ شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا لیکن معاف کرنا اس کی فطرت میں شامل نہ تھا

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

بار اول ——— 2003ء

ناشر ——— محمد علی قریشی

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— نوید بٹ

قیمت ——— 60/- روپے

صبح گیارہ بجے رتنا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔

"اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے، دن بھر سوتے رہو گے کیا؟" اس نے کہا۔

"نندنی واپس آ گئی یا نہیں؟" میں نے آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے نندنی کے بارے میں پوچھا۔

"وہ صبح سات بجے آ گئی تھی اس وقت اپنے دفتر میں ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

"جاگ جانے کے بعد میں دیر تک پلنگ پر کروٹیں بدلتا رہا۔ رتنا نے مجھے چائے لا کر دے دی میں بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے بیٹھا چائے پیتا رہا اور نندنی کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیا وہ شخص ہمدردی کی بنا پر ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہی تھی وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر یہ راز کھل گیا تو اسے بھی نہیں بخشا جائے گا۔"

نندنی سے دوپہر کے کھانے پر بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شام چھ بجے گپتا آیا اس نے بتایا کہ نندنی جے پور چلی گئی ہے... آٹھ نو بجے تک لوٹ آئے گی۔

"میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ کبھی نندنی کی ان پر اسرار سرگرمیوں پر شبہ ہونے لگتا اور کبھی میں اپنے آپ کو سرزنش کرنے لگتا کہ بلاوجہ اس پر شک کر رہا ہوں۔"

نندنی رات نو بجے کے قریب واپس آئی وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی اس کے تھوڑی دیر بعد جب ہم کھانے پر بیٹھے وہ بتا رہی تھی۔

"صبح سیاحوں کی ایک بس سرسکا جا رہی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم لوگوں کی خاطر مجھے اس کی جو قیمت ادا کرنی پڑی ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے بہرحال آج کی بھاگ دوڑ کے بعد میں نے یہ پتہ بھی چلا لیا ہے کہ اس بس کا ڈرائیور اور ہیلپر کون ہوگا اور سیاحوں کے ساتھ گائیڈ کون ہوگی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوئی اور چند لمحوں بعد بولی۔ "یہ تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ گائیڈ کی حیثیت سے شہزادی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ڈرائیور اور ہیلپر کو آمادہ کرنے کے لئے مجھے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ دونوں سے دس دس ہزار روپے میں بات ہوئی ہے۔ تین ہزار روپے ایک اور آدمی کو دینے پڑیں گے جس نے یہ توڑ جوڑ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم یہ رقم دے دیں گے لیکن یہ لوگ کوئی گڑبڑ تو نہیں کریں گے؟" میں نے کہا۔

"راستے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی تم لوگ خیریت سے سرسنا پہنچ جاؤ گے وہاں سے الور جانے کے لئے فوراً ہی کوئی نہ کوئی بس یا ٹیکسی مل جائے گی۔" نندنی نے کہا "ڈرائیور اور ہیلپر ابھی گیارہ بجے کے قریب یہاں آئیں گے انہیں رقم ابھی ادا کرنی ہوگی، تیسرا آدمی صبح آئے گا تین ہزار اسے دینے ہوں گے۔"

"یہ رقم تو ہم تمہیں ابھی دے دیں گے۔" میں نے کہا۔ "لیکن پروگرام کیا ہے کیا صبح ہمیں جے پور جانا ہوگا جہاں سے بس روانہ ہوگی۔"

"سرسنا جانے والی بس یہیں سے گزرے گی۔" نندنی نے جواب دیا۔ "بس صبح سات بجے یہاں پہنچ جائے گی۔ چند منٹ کے لئے ہم اسے روکے رکھیں گے اس دوران ڈرائیور اور ششادری اندر آجائیں گے تم دونوں ان سے اپنے کپڑے بدل لینا تم ڈرائیور کی سیٹ سنبھال لو گے اور رتنا گائیڈ کی حیثیت سے بس میں سوار ہوں گی۔ ڈرائیور اور ششادری عام مسافروں کی طرح بس میں بیٹھ جائیں گے۔"

"راجستھان تو تاریخی عمارتوں سے پٹا پڑا ہے۔" رتنا نے کہا "اس راستے میں کئی جگہ ایسی عمارتیں ہوں گی اگر بس کے مسافروں نے کسی جگہ کے بارے میں پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گی۔"

"ایسی کوئی بات ہوئی تو ششادری سنبھال لے گی، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور ہیلپر کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا اس منصوبے میں کوئی کردار نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ چونکہ اس راز میں شامل ہے اس لئے اسے رقم دینی پڑے گی۔" نندنی نے کہا۔

"کھانے کے بعد نندنی بھی ہمارے کمرے میں آگئی۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اس نے الماری کے نچلے خانے میں سے سوٹ کیس نکال لیا یہ وہی سوٹ کیس تھا جو ششادری لے کر آئی تھی اور ہم نے سب کچھ اس میں رکھ دیا تھا۔ نندنی چونکہ ہمارے پاس موجود زیورات کے بارے میں جان چکی تھی اس لئے میرے خیال میں مزید رازداری کی ضرورت نہیں تھی۔"

رتنا نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالی اور اٹیچی کیس کے دونوں تالے کھول کر ڈھکنا اٹھا دیا۔ زیورات اور رقم رتنا کی دو ساڑھیوں میں الگ الگ کر کے دو بنڈل سے بنا دیئے گئے تھے اور وہ دونوں بنڈل جوں کے توں سوٹ کیس میں رکھ دیئے گئے تھے۔ میں نے ایک بنڈل باہر نکال لیا۔

دس دس ہزار روپے والے نوٹوں کے چار بنڈل نکال کر نندنی کے حوالے کر دیئے۔ رتنا نے ایک طلائی کڑا دوسرے بنڈل سے نکالا اور انہیں نندنی کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"معاوضے کے طور پر کچھ پیش کرنا تمہاری توہین ہوگی، یہ حقیر سی بھینٹ سمجھ کر قبول کر لو۔"

"نندنی کے چہرے کا رنگ بدل گیا، جیسے اسے رتنا کی بات بری لگی ہو۔"

"انکار مت کرنا، ایک بہن کا تحفہ سمجھ لو۔" رتنا جلدی سے بولی۔

"تمہاری بات مان لیتی ہوں۔" نندنی گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"بس یہ کڑا رکھ لیتی ہوں، ہر وقت میری کلائی میں رہے گا اور تمہاری یاد دلاتا رہے گا لیکن یہ رقم

میں نہیں لوں گی۔"

اور واقعی اس نے رقم نہیں لی۔ رتنا نے سوٹ کیس بند کر کے دوبارہ الماری میں رکھ دیا اور ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ گیارہ بجے کے قریب گپتا نے آ کر بتایا، ڈرائیور اور اس کا ہیلپر ملنے آئے ہیں۔

نندنی نے انہیں اندر بلا لیا۔

وہ تینوں سٹنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر نندنی نے ہمیں بھی وہیں بلا لیا۔ گپتا واپس جا چکا تھا۔

ڈرائیور کا نام سرنام سنگھ تھا اور وہ جے پور ہی کا رہنے والا تھا۔ میں کرید کرید کر اس کے بارے میں پوچھنے لگا تاکہ یہ معلومات ضرورت کے وقت کام آسکیں۔

"تم لوگ ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح جان لو جب تک میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" نندنی کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی اس دوران ہم ڈرائیور اور اس کے ہیلپر سے باتیں کرتے رہے۔ رتنا بھی ان دونوں کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتی رہی۔

نندنی نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور نوٹوں کا ایک بنڈل بھی ان کے حوالے کر دیا۔

بارہ بجے کے قریب وہ دونوں چلے گئے۔ نندنی پھر ہمارے کمرے میں آگئی اور تقریباً دو بجے تک وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی اس کے جانے کے فوراً بعد میں بھی سو گیا تھا۔

صبح ساڑھے چھ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ رتنا پہلے ہی جاگ چکی تھی اس کے تھوڑی ہی دیر بعد نندنی چائے لے آئی۔

"چائے پی کر تیار ہو جاؤ بس ٹھیک سات بجے یہاں پہنچ جائے گی۔" اس نے ہم دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک کپ دے دیا اور ایک کپ خود لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

چائے پی کر میں کمرے سے نکلا اور بنگلے کے پچھلے حصے میں واقع باتھ روم میں گھس گیا۔

سات بجے باہر بس کی آواز سنائی دی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ششادری ڈرائیور کے ساتھ بنگلے میں آگئی۔ ہیلپر نہیں آیا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی

"تم دونوں دوسرے کمرے میں جا کر آپس میں کپڑے تبدیل کر لو۔" نندنی نے مجھے اور ڈرائیور کو اشارہ کیا اور تم دونوں بھی اب اس کا اشارہ ششادری اور رتنا کی طرف تھا۔

"میں رتنا کے لئے دوسری ساڑھی لے آئی ہوں۔ میں اپنے ڈریس میں جاؤں گی۔" ششادری نے اپنا شولڈر بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

میں ڈرائیور کے ساتھ دوسرے کمرے میں آگیا۔ ہمیں لباس تبدیل کرنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ڈرائیور کی وردی مجھے بالکل فٹ آگئی تھی۔ بائیں جیب پر بیج لگا ہوا تھا اور ٹوپی پر بھی سامنے کی طرف آر ٹی ڈی سی کا نشان بنا ہوا تھا میں نے ڈرائیور سے اس کا دھوپ کا چشمہ بھی لے لیا

اور جب آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

جب میں اس کمرے میں واپس آیا تو رتنا بھی کپڑے بدل چکی تھی، گلابی ساڑھی میں وہ کھلا ہوا گلاب ہی لگ رہی تھی۔ ششادری اس کی ساڑھی پر زری درست کر رہی تھی۔ نندنی مجھے دیکھتے ہی اٹھ گئی۔

"اب چل پڑو، زیادہ دیر مناسب نہیں ہے۔" وہ بولی اور "اپنا سامان لے لو۔ یہاں کچھ بھول مت جانا۔"

رتنا نے الماری میں سے سوٹ کیس نکال لیا اور ہم لوگ بنگلے سے باہر آ گئے۔ ڈرائیور ہمارے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

بس دفتر کے سامنے کھڑی تھی، کچھ سیاح نیچے اتر کر ٹہل رہے تھے اس ایئر کنڈیشنڈ بس میں چالیس سیاح تھے جو سب کے سب غیر ملکی تھے کسی کے پاس اسٹل کیمرہ تھا اور کسی کے پاس مووی کیمرہ، ہیلپر بھی بس کے باہر کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر رتنا کے ہاتھ سے اٹیچی کیس لے کر چھت پر لوہے کے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ تمام ٹورسٹ بھی بس میں بیٹھ گئے۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اللہ کا نام لیتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا مجھے دوسری مرتبہ بس چلانے کا موقع ملا تھا۔ پہلی مرتبہ جب ہم ماؤنٹ آبو سے فرار ہوئے تھے اس وقت بارش بھی ہو رہی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں بارش کے موسم میں بس چلانا بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن میں بڑی ہوشیاری سے ان خطرناک راستوں پر بس چلاتا ہوا جودھ پور تک لے گیا تھا اور اب دوسری مرتبہ بس چلا رہا تھا۔

نندنی کے بنگلے میں کپڑے بدلنے کے دوران ڈرائیور نے مجھے بتا دیا تھا کہ جے پور سے نکلتے ہی چیک پوسٹ پر مسافروں کو چیک کیا گیا تھا۔ کہ اگرچہ چیکنگ کی توقع نہیں تھی مگر اس امکان کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کسی جگہ بس کو روک لیا جائے۔

ہیلپر دروازے کے قریب والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ رتنا ششادری اور ڈرائیور میرے پیچھے والی سیٹ پر تھے بس میں تمام سیاح یورپین تھے ان میں کوئی بھی اردو سمجھنے والا نہیں تھا اس لئے ڈرائیور سرنام سنگھ بڑے اطمینان سے مجھے راستے کے بارے میں ہدایت دیتا جا رہا تھا۔

بس امیر سے نکل کر دلی کی طرف جانے والی ہائی وے نمبر آٹھ پر آ گئی میں نے رفتار بڑھا دی آگے ویرانہ تھا مگر سڑک ویران نہیں تھی، ٹریفک کی آمد و رفت جاری تھی بعض گاڑیاں بہت تیز رفتاری سے ہمیں اوورٹیک کرتے ہوئے آگے نکل رہی تھیں سامنے سے آنے والی گاڑیوں کی رفتار بھی خاصی تیز تھی میں بہت محتاط ہو کر بس چلا رہا تھا سامنے سے کسی گاڑی کو آتے دیکھ کر بس کو سڑک کے بالکل کنارے پر لے لیتا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد سامنے درختوں کے کچھ جھنڈ دکھائی دینے لگے۔ جیسے جیسے فاصلہ طے ہو رہا تھا منظر واضح ہوتا جا رہا تھا میرا خیال تھا وہاں کوئی چھوٹی سی جھیل تھی جہاں آبادی ضرور ہوگی۔

میرا اندازہ اس حد تک تو درست نکلا کہ وہاں ایک چھوٹی سی جھیل تھی مگر آبادی ایسی نہیں تھی جسے

گاؤں یا بستی کا نام دیا جا سکے۔ دو تین ڈھابا ٹائپ کی دکانیں اور ایسے ریسٹورنٹ تھے جن کے سامنے لکڑی کے بینچ اور چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سڑک کے دوسری طرف کافی دور ہٹ کر کچھ کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ میرا خیال ہے کچھ عرصہ پہلے یہاں آبادی رہی ہوگی پھر کسی وجہ سے وہ بستی ویران ہوگئی اور عمارتیں کھنڈروں میں تبدیل ہو گئیں اور ان کھنڈروں ہی کی وجہ سے یہاں پر یہ چند ڈھابے اور ریسٹورنٹس بن گئے تھے۔ اس شاہراہ پر سفر کرنے والے چائے یا کھانے وغیرہ کے لئے یہاں کچھ دیر کے لئے رک جاتے ہوں گے۔

"بائیں طرف والے ہوٹل کے سامنے بس روک دیتا بھایا۔" میرے پیچھے بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے کہا۔ "یہاں پانچ دس منٹ رکیں گے، چائے وائے پئیں گے، ششادری دیوی ٹورسٹوں کو ان کھنڈروں کے بارے میں بتائیں گی پھر آگے چلیں گے۔"

میں نے ان کھنڈروں کی طرف دیکھا، وہ کھنڈرات ایک ٹیلے پر تھے اور کم از کم دو عمارتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں کوئی بات کہی جا سکتی تھی وہ یقیناً کسی زمانے میں اس علاقے کے راجاؤں کے محل رہے ہوں گے۔

ڈھابوں اور ریستورانوں کے سامنے ایک جیپ اور دو تین کاریں بھی کھڑی تھیں۔ کچھ لوگ بینچوں اور چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے ڈرائیور کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ کے سامنے بس روک لی اور اس وقت دہلی کی طرف سے آنے والی ایک بس سامنے والے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکی تھی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ رکنے کے بعد ہم آگے روانہ ہوگئے۔ چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد نیشنل ہائی وے چھوڑ کر ہم ایک اور سڑک پر مڑ گئے یہ سڑک سارسکا سے ہوتی ہوئی الور تک چلی گئی تھی۔ الور سے آگرہ، دہلی اور دوسری سمتوں میں سڑکیں نکل گئی تھیں۔ الور ایک بڑا ریلوے جنکشن بھی تھا جہاں سے دہلی، جے پور اور آگرہ کے لئے ٹرین بھی مل سکتی تھی۔

سارسکا تک پہنچنے میں مزید ایک گھنٹہ لگ گیا اس طرف گھنے جنگل تھے۔ سارسکا جنگل کے کنارے پر درمیانے درجے کا قصبہ تھا جہاں چند قدیم عمارتیں بھی تھیں جن کا شمار آثار قدیمہ میں ہوتا تھا۔ ٹورازم کا دفتر قصبے سے ذرا ہٹ کر تھا اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا گیسٹ ہاؤس بھی تھا یہاں ایک بہت بڑا سارسکا پیلس ہوٹل بھی تھا اور یہ ہوٹل بھی محکمہ سیاحت کے ہی زیر انتظام تھا۔

میرے پیچھے بیٹھا ہوا سرنام سنگھ مجھے راستہ بتاتا رہا اور ٹورسٹ آفس کے سامنے پہنچ کر میں نے بس روک لی اور انجن بند کر دیا جب میں بس کا دروازہ کھول کر نیچے اتر رہا تھا تو ٹھیک اس وقت دفتر کے دروازے سے بھی ایک بھاری بھرکم آدمی باہر نکلا تھا اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی سر درمیان سے بالکل گنجا تھا اور دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف گھنے بالوں کی ایک جھالر سی رہ گئی تھی اس کی آنکھیں چہرے کے لحاظ سے بہت چھوٹی تھیں اور عجیب سی لگ رہی تھیں میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے اسے ایک نظر دیکھتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔

سرنام سنگھ اور ششادری وغیرہ بھی نیچے اتر آئے۔ ہیلپر نے بس کی چھت سے سیاحوں کا سامان اتارنا شروع کردیا کسی بھی ٹورسٹ کا سامان ایک بیگ سے زیادہ نہیں تھا جو پیدل سفر کے دوران آسانی سے کندھے پر لادا جاسکتا تھا۔

ششادری اور سرنام سنگھ برآمدے میں اس موٹے آدمی کے پاس چلے گئے میں بھی ان کے پیچھے ہی تھا۔ سرنام سنگھ نے اس کا تعارف کرایا وہ بھی اس آفس کا منیجر امریش تھا میرے بارے میں سرنام سنگھ نے صرف اتنا بتایا کہ میں محکمہ سیاحت کا ڈرائیور ہوں اور پہلی مرتبہ اس طرف آیا ہوں۔ اس دوران رتنا بھی اپنا سوٹ کیس لے کر آ گئی۔ امریش اب بھی ہم دونوں کو گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہم گیسٹ ہاؤس میں آ گئے جہاں اسٹاف کے لئے بھی دو تین کمرے مخصوص تھے۔ ٹورسٹوں میں سے کچھ گیسٹ ہاؤس میں آ گئے تھے اور دیگر کو سارسکا پیلس ہوٹل کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔

میں اور رتنا ششادری کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئے۔ ششادری تو اپنے ڈریس میں رہی البتہ میں نے اور رتنا نے فوراً ہی کپڑے بدل لئے تھے۔

"تم لوگ کمرے ہی میں رہو میں معلوم کر کے آتی ہوں کہ الور کی طرف کوئی گاڑی جانے والی ہے یا نہیں۔" ششادری کہتے ہوئے باہر چلی گئی اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ خاصی بدحواس ہو رہی تھی، آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ خیریت....." میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگی تھی۔

"غضب ہو گیا" ششادری نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ "امبر میں تندلی کو پکڑ لیا گیا ہے اس نے اعتراف کرلیا ہے کہ تم دونوں اس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور آج صبح سیاحوں کی بس میں سارسکا پہنچ گئے ہو۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"ہم لوگ اکثر اس طرف آتے رہتے ہیں، امریش ہمیں اچھی طرح جانتا ہے لیکن تم دونوں کو دیکھ کر وہ کچھ الجھ گیا تھا اگرچہ سرنام سنگھ نے اسے بتا دیا تھا کہ تم لوگوں کا تعلق بھی محکمہ سیاحت ہی سے ہے لیکن اسے شبہ ہے کہ تم دونوں وہی ہو جنہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"لیکن اسے کیسے پتہ چلا؟" میں نے پوچھا۔

"ایک گھنٹہ پہلے تندلی پکڑی گئی تھی اس نے انکشاف کیا کہ تم دونوں اس بس پر سارسکا گئے ہو تو تھوڑی دیر پہلے فون پر جے پور سے امریش کو ہدایت کی گئی کہ غیر ملکی سیاحوں کے علاوہ بس پر جو بھی مسافر ہوں انہیں کسی بہانے روک لیا جائے۔ الور پولیس کو بھی اطلاع دی گئی ہے وہاں سے بھی پولیس پارٹی یہاں آنے والی ہے بس کے مسافروں میں صرف تم دونوں ایسے ہو جو شبے کی زد میں آتے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی "امریش بڑی رازداری سے مجھ سے تم دونوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے ساری بات بتادی۔ اسے شاید یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ میں اور سرنام سنگھ وغیرہ بھی تم لوگوں

کے فرار کے منصوبے میں شامل ہیں۔"

"لیکن یہ راز کیسے کھلا؟" میں نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ راج کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو۔"

"راج کون؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی جسے تندلی نے تین ہزار روپے دیئے تھے۔" ششادری نے بتایا "ایسے لوگ روز وقتی ارینج کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو اور اس طرح تندلی گرفت میں آ گئی۔ تندلی نے پولیس کو یہی بتایا ہے کہ تم لوگ سارسکا والی بس پر گئے ہو۔ یہ نہیں بتایا کہ کس حیثیت سے ہو۔ بس میں غیر ملکیوں کے علاوہ صرف تم دونوں ایسے ہو جن پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ امریش مجھ سے تم دونوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا لیکن میں جانتی ہوں کہ تم دونوں پکڑے گئے تو بھی نہیں بچ سکیں گے۔ سرنام سنگھ پر لعنت بھیجو میں تم لوگوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" میں نے بے اختیار پوچھ لیا۔

"الور کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں، ہوسکتا ہے راستے ہی میں پولیس سے ٹکراؤ ہو جائے۔ ہم جنگل کی طرف نکل جائیں گے۔" ششادری نے کہا۔

"جنگل.....!" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "تم ہی نے تو بتایا تھا کہ یہ جنگل شیر اور چیتے جیسے خونخوار درندوں سے بھرا پڑا ہے۔"

"شیر اور چیتے انسانوں سے زیادہ بے رحم ثابت نہیں ہوسکتے۔" ششادری نے جواب دیا "درندے تو شاید ہمارا کچھ لحاظ کریں مگر جو لوگ ہماری تلاش میں ہیں وہ ان درندوں سے زیادہ خونخوار ہیں، وہ ہمارا لحاظ نہیں کریں گے۔"

"کیا ہم پیدل جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"میں کوئی بندوبست کرتی ہوں، تم لوگ یہیں رکو۔" ششادری دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس مرتبہ اس کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔

"امریش نے تم لوگوں کے بارے میں جے پور اور الور پولیس کو فون پر اطلاع دے دی ہے۔ الور سے پولیس کی ایک پارٹی روانہ ہو چکی ہے وہ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ جے پور سے بھی پولیس کی ایک پارٹی روانہ ہوئی ہے لیکن انہیں یہاں پہنچنے میں وقت لگے گا۔" ششادری نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "یہ سوٹ کیس مجھے دے دو اور تم دونوں سارسکا پیلس ہوٹل کے پچھلی طرف چلے جاؤ۔ وہاں دوسری گاڑیوں کے ساتھ ٹورازم کی ایک لینڈ کروزر کھڑی ہے، خاکی رنگ کی اس ٹورازم کا مونوگرام بنا ہوا ہے۔ تم لوگ اس لینڈ کروزر کے پاس رکو میں ابھی آتی ہوں۔"

میں اور رتنا کمرے سے نکل آئے۔ یہ گیسٹ ہاؤس خاصا بڑا تھا۔ سامنے لان میں کرسیوں پر چند سیاح بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہم سے پہلے الور کی طرف سے کسی اور بس پر آئے تھے۔

ہم چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ اچانک ہی امریش نجانے کس طرف سے نکل کر ہمارے

سامنے آ گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہماری نگرانی کر رہا تھا۔

"ہیلو!" میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "ایک کپ کافی کا موڈ ہو تو آ جاؤ ہم سارسکا پیلس کی طرف جا رہے ہیں۔"

"میں تھوڑی دیر پہلے چائے پی چکا ہوں، اب کسی چیز کی طلب نہیں ہے، مجھے ان لوگوں کے ساتھ پروگرام بھی طے کرنا ہے" امریش نے لان میں بیٹھے ہوئے ٹورسٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم پیلس ہوٹل کی طرف چلتے رہے جو وہاں سے سو گز سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ امریش ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا تھا۔"

ہم ہوٹل کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ہال میں خاصی چہل پہل تھی۔ غیر ملکی سیاحوں کے ساتھ مقامی باشندے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو الور کی طرف سے دوسرے شہروں سے آئے تھے۔

میں نے رتنا کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے چلتے ہوئے ہال کے دوسری طرف ایک کشادہ راہداری میں نکل گئے۔ یہ بہت بڑی عمارت تھی کسی زمانے میں کسی راجہ کا محل تھا جس میں ضروری تبدیلیاں کر کے ہوٹل بنا لیا گیا تھا۔ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے ہم پچھلی طرف نکل آئے۔ یہاں بہت بڑا پارکنگ ایریا تھا جہاں کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہمیں خاکی رنگ کی لینڈ کروزر تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

ہم دونوں لینڈ کروزر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ششادری بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہمارا سوٹ کیس اور دوسرے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا۔

"جلدی کرو، امریش تم لوگوں کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔" ششادری نے چابیوں کا گچھا میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس سے چابیوں کا گچھا لے کر پہلے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی دوسرا دروازہ بھی کھول دیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ششادری نے سوٹ کیس دوسری سیٹ پر رکھ دیا تھا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور عمارت کے اوپر سے گھماتے ہوئے سڑک کی طرف لے آیا۔

"گیسٹ ہاؤس کے سامنے سے دفتر کی طرف موڑ لو۔" ششادری نے کہا۔

میں نے گاڑی جیسے ہی اس طرف موڑی تھی کہ امریش ہوٹل کے گیٹ سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا۔ ایک سیکنڈ کو بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا اور دوسرے ہی لمحے وہ چیختا ہوا لینڈ کروزر کے پیچھے دوڑا۔ میں نے رفتار بڑھا دی۔ دفتر کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں دیکھا۔ امریش چیختا ہوا پیچھے دوڑ رہا تھا اور پھر وہ دفتر کی طرف مڑ گیا۔

میں لینڈ کروزر کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ آگے بازار تھا۔ تنگ سڑک تھی جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔ لینڈ کروزر کو تیز رفتاری سے دوڑتے دیکھ کر لوگ خود بخود راستے سے ہٹ رہے تھے۔

لینڈ کروزر دھوئیں کے بادل اڑاتی ہوئی قصبے سے نکل کر الور کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئی۔ سارسکا وہاں سے اٹھارہ میل اور الور تیس چونتیس میل کے فاصلے پر تھا اور میرا خیال ہے الور سے آنے والی پولیس پارٹی بھی یہاں پہنچنے ہی والی ہو گی۔

"میرا خیال تھا کہ ہم خاموشی سے نکل جائیں گے اور جب ان لوگوں کو پتہ چلے گا تو ہم بہت دور پہنچ چکے ہوں گے۔" ششادری بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "مگر اس حرامی نے دیکھ لیا اور اب یقیناً وہ لوگ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ بھی خدشہ ہے کہ الور کی پولیس پارٹی نہ پہنچ جائے۔" میں نے کہا۔

"ہمیں اس سڑک پر زیادہ دور نہیں جانا۔" ششادری نے کہا۔

"تھوڑی ہی آگے سڑک پر وائلڈ لائف کا بورڈ نظر آئے گا۔ وہاں سے گاڑی کو بائیں طرف موڑ لینا۔"

زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً ایک میل بعد ہی وہاں بورڈ نظر آ گیا اور میں نے لینڈ کروزر کو بائیں طرف موڑ لیا۔ یہ کچی سڑک تھی جو آگے جا کر جنگل میں داخل ہو جاتی تھی۔

"ابھی تک تو تعاقب کے آثار دکھائی نہیں دیئے" میں نے ششادری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال ہے وہ پیچھا کریں گے؟"

"ضرور کریں گے کم از کم اس جگہ تک جہاں سے ڈینجر زون شروع ہوتا ہے۔" ششادری نے جواب دیا۔

"ڈینجر زون......" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"تقریباً میل بھر تک تو جنگل محفوظ ہے لیکن اس سے آگے خونخوار درندوں کی راجدھانی شروع ہو جاتی ہے۔" ششادری نے کہا۔ "وہاں ایک بورڈ لگا دیا گیا ہے جس پر واضح طور پر یہ ہدایات درج ہیں کہ اس سے آگے خونخوار درندے آزادی سے گھومتے ہیں اس لئے کسی کو آگے جانے کی اجازت نہیں لیکن یہ معاملہ چونکہ تم لوگوں کا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ پولیس کی کوئی پارٹی دور تک ہمارا پیچھا کرے۔"

"یہ جنگل کتنا بڑا ہے اور اگر ہم لوگ درندوں سے بچ کر دوسری طرف نکل بھی جائیں تو کہاں پہنچیں گے!" میں نے پوچھا۔

"یہ خطرناک جنگل میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اگر ہم دوسری طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو کوٹ پتلی پہنچ سکیں گے جو تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔"

"گاڑی کی ٹنکی میں تیل بتانے والی سوئی درمیان میں حرکت کر رہی ہے کیا اس ایندھن میں ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے" میں نے ڈائل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس گاڑی کا انتخاب کیا تھا۔" ششادری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "پیچھے پٹرول کے پانچ پانچ گیلن والے تین جیری کین بھرے ہوئے رکھے ہیں۔ پانی کا ایک کنستر بھی ہے اس لئے اس سلسلے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی بشرطیکہ ہم راستہ نہ بھٹک جائیں۔"

"تو گویا راستہ بھٹک جانے کا بھی امکان ہے۔" میں نے کہا۔

"کئی سال پہلے کوٹ پتلی تک جانے کے لئے اس جنگل میں ایک باقاعدہ راستہ ہوا کرتا تھا لیکن پے در پے کچھ افسوسناک واقعات پیش آنے لگے۔ بعض درندوں نے چلتی گاڑیوں پر حملے کر کے مسافروں کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے اس راستے پر آمدورفت بند ہو گئی۔ وہ راستہ بھی اب جھاڑیوں اور پودوں میں چھپ گیا ہو گا۔ بہرحال مجھے کچھ اندازہ تو ہے دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔"

جنگل میں داخل ہونے کے بعد گاڑی کی رفتار کم ہو گئی تھی، دونوں طرف سے جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں گاڑی سے ٹکرا رہی تھیں مجھے یہ اندیشہ بھی تھا کہیں گاڑی کا کوئی ٹائر پنکچر نہ ہو جائے۔

آخر کار وہ بورڈ نظر آ گیا جس کے ذریعے سیاحوں کو خونخوار درندوں کی وجہ سے اس جگہ سے آگے جانے کی ممانعت کی گئی تھی۔ میں گاڑی کو اس راستے پر سیدھا آگے لیتا چلا گیا۔

ہم جنگل میں کئی میل اندر چلے آئے تھے۔ ہرن اور اس قسم کے بے ضرر جانور تو بہت دکھائی دیئے تھے مگر کوئی خونخوار درندہ ابھی تک دکھائی نہیں دیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ مڑ کر رتنا اور ششا دری کی طرف دیکھا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر ہلکا سا خوف تھا۔ رتنا نے تو اپنا پستول نکال کر گود میں رکھ لیا تھا۔ گاڑی کے تمام شیشے اگرچہ بند تھے لیکن ششا دری کی اس بات نے رتنا کو خوفزدہ کر دیا تھا کہ چلتی گاڑیوں پر درندوں کے حملوں کی وجہ سے اس طرف آمدورفت بند ہو گئی تھی۔

ہمیں اس جنگل میں سفر کرتے ہوئے ڈھائی گھنٹے ہو چکے تھے۔ راستہ صاف ہوتا تو ڈھائی گھنٹوں میں ہم کم از کم ستر اسی میل کا سفر کر سکتے تھے مگر جھاڑیوں اور پودوں کے باعث گاڑی کی رفتار بہت کم تھی۔ بعض جگہوں پر تو ہمیں زبردستی راستہ بنانا پڑ رہا تھا اگر کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا ہوتا تو ٹائروں کے نیچے کچلی ہوئی جھاڑیاں اور پودے آسانی سے ہماری نشاندہی کر رہے تھے۔

اور پھر ایک جگہ مجھے گاڑی روک لینی پڑی تھی۔ تیس پینتیس گز آگے عین سامنے دھاری دار چیتوں کی ایک جوڑی بیٹھی ہوئی تھی ان میں ایک نر تھا اور ایک مادہ۔ ان دونوں کے رخ اگرچہ دوسری طرف تھے مگر گاڑی کی آواز سن کر وہ اس طرف گھوم گئے۔ میں نے انجن بند کر دیا اور مڑ کر رتنا اور ششا دری کی طرف دیکھا ان دونوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

"تت...... تم نے انجن کیوں بند کر دیا۔" رتنا ہکلائی۔ "اگر انہوں نے گاڑی پر حملہ کر دیا تو؟"

"چیتا دنیا کا تیز رفتار جانور ہے۔" میں نے کہا "جبکہ ہم اس جنگل میں گاڑی کو دس پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں دوڑا سکتے۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً ہم پر حملہ کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خاموشی سے یہاں بیٹھے رہیں۔ ہو سکتا ہے یہ جانور اٹھ کر کسی اور طرف چلے جائیں اور ہمیں آگے نکلنے کا موقع مل جائے۔"

پانچ منٹ گزر گئے۔ دونوں درندے اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے اٹکھیلیاں کرتے رہے اور پھر ان میں سے ایک اٹھ کر ٹہلتا ہوا ہماری گاڑی کی طرف آ گیا۔

وہ چیتا گاڑی کو سونگھ کر شاید یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ دوسرا چیتا بھی گاڑی کے قریب آ گیا اور دونوں اگلے پنجے گاڑی پر ٹکا کر شیشے میں سے اندر جھانکنے لگے۔ ششا دری کی طرف بھی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر نیچے جھک گئی۔

"رتنا بھی بہت خوفزدہ تھی۔ اس نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس نے ٹرائیگر دبا دیا گولی شیشہ توڑتی ہوئی چیتے کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔ رتنا نے دوسری گولی چلا دی وہ بھی اس کے چہرے پر لگی۔"

چیتا چنگھاڑتا ہوا پیچھے گرا، دوسرا چیتا ہوشیار ہو گیا۔ وہ گاڑی کے آگے تھا میں نے بڑی پھرتی سے اپنا پستول نکال لیا اور وہ چیتا غراتا ہوا جیسے ہی سامنے سے ہٹ کر ڈرائیونگ سائیڈ پر آیا میں نے پے در پے دو گولیاں چلا دیں ایک گولی چیتے کی گردن کے قریب کندھے کے جوڑ پر لگی البتہ دوسرا نشانہ خطا گیا تھا لیکن پہلی گولی لگتے ہی وہ چیتا غراتے ہوئے پلٹا اور دوڑتا ہوا گھنے درختوں میں غائب ہو گیا۔

میں نے انجن اسٹارٹ کر کے بڑی پھرتی سے گاڑی آگے بڑھا دی اس کے ساتھ ہی میں نے مڑ کر دیکھا دوسرا چیتا نیچے پڑا تڑپ رہا تھا۔ دو گولیاں اس کی پیشانی میں لگی تھیں اس کے زندہ بچ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میں گاڑی کو تیزی سے دوڑاتا رہا، میں یہ بھی جانتا تھا کہ شیر اور چیتا قسم کے درندے اپنے شکار کا دور تک تعاقب کرتے ہیں۔ ایک چیتا تو مر چکا تھا لیکن دوسرا زخمی ہوا تھا اس وقت تو وہ درختوں میں غائب ہو گیا تھا لیکن اگر اس نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا تو ہمیں اس جنگل سے نکلنے نہیں دے گا۔

میرے ذہن میں ایک اور اندیشہ جنم لے رہا تھا گولیوں کی آواز جنگل میں دور تک پھیلی ہو گی۔ اگر کوئی پارٹی ہمارا تعاقب کر رہی تھی تو اسے پتہ چل جائے گا کہ ہم کس طرف ہیں۔

مجھے ایک جگہ گاڑی روک لینی پڑی اور پھر اس وقت گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں جیسے پورا برسٹ مارا گیا ہو لیکن وہ آوازیں بہت دور کی تھیں۔

میرا خیال تھا کہ ہم راستے سے بھٹک گئے تھے۔ ششا دری بری طرح کنفیوژ ہو رہی تھی۔ وہ کبھی ایک طرف اشارہ کرتی اور کبھی دوسری طرف میں اس کے بتائے ہوئے راستوں پر گاڑی چلاتا رہا لیکن ہم جنگل میں گھومتے رہے اس دوران ہمیں کئی جگہوں پر خونخوار جانور بھی نظر آئے مگر خیریت ہی گزری۔

جب ہم چیلس ہوٹل کے عقبی پارک سے یہ لینڈ کروزر لے کر فرار ہوئے تھے تو اس وقت ساڑھے بارہ کا وقت تھا ابھی چار بج رہے تھے گویا ہم ساڑھے تین گھنٹوں سے جنگل میں بھٹک رہے تھے مگر باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ ہم بھٹکتے ہوئے دوبارہ سارنکا کی طرف نہ نکل جائیں۔

پانچ بجنے والے تھے۔ گنجان اور اونچے درختوں کی وجہ سے جنگل میں روشنی ویسے ہی کم تھی اور اب تو مزید اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ میں بھی ان دونوں کی طرح پریشان تھا اگر شام ہونے سے پہلے جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا تو کوئی ایسی محفوظ جگہ ضرور ڈھونڈنی پڑے گی جہاں رات گزاری جا سکے لیکن مجھے تو یہ بھی یقین نہیں تھا کہ ایسی کوئی جگہ مل جائے گی۔

پندرہ بیس منٹ بعد ہم اچانک ہی کھلی جگہ پر نکل آئے اور اس کے ساتھ ہی میں نے پوری قوت سے بریک پیڈل دبا دیا۔ میرے ساتھ شاوری اور رتنا بھی حیرت بھری نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہمارے سامنے نشیب میں ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کے پرلی طرف محل نما ایک بہت بڑی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ رخصت ہوتے ہوئے سورج کی روشنی محل کے اونچے کنگوروں پر پڑ رہی تھی۔ محل کے غیر آباد ہونے کا اندازہ دور ہی سے لگایا جاسکتا تھا۔ ظاہر ہے خونخوار جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جنگل میں واقع اس محل میں کون رہ سکتا تھا۔

وہ جھیل تقریباً ایک ہزار میٹر لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی۔ اس کے گرد تاڑ اور دیگر درختوں کی بہتات تھی اور محل نما وہ عمارت اس جھیل کے دوسرے کنارے پر تھی۔

"یہ کون سی جگہ ہے، ہم بھول کر دوبارہ سارنگا کی طرف تو نہیں نکل آئے۔" میں نے شاوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" شاوری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "یہ صدیوں پرانا محل راجہ مان سنگھ کے سالے کا ہے جو اس علاقے کا حکمران تھا اس محل کی تاریخ ہماری کتابوں میں محفوظ ہے لیکن سیاحوں کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جاتا اور نہ ہی یہ محکمہ سیاحت کے کسی چارج میں ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "یہ اس زمانے کی بات ہے جب راجہ بلمر سنگھ کے بیٹے شان سنگھ نے اپنے باپ کو قتل کر کے راج سنگھاسن سنبھال لیا تھا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ بڑا زرخیز اور آباد ہوا کرتا تھا۔ جوان فصلیں لہلہایا کرتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کئی بستیاں تھیں۔ جہاں زندگی کے قہقہے گونجا کرتے تھے مگر پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔" وہ ایک دفعہ پھر خاموش ہو گئی اور محل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "شان سنگھ بہت ظالم اور عیاش حکمران تھا، وہ رعایا کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ وہ نہ صرف کسانوں سے اناج کا ایک ایک دانا چھین لیا کرتا تھا بلکہ ان کی عزت سے کھیلنا بھی اپنا حق سمجھتا تھا کسی بستی میں کسی گھر کی عزت محفوظ نہیں تھی اس کے ہرکارے دور دراز کی بستیوں سے جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اٹھا کر لے آتے۔ محل میں معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی آہ و پکار گونجتی رہتی۔"

"راجہ شان سنگھ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کسان اپنی بستیاں چھوڑنے لگے، سونا اگلنے والی زمینیں بنجر اور ویران ہونے لگیں، لیکن راجہ کو پھر بھی ہوش نہیں آیا۔"

"ایک روز کسی بستی میں کسان کی بیٹی کی شادی تھی، دلہن کو ڈولی میں بٹھایا جا رہا تھا کہ راجہ کے ظالم و سفاک ہرکارے پہنچ گئے اور دلہن کو اٹھا کر لے گئے۔"

"وہ راجہ شان سنگھ کی زندگی کی آخری رات تھی۔ اغوا کر کے لائی جانے والی دلہن نے شان سنگھ کو قتل کر دیا اور خود بھی محل کی فصیل سے چھلانگ لگا کر آتما ہتیا کر لی۔"

"اور اس کے بعد یہاں تباہی کا نزول ہوا شروع ہوئی راجہ شان سنگھ کے ہرکارے بے لگام ہو گئے تھے انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ عورتوں کو گھروں سے نکال کر بے عزت و رسوا کیا جانے لگا۔ بستیاں ویران اور زمینیں بنجر ہوتی چلی گئیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس لڑکی نے راجہ شان سنگھ کو قتل کر کے

آتما ہتیا کر لی تھی اس کی بھٹکتی ہوئی روح نے محل میں بسیرا کر لیا تھا اس کے بین اور چیخیں محل میں گونجتی رہتیں اس طرح محل بھی ویران ہو گیا اور یہ ویرانی پوری ریاست میں پھیل گئی۔ بستیاں غائب ہوتی گئیں اور لہلہاتی فصلوں کو جنگل نگلتا گیا۔" وہ خاموش ہو گئی، میں اس ویران محل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاوری کہہ رہی تھی۔

"یہ محل صدیوں سے ویران پڑا ہے، جنگل میں خونخوار درندوں کی وجہ سے کوئی اس طرف آنے کی ہمت نہیں کرتا اور ویسے بھی یہ افواہ عام ہے کہ اس ویران محل میں اب بھی بدروحوں کا بسیرا ہے۔"

"تو پھر آج کی رات ہم اس محل میں گزاریں گے۔" میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا......؟" وہ دونوں اچھل پڑیں۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" چیختی ہوئی یہ آواز رتنا کی تھی۔

میں نے ان کی ان سنی کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی اور اسے جھیل کے ساتھ ساتھ چلاتے ہوئے اس کا رخ محل کی طرف موڑ دیا جو جھیل کے کنارے سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر قدرے بلندی پر واقع تھا۔ رخصت ہوتی ہوئی دھوپ اب بھی دیواروں پر پڑ رہی تھی اس طرف سے دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ حوادث زمانہ سے محل میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہے میں لینڈ کروزر کو وسیع محرابی گیٹ کے اندر لے گیا۔ گیٹ کے ساتھ دیواریں تو بھی چوڑی تھیں۔ دائیں بائیں ایک ایک کمرہ تھا مگر دونوں کمرے چھتوں سے محروم ہو چکے تھے۔ سامنے بہت لمبا چوڑا میدان تھا جس پر جھاڑیوں اور خودرو گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ اس میدان کے چاروں طرف کئی فٹ چوڑی پختہ روشیں تھیں اور طویل و عریض برآمدے تھے جن میں کمرے تھے۔ برآمدوں کے سامنے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔

محل کا مرکزی حصہ سامنے تھا۔ عمارت دو منزلہ تھی اور بلاشبہ اسے فن تعمیر کا شاہکار کہا جا سکتا تھا۔

میں نے عمارت کے مرکزی حصے کے سامنے کھلے میدان میں گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور گہری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا دھوپ سامنے اوپری منزل پر پڑ رہی تھی وہ میں دیکھ رہا تھا کہ اوپری منزل کے بیشتر حصے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ میں نے گردن گھما کر رتنا اور شاوری کی طرف دیکھا ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، واپس چلو، ہم جنگل میں کسی جگہ گاڑی ہی میں بیٹھ کر رات گزار لیں گے۔" رتنا نے کہا۔

"ایک محفوظ جگہ موجود ہے تو جنگل میں رات گزارنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دائیں طرف ایک جگہ برآمدے کے دو ستون ٹوٹے ہوئے تھے اور اس کے سامنے جو کمرہ تھا اس کے دروازے کی دیواریں بھی آدھی کے قریب ٹوٹی ہوئی تھیں اور میرے خیال میں ہماری گاڑی اس کے اندر جا سکتی تھی میں نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو گھما کر اس طرف لے لیا۔ میرا اندازہ درست نکلا کافی کشادہ جگہ تھی۔ گاڑی اندر لے جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ کمرہ بھی بہت کشادہ تھا۔ کمرہ

کمرہ ان جیسی تین گاڑیاں ساتھ ساتھ کھڑی کی جاسکتی تھیں اس سے آگے بھی کافی جگہ تھی۔ اس محل میں شاہی خاندان کے افراد رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ کمرے بڑے بڑے ہی ہوں گے۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے کمرے میں بھی اسی طرح کشادہ ہوں گے۔

میں نے گاڑی کے اندر کی بتی جلا دی۔

"اگر کوئی ہماری تلاش میں آ بھی گیا تو فوری طور پر ہم ان کی نظروں میں نہیں آ سکیں گے۔"

میں نے مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی بھٹکی ہوئی روح یہاں آ گئی تو ....." ششادری نے کہا۔

"ان روحوں کی دشمنی راجہ شان سنگھ اور اس کے ہرکاروں سے تھی۔ ہم تو اجنبی لوگ ہیں ہمارا ان سے کیا واسطہ، لہٰذا اطمینان رکھو، روحیں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ اب اطمینان سے الگ الگ سیٹوں پر پیر پھیلا کر بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا "اور اگر محل کی سیر کرنا چاہو تو نیچے اتر چلو۔"

"نہیں، ہمیں سیر نہیں کرنی۔" ششادری کہتے ہوئے پچھلی سیٹ پر چلی گئی اور ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گئی۔

ابھی شام ہوئی تھی اور ہمیں پوری رات اس گاڑی میں اس جگہ بیٹھے بیٹھے گزارنی تھی۔ صبح ناشتہ کے بعد سے ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا اور اس وقت بھوک بھی لگ رہی تھی۔

میں ان دونوں کو گاڑی میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ محل کے باہر میں نے ناریل کے لاتعداد درخت دیکھے تھے اور میرا خیال تھا کہ پکے ہوئے ناریل زمین پر بھی گرے ہوں گے۔

محل کے سامنے مجھے زمین پر پڑے ہوئے کئی ناریل مل گئے۔ میں نے دو تین ناریل اٹھا لئے اور واپس آ گیا۔ میں نے ناریل چھیلنے کے لئے ٹول بکس میں سے دو پانے نکال لئے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے میں میں نے تینوں ناریل چھیل کر گری نکال لی اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر باقی ان دونوں کے حوالے کر دیا۔

ناریل کھاتے ہوئے نجانے کیا سوچ کر رتنا نے سوٹ کیس اپنے سامنے رکھ کر کھول لیا وہ چند لمحے سوٹ کیس میں کچھ ٹٹولتی رہی پھر اس کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

"غضب ہو گیا نانی۔"

"کیا ہوا؟" میں اس کی آواز سن کر چونک گیا۔

"اس میں نقدی اور زیورات والا ایک بنڈل غائب ہے۔" وہ بولی "کیا....؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں، یہ دیکھو۔" رتنا نے سوٹ کیس کا ڈھکنا پوری طرح کھول دیا۔ "دو ساڑھیوں میں بنڈل بنائے گئے تھے ان میں سے ایک بنڈل غائب ہے۔"

میں فرنٹ سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر آ گیا۔ یشودھر کے کوارٹر میں ہم نے ششادری کے کہنے پر تمام زیورات اور کرنسی نوٹوں کے بنڈل سوٹ کیس سے نکال کر رتنا کی دو ساڑھیوں میں لپیٹ کر الگ الگ تکیوں میں ٹھونس لئے تھے اور وہ بنڈل الگ الگ ہی نندنی کے بنگلے پر لے کر آئے تھے بعد میں انہیں

ششادری کے لائے ہوئے اٹیچی کیس میں جوں کا توں رکھ دیا گیا تھا۔

گزشتہ روز نندنی کے سامنے ہی وہ سوٹ کیس کھولا گیا تھا اور زیور اور دوسرے دو آدمیوں کو رشوت دینے کے لئے ایک بنڈل میں سے رقم نکال گئی تھی اور پھر رتنا نے نندنی کو بھی کچھ رقم اور ایک کنگن پیش کیا تھا اس نے کنگن تو قبول کر لیا تھا مگر رقم نہیں لی تھی اور رتنا نے میرے سامنے ہی وہ رقم اس بنڈل میں لپیٹ کر دوبارہ سوٹ کیس میں رکھ دی تھی۔

وہ دونوں بنڈل سوٹ کیس میں رکھے گئے تھے تو پھر ایک کہاں غائب ہو گیا۔

"اوہ.... !" میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا "کل رات جب ڈرائیور، اس کا ہیلپر بنگلے میں آئے تھے تو نندنی نے ہم دونوں کو سٹنگ روم میں بلا لیا تھا اور ہمیں بھی وہیں چھوڑ کر چائے بنانے کے لئے چلی گئی تھی اور اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوران اس نے سوٹ کیس میں سے ایک بنڈل بھی غائب کر دیا ہوگا۔ بہت ہمدرد اور نیک بنی ہوئی تھی ہمارے سامنے، موقع ملتے ہی ہاتھ صاف کر گئی۔"

"میں نے پہلے ہی تم لوگوں کو نندنی کے بارے میں خبردار کر دیا تھا۔" ششادری نے کہا۔

"اس کی باتوں سے ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ واقعی ہم سے مخلص ہے اور اس کے دل میں کوئی لالچ نہیں ہے۔" میں نے کہا "اور شاید اس لئے ہم سے غلطی ہوئی اور ہم نے اپنا سب کچھ اس پر ظاہر کر دیا۔ بہرحال یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے سب ہاتھ صاف نہیں کیا اور کچھ ہمارے لئے چھوڑ دیا۔"

"لعنت ہو اس پر۔" رتنا بولی "اس کم بخت کو پتہ تھا کہ چوری کا انکشاف ہونے پر ہم واپس نہیں آ سکیں گے۔ کیڑے پڑیں اس میں۔ آگ لگے اس کو۔" رتنا اسے بددعائیں دینے لگی "اچھا ہے اوہ پکڑی گئی اس سے زیورات برآمد ہوں گے تو پولیس اس کے شریر کا ریشہ ریشہ الگ کر دے گی۔"

"وہ بھی کیا"

"شی!" میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر رتنا کو خاموش کر دیا مجھے باہر کوئی جانی پہچانی آواز سنائی دی، وہ دونوں بھی کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگیں اور پھر میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔

وہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی۔ وہ گاڑی غالباً محل کے مرکزی دروازے میں داخل ہو چکی تھی۔ کمپاؤنڈ میں اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ رتنا اور ششادری کے چہرے ایک دم ہو گئے۔ میں بڑی پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور لینڈ کروزر کی چھت والی بتی بجھا دی۔ پستول ہاتھ میں لیا اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

دروازے والی شکستہ دیوار کے قریب پہنچ کر میں نے باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

وہ پولیس کی جیپ تھی جو محل کے مرکزی دروازے میں داخل ہو کر رک گئی تھی اور تین پولیس والے نیچے اتر آئے تھے ان میں ایک سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

وہ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہماری گاڑی کے ٹائروں سے دبی ہوئی گھاس کو دیکھ رہے

تھے۔

اور پھر وہ تینوں اس دبی ہوئی گھاس کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

میں دیوار کی آڑ میں کھڑا ان کے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھیں اور پھر ایک اور آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ حکم۔" وہ آواز خاصی ڈری ڈری اور سہمی سہمی تھی۔ "آگے جانے میں موت کا خطرہ ہے۔"

"کیا خطرہ ہے رے... چل تو آگے تک۔" دوسری آواز پر رعب تھی۔

"حکم!" اس پہلی سہمی ہوئی آواز نے کہا۔ "مہاراجہ شان سنگھ کا محل ہے یہاں اب بھی کوشلیا کی آتما بھٹکتی رہتی ہے۔ میں نے ابھی ابھی کسی ناری کے رونے کی آواز سنا ہوں۔"

وہ تینوں شاید وہیں رک گئے تھے کیونکہ اب قدموں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ ان کی باتوں کی آواز اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

"کون کوشلیا؟" وہ بھاری آواز سنائی دی۔ وہ غالباً سب انسپکٹر تھا جو اس پارٹی کا انچارج تھا۔

"وہی کوشلیا جسے مہاراجہ شان سنگھ کے آدمی ڈولی میں سے اٹھا لائے تھے اور اس حویلی میں اس کے ساتھ بلاتکار کیا تھا۔ کوشلیا نے مہاراجہ شان سنگھ کو قتل کر کے آتما ہتیا کر لی تھی۔ یہ محل اسی دن سے ویران پڑا ہے... یہاں کوشلیا کی آتما کا بسیرا ہے۔ سنو حکم... اس کے رونے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی اور اس خاموشی میں ہلکی سی غراہٹ سن کر میں بھی چونک گیا۔ لگتا تھا جیسے واقعی کوئی رو رہا ہو۔ ایک لمحہ بعد یہی آواز دوبارہ سنائی دی تو اس بار میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ کسی شیر کے بہت ہولے ہولے غرانے کی آواز تھی۔

"وہ... وہ دیکھو حکم..." پہلی آواز سنائی دی۔ اب اس میں خوف نمایاں تھا۔ "کوشلیا کی آتما اندر ہی کو لوٹ رہی ہے۔ وہ... وہ دیکھو... اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں۔"

میں نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ محل کے مرکزی حصے کی طرف وہ آنکھیں بلور کی طرح چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ایسی چمک صرف بلی یا شیر کی آنکھوں ہی میں ہوتی ہے جو رات کے اندھیرے میں بھی نظر آ جاتی ہے۔

اور پھر اسی لمحہ خاموش فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ جواب میں ایک خوفناک دہاڑ سنائی دی اور پھر پے در پے گولیاں چلنے لگیں۔

دونوں کانسٹیبل جیپ کی طرف دوڑے۔ سب انسپکٹر کو بھی دوڑ لگانی پڑی۔ شیر کے دہاڑنے کی

آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔ میں پستول کے ٹرائیگر پر انگلی رکھے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس دوران جیپ کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

اور پھر دہاڑتا ہوا وہ شیر تاریکی سے نکل کر جیپ کے ہیڈلیمپس کی روشنی میں آ گیا۔ چلتی ہوئی جیپ سے پے در پے دو گولیاں چلائی گئیں مگر وہ شیر ان گولیوں کی زد میں نہیں آیا۔ وہ دہاڑتا ہوا سامنے والے تاریک برآمدے میں غائب ہو گیا۔

جیپ بڑی تیزی سے پیچھے جا رہی تھی۔ اس کے ہیڈلیمپس کی روشنیوں کا زاویہ بھی مڑ رہا تھا۔ میں ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر آ گیا جیپ محل کے مرکزی دروازے سے باہر نکل چکی تھی۔ اس کی روشنی کچھ دیر تک نظر آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔

میں کچھ اور آگے بڑھا لیکن اسی لمحے شیر کی دہاڑ سنائی دی اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں دوڑ کر کار کے قریب آ گیا اور دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

باہر شیر کی دہاڑ رہ رہ کر سنائی دیتی اور ہم تینوں اپنی اپنی جگہ میں دبکے بیٹھے رہے۔ وقفے وقفے سے سنائی دینے والے شیر کی دہاڑ سے قطع نظر ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر دیکھا۔ گہری تاریکی میں مجھے شمشادری یا رتنا میں سے کوئی دکھائی تو نہیں دی البتہ ان کی گہری سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"رتنا... شمشادری..." میں نے ہولے سے پکارا۔ "تم لوگ زندہ ہو نا..."

"زندہ ہیں۔" رتنا کی مردہ سی آواز سنائی دی۔ "لیکن اگر جنگل کے اس بادشاہ کو پتا چل گیا کہ ہم یہاں موجود ہیں تو ہمارے مرنے میں کوئی کسر نہیں رہ جائے گی۔"

"ہم نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اس لئے وہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔ ویسے بہتر یہی ہے کہ ہم آرام سے یہاں بیٹھے رہیں۔" میں نے کہا۔

"اور اگر وہ لوگ واپس آ گئے تو..." رتنا نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ اب تک جنگل کے دوسری طرف پہنچ چکے ہوں گے وہ اس طرف واپس آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا ہم رات بھر یونہی گاڑی کے اندر بیٹھے رہیں گے..." وہ بولی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے نیچے اتر کر لیٹنے کا خطرہ بھی مول نہیں لیا جا سکتا۔"

"یہ سب شمشادری کی وجہ سے ہوا ہے۔" رتنا نے کہا۔ "اگر یہ راستہ نہ بھولتی تو ہم اس وقت ... کے بجائے کسی گھر میں آرام دہ بستر پر سو رہے ہوتے۔"

"فی الحال تو گاڑی کی اس سیٹ کو ہی آرام دہ بستر سمجھو۔" دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی شمشادری نے کہا۔

شیر کی دہاڑ اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ یقیناً محل سے باہر نکل گیا تھا یا کہیں دبک کر بیٹھ گیا

تھا۔

ہم تینوں دیر تک بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔

ابھی تو رات کا ابتدائی حصہ تھا لیکن لگتا تھا جیسے آدھی سے زیادہ رات بیت چکی ہو۔ ہمارے چاروں طرف گہری تاریکی اور دبیز سناٹا تھا۔

رتنا کو یک بیک پھر نندنی یاد آ گئی اور وہ پھر بڑی بددعائیں اور کوسنے دینے لگی۔

"بڑی حرافہ نکلی۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "کہتی تھی ہمارا دھرم کا رشتہ ہے۔ ہمارے لئے اپنی جان بھی دے دے گی۔ اب بیلا نکالے گی اس کی جان۔"

"میرا خیال ہے اس کی جان تو تمہاری بددعاؤں ہی سے نکل جائے گی۔" میں نے کہا۔ "بیلا کو اس پر ہاتھ اٹھانے میں زیادہ مزہ بھی نہیں آئے گا۔"

"میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ یہ سب کچھ اس سے چھپا کر رکھنا لیکن تم نے دھرم کی محبت کے چکر میں آ کر سب کچھ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اس کے دل میں لالچ تو آنا ہی تھا۔"

"ہم نے تمہارے سامنے بھی تو اپنا سب کچھ کھول کر رکھ دیا تھا۔ تمہارے دل میں لالچ نہیں آیا۔" رتنا نے کہا۔

"میرے اور نندنی کے حالات میں فرق ہے۔" شمشادری نے جواب دیا۔

"میں بھی تم لوگوں کی طرح حالات کی ڈسی ہوئی ہے۔ ناانصافیوں کا شکار ہوں۔ ہم لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جبکہ نندنی کا راستہ قدرے مختلف ہے۔ اب میں سوچتی ہوں کہ اگر وہ تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دیتی تو یا سوٹ کیس میں سے سب کچھ نکال کر اس میں پتھر بھر دیتی تو تم لوگ کیا کر لیتے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ اسے بھول کر شانت ہو جاؤ۔ جیسے جیسے اس کے بارے میں سوچو گی تمہارا خون کھولتا رہے گا اور خون کھولنے کا مطلب ہے کہ تم بلڈ پریشر کا شکار ہو جاؤ گی۔ ایسی خطرناک بیماری پالنے کا کیا فائدہ اس لئے اب تم آرام سے سو جاؤ۔"

"شمشادری ٹھیک کہہ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "بھول جاؤ اسے اور شانت ہو کر سو جاؤ۔"

"اس کتیا کو تو میں کبھی بھول نہیں سکتی۔" رتنا نے کہا۔ "وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی اور جب تک یاد رہے گی میں اسے کوسنے دیتی رہوں گی۔"

"پتا نہیں وہ اب تک زندہ بھی ہے یا نہیں۔" میں نے کہا۔ "بیلا کو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے تشدد کا شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو۔ اب تو تمہیں اپنی فکر کرنی چاہئے۔"

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "پولیس ہمارے سر پر پہنچ چکی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئے ہوں اور محل سے زیادہ دور نہ ہوں۔ اگر ہمیں صبح اس جنگل سے نکلنے کا راستہ نہ ملا تو گھیر لئے جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس کی کوئی اور پارٹی بھی جنگل میں داخل ہو یا صبح سویرے ہی پولیس کی مزید نفری ہماری تلاش میں جنگل میں داخل ہو جائے اور ہمارے بچ نکلنے کے تمام راستے مسدود ہو جائیں۔"

"اب مجھے راستے کا اندازہ ہو گیا ہے۔" شمشادری نے کہا۔ "صبح اگر ہم اس محل سے نکل کر شروع

کی طرف روانہ ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں جنگل سے باہر نکل جائیں گے۔"

"کیا ہم اس جنگل سے باہر نکل کر بھی محفوظ رہیں گے۔" میں نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ اس جنگل میں دوسری طرف کوٹ پتلی نام کا کوئی قصبہ ہے۔ کیا تمہارے خیال میں کوٹ پتلی کی پولیس کو فون پر ہمارے فرار کی اطلاع نہیں دے دی گئی ہوگی اور کیا جنگل کے باہر پولیس ہمارے استقبال کے لیے تیار نہیں ہوگی؟"

"کوٹ پتلی جنگل سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اور کوٹ پتلی میں پولیس کی اتنی نفری نہیں ہوگی کہ وہ میلوں دور تک پھیلے ہوئے جنگل کو گھیرے میں لے سکیں۔" شہشادری چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "کوٹ پتلی دلی شملہ ہائی وے پر واقع ہے۔ راستے میں کئی چھوٹی بڑی بستیاں ہیں۔ ہم کسی بھی طرف نکل سکتے ہیں۔"

میں اور شہشادری دیر تک مدھم لہجے میں باتیں کرتے رہے۔ اس دوران رتنا کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے اس کا نام لے کر ہولے سے اسے پکارا مگر جواب نہیں ملا۔ وہ سو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد شہشادری بھی سو گئی۔ وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر تھیں اس لئے آرام سے لیٹ کر سو گئی تھیں۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا جس پر لیٹنے کی گنجائش نہیں تھی اور سامنے ٹانگیں بھی پوری طرح سیدھی نہیں کی جا سکتی تھیں۔ میں سرک کر پسنجر سیٹ پر آ گیا اور دروازے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں ڈرائیونگ سیٹ پر پھیلا لیں۔ یہی ایک طریقہ تھا جس سے مجھے کسی قدر آرام مل سکتا تھا۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری گزر رہا تھا لیکن بہرحال رات بیت رہی تھی۔ میں جاگنے کی کوشش کرتا رہا لیکن آخر کار نیند نے مجھے بھی دبوچ لیا۔ میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔

شہشادری نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا تھا۔ میں شاید تین چار گھنٹے ہی سویا تھا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور میری آنکھوں میں مرچیں سی بھری ہوئی تھیں۔ دماغ پر بھی بوجھ سا تھا۔ میں کچھ دیر تک سر کو جھٹکے دیتا رہا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں بہت ہلکا اجالا تھا۔ میں دروازہ کھول کر جیپ سے نیچے اتر آیا اور جب ٹوٹی ہوئی دیوار کے خلا سے نکل کر برآمدے میں آیا تو سامنے ہلکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ جیپ پر سوار ہونا خطرناک تھا۔ میں دوبارہ کمرے میں آ گیا۔

رتنا بھی جاگ چکی تھی۔ جیپ کی سیٹوں کے پیچھے کی طرف جیری کینوں کے ساتھ پانی کا کین بھی رکھا ہوا تھا۔ میں دوبارہ نیچے اتر آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر پانی کا کین اتار لیا۔

پانی کے چھینٹوں کی بدولت کچھ کم ہوئی۔ چند گھونٹ پانی پی کر میں نے کین شہشادری کے حوالے کر دیا۔

ہماری یہ رات بڑی اذیت میں گزری تھی لیکن چند منٹ بعد ہمارے حواس بحال ہو چکے

تھے۔ ہم تینوں باہر آ گئے۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں محل کی یہ قدیم عمارت بڑا پراسرار منظر پیش کر رہی تھی۔ مرکزی حصے کے بائیں طرف کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے رتنا اور شہشادری کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور پستول ہاتھ میں پکڑ کر اس طرف چل دیا۔

محل واقعی بہت شاندار تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ جب یہ آباد رہا ہوگا تو اس کی کیا شان رہی ہوگی۔

میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ شہشادری نے کسی لڑکی کا قصہ سنایا تھا جس نے راجہ شمشیر سنگھ کو قتل کر کے خودکشی کر لی تھی اور اس کی روح اب بھی اس کے کھنڈرات میں بھٹک رہی تھی۔ ہو سکتا ہے اس روح کے حوالے سے اس محل کے بارے میں اور بھی بہت سی کہانیاں مشہور ہوں لیکن میں بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ میرے دل میں اگر کوئی خوف تھا تو اس شیر کا جسے میں نے گزشتہ رات محل کے کمپاؤنڈ میں دہاڑتے ہوئے دیکھا تھا اور ویسے میں اس شیر کا شکر گزار بھی تھا جس کی وجہ سے ہم بچ گئے تھے۔ اگر وہ شیر نہ آتا تو وہ پولیس والے یقیناً ہمیں ڈھونڈ نکالتے۔ آسانی سے وہ ہم پر قابو نہیں پا سکتے تھے لیکن بہرحال گڑبڑ تو ہو سکتی تھی۔

دائیں کا وہ گرا ہوا حصہ خاصا شکستہ تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ یہاں ملبہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ حصہ بہت پہلے گرا ہو اور کسی نے یہاں آباد ہونے کی کوشش میں ملبہ صاف کر دیا ہو۔

اس وسیع و عریض عمارت کے دوسری طرف تقریباً پچاس گز دور فصیل کا ایک بہت بڑا حصہ بھی ٹوٹا ہوا تھا جس کے دوسری طرف ایک ڈھلوانی راستہ بھی دکھائی دے رہا تھا جو جنگل میں چلا گیا تھا۔

میں چند منٹ وہاں کھڑا اس راستے کو دیکھتا رہا پھر واپس آ گیا۔ شہشادری اور رتنا برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں کھڑی تھیں۔ وہ دونوں بارز کھا رہی تھیں۔ شہشادری نے بار کا ایک ٹکڑا میری طرف بھی بڑھا دیا۔

"اس طرف جنگل میں ایک راستہ جاتا نظر آ رہا ہے۔" میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم اس طرف سے نکل جائیں تو تمہارے بتائے ہوئے راستے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"اس طرف سے کیوں نہیں؟" رتنا نے مرکزی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "پولیس والوں نے ہماری گاڑی کے پہیوں کے نشان دیکھ لئے تھے۔" میں نے کہا۔ "رات کو تو شیر نے انہیں یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ انہیں یہاں ہماری موجودگی کا یقین ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ قریب ہی جنگل میں کہیں چھپ کر بیٹھے ہوں۔ انہیں یقین ہوگا کہ دن چڑھنے پر ہم اسی راستے سے باہر نکلیں گے۔ اس لئے ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم وہ مرکزی دروازہ استعمال کرنے کے بجائے اس طرف کا راستہ اختیار کریں۔"

"تو پھر اس سے پہلے کہ وہ پولیس والے ہماری تلاش میں دوبارہ اندر آ جائیں ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔" رتنا نے کہا۔

ہم تینوں اندر آ گئے۔ رتنا اور شہشادری پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور میں نے اسٹیئرنگ سنبھال

لیا۔ انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو بڑی احتیاط سے اس کمرے اور برآمدے سے نکالا اور اس کا رخ محل کے اس حصے کی طرف موڑ دیا۔

وسیع و عریض کمپاؤنڈ گھاس اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ مجھے گاڑی کو محل کے اس ٹوٹے حصے تک لے جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

"اس راستے کو دیکھ کر یہ لگتا ہے جیسے یہاں سے باقاعدہ ملبہ صاف کیا گیا ہو۔" میں نے ادھر ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ویران محل ماضی میں طویل عرصے تک ڈاکوؤں کا اڈا بھی رہا ہے۔" شش دری نے بتایا۔ "راستے یقیناً انہوں نے ہی صاف کئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ڈاکوؤں کے بعض گروہ اب بھی اس طرف آتے رہتے ہوں۔ یہ ان کیلئے محفوظ ترین جگہ ہے۔ پولیس ان گھنے جنگلوں میں ان کا پیچھا نہیں کرتی۔"

"لیکن پولیس نے ہمارا پیچھا تو نہیں چھوڑا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے پیچھے آنے پر بھی اب وہ پچھتا رہے ہوں گے۔" شش دری نے بتایا۔ "ڈاکو ایک یا دو نہیں ہوتے۔ ان کے گروہ تیس چالیس آدمیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پولیس ان کا پیچھا کرنے کی حماقت نہیں کر سکتی۔ ہمارے بارے میں پولیس کی رائے مختلف ہوسکتی ہے۔ ہم تعداد میں صرف تین ہیں۔ ایک مرد اور دو عورتیں اور پولیس کے خیال میں ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے ہمارا تعاقب کرنے میں انہوں نے کوئی مضائقہ نہیں سمجھا اور اب یقیناً پچھتا رہے ہوں گے۔"

محل کی فصیل سے نکل کر ہم کھلی جگہ پر آگئے۔ چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں لیکن اس راستے کی نشاندہی ہو رہی تھی جو بتدریج ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔ جھیل ہمارے بائیں طرف تھی اور ہم بتدریج اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

جنگل خاصا گھنا تھا۔ درختوں میں بل کھاتا ہوا وہ راستہ ایسا تھا جیسے بہت پہلے باقاعدہ استعمال ہوتا رہا ہو۔ تقریباً ایک گھنٹے تک میں گاڑی چلاتا رہا اور پھر ایک جگہ مجھے گاڑی روک لینی پڑی۔ آگے ایک دم گہرا نشیب تھا۔ عمودی ڈھلان تھی اور کوئی باقاعدہ راستہ بھی نہیں تھا۔ اس عمودی ڈھلان پر گاڑی کو اتارنے کی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ میں نے انجن بند کر دیا اور ہم تینوں نیچے اتر آئے۔

نیچے نشیب میں بھی تاحد نگاہ گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ ہم کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر گاڑی میں آ گئے۔ میں نے انجن سٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو نشیب کے ساتھ ساتھ چلاتا رہا۔

تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ہم تینوں اچھل پڑے۔ میری گرفت سٹیئرنگ پر ڈھیلی پڑ گئی اور لینڈ کروزر لہرانے لگی۔ رفتار تو ظاہر ہے تیز نہیں تھی لیکن مجھے گاڑی روک لینی پڑی اور جب نیچے اتر کر دیکھا تو اس دھماکے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

آگے کا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ گاڑی میں ایک سٹپنی موجود تھی۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں ٹول بکس بھی تھا۔ میں نے جیک وغیرہ نکال کر گاڑی کے قریب رکھ دیا اور برسٹ شدہ پہیے کے نٹ کھولنے لگا اور جب گاڑی کے پیچھے گیا تو شش دری اور رتنا بھی نیچے اتر آئی تھیں۔

"اے شش دری دیوی۔" میں اسے بازو سے پکڑ کر آگے لے آیا۔ "یہ جیک کا ہینڈل گھماؤ۔ گاڑی کو اوپر اٹھانا ہے۔"

شش دری جھک کر میرے بتائے ہوئے طریقے سے جیک کا ہینڈل گھمانے لگی مگر اس کی ساڑھی کا پلو بار بار نیچے گر رہا تھا۔ اس نے پلو کندھے سے ہٹا کر کمر میں اڑس لیا اور ہینڈل گھمانے لگی۔ گاڑی آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی اور پھر میں نے اسے روک دیا اور نٹ پوری طرح کھول کر پہیہ باہر نکال کر دوسرا پہیہ چڑھا دیا اور ہاتھ سے نٹ کسنے کے بعد جیک نکال دیا اور پانے کی مدد سے نٹ کسنے لگا۔

رتنا اس وقت گاڑی کی دوسری طرف کھڑی تھی۔ میں آخری نٹ کس رہا تھا کہ رتنا کی آواز سن کر چونک گیا۔

"ارے یہ دیکھو..."

"کیا ہوا؟" میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ دیکھو... یہ... یہ پہیہ بھی..."

رتنا کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور میرے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکل گیا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ بائیں طرف کا پچھلا پہیہ بھی فلیٹ ہو رہا تھا۔

میں نے جھک کر دیکھا تو لکڑی کا ایک نوکیلا ٹکڑا ٹائر میں پیوست تھا۔ میرا خیال تھا کہ لکڑی کا یہ ٹکڑا اگلا ٹائر برسٹ ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی اس ٹائر میں لگا ہوگا۔ ہم اگلا پہیہ تبدیل کرتے رہے اور اس دوران پچھلے پہیے کی ہوا نکل گئی۔

"لعنت ہو۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے ٹائر پر ایک ٹھوکر ماری۔

"اب کیا ہوگا۔" رتنا مردہ سے لہجے میں بولی۔

"اب پیدل مارچ ہوگا۔" میں نے کہا۔

شش دری بھی اس طرف آ گئی اور فلیٹ شدہ ٹائر دیکھ کر اس کا چہرہ بھی دھواں ہوگیا۔

"اب کیا ہوگا؟" اس نے بھی وہی سوال کیا جو اس سے پہلے رتنا کر چکی تھی اور میرا جواب بھی وہی تھا جو میں رتنا کو بتا چکا تھا۔

"تم تو گائیڈ ہو... اب ہماری رہنمائی کرو..." میں نے کہا۔

ہم چند منٹ وہاں کھڑے بک جھک کرتے رہے۔ گاڑی میں ایک ہی فاضل ٹائر تھا جو لگا دیا گیا تھا اور محنت بھی رائیگاں گئی تھی۔

"یہ گاڑی اب ہمارے لئے بیکار ہو چکی تھی۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم اپنا سفر جاری رکھیں۔ رتنا نے گاڑی سے سوٹ کیس نکال لیا۔"

"یہ بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اسے یہیں چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب۔ یہ یہاں چھوڑ دوں۔" رتنا نے مجھے گھورا۔

"میرا مطلب ہے اس سوٹ کیس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تھیلا نکال لو۔ اسے تو آسانی سے

گلے میں لٹکایا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

بات رتنا کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے تھیلا نکال لیا اور سوٹ کیس کو گاڑی میں پھینک دیا۔ تھیلا اس نے کندھے پر لٹکا لیا۔

ہم اس راستے پر چلتے رہے۔ میں آگے تھا اور وہ دونوں میرے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ ہمارے پاس دو پستول تھے ایک میرے پاس اور دوسرا رتنا کے پاس ہم دونوں نے پستول اپنے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ درندوں کا بہرحال خطرہ تو تھا۔ ششادری نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جنگل درندوں کی وجہ سے خطرناک ہے اور میرے خیال میں یہ جنگل کچھ زیادہ ہی خطرناک تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ گاؤں سے نکلتے ہوئے ششادری نے بتایا تھا کہ اگر ہم مشرق کی سمت چلتے رہیں تو اس جنگل سے نکل جائیں گے۔ ہمیں بیس پچیس میل کا فاصلہ طے کرنا ہے جس میں سے تقریباً نصف فاصلہ ہم طے کر چکے تھے اور باقی نصف فاصلہ طے کرنا ہمارے لئے کڑا امتحان تھا۔

جنگلی جانوروں کی بہتات تھی لیکن پیدل چلتے ہوئے ہمیں جتنے بھی جانور نظر آئے وہ بے ضرر تھے۔ میں نے رتنا کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ کسی جانور کو دیکھ کر بلاوجہ گولی نہ چلا دے۔

نصف گھنٹہ مزید چلتے رہنے کے بعد ہم رک گئے۔ سامنے قریب ہی درختوں میں گھرے ہوئے کسی بستی کے کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ ان میں ایک مندر نمایاں تھا جو قدرے بہتر حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس طرف سے کوئی راستہ مل جائے گا۔" میں نے کھنڈروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرف کچھ پھل دار درخت بھی ہوں گے۔ شاید ہمیں کچھ کھانے کو مل جائے۔" یہ بات ششادری نے کہی تھی۔

ششادری کے کہنے پر یاد آیا کہ ہم صبح سے بھوکے پیاسے تھے۔ رات کا بچا ہوا تھوڑا سا ناریل ضائع تھا اور اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔ راستے میں کوئی پھل دار درخت بھی نظر نہیں آیا تھا۔

وہ کھنڈر تقریباً ایک میل دور تھے۔ ششادری اور رتنا تھک گئی تھیں۔ رتنا تھیلے کو ایک کندھے پر منتقل کرتی اور کبھی دوسرے کندھے پر۔ اسے یہ تھیلا بھی اب بوجھ لگنے لگا تھا۔ آخر کار میں نے اس سے وہ تھیلا لے کر اپنے کندھے پر لٹکا لیا۔

ایک چھوٹی سی ندی پر ہم رک گئے۔ ندی میں گدلا پانی بہہ رہا تھا۔ ہمارے لئے یہ پانی بھی آب حیات سے کم نہیں تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم آگے چل پڑے۔

وہ کھنڈرات زیادہ دور نہیں رہ گئے تھے۔ یہاں جنگل بھی چھدرا ہوتا چلا گیا تھا اور آخر کار ہم کھلی جگہ پر نکل آئے۔ وہ کھنڈرات اب ہمارے سامنے تھے۔ مندر اس بستی سے تقریباً الگ تھلگ تھا اور اس کی دیواروں پر اگرچہ کائی جمی ہوئی تھی مگر وہ کافی بہتر حالت میں نظر آ رہا تھا جبکہ اس کے بائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر اس بستی کے بیشتر مکان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔

"میرا خیال ہے اس بستی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ مندر ہی ہمارے لئے مناسب رہے گا۔" رتنا نے مندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم اس طرف چل پڑے۔ اینٹوں کا ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس پر چھوٹی سی پکی ہوئی سرخ اینٹوں سے وہ مندر بنا ہوا تھا۔ وہ چبوترہ زمین سے تقریباً ساڑھے تین فٹ بلند تھا۔ حوادث زمانہ نے اس کے کچھ حصے توڑ پھوڑ دیئے تھے۔ دیواروں پر کائی جمی ہوئی تھی کہیں کہیں اینٹوں کے جوڑوں سے گھاس بھی پھوٹی ہوئی تھی۔ تقریباً تیس فٹ کی بلندی پر مرکزی دروازے کے عین اوپر دیوار میں پیپل کا ایک پودا بھی اگا ہوا تھا۔ جس طرح اینٹوں کے جوڑوں میں گھاس خودرو تھی اسی طرح پیپل کا یہ پودا بھی خودرو تھا۔ اس کی دو شاخیں تقریباً دس فٹ تک آگے کو نکلی ہوئی تھیں اور تین چار شاخیں اتنی بلندی پر اوپر تک چلی گئی تھیں۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ قدیم عمارات کی دیواروں پر اکثر اس قسم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

مندر کا داخلی راستہ محرابی تھا۔ ایسا ہی ایک راستہ پچھلی طرف بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ ہال تقریباً پچیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ دائیں طرف ایک چبوترہ تھا جس پر کسی زمانے میں کسی دیوی دیوتا کی مورتی براجمان رہی ہوگی لیکن اس وقت تو اس چبوترے کا بھی بیشتر حصہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ چبوترے کے پیچھے ایک تنگ سا راستہ تھا۔

ہم جیسے ہی ہال کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سن کر چوکنے ہو گئے۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے چمگادڑوں کا خیال ابھرا تھا۔ ایسی ویران عمارتوں میں چمگادڑ ڈیرہ جما لیتے ہیں یا الو۔

لیکن وہ نہ تو چمگادڑ تھے نہ الو۔ سرمئی رنگ کے جنگلی کبوتر تھے جنہوں نے ٹوٹی پھوٹی دیواروں میں اپنے مسکن بنا رکھے تھے۔

میں نے رتنا اور ششادری کو ہال ہی میں رکنے کا اشارہ کیا اور خود چبوترے کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ راستہ تین فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا اور دوسری طرف کمرہ تھا جس میں گہری تاریکی تھی۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا میرے اوپر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ چیخوں اور پروں کی پھڑپھڑاہٹ کے شور نے میرے حواس مختل کر دیئے۔

وہ لاتعداد چمگادڑ جو میرے قدموں کی آہٹ سے چیختے چلاتے ہوئے کمرے کی فضا میں گردش کرنے لگے تھے۔ کچھ چمگادڑ مجھ سے ٹکرائے اور باقی دروازے سے باہر نکل کر ہال میں گردش کرنے لگے۔

"رتنا۔ نیچے لیٹ جاؤ۔" میں پوری قوت سے چیخا اور خود بھی بڑی تیزی سے مڑ کر ہال کی طرف چھلانگ لگا دی۔

چمگادڑوں کا شور کئی منٹ تک جاری رہا اور پھر جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ اس تاریک کمرے میں واپس ہو گئے۔ میں اس وقت تک زمین پر اوندھا لیٹا رہا جب تک پھڑپھڑاہٹ کا شور کم نہیں ہو گیا۔ چیخوں کی آوازیں البتہ اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"ارے! یہ کیا ہوا؟" شمشادری نے کہتے ہوئے میرا بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔

میں نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی پشت پر خون کا ایک قطرہ نظر آ رہا تھا۔ میرا خیال ہے گرتے ہوئے چوٹ لگ گئی ہوگی لیکن دفعتاً ایک اور خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ پھڑ پھڑاتی ہوئی کئی چمگادڑیں مجھ سے ٹکرا گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کسی چمگادڑ نے ٹکراتے ہوئے دانت مار دیا ہو یا اس کے نوکیلے پنجے سے ہاتھ پر کوئی خراش آ گئی ہو۔ میرے اس خیال کی تائید رتنا اور شمشادری نے بھی کی تھی۔ انفیکشن کا خطرہ تو بہرحال تھا لیکن اس وقت اس کا کوئی تدارک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شمشادری نے خون صاف کر کے چٹکی بھر مٹی زخم پر ڈال دی اور ساڑھی کے پلو سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر میرے ہاتھ پر پٹی باندھ دی۔

"یہ جگہ خطرناک ہے۔ ہمیں باہر چل کر کسی اور جگہ پر بیٹھنا چاہئے۔" رتنا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں روشنی ہے اس لئے ہمیں چمگادڑوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "غلطی میری ہی تھی۔ مجھے اس طرح بے پروائی سے اندر کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ویسے بھی ہمیں کون سا یہاں بیٹھے رہنا ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر کے روانہ ہو جانا چاہئے۔ ویسے ہمیں کوشش یہ کرنی چاہئے کہ راستہ تلاش کر کے جلد سے جلد اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کریں۔ اگر اس جنگل میں شام ہو گئی تو......"

"بس بس... آگے کچھ مت کہنا۔" رتنا نے ہاتھ اٹھا کر مجھے روک دیا۔ "ایک تو خونخوار درندوں سے بھرا ہوا یہ جنگل ویسے ہی ہولناک ہے اندھیرے کے خیال سے میرا دل کانپنے لگا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "کچھ دیر آرام کر لو تو یہاں سے چلیں۔"

ہم تینوں اس چبوترے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ہم لوگ اڑھائی تین گھنٹوں تک اس جنگل میں پیدل چلتے رہے۔ وہ دونوں تو بری طرح تھک گئی تھیں۔ اس لئے میں نے تھوڑی دیر یہاں رکنے کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے لیکن تھوڑی دیر بعد ہی شمشادری اور رتنا چبوترے کے ساتھ نیم دراز ہو کر سو چکی تھیں۔ میرے دماغ پر بھی غنودگی سی طاری ہونے لگی اور پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔

میں نیند میں بھی بے چین سا رہا۔ شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ پولیس میرے تعاقب میں تھی اور میں بے تحاشا دوڑ رہا تھا۔ میرا سانس پھول گیا تھا اور منہ سے کف بہنے لگا تھا۔ دفعتاً میرے قدم ڈگمگائے اور میں گر گیا۔ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پولیس والے میرے سر پر پہنچ گئے۔ ایک پولیس والے نے میرے کولہوں پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پولیس والے کی ٹھوکر اور میرے منہ سے نکلنے والی چیخ میرے خواب کا حصہ نہیں تھی۔ یہ وہ ٹھوکر تھی جس نے مجھے آن واحد میں حقیقت کی دنیا میں لا پھینکا تھا۔ میں بدحواس سا ہو گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک اور ٹھوکر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی رتنا اور شمشادری کی چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔

مجھے حواس میں آنے اور صورتحال کو سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ وہی تینوں پولیس والے تھے

جو ہمارا تعاقب کرتے ہوئے گزشتہ رات راجہ شان سنگھ کے محل میں بھی پہنچ گئے تھے مگر ایک شیر کی دہاڑ نے انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان میں ایک تو سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل۔ سب انسپکٹر کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دونوں کانسٹیبلوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں۔ انہوں نے ہم تینوں کو زد پر لے رکھا تھا۔

"بہت بھاگ لئے۔" سب انسپکٹر نے غراتے ہوئے کہا۔ "سارے انڈیا کی پولیس تمہارا راستہ نہیں روک سکی لیکن سب انسپکٹر رشپ ناتھ جس مجرم کے پیچھے لگ جاتا ہے اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے شمشادری اور رتنا کی طرف دیکھا۔ خوف کی شدت سے ان دونوں کے چہرے بالکل سفید پڑ گئے تھے جیسے جسم کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس طرح پکڑے جانے کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا ان کی جیپ مندر کے باہر کھڑی ہوگی مگر مجھے وہ جیپ دکھائی نہیں دی۔ ہو سکتا ہے سائیڈ پر کسی جگہ کھڑی ہو لیکن مجھے حیرت تھی کہ کیا ہم تینوں اتنی گہری نیند سو گئے تھے کہ ہمیں جیپ کی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔

میں جب چبوترے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوا تھا تو پستول میں نے اپنی گود میں رکھوایا تھا جو اس وقت مجھ سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر پڑا تھا۔ رتنا والا پستول بھی اس کے قریب ہی گرد آلود فرش پر پڑا ہوا تھا لیکن وہ اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتی تھی۔ سب انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ اس نے بڑے انداز میں آگے بڑھ کر پہلے دونوں پستولوں کو پیر کی ٹھوکر سے دور ہٹایا اور پھر انہیں اٹھا لیا۔

"چھیا بھی اس کی طرف پھینک دو۔" سب انسپکٹر نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

رتنا نے تھیلا بھی اس کی طرف اچھال دیا جو اس کے پیروں کے قریب گرا۔ سب انسپکٹر نے جھک کر تھیلا اٹھا لیا اور پھر اسے کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"مجھے انسپکٹر کے عہدے پر ترقی تو مل ہی جائے گی۔ پر یہ انعام مجھے پسند آیا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہاں سے فرار ہونے کا خیال بھی دل میں مت لانا۔" میں نے کہا۔ "اگر تم نے اسے ہضم کرنے کی کوشش کی تو اوپر والے تمہارے حلق میں ہاتھ ڈال کر بھی اسے نکال لیں گے۔"

"میں بھی رشپ ناتھ ہوں۔ کوئی میری طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور پھر شمشادری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اے وینی! تم ادھر کو جاؤ۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ تمہیں یرغمال بنا کر سارنگا سے فرار ہوئے ہیں۔ تم کیوں ڈرتی ہو۔ ادھر کو آ جاؤ۔"

اس انکشاف نے میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ سارنگا میں قتل سیاحت کے

آفس منیجر نے ہمیں شہشادری کے ساتھ لینڈ کروزر میں بیٹھتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے یہ تو نہیں سوچا ہوگا کہ شہشادری بھی ہماری ساتھی ہے۔ اس کے ذہن میں یقیناً یہی خیال آیا ہوگا کہ ہم اسے یرغمال بنا کر فرار ہو رہے ہیں اور یہی بات اس نے پولیس کو بھی بتائی ہوگی۔

میں نے شہشادری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی چمک سی ابھر آئی تھی۔ ایک موقع مل رہا تھا۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دنیا کی بڑی حماقت ہوتی۔

"تحکم۔" شہشادری نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"کیسے مار ڈالیں گے۔ ہم ہوں نا۔ تم آ جاؤ ادھر کو... مت ڈرو..." سب انسپکٹر نے کہا۔

شہشادری نے خونخوار نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بڑی تیزی سے پولیس والوں کی طرف چلی گئی۔

"میں کہتی تھی نا کہ تم لوگ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تم لوگ سارنگا جی میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتے تو شاید تمہارے ساتھ کچھ رعایت ہوتی مگر اب تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔ بہت خوفناک انجام ہوگا تمہارا۔ بہت ظلم کیا ہے تم نے مجھ پر بھی۔ اب پتا چلے گا تمہیں..."

"ہوں... تو ان نے تمہارے ساتھ زیادتی بھی کی ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"بہت ایذا دی ہے تحکم۔" شہشادری نے کہا۔ "مجھے مارا پیٹا ہے بہت زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔"

"گاڑی کہاں ہے تم لوگوں کی۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"گاڑی تو خراب ہو گئی تھی۔ ہم دو گھنٹوں سے پیدل چل رہے ہیں۔" شہشادری نے جواب دیا پھر بولی۔ "انہوں نے سرکاری گاڑی کا بھی ستیاناس کر دیا۔ افسوس وہ پنے کی گاڑی تھی وہ۔"

"ان سے سب کچھ وصول کر لیا جائے گا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"لیکن تحکم... تم لوگوں کی گاڑی کہاں ہے۔ کیا تمہاری گاڑی بھی..." شہشادری نے جان بوجھ کر بات پوری نہیں کی۔

"ہماری جیپ ٹھیک ہے اور بستی کے کھنڈروں میں کھڑی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "رات کو ہمیں شبہ ہوا تھا کہ تم لوگ اس کل کے کھنڈرات میں چھپے ہوئے ہو لیکن محل میں شیر کی موجودگی سے ہمیں اندازہ ہوا کہ تم لوگ وہاں نہیں ہو سکتے۔ ہم لوگ محل سے نکل آئے اور تقریباً ایک میل دور ایک محفوظ جگہ پر جیپ روک کر رات گزاری اور پھر صبح کی روشنی دیکھ پھیلتے ہی روانہ ہو گئے۔ بستی کے ان کھنڈروں کو دیکھ کر ہم رک گئے۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ اگر پیچھے رہ گئے ہو تو اس طرف ضرور آؤ گے۔"

"جیپ ہم نے کھنڈروں میں چھپا دی اور ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ٹھہر کر رہ گئے۔ تھوڑی دیر پہلے یہ ڈرائی اس طرف آیا تھا۔ اس نے تم لوگوں کو یہاں سوئے ہوئے دیکھا تو واپس جا کر مجھے بتا دیا۔"

"یہ خوش قسمتی شاید میرے ہی حصے میں لکھی ہوئی تھی کہ جس اٹک وادی کو چپے چپے ہندوستان کی پولیس تلاش نہ کر سکی وہ بڑی آسانی سے میرے ہاتھ آ گیا۔ اب ہر طرف میری جے جے کار ہوگی۔ میرے نام کا ڈنکا بجے گا۔ میری ترقی ہوگی۔ مجھے سرکار سے انعام ملے گا۔"

"یہ دونوں بہت خطرناک ہیں تحکم..." شہشادری نے کہا۔ "انہیں باندھ کر رکھو۔ یہ دونوں کسی بھی وقت کچھ کر سکتے ہیں۔"

"میں ان کا بندوبست کر لوں گا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "اٹھ کر ہمارے ساتھ چلو۔ کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیئے جاؤ گے۔"

شہشادری نے ہمیں باندھنے کا مشورہ دیا تو ایک لمحہ کو میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ ان تینوں نے چند گز دور رہ کر ہمیں اپنی اپنی گنوں کی زد پر رکھا تھا۔ اگر ہم بھاگنے کی کوشش کرتے تو ہمیں واقعی گولیوں سے بھون دیا جاتا۔

ہم لوگ مندر سے باہر آ کر بستی کے کھنڈروں کی طرف چلنے لگے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ خاصی تیز ہو رہی تھی۔ شہشادری سب انسپکٹر و شیپ ناتھ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے گی لیکن اس کا ایسا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا۔ وہ شیپ ناتھ کے ساتھ چلتے ہوئے ساتھ ساتھ ہماری زیادتیوں کے قصے سنا رہی تھی۔

ہم بستی میں داخل ہو گئے۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے خوش حال تھے۔ تمام مکان بڑے بڑے تھے اور گلیوں میں پختہ اینٹوں کی سولنگ تھی۔

ہم جیسے ہی دوسری گلی میں مڑے ہمیں جیپ نظر آ گئی۔

حویلی نما وہ مکان بھی بہت بڑا تھا۔ باہر کی چار دیواری ٹوٹی ہوئی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ان سے آگے کشادہ صحن تھا اور پھر حویلی کے کمرے۔ بیشتر کمرے ٹوٹ پھوٹ چکے تھے لیکن دو تین کمرے ایسے تھے جن میں رہائش رکھی جا سکتی تھی۔

جیپ کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک کانسٹیبل نے جیپ میں رکھی ہوئی ہتھکڑی اٹھالی جو میرے اور رتنا کے ہاتھوں میں پہنا دی گئی۔ وہ لوگ ہمیں حویلی کے اس کمرے میں لے آئے جہاں گرد آلود فرش پر ایک چادر بچھی ہوئی تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انہوں نے یہیں ڈیرہ جما رکھا تھا۔

ہمیں ایک کونے میں بٹھا دیا گیا۔ ایک کانسٹیبل نے ہم پر رائفل تان رکھی تھی۔ شہشادری سب انسپکٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے ساڑھی کا پلو گرا دیا تھا اور جان بوجھ کر کسی قدر آگے جھک بیٹھی تھی۔ سب انسپکٹر کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور شہشادری بھی اب مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کر رہی تھی۔

اور پھر میں نے ان دونوں کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ شہشادری نے ہماری طرف گردن گھمائی تو اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ رتنا اس موقع پر خاموش نہیں رہ سکی۔

"ہاں ہاں... جا اپنے یار کے ساتھ۔ بڑی جگہ ہے ان کھنڈروں میں۔" رتنا کے لہجے میں بے

پناہ طنز تھا۔

ششادری تیزی سے گھوم گئی۔ اس نے رتنا کو ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

"تو بھی تو اپنے اس یار کے ساتھ عیش کرتی رہتی ہے۔" وہ غرائی۔ "شٹ اپ، یہ تو میرا محسن ہے۔ اس نے تم لوگوں سے میری جان بچائی ہے کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کروں۔"

"ہاں ہاں جا اس حرامی کا شکریہ ادا کر رنڈی۔" رتنا بھی چیخی۔ ششادری نے غراتے ہوئے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ رتنا نے سب انسپکٹر کو حرامی کہا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر سب انسپکٹر نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اس نے ششادری کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ رتنا ششادری کو گالیاں دیتی رہی۔

وہ دونوں باہر چلے گئے جبکہ دونوں کانسٹیبل دروازے کے قریب بیٹھے آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔ ان کی رائفلوں کے رخ ہماری طرف تھے۔

میں اور رتنا کبھی ان کانسٹیبلوں کی طرف دیکھتے اور کبھی دروازے کے باہر دیکھنے لگتے۔ باہر دھوپ خاصی تیز تھی اور زیادہ دیر تک اس طرف نظریں جمائے رکھنا ممکن نہیں تھا۔

"ششادری اس مسٹنڈے کو اپنے ہاتھ میں لے کر گئی ہے۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کیا تمہارے خیال میں وہ اس پر قابو پا سکے گی۔"

"عورت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہونا چاہئے۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "اگر اس کی جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں۔"

"ششادری سمجھدار ہے۔" رتنا بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ اسے ناکامی نہیں ہوگی لیکن اگر..."

"اس سے آگے مت سوچو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا اور پھر ششادری دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے جسم پر ساڑھی نہیں تھی۔ صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ تھا۔ بلاؤز بھی ایسا تھا کہ اس کے جسم کا بالائی حصہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دونوں کانسٹیبل بھوکی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم میں نارائن کون ہے!" ششادری نے باری باری دونوں کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔

"میں ہوں نارائن۔" ایک کانسٹیبل جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی لمبے قد کا مالک دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ مونچھیں خاصی بڑی اور خوفناک تھیں۔

"تمہارے صاحب کا حکم ہے میں تم دونوں کو بھی خوش کر دوں۔" ششادری نے کہا۔ "پہلے تم آؤ... بعد میں تمہارے ساتھی کی باری آئے گی۔"

"آخر رنڈی ہی نکلی نا..." رتنا غرائی۔ "لے جا۔ لے جا... دونوں کو کھچے ہی لے جا۔"

ششادری نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا البتہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد دوسرا کانسٹیبل محتاط ہوگیا۔ وہ دروازے کے عین بیچ بیٹھ گیا تھا۔ ایک گھٹنا زمین پر ٹکا رکھا تھا اور دوسرے گھٹنے پر رائفل کو سہارا دیئے ہوئے تھا۔ وہ بالکل اس پوزیشن میں بیٹھا تھا جیسے دشمن

کے سامنے محاذ آرا ہو۔

تقریباً دس منٹ گزر گئے۔ نارائن نامی کانسٹیبل کو ساتھ لئے جانے کا مطلب یہ تھا کہ ششادری سب انسپکٹر پر قابو پا چکی تھی اور اب اس کانسٹیبل کو زیر کرنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔

"اس کانسٹیبل کو ہم قابو کرنے کی کوشش کریں۔" رتنا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "مشکل ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "بہت محتاط ہے۔ نہ تو خود ہمارے قریب آئے گا اور نہ ہی ہمیں قریب آنے کا موقع دے گا۔"

"ابھی دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔" رتنا نے کہا۔

اس کا بایاں ہاتھ میرے ساتھ ہتھکڑی میں تھا جبکہ دایاں ہاتھ آزاد تھا۔ وہ اپنے آزاد ہاتھ سے اپنی پنڈلی کھجانے لگی۔ اس نے شلوار کا پائنچہ اوپر اٹھایا اور پھر اس کے جسم پر کھجلی بڑھ گئی۔ وہ اپنے پیٹ اور پہلو کو کھجاتے ہوئے قمیض اوپر اٹھاتی چلی گئی۔

"اے... کیا ہو رہا ہے تمہیں... کیوں مچل رہی ہو..." کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"کھجلی ہو رہی ہے۔" رتنا کراہی۔ "یہاں چیونٹیاں ہیں... میرے سارے بدن پر چیونٹیاں چڑھ گئی ہیں میری مدد کرو... یہ قمیض ذرا اوپر کر کے کھجا دو۔"

"اپنے ساتھی سے بولو نا... ہم کو کیا بولتی ہو۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"دیکھتے نہیں اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی ہے۔" رتنا نے کہا۔ "تم ذرا میری مدد کر دو نا۔ یہ چیونٹیاں تو مجھے کھا جائیں گی۔"

کانسٹیبل شش و پنج میں پڑ گیا۔ رتنا اس دوران قمیض کو کافی اوپر اٹھا چکی تھی۔ کانسٹیبل کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"یقین کرو تم پچھتاؤ گے نہیں ..." رتنا نے کہا۔ "تم مجھے اذیت سے نجات دلا دو... میں تمہیں..."

وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکی۔ کیونکہ اس وقت ششادری دروازے کے سامنے آگئی تھی۔ اس مرتبہ اس کے بلاؤز کے اوپر والے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ منظر پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گیا تھا۔ اس نے سیدھا ہاتھ پشت پر رکھا ہوا تھا۔

"اے... کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"وکرم..." کانسٹیبل بولا۔ "وکرم سنگھ۔"

"اب تمہاری باری ہے وکرم سنگھ۔" ششادری مسکرائی۔ "تو چلو تمہارے ساتھ۔" وکرم بولا۔

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" ششادری کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "یہیں کپڑے اتار دو۔"

"یہاں۔ ان کے سامنے۔" کانسٹیبل ہکلا گیا۔

"کیا حرج ہے چلو۔ اتارو کپڑے۔" ششادری نے کہتے ہوئے اپنی پشت پر رکھا ہوا ہاتھ آگے

نکال لیا۔

شہزادری کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر کانسٹیبل اچھل پڑا۔

"گن پھینک دو اور کپڑے اتار دو۔ جلدی کرو۔" شہزادری غرائی۔ کانسٹیبل کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے خاموشی سے رائفل پھینک دی اور قمیض کے بٹن کھولنے لگا۔

رتنا نے اپنی قمیض درست کر لی تھی۔ میں رائفل اٹھانے کیلئے بڑھا تو وہ بھی میرے ساتھ کھنچتی چلی آئی۔ میں نے رائفل اٹھا کر کانسٹیبل کو زد میں لے لیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" میں نے شہزادری سے پوچھا۔

"اس حویلی کے مختلف کمروں میں۔" شہزادری نے جواب دیا۔

کانسٹیبل کپڑے اتار چکا تھا۔ اس نے دھاری دار کپڑے کی نیکر پہن رکھی تھی۔

"ہتھکڑی کی چابی کہاں ہے۔" میں نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"میری قمیض کی جیب میں۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

میں نے زمین پر پڑی ہوئی قمیض کی جیب میں سے چابی نکال کر ہتھکڑی کھول لی۔ رتنا بھی ہتھکڑی کھلتے ہی اپنی کلائی سہلانے لگی۔

ہم کانسٹیبل کو لے کر اس کمرے میں آ گئے جہاں سب انسپکٹر وشپ ناتھ بے ہوش پڑا تھا۔ قریب ہی شہزادری کی گھاگھرا ساڑھی بھی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ ابھی ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

شہزادری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس کے کپڑے اتار کر پہن لو اور رتنا تم پہلے کمرے میں جا کر اس کانسٹیبل کی وردی پہن لو جو اس نے اتاری ہے۔ میں اس کا خیال رکھتی ہوں"

رتنا فوراً ہی دوسرے کمرے میں دوڑ گئی۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر سب انسپکٹر کو گھسیٹ کر آڑ میں کیا اور اس کی وردی اتارنے لگا۔ تقریباً دس منٹ بعد میں سب انسپکٹر کی وردی پہن کر باہر آ چکا تھا۔

"اس طرف دوسرے کھنڈر ہیں۔" شہزادری نے جواب دیا۔ "تم اسے دیکھو میں اس کی وردی پہن کر آتی ہوں۔"

شہزادری پچھلی طرف کے کھنڈروں میں چلی گئی۔

اور پھر دس منٹ بعد ہم تینوں پولیس کی وردیوں میں کانسٹیبل وکرم سنگھ کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ شہزادری نے وشپ ناتھ نارائن کو قتل کر دیا ہے اور اسے بھی ختم کر دیا جائے گا وہ نیکر پہنے ہوئے خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"ڈرو نہیں وکرم سنگھ مہاراج۔" شہزادری نے کہا۔ "ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تمہارے دونوں ساتھی بھی زندہ ہیں اور بے ہوش پڑے ہیں۔ ہمارے جانے کے بعد انہیں ہوش میں لے آنا اور ہاں۔ آئندہ کسی عورت کے چکر میں مت آنا ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

رتنا نے وہ تھیلا اٹھا لیا جسے سب انسپکٹر نے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس نے تھیلا کھول کر

دیکھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی جس کا مطلب تھا کہ تھیلے میں کوئی چیز کم نہیں تھی۔

سب انسپکٹر وکرم کا ریوالور میرے پاس تھا جبکہ اپنا پستول میں نے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔ رتنا نے بھی اپنا پستول جیب میں ٹھونس کر وکرم سنگھ والی آٹو میٹک سنبھال لی تھی۔ دوسری رائفل شہزادری کے پاس تھی۔ ہم وکرم سنگھ کو ہانکتے ہوئے گلی میں آ گئے جہاں جیپ کھڑی تھی۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔

میں نے گہری نظروں سے جیپ کا جائزہ لیا۔ اس کے پچھلے حصے میں ایک سپیئر ٹائر بھی موجود تھا اور پٹرول کے دو کین بھی رکھے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں پولیس کو بعض اوقات ڈاکوؤں کے تعاقب میں خطرناک راستوں پر دور دراز کے سفر کرنا پڑتے تھے۔ اس لئے پولیس کی گاڑیوں کو بھی ہر لحاظ سے تیار رکھا جاتا تھا۔ اس میں پوری ہوا بھری ہوئی تھی۔ جیپ کے چاروں ٹائروں میں بھی ہوا پوری تھی۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ کر دیا۔ رتنا اور شہزادری بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں جبکہ کانسٹیبل وکرم چند قدم دور کھڑا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لاؤ اور شام سے پہلے پہلے اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے یہاں چھوڑ کر مت جاؤ مہاراج۔" وکرم سنگھ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "مارے سنگے سے بچے انا تھ ہو جاویں گے مہاراج۔"

"تمہارے زندہ ہوتے ہوئے انا تھ کیسے ہو سکتے ہیں۔" میں نے اسے گھورا۔ "چلو... اپنے ساتھیوں کو ہوش میں لاؤ اور اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

میں نے پستول ہولسٹر سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وکرم سنگھ باقاعدہ گڑگڑانے لگا۔ میں نے فائر کر دیا۔ گولی اس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر زمین میں لگی۔

"اب اگر تم نے بھاگنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کی تو دوسری گولی تمہارے سینے میں لگے گی۔" میں نے غرا کر کہا۔

وکرم سنگھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ شہزادری نے ہوا میں دو تین فائر کر دیئے۔ وکرم سنگھ چیخ کر گرا لیکن دوسرے ہی لمحے اٹھ کر پھر بھاگ کھڑا ہوا اور فضا شہزادری کے قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"مرد کی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے۔" وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "جہاں کسی عورت کو دیکھا اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے اور عورت کا اشارہ پا کر تو وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"عورت دنیا کی حسین ترین مخلوق ہے۔ اسے حاصل کرنے کیلئے مرد اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ دراصل دنیا کی ساری رونق ہی عورت سے ہے۔ عورت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ لڑائی جھگڑے دنگے فساد اور بڑی بڑی جنگیں۔ کچھ بھی تو نہ ہوتا۔" میں چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم تو محکمہ سیاحت میں ہو۔" ہندوستان کی تاریخ تمہیں ازبر ہے۔ ہندوستان خصوصاً راجستھان میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں ان

میں عورت کا عمل دخل رہا ہے۔ سات سو سال پہلے ایک عورت ہی کیلئے علاؤالدین خلجی نے چتوڑ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ رانی پدمنی واقعی اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے پوری دنیا کو تباہ کیا جاسکتا تھا۔

"لیکن عورت تو پیار کئے جانے کے قابل ہے۔ روندنے اور پامال کرنے کیلئے نہیں۔" ششادری نے کہا۔

"ہاں۔ یہ مرد کی اپنی اپنی فطرت ہے کہ وہ عورت کو کس طرح رکھتا ہے۔ مجھ سے اگر کوئی شکایت ہو تو..."

"بند کرو بکواس.." ششادری نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

اس مرتبہ رتنا نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔

میں نے بھی ہنستے ہوئے جیپ آگے بڑھا دی۔

یہ جگہ خاصی بڑی تھی۔ کھنڈر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں جیپ کو ان کھنڈرات کے اوپر گھماتا ہوا پچھلی طرف لے گیا۔ میرے خیال میں جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ اسی طرف سے ہونا چاہئے۔

تین دوپہر کا وقت تھا دھوپ خاصی تیز تھی کھلی جیپ پر دھوپ سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن چند منٹ بعد ہم جنگل میں داخل ہو گئے۔ جنگل میں سفر کرتے ہوئے یہ ہمارا دوسرا دن تھا اور اچھا خاصا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ درختوں میں اگرچہ دھوپ نہیں پہنچ رہی تھی لیکن گھٹن زیادہ تھی۔

ششادری پچھلی سیٹ سے اٹھ کر میرے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی تھی۔ اس نے قمیض کے بٹن کھول دیئے تھے۔ میں نے ایک دو مرتبہ گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی گردن اور سینے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ ایک موقع پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ رتنا نے تو قمیض ہی اتار رکھی تھی اور اس کا پورا بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

"تمہیں زیادہ گرمی لگ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اپنے دھیان سے جیپ چلاتے رہو۔" رتنا نے تنک کر جواب دیا "ادھر ادھر یا پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" میں نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ یہ سب ششادری کا کیا دھرا ہے نہ یہ راستہ بھولتی اور نہ ہمیں یہ مصیبت اٹھانا پڑتی۔"

"اس میں میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" ششادری نے جھٹ سے جواب دیا "میں دو چار مرتبہ بارہ کا تک آئی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ الوری مرتھ تک گئی ہوں۔ اس جنگل کی طرف سے تو کبھی نہیں آئی۔ اگر ہم سیدھے راستے پر چل پڑتے تو زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹوں میں اس جنگل سے نکل کر کوٹ تک پہنچ جاتے۔"

"لیکن ہمیں اس جنگل میں بھٹکتے ہوئے دوسرا دن ہے اور ہمیں راستہ نہیں مل رہا۔" میں نے کہا۔

ششادری نے اس مرتبہ کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے۔ درخت زیادہ گنجان

ہوتے جا رہے تھے۔ بعض درختوں کی شاخیں نیچے تک جھکی ہوئی تھیں۔ جھاڑیاں بھی بہت گنجان اور کانٹے دار تھیں۔ مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ جیپ کا کوئی ٹائر برسٹ نہ ہو جائے۔

ہم نے صبح ناریل کا ایک ایک ٹکڑا کھایا تھا اور اس وقت بھوک سے پیٹ میں اینٹھن سی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بھی بے چینی کا اظہار کر رہی تھیں مگر منہ سے کسی نے شکایت نہیں کی تھی۔

آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا۔ اب درخت کچھ چھدرے ہونے لگے تھے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی رتنا اچانک ہی چیخ اٹھی۔

"اے... روکو روکو... جیپ روکو۔"

میں نے ایک دم بریک پیڈل پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ رتنا کے اس طرح چیخنے پر میں کچھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"وہ دیکھو" رتنا نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا "وہ درخت پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ شاید بیر ہیں۔"

وہ درخت قدرے بائیں طرف تھا۔ اسے دیکھ کر میری بھی آنکھیں چمک اٹھیں۔ میں جیپ کو ریورس کر کے اس درخت کے نیچے لے گیا وہ بیر ہی تھے۔ سیب کی طرح بڑے اور پکے ہوئے ہم نے جیپ پر کھڑے ہو کر بہت سے بیر توڑ لئے۔

میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر جیپ پھر آگے بڑھا دی۔ وہ دونوں کچر کچر بیر کھا رہی تھیں۔ ایک بیر میرے ہاتھ میں بھی تھا جسے سیب کی طرح دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھا رہا تھا۔ واقعی بہت میٹھے اور خوش ذائقہ بیر تھے۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ درخت بتدریج چھدرے ہوتے جا رہے تھے اور پھر ہم کھلی جگہ پر نکل آئے۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے جیپ روک لی۔ سامنے نشیب میں ایک جھیل نظر آ رہی تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن ہمارے لئے خوشی کی بات یہ تھی کہ اس جھیل میں ایک کشتی بھی تیر رہی تھی جس پر تین آدمی سوار تھے وہ شاید ماہی گیر تھے اور مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

"آہ..." رتنا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "آخرکار ہم جہنم سے نکل ہی آئے۔"

"اب تم لوگ اپنے جامے میں آ جاؤ۔" میں نے کہا "ہم پولیس والے ہیں اور ڈاکوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے جنگل میں بھٹک کر اس طرف نکل آئے ہیں۔"

"یس سر۔" رتنا نے کہا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ قمیض پہن رہی تھی۔ ششادری نے بھی قمیض اتار رکھی تھی۔ اب وہ اپنے جامے میں آ گئی۔

کشتی والوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا۔ میں کچھ دیر تک کشتی کی طرف دیکھتا رہا پھر جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں بھی درختوں کے نیچے دو عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے ذرا ہٹ

کر ایک بیل گاڑی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے جیپ آگے بڑھا دی اور کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا جیپ کو درختوں کے اس جھنڈ کی طرف لے آیا جہاں بیل گاڑی کے قریب دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک عورت کی گود میں شیر خوار بچہ تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر بھی اس نے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ ادھیڑ عمر عورت تھی جبکہ دوسری عورت جوان تھی اس کی عمر چوبیس پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ تانبے جیسی رنگت اور کسا ہوا بدن' اس نے پھولدار کپڑے کا گھاگھرا اور مختصر سی چولی پہن رکھی تھی۔ چولی کا کپڑا صرف آگے ہی تھا۔ پیچھے ڈوریاں تھیں' اس طرح اس کی پوری کمر برہنہ ہو رہی تھی۔ وہ دونوں الجھی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔

بیل گاڑی کے قریب ہی کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے تین چار ٹوکرے رکھے ہوئے جن میں مچھلیاں بھری ہوئی تھیں۔

جوان عورت جھیل کے کنارے پر جا کر اپنے مردوں کو آوازیں دینے لگی تھی۔ ویسے انہیں آوازیں دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ کشتی اب کنارے کی طرف آ رہی تھی۔

جیپ روکنے کے بعد میں نے انجن بند کر دیا اور سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا رہا۔ البتہ رتنا اور رشمادری نیچے اتر گئیں اور اس عورت سے باتیں کرنے لگیں جو آلتی پالتی مارے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔

اس دوران کشتی بھی کنارے پر آ گئی۔ ایک آدمی تو کشتی پر ہی بیٹھا رہا اور دو آدمی اتر کر ہماری طرف آ گئے۔ میں بھی جیپ سے اتر آیا۔ وہ دونوں بے حد خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر ان دونوں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیے۔

"تم لوگ کب سے یہاں ہو؟" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تو صبح سے یہاں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ مہاراج۔" ادھیڑ عمر آدمی نے جواب دیا۔ "کیا ہوا حکم.... تم تو ادھر کا ناہی دکھتے ہو۔"

"ہم ڈاکوؤں کا سیکر سے پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ حرامی جنگل میں غائب ہو گئے۔ تین آدمی ہیں" میں نے اطمینان سے سب انسپکٹر دلیپ اور دونوں کانسٹیبلوں کے حلیے بتا دیئے۔ "کیا تم نے کسی کو ادھر دیکھا تو نہیں!"

"نہیں حکم۔" اس شخص نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ شاید اسے اس بات پر حیرت تھی کہ وردی پوش کانسٹیبلوں کے ساتھ اس خطرناک جنگل میں خطرناک ڈاکوؤں کا پیچھا کر رہا تھا لیکن اسے ہم پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ ہم پولیس کی وردیوں میں تھے اور ہمارے پاس پولیس کی جیپ تھی۔

"تم لوگ کس بستی کے رہنے والے ہو اور کوٹ پتلی یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم بھون پور کے رہنے والے ہیں حکم۔ یہ چھوٹی سی بستی ہے یہاں سے دو کوس دور ہے اور کوٹ پتلی ہماری بستی سے آٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔"

"کیا تم یہ مچھلیاں اپنے گاؤں میں بیچتے ہو یا...."

"مچھلیاں ہم کوٹ پتلی لے جاویں ہیں سرکار...." اس شخص نے جواب دیا۔ "وہاں اچھے دام مل جاتے ہیں۔"

"اور کیا کام کرتے ہو تم....؟" میں نے پوچھا۔

"گاؤں کے آس پاس تھوڑی سی کھیتی باڑی ہے۔ حکم۔" اس نے جواب دیا۔ "میں گاؤں کا مکھیا بھی ہوں۔ یہ میری گھر والی ہے۔" اس نے بچے والی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری بہو ہے اور یہ میرا بیٹا اجیت۔"

"اس طرف کوئی اور پولیس والے بھی آئے تھے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں حکم۔" مکھیا نے جواب دیا۔ "تھانہ کوٹ پتلی میں ہے۔ ہمارے گاؤں میں پولیس کبھی نہیں آئی۔ چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے ہیں تو ان کا فیصلہ ہم خود ہی کر لیتے ہیں۔"

"ان مچھلیوں سے کتنا کما لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اس مرتبہ فصل اچھی نہیں ہوئی کھیتی سے کچھ زیادہ امید نہیں۔ اس لئے یہاں سے مچھلیاں پکڑ کر کوٹ پتلی لے جا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ اب اجیت کی روزی مل جاتی ہے حکم۔"

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر مکھیا کو بازو سے پکڑ کر الگ لے گیا۔ دونوں عورتوں کے چہروں سے پریشانی عیاں تھی۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے تک علیحدگی میں مکھیا سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

"ہم جن ڈاکوؤں کا پیچھا کر رہے ہیں وہ بہت خطرناک ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس طرف نکل آئیں یا کسی اور مقام پر جنگل سے نکل کر کوٹ پتلی کی طرف چلے جائیں۔ ہم اگر پولیس کی وردیوں میں ان کے تعاقب میں رہے تو انہیں فرار ہونے کا موقع مل جائے گا۔ اگر ہم بھیس بدل لیں تو آسانی سے انہیں پکڑ سکتے ہیں۔" اور پھر میں نے جو منصوبہ بتایا مکھیا نے اس کی تائید کر دی۔

مکھیا کا ایک بھائی کوٹ پتلی میں تھا جس نے ایک چھوٹا سا ڈھابا کھول رکھا تھا۔ مکھیا بیل گاڑی پر مچھلیاں لاد کر شام کو کوٹ پتلی کے لئے روانہ ہوتا تھا۔ وہاں آٹھ نو بجے کے قریب مچھلیوں کی منڈی لگتی تھی۔ آس پاس کے دوسرے علاقوں کے ماہی گیر بھی اپنا مال لے کر آتے تھے۔ مکھیا اپنا مال ایک بیوپاری کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ کچھ دیر اپنے بھائی کے پاس رکتا اور پھر آدھی رات کے لگ بھگ اپنے گاؤں واپس پہنچ جاتا۔

میں نے اسے ایک معقول رقم کی پیش کش کی تھی اور وہ خطرناک ڈاکوؤں کو پکڑوانے کے لیے ہماری مدد کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ مکھیا کا بیٹا اجیت بیل گاڑی تیار کرنے لگا۔ مکھیا نے دوسرے آدمی کے ساتھ کشتی کنارے پر کھینچ لی اور اس پر سے مچھلیوں کے ٹوکرے اور جال وغیرہ اتارنے لگے۔ مکھیا کی بیوی اور بہو بھی اپنا سامان سمیٹنے لگے۔

آدھے گھنٹے میں وہ لوگ بیل گاڑی پر روانہ ہو گئے۔ ہم تینوں وہیں کھڑے رہے اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ بیل گاڑی کم از کم نصف میل دور جا چکی ہے تو میں نے جیپ کو سٹارٹ کر کے جھیل کے ایک اونچے

کنارے پر لے آیا اور اس کا رخ جھیل کی طرف موڑ دیا۔ عین کنارے پر پہنچ کر میں نے جیپ سے چھلانگ لگا دی۔

وہاں سے جھیل کا عمودی کنارہ تقریباً بیس فٹ اونچا تھا۔ جیپ قلابازی کھاتی ہوئی زوردار چھپاکے سے پانی میں گری۔ وہاں جھیل کا پانی بھی بہت گہرا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ جیپ پانی کی تہہ میں غائب ہو چکی تھی اور وہ دونوں آٹومیٹک رائفلیں بھی جیپ کے ساتھ ہی غرقاب ہو چکی تھیں۔

ہمارے پاس ایک ریوالور اور دو پستول تھے۔ ان رائفلوں کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ یوں بھی انہیں اپنے پاس رکھنا خطرناک تھا۔

ہم تینوں اس طرف چل پڑے جس طرف بیل گاڑی گئی تھی۔ جھیل سے آگے درخت بتدریج چھدرے ہوتے چلے گئے اور پھر یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ آگے اکا دکا درخت ہی تھے اور نشیب میں بہت دور کھیت نظر آ رہے تھے۔

ہم تینوں ایک پگڈنڈی پر چلتے رہے۔ وہ تھیلا اب بھی رتنا ہی کے پاس تھا جسے اس نے کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔ میں نے اپنا پستول تو اپنے پاس ہی رکھا تھا البتہ سب انسپکٹر والا ریوالور شاردری کو دے دیا تھا۔ اس نے پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

مکھیا نے بتایا کہ اس کا گاؤں دو کوس کے فاصلے پر ہے لیکن میرے خیال میں وہ فاصلہ ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہیں تھا۔

وہ گاؤں زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میرے خیال میں ڈیڑھ دو سو کچے مکان ہوں گے۔ مگر ہمیں گاؤں تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ گاؤں سے کافی دور کمروں پر مشتمل ایک کچا مکان تھا۔ اس کے ساتھ ہی پیپل کے دو تین درخت تھے جن کے نیچے خشک گوبر پھیلا ہوا تھا۔ یہ مکھیا کی زمین تھی اور یہ ڈیرہ بھی اس کا تھا۔ فصل کی بوائی یا کٹائی وغیرہ کے موقع پر کاشتکار دوپہر یہیں گزارتے تھے مگر اب ڈیرہ ویران پڑا تھا مکھیا نے ہمیں یہیں رکنے کو کہا تھا۔

کمروں کے اردگرد کوئی چار دیواری وغیرہ نہیں تھی۔ میں نے ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا مر اندر پڑی ہوئی ایک جھلنگا سی چارپائی اٹھا کر باہر لے آیا۔

رتنا اور شاردری فوراً ہی چارپائی پر ڈھیر ہو گئیں۔ مجھے بھی بڑی ہڑبل سی لگی تھی۔ یوں تو جب سے راجستھان آیا تھا بڑے بڑے معرکوں سے گزر رہا تھا۔ رتنا نے بھی میرا بہت ساتھ دیا تھا مگر پچھلے دو دن کی مہم نے ہمیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ اگر جنگل نہ ہوتا تو ہم لینڈ کروزر پر کہیں پہنچ چکے ہوتے۔

میں ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور آس پاس گھوم پھر کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ راجستھان کے بعض علاقے مرچوں کی کاشت کیلئے مشہور تھے۔ یہ علاقہ بھی مرچوں ہی کا تھا۔ ہمارے چاروں طرف بھی مرچوں ہی کے کھیت تھے اور مکھیا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس مرتبہ فصل اچھی نہیں ہوئی تھی۔ ہم بھی کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے سب کچھ دیکھتے آئے تھے۔

"مجھے اطمینان سے بیٹھا رہے ہو۔ کچھ احساس ہے کہ تمہارے ساتھ دو الگی خواتین بھی ہیں

جو تھکن اور بھوک سے نڈھال ہیں۔" رتنا کی آواز سن کر میں ان کے قریب آ گیا۔

"تھکن کا علاج تو آرام ہے جو تم کر رہی ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "اور بھوک کا علاج یہ ہے کہ جا کر لیٹ جاؤ۔ اس وقت تو کھانے کیلئے مرچوں کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی اور چیز چاہیے تو انتظار کرو۔ میں نے مکھیا سے کہا تو تھا۔ شاید وہ کچھ کھانے کو لے آئے۔"

"وہ پتا نہیں کب آئے گا۔ مارے بھوک کے جان نکلی جا رہی ہے۔" رتنا کی آواز رو دینے والی تھی۔

ہمیں تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ مکھیا گاؤں کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں پوٹلی اٹھا رکھی تھی۔ اسے ہم تک پہنچنے میں چند منٹ اور لگ گئے۔ اسے دیکھ کر رتنا اور شاردری بھی چارپائی سے اٹھ گئیں۔ مکھیا نے وہ پوٹلی چارپائی پر رکھ دی۔

"ہمارے لئے کچھ کھانے کو نہیں لائے کاکا؟" رتنا نے پوچھا۔

"لایا ہوں بیٹا۔" مکھیا نے کہتے ہوئے پوٹلی کھول دی۔ اس میں کپڑے تھے اور ان میں ایک چھوٹی سی پوٹلی تھی جس میں گرم گرم روٹیاں تھیں سب سے اوپر والی روٹی پر آم اور مرچوں کا اچار رکھا ہوا تھا۔ "اس وقت کوئی بھاجی وغیرہ نہیں تھی بٹیا۔ اچار ہی لے آیا ہوں۔" مکھیا نے کہا۔

"اس اچار کے ساتھ اس وقت روٹی کھانے میں جو مزا آئے گا وہ کسی اور چیز میں نہیں ہوگا۔" رتنا نے کہا۔

"پولیس کی نوکری تو بڑی سخت ہے بیٹا۔ تم دونوں..."

"ہاں کاکا۔" رتنا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پولیس کی نوکری بہت سخت بھی ہے اور اس میں عیش بھی بہت ہے۔"

"ہاں... عیش بھی بہت ہے۔ پولیس والے تو بادشاہ ہوتے ہیں۔" مکھیا نے کہا اور پھر میری طرف مڑ گیا۔ "میں چلتا ہوں صاحب... اس پوٹلی میں تم تینوں کیلئے کپڑے ہیں۔ سورج ڈوبتے ہی میں بیل گاڑی پر گاؤں سے نکلوں گا۔ تم لوگ اس طرف پہنچ جانا۔ وہاں ندی کی پلیا پر۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے مکھیا۔ ہم پہنچ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

رتنا اور شاردری نے روٹیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ رتنا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس وقت اچار کے ساتھ روکھی روٹی کھانے میں جو مزہ آ رہا تھا وہ شاید کسی مرغن چیز میں بھی نہ آتا۔

آٹھ تو روٹیاں تھیں۔ ہم دو دن کے بھوکے تھے۔ ایک نوالہ بھی ہم سے نہیں بچا... پیٹ بھر جانے کے بعد شاردری کپڑے اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ایک جوڑا تو میرے لئے تھا۔ سفید دھوتی، کالا کرتا اور کالی سی پگڑی۔ دونوں زنانہ جوڑے شاید مکھیا کی بہو کے تھے۔ دو گھاگھرے اور دو چولیاں۔ ان کے ساتھ چنریاں بھی تھیں۔ ایک جوڑا گہرے نیلے رنگ کا تھا اور دوسرا میرون۔ رتنا نیلا جوڑا اٹھا کر کمرے میں گھس گئی۔

پھر اس نے شہشادری کو بھی آواز دے کر اندر بلا لیا۔

وہ دونوں تقریباً پندرہ منٹ بعد باہر نکلی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ اس لباس میں تو وہ دونوں قیامت بن گئی تھیں۔ دونوں کے گھاگھرے گھٹنوں تک تھے اور دونوں چولیاں ٹائٹ تھیں ان کے بدن کس کر رہ گئے تھے۔

"اس طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو۔" شہشادری نے مجھے گھورا۔ "تم بھی اپنا چولا بدلو گے ایسے ہی ہمارے ساتھ چلو گے۔"

میں کپڑے اٹھا کر کمرے میں گھس گیا اور جب کپڑے بدل کر باہر نکلا تو دونوں میری طرف دیکھ کر ہنس دیں۔

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے کہا۔ "میرے سینگ نکل آئے ہیں کیا؟"

"اس لباس میں تو تم بالکل ڈاکو ہی لگتے ہو۔" رتنا نے کہا۔

میں نے پولیس کی تینوں وردیاں پوٹلی میں باندھ کر کمرے کے ایک کونے میں ڈال دیں اور پھر ہم تینوں کھیا کی بتائی ہوئی سمت میں چل پڑے۔

کھیتوں میں چلتے ہوئے ہم ندی پر پہنچ گئے جو چار پانچ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ ندی کا پانی شیشے کی طرح شفاف تھا۔ روٹی کھانے کے بعد ہم نے پانی نہیں پیا تھا۔ یہاں ہم نے جی بھر کے پانی پیا اور ندی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس پلیا پر پہنچ گئے جس کے بارے میں کھیا نے بتایا تھا۔

پلیا سے ذرا ہٹ کر نیم اور پیپل کے درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا ہم درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ مخالف سمت سے ایک بیل گاڑی آتے دیکھ کر ہم درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔

اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد جب شام کا سرمئی دھندلکا اندھیرے میں بدل رہا تھا گاؤں کی طرف سے ایک بیل گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس کے آگے بانس کے ساتھ ایک لالٹین بندھی ہوئی تھی۔ وہ کھیا کی بیل گاڑی تھی۔ اس طرح کی چھوٹی بستیوں کی بیل گاڑیاں میں نے سندھ میں بھی دیکھی ہیں جن میں صرف ایک بیل جتا ہوا تھا۔

بیل گاڑی پلیا پار کر کے رک گئی تو ہم بھی درختوں کے جھنڈ سے نکل آئے۔ کھیا اکیلا ہی تھا۔ بیل گاڑی کے پچھلے حصے میں مچھلیوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے اور آگے ہمارے بیٹھنے کیلئے جگہ چھوڑی گئی تھی۔

مچھلیوں کی بو دماغ کو چڑھ رہی تھی مگر برداشت تو کرنا ہی تھا۔ بیل تو خاصا تگڑا تھا اور راستہ بھی اس کا جانا پہچانا تھا وہ اچھی خاصی رفتار سے چل رہا تھا۔ کھیا جب اسے ہلکی سی ٹھوکر مار دیتا تو وہ دوڑنے لگتا۔ اگر کوئی مریل سا بیل ہوتا تو ہم آٹھ کوس کا فاصلہ شاید تین گھنٹوں میں بھی طے نہ کر پاتے لیکن اس تگڑے بیل نے ہمیں ڈیڑھ گھنٹے میں کوٹ پتلی کے نواح میں پہنچا دیا۔

"جگمگاتی روشنیاں دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کوٹ پتلی درمیانے درجے کا شہر ہے جس کی آبادی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔"

دیہی علاقے سے نکل کر پکی سڑک پر آتے ہی ٹریفک شروع ہو گیا۔ اس سڑک پر ذرا ہی آگے چنگی ناکہ تھا۔ کھیا نے چنگی کے سامنے بیل گاڑی روک لی۔

"ہوشیار بیٹھنا بھایا' میں ابھی آتا ہوں۔" کھیا کہتے ہوئے بیل گاڑی سے اتر کر چنگی کے دفتر میں چلا گیا۔

اس کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہی بیل گاڑی پر بیٹھا پولیس کی ایک جیپ ہمارے سامنے رک گئی۔ دو پولیس والے اتر کر ہماری بیل گاڑی کے قریب آ گئے۔

"کہاں سے آ رہے ہو تم لوگ؟" ایک پولیس والے نے پوچھا وہ ہیڈ کانسٹیبل تھا۔

"بھون پور سے آ رہے ہیں' مہاراج۔" کھیا نے جواب دیا۔ "میں گاؤں کا کھیا ہوں' یہ میری بیٹی ہے' یہ بہو اور میرا جمائی ہے۔" اس نے ہم سب کا تعارف بھی کروا دیا تھا۔

رتنا اور شہشادری نے چہروں سے گھونگھٹ کاڑھ رکھے تھے۔ ہیڈ کانسٹیبل چند لمحے ان کے چہرے دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا کرتے ہو تم؟" کانسٹیبل نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"کھیتی کرتے ہیں حکم اور جھیل سے مچھلیاں بھی پکڑ کر لاتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہاں کوئی جانتا ہے تم لوگوں کو؟" پولیس والے نے پوچھا۔

"ہاں حکم...." مجھ سے پہلے کھیا بول پڑا۔ "یہ چنگی بابو ہمیں جانتے ہیں ہم روز ادھر کو آتے ہیں آؤ تیرا سامنا کرا دوں۔"

کھیا پھر بیل گاڑی سے اتر گیا اور ہیڈ کانسٹیبل کو ساتھ لے کر چنگی کے قریب دفتر میں گھس گیا۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ کھیا ہیڈ کانسٹیبل کے ساتھ تقریباً پانچ منٹ بعد واپس آیا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل اپنے آدمیوں کو اشارہ کرتا ہوا جیپ پر سوار ہو گیا اور کھیا بیل گاڑی پر بیٹھ گیا۔"

"تم تو خود پولیس والا ہو بھایا... ان سے کیوں ڈر رہے ہو۔" کھیا نے تھوڑا آگے آنے کے بعد کہا۔

"ہمیں جن ڈاکوؤں کی تلاش ہے کھیا وہ صرف ڈاکو ہی نہیں انتک وادی بھی ہیں' بہت خطرناک ہیں وہ لوگ اس لئے ہم نے بھیس بدلنے کا پروگرام بنایا' تم تو کھیا ہو سیانے آدمی ہو ایسی باتوں کو سمجھ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

اس سڑک پر مزید دو تین چیک پوسٹوں پر چیکنگ ہو رہی تھی ایک بار اور ہمیں روکا گیا تھا لیکن کھیا کا کھیا ہونا کام آ گیا تھا۔

مزید پون گھنٹے بعد ہم شہر کے وسط میں بازار سے ذرا ہٹ کر ایک میدان میں پہنچ گئے جہاں پر مچھلیوں کی منڈی لگتی تھی۔ کوٹ پتلی کے گرد و نواح میں بے شمار چھوٹی بڑی جھیلیں تھیں جہاں مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں۔ لاتعداد ماہی گیر یہاں جمع ہوتے تھے۔ بیوپاریوں سے سودے ہو رہے تھے۔

کھیا نے اپنی بیل گاڑی اس جگہ روکی تھی جہاں اس کا بیوپاری دکان جمائے بیٹھا تھا۔ مال تلوانے اور حساب کتاب میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس دوران ہم تینوں ایک طرف کھڑے رہے اور ایک بار پھر بیل گاڑی پر بیٹھ گئے۔

ابھی نو بھی نہیں بجے تھے بڑا بارونق شہر تھا۔ سڑکوں پر اچھا خاصا ٹریفک تھا۔ کاروں اور بسوں وغیرہ کے ساتھ بیل گاڑیاں اور اونٹ گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

کھیا نے بیل گاڑی ایک چھوٹے سے میدان میں روک لی۔ یہاں چند کچے مکان اور جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن کے پرلی طرف بنگلے وغیرہ تھے۔ کھیا نے بیل کھول کر اس کی رسی بیل گاڑی ہی کے ساتھ باندھ دی اور گاڑی کے اگلے حصے پر رکھی ہوئی چارے کی ایک گٹھی اٹھا کر بیل کے سامنے ڈال دی۔

ہم اس کچی آبادی کی تنگ اور تاریک گلیوں میں کھیا کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ راستے میں کئی لوگ ملے تھے مگر کسی نے ہم پر توجہ نہیں دی۔ آبادی کے دوسری طرف چند دکانیں تھیں اور ان دکانوں کے سامنے سڑک کے دوسرے طرف بنگلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس گلی کے موڑ پر کھیا کے بھائی پربت سنگھ کی دکان تھی۔ اس دکان کی پچھلی طرف اس کی رہائش تھی مکان والے حصے کا دروازہ گلی میں بھی تھا۔ کھیا نے ہمیں وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود گلی میں گھوم کر دکان کی طرف چلا گیا۔

میں نے ذرا آگے ہو کر دوسری طرف جھانکا اس دکان کے سامنے چند بنچ اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے پربت سنگھ کی کریانے کی دکان تھی اس کے ساتھ ہی چائے کا بھی سلسلہ تھا۔

چند منٹ بعد مکان والا دروازہ اندر سے کھل گیا اور کھیا کی آواز سنائی دی۔ ہم تینوں اندر داخل ہو گئے۔ کھیا نے دروازہ بند کر دیا۔

یہ ایک کشادہ آنگن تھا جس کے دائیں طرف دکان تھی اس کا ایک دروازہ اس طرف بھی کھلتا تھا اور کھیا دکان میں سے ہوتا ہوا اسی دروازے سے اندر آیا تھا۔ آنگن کے دوسری طرف ریل شیپ میں تین کمرے تھے۔ ایک کمرہ ایک طرف دو دوسری طرف ان کے سامنے برآمدہ بھی تھا۔ جس دروازے سے ہم داخل ہوئے تھے اس کے بائیں طرف ٹائلٹ بنا ہوا تھا جس کا کوئی دروازہ نہیں تھا نہ ہی چھت تھی۔ دروازے کی جگہ بوری کا پردہ پڑا ہوا تھا جبکہ سامنے والی دیوار کے ساتھ باورچی خانہ بنا ہوا تھا۔

برآمدے میں ایک چارپائی اور دو پرانی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کھیا نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر بتی جلا دی۔ اس کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی جس پر تین گاؤ تکیے بھی پڑے ہوئے تھے سامنے والی دیوار میں شیشے کے دروازے والی الماری تھی جس میں شراب کی دو بوتلیں رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

کھیا نے دوسرے کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا۔ اس میں دو چارپائیاں تھیں اور گھر کی ضروریات کا دوسرا سامان بھی موجود تھا۔ دیوار کے ساتھ دو کھونٹوں پر میلے سے کپڑے بھی ٹنگے ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے تم لوگ ادھر آ جاؤ' اس کمرے میں۔" کھیا نے تیسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کمرے میں بھی دری بچھی ہوئی تھی اور دو چارپائیوں کے علاوہ تین چار کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ دوسرے کمروں سے بڑا تھا۔

"تم لوگ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" کھیا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

رتنا اور شاوری چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئیں اور میں ایک کرسی پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ ایک دیوار پر ہندی کا ایک کیلنڈر آویزاں تھا جس پر کالی دیوی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دوسری دیوار پر کالی کا ایک بہت بڑا پوسٹر چسپاں تھا۔ آتشدان کے کارنس کے اوپر بھی کالی کی ایک مورتی رکھی ہوئی تھی۔ راجستھان میں کالی کے ماننے والے زیادہ تھے۔ ہر جگہ اس کی تصویریں اور مورتیاں نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً بیس منٹ بعد کھیا شیشے کے گلاسوں میں چائے لے کر آ گیا۔ رتنا اور شاوری اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ کھیا بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ کھیا کا بھائی پربت سنگھ بھی آ گیا۔ وہ کھیا سے عمر میں تقریباً پانچ سال چھوٹا تھا۔ چالیس کے لگ بھگ ہوگا۔ تانبے جیسی رنگت' دراز قامت' گٹھا ہوا جسم' گنجا سر اور بڑی بڑی مونچھیں' دانت بالکل ہموار اور موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بھی بڑی عجیب سی چمک تھی۔ اس نے دھوتی پر شلوکا پہن رکھا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور بالوں بھرا سینہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے باری باری رتنا اور شاوری کو دیکھ رہا تھا۔

کھیا نے اسے ہمارے بارے میں یہی بتایا کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہم بھیس بدل کر خطرناک قسم کے لوگوں کا پیچھا کر رہے ہیں اور ہم دو تین دن یہاں رہیں گے۔

"جب تک من چاہے یہاں رہو سرکار' ہمیں تمہاری سیوا کر کے بہت خوشی ہوئے گی۔" پربت سنگھ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایک بات کا خیال رکھنا پربت سنگھ۔" میں نے کہا۔ "کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہمارے بارے زیادہ چرچے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"چنتا مت کرو مہاراج...!" پربت سنگھ نے کہا۔ "یہاں میرے مہمان آتے رہتے ہیں کسی کو شک نہیں ہوئے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گراہکی کا ٹیم ہے مہاراج' میں دکان پہ لڑکے کو چھوڑ کر آیا ہوں بعد میں باتاں کریں گے۔"

پربت سنگھ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد کھیا بھی جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے حسب وعدہ ہزار روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ کھیا خوش ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے گاؤں میں بھی کسی سے ہمارا ذکر نہیں کرے گا۔

تقریباً دس بجے کے قریب پربت سنگھ نے ایک لڑکے کے ہاتھ ہمارے لئے کھانا بھیج دیا۔ تندوری نان اور روسٹ مرغی تھی اس کے ساتھ مسور کی پتلی سی دال بھی تھی۔ یہ کھانا اس نے یقیناً کسی ہوٹل سے منگوایا تھا۔ دال مرغی سے زیادہ مزیدار تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب پربت سنگھ بھی دکان بند کر کے آ گیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ پچھلے دو دن سے یہاں بڑی چیکنگ ہو رہی تھی۔ کچھ آتنک وادی سارسکا سے فرار ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے ہیں۔ کوٹ پتلی پولیس کو بھی ان کے بارے میں اطلاع دیدی گئی تھی۔ خیال ہے کہ وہ لوگ جنگل سے نکل کر اس طرف آئیں گے۔ اس لئے یہاں کی پولیس اور عوام کو چوکس کر دیا گیا ہے۔ پولیس بھی کل سے مشتبہ لوگوں کو چیک کرتی پھر رہی ہے۔

”ہم بھی انہی آتنک وادیوں کا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”جنگل میں ان سے ہماری مڈبھیڑ بھی ہوئی تھی مگر وہ لوگ ایک بار پھر گھنے جنگل میں روپوش ہو گئے۔“ میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”اس لئے ہم نے یہ بھیس بدلا ہے کہ اگر آمنا سامنا ہو جائے تو وہ ہمیں پہچان نہ سکیں۔“

ساڑھے بارہ بجے کے قریب پربت سنگھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہمارے کمرے میں دو چارپائیاں اور تین چار کرسیاں تھیں۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں دری پر سو جاؤں گا لیکن رتنا نے اپنی چارپائی میرے لئے خالی کر دی۔ وہ ششادری کے ساتھ اس کی چارپائی پر لیٹ گئی۔

لیٹنے کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ششادری کے خیال میں پربت سنگھ اچھا آدمی نہیں تھا۔ مجھے بھی وہ اچھا نہیں لگا۔ میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے بھی وہ ان دونوں ہی کو گھور رہا تھا۔

”ہمیں ایک دن یہاں رہنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”کل دن میں ہم حالات کا جائزہ لیں گے اور پھر یا تو یہاں سے نکل جائیں گے یا کوئی اور بندوبست کریں گے۔“

پربت سنگھ کی طرف سے تو میں بھی مطمئن نہیں تھا۔ کھیا تو بہت سیدھا سادا آدمی تھا جس نے ہماری کہانی پر یقین کر لیا تھا لیکن پربت سنگھ ایسا نہیں تھا۔ وہ دکاندار آدمی تھا۔ اس کے ڈھابے پر طرح طرح کے لوگ آتے تھے۔ اسے ہر طرح کی معلومات رہتی تھیں وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پولیس کو ایسے وحشت گردوں کی تلاش ہے جو سارسکا سے جنگل کی طرف فرار ہوئے ہیں اور امکان ہے کہ وہ کوٹ پتلی کی طرف ہی آئیں گے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دہشت گردوں میں کون کون لوگ شامل ہیں۔ ایک مرد اور دو حسین عورتیں۔

ہم جب کھیا کے سامنے آئے تو ہم تینوں کے جسموں پر پولیس کی وردیاں تھیں اور ہمارے پاس پولیس کی جیپ بھی تھی۔ کھیا نے یقین کر لیا تھا کہ ہم پولیس والے ہی تھے اور ہم نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ اس میں بھی ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس نے ہماری مدد کی تھی مگر پربت سنگھ مختلف آدمی تھا۔ اس نے شاید ہماری بات کا وشواش نہیں کیا تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں سو گیا۔

صبح رتنا اور ششادری تو جلدی جاگ گئیں مگر میں دیر تک سویا رہا۔ پربت سنگھ اپنی دکان پر تھا۔ وہ صبح چھ بجے ہی دکان کھول لیتا تھا۔

پربت سنگھ نے صبح ہی ناشتہ بھجوا دیا تھا لیکن رتنا اور ششادری نے بھی ابھی تک میرے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا تھا۔ رتنا نے صحن میں چولہا جلا کر ناشتہ گرم کیا۔ ناشتے کے بعد ششادری نے دکان کا صحن والا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکا اندر آیا تو ششادری نے اسے چائے کیلئے کہہ دیا۔

چائے پی کر فارغ ہوئے تو ساڑھے دس بج چکے تھے۔ میں نے باہر جانے کا پروگرام بنایا تو رتنا بھی تیار ہو گئی۔ یوں تو ششادری بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھی مگر میں نے منع کر دیا۔ کوٹ پتلی میں بھی شاید وہ حسین تھی اور وہ کم از کم دو مرتبہ یہاں آ چکی تھی۔ اس کے پہچان لئے جانے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”تمہیں یہاں اکیلے ڈر تو نہیں لگے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”ڈر کیسا؟“ ششادری مسکرائی۔ ”میرے پاس ریوالور موجود ہے۔ اگر پربت سنگھ نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اڑا دوں گی۔“

”گڈ...“ میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

ہم مکان سے باہر آ گئے اور ششادری نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ہم نے پربت سنگھ کو بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ کہیں جا رہے ہیں۔

بستی آبادی کی گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ بعض مکانوں کے دروازوں پر عورتیں بیٹھی آپس میں گپ شپ کر رہی تھیں کئی لوگوں نے ہماری طرف دیکھا تھا۔ رتنا کو دیکھ کر بعض عورتوں کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

گھٹنوں سے اونچا لہنگا اور کسی ہوئی چولی میں رتنا کچھ زیادہ ہی حسین لگ رہی تھی اور اسے دیکھنے والی عورتوں کی آنکھوں میں حسد کی لہریں بھی نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی تھیں۔

ہم بستی سے نکل کر میدان میں ہوتے ہوئے سڑک پر آ گئے۔ سڑک پر بڑی رونق تھی۔ کاروباری علاقہ تھا۔ دائیں بائیں کئی ذیلی سڑکیں تھیں جہاں چھوٹے بڑے بازار تھے۔ ایک بازار تو صرف مرچوں کے کاروبار کیلئے مخصوص تھا۔ ہر دکان کے سامنے سڑک کے کنارے تک مرچوں کی بوریوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

ہم مختلف سڑکوں پر چلتے ہوئے شہر کے دوسرے علاقے میں نکل آئے۔ گھومتے پھرتے ہوئے ہم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ پولیس یہاں خاصی سرگرم تھی۔ بعض مشتبہ لوگوں کو روک کر پوچھ گچھ بھی کی جا رہی تھی۔

مختلف بازاروں میں گھومتے ہوئے ہم نے کچھ شاپنگ بھی کی تھی۔ ہماری شاپنگ میں کپڑوں کی خریداری نمایاں تھی۔ میں نے مختلف دکانوں سے اپنے اور رتنا وغیرہ کیلئے دو دو جوڑے کپڑے خریدے تھے۔ رتنا نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں وہ بڑی خوفناک لگ رہی تھی یوں تو میں نے بہت سی عورتوں کو اس قسم کے بلکہ اس سے بھی بدتر لباس میں دیکھا تھا مگر رتنا کی بات ہی کچھ اور تھی۔ تنگ اور کسی ہوئی چولی میں اس کا سینہ قیامت ڈھا رہا تھا اور لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس طرح لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہے۔ اس لئے میں نے اس کیلئے ڈھنگ کے کپڑے خرید لئے تھے۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہم ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک معیاری قسم کا ریسٹورنٹ تھا۔ میزیں ایک دوسرے سے فاصلے پر تھیں اور یہاں سکون بھی تھا۔

ہم نے اطمینان سے یہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور چائے پی رہے تھے کہ ایک آدمی کو بغلی دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر میں چونک گیا اس کی چھوٹی گول داڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں اس کی دائیں آنکھ سے ذرا ہٹ کر کنپٹی کی طرف مٹر کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کا ایک مسہ تھا۔

وہ شخص ہم سے کچھ آگے جا کر ایک میز پر بیٹھ گیا جہاں پہلے سے دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آپس میں اس طرح باتیں کرنے لگے جیسے پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

اس شخص نے ہلکے نیلے رنگ کی اسٹون واشڈ جینز اور کڑ روائی سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں چشم تصور سے اس کے چہرے سے داڑھی اور مونچھیں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

وہ جیتش مہتہ تھا ٹکرانا کا اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس میں نے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ میں اسے کیسے بھول سکتا تھا۔ مجھے ٹکرانا کے وہ دن یاد تھے جب پولیس اور بلیک کیٹ کمانڈوز نے ہماری تلاش میں شہر بھر میں طوفان مچا رکھا تھا۔ شوبھا نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا تھا اور کنیا کماری ہمیں روشن لال بنگلے پر لے گئی تھی جس کے بارے میں انکشاف ہوا تھا کہ وہ عریاں فلمیں بنا کر پورے ہندوستان میں سپلائی کرتا ہے اور اے سی پی جیتش مہتہ بھی اس کا بزنس پارٹنر ہے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ ہم کس طرح روشن لال کے پہاڑی والے بنگلے سے فرار ہوئے تھے۔ ہمارے اس فرار کے بعد اے سی پی جیتش مہتہ کا راز بھی فاش ہو گیا تھا اور پتا کو پتہ چل گیا تھا کہ جیتش مہتہ ہی نے ہمیں ٹکرانا سے نکالا تھا اس کی گرفتاری کیلئے بھی چھاپے مارے جا رہے تھے مگر وہ بھی روپوش ہو کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا اور اب اس بدلے ہوئے حلیے کے ساتھ یہاں میرے سامنے موجود تھا۔ داڑھی اور مونچھوں کے باوجود میں نے آنکھ کے قریب اس مسے کی وجہ سے اسے پہچان لیا تھا۔

گوپ چی ٹکرانا سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں کا راستہ تھا اور مجھے حیرت تھی کہ جیتش مہتہ نے زیادہ دور جانے کے بجائے یہاں کیوں پناہ لے رکھی تھی۔ شاید اسے اپنے بدلے ہوئے حلیے پر اعتماد تھا لیکن میں نے فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا۔

”رتنا...!“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ”اس آدمی کو دیکھ رہی ہو۔ وہ جو چوتھی میز پر دو عورتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے داڑھی اور بڑی بڑی مونچھوں والا۔“

”ہاں۔ کیا ہوا اسے کون ہے وہ؟“ رتنا نے پوچھا۔

”اگر تم اس کے چہرے سے داڑھی اور مونچھیں ہٹا کر دیکھو تو اسے پہچان لو گی اس کی بائیں آنکھ کے قریب سیاہ مسے پر غور کرو تو شاید۔“

”نہیں...!“ رتنا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ”میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔“

”وہ جیتش مہتہ ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ٹکرانا کا اے سی پی جیتش مہتہ۔“

”اوہ...“ رتنا چونک گئی۔ ”اب مجھے یاد آ رہا ہے۔ اس نے اگر ہمیں دیکھ لیا تو...“

”کچھ نہیں ہو گا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”وہ خود بھی مفرور ہے اور ہماری مدد کرنے کے جرم میں پولیس کو مطلوب ہے۔ وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔“

”احمقانہ باتیں مت کرو۔“ رتنا نے کہا۔ ”وہ ایک پولیس آفیسر تھا جس نے لاج میں آ کر ہمیں پناہ دینے اور فرار ہونے میں ہماری مدد کی غلطی کر ڈالی اس جرم میں وہ اگرچہ پولیس کو مطلوب ہے مگر ہمیں پولیس کے حوالے کر کے اپنی غلطی کی تلافی کر سکتا ہے۔ اس طرح اس کا جرم معاف نہ ہو تو بھی اس کی سزا میں کمی ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے اس کے اس جرم کو ایک غلطی قرار دے کر اسے نہ صرف معاف کر دیا جائے بلکہ انعام سے بھی نوازا جائے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کے بجائے اپنا بندوبست کریں۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو۔“ میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ہندوستان کی پولیس اور انٹیلی جنس را کو تو ہم ہی سب سے زیادہ مطلوب تھے۔ ہم نے انہیں جو نقصان پہنچایا تھا اس کا اندازہ ممکن نہیں تھا لیکن اگر کوئی مجرم بھی ہمیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف کیے جا سکتے تھے۔

ویٹر ہماری میز کی طرف آیا تو میں نے اس بل ادا کر دیا جیتش مہتہ نے ابھی تک ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے اگرچہ لباس بدلے ہوئے تھے مگر چہرے تو وہی تھے وہ ہمیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ اگر ہم ریسٹورنٹ کے مرکزی دروازے سے باہر نکلتے تو اس کے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ اس طرح وہ یقیناً ہمیں دیکھ لیتا اس لئے ہم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس بغلی دروازے کی طرف بڑھ گئے جس سے جیتش مہتہ اندر داخل ہوا تھا اس طرف جیتش مہتہ کی پشت تھی۔ اس لئے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا۔

ریسٹورنٹ کا وہ بغلی دروازہ ایک تنگ سے بازار میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں اور بے پناہ ہجوم تھا۔ راستہ چلنا دشوار ہو رہا تھا اس ہجوم میں کسی منچلے نے رتنا کے بازو پر چٹکی کاٹ لی۔ رتنا سسک اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

وہ آدمی لوگوں کو دھکے دیتا ہوا نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رتنا نے چیل کی طرح جھپٹ کر اسے جھپٹ لیا اور اس پر تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ میں دو قدم آگے نکل چکا تھا۔ شور سن کر پیچھے مڑا تو رتنا کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔

”حرامی... کتے کے پلے...!“ رتنا اس شخص کے بال جھنجوڑتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ”کیا سمجھ کر تم نے چٹکی کاٹی گھر میں ماں بہن نہیں ہے کیا۔“ اور پھر عورتوں والی روایتی گالیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے رتنا کو کھینچ کر الگ کیا ہم کسی جھگڑے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اور پھر وہی ہوا جو اس موقع پر ہوا کرتا ہے دو چار راہ گیروں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور اس کی دھنائی شروع کر دی۔ میں رتنا کو کھینچتا ہوا وہاں سے دور لے گیا۔

رتنا دوسرے ہاتھ سے اپنا بازو سہلا رہی تھی۔ کندھے سے ذرا نیچے بازو پر نیل پڑ گیا تھا۔ اپنا بازو سہلاتے ہوئے مسلسل اس شخص کو گالیاں بک رہی تھی۔

”بس اب خاموش ہو جاؤ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اگر تم مجھے وہاں سے نہ کھینچ لیتے تو میں اس کا خون پی جاتی۔“ رتنا بولی۔

میں بڑی مشکل سے رتنا کو خاموش کرا سکا تھا اور پھر ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے علاقے میں پہنچ گئے۔

اس دوران میں اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھے ہوئے تھا۔ ہم لاری اڈے کی طرف بھی گئے۔ وہاں بھی نگرانی ہو رہی تھی اور مشتبہ لوگوں سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔

ہم ایک بارونق چوراہے کے ایک طرف فٹ پاتھ کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس وقت ایک طرف کا ٹریفک سگنل بند تھا۔ دو تین کاریں کھڑی تھیں۔ سفید رنگ کی ایک اور کار ان کے پیچھے آ کر رک گئی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میری نظر اس سفید کار پر پڑ گئی۔

"ارے۔۔۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" رتنا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ دیکھو سفید کار میں وہ سمترا ہے نا!" میں نے کار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں بابو۔۔۔ وہی ہے۔" رتنا گویا چیخ اٹھی۔

اسی وقت سگنل تبدیل ہو گیا۔ میں نے سمترا کو آواز دی لیکن ٹریفک حرکت میں آ چکا تھا گاڑیوں کے شور میں میری آواز دب کر رہ گئی۔ میں ریلنگ کے پیچھے سے نکل کر سمترا کو پکارتا ہوا اس کی طرف لپکا لیکن اسی وقت ایک اور کار میرے راستے پر آ گئی۔ ڈرائیور نے چیخ کر شاید مجھے کوئی گالی بھی دی تھی۔ وہ کار آگے بڑھی تو سمترا والی کار سگنل پار کر کے چوراہے کے دوسری طرف پہنچ چکی تھی۔ میں مختلف گاڑیوں سے بچتا ہوا واپس آ گیا۔

"کم بخت وہ کار والا بیچ میں نہ آتا تو میں سمترا تک پہنچ ہی جاتا۔" میں نے کہا۔ "کار کا نمبر بھی نہیں دیکھ سکا۔"

"مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ وہ زندہ ہے لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔" رتنا نے کہا۔

"اس کے پاس کار کی موجودگی یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اس نے یہاں باقاعدہ رہائش اختیار کر رکھی ہے۔" میں نے کہا۔ "بہرحال ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ کوٹ پنگی اتنا بڑا شہر تو نہیں ہے۔ دو چار روز میں اسے آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"اور اس کیلئے ہمیں چوبیس گھنٹے سڑکوں پر گھومنا پڑے گا۔" رتنا نے کہا۔ "بہرحال اب گھر چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ میں بری طرح تھک گئی ہوں اس وقت چار بج رہے تھے۔ شتاوری بھی پریشان ہو رہی ہوگی۔"

"اوہ۔۔۔ وقت گزرنے کا تو مجھے احساس ہی نہیں رہا تھا۔ آؤ اس سامنے والے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ایک کپ چائے پیتے ہیں اور پھر چلتے ہیں۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم سڑک پار کر کے اس ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ ہم زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھے چائے پیتے ہی روانہ ہو گئے۔

مجھے اس علاقے کا نام بھی معلوم نہیں تھا جہاں کچی بستی میں پربت سنگھ کا ڈھابا تھا البتہ راستوں [...] کا اندازہ تھی ہم ایک آٹو پر بیٹھ گئے اور میں ڈرائیور کو راستہ بتاتا رہا۔

آٹو کو ہم نے اس کچی بستی سے دور ہی چھوڑ دیا اور باقی راستہ پیدل طے کرتے ہوئے بستی میں داخل ہو گئے۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

شتاوری واقعی پریشان تھی۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی برس پڑی۔

"تم لوگ شاید بھول گئے تھے کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔" وہ باری باری ہم دونوں کو گھورتے ہوئے بولی۔

"ہم تمہیں بھولے نہیں تھے۔" میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہم [...] کا جائزہ لیتے ہوئے شہر میں گھوم رہے تھے اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ اس دوران [...] چہرے بھی نظر آ گئے جن کی وجہ سے ہم الجھ کر رہ گئے تھے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے [...] جیش مہتہ اور سمترا کے بارے میں بتانے لگا۔ سمترا کو تو وہ بالکل نہیں جانتی تھی البتہ جیش مہتہ کا نام اس [...] رکھا تھا۔

"شہر کی صورتحال کیا ہے؟" شتاوری نے پوچھا۔

"تشویشناک!" میں نے جواب دیا۔ "پولیس کو یقین ہے کہ ہم جنگل سے نکل کر اس طرف [...] گئے ہوں گے یا آ جائیں گے۔ اس لئے ہماری تلاش جاری ہے۔ لاری اڈے پر تو باقاعدہ نگرانی ہو رہی ہے۔ شہر سے باہر جانے والے لوگوں کو چیک کیا جا رہا ہے اور ہوٹلوں میں بھی چیکنگ ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں دو چار دن انتظار کرنا پڑے گا۔"

"میرے خیال میں ہمیں اس سے پہلے ہی کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔" شتاوری نے کہا۔ "یہ پربت سنگھ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔"

"کوئی خاص بات!" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو چار پانچ چکر گھر کے اندر کے لگا چکا ہے۔" شتاوری نے بتایا۔ "ہر مرتبہ میری طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے نظروں ہی نظروں میں کھا جانے کا ارادہ ہو۔"

"تم دونوں کم بخت چیزیں ہی ایسی ہو کہ۔۔۔ اب میں آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بھرے بازار میں ایک آدمی نے رتنا کو بہکانے کی کوشش کی تھی اس کا بازو دیکھو۔ ابھی تک نیل پڑا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

اور پھر رتنا نے اسے پوری کہانی سنائی۔ شتاوری کچھ کہنا چاہتی تھی کہ پربت سنگھ بھی آ گیا۔

"کہو صاحب! کچھ پتہ چلا ان کا؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ ابھی تک اس جنگل سے باہر نہیں آئے۔" میں نے کہا۔ "ہم پولیس [...] گئے تھے۔ انہیں شہر میں تلاش بھی کیا جا رہا ہے اور جنگل سے آنے والے راستوں پر پہرہ بھی بٹھا دیا گیا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ وہ جنگل سے زندہ بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "اس

جنگل میں خونخوار درندے اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ کسی انسان کا بچ نکلنا مشکل ہے شیر وغیرہ تو بستیوں سے بھی اکا دکا لوگوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔"

"ہم بھی تو اس جنگل ہی سے ہو کر آئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم قسمت کے دھنی ہو صاحب جی۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "ششاوری دیوی نے تو چائے پ[illegible] آپ دونوں کیلئے چائے بھجوا دوں۔"

"نہیں ہم بھی چائے پی کر آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

پربت سنگھ کے جانے کے بعد میں نے تھیلے میں سے کپڑے نکال کر اپنا جوڑا الگ کر لیا۔ جوڑا جینز اور ٹی شرٹ پر مشتمل تھا۔

"تم دونوں کا یہ لباس ہی فسادی جڑ ہے جو تم لوگوں نے پہن رکھا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دوسرے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم لوگ بھی اسی وقت کپڑے بدل لو۔"

میں اپنے کپڑے اٹھا کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ رتنا نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد میں اسی کمرے میں آ کر ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ رتنا اور ششاوری دوسری چارپائی پر لیٹ گئی تھیں۔ اس وقت انہوں نے جو کپڑے پہنے تھے وہ بھی اگرچہ راجستھانی تھے مگر اس سے پورا جسم چھپ گیا تھا۔

رات دس بجے ہم نے کھانا بھی کھا لیا۔ میرا خیال تھا ہم جلدی سو جائیں گے مگر گیارہ بجے کے قریب پربت سنگھ اپنی دکان بند کر کے اندر آیا تو اس کے ساتھ ایک اور جاٹ آدمی بھی تھا۔ دونوں ہمارے ہی کمرے میں بیٹھنے کے موڈ میں تھے مگر میں انہیں بہانے سے اس کمرے میں لے آیا جہاں دری بچھی ہوئی تھی اور گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

پربت سنگھ نے الماری میں سے شراب کی بوتل نکال کر دری پر رکھ دی اور باہر سے پانی کا جگ اور گلاس لے آیا اور پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ٹال دیا۔

مجھے ان دونوں کی نیت میں فتور نظر آ رہا تھا اور مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ پربت سنگھ جان بوجھ کر کسی خاص مقصد کے تحت اپنے دوست کو لے کر آیا تھا۔

وہ دیسی شراب تھی جو جلد اپنا اثر دکھانے لگی اور وہ دونوں بہکنے لگے۔

"یہ تو تم بڑے بدذوق ہو گئے ہو۔" پربت سنگھ کا دوست کہہ رہا تھا۔ "نڈیا کے بغیر بھی کبھی شراب کا مزہ آیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "میں نے کلوتی کو بیچ تو دیا تھا مگر وہ سالی پیٹ کی تیز ہو بیٹھی تھی۔"

"تمہارے گھر میں دو دو لونڈیاں بیٹھی ہیں کلوتی یا کسی کی کیا ضرورت ہے۔" دوست نے کہا۔ "پکڑ کر لاؤ ان سالیوں کو۔"

"نہیں جسپر۔" پربت سنگھ نے کہا۔ "ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی مت دیکھنا۔ وہ مہمان ہیں۔"

"ابے سالا حرامی۔" جسپر بولا۔ "مہمان ہوں گی تیری۔ بلکہ تو انہیں بہن بھی بنا لے تو کوئی حرج نہیں، اپن کی تو مہمان نہیں ہیں نا۔"

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ پربت سنگھ ابھی پوری طرح نہیں بہکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر جسپر بے قابو ہوتا جا رہا تھا۔

"میں لے کر آتا ہوں سالیوں کو... سالا تو بھی حرامی ہے، اکیلا اکیلا انہیں ہضم کرنا چاہتا ہے بھائی..."

جسپر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا اس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

میں جب اس کمرے سے نکلا تو جسپر رتنا والے کمرے کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ رتنا اور ششاوری ایک دوسرے سے لپٹی ایک ہی چارپائی پر سو رہی تھیں۔ جسپر نے اندر داخل ہو کر ششاوری کا بازو پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگا۔

ششاوری ایک دم جاگ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ رتنا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر جسپر کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اسے دھکے دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔

وہ مجھ سے زیادہ قد آور اور مجھ سے زیادہ طاقتور تھا ویسے بھی شراب کے نشے میں تھا اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے میرے سینے پر گھونسہ مار دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے سینے پر ہتھوڑے سے ضرب لگائی گئی ہو۔ میری سانس رکنے لگی اور سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

ششاوری اور رتنا چارپائی سے اٹھ گئی تھیں۔ ششاوری نے ریوالور نکال لیا۔ میرا دماغ گھوم گیا اگر ششاوری نے فائر کر دیا تو ہم ایک نئی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

"گولی مت چلانا ششاوری۔" میرے حلق سے آواز بمشکل نکل سکی تھی۔ میں ایک ہاتھ سے اپنا سینہ مسل رہا تھا۔

میری بات شاید ششاوری کی سمجھ میں آ گئی۔ رتنا بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ جسپر نے جیسے ہی اندر داخل ہونے کی کوشش کی ان دونوں نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ دروازے کا پٹ جسپر کی پیشانی پر لگا وہ کراہتا ہوا پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ اس دوران میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے دھکیلتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

جسپر ارنا بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا اس نے ایک بار پھر مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور دوبارہ اس کمرے کی طرف بڑھا اس مرتبہ میں نے اس کی ایک ٹانگ کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ وہ منہ کے بل گرا اس کی پیشانی زمین سے ٹکرائی اور وہ کراہ اٹھا۔ میں نے اس سے گتھم گتھا ہونے کی کوشش کی مگر اس نے ایک بار پھر مجھے پٹخ دیا۔

رتنا اور ششادری کمرے سے نکل آئی تھیں۔ ششادری نے ریوالور نال کی طرف سے اور اس کے دستے سے جسپر کے سر پر ضرب لگانے کی کوشش کی مگر وار سر کے بجائے اس کے کندھے پر اس دوران پربت سنگھ بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔ وہ ابھی پوری طرح نشے میں نہیں تھا کے حواس ابھی کسی قدر قابو میں تھے۔ اسی وقت جسپر نے رتنا کو پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا تھا۔ رتنا اس کے نیچے ہوئے بری طرح چیخنے لگی۔ پربت سنگھ تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ یہاں کی صورتحال دیکھ کر اس کا ہرن ہونے لگا تھا۔

"مادر سالے کو حرامی..." اس نے جسپر کو زوردار ٹھوکر رسید کی۔

اور پھر ہم دونوں اس سے لپٹ گئے اور گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے گئے۔ مجھے ڈر تھا کہ آوازیں سن کر پڑوسی نہ جمع ہو جائیں۔

"تم دونوں اندر جا کر دروازہ بند کر لو۔" میں نے رتنا اور ششادری کی طرف دیکھتے ہوئے اور انہوں نے دوسرے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

جسپر پربت سنگھ کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی کنپٹی پر دو تین تلے اوپر گھونسے رسید کر دیئے۔ آخری گھونسا کارگر ثابت ہوا اور جسپر کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ پربت سنگھ نے اس کی پسلیوں پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی تھی۔

"سالا حرامی رنڈی کا بچہ ..." وہ غرایا۔ "اپن کے مال پر نظر رکھتا ہے کاٹ دوں گا سا کو..."

میں ایک بار پھر چونک گیا۔ شاید اب مجھے پربت سنگھ سے بھی نمٹنا پڑے۔ پربت سنگھ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔

"تم لوگ اپن کا مہمان ہو صاحب جی۔" وہ اپنی بات کا اثر زائل کرنے کیلئے بولا۔ "مہا بھگوان کی دیا ہوئی ہے اگر یہ ان دونوں میں سے کسی دیوی کے ساتھ کچھ کر دیتا تو اپن اس کا کچومر نکال زندہ نہ چھوڑتا اس کو۔"

"شکر ہے اسے بھگوان یاد آ گیا تھا۔ میں جھک کر جسپر کو دیکھنے لگا۔ زمین پر گرانے سے اس کی پیشانی پھٹ گئی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا لیکن میرے خیال میں تشویش کی کوئی بات نہیں تھی صرف کھال پھٹی تھی۔

"ہم کا شما کرو صاحب جی۔" پربت سنگھ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اپن کو معلوم نہیں یہ ایسا حرامی پن کرے گا۔"

"شور سے لوگ جمع ہو جاتے۔ اس طرح تو تمہاری بھی بدنامی ہوتی۔" میں نے کہا۔

"یہاں تو رواج ایسا ہوتا ہے صاحب جی۔" وہ بولا۔ "لوگ ہم کا عادی ہو گئے ہیں... ادھر نہیں آنے دے گا۔ تم جا کے سو جاؤ۔ ہم اس کا بندوبست کر لوں گا۔"

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ رتنا اور ششادری بیٹھی ہوئی تھیں۔

ششادری کے ہاتھ میں اب بھی ریوالور موجود تھا۔ میں دروازہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ہنگامے کے بعد ظاہر ہے نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ جسپر پربت سنگھ کا دوست تھا وہی اسے یہاں لے کر آیا تھا۔ ان کی ابتدائی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ یہاں روزانہ محفلیں جمتی تھیں اور کوئی نہ کوئی عورت بھی لائی جاتی تھی۔ آئے دن اس قسم کا غل غپاڑہ اور ہنگامے بھی ہوتے ہوں گے اور بقول پربت سنگھ کے پڑوسی ان ہنگاموں کے عادی ہو چکے تھے اور کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے تھے۔ شریف لوگ تو اس قسم کے لوگوں کے منہ لگنا ویسے ہی پسند نہیں کرتے۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پربت سنگھ نے آج کا یہ پروگرام خاص طور پر بنایا تھا۔ اس کی نیت وہی تھی جس کا اظہار جسپر نے شراب کے نشے میں کر دیا تھا۔ انہوں نے یہی سوچا ہو گا کہ میں بھی ان کے ساتھ شراب پیوں گا اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھوں گا اور وہ لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رتنا اور ششادری پر جھپٹ پڑیں گے لیکن نہ تو میں نے شراب پی تھی اور نہ ہی اس وقت تک پربت سنگھ نشے میں آیا تھا۔ میں نے جس طرح جسپر کے ارادے میں مزاحمت کی تھی اس سے پربت سنگھ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات بڑھ سکتی ہے۔ اس لئے اس نے جسپر کا ساتھ نہیں دیا تھا اور بعد میں تو اس نے ہماری حمایت بھی کی تھی اور جسپر کو دو لاتیں بھی رسید کر دی تھیں۔ پربت سنگھ کو اب تک تو یہی معلوم تھا کہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے اور ہم بھیس بدل کر خطرناک مجرموں کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی ہو کہ ہم اسے کسی مصیبت میں نہ پھنسا دیں۔

میں نے ششادری اور رتنا کی طرف دیکھا وہ دونوں خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تم لوگ سو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "اول تو اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اگر کوئی بات ہوئی بھی تو میں جاگ رہا ہوں۔"

"اب نیند کیسے آئے گی۔" ششادری نے کہا۔ "مجھے تو پہلے ہی شبہ تھا کہ پربت سنگھ کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دن میں جس طرح بار بار مختلف بہانوں سے دکان چھوڑ کر گھر میں آ رہا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ ضرور کرے گا۔"

"ہو سکتا ہے تم دونوں کو دیکھ کر جسپر کی نیت بدل گئی ہو اور وہ شراب کے نشے میں بہک گیا۔ یہ بھی ممکن ہے یہ پروگرام پربت سنگھ ہی نے بنایا ہو لیکن صورتحال دیکھ کر اس نے رخ بدل لیا۔"

"جو کچھ بھی ہوا ٹھیک نہیں ہوا۔" رتنا بولی۔ "ایسی حرکت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے وہ اس کیلئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ہم مزاحمت نہ کر سکیں۔ اس لئے کل دن میں سب سے پہلے ہمیں کسی دوسرے ٹھکانے کا بندوبست کرنا ہو گا۔"

"ہاں... صبح سب سے پہلے یہی کام کیا جائے گا۔" میں نے کہا۔ رات بیت رہی تھی نیند ہم تینوں میں سے کسی کو نہیں آ رہی تھی ہم سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے...

لیکن نیند تو ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پھانسی کے تختے پر بھی آ جاتی ہے۔

شہزادی اور رتنا بھی نیند سے مغلوب ہو گئی۔ میں کرسی پر بیٹھا جاگتے رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے بھی نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔ کبھی آنکھیں بند ہو جاتیں تو میرا سر سینے پر جھکنے لگتا اور پھر کوئی جھٹکا لگنے سے سنبھل جاتا۔

میں اس وقت بھی شاید اونگھ رہا تھا کہ باہر آہٹ سن کر سنبھل گیا۔ قدموں کی آہٹ کے ساتھ باتوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بہت محتاط انداز میں چلتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا۔ اس دوران میں نے جیب سے پستول بھی نکال لیا تھا۔ کمرے کا دروازہ دو پٹ کا تھا جس میں معمولی جھری بھی تھی۔ میں نے جھری میں آنکھ لگا کر دیکھا۔

وہ جسبیر اور پربت سنگھ تھے۔ جسبیر کے ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ غصے میں بڑبڑا رہا تھا اور پربت سنگھ اسے ہاتھ سے پکڑے باہر والے دروازے کی طرف لے جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مان بھی جا بھایا! وہ تینوں پولیس والے ہیں۔ میں نے ہاتھ پیر جوڑ کر انہیں چپ کرایا ہے۔ اگر وہ تھانے والوں کو بلا لیتے تو تمہارے ساتھ میں بھی بند ہو چکا ہوتا۔"

"اس لونڈیا کو چھوڑوں گا نہیں۔" جسبیر نے کہا۔ "وہ مرن گی تو سڑک پر ہی چیر پھاڑ کر پھینک دوں گا سالی کو... میرا نام بھی جسبیر ہے۔"

"ہاں ہاں... میں جانتا ہوں تیرا نام جسبیر ہے پر اب تو جا یہاں سے... اور دیکھ باہر جا کر کوئی ایسی حرکت مت کریو...!"

"تو بھی ڈرتا ہے سالا حرامی بزدل...!" جسبیر نے کہا۔

پربت سنگھ نے دروازہ کھول کر اسے باہر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس وقت دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک بار پھر قدموں کی آہٹ اور آنگن میں دکان والا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا بڑا فرحت بخش محسوس ہوا۔

اس روز ناشتہ کرنے کے بعد دس بجے کے قریب ہم پربت سنگھ کے مکان سے نکل گئے۔ اسے ہم نے یہی بتایا کہ شام تک واپس آ جائیں گے۔ رتنا نے حسب معمول وہ تھیلا کندھے پر لٹکا کر اسے چنری میں چھپا لیا تھا۔ ان دونوں کا یہ لباس بہت معقول تھا اور چنری کے گھونگھٹ سے چہرہ بھی چھپایا جا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود ہم نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

پولیس کو ایک مرد اور دو عورتوں کی تلاش تھی۔ پولیس کی نگاہوں سے بچنے کیلئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں آگے چلتا رہا اور تقریباً تیس گز پیچھے رتنا اور شہزادی چل رہی تھیں۔

صبح میں نے جسبیر کی باتیں بھی سنی تھیں۔ اس نے پربت سنگھ کے گھر سے نکلتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ وہ لونڈیا کو نہیں چھوڑے گا۔ اس کا اشارہ غالباً شہزادی کی طرف تھا کیونکہ رات کو اس نے ہی تو بھی شہزادی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ موقع پا کر وہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرے گا۔ اگرچہ

پربت سنگھ کے مکان پر واپس آنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن آئندہ ہر صورت میں کوئی نہ کوئی محفوظ ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔

مجھے راستوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ہم مختلف سڑکوں پر گھومتے رہے۔ میں وقفے وقفے سے پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا۔ اور پھر یہ دیکھ کر چونک گیا کہ دو آدمی رتنا اور شہزادی کا پیچھا کر رہے تھے۔ میں انہیں ایک دو مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی۔ اب مجھے یقین کرلینا پڑا کہ وہ رتنا اور شہزادی ہی کا پیچھا کر رہے ہیں۔

وہ دونوں صورتوں ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ رتنا اور شہزادی کو اکیلی سمجھ کر ان کے پیچھے لگے تھے اور انہیں ابھی تک کچھ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان غنڈوں کی کسی بھی وقت پٹائی کی جا سکتی تھی لیکن اس میں مجھے بھی مداخلت کرنی پڑتی۔ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر جاتا تو بات پولیس تک پہنچ سکتی تھی اور اس طرح مزید گڑبڑ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ان غنڈوں سے الجھے بغیر نکلنے کی کوشش کی جائے۔

مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش بھی تھی جہاں ہم تینوں اکٹھے ہو سکیں۔ شہر میں پولیس اگرچہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی لیکن ہمیں ابھی تک کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن پھر اچانک ہی یوں لگا جیسے شہر میں بھونچال آ گیا ہو۔ پولیس کی گاڑیاں تیزی سے ادھر ادھر دوڑتی نظر آنے لگیں۔

آگے ایک چوراہے پر پولیس کی ایک پارٹی نے گاڑیوں کی چیکنگ شروع کر دی تھی۔ بعض راہگیروں کو بھی روک کر پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔

میں ناریل کا پانی بیچنے والے ایک ٹھیلے کے پاس رک گیا۔ ٹھیلے والے نے ایک ناریل میں اسٹرا لگا کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں وہیں کھڑا چسکیاں لینے لگا اس دوران رتنا اور شہزادی بھی وہاں پہنچ گئیں۔ انہیں یقیناً پیاس لگ رہی تھی وہ بھی ایک ایک ناریل لے کر قدرے الگ ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔

"یہ دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔" ٹھیلے والے نے پوچھا۔

"نہیں..." میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ارے گھبراتے کیوں ہو بھایا۔ ان دونوں لونڈیوں کے پیسے ہم دیں گے۔"

یہ آواز سن کر میں نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں غنڈے ٹھیلے کے قریب پہنچ گئے تھے اور یہ جملہ لمبے بالوں والے نے کہا تھا جس کے باہر نکلے ہوئے دانت بالکل پیلے ہو رہے تھے اور فاصلہ ہونے کے باوجود اس کے منہ سے بدبو آ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی ناریل لے کر پینے لگے۔

اس دوران پولیس والے اس طرف نکل آئے۔ شہزادی ناریل پی چکی تھی۔ اس نے ٹھیلے والے کو پیسے دینا چاہے تو لمبے بالوں والے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے رہنے دو۔ تمہارے پیسے ہم دیں گے۔" وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" شہزادی غرائی۔

"یہ ہاتھ تو اب کوئی نہیں چھڑا سکتا جان من۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ اس نے اپنے پیچھے پولیس

والوں کو نہیں دیکھا تھا۔

میرا فی الحال مداخلت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لئے خاموش کھڑا ناریل کے پانی کی چسکیاں لیتا رہا۔

شمشادری ایک بار پھر غرائی اور اچانک ہی دوسرے ہاتھ سے اس غنڈے کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔

"ابے تیری تو..." اس غنڈے کے منہ سے ایک غلیظ گالی نکلی۔

"اے... کیا ہو رہا ہے؟"

یہ آواز سن کر اس غنڈے نے پیچھے گردن گھمائی اور پولیس والوں کو دیکھ کر اس کی ہوا سرک گئی۔ اس نے شمشادری کا ہاتھ چھوڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ دوسرا ساتھی بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک پولیس والا ان کے پیچھے لپکا لیکن وہ دونوں ہوا ہو گئے۔

"تم لوگ کون ہو... تمہارے ساتھ کون ہے؟" دوسرے پولیس والے نے شمشادری کو گھورا۔

"گاؤں سے آئی ہوئی ہیں سودا بیچنے کیلئے ہمارے ساتھ کوئی مرد ہوتا تو ان حرام کے پلوں کو ہمارے قریب آنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

"اس تھیلے میں کیا ہے؟" پولیس والا اب رتنا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اے..." رتنا نے گھورا۔ "ہم چور ہیں کیا ہم سے سوال جواب کر رہے ہو ان حرام کے پلوں کو تو کچھ نہیں کہے۔"

"تم کو لے جا کر بند کر دوں گا زیادہ..."

"جانے بھی دو حکم۔" میں نے اس پولیس والے کو بازو سے پکڑ لیا اور تھیلے سے آگے لے گیا۔ "ایک تو تم ان غنڈوں کو نہیں پکڑ سکے جو ان کے ساتھ زیادتی کی کوشش کر رہے تھے، اوپر سے ان بے چاری عورتوں کو دھمکا رہے ہو۔"

پولیس والے نے گھور کر میری طرف دیکھا وہ شاید میرے لہجے سے مرعوب ہو گیا تھا سر جھٹک کر رہ گیا۔

"ویسے یہ معاملہ کیا ہے حوالدار... ایک دم پولیس کی بھاگ دوڑ کیوں مچ گئی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اتنک وادی گھس آئے ہیں اس شہر میں۔" پولیس والے نے جواب دیا اور پھر اس نے جو انکشاف کیا وہ خاصا سنسنی خیز تھا۔

اس پولیس والے کے کہنے کے مطابق سارنگا سے فرار ہونے والے دہشت گرد جنگل میں گھس گئے تھے پولیس کی ایک پارٹی بھی ان کے تعاقب میں تھی۔ دوسرے روز پولیس پارٹی اور دہشت گردوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ دہشت گردوں نے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں شامل ہیں کسی طرح تینوں پولیس

والوں پر قابو پا لیا۔ انہوں نے پولیس والوں کو بے ہوش کر کے ان کی وردیں پہن لیں اور ان کی جیپ پر فرار ہو گئے۔

وہ تینوں پولیس والے آج صبح کسی نہ کسی طرح جنگل سے نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ جنگل سے دو تین کوس دور کھوان پور نامی بستی کے قریب کھیتوں میں ایک کٹیا میں انہیں پولیس کی تینوں وردیاں مل گئیں۔ وہ لوگ بستی میں داخل ہوئے۔ بستی والوں نے انہیں اتنک وادی سمجھ کر پکڑ لیا۔ وہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ وہ پولیس کے آدمی ہیں مگر بستی والوں نے ان کی ایک نہ سنی اور مار پیٹ کر رسیوں سے باندھ دیا اور کوٹ پتلی کے تھانے میں اطلاع کر دی۔

پولیس کی ایک پارٹی فوراً ہی کھوان پور پہنچ گئی۔ تب وہاں ایک اور انکشاف ہوا۔ گاؤں کے کھیا نے بتایا کہ دو دن پہلے دو عورتیں اور ایک آدمی (پولیس کی وردی میں) پولیس کی جیپ پر جنگل سے برآمد ہوئے تھے۔ انہوں نے کھیا کو بتایا کہ وہ جنگل میں ڈاکوؤں کا تعاقب کر رہے تھے۔

اور پھر ساری بات کھل گئی۔ کھیا نے بتایا کہ وہ ان لوگوں کو کوٹ پتلی میں اپنے بھائی کے گھر چھوڑ گیا تھا۔ پولیس نے اس کے بھائی پربت سنگھ کے گھر پر چھاپہ مارا جس نے یہ انکشاف کیا کہ وہ لوگ دو گھنٹے پہلے ہی یہاں سے نکلے ہیں۔ پولیس نے پربت سنگھ کو بھی حراست میں لے لیا ہے اور شہر بھر میں ان تینوں کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ ایک مرد اور دو خوبصورت عورتیں۔

"ہم بھی انہی کی تلاش میں ہیں بھایا۔" وہ پولیس والا کہہ رہا تھا۔

"ہم کامل جاویں تو اپنی قسمت بدل جاوے گی پر اپنی قسمت ایسی کہاں...؟"

"بعض اوقات قسمت کی دیوی قریب سے آ کر گزر جاتی ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ لوگ تمہارے آس پاس ہی کہیں موجود ہوں اور تم انہیں نہ پہچان سکتے ہو۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" پولیس والے نے گہرا سانس لیا اور اس طرف چلا گیا جس طرف اس کا ساتھی غنڈوں کے پیچھے گیا تھا۔

میں نے رتنا اور شمشادری کو اشارہ کیا اور پھر ہم تینوں اکٹھے ہی ایک طرف چل پڑے۔ تھیلے والا معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

اگلے موڑ پر پہنچ کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ دونوں پولیس والے واپس آ کر تھیلے والے سے کچھ پوچھ رہے تھے اور تھیلے والا انہیں اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتا رہا تھا۔

"چھوٹ لو یہاں سے۔" میں نے حرکت ہوتے ہوئے کہا۔ "انہیں شبہ ہو گیا ہے وہ تھیلے والے سے ہمارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

ہم تینوں تیز تیز چلتے ہوئے ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گئے اور پھر مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے لب سڑک اس بڑے سے میدان میں پہنچ گئے جہاں مچھلی منڈی لگی ہوئی تھی۔ دو روز پہلے کھیا ہمیں سب سے پہلے یہیں لے کر آیا تھا اور بیوپاری سے مچھلیوں کا سودا کرنے کے بعد پربت سنگھ کی طرف گئے تھے

گھاس پھوس کے چھپر اور ترپالوں وغیرہ کے سائبان تھے جن کے نیچے تختوں پر دکانیں لگی ہوئی تھیں۔ صبح بھی یہاں مال آتا تھا دوپہر تک منڈی لگی رہتی تھی۔ عام گاہکوں کے لئے تو دکانیں دن بھر لگی رہتی تھیں اور شہر کے مختلف علاقوں کے لوگ تازہ مچھلی خریدنے کیلئے یہاں آتے تھے۔

دکانوں کی تین چار گلیاں سی بن گئی تھیں۔ یہاں خاصا رش تھا۔ مچھلی کی بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ہم تینوں لوگوں کے بیچوں بیچ راستہ بناتے ہوئے چلتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم مچھلی منڈی کی دوسری طرف نکل کر کسی اور راستے میں نکل جائیں گے۔

آگے گلیوں کا ایک چوراہا سا بن گیا تھا۔ میں وہاں سے سیدھا آگے نکل گیا۔ ابھی دو تین قدم ہی بڑھا تھا کہ رتنا نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"کیا بات ہے...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ادھر دیکھو...." اس نے دائیں طرف گلی میں اشارہ کیا۔ "وہ صحرا ہے وہ اس طرف نیلی ساڑھی والی۔"

نیلی ساڑھی والی اس عورت کا رخ دوسری طرف تھا۔ شاید رتنا نے قریب سے گزرتے ہوئے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ وہ عورت جیسے ہی مڑی میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ وہ صحرا ہی تھی۔ جس نے مچھلیوں کی ایک ٹوکری ہاتھ میں لٹکا رکھی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اچانک ہی اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحہ کو اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس کی آنکھوں میں بھی چمک ابھر آئی۔ اس نے ششادری اور رتنا کی طرف دیکھا مگر زیادہ گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور ٹوکری سنبھالے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چل پڑی۔ ہم بھی کچھ فاصلہ دے کر ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے۔

مچھلی مارکیٹ کی پچھلی طرف کئی کاریں کھڑی تھیں۔ صحرا ایک سفید کار کے قریب رک گئی۔ پرس میں سے چابی نکال کر پہلے ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ کھولا اور پھر اندر بیٹھ کر دوسرے دروازوں کی لاک نابیں بھی اٹھا دیں۔

رتنا اور ششادری پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور میں آگے پسنجر سیٹ پر۔ صحرا نے انجن سٹارٹ کیا اور کار حرکت میں آ گئی۔

"دو دن پہلے یہ اطلاع پہنچی تھی کہ پاکستانی دہشت گرد پہلے جے پور اور پھر سارسکا سے فرار ہو کر جنگل میں داخل ہو چکا ہے۔ جس کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔ پہلے تو یہ بتایا گیا کہ ایک عورت تو اس کی ساتھی ہے اور دوسری محکمہ سیاحت کی گائیڈ بھی جسے یرغمال بنایا گیا ہے لیکن اگلے روز یہ خبر آئی کہ وہ گائیڈ بھی ان کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرار کا سارا منصوبہ اس نے تیار کیا تھا۔ جے پور اور سارسکا میں اس کے کچھ ساتھی پکڑے گئے ہیں۔" صحرا کہہ رہی تھی۔ وہ کار کو کسی بڑی سڑک پر لانے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں میں لے جا رہی تھی جہاں روکے جانے کا احتمال کم تھا۔

"یہ خبر سن کر میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہندوستان سے جا چکے ہو گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "بہرحال مجھے پریشانی اس بات پر تھی کہ اگر تم لوگ جنگل کے خونیں درندوں سے بچ گئے تو پولیس کے ہاتھ لگ جاؤ گے کیونکہ پولیس نے جنگل سے کوٹ پتلی کی طرف آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں نے مچھلی منڈی مارکیٹ میں یہ خبر سنی ہے کہ تم لوگ اس شہر میں داخل ہو چکے ہو۔"

"ہم دو دن پہلے یہاں آ گئے تھے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"کل ہم نے تمہیں کار میں دیکھا تھا اور میں پکارتا رہا تمہارے پیچھے بھی لپکا تھا لیکن تمہاری کار نکل چکی تھی۔"

"اوہ... کہاں دیکھا تھا؟" صحرا نے پوچھا۔

"جگہ تو مجھے یاد نہیں مگر تمہاری کار ایک ٹریفک سگنل پر کھڑی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں دیکھ کر تمہاری طرف لپکا تو سگنل کھل گیا اور تمہاری کار تیزی سے آگے نکل گئی اور آج..." میں چند لمحوں کو خاموش رہا پھر بولا۔ "آج تو ہم بال بال بچے ہیں اگر ہم گھیرے میں آ جاتے تو اب تک سلاخوں کے پیچھے بند ہو چکے ہوتے۔ پولیس کے پہنچنے سے صرف دو گھنٹے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔" میں اسے پولیس کا چھاپہ پڑنے کی ہوئی بات بتانے لگا۔ "اچھا ہوا تم مل گئیں ورنہ آج کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنے میں خاصی دشواری پیش آتی۔"

صحرا نے اس مرتبہ کوئی بات نہیں کی۔ سامنے ایک بڑی سڑک تھی۔ کراس کرتی ہوئی دو ذیلی سڑکوں سے وہاں ایک چھوٹا سا چوراہا بن گیا تھا مگر وہاں کوئی ٹریفک سگنل نہیں تھا۔

صحرا نے کار کی رفتار کم کر لی۔ دائیں بائیں دیکھا اور بڑی سڑک کراس کرتی ہوئی دوسری طرف کی ذیلی سڑک پر نکل آئی۔ یہ شہر کا شمالی علاقہ تھا۔ یہاں آبادی بنگلوں پر مشتمل تھی۔ چھوٹے بڑے بنگلے تھے جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے۔ سبزہ بھی خاصا تھا اور قد آور درختوں کی بھی بہتات تھی۔

صحرا نے کار ایک تنگ سی سڑک پر موڑ لی اور پھر راستے ایک ٹیلے پر جانے والے راستے پر گھما دیا۔ ٹیلے پر وہ بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ صحرا نے گیٹ کے سامنے کار روکی۔ نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور پھر کار کو اندر لے گئی اور دوبارہ نیچے اتر کر گیٹ بند کرنے چلی گئی۔

اس دوران ہم کار سے اتر چکے تھے۔ صحرا گیٹ بند کر کے واپس ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے رتنا کی طرف بڑھتے ہوئے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔

وہ دونوں بڑے پرجوش انداز میں ملیں۔ صحرا ششادری سے بغلگیر ہوئی اور پھر ان دونوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔

یہ بنگلہ دو بیڈ روم ایک لاؤنج اور ڈرائنگ روم پر مشتمل تھا۔ تمام کمرے آراستہ تھے اور ضرورت کا ہر سامان موجود تھا ہم لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔

"میں چائے بنا کر لے آؤں۔ پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔" صحرا کچن کی طرف چلی

گئی۔ اس نے نیچوں والی ٹوکری میں سے بچی نکال کر فریج میں رکھ دی تھی۔ تقریباً چندرہ منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"مجھے کمرانا والے ہنگامے کا تو علم ہے اخبار میں پڑھا تھا اس کے بعد کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہندوستان سے نکل چکے ہو۔" "لیکن تم لوگوں کو اپنے پاس دیکھ کر مجھے حیرت کے ساتھ خوشی ہو رہی ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ بیلا تو تم لوگوں نے تنی کا تاج پہنا دیا ہے۔ بہرحال میں کمرانا کے بعد کے حالات سننا چاہتی ہوں اس کے بعد تم لوگ کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ہم کسی نہ کسی طرح جے پور پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جہاں رتنا اور شی سے ہماری ملاقات ہوئی۔" میں نے رتنا دیوی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اسے اب تک کے واقعات بتانے لگا آخر میں کہہ رہا تھا۔ "تم جانتی ہو رتنا نے میرا کس طرح ساتھ دیا تھا اور پھر شی داوری اگر جے پور میں ہمیں اس کے ہاں پناہ نہ ملتی تو ہمارے لئے بہت سی پریشانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہماری وجہ سے یہ بھی اپنی جان کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہے۔ بہرحال ہمیں تمہاری یاد بھی آتی رہی۔ میں اور رتنا اکثر تمہارا ذکر کرتے رہتے تھے۔ مجھے یہ بھی اندیشہ رہا کہ تم کہیں بیلا کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔"

"ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا۔" صحرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کے ماؤنٹ آبو سے فرار کے تقریباً دو ہفتے بعد کی بات ہے بیلا میرے گھر، میرا مطلب ہے اس بنگلے میں پہنچ گئی تھی جہاں تم لوگ مجھے چھوڑ کر آئے تھے۔"

"اوہ.... "میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"وہ دو گھنٹوں تک مجھ سے سوال جواب کرتی رہی۔ میں کون ہوں کیا کرتی ہوں میرے ساتھ اور کون ہے میرے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ بیوہ ہوں طوائف ہوں مگر بازار میں نہیں بیٹھتی میں گاہکوں کو اس بنگلے میں لے آتی ہوں۔ وہی کمائی میرا خرچ پورا کرتے ہیں وہ اس بنگلے کے بارے میں بھی پوچھتی رہی۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھ سے پہلے یہاں ایک اور بیوہ رہتی تھی جو دو ہفتے پہلے جودھ پور چلی گئی۔ بنگلے کے مالک سے ابھی میرا آمنا سامنا نہیں ہوا۔ بجلی تار کٹوانے کرایہ لینے آئے گا تو مجھے بھی پتہ چل جائے گا کہ مالک کون ہے؟" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس نے گھوم پھر کر بنگلے کا معائنہ کیا، دیواروں اور فرش کو ٹھونک بجا کر بھی دیکھا اسے شاید شبہ تھا کہ اس بنگلے کا پنڈت بھیرو والے بنگلے سے زیر زمین کوئی ناطہ ہو سکتا ہے۔ اس نے بھیرو والے بنگلے کے بارے میں بھی بہت سوال کئے لیکن میں انکار کرتی رہی۔ مجھے نہیں پتہ کہ وہاں کون لوگ رہتے ہیں۔" صحرا ایک بار پھر خاموش ہوئی اور پھر کہنے لگی۔ "مجھے شبہ تھا کہ اس کو مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ میں نے بھیرو کے بنگلے سے نکالی جانے والی رقم اور زیورات تہہ خانے میں چھپا رکھے تھے۔"

"مجھے شبہ تھا کہ بیلا نے میرے بنگلے کی نگرانی بھی شروع کرا دی ہے چنانچہ میں نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں جو مجھے شک کرتی چاہئیں۔ میں روزانہ شام کو بن سنور کر شہر کے بارونق اور مہنگے علاقوں میں

نکل جاتی۔ بڑے ہوٹلوں اور کلبوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی مجھے تلاش رہتی۔ دولت مند بوڑھے جو اندر سے بالکل کھوکھلے ہو چکے تھے۔ میں انہیں پھانس کر بنگلے پر لے آتی، وہ شرمندہ شرمندہ ہو کر رات گزارتے اور صبح سر جھکا کر چلے جاتے۔ میں ان کی جیبوں سے کچھ نہ کچھ رقم نکلوا لیتی تھی۔ حالانکہ مجھے رقم کی ضرورت نہیں تھی۔"

"بیلا نے ایسے دو تین آدمیوں کو پکڑ کر پوچھ گچھ بھی کی۔ وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں بتا سکتے تھے کہ اپنی رقم گنوا کر آ جاتے ہیں۔"

"اس دوران میری ملاقات روپ سہائے نامی ایک شخص سے ہوئی۔ ساٹھ سے اوپر اوپر اور بہت دولت مند آدمی ہے جے پور میں بڑی لمبی چوڑی پراپرٹی ہے۔ یہاں کوٹ پتلی کے نواح میں اس کی زمینیں ہیں جہاں مرچیں کاشت کرتا ہے۔ دیکھنے میں اس کی صحت اگرچہ قابل رشک ہے مگر اندر سے بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔"

"اسے پہلی مرتبہ میں نے دو سال پہلے پنڈت بھیرو کے مندر میں دیکھا تھا۔ پنڈت بھیرو اسے کرشن بیالی کرتا تھا۔"

"اس روز میں نے اسے ایک بڑے ہوٹل میں دیکھا۔ وہ حسب معمول سیر و تفریح کیلئے ماؤنٹ آبو آیا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر عورت بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بھی بے تکلفی سے اس میز پر بیٹھ گئی۔ روپ سہائے نے مجھے دیکھ کر اس عورت کو بھگا دیا اور پھر میں اسے بنگلے پر لے آئی۔ اس نے رات میرے پاس گزاری مگر میں نے اسے کوئی طعنہ نہیں دیا۔"

"اور پھر وہ روزانہ میرے پاس آنے لگا۔ اس نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں اس کی رکھیل بننا قبول کر لوں تو وہ ہر مہینے مجھے ایک معقول رقم دیا کرے گا۔ میں ماؤنٹ آبو سے نکلنا چاہتی تھی۔ میں نے فوراً ہامی بھر لی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بیلا نے پنڈت بھیرو والے بنگلے میں کھدائی شروع کروا دی تھی۔ سے اگرچہ پنڈت بھیرو کے خزانے کی تلاش تھی لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کھدائی کے دوران وہ سرنگ دریافت ہو گئی تو میری بھی خیر نہیں۔"

"روپ سہائے کی وجہ سے مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا تھا اور میں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ میں نے تمام نقدی اور زیورات ایک سوٹ کیس میں پیک کر کے ان پر اپنے چند جوڑے کپڑوں کے ڈال دیئے اور روپ سہائے ہی کی گاڑی میں وہاں سے نکل آئی۔"

"میں اکیلی ہوتی تو شاید کچھ دشواری پیش آتی مگر روپ سہائے کے ساتھ نے ساری مشکلات حل کر دیں۔ روپ سہائے نے مجھے دو دن جے پور کے ایک ہوٹل میں رکھا۔ جے پور کا وہ فور سٹار ہوٹل بھی اسی کی ملکیت ہے۔ دو دن بعد وہ مجھے کوٹ پتلی لے آیا۔ میں چند روز یہاں سے چند میل دور اس کے فارم ہاؤس میں رہی لیکن وہ جگہ مجھے پسند نہیں آئی۔ تب روپ سہائے نے مجھے یہ مکان لے دیا۔ اتفاق سے اس مکان میں ایک تہہ خانہ بھی ہے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اس تہہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ یہ کار بھی مجھے روپ سہائے نے ہی لے کر دی ہے۔"

"مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہو چکا ہے۔ میری دیکھ بھال کیلئے ملازمہ بھی تھی جسے دو دن پہلے میں نے نکال دیا میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں لیکن ابھی تک یہ طے نہیں کر پائی کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں گی میرے پاس اگرچہ دولت کی کمی نہیں ہے میں ساری زندگی آرام سے گزار سکتی ہوں لیکن میں دنیا کو بہت اچھی طرح دیکھ چکی ہوں۔ اکیلی جہاں بھی جاؤں گی مشکلات سے دو چار رہوں گی۔ اب میری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ آ گئے ہو۔ ہو سکتا ہے تم لوگوں کے ساتھ ہی کسی طرف نکل جاؤں۔"

"ہم کوئی پروگرام بنائیں گے مگر اطمینان سے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "فی الحال تو بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے اور تم جانتی ہو کہ پیٹ خالی ہو تو ذہن کی کوئی بات دماغ میں نہیں آتی۔"

"اوہ..." وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں باتوں میں تو بھول ہی گئی تھی کہ کھانا بھی کھانا ہے چند منٹ لگیں گے" وہ اٹھ گئی۔ "کل رات میں نے چیز اور پالک کے کوفتے بنائے تھے اس وقت وہی نکال لیتی ہوں رات کو مچھلی بنائیں گے۔"

وہ کچن میں گئی تو رتنا بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔ ششا دری اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔

"عورتوں کے معاملے میں بڑے لکی ہو۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ہاں... میں واقعی لکی ہوں کہ تم جیسی اپسرائیں میرے حصے میں آ رہی ہیں اور بعض اوقات تو میں واقعی اپنے آپ کو راجہ اندر سمجھنے لگتا ہوں جس نے دنیا کی حسین ترین لڑکیاں اپنے گرد جمع کر رکھی تھیں۔" میں نے جواب دیا۔

ششا دری مسکرا کر رہ گئی۔

کھانا آدھے گھنٹے بعد ہی تیار ہو سکا تھا۔ کھانے کے دوران بھی ہم پرانی باتیں کرتے رہے۔ سحرا نے بڑی بے باکی سے سب کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بیلا سے بچانے کیلئے غیر مردوں کو گھر لاتی رہی تھی اور اس نے بڑی بے باکی سے یہ اعتراف بھی کر لیا تھا وہ یہاں روپ سیہائے کی داشتہ کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔

میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عورت خواہ دنیا کے کسی بھی خطے یا قوم و مذہب سے تعلق رکھتی ہو اسے اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ بھی اس قسم کی زیادتی بھی ہو تو وہ بات کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے تاکہ دوسروں کے سامنے اس کی سبکی اور بے عزتی نہ ہو لیکن یہ انوکھی بات مجھے ان ہندو عورتوں ہی میں نظر آ رہی تھی جن کے نزدیک عزت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

سب سے پہلے بیلا سے میرا واسطہ پڑا تھا جس نے اپنے آپ کو میرے سامنے ڈھیر کر دیا تھا پھر ارکانی ہوتری تھی جس نے صاف کہہ دیا تھا کہ دیش کی بھلائی کیلئے اس کی عزت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ارکانی ہوتری کے بعد کئی عورتوں سے میرا واسطہ پڑا تھا اور ہر ایک نے بڑی بے باکی سے اپنی بے حیائی کا اعتراف کیا تھا۔ اس وقت تین عورتیں میرے ساتھ تھیں۔ سحرا، رتنا کماری اور ششا دری۔ اگر وہ چاہتیں تو اپنا

ماضی مجھ سے چھپا سکتی تھیں لیکن ان تینوں نے بڑی بے باکی سے ماضی میں اپنی بے حیائی کا اعتراف کیا تھا۔

کھانے کے دوران ہی ایک بار پھر روپ سیہائے کا ذکر آیا۔

"ایسی صورت میں جبکہ روپ سیہائے بھی یہاں آتا رہتا ہے ہمارا یہاں رہنا خطرناک نہیں ہوگا؟" میں نے سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تک وہ صرف ایک مرتبہ یہاں آیا ہے۔" سحرا نے جواب دیا۔

"آج کل وہ جے پور میں ہے۔ اگلے ہفتے وہ یہاں آئے گا۔ آنے سے پہلے مجھے ٹیلیفون پر اطلاع دے گا اور میرا خیال ہے کہ اس کے آنے سے پہلے میں کوئی بندوبست کر لوں گی۔"

"مثلاً کیا بندوبست؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہمارے پڑوس والا بنگلہ خالی ہے اس پر برائے فروخت کی تختی لگی ہوئی ہے۔" سحرا نے جواب دیا۔ "جس پراپرٹی ایجنٹ سے ہم نے یہ بنگلہ خریدا تھا وہ بنگلہ بھی اس کی تحویل میں ہے اور اتفاق سے اس کی ایک چابی بھی میرے پاس موجود ہے۔"

"تمہارے پاس؟" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں...!" سحرا مسکرائی۔ "ایجنٹ نے پہلے ہمیں وہی بنگلہ دکھایا تھا لیکن مجھے پسند نہیں آیا۔ بعد میں یہ بنگلہ آ گیا جو روپ سیہائے نے خرید لیا۔ روپ سیہائے کے جانے کے بعد وہ ایجنٹ بعض کاموں کے سلسلے میں کئی بار یہاں آ چکا ہے۔ وہ تین مرتبہ مختلف پارٹیوں کو وہ بنگلہ دکھانے کیلئے لایا تو یہاں کا چکر بھی لگا گیا۔ آخری مرتبہ وہ اس بنگلے کی چابیوں کا گچھا یہاں بھول گیا تھا۔ جسے میں نے غیر ارادی طور پر چھپا دیا۔ اس کے پاس ان چابیوں کی ڈپلیکیٹ موجود ہے۔ اس لئے اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ چابیوں کا وہ گمشدہ گچھا میرے پاس ہے۔ اس طرح کی ہنگامی صورت حال میں وہ بنگلہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ آؤ میں تمہیں وہ بنگلہ دکھاتی ہوں۔"

ہم اٹھ کر باہر آ گئے۔ سحرا والے بنگلے کا کمپاؤنڈ خاصا وسیع و عریض تھا۔ ناریل کے کئی درخت تھے۔ لان بھی ہرا بھرا سرسبز تھا اور پھولوں کے پودوں کی کیاریاں بھی تھیں۔

"وہ سامنے والا بنگلہ ہے۔" سحرا نے برآمدے میں کھڑے ہو کر بائیں طرف اشارہ کیا۔

وہ بنگلہ بڑا تھا اس ٹیلے پر تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا۔ گیٹ کے سامنے سے ایک تنگ سی پگڈنڈی اس بنگلے تک چلی گئی تھی۔ ویسے سڑک کی طرف آمد و رفت کیلئے اس بنگلے کا راستہ الگ تھا۔

اس علاقے میں بنگلے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اور یہ بات ہمارے حق میں بہتر تھی۔ ہم لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہیں گے۔

اس رات بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سحرا یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ وہ پرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی لیکن اسے کچھ خدشات بھی تھے۔

"میرا ایک مشورہ ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے تمہیں روپ سیہائے کی

مدد بھی حاصل ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تم یہیں ٹکی رہو۔"

"اس کی داشتہ بن کر۔" صحرا نے کہا۔ "تم ان دولت مند لوگوں کو نہیں جانتے۔ خاص طور پر روپے پیسے والے جیسے بوڑھوں کو آج اس کے دل پر راج کر رہی ہوں کل کوئی اور اس کے من کو بھا جائے گی اور مجھے وہ اپنی زندگی سے نکال دے گا اور پھر ویسے بھی میں زندگی بھر کسی کی رکھیل بن کر نہیں رہنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا اپنا ایک گھر ہو، پتی ہو اور بچے ہوں۔ میں اپنا ماضی بھول جانا چاہتی ہوں۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ماضی تو آپ میری زندگی کا سیاہ ترین باب ہے۔ وہاں جو کچھ ہوا تم جانتے ہو۔ میں بیلا کو دھوکہ دے کر وہاں سے نکل تو آئی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن بیلا کو میری اصلیت کا پتہ چل جائے گا اور یہاں میں کسی چوہے کی طرح پکڑی جاؤں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں سے دور چلی جاؤں جہاں کوئی میرا سراغ نہ لگا سکے اور میں کسی خوف کے بغیر پرسکون زندگی گزار سکوں۔"

"تو پھر اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں؟" میں نے کہا۔

"میری ماتا اور پتا کا دیہانت ہو چکا ہے۔" صحرا نے کہا۔ "دو بھائی ہیں جن میں پتا جی کی جائیداد پر عرصے سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ دونوں ہی بے انتہا لالچی اور خود غرض ہیں۔ وہ دونوں مجھے اپنانے پر تیار تو ہو جائیں گے لیکن میری دولت ہتھیانے کے بعد مجھے دھکے دے کر نکال دیں گے۔ نہیں... میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔ تم لوگ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں پنجاب میں کسی جگہ اپنا ٹھکانا بنا لوں گی۔"

"ٹھیک ہے اس کیلئے کوئی پلاننگ کرنی پڑے گی۔" میں نے کہا۔

ہمیں صحرا کے پاس رہتے ہوئے تین چار دن گزر گئے ہم تو اس بنگلے کے کمپاؤنڈ تک ہی محدود رہے۔ البتہ صحرا آزادی سے باہر آتی جاتی رہتی اور اس سے ہمیں باہر کے حالات کی بھی خبر ملتی رہتی۔ ہماری تلاش کا سلسلہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

صحرا کا بوڑھا عاشق روپ چند جے پور میں تھا۔ وہ روزانہ رات کو ایک مقررہ وقت پر صحرا کو فون کرتا تھا۔ بہت لمبی لمبی باتیں ہوتی تھیں۔

پانچ دن گزر گئے۔ اس روز صحرا سودا سلف لینے کیلئے بازار جانے لگی تو شمشادری بھی تیار ہو گئی۔

"کیا تمہارا باہر جانا مناسب ہوگا؟" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔" شمشادری نے جواب دیا۔ "میں عرصہ پہلے ایک دو مرتبہ یہاں آئی ہوں۔ اب تو کوئی مجھے پہچانتا بھی نہیں ہوگا اور ویسے بھی یہ ضروری تو نہیں کہ ٹورازم والے میری تلاش میں سڑکوں پر گھوم رہے ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔ "لیکن محتاط رہنا۔"

دس پندرہ منٹ بعد وہ دونوں چلی گئیں۔

میں اور رتنا بنگلے میں اکیلے رہ گئے۔ کئی روز بعد اس طرح تنہا بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ رتنا کو

فرصت سے سوجھنے لگی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔

"میرا چائے کا موڈ ہو رہا ہے۔" میں نے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور تم ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لو اور مناسب سمجھو تو ایک گلاس سر پر بھی انڈیل لینا۔ تمہارے اندر جو گرمی بھری ہے وہ نکل جائے گی۔"

رتنا نے گھور کر مجھے دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

"پیچھا چھڑا رہے ہو؟"

"نہیں..." میں نے بھی مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تم سے پیچھا چھڑانے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

رتنا چند لمحے مجھے گھورتی رہی پھر کچن کی طرف چلی گئی اور میں نے غلط نہیں کہا تھا یوں تو ان پچھلے دنوں کے دوران میری زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں ہر ایک سے وقتی لگاؤ تھا... اوشا نے جان دے دی تھی مگر رتنا سے مجھے کچھ زیادہ ہی لگاؤ ہو گیا تھا اور میں اس کے بغیر اپنے آپ کو واقعی ادھورا سمجھنے لگا تھا۔

رتنا چائے بنا کر لے آئی اور میرے قریب بیٹھنے کے بجائے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لئے بھی چائے بنائی تھی۔

"ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں تو ہمارے لئے خطرات کم سے کم ہو جائیں گے۔" رتنا نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "صحرا بھی یہاں سے جانا چاہتی ہے وہ تو پنجاب میں کسی جگہ سیٹل ہونے کی کوشش کرے گی لیکن شمشادری کا کیا کیا جائے...؟"

"میرا خیال ہے اسے بھی صحرا کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کروں گا؟" میں نے جواب دیا۔ "شمشادری کا ہم پر بہت احسان ہے اس نے نہ صرف قدم قدم پر ہماری مدد کی بلکہ ہماری خاطر اپنا سب کچھ بھی برباد کر لیا۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ ظاہر ہے کہ ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"اور میرا کیا بندوبست کرو گے؟" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"میرے ساتھ رہتے ہوئے تم آدھی مسلمان تو ہو چکی ہو سرحد پار کرتے ہی تمہیں پوری مسلمان بنا دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا واقعی؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔ "کیا واقعی تم مجھے اپنے ساتھ سرحد پار لے کر چلو گے؟"

"ارادہ تو یہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب یہ وقت ہی بتائے گا کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔"

رتنا میرے گلے میں باہیں ڈالے میرے چہرے کو دیکھتی رہی۔

"میں بہت خوش ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ "اس وقت مجھے اپنی

خوشی پوری کر لینے دو۔“

اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا یا کوئی جواب دیتا اس نے اپنے تپتے ہوئے ہونٹ میرے ہونٹوں پر ثبت کر دیئے۔

میری نیت بھی ڈانواں ڈول ہونے لگی لیکن میں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اسے اپنے سے الگ کر دیا۔

”آؤ... باہر بیٹھتے ہیں تازہ ہوا میں۔“ میں کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ رتنا ایک بار پھر مجھے گھور کر رہ گئی اور پھر وہ بھی اٹھ کر میرے پیچھے ہی آ گئی۔

درختوں کے نیچے تین چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور رتنا پھولوں کی کیاری کے پاس ٹہلنے لگی۔ اس نے گیندے کا ایک پھول توڑا اور میرے سامنے آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

موسم بڑا خوشگوار تھا۔ ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے... ہوا کی خنکی سے رتنا کے دماغ کی گرمی کافور ہو گئی اور سنجیدگی سے باتیں کرنے لگی۔

ششا دری اور سمترا کو گئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس وقت دس بجنے والے تھے اور میرے خیال میں وہ گیارہ بجے سے پہلے لوٹنے والی نہیں تھیں۔

میں اور رتنا وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے بلکہ رتنا تو مستقبل کے منصوبے بنا رہی تھی۔ اس نے گویا اپنے تئیں یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ کوٹ پتلی سے نکلنے کے بعد ہم آزاد ہوں گے اور وہ سب سے بڑے اطمینان سے سرحد پار کر کے پاکستان میں اپنی ہدو جہد کریں گے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان ثابت نہیں ہوگا۔

میں نے پاکستان کے خلاف را کے منصوبوں کو درہم برہم کر دیا تھا۔ ان کے گھر میں گھس کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے درجنوں آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ ناگ راج ماسٹر مائنڈ تھا۔ پاکستان کے خلاف دہشت گردی کے سارے منصوبوں کے پیچھے اس کا ہاتھ تھا میں نے اسے جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا اسے یہ بھیڑیے طویل عرصہ تک نہیں بھلا سکیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے بہت سے راز میرے قبضے میں آ چکے تھے۔ پیلا تخریب کاری کے سرکاری گروہ کی اہم ترین رکن تھی۔ وہ بے در بے میرے ہاتھوں شکست کھا رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ مجھے آسانی سے سرحد پار کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور رتنا اس خوش فہمی میں تھی کہ ہم بڑے آرام و اطمینان سے سرحد پار کر لیں گے۔

ہم درختوں کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آسمان سے ٹپ ٹپ پانی کی بوندیں برسنے لگیں۔ فضا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیل گئی۔ رتنا کرسی سے اٹھ کر لان کی گھاس پر چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا آسمان کو تکتا رہا۔ بادل بہت گہرے تھے اور میرا خیال تھا کہ یہ بوندا باندی تک ہی محدود نہیں رہے گی۔ بادلوں کی ہیئت دیکھ کر تیز اور موسلا دھار بارش کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہوا میں بھی بتدریج تیزی آتی جا رہی تھی۔ جو میرے اس خیال کی تصدیق کر رہی تھی۔

بوندا باندی تیز ہو گئی۔ رتنا کھلی جگہ پر تھی اور پوری طرح بھیگ رہی تھی۔ میں درختوں کے نیچے تھا۔ اس لئے کسی حد تک بچا ہوا تھا۔ مجھے ششا دری اور سمترا کی بھی فکر تھی لیکن یہ اطمینان بھی تھا کہ ان کے پاس گاڑی موجود ہے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ سمترا کی کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ گیٹ کے سامنے رکی۔ رتنا نے جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور گاڑی اندر آ گئی۔

سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی ہوئی سمترا کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ششا دری کو نہ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ میں اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اسی دوران رتنا بھی گیٹ بند کر کے قریب آ گئی۔ سمترا انجن بند کر کے نیچے اتر رہی تھی۔

”کیا ہوا... تم بدحواس کیوں ہو۔ ششا دری کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ششا دری۔“ سمترا کے ہونٹ کپکپائے۔ ”وہ... وہ... پکڑی گئی۔“

”کیا...؟“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر بم پھٹ پڑا ہو اور میں بے بسی و حرکت کھڑا سمترا کے چہرے کو تکتا رہا۔

بارش تیز ہو گئی تھی۔ ہم اندر آ گئے۔ سمترا کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی اور رتنا کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ وہ پوری طرح بھیگی ہوئی تھی اور یہ شاید کسی انجانے خوف کا اثر تھا کہ اس پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی اور چند منٹ بعد کپڑے بدل کر واپس آ گئی۔ اس نے سردی سے بچنے کیلئے ایک چادر بھی اوڑھ لی تھی۔

”یہ... یہ سب کچھ کیسے ہوا؟“ تم اس وقت کہاں تھیں۔ میں نے سمترا سے پوچھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

”ہم مختلف بازاروں میں شاپنگ کرتی پھر رہی تھیں۔“ سمترا کہہ رہی تھی۔ ”میں ایک دکان پر رک گئی جبکہ ششا دری کچھ آگے نکل گئی۔ میں نے نیچے ہی اس کے قریب پہنچنا چاہا دو آدمیوں نے ششا دری کو دائیں بائیں بازوؤں سے پکڑ لیا اور اسے کھینچتے ہوئے ایک طرف لے گئے۔ میں رک گئی۔ ششا دری نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے دوسروں کو شبہ ہوتا کہ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”ان دونوں آدمیوں کا تعلق پولیس سے تھا۔ وہ ششا دری کو کچھ دور لے جا کر رک گئے۔ ایک آدمی نے بڑی بے دردی سے اس کی تلاشی لے کر اس کے لباس سے ریوالور برآمد کر لیا۔ کچھ اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے میں بھی اس ہجوم میں کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑی تھی۔ ہجوم میں سے ایک آدمی نے ان دونوں آدمیوں کی ششا دری کے ساتھ بدتمیزی کرنے پر ٹوکا تھا جس پر ان میں سے ایک آدمی نے بتایا کہ ان کا تعلق پولیس سے ہے اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عورت ان خطرناک دہشت گردوں کی ساتھی ہے جنہیں کئی روز سے تلاش کیا جا رہا ہے۔“

دوسرے لوگوں کی طرح میں نے بھی اس طرف دیکھا تو مجھے چیخ تیں سانس رکتا ہوا محسوس

بازار سے لائی ہوئی چیزوں میں سبزیوں کے علاوہ پھل اور دو تندوری چکن بھی تھیں اس کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔

"یہ تندوری چکن میں نے ششاوری کے کہنے پر خریدے تھے۔" سحرا نے بنڈل کھولتے ہوئے کہا۔ "اس نے کہا تھا کہ دوپہر کے کھانے میں یہی کھائیں گے اور رات کو سبزی پکائیں گے۔ بے چاری۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "پتہ نہیں اسے کچھ کھانے کو ملا ہے یا نہیں۔"

ششاوری کے ساتھ جو کچھ ہونے والا تھا اس کا تصور ہی روح فرسا تھا۔ مجھ سے ایک دو لقموں سے زیادہ نہیں کھایا گیا۔ رتنا کو زیادہ بھوک لگ رہی تھی اس نے بھی ایک دو نوالے کھانے کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ سحرا کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ اس نے سب کچھ سمیٹ کر رکھ دیا اور چائے بنا کر لے آئی۔

ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہم اس طرح اچھل پڑے جیسے قریب ہی بم پھٹا ہو۔ ہم سب معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سحرا کے بوڑھے عاشق کا فون عام طور پر رات کو آیا کرتا تھا اور اس وقت یہ فون کس کا ہو سکتا ہے۔ کیا ششاوری نے زبان کھول دی ہے اور کیا وہ لوگ فون کے ذریعے یہ تصدیق کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اس بنگلے پر موجود ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اگر ششاوری نے ہمارے بارے میں بتا دیا ہوتا تو پولیس والے یہاں فون نہیں کرتے بلکہ اس وقت بنگلے کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہوتا اور پولیس والے اندر داخل ہونے کیلئے بنگلے کی دیواریں پھلانگ رہے ہوتے۔

سحرا میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے ریسیور اٹھانے کا اشارہ کیا۔ کال ریسیو کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب چلی گئی اور ہاتھ آگے بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا اس کا ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"ہیلو۔" اس کے مرتعش ہونٹوں سے مردہ آواز نکلی اور پھر دوسری طرف کی آواز سن کر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور اس کے چہرے پر بھی طمانیت سی آ گئی۔

وہ تقریباً پانچ منٹ تک فون پر بات کرتی رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور انداز گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ روپ سیہانے کی کال تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر مڑی تو اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "اپنا سامان سمیٹو۔ جلدی۔ ہمارے لئے دوسرے ٹھکانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کس کا فون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے عاشق کا۔" سحرا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "مجھے آج پہلی مرتبہ پتہ چلا ہے کہ یہاں اس کا کوئی اور بنگلہ بھی ہے۔ جہاں اس کے گھر کے افراد آ کر ٹھہرتے ہیں۔ دوسرے تیسرے مہینے ایک آدھ مرتبہ۔"

"لیکن تم نے تو اس کی بات نہیں کی تھی۔ اسے کیسے؟"

"اسے اطلاع مل گئی ہے کہ یہاں تیز بارش ہو رہی ہے۔" سحرا نے میری بات کاٹ

دی۔ "اسے یہ پتہ بھی چل چکا ہے کہ چند روز پہلے میں نے ملازمہ کو نکال دیا تھا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ بارش میں اس علاقے کی سڑکوں پر سیلاب آ جاتا ہے میں کہیں نکل نہیں سکوں گی اور پہلے سے زیادہ اکیلی ہو جاؤں گی۔ اس لئے اس نے کہا کہ میں اس کے دوسرے بنگلے میں چلی جاؤں۔ وہاں چوکیدار موجود ہے۔ ٹیلی فون پر میرے بارے میں اطلاع دی جا چکی ہے۔"

"شاید خدا نے ہماری سن لی۔ کہاں ہے وہ بنگلہ؟" میں نے کہا۔

"کینٹ روڈ کے دوسری طرف۔" سحرا نے جواب دیا۔ "وہاں سے میں اکثر گزرتی ہوں۔ وہ بڑے بنگلے ہیں اب تم لوگ اپنی چیزیں سمیٹو۔ میں بھی تیاری کر لوں۔"

اور پھر چند منٹ کے اندر اندر ہم کار میں بیٹھ رہے تھے۔ سحرا نے بنگلے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ بند کر دی تھیں۔ اپنی ضرورت کی چیزوں کے علاوہ اس نے بازار سے لائی ہوئی چیزیں اور بچا ہوا کھانا بھی ایک شاپنگ بیگ میں ڈال لیا تھا اور رتنا نے بھی اپنا تھیلا سینے سے لگا رکھا تھا۔

بارش کچھ اور تیز ہو گئی تھی اور اب تو گھن گرج کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ سڑکوں پر واقعی سیلابی کیفیت تھی۔ اگر ہموار علاقہ ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی لیکن ٹیلوں کی طرف سے آنے والا پانی بڑی تیز رفتاری سے سڑکوں پر بہہ رہا تھا۔

"روپ سیہانے واقعی تمہارا سچا عاشق ہے۔" رتنا نے کہا۔ "وہ اتنی دور بیٹھا ہوا ہے لیکن اسے تمہاری فکر ہے تمہیں اس کی قدر کرنی چاہئے۔"

"تمہارے خیال میں اس کی قدر کس طرح کی جانی چاہئے؟" سحرا نے پوچھا۔

"یہ تم بہتر سمجھ سکتی ہو۔" رتنا نے جواب دیا۔

بارش کی وجہ سے سڑکوں پر ٹریفک بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کوئی اکا دکا گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جگہ وہاں سے ڈیڑھ دو میل سے زیادہ دور نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ میں وہاں پہنچا جا سکتا تھا لیکن سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں جس وجہ سے یہ فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے ہوا اور پھر چند منٹ وہ بنگلہ تلاش کرنے میں لگ گئے۔

ڈبل سٹوری کا بہت شاندار محل نما بنگلہ تھا۔ سامنے والے حصے میں سنگ مرمر بکثرت استعمال کیا گیا تھا۔ سحرا نے بنگلے کے سامنے کار روکی تو میں اتر کر کال بیل بجانے لگا لیکن گھنٹی نہیں بجی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں کی بجلی جا چکی ہے۔ میں گیٹ کو زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا۔ کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی چھتری تانے پورچ سے نکل کر گیٹ کی طرف آ رہا تھا۔ میں دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔ زیادہ سے زیادہ ایک منٹ باہر رہا ہوں گا لیکن اتنی سی دیر میں ہی پانی سے شرابور ہو چکا تھا۔

اس شخص نے چھوٹے ذیلی دروازہ کھول کر باہر جھانکا پھر آگے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی سحرا سے پوچھنے لگا کہ اسے کس سے ملنا ہے۔

"گیٹ کھولو۔" سحرا نے پر رعب لہجے میں کہا۔ "تمہیں روپ سیہانے نے فون پر اطلاع نہیں دی۔"

دھواں دار بارش میں ہماری تلاش کے حوالے سے پولیس کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئی ہوں گی لیکن اگر شمشادوری نے زبان کھول دی ہو تو پولیس سمترا والے بنگلے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی لیکن مجھے شمشادوری پر اتنا اعتماد کیوں تھا کہ وہ اپنی جان دے دے گی مگر ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولے گی۔

ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں آ رہا تھا۔ اگر شمشادوری نے زبان کھول دی تو پولیس یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ سمترا والے بنگلے میں کسی کو نہ پا کر پولیس والے آس پاس کے رہنے والوں سے معلومات حاصل کریں گے۔ روپ سیہائے یہاں اتنا غیر معروف تو نہیں تھا۔ پولیس کو جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ وہ بنگلہ روپ سیہائے نے خریدا تھا اور پھر پولیس کے لئے یہاں تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔

یہ تمام اگرچہ مفروضے تھے مگر میں بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے بارش کی وجہ سے پولیس کی کارروائی کچھ سست ہو مگر کسی بھی وقت کسی کارروائی کی توقع کی جا سکتی تھی۔

بارش کی روانی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شام سے پہلے رکنے والی نہیں تھی۔ ممکن ہے اس تسلسل سے رات تک برستی رہے۔

رانا زبیر چکن اور نان گرم کرکے لے آیا۔ اس نے یہ چیزیں ہمارے سامنے میز پر رکھ دیں اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ پہلے ہم میں سے کسی نے بھی ایک دو نوالوں سے زیادہ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک لگنے لگی تھی جو کچھ ہمارے سامنے رکھا تھا سب چٹ کر گئے۔ کھانے کے بعد چائے بھی وہیں بیٹھ کر پی۔

اس وقت چار بجنے والے تھے۔ تین گھنٹوں کی مسلسل بارش کی وجہ سے موسم میں اچھی خاصی خنکی آ گئی تھی۔ رتنا اور سمترا کو سردی تنگ رہی تھی۔ ہم ٹیرس سے اٹھ کر میرے والے کمرے میں آ گئے میں نے دونوں طرف کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے۔

رتنا اور سمترا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور دونوں نے ایک ہی چادر اوڑھ لی۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے گیٹ بھی نظر آ رہا تھا اور میں بار بار گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رتنا اور سمترا باتیں کرتے کرتے سو گئیں۔ مجھ پر بھی غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کرسی سے اٹھ کر صوفے پر دراز ہو گیا اور کچھ دیر بعد میں سو چکا تھا۔

شام چھ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی اس وقت بارش کا زور اگرچہ ٹوٹ چکا تھا مگر رکی نہیں تھی۔

شام کی چائے ہم نے نچلے ہال میں پی اور وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ باہر کی ہمیں کوئی خبر نہیں تھی۔ خبر حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔ ہمارے لئے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن باہر کے حالات معلوم کرنا بہت ضروری تھا۔

"میڈم صاحبہ! ہم ذرا بازار جا رہے ہوں۔ آپ کو کچھ چیز منگوانا ہو تو بتا دو۔" رانا زبیر نے سمترا کے قریب آ کر کہا۔

"نہیں! ہمیں تو کوئی چیز نہیں منگوانی۔ تم کیا لینے جا رہے ہو؟" سمترا نے پوچھا۔

"رات کے کھانے کا سامان لینے جا رہا ہوں جی۔" رتنا نے جواب دیا۔

"میں بھی رانا زبیر کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ میں تو برآمدے میں رک گیا اور وہ برآمدے سے نکل کر دوڑتا ہوا اس طرف چلا گیا جہاں تین چار گیراج بنے ہوئے تھے۔"

ہانی روف باہر نکل جانے کے بعد میں گیٹ بند کرکے آ گیا۔ رتنا اور سمترا بھی برآمدے میں آ گئی تھیں ہم وہیں کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ سمترا اٹھ کر اندر چلی گئی۔ وہ تقریباً بیس منٹ بعد واپس آئی تھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"اس بڈھے کو پتہ چل گیا ہے کہ تم لوگ بھی یہاں میرے ساتھ موجود ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوہ..." میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا وہ ہمیں جانتا ہے لیکن اسے کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔"

"جب ہم سو رہے تھے تو اس کا فون آیا تھا۔" سمترا نے بتایا۔ "رانا زبیر نے اسے بتا دیا تھا کہ میرے ساتھ کوئی مہمان بھی ہیں۔ وہ تم لوگوں کو نہیں جانتا لیکن پوچھ رہا تھا کہ مہمان کون ہیں۔"

"پھر... تم نے کیا جواب دیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "یہی کہ میری دیدی اور جیجا جی آئے ہیں۔" سمترا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے معلوم تھا کہ میں اپنے عزیزوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس نے خوشی کا اظہار کیا ہے کہ اب میں اکیلی نہیں رہوں گی۔"

"اس کا آنے کا پروگرام تو نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کم از کم ایک ہفتے تک اس کا یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" سمترا نے جواب دیا۔ "اور ہو سکتا ہے اس وقت تک ہم یہاں سے جا چکے ہوں۔"

"تو گویا تم نے یہاں سے جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں... میں ان حالات سے تنگ آ گئی ہوں کہیں دور جا کر پرسکون زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" سمترا نے جواب دیا۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر باہر کار کے ہارن کی آواز سن کر رک گیا۔ گیٹ کے سامنے کوئی گاڑی رکی تھی۔ میں اٹھ کر گیٹ کی طرف چل پڑا۔

وہ رانا زبیر سنگھ تھا جو ایک گھنٹے میں واپس آ گیا تھا میں نے گیٹ کھول دیا وہ گاڑی اندر لے آیا اور گیراج میں لے جا کر روک دی۔ چند منٹ بعد وہ برآمدے کی طرف آیا اس کے ہاتھ میں سبزی ترکاری کے تھیلے کے علاوہ ایک اخبار بھی تھا جو تہہ کیا ہوا تھا۔

"یہ اخبار ادھر دکھانا ذرا... کوئی خاص خبر ہے کیا؟" سمترا نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"بہت کھاص کھبر ہے میڈم!" زبیر سنگھ نے اخبار اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آتنک وادیوں کی ایک ساتھی پکڑی گئی اور..."

سمترا نے اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر کھول لیا۔ میں بھی اس کی طرف جھک گیا۔ وہ مقامی ہندی پیپر تھا۔ یہ اخبار اگرچہ صبح کو شائع ہوتا تھا مگر یہ خصوصی ضمیمہ تھا جو صرف ایک ورق پر مشتمل تھا جو کچھ ہی

چھپا تھا ایک ہی طرف چھپا تھا۔ دوسری طرف سے بالکل سادہ تھا۔

"پاکستان آتنک وادی کی ساتھی پکڑی گئی۔"

"اس اخبار کی ہیڈ لائن تھی۔ تفصیل کے مطابق پاکستانی دہشت گردی اور اس کے ساتھیوں کی کوئی تفصیل سرکار کے پاس نہیں تھی جس سے ان کی شناخت ہوسکتی تھی۔ تین چار روز پہلے یہ انکشاف ہوا کہ جے پور میں محکمہ نورازم کی ششادری دیوی نامی ایک گائیڈ بھی ان کے ساتھ مل گئی تھی جس نے نہ صرف انہیں جے پور شہر میں پناہ دے رکھی تھی بلکہ انہیں جے پور سے فرار میں مدد دی تھی۔"

پولیس نے ششادری کی تصویر کے پوسٹر شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ پولیس کو یہ خیال تھا کہ ششادری کی شناخت کے ذریعے اصل دہشت گردوں تک پہنچنا آسان ہوگا۔ یہ پوسٹر گزشتہ رات جے پور سے کوٹ پتلی پہنچے تھے جو رات ہی رات میں شہر کی دیواروں پر لگا دیئے گئے جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور آج صبح ساڑھے دس بجے کے قریب ششادری کو ریشم بازار سے گرفتار کرلیا گیا۔ خیال ہے کہ اس وقت ششادری کے دوسرے ساتھی بھی آس پاس موجود تھے جو فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس ایک طرف انہیں سرگرمی سے تلاش کررہی ہے اور دوسری طرف ششادری سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ طوفانی بارش کے باوجود پولیس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور مشکوک مقامات پر چھاپوں کے علاوہ مشتبہ افراد کو بھی حراست میں لے کر پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔

ایک اور خبر جو میرے خیال میں سب سے زیادہ اہم تھی یہ تھی کہ دہشت گردوں کی گرفتاری کے اس آپریشن کی انچارج را کی اعلیٰ آفیسر بیلا کو بھی ٹیلی فون کے ذریعے جے پور میں اطلاع دی جاچکی ہے۔ بیلا ہیلی کاپٹر کے ذریعے کوٹ پتلی آنے والی تھی لیکن شدید بارش کی وجہ سے اسے اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا جیسے ہی موسم بہتر ہوگا وہ کوٹ پتلی پہنچ جائے گی۔

ایک اور چھوٹی خبر کے مطابق پوچھ گچھ کے دوران ششادری کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے لیکن اس نے ابھی تک اپنے ساتھیوں کے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ وہ صرف ایک ہی بات دہرا رہی ہے کہ وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ را کی آفیسر بیلا کے آنے کے بعد سنسنی خیز انکشافات کی توقع ہے۔ پولیس نہ صرف ہوٹلوں کو چیک کررہی ہے بلکہ شہر بھر کے پراپرٹی ڈیلروں سے بھی پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ وہ ان سے ہر ایسے شخص کے بارے میں جاننا چاہتی جس نے پچھلے دو چار دنوں کوئی مکان کرائے پر لیا ہو۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اخبار کی ہر خبر ہمارے لئے تشویشناک تھی لیکن یہ بات ہمارے لئے باعث اطمینان تھی کہ ششادری نے ابھی تک زبان بند رکھی ہوئی تھی لیکن ہوسکتا ہے پولیس نے ابھی تک اس پر زیادہ تشدد نہ کیا ہو۔ تھپڑوں اور گھونسوں ہی سے کام چلانے کی کوشش کی جارہی ہو لیکن پولیس والے جب اصل حربے استعمال کریں گے تو شاید وہ اپنی زبان بند نہ رکھ سکے۔ تھرڈ ڈگری کے سامنے تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں اور پھر بیلا کو اطلاع مل گئی تھی وہ بھی یہاں آنے والی تھی۔ بیلا کو میں اچھی طرح جانتا تھا وہ سب سے بڑی دہشت گرد تھی۔ ناگ راج کی ساتھی تھی جس نے دہشت گردی کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے تھے اور بیلا ان سب طریقوں سے واقف تھی۔ وہ عورت تھی جو فطرتاً نرم مزاج ہوتی ہے

جسے صنف نازک کہا جاتا ہے۔ اس میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ بھی مردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے وہ کسی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور خود بھی کسی پر ظلم نہیں کرتی لیکن بیلا عورت تو تھی لیکن اس میں یہ صفت نہیں تھی۔ وہ ایسے جذبات سے قطعی عاری تھی اس کی زندگی دہشت و بربریت سے عبارت تھی وہ را کی ایک ... سرکاری ادارہ تھا جس کی بنیاد ہی تخریب اور دہشت گردی پر رکھی گئی تھی جہاں ایسے کاموں کی ... بربریت ہی جیتی تھی اور بیلا کا تو ناگ راج جیسے شخص سے بہت پرانا ساتھ رہا تھا۔ وہ عورت نہیں تھی درندہ تھی اور میرے معاملہ میں تو وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ میں نے قدم قدم پر اسے شکست دی تھی۔ ذلیل و رسوا کیا تھا۔

وہ اب تک میری گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ میں کئی مرتبہ اس کے گھیرے میں آیا تھا لیکن ہر مرتبہ اسے جُل دے کر بھاگ نکلا تھا اور اب بدقسمتی سے میری ایک ساتھی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی تھی جس کے بارے میں بیلا کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی اور وہ جے پور سے یہاں آنے والی تھی۔ یہ واحد سراغ تھا جس سے میرا پتہ چلایا جاسکتا تھا اور میرا خیال تھا کہ بیلا میرے بارے میں معلوم کرنے کیلئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گی۔ وہ ششادری کا جوڑ جوڑ الگ کردے گی۔

ہم تینوں سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔ بارش ایک بار پھر تیز ہوگئی تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سامنے والے بنگلوں کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔ آسمان سے برستی ہوئی پانی کی چادر کے پس منظر میں جھلملاتی ہوئی روشنیاں بڑی عجیب سی لگ رہی تھیں۔

برآمدے میں اگرچہ ٹیوب لائٹ روشن کردی گئی تھی مگر مچھروں نے ہم پر یلغار کردی تھی۔ ہم اٹھ کر اندر آگئے۔ دارا شیر کچن میں تھا اور کچن اتنے فاصلے پر تھا کہ ہماری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی اس کے باوجود ہم سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

"کیا ہم ششادری کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔" رتنا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ششادری کی مدد۔" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ کیسے؟"

"اسے پولیس کی حراست سے چھڑانے کی کوشش کی جائے۔" رتنا بولی۔

"تم شاید سمجھ رہی ہو کہ کسی فلم کے کردار ہیں جو اسکرپٹ کے مطابق کام کررہے ہیں کہ بڑے اطمینان سے عمارت میں داخل ہوں گے اور درجنوں پولیس والوں کو مار دھاڑ کرتے ہوئے ششادری کو ان کی حراست سے نکال لائیں گے۔" میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں رتنا دیوی۔ فلم اور حقیقی زندگی کے سٹیج پر کھیلے جانے والے ڈراموں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ فلم کی شوٹنگ کے دوران کوئی غلطی ہوجائے تو اسے ری ٹیک کرکے درست کیا جاسکتا ہے لیکن حقیقی زندگی کے سٹیج پر کوئی معمولی سی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔" "ہم جس قسم کے حالات سے دوچار ہیں تم ان سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کھل کر سامنے آسکیں اور پھر ہمیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں کہ ششادری کو کہاں رکھا گیا ہے۔ اس اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر یہ بھی ہے کہ ششادری کو کسی نامعلوم اور خفیہ مقام پر منتقل کردیا گیا ہے جہاں اس سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ ایسی صورت میں ہم اس کیلئے کیا کرسکتے ہیں سوائے اس کے کہ

سامنے آ کر ہم بھی کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" رتنا نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا "ہم واقعی اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رانا زبیر ایک ٹرے اٹھائے ہمارے قریب پہنچ گیا جس میں شیشے کے خوبصورت چھوٹے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ان میں گولڈن رنگ کا مشروب تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کسی قسم کا قہوہ تھا اس نے گلاس ہمارے سامنے رکھ دیئے۔"

"یہ کیا ہے؟" سحرا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس علاقے میں پائے جانے والے ایک خاص قسم کے پھول پتوں کا قہوہ ہے۔" رانا زبیر نے جواب دیا۔ "یہ قہوہ خاص طور پر برسات کے دنوں میں پیا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف کھانسی اور فلو سے بچاتا ہے بلکہ اس سے بھوک بھی کھل کر لگتی ہے۔"

"تو پھر ہمیں کھانے میں کیا کھلاؤ گے۔" یہ بات رتنا نے پوچھی تھی۔

"چائنیز فرائیڈ رائس اور سویٹ اینڈ سور اور پرون"

"واہ..." رتنا بولی۔ "بہت عرصے بعد سے چائنیز ڈش کھایا لیکن اس میں تو بہت وقت لگے گا۔ ہماری مدد کی ضرورت ہو تو کچھ کام ہمیں بتا دو۔"

"آپ کو ساڑھے نو بجے کھانا تیار ملے گا۔ میڈم" رانا زبیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور خالی ٹرے لے کر واپس چلا گیا۔

میں نے اپنے سامنے رکھا ہوا گلاس اٹھایا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ قہوہ واقعی بہت خوش ذائقہ تھا جس میں ہلکی سی بہت خوشگوار مہک بھی تھی۔

قہوہ پینے کے بعد واقعی ہماری بھوک چمک اٹھی اور رانا زبیر نے بھی حسب وعدہ ٹھیک نو بجے کھانا میز پر لگا دیا۔ کھانا کھا کر اندازہ ہوا کہ وہ اس بنگلے کا محض چوکیدار ہی نہیں تھا بہت اچھا کک بھی تھا اس کا تیار کیا ہوا یہ چائنیز کھانا بھی بہت لذیذ تھا۔ کھانے کے بعد ہم دوبارہ ہال کمرے میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد زبیر نے ہمارے سامنے گرم گرم کافی بھی سرو کر دی۔

گیارہ بجے کے قریب روپ مہاجن کا فون آ گیا۔ سحرا تقریباً پندرہ منٹ تک اس سے فون پر بات کرتی رہی۔ اس کے بعد ہم تینوں اوپر آ گئے۔ الگ الگ کمروں میں جانے کے بجائے رتنا اور سحرا بھی میرے ہی کمرے میں آ گئیں۔ سحرا نے دروازہ بند کر دیا اور ہم بیڈ پر آڑے ترچھے لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔

بارش آدھی رات کے بعد کسی وقت بند ہو گئی تھی صبح جب میں کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آیا تو دھوپ چمک رہی تھی لیکن آسمان پر کہیں کہیں بادل موجود تھے۔ دھوپ میں ہر چیز دھلی دھلی اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

دو تین دن گزر گئے۔ اخبارات سے تو یہ پتہ چل گیا تھا کہ ششادری کے پکڑے جانے کے اگلے روز صبح سویرے بیلا ہیلی کاپٹر سے کوٹ تیجی پہنچ گئی تھی لیکن اس کے بعد ششادری یا بیلا کے بارے میں کوئی

خبر اخبارات میں شائع نہیں ہوئی تھی یا تو پریس کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جا رہی تھی یا پریس کو پابند کر دیا گیا کہ اس حوالے سے کوئی خبر شائع نہ کریں۔

میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ ششادری کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی یہ پتہ چل پا رہا تھا کہ بیلا ہمارے بارے میں اس کی زبان کھلوا سکی ہے یا نہیں"

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا اگر ششادری نے کچھ بتا دیا تھا تو پولیس نے سحرا کے بنگلے پر ریڈ کیا ہوگا یا اس کی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ یہ معلوم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا اور جب میں نے سحرا کے سامنے یہ تجویز رکھی تو اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

"کیا یہ خطرناک نہیں ہوگا" اس نے کہا۔ "اگر اس بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہو تو ہم نظروں میں آ جائیں گے اور اس طرح ہمارا یہ ٹھکانہ بھی محفوظ نہیں رہے گا۔"

"رسک تو لینا ہی پڑے گا" میں نے کہا۔ "ہم اس طرح ایک جگہ پر قید ہو کر نہیں رہ سکتے اگر ہمیں اس شہر سے نکلنا ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ دوسرے بنگلے کی چابیاں کہاں ہیں۔"

"اتفاق سے چابیوں کا وہ گچھا میرے بیگ میں موجود ہے۔" سحرا نے جواب دیا۔

"گڈ...!" میں نے کہا۔ "ہم سیدھے اس بنگلے پر جائیں گے۔ اگر اس بنگلے پر آ کر کسی نے دریافت کیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ بصورت دیگر ہم کچھ دیر وہیں سے تمہارے بنگلے کا جائزہ لے کر واپس آ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" سحرا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں اپنے آپ پر اتنا ہی اعتماد ہے تو میں تیار ہوں۔"

اور پھر اس کے ایک گھنٹے بعد ہم سحرا کے پڑوس والے بنگلے کے سامنے موجود تھے۔ کار سے اترتے ہوئے سحرا کے منہ سے بے اختیار "اوہ..." کی آواز نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔

"گیٹ پر برائے فروخت کا بورڈ لگا رہتا تھا جو غائب ہے اس کا مطلب ہے کہ پچھلے چند روز کے دوران یہ مکان بھی بک چکا ہے۔" سحرا نے کہا۔ "لیکن گیٹ پر لگا ہوا تالا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ابھی یہاں کوئی آیا نہیں ہے۔"

سحرا نے پرس میں سے چابیوں کا گچھا نکال لیا اور ایک چابی منتخب کر کے تالا کھولنے لگی۔ میں اس دوران آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔

ہم اس بنگلے میں تقریباً آدھا گھنٹہ موجود رہے۔ بنگلے کی چھت پر جا کر بھی میں نے بہت محتاط انداز میں چاروں طرف کا جائزہ لیا تھا لیکن کسی طرف ایسے کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے تھے جس سے اندازہ ہوتا کہ سحرا کے بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہے۔

اور پھر میں نے ایک اور رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ سحرا تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میرا ساتھ

دینے پر تیار ہوگئی اور پھر پندرہ منٹ بعد ہم سمترا والے بنگلے میں موجود تھے۔ کار ہم اندر لے آئے تھے اور گیٹ بند کر دیا تھا۔

ہم کئی روز بعد مکان میں آئے تھے ہر چیز اسی طرح تھی جس طرح ہم چھوڑ کر گئے تھے۔ ہماری عدم موجودگی میں کوئی اس بنگلے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ویسے پولیس والے اتنے بیوقوف نہیں تھے کہ تالے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ البتہ یہ ہوسکتا تھا کہ دور سے اس بنگلے کی نگرانی ہورہی ہو۔

جس وقت ہم یہاں داخل ہوئے تو اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہمارا کچھ دیر یہاں رکنا ضروری تھا تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ نگرانی ہورہی ہے یا نہیں۔

سمترا کے چہرے پر خوف کے سائے تھے۔ وہ بڑا سے پیچھا چھڑا کر ماؤنٹ آبو سے بھاگ کر آئی تھی۔ وہ پرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی یہاں اس کی زندگی میں کسی قدر سکون بھی تھا جس نے ماؤنٹ آبو میں اسے لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن ہمارے آنے کے بعد وہ پھر انہی حالات سے دوچار ہوگئی تھی۔ ششادری کے پکڑے جانے سے پہلے تو وہ بڑی حد تک مطمئن بھی تھی اور اس نے ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جانے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا لیکن اس روز ششادری کی گرفتاری نے صورتحال ہی بدل ڈالی تھی وہ خود بال بال بچی تھی۔ یہ اتفاق تھا کہ اس وقت ان دونوں میں چند گز کا فاصلہ تھا۔ اگر وہ دونوں ساتھ ہوتیں تو یقیناً سمترا بھی پکڑی جاتی اور پھر ششادری نے بھی عقلمندی کی تھی کہ سمترا سے بالکل لاتعلق رہی تھی اور موقع پا کر اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ سمترا بچ تو گئی تھی لیکن اس کی پرسکون زندگی میں ایک بار پھر بھونچال آ گیا تھا اور ایک بار پھر موت سے آنکھ مچولی شروع ہوگئی تھی۔

"اس بنگلے میں آئے ہوئے پون گھنٹہ گزر گیا۔ میں نے پستول ہاتھ میں لے رکھا تھا اور ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ بنگلے کے باہر آنے والا کوئی بھی شخص دور ہی سے نظر آسکتا تھا۔"

ابھی تک کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ سمترا نے فون کر کے رتنا کو بتا دیا تھا کہ یہاں فی الحال کوئی گڑبڑ نہیں ہے لیکن ہمیں واپس آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی۔

میں کم سے کم تین گھنٹے یہاں گزارنا چاہتا تھا تاکہ کسی نتیجے پر پہنچا جا سکے۔ اگر بنگلے کی نگرانی ہورہی ہوتی تو ریڈ کرنے کے لئے اتنا وقت کافی ہوگا۔ بصورت دیگر یہ سمجھا جائے گا کہ ششادری نے ہمارے بارے میں پولیس کو کچھ نہیں بتایا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا سمترا کے چہرے کے تاثرات بھی بدلتے گئے۔ اب وہ اتنی زیادہ خوفزدہ نہیں تھی وہ زیادہ تر میرے پاس بیٹھی رہی تھی پھر اٹھ کر فرنیچر کی صفائی کرنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ کچن میں گھس گئی۔ تمام لوازمات موجود تھے۔ چائے کیلئے دودھ بھی خشک دودھ استعمال کرتی تھی اس وقت بھی وہی ڈبہ کھولا گیا۔

چائے پیتے ہوئے سمترا میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرنیچر کی صفائی وغیرہ کرتے ہوئے اس نے ساڑھی کا پلو کمر میں اڑس لیا تھا اور اس وقت میرے سامنے اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جس کے بالائی حصے پر بلاؤز خاصا مختصر تھا۔ وہ میز پر رکھا ہوا کپ اٹھانے کیلئے کسی قدر آگے جھکی تو میری نظریں اس کے بلاؤز

کے اندر تک رینگ گئیں اور میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ سمترا میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور پھر چائے پیتے ہوئے وہ بھی اس طرح بار بار پہلو بدلتی رہی کہ مجھے اپنی نس نس میں کھنچاؤ سا محسوس ہوتا رہا۔

چائے ختم ہوگئی۔ سمترا کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا سامنے والی کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے تین گھنٹوں سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور ابھی تک کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔

دفعتاً اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا ہلکا سا دباؤ محسوس کرکے میں چونک گیا۔ گردن گھما کر دیکھا۔ سمترا میرے پیچھے کھڑی میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور اسے آہستگی سے اوپر کھینچ لیا۔ سمترا صوفے کے اوپر سے میرے اوپر آن گری اس کا سر میری گود میں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے اور سینے کا زیر و بم قیامت ڈھا رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوگئی اور کنپٹیاں سنسنانے لگیں اور پھر مجھے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔

ہم دونوں یہ بھول گئے کہ یہاں کس مقصد سے آئے تھے کوئی خوف کسی کے ذہن میں نہیں رہا تھا صرف میں تھا اور سمترا تھی۔ سمترا تھی اور میں تھا۔ سمترا سے میری اس طرح کی آخری ملاقات اکال تو ار مندر کے پہلو والے بنگلے میں ہوئی تھی جب میں پنڈت بھیرو کا مہمان ہوا کرتا تھا اس کے بعد اگرچہ ہم پنڈت بھیرو والے بنگلے میں بھی کئی روز اکٹھے رہے تھے مگر وہاں پنڈت بھیرو بھی تھا اور رتنا وغیرہ بھی اور اب کئی مہینوں بعد سمترا اس طرح میری آغوش میں آئی تھی۔

وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا تو چار بج رہے تھے۔ گویا ہمیں یہاں آئے ہوئے پانچ گھنٹے بیت گئے تھے۔ اس دوران باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی جس کا مطلب تھا کہ یہ جگہ ابھی تک محفوظ تھی۔ مجھے رتنا کا خیال آ گیا۔ وہ یقیناً پریشان ہورہی ہوگی۔ اسے یہاں کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ ورنہ وہ ضرور فون کرتی۔ رانا زبیر سے اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔

سمترا کو بھی وقت کی نزاکت کا احساس ہوگیا تھا اور پھر اس کے چند منٹ بعد ہی ہم بنگلے سے نکل رہے تھے میں روز کی طرف جاتے ہوئے بھی میں محتاط نگاہوں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی آمد و رفت تھی۔ سمترا اطمینان سے متوسط رفتار سے کار چلاتی رہی جب ہماری کار روپ نیواسے والے بنگلے میں داخل ہوئی تو رتنا پورچ کے اوپر والے ٹیرس میں بیٹھی ہوئی نظر آگئی۔ ہمیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ رانا زبیر نے عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ میں اور سمترا اوپر آگئے۔ رتنا کے چہرے سے اس کے موڈ کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اتنی دیر پریشان ہونا پڑا۔" میں نے اس کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پریشان..." اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ تم دونوں بھی پکڑے گئے ہو اور پولیس کسی وقت یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔ میں تو تیار بیٹھی تھی کہ جیسے ہی کوئی گیٹ میں داخل ہوگا فائر کھول دوں

کی۔" اس نے اپنی گود میں رکھا ہوا پستول دکھایا۔

"اوہ..." میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "لیکن ہمیں وہاں کسی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ششادری پر میرا اعتماد درست ثابت ہوا۔ اس نے ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ اگر کچھ بتایا ہوتا تو وہ بنگلہ پولیس کی نظروں میں آچکا ہوتا مگر وہاں کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔"

"تو تم دونوں اتنی دیر بنگلے میں رہے؟" رتنا نے کہتے ہوئے عجیب سی نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

اس کا لہجہ بھی کچھ عجیب سا تھا۔ سمترا کا چہرہ ایک لمحہ کو سرخ ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ "وہ بھی آتی" کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

"عجیب عورت ہو تم!" میں نے رتنا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ہماری محسن ہیں، ہم اس وقت اس کی وجہ سے زندہ ہیں تم اس پر شک کر رہی ہو۔"

"میں کسی پر شک نہیں کر رہی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں تم لوگ اتنی دیر وہاں پر کیوں رکے رہے۔ بہرحال ختم کرو اس بات کو۔"

اور پھر میں نے بھی موضوع بدل دیا۔ کچھ دیر بعد میں اسے بتا رہا تھا کہ ششادری نے اب تک پولیس کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور یہ کہ فی الحال وہ بنگلہ بھی محفوظ ہے۔

اور پھر اس رات ایک اور افتاد آن پڑی۔ اس رات روپ سہائے نے فون پر سمترا کو بتایا کہ وہ اگلے روز شام کو لوٹ کر گھر پہنچ رہا ہے۔

"وہ کم از کم ایک ہفتہ یہاں رہے گا۔" سمترا نے بتایا۔ "اسے یہ تو معلوم ہے کہ تم لوگ یہاں موجود ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی موجودگی میں تم لوگوں کا یہاں رہنا پسند نہ کرے اس لئے میرے خیال میں...!"

"ہم تمہارے بنگلے میں منتقل ہو جائیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔" سمترا بولی۔ "آج ہم تقریباً پانچ گھنٹے وہاں رہے ہیں۔ اس دوران کسی گڑبڑ کے آثار تو دکھائی نہیں دیئے لیکن عین ممکن ہے کہ بنگلے کی نگرانی ہو رہی ہو اور وہ لوگ ریڈ کرنے کیلئے کسی مناسب موقع کی تلاش میں ہوں۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "پولیس کو ملنے والی اطلاع کے مطابق دہشت گردوں کی تعداد تین ہے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ ایک عورت پکڑی گئی۔ اب پولیس کو ایک عورت اور ایک مرد کی تلاش ہے۔ اصل دہشت گرد تو ہم ہیں۔ اگر ششادری نے ہمارے بارے میں بتایا ہوتا تو ہمیں اس بنگلے میں داخل ہوتے دیکھتے ہی ہمیں سانس لینے کا موقع دیئے بغیر پولیس ریڈ کر دیتی لیکن ایسا نہیں ہوا اس کا مطلب ہے کہ وہاں فی الحال ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم ابھی وہاں منتقل ہو جائیں۔"

"ابھی نہیں صبح چلے جانا۔" سمترا نے کہا۔ "میں اتنے بڑے بنگلے میں رانا رنبیر جیسے شخص کے ساتھ رات کو اکیلے نہیں رہنا چاہتی۔" میں نے محسوس کیا کہ وہ رتنا کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رتنا تو چلی جائے اور وہ رات کو مجھے اکیلی پا کر مجھ پر پل پڑے۔"

سمترا کے اس خدشے پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

اور پھر صبح آٹھ بجے اس نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

"اب کیا ہے؟" میں جھنجلا گیا تھا۔ میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح جگائے جانے پر دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے اور آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

"یہ... یہ دیکھو!" وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "انہوں نے ششادری کو مار دیا ہے۔"

"کیا...؟" میرے دماغ میں ایک اور دھماکہ ہوا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اخبار اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہیڈ لائن تھی۔

"دہشت گردوں کی ساتھی فرار کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں ماری گئی۔"

میں وہ خبر پڑھتا چلا گیا۔ یہ خبر پولیس کے حوالے سے چھپی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ چند روز پہلے گرفتار ہونے والی پاکستانی دہشت گردوں کی ساتھی ششادری دیوی گزشتہ رات فرار ہونے کی کوشش میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔ پولیس نے اعتراف کیا تھا کہ کئی روز کی پوچھ گچھ کے باوجود ششادری سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکے تھے۔ گزشتہ رات اسے خفیہ تحقیقاتی مقام سے جیل منتقل کیا جا رہا تھا کہ اس دوران ششادری نے موقع پا کر بھاگنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔

اس خبر کے ساتھ ششادری کی لاش کی تصویر بھی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان چند دنوں کے دوران اسے کس قدر تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا لیکن اس نے ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تشدد کے دوران ہی مر گئی تھی اور پولیس نے اس پر فرار کا الزام لگا کر اس کی لاش سڑک پر ڈال دی اور اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔

اس اخبار میں اندر کے صفحے پر میرے اور رتنا کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ ہماری تصویریں اگرچہ نہیں تھیں مگر حلیے بتائے گئے تھے۔ رتنا کے بارے میں تو یہ بھی لکھا تھا کہ چند مہینے پہلے وہ ونٹ آبو کے ایک ریسٹورنٹ میں ویٹریس کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

اس مضمون میں ان تمام واقعات کی تفصیل بھی بیان کی گئی تھی جو میری وجہ سے ہندو سرکار کو اٹھانے پڑے تھے۔ اچل شوار مندر کی تباہی بھی میرے ہی کھاتے میں ڈالی گئی تھی اور ٹھاکر راج سمیت درجنوں افراد کے قتل بھی میرے حساب میں لکھے گئے تھے۔

لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ ہوشیار رہیں ان حلیوں سے ملتے جلتے افراد نظر آئیں تو پولیس کو مطلع کریں۔

ششدری کی موت کا مجھے بے حد افسوس ہوا تھا۔ رتنا تو اس سے بہت مانوس رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے۔ صحرا کا اگرچہ چند روز کا ساتھ رہا تھا لیکن وہ بھی افسردہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تیر رہی تھی۔

تقریباً دو بجے کے قریب ہم صحرا کی کوٹھی پر جانے کیلئے رخصت ہو گئے۔ میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ رتنا جب کار میں بیٹھ رہی تھی تو رانا زبیر سنگھ اس وقت بھی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں دی کیونکہ ہم جب سے یہاں آئے تھے وہ رتنا کو ایسی ہی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔

ہمیں بنگلے پر چھوڑ کر صحرا بازار سے کچھ سامان بھی لے آئی۔ کھانے پینے کی یہ چیزیں ہمارے لئے تین چار دن کیلئے کافی تھیں اور ہمیں کوئی چیز لینے کے لئے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ صحرا بھی چار بجے تک ہمارے پاس رہی اور پھر چلی گئی۔

اخبار سے مجھے شہر کی صورتحال کا کچھ اندازہ ہوتا رہتا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں ابھی تک جاری تھیں اور پیلا بھی ابھی تک کوٹ پتلی ہی میں ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ سے کئی اور اعلیٰ پولیس افسران بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔

ہمارے حوالے سے روزانہ نئی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

کوٹ پتلی میں مسلمان بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو صدیوں سے نسل در نسل اس علاقے میں آباد تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دین حق اور سلامتی کا یہ دین اختیار کیا تھا۔ لیکن صدیوں کی تاریخ یہ بھی شہادت فراہم کرتی تھی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے یہ لوگ مصائب اور مشکلات کا شکار تھے۔ تنگ نظر ہندوؤں نے ان کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ نسلی فسادات پورے ہندوستان میں روز کا معمول بن چکے تھے۔ ان فسادات میں زیادہ نقصان مسلمان ہی کا ہوتا تھا۔ زیادتی کا شکار بھی وہی ہوتے تھے اور کارروائی بھی انہی کے خلاف ہوتی تھی۔ پولیس ان کی فریاد سننے کے بجائے حملہ آور ہندوؤں کا ساتھ دیتی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد تو ہندوستان کے مسلمانوں کا جینا اور بھی دشوار ہو گیا تھا۔ انہیں پاکستان کے طعنے دیئے جاتے تھے اور ہندوستان چھوڑ دینے کو کہا جاتا۔ ان مسلمانوں پر پاکستانی ایجنٹ اور جاسوس ہونے کا الزام لگا دینا تو عام سی بات تھی۔

کوٹ پتلی میں اس وقت کچھ ایسی ہی صورتحال تھی۔ میں چونکہ مسلمان تھا اور مجھے میری مرضی کے خلاف پاکستان سے اغوا کر کے لایا گیا تھا اور میرے اغوا کے پیچھے جو مقاصد کارفرما تھے وہ حاصل نہیں ہوئے تھے۔

اس کے برعکس میں ان کے لئے وبال جان بن گیا تھا اور پے در پے انہیں نقصان پہنچا رہا تھا اس لئے مجھے پاکستانی دہشت گرد قرار دیا گیا تھا۔ پاکستانی اور مسلمان ہونے کے ناطے تنگ نظر ہندوؤں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ مجھے مسلمانوں کی حمایت اور ہمدردیاں حاصل ہیں۔ مسلمان مجھے پناہ دیتے ہیں اس

لئے پولیس اب تک مجھے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس حوالے سے اب تک کوٹ پتلی کے مسلمانوں کو بھی تنگ کیا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے مارے جا رہے تھے۔ بعض اوقات ان کے گھروں میں گھس کر تلاشی لی جاتی تھی اور انہیں طرح طرح سے پریشان کیا جاتا تھا۔ کوٹ پتلی کے وہ مسلمان جن کے دور و قریب کے کوئی عزیز پاکستان میں تھے انہیں زیادہ پریشان کیا جا رہا تھا۔ پولیس کو یقین تھا کہ میں کسی مسلمان گھرانے میں پناہ لئے ہوئے ہوں۔

اس روز بھی اخبار میں ایک ایسی ہی خبر چھپی تھی۔ پولیس نے ایک مسلمان گھرانے میں گھس کر تلاشی لی تھی اور توڑ پھوڑ کی تھی۔ احتجاج کرنے پر گھر والوں کو زدوکوب کیا گیا تھا اور پولیس والے ایک جوان لڑکی کو اٹھا کر لے گئے تھے اور پھر اگلے دن اخبار میں یہ خبر چھپی کہ پولیس جس لڑکی کو پوچھ گچھ کیلئے لے گئی تھی اس نے پولیس ہیڈ کوارٹر کی تیسری منزل کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔

اخبار نے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک اور سٹوری بھی لکھی تھی جس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس لڑکی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے چار چھ آدمیوں نے اس کے ساتھ بلادکار کیا ہو اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ پولیس نے اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کیلئے اس کی لاش تیسری منزل سے پھینک دی اور بیان جاری کر دیا کہ اس نے پوچھ گچھ سے بچنے کیلئے کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی اور مزید ستم یہ کہ لڑکی کے ایک کمسن بھائی اور ماں باپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

کوئی اس ظلم کیخلاف آواز اٹھانے والا نہیں تھا لیکن میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں اب خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا پھر کچھ سوچ کر ریسیور رکھ دیا اور رتنا کو "ابھی آیا..." کہہ کر بنگلے سے باہر آ گیا۔

سڑک کے موڑ پر جہاں سے میں اخبار اور چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بھی لایا کرتا تھا وہاں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ بھی تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو ایک عورت بوتھ میں کھڑے فون پر بات کر رہی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ باہر نکلی تو میں بوتھ میں گھس گیا۔ ریسیور اٹھا کر میں نے سکے ڈالے اور پولیس ہیڈکوارٹر کا نمبر ملانے لگا۔ نمبر تلاش کرنے کیلئے مجھے کوئی جتن نہیں کرنا پڑا تھا۔ سامنے ہی ایک لسٹ لگی ہوئی تھی جس پر اہم مقامات کے فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔

کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔

"میں دہشت گردوں کے بارے میں ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں کسی ذمہ دار آفیسر سے بات کرائیں۔" میں نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

ایک سیکنڈ بعد ایک اور بھاری آواز سنائی دی۔ "میں انسپکٹر پانڈے بول رہا ہوں تم کون ہو؟"

"میرا نام تاجی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں وہ ہوں جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔ تم لوگ میری تلاش کی آڑ میں بے گناہ مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہو۔ ان لوگوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی مسلمان گھر میں پناہ نہیں لے رکھی جس لڑکی کو تم لوگوں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا

اس کے ماں باپ بھی بے گناہ ہیں۔ بیلا ابھی تک اس شہر میں موجود ہے اس تک میرا پیغام پہنچا دو وہ بے گناہوں پر ظلم نہ کرے یہ میری پہلی اور آخری وارننگ ہے۔ میں اب تک فرار کے راستے تلاش کر رہا تھا لیکن اب میں یہیں رہوں گا اور اگر آج کے بعد ایسا کوئی واقعہ دہرایا گیا تو اس کا نتیجہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا...!"

دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کہا جاتا رہا لیکن میں نے فون بند کر دیا اور بوتھ سے نکل گیا۔ قریب ہی پان سگریٹ کا کیبن تھا میں نے دو پان خریدے اور واپس چل پڑا۔

رتنا کو جب میں نے اس فون کے بارے میں بتایا تو وہ بہت ناراض ہوئی۔

"کیا ضرورت تھی سوئے ہوئے کتوں کو جگانے کی۔" اس نے کہا۔ "اگر انہیں پتہ چل گیا کہ فون کہاں سے کیا ہے تو وہ اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔ "میں نے بہت مختصر بات کی تھی اور فون بند کر دیا تھا۔ انہیں یہ معلوم کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا کہ کال کہاں سے کی گئی تھی۔"

ہم دیر تک اخبار میں شائع ہونے والی اس خبر کے حوالے سے اس بے گناہ لڑکی کی موت اور اس کے گھر والوں پر پولیس کے ظلم کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

اسی شام اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد ایک کار بنگلے کے سامنے رکی تو میں چونک گیا۔ میرے ذہن میں شبہات سر ابھارنے لگے لیکن پوچھ تو تیس پہنچ گئی مگر میرا شبہ بے بنیاد نکلا۔ وہ ستارا تھی اور اس کے ساتھ روپ سیہانے بھی تھا۔ ستارا اسے ہم سے ملانے کیلئے ہی لائی تھی۔

روپ سیہانے ہم سے مل کر بہت خوش ہوا لیکن رتنا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے میں نے پہلے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا۔ "او یاد آ گیا' ماؤنٹ آبو میں' شاید کسی ریسٹورنٹ میں۔"

"رتنا کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔"

"میں وہاں جاتی رہتی ہوں ہو سکتا ہے کبھی آمنا سامنا ہو گیا ہو۔" رتنا نے جواب دیا اور کچن میں گھس گئی۔

مجھے بھی روپ سیہانے کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اسے ماؤنٹ آبو میں ہی کہیں دیکھا ہو۔

رتنا چائے بنا کر لے آئی۔

"رانا رنبیر سنگھ شاید باہر گاڑی ہی میں بیٹھا ہے۔ میں اسے وہیں چائے دے آتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"رانا ہمارے ساتھ نہیں ہے۔" ستارا نے کہا۔ "وہ آج صبح اپنے بھتیجے سے ملنے کیلئے جے پور چلا گیا ہے پرسوں شام تک واپس آئے گا۔"

وہ دونوں رات دس بجے تک رہے کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھایا۔ روپ سیہانے نے کہا تھا کہ اگر ہمیں کوئی تکلیف ہو تو ہم بلا تکلف اس سے کہہ دیں۔ ان کے جانے کے بعد ہم دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ شاید رتنا کو پہچان گیا تھا کہ ماؤنٹ آبو میں اسے پریم نورس ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا مگر اس نے اپنی بات پر زور نہیں دیا تھا۔

دو دن گزر گئے اور پھر گیارہ بجے کے قریب ایک گاڑی بنگلے کے سامنے رکی۔ اس وقت برآمدے کا بلب بھی بجھا ہوا تھا۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اس وقت کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔

وہ رانا رنبیر سنگھ تھا۔

اس کا اس وقت آنا بلا مقصد نہیں ہو سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے ستارا نے اسے کسی خاص وجہ سے بھیجا ہو۔ میں نے اسے گیٹ کھول کر اندر بلا لیا۔ رتنا بھی اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"کوئی خاص بات؟" میں نے اندر آ کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو دن پہلے جے پور میں تھا۔" اس نے کہا۔ "وہاں میں ماؤنٹ آبو چلا گیا' تمہارے لئے یہ تحفہ لایا ہوں دیوی جی۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر رتنا کی طرف بڑھا دیا۔ رتنا نے لفافہ کھولا تو اس میں دو فوٹو گراف برآمد ہوئے۔ رتنا کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑ گیا۔

"کیا ہوا۔ یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

رتنا کی اوپر والی رنگین تصویر ماؤنٹ آبو کے پریم نورس ریسٹورنٹ کے ڈریس میں تھی۔ جبکہ دوسری تصویر میں ریسٹورنٹ کا بیج بھی لگا ہوا تھا۔ یہ تصویر دیکھ کر میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رانا رنبیر سنگھ اس وقت یہاں کیوں آیا تھا اور یہ تصویریں کیوں دکھائی تھیں۔ میں نے جب گیٹ کھول کر اسے اندر آنے کی اجازت دی تو میں نے اپنا پستول جیب میں ڈال لیا تھا۔

میں نے پستول نکالنے کیلئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر رانا رنبیر مجھ سے زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

"نہیں ناگی صاحب!" اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

"تم کوئی غلط حرکت نہیں کرو گے۔ میرا یہ پستول شور مچانا بھی پسند نہیں کرتا' اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔"

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے اور سنسنی کی لہر پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی اور میں بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رانا رنبیر سنگھ کی طرف دیکھ رہا۔

☆ ☆ ☆

...نے لگا۔ دل جیسے

سینے میں نہیں کنپٹیوں میں دھڑک رہا ہو۔ دماغ کی نسوں میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔

صورت حال اگرچہ خاصی سنگین تھی لیکن میں خوفزدہ نہیں تھا۔ خوف کا لفظ تو میں نے عرصہ پہلے اپنی ڈکشنری سے نکال دیا تھا۔ اس وقت رانا کے منہ سے اپنا نام سن کر مجھ پر جو وحشت سی طاری ہوئی تھی اسے میں نے فوراً ذہن سے جھٹک دیا اور لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا مذاق ہے رانا پستول ہٹاؤ سامنے سے اور..."

"یہ مذاق نہیں مسٹر تاجی۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ پستول اصلی ہے اس میں گولیاں بھی ہیں تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم دونوں اس وقت میرے رحم و کرم پر ہو۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہیں لیکن یہ مذاق مجھے پسند نہیں آیا۔ روپ سہانے کو پتہ چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گا۔ یہ پستول ہٹاؤ سامنے سے۔ میں تمہاری اس حرکت کو مذاق سمجھ کر بھول جاؤں گا اور روپ سہانے سے اس کا کوئی ذکر نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ مذاق نہیں مسٹر تاجی۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے بار بار اس نام سے کیوں پکار رہے ہو۔ تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ تمہیں بھی اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ تم وہی پاکستانی آتنک وادی ہو جسے پورے ہندوستان کی پولیس تلاش کر رہی ہے اور تمہاری یہ دوست رتنا ہے۔ ماؤنٹ آبو میں پریم تواس ریسٹورنٹ کی سابق ویٹرس۔ تم دونوں اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ میرے پاس تمہارے تاجی اور اس کے رتنا ہونے کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔"

"اوہ..." میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ رتنا کے بارے میں انکشاف نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ "پھر تو تم واقعی بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ مگر تم وہ ہو جو تم سمجھ رہے ہو تو روپ سہانے جیسا محب وطن دیش پرست شخص ہمیں اپنے گھر میں ایک لمحہ کو بھی ٹکنے دیتا اور گوارا کرتی۔ وہ دیش کے دشمنوں کو کیسے

برداشت کر سکتی ہے۔ اگر ہم آتنک وادی ہوتے تو وہ پہلے ہی روز ہمیں پولیس کے حوالے کر دیتی۔"

"میں اپنا راستہ خود ہی بنا لوں گا اور اب بحث بند۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے تم ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تمہارے پاس پستول ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میرے اس پستول کی گولی کوئی آواز پیدا کئے بغیر تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دے گی۔"

میں گہرا سانس لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ وہ دیر سے گھوم کر میرے پیچھے آ گیا اور میری جیب سے پستول نکالنے کے بعد میرے لباس کو تھپتھپا کر یہ اطمینان کر لیا کہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار تو نہیں۔ رتنا پر اس نے توجہ نہیں دی تھی اسے یقیناً اس بات کا علم نہیں تھا کہ رتنا کے پاس بھی ایک عدد پستول موجود ہے۔ اب یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ پستول اس وقت رتنا کے لباس میں کہیں چھپا ہوا تھا یا کہیں اور رکھا ہوا تھا۔

میرے پستول پر قبضہ کرنے کے بعد رانا ایک بار پھر سامنے آ گیا۔ میرے والا پستول اس نے پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"وہ چادر اٹھا کر اس کی پٹیاں پھاڑو اور اپنے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" رانا نے رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے صوفے پر پڑی ہوئی چادر کی طرف اشارہ کیا۔

رتنا خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے صوفے کی طرف بڑھ گئی جس پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ رانا نے مجھے اپنے پستول کی زد میں لے رکھا تھا۔ اسے شاید رتنا کی طرف سے زیادہ خطرہ نہیں تھا۔

رتنا نے چادر اٹھا کر اسے اس طرح جھٹکا کہ وہ پھیل کر رتنا کے جسم پر لپٹ گئی اس کا ایک کونا رتنا کے کندھے پر اٹک گیا تھا۔ رتنا الٹے ہاتھ سے چادر کو کھینچنے لگی۔ اس کا دایاں ہاتھ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحہ کمرہ ہلکی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ رتنا کا پستول اس کے لباس ہی میں چھپا ہوا تھا اور چادر کی آڑ میں اسے پستول نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

گولی رانا کے سر کے قریب سے گزر گئی۔ فائر کی اچانک آواز سے وہ اچھل پڑا تھا۔ میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کسی طاقتور سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔

ہوا میں اڑتے ہوئے میرے پیر کی ٹھوکر رانا کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ خود بھی لڑکھڑا گیا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو بدحواس ہو گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں اس پر جھپٹ پڑا۔

رانا پشت کے بل نیچے گرا میں اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور دونوں ہاتھ اس کی گردن پر دباتے ہوئے انگوٹھوں سے اس کا نرخرہ دبانے لگا مگر رانا نے مجھے پیروں پر اچھال دیا۔ میں الٹی قلابازی کھاتا ہوا ایک صوفے سے ٹکرا گیا۔

رانا بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بھی سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ رانا لمبا تڑنگا آدمی تھا اور مجھ سے زیادہ طاقتور بھی۔ میں نے مار دھاڑ کی تربیت بھی حاصل کر رکھی تھی اور یہ بات میں جانتا تھا کہ اگر میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ میری ہڈیوں کا سرمہ بنانے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ اس نے نجانے مجھے پکڑنے کیا کیا منصوبے بنائے ہوں گے لیکن شکار ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ بپھر گیا تھا۔ رتنا

نے اسے پستول کی زد میں لے کر وارننگ دی تھی لیکن وہ اس دھمکی کی پروا کئے بغیر میری طرف لپکا میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کی زد سے بچایا اور پلٹ کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ بھی بڑی تیزی سے پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا گھونسہ وزنی ہتھوڑے کی طرح میرے جبڑے پر پڑا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ سنبھلنے کی کوشش کے دوران میرے کندھے پر ایک اور گھونسہ پڑا۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا اور نیچے جھکتا چلا گیا۔ رانا نے مجھے اٹھا کر پٹخ دیا اور بڑی پھرتی سے پلٹ کر مجھ پر ٹھوکریں برسانے لگا۔

رتنا مسلسل چیخ چیخ کر اسے وارننگ دے رہی تھی۔ گولی مار دینے کی دھمکی دے رہی تھی لیکن رانا پر اس کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سانڈ کی طرح بپھر گیا تھا۔

اس کی ایک ٹھوکر میری پسلیوں پر لگی میں چیخ اٹھا مگر میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اسے اگلی ٹھوکر مارنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اس کا پیر پکڑ کر مروڑ دیا وہ ایک پیر پر ناچ کر رہ گیا اور پھر دھڑام سے نیچے گرا۔

یہ رتنا کی بدقسمتی تھی کہ رانا اس کے قریب گرا تھا۔ رتنا نے اس سے بچنے کے لئے تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تھی مگر رانا نے اس کی ٹانگوں کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ رتنا چیختی ہوئی نیچے گری۔ رانا نے ایک زوردار جھٹکے سے میری گرفت سے اپنا پیر بھی چھڑا لیا تھا اور وہ سانپ کی طرح پلٹ کر رتنا سے لپٹ گیا۔

رتنا نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا پستول دور اچھال دیا تھا مگر وہ خود پوری طرح رانا کی گرفت میں تھی۔ رانا اسے رگید رہا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔

میں ابھی تک اپنے حواس پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ سینے پر لگنے والی رانا کی ٹھوکر سے میرا سانس گھٹ رہا تھا اور درد کی لہریں پورے سینے میں پھیلتی جا رہی تھیں۔ رتنا کی چیخیں سن کر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی تکلیف کی پروا کئے بغیر رانا پر چھلانگ لگا دی اور اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی رانا کے قابو میں آ گیا تو پھر ہمارا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

میں ایک ہاتھ سے رانا کو بالوں سے پکڑے پیچھے کھینچتا رہا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر گھونسے بھی برساتا رہا۔ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ میں رانا کو پیچھے کھینچنے میں کامیاب ہو گیا اور رتنا اس کی گرفت سے نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے رانا ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا پیچھے کی طرف پلٹا اور مجھے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔

اب میں رانا کی گرفت میں تھا۔ وہ میرے سینے پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری گردن آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر رتنا تیزی سے آگے بڑھی تھی رانا نے بیٹھے ہی بیٹھے اس کے پیٹ پر لات رسید کر دی وہ چیختی ہوئی دوہری ہو گئی۔ رانا اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ مجھے زمین پر گرانے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ساتھ ہی میرے پیٹ میں زوردار گھونسے بھی رسید کر رہا تھا۔

اور پھر ایک موقع مجھے بھی مل گیا۔ میں نے سیدھا ہاتھ اس کی گردن پر لپیٹ دیا۔ یہ میرا پسندیدہ

داؤ تھا۔ آج تک میرا کوئی حریف میرے اس داؤ سے بچ نہیں سکا تھا رانا کی گردن پر میرے بازو کا شکنجہ سخت ہوتا گیا۔

رانا نے اب مزاحمتی انداز اختیار کر لیا تھا وہ اپنی تمام تر قوت میری گرفت چھڑانے پر استعمال کر رہا تھا لیکن میری یہ گرفت ایسی نہیں تھی کہ اسے آسانی سے چھڑایا جا سکتا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کرتے ہوئے دیوار کے قریب پہنچ گئے تھے۔ میں نے دونوں پیر دیوار کے ساتھ ٹکا لئے۔ اس طرح مجھے زیادہ طاقت استعمال کرنے کا موقع مل گیا میں نے اس کی گردن کو یکے بعد دیگرے دو جھٹکے دیئے۔ تیسرے جھٹکے پر کڑک کی آواز ابھری اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا۔

رانا بری طرح چھٹپٹا رہا تھا۔ اس کے پیروں کی رگڑ سے قالین بھی سمٹ گیا۔ صورتحال ایسی تھی جیسے کسی بھینسے کے گلے پر چھری چلا کر اسے قابو میں رکھنے کی کوشش کی جائے۔

میں نے بازو کی گرفت اس وقت تک ڈھیلی نہیں کی جب تک اس کی مدافعت بالکل ختم نہیں ہوئی اور پھر ایک جھٹکے سے اسے قالین پر پھینک دیا۔ وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

میں صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ اس ارنا بھینسے کی گردن مروڑنے کے لئے مجھے واقعی پسینہ آ گیا اور سانس پھول گیا۔

رتنا ایک طرف کھڑی عجیب سی نظروں سے کبھی رانا کی لاش اور کبھی میری طرف دیکھنے لگتی۔ میں تقریباً پانچ منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ میں نے رتنا سے پانی منگوا کر پیا اور اٹھ کر رانا کی لاش کا معائنہ کرنے لگا۔

اس کے لباس کی تلاشی لیتے ہوئے میں نے اس کی پتلون کی جیب سے اپنا پستول بھی نکال لیا تھا۔ یہ پستول اس نے شروع ہی میں قبضے میں لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا بعد میں اس کا اپنا پستول تو چھن گیا تھا لیکن اسے یہ پستول استعمال کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

رتنا نے قالین پر پڑی ہوئی چادر اٹھا کر لاش پر ڈال دی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

میں کمرے کے باتھ روم میں آ گیا اور نل کھول کر منہ پر پانی کے چھپکے مارنے لگا اور پھر میں نے اپنا سر نلکے کے نیچے کر دیا۔

ٹھنڈے پانی سے دماغ کی تپش کچھ کم ہوئی۔ میں تولئے سے سر رگڑتا ہوا باہر آ گیا رتنا بھی چائے کے دو کپ لئے کچن سے نکل رہی تھی۔ چائے پیتے ہوئے میری نظریں کافی ٹیبل پر رکھی ہوئی رتنا کی تصویروں کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے یونہی اس ریسٹورنٹ کے ڈریس والی تصویر اٹھا لی۔ یہ رنگین تصویر ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر کے سامنے کھینچی گئی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے کوئی نہیں تھا البتہ پیچھے کی الماری نظر آ رہی تھی جس میں کراکری سجی ہوئی تھی۔ تصویر میں رتنا کی قمیص پر لگا ہوا ریسٹورنٹ کا مونوگرام بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

"حیرت ہے۔" میں نے تصویر میز پر رکھتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھا۔ "ان لوگوں نے اس ریسٹورنٹ سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہوٹل کی انتظامیہ یا کسی ملازم کے پاس تمہاری کوئی تصویر بھی ہو گی۔ اگر یہ تصویر پولیس کے ہاتھ لگ جاتی تو اب تک

کئی بار اخبارات میں چھپ چکی ہوتی۔"

"ہوٹل کی انتظامیہ یا کسی اور کے پاس میری کوئی تصویر نہیں ہے۔" رتنا نے جواب دیا۔

"تو پھر یہ تصویر کہاں سے آ گئی؟" میں نے کہا۔

"میری یہ تصویر تقریباً ڈیڑھ سال پہلے سجاتا نے کھینچی تھی۔" رتنا نے جواب دیا۔ "سجاتا رہتی بھی میرے ساتھ ہی تھی لیکن ایک سال پہلے وہ نوکری چھوڑ کر احمد آباد چلی گئی تھی۔"

"لیکن رانا نے بتایا تھا کہ اس نے یہ تصویر ریسٹورنٹ کی ایک پرانی ملازمہ سے حاصل کی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس بات نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔" رتنا بولی "ہوسکتا ہے سجاتا میرے وہاں سے فرار کے بعد واپس آ گئی ہو اور اتفاق سے رانا سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس طرح یہ تصویر رانا کے ہاتھ لگ گئی۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔" میں نے کہا اور اپنا کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

"اس لاش کا کیا کرنا ہے؟" رتنا نے ایک بار پھر پوچھا۔

"لاش کو ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اسے کار کی ڈگی میں ڈال کر کار کو کہیں دور چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی نے کار کو اس بنگلے کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ بعد میں یہ کار کہیں سے ملے گی تو پولیس تفتیش کرتی ہوئی یہاں تک بھی پہنچ جائے گی۔"

"یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"اس مسلمان لڑکی کے پولیس کے ہاتھوں قتل کے بعد جب سے تم نے ٹیلی فون پر پولیس کو دھمکی دی ہے اس کے بعد سے پولیس کی سرگرمیاں بڑھ گئی ہیں جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہوگی۔ لاش کو کار کی ڈگی میں ڈال کر باہر نکالنا خطرناک ہوگا۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ہم اس لاش کو یہاں تو نہیں رکھ سکتے۔ میرا خیال ہے لاش کو ٹھکانے لگانے کا کام آدھی رات کے بعد کیا جائے۔"

"ایک بات اور۔" رتنا جیسے چونک کر بولی۔ "یہ کار شاید روپ سہائے کی ہے۔ کار جب کہیں لاوارث کھڑی ہوئی ملے گی اور اس میں سے لاش بھی برآمد ہوگی تو پولیس سب سے پہلے روپ سہائے ہی سے رابطہ کرے گی۔ اس طرح....."

"اس طرح بھی بات ہم تک نہیں پہنچے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کار باہر کھڑی ہے، میں پہلے اسے اندر لے آؤں۔"

میں باہر نکلا تو رتنا بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ ہم کچھ دیر برآمدے میں کھڑے رہے۔ ابھی تو آٹھ ہی بجے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہاں آبادی بہت چھدری تھی۔ ٹیلوں کی وجہ سے بنگلے ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھے۔ ہمارے بنگلے میں رتنا کے ہاتھ سے ایک گولی بھی چلی تھی اور لڑائی کے دوران چیخم دھاڑ بھی ہوئی تھی۔ فائر کی آواز تو دور تک گونجی ہوگی لیکن کسی کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل

تھا کہ گولی کہاں چلی تھی۔

میں گیٹ کھول کر باہر نکل آیا۔ بنگلوں میں روشنی ہو رہی تھی مگر کوئی بھی بنگلہ ڈیڑھ دو سو گز سے زیادہ قریب نہیں تھا۔ مجھے آس پاس کسی قسم کی سرگرمی بھی دکھائی نہیں دی۔

کار کا دروازہ لاک نہیں تھا۔ چابی بھی موجود تھی۔ میں نے کار میں بیٹھ کر انجن سٹارٹ کرنے کی بجائے رتنا کو بلا لیا اور ہم دونوں کار کو دھکا لگا کر اندر لے آئے اور گیٹ بند کر دیا۔

کار کی ڈگی کافی کشادہ تھی۔ اس میں ایک فاضل ٹائر بھی رکھا ہوا تھا جسے نکال کر میں نے ایک طرف ڈال دیا۔ اندر آ کر میں رانا کی لاش اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم بے قابو ہوگئی۔ خاموشی میں گھنٹی کی یہ آواز بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے رتنا کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرا گئے تھے۔ ہم دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ میرے خیال میں یہ سمترا ہی کی کال ہو سکتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا مگر کچھ کہنے کے بجائے دوسری طرف سے کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"ہیلو رتنا.....؟" سمترا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "ہیلو، ہیلو....."

"یس سمترا، میں بول رہا ہوں۔" میں نے اپنا نام لئے بغیر جواب دیا۔

"کیا بات ہے تم خاموش کیوں تھے؟" سمترا نے پوچھا۔

"یہاں گڑبڑ ہوگئی ہے سمترا۔ تمہارے آس پاس کوئی موجود تو نہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں، میں اس وقت اکیلی ہوں۔ روپ سہائے اپنے کمرے میں ہے وہ شراب کے نشے میں مدہوش ہے لیکن کیا گڑبڑ ہے۔" سمترا نے جواب دیا۔

میں چند لمحے خاموش رہا پھر اسے رانا رنبیر سنگھ کے بارے میں بتانے لگا۔

"رانا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہ تو ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر جے پور گیا ہوا ہے۔ اپنی بہن سے ملنے کے لئے۔"

"وہ اپنی بہن سے ملنے کے لئے جے پور نہیں رتنا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مادھو نگر آ گیا تھا۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں کہا "اس کی لاش یہاں بھی ہے اور روپ سہائے کی کار بھی یہاں موجود ہے۔ میرا خیال ہے....."

"وہ کار روپ سہائے کی نہیں ہے۔" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔ "میرا انتظار کرو، میں ابھی آتی ہوں۔"

فون بند ہوگیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور رتنا کو سمترا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد ایک کار گیٹ کے سامنے رکی۔ میں نے جھانک کر دیکھا وہ سمترا تھی جو کار سے اتر رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"یہ کرائے کی کار ہے جو جے پور سے کسی رینٹل ایجنسی سے حاصل کی گئی ہے۔ دروازے پر ایجنسی کا مونوگرام بنا ہوا ہے۔" سمترا نے کار کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "رانا کی لاش کہاں ہے؟"

"اندر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم اندر آ گئے۔ سحرا نے چادر اٹھا کر لاش کا چہرہ دیکھا اور پھر چادر اوپر ڈال دی۔

"جب تم لوگ روپ سیہائے والے بنگلے میں آئے تھے تو مجھے راٹھور کی سرگرمیوں پر کچھ شبہ سا ہوا تھا ایک روز میں نے اس کے پاس کیمرہ بھی دیکھا تھا لیکن میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اب پتہ چلا کہ یہ کیا کرتا پھر رہا تھا۔" سحرا نے کہا۔

"اچھا ہوا کہ اس نے انعام کے لالچ میں ہمیں اکیلے میں پکڑنے کا پروگرام بنایا تھا اگر یہ پولیس کو اطلاع دے دیتا تو ہم پکڑے جا چکے ہوتے۔" رتنا نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ لاش کو آدھی رات کے قریب ٹھکانے لگایا جائے مگر سحرا کی رائے اس کے برعکس تھی۔ آج کل چیکنگ زیادہ ہو رہی تھی۔ کوٹ پتلی کوئی بڑا شہر نہیں تھا۔ آدھی رات کے وقت کار پر سڑکوں پر گھومنا زیادہ مشکوک ہو سکتا تھا۔

"میرا خیال ہے لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے یہی وقت مناسب ہے۔" سحرا نے کہا "اس وقت ہم کار کو شہر کی کسی بھی سڑک پر چھوڑ سکتے ہیں۔ کسی کو زیادہ شبہ نہیں ہوگا۔"

اور پھر اس کے بعد ہم نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لاش کو چادر میں لپیٹ کر کار کی ڈگی میں ڈال دیا گیا۔ رتنا اور سحرا اس کار میں بیٹھ گئیں۔ اسٹیرنگ سحرا نے سنبھال لیا تھا۔ کار گیٹ سے نکلنے کے بعد میں نے برآمدے والا دروازہ لاک کر دیا اور گیٹ بند کر کے دوسری والی کار میں بیٹھ گیا۔ آگے سحرا والی کار تھی اور اس سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر میری کار۔ سحرا کار کو شہر کے بارونق علاقے کی طرف لے جانے کے بجائے ایسی سڑک پر دوڑاتی رہی جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں بہت محتاط انداز میں اس کار کا تعاقب کر رہا تھا۔ شہر کے شمالی علاقے میں پہنچ کر سحرا کی کار ایک زیر تعمیر عمارت کے سامنے رک گئی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے چند گز کے فاصلے پر کار روک لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

رتنا کار سے اتر آئی تھی۔ سحرا اسٹیئرنگ اور دروازوں پر انگلیوں کے نشان صاف کر رہی تھی اور پھر وہ دونوں میری کار کی طرف آ گئیں۔

میں ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا اور سحرا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ رتنا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سحرا اس مرتبہ کار کو شہر کے ایک بارونق علاقے میں لے آئی۔ میں نے ایک جگہ کار رکوا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدیں۔

جب ہم بنگلے پر واپس پہنچے تو دس بج رہے تھے۔ رتنا نے آتے ہی بازار سے خریدی ہوئی چیزیں پلیٹوں میں سجا دیں۔ سحرا بھی کھانے میں ہمارے ساتھ شامل ہوگئی۔

گیارہ بجے کے قریب سحرا واپس چلی گئی۔ میں اور رتنا دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ میں نے رتنا کی دونوں تصویریں جلا کر ان کی راکھ سنک میں بہا دی تھی۔

رتنا تو دو بجے کے قریب کمرے میں جا کر سو گئی اور میں لاؤنج ہی میں صوفے پر بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ صبح جب لاش دستیاب ہوگی تو صورت حال مزید سنگین ہو جائے گی۔ بہت سے لوگ را

نبیر سنگھ کو جانتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے پولیس بھی جانتی ہو کہ وہ روپ سیہائے کا ملازم تھا۔ لاش ملنے کے بعد پولیس یقیناً روپ سیہائے سے رابطہ کرے گی اور اس کے بعد کیا صورت حال ہوگی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا چاہئے تھا۔ ویسے بھی میں اب زندگی اور موت کی اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا تھا۔

لیکن یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا جتنا میں سوچ رہا تھا۔ میں صرف پولیس ہی کو نہیں را اور بلیک کیٹس کے لئے بھی موت واحد تھا۔ میں نے انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ نہ صرف ان کا بہت بڑا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا بلکہ ان کے درجنوں آدمی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ یہ لوگ مجھے آسانی سے نکلنے کا موقع کیسے دے سکتے تھے۔

ششی ورما کی گرفتاری کے بعد انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں کوٹ پتلی ہی میں موجود ہوں اور پھر ایک بے گناہ مسلمان لڑکی کی ہلاکت کے بعد میں نے پولیس کو ٹیلی فون پر جو دھمکی دی تھی اس سے کوٹ پتلی میں میری موجودگی کی تصدیق ہو گئی تھی اس شہر کو ہائی الرٹ کر دیا گیا تھا۔

رانا رنبیر سنگھ کی لاش بھی رات ہی کو مل گئی تھی۔ اگرچہ فوری طور پر اس کا مجھ سے کوئی تعلق قائم نہیں کیا جا سکا تھا لیکن پولیس کچھ اور محتاط ہو گئی تھی۔ رات بھر مختلف مقامات پر چھاپے مارے جاتے رہے۔ اس مرتبہ بھی شامت مسلمانوں ہی کی آئی تھی۔ کئی بے گناہوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

صبح دس بجے کے قریب میں سو کر اٹھا تو اخبار میز پر رکھا ہوا تھا۔ رتنا مجھ سے پہلے بیدار ہوئی تھی اور وہ ناشتے کا سامان لینے کے لئے قریبی شاپنگ سنٹر چلی گئی تھی جہاں سے اخبار بھی لے آئی تھی۔

اس واقعے نے بھی اس چھوٹے سے شہر میں خاصی سنسنی پھیلا دی تھی۔ لاش کی اگرچہ شناخت نہیں ہو سکی تھی لیکن جے پور نمبر پلیٹ والی کار کے بارے میں پولیس نے پتہ چلا لیا تھا کہ اس کا تعلق جے پور کی ایک کار رینٹل ایجنسی سے تھا اور پولیس کے دو آدمی رات ہی کو تحقیقات کے لئے جے پور کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

اخبار میں میرے بارے میں بھی چند چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں اور اداریے میں تو بہت کچھ لکھا تھا۔ اخبار نے تو اس شبہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ اس قتل میں بھی میرا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ پولیس کو بھی خوب لتاڑا گیا تھا کہ وہ اس چھوٹے سے شہر میں ایک اکیلے مجرم کا سراغ نہیں لگا سکی جو یہاں روپوش ہے۔ پولیس صحیح رخ پر کارروائی کرنے کے بجائے بے گناہوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہی ہے۔

گیارہ بجے کے قریب سحرا آ پہنچی۔ اس کی آمد میرے لئے غیر متوقع تھی۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ خیریت!" میں نے پوچھا۔

"آج صبح دو پولیس آفیسر روپ سیہائے کے پاس آئے تھے۔" سحرا بولی۔

"اوہ...!" میں چونک گیا۔

"رانا کی لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔" سحرا نے بتایا "پولیس آفیسر اس سلسلے میں پوچھ گچھ

کرنے آئے تھے۔"

"پھر......؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں ان کے سامنے تو نہیں آئی تھی مگر چھپ کر ان کی باتیں سن رہی تھی۔" سحرا نے جواب دیا۔ "روپ سیہانے نے پولیس کو یہی بتایا تھا کہ وہ چند روز پہلے ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اپنی بہن سے ملنے کے لئے سبی چلا گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ واپس کب آیا تھا۔"

"اس کی لاش کا کیا ہوگا، میرا مطلب ہے......؟"

"اس کی لاش کریا کرم کے لئے ایک رفاہی ادارے کے حوالے کر دی گئی ہے۔ اس کے تمام اخراجات بھی روپ سیہانے نے ادا کر دیے ہیں۔" سحرا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "روپ سیہانے خاصا پریشان ہے۔ وہ فارم پہ جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔"

"کب......؟" میں نے پوچھا۔

"کل صبح......!" سحرا نے جواب دیا۔ "میں نے اسے اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ تم لوگوں کو بھی ساتھ لے چلیں۔"

"کیا تمہارے خیال میں ہم آسانی سے نکل سکیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"روپ سیہانے کا ساتھ ہونے کی وجہ سے زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔" سحرا نے جواب دیا "اس کا شمار شہر کی معزز شخصیات میں ہوتا ہے۔ اسے ہر شخص جانتا ہے۔ وہ ساتھ ہوگا تو پولیس بھی تم لوگوں سے پوچھ گچھ نہیں کرے گی۔"

"کل کس وقت جانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم صبح چھ بجے یہاں سے نکل جائیں گے۔" سحرا نے کہتے ہوئے ایک تھیلا میری طرف بڑھا دیا "اس میں ڈرائیور کا ڈریس ہے۔ تم ڈرائیور کی حیثیت سے گاڑی ڈرائیو کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "اور فارم پہ پہنچنے کے بعد؟"

"آگے کا پروگرام ہم وہاں پہنچنے کے بعد بنائیں گے۔"

سحرا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میرے دو سوٹ کیس یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ساتھ لے جانے ہوں گے۔ آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔"

مجھے یاد آیا کہ سحرا سے جب یہاں ملاقات ہوئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ اس نے اپنی ساری دولت اس بنگلے کے تہہ خانے میں چھپا رکھی ہے۔ اس کے بعد ہم نے نہ اس دولت کے بارے میں کچھ دریافت کیا تھا اور نہ ہی تہہ خانے کا پوچھا تھا۔

سحرا ہمیں تہہ خانے میں لے گئی۔ تہہ خانے کا راستہ اس کمرے کے باتھ روم میں تھا جہاں میں نے اور رتنا نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔

دو بڑے بڑے سوٹ کیس تھے جن میں نوٹوں کے بنڈل، سونے کے زیورات اور مورتیں وغیرہ بھری ہوئی تھیں۔ اس خزانے کی مالیت یقیناً کروڑوں میں تھی اور میرا خیال تھا کہ اگر سحرا کو کہیں سیٹ ہونے کا موقع مل گیا تو وہ نہ صرف خود شاہانہ زندگی گزار سکتی تھی بلکہ اس کی آنے والی کئی نسلیں بھی

کوئی کام کئے بغیر ٹھاٹھ کی زندگی گزار سکتی تھیں۔

"صبح جب ہم یہاں سے جائیں گے تو تم لوگ اپنا سامان ظاہر کر کے یہ دونوں سوٹ کیس گاڑی میں رکھ دو گے۔" سحرا نے تہہ خانے سے باہر آتے ہوئے کہا اور مجھے تہہ خانے کے میکنزم کے بارے میں سمجھانے لگی۔

سحرا دوپہر تک ہمارے پاس رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

وہ دن گزر گیا اور پھر رات بھی آ گئی۔ [illegible] سے زیادہ بیت گئی مگر نہ مجھے نیند آ رہی تھی اور نہ رتنا کو۔ میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

تین بجے کے قریب رتنا سو گئی [illegible] آدھی کچی ہو کر [illegible] لیکن پانچ بجے کے قریب وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں تیاری شروع کر دینی چاہئے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیاری کیا کرنی ہے۔" رتنا نے کہا "اپنا سوٹ کیس تو میں نے رات ہی کو پیک کر لیا تھا۔ تم اپنے کپڑے بدل لو۔ میں اتنے میں چائے بنا لیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، پہلے میں سحرا کے سوٹ کیس تہہ خانے سے نکال لاؤں۔" میں اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

تہہ خانے میں رکھے ہوئے سحرا کے سوٹ کیس خاصے وزنی تھے۔ میں انہیں اٹھا کر باہر لے آیا اور تہہ خانے کا راستہ بند کر دیا۔

سحرا کے لائے ہوئے تھیلے میں سے میں نے ڈرائیور کی وردی نکال لی اور ایک طرف کھڑے ہو کر بدلنے لگا۔

یہ کپڑے مجھ پر بالکل فٹ آئے تھے۔ لگتا تھا جیسے میرے ناپ کے سلوائے گئے ہوں۔ اپنے اتارے ہوئے کپڑے میں نے اپنے والے سوٹ کیس میں رکھ دیئے۔ اس دوران رتنا چائے بنا کر لے آئی۔ اس کے ساتھ ڈبل روٹی کے سلائس بھی تھے۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ سحرا کی کال تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ کچھ دیر بعد نکل رہے ہیں اور پھر چھ بجے سے پہلے ہی ایک بہت شاندار لینڈ کروزر گیٹ کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سحرا تھی۔ میں اس وقت برآمدے میں کھڑا تھا۔ لینڈ کروزر رکتے ہی میں نے باہر آکر گیٹ کھول دیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر روپ سیہانے بیٹھا ہوا تھا۔

لینڈ کروزر کی سیٹوں کے پیچھے خاصی گنجائش تھی۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پہلے ہی سے رکھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا اور سحرا کے دونوں سوٹ کیس بھی رکھ دیئے اور بنگلے کو تالا لگا کر چابیوں کا گچھا سحرا کے حوالے کر دیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سحرا پیچھے روپ سیہانے کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں نے رتنا کو

لئے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا تھا۔ مگر سحرا کے کہنے پر وہ بھی پچھلی سیٹ پر روپ سہانے کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔ اس طرح روپ سہانے ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔

سحرا مجھے راستہ بتاتی رہی اور میں لینڈ کروزر کو شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا اور پھر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑتے ہی مجھے گاڑی کی رفتار کم کرنی پڑ گئی۔ سامنے سڑک پر بیریئر لگا ہوا تھا اور پولیس کے چار آدمی رائفلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ سڑک کے عین بیچ میں کھڑا ایک پولیس والا ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بیریئر کے قریب پہنچ کر میں نے گاڑی روک لی اور پولیس والوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

سڑک کے کنارے کرسی پر بیٹھا ہوا سب انسپکٹر اٹھ کر شاہانہ انداز میں چلتا ہوا قریب آ گیا۔ اس نے پہلے کار کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر میری طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جانے کا ہے مہاشے سویرے سویرے؟" اس نے جھک کر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"سیٹھ سے پوچھ لو۔ وہ جدھر بولے گا ہم تو ادھر کو جانے کا ہے۔" میں نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

وہ پچھلی کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ میرا خیال ہے پہلے اس نے صرف سحرا اور رتنا ہی کو دیکھا تھا۔ روپ سہانے پر نظر نہیں پڑی تھی لیکن اب اس نے ان دونوں کے بیچ میں چھپے ہوئے سیٹھ کو بھی دیکھ لیا۔

"اوہو ... وہ ... سویرے سویرے" وہ باری باری رتنا اور سحرا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا بکتے ہو ...؟" روپ سہانے نے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے سب انسپکٹر کو گھورا۔ "جانتے نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔ میں تمہاری چٹی اڑوا دوں گا۔"

"چٹی اڑوا دو گے تو میں تاڑ باندھ لوں گا پر تم سے کون بچائے میری چٹی اڑوانے والے" سب انسپکٹر بولا۔ وہ شاید روپ سہانے کو نہیں پہچانتا تھا۔

ایک ہیڈ کانسٹیبل نے اس کے قریب پہنچ کر کان میں سرگوشی کی تو وہ ایک دم سنبھل گیا۔

"نمسکار سیٹھ جی۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑکی کے سامنے جھک گیا۔ "برا نہیں ماننے کا سیٹھ جی۔ ہم کرو یا ہم اپنا ڈیوٹی کر رہا ہے۔ یہ پوچھنے کا ہوں۔ کہاں جانے کا ہے سویرے سویرے۔"

"میں اپنے فارم پر جا رہا ہوں۔ ..." روپ سہانے نے جواب دیا۔

"ضرور جاؤ سیٹھ جی۔ پر آپ راستے سے یہاں پر ڈیوٹی دیتا ہوں۔ ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا ... اور"

"شٹ اپ ..." روپ سہانے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے چائے پانی کے لئے پچاس روپے دے دو اور گاڑی آگے بڑھاؤ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

میں نے جیب سے پچاس روپے نکال کر سب انسپکٹر کے ہاتھ میں تھما دیئے اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ سب انسپکٹر کے ہاتھ نکال کر ... اس نے بیریئر کے قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کو اشارہ کیا۔ اس

نے لوہے کی زنجیر گرا دی۔ میں نے گاڑی کو آگے بڑھا دیا اور رفتہ رفتہ اس کی رفتار بڑھاتا گیا۔

"بھکاری۔" روپ سہانے بڑبڑایا۔ "شہر میں قتل کی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ دنیا کے سب سے خطرناک آتنک وادی موقع کی تلاش میں ہیں اور یہ سب انسپکٹر ایمانداری سے ڈیوٹی دینے کے بجائے لوگوں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ارے اس طرح تو وہ دہشت گرد بھی رشوت دے کر نکل جائیں گے۔ میں واپس آ کر اس کے خلاف رپورٹ ضرور کروں گا۔"

"ایسے لوگوں کو تو پھانسی نہیں چھوڑنا چاہئے۔" میں نے لقمہ دیا۔

روپ سہانے بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اپنا ایک بازو سحرا کی گردن میں حمائل کر دیا۔ سحرا نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اس کی رکھیل تھی اور اس ناتے سے اعتراض کرنے کا کوئی حق بھی حاصل نہیں تھا۔ چند سیکنڈ بعد روپ سہانے نے دوسرا بازو اٹھا کر دوسری طرف بیٹھی ہوئی رتنا کی گردن پر حمائل کر دیا۔ اس کی انگلیاں رتنا کی ہنسلی کی ہڈی سے ذرا نیچے اس کے جسم کو چھونے لگیں۔ رتنا اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گئی۔

میں نے سامنے لگے ہوئے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے کی طرف دیکھا تو رتنا میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے آنکھ مار دی۔ رتنا کے ہونٹوں پر بھی بہت خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

گاڑی شہر کی حدود سے بہت دور نکل آئی تھی۔ اب آگے کھیت پھیلے ہوئے تھے کہیں کہیں بلند ٹیلے بھی ابھرے ہوئے تھے اور کھیتوں کے کناروں پر پگڈنڈیوں پر درخت بھی دکھائی دے رہے تھے۔

پورے راجستھان میں شاید مرچوں کی فصل کا سیزن تھا۔ یہاں بھی سڑک کے دونوں طرف مرچوں ہی کے کھیت تھے۔

تقریباً پانچ میل تک تو پکی سڑک تھی اس سے آگے کا راستہ کچا تھا۔ اس راستے پر بیل گاڑیوں کی آمدورفت زیادہ تھی کیونکہ راستے پر بیل گاڑیوں کے پہیوں کے گہرے نشان بنے ہوئے تھے۔ بعض تو گڑھوں کی صورت اختیار کر گئے تھے جن کی وجہ سے مجھے گاڑی چلانے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ رفتار بھی زیادہ نہیں تھی۔

آگے کھیتوں میں ایک سرا سا بن گیا تھا میں ابھی اس سرا سے دور ہی تھا کہ سحرا کی آواز سنائی دی اس نے مجھے گاڑی بائیں طرف موڑ دینے کو کہا تھا۔

اس راستے پر چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک اونچی جگہ پر درختوں کے جھنڈ دکھائی دینے لگے۔ انہی درختوں میں ایک عمارت بھی نظر آ رہی تھی جس کے گرد لمبی چوڑی چار دیواری تھی۔

آس پاس کھیتوں میں کچھ عورتیں اور مرد بھی کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ ہماری گاڑی کی طرف دیکھتے اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔ اس گاڑی کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کا مالک آ گیا ہے۔

حویلی والے ٹیلے کے دامن میں راستے کے دونوں طرف گھاس پھوس کی چھتوں کے نیچے پانچ چھ جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن کے سامنے چارپائیوں پر تین چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ درختوں کے نیچے مویشی بھی بندھے ہوئے تھے۔ روپ سہانے کے کہنے پر میں نے گاڑی روک لی۔ وہ آدمی اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گاڑی کے قریب آ گئے اور دونوں نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور کن انکھیوں سے رتنا اور

اس عورت کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ دراز قامت بھرا بھرا سڈول جسم، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جن میں سرخی کے بہت ہلکے سے ڈورے تیر رہے تھے۔ اس کے بال لمبے اور بہت سیاہ تھے جو چوٹی کی صورت میں ناگن کی طرح کمر پر جھول رہے تھے۔

رنگت تانبے جیسی اور چہرے کے نقوش بے حد غضب کے تھے۔ اس نے خالص راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ پھولدار کپڑے کا گھاگھرہ اور چولی بہت مختصر تھی۔ اس کا اوپر کا بدن جیسے اس مختصر لباس سے پھٹا پڑ رہا تھا۔

وہ لکشمی تھی۔ روپ سہائے کے اس کاشتکار کی بیوی جس نے حویلی کا دروازہ کھولا تھا۔

"ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے لکشمی!" روپ سہائے اس سے کہہ رہا تھا۔ "دو دن پہلے میں نے دھنی راج کو فون پر بتایا تھا کہ ہم آج یہاں آ رہے ہیں وہ راشن وغیرہ لا کر رکھ دے۔ اگر وہ نہیں لایا ہے تو کسی کو شہر جانا پڑے گا۔"

"راشن تو دھنی راج اسی روز شہر جا کر لے آیا تھا مالک!" لکشمی نے جواب دیا۔ "کل اس کا ہمسایہ آیا تھا اسے بلانے کے لئے۔ اس کی گھر والی بہت بیمار ہے۔ اس لئے اسے جانا پڑا۔ میں ناشتہ بناتی ہوں۔"

"کیا بیماری ہے اس کی بیوی کو، پرسوں فون پر تو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔" روپ سہائے نے پوچھا۔

"وہ بچہ جننے والی ہے مالک۔" لکشمی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔ "اس کی حالت خراب ہو گئی تھی اس لئے اسے ہسپتال میں داخل کرنا پڑا۔"

"دھنی راج کی بیوی ہر سال ایک بچے کو جنم دیتی ہے اور تیری شادی کو پانچ سال ہو گئے تو نے ابھی تک ایک بچہ بھی پیدا نہیں کیا۔" روپ سہائے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں مالک، خرابی تو میرے بندے میں ہے۔" لکشمی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ناشتہ بنانے جاتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

"مجھے اب تک روپ سہائے نے دیکھا اور لکشمی نے لیکن ان کی باتوں سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ جب بھی یہاں آتا ہوگا لکشمی کے حسن و شباب سے مستفید ضرور ہوتا ہوگا۔ لکشمی نے اپنی زبان سے اعتراف کر لیا تھا کہ اس کا بندہ ناکارہ ہے اور روپ سہائے کے بارے میں بھی جان چکا تھا کہ وہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہے۔"

وہ ابھی تک کھڑا کچن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری آہٹ سن کر چونک کر پیچھے مڑا۔

"اوہ تم......!" وہ بولا۔ "ہاں وہ کمرہ پسند آیا؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں دوسرا تلاش کرنے میں رہ جاتا۔" میں نے جواب دیا۔

اسی دوران کشن ایک ٹوکری میں انڈے وغیرہ لے کر اندر آیا تو روپ سہائے نے اس سے کہا۔

"انڈے لکشمی کو دے آؤ اور صاحب کا یہ سامان اٹھا کر اس کمرے میں رکھ دو۔"

کشن نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ میرے جسم پر ڈرائیوروں والا لباس تھا اور وہ مجھے روپ

سہائے کا ڈرائیور ہی سمجھتا تھا لیکن روپ سہائے نے مجھے "صاحب" کہا تو وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اس نے انڈوں والی باسکٹ کچن میں لکشمی کو دے دی اور ہمارے سوٹ کیس اٹھا کر کمرے میں رکھنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ناشتہ ملا۔ روپ سہائے ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کارندوں سے ملاقات کے لئے چلا گیا اور میں رتنا اور سمترا کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھا آرام کرتا رہا۔

لکشمی کام میں مصروف تھی۔ قریب و جوار سے گزرتے ہوئے وہ بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے بھی شاید اس بات پر حیرت تھی کہ ایک ڈرائیور نے مالک کے ساتھ میز پر بیٹھ کر ناشتہ کیوں کیا تھا اور میرے لئے حویلی کے اندر رہنے کا اہتمام کیوں کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے ایک بات نوٹ کی تھی وہ میرے اندر کسی اور وجہ سے بھی دلچسپی لے رہی تھی۔

ہم کافی دیر حویلی میں بیٹھے رہے پھر سمترا ہمیں بستی دکھانے کے لئے لے گئی۔ حویلی والے ٹیلے کی پچھلی طرف وہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ڈیڑھ دو سو کے قریب جھونپڑے تھے جو چار ٹکڑیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑا چوراہا سا بن گیا تھا جس کے وسط میں ایک بڑا گول چبوترہ بنا ہوا تھا۔

اس بستی کے مرد خوبرو نہیں تھے۔ ان کی رنگت بھی سیاہی مائل تھی جبکہ تانبے کی رنگت جیسی عورتیں حسین اور پرکشش تھیں۔ یوں تو اس بستی کی ہر عورت حسین تھی لیکن لکشمی کو اس بستی کی ملکہ حسن کہا جا سکتا تھا اس جیسی کوئی دوسری عورت مجھے نظر نہیں آئی۔

سمترا چونکہ پہلے بھی یہاں رہ کر جا چکی تھی اس لئے بستی کے سب ہی لوگ اسے جانتے تھے۔ ہم بستی کے وسط میں پہنچے تو بچے اور عورتیں ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ وہ لوگ سمترا کو چھوٹی مالکن کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ بہت سی عورتوں کو میں نے کن انکھیوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اس بستی میں رکنے کے بعد ہم دوسری طرف چلے گئے۔ اس طرف بستی سے ذرا ہٹ کر ایک اونچا چبوترہ تھا۔ جس پر پتھروں کی بنی ہوئی تھی۔ یہ اس بستی کا مندر تھا۔ چھت پر پیتل کی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں اور سامنے ایک چبوترے پر کالی دیوی کی مورتی رکھی ہوئی تھی جس کے سامنے پھول، نذر نیاز اور اسی قسم کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔

بستی کے دو آدمی ہمارے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ ان میں ایک مندر کا پجاری تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم مندر میں جا کر کچھ چڑھاوا چڑھائیں گے لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ ہم مندر کے قریب سے ایک پگڈنڈی پر آگے کھیتوں کی طرف نکل گئے تھے۔ ہم اپنے پیچھے مندر کی گھنٹیوں کی آواز سنتے رہے۔

آخر کار سمترا ایک جگہ رک گئی۔ اس طرف ایک کچا راستہ تھا جو کھیتوں میں بل کھاتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ کھیتوں کے اس پار بہت دور سرخ پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

"یہ راستہ آگے جا کر اوٹ پتلی کی طرف سے آنے والی پکی سڑک سے جا ملتا ہے۔" سمترا ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔ "وہ پکی سڑک ایک چھوٹے قصبے سے ہوتی ہوئی جھنجھنو کی بڑی سڑک سے جا ملتی ہے وہاں سے تم جے پور، سردار شہر، نوہان گڑھ اور گنگا نگر سے ہوتے ہوئے پنجاب میں جا سکتے ہیں۔"

میں جو کچھ کیے بغیر نہیں رہا تھا۔ لیکن میرے خیال میں اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ شہر سے میں میل دور بجلی اور ٹیلی فون کی لائن لائی جا سکتی تھی تو ڈش انٹینا لگانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

روپ سہانے ابھی تک حویلی میں واپس نہیں آیا تھا۔ لکشمی کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے ہم سے پوچھے بغیر چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی جب وہ میرے سامنے کپ رکھنے کے لیے جھکی تو اس کی طرف دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے دو ڈھائی بجے کے قریب کھایا تھا۔ روپ سہانے بھی ہمارے ساتھ تھا۔ کھانے کے بعد مجھ پر تھکن سی طاری ہو گئی۔ میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹا تو آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سو کر اٹھا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ رتنا کمرے میں موجود نہیں تھی۔ میں بیڈ سے اٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر آ گیا۔ ہال کمرے میں رتنا اور روپ سہانے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ رتنا کی ساڑھی کا پلو نیچے گرا ہوا تھا اور وہ قدرے آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ روپ سہانے کی نظریں بار بار اسی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے سمترا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی اور میرا خیال ہے روپ سہانے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر رتنا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ساڑھی کا پلو اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ روپ سہانے نے مجھے دیکھ کر پتے پھینک دیے۔

''بس بھئی...... اب تو بوریت ہونے لگی ہے۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں آ گیا تھا تو اسے تو بوریت محسوس ہونی ہی تھی

''تم لوگ بیٹھو بھئی میں ذرا باہر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں'' وہ پتی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا ''اور ہاں آج پونم کی رات ہے بستی والے ہر پونم کی رات کو جشن مناتے ہیں۔ مکھیا نے تم لوگوں کو بلایا ہے۔''

''ضرور چلیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ روپ سہانے کے جانے کے بعد میں رتنا کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''یہ کیا ڈرامہ ہو رہا تھا۔'' میں اسے گھورنے لگا۔

''وہ بڈھا اب مجھ پر ریشہ خطمی ہو رہا ہے۔'' رتنا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''سمترا نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ اب اس کے دل سے اتر رہی ہے۔ اگر میں ذرا سی حوصلہ افزائی کروں تو وہ سمترا کو ٹھینگا دکھا کر میرے پیر چومنے لگے گا۔''

''وہ کسی کے بھی پیر چاٹے، ہمارا مقصد تو اسے قابو میں رکھنا ہے۔'' میں نے کہا ''ایک دو دن کی بات ہے اگر وہ سمترا سے دور ہٹ رہا ہے تو تم اسے اپنے جال میں جکڑے رہو۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ ایک دو دن خوش ہو لینے دو اسے۔''

''اور تم مجھے قربانی کا بکرا بنا رہے ہو۔'' رتنا مسکرائی۔

''بکری کہو۔'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہاری بلی ابھی نہیں چڑھی ہے۔''

اسی دوران سمترا بھی وہاں آ گئی۔ رتنا مزے لے لے کر اسے روپ سہانے کے بارے میں بتانے لگی۔ وہ بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''اب مجھے اس کی پروا نہیں کہ وہ کس کے قدموں پر جھکتا ہے۔'' اس نے کہا ''جب میں اکیلی تھی تو مجھے یہ خوف رہتا تھا کہ مجھ سے پناہ کا یہ سہارا بھی نہ چھن جائے۔ اب مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔''

ہم دیر تک روپ سہانے کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم نے موضوع بدل دیا۔ سمترا کو ہم بستی میں پونم کی رات جشن کے بارے میں بتا چکے تھے۔ وہ بات کرتے ہوئے بولی ''پورے چاندنی رات کا یہ جشن بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی ''رقص و سرود کی محفل پچھلے پہر تک جاری رہتی ہے۔ تم یہ جشن دیکھ کر بہت خوش ہو گے۔''

''ہاں...... ایسا جشن تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔'' روپ سہانے نے کہا۔

اور پھر اس رات کھانے کے بعد ہم بستی میں پہنچ گئے۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ روپ سہانے کی حویلی میں تو ٹیلی فون بھی تھا اور ٹی وی بھی لیکن بستی میں بجلی نہیں تھی۔ جھونپڑوں میں مٹی کے تیل کے لیمپ جل رہے تھے۔ کچھ جھونپڑوں کے سامنے بھی جلتی ہوئی لالٹینیں رکھی ہوئی تھیں۔ وسطی چوک کے چبوترے پر مشعلیں روشن تھیں۔ ان مشعلوں میں شاید کسی جانور کی چربی استعمال کی جا رہی تھی۔ فضا میں ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

چبوترے کے سامنے چارپائیاں ڈال کر بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ بستی والوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔

پورے چاندنی کی دودھیا روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بستی کا یہ وسطی چوک کچھ الگ ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ بچے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔

مختلف دنوں کے حوالے سے ہندوؤں میں کئی تہوار منائے جاتے تھے۔ پورے چاندنی رات کو بھی کچھ ہندو جشن منایا کرتے تھے۔ اس بستی کے لوگ کاشتکار تھے مزارع تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ پونم کی رات تو اپنی دلچسپی کا سامان کر لیتے تھے۔

سب سے پہلے کچھ دعوت ادا کی گئی۔ پجاری نے اپنی بھدی سی آواز میں ایک بھجن بھی گایا جس کے بعد رقص کا پروگرام شروع ہو گیا۔

وہ گاؤں کی حسین ترین لڑکیاں تھیں جو اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ان کے لیے بھی بہت تھے آج چونکہ ان کا مالک بھی اس محفل میں شریک تھا اور مہمان ''ہم'' بھی اس لیے ہر لڑکی نے اپنے آپ کو بنانے سنوارنے میں کچھ زیادہ ہی توجہ دی تھی۔

اس وقت شاید گیارہ بجے تھے۔ مکھیا نے آ کر روپ سہانے کے کان میں سرگوشی کی۔ روپ سہانے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''تم لوگ بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' روپ سہانے نے میری طرف جھکتے ہوئے کہا اور مکھیا کے ساتھ حویلی کی طرف چلا گیا۔

اس کے ٹھیک پانچ منٹ بعد مجھے لکشمی دکھائی دی۔ وہ میرے بالکل سامنے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی اور پھر یکایک مجھے یوں لگا جیسے اس نے مجھے آنکھ سے کوئی اشارہ کیا ہو۔ میں نے توجہ نہیں دی۔ ایک منٹ بعد اس نے پھر اشارہ کیا۔ اس مرتبہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ وہ مجھے آنکھ کے اشارے سے محفل سے باہر بلا رہی تھی۔

لکشمی اشارہ کر کے چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ اس وقت سامنے جوڑی رقص کر رہی تھی۔ وہ بڑے غضب کی شے تھی اور ایسے ایسے پوز بنا رہی تھی کہ ہر حرکت پر دم کھنچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن دو منٹ بعد لکشمی ایک بار پھر دکھائی دی۔ اس مرتبہ وہ ایک عورت کے پیچھے کھڑی تھی اور اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ اس کے فوراً ہی بعد وہ وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔

اس وقت میرے ایک طرف رتنا بیٹھی ہوئی تھی اور دوسری طرف سمترا۔ میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھ کر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھا دی اور اٹھ کر وہاں کھڑے ہوئے مردوں اور عورتوں کے بیچ میں سے گزرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک گلی کے موڑ پر پہنچ کر تجسس بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس طرف اندھیرا تھا۔ لکشمی مجھے کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے لکشمی کسی اور کو اشارہ کر رہی ہو اور میں خوش فہمی میں مبتلا ہو کر چلا آیا تھا۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے نسوانی سرگوشی سنائی دی۔

''ادھر کو آ جاؤ بابو۔ میں یہاں کھڑی ہوں۔''

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا وہ لکشمی تھی جو ایک جھونپڑے کی آڑ میں کھڑی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''ادھر کو آ جاؤ ... میرے ساتھ۔'' لکشمی نے بدستور سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

لکشمی گلی میں داخل ہو گئی۔ جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو بعض جھونپڑوں کے سامنے جلتی ہوئی لالٹینیں رکھی ہوئی تھیں لیکن اب گلی میں تاریکی تھی۔ غالباً تمام لالٹینیں چوک میں پہنچا دی گئی تھیں۔ گلی میں تاریکی تھی اور کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

لکشمی گلی کے وسط میں ایک جھونپڑے کے سامنے رک گئی۔

''بھیتر کو آ جاؤ بابو۔'' اس نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

گداز ہاتھ کے لمس سے میرے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں صبح ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ لکشمی بڑی لگاوٹ آمیز نظروں سے مجھے دیکھتی رہی تھی اور اس وقت وہ جس طرح مجھے اس جھونپڑے میں لے کر آئی تھی اس سے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔

یہ جھونپڑا تین چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا۔ سامنے والا کمرہ قدرے بڑا تھا۔ ایک کمرہ دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔ دونوں دروازوں کے سامنے ٹاٹ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ سامنے والے بڑے کمرے میں ایک لالٹین جل رہی تھی۔ لکشمی نے دائیں طرف والے کمرے

کا پردہ ہٹا دیا اور اندر داخل ہو کر مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ بابو۔'' لکشمی نے اشارہ کیا۔

فرش پر چٹائی اور اس پر دری بچھی ہوئی تھی۔

میں نے بیٹھتے ہوئے لکشمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ لالٹین کی مدھم سی روشنی یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ وہ میرے سامنے ٹانگیں پیچھے کو موڑ کر قدرے آگے کو جھکی بیٹھی تھی۔ میری نظریں اس کے جسم پر رینگ رہی تھیں۔

''یہ کس کا جھونپڑا ہے۔ یہاں کسی کے آنے کا اندیشہ تو نہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میری سانس بے ربط ہونے لگی تھی۔

''یہاں کسی کے آنے کا ڈر نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں اس مقصد کے لئے یہاں نہیں لائی ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔'' لکشمی نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''شہر سے پولیس آئی ہے۔''

''کیا ...؟'' میں اچھل پڑا۔

''ہاں ...'' لکشمی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ایک انسپکٹر ہے۔ وہ رانا زبیر سنگھ کے قتل کے سلسلے میں مالک سے ملنے آیا ہے۔ اسے مالک کے شہر والے بنگلے سے کچھ چیزیں ملی ہیں اور وہ مالک کو اپنے ساتھ شہر لے جانا چاہتا ہے۔''

''لیکن یہ بات تم مجھے کیوں بتا رہی ہو اور اس کے لئے اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے اسے گھورا۔

''کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو بابو؟'' لکشمی بولی۔ ''انسپکٹر کا کہنا ہے کہ اسے ایک مرد اور ایک عورت کی بھی تلاش ہے جو پولیس سے بھاگے ہوئے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''رتنا دیوی پہلے بھی یہاں آ چکی ہیں۔ تم اور رتنا دیوی مالک کے ... تم پہلی مرتبہ آئے ہو۔ صبح تم نے ڈرائیور کا روپ بدلا ہوا تھا اور کوئی مالک اپنے ڈرائیور کو اس طرح اپنی حویلی میں نہیں ٹھہراتا۔ تمہارے ساتھ اس کا رویہ بھی بہت مختلف ہے اور پھر تمہاری چتی ...'' اس نے خاموش ہو کر میری طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''وہ آج دن بھر روپ سہائے کے ساتھ تاش کھیلتی رہی ہے شرط لگا کر''

''شرط لگا کر ...'' میں چونک گیا۔ ''کیا وہ جوا کھیل رہے تھے؟''

''بازی پیسوں کی نہیں، کسی اور چیز کی تھی۔''

''کھل کر بات کرو ...!'' میں نے اسے گھورا۔

''ان میں شرط لگی ہوئی تھی کہ جو بازی ہار جائے گا وہ جیتنے والے کو کس (Kiss) دے گا۔ ان میں تین بازیاں ہوئی تھیں اور تینوں بار تمہاری چتی ہاری تھی۔''

لکشمی کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''کیا وہ واقعی تیری چتی ہے؟''

تاش کی شرط والی بات میرے لئے ایک دلچسپ انکشاف تھا۔ رتنا نے اس طرح توجہ میں رکھتے

کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا وہ واقعی تمہاری بچی ہے؟" لکشمی نے اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "ہم دونوں دوست ہیں۔"

"اور وہ مرد اور عورت جن کی تلاش پولیس کو ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"بات یہ ہے لکشمی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اور رتنا پڑھے لکھے ہیں مگر ہمیں کہیں نوکری نہیں ملی۔ رتنا کو کہیں نوکری ملی بھی تو اسے مال غنیمت سمجھ کر اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ ایسے ہی ایک موقع پر میری اس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اسے ایک سیٹھ کی ہوس کا شکار ہونے سے بچایا تھا۔ ہماری دوستی ہو گئی۔ ہم دونوں نوکری کے لئے مارے مارے پھرتے رہے اور پھر ہم نے روزی کمانے کا وہ طریقہ اپنایا جو اگرچہ قابل تعریف نہیں لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"کیسا طریقہ......؟" لکشمی نے پوچھا۔

"رتنا کو تم دیکھ چکی ہو وہ کتنی حسین ہے۔" میں نے کہا۔ "مرد اسے دیکھتے ہی ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ رتنا کے حسن و شباب سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لئے......" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ہم مختلف شہروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ رتنا ہوس پرست مردوں کو پھانستی ہے ہم ان کی جیبیں خالی کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ تم ہمیں فریبی اور دھوکے باز کہہ سکتی ہے لیکن ہم نے ابھی کوئی سنگین جرم نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ دھوکا دینا بھی ایک جرم ہے مگر ہم نے کبھی کسی کو مجبور نہیں کیا۔ لوگ خود ہی رتنا کے حسن کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ پولیس اسے جرم سمجھتی ہے اور اسی لئے ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے۔"

میں خاموش ہو کر لکشمی کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے یقین تو نہیں تھا کہ اسے میری اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔ میں اسے سیدھی سادھی دیہاتی عورت سمجھا تھا لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ایک ہی دن میں ہمارے بارے میں بہت صحیح رائے قائم کر لی تھی۔ اگر پولیس انسپکٹر یہاں نہ آتا تو شاید وہ کچھ مغالطے میں رہتی لیکن انسپکٹر کی آمد نے گڑبڑ کر دی تھی اور مجھے اس معاملے کو سنبھالنا تھا۔

وہ الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے سہلاتے ہوئے سہلانے لگا۔ اس مرتبہ اس نے ہاتھ نہیں چھڑایا تھا۔ میں یہ جان چکا تھا کہ اس کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ وہ بچے مرد کو بھی ناکارہ قرار دے چکی تھی۔ اگر وہ سو جنم لے کے آتی تب بھی ہوتی تو پیاسی کی پیاسی رہتی۔ میں ایسی عورتوں کی نفسیات سے واقف تھا۔

تصور کی رضیہ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی۔ اس کا خاوند بظاہر بہت ہٹا کٹا اور تنومند تھا مگر اندر سے کھوکھلا تھا جبکہ رضیہ کی جوانی پھٹی پڑ رہی تھی اور اس نے موقع پا کر مجھ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ لکشمی بھی ایسی ہی عورت تھی۔ پیاسی اور ترسی ہوئی۔

میری کہانی کا اس نے یقین کیا تھا یا نہیں مگر میرے ہاتھوں نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیرنے لگے اور سانس بے ربط ہونے لگی۔ مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ وہ

بچھڑے ہوئے بچے کی طرح میری آغوش میں آ گری۔

طوفان آیا اور گزر گیا۔ لکشمی بے سدھ سی میری آغوش میں پڑی تھی۔ میں بھی گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

باہر والے کمرے میں قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ اس سے پہلے کہ ہم دونوں میں سے کوئی سنبھلتا۔ ایک عورت کمرے میں داخل ہوئی اور ہم دونوں سن ہو کر رہ گئے۔

"ہوں۔" وہ عورت دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے غرائی۔ "تو یہ گل کھلائے جا رہے ہیں یہاں۔ میں ابھی سب کو بلا کر لاتی ہوں اور دکھاتی ہوں تمہارے کرتوت۔"

وہ عورت جیسے ہی مڑی لکشمی نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"نہیں رنجنا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ "تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔ میں نے اس بابو کو کسی اور کام سے یہاں بلایا تھا۔ لیکن جذبات میں بہہ کر یہ غلطی ہو گئی ہم سے۔ اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں پوری بستی میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

"ارے پہلے کون سی تمہاری نیک نامی ہے۔" رنجنا تنک کر بولی۔ "سارے بستی والے جانتے ہیں کہ تو مالک کے ساتھ اس کے بستر پر سوتی ہے۔ وہ تیرا خصم لکشمن ہی ہے جس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ بستی والے تو سب ہی جانتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "اسی لئے تم نے میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھوایا تھا۔ اری چھنکار ہو تجھ پر۔ آج ہی تو یہ مہمان آیا ہے اور تم نے اسے پھانس لیا۔ میں خاموش نہیں رہ سکتی، میں ابھی سب کو بلاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جا...... تو سب کو بلا لا لیکن ان سب کے سامنے تمہیں یہ بھی بتانا ہوگا کہ کل دوپہر اللہ پرشاد کے ساتھ اس کے گھر میں کیا کر رہی تھی۔ تم نہیں بتاؤ گی تو سارا کچا چٹھا کھولوں گی تمہارا۔" لکشمی نے دھمکی دی۔

رنجنا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کی اکڑی ہوئی گردن ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

"ارے میں تو مذاق کر رہی تھی لکشمی۔" رنجنا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ "میں سوچ رہی تھی کوئی اور یہاں آ جاتا تو کتنی بے عزتی ہوتی تمہاری۔ ویسے تم ہو بہت چنٹ، مالک کے اس مہمان کو آتے ہی پھانس لیا تم نے......"

"کہا نا کہ بس ذرا سی غلطی ہو گئی۔" لکشمی بھی مسکرا دی اور جلدی جلدی کپڑے پہننے لگی۔

اور پھر وہ رنجنا کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے بھی جلدی سے اٹھ کر کپڑے پہنے ان دونوں کو جھونپڑے میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ میں گلی کے دوسری طرف سے ہوتا ہوا بستی سے باہر نکلا اور حویلی کا چکر کاٹ کر رتنا اور سمترا کے پاس آ گیا جو بڑی دلچسپی سے رقص دیکھ رہی تھیں۔ رتنا نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔

اس کے بعد میں زیادہ دیر تک وہاں نہیں بیٹھ سکا۔ میں نے رتنا اور سمترا کو اشارہ کیا اور ہم تینوں اٹھ گئے۔ گاؤں کا مکھیا اور بستی کے کچھ لوگ ہمیں لالٹینوں کی روشنی میں بستی کے باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ ایک شخص ہمارے ساتھ رہ گیا۔ وہ لالٹین لئے ہمارے آگے آگے چلتا رہا۔ حویلی کے قریب پہنچ کر وہ بھی

واپس چلا گیا۔

میرا خیال تھا کہ وہ پولیس انسپکٹر ابھی تک حویلی میں موجود ہوگا۔ میں یہ پروگرام بنا کر بستی سے واپس آیا تھا کہ سمترا کو اندر بھیج دوں گا اور خود رتنا کے ساتھ ادھر ادھر گھوم پھر کر وقت گزار دوں گا۔ لیکن حویلی میں نہ تو پولیس کی جیپ نظر آئی اور نہ ہی روپ سیہانے کی لینڈ کروزر۔۔۔۔ لکشمن برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"روپ سیہانے کہاں ہے لکشمن۔۔۔۔" میں نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"وہ تو تھانیدار کے ساتھ شہر گئے ہیں سرکار، صبح واپس آ جائیں گے۔" لکشمن نے جواب دیا۔

میری بھویں سکڑ گئیں۔ یہ تو مجھے لکشمی ہی نے بتا دیا تھا کہ پولیس انسپکٹر روپ سیہانے کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے لیکن روپ سیہانے ہمیں بتائے بغیر چلا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین تھا۔

ہمارے وہاں آنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد لکشمی بھی آ گئی۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر کچن میں گھس گئی۔ اس کے پیچھے ہی لکشمن بھی کچن میں چلا گیا۔ ہم ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں کچن میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد لکشمی ہمارے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ وہ سمجھدار عورت تھی اور جانتی تھی کہ گھر آئے ہوئے مہمانوں کو کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی تھی۔ ہمارے سامنے پیالے رکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور باہر چلی گئی۔ لکشمن کچن ہی میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بھی باہر آ گیا۔

"میں باہر بیٹھا ہوں سرکار۔۔۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری ضرورت ہو تو آواز دے لیں۔"

میں نے سر ہلا دیا اور خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ میں لکشمی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ہم تو اس کے لئے اجنبی تھے لیکن اسے ہم سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی تھی اور مجھے بھری محفل سے اٹھا کر حویلی میں پولیس انسپکٹر کی آمد کے بارے میں کیوں بتایا تھا۔ جھونپڑے میں وہ بڑے آرام سے میرے جال میں آ گئی تھی اور جب ہم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے تو اس نے رتنا نامی اس عورت کو کیسی بلاوجہ شادی کے نام کی دھمکی دے کر خاموش کر دیا تھا۔

دو بج چکے تھے۔ بستی کی طرف سے موسیقی اور شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رقص و موسیقی کا پروگرام رات بھر جاری رہنے والا تھا۔

رتنا اور سمترا کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہاں کوئی پولیس افسر آیا تھا جو روپ سیہانے کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ لیکن انہیں ابھی تک وہ بات معلوم نہیں ہو سکی تھی جو لکشمی نے مجھے بتائی تھی۔

دو بجے کے بعد سمترا اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ اس کے جاتے ہی رتنا میری طرف مڑ گئی اور غصے والی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"بستی میں تم مجھے چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے۔ وہاں میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ لگے ہوں گے مگر تم پورے ایک گھنٹہ غائب رہے تھے۔ کہاں گئے تھے۔۔۔؟"

"لکشمی کے ساتھ ایک جھونپڑے میں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ اسے میں نے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"کیا مطلب؟" رتنا نے الجھنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"لکشمی نے مجھے اشارہ کر کے بلایا تھا۔" میں نے کہا۔ "وہ مجھے ایک جھونپڑے میں لے گئی تھی۔" چند لمحوں کو تو خاموشی چھائی رہی پھر میں اسے لکشمی سے معلوم ہونے والی باتوں کے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ "اسے تم پر شبہ ہو گیا ہے کہ ہم وہی ہو سکتے ہیں جنہیں ملک بھر کی پولیس پوری سرگرمی سے تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے اسے اپنے اور تمہارے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا دی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ اسے میری کہانی پر یقین نہیں آیا اور پھر اس کی زبان بند رکھنے کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔"

"تمہاری حالت دیکھ کر میں سمجھ رہی ہوں کہ تم نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوگا۔ لیکن وہ اتنی آسانی سے۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں صبح ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔" بات کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "اس کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ اس کا شوہر بالکل ناکارہ آدمی ہے۔ ان پانچ برسوں میں وہ اسے ایک بچہ تو کیا جنسی تسکین بھی نہیں دے سکا۔ وہ روپ سیہانے کے ساتھ بھی وقت گزارتی رہی ہے لیکن اس کے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ مجھے دیکھ کر شاید وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔"

"تم کا قائم ہوتا ہے کہ ہر خوبصورت لڑکی اور عورت تمہیں دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو جاتی ہے۔" رتنا نے مجھے گھورا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے تم بھی کسی اپسرا سے کم نہیں ہو۔ ہم دونوں مل جل کر ہی کام کرتے رہے ہیں۔ کبھی تم اپنا کام دکھاتی ہو اور کبھی مجھے موقع مل جاتا ہے اور آج تو ہم دونوں اپنا اپنا کام بڑی خوبی سے کر رہے ہیں۔"

"دونوں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" رتنا نے مجھے گھورا۔

"آج دن میں تم روپ سیہانے کے ساتھ تاش کھیل رہی تھیں اور تم بار بار بازی ہارتی رہیں۔" میں نے کہا۔ "اس طرح تم نے شرط ہار کر تین مرتبہ اس بڈھے کو کس (Kiss) کرنے کا موقع دیا۔"

"اوہ۔" رتنا اچھل پڑی۔ "یہ بات تمہیں لکشمی ہی نے بتائی ہوگی۔"

"ہاں!" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "لیکن اب تم اس کی گردن مت دبوچ لینا۔ ہمیں صرف ایک آدھ دن یہاں رہنا ہے اور لکشمی ہمارے کام آ سکتی ہے۔ ویسے ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اگر روپ سیہانے کے ساتھ پولیس آ گئی تو ہمیں یہاں سے بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔" رتنا نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہوگا، موقع محل کے مطابق ہی کرنا ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "پولیس روپ سیہائے کو راما رنبیر سنگھ کے سلسلے میں لے کر گئی ہے۔ اس پر قتل کا شبہ تو نہیں کیا جا سکتا ممکن ہے پولیس والے اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن لکشمی نے مغرور عورت اور مردوانی جو بات کہی تھی اس سے مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"اب جیسی بھی صورت حال ہو اس کا سامنا تو کرنا ہی پڑے گا۔" رتنا نے جواب دیا

میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ تین بج چکے تھے۔ لیکن میری آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا اور یوں لگتا تھا جیسے رتنا بھی رات بھر جاگنے کا پروگرام بنا رہا ہو۔ کسی کی طرف سے شور اور موسیقی کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔

ایک گھنٹہ اور گزر گیا اب رتنا کو نیند آنے لگی تھی۔ میں نے اسے کمرے میں بھیج دیا لیکن خود وہیں بیٹھا رہا۔ مجھے واقعی نیند نہیں آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پولیس کسی وقت یہاں پہنچ جائے اور ہم سوتے ہی دھر لئے جائیں۔

دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا مگر میری آنکھوں میں نیند اب بھی نہیں تھی اور اس وقت میں سونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھا ہی تھا کہ باہر والا دروازہ کھلا اور لکشمی اندر داخل ہوئی۔ اس کے بدن پر وہی رات والا لباس تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"تم سوئے نہیں بابو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔"

"ہاں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور اس وقت میں چائے بنانے جا رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"تم بیٹھ جاؤ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" لکشمی نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے شہر کے لوگ صبح آنکھ کھلتے ہی چائے پیتے ہیں۔ اس لئے میں سویرے ہی سویرے آ گئی ہوں۔"

میں صوفے پر بیٹھ گیا اور لکشمی کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے جسم کے بالائی حصے پر جو چولی پہن رکھی تھی اس میں کپڑا صرف سامنے کی طرف تھا۔ پیچھے ڈوریاں سی تھیں۔ اس کی پشت برہنہ تھی۔ تانبے جیسی رنگت اور

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور اٹھ کر کچن میں چلا آیا۔ لکشمی چولہے کے پاس کھڑی چائے کا پانی چڑھا رہی تھی۔ میں دروازے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک مرتبہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی تھی پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے برہنہ شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اس نے گردن گھما دی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیرنے لگے۔ میں نے اسے پوری طرح اپنی طرف گھما لیا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ حویلی کے باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں ایک دم سیدھا ہو گیا۔ لکشمی بھی سنبھل گئی۔ اب اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔

لکشمی مجھ سے الگ ہو کر کھڑکی سے جھانکنے لگی۔ میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ لکشمن کی

طرف سے نکل کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے گیٹ کھولا تو باہر روپ سیہائے کی لینڈ کروزر کھڑی نظر آئی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ حلیے سے وہ کٹر ہندو لگتا تھا۔ گنجے سر پر وسط میں بالوں کی چٹیا تھی جو دائیں طرف لٹک کر کان کو چھو رہی تھی۔ ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا اور مونچھیں خاصی بڑی تھیں۔ جسم بھرا ہوا تھا اس نے سرمئی رنگ کا کرتا پہن رکھا تھا اور ظاہر ہے اس کرتے کے ساتھ اس نے دھوتی پہن رکھی ہوگی جو گاڑی میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"مالک آ گیا ہے، اس کے ساتھ دھن راج بھی ہے۔" لکشمی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تو یہ دھن راج تھا جو روپ سیہائے کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ گیٹ کھل چکا تھا۔ روپ سیہائے گاڑی کو اندر لے آیا۔

میں نے لکشمی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی اور ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ میرے اندر انگڑائی لے کر بیدار ہونے والے حیوانی جذبات بھی سرد پڑ چکے تھے۔ میں نے لکشمی کے شانے کو ہولے سے تھپتھپایا اور کچن سے نکل کر ہال کمرے میں صوفے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں روپ سیہائے کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ سو رہا ہوں۔

گاڑی پورچ میں رک گئی۔ دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر روپ سیہائے اندر آ گیا۔ غالباً دھن راج اور لکشمن بھی اس کے ساتھ تھے۔ ان کی باتوں کی آواز سن کر میں "بیدار" ہو گیا۔

روپ سیہائے میری طرف توجہ دیئے بغیر دھن راج سے باتیں کر رہا تھا پھر دھن راج میری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

"لکشمی کہاں ہے اسے بلا کر لاؤ .... ہمارے لئے ناشتہ تیار کرے۔" روپ سیہائے نے لکشمن سے کہا۔

"لکشمی رسوئی میں ہے سرکار" لکشمن نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اس سے کہو پہلے ہمارے لئے چائے بنائے اور پھر ناشتہ تیار کرے اور تم باہر جا کر گاڑی صاف کرو، ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں سے جانا ہے۔" روپ سیہائے نے کہا۔

میں آنکھیں کھول چکا تھا۔ اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔ روپ سیہائے میری طرف دیکھتا ہوا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور آنکھوں میں گہری سرخی تھی۔ لگتا تھا وہ بھی رات بھر جاگتا رہا ہے۔

"کیا معاملہ ہے روپ سیہائے ...؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "پولیس تمہیں کیوں لے گئی تھی؟"

"وہی راما والا معاملہ ہے۔" روپ سیہائے نے جواب دیا۔ "وہ کم بخت بھی میرا [illegible] نکلا۔" اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "مجھ سے وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر گیا تھا۔ اپنی بہن سے ملنے کے لئے لیکن وہ مالاوتی آ پہنچا۔ یہاں کسی عورت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور یہاں واپس آتے ہی کسی کے ہاتھوں مارا گیا۔"

''کسی عورت کے بارے میں معلومات!'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''کون تھی وہ عورت۔ اور پولیس کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟''

''یہ پولیس والے تو گڑے مردے اکھاڑ لیتے ہیں۔'' روپ سیہائے نے جواب دیا۔ ''میں نے پولیس کو بتایا تھا کہ رانا اپنی بہن سے ملنے جے پور گیا تھا لیکن وہ اپنی بہن کے پاس نہیں گیا۔ یہاں سے وہ جے پور پہنچا اور وہاں سے کرائے کی کار لے کر جودھ پور آ گیا جہاں پریم تو اس ریسٹورنٹ میں رتنا نامی کسی عورت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور رتنا وہی عورت ہے جس نے پاکستانی دہشت گردوں کے ساتھ مل کر تباہی مچا رکھی ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ رانا کا بھی ان دہشت گردوں سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے اور وہ دہشت گرد اس وقت کوٹ پتلی میں موجود ہیں۔ پولیس کے بعض اعلیٰ افسران جے پور سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے رانا کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''رانا بڑا بے ایمان نکلا۔ میں اسے بہت شریف آدمی اور اپنا وفادار سمجھتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آتنک وادیوں سے ملا ہوا تھا۔''

''سنا ہے پولیس انسپکٹر تم سے کسی عورت اور مرد کے بارے میں بھی پوچھ رہا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ ایک بار پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''پولیس کو پتہ چل گیا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد میرے بنگلے پر بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ میرا ایک دوست تھا جو اپنی پتنی کے ساتھ دہلی سے آیا ہوا تھا جو پندرہ روز رہ کر واپس چلا گیا لیکن میرا خیال ہے پولیس میرے اس بیان سے مطمئن نہیں ہوئی۔ انہوں نے مجھے آج شام پانچ بجے پھر بلایا ہے۔ را کا ایک آفیسر مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''میرا خیال ہے تمہیں غلط بیانی کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے کہا۔ ''تم ہمیں پولیس کے سامنے پیش کر دیتے۔ اس طرح پولیس بھی مطمئن ہو جاتی اور تمہیں بھی پریشانی نہ ہوتی۔''

''میں راجپوت ہوں۔'' روپ سیہائے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہماری کچھ روایات ہیں۔ مہمانوں کو ہم ایشور کی برکت سمجھتے ہیں بھگوان کی دیا۔ میں اپنے مہمانوں کو پولیس کے حوالے کیسے کر دیتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ پولیس آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔''

''تو تمہیں مسلسل پریشان کیا جاتا رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن میں نے اس کا حل تلاش کر لیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کیا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں تم لوگوں کو کھیتو لے جا رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہاں سے تیس چالیس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہاں میرے دوست کا بہت بڑا مکان ہے۔ تم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر میں کوٹ پتلی چلا جاؤں گا۔ ایک دو دن بعد میں خود بھی آ جاؤں گا۔''

''ہماری وجہ سے اتنی پریشانیاں کیوں اٹھا رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''تم لوگ سمترا کے رشتے دار اور میرے مہمان ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں یہ برداشت

نہیں کر سکتا کہ پولیس تم لوگوں کو پریشان کرے۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ روپ سیہائے نے ابھی کچھ دیر پہلے راجپوتی روایات کی بات کی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ راجپوت اپنی روایات اور آن بان پر مر مٹنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ روپ سیہائے ایسا آدمی ہرگز نہیں تھا جسے روایات کا احساس ہو۔ وہ ایک عیاش آدمی تھا۔ سمترا کو اس نے اپنی رکھیل بنا کر رکھا ہوا تھا اور اب اس کی نظریں رتنا پر لگی ہوئی تھیں۔ رتنا، سمترا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ رتنا کو زیر کرنا چاہتا تھا۔

عورت ہمیشہ فساد کا باعث رہی ہے۔ خود راجپوتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عورت کے لئے اس خطے میں بڑی بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں اور رتنا تو ایسی عورت تھی کہ اس کے لئے بھی بڑی سے بڑی جنگ لڑی جا سکتی تھی اور روپ سیہائے جیسا شخص تو رتنا کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

لکشمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر روپ سیہائے خاموش ہو گیا۔ لکشمی نے ہمارے سامنے چائے رکھ دی۔ معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور زیر لب مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ہم چائے پی رہے تھے کہ رتنا بھی آ گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے روپ سیہائے کی طرف دیکھا اور اس کے سامنے والے صوفے پر اس طرح بیٹھ گئی کہ ساڑھی کا پلو ڈھلک کر نیچے گر گیا اور بدن کے نشیب و فراز واضح ہونے لگے۔ روپ سیہائے نے اس کی طرف دیکھا اور پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

''سمترا کو بھی جگا دو اور تم دونوں تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ ایک گھنٹے بعد یہاں سے جا رہے ہیں۔'' میں نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں.....؟'' رتنا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''کھیتو۔'' میں نے جواب دیا اور اسے روپ سیہائے کی بتائی ہوئی باتیں بتانے لگا۔

''ٹھیک ہے، میں سمترا کو جگا دیتی ہوں۔'' رتنا اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ گزشتہ رات ہم نے یہاں سے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس کے لئے روپ سیہائے نے خود ہی ہماری ساری پریشانیاں دور کر دی تھیں۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم تیار ہو چکے تھے۔ سامان لینڈ کروزر میں رکھ دیا گیا اور پھر یہ جان کر میں کچھ پریشان ہو گیا کہ دکشن راج بھی ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔ سمترا نے بھی اس الجھن کو تاڑ لیا۔ وہ روپ سیہائے کو ایک طرف لے گئی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واپس آئے تو روپ سیہائے نے اعلان کر دیا کہ دکشن راج ہمارے ساتھ نہیں جا رہا۔

میں نے حسب معمول ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ روپ سیہائے رتنا اور سمترا کے بیچ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کر کے چند قدم دور کھڑی ہوئی لکشمی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

میں گاڑی کو حویلی سے باہر لے آیا اور اس کا رخ حویلی کے پچھلی طرف بستی کی طرف موڑ دیا۔ وہ راستہ بستی کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔

"بس اسی راستے پر چلتے رہو۔" روپ سہائے نے کہا۔ "چند میل آگے پکی سڑک ہے۔ وہاں میں تمہیں بتا دوں گا کس طرف مڑنا ہے۔"

کھیتوں کے درمیان راستہ کچا اور غیر ہموار تھا۔ گاڑی کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ رفتار دس پندرہ میل سے زیادہ نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ میں وقفے وقفے سے سامنے لگے ہوئے آئینے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ روپ سہائے نے دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر رتنا اور سحرا کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ رتنا لطیفے سنا رہی تھی اور روپ سہائے قہقہے لگا رہا تھا۔

ہم کھیتوں میں تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ سامنے اس راستے سے ذرا ہٹ کر درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آ رہا تھا۔

"ارے، گاڑی کو ذرا اس طرف موڑنا۔ ان درختوں کی طرف۔" سحرا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ ادھر کیا ہے؟" روپ سہائے بول پڑا۔

"بھول گئے کیا۔" سحرا نے جواب دیا۔ "وہ کنواں بھول گئے جس کے اندر دیوار میں ایک پودا اگا ہوا ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ پودا رام کی نشانی ہے۔ میں جاتے ہوئے شگون کے طور پر اس پودے کے درشن کرنا چاہتی ہوں اور ویسے بھی تمہیں یاد ہونا چاہئے کہ اس کنویں کے پاس ہم نے کچھ بہت اچھا وقت گزارا تھا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ موڑ لو گاڑی اس طرف۔" روپ سہائے بولا۔

میں نے اس سے پہلے ہی گاڑی اس طرف موڑ لی تھی لیکن اسے زیادہ آگے نہیں لے جا سکا۔

ہم گاڑی سے اتر کر اس کنویں کے قریب آ گئے اور پھر ہم باری باری کنویں میں جھانک کر دیکھنے لگے۔ روپ سہائے منڈیر پر جھک کر کنویں کے اندر جھانک رہا تھا۔ سحرا نے مجھے اشارہ کیا۔

میں نے روپ سہائے کو دھکا دے دیا۔ وہ کنویں میں گرا مگر اس نے منڈیر کو پکڑ لیا اور بری طرح چیخنے لگا۔

"ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ بچاؤ مجھے۔ میرا ہاتھ پکڑو.... مجھے باہر نکالو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"یہ تمہارا آخری ٹھکانہ ہے روپ سہائے۔" سحرا نے چیخ کر کہا۔

"اپنے بھگوان کو یاد کر لو۔ بہت عیش کر لئے تم نے زندگی میں۔"

رتنا منڈیر سے روپ سہائے کے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور روپ سہائے بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ارے۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

ایک آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ روپ سہائے کا ایک کارندہ تھا جو نجانے کہاں سے نکل کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر گولی چلا دی لیکن نشانہ خطا گیا۔ وہ آدمی پلٹ کر کھیتوں کی طرف بھاگ نکلا۔

"تم لوگ اسے سنبھالو۔ یہ بچنے نہ پائے، میں اسے دیکھتا ہوں۔" میں رتنا اور سحرا کی طرف دیکھ کر چیخا اور اس آدمی کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

میں نے دو گولیاں اور چلائیں مگر وہ آدمی بچ نکلا۔ تیسری گولی اس کے بازو پر لگی۔ وہ چیختا ہوا گرا لیکن فوراً ہی سنبھل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں اس کے پیچھے دوڑتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ اگر وہ بچ کر نکل گیا تو ہماری زندگیوں کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ شخص کھیتوں میں دوڑتا رہا۔ میں نے بھی اس کا پیچھا جاری رکھا لیکن ہمارے درمیان فاصلہ بڑھتا گیا اور پھر وہ شخص اچانک ہی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پہلے تو وہ پگڈنڈیوں پر دوڑ رہا تھا لیکن اب قد آدم فصل میں گھس کر غائب ہو گیا تھا۔

میں ایک پگڈنڈی پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا لیکن اس کا کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دیا۔ پودے بھی پرسکون تھے۔ کسی طرف کوئی ہلچل دکھائی نہیں دے رہی تھی جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ وہ کس طرف گیا ہوگا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جا رہی تھی اگر وہ بستی تک پہنچ گیا تو ہمارے لئے بڑی مصیبت کھڑی ہو سکتی تھی لیکن وہ کھیتوں میں غائب ہو چکا تھا اور اسے روک لینا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ ویسے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا کہ اب تک وہ کتنی دور نکل چکا ہوگا۔

دفعتاً ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ یہ رتنا یا سحرا کی چیخ تھی۔ میں پلٹ کر کنویں کی طرف دوڑ پڑا اب مجھے احساس ہوا کہ میں اس شخص کا پیچھا کرتا ہوا وہاں سے تقریباً دو فرلانگ دور نکل آیا تھا۔

میں پگڈنڈیوں پر دوڑتا رہا۔ کئی مرتبہ میں گرتے گرتے بچا تھا اور جب میں کھیت سے نکل کر کنویں کے قریب پہنچا تو ایک بڑا ہی عجیب سا منظر میری نگاہوں کا منتظر تھا۔

روپ سہائے، رتنا اور سحرا کو زمین پر گھسیٹ رہا تھا اور وہ دونوں اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس کمبخت بڈھے میں اتنی طاقت تھی کہ ان دونوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر تھی کہ وہ کنویں سے نکلا کیسے تھا میں جب اس شخص کے پیچھے دوڑا تھا تو روپ سہائے کنویں کے اندر لٹکا ہوا تھا اور رتنا اور سحرا اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اب سب کچھ اس کے برعکس نظر آ رہا تھا۔ وہ نہ صرف کنویں سے باہر آ گیا تھا بلکہ ان دونوں کو گھسیٹ رہا تھا۔

میں دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا اور پہنچتے ہی ایک بھرپور ٹھوکر روپ سہائے کے سر پر رسید کر دی۔ وہ چیختا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ رتنا نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو اس سے الگ کیا اور اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنے لگی۔ سحرا بھی سنبھل گئی۔ اس نے دوسری ٹانگ پکڑ لی اور میں نے روپ سہائے کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا لیکن ہم تینوں نے اسے مضبوطی سے جکڑے رکھا اور ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے اسے کنویں کی منڈیر تک لے گئے اور ایک دو جھونٹے دے کر اسے کنویں میں اچھال دیا۔ روپ سہائے کی آخری چیخ کنویں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر شڑاپ کی زور دار

آواز کے ساتھ ہی اس کی چیخ نے دم توڑ دیا۔

"گاڑی میں بیٹھو جلدی کرو۔" میں نے رتنا اور سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ شخص بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اگر وہ بستی میں پہنچ گیا تو وہ لوگ ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے۔ میں نے حویلی کے دوسری طرف ایک پک اپ کھڑی دیکھی تھی۔ ایسا نہ ہو ہم پکی سڑک تک پہنچنے سے پہلے کھیتوں ہی میں دھر لئے جائیں۔"

"اوہ۔ یہ بہت برا ہوا۔" سحرا کہتے ہوئے گاڑی کی طرف لپکی۔

میں نے بھی لینڈ کروزر کی طرف دوڑ لگا دی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا۔ سحرا کوبٹرز سائیڈ پر اور رتنا پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے گاڑی کو کچھ دور تک ریورس میں لیا اور پھر اس کا رخ اس راستے کی طرف موڑ دیا جو کھیتوں میں بل کھاتا ہوا پکی سڑک کی طرف چلا گیا تھا۔ راستہ اگرچہ ہموار تھا مگر میں گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ یہ لینڈ کروزر ریگستانی اور پہاڑی علاقوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس لئے اس میں کسی گڑبڑ کا اندیشہ نہیں تھا۔ دھچکے اگرچہ زوردار لگ رہے تھے مگر میں بے فکر ہو کر رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ "کون تھا وہ۔۔۔ اور کیسے بچ کر نکل گیا؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی رتنا نے قدرے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کا سانس اب بھی پھولا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے وہ روپ سنگھ کا کوئی کارندہ ہی تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "کھیتوں میں غائب ہو گیا۔ اگر میں اس کا پیچھا کرتا تو ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ ویسے میری گولی اس کے بازو پر لگی تھی لیکن اس سے شاید کوئی فرق نہ پڑے۔ وہ اب تک بستی کے قریب پہنچ چکا ہو گا۔"

"بھگوان کرے وہ راستے ہی میں ختم ہو جائے۔" سحرا بولی۔

"بازو پر گولی لگنے سے کوئی نہیں مرتا۔" میں نے کہا۔ "تمہاری دعا قبول ہونے کا ایک فیصد امکان بھی نہیں ہے۔ ویسے پکی سڑک یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"ہمیں وہاں تک پہنچنے میں کم سے کم ایک گھنٹا لگے گا۔" سحرا نے جواب دیا۔

"ایک گھنٹہ۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اور اس پکی سڑک سے کوٹ چکی کتنی دور ہے؟"

"وہاں سے کوٹ چکی کا راستہ بھی تقریباً ایک گھنٹے کا ہے۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ اس طرف جانے کا ارادہ ہے کیا؟" سحرا نے کہا۔

"نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر ان لوگوں نے حویلی سے نکل فون پر کوٹ چکی پولیس کو اطلاع دے دی تو پولیس کو اس طرف پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔"

"ہاں۔ یہ اندیشہ تو ہے۔" سحرا نے جواب دیا۔

"دوسری طرف نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔ دشمن راج بہت ترائی آدمی ہے۔ وہ فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا کہ تم دونوں کون ہو۔ وہ فون پر پولیس کو اطلاع دینے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر بھی

نہیں کرے گا۔"

"پولیس سے بچنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔" میں نے کہا۔ "گاڑی کی رفتار زیادہ سے زیادہ تیز رکھی جائے تاکہ اطلاع پا کر اگر پولیس اس طرف آئے بھی تو ہم اس سے پہلے ہی وہاں سے نکل چکے ہوں۔" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "رتنا۔ پیچھے کا خیال رکھنا، میرا خیال ہے وہ پک اپ پر ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔"

"میں بار بار پیچھے دیکھ رہی ہوں۔" رتنا نے جواب دیا۔ "ابھی تک کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے۔"

میں رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ اس کچے راستے پر بیل گاڑیاں اور پک اپس ہی چلتی رہتی تھیں جس وجہ سے گڑھے سے بن گئے تھے اور لینڈ کروزر بری طرح اچھل رہی تھی۔

جب ہم حویلی سے روانہ ہوئے تھے تو دھوپ نکل رہی تھی۔ اب اگرچہ دھوپ کچھ تیز ہو گئی تھی لیکن آسمان پر بادل بھی نظر آنے لگے تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ کہیں بادل جم نہ جائیں۔ یہاں کا موسم بھی ہندوؤں کی طرح قابل بھروسہ نہیں تھا۔ اگر بارش شروع ہو گئی تو ہمارے لئے بڑی مصیبت ہو جائے گی۔

ہمیں کنویں کے پاس سے روانہ ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ ابھی کم سے کم آدھے گھنٹے کا فاصلہ باقی تھا۔ میرے ذہن میں یہ اندیشہ بدستور موجود تھا کہ اگر حویلی سے فون پر کوٹ چکی کو اطلاع دے دی گئی ہو تو پولیس ہم سے پہلے پکی سڑک پر پہنچ کر ناکہ بندی کر لے گی۔

ہمارے چاروں طرف اگرچہ کھیت تھے۔ اونچی فصلوں کی وجہ سے دور سے ہماری گاڑی کو نہیں دیکھا جا سکتا تھا لیکن کچے راستے پر ہماری گاڑی سے اڑتی ہوئی دھول بڑی آسانی سے ہماری نشاندہی کر سکتی تھی اور ہم آسانی سے گھیرے میں آ سکتے تھے۔

"وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

رتنا کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ چند گز آگے راستہ قدرے بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے گاڑی تیزی سے اس طرف گھما دی اور مجھے پیچھے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بہت دور دھول اڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ یقیناً پک اپ تھی جو ہمارے تعاقب میں آ رہی تھی۔

میں نے گاڑی کی رفتار کچھ اور بڑھا دی۔ آگے چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ راستہ اس بستی کے قریب سے گزرتا تھا۔ کچھ بچے بستی کے سامنے راستے کے عین بیچ میں بیٹھے کھیل رہے تھے۔ میں نے دور ہی سے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ تمام بچے ادھر ادھر ہٹ گئے مگر سال ڈیڑھ سال کی عمر کا ایک ننگ دھڑنگ بچہ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ کسی اور بچے نے بھی اسے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ مجبوراً مجھے اس بچے سے چند گز دور ہی گاڑی روک لینی پڑی۔

سحرا دروازہ کھول کر نیچے اتری اور بچے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔ وہ بچے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ بستی کے سامنے والے مکان سے ایک عورت نکل کر دوڑتی ہوئی اس طرف چلی آئی۔

اس کی عمر بیس بائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ تانبے جیسے رنگت پشت پر بکھرے ہوئے

لمبے سیاہ بال، وہ پیروں سے برہنہ تھی اور بدن پر لباس بھی نہ کافی تھا۔ اس نے لپک کر بچے کو صحرا سے لے لیا۔

"پیدا کیا ہے تو سنبھال کر رکھا بھی کرو۔" صحرا نے اسے ڈانٹ کر کہا اور دوبارہ گاڑی میں آ گئی۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ عورت نے گھور کر ہماری طرف دیکھا تھا۔

"ابھی کتنا فاصلہ ہے؟" میں نے صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ہم پانچ دس منٹ میں پکی سڑک پر پہنچنے ہی والے ہیں۔" صحرا نے جواب دیا۔

پانچ منٹ بعد ایک راستہ کھیتوں میں بائیں طرف مڑ گیا جو قدرے کم کشادہ تھا جبکہ ایک راستہ سامنے ایک سرسبز ٹیلے کی طرف چلا گیا تھا۔ صحرا کے اشارے پر میں نے گاڑی اس ٹیلے والے راستے پر ڈال دی۔

یہ ٹیلا تقریباً دو سو فٹ بلند تھا اور دور تک پھیلا ہوا تھا اس کے اوپر پہنچتے ہی میں نے گاڑی روک لی۔ سامنے نشیب میں کھیتوں کے دوسری طرف تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر وہ پختہ سڑک تھی جو کوٹ نکلی سے ننکانہ صاحب، شیخوپورہ سے ہوتی ہوئی گجرانوالہ کی طرف چلی گئی تھی۔ سڑک پر بسوں وغیرہ کی آمد و رفت بھی نظر آ رہی تھی۔ میرے رکنے کی وجہ نیلے رنگ کی وہ دو گاڑیاں تھیں جو اس کچے راستے کے اختتام پر سڑک پر کھڑی تھیں اور چند لوگ بھی آس پاس دکھائی دے رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود میں نے پولیس کی ان گاڑیوں کو پہچان لیا تھا اور ان کے آس پاس ٹہلنے والے یقیناً پولیس والے ہی ہو سکتے تھے۔

"میرا بدترین اندیشہ درست نکلا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔"

"وہ راستہ کہاں جاتا ہے؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"ننکانہ صاحب اور کھنن کے بیچ میں کسی جگہ پختہ سڑک سے جا ملتا ہے۔" صحرا نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ پیچھے سے وہ لوگ بھی آ رہے ہیں۔ اگر ہم گھیرے میں آ گئے تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"پھر تو ہم پھنس گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور گاڑی کو واپسی کے راستے پر ڈال دیا۔

وہ راستہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ دو ڈھائی میل آگے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں، اور میرا خیال تھا کہ یہ راستہ انہی پہاڑیوں میں سے ہو کر کسی طرف نکلتا ہوگا۔

پک اپ ابھی کھیتوں میں بہت دور تھی اور میرا خیال تھا کہ سڑک پر پولیس والوں نے بھی ہمیں گاڑی موڑتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا۔ ان کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ ممکن ہے ایک گاڑی ہمارے تعاقب میں آ جائے اور دوسری آگے جا کر دوبارہ ناکہ بندی کی کوشش کرے۔

میں گاڑی کو کھیتوں میں اس تنگ سے راستے پر تیزی سے بھگاتا رہا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس کی ایک گاڑی کو میں نے ٹیلے پر دیکھ لیا۔ ہمارے درمیان اگرچہ فاصلہ بہت زیادہ تھا مگر پولیس نے

تاکہ ہمیں ہراساں کرنے کے لئے فائرنگ شروع کر دی۔ رتنا ... میں پتھر کے اس طرف سے اکا دکا فائر پستول صحرا کے حوالے کر دیا حالانکہ میں جانتا تھا کہ پولیس کی ... کر صحرا کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔" ... ن کی طرف دیکھا۔ ہم لوگ ... یا وقت موت پستول کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔

راستہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ گاڑی پار ہر کھیتوں کی منڈیر ... ہو رہا تھا۔ ... زیادہ دور نہیں رہ گئی تھیں۔ سرخ پتھروں کی وہ پہاڑیاں کسی قلعے کی ... کرنے لگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس پھیلی ہوئی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم ان پہاڑیوں تک پہنچ ... لگ رہی تھیں اور پتھر کے چھوٹے چھوٹے ... سکتے تھے۔ ... یا۔ وہ سوٹ کیس سنبھالے دوسری طرف

پہاڑی اب نصف فرلانگ سے زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی ... تے ہی میں تھی کہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر کہیں آگے راستہ بند ہو گیا تھا۔ پتھر کی ایک دو فٹ اونچی دیوار سی تھی ا... میں نے گاڑی روک لی اور متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کسی ... اور سوٹ کیس اٹھانے کے لئے واپس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس کی گاڑی بھی تقریباً تین سو گز پیچھے رہ گئی تھی ... ڑی تھی اس لئے وہ اس تنگ راستے پر زیادہ آگے نہیں آ سکی تھی۔ ... گاڑیاں اس کے آس پاس زمین

وہ آٹھ پولیس والے تھے جو گاڑی سے اتر کر پوزیشن لے رہے تھے۔

"نیچے اترو۔ جلدی کرو۔" میں نے رتنا اور صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے ... ڑی۔ پہاڑیوں ہی میں پناہ مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

رتنا پیچھے مڑ کر اپنا سوٹ کیس اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"سوٹ کیس کو چھوڑ دو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"مگر یہ......"

"اگر مگر مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر اس سوٹ کیس کے چکر میں رہیں تو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

میں انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ اسی لمحہ پولیس والوں نے فائر کھول دیا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ایک گولی گاڑی کے پچھلے ٹائر میں لگی تھی۔ رتنا اور صحرا بیک وقت چیخ اٹھیں۔

"صحرا۔ یہ پستول مجھے دے دو اور تم دونوں ان پتھروں کی آڑ لیتی ہوئی پہاڑی کی طرف چلی جاؤ۔" میں نے چیخ کر کہا اور صحرا کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔

صحرا اور رتنا گاڑی سے اتر کر پہاڑی کے دامن میں بکھرے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی طرف دوڑنے لگیں۔ رتنا کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے اپنا سوٹ کیس لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

دوسری طرف سے آنے والی پک اپ بھی پولیس کی گاڑی کے پیچھے رک چکی تھی۔ چار آدمی جھٹکا لگا کر پک اپ سے اتر آئے۔ ان چاروں کے پاس ڈبل بیرل بندوقیں تھیں۔ پولیس والوں نے

ور

...ا تھا۔ پولیس کی فائرنگ سے گاڑی کا دوسرا پچھلا ٹائر بھی ایک
...ر رکھا بھی چھلنی ہو چکی تھی۔ گولیوں نے گاڑی کے پچھلے حصے کو چھلنی

...ئی اور صحرا پتھروں کی آڑ لیتی ہوئی کافی دور نکل چکی تھیں۔
...ب صحرا آگے بڑھنے لگے تھے۔ میں نے ایک فائر جھونک دیا۔ پولیس
...نگ بدستور جاری رہی۔ میں نے ایک اور فائر کر دیا اور مڑ کر پہاڑی کی

...شن لے گاڑی پر فائرنگ کرتے رہے لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ
...رتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ایک گولی گاڑی کے فیول ٹینک میں
...ن ایک عظیم الجثہ شعلے کی طرح ہوا میں اچھلی اور بکھر گئی۔ جلتے ہوئے
... صحرا کے دونوں سوٹ کیس گاڑی میں ہی تھے۔ ان میں بھرے ہوئے
لی۔ سامنے نشیب میں ... اور سونے کی مورتیاں بھی انگاروں کی طرح چاروں طرف بکھر گئی تھیں۔
سے نمٹا تھا۔ ...لوں کی پیش قدمی ایک بار پھر رک گئی تھی۔ میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پتھروں کی آڑ میں دوڑتا ہوا رتنا اور صحرا کے قریب پہنچ گیا۔

رتنا کے ایک ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور دوسرے میں پستول۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر ایک لمحہ کو ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔

"اس طرف .... اس چٹان کے پیچھے۔"

رتنا اور صحرا آگے تھیں اور میں پیچھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس چٹان کے پیچھے کوئی ایسا راستہ ضرور ہوگا جو ہمیں ان پولیس والوں سے دور لے جا سکے گا۔

پولیس والے اب پھیل کر فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم اس چٹان کے پیچھے پہنچ گئے لیکن میرا اندازہ غلط نکلا۔ اس چٹان کے دوسری طرف بھی دور تک بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم ان پتھروں کے پیچھے دوڑتے رہے۔

پولیس والے چٹان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ بدستور فائرنگ کرتے ہوئے اپنا ایمونیشن ضائع کر رہے تھے۔ گولیاں پتھروں پر لگ رہی تھیں اور پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

آگے مسلسل چڑھائی تھی۔ ہمارے دوڑنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ رتنا اور صحرا تو بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ رفتار کم ہونے کی وجہ سے پولیس کے درمیان ہمارا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔

اس وقت ہم تینوں ایک ہی پتھر کے پیچھے پناہ لئے ہوئے تھے۔ ہمارے چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ دوسرا بڑا پتھر ہم سے تقریباً پندرہ فٹ آگے تھا۔ میں نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے صحرا کو اس پتھر کی طرف دوڑا دیا۔ گولیاں اس کا تعاقب کرتی رہیں لیکن وہ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ گئی۔

"رتنا" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں پتھر کے اس طرف سے اکا دکا فائر کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ رکھتا ہوں اور تم اس طرف سے دوڑ کر صحرا کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔"

رتنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ ہم لوگ اس وقت موت کے حصار میں تھے۔ رتنا کا چہرہ اس وقت خوف سے بالکل سفید ہو رہا تھا۔

میں دوسری طرف آ کر پتھر کی آڑ سے اکا دکا فائر کرنے لگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پولیس والوں کی فائرنگ کا رخ اب میری طرف ہو گیا تھا۔ گولیاں پتھر پر لگ رہی تھیں اور پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرچیوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ میں نے رتنا کو اشارہ کیا۔ وہ سوٹ کیس سنبھالے دوسری طرف جھٹ کھڑی ہوئی۔ ابھی وہ دونوں پتھروں کے درمیان آدھے راستے ہی میں تھی کہ کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر لڑکھڑا گئی اور سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

وہ تین چار قدم آگے نکل چکی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے رکی اور سوٹ کیس اٹھانے کے لئے واپس پلٹی۔

رتنا نے جھک کر سوٹ کیس کے ہینڈل پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کئی گولیاں اس کے آس پاس زمین پر لگیں۔ سرخ دھول کا غبار سا اٹھا اور ہوا کے دوش پر پھیلتا چلا گیا۔

"رتنا بھاگ۔" میں پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخا۔

دوسری طرف سے صحرا بھی چیخ رہی تھی۔ رتنا بڑی تیزی سے مڑی اور صحرا کی طرف دوڑی۔ لیکن اس نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ فضا اس کی خوفناک چیخ سے گونج اٹھی۔ سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرانے لگی۔ میں نے اس کے جسم پر کم از کم تین جگہوں سے خون کے فوارے چھوٹتے ہوئے دیکھے۔

وہ چکراتے ہوئے سنبھل گئی۔ اس نے پستول کو دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور لڑکھڑاتی ہوئی چل گئی۔ اس کے پستول نے یکے بعد دیگرے تین شعلے اگلے اور دوسری طرف سے کسی پولیس والے کی خوفناک چیخ سنائی دی۔ کم از کم ایک پولیس والا رتنا کے ہاتھوں مارا گیا تھا مگر رتنا کو بھی اس سے زیادہ ... کا موقع نہیں مل سکا۔ پچھلی تین گولیاں اس کے پیٹ میں لگی تھیں۔ جن سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ پھر لڑکھڑا گئی۔ مخالف سمت سے آنے والی اگلی باڑ نے اس کا سینہ چھلنی کر دیا پھر گولیاں اس کی ٹانگوں پر بھی لگیں۔ اس کے جسم پر اب کئی جگہوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آخری مرتبہ لہرائی اور دھڑام سے نیچے گر گئی۔ اس کا ایک ہاتھ سوٹ کیس کے اوپر تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ ایک لمحہ کو میرے حواس مختل ہو گئے۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ آنکھوں کے سامنے چھا جانے والی دھند چھٹنے لگی۔ وہ خوفناک ترین منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ خاک میں اٹی ہوئی رتنا کے جسم پر کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا وہ بے حس و حرکت ہو چکی تھی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی جوان ہوئی تھی اور میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ پتھر کی آڑ سے نکل کر اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے رتنا کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار

دوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش پر قابو پالیا۔ یہ وقت جوش وجنون کے اظہار کا نہیں ہوش سے کام لینے کا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں جوش میں سامنے آ کر فائرنگ کرتے ہوئے ایک آدھ پولیس والے کو موت کی نیند سلا دیتا مگر میرا اپنا حشر رتنا سے بھی زیادہ برا ہوتا۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ میں ہوش وحواس قائم رکھوں اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔

میں نے سامنے دیکھا۔ سحرا دوسرے پتھر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ میں نے اسے بے حرکت رہنے کا اشارہ کیا اور بہت محتاط انداز میں پتھر کی آڑ سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ سامنے کوئی نظر نہیں آیا۔ ظاہر ہے پولیس والے بھی پتھروں کے پیچھے پوزیشن لئے بیٹھے ہوں گے۔

میرے پستول میں دو تین گولیاں ہی باقی رہ گئی تھیں اور میں انہیں بہت زیادہ سنگین صورت حال کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

میں نے رتنا کی لاش اور اس کے بازو کے نیچے دبے ہوئے سوٹ کیس کا جائزہ لیا اور پتھر کے دوسرے کنارے کی طرف آ گیا۔ یہاں میں نے جھک کر ٹینس کی گیند کے برابر ایک پتھر اٹھایا چند لمحے اسے ہاتھ میں تولتا رہا پھر اسے پوری قوت سے مخالف سمت میں اچھال دیا۔

پتھر کے گرنے کی آواز سے پہلے ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ میں نے پلٹ کر دوسری طرف دوڑ لگا دی۔ رتنا کی لاش کے قریب جھکتے ہوئے میں نے سوٹ کیس کے ہینڈل پر ہاتھ ڈال دیا اور رکے بغیر دوڑتا چلا گیا۔ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

ابھی میں سحرا والے پتھر سے چند فٹ دور ہی تھا کہ فائرنگ کا رخ میری طرف ہو گیا۔ کئی گولیاں میرے آس پاس سے گزریں۔ ایک گولی سوٹ کیس پر لگی۔ میرے ہاتھ کو زوردار جھٹکا لگا مگر سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہی رہا۔

دوسرے پتھر کے پیچھے پہنچ کر میں نے اپنا پستول والا ہاتھ سحرا کے ہاتھ میں دے دیا اور رکے بغیر اسے ساتھ لئے دوڑتا رہا۔ آگے بے شمار بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم ان کے گرد چکر لگاتے ہوئے دوڑتے رہے۔ فائرنگ اسی طرف ہو رہی تھی جہاں رتنا کی لاش پڑی تھی۔ پولیس والے شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم دوسرے پتھر کے پیچھے پناہ لئے کھڑے ہیں۔

ہم پتھروں کے پیچھے دوڑتے رہے۔ سحرا بری طرح ہانپ رہی تھی لیکن میں نے اسے رکنے نہیں دیا۔ اس طرح ہم اس جگہ سے تقریباً نصف میل دور نکل گئے اور پھر شاید پولیس والوں کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ بھی پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے زور زور سے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں... اس پارٹی کا انچارج چیخ چیخ کر احکامات جاری کر رہا تھا۔ ہر طرف بھاری جوتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

یہ بات میرے لئے خوش آئند تھی کہ پولیس والے سیدھے پہاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے جبکہ [illegible] دائیں طرف ہٹتے ہوئے نشیب کی طرف جا رہے تھے۔ کسی جگہ رکنا خودکشی کے مترادف تھا لیکن سحرا اب بے دم ہو رہی تھی۔ میں نے اطراف کا جائزہ لیا اور ایک پتھر کے قریب رک گیا۔ سحرا بے دم

سی ہو کر زمین پر گر گئی۔ اس کے منہ سے کف بہہ رہا تھا اور سانس جیسے قابو میں نہیں رہا تھا۔

وہ زمین پر ڈھیلی سی پڑی رہی۔ میں نے سوٹ کیس اس کے قریب رکھ دیا اور گہرے گہرے سانس لیتا ہوا اطراف میں دیکھنے لگا۔ پولیس والوں کی آوازیں اب پہاڑی کی طرف دور ہوتی جا رہی تھیں۔ پہاڑی کی طرف کبھی اکا دکا فائر کی آواز بھی گونج اٹھتی۔

پانچ منٹ گزر گئے۔ میں نے سوٹ کیس اٹھا لیا۔ اس کے نچلے کونے کے قریب گولی لگی تھی جس سے اس جگہ سوراخ ہو گیا تھا۔ میں نے دوسرا ہاتھ سحرا کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔

ہم ایک بار پھر پتھروں کے جنگل کی پناہ میں چل پڑے۔ سحرا کی حالت اس وقت کافی بہتر تھی۔ ہم پہاڑی کے ساتھ ساتھ مسلسل ڈھلان کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارے اور پولیس والوں کے درمیان بہت فاصلہ بڑھ گیا تھا۔

اور پھر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہم پہاڑی کے ساتھ ساتھ کسی اور طرف نکل آئے ہوں گے لیکن پتھروں کے جنگل سے نکل کر پہاڑی کے دامن سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر کھیت دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ پہاڑی اور کھیتوں کے درمیان خاردار اونچی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے آخری پتھر کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ بائیں طرف بہت دور کھیتوں میں پولیس کی گاڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے پیچھے وہ پک اپ بھی کھڑی تھی۔ لیکن آس پاس کوئی آدمی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ پک اپ پر آنے والے روپ سہانے کے آدمی بھی ہماری تلاش میں پہاڑی کی طرف جا چکے تھے۔

”پہاڑی کی طرف جانا اب ہمارے لئے ممکن نہیں۔“ میں نے سحرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم اتفاق سے کھیتوں کی طرف نکل آئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ کھیت ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”اگر وہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس طرف آ گئے تو؟“ سحرا نے رک رک کر کہا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

”وہ ہمیں پہاڑی کی طرف ہی تلاش کریں گے۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم دوبارہ کھیتوں کی طرف آ گئے ہوں گے۔“ میں نے کہا۔

”لیکن وہ سامنے پولیس کی گاڑی کھڑی ہے۔ وہاں کوئی نہ کوئی موجود ہوگا اگر ہمیں دیکھ لیا گیا تو؟“ سحرا بولی۔

”وہ گاڑی بہت دور ہے۔ آس پاس کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ میرا خیال ہے کہ پک اپ پر آنے والے روپ سہانے کے کارندے بھی ہماری تلاش میں پہاڑی کی طرف جا چکے ہیں۔ ویسے ہم ان جھاڑیوں کی آڑ لے کر چلیں تو ہمیں دیکھ لیے جانے کا امکان نہیں ہوگا۔“

”تو چلو۔“ سحرا نے آمادگی ظاہر کر دی۔

میں نے ایک بار پھر محتاط انداز میں پولیس کی گاڑی کی طرف دیکھا اور سحرا کو اشارہ کیا۔ ہم

دونوں پتھر کی آڑ سے نکل کر جھاڑیوں میں جھک کر چلنے لگے۔

سحرا نے بھی ساڑھی پہن رکھی تھی اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اب تک ساڑھی کو کیسے سنبھالے ہوئے تھی۔ اب اس کی ساڑھی بار بار جھاڑیوں میں الجھ رہی تھی۔ پچاس گز کا فاصلہ سحرا کے لئے قیامت بن گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح ساڑھی کو سنبھالے رہی۔

یہ باجرے کی فصل تھی جو ہمارے قد سے اونچی تھی۔ کھیت میں پہنچ کر ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ سحرا کی ساڑھی جھاڑیوں میں الجھ کر کئی جگہوں سے پھٹ گئی تھی۔ کانٹے دار جھاڑیوں کی کئی شاخیں اب بھی الجھی ہوئی تھیں جنہیں چھڑانے میں میں اس کی مدد کرنے لگا۔

ہمیں وہاں دس منٹ لگ گئے اور پھر ہم بہت محتاط انداز میں اس کھیت میں آگے چلنے لگے۔ اب ہمیں دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔ پودوں کی حرکت ہماری نشاندہی کر سکتی تھی۔ اس لئے ہم اس طرح چل رہے تھے کہ اوپر سے پودے کم سے کم حرکت کریں۔

ہم کھیتوں میں چلتے رہے۔ اس دوران پہاڑیوں کی طرف سے ایک آدھ مرتبہ فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی لیکن یہ آوازیں مدھم تھیں جس کا مطلب تھا کہ ہم وہاں سے بہت دور نکل چکے تھے۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے جمع ہو رہے تھے۔ دھوپ کا نام و نشان نہیں تھا لیکن کھیتوں میں حبس کی سی کیفیت تھی۔ میری شرٹ پسینے سے تر ہو چکی تھی۔ گردن پر بھی پیچھے سے رینگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ سحرا کی حالت مجھ سے زیادہ ابتر تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو پیچھے لٹکا ہوا پودوں میں الجھتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ گردن اور گلے پر بہنے والے پسینے کی دھاریں سینے کے گداز ابھاروں پر رینگتی ہوئی بلاؤز کو تر کر رہی تھیں۔ مسلسل چلتے رہنے سے وہ بھی نڈھال سی ہو گئی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ رکنے کو کہا تھا مگر کسی کھیت کے عین بیچ میں رکنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ پودوں میں لاکھوں قسم کے حشرات الارض تھے جو ہمارا حشر بگاڑ دیتے۔ مجھے ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ہم سکون سے کچھ دیر بیٹھ سکیں۔

مسلسل ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد آخر کار مجھے اپنی پسند کی جگہ نظر آ گئی۔ ہم جس کھیت میں اس وقت چل رہے تھے اس کے اختتام پر ایک ندی بہہ رہی تھی جس کا پاٹ چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا اور گہرائی بھی ایک ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس ندی کے دوسری طرف نیم کے چار پانچ درختوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ اس جھنڈ کے آس پاس تقریباً ایک کھیت کی جگہ خالی تھی اور اس سے آگے مرچوں کے کھیت تھے۔

مرچوں کے پودے زیادہ بڑے نہیں تھے۔ ان میں چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے نیم کے درختوں کے اس جھنڈ میں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

کھیت سے نکل کر میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور سحرا کو لے کر باہر آ گیا۔ سحرا ندی کے کنارے گر گئی۔ چند لمحے وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی پھر چلو بھر بھر کر پانی پینے لگی۔ میں نے بھی سوٹ کیس زمین پر رکھ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کے اوپر رکھ دیا اور پانی پینے لگا۔ پانی اگرچہ گدلا تھا۔ ہر گھونٹ کے ساتھ مٹی ہمارے پیٹ میں جا رہی تھی مگر اس سے ہماری پیاس بھی بجھ رہی

تھی۔

ہم نے شکم سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر میں نے اٹھ کر سوٹ کیس اٹھا لیا۔ پستول کو جیب میں ڈالا اور سحرا کا ہاتھ پکڑ کر ندی میں اتر گیا۔ سحرا نے ساڑھی اور پیٹی کوٹ دوسرے ہاتھ سے اوپر اٹھا لیا تھا۔ ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر بھی اس نے پیٹی کوٹ کو پکڑے رکھا۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھ گئیں۔ گھٹنوں سے ذرا اوپر تک اس کی ٹانگیں برہنہ ہو رہی تھیں۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ سحرا نے میری اس کیفیت کو بھانپ کر پیٹی کوٹ چھوڑ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

ہم نیم کے درختوں کے جھنڈ کی طرف آ گئے۔ چاروں طرف گھاس کی طرح ملائم پتیوں والی جھاڑیاں تھیں جو دو فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔ ان جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے ہم جیسے ہی جھنڈ میں داخل ہوئے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

گھنی پتیوں والے چار پانچ درخت تھے جو ایک گول دائرے کی شکل میں اگے ہوئے تھے۔ ان کی نچلی شاخیں اطراف میں بھی اور اوپر سے آپس میں اس طرح ملی ہوئی تھیں کہ جھنڈ کے اندر ایک کشادہ کمرا سا بن گیا تھا۔ اس پورے کمرے میں چھ سات انچ اونچا مٹی کا چبوترہ سا بنا ہوا تھا جس پر گوبر کی لپائی کی ہوئی تھی اور کھجور کے پتوں کی ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ جس پر خشک پتے اور نمکولیاں بکھری ہوئی تھیں۔

ایک درخت کی شاخ سے ایک لالٹین بھی ٹنگی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی شاخوں پر مٹی یا تیل کا ایک ڈبہ بھی پھنسا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نیم کے یہ پودے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اس طرح لگائے گئے تھے کہ جب یہ بڑے ہوئے تو ان کی گھنی شاخوں نے مل کر اندر کی طرف ایک کمرہ بنا دیا تھا۔ فرش پر بچھی ہوئی چٹائی اور درخت کی شاخ سے لٹکی ہوئی لالٹین دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ جگہ کسی کی رہائش کے لئے استعمال ہوتی رہتی ہے لیکن چٹائی پر بکھرے ہوئے خشک پتے اور نمکولیاں دیکھ کر یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ کئی روز سے کسی نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔

ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سحرا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

”یہ سب کچھ دیکھ کر لگتا ہے یہاں کوئی رہتا بھی ہے۔“ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”اگر کوئی اس طرف آ گیا تو؟“

”فی الحال کسی کے آنے کی امید نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”یہ چٹائی دیکھ رہی ہو۔ خشک پتوں اور نمکولیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کئی روز سے یہاں کوئی نہیں آیا۔“ میں نے خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھا پھر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ فصل پکنے کے دنوں میں کھیتوں کی حفاظت کے لئے کوئی یہاں رہتا ہوگا۔ ممکن ہے بیچ میں کبھی کبھار کوئی یہاں آ جاتا ہو لیکن فی الحال کسی کے آنے کا امکان نہیں ہے۔“

”وہ دیکھو... وہ کیا ٹنگا ہوا ہے شاخوں میں۔“ سحرا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک درخت کی شاخوں میں کوئی بڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا...

میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔ وہ ایک بہت میلا سا تکیہ تھا جس میں اگرچہ روئی بہت کم تھی مگر تکیے کا کام دے سکتا تھا۔

میں نے وہ تکیہ جھاڑ کر سحرا کے حوالے کر دیا اور چٹائی اٹھا کر جھاڑنے لگا۔

"لو بھئی۔ اب ہم یہاں آرام کر سکتے ہیں۔" میں نے چٹائی بچھا دی۔

سحرا نے تکیہ چٹائی پر ایک طرف رکھ دیا اور فوراً ہی آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی۔ تکیے کو دوہرا کر کے اس نے سر کے نیچے رکھ لیا۔ میں سوٹ کیس سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

کھیتوں میں بے پناہ حبس تھا جس سے ہر لحہ ہمیں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوتا رہا تھا مگر یہاں نیم کے درختوں کے نیچے کسی قدر خنکی تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر سحرا ہی نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ لوگ ہماری تلاش میں اس طرف آ گئے تو کیا ہوگا۔" اس کے لہجے میں خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

"اس کا امکان نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ لوگ ہمیں پہاڑیوں کی طرف تلاش کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہماری تلاش میں پہاڑیوں کے دوسری طرف تو نکل جائیں مگر اس طرف آنے کی توقع نہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم جس طرف سے بھاگے ہیں دوبارہ اس طرف بھی آ سکتے ہیں۔"

"لیکن ہم کب تک یہاں چھپے رہیں گے؟" سحرا نے دوسرا سوال کیا۔

"کم از کم آج کا دن۔" میں نے کہا۔ "آج کا دن تو ہماری تلاش جاری رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ پہاڑیوں میں اور ان کے دوسری طرف مہم کے لئے مزید فورس طلب کر لی جائے لیکن شام کے بعد ان کی تلاش کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ہی ہم یہاں سے نکلنے کی سوچیں گے۔"

"بے چاری رتنا۔" سحرا نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا۔ "مجھے اس کی موت کا بے حد دکھ ہے۔ میں اس خوف ناک منظر کو شاید کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔"

"رتنا کی موت کا دکھ مجھے بھی ہے لیکن غلطی اس کی تھی۔" میں نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ سوٹ کیس کے لئے واپس نہ مڑتی تو اس وقت ہمارے ساتھ بیٹھی ہوتی لیکن۔" میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ "لیکن شاید قصور اس کا بھی نہیں۔ یہی سوٹ کیس اس کا زندگی بھر کا سرمایہ تھا جسے وہ اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور یہی دولت اس کی اندوہناک موت کا باعث بن گئی۔" میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر بولا۔ "رتنا مجھے زندگی کے آخری لمحوں تک یاد رہے گی۔ اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ قدم قدم پر موت سے پنجہ آزمائی کی۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتی تو میں اس وقت تمہارے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا بلکہ ماؤنٹ آبو ہی میں کہیں مارا گیا ہوتا۔ اس کی وجہ سے ہی میرا حوصلہ بہت بلند رہا۔ وہ میری ڈھال بنی رہی اور آخر کار اس نے میری خاطر جان دے دی۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"ہاں... وہ مجھے بھی ہمیشہ یاد رہے گی۔" سحرا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

ہم دیر تک رتنا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ رتنا کے ذکر سے فضا سوگواری ہو گئی اور پھر

سحرا نے بھی موضوع بدل دیا۔

کچھ دیر بعد میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سوٹ کیس کا جائزہ لینے لگا سوٹ کیس کے پیچھے کی طرف ریکسین کے کونے کے پاس گولی لگی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس جگہ کرنسی نوٹ ہوئے تو گولی لگنے سے ضائع ہو گئے ہوں گے۔

سوٹ کیس مقفل تھا اور اس کی چابی رتنا ہی کے پاس تھی۔ لیکن تھوڑی سی کوشش کے بعد میں سوٹ کیس کے دونوں تالے کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ کرنسی نوٹ محفوظ رہے تھے۔ اس طرف کچھ زیور وغیرہ تھے جنہیں گولی سے کچھ نقصان پہنچا تھا۔

"بے چاری رتنا تو ان سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ اب یہ ہمارے کام آئیں گے۔" میں نے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے کہا۔

"اور میری تو ساری محنت ضائع ہو گئی۔" سحرا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ ماؤنٹ آبو میں پنڈت بھیرو کے بنگلے سے دو سوٹ کیسوں میں دولت بھر کر لائی تھی۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے بنڈل بھی تھے اور طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھی۔ پہاڑی کے قریب کھیتوں کے آخری سرے پر پولیس مقابلے کے دوران ایک گولی لینڈ کروزر کے فیول ٹینک میں لگی تھی جس سے لینڈ کروزر آگ کے بہت بڑے گولے کی طرح اچھل کر پھٹ گئی تھی اور اس میں موجود دونوں سوٹ کیسوں میں بھرے ہوئے کرنسی نوٹ، طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھی آگ کے شعلوں کی طرح بکھر گئی تھیں اور اس طرح سحرا اپنی زندگی بھر کی پونجی سے محروم ہو گئی تھی۔

میں نے سوٹ کیس پہلے کی طرح تکیہ بنا کر رکھا اور اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرا رخ سحرا کی طرف تھا۔ سحرا بھی میری طرف کروٹ لئے لیٹی ہوئی تھی۔ ساڑھی چٹائی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بالائی بدن پر صرف مختصر سا بلاؤز تھا۔ اس کا کسا ہوا بدن بلاؤز کی قید سے آزاد ہونے کو بے چین ہو رہا تھا۔

میں ماؤنٹ آبو میں اکالی شوانی مندر سے آتے ہی پنڈت بھیرو کے بنگلے میں ڈھائی تین مہینے رہا تھا پنڈت بھیرو نے اپنی دو داسیاں میری سیوا کے لئے مجھے دے دی تھیں۔ شیلپا میرے زیادہ قریب ہو گئی تھی اور میں اس کے حسن و شباب سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا مگر سحرا پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ مندر کی تباہی کے بعد پنڈت بھیرو کے دوسرے بنگلے میں بھی کئی روز تک ہم ساتھ رہے تھے لیکن رتنا ہمارے ساتھ تھی اور سحرا کے بارے میں خواہش ہونے کے باوجود میں پیاسا ہی رہا تھا اور پھر میں رتنا کو لے کر ماؤنٹ آبو سے نکل گیا۔

چند روز پہلے محض اتفاق سے کوٹ پتی میں سحرا سے ملاقات ہوئی۔ روپ بہاری والے بنگلے میں رہائش کے دوران ایک روز مجھے سحرا کے ساتھ دوسرے بنگلے میں جانے کا موقع ملا تو وہاں میری وہ خواہش بھی پوری ہوئی لیکن میری پیاس نہیں بجھی تھی۔ رتنا کی وجہ سے میں سحرا پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا تھا اب رتنا ہمارے درمیان نہیں تھی لیکن اس کی یاد نے میرے ذہن پر سوگواری سی طاری کر رکھی تھی۔ اس لئے بھی میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے سحرا کو بھی کوئی بات کرنے کا موقع ملتا۔

باتیں کرتے ہوئے کئی مرتبہ میری اور سحرا کی نظریں چار ہوئی تھیں۔ میں اس کی نظروں کا پیغام

پڑھ سکتا تھا لیکن جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرتا رہا۔ سحرا بھی شاید میرے موڈ کو سمجھ گئی تھی اس نے اشارے بازی ترک کر دی۔

ہم ایک دوسرے کے قریب لیٹے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور پھر سحرا کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ بھاگ دوڑ کرتے ہوئے بری طرح تھک گئی تھی اور اب نیند اس پر غالب آ رہی تھی۔ میں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی اور اب تک کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد سوچنے لگا کہ ہم اس جہنم سے کس طرح نکل سکیں گے۔ میں نے اگرچہ سحرا کو تسلی دے دی تھی کہ اس طرف کسی کے آنے کا خطرہ نہیں ہے لیکن اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر پولیس کو شبہ ہو گیا کہ ہم پہاڑیوں کی دوسری طرف جانے کے بجائے کھیتوں میں واپس آ گئے ہیں تو اس طرف بھی ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ کھیتوں میں ہمیں تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم کب تک بھوکے پیاسے یہاں چھپے رہ سکتے تھے۔

میرے اندازے کے مطابق ابھی دن کے گیارہ بجے تھے پورا دن باقی تھا۔ دن کی روشنی میں ہم کھیتوں سے نہیں نکل سکتے تھے ممکن ہے یہ رات بھی ہمیں کھیتوں ہی میں گزارنی پڑے اور اگر یہاں سے نکلتے ہی پولیس سے آمنا سامنا ہو گیا تو ہم کیا کر سکیں گے۔ ہمارے پاس اب صرف ایک پستول رہ گیا تھا جس میں دو تین گولیاں بچی تھیں۔ دوسرا پستول رتنا کے پاس تھا جو اس کی لاش کے قریب ہی پڑا رہ گیا تھا۔

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے الجھنیں کچھ اور گہری ہونے لگیں۔ میں نے تمام خیالات ذہن سے نکال دیئے اور خالی الذہنی کی کیفیت میں آنکھیں بند کر لیں۔

پچھلی رات بھی میں نے جاگ کر گزاری تھی۔ صبح سات بجے کے قریب ہم روپ سہائے کی حویلی سے نکلے تھے اور اس کے بعد کی بھاگ دوڑ نے مجھے بھی بری طرح تھکا دیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی نیند نے حملہ کر دیا۔ میں نے آنکھیں کھولے رکھنے کی کوشش کی مگر نیند مجھے پچھاڑنے پر تلی ہوئی تھی اور آخرکار ایک طویل جدوجہد کے بعد میرے اعصاب جواب دے گئے اور میں نیند سے شکست کھا گیا۔

میں پتا نہیں کتنی دیر سویا تھا کہ سینے پر بوجھ محسوس کر کے میری آنکھ کھل گئی۔ سحرا میرے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب تھا اور اس کے گرم گرم سانس میرے گالوں سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں اور تب اس وحشت ناک حقیقت کا انکشاف ہوا کہ سحرا کے جسم پر لباس نامی کوئی چیز نہیں تھی۔

آسمان پر اس وقت بھی گہرے بادل تھے اور درختوں کے اس جھنڈ پر نیم تاریک اندھیرا تھا۔ میں سحرا کی اس جرأت پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ دن کا وقت تھا اور ہم اس وقت ایسی جگہ پر چھپے تھے جہاں کسی بھی وقت کوئی کاشتکار آ سکتا تھا۔ کہاں تو سحرا اس قدر خوف زدہ تھی اور کہاں وہ اس قدر بے باک ہو گئی تھی کہ ہر خوف کو ذہن سے نکال کر شیطانی خواہش کی تکمیل میں جت گئی تھی۔

اور پھر میں نے بھی سارے خوف ذہن سے نکال دیئے۔ مجھے بھی اپنا ہوش نہیں رہا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں بے سدھ پڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ایک مانوس سی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے اٹھ کر جھنڈ سے باہر دیکھا۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں گر رہی تھیں۔ وہ آواز درختوں کے پتوں پر بارش کی بوندوں کے گرنے کی تھی۔

میری آنکھوں میں تشویش لہرا گئی۔ جب سے آسمان پر بادلوں کے پرے جمنا شروع ہوئے تھے مجھے یہی اندیشہ تھا کہ اگر بارش شروع ہو گئی تو کیا ہو گا۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو سحرا بھی گھٹنے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی تشویش کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

"اب کیا ہو گا؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بکری کی طرح ممیائی۔

"میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں اور تم اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ بارش رک جائے۔" میں نے کہا۔ "اگر بارش ہلکی رہی تو ان درختوں کی گنجان شاخوں اور پتوں کی وجہ سے بچت ہو سکتی ہے۔ مزید بچاؤ کے لئے ہم یہ چٹائی اپنے اوپر ڈال لیں گے۔"

سحرا سمٹ کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر درختوں کے جھنڈ سے نکل کر ندی میں اتر گیا۔ گہرے بادلوں اور بوندا باندی کی وجہ سے موسم میں خاصی خنکی آ گئی تھی۔ میں چند غوطے لگانے کے بعد ندی سے نکل آیا اور جھنڈ میں آ کر کپڑے پہن لئے۔ سحرا بھی اس دوران اپنے کپڑے پہن چکی تھی۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے ساڑھی کو اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا تھا۔

میں دل ہی دل میں بارش تھم جانے کی دعائیں مانگتا رہا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خدا نے اپنے اس گناہ گار بندے کی دعا قبول کر لی۔ آسمان سے پانی کی بوندیں گرنا بند ہو گئیں۔ بے شک میرا اللہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ گناہ گاروں کی بھی سنتا ہے۔

آسمان پر گہرے بادلوں کی وجہ سے فضا میں اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا لیکن یہ بات ضرور کہہ سکتا تھا کہ دن کے گیارہ بجے میں نیند کی وادی میں اترا تھا اور کافی دیر سویا تھا۔ کیونکہ آنکھ کھلنے کے بعد میرے دماغ پر نیند کا خمار نہیں تھا جس کا مطلب تھا کہ کئی گھنٹے سویا تھا جس سے میری نیند پوری ہو چکی تھی اور میرے خیال میں اب شام ہونے کے قریب تھی۔

اس خیال سے ہی مجھ پر ہول سا طاری ہو رہا تھا کہ اگر رات کو کسی وقت پھر بارش شروع ہو گئی تو ہم اپنا بچاؤ کیسے کریں گے۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ ابھی دن کی روشنی باقی تھی رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے ہمیں کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کر لینی چاہئے تھی لیکن اس خیال کو میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ پناہ ہمیں کسی بستی ہی میں مل سکتی تھی اور ظاہر ہے ہم کسی بستی کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔

سحرا کافی دیر خاموش بیٹھی رہی اور جب اس نے زبان کھولی تو اسی قسم کے خدشات کا اظہار کیا۔

"فی الحال تو یہی جگہ ہمارے لئے غنیمت ہے۔" میں نے کہا۔ "کسی بستی کا رخ کرنے کے خطرات مول لینے سے بہتر ہے کہ ہم رات اسی پناہ گاہ میں گزار دیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔"

سحرا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ ہم دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی طرف تکتے رہے اور پھر اندھیرا گہرا ہوتا چلا گیا۔

"میں نے شاخوں میں پھنسے ہوئے اس ڈبے میں ماچس رکھی ہوئی دیکھی تھی۔" سحرا نے کہا۔ "لالٹین جلا دو۔ اندھیرے میں وحشت سی ہو رہی ہے۔"

"لالٹین کی روشنی یہاں ہماری موجودگی کی نشاندہی کر دے گی۔" میں نے جواب دیا۔ "اندھیرے میں ہم زیادہ محفوظ ہیں۔"

سحرا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ میں بھی خاموش بیٹھا تاریکی میں گھورتا رہا۔ تاریکی اس قدر گہری ہو گئی تھی کہ مجھے اپنے قریب بیٹھی ہوئی سحرا بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ گھور اندھیرے میں حشرات الارض کی آوازیں واقعی وحشت سی طاری کر رہی تھیں۔

کھیتوں میں کہیں کسی بھیڑیے کے رونے کی آواز سنائی دی اور سحرا اچھل کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔

"مم... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ہکلائی۔ اس کی آواز میں خوف نمایاں تھا۔

"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ آس پاس کوئی نہیں ہے۔ ہم لوگ یہاں پر محفوظ ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی اور بازو اس کی کمر پر لپیٹ دیا۔

سحرا میرے ساتھ کچھ اور جڑ گئی۔ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہو سکا اور ہم دونوں اس سیلاب میں بہتے رہے۔ رات کے تاریک لمحات دھیرے دھیرے بیتتے رہے۔ بارش اگرچہ نہیں ہوئی مگر سردی بڑھ گئی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے جسم کی حرارت جذب کر کے سردی سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہمارے اطراف میں بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ سحرا میری آغوش میں سر رکھے زیادہ تر سوتی رہی تھی۔ آنکھ کھلتی تو بھیڑیوں کی خوفناک آوازیں سن کر سہم جاتی۔

خدا خدا کر کے رات اپنے اختتام کے قریب پہنچ گئی اور پھر وہ آوازیں سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ دو آدمی تھے جو زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ زبان راجستھانی تھی۔ میں پوری توجہ سے وہ آوازیں سننے کی کوشش کرتا رہا۔ ان سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ کاشت کار تھے۔

میں نے سحرا کا سر اپنے گھٹنے سے ہٹا کر آہستگی سے تکیے پر رکھ دیا اور اٹھ کر جھنڈ سے باہر آ گیا۔ میرے سامنے مرچوں کے کھیت تھے۔ دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بائیں طرف اونچی فصلیں تھیں اور وہ آوازیں اسی طرف سے آ رہی تھیں۔ میں کھیت میں گھس گیا اور محتاط انداز میں پودوں میں چلتا رہا۔

یہ کھیت خاصا بڑا تھا۔ اس کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر میں رک گیا اور پھر میری آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ اس کھیت سے آگے مونگ پھلی کے پودے کے تین چار کھیت تھے اور ان کے پرلی طرف جھونپڑا نما ایک مکان بنا ہوا تھا جس کے سامنے دو تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں اور ان کے قریب ہی چھوٹے پہیوں والی ایک بیل گاڑی بھی کھڑی تھی لیکن کوئی بیل وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

دو آدمی کھیت میں بیٹھے چارہ کاٹ رہے تھے۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ وہ اپنی بکریوں کے لئے چارہ کاٹ رہے ہیں لیکن ان کے چارے کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ یہ چارہ منڈی لے جائیں گے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ان کا جھونپڑا ہم سے صرف ایک کھیت کے فاصلے پر تھا اور ہم رات بھر

اسی درختوں کے جھنڈ میں پڑے سردی سے ٹھٹھرتے رہے تھے۔ کل اگر ہمیں درختوں کا یہ جھنڈ نظر نہ آتا تو ہم اس مکان تک پہنچ چکے ہوتے۔

میں بھی چارہ کاٹتے ہوئے ان کاشت کاروں کو دیکھتا اور کبھی اس جھونپڑا نما مکان کی طرف دیکھنے لگتا۔ اس مکان کے آس پاس کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا۔ میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ آگے بڑھ کر ان کاشت کاروں سے رابطہ کروں یا نہیں۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر چونک گیا۔ چیخ کی یہ آواز درختوں کے جھنڈ کی طرف سے آئی تھی اور ظاہر ہے چیخنے کی وہ آواز سحرا کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

وہ دونوں کاشت کار بھی اپنا کام چھوڑ کر اس طرف دیکھنے لگے۔ اسی لمحے چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں لمبی لمبی خم کھائی ہوئی درانتیاں تھیں۔

میں نے مڑ کر جھنڈ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پودوں کو ادھر ادھر ہٹاتا ہوا تیزی سے دوڑتا رہا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے ابھر رہے تھے۔ کیا پولیس اس طرف پہنچ گئی تھی؟ لیکن پھر یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اگر پولیس والے ہوتے تو اس قدر خاموشی نہ ہوتی فائرنگ سے علاقہ گونج اٹھا ہوتا۔ ہو سکتا ہے کوئی اور آدمی اس طرف نکل آیا ہو جس نے سحرا کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔

میں کھیت سے نکل کر نیم کے درختوں کے جھنڈ کے سامنے پہنچ گیا۔ جھنڈ کے اندر سے ایسی آوازیں ابھر رہی تھیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ہلکی ہلکی کراہٹوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں جھاڑیاں پھلانگتا ہوا جھنڈ میں داخل ہو گیا اور پھر مجھے ذہنی طور پر بھی ایک زوردار جھٹکا لگا۔

وہ ایک لمبی تڑنگی عورت تھی جس نے سحرا کو دبوچ رکھا تھا۔ سحرا ویسے بھی دھان پان سی عورت تھی۔ اس عورت کے مقابلے میں تو وہ بہت کمزور لگ رہی تھی۔

اس عورت نے بھی راجستھانی لباس پہن رکھا تھا مگر دھینگا مشتی کی وجہ سے دونوں کے لباس بے ترتیب ہو رہے تھے اور وہ بے پردہ ہو رہی تھیں۔

اس عورت نے سحرا کو بالوں سے جکڑ رکھا تھا جبکہ اس کے بال بھی سحرا کی گرفت میں تھے۔ ان دونوں کی ٹانگیں بھی ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔

"اے... کون ہو تم۔ چھوڑ دو اسے۔" میں نے چیخ کر کہا اور سحرا کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

کھیتوں کی طرف سے ان دونوں کسانوں کے شور مچانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بھی کسی لمحہ یہاں پہنچنے والے تھے۔

سحرا کے بالوں پر اس عورت کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ زور زور سے جھٹکے بھی دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ ہی بولے چیخ رہی تھی۔

یہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ عورت بھی ان کسانوں ہی کی ساتھی تھی۔ میں اس پر سختی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں ان لوگوں سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے میں اس پر ہاتھ اٹھانے کی بجائے نرمی سے کام لیتے ہوئے ستترا کو اس سے الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں جھنڈ سے باہر آ گیا۔ وہ دونوں کاشت کار کھیت سے نکل کر دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں درانتیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کسی عورت کا نام لے کر چیختے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ جیسے ہی قریب پہنچے میں سامنے آ گیا اور پستول والا ہاتھ ان کی طرف اٹھا دیا۔ وہ دونوں ایک جھٹکے سے رک گئے۔ ان کے چہروں پر وحشت سی ابھر آئی تھی۔

"دیکھو" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ یقیناً تمہاری عورت ہے وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے میری بچی کو مار رہی ہے۔ اسے چھڑاؤ..... ہم بعد میں بات کریں گے۔"

"تم کون ہو بھایا" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم پردیسی ہیں۔ دوست سمجھو ہمیں" میں نے کہا۔ "لیکن اگر دشمنی کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔"

وہ دونوں چند لمحے میری طرف دیکھتے رہے پھر ان میں سے ایک دوڑتا ہوا جھنڈ میں گھس گیا اور ستترا کو اس عورت کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی چیختی ہوئی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لتا کا نام لے لے کر کچھ چیخ رہا تھا۔ مجھے پتا چل گیا کہ اس عورت کا نام لتا تھا۔

میں جھنڈ میں داخل ہوا تو ستترا کو اس عورت سے نجات مل چکی تھی۔ وہ بے حد خوف زدہ تھی۔ دھینگا مشتی میں اس کا بلاؤز بھی پھٹ گیا تھا۔ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ دوسرے آدمی نے لتا کو سنبھال لیا۔ وہ اب بھی چیخ رہی تھی۔ اس کا مرد اسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کر سکا تھا اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ لتا گھومتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔ اس نے جھنڈ میں ایک عورت کو سوتے ہوئے دیکھا تو اسے کندھے سے پکڑ کر جگانے لگی۔ ستترا گڑبڑا کر اٹھ گئی۔ وہ نہ جانے کیا سمجھی اس نے لتا کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا اور پھر لتا نے بھی اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ اس طرح ان دونوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

"تم کون ہو بھایا..... کہاں سے آئے ہو اور اس جگہ کیسے پہنچ گئے" لتا کے پتی سنگرام نے پوچھا۔

"ہم پردیسی ہیں، کھٹمنڈو سے کوٹ کھلی کی طرف جا رہے تھے۔ بھول کر کے راستے پر نکل آئے مگر ہمیں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ ہم بڑی مشکل سے جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ رات کو ہم یہاں پہنچ گئے۔ رات ہم سردی میں ٹھٹھرتے رہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "یقین کرو ہم اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے دوست ہیں۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم تمہیں معقول معاوضہ دیں گے۔"

وہ لوگ ہمیں اپنے مکان میں لے آئے۔ ستترا سے دھینگا مشتی میں لتا کے کپڑے بھی پھٹ گئے تھے اس کا زرا جستی تو لباس ویسے بھی مختصر تھا۔ کپڑے پھٹ جانے سے اس کا بدن کچھ اور نمایاں ہو گیا۔ میں

راستے چلتے ہوئے کن انکھیوں سے بار بار اس کی طرف دیکھتا رہا۔

لتا کی عمر پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت، گداز جسم اور رنگت اگرچہ کسی قدر سانولی تھی لیکن چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔

مکان پر پہنچ کر لتا نے اپنے کپڑوں کا ایک جوڑا ستترا کو بھی دے دیا تھا۔ یہ کپڑے ستترا کے جسم پر اگرچہ خاصے ڈھیلے تھے لیکن پھٹے ہوئے بلاؤز اور ساڑھی سے تو نجات مل گئی تھی۔

انہوں نے سب سے پہلے ہمیں کھانا کھلوایا اور پھر بکری کے دودھ کی چائے بنا کر دی۔ میں مختلف طریقوں سے اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور یہ بات میرے لئے اطمینان بخش ثابت ہوئی کہ وہ لوگ گزشتہ روز پولیس کی کارروائی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ دراصل وہ جگہ یہاں سے بہت دور تھی۔ گزشتہ روز انہوں نے فائرنگ کی ہلکی سی آوازیں تو سنی تھیں لیکن انہیں اس سلسلے میں زیادہ تجسس نہیں تھا کیونکہ اس علاقے میں ڈاکو وارداتیں کرتے رہتے تھے۔

وہاں قریب میں کوئی بستی بھی نہیں تھی اور یہ بات میرے لئے امید افزا تھی کہ یہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔

سنگرام اور دیپ دونوں بھائی تھے۔ لتا سنگرام کی پتنی تھی۔ یہ زمین انہوں نے ٹھیکے پر لے رکھی تھی اور ان کی رہائش بھی اسی مکان میں تھی۔ سنگرام مویشیوں کا ریوڑ ہانک کر گتھن کی منڈی میں لے جانے والا تھا۔

انہوں نے میری کہانی پر یقین کر لیا تھا۔ لتا اور ستترا میں بھی دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ نوٹ سنگرام کے ہاتھ میں تھما دیئے تھے اور وہ خوش ہو گیا تھا اور پھر وہ دونوں بھائی ہماری تجویز پر عمل کرنے کو بھی تیار ہو گئے۔

میری تجویز کے مطابق بیل گاڑی میں لکڑیاں چھپا کر اتنی جگہ بنائی گئی کہ میں اور ستترا آرام سے اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ اس کے اوپر اور چاروں طرف چارے کے گٹھے رکھ دیئے جاتے تو ہم مکمل طور پر چھپ جاتے۔

سنگرام سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی چارہ لے کر روانہ ہو جایا کرتا تھا۔ آج ہماری وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔ ہم جب روانہ ہوئے تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ہم چارے کے گٹھوں کے نیچے اطمینان سے بیٹھے رہے اور بیل گاڑی چلتی رہی۔ گاڑی میں اگرچہ ایک ہی بیل جتا ہوا تھا مگر اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

پکی سڑک وہاں سے تقریباً ایک میل دور تھی اور کھٹمنڈو تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر۔ پکی سڑک پر پہنچتے ہی بیل گاڑی کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔

پکی سڑک پر بیل گاڑی کو دو تین مرتبہ روکا گیا تھا۔ پولیس جگہ جگہ چیک کر رہی تھی۔ میں نے سنگرام کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا چیکنگ کے وقت ہم چارے کے گٹھوں کے اندر سے پولیس والوں کو دیکھ تو نہیں سکتے تھے البتہ ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سنگرام بہت ہوشیاری سے معاملے کو سنبھالے ہوئے تھا۔

تقریباً دو گھنٹوں بعد بیل گاڑی رک گئی۔ اس مرتبہ سنگرام کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں نے بیل گاڑی گھاس منڈی کے ایک کونے میں روک لی ہے میں اوپر سے گٹھے اٹھا رہا ہوں۔ آس پاس کوئی نہیں ہے۔ تم لوگ جلدی سے باہر نکل آنا۔"

اور پھر اوپر والے گٹھے اٹھائے جانے لگے۔ وہ گھٹن اس طرح بند رہنے سے سانس گھٹنے لگی تھی۔ گرمی سے ہم دونوں کے جسم پسینے سے تر ہو رہے تھے۔ تازہ ہوا لگتے ہی ہم گہرے گہرے سانس لینے لگے اور پھر سنگرام کا اشارہ پاتے ہی ہم بیل گاڑی کے پچھلی طرف نیچے اتر گئے۔ میں نے چند نوٹ سنگرام کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

اسی وقت دو آدمی اس طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ بیوپاری تھے مگر ہم وہاں نہیں رکے۔ میں نے سنگرام کا شکریہ ادا کیا اور صحرا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ میرے دوسرے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔

گھاس منڈی سے نکل کر ہم ایک تنگ سے بازار میں آ گئے۔ دھوپ اور بارش وغیرہ سے بچنے کے لئے پورے بازار پر ٹین اور ترپال کے سائبان تنے ہوئے تھے۔ دکانداروں نے اپنا سامان سڑک تک پھیلا رکھا تھا جس سے راستہ مزید تنگ ہو گیا تھا۔ پیدل چلنے والے ہی بڑی مشکل سے اپنا راستہ بنا رہے تھے۔ ستم یہ کہ گدھا گاڑیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

جیسلمیر کا یہ بازار دیکھ کر مجھے لاہور کا اکبری منڈی والا بازار یاد آ گیا۔ وہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہوا کرتی تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف لوگوں کا اور ان کے لباس کا۔ یہ سب راجستھانی تھے۔ عورتوں نے زیادہ تر لہنگے اور چولیاں پہن رکھی تھیں اور مرد اپنے روایتی لباس میں تھے۔ سروں پر رنگ برنگی پگڑیاں کچھ عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔

یہ اناج کا بازار تھا۔ ہر دکان کے سامنے اجناس کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گاہکوں کی بھرمار تھی اور سودوں کا لین دین ہو رہا تھا۔

اس طویل اناج بازار سے نکل کر ہم ایک اور قدرے کھلے بازار میں آ گئے۔ یہاں مٹھائی کی دکانیں تھیں۔ مارواڑی قسم کے ہوٹل بھی تھے۔ اکا دکا قدرے بہتر ریسٹورنٹس بھی نظر آ۔

اس بازار میں زیادہ تر جنرل اسٹور تھے اور گاہکوں کی نوعیت بھی مختلف تھی۔ یوں تو ہم نے بہت سی عورتوں کو ساڑھیاں پہنے ہوئے دیکھا لیکن کچھ ایسی عورتیں بھی نظر آ گئیں جنہیں واقعی ساڑھی پہننے کا سلیقہ آتا تھا۔

صحرا کے جسم پر راجستھانی لباس تھا۔ لہنگے اور ڈھیلی ڈھالی چولی میں وہ اگرچہ راجستھانی ہی لگتی تھی مگر اس کی گوری چٹی رنگت اس کی قومیت کے بارے میں چغلی کھا رہی تھی۔ میں نے جینز کی پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ میں سوٹ کیس بھی تھا جو مجھے اس شہر میں اجنبی ثابت کر رہا تھا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ یونہی آوارہ مویشیوں کی طرح گھومتے رہنا بھی خطرناک تھا۔ ہمیں روپ سبھاگ کی حویلی سے فرار ہوئے اگرچہ دو دن ہو چکے تھے مگر ہماری تلاش اب بھی جاری ہوگی۔ ہم کوئی معمولی مجرم تو تھے نہیں۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

اپنے ساتھ چلتی ہوئی صحرا کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ ہم نے صبح چھ بجے کے قریب ناشتہ کیا تھا۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

سامنے ہی ایک تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ تھا جہاں گاہکوں میں تین چار عورتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے تھڑے پر پوریاں اور کچوریاں وغیرہ بھی تلی جا رہی تھیں۔ میں صحرا کو اشارہ کرتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو کر کونے کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔

ہماری ساتھ والی میز پر دو عورتیں اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ راجستھانی لباس میں تھے اور صاف لگتا تھا کہ کسی قریبی دیہی بستی سے آئے ہوئے تھے۔ مرد کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ گول داڑھی اور مونچھیں اوپر سے اندر کی طرف بھیجے کی طرح مڑی ہوئی تھیں۔ ایک عورت کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی جبکہ دوسری پچیس چھبیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ وہ بھرے بھرے جسم کی مالک اور بے حد حسین تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ بڑھیا اور بوڑھا میاں بیوی تھے اور وہ لڑکی ان کی بیٹی تھی۔

میں نے ہوٹل کے ملازم لڑکے کو بلا کر پوریاں اور کچوریاں لانے کا آرڈر دے دیا۔

چند منٹ بعد ہی ہماری مطلوبہ چیزیں ہماری میز پر موجود تھیں۔ اس کے ساتھ آلو چنے کی ترکاری اور اچار بھی تھا۔ گرم گرم کچوریاں اور پوریاں اس وقت واقعی مزہ دے گئیں اور اس کے بعد چائے نے تو لطف اور بھی دوبالا ہو گیا۔

لڑکا برتن اٹھانے کے لئے آیا تو میں نے اسے روک لیا۔

"لاری اڈہ کس طرف ہے۔" میں نے پوچھا۔

"لوٹ پٹی جانا ہے تو اس بازار سے نکل کر الٹے ہاتھ چلے جاؤ اور اگر جھنجھنو جانا چاہتے ہو تو اس بازار میں پیچھے کی طرف جا کر شاہی بازار کی طرف مڑ جاؤ۔ اس کے اختتام پر سیدھے ہاتھ مڑ جانا۔ سیدھے لاری اڈے پہنچ جاؤ گے۔"

میں نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور ہم خود بھی اٹھ گئے۔ ہوٹل سے نکل کر ہم بازار میں اس طرف چل دیئے جس طرف سے آئے تھے اور پھر شاہی بازار تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

یہ بازار دراصل ایک تنگ سی رہائشی گلی تھی۔ پرانی طرز کے دو منزلہ مکان تھے جن کے نچلے حصوں میں دکانیں بنا دی گئی تھیں۔ دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں۔

بازار میں خوب بھیڑ تھی۔ لگتا تھا شہر کی ساری آبادی یہیں چلی آئی ہو۔ گاہکوں میں نوے فیصد تعداد عورتوں کی تھی۔ تنگ سی گلی شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی۔

اسے شعبہ جاتی بازار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ایک حصہ کپڑے کی دکانوں پر مشتمل تھا دوسرا کاسمیٹکس، تیسرا ریڈی میڈ گارمنٹس پر، ایک حصہ چوڑیوں کی دکانوں پر مشتمل تھا۔ گویا ہر شعبہ الگ الگ تھا اور ہر جگہ بے پناہ رش تھا۔

میں چوڑیوں کی ایک دکان کے سامنے رک گیا۔ یہاں شیشے کے علاوہ پلاسٹک کی چوڑی چوڑی چوڑیاں بھی تھیں۔ میں نے بہت سی عورتوں کو اس قسم کی چوڑیاں بازو بھر کر پہنے دیکھا تھا۔ اس دکان پر بھی اگرچہ رش تھا مگر دکان کا ایک ملازم فوراً ہی ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

میں نے سحرا کے لئے پلاسٹک کی کالی اور سفید چوڑیاں پسند کیں اور پھر میں چوڑیاں پہناتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

چوڑی کا ایک لمبا گچھا سا تھا جو وہ آدمی سحرا کے بازو پر لپیٹتا چلا گیا۔ دونوں بانہوں میں کلائیوں سے کندھوں تک اس قسم کی چوڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ ان میں سفید بھی تھیں اور کالی بھی۔

شیطان کی آنت کی طرح اس طویل بازار کے اختتام پر کچھ دکانیں ایسی بھی تھیں جہاں مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں سجی ہوئی تھیں لیکن ان دکانوں پر کوئی گاہک نظر نہیں آیا۔ دنیا کے ہر خطے میں مذہب کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ بھگوان اور خدا مصیبت پڑنے پر ہی یاد آتے ہیں۔ زندگی میں سکون اور خوشحالی ہو تو کوئی بھولے سے بھی بھگوان اور خدا کو یاد نہیں کرتا۔

میں نے ایک دکان سے ریڈی میڈ پگڑی خرید کر سر پر جمالی۔ سندھی اجرک سے ملتی جلتی ایک چادر بھی خریدی۔ سوٹ کیس کو اس میں لپیٹا اور دونوں پلو پکڑ کر سوٹ کیس کو اپنی پشت پر لٹکا لیا۔ میں نے کئی لوگوں کو اس طرح سامان اٹھائے دیکھا تھا۔

شاہی بازار کے اختتام پر ہم سیدھے ہاتھ کی طرف مڑ گئے۔ دوسرا بازار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ لاری اڈہ اس بازار کے اختتام پر ہی تھا۔ ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں چند بسیں بے ترتیبی سے کھڑی تھیں۔

ہاکر چیخ چیخ کر آوازیں لگاتے ہوئے مسافروں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ایک مرتبہ ترنا نے مجھے بتایا تھا کہ ہم اگر ہنومان گڑھ یا گنگا نگر پہنچ جائیں تو وہاں سے نہایت آسانی سے پنجاب پہنچا جا سکتا ہے۔

بس کا وہ ہاکر ہمیں کھینچ کر جودھپوری بس کی طرف لے جانا چاہتا تھا جبکہ میں نے ہنومان گڑھ کی بس بھی دیکھ لی تھی۔ میں ہاکر سے ہاتھ چھڑا کر اس طرف چل پڑا۔

میں نے ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھے ہوئے کلرک سے ہنومان گڑھ کے ٹکٹ خریدے اور بس کی طرف آ گیا۔

بس میں اگرچہ چند سیٹیں خالی تھیں مگر ایسی کوئی سیٹ نظر نہیں آئی جس پر ہم دونوں بیٹھ سکتے۔ سحرا ایک عورت کے ساتھ بیٹھ گئی اور میں دو سیٹ پیچھے ایک بوڑھے کے ساتھ۔ کنڈیکٹر نے میرا سوٹ کیس لے کر بس کی چھت پر رکھ دیا تھا۔

مسافر آہستہ آہستہ بس میں بھر رہے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھا ہوا بوڑھا باتوں کے موڈ میں تھا مگر میں نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جھنجھوڑ دیا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ پولیس والا تھا۔ بھاری بھرکم، طویل قامت اس کی بیلٹ میں ریوالور ٹھسا ہوا تھا۔ ہاتھ میں تقریباً تین فٹ لمبی چھڑی تھی۔

اس کے چہرے کے نقوش بڑے خوفناک تھے۔ موٹی موٹی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں نے اس کے چہرے کو کچھ اور بھی خوفناک بنا دیا تھا۔

"اوئے...... اٹھ کر کھڑا ہو۔ کہاں جا رہا ہے۔" اس پولیس والے کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح خوفناک تھی۔

"ہنومان گڑھ جا رہا ہوں حکم۔ ہنومان مندر کی یاترا کے لئے۔" میں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

"تیرے کو کہا ہے اٹھ کر کھڑا ہو۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس وقت اس کی بیلٹ میں اڑسے ہوئے ریوالور کا دستہ میرے چہرے کے عین سامنے تھا۔ میرا دل چاہا کہ ریوالور کھینچ کر اس کی ساری گولیاں اس کی توند میں اتار دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سی خواہشیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے اختیار میں ہوتی ہیں لیکن ہم چاہنے کے باوجود انہیں پورا نہیں کر سکتے۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اس وقت میں نے پستول اپنی کمر پر پتلون کی بیلٹ میں اڑس رکھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میری تلاشی لینا چاہتا ہے۔ اگر اس کا ہاتھ میرے پستول کو چھو گیا تو میں چوہے کی موت مارا جاؤں گا۔ بس کے باہر دروازے کے سامنے بھی میں ایک پولیس والے کو کھڑا دیکھ چکا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ اس سے گتھم گتھا ہو جاؤں اور مرنے سے پہلے اسے مار ڈالوں۔

اس نے میرے پہلو تھپتھپانے پھر پتلون کی جیبوں پر ہاتھ مارا اور جھک کر پنڈلیوں تک تھپتھپانے لگا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ اکیلا ہوں حکم۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" سپاہی نے پوچھا۔

"یہیں کا حکم۔ رام گلی میں مکان ہے اپنا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ہم نے جس ہوٹل میں بیٹھ کر پوریاں کچوریاں کھائی تھیں اس گلی کے موڑ پر رام گلی کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اطمینان سے یہ نام لے دیا تھا۔

"کام کیا کرتے ہو؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔

"رام گلی کے نکڑ پر ایک چھوٹا سا ڈھابا ہے حکم۔" میں نے جواب دیا۔

وہ چند لمحے سر تا پا مجھے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ اس نے بس کے بوڑھے مسافروں سے کوئی بات نہیں کی تھی البتہ مجھ جیسے جوان آدمیوں سے الٹے سیدھے سوال کرتا رہا۔ اس نے سحرا سے بھی تعرض کیا۔ یہ سوال اس نے سحرا سے بھی کیا تھا کہ اس کے ساتھ اور کون ہے۔ سحرا نے پہلے میری باتیں سن لی تھیں۔ اس لئے اس نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ اکیلی ہے۔

بس کا ڈرائیور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ چکا تھا اس نے انجن اسٹارٹ کر دیا اور پولیس والے کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔ کنڈیکٹر بھی بس میں آ چکا تھا۔

"ذرا جلدی کرو حکم۔ ہمارا ٹائم ہو گیا ہے۔" کنڈیکٹر نے پولیس والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پولیس والے نے مسافروں پر ایک آخری نظر ڈالی اور نیچے اتر گیا۔ کنڈیکٹر نے سیٹی بجادی اور بس حرکت میں آ گئی۔

بس اڈے سے نکل کر مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی جیسے ہی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچی پولیس کی ایک پارٹی نے بس کو روک لیا۔ وہ چار پولیس والے تھے جن میں ایک سب انسپکٹر تھا۔ وہ بس میں گھس آیا۔ وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا مسافروں کو گھورتا رہا پھر اندر آ گیا۔ ایک دو مسافروں سے سوال جواب کئے۔ مجھ سے بھی دو تین الٹے سیدھے سوال کئے اور پھر سب سے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک جوان آدمی کو پکڑ کر نیچے لے گیا۔ وہ چیختا چلاتا رہا مگر سب انسپکٹر نے اسے بس سے اتار لیا اور ڈرائیور کو بس لے جانے کا اشارہ کیا۔

بھکھو جانے والے ہائی وے پر آ کر بس تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔

میں نے اپنا سر اگلی سیٹ کی پشت سے لگا لیا اور آس پاس کی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی باتیں سننے لگا۔ سب لوگ اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ موضوع وہی آتنک وادی تھا جس نے تباہی پھیلا رکھی تھی۔

"ایک تاری تو پرسوں ماری گئی۔" ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ "ایک بندہ اور ایک تاری بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس انہی دونوں کی تلاش کر رہی ہے۔"

"سنا ہے تو وہ آتنک وادی پر بڑا بھاری وار۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "پولیس کے گھیرے کو توڑ کر بھاگ گیا ہے۔ پر ابھی تک پکڑائی نہ دیا۔"

"کب تک بھاگتا رہے گا۔" تیسرے آدمی کی آواز سنائی دی۔

"پولیس تو پولیس ہی ہووے ہے۔ پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گی اسے۔ ایک تو آخر ماری گئی نا۔ وہ بھی مارے جاویں گے۔"

میں سیٹ کی پشت گاہ سے سر لگائے ان کی باتیں سنتا رہا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ہماری تلاش زوروں پر تھی اور راستے میں بھی بس کو چیک کیا جائے گا۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ بھکھو پہنچنے تک کم سے کم دو جگہوں پر بس کو روکا گیا اور ہم ان مرحلوں سے بھی خیریت سے گزر گئے۔ میں اور سحر ایک دوسرے سے لاتعلق بنے بیٹھے رہے۔

یہ بس ہنومان گڑھ کی تھی اس لئے بھکھو شہر کے اندرونی اڈے کی طرف جانے کے بجائے شہر کے باہر والے اڈے پر چند منٹ کے لئے رکی اور پھر آگے روانہ ہو گئی۔

بھکھو سے چھورو تک چھتیس پالیس میل کا فاصلہ بھی خیریت سے طے ہو گیا اور پھر ہم وہاں سے مزید ساٹھ میل آگے سردار شہر پہنچ گئے۔

یہ اس علاقے کا سب سے بڑا قصبہ تھا لیکن بس یہاں بھی باہر والے اڈے پر ہی رکی تھی۔ یہاں بہت سے مسافر اتر گئے تھے مگر ان کی جگہ نئے مسافر آ گئے تھے۔

ہم نے اس بس پر بارہ بجے کے قریب اپنا سفر شروع کیا تھا اور اس وقت چار بجنے والے تھے۔ بس کے دونوں طرف ہاکر کھانے پینے کی مختلف چیزیں بیچ رہے تھے۔ سحر نے ایک ہاکر سے روٹی اور

پکوڑے لے لئے تھے اور میری طرف دیکھے بغیر کھائے جا رہی تھی۔

ہم دونوں ابھی تک الگ الگ سیٹوں پر ہی تھے اور یہ بات ہمارے حق میں مفید ثابت ہوئی تھی۔ جہاں بھی چیکنگ ہوئی تھی پولیس والوں نے ہر مسافر سے یہ ضرور پوچھا تھا کہ اس کے ساتھ دوسرا کون ہے۔ اگر ہم دونوں ساتھ بیٹھے ہوتے تو کوئی گڑبڑ ہو سکتی تھی لیکن ہماری لاتعلقی کام آ گئی تھی۔

سردار شہر سے ہنومان گڑھ تک کوئی بڑا قصبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر علاقہ ریگستان پر مشتمل تھا۔ کہیں کہیں جہاں پانی اور کچھ سبزہ تھا وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔

میں ایک بار پھر آگے والی سیٹ سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو اپنے ساتھ ایک زیادہ قامت کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ راستے میں کسی بستی میں بس رکی تھی۔ میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا مسافر اتر گیا تھا اور اس کی جگہ یہ قیامت میرے پہلو میں آن بیٹھی تھی۔

وہ واقعی قیامت تھی۔ عمر بائیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ لانبا قد، گداز بدن اور گوری چٹی رنگت، اس کے قد و قامت اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ اس کے لباس نے تو اسے کچھ اور بھی ہنگامہ پرور بنا دیا تھا۔ چولی اور گھیرے کا لہنگا پہن رکھا تھا اور چولی تو بہت مختصر تھی۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ سیٹ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ وہ بالکل کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں کھڑکی کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ سرک کر بالکل دیوار کے ساتھ ہو گیا۔ وہ بھی سرک کر میرے ساتھ جڑ گئی۔ اس کے گداز بدن کے پرحرارت لمس سے میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ وہ میری طرف دیکھ کر ایک بار پھر مسکرا دی۔

"کہاں جا رہے ہو مہاشے؟" اس نے پوچھا۔

"ہنومان گڑھ۔" میں نے جواب دیا۔

"اکیلے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"یہی سمجھ لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اکیلی ہوں۔ گنگا نگر جا رہی ہوں۔ اگر کہو تو ہنومان گڑھ میں ایک رات رک سکتی ہوں۔" اس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہنومان گڑھ میرے لئے اجنبی ہے۔ وہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم حامی بھر لو۔ ٹھکانے بہت۔" اس نے کہا۔ "ویسے میرا نام کستوری ہے۔ میں رقاصہ ہوں۔ یہاں اپنے ماں باپ کے پاس آئی ہوئی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔"

"کوٹھے پر بیٹھتی ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ لعنت بھیجتی ہوں کوٹھے والیوں پر۔" اس نے کہا۔ "میں تو گنگا نگر کے ایک کلب میں ڈانس کرتی ہوں۔"

مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کوٹھے پر بیٹھتی تھی یا شوقیہ طور پر رقص کے پیچھے کو اپنائے ہوئے تھی۔ میں تو صرف اتنا سمجھ رہا تھا کہ وہ میری وجاہت اور میری جوانی پر مر مٹی تھی۔ اس نے پیش قدمی

میرے ساتھ رات گزارنے کی پیشکش کر دی تھی۔ وہ بدکردار سہی لیکن ہمیں اس جیسی کسی عورت یا کسی بھی مرد کی ضرورت تھی جو ہنومان گڑھ میں ہمیں رات گزارنے کا ٹھکانہ فراہم کر سکے۔ کیونکہ یہ بس شام کے لگ بھگ ہنومان گڑھ پہنچنے والی تھی اور شام کے بعد گنگا نگر کی طرف وہاں سے کوئی بس نہیں جاتی تھی۔ اس بس میں کم از کم چار مسافر ایسے تھے جنہیں گنگا نگر جانا تھا اور وہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ ہنومان گڑھ میں رات کہاں گزاری جائے گی۔

بس شام کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر بعد شہر کے نواح میں داخل ہو گئی۔ عمارتوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ پنجاب کی سرحد سے چند میل دور یہ راجستھان کا بہت بڑا نہیں تو درمیانے درجے کا شہر تھا۔

لاری اڈہ ریلوے سٹیشن کے قریب ہی تھا۔ خوب گہما گہمی تھی۔ میں نے بس سے اتر کر اپنا سوٹ کیس اتروایا جو چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ چادر کے کنارے پکڑ کر میں نے سوٹ کیس پہلے کی طرح پشت پر لاد لیا۔ کستوری کے پاس ایک شولڈر بیگ تھا جو اس نے کندھے پر لٹکا لیا تھا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے سمترا کو اشارہ کر دیا وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

لاری اڈے سے نکل کر کستوری ایک گھوڑا گاڑی پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ پچھلی سیٹ پر پہلے ہی سے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ سمترا بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

گھوڑا گاڑی شہر کی مختلف بارونق سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک پکی آبادی کے سامنے رک گئی۔ میں اور کستوری نیچے اتر آئے جبکہ سمترا نے بھی ہماری تقلید کی تھی۔ اس نے گاڑی بان سے پوچھ کر کرایہ اپنے پلے سے دیا تھا۔

بستی کے ساتھ ایک مندر بھی تھا جس کے گیٹ پر بتیاں جل رہی تھیں۔ کستوری اس مندر کے ساتھ ایک کشادہ گلی میں مڑ گئی اور تقریباً بیس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مندر کے پچھواڑے ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ میں نے اس گلی میں مڑتے ہوئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سمترا بھی اسی طرف آ رہی تھی۔

گلی میں تاریکی تھی۔ ایک مرتبہ مجھے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور میں گرتے گرتے بچا۔ چند گز آگے جا کر کستوری ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ اس نے بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ٹٹول کر دروازے پر لگا ہوا تالا کھولنے لگی۔

دروازہ کھول کر وہ پہلے اندر داخل ہوئی۔ اس دوران سمترا بھی قریب پہنچ چکی تھی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے کھٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ کستوری بتی جلا کر جیسے ہی مڑی میرے قریب سمترا کو دیکھ کر اچھل پڑی۔

"یہ کون ہو تم۔ اندر کیوں آ گئی ہو۔" اس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہ میری دوست ہے اور تمہاری طرح ایک ماہر فن رقاصہ ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اکیلے ہو۔" اس نے مجھے گھورا۔

"اس وقت تو میں اکیلا ہی تھا۔ یہ اتفاق سے دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بس سے اتر کر ہمارے پیچھے پیچھے آ گئی ہے تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بیچاری بڑی معصوم اور مظلوم ہے بالکل مداخلت نہیں کرے گی۔ اسے گونگی اور بہری سمجھ لو۔" میں نے کہا۔

"کیا تم جانتے ہو اسے؟" اس نے ایک بار پھر مجھے گھورا۔

"میں نے کہا نا کہ میری دوست ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "بس میں ہمیں الگ الگ سیٹوں پر جگہ ملی تھی پھر جانے کب تم میرے ساتھ والی سیٹ پر آ گئیں۔ دراصل ہمیں بھی گنگا نگر ہی جانا ہے۔ رات یہاں گزارنی تھی مگر ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ میں نے تمہاری پیشکش قبول کر لی اور ہم تمہارے ساتھ چلے آئے۔ یہ لڑکی بالکل بے ضرر ہے۔ تم جس مقصد کے لئے مجھے یہاں لائی ہو یہ اس میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ ویسے بھی اس مکان کے شاید دو یا تین کمرے ہیں۔ یہ ایک کمرے میں پڑی رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" کستوری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ "تم رات اس کمرے میں رہو گی۔ تھوڑی دیر میں، میں بازار سے بھوجن وغیرہ لے آؤں گی تو تمہیں بھی کھلا دوں گی۔ آرام سے رات بھر پڑی رہنا وہاں۔"

ہم ایک اور کمرے میں آ گئے۔ یہ صاف ستھرا کمرہ تھا۔ پلنگ پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اور دو کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ آتش دان کے کارنس پر آرائش کی چند اور چیزوں کے علاوہ ہنومان کی پیتل کی ایک مورتی بھی رکھی ہوئی تھی۔

"بیٹھو۔ میں شنکر کو بلاتی ہوں تاکہ وہ ہمارے لئے کھانا وغیرہ لے آئے۔" کستوری نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور مکان سے باہر چلی گئی۔

اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ میرے سامنے بڑی بے حجابی سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ میری نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔

کستوری بتا رہی تھی کہ وہ ایک کاشتکار کی بیٹی ہے۔ اسے بچپن ہی سے ناچ گانے کا شوق تھا۔ ذرا بڑی ہوئی تو اس نے ہنومان گڑھ ہی کے ایک گرو سے رقص اور موسیقی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے سب سے پہلے یہیں کے ہنومان مندر میں اپنے رقص کا مظاہرہ کیا۔ کچھ عرصہ تک وہ مندر میں ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی رہی پھر اپنے غریب ماں باپ کی مالی امداد کرنے کے لئے ایک مقامی ہوٹل میں ڈانس پروگرام کرنے لگی۔ مگر مندر کا پجاری گلاب سنگھ اسے دوبارہ مندر میں لے آیا۔

گلاب سنگھ کئی روز تک اسے پامال کرتا رہا۔ اس کے کومل اور حسین بدن کو اپنے بھدے اور گندے جسم تلے روندتا رہا۔ اس دوران وہ تہہ خانے ہی میں قید رہی تھی۔ گلاب سنگھ پوجا کے وقت مندر میں جاتا اور واپس آ کر شراب کے نشے میں دھت ہو کر اسے بھیڑیے کی طرح نوچنے اور بھنبھوڑنے لگتا۔ اس دوران کستوری نے ایک دو مرتبہ تہہ خانے سے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر ہر مرتبہ پکڑی گئی اور گلاب سنگھ نے اسے دھنک کر رکھ دیا۔

گلاب سنگھ نے کئی روز بعد اسے تہہ خانے سے باہر نکالا اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس نے اس کے

بارے میں زبان کھولی تو اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

کستوری کچھ عرصہ بے دلی سے مندر میں رقص کا مظاہرہ کرتی رہی پھر وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس نے مندروں کے پروہتوں اور پجاریوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن اسے یقین نہیں آیا تھا اور جب اپنے ساتھ وہ سب کچھ بیتی تو اسے دھرم سے نفرت ہوگئی۔

مندر سے بھاگ کر اس نے ایک ٹھاکر کے ہاں پناہ لی تھی۔ ٹھاکر بہت طاقتور تھا، گلاب سنگھ میں اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ البتہ اسے یہ خطرہ ضرور تھا کہ کستوری اس کا راز نہ کھول دے۔ اگر ایسا ہوا تو ٹھاکر اسے جیل میں ڈلوا دے گا لیکن کئی روز گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہیں ہوا تو گلاب سنگھ مطمئن ہوگیا کہ کستوری اس کے بارے میں زبان نہیں کھولے گی۔

ٹھاکر کی بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ اس نے ایک الگ تھلگ کمرہ کستوری کو بھی دے دیا۔ ٹھاکروں میں داشتا ئیں رکھنا بھی بڑی شان کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ٹھاکر کی بیوی کو بھی حویلی میں کستوری کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔

کستوری ایک سال تک ٹھاکر کی رکھیل بن کر رہی پھر آزادی حاصل کر کے گنگا نگر اپنے تاؤ کے پاس چلی گئی۔ گاؤں میں ماں باپ کے پاس اس لئے نہیں گئی تھی کہ پجاری گلاب سنگھ پریشان کرے گا جبکہ گنگا نگر میں تاؤ کے پاس اسے ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

”میرا وہ تاؤ دراصل میرے پتا جی کا چچا زاد بھائی تھا۔“

کستوری بتا رہی تھی۔ ”گنگا نگر میں اس کا اکھاڑہ تھا۔ وہ اپنے علاقے کا بڑا نامی گرامی پہلوان تھا۔ علاقے میں اس کا رعب بھی بہت تھا۔ اس لئے میں اس کے پاس آئی تھی کہ گلاب سنگھ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور تاؤ کے پاس مجھے ہر قسم کی سرکشا ملے گی۔

”تاؤ عمر میں میرے پتا جی سے چار پانچ سال بڑا تھا مگر وہ کسرت کیا کرتا تھا۔ عمر میں بھی چھوٹا لگتا تھا اور بڑا کسرتی جسم تھا اس کا۔

”تاؤ کے پاس رہتے ہوئے پجاری گلاب سنگھ یا کوئی اور تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا مگر ایک روز تاؤ نے بھنگ پیتے ہوئے مجھے دبوچ لیا۔ میں اس کی بیٹی سمان تھی لیکن اس نے میری منت سماجت اور چیخ و پکار کی کوئی پروا نہیں کی اور رات بھر میرے جسم سے کھیلتا رہا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ وہ بھنگ پیتا اور میرے خوبصورت جسم سے کھیلتا رہتا

”میں اپنے تاؤ سے تنگ آ چکی تھی اور پھر ایک روز اس نے اپنے ایک دوست کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ بلبیر سنگھ ایک ہوٹل کا مالک تھا۔ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا رہا اور پھر وہ مجھے تاؤ کے قبضے سے نکال لے گیا۔

”بلبیر سنگھ ہمدردی کی بنا پر مجھے تاؤ کے شکنجے سے نکال کر نہیں لایا تھا اس کے اپنے کچھ مقاصد تھے۔ اس نے اپنے ہوٹل میں اسٹیج تیار کروایا اور میں وہاں رقص کر کے گاہکوں کا دل بہلانے لگی۔

”بتوبان مندر کے پجاری گلاب سنگھ کو موقع مل گیا۔ اس نے ایک بار پھر مجھ پر قبضہ جمانے کی

کوشش کی۔ وہ مجھے زبردستی یہاں سے لے جانا چاہتا تھا مگر بلبیر سنگھ کے ہاتھوں مارا گیا۔ بلبیر سنگھ بھی گرفتار ہوگیا اور اسے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا ہوگئی۔

”میرا خیال تھا کہ اب مجھے ان جھمیلوں سے نجات مل گئی ہے مگر میری یہ آشا پوری نہیں ہوئی بلبیر سنگھ کا بیٹا رگھبیر سنگھ شاید بہت عرصے سے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے یہ بھی خیال نہیں آیا کہ میں اس کے پتا کے استعمال میں رہ چکی ہوں۔ وہ بے غیرت باپ کی طرح میرے جسم سے کھیلتا رہا۔

”میں سونے کی چڑیا تھی۔ رگھبیر سنگھ کی ہوس کی آگ بھی بجھاتی اور اس کے لئے کمائی کا ذریعہ بھی تھی۔ میری وجہ سے اس کا ہوٹل خوب چل رہا تھا۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے ہوٹل کو نائٹ کلب بنا لیا۔

”میں نے ایک دو مرتبہ بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوسکی اور آخر کار میں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا، کیونکہ میں جانتی تھی کہ جہاں جاؤں گی میرے ساتھ یہی سب کچھ ہوگا۔“

کستوری چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں مستقل طور پر رگھبیر ہی کے پاس رہنے لگی۔ مہینے میں ایک مرتبہ یہاں آ کر بتوبان مندر میں رقص کرتی ہوں۔ دوسرے تیسرے مہینے ماتا پتا سے ملنے کے لئے گاؤں بھی چلی جاتی ہوں۔ ان کی زمین مہاجن کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے۔ وہ بیس سال سے قرضہ ادا کر رہے ہیں مگر سود بیاج کے چکر میں وہ قرضہ آج بھی اصل سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں اپنے ماتا پتا کی تھوڑی بہت مدد کر دیتی ہوں جس سے ان کا گزارہ ہو جاتا ہے۔“

”میں دو دن پہلے گاؤں گئی تھی۔ واپسی پر میرا یہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ رات گیارہ بجے ایک ٹرین گنگا نگر جاتی ہے اس سے چلی جاتی مگر بس میں تمہیں دیکھ کر میری نیت ڈانواں ڈول ہوگئی اور میں نے رات یہاں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیبن میں ایک عدد بڈھی بھی موجود ہے۔“

”وہ بڈھی بالکل بے ضرر ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کستوری کی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ اس جیسی جوان اور حسین لڑکی کے لئے عزت کی زندگی گزارنا واقعی بہت مشکل تھا۔ وہ ہوس پرستوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی۔

میں نے سترا کو بھی اسی کمرے میں بلا لیا۔ کستوری نے ناک بھوں تو چڑھائی تھی مگر چند منٹ بعد اس نے سترا کو قبول کرلیا اور وہ دونوں جلد ہی ایک دوسرے سے بے تکلف ہوگئیں۔

سترا صورت حال کو سمجھ رہی تھی۔ اس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی بلکہ وہ بڑی خوبصورتی سے کستوری کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سترا نے بڑی ہوشیاری سے کستوری سے بہت کچھ معلوم کرلیا تھا۔

بتوبان گڑھ ریلوے جنکشن بھی تھا۔ یہاں سے ایک لائن گنگا نگر اور دوسری بھٹنڈا کی طرف جاتی تھی۔ گنگا نگر کے لئے ایک ٹرین رات گیارہ بجے نکلتی تھی۔ دوسری صبح چھ بجے جبکہ بھٹنڈا کے لئے ایک ٹرین صبح پانچ بجے اور دوسری دوپہر بارہ بجے چلتی تھی۔

باتوں کے دوران کستوری کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہوئی تھی۔ اس نے سمترا کو واقعی بے ضرر اور احمق سمجھ لیا تھا۔ اس کی موجودگی کی پروا بھی نہیں تھی۔

میں نے ایک دو مرتبہ سمترا کی طرف بھی دیکھا۔ اس کے انداز میں بے چینی اور آنکھوں میں عجیب سی الجھن نظر آ رہی تھی۔

اور پھر باہر والے دروازے پر دستک کی آواز سن کر کستوری مجھ سے الگ ہٹ گئی۔

”شاید شنکر کھانا لے آیا ہے۔“ وہ بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

”بڑی خراب عورت ہے جلد سے جلد اس سے پیچھا چھڑانا ہو گا۔“ سمترا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

”بس آج کی رات ہے۔ صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔“ میں نے جواب دیا۔

آنگن میں قدموں کی آہٹ سن کر ہم خاموش ہو گئے۔ چند سیکنڈ بعد کستوری ایک اور آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

وہ آدمی درمیانے قد اور بھاری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ سر گنجا تھا مگر درمیان میں ایک بالشت بھر لمبی چٹیا سانپ کی طرح لہرا رہی تھی۔ ماتھے پر تلک لگا ہوا تھا۔ اس نے مخصوص انداز میں دھوتی باندھ رکھی تھی مگر جسم کے بالائی حصے پر کوئی لباس نہیں تھا گلے میں تین چار رنگ برنگی مالائیں اور کلائیوں میں لوہے کے کڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے اس حلیے سے اس کے کٹر ہندو ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں پیتل کا ایک بڑا سا تھال اٹھا رکھا تھا جس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر پہلے میری طرف اٹھی اور پھر سمترا کے چہرے پر جم گئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت ابھرتے ہوئے دیکھی۔ سمترا بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ بھی خوف سے دھواں ہو رہا تھا۔

”کستوری کے ساتھ کھانا لے کر آنے والا وہ شخص دیال شنکر تھا۔ سمترا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ ایک زور دار چھناکے کی آواز ابھری اور ساری چیزیں زمین پر بکھر گئیں۔

”یہ۔۔۔ یہ آتنک وادی ہیں۔۔۔ بھاگو۔۔۔۔“

وہ چیختا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔

سمترا اور دیال شنکر کی حالت دیکھ کر میں اب تک مبہوت سا بیٹھا تھا۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اتنا بدحواس اور خوفزدہ کیوں ہو گئے تھے۔ لیکن جب آتنک وادی (دہشت گرد) کہتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگا تو میں بھی جیسے ہوش میں آ گیا۔

”تاجی! پکڑو اسے۔ باہر نہ جانے پائے۔“ سمترا چیخی۔

میں اپنی جگہ سے اچھلا اور کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا دیال شنکر سے ٹکرایا۔ لیکن وہ دھکا کھا کر

دروازے کے باہر جا گرا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر باہر والے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔

دیال شنکر بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر چھلانگ لگا دی اور اس کے اوپر گرا۔ وہ آگے دروازے سے ٹکرا گیا۔ میں نے اس کی چٹیاں پکڑ لیں اور اسے زور سے پیچھے کھینچنے لگا۔

وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میری گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں اسے پوری قوت سے پیچھے کھینچ رہا تھا تاکہ وہ دروازے سے باہر نہ نکل سکے۔

اور پھر میرے سر پر دھماکہ سا ہوا۔ ضرب بڑی شدید تھی۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا اور پھر میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

سر پر لگنے والی ضرب بڑی زور دار تھی۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا اور پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی۔ اس وقت میرے ڈوبتے ہوئے ذہن میں صرف ایک ہی خیال ابھرا۔ اگر میرے حواس معطل ہو گئے تو ہم کستوری اور دیال شنکر کے رحم و کرم پر ہوں گے اور ظاہر ہے یہ لوگ ہمیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ایک مرتبہ پولیس کے شکنجے میں آ جانے کے بعد بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔

کستوری مجھے عیاشی کی نیت سے یہاں لائی تھی۔ اس نے سمترا کو بھی برداشت کر لیا تھا اور ہمارے لئے کھانا منگوایا تھا۔ کھانا لے کر آنے والا دیال شنکر تھا۔ سمترا اور دیال شنکر پہلے ہی ایک دوسرے کو جانتے تھے اور دیال شنکر ہمیں دہشت گرد کہتے ہوئے چیختا ہوا باہر کی طرف بھاگا تھا۔ سمترا بھی اگر مجھے چیخ کر اسے پکڑنے کو نہ کہتی تو شاید وہ مکان سے باہر نکل چکا ہوتا لیکن میں نے اسے بیرونی دروازے کے قریب جا لیا اور پھر میرے سر پر وہ زور دار ضرب لگی تھی جس سے میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔

میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔ آنکھوں کے سامنے چھانے والی تاریکی چھٹنے لگی۔ میرے حواس بحال ہونے لگے۔

دیال شنکر اب بھی میرے نیچے دبا ہوا تھا اور شاید کستوری مجھے بالوں سے پکڑ اس کے اوپر سے کھینچ رہی تھی۔ نیچے دبا ہوا دیال شنکر میری گرفت سے نکل گیا اور وہ اپنے آپ کو دروازے کی طرف گھسیٹنے لگا۔

میرے حواس اب پوری طرح بحال ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو کستوری کی گرفت سے چھڑانے کے لئے کہنی سے اس کے پیٹ پر وار کیا۔ وہ کراہ اٹھی مگر میرے بال اس کی مٹھی ہی میں جکڑے رہے۔ میں نے کہنی سے ایک اور ضرب لگائی۔ اس مرتبہ کستوری نے میرے بال چھوڑ دیئے اور پھر دوسرے ہی لمحہ سمترا نے کستوری کو پکڑ کر میرے اوپر سے کھینچ لیا اور اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے کی طرف لے جانے لگی۔

دیال شنکر اب بھی اپنے آپ کو گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کے بالوں کی چٹیا پکڑ لی اور زور زور سے جھٹکے دینے لگا اس کی پیشانی فرش سے ٹکرا رہی تھی۔ چوٹ لگنے سے ہر مرتبہ وہ چیخ اٹھتا۔

ہم مکان کے آنگن میں گلی میں کھلنے والے دروازے کے قریب تھے جس وقت ہم یہاں آئے تھے اس وقت گلی اگرچہ سنسان تھی لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ اس طرف سے کسی کا گزر ہی نہ ہو۔ ابھی تو شام ہوئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے کا وقت ہوگا۔ آس پاس کے مکانوں میں بھی لوگ آباد ہوں گے۔

دیال شنکر کی چیخیں سن کر کسی بھی وقت کوئی آ سکتا تھا اور اس طرح ہمارے لئے مزید خطرات پیدا ہو سکتے تھے۔ دھینگا مشتی میں مجھے جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ میں نے پستول کو نال کی طرف سے پکڑا اور اس کا دستہ دیال شنکر کی گنجی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی جو بتدریج کراہ میں تبدیل ہوتی ہوئی خاموشی میں ڈوب گئی اور اس کے ساتھ ہی دیال شنکر بے حس و حرکت ہو گیا۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر دیال شنکر کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے کی طرف لے جانے لگا جہاں سے دھینگا مشتی کی آواز اور بلیوں کے غرانے جیسی آوازیں آ رہی تھیں۔

دیال شنکر خاصا بھاری بھرکم تھا اس سے دھینگا مشتی میں میرا سانس پھول گیا تھا اور اسے گھسیٹنے میں بھی مجھے خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دیال شنکر کو چھوڑ دیا۔ وہ دھپ سے گرا اس کی مجروح پیشانی ایک بار پھر فرش سے ٹکرائی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر دلچسپ بھی تھا اور سنسنی خیز بھی۔ کستوری اور سمترا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ دونوں کے لباس تار تار ہو چکے تھے۔ بال چڑیوں کے گھونسلوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دونوں مسہری پر تھیں اور ایک دوسرے کو رگید رہی تھیں۔ دونوں کے منہ سے بلیوں کی غراہٹوں جیسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

کستوری کے مقابلہ میں سمترا اگرچہ دھان پان سی تھی لیکن اس وقت وہ کستوری پر بھاری پڑ رہی تھی۔ اس نے کستوری کو اپنے نیچے دبا رکھا تھا اور کستوری اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اور پھر وہ دونوں مسہری سے نیچے فرش پر لڑھک گئیں۔ لیکن کستوری اس طرح گری تھی کہ اس کی ایک ٹانگ تو نیچے تھی اور دوسرا پاؤں مسہری کی پائنتی کی طرف لگے ہوئے آرائشی تختے کے نیچے پھنس گیا تھا۔

سمترا اس کے سینے پر سوار تھی اور اس کے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی۔ میں چند لمحوں تک دلچسپی سے یہ تماشہ دیکھتا رہا پھر پستول جیب میں ڈال اور آگے بڑھ کر انہیں چھڑانے لگا۔ کستوری کے بالوں پر سمترا کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ میں بڑی مشکل سے اسے چھڑا کر ایک طرف کھینچ سکا تھا۔ وہ ایک بار پھر غراتی ہوئی کستوری کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے اسے پکڑ لیا۔

"اب تم کچھ نہیں کرو گی' بیٹھ جاؤ یہاں۔" میں نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا اور مڑ کر کستوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کستوری کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ عیش و آرام اور رقص و سرور کی زندگی گزارنے والی یہ عورت لڑائی جھگڑائی سے واقف نہیں تھی۔ اس نے مردوں کا دل بہلانا سیکھا تھا۔ یہ اپنی اداؤں سے کسی محفل کی رونق تو بن سکتی تھی لیکن کسی سے ہاتھا پائی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے بڑے ناز و نخروں میں زندگی گزاری تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ جسمانی لحاظ سے اپنے سے کمتر سمترا سے مار کھا گئی تھی۔

اس کے سینے گردن اور چہرے پر بھی سمترا کے ناخنوں سے خراشیں پڑ چکی تھیں۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار اور آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں چمک رہی تھیں۔

میں نے مسہری کے تختے میں پھنسا ہوا اس کا پیر نکال دیا اور پنڈلی سے پکڑ کر اس کی ٹانگ نیچے کر دی۔ اس نے اپنا لہنگا درست کیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ شاید سمترا کی طرف جھپٹنے کا ارادہ کر رہی تھی مگر میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

''م... میں... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی کتیا۔'' وہ سمترا کی طرف دیکھ کر غرائی اور بازو ایک جھٹکے سے میری گرفت سے چھڑا لیا۔

سمترا نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی مگر میں نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کستوری کی طرف گھوم کر دوبارہ اس کا بازو پکڑ لیا۔

''اپنے حواس کو قابو میں رکھو کستوری۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ''یہ جو کچھ بھی ہوا کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بات کو زیادہ مت بڑھاؤ، ہم اس معاملے کو طے کر سکتے ہیں۔''

''پ... پہلے اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔'' کستوری اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہیں اور دیال شنکر کو چھڑا رہی تھی کہ اس کتیا نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔''

''میں نے کہا تھا ناکہ یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔'' میں نے کہا ''تم مجھے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور سمترا سمجھی کہ تم نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اس لئے یہ تم پر حملہ آور ہو گئی۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ سب کیا دھرا تمہارے اس دیال شنکر کا ہے۔ اگر یہ چیختا ہوا باہر کی طرف نہ بھاگتا تو بات یہاں تک نہ پہنچتی لیکن ایک منٹ...... پہلے میں اسے اندر لے آؤں۔

میں نے اٹھ کر دروازے کے قریب بے ہوش پڑے ہوئے دیال شنکر کو گھسیٹ کر کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔ کستوری فرش سے اٹھ کر مسہری پر بیٹھ گئی اور انگلی سے اپنے بدن پر لگی ہوئی خراشیں چھو رہی تھی۔

میں نے کرسی پر بیٹھی ہوئی سمترا کی طرف دیکھا وہ بھی ابتر حالت میں تھی۔ اس کے سینے، گردن اور چہرے پر بھی خراشیں تھیں۔ سینے پر ایک لمبی خراش سے خون بھی رس رہا تھا۔ وہ بھی خونخوار نظروں سے کستوری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ کون ہے؟'' میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے دیال شنکر کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے یہ مجھے دیکھتے ہی دہشت زدہ لہجے میں چیختا ہوا باہر کیوں دوڑا تھا۔''

''دیال شنکر یہاں قریبی مندر کا پجاری ہے۔'' کستوری نے جواب دیا۔ ''اس نے تمہارے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔ وہ راجستھان میں تین مندروں میں خوف پھیلانے والا ہے۔ اس نے تمہیں اس وقت آ کر یہاں دیکھا اور یہاں پہنچتے ہی اس نے تمہیں پہچان لیا۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' میں نے کستوری کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ میرے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگی تھیں۔

''یہی کہ تم آتنک وادی ہو۔'' کستوری نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''بس میں تمہارے

ساتھ سفر کرنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے تمہاری باتوں سے تمہارے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ تم اپنی اصلیت چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے شبہ تھا کہ تم کوئی سنگین جرم کر کے بھاگے ہوئے ہو یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ تم وہی آتنک وادی ہو سکتے ہو جس نے پچھلے کئی مہینوں سے تباہی پھیلا رکھی ہے اور پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ مگر دیال شنکر نے تمہیں پہچان لیا اور وہ خوفزدہ ہو کر چیختا ہوا بھاگا ورنہ تم اس کے پیچھے دوڑے تو مجھے یقین ہو گیا کہ تم واقعی آتنک وادی ہو۔''

''کیا مجھے اس انکشاف پر حیران ہونا چاہئے۔'' میں نے کہا ''یہی بات تو یہ کہ بس میں سفر کے دوران تمہیں شبہ ہوا تھا کہ میں کوئی سنگین جرم کر کے بھاگا ہوا ہوں کوئی بھی شریف آدمی ایسے لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے جن کا کردار مشکوک ہو مگر تم نہ صرف مجھ سے بے تکلف ہو گئیں بلکہ مجھے اپنے گھر بھی لے آئیں۔''

''اس لئے کہ میرا شمار شرفاء میں نہیں ہوتا۔'' کستوری پہلی بار مسکرائی۔ ''اگر میں شریف عورت ہوتی تو واقعی تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرتی۔''

''اور ابھی تم نے کہا تھا کہ تم مجھے دیال شنکر سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''لیکن تم نے تو میرے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے بارے میں انکشاف ہونے کے بعد تمہیں تو خوفزدہ ہونا چاہئے تھا۔''

''یہ درست ہے کہ میں نے تمہیں دیال شنکر سے چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ضرب میں نے تمہارے سر پر نہیں لگائی تھی وہ چوٹ تو میں نے دیال شنکر کے سر پر لگانا چاہی تھی لیکن تمہارا سر زد میں آ گیا۔'' کستوری نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی ''میں نے بس میں تمہاری باتوں سے اندازہ لگا کر تمہیں پھانسنے کی کوشش کی تھی اور میرا خیال تھا کہ تم بھی عام مردوں کی طرح میرے حسن کے جال میں پھنس گئے ہو۔ لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تم مجھے کیوں پھانسنا چاہتی تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں تمہاری وجاہت سے متاثر ہوئی تھی اور میرا دل بے اختیار یہ چاہا تھا کہ کم از کم ایک رات تمہارے ساتھ بسر کروں اور جب تم نے یہ بتایا کہ یہاں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو میں نے فوراً ہی تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کر دی تھی۔'' کستوری نے بلا جھجک وہ اصل بات بتا دی جو اس کے دل میں تھی۔ اس نے ذرا بھی شرم و حیا محسوس نہیں کی تھی۔ ''دوسری بات۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی ''میں تم سے ایک اور کام بھی لینا چاہتی تھی۔ تمہارے بارے میں مجھے شبہ ہو چکا تھا کہ تم کوئی سنگین جرم کر کے بھاگے ہوئے ہو اور تمہیں پناہ کی تلاش ہے۔ میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ تمہیں اپنے حسن و شباب کے جال میں پھنسا کر اپنے پاس روکے رکھوں گی اور پھر تمہیں اس کام کے لئے بھی آمادہ کروں گی جس کے لئے مجھے عرصے سے تم جیسے آدمی کی تلاش تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم لالچ اور دولت میں آ کر میرے اشاروں پر چلتے رہو گے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں ہی آتنک بے وقوف بنتی رہی ہوں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ ''تمہارے ساتھ یہ جرات بھی مکان میں آ گئی تو میں کچھ پریشان ہوئی تھی مگر تم نے کہا کہ یہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی اور ایک کمرے میں پڑی رہے گی۔ میں

خاموش ہوگئی تھی اور میں نے اسی وقت طے کرلیا تھا کہ کہ اسے کل ہی مندر لے جا کر غائب کرا دوں گی۔ یہاں کے مندروں میں پجاریوں کے روپ میں کچھ مگر مچھ رہتے ہیں جو اس جیسی حسین لڑکیوں کو سالم نگل جاتے ہیں۔ مندر کے پجاری اسے اس طرح غائب کرتے کہ زندگی بھر اس کا سراغ نہ ملتا۔"

"جب دیال شنکر نے ہمیں وحشت گڑھ کہا تھا تو تمہیں خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"خوف تو ضرور محسوس ہوا تھا مگر میں نے فوراً ہی تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے کام کے لئے کسی مقامی آدمی سے بھی مدد لے سکتی تھی۔ یہاں کے بڑے بڑے غنڈے اور بدمعاش میرے ایک اشارے پر میرے پیر چاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں مگر میں انہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتی۔ میں کئی مرتبہ پہلے بھی دھوکہ کھا چکی ہوں جبکہ تمہارے بارے میں میرا خیال تھا کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ کیونکہ تم خود جان کے خوف میں مبتلا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاتے اور مجھے زیادہ افسوس نہ ہوتا۔ میں یہی سمجھتی تم اپنے آپ کو بچا کر بھاگ گئے ہو میرے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوا۔"

"تمہاری حقیقت جان لینے کے بعد کیا اب بھی تم یہی سمجھتی ہو کہ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کوئی بھی خطرناک مجرم اپنا راز فاش ہو جانے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے اور وہ ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے جو اس کے راز سے واقف ہو چکا ہو اور...."

"لیکن تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرو گے۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ "اگر تم مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہو تو میں تمہیں روک نہیں سکتی مگر تم ایسا نہیں کرو گے اس لئے کہ تم بے وقوف نہیں ہو۔"

"کیا مطلب....؟" میں نے اسے گھورا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "تم اس وقت موسٹ وانٹڈ ہو تمہارے چرچے ہر طرف ہیں۔ اخبارات میں ہر وقت تمہارے بارے میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہے۔ کسی مجرم کی تلاش کے لئے شاید ہی کبھی اتنے وسائل بروئے کار لائے گئے ہوں۔ جتنے تمہارے لئے ہو رہے ہیں۔ راجستھان سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ہر قصبے ہر شہر اور ہر شاہراہ پر تمہاری تلاش میں چیکنگ ہو رہی ہے اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اب تک بچتے رہے ہو اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تم موقع شناس ہو۔ وقت کی نبض پر تمہارا ہاتھ ہے حیرت انگیز طور پر تم لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیتے ہو اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تمہارے بارے میں سب کچھ جان لینے کے بعد بھی لوگ اپنی جان کی پروا کئے بغیر تمہیں پناہ دے دیتے ہیں۔ ایسی صلاحیتیں بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں جو دشمن کو بھی اپنا گرویدہ اور ہمدرد بنا لیتے ہیں اور پھر موقع ملتے ہی ان سے بھی پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ تم بھی ایسا کرتے رہے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم اب تک بہت ذہانت کا ثبوت دیتے رہے ہو لیکن میرے خیال میں تم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں اور تم میں ان غلطیوں کی اصلاح کر لینے کی بھی صلاحیت موجود ہے۔"

"حیرت انگیز" میں نے دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں غلطیاں بھی کرتا رہا ہوں۔"

"اخبارات....!" کستوری نے جواب دیا۔ "اخبارات تمہارے بارے میں معمولی سے معمولی باتیں بھی چھاپتے رہتے ہیں۔ ہر اخبار اپنی اشاعت بڑھانے کے لئے تمہارے بارے میں ہر روز کوئی نہ کوئی جھوٹی سچی کہانی چھاپنا ضروری سمجھتا ہے۔ تمہارے بارے میں ایسے ہی اخبارات کی فراہم کردہ "اطلاعات" پر کئی بے گناہ نوجوان تمہارے شبے میں پکڑے گئے اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ بہر حال...." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اخبارات کے ذریعے لوگوں کو تمہارے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میں تمہاری جن غلطیوں کی بات کر رہی تھی اس کا اندازہ بھی میں نے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں ہی سے لگایا ہے۔ میں زیادہ پیچھے نہیں جاؤں گی لیکن دو دن پہلے بھی تم ایک ایسی فاش غلطی کر چکے ہو جو تمہارے لئے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔"

"وہ کیا....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو دن پہلے تم نے کوٹ پتلی کے روپ سیہائے نامی ایک آدمی کو کنویں میں پھینکا تھا۔" کستوری نے کہا۔

"ہاں....!" میں چونک سا گیا۔ "یہ درست ہے لیکن یہ واقعی میری غلطی تھی۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس نے ہمیں پناہ دی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں؟ لیکن اس کا ایک ملازم رانا رنبیر سنگھ ہمارے چکر میں پڑ گیا تھا۔ اسے ہم پر شبہ ہوگیا تھا اور وہ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ماؤنٹ آبو تک پہنچ گیا تھا اور پھر اس نے مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد روپ سیہائے ہمیں اپنی گاؤں والی حویلی میں لے آیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ رانا میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ وہ ہمیں کسی ممکنہ پریشانی سے بچانا چاہتا تھا لیکن وہ خود پولیس کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ پولیس اس سے رانا رنبیر سنگھ کے قتل کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ بات وہیں تک محدود نہیں رہے گی اور اس تفتیش میں ہمارا بھی نام آئے گا۔ اس لئے میں نے روپ سیہائے کو قتل کرکے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہاں مجھ سے ایک غلطی یہ ہوئی۔ روپ سیہائے کو جان سے مارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اسے دھوکہ دے کر بھی وہاں سے نکل سکتے تھے اور پھر دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جب ہم اس کنویں میں پھینک رہے تو اس کے کارندے نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ بچ کر بھاگ نکلا۔ اور اس کا بچ نکلنا ہی غضب ہوگیا۔ اس نے حویلی میں جا کر بتا دیا۔ حویلی کے ٹیلی فون سے پولیس کو اطلاع دے دی گئی۔ پولیس نے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور مجھے اپنی ایک بہترین اور جاں نثار دوست سے ہاتھ دھونے پڑے۔ وہ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئی۔" میں ایک بار پھر چند لمحوں کو خاموش ہوگیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں کہ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں سے تم نے میرے بارے میں بالکل درست اندازے قائم کئے ہیں۔ روپ سیہائے کو کنویں میں پھینکنا میری واقعی

بہت بڑی غلطی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ مجھے اس طرح بھگتنا پڑا کہ اپنی ایک دوست سے ہاتھ دھو بیٹھا۔"

"اور روپ سیہانے زندہ بچ گیا۔" کستوری بولی۔

"کیا...؟" میں اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ میں نے سمترا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بھی دھواں ہو گیا تھا۔

"یہ سچ ہے۔" کستوری نے کہا "اس کے کارندوں نے اسے کنویں سے نکال لیا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد ہوش میں آ گیا تھا۔"

"اس کے زندہ بچ جانے پر مجھے واقعی خوشی ہوئی۔ لیکن...!"

"تمہارے لئے مشکلات بھی بڑھ گئی ہیں۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ "روپ سیہانے کے کنویں میں پھینکے جانے، اس کے زندہ بچ جانے، تمہارے فرار اور تمہاری ساتھی رتنا کے پولیس کے ہاتھوں مارے جانے کی خبر آج کے اخبارات میں چھپ چکی ہے اور مجھے تو حیرت ہے کہ تم لوگ وہاں سے بچ کر نکل کیسے آئے۔ پولیس نے میلوں دور تک کے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا اور ہر طرف جانے والے راستوں پر سخت چیکنگ کی جا رہی تھی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہاں سے فرار کے لئے میری ذہانت کام آئی تھی۔ اگر بیل گاڑی میں بھرے چارے کے گٹھوں کے نیچے جگہ بنا کر چھپنے والی بات میرے ذہن میں نہ آتی تو ہم اس علاقے سے واقعی نہیں نکل سکتے تھے۔ اس سے آگے بھی اگرچہ جگہ جگہ بسوں میں چیکنگ ہو رہی تھی مگر میرا اور سمترا کا بسوں میں الگ الگ سیٹوں پر بیٹھنا کام آ گیا تھا۔ ہم سے پوچھ گچھ تو ہوئی تھی لیکن ہم شبے کی زد میں نہیں آ سکے تھے اور پھر مجھے چیکنگ کرنے والے ایک پولیس والے کی بات بھی یاد آ گئی۔ اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا تھا۔ "ہم لوگوں کو تو بلاوجہ مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے۔ اتنا خطرناک مجرم عام مسافروں کی طرح بس میں سفر نہیں کر سکتا۔" اور شاید یہ نفسیاتی عمل بھی ہمارے لئے مددگار ثابت ہوا تھا۔ بسوں کے مسافروں کی چیکنگ پر بھرپور توجہ نہیں دی گئی تھی۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ کس کام کے لئے مجھ جیسے خطرناک آدمی کا انتخاب کیا تھا؟" میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"وہ میں بعد میں بتاؤں گی پہلے اس کا کچھ بندوبست کیا جائے۔" کستوری نے فرش پر پڑے ہوئے دیال شنکر کی طرف اشارہ کیا۔

دیال شنکر اب کسمسا رہا تھا۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔

"کیا بندوبست کیا جائے اس کا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے تم لوگوں کو پہچان لیا ہے۔ اس کا زندہ رہنا تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" بات کرتے ہوئے کستوری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "یہ شکل سے جتنا یتیم اور مسکین لگتا ہے اتنا ہی خطرناک ہے۔ میں نے اپنے کام کے لئے پہلے اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے میرا وہ کام تو نہیں کیا لیکن پچھلے ایک سال سے مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ مہینے میں ایک مرتبہ جب بھی یہ تو ماں کہ آتی ہوں یہ مجھے اپنے گندے وجود تلے روندنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ اگر یہ زندہ رہا تو تم سوچ سکتے ہو کہ

دونوں کے لئے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

"تمہارا مطلب ہے اسے زندگی سے نجات دلا دی جائے۔" میں نے کہا۔

"ہاں...!" "اس سے بچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔" کستوری بولی۔

یہ میرے لئے ایک نیا مسئلہ تھا۔ کستوری نے اب تک جو کچھ بھی کہا تھا وہ ذرا بھی غلط نہیں تھا۔ اس نے اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں سے میرے بارے میں بالکل درست اندازے لگائے تھے۔ اس سے مجھے وقتی طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن دیال شنکر کا زندہ رہنا واقعی خطرناک بات تھی۔ نجانے اس نے مجھے کب اور کہاں دیکھا تھا کہ اس وقت چہرے پر نظر پڑتے ہی پہچان گیا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر میرے قابو میں آ گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ کستوری اپنے کسی لالچ میں موم ہو گئی تھی۔ لیکن اب شنکر کا اس مکان سے زندہ نکل جانا ہماری موت کا باعث بن سکتا تھا۔ لیکن میں اکیلے یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ بھی دباؤ میں رہے۔

"تمہارے خیال میں اسے گولی مار دینا مناسب ہوگا؟" میں نے جیب سے پستول نکال کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" کستوری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "گولی کی آواز دور تک سنی جائے گی۔ اس طرح ہم مصیبت میں پڑ جائیں گے۔"

"لیکن جب ہماری ہاتھا پائی ہوئی تھی تم بھی چیخ رہی تھیں اور یہ بھی اس وقت تو کسی پڑوسی نے مداخلت نہیں کی تھی۔ حالانکہ مجھے ڈر تھا کہ کوئی نہ کوئی اس طرف ضرور آ جائے گا۔ لیکن..."

"وہ دوسری بات ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "یہ گلی مندر کے قریب ہے مندر کے پجاری جو کچھ کرتے ہیں اس سے سب ہی لوگ واقف ہیں۔ روزانہ رات کو کسی نہ کسی لڑکی کو مندر سے اٹھا کر اس مکان میں لے آتے ہیں۔ لڑکیوں کی چیخیں گونجتی رہتی ہیں مگر کوئی پوچھنے کے لئے اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ لیکن گولی کی آواز گونجے گی تو لوگوں کو تجسس ہوگا اور وہ صورتحال معلوم کرنے کے لئے ضرور گھروں سے نکلیں گے۔ میرا خیال ہے اسے گلا گھونٹ کر ختم کر دیا جائے۔"

ہم دونوں ایک انسان کی زندگی اور موت کے بارے میں اس طرح بات کر رہے تھے جیسے ہمارے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر میری نظریں چھت پر لگے ہوئے لوہے کے ایک کنڈے پر مرکوز ہو گئیں۔ یہ کنڈا پنکھا لٹکنے کے لئے لگایا گیا ہوگا مگر پنکھا نہیں تھا۔

"کوئی رسی ہے!" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

"ابھی لاتی ہوں!" کستوری کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

سمترا کرسی پر بیٹھی متوحش نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد کستوری رسی لے آئی جو خاصی لمبی تھی۔ میں نے سمترا کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

میں نے رسی کا ایک سرا چھت کے کنڈے میں ڈال دیا اور دوسرے سرے پر پھندا بنانے لگا۔ چند منٹ پہلے دیال شنکر جس طرح کسمسایا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ہوش میں

آ رہا ہے لیکن وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

اور پھر میں نے اور کستوری نے جس طرح دیال شنکر کو پھندے میں لٹکایا وہ ایک الگ کہانی تھی جب ہم اس کے گلے میں پھندا ڈال رہے تھے وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ کستوری نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا تھا۔

دیال شنکر کو پھندے پر لٹکا کر ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں گھر میں داخل ہونے کے بعد کستوری مجھے لے کر آئی تھی۔ یہاں ایک شاندار بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک چھوٹی میز اور چھ کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ سحرا سامنے ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔ وہ اب بھی ایک ہاتھ سے کبھی چہرے اور کبھی گلے اور سینے پر خراشوں کو سہلا رہی تھی۔

دیال شنکر کھانا اسی کمرے میں لے کر آیا تھا اور ہمیں دیکھ کر خوف و وحشت سے برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے۔ کھانا اور برتن فرش پر ویسے ہی بکھرے ہوئے تھے۔ کستوری نے پہلے برتن سمیٹے اور پھر ایک میلے کپڑے سے فرش صاف کرنے لگی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے کمرے کے ایک کونے میں استادہ الماری کھول لی اور ایک ہینگر پر ٹنگی ہوئی ساڑھی سحرا کی طرف اچھال دی۔ اس کے ساتھ بلاؤز اور پیٹی کوٹ بھی تھا۔

"یہ پہن لو... اس وقت میرے پاس تمہارے لئے ڈھنگ کا کوئی اور کپڑا نہیں ہے۔"

ہینگر سحرا کے پیروں کے قریب گرا تھا۔ اس نے جھک کر ہینگر اٹھا لیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ کستوری نے اپنے لئے بھی ساڑھی ہی نکالی تھی۔ میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے اور پھر باہر والے دروازے پر دستک کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ اس لمحہ کستوری بھی کمرے سے نکل آئی۔ دستک کی آواز سن کر اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

کستوری کے جواب دینے سے پہلے ہی باہر سے ایک آواز سنائی دی۔

"کستوری بیٹا! دروازہ کھولو۔ میں ہوں رام اوتار۔"

"اوہ...!" کستوری کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "سحرا کہیں کا...!" وہ بڑبڑائی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مندر کا پروہت ہے۔ تم دونوں اس کمرے میں چلے جاؤ میں اسے سنبھال لوں گی۔ یہ حرامی مجھے ہمیشہ بیٹا کہہ کر پکارتا ہے لیکن موقع ملتے ہی بھیڑیے کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑتا ہے۔ اسے دیال شنکر سے میرے آنے کا پتہ چل گیا ہوگا۔ تم لوگ اس کمرے میں چلے جاؤ۔"

میں نے کمرے میں داخل ہو کر سحرا اور کستوری کے بچھے ہوئے کپڑے اور اپنا سوٹ کیس بھی اٹھا لیا اور سحرا کے ساتھ اس کمرے میں سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

دیال شنکر کی لاش پھندے میں لٹکی ہوئی تھی اسے دیکھ کر سحرا دہشت زدہ سی ہو گئی۔ اس نے چیخ روکنے کے لئے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

میں نے دیال شنکر کی لاش کی طرف دیکھا۔ اس کے پیر زمین سے تقریباً دو فٹ اونچے تھے۔

پھندہ لگنے پر وہ یقیناً بہت مچلا ہوگا۔ کپڑا اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ زبان کتے کی طرح منہ سے باہر لٹکی ہوئی تھی اور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

میں نے بتی بجھا دی اور سحرا کا ہاتھ پکڑ کر دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔

باہر پختہ صحن میں قدموں کی آواز اس طرح سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی پیروں میں کھڑاؤں گھسیٹ کر چل رہا ہو۔ وہ آواز ہمارے دروازے کے سامنے سے گزرتی ہوئی دوسرے کمرے میں رک گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی کستوری کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی وہ کسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ نے بلاوجہ یہاں آنے کی زحمت کی مہاراج' کسی کے ہاتھ پیغام بھیج کر مجھے بلوالیا ہوتا' میں حاضر ہو جاتی۔"

"پیاسا ہی کنوئیں کے پاس آتا ہے سندری یہ کبھی نہیں سنا کہ کنواں چل کر پیاسے کے پاس گیا ہو۔" ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ "ہمیں جب پتہ چلا کہ تم یہاں آ گئی ہو تو ہم خود چلے آئے۔ ہم سے انتظار نہیں ہو سکا۔"

"میں آپ کی کیا سیوا کروں مہاراج۔" کستوری بولی۔

"سیوا تو تم وہی کرو گی جو پہلے بھی کرتی رہی ہو لیکن اس سے پہلے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" بھاری آواز نے کہا۔

"حکم کیجئے مہاراج۔"

"دیال شنکر نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ دو اتیتھی بھی تھے۔ ایک مرد اور ایک ناری اور تم نے ان کے لئے بھوجن منگوایا تھا کون ہیں وہ لوگ اور کہاں ہیں؟"

"بس میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ مہاراج۔" کستوری نے جواب دیا۔ "ناری بہت اچھی رقاصہ ہے۔ وہ اپنے پتی کے ساتھ سردار شہر سے آ رہی تھی۔ وہ لوگ بھنڈ آجانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہاں ان کے پاس رہنے کو جگہ نہیں تھی اس لئے میں انہیں اپنے ساتھ لے آئی تھی۔"

"وہ تو بھوجن کر کے چلے گئے مہاراج!" کستوری نے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو کستوری' اور تم جانتی ہو کہ تم جیسی ناریوں کے منہ سے جھوٹ اچھا نہیں لگتا۔"

"میں... میں سچ کہتی ہوں مہاراج۔" کستوری جیسے ہکلا گئی۔

"انہیں بھنڈ آجانا تھا' آیا رہ بجے والی ٹرین سے وہ ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے گئے ہیں۔"

جواب میں اس شخص نے کچھ کہا تھا جسے میں نہیں سن سکا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہمارے کمرے کا دروازہ اگرچہ بند تھا مگر اندر مکمل اندھیرا نہیں تھا۔ دونوں کمرے کی بیچ کی دیوار میں ایک چھوٹا سا روشندان بھی تھا جس سے آنے والی روشنی اس کمرے میں بھی مدھم سا اجالا کر رہی تھی۔

میں نے سحرا کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور ایک کرسی اٹھا کر بڑی آہستگی سے روشندان کے نیچے دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دی اور بڑی احتیاط سے کرسی پر چڑھ گیا۔ لیکن روشندان اب بھی دو فٹ

اوپر تھا میں نے کرسی سے اتر کر ایک بار پھر تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ مسہری کے نیچے ایک تختہ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے بڑی آہستگی سے کرسی کے ہتھوں پر رکھ دیا اور اوپر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب میرا چہرہ روشندان کے بالکل سامنے تھا اور میں دوسرے کمرے میں آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

وہ درمیانے قد کا بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس نے صرف دھوتی پہن رکھی تھی۔ اوپر کا جسم برہنہ تھا۔ سینہ اور بازو ریچھ کی طرح سیاہ بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ توند بالکل مٹکے ہی کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ اس کی رنگت توے کی طرح سیاہ اور آنکھیں سرخ تھیں۔ جیسے نشہ کرنے کا عادی ہو۔ گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی دو مالاؤں کے ساتھ سونے کی تین موٹی موٹی چین بھی نظر آ رہی تھیں۔ کلائیوں میں بھی سونے کے موٹے موٹے کڑے تھے اور کانوں میں بڑی بڑی طلائی بالیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ سر کے بال چھدرے تھے لیکن مونچھیں خاصی بڑی تھیں جن سے اس کا چہرہ کچھ اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔ ہونٹ بہت بھدے اور دانت بالکل سفید تھے۔ اس کی سیاہ رنگت پر چمکتے ہوئے سفید دانت بڑے عجیب سے لگ رہے تھے۔ تنگ سی پیشانی پر تین سفید لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔

وہ مندر کا پروہت تھا جو اپنے آپ کو رام اوتار کہتا تھا۔

”ایک بات یاد رکھنا کستوری۔“ رام اوتار کہہ رہا تھا۔ ”آج کل سے بہت خراب چل رہا ہے۔ دو خطرناک آتنک وادی جس نے ٹک راج جیسے شخص کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا اور مؤذن آباد میں تباہی پھیلائی تھی کوٹ چکی کے ایک جاگیردار کو قتل کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر اس طرف آ نکلا ہے۔“

”میں نے یہ خبر اخبار میں پڑھی تھی مہاراج۔“ کستوری نے جواب دیا۔ ”لیکن میرا ان باتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ نادانی میں کسی چکر میں نہ پھنس جانا۔“ رام اوتار نے کہا۔ ”مجھے جب پتا چلا کہ ایک ناری اور ایک مرد کو اپنے ساتھ لائی ہو تو مجھے شک ہوا تھا کہ کہیں یہ دونوں وہی آتنک وادی تو نہیں۔“

”نہیں مہاراج۔“ ”وہ دونوں تو بہت اچھے تھے۔“ کستوری نے جواب دیا۔

”تھوڑی دیر پہلے ایک پولیس آفیسر بھی میرے پاس آیا تھا۔“ رام اوتار کہہ رہا تھا۔ ”اس نے بتایا تھا کہ وہ جس کسان کی بیل گاڑی میں چھپ کر کوٹ چکی کے نواحی علاقے سے فرار ہوئے تھے اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان دونوں آتنک وادیوں کو کھیتوں میں اکٹھے دیکھا گیا تھا۔ ایک مرد اور ایک ناری۔ اس کے بعد وہ دونوں شاید الگ الگ سفر کرتے رہے۔ پولیس آفیسر کے کہنے کے مطابق ہو سکتا ہے وہ دونوں جھونڈ گڑھ پہنچ چکے ہوں۔ یہاں سے باہر جانے والے تمام راستوں کی پولیس نے ناکہ بندی کر دی ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر بھی پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔ پولیس کا خیال ہے کہ شاید وہ لوگ کسی مندر میں پناہ لینے کی کوشش کریں۔ اس لئے تمام چھوٹے بڑے مندروں کو بھی خبردار کر دیا گیا ہے۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ہمیں جیسے ہی پتہ چلا کہ تم دو اجنبیوں کو اپنے گھر لے آئی ہو تو ہم فوراً یہاں چلے آئے تاکہ تمہیں ان آتنک وادیوں کے بارے میں خبردار کر دیں۔“

”بڑی مہربانی مہاراج۔“ کستوری بولی۔ ”آپ تو مہان ہیں جو اپنی داسی کا بھی اتنا خیال رکھتے ہیں۔“

”تمہارا خیال ہم نہیں رکھیں گے تو اور کون رکھے گا۔“ رام اوتار نے کہتے ہوئے اس نے اپنے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

کستوری نے ساڑھی کا پلو اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اس کا سینہ اور گلے کا وہ حصہ بھی چھپ گیا تھا جہاں خراشیں آئی تھیں۔ اس کے چہرے پر بھی اگرچہ دو تین خراشیں تھیں لیکن رام اوتار نے شاید اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اس نے کستوری کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو ساڑھی کا پلو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کا سینہ برہنہ ہو گیا۔

”یہ کیا ہوا؟“ رام اوتار خراشیں دیکھ کر چونک سا گیا۔

”تمہارے شریر پر یہ خراشیں کیسی ہیں۔“

”دیال شنکر مہاراج!“ کستوری بولی۔ ”آپ جانتے ہیں دیال شنکر مجھ پر بری نگاہ رکھتا ہے۔ میں نے مہمانوں کے لئے بھوجن لانے کو کہنے گئی تو اس نے موقع پا کر مجھے دبوچ لیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچا سکی تھی۔“

”کہاں ہے دیال شنکر؟“ رام اوتار کی آنکھیں کچھ اور سرخ ہو گئیں۔ ”وہ مہمانوں کے ساتھ گیا ہے مہاراج۔ انہیں اسٹیشن پر چھوڑنے کے لئے۔“ کستوری نے جواب دیا۔

”اسے آنے دو۔ ہم اس کی کھال ادھیڑ دیں گے۔“ رام اوتار نے کہا اور کستوری کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

”اس وقت نہیں مہاراج۔ میرا جی اچھا نہیں ہے۔“ کستوری نے مزاحمت کرتے ہوئے بولی۔

”آج میں کام کرنا چاہتی ہو لیکن.....!“

”تم جانتی ہو ہم انتظار نہیں کر سکتے۔“ رام اوتار نے کہتے ہوئے اسے دبوچ لیا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے اپنے جسم کا بوجھ ایک پیر سے دوسرے پر منتقل کرنے کی کوشش کی تو ہل کر رہ گیا۔ میں اس وقت بھول گیا تھا کہ کرسی کے ہتھوں پر رکھے ہوئے تختے پر کھڑا ہوں۔ میرے حرکت کرنے سے تختہ ہل گیا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ تختہ ایک طرف سرکتا چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نیچے گرا۔ کرسی بھی الٹ گئی تھی۔ جس سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی۔

”یہ یہ آواز کیسی تھی۔ کون ہے ادھر؟“

رام اوتار کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں دم سادھے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سترا بھی سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکی کھڑی تھی۔

”بلی ہو گی مہاراج!“ کستوری کی آواز سنائی دی۔ ”اس کمرے میں کھانے کے خالی برتن رکھے ہوئے ہیں۔ کوئی بلی گھس گئی ہو گی کمرے میں۔ آپ چنتا نہ کریں۔ آئیں یہاں مسہری پر بیٹھ جائیں۔“

چند سیکنڈ پہلے کستوری رام اوتار سے چھٹکارا پا چکی تھی۔ اور اب اسے مسہری پر بیٹھنے کی دعوت

دے رہی تھی۔ بہت ذہین تھی وہ۔

چند منٹ گزر گئے۔ دوسرے کمرے سے کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ میں نے ایک بار پھر تخت کرسی پر رکھا اور اوپر کھڑے ہو کر دوسری طرف جھانکنے لگا۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ کستوری ریچھ کے شکنجے میں تھی۔ میں آہستگی سے کرسی سے نیچے اتر آیا اور صحرا کے قریب دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا اور کستوری کی آواز سنائی دی۔

”آپ چنتا نہ کریں مہاراج۔ میں اس بات کا خیال رکھوں گی اور آئندہ کسی اجنبی کو گھر لے کر نہیں آؤں گی۔“

رام اوتار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آنگن کے پختہ فرش پر کھڑاؤں کے کھٹکنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر باہر کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔

کستوری دروازہ بند کر کے تیزی سے اسی طرف آ رہی تھی۔ اس دوران صحرا بھی کمرے سے باہر آ چکی تھی... اس کا چہرہ وحشت زدہ سا تھا۔

ہم تینوں ایک ساتھ ہی کستوری والے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ کستوری نے بستر کی چادر اٹھا کر ایک طرف پھینک دی اور مسہری کے میٹرس پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ میں نے معنی خیز نگاہوں سے صحرا کی طرف دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

”اس حرامی کو شبہ ہو گیا ہے۔“ کستوری اٹھتے ہوئے بولی۔

”اس لاش کو ٹھکانے لگانا ہو گا۔“

”کیا لاش کو مندر کے دروازے پر ڈال دیا جائے۔“ میں نے کہا۔

”نہیں....“ کستوری نے نفی میں سر ہلایا۔ ”بستی کے پچھلی طرف ایک گندا نالہ ہے۔ لاش کو چادر میں لپیٹ کر نالے میں پھینک دیا جائے۔ لیکن ابھی نہیں۔ کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔“

لاش کو ٹھکانے لگانا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن رام اوتار کی باتوں سے مجھے کچھ اور پریشانی ہو گئی تھی۔ پولیس کو سندون گڑھ میں ہماری موجودگی کا شبہ تھا اور شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ پولیس کو یہ بھی شبہ تھا کہ ہم کسی مندر میں پناہ لے سکتے ہیں۔ اس لئے تمام مندروں کے پروہتوں اور پجاریوں کو متنبہ کر دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی مشتبہ شخص کو دیکھیں تو پولیس کو اطلاع دیں۔

اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ کستوری سے ہماری ملاقات ہو گئی تھی اور وہ ہمیں اپنے گھر لے آئی تھی۔ صحرا کو بھی اس نے مجبوراً برداشت کر لیا تھا۔ وہ مجھے اپنی غرض سے یہاں لائی تھی اور میں نے بہت واضح الفاظ میں اسے خبردار کر دیا تھا کہ اگر اس نے صحرا کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو اس کے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔

کستوری کے ہاں پناہ مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اگر اس سے ملاقات نہ ہوتی تو ہم حالات کی سنگینی سے بے خبر رہتے اور یہ رات گزارنے کے لئے کسی سرائے وغیرہ کا رخ کرتے۔ کیا رہنے والی زمین پر

سوار ہونے کے لئے ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے۔ دونوں صورتیں ہمارے لئے خطرناک ہوتیں۔ لیکن کستوری نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔ بقول کستوری کے وہ اس کام کے لئے کسی مقامی آدمی سے بھی مدد لے سکتی تھی۔ مگر اسے اپنے مقامی لوگوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ اس کی ایک مثال تو میں نے دیکھ لی تھی اس نے دیال شنکر کو اعتماد میں لے کر اس سے مدد لینے کی کوشش کی تھی مگر دیال شنکر اسے بلیک میل کر کے اس سے خوبصورت کھلونے کی طرح کھیلتا رہتا تھا اور اس نے میرے ساتھ مل کر دیال شنکر کا کانٹا نکال دیا تھا۔

لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ اس نے مجھے پہچانا کس طرح تھا۔ میرے مخالفین میں بیلا واحد ہستی تھی جو مجھے پہچانتی تھی۔ میں نے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو مجھے شناخت کر سکتا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ دیال شنکر بھی میرے سامنے آیا ہو اور پھر یہ مسئلہ صحرا نے حل کر دیا۔

”دیال شنکر نے تمہیں نہیں مجھے پہچان لیا تھا۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”جب میں ماؤنٹ آبو میں اکال شوار مندر میں پنڈت بھیرو کے پاس تھی تو دیال شنکر بھی وہاں آ گیا تھا اور اس نے بہت جلد پنڈت بھیرو کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”انہی دنوں تم بھی مندر میں آ گئے تھے۔ تم مندر کے ساتھ والے بنگلے میں تھے۔ اس نے تمہیں تو نہیں دیکھا تھا مگر اسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ پنڈت بھیرو نے مجھے اور شیلا کو اپنے کسی خاص مہمان کی سیوا کے لئے اس بنگلے میں بھیج دیا ہے۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جب ناگ راج کے آدمیوں نے مندر پر حملہ کیا تو دیال شنکر اس وقت مندر میں موجود نہیں تھا۔ میں اور پنڈت بھیرو بھی اس بنگلے سے فرار ہو کر شہر والے بنگلے میں آ گئے اور اس کے بعد یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی کہ ہم پاکستانی دہشت گرد کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ روپوش ہوئے ہیں۔“

”تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک عورت کا ذکر آتا رہا ہے۔ بعد میں اس عورت یعنی رتنا کا نام بھی لیا جانے لگا تھا۔ لیکن ہر شخص نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت کون تھی۔ عام لوگوں کے لئے وہ ایک عورت تھی۔“

”اور اب اس نے مجھے یہاں تمہارے ساتھ دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ تم وہی دہشت گرد ہو جس کی پولیس کو تلاش ہے اور جو بہت ہی خطرناک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہشت زدہ سا ہو کر چیختا ہوا بھاگ نکلا۔ مگر یہی خوف اسے کھا گیا۔ اگر وہ ہمیں دیکھ کر شناسائی ظاہر کئے بغیر خاموشی سے نکل جاتا تو شاید اس کے بجائے ہماری لاشیں لٹکی ہوتیں۔“

”بہر حال....“ میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ”ہم ایک بڑی مصیبت سے بچ گئے۔ میرے خیال میں یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ نہیں۔ جس طرح رام اوتار منہ اٹھائے یہاں چلا آیا تھا کوئی اور بھی آ سکتا تھا۔ لگتا ہے کستوری یہاں کے مردوں میں کافی پاپولر ہے۔“

میری اس بات پر کستوری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

”اور یہ پاپولری میرے لئے عذاب بنی ہوئی ہے۔“ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”مجھے مال مفت سمجھا جاتا ہے۔ جس کا جب دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ لوگ کسی کی مجبوریوں کو

نہیں سمجھتے۔ بعض تو مجھے ذرا دھمکا کر اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔ اور بعض میری کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں اس میں کچھ غلطی تمہاری بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں بہت زیادہ۔" کستوری بولی۔ "اگر میں شروع میں کمزوری نہ دکھاتی اور جرأت سے ڈٹ جاتی تو آج مجھے کسی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"یہاں تو ہم اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ کیا تمہاری نظروں میں....؟"

"اوہ....؟" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "تم نے پہلے بھی یہ بات کہی تھی اور میں اس سلسلے میں تمہیں بتانا چاہتی تھی۔" وہ اٹھ کر الماری کی دراز میں کچھ تلاش کرنے لگی۔ پھر چابیوں کا ایک گچھا نکال کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ "میرے پاس ایک اور ٹھکانہ ہے۔" وہ چابیوں کا گچھا دکھاتے ہوئے بولی۔ "شرمیلا بائی کے مکان کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ وہ عمارت خالی پڑی ہوئی ہے۔ ہم چند روز اس کے گھر رہ سکتے ہیں۔"

"شرمیلا بائی کون...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک رقاصہ ہے میری جاننے والی۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس پر میں ہر طرح سے اعتماد کر سکتی ہوں۔" "وہ رقاصہ ہے۔ لیکن کبھی ایک جگہ پر ٹک کر نہیں بیٹھتی۔" کستوری نے جواب دیا۔ "وہ چونکہ یہیں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی تھی اس لئے اس نے جودان گڑھ سے اپنے قدم نہیں اکھڑنے دیئے۔ وہ مختلف شہروں میں گھومتی رہتی ہے۔ کبھی نائٹ کلبوں میں، کبھی ہوٹلوں میں اور کبھی فنکشنوں میں رقص کے پروگرام کرتی رہتی ہے لیکن ہر دوسرے تیسرے مہینے چند روز کے لئے یہاں ضرور آتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "شرمیلا سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ ہم دونوں جب بھی یہاں ہوتی ہیں وہ پورا دن اکٹھی ضرور رہتی ہیں۔ کبھی میں اس کے گھر اور کبھی وہ میرے گھر۔ میرے گھر کی چابیاں اس کے گھر میں رہتی ہیں اور اس کے گھر کی چابیاں میرے گھر۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابیوں کا گچھا دکھایا۔ "پچھلی مرتبہ جب میں یہاں آئی تھی تو میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہی دنوں عمارت پور کے ایک نائٹ کلب سے اس کا تین مہینے کا معاہدہ ہوا تھا۔ آج کل وہیں ہے۔ تقریباً ایک مہینہ گزر چکا ہے۔ مزید دو مہینے وہیں رہے گی۔"

"کیا اس کا مکان بھی کسی ایسی ہی گندی بستی میں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں...." کستوری مسکرا دی۔ "میں تو دوسروں کے تسلط میں رہتی ہوں شرمیلا آزاد ہے۔ شرمیلا کا مکان جودی پتی میں ہے جو برسوں پہلے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا لیکن چند مہینے پہلے شرمیلا نے بڑی رقم خرچ کر کے اسے مرمت کروایا ہے۔ جتنی رقم اس نے اس مکان کی مرمت پر لگائی ہے اتنی رقم میں تو نیا مکان بن سکتا تھا۔ ہم آج ہی رات اس مکان میں منتقل ہو جائیں گے۔"

"لیکن تمہارے جاننے والوں کو پتہ چل جائے گا کہ تم کہاں رہ رہی ہو.... اس طرح یہ جگہ بھی ہمارے لئے غیر محفوظ نہیں ہو جائے گی؟" میں نے کہا۔

"صرف دو تین دن...." کستوری بولی۔ "اس دوران تم میرا کام کر دو گے اور تمہارے لئے بھی

خطرہ کسی حد تک ٹل جائے گا۔ تم دونوں اپنے راستے پر چلے جانا اور میں اپنا ٹھکانہ تلاش کر لوں گی۔"

"تم نے ابھی تک وہ کام نہیں بتایا۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیال شنکر کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد بتاؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

باتوں کے دوران وہ مسلسل اپنے بدن پر خراشوں کو سہلاتی رہی تھی۔ سحرا کا ہاتھ بھی بار بار اپنے گلے اور چہرے کی طرف اٹھ رہا تھا۔ کستوری نے ڈریسنگ کی دراز سے لوشن کی ایک بوتل نکال لی۔ یہ اینٹی سیپٹک لوشن تھا۔ پہلے اس نے کاٹن سے اپنی خراشوں پر لوشن لگایا۔ پھر لوشن کی بوتل اور کاٹن کا ایک ٹکڑا سحرا کی طرف بڑھا دیا۔ سحرا نے کاٹن کا ٹکڑا بھگو کر جیسے ہی چہرے کی ایک خراش پر رکھا اس کے منہ سے سی کی آواز نکل گئی۔ لیکن اس کے بدن پر جہاں جہاں خراشیں تھیں وہاں لوشن لگانا پڑا۔

کستوری کمرے سے باہر آ گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ ہم دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا کسی وقت کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی اور پھر خاموشی چھا جاتی۔

ہم تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے اور پھر دور کہیں کسی گھڑیال کی آواز نے ایک بار پھر رات کا سکوت توڑ دیا۔ میری تمام تر توجہ گھڑیال کی آواز پر تھی۔ بارہ بجے تھے۔ ہو سکتا ہے شہر کے کسی حصے میں اب بھی کچھ رونق ہو لیکن اس گندی بستی کی فضا پر قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" کستوری نے میری طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"اور وہ لاش....؟" میں نے پوچھا۔

"اس بستی کے پچھلی طرف ایک گندا نالا ہے ہم دیال شنکر کی لاش کو اس میں پھینک دیں گے۔" کستوری نے جواب دیا۔

ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے۔ جہاں دیال شنکر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کستوری نے بتی جلا دی۔ لاش کا چہرہ سوکھ کر اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔ ہم دونوں نے لاش کو نیچے اتار لیا۔ کستوری نے بستر کی چادر فرش پر بچھا دی۔ لاش کو اٹھا کر چادر پر ڈالا اور اسے باندھ کر گٹھڑی بنالی۔

سحرا بھی اس کمرے میں آ گئی۔ اس نے سوٹ کیس اٹھا لیا۔ کستوری نے دونوں کمروں کا تنقیدی جائزہ لیا۔ میں لاش کو کندھے پر اٹھا کر کمرے سے باہر آ چکا تھا۔ کستوری نے دونوں کمروں کی بتیاں بجھا کر دروازے بند کر دیئے تھے۔ اس نے باہر کا دروازہ کھول کر گلی میں جھانکا اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں گٹھڑی کو کندھے پر اٹھائے باہر آ گیا۔ سحرا بھی میرے پیچھے ہی تھی۔ کستوری نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور تاریک گلی میں ایک طرف چلنے لگی۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

دیال شنکر خاصا بھاری بھرکم آدمی تھا۔ مرنے کے بعد اس کی لاش کا وزن کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اس کے بوجھ سے میرا کندھا جھکا جا رہا تھا مگر یہ بوجھ تو مجھے اٹھانا ہی تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا رہا۔ کستوری

میرے آگے اور سمترا میرے پیچھے چل رہی تھی۔

گلیاں تنگ اور تاریک تھیں۔ کستوری میرے آگے آگے چل رہی تھی اس لئے میں بھی بے فکری سے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اگرچہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی لیکن پھر بھی یہ خوف بہر حال اپنی جگہ موجود تھا کہ اگر اچانک ہی کسی سے سامنا ہو گیا تو کیا کیا جائے گا۔

کستوری ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شڑاپ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آگے کیچڑ ہے اور کستوری کا پیر کیچڑ میں پڑ گیا تھا۔

"آگے کیچڑ ہے ذرا سنبھل کر آنا۔" کستوری نے مڑ کر سرگوشی میں کہا۔

میں اس کے خبردار کرنے سے پہلے ہی رک گیا تھا۔ میرے کندھے پر لاش کا بوجھ جیسے بڑھتا ہی جا رہا تھا اور میں اس کم بخت کو دوسرے کندھے پر منتقل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے کندھے پر لاش کو سنبھالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے کر ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنے لگا۔

کیچڑ میں پیر رکھنے سے شڑاپ شڑاپ کی ہلکی سی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

یہ کیچڑ غالباً اس گلی میں خاصا دور تک تھا۔ چند گز آگے ایک اور تنگ سی گلی بائیں طرف سے اس طرف آ کر مل رہی تھی۔ کستوری سیدھی نکل گئی اور میں جیسے ہی بائیں طرف والی گلی کے سامنے پہنچا غراہٹ کی ہلکی سی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا ایک کتے نے خوفناک انداز میں بھونکتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

میں ایک دم بدحواس ہو چکا تھا۔ میرا پیر کیچڑ میں پھسلا۔ لاش میرے کندھے سے گر گئی اور میں بھی بلاکی آواز سے کیچڑ میں گرا تھا میں گر جانے کی وجہ سے کتے کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا ورنہ وہ اپنی ہی جھونک میں آگے نکل آیا تھا۔

میرے پیچھے سمترا کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی تھی وہ بھی بدحواس ہو کر مجھ سے ٹکرا کر گری۔ کتا چند گز آگے جا کر واپس پلٹا اور بھونکتا ہوا ایک بار پھر حملہ آور ہوا اور اس مرتبہ سمترا کی ساڑھی کا پلو اس کے منہ میں آ گیا۔

سمترا بری طرح چیخ رہی تھی۔ کتا اس کی ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبائے اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ ہم سے آگے کستوری بھی دیوار سے لگی کھڑی چیخ رہی تھی۔

ہم اگرچہ پانی شنکر کی لاش لے کر خاموشی سے اس بستی سے نکل جانا چاہتے تھے مگر کتے کی مداخلت نے معاملہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ سمترا کی ساڑھی کا پلو دانتوں میں دبوچے اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس خطرناک صورتحال سے نجات کے لئے میرے پاس ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا اور اس لمحہ ساتھ والے مکان کے صحن سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون ہے.... گلی میں کون ہے؟"

میں نے گولی چلا دی۔ کتا ڈھیر ہو گیا۔ ساڑھی کا پلو اس کے دانتوں کی گرفت سے چھوٹ گیا اور اس کے منہ سے نیاؤں نیاؤں کی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں اس کے فوراً ہی بعد اس مکان کے اندر کوئی دروازہ دھڑ سے بند ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔

کستوری دوڑ کر ہمارے قریب آ گئی۔ وہ اگرچہ خود خوفزدہ تھی مگر اس نے سمترا کو سہارا دے کر اٹھایا اور قریب پڑا ہوا سوٹ کیس بھی اٹھا لیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ دیال شنکر کی لاش یہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤں مگر ہم کستوری کے مکان سے زیادہ دور نہیں تھے۔ لاش ملنے کے بعد پنڈت رام اوتار جیسے آدمیوں کے لئے اس لاش کا کستوری سے تعلق ثابت کرنا زیادہ مشکل نہ ہوتا اور پھر ہماری موجودگی بھی راز میں نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لاش کو تو اس جگہ سے ہٹانا ہی تھا جہاں کم از کم دو چار دن تک اس کا سراغ نہ مل سکے۔

یہ غنیمت تھا کہ قرب و جوار میں کوئی اور کتا نہیں تھا تا ہم دور دوسری گلیوں میں کتوں نے بھونکتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ قریبی مکان سے کتے کے بھونکنے اور سمترا کی چیخوں کی آواز سن کر کسی نے صورتحال معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر فائر کی آواز سن کر اس نے بھی کمرے میں گھس کر دروازہ دھڑ سے بند کر لیا تھا اور میرا خیال تھا کہ کسی اور گھر سے بھی کوئی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کریگا۔

میں اگرچہ خاصا بدحواس ہو چکا تھا لیکن صورتحال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میں نے نیچے جھک کر بڑی مشکل سے کیچڑ میں لتھڑا ہوا لاش والا گٹھڑ کندھے پر اٹھایا اور سمترا اور کستوری کے پیچھے پیچھے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلنے لگا۔

اس کے بعد ہمیں اس قسم کی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہم چند گلیوں میں چکرانے کے بعد بستی کے دوسری طرف نکل گئے۔ گندے نالے کی بدبو سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ نالہ خاصا گہرا اور تقریباً سو فٹ چوڑا تھا۔ اس کے دوسری طرف کافی دور تک مہذب آبادی کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

میں کستوری کے پیچھے چلتا رہا۔ تقریباً بیس گز چلنے کے بعد ہم ایک پل پر پہنچ گئے۔ نالے پر بنا ہوا پل وہاں سے تقریباً دو سو گز دور تھا۔ یہ تنگ سا عارضی پل پیدل آمدورفت کیلئے بنایا گیا تھا۔ ہم تیز تیز قدموں سے اس پل پر چلتے رہے اور وسط میں پہنچ کر رک گئے۔

یہاں نالہ زیادہ گہرا تھا اور پانی کے تیز بہاؤ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ریلنگ پر جھک کر اپنا بوجھ نیچے پھینک دیا۔ تقریباً پندرہ فٹ نیچے شڑاپ کی زوردار آواز سنائی دی اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

میں ریلنگ سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میرا لباس کیچڑ میں لت پت اور جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کی صورتحال سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ یہاں اگرچہ ٹھنڈی اور تیز ہوا چل رہی تھی مگر نالے کے پانی سے اٹھنے والے تعفن سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

سمترا اور کستوری بھی ہانپ رہی تھیں۔ ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رک سکتے تھے دو منٹ بعد ہم پل پر آگے کی طرف چلنے لگے۔

میرے جوتوں میں بھی کیچڑ یا پانی بھر گیا تھا۔ جس سے چلنے میں الجھن اور دشواری ہو رہی تھی۔ سمترا ننگے پیر تھی۔ وہ جب کیچڑ میں گری تھی تو چپل کیچڑ میں دھنس گئے تھے۔ کتے کے حملے سے وہ اس قدر بدحواس اور خوفزدہ ہو گئی تھی کہ چپل تلاش کرنے کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔

پل کے دوسری طرف نالے کے کنارے پر دور دور تک کوڑے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور ان ڈھیروں میں کہیں کہیں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔ شہر کو صفائی کرنے والا عملہ کوڑا یہاں ڈھیر کر کے اس کو آگ لگا دیتا تھا اور اس طرح یہاں سے اٹھنے والا دھواں پورے شہر کی فضا کو متاثر کرتا تھا۔

کوڑے کے ان ڈھیروں سے آگے غالباً کھیل کا میدان تھا۔ جس کے دوسری طرف مکانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ آبادی گنجان نہیں تھی۔ پرانے طرز کے مکانات تھے اور ہر مکان کے ساتھ لمبا چوڑا کمپاؤنڈ تھا۔ اس طرح ان مکانوں کے بیچ خاصا فاصلہ تھا۔

کستوری ایک گلی میں داخل ہو کر بائیں طرف مڑ گئی۔ کافی کشادہ گلی تھی۔ جو زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی۔ اس کے اختتام پر بہت چوڑی سڑک تھی۔ اس سڑک پر سامنے کی طرف حویلی نما پرانی طرز کے مکانات تھے۔ جن کی دیواریں خاصی اونچی تھیں۔ کسی کسی گیٹ کے اندر کافی دور عمارت میں کہیں روشنی نظر آ جاتی۔

کستوری ایک ایسے مکان کے سامنے رک گئی جس کی باؤنڈری وال پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ گیٹ بھی پرانی طرز کا نہیں بنگلے کی طرح نئی طرز کا تھا۔ باؤنڈری وال کے دوسری طرف لاتعداد درخت تھے اور ان درختوں کے پیچھے وہ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

گیٹ کے سامنے رک کر کستوری نے چابیوں کا گچھا نکالا اور پھر ایک چابی منتخب کر کے ذیلی دروازہ کھولنے لگی۔ ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا۔

درختوں کے درمیان بجری کی وہ روش خاصی طویل تھی۔ جس کے اختتام پر وہ حویلی نما عمارت تھی جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ پورچ میں بائیں طرف بالکل آخر میں کوئی گاڑی بھی کھڑی تھی۔

"یہاں کوئی ہے کیا؟" میں نے کستوری کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"نہیں، تمہیں یہ شبہ کیوں ہوا؟" کستوری نے پوچھا۔

"وہ گاڑی....." میں نے اس طرف اشارہ کیا۔

"اوہ..... وہ" کستوری پورچ میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "شرمیلا کی ہے لیکن استعمال کے قابل نہیں رہی۔ عرصے سے یہاں کھڑی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بولی۔ "تم نے یہ تو سنا ہوگا کہ راجے مہاراجے اپنی شان بڑھانے کے لئے اپنے دروازے پر ہاتھی باندھا کرتے تھے۔ ہاتھیوں کا دور تو اب گزر چکا ان کی جگہ گاڑیاں لے لی۔ تو یہ سمجھو کہ شرمیلا نے بھی اپنی شان بڑھانے کے لئے یہ کھٹارا یہاں کھڑی کر رکھی ہے۔ دیکھنے والوں پر کچھ رعب تو پڑتا ہے۔"

یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے پورچ والا دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک دیوار ٹٹولتی رہی۔ پھر کٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور وہ جگہ روشن ہو گئی۔

یہ ایک کشادہ راہداری تھی جس کے اختتام پر ایک مختصر سا ہال تھا۔ کستوری بتی جلا کر ہماری طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی اور ہال کمرے میں پہنچ کر بتی جلا دی۔ اتنے میں ہم بھی اس کے قریب پہنچ گئے۔ کستوری نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے قہقہے ابل پڑے۔ ایک لمحہ کو مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ لیکن یہ قہقہے لگانے کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی۔

میں نے عمرا کی طرف دیکھا اس کا لباس تو کیچڑ میں لت پت تھا ہی، ہاتھ منہ اور چہرہ بھی لتھڑا ہوا تھا اور غالباً ایسی ہی حالت میری بھی تھی۔ یوں تو کستوری کا لباس اور ہاتھ بھی کیچڑ آلود تھے مگر اس کا چہرہ بچا ہوا تھا۔

"اب مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگی ہے۔" میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے باتھ روم کا راستہ بتاؤ۔"

کستوری مجھے ایک کمرے میں لے آئی اور باتھ روم کے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"تم یہاں اپنا حلیہ درست کر لو۔ میں عمرا کو دوسرے باتھ روم میں لے جاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں نے کمرے کا دروازہ بھی بند نہیں کیا اور باتھ روم میں گھستے ہی کپڑے اتار کر پھینک دیئے اور شاور کھول دیا۔ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

میں کافی دیر تک شاور کے نیچے کھڑا رہا۔ بدن پر سے کیچڑ بہہ جانے کے بعد میں نے ادھر ادھر دیکھا اور صابن اٹھا کر جسم پر رگڑنے لگا۔

میں تقریباً آدھا گھنٹہ شاور کے نیچے کھڑا رہا پھر پانی بند کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باتھ روم میں شیشے کے دروازے والا ایک کیبنٹ بنا ہوا تھا جس میں مختلف اقسام کے لوشن، کریمیں وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تولیہ اسٹینڈ بھی تھا مگر اس پر تولیہ نہیں تھا۔

میں باتھ روم سے نکل آیا اور بیڈ پر بچھی ہوئی چادر اٹھا کر جسم پر لپیٹ لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور بتی جل رہی تھی میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کوئی دکھائی تو نہیں دیا البتہ بائیں طرف باتھ روم سے عمرا اور کستوری کے ہنسنے کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں ہال کمرے میں آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں اس کمرے سے برآمد ہوئیں۔ دونوں نے شرمیلا بائی کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ شرمیلا غالباً خاصی صحت مند جسم کی عورت ہوگی کیونکہ عمرا کے جسم پر وہ کپڑے خاصے ڈھیلے لگ رہے تھے۔

"لاش کا بوجھ اٹھائے رہنے سے میرے کندھے دکھنے لگے ہیں۔ لگتا ہے زندگی میں اس کم بخت کو وزن بڑھانے کے سوا کوئی اور کام ہی نہیں تھا۔" میں نے ایک ہاتھ سے بایاں کندھا دباتے ہوئے کہا۔

"تھکن دور کرنے کے لئے اس وقت چائے کی شدید خواہش ہو رہی ہے لیکن ظاہر ہے اس وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہیں مل سکتی۔"

"مل سکتی ہے۔" کستوری مسکرا دی۔ "شرمیلا میری طرح لاابالی نہیں ہے وہ گھر میں ہر چیز کا بندوبست رکھتی ہے تاکہ جب واپس آئے تو کوئی پریشانی نہ ہو۔ لیکن....."

"لیکن کیا؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چائے پاؤڈر کی ہے گی۔" اس نے کہا۔

"اس وقت تو بغیر دودھ کی بھی مل جائے تو بہت بڑی بات ہوگی۔" میں نے کہا۔

کستوری ہال کے بائیں طرف ایک دروازے میں غائب ہوگئی۔ سمترا میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے سائے نظر آرہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھی میری طرف تکتی رہی۔

پندرہ منٹ بعد کستوری چائے بنا کر لے آئی اور پھر چائے کے ساتھ باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہم اس صورت حال پر تبصرہ کر رہے تھے جس سے ابھی گزر کر آئے تھے۔

"دیال شنکر کی لاش مل گئی تو سب سے پہلا شبہ تم پر ہوگا۔" میں نے کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پنڈت رام اوتار کو معلوم ہے کہ وہ تمہارے پاس آیا تھا اور تم نے اسے بتایا تھا کہ وہ مہمانوں کو چھوڑنے کے لئے اسٹیشن پر گیا ہوا ہے اور جب لاش ملے گی تو..."

"یہ بات صرف رام اوتار جانتا ہے کہ دیال شنکر میرے پاس آیا تھا۔" کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ "اور میں جانتی ہوں کہ رام اوتار جیسے حرامی شخص کی زبان کیسے بند رکھی جاسکتی ہے۔"

"ہاں... وہ تو میں اچھی طرح جان گیا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہ بات کیا ہے میرا مطلب ہے وہ کام جس کے لئے تم نے ہمیں پناہ دی ہے۔"

"وہ کام بھی اس حرامی سے متعلق ہے۔" کستوری نے کہا اور سمترا کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ شاید اس کے سامنے کچھ کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ "میرا خیال ہے تمہیں نیند آرہی ہے چلو میں تمہیں کمرے میں چھوڑ آؤں یا پھر تم اس کمرے میں چلی جاؤ۔"

سمترا نے میری طرف دیکھا میں نے اشارہ کردیا۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر اس کمرے کی طرف چلی گئی۔

"ہاں... اب بتاؤ کیا قصہ ہے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ میں نے چادر پوری طرح اپنے جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔

"بات یہ ہے..." وہ میری طرف جھکتے ہوئے بولی۔ "پنڈت رام اوتار تقریباً تین سال پہلے یہاں آیا تھا۔ اس نے پتہ نہیں کیا کیا کہ مندر کا پہلا پروہت پنڈت شیام کندن اپنی گدی اسے سونپ کر چلا گیا۔ اس کے بعد تو اسے کبھی دیکھا گیا نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سنا گیا۔"

"یہ مندر اگرچہ ہے تو چھوٹا سا مگر یہاں آمدنی بہت ہے۔ پنڈت رام اوتار نے کروڑوں روپے مالیت کا سونا اور قیمتی چیزیں جمع کر رکھی ہیں۔ وہ بہت عیاش آدمی ہے۔ اس نے اس مندر کو جرائم اور عیاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے۔ پولیس بھی اس کی مٹھی میں ہے۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ عیاشی کے لئے یہاں آتے ہیں۔ انہیں گھروں پر بھی لڑکیاں سپلائی کی جاتی ہیں مندر میں آنے والی کوئی بھی خوبصورت لڑکی ان سے بچ کر نہیں جاسکتی۔ کئی مرتبہ بات پولیس اور اعلیٰ پولیس افسران تک بھی پہنچی لیکن رام اوتار کا کبھی کچھ نہیں بگڑا البتہ فریاد کرنے والوں کو ہی ڈرا دھمکا کر زبان بند رکھنے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔

"رام اوتار سے میں نے بھی بڑی ذلت اٹھائی ہے۔ چند گھنٹے پہلے تم دیکھ چکے ہو کہ وہ مجھے کس طرح اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ تین سال پہلے جب اس نے پہلی مرتبہ میرے ساتھ زیادتی کی تھی تو میں نے اس کی شکایت ایک بڑے آفیسر سے کردی تھی لیکن یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اس وقت رام اوتار بھی اس آفیسر کے بنگلے کے ایک کمرے میں موجود تھا وہ آفیسر مجھے اس کمرے میں لے گیا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔"

"پنڈت رام اوتار ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک لڑکی اسے شراب پلا رہی تھی۔ میں بھی ان کے چنگل میں پھنس گئی۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ میرے ساتھ شروع سے زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ ہمدردی جتا کر مجھے ہوس کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ کبھی بہن کہہ کر مجھے روندا گیا اور کبھی بیٹی بنا کر مجھے پامال کیا گیا۔ لیکن جتنی ذلت مجھے اس حرامی پنڈت کے ہاتھوں اٹھانا پڑی ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ یہ مجھے بڑے بڑے افسروں کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ ان دنوں میں بڑی مشکل سے یہاں سے جان بچا کر بھاگی تھی۔"

"اب میں مجھے تیں ایک مرتبہ یہاں آئی ہوں۔ اسے پتہ چل جاتا ہے اور آج رات شیطان کی طرح ٹپک پڑتا ہے۔ دوسروں کے سامنے مجھے بیٹی کہتا ہے لیکن یہ شیطان سے بھی بڑا شیطان ہے۔"

"اس کا اندازہ میں لگا چکا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم وہ بات کہو جو کہنا چاہتی ہو۔"

"رام اوتار نے بڑی دولت جمع کر رکھی ہے۔" کستوری نے کہا۔ "کروڑوں کا سونا ہوگا۔ جو اس نے تہہ خانے میں چھپا رکھا ہے۔ میں بہت عرصے سے اس سے یہ دولت چھیننے کا منصوبہ بنا رہی ہوں۔ لیکن مجھے بھروسے کا کوئی آدمی نہیں مل رہا۔ میں جانتی ہوں جس کو بھی ساتھ ملاؤں گی وہ دولت حاصل کرنے کے بعد مجھے ہی موت کے گھاٹ اتار دے گا اور سب کچھ لے کر فرار ہو جائے گا۔ میں نے دیال شنکر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی وہ میرے قرب کا خواہش مند تھا کئی مرتبہ کوشش بھی کر چکا تھا مگر میں نے ہر مرتبہ اسے دھتکار دیا تھا اور پھر میں نے اس سے یہ کام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ میرا منصوبہ جان لینے کے بعد اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا تو وہ پنڈت کو میری سازش سے آگاہ کردے گا۔ اب میں اس بھیڑیے کے چنگل میں بھی پھنس چکی تھی۔ وہ جب چاہتا مجھے دھمکا کر اپنی خواہش پوری کرلیتا مجھے اپنے کریہہ اور بدہیئت لوگوں کو دیکھ کر گھن آتی ہے۔ مگر میں ان کو جھیلنے پر مجبور ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم سے جب ملاقات ہوئی تو نجانے مجھے یہ یقین سا کیوں ہوگیا کہ تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اس لئے میں نے تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی تھی اور اب میری دوسری پیشکش یہ ہے کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو پنڈت رام اوتار کی دولت میں سے آدھا حصہ تمہارا۔ تمہارے پاس دولت ہوگی تو تم آسانی سے اس ملک سے نکل سکو گے۔ تمہیں قدم قدم پر پولیس کا سامنا ہے اور آگے بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ لیکن ہندوستان کے پولیس والوں کو گھوس کھانے کا بہت شوق ہے۔ وہ حرام کی کمائی پر پل رہے ہیں۔ تمہارے پاس دولت ہوگی تو کوئی تمہارا راستہ نہیں روک سکے گا۔"

"اور اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کردوں تو؟" میں نے گہری نظروں سے اس کی طرف

دیکھا۔

"تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس بات کی تو خوشی ہوگی کہ تم نے مجھے دھوکا دینے کے بجائے صاف گوئی سے کام لیا۔ ایسی صورت میں میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ تم جہاں چاہو چلے جانا۔ میں تمہارے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کروں گی۔" کستوری بات کرتے ہوئے میری طرف جھکی جا رہی تھی۔ میں اس سے الگ ہٹ کر بیٹھ گیا اور بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

☆......☆......☆

صبح کا اخبار میرے لئے بہت سی تشویش آمیز خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس روز ہم صبح دس بجے تک سوتے رہے تھے۔ چائے کا انتظام تو تھا مگر ناشتہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ کستوری نے پہلے ہمیں چائے بنا کر دی۔

اور پھر ناشتے کا سامان خریدنے کے لئے بازار چلی گئی۔ اس دوران میں نے باتھ روم میں پڑے ہوئے اپنے گندے کیچڑ آلود کپڑے دھو کر باہر دھوپ میں گھاس پر پھیلا دیئے اور بستر کی چادر کو دھوتی کی طرح لپیٹ لیا تھا۔

ایک گھنٹے بعد کستوری ناشتے کا سامان لے آئی۔ اس کے پاس دو اخبار بھی تھے۔ ایک تو جو دن گڑھ ہی سے شائع ہوتا تھا اور دوسرا کوٹ پتلی کا اخبار تھا۔ کوٹ پتلی والے اخبار میں ہمارے حوالے سے سنسنی خیز بات یہ تھی کہ پہلے صفحہ پر سمترا کی تصویر بھی تھی۔

یہ تصویر روپ سہائے کے ساتھ تھی اور زیادہ پرانی نہیں تھی۔ روپ سہائے ٹیرس میں گارڈن چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب یا کسی اور مشروب کا گلاس تھا۔ سمترا کرسی کے ہتھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا بوجھ روپ سہائے پر تھا۔ اس نے ایک بازو روپ سہائے کی گردن میں حمائل کر رکھا تھا۔ سر پر کالف کیپ تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ اور اس کا چہرہ روپ سہائے کے چہرے سے ملا ہوا تھا۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جس کا پلو نیچے فرش پر لٹکا ہوا تھا۔

میں دیر تک اس تصویر کو غور سے دیکھتا رہا۔ میں چونکہ سمترا کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک طویل عرصے سے ہمارا ساتھ تھا۔ اس لئے میں نے تصویر میں سمترا کو پہچان لیا تھا لیکن میرے خیال میں کسی عام آدمی کیلئے جس نے زندگی میں پہلے کبھی سمترا کو نہ دیکھا ہو یہ تصویر دیکھ کر اسے پہچان لینا آسان نہیں ہو سکتا تھا۔

اسی اخبار نے ایک بار پھر میرا ماضی کھنگال ڈالا تھا۔ ماؤنٹ آبو سے کوٹ پتلی تک کی ساری تاریخ دہرا دی تھی اور سمترا کے بارے میں بھی یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ دراصل میری ہی ساتھی تھی جو کسی طے شدہ منصوبے کے تحت تین مہینے پہلے کوٹ پتلی آ گئی تھی اور روپ سہائے کے ساتھ رہ رہی تھی اور جب میں کوٹ پتلی پہنچ گیا تو ہم نے روپ سہائے کو قتل کر کے بھاگنے کی کوشش کی۔ روپ سہائے تو بچ گیا لیکن میری ساتھی رتنا فرار کی کوشش میں پولیس کے ہاتھوں ماری گئی۔

اخبار میں رتنا کی لاش کی بھی تصویر تھی۔ اس کے بارے میں بھی مختصر سا لکھا ہوا تھا کہ وہ مشرقی پنجاب کی رہنے والی تھی اور میری اس سے پہلی ملاقات ماؤنٹ آبو کے پریم نواس ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔

اس کے بارے میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ جس میں زیادہ تر مبالغہ آرائی تھی۔

روپ سہائے کا بھی بیان تھا۔ اس کی حویلی سے ہمارے فرار کے بعد پولیس نے اسے حراست میں لے لیا تھا لیکن وہ ہمارے خلاف سرکار سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار تھا۔ اس لئے اس کو کچھ چھوٹ دے دی گئی تھی۔ اس نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ ہم پنجاب کی طرف نکلنے کی کوشش کریں گے۔ سمترا نے شاید کسی وقت اس سے ایسی کوئی بات کہی ہوگی اس لئے اس نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا تھا کہ پنجاب کی طرف جانے والے راستوں پر زیادہ توجہ دی جائے۔

سمترا نے بھی یہ خبریں پڑھیں اور روپ سہائے کے ساتھ اپنی تصویر دیکھ کر تو وہ بدحواس سی ہو گئی تھی۔

کستوری ناشتہ تیار کر کے لے آئی۔ میرا خیال تھا کہ اس نے بازار سے اخبار خرید کر تہہ کر کے رکھ لئے تھے اور ابھی دیکھے نہیں تھے۔ ناشتہ میز پر سجا کر اس نے کوٹ پتلی والا اخبار اٹھا لیا۔ پہلے سرخیاں دیکھتی رہی پھر روپ سہائے اور سمترا کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ روپ سہائے ہے اسے تو شاید پہلے بھی میں نے کہیں دیکھا ہے۔ پر یہ لڑکی کون ہے؟"

میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے معنی خیز نگاہوں سے سمترا کی طرف دیکھا پھر کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"روپ سہائے ایک عیاش آدمی ہے۔ اس کی زندگی میں نجانے کتنی لڑکیاں آئی ہوں گی۔ اخبار والے روپ سہائے کی تصویر چھاپنا چاہتے ہوں گے۔ کوئی الگ تصویر نہیں ملی ہوگی۔ انہوں نے یہ چھاپ دی۔

"اگر ایسی بات ہے تو لڑکیوں کے معاملے میں اس کا ذوق اچھا ہے۔" کستوری بولی۔

میں نے ایک بار پھر معنی خیز نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرا کر رہ گئی اور پھر ہم ناشتہ کرنے لگے۔ میں نے کستوری کو اس تصویر کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اگر تصویر والی لڑکی اس کے لئے اجنبی تھی تو اسے اجنبی ہی رہنا چاہئے تھا ویسے میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ جس نے سمترا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اس تصویر سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

"پنڈت رام اوتار نے کل رات ٹھیک ہی کہا تھا۔" کستوری نے ڈبل روٹی کے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے یہاں سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی ہے۔ گزشتہ رات شہر کے تمام ہوٹل سرائیں اور گیسٹ ہاؤسز کو بھی چیک کیا گیا ہے۔ ریلوے اسٹیشن کی بھی سخت نگرانی ہو رہی ہے۔ ہر جوان عورت اور مرد پر گہری نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ شہر سے باہر جانے والی پرائیویٹ گاڑیوں کو بھی چیک کیا جا رہا ہے۔"

"پل شنکر کی لاش تو ابھی نہیں ملی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔" کستوری نے جواب دیا۔ "نالے کے پانی کی روانی بہت تیز ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لاش پانی میں بہتی ہوئی بہت دور نکل گئی ہو اور دو چار روز بعد جب وہ کسی جگہ دریافت ہو تو شناخت کے قابل نہ ہو۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن رام اوتار تم سے اس کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔" میں نے کہا۔

"ایک دو دن تک تو میں اس کا منہ بند رکھ سکتی ہوں اور اس کے بعد یہ تمہارا کام ہوگا کہ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔" کستوری نے کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ کستوری نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ کسی کو موت کے گھاٹ اتار دینا میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں اس طرح کی وارداتوں کا عادی ہو چکا تھا۔ جب اپنی جان خطرے میں ہو تو دوسرے کی جان لے لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا لیکن ایک ایسا شخص جس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ میرے راستے میں نہیں آیا تھا۔ میرے لئے کسی نقصان یا خطرے کا باعث نہیں بن سکتا تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دینا میرے نزدیک ایک بہت بڑی زیادتی تھی لیکن کستوری رام اوتار کو میرے ہاتھوں سے مروانا چاہتی تھی اور وہ اتنی سیدھی سادی بھی نہیں تھی کہ میں اس پر بھروسہ کر لیتا۔ مجھے یقین تھا کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے وہ کوئی ایسا بندوبست ضرور کرے گی کہ جیسے ہی کام ہو جائے مجھے بھی کسی چکر میں پھنسا دیا جائے۔

ناشتے کے بعد ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دوپہر کے کھانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ کستوری ایسی سگھڑ نہیں تھی کہ وہ آٹا گوندھتی اور روٹیاں پکاتی۔ مترا بھی ایسے کاموں سے ہمیشہ دور ہی رہی تھی۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے دوپہر کا کھانا بھی باہر سے ہی آتا۔

ایک بجے کے قریب کستوری کھانے کا سامان لینے کے لئے نکلی تو میں نے مترا کو بھی اس کے پیچھے جانے کے لئے کہہ دیا۔

"مم... میں" مترا ہکلا گئی۔ "یعنی اخبار میں میری تصویر شائع ہونے کے بعد بھی تم مجھے باہر جانے کہہ رہے ہو؟"

"کستوری تمہاری وہ تصویر نہیں پہچان سکی جو پچھلے دنوں میں گھنٹوں سے تمہارے ساتھ ہے کوئی اور تمہیں کیسے پہچان سکے گا۔" میں نے کہا "ویسے اگر تم چہرے کا گھونگٹ نکالے رہوگی تو کسی کو تمہارا چہرہ بھی نظر نہیں آئے گا۔۔۔ احتیاطاً یہ پستول اپنے لباس میں چھپا لو تمہیں تھوڑی تسلی رہے گی جاؤ۔ دیر مت کرو وہ دور نکل گئی ہوگی۔"

مترا چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے پستول لے کر اسے اپنے لباس میں چھپا لیا اور سر پر چادر درست کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ مترا کے جانے کے بعد میں کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ مکان کا نقشہ اگرچہ کسی حویلی کی طرح پرانی طرز کا تھا لیکن اسے ٹھیک ٹھاک کروانے کے لئے خاصی رقم خرچ کی گئی تھی۔ اس میں جدید طرز تعمیر کی کچھ تبدیلیاں بھی کی گئی تھیں جو نمایاں طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک کشادہ دروازہ پچھلی طرف بھی تھا۔ جس کے ساتھ ہی چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی تھیں۔ پچھلی طرف بھی بہت کھلی جگہ تھی۔ اس طرف بھی درختوں کی بہتات تھی اور زیادہ درخت تاڑ اور ناریل کے تھے۔

میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ عقبی باؤنڈری کی عمارت سے تقریباً پندرہ گز دور تھی۔ اس کے پچھلی طرف میدان سا تھا اور اس میدان کے پرلی طرف گنجان آبادی نظر آ رہی تھی۔

میں کافی دیر اوپر کھڑا اطراف کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اتر کر نیچے آ گیا۔ اس حویلی سے فرار کے امکانات بھی تھے اور گھیرے جانے کے بھی۔ ایسا کوئی وقت آنے پر ہی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔

میں نے سامنے والے لان میں گھاس پر پڑے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا لئے جو سوکھ چکے تھے۔ وہ اندر آ کر کمروں میں گھوم پھر کر استری تلاش کرنے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

استری کی تلاش میں ایک کمرے کا دروازہ کھول کر میں جیسے ہی اندر داخل ہوا میری آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور میں دروازے کے قریب ہی رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ کافی کشادہ بیڈ روم تھا ایک طرف بہت شاندار کنگ سائز ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ سرہانے کی طرف اس سے جڑی ہوئی سائیڈ ٹیبل اور اس کے ساتھ سفید فارمیکا کی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔

بیڈ کے دوسری طرف سفید فارمیکا ہی کی بڑی الماری اور اس کے ساتھ شیشے کے دروازوں والا وارڈ روب تھا جس میں ہینگروں پر زنانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے اور نچلے خانے میں کئی سینڈل بھرے ہوئے تھے۔

باتھ روم کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ استری اسٹینڈ رکھا ہوا تھا جس کے نیچے کپڑے رکھنے کے لئے دراز بھی بنے ہوئے تھے اور اوپر گودریج کی استری رکھی ہوئی تھی۔ استری اور اسٹینڈ کے کشن پر ہلکی سی دھول پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کرسی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر استری اور کشن صاف کیا اور استری کا پلگ سٹینڈ کے پیچھے دیوار میں لگے ہوئے ساکٹ میں لگا دیا۔ استری کو گرم ہونے کے لئے چھوڑ کر میں ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

دیواروں پر خوبصورت فریموں میں کسی لڑکی کی رنگین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ تصویر سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس لڑکی کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور اس کے حسین ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کستوری کی دوست شرمیلا تھی۔ وہ بھی اگرچہ اسی طرح رقاصہ تھی لیکن اس کے گھر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی اور وہ اس پیسے کو خرچ کرنا بھی جانتی تھی۔ وہ اگرچہ زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتی تھی مگر اسے اپنے آپ کو اور گھر کو سنبھالنے کا سلیقہ آتا تھا۔

کستوری شرمیلا سے زیادہ حسین تھی۔ وہ بھی رقاصہ تھی اور کسی نائٹ کلب ہی میں پروگرام کرتی تھی۔ مگر اس نے یہاں بگی آبادی میں گھر لے رکھا تھا اور وہاں سامان بھی بہت گھٹیا اور بہت ناموزوں تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ شروع میں اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ دوسروں کی آلہ کار اور معلوم نہیں رہی۔ وہ بیک میل ہوتی رہی تھی اور اب بھی ہو رہی تھی اور شاید اسی لئے اس کی اپنی مالی حالت خستہ تھی اور وہ دوسروں کی دولت پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔

میں شرمیلا کی تصویر سے نظریں ہٹا کر استری اسٹینڈ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اپنے کپڑے استری کرنے لگا۔ پھر میں نے استری بند کر دی اور باتھ روم میں گھس گیا۔

شاور کے نیچے ٹھنڈے پانی کے غسل سے میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ کپڑے پہن کر میں ہال کمرے میں آ گیا لیکن وہاں رکنے کے بجائے سیدھا باورچی خانے میں آ گیا۔ معلوم چیزیں تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ چائے بنا کر میں پورچ میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

یہ رہائشی علاقہ تھا اور اس سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ کبھی کبھار کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز سنائی دے جاتی۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا اور پھر اندر آ گیا۔ ایک مرتبہ پھر گھوم پھر کر پورے گھر کا جائزہ لیا اور دوبارہ ہال کمرے میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ میں اپنے بارے میں خبریں پڑھ پڑھ کر دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ میرے اور رتنا کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھی تھیں جنہیں میں بھول ہی چکا تھا۔

میری نظریں دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ تین بج رہے تھے۔ کستوری ایک بجے کھانا لینے گئی تھی۔ اب دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ صبح وہ ناشتے کا سامان تو پندرہ بیس منٹ میں ہی لے آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ دکانیں زیادہ دور نہیں تھیں لیکن دو گھنٹے..... سوا تین بجے کے قریب کستوری آ گئی۔

"اتنی دیر کہاں رہ گئی تھیں تم؟" میں نے پوچھا۔

"اس شہر میں میرے چاہنے والے بہت ہیں۔" کستوری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپنگ بیگ میز پر رکھ دیا۔ "یہاں سے تھوڑا آگے چوک پر پہنچتے ہی ایک پرانے جاننے والے سے سامنا ہو گیا۔ میں کوشش کے باوجود اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکی۔ بس اسی چکر میں دیر ہو گئی۔ تمہیں بھوک تو بہت لگ رہی ہوگی۔ سحرا کہاں ہے؟"

"اس کے لئے تو پریشان ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب..... کیسی پریشانی؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ تمہارے جانے کے تقریباً آدھا گھنٹہ بعد کسی دکان سے سگریٹ لینے گئی تھی۔ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی۔ اس کے لئے پریشان ہو رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ میری نظریں پھر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ سحرا واپسی پر ایک پیکٹ سگریٹ لیتی آئے گی۔ تاکہ کستوری کے سامنے اس کے جانے کا جواز پیش کیا جا سکے۔

"اوہ..... تم نے اسے کیوں جانے دیا۔" کستوری بولی۔ اس کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

"بس غلطی ہو گئی.....!" میں نے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ دکان کہیں قریب ہی ہوگی، سر پر چادر اوڑھے رہے گی تو اسے کوئی پہچان نہ سکے گا۔ مجھے نہیں معلوم یہ بھول گیا تھا کہ....."

"لیکن....." کستوری نے میری بات کاٹ دی۔ "میں نے تو تمہیں کل سے سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر اسے سگریٹ لینے کیوں بھیج دیا۔"

"میں باقاعدہ سگریٹ نوشی کا عادی نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی جب معدے میں گیس بھر جاتی ہے

تو ایک آدھی سگریٹ پی لیتا ہوں۔ آج صبح سے ہی کچھ ایسی کیفیت ہو رہی تھی اور جب برداشت نہیں ہو سکا تو سحرا کو سگریٹ لینے کے لئے بھیج دیا۔"

"میرے جانے کے آدھے گھنٹے بعد گئی تھی۔" کستوری میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "گویا اسے یہاں سے گئے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں مشکلات میں دیکھ کر تمہارا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ.....؟"

"نہیں....." میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس نے نہایت سنگین اور نازک ترین صورت حال میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں ایسا نہیں سوچ سکتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی ہو۔"

"اگر تمہیں اس کی وفاداری کا اتنا ہی یقین ہے تو اب مجھے بھی شبہ ہونے لگا ہے۔" کستوری نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "کہیں وہ کسی کے ہتھے نہ چڑھ گئی ہو۔ پولیس والے عورتوں کو بھی پکڑ کر پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ پولیس کے علاوہ اس شہر کے حالات سحرا جیسی حسین اور جوان عورتوں کے لئے ویسے بھی اچھے نہیں ہیں۔ یہاں تو گھر سے کھڑے خوبصورت عورتوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ کہیں وہ بدمعاشوں کے ہاتھ نہ لگ گئی ہو۔"

میں نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا پونے چار بج رہے تھے۔ اب واقعی مجھے پریشانی ہونے لگی تھی۔ سحرا کو کستوری کے پانچ دس منٹ بعد آ جانا چاہئے تھا لیکن آدھ گھنٹہ زیادہ گزر گیا تھا۔ اور چار بجنے کے قریب سحرا کو باہر والے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

"ارے کہاں رہ گئی تھیں تم۔ میں تو پریشان ہو گیا تھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں قریب کی کسی دکان سے سگریٹ لینے بھیجا تھا اور تم موسم کا لطف اٹھانے کے لئے کہیں دور نکل گئیں۔"

"لعنت ہو ایسے موسم پر۔" سحرا نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر میز پر پھینک دیا۔ پیکٹ بھی پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔

"تم منہ ہاتھ دھولو۔ میں کھانا گرم کر کے لا رہی ہوں۔ تمہارے انتظار میں ہم بھی بھوکے بیٹھے ہیں۔" کستوری نے میز پر پڑا ہوا شاپنگ بیگ اٹھایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

.......☆☆☆.......

کھانے کے بعد شام تک کا وقت باتوں ہی میں گزر گیا تھا۔ کستوری مندروں کے پجاریوں اور غنڈوں اور بدمعاشوں کی باتیں کر رہی تھی۔ اس کے خیال میں کسی پجاری اور غنڈے میں کوئی فرق نہیں تھا اور میں اس کے اس خیال سے سو فیصد متفق تھا۔ اس کا تجربہ تو مجھے بھی ہو چکا تھا۔ میں نے ان کے کردار کا بہت قریب سے جائزہ لیا تھا۔ ناگ راج پنڈت بھیرو اور کئی پجاریوں کے اندر تک جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ وہ دھرم کے نہیں دولت کے پجاری تھے۔ ہوس کے غلام تھے۔ ایک طرف انہوں نے اپنی خفیہ پناہ گاہوں میں دولت کے انبار لگا رکھے تھے تو دوسری طرف مندر جیسی پوتر جگہوں پر مندروں کا کاروبار پھیلے تھے۔ عبادت گاہوں کو انہوں نے عیاشی کے اڈے بنا رکھا تھا۔

رتنا اور سحرا کی بات اور تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بھی اپنے دیش سے غداری کی مرتکب ہو رہی تھیں لیکن مجھ سے مخلص تھیں۔ رتنا نے میری خاطر اپنی جان دیدی اور سحرا بھی اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھی۔ لیکن کستوری میں وہ بات نہیں تھی۔ اس کے دل میں لالچ تھا۔ ہوس تھی اور مجھے اس پر شبہ تھا اس لئے میں نے سحرا کو اس کے پیچھے بھیجا تھا۔ سحرا اس کے تقریباً پون گھنٹے بعد واپس آئی تھی۔ جس پر مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ لیکن مجھے ابھی تک سحرا سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"ہاں... اب بتاؤ کیا قصہ ہے؟"

"میں بڑی کامیابی سے کستوری کا پیچھا کرتی رہی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر آگے کی بات بتانے لگی۔

سحرا کے کہنے کے مطابق یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو گز آگے ایک چھوٹا سا چوک ہے جہاں دکانوں پر ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ دو چھوٹے ریسٹورنٹ اور دو تین نان بائی کی دکانیں بھی ہیں۔ کستوری کسی دکان کا رخ کرنے کے بجائے ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ گئی۔ آٹو رکشہ جیسے ہی چوک پر ایک طرف مڑا سحرا نے بھی دوسرے آٹو رکشہ پر بیٹھ کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

تعاقب کا یہ سلسلہ اس بستی آبادی کے قریب ایک مندر پر ختم ہوا جہاں ایک مکان میں کستوری کے ساتھ چند گھنٹے گزرے تھے۔ کستوری آٹو رکشہ سے اتر کر مندر میں چلی گئی۔ سحرا نے بھی آٹو رکشہ چھوڑ دیا اور مندر میں داخل ہو گئی۔ اس نے چہرے سے اس طرح گھونگٹ نکال لیا تھا کہ اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

یہ مندر باہر سے بظاہر چھوٹا سا لگتا ہے لیکن اندر بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مندر میں بہت سے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ کئی پجاری ادھر ادھر دکھائی دے رہے تھے۔

بڑے ہال میں چبوترے پر ہنومان کی بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ لوگ مورتی کے سامنے چڑھاوے چڑھا رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر منتیں مانگ رہے تھے۔

کستوری نے ایک پجاری سے کوئی بات کی اور پھر اس کے ساتھ ایک راہداری میں داخل ہو گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سحرا اس راہداری میں داخل ہوئی تو کستوری اور وہ پجاری دونوں ہی غائب ہو چکے تھے۔

سحرا پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ مندروں میں کئی خفیہ راستے ہوتے ہیں۔ تہہ خانے اور سرنگیں ہوتی ہیں جن کے بارے میں عام لوگ نہیں جانتے۔ سحرا کے خیال میں کستوری بھی کسی ایسے ہی تہہ خانے یا سرنگ میں غائب ہوئی تھی۔

وہ اس راہداری سے نکل کر دوبارہ بڑے ہال میں آ گئی۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ وہ ایک ایسی جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے ہر طرف نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

اس نے چہرہ پوری طرح گھونگٹ میں چھپا رکھا تھا اور دونوں ہاتھ جوڑے سر جھکائے کھڑی تھی۔ مگر گھونگٹ کے اندر اس کی نظریں سرچ لائٹ کی طرح چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد کستوری ہنومان کی مورتی کے دوسری طرف ایک اور راہداری سے برآمد

ہوئی۔ اس کے ساتھ پنڈت رام اوتار بھی تھا۔ وہ چند گز تک اس کے ساتھ آیا۔ کستوری نے ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔ پنڈت رام اوتار نے ہاتھ اٹھا کر اسے آشیرباد دیا اور کستوری مندر سے باہر چلی گئی۔

سحرا نے بھی مندر سے نکل کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر کستوری نے مڑ کر دیکھ لیا تو وہ اس کی نظروں میں آ جائے گی مگر کستوری نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

کستوری مختلف گلیوں میں گھومتی ہوئی بستی آبادی میں اپنے مکان میں داخل ہو گئی۔ سحرا ایک گلی کے موڑ پر رک کر مکان کی نگرانی کرنے لگی۔ بستی میں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے کئی لوگوں نے مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اگرچہ گھونگٹ میں چھپا ہوا تھا مگر دو تین منچلوں نے اس کی صورت دیکھے بغیر اسے اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش بھی کی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پنڈت رام اوتار کو کستوری کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

پنڈت رام اوتار تقریباً ایک گھنٹے بعد کستوری کے مکان سے برآمد ہوا اور مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا مندر کی طرف جانے والی گلی میں مڑ گیا۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد کستوری بھی مکان سے نکلی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایک گھنٹے تک کیا ہوتا رہا ہے۔ وہ مکان کو تالا لگا کر ادھر ادھر دیکھے بغیر ایک گلی میں مڑ گئی۔ سحرا نے بڑی ہوشیاری سے اس کا تعاقب جاری رکھا۔

وہ مندر سے کافی دور ایک اور بستی سے نکلی تھی۔ یہ کوئی بازار سا تھا۔ اس بازار میں آتے ہی کستوری ایک آٹو رکشہ پر بیٹھ گئی اور آٹو رکشہ تیزی سے مخالف سمت میں روانہ ہو گیا۔

سحرا تاؤ کھا کر رہ گئی۔ اس وقت آس پاس کوئی آٹو رکشہ نہیں تھا جس پر وہ کستوری کا پیچھا کر سکتی۔ کافی دیر تلاش بسیار کے بعد آخر کار اس نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ پریشان سی ہو گئی اور بڑی مشکل سے واپس آئی تھی۔

"قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ قسمت ہر مرتبہ ہمارا ساتھ دے۔ ہمیں اس شہر سے جلد سے جلد نکل جانا چاہئے۔" "کستوری نے جو ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اس کا کیا ہو گا؟" سحرا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"آج اس کا حل بھی سوچ لیا جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک آدھ دن میں ہر صورت میں یہاں سے نکلنا ہے۔ آج کستوری جس طرح چوری چھپے پنڈت رام اوتار سے ملی ہے۔ اس سے مجھے اس کی نیت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔"

باہر والے گیٹ سے کستوری کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم نے اپنی گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ کستوری جب اندر داخل ہوئی تو ہم اس شہر کے مندروں اور درگاہوں کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔

اس وقت ساڑھے نو بج چکے تھے۔ کستوری نے آتے ہی کھانا میز پر سجا دیا۔ ہم نے اگرچہ دوپہر کا کھانا چار بجے کے بعد ہی کھایا تھا۔ لیکن اس وقت بھی مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے میں نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

کھانے کے بعد تقریباً دس بجے تک ہم بال کمرے میں ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر میں

نے سمیرا کو اشارہ کیا وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کمرے میں چلی گئی جہاں اس نے پچھلی رات گزاری تھی۔

پچھلی رات میں نے اور کستوری نے اس صوفے پر گزار دی تھی اور میرا خیال تھا کہ آج کی رات بھی شاید یہیں پر گزرے گی۔ لیکن سمیرا کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد کستوری مجھے وہاں سے اٹھا کر شرمیلا والے کمرے میں لے آئی اور میرا خیال ہے ہم دونوں کے رات گزارنے کے لئے یہی کمرہ سب سے زیادہ اچھا رہے گا۔

ہم پہلے ہی یہ سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ ہم جتنے روز یہاں رہیں گے میری راتیں کستوری کے لئے ہوں گی میں پنڈت رام اوتار کی دولت چھپانے میں اس کی مدد کروں گا اور وہ اس شہر سے نکلنے میں ہماری مدد کرے گی۔

کستوری نے اس رات مجھے سونے نہیں دیا۔ وہ ایک ایک لمحے کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ کستوری میرے قریب لیٹی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ میں نے موقع پا کر اس سے بات کر ڈالی۔

"تم نے کیا پروگرام بنایا ہے؟"

"کیسا پروگرام؟" اس نے گردن گھما کر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میں پنڈت رام اوتار کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ..... وہ حرامی!" اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ "میں کل دوپہر اس سے ملی تھی۔"

"کیا..... کس وقت؟" میں نے چونک جانے کی اداکاری کی۔

"دوپہر کا کھانا لینے گئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے واپس آنے میں اسی لئے دیر ہوئی تھی۔ میں نے تم سے غلط کہا تھا کہ میرے کچھ جاننے والے مل گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں گھر سے نکل کر تھوڑا ہی آگے چلی گئی تو مجھے مندر کا ایک پجاری مل گیا تھا جو رام اوتار کا پیغام لے کر اسی طرف آ رہا تھا۔"

"اسے کیا معلوم کہ تم یہاں ہو؟" میں نے کہا۔

"وہ کل دن میں گیارہ بجے کے قریب میرے گھر گیا تھا گھر تالا دیکھ کر سمجھ گیا کہ میں کہاں ہو سکتی ہوں یہ تو اچھا ہوا کہ وہ خود یہاں نہیں آ گیا اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اس کے بھیجے ہوئے آدمی سے میری ملاقات راستے میں ہی ہو گئی۔ وہ یہاں آ جاتا تو تم لوگ بھی اس کی نظروں میں آ جاتے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پیغام ملنے کے بعد بھی مندر نہ گئی تو وہ یہاں آ جائے گا۔ اس لئے میں پہلے سیدھی مندر گئی تھی۔ مندر میں اس کا سامنا ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے لیکن وہ مندر میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اپنے مکان پر چلی جاؤں وہ تھوڑی دیر بعد آئے گا۔

"چند منٹ بعد وہ بھی میرے مکان پر پہنچ گیا۔ اس نے جو انکشاف کیا وہ میرے لئے بہت ہی حیرت انگیز تھا۔"

"کیسا انکشاف؟" میں نے گردن گھما کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیال شنکر کی لاش مل گئی ہے۔" کستوری نے جواب دیا۔ میں اچھل پڑا "کب..... کیسے؟" میں

نے بے اختیار پوچھا۔

"صبح آٹھ بجے کے قریب۔" کستوری نے بتایا۔ "یہاں سے تقریباً دو سو گز آگے نالے کے کنارے پر جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ چادر میں بندھی ہوئی لاش دراصل بچوں نے دیکھی تھی جو نالے کے کنارے پر کھیل رہے تھے۔ انہوں نے اپنے بڑوں کو بتایا اور بڑوں نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس نے وہ لاش نالے سے نکلوا کر اسپتال بھجوا دی ہے۔ پولیس والوں نے بھی اور اسپتال کے عملے نے بھی لاش کی شناخت کر لی۔"

"پنڈت رام اوتار کو بھی لاش شناخت کرنے کے لئے بلوایا گیا۔ اس نے پولیس کے سوالات کے جواب میں بتایا کہ گزشتہ رات دیال شنکر نے اسے بتایا تھا کہ اس کے کوئی جاننے والے مل گئے ہیں۔ ایک عورت اور ایک مرد جنہیں وہ ریلوے اسٹیشن چھوڑنے جا رہا ہے۔ اس کے بعد دیال شنکر کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔ دیکھا تم نے ..... کتنا چالاک ہے یہ حرامی رام اوتار۔" کستوری بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ "وہ اگر چاہتا تو پولیس کو بتا سکتا تھا کہ دیال شنکر میرے مہمانوں کیلئے کھانا لینے گیا تھا اور پھر انہیں اسٹیشن چھوڑنے بھی گیا تھا۔ لیکن اس نے میرا نام نہیں لیا۔ اس کا مطلب سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں ..... سمجھ رہا ہوں آگے کہو؟" میں نے کہا اس وقت میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں

"اس نے میرے گھر کی وہ چادر بھی شناخت کر لی ہے جس میں دیال شنکر کی لاش کو باندھ کر گندے نالے میں پھینکا گیا تھا۔" کستوری کہہ رہی تھی۔ "وہ کئی مرتبہ بستی کی اس چادر پر میرے ساتھ شب بسری کر چکا ہے اس نے وہ چادر دیکھتے ہی پہچان لی لیکن پولیس کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔"

"پولیس دیال شنکر کے قتل کے بارے میں کیا کہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس کا خیال ہے کہ دیال شنکر نے پنڈت رام اوتار کو اپنے جن جاننے والوں ایک مرد اور ایک عورت کے بارے میں بتایا تھا وہ دراصل دہشت گرد تھے جو پولیس کو مطلوب ہیں۔ انہوں نے کسی طرح دیال شنکر کو پھنس لیا ہو گا اور ہو سکتا ہے دیال شنکر کو ان کی اصلیت کا پتہ چل گیا ہو جس پر انہوں نے دیال شنکر کو قتل کر کے لاش گندے نالے میں پھینک دی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "دیال شنکر کی لاش چونکہ کچی بستی کے قریب گندے نالے میں ملی تھی اس لئے پولیس کو شبہ ہے کہ وہ دہشت گرد فرار نہیں ہوئے اور کچی بستی ہی کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ پولیس نے کچی بستی میں معلومات حاصل کی تھیں۔ لوگوں نے بتایا کہ پچھلی رات انہوں نے کتوں کے بھونکنے ایک عورت کے چیخنے اور گولی چلنے کی آواز سنی تھی۔ لوگوں کے اس بیان کے بعد پولیس کو اب یہ یقین ہو گیا ہے کہ وہ دونوں دہشت گرد اس کچی بستی میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ اس بستی کی خفیہ طور پر نگرانی شروع کر دی گئی ہے اور ہو سکتا ہے اسے گھیرے میں لے کر گھر گھر تلاشی بھی شروع کر دی جائے۔"

میرے منہ سے بے اختیار سانس نکل گیا۔ سمیرا آج کل دن میں کستوری کا تعاقب کرتے ہوئے اس کچی بستی تک گئی تھی شکر ہے وہ کسی کی نظروں میں نہیں آ گئی۔

"پنڈت رام اوتار کیا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اسے اس بات کا یقین ہے کہ کل رات میں نے جن مہاتوں کا ذکر کیا تھا وہ وہی دہشت گرد تھے اور یہ کہ میں نے تم دونوں کو کہیں چھپا رکھا ہے اور مزید یہ کہ دیال شنکر کے قتل میں بھی میرا اور تم لوگوں کا ہاتھ ہے اور بستر کی وہ چادر اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"

میری سانس ایک بار پھر تیز ہو گئی۔ رام اوتار واقعی بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے معمولی سی باتوں کو بنیاد بنا کر جو تجزیہ کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔

"تب تو اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔" میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اگر اسے یہاں کے بارے میں شبہ ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔" کستوری نے کہا۔

"وہ کیا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مرد جب کسی خوبصورت عورت کو بلیک میل کرتا ہے تو اس کے دو ہی مقاصد ہوتے ہیں۔ دولت اور اس کے حسین شریر کا حصول۔" کستوری نے جواب دیا۔ "دولت کی اس کے پاس کمی نہیں لیکن اس کی ہوس میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ جہاں تک میرے خوبصورت جسم کا سوال ہے تو میں اس کی دسترس سے کبھی بھی دور نہیں۔ وہ مجھے مال غنیمت سمجھتا ہے جب چاہا ہاتھ صاف کر لیا۔ اس کا مظاہرہ تم نے کل رات بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ کسی لمبے چکر میں ہے۔ کل رات وہ مجھے بتائے گا کہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔"

"صورتحال واقعی تشویشناک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم کل رات ہی اپنا کام کر ڈالیں۔ اس نے اپنی دولت کہاں چھپا کر رکھی ہوئی ہے کیا مندر کے کسی تہہ خانے میں؟"

"مندر کا تہہ خانہ اگرچہ محفوظ ترین جگہ ہے مگر وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے۔" کستوری نے جواب دیا۔ "یہ راز صرف دو تین لوگ ہی جانتے ہیں کہ پنڈت رام اوتار نے سال بھر پہلے پہاڑی پر ایک مکان خریدا تھا۔ وہ مہینے میں ایک آدھ دفعہ ہی چوری چھپے اس مکان میں جاتا ہے وہ ایک مرتبہ مجھے بھی لے گیا تھا۔ شاید اس سے غلطی ہو گئی تھی لیکن اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کسی کو اس مکان کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ اس مکان میں کوئی تہہ خانہ ہے اور اس تہہ خانے کا راز صرف اسی کو معلوم ہے۔ اس نے اپنی ساری دولت اس تہہ خانے میں چھپا رکھی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ فیصلہ وہ کل ہی کرے گا کہ میری اور اس کی ملاقات کہاں ہونی چاہئے۔ مندر میں میرے مکان پر یا اس کے پہاڑی والے مکان پر لیکن اگر ذرا سی کوشش کی جائے تو اسے پہاڑی والے مکان پر ملاقات کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے تمہاری دوست متھرا کی ضرورت ہو گی۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بتانے لگی کہ متھرا اس کی مدد کس طرح کر سکتی ہے۔

میری آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔ کستوری جو پروگرام بتا رہی تھی وہ خاصا خطرناک تھا۔

"متھرا کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔" کستوری نے گویا میرا ذہن پڑھتے ہوئے کہا۔ "میں متھرا کو اس

طرح رام اوتار کے سامنے لے جاؤں گی کہ وہ کوئی اور بات سوچ ہی نہیں سکے گا۔"

"لیکن اس کیلئے متھرا سے بات کرنی ہو گی۔" میں نے کہا۔

"تو صبح کر لینا۔" کستوری بولی۔ "میرا خیال ہے اسے مان جانا چاہئے آزادی کی یہ قیمت زیادہ نہیں ہو گی۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کستوری کا تعلق زندگی کے اس شعبے سے تھا جہاں عزت و ناموس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ضمیر مر چکا ہو تو غیرت اور حمیت کے جذبے بھی دفن ہو جاتے ہیں۔ متھرا بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ سب سے پہلے میں نے اسے پنڈت بھیرو کے پاس دیکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ نجانے کہاں کہاں رہی ہو گی۔ پنڈت بھیرو کے بعد وہ چند روز میرے ساتھ رہی اور پھر پچھلے تین چار مہینوں سے روپ سہائے کے پاس رہ رہی تھی۔ ایک مرد کی آغوش سے دوسرے مرد کی آغوش یہی اس کی زندگی تھی اور کستوری نے بھی اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ میں صرف ان دونوں کی بات نہیں کرتا۔ راجستھان میں جتنی بھی عورتوں سے میرا واسطہ پڑا تھا وہ سب اسی قماش کی تھیں اور ایک مرتبہ تو ہیلا نے کہا تھا کہ اگر عزت کے بدلے کوئی اور مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ سودا برا نہیں ہے۔"

ایسی بات صرف ہندوستان کی ہندو عورت ہی سوچ سکتی تھی۔ یہ بنیا قوم کی عورتیں تھیں جن کے بارے میں بڑی مشہور مثل ہے کہ "چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔" اور یہ عورتیں اپنی عزت کو چمڑے کے دمڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ پچھلے چند مہینوں میں راجستھان میں رہتے ہوئے ایسی بے حیائی اور بے غیرتی کے متعدد مظاہرے میرے دیکھنے میں آئے تھے۔

خراٹوں کی ہلکی سی آواز سن کر میں نے کستوری کی طرف دیکھا۔ وہ سو چکی تھی۔ میں نے چادر کھینچ کر اس کے اوپر ڈال دی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔

میں سونا چاہتا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں اور دماغ کی نسیں دھڑک رہی تھیں مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔

رات ختم ہو رہی تھی۔ کھڑکی سے دن کی روشنی نظر آنے لگی۔ میں آہستگی سے بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے سامنے آ گیا اور پٹ کھولتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا۔ میں کئی منٹ تک کھڑکی کے سامنے کھڑا رہا مگر دماغ کی تپش کم نہیں ہوئی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا اور دیر تک شاور کھول کر ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑا رہا۔ باہر آ کر کپڑے پہنے اور کمرے سے نکل کر سیدھا کچن میں گھس گیا۔

اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ نرم دھوپ کچن کی کھڑکی کے راستے اندر پہنچ رہی تھی۔ میں چائے بنانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو متھرا دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"لگتا ہے تمہیں رات کو ڈھنگ سے نیند نہیں آئی۔" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"تم اس حرافہ کی بغل میں تھے تو مجھے نیند کیسے آ سکتی تھی۔" متھرا کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "مجھے افسوس ہے متھرا...."

"افسوس کس بات کا؟" سمترا نے میری بات کاٹ دی۔ "تمہارے تو عیش ہو رہے ہیں۔" وہ آگے بڑھ آئی۔ "ہٹو میں چائے بناتی ہوں۔"

میرے ہاتھ میں ساس پین تھا۔ میں نے اسے وہیں رکھ دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سمترا آگے بڑھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

چائے بنا کر سمترا نے ایک کپ خود اٹھا لیا اور دوسرا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہم دونوں کچن سے نکل کر ہال میں آ گئے۔

"کل دوپہر کو تم کستوری کے تعاقب میں کچی بستی تک گئی تھیں۔ وہاں تم نے کوئی غیر معمولی سرگرمی محسوس کی تھی؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"کیسی سرگرمی؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"پولیس کی آمد و رفت یا یہ محسوس کیا ہو کہ اس بستی کی آبادی کی خفیہ طور پر نگرانی ہو رہی ہے وغیرہ۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے ایسی بات محسوس تو کی تھی اور دو پولیس والوں کو بھی اندرونی گلیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" سمترا نے پوچھا۔

"پنڈت دیال شنکر کی لاش مل گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "پولیس کا خیال ہے کہ دیال شنکر کو انہی دہشت گردوں نے قتل کیا ہے جن کی تلاش جاری ہے۔ یعنی ایک مرد اور ایک عورت اور پولیس کو یہ بھی شبہ ہے کہ وہ دونوں دہشت گرد اسی بستی کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ جبکہ پنڈت رام اوتار کو شاید یہ یقین ہے کہ ان دہشت گردوں کو یعنی ہمیں کستوری نے کہیں پناہ دے رکھی ہے اور دیال شنکر کو قتل بھی ہم نے کیا ہے اور کستوری بھی اس میں ملوث ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" سمترا نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کستوری نے بتایا تھا۔" میں نے جواب دیا اور اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ "اب صورتحال یہ ہے۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ "پنڈت رام اوتار کستوری کو بلیک میل کر رہا ہے جبکہ وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اس کے لئے اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے وہ بات کہہ دی جس کے لئے اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھی تھی۔

"میری مدد......" سمترا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ "میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔"

میں فوری طور پر جواب دینے کے بجائے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آخری گھونٹ بھر کر میں نے خالی کپ میز پر رکھ دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ صورتحال کس قدر سنگین ہے۔ اس شہر سے نکلنے کے تمام راستے بند کئے جا چکے ہیں۔ دیال شنکر کے قتل کی وجہ سے ہمارے گرد گھیرا تنگ ہو گیا ہے۔ پنڈت رام اوتار یہ سمجھ چکا ہے کہ ہمیں کستوری نے پناہ دے رکھی ہے۔ وہ کسی بھی لمحے پولیس کو کستوری کی طرف متوجہ کر سکتا ہے اور کستوری ایسی نہیں کہ پولیس کی مار برداشت کر سکے۔ وہ پولیس کے ہاتھ لگتے ہی سب کچھ اگل دے گی۔

مجھے ویسے بھی اس پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اس وقت کستوری ہی وہ ہستی ہے جو اس شہر سے نکلنے میں ہماری مدد کر سکتی ہے۔ ہم اس کی مرضی کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ یوں سمجھ لو کہ ہم کستوری کے چنگل میں ہیں اور کستوری پنڈت رام اوتار کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہم کستوری کے چنگل سے اس طرح نکل سکتے ہیں کہ پہلے اسے پنڈت رام اوتار کے چنگل سے نکلنے میں مدد دیں۔"

"تم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔" سمترا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیال شنکر کا گلا گھونٹا تھا تو اس حرامزادی کو بھی اس کے ساتھ ہی پھندے میں لٹکا دیتے اور ہم اس رات گیارہ بجے والی ٹرین سے نکل جاتے۔ اس وقت تو یہاں اتنا ہنگامہ بھی نہیں تھا۔"

"ہاں، غلطی تو ہو گئی اور اس کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اب بھی ہمارے لئے ایک موقع ہے۔ ہم اس صورتحال سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"تم نے کہا تھا کہ کستوری کو پنڈت رام اوتار کے چنگل سے نکلنے کیلئے میری مدد کی ضرورت ہے لیکن میں کس طرح اس کی مدد کر سکتی ہوں۔" سمترا نے کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے سمجھانے لگا کہ کستوری کیا چاہتی ہے۔

سمترا کے چہرے پر وحشت سی طاری ہو گئی۔

"یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ دہشت زدہ سے لہجے میں بولی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "کستوری نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔"

"چیلوں اور سوامیوں کو اچھی طرح جان لینے کے بعد بھی تم یہ کہہ رہے ہو کہ کستوری مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔" سمترا نے کہا۔ "اس میں اگر اتنا حوصلہ ہوتا تو خود اس طرح برباد نہ ہوتی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔"

سمترا چند لمحے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر میز پر سے کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

میں نے بھی چائے کا کپ ختم کیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ بے چینی میں گزرا تھا اور اب میرے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔ نیند غلبہ پانے لگی تھی۔ میں اس وقت سونا چاہتا تھا۔ اٹھ کر کسی کمرے میں جانے کے بجائے میں صوفے پر ہی لیٹ گیا۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ سمترا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میری آنکھوں میں مرچیں سی بھری ہوئی تھیں اور دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔

"کیا بات ہے.... کیا ہوا؟" میں نے خود ہی اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"باہر کوئی ہے۔ دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا ہے۔" سمترا نے کہا۔

"تو جا کر دروازہ کھول دو مجھے کیوں جگا یا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوش میں آؤ۔" سمترا نے ایک بار پھر مجھے جھنجوڑ ڈالا۔

"تم جانتے ہو ہم کہاں ہیں اور دروازہ کھولنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔"

سمترا کی بات سن کر میں جیسے ہوش میں آ گیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ باہر کا گیٹ اس وقت بھی دھڑا دھڑا یا جا رہا تھا۔

"کستوری کہاں ہے؟" میں سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کمرا سو رہی ہے۔" سمترا نے جواب دیا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ میں اسے جگاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

سمترا دوڑ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر گیٹ اب بھی دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

میرے ذہن میں پولیس کا خیال ابھرا مگر وہ پولیس والے نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر پولیس نے ریڈ کیا ہوتا تو اس طرح دروازہ دھڑ دھڑانے کے بجائے دیوار پھاند کر اندر آ چکے ہوتے۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کستوری کے کمرے میں آ گیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"کیا ہے؟" اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور پھر بانہیں میرے گلے میں ڈال کر مجھے اپنے اوپر کھینچنے لگی۔

"باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔" میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ "جا کر دیکھو کون ہے؟ مجھے شبہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر اور دروازہ نہ کھولا گیا تو وہ جو کوئی بھی ہے دیوار پھاند کر اندر آ جائے گا جاؤ دیکھو کون ہے اور کوشش کرنا کہ وہ جو کوئی بھی ہے باہر ہی سے واپس چلا جائے۔"

کستوری ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دروازہ دھڑ دھڑائے جانے کی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ اس نے جلدی سے کپڑے پہنے اور باہر نکل گئی۔ میں اٹھ کر سمترا والے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی سامنے کی طرف بھی کھلتی تھی۔ سمترا کھڑکی کے قریب بڑی پردے کا کونہ ہٹائے باہر دیکھ رہی تھی۔ میں بھی اس کے قریب رک کر پردے سے باہر جھانکنے لگا۔

کستوری گیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے جیسے ہی ذیلی دروازہ کھولا ایک پجاری اندر آ گیا۔ اس نے سفید دھوتی پہن رکھی تھی جس کے اوپر کے حصے پر پیلے رنگ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جس پر سرخ رنگ میں "اوم" اور دوسرے متبرک شبد چھپے ہوئے تھے۔ اس کا سر گنجا تھا اور پیشانی پر انگریزی کے حرف یو "U" کی طرح کا تلک لگا ہوا تھا۔ سینے میں کلائی میں اسٹیل یا چاندی کے دو کڑے بھی نظر آ رہے تھے۔

کستوری اسے وہیں روکنا چاہتی تھی مگر وہ پنڈت اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے چلا آ رہا وہ کچھ بول بھی رہا تھا۔ میں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر برستی ہوئی پھٹکار صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچا تو میں نے پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی بہانے پورے گھر کو چیک کرے گا۔ میں نے سمترا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ اس طرح چپک کر کھڑے ہو گئے کہ اگر باہر سے دروازہ کھولا جاتا تو ہم اس کے پیچھے چھپ جاتے۔

میرا خیال درست نکلا۔ وہ پجاری واقعی گھر کو چیک کر رہا تھا۔ اس کے پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں کی آواز کبھی ایک طرف سے سنائی دیتی اور کبھی دوسری طرف سے۔ ساتھ ساتھ اس کے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور کستوری بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی اس کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

کھڑاؤں کی وہ آواز ہمارے کمرے کے سامنے رک گئی۔ میں نے سمترا کی طرف دیکھا وہ سانس روکے دیوار کے ساتھ چپکی کھڑی تھی۔ میں نے پستول کو نال کی طرف پکڑ لیا اور صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر وہ پنڈت اندر داخل ہوا تو پستول کے دستے کی ضرب سے اس کی کھوپڑی کھول دوں گا اور اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز سنائی دی اور پھر ایک جھٹکے سے پورا دروازہ کھل گیا۔ ہم دروازے کے پیچھے چھپ کر رہ گئے۔

"آخر بات کیا ہے شمبو ناتھ جی تم اس طرح دروازے کھول کھول کر کیوں دیکھ رہے ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر کوئی شبہ ہے۔" اس کے قریب کھڑی ہوئی کستوری نے کہا۔

"شمبو ناتھ جی کو اپنی تسلی کر لینے دو کستوری بائی۔" اس شخص کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح کرخت تھی۔ "مہاراج پنڈت رام اوتار کا حکم ہے کہ ہم تسلی کر لیں کہ تمہارے ساتھ یہاں کوئی اور تو نہیں رہ رہا۔"

"تمہارا خیال ہے کہ میں نے یہاں کسی کو چھپا دیا ہو گا۔" کستوری نے جواب دیا۔ "میں نے کہا نا کہ میں سو رہی تھی اس لئے دروازہ کھولنے میں دیر ہو گئی۔ بس اتنی سی بات پر تمہیں مجھ پر شک ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے تم اپنی تسلی کر لو۔ میں بڑے کمرے میں بیٹھی ہوں۔ پورا گھر دیکھ لو تو وہاں آ جانا۔"

کستوری ہال کمرے کی طرف چلی گئی۔ شمبو ناتھ نامی اس پجاری نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے کمرے کے اندر جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔

شمبو ناتھ نے پانچ سات منٹ میں پورے گھر کا معائنہ کر لیا اور پھر وہ بھی ہال کمرے میں چلا گیا۔ پندرہ بیس منٹ تک اس طرف سے باتوں کی آواز سنائی دیتی رہی اور پھر شمبو ناتھ واپس چلا گیا۔ کستوری اسے گیٹ تک چھوڑنے گئی تھی۔ ہم بھی کمرے سے نکل آئے۔

"بلا ٹل گئی۔" کستوری ہمارے سامنے آتے ہوئے بولی۔ "میں تو پریشان ہو گئی تھی یہ شمبو ناتھ تو رام اوتار سے بھی بڑا حرامی ہے۔ مندر کے سارے پجاری اس سے ڈرتے ہیں۔"

"اس کی صورت ہی بتا رہی ہے کہ وہ بڑا حرامی ہے۔" سمترا بول پڑی۔

"بہرحال وہ کس لئے آیا تھا یہاں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے کستوری کی طرف دیکھا۔

"پنڈت رام اوتار کا پلادہ لے کر آیا تھا۔ اس نے تین بجے مندر میں بلایا ہے۔" کستوری نے جواب دیا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

میں اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ غالباً جاننا چاہتی تھی کہ میں نے ستارا سے کوئی بات کی تھی یا نہیں۔ ستارا سے بات تو میں کر ہی چکا تھا لیکن اس کی طرف سے کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا اور اب وہی سوال میرے سامنے تھا۔ میں ستارا کی طرف دیکھنے لگا اس نے نظریں چرا لیں۔

"تم یہاں سے کس وقت نکلو گی؟" میں نے کستوری سے پوچھا۔

"اس وقت دس بج رہے ہیں۔" وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ڈھائی بجے نکلوں گی یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے ستارا بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔" میں نے کہا "ایک سے دو بھلے شاید کسی موقع پر تمہاری کوئی مدد کر سکے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میری اس بات سے کستوری کے چہرے پر رونق سی آ گئی تھی۔ وہ چند لمحوں تک کبھی میری طرف اور کبھی ستارا کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم نے میری رضامندی کے بغیر یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔" ستارا نے غصیلی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے لہجے میں بھی ناگواری نمایاں تھی۔ "شمبو ناتھ کو تم دیکھ چکے ہو۔ وہ صورت ہی سے بدمعاش لگتا ہے تم ان پجاریوں اور پنڈتوں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ انسان نہیں خونخوار بھیڑیے ہیں۔ اس کے باوجود تم مجھے۔"

"مجبوری ہے ستارا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم یہاں سے باہر نکلیں اور فرار کی کوشش میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ستارا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تم جو چاہتے ہو وہی ہوگا۔ میری تکیل اس وقت تمہارے ہاتھ میں ہے اور تم۔"

اور پھر اس نے ایک ایسی بات کہی کہ میرا خون کھول اٹھا۔ اس وقت میرا دل چاہا تھا کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں لیکن میں ضبط کر گیا۔

پچیس منٹ بعد کستوری تیار ہو کر کمرے سے نکل آئی اور کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔ ناشتے کی چیزیں وہ گزشتہ شام ہی بازار سے لے آئی تھی۔

ستارا ناشتہ کرتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بارہ بجے کے قریب جب کستوری دوپہر کے کھانے کا سامان لینے کے لئے بازار گئی تو میں ستارا والے کمرے میں آ گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ناراضگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

"ناراض ہو...؟" میں اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں کیوں ناراض ہونے لگی۔" اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس وقت تمہارے اختیار میں ہوں۔ تم جو چاہو گے میں کروں گی۔ میں تم سے ناراض کیوں ہونے لگی۔ اپنا تو مقدر ہی ایسا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ویرانی جھلکنے لگی۔ "ماتا پتا کے ساتھ بھگوان

کے مندروں کی یاترا کے لئے نکلی تھی۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ ان مندروں میں ناگ بھرے ہوئے ہیں یہ پنڈت اور پجاری جنہیں میں بھگوان کا اوتار سمجھتی رہی خونخوار بھیڑیے نکلے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مندر عیاشی اور بدقماشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ میں تو داسی بن کر مندر میں رہنا چاہتی تھی تاکہ یاتریوں کے لئے آنے والوں کی سیوا کر سکوں لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ داسی بن کر سیوا کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھتی رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں مندر میں نہیں خونخوار بھیڑیوں کے پیٹ میں پھنس گئی تھی اور پھر میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ مردوں کی آغوش گرماتی رہوں۔ ان کے بستروں کی زینت بنتی رہوں۔"

"روپ میہا نے مجھے اس جہنم سے نکال لایا۔ اس نے مجھے شادی کا لالچ دیا تھا مگر اپنی رکھیل بنا کر رکھا تھا۔ پھر تم دوبارہ ملے تو مجھے کچھ امید بندھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے اس نرک سے نکال کر لے جاؤ گے۔ میں ایک گھر چاہتی ہوں۔ اپنا گھر جہاں میں کسی خوف کے بغیر سکون سے زندگی بتا سکوں۔ مگر تم....." اس نے خاموش ہو کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ "کیا میرا یہ سپنا کبھی پورا نہیں ہوگا کیا میں جیون بھر ایسے ہی رہوں گی۔"

"نہیں ستارا۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے واقعی اس پر ترس آنے لگا تھا۔ "میں جانتا ہوں تم نے بہت کشٹ اٹھائے ہیں لیکن اب تمہاری زندگی کا وہ خوفناک دور ختم ہونے والا ہے۔ بس آج کا دن..... آج آخری مرحلہ سمجھ لو۔ آج کے بعد تمہیں کوئی دکھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔"

ستارا مجھ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے میں اس وقت سے جانتا تھا جب میں نے پنڈت بھیرو کے مندر میں پناہ لی تھی۔ اس وقت بھی اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی اس کے بعد بھی اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ میرے علم میں تھا۔ وہ جیون کے درد میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ وہ واقعی قابل رحم تھی لیکن ..... اس وقت ہم جس خوفناک صورتحال سے دوچار تھے اس کا تقاضا کچھ اور تھا۔

پنڈت رام اوتار سے اگرچہ میری ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اس جیسے لوگوں کی فطرت سے میں واقف تھا۔ ان کے اندر زہر بھرا ہوا تھا۔ ہوس کی آگ بھڑک رہی تھی جو مرنے سے پہلے ختم نہیں ہوتی تھی۔

کستوری رام اوتار کے شکنجے میں پھنس گئی۔ وہ اس سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ جس کے لئے وہ ہمیں استعمال کرنا چاہتی تھی۔ پنڈت رام اوتار کو بھی یہ پتہ چل گیا تھا کہ دیال شنکر کے قتل میں کستوری ملوث ہے اور اس نے ہمیں بھی پناہ دے رکھی ہے۔ اگر دیال شنکر والا مسئلہ کھڑا ہوتا تو میرا منصوبہ یہی تھا کہ کستوری کو راستے سے ہٹا کر یا ڈھال بنا کر ہم اس شہر سے نکل جائیں گے مگر اس رات دیال شنکر نے ستارا کو پہچان لیا تھا جس سے ساری گڑبڑ ہو گئی تھی اور اب صورتحال بہت مختلف ہو گئی تھی۔

ایک راستہ اور بھی تھا لیکن وہ زیادہ خطرناک تھا۔ کستوری اس وقت ہمارے قبضے میں تھی۔ ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ کستوری کو ختم کر کے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے مگر پنڈت رام اوتار ہمارے راستے میں آ جاتا اور پولیس کو ہمارے بارے میں اطلاع دے دیتا۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے یہاں سے فرار ممکن نہ ہوتا اور اسی لئے میں نے کستوری کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی اور ستارا کی مرضی کے بغیر میں نے اس کی طرف سے حامی بھر دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" سحرا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "تمہاری خاطر یہ بھی سہی۔"

وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا اور پھر باہر کے گیٹ کی آواز سن کر میں اس سے الگ ہو گیا۔

کستوری کھانا لے کر آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد سحرا بھی منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکل آئی اور پھر اس کے کچھ ہی دیر بعد ہم تینوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

دو بجے کے قریب کستوری سحرا کو لے کر شرمیلا والے کمرے میں گھس گئی اور آدھے گھنٹے بعد جب سحرا اکیلی ہی اس کمرے میں برآمد ہوئی تو اسے دیکھ کر میں سانس لینا بھول گیا۔ وہ تو ویسے ہی حسین تھی لیکن میک اپ اور مخصوص تراش کے لباس نے اسے قیامت بنا دیا تھا اور یہ لباس ظاہر ہے شرمیلا کے وارڈ روب سے نکالا گیا تھا اسے دیکھ کر میرے ذہن میں فوراً ہی ایک اور خیال ابھرا تھا۔ "کیا سحرا کو دیکھ کر پنڈت رام اوتار اپنے آپ پر قابو پا سکے گا؟"

کستوری شاید اسی لئے سحرا کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی کہ پنڈت اپنے حواس کھو بیٹھے۔

چند منٹ بعد کستوری بھی کمرے سے باہر آ گئی۔ مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ وہ سحرا سے بھی زیادہ قیامت خیز لگ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا اور پھر میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس طرح دیکھتے پا کر سحرا کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ دونوں چلی گئیں۔ کستوری نے جاتے ہوئے گیٹ کو باہر سے بند کر دیا تھا میں نے ہال کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر وہ اخبار اٹھایا جو کستوری دوپہر کے کھانے کے ساتھ بازار سے لے آئی تھی اور میں نے ابھی تک اسے کھول کر نہیں دیکھا تھا۔

یہ مقامی اخبار تھا۔ پہلے صفحے پر زیادہ تر خبریں ہمارے ہی بارے میں تھیں۔ بنو بان گڑھ پولیس کے افسر اعلیٰ کی پریس کانفرنس بھی نمایاں سرخی کے ساتھ چھاپی گئی تھی۔ اس نے بعض باوثوق ذرائع کے حوالے سے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ دونوں دہشت گرد بنو بان گڑھ میں ہی موجود ہیں۔ اور انہیں ایک دو دن میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ پولیس آفیسر کے یہ باوثوق ذرائع کیا ہو سکتے تھے اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے پنڈت رام اوتار ہی نے اسے کوئی ٹپ دی ہو۔

آخری صفحے پر ایک اور خبر پڑھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ چھوٹی سی خبر روپ سہانے کے حوالے سے تھی۔ وہ کل رات بنو بان گڑھ پہنچ گیا تھا اور ہماری تلاش میں پولیس سے تعاون کر رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اگر میں پہلے یہ خبر پڑھ لیتا تو سحرا کو کسی بھی صورت میں کستوری کے ساتھ نہ جانے دیتا۔ روپ سہانے کو معلوم تھا کہ سحرا مندروں کی رہنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ خیال آ جائے کہ اسے مندروں ہی میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس روز اخبار میں سحرا کی جو تصویر شائع ہوئی تھی کوئی عام آدمی اسے دیکھ کر سحرا کو شناخت نہیں کر سکتا تھا مگر روپ سہانے .... وہ تو اسے دور سے ہی دیکھ کر پہچان لے گا اور اگر سحرا اس کی نظروں میں آ گئی تو وہ تو پولیس کے شکنجے میں آ ہی جائے گی اور میرے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

ایک اندیشہ میرے ذہن میں پیدا ہو چکا تھا جس سے میرا سکون رخصت ہو گیا تھا اور اس کے بعد میں اخبار کی دوسری خبریں بھی نہیں پڑھ سکا۔ ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ میں کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا اور کبھی اخبار اٹھا کر بیٹھ جاتا۔

میں جانتا تھا کہ اگر سحرا پکڑی گئی تو پولیس یہاں پہنچنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ میں نے اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے تیار کر لیا اور پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ وقت گزارنا محال ہو رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری پڑ رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

چھ بج گئے۔ شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ میری بے چینی نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ میں اب برآمدے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ اور گزر گئے اور پھر گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا وہ کستوری اور سحرا تھیں۔ میں ان کے ساتھ ہی اندر آ گیا۔ ان دونوں کے چہرے مسکرا رہے تھے۔ سحرا کو مسکراتے پا کر مجھے اطمینان ہوا اس کا مطلب تھا کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی۔

"تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" سحرا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری طرف سے پریشانی نہ ہوتی اور یہ خبر پڑھنے کے بعد تو مجھ جیسا کوئی بھی شخص پاگل ہو سکتا تھا۔" میں نے کہتے ہوئے اخبار اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا۔

روپ سہانے کے بارے میں خبر پڑھ کر سحرا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

"کیسی خبر ہے؟" کستوری نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپنگ بیگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

سحرا نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ خبر پڑھ کر وہ بھی کچھ نروس سی ہو گئی۔ مگر اس نے اپنی کیفیت پر فوراً قابو پا لیا۔

"آج کی رات ہے۔" وہ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولی۔ "کل تو ہم یہاں سے نکل ہی جائیں گے۔ روپ سہانے یہاں ناچ رہ جائے گا۔"

"آج کی رات" میں نے کہتے ہوئے شاپنگ بیگ میں جھانکا اور اس میں سے ایک سیب نکال کر کھانے لگا۔ "گویا کوئی امید بندھی ہے۔"

"ہاں...." کستوری مسکرائی۔ "تمہاری اس دوست کو دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ پاگل ہو گیا ہے وہ۔" وہ مڑ کر سحرا کی طرف دیکھنے لگا اس نے کل کا پروگرام بنا رکھا تھا لیکن سحرا کو دیکھنے کے بعد اس نے پروگرام بدل دیا۔ گویا اس نے خود ہی اپنی زندگی کے چوبیس گھنٹے کم کر دیئے اور آج کی رات کا پروگرام بنا لیا۔"

"پروگرام کیا ہے؟" میں دانتوں سے سیب کا ایک اور ٹکڑا کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے چائے کی طلب ہو رہی ہے۔" کستوری نے کہا۔ "میں چائے بنا لوں پھر بات کرتے ہیں۔"

سحرا بھی اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔ میں اٹھ کر اس کمرے میں آ گیا۔ اس وقت سحرا

منہ ہاتھ دھو کر باتھ روم سے نکل رہی تھی۔

"اوہ ..... میں تو کچھ اور سوچ کر آیا تھا اور تم نے ....."

"نجانے کیا بات ہے کہ یہ لیپا پوتی اب مجھے اچھی نہیں لگتی۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "دل بجھ سا گیا ہے اب تو جینا بھی بوجھ سا لگنے لگا ہے۔"

"مندر میں کوئی بات ہوئی تھی کیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" سمترا نے جواب دیا۔

"پنڈت رام اوتار تو میرے قریب بھی نہیں آیا۔ دور ہی سے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر دو گھنٹہ بھر ایک کونے میں بیٹھا کستوری سے کھسر پھسر کرتا رہا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا پروگرام بنایا ہے۔" میں نے پوچھا۔

سمترا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد کستوری کی آواز سنائی دی۔ وہ چائے کیلئے بلا رہی تھی۔ ہم ہال کمرے میں آ گئے۔

"یہ سیب بازار سے لے کر آئی تھی۔" میں نے تھیلے میں سے ایک اور سیب نکالتے ہوئے کہا۔ "بہت دنوں بعد سیب کی شکل دیکھی ہے۔ یہاں تو بہت مہنگے بکتے ہوں گے؟"

"یہ سیب پنڈت رام اوتار نے دیئے تھے۔" کستوری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ کشمیری سیب ہیں بازار میں کم از کم سو روپے کلو تو ضرور ہوں گے مگر مندروں کے سیوکوں کو تو ہر چیز مفت میں ملتی ہے اسی لئے تو کھا کھا کر سوروں کی طرح پلے ہوئے ہیں۔" لوگ تو مندروں میں دیوی اور دیوتاؤں کے چرنوں پر سونے کی مورتیاں اور زیورات بھینٹ کر دیتے ہیں۔ سو روپے کلو والے سیب کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ بھینٹ چڑھانے والوں سے بھگوان خوش ہو نہ ہو پجاری ضرور خوش ہو جاتے ہیں۔" "تو پھر پروگرام کیا بنا؟" اس مرتبہ میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"گیارہ بجے پنڈت کا ایک قابل اعتماد آدمی گاڑی پر ہمیں لینے کے لئے یہاں پہنچ جائے گا۔ پہاڑی والا بنگلہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تم آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔" وہ مجھے سمجھانے لگی۔ "دائیں طرف یہی سڑک تقریباً ایک میل آگے ختم ہو جاتی ہے۔ وہیں پہاڑی کے دامن میں بڑے بڑے بنگلے ہیں۔ پہاڑی کا وہ دامن چند سال پہلے ہی آباد ہونا شروع ہوا ہے۔ اس لئے بنگلوں کی تعداد کم اور وہ ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر واقع ہیں۔" وہ خاموش ہو کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی پھر بولی "سڑک کے اختتام پر بائیں طرف مڑ جانا وہاں سے تقریباً نصف میل آگے سڑک کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا بنگلہ ہے جس کے گیٹ پر کالی ماں کی مورتی بنی ہوئی ہے اس کے ساتھ ایک بلب بھی رات بھر جلتا رہتا ہے۔ اس بنگلے کے پہلو ہی میں ایک راستہ اوپر کی طرف چلا گیا ہے اور تقریباً سو گز آگے وہ بنگلہ ہے اس کے آس پاس اور کوئی بنگلہ نہیں ہے۔ کالی مورتی والا بنگلہ یاد رکھنا۔ وہاں سے تم آسانی سے آگے پہنچ سکو گے۔"

"وہاں پنڈت کے علاوہ کتنے آدمی ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی نہیں .....!" کستوری نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ حسین عورت ہو تو کسی اور کو حصے دار نہیں بناتا۔" اس نے کن انکھیوں سے سمترا کی طرف دیکھا۔

"اور وہ آدمی جو تم لوگوں کو لینے آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"شمبو ناتھ۔" کستوری بولی۔ "وہی پجاری جو آج صبح یہاں آیا تھا وہ اس کا قابل اعتماد ساتھی ہے لیکن ایسے موقع پر رام اوتار اسے بھی قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ ہو سکتا وہ وہ مجھے اس کے حوالے کر دے۔ یا یہ بھی ممکن ہے آج کی رات اسے محروم ہی رکھے اور اسے بنگلے کی چوکیداری کیلئے باہر ہی بٹھا دے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ پنڈت خود تہ خانے میں ہوگا لیکن اگر میں شمبو ناتھ پر قابو پا لوں تو کیا وہ اس راستے کی نشاندہی کر سکے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں ..... شمبو ناتھ سب کچھ جانتا ہے۔" کستوری مسکرائی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ گیارہ بجے نکلو گی اور اس کے چند منٹ بعد مجھے بھی یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ مجھے پیدل وہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت تو لگ جائے گا۔"

"ہاں ..... اور میرا اندازہ ہے کہ تم ساڑھے گیارہ بجے تک وہاں پہنچ جاؤ گے۔" کستوری نے جواب دیا۔

اور پھر ہمارا موضوع بدل گیا۔ آٹھ بجے کے قریب کستوری بازار سے جا کر کھانا لے آئی اور دس بجے کے قریب وہ سمترا کو لے کر شرمیلا والے کمرے میں گھس گئی۔

تقریباً پون گھنٹے بعد وہ دونوں اکٹھی ہی باہر نکلی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میں پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ کستوری شرمیلا کا وارڈ روب بڑی آزادی سے استعمال کر رہی تھی۔ اس وقت ان دونوں کے جسموں پر دوسرے لباس نظر آ رہے تھے۔

سوا گیارہ بجے کے قریب باہر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ کستوری ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں تمام بتیاں بجھا رہی ہوں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "باہر گیٹ کے دروازے پر میں تالا لگا دوں گی۔ تم برآمدے والا دروازہ بھیڑ جانا۔"

میں کھڑکی کے قریب پردے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ کستوری نے تمام بتیاں بجھا دیں اور سمترا کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلی گئی

میں اندھیرے میں کھڑکی کے قریب کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

...... ☆ ....

اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور پہاڑی کے دامن میں کالی دیوی کی مورتی والا بنگلہ تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس طرف سناٹا تھا۔ میں اس بنگلے سے چند گز آگے اوپر جانے والے پتھریلے راستے پر مڑ گیا۔ میں طے شدہ وقت سے آدھا گھنٹہ لیٹ ہو گیا تھا اور میرے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

پہاڑی پر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور تاریکی میں کہیں کہیں درختوں کے سائے بد روحوں کی طرح جھولتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ غالباً بلڈوزر وغیرہ سے زمین ہموار کر کے کشادہ راستہ سا بنا لیا گیا تھا جس پر پہلو بہ پہلو دو کاروں کی آمدورفت ہو سکتی تھی۔

پتھر میرے پیروں سے ٹکرا ٹکرا کر لڑھک رہے تھے۔ میں بہت محتاط ہو کر قدم اٹھانے لگا۔ سناٹے میں پتھروں کے لڑھکنے کی آواز دور تک پھیل سکتی تھی۔

تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر میں کسی قدر بائیں طرف مڑ گیا۔ میں سامنے کے بجائے پہلو کی طرف سے جانا چاہتا تھا۔ بنگلہ بظاہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے عقب یا برآمدے میں یا کسی اور جگہ بتی جل رہی ہو لیکن دیوار اونچی ہونے کی وجہ سے روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں نے پستول ہاتھ میں لے رکھا تھا اور اب کانٹے دار جھاڑیوں میں بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ خشک جھاڑیوں کے پیروں کے نیچے دبنے سے چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز ابھر رہی تھی... ہوا کا رخ بنگلے کے مخالف سمت میں تھا۔ اس سے مجھے توقع تھی کہ جھاڑیوں کی آواز بنگلے کے اندر نہیں سنی جا سکتی تھی۔

دیوار کے قریب پہنچ کر میں رک گیا اور سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دیوار تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اگر اس پر پلاسٹر ہوتا تو اس پر چڑھنا آسان نہ ہوتا۔ یہ دیوار پہاڑی کے پتھر تراش کر بنائی گئی تھی۔ پتھروں میں ابھار تھا اور یہ ابھار غالباً دیوار میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے رکھا گیا تھا لیکن پتھروں کے یہی ابھار اب میرے لئے اوپر چڑھنے کا ذریعہ بن گئے تھے۔

میں نے پستول جیب میں ڈال لیا اور پتھروں کے ابھاروں پر ہاتھ جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

کمپاؤنڈ بہت وسیع تھا۔ عمارت گیٹ سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھی۔ پورچ میں ایک سفید کار کھڑی نظر آ رہی تھی اور اس کے دوسری طرف ایک کمرے کی کھڑکی سے بہت مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔ کھڑکی کے سامنے اگر دبیز پردہ نہ ہوتا تو تیز روشنی باہر آ سکتی تھی۔

میں دیوار پر بیٹھا تاریکی میں ادھر ادھر گھورتا رہا۔ میرے دائیں طرف عمارت سے ذرا ہٹ کر غالباً سرونٹ کوارٹر تھا جس کے سامنے قریب قریب دو درخت بھی تھے۔ لیکن وہ سیدھے تنے تھے کئی فٹ کی اونچائی تک تو کوئی شاخ نہیں تھی البتہ بہت اوپر چوٹی پر درخت چھتریوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس چیز کے درخت تھے۔

میں نے جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ میری نظریں سرچ لائٹ کی طرح اندھیرے میں گردش کر رہی تھیں۔ لیکن کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شمبو ناتھ ڈرائیور کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہ پنڈت اوتار کا پارٹنر تھا۔ اگر پنڈت نے بھی اسے جاتے وقت اپنے ساتھ شامل کر لیا ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ تہہ خانے میں ہوگا۔ بصورت دیگر وہ باہر یا پھر کسی کمرے میں ہونا چاہئے تھا۔

دیوار کے اندر کی طرف بھی پتھر ابھرے ہوئے تھے جن کی وجہ سے مجھے نیچے اترنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ نیچے کچی زمین تھی اور خشک جھاڑیاں تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ میری نظریں برآمدے کے دوسری طرف اس کھڑکی پر مرکوز تھیں جس سے مدھم سی روشنی جھلک رہی تھی۔

میں کچھ دیر سانس روکے کھڑا رہا اور پھر دبے قدموں برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ خشک جھاڑیاں میرے پیروں کے نیچے دب کر چرچرا رہی تھیں۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا اور پورچ میں کھڑی ہوئی کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

ابھی تک کسی طرف سے کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تھی۔ شمبو ناتھ اگر باہر ہوتا تو میں اب تک اس کی نظروں میں آ چکا ہوتا۔ میری نظریں اب بھی روشن کھڑکی پر مرکوز تھیں۔ میرا بایاں ہاتھ کار پر تھا اور میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

برآمدے میں پہنچ کر میں ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحہ ایک ہلکی سی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی چھوٹا سا پتھر لڑھکا ہو۔ میں ستون کے ساتھ چپک گیا اور تاریکی میں اسی طرف گھورنے لگا جس طرف سے آہٹ سنائی دی تھی لیکن کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

چند سیکنڈ بعد میں ستون کی آڑ سے نکل کر پھر آگے بڑھنے لگا اور کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ کھڑکی کے اندر کی طرف سے دبیز پردہ پڑا ہوا تھا لیکن نیچے ایک کونے سے پردہ ذرا سا سرکا ہوا تھا میں نے جھک کر اس جگہ آنکھ لگا دی۔

کمرے میں بیڈ بچھا ہوا تھا دو کرسیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن کسی ذی روح کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں ابھی اندر جھانک ہی رہا تھا کہ کوئی سخت سی چیز میری پشت سے لگ گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک غراہٹ سنائی دی۔

”سیدھا کھڑا ہو جا سور، کچھ ہوشیاری دکھائی تو گولی مار دیوں گا۔“

میں ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اس وقت مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

’ہمارے طرف مڑ پاپی! ہم بھی تو دیکھوں کون ہے تو...؟“ وہی غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔

میں اس کی طرف پلٹ گیا۔ وہ شمبو ناتھ تھا جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا رخ میری طرف تھا۔ میرا پستول ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا مگر شمبو ناتھ نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

”پنڈت جی ٹھیک کہتے تھے لونڈیا اکیلی نہیں ہو سکتی اس کا کوئی دلال ضرور ہوگا۔“

شمبو ناتھ کا آخری جملہ سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ دل تو چاہا اس کی گردن توڑ دوں مگر مجبوری یہ تھی کہ میں اس کے ریوالور کی زد پر تھا۔

میں گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کستوری نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ پجاری حرام کی روٹیاں کھا کھا کر سور کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ میں آج دن میں بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ لمبے قد اور کسرتی بدن کا مالک تھا جس سے اس کی طاقت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مجھے تو راجستھان کی پولیس، بلیک کیٹس اور دوسری ایجنسیاں نہیں گھیر سکی تھیں یہ پجاری کیا حیثیت رکھتا تھا۔

”سیدھا لال! اکیلا نہیں ہے ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو۔“ میں نے بڑے پُرسکون لہجے میں کہا۔

میرا نفسیاتی حربہ کام کر گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر برآمدے میں جا گرا۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا مگر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے پیٹ پر گھونسہ دے مارا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ میرا دوسرا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا۔ وہ بلبلا اٹھا میں اس پر تابڑ توڑ حملے کرتا رہا اور پنڈلی پر لگنے والی ایک ٹھوکر سے وہ دوسرے پیر پر ناچ کر رہ گیا۔ میں نے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ اس مرتبہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا تو میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

میں اس کی گردن اپنے بازو میں لپیٹ لینے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا ایک داؤ چل گیا اور میں اس کی گرفت میں آ گیا۔ اس کم بخت میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی وہ مجھے بری طرح رگید رہا تھا۔

کئی منٹ تک ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے رہے۔ میں نے ایک مرتبہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کے نیچے دب گیا۔ اس نے میری گردن دبوچ لی۔ دونوں انگوٹھے میرے نرخرے پر تھے اور دباؤ بڑھ رہا تھا۔

میں نے گلے پر سے اس کی گرفت چھڑانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اپنا گھٹنا دوہرا کر لیا اور پھر اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ بلبلا اٹھا اور میرے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے زوردار جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چھڑایا اور اسے ایک طرف پلٹ دیا اس کے ساتھ ہی میں نے اچھل کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور اس مرتبہ اس کی گردن میرے بازو کی لپیٹ میں آ گئی۔

وہ اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا اور اس میں شبہ نہیں کہ اس میں گینڈے کی طرح بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ مگر یہ میرا پسندیدہ داؤ تھا اور حریف کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے ایڑیاں زمین پر جما لیں۔ میرے جسم کی تمام طاقت جیسے اس بازو میں سمٹ آئی تھی وہ بری طرح مچلتا رہا اس کے حلق سے خرخراہٹ کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

میں نے اس کی گردن کو زوردار جھٹکا دیا۔ لیکن کچھ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ وہ بری طرح مچل کر رہ گیا تھا۔ اس کی سور جیسی موٹی گردن لکڑی کی طرح اکڑی ہوئی تھی۔ میں پے در پے جھٹکے دیتا رہا اور کڑک کی آواز ابھری۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ لیکن میں نے گرفت ڈھیلی نہیں کی اور گردن کو مسلسل جھٹکے دیتا رہا۔

اس کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ اس کا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ لیکن میں نے اس کی گردن اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک وہ بالکل بے حس و حرکت نہیں ہو گیا۔

میں نے اسے ایک طرف دھکیلا۔ پھر فرش پر بیٹھ گیا اور تیز تیز گہرے سانس لینے لگا۔ کم بخت میں گینڈے کی طرح طاقت بھری ہوئی تھی۔ مجھے واقعی پسینہ آ گیا تھا۔

میں نے جھک کر اس کی جیب سے اپنا پستول نکالا اور بڑی آہستگی سے برآمدے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے اس کمرے میں جھانکا تھا۔ جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ میں ہال نما کمرے میں آ گیا اور چند لمحے تک تاریکی میں کسی قسم کی آہٹ سننے کی کوشش کرتا رہا مگر گہری خاموشی تھی۔ میں نے دیوار ٹٹول کر بتی جلا دی۔

اس ہال نما کمرے کے اطراف میں تین کمرے تھے اور ایک طرف کشادہ راہداری تھی۔ کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں دبے قدموں راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ اس راہداری میں بھی آمنے سامنے دو کمرے تھے۔ راہداری کے اختتام پر نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔

یہ تہہ خانے کا راستہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ کستوری نے بتایا تھا کہ تہہ خانے کا راستہ بہت خفیہ ہے جس کا پنڈت رام اوتار کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ ان سیڑھیوں کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ یہ مکان پہاڑی پر بنا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس جگہ پہلے ہی سے گہرا کھڈ ہو جس کی بھرائی کرنے کے بجائے اسے بیسمنٹ کے طور پر تیار کر لیا گیا ہو اور تہہ خانہ اس کے مزید نیچے بنایا گیا ہو۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا۔ بیسمنٹ کا نقشہ بھی اوپر کی طرح تھا میں نے سیڑھیاں اترتے ہی دیوار پر ٹٹول کر بتی جلا لی تھی۔ بلب کی روشنی بہت آگے تک جا رہی تھی۔

یہ راہداری تھی جس کے دائیں بائیں اوپر کی طرح دو کمرے تھے۔ دونوں کے دروازے بند تھے۔ راہداری کے اختتام پر ویسا ہی ہال کمرہ اور اس کے اطراف میں تین کمرے تھے۔

میں نے ہال کی بتی جلا دی۔ کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہال کمرہ بالکل خالی تھا۔ فرنیچر نام کی بھی کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ تینوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ میں نے باری باری دو کمروں کے دروازے کھول کر اندر جھانک لیا۔ وہ دونوں کمرے خالی تھے اس کا مطلب تھا کہ تہہ خانے کا راستہ تیسرے کمرے ہی میں ہو سکتا تھا۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر بڑی آہستگی سے اسے گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔ میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا کھٹ کی ہلکی سی آواز سے کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ ایک لمحہ کو میری آنکھیں چندھیا سی گئیں اور اسی لمحے ایک آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"سواگتم... سواگتم...!"

روشنی خاصی تیز تھی۔ میں نے آنکھیں مچ مچا کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

سامنے کستوری اور سمترا کرسیوں پر بندھی ہوئی تھیں۔ ان کے منہ میں بھی کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے اور بال الجھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان سے زبردستی کی جا چکی تھی یا ایسی کوئی کوشش کی گئی تھی۔

کمرے میں بائیں طرف دیوار کے ساتھ سوئچ بورڈ کے قریب پنڈت رام اوتار کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور بائیں طرف روپ سیما کو دیکھ کر میری گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا اور آنکھوں سے نفرت و حقارت کی چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔

"یہ بندوق کی پھونک دور رکھو" پنڈت رام اوتار نے غراتے ہوئے کہا۔ "اب تمہارا کھیل ختم۔ تم نے بھارت بھومی کی پوتری کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا مگر رام اوتار کے جال میں کب تک نہ پھنستے۔ اب تو تمہیں یہ دیوتا ہی مکتی دلا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بندوق پھینک دو۔"

میں نے کستوری اور صحرا کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ مایوسی تھی۔ میں نے ایک بار پھر باری باری پنڈت اور روپ سیہائے کی طرف دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ میری کسی بھی غلط حرکت پر ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھے گولی مارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ میں نے پستول کو گھما کر نال کی طرف سے پکڑ لیا اور ہاتھ سے اسی طرح آگے بڑھایا جیسے پستول پھینکنا چاہتا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے پستول زور سے رام اوتار کی طرف کھینچ مارا۔

میری یہ حرکت اس کے لئے غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے سینے پر لگا اور وہ کراہ اٹھا۔ اس سے پہلے میں کوئی دوسرا قدم اٹھاتا کمرہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ روپ سیہائے نے میرے پیروں کے قریب گولی چلا دی تھی۔

"اب اگر کوئی ایسی حرکت کی تو دوسری گولی تمہارے سینے میں لگے گی۔" روپ سیہائے غرایا۔

"اب یہ کوئی حرکت نہیں کرے گا روپ سیہائے۔"

اپنے عقب سے آواز سن کر میں اچھل پڑا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ایک پولیس انسپکٹر مجھ پر ریوالور تانے دروازے میں کھڑا تھا۔

"اب آئی کچھ میں بات..." پنڈت رام اوتار میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ ایک ہاتھ سے سینہ سہلا رہا تھا۔ "اسے اچھی خاصی چوٹ لگی ہوگی۔" اس نے کستوری کی طرف اشارہ کیا۔ "مجھے کئی روز پہلے دیال شنکر نے بتا دیا تھا کہ یہ میری دولت اڑانے اور مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ میں اسے پھانسنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا مگر یہ گاؤں چلی گئی اور اس روز شام کو واپس آئی تو اس نے دیال شنکر سے کر کھانا منگوایا تھا۔ دیال شنکر نے شام کو تمہیں اس کے ساتھ تانگے پر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"اس روز مجھے یہ خبر بھی مل گئی کہ پولیس کو مطلوب دہشت گرد یہاں پہنچ چکے ہیں یا پہنچنے والے ہیں۔ مجھے کستوری پر شبہ تھا مجھ سے انتقام لینے کے لئے یہ کوئی بھی کام کر سکتی تھی۔"

"میں اس رات بغیر اطلاع کے چلی بستی میں اس کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے تم لوگوں کو دوسرے کمرے میں چھپا دیا اور میرے پوچھنے پر بتایا کہ دیال شنکر مہمانوں کو اسٹیشن چھوڑنے گیا ہوا ہے جو اتفاق سے اسے مل گئے تھے۔"

"میں نے تمہیں دوسرے کمرے میں روشن دان سے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا۔ پہلے تو مجھے شبہ تھا پھر یقین ہو گیا کہ تم لوگ وہی دہشت گرد ہو جنہیں اس کتیا نے پناہ دے رکھی ہے۔"

"کستوری تم لوگوں کو رات ہی رات کو لے کر شرمیلا کے مکان میں منتقل ہو گئی۔ لیکن میری نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ میں نے اسے اور تم لوگوں کو پھانسنے کے لئے مندر میں ہوا کر ایک منصوبہ بنایا اور کستوری سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر وہ میرے لئے کسی نئی لڑکی کا انتظام کر دے تو میں اس کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"منصوبے دونوں طرف سے بن رہے تھے۔ میں نے روپ سیہائے کو فون کر کے لوٹ گنج سے یہاں بلوا لیا تھا۔ اور آج جب کستوری اس چھوکری کو لے کر مندر میں آئی تو روپ سیہائے بھی وہاں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اس چھوکری کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی ہے۔"

"اب صورت حال یہ تھی کہ تم لوگوں کی گرفتاری پر لاکھوں روپے کے انعامات مقرر ہیں۔ اگر ہم پولیس کو تم لوگوں کے ٹھکانے سے آگاہ کر دیتے تو پولیس وہاں ہلا بول دیتی اور ہم انعام سے محروم رہ جاتے۔ میں نے انسپکٹر چندر شیکھر کو بلا لیا اور اسے اعتماد میں لے کر صورت حال سے آگاہ کر دیا وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ اگر تم لوگوں کو اس کے ذریعے پولیس کے حوالے کر دیا جائے تو انعام کی رقم ہم تینوں آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ تقریباً تینتیس لاکھ روپے کی رقم ایک کے حصے میں آئے گی۔ روپ سیہائے کو ملنے والی رقم سے اس کا نقصان بھی پورا ہو جائے گا۔ انسپکٹر چندر شیکھر بھی عیش کرے گا اور میرے بھی وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

وہ بات کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔ اور میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔

"میں نے کستوری کو یقین دلایا تھا کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔" پنڈت رام اوتار کہہ رہا تھا۔ "اس کا خیال تھا کہ تم لوگ مجھے موت کے گھاٹ اتار کر یہاں سے نکل جاؤ گے مگر میں نے جو جال بنا تھا وہ بڑا مضبوط تھا تم لوگ بڑی آسانی سے اس میں پھنس گئے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "شمبھو ناتھ کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ تمہیں دیکھ کر مزاحمت تو کرے مگر تمہارا راستہ نہ روکے۔ ایک دو ہاتھ کھا کر بے ہوش ہو جائے۔ شمبھو ناتھ عقل مند نکلا۔ اس نے تمہیں اندر آنے کا موقع دے دیا۔ تم نے یقیناً اسے بے ہوش کر دیا ہوگا۔ لیکن ہوش میں آنے کے بعد جب وہ یہاں آئے گا تو تمہارا اصل مقابلہ اس سے ہوگا اور تم دیکھو گے کہ اس میں کس قدر طاقت بھری ہوئی ہے۔"

"جس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی ہو وہ ہوش میں نہیں آ سکتا پنڈت رام اوتار۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت تک میں اپنی کیفیت پر مکمل طور پر قابو پا چکا تھا۔ کیونکہ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ یہاں اب ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ پولیس انسپکٹر بھی دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ثابت ہوا تھا جو پنڈت رام اوتار اور انعام کی رقم کے لالچ میں آ کر مجھے گرفتار کرنے کے لئے یہاں اکیلا ہی چلا آیا تھا۔

"کیا مطلب .... کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" پنڈت رام اوتار کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

"تمہارا سورما شمبھو ناتھ میرا ایک جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکا اور گردن کی ہڈی تڑوا بیٹھا۔ اسے جیون ہی سے مکتی مل گئی ہے اسی لئے اب وہ کبھی ہوش میں نہیں آ سکے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اور کیا تم مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو کہ سوچے سمجھے بغیر موت کے منہ میں چھلانگ لگا دوں گا۔ میں تم لوگوں کی مکارانہ ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہوں اور میں نے قدم قدم پر اس کا توڑ کیا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہاں میرے ساتھ دھوکہ ہوگا اس لئے میں کسی ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے پورا بندوبست کر کے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" پنڈت کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔

"میں جہاں بھی گیا ہوں مجھے وہاں چاہنے والے ضرور مل گئے ہیں جو میری مدد کرتے رہے ہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ ”اس وقت بھی میرے ساتھ دو آدمی ہیں جن میں ایک تو تمہارے ہی مندر کا پجاری ہے۔“ میں نے کہا۔

پنڈت رام اوتار کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ روپ سہائے کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا اور انسپکٹر کے چہرے پر بھی الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ پنڈت اور روپ سہائے دروازے کے دائیں بائیں تھے۔ وہ باہر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ وہ بھی باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر بلف کیا تھا اور اس موقع پر پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں ہونٹوں میں دبائیں اور انسپکٹر کے پیچھے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے سیٹی بجا دی۔

انسپکٹر نے بدحواس ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور میں یہی چاہتا بھی تھا۔ میں کسی طاقتور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور انسپکٹر کو ساتھ لیتا ہوا دروازے سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ انسپکٹر کی انگلی ٹرائیگر پر تھی۔ جھٹکا لگنے سے ٹرائیگر دب گیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی روپ سہائے کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی تھی اور وہ ڈھیر ہو گیا تھا۔

میں انسپکٹر کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہا تھا کہ پنڈت رام اوتار نے آگے بڑھ کر میری پسلیوں پر ٹھوکر رسید کر دی۔ میں دوسری طرف الٹ گیا مگر انسپکٹر کی کلائی میری گرفت میں رہی اور پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے انسپکٹر کو بھی اپنے ساتھ رگیدا اور اس کے چہرے پر سر کی ٹکر رسید کر دی۔

ٹکر انسپکٹر کی ناک پر لگی وہ بری طرح بلبلا اٹھا۔ ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا مگر وہ میرے ہاتھ بھی نہیں آ سکا تھا۔

انسپکٹر اور میں دونوں ایک دوسرے کو بری طرح رگید رہے تھے اور پنڈت رام اوتار ادھر ادھر ناچتا ہوا کبھی مجھے ٹھوکر رسید کر دیتا اور کبھی پستول کے دستے سے سر پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا لیکن میں ہر مرتبہ اپنے سر کو بچا لیتا۔ ضرب کبھی میرے کندھے پر لگتی اور کبھی شولڈر بلیڈ پر۔

پنڈت رام اوتار اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے مجھے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ مجھے بے ہوش کرنے کے لئے میرے سر پر پستول کے دستے سے ضرب لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک موقع پر وہ جیسے ہی میری طرف بڑھا میں نے پوری قوت سے اس کے منہ پر لات رسید کر دی۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا کستوری کی گود میں جا گرا۔ کستوری کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے گود میں پڑے ہوئے پستول کو دیکھنے لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں سے بندھے ہوئے تھے اس لئے وہ پستول سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔

میرے پیر کی ٹھوکر سے پنڈت رام اوتار کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

اس دوران انسپکٹر اٹھ کر مجھ سے چمٹ گیا۔ وہ دراز قامت اور بھاری تن و توش کا مالک تھا۔ اس کے بدن میں بھی [illegible] ہاتھی کی طرح بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ لیکن جوش میں آ کر وہ طاقت کے استعمال

کا طریقہ بھول گیا تھا اور شاید یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کا مقابلہ ایک ایسے شخص سے ہے جس نے نائک راج سمیت درجنوں سورماؤں کی گردنیں مروڑ دی تھیں اور پورے ہندوستان کی پولیس کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا۔

انسپکٹر نے مجھے پیچھے سے بازوؤں کے حلقے میں لپیٹ رکھا تھا اور مجھے دبانے کے لئے پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس کے دباؤ سے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ پسلیاں جیسے اندر کو دبی جا رہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹھوڑی بھی میرے دائیں کندھے سے لگا رکھی تھی اور میری ہنسلی کی ہڈی پر بھی شدید دباؤ پڑ رہا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ اس کی کلائی پر جما دیئے اور آہستہ آہستہ آگے کو جھکنے لگا۔ وہ میرے داؤ کو سمجھ گیا اور اس نے ایک گھٹنا میری کمر سے لگا دیا اور اوپر سے مجھے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔

اب اس کا بوجھ صرف ایک پیر پر تھا۔ میں نے اپنے آپ کو زوردار جھٹکا دیا وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑانے لگا۔ میں نے ایک اور جھٹکا دیا اور اسے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میرا سانس اب بھی گھٹ رہا تھا اور کمر میں جیسے آنکڑا سا لگ گیا تھا۔ میں گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی دوران پنڈت رام اوتار نے چھلانگ لگا دی۔ اس نے سر سے میرے پیٹ میں ٹکر ماری اور مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ میں دیوار سے ٹکرایا۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس نے پیچھے ہٹ کر ایک اور ٹکر ماری۔ اس مرتبہ ٹکر سینے پر لگی تھی۔ میں چیخ اٹھا۔ پنڈت نے پیچھے ہٹ کر تیسری ٹکر مارنے کی کوشش کی تو میں تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا پنڈت اپنی ہی جھونک میں دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ بھی بری طرح چیخ اٹھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ناچنے لگا۔

پیٹ اور سینے پر لگنے والی ٹکروں نے مجھے نڈھال سا کر دیا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھانے لگی۔ میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

پنڈت رام اوتار سنبھل چکا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ارنا بھینسے کی طرح میری طرف لپکا۔ اسی دوران انسپکٹر نے بھی سنبھل کر فرش پر پڑا ہوا اپنا ریوالور اٹھا لیا تھا۔ اس نے ریوالور کا رخ میری طرف کر کے ٹائیگر دبا دیا اور ٹھیک اسی لمحے پنڈت رام اوتار میرے سامنے آ گیا۔

گولی کی آواز کے ساتھ پنڈت رام اوتار کی چیخ بھی کمرے میں گونج اٹھی تھی۔ پنڈت مجھ سے ٹکرایا تو تھا مگر اس کی ساری طاقت پشت پر لگنے والی گولی نے سلب کر لی تھی۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

انسپکٹر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ وہ بدحواس ہو کر پنڈت کو دیکھ رہا تھا جو میری بانہوں میں جھول گیا تھا۔ میں نے پنڈت کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور انسپکٹر پر چھلانگ لگا دی۔

انسپکٹر نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرے پیر کی ٹھوکر اس کی کہنی پر لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ میں نے دوسری ٹھوکر اس کے سینے پر ماری اور وہ پیچھے الٹ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک اور ٹھوکر رسید کرنا چاہی مگر اس نے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں

ایک پیر پر ناچ کر رہ گیا اور پشت کے بل پیچھے گرا۔ انسپکٹر نے سنبھلنے سے پہلے مجھے دبوچ لیا تھا۔

انسپکٹر مجھے بری طرح رگید رہا تھا۔ اسی دوران میری نظریں کستوری کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ کرسی کے ہتھوں پر بندھے ہوئے اپنے ہاتھ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ کی رسی ڈھیلی ہو چکی تھی۔

میں نے انسپکٹر کو پیروں پر اٹھا کر دور اچھال دیا اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انسپکٹر نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے جھک کر پتلون کا پائنچہ اٹھایا۔ اس کی پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے خنجر بندھا ہوا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے وہ خنجر نکال لیا۔

انسپکٹر خنجر لہراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ ہاتھ میں پیچھے ہٹتا ہوا دیوار کے ساتھ جا لگا۔

انسپکٹر کے چہرے پر درندگی اور آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور حملہ کرنے کے لئے میری طرف لپکا اور پھر اس کا خنجر والا ہاتھ اوپر ہی اٹھا کر رہ گیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ اس کی چیخ بھی گونج اٹھی تھی۔

میں نے چونک کر دوسری طرف دیکھا۔ کستوری بڑی کرسی سے چند گز دور کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں انسپکٹر والا ریوالور تھا۔

گولی انسپکٹر کی پشت کی طرف سے دل میں لگی تھی۔ وہ لہرا کر گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد بے حس و حرکت ہو گیا۔

کستوری کی آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ میں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ کستوری جیسے ہوش میں آ گئی وہ دوڑ کر صحرا کے قریب پہنچ گئی اور اس کی بندشیں کھولنے لگی۔

کمرے میں تین لاشیں پڑی تھیں اور ان میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں سے نہیں مرا تھا۔ روپ سہائے کو انسپکٹر کی گولی لگی تھی۔ پنڈت رام اوتار بھی انسپکٹر کی گولی کا نشانہ بنا تھا اور انسپکٹر کستوری کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

یہاں اگرچہ کئی گولیاں چلی تھیں چیخم دھاڑ بھی ہوئی تھی لیکن مجھے اطمینان تھا کہ یہ آوازیں باہر تک نہیں سنی گئی ہوں گی لیکن اب میں زیادہ دیر یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

"اور پنڈت رام اوتار کی دولت..." کستوری بولی۔

"یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔" میں نے کہا "تم نے سنا نہیں تھا پنڈت نے دھوکے سے تمہیں یہاں بلایا تھا۔ وہ اتنا بے وقوف ہرگز نہیں تھا کہ تم جیسی عورت کو اپنی زندگی کے قیمتی ترین راز سے آگاہ کر دیتا۔ اب یہ راز بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے۔"

کستوری کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ میں نے ریوالور کھول کر دیکھا کیا رہ گولیوں والا ریوالور تھا۔ دو چیمبر خالی ہو چکے تھے اور چار گولیاں باقی تھیں۔ میں نے ریوالور بند کر دیا اور ان دونوں کو اشارہ کرتے ہوئے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف چل پڑا۔

میں نے پورچ میں کھڑی ہوئی کار کا دروازہ کھول کر دیکھا چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔

"تم جا کر گیٹ کھولو میں گاڑی اسٹارٹ کر کے لا رہا ہوں۔" میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کستوری سے کہا اور صحرا کے لئے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مجھے اچانک ہی ایک اور خیال آ گیا اور میں کار سے اتر کر برآمدے میں شمبو ناتھ کی لاش کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کا لباس اتارنے لگا۔ دھوتی اور پیلے رنگ کا دھوتی والا یہ لباس میرے کام آ سکتا تھا۔ میں نے اس کے گلے سے ساری مالائیں بھی اتار لیں۔ کلائی سے چاندی کے کڑے اتارتے ہوئے مجھے کچھ دشواری پیش آئی تھی۔

یہ سب چیزیں میں نے صحرا کے حوالے کر دیں اور کار اسٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر لے آیا۔ کستوری نے گیٹ بند کر دیا اور دوڑ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں نے کار کی بتیاں نہیں جلائیں۔ تاریکی میں بہت ہلکی رفتار سے اسے پہاڑی ڈھلان سے نیچے لے آیا۔ موڑ پر میں نے کالی کی مورتی والے بنگلے کی طرف دیکھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ میں نے کار سڑک پر موڑتے ہی رفتار بڑھا دی اور ہیڈ لیمپس بھی روشن کر دیے۔

.........☆.........

شرمیلا والے بنگلے تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اندر آتے ہی کستوری صوفے پر گر گئی۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ چہرے پر خوف اور دہشت نمایاں تھی۔ اس کی زندگی اگرچہ بدمعاشوں، غنڈوں اور بدقماش لوگوں میں گزری تھی لیکن ایسی صورت حال سے تو اسے پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔ تین لاشیں اس نے اپنے سامنے گرتے دیکھی تھیں۔ اور چوتھی لاش برآمدے میں پڑی ہوئی تھی۔

اگرچہ صحرا کی حالت بھی ابتر تھی مگر ماضی میں وہ اس قسم کے سنگین حالات سے دوچار رہ چکی تھی۔ ان دونوں کے لباس پھٹے ہوئے تھے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے صحرا کی طرف دیکھا۔ وہ میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔

"روپ سہائے نہ ہوتا تو پنڈت رام اوتار اور شمبو ناتھ اپنی من مانی کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان دونوں پر تو وحشی پن کا دورہ پڑا تھا مگر روپ سہائے نے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ہمیں نہ چھوڑا تو وہ واپس چلا جائے گا۔"

کستوری اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی۔ وہ پنڈت رام اوتار اور شمبو ناتھ کو جی بھر کر گالیاں دے رہی تھی۔

"اگر ان دونوں میں سے کوئی زندہ بچ جاتا تو مجھے افسوس ہوتا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان جیسے پاپیوں کا یہی انجام ہونا چاہئے۔"

"وہ تو اپنے انجام کو پہنچ گئے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب اپنے انجام کے بارے میں سوچو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"مطلب یہ کہ اگر کوئی اس بنگلے پر پہنچ گیا تو پھر ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔" میں نے کہا "مندر کے دوسرے پجاریوں کو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ تم کل دن میں اس سے ملی تھیں۔ لاشیں دریافت ہونے کے بعد سب سے پہلا شبہ تم پر ہوگا اور پولیس یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔ اس کے بعد جو کچھ

ہوگا وہ تم بہتر سمجھ سکتی ہو۔"

"کم از کم دو چار دن تو لاشیں دریافت ہونے کا کوئی امکان نہیں۔" کستوری نے جواب دیا۔ "پنڈت رام اوتار اپنے خاص چیلے شمبو ناتھ کے ساتھ اکثر دو دو تین تین دن کے لئے غائب ہو جاتا تھا۔ اس مرتبہ بھی لوگ یہی سمجھیں گے کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ دو تین دن بعد شاید اس کے کسی اور خاص چیلے کو اس مکان کا خیال آجائے۔"

"مگر روپ سہائے اور انسپکٹر کی گمشدگی سے شہر میں ہلچل مچ سکتی ہے اور ہو سکتا ہے ہمارے لئے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں۔" میں نے کہا "ویسے یہ کار کس کی ہے؟"

"پنڈت رام اوتار کی۔" کستوری نے جواب دیا۔

"گڈ....." میں نے کہتے ہوئے سحرا کی طرف دیکھا۔ جو کچن میں جا کر چائے بنا لائی تھی۔ ہم سب اس وقت واقعی بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہے تھے۔ میں نے ایک کپ لے لیا اور دو تین چسکیاں بھرنے کے بعد بولا۔

"اس سے پہلے کہ پنڈت رام اوتار اور دوسروں کی تلاش شروع ہو جائے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ بعد میں یہاں سے فرار ہونا آسان نہیں ہوگا۔"

"تجویز معقول ہے۔" کستوری بولی "لیکن میں کہاں جاؤں گی۔ گنگا نگر....." وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "میری گمشدگی سے بھی پولیس کو مجھ پر شبہ ہوگا۔ وہ گنگا نگر پہنچ جائیں گے اور میں آسانی سے دھر لی جاؤں گی۔"

"تم اگر چاہو تو ہمارے ساتھ جا سکتی ہو۔" میں نے کہا "ہندوستان بہت بڑا ملک ہے تم کہیں بھی نام بدل کر زندگی گزار سکتی ہو۔"

کستوری کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر وہ بھی ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگئی۔

چائے پیتے ہوئے ہم یہاں سے نکلنے کا پروگرام بناتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں صبح سویرے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ صبح پولیس انسپکٹر اور روپ سہائے کی تلاش شروع ہو جائے گی اور ہمارے لئے کچھ مشکلیں پیدا ہو سکتی تھیں۔

"ٹھیک ہے تم لوگ تھوڑی نیند لے لو۔ ہم دن کا اجالا طلوع ہوتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔" میں نے کہا۔

وہ دونوں سحرا والے کمرے میں چلی گئیں۔ شاید الگ الگ کمروں میں جانے سے ڈر رہی تھیں۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ میں نے تمام بتیاں بجھا دیں۔ صرف راہداری والی بتی جلتی رہنے دی۔ اس کی مدھم سی روشنی ہال کمرے تک بھی پہنچ رہی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ ریوالور نکال کر میں نے گود میں رکھ لیا۔ کستوری نے اگرچہ کہا تو تھا کہ دو چار دن سے پہلے لاشوں کے ملنے کا امکان نہیں۔ لیکن ہندوؤں کی مکارانہ ذہنیت کی طرح مجھے اس سرزمین کے موسم اور حالات پر بھی بھروسہ نہیں تھا اور میں اپنی طرف سے کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کستوری پنڈت رام اوتار سے انتقام لینے کے ساتھ اس کی دولت پر بھی قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ ں کا انتقام تو پورا ہو گیا تھا مگر دولت کے سلسلے میں اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ پنڈت کی دولت کے بارے یں سوچتے ہوئے مجھے اپنے سوٹ کیس کا خیال آ گیا۔ جو سحرا والے کمرے میں پلنگ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے آگے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں سوٹ کیس لے کے پھرنا مناسب نہیں تھا۔

میں اٹھ کر شرمیلا والے کمرے میں آ گیا۔ وہاں الماری کے اوپر سیاہ رنگ کا ایک سفری بیگ کھا ہوا تھا میں نے بیگ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اسے دوبارہ الماری پر رکھ دیا یہ میرے کام کی چیز نہیں تھی۔ میں اس کمرے سے نکل کر پورے گھر میں اپنے مطلب کی چیز تلاش کرتا رہا اور کچن سے ملحق برتن والے اسٹور میں مجھے کپڑے کا ایک میلا سا تھیلا مل گیا۔ یہ تھیلا غالباً سبزی بھاجی اور دوسرا سودا سلف انے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس میں ایک لمبا اسٹریپ بھی لگا ہوا تھا جس سے تھیلے کو کندھے پر لٹکایا جا سکتا تھا۔

میں نے تھیلا صوفے پر ڈال دیا اور بڑی آہستگی سے اس کمرے میں جا کر پلنگ کے نیچے سے سوٹ کیس نکال لیا

پہلے میں نے کپڑوں کا ایک جوڑا تھیلے میں رکھا۔ اس کے اوپر تمام زیورات اور نوٹوں کی گڈیاں رکھ کر ان کے اوپر اپنے اور سحرا کے کپڑے ڈال دیئے۔ نوٹوں کی دو گڈیاں میں نے الگ نکال لی تھیں۔ ایک گڈی دس کے نوٹ والی تھی۔ اور دوسری سو کے نوٹوں والی۔ تھیلا پیک کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اگر اس پر عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو میری مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا اور پھر مجھے سرحد پار کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

مجھے رات بھر جاگنا تھا۔ اگرچہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن میں نے ایک بار پھر چائے بنالی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا میں کبھی ٹہلنے لگتا اور کبھی صوفے پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ جاتا۔ دن کا مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ میں نے کمرے میں جا کر دونوں کو جگا دیا۔

ان دونوں کو تیار ہونے میں ایک گھنٹہ لگا۔ اس وقت سورج طلوع ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ کستوری اور سحرا نے اب بھی شرمیلا کے وارڈ روب پر ہاتھ صاف کیا تھا اور دونوں نے ساڑھیاں پہنی تھیں۔ کستوری کچن میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔

ناشتے کے دوران میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم اس وقت نکلیں گے جب سڑکوں پر اچھا خاصا ٹریفک شروع ہو چکا ہو۔

ناشتہ کر کے میں تیار ہونے کے لئے کمرے میں گھس گیا میں نے اپنے کپڑے اتار کر شمبو ناتھ والے کپڑے پہن لئے۔ دھوتی میں نے بالکل اسی طرح باندھی تھی جس طرح ہندو باندھتے تھے۔ شمبو ناتھ کی تمام مالائیں بھی گلے میں ڈال لیں اور چاندی کے کڑے بھی کلائی میں پہن لئے۔ شرمیلا کی ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں مختلف شیڈز کی لپ اسٹکس موجود تھیں۔ میں نے مناسب رنگ کی لپ اسٹک اٹھا کر ماتھے پر تین افقی لکیریں کھینچ لیں۔ یوں تو بیشتر ہندو مرد ماتھے پر ٹیکا لگاتے ہی تھے لیکن کٹر پنڈتوں کی خاص نشانی

تھی۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو وہ دونوں مجھے دیکھ کر چونک گئیں۔ اس وقت آٹھ بجنے والے تھے میں نے صوفے پر رکھا ہوا تھیلا اٹھایا اور گیروی کرتے کے نیچے کندھے پر لٹکا لیا۔ اس طرح وہ تھیلا ڈھیلے ڈھالے کرتے کے نیچے چھپ کر رہ گیا تھا۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔" میں نے کہا۔

"اور وہ سوٹ کیس..." سمترا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"سوٹ کیس لے جانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے سب کچھ اس تھیلے میں ڈال لیا ہے۔" میں نے کرتے کے ابھار کو تھپتھپایا۔

ہم تینوں باہر آ گئے۔ کستوری نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سمترا پنجرز سیٹ پر اور میں پیچھے بیٹھ گیا۔

کار گیٹ پر پہنچی تو میں نے نیچے اتر کر گیٹ کھولا۔ کار کے نکلنے کے بعد گیٹ بند کر دیا اور دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی تقریباً بیس منٹ بعد شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ گئی۔ شہر سے باہر آنے جانے والی گاڑیاں اکثر یہاں رکا کرتی تھیں اور اس جگہ پولیس نے ایک عارضی چوکی بھی بنا رکھی تھی۔

ہماری کار کو بھی روک لیا گیا۔ وہ سب انسپکٹر تھا جو چیکنگ کے لئے آیا تھا۔ کستوری نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"اوہ کستوری دیوی جی! کہیں قیامت ڈھانے جا رہی ہیں۔" سب انسپکٹر بھی مسکرا دیا۔

"گنگا نگر مسٹر..." کستوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں یہ چکر لگتے رہتے ہیں۔"

سب انسپکٹر نے سمترا کی طرف دیکھا مگر بولا کچھ نہیں پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"اور پنڈت جی آپ؟" اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"گنگا نگر مہاراج ان بالکوں کے ساتھ۔" میں نے جواب دیا۔

"جائیے ضرور جائیے۔" سب انسپکٹر نے کہتے ہوئے ایک سپاہی کو اشارہ کیا اس نے بیریئر ہٹا دیا۔

"جے رام جی کی۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کار حرکت میں آ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد تیزی سے دوڑنے لگی۔ گنگا نگر والی سڑک پر چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کستوری نے کار دائیں طرف ایک سڑک پر موڑ لی اور ایک گھنٹے بعد ہم مانک سر والی شاہراہ پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک سنگھ ریا، پیرنگ کھیرا، باغ والی، کرتا سنگھ والی سے ہوتی ہوئی بھٹنڈا کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ راستہ پہلے سے طے شدہ پلاننگ کے تحت تبدیل کیا گیا تھا۔ وہ لوگ ہمیں گنگا نگر کی طرف تلاش کرتے رہتے اور ہم اطمینان سے بھٹنڈا کی طرف سفر جاری رکھتے۔

میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے نیند آ رہی تھی اور میں کچھ دیر سو لینا چاہتا تھا۔ کار تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔

........☆........

دوپہر کا کھانا ہم نے باغ والی کے ایک ریسٹورنٹ میں کھایا اور صورتحال کا اندازہ کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کے لئے رک گئے۔

راجستھان سے ہم بہت پہلے نکل چکے تھے۔ یہ پنجاب کا علاقہ تھا اور یہاں سکھ بھی ایک معقول تعداد میں نظر آنے لگے تھے۔ جس ریسٹورنٹ میں ہم کھانے کے لئے رکے تھے اس کا مالک بھی ایک سکھ ہی تھا۔ صاف ستھرا ریسٹورنٹ تھا۔ پچھلی گلی میں بھی ایک بڑا دروازہ تھا جس سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔

ریسٹورنٹ میں آنے والے لوگ گھور گھور کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ کستوری اور سمترا... دونوں کم بخت بہت حسین تھیں۔ ان کے ساتھ ایک پنڈت کو دیکھ کر بعض لوگوں کی نظروں میں رشک تھا اور بعض کی نظریں حسد سے بھری ہوئی تھیں۔

ہماری میز پر سروس کرنے والا ویٹر ایک نو عمر سکھ تھا۔ میں نے مختلف بہانوں سے اس سے صورتحال کے بارے میں معلوم کر لیا۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ یہاں کی صورتحال نارمل اور پرسکون تھی۔ لوگ اخبارات کے ذریعے تو پاکستانی دہشت گردوں کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے تھے لیکن انہیں اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک ریسٹورنٹ میں ٹھہرے کستوری نے ویٹر کو بل کے ساتھ اسے معقول ٹپ بھی دی اور ہم ریسٹورنٹ سے باہر آ گئے۔

باغ والی ایک بڑا قصبہ تھا۔ یہاں پنجاب کی چھاپ نمایاں تھی۔ ہماری کار مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی کرتا سنگھ والی کی طرف جانے والی سڑک پر آ گئی۔ یہی سڑک بھٹنڈا تک چلی گئی تھی۔

اس وقت سمترا ڈرائیو کر رہی تھی۔ کستوری پنجرز سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ میدانی علاقہ تھا۔ تاہم کہیں کہیں ٹیلے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

باغ والی سے نکلنے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد سامنے پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ خاکستری پہاڑیوں کا وہ سلسلہ کسی قلعے کی اونچی فصیل کی طرح دائیں بائیں دور تک پھیلا ہوا تھا۔

ان پہاڑیوں سے ذرا پہلے ایک سڑک دائیں طرف چلی گئی تھی۔ ہمارے آگے کافی دور ایک مال بردار ٹرک تھا۔ جو بائیں طرف والی سڑک پر مڑ گیا تھا۔ مگر سمترا کار کو سیدھی لئے چلی گئی۔

کار پہاڑیوں میں داخل ہو گئی۔ دور سے بنجر دکھائی دینے والی پہاڑیاں گھنے دار اونچی جھاڑیوں سے لدی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں بلند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ سڑک ایک تنگ سے درے میں بل کھاتی ہوئی مسلسل بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ سمترا بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہی تھی۔

ایک جگہ پختہ سڑک ختم ہو گئی۔ اس سے آگے پتھریلا راستہ تھا۔ جہاں ہندی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ لگا ہوا تھا۔ "آگے خطرناک موڑ ہیں گاڑی احتیاط سے چلائیے۔"

ہمیں ان پہاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا لیکن اس دوران پیچھے سے یہ

آگے سے آنے والی کوئی گاڑی نہیں ملی تھی۔ حالانکہ میدانی علاقے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ہمیں کوئی نہ کوئی بس کار یا مال بردار ٹرک نظر آتا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم غلط راستے پر آ گئے ہیں۔" سمترا نے ایک موڑ پر کار کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اسی سڑک پر جانا چاہئے تھا جس طرف وہ ٹرک گیا تھا۔"

"واپس جانا بے کار ہے اب اس راستے پر چلتی رہو۔ بس ذرا محتاط رہنا۔" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

راستہ واقعی بہت خطرناک تھا۔ موڑ بہت خطرناک تھے۔ سڑک کے ایک طرف عمودی چٹانیں اور دوسری طرف گہری کھائیاں تھیں۔ ڈرائیور کی ذرا سی غفلت موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

ایک جگہ سمترا نے گاڑی روک لی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر دائیں طرف بیٹھا تھا۔ اس طرف عمودی چٹانیں اتنی قریب تھیں کہ میں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اسے چھو سکتا تھا۔

"تھک گئی ہو۔" میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "تم پیچھے آ جاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔"

سمترا بھی نیچے اتر آئی اور جب میں اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے آگے آیا تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سمترا کے کار روکنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ تقریباً دس گز آگے سڑک کے دائیں طرف تو عمودی چٹان تھی اور بائیں طرف گہرا کھڈ تھا۔ اس طرف سے آدھی سڑک غائب تھی۔ میرا خیال ہے پہاڑی تو دہ ٹوٹ کر گرا ہوگا جس سے سڑک کا کچھ حصہ بھی غائب ہو گیا تھا اور سڑک کا باقی حصہ اتنا چوڑا نہیں تھا کہ کار بھی گزر سکتی۔

میں نشیب کی طرف دیکھنے لگا بالکل عمودی ڈھلان تھی۔ اور سینکڑوں فٹ نیچے سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی اور بہت دور سرمئی رنگ کی ایک لکیر دھوپ میں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ سڑک تھی جو کہیں بہت دور پہاڑیوں میں گھوم کر اس طرف چلی گئی تھی۔

"تم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھو۔ میں گاڑی ریورس میں لے کر اسے واپس موڑتا ہوں۔" میں نے سمترا اور کستوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سمترا تو پہلے ہی باہر کھڑی تھی۔ کستوری بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی اور وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

میں نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اور کار کو ریورس گیئر میں پیچھے ہٹانے لگا اور پھر چند گز پیچھے لے جا کر میں نے کار کو بار بار آگے پیچھے کرتے ہوئے اس کا رخ بدل دیا۔ اس کار کا رخ اس طرف تھا۔ کھڈ کا وہ کنارہ کار کے پچھلی طرف تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھا۔

میں نے انجن کو نیوٹرل میں رکھا اور پیچھے مڑ کر سمترا اور کستوری سے باتیں کرنے لگا۔

"اب یہاں بیٹھے باتیں کرتے رہو گے یا آگے بھی بڑھو گے دھوپ میں چٹانیں تپ رہی تھیں اور گرمی بہت ہو رہی تھی۔" کستوری نے ساڑھی کے پلو سے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

میں نے آخری مرتبہ ان دونوں کی طرف دیکھا اور سیدھا ہو کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میرا پیر کلچ پلیٹ پر اور بایاں ہاتھ گیئر لیور پر تھا میں نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں ان دونوں کے چہروں کا عکس دیکھا اس وقت میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں نے انجن کو ریورس گیئر میں ڈال دیا۔ دوسرا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھا اور ایک دم کلچ موڑ کر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

کار مینڈک کی طرح پھدک کر ایک زوردار جھٹکے سے پیچھے کی طرف دوڑی۔ میرے گرانے سے دروازہ کھل گیا۔ میں نیچے گرا کستوری اور سمترا ایک وقت چیخ اٹھی تھیں۔

ہو سکتا ہے بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن اب ان کے پاس سمجھنے کے لئے وقت بھی نہیں تھا۔

میں بھی زمین پر گر کر پیچھے کی طرف لڑھکتا چلا گیا اور پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

پچھلا دس گز کا فاصلہ کار نے چند سیکنڈ میں طے کر لیا۔ وہ دونوں مسلسل چیخ رہی تھیں۔ کار کے پچھلے پہیے کھڈ کے کنارے سے اترے اور پھر کار کا اگلا حصہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ میں نے کار کو پیچھے کی طرف قلابازی کھاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ان دونوں کی چیخیں اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا۔ کار عمودی ڈھلان پر قلابازیاں کھاتی ہوئی نیچے جا رہی تھی اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ کار کے پرخچے اڑ گئے اور آگ کا گولہ سا پھیلتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

میں چند لمحے خندق میں دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور شکستہ راستے کے دوسری طرف آ کر تیز تیز چلنے لگا۔

میں ان دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر نہیں پھر سکتا تھا۔ مجھے اب ان کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے ایک بہت بڑے بوجھ سے نجات حاصل کر لی تھی۔

میں ان پہاڑیوں سے نکل کر کئی میل دور سانگر نامی قصبے تک کیسے پہنچا تھا یہ ایک الگ داستان ہے۔ بہرحال سانگر سے کرتار سنگھ والی اور وہاں سے بھٹنڈا پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

وہ رات میں نے بھٹنڈا کے ایک آشرم میں گزاری اور خوش قسمتی سے اگلے روز مجھے ایک سردار جی مل گئے جو اپنی کار پر فیروز پور جا رہے تھے۔

سردار اوتار سنگھ ہندوستان کی ایک بڑی تجارتی کمپنی کا نمائندہ تھا جو اپنے کاروباری دورے پر تھا۔ اسے دو تین گھنٹوں کیلئے فرید کوٹ رکنا تھا اور پھر فیروز پور جانا تھا۔ مجھے مندروں کی یاترا کرنے والا سادھو سمجھ کر اس نے اپنی کار میں لفٹ دے دی تھی۔ میں نے اسے یہی بتایا تھا کہ پچھلے چھ مہینوں سے مندروں کی یاترا کرنے کیلئے قصبوں اور شہروں میں گھوم رہا ہوں۔ کبھی پیدل سفر کرتا ہوں اور کبھی اس جیسے نیک دل لوگ اپنی گاڑی میں لفٹ دے دیتے ہیں۔

"اب تم بے فکر ہو جاؤ سوامی جی۔" اس نے کہا تھا۔ "فیروز پور تک تو میں لے جاؤں گا اس کے بعد رب راکھا۔"

کار بھٹنڈا سے فرید کوٹ کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑتی رہی اور میں ایئر کنڈیشنڈ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا اونگھتا رہا۔

سردار اوتار سنگھ کو فرید کوٹ میں کاروباری سلسلے میں دو تین گھنٹوں کیلئے رکنا تھا لیکن کام لمبا تھا اسے رات رہنا پڑا اور اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ روک لیا۔

"میری وجہ سے آپ کو پریشانی ہو رہی ہے سردار جی۔" میں نے کہا۔

"کوئی گل نئیں سوامی جی۔" سردار جی نے کہا۔ "آپ کے نال تو سانوں دل لگ گیا ہے گپ شپ ہوتی رہے گی۔"

سردار اوتار سنگھ نے ہوٹل میں ڈبل بیڈ کا کمرہ لے لیا اور مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر اپنے کام کے سلسلے میں چلا گیا۔ اس کی واپسی رات آٹھ بجے کے قریب ہوئی تھی۔

ہم رات کو دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہماری گفتگو کے موضوعات ایسے تھے کہ میں بلا جھجک بولتا رہا۔

صبح ناشتہ کرتے ہی ہم فیروز پور کیلئے روانہ ہو گئے۔ فیروز پور مشرقی پنجاب کا سرحدی شہر تھا اور مجھے یقین تھا کہ مجھے وہاں سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہونے میں دشواری پیش نہیں آئے گی۔

دوران سفر بھی ہماری باتوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن میں نے صاف طور پر محسوس کیا تھا کہ فرید کوٹ سے روانگی کے بعد سردار اوتار سنگھ کی باتوں کا رخ کچھ بدل گیا تھا جیسے اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہو۔

فیروز پور سے کچھ پہلے کرمانوالا قصبے میں رک کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ سردار جی کے کہنے کے مطابق فیروز پور اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔

چاروں طرف ہریالی تھی سبزہ تھا لہلہاتے کھیت تھے۔ راستہ میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ سڑک کے کنارے پر کھیلتے ہوئے ننگ دھڑنگ بچے سروں پر کچھ نہ کچھ اٹھائے چلتی ہوئی عورتیں اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسانوں کو دیکھ کر مجھے اپنا پنجاب یاد آ رہا تھا۔

ایک بستی سے آگے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد سردار جی نے کار کھیتوں کے بیچ ایک کچے راستے پر موڑ لی۔ راستے کے دونوں طرف ٹاہلی کے درخت تھے۔ میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"اس طرف سے کم از کم پندرہ میل کا فاصلہ طے ہو جائے گا۔" سردار نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے پیپل اور ٹاہلی کے درختوں کے ایک جھنڈ میں کار روک دی اور انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔ میں بھی نیچے اتر آیا۔

یہاں درختوں کے نیچے دور دور تک خشک گوبر پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف دو کمروں پر مشتمل ٹوٹی پھوٹی سی عمارت تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ جگہ کسی وقت کسانوں کا ڈیرہ ہو گی لیکن کسی وجہ سے یہ جگہ چھوڑ کر ڈیرہ کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس ڈیرے کے پچھلی طرف کنکریٹ کی دیواروں والا ایک حوض بنا ہوا تھا اس کی لمبائی چھ فٹ چوڑائی چار فٹ اور گہرائی بھی چار فٹ کے قریب تھی۔ اٹھارہ انچ قطر کے ایک پائپ سے حوض میں پانی گر رہا تھا اور دوسری طرف سے یہ پانی ایک ندی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ یہ پائپ یہاں تک کس طرف سے آ رہا تھا مجھے اندازہ نہیں تھا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سردار نے گاڑی یہاں کیوں روکی تھی۔ آس پاس کھیتوں میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ لیکن میں چونکا تو اس وقت جب سردار اوتار سنگھ نے جیب سے پستول نکال کر مجھ پر تان لیا۔

"اب بتاؤ تم کون ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم وہ ہرگز نہیں ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ آج صبح جب تم ہوٹل میں نہانے کیلئے گئے ہوئے تھے تو میں نے تمہارے تھیلے کی تلاشی لی تھی۔ زیورات اور نقدی کہاں سے لوٹی ہے۔ تم نے یقیناً کوئی قتل بھی کیا ہو گا۔ سچ بتاؤ کون ہو تم ورنہ گولی مار دوں گا۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ مجھے اس لئے اس طرف لے کر آیا تھا

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' میں کوئی۔"

"کوئی بکواس نہیں سننا چاہتا۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "تم یقیناً بہت بڑے مجرم ہو اور اپنے آپ کو چھپانے کیلئے بھیس بدل رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "تم مجھے گولی نہیں مار سکتے' ذرا پیچھے دیکھو۔"

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اسی لمحے میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا۔ اس کی پگڑی کھلتی ہوئی دور جا گری۔ میں نے اس کے پستول والے ہاتھ کو گرفت میں لے لیا۔ دو تین جھٹکوں میں پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں اسے زمین پر رگیدتا رہا لیکن پھر اس کا بھی داؤ چل گیا۔

وہ چالیس کی عمر کے لگ بھگ سخت مند آدمی تھا لیکن مجھ جیسا نکلا۔ وہ لڑائی جھگڑے کا آدمی نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پستول کے بل بوتے پر مجھے زیر کر لے گا۔

اس وقت اس نے مجھے حوض کی دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبوچ رکھا تھا۔ میں نے پوری قوت استعمال کرتے ہوئے لوٹ لگائی اور اب وہ میرے شکنجے میں تھا۔ میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا دیا۔ اس کا اوپر والا دھڑ حوض کے پانی میں تھا۔ وہ ہاتھ مارتا رہا مگر میں نے اس کی ٹانگوں کو مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا اور اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک پانی کے اندر اس کا سانس نہیں گھٹ گیا۔ اس کے بعد میں نے کافی دیر اس کی ٹانگوں کو جکڑے رکھا اور اسے پانی میں دھکیل دیا۔

میں جلدی سے واپس مڑا۔ کار کی اگنیشن میں چابیوں کا گچھا لگا ہوا تھا۔ میں نے گچھا نکال لیا۔ ڈگی کھول کر اس کا سوٹ کیس نکالا اور اس کے کپڑے نکال کر پہننے لگا۔ سادھیوں والا لباس اتار کر میں نے وہیں پھینک دیا۔ اس کی شرٹ اور پینٹ کوٹ مجھے اس طرح فٹ آ گیا تھا جیسے یہ کپڑے میرے لئے ہی سلوائے گئے ہوں۔

میں نے حوض پر منہ دھو کر ماتھے کا ٹیکا اچھی طرح صاف کیا اور اس کی پگڑی اٹھا کر جھاڑنے کے بعد سر پر جمالی۔

کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر میں نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ کئی دن سے بڑھی ہوئی داڑھی اور سر پر پگڑی۔ میں دیکھنے میں سکھ ہی لگ رہا تھا۔

میں نے اپنا تھیلا بھی سردار دلجیت سنگھ کے سوٹ کیس میں ڈال دیا تھا۔ سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ انجن سٹارٹ کر کے کار موڑی اور اسے تیزی سے واپسی کے راستے پر دوڑا دیا۔

بڑی سڑک پر آ کر میں نے کار کو فیروز پور کی طرف موڑ دیا اور اس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد میں فیروز پور کے نواح میں پہنچ گیا۔ اس وقت پانچ بجنے والے تھے۔ میں نے ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر کار روک لی اور پچھلی سیٹ پر سے سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف چل دیا۔ وہ بارونق جگہ تھی مگر کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔

میں تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتا رہا اور ایک ٹیکسی سٹینڈ پر رک گیا۔

"کتھے جانا ہے سردار جی۔" ایک سکھ ڈرائیور فوراً ہی میرے قریب آ گیا۔

"بس والے نے غلط جگہ پر اتار دیا' کسی ہوٹل میں لے چلو۔" میں نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "بلکہ یہاں کوئی گیسٹ ہاؤس ہو تو۔"

"فکر ہی نہ کرو جی۔" ڈرائیور نے کہا۔ "میں سمجھ گیا جی کیسی جگہ چاہتے ہو' سکون ہو اور رات گزارنے کیلئے کوئی سوہنا سجن بھی۔ یاد کرو گے سردار جی۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے مجھے ایک شاندار گیسٹ ہاؤس میں پہنچا دیا۔ چاروں طرف وسیع لان اور درختوں کے جھنڈ تھے۔ ایک طرف سوئمنگ پول بھی نظر آ رہا تھا۔ لان میں رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے میز پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رنگین آنچل لہرا رہے تھے۔

مجھے دوسری منزل پر کارنر کا ایک کمرہ مل گیا۔ لگتا تھا یہ کوئی گیسٹ ہاؤس نہیں فائیو سٹار ہوٹل ہو۔ کمرے کی ہر چیز شاندار تھی۔

میں نے نہا دھو کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے کو تالا لگا کر لان میں آ گیا۔ ایک میز پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک حسینہ آ گئی۔ وہ زبردستی میرے گلے پڑنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے لفٹ نہیں دی اور چائے پی کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

رات کا کھانا کھانے کیلئے مجھے ڈائننگ ہال میں آنا پڑا۔ خوب رونق تھی۔ ہال کی فضا مختلف خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ جن میں کھانوں کی اشتہا آمیز خوشبو بھی شامل تھی۔

میں نے مینو دیکھ کر اپنی پسند کا کھانا منگوایا۔ کھانے کے دوران بھی ایک شکاری عورت میری میز پر آ گئی تھی۔ میں اس سے باتیں تو کرتا رہا لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ میں اس وقت محتاط رہنا چاہتا تھا۔ میں اس وقت لب بام تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے پیچھے سے سیڑھی کھینچ لی جائے۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ویٹرس کو ہدایت کر دی کہ آدھے گھنٹے بعد چائے میرے کمرے میں پہنچا دی جائے اور پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور ٹی وی کھول کر بیٹھ گیا۔ اس وقت امرتسر کے دربار صاحب سے گرنتھ صاحب کے پاٹھ کا کوئی پروگرام آ رہا تھا۔

میں نے ٹی وی کھلا چھوڑ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی۔ یہاں سے کھیم کرن کس طرح پہنچا جائے۔ کھیم کرن پاکستان کی سرحد سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا اور سرحد اس طرف سے پار کی جا سکتی تھی۔

مجھے یاد تھا قصور میں رضیہ کا خاوند شجاع سمگلنگ کے چکر میں اس طرف آیا کرتا تھا۔ ایک دو مرتبہ وہ مجھے بھی ساتھ لے کر آیا تھا۔ مجھے ایک دو نام یاد تھے۔ اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے مگر مجھے یقین تھا کہ ان میں کوئی نہ کوئی آدمی مل جائے گا جو مجھے سرحد پار کرا دے گا۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

"ویٹرس سر۔ آپ کی چائے۔"

"دروازہ کھلا ہے آ جاؤ۔" میں نے کرسی سے اٹھے بغیر جواب دیا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا

ویٹریس کے لباس میں جو عورت اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ بیلا تھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے نہیں پستول تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔

میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں۔ میں وحشت زدہ نظروں سے بیلا کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ چمکتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

آپ نے بھی اس بلی کو دیکھا ہے جو دیوار سے لگے سمٹے سہمے ہوئے چوہے پر جھپٹنے کیلئے تیار ہو۔ بالکل یہی کیفیت اس وقت بیلا کی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلتی ہوئی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک بڑی خوفناک تھی اور میں واقعی گھیرے میں آئے ہوئے چوہے کی طرح سہما ہوا تھا۔ میرا دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے پلکیں جھپکے بغیر بیلا کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں کی چمک میں فتح مندی کا احساس نمایاں تھا۔

میں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بیلا کے پیچھے دیکھا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا اور اسی وقت پینٹ اور شرٹ میں ملبوس ایک دراز قامت سکھ ٹہلتا ہوا کمرے کے سامنے سے گزر گیا تھا۔ بیلا یقیناً اکیلی نہیں ہو گی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ بیلا کو میں بھولا تو نہیں تھا لیکن شاید اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ آخری بار اس سے میرا آمنا سامنا جے پور میں ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ میرا تعاقب کرتی ہوئی کوٹ بیجی تک بھی آئی تھی لیکن اس چھوٹے سے شہر میں وہ میرا سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ مجھے سمترا کے ذریعے اور بعض دوسرے ذرائع سے اس کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا رہتا تھا پھر میں کوٹ بیجی سے بھی نکل گیا۔

میں نے رتنا کو کھو دیا۔ سمترا میرے ہمرکاب رہی۔ اس دوران بیلا کے بارے میں کوئی بات سننے میں نہیں آئی لیکن تمام مافوق قوتیں میرے تعاقب میں لگی رہیں۔ پہاڑیوں میں سمترا اور کستوری سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں ساگر اور کرتار سنگھ والی نام کے قصبوں میں ہوتا ہوا بھٹنڈا پہنچا تو سردار اوتار سنگھ سے ملاقات ہو گئی جو فیروز پور جا رہا تھا۔ اسے بھی مجھ پر شبہ ہو گیا اور راستے میں ایک جگہ اس نے مجھ پر قابو پانے کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ میری اصلیت جاننا چاہتا تھا لیکن اپنی ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اس کی گاڑی میں فیروز پور پہنچ گیا۔

اس گیسٹ ہاؤس میں آنے کے بعد میں بڑی حد تک مطمئن ہو گیا۔ صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ کل کسی نہ کسی طرح میں ایران پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے سرحد پار کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی لیکن اس وقت بیلا کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے لگ رہا تھا جیسے میں بازی ہار گیا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجھ سے غلطی کہاں پر ہوئی تھی لیکن بیلا نے مجھے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی آواز سے میرے خیالات منتشر ہو گئے۔

''مجھے یقین تھا کہ کوٹ بیجی سے فرار کے بعد تم اسی طرف آؤ گے۔'' بیلا میرے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔ ''تم درحقیقت سرحد پار کرنا چاہتے تھے۔ راجستھان کی طرف سے سرحد پار

کرنا تمہارے لئے ممکن نہیں تھا۔ صرف یہی ایک راستہ تھا جو تم اختیار کر سکتے تھے۔ امرتسر یا فیروز پور۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''امرتسر کا رخ تم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ علاقہ تمہارے لئے اجنبی تھا۔ مجھے ایک مرتبہ تم نے بتایا تھا کہ تم قصور کے رہنے والے ہو اور لڑکپن میں کسی سمگلر کے ساتھ کام بھی کر چکے ہو۔'' اس نے بات کرتے ہوئے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم اس طرف آنا پسند کرو گے۔ حسینی والا کی طرف سے تمہیں سرحد پار کرنے میں آسانی ہو گی لیکن ہم نے بھی یہاں تمہارے استقبال کا سارا بندوبست کر رکھا تھا اور پھر اس طرف آنے میں ہم تمہاری حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔''

''کیا مطلب؟'' میرے منہ سے پہلی مرتبہ آواز نکلی تھی۔

''ہانکا کے بارے میں بھی سنا ہے۔'' بیلا نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں؟'' میں اب بھی واقعی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

''جنگل میں شکار کو گھیرنے کیلئے ہانکا لگایا جاتا ہے۔'' بیلا مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ہم بھی تمہیں گھیرنے کے لئے ہانکا لگا رہے تھے۔ تمہارے لئے اس طرف آنے کا راستہ کھلا رکھا تھا۔ اگر تم کسی اور طرف نکلنے کی کوشش کرتے تو کامیاب نہ ہو پاتے۔ بھٹنڈا میں ایک مرتبہ تم میرے آدمیوں کی نظروں میں آ گئے تھے لیکن تم ایک کار میں بیٹھ کر غائب ہو گئے۔ اس کار کا نمبر بہرحال نوٹ کر لیا گیا تھا۔ چنڈی گڑھ کے نمبر پلیٹ والی اس کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ کار اوتار سنگھ نامی ایک سکھ کی ملکیت تھی جو اپنی کمپنی کے بزنس کے سلسلے میں گھومتا رہتا تھا۔ ہم نے اس کی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ بھٹنڈا سے فیروز پور جانے والا ہے۔ ہم نے فیروز پور آنے والی ہائی وے کی ناکہ بندی کر دی۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہیں شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی روک لیا جائے گا مگر چیک پوسٹ پر تمہاری کار نظر نہیں آئی۔''

''اور پھر وہ کار لاری اڈے کے قریب کھڑی ہوئی مل گئی اور شہر میں تمہاری تلاش شروع ہو گئی۔ اس ٹیکسی کو بھی تلاش کرایا گیا جس پر تم نے اپنی کار چھوڑنے کے بعد سفر کیا تھا اور اس طرح ہمیں یہ پتہ چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔ تمہارے یہاں آنے کے ایک گھنٹے بعد ہی نہ صرف اس گیسٹ ہاؤس کی نگرانی شروع کر دی گئی تھی بلکہ ہمارے دو ایجنٹوں سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

''اوہ'' میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''وہ دو عورتیں...''

''ہاں'' بیلا نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ ''ان کی رپورٹ سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''جوان اور حسین عورتیں تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہیں۔ ان دونوں عورتوں کا انتخاب تو بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا لیکن مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ تم نے ان دونوں کو چلتا کر دیا تھا۔''

''شاید اس لئے کہ تمہیں یہاں آنا تھا۔'' میں نے پہلی مرتبہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت تک میں اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکا تھا۔ ''جب میں جلد بازی میں داخل ہوا تھا تو

راجستھان کی تپتی ہوئی پہاڑیوں میں تم نے ہی اپنے آپ کو میرے سپرد کر کے میرا سواگت کیا تھا اور آج ہندوستان میں یہ میری آخری رات ہے اور یہ الوداعی رات بھی میں تمہارے ساتھ ہی گزاروں گا۔“

”اس بات کو بھول جاؤ کہ اب تم یہاں سے جا سکو گے۔“ بیلا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”اس گیسٹ ہاؤس کو اس وقت کم از کم ایک درجن نہایت خونخوار قسم کے ایجنٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ دو آدمی راہداری میں موجود ہیں میں اگرچہ تمہیں زندہ گرفتار کرنا چاہتی ہوں لیکن اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو بلا جھجک تمہیں گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔“

”نہیں بیلا۔“ میں کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ ”تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ تمہارے آدمی تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جس طرح پہلے بچتا رہا ہوں اس طرح آج بھی یہاں سے نکل جاؤں گا۔“

”یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔“ بیلا نے جواب دیا۔ ”تمہاری آزادی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ تم اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکو گے۔“ اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میرے آدمی تمہیں چھلنی کر ڈالیں گے۔“

”تمہارے آدمی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔“ میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ ”تمہارے کم از کم دو آدمی بہت پہلے میری نظروں میں آ گئے تھے اور تم جانتی ہو دنیا کی ہر چیز بکاؤ ہے۔ خاص طور پر ہندوستان میں تو دولت سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ میں نے بھی تمہارے دو آدمی خرید لئے۔ ان کے نام میں نہیں جانتا لیکن وہ دونوں میرے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ ان میں ایک نیلی پتلون اور چیک کی شرٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کی کلائی میں اس وقت میرا دیا ہوا سونے کا کڑا پڑا ہوا ہے۔“

”تم جھوٹ بکتے ہو۔“ بیلا کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ ”میرے آدمی اپنی جانیں تو دے دیں گے مگر......“

”تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ذرا مڑ کر دیکھو راہداری میں کھڑے ہوئے سرداری نے تمہیں پستول کی زد پہ لے رکھا ہے۔“

بیلا بڑی تیزی سے پیچھے مڑی۔ مجھے ایسا ہی موقع چاہئے تھا۔ بارہا کا آزمایا ہوا نسخہ ایک بار پھر کام آ گیا۔ وہ جیسے ہی مڑی میں نے پھرتی سے چھلانگ لگا دی اور اسے رگیدتا ہوا دروازے تک لے گیا۔ دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے سے ٹکرائی اور دروازہ ایک زوردار جھٹکے سے بند ہو گیا۔

میرا ایک ہاتھ سب سے پہلے اس کے پستول والے ہاتھ پر پڑا تھا۔ بیلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ ایک لمحہ کو بدحواس ہوئی تھی لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

میں اس کے پستول والے ہاتھ کو جھٹکے دے رہا تھا لیکن پستول پر بیلا کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی کو تھام رکھا تھا اور دوسرے سے اس کی بغل میں زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ بیلا کراہتے ہوئے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلی۔

اب بیلا پر مجھے بالکل رحم نہیں آ رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی دوبدو مقابلے ہوتے رہے تھے۔ بعض اوقات میں نے عورت سمجھ کر اس کا لحاظ کیا تھا اور بعض اوقات اسے جان بوجھ کر چانس دیا تھا لیکن اب یہ

میرے لئے آخری چانس تھا۔ مجھے بیلا کی اس بات پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ اس گیسٹ ہاؤس کو درجن بھر خطرناک ایجنٹوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے اور بیلا کے آنے سے پہلے میں نے نیلی پتلون اور چیک کی شرٹ والے جس سکھ کو راہداری میں ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا وہ بھی یقیناً بیلا ہی کا آدمی تھا اور اس لئے تو وہ میرے جھانسے میں آ گئی تھی۔

میں جانتا تھا کہ اگر اس مرتبہ ان کے قابو میں آ گیا تو زندگی بھر یہاں سے نہیں نکل سکوں گا۔ زندگی بھر کا لفظ تو میں نے محاورتاً استعمال کیا ہے جبکہ مجھے یقین تھا کہ یہ لوگ مجھے چند گھنٹے بھی زندہ رہنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس لئے اس وقت میں بیلا کے ساتھ کسی رعایت کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے اس کی بغل میں ایک اور گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ ایک بار پھر اچھلی میں نے اس جگہ پر تیسرا وار کرنے کے بجائے اس مرتبہ اس کی کنپٹی پر نیچے کی طرف سے ضرب لگائی۔

یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ بیلا چیخ اٹھی اور اس مرتبہ پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گرا۔

کنپٹی پر لگنے والی ضرب کی تکلیف سے بیلا کے چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر آئے۔ میرے خیال میں کسی اور عورت کو ایسی چوٹ لگتی تو وہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتی لیکن وہ بیلا تھی جس کے بارے میں اب تک آپ بھی اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ وہ کس ذھیٹ مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ اب اس کی تمام تر توجہ اپنا ہاتھ چھڑانے پر مرکوز تھی۔ میں نے اس کا بازو مروڑ دیا تھا۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے بل کھا کر گھوم گئی اور اس سے بھی زیادہ پھرتی سے اس نے میری ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ضرب لگائی۔ گھٹنا وہاں نہیں لگا جہاں وہ چوٹ لگانا چاہتی تھی میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا مگر دوسرے ہی لمحہ وہ چوٹ لگانے میں کامیاب ہو گئی۔

بیلا کا گھٹنا بڑے زور سے میری ٹانگوں کے بیچ میں لگا تھا۔ میں کراہتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری جان نکلی جا رہی ہو۔ سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میں ابھی اس تکلیف سے نہیں سنبھل پایا تھا کہ بیلا نے میری گردن پر دو ہتڑ سے ضرب لگائی۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی وزنی ہتھوڑے سے وار کیا گیا ہو۔ میں کراہتا ہوا منہ کے بل قالین پر بیلا کے قدموں میں گرا۔

گردن پر لگنے والی اس زوردار ضرب سے میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیئے اور اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

میرا چہرہ بیلا کے پیروں سے چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے سفید سینڈل پہن رکھے تھے جن کے فیتے ٹخنوں سے ذرا اوپر تک پنڈلیوں پر لپٹے ہوئے تھے۔ وہ دائیں پیر کی ٹو کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے حرکت دے رہی تھی۔

میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بیلا کے ہونٹوں پر بڑی سرد سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بس ایک ہی ہاتھ میں ڈھیر ہو گئے۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی سی آواز نکلی۔ "اٹھو آج میں تمہیں بتاؤں کہ بیلا کیا ہے اور وشواس کرو بیلا آج بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

میرے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی اور اس طرح حرکت کی جیسے اٹھنا چاہتا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحہ میں نے بڑی پھرتی سے اس کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔

بیلا نے شاید اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا کہ میں ایسی کوئی حرکت بھی کر سکتا ہوں۔ اس کے دونوں پیر زمین سے اکھڑ گئے اور وہ کراہتی ہوئی پشت کے بل گری۔

میں بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا بھی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر میں نے موقع نہیں دیا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ کبھی میں بیلا کو رگیدنے لگتا اور کبھی وہ مجھے دبوچ لیتی۔ وہ تیز ناخنوں سے میرا چہرہ بھی نوچنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ تاہم گردن پر ایک دو خراشیں آ ئی تھیں۔

دروازہ خود بخود لاک ہو چکا تھا اس لئے فوری طور پر باہر سے کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔ بیلا اگر چاہتی تو چیخ کر باہر موجود اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کر سکتی تھی۔ ایسی صورت میں وہ لوگ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے لیکن میں بیلا کی فطرت سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اس وقت تک کسی کو اپنی مدد کیلئے نہیں بلائے گی جب تک اس کے دم میں دم ہے۔ اسے شاید یہ بھی اطمینان تھا کہ اگر میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو باہر موجود اس کے ساتھی مجھے چند قدم بھی آگے جانے کا موقع نہیں دیں گے۔

میرا بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے یہاں سے نکلنے کا ایک ہی منصوبہ بنایا تھا اور میں اسی منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

دھینگا مشتی میں بیلا کی شرٹ ایک کندھے سے پھٹ گئی تھی۔ سامنے کے دو بٹن بھی ٹوٹ گئے تھے۔ میری قمیص کے بھی دو بٹن ٹوٹ چکے تھے لیکن جب جان پر بنی ہو تو بٹن ٹوٹنے یا کپڑے پھٹنے کی پروا کسے تھی۔

بیلا اس وقت میرے سینے پر سوار تھی۔ اس نے ایک ہاتھ کی مٹھی میں میرے سر کے بال جکڑ رکھے تھے اور دوسرے ہاتھ سے میرے منہ پر پے در پے گھونسے رسید کر رہی تھی۔

میرے دونوں ہاتھ میری ہی پشت کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنا سیدھا ہاتھ کھینچا اور بیلا کے منہ پر سیدھی ہتھیلی سے وار کیا۔ وہ کراہ اٹھی۔ ہاتھ اس کی ناک پر پڑا تھا۔ خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے میرے بال چھوڑ دیئے۔ میں نے ایک زوردار ہاتھ مارا۔ اس مرتبہ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے خون رسنے لگا۔

بیلا پر اب گویا جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے جھک کر میرے سر پر ٹکر ماری۔ میں نے بڑی پھرتی سے سر ایک طرف جھکا لیا۔ اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو میری ناک کی ہڈی ٹوٹ چکی ہوتی مگر سر ایک طرف کر لینے سے ٹکر میرے کان پر لگی اور کان میں سیٹیاں سی بجتی ہوئی محسوس

ہونے لگیں۔ میرا دماغ ایک بار پھر جھنجھنا اٹھا تھا۔

میں نے بیلا کو پوری قوت سے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ ایک کرسی سے ٹکرائی کھوپڑی پر پہلی مرتبہ زوردار چوٹ لگی تھی۔ وہ چیخ اٹھی۔ میں موقع پا کر اٹھ چکا تھا۔ سر پر چوٹ لگنے کے باوجود بیلا نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے سنبھلتے ہی جنونی انداز میں حملہ کر دیا اور مجھے دھکیلتی ہوئی دیوار تک لے گئی۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے چمکتے ہوئے ہر پیے سے رقص کرنے لگے۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

بیلا نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے پہلے میرے پیٹ اور سینے پر سر سے دو تین ٹکریں ماریں اور پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

میں آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ گھسٹتا ہوا نیچے جھکتا چلا گیا۔ بیلا کی ایک اور ٹھوکر میرے سر پر لگی۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھانے لگی۔

میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ اسی لمحہ پسلیوں پر زوردار ٹھوکر لگی۔ بیلا اب پوری طرح ترنگ میں تھی اور مجھے زیر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

میری آنکھوں کے سامنے تاریکی گہری ہو رہی تھی۔ میں حواس پر قابو پانے کیلئے سر کو جھٹکے دیتا رہا اور پھر اتفاق سے بیلا کا پیر میری گرفت میں آ گیا۔

"اب یہ بھی نہیں۔"

میرے ذہن میں صرف یہی ایک خیال ابھرا۔ میں نے سر کو ایک اور جھٹکا دیا اور بیلا کو پیچھے دھکیل کر خود بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بیلا سنبھل کر ایک بار پھر حملہ آور ہوئی لیکن اس مرتبہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے گرفت میں لے لیا اور اوپر اٹھا کر پوری قوت سے دور اچھال دیا۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے صوفے پر گری۔

اور اسی وقت دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ میرا خیال ہے بیلا کو کمرے میں آئے اتنی دیر ہونے اور اس کے چیخنے کی آوازیں سن کر اس کے آدمیوں کو کوئی شبہ ہوا ہو گا۔

"سدھیر! دروازہ توڑ دو جلدی کرو۔ یہ راکشس مجھے مار ڈالے گا۔" بیلا چیخی۔ اس نے پہلی مرتبہ کسی کو مدد کیلئے پکارا تھا۔

دروازے پر زور زور سے ٹکریں ماری جانے لگیں۔ باہر سے شور کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ اسی دوران ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"کاؤنٹر سے ماسٹر کی لے کر آؤ جلدی اپ۔"

دروازے پر بدستور ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔ میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔ اس کے زخمی ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ میں کانپ کر رہ گیا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ میرے اور موت کے بیچ صرف چند ہی سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ بس دروازہ کھلنے کی دیر تھی۔

میں نے متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف سرکنے لگا۔ یہ کھڑکی سامنے والے لان کی طرف کھلتی تھی لیکن کھڑکی سے کودنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو کن

انکھیوں سے بیڈ پر پڑے ہوئے بیلا کے پستول کی طرف دیکھ رہا تھا اور میں کسی طرح اس پستول تک پہنچنا چاہتا تھا۔

بیلا نے بھی میری نظروں کو تاڑ لیا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے بیڈ کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں بھی طاقتور سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔

ہم دونوں بیک وقت بیڈ پر گرے تھے لیکن پستول پر پہلے میرا ہاتھ پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں پستول آتے ہی میں نے دوسرے ہاتھ سے بیلا کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ چیخ اٹھی۔

بیلا نے مجھ سے دور ہٹنا چاہا مگر میں نے بڑی پھرتی سے اس کی گردن کو اپنے بائیں بازو کی لپیٹ میں لے لیا اور اسے کھینچ کر ڈھال کی طرح اپنے سامنے کر لیا۔ اس وقت دروازے میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے دروازہ دھڑ سے کھل گیا۔

وہ دو آدمی تھے جو بیک وقت اندر داخل ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان میں ایک وہی نیلی پتلون اور چیک دار شرٹ والا سکھ تھا جسے بیلا کے آنے سے پہلے میں نے راہداری میں ٹہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کے پیچھے اور آدمی بھی تھے لیکن بیلا کو میری گرفت میں دیکھ کر وہ سب ایک جھٹکے سے رک گئے۔ میں نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال بیلا کی کنپٹی سے لگا رکھی تھی اور انگلی ٹرائیگر پر تھی۔

”اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔“ میں نے ان آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخ کر کہا پھر بیلا کے کان کے قریب منہ لا کر غرایا۔ ”ان سے کہو کہ اپنے ہتھیار پھینک دیں اور کمرے سے بلکہ راہداری سے بھی باہر چلے جائیں۔ میں تین تک گنوں گا اگر تم نے انہیں حکم نہ دیا تو ٹرائیگر دبا دوں گا اور تم مجھے اچھی طرح جان چکی ہو۔ میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرنا بھی جانتا ہوں۔“ میں نے اس کی کنپٹی پر پستول پر دباؤ بڑھا دیا۔

بیلا کراہ اٹھی۔ میں نے گنتی شروع کر دی۔ ابھی دو کہا تھا کہ نیلی پتلون والے سکھ نے اپنا پستول پھینک دیا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”یہ کیا کر رہے ہو احمق۔“ بیلا کے منہ سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ ”میری پروا مت کرو۔ گولی چلا دو۔ مار ڈالو اسے۔“

”نہیں میڈم۔“ دوسرے آدمی نے بھی پستول پھینک دیا۔ وہ درمیانے قد کا صحت مند جسم کا مالک تھا۔ اس کے ماتھے پر سرخ رنگ کا تلک اس کے ہندو ہونے کی عکاسی کر رہا تھا۔ ”آپ کی زندگی ہمارے لئے بہت قیمتی ہے اور اسے تو ہم قتل کر جانے نہیں دیں گے۔“

”بے وقوف ....“

”یہ تم سے زیادہ عقلمند ہیں بیلا۔“ میں نے اس کی بات کاٹ دی اور دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے کے باہر راہداری میں بھی تین آدمی نظر آ رہے تھے۔ ”تم لوگ واقعی عقلمند ہو۔“ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم لوگوں نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تمہاری میڈم کی کھوپڑی اڑانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔ اب تم لوگ راہداری سے بھی باہر نکل جاؤ۔ گڈ بوائز۔ اور سنو... کسی

بھی موقع پر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا سمجھے۔“

ان سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گئے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے پکڑنے کو کوئی منصوبہ بنا رکھا ہو اور اس لئے آسانی سے ہتھیار بھی پھینک دیئے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میں بیلا کی گردن پر گرفت ڈھیلی کئے بغیر اسے اٹھا کر بیڈ سے اتر آیا۔ بیڈ کے قریب ہی ایک کرسی پر سردار اوتار سنگھ والا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا میں نے قریب پہنچ کر بیلا کی کنپٹی سے پستول ہٹا لیا۔ سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھا کر اس میں سے اپنا تھیلا نکال کر اپنی گردن کے اوپر سے کندھے پر لٹکا لیا اور پستول دوبارہ اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

راہداری میں جھانکنے کیلئے میں نے بیلا کو پہلے آگے کیا اور پھر اس کی آڑ سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ پانچوں راہداری کے بائیں سرے پر زینے کے قریب کھڑے تھے۔ دائیں طرف کوئی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے گیسٹ ہاؤس کے مہمانوں کو راہداری میں آنے سے روک دیا گیا تھا۔

راہداری تقریباً آٹھ فٹ چوڑی تھی۔ ایک طرف تو کمروں کی قطار تھی اور سامنے والی دیوار میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں ہوا اور روشنی کیلئے ان کھڑکیوں میں شیشے بھی تھے اور جالیاں بھی۔

میں بیلا کو اپنے سامنے ڈھال بنائے دیوار کے ساتھ ساتھ الٹے قدموں دائیں طرف چلنے لگا۔ میں بار بار پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔

”تم ...... میری سانس گھٹ رہی ہے۔“ بیلا کراہی۔ ”میری گردن پر گرفت ڈھیلی کرو۔ میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔“

”یہ گرفت اس وقت تک ڈھیلی نہیں ہوگی جب تک میں تمہارے ان سورماؤں کے گھیرے سے نکل جاؤں۔“ میں نے غراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا رہا۔

میں پچھلی طرف والے زینے پر آ گیا۔ پہلے نیچے جھک کر دیکھا اور پھر بیلا کو سیدھا کر کے تیزی سے نیچے اتر آیا۔ لیکن آخری سیڑھی پر آتے ہی میں نے بیلا کو پھر ڈھال بنا لیا تھا۔ زینے کے سامنے چند قدم آگے عقبی سمت کھلنے والا دروازہ تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا۔ وہ پانچوں بھی دوسری طرف کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے تھے۔ نیچے بھی ایسی ہی راہداری تھی۔ اس کے پہلے بہت بڑی لابی تھی جہاں استقبالیہ کاؤنٹر بھی تھا۔ لابی میں بہت سے لوگ کھڑے نظر آ رہے تھے۔

پچھلی طرف سوئمنگ پول تھا۔ اس گڑبڑ کی خبر پورے گیسٹ ہاؤس میں پھیل چکی تھی۔ سوئمنگ پول بھی ویران ہو چکا تھا۔ ایک طرف لکڑی کے تختوں والی لمبی کرسیوں پر دو عورتیں اور دو مرد بیٹھے ہوئے تھے مردوں نے جانگیے پہن رکھے تھے اور عورتوں کے جسموں پر بکنیاں تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ چاروں اٹھ کر چیختے ہوئے ایک طرف بھاگ نکلے۔

راہداری کے دوسری طرف کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے چیخ کر کچھ کہا اور اس کے باقی ساتھی لابی میں ادھر ادھر دوڑ پڑے۔

میں بیلا کو کھینچتا ہوا سوئمنگ پول کے دائیں طرف بنے ہوئے ڈریسنگ روم اور باتھ روم کی طرف دوڑا۔ بیلا میرے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ گلے پر میرے بازو کی گرفت خاصی سخت تھی۔ جس سے وہ بار بار کراہ رہی تھی۔

میں اسے لے کر ایک اور گلی میں گھس گیا۔ چند گز آگے ایک بنگلہ کے سامنے ایک آدمی اور دو عورتیں کھڑی تھیں۔ بنگلے کے سامنے کار میں ایک عورت اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ کار کا انجن سٹارٹ تھا۔ وہ شاید مہمان آئے ہوئے تھے جو رخصت ہو رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک سے گئے۔ میں نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص پر پستول تان لیا۔

"نیچے اترو جلدی انجن چلتا چھوڑ دو۔" میں غرایا۔

گیٹ کے سامنے کھڑا ہوا آدمی اور دونوں عورتیں چیختی ہوئی بنگلے کے کھلے ہوئے گیٹ میں گھس گئیں۔ وہ شخص بھی انجن چلتا چھوڑ کر کار سے اتر آیا۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت بھی چیختی ہوئی نیچے اتر گئی۔

"اندر بیٹھو۔" میں نے بیلا کو ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیل دیا۔ زور سے دروازہ بند کیا اور اوپر سے گھوم کر دوسری سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کار آگے بڑھاؤ اور یہاں سے نکلو۔ جلدی کرو۔" میں چیخا۔

"میں کار نہیں چلا سکتی۔" بیلا نے ہاتھ کی پشت سے ہونٹوں پر جما ہوا خون پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کا نیچے کا ہونٹ اور ناک بھی پھول گئی تھی۔ "میری حالت دیکھ رہے ہو میں کار نہیں چلا سکتی۔"

"کار آگے بڑھاؤ۔" میں نے غراتے ہوئے اس کے کندھے پر پستول کے بٹ سے زوردار ضرب لگا دی۔

بیلا چیخ اٹھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ کندھے پر پہنچ گیا اور جب میں نے دوبارہ پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو اس کا ایک ہاتھ سٹیئرنگ پر اور دوسرا گیئر پر پہنچ گیا اور پھر اگلے ہی لمحے کار حرکت میں آ گئی۔

میں نے بیلا کی طرف دیکھا۔ سٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔ ناک اور ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی پر بھی گومڑا ابھر آیا تھا اور سر کے پچھلے حصے پر بھی ابھار سا دکھائی دے رہا تھا لیکن اس پر ترس کھانے کا مطلب اپنے آپ کو بے رحم موت کے حوالے کرنا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" بیلا نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"کہیں بھی۔" میں نے جواب دیا۔ "کم سے کم وقت میں جتنا زیادہ سے زیادہ دور نکل سکتے ہیں۔ رفتار بڑھاؤ۔"

کار دو تین منٹ تک گلیوں میں گھومتی رہی اور پھر ایک کشادہ سڑک پر نکل آئی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر ہمارے بارے میں پولیس کے کنٹرول روم میں اطلاع دے دی گئی تو چند سیکنڈ کے اندر اندر پورے شہر کی پولیس اور گشتی گاڑیاں ہماری تلاش شروع کر دیں گی اور ہم بہت جلد گھیرے میں آ جائیں گے۔

میرے کہنے پر بیلا نے کار ایک ذیلی سڑک پر موڑ لی۔ سڑک کے دونوں طرف کوٹھیاں تھیں۔ بیلا کی حالت واقعی بہت ابتر تھی۔ اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے سٹیئرنگ کو قابو میں رکھے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ پہلی بار مجھ سے اس قدر خوفزدہ ہوئی تھی۔

بائیں طرف کھیل کا ایک میدان دیکھ کر میں نے کار رکوا لی۔ بیلا الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ سڑک کے ایک طرف میدان تھا اور دوسری طرف بنگلے لیکن سڑک پر سناٹا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کار یہاں کیوں رکوائی۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟" بیلا کے لہجے میں بھی خوف نمایاں تھا۔

"فکر مت کرو تمہیں ماروں گا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "کئی مہینوں سے میرا تمہارا ساتھ رہا ہے۔ بڑا اچھا وقت گزرا ہے۔ تم سے اگر دوستی ہوتی تو شاید میں ہندوستان سے جانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتا۔ تم سے دوستی تو نہیں ہو سکی البتہ تم ایک ذہین اور اصول پسند اور حوصلہ مند دشمن ثابت ہوئی ہو۔ تمہاری جگہ اگر کوئی مرد ہوتا تو عرصہ پہلے میرے ہاتھوں سے مارا جا چکا ہوتا لیکن تمہیں جان سے مارنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ یہاں تک ساتھ دینے کا شکریہ اور یہ جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے افسوس ہے۔" میں نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ "اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ وہ دیکھو اس بنگلے کے گیٹ کے اندر کی طرف ایک آدمی نظر آ رہا ہے میرے جانے کے بعد تم اس سے اپنی مدد کیلئے بلا لینا۔"

بیلا نے دیکھنے کیلئے دائیں طرف گردن گھمائی اور اسی لمحہ میں نے پستول کا دستہ اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ سیٹ پر ڈھلک گئی۔

میں نے ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔ اسے صرف بے ہوش کرنا چاہتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر کسی نے اسے تلاش نہ کر لیا تو وہ آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکے گی۔

میں دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ آخری بار مڑ کر بے ہوش بیلا کی طرف دیکھا اور میدان میں دوڑتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

میدان کے دوسری طرف سڑک تھی اور اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے بنگلے تھے۔ سامنے کئی گلیاں تھیں۔ میں ایک گلی میں گھس کر کچھ دور تک دوڑتا رہا اور پھر ایک گلی کے موڑ پر رک کر پیچھے دیکھا اور تیز تیز چلنے لگا۔

میرا خیال تھا کہ آدھے گھنٹے سے پہلے بیلا کو ہوش نہیں آئے گا۔ ممکن ہے پہلے ہی اسے تلاش کر لیا جائے۔ ہوش میں آنے کے بعد بیلا کے ذہن میں سب سے پہلے یہی بات آئے گی کہ میں اس نواح میں کہیں چھپا ہوں۔ اس لئے میں اس علاقے سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا۔

میرا حلیہ بھی ایسا تھا کہ مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا۔ الجھے ہوئے بال قمیص کے ٹوٹے ہوئے بٹن اور گلے پر خراشیں گلے میں لٹکا ہوا تھیلا کوئی بھی شخص اس حلیے میں دیکھ کر چور اچکا سمجھ سکتا تھا اور میں تو یوں بھی محفوظ نہیں تھا۔ درجنوں لوگ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہوں گے۔ اس لئے میں کسی سڑک پر جانے کے بجائے انہی تنگ اور اندھیری گلیوں میں چل رہا تھا جہاں کسی سے آمنا سامنا ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔

میں اس علاقے سے تقریباً دو میل دور نکل آیا۔ اس طرف شاید نچلے طبقے کی آبادی تھی۔ ایک گلی

میں گھومتے ہی میں کسی چیز سے ٹکرا کر لڑکھڑا گیا۔ میں سنبھل کر آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔

میں جس چیز سے ٹکرایا تھا وہ کوئی پتھر وغیرہ نہیں ایک انسان تھا۔ میں جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ گلی کے آخری سرے پر ایک بلب جل رہا تھا جس کی مدھم سی روشنی یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ میں جھک کر دیکھنے لگا۔ وہ کوئی آدمی تھا۔ مٹھی بھر بھی لمبی داڑھی، گھنی مونچھیں جو داڑھی سے اس طرح مل گئی تھیں کہ منہ کا دہانہ چھپ گیا تھا۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔ اس حلیے میں وہ کوئی سکھ ہی لگتا تھا۔

پہلے تو میں اسے لاش ہی سمجھا تھا مگر سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے۔ میں کسی بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے اظہار ہمدردی کے چکر میں خود ہی دھر لیا جاؤں۔

میں وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس آدمی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے میری پتلون کا پائنچہ پکڑ لیا۔

"اوئے، کون ہے تو۔ مجھے اٹھا کے گھر رکھ دے یہاں تو کتے میرا منہ چاٹ رہے ہیں۔" اس کے حلق سے لڑکھڑاتی ہوئی سی آواز نکلی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا۔

"دیکھو یار کیسا ویلا آ گیا ہے۔" وہ سہارا لینے کیلئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "آج تھوڑا زیادہ دارو پی کر آیا تو تمہاری پجو نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ پر میں سب سمجھتا ہوں اس نے بھی گھر میں کسی یار کو بٹھا رکھا ہوگا۔ اس لئے مجھے بری جھنڈی دکھا دی۔ پر کوئی گل نہیں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "پر کوئی گل نہیں۔ چلو ہم پجو کی طرف چلتے ہیں۔ وہ آج اکیلی ہوگی۔"

"پجو کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا تھا۔ "کیا وہ تمہیں گھر میں گھسنے دے گی۔"

"اوئے وہ مجھے کیسے روکے گی۔" وہ شخص ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔ "اس کا بندہ آج ہی تو لدھیانے گیا ہے۔ چل تو بھی میرے ساتھ چل۔ اوئے۔" اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ "پر تو ہے کون؟"

"تمہارا دوست ہوں سردار جی۔" میں نے جواب دیا۔

"دوست ہے تو خیر ٹھیک ہے چل تو بھی چل ..... پر ..... تو میری پجو کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔" وہ بولا۔

"بالکل نہیں لگاؤں گا۔" میں نے کہا۔ مجھے اس کی پجو سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے تو کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں رات بھر کیلئے پناہ حاصل کر سکوں۔

"پجو کے گھر میں اور کون ہے سردار جی۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں یار۔ اکیلی ہوتی ہے۔ بالکل اکیلی۔" سردار جی نے جواب دیا۔

میں اسے سہارا دے کر چلتا رہا۔ ہم گلیوں سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گئے۔ اس طرف درختوں کا

بہت لمبا چوڑا ذخیرہ تھا۔ اس ذخیرے کے دوسری طرف بھی آبادی تھی اور ان مکانوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کسی قسم کے سرکاری کوارٹرز ہوں۔

سردار جی جھومتے ہوئے ٹھوکریں کھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ اگر میں نے اسے سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ اب تک دس مرتبہ گر چکا ہوتا۔

وہ دوسری گلی کے کارنر والے کوارٹر کے سامنے رک گیا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سناٹے میں دور تک گونج گئی۔ وہ دوسری مرتبہ ہاتھ مارنا چاہتا تھا کہ اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہے وے۔ صبر سے کم لے۔"

وہ یقیناً پجو کی آواز تھی۔ اس آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔

"میں ہوں پجو، بچھیر سنگھ۔ دروازہ کھول۔" سردار جی نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر سرگوشی کی۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ سردار بچھیر سنگھ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اندر گھس گیا اور ظاہر ہے میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ پجو دروازے کے ایک طرف کھڑی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور پھر مجھے دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔

"یہ ... یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟" اس کی آواز سہمی ہوئی سی تھی۔

"اوئے یار ہے اپنا۔" بچھیر سنگھ نے جواب دیا۔ "تجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ چل اندر چل۔"

یہ چند اینٹوں کا مختصر سا آنگن تھا۔ سامنے برآمدے میں ساتھ ساتھ دو کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر بتی جل رہی تھی جس کی روشنی کھلے ہوئے دروازے سے یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

پجو چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں ایک طرف چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ لوہے کی ایک الماری رکھی ہوئی تھی۔ دو کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے آتشدان کے کارنس پر آرائش کی کچھ چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس سے اوپر دیوار پر بابا گرو نانک کی تصویر آویزاں تھی۔

سردار بچھیر سنگھ تو اندر داخل ہوتے ہی چارپائی پر گر گیا تھا اور میں دروازے کے قریب کھڑا پجو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ اس کی عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اونچی لمبی صحت مند۔ گندمی رنگت اور چہرے کے نقوش بھی بڑے دلکش تھے۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور سیاہ ریشمی بال کمر تک جھول رہے تھے۔

پجو نے بھی میری طرف دیکھا۔ میرا حلیہ دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کی ہلکی سی جھلک ابھر آئی تھی۔

"میں پنچھیر سنگھ کے تمام دوستوں کو جانتی ہوں تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔ کون ہو تم؟" جتو نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ویسے میں بھی پنچھیر سنگھ کا دوست ہوں۔ اس سے میری دوستی آج ہی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے آج میں ایک بڑی مصیبت سے بچ پایا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری یہ حالت؟" اس نے ایک بار پھر عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے کچھ غنڈوں نے گھیر لیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر پنچھیر سنگھ بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو وہ لوگ مجھے مار ہی ڈالتے۔ تمہارا یہ دوست بڑا بہادر آدمی ہے۔ اس نے مجھے ان غنڈوں سے بچایا تھا۔ یہ مجھے اس خیال سے اپنے ساتھ لے آیا ہے کہ غنڈے مجھے دوبارہ پریشان نہ کریں۔ ویسے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں صبح یہاں سے چلا جاؤں گا اور ہاں" میں نے پتلون کی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال لی اور ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "یہ تھوڑی سی رقم رکھ لو اسے، تمہارے کام آ جائے گی۔"

جتو کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ سردار پنچھیر سنگھ مجھے لے کر یہاں آیا تھا تو میں نے جتو کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایک لالچی عورت ہے۔ کوئی شادی شدہ عورت کسی غیر مرد سے اسی وقت تعلقات قائم کرتی ہے جب شوہر سے اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔ جتو بھی شادی شدہ تھی مگر ایک غیر مرد سے اس کے تعلقات تھے۔ اس کا شوہر لدھیانے گیا ہوا تھا اور پنچھیر سنگھ فائدہ اٹھا کر یہاں آ گیا تھا جہاں اس کی اپنی بیوی بقول اس کے اور مرد سے رنگ رلیاں منا رہی تھی۔

جتو چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر اس نے نوٹ لے کر اپنی قمیص کے گریبان میں اڑس لیے۔

"اس کو مت بتانا۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "برا مان جائے گا۔"

"بالکل نہیں بتاؤں گا تم اطمینان رکھو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور مجھے کوئی ایسی جگہ دو جہاں رات گزار سکوں۔"

وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔ یہ کمرہ بیٹھک کے طور پر آراستہ تھا۔ لکڑی کا ڈھانچے والا ایک پرانا سا صوفہ بھی رکھا ہوا تھا۔

"تم یہاں سو جاؤ۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور پھر جاتے جاتے دروازے کے قریب رک گئی۔ "تم صبح چلے جاؤ گے؟"

"ہاں لیکن اگر تم روکنا چاہو گی تو میں انکار نہیں کروں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

جتو عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور صوفے پر لیٹ گیا۔ اپنا تھیلا میں نے تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا تھا۔ صوفے کے کشن بہت زیادہ پچکے ہوئے تھے۔ نیچے سے لکڑی کی پٹیاں چبھ رہی تھیں۔

میں دیر تک جاگتا رہا اور صورتحال کے بارے میں سوچتا رہا۔ آج کی رات کو محض اتفاق سے

مجھے یہاں پناہ مل گئی تھی لیکن صبح یہاں سے جانا ہو گا۔ میری تلاش شروع ہو چکی ہو گی اور شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی بھی کر دی گئی ہو گی۔

نیلا ہوش میں آنے کے بعد بری طرح بھنا گئی ہو گی۔ وہ کوشش کرے گی کہ میں اس شہر سے نہ نکلنے پاؤں لیکن مجھے بہرحال یہاں سے نکلنا تھا۔

میں رات کے آخری پہر سو گیا تھا۔ صبح نو بجے کے قریب آنکھ کھلی۔ میں ابھی صوفے پر لیٹا ہوا تھا کہ جتو دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"تم اٹھ کر تیار ہو جاؤ۔ پنچھیر سنگھ آدھے گھنٹے بعد آ کر تمہیں اپنے گھر لے جائے گا۔" جتو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کسی غیر مرد کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتی۔ سب کو پتہ ہے کہ میرا بندہ لدھیانے گیا ہوا ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ"

"پریشان مت ہو میں چلا جاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے اپنے بندے کی کوئی قمیص دے دو تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

وہ چند لمحے مجھے گھورتی رہی پھر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گہرے نیلے رنگ کی ایک قمیص لا کر میری طرف اچھال دی۔ میں نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص اتار کر وہ نیلی قمیص پہن لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ میں نے جتو سے غسل خانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے صحن کے کونے میں ایک دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

میں نے نہا کر اپنا حلیہ درست کیا اور جب غسل خانے سے باہر نکلا تو جتو باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی تھی اور پھر وہ ناشتہ لے کر میرے پیچھے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی۔ ایک پلیٹ میں انڈے کا آملیٹ تھا اور اس پلیٹ میں ایک پراٹھا بھی دوہرا کیا ہوا رکھا ہوا تھا۔

میرے ناشتہ کرنے کے دوران پنچھیر سنگھ بھی آ گیا۔ وہ بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم کہتے ہو کہ میرے دوست ہو اور کل رات میں نے غنڈوں سے تمہاری جان بچائی تھی۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"یہ درست ہے اگر تم نہ آ پاتے تو وہ لوگ مجھے مار ہی ڈالتے۔" میں نے کہا۔

"حد ہو گئی یار۔" وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ "میں شراب کے نشے میں تھا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے تمہاری جان بچائی تھی۔ خیر چھوڑو اس قصے کو یاروں کیلئے تو اپنی جان بھی حاضر ہے۔ اب تم میرے ساتھ چلو میرے گھر۔ لگتا ہے تم فیروز پور پہلی دفعہ آئے ہو جتنے دن رہنا ہو میرے پاس ہی رہنا۔"

تقریباً بیس منٹ بعد ہم جب رخصت ہونے لگے تو جتو نے موقع پا کر میرے کان میں سرگوشی کی۔

"میرا بندہ تین دن لدھیانے میں رہے گا۔ موقع ملے تو آج یا کل رات کو آ جانا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رات کو میں نے اسے جو ہزار روپے دیئے تھے وہ اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔

ہم درختوں کے ذخیروں سے ہوتے ہوئے اس آبادی میں پہنچ گئے جہاں سے گزشتہ رات میں نے تجیر سنگھ کو نشے کی حالت میں اٹھایا تھا۔ میں چلتے ہوئے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

دوسری گلی میں وہ پرانی طرز کے ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا مگر اندر سے بند نہیں تھا۔ تجیر سنگھ دروازہ کھول کر بے دھڑک اندر داخل ہو گیا اور مجھے بھی بلا لیا۔

بیچ میں کشادہ آنگن تھا۔ فرش سرخ اینٹوں کا تھا۔ صحن کے تین اطراف میں کمرے تھے۔ دو ایک طرف اور ایک کمرہ دوسری طرف۔ ایک طرف باورچی خانہ اور غسل خانہ وغیرہ تھا۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو سامنے والے برآمدے میں ایک عورت کھڑی تھی جو ہمیں دیکھتے ہی کمرے میں گھس گئی۔

تجیر سنگھ مجھے اس طرف لے آیا جہاں ایک بڑا کمرہ تھا۔ فرش سیمنٹ کا تھا جس میں سرخ رنگ ملایا گیا تھا۔ چاروں طرف سے ایک ایک فٹ جگہ چھوڑ کر نیلے رنگ کی چار انچ چوڑی پٹی تھی جس میں پیلے رنگ سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں متوسط اور نچلے درجے کے گھروں میں اس قسم کے فرش بنانے کا رواج عام تھا۔ قالین تو بڑے گھروں میں ہی بچھتے تھے۔ درمیانے گھروں میں زیادہ سے زیادہ دری بچھائی جاتی تھی۔ ویسے عام طور پر اس قسم کے رنگ برنگے فرش ہی بنائے جاتے تھے۔

یہ کمرہ بیٹھک کے طور پر آراستہ تھا۔ چند کرسیاں اور ان کے درمیان میں ایک کافی ٹیبل پڑی تھی۔ ایک طرف تخت کی طرح لکڑی کی چوکی بچھی ہوئی تھی جس پر گدا اور سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ آتش دان کے کارنس پر لکڑی کے فریم میں بابا گورو نانک کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ ایک دیوار پر پرانا کیلنڈر بھی آویزاں تھا۔ اس پر بھی بابا گورو نانک ہی کی تصویر تھی۔

تجیر سنگھ مجھے کمرے میں بٹھا کر باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی۔ اس کے عقب میں وہی عورت ٹرے اٹھائے ہوئے داخل ہوئی تھی۔ ٹرے میں لسی سے بھرے ہوئے دو بڑے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس عورت نے دوپٹے سے گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا لیکن اس کے ہاتھوں کی گوری رنگت اور مخروطی انگلیاں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ خاصی حسین ہوگی اور اس کی عمر بھی زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے لسی کے گلاس میز پر رکھ دیئے اور واپس جانے لگی تو تجیر سنگھ نے اسے روک لیا۔

"او بسنت کور۔ کہاں جا رہی ہے۔ بیٹھ جا یہاں پر۔" وہ میرے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اور یہ گھونگھٹ ہٹا دے۔ یہ تو اپنا یار ہے دت سنگھ۔ اس سے کیا پردہ۔" اس نے تھوڑی دیر میں میرا نام بھی تجویز کر دیا تھا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ بسنت کور جھجکتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور پھر اس نے گھونگھٹ بھی ہٹا دیا۔ وہ پردہ صرف چہرے سے ہٹا بلکہ بیچ سے نگی ہو گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ بے حد حسین اور بھرپور جوان عورت تھی۔ عمر پچیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن بسنت کور کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں تھی۔ مجھے افسوس بھی ہوا تجیر سنگھ اتنی حسین بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے مارا مارا پھر رہا تھا

"یہ دت سنگھ میرا نیا مہمان ہے جو باہر سے آیا ہوا ہے۔" سردار جی اپنی بیوی کو بتا رہے تھے۔ "کل رات

کچھ غنڈوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اسے اجنبی سمجھ کر لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ تو میں وقت پر پہنچ گیا اور بچا لیا ورنہ پتہ نہیں وہ اس بیچارے کا کیا حشر کر دیتے۔ دیکھو اس کی گردن پر کھرونچیں آئی ہیں۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ بسنت کور نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ تجیر سنگھ کہہ رہا تھا۔ "یہ کچھ روز ہمارے پاس رہے گا۔ اس کی سیوا میں کوئی کسر نہیں رہنی چاہئے۔ یہ دیکھ کوئی شکایت نہ ہو۔ اوئے بجھی کہ نہیں۔"

"سمجھ گئی جی۔" بسنت کور نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اب آپ لسی پیو۔ گرم ہو جائے گی۔ میں دوپہر کی روٹی شوٹی کا بندوبست کر رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

"سردار جی برا نہ مانئے۔" میں نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "میں چند دن یہاں رہوں گا مگر تم پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ بنا یار سمجھ کر تھوڑی سی رقم رکھ لو خرچ کیلئے۔" اس نے بڑی مشکل سے وہ رقم قبول کی تھی۔

"میں تو نشے میں تھا یار مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ یہ ہوا کیا تھا۔" اس نے نوٹ جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"ہونا کیا ہے سردار جی۔" میں نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "کل غلطی سے سڑک پر ایک لڑکی کو اشارہ کر دیا تھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ تین چار آدمی بھی تھے۔ پہلے تو لڑکی نے میری تواضع کی قمیص پھاڑ دی۔ اپنے تیز ناخنوں سے مجھے نوچا پھر اس کے ساتھی میری ٹھکائی کرنے لگے۔ بہت سے لوگ مجھے ان غنڈوں کے ہاتھوں پٹتے دیکھتے رہے مگر کوئی آگے نہیں بڑھا۔ وہ تو اتفاق سے تم ادھر آ گئے۔ تم نے غنڈوں کو للکارا۔ ایک کو دو تین کرارے سے ہاتھ بھی جڑ دیئے۔ بھاگ گئے وہ سب لوگ اور تم مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔"

"یہ تو کمال ہو گیا واہگرو کی قسم۔" میں نشے میں تھا اس لئے مجھے یہ سب کچھ یاد نہیں اگر میں نشے میں نہ ہوتا تو ایک آدھ کے ہاتھ پیر ضرور توڑ دیتا۔ ویسے یہاں بازار میں اچھا بڑا اڈا ہے تم پریشان مت ہونا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے یقین کر لیا تھا کہ کل رات اس نے غنڈوں سے میری جان بچائی تھی۔

"میں مارا جیسا بندہ ہوں سردار جی۔" میں نے کہا۔ "ایک بیلی سے ملنے آیا تھا پتہ چلا کہ وہ پٹیالہ گیا ہے اس لئے سڑکوں پر پھر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ واپس چلا جاؤں یا رات کسی ہوٹل میں گزار لوں کہ اس دوران وہ واقعہ پیش آ گیا۔"

"میں بھی تو تمہارا بیلی ہوں یار۔" اس نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سردار جی۔" میں نے کہا۔ "پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تین چار دن گھر سے نہیں نکلوں گا۔ تم بھی کسی کو مت بتانا کہ میں تمہارے گھر میں ہوں۔"

"کوئی گل ہی نہیں۔" وہ بولا۔ "ویسے تم آئے کہاں سے ہو؟"

"رہنے والا تو میں ترن تارن کا ہوں۔ کل آیا بھی وہیں سے تھا لیکن۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میرا باپو ہم سب گھر والوں کو ہوشیار پور لے گیا تھا۔ وہاں ہماری

رہائش مسلمانوں کے محلے میں تھی۔ ہمارا رہن سہن بھی مسلمانوں جیسا ہی ہو گیا۔ بس کیا بتاؤں سردار جی جب بھی دھرم کی بات ہوتی ہے تو مجھے بڑی شرم آتی ہے۔"

"دھرم کیا چیز ہے ویر میرے۔" سردار جی بولے۔ "انسان میں اپنائیت ہو وہی سب سے بڑا دھرم ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو سردار جی۔" میں نے کہا۔ "پر ایک بات کہوں، برا مت ماننا۔"

"ہاں ہاں کہو۔ میں تمہاری کسی بات کا بالکل برا نہیں مانوں گا۔" اس نے کہا۔

"تمہاری گھر والی بسنت کور کتنی خوبصورت ہے، جوان ہے، تمہیں تو اس کے پیر دھو دھو کر پینے چاہئیں لیکن تم اسے چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگے پھر رہے ہو۔"

"اوئے یہ گل نہیں ہے سوہنے۔" اس نے کہا۔ محتاط انداز میں دروازے کی طرف دیکھا پھر آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "یہ جو بسنت کور ہے نا تمہاری پا بھو نہیں ہے۔"

"کیا؟" میں چونک گیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرا ایک دوست گوربخش کچھ عرصہ پہلے امبرسر گیا تھا۔ وہاں اس نے اس لاوارث لڑکی سے شادی کر لی۔ گوربخش آوارہ مزاج بندہ تھا اس کے پاس تو رہنے کو کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ وہ بسنت کور کو لے کر میرے گھر آ گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہو پھر بولا۔ "ایک سال بعد گوربخش گزر گیا۔ بسنت کور میرے پاس ہی رہنے لگی کہاں جاتی بے چاری۔ اس نے مجھے ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے اس کے بھی پر پرزے نکل آئے۔ میں جب گھر میں نہیں ہوتا تو یہ کسی اور کو بھی بلا لیتی ہے۔ تمہیں بھی موقع ملے تو اس سے بچ کر ہی رہنا اور اس کی باتوں کا تو بالکل ہی یقین مت کرنا۔"

یہ انکشاف میرے لئے بہت حیرت انگیز تھا۔ میں نے سکھوں کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں مگر وہ سب لطیفوں کی حد تک تھیں لیکن یہ انکشاف میرے لئے واقعی حیرت انگیز تھا کہ ایک شخص کی بیوی اس کے دوست اور دوسروں کے استعمال میں بھی رہی تھی۔

کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر پچھیر سنگھ کچھ سودا وغیرہ لینے کیلئے بازار چلا گیا۔ میں کرسی سے اٹھ کر چوکی پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد اونگھنے لگا۔

مجھے کھانے کے وقت اٹھایا گیا تھا۔ اس وقت کھانا ہم نے دوسرے کمرے میں بیٹھ کر کھایا تھا۔ دستر خوان فرش پر ہی بچھا تھا اور بسنت کور بھی ہمارے ساتھ بیٹھی تھی۔

بسنت کور شروع میں تو کچھ جھجکتی رہی لیکن پھر بتدریج کھلتی چلی گئی۔ وہ پچھیر سنگھ کے سامنے تو مجھ سے دور ہی رہتی اور جب وہ گھر میں نہ ہوتا تو مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی۔

تین چار دن گزر گئے۔ اس دوران میں ایک مرتبہ بھی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا جبکہ بسنت کور سودا سلف لینے کیلئے اکثر باہر جاتی رہتی تھی اور پچھیر سنگھ کا تو زیادہ وقت اب گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔

اور پھر ایک روز وہ وقت بھی آ گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ بسنت کور تھوڑی دیر پہلے ہی بازار سے لوٹی تھی۔ میں اس وقت برآمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بسنت کور بھی میرے سامنے بیٹھ گئی اور گہری

نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس کو ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جو چند روز پہلے گیسٹ ہاؤس سے ایک عورت کو یرغمال بنا کر لے گیا تھا۔ وہ عورت تو بعد میں زخمی اور بے ہوش حالت میں ایک کار میں پڑی ہوئی مل گئی مگر وہ آدمی غائب ہو گیا۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میرا دل یکبارگی اچھل پڑا لیکن میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔"

"پھر؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں ویسے ہی میں نے تمہیں بتایا ہے۔" اس نے جواب دیا اور اٹھ کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

اگلے روز وہ کچھ اور کھل گئی۔ اب مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ اب میرے لئے اپنے آپ کو روکنا مشکل تھا۔ میرے ایک اشارے پر وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں آن گری۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں نے اس کے گال پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "کیا چاہتی ہو تم؟"

"تم مجھے اس شیطان کے شکنجے سے نکالو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔" بسنت کور نے جواب دیا۔ "تم کھیم کرن کی طرف جانا چاہتے ہو نا سرحد پار کرنے کیلئے۔ وہاں آج کل بڑی سختی ہے۔ بڑی سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔ تم اس طرف سے سرحد پار نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں چھپالہ تک لے جا سکتی ہوں۔ وہاں میری پھوپھی رہتی ہے۔ اس طرف سے تم آسانی سے سرحد پار کر لو گے۔"

"یہ چھپالہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کھیم کرن سے چند میل دور ترن تارن کی طرف۔ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے۔ اس کے قریب ہی ایک گاؤں ہے۔ میں اس طرف سے سرحد پار کرنے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

"لیکن پچھیر سنگھ کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔ تم تو آزاد ہو جب چاہو جہاں چاہو جا سکتی ہو۔" میں نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم اس نے تمہیں کیا کہانی سنائی ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے میرے شوہر کو زہر دے کر مار دیا تھا۔ میں نے یہاں سے جانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے زبردستی روک لیا کہ اب میں کہیں نہیں جا سکتی۔ یہ خود بھی میری بوٹیاں نوچتا رہتا ہے اور دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی آدمی کو بھی لے آتا ہے۔ ان سے پیسے لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمہیں بھی کوئی کہانی سنا کر یہاں لایا ہوگا اور تم سے بھی رقم بٹور رہا ہوگا۔"

پچھیر سنگھ کے بارے میں یہ انکشاف میرے لئے سنسنی خیز تھا۔

"کیا واقعی اس نے اس رات تمہیں غنڈوں سے بچایا تھا۔" بسنت کور نے پوچھا۔

"وہ شراب کے نشے میں دھت گلی میں پڑا ہوا تھا اور میں نے اسے اٹھایا تھا۔" میں نے کہا۔ "اس نے کہا تھا کہ اس کی گھر والی نے اپنے کسی یار کو بلا رکھا ہے اور اسے باہر نکال دیا ہے۔ میں نے اس

سے ہمدردی کا اظہار کیا تو وہ مجھے بلو سے گھر لے گیا۔ وہاں میں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ اس نے مجھے غنڈوں سے بچایا تھا اور نشے میں ہونے کی وجہ سے اس نے اس بات کا یقین کر لیا۔"

"بلو بھی طوائف ہے۔" بسنت کور کے لہجے میں نفرت تھی۔ "وہ بھی یہ دھندہ کرتی ہے۔ اس کا بندہ سرکاری دفتر میں ملازم ہے مگر اپنی بیوی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بہرحال اس نے تم سے کتنے پیسے لئے تھے؟"

"اس نے تو مجھ سے نہیں مانگے تھے لیکن میں نے خود ہی اسے پندرہ سو روپے دیئے تھے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن کیا وہ بھی میرے بارے میں جان چکا ہے یا کوئی شبہ اس نے کوئی ایسی بات کی ہو؟"

"وہ بے وقوف نہیں ہے۔" بسنت کور نے جواب دیا۔ "تم جس طرح گھر میں گھسے بیٹھے ہو اور پورے شہر میں جس طرح ایک مفرور کی تلاش ہو رہی ہے اس سے کسی کو بھی تم پر شبہ ہو سکتا ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگا لیا کہ نہیں۔ اس کے ذہن میں شبہ کیسے پیدا نہیں ہوا ہو گا۔"

"تم کیا چاہتی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"تم مجھے اس شیطان کے شکنجے سے نکالو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔" بسنت کور نے جواب دیا۔

"وہ کیسے میں تمہیں اس سے کیسے نجات دلا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شہر میں تمہارے بارے میں بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ تم تو ایسی چیزوں کے ماہر ہو یہ سوچنا تمہارا کام ہے اور..."

دروازے پر دستک کی آواز سن کر بسنت کور بات ادھوری چھوڑ کر جلدی سے اٹھ گئی۔ وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی اور میں اطمینان سے کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ کچھیر سنگھ ہی تھا اس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جس میں سبزی اور پھل وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ اتنے روز میں وہ پہلی مرتبہ پھل لے کر آیا تھا۔ حالانکہ بسنت کور جب بھی سبزی لینے جاتی تو کوئی پھل ضرور لے کر آتی تھی۔

اس روز اور اس کے بعد کے اگلے دو روز تک میں بڑی کڑی نظروں سے کچھیر سنگھ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی ایک ایک بات پر توجہ دے رہا تھا لیکن کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ میری اصلیت کے بارے میں کچھ جان چکا ہے۔

یا تو وہ اتنا گہرا تھا کہ میرے بارے میں جان لینے کے بعد بھی اس نے اپنے آپ پر اس قدر کنٹرول رکھا تھا کہ نہ تو اس سلسلے میں کوئی لفظ اس کی زبان پر آیا تھا اور نہ ہی اس کی کسی حرکت سے ایسی کوئی بات سامنے آئی تھی اور یا وہ اس قدر سادہ لوح تھا کہ شہر میں ایسی باتیں سننے کے باوجود اس کا دھیان میری طرف نہیں گیا تھا۔ اس کے برعکس بسنت کور فوراً ہی کھل گئی تھی۔

مجھے کچھیر سنگھ کا روپ دھارے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ اس دوران میں نے شیو نہیں بنایا تھا۔ سر کے بال ویسے ہی کئی مہینوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ داڑھی میں نے پہلا دو بجے کر بڑھا لی تھی اور میں اس وقت بڑی آسانی سے سکھ کا گیٹ اپ اپنا سکتا تھا۔

جب میں گیسٹ ہاؤس میں آیا تھا تو سکھ کے بھیس میں تھا اور میرا خیال تھا کہ اب بھی میں سکھ ہی کے بھیس میں فیروز پور سے نکلوں گا۔ ہو سکتا ہے پولیس کو میرے سکھ والے حلیے کی تلاش ہو لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ میں اس حلیے میں نظروں میں آ چکا تھا اس لئے میں بھیس بدل لوں گا۔ گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں میں نے پولا پر نفسیاتی وار کیا تھا اور اب بھی نفسیاتی حربہ ہی استعمال کرنا چاہتا تھا۔

"یار کچھیر۔" اس روز شام کو میں نے اس سے کہا۔ "مجھے یہاں آئے ہوئے بڑے دن ہو گئے۔ ویسے تو میرا یہاں آنا بیکار ہی ثابت ہوا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ تم جیسا بیلی مل گیا۔ کبھی آؤ نا ہوشیار پور مجھے بھی اپنی خدمت کا موقع دو۔ وہاں آ کر ہمارا بھی ٹھکانہ دیکھنا۔"

"ضرور آؤں گا دوست۔" اس نے کہا۔ "اب تم ہوشیار پور جاؤ گے؟"

"نہیں ایک دو دن کیلئے موگا میں رکوں گا۔ وہاں بھی میرا ایک بیلی رہتا ہے۔ سوچتا ہوں اس سے بھی ملتا جاؤں۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "پر ایک بات ہے یار۔ میں ہوں ذرا تھڑ دلا۔ مجھے ڈر ہے کہ اس لڑکی کے رشتے داروں سے ٹاکرا نہ ہو جائے۔"

"ڈرتے کیوں ہو یار۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" کچھیر سنگھ بولا۔

"یہی میں چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم دونوں بھی میرے ساتھ موگا تک چلو وہاں میرے دوست سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ بہت اچھا بندہ ہے وہ۔"

"ٹھیک ہے۔ ضرور چلیں گے۔" کچھیر سنگھ نے کہا۔ "کب تیاری ہے؟"

"کل صبح دس بجے کی گاڑی سے۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا پھر بسنت کور کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو بھی تیاری کر لے بھئی بیبے۔ ہم دو تین دن موگا میں رہیں گے۔ وہاں پر سوں میلا بھی لگنے والا ہے۔"

بسنت کور نے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

یہ منصوبہ میں نے اور بسنت کور نے آج دوپہر اس وقت بنایا تھا جب کچھیر سنگھ بازار گیا ہوا تھا۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ ہم صبح دس بجے والی ٹرین سے موگا کیلئے روانہ ہوں گے۔ بسنت کور ٹرین میں میرے ساتھ رہے گی۔ ہم دونوں راستے میں تلی والا ٹاؤن کے اسٹیشن پر اتر کر ترن تارن کی طرف جانے والی بس پر بیٹھ جائیں گے۔ تلی والا سے موگا تک تقریباً ایک گھنٹے کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا جہاں ٹرین نہیں رکتی تھی۔ کچھیر سنگھ کو ٹرین پر ہماری عدم موجودگی کا پتہ چلے گا تو موگا پہنچنے تک تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا اور اس وقت تک ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے۔

اس رات اگرچہ میں دیر تک جاگتا رہا تھا مگر صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ میں نے کپڑے تبدیل کر لئے۔ کچھیر سنگھ کی پینٹ شرٹ مجھے فٹ آ گئی تھی۔ اس نے میرے سر پر پگڑی بھی باندھ دی۔ میں نے دونوں کلائیوں میں چاندی کے دو کڑے بھی پہن لئے جو دو روز پہلے بسنت کور بازار سے اس مقصد کیلئے لے کر آئی تھی۔ سکھ مذہب کے پیروکاروں کیلئے پانچ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں جن میں کڑا بھی شامل تھا۔ آج کے ماڈرن دور میں اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر کرپان (تلوار) بہت کم سکھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔

میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور عش عش کر اٹھا۔ میں ایک اصل سکھ لگ رہا تھا۔ مجھے اس سکھ کی حیثیت سے بھی نہیں پہچانا جا سکتا تھا جو گیسٹ ہاؤس سے پیلا کو لے کر فرار ہوا تھا۔

بچھیر سنگھ نے بھی پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ بھی بڑا اسمارٹ لگ رہا تھا اور بسنت کور نے مہندی رنگ کی ساڑھی پہنی تھی جو اسے خوب سج رہی تھی۔

ٹرین مقررہ وقت پر روانہ ہوئی۔ میں اور بسنت کور اکٹھے بیٹھے تھے۔ بسنت کور نے بھی ایک سفری بیگ ساتھ لیا تھا اور میں نے بھی اپنا تھیلا اس میں ٹھونس دیا تھا۔ وہ بیگ بسنت کور نے اپنے پہلو میں ہی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ بچھیر سنگھ ہم سے دو لائن آگے کھڑکی کے ساتھ سنگل سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

فیروز پور ریلوے اسٹیشن پر باوردی پولیس والے بھی بڑی تعداد میں موجود تھے اور سادہ لباس سکیورٹی والے بھی' وہ ایک ایک شخص کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ہم بھی ایک دو کی نظروں میں آئے تھے لیکن میرے ساتھ چونکہ بسنت کور تھی اس لیے کسی نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

فیروز پور سے تل ونڈی کا فاصلہ بھی تقریباً ایک گھنٹے کا تھا۔ ٹرین تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ تل ونڈی پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ باقی تھے۔ بسنت کور نے بیگ میں سے براؤن پیپر کا ایک لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس میں برفی تھی۔ میں نے تھیلا کھول کر اندر جھانکا۔ ایک ٹکڑا نکال کر بسنت کور کو دیا۔ ایک اپنے منہ میں رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بچھیر سنگھ کے سامنے خالی سیٹ پر بیٹھ گیا اور تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے برفی کا ایک ٹکڑا نکال کر کھایا۔ دوسرا ٹکڑا میرے کہنے پر لے لیا۔ میں چند منٹ وہیں بیٹھا رہا۔ وہ کھڑکی سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔ میں اٹھ کر دوبارہ اپنی سیٹ پر آ گیا۔

ٹرین جب تل ونڈی اسٹیشن پر رکی تو بچھیر سنگھ مکمل طور پر انٹاغفیل ہو چکا تھا۔ بسنت کور کی برفی اپنا کام کر گئی تھی۔ میں نے بسنت کور کو اشارہ کیا اور وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

ٹرین یہاں صرف ایک منٹ رکی تھی۔ ہم جیسے ہی نیچے اترے ٹرین حرکت میں آ گئی۔ ہم پلیٹ فارم پر کھڑے ٹرین کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

یہاں چند مسافر اترے تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ خارجی گیٹ کی طرف چل پڑے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ٹکٹ میرے پاس تھے۔ گیٹ پر ٹکٹ چیکر نے دھیان نہیں دیا کہ یہ ٹکٹ موگا کے لیے ہیں اور ہم پہلے ہی اتر گئے تھے۔

ریلوے اسٹیشن کے سامنے ہی کچھ فاصلے پر لاری اڈا تھا۔ تل ونڈی زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ اس قصبے کی اپنی کوئی ٹرانسپورٹ نہیں تھی۔ مختلف اطراف سے آنے والی بسیں یہاں رکتی تھیں۔ تقریباً پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد ہمیں فرید کوٹ سے آنے والی ایک بس پر جگہ مل گئی۔ بس صرف پانچ منٹ وہاں رکی اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

ترن تارن بہت دور تھا۔ تقریباً چار گھنٹے کا راستہ تھا۔ میں کچھ دیر تک بسنت کور سے باتیں کرتا رہا اور پھر آگے والی سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔

☆.....☆ ☆

بس راستے میں خراب ہونے کی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہو گیا تھا۔ اس طرح ہم تقریباً پانچ بجے کے قریب ترن تارن پہنچ سکے تھے۔ ہم لاری اڈے سے پہلے ہی بس سے اتر گئے۔ کچھ اور مسافر بھی وہاں اترے تھے۔ سفری بیگ اس مرتبہ میں نے کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔

ترن تارن درمیانے درجے کا شہر تھا۔ خاصا بارونق اور زندگی سے بھرپور۔ زیادہ آبادی سکھوں کی تھی۔ ہندو اور مسلمان بھی معقول تعداد میں آباد تھے۔ اس وقت شام کا جھٹپٹا ہونے والا تھا۔ بازاروں میں خاصی رونق تھی۔

بسنت کور ساڑھی میں بڑی شاندار لگ رہی تھی۔ لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے چلتے چلتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

”کہاں جانا ہے۔“ میں نے پوچھا۔ ”کوئی ٹھکانہ بھی ہے یا لاوارث گائے بھینسوں کی طرح بازاروں میں پھرتے رہیں گے۔“

”بس تم میرے ساتھ چلے آؤ۔“ بسنت کور نے کہا۔ ”یوں تو میرے دور کے کئی رشتے دار اس شہر میں رہتے ہیں لیکن میں کسی رشتے دار کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ویسے میری ایک دوست بھی یہاں رہتی ہے۔ وہ میری شادی سے پہلے بیاہ کر یہاں آئی تھی۔ میں ایک مرتبہ اس کے ہاں گئی تھی۔ وہ مانگ چند سٹریٹ پر رہتی ہے تم میرے ساتھ چلے آؤ۔“

تقریباً آدھا گھنٹہ سڑکوں پر گھومنے کے بعد ہم گنجان آبادی والے علاقے میں آ گئے۔ گلیاں تنگ اور پرپیچ تھیں۔ پرانی طرز کے زیادہ تر مکان دو منزلہ تھے۔ گلیاں اس قدر تنگ اور اوپر سے مکان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ اس وجہ سے یہاں شام ہونے سے پہلے ہی شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

بسنت کور ایک اور تنگ سی گلی میں مڑ گئی۔ یہاں چند ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بسنت کور ایک مکان کے سامنے رک گئی اور دروازے پر دستک دینے لگی۔

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا۔ وہ ایک جوان عورت تھی۔ شلوار قمیص میں تھی اور دوپٹہ کمر پر باندھ رکھا تھا۔ وہ چند لمحے بسنت کور کی طرف دیکھتی رہی پھر چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

”ارے بسنتی کہاں مر گئی تھی تو۔ شادی کے بعد تو ایسے غائب ہوئی کہ اپنا اتا پتا ہی نہیں چھوڑا۔ کہاں چلی گئی تھی؟“

”مجھے اندر تو آنے دو۔“ بسنت کور نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

وہ عورت بسنت کور سے الگ ہو کر راستے سے ہٹ گئی اور مڑ کر الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

”یہ تیرے جیجا جی ہیں۔“ بسنت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جیجا جی۔“ اس عورت کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”اری تو نے خصم بدل لیا؟“

”بڑی لمبی کہانی ہے آرام سے بتاؤں گی۔ ہمیں اندر تو بیٹھنے دے۔“ بسنت کور نے جواب دیا۔

وہ کلدیپ کور تھی وہ ہمیں بیٹھک میں لے آئی۔ چند منٹ دونوں ایک دوسرے کی خیریت و عافیت دریافت کرتی رہیں پھر کلدیپ اٹھ کر چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ شربت بنا کر لے آئی۔

"ہاں۔ اب بتا کیا قصہ ہے تیرا بیاہ تو......"

"وہ تو بیاہ کے دو مہینوں بعد ہی گزر گیا تھا۔" بسنت کور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ من موہن سنگھ جی مجھے سہارا نہ دیتے تو میں برباد ہو جاتی۔ انہوں نے مجھ سے شادی کیلئے کہا تو میں انکار نہ کر سکی۔ اس طرح میں ذلیل خوار ہونے سے بچ گئی۔ تو یہ جیجا جی کہاں ہیں؟"

"جیل میں۔" بسنت کور اچھل پڑی۔ "کیا کیا اس نے کسی کو جان سے مار دیا ہے؟"

"وہ تو چوہے کو نہیں مار سکتا کسی بندے کو کیا مارے گا۔" کلدیپ کور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سیٹھ لال چند کے پاس چنگی بھلی نوکری کرتا تھا پھر کسی دوست نے اسے نشے کی چیزیں بیچنے پر لگا دیا۔ وہ بھی کہتا تھا ہیروئن بیچ کر راتوں رات امیر بن جائیں گے۔ امیر تو کیا ہوتے وہ پکڑا گیا۔ ڈیڑھ سال کی سزا ہو گئی وہ جیل میں چکی پیس رہا ہے اور میں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گزارہ کرتی ہوں۔"

میں ایک طرف خاموش بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کلدیپ کور کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بڑی کسمپرسی میں وقت گزار رہی ہے۔ وہ اس وقت کسی کے گھر سے لائے ہوئے کپڑے دھونے جا رہی تھی۔ آنگن میں نلکے کے پیچھے گھرے میں کپڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔

"کپڑے تو میں بعد میں دھولوں گی پہلے تم لوگوں کیلئے رات کی روٹی کا بندوبست کر دوں۔" کلدیپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بسنت کور نے مجھے اشارہ کیا۔ کلدیپ کور کے جانے کے بعد میں نے جیب سے ہزار روپے کے نوٹ نکال کر بسنت کور کو دے دیئے۔ وہ کلدیپ کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئی۔

میں بیٹھک میں بیٹھا رہا۔ اس دوران پڑوس کی کوئی عورت بھی آ گئی تھی۔ بسنت کور بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھک میں آ گئی۔

"تم نے اس کے سامنے مجھے اپنا خصم کیوں بنایا۔" میں نے بسنت کور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو اسے تمہارے بارے میں کیا بتاتی۔ یہی کہ اپنے یار کو لے کر آئی ہوں۔" بسنت کور نے جواب دیا۔

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میرے بارے میں کوئی عذر تو بتانا ہی تھا۔ اس نے مجھے اپنا شوہر بنا لیا تھا اور اس طرح بات ختم ہو گئی تھی۔

نو بجے کے قریب ہم نے رات کا کھانا کھایا اور پھر کلدیپ کور ہمیں دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی ہمیں رات اس کمرے میں گزارنی تھی۔

بسنت کور مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر کلدیپ کور کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے پگڑی اتار کر احتیاط سے ایک کرسی پر رکھ دی اور چارپائی پر لیٹ گیا

میں اس وقت بیلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے گیسٹ ہاؤس سے فرار ہوئے دس روز ہو چکے تھے۔ بیلا نے میری تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہو گی۔ اسے یہ علم تھا کہ میں کھیم کرن کی طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کروا دی تھی۔ کھیم کرن اور سرحد کے آس پاس بھی سکیورٹی کے انتظامات بڑھا دیئے گئے ہوں گے لیکن جس طرح بیلا قدم قدم پر میرے راستے

میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی تھی اس طرح مجھے بھی ایسے لوگ ملتے جا رہے تھے جو ہمدردی کی بنا پر یا لالچ میں آ کر یا نادانستہ طور پر میری مدد کر رہے تھے۔

فیروز پور شہر کی جس طرح ناکہ بندی کی گئی تھی اس کے پیش نظر کہا جا سکتا تھا کہ میرے لئے وہاں سے نکلنا ممکن نہ ہوتا لیکن بسنت کور اور پچھیر سنگھ کی وجہ سے مجھے آسانی ہو گئی تھی۔ بسنت کور میرے لئے بڑی مددگار ثابت ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے میں بڑی آسانی سے وہاں سے نکل آیا تھا۔ پچھیر سنگھ کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ گئی۔ وہ واقعی بیوقوف آدمی تھا۔ اگر وہ چالاک تھا تو اس کی چالاکی صرف بسنت کور کی کمائی کھانے تک تھی۔ باقی ہر طرف سے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اب میں سوچ رہا تھا کہ ٹرین میں ہوش میں آنے کے بعد ہمیں غائب پا کر اس کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔

وہ رات کا غالباً آخری پہر تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ پہلے تو میں گڑبڑا گیا لیکن پھر ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ وہ بسنت کور تھی جو میرے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے یہاں ہماری حیثیت میاں بیوی کی تھی اور بسنت کور اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ ہم اگلے روز یہاں سے چلے جائیں گے مگر بسنت کور نے دو تین دن یہاں رکنے کا پروگرام بنایا تھا۔

اس سے اگلے روز شام کے وقت ہم دونوں بازار میں گھوم رہے تھے کہ ایک موڑ پر میں ٹھٹک گیا۔ چوک کے دوسری طرف پچھیر سنگھ کھڑا ایک آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے بسنت کور کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ پچھیر سنگھ کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ بھی میری طرح آڑ میں ہو گئی۔

پچھیر سنگھ جس آدمی سے باتیں کر رہا تھا وہ ہاتھ کے اشاروں سے اسے کچھ سمجھا رہا تھا اور پھر وہ آدمی تو وہیں کھڑا رہا اور پچھیر سنگھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مخالف سمت میں چلا گیا۔

میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے بسنت کور کو اشارہ کیا اور ہم گلیوں میں ہوتے ہوئے واپس چل پڑے۔ کلدیپ کو ہمارے اس طرح بازار سے واپس چلے آنے پر حیرانی تھی لیکن میں نے اچانک طبیعت خراب ہو جانے کا بہانہ کر دیا۔

میں اور بسنت کور دیر تک ایک کمرے میں بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ پچھیر سنگھ کو معلوم تھا کہ بسنت کور امرتسر کی رہنے والی ہے ہو سکتا ہے وہ پہلے امرتسر گیا ہو اور وہاں سے مایوس ہو کر ترن تارن میں تلاش کرتا پھر رہا ہو۔

بہرحال ہمیں دو دن اور یہاں رکنا پڑا اور پانچویں روز صبح سات بجے ہم کلدیپ کور سے رخصت ہو کر سوا سات بجے ریلوے سٹیشن پہنچ گئے۔ یہاں سے صبح آٹھ بجے کھیم کرن کے لئے ایک پسنجر ٹرین چلتی تھی اور یہی ٹرین شام کو واپس آ جاتی تھی۔

ترن تارن سے کھیم کرن تک تقریباً اڑھائی گھنٹے کا راستہ تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس ٹرین میں بھی کچھ سادہ پوش موجود تھے جو بوگیوں میں گھومتے ہوئے مسافروں کو گھور رہے تھے۔

چھبال سٹیشن پر بھی دو ایسے آدمی ٹہلتے ہوئے نظر آئے جنہیں مشتبہ کہا جا سکتا تھا۔ ان کا تعلق تو

ریلوے سٹیشن سے تھا اور نہ ہی وہ اپنے کسی عزیز کو لینے کیلئے سٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو دیہاتی لباس میں تھا اور دوسرے نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔

اس سٹیشن پر دس بارہ مسافر اترے تھے۔ ان میں سے مرد بھی تھے عورتیں بھی اور بچے بھی۔ سٹیشن پر کھڑے ہوئے وہ دونوں آدمی مسافروں کو گھور رہے تھے۔ دھوتی اور کرتے والا مشتبہ آدمی کن آنکھوں سے ہماری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ گیٹ سے گزرتے ہوئے میں نے بھی کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

سٹیشن کے سامنے چھوٹی سی آبادی تھی۔ زیادہ تعداد دکانوں کی تھی جبکہ اصل گاؤں سٹیشن سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھا۔

ان دکانوں کی وجہ سے ایک مختصر سا بازار بن گیا تھا جہاں خاصی رونق تھی۔ سٹیشن کے سامنے ہی تانگے اور ریڑھے وغیرہ بھی کھڑے تھے۔ گاؤں کا فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ گاؤں کی طرف جانے والے لوگ تانگوں اور ریڑھوں پر بیٹھ رہے تھے۔ ہم بھی ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔

سکھوں کی آبادی پر مشتمل وہ گاؤں خاصا بڑا تھا۔ یہاں چند گھر مسلمانوں کے بھی تھے اور ہندوؤں کے بھی۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک بڑا گوردوارہ تھا اور دائیں طرف گاؤں کے باہر کافی دور ایک چھوٹی سی مسجد بھی نظر آ رہی تھی۔ گاؤں کی ایک گلی سے گزرتے ہوئے ایک چھوٹا مندر بھی دکھائی دیا تھا۔

تانگہ گاؤں کے چوک پر پیپل کے درختوں کے نیچے رک گیا اور ہم تانگے سے اتر کر ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ گلی کافی کشادہ تھی لیکن کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ بیل گاڑیاں گزرنے کی وجہ سے گڑھے سے بن گئے تھے۔

وہ پختہ مکان تھا۔ مکان کیا تھا بہت بڑی حویلی تھی۔ بہت لمبا چوڑا صحن تھا۔ ایک طرف چار پانچ بھینسیں بندھی ہوئی تھیں اور ادھر ادھر مرغیاں ادھر ادھر پھر رہی تھیں۔ ایک عورت بھینسوں کیلئے گتاوہ (چارہ) بنا رہی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ یہ پنجاب کا زمیندار گھرانہ تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جو میں بچپن میں قصور میں اپنے گاؤں میں دیکھا کرتا تھا اور میرا گاؤں بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چند ہی میل کا فاصلہ تھا۔ بیچ میں سرحدی لکیر تھی اس کے دوسری طرف بھی سب کچھ یہاں جیسا ہی تھا۔

بھینسوں کیلئے چارہ بنانے والی ادھیڑ عمر صحت مند قسم کی وہ عورت بسنت کور کی پھوپھی تھی۔ وہ چند لمحے بھیگی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھتی رہی پھر بالٹی میں ہاتھ دھوئے اور قریب آ کر بسنت کور سے لپٹ گئی۔

ایک اور ادھیڑ عمر عورت اور دو جوان لڑکیاں بھی برآمدے سے نکل کر سامنے آ گئیں۔ وہ دونوں لڑکیاں بسنت کور ہی کی طرح گوری چٹی حسین اور اونچی لمبی تھیں۔ یہ پنجاب کی جٹیاں تھیں۔ مکھن ملائی کی پلی ہوئیں۔

پھوپھو نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پھر وہ لوگ ہمیں اندر لے گئے۔ شاندار حویلی لویرا (مویشی) اور گھر کا ساز و سامان اس گھر کی خوشحالی کی عکاسی کر رہا تھا۔

بسنت کور نے مجھے راستے ہی میں اپنی پھوپھی اور پھوپھا کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

دراصل بسنت کور کا باپ کئی سال پہلے اپنے بھٹولی سے نکل کر امرتسر چلا گیا تھا۔ وہاں وہ محنت مزدوری کرتا رہا۔ وہ بہت ہی بدمزاج آدمی تھا۔ وہاں بھی ان کے بہت سے رشتہ دار تھے اور خوشحال تھے مگر بسنت کور کے باپ کی کسی سے نہیں بنی۔ وہ ہر ایک سے الگ تھلگ رہا۔

ایک موقع پر منڈی میں کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تھا۔ رتن سنگھ کو پولیس نے گرفتار کر لیا اور تھانے میں اس پر اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پولیس نے اس کی لاش سڑک پر پھینک دی اور یہ ظاہر کیا کہ اس نے پولیس کی حراست سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی مقابلے میں مارا گیا۔

کسی رشتہ دار نے اس کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا بلکہ بہت سوں کو تو پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا ہو چکا ہے اور جنہیں پتہ چل گیا تھا وہ خاموش رہے۔ پولیس سے پنگا لینے کو تو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

بسنت کور کی ماں نے بھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ کسی کو مدد کیلئے نہیں پکارا۔ وہ بھی ایک ضدی عورت تھی۔ جس نے شوہر کو اس کی زندگی میں قریب نہیں پھٹکنے دیا تھا وہ اس کے مرنے کے بعد ان کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلاتی۔

گھر میں تنگی تو پہلے ہی تھی رتن سنگھ کے مرنے کے بعد حالات کچھ اور ابتر ہو گئے۔ دونوں ماں بیٹیاں ہندوؤں کے گھروں میں کام کر کے گزارہ کرنے لگیں اور پھر ایک روز بسنت کور کی ماں بھی ایک تیز رفتار ویگن کے نیچے آ کر مر گئی اور بسنت کور اکیلی رہ گئی۔

بسنت کور حسین تھی۔ جوانی بھی چڑھ رہی تھی۔ محلے کے اوباش لڑکے اس کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ محلے کی مائی [illegible] نے اس صورت حال کو محسوس کر لیا اور اسے بھٹولی سے اٹھا کر آشرم میں پہنچا دیا جہاں کچھ ہی مہینوں بعد اس کی شادی کر دی گئی اور وہ اپنے پتی کے ساتھ فیروز پور چلی گئی۔

بسنت کور کی شادی میں اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہوا تھا۔ پھوپھو کو معلوم تو تھا کہ بسنت کور کی شادی ہو گئی ہے لیکن اس نے بسنت کور کے پتی کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا اور نہ ہی کبھی اسے دیکھا تھا۔ اس لئے اب بسنت کور نے مجھے اپنے پتی کی حیثیت سے پیش کیا تو سب نے بلا چوں و چرا تسلیم کر لیا۔ بسنت کور نے انہیں میرا نام من موہن سنگھ ہی بتایا تھا۔

بسنت کور کا پھوپھا پریم سنگھ بھی گھر آ گیا تھا۔ ان لوگوں میں دیر تک شکوے گلے ہوتے رہے۔ سب کو گلہ تو بسنت کور کے باپ رتن سنگھ سے تھا جس نے خاندان کے ہر فرد سے ناتا توڑ دیا تھا۔

ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد گپ شپ کر رہے تھے کہ ایک آدمی پریم سنگھ کو بلا کر لے گیا۔ اس کی واپسی تقریباً دو گھنٹوں کے بعد ہوئی تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ ایک آدمی گاؤں والوں سے ہمارے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا اور پریم سنگھ کو بھی اسی سلسلے میں بلایا گیا تھا۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہو گا جنہیں میں نے ریلوے سٹیشن پر دیکھا تھا۔ اس دوران گاؤں کے اکثر گھروں میں یہ پتہ چل گیا تھا کہ پریم سنگھ کی بھتیجی امرتسر سے اپنے پتی کے ساتھ آئی ہے۔

"کیا بات ہے؟ تم پریشان کیوں ہو گئے؟" چھبیکی نے شوہر سے پوچھا۔

"ایک آدمی من موہن سنگھ کے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا۔" پریم سنگھ نے جواب دیا۔ "سرکار کو کسی مشتبہ شخص کی تلاش ہے۔ سرحد کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ شخص سنگین سے ان کے پیچھے لگا تھا۔

"ہمارا من موہن پورہ آلو سے کیا جو......"

"یہ بات نہیں ہے۔" پریم سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس شخص نے بتایا تھا کہ وہ شخص پاکستانی ایجنٹ اور بہت بڑا دہشت گرد ہے۔ راجستھان میں کئی مہینے تباہی پھیلانے کے بعد سرحد پار کرنے سے چند روز پہلے فیروز پور پہنچا تھا جہاں اسے پکڑ لیا تھا مگر وہ بھاگ نکلا۔ سیکیورٹی والوں کو شبہ ہے کہ وہ کسی اور طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے اس طرف آنے والے لوگوں کو چیک کیا جا رہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں نے اس کی تسلی کر دی ہے کہ ہماری بسنت کور کی شادی من موہن سے ایک سال پہلے امرتسر میں ہوئی تھی اور وہ لوگ امرتسر سے ہی آئے ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر چلا گیا ہے اور گاؤں والوں سے کہہ گیا ہے کہ کوئی مشتبہ شخص نظر آئے تو اس کے بارے میں فوراً سیکیورٹی والوں کو اطلاع دے دی جائے۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بلا ٹل گئی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ پردیس کے اس راستے میں ابھی اور بھی بہت سی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں آزادی سے گاؤں میں گھوم پھر رہا تھا۔ کبھی کھیتوں کی طرف چلا جاتا۔ مجھے بسنت کور ہی نے بتایا تھا کہ عرصہ پہلے جب وہ لوگ خود بھی یہاں رہتے تھے تو اس کا پھوپھا سمگلروں سے ملا ہوا تھا۔ وہ سرحد پار سے آنے والے سمگلروں کو پناہ دیا کرتا تھا اور اب اس سے میرے بارے میں جو بھی بات کر لی تھی۔ بسنت کور نے کر لی تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا میری بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اب جلد سے جلد سرحد پار کر کے اپنی سرزمین پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اور پھر ایک روز جب میں کھیتوں میں تھا تو پریم سنگھ مجھے لے کر ایک نالی کے پیچھے بیٹھ گیا۔

"میں نے سرحد پار کی تو تسلی کر لی تھی مگر اس روز مجھے تم پر شبہ ہو گیا تھا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ "بہرحال میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ میں سرحد پار کرنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن خرچ بہت آئے گا۔"

"کتنا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک لاکھ روپے ایک آدمی کا۔" پریم سنگھ نے جواب دیا۔

"میں تو اکیلا ہی جانا چاہتا ہوں۔ ایک لاکھ دے دوں گا۔" میں نے کہا۔

"بسنت کور بھی تمہارے ساتھ سرحد پار جانا چاہتی ہے۔" پریم سنگھ نے کہا۔ "ویسے بہتر ہے کہ تم اسے ساتھ لے جاؤ۔ اگر وہ یہاں رہی تو نہ صرف خود مشکلات میں پھنس جائے گی بلکہ ہمارے لئے بھی مشکلات پیدا کرے گی۔"

میں اس انکشاف پر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ بسنت کور میرے ساتھ جانے کو تیار تھی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میں انکار کر کے کوئی نیا مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً ہی طے کر لیا تھا کہ راستے ہی میں اس کا کوئی بندوبست کر لوں گا۔ "ٹھیک ہے میں اسے ساتھ لے جانے کو تیار ہوں اور رقم بھی ادا کر دوں گا۔ ہمیں کب جانا ہو گا۔"

"میں تمہیں کل بتاؤں گا لیکن آدھی رقم ایڈوانس دینی ہو گی۔ آج ہی تا کہ اس شخص کو ادا کر دی جائے۔" پریم سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے رقم تمہیں آج مل جائے گی لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہ ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمہارے بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کب سے یہ کام کر رہے ہو؟"

"بہت عرصہ ہو گیا۔" پریم سنگھ نے جواب دیا۔ "زمینداری میں اب کچھ نہیں رکھا۔ شب و روز کی محنت کے بعد جو کچھ ملتا ہے اس سے تو اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ علاقہ سرحد سے اگرچہ کئی میل دور ہے مگر سمگلروں کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کئی سال پہلے پاکستان سے سمگلروں کی ایک پارٹی اس طرف آئی تھی۔ ان سے ملاقات کے بعد ہی میں نے بھی یہ دھندہ شروع کیا تھا۔"

"مجھے سمگلنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن پریم سنگھ سے باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

"شجاع کو جانتے ہو؟ کئی سال پہلے وہ بھی اس طرف آیا کرتا تھا۔" میں نے کہا۔

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ جانتا تھا۔" پریم سنگھ نے جواب دیا۔ "لیکن پھر اس کا آنا جانا بند ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ قصور میں اپنے ہی کسی بندے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ شاید کوئی حصے کا معاملہ تھا۔"

"حصے کا نہیں، عورت کا معاملہ تھا۔" میں نے کہا۔

"ہاں سچ میں کسی عورت کا نام بھی سننے میں آیا تھا مگر تمہیں کیسے پتہ؟" اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔

"میں قصور کا رہنے والا ہوں اور ان دنوں وہیں تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "شجاع نے اپنے گھر میں کسی جوان لڑکے کو رکھا ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے لڑکے کو قابو کر لیا اور ان کے درمیان رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔ شجاع کو پتہ چل گیا۔ وہ اس لڑکے کو سزا دینا چاہتا تھا لیکن خود ہی اس کے ہاتھوں مارا گیا اور لڑکا بھاگ گیا اور پولیس آج تک اس کا سراغ نہیں لگا سکی۔" میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ شجاع کی بیوی جس لڑکے کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی وہ میں تھا۔

"لگتا ہے تم اس سلسلے میں بہت کچھ جانتے ہو۔" پریم سنگھ بولا۔

"میں نے کہا نا قصور کا رہنے والا ہوں ہر کوئی جانتا ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر پریم سنگھ کے ایک مزارع کو اس طرف آتے دیکھ کر ہماری گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

میں کافی دیر کھیتوں میں پریم سنگھ کے ڈیرے پر رہا اور پھر واپس آ گیا۔ بسنت کور کو بھی میں نے صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور اس سے اپنا تھیلا لے کر اس میں سے ایک لاکھ روپے بھی نکال لئے۔ میں نے بسنت کور کو اس تھیلے میں نقد رقم اور زیورات کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس نے وہ تھیلا بڑی

حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔

"تم میرے ساتھ کیوں جانا چاہتی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا دیش ہے یہاں تمہارے اپنے لوگ ہیں اپنوں سے دور رہنے کا بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"اپنوں کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔" بسنت کور نے کہا۔ "پھوپی کی یہ محبت صرف چند روزہ ہے تمہارے چلے جانے کے بعد جب گھر والوں پر حقیقت کھلے گی تو یہ لوگ میری زندگی اجیرن کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے مجھے یہاں سے دھکے دے کر نکال دیا جائے اور میں ایک بار پھر پنچھم سنگھ جیسے کسی شخص کے ہتھے چڑھ جاؤں۔ میں طوائف بن کر زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ کم از کم ایک کھونٹے سے تو بندھی رہوں گی اور تم مجھے بازار کی نیلامی تو نہیں کرو گے۔"

"پاکستان میں بھی میرا کوئی مستقبل نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "اپنے ملک میں تو میں ہندوستان سے بھی زیادہ مطلوب ہوں۔ عین ممکن ہے کہ سرحد پار کرتے ہی دھر لیا جاؤں۔ میرے ساتھ تم بھی پھنسو گی۔ جیل کے سوا ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں۔" بسنت کور مسکرائی۔ "میں تمہارے ساتھ جیل میں رہ لوں گی لیکن یہاں طوائف بن کر نہیں رہوں گی۔"

"تم طوائف نہیں بنو گی۔" میں نے کہا۔ "میرے پاس اس تھیلے میں لاکھوں روپے نقد اور لاکھوں روپے کے زیورات رکھے ہوئے ہیں۔ میں سرحد پار کر جاؤں گا تو وہ کرنسی میرے کسی کام کی نہیں رہے گی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب کچھ تم اپنے پاس رکھ لو اور یہاں سے کہیں دور چلی جاؤ۔ کسی اجنبی شہر میں اس رقم سے تم ایک نئی اور باعزت زندگی شروع کر سکتی ہو۔"

"نہیں میں صرف تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ تم جہاں بھی ہو۔" بسنت کور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عجیب صورتحال تھی۔ لگتا تھا بسنت کور کو مجھ سے عشق ہو گیا تھا اور وہ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ میرے چلے جانے کے بعد یہاں اسے بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے وہ بھی یہاں سے فرار چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ میرے ساتھ جانے کی ضد پر قائم رہی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن وہاں جو بھی حالات پیش آئے ان کا کوئی گلہ نہ کرنا۔"

"بالکل نہیں کروں گی۔" بسنت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس رات میں نے پریم سنگھ کو ایک لاکھ روپے دے دیئے۔ اس سے اگلے روز صبح سویرے ہی وہ موٹر سائیکل پر کہیں چلا گیا اور اس کی واپسی سہ پہر کے قریب ہوئی تھی اور اسی شام اس نے مجھے بتا دیا کہ ہم پرسوں صبح یہاں سے روانہ ہوں گے۔

"تمہاری خوش قسمتی ہے کہ پرسوں رات ایک پارٹی کچھ مال لے کر سرحد پار جانے والی ہے۔" اس نے کہا۔ "میں نے بات پکی کر لی ہے۔ ایک لاکھ روپے پیشگی بھی دے دیا ہے۔ تم دونوں ان لوگوں کے

ساتھ جاؤ گے لیکن باقی رقم وہاں روانگی سے پہلے دینی ہوگی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میرے لئے اگلا دن گزارنا مشکل ہو گیا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر سرحد کے دوسری طرف پہنچ جاؤں۔ میں اس خوفناک حقیقت سے بھی پوری طرح واقف تھا کہ سرحد کے دوسری طرف بھی میرے لئے بھی سب کچھ تھا۔ ہو سکتا ہے سرحد پار کرتے ہی گولیوں کا نشانہ بن جاؤں یا پکڑا جاؤں۔ پکڑے جانے کی صورت میں مجھے یقین تھا کہ میری باقی زندگی جیل ہی میں گزرے گی۔

اس سے اگلے روز صبح سویرے ہم ٹریکٹر ٹرالی پر گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ پریم سنگھ کی بیوی اور ایک بیٹی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ایک بوڑھے آدمی کو بھی سوار کرا لیا گیا۔

"تمہیں حفاظت سے سرحد پار کرانی ہے۔" میرے پوچھنے پر پریم سنگھ نے بتایا۔ "کل میں اس طرف گیا تھا تو راستے میں ایک دو مشتبہ قسم کے آدمی دکھائی دیئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ سرحد کی طرف جانے والے راستوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اکیلا آدمی ہو تو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا ہے میرے ساتھ تو سارا پریوار ہے اس لئے کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔"

بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

"لیکن کیا ایسی صورت میں سرحد پار کی جا سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ جو سمگلر ہوتے ہیں نا ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔" پریم سنگھ نے جواب دیا۔ "ان کی پہنچ بہت اوپر تک ہوتی ہے۔ یہ اپنا بندوبست کر کے ہی چلتے ہیں۔"

یہ سب کچھ میں بھی جانتا تھا لیکن ان دنوں یہاں حالات کچھ مختلف تھے۔ مجھے روکنے کیلئے را اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا رہی تھی۔ نیلا بری طرح جھنجھلائی ہوئی تھی اس نے مختلف ایجنسیوں کی ساری توانائیاں صرف کر دی تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہاتوں میں اس کے ایجنٹ پھیلے ہوئے تھے اور میں جانتا تھا کہ سرحد پار کرنا آسان نہیں ہوگا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم بیس بائیس میل کا فاصلہ طے کر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہاں سے سرحد صرف پانچ سو گز کے فاصلے پر تھی۔ سرحد تک لہلہاتے کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ گیہوں کی فصل پکنے والی تھی۔ پودے اتنے اونچے تھے کہ ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا۔

ہم اس گاؤں کے جس گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی پریم سنگھ کا ایک رشتے دار ہی تھا۔ یہاں ہماری خوب آؤ بھگت ہوئی تھی۔ مجھے پریم سنگھ نے گھر سے نکلنے سے منع کر دیا تھا۔

آدھی رات کے قریب ایک آدمی ہمیں بلانے کیلئے آ گیا۔ میں نے یہاں آتے ہی پریم سنگھ کو باقی ایک لاکھ روپے کی رقم بھی دے دی تھی اور بسنت کور کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ رقم اور زیورات سے بھرا ہوا تھیلا رکھ لے اور یہاں رہ جائے لیکن وہ نہیں مانی۔

ہم دونوں اس آدمی کے ساتھ چل پڑے۔ گاؤں سے تقریباً دو سو گز دور پیپل کے درختوں کے ایک جھنڈ میں دو ٹرک کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ چھ آدمی تھے جو سب کے سب مسلح تھے۔ ہمیں ایک اور آدمی کے ساتھ وہاں سے دوسری طرف روانہ کر دیا گیا۔

گہری تاریکی تھی ہم تینوں کھیتوں میں پگڈنڈی پر آ گئے۔ ہم پیچھے چلتے رہے وہ آدمی آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے اور سب سے آخر میں بسنت کور تھی۔

ایک جگہ ہم رک گئے۔ یہاں کھیت کا آخری کنارہ تھا۔ یہاں سے آگے تقریباً پچاس گز تک کی جگہ چٹیل میدان کی طرح خالی تھی۔ یہ ایک پوری پٹی تھی جو یہاں سے بائیں چلی گئی تھی۔

ہم کھیتوں کے پودوں میں دبکے بیٹھے رہے پھر دائیں طرف سے کہیں بہت دور سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس شخص نے اشارہ کیا اور ہم کھیتوں سے نکل کر سامنے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے بسنت کور کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم اس خالی جگہ پر ابھی آدھے راستے میں تھے کہ بائیں طرف سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”رک جاؤ کون ہے؟“

ہم دوڑتے رہے۔ بسنت کور ٹھوکر کھا کر لڑکھڑا گئی اور اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ میں دو تین گز آگے نکل چکا تھا اور پھر ٹھیک اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی بسنت کور کی چیخ بھی سنائی دی۔

میں زمین پر گر گیا۔ مڑ کر دیکھا بسنت کور کو غالباً کئی گولیاں لگی تھیں۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ میں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے تھیلا پکڑ لیا۔

گولیاں میرے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ میں اس شخص سے پیچھے زمین پر پیٹ کے بل رینگتا رہا اور پھر اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ گولیاں میرے چاروں طرف برس رہی تھیں اور پھر یوں لگا جیسے میری دائیں پنڈلی میں انگارے سے بھر گئے ہوں۔ میں لڑکھڑا کر گرا اور پھر اٹھ کر بھاگنے لگا۔

گولیاں اب بھی میرے چاروں طرف برس رہی تھیں لیکن اس مرتبہ میں دوسری طرف کھیتوں میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ کھیتوں میں پہنچ کر بھی میں نہیں رکا اور دوڑتا چلا گیا۔

فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ گولیاں میرے اوپر اور دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر شڑاپ سے پانی میں گرا۔

وہ تقریباً چھ سات فٹ لمبا چوڑا اور تین فٹ گہرا گڑھا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں نے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر پھر گڑھے کے کنارے کے ساتھ دبک کر بیٹھ گیا اور کنارے پر ... کی جھاڑیاں پکڑ کر اپنے اوپر کھینچ لیں۔ یہ گڑھا چھپنے کیلئے میرے لئے ایک اچھی پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔

فائرنگ کے ساتھ اب ایسی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں جیسے دو تین آدمی کھیت میں دوڑ رہے ہوں اور پھر ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

”زیادہ آگے مت جاؤ نریش۔“ کوئی چیختی ہوئی بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”وہ لڑکی تو مر چکی ہے۔ لوٹ واپس آ جاؤ۔ پاکستانی بارڈر سیکورٹی والے آ گئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔“

میرا تعاقب کرنے والے مجھ سے آگے نکل چکے تھے۔ ان کی تعداد دو یا تین تھی۔ انہوں نے کھیتوں میں ایک اور برسٹ مارا اور دوڑتے ہوئے واپس آنے لگے۔ وہ اس گڑھے کے کنارے پر سے

گزرے تھے جہاں میں کنارے پر دبکا ہوا تھا۔ اگر ہلکی سی روشنی بھی ہوتی تو میں دیکھ لیا جاتا لیکن میں نے گہرے نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور یہ کپڑے بھی تاریکی کا حصہ ہی بن گئے تھے۔ میں سانس روکے دبکا رہا اور وہ لوگ دوڑتے ہوئے میرے قریب سے گزر گئے۔

میں تقریباً پانچ منٹ تک اس گڑھے میں دبکا رہا اور پھر آہستگی سے باہر نکل آیا۔ میں سر سے پیر تک پانی میں تر ہو رہا تھا۔ پانی کپڑوں سے نچڑ رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے میں سے بھی پانی نچڑ رہا تھا۔

میں نے بہت محتاط انداز میں کھڑے ہو کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ تقریباً سو گز دور خالی پٹی پر پانچ چھ سائے دوڑتے ہوئے نظر آئے اور پھر دوسری طرف کھیتوں میں غائب ہو گئے۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں سرحد پار کر کے اپنے ملک کی زمین میں آ گیا تھا۔

بسنت کور گولیاں کھا کر گری تھی۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ وہ ختم ہو چکی ہے لیکن بعد میں اس چیختی ہوئی بھاری آواز سے انکشاف ہوا تھا کہ وہ زندہ تھی اور وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ مجھے اس کا بے حد افسوس تھا اس کے خلوص نے مجھے متاثر کیا تھا۔ بغیر کسی لالچ کے اس نے میری مدد کی تھی اگر وہ میری مدد نہ کرتی تو بھارت کی سرحد پار کرنے میں مجھے مزید دشواریاں پیش آ سکتی تھیں۔

بسنت کور کسی وجہ سے میرے ساتھ آنے پر بضد تھی اگر وہ میری بات مان کر لاکھوں روپے کی یہ رقم لے کر کہیں دوسرے شہر میں چلی جاتی تو آرام سے زندگی گزار سکتی تھی لیکن اس کا مقدر ہی اسے میرے ساتھ یہاں تک کھینچ لایا تھا اور اب میں اس کی موت کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ را اور اس کے آدمیوں کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ را اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد تنظیم تھی۔ اس کے ممبر انسان نہیں درندے تھے۔ ان کی بربریت کا مظاہرہ تو میں خود کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ بسنت کور کا جو حشر کریں گے اس سے میں اچھی طرح واقف تھا اور اس لئے میں اس کی موت کی دعائیں مانگ رہا تھا تاکہ وہ اس عذاب سے بچ جائے۔

جگت سنگھ نامی جو شخص ہمارے ساتھ آیا تھا اس کے بارے میں فی الحال کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ ہم سے آگے تھا۔ بھارتی سیکورٹی والوں نے کھیتوں میں اندھا دھند فائرنگ کی تھی ہو سکتا ہے کسی گولی نے جگت سنگھ کا بھی خاتمہ کر دیا ہو اور اس کی لاش کھیتوں میں کہیں پڑی ہو یہ ممکن ہے وہ بچ کر بہت دور نکل گیا ہو۔

میں چند منٹ وہاں کھڑا رہا اور پھر تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ میرے چلنے سے پودوں کی سرسراہٹ کی آواز دور تک پھیل رہی تھی۔

تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رک گیا۔ یہاں ٹاہلی کے چند درخت تھے۔ یونہی بلا سوچے سمجھے کھیتوں میں چھپتے رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ میں درختوں کے نیچے رک کر کسی راستے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر نیچے جھک کر زخمی پنڈلی سہلانے لگا۔

گولی پنڈلی کی کھال چھیلتی ہوئی نکل گئی تھی۔

میں وہاں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دائیں طرف کچھ فاصلے پر پودوں کی سرسراہٹ کی آواز سن

کر چونک گیا۔ میں تیزی سے ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا اور گہری نظروں سے اس طرف دیکھنے لگا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک آدمی کھیتوں سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گیا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا اس طرف آنے لگا۔

میں ٹاہلی کے ایک درخت کے پیچھے سانس روکے کھڑا تھا۔ میں گہری نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رک گیا۔ میں نے اس کے ہیولے سے اسے پہچان لیا۔

وہ جگت سنگھ تھا۔

''جگت سنگھ۔'' میں نے سرگوشی کی۔

وہ اچھل پڑا۔ ''کک...... کون ہے؟'' وہ ہکلا گیا۔

''میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور درخت کی آڑ سے نکل آیا۔

''او تم۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ''میں نے تمہاری ساتھی کی چیخ سنی تھی۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم بھی۔''

''میں بال بال بچ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مری نہیں زخمی ہوئی تھی اور وہ لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

''یہ بہت برا ہوا۔'' جگت سنگھ بولا۔ وہ مونا سکھ تھا۔ یہ سکھوں کا وہ طبقہ تھا جو اپنی مذہبی اقدار سے باغی نظر آتا ہے۔ یہ لوگ داڑھی اور سر کے بال نہیں بڑھاتے اور دوسری روایات کی پابندی بھی نہیں کرتے۔ جگت سنگھ بھی کلین شیو تھا اور سر کے بال بھی ایک انچ سے زیادہ بڑے نہیں تھے۔

''تم اپنے دلیش میں پہنچ چکے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''اب کہاں جاؤ گے تم؟''

''جانا تو مجھے قصور کی طرف ہے لیکن یہ جگہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''قصور تو یہاں سے بہت دور ہے تم اس حالت میں وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے۔'' جگت سنگھ نے کہا۔ ''یہاں سے کچھ ہی دور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ میں اس طرف جا رہا ہوں تم بھی چلو۔ رات گزار کر جہاں دل چاہے چلے جانا۔''

''وہاں کون ہے؟ کوئی جاننے والا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ ایک ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا۔

ہم دونوں کھیتوں میں پگڈنڈی پر چل پڑے۔ کھیں گاؤں کا نام میں نے بھی بچپن میں سن رکھا تھا لیکن کبھی اس طرف جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

''یہاں سے چند میل آگے ایک اور بہت بڑا گاؤں للیانی ہے۔'' جگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ ''اپنا حلیہ درست کر کے کل رات میں کسی وقت اس طرف چلے جانا۔ وہاں سے تمہیں قصور یا لاہور کیلئے بس مل جائے گی مگر تم لنگڑا کر کیوں چل رہے ہو۔ کوئی چوٹ آئی ہے کیا؟''

''گولی پنڈلی کی کھال چھیلتی ہوئی نکل گئی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ معمولی سا زخم ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بے پروائی مت کرنا اور اپنا علاج کروا لینا۔ بعض اوقات معمولی سا زخم بھی بڑھ جاتا ہے۔'' جگت سنگھ نے کہا۔

میں جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد بائیں طرف کسی بستی کے مکانوں کے ہیولے سے دکھائی دینے لگے لیکن جگت سنگھ نے راستہ بدل دیا اور بستی کی طرف جانے کے بجائے دوسری طرف چلنے لگا۔ اس طرف درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا۔

وہ ایک ٹیلا تھا جس پر ٹاہلی اور پیپل کے درختوں کی بہتات تھی۔ ہم کھیتوں سے نکل کر ذرا سا ایک طرف مڑے تو درختوں کے پیچھے ایک جگہ لالٹین کی روشنی دکھائی دینے لگی۔

لکڑی کا ایک بہت بڑا تخت درختوں کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اس کے بائیں طرف دس گز کے فاصلے پر دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ کوبری یہ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف پانی کا ایک ہینڈ پمپ بھی لگا ہوا تھا اور وہ لالٹین ایک درخت کی کھنگی (ٹوٹی ہوئی شاخ کا بچا ہوا حصہ) پر لٹکی ہوئی تھی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کسی زمیندار کا ڈیرہ ہے۔ لیکن اس وقت کسی ذی روح کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر جلتی ہوئی لالٹین کسی کی موجودگی کی شہادت دے رہی تھی۔

ہم دونوں تخت کے قریب رک گئے۔ جگت سنگھ نے چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھا پھر سرگوشی میں کسی کو پکارنے لگا۔

''بوٹے بوٹے...... کہاں ہو تم۔ میں ہوں جگت۔''

دوسرے ہی لمحے ایک آدمی درختوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ وہ لالٹین کی روشنی میں پہنچا تو میں گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لمبا قد، بھاری بھرکم جسم، گنجا سر۔ اس نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا۔ کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور گلے میں پڑا ہوا تعویذ صاف نظر آ رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' بوٹے نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''پناہ کا بندہ ہے۔ دوسری طرف سے آیا ہے۔ صبح چلا جائے گا۔'' جگت سنگھ نے جواب دیا۔ ''اگر ہو سکے تو اسے کپڑوں کا ایک جوڑا لا دو تاکہ یہ نہا کر اپنا حلیہ درست کر لے۔ ویسے تم اس کی فکر مت کرو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

''تم اسے ساتھ لے کر آئے ہو تو میں کیوں پریشان ہونے لگا۔'' بوٹے کندھے اچکاتا ہوا دو کمروں پر مشتمل اس عمارت کی طرف چلا گیا۔

''چلو کپڑے اتار کر پمپ کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ میں ہینڈل چلاتا ہوں۔'' جگت سنگھ نے کہا۔

میں کچھ جھجکا مگر میں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور بیگ تخت پر رکھ کر کپڑے اتار دیئے اور ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھ گیا۔ جگت سنگھ پمپ کا ہینڈل چلاتا رہا اور میں اپنے بدن پر لتھڑا ہوا کیچڑ دھوتا رہا۔

بوٹا کمرے سے ایک دھوتی اور کرتا بھی لے آیا۔ اس نے پہلے دھوتی میری طرف اچھال دی۔

میں نے دھوتی لپیٹ کر اس کے ہاتھ سے کرتا بھی لے کر پہن لیا اور اپنا بیگ اٹھا کر اسے بھی پمپ کے نیچے رکھ کر ہینڈل چلانے لگا تاکہ اس پر لگا ہوا کیچڑ صاف ہو جائے۔

ہم لوگ ایک کمرے میں آ گئے۔ بوٹا باہر درخت پر ٹنگی ہوئی لالٹین بھی اتار لایا تھا۔ اس نے لالٹین کمرے کے ایک کونے میں رکھ دی۔

اس کمرے میں ایک جھلنگا سی چارپائی کے علاوہ دو ساخوردہ سی کرسیاں بھی تھیں۔ دوسرے کمرے کا ایک دروازہ اندر سے بھی تھا جو کھلا ہوا تھا۔ اس کمرے میں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال نظر آ رہی تھی۔ تاہم سامنے والی دیوار کے ساتھ لکڑی کی ایک الماری بھی دکھائی دے رہی تھی۔

بوٹا دوسرے کمرے سے ایک تھرماس اور تین پیالیاں اٹھا لایا اور تھرماس کھول کر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

"وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے۔ پروگرام کیا ہے؟" بوٹے نے ایک ایک پیالی ہماری طرف بڑھاتے ہوئے جگت سنگھ سے پوچھا۔

"گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ لوگ آج نہیں آ سکیں گے۔" جگت سنگھ نے جواب دیا۔ "بیدیاں والی کی طرف کسی جگہ فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ میرا خیال ہے ٹرک واپس چلے گئے ہوں گے۔ میں تو موقع پا کر نکل آیا۔ اس بندے کو اس طرف پہنچانا تھا۔ اس کی ساتھی بارڈر پر زخمی ہو کر پکڑی گئی۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہو گا۔"

ہم چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ اس دوران جگت سنگھ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ دو تین دن بعد سرحد پار واپس چلا جائے گا۔

"ارے ہاں یار جگت سنگھ۔" میں نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس کچھ بھارتی کرنسی ہے جو اب پاکستان میں تو میرے کام نہیں آئے گی وہ رقم میں تمہیں دے دیتا ہوں۔ انڈیا جا کر عیش کرنا۔"

میں تھیلا کھول کر بھارتی کرنسی نوٹوں کے بنڈل نکال نکال کر اس کے سامنے رکھنے لگا۔ نئے بنڈل دیکھ کر ان دونوں کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ایک بنڈل کے ساتھ سونے کا ایک بھاری سیٹ بھی تھیلے سے نکل کر چارپائی پر گر گیا۔ جسے میں نے جلدی سے اٹھا کر دوبارہ تھیلے میں ڈال لیا۔ ان دونوں نے ایک بار پھر معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ میں نے جو رقم تھیلے سے نکال کر ان کے سامنے رکھی تھی وہ پانچ لاکھ روپے سے کم کسی طرح بھی نہیں تھی۔ مجھے تو ان کے سامنے زبان ہی نہیں کھولنی چاہئے تھی۔ نوٹوں کے یہ بنڈل کھیتوں میں کہیں پھینک دیتا تو اس سے نجات مل جاتی لیکن یہ ایک سنگین غلطی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کی نظریں اب میرے تھیلے پر لگی ہوئی تھیں۔

"اس تھیلے میں کیا مال بھرا ہوا ہے باؤ۔" بوٹے نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "لگتا ہے انڈیا میں کوئی لمبا ہاتھ مار کر آئے ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے بوٹا صاحب۔" میں نے تھیلا پیچھے ہٹا لیا۔ "یہ انڈیا میں میری حلال کی کمائی

ہے۔ کئی سال میں جمع کی ہے۔ امرتسر میں ایک چھوٹا سا جرم سرزد ہو گیا پولیس میرے پیچھے لگ گئی۔ میں یہ کرنسی تبدیل کرانا چاہتا تھا لیکن موقع نہیں ملا۔ اب یہ میرے لیے بیکار ہے۔"

"اور اس تھیلے میں کیا ہے؟" بوٹا نے پھر کہا۔ "لگتا ہے تم نے انڈیا میں زیور بھی بہت سارے جمع کر لیے تھے۔"

"کچھ زیور خریدنے کا موقع مل گیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور تھیلا اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔

ان دونوں کی نظروں کو دیکھ کر اب میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔

"اچھا بھئی۔ خوش رہو۔" بوٹا نے کہا۔ "تم نے یہ رقم ہمیں دے دی ہے بڑی مہربانی ہے تمہاری یاد کریں گے تمہیں۔ اچھا بھئی اب رات کافی ہو چکی ہے۔ میں تو سونے جا رہا ہوں اور میرا مشورہ ہے کہ تم لوگ بھی سو جاؤ۔" وہ اس چارپائی پر لمبا ہو گیا۔

"تم اس کمرے میں سو جاؤ۔ میں یہیں بوٹے کے ساتھ ٹک جاتا ہوں۔" جگت سنگھ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں اٹھ کر اندر والے کمرے میں آ گیا۔ جھلنگا سی چارپائی پر کھیس بچھا ہوا تھا۔ میں نے بیگ کو سرہانے کے نیچے رکھ لیا اور لیٹ گیا۔ اس کمرے میں لالٹین نہیں تھی۔ دوسرے کمرے سے مدھم سی روشنی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

ان دونوں کی باتوں اور نظروں کے تیوروں سے میں ان کی طرف سے کچھ مشکوک ہو گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن بستر پر لیٹتے ہی میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور میں کوشش کے باوجود اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ سکا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا کہ آہٹ سن کر میری آنکھ کھل گئی اور پھر مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بوٹا بیچ والے دروازے میں کھڑا تھا اور جگت سنگھ میری چارپائی کے قریب جھکا سرہانے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

میں نے سانس روک لیا اور پھر بڑی تیزی سے دونوں ٹانگیں سمیٹ کر پوری قوت سے جگت سنگھ کے سینے پر رسید کر دیں۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا اور لڑکھڑاتا ہوا بیچ والے دروازے میں کھڑے ہوئے بوٹے سے ٹکرا گیا۔

میری یہ حرکت ان دونوں کے لیے قطعی غیر متوقع تھی۔ وہ تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ میں گہری نیند میں ہوں گا اور وہ میرے سرہانے کے نیچے سے تھیلا نکال لیں گے۔ ان کی بدقسمتی کہ میری قسمت اچھی تھی کہ معمولی سی آہٹ سے بھی آنکھ کھل گئی تھی۔ دراصل پچھلے چند مہینوں کے دوران میں جس قسم کے حالات سے دوچار رہا تھا اس سے میں بہت محتاط ہو گیا تھا اور یہ میری چھٹی حس ہی تھی جس نے مجھے نیند میں بھی خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

میں اچھل کر چارپائی سے اتر گیا۔ تکیے کے نیچے سے تھیلا نکال کر اس کا اسٹریپ ہاتھ میں لپیٹا اور ان دونوں کی طرف چھلانگ لگا دی۔

وہ دونوں ابھی سنبھل نہیں پائے تھے۔ میں نے جگت سنگھ کو ایک زوردار لات رسید کر دی۔ وہ

بوٹے کو ساتھ لیتا ہوا دوسرے کمرے کے فرش پر گرا۔ گرتے ہوئے بوٹے کا سر ایک کرسی سے ٹکرا گیا تھا۔ اس کے منہ سے پہلے ہلکی سی چیخ اور پھر ایک موٹی سی گالی نکل گئی۔

جگت سنگھ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اسے ایک اور لات رسید کر دی۔ اس مرتبہ اس کا سر بوٹے کے سر سے ٹکرایا اور اس وقت دونوں کے منہ سے بیک وقت کراہیں خارج ہوئیں۔

باہر والا دروازہ بند تھا۔ میں نے زنجیر گرانے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو بوٹے نے میری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی۔ میں نے گھوم کر دوسرے پیر کی ٹھوکر اس کے جبڑے پر رسید کر دی۔

میں یہاں اس مختصر سے کمرے میں ان سے محاذ آرائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہادری دکھانے کا موقع نہیں تھا۔ ایسی کوئی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ بھارت میں تو میں مار دھاڑ کرتا ہوا بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ایسا نہ ہو کہ اپنے ملک میں آ کے ہی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

میں نے پہلے ان دونوں کے پاس پستول دیکھے تھے اور مجھے حیرت تھی کہ اس وقت کسی نے پستول کیوں نہیں نکالا تھا۔ شاید یہ سوچ ہو گا کہ وہ دو تھے اور مجھ پر قابو پا لیں گے۔

اس مرتبہ جگت سنگھ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے سیدھے ہاتھ میں لپٹا ہوا تھیلا گھما دیا۔ چھن کی آواز ابھری۔ تھیلا اس کے منہ پر لگا اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

میں نے زنجیر گرا کر دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ کمرے سے نکلتے ہی میں نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ درختوں سے نکل کر میں کھلی جگہ پر پہنچ گیا۔ آگے بنے کی ڈھلان تھی۔ میں اس طرف دوڑتا چلا گیا۔

دفعتاً فضا فائروں کی آواز سے گونج اٹھی۔ بیک وقت تین چار گولیاں چلائی گئی تھیں لیکن میں رکے بغیر ڈھلان پر دوڑتا چلا گیا۔

☆…☆…☆

ظہیر کمانڈو کی ایڈونچرز سے بھرپور یہ آپ بیتی ابھی جاری ہے بقیہ واقعات کیلئے حصہ پنجم ملاحظہ فرمائیں

ایک پراسرار ہستی کی حیرت انگیز خودنوشت

فرہادی

مافیا
5
بال کاظمی

پتھر کی طرح سخت موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

میرے ایک ہاتھ میں تھیلا تھا اور دوسرے ہاتھ سے میں نے دھوتی سنبھال رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے دوڑنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ دھوتی بھی سفید تھی اور کرتا بھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ تاریکی میں چلائی جانے والی کوئی گولی مجھے تلاش نہ کر لے۔

میں بے تحاشہ دوڑتا چلا گیا۔ میرے جسم کی تمام تر قوت ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔ موت کے سائے جب تعاقب میں لگے ہوں تو بدن کے ہر حصے کی قوت ٹانگوں ہی میں سمٹ آتی ہے۔

ٹیلے کی ڈھلان ختم ہوئی۔ آگے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بھی فائرنگ کرتے ہوئے ڈھلان پر پہنچ چکے تھے۔ میں ایک کھیت میں گھس گیا اور پگڈنڈی پر دوڑتا چلا گیا۔

فائرنگ اب نہیں ہو رہی تھی۔ پانچ چھ کھیتوں کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں رک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ صرف ایک ہیولہ دوڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ بوبنا تھا۔ بوبنا کا قد اتنا لمبا تھا کہ گیہوں کی فصل میں بھی تین فٹ اوپر نکلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میرے سامنے ایک چھوٹی سی ندی تھی جس کا پاٹ تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ میں چھلانگ لگا کر دوسری طرف پہنچ گیا اور ایک بار پھر پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا۔

وہ لوگ اب بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

رات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ تاریکی دم توڑنے لگی اور فضا میں بہت ہلکا سا اجالا پھیلنے لگا۔ میں اب بستی سے بہت دور نکل آیا تھا۔ بالآخر ایک جگہ ٹاہلی کے درختوں کے نیچے رک گیا۔ کچھ دیر تک ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ میری سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی اور منہ سے کف بہہ رہا تھا۔

اپنی حالت کو سنبھالنے میں تین چار منٹ لگ گئے۔ میں نے کرتے کی آستین سے ہونٹ پونچھے اور اپنی پنڈلی کے زخم کا جائزہ لینے لگا۔ زخم اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس طرح بے تحاشہ دوڑنے سے خون بہنے لگا تھا۔ میں نے دھوتی کا ایک کنارہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھ لی اور پیروں کو دیکھنے لگا۔ ننگے پیر دوڑتے ہوئے میرے پیر بھی کیچڑ میں لتھڑ گئے تھے۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ دن کی روشنی اب پھیلنے لگی تھی۔ میں نے اٹھ کر اطراف میں ادھر ادھر

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— 60/- روپے

دیکھا۔ سامنے بہت دور کوئی چھوٹی سی بستی نظر آ رہی تھی اور ظاہر ہے میں اس بستی کا رخ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بوٹا اور جگت سب سے پہلے مجھے کسی بستی ہی میں تلاش کریں گے۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ بستی کونسی ہے اور میں اس وقت کہاں ہوں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کس طرف جانا چاہیے۔

میں ایک بار پھر درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس بھاگ دوڑ نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔ نیند سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ پچھلے کچھ عرصے کے دوران میں جن حالات کا شکار رہا تھا ان میں سختیاں اٹھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ میں کئی کئی راتیں جاگ کر گزار دیتا تھا لیکن آج نجانے کیا بات تھی کہ نیند مجھ پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی اور میں زیر ہوا جا رہا تھا۔

دفعتاً ایک آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت دھوپ پھیل چکی تھی۔ میں سر جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ کسی ٹریکٹر کی آواز تھی۔ میں نے بڑی احتیاط سے اٹھ کر اطراف میں دیکھا۔ وہ ایک ٹریکٹر ٹرالی تھی جو بائیں طرف سے آ رہی تھی۔ ٹرالی پر بھسے (مویشیوں کا چارہ) لدا ہوا تھا۔ اس ٹریکٹر ٹرالی کا رخ میری طرف ہی تھا لیکن ظاہر ہے وہ سیدھی میری طرف ہی نہیں آ رہی تھی۔ مجھ سے تقریباً پچاس گز آگے کھیتوں میں ایک کشادہ راستہ تھا اور ٹریکٹر ٹرالی اس راستے پر جا رہی تھی۔

ٹریکٹر پر صرف ایک ہی آدمی تھا جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ٹرالی پر اوپر تک بھسے لدے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے علاوہ ٹرالی پر کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ یہ ٹرالی یقیناً کسی منڈی ہی میں جا رہی تھی اور مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں لیکن یہ ٹرالی مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا سکتی تھی جہاں سے میں اپنی منزل کا تعین کر سکوں۔

ٹرالی ابھی کافی دور تھی۔ میں جھک کر کھیتوں میں چلتا ہوا اس راستے کے قریب پہنچ گیا جہاں سے ٹرالی کو گزرنا تھا۔ میں پودوں میں چھپا بیٹھا رہا اور ٹرالی جیسے ہی میرے سامنے سے گزری میں کھیت سے نکل کر دوڑتا ہوا ٹرالی کے پیچھے پہنچ گیا۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ پیچھے اوپر رکھے ہوئے گٹھے رسے سے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے دوڑتے ہوئے رسے کو پکڑا اور اچھل کر اوپر چڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد ہی میں گٹھوں کے اوپر لیٹا ہوا تھا۔ ڈرائیور کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کوئی اور بھی اس کی ٹرالی پر سوار ہو چکا ہے۔

دھوپ ابھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ ویسے بھی آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سورج کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی سنہری کرنیں چمکنے لگتیں۔

راستہ ناہموار تھا۔ ٹرالی کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ مجھ پر ایک بار پھر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور میں سو گیا۔

ایک زوردار جھٹکا لگنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سنبھل کر ادھر ادھر دیکھا ٹرالی نہر کے پل کے پاس رک گئی تھی۔ یہ ایک پکی سڑک تھی اور پل کے ایک طرف درختوں کے نیچے چار چھوٹی چھوٹی دکانیں نظر آ رہی تھیں۔ ٹریکٹر کا انجن بند ہو چکا تھا۔

میں بڑی احتیاط سے دوسری طرف سے ٹرالی سے اتر گیا اور پیچھے کی طرف ہٹتا ہوا نہر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ یہ ایک بڑی نہر تھی۔ اس کا پاٹ تیس چالیس فٹ سے کم نہیں تھا۔ پانی گدلا تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھوئے اور پھر پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ نہر کے پل کے دوسری طرف بھی ایک ٹرالی کھڑی تھی اور اس پر بھی بھسے لدے ہوئے تھے۔ چائے کی دکان کے سامنے بان کی چارپائیوں پر تین چار آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں وہ ڈرائیور بھی تھا جس کی ٹرالی پر میں نے سفر کیا تھا۔

میں نہر میں پیر لٹکائے بیٹھا رہا۔ بیس پچیس منٹ بعد دونوں ٹرالیاں وہاں سے چلی گئیں۔ اب چائے کی دکان پر صرف دو آدمی رہ گئے تھے۔ وہ دونوں دیہاتی ہی تھے۔

میں اٹھ کر سیدھے قدم اٹھاتا ہوا پل پر آ گیا۔ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر چائے کی دکان کی طرف چلنے لگا۔ مجھے اس وقت چائے کی بڑی شدید طلب ہو رہی تھی لیکن میرے پاس پیسے نہیں تھے اور ظاہر ہے ایک کپ چائے پینے کیلئے میں تھیلے میں سے کوئی زیور نہیں نکال سکتا تھا۔

میرا حلیہ اس وقت بڑا عجیب سا تھا۔ بکھرے ہوئے لمبے بال، سکھوں کی طرح بڑھی ہوئی داڑھی، میلا سا کرتا اور دھوتی اور برہنہ پا مجھے بڑی آسانی سے بھکاری سمجھا جا سکتا تھا اور میں نے اپنے اس حلیے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں چائے کی دکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر دکان دار چیخ اٹھا۔

"اوئے پتلی بھاگ یہاں سے آ گیا سویرے سویرے۔ دن چڑھتے ہی نکل کھڑے ہوتے ہیں۔"

"اوئے فتحے کیوں ڈانٹ رہا ہے بیچارے کو۔" چارپائی پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ "دعائیں لیا کر غریبوں کی۔ ایک گلاس چائے پلا دے اس کو۔ کوئی گھاٹا نہیں پڑ جائے گا تجھے۔ چل پیسے میں دے دوں گا۔"

"کھانے والی گل نہیں ہے چوہدری۔" دکان والے نے کہا۔ "اس کو ایک گلاس چائے دے دوں گا تو دو اور کہیں سے نکل آئیں گے۔"

"اللہ کے نام پر دے دیا کر یار۔" چوہدری نے کہا۔ "پیسے مجھ سے لے لینا اور اس کو ایک پاپے کا بنڈل بھی دے دے۔ بھوکا ہوگا بیچارہ۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں بھوکا تو ضرور تھا مگر بیچارہ ہرگز نہیں تھا۔ اگر چوہدری جی کو پتہ چل جاتا کہ اس بیچارے کے تھیلے میں لاکھوں روپے مالیت کے طلائی زیورات بھرے ہوئے ہیں تو شاید وہ اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتا۔

دکان والے نے چائے کا گلاس اور پاپے کا ایک بنڈل مجھے دے دیا۔ میں چارپائیوں سے ذرا ہٹ کر درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور چائے کے گھونٹ لے لے کر پاپے کھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نہر کے ساتھ والی سڑک سے ایک ریڑھا بھی وہاں آ گیا۔ اس پر بھوسا لدا ہوا تھا۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے دونوں چوہدری اس ریڑھے پر بیٹھ کر چلے گئے۔ میرے چائے ختم کرنے سے پہلے ہی اس

دوسروں کی نظروں سے چھپنے کیلئے جگہ تو مل گئی تھی لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ دن بھر بھوکا رہنا پڑے گا۔ میرے دماغ پر ایک بار پھر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں نے تھیلے کو سرہانے کی طرح سر کے نیچے رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ میں دوڑتے دوڑتے گر پڑا تھا اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ایک عجیب سا شور تھا میں نیند میں کسمسایا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میرا جسم واقعی پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں جس جگہ لیٹا تھا وہاں دھوپ آ گئی تھی۔ میں نے اوپر دیکھا سورج سر پر چمک رہا تھا اور میرے دماغ میں وہ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ تھیلا اٹھا کر سائے میں آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دھماکوں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو سہلایا لیکن وہ آوازیں ختم نہیں ہوئیں اور تب مجھے احساس ہوا کہ وہ دھماکے میرے دماغ میں نہیں جنگل میں کسی جگہ ہو رہے تھے۔

کوئی آدمی جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا اور وہ آوازیں موٹی شاخوں پر کلہاڑا چلانے کی تھیں۔

میں نے تھیلا کندھے پر لٹکا لیا اور اس آواز کی طرف چلنے لگا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی وہ ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا سا آدمی تھا جو کیکر کے ایک سوکھے ہوئے درخت پر کلہاڑا چلا رہا تھا۔ میں درختوں کی آڑ میں چھپا اس طرف دیکھتا رہا اور جب اس ایک شخص کے علاوہ آس پاس کوئی اور دکھائی نہیں دیا تو میں درختوں کی آڑ سے نکل کر اس طرف چل پڑا۔

میں ابھی چند گز دور ہی تھا کہ اس شخص نے مجھے دیکھ لیا۔ اس کا ہاتھ رک گیا۔ شاید میرے حلیے نے اسے کچھ پریشان کر دیا تھا۔ اس نے کلہاڑا دونوں ہاتھوں میں اس طرح پکڑ رکھا تھا جیسے کسی بھی لمحہ مجھ پر حملہ کر دے گا۔

"ڈرو نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں۔ تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

اس نے مجھے نہتا دیکھ کر کلہاڑا تو نیچے کر لیا لیکن اس کی آنکھوں میں شدید قسم کی الجھن بدستور تھی۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا بائیں طرف ٹاہلی کے درخت کے تنے کے قریب ایک چھوٹی سی مٹکی رکھی ہوئی تھی اور درخت کی شاخ پر ایک پوٹلی لٹکی ہوئی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ گیا۔

جھک کر مٹکی اٹھائی اس میں پورا پانی تھا۔ میں نے مٹکی منہ سے لگا لی اور اسے ہونٹوں سے اسی وقت الگ کیا جب تک میری پیاس نہیں بجھ گئی تھی۔

میں نے مٹکی نیچے رکھ دی اور اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو میرے قریب آ گیا تھا۔

"معاف کرنا یار" میں نے کہا۔ "بڑے زور کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ تم سے پوچھے بغیر پانی پی لیا۔"

"کوئی گل نہیں جی۔ پانی کی کیا بات ہے۔" وہ شخص بولا۔ "ویسے تم کون ہو بھلا کہاں سے آیا ہے...

رہے ہو۔ تم ادھر کے رہنے والے تو نہیں لگتے۔"

"رہنے والا تو میں ادھر کا ہی ہوں پر اجنبی بن گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ وہ میری بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی تھی۔ "ویسے تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟"

وہ مصلی تھا مجھے یاد آ گیا کہ گاؤں کے دوسری طرف تین چار سو گز کے فاصلے پر مصلیوں کے چند جھونپڑے تھے۔ یہ لوگ برسوں سے وہاں رہ رہے تھے۔ شاید ہمارے بزرگوں کے وقت سے وہاں آباد تھے مگر ان کے جھونپڑوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کے ہاں کوئی لڑکا جوان ہوتا تو نوکری کی تلاش میں شہر چلا جاتا۔ قصور شہر اور اس کے نواح میں واقع چمڑے کی فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کی زیادہ تعداد مصلیوں پر ہی مشتمل تھی۔ جو مصلی گاؤں کے قریب جھونپڑوں میں رہائش پذیر تھے وہ گاؤں میں کھیت مزدوری کا کام کرتے تھے۔ فصل کی کٹائی کے وقت بھی یہی لوگ کام کرتے تھے۔ کالو بھی اسی مصلی کا تعلق بھی اسی بستی سے تھا۔

"میرا ایک کام کر یار کالو" میں نے تقریباً ایک گھنٹے کی گفتگو کے بعد اسے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔ "محمد رمضان کو جانتے ہو نا؟"

"رمضان وہی نا جس کے سامنے کا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔" کالو بولا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ اس کا دانت ٹوٹا ہے اور یہ دانت کب اور کیسے ٹوٹا تھا لیکن..."

"اس کی بیوی نرگس نے مکا مار کر دانت توڑا تھا اس کا۔" کالو نے میری بات کاٹ دی۔

"تو پھر وہی ہوگا۔ اس کی بیوی کا نام نرگس ہی ہے۔" میں نے کہا۔ "تو نے نرگس کو میرا ایک پیغام دینا ہے مگر اس طرح کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔"

"بات تم رمضان کی کر رہے تھے اور پیغام اس کی بیوی کو دینا چاہتے ہو کیا چکر ہے۔" وہ مجھے گھورنے لگا۔

"کوئی چکر نہیں یار۔ وہ میرے گاؤں کی رہنے والی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا۔ یہ بات ہے۔" کالو کا لہجہ معنی خیز تھا۔ "اس لئے تو میں کہتا تھا کہ وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے رائیونڈ کیوں بھاگی جاتی ہے۔ تم بھی رائیونڈ سے ہی آئے ہو نا؟"

"آیا تو میں رائیونڈ سے ہی ہوں لیکن وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے جواب دیا اور پھر کالو کو سمجھانے لگا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

کالو کی باتوں سے یہ عجیب انکشاف بھی ہوا کہ رائیونڈ میں نرگس کا کوئی معشوق چل رہا ہے۔ شادی کو اگرچہ کئی سال ہو چکے تھے لیکن یہ بات ختم نہیں ہوئی تھی اور اب بھی اپنے عاشق سے ملنے رائیونڈ جاتی رہتی تھی۔

اس وقت چار بجنے والے تھے۔ دھوپ اگرچہ اب بھی بہت تیز تھی لیکن درختوں کے سائے میں گرمی کی شدت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جی بھائی۔" کالو نے میری مٹھی میں جان کر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اسے لے کر آؤں گا اور تم یہیں رہنا کہیں ادھر ادھر مت ہو جانا۔"

"میں ادھر کھنڈروں میں ہوں گا۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "اور تم پانی کی یہ مٹکی یہیں چھوڑ جاؤ۔ نرگس سے کہنا کہ میرے لئے کچھ کھانے کو بھی لے آئے۔"

"یار تم نے پہلے نہیں بتایا۔ مجھے بھی باتوں میں خیال نہیں رہا۔" اس نے کہتے ہوئے اٹھ کر درخت کی شاخ پر لٹکی ہوئی پوٹلی اتار لی۔ "میں اپنے لئے روٹی لے کر آیا تھا۔ لو یہ تم کھا لو اور اب میں چلتا ہوں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد آؤں گا۔ نرگس کو ساتھ لے کر۔"

اس نے پوٹلی میرے سامنے رکھ دی۔ اپنا کلہاڑا اٹھایا اور میری طرف دیکھتا ہوا ندی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

مجھے اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے پوٹلی کھول لی۔ اس میں دو روٹیاں تھیں اور آم کا اچار تھا۔ مصلیوں کو نیچ ذات سمجھا جاتا ہے۔ گاؤں دیہاتوں میں تو پھر بھی ان سے اوپر کے کام کروا لئے جاتے ہیں لیکن عام طور پر انہیں اچھوتوں کی طرح دور ہی رکھا جاتا ہے۔ میرے والد تو ان لوگوں کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے اور میں ایک مصلی کے گھر کی پکی ہوئی روٹی کھا رہا تھا۔

روٹی کھا کر میں نے پانی پیا۔ گھڑا وہیں درخت کی ایک شاخ پر لٹکا دیا اور مٹکی اٹھا کر کھنڈروں میں آ گیا۔

کالو مصلی کو میں نے اپنے بارے میں بتا دیا تھا کہ بچپن میں سکول نہ جانے پر باپ کی مار کھا کر ایک روز میں گھر سے بھاگ گیا تھا اور اب میں کئی سال بعد آیا ہوں مگر فی الحال گاؤں والوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔

کالو مصلی نے اس طرح سر ہلایا تھا جیسے اس نے میری کہانی پر یقین کر لیا ہو لیکن میرے خیال میں وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ میں نے اپنا نام بتا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ میں گاؤں کی مسجد کے پیش امام کا بیٹا ہوں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نہ بتانے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ یقیناً سمجھ گیا ہوگا کہ میں درحقیقت کون ہوں۔

مجھے بہر حال رسک تو لینا ہی تھا۔ کالو مصلی کو میں نے ایک معقول رقم کا لالچ دیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ فی الحال مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

سورج ڈھل جانے کے بعد گرمی کی شدت میں بڑی حد تک کمی آ گئی تھی۔ میں کھنڈروں میں زمین پر لیٹا وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ بالآخر سورج غروب ہو گیا اور شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔

اندھیرا بتدریج گہرا ہوتا گیا۔ میرے کان کسی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ ہوا سے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز بھی سنائی دیتی تو میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگتا۔

وقت گزرتا رہا اور میری بے چینی بڑھتی رہی۔ گاؤں کی طرف سے عشاء کی اذان کی آواز سنائی دی تو میری پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔ دل میں طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ نرگس نے کالو مصلی کی بات پر یقین کیا تھا یا نہیں؟ یا کالو نے تو مجھے کسی جال میں پھانسنے کی کوشش نہیں کی۔

آدھا گھنٹہ اور گزر گیا اور پھر جنگل میں جھاڑیوں کے چٹخنے کی آواز سن کر میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ درختوں میں مدھم سی روشنی بھی حرکت کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ غالباً پنسل ٹارچ

تھی جس کا ہالہ ادھر ادھر گردش کر رہا تھا۔

روشنی کے اس مدھم سے ہالے کے پس منظر میں دو انسانی ہیولے حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں بڑی آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک شکستہ دیوار کی آڑ میں چھپ گیا تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست کر سکوں۔

وہ دونوں سائے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رک گئے۔ روشنی کا ہالہ ادھر ادھر حرکت کر رہا تھا اور پھر ایک سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔ وہ کالو مصلی کی آواز تھی۔ میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا کوئی اور نہیں ہے تو میں آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔

وہ نرگس تھی۔ پنسل ٹارچ کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے کے نقوش صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے اگرچہ اسے خاصے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا لیکن اسے پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ ذرا بھی نہیں بدلی تھی لیکن مجھے دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟" وہ بولی۔ "کہاں غائب رہے تم اتنا عرصہ؟"

"یہاں میں تفصیل سے بات نہیں کر سکتا۔" میں نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے کالو کی طرف دیکھا۔ "میں فی الحال گاؤں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ کوئی ایسی جگہ جہاں ایک دو دن......"

"ہاں..... ایسی جگہ ہے چلو میرے ساتھ۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

ہم تینوں ٹارچ کی روشنی میں جنگل سے باہر نکل آئے۔ ندی کا پل پار کر کے نرگس رک گئی۔

"کالو تم اپنے گھر جاؤ۔ میں کل تم سے ملوں گی اور کسی کو پتہ نہ چلے کہ......"

"فکر ہی نہ کرو نرگس بی بی۔" کالو نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ تم سے کوئی ملنے آیا تھا۔"

کالو مصلی دوسری طرف مڑ گیا اور میں نرگس کے ساتھ دوسری طرف چلنے لگا۔ ہم گاؤں کے اوپر سے ہوتے ہوئے کھیتوں کی طرف نکل گئے اور آخر کار مویشیوں کے ایک باڑے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

"تمہیں یاد ہے پہلے یہاں پر چودھری شریف کا ڈیرہ ہوا کرتا تھا۔" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے آگے ایک پکا ڈیرہ بنا لیا ہے جو گاؤں کے قریب ہی بنایا ہے۔ یہ جگہ اب ویران رہتی ہے۔ یہاں رمضان بھی کبھی کبھی مویشی باندھ لیا کرتا ہے۔ اتفاق سے پچھلے چار پانچ دن سے وہ یہیں مویشی باندھ رہا ہے۔"

"یہاں کون ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"رمضان اکیلا ہی ہوتا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔

ہم باڑے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ چار دیواری کے اندر سے کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ کتا اندر سے دوڑتا ہوا لکڑی کے گیٹ کے قریب آ کر رک گیا تھا۔ نرگس نے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھی لالٹین اٹھائے ہوئے اس طرف آتا دکھائی دیا۔

"کون ہے بھئی؟" اس کی مریل سی آواز سنائی دی۔

"میں ہوں گیٹ کھول۔" نرگس نے جواب دیا۔

گیٹ زیادہ اونچا نہیں تھا۔ رمضان نے قریب آ کر لالٹین اوپر اٹھائی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس نے لالٹین نیچے کر لی اور اندر سے گیٹ کا کنڈا کھول دیا۔

"کس کو ساتھ لے آئی تو...... کون ہے یہ؟" اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے پوچھا۔ اس کے قریب کھڑا ہوا کتا میری طرف منہ اٹھائے غرانے لگا۔ نرگس نے اسے ایک لات مار دی۔ کتا چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔

"اندر چلو۔ بتاتی ہوں یہ کون ہے؟" نرگس نے جواب دیا۔

باڑے میں دو تین بیل اور پانچ چھ بھینسیں بندھی ہوئی تھیں ہم ان کے قریب سے گزرتے ہوئے پچھلی طرف ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ باڑے میں یہ پکی عمارت غالباً تین کمروں پر مشتمل تھی اور یہ ایک کمرہ رہائش کیلئے استعمال ہو رہا تھا۔ کمرے میں دو جھلنگا سی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک پر تو میلا سا کھیس بچھا ہوا تھا جبکہ دوسری چارپائی پر کچھ نہیں تھا۔

"تم یہاں بیٹھو میں گھر سے روٹی اور تمہارے لئے کچھ چیزیں لے کر آتی ہوں۔" نرگس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ایک چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر رمضان کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تو نے اسے پہچانا نہیں جانے۔ یہ تاجی ہے خالہ کلثوم کا بیٹا جو......"

"اوہ" رمضان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اسے یہاں کیوں لے آئی ہو اگر پولیس کو پتہ چل گیا تو......"

"اگر تم نے گاؤں کے کسی شخص کو اس کے بارے میں بتایا تو اس کا تو شاید کچھ نہ بگڑے لیکن تمہیں میں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔" نرگس نے غراتے ہوئے کہا۔

رمضان سہم سا گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ اس کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹا ہوا تھا۔

"میں آدھے گھنٹے میں واپس آتی ہوں۔" نرگس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو اس کا منہ ہاتھ دھلا اور اپنا کھیس اسے دے دے۔"

اس مرتبہ رمضان نے زبان نہیں کھولی۔ نرگس میری طرف دیکھ کر مسکرا دی اور پھر مزید کچھ کہے بغیر باہر چلی گئی۔

میں بھی رمضان کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ دائیں طرف ذرا آگے دیوار کے ساتھ ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا۔ نل کے نیچے پختہ کھرا بھی بنا ہوا تھا۔ رمضان پمپ کا ہینڈل چلاتا رہا میں نے منہ ہاتھ دھو کر کیچڑ میں لتھڑے پیر بھی دھوئے اور رمضان کا کھیس لیا اور کمرے میں آ گیا۔

"میری بات کا برا مت ماننا تاجی۔" وہ میرے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ "تم نے یہاں واپس آ کر بڑی غلطی کی ہے۔ جب تم شجاع کو قتل کر کے قصور سے بھاگے تھے تو پولیس کئی بار یہاں آئی تھی۔ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن پولیس والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ تم ہمارے رشتے دار ہو۔ ہماری بلاوجہ جان ہوتی رہی۔ اب تم پھر یہاں آ گئے ہو۔ اگر گاؤں کے کسی بندے کو پتہ چل گیا تو پولیس کو بھی معلوم ہو جائے

میں دیر نہیں لگے گی۔ ہم ایک بار پھر مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"اس مرتبہ تم لوگ کسی مصیبت میں نہیں پھنسو گے۔" میں نے جواب دیا۔ "صرف ایک آدمی جانتا ہے کہ میں یہاں آیا ہوں۔ وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ ویسے میں صرف کل کا دن یہاں رہوں گا۔ کل شام سے پہلے پہلے یہاں چلا جاؤں گا۔"

"وہ کون ہے کس کو پتہ ہے تیرے بارے میں؟" رمضان نے پوچھا۔

"کالو مصلی۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"کالو مصلی۔" اس نے زیر لب یہ نام دہرایا۔ "اس کے پیٹ میں تو کوئی بات نہیں رہتی۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھے گا؟"

"ہاں۔" میں نے سر ہلا دیا۔ "اس کی فکر مت کرو۔ تم اپنا خیال رکھنا۔"

رمضان جواب دینے کے بجائے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد نرگس بھی واپس آ گئی۔ اس نے دو پوٹلیاں اٹھا رکھی تھیں۔ ایک میں کھانا بندھا ہوا تھا اور دوسری میں میرے لئے کپڑے تھے۔ اس نے دوسری پوٹلی کھول کر کپڑے میرے سامنے رکھ دیئے۔ شلوار اور کرتا تھا اور یہ غالباً رمضان کے کپڑوں میں سب سے بہترین جوڑا تھا جو وہ میرے لئے ساتھ لے کر آئی تھی۔ ان کپڑوں کے ساتھ ایک کھیس بھی تھا جو قدرے نیا تھا۔

"پہلے روٹی کھا لے پھر کپڑے بدل لینا۔" نرگس کہتے ہوئے دوسری پوٹلی کھولنے لگی۔

گاؤں دیہاتوں میں عام طور پر شام ہوتے ہی کھانا وغیرہ کھا لیا جاتا ہے۔ نرگس اور رمضان بھی کھانا کھا چکے تھے۔ رمضان تو روٹی کھا کر یہاں باڑے میں آ گیا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد نرگس کو میرا پیغام ملا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق کالو اگر اسے میرا نام نہ بتاتا تو وہ اس کے ساتھ کبھی رات کے وقت جنگل کی طرف نہ جاتی۔ کالو کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ نرگس پہلے تو میرے نام سے کچھ نہیں سمجھ سکی تھی لیکن کالو نے اسے یہاں تک بتا دیا تھا کہ میں کس کا بیٹا ہوں اور اس سے (نرگس سے) میرا کیا رشتہ ہے۔ یہ جاننے کے بعد ہی وہ کالو کے ساتھ جنگل کی طرف گئی تھی۔

میں کھانا کھاتا رہا اور وہ دونوں دوسری چارپائی پر بیٹھے میری طرف دیکھتے رہے۔ رمضان کے بارے میں تو میں پہلے بھی جانتا تھا کہ وہ بیوی سے دبتا تھا لیکن اب تو صورتحال دبنے کی حد سے بھی بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اس طرح سہما ہوا تھا جیسے چوہا بلی کو دیکھ کر سہم جاتا ہے۔

میں نے کھانا کھا لیا تو نرگس نے برتن سمیٹ کر پوٹلی باندھ دی اور اسے رمضان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ برتن گھر چھوڑ آ۔ چابی میں نے بکریوں کے شیڈ والے طاقچے میں رکھ دی تھی اور سن تیری زبان پر تالا لگا رہنا چاہئے۔ پنڈ کا کوئی بندہ مل جائے تو اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں ہوں اور ہم سے ملنے کون آیا ہے۔"

رمضان الجھی ہوئی نظروں سے کبھی نرگس اور کبھی میری طرف دیکھتا رہا۔

"سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا ہے؟" نرگس غرائی۔

رمضان نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوٹلی اٹھائی اور تنی ہوئی نظروں سے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"مگر کالو مصلی اس کے بارے میں جانتا ہے۔"
"اس کی تو فکر مت کر۔" نرگس نے کہا۔ "اور دیکھ..... واپس آنے میں جلدی مت کرنا۔ آرام سے آنا مگر غلام کی ہٹی پر جا کر مت بیٹھ جانا۔ کوئی بات تمہارے منہ سے نکل جائے گی۔"
رمضان گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ نرگس بھی اس کے پیچھے ہی گئی تھی۔ وہ باہر والا لکڑی کا گیٹ بند کر کے واپس آ گئی اور میری ہی چارپائی پر میرے سامنے بیٹھ گئی۔
میں نے پہلی مرتبہ غور سے اس کی طرف دیکھا۔ یہاں سے جا کر اس نے اپنے کپڑے بھی تبدیل کر لئے تھے۔
چند سال پہلے جب وہ بیوہ کر اس گاؤں میں آئی تھی تو اس کی عمر تیئس چوبیس سال کی ہو گی۔ عمر میں پانچ چھ سال کے اضافے نے اس پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ جوان اور بھرپور عورت لگ رہی تھی۔
"ہاں اب بتا تو اتنے عرصہ کہاں غائب رہا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سنا تھا لاہور میں بھی پولیس تیرے پیچھے لگی رہی تھی اور شجاع کی بیوی رضیہ تمہیں وہاں بھی مل گئی تھی جس کے ساتھ تو عیش کرتا رہا اور پھر اسے ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کے غائب ہو گیا تھا۔"
"اوہ۔" میں چونک گیا۔ شہر سے میلوں دور اس چھوٹی سی بستی میں رہنے والی عورت کی معلومات اتنی وسیع ہو سکتی ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ "تجھے یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا؟"
"میں قصور تو جاتی رہتی ہوں اور تم غلام علی کو تو جانتے ہو۔ ہمارا رشتے داری ہوتا ہے۔ وہاں اس کی کیاری کی دکان ہے۔ اس سے مجھے تیرے بارے میں معلوم ہو جاتا تھا۔ ویسے میں رضیہ کو بھی جانتی ہوں۔ دو مہینے پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بھی مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔"
"لاہور میں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "آج کل کچہرے میں رہ رہی ہے اور عیش کر رہی ہے؟"
"کس کے ساتھ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"رہتی تو اکیلی ہی ہے لیکن پتہ نہیں کن کن لوگوں سے اس کا ملنا جلنا ہے۔ شاندار کوٹھی ہے۔ کار ہے اور دولت کی بھی اس کے پاس کمی نہیں لگتی۔" نرگس نے جواب دیا۔
یہ میرے لئے سنسنی خیز اطلاع تھی۔ میں نے رضیہ کو جب ملتان کے ہوٹل چھوڑا تھا تو اس کے پرس میں سے بھی پیسے نکال کر لے گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ ہوٹل والوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو گی مگر نرگس تو ایک نئی کہانی سنا رہی تھی۔
"تم اسے کیسے جانتی ہو؟" میں نے نرگس کو گھورا۔
"جب تم قصور سے بھاگے تھے تو شہر کا بچہ بچہ اس سے واقف ہو گیا تھا۔ ان دنوں پولیس نے

بھی اسے بڑا تنگ کیا تھا اور وہ اپنا مکان بیچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اتفاق سے یہ مکان غلام علی نے ہی خریدا تھا۔ جس دن مکان کا سودا ہوا تھا میں بھی وہیں تھی اور اس طرح رضیہ کو پتا چل گیا تھا کہ میں تمہاری خالہ زاد ہوں۔ اس کے بعد بھی وہ ایک مرتبہ قصور آئی تھی اس وقت بھی میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور دو مہینے پہلے میں لاہور گئی تھی۔ وہاں انارکلی میں اس سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور مجھے کار میں بیٹھا کر اپنے گھر لے گئی تھی۔ میں دو دن اس کے پاس رہی تھی۔ اس وقت تیرے بارے میں اس نے سب کچھ بتایا تھا کہ تم کس طرح اسے ملتان کے ہوٹل میں چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے۔"
"اور وہیں سے میری بربادی شروع ہوئی تھی۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اس کے دو تین روز بعد مجھے اغوا کر کے ہندوستان پہنچا دیا گیا اور وہاں جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ بیان کرنے کیلئے کئی روز درکار ہیں۔ پچھلی رات میں نجانے کس طرح سرحد پار کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ میری ٹانگ میں گولی بھی لگی تھی۔ وہ تکلیف اب تک برداشت کر رہا ہوں۔" میں نے اسے اپنی پنڈلی کا زخم بھی دکھایا۔
"تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ زخم پر پٹی باندھ دیتی۔" نرگس بولی۔
"میں نے تو بڑے زخم کھائے ہیں۔ یہ تو بڑی معمولی سی خراش ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے سنا ہے کہ میرے جانے کے بعد پولیس تم لوگوں کو بھی پریشان کرتی رہی ہے لیکن آج میرا پیغام ملتے ہی تم فوراً ہی مجھ سے ملنے کیوں چلی آئیں۔ پچھلے حالات کو دیکھتے ہوئے تمہیں تو ملنے سے انکار کر دینا چاہئے تھا۔"
"میں تو اس زمانے میں بھی تجھ سے ملنا چاہتی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "اس کے بعد ایک دو مرتبہ رضیہ سے ملاقات ہوئی اور پھر دو مہینے پہلے رضیہ نے تیرے بارے میں بتایا تو دل میں کچھ اور توقع پیدا ہوئی لیکن پھر سوچا کہ شاید میرا یہ خواب بھی پورا نہ ہو۔ آج کالو مصلی نے تیرے بارے میں بتایا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں تو یہ بھی سمجھی تھی کہ شاید وہ مجھے دھوکے سے جنگل میں لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے لباس میں چھری بھی چھپا لی تھی۔" بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔
"ویسے یہ کالو مصلی کیسا بندہ ہے؟" میں نے پوچھا۔
"بڑا حرامی ہے۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن وہ تمہارے بارے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولے گا کہ چند روز پہلے میں نے کالو مصلی اور جانے کو مولوی جی کے گھر میں چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔"
"رمضان یعنی تمہارا شوہر؟" میرے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہاں۔" نرگس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "یہ جانا بھی ان مصلیوں کے ساتھ مل کر چوریاں کرتا رہتا ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ اس رات میں نے انہیں پکڑ لیا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "مولوی صاحب کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ اس روز گھر کے سب لوگ کپڑا لتا خریدنے لاہور گئے ہوئے تھے۔ گاؤں میں ایک اور شادی کی تیاریاں بھی ہو رہی تھیں اور میں آدھی رات کے وقت اس گھر سے واپس آ رہی تھی کہ مولوی جی کے گھر میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔" اس نے خاموش ہو کر گہرا سانس لیا پھر بولی۔ "یہ الگ بات ہے کہ میں نے کسی طرح ہمت سے کام لے کر انہیں للکارا اور کالو مصلی میرے

قابو آ گیا۔ میں نے اس کے چہرے سے ڈھاٹا اتار دیا تھا۔ دوسرا آدمی بھاگ گیا تھا مگر کالو مصلی نے بتایا کہ وہ جاتا ہے۔ اگر میں نے اسے (کالو کو) لوگوں کے حوالے کیا تو رمضان بھی نہیں بچ سکے گا۔ میں نے اسے بھی چھوڑ دیا اور جو چیزیں وہ چوری کر کے لے جا رہے تھے وہ واپس رکھوا دیں۔ بہرحال اس طرح یہ دونوں میرے قابو میں ہیں۔"

"اس لئے رمضان تم سے دبا ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

"صرف یہی وجہ نہیں ہے اس کے دبنے کی۔" نرگس نے کہا۔ "میری شادی کو پانچ چھ سال ہو چکے ہیں لیکن میں آج بھی اس طرح پیاسی ہوں جس طرح اس کے گھر میں آئی تھی۔"

"اوہ۔" میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس نے یہ بات بڑی بیباکی سے کہہ دی تھی لیکن پھر نظریں جھکا لیں۔ "تو پھر تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ کہیں اور بیاہ کر لو اس سے طلاق لے کر۔"

"میرے ماں باپ سب کچھ جانتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ اگر میں طلاق کا لفظ بھی زبان پر لائی تو وہ مجھ پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیں گے۔"

"تمہارے لئے تو کئی دروازے کھل سکتے ہیں۔" میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس مرتبہ اس کی نظریں نہیں جھکیں بلکہ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"کوئی میرا ساتھ دینے والا تو ہو۔" وہ بولی۔ "چوہدرانی کو بھی یہ بہت معلوم ہے وہ تو کہتی ہے کہ سسرال میں لڑکی کی ڈولی آتی ہے اور جنازہ نکلتا ہے مگر......"

"اگر میں ساتھ دوں تو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اسی لئے تو میں تیرا سندیسہ ملتے ہی دوڑی آئی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "جوانے سے مایوس ہونے کے بعد میں اگر چاہتی تو پنڈ کے کسی بھی مرد کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ یا کسی کے ساتھ بھاگ سکتی تھی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن اب میری نیت ڈانواں ڈول ہونے لگی ہے۔ تم میرے اپنے ہو۔ تم سے ایک رشتہ تو ہے خون کا رشتہ۔ میں تو آج بھی اسی طرح کنواری ہوں جس طرح اس گھر میں آئی تھی میں تو......"

میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہولے ہولے دبا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیرنے لگے۔ میں نے آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آ گری اور پھر مجھے بھی ہوش نہیں رہا کہ میں کس قسم کے سنگین حالات سے دوچار ہوں۔

نرگس بے سدھ سی پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کی پیاس شاید بجھ گئی تھی مگر میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔ میں نے باہر جا کر ہینڈ پمپ سے پانی پیا۔ کچھ دیر تازہ ہوا میں کھڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا اور پھر کمرے میں آ گیا۔ نرگس اب بھی چارپائی پر پڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

اس کے پندرہ بیس منٹ بعد ہم دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"اب تیرا کیا پروگرام ہے؟" نرگس نے پوچھا۔ "تو زیادہ دیر تو یہاں نہیں رہ سکتا۔ کسی نہ کسی کی

نظروں میں آ جائے گا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ دو مہینے پہلے رضیہ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔ "میرے بارے میں اس کے خیالات کیا تھے۔ کیا وہ مجھے دھوکے باز سمجھتی ہے۔"

"دھوکے باز تو سمجھتی ہے کیونکہ تو اسے دھوکا دے کر ہی بھاگا تھا لیکن اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر تو اب بھی اسے مل جائے تو وہ تجھے دل میں بٹھا کر رکھے گی لیکن میں تجھے اس کے بارے میں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گی۔ اس سے دور ہی رہنے کی کوشش کر تو اچھا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رضیہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے اب اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم چند روز اس کے پاس رہیں گے اور پھر اپنا کوئی بندوبست کر لیں گے۔ میرے پاس......" میں نے کہتے ہوئے تھیلا اس کے سامنے پلٹ دیا۔ "میرے پاس یہ زیورات ہیں۔ انہیں بیچنے کے بعد ہمیں کسی کی محتاجی نہیں رہے گی۔"

اتنے ڈھیر سارے زیورات دیکھ کر نرگس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"ہائے اللہ۔" اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ "کیا یہ سب اصلی ہیں۔" وہ زیورات اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"خالص سونے کے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ان میں جڑے ہوئے ہیرے بھی اصلی ہیں۔ ایک ایک زیور لاکھوں روپے کا ہے۔"

اس نے ایک لاکٹ اٹھا لیا۔ اس میں ایک انگوٹھے کے ناخن کے برابر بڑا اور چھوٹے چھوٹے لاتعداد ہیرے جڑے ہوئے تھے جو لالٹین کی روشنی میں بھی جگمگا رہے تھے۔ اس نے لاکٹ اپنے گلے سے لگا کر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

"ان کیلئے شوہر اور گاؤں تو کیا میں دنیا بھی چھوڑ سکتی ہوں۔" نرگس نے کہتے ہوئے ایک بھاری کنگن اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"دنیا چھوڑ دینے کے بعد یہ سب کچھ تیرے کسی کام کا نہیں رہے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے ڈراؤ نہیں۔" نرگس نے میری طرف دیکھا اور پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ "تم کتنے اچھے ہو۔ میں نے تو کبھی خواب میں بھی ایسی چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔ اماں ابا نے شادی پر جو چار چوڑیاں اور کانٹے دئے تھے وہ تو شادی کے بعد ایک سال کے اندر ہی اندر بک گئے تھے اور یہ...... یہ سب۔"

"یہ سب تم ابھی نہیں پہن سکتیں۔" میں نے کہا۔ "لاہور جا کر ہم ان میں سے کچھ چیزیں بیچ دیں گے اور باقی۔"

"باقی میں پہنوں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اور یہ لاکٹ تو میں کسی صورت نہیں بیچوں گی۔" اس نے کہتے ہوئے وہ لاکٹ دوبارہ اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور گلے میں پہن لیا۔ "کیسی لگ رہی ہوں۔" اس نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"بہت حسین۔" میں نے جواب دیا۔
اور پھر ٹھیک اس وقت باہر لکڑی کے گیٹ پر کسی کے کود نے بہت ہلکی سی آواز سنائی دی۔
"یہ چھپا لو۔ جلدی کرو۔" وہ اپنے گلے سے لاکٹ اتارتے ہوئے بولی۔ "وہ حرامی چوری چھپے اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔"
میں نے تکیے پر پھیلے ہوئے تمام زیورات سمیٹ کر تھیلے میں ڈال لئے۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ رمضان ہی ہو۔ کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے تھیلا تکیے کے نیچے رکھ دیا اور اٹھ کر دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ نرگس بھی اٹھ کر جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔
اور پھر باہر سے زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ رمضان ہی تھا جسے اس طرح دیوار کودتے پر نرگس ڈانٹ رہی تھی۔ اس وقت کسی بھینس کے ڈکرانے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔
وہ دونوں اندر آ گئے۔ میں بھی دروازے کے پیچھے سے نکل آیا۔ رمضان شک آمیز نظروں سے مجھے اور نرگس کو دیکھ رہا تھا۔
"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو مجھے۔" نرگس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔ "کوئی شک ہے میرے پر۔"
"م... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" رمضان ہکلا گیا۔
"خاموش رہنے میں ہی تیری بھلائی ہے۔" نرگس نے کہا۔ "میں اب جا رہی ہوں۔ صبح آؤں گی اور کل دن میں تمہیں یہاں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کوئی اس طرف نہ آئے۔"
"صبح سویرے گجر دودھ لینے یہاں آتے ہیں۔ میں انہیں کیسے روک سکوں گا۔" رمضان نے تیموں جیسی صورت بنا کر کہا۔
"اس وقت تو یہ اندر کمرے میں سویا ہوگا تم اس بات کا خیال رکھنا کہ ان گجروں میں سے کوئی اس کمرے کا رخ نہ کرے۔ ٹھیک ہے اب میں چلتی ہوں۔" نرگس نے کہا اور میری طرف دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
ہم دونوں بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئے۔ باہر والے گیٹ کے قریب نرگس نے موقع پا کر میرے کان میں سرگوشی کی۔
"اس کا خیال رکھنا۔ تھیلے پر اس کی نظر نہ پڑے۔"
وہ باہر جا کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کمرے میں آ گیا۔
رمضان بھی گیٹ بند کر کے اندر آ گیا تھا۔
"بڑی واہیات عورت ہے یہ بھی تمہاری یہ خالہ زاد بہن۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں اس کے ساتھ یہ کیا کروں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "اگر اپنے ہی اندر کمزوری نہ ہوتی تو اس کے چودہ طبق روشن کر دیتا۔"
"یہ بات تو ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مرد میں کمزوری ہو تو وہ اپنی عورت پر

بھی قابو نہیں پا سکتا۔ ویسے تمہارا یہ دانت کیسے ٹوٹا تھا؟"
"پنڈ میں ایک بندے سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اس نے مکا مار دیا۔ دانت پہلے ہی ہل رہا تھا، نکل گیا۔" اس نے جواب دیا۔
میں مسکرا کر رہ گیا۔
رمضان نے کہا۔ "سویرے بانگ ویلے گجر بھینسوں کا دودھ نکالنے آ جاتے ہیں۔ میں باہر ہوں گا تو انہیں اندر آنے کا موقع نہیں ملے گا۔"
وہ اپنی چارپائی اٹھا کر باہر لے گیا۔ میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ تھیلا میں نے سرہانے کے نیچے دبا لیا تھا ویسے مجھے رمضان سے کوئی گڑبڑ کی توقع نہیں تھی۔
میں کچھ دیر تک مچھروں سے برسرپیکار رہا اور پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

☆...☆...☆

اگلے روز شام کا اندھیرا پھیلنے کے فوراً ہی بعد گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ نرگس نے میرے ساتھ قصور شہر تک جانے کے لئے رمضان سے کیا بہانہ کیا تھا؟ مجھے اس کا علم نہیں لیکن یہ بات ضرور تھی کہ وہ کچھ چیں بچیں ضرور ہوا تھا۔
قصور شہر وہاں سے چار پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ اس وقت شہر کی طرف سے تو ریڑھے، ٹریکٹر ٹرالیاں وغیرہ آ رہی تھیں لیکن شہر کی طرف جانے والی کوئی سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہم سڑک سے کافی ہٹ کر کھیتوں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔
جب ہم شہر پہنچے تو ایک مسجد سے عشاء کی اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بازار کھلے ہوئے تھے۔ خاصی چہل پہل تھی۔
میرا دل اس وقت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں کئی سال اس شہر میں رہا تھا بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے۔ مجھے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔
نرگس ایک جنرل سٹور میں داخل ہو گئی۔ خاصی بڑی دکان تھی۔ مالک کے علاوہ دو ملازم بھی تھے۔ دو تین دکانوں میں تین چار گاہک بھی موجود تھے۔ ان میں ایک مرد اور دو عورتیں تھیں۔ میں نے دکان کے مالک غلام علی کو فوراً پہچان لیا۔ وہ ہمارا دور کا رشتہ دار بھی تھا مگر ماضی میں اس سے میری بہت کم ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے تو اسے پہچان لیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی کہ جب میں قصور میں رہتا تھا تو اس وقت میری عمر سولہ سال کے لگ بھگ تھی اس کے بعد کئی سال لاہور میں رہا تھا۔ پھر فیصل آباد اور سیالکوٹ وغیرہ میں بھی رہا اور چند مہینے ہندوستان میں گزار کر آیا تھا۔ عمر میں تقریباً سات سال اضافے نے میرے اندر بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اب میں ہٹا کٹا اور تنومند جوان تھا۔ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ چہرے میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی ضرور آ جاتی ہے اور سر پر بال نہ ہونے کی وجہ سے بھی میری ہیئت بدل گئی تھی۔
نرگس کچھ دیر غلام علی سے باتیں کرتی رہی پھر مجھے اشارہ کرتی ہوئی دکان سے باہر آ گئی۔ چند گلیاں گھومنے کے بعد ہم غلام علی کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس مکان میں داخل ہوتے ہوئے میرا دل یکبارگی

دھڑک اٹھا۔ یہ شجاع الاسلام کا مکان تھا۔ یہاں میری زندگی کا کچھ بہترین عرصہ گزرا تھا۔ اس مکان میں رضیہ نے مجھے پہلی مرتبہ جوانی کی لذتوں سے روشناس کرایا تھا۔

غلام علی کی بیوی زینب بڑے خلوص سے ملی۔ نرگس پہلے بھی یہاں آتی رہتی تھی۔ بچے بھی اس سے بے تکلف تھے۔ دس بجے کے قریب غلام علی بھی دکان بند کر کے آ گیا۔ نرگس نے اسے دکان پر ہی میرے بارے میں یہ فرضی کہانی سنا دی تھی کہ میں رائیونڈ میں دور کے کسی رشتے دار کا بیٹا ہوں اور یہ کہ میرا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ میں آج صبح جانے کیسے گاؤں پہنچ گیا تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر آئی ہے تاکہ صبح سویرے رائیونڈ جانے والی ٹرین پر بٹھا دیا جائے۔

وہ رات میں نے اکیلے ہی گزاری۔ صبح سویرے ناشتہ کرتے ہی ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ گلیوں سے نکل کر چوک پر پہنچتے ہی ہم ریلوے اسٹیشن کے بجائے لاری اڈے کی طرف جانے والے تانگے پر بیٹھ گئے۔ نرگس نے غلام علی کو بتایا تھا کہ مجھے ٹرین میں رائیونڈ جانے والے کسی مسافر کے حوالے کر کے واپس آ جائے گی۔

لاہور جانے والی بس فوراً ہی مل گئی۔ بس میں پہلے سے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ میں نے بھی اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ چونکا میں بھی تھا مگر میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ میں نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔ قصور میں رہتے ہوئے آخری دنوں میں جس فیکٹری میں ملازم تھا یہ شخص وہاں لیبر سپروائزر تھا۔ میرا دل اگرچہ تیزی سے دھڑک رہا تھا لیکن میں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور نرگس سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے ہم کسی گھریلو مسئلے پر بحث کر رہے ہوں۔ وہ شخص بھی اپنے ساتھی سے باتیں کرنے لگا لیکن وہ بار بار میری طرف دیکھ رہا تھا اور آخر کار جب اس سے نہیں رہا گیا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہماری طرف آ گیا۔

"معاف کرنا بھائی تمہارا نام محمد نظیر ہے!" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں جی میرا نام عارف حسین ہے۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کیوں... کیا بات ہے جی؟"

"کوئی بات نہیں مجھے وہم ہو گیا تھا۔" وہ شخص کہتے ہوئے دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا لیکن راستے میں بھی وہ بار بار میری طرف دیکھتا رہا تھا۔

بس بڑی کشادہ تھی۔ دو گھنٹوں کا یہ سفر بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ہم گلشن آباد موڑ پر بس سے اتر گئے۔ وہ آدمی بھی اپنے ساتھی کے ساتھ وہیں اترا تھا اور اب بھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ نرگس فوراً ہی ایک رکشے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے رکشے والے سے بات کی اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ رکشے میں بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے رکشہ سڑک پار کر کے گلشن آباد کی مین روڈ پر دوڑنے لگا۔

شمع روڈ سے ہوتے ہوئے ہم شاہراہ جلال الدین پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک آگے کینال بینک روڈ کو قطع کرتی ہوئی قذافی اسٹیڈیم اور گلبرگ وغیرہ کی طرف چلی گئی تھی لیکن ہمیں اتنی زیادہ آگے نہیں جانا تھا۔ بڑے پُل پر پہنچنے سے پہلے ہی نرگس نے رکشہ دائیں طرف ایک کشادہ گلی میں مڑوا لیا۔

یہ اچھرے کا رہائشی علاقہ تھا جو کوٹھیوں پر مشتمل تھا۔ کسی زمانے میں یہ کوٹھیاں ضرور دور دور ہوں گی مگر بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ ان کوٹھیوں کی ہیئت بھی بدل گئی تھی۔ کوٹھیوں میں لان برائے نام ہی رہ گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ جگہ تعمیرات کی زد میں آ چکی تھی۔ اس طرح یہ کوٹھیاں بھی دو دو تین تین منزلہ مکان بن گئے تھے لیکن اس سے ذرا آگے ایسا علاقہ بھی تھا جہاں واقعی کوٹھیاں تھیں۔

دو تین کشادہ گلیاں گھومنے کے بعد نرگس نے ایک جگہ رکشہ رکوا لیا۔ نرگس ہی نے کرایہ ادا کیا۔ ہم نیچے اتر آئے۔ اس علاقے کی کوٹھیاں دو دو کنال پر مشتمل تھیں۔ بعض کوٹھیاں اس سے بھی بڑی اور زیادہ وسیع و عریض تھیں۔

نرگس بائیں طرف والی کوٹھی کے گیٹ کے پاس رک گئی اور کال بیل کا بٹن دبانا ہی چاہتی تھی کہ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا جس نے گہرے نیلے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کمر میں لگے ہوئے ہولسٹر میں پستول بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی شکل و صورت سے بھی خاصا خوفناک نظر آ رہا تھا۔

"کس سے ملنا ہے بی بی آپ کو؟" اس نے نرگس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ مجھے ایک سرسری نظر دیکھنے کے بعد اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"ہم رضیہ بی بی کے پاس آئے ہیں۔ تم تو پاس سے ہٹو۔" نرگس اسے راستے سے ہٹا کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میڈم سو رہی ہیں۔ آپ ادھر بیٹھ جاؤ میں نوکرانی کو بتاتا ہوں۔" چوکیدار نے کہا۔

"وے پرے ہٹ۔" نرگس نے تنک کر کہا۔ "تو بیٹھا رہ ادھر۔ میں خود اٹھاتی ہوں رضیہ کو۔"

اس نے مجھے اشارہ کیا اور آگے آگے چلنے لگی۔ گن مین ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ وہ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس نے اب بھی نظر انداز کر رکھا تھا۔

برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر عورت کو دیکھ کر چوکیدار اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"اسے روکو نوری۔ یہ زبردستی اندر گھس رہے ہیں۔"

نوری نام کی اس عورت نے پہلے نرگس اور پھر میری طرف دیکھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ پھر وہ گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اس نے چوکیدار سے کہا اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آیئے آپ لوگ اندر بیٹھئے میں رضیہ بی بی کو جگاتی ہوں۔"

اس نے نرگس کو پہچان لیا تھا۔ میرا خیال ہے دو مہینے پہلے رضیہ نرگس سے بہت اچھے طریقے سے پیش آئی ہوگی۔ اس لئے تو نوری ہمیں اندر لے آئی تھی۔

یہ ہال کمرہ تھا۔ وال ٹو وال دبیز قالین، قیمتی اور آرام دہ صوفے اور ہر وہ چیز جو ان جیسے گھر میں ہونی چاہئے تھی۔ نوری نے ہمیں صوفوں پر بٹھایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ ہمارے لئے سکواش بنا کر لے آئی۔ اس نے بڑے احترام سے گلاس ہمیں پیش کئے۔

"آپ لوگ بیٹھئے۔ میں بیگم صاحبہ کو جگاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے ایک طرف چلی گئی اور چند

منٹ بعد واپس آ گئی۔ "ابھی آتی ہیں بیگم صاحبہ۔"

تقریباً بیس منٹ بعد رضیہ دائیں طرف والی راہداری میں نمودار ہوئی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ پاجامہ اور اوپن شرٹ جس کا اوپر والا ایک بٹن کھلا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔ میں نے کئی مہینوں بعد اسے دیکھا تھا اور میرے خیال میں وہ پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

نوری نے شاید اسے صرف نرگس کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھی تو مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس نے رک کر شرٹ کا بٹن بند کیا اور آگے آ گئی۔ نرگس سے وہ بڑی گرم جوشی سے ملی تھی۔ مجھے اس نے ایک نظر دیکھنے کے بعد نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ نرگس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے شاید سرگوشی میں نرگس سے میرے بارے میں پوچھا تھا۔

"تم اسے بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ ذرا غور سے دیکھو۔ شاید پہچان لو۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رضیہ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اچھل پڑی۔

"ارے..... تیرا بیڑا غرق۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "تو تو بڑا دھوکے باز ہے۔ تم مجھے ملتان کے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔" وہ میری طرف لپکی۔

میرا خیال تھا کہ وہ واقعی مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکال دے گی۔ اس کے تیور دیکھ کر میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نوری بھی یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ رضیہ نے آگے بڑھ کر مجھے گریبان سے پکڑ لیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے گھسیٹتی ہوئی دروازے سے باہر لے جائے گی اور چوکیدار کے حوالے کر کے حکم دے گی کہ اسے دھکے دے کر باہر نکال دو لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا۔ اس نے مجھے دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا اور میرے اوپر سوار ہو کر میرے سینے پر گھونسے برسانے لگی۔ اس کے گھونسوں میں طاقت نہیں تھی۔

"تو نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔" وہ گھونسے برساتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ "میں اس روز سارا دن ہوٹل کے کمرے میں بھوکی پیاسی بیٹھی روتی رہی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی شاید تمہیں پولیس نے پکڑ لیا ہے اور پھر میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔"

میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے اوپر سے ہٹا دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رضیہ کے بارے میں تمام خدشات ..... بے بنیاد نکلے تھے۔ وہ تو میرے لئے ہی پریشان رہی تھی۔ میں اگرچہ اس سے جان چھڑانے کیلئے اسے دھوکہ دے کر بھاگا تھا مگر اس کی ہمدردیاں اس وقت بھی میرے ساتھ تھیں۔

میں نے اب بھی اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑائے اور نرگس اور نوری کی پروا کئے بغیر مجھ سے لپٹ کر بھائیں بھائیں کر کے رونے لگی۔ میں اسے بڑی مشکل سے چپ کرا سکا تھا

"تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کہاں رہے اتنے عرصے۔ کتنے کمزور ہو رہے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

میرے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ میری صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی تھی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ میں نے اتنا عرصہ فاقہ کشی میں گزارا ہے۔ لیکن اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ اتنا عرصہ عیش ہی کرتا رہا ہوں تو شاید وہ اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتی۔

"آؤ..... میرے ساتھ آؤ۔" وہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔ "پہلے اپنا حلیہ بدلو۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

میں نے نرگس کی طرف دیکھا وہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ رضیہ مجھے اپنے کمرے میں لے آئی۔ بہت وسیع و عریض اور شاندار بیڈ روم تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ شیشے کے دروازوں والا لمبا چوڑا وارڈ روب تھا جس کے نچلے حصے میں زنانہ کپڑے اور اوپر والے حصے میں مردانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔

"وہ باتھ روم ہے۔" رضیہ نے ایک اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس وارڈ روب سے اپنی پسند کے کپڑے نکال لو اور اپنا حلیہ بدلو۔ لیکن تم باتھ روم میں جاؤ میں تمہارے لئے کپڑے دیکھتی ہوں۔"

میں نے اپنے کندھے سے تھیلا اتارا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر تھیلا وارڈ روب کے اوپر پھینک دیا۔ چھن کی ہلکی سی آواز ابھری تھی مگر رضیہ نے شاید توجہ نہیں دی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم بھی بہت شاندار تھا۔ میں نے کپڑے اتارے اور شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

ابھی نہا ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ابھری پھر رضیہ کی آواز سنائی دی۔

"میں کمرے کا دروازہ بند کر کے جا رہی ہوں۔ تم باہر نکل کر کپڑے بدل لینا۔" تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں باتھ روم کے دروازے سے جھانک کر دیکھا کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے باہر آ گیا۔ بیڈ پر ہلکے آسمانی رنگ کا شلوار قمیص کا جوڑا رکھا ہوا تھا۔

میں نے کپڑے پہنے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دو دن کا شیو بڑھ گیا تھا۔ سر کے بال تو چھوٹے تھے کہ کنگھے کی ضرورت پڑتی۔ میں نے پرفیوم کی بوتل اٹھا کر قمیص پر سپرے کیا اور کمرے سے نکل آیا۔

رضیہ اور نرگس ہال کمرے میں بیٹھی چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ میں بھی رضیہ کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرے لئے بھی چائے آ گئی اور میں بھی چائے پیتے ہوئے ان کی باتوں میں شامل ہو گیا۔

دوپہر کے کھانے تک ہم وہیں بیٹھے رہے اور رضیہ نرگس کو ایک اور کمرے میں چھوڑ کر مجھے اپنے کمرے میں لے آئی۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ یہ کوٹھی کس کی ہے؟" میں نے بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تم تو مجھے ملتان کے ہوٹل میں بے سہارا چھوڑ کر چلے گئے تھے اور میں ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ ہوٹل والے مجھ سے کرایہ وصول کرنے پر بضد تھے۔ تقریباً تین ہزار روپے کا بل تھا۔ تم تو میرے پرس سے بھی سب کچھ نکال کر

لے گئے تھے۔ تین ہزار کا بندوبست کیسے کرتی۔ لاہور میں میرے بینک اکاؤنٹ میں رقم تو موجود تھی لیکن ہوٹل والے میرا اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اپنے عاشق کے ساتھ گھر سے بھاگ کر آئی تھی اور میرا عاشق سب کچھ لے کر غائب ہو گیا اور مجھے بے سہارا چھوڑ گیا۔ کیونکہ آج کل گھر سے بھاگی ہوئی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔

"اتفاق سے اس وقت ایک عورت اور ایک مرد آ گیا۔ وہ دونوں اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے جھگڑا سنا اور نہ صرف بل ادا کر کے ہوٹل والوں سے میری جان چھڑائی بلکہ صائمہ نامی اس عورت نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی بھی پیشکش کی جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔

"دو دن میں ان کے ساتھ ملتان ہی میں رہی پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔ یہاں اس کوٹھی میں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اتفاق سے یہاں آنے کے تیسرے دن صائمہ کی کار ملتان روڈ پر ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی اور وہ وہیں ختم ہو گئی۔

"صائمہ کی موت کے بعد الیاس چند روز تو اداس رہا پھر میری طرف مائل ہونے لگا۔ مجھے مستقل سہارے کی ضرورت تھی۔ میں اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگی۔

"الیاس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ یہ شاندار کوٹھی اس کے علاوہ ماڈل ٹاؤن میں ایک کوٹھی اور گلبرگ کی لبرٹی مارکیٹ میں دو دکانیں جو کرائے پر دے رکھی ہیں اور لاکھوں روپے کا بینک بیلنس اس کے علاوہ گھر میں بھی لاکھوں روپے کے پرائز بانڈ اور نقدی رکھی رہتی تھی۔ بظاہر وہ کوئی کام نہیں کرتا تھا مگر دولت میں کھیلتا تھا۔ اس کے ہاں آنے والے بھی بڑے بڑے لوگ تھے جن سے میری بھی بے تکلفی ہو گئی۔

"میں الیاس کی داشتہ بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے شادی پر آمادہ کر لیا اور اسی طرح گھر میں ہی ایک سادہ سی تقریب میں ہمارا نکاح ہو گیا۔ جس میں شہر کے چند بڑے لوگ بھی شریک ہوئے تھے۔

"شادی کے دو ہفتوں بعد ایک دن مجھے یہ سنسنی خیز خبر ملی کہ الیاس کو ملتان روڈ پر شاہ نور فلم سٹوڈیو کے سامنے اس کی کار میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے اور حملہ آور فرار ہو گئے تھے۔

"یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ الیاس اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک فلم بنانے کی تیاری کر رہا تھا اور ان دنوں فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے مختلف لوگوں سے رابطے ہو رہے تھے اور اس رات بھی وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی ایسے آدمی سے ملنے شاہ نور سٹوڈیوز گئے تھے۔ رات گیارہ بجے کے قریب ان کی گاڑی جیسے ہی سٹوڈیوز کے گیٹ سے نکلی پہلے سے گھات لگائے ہوئے دو آدمیوں نے کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر دی۔ وہ دونوں چھلنی ہو گئے۔ حملہ آور ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے تھے۔

"مجھے الیاس کی موت کا افسوس تو بہت ہوا مگر میں یہ صدمہ سہہ گئی۔ اس کے چند روز بعد فلم انڈسٹری کا ایک آدمی میرے پاس آیا وہ اس فلم کی بات کرنے لگا جو ابھی ذہنی یا کاغذی تیاریوں کے مرحلے میں تھی۔ وہ ایک معروف ہدایتکار تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ فلم ضرور مکمل ہونی چاہئے لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور وہ ہدایتکار منہ لٹکائے چلا گیا۔

"الیاس کے چہلم کے دو دن بعد دو آدمی میرے پاس آئے۔ رحمٰن اور ملک نصیر پہلے بھی یہاں آتے رہتے تھے۔ انہوں نے کچھ ایسے سنسنی خیز انکشافات کئے کہ میں کانپ کر رہ گئی۔"

"مثلاً؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ رضیہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"الیاس سمگلروں کے ایک سنڈیکیٹ کا سرگرم رکن تھا۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"یہ درست ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "یہ لوگ سونے اور ہیروئن کا بزنس کرتے ہیں۔ سونا دبئی اور عرب ریاستوں سے منگوا کر انڈیا کی طرف سمگل کیا جاتا ہے جس کے عوض انڈیا سے ہیروئن بنانے کا کیمیکل اور دوسری بہت سی چیزیں یہاں منگوائی جاتی ہیں۔ افغانستان اور صوبہ سرحد سے آنے والی ہیروئن یورپی ممالک کو سمگل کی جاتی ہے۔"

"ملک نصیر اور رحمٰن تم سے کیا چاہتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"تعاون۔" رضیہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "ملک نصیر کے کہنے کے مطابق الیاس نے یہ کوٹھی اور دوسری جائیداد سنڈیکیٹ کے پیسے سے بنائی تھی اور اس ساری جائیداد میں ملک نصیر کا نام بھی شامل ہے۔ گویا وہ آدھے کا حصے دار ہے۔" رضیہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں الیاس کی منکوحہ تھی۔ اس کے انتقال کے بعد میں اس کی جائیداد کی جائز وارث ہو سکتی تھی مگر ملک نصیر کی شراکت داری سے یہ مسئلہ کچھ گھمبیر ہو گیا تھا۔ میں اگر چاہتی تو عدالت کے ذریعے آدھے حصے کی مالک بن سکتی تھی مگر میرا اپنا کردار بھی صاف نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ایسے مقدمات تو برسوں چلتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ میں اکیلی تھی۔ میرے پاس قارون کا خزانہ تو نہیں تھا کہ برسوں مقدمہ لڑتی رہتی۔ اس کے برعکس وہ لوگ بہت خطرناک اور بہت طاقتور تھے۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

"ملک نصیر اور رحمٰن نے مجھے آفر دی تھی کہ اگر میں ان سے تعاون کروں تو وہ اس کوٹھی اور دوسری جائیداد کے سلسلے میں مجھ سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ میں یہ سب کچھ جس طرح چاہوں استعمال کر سکتی ہوں۔ انکار کی صورت میں مجھے یہ کوٹھی ایک ہفتے کے اندر اندر خالی کرنی ہو گی اور میں یہاں سے ایک تنکا تک نہیں لے جا سکوں گی۔ انہوں نے مجھے سوچنے کیلئے تین دن کی مہلت دی تھی۔

"تین دن بعد ملک نصیر اکیلا ہی آیا اس روز کھل کر بات ہوئی۔ تعاون کی صورت میں مجھے الیاس کا حصہ بھی ملتا رہے گا اور یہ امید بھی دلائی تھی کہ اگر میرا تعاون جاری رہا تو ممکن ہے ملک نصیر اس جائیداد سے اپنا نام واپس لے لے اور سب کچھ قانونی طور پر میرے نام منتقل کر دیا جائے۔

"ایک طرف سے یہ سب کچھ تھا اور دوسری طرف ذلت و رسوائی۔ میں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتی۔ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ملک نصیر کی تمام شرائط مان لیں۔"

"اور وہ شرائط کیا تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں ان سے تعاون کرتی رہوں گی اور یہ کوٹھی پہلے کی طرح سنڈیکیٹ کی خفیہ سرگرمیوں کیلئے استعمال ہوتی رہے گی۔ الیاس پر چونکہ پولیس، انٹیلی جنس ایجنسی یا کسی اور ایجنسی کو کسی قسم کا شبہ نہیں تھا

اس ملاقات کے لوگ بھی اسے بہت شریف آدمی سمجھتے تھے اس لئے کسی کو ان پر شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔

"ملک نصیر کے کہنے کے مطابق یہاں وقتاً فوقتاً سنڈیکیٹ کے اہم ممبروں کی خفیہ میٹنگز ہوتی رہیں گی اور ان ملاقاتوں کو میری طرف سے گھریلو قسم کی تقریب کا رنگ دیا جائے گا۔ جس میں میرے ذاتی احباب بھی شریک ہوں گے۔ تقریب کی آڑ میں وہ لوگ کسی بھی کمرے میں بیٹھ کر اپنی میٹنگ کر لیا کریں گے اور کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔ ایک اور بات۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ملک نصیر پورے گھر خصوصاً اس کمرے کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔"

"کیوں؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس سنڈیکیٹ کے بھارت، یورپ اور امریکہ کے مختلف گروہوں سے رابطے ہیں۔ ان رابطوں کیلئے انہوں نے خفیہ کوڈز طے کر رکھے ہیں۔ وہ کوڈ بک الیاس کے پاس تھی۔ الیاس کی موت کے بعد ان کے بزنس میں رابطوں کے سلسلے میں کچھ دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ ملک نصیر وہ کوڈ بک تلاش کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بہرحال اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"کوڈ بک کی تلاش اسی وقت شروع ہو گئی۔ میں ملک نصیر کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس کمرے کا کونا کونا چھان مارا گیا۔ ایسی کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں کسی خفیہ خانے کا شبہ ہو سکتا ہو۔ دوسرے کمروں کو بھی دیکھ لیا گیا لیکن وہ کوڈ بک نہیں ملی۔

"ملک نصیر اگلے روز پھر آ گیا۔ اس روز دوبارہ اس کمرے کو چیک کیا گیا۔ ہر چیز الٹ پلٹ دی گئی دیواروں کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھا گیا۔

"اس تلاش کے سلسلے میں میری انگلی پر زخم لگ گیا جس سے خون رسنے لگا۔ میں زخم پر بینڈ ایج لگانے کیلئے باتھ روم میں آ گئی۔ یہاں دیوار کے ساتھ میڈیسن کیبنٹ لگا ہوا تھا۔ میں نے کیبنٹ کھولنے کیلئے اس کے دروازے کو جیسے ہی باہر کی طرف کھینچا پورا کیبنٹ ایک کلک سے نکل کر لٹک گیا۔

"اس کیبنٹ کے پیچھے دیوار میں ایک خانہ سا تھا۔ میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تو چھوٹی سائز کی ایک نوٹ بک میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے ملک نصیر کو وہ نوٹ بک دکھائی تو وہ اچھل پڑا۔ یہی وہ کوڈ بک تھی جس کی اسے تلاش تھی وہ کوڈ بک لے کر فوراً ہی چلا گیا۔"

"اور اس کے بعد یہاں ان کی خفیہ سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" رضیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس کے بعد تو ملک نصیر اور رحمٰن کی صورت دکھائی دی اور نہ ہی انہوں نے کوئی رابطہ کیا۔ ان دونوں نے ہی اپنے آپ کو سنڈیکیٹ کے ممبر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ اس کے بعد بھی شاہ جی تین چار مرتبہ میرے ہاں آئے تھے لیکن کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔

"ایک روز میں نے مہتاب شاہ نامی ایک شخص کو اعتماد میں لے کر اس سے ملک نصیر اور رحمٰن کے بارے میں بات کی۔ میری اس سے خاصی شناسائی ہو چکی تھی اور اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ صرف شاہ جی اس سنڈیکیٹ کا رکن ہے۔ ملک نصیر اور رحمٰن کا اس سنڈیکیٹ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ایک مخالف گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بہت عرصے سے ان کے کاروباری راز حاصل کرنے کے چکر میں تھے اور انہوں نے

الیاس سے دوستی بھی اس لئے کی تھی لیکن اس کی زندگی میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد وہ دھوکے سے کوڈ بک لے گیا جس میں سنڈیکیٹ کے اور بھی بہت سے راز تھے۔

"شاہ جی کے کہنے کے مطابق وہ کئی روز سے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کوئی مناسب موقع نہیں ملا اور آج میں نے خود بات کی تو یہ راز کھلا کہ ملک نصیر انہیں چپت لگا گیا ہے۔ کوڈ بک ان کے ہاتھ لگ جانے سے سنڈیکیٹ کو ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے۔

"میں نے الیاس کی جائیداد میں ملک نصیر کے حصے والی بات کی تو یہ مزید انکشاف ہوا کہ ملک نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کیلئے ایک جھوٹی کہانی گھڑی تھی اور اس نے مجھے جائیداد کے جو کاغذات دکھائے تھے وہ بھی جعلی تھے۔" رضیہ خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اور پھر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ملک نصیر اور رحمٰن غائب ہو گئے اور شاہ جی میرے کچھ اور قریب آ گیا۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "اس کے کہنے کے مطابق یہ جائیداد الیاس ہی کی ملکیت تھی اور اب اس کی وارث میں ہوں اور اگر میں چاہوں تو عدالت کو درخواست دے کر ساری جائیداد اپنے نام منتقل کروا سکتی ہوں۔ لیکن میں نے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شاہ جی نے بھی مجھے ملک نصیر کی طرح ایک پیشکش کی تھی۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں بھی الیاس کی طرح ان کے ساتھ مل کر کام کروں۔" رضیہ نے بتایا۔ "میں نے فوراً ہی یہ پیشکش قبول کر لی اور عیش کر رہی ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "الیاس کی ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی اور لبرٹی کی دکانوں کا کرایہ مجھے مل رہا ہے۔ شاہ جی کی طرف سے حصہ بھی مل جاتا ہے۔ یہ مفت کی"

"کیا مطلب؟ کیا تم باہر بھی جاتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... میں دو مرتبہ جنوبی افریقہ کے چکر لگا چکی ہوں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ان کے مال کی سب سے زیادہ کھپت افریقی ممالک میں ہوتی ہے۔ جوہانسبرگ میں اس سنڈیکیٹ کا ایک بہت بڑا علاقائی دفتر ہے جہاں سے یہ تمام چھوٹے چھوٹے افریقی ممالک کو کنٹرول کرتے ہیں۔ وہاں کاروبار کی آڑ میں انہوں نے منشیات کی سپلائی کا جال بچھا رکھا ہے... بہت بڑا نیٹ ورک ہے ان کا۔"

"اور وہ کاروبار کیا ہے جس کی انہوں نے آڑ لے رکھی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میں ابھی تفصیل سے سب کچھ نہیں جان سکی لیکن لاہور میں ایک رنگ بنانے والی کمپنی ہے رنگوں کی آڑ میں ہیروئن یہاں سے بھیجی جاتی ہے۔ دو شپمنٹس میرے نام سے جا چکی ہیں۔ اس لئے دونوں مرتبہ مجھے بھی جانا پڑا تھا۔"

"یہ لوگ رنگوں میں ہیروئن کس طرح سمگل کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی تفصیل ابھی میں نہیں جان سکی اور شاید مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر بولی۔ "تم بھی تو شبانہ کے ساتھ یہ دھندہ کرتے رہے ہو۔ پھر قصور سے فرار ہونے کے بعد لاہور میں بھی تم نے یہی بزنس کیا تھا۔ اب طویل عرصہ غائب رہنے کے بعد واپس آئے ہو تو شریک ہو جاؤ میرے ساتھ۔ اس سنڈیکیٹ میں تمہارے لئے اچھا موقع پیدا ہو سکتا ہے لیکن تم اتنا عرصہ غائب

کہاں رہے؟"

"میں ہندوستان میں تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم مجھے لاہور کے بدترین حالات سے نکال کر ملتان لے گئی تھیں۔ میری نیت تو یہی تھی کہ ہم دونوں ملتان کے کسی نواحی علاقے میں شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کریں گے مگر ملتان پہنچ کر میری نیت میں فتور آ گیا۔ شاید اس روز میرا دماغ ہی خراب ہو گیا۔ نجانے مجھے یہ ڈر کیوں تھا کہ ملتان میں پکڑا جاؤں گا۔ اس لئے میں تمہیں ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سندھ کے کسی چھوٹے سے شہر میں میں زیادہ محفوظ رہوں گا۔ میں اپنے ایک رشتہ دار کی تلاش میں عمر کوٹ پہنچ گیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے آگے کے واقعات سنانے لگا۔ رضیہ بڑے غور سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میری باتوں سے وہ شاید اپنے اندر سنسنی کی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اس کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات سے لگایا جا سکتا تھا۔

"اور آخرکار۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ "میں بھیڑیوں کے اس بھٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں دو دن پہلے ہی بھیاں کی طرف سے سرحد پار کر کے اس طرف آیا ہوں۔ میرے ساتھ بسنت کور نام کی ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ گولی لگنے سے زخمی ہو کر گر پڑی اور بارڈر سکیورٹی والوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پتہ نہیں انہوں نے اس بیچاری کا کیا حشر کیا ہو گا۔"

"اوہ۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "راجستھان میں دہشت گردی کے ٹریننگ کیمپ کی تباہی اور دیگر تباہ کاریوں کی خبریں تو یہاں کے اخبارات میں بھی چھپتی رہی ہیں مگر میں نے کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ مجھے کیا پتہ کہ تم وہاں سلطان راہی کی طرح جنگجو ہیرو بنے پھر رہے تھے۔"

"بہرحال۔" میں نے کہا۔ "میں وہاں سے خالی ہاتھ نہیں آیا۔"

"تو کیا لے کر آئے ہو؟" اس نے مجھے گھورا۔

میں نے اٹھ کر وارڈ روب پر سے تھیلا اتار لیا۔ وہ الجھی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے تھیلا بستر پر پلٹ دیا۔ رضیہ اچھل پڑی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"کیا یہ اصلی ہیں؟" اس نے بھی وہی سوال کیا جو ان زیورات کو دیکھ کر نرگس نے کیا تھا اور میرا جواب بھی وہی تھا۔

"حیرت انگیز۔" وہ کچھ دیر تک زیورات اٹھا اٹھا کر دیکھتی رہی پھر بولی۔ "ہم دونوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر بہت کچھ پایا ہے اگر ہم اکٹھے رہتے تو شاید کہیں محنت مزدوری کر کے شریفانہ مگر فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ بہرحال! جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا ہم دونوں کیلئے۔ مگر تم نرگس کو ساتھ کیوں لے کر آئے؟ کیا اسے یہ سب معلوم ہے؟" اس نے بستر پر پھیلے ہوئے زیورات کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر نرگس سے ملاقات نہ کرتا تو تم سے ملاقات کیسے ہوتی۔ یہاں تو مجھے وہی لے کر آئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اسے کچھ دے دلا کر یہاں سے رخصت کر دینا۔"

"وہ اب کہاں جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت میں نے رضیہ کے لہجے میں حسد کی

کچھ جھلک محسوس کر لی تھی۔

"وہ تو اپنا گھر اور اپنے شوہر تک کو چھوڑ آئی ہے۔ بہرحال اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔" میں خاموش ہو کر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میں ان زیورات کو فروخت کرنا چاہتا ہوں تمہارے توسط سے۔"

راہداری میں قدموں کی ہلکی سی چاپ سن کر رضیہ نے جلدی سے خالی تھیلا زیورات کے اوپر پھیلا دیا اور تقریباً اسی وقت نوری دروازے میں نمودار ہوئی۔

"چھ بج رہے ہیں میڈم' چائے بناؤں۔" نوری نے کہا۔

"او ہاں۔" رضیہ بولی۔ "نرگس کہاں ہے؟"

"وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں جی۔" نوری نے جواب دیا۔

"اسے جگا دو اور چائے بناؤ۔" رضیہ نے کہا۔ "چائے ہم باہر لان میں پئیں گے۔"

نوری واپس چلی گئی۔ رضیہ نے ایک نظر چوکنا انداز میں دروازے کی طرف دیکھا اور پھر زیورات سمیٹ کر تھیلے میں ڈالنے لگی۔ میں کرسی پر بیٹھا دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

میرا خیال تھا کہ ان قیمتی زیورات کو فروخت کر کے مجھے اتنی رقم مل جائے گی کہ میں گوشہ گمنامی میں رہ کر سکون کی زندگی گزار سکوں گا۔ نرگس کے ساتھ آنے پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ مجھے کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت تو تھی وہ اگرچہ شادی شدہ تھی۔ اس کا شوہر موجود تھا۔ کسی دوسرے کی بیوی کو اس طرح ازانا نہ صرف جرم بلکہ گناہ بھی تھا مگر مجھ جیسا شخص نہ تو جرم و سزا کو سمجھتا ہے اور نہ گناہ کو۔ مجھ جیسے لوگ ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کا مقصد کوئی نہیں ہوتا۔

نرگس مجھے رضیہ کے پاس لے کر آ گئی تھی اور اب میں محسوس کر رہا تھا کہ چکی کے دو پاٹوں میں دب گیا ہوں۔ ایک طرف رضیہ تھی اور دوسری طرف نرگس۔ یہ بات میں نے پہلے ہی روز نوٹ کر لی تھی کہ ان دونوں کے بیچ رقابت کے جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے بہت خوشی سے ملتی تھیں مگر میں ہی جانتا تھا کہ اندر سے ان دونوں کے ایک دوسرے کیلئے کیا جذبات تھے۔ رضیہ اس بات پر بضد تھی کہ میں کچھ دے دلا کر نرگس کو چلتا کر دوں۔ زیورات فروخت کرنے میں ابھی وقت لگے گا لیکن اپنے پلے سے لاکھ دو لاکھ روپے دینے کو تیار تھی۔ دوسری طرف نرگس مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں جلد سے جلد زیورات فروخت کر کے اپنا ٹھکانہ بنا لوں جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔

میں عجیب کشمکش و پیچ میں تھا۔ دو خونخوار بلیوں میں گھر کر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں۔ وہ کوئی شریف عورتیں نہیں تھیں۔ دونوں بڑی خطرناک تھیں۔ رضیہ تو باقاعدہ ایک سینڈیکیٹ کی ممبر بن چکی تھی اس کے پاس بے پناہ دولت بھی آ گئی تھی اور گروہ کی طاقت بھی۔ اگر میں اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا تو وہ میرے خلاف انتقامی کارروائی کر سکتی تھی۔ دوسری طرف نرگس تھی جو اپنے شوہر اور گھر بار کو چھوڑ آئی تھی۔ گویا شرافت کی زندگی کو خیرباد کہہ آئی تھی اور جرائم کی اس دلدل میں کود پڑنے کو پر تول رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ دو مہینے پہلے جب وہ رضیہ سے ملی تھی تو رضیہ کے ٹھاٹھ دیکھ کر متاثر ہوئی تھی۔ اس کا خیال ہوگا کہ یہ سب کچھ بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتا ہوگا۔ اس لئے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ آئی تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ راستہ کتنا خطرناک ہے۔ اس جیسی حسین عورتیں تو آلۂ کار بن جاتی ہیں اور مردوں کے ہاتھوں میں کھیلتی رہتی ہیں۔

تین چار دن گزر گئے تھے۔ میں نے نرگس سے کہہ دیا تھا کہ چند روز انتظار کرے۔ دوسری طرف میں رضیہ پر بھی دباؤ ڈالنے لگا کہ وہ جلد سے جلد زیورات کا سودا کرے تاکہ ان کی فروخت سے ملنے والی رقم سے میں بھی اپنا کوئی دھندہ شروع کر سکوں۔

''دھندہ شروع کرنے کیلئے تمہیں پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم جب کہو شاہ جی سے ملاقات کرا دوں۔ سارا بندوبست وہ خود ہی کر لے گا۔ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''سوائے اشاروں پر ناچنے کے۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی تم نے خوب کہا۔'' رضیہ ہنس کر بولی۔ ''یہ دھندہ ہی ایسا ہے کبھی دوسروں کے اشاروں پر ناچنا پڑتا ہے اور کبھی دوسرے ہمارے اشاروں پر ناچتے ہیں۔''

''اس حیدرآباد میں آنے کے بعد تم کچھ زیادہ ہی ہوشیار نہیں ہو گئیں۔'' میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور یہ ویسے حقیقت بھی تھی۔ رضیہ اب وہ رضیہ نہیں رہی تھی جسے میں بہت پہلے جانتا تھا اور پھر یہ چند ہی مہینے پہلے کی تو بات تھی جب میں شام نگر میں ان کے ساتھ رہتا تھا اور جب پولیس نے میرے گرد گھیرا تنگ کیا تھا تو میں رضیہ کو ساتھ لے کر ملتان نکل آیا تھا اور اسے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ وہ رضیہ کتنی سادہ و لوح تھی اور ہر مرتبہ کتنی آسانی سے بے وقوف بنتی رہتی تھی مگر اب یہ رضیہ..... دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اب تو یہ اتنی چالاک ہو گئی تھی کہ مجھے بھی کہیں بیچ ڈالے۔

پانچ دن گزر گئے۔ اس دوران میں گھر سے باہر نہیں نکلا تھا لیکن اس شام رضیہ مجھے شاہ جی سے ملانے کیلئے لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے رضیہ کے شوہر الیاس کے وارڈ روب سے ایک پینٹ شرٹ نکال لی۔ اس کا شوہر غالباً قد و قامت میں مجھ جیسا ہی تھا اس کی پینٹ مجھے بالکل فٹ آ گئی تھی۔

ہم رات آٹھ بجے کے قریب گھر سے نکلے۔ نرگس کو گھر پر ہی چھوڑ دیا گیا تھا جس سے اس کا تھوبڑا پھول گیا تھا۔

ہم اچھرے کی گلیوں سے نکل کر شاہراہ جمال الدین پر آ گئے اور کینال بینک روڈ پار کر کے اس سڑک پر آگے نکل گئے اور پھر خیابان سہروردی کراس کرنے کے تھوڑی دیر بعد رضیہ نے گاڑی ماڈل ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔

ماڈل ٹاؤن جب آباد ہوا تھا تو اس وقت واقعی ماڈل ٹاؤن تھا لیکن اب تو یہاں کی آبادی بھی اس قدر گنجان ہو گئی تھی کہ اس ماڈل بستی کا حسن مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔

پارک کے سامنے والی کشادہ گلی میں ایک وسیع و عریض شاندار کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رضیہ نے بتایا کہ الیاس کی کوٹھی ہے جو اب اس کی ملکیت تھی۔ اس نے گاڑی دوسری گلی میں ایک ایسی ہی

ایک اور شاندار کوٹھی کے گیٹ کے سامنے روک لی اور ہارن بجا دیا۔ کوٹھی کا گیٹ فوراً ہی کھل گیا۔ وہ ایک ہٹا کٹا گن مین تھا۔

''شاہ جی کو بتاؤ میں آئی ہوں۔'' رضیہ نے کہا۔

''صاب تو گھر میں نہیں ہیں۔ آپ آ جائیں میں صاب کو بتاتا ہوں۔'' گن مین نے جواب دیا۔

''نہیں شاہ جی سے کہنا دس بجے کے بعد مجھے فون کر لیں۔'' رضیہ نے کہتے ہوئے انجن سٹارٹ کر دیا اور گاڑی کو آگے بڑھا لے گئی۔

ہم ماڈل ٹاؤن سے گلبرگ کی طرف نکل آئے۔ رضیہ نے لبرٹی مارکیٹ کے سامنے والے پارک کے جنگلے کے ساتھ ایک جگہ گاڑی روک لی۔ اس وقت یہاں بہت رونق تھی۔ انگریزی کے حرف U کی صورت میں بنی ہوئی عمارتوں کے سامنے والی سڑک اور سروس روڈ پر بھی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دکانیں روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ رنگین آنچل ہر طرف لہراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

رضیہ نے مجھے وہ تین دکانیں بھی دکھائیں جو اب اس کی ملکیت تھیں۔ میرے خیال میں یہ تین دکانیں اس وقت کروڑوں کی مالیت کی تھیں اور ماڈل ٹاؤن والی وہ کوٹھی اس کے علاوہ تھی جو میں ابھی باہر سے دیکھ کر آیا تھا۔

مارکیٹ ہی کے ایک ایئر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک مارکیٹ میں ٹہلتے رہے۔ رضیہ نے کچھ شاپنگ کی۔ ایک دو چیزیں میں نے بھی خریدیں اور واپسی کیلئے روانہ ہو گئے۔

ہم دس بجے کے قریب گھر واپس پہنچے۔ نرگس کا موڈ آف تھا۔ اسے جب پتہ چلا کہ ہم کھانا کھا کر آئے ہیں تو اس کے چہرے کے تاثرات مزید بگڑ گئے اور پھر اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ یہ غصے کا اظہار تھا۔

ساڑھے دس بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی۔ اس وقت ہم لوگ ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رضیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس صوفے پر چلی گئی جس کے سائیڈ میں ایک چھوٹی ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

وہ شاہ جی کی کال تھی۔ رضیہ تقریباً دس منٹ تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ نام لئے بغیر اس سے میرا بھی تذکرہ کیا تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''شاہ جی صبح آئیں گے۔ تم سے ملنے کیلئے۔''

''ٹھیک ہے مل لیں گے۔'' میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ درحقیقت یہ ہے کہ مجھے شاہ جی سے ملنے کی اتنی بے چینی بھی نہیں تھی۔

بارہ بجنے والے تھے۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ رضیہ نرگس کو مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ جو بات بھی کرتی مجھے ہی مخاطب کر کے کرتی۔ آخر کار نرگس وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''جل گئی'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''دیکھو رضیہ۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''نرگس کے بارے میں

تمہیں اپنی سوچ میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔ تمہیں نرگس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے ہماری ملاقات ہوئی لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں کے بیچ کوئی نسل ہی چل نکلی ہے۔ گویا ایک سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے سے جلنے لگی ہو۔ یہ صورت حال آگے چل کر ہم سب کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"میری جوتی جلتی ہے۔" رضیہ نے تنک کر کہا اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بگڑ گئے تھے۔ "میں کیوں جلنے لگی اس سے؟"

"میری جوتی جلتی ہے۔" میں مسکرا دیا۔ "صرف یہی ایک مختصر سا جملہ عورت کی فطرت کو کتاب کی طرح کھول کر رکھ دیتا ہے اور..."

"کہنا کیا چاہتے ہو؟" رضیہ نے مجھے گھورا۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ نرگس میری خاطر سب کچھ چھوڑ آئی ہے۔ اسے اس طرح آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے بھی اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں اسے باہر سڑک پر لے جا کر کھڑا کر دوں اور یکا یک لاتعلقی کا اعلان کر دوں۔ اس سے پیچھا چھڑانے کیلئے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا کہ وہ بھی آسانی سے دفع ہو جائے۔"

"اسی لئے تو کہتی ہوں اسے کچھ دے دلا کر رخصت کر دو۔" رضیہ نے کہا۔ "رقم میں دینے کو تیار ہوں۔ لاکھ... دو لاکھ۔ جتنی رقم چاہو دے دو۔ میں تمہارے ساتھ اس کی شراکت پسند نہیں کر سکتی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ آخر دل کی بات رضیہ کی زبان پر بھی آ گئی تھی۔

"یہی بات نرگس بھی کہہ سکتی ہے یعنی شراکت والی بات" میں نے کہا۔

"اگر اس نے ایسی کوئی بات کی تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔" رضیہ نے جواب دیا اس کے تیور یک دم بگڑ گئے تھے۔ "بس تم دو چار دن میں اسے چلتا کر دو۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب اسے کوئی بات سمجھانا ممکن نہیں۔ جب تک مجھ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ نرگس سے بہت اچھے طریقے سے ملتی رہتی تھی مگر اب وہ نرگس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اسے کباب میں ہڈی سمجھتی تھی لیکن ظاہر ہے میں نرگس کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

رضیہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں وہیں صوفے پر لیٹ گیا۔ جب سے میں یہاں آیا تھا میری راتیں اسی صوفے پر گزر رہی تھیں۔ میں ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔

میں صبح دیر تک سویا رہا۔ میں رات بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ رضیہ سے پیچھا کیسے چھڑایا جائے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب میرا اور اس کا ساتھ نہیں چل سکتا تھا وہ بہت بدل گئی تھی۔ اس کے پاس بہت دولت آ گئی تھی۔ بعض اوقات وہ مجھ سے بھی ایسے لہجے میں بات کرتی تھی جو مجھے کھل جاتا تھا۔ اپنے لئے کسی عورت کا ایسا لہجہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔

آج شاہ جی کو مجھ سے ملنے کیلئے آنا تھا لیکن گیارہ بجے کے قریب اس کا فون آ گیا۔ کال رضیہ ہی نے ریسیو کی تھی۔ شاہ جی نے بتایا کہ کسی ہنگامی صورت حال کے تحت وہ ایک بجے کی فلائٹ سے کراچی جا

رہا ہے۔ دو تین دن بعد واپسی ہو گی۔

اس رات بھی رضیہ نے گھر سے باہر کھانا کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں نے نرگس کو بھی تیار ہونے کو کہہ دیا۔ نرگس یہاں رہتے ہوئے رضیہ ہی کے کپڑے استعمال کر رہی تھی۔ رضیہ کو یہ بھی کھل رہا تھا۔ نرگس بھی اس کے کپڑے استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی مگر مجبوری تھی۔

ہم نے اقبال ٹاؤن میں ملے وارڈ پر باربی کیو ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر شاپنگ کرتے ہوئے مارکیٹ میں گھومتے رہے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کہ رضیہ نے نرگس کے لئے کپڑوں کے کئی جوڑے اور دوسری بہت سی چیزیں بھی خریدی تھیں۔

ایک نیوز سٹینڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں رک گیا۔ گھر میں پڑے پڑے بیزار ہو جاتا تھا مجھے پڑھنے کا شوق تو نہیں تھا لیکن میں نے محض وقت گزاری کے خیال سے دو تین ڈائجسٹ اور آج کی تاریخ کا ایک اخبار خرید لیا۔ یہ ایوننگ پیپر تھا جو سنسنی خیز خبروں کی اشاعت کیلئے مشہور تھا۔

ہماری واپسی رات بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ نرگس اور رضیہ سونے کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں اور میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔

بڑی سنسنی خیز سرخیاں تھیں... معمولی سی چوری کی خبر کی سرخی بھی تین کالموں پر مشتمل تھی۔

آخری صفحے پر ایک تین کالمی سرخی دیکھ کر میں اچھل پڑا اور وہ خبر پڑھتا چلا گیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کنپٹیوں پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

قصور کی ڈیٹ لائن سے ایک شادی شدہ عورت کے اغوا کی خبر تھی۔ اس خبر کے مطابق نرگس کے شوہر رمضان نے تھانے میں میرے خلاف اپنی بیوی کے اغوا کی رپورٹ لکھوائی تھی اور میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ پولیس نے رمضان کو بھی حراست میں لے لیا تھا کہ اس نے میرے بارے میں پولیس کو بروقت اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔

گڑے مردے اکھڑنے لگے تھے۔ میں طویل عرصے سے قصور پولیس کو رضیہ کے شوہر شجاع کے قتل کے حوالے سے مطلوب تھا اور مجھے یقین تھا کہ پولیس نے اس کیس کا فائل ابھی بند نہیں کیا تھا۔

مجھے نرگس کے ساتھ گاؤں سے نکلے ہوئے ایک ہفتہ تو ہو چکا تھا۔ اتنے روز تک رمضان چپ کیسے خاموش رہا تھا اور آخر کار کل دوپہر کے بعد وہ میرے خلاف اپنی بیوی کے اغوا کی رپورٹ لکھوانے تھانے پہنچ گیا تھا اور خود ہی دھر لیا گیا تھا۔ پولیس نے گاؤں کے بعض اور قصور کے دکاندار غلام علی کو بھی حراست میں لے لیا تھا۔

اخبار کے رپورٹر نے یہ خبر بڑی تفصیل سے دی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں مختلف سنگین جرائم اور قتل وغیرہ کی وارداتوں کے سلسلے میں پنجاب پولیس کو مطلوب ہوں۔ اس خبر کے آخر میں میرے بارے میں مزید سنسنی خیز انکشافات کی توقع بھی ظاہر کی گئی تھی۔

بات اگر صرف نرگس کے اغوا تک محدود ہوتی تو میرے لئے زیادہ پریشانی کی بات نہ ہوتی لیکن شجاع کے قتل کے حوالے سے معاملہ بہت آگے تک چلا گیا تھا۔ پولیس اب گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کرے گی۔

میرے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہی تھی کہ اب لاہور کی پولیس بھی الرٹ ہو جائے گی اور میری تلاش شروع ہو جائے گی۔

میں ابھی اخبار دیکھ ہی رہا تھا کہ نرگس آ گئی۔

"کیا بات ہے، پریشان دکھائی دے رہے ہو؟" اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ خبر پڑھ لو تمہیں میری پریشانی کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔"

نرگس آٹھ جماعت پڑھی ہوئی تھی۔ اخبار وغیرہ پڑھ لیتی تھی۔ اس نے اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔ میں اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتا رہا۔ خبر کی آخری سطر پڑھنے تک اس کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو چکا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟" اس نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"نرگس!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو تمہیں اس وقت سوچنا چاہئے تھا جب میرے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ تو ابھی پہلا قدم ہے، نئی زندگی کے لئے یہ ایک کٹھن اور طویل راستے کی شروعات ہیں اگر تم چاہو تو اب بھی واپس جا سکتی ہو۔"

"میرے خیال میں واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر بات صرف میرے اغوا کی رپورٹ تک ہوتی تو میں واپس چلی جاتی اور پولیس کو بتاتی کہ کسی نے اغوا نہیں کیا۔ یہ سب کچھ میرے شوہر کی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے..... لیکن..... اس کمبخت رمضان نے تو پولیس کے سامنے تمہاری پوری ہسٹری بیان کر دی ہے۔"

"شاید اپنے کیس کو مضبوط بنانے کے لئے اس نے میرے خلاف اتنا زہر اگلا ہو گا مگر خود ہی پھنس گیا۔" میں نے کہا۔ "میں اشتہاری ملزم ہوں۔ کسی اشتہاری ملزم کو پناہ دینا یا اس کے بارے میں معلومات چھپانا بھی سنگین جرم ہے اور رمضان کو اب اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

"اور یہی جرم مجھ سے بھی سرزد ہوا ہے۔ لیکن میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔" نرگس نے کہا۔ "اب اگر میں واپس جا کر پولیس کو یہ بیان دیتی ہوں کہ مجھے اغوا نہیں کیا گیا تو پولیس مجھے تمہیں پناہ دینے کے جرم میں دھر لے گی۔"

"تو پھر خوفزدہ کیوں ہو۔" میں نے کہا۔ "اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں کا کیا ڈر۔"

"میں خوفزدہ نہیں ہوں۔" نرگس بولی۔ "مجھے اس ماحول سے وحشت ہو رہی ہے۔ مجھے تو اب رشیدہ سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔ یہ مجھے تم سے جدا کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو....."

"ایسا نہیں ہو گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور راہداری کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ بھی لباس تبدیل کر کے اس طرف آ رہی تھی۔

وہ میرے قریب آ گئی۔ ہم دونوں کے چہروں پر سنجیدگی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی

"کیا معاملہ ہے تم دونوں اتنے سنجیدہ کیوں ہو؟" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے اخبار کی اس رپورٹ کے بارے میں بتانے لگا۔

"یہ تو واقعی گڑبڑ ہو گئی۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "یہاں کی پولیس اب تمہارے خلاف سرگرم ہو جائے گی۔ لیکن میرے خیال میں ایک بات تمہارے حق میں جاتی ہے تم بچ سکتے ہو۔"

"کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے راجستھان میں پاکستان کے خلاف دہشت گردی کا ایک بہت بڑا منصوبہ ناکام بنا کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تم کئی مہینوں تک ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی جنگ لڑتے رہے ہو۔ یہ بات تمہارے حق میں جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں معاف کر دیا جائے۔"

"میں پاکستان اور ہندوستان کی پولیس میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ یہ کسی معمولی اور قابل معافی جرم میں پکڑے جانے والے کسی شخص کے خلاف بغاوت، دہشت گردی اور تخریب کاری کا بہت بڑا کیس تو بنا دیتی ہیں لیکن معافی ان کی لغت میں نہیں ہے۔"

"میں پولیس کی نہیں حکومت اور عدالت کی بات کر رہی ہوں۔" رشیدہ بولی۔

"حکومت اور عدالت جو بھی فیصلہ کرتی ہے استغاثہ یعنی پولیس کی رپورٹ کی روشنی میں کرتی ہے اور پولیس میرے خلاف جو کیس تیار کرے گی اس کی روشنی میں عدالت آنکھیں بند کر کے پھانسی کی سزا سنا سکتی ہے اور پھر میرے لئے یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہو گا کہ میں وہی شخص ہوں جس نے پاکستان کے خلاف انڈین دہشت گردی کا ایک بہت بڑا منصوبہ ناکام بنایا تھا اور کئی مہینوں تک میں نے ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی جنگ لڑی ہے۔ بالفرض میں یہ ثابت بھی کر دوں تو وہاں مجھے بہادری اور جانبازی کے میڈل نہیں پہنائے جائیں گے۔ جرم آخر جرم ہی ہوتا ہے اور اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یہاں پر میرے جرائم کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ کئی افراد کا قتل میرے کھاتے میں ہے اور اس کے علاوہ بہت سی وارداتیں تو ایسی بھی ہیں جو میں نے نہیں کیں بلکہ جن کے بارے میں رکھ دی جاتی ہیں۔ ان جرائم کے پیش نظر میں کسی معافی یا رحم کی توقع نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ تک انڈر گراؤنڈ رہو۔" رشیدہ نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔

"اس طرح چھپ کر بیٹھنا بھی میرے لئے ممکن نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اتنے روز سے تو گھر میں بیٹھے ہوئے ہو۔" رشیدہ نے گھورا۔

"اس کی وجہ تھی۔" میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میرے چہرے پر تقریباً ایک ہفتے کی داڑھی تھی کل پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ شیو بنا لوں لیکن پھر کچھ سوچ کر صرف خط بنانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ اس وقت میرے چہرے پر مکمل گھنی داڑھی تھی اور سر پر بھی کچھ بال نظر آنے لگے تھے۔ اپنا حلیہ چھپانے کے لئے احتیاطاً میں نے گھر سے باہر نکلتے ہوئے کل بھی اور آج بھی گولف کیپ پہنی تھی۔ یہ ٹوپی بھی

رضیہ کے شوہر الیاس کی وارڈ روب سے ہی ملی تھی اور آج اخبار میں یہ خبر پڑھنے کے بعد مجھے لگتا تھا کہ اب کئی روز تک مجھے یہ ٹوپی استعمال کرنی پڑے گی۔

اس رات ہم تینوں ہی دیر تک جاگتے اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ظاہر ہے ہمارے پاس اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

رضیہ شاید ابھی وہ زیورات فروخت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی لیکن میں اسے مجبور کرتا رہا کہ ان میں سے کچھ چیزیں فروخت کر کے رقم مجھے دے دی جائے۔ اگرچہ رضیہ نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں اپنی ضرورت کی جتنی رقم چاہوں اس سے لے لوں مگر میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ان زیورات کو دیکھ کر رضیہ کی رال بھی ٹپکنے لگی تھی وہ بعض چیزیں اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی۔ ان میں وہ نیکلس بھی تھا جو رضیہ نے پسند کیا تھا اور پھر یہ طے ہوا کہ صراف سے ان کی قیمت لگوالی جائے۔ رضیہ مجھے وہ قیمت ادا کر دے گی۔

اگلی شام ہم چند چیزیں لے کر شاہ عالمی سے ملحق صراف بازار میں پہنچ گئے۔ رضیہ مجھے ایک بہت بڑی دکان پر لے گئی۔ اس نے یہاں سے بعض قیمتی چیزیں بنوائی تھیں۔ دکان کا مالک چوہدری وحید اس کا شناسا تھا۔

رضیہ نے بندھی ہوئی چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ ان زیورات کو دیکھ کر چوہدری وحید کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ وہ ایک ایک چیز اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا آخر میں وہ اس نیکلس کو بہت دیر تک دیکھتا رہا پھر رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس نیکلس کی قیمت تو ہندوستان کا کوئی راجہ یا عرب کا کوئی شیخ ہی دے سکتا ہے۔ یہاں اس کا گاہک تلاش کرنے کے لئے آپ کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ویسے کیا قیمت ہوگی اس کی؟" رضیہ نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر تشویش کی سی کیفیت ابھر آئی تھی۔

چوہدری وحید نے ایک بار پھر نیکلس کو دیکھا۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرے اندازے کے مطابق 75 لاکھ سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ ایک کروڑ سے اوپر بھی ہو سکتی ہے" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ سونا اٹھائیس قیراط کا ہے۔ بات اصل میں سونے کی نہیں قیمت تو ان ہیروں کی ہے جو اس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی اٹھائیس قیراط کا سونا ہمارے ہاں استعمال نہیں ہوتا اور اس نیکلس اور دوسرے زیورات کی بناوٹ بھی ہم سے مختلف ہے۔ نفاست اور صناعی کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ کہاں سے ملے آپ کو یہ زیورات؟"

رضیہ نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا لیکن خاموش رہی۔

چوہدری وحید صرف دو چیزوں کی قیمت دینے کو تیار تھا۔ ایک جڑاؤ کنگن اور ایک دوسرا لاکٹ اس میں بھی ایک مٹر کے دانے کے برابر اور چار چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

چوہدری کے ساتھ سودا ہوا تھا اور طے پایا تھا کہ ہم کل صبح دس بجے کے بعد کسی بھی وقت یہ چیزیں لے کر آئیں اور وہ ہمیں نقد ادائیگی کر دے گا۔

ہم دکان سے باہر آ گئے۔ رضیہ نے وہ چیزیں لپیٹ کر اپنے پرس میں رکھ لیں۔

اس وقت شام کے سات بجے تھے۔ کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی مال روڈ پر آ گئی۔ اور پھر رضیہ نے کار ایک روز ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی۔ ہم تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے کافی کی چسکیوں کے ساتھ ان زیورات کے بارے میں بھی باتیں ہوتی رہیں۔ اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ ساری چیزیں کروڑوں کی مالیت کی تھیں۔ میں ماؤنٹ آبو کے پنڈت بھیرو کے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے واقعی قارون کا خزانہ جمع کر رکھا تھا۔

نو بجے کے قریب ہماری کار کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو گیٹ مین نے رضیہ کو بتایا کہ اس سے ملنے دو آدمی آئے ہیں جو اس کے انتظار میں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

چند منٹ بعد جب میں رضیہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر دروازے ہی میں رک گیا۔ ان دونوں میں ایک چہرہ تو میرے لئے اجنبی تھا لیکن دوسرے کو دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

وہ مجید بٹ تھا۔ جس نے گجیات سنگھ کے ساتھ مجھے اس رات گھیرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

☆.. ☆.. ☆

ہوگی ورنہ تم جانتے ہو کہ تمہارے خلاف میری رپورٹ شاہ جی کو بھڑکا دے گی اور شاہ جی کو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ تم جیسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتا ہے۔ اگر تم اصل بات بتا دو تو معاملہ یہیں پر ختم ہو سکتا ہے۔"

"تم میرے مقابلے میں ایک اجنبی کی حمایت کر رہی ہو رضیہ بی بی۔" بوٹے نے جواب دیا۔ اس نے اب بھی مجھ پر پستول تان رکھا تھا۔

"یہ اجنبی نہیں ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اسے تو میں اس وقت سے جانتی ہوں جب اس کی عمر چودہ سال تھی۔ یہ میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ البتہ تم اپنے آپ کو مشکوک بنا رہے ہو۔ اس سے پہلے بھی تم چند غلط حرکتیں کر چکے ہو۔ میں تمہیں آخری موقع دے رہی ہوں۔ اصل بات بتا دو ورنہ......"

"یہ اصل بات نہیں بتائے گا رضیہ۔ میں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "قصہ دراصل یہ ہے کہ....."

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے سرحد پار کرنے کے بعد کے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ "زیورات کے علاوہ میرے پاس تقریباً پانچ لاکھ روپے مالیت کے بھارتی کرنسی نوٹ بھی تھے جو میرے خیال میں میرے لیے بیکار ہو گئے تھے۔ میں نے محض خیر سگالی کے جذبے کے طور پر وہ ساری رقم اسے دے دی تھی اور یہی میری بہت بڑی غلطی تھی۔ انہوں نے میرے تھیلے میں وہ زیورات بھی دیکھ لیے اور رات کو سوتے میں مجھے قتل کر کے وہ زیورات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے ان کی نیت پر پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔ میری قسمت ہی اچھی تھی جو میری آنکھ کھل گئی اور میں دونوں کی ٹھکائی کر کے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ لوگ مجھے شاید کوئی معمولی چور اچکا سمجھ رہے ہیں۔ انہیں بتاؤ میں کون ہوں! وہ کون تھا جس نے برسوں تک پولیس کو انگلیوں پر نچائے رکھا۔" وہ کون تھا جس نے راجستھان میں بھارتی پولیس، انٹیلی جنس، را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کو طویل عرصہ تک ناکوں چنے چبوائے رکھا۔ میں نے تو بڑے بڑے سورماؤں کی گردنیں مروڑ دی ہیں۔ اس رات انہیں زندہ چھوڑ کر میں نے ان پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ کئی مہینوں بعد اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد یہ پہلا شخص تھا جس سے میرا سامنا ہوا تھا اور میں اسے دوست سمجھ بیٹھا تھا اور اسی لیے خیر سگالی کے طور پر اسے ایک خطیر رقم بھی دی تھی لیکن یہ اس قدر کم ظرف نکلا کہ اس نے بخت سنگھ کے ساتھ مل کر مجھے ہی قتل کرنے کی کوشش کی۔ ان زیورات پر قبضہ کرنے کے لیے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ وہ زیورات اس وقت کہاں ہیں۔"

میری اس طویل گفتگو کے دوران بوٹے کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتا اور کبھی رضیہ کی طرف۔ بوٹے کا ساتھی تاکی خاموش کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"سن لیا تم نے بوٹے۔" رضیہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تاجی اس میدان کا پرانا کھلاڑی ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس کے آ جانے سے ہماری طاقت میں اضافہ ہوگا۔ میں شاہ جی سے اس کی ملاقات کرانے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم اسے اپنا دشمن بنا چکے ہو۔ ان زیورات پر قبضہ کرنے کے بعد جو تمہاری نہیں تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اگر تاجی میرے لیے اجنبی ہوتا تو میں اس کی بات کا نہیں تمہاری بات کا یقین کرتی۔ تاجی کو میں اس سے پہلے جانتی ہوں۔ اس کی بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اگر تم کسی اور پر زور دو تو تمہیں یاد آ جائے گا کہ چند سال پہلے لاہور میں اس

تاجی کے نام کا ڈنکا بجتا تھا اور پھر حالات نے ایسا رخ پلٹا کہ اسے لاہور چھوڑ کر جانا پڑا۔ قسمت اسے ہندوستان لے گئی اور اب یہ طویل عرصے بعد واپس آیا ہے تو ہمیں گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے نہ کہ ہم اسے اپنا دشمن بنا لیں۔" بات کرتے ہوئے رضیہ کی نظریں بدستور بوٹے کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "چند روز پہلے تم دونوں کے بیچ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ وہ پانچ لاکھ کی رقم تاجی کی طرف سے دوستی کا تحفہ سمجھو اور ہتھیار اٹھانے کے بجائے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ بصورت دیگر اگر بات شاہ جی تک پہنچ گئی تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔"

بوٹے کے چہرے پر شدید تناؤ تھا۔ آنکھوں میں بھی الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔ میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس نے مجھے کون سے کروڑوں روپے کے نقصان کا ذمے دار ٹھہرانے کی کوشش کی تھی لیکن اب بازی پلٹ گئی تھی۔ رضیہ نے حقیقت جان لی تھی اور ویسے بھی وہ مجھے بہت عرصے سے جانتی تھی اس لیے بھی وہ میری بات کو زیادہ اہمیت دے رہی تھی اور بوٹا بھی یہ بات سمجھ چکا تھا کہ اس نے مجھے پہچان کر جو چال چلنے کی کوشش کی تھی وہ ناکام ہو چکی تھی لیکن شاید اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔

"رضیہ بی بی ٹھیک کہتی ہے یار بوٹے۔" میرے سامنے کھڑے ہوئے اس کے ساتھی تاکی نے کہا۔ "مجھے یاد آ رہا ہے کہ تاجی بادشاہ کا تو بڑا چرچا ہوا کرتا تھا۔ اب یہ کئی مہینے غائب رہنے کے بعد واپس آ گیا ہے اور ہماری ہی پارٹی میں آیا ہے تو اسے ہمیں اپنی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے۔ پستول جیب میں ڈال اور آگے بڑھ کر سینے سے لگا لے اسے۔ یار بنا اپنا۔"

بوٹے کے چہرے پر اب بھی الجھن کے تاثرات نمایاں تھے جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا ہو۔ تاکی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا تو اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ بوٹا بھی ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد آگے بڑھ آیا۔ میرا خیال تھا وہ مجھ سے مصافحہ کرنے کے لیے گلے سے لگا لیکن اس نے صرف دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔

"معاف کرنا یار تاجی بادشاہ" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "غلطی ہو گئی مجھ سے۔ میرا خیال ہے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ دراصل وہ سب کچھ غصے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے مجھے بھڑکایا۔"

"بھول جاؤ اب اس بات کو۔" میں نے بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا اور گلے لگا لیا۔ "وہ سرنو بچہ جات سنگھ پر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ ویسے میں جانتا تھا کہ ساری شرارت اسی کی تھی۔ البتہ اس کے دل میں تو پہلے سے کھوٹ تھی اس نے ورغلایا ہو گا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ بوٹے کے دل میں میرے لیے اب بھی کدورت موجود ہوگی مگر اس نے کسی مصلحت کے تحت ہتھیار ڈال دیے تھے لیکن اس نے جس انداز سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا اس سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے اور یہ کسی وقت بھی کوئی گڑبڑ کر سکتا ہے۔

ہم لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ رضیہ نے نوکر کو بلا کر چائے وغیرہ لانے کو کہا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ہندوستان میں جس پارٹی نے مجھے مدد دی

میں دس منٹ بعد ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رضیہ اور نرگس کے چہرے دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس مختصر سی مدت میں ان دونوں میں کوئی معرکہ ہو چکا ہے۔ میں نرگس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

گیارہ بجے کے قریب رضیہ تیار ہو کر کہیں چلی گئی۔ اس نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ کہاں جا رہی ہے۔ مجھے اس پر کچھ شبہ سا ہوا لیکن نرگس پر میں نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہیں کیا۔

کئی روز بعد مجھے اور نرگس کو اس طرح بیٹھنے اور آزادی سے باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ نرگس کا بس ایک ہی اصرار تھا کہ میں جلد سے جلد رضیہ سے زیورات واپس لے لوں اور ہم پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جائیں۔

رات دو بجے تک تو ہم باتیں کرتے رہے اور پھر میں نرگس ہی کے کمرے میں سو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ رضیہ کی واپسی کب ہوئی تھی۔

رضیہ سے میری ملاقات صبح گیارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس وقت نرگس اپنے کمرے میں ہی تھی۔ رضیہ سے باتیں کرتے ہوئے میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے اس کی باتوں میں نمایاں تبدیلی محسوس کی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم جیولر کو وہ زیور دے کر پیسے لے آئیں۔ اس نے آج گیارہ بجے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں اس وقت ایک بہت ضروری کام سے جا رہی ہوں۔" رضیہ نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ "جیولری دکان تو رات نو بجے تک کھلی رہے گی۔ ہم کسی بھی وقت جا سکتے ہیں۔"

"تم جا رہی ہو مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر تم وہاں جانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتیں تو وہ زیور مجھے دے دو۔ میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔"

"وہ تمہیں پیسے نہیں دے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے بھی کر دے۔" رضیہ نے کہا۔ میں چونک گیا۔ اس کے لہجے میں کچھ عجیب سی بات تھی۔ "ابھی دو تین دن پہلے اخباروں میں تمہارے اور نرگس کے بارے میں بڑی تفصیل سے چھپا ہے۔ تمہیں احتیاط کرنی چاہیے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم دو چار دن گھر سے باہر بھی مت نکلو۔"

رضیہ کی اس بات نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ اس کا لہجہ اور انداز ایسا تھا جیسے اخباروں میں شائع ہونے والی اس خبر کے حوالے سے مجھے ڈرانا چاہتی ہو۔

"لیکن میں اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ مجھے پیسوں کی بھی ضرورت ہے اور......"

"تمہیں جتنے پیسوں کی ضرورت ہے مجھ سے لے لو۔" رضیہ نے میری بات کاٹ دی۔ "شہر کی گہما گہمی سے واپس آ جانے دو پھر تم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھے رہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "فی الحال تم مجھے دو لاکھ روپے دے دو۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔ ضرورت پڑی تو تم سے اور رقم لے لوں گا۔"

"تم بیٹھو میں رقم لا کر دیتی ہوں۔" رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

میرا دماغ گھوم گیا۔ اس سے پہلے اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ اپنے بارے میں اور اس سینڈیکیٹ کے بارے میں خود بخود بہت سی باتیں بتا چکی تھی۔ لیکن کل رات سے اور نرگس کے آنے کے بعد سے اس کا رویہ بدل گیا تھا۔ اب وہ میرے سامنے رقم بھی نہیں نکالنا چاہتی تھی۔ گویا اسے مجھ پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ اس نے جس طرح مجھے بیٹھے رہنے کو کہا تھا اس سے واقعی میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ جملہ کہتے وقت اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ آئی تھی اس نے بھی مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رضیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے دروازہ بھی اندر سے لاک کر لیا۔ لاک کے کھٹکے کی آواز یہاں تک سنائی دی تھی اور پھر دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے دبے قدموں چلتا ہوا رضیہ کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نرگس اپنے کمرے میں تھی۔ وہ آ بھی جاتی تو مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ نوری کچن میں تھی اور کچن ہال کمرے کے بائیں طرف تھا اور وہاں سے اس طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔

میں نے جھک کر دروازے کے لاک کی ہول سے آنکھ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔

رضیہ سامنے شیلف کی خوبصورت الماری کے پاس جھکی بیٹھی تھی۔ الماری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سب سے نچلے خانے میں ہاتھ ڈال کر کچھ کپڑے ہٹائے اور اس خانے کے اندر کچھ ٹٹولنے لگی اور پھر اٹھ کر اس نے الماری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر حرکت دی۔ اور میرا خیال ہے اس وزنی الماری کو حرکت دینے کے لیے اسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑا تھا۔

الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی۔ اس کا بائیں طرف کا آدھا حصہ دیوار کے اندر چلا گیا تھا۔ جبکہ باقی آدھا حصہ دیوار سے ہٹ کر سامنے آ گیا تھا۔ الماری چار فٹ چوڑی تھی۔ چوڑائی کا دو فٹ کا حصہ سامنے آ گیا تھا۔ الماری چار فٹ چوڑی تھی۔ چوڑائی کا دو فٹ کا حصہ ایک طرف دیوار میں چلا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے حصے الماری کے پیچھے کی دیوار نظر آ رہی تھی اور اس دیوار میں خالی جگہ دکھائی دی اور ایک فٹ چوڑی سیف اور الماری نظر آ رہی تھی۔

اس الماری کا ہینڈل وغیرہ کوئی نہیں تھا۔ البتہ لاک کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ رضیہ نے تھوڑی سی تیل سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی منتخب کی اور وہ چابی دیواری الماری کے مخفی قفل میں لگا کر دروازے کو اپنی طرف کھینچا۔

اس الماری کا دروازہ کھلتے ہی میں اچھل پڑا۔ تجوری کئی خانے تھے۔ سب سے نیچے والے خانے میں کچھ فائلیں اور کاغذات تھے۔ اوپر والے خانے میں زیورات کے ڈبے رکھے ہوئے نظر آ رہے تھے اور سب سے اوپر والے خانے میں نوٹوں کے بنڈل تھے۔ ان کے ساتھ ہی میرا وہ تھیلا بھی رکھا ہوا تھا جس میں کروڑوں کے زیورات موجود تھے۔

رضیہ نے سب سے اوپر والے خانے سے ہزار ہزار کے نوٹوں والے دو بنڈل نکال لیے اور دروازہ بند کر دیا۔ لاک لگا کر چابی نکالی اور پھر شیلف کی الماری کو بھی گھما کر اس کی جگہ پر واپس کر دیا اور جھک کر

"کیا بات ہے؟ کیوں چیخ رہے ہو؟"
رضیہ کی آواز سن کر میں نے دروازہ چند انچ کے قریب مزید کھول دیا اور سر باہر نکال کر بولا۔
"ارے! تم واپس آ گئیں۔ وہ دراصل میں نہانے کو گھسا تو تولیہ لینا بھول گیا۔ نرگس سے کہو۔ باہر سے تولیہ لا دے۔"
رضیہ نے نرگس کو زحمت دینے کے بجائے نوری کو تولیہ دینے بھیج دیا اور سٹیل کی الماری کھول کر اوپر کے خانے میں کچھ تلاش کرنے لگی۔
"تم جلدی واپس آ گئیں!" میں نے پوچھا۔
"ایک چیز لینا بھول گئی تھی۔ اس کے لیے واپس آئی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ اور کپڑوں کے نیچے سے براؤن جلد والی ایک ڈائری نکال لی۔
"میرے ٹیلر کا بھی لمبا چوڑا حساب ہو گیا ہے۔ یہی سوچ کر نکلی تھی کہ آج اس کا حساب بھی کروں گی۔ لیکن ڈائری یہیں بھول گئی تھی۔"
اس نے ڈائری کندھے پر لٹکے ہوئے پرس میں ڈال لی اور الماری بند کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"یہ نوٹوں کا بنڈل تم نے اتنی بے پروائی سے پھینکا ہوا ہے۔" اس نے بیڈ پر پڑے ہوئے بنڈل کی طرف اشارہ کیا۔
"میرا خیال ہے اس گھر میں ایسا تو کوئی نہیں جس سے کسی غلط حرکت کی توقع ہو۔ نوری بھی قابل اعتماد اور بھروسے کی عورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"تم کہیں جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔
"ابھی ارادہ تو کر رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے انارکلی تک جانے کا ارادہ ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ شام تک واپس ہوں گی۔" رضیہ نے کہا اور اسی وقت نوری تولیہ لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔
میں نے ہاتھ بڑھا کر تولیہ لے لیا اور دروازہ پھر سے بند کر دیا۔ میں نے رضیہ سے بے مقصد باتیں اس لیے کی تھیں کہ وہ کمرے میں میری موجودگی سے کسی قسم کے شبے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ویسے ایک دو تولیے تو باتھ روم میں بھی موجود تھے۔
رضیہ کی ٹیلر کے حساب والی بات میرے حلق سے نہیں اتری تھی۔ درزی کو [illegible] حساب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ رضیہ کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ اس قسم کے لوگ تو حساب رکھتے ہی نہیں۔ کوئی بھی [illegible] وقت جو کچھ دے [illegible] شان سمجھتے ہیں۔ جس نے جو مانگا دے دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ رضیہ [illegible] نیچے طبقے سے [illegible] لیکن اب [illegible] کے لیے یوں بھی [illegible] کے [illegible] چھپاتے ہیں اور رضیہ کی ڈائری میں درزی کا حساب ہے یا [illegible] مجھ سے [illegible] ڈائری میں [illegible] کوئی [illegible] واپس آئی تھی اور [illegible] کہ یہ ڈائری کا [illegible] کرنا پڑا تھا۔

میں نہا کر بدن پر تولیہ لپیٹ کر باہر نکل آیا۔ کمرے کا دروازہ بند کیا اور وارڈ روب سے کپڑے نکال کر پہننے لگا۔
میں تیار ہو کر باہر نکلا تو نرگس ہال کمرے میں تیار بیٹھی تھی۔ نوٹوں کا بنڈل میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے چند ہزار کے نوٹ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی بنڈل نرگس کے حوالے کر دیا جو اس نے اپنے پرس میں رکھ لیا۔
"کھانا تیار ہونے والا ہے۔ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟" نوری نے کچن کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔
"آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ بلکہ کھانے کے بجائے بانو بازار کی چاٹ کھائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے ہاتھ کا یہ کھانا ہم رات میں کھالیں گے۔"
نوری کندھے اچکا کر رہ گئی۔ میں نے نرگس کو اشارہ کیا اور ہم دونوں باہر آ گئے۔ نرگس نے گلابی رنگ کا لباس پہنا تھا جو اس پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ دوپٹہ لمبائی کے رُخ پر تہہ کر کے بائیں کندھے پر آگے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔ قمیص کسی قدر چست تھی جس سے اس کے بدن کے نشیب و فراز نمایاں ہو گئے تھے۔
نرگس آج پہلی مرتبہ اکیلی میرے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔
ہم گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آ گئے۔ اس دوران ہم یہ طے کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ ہمیں مکان کس علاقے میں لینا چاہیے۔ نرگس لاہور شہر سے پوری طرح واقف نہیں تھی، جبکہ میں اس شہر سے اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح واقف تھا۔ اس لیے نرگس نے یہ فیصلہ بھی مجھ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔
ہم مین روڈ پر ایک میرج ہال کے سامنے کھڑے رہے۔ ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ کر رک گئی۔
"کہاں جانا ہے باؤ جی؟" ڈرائیور نے کھڑکی سے گردن نکال کر میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"لکشمی چوک" میں نے کہا اور ڈرائیور کے جواب کا انتظار کیے بغیر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پہلے نرگس کو بیٹھنے کا موقع دیا اور پھر خود بھی اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔
سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی مگر نرگس میرے ساتھ چپک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور بھی اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں بار بار ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس عورت کو بھگا کر لایا ہوں۔
اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بجا تھا۔ ٹیکسی شاہراہ جلال الدین رومی پر دوڑتی ہوئی ٹیمپل روڈ اور پھر مال روڈ کراس کرتی ہوئی ہال روڈ اور وہاں سے میکلوڈ روڈ پر آ گئی۔ وہاں سے لکشمی چوک تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔
میں نے ٹیکسی نسبت روڈ والی سائیڈ پر رکوائی۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے جہاں چند اچھے ریستوران تھے۔ ان ریستورانوں میں صبح سے رات تک کڑاہی گوشت، پائے گوشت اور چکن تکہ وغیرہ چلتا رہتا تھا۔ ہم ایک ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔

کھانا کھانے کے بعد ہم تین بجے کے قریب ریسٹورنٹ سے نکلے۔ اس وقت ایسٹ روڈ پر واقع سینماؤں کے شو شروع ہونے والے تھے اس لیے ہمیں فوراً ہی ٹیکسی مل گئی۔

اس مرتبہ ٹیکسی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی اسلامیہ کالج کے قریب سے مال روڈ کی طرف مڑ گئی۔ یہ سڑک آگے جا کر دریائے راوی پر بنے پلوں سے ہوتی ہوئی بائی پاس روڈ تک چلی گئی تھی۔

اس سڑک پر تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے ہونے کے بعد ایک چھوٹے سے چوراہے پر میں نے ٹیکسی رکوائی اور ہم نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ سڑک کے دائیں بائیں کشادہ گلیاں تھیں۔ صاف ستھرا علاقہ تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنے ہوئے قدیم طرز کے مکان بڑے اچھے لگ رہے تھے۔

ہمیں زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرنا پڑی اس چوک پر ذرا آگے ایک پراپرٹی ڈیلر کا دفتر نظر آ گیا۔

ایئر کنڈیشنڈ دفتر اور شاندار فرنیچر دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کا بزنس خوب چل رہا تھا۔ دفتر کے آگے والے حصے میں بھی ایک آفس ٹیبل لگی ہوئی تھی جس پر بائیس تئیس سال کی عمر کا ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ دفتر کا پچھلا نصف حصہ شیشے کی پارٹیشن سے الگ کیا گیا تھا۔ شیشے کی پارٹیشن پر اندر کی طرف اوپر سے نیچے تک باریک ریشمی جالی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ پردہ ایسا تھا کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں والی بات تھی۔ پارٹیشن کے دوسری طرف بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آفس ٹیبل کے پیچھے اور دوسرا سامنے صوفے پر۔

باہر میز پر بیٹھے ہوئے لڑکے نے اٹھ کر ہمارا استقبال کیا۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو وہ شیشے والا دروازہ کھول کر ہمیں اندر لے گیا۔ سامنے آفس ٹیبل کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا اس کی عمر تیس اور چھتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ گوری چٹی رنگت' کلین شیو' ایک ہاتھ کی دو انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں' دوسرے ہاتھ کی کلائی میں قیمتی گھڑی' اس نے سفید پینٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے بھی اٹھ کر ہمارا استقبال کیا۔ جبکہ دوسرا آدمی اٹھ کر بیرونی دفتر میں چلا گیا تھا۔

"آج موسم کچھ گرم ہو رہا ہے۔" اس شخص نے ہمیں صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ ٹھنڈا پیجئے تو آپ بالکل انکار نہیں کریں گے۔"

"ہم تو ایک عدد مکان کی تلاش میں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کے پاس ڈھنگ کا کوئی مکان ہو تو ہمیں بتایئے۔"

"آپ کوئی امید لے کر ہی اس دفتر میں داخل ہوئے ہیں نا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ چوہدری امین تھا۔ اس ایجنسی کا مالک۔ "میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ آپ انشاء اللہ مکان کی چابی لے کر ہی جائیں گے۔ آپ اپنی ضرورت بتایئے۔ کتنے بیڈ روم کا مکان مناسب رہے گا۔ یا کوئی کوٹھی؟"

"اس علاقے میں کوئی کوٹھی......"

"بہت کوٹھیاں ہیں۔" اس مرتبہ اس نے میری بات کاٹ دی۔ "آپ کو یقیناً کوئی ایک پسند آ جائے گی۔"

دفتر کے باہر سائیڈ پر اس کی سوزوکی کار کھڑی تھی۔ ہم دونوں پیچھے بیٹھ گئے اور اس نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔

قرب و جوار کی گلیوں میں اس نے ہمیں تین مکان دکھائے۔ وہ تینوں ہماری ضرورت سے بہت بڑے تھے۔ بالآخر اس نے آفس والی سڑک پر آ کر کار سامنے والی گلی میں موڑ لی۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر گلیوں کا چوراہا تھا۔ اس نے کار بائیں طرف موڑ لی اور سو گز کا مزید فاصلہ طے کر کے کار دائیں طرف گلی میں موڑ کر روک لی اور انجن بند کر دیا۔ میں اور کرنل اس سے پہلے ہی کار سے اتر گئے۔

یہ گلی کافی کشادہ تھی۔ دائیں طرف کارنر پر سرخ اینٹوں کی اونچی چاردیواری تھی جس کے اندر کی طرف جامن کا ایک بہت بڑا درخت بھی تھا۔ چوہدری امین کار سے اتر کر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ کوٹھی آپ کی ضرورت کے عین مطابق ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو پسند بھی آئے گی۔"

اس اونچی دیوار میں لکڑی کا بڑا گیٹ تھا۔ اس کا رنگ وغیرہ اتر چکا تھا لیکن گیٹ خاصا مضبوط تھا۔ چوہدری امین نے چابیوں کے گچھے میں سے ایک چابی منتخب کر کے ذیلی دروازے کا تالا کھولا اور پہلے خود اندر داخل ہوا پھر ہمیں بلا لیا۔

سرخ اینٹوں ہی سے بنا ہوا صحن بہت وسیع تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا لان بھی تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے گھاس سوکھ رہی تھی اور پورے صحن میں جامن کے خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔ عمارت کو دیکھ کر مجھے راجستھان یاد آ گیا۔ پرانے طرز کی یہ عمارت راجستھان کے طرز تعمیر سے بہت ملتی جلتی تھی۔ سامنے ہی کشادہ پورچ تھا۔ اس کے پیچھے وسیع برآمدہ۔

چوہدری امین نے برآمدے والا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر تمام کمروں کی بتیاں جلاتا چلا گیا۔

یہ کوٹھی میری پسند کے مطابق تھی۔ تین بیڈ روم اور ایک وسیع لاؤنج تھا۔ مکان چونکہ قدیم طرز کا تھا اس لیے چھتیں کافی اونچی تھیں۔ رنگ و روغن شاید عرصے سے نہیں کیا گیا تھا۔ اوپر جانے کے لیے اندر سے بھی زینہ تھا اور باہر سے بھی سیڑھیاں تھیں۔ اوپر بھی ایک کمرہ تھا۔ جس کے ایک طرف برآمدے کی چھت بطور ٹیرس استعمال ہوتی تھی اور دوسری طرف وسیع چھت تھی۔ جامن کی کئی شاخیں اس چھت پر بھی جھکی ہوئی تھیں۔

ہم پورا مکان دیکھتے ہوئے ایک بار پھر آنگن میں نکل آئے۔ ایک دروازہ مرکزی گلی کی طرف بھی کھلتا تھا۔

میں چوہدری امین سے قدرے دور ہٹ کر کرنل سے مشورہ کرنے لگا۔ اسے بھی یہ کوٹھی پسند آئی تھی۔ اس کا کرایہ سات ہزار روپے اور ایک سال کا ایڈوانس۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس کوٹھی میں ٹیلی فون بھی تھا جو اس وقت اگرچہ بند تھا' مگر دو تین دنوں میں کھلوایا جا سکتا تھا۔

"لگتا ہے کئی برسوں سے رنگ نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے چوہدری امین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کوٹھی دراصل میاں حشمت کی ملکیت ہے جو طویل عرصے سے مفلوج ہیں اور ان کی بیگم ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازم ہیں۔ بیگم کی تنخواہ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ رنگ و روغن نہ ہونے

کی وجہ سے پچھلے چھ مہینوں سے خالی پڑی ہے۔ میں نے کئی مرتبہ میاں صاحب سے کہا ایک مرتبہ کروا گھنٹہ بھر میں لیکن ان کی آمدنی....."

"رنگ و روغن کا خرچہ میں برداشت کرلوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن کام کتنے روز میں مکمل ہوجائے گا؟"

"ایک ہفتہ تو لگ جائے گا۔" چودھری امین نے کہا۔ "آیئے دفتر میں چل کر بات کرتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چودھری امین نے ایک بار پھر کولڈ ڈرنکس منگوالیے اور اس کوٹھی کے بارے میں تفصیلات طے ہونے لگیں۔ میں نے دس ہزار روپے بیعانہ اور دس ہزار روپے کوٹھی کے رنگ و روغن کے لیے بھی اسے دے دیے۔

"آپ صبح ہی کام شروع کروا دیں۔" میں نے کہا۔ "ہوسکتا ہے ہم کام کے دوران ہی یہاں شفٹ ہوجائیں۔ اس لیے سب سے پہلے ایک بیڈروم مکمل کروا دیں۔ باقی کام ہوتا رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" چودھری امین نے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"آپ کل کسی وقت آجایئے تاکہ ایگریمنٹ پر دستخط ہوجائیں۔"

"ٹھیک ہے ہوسکتا ہے ہم کل کچھ فرنیچر بھی یہاں پہنچا دیں۔" میں نے بیعانے کی رسید تہہ کرکے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اس روز جب ہم رضیہ کی کوٹھی پر واپس پہنچے تو شام کے سات بج رہے تھے۔ رضیہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ نوری سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہم سے پہلے گئی تھی اور ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی تھی۔ یہ بھی اچھا ہی تھا کہ وہ ہم سے پہلے نہیں آئی تھی ورنہ مجھے اور نرگس کو ساتھ دیکھ کر اس کا موڈ آف ہوجاتا۔

رضیہ اس رات دس بجے کے قریب واپس آئی تھی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے آنے کے بعد نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ کی موجودگی میں وہ بہت کم اپنے کمرے سے نکلتی تھی۔

میں نے رضیہ سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹال گئی۔

اگلے روز صبح دس بجے کے قریب میں نرگس کو لے کر نکل گیا۔ رضیہ اس وقت سو رہی تھی۔ ہم دونوں شہر کے ایک معروف علاقے میں واقع فرنیچر مارکیٹ پہنچ گئے اور اپنی ضرورت کے مطابق فرنیچر کا انتخاب کرنے لگے۔

سہ پہر تین بجے کے قریب ہم ایک ٹیکسی پر سوار [illegible] روڈ کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارے پیچھے وہ ٹرک تھا جس میں فرنیچر کے علاوہ بستر، برتن اور ضرورت کا اور بھی بہت سا سامان موجود تھا۔ سامان خریدتے وقت نرگس نے ایک ایک چیز کا خیال رکھا تھا۔

نصف درجن آدمی کوٹھی میں موجود تھے۔ صحن میں بکھرے ہوئے جامن کے خشک پتے صاف کیے جا چکے تھے۔ تین چار آدمی دیواروں کی رگڑائی کر رہے تھے۔ دو آدمی رنگ بنا رہے تھے۔ ایک آدمی کمروں کے فرش پر چھ مہینوں کی جمی دھول مٹی صاف کر رہا تھا۔

چودھری امین بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کام کرنے والوں کی مدد سے آدھے گھنٹے میں ٹرک

سے سامان اتروا کر کوٹھی کے ایک ایک کمرے میں رکھوا دیا جہاں سب سے بعد میں کام ہونا تھا۔

"بات یہ ہے چودھری صاحب۔" میں نے کہا۔ "ہم جہلم سے آئے ہوئے ہیں اور اپنے ایک عزیز کے ہاں قیام پذیر ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ کسی عزیز کے ہاں زیادہ دن ڈیرہ نہیں جمایا جاسکتا اس لیے....."

"میں سمجھ گیا۔" چودھری امین نے میری بات کاٹ دی۔ "آپ بتایئے سب سے پہلے کون سا کمرہ تیار کروا دیا جائے۔ آپ چاہیں تو کل یہاں شفٹ بھی ہوسکیں گے۔"

میں نے اور نرگس نے ایک بار پھر گھوم پھر کر پوری کوٹھی کا جائزہ لیا اور وہ کمرہ منتخب کیا جس کی ایک کھڑکی برآمدے کی طرف اور دوسری پہلو والے صحن کی طرف کھلتی تھی۔ اس کمرے سے نہ صرف سامنے والے مرکزی دروازے پر بلکہ سائیڈ والے دروازے پر بھی نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

اس روز بھی ہم شام کے قریب ہی گھر واپس پہنچے تھے۔ نہ صرف رضیہ بلکہ بوٹا بھی وہاں موجود تھا۔ ان دونوں نے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ نرگس تو اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں وہیں ان دونوں کے پاس لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ دس منٹ بعد بوٹا رخصت ہوگیا۔

"کیا چکر ہے؟" رضیہ نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "آج کل تم دونوں بہت سیر سپاٹے کر رہے ہو۔ نوری نے بتایا تھا کہ تم لوگ کل بھی سارا دن غائب رہے تھے۔"

"تم ہی نے تو کہا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہوسکے نرگس سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے سرگوشی میں جواب دیا۔

"پیچھا چھڑانے کو کہا تھا اسے بغل میں لے کر سیر سپاٹے کرنے کو نہیں۔" رضیہ نے مجھے گھورا۔

"نرگس کا دور کا ایک سسرالی عزیز مغل پورہ میں رہتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "پرانے وقت میں یہ لوگ اکٹھے ہی رہتے تھے۔ یہ نرگس کی شادی سے پہلے کی بات ہے۔ اکرم نامی وہ شخص ان دنوں نرگس [illegible] صرف مائل بھی تھا۔ نرگس کی شادی ہوئی تو وہ مایوس ہوکر لاہور آگیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں نے نرگس کو سمجھایا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں بٹھا دی تھی کہ میرے ساتھ رہے گی تو خطرات میں گھری رہے گی۔ نہ صرف پکڑے جانے کا اندیشہ ہے بلکہ میرے دشمنوں کے ساتھ کسی جھڑپ میں وہ ماری بھی جاسکتی ہے۔ میری بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اب ہم دو دن سے مغل پورہ میں اکرم کو تلاش کررہے ہیں۔ اکرم نے اب تک شادی نہیں کی۔ نرگس کو پاکر اس کی باچھیں کھل جائیں گی۔ میں نے نرگس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اسے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دے دوں گا۔ اکرم اس رقم سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار بھی شروع کرسکتا ہے۔ میں نے اس سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ کبھی کبھار میں اس سے ملتا رہوں گا۔"

"کیا واقعی تم اس سے ملو گے؟" رضیہ نے مجھے گھورا۔

"کہہ دینے میں کیا حرج ہے۔" میں مسکرا دیا۔

"اور اسے یہ بات بھی سمجھا دینا کہ یہاں سے جانے کے بعد دوبارہ اس طرف آنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر اس نے کبھی اس کوٹھی میں قدم رکھا تو [illegible]۔" رضیہ نے کہا۔

"میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔ ویسے یہ کون ذات شریف ہے میرا مطلب ہے قلب شیر؟"

"اپنا چوکیدار۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ویسے ہی اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں بھرتا رہتا ہے۔ میرا اشارہ پا کر وہ اسے مرغ چھوٹی طرح مار کر، تم ہی نگل جائے گا۔"

میں نے بھی ہنس کر اس کی بات ٹال دی۔ رضیہ نے نرگس کے حوالے سے اور کوئی بات نہیں کی تھی اور میرا خیال تھا کہ میں نے نرگس کے کسی سسرالی عزیز کی تلاش کے سلسلے میں جو من گھڑت کہانی سنائی تھی وہ اس سے مطمئن ہو گئی تھی۔

"زیورات کا کیا ہوا؟" چند لمحے خاموشی کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "ان دو دنوں کے دوران تم نے جیولر سے کوئی رابطہ کیا یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "اس روز میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ان زیورات کی بہت کم قیمت لگا رہا ہے۔ وہ لوٹ کا مال سمجھتا ہے۔"

"لوٹ کا مال ہی تو ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے ان زیورات کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ سنو گی تو حیرت ہو گی۔"

"حیرت کی کیا بات؟" اس نے مجھے گھورا۔ "ہندوستان میں کوئی دولت مند عورت تمہارے ہتھے چڑھ گئی ہو گی اور تم اسے کسی ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ لیے ہو گے۔ اس کا سب کچھ چھین کر۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ زیورات ہندوستان کے مندروں سے لوٹے ہوئے ہیں۔"

"مندروں سے؟" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "مندر تو عبادت گاہیں ہیں ہماری مسجدوں کی طرح۔ وہاں چوروں نے ڈاکے تو نہیں مارے ہوں گے جنہیں لوٹ لیا گیا ہو۔"

"ہندوستان کے مندر سونے کی کانیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ان مندروں میں پوجا کے لیے آنے والے لوگ نقد رقم کے علاوہ قیمتی چیزیں، طلائی زیورات اور سونے کی مورتیاں بھینٹ کرتے ہیں۔ ان مندروں کے پجاریوں کو لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہمارے ہاں تو اوقاف کا محکمہ ہے جو درباروں کی دیکھ بھال کے علاوہ نذرانوں اور دوسری آمدنی کا حساب رکھتا ہے۔ اوقاف کی نگرانی کے باوجود لاکھوں کا ہیر پھیر ہو جاتا ہے۔ مگر ہندوستان میں کوئی اوقاف نہیں ہے۔ مندر آزاد ہیں۔ یہاں کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے اور ان مندروں پر قبضہ کرنے کے لیے پجاریوں میں معرکہ آرائی ہوتی رہتی ہے۔ ان مندروں میں آدمی اس طرح غائب کر دیے جاتے ہیں جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو۔ ان مندروں کے پجاریوں نے اتنی دولت جمع کر رکھی ہے جس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" میں ایک بار پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر اسے چترا تے جھیرو کے بارے میں بتانے لگا۔ رضیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ "اگر میں چترا تے جھیرو کی ساری دولت لے آتا تو یہاں کے بائیس خاندانوں کی مشترکہ دولت بھی میری دولت مندی کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ میرے پاس یہ چند چیزیں ہی تھیں جنہیں میں کسی نہ کسی طرح بچا کر لے آیا۔"

میں نے رضیہ کو بیلا کے بارے میں بھی بتایا۔ وہ اس طرح میری طرف دیکھ رہی تھی جیسے میری باتوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"پھر تو تم واقعی دنیا کے سب سے بڑے احمق آدمی ہو۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "تمہیں بیلا کی پیشکش قبول کر لینی چاہیے تھی۔ ہندوستان میں رہتے تو عیش کرتے۔ یہاں کیا رکھا ہے؟ پکڑے جانے یا کسی بھی وقت مارے جانے کا خوف!"

"میرے لیے جو کچھ بھی ہے اس مٹی میں ہے رضیہ بی بی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ یا تو کسی دشمن کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گا یا سرکاری بدمعاشوں کے ہاتھوں پکڑا گیا تو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاؤں گا لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ دفن ہونے کے لیے اپنے وطن کی مٹی تو ملے گی۔"

"عجیب منطق ہے تمہاری۔" رضیہ بولی۔ "وہ کون سا جرم ہے جو تم نے نہیں کیا۔ تمہارے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے ہیں۔ تم اس وقت قانون کو سب سے زیادہ مطلوب ہو اور تم اس مٹی میں دفن ہونے کی باتیں کر رہے ہو۔"

"ہاں رضیہ بی بی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مٹی کی خوشبو ہی ایسی ہوتی ہے جو مجبور کر دیتی ہے۔ ایک عجیب سا سحر ہے اس مٹی میں۔ میں نے جرائم کا راستہ اپنایا ہے تو کیا ہوا۔ اس مٹی کی محبت تو میرے دل سے نہیں نکلی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم کسی قاتل، سمگلر، چور، ڈاکو یا کسی بھی جرائم پیشہ شخص کا سینہ چیر کر دیکھ لو۔ ان تمام برائیوں کے باوجود تمہیں اس کے دل میں اس وطن کی محبت ضرور ملے گی۔ دراصل مٹی کی محبت ہے ہی ایسی چیز جو دل سے کھرچی نہیں جا سکتی۔"

"یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔" رضیہ نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم قاتلوں اور سمگلروں کی بات کرتے ہو۔ میں نے تو کسی ایسے شخص کے دل میں بھی وطن کی ذرا محبت نہیں دیکھی جو وطن کی محبت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ ہاتھوں دو پہ تنخواہ اور سرکاری مراعات پر عیاشی کرنے والے اعلیٰ سرکاری آفیسر، سیاستدان، تاجر، صنعت کار کس کے دل میں ہے وطن کی محبت؟ یہ لوگ دونوں ہاتھوں سے اس ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ ملک تو بہتی گنگا ہے۔ جس میں سب ہی ہاتھ دھو رہے ہیں اور تم اس مٹی سے محبت کی باتیں کر رہے ہو۔"

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں پاگل ہوں۔ میری طرح اور بھی بہت سے ایسے پاگل اس ملک میں موجود ہیں جو اپنے نام کے ساتھ جرائم کی ایک طویل فہرست ہونے کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ انہیں کسی بھی وقت موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ اپنے دل میں مٹی کی محبت سے پیدا ہونے والی اس کسک کو محسوس کرتے ہیں۔"

"اچھا ختم کرو۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری یہ باتیں۔" رضیہ نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتی ہوں کہ دل میں وطن کی محبت ہو تو کوئی چوری نہ کرے، ڈاکے نہ مارے، قتل نہ کرے اور سمگلنگ نہ کرے۔ لیکن یہاں وطن کی محبت کس میں ہے۔ یہاں تو سب چور ہیں۔ کوئی چھوٹا چور، کوئی بڑا چور۔ میں بھی چور اور تم

بھی چھوڑو۔ ختم کرو یہ باتیں۔ ہندوستان کے مندروں کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔ مجھے تو یہ سب کچھ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ لوگ اتنی قیمتی چیزیں پتھر کی مورتیوں کے سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں۔"

"اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز۔" میں نے کہا۔ "تمہیں ایک اور دلچسپ واقعہ بتاؤں۔ میں ان دنوں ماؤنٹ آبو کے ایک مندر میں چھپا ہوا تھا۔ ایک روز ایک بوڑھا ٹھاکر اپنی جوان اور خوبصورت بیوی کو گنیش دیوتا کی مورتی کے قدموں میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں جو صورت حال پیدا ہوئی اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"مثلاً؟" رضیہ نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ لڑکی جوان اور بہت حسین تھی۔ عمر پچیس تیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ مندر کا ہر پنڈت اور پجاری اسے اپنے قبضے میں لینا چاہتا تھا۔ اس بات پر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا جو بڑھ کر سنگین جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔ پانچ پجاری زخمی ہوئے۔ دو کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ بات مندر کی دیواروں سے نکل کر پورے شہر میں پھیل گئی۔ لڑکی کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پولیس نے اس بوڑھے ٹھاکر کو بھی تلاش کرایا اور اس کی بیوی اس کے حوالے کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے اپنی پتنی گنیش دیوتا کے چرنوں میں بھینٹ کر دی تھی۔ وہ بھگوان کو دی ہوئی بھینٹ واپس نہیں لے سکتا۔ کئی روز تک جھگڑا چلتا رہا اور بالآخر اس لڑکی کو آشرم بھیج دیا گیا۔ چند روز بعد وہ آشرم کے ایک ملازم کے ساتھ بھاگ گئی اور اس طرح یہ قصہ ختم ہو گیا۔"

"تمہاری یہ کہانی دلچسپ ہے لیکن اس میں مبالغہ اور رنگ آمیزی کتنی ہے؟" رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک فیصد بھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہیں میری اس بات کا یقین نہیں آ رہا لیکن ہندوستان کے مندروں کی دنیا بڑی پراسرار ہے۔ وہاں تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ، حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ بہرحال میں تمہیں کہانیاں سنانے کے لیے یہاں تمہارے پاس نہیں بیٹھا۔ ان زیورات کی بات کرو کب تک ان کا سودا کرو گی؟" میں اصل موضوع پر آ گیا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ وہ صراف ان دو چیزوں کی بہت کم قیمت لگا رہا ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "چند روز رک جاؤ۔ میں کسی اور جیولر سے بات کروں گی۔ یہ زیورات تمہارے ہاتھ مفت میں لگے ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انہیں یونہی پھینک دیا جائے۔ پوری نہ سہی لیکن مناسب قیمت تو ملنی چاہیے۔ جلد بازی سے ہم نقصان میں رہیں گے۔"

ہم کچھ دیر اور بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مجھے کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ بھی اپنے آپ کو مجھ سے دور رکھتی تھی اور پھر نرگس کے آ جانے سے ہماری گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

دو دن اور گزر گئے۔ میرا خیال تھا کہ میں آؤٹ فال روڈ والا مکان چھوڑنے کے بعد ایک دو دن میں وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ بڑی مدت ہو گیا تھا اور میں نے ایک سال کا کرایہ بھی دے دیا تھا لیکن مجھے رضیہ کے ہاں سے نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس روز کے بعد رضیہ ایک منٹ کو بھی گھر سے باہر نہیں گئی تھی اور میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اس پر عمل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ رضیہ کم از کم دو گھنٹوں کے لیے گھر

سے باہر ہو۔

ویسے میں نرگس کے ساتھ روزانہ اس مکان کے چکر لگا رہا تھا۔ وہاں چودھری امین کی نگرانی میں رنگ و روغن کا کام ہو رہا تھا۔ ہم تھوڑا تھوڑا سامان بھی وہاں پہنچاتے جا رہے تھے۔ نرگس گھرداری کا سارا سامان جمع کر لینا چاہتی تھی۔ اسے جو چیزیں بھی یاد آتیں خرید لیتی۔

وہ شاید پانچواں دن تھا۔ شام کا وقت تھا۔ میں رضیہ اور نرگس کے ساتھ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ چوکیدار نے رضیہ کو کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔

"ارے انہیں اندر لے کر آؤ باہر کیوں روک لیا؟" رضیہ نے چوکیدار کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "شاہ جی آئے ہیں۔"

اور چند منٹ بعد جو شخص گیٹ میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

ساڑھے پانچ فٹ کے قریب قد، جسم قدرے بھاری بھرکم، سفید کے ٹی کی شلوار قمیص اس پر کالی واسکٹ، پیروں میں تلے کی سلور کڑھائی والا سلیم شاہی جس کی نوک آگے سے مونچھوں کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ شیو جیسے کچھ دیر پہلے ہی بنایا گیا ہو۔ نوکدار، بٹر ٹاپ کی بھاری مونچھیں اور سر پر براؤن رنگ کی قراقلی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ جیسے رات بھر جاگا ہو یا کسی قسم کا نشہ کر رکھا ہو۔

وہ شاہ جی تھا لیکن میں اسے سلطان پہلوان کے نام سے جانتا تھا۔ یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ قصور میں جب شجاع میرے ہاتھوں مارا گیا تھا تو میں فرار ہو کر لاہور پہنچ گیا۔ لاہور بڑا شہر تھا اور میلوں دور تک پھیلا ہوا تھا اور مجھے یقین تھا کہ بغیر کسی شناخت کے پولیس مجھے انسانوں کے اس جنگل میں تلاش نہیں کر سکے گی۔

میں لاہور میں کئی روز تک ٹھوکریں کھاتا رہا۔ بالآخر دلی دروازے کے عین سامنے ایک ہوٹل میں مجھے نوکری مل گئی۔ میں سارا دن میزوں پر گاہکوں کو کھانا سرو کرتا۔ میزیں صاف کرتا، برتن دھوتا اور تب مجھے پیٹ بھر کھانا اور چند روپے مزدوری کے مل جاتے۔

میں کئی ہفتے اس ہوٹل میں کام کرتا رہا۔ اور پھر ایک روز یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اس ہوٹل کا مالک ہیروئن کا دھندہ بھی کرتا تھا۔ صبح سے لے کر رات تک یہاں ایسے لوگ بھی آتے تھے جن کی صورت دیکھ کر ہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ نشے کے عادی ہیں۔ انہیں ہوٹل کا گاہک بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ سیدھے کاؤنٹر پر جاتے۔ سیٹھ سے گپ شپ کرتے۔ جیب سے چند نوٹ نکال کر سیٹھ کو دیتے اور سیٹھ کاؤنٹر کی خفیہ دراز سے ہیروئن کی پڑیا نکال کر گاہک کے ہاتھ میں تھما دیتا۔

مجھے سیٹھ کے اس غیر قانونی کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اس بات پر مطمئن تھا کہ مجھے پناہ کی ایک جگہ مل گئی تھی۔ یہاں کوئی مجھے شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ لیکن میری یہ خوش فہمی جلد ہی دور ہو گئی۔

ایک روز اچانک ہی قصور کا رہنے والا ایک آدمی اس ہوٹل پر پہنچ گیا جو مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس شخص نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی اور میں اسے بہانے سے پکڑ کر قریب ہی شہری لطیفہ ... منشیات ... پارک میں لے گیا اور اس کا گلا گھونٹ کر لاش گندے نالے میں پھینک دی۔ دوسرے روز

اس کی لاش مل گئی تھی لیکن پولیس یہ سراغ نہیں لگا سکی تھی کہ اس کا قاتل کون تھا۔

میں ایک بار پھر مطمئن ہو گیا۔ لیکن اس بار بھی امن و امان کی صورت حال زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکی۔

ہوٹل کے مالک کے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آیا کرتے تھے جو ہیروئن کے دھندے میں اس کے پارٹنر تھے اور ان میں سلطان نامی یہ شخص بھی شامل تھا لیکن ان دنوں اس نے نہ تو مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور نہ ہی وہ ایسا صحت مند ہوا کرتا تھا۔

بہرحال ہم ہوٹل کے تمام ملازم رات کو ہوٹل بند ہونے کے بعد چھت پر سویا کرتے تھے۔ میری ڈیوٹی رات گیارہ بجے ختم ہو جایا کرتی تھی اور میں تھکن سے چور چھت پر جا کر سو جایا کرتا تھا۔

اس رات بھی میں معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی ختم کر کے چھت پر جا کر اپنی چارپائی پر سو گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں چھت پر جا رہا تھا تو سلطان نامی یہ شخص بھی سیٹھ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

میں اس وقت گہری نیند میں تھا کہ شور کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی اور پھر مجھے فوراً ہی گڑبڑ کا احساس ہو گیا۔ پولیس نے ہوٹل پر چھاپہ مارا تھا۔ چھت پر سوئے ہوئے ملازم بھی جاگ گئے تھے اور بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ پولیس والے سیڑھیوں سے بھاگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ اور اندھیرا تھا۔ ایک آدمی نے ایک تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کے الفاظ اب بھی مجھے یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا۔

"یہ تھیلا لے کر بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں بعد میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔"

وہ ہوٹل کا سیٹھ تھا۔ میں جانتا تھا کہ ہوٹل کے بعض ملازم بھی ہیروئن کے دھندے میں ملوث تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے سیٹھ نے مجھے پہچانا نہیں تھا اور تھیلا میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

میں نے ہوٹل کے پچھلی طرف تانگہ سٹینڈ میں چھلانگ لگا دی اور بھاگتا ہوا وہاں سے دور نکل گیا۔ اس تھیلے میں تقریباً ایک کلو ہیروئن اور ایک لاکھ روپے کے قریب نقد رقم تھی۔ یہ تھیلا قبضے میں آنے کے بعد میرا دوبارہ ہوٹل کی طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے وہ رات چاہ میراں کے ایک دربار کے کمپاؤنڈ میں گزاری۔ وہاں میری طرح اور بھی بہت سے لاوارث لوگ پڑے ہوتے تھے۔

وہ جگہ مجھے اچھی لگی۔ ملنگ اور مجذوب ٹائپ کے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ کسی کو مجھ پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی میری تلاش میں اس طرف آ سکتا تھا۔ یہ جگہ میرے لیے محفوظ تھی۔ یہاں سونے اور کھانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سونے کے لیے وسیع و عریض کمپاؤنڈ کا فرش تھا اور کھانے کی پریشانی اس طرح نہیں تھی کہ یہاں ہر وقت لنگر بٹتا رہتا تھا۔ مخیر حضرات پکی پکائی دیگیں خرید کر غریبوں اور مستحق لوگوں میں بانٹتے رہتے تھے اور مجھ جیسے تمام لوگ بھی عیش کرتے تھے۔

میں کئی روز اس دربار میں رہا۔ میرے تھیلے میں اگرچہ بڑی رقم موجود تھی لیکن میں نے وہ تھیلا ایک مرتبہ بھی نہیں کھولا تھا۔ اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت کرتا تھا۔ کھانے پینے کو مفت مل جاتا تھا لوگوں سے خیرات کے پیسے بھی مل جاتے تھے۔ ایک آدمی نے تو مجھے پرانے کپڑوں کا ایک جوڑا بھی دیا تھا۔ کئی روز بعد جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ ہوٹل کے مالک کی طرف سے میری تلاش کا ہنگامہ سرد پڑ چکا ہو گا تو میں

اس دربار سے نکلا اور سب سے پہلے اپنا حلیہ بدل کر کرائے کے ایک مکان کا بندوبست کیا اور پھر وہیں سے میری زندگی کا وہ دور شروع ہوا جو میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔ تھیلے سے ملنے والی رقم اور ایک کلو ہیروئن نے مجھے شہر کا ایک بہت بڑا منشیات فروش بنا دیا۔

میرا ایک باقاعدہ گروہ تھا۔ ہوٹل کے مالک پہلوان کو بھی پتہ چل گیا کہ میں کون ہوں۔ اس سے بھی میری ٹھن گئی اور ہم میں باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔

میرے دشمنوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ میرے ہاتھوں مارے جانے والوں کی تعداد بھی بڑھتی رہی۔ پولیس بھی اگرچہ میرے پیچھے لگی ہوئی تھی لیکن پولیس کے کئی آفیسر میرے پے رول پر تھے۔ اس لیے میرے اور پولیس کے درمیان فاصلہ برقرار رہا۔ لیکن جب ایک پولیس سب انسپکٹر بھی میرے ہاتھوں مارا گیا تو میرے گرد پولیس کا گھیرا تنگ ہونے لگا۔

اتفاق سے رضیہ سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے اپنا قصور والا مکان بیچ دیا تھا اور لاہور میں سیٹ ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں کئی روز تک شام نگر میں رضیہ کے مکان میں روپوش رہا۔ اس دوران میں نے سر کے بال اور داڑھی بڑھا لی اور پھر رضیہ ہی کی آڑ میں لاہور سے نکل گیا تھا اور نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر پھر انہی لوگوں کے روبرو تھا۔

میری زندگی کے پرانے کردار آہستہ آہستہ پھر سامنے آنا شروع ہو گئے۔ پہلے رضیہ اور اب سلطان جسے رضیہ شاہ جی کہتی تھی۔

شاہ جی گیٹ میں داخل ہونے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں تلے والی سلیم شاہی سے چر چر کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں نے تو اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کی صحت اچھی ہونے کے علاوہ چہرے پر صرف مونچھوں کا اضافہ ہوا تھا جبکہ میرا حلیہ اس زمانے کی نسبت بہت بدلا ہوا تھا۔

جب وہ لان میں داخل ہوا تو رضیہ اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ قریب آ کر شاہ جی نے پہلے رضیہ سے ہاتھ ملایا پھر میری طرف الجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ تاجی ہے شاہ جی۔" رضیہ نے میرا تعارف کرایا۔ "میں اس سے آپ کو ملانا چاہتی تھی۔"

میرا نام سن کر شاہ جی چونک گیا۔ اس نے اگرچہ مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی تھی۔

رضیہ نے شاہ جی کے لیے بھی چائے منگوائی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاہ جی میرے نام پر چونکا تھا لیکن اس نے شکل سے مجھے پہچانا نہیں تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران زیر زمین دنیا کے حوالے سے کچھ پرانی باتیں بھی زیر بحث آئی تھیں۔ میرا نام لیے بغیر شاہ جی نے کچھ ایسے معرکوں کا تذکرہ بھی کیا تھا جن کی ذمہ داری سو فیصد مجھ پر ہی عائد ہوتی تھی لیکن کسی بھی موقع پر میں نے یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ شاہ جی مجھے پہچان گیا ہے۔

"تو پھر کیا خیال ہے شاہ جی؟" رضیہ نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"ناجی کو ایک موقع دیں نا۔ یہ ہندوستان میں بڑے معرکے سر کر کے آیا ہے۔ اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"معرکے تو اس نے یہاں بھی بڑے سر کیے ہیں۔" شاہ جی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے تجربات سے فائدہ ضرور اٹھاؤں گا۔ میں تو ان دنوں بھی اسے تلاش کر رہا تھا مگر یہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا۔"

میرے لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی کہ وہ مجھے شناخت نہیں کر سکا تھا' بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس نے مجھے شروع ہی میں پہچان لیا تھا اور اب تک بلی چوہے والا کھیل کھیلتا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" رضیہ چونک گئی۔ "کیا آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔" شاہ جی مسکرا دیا۔ "میں تو اب تک یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ مجھ سے شناسائی ظاہر کرتا ہے یا نہیں لیکن ہر جگہ چالاکی کام نہیں آتی۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"میں نے بھی تمہیں گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی پہچان لیا تھا۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں تمہارے خیالات کیا ہیں۔"

"خیالات تو کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن بات بہت پرانی ہو چکی ہے۔" شاہ جی نے کہا۔ "تم اس ہوٹل میں کام کرتے تھے اور تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ حمید اپہلوان کے اس بزنس میں میرا بھی سرمایہ لگا ہوا تھا۔ اس رات ہوٹل پر چھاپے میں پولیس تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی لیکن تم ہمیں بہت زبردست چپت لگا گئے تھے۔ ہم نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ لیکن تمہارا کوئی سراغ نہیں ملا اور پھر تم ایک بڑے گینگسٹر کے روپ میں ہمارے سامنے آئے۔ ہم نے تمہیں گھیرنے کی کوشش کی مگر تم طاقت حاصل کر چکے تھے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم تمہاری گردن ناپنے کی پوزیشن میں آ گئے تھے لیکن ایک پولیس آفیسر تمہارے ہاتھوں مارا گیا اور تم لاہور سے غائب ہو گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس کے بعد صورت حال بتدریج تبدیل ہوتی چلی گئی۔ حمید اپہلوان پولیس کے ساتھ ایک جھڑپ میں مارا گیا۔ مجھے بھی چند دنوں کے لیے روپوش ہونا پڑا۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے تمہاری تلاش شروع کر دی۔ تم سے حساب برابر کرنے کے لیے نہیں بلکہ مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ میں پچھلی باتیں بھول کر تمہیں اس بزنس میں اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا۔ مگر تم تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ آج طویل عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے۔ میں پچھلی ساری باتیں بھلانے کے لیے تیار ہوں بلکہ بھول چکا ہوں۔ تمہارے نام کا اثر اب بھی ہے۔ رضیہ نے اس روز فون پر مجھ سے تمہارے بارے میں بات کی تھی لیکن میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تم ہوٹل میں ہو تو میں کراچی نہ جاتا اور اس روز تم سے ملاقات ہو جاتی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

میں رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لحظہ بدل رہے تھے۔ اسے تو واقعی اس بات پر حیرت ہونی چاہیے تھی کہ ہم ایک دوسرے کے پرانے شناسا نکلے تھے۔ شاہ جی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اس وقت تم نے وہی کیا جو حالات کے تحت تمہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو یہی کرتا جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ بہت بڑا احمق ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا بلکہ تم نے تو موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور پھر جس طرح تم نے حالات کا مقابلہ کیا وہ قابل تعریف ہے۔ میں تو تمہیں تلاش کرتا رہا اور اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ رضیہ اگر تمہاری سفارش نہ بھی کرتی تو میں تمہیں پیشکش کرتا۔ اب حالات وہ نہیں ہیں' اپنا بزنس بڑھ چکا ہے۔ پرانے دوستوں سے ہاتھ ملا لو۔ فائدے میں رہو گے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

میں نے ایک لمحہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور پھر شاہ جی سے ہاتھ ملا لیا۔

شاہ جی' کل کا سلطان جسے میں نے اکثر میلی سی دھوتی اور کرتہ پہنے دیکھا تھا' آج کا شاہ جی تھا۔ لاہور میں منشیات کا بادشاہ۔ صرف لاہور ہی نہیں اس کا کاروبار مکڑی کے جالے کی طرح پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ مجھے رضیہ نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ میں نے شاہ جی کے بارے میں ذہن میں بڑے عجیب تصورات قائم کیے تھے لیکن اسے دیکھ کر مجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ہوئی تھی۔ ایک معمولی سا لٹ پونجیا چند مہینوں میں ہی منشیات کی مارکیٹ پر چھا گیا تھا۔

شاہ جی نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور میں نے اس سے ہاتھ ملا بھی لیا تھا۔ بظاہر اس نے پچھلی ساری باتیں بھول جانے کی بات کی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی باتیں آسانی سے نہیں بھلائی جا سکتیں۔ میں ان کا ایک لاکھ روپیہ نقد اور تقریباً ایک کلو ہیروئن لے کر بھاگا تھا۔ اس زمانے میں بھی ایک کلو ہیروئن کی لاکھوں کی تھی۔ جب تک میں ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا تھا وہ اس بات کو بھولے رہے تھے۔ انہوں نے صبر کر لیا تھا لیکن اب میں دوبارہ سامنے آ گیا تھا۔ یہ زخم کسی بھی وقت ہرا ہو سکتا تھا۔

شاہ جی سے ملاقات اور اس پیشکش کے بعد بھی میں نے اپنے منصوبے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنے اس منصوبے پر بہر حال عمل کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے ناجی باؤ۔" شاہ جی کرسی سے اٹھتے ہوا بولا۔ "یہ تو ہماری پہلی ملاقات تھی۔ ایک دوسرے سے از سر نو تعارف ہوئے ہیں۔ کل ہماری تفصیلی ملاقات ہو گی پھر تم سے پروگرام بنائیں گے۔ ویسے میں نے تمہارے لیے ایک کام سوچ لیا ہے۔ اگر تمہیں ملک سے باہر بھیجا جائے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن میرے پاس پاسپورٹ نہیں ہے اور نہ ہی بن سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ پاسپورٹ بن جائے گا۔" شاہ جی نے کہا۔ "وہ لوگ بھی بڑے اطمینان سے ملک سے باہر چلے جاتے ہیں جن کے نام حکومت نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈال رکھے ہیں۔ تمہارا پاسپورٹ تو دوسرے نام سے ہو گا۔ بہر حال کل شام کی چائے تم لوگ میرے ہاں پیو۔ ساری

باتیں تفصیل سے ہو جائیں گی۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد شاہ جی نے رضیہ سے بھی شیک ہینڈ کیا لیکن نرگس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی حماقت نہیں کی۔

رضیہ شاہ جی کو رخصت کرنے گیٹ کے باہر تک گئی تھی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ میں اپنی کرسی پر بیٹھ کر نرگس کی طرف دیکھنے لگا جو خاموش بیٹھی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

رضیہ تقریباً پندرہ منٹ بعد واپس آئی تھی۔ وہ باہر گاڑی کے پاس کھڑی شاہ جی سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اس نے واپس آتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"تم شاہ جی کو کیسے اور کب سے جانتے ہو۔ کیا چکر تھا تمہارا۔ لگتا ہے میری طرح تم نے انہیں بھی کوئی دھوکا دیا تھا۔"

"یہ بزنس تو ہے ہی دھوکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے شاہ جی نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوتا ہے۔ اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا تو واقعی احمق کہلاتا۔"

"ویسے چکر کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"قصور سے فرار ہونے کے بعد جب میں لاہور پہنچا تھا تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔" میں نے جواب میں کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ "اور آج تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔" میں نے آخر میں کہا۔ "حیرت ہے چند مہینوں میں یہ آسمان پر پہنچ گیا۔"

"وہ کاروبار میں کھرا آدمی ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "اور یہ دیانتداری ہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ ویسے شاہ جی ہیرا آدمی ہے ہیرا۔ اگر تم نے اس کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا تو تم بھی بن جاؤ گے۔"

"ہاں۔ اب تو یہ کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ہم شاہ جی کے جانے کے بعد ایک گھنٹہ بعد بھی لان میں بیٹھے رہے۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ نوری نے اگرچہ برآمدے میں سوئچ آن کر کے لان کی بتیاں بھی جلا دی تھیں لیکن مچھر ہمیں بری طرح نوچ رہے تھے اس لیے اٹھ کر اندر آ گئے۔

ہم رات کے کھانے کے بعد بھی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نرگس ہماری گفتگو کے دوران ہی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ مسلسل شاہ جی کی حمایت میں بول رہی تھی۔ وہ جس شخص کو کھرا اور دیانتدار اور ہیرا کہہ رہی تھی میں اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو ایک روپے کے لیے سڑک پر لوگوں سے لڑا کرتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ صرف دو روپے کے لیے ایک ہیروئنچی سے اس کی ہاتھا پائی ہو گئی تھی اور اس ہیروئنچی نے اس کا کرتا پھاڑ دیا تھا اور آج وہی شخص منشیات کا بادشاہ تھا۔ وہ ایک محترم شخصیت کا مالک بن گیا تھا۔ سڑکوں پر جوتیاں چٹخانے کے بجائے مرسیڈیز میں سفر کرتا تھا۔ ماڈل ٹاؤن کی شاندار کوٹھی میں رہائش پذیر تھا اور معاشرے میں بھی اسے اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

میں جانتا تھا کہ سلطان جیسا پست ذہنیت رکھنے والا شخص کسی بھی وقت میرے خلاف پلٹ سکتا

ہے۔ اس لیے مجھے اس سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

رات دو بجے کے قریب رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ میں کچھ دیر صوفے پر بیٹھا رہا پھر دبے قدموں چلتا ہوا نرگس والے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ آہستگی سے بند کر کے اوپر سے چٹخنی چڑھا دی۔

کمرے میں نیلگوں روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ نرگس گہری نیند میں ہو گی لیکن میں دروازہ بند کر کے جیسے ہی اس کی طرف مڑا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

کئی روز بعد رات کو مجھے نرگس کے کمرے میں آنے کا موقع ملا تھا۔ ہم سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنے منصوبے کو کل ہر صورت میں عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور نرگس کو سمجھا رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا۔

میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ صبح چار بجے کے قریب میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ اس وقت بھی میں نرگس کو بتا رہا تھا کہ رضیہ اب میرے لیے قابل اعتماد نہیں رہی۔ اس کا زیادہ جھکاؤ شاہ جی کی طرف ہے اور یہ صورتحال آگے چل کر میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے کل شام شاہ جی کی کوٹھی پر جانے کے بجائے اس سے پہلے ہی ہمیں اپنا بندوبست کر لینا چاہیے۔ میرے دل میں ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ کل شام شاہ جی اپنا وہ ہاتھ دکھا دے جس کا مجھے اندیشہ ہے۔

نرگس میرے سینے پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی اور پھر نیند کے بوجھ سے میری پلکیں بھی جھکنے لگیں۔

دن کے گیارہ بجے تھے۔ نرگس نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"رضیہ گھر میں نہیں ہے۔" نرگس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "وہ گھنٹہ بھر پہلے کہیں گئی ہے۔ یہ بہترین موقع ہے۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو اور یہاں سے نکل چلو۔"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ میں نرگس کو کمرے میں ہی چھوڑ کر باہر آ گیا۔ نوری ہال میں فرنیچر کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

"رضیہ کہاں ہے نوری؟" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بتا کر نہیں گئی۔" نوری نے جواب دیا۔ "تمہارے لیے چائے لاؤں۔ یا نہا کر پیو گے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

"لے آؤ چائے پینے کے بعد نہاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

نوری ہاتھ میں پکڑا ہوا جھاڑن ایک کرسی کی پشت پر ڈال کر کچن میں چلی گئی۔ اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس دوران نرگس بھی آ گئی تھی۔

"تم نے رضیہ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں نرگس سے پوچھا۔ "میرا خیال ہے وہ تیار ہو کر گئی تھی یا..."

"میں نے اس کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھی تھی۔" نرگس نے جواب دیا۔ "مجھے اندازہ نہیں کہ وہ کہیں قریب گئی ہے یا....."

"وہ نوری کو بھی کچھ بتا کر نہیں گئی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئی۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر میں واپس آ جائے۔"

"پھر بھی یہ تمہارے لئے اچھا موقع ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔" نرگس نے کہا۔

"دیکھتے ہیں۔ صورتحال کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

میں صبح چار بجے کے بعد ہی سویا تھا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

چائے ختم کرنے کے بعد میں نرگس کو وہیں چھوڑ کر رضیہ کے کمرے میں آ گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانا چاہا تو ٹھٹک گیا۔ دروازہ لاک تھا۔

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اب مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ رضیہ کی نیت میں واقعی فتور آ گیا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ دروازہ لاک کیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ میرے کپڑے اسی کمرے میں تھے اور میں باتھ روم بھی اسی کمرے کا استعمال کرتا تھا۔ لیکن وہ دروازہ لاک کر گئی تھی۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال مچل رہا تھا۔ ہو سکتا ہے صبح فون پر شاہ جی سے اس کی کوئی بات ہوئی ہو اور عین ممکن ہے اس کے بعد ہی اس نے دروازہ لاک کرنا ضروری سمجھا ہو اور عین ممکن ہے اس نے باہر جانے سے پہلے نوری کو بھی ہمارے بارے میں کچھ ہدایات دی ہوں۔

میں ہال میں واپس آ گیا۔ نرگس وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم تو باتھ روم جا رہے تھے۔ واپس کیوں آ گئے۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رضیہ کے کمرے کا دروازہ لاک ہے۔" میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوہ۔" نرگس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

"اب ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "میں تمہارے کمرے کے باتھ روم میں جا رہا ہوں۔ اس دوران تم نوری سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ رضیہ کہاں گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسے نہ صرف بتا کر گئی ہو گی بلکہ ہمارے بارے میں بھی کچھ ہدایات دی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں معلوم کرتی ہوں۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" نرگس بولی۔

میں جواب دیئے بغیر وہاں سے اٹھ کر نرگس والے کمرے میں آ گیا۔ میں نے نہانے میں زیادہ وقت نہیں لگایا۔ لیکن جب کپڑے بدل رہا تھا تو کمپاؤنڈ میں گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں تقریباً دس منٹ بعد کمرے سے باہر نکلا۔ میرا خیال درست نکلا۔ وہ رضیہ ہی تھی جو اس وقت

اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی شاپنگ بیگ بھی تھا۔

"نوری۔ ناشتہ لاؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے آواز لگائی اور نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی چھا گئی تھی۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔" میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا

"میں نے بھی نوری سے پوچھا تھا۔ وہ اسے بھی کچھ بتا کر نہیں گئی تھی۔" نرگس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

اور پھر نوری کو آتے دیکھ کر ہم خاموش ہو گئے۔ نوری نے ناشتے کی ٹرے میرے سامنے رکھ دی اور واپس چلی گئی۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ رضیہ بھی آ گئی۔

"آج تو تم خوب سوئے۔ رات بھر جاگتے رہے تھے کیا؟" اس نے میرے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں اس کے لہجے سے سمجھ گیا تھا کہ اس بات کے پیچھے اس کا مطلب کیا تھا۔

"دو بجے تک تو یہاں تمہارے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے بعد کمرے میں جا کر بستر پر لیٹا تو دیر تک نیند نہیں آئی"

رضیہ جواب دینے کی بجائے معنی خیز نگاہوں سے نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔ "تم صبح ہی صبح کہاں غائب ہو گئی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ٹیلر کے پاس گئی تھی" اس نے جواب دیا۔ "آج تو میں اسے کھری کھری سنا کر آئی ہوں۔ جانے یہ لوگ بہت بدتہذیب ہوتے ہیں۔ پھر ایک ہفتہ کا وعدہ، چھ دن میں صرف دو سوٹ تیار کئے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ گاہک کو وقت پر مطمئن نہیں رکھ سکتے تو لے کیوں لیتے ہیں۔"

"گاہک کو قابو میں رکھنے کے لئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جو شخص زیادہ سے زیادہ کمانا چاہتا ہے اس کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔"

"اور تمہارے اس اکرم کا کچھ پتہ چلا؟" یہ سوال رضیہ نے نرگس سے کیا تھا۔ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"ابھی نہیں۔" نرگس نے بے دلی سے جواب دیا۔ "پتہ چلا ہے کہ وہ مغل پورہ ورکشاپ میں ملازمت کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے ایک دو دن میں اس کا پتہ چل جائے گا۔"

میں نے رضیہ کو نرگس کے کسی سسرالی رشتے دار کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنائی تھی۔ گھر سے غائب رہنے کا کوئی جواز تو ہونا چاہئے تھا۔ میں نے نرگس کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی۔ کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ رضیہ کسی وقت اس سے بھی اکرم کے بارے میں پوچھ لے گی اور میرا یہ شبہ درست نکلا تھا۔

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ رضیہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کال ریسیو کی۔

فون پر بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ ہر لحظہ تبدیل ہو رہا تھا۔ چار پانچ منٹ تک بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

سے نچلے خانے میں فائلیں اٹھا کر دیکھنے لگا۔

یہ رضیہ کے چند روزہ شوہر الیاس کی جائیداد کے کاغذات تھے میں ابھی یہ فائلیں دیکھ ہی رہا تھا کہ دروازے کی طرف سے آہٹ سن کر اچھل پڑا۔ میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ وہ نرگس تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"وہ… وہ آ گئی… جلدی کرو…"

"کون…" میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی۔ میرے ذہن میں رضیہ کا خیال ابھرا تھا۔

"نوری۔" نرگس بولی۔ "وہ ابھی ابھی گیٹ میں داخل ہوئی ہے۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے وہ فائلیں بھی اپنے تھیلے میں ٹھونس لیں۔ رضیہ کی بے اعتنائی اور رویے نے مجھے دکھ پہنچایا تھا اور میں اسے زوردار چپت لگانا چاہتا تھا کہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔

نرگس واپس جا چکی تھی۔ میں نے فوراً الماری کا دروازہ بند کر دیا۔ تالے میں کی رنگ والا تار ابھی تک پھنسا ہوا تھا۔ میں نے جھٹکا دے کر تار باہر کھینچ لیا اور دروازے کو دوبارہ لاک کرنا ضروری نہیں تھا۔

جلدی عجلت میں الماری کو گھما کر اس کی جگہ فٹ کیا اور نیچے جھک کر کپڑا اس کی جگہ رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھیلے کو ہاتھ میں پکڑ کر میں دروازے کے قریب آ گیا اور محتاط انداز میں راہداری میں جھانکنے لگا۔ کچن کی طرف سے نوری اور نرگس کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں کمرے سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور خیال آتے ہی رک گیا۔ نوری میرے پاس تھیلا دیکھ کر مشکوک ہو سکتی تھی۔

میں مڑ کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً میرے دماغ میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ باتھ روم میں میرے کپڑوں کے دو جوڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے لانڈری میں دینے تھے مگر کئی روز سے بھول رہا تھا۔

میں نے وہ کپڑے تھیلے میں ٹھونس لئے۔ ایک بار پھر محتاط انداز میں دروازے سے باہر جھانکا اور پھر کمرے سے نکل کر بڑی آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔ کھٹاک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ آٹومیٹک لاک لگ گیا تھا۔

میں تھیلا ہاتھ میں اٹھائے ٹہلتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔ اس وقت وہ دونوں کچن سے نکل رہی تھیں۔ [illegible] نوری بال میں سفید پھول لگائے بڑی پرکشش ہو رہی تھی۔ اس میں پھول بھی تھے۔ نوری ایک کمرے سے آ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

"تم نے جو سامان بتایا تھا وہ تو نہیں ملا۔ میں تو وہیں بھول گئی تھی۔ تم مارکیٹ کی طرف جاؤ تو خود ہی لے لینا۔"

"میں ابھی جا رہا ہوں۔ خود ہی دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو تم۔" نرگس نے قدرے تیکھی آواز میں کہا۔

"میلے کپڑے کئی دنوں سے پڑے ہوئے تھے۔ لانڈری میں دینے جا رہا ہوں۔ تم نے تو انہیں دھونے کے لئے نہیں لیا۔" میں نے کہتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ کا کونا مخصوص انداز میں دبا دیا۔

"ایک دو سوٹ میرے بھی رکھے ہوئے ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "رک جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے تو بور ہو جاؤں گی۔"

نرگس اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند منٹ بعد اپنے کپڑوں کے دو جوڑے لے آئی۔ میں وہ کپڑے تھیلے میں ٹھونس رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

فون کی گھنٹی ہمارے لئے بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں اچھل پڑا۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی بھر گئی تھی۔

نوری اس وقت ٹوکری میں سے چیزیں نکال کر فرج میں رکھ رہی تھی۔ اس نے وہ کام وہیں چھوڑ دیا اور آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ وہ چند سیکنڈ فون پر ہوں ہاں کرتی رہی پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"رضیہ بی بی کا فون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

میں نے تھیلا نرگس کے حوالے کر دیا اور آگے بڑھ کر نوری کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"میں رضیہ بول رہی ہوں تابی۔" میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے رضیہ کی آواز سنائی دی۔ "ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے تمہاری دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا لیکن……"

"میری دوست کا انتقال ہو گیا ہے۔" رضیہ نے میری بات کاٹ دی۔ "وہ بہت زیادہ زخمی ہوئی تھی اور خون بھی بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ وہ بیچاری تو ختم ہو گئی۔ اس کا شوہر بھی شدید زخمی ہے۔ اس کے بچنے کی بھی کوئی توقع نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگلے چند گھنٹے اس کے لئے بہت اہم ہیں۔"

"مجھے افسوس ہوا یہ سن کر۔ میں دعا ہی کر سکتا ہوں لیکن تم……"

"میں دو اور آدمیوں کے ساتھ اپنی دوست کی میت لے کر شیخوپورہ جا رہی ہوں۔" رضیہ نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔ "میں رات کو بھی واپس نہیں آ سکوں گی۔ میں نے تمہیں یہ کہنے کے لئے فون کیا ہے کہ تم پروگرام کے مطابق آج شام شاہ جی سے مل لینا۔ یہ تمہارے لئے اچھا موقع ہے۔ اسے ضائع مت کرنا۔"

"شاہ جی نے کہا تھا کہ جو شخص موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا دنیا کا سب سے بڑا احمق ہوتا ہے اور میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔ کل جب تم واپس آؤ گی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں نے اس موقع سے فائدہ کس طرح اٹھایا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"عقل مند ہو۔" رضیہ نے کہا۔ "میں شاہ جی کو بھی فون کر دوں گی اور اگر موقع ملا تو رات کو شیخوپورہ سے فون کر کے صورتحال معلوم کروں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کل واپس آؤ گی تو تمہیں بہت اچھی خبریں سننے کو ملیں گی۔ خوشی سے ناچ اٹھو گی اور ہو سکتا ہے اس خوشی میں اپنے بال بھی نوچنے لگو۔"

"میں سمجھی نہیں۔" رضیہ کی آواز سنائی دی۔

"آؤ گی تو سمجھ جاؤ گی۔ ابھی کچھ بتا کر سسپنس ختم کرنا نہیں چاہتا اچھا میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"یہ تو وہ شیطان کا چیلا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس سے زیادہ خبیث آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ برسوں پہلے میں نے اسے اور اس کے پارٹنر کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ اسے ابھی تک نہیں بھولا ہے۔ اس نے اگرچہ مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش کی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اس پیشکش کے پیچھے کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ وہ مکار ذہن کا مالک ہے۔ دوستی کی آڑ میں پرانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے وہ میرے ساتھ یقیناً کوئی چال چلے گا اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ چال کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے آج میں اس سے ملنے جا رہا ہوں تاکہ اس کی باتوں سے اندازہ لگا کر آنے والے وقت کے لئے کوئی پیش بندی کی جا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں نہیں روکوں گی مگر اپنا خیال رکھنا۔ وہ شکل ہی سے بہت حرامی لگتا ہے۔ اگر کوئی خطرہ محسوس ہو تو فوراً ہی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔" نرگس نے کہا۔

"مطمئن رہو۔ میں سلامتی سے ہی واپس آؤں گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہاں سے جا رہا ہوں اور ہاں۔ اگر مجھے دیر ہو جائے تو پریشان مت ہونا۔" میں نے کہا۔

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ گیٹ پر دستک کی آواز سنائی دی۔ میرے خیال میں چوہدری امین ہی ہوگا۔ میں نے باہر جا کر ذیلی دروازہ کھول دیا۔ لیکن چوہدری امین کی بجائے ایک عورت کو دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کی عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ ہوگی۔ صحت مند اور حسین عورت تھی۔ چار پانچ مہینے کی عمر کا ایک بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا اور چھ سات سال کی عمر کے ایک بچے نے اس کی قمیص کا دامن تھام رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ عورت مسکرا دی۔

"میرا نام شبانہ محمود ہے جی۔" میں نے اسے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ یہ عورت حق ہمسائیگی ادا کرنے آئی تھی۔ اور میرے خیال میں یہ بات ہمارے لئے خطرناک تھی۔ ہمیں محلے کے لوگوں سے زیادہ تعلقات استوار نہیں کرنے تھے۔ لیکن اس پہلی مہمان کو میں روک نہیں سکا تھا۔

ایک عورت کی آواز سن کر نرگس بھی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ میں چند منٹ وہاں رکا۔ نرگس کو الگ لے جا کر کچھ ہدایات دیں اور رخصت ہو گیا۔

مین اسٹریٹ پر آتے ہی مجھے ایک ٹیکسی مل گئی اور ماڈل ٹاؤن میں شاہ جی کی کوٹھی پر پہنچنے میں مجھے بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے جابجا روشنی ہو گئی تھی۔

میں نے ٹیکسی شاہ جی کی کوٹھی سے تقریباً پچاس گز دور چھوڑ دی اور پیدل چلتا ہوا کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ گیٹ کے سامنے نیلے رنگ کی ایک اٹھاسی ماڈل کی شیورلیٹ کھڑی تھی۔ اس زمانے میں اٹھاسی ماڈل کی کار تو سب سے زیادہ کامیاب سمجھی جاتی تھی۔ اس کا انجن بے حد مضبوط اور طاقتور تھا۔ کوٹھی کے سامنے کھڑی ہوئی وہ شیورلیٹ مجھے اگرچہ پرانی لگ رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے انجن پر خاص توجہ دی جاتی ہوگی۔ ...

میں نے گیٹ پر کال بیل کا بٹن دبا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی گیٹ کا ذیلی

دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا جو صورت سے ہی چھٹا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اندر آ جاؤ۔ ناگی باؤ۔ شاہ جی تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔"

میں اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے تھے۔ ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ دوپہر کو ٹیلی فون پر میری باتوں سے مشتبہ ہو کر رضیہ یہاں نہ آ گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ رضیہ بڑی فرانٹ عورت تھی۔ بارچون دیکھا میری ہر بات مانتی تھی لیکن وقت نے اسے بھی زمانے کی اونچ نیچ سمجھا دی تھی۔ اس کا اس سے بڑا ثبوت کیا تھا کہ وہ شاہ جی جیسے شیطان سے مل کر کاروبار کر رہی تھی۔

میں نے کوٹھی میں داخل ہو کر بھی ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے پورچ میں آگے پیچھے دو کاریں کھڑی تھیں لیکن ان میں رضیہ کی کار نہیں تھی۔ میں نے ایک بار مڑ کر چوکیدار کی طرف بھی دیکھا تھا۔ وہ گیٹ کے قریب ہی کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جس طرح مجھے نام سے مخاطب کیا تھا اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ پرانا ملازم تھا۔ یا تو مجھے جانتا تھا اور اس نے مجھے پہچان لیا تھا یا اسے بتا دیا گیا تھا کہ میں اس وقت یہاں آنے والا ہوں۔

کوٹھی بہت شاندار تھی۔ برآمدے کی کشادہ سیڑھیوں اور فرش پر سفید ماربل کے بڑے بڑے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ چبوترے پر بھی ماربل ہی تھا۔ اس زمانے میں کوئی کروڑ پتی ہی اتنی شاندار کوٹھی بنا سکتا تھا

میں نے جیسے ہی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا برآمدے والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آ کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا حلیہ عجیب تھا۔ لمبا قد دبلا پتلا جسم سر گنجا اور فرنچ کٹ داڑھی۔ اس کی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تھی۔ اس نے ایک کان میں سونے کا کڑا پہن رکھا تھا۔ سیاہ دھاری دار شرٹ اور نیلی جینز میں وہ ایک عجیب سا کردار لگ رہا تھا۔

"آؤ... ناگی باؤ۔ اندر آ جاؤ۔ باہر کیوں رک گئے۔" اس نے بھی مجھے نام سے مخاطب کرتے ہوئے اندر آنے کی دعوت دی اور مجھے راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ گیا۔

داخلی دروازے کے دائیں طرف ڈرائنگ روم تھا جس کا دروازہ نہیں تھا۔ ایک کشادہ محراب تھی اور شیفون جیسے باریک کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے دوسری طرف ڈرائنگ روم کا شاندار فرنیچر نظر آ رہا تھا۔ بائیں طرف ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ بھڑا ہوا تھا اور بالکل سامنے وسیع و عریض ہال کمرہ تھا۔ دیوار سے دیوار تک دبیز قالین، نہایت قیمتی و آرام دہ صوفے اور ہر وہ چیز موجود تھی جو ایسی عالیشان کوٹھی میں ہونی چاہیے تھی۔ ایک طرف اوپر جانے کے لئے گول زینہ تھا جس پر بھی قالین بچھا ہوا تھا۔ مجھے ملتان روڈ شاہ جی کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ کل تک چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والا آج کیسی شاہانہ زندگی گزار رہا تھا۔

صوفے پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے والے صوفے پر تو شاہ جی تھا اور دوسرا آدمی جس صوفے پر بیٹھا تھا اس کی پشت میری طرف تھی۔ وہ صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کا سر ہی نظر آ رہا تھا۔

کوٹھی میں اس وقت چار ہی آدمی تھے۔ ایک باہر گیٹ پر کھڑا تھا اور تین میرے سامنے تھے۔ اگر پانچواں کوئی ہوتا تو اب تک سامنے آ چکا ہوتا۔

بوٹے نے شاہ جی کی طرف دیکھا جو اب بھی اطمینان سے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھا اور پھر بوٹے کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے بولا۔

"میری شکل کیا دیکھ رہے ہو اس سے معلوم کرو زیورات کہاں ہیں۔ اوئے شادے۔ تم وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ پکڑ لو اس کو۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس روز رضیہ نے بوٹے کو بتایا تھا کہ زیورات اس کی تحویل میں ہیں لیکن بوٹے نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تھا اور رضیہ نے بھی شاہ جی کو کچھ نہیں بتایا تھا اور یہ لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ قیمتی زیورات میرے پاس ہیں اور ویسے اس حقیقت کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ زیورات اب واقعی دوبارہ میرے قبضے میں آ چکے تھے۔

بوٹا مٹھیاں بھینچتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میرے اور اس کے درمیان تقریباً چھ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میں اچانک ہی پوری قوت سے اپنی جگہ سے اچھلا اور ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا بوٹے کی طرف لپکا۔ میرے سر کی زوردار ٹکر بوٹے کے پیٹ پر لگی۔ بوٹے کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

میں اسے دھکیلتا ہوا دور تک لے گیا۔ وہ پیچھے پڑے ہوئے صوفے پر گرا۔ صوفہ الٹ گیا اور بوٹا الٹی قلابازی کھاتا ہوا پیچھے جا گرا۔ میں اپنے آپ کو نہ سنبھال لیتا تو اس کے ساتھ ہی گرتا۔

میرا یہ حملہ ان تینوں کے لئے غیر متوقع تھا۔ گنجے سر والا دراز قامت شادا حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوئے چڑے! منہ کیا دیکھ رہا ہے۔" شاہ جی چیخا۔

شادا دہاڑتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ایک بار پھر پوری قوت سے اوپر اچھلا۔ اور شادا جیسے ہی قریب پہنچا میری فلائنگ کک اس کے سینے پر لگی اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

یہ فلائنگ کک مارشل آرٹ کی کک تھی۔ میں نے کبھی مارشل آرٹ نہیں سیکھا تھا۔ راجستھان میں کئی مہینے لڑائی بھڑائی میں گزرے تھے دشمنوں سے نپٹ کر بھی میں نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ بڑے تجربوں سے گزرا تھا میں۔ بعض داؤ تو میں نے ایسے بھی سیکھے تھے کہ حریف میری گرفت میں آنے کے بعد زندہ بچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان میں ایک داؤ ایسا تھا جسے مارشل آرٹ کی زبان میں نیک لاک کہتے ہیں لیکن میں اسے گردن توڑ داؤ کہتا ہوں اور یہی داؤ ہندوستان میں لڑائی کے دوران میرے کام آتے رہے تھے اور لگتا تھا اپنے وطن آ جانے کے بعد بھی مجھے یہ ہتھکنڈے استعمال کرنے پڑیں گے۔

ان دونوں کا حشر دیکھ کر شاہ جی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر ان دونوں کو غیرت دلانے لگا۔

بوٹا بھی اٹھا تھا۔ صوفے سے الٹ کر قلابازی کھانے کے بعد اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر سہلاتا ہوا میری طرف بڑھا اس مرتبہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی۔ بوٹا نے دہاڑتے ہوئے حملہ کر دیا۔ اس نے میرے منہ پر گھونسہ مارنے کی کوشش کی تھی میں

نے اس کا وار روک لیا۔ ایک ہاتھ سے اس کی بغل کے نیچے ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ یہ بھی میرا ایک پسندیدہ داؤ تھا۔ اس سے حریف کا بازو مفلوج کیا جا سکتا تھا۔

بوٹا کراہتا ہوا تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا۔ میں نے دوسرا گھونسہ اس کے اسی کندھے پر بازو کے عین جوڑ پر لگایا۔ ہتھوڑے کی طرح لگنے والی ضرب نے بوٹے کو چیخنے پر مجبور کر دیا۔ وہ نیچے جھکا تو میں نے اس کے چہرے پر گھٹنے کی ضرب لگائی۔ وہ ایک بار پھر چیخ کر سیدھا ہو گیا۔ اس مرتبہ میں اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر موڑنے لگا۔ بوٹا کراہتا ہوا گھومتا گیا اور آخرکار اس کی پشت میری طرف ہو گئی۔

اس دوران شاید میں شادے کو بھول گیا تھا جب دشمنوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو ذہن کو حاضر رکھنا پڑتا ہے اور مجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی جس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑا۔

شادے نے پشت سے ایک بازو میری گردن پر لپیٹ دیا اور دوسرے ہاتھ سے میرے پہلو پر گھونسے برسانے لگا۔ ایک گھونسہ اس نے میری کھوپڑی پر بھی رسید کر دیا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں نے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی مگر شادے نے میرے بال گرفت میں لے لئے۔

شادے نے میرے خلاف وہی داؤ لگایا تھا جو میرا پسندیدہ تھا یعنی نیک لاک اور یہ میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف بوٹا ابھی تک میری گرفت میں تھا۔ سامنے کھڑا ہوا شاہ جی چیخ چیخ کر شادے کو شاباش دے رہا تھا۔

"شاباش شادے۔ مروڑ دے اس کی گردن۔ لگا زور۔" میں نے اپنا ایک پیر اوپر اٹھایا اور بوٹے کے کولہوں پر کک لگاتے ہوئے اس کا بازو بھی چھوڑ دیا۔ کک زیادہ زوردار نہیں تھی مگر بوٹا لڑکھڑاتا ہوا سامنے کھڑے ہوئے شاہ جی سے ٹکرا گیا اور اسے ساتھ لیتا ہوا صوفے پر گرا۔ ان دونوں کے بوجھ سے صوفہ الٹ گیا۔

شاہ جی کے منہ سے پہلے چیخ نکلی پھر مغلظات کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کی قراقلی فٹ بال کی طرح لڑھکتی ہوئی دور جا گری تھی۔

اب میں شادے کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اگرچہ بانس کی طرح دبلا پتلا تھا لیکن اس میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ وہ قد میں بھی مجھ سے خاصا لمبا تھا۔ اس کا سینہ میرے کندھوں کو چھو رہا تھا۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ میری گردن پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھ اس کے بازو پر جما دیئے لیکن گرفت ڈھیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لی تھیں جس سے اس کی گرفت کچھ زیادہ ہی مضبوط ہو گئی تھی۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے گردن کو زوردار جھٹکا دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ہڈی کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے گی۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ

احساس ہوا کہ جب میں اپنے کسی دشمن کی گردن اس طرح گرفت میں لیتا تھا تو اسے کس طرح اذیت ہوتی ہوگی۔

"اوئے شادے۔ توڑ دے گردن اس کی۔" شاہ جی کی چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "ختم کر دے اس کو۔ یہ اب تک ہمارے آدمیوں سے لڑتا رہا ہے۔ آج اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ شاہ جی سے پنگا لینے کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ توڑ دے اس کی گردن۔"

شاہ جی کی آواز مجھے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میرے حواس آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ سانس رکنے لگی تھی اور شاید یہی وہ کیفیت ہوتی تھی جب ایسے موقع پر میرا شکار حوصلہ ہار دیتا تھا اور میں ایک ہی جھٹکے سے اس کی گردن کی ہڈی توڑ دیتا تھا لیکن میں اس طرح بے بسی کی موت نہیں مروں گا۔

میں نے ایک بار پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں شادے کے بازو اور اپنے گلے کے درمیان پھنسالیں اور جسم کی پوری قوت مجتمع کر کے زوردار جھٹکا دیا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے دوسرا حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں اگرچہ رسک تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

میں نے شادے کے ہاتھ پر گرفت ہٹائے رکھی اور آہستہ آہستہ نیچے جھکتا چلا گیا۔ مجھ سے لمبے قد کی وجہ سے شادے کے پیر تیزی سے اپنی جگہ پر جمے رہے تھے۔ اسے نیچے جھکنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور پھر میری گردن پر اس کی گرفت بھی بہت مضبوط ہوگئی تھی لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

میں نے اپنے آپ کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے پیچھے جھکنے لگا اور جب شادہ میرے اوپر جھکا تو مجھے یوں لگا جیسے کسی بھی لمحے میری گردن ٹوٹ جائے گی۔ لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ بے بسی کی موت تو نہیں مروں گا۔ یہ افسوس تو نہیں رہے گا کہ میں نے اپنا دفاع نہیں کیا تھا۔ میں نے پیچھے جھکتے ہوئے اپنے آپ کو ایک اور جھٹکا دیا اور شادہ میرے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل میرے سامنے گرا۔

اگر میرے حواس پوری طرح بحال ہوتے تو میں شادے کو دبوچ لیتا لیکن شادے کی گرفت چھوٹتے ہوئے میری گردن کو جو آخری جھٹکا لگا تھا اس سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ میں اس وقت تقریباً دوزانو تھا۔ ایک ہاتھ سے گردن سہلاتے ہوئے میں سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے لگا اور پھر پشت پر پڑنے والی ایک زوردار ٹھوکر نے مجھے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شاہ جی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔

پشت پر پڑنے والی ٹھوکر اور شاہ جی کے چیخنے کی آواز مجھے پوری طرح ہوش میں لے آئی۔ وہ چیخ چیخ کر شادے اور بونے کو غیرت دلا رہا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوگیا اور میری پہلی ٹھوکر شاہ جی کے پیٹ پر لگی۔ وہ کتے کے پلے کی طرح چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا دوہرا ہوگیا۔ میں نے فٹ بال کی طرح اس کے پچھلے حصے پر ٹھوکر ماری۔ وہ سیدھا ہوگیا۔ اس کے منہ سے بڑی نادر اور کلاسیکی قسم کی گالیاں نکل رہی تھیں۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے جبڑے پر ایک گھونسہ بھی جما دیا۔

شاہ جی عرف سلطان گجر ویسے بزدل نہیں تھا۔ جب میں حمیدا پہلوان کے ہوٹل میں ملازم تھا تو

میں نے اس وقت بھی اسے دیکھا تھا۔ یہ دس نمبری بدمعاش تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی دنگا ہوتا رہتا تھا۔ لڑائی جھگڑا تو شاید اس کی فطرت میں شامل تھا۔ لیکن اب اس میں تبدیلی آگئی تھی۔

اب وہ سڑک چھاپ غنڈہ نہیں تھا۔ اس کے پاس بے پناہ دولت آگئی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا لیڈر تھا۔ اس نے اپنا ایک نیٹ ورک بنایا تھا اور اس نیٹ ورک کے لوگ خود کسی سے ہاتھ پائی نہیں کرتے بلکہ رنگوں کو شطرنج کے مہروں کی طرح آگے بڑھاتے ہیں۔ شاہ جی بھی یہی کچھ کرتا رہا تھا۔ وہ شادے اور بونے کو ہدایات دیتا رہا تھا۔ اب میرے قابو آگیا تھا تو کتے کے پلے کی طرح چیخنے لگا تھا۔ لیکن مجھے اس کی زیادہ توضیح کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شادا اور بونا بیک وقت مجھ پر پل پڑے تھے۔ اس مرتبہ میں اپنا دفاع نہیں کر سکا اور دونوں میری پٹائی کرنے لگے۔

بونے کا ایک زوردار گھونسہ میرے جبڑے پر لگا۔ میرا ایک دانت ہل گیا اور خون بہہ نکلا۔ منہ میں اپنے ہی خون کا ذائقہ محسوس کر کے مجھ پر جنون سا طاری ہوگیا اور پھر میں نے ان دونوں کو گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ موقع پا کر میں شاہ جی کو بھی ایک آدھ لات یا گھونسہ رسید کر دیتا جو ادھر ادھر بھاگتے ہوئے چیخ چلا رہا تھا۔

وہ دونوں میرے ہاتھوں بری طرح پٹ رہے تھے۔ میں اپنے جنون میں شاید ان میں سے کسی ایک کو ختم ہی کر دیتا لیکن شاہ جی موقع پا کر برآمدے سے دروازے کی طرف چلا گیا اور چیخ چیخ کر چوکیدار کو پکارنے لگا۔

"منصور... اوئے منصور... بھاگ کے آ... پکڑ اس کو۔"

باہر گیٹ پر کھڑے ہوئے منصور نے اندر سے شور اور شاہ جی کے چیخنے چلانے کی آوازیں یقیناً سن لی ہوں گی لیکن اب تک اس نے یہ سوچ کر نظر انداز کر رکھا ہوگا کہ میں اکیلا تھا اور وہ تین۔ اس کے نزدیک ان لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے بونے کے پیٹ میں ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ دوہرا ہوا تو میری دوسری ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی۔ وہ بلبلاتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ اسی دوران شادا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر بھی ٹھوکر لگائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اب میرا یہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ ان دونوں سے تو میں اب تک نمٹتا رہا تھا اگر منصور بھی پہنچ گیا تو میرے لئے اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔

دروازے کے راستے باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ دروازے میں شاہ جی کھڑا تھا اور اس طرف سے منصور بھی آ رہا تھا۔ یقیناً پچھلی طرف بھی کوئی دروازہ ہوگا لیکن میں کسی غلط راستے پر جا کر پھنس جانا نہیں چاہتا تھا اور پھر یہیں۔ سے کمرے کا ایک ہی راستہ نظر آیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے اوپر جانے والے زینے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"اوئے شادے... بونے... پکڑو اس کو۔ بھاگ رہا ہے۔" وہ دروازے کے قریب کھڑا ہوا شاہ جی چیخا۔

بونے نے اٹھ کر زینے کی طرف دوڑ لگا دی اور وہ تیزی سے بل کھاتے زینے پر چڑھتے ہوئے میں

زینے کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔ رک کر ایک دم پلٹا اور اوپر آتے ہوئے بوڑھے کے سر پر ٹھوکر ماری۔ وہ چیخ کر گرا اور سیڑھیوں پر قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے لڑھکتا چلا گیا۔

میں آخری سیڑھی پر تھا کہ مقصود اندر داخل ہوا۔ اس نے اوپر دیکھا اور رک کر اپنی قمیص کے اندر ہاتھ ڈالنے لگا۔ جب میں اس کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوا تھا تو سب سے پہلے میرا سامنا مقصود ہی سے ہوا تھا اور میں نے بائیں پہلو پر ابھار سا دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی قمیص کے نیچے پستول یا ریوالور چھپا ہوا ہے اور میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ اس نے قمیص کے نیچے سے پستول نکال لیا تھا۔

میں اس وقت اوپر والی بالکونی میں پہنچ چکا تھا۔ مقصود نے فائر کر دیا۔ ٹھیک اسی وقت میں نے ایک دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ گولی میرے سر سے تقریباً دو فٹ اوپر سے گزر گئی۔ میں جھک کر دوڑتا ہوا اس دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔

یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور غالباً سٹنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ اس کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا۔

زینے پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ غالباً مقصود ہی تھا جو میرے پیچھے آ رہا تھا۔

میں نے کمرے کے دوسرے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اوپر چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ میں نے چٹخنی گرا کر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔

یہ برآمدے اور پورچ کی چھت تھی جسے ٹیرس بنا دیا گیا تھا۔ پورچ کی چھت برآمدے کی چھت سے تقریباً دو فٹ نیچی تھی۔ دونوں چھتوں پر مٹی ڈال کر گھاس اگائی گئی تھی اور اس طرح یہ دونوں چھتیں بھی خوبصورت لان بن گئی تھیں۔ کناروں کے ساتھ ساتھ گملے رکھے ہوئے تھے جن میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ برآمدے والی چھت پر دو گارڈن چیئرز بھی رکھی ہوئی تھیں۔

میں برآمدے والی چھت سے چھلانگ لگا کر پورچ والی چھت پر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ چھت زمین سے تقریباً پندرہ فٹ اونچی تھی۔ دائیں بائیں [illegible] تھا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور لان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ غالباً مقصود نے دروازے سے نکلتے ہی مجھے دیکھ کر گولی چلا دی تھی مگر میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ گھاس والی جگہ تھی۔ پندرہ فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا کر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ میں نے اٹھ کر دائیں طرف دوڑ لگا دی جدھر لان کے اختتام پر تین چار درخت نظر آ رہے تھے۔ اگر میں گیٹ کی طرف دوڑ لگاتا تو بڑی آسانی سے گولی کا نشانہ بن سکتا تھا جبکہ اس طرف درختوں کی وجہ سے بچ جانے کے امکانات زیادہ تھے۔

مقصود بھی پورچ والی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اوپر تلے تین فائر کئے لیکن اس طرف اندھیرا تھا۔ میں درختوں کی طرف دوڑ رہا تھا۔

میں حفاظت سے درختوں کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ ایک درخت کی آڑ میں رک کر میں نے پورچ کی

طرف دیکھا۔ چھت کے کنارے پر مقصود کے ساتھ اب ایک اور ہیولا بھی نظر آ رہا تھا۔ اوپر اندھیرا ہونے کی وجہ سے مجھے کسی کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ غالباً مقصود ہی تھا جو چھت کے کنارے پر کسی قدر آگے کو جھکا ہوا تھا۔ وہ شاید چھلانگ لگانا چاہتا تھا لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی اور پھر وہ دونوں مڑ کر پیچھے دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوٹھی کی باؤنڈری وال تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی۔ پلستر چکنا تھا اور پیر جما کر دیوار پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن دیوار کی بلندی میرے لئے مسئلہ نہیں تھی۔ میں دوڑتا ہوا دیوار کے قریب والے درخت پر چڑھ گیا۔ اس درخت کی دو تین شاخیں دیوار پر جھکی ہوئی تھیں۔ مقصود یا کوئی دوسرا کسی بھی لمحے اس طرف آ سکتے تھے۔ میں درخت پر چڑھ کر دیوار کی طرف والی شاخ پر چڑھنے لگا۔ پتے گنجان تھے۔ میرے آگے بڑھنے کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

"اوئے سورے۔" شاہ جی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ادھر دیکھو درختوں کی طرف وہ ادھر چھپا ہوگا۔ جلدی کرو۔ گولی سے اڑا دو اسے۔ زندہ اس چاردیواری سے باہر نہیں نکلنا چاہئے اس کو۔"

میں شاخ پر تیزی سے آگے بڑھا۔ مقصود دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

وہ شاید آم کا درخت تھا۔ اس کی لکڑی تو ویسے ہی کچی ہوتی ہے۔ وہ شاخ بھی زیادہ موٹی نہیں تھی۔ میرے بوجھ سے جھکنے لگی اور پھر تڑتڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ شاخ ٹوٹ رہی تھی۔

میں نے دوسری شاخ کو پکڑ کر دیوار پر چھلانگ لگا دی۔ مقصود دوڑتا ہوا قریب پہنچ رہا تھا۔ شاخ ٹوٹنے کی آواز اس نے بھی سن لی تھی اور پھر اس نے آواز پر بے دریغ دو گولیاں چلا دیں لیکن وہ گولیاں مجھ سے کئی فٹ دور ٹہنیوں اور پتوں کو چیرتی ہوئی نکل گئیں۔

میں دیوار پر پہنچ چکا تھا۔ بیٹھتے ہی میں نے چھلانگ لگا دی۔ اس طرف تقریباً دس فٹ چوڑی کچی گلی تھی۔ زمین پر پیر ٹکتے ہی میں اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ گلی دراصل کوٹھیوں کے درمیان چھوڑی ہوئی جگہ تھی۔ دونوں طرف کی کوٹھیوں کی پہلو کی دیواریں اس طرف تھیں۔ آگے پیچھے کی گلیوں میں آنے جانے کے لئے لوگ شارٹ کٹ کے لئے یہ راستہ استعمال کرتے تھے۔ میں دوڑتا ہوا شاہ جی کی کوٹھی کی پچھلی گلی میں پہنچ گیا۔ پچھلی قطار کی کوٹھیوں کے سامنے کے رخ اس طرف تھے۔ کئی کوٹھیوں کے سامنے کاریں وغیرہ کھڑی تھیں۔

ابھی تو شاید ساڑھے نو ہی بجے تھے۔ تقریباً تمام ہی بنگلوں کی بتیاں جل رہی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ گلی میں آتے جاتے لوگوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا ضرور تھا لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پچھلی کوٹھی کے سامنے ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل کے قریب رک گیا۔ ہینڈل کو ہلا کر دیکھا۔ وہ لاک نہیں تھی۔ میں سیٹ پر بیٹھ کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا

ٹھیک اسی وقت مقصود اس کچی گلی کے راستے پر دوڑتا ہوا اس گلی میں آ گیا۔ اس نے شور مچا دیا

"چور ہے۔۔۔ چور۔۔۔ پکڑو۔۔۔ پکڑو۔"

موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ میں نے مخالف سمت کی طرف موڑ کر اسے گیئر میں ڈال دیا۔ موٹر سائیکل ایک زوردار جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔ مقصود نے مجھے روکنے کے لئے ایک اور گولی چلائی تھی مگر میں موٹر سائیکل کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

میں موٹر سائیکل کو ماڈل ٹاؤن کی مختلف سڑکوں پر دوڑاتا ہوا گلبرگ کی طرف نکل آیا۔ میرا خیال تھا کہ اس موٹر سائیکل کو لبرٹی کے آس پاس کہیں چھوڑ دوں گا۔ لیکن میں ابھی خیابان سہروردی پر لبرٹی سے بہت دور تھا کہ موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا اور اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

یہ سڑک اس زمانے میں زیادہ آباد نہیں تھی۔ ٹریفک بھی بہت کم ہوا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اکا دکا گاڑیوں ہی کی آمدورفت تھی۔

موٹر سائیکل رک گئی۔ اس میں پٹرول ختم ہو گیا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر موٹر سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کیا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والا ایک رکشہ میرے قریب رک گیا۔

"کی گل اے باؤ جی پٹرول مک گیا اے۔" ڈرائیور اپنی سیٹ پر باہر کی طرف جھکتے ہوئے بولا پھر میرا حلیہ دیکھ کر چونک گیا۔ "اوہو۔ آپ تو زخمی بھی ہو۔"

"ہاں یار۔" میں نے جواب دیا۔ پچھلے موڑ پر سڑک پر گٹر کا پانی پھیلا ہوا تھا۔ بائیک سلپ ہو گئی اور یہاں آ کر اس میں پٹرول بھی ختم ہو گیا۔ یہ سواری بھی شیطانی چرخہ ہے۔ اس کے فائدے تو بہت ہیں پر بے احتیاطی نقصان بھی بہت پہنچا سکتی ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "مجھے لبرٹی تک پہنچا دو۔ کرایہ لے لینا۔"

"بیٹھو سرکار۔" رکشہ ڈرائیور نے کہا۔

میں نے موٹر سائیکل سڑک سے ہٹا کر ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی اور رکشے میں بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد ہی رکشہ لبرٹی پہنچ گیا۔ یہاں خاصی رونق تھی۔ ڈرائیور نے رکشہ پٹرول پمپ کے قریب روکا تھا۔ میں نے اسے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر دیا تو وہ بولا۔

"پٹرول لے کر واپس نہیں جانا۔"

"پہلے میں کسی ڈاکٹر سے مرہم پٹی کرواؤں گا۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ تم جاؤ۔ میں کوئی اور رکشہ لے لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

رکشہ چلا گیا۔ میں پٹرول پمپ کے قریب ہی سائیڈ پر ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ بعد ایک اور خالی رکشہ وہاں آ گیا۔

"ریس کورس روڈ چلو۔" میں نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ریس کورس روڈ سے میں ایک اور رکشے پر بیٹھ کر لکشمی چوک اور وہاں سے تیسرے رکشے پر آؤٹ فال روڈ پہنچ گیا۔

اس وقت ساڑھے دس بج چکے تھے۔ میں نے رکشہ مین روڈ پر ہی چھوڑ دیا اور گلیوں میں پیدل چلتا ہوا نرگس کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے کال بیل بجائی تو ایک منٹ سے بھی کم وقفے میں گیٹ کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

نرگس میرا حلیہ دیکھ کر بدحواس سی ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ برآمدے میں ایک کرسی پر میں نے چودھری امین کو بھی بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب آ گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ۔" وہ مجھ پر توجہ دیے بغیر بولا۔ "آپ کی مسز پریشان ہو رہی تھیں اور......" اس کی نظر میرے چہرے پر پڑی تو رک کر بولا۔ "ارے آپ تو زخمی ہیں۔ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں یار بھائی سے اس طرف مڑتے ہوئے تانگہ الٹ گیا تھا۔ میں آگے بیٹھا ہوا تھا۔ گھوڑے کے گرتے ہی میں بھی قلابازی کھاتے ہوئے گرا۔ معمولی چوٹیں ہیں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اندر چلو۔" ذرا آئینے میں دیکھو کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری۔" نرگس مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف لے چلی۔

چودھری امین بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ وہ برآمدے ہی میں رک گیا۔ نرگس مجھے بیڈ روم میں لے آئی۔ میں اس سے ہاتھ چھڑا کر باتھ روم میں گھس گیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔

ایک دانت ہل جانے سے تھوڑا سا خون نکلا تھا مگر پھر رک گیا تھا۔ منہ میں خون کا ذائقہ اب بھی محسوس ہو رہا تھا۔ بائیں آنکھ کے نیچے رخسار پر ایک روپے کے سکے کے برابر نیلا دھبہ پڑا ہوا تھا اور پیشانی پر بھی دائیں طرف آنکھ سے کچھ اوپر بہت معمولی سا گومڑ تھا۔

یہ معمولی چوٹیں تھیں اور تکلیف بھی زیادہ نہیں تھی۔ میں برداشت کر سکتا تھا۔ دراصل میں ایسی تکلیفیں برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔

میں نے ہاتھ منہ دھویا اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔ نرگس کمرے میں کھڑی تھی۔

"چودھری امین آٹھ بجے کے قریب آیا تھا۔" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت سامنے والی پڑوسن شبانہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ امین کو جب پتہ چلا کہ تم گھر پر نہیں ہو تو کھانا دے کر چلا گیا۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی تو آیا تھا پھر واپس جانا چاہتا تھا مگر میں نے روک لیا۔ اتنی بڑی بھائیں بھائیں کرتی ہوئی کوٹھی میں مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ تمہیں دیر ہو جانے سے میں ویسے بھی پریشان ہو رہی تھی۔"

"پڑوسن کو تم نے کیا بتایا ہے۔ اس نے کچھ پوچھا تو ہوگا؟" میں نے کہا۔

"میں نے کہا تھا کہ چودھری امین میرے شوہر کا بہت پرانا دوست ہے۔" نرگس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے میرے اور اپنے بارے میں کیا بتایا؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بولی۔ "اس کے پوچھنے پر میں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ ہم جہلم سے آئے ہوئے ہیں۔ چند روز اپنے ایک عزیز کے ہاں رہے پھر یہ کوٹھی کرائے پر لے لی۔ کاروبار کے بارے میں میں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اب تم کھانا گرم کر لو۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

نرگس کچن کی طرف چلی گئی اور میں برآمدے میں آ گیا۔ چودھری امین مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

"اب میں چلوں گا ظفر صاحب۔" وہ بولا۔ "کافی دیر ہوگئی۔ آپ کی طبیعت بھی اچھی نہیں۔ آپ آرام کریں۔"

"آپ کھانا کھائے بغیر کیسے جا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "میری آپ فکر مت کیجئے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بیٹھئے۔ نرگس کھانا گرم کر رہی ہے۔"

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں چودھری امین سے زیادہ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے کچھ ساتھیوں کی تلاش تھی اور میں نے چودھری امین کے حوالے سے بھی ایک منصوبہ بنالیا تھا اور اس پر بتدریج عمل کرنا چاہتا تھا۔

برآمدے میں ایک گول میز بھی رکھی ہوئی تھی اور یہ میز میں نے خاص طور پر خریدی تھی۔ تاکہ برآمدے میں یا کمپاؤنڈ میں جامن کے سامنے پڑی رہے اور ہم اس پر چائے پیا کریں۔

نرگس کھانا لے آئی۔ چرغہ اور کباب تھے۔ اس کے ساتھ روغنی نان۔ کھانا اتنا زیادہ تھا کہ چھ آدمی پیٹ بھر کر کھا لیتے پھر بھی بچ جاتا۔

کھانے کے دوران خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ چودھری امین نے مجھ سے میرے کاروبار کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں ٹال گیا تھا۔

وہ سوا گیارہ بجے کے قریب رخصت ہوگیا۔ نرگس نے برتن وغیرہ دھو لئے تھے۔ ہم برآمدے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ میں اسے شاہ جی کی کوٹھی میں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتاتا رہا۔ بات کرتے ہوئے میں بار بار اپنے مجروح رخسار اور پیشانی کو سہلا رہا تھا۔ مجھے ان جگہوں میں کچھ تناؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"ایک منٹ، میں ابھی آئی۔" نرگس کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیہ تھی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ویسلین۔ مجھے پہلے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔" نرگس نے کہتے ہوئے ڈبیہ میں سے گہرے نیلے رنگ کی چھوٹے منہ والی ایک گول شیشی نکال لی۔

"یہ اپنے گال اور پیشانی پر لگالو۔ سوجن کم ہو جائے گی اور زیادہ تکلیف بھی نہیں ہوگی۔"

"تم ہی لگادو۔" میں کہتے ہوئے آگے جھک گیا۔

اس نے انگلی پر کریم نکال لی اور میرے مجروح رخسار اور پیشانی کے گومڑے پر لگانے لگی۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔" وہ ڈبیہ بند کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "تم تو اسے بہت عرصہ سے جانتے ہو لیکن میں نے اس روز پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا اور سمجھ گئی تھی کہ وہ بہت ہی گھٹیا فطرت کا مالک ہے۔"

"میں بھی اس کے بارے میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "کل اس کی

باتوں سے بھی مجھے شبہ ہوا تھا۔ اس نے کتنے اطمینان سے سب کچھ بھلا کر مجھے اپنے ساتھ کام کی پیشکش کردی تھی حالانکہ یہ کاروبار ایسا ہے کہ ایک مرتبہ دھوکا دینے والے کو دوسری مرتبہ سامنا ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتار اتو جاسکتا ہے اس پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور اس نے مجھے اپنے ساتھ کام کی پیشکش کردی تھی۔ آج میں دراصل یہی جاننا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے اور وہ کرنا کیا چاہتا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "وہ فوراً ہی کھل گیا اس نے میرے لیے سارا بندوبست کر رکھا تھا۔ دوسرا ای مجھ سے زیورات حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"زیورات؟" نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"اسے کیا معلوم کہ تمہارے پاس زیورات ہیں لیکن شاید رضیہ..."

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "رضیہ اس سے بھی بڑی حرافہ ہے۔ زیورات اس کے پاس تھے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے شاہ جی کو ہوا تک نہیں لگنے دی ہوگی اور ویسے بھی شاہ جی کے پاس بوٹا بیٹھا ہوا تھا۔ بوٹے کو زیورات کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اس نے شاہ جی کو بتایا ہوگا اور آج انہوں نے مجھ سے وہ زیورات حاصل کرنے کے لیے ہی یہ جال تنگ کی تھی لیکن شاہ جی آج کی یہ مار بھی مدتوں یاد رکھے گا۔"

"اور کل صبح جب رضیہ واپس آئے گی تو......"

"مجھے ڈر ہے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔" میں نے نرگس کی بات کاٹ دی۔ "ویسے وہ تھیلا کہاں ہے؟"

"میں نے الماری میں رکھ دیا تھا۔ آؤ ذرا دیکھتے ہیں تم اس زنبیل میں کیا کچھ لے کر آئے ہو۔" نرگس کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

اس وقت ایک بجنے والا تھا۔ ہم برآمدے سے اٹھ کر اندر آ گئے۔ میں نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور اوپر کا بولٹ بھی چڑھا دیا۔

کمرے میں آ کر نرگس نے کھڑکیوں کے سامنے پردے برابر کر دیئے اور قمیص کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا ایک چھلا نکالا جس میں صرف دو چابیاں تھیں۔

یہ دونوں چابیاں الماری کی تھیں۔ اس نے ایک چابی سے الماری کا دروازہ کھولا اور تھیلا نکال کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میلے کپڑے اب بھی تھیلے ہی میں تھے جو اس نے نکال کر نیچے فرش پر پھینک دیئے اور پھر ڈائریاں نکال کر ایک طرف رکھ دیں اور تھیلے کو اٹھا کر پلٹ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ ہزار اور پانچ سو روپے والے نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات دیکھ کر اس نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

"تم نے تو واقعی اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں چھوڑی۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اگر اس کا ہارٹ فیل نہ ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ خودکشی ضرور کرلے گی۔"

میں جواب دینے کے بجائے نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر الگ الگ رکھنے لگا۔ وہ رقم گننے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک ایک لاکھ اور پچاس پچاس ہزار کے بنڈل تھے۔ ہر بنڈل پر بینک کی مہر

رلیاں مناتی رہتی تھی اور میں اسے ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا مگر الیاس نامی ایک شخص اور اس کی بیوی نے اسے ہوٹل والوں سے بچا لیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لاہور لے آیا تھا اور ہمدردی کی بنا پر اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

دفعتہً میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ رضیہ نے بتایا تھا کہ چند روز بعد الیاس کی بیوی صائمہ ایک حادثے میں ہلاک ہو گئی تھی۔ الیاس اسے داشتہ کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اور پھر رضیہ نے اسے شادی پر مجبور کر دیا تھا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد الیاس کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

کیا یہ دونوں سانحات محض اتفاقیہ تھے یا ان کے پیچھے کوئی سازش کارفرما تھی۔ الیاس کے گھر آنے کے بعد شاہ جی جیسے لوگوں سے رضیہ کے تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ میں ان دونوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ رضیہ جیسی جوان اور حسین عورت کو دیکھ کر شاہ جی کی رال ضرور ٹپکی ہوگی۔ مجھے وہ دن بھی یاد تھا جب میں ہوٹل میں ملازم تھا تو شاہ جی عرف سلطان ہوٹل کے پچھلی طرف واقع گودام میں ایک بھیک مانگنے والی عورت کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔

اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بھی شاہ جی کو شرم نہیں آئی تھی۔ اور وہ بے غیرتوں کی طرح ہنستا رہا تھا۔

شاہ جی نے بھکارن تک کو نہیں چھوڑا تھا تو رضیہ تو جوان اور اس بھکارن کے مقابلے میں بہت حسین تھی۔ ایک بڑے آدمی کی بیوی بھی بن چکی تھی۔ عالی شان کوٹھی میں رہتی تھی۔ اسے دیکھ کر شاہ جی کی رال ضرور ٹپکی ہوگی۔

اور اب شاہ جی اور رضیہ کے درمیان جس نوعیت کے تعلقات تھے انہیں سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں حادثے اتفاقیہ نہیں ہو سکتے تھے۔ شاہ جی اس پوزیشن میں تھا کہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

میں جیسے جیسے سوچتا گیا میرے شبے کو تقویت ملتی گئی۔ ایسے مشتبہ معاملات کی تحقیقات کرنا پولیس کا کام تھا اور پولیس کے ہاتھ پیر باندھ دینا شاہ جی جیسے لوگوں کے لیے مشکل نہیں تھا۔

میں جیسے جیسے یہ سب کچھ سوچتا رہا میرا ذہن الجھتا گیا اور پھر نرگس کو بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ میں اپنی سوچوں میں اس قدر مستغرق تھا کہ اپنے ساتھ بیڈ پر لیٹی ہوئی نرگس کو بھول ہی گیا تھا۔

"نیند نہیں آ رہی۔ عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔" نرگس نے میرے بولنے سے پہلے ہی میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نئی جگہ ہے۔ شاید اس لیے نیند نہیں آ رہی۔" میں نے جواب میں کہا۔ "کوشش کرو نیند آ جائے گی۔"

"دو گھنٹوں سے تو کوشش کر رہی ہوں۔ تم توجہ ہی نہیں دے رہے۔" نرگس نے کہا۔ اس کے لہجے میں شکوہ نمایاں تھا۔

"سوری ڈیئر۔ میں بھول گیا تھا کہ تم میرے ساتھ ہو۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا چلو لیٹو۔ میں لوری سناتا ہوں۔ تمہیں ضرور نیند آ جائے گی۔"

"لوری سناتے ہوئے اپنی آواز دھیمی رکھنا' ایسا نہ ہو پڑوس کے گھروں میں سوئے لوگ بھی تمہاری لوری سن کر جاگ جائیں۔" نرگس نے کہا اور دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔

اس کی بذلہ سنجی پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور پھر نیند کے لیے مجھے بھی خاصی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

وہ خواب تھا یا حقیقت۔ مجھے فوری طور پر اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز مسلسل میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میں نے ایک دو مرتبہ کروٹیں بدل کر اس آواز سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔

میں آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ذہن پر نیند کا خمار طاری تھا۔ کئی لمحوں تک تو میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ کہاں ہوں۔ نئی جگہ کی وجہ سے ذہن الجھ گیا تھا۔ گھنٹی کی آواز مسلسل میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ نرگس گہری نیند میں تھی۔ گھنٹی کی آواز سن کر میں یہی سمجھا کہ شاید گیٹ کی کال بیل بج رہی ہے۔ ذہن خوابیدہ ہونے کے باوجود چوہدری امین کا خیال آ گیا۔ میں نے دیوار پر ٹنگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔

میں نے بیڈ سے اتر کر چپل پہنی اور کمرے سے نکل گیا۔ لاؤنج میں پہنچ کر برآمدے والے دروازے کی طرف گھوما ہی تھا کہ گھنٹی کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ میں اچھل پڑا اور مڑ کر بائیں طرف صوفے کے قریب سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگا۔

جس روز ہم یہاں آئے تھے۔ چوہدری امین نے بتایا تھا کہ اس گھر میں ٹیلی فون تو موجود ہے مگر کسی وجہ سے بند کروا رکھا ہے۔ ایک دو روز میں کھلوا دیا جائے گا۔ اس نے اپنے دفتر سے ٹیلی فون سیٹ بھی لا کر لگا دیا تھا۔ یہ اس کوٹھی میں ہماری پہلی رات تھی۔ ہم کل دوپہر کے قریب یہاں آئے تھے۔ اس وقت سے اب تک پہلی مرتبہ فون کی گھنٹی بجی تھی جس کا مطلب تھا کہ فون کھل گیا تھا۔

میں مڑ کر ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی دو قدم دور ہی تھا کہ گھنٹی بجنا بند ہو گئی۔ میں نے گھور کر ٹیلی فون کی طرف دیکھا اور قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند منٹ بعد گھنٹی دوبارہ ضرور بجے گی۔

میں صوفے پر بیٹھا خوابیدہ ذہن سے سوچ رہا تھا کہ یہ کس کی کال ہو سکتی ہے۔ کیا رضیہ یا شاہ جی کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ میں نے اس احمقانہ خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ہم نے یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کر کے یہاں سامان پہنچانے اور خود بھی یہاں آنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ رضیہ یا شاہ جی کو کیسے پتہ چل سکتا تھا۔ اگر شاہ جی کو پتہ ہوتا تو وہ رات ہی کو یہاں حملہ کر دیتا۔ جب اسے مکان کا پتہ نہیں تھا تو فون کا نمبر کیسے معلوم ہو سکتا تھا جبکہ یہ ٹیلی فون بھی گزشتہ چھ مہینوں سے بند پڑا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ کال ان کے لیے ہو جو ہم سے چھ مہینے پہلے یہاں رہتے تھے۔ ان کے کسی جاننے والے کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ وہ لوگ یہاں سے جا چکے ہیں اور آج یاد آنے پر فون کر دیا ہو۔

تقریباً دو منٹ بعد فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ میں نے ایک لمحے کے توقف کے بعد ریسیور اٹھایا۔

ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے فون کا نمبر دہرایا تو میری نظریں بے اختیار ٹیلی فون سیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈائل کے اوپر ایک کاغذ چپکا ہوا تھا جس پر بال پین سے جلی ہندسوں سے نمبر لکھا ہوا تھا۔

"ہیلو۔ میں ٹیلی فون ایکسچینج سے بول رہی ہوں۔" نسوانی آواز نے کہتے ہوئے ایک بار پھر نمبر دہرایا۔ "کیا آپ کا فون ٹھیک ہے۔"

"جی ہاں۔ چھ مہینوں بعد پہلی مرتبہ گھنٹی بجی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"فون آپ ہی کی درخواست پر بند کیا گیا تھا اور اب آپ ہی کی درخواست پر دوبارہ کھول دیا گیا ہے۔ شکریہ جناب۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آپ کا فون ٹھیک کام کر رہا ہے یا نہیں۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کلک کی ہلکی سی آواز سے لائن بے جان ہو گئی۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ فون کھل جانے سے میری بہت بڑی مشکل حل ہو گئی تھی۔ اس طرح میں اپنے ان چند پرانے آدمیوں سے رابطہ کر سکتا تھا جو پہلے میرے ساتھ مل کر کام کرتے رہے تھے۔ لیکن مجھے اتنی عجلت بھی نہیں تھی۔ کسی کا فون نمبر میرے پاس نہیں تھا۔ پہلے تو مجھے کسی نہ کسی طرح ان کے نمبر حاصل کرنا ہوں گے۔

مجھے اس وقت پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر غیر ارادی طور پر فریج کھول لیا۔ خالی فریج میرا منہ چڑا رہا تھا۔ کل شام فریج چالو تو کر دیا تھا لیکن اس میں کوئی چیز رکھی نہیں گئی تھی۔

میں نے کچن میں آ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرا۔ نرگس نے کل شام کولر میں برف ڈلوائی تھی لیکن اس وقت کولر کا پانی بھی گرم ہو چکا تھا۔ میں نے پہلے سے خریدی گئی پلاسٹک کی بوتلیں بھر کر فریج میں رکھ دیں۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹھنڈا پانی تو پینے کو مل جائے گا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں کچن میں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ نرگس نے بڑے سلیقے کا ثبوت دیا تھا۔ ہر چیز پلاسٹک کے خوبصورت ڈبوں میں تھی اور ان پر چٹیں بھی لگی ہوئی تھیں جن پر ہر چیز کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے مطلوبہ چیزوں والے ڈبے ریک پر سے اتار لیے اور [illegible] اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

اور پھر اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں رضیہ کے گھر سے لائی ہوئی فائلیں لے کر بیٹھ گیا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ میں یہ فائلیں دیکھ کر اس جائیداد کی مالیت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا جو الیاس چھوڑ کر مرا تھا۔ رضیہ اس کی بیوی تھی اور قانونی طور پر اس کی جائیداد کی وارث بھی۔ مجھے رضیہ سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ پہلی بیوی سے الیاس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ کوئی ایسا قریبی عزیز بھی نہیں تھا جو وراثت کا دعویٰ کرتا۔ اس جائیداد کی وارث سو فیصد رضیہ ہی تھی۔ ویسے تو سب کچھ رضیہ کے قبضے، تصرف میں تھا لیکن یہ سب کچھ اپنے نام منتقل کروانے کے لیے عدالتی کارروائی ضروری تھی۔ جو اب تک نہیں ہوئی تھی۔ اس کا طریقہ اگرچہ بہت سادہ تھا۔ رضیہ عدالت میں وراثت کی درخواست دیتی۔ کارروائی کے بعد یہ ساری جائیداد اس کے نام منتقل ہو جاتی مگر رضیہ نے [illegible] نہیں کیا تھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ ایک تو اس کا اپنا کردار مشکوک تھا اور دوسرے اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ عدالتی کارروائی کے دوران کوئی اور دعویدار سامنے نہ آ جائے۔ [illegible] ہوئی تھی۔

"میں ان فائلوں کا جائزہ لیتا رہا اور حیران ہوتا رہا۔ کروڑوں کی جائیداد تھی۔ ماڈل ٹاؤن میں

شاندار وسیع و عریض ڈبل اسٹوری کوٹھی، لبرٹی مارکیٹ میں دکانیں اور بہت کچھ...... رضیہ اگر چاہتی تو بڑے آرام و سکون سے زندگی گزار سکتی تھی مگر وہ شاہ جی جیسے آدمی کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔

میں نے تیسری فائل کھولی تو اس میں رکھا ہوا ایک کاغذ دیکھ کر چونک گیا۔ میں وہ کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔ اس کا کسی جائیداد سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن میرے لیے بہت زیادہ اہم تھا۔

اس کاغذ پر مختلف لوگوں کے نام پتے اور ٹیلی فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ تیرہ نام تھے۔ میں اس فہرست کا جائزہ لینے لگا۔ دو نام عورتوں کے تھے۔ ان میں صرف ایک کے نام کے سامنے فون نمبر لکھا تھا۔ باقی کے سامنے گھروں کے ایڈریس تھے۔

اس فہرست میں دو نام مجھے جانے پہچانے نظر آئے۔ ان میں ایک نام جیرے بلیڈ کا تھا جس سے میں لاہور میں متعارف ہوا تھا۔ جیرا میرے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ نہایت دلیر اور جگرے والا آدمی تھا۔ انتہائی قابل بھروسہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس پر اندھا اعتماد کیا کرتا تھا اور اس نے کبھی میرے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی۔ انہی دنوں جیرا بلیڈ نام سے ایک پنجابی فلم بھی ریلیز ہوئی تھی اور میرے ہی ایک ساتھی نے جیرے کے نام کے ساتھ بلیڈ کا اضافہ کر دیا تھا اور وہ جیرا بلیڈ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ ویسے اس زمانے میں کئی جیرا بلیڈ پیدا ہو گئے تھے۔ اور اب میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی جیرا بلیڈ تھا یا کوئی اور۔ میرا جیرا بلیڈ باغبانپورہ میں رہا کرتا تھا اور ٹیلی فون کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور یہ جیرا بلیڈ گن آباد کا رہائشی تھا اور ٹیلی فون بھی تھا لیکن...... حالات بھی بہت بدل گئے تھے۔ گردش زمانہ سے باعزت معزز اور دولت مند لوگ خاک نشین ہو گئے تھے اور [illegible] اور بدمعاش عالیشان کوٹھیوں میں پہنچ گئے تھے۔ یہ سب پیسے کا کمال تھا۔ اس پیسے نے [illegible] کے اندر پہنچا دیا تھا اور کسی کو آسمان [illegible]۔ بہرحال میں نے جیرا بلیڈ کے نام پر نشان لگا دیا۔ میں اس سے رابطہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دوسرا جانا پہچانا [illegible] نام کا ایک آدمی بھی میرے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ وہ بھی ایک قابل اعتماد آدمی تھا۔ وہ [illegible] میں رہا کرتا تھا لیکن اس فہرست میں اس کے نام کے آگے کسی گلی کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس نام پر بھی نشان لگا دیا اور دوسرے ناموں پر غور کرنے لگا۔ میں کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ میں عورتوں کے دونوں ناموں پر زیادہ توجہ دے رہا تھا۔ ان میں ایک لیلیٰ تھی اور دوسری شبنم۔ لیلیٰ گلبرگ کی رہنے والی تھی اور شبنم اقبال ٹاؤن کی۔ فون نمبر شبنم کے نام کے سامنے لکھا ہوا تھا۔

"ان فائلوں میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

نرگس کی آواز سن کر میں نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور چونک گیا۔ اس نے آسمانی رنگ کا وہ سوٹ پہنا ہوا تھا جو چند روز پہلے میں نے انارکلی سے خریدا تھا۔ [illegible] اس نے پہلی مرتبہ پہنا تھا۔ قمیص کا گلا فراخ تھا اور وہ خوبصورت نیکلس اس کے گلے میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"میں ان فائلوں کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ رضیہ کتنی بڑی آسامی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "کروڑوں کی جائیداد ہے۔ وہ چاہتی تو بڑے عیش سے [illegible] زندگی گزار سکتی تھی۔"

"ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔ وہ دولت کی ہو یا کسی اور چیز کی۔" نرگس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم سے پہلے میں صرف دو تین مرتبہ رضیہ سے ملی ہوں۔ میں نے اس وقت بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ رضیہ کس قماش کی عورت ہے۔ دولت کی ہوس کے لیے اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جو عورت اپنے خوبصورت جسم کو دولت کے حصول کا ذریعہ بنا لیے اس کے بارے میں کوئی اچھی بات نہیں سوچی جاسکتی۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ یہی بات خود نرگس کے بارے میں بھی کہی جاسکتی تھی۔ وہ اپنے ناکارہ اور نکمے شوہر کے ساتھ مفلسی کی زندگی گزار رہی تھی۔ میرے پاس دولت دیکھ کر اس نے ملاقات کی پہلی ہی رات میرے ساتھ بستر پر گزاری تھی اور پھر شوہر کو چھوڑ کر میرے ساتھ بھاگ آئی تھی۔ اگر مجھ سے پہلے اسے ایسا کوئی موقع ملتا تو وہ اس سے بھی ضرور فائدہ اٹھاتی لیکن میں یہ بات نرگس سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ وہ ناراض ہو جاتی' جبکہ ابھی مجھے اس کی ضرورت تھی۔

"ویسے تمہارے خیال میں یہ جائیداد کتنی مالیت کی ہوگی؟" اس نے پوچھا۔

"ان کاغذات کے حساب سے تو کروڑوں کی مالیت بنتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن یہ قیمت پندرہ سال پہلے کی ہے اور آج تو اس میں بہت اضافہ ہو چکا ہوگا۔"

"کیا یہ جائیداد بیچی نہیں جاسکتی۔" نرگس بولی۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"رضیہ نے میری جو توہین کی ہے اسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اس نے کیسے کیسے چوکے لگائے ہیں مجھے۔ میں نے ایک ایک لمحہ بڑی اذیت میں گزارا ہے۔ میں اس سے ایسا انتقام لینا چاہتی ہوں کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک یاد رکھے۔"

"ہم نے اس کی ساری جمع پونجی تو اڑا لی ہے۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں چھوڑی۔ کیا یہ کافی نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اسے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔" نرگس نے کہا۔ "یہ جائیداد بک سکتی ہو تو بیچ دو۔ اسے دھکے دے کر اس کوٹھی سے نکالا جائے تو مجھے حقیقی خوشی ہوگی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "چودھری امین تو پراپرٹی کا بزنس کرتا ہے۔ تم اس سے بات کر کے دیکھو۔ شاید وہ اس جائیداد کو فروخت کرنے کا کوئی راستہ نکال لے۔"

چودھری امین کے نام پر میں چونک گیا۔ پراپرٹی ڈیلر تو جائیداد کو ادھر سے ادھر کرنے میں ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چودھری امین کوئی ایسا شریف آدمی تو نہیں ہوگا کہ اس نے کبھی ایسا کوئی کام نہ کیا ہو۔

"بات تو تم نے عقلمندی کی کی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھا۔

"ڈیل بہت بڑی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا اور پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ چودھری امین ایسا کوئی کام کرنے پر آمادہ ہوگا بھی یا نہیں۔"

"کیسے آمادہ نہیں ہوگا۔" نرگس نے کہا۔ "لاکھوں روپے ملنے کی توقع ہو تو وہ کام کیوں نہیں

کرے گا اور پھر میں بھی تو موجود ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں ساتھ رہوں گی تو اس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جانتے ہو کسی اور طریقے سے کوئی کام نہ ہو سکتا ہو تو خوبصورت عورت چٹکی بجاتے میں وہ کام کرا لیتی ہے۔"

"تو گویا تمہیں بھی شہر کی ہوا لگ گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"حالات انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں ایک دو دن میں چودھری امین سے بات کروں گا۔ لیکن اسے آمادہ کرنے کے لیے تمہارا کردار زیادہ اہم ہوگا مگر......"

"مگر کیا؟" نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر اس کی جھولی میں نہ جا گرو۔" میں نے کہا۔

"اطمینان رکھو۔ یہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔" نرگس مسکرا دی۔

نرگس پر مجھے فی الحال کسی قسم کا شبہ نہیں تھا لیکن رضیہ کے بارے میں اس کی تجویز سن کر میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ رضیہ سے تو میں بھی خار کھائے بیٹھا تھا۔ میں اگرچہ اسے اچھا خاصا نقصان پہنچا چکا تھا لیکن شاید اندر سے میرے انتقام کی آگ بھی سرد نہیں ہوئی تھی۔ اور میری بھی خواہش تھی کہ میں بھی اسے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھوں۔

یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ اگرچہ انیا اس کی جائیداد فروخت کرنے کے لیے جعل سازی کے ہتھکنڈے استعمال کیے جائیں گے لیکن رضیہ اسے چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ وہ بھی میری طرح جرائم میں ملوث رہی تھی۔ اور اب بھی منشیات کے ایک بین الاقوامی سنڈیکیٹ سے وابستہ تھی۔ وہ جائیداد کے معاملے میں عدالت کا سامنا نہیں کر سکے گی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ باہر ہی باہر اپنے تعلقات استعمال کرے گی۔ شوجی جیسے لوگ اس کی مدد کو آگے آئیں گے لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے بہت سوچ بچار اور احتیاط کی ضرورت تھی۔

"وہ کتیا شیخوپورہ سے واپس آ گئی ہوگی۔ ٹیلی فون کر کے معلوم تو کرو کہ وہ زندہ ہے یا حرام موت مر گئی۔" نرگس نے کہا۔

مجھے نرگس کا یہ مشورہ بھی پسند آیا۔ اس وقت ہم بیڈروم میں تھے۔ میں نے فائلیں تکیے کے نیچے رکھیں اور اٹھ کر لاؤنج میں آ گیا۔ نرگس بھی میرے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ میں صوفے کے کنارے پر بیٹھ کر ڈائری پر نظر دوڑا کر رضیہ کا فون نمبر یاد کرنے لگا اور پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔ ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ رضیہ کی آواز تو نہیں تھی۔ میرے ذہن میں اچانک نئی نوری کا خیال ابھرا۔

"نوری۔" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ آپ کون ہیں جی؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"میں ناجی بول رہا ہوں نوری۔" میں نے کہا۔ "رضیہ کہاں ہے۔ وہ شیخوپورہ سے واپس آ گئی یا نہیں۔"

"آ گئی ہے جی۔ صبح نو بجے ہی آ گئی تھی۔" نوری کی آواز سنائی دی۔ "آپ کہاں غائب ہو گئے۔ یہاں تو صبح سے قیامت مچی ہوئی ہے۔ شاہ جی بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں آپ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ رضیہ بی بی تو آپ دشمن کو جھولیاں بھر بھر کر بددعائیں دے رہی ہیں۔"

"کیوں ...کیا ہوا......تم نے کیا بگاڑا ہے اس کا؟" میں نے کہا۔

"آپ نے تو اس کا کچھ نہیں چھوڑا جی۔" نوری نے جواب دیا۔ "ویسے آپ نے بہت اچھا کیا جی۔ اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ایک منٹ رضیہ بی بی آ رہی ہے۔ اس کو مت بتانا میں نے کیا کہا تھا۔" آخر میں نوری کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر ریسیور پر رضیہ کی دہاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"او بے ناجی دے بچے۔ تیرا بیڑہ غرق ہو۔ تم نے میرا کچھ نہیں چھوڑا۔ میں...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اور وہ کتیا...... نرگس...... اس کی تو بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو کھلاؤں گی۔ ٹکڑے کر دوں گی تم دونوں کے۔ کیڑے پڑیں تمہاری لاشوں میں۔" گالیوں اور بددعاؤں کا طوفان تھما تو اچانک بھاگیں رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

"بس یا کچھ اور۔" میں نے کہا۔ "اگر بھول گئی ہو تو کچھ گالیاں میں یاد دلا دوں۔"

"تیری لاش کو کتے کھائیں...... تم...... میں تمہیں زندہ...... نہیں...... چھوڑوں گی...... ڈھونڈ لوں گی تمہیں۔" رونے کی آواز کے ساتھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں جیسے وہ ریسیور منہ کے سامنے سے ہٹا کر کسی اور سے بات کر رہی ہو۔ پھر دہاڑتی ہوئی مردانہ آواز سنائی دی۔ "اوئے حرامزادے۔" وہ شاہ جی کی آواز تھی۔ وہ بھی بہت بھنایا ہوا تھا۔ "میں تمہیں تین دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر تم تین دن کے اندر رضیہ کی خفیہ الماری سے لوٹی ہوئی رقم اور زیورات واپس کر دو تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ بصورت دیگر تمہیں لاہور میں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"سلطانے۔" میں نے طنز والے انداز میں کہا۔ "اپنی حفاظت تو تم کر نہیں سکتے۔ دوسروں کی حمایت میں بلاوجہ بڑھکیں کیوں مار رہے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ شرافت کا مظاہرہ کرتے تو میں تمہارے بہت کام آ سکتا تھا لیکن اب سمجھ لو کہ تمہاری بادشاہت ختم ہو گئی۔ وہی پرانا دور آ گیا ہے۔ کئی سال پہلے والا گندی نالی کا کیڑا اگر بچتا ہوا کسی محل کے قالین پر آ پڑے تو اس کی حیثیت نہیں بدل جاتی۔ رہتا تو وہ گندی نالی کا کیڑا ہی ہے اور تمہاری بادشاہت کے دن بھی اب گنے جا چکے ہیں۔ بہت جلد تم دوبارہ گندی نالی میں جانے والے ہو جس سے نکلے تھے۔"

"بند کرو یہ بکواس۔ میں تمہیں تین دن......"

"مجھے تم سے ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں چاہیے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم دیکھ چکے ہو کہ تمہارے گھسر سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے تھے۔ آئندہ بھی وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس لیے تم

کتوں کی طرح بھونک کر اپنی توانائی ضائع مت کرو۔ اگر تم مجھے تلاش کر سکو تو یہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔"

"اگر تم لاہور سے نہیں بھاگے تو میں تین دن میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔ اور پھر تمہارا جو حشر ہو گا...... دنیا دیکھے گی۔" وہ چیخا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں لاہور سے نہیں جاؤں گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "میں ...... سے باہر جا بھی کیسے سکتا ہوں۔ تم سے تو ابھی کئی دوستی چھپے گی۔"

"تم میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکو گے۔" وہ دہاڑا۔ "تمہاری کمینگی میں کوئی شبہ نہیں۔ رضیہ نے تمہیں یہاں پناہ دی اور تم اس کے لیے گڑھا کھود گئے۔ بہت ہی کمینے ہو تم۔"

"تم سے زیادہ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے تم رضیہ کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ خباثت میں تم سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ تمہیں بھی صاف کر رہی ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" شاہ جی غرایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے وہ زیورات کہاں تھے جو تم مجھ سے حاصل کرنا چاہتے تھے؟"

"تمہارے ہی پاس تھے اور کہاں ہوتے؟" شاہ جی نے کہا۔

"نہیں سلطانے۔" میں نے جواب دیا۔ "جس روز میں رضیہ کے گھر آیا تھا اسی روز میں نے وہ زیورات رضیہ کے حوالے کر دیے تھے جو اس نے اپنی خفیہ الماری میں رکھ دیے تھے اور مجھے اڑا دینا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کروڑوں کی اس دولت کو ہضم کر لے گی۔ اس نے تو یہ ساری باتیں تم سے بھی چھپا رکھیں۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو رضیہ سے پوچھو۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اب میں زیادہ دیر تمہاری بکواس نہیں سن سکتا۔ ویسے بہت جلد ہماری ملاقات ہو گی۔" وہ کچھ کہہ رہا تھا لیکن میں نے فون بند کر دیا اور مسکراتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو اسے پتہ چل گیا۔" نرگس میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"ہاں۔ وہ صبح نو بجے شیخوپورہ سے واپس آ گئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر کوئی بری خبر سننے والی ہو تو پہلے ہی سے بے چینی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہو کر بولا۔ "رضیہ کو بھی شاید رات بھر بے چینی رہی ہو گی۔ رات تو اس نے جیسے تیسے گزار لی اور صبح ہوتے ہی واپس آ گئی۔ کوٹھی میں پہنچتے ہی اس نے اپنی خفیہ الماری کھول کر دیکھی ہو گی اور ہنگامہ شروع کر دیا ہو گا۔ لیکن ایک اچھی بات یہ ہے کہ اس گھر میں ہماری ایک ہمدرد بھی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟" نرگس نے مجھے گھورا۔ "اس گھر میں کون ہمارا ہمدرد ہو سکتا ہے۔ وہاں تو سب ہمارے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں کوئی ہمدرد نہیں۔"

"نوری۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری کال اس نے ریسیو کی تھی۔ اس نے کہا کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا بہت اچھا کیا۔"

والا، رکشہ یا ٹیکسی ڈرائیور بدمعاش ہو۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "شبانہ بتا رہی تھی کہ امیر دین واقعی بہت شریف آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا رات کو اس کی جھولی میں لا کر ڈال دیتا۔ اسے بیڑی پینے کے علاوہ کوئی نشہ نہیں تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بدل گیا۔ پہلے وہ چالیس پچاس کی دیہاڑی کماتا تھا۔ اس میں اچانک ہی دو ڈھائی سو کا اضافہ ہو گیا۔ اس نے شبانہ کو بھی نئے کپڑے بنا کر دیے۔ بیٹے کو بھی اور خود بھی نئے کپڑے پہننے لگا۔ وہ روزانہ بیوی اور بچے کے لیے تحائف لے کر آتا۔ پہلے مہینے میں ایک آدھ بار گوشت پکا کرتا تھا پھر امیر دین روزانہ بکرے کا گوشت لے کر آنے لگا۔ پہلے وہ صبح منہ اندھیرے تانگہ لے کر چلا جاتا تھا پھر دس بجے کے بعد گھر سے نکلتا۔ دو تین بجے واپس آ جاتا۔ پانچ بجے تک گھر پر رہتا اور چلا جاتا۔ اس کی واپسی بارہ بجے کے قریب ہوتی۔

"وہ شاہی محلے میں تانگہ چلاتا تھا جہاں شوقین لوگ آتے ہیں۔ امیر دین نے تانگہ بھی نیا بنالیا تھا اور اسے خوب سجایا تھا۔ وہ شبانہ سے کہا کرتا تھا کہ اس کے تانگے پر شوقین لوگ بیٹھتے ہیں اور منہ مانگا کرایہ دیتے ہیں اس لیے اس کی آمدنی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔

"شبانہ خوش تھی کہ رب نے اس کی بھی سن لی تھی اور اس کے دن بھی پھر گئے تھے۔ پہلے وہ اپنی قسمت کا رونا روتی تھی کہ ماں باپ نے اسے ایک تانگے والے کے پلو سے باندھ دیا تھا مگر اب وہ خوش تھی کہ وہی تانگے والا اسے عیش کرا رہا تھا۔

"اور پھر یہ دن بھی اچانک ہی رخصت ہو گئے۔ اس رات کسی آدمی نے آ کر بتایا کہ امیر دین کو پولیس نے ہیروئن فروشی کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔ شبانہ آٹھ جماعت پڑھی ہوئی ہے لیکن ان دنوں اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہیروئن کیا ہوتی ہے۔ یہ اطلاع ملنے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد پولیس بھی امیر دین کو لے کر پہنچ گئی۔ امیر دین کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ گلی میں لوگ جمع ہو گئے۔

"پولیس نے گھر کی تلاشی لی تو ایک ٹرنک میں کپڑوں کے نیچے چھپی ہوئی ایک تھیلی مل گئی جس میں سفید پوڈر بھرا ہوا تھا۔ شبانہ کو بالکل علم نہیں تھا کہ امیر دین نے وہ تھیلی کب وہاں لا کر رکھی تھی۔

"پولیس والے شبانہ سے بھی پوچھ گچھ کرتے رہے۔ وہ ہر بات سے لاعلمی کا اظہار کرتی رہی۔ اسے جب بتایا گیا کہ اس تھیلی میں ہیروئن ہے تو اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ اب تک فلمستار [illegible] فلموں وغیرہ کو ہی ہیروئن سمجھتی تھی۔ لیکن یہ ہیروئن تو انوکھی چیز نکلی تھی۔

"پولیس دو گھنٹوں تک گھر کی تلاشی لیتی رہی لیکن اس ایک تھیلی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ [illegible] شبانہ کو [illegible] میں بھی [illegible] نے کچھ نہیں کہا۔ [illegible] محلے [illegible] رہے۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور بیٹے کو سینے سے لگا کر روتی رہی۔ کوئی اس سے ہمدردی کرنے والا نہیں تھا۔

میں بڑے غور سے ثریا کی بات سن رہا تھا۔ کہانی واقعی دلچسپ تھی لیکن مجھے اس میں کسی اہم

خطرے کی بہت ہلکی سی آنچ بھی محسوس ہونے لگی تھی۔

"شبانہ رات بھر روتی رہی۔ وہ کسی انجانے ڈر اور خوف سے رات کو سو بھی نہیں سکی تھی اور پھر صبح منہ اندھیرے دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ امیر دین واپس آ گیا ہے۔ اس نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا مگر سامنے امیر دین کے بجائے ایک اور شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ غلام سرور نام کا یہ شخص پچھلے چھ مہینوں کے دوران امیر دین کے ساتھ دو مرتبہ ان کے گھر آ چکا تھا۔ امیر دین اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں دیر تک بیٹھا رہتا۔

"شبانہ نے سرور کو اندر بلا لیا۔ سرور ماں بیٹے کے لیے کھانے اور ناشتے کا سامان بھی لے کر آیا تھا۔ شبانہ بار بار اس سے امیر دین کے بارے میں پوچھتی رہی۔

"پریشان نہ ہو بھابی۔ امیر دین بالکل ٹھیک ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ ایسے کاموں میں معمولی پکڑ دھکڑ تو ہوتی رہتی ہے۔ ایک دو دن میں وہ چھوٹ کر آ جائے گا۔ مجھے معلوم تھا تم نے رات کو کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ میں تمہارے لیے ناشتہ لے کر آیا ہوں۔ پہلے ناشتہ کر لو۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ قادر کو جگا کر اسے بھی کھلاؤ۔ وہ بھی رات کو بھوکا ہی سویا ہوگا۔"

"امیر دین نے پتہ نہیں کچھ کھایا ہوگا یا نہیں۔ وہ کس حال میں ہوگا۔" شبانہ روہانسی آواز میں بولی۔ "کل جب پولیس والے اسے یہاں لائے تھے تو اس کی حالت بہت بری تھی۔ پولیس نے اسے مارا تھا۔"

"اس میں غلطی امیر دین ہی کی تھی۔" غلام سرور نے کہا۔ "اگر وہ خاموشی سے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتا تو پولیس اس پر ہاتھ نہ اٹھاتی۔ تم جانتی ہو پولیس والے اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ امیر دین کا ایک پولیس والے پر ہاتھ اٹھانا ہی غضب ہو گیا تھا۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ پولیس والے اسے ہاتھ نہیں لگا سکیں گے اور تم اس کی فکر مت کرو۔ میرا ایک بندہ اس کے لیے بھی ناشتہ لے گیا ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ وہ اب تک کھا بھی چکا ہوگا۔ لو تم بھی کھانا شروع کرو۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"[illegible] شبانہ کی ڈھارس بندھ گئی۔ اس نے اپنے بیٹے قادر کو جگا دیا اور اس کا منہ دھلا کر اسے ناشتہ کروانے لگی اور خود بھی کھانے لگی۔

شبانہ کے پوچھنے پر غلام سرور نے بتایا کہ وہ امیر دین کا پرانا دوست ہے اور وہ ایک دو دن میں امیر دین کو پولیس سے چھڑا کر گھر لے آئے گا۔ اس نے شبانہ کو تسلی دی اور خرچ وغیرہ کے لیے دو ہزار [illegible] چلا گیا۔

"مگر دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ امیر دین گھر نہیں آیا۔ غلام سرور وقتاً فوقتاً شبانہ کو اس کے [illegible] تسلیاں دیتا رہا۔ امیر دین کا کیس عدالت میں پہنچ گیا تھا۔ ایک روز غلام سرور اسے امیر دین سے [illegible] عدالت بھی لے گیا تھا۔

"اگلے ہفتے امیر دین کو پولیس کانسٹیبل پر ہاتھ اٹھانے اور ہیروئن فروشی کے جرم میں تین سال کی [illegible] سے جیل بھیج دیا گیا۔

"شبانہ کا میکہ نارووال میں تھا۔ یہاں اس کے سسرال کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا۔ سرور [illegible]

داروں نے تو اس روز منہ موڑ لیا تھا جب امیر دین پکڑا گیا تھا۔ شبانہ نے غلام سرور کے مشورے پر نارووال میں اپنے گھر والوں کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔ امیر دین کے جیل ہو جانے کے بعد شبانہ نارووال جانا چاہتی تھی۔

"وہاں جا کر کیا کرو گی۔" غلام سرور نے کہا۔ "تمہارے ماں باپ بھی پریشان ہوں گے۔ خاندان والوں کو پتہ چلے گا تو رسوائی الگ ہو گی۔ یہیں آرام سے بیٹھی رہو۔ تین سال پلک جھپکتے میں گزر جائیں گے۔"

"لیکن میں یہاں کیا کروں گی۔ خرچ کہاں سے ہوگا۔ کون دے گا مجھے۔ مکان کا دو مہینے کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ مالک مکان وہ کہہ کر گیا ہے کہ اگر اگلے مہینے کرایہ نہ دیا تو وہ مکان خالی کرا دے گا۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔" غلام سرور نے کہا۔ "امیر دین میرا دوست ہے۔ وہ میرے لیے کام کرتا تھا۔ میں اس کے گھر والوں کو بے آسرا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک امیر دین رہا نہیں ہو جاتا تمہارے تمام اخراجات میری ذمے داری ہے۔"

اس روز غلام سرور اسے پانچ ہزار روپے دے گیا تھا۔ شبانہ نے اس رقم میں سے مکان کا دو مہینے کا کرایہ بھی ادا کر دیا۔ غلام سرور کی آمد و رفت جاری رہی۔

چھ مہینے گزر گئے۔ اس دوران وہ غیر محسوس انداز میں ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔ غلام سرور ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس نے پہلے ہی روز شبانہ سے کہا تھا کہ وہ اسے امیر دین کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا اور یہی ہوا۔

شبانہ کا پاؤں بھاری ہو گیا۔ اس کے پیٹ میں کسی کا بچہ پلنے لگا۔ محلے والے اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ بے تکلفی میں اس کے ہاں غلام سرور کی آمد و رفت پر اعتراض کرتے رہے لیکن کھل کر بھی کسی نے زبان نہیں کھولی۔ غلام سرور قد و قامت اور شکل و صورت سے ہی بدمعاش لگتا تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے بھی تھے لیکن جب شبانہ کے پیٹ کا گناہ نمایاں ہونے لگا تو محلے والے بھی کھل گئے۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر چند روز کے اندر اندر انہوں نے یہ مکان نہیں چھوڑا تو وہ پولیس کے ذریعے انہیں نکلوا دیں گے اور پھر انہوں نے مالک مکان پر بھی دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں اسے مکان خالی کرنا پڑا۔

غلام سرور اسے مصری شاہ کے ایک کھولی نما مکان میں لے آیا۔ شبانہ چند مہینے وہیں رہی۔ وہیں پر اس کی بیٹی کی ولادت ہوئی۔ وہاں بھی محلے والوں کو پتہ چل گیا کہ وہ میاں بیوی نہیں ہیں۔ ان کے درمیان ناجائز تعلقات ہیں۔

غلام سرور اسے یہاں سامنے والے مکان میں لے آیا۔ یہاں شبانہ نے محلے والوں سے زیادہ تعلق نہیں رکھا۔ [illegible] والی پڑوسنوں کے پوچھنے پر اس نے بتا دیا کہ اس کا شوہر [illegible] گیا ہے۔ غلام سرور اس کا ایک قریبی رشتے دار ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے۔ [illegible] غلام سرور نے یہاں آنا جانا کم کر دیا [illegible] اور پچھلے [illegible] مہینوں سے تو وہ بالکل غائب ہے۔

جب شبانہ کے بچی ہونے والی تھی تو نارووال میں اس کے گھر والوں کو بھی پتہ چل گیا تھا

امیر دین ایک سال سے جیل میں ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ وہ ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔ انہوں نے کسی طرح شبانہ تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ وہ نارووال نہ آئے۔

یہ بیچاری فریب کا شکار ہوئی ہے۔ ہمدردی کی آڑ میں اسے لوٹا گیا ہے۔ اس نے اگرچہ لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ اس کا شوہر دبئی چلا گیا ہے لیکن وہ پریشان ہے۔ امیر دین جب جیل سے رہا ہوگا تو وہ اس کا سامنا کیسے کرے گی۔ سب سے بڑی پریشانی اخراجات کی ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ غلام سرور نے یہ مکان لیتے وقت چھ مہینے کا کرایہ ایڈوانس دے دیا تھا لیکن اس میں بھی چار مہینے نکل گئے ہیں۔ اگر یہ کرایہ نہ دے سکی تو اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا جائے گا۔ اس سے بڑی پریشانی روزمرہ کے اخراجات کی ہے۔ وہ خود تو بھوکی رہ سکتی ہے لیکن بچے۔۔۔" نرگس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس ادھورے جملے میں بھی بات کا مکمل مفہوم موجود تھا۔

"تم عورت کو نہیں سمجھ سکتے۔" ہمدردی کے دو بول سن کر وہ موم کی طرح پگھل جاتی ہے اور یہ ہمدردی دراصل اس کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف عورت فولاد سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتی لیکن ان باتوں کا انحصار ان حالات پر ہے جن سے وہ دوچار ہوتی ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

"اس کی کچھ مدد کر دی جائے۔" نرگس بولی۔

"کس طرح؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے کام کے لیے اپنے پاس رکھ لیا جائے۔" نرگس نے جواب دیا۔ "شبانہ نے خود ہی کہا تھا [illegible] سہارا مل جائے گا۔ زندگی بھر وہ [illegible] میں رہتی رہے گی۔"

"نرگس بیگم۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے ہم کن حالات سے دوچار ہیں۔ ایک طرف پولیس ہماری تلاش میں ہے تو دوسری طرف رضیہ اور شاہو جی کے آدمی کتوں کی طرح ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں اور اتفاق سے شبانہ کے بقول بھی غلام سرور کا تعلق [illegible] مافیا سے ہے۔ وہ اگر ڈیڑھ دو مہینے سے یہاں نہیں آیا تو کوئی بات نہیں۔ میں ایسے لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ شبانہ جوان اور حسین ہے۔ سرور جیسے لوگ آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ کسی دن یہاں آ جائے گا۔ یہاں اس کی آمد و رفت ہوئی تو کسی بھی وقت میرا اور اس کا آمنا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کا تعلق [illegible] گروپ سے ہو لیکن وہ وابستہ تو اسی [illegible] سے ہے۔ سب لوگ [illegible] اور پہنچتے ہیں۔ اگر اس نے مجھے پہچان لیا تو بات پورے [illegible] میں پھیل جائے گی [illegible]

"سرور اب یہاں نہیں آئے گا۔" نرگس نے جواب دیا۔ [illegible]

[illegible]

ویسے ضروری نہیں کہ سرور تمہیں جانتا ہی ہو۔ تم کئی سال بعد یہاں آئے ہو۔ تمہارا حلیہ بھی بدلا ہوا ہے
ضروری نہیں کہ وہ تمہیں دیکھتے ہی پہچان لے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن ایک بات اسے اچھی طرح سمجھا دینا۔ ہمارے گھر کی کوئی بات باہر نہیں جانی چاہیے۔"

"میں اسے سمجھا دوں گی۔" نرگس کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔ "اس کی وجہ سے ہمیں بھی بہت آرام مل جائے گا۔ میرا مطلب ہے سودا وغیرہ لانے کے لیے ہم میں سے کسی کو بازار نہیں جانا پڑے گا۔"

"لیکن ہم اس طرح گھر میں بند ہو کر بھی تو نہیں رہ سکتے۔ ہمیں باہر تو نکلنا ہی پڑے گا۔" م
نے جواب دیا۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر مجھے ناموں کی اس فہرست کا خیال آ گیا۔ میں اٹھ کر اندر آ گیا اور وہ کاغذ لے کر ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سب سے پہلے جیرے بلیڈ کا نمبر ملانے لگا۔ کال ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز میں کہا گیا تو کئی سال بعد بھی میں نے اس آواز کو پہچان لیا

"ہیلو۔ جیرے بلیڈ کیسے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کون ہو تم؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"میں بول رہا ہوں۔ شاہ جی کا بندہ۔" میں نے جواب دیا۔

"شاہ جی کا تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔ تم کل شام آٹھ بجے"

"بند کرو یہ بکواس۔" جیرے نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔ "میں شاہ جی کو بتا چکا ہوں کہ اب میں کوئی کام نہیں کروں گا۔ میں اپنے سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں"

"اس دھندے میں آنے کے بعد کوئی بھی شخص اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسا جال ہے جس سے نکلنے کو کسی کو راہ نہیں پاتا اور تم"

"میں نے کہا نا کہ میں سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی۔ "اب کوئی لالچ یا دھمکی مجھے دوبارہ اس دھندے کی طرف نہیں لا سکتی۔"

"سوچ لو جیرے بلیڈ۔" میں نے کہا۔ "اس مرتبہ شاہ جی کی طرف سے بہت بڑی آفر ہے۔ ایک رات میں دس لاکھ کمانے کا چانس ہے۔"

"دس لاکھ ... یا دس کروڑ بھی ہوں تو میرا جواب انکار میں ہوگا۔ اور شاہ جی سے کہنا آئندہ

[illegible]

کاروبار سے کنارہ کش ہو چکا ہے اور اب وہ کسی قیمت پر شاہ جی کے لیے کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے رنگوں کی کھیپ پکڑوانے کی دھمکی بھی دی تھی اور اس دھمکی پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ بات تو مجھے رضیہ نے بھی بتائی تھی کہ رنگوں کی آڑ میں بڑی مقدار میں ہیروئن جنوبی افریقہ کو اسمگل کی جاتی تھی اور اب جیرے بلیڈ نے بھی وہی بات دہرائی تھی۔

میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور دوبارہ جیرا بلیڈ کا نمبر ملانے لگا۔ یہ شخص میرے کام آ سکتا تھا۔ اس مرتبہ بھی کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔

"میں تو سمجھا تھا کہ دس لاکھ کی بات سن کر تم سب کچھ بھول جاؤ گے مگر تم تو ارادے کے پکے نکلے اور ...."

"بند کرو بکواس اور آئندہ مجھے فون مت...."

"فون بند مت کرنا جیرے...." میں جلدی سے بولا۔ "میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔ میں تو تمہارا ایک پرانا دوست ہوں بہت پرانا۔ میرا نام سنو گے تو تمہیں حیرت ہوگی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ تم کون ہو؟" جیرے کی آواز سنائی دی۔

"تمہارا پرانا دوست۔ ناگی باؤ۔ شاید یہ نام تمہارے ذہن میں محفوظ ہو۔" میں نے کہا۔

"ناگی باؤ۔" جیرے نے یہ نام دہرایا۔ پھر اس کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم ... تم واقعی ناگی باؤ ہو۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے ہی شاہ جی کے نام سے فون کیا تھا اور مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم اس گندگی سے نکل چکے ہو۔"

"ہاں ناگی باؤ۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "شاہ جی اور اس کے آدمی وقتاً فوقتاً مجھے دوبارہ اس جال میں کھینچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن"

"تم واقعی ارادے کے پکے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تم سے ملنا چاہتا ہوں جیرے۔"

"ناگی باؤ۔" جیرے کی آواز سنائی دی۔ "ایک پرانے دوست کی حیثیت سے مجھے تم سے مل کر خوشی ہوگی لیکن اگر تم بھی اسی سلسلے میں...."

"بالکل نہیں...." میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں بھی یہ دھندے چھوڑ چکا ہوں۔ ایک پرانے دوست کی حیثیت سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ایسا کرو کل رات نو بجے [illegible] آ جاؤ۔ ہم وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کر سکیں گے۔" جیرے نے جواب دیا۔

[illegible] فون بند کر دیا۔

[illegible]

ہے۔ اس کی واپسی تین چار دن بعد ہوگی۔ میں نے کریڈل ٹیپ کر کے زبیر کا نمبر ملایا۔ یہاں دیر تک گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو تین مرتبہ کوشش کرنے کے بعد بھی ناکامی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ نمبر یا تو کٹ چکا تھا یا کوئی گھر پر موجود نہیں تھا۔ میں نے مزید کوشش ترک کر دی اور صوفے سے اٹھ کر کچن میں آ گیا جہاں نرگس کھانا پکانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"آج تو تم میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھاؤ گے۔ اور کل سے کھانا وغیرہ شبانہ پکائے گی۔ میں نے اسے رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" نرگس نے کہا۔

"ایک بات کا خیال رکھنا۔" میں نے کہا۔ "ہر شخص شریف ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم شبانہ کیسی عورت ہے۔ اس کے سامنے کبھی الماری مت کھولنا اور الماری کو ہر وقت تالا لگا کر رکھنا۔"

"اطمینان رکھو۔" میں نے شبانہ کی باتوں سے اندازہ لگا لیا ہے وہ ایسی عورت نہیں ہے۔ اور تم بھی ذرا خیال رکھنا۔" وہ مسکرائی۔

"میں کس بات کا خیال رکھوں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شبانہ جوان ہے اور حسین بھی۔" نرگس نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اپنے آپ پر قابو رکھنا اور اس کے سامنے کبھی پھسلنے کی کوشش مت کرنا۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے میں ایسی کوئی کوشش کر سکتا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"رات کو بھوکا رہنے کا ارادہ ہے کیا؟" نرگس نے میرے چہرے پر نظریں جما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی پیٹ کی بھوک برداشت نہیں ہوتی۔" میں نے جلدی سے اس کے کندھوں سے بانہیں ہٹا لیں۔ "تم کھانا تیار کرو۔ میں باہر بیٹھتا ہوں۔"

"اگر اپنے آپ پر قابو رکھو تو یہاں بھی رہ سکتے ہو۔" نرگس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرتی رہو۔ میں تمہیں دیکھتا رہوں گا۔ شاید اس طرح مجھے بھی کھانا پکانا آ جائے۔ یہ فن بھی کام آئے گا۔" میں نے کہا اور پھر واقعی میں ایک طرف کھڑا اسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

جب میں نرگس کے ساتھ [illegible] آباد کے [illegible] ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو رات کے ٹھیک نو بج رہے تھے۔ بہت شاندار اور ایئر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ تھا۔ مدھم قمقموں کی روشنی میں اندر کی فضا سحر آگیں ہو رہی تھی۔ [illegible] کسی طرف [illegible] موسیقی کی [illegible] ایک دوسرے [illegible] اطراف میں [illegible] کے ساتھ کیبن بھی بنے ہوئے تھے اور اوپر گیلری بھی تھی [illegible] کاؤنٹر کے پیچھے [illegible] ایک خوبصورت [illegible]

ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔ زیادہ تعداد نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی جو سر جوڑے سرگوشیانہ انداز میں باتوں میں مصروف تھے۔

میں کاؤنٹر کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا جس پر جبرائیل ہونے کا گمان ہوتا۔ چھ سات سال پہلے اس کی عمر پچپن کے لگ بھگ تھی اور اب اکسٹھ باسٹھ کے پیٹے میں ہونا چاہیے تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میرے ذہن پر نقش تھے۔ لیکن مجھے ایسا کوئی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"آپ کو کسی کی تلاش ہے؟" کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس نے یہ سوال مجھ سے ہی کیا تھا۔

"ہاں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "جبرائیل۔ میرا مطلب ہے نذیر احمد۔"

"میں سمجھ گئی۔" لڑکی مسکرا دی۔ "ایک منٹ آپ تشریف رکھیے۔" لڑکی نے کاؤنٹر کے پیچھے دیوار پر لگا ہوا انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر نہایت مدھم لہجے میں کسی سے کوئی بات کی پھر ریسیور رکھ کر مسکراتی ہوئی نظروں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹھیک ایک منٹ بعد سیڑھیوں سے اترنے والے ایک آدمی کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ جبرائیل تھا۔ جبرائیل کو میں نے ہمیشہ بدحالی میں ہی دیکھا تھا۔ وہ کئی کئی مہینے بال نہیں کٹواتا تھا۔ ہمیشہ [illegible] پیوند لگا ہوا اکثر پھٹے ہوئے۔ پیروں میں عام سی چپل ہوتی تھی لیکن اس وقت وہ بالکل بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ سفید پینٹ، سفید شرٹ اور [illegible] شوز بھی سفید۔ نہایت سلیقے سے کٹے اور سنورے ہوئے بال۔ وہ بہت ہی شاندار شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔

وہ پہلے میری الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گیا۔

"تم تو بالکل ہی بدل گئے ہو [illegible]" اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ پھر نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اسے آنکھ مار دی۔

"آؤ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" جبرائیل نے کہا۔

ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیلری میں آ گئے۔ یہاں بھی کیبن تھے جو سب کے سب بھرے ہوئے تھے۔ جبرائیل نے گیلری کے آخر میں ایک دروازہ کھلوایا اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ بہت شاندار ڈرائنگ روم تھا۔ [illegible] کرسیاں بھی تھیں اور صوفے بھی۔ ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔ جبرائیل بھی میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اور پھر یہ انکشاف میرے لیے [illegible] دلچسپ ثابت ہوا کہ یہ ریسٹورنٹ جبرائیل کی ملکیت تھا۔

جبرائیل نے ہمارے لیے ٹھنڈے مشروب منگوائے اور اس کے ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ پرانی باتیں، پرانی یادیں اور پھر رضیہ اور شادی کا ذکر بھی آ گیا۔ ہم دیر تک ان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔

"تم نے فون پر رنگوں کی کھیپ پکڑوا دینے کی دھمکی دی تھی۔" میں نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ شاہ جی کا سنڈیکیٹ رنگوں کی آڑ میں ہیروئن کی بڑی مقدار ساؤتھ افریقہ اسمگل کرتے ہیں لیکن ... میں سمجھ نہیں سکا کہ اس کا طریقہ کار کیا ہوگا۔"

"سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔" جیرے بیلڈ نے کہتے ہوئے نرگس کی طرف دیکھا۔

"اس کی پرواہ مت کرو۔ یہ بھی رضیہ کی ڈسی ہوئی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔" میں نے کہا۔

اور پھر جیرابلیڈ نے رنگوں کی آڑ میں جو انکشاف کیا وہ واقعی بڑا سنسنی خیز تھا۔

ہم ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ دھڑ سے دروازہ کھلا۔ ہم تینوں نے بیک وقت مڑ کر اس طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

شاہ جی اور بوٹا دروازے میں کھڑے تھے۔ بوٹا کے ہاتھ میں پستول تھا۔ شاہ جی کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ تھی اور وہ خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس صورت حال سے میں بالکل خوفزدہ نہیں ہوا بلکہ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے کھا جانے والی نظروں سے جیرابلیڈ کی طرف دیکھا۔ یہ اس کی چال تھی۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ مجھے یہاں بلا کر شاہ جی کو اطلاع دے دی تھی اور شاہ جی نے چھاپہ مار دیا۔

لیکن مجھے جیرابلیڈ کے بارے میں اپنا یہ خیال بدلنا پڑا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں بھی ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ اس نے ایک قدم سرک کر میز کا سہارا لیا اگر اس نے مخبری کی ہوتی تو اس طرح خوفزدہ نہ ہوتا۔ شاہ جی کے آ جانے سے تو اس کی ہمت بڑھتی لیکن میں جانتا تھا کہ جیرابلیڈ اداکار بھی تھا۔ بہت عرصہ پہلے وہ فلموں میں ایکسٹرا کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ وہ ایک اچھا اداکار تھا۔ آگے بھی چل سکتا تھا لیکن وہ ہیروئن کے جال میں پھنس گیا اور فلموں سے دور ہوتا چلا گیا۔ میرے ذہن میں اس کے ماضی کے حوالے سے یہ خیال ابھرا تھا کہ ہو سکتا ہے اس وقت بھی وہ خوفزدہ ہونے کی اداکاری کر رہا ہو۔

"بہت اچھے جیرے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا "میں تو سمجھا تھا کہ تم واقعی مخلص اور سچے دوست ہو لیکن تم تو بڑے یار مار نکلے۔"

"او نے ناجی۔" شاہ جی کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "اس کو کیا کہتے ہو اس کے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں کہ ہم یہاں چھاپہ مارنے والے ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا "میری عقل مندی کو شاباش دو۔ مجھے معلوم تھا کہ تم اپنے پرانے دوستوں سے ضرور رابطہ کرو گے۔ میں نے تین چار کی نگرانی شروع کرا دی۔ جیرے پر مجھے زیادہ شک تھا اس زمانے میں یہی تمہارا سب سے قریبی ساتھی تھا۔ اس پر میں نے زیادہ دھیان دیا تھا اس کے گھر کی بھی نگرانی کرتا رہا اور اس ہوٹل کی بھی۔ میرا شک ٹھیک نکلا۔ ایک گھنٹہ پہلے تم دونوں ہوٹل میں داخل ہوئے تو میرے آدمی نے تمہیں دیکھ لیا پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ تم لوگ شاید کچھ کھانے پینے کے لئے یہاں آئے ہو لیکن جب اس نے تمہیں اس کے ساتھ اوپر جاتے دیکھا تو مجھے فون پر اطلاع دے دی۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی مگر مایوسی نہیں ہوئی۔" وہ خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر بولا۔ "تم لوگ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو گے یا یہاں ٹھاہ ٹھوں کرا کے اینڈ کرو گے۔"

"تم تو ہمیں یہاں سے لے جاؤ گے تو ہمیں چھوڑنے کی اجازت دی جائے گی۔" میں نے کہا۔

"تم مجھے اچھی طرح پہچانتے ہو اگر تم لوگ خاموشی سے واپس نہ چلے گئے تو..."

"ہم چلے جائیں گے، خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔" شاہ جی نے میری بات کاٹ دی۔ "اگر تم رضیہ کے گھر سے لوٹی ہوئی رقم اور وہ زیورات میرے حوالے کر دو تو ہم خاموشی سے واپس چلے

جائیں گے۔"

وہ دونوں بات کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھ آئے تھے۔ بوٹے کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنے پیچھے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

"تاجی باؤ۔" بوٹے نے پستول سے اشارہ کیا۔ "تم بھی اس طرف ہو جاؤ۔ جیرے کے ساتھ..... اور..... دیکھو کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ پستول شور مچانا پسند نہیں کرتا۔ چلو اس طرف۔"

میں نے پہلی مرتبہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول پر توجہ دی۔ اس پر سائی لینسر لگا ہوا تھا۔ میں اپنی جگہ سے سرک کر جیرا بلیڈ کے قریب آ گیا اور میرے خیال میں یہاں سے گڑبڑ کے مواقع زیادہ تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے میز کی طرف دیکھا۔ پیپر ویٹ اور چند دوسری چیزوں کے علاوہ ٹیلی فون سیٹ، انٹرکام سیٹ اور اس کے قریب ہی ایک بھاری ایش ٹرے بھی پڑا ہوا تھا۔ میں جیرے بلیڈ کے ساتھ تن کر کھڑا ہو گیا میری پشت میز کے ساتھ لگی ہوئی تھی میں نے اپنا ہاتھ بھی میز کے کنارے پر ٹکا دیا اور شاہ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ارادہ ہے کاکا؟" شاہ جی نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم وہ رقم اور زیورات ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہو یا نہیں۔"

"سلطان! تم جانتے ہو کہ میں اپنی زبان اور ارادے سے کبھی نہیں پھرتا۔ میں نے کہہ دیا ہے نا کہ ایک تنکا بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ اگر تم میری لاش کے ٹکڑے بھی کر دو تو تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گھی نکالنے کے لئے مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی ہی پڑیں گی۔" شاہ جی نے کہا اور پھر بوٹے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بوٹے! انہیں لے کر نیچے چلو، اور اگر یہ کوئی گڑبڑ کریں تو چلا دینا گولی۔"

شاہ جی واقعی اس دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف آدمی تھا۔ چند روز پہلے ہی وہ اپنی کوٹھی میں میری قوت کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا اس کے آدمی مجھ پر قابو نہیں پا سکے تھے اور میں اس کی بیٹی کو بھگا کر لے گیا تھا۔ یہاں تو میرے ساتھ زگس اور جیرا بلیڈ بھی تھے۔ وہ کچھ نہ بھی کریں تو ان کی موجودگی ہی بڑی حوصلہ افزا تھی۔

میرا میز کے کنارے پر ٹکا ہوا ہاتھ سرکتا ہوا پیچھے پہنچ گیا تھا اور پھر میری انگلیوں نے میز پر پڑے ہوئے ماربل کے وزنی ایش ٹرے کو چھو لیا اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے جیرے بلیڈ کی طرف دیکھا وہ بھی ہاتھ پیچھے کر کے ایش ٹرے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری انگلیاں اس کی انگلیوں سے ٹکرائی تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور زگس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑی تھی اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شاہ جی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا۔
"ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں مگر یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ اگر یہاں توڑ پھوڑ

ہوئی تو میں تمہاری توڑ پھوڑ کر دوں گا۔"

"تمہاری اس دن کی توڑ پھوڑ سے میرے پاسے تو ابھی تک دکھ رہے ہیں۔ میں نے تو ابھی تم سے بڑا لمبا چوڑا حساب کتاب کرنا ہے۔" شاہ جی نے کہا۔

میں بوٹے کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھ گیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے جیرے بلیڈ نے وزنی ایش ٹرے پوری قوت سے بوٹے کے پستول والے ہاتھ پر دے ماری۔ پستول تو اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا لیکن وہ چیختا ہوا دہرا ہو گیا تھا۔ یہ میرے لئے بہترین موقع تھا۔ میں نے بوٹے پر چھلانگ لگا دی اور اسے ساتھ لیتا ہوا صوفے پر گرا۔ زگس اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی تھی اگر وہ پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتی تو صوفے کی زد میں آ کر وہ بھی گرتی۔

ہم دونوں کے بوجھ سے صوفہ الٹ گیا۔ گرتے ہوئے میں بوٹے کے اوپر تھا لیکن صوفہ الٹنے کے باعث میں قلابازی کھاتا ہوا قالین پر گرا تو بوٹا میرے اوپر آ گیا۔

پستول اب بھی بوٹے کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے مجھے قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول میرے سینے پر رکھنے کی کوشش کی مگر میں نے بڑی پھرتی سے اس کا پستول والا ہاتھ موڑ دیا۔ اسی وقت بوٹے کی انگلی کا دباؤ پڑنے سے ٹرائیگر دب گیا۔ ٹک کی آواز سے نکلنے والی گولی سامنے والی دیوار میں پیوست ہو گئی۔

میں بوٹے کے ہاتھ کو موڑتا چلا گیا۔ اب پستول کی نال بوٹے کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اس نے ٹرائیگر سے انگلی ہٹائی اور پستول کا رخ موڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ میں نے اچھل کر سر کی ٹکر اس کے چہرے پر ماری۔ ٹکر بوٹے کی ناک پر لگی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اس کے ساتھ ہی میں نے اسے اپنے اوپر سے گرا دیا۔

پستول کے لئے ہم دونوں میں جدوجہد ہو رہی تھی اور پھر بوٹے کا داؤ چل گیا اس نے گھٹنے سے میری ٹانگوں کے بیچ میں ضرب لگائی تھی۔ میں کراہ اٹھا لیکن پستول پر گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دی۔ بوٹے نے دوسری ضرب لگائی اس مرتبہ میں اپنے آپ کو بچا گیا تھا۔

میرے سر کی ضرب سے بوٹے کی ناک سے خون بہہ نکلا تھا خون کی دھار اس کے ہونٹوں کو تر کر رہی تھی۔

مجھے اسی وقت دوسری طرف دیکھنے کا موقع مل گیا۔ شاہ جی اور جیرا بلیڈ بھی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ شاہ جی نے جیرے کو زوردار گھونسا مارا وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا میز سے ٹکرایا اور میز الٹ گئی۔ میز الٹنے سے ساری چیزیں بھی گر گئیں جس سے اچھا خاصا شور ہوا تھا۔ دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر ٹیلی کیبن تھے جہاں گاہک بیٹھے ہوئے تھے شور کی آواز سن کر وہ ضرور چونکے ہوں گے مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کسی گاہک نے اندر جھانک کر دیکھا تو شور مچا دے گا اور اسی طرح ساری گڑبڑ ہو جائے گی۔

شاہ جی نے الٹی ہوئی میز کے اوپر سے جیرا بلیڈ پر چھلانگ لگا دی اور اسے بری طرح رگیدنے لگا تھا۔ برسوں پہلے جب جیرا بلیڈ میرے ساتھ تھا تو اسے لڑائی اور مار دھاڑ کا ماہر سمجھا جاتا تھا لیکن اب وہ شاہ جی سے بری طرح پٹ رہا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ وہ اس قسم کے سارے دھندے چھوڑ چکا تھا اور شریفانہ

بدمعاشی شروع کر کے قتل پسند ہو چکا تھا۔

نرگس نے جیرے بلیڈ کو پٹتے دیکھا تو جلدی سے اس طرف بڑھ گئی اور زمین پر پڑا ہوا وزنی گلدان اٹھا کر شاہ جی کے سر پر دے مارا۔ شاہ جی کراہ اٹھا۔ جیرے کے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس طرح جیرے بلیڈ کو شاہ جی پر غالب آنے کا موقع مل گیا۔

میرے اور بوٹے کے بیچ پستول کے لئے کشمکش جاری تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور زوردار جھٹکا دیا۔ اس مرتبہ پستول بوٹے کے ہاتھ سے نکل کر اڑتے ہوئے صوفے کے دوسری طرف جا گرا۔ بوٹے کا داؤ ایک بار پھر چل گیا۔ اب میں اس کے نیچے دب گیا تھا وہ میرے گلے پر گرفت جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی لمحے نرگس ہماری طرف لپکی اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلدان اوپر اٹھایا، وہ بوٹے کے سر پر ضرب لگانا چاہتی تھی مگر اسی وقت میں نے بوٹے کو پلٹ دیا اور گلدان بوٹے کے بجائے میرے سر پر لگا۔

ضرب خاصی زوردار تھی میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور حواس پر قابو پاتے ہی بوٹے کے تھوبڑے پر گھونسے برسانے لگا۔

دوسری طرف اب جیرا بلیڈ شاہ جی کی ٹھکائی کر رہا تھا کہ اچانک شاہ جی نے جیرے بلیڈ کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ جیرا دیوار سے ٹکرا کر گرا۔ میرا خیال تھا کہ شاہ جی اس پر حملہ کر دے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اسے بھاگتے دیکھ کر میں نے بوٹے کو چھوڑ کر شاہ جی کی طرف چھلانگ لگا دی۔

شاہ جی دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا چکا تھا میں ہوا میں اڑتا ہوا دروازے میں گرا۔ شاہ جی کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ اس نے جھٹکے دے کر اپنی ٹانگ چھڑائی اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر بھاگا۔ میں نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ شاہ جی باہر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس مرتبہ میں نے موقع نہیں دیا اور لاتوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

نیلی کیبنوں میں بیٹھے ہوئے گاہک چیختے چلاتے ہوئے کیبنوں سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف دوڑے۔ گاہکوں میں زیادہ تعداد تو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی۔ وہ سب بری طرح چیخ رہی تھیں۔

شاہ جی ایک گھونسا کھا کر لڑکیوں کی طرف گرا اس نے سنبھل کر سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی اور لوگوں کو دھکے دیتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔

میں سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ نچلے ہال میں بھی افراتفری سی مچ گئی تھی۔ لوگ اٹھ اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ شاہ جی لوگوں کو دھکے دیتا ہوا دروازے سے باہر نکل چکا تھا اور جب میں باہر نکلا تو وہ نیلے رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن میں بیٹھ چکا تھا میں اسی طرف لپکا۔ لیکن میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اسٹیشن ویگن حرکت میں آ کر زوردار جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

میں واپس آ گیا اور لوگوں کو دھکیلتا ہوا ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ اوپر پہنچا تو نرگس اور جیرا بلیڈ بوٹے کی مرمت کر رہے تھے۔ نرگس نے بوٹے کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ رکھا تھا اور جیرا اس پر گھونسے برسا رہا تھا۔ بوٹے کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا اسی دوران دو ویٹر بھی وہاں آ گئے۔

"جی۔" جیرا بوٹے کو چھوڑ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ نکل جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"شاہ جی بھاگ گیا وہ....."

"اس کی تم فکر مت کرو میں معاملے کو سنبھال لوں گا۔" جیرے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

دونوں ویٹروں نے بوٹے کو سنبھال لیا تھا۔ میں نرگس کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچتا ہوا لے گیا نچلے ہال میں اب بھی کچھ لوگ موجود تھے جو ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے دوسروں سے پہلے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عورتیں اب بھی خوف سے چیخ رہی تھیں۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔ یہ ایک بارونق شاپنگ ایریا تھا۔ اگرچہ کیا دو بج چکے تھے مگر بہت سی دکانیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں البتہ ادھر ہنگامے کی وجہ سے کچھ دکانیں بند ہو رہی تھیں اور سڑک کے دوسری طرف بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔

ہمیں بھی لوگ گاہکوں ہی میں سے سمجھے تھے۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے تیزی سے ایک طرف چلتا چلا گیا۔ چوک کے دوسری طرف ایک خالی رکشا کھڑا تھا ڈرائیور رکشے کے قریب فٹ پاتھ پر کھڑا اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یوں بھی۔ چلنے کا موڈ ہے یا نہیں؟" میں نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں چلنا ہو تا وہ بیہ" ڈرائیور بولا۔ "کہاں جانا ہے؟ پر یہاں کیا ہوا ہے جی۔ آپ بھی تو اسی طرف سے آ رہے ہو نا!"

"ریسٹورنٹ پر غنڈوں نے حملہ کر دیا تھا۔" میں نے رکشے کا دروازہ کھولتے ہوئے نرگس کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "پہلے وہ غنڈے ہوٹل سے بھتہ لینے آئے تھے مالک نے انکار کر دیا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بلا لائے اور توڑ پھوڑ شروع کر دی۔"

"بہت ہی بے غیرت ہیں یہ لوگ، بے غیرت" ڈرائیور اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کون؟ ریسٹورنٹ والے" میں بولا۔

"نہیں جی ان غنڈوں کی بات کر رہا ہوں" ڈرائیور نے کہا۔

گن آباد سے اگرچہ اسلامیہ کالج کا راستہ قریب تھا مگر ایسے موقعوں پر میں نے کبھی بھی حقیقی ٹھکانہ نہیں بتایا۔ دشمن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس لئے میں نے رکشے والے کو مینی پیلی دروازے چلنے کو کہا تھا۔

موچی دروازے پر پہنچ کر میں نے رکشہ رکوا لیا اس جگہ خاصی رونق تھی۔ موچی دروازہ بیانی چہل پہل کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے۔ دسویں محرم کے موقع پر اس کا شمار شہر کے ان علاقوں میں ہوتا ہے جہاں رات بھر رونق رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہاں بڑی رونق تھی۔

رکشے سے اتر کر میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور موچی دروازے کے اندر کی طرف چل دیا۔

"یہاں کس طرف جا رہے ہو؟" نرگس نے پوچھا۔

ریسٹورنٹ کا نمبر ملایا دوسری گھنٹی پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

"میں مون لائٹ ریسٹورنٹ سے بول رہا ہوں جی۔ ریسٹورنٹ بند ہو گیا ہے آپ کون ہیں جی؟" یہ بھاری مردانہ آواز غالباً کسی ویٹر کی تھی۔

"نذیر احمد سے بات کراؤ، میں اس کا دوست بول رہا ہوں ساہیوال سے۔" میں نے کہا۔

"وہ تو تھانے گئے ہوئے ہیں جی آپ صبح فون کریں۔" جواب ملا۔

"تھانے کیوں خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں کچھ غنڈوں نے حملہ کر دیا تھا جی، بڑی توڑ پھوڑ ہوئی ہے پانچ غنڈے تو بھاگ گئے ایک کو چوہدری نذیر صاحب نے پکڑ لیا یہاں پولیس آئی تھی وہ آدھا گھنٹہ پہلے تھانے گئے ہیں جی پتا نہیں واپس کب آئیں۔"

"اور ملزم اس کا کیا ہوا؟ میرا مطلب ہے وہ غنڈہ جسے پکڑا تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اس کی یہاں بڑی پھینٹی لگی ہوئی تھی جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تھانے جا کر تو اس کو الٹا ٹانگ دیا ہوگا پولیس والوں نے۔"

وہ اور بھی کچھ کہتا رہا مگر میں نے ریسیور رکھ دیا اور نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بوٹے کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ جیرا بلیڈ بھی تھانے گیا ہوا ہے اب صبح ہی اس سے بات ہوگی۔" میں نے جواب دیا اور ہم بیڈ روم میں آ گئے۔

مجھے نیند آ رہی تھی۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ نرگس سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے سونے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"گرمی لگ رہی ہے میں نہانے جا رہی ہوں تم سو جاؤ۔" نرگس نے جواب دیا۔

میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند منٹ بعد چٹ کی ہلکی سی آواز دو مرتبہ سنائی دی میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نرگس نے تیز روشنی کا بلب بجھا کر نیلی روشنی والا نائٹ بلب جلا دیا تھا اس کے کچھ دیر بعد باتھ روم میں پانی گرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔

میں نے غیر ارادی طور پر کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔ باتھ روم کا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اندر لائٹ نہیں جل رہی تھی لیکن نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں باتھ روم کا منظر کچھ اور بھی سنسنی خیز ہو گیا تھا۔

نرگس شاور کے نیچے کھڑی تھی شاور کا پانی بارش کی طرح اس کے جسم پر برس رہا تھا میں زیادہ دیر تک یہ منظر نہیں دیکھ سکا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

چند منٹ بعد پانی گرنے کی آواز بند ہوگئی اور اس کے تین چار منٹ بعد نرگس بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ میرا سانس لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور پھر پشت پر گداز سانس محسوس کر کے میرے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور میں نے نرگس کی طرف کروٹ بدل لی۔

صبح دس بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ نرگس بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں چند لمحے کروٹیں بدلتا رہا پھر باہر سے باتوں کی آواز سن کر اٹھ گیا۔ کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر دیکھا تو نرگس اور شبانہ جامن کے درخت کے نیچے کرسیوں پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، شبانہ کی شیر خوار بچی نرگس کی گود میں تھی اور شبانہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا اور چند منٹ بعد فارغ ہو کر باہر آ گیا، شبانہ مجھے دیکھ کر جلدی سے کرسی سے اٹھ گئی۔

"چائے بنا کر لاؤں صاحب جی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں لے آؤ۔" میں کہتے ہوئے اسی کرسی پر بیٹھ گیا۔

شبانہ برآمدے کی طرف چلی گئی۔ نرگس جھک کر گود میں سوئی ہوئی بچی کو پیار کرنے لگی۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس کی آنکھوں اور چہرے پر عجیب سی کیفیت نظر آئی۔

میں نے اکثر نرگس کو اس بچی کو گود میں لیے ہوئے دیکھا تھا اور اب بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ رمضان سے نرگس کی شادی کو کئی سال بیت گئے تھے لیکن وہ اولاد کی نعمت سے محروم رہی تھی اولاد ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے اور جب یہ خواہش پوری نہ ہو تو اس کی زندگی کرب میں بدل جاتی ہے۔ نرگس بھی اسی کرب کو سینے سے دبائے ہوئے تھی، ہو سکتا ہے گاؤں میں بھی اسے چھوٹے بچوں سے لگاؤ رہا ہو اور اب اس معصوم اور پیاری سی بچی کو دیکھ کر اس کی مامتا میں پھر ابال آ گیا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد شبانہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے دونوں کپ میز پر رکھ دیے اور نرگس کی طرف چلی گئی۔

"لائیے اس بچی کو مجھے دے دیجئے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

"اسے اندر بیڈ پر لٹا دو اور دوپہر کے کھانے کا کچھ بندوبست کرو۔" نرگس نے بچی کو اس کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔

"ناشتے کا پروگرام نہیں ہے کیا جو دوپہر کے کھانے کی فکر ہو رہی ہے۔" میں نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو تم ایک گھنٹہ چائے پینے میں لگاؤ گے اس کے بعد باتھ روم میں جاؤ گے، اس طرح تم بارہ بجے کے قریب تیار ہو گے اس وقت تمہیں ناشتا مل جائے گا۔" نرگس نے کہا۔

"اور تم؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بھی اس وقت تک صبر کر لوں گی۔" نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔

میں جواب دینے کے بجائے خاموشی سے چائے پینے لگا۔

چائے پینے کے بعد میں اندر آ گیا اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر جیرا بلیڈ کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔ کال تیسری گھنٹی پر ریسیو کی گئی تھی آواز جیرے ہی کی تھی۔

"رات کا معاملہ کیا رہا جیرے؟" میں نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا۔

"اوہ، تاجی تم؟" جیرے کی آواز سنائی دی۔ "تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی۔"

"کیسی گڑبڑ؟" میں چونک گیا۔

"میں نے بوٹے کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔" جیرے نے کہا اور ہمارے وہاں سے آنے کے بعد کے حالات بتانے لگا۔ "پولیس نے بوٹے کی اتنی چھترول کی ہے کہ بہت عرصہ تک اسے اپنا نام یاد نہیں آ سکے گا۔ میں تو شاہ جی، بوٹا اور ان کے دوسرے آدمیوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوانا چاہتا تھا کہ ایک فون کال آڑے آ گئی۔"

"کیسی فون کال؟" میں نے پوچھا۔

"شاہ جی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "یہاں سے فرار ہونے کے بعد ایک ایم پی اے کی کوٹھی پر پہنچ گیا تھا۔ اگر ایم پی اے اس وقت کوٹھی پر موجود ہوتا تو بوٹا پولیس کی مار سے بچ جاتا۔ اس کا حلیہ بگاڑنے کے بعد جب ایس ایچ او رپٹ لکھنے کی تیاری کر رہا تھا تو ایم پی اے کا فون آ گیا۔" جیرا چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ایس ایچ او نے اسے دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور خود تقریباً آدھا گھنٹہ فون پر بات کرتا رہا پھر مجھے بلا لیا اور مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ میرے ہوٹل میں جو کچھ بھی ہوا وہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔

"تھوڑی دیر بعد شاہ جی ایم پی اے کے دو آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اس نے پولیس کو ایک نئی کہانی سنائی۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ کہانی اس ایم پی اے نے اس کے دماغ میں ڈالی تھی۔"

"وہ کہانی کیا تھی؟" میں نے پوچھا۔

"شاہ جی کے کہنے کے مطابق وہ اپنے دوست محمد بوٹا کے ساتھ میرے ریسٹورنٹ میں چائے پینے کے لئے آیا تھا وہاں اس نے ایک مفرور اور اشتہاری مجرم تاجی کو دیکھ لیا اس کے ساتھ نرگس نامی وہ عورت تھی جسے وہ قصور سے اغوا کر کے لایا تھا۔

"شاہ جی کے کہنے کے مطابق تاجی کئی سال بعد اس شہر میں نظر آیا تھا۔ اس نے بوٹے کی مدد سے تاجی کو پکڑنا چاہا تاکہ اسے پولیس کے حوالے کیا جا سکے لیکن وہاں تاجی کے کچھ اور ساتھی بھی موجود تھے جنہوں نے شاہ جی اور بوٹے پر حملہ کر دیا اور ہوٹل میں توڑ پھوڑ شروع کر دی۔"

"شاہ جی کا کہنا ہے کہ اس کا جیرے یعنی مجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ ہنگامہ تو تاجی کی طرف سے شروع ہوا تھا تاہم وہ ہوٹل میں ہونے والا میرا نقصان پورا کرنے کو تیار ہے۔ اس نقصان کے لئے اس نے دو لاکھ کی پیشکش کی ہے۔"

"اور تم نے کیا فیصلہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں ایف آئی آر درج کرانے پر بضد ہوں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "میرے بھی کچھ تعلقات ہیں تاجی۔ ایک ایم پی اے سے میری بھی یاد اللہ ہے وہ ہمارے ہی علاقے میں رہتا ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے اس سے بات کی تھی اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ شاہ جی کے سفارشی ایم پی اے سے بات کرے گا۔ دونوں کا تعلق ایک ہی پارٹی سے ہے اور وہ آج شام میرے ساتھ تھانے بھی جائے گا تاکہ ایس ایچ او کو شاہ جی کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے پر مجبور کر سکے۔"

"اس طرح بات بہت لمبی ہو جائے گی جیرے۔" میں نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ تم تھوڑی سی ردوکد اور حجت کے بعد راضی نامے والی بات مان لو اور دو لاکھ روپے وصول کر لو۔ چند روز میں ہم دوسرے طریقے سے شاہ جی کا بندوبست کر لیں گے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟" جیرے نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن ابھی کچھ واضح نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم آج رات گیارہ بجے مجھ سے مال روڈ پر سائیں کے ہوٹل میں ملو۔ اپنا یہ پرانا اڈا یاد ہے نا؟"

"بالکل یاد ہے میں بھلا اس جگہ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔" جیرے نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے میں گیارہ بجے تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی اور تمہارا تعاقب کرتا ہوا وہاں نہ پہنچ جائے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر ہی مت کرو تاجی۔" جیرے نے جواب دیا۔ "میں ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ ریسیور رکھتے ہوئے میری نظر کچن کی طرف اٹھ گئی۔ ہال کمرے کے ایک حصے میں ڈائننگ ٹیبل بچھی ہوئی تھی۔ اس طرف کچن کی ایک کشادہ کھڑکی تھی جس کے سامنے ایک چوڑا ماربل کا سلیب لگا ہوا تھا۔ کھانا اس کھڑکی ہی سے ڈائننگ ٹیبل تک پہنچا دیا جاتا تھا جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا وہاں سے کھڑکی کے راستے پورا کچن نظر آ رہا تھا۔ فون کا ریسیور رکھتے ہوئے میری نظر اس طرف اٹھی تو شبانہ بالکل سامنے کچن میں کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر گڑبڑا سی گئی اور دوسری طرف مڑ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو شبانہ کی بیٹی ہمارے ہی بیڈ پر سو رہی تھی۔ اس کے نیچے ربڑ کا تھی بچھا ہوا تھا تاکہ اگر کچھ فرمادے تو بستر خراب نہ ہو۔ میں اس معصوم سی بچی کی طرف دیکھتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں اور نرگس ناشتا کر رہے تھے۔ شبانہ نے جب سے ہمارے پاس کام شروع کیا تھا کھانا وغیرہ ہمارے ساتھ ہی کھاتی تھی لیکن اس وقت اس کی بچی اٹھ گئی تھی اور وہ اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

ناشتے کے بعد ہم باہر آ کر جامن کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

"جیرے بلیٹ سے کیا بات ہوئی؟" نرگس نے پوچھا۔

میں اسے جیرے سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ "آج شام تھانے میں ان کا راضی نامہ ہو جائے گا۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔" نرگس نے میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "جیرا تمہیں بلف تو نہیں کر رہا۔"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ "جیرا ایک ان لوگوں میں سے ہے جن پر میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتا ہوں۔ مجھے یاد ہے جب میں یہاں تھا لاکھوں روپے کا لین دین اسی کے ذریعے ہوتا تھا۔ سارا حساب کتاب وہی کرتا تھا۔ بڑی بڑی رقمیں اس کی تحویل میں رہتی تھیں۔ اس نے کبھی ایک پیسے کی ہیرا پھیری نہیں کی تھی۔ اگر اس کے دل میں کھوٹ ہوتا تو کل یہ سارا ہنگامہ نہ ہوتا بلکہ صورت حال کچھ مختلف ہوتی۔" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "وہ تو اب بھی شاہ جی اور بوٹے وغیرہ کے خلاف

ایف آئی آر درج کرانے پر مصر ہے لیکن اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا ہے کہ اگر وہ لوگ راضی نامے کی بات کر رہے ہیں تو راضی نامہ کر لیا جائے۔ اگر ایف آئی آر کٹتی ہے تو دوسری پارٹی بھی خاموش نہیں بیٹھے گی۔ میں بہت عرصے سے پولیس کو کئی سنگین وارداتوں میں مطلوب ہوں۔ بات بڑھے گی تو میرا بلیڈ بھی زد میں آئے گا۔ پولیس اس سے میرے بارے میں بھی پوچھ گچھ کر سکتی ہے اسے حراست میں بھی لے لیا جائے گا۔ اس طرح الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی۔ معاملہ ٹل رہا ہے تو اچھا ہے۔"

بات نرگس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے اس موضوع کو مزید نہیں چھیڑا تاہم بات کرنے کے لئے اور بھی بہت سے موضوعات تھے۔ ایک موضوع ختم ہوا تو اس نے دوسری بات شروع کر دی۔

"تم نے چوہدری امین سے رضیہ والی کوٹھی کے بارے میں بات کی؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اس سے بات اس طرح کی جائے کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ اس کا بھی ایک طریقہ ہے میرے ذہن میں۔"

"وہ کیا؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے سمجھانے لگا کہ وہ اس معاملے میں میری مدد کس طرح کر سکتی ہے۔

"مم...... میں...... تمہارا مطلب ہے کہ مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔" نرگس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "مجھے تو سوچتے ہوئے ہی شرم آ رہی ہے۔"

"دیکھو ڈیئر!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "یہ گاؤں نہیں ہے شہر کی زندگی گاؤں سے بہت مختلف ہوتی ہے اور پھر تم نے جس ڈگر پر قدم رکھا ہے وہاں تو شرم و حیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رضیہ کو دیکھو اس نے دولت کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ تم بھی اپنے شوہر کو چھوڑ کر آئی ہو عزت کا سوال تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب تم نے گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالا تھا۔ تمہیں میری بات بری تو لگی ہو گی لیکن حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب تم بھی اسی کشتی پر سوار ہو چکی ہو جس میں رضیہ نے سفر شروع کیا تھا۔" میں خاموش ہو کر نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ ہر لمحہ رنگ بدل رہا تھا۔

"تم نے کبھی مس نادرہ کا نام سنا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مس نادرہ شہر کی ایک بہت معروف ہستی ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کی عمر اگرچہ چالیس کے لگ بھگ ہے دو درجنوں مردوں کے بخئے ادھیڑ چکی ہے لیکن آج بھی وہ مس ہی کہلاتی ہے۔"

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "نادرہ کا تعلق مصری شاہ کے ایک بہت غریب گھرانے سے تھا۔ اس کا باپ ماشکی تھا۔ لوگوں کے گھروں میں پانی بھرتا تھا اور ماں بھی لوگوں کے گھروں میں جھاڑو پونچا کرتی تھی۔ نادرہ ان کی واحد اولاد تھی۔ ان کے ہر طرف غربت کے سائے بہت گہرے تھے لیکن نادرہ حسن کی دولت سے مالا مال تھی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی جوانی بھی پھوٹ رہی تھی۔

ایک روز نادرہ کی ماں بیمار ہو گئی۔ حاکم علی کمبوہ کی بیگم بیمار تھی۔ ان کے ہاں کام کے لئے جانا

ضروری تھا اس نے نادرہ کو بھیج دیا۔ نادرہ پہلی مرتبہ کسی کے گھر کام کرنے گئی تھی۔

"حاکم علی کمبوہ نے نادرہ کو دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گیا اس نے ماشکی کی گودڑی میں یہ لعل پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس کی رال ٹپک پڑی۔

حاکم علی کمبوہ کی بیوی عرصے سے بیمار پڑی ہوئی تھی اس نے نادرہ کو دیکھا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس روز نادرہ دوشیزہ سے عورت بن گئی وہ چیخی چلائی، مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کون تھا۔ حاکم کمبوہ علاقے کا کونسلر تھا۔ اس نے نادرہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی کے سامنے زبان کھولی تو اسے مار دیا جائے گا اور یہ کہ آئندہ اس کے گھر میں کام کرنے وہی آیا کرے گی اور اگر اس نے انکار کیا تو اسے غنڈوں سے اٹھوا دیا جائے گا۔

نادرہ باقاعدگی سے حاکم کمبوہ کے گھر جانے لگی۔ حاکم کمبوہ اس پر مہربان تھا۔ نادرہ کے گھر کے حالات بھی بدلنے لگے۔ اس کے باپ نے ماشکی گری چھوڑ دی۔ ماں نے بھی گھروں میں کام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ ٹوٹی ہوئی کھولی سے ایک ڈھنگ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

حاکم کمبوہ کے گھر میں تقریب تھی۔ علاقے کا ایم پی اے بھی آیا ہوا تھا۔ نادرہ کو دیکھ کر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ ایم پی اے نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو حاکم کمبوہ نے نادرہ کو اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نادرہ کے دن بدلتے گئے۔ وہ مصری شاہ سے سمن آباد کی ایک کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ ایم پی اے کوٹھی کا مہمان بنتا رہا پھر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی آنے لگے۔

نادرہ نے کچھ جماعتیں پڑھ رکھی تھیں لیکن اونچی سوسائٹی میں آ کر اسے نہ صرف جینے کا سلیقہ آ گیا تھا بلکہ وہ اردو اور انگریزی بھی فرفر بولنے لگی تھی۔ یہ سمن آباد والی کوٹھی ایم پی اے نے اس کے نام کر دی تھی۔ نادرہ نے کچھ اور بڑے لوگوں سے بھی تعلقات بڑھا لئے تھے۔ لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ایک اعلیٰ آفیسر کی مہربانی سے اسے گلبرگ میں چار کنال کا ایک پلاٹ بھی برائے نام قیمت پر مل گیا اور ایک اور مہربان نے اپنے خرچ پر اس پلاٹ پر کوٹھی بھی تعمیر کروا دی۔

نادرہ اب بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ حاکم کمبوہ اور اس کے ایم پی اے کو بھی اس سے ملاقات کے لئے پہلے سے وقت لینا پڑتا۔ بڑے بڑے سیاستدان اور اعلیٰ سرکاری افسران اب اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ ہر دوسرے تیسرے روز کسی نہ کسی وزیر کی گاڑی اس کے دروازے پر کھڑی نظر آتی۔ انہی سیاستدانوں اور وزیروں کے توسط سے نادرہ نے اسلام آباد تک اپنے تعلقات بڑھا لئے۔

نادرہ نے ایک بڑے پرکشش نام سے این جی او بنائی۔ اس این جی او کے نام پر اسے حکومت سے بھی گرانقدر گرانٹ ملنے لگی اور اس کی آڑ میں اس نے دوسرے بھی کئی دھندے شروع کر دیئے جن میں ایک اخبار کا اجراء بھی شامل تھا۔

اس ہفت روزہ اخبار کا ایڈیٹر اس نے ایک ایسے شخص کو رکھا جو بلیک میلنگ، عریاں فلموں کے کاروبار اور فحش کتابوں کی اشاعت اور فروخت کے حوالے سے خاصا بدنام تھا۔ اس اخبار کو بھی بلیک میلنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

نادرہ اب چودھرانی بن گئی تھی۔ اس نے معززین کی "خدمت" کے لئے کئی لڑکیاں رکھ لی تھیں۔

نادرہ آج بھی مس کہلاتی ہے اور راج کر رہی ہے۔ وہ ایک ماشکی کی بیٹی تھی۔ زندگی بڑی عسرت میں گزر رہی تھی لیکن حاکم کیمو کے ہتھے چڑھنے کے بعد اس کے دن بدل گئے اس نے عزت کا چولا اتار کر پھینک دیا اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتی تو ماشکی کی بیٹی ہی رہتی اور تم ... "میں نے خاموش ہو کر نرگس کی طرف دیکھا۔ "تم نے تو اس دھندے میں پہلا قدم رکھا ہے۔ تم بھی دولت حاصل کرنا چاہتی ہو نا، اس کے لئے تمہیں کچھ کھونا پڑے گا اور شوہر کو چھوڑ کر تم اس کی شروعات کر چکی ہو۔ اب اگر تم آگے نہیں چلنا چاہتیں تو ..."

"تم نے ٹھیک کہا۔" نرگس نے میری بات کاٹ دی۔ "اپنے شوہر کو چھوڑ کر اور تمہارے ساتھ گھر سے بھاگ کر میں بے غیرتی کی زندگی کی ابتدا کر چکی ہوں۔ میرے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آگے اگر دلدل بھی ہے تو میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ٹھیک ہے، میں نے یہ سب کچھ دولت کے لئے کیا۔ تمہارے پاس وہ گنجے دیکھ کر میری مت ہی ماری گئی تھی۔ اب تو ..." اس نے گہرا سانس لیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا کہ میں بھی اسی کشتی پر سوار ہو چکی ہوں جس پر رضیہ نے سفر شروع کیا تھا۔ اب یہ کشتی مجھے کہاں لے جائے گی میں اس بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"

"عقل مند ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر کسی قسم کا دباؤ ڈال رہا ہوں لیکن حالات سے سمجھوتا کر لینا ہی عقل مندی ہے ویسے میں تمہیں کسی بات پر مجبور نہیں کروں گا لیکن اگر تم رضیہ والی کوٹھی کی قیمت وصول کرنا چاہتی ہو تو تمہیں ہاتھ سے بھی کچھ دینا پڑے گا۔"

"میں نے کہہ دیا نا کہ میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ "اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہوگا؟"

"رضیہ والی جائیداد فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چودھری امین کو اعتماد میں لیا جائے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ ایک شریف آدمی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا ہوگا، پراپرٹی کا بزنس ہے ہی ایسا۔ اس میں تھوڑی بہت اونچ نیچ کرنی ہی پڑتی ہے۔ چودھری امین بھی ایسا کرتا ہوگا لیکن یہ بڑا کام ہے ہو سکتا ہے وہ اس میں ہاتھ ڈالنے سے انکار کر دے لیکن تمہیں اس کے گرد اس طرح جال بننا ہوگا کہ وہ انکار کر ہی نہ سکے۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" نرگس نے جواب دیا۔

"میں آج رات جیرا بلیڈ سے ملنے کے لئے جاؤں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوشش کروں گا کہ چودھری امین میری عدم موجودگی میں کچھ دیر کے لئے یہاں آ جائے۔ تم ..."

"ٹھیک ہے۔" نرگس نے میری بات کاٹ دی۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"لیکن کوشش اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ انکار نہ کر سکے۔" میں نے کہا۔ "اگر بات باہر نکل گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی تمہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ اس وقت شبانہ یہاں موجود نہ ہو۔"

"شبانہ کو میں رات آٹھ بجے ہی رخصت کر دوں گی۔" نرگس نے جواب دیا اور پھر شبانہ کو آتے دیکھ کر ہم نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد میں اٹھ کر ہال کمرے میں آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر چودھری امین کا نمبر ملانے لگا۔

کال چودھری امین نے ہی ریسیو کی تھی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں اصل موضوع پر آ گیا۔

"آج کل ماڈل ٹاؤن میں پراپرٹی کا کیا حساب کتاب چل رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ماڈل ٹاؤن وہ علاقہ ہے جہاں پراپرٹی کی قیمتیں اوپر ہی جاتی ہیں نیچے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے کیا کچھ خریدنے کا ارادہ ہے؟" چودھری امین نے کہا۔

"خریدنا نہیں بیچنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل میری ایک بہت بڑی کوٹھی ہے جو کرائے پر چڑھی ہوئی ہے، سوچ رہا ہوں کہ اگر اچھے دام لگیں تو اسے بیچ دیا جائے۔"

"کوٹھی کہاں پر ہے، میرا مطلب ہے کون سے بلاک میں۔" اس نے پوچھا۔

میں نے اسے وہ بلاک بتا دیا جہاں رضیہ کی کوٹھی تھی اور پھر کہا۔

"بہتر ہے آج شام تم میرے ہاں آ جاؤ، بلکہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ تفصیل سے گفتگو ہو جائے گی۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" چودھری امین نے جواب دیا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ وہ ساڑھے دس بجے کے قریب آئے اور پھر چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

نرگس بھی اس دوران اندر آ چکی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی خاموشی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شبانہ اپنی بچی کو لے کر چلی گئی۔ نرگس باہر کا گیٹ بند کر کے آ گئی اور کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ میں ہال کمرے ہی میں صوفے پر لیٹا رہا۔

شام کی چائے کے بعد میں نے ایک بار پھر رضیہ کی جائیداد والے کاغذات نکال لئے اور گہری نظروں سے ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ یوں تو اس جائیداد میں تین چار دکانیں بھی شامل تھیں لیکن میری نظریں ان دو کوٹھیوں پر تھیں جن میں سے ایک میں رضیہ کی رہائش تھی اور دوسری کرائے پر دے رکھی تھی۔ دوسری کوٹھی بھی ایک مرتبہ رضیہ نے مجھے باہر سے دکھائی تھی۔ میں نے ان دونوں کوٹھیوں کا تیاپانچا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں رات ساڑھے نو بجے گھر سے نکل گیا۔ نرگس کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے جیرا بلیڈ سے رات گیارہ بجے سائیں کے ہوٹل میں ملنا تھا اور یہ ہوٹل زیادہ دور بھی نہیں تھا میں ٹہلتا ہوا لوہاری گیٹ کی طرف نکل گیا۔

آوارہ گردی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں بھاٹی گیٹ کی طرف چل پڑا۔ بڑی رونق تھی یہاں میں ٹہلتا ہوا چلتا رہا اور چوک پار کر کے پاکستان ہوٹل کے سامنے سے گزر کر سڑک پر بائیں طرف مڑ

گیا۔

اسی طرف ایک بلڈنگ میں سائیں کا ہوٹل تھا۔ یہ دراصل بہت پرانا تین منزلہ مکان تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے یہ مکان کسی ہندو کی ملکیت تھا۔ مرکزی دروازے کے اوپر اب بھی ہندی زبان میں سیمنٹ سے ابھرا ہوا نام لکھا ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد یہ مکان کسی نے کلیم میں حاصل کر کے فروخت کر دیا تھا اور پتا نہیں کس طرح سائیں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ اب وہی اس کا مالک تھا۔ اس نے مکان میں بہت سی تبدیلیاں کر کے اسے ہوٹل بنا لیا تھا۔ اوپر رہائشی کمرے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ریسٹورنٹ تھا۔

سائیں کے اصل نام سے شاید کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ سب لوگ اسے سائیں ہی کہتے تھے۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ کسی پہلوان کی طرح ہٹا کٹا تھا، سر گنجا اور مونچھیں ایسی کہ دیکھ کر ہی خوف آتا۔ میں سائیں کو زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن اس کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ کئی سال پہلے وہ سامنے سڑک کے دوسری طرف تانگوں کے اڈے کا ٹھیکیدار تھا۔ اس کے اپنے بھی کئی تانگے تھے جو وہ کرائے پر دیا کرتا تھا اور پھر پتہ نہیں کس طرح وہ اس بلڈنگ کا مالک بن گیا اور یہاں اس نے ہوٹل کھول لیا۔

یہ ہوٹل بھی دراصل جرائم پیشہ لوگوں کا اڈہ بن گیا تھا۔ سائیں کو منشیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن یہاں چرس بھی بکتی تھی اور ہیروئن بھی۔ سامنے داتا دربار کی وجہ سے ہوٹل کا رہائشی حصہ بھی بھرا رہتا تھا۔ یہاں زیادہ تر نچلے طبقے کے وہ لوگ رہتے تھے جو دوسرے شہروں سے داتا دربار میں حاضری دینے کے لئے آتے تھے۔ دربار قریب ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔

کئی سال پہلے میں اور جیرا بلیڈ اکثر اس ہوٹل میں بیٹھا کرتے تھے۔ آج بھی اس ہوٹل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دروازے کے سامنے کشادہ ڈیوڑھی تھی جس سے ذرا آگے کاؤنٹر بنا تھا۔ گدی پر سائیں چوکڑی مارے بیٹھا ہوا تھا اس کے جسم پر دھوتی اور شلوکا تھا جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور سفید بالوں سے بھرا ہوا سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسری طرف پولیس کا ایک سب انسپکٹر بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سائیں سے باتیں کر رہا تھا کسی پولیس والے کا یہاں موجود ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سائیں نے ہر قسم کے لوگوں سے علیک سلیک رکھی ہوئی تھی اور مزے کی بات تو یہ تھی کہ پولیس والوں کی موجودگی میں بھی یہاں چرس اور ہیروئن چلتی رہتی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو اس سب انسپکٹر نے سرسری نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔ سائیں نے بھی مجھے دیکھا۔ ظاہر ہے میں کئی سال بعد آیا تھا حلیہ بھی بدلا ہوا تھا اور وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا۔

اس وقت گیارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ میں کونے کی ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا۔ میلے کچیلے لباس میں ملبوس ویٹر نے بغیر پوچھے میرے سامنے چائے کا کپ رکھ دیا۔ میں چائے کی ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

مجھے یہاں بیٹھا ہوا وہ سب انسپکٹر جا چکا تھا اور پھر ٹھیک گیارہ بجے جیرا بلیڈ ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ کندھے پر رومال رکھا ہوا تھا اور پیروں میں چپل تھی۔ اسے اس حلیے میں دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ڈیفنس میں موون لائٹ جیسے ریسٹورنٹ کا مالک ہو سکتا ہے۔

اس نے کاؤنٹر کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر میزوں کے درمیان گھومتا ہوا میری طرف آ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد بھی ویٹر نے پوچھے بغیر چائے لا کر رکھ دی۔

"کیا رہا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"راضی نامہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو ان لوگوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوانے پر بضد تھا مگر تم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ راضی نامہ کر لوں اور پھر محلے اور لوگ بھی بیچ میں پڑ گئے تھے۔"

"اچھا ہوا۔" میں نے کہا۔ "بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تمہاری بھی کھینچا تانی ہوتی رہتی۔"

"ہاں اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رنگوں والی بات مجھے رضیہ نے بھی بتائی تھی اور پھر تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔" میں نے کہا۔ "اب معلوم کرنا ہے کہ ان کی کھیپ کب جائے گی، یہ پتہ چل جائے تو شادی کو ایسی چوٹ لگاؤں گا کہ وہ زندگی بھر اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔"

"مجھے ایک اور آدمی پیچھے لگانا پڑے گا۔" جیرا بلیڈ نے جواب دیا۔

"کوئی ایسا آدمی ہے نظروں میں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"فضرو..." جیرے نے جواب دیا۔ "اسے تلاش کرنا پڑے گا۔ بہت دنوں سے وہ کہیں نظر نہیں آیا۔"

"کیا اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ میں ایک دو دن میں اسے تلاش کر لوں گا۔" جیرے نے جواب دیا۔

ہم تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر باہر آ گئے۔ جیرا بلیڈ تو ایک رکشے پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا اور میں سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گیا اور گلیوں ہی گلیوں میں چلتا ہوا اپنے گھر کے قریب آ گیا۔

اس وقت بارہ بج رہے تھے۔ تین بجانے کے ایک منٹ بعد نرگس نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں آ کر میں نے اس کی طرف دیکھا تو چونک گیا نرگس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت سی بھری ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ تم اس قدر سہمی ہوئی کیوں ہو؟" میں نے پوچھا

"وہ چودہ منٹ پہلے گیا ہے۔" نرگس نے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اسے بہت شریف سمجھتے تھے مگر وہ تو بہت حرامی نکلا۔ میں نے جیسے ہی ڈھیل دی وہ پھیل گیا۔"

"تم جیسی حسین عورت ڈھیل دے تو وہ کون بے وقوف ہو گا جو اپنے آپ پر قابو پا سکے۔ بہر حال کوئی مطلب کی بات بھی ہوئی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ وہ کس کے نام ہے اور تم اسے کیوں بیچنا چاہتے ہو وغیرہ۔" نرگس نے جواب دیا۔ "میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتی جو بھی بات کرنی ہو تم سے کی جائے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔ البتہ تمہیں تھوڑی سی محنت اور کرنی پڑے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بہت چالاک ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔" نرگس نے کہا۔

"وہ ایک مرتبہ قابو آ جائے تو اس کی ساری چالاکی دھری کی دھری رہ جائے گی۔" میں نے کہا۔

میں بیڈ پر لیٹ گیا اور نرگس کو جبرا بلیڈ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

"یہ دونوں کام بیک وقت ہو جائیں تو اچھا ہے۔" میں کہہ رہا تھا۔ "یہ کام ہوتے ہی ہم لاہور چھوڑ دیں گے۔"

"کہاں جاؤ گے؟" نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"کراچی۔" میں نے جواب دیا۔ "کراچی میں انسانوں کا ایک جنگل آباد ہے وہاں کسی کو تلاش کرلینا آسان نہیں۔ ہم اطمینان سے باقی زندگی وہاں گزار سکتے ہیں۔"

نرگس کی آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔

میں چودھری امین کو گھر آنے کا موقع دیتا رہا۔ وہ جب بھی آتا میں کسی نہ کسی بہانے ادھر ادھر ہو جاتا۔ نرگس بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کر رہی تھی۔ اس نے چودھری کو پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اب اگر اسے کوئی کام کہا جائے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔

اس رات میں دس بجے کے قریب گھر سے نکلا اور گیارہ بجے واپس آیا تو گلی کے دوسری طرف چودھری امین کی گاڑی دیکھ کر میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

دروازہ دو مرتبہ بیل بجانے کے بعد کھلا تھا۔ نرگس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور لباس بھی مسلا ہوا تھا۔

"وہ نشے میں دھت ہو رہا ہے۔" اس نے میرے ساتھ برآمدے کی طرف چلتے ہوئے سرگوشی کی۔ "جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلو۔ اس سے اچھا موقع پھر نہیں آئے گا۔"

"تم کمرے میں چلو۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

یہ تجویز بھی میری ہی تھی کہ چودھری امین کو شراب کے نشے میں مدہوش کرکے اس کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت حاصل کیا جائے کہ وہ ہماری بات ماننے سے انکار نہ کرسکے۔ نرگس بڑی مشکل سے اس پر آمادہ ہوئی تھی کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ چودھری شراب پی کر کوئی نیا ہنگامہ کھڑا نہ کردے لیکن میں نے اسے اطمینان دلایا تھا کہ اگر اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔

ہال کمرے میں داخل ہو کر میں نے بیڈروم میں جھانکا۔ چودھری امین بیڈ پر آڑھا ترچھا پڑا تھا۔ میں نے نرگس کو اشارہ کیا اور خود دوسرے کمرے میں گھس گیا اور ایک دیوار میں نصب الماری کا دروازہ کھول کر پولورائیڈ کیمرہ نکال لیا۔ یہ کیمرہ بھی تین روز پہلے اسی مقصد کے لئے خریدا گیا تھا اور آج اس کے استعمال کا وقت آگیا تھا۔

میں نے کیمرے میں فلم لوڈ کی، اسے اچھی طرح چیک کیا اور کمرے سے نکل آیا۔ نرگس بیڈروم میں جاچکی تھی میں دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گیا اور جھانک کر دیکھا۔

چودھری امین اگرچہ نشے میں دھت تھا مگر وہ نرگس کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ نرگس نے میری طرف دیکھا اور پھر میرا اشارہ پا کر اس نے کھینچا تانی کرتے ہوئے چودھری امین کی شرٹ اتار دی۔ چودھری نشے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

میں نرگس کو اشارہ کرکے دروازے کے سامنے آگیا۔ اس نے چودھری امین کو اپنے ساتھ اس طرح لپٹا لیا کہ اس کا اپنا چہرہ تو جھکا ہوا تھا البتہ چودھری امین کا چہرہ سامنے تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر کیمرہ آنکھ سے لگالیا اور بٹن دبا دیا۔

تیز روشنی کے جھماکے سے چودھری امین کچھ چونکا تھا لیکن پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا کہ روشنی کا یہ جھماکا کیسا تھا۔ میں بیڈروم سے نکل کر دوسرے کمرے میں آگیا۔ کیمرے سے پلیٹ نکالی اور اسے آہستہ آہستہ ہوا میں حرکت دینے لگا۔

صرف ایک منٹ سے بھی کم وقفے میں فوٹوگرافک پیپر پر تصویر کا عکس ابھرنے لگا اور پھر جیسے جیسے وقت گزرتا رہا وہ تصویر واضح ہوتی چلی گئی۔

تصویر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس تصویر کی بنیاد پر تو چودھری امین کی پراپرٹی بھی اپنے نام منتقل کروائی جاسکتی تھی۔

ہلکی سی آہٹ پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ نرگس دروازے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے تصویر اس کے سامنے کردی۔ وہ تصویر دیکھتے ہی اچھل پڑی اس کے چہرے پر وحشت کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"یہ... یہ... تم نے مجھے ذلیل کردیا۔" اس کے حلق سے آواز بھی بمشکل نکل سکی تھی۔ "اگر یہ تصویر کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو؟"

"کس کے ہاتھ لگے گی۔" میں نے کہتے ہوئے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی اور ایک بار پھر اسے دیکھنے لگا۔ اس میں نرگس کا چہرہ بھی واضح تھا۔

"تت... تم نے تو مجھے......"

"تم جذبات میں آرہی ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "شرافت، شرم و حیا اور ضمیر جیسی چیزوں کو اب بھول جاؤ۔ تم دولت حاصل کرنا چاہتی ہو نا۔ ذرا یہ دیکھو کہ اس تصویر کے پیچھے ماڈل ٹاؤن میں واقع دو عالی شان کوٹھیوں کی قیمت پوشیدہ ہے۔"

"تم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں ان کوٹھیوں کی قیمت مل جائے گی۔" نرگس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے چودھری یہ کام کرنے سے انکار کردے اور ہماری بات ماننے کے بجائے پولیس میں ہمارے خلاف رپورٹ کردے۔"

"نہ تو وہ ہماری بات ماننے سے انکار کرے گا اور نہ ہی ہمارے خلاف پولیس کے پاس جائے گا۔" میں نے کہا۔ "تم چاہو تو اس تصویر سے چودھری کی اپنی جائیداد بھی نیلام کروا سکتی ہو ویسے میں تمہیں

یقین دلاتا ہوں کہ وہ انکار نہیں کرے گا اس میں اس کا اپنا بھی لاکھوں کا فائدہ ہے۔"

نرگس جواب دینے کے بجائے چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔

"وعدہ کرو تم آئندہ مجھ سے ایسا کوئی کام نہیں لو گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے تمہارے لئے اپنے شوہر کو چھوڑا تھا۔ تم اپنے لئے جو کچھ کہو گے میں کبھی انکار نہیں کروں گی لیکن کسی دوسرے کے ساتھ...... تم اندازہ نہیں لگا سکتے میں اس وقت کیسی اذیت ناک صورتحال سے دوچار ہوں۔"

"وعدہ رہا کہ آئندہ تمہیں ایسا کوئی کام نہیں کہوں گا۔" میں نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے کیمرہ اور تصویر الماری میں رکھ دی اور نرگس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

"بیڈ روم سے شراب کی بوتل اور گلاس وغیرہ لا کر یہاں سینٹر ٹیبل پر رکھ دو۔ میں اسے اٹھا کر باہر لاتا ہوں۔"

"کیا کرو گے اس کا؟" نرگس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اسے یہاں صوفے پر ڈال دیتے ہیں۔ صبح ہوش میں آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

نرگس نے بیڈ روم سے شراب کی بوتل اور گلاس اٹھا کر ہال کمرے میں سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ میں نے بڑی مشکل سے چوہدری امین کو کندھے پر اٹھایا اور صوفے پر لا کر ڈال دیا۔ وہ پوری طرح اتنا غفیل ہو چکا تھا۔

بستر کی چادر پر دو تین جگہ شراب گری ہوئی تھی۔ نرگس نے وہ چادر اٹھا کر ایک طرف ڈال دی اور دوسری چادر بچھا دی۔ میں نے دوسرے کمرے سے کیمرہ اور تصویر لا کر بیڈ روم کی الماری میں رکھ دیا اور الماری کو تالا لگا دیا۔

رات کا باقی حصہ ہم دونوں نے جاگ کر ہی گزارا تھا۔ میں تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ راجستھان میں زندگی کے سنگین ترین تجربات سے گزرا تھا۔ لیکن نرگس کے لئے ہر قسم کا پہلا تجربہ ہوگا اور وہ بدحواس سی ہو رہی تھی اور بار بار اس خدشے کا اظہار کر رہی تھی کہ اگر چوہدری امین نے اس کی بات ماننے کے بجائے پولیس میں ان کے خلاف رپورٹ کر دی تو کیا ہوگا۔

"اگر اس نے ایسا کر بھی دیا تو یہ ہمارے خلاف پہلی رپورٹ تو نہیں ہوگی۔ اس لائن میں ڈر اور خوف جیسی چیزیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ تو ذہن سے نکال دو اور اس بات کا یقین کر لو کہ چوہدری امین نہ تو ہمارے خلاف پولیس کے پاس جائے گا اور نہ ہی وہ ہماری بات ماننے سے انکار کرے گا۔"

ہم رات بھر سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے صبح چھ بجے کے قریب ہال کمرے کی طرف سے آہٹ سن کر ہم دونوں ہی چونک گئے میں نے نرگس کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر ہال کمرے میں چلی گئی۔

چوہدری امین ہوش میں آ گیا تھا اور غالباً خاصا بدحواس ہو رہا تھا اور نرگس اسے سرگوشیوں میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساڑھے چھ بجے کے قریب چوہدری امین چلا گیا تو نرگس باہر کے دروازے بند کر کے کمرے میں آ گئی اور دھڑ سے بستر پر گر گئی۔

"چلا گیا۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "بہت ڈرا ہوا تھا بار بار مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ

تمہارے شوہر نے تو کچھ نہیں کہا۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ رات بھر گھر سے غائب رہنے پر بیوی بھی اس سے باز پرس کرے گی۔"

"آج کا دن اسے کچھ پریشانی رہے گی۔ اس کے بعد وہ سب کچھ بھول جائے گا۔" میں نے کہا۔ "اچھا بھئی، میں تو اب سو رہا ہوں تم بھی سو جاؤ۔"

میں ایسی گہری نیند سویا کہ دوپہر دو بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔

تین چار روز گزر گئے۔ اس دوران چوہدری امین اس طرف نہیں آیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے ذہن میں کس قسم کا خوف تھا۔ دو تین دن اور گزر گئے اور پھر ایک روز شام کے وقت میں خود اس کے دفتر پہنچ گیا مجھے دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

میں تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا اس دوران میں نے اس رات کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

"اچھا بھئی۔ اب میں چلتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں دفتر بند کر کے میرے ہاں آ جانا۔ میں تمہیں اپنی ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی کی فائل دکھانا چاہتا ہوں۔ اب میں نے اس کوٹھی کو بیچنے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے فائل دیکھ لو تو بات آگے بڑھائی جائے۔"

میرے اس کے دفتر جانے سے چوہدری کا حوصلہ کچھ بڑھا تھا اس لئے ساڑھے نو بجے کے قریب وہ دفتر بند کر کے میرے ہاں آ گیا۔ اس مرتبہ اس نے عقل مندی کی کہ کار اپنے دفتر کے سامنے والی گلی میں چھوڑ آیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد میں ماڈل ٹاؤن والی دونوں کوٹھیوں کے فائل لے آیا۔ وہ کتنی دیر تک فائلوں کا مطالعہ کرتا رہا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ دونوں کوٹھیاں تو محمد الیاس کے نام پر ہیں۔ آپ کا تو کاغذات میں کہیں نام نہیں ہے۔ پاور آف اٹارنی بھی نہیں۔"

"ہاں، میں نے سر کو حرکت دی۔" اس کے باوجود تمہیں یہ دونوں کوٹھیاں فروخت کرنی ہیں۔ میں تمہیں پس منظر بتا دیتا ہوں۔ تمہیں صورت حال سمجھنے میں آسانی رہے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہو کر بولا۔

"ان دونوں کوٹھیوں کا مالک محمد الیاس اسمگلر تھا۔ اسے کوئی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا اس کی پہلی بیوی تین مہینے پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گئی تھی۔ دوسری بیوی رضیہ کی شادی الیاس کی موت سے چند ہفتے پہلے ہوئی تھی۔ رضیہ کا تعلق بھی اسمگلروں کے ایک گروہ سے ہے اس کا ماضی بھی داغدار ہے۔ بہت عرصہ پہلے ہونے والے قتل کے ایک کیس میں اس کا نام ہے۔ اگر دیکھا جائے تو قانونی طور پر رضیہ ہی اس جائیداد کی وارث بنتی ہے۔ الیاس کا کوئی اور قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے جو اس جائیداد کا دعویدار ہو۔ لیکن رضیہ عدالت میں وراثت کی درخواست بھی نہیں دینا چاہتی کہ اس کا اپنا ماضی داغدار ہے اور اسے خدشہ ہے کہ وہ خود کسی چکر میں نہ پھنس جائے۔ اس لئے وہ صورت حال کو جوں کا توں رکھے ہوئے ہے اور شوہر کی جائیداد پر قابض ہے۔" میں خاموش ہو کر چوہدری امین کے چہرے کو تکنے لگا پھر بولا۔ "یوں تو ان کا اور بھی بڑی پراپرٹی ہے مگر تمہیں یہ دونوں کوٹھیاں فروخت کرنی ہیں کوئی ایسا گاہک تلاش کرو جو زیادہ کن

بچ نہ نکلے۔"

"یہ ممکن نہیں۔" چودھری امین نے جواب دیا۔ "سب سے پہلی بات تو یہ کہ میں نے اس بزنس میں آج تک بددیانتی نہیں کی۔ میری ایک ساکھ ہے اور پھر کوئی ایسا گاہک بھی ملنا ممکن نہیں جو تفصیل میں جانے کی کوشش نہ کرے۔"

"سوچ لو۔ اس ڈیل میں تمہیں بیس فیصد کمیشن مل سکتا ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"سوری سر۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کو بہت شریف آدمی سمجھتا تھا لیکن آپ تو فراڈ میں مجھے بھی پھنسانا چاہتے ہیں۔"

"تمہاری گردن تو پھنس چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں بھی تمہیں بہت شریف آدمی سمجھتا تھا۔ لیکن میری عدم موجودگی میں میرے گھر آ کر تم جو کچھ کرتے رہے ہو وہ سب مجھے معلوم ہو چکا ہے اور تمہاری شرافت کا ایک ثبوت تو یہ ہے۔" میں نے جیب سے تصویر نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دی۔ اس وقت تک نرگس بھی ہمارے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے جیب سے تصویر نکالتے دیکھ کر وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔

چودھری امین نے تصویر اٹھا کر دیکھی تو اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

"یہ ...... یہ ......" اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"تمہاری ہی تصویر ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری یہ تصویر تمہاری بیوی اور تمہارے دوسرے رشتہ داروں کے پاس پہنچ جائے تو تمہاری کیا عزت رہ جائے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے بعد بھی تمہاری بیوی تمہارے پاس رہے گی اور تمہاری گیارہ سال کی بچی پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔"

"میں ...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے مار کر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ غصے میں تصویر کو پھاڑ نہ دے۔ پولرائیڈ تصویر کا تو نیگیٹو بھی نہیں بنتا۔

"میں یہ تصویر لفافے میں ڈال دیتا ہوں۔ تم چاہو تو اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہو میرے پاس اس کی بہت سی کاپیاں ہیں جنہیں میں تمہارے تمام رشتہ داروں میں بانٹ سکتا ہوں۔"

وہ چند لمحے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر دھڑ سے صوفے پر گر گیا۔ میں بھی بیٹھ گیا۔

"تم واقعی بہت کمینے اور گھٹیا آدمی ہو۔"

"میرے کمینے اور گھٹیا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے گالیاں دینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مطلب کی بات کرو۔ تم اس کام کے لئے تیار ہو یا نہیں۔ ویسے اس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ تھوڑی سی محنت اور بیس فیصد کمیشن۔ لاکھوں روپے کا معاملہ ہے اور دوسری طرف ایسی ذلت اور رسوائی کہ جو تمہیں خودکشی پر مجبور کر دے گی۔"

"مجھے سوچنے کے لئے وقت چاہئے۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

"میں تمہیں سوچنے کے لئے کل شام تک کی مہلت دے سکتا ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ یہ کام جتنی جلد ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے تم تو اس بزنس کی اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ ویسے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ان دونوں فائلوں میں الیاس کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپیاں موجود ہیں۔ کاغذات کے ساتھ رجسٹرار کے سامنے چند ہزار کے نوٹ رکھو گے تو وہ نظریں اٹھا کر دیکھے گا بھی نہیں کہ پراپرٹی خریدنے والا کون ہے اور بیچنے والا کون۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل شام کو تمہیں جواب دوں گا۔" اس نے جواب دیا اور پھر وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھا۔ میں اسے دروازے تک رخصت کرنے گیا اور گیٹ بند کر کے آ گیا۔

"کیا وہ ہمارے خلاف پولیس میں رپورٹ تو نہیں کرے گا۔" نرگس نے کہا۔ وہ بیڈ روم سے نکل کر ہال کمرے میں آ گئی تھی۔

"وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر وہ پولیس کے پاس گیا تو اس کی اپنی ہی رسوائی ہوگی یہ تصویر اس کے گھر والوں کے پاس پہنچ جائے گی۔ نہیں وہ کوئی حماقت نہیں کرے گا۔"

میں نے وہ فائلیں الماری میں رکھ دیں اور تصویر الگ سے سنبھال کر رکھ دی۔

اگلے روز شام کو چودھری امین خود نہیں آیا لیکن اس نے فون پر بتا دیا کہ وہ ہمارا کام کرنے کو تیار ہے۔

"گڈ۔" میں نے کہا۔ "مجھے توقع تھی کہ تم جو بھی فیصلہ کرو گے بہت سوچ سمجھ کر کرو گے۔ لیکن میرا خیال ہے فون پر تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی۔ تم اپنا دفتر بند کرنے کے بعد میرے ہاں آ جاؤ۔ آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔" اس نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

ساڑھے نو بجے کے قریب وہ ہمارے ہاں پہنچ گیا۔ ایک مرتبہ پھر فائلیں نکال لی گئیں۔

"تمہارے خیال میں ان دونوں کوٹھیوں کی مالیت کتنی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا اندازہ کوٹھیوں کو دیکھنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کل صبح میں ساتھ جا کر تمہیں باہر سے دونوں کوٹھیاں دکھا دوں گا۔ اس کے بعد ان کی مالیت طے کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"وہ تصویریں اور نیگیٹو۔"

"وہ تصویریں میرے پاس تمہاری امانت ہیں۔" میں نے کہا۔ "سودا ہونے کے بعد رقم ملتے ہی تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ لیکن اس دوران اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو......" میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور وہ میرا مطلب سمجھ گیا۔

اس دوران نرگس چائے بنا کر لے آئی لیکن چودھری امین اس قدر ناراض تھا کہ چائے پئے بغیر رخصت ہو گیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران میں جیرا بلیڈ سے بھی رابطے میں رہا۔ اس نے دو آدمیوں کو شاہ جی وغیرہ کے پیچھے لگا دیا تھا۔ ایک تو نعمروق اور دوسرے کا تعلق شاہ جی کے سنڈیکیٹ ہی سے تھا۔

اور پھر مزید ایک ہفتہ گزرنے کے بعد جیرا بلیڈ نے اطلاع دی کہ دس دن بعد رنگوں کی ایک بہت بڑی کھیپ ساؤتھ افریقہ بھیجی جانے والی ہے۔ یہ مال جنوبی افریقہ کی بندرگاہ کیپ ٹاؤن کے لئے بک کروایا جائے گا۔ جیرا بلیڈ کے کہنے کے مطابق مال لاہور کی ڈرائی پورٹ سے بک کرایا جائے گا۔ یہاں سے کراچی بھیجا جائے گا اور کراچی کی بندرگاہ سے کیپ ٹاؤن جانے والے جہاز پر لادا جائے گا۔

میں نے فوراً ہی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ میں شاہ جی کے سینڈیکیٹ کا یہ مال کراچی کی بندرگاہ پر پکڑوانا چاہتا تھا اور اس کے لئے کراچی جانا ضروری تھا۔

میں چوہدری امین پر دباؤ بڑھانے لگا کہ جلد از جلد کوئی گاہک تلاش کرے اور آخر کار تین دن بعد اس نے بتایا کہ ایک ایسی پارٹی موجود ہے جو اس قسم کے گھپلے کے سودے کرتی ہے لیکن قیمت وہ نہیں دے گی جو میں لینا چاہتا ہوں۔"

اس پارٹی سے بھی میری ملاقات کرادی گئی۔ ان سے گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ ان کا دھندہ ہی یہ تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے فراڈ کیے تھے لیکن کبھی پکڑے نہیں گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حلقوں میں متعلقہ افسران بھی شامل ہوتے تھے اور انہیں گھر بیٹھے ان کا حصہ مل جاتا تھا۔

دونوں کوٹھیوں کی مالیت دو کروڑ سے زیادہ تھی لیکن انہوں نے دونوں کے لئے ایک کروڑ کی آفر دی تھی۔ کھینچ تان کر بات ایک کروڑ پچیس لاکھ تک پہنچ گئی۔

تین دن بعد ڈیل ہوگئی۔ کاغذات دو سال پہلے کی تاریخ میں تیار کیے گئے تھے۔ یہ محمد الیاس کی طرف سے پاور آف اٹارنی تھی اور میں نے رجسٹرار کے سامنے الیاس کے نام سے دستخط کیے تھے۔ رجسٹرار آفس کا ہیڈ کلرک اس ڈیل میں شامل تھا۔ اس نے اس پاور آف اٹارنی کا اندراج بھی دو سال پہلے کے رجسٹر میں کیا تھا

میں نے ایک کروڑ کی رقم وصول کر لی۔ پچیس لاکھ چوہدری امین کو بطور کمیشن دے دیئے اور وہ تصویر بھی اس کے حوالے کر دی۔

"باقی تصویریں اور نیگیٹو؟" اس نے کہا۔

"اگر تم اس تصویر کو غور سے دیکھتے تو تمہیں اسی دن پتا چل جاتا کہ یہ پولورائیڈ کیمرے کی تصویر ہے اور پولورائیڈ کیمرے سے کھینچی گئی تصویر کا نیگیٹو نہیں بنتا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ واحد تصویر ہے جو اس روز اگر تم اپنے قبضے میں لے لیتے تو میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"

چوہدری امین تصویر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

میں نے اسی رات وہ کوٹھی چھوڑ دی۔ جیرا بلیڈ سے پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔ اس نے باغبانپورہ میں ہمارے لئے ایک مکان کا بندوبست کر رکھا تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے فون پر جیرا بلیڈ کو اطلاع دے دی تھی۔ وہ سنگھ پورہ موڑ پر ہمارا منتظر تھا اور پھر اس کے ساتھ حق نواز روڈ سے ملحق ایک گلی میں واقع اس مکان تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دو کمرے تھے اور سامنے مختصر سا صحن تھا۔ جس کے ایک طرف باورچی خانہ تھا اور دوسری طرف ٹائلٹ، باورچی خانہ تو پھر بھی کچھ ڈھنگ کا تھا لیکن ٹوائلٹ بس ایویں سا ہی تھا۔

اینٹوں کی دیوار کھڑی کر کے ٹاٹ کا پردہ لٹکا دیا گیا تھا اور چھت بھی نہیں تھی۔ اس گھر میں سرکاری نل بھی نہیں تھا۔ باورچی خانے سے ذرا آگے صحن میں ہینڈ پمپ لگا ہوا تھا جس کے نیچے پلاسٹک کی ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔

جیرا بلیڈ نے ضروری چیزوں کا بندوبست پہلے ہی کر رکھا تھا۔ دونوں کمروں میں ایک ایک چارپائی تھی جن پر گدے اور تکیے وغیرہ تہہ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ باورچی خانے میں گیس کا چولہا لگا ہوا تھا اور ضرورت کے صرف چند ہی برتن تھے۔ ویسے راشن اتنا تھا کہ ہم ہفتہ دس دن گزارہ کر سکتے تھے۔

"میں تم لوگوں کے لئے کسی کوٹھی کا بندوبست بھی کر سکتا تھا لیکن یہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔" جیرے نے کہا۔ "یہ غریب اور مزدور طبقے کی آبادی ہے ہر شخص دو وقت کی روٹی کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ انہیں یہ جاننے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ان کے پڑوس میں کون آیا ہے یا کون گیا ہے۔ ویسے بھی تم لوگوں کو کون سا زیادہ عرصہ رہنا ہے۔ دو چار دن کی تو بات ہے۔"

"یہ تم نے واقعی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ ہمیں پوش علاقوں میں تلاش کرتے رہیں گے۔ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جائے گا۔ ویسے اس وقت کھانے کا کیا بندوبست ہوگا۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔"

"ابھی تو میں کسی ہوٹل سے کھانا لے آتا ہوں۔ صبح ناشتہ تم لوگوں کو خود ہی تیار کرنا ہوگا۔"

جیرے نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ مکان سے باہر چلا گیا۔

میں ایک بار پھر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ سرخ اینٹوں سے بنا ہوا یہ مکان بہت خستہ حالت میں تھا۔ دیواروں میں کئی جگہ اینٹیں بھربھرا گئی تھیں، دروازے اگرچہ خاصے وزنی تھے مگر ان کے قبضے جواب دے چکے تھے اور نا جانے کتنے ہی عرصے کے مہمان تھے۔ مکان کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس مکان کی تعمیر سے اب تک اس کی دیکھ بھال پر کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ دونوں کمروں کی دیواروں میں بھی الماریاں بنی ہوئی تھیں مگر ان کے دروازے وغیرہ نہیں تھے۔

میں نے ایک کمرہ جو زیادہ بہتر حالت میں تھا منتخب کر لیا اور دوسرے کمرے سے بھی چارپائی لاکر اسی کمرے میں ڈال دی۔ ہمارے پاس صرف ایک سوٹ کیس تھا جس میں ہمارے دو دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ سارا اثاثہ موجود تھا۔ راحت خان سے ملے ہوئے قیمتی زیورات، رضیہ کے گھر سے چرائی ہوئی رقم اور کوٹھیوں کی فروخت سے حاصل ہونے والے ایک کروڑ روپے سب کچھ اسی سوٹ کیس میں تھا۔ نرگس نے وہ سوٹ کیس الماری کے سلیب پر رکھ دیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جیرا بلیڈ کھانا لے کر آ گیا۔ [illegible] ٹیٹرا پیک میں دودھ کے دو ڈبے اور ڈبل روٹی وغیرہ بھی لے آیا تھا تاکہ صبح کے ناشتے کے [illegible] لینے کے لئے ہمیں باہر نہ جانا پڑے۔

جیرا بلیڈ نے بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا اور پھر کل شام کو آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ میں نے صحن والا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈا چڑھا دیا اور کمرے میں آ کر ایک چارپائی پر نیم دراز ہو گیا۔ نرگس دوسری چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"مجھے تو یہاں ڈر لگ رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کس بات کا ڈر؟" میں نے کہا۔ "گنجان آبادی کا علاقہ ہے ایسی جگہوں پر تو چور بھی کوئی ہمت نہیں کرتے۔"

وحشت تو مجھے بھی ہو رہی تھی، گیارہ بجے کے بعد تو سناٹا چھا گیا تھا۔ یہ علاقہ تنگ اور پر پیچ گلیوں پر مشتمل تھا۔ کبھی کبھار کوئی آدمی سامنے والی گلی سے گزرتا تو کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دے جاتی اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا جاتی۔ نرگس محض اس لئے باتیں کر رہی تھی کہ اسے ڈر لگ رہا تھا۔

"رضیہ کو جب پتہ چلے گا کہ اس کی دونوں کوٹھیاں بک چکی ہیں تو اس کی حالت قابل دید ہوگی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کاش! میں اس وقت وہاں موجود ہوتی اور اسے اپنے بال نوچتے ہوئے دیکھ سکتی۔"

"اگر تمہیں اپنے بال نچوانے کا شوق ہو تو میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔" نرگس بولی۔ "ویسے وہ دونوں کوٹھیاں تو تم نے جعلسازی سے فروخت کی ہیں۔ کیا وہ اس جعلسازی کے خلاف پولیس میں رپورٹ نہیں کرے گی۔"

"خیال تو تمہارا درست ہے لیکن وہ پولیس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکے گی۔" میں نے جواب دیا۔ "جس پارٹی نے وہ دونوں کوٹھیاں خریدی ہیں ان کا تعلق گجر خاندان سے ہے اور ان کا دھندہ ہی یہ ہے کہ وہ بڑے جگرے والے لوگ ہیں۔ وہ ایسے ہی لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایسی جائیدادیں خریدتے ہیں جو متنازعہ ہوں۔ ان کے آدمی ہر جگہ موجود ہیں جنہیں حصہ ملتا رہتا ہے اور ان کا کام ہوتا رہتا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "صرف ایک دو دن کی بات ہے، وہ لوگ قبضہ لینے پہنچ جائیں گے اور اس وقت رضیہ کی حالت واقعی قابل دید ہوگی۔"

"کاش! میں اسے دیکھ سکتی۔" نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"دیکھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "خواب میں دیکھ سکتی ہو اور جاگتی آنکھوں سے خواب نہیں دیکھے جاتے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اب سو جاؤ۔"

لیکن نرگس بہت دیر تک جاگتی اور بولتی رہی۔ میں کبھی کبھار ہوں ہاں میں اس کی کسی بات کا جواب دے دیتا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو نرگس میرے اوپر لدی ہوئی تھی۔ وہ رات کو کسی وقت ڈر کر میری چارپائی پر آ گئی تھی۔ میں نے اسے دھکا دے کر اپنے سے الگ ہٹایا اور اٹھ کر دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

ہمارا وہ دن بڑی بوریت میں گزرا تھا۔ جیرا بلیڈ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں کے لوگ اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں۔ انہیں صرف دو وقت کی روٹی کی فکر تھی۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ان کے پڑوس میں کون آیا یا کون گیا ہے۔ دن بھر گلی میں بچوں کے کھیلنے اور شور مچانے کی آوازیں تو سنائی دیتی رہیں مگر پڑوس کی کسی عورت نے ہمارے مکان کے دروازے میں جھانک کر دیکھا تک نہیں۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد جیرا بلیڈ آ گیا۔ وہ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے آیا تھا جن میں تکے اور چرغہ بھی شامل تھا۔ اس طرح نرگس رات کا کھانا تیار کرنے سے بچ گئی۔

"تم نے بھوسے کے ڈھیر میں جو چنگاری پھینکی تھی اس نے شعلے بھڑکا دیئے ہیں۔" جیرا بلیڈ میرے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جس پارٹی کو تم نے کل دونوں کوٹھیاں فروخت کی تھیں وہ لوگ آج صبح دس بجے رضیہ کی کوٹھی پر پہنچ گئے تھے۔" جیرا بلیڈ نے کہا۔ "وہ تو بدمعاشوں اور غنڈوں کا ٹبر ہے، آٹھ دس آدمی اور چھ سات عورتیں تھیں جو کئی کاروں پر بھر کر وہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے جب رضیہ کو بتایا کہ یہ کوٹھی انہوں نے دو سال پہلے الیاس سے پاور آف اٹارنی پر خریدی تھی اور خریدار ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ ویسے بھی الیاس سے اس کی دوستی تھی اس لئے بھی اتنا عرصہ کوٹھی خالی نہیں کرائی گئی۔ لیکن اب انہیں ضرورت ہے اس لئے وہ قبضہ لینے کے لئے آئے ہیں۔"

رضیہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ پہلے وہ اسے کسی قسم کا مذاق سمجھی لیکن پھر انہیں پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکیاں دینے لگی۔ سراج گجر نے اسے یہ کوٹھی خالی کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دی ہے جب کہ دوسری کوٹھی کے کرائے داروں کو کوٹھی خالی کرنے کے لئے ایک مہینے کا نوٹس دیا گیا ہے۔

"وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹہ اس کوٹھی میں رہے اور آزادی سے گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ ان کے جانے کے فوراً بعد ہی رضیہ شاہ جی کے پاس پہنچ گئی۔ انہیں بہرحال پتہ چل گیا کہ وہ دونوں کوٹھیاں تم نے فروخت کی ہیں۔ شاہ جی کا پورا سینڈیکیٹ اس وقت تمہیں تلاش کر رہا ہے۔"

"اور دوسرے کام کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی شاید چار چھ روز لگیں گے۔" جیرے نے جواب دیا۔ "لیکن جیسے ہی کوئی بات کنفرم ہوئی میں تمہیں بتا دوں گا۔"

ہم کافی دیر تک رضیہ ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ تو واقعی پاگل ہو رہی ہوگی۔ اس نے کتنی محنت سے یہ سب کچھ حاصل کیا تھا، اس دولت کے لئے اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ عزت ہی عورت کی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے لیکن اس نے عزت کو عیش و نشاط اور حصول زر کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اسے سب کچھ ملا۔ اس نے عیش بھی خوب کئے لیکن وہ سب کچھ اچانک ہی چھن بھی گیا۔ اس کا لالچ اسے لے ڈوبا تھا۔ میرے پاس قیمتی زیورات دیکھ کر اس کی ہوس بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے مجھے دھوکا دے کر وہ زیورات ہضم کرنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ وہ ہر چیز سے محروم ہو گئی۔

تین دن اور گزر گئے۔ نرگس پر بے زاری سی طاری ہونے لگی تھی وہ اس کھولی نما مکان میں پڑے پڑے تنگ آ گئی تھی اور پھر اسی روز شام سے ذرا پہلے جیرا بلیڈ آ گیا۔ وہ عام طور پر رات آٹھ نو بجے کے قریب آیا کرتا تھا اور اس روز شام سے پہلے ہی آ گیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔

"ان کا مال آج ڈرائی پورٹ پر پہنچ چکا ہے۔" جیرے نے کسی تمہید کے بغیر بتایا اور جیب سے کچھ کاغذات نکال کر میری طرف بڑھا دیئے۔ "یہ ان کاغذات کی نقل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مال بھیجے

والا کون ہے اور جوہانسبرگ میں یہ مال کس کمپنی کے نام بھیجا جا رہا ہے۔"

"یہ کاغذات تم نے کہاں سے لئے؟" میں نے پوچھا۔

"ڈرائی پورٹ کے ایک کلرک سے۔" جیرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کے لئے دس ہزار روپے خرچ کرنے پڑے تھے۔"

"اور یہ مال یہاں سے کراچی کے لئے کب روانہ ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ایک دو دن بعد۔" جیرے نے جواب دیا۔

میں وہ کاغذات دیکھنے لگا۔ رنگوں کے پانچ لیٹر والے پانچ سو ڈبے تھے۔ ان کاغذات کے مطابق تمام ضروری اور قانونی کارروائی مکمل کر لی گئی تھی۔ کوئی بھی جھول نہیں تھا۔

"پانچ سو ڈبے ہیں۔" جیرا بلیڈ کہہ رہا تھا۔ "اور ہر ڈبے میں ساڑھے چار لیٹر رنگ اور آدھا کلو ہیروئن ہے۔"

"کیا ہیروئن رنگ میں ملائی گئی ہے؟" میرے قریب بیٹھی ہوئی نرگس نے پوچھا۔

"نہیں۔" جیرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہیروئن کا دھندہ کرنے والے اسمگلنگ کے نئے نئے طریقے اختیار کرتے رہتے ہیں۔ رنگوں کے یہ ڈبے خاص طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔ ان کے پیندے دوہری تہہ کے ہوتے ہیں اور اس دوہری تہہ کے اندر ہیروئن چھپائی گئی ہے۔ اس طرح پانچ سو ڈبوں میں ڈھائی سو کلوگرام ہیروئن موجود ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہیروئن اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے بھی اگرچہ جدید ترین طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ [illegible] کے [illegible] سے ہیروئن کے [illegible] سونگھ لئے جاتے ہیں [illegible] رنگ کے ڈبوں میں اسمگل ہونے والی ہیروئن نہ پکڑی جا سکے۔ اصل بات یہ ہے نرگس بی بی۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہتا رہا۔ "دھندہ کرنے والوں کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے آدمی موجود ہیں اور ویسے بھی پیسے میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ اسمگلنگ کی روک تھام کرنے والے محکمے بھی کالی بھیڑوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ان محکموں میں آتے ہی دولت کمانے کے لئے ہیں۔ انہیں صرف ذاتی مفاد سے دلچسپی ہوتی ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی [illegible] منشیات کی اسمگلنگ سے دوسرے ممالک میں ہمارے ملک کی کتنی بے عزتی ہوتی ہے۔"

"یہ ہیروئن ادھر میں تو تیار نہیں ہوتی۔ افغانستان سے آتی ہے۔ کیا وہاں سے یہاں تک چیکنگ نہیں ہوتی؟ قدم قدم پر چیک پوسٹ بنی ہوئی ہیں۔ پولیس والے بھی گاڑیاں روک کر چیکنگ کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود [illegible] کے سبب سے ہیروئن یہاں تک پہنچتی اور آگے جاتی ہے۔ تم ان [illegible] کو نہیں سمجھ سکو گی نرگس بی بی۔ یہاں بڑے بڑے دھندے ہوتے ہیں جن میں عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"رضیہ کس حال میں ہے؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"[illegible] حوالات میں تین دن رہ گئے ہیں۔" جیرے نے جواب دیا۔ "تمہاری تلاش میں کچھ شدت آ گئی ہے۔ ان تمام پرانے لوگوں کو بھی تلاش کیا جا رہا ہے جن سے کبھی تمہارا معمولی سا تعلق بھی

رہا تھا۔"

"کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ٹیلی فون کیا جا سکے؟" میں نے پوچھا۔

"حق نواز روڈ پر ایک پرائیویٹ پبلک کال آفس ہے جو رات گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے۔" جیرے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں نو بجے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ میرے تمام پرانے جاننے والوں کی نگرانی کر رہے ہیں، لیکن تم......"

"میں اتنے چکر لگا کر یہاں آتا ہوں کہ اگر کوئی میری نگرانی کر بھی رہا ہوگا تو چکرا جاتا ہوگا۔" جیرے نے جواب دیا۔ "ویسے تم مطمئن رہو۔ میرا تعاقب کر کے کوئی یہاں نہیں آ سکتا۔"

ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ اس دوران کھانا بھی کھا لیا گیا اور پھر نو بجے کے قریب ہم جیرے کے ساتھ مکان سے باہر آ گئے۔ نرگس نے تالے لگا کر چابی مٹھی میں دبا لی، باہر نکلنے سے پہلے اس نے بستر کی چادر اٹھا کر اوڑھ لی تھی۔

تنگ اور اندھیری گلیوں سے نکل کر ہم حق نواز روڈ پر آ گئے۔ وہ پی سی او زیادہ دور نہیں تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہاں پر ایک ہی آدمی تھا۔ میں نے میز پر رکھا ہوا فون اپنی طرف سرکا لیا اور رضیہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ آواز رضیہ کی تھی اور پھر میری آواز سنتے ہی وہ بھڑک اٹھی۔ غلیظ گالیوں کا ایک طوفان تھا جو امڈتا چلا آ رہا تھا۔

"بس یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو؟" میں نے موقع پا کر کہا۔

"تم نے میرا گھر نہیں چھوڑا۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ چیخی۔

"تو پھر صبح میرا انتظار کرنا۔ میں ناشتا تمہارے پاس آ کر کروں گا۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر میز پر رکھا اور ہم باہر آ گئے۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" باہر آ کر نرگس نے پوچھا۔

"میں اسے یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں ابھی تک شہر میں موجود ہوں اور میرا یہاں سے بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم بازار میں ایک طرف چلتے رہے۔ اس وقت اگرچہ نو بج چکے تھے لیکن بازار میں رونق تھی۔ بیشتر دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہم ملک چوک تک چلے گئے۔ میں نے مختلف دکانوں سے ضرورت کی کچھ چیزیں خریدی تھیں۔ واپس آتے ہوئے ہم گلی کے موڑ پر رک گئے۔ تھوڑی دیر جیرے سے باتیں کرتے رہے اور پھر اسے وہیں سے رخصت کر کے گلی میں داخل ہو گئے۔

گھر آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے داڑھی صاف کر دی۔ نرگس حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"ویسے تو تم داڑھی میں بھی بہت اسمارٹ لگتے تھے۔ بغیر داڑھی کے تو تم ینگ لگ رہے ہو۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم نے داڑھی کس خوشی میں صاف کر دی؟"

"ہم صبح سویرے یہاں سے جا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"انہیں داڑھی والے ناجی کی تلاش ہوگی۔ کلین شیو ناجی کو ان میں سے کوئی نہیں پہچانتا۔"

"لیکن اگر پولیس نے پہچان لیا تو؟" نرگس بولی۔

"پولیس سے نمٹا جا سکتا ہے مگر شاہ جی اور رضیہ کے لوگوں سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"کہاں کا ارادہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہاں..."

"فیصل آباد۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ "صبح سویرے ہم فلائنگ کوچ سے فیصل آباد کے لئے روانہ ہو جائیں گے اور کل شام نائٹ کوچ سے کراچی نکل جائیں گے۔"

"تم نے جیرے کو جانے کے بارے میں نہیں بتایا۔" نرگس نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا۔" میں نے جواب دیا۔ اسے کراچی سے فون پر اطلاع دے دوں گا اور تم سوٹ کیس کا سامان اس بیگ میں رکھ لو جو ابھی بازار سے خرید کر لائے ہیں۔ خالی سوٹ کیس یہیں چھوڑ جائیں گے۔"

نرگس نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ اس نے سوٹ کیس کا سارا سامان نکال کر چارپائی پر بچھی ہوئی چادر پر پھیلا دیا اور پھر بڑے سلیقے سے اسی سامان کو بیگ میں بھرنے لگی۔ سب سے نیچے وہ تھیلا رکھا گیا جس میں زیورات اور رضیہ کے گھر سے لوٹی ہوئی رقم تھی۔ اس کے اوپر نوٹوں کے بنڈل بچھا کر تولیہ بچھا دیا اور اس کے اوپر میرے اور اپنے کپڑے ڈال دیئے۔

وہ رات تقریباً جاگتے ہوئے گزری اور پھر صبح چھ بجے کے قریب ہم گھر سے نکل آئے۔ دروازے کو تالا لگا کر چابی دیوار کے اوپر سے صحن میں پھینک دی۔

گلیوں سے نکل کر سڑک پر آتے ہی رکشہ مل گیا جس نے آدھے گھنٹے میں بادامی باغ کے لاری اڈے پر پہنچا دیا۔ فیصل آباد جانے والی فلائنگ کوچ بھی فوراً ہی مل گئی۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ بس لاہور سے نکل رہی تھی اور میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب شاید کبھی لاہور آنا نصیب نہ ہو۔

ٹرین کا تقریباً چوبیس گھنٹوں کا سفر خاصہ تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں تھرڈ کلاس کی سہولتیں بھی نہیں تھیں۔ کرایوں میں ہر سال اضافے کے باوجود مسافروں کو وہ سہولتیں مہیا نہیں کی جاتی تھیں جو ان کا حق تھا۔ ریلوے کے ملازمین ہی ریل کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کے گیٹ پر کھڑے ہونے والے ٹکٹ کلکٹر سے لے کر چیئرمین تک اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے۔ ریلوے افسران ایئرکنڈیشنڈ سیلونز میں سفر کرتے اور بھاری کرائے بھرنے والے اس بات پر ہی شکر گزار تھے کہ وہ اس پر سفر کر رہے ہیں جو پیدل چلنے سے بہرحال بہتر تھا۔

ٹرینوں کا دو چار یا چھ گھنٹے لیٹ ہونا بھی معمولی سی بات تھی۔ جس ٹرین کو بائیس گھنٹوں میں منزل پر پہنچنا ہوتا ہے تھا وہ چوبیس گھنٹوں بعد کراچی کینٹ اسٹیشن پر پہنچی تھی۔

ٹرین کے اس سفر کے دوران نرگس کی ایک عورت سے دوستی ہو گئی۔

عارفہ نامی وہ عورت اکیلی ہی سفر کر رہی تھی۔ اس کی عمر اگرچہ پینتالیس کے لگ بھگ تھی لیکن

صحت قابل رشک تھی۔ گوری چٹی رنگت، دلفریب ناک نقشہ اور متناسب جسم وہ اپنی عمر سے بہت کم نظر آتی تھی۔ چار برتھوں والے اس کمپارٹمنٹ میں ہمارا چوتھا ہمسفر ایک ادھیڑ عمر مین سیٹھ تھا جو ہم سے الگ تھلگ ہی رہا۔

عارفہ سے باتیں کرتے ہوئے نرگس نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ ہم میاں بیوی ہیں اور یہ کہ کسی ملازمت یا کاروبار کی تلاش میں کراچی جا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ کراچی میں ہمارا کوئی جاننے والا نہیں ہے، پہلے چند روز کسی ہوٹل میں قیام کریں گے اور پھر کسی مکان کا بندوبست کیا جائے گا۔ اس پر عارفہ نے ہمیں چند روز کے لئے اپنے ہاں رہنے کی پیشکش کی تھی جسے ہم نے معمولی سے رد و کد کے بعد قبول کر لیا۔

کراچی میں عارفہ کی رہائش گلشن اقبال کے بلاک فور میں تھی۔ چھ سو گز کا وہ بنگلہ بہت شاندار تھا۔ اس بنگلے میں ہمارا استقبال دو حسیناؤں نے کیا۔ جن کے بارے میں عارفہ نے بتایا کہ ایک اس کی بہو اور دوسری بیٹی ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کی عمر بھی تیس سے زیادہ نہیں تھی۔

عارفہ خاتون ٹیکسی سے اتر کر گیٹ میں داخل ہوتے ہی ان پر برس پڑی کہ اسے لینے کے لئے اسٹیشن پر گاڑی کیوں نہیں بھیجی۔

"صبح دس بجے گاڑی کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" عارفہ کی بہو نادرہ نے بتایا۔ "گاڑی تھانے میں کھڑی ہے اور پولیس نے ڈرائیور کو بھی بٹھا رکھا ہے۔ اشفاق بھی ایک گھنٹے سے وہاں گئے ہوئے ہیں۔"

"پولیس والوں کی یہ جرأت کہ میری گاڑی اور ڈرائیور کو تھانے میں بند کر دیا۔ ابھی ان کی خبر لیتی ہوں۔" وہ بلی کی طرح غراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

وہ اپنی بہو اور بیٹی سے ہمارا تعارف کرانا بھی بھول گئی تھی۔ نادرہ نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور ہمیں اندر لے آئی۔

لاؤنج بہت وسیع و عریض تھا۔ فرنیچر بھی بہت شاندار اور قیمتی تھا۔ عارفہ ایک طرف کھڑی ٹیلی فون پر چیخ چیخ کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا اور پھر اس نے ریسیور پٹخ دیا۔

"ارے!" وہ ہماری طرف دیکھ کر بولی۔ "میں ان لوگوں کے بارے میں بتانا تو بھول ہی گئی۔ یہ نرگس ہیں اور یہ اس کے شوہر نظیر محمد، فیصل آباد سے آئے ہیں اور چند روز یہیں رہیں گے۔"

نادرہ اور رشیدہ (عارفہ کی بیٹی) ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں۔ نادرہ نے ہمیں ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ میں اپنا بیگ بھی اٹھا لایا تھا۔

آدھے گھنٹے میں تھانے سے گاڑی بھی آ گئی اور ڈرائیور بھی۔ فون پر عارفہ کی باتوں نے کام کر دکھایا تھا۔ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ عارفہ بیگم کوئی بہت اونچی شے تھی۔

دوپہر کے کھانے پر عارفہ کے بیٹے اشفاق سے بھی ملاقات ہوئی اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ ماں بیٹے کی عمر میں بہت کم فرق تھا اور مجھے شبہ تھا کہ یہ عارفہ کا بیٹا ہے بھی یا نہیں۔

شام کو کچھ اور لوگوں کی آمد و رفت بھی رہی۔ لیکن میں اور نرگس اپنے کمرے میں بند ہی رہے۔

ہمیں جو کمرہ دیا گیا تھا اس کی کھڑکی سے لان اور سامنے کا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا وہاں سے ہم لوگوں کو آتے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ چم چماتی ہوئی قیمتی کاروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ عارفہ بیگم کے رشتے دار بھی خاصے دولت مند تھے۔

اگلے روز صبح ناشتا کرتے ہی میں گھر سے نکل گیا۔ پورا دن بھاگ دوڑ میں گزر گیا اور آخر کار میں اینٹی نارکوٹکس کے محکمے کے ایک ایسے آفیسر سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کے گھر کا پتا بھی میں نے معلوم کر لیا اور رنگ کے ڈبوں کی ایکسپورٹ کی کنسائنمنٹ والے کاغذات ایک لفافے میں بند کر کے اس کے گھر پہنچا دیے اور بعد میں فون پر رابطہ کر کے ساری بات اس سے کہہ ڈالی۔ وہ میری بات پر یقین کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

"اگر میری یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی تو میں اپنے آپ کو آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ آپ مجھے جو سزا دیں گے مجھے قبول ہوگی۔" میں نے کہا۔ "میں نے کاغذات آپ کے گھر پر پہنچا دیے ہیں لاہور سے یہ مال بھی ایک آدھ دن میں کراچی کی بندرگاہ پر پہنچ جائے گا۔ اب یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ کسٹم کے ساتھ مل کر ہیروئن کی اس کھیپ کو باہر جانے سے روکیں۔"

میں کافی دیر تک اسے یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا پھر فون بند کر دیا۔

اور جب میں عارفہ کی کوٹھی پر واپس پہنچا تو شام ہونے والی تھی۔ بنگلے کے سامنے ایک بہت شاندار گاڑی کھڑی تھی۔ عارفہ کی ہنڈا سوک اندر پورچ میں موجود تھی۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے بچے کے چوکیدار نے مجھے روک لیا۔ یہ اتفاق تھا کہ کل یہاں آنے کے بعد نہ تو میں نے اس چوکیدار کو دیکھا تھا اور نہ ہی اس نے مجھے دیکھا تھا۔

اتفاق سے اس وقت عارفہ اپنے ایک مہمان کے ساتھ برآمدے میں نکل آئی۔ اسے جب پتا چلا تو اس نے چوکیدار کو ڈانٹ بھی پلائی کہ مجھے اس طرح کیوں روکا تھا۔

لاؤنج میں گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ نرگس بھی تھی اور نرگس کے ساتھ ایک اجنبی آدمی کو دیکھ کر میری بھویں سکڑ گئیں۔ اس آدمی کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی لیکن خاصا ہٹا کٹا تھا۔ رنگ بھینس کی طرح گہرا اور سر پر شیو کرتا پاجامہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ منہ میں پان بھرا ہوا تھا۔

نرگس صوفے کے کونے میں دبی ہوئی تھی اور وہ شخص اس کے ساتھ بالکل جڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر نادرہ نے کچھ کہا تو وہ سرک کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"یہ جمالی صاحب ہیں۔" نادرہ نے اس کا تعارف کرایا۔ "یہ ابا کے کزن ہیں ابا سے تکلف تم سے آدمی ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور نرگس کو اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

"یہاں تو بڑی گڑبڑ لگتی ہے نا۔" نرگس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے سرگوشی کی۔ "عارفہ جو نظر آتی ہے ویسی نہیں ہے۔ بظاہر کرتی ہے یہ کوٹھی عیاشی کا اڈہ ہے۔ رشیدہ اس کی بیٹی ہے اور نادرہ اس کی بہو۔ یہ طوائفیں ہیں لوگ یہاں عیاشی کے لیے آتے ہیں۔ یہ کسی کو اپنا کزن بتاتی ہیں کسی کو نانا اور کسی کو ماموں لیکن وہ دونوں ان کے ساتھ کمروں میں بند رہتی ہیں۔ یہاں آنے والی عورتیں بھی

طوائفیں ہی ہیں یہ..... یہ تو اڈہ ہے ان کا جسے عارفہ چلا رہی ہے۔ آج دوپہر ایک پولیس آفیسر بھی آیا تھا۔ جو تقریباً دو گھنٹے یہاں رہا میں تو اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلی تھی۔"

"اور وہ آدمی کون تھا جو تمہارے ساتھ جڑ کر بیٹھا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"بقول رشیدہ کے ان کی اماں کا کزن ہے۔" نرگس نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا پہلے تو دوسرے صوفے پر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔ میں وہاں سے اٹھنا چاہتی تھی کہ تم آ گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "میں تو کہتی ہوں جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی نئے چکر میں پھنس جائیں۔"

"اچھا ہوا یہ لوگ فوراً ہی کھل گئے۔" میں نے کہا۔ "مجھے کل ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔"

اور پھر اگلے ہی روز میں کسی مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ نرگس بھی میرے ساتھ تھی وہ میرے بغیر اس کوٹھی میں ایک لمحہ بھی رہنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے بیگ کو الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ کر اس پر کچھ کپڑے ڈال دیے تھے اور الماری کو تالا لگا کر چابی اپنے گریبان میں ڈال لی تھی۔

مین روڈ پر آ کر ہم نے ایک ٹیکسی پکڑی اور دو ڈھائی گھنٹوں تک شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتے رہے اور آخر کار کریم آباد کے سامنے فیڈرل بی ایریا کا ایک علاقہ مجھے پسند آ گیا۔ رہائشی بنگلوں پر مشتمل یہ علاقہ پرسکون تھا یہاں ہر قسم کی سہولتیں بھی دستیاب تھیں۔

کئی اسٹیٹ ایجنسیوں میں جھانکنے کے بعد آخر کار ایک جگہ ہمارا کام بن گیا یوں تو میں کلفٹن اور ڈیفنس جیسے علاقے میں بھی بڑی سے بڑی کوٹھی کرائے پر لے سکتا تھا لیکن میں ایک دم سے اتنی بڑی چھلانگ نہیں لگانا چاہتا تھا کہ دوسروں کی نظروں میں آ جاؤں۔

اسٹیٹ ایجنسی نے ہمیں اس علاقے میں تین بنگلے دکھائے تھے ان میں سے ایک چھ سو گز کا تھا، ایک ہزار گز کا اور ایک پارک کے سامنے گلی کے کارنر پر دو سو چالیس گز کا۔ میرے نقطہ نظر سے یہ چھوٹا بنگلہ ہمارے لیے ہر لحاظ سے مناسب تھا۔

تین بیڈ روم تھے، ایک ٹی وی لاؤنج، ڈرائنگ روم، سامنے برآمدہ اور اس سے آگے مختصر سا لان بھی تھا۔ عمارت کے دائیں بائیں اور پچھلی طرف بھی گلی چھوٹی تھی۔ پچھلی طرف دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریاں تھیں جن میں پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کیاری میں تھوڑی دیر پہلے پانی بھی دیا گیا تھا۔ دیوار کے کارنر پر پچھلی طرف ایک دروازہ بھی تھا اس طرف ایک تنگ سی گلی تھی اس سے آگے والے بنگلوں کی پشت بھی اس گلی کی طرف تھی۔ اس طرح اس گلی میں زیادہ آمدورفت نہیں رہتی تھی۔ گھروں کے ملازم عام طور پر یہاں دیواروں کے ساتھ کوڑا کرکٹ پھینک دیتے تھے۔

لاؤنج میں دیوار سے دیوار تک ایک کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ صوفہ سیٹ اور کرسیاں بھی آراستہ تھیں۔ ایک طرف اسٹینڈ پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ لاؤنج کا کچھ حصہ ڈائننگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔ جہاں ایک قدرے چھوٹی ڈائننگ ٹیبل لگی ہوئی تھی جس کے گرد کرسیاں آراستہ تھیں۔ اس کے پرلی طرف کچن تھا جس کی دیوار میں محرابی خانے بنی ہوئی تھی اور دونوں طرف دارش کے سنیپ لگے ہوئے تھے۔

دو بیڈ روم آراستہ تھے۔ فرش پر گہرے گلر کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ مسہریوں کے علاوہ دونوں کمروں میں سفید فارمیکا کی الماریاں اور ڈریسنگ ٹیبل بھی تھیں۔ تیسرے کمرے میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ برآمدے کے اوپر بھی ایک کمرہ تھا۔ جسے اسٹیٹ ایجنٹ کے کہنے کے مطابق اسٹڈی روم بنایا جاسکتا تھا اوپر جانے کی سیڑھیاں اندر ہی سے تھیں۔

"یہ سامان کس کا ہے۔ کب تک اٹھایا جاسکے گا۔" میں نے کرائے کی بات ہونے کے بعد اسٹیٹ ایجنٹ سے دریافت کیا۔

"یہ مکان دراصل ایک بیوہ خاتون کا ہے۔" اسٹیٹ ایجنٹ نے بتایا۔ "ایک سال پہلے اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا اس کا صرف ایک بیٹا ہے جیسے سات سال کی عمر کا اور یہ مکان ان کی ضرورت سے کہیں بڑا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد دفتر سے جو رقم ملی تھی اس سے اس نے چند روز پہلے قریب ہی ایک چھوٹا مکان خرید لیا ہے اور یہ مکان کرائے پر دینا چاہتی ہے۔ دوسرے مکان میں اتنی گنجائش نہیں کہ یہ سارا سامان بھی رکھا جاسکے۔ اس لئے وہ چاہتی ہے کہ اگر کوئی یہ سامان بھی خرید لے تو اس کا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"تو پھر ہم سودا کر لیتے ہیں اس سامان کا۔" میں نے کہا اور نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ "اگر معاملہ طے ہو جائے تو میں ابھی رقم دینے کو تیار ہوں اور کل پرسوں تک ہم یہاں شفٹ ہو جائیں گے۔"

"میں مسز عثمانی کو بلا کر لے آتا ہوں۔ ابھی بات کر لیتے ہیں۔" اسٹیٹ ایجنٹ نے کہا اور ہمیں مکان میں چھوڑ کر اپنی موٹر سائیکل پر چلا گیا۔

اس کی واپسی میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے ساتھ مکان کی مالکہ بھی تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے جب بتایا تھا کہ یہ مکان کسی بیوہ کا ہے تو میرا خیال تھا کہ وہ پچاس کے لگ بھگ کوئی ادھیڑ عمر عورت ہوگی۔ لیکن میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لانبا قد، سڈول جسم اور چہرے کے نقوش بڑے غضب کے تھے۔ غزال کی طرح موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ چہرے پر بہت ہلکا سا میک اپ تھا۔ اس نے نیوی کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی، بلاؤز کچھ زیادہ ہی مختصر تھا۔

"میں اپنی بہن کے ہاں جانے والی تھی کہ ساجد صاحب پہنچ گئے۔" اس نے مجھے اور نرگس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ دو منٹ کی تاخیر سے پہنچتے تو شام سے پہلے ملاقات نہ ہو پاتی۔"

"اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہوگئی۔ ورنہ ہمیں بھی دوسرا چکر لگانا پڑتا۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے مطلب کی بات شروع کر دی۔

وہ گھوم پھر کر ہمیں پورے گھر کا فرنیچر دکھانے لگی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی رہی کہ کون سی چیز اس نے کتنے شوق سے کتنے میں خریدی تھی۔ اس نے سارے سامان کی جو مجموعی قیمت بتائی اس میں بارگیننگ کی گنجائش موجود تھی اور آخر کار ایک معقول رقم پر معاملہ طے ہوگیا۔ ہمیں ان سب چیزوں کی ضرورت تو تھی۔ بازار سے خریدتے تو مہنگی پڑتیں اور وقت الگ ضائع ہوتا۔

اس کا نام فوزیہ زبیری تھا۔ اس کا شوہر زبیری گریڈ اٹھارہ میں سرکاری ملازم تھا۔ ایک سال پہلے ٹریفک کے حادثے میں اس کا انتقال ہوگیا تھا اور پھر اس نے یہ دلچسپ انکشاف بھی کیا کہ وہ بے اولاد ہے۔ تین سال پہلے اس نے اپنی بہن کا ایک بیٹا لے لیا تھا۔ بچے کی عمر اس وقت چار سال تھی وہ اسے اپنی ہی اولاد سمجھتی تھی لیکن بچہ اسے ماں سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اسے خالہ ہی کہتا اس کا میلان اپنے والدین کی طرف تھا۔ جب تک زبیری زندہ تھا بچے کا دل بھی کچھ لگا ہوا تھا۔ وہ اسے سیر کرانے لے جاتا، شاپنگ کراتا، اس کے ساتھ کھیلتا، لیکن زبیری کے انتقال کے بعد وہ بچہ بھی بالکل ہی بدل گیا اور اپنے ماں باپ کے پاس رہنے کے لئے ضد کرنے لگا۔

"وہ کئی روز سے وہاں ہے۔" فوزیہ زبیری کہہ رہی تھی۔ "اور آج میں اسے لینے جارہی ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس بچے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اسے پوری طرح احساس ہے کہ میں اس کی ماں نہیں ہوں اور ظاہر ہے میں اسے زبردستی اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔" اس کے لہجے میں افسردگی کا تاثر نمایاں تھا۔

مجھے یہ سب کچھ سن کر افسوس ہوا۔ میں نے کہا۔ "بدقسمتی سے ہم بھی اسی المیے کا شکار ہیں۔ شادی کو چار سال ہو چکے مگر آج تک اس نعمت سے محروم ہیں۔"

فوزیہ زبیری نے گہری نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھا اور پھر پراپرٹی ایجنٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، ساجد صاحب۔ آپ ان سے اگریمنٹ کر لیجئے۔ میں شام چھ بجے تک لوٹ آؤں گی جو بھی صورت حال ہو مجھے بتا دیجئے۔"

"اس مکان کا کرایہ اور سامان کی قیمت آپ کو ابھی دے دیں.....؟"

"ساجد صاحب ہی کو دے دیجئے۔ یہ آپ کو رسید دے دیں گے میں شام کو اگریمنٹ پر دستخط کردوں گی۔" فوزیہ زبیری نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ہم مکان سے باہر آگئے۔ ٹیکسی ہم نے ابھی تک روک رکھی تھی۔ ساجد کے پاس موٹر سائیکل تھی۔ فوزیہ ہمارے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

فوزیہ کو ہم نے مین روڈ پر ڈراپ کردیا اور ساجد کے ساتھ دفتر آگئے۔ کاغذی کارروائی مکمل ہونے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ میں نے رقم ادا کردی اور ہم چابی لے کر دوبارہ اس بنگلے میں آگئے اور گھوم پھر کر اچھی طرح اطمینان سے جائزہ لینے لگے۔

برآمدے میں اوپر والا کمرہ بھی خاصا بڑا تھا۔ اس میں بھی کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ فوزیہ زبیری نے وعدہ کیا تھا کہ نیچے والے کمرے اور یہاں سے یہ کاٹھ کباڑ ایک دو دن میں ہٹا دیا جائے گا۔

میں اوپر والے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ بنگلے کی چار دیواری اور پارک کے درمیان تقریباً بیس فٹ چوڑی سڑک تھی جو اسی قطار میں بنگلوں اور پارک کے درمیان آخر تک چلی گئی تھی۔

پارک بہت بڑا تھا مگر اسے پارک نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اطراف میں چند درخت تھے جبکہ وسیع و عریض میدان میں گھاس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ریت کا میدان تھا جس میں دو تین جگہوں پر ٹرف

کھیلنے کے لئے سیمنٹ کی پچ بنی ہوئی تھی اور اس وقت لاتعداد بچے اس اجاڑ میدان میں کھیل رہے تھے۔

پارک کے دوسری طرف بھی اسی طرح کے بنگلے تھے اور ان بنگلوں کی گلیوں سے گزر کر مین روڈ تک پہنچا جا سکتا تھا اس سے ذرا ہی آگے مین روڈ کے دوسری طرف کریم آباد کا شاپنگ ایریا تھا۔

ہم اس ٹیکسی پر عارفہ کی کوٹھی پر آ گئے اور جب عارفہ کو پتا چلا کہ ہم جا رہے ہیں تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

''کیوں بھئی کہاں چلے تم لوگ؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا ایک دوست مل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا اصرار ہے کہ ہم اپنا سامان لے کر فوراً اس کے پاس آ جائیں۔ ویسے آپ لوگوں نے ہمارے ساتھ جس محبت اور اپنائیت کا اظہار کیا ہے اسے ہم بھی نہیں بھلا سکیں گے۔''

''اپنے دوست کا پتا تو بتاؤ ہم تم سے ملنے آئیں گے۔'' عارفہ بولی۔

''پتا..... میرا مطلب ہے گلی محلہ اور مکان نمبر تو ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں، میں آپ کو فون پر بتا دوں گا اور ہم خود ایک دو روز میں آپ سے ملنے آئیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا میاں، خوش رہو۔'' عارفہ کے لہجے میں بے حد مایوسی تھی۔ ''میں تو چاہتی تھی کہ تم لوگ چند روز یہاں رہو۔''

''کام دھندہ سیٹ ہو جائے تو آپ کے پاس آ کر ضرور رہیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کام دھندہ تو میں سیٹ کر دیتی تم دونوں کا۔ عیش کرتے زندگی بھر۔'' عارفہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور نرگس کی طرف دیکھنے لگی۔

اس مرتبہ میں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور بیگ اٹھا کر باہر آ گیا۔ باہر ٹیکسی ہمارے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے میرے ہاتھ میں بڑا سا بیگ دیکھ کر ڈگی کھول دی۔ میں نے بیگ ڈگی میں رکھا اور نرگس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی انہی راستوں پر چلتی ہوئی اس بنگلے کے سامنے آ کر رک گئی۔ ہم صبح دس بجے سے اس ٹیکسی پر سواری کر رہے تھے اور اب شام کے سات بج رہے تھے۔ ڈرائیور کو منہ مانگا کرایہ دے کر رخصت کر دیا اور ہم اندر آ گئے۔

ایک بار پھر پورے اطمینان سے بنگلے کا جائزہ لیا گیا میرا خیال تھا کہ چند مہینے یہاں رہ کر کلفٹن یا ڈیفنس کے علاقے میں کسی جگہ منتقل ہو جائیں گے۔

نرگس نے بیگ الماری میں رکھ دیا۔ یہی کمرہ اس نے بیڈ روم کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ اس کی ایک کھڑکی پہلو میں اوپن اسپیس کی طرف کھلتی تھی اور دوسری کھڑکی سے برآمدے اور باہر کے گیٹ تک کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

اس رات ہم نے کھانا باہر ایک ہوٹل میں کھایا اور واپس آنے سے پہلے بازار میں کچھ شاپنگ بھی کی۔ ہم نے جو چیزیں خریدی تھیں ان میں چند برتن بھی تھے اور ایک کیتلی۔ صبح کے ناشتے کا سامان بھی لے لیا گیا تھا۔

تین چار روز تک ہم گھر کا سامان ڈھوتے رہے۔ پڑوس کے بنگلوں میں کام کرنے والی ایک

مائی بھی آ گئی۔ نرگس نے اسے پارٹ ٹائم ملازم رکھ لیا۔ گھر کے سامان کی سیٹنگ میں نرگس اس سے مدد لیتی رہی اور وہ باہر سے سودا سلف بھی لا دیتی تھی۔

میں نے اخبار کے ہاکر سے بھی کہہ دیا تھا۔ وہ روزانہ اخبار ڈال جاتا۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اخبار دیکھتا لیکن ہر بار مجھے شدید مایوسی ہوتی۔

اور پھر ایک روز اخبار میں وہ خبر نظر آ ہی گئی جس کا مجھے کئی روز سے انتظار تھا۔ میرے ذہن کی سب سے بڑی الجھن تھی جو اخبار میں اس خبر کو دیکھ کر دور ہو گئی۔

کسٹمز اور نارکوٹکس کے اعلیٰ حکام نے ایک خصوصی ٹیم کے ساتھ بندرگاہ پر چھاپہ مار کر سائوتھ فریقہ ایکسپورٹ کئے جانے والے رنگ کے پانچ سو ڈبوں پر قبضہ کر کے ان کے دوہری تہہ والے پیندوں میں چھپائی گئی ڈھائی سو کلوگرام ہیروئن برآمد کر لی تھی۔

سرخی پہلے صفحہ پر تین کالموں میں شائع ہوئی تھی اور خبر بڑی تفصیل سے تھی۔ اس کے مطابق یہ چھاپہ ایک خفیہ اطلاع ملنے پر مارا گیا تھا اور بندرگاہ پر ڈبوں سے ہیروئن برآمد ہونے کے بعد کراچی کے دو مختلف ہوٹلوں پر بھی چھاپے مارے گئے تھے۔ ایک ہوٹل سے رشید نامی ایک شخص کو گرفتار کر لیا گیا تھا جبکہ دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر رضیہ نامی عورت فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اسی روز لاہور میں رنگ تیار کرنے والی کمپنی کے بعض آدمیوں کو بھی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ لاہور اور کراچی میں کچھ اور لوگوں کی گرفتاری کے لئے بھی چھاپے مارے جا رہے تھے۔

مجھے یہ خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ لاہور کے دلی دروازے کے سامنے تھرڈ کلاس ہوٹل میں اور سڑکوں پر ہیروئن کی پڑیاں فروخت کرنے والا سلطان آج بہت بڑا ڈان بنا ہوا تھا لیکن مجھ سے پنگا لے کر اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے مچھر کی طرح چٹکی میں مسل دے گا لیکن میں جب تک لاہور میں تھا اسے بار بار میری طرف سے زک اٹھانی پڑی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کے منہ پر میرا آخری طمانچہ نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ آگے بھی کسی نہ کسی موڑ پر میرا اور اس کا آمنا سامنا ضرور ہو گا۔

اس خبر میں سب سے اہم اطلاع یہ تھی کہ رضیہ کراچی میں تھی۔ وہ رشید کے ساتھ بندرگاہ سے کنسائنمنٹ کلیئر کروانے آئی تھی۔ رشید تو پکڑا گیا تھا مگر رضیہ بھاگ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کراچی سے چلی گئی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے یہاں اپنے کسی جاننے والے کے پاس پناہ لے رکھی ہو۔ ایسے لوگوں نے بہت سے ٹھکانے بنا رکھے ہوتے ہیں۔

نرگس بھی یہ خبر پڑھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''بہت اچھا ہوا۔'' وہ بولی۔ ''اب تو وہ کتیا یقیناً سڑکوں پر ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے گی۔''

''میرا خیال ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسے لوگوں نے بہت دور تک ہاتھ پیر پھیلا رکھے ہوتے ہیں۔ صرف ڈھائی سو کلو ہیروئن پکڑی گئی ہے نا، وقتی طور پر تو انہیں دھچکا ضرور لگا ہو گا لیکن اگلی کسی کھیپ میں وہ اپنے اس نقصان کو پورا کر لیں گے۔''

"بہر حال مجھے خوشی ہوئی۔" نرگس نے کہا۔

"اور تمہیں یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ رضیہ اس وقت کراچی میں موجود ہے۔" میں نے کہا۔ نرگس کو بندرگاہ پر چھاپے والی خبر میں نے سنائی تھی لیکن رضیہ کا ذکر ابھی تک نہیں کیا تھا۔

"کیا ؟" وہ اچھل پڑی۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "وہ رشید نامی ایک اور آدمی کے ساتھ بندرگاہ سے کنسائنمنٹ کلیئر کروانے کے لئے کراچی آئی تھی۔ رشید تو پکڑا گیا اور رضیہ غائب ہوگئی۔ مجھے یقین ہے وہ یہیں کراچی میں کسی جگہ روپوش ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔" نرگس بولی۔

"غیر محتاط تو ہم پہلے بھی نہیں تھے۔" میں کہہ کر ایک بار پھر اخبار دیکھنے لگا۔ نرگس اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

اخبار کے آخری صفحہ پر ایک اور خبر دیکھ کر میں چونک گیا۔

تھرپارکر کی سرحد پر ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے بیس ڈرم پکڑے گئے تھے۔ کیمیکل کے یہ ڈرم اونٹوں پر لاد کر راجستھان سے اسمگل کئے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ شراب کی ایک ہزار بوتلیں بھی تھیں۔ رینجرز اور کسٹمز کی ایک مشترکہ کارروائی سے اسمگلنگ کی یہ کوشش ناکام بنا دی گئی۔ شراب کے کریٹ اور کیمیکل کے ڈرم قبضے میں لے لئے گئے تھے جبکہ اسمگلر رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

مجھے چند مہینے پہلے راجستھان میں رونما ہونے والے واقعات یاد آ رہے تھے۔ وہ سب کچھ فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھومتا رہا جب میں رضیہ کو ملتان کے ایک ہوٹل میں چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کی تلاش میں عمر کوٹ پہنچ گیا تھا۔ میں اپنے اس عزیز کو تو تلاش نہیں کر سکا تھا مگر وہ حسینہ مجھ سے ٹکرا گئی تھی جس نے مجھے بے ہوش کر کے میری زندگی کا راستہ ہی بدل دیا تھا۔

ریگستان میں واقع وہ کھنڈر نما عمارت جہاں مجھ پر تشدد کیا گیا تھا، پھر رئیس تھو کا ڈیرہ، جہاں میں نے پہلی مرتبہ بیلا کو دیکھا تھا اور پھر سرحد پار کر کے راجستھان کے تپتے ہوئے صحرا میں وہ اذیت ناک سفر۔ بیلا میری ہمسفر تھی اور ماؤنٹ آبو میں ناگ راج سے ٹکراؤ اور بیلا سے آنکھ مچولی، میرے اور بیلا کے بیچ زندگی اور موت کا کھیل طویل عرصے تک جاری رہا تھا۔

مجھے وہ سب واقعات یاد آ رہے تھے۔ پنڈت بھیرو، انکا گنی ہوتری، رادھا، مترا اور جے پور کی محکمہ سیاحت کی گائیڈ شہناز دری جس نے مجھے جے پور سے فرار ہونے میں مدد دی تھی۔ وہ تمام چہرے ایک ایک کر کے میری نظروں کے سامنے گھومتے رہے۔

انکا گنی ہوتری، ناگ راج اور بیلا۔ یہ سب را کے ایجنٹ تھے۔ ان کے منصوبے بہت خوفناک تھے۔ یہ سب اپنے نمبر بنانے کے لئے مجھے آلہ کار بنا کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں تھے اور میں نے بڑی ہوشیاری سے انہی لوگوں کو استعمال کرتے ہوئے ماؤنٹ آبو کی پہاڑیوں میں وہ کیمپ تباہ کیا تھا جہاں پاکستان سے اغوا کئے ہوئے نوجوانوں کی برین واشنگ کر کے انہیں دہشت گردی کی

تربیت دی جاتی تھی اور پھر انہیں تخریب کاری اور دہشت گردی کے لئے پاکستان بھیج دیا جاتا تھا۔

مجھے وہ رات بھی یاد آگئی جب میں رادھا کے ساتھ انکا گنی ہوتری کے آشرم کے تہہ خانے میں اس کے کاغذات کی تلاشی لے رہا تھا اور انکا گنی ہوتری اچانک ہی دریودن کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو ختم کر دیا تھا اور رادھا کے ساتھ وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔

انکا گنی ہوتری کے آشرم کے تہہ خانے میں، میں نے جو کاغذات دیکھے تھے انہوں نے میرے ہوش اڑا دیئے تھے۔ اس سے چند روز پہلے خود انکا نے مجھے کچھ سلائیڈز بھی دکھائی تھیں۔ یہ ان لوگوں کے چہرے تھے جنہیں دہشت گردی اور تخریب کاری کی تربیت دے کر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ انکا ہی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ سرحد پر پاکستانی اسمگلروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ را کی طرف سے انہیں ایسا کیمیکل برائے نام قیمت پر فراہم کیا جاتا ہے جو ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کیمیکل سے تیار ہونے والی ہیروئن نہ صرف پاکستان میں نوجوان نسل کو مفلوج کر رہی ہے بلکہ یہ ہیروئن یورپ اور امریکا اسمگل کر کے پاکستان کی رسوائی بھی ہو رہی تھی۔

انکا گنی ہوتری نے مجھے یہ سب کچھ اس لئے نہیں بتایا تھا کہ اسے مجھ سے یا میرے وطن سے ہمدردی تھی بلکہ وہ تو مجھے بیلا وغیرہ کے خلاف بھڑکانا چاہتی تھی تاکہ میں بیلا کو راستے سے ہٹا دوں اور اس کا اپنا کام آسان ہو جائے۔

انکا گنی ہوتری کے قتل کے بعد میرے گرد بچھایا جانے والا جال تنگ ہونے لگا۔ رادھا بھی ماری گئی تو میں رتنا کے ساتھ ماؤنٹ آبو سے فرار ہو گیا اور جس طرح موت سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے کئی ہفتوں کے بعد فیروز پور کی طرف سے سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہوا تھا وہ سب کچھ آپ لوگ میری اس آپ بیتی کے پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

پاکستان میں داخل ہونے کے بعد اگر حالات پرسکون رہتے تو چند روز بعد میں عمر کوٹ جا کر ان لوگوں کو تلاش کرتا جو میری بربادی کا باعث بنے تھے۔ اگر وہ کافر ادا حسینہ مجھے دھوکے سے اغوا نہ کرتی تو میں اپنے کزن کو تلاش کر کے اس کے پاس رہتا یا کوئی اور چھوٹی موٹی ملازمت اختیار کر کے جرائم کی دنیا سے دور ہو جاتا مگر اس حسینہ نے مجھے زندگی کے خطرناک ترین راستے پر دھکیل دیا تھا۔

لیکن پاکستان میں داخل ہوتے ہی میں رضیہ اور شاہ جی جیسے لوگوں سے برسرپیکار ہو گیا اور اس طرح پچھلے واقعات میرے ذہن میں محو ہوتے چلے گئے لیکن آج تھرپارکر میں سرحد پر ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کے ڈرم پکڑے جانے کی خبر سے وہ تمام واقعات میرے ذہن میں تازہ ہوتے چلے گئے اور میں نے طے کر لیا کہ یہاں سیٹ ہونے کے بعد پہلی فرصت میں عمر کوٹ کا رخ کروں گا اور اس کافر ادا حسینہ کو تلاش کر کے رئیس تھو تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

ہمیں اس بنگلے میں رہتے ہوئے کئی روز ہو گئے۔ اس دوران میری نو پڑوسیوں سے واجبی سی علیک سلیک ہوئی تھی لیکن بعض پڑوسیوں سے نرگس کے تعلقات کچھ زیادہ ہی گہرے ہو گئے تھے۔

میں نے ایک عدد سیکنڈ ہینڈ مرگلہ کار بھی لے لی۔ یہ دیکھنے میں اگرچہ پرانی تھی مگر اس کا انجن بہترین حالت میں تھا اور اتفاق سے یہ کچھ سستی بھی مل گئی تھی۔ ویسے تو میں تین چار لاکھ کی کوئی نئی کار

بھی خرید سکتا تھا لیکن اس طرح میں لوگوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لئے سیکنڈ ہینڈ مرگلہ پر ہی فی الحال اکتفا کیا تھا۔

ہمارے پاس کروڑوں روپے نقد اور کروڑوں روپے کے زیورات تھے لیکن یہ رقم ہم نہ تو بینک میں رکھوا سکتے تھے اور نہ ہی لاکر میں۔ لاکر اگرچہ محفوظ ترین جگہ تھی مگر مجھے اس پر بھروسا نہیں تھا۔ شبہ ہونے کی صورت میں لاکر کھولا بھی جا سکتا تھا۔ اس طرح نہ صرف سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا بلکہ ہمیں بھی زندگی کا باقی حصہ جیل میں گزارنا پڑتا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر رقم اور زیورات کی تھی۔ ظاہر ہے ہم یہ تھیلا چوبیس گھنٹے اپنے ساتھ لے کر نہیں گھوم سکتے تھے لیکن نرگس نے اس تھیلے کے لئے بھی ایک محفوظ جگہ تلاش کر لی اور میرے خیال میں یہ محفوظ ترین جگہ تھی اور اس کا انکشاف بھی محض اتفاق سے ہی ہوا تھا۔

ہم نے جس کمرے کو اپنا بیڈ روم بنایا تھا اس میں سفید فارمیکا کی تین دروازوں والی ایک الماری تھی۔ یہ الماری خاصی بڑی تھی۔ ڈبل بیڈ، یہ الماری ایک سیٹی، دو کرسیوں اور ڈریسنگ ٹیبل رکھنے کے بعد کمرے میں چلنے پھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس بڑی الماری کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا جائے اور وہاں کی الماری کو یہاں لے آیا جائے۔

یہ خیال رات کے کھانے کے بعد آیا تھا۔ کام کرنے والی ماسی اس وقت جا چکی تھی۔ میں اور نرگس اس الماری کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ بہت وزنی تھی۔ اسے خالی کر دیا گیا اور آخر کار جب اس الماری کو وہاں سے ڈیڑھ دو فٹ کے قریب سرکایا گیا تو اس کے پیچھے دیوار کے نچلے حصے پر نظر پڑتے ہی نرگس چونک گئی۔ اس نے میری توجہ مبذول کرائی تو میں بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ الماری کے پیچھے دیوار میں فرش کے ساتھ ملا ہوا تقریباً آٹھ انچ اونچا اور چار فٹ لمبا خلا تھا جس پر لکڑی کا تختہ جڑا ہوا تھا۔ میں نے اسکریو ڈرائیور کی مدد سے وہ تختہ اکھاڑ دیا۔ یہ خلا اندر سے تقریباً ایک فٹ گہرا تھا۔ میں نے ہاتھ ڈال کر دیکھا، وہ خالی تھا۔

میرا خیال ہے دیوار میں فرش کے ساتھ ملا ہوا یہ خلا جوتے وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا لیکن بعد میں کسی وجہ سے اسے بند کر دیا گیا اور یہ الماری اس کے سامنے کھڑی کر دی گئی۔

"تم اس تھیلے کے لئے پریشان تھے نا؟" نرگس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس سے بہتر کوئی اور جگہ ہو سکتی ہے۔"

میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ رقم اور زیورات والا تھیلا چھپانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور جگہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

نرگس نے وہ خلا اندر سے صاف کر دیا۔ تھیلے میں سے اتنی رقم نکال لی گئی جو کئی روز تک ہمارے اخراجات کے لئے استعمال ہو سکتی تھی۔ پھر تھیلا اس میں رکھ کر میں نے تختے کو دوبارہ جوڑ کر خلا بند کر دیا اور الماری ایک بار پھر اسی جگہ رکھ دی گئی بلکہ اسے دیوار کے ساتھ ملا دیا گیا تاکہ پیچھے دیوار میں جھانکنے کی جگہ بھی نہ رہے۔ اب ہم رقم کی طرف سے مطمئن تھے اور آزادی سے گھر سے باہر گھوم پھر سکتے تھے۔

کئی روز اور گزر گئے اور آخر کار ایک روز میں نے اپنی اصل مہم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور

جب میں نے نرگس کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ اچھل پڑی۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" اس نے مجھے گھورا۔ "اتنی مشکل سے تو ان مصیبتوں سے پیچھا چھوٹا ہے اب آرام سے بیٹھے رہو روپے پیسے کی ہمارے پاس کمی نہیں ہے۔ آئندہ کے لئے کوئی کام شروع کرنا ہو تو بہتر ہے کسی اچھے علاقے میں جنرل اسٹور کھول لو۔ نئی مصیبتوں کو دعوت مت دو اور آرام سے زندگی گزارو۔"

"مصیبتیں آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑا کرتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور پھر تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ انڈیا کی انٹیلی جنس ایجنسی را ہمارے ملک کی سلامتی کے لئے کتنا بڑا خطرہ ہے۔"

"اور یہ کام تم یہاں رہ کر بھی کر سکتے ہو۔ تمہیں سامنے آنے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔" نرگس نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ "جس طرح تم نے پس منظر میں رہ کر بندرگاہ پر ہیروئن پکڑوائی تھی اسی طرح پس منظر میں رہ کر رئیس قمو کے بارے میں بھی اعلیٰ حکام کو اطلاع دے سکتے ہو۔"

"یہ معاملہ اس طرح سے حل نہیں ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "پولیس کو اس کی اطلاع دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ قانون بعد میں حرکت میں آئے گا اور ان لوگوں کو اس کی اطلاع پہلے ہو جائے گی۔ مجھے اس کا تجربہ ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ میرے انڈیا جانے سے پہلے کی بات ہے۔ ہیروئن کے بزنس میں میری رمضان نامی ایک شخص سے ٹسل چل رہی تھی۔ ایک مرتبہ رمضان کے پاس افغانستان سے ہیروئن کی ایک بڑی کھیپ آئی تھی۔ کروڑوں کا مال تھا۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے ایک پولیس آفیسر کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس نے کچھ اس قسم کی باتیں کیں جیسے ایک گھنٹے کے اندر اندر چھاپہ مار کر مال کو ضبط اور رمضان کو گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"میرا ایک آدمی گلبرگ میں رمضان کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد اس نے فون پر اطلاع دی کہ وہ پولیس آفسر سادہ لباس میں رمضان کی کوٹھی پر گیا تھا۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ وہاں رہا۔ اس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ایک سٹیشن ویگن بھی کوٹھی سے نکل کر کسی طرف چلی گئی۔"

"اس کے تین گھنٹے بعد اسی پولیس آفیسر نے اپنے چار ماتحتوں کے ساتھ رمضان کی کوٹھی پر چھاپہ مارا۔ میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب میرے آدمی نے سادہ لباس میں پولیس آفیسر کو رمضان کی کوٹھی پر جانے کی اطلاع دی تھی اور بعد میں چھاپہ تو اخلاقاً مارا گیا تھا۔ ظاہر ہے وہاں کیا ملتا۔ مال تو سٹیشن ویگن پر وہاں سے نکالا جا چکا تھا۔ میرے آدمی سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے سٹیشن ویگن کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ نہیں نرگس جی۔" میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس معاملے میں رسک نہیں لے سکتا ہمارے ہاں پولیس کے محکمے میں فرض شناس لوگ کم اور کالی بھیڑیں زیادہ ہیں اور یہی بڑی وجہ ہے کہ لوگ پولیس سے تعاون کرتے ہوئے بھی کتراتے ہیں۔ میں اگر پولیس کو خفیہ طور پر اطلاع دوں گا تو کسی کارروائی سے پہلے یہ خبر رئیس قمو تک پہنچ جائے گی اور وہ یا تو روپوش ہو جائے گا یا اپنا بندوبست کر لے گا۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ ویسے بھی بہت لمبے ہوتے ہیں اور ان پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ کئی وجوہات کی بنا پر قانون کا ہاتھ ان کے گریبان تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس لئے مجھے ہی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

"تم جان بوجھ کر اپنے لئے بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔" نرگس نے میرے خاموش

ہونے پر کہا۔

"اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ویسے بھی کون سا ہم خطرے سے باہر ہیں۔ ہمارے چاروں طرف خطرات ہی خطرات ہیں کوئی معمولی سی کوتاہی ہمیں کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بے خبری میں مارے جانے کے بجائے ہم آتش نمرود میں کود پڑیں۔"

"ٹھیک ہے۔" نرگس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اس وقت تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اگلے کچھ عرصہ تک میرے ساتھ نہیں رہو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" نرگس نے مجھے گھورا۔

"میں عمرکوٹ اکیلا ہی جاؤں گا۔" اس مرتبہ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے وہاں مجھے بہت زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑے۔ تم ساتھ ہوئیں تو میں آزادی سے نقل و حرکت نہیں کر سکوں گا اور پھر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہارے گلے پر بھی چھری پھر جائے۔"

"اوہ!" نرگس گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "تو تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس کروڑوں کی مالیت کے زیورات دیکھ کر میں صرف عیش کرنے کے لئے تمہارے ساتھ گاؤں سے بھاگی تھی۔ نہیں ناگی۔" اس نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا۔ "میں تمہارے ساتھ عیش کر رہی ہوں تو تمہیں کسی کٹھن راستے پر تنہا بھی نہیں چھوڑوں گی۔ تم عمرکوٹ اکیلے نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گی یہ میرا فیصلہ ہے بس اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔"

میں چند لمحے نرگس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر ناقابل شکست عزم تھا۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں دل ہی دل میں رضیہ اور نرگس کا تجزیہ کرنے لگا۔

مجھے وہ رات اچھی طرح یاد تھی۔ جب رضیہ کا شوہر شجاع جیل میں تھا میں اور رضیہ گھر میں اکیلے تھے۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس نے مجھے ایک ایسے راستے پر ڈال دیا تھا جس سے میری واپسی ممکن نہیں ہو سکی تھی۔ چند روز تو رضیہ مجھے کھلاتی رہی، داؤ پیچ سکھلاتی رہی پھر میں اس سے کھیلنے لگا۔

اس کے برعکس یہ نرگس تھی۔ اس نے بھی میرے لئے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید میرے پاس ڈھیر ساری دولت دیکھ کر اس نے اپنی غربت اور شوہر کو لات ماری تھی یہ لاہور میں ٹی میرے ساتھ رہی تھی۔ میرے زیورات رضیہ کے گھر سے چرائی ہوئی گرانقدر رقم اور رضیہ کی کوٹھیوں سے فروخت ہونے والی رقم نرگس ہی کی تحویل میں تھی۔ لاہور میں کئی مرتبہ ایسے مواقع آئے تھے کہ وہ سب کچھ لے کر رفو چکر ہو سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اب بھی میں اسے ایک سنہرا موقع فراہم کر رہا تھا۔ میں عمرکوٹ چلا جاتا اور میری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وہ ساری دولت لے کر رفو چکر ہو سکتی تھی لیکن اس کے خیالات جان کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ بقول اس کے وہ صرف عیش کرنے کے لئے میرے ساتھ گھر سے نہیں بھاگی تھی وہ موت کی راہوں پر بھی میرے ساتھ قدم بقدم چلنے کو تیار تھی۔ وہ مجھ سے الگ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

کتنا فرق تھا رضیہ اور نرگس میں۔

اس رات ہم نے کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کا پروگرام بنایا اور میرے خیال میں شیرٹن سے بہتر اور کون سا ہوٹل ہو سکتا تھا۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس کا چوراہا بارونق بھی تھا اور خوب صورت بھی۔ ایک کارنر میں زیر تعمیر ہوٹل کا کئی منزلہ ویران اسٹرکچر کھڑا تھا۔ میں شہر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے گھومتا رہتا تھا۔ دو تین مرتبہ اس طرف بھی آ چکا تھا اس اسٹرکچر کے بارے میں پتا چلا تھا کہ کئی سال پہلے اس لگژری ہوٹل کی تعمیر شروع ہوئی تھی پھر کوئی تنازع پیدا ہو گیا اور کئی منزلوں تک پہنچ کر اس کی تعمیر رک گئی اور یہ ڈھانچا اب بدنما دھبے کی طرح کھڑا تھا اس کے سامنے ایک طرف پی آئی ڈی سی ہاؤس کی لمبی چوڑی عمارت تھی اور دوسری طرف پرل انٹرکانٹی نینٹل اور پوٹ کے سامنے سڑک کے دوسری طرف شیرٹن ہوٹل جس کے پچھلی طرف چیف منسٹر ہاؤس تھا۔

پارکنگ میں کھڑی چمچماتی کاروں میں میری سیکنڈ ہینڈ مرگلہ کسی بدنما دھبے ہی کی طرح لگ رہی تھی لیکن مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں تھی بلکہ اپنے ساتھ نرگس کو پا کر میری گردن کچھ تن سی گئی تھی۔

نرگس بھی خوب تیار ہو کر نکلی تھی۔ کراچی آنے کے بعد اس نے پڑوسن سے ساڑھی پہننا سیکھ لی تھی اور پھر اس نے صدر کے کریم سنٹر سے کئی قیمتی ساڑھیاں خرید لی تھیں۔ اس وقت اس نے کسی قدر گہرے رنگ کی بہت ہی خوبصورت ساڑھی پہن رکھی تھی جو اس کی گوری رنگت پر خوب پھب رہی تھی۔ بلاؤز کسی قدر مختصر اور کشادہ گریبان کا تھا جس سے اس کا شباب چھلک رہا تھا۔ سلکی ساڑھی کا پلو بار بار کندھے سے ڈھلک رہا تھا۔

نرگس نے تھیلا الماری کے پیچھے چھپانے سے پہلے کچھ زیورات استعمال کے لئے نکال لئے تھے۔ کانوں میں ہیرے کے آویزے، ہاتھوں میں کنگن اور سنہری چوڑیاں اور گلے میں نیکلس اس کے حسن کو بڑھا رہا تھا۔ یہ نیکلس وہی تھا جسے سب سے پہلے گاؤں میں نرگس نے پسند کیا تھا پھر لاہور آنے کے بعد رضیہ کی نظروں کو بھا گیا تھا۔ ان زیورات کے علاوہ نرگس نے ایک زیور بھی پہن رکھا تھا۔ ایسا زیور یہاں بہت اونچی سوسائٹی کی آزاد منش خواتین استعمال کرتی ہیں جب کہ ہندوستان میں اس کا زیادہ استعمال دیکھنے میں آیا تھا۔

اور یہ زیورات سونے کا ڈھیلا ڈھالا سا بیلٹ۔ تقریباً نصف انچ حجم کی بہت سی طلائی تکیاں تھیں جنہیں ایک چین کی صورت میں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا گیا تھا اور آگے والی ایک ٹکی پر ہیرا جڑا ہوا تھا اور یہ ٹکی ناف کے عین اوپر تھی۔ چلنے سے یہ خوبصورت چین اس طرح حرکت کرتی کہ دیکھنے والے کو اپنا دل رقص کرتا ہوا محسوس ہوتا۔

جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو ہر نظر نرگس کی طرف اٹھ گئی۔ ہیڈ ویٹر نے بھی بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور بڑے احترام سے ہمیں ایک خالی میز پر لے گیا۔

نرگس کو اس ہوٹل کا کھانا تو پسند آیا لیکن کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بار بار بگڑ رہے تھے۔ کافی کی تلخی اسے اچھی نہیں لگی تھی۔

کافی پیتے ہوئے میری نظر بائیں طرف اٹھ گئی۔ جہاں تیسری میز پر ایک ادھیڑ عمر مرد اور ایک

عورت بیٹھی ہوئی تھی اور اس عورت کو دیکھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ رضیہ تھی۔

رضیہ میرے بالکل سامنے نہیں تھی بلکہ اس کا بایاں پہلو میری طرف تھا۔ جب ہم یہاں آئے تھے تو وہ میز خالی تھی اور نہ جانے رضیہ اور وہ آدمی کس وقت وہاں آ کر بیٹھے تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ رضیہ نے ہمیں دیکھا تھا یا نہیں۔ ویسے میں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ نرگس کی پشت اس کی طرف تھی اور میں آڑے رخ پر تھا۔

اگر رضیہ نے ہمیں دیکھا ہوتا تو اب تک ایک بہت زوردار قسم کا ہنگامہ شروع ہو چکا ہوتا۔

رضیہ کے ساتھ جو آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے قیمتی تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ ٹائی پر لگی ہوئی سنہری پن پر ایک چھوٹا سا نگ لگا ہوا تھا جو روشنی میں بار بار چمک رہا تھا۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس اور پینتالیس کے درمیان تھی لیکن جسم مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ لباس سے قطع نظر شکل صورت سے وہ ایسا ہرگز نہیں لگتا تھا جسے شیرٹن جیسے ہوٹل میں خوش آمدید کہا جا سکتا ہو لیکن جیب میں پیسہ ہو تو ہر جگہ رسائی ممکن ہو سکتی ہے اور پھر اس کے ساتھ تو رضیہ کی صورت میں چلتی پھرتی سفارش تھی۔

اس شخص کے بال قرینے سے ترشے ہوئے تھے اور چہرے پر خشخشی داڑھی تھی جس میں ہلکی سی سفیدی جھلک رہی تھی۔ ایک کان میں سونے کی بالی تھی جو بالکل چپکی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا تمہاری صورت پر اچانک بارہ کیوں بجنے لگے ہیں؟" نرگس کی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"آؤ" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چیز ہم سے تیسری میز پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آں ہاں۔ پیچھے مڑ کر مت دیکھنا" میں نے اسے پہلو بدلتے دیکھ کر ٹوک دیا۔

"کیا مطلب؟ کون ہے وہ؟" نرگس نے مزید آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ اس کا لہجہ سرگوشی سے زیادہ نہیں تھا۔

"رضیہ۔" میں نے بھی سرگوشی میں بتایا۔

نرگس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے شاید ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو روک سکی تھی۔

میں نے اپنی کرسی کو مزید تھوڑا سا گھما لیا تاکہ اگر رضیہ اس طرف مڑ کر دیکھے تو میرا چہرہ اس کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ویسے مجھے رضیہ کو اس جگہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی ابھی چند ہی روز پہلے کی تو بات تھی کہ پولیس نے بندرگاہ پر چھاپہ مار کر بھاری مقدار کی ہیروئن پر قبضہ کرنے کے بعد رشید نامی ایک شخص کو گرفتار کیا تھا اور رضیہ اپنے ہوٹل سے روپوش ہو گئی تھی۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی اور وہ اس طرح آزادی سے گھوم رہی تھی میرا یہ شبہ درست ہی نکلا تھا کہ وہ کراچی میں ہی کسی جگہ روپوش رہی تھی اور میرا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔

مجھے اپنا وقت یاد آ گیا۔ جس زمانے میں میرا طوطی بولتا تھا ان دنوں میں بھی ایسی ہی پوزیشن میں تھا۔ میرے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے تھے میں پولیس کے لئے موسٹ وانٹڈ تھا لیکن اسی طرح آزادی سے گھوما

کرتا تھا بلکہ بعض اوقات تو ہوٹلوں میں پولیس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا اور کئی بار تو ایسا بھی ہوا تھا کہ کسی پولیس آفیسر ہی نے میری کوٹھی پر آ کر اطلاع دی تھی کہ میں وقتی طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاؤں اور اب یہاں رضیہ بھی شاید اسی پوزیشن میں تھی یا رضیہ کا ساتھی کافی اوپر تک پہنچ رکھتا تھا کہ یہ دونوں اس طرح آزادی سے گھوم رہے تھے۔

میں نے تجزیہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ کراچی میں رضیہ کے مقابلے میں میری پوزیشن بہت کمزور تھی۔ صرف ایک شخص ہی نہیں کراچی میں رضیہ کے کچھ اور حمایتی بھی موجود ہوں گے۔ شاہ جی کا گروہ صرف لاہور تک ہی تو محدود نہیں تھا۔ ان کے مال کی بیرون ملک ترسیل کے لئے کراچی شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا اور اس جگہ کو انہوں نے خالی نہیں چھوڑا ہوگا۔ یہاں بھی ان کے اڈے ضرور موجود ہوں گے اور رضیہ کو اس شخص کے ساتھ دیکھ کر میرے خیال کی تصدیق ہو رہی تھی۔

اب یہاں مزید بیٹھے رہنا ہمارے لئے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے ویٹر کو اشارہ کر کے بل طلب کیا بل آنے میں بھی تقریباً دس منٹ لگ گئے۔ بل کی رقم کے ساتھ میں نے ویٹر کو ایک معقول رقم ٹپ کے طور پر بھی دی اور اسے انگلی سے قریب ہونے کا اشارہ کیا۔ ویٹر بڑے مؤدبانہ انداز میں اس طرح جھکا کہ اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب آ گیا۔

"مرکزی دروازے کے علاوہ ہال سے نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ ہے؟" میں نے بھی اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"یس سر! میرے ساتھ آیئے۔" ویٹر نے سیدھے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

میرے اشارہ پر وہ دوبارہ میرے چہرے کے قریب جھک گیا۔

"تمہارے ساتھ جانے کی بات نہیں ہے۔" میں نے سرگوشی کی۔ "راستہ بتا دو ہم خود ہی چلے جائیں گے۔"

"دائیں طرف ہال کے آخر میں دروازہ ہے اس طرف سے نکل جایئے میں کوشش کروں گا کہ آپ کے بعد کوئی اور اس طرف نہ جائے۔" ویٹر نے کہا۔

"کسی قسم کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اب تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔" میں نے کہا۔

ویٹر خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

"وہ بلا تمہارے بالکل پیچھے تیسری میز پر بیٹھی ہوئی ہے۔" میں نے ویٹر کے جانے کے بعد نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کرسی سے اس طرح اٹھنا کہ تمہارا رخ نہ بدلنے پائے۔ باہر جانے کا راستہ دائیں طرف ہے ہال کے آخر میں۔"

میں کرسی سے اٹھتے ہوئے اس طرح گھوم گیا کہ اب میری پشت مکمل طور پر رضیہ والی میز کی طرف تھی۔ نرگس نے بھی اٹھتے ہوئے خاصی احتیاط برتی تھی۔

ہم میزوں کے درمیان چکراتے ہوئے ویٹر کے بتائے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے دروازے کے دوسری طرف قدم رکھتے ہوئے میں بڑی مشکل سے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی خواہش کو دبا سکا تھا۔ اس طرف ایک مختصری راہداری تھی جس کے اختتام پر شیشے کا ایک اور دروازہ تھا۔ اس دروازے

سے نکل کر ہم عمارت کے عقبی لان میں پہنچ گئے۔ باہر آتے ہی ہوا کے تازہ جھونکے کے ساتھ رات کی رانی کی تیز خوشبو بھی نتھنوں سے ٹکرائی تھی شاید قریب ہی رات کی رانی کا کوئی پودا تھا جس نے پوری فضا کو مہکا رکھا تھا۔

ہم عمارت کے اوپر سے گھوم کر سامنے والے رخ پر آ گئے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پارکنگ کی طرف چلنے لگے۔

آپ مجھے ڈرپوک اور بزدل سمجھ رہے ہوں گے جو رضیہ اور اس کے ساتھی کو دیکھ کر بھاگ رہا تھا۔ نہیں یہ بات نہیں تھی میں اس وقت ایسی پوزیشن میں تھا کہ اپنے لئے الجھنیں پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رضیہ کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اگر دو بھی ہوتے تو میں ان سے آسانی سے نمٹ سکتا تھا لیکن بات وہی تھی کہ اس موقع پر میں کسی الجھن میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح میرا اصل منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا۔

مارگلہ پارکنگ سے نکال کر میں سڑک پر لے آیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ سامنے ہی چوراہے پر ٹریفک سگنل کی زرد بتی فلیش کر رہی تھی۔ میں نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور گاڑی کو سیدھا لیتا چلا گیا۔

ہمارا رخ شاہین کمپلیکس کی طرف تھا۔ یہ بہت کشادہ اور دو رویہ سڑک تھی درمیان میں کئی فٹ چوڑی پٹی پر گرین بیلٹ بنا ہوا تھا جس میں جا بجا یوکلپٹس کے فلک بوس درخت بھی جھوم رہے تھے۔ جس سڑک پر ہم جا رہے تھے وہاں بائیں طرف کئی منزلہ ڈھانچہ نما عمارت سے آگے گرلز کالج اور اس سے آگے ایک دو ویران عمارتیں تھیں جبکہ سامنے والے رخ پر کئی ایکڑ تک گورنر ہاؤس کا لان پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح یہ سڑک تقریباً ویران تھی رات کے دس بجے اکا دکا گاڑیوں ہی کی آمدورفت تھی۔

آگے شاہین کمپلیکس کا چوراہا تھا جہاں سے بائیں طرف چندریگر روڈ شروع ہو جاتا تھا اس طویل سڑک پر صرف دفاتر تھے۔ کوئی رہائشی عمارت نہیں تھی اس لئے یہ سڑک بھی کسی بیوہ کی اجڑی ہوئی مانگ کی طرح ویران تھی۔ تاہم اکا دکا گاڑی اس وقت بھی اس طرف سے گزری جاتی تھی۔

چوراہے کے دائیں طرف وہ سڑک تھی جو مسلم جیم خانہ اور آرٹس کونسل کے سامنے سے ہوتی ہوئی چلی گئی تھی۔ آرٹس کونسل سے آگے یہ سڑک عجیب سے چوراہے بلکہ ہشت راہے سے بدل جاتی تھی۔ میں نے وہ سڑک اختیار کی جو سیدھی زینب مارکیٹ کے پاس عبداللہ ہارون روڈ سے مل جاتی تھی۔ اس سڑک پر بھی زیادہ تر دفاتر ہی تھے۔ بعض کئی منزلہ رہائشی عمارتیں بھی تھیں لیکن اس وقت تو یہاں سناٹا ہی تھا۔ میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ عبداللہ ہارون روڈ پر مڑ کر ریگل چوک سے ہوتا ہوا بندر روڈ پر پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے نمائش اور گرومندر سے ہوتا ہوا کریم آباد کی طرف نکل جاؤں گا۔

آرٹس کونسل والے ہشت رخے سے میں نے کار زینب مارکیٹ کی طرف جانے والی سڑک پر ڈالی تو ہمارے پیچھے آنے والی ایک اور گاڑی بھی اسی سڑک پر مڑی تھی۔

میں نے اس گاڑی کو شاہین کمپلیکس والے چوراہے سے بھی اپنے پیچھے مڑتے دیکھا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن اس سڑک پر آتے ہی وہ گاڑی برق رفتاری سے آگے نکلی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا

تھے۔ اس گاڑی کے اندر کی بتی اگرچہ بجھی ہوئی تھی لیکن اس کے ڈیش بورڈ کی بہت ہلکی نیلگوں روشنی میں رضیہ کا چہرہ دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا وہ گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ ہمارے سامنے آ کر رک گئی۔ میں اگر پوری قوت سے بریک پیڈل نہ دبا دیتا تو تصادم ہو جانا لازمی تھا۔ تاہم مارگلہ اگلی گاڑی سے آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ زوردار جھٹکا لگنے سے نرگس اپنی سیٹ سے اچھلی۔ اس کی پیشانی ڈیش بورڈ سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میں بھی بری طرح اچھلا تھا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا اگلی گاڑی کا دروازہ کھلا اور رضیہ کا ساتھی نیچے اتر کر بڑی تیزی سے ہماری طرف لپکا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اس نے بڑی پھرتی سے میری کار کا دروازہ کھولا اور پستول کی نال میری کنپٹی سے لگا دی۔

"اپنی جگہ سے حرکت کی تو بھیجا اڑا دوں گا۔" اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔ میں ہوٹل میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ رضیہ نے ہمیں نہیں دیکھا تھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ رضیہ نے ہال میں داخل ہوتے ہی ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ اس وقت شاید کوئی اور میز خالی نہیں تھی وہ مجبوراً اس میز پر بیٹھ گئے تھے جو ہم سے تیسرے نمبر پر تھی۔ اس آدمی کا رخ تو ہماری طرف تھا لیکن رضیہ کسی قدر رخ بدل کر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہوگا مگر وہ جان بوجھ کر ہم دونوں کی طرف سے انجان بنے رہے تھے اور جب ہم وہاں سے نکلے تو انہوں نے اپنی گاڑی پر ہمارا تعاقب شروع کر دیا تھا اور میں دنیا کا سب سے بڑا احمق تھا کہ اپنے تعاقب کا بھی خیال نہیں رکھا تھا اور اب اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتنے کی تیاری کر رہا تھا۔

رضیہ بھی گاڑی سے اتر کر ہماری طرف آ گئی تھی۔

"ہیلو کیسی ہو چھمک چھلو؟" میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اسی وقت گولی سے اڑا دوں۔" وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ "لیکن ابھی مجھے تم سے بہت سا حساب کرنا ہے۔ اپنی کوٹھی سے چوری شدہ رقم اور ان دو تجوریوں کی رقم وصول کرنی ہے جنہیں تم نے جعلسازی سے فروخت کر کے مجھے سڑک پر رات گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"سڑک پر۔" میں نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "کیا پورے شہر میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ایک رات کے لئے تمہیں اپنی خوابگاہ میں پناہ دے سکتا۔" میں اسے مشتعل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر گزرے جس سے مجھے کچھ کرنے کا موقع ملے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ میری ایسی باتیں سن کر بھی اس نے بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

"تمہاری ان ساری باتوں کا جواب میں اطمینان سے دوں گی۔" اس نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے رضیہ۔" اس کے ساتھی نے کہا۔ "تم اپنی گاڑی میں چل کر پہنچو۔ میں ان دونوں کو لے کر آتا ہوں۔"

"ہوشیار رہنا جمی۔ یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ کئی لاشیں گرا چکا ہے سب سے پہلی لاش تو اس نے میرے خصم کی گرائی تھی۔ ایسا نہ ہو یہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔" رضیہ بولی۔

"جمی کے شکنجے میں آنے کے بعد تو آج تک کوئی دیو نہیں نکل سکا۔ یہ چوہا کیا نکلے گا۔" جمی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔

"ایسا کرتے ہیں تم اپنی گاڑی پر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔ میں انہی کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر انہیں پستول کی زد پر لئے رہتا ہوں۔ یہ کار ڈرائیو کرے گا اور اس طرح کوئی غلط حرکت بھی نہیں کر سکے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" رضیہ بولی۔ "جلدی سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ پیچھے سے ایک گاڑی آ رہی ہے کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔"

پیچھے سے آنے والی گاڑی کو میں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ لیکن رضیہ ضرورت سے کچھ زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھی۔

جمی بڑی پھرتی سے میری گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"گاڑی قریب آ رہی ہے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "اگر تم دونوں میں سے کسی نے غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"

چند سیکنڈ بعد ہی وہ گاڑی تیزی سے ہمارے قریب سے گزر گئی۔ رضیہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھی پھر اچانک ہی رک گئی اور نرگس کی طرف دیکھنے لگی جو سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پیشانی سہلاتے ہوئے کراہ رہی تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو ڈھلکا ہوا تھا اور گلے میں پڑا ہوا نیکلس ڈش بورڈ کی مدھم سی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔ نیکلس دیکھ کر رضیہ کی آنکھوں میں نیکلس میں لگے ہوئے ہیروں سے بھی زیادہ چمک ابھر آئی۔ وہ کار کے سامنے سے گھوم کر نرگس کی طرف آ گئی۔

"اس کتیا کو دیکھو، اسے تھانے والی کو۔" اس کے لہجے میں بڑی حقارت تھی۔ "اس کے مقدر میں تو کبھی اسٹیل کی مندری بھی نہیں تھی اور زانی بنی بیٹھی ہے۔ نکال کہیں کی، اتار یہ نیکلس۔" آخری الفاظ اس نے نرگس ہی سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

نرگس نے بڑی خاموشی سے نیکلس اتار کر اس کے حوالے کر دیا۔ رضیہ کے ہونٹوں پر بڑی فتح خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔ آخر کار نیکلس اس کے قبضے میں آ ہی گیا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف چلی گئی

"گاڑی اسٹارٹ کرو۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جمی نے میری گردن پر پستول کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے عقل مند سمجھنے والا جمی دنیا کا سب سے بڑا احمق ثابت ہو رہا تھا۔ اگر وہ ہمیں اپنی گاڑی میں لے جاتے تو شاید ہمیں کچھ کرنے کا موقع نہ ملتا لیکن اب اس نے ایک موقع فراہم ہونے کی امید پیدا کر دی تھی۔

"رفتار پچیس تیس کلومیٹر سے زیادہ نہیں رکھنا اور اپنی گاڑی کو رضیہ کی گاڑی سے زیادہ آگے نکالنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ اب گاڑی آگے بڑھاؤ۔" جمی نے مجھے حکم دیا۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور تقریباً پچیس گز کے فاصلے سے رضیہ کی گاڑی بھی ہمارے پیچھے لگ گئی۔

زینب مارکیٹ سے اس سڑک پر ذرا آگے نکل کر جمی کی ہدایت پر میں نے گاڑی دائیں طرف موڑ دی۔ یہ سنسان سڑک سیدھی آواری ٹاور اور میٹروپول ہوٹل کی طرف چلی گئی تھی اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق میں نے کار میٹروپول کے اوپر سے گھماتے ہوئے اس سڑک پر ڈال دی جس کا رخ کلفٹن برج کی طرف تھا۔ میٹروپول ہوٹل کے اوپر سے گھومتے ہوئے اگرچہ ہم ٹریفک پولیس کی چوکی کے بالکل سامنے سے گزرے تھے۔ وہ پولیس والے چوکی کے باہر کھڑے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ میں اگر چاہتا تو اس جگہ کوئی حرکت کر سکتا تھا لیکن میرا اپنا دامن بھی صاف نہیں تھا۔ پولیس کے سائے سے تو میں بھی بچنا چاہتا تھا اس لئے خاموشی سے کار آگے نکال لے گیا تھا۔ رضیہ کی گاڑی ہمارے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

کلفٹن برج میرے لئے ایک عجوبہ ہی تھا۔ نیچے ریلوے لائن اس کے اوپر کراس کرتا ہوا پل اور اس کے تیس چالیس فٹ مزید اوپر دائیں بائیں کراس کرتا ہوا ایک اور پل۔

"پہلے چوراہے سے بائیں طرف موڑ لینا۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جمی نے کہا۔ "برج پر چونکہ کچھ ٹریفک تھی اس لئے اس نے پستول میری گردن سے ہٹا کر اگلی دونوں سیٹوں کے درمیانی خلا سے ہاتھ آگے بڑھا کر پستول کی نال میرے پہلو سے لگا دی تھی۔

پل ختم ہونے سے ذرا ہی آگے تین تلواروں والا چوک تھا۔ بہت بڑے چوراہے کے عین وسط میں کنکریٹ کی بہت اونچی تین تلواریں بنی ہوئی تھیں جن پر ماربل لگا ہوا تھا۔

اس چوراہے سے ایک سڑک سیدھی کلفٹن کے ساحل کی طرف چلی گئی تھی۔ جب کہ بائیں طرف والی سڑک کا رخ ڈیفنس کی طرف تھا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور اس سڑک پر سناٹا تھا۔ ہمارے پیچھے رضیہ والی گاڑی کے علاوہ سڑک پر آگے پیچھے اور کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اگلے چوراہے سے کار دائیں طرف موڑ لینا۔" جمی نے ایک بار پھر حکم جاری کیا۔

اس وقت ہم تین تلوار والے چوک سے تقریباً دو سو گز دور آ چکے تھے۔ اگلا چوراہا تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے کار کی رفتار مزید کم کر دی اور چوراہے پر پہنچ کر اسے جمی کی بتائی ہوئی سمت میں گھما دیا۔

یہ سڑک بھی کشادہ تھی اور اس کے دونوں طرف بہت بڑے بڑے رہائشی بنگلے تھے۔ اس علاقے میں یہاں اور بھی سناٹا تھا۔ جمی کے پستول کی نال اب بھی میرے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

میرے خیال میں جمی سے نمٹنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے گردن گھما کر نرگس کی طرف دیکھا وہ ابھی تک پیشانی سہلا رہی تھی اور ٹھیک اسی لمحے جمی نے پستول ایک بار پھر میرے پہلو سے ہٹا کر گردن سے لگا دیا اور میرے خیال میں یہ اچھا ہی تھا۔

"وہ سامنے جو مسجد سی نظر آ رہی ہے وہاں سے گاڑی کو بائیں طرف گھما لینا۔" جمی نے ایک بار پھر حکم صادر کیا۔

"دائیں بائیں۔ دائیں بائیں آخر تم ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" میں نے کسی قدر جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جہنم میں۔" جمی غرایا۔ "خاموشی سے گاڑی چلاتے رہو۔"

"اگر تمہاری منزل جہنم ہی ہے تو زیادہ دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اسٹیئرنگ کو بڑی تیزی سے دائیں طرف گھما کر نیچے جھک گیا۔

کار کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ میں پسنجر سیٹ کی طرف جھکا تھا جب کہ جمی جھٹکا لگنے سے دروازے کی طرف جھکا۔ دباؤ یا بدحواسی سے پستول کا ٹرائیگر دب گیا۔ گولی ڈیش بورڈ کے سامنے لگی اور ایک سوراخ بن گیا۔

کار کو گھماتے ہی میں نے پوری قوت سے بریک بھی لگایا تھا اور پھر پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی سیٹ پر اچھلا اور پچھلی سیٹ پر جمی پر چھلانگ لگا دی جو سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرا ہاتھ اس کے پستول والے ہاتھ پر پڑا تھا۔ میں نے اس کی کلائی پوری طرح مروڑ دی۔ پستول کا ٹرائیگر ایک بار پھر دب گیا اس مرتبہ گولی ڈرائیونگ سیٹ کی پشت میں دھنس گئی تھی۔ پہلے فائر کی آواز تو رات کے سناٹے میں گونج گئی تھی لیکن دوسرے فائر کی آواز دب گئی تھی۔

یہ پوش علاقہ تھا۔ بڑی وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ لوگ بستروں میں گہری نیند کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ اگر کسی کوٹھی کے مکین جاگ بھی رہے ہوں گے تو گولی کی آواز سن کر ویسے ہی سہم گئے ہوں گے یہ دولت مند لوگ یوں تو بڑے طاقتور ہوتے ہیں یہ طاقت پیسے کی ہوتی ہے ویسے یہ بڑے بزدل ہوتے ہیں۔ گولی کی آواز سن کر تو گھروں کی بتیاں بھی بجھا دی گئی ہوں گی مجھے فائر کی آواز گونجنے کے باوجود کسی طرف سے مداخلت کی توقع نہیں تھی۔ تاہم پولیس کا اندیشہ ضرور تھا اگر کوئی بھولی بھٹکی موبائل اس طرف آ نکلی تو مشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

جمی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جما دیا اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن اس کی کلائی کی شریان میں گاڑ دیئے۔

جمی کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہونے لگیں۔ میں شریان پر ناخنوں کا دباؤ بڑھاتا گیا۔ پستول پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس سے پستول چھین لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر اگلی سیٹ کے کنارے سے ٹکرانے لگا۔

اس وقت رضیہ کی گاڑی بھی ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہماری کار کے قریب آ کر رکی اور اسی وقت ایک اور حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی۔ نرگس نے اپنی تکلیف بھول کر کار کا دروازہ کھولا اور نیچے چھلانگ لگا دی اس نے ساڑھی کا پلو کمر میں اڑس لیا اور رضیہ کی کار کی طرف لپکی۔

رضیہ شاید صورتحال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔ لیکن نرگس کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی گاڑی کو ریورس میں ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اسی وقت نرگس نے ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر زور دار جھٹکے سے دروازہ کھول دیا اور رضیہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔

رضیہ نے دونوں ہاتھ بڑی مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جما رکھے تھے۔ اسی کے ساتھ ہی اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بھی ڈال دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹنے لگی۔ نرگس بھی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی

گئی۔ اس نے رضیہ کے بازو پر گرفت ڈھیلی نہیں کی تھی اور آخر کار وہ رضیہ کو سیٹ سے باہر کھینچنے میں کامیاب ہو گئی۔

رضیہ بھدی آواز سے نیچے گری۔ گاڑی ریورس میں چلتی ہوئی ایک بنگلے کے سامنے جنگلے سے ٹکرا کر رک گئی۔

نرگس نے رضیہ کو چھاپ لیا تھا۔ وہ اس کے بال پکڑ کر زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی اور رضیہ بری طرح کراہ رہی تھی اور آخر کار رضیہ کا داؤ بھی چل گیا۔ اس نے نرگس کے سینے پر دو تین گھونسے جڑ دیئے۔ نرگس بھی کراہ اٹھی۔ اس نے رضیہ کے بال چھوڑ دیئے اور پھر دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں۔

رضیہ نے بھی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ نرگس نے تو اپنی ساڑھی کا پلو اڑس کر اپنے آپ کو الجھاؤ سے کسی حد تک محفوظ کر لیا تھا۔ لیکن رضیہ کی ساڑھی اس کے لئے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ پہلو بار بار الجھ رہا تھا اور اسی لئے وہ مار بھی کھا رہی تھی۔

نرگس نے رضیہ کے بلاؤز پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا چرار کی آواز کے ساتھ بلاؤز پھٹ گیا۔ رضیہ نے بھی اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی مگر نرگس نے اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ چٹاخ کی آواز کے ساتھ رضیہ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی۔

وہ دونوں خونخوار بلیوں کی طرح غرا رہی تھیں۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس سے ضرور لطف اندوز ہوتا۔ لیکن میں خود بھی جمی سے الجھا ہوا تھا جو میرا اگلا دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پستول کے دستے سے اس کی کھوپڑی پر ضرب لگانے کی کوشش کی مگر وار خالی گیا۔ ضرب اس کے کندھے پر لگی تھی۔

میں اس وقت سیٹ پر پشت کے بل پڑا تھا اور جمی میرے سینے پر سوار تھا اور پھر پتا نہیں کس طرح میرے پیر کی طرف والا دروازہ کھل گیا۔ ہماری دھینگا مشتی میں شاید دروازے پر دباؤ پڑا تھا جس سے وہ کھل گیا تھا۔ میں نے ایک ٹانگ سمیٹ کر جمی کے پیٹ پر جما دی۔ اس وقت تک میرے گلے پر جمی کی گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی۔ میرے نرخرے پر اس کے انگوٹھے کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ کچھ دیر مزید یہی صورت حال رہتی تو میں ہتھیار ڈال دیتا کیونکہ میرا سانس گھٹنے لگا تھا۔

میں نے پیر جمی کے پیٹ پر مضبوطی سے جمایا اور اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ میرے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ میں نے پوری قوت اپنی ٹانگ میں جمع کر لی اور پیر سے زور دار دھکا دیا۔

جمی کار کے کھلے ہوئے دروازے سے پشت کے بل زمین پر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ جمی سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہو گا لیکن اس نے عقل مندی یہ کی کہ مجھ پر حملہ کرنے کی بجائے اٹھ کر بنگلوں کے درمیان ایک تاریک گلی کی طرف دوڑ لگا دی۔

میں سیٹ سے اٹھ گیا اس وقت تک پستول میرے ہاتھ سے نکل کر سیٹوں کے درمیان فٹ میٹ پر گر چکا تھا۔ میں نے پستول اٹھایا اور کار سے اتر آیا۔

نرگس اور رضیہ اس وقت گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ دونوں کے منہ سے بلیوں جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت نرگس کی پوزیشن خاصی کمزور تھی وہ نیچے تھی اور رضیہ اس کے اوپر۔

میں نے قریب پہنچ کر رضیہ کا کندھا تھپتھپایا۔

”نبی بھاگ گیا ہے تمہیں چھوڑ کر۔“ میں نے کہا۔ ”اب تمہاری ہر کوشش بے کار ہے اس لئے نرگس کو چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“

لیکن رضیہ پر میری بات کا اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے بلی کی سی چیخ نکل گئی اور جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے صورت حال کی نزاکت کا بھی اندازہ ہو گیا۔

نرگس بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی رضیہ کی طرح بری طرح ہانپ رہی تھی اور پھر اس نے اچانک ہی آگے بڑھ کر اس کے سینے پر دو تین زوردار گھونسے جڑ دیے۔ رضیہ چیخ کر دوہری ہو گئی اور جب وہ سیدھی ہوئی تو نرگس نے اس کے گلے میں پڑا ہوا نیکلس نوچ لیا۔

”چوڑی، چمارن۔“ وہ غرائی۔ ”خصم کا مال سمجھ کر سینے سے لگا رکھا تھا۔“

رضیہ سینہ سہلاتے ہوئے ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ اس نے نرگس کی طرف دیکھا تو آنکھوں میں بے پناہ نفرت تھی۔

”رضیہ بی بی۔“ میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”اب صورت حال یہ ہے کہ تمہارا دوست تو تمہیں بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب اگر میں چاہوں تو بڑے اطمینان سے تمہیں گولی مار کر تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر سکتا ہوں لیکن میں اپنے ہاتھ سے تمہیں نہیں ماروں گا۔ تمہیں اس حال میں پہنچا دوں گا کہ تم خود موت کی تمنا کرنے لگو گی لیکن تم آسانی سے نہیں مر سکو گی۔“

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”اس وقت میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں اس امید پر کہ جلد ہی تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی۔“

”میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ رضیہ غرائی۔ ”تم کسی نہ کسی وقت میرے ہتھے ضرور چڑھو گے۔“

”مجھے بھی اسی کی امید ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اب ہم چلتے ہیں اور تم بھی جا کر اپنے بدن کی سکائی کر لو۔ نرگس کا ہاتھ کچھ زیادہ ہی کڑا ہے۔“

میں نے نرگس کو اشارہ کیا اس کا نگینوں والا طلائی بیلٹ ٹوٹ کر ساڑھی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس نے بیلٹ سنبھالا اور کار میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو آگے بڑھانے سے پہلے پستول والا ہاتھ باہر نکال کر رضیہ والی کار کے اگلے ٹائر پر فائر کر دیا ایک زوردار دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی میں نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

یہ ساری کارروائی صرف چند منٹ میں مکمل ہو گئی تھی۔ نبی کے فرار کے بعد میں نے رضیہ کو اس لئے زندہ چھوڑ دیا تھا کہ ماضی میں بہرحال اس کے مجھ پر کچھ احسانات تھے۔ لیکن اس کے بعد اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ اگرچہ میری نظروں میں قابل سزا جرم تھا مگر یہ جرم اتنا سنگین بھی نہیں تھا جس کی

سزا موت ہوتی۔ سزا تو میں اسے دے رہا تھا زندہ چھوڑ کر۔ ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے وہ کس ٹھاٹھ سے شیرٹن میں بیٹھی ہوئی تھی اور ہم نے اسے کس حال میں چھوڑا تھا۔ پھٹا ہوا بلاؤز نرگس کے ناخنوں سے نچا ہوا چہرہ، چڑیا کے گھونسلے کی طرح بکھرے اور اجڑے ہوئے بال، کسی حسین، جوان اور دولت مند عورت کی اس سے زیادہ تذلیل اور کیا ہو سکتی تھی کہ اسے سڑک پر اس طرح چھوڑ دیا جائے کہ وہ بھکارن نظر آئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ لوگ ہمیں کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی منزل کتنی دور رہ گئی تھی۔ میں نے وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے گولی مار کر رضیہ کی گاڑی کا ٹائر بھی برسٹ کر دیا تھا تا کہ اسے جہاں بھی جانا ہے پیدل جائے۔ راستے بھر وہ اپنی ذلت کا احساس کرتی رہے اور اگر راستے میں کسی بھیڑیا نما انسان کے ہتھے بھی لگ جائے تو مجھے اس کی پروا نہ ہوتی۔

واپسی کے لئے ہم نے وہی راستہ اختیار کیا جس راستے سے ہم آئے تھے۔ نرگس نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بڑی حد تک اپنا حلیہ درست کر لیا تھا۔

ہم دو بجے کے لگ بھگ گھر پہنچے تھے اور پھر گھر پہنچنے کے بعد ہی نرگس کو اپنی چوٹوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ رضیہ اس سے زیادہ ہٹی کٹی تھی۔ نرگس نے اگرچہ اس کا بھرپور مقابلہ کیا تھا مگر رضیہ نے اسے بھی مار ماری تھی۔ چہرے پر اور گردن پر ایک دو خراشیں تھیں مگر جسم پر جگہ جگہ نیل پڑے ہوئے تھے۔

نرگس بے لباس بستر پر پڑی کراہ رہی تھی۔ وہ کبھی بدن کے ایک حصے کو سہلاتی اور کبھی دوسرے کو جہاں نیل پڑی ہوئی جگہ پر انگلی بھی رکھتا تو وہ کراہ اٹھتی۔

میں نے استری لگا دی اور کپڑا گرم کر کر کے اس کی سکائی کرنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میں سوچ رہا تھا کہ نرگس اب کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکل سکے گی۔

سکائی کرنے کے بعد میں نے اس کے جسم پر چادر ڈال دی اور خود باتھ روم میں گھس کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔ میرے دائیں رخسار پر بھی سیاہ دھبہ پڑ گیا تھا۔ چوٹیں مجھے اور بھی لگی تھیں مگر زیادہ تکلیف رخسار میں ہی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر کریم لگائی اور کپڑے بدل کر بستر پر آ گیا۔

”شیرٹن میں کھانا تو ہمیں بہت مہنگا پڑا۔“ نرگس نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کتی رضیہ نے تو میرا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ صبح کسی پڑوسن نے پوچھا تو کیا بتاؤں گی۔“

”کہہ دینا پھسلنے سے گر گئی تھیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ کھانا مہنگا پڑا تو میں ایسا نہیں سمجھتا۔ آج کے اس واقعہ سے کم از کم یہ تو پتا چل گیا کہ ہمارے دشمن کراچی میں موجود ہیں اور جاگ رہے ہیں۔“ میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ”یہ بھی غنیمت تھا کہ رضیہ کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا جس سے آسانی سے نمٹ لیا گیا۔ اگر دو یا تین آدمی ہوتے تو ہمارے لئے مشکل ہو جاتی ویسے مجھے تم پر بہت حیرت ہوئی۔“

”کیوں؟“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”تم جس طرح رضیہ پر جھپٹی تھیں وہ میرے لئے واقعی حیران کن بات تھی۔“ میں نے جواب دیا۔

"اس میں حیرت کی بات کیا ہے۔" نرگس بولی۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ میں لاہور میں بھی اس کتیا کی پٹائی کر چکی ہوں اور آج اس وقت تو میرا خون کھول گیا تھا جب اس نے میرے گلے سے نیکلس اتروایا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "جب ہم گاڑی روک کر جیپ سے اتر گئے تھے اور رضیہ صورتحال کا اندازہ لگا کر اپنی گاڑی ریورس کر کے بھاگنا چاہتی تھی تو نجانے میرے دل میں یہ بات کیوں آ گئی تھی کہ اگر وہ بھاگ گئی تو نیکلس ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"تو ساری بات اس نیکلس کی تھی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ عورت بھی عجیب چیز ہے آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔"

"عورت کوئی معمہ نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکے۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ تو بڑی سیدھی سادی مخلوق ہے، تین چیزوں کے لئے اپنی جان تک دے دیتی ہے پیار، عزت اور......"

"زیور۔" میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

"ہاں...... زیور...... عزت اور پیار۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا۔

"ساڑھے تین بج رہے ہیں۔" میں نے دیوار پر کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ سینے سے ہٹا دیا۔ "اگر تم نے پیار کی باتیں شروع کر دیں تو صبح ہو جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ اب سونے کی کوشش کرو۔"

"تمہاری یہی بات مجھے بری لگتی ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔

میں نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ مجھے اگرچہ نیند نہیں آ رہی تھی مگر نرگس کو یہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ اب ہمیں سو جانا چاہئے اور نرگس واقعی کچھ دیر بعد سو گئی۔ لیکن میں جاگتا رہا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں آج رات میں نے رضیہ کو جس ٹھاٹھ میں دیکھا تھا اس سے میرے لئے اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ یہاں بھی اس کے گروہ کے بڑے طاقتور لوگ موجود تھے جو اسے تحفظ فراہم کئے ہوئے تھے۔ مجھے شبہ تھا کہ سلطان عرف شاہ جی بھی کراچی میں موجود ہوگا۔ اس روز بندرگاہ پر ہیروئن پکڑے جانے کے بعد وہ فوراً ہی کراچی پہنچ گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس نے کچھ جوڑ توڑ بھی شروع کر رکھا ہو۔ لیکن اخبار میں اس چھاپے کے حوالے سے بعد میں بھی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی تھی اور میرا خیال ہے اس قسم کی خبریں اخباروں میں شائع بھی نہیں ہوتیں۔ ایسے معاملات درون خانہ ہی طے پاتے ہیں۔

شاہ جی اگر کراچی میں موجود تھا تو میرے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت تھی اور آج کے واقعات کے بعد تو ہمیں اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے۔

میں تو بھاگنے پر مجبور ہو گیا تھا اور رضیہ کو ہم نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت اس کتیا جیسی تھی جس کی دم پر پیر رکھ دیا گیا ہو اور مجھے یقین تھا کہ وہ چین سے نہیں بیٹھے گی۔ شاید چار چھ دن اپنی چوٹیں سہلاتی رہے اور اس کے بعد ایک نیا ہنگامہ شروع ہوگا۔ ہنگامہ تو شاید کل ہی سے شروع ہو جائے۔ رضیہ کے ساتھی میری تلاش میں پورے شہر کو چھان ماریں گے۔ وہ شکاری کتوں کی طرح شہر کے گلی کوچوں میں میری

بو سونگھتے پھریں گے۔

میرے پاس بھی رضیہ یا جی کو تلاش کرنے کا ایک چانس موجود تھا۔ میں نے ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا جو اب بھی میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ وہ بالکل نئے ماڈل کی ہونڈا ایکارڈ کار تھی جو غالباً کسی شوروم ہی سے خریدی گئی تھی۔ اس کے انجن نمبر سے بھی بڑی آسانی سے ایڈریس معلوم کیا جا سکتا تھا لیکن فی الحال مجھے کوئی پنگا لینے کی ضرورت نہیں تھی ابھی چند روز تو ہمیں روپوشی ہی میں گزارنے تھے۔

میں یہ سب کچھ سوچتا رہا اور وقت گزرتا رہا اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔

کھڑکی کے سامنے تنے ہوئے باریک پردے سے صبح کی روشنی جھلکنے لگی میں نے نرگس کی طرف دیکھا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ کھڑکی کھلتے ہی کمرے میں آنے والے تازہ ہوا کے جھونکے بڑے فرحت بخش ثابت ہوئے تھے۔ میں پردہ ہٹا کر چند لمحے کھڑکی کے سامنے کھڑا تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر وہاں سے ہٹ کر باتھ روم میں آ گیا۔

رات بھر جاگنے سے میری آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے آنکھوں میں کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔

میں باتھ روم سے نکلا ہی تھا کہ کال بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ یقیناً کام کرنے والی ماسی تھی جو صبح تقریباً اسی وقت آتی تھی اور ناشتا کرانے کے بعد دوسرے بنگلوں میں کام کرنے چلی جاتی تھی اور دوپہر دو بجے پھر آ جاتی تھی اور اس کے بعد شام تک یہیں رہتی تھی۔

میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت بھی گہری نیند میں تھی اور کروٹ لینے سے چادر اس کے اوپر سے کچھ ہٹ گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر چادر درست کی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

وہ کام کرنے والی ماسی بھی تھی روزانہ نرگس ہی دروازہ کھولا کرتی تھی۔ آج مجھے دیکھ کر وہ عورت کچھ چونک سی گئی۔

"بیگم صاحب گھر پر نہیں ہیں کیا؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

"بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سو رہی ہے۔" میں نے ریشماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جلدی سے میرے لئے دو چائے بنا دو۔ رات کو وہ دیر سے سوئی تھی اسے جگانا مت اور سب سے پہلے چائے بنا دو بعد میں کوئی اور کام کرنا۔"

ریشماں نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور برآمدے کی طرف چلی گئی۔ میں لان کی طرف بڑھ گیا۔

میں لان میں کھڑا بظاہر پودوں کو دیکھ رہا تھا لیکن میری نظریں اندر کی طرف تھیں۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ ریشماں سب سے پہلے ہمارے بیڈ روم میں گئی تھی اور وہاں نرگس کو سوتے دیکھ کر اس کی تسلی ہو گئی کہ میں نے اس سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ بیڈ روم سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی تو میں لان کے ایک کونے میں لگے ہوئے نلکے میں پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ریشماں میرے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ میں لان میں پڑی ہوئی

کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے ریشماں کی طرف دیکھنے لگا۔ نرگس کا لباس اس پر بہت اچھا لگ رہا تھا اور میرے خیال میں وہ ڈھنگ کا لباس پہنتی رہے تو اس میں نکھار آ سکتا تھا۔

ریشماں نے کئی روز پہلے نرگس کو اپنی جو کہانی سنائی تھی وہ خاصی دلچسپ تھی۔

اس کہانی کے مطابق ریشماں کے آباؤ اجداد راجستھان سے آ کر چولستان میں آباد ہوئے تھے۔ وہ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو متحرک ہی رہتا تھا۔ لیکن چولستان کے دامن میں وہ نخلستان انہیں پسند آ گیا اور اس قبیلے نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ریشماں کے باپ کے پاس بھی بکریوں کا ریوڑ تھا۔ وہ سال میں ایک مرتبہ بکریاں قریبی شہر میں بیچ دیتا۔

ریشماں کے باپ کی اپنے قبیلے میں کسی سے دشمنی چل پڑی۔ جس کے نتیجے میں ریشماں کے باپ کو قتل کر دیا گیا اس وقت ریشماں کی عمر تیس سے لگ بھگ تھی۔ باپ کے قتل کے بعد کاروبار اس نے سنبھال لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا تو وہ اکیلی رہ گئی۔

اس کے لئے اکیلے رہنا مشکل ہو گیا اور پھر قبیلے کے سردار نے اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی جو بڑا حرام واقع ہوا تھا۔ اس نے ایک سال کے اندر اندر سب کچھ برابر کر دیا۔ بکریوں کا ریوڑ ختم ہو گیا۔ گارے اور کچی اینٹوں کا دو کمروں کا مکان بھی بیچ دیا۔

ایک سال بعد ہی یہ انکشاف ہوا کہ ریشماں کا نکما اور نکھٹو شوہر گاماں تاڑی پینے اور جوا کھیلنے کا عادی بھی تھا

قبیلے کے کئی لوگ بستی چھوڑ چھوڑ کر شہروں کا رخ کر رہے تھے۔ ریشماں کے لئے بستی میں کچھ نہیں رہا تو اس نے بھی قبیلے کو چھوڑ کر شہری آبادی کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہر پہنچ کر گاماں کوئی کام کاج کرنے لگے

وہ دو سال تک ہارون آباد میں رہے۔ یہاں جیسے تیسے گزر ہوتا رہا۔ گاماں نے سبزی کا ٹھیلا لگایا تھا، لیکن یہاں بھی اسے اپنے جیسے لوگ مل گئے اور وہ پھر بگڑ گیا۔

ریشماں گامے کو لے کر بہاولپور اور پھر کراچی آ گئی۔ یہاں انسانوں کا جنگل آباد تھا ایک طرف ایسی بستیاں تھیں جن کے مکینوں کو ایک وقت پیٹ بھر کھانے کو بھی نہیں ملتا تھا اور دوسری طرف ایسی عالی شان کوٹھیاں جہاں پیسہ ہی پیسہ برستا تھا۔

ریشماں اور گامے کو کسی کچی آبادی میں ایک جاننے والے کے یہاں ایک کمرہ مل گیا۔ ریشماں کا خیال تھا کہ یہاں گامے کو کچھ شرم آئے گی اور وہ کوئی کام دھندہ کرے گا۔

گاماں بظاہر بہت مند اور چنگا نظر آتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ بالکل کھوکھلا تھا۔ ریشماں کو شادی کی پہلی ہی رات پتہ چل گیا تھا کہ اس کے پلے کچھ نہیں ہے اس پر بھی اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا اس نے کبھی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ پیاسی تھی اور پیاسی ہی رہی۔

گامے نے اگرچہ اسے کچھ نہیں دیا تھا آج تک اسے پیاسا ہی رکھا تھا مگر وہ گامے کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھی اور خود محنت مزدوری کر کے اسے پال رہی تھی۔

ریشماں اس وقت گھر کے کام میں مصروف تھی اور میں لان میں بیٹھا اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

میں نے چائے پی کر خالی کپ سامنے پڑی ہوئی تپائی پر رکھ دیا اور اٹھ کر دوبارہ پودوں کو پانی دینے لگا ہر صبح میری اور نرگس کی مصروفیت یہی ہوتی تھی۔ آج اس میں یہ فرق آ گیا تھا کہ میں اکیلا تھا اور وقت سے بہت پہلے لان میں آ گیا تھا جب کہ عام طور پر ہم ناشتا کرنے کے بعد نو بجے کے لگ بھگ باہر نکلا کرتے تھے۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ میں اپنے کام میں مصروف رہا۔

"صاحب جی۔" ریشماں کی آواز سن کر میں پیچھے مڑا۔ وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ "بیگم صاحب کو جگا دوں۔ آپ کو ناشتا دے کر مجھے ملک جی کے بنگلے پر جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پہلی مرتبہ بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جگا دو۔ میں بھی اندر آ رہا ہوں اور ہاں آج ناشتے میں میرے لئے انڈہ مت بنانا۔"

"اچھا صاحب جی۔" ریشماں اندر چلی گئی۔

میں لان کو پانی دیتا رہا۔ میرا خیال تھا دس پندرہ منٹ بعد میں بھی اندر چلا جاؤں گا۔ لیکن ریشماں دو منٹ بعد ہی واپس آ گئی اور کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

"صاحب جی! بیگم صاحب کو تپ چڑھا ہوا ہے۔ بہت زور کا۔" اس نے کہا وہ خاصی بدحواس ہو رہی تھی۔

"کیا؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ میں نے پائپ گھاس پر پھینک دیا اور ریشماں کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آ گیا

نرگس چت لیٹی ہوئی تھی۔ چادر پوری طرح اس کے جسم پر تھی صرف ایک ہاتھ کہنی تک باہر تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے وہ یا تو سو رہی تھی یا بخار کی بے ہوشی میں تھی۔

میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اچھل پڑا۔ اسے واقعی تیز بخار تھا پیشانی پر میرے ہاتھ کے لمس سے اس نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ہونٹوں پر بہت ہی افسردہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اتنا تیز بخار ہو رہا ہے اور تم نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔" میں نے کہتے ہوئے چادر پکڑ کر کھینچ لی۔

نرگس پر سے چادر ہٹتے ہی ریشماں کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس نے بڑی تیزی سے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ چادر ہٹاتے ہوئے میں بھول گیا تھا کہ نرگس رات کو بے لباس سوئی تھی اور ریشماں کو بھی اس کا علم نہیں تھا اس نے بھی شاید نرگس کا چادر سے باہر نکلا ہوا ہاتھ چھو کر دیکھا تھا۔ میں نے فوراً دوبارہ نرگس پر ڈال دی اور الماری سے اس کا شلوار قمیض کا ایک جوڑا نکال کر بیڈ پر رکھ دیا۔

"ریشماں!" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "تم اسے یہ کپڑے پہنا دو میں لاؤنج میں ہوں۔"

میں کمرے سے نکل آیا۔ دس منٹ بعد ریشماں نے مجھے آواز دے کر بلا لیا اور جب میں

کمرے میں داخل ہوا تو ریشماں عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے۔ تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟“ میں نے اسے گھورا۔

”صاحب جی!“ وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”بیگم صاحبہ کے جسم پر نیل پڑے ہوئے تھے۔“

”اوہ۔“ میں چونک گیا۔ مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں رہا تھا ورنہ ریشماں سے نرگس کو کپڑے پہنانے کو نہ کہتا بلکہ اسے کمرے سے باہر بھیج کر خود یہ کام کر لیتا۔

”تمہاری بیگم صاحبہ کو گملوں میں پودے لگانے کا شوق ہے۔ رات کو سیڑھیوں سے گر گئی تھی اوپر کی سیڑھی سے لڑھکتی ہوئی نیچے تک آ گئی تھی۔ رات کو چوٹوں کا اتنا پتا نہیں چلا تھا اور یہ بخار شاید اسی وجہ سے ہوا ہے۔“ میں نے کہا۔

”میں ملک جی کی بیٹی کو بلا لاؤں۔“ ریشماں بولی۔ ”وہ ڈاکدار (ڈاکٹر) ہے بیگم صاحبہ کو ٹھیک کر دے گی۔“

ملک صاحب تیسری کوٹھی میں رہتے تھے۔ ان کی بیگم اکثر نرگس کے پاس آتی رہتی تھی۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی بیٹی ڈاکٹر ہے میں نے نرگس کی طرف دیکھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا علاج کرانا ضروری تھا اور میں اسے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ جس ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر جاتا وہ ان چوٹوں کے بارے میں تجرح ضرور کرتا۔

ریشماں ملک صاحب کی بیٹی کو بلانے چلی گئی۔ میں نرگس کو سمجھانے لگا کہ ان چوٹوں کے بارے میں کیا کہنا ہے۔

تقریباً بیس منٹ بعد ملک صاحب کی بیٹی ریشماں کے ساتھ آ گئی۔ میری موجودگی میں نرگس نے اسے بتایا کہ رات کو وہ سیڑھیوں سے گر گئی تھی جس سے کچھ اندرونی چوٹیں آئی تھیں اور انہی کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔

مس ملک نے مجھے کمرے سے باہر بھیج دیا اور تقریباً بیس منٹ بعد مجھے بلا کر بتایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں۔

”میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹوں میں بخار اتر جائے گا اور درد بھی کم ہو جائے گا۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”میں کچھ دوائیں لکھ دیتی ہوں۔ بازار سے لے آئیں اور کم از کم پانچ دن تک یہ دوائیں ضرور استعمال کرائیں۔ ان میں سے ایک کریم بھی ہے۔ دن میں تین چار مرتبہ چوٹوں پر لگاتے رہیے۔ چند روز میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میں شام کو کلینک سے واپسی پر دیکھوں گی۔“

ڈاکٹر مس ملک نے نسخہ میری طرف بڑھا دیا۔ پرچہ لیتے ہوئے میری نظر اس کے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک تھی۔ شاید اسے سیڑھیوں سے گرنے والی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس نے کسی قسم کی جرح بھی نہیں کی تھی۔

مس ملک چلی گئی اس کے فوراً ہی بعد میں بھی ایک میڈیکل سٹور سے مطلوبہ ادویات لے آیا۔ ہدایت کے مطابق سب سے پہلے نرگس کو ہلکا پھلکا سا ناشتا کرایا گیا اور اس کے بعد دوائیں استعمال کرائی گئیں۔ نرگس کی چوٹوں پر کریم ریشماں نے لگائی تھی۔

نرگس کا وہ دن خاصی بے چینی میں گزرا۔ کچھ پڑوسنیں بھی اس کی عیادت کے لئے آتی رہیں۔ اسی طرح نرگس کو سیڑھیوں سے گرنے کی کہانی بھی بار بار دہرانی پڑتی تھی۔ شام کو مس ملک نے بھی آ کر اس کو چیک کیا تھا اور تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

نرگس کے کہنے پر ریشماں اس روز کسی اور کوٹھی پر کام کرنے نہیں گئی۔ نرگس نے اسے دو سو روپے دے دیئے تھے۔ تاکہ اسے تسلی رہے کہ اس سے اضافی خدمات بلا معاوضہ نہیں لی جا رہی ہیں اور واقعی ریشماں نے خدمت کا حق ادا کر دیا تھا۔

اگلے چند روز کے دوران ریشماں صبح سے شام تک ہمارے پاس رہی اس کی وجہ سے ایک طرف نرگس کو سنبھالنے میں بڑی مدد ملی تھی اور دوسری طرف اسے ہر وقت اپنے سامنے دیکھ کر میرے دل میں بھی کچھ کچھ ہونے لگا تھا۔

ریشماں کی کہانی سن کر میں نے شروع میں اس کے بارے میں جو تاثرات قائم کئے تھے ان میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ میں محسوس کرنے لگا تھا کہ میرے قریب آ کر ریشماں پر بھی کچھ گھبراہٹ سی طاری ہو جاتی تھی۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اور پھر ایک روز میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بعد دوپہر تین بجے کا وقت تھا اس روز صبح ہی سے آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔

نرگس کمرے میں سو رہی تھی۔ میں پہلے تو برآمدے میں بیٹھا رہا پھر اوپر والے کمرے میں آ گیا۔ میں نے کمرے کی دونوں کھڑکیاں کھول دیں لیکن سامنے پردے تنے رہنے دیئے۔ البتہ ایک پردہ ذرا سا ہٹا دیا تاکہ تازہ ہوا آتی رہے۔ اوپر آنے سے پہلے میں نے ریشماں سے چائے کے لئے کہہ دیا تھا یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ کبھی کبھار میں اور نرگس یہاں بیٹھ کر چائے پیا کرتے تھے۔

میرا خیال تھا چونکہ میں اکیلا ہوں اس لئے ریشماں دروازے کے اندر قدم نہیں رکھے گی۔ لیکن جب وہ چائے لے کر آئی تو کمرے کے اندر تک چلی آئی اور جب چائے کا کپ میز پر رکھ کر واپس جانے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ریشماں نے بہت معمولی سی مزاحمت کی میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے میں نے اسے اپنی طرف کھینچا تو اس نے ایک بار پھر برائے نام مزاحمت کی اور اس کے منہ سے صرف چند الفاظ نکلے۔ ”بیگم صاحبہ آ جائیں گی۔“

مجھے لائن کلیئر مل گئی۔ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آ گری۔ ریشماں جنم جنم کی پیاسی تھی۔ وہ مجھے شربت کا گلاس سمجھ کر پی گئی اور جب وہ جانے لگی تو میں نے پانچ سو روپے کا نوٹ اس کی مٹھی میں اڑس دیا۔ اس نے نوٹ گریبان سے نکال کر اسے مٹھی میں مروڑ کر میری طرف پھینک دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جسے میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا۔ اسے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو پیاسی تھی اور اپنی جنم جنم کی پیاس بجھانا چاہتی تھی۔

ریشماں اس شام چھٹی کر کے گئی تو پھر لوٹ کر نہیں آئی۔ نرگس کو شبہ تھا کہ میں نے اس کے

ساتھ کوئی حرکت کی تھی جس کی وجہ سے وہ یہاں سے کام چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ جن کوٹھیوں میں کام کرتی تھی وہاں بھی نہیں آ رہی تھی۔ ریشماں یہ علاقہ ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

اتنے روز تک میں نے گاڑی استعمال نہیں کی تھی۔ کہیں جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ کار پر دھول کی تہہ سی جم گئی تھی۔ اس روز نرگس اور میں برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کیوں نہ کار کی صفائی کر ڈالی جائے۔

کار کی صفائی کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے ایک اور خیال آ گیا جس طرح میں نے اس رات رضیہ والی گاڑی کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا اسی طرح انہوں نے بھی ہماری گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہوگا۔ وہ دونوں تو شیرٹن ہی سے ہمارے پیچھے لگ گئے تھے اور ظاہری بات تھی کہ پیچھا کرتے ہوئے انہوں نے میری کار کا نمبر ضرور نوٹ کیا ہوگا جس طرح میں ان کی گاڑی کے نمبر کے ذریعے ان کی تلاش کا منصوبہ بنا رہا تھا اسی طرح یہ بات ان کے ذہن میں بھی آئی ہوگی۔

یہ خیال آتے ہی میرے دماغ میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس رات وہ دونوں ہم سے بمشکل ہی بچے تھے جس طرح نرگس اب تک چوٹیں سہلا رہی تھی ممکن ہے اسی طرح وہ بھی ابھی تک اسی مار کے اثرات سے نہ سنبھلے ہوں اور جیسے ہی سنبھلیں گے انہیں میری کار کی تلاش کا خیال بھی آ جائے گا اگر انہوں نے تلاش شروع کر دی تو بڑی آسانی سے ہمارے ٹھکانے تک پہنچ جائیں گے۔

لیکن کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے خیال میں ہمارے اس ٹھکانے تک پہنچنا ان کے لئے اتنا آسان نہیں ہوگا میں نے جس شخص سے یہ سیکنڈ ہینڈ کار خریدی تھی اس نے بھی یہ کار کسی شوروم سے نہیں بلکہ ایک اور ایسے آدمی سے خریدی تھی جو کار اور اپنا مکان بھی بیچنے کے بعد کوئٹہ چلا گیا تھا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا تھا کہ اگر رضیہ وغیرہ نمبر پلیٹ کے ذریعے مارکلہ کے پہلے اور اصل خریدار کا نام معلوم کر بھی لیں تو ان کی تلاش کا سلسلہ وہیں ختم ہو جائے گا اور اس طرح میں مطمئن ہو گیا کہ وہ اس کار کے ذریعے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تاہم احتیاط ضروری تھی اور یہ احتیاط اس طرح کی جا سکتی تھی کہ اس کار کو اب باہر نہ نکالا جائے یا کم سے کم استعمال کیا جائے۔

کار صاف کرنے کے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ اٹھا کر اس کے نیچے سے وہ پستول نکال لیا جو اس رات میں نے چھینا تھا جب ہم لاہور سے چلے تھے تو میرے پاس کچھ نہیں تھا سوچا تھا کہ کراچی سے کوئی پستول یا ریوالور خرید لوں گا۔ لیکن مجھے موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ایسی چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے زیر زمین دنیا کے لوگوں سے رابطوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہاں ابھی تک میرا کسی سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ مگر اتفاق سے یہ پستول ہاتھ لگ گیا تھا۔

میں پستول لے کر برآمدے میں آ گیا اور پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے نرگس سے باتیں کرنے لگا۔

"یہ پستول تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" نرگس نے پوچھا۔

"اس رات جمی سے چھینا تھا" میں نے جواب دیا۔ "اسے میں نے کار کی سیٹ کے نیچے چھپا دیا تھا۔ بہت اچھی چیز ہے۔ مجھے اس کی ضرورت بھی تھی۔"

نرگس کوئی جواب دینا چاہتی تھی لیکن اسی وقت کال بیل بج اٹھی۔ میں نے گیٹ کی طرف دیکھا گیٹ کی جھری سے کسی عورت کا لباس دکھائی دیا تھا۔ میں اٹھ کر گیٹ کی طرف چل پڑا۔

وہ دبلی پتلی مریل سی عورت تھی۔ عمر اگرچہ چالیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن حالات نے اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ اس کے نحیف سے بدن اور چہرے کو دیکھ کر با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ فاقہ کشی میں گزرا ہے اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اس کے جسم پر بہت ڈھیلا ڈھالا تھا۔ ظاہر ہے اترن تو ایسی ہی ہوتی ہے یا جسم اس میں پھنس کر رہ جاتا ہے یا اس طرح ڈھیلا ڈھالا جیسے تھیلا چڑھا رکھا ہو۔

وہ ماسی تھی جو کام کی تلاش میں آئی تھی۔

ریشماں کے جانے کے بعد گھر کے سارے کام مجھے اور نرگس ہی کو کرنے پڑ رہے تھے۔ اس عورت نے کھلے ہوئے گیٹ سے برآمدے میں بیٹھی ہوئی نرگس کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے بھی اسے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔

نرگس نے اس کا مختصر سا انٹرویو کیا اور فوراً ہی اسے دن بھر کے کام پر رکھ لیا اور اٹھ کر کام سمجھانے لگی۔ سب سے پہلے اس سے چائے بنوائی اور پھر صفائی پر لگا دیا۔ چائے واقعی اس نے خوش ذائقہ بنائی تھی اس سے اندازہ تھا کہ وہ کھانا بھی اچھا بناتی ہوگی۔

"کیسی لگی تمہیں یہ..."

"اچھی ہے، بہت اچھی۔" میں نے نرگس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی جواب دے دیا۔

نرگس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"کیا ہوا؟" میں نے اسے گھورا۔ "میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟ اتنی اچھی چائے کئی روز بعد پینے کو ملی ہے"

"میں چائے کی نہیں، اس نئی ماسی کی بات کر رہی ہوں۔" نرگس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تیرے کی۔" میں نے کہا۔ "ماسی کا زیادہ تعلق تو تم سے ہی رہے گا۔ اس لئے یہ فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے کہ وہ کیسی ہے۔"

"تمہیں پسند نہیں آئی۔" نرگس نے کہا۔ "ریشماں اچھی تھی، اس سے تمہاری کچھ بے تکلفی بھی ہو گئی تھی اور میرا خیال ہے تم اس بڑھیا سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"عورت ذات۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ کسی دوسری عورت کا وجود تو کیا اس کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ریشماں سے اگر میری بے تکلفی تھی تو صرف کام کی حد تک اس سے آگے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"بکواس مت کرو۔" نرگس نے مجھے گھورا۔ "کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اس روز میں نے جب تم سے یہ پوچھا تھا کہ تم نے ریشماں کے ساتھ کوئی شرارت تو نہیں کی تھی تو غلط نہیں پوچھا تھا۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" اس مرتبہ میں نے اسے گھورا۔

"اگلے روز جب ریشماں کام پر نہیں آئی تھی تو مجھے تم پر شبہ ہوا تھا۔ اس لئے میں نے تم سے

جرح کی تھی۔ مگر تم مسلسل انکار کرتے رہے۔" نرگس کہہ رہی تھی۔ "دو دن بعد جب تم سودا وغیرہ لینے مارکیٹ گئے ہوئے تھے تو میں اوپر والے کمرے میں گئی تھی۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔" اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "وہاں میز پر چائے کا کپ اور فرش پر پانچ سو روپے کا مڑا تڑا نوٹ پڑا ہوا تھا۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "بس اب اس قصے کو یہیں ختم کردو۔"

"یہ قصہ تو ختم ہو گیا۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آگے کوئی ایسا قصہ شروع نہ ہو جائے اس لئے میں نے اس بڑھیا کو فوراً ہی ملازم رکھ لیا ہے۔"

"اب کوئی اور بات کرو۔" میں نے اس بات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ "مثلاً یہ کہ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

نرگس نے ایک بار پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ممکن ہے ہماری باتوں کا یہ سلسلہ مزید جاری رہتا مگر ایک پڑوسن کے آجانے سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں برآمدے میں ہی بیٹھا رہا اور نرگس پڑوسن کو لے کر اندر چلی گئی۔

تین چار روز اور گزر گئے۔ نرگس اب ٹھیک ہو گئی تھی لیکن وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ جب کہ میرے لئے اب گھر میں بیٹھے رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔

چند روز پہلے میں عمرکوٹ کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا لیکن بیچ میں رضیہ اور جمی ٹپک پڑے اور میں ان لوگوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

میں ہمیشہ اکیلا کام کرنے کا عادی تھا۔ بہت اشد ضرورت کے وقت کسی کو ساتھ ملایا کرتا تھا اور اب پھر ایسا موقع آ گیا تھا کہ مجھے کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ کراچی میں رضیہ کے ساتھیوں سے نمٹنے کے لئے مجھے کم از کم دو آدمیوں کی ضرورت تھی اور قابل بھروسا آدمیوں کو تلاش کرنے کے لئے زیرزمین دنیا میں جھانکنے کی ضرورت تھی ایسے آدمی وہیں مل سکتے تھے۔

اب تک میں شہر سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور مجھے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ منشیات کے دھندے کن علاقوں میں ہوتے ہیں۔ یوں تو گلشن اقبال، کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے منشیات کے اسمگلروں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے لیکن ان علاقوں میں بڑے مگرمچھ رہتے تھے اور ان تک براہ راست پہنچنا آسان نہیں تھا ویسے دوسروں سے پنگے بازی کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ فی الحال تو میں رضیہ والے سنڈیکیٹ سے نمٹنا چاہتا تھا اور اس کے لئے مجھے کم از کم دو آدمیوں کی ضرورت تھی۔

لیاری اور بغدادی ایسے علاقے تھے جہاں منشیات فروشی کا یہ گھناؤنا دھندہ عروج پر تھا ہیروئن کی سب سے زیادہ کھپت انہی علاقوں میں تھی یہاں منشیات فروشوں کے اڈے بھی تھے اور یہ بزنس بڑی آزادی سے ہو رہا تھا۔ پولیس کو بھی سب سے زیادہ کمائی انہی علاقوں سے ہوتی تھی۔

اس روز رات آٹھ بجے کے قریب میں اپنی اس نئی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔ ایسے سارے دھندے شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی ہوتے تھے اور مجھے امید تھی کہ آج رات مجھے آگے بڑھنے کا راستہ مل جائے گا۔

گروزنی ہوٹل والے چوراہے پر بڑی رونق تھی۔ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور ادھر ادھر ٹہلتا رہا میری نظروں کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس سے میں کچھ معلوم کر سکوں۔ میں ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ بعض لوگ مجھے بھی مشتبہ نظروں سے گھور رہے تھے۔ میرا حلیہ ایسا تھا کہ مجھ پر آسانی سے پولیس مین یا کسی ایجنسی کا کوئی آدمی ہونے کا شبہ کیا جا سکتا تھا اور شاید اسی لئے بعض لوگ مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

اور آخرکار ایک آدمی میری نظروں میں آ گیا وہ دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب رہا ہو گا دو تین دن کا بڑھا ہوا شیو، سر کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے جیسے کئی مہینوں سے حجامت نہ بنوائی گئی ہو۔ میلی سی جینز جو اس کے بگلے جیسی پتلی پتلی ٹانگوں سے چپکی ہوئی تھی، نیلے گہرے رنگ کی شرٹ تھی اس کے بائیں کان میں چاندی کی بالی اور پیروں میں اسفنج کی ہوائی چپل تھی۔ پیر گرد میں اٹے ہوئے تھے اس کی رنگت توے کی طرح سیاہ تھی۔

اس شخص نے ایک تین انچ چوڑے اسٹریپ کی مدد سے گلے میں ایک کیبات لٹکا رکھا تھا جس میں پان بنانے کا سامان اور سگریٹوں کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے وہ اسی طرح گھوم پھر کر پان اور سگریٹ بیچتا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ پان سگریٹ کی آڑ میں وہ پڑیاں بھی فروخت کر رہا تھا۔

میں چند گز کا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چلتا رہا اور تھوڑی دیر بعد ہی میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔

وہ ایک جگہ رک گیا تھا۔ ایک سوالی بھی اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ اب گرا کہ تب گرا۔ میلے چکٹ کپڑے، قمیص کا گریبان نیچے تک پھٹا ہوا تھا ایک آستین بھی غائب تھی۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے کئی روز سے شیو بھی نہیں بنا تھا۔ پیروں، ہاتھوں اور چہرے پر میل کے چکتے جمے ہوئے تھے اس نے کئی دنوں سے ہاتھ منہ نہیں دھویا ہو گا۔ ہیروئن کے عادی ویسے بھی پانی کے قریب جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

اس شخص نے مٹھی میں دبے ہوئے کچھ نوٹ کیبات والے کی مٹھی میں دبا دیئے کیبات والے نے نوٹ جینز کی جیب میں ڈال کر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر کیبات میں سگریٹ کے پیکٹوں کے نیچے چھپے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے کا ایک کونا اٹھا کر کوئی چیز نکالی اور پھر ایک پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر اس ہیروئنچی کی طرف بڑھا دیا۔ اس سگریٹ کے ساتھ ایک پڑیا بھی ہیروئنچی کے ہاتھ میں منتقل ہو چکی تھی۔

میں نے کیبات والے کا تعاقب جاری رکھا اور پھر شاید اس نے مجھے اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور مجھ پر شبہ ہو گیا اب وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے چکر میں تھا وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک تنگ اور قدرے تاریک گلی میں گھس کر بھاگ کھڑا ہوا میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور چند گز دور جا کر ہی اسے گردن سے دبوچ لیا لیکن میری گرفت زیادہ سخت نہیں تھی۔

"مم...... معاف کر دو صاب آئندہ یہ دھندہ نہیں کروں گا۔" وہ گھگھیایا اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔

"میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں صاب میں تو......"

"ڈرو نہیں۔" میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ "میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"مم...... میں سمجھا نہیں صاحب......؟" وہ پھر ہکلایا۔

"میرا تعلق نہ پولیس سے ہے نہ کسی ایجنسی سے۔" میں نے کہا۔ "میں تم سے کسی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے ٹھیک ٹھیک بتاؤ گے۔"

"کس کے بارے میں صاب؟" اس نے پوچھا۔ وہ اب بھی خوفزدہ تھا۔

"رنگا کہاں ملے گا؟" میں نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ یہ نام میں نے کئی روز پہلے سنا تھا۔

اس شخص کا چہرہ ایک بار پھر دھواں ہو گیا۔

"وہ...... وہ مجھے...... زندہ نہیں چھوڑے گا صاب۔" وہ بدستور ہکلا رہا تھا۔ "آپ یقیناً سی آئی اے......"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں نہ تو پولیس کا آدمی ہوں نہ کسی ادارہ ایجنسی کا۔ میں بھی ایک بیوپاری ہوں اور کاروباری سلسلہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اس کے اڈے تک لے چلو۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ مجھے وہاں تک پہنچانے والا کون ہے۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اندھیری اور تاریک گلیوں میں، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور آخر کار وہ ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے رک گیا۔

"یہ بلڈنگ رنگا کی ہے وہ اس وقت یہیں ملے گا۔" اس شخص نے عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

میں نے جیب سے ایک سو کا نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" میں نے کہا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

میں اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا

دائیں بائیں قدرے ماڈرن عمارتوں میں پھنسی ہوئی دو منزلہ وہ عمارت کم از کم سو سال پرانی ضرور رہی ہوگی۔ اندر داخل ہونے کا محرابی راستہ اتنا کشادہ تھا کہ ہاتھی گزر سکتا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں گیٹ بھی ضرور رہا ہوگا لیکن اب اس کا نام ونشان تک نہیں رہا تھا۔

گیٹ کے اندر غالباً بہت کشادہ کمپاؤنڈ تھا۔ دائیں طرف کہیں سے بلب کی زرد مدھم سی روشنی اس کمپاؤنڈ تک پہنچ رہی تھی لیکن میں چونکہ گیٹ کے باہر ہی تھا اس لیے اندر کی صورت حال کا اندازہ لگانا خاصا دشوار تھا۔

میں نے ایک بار پھر دائیں بائیں گلی میں دیکھا اور گیٹ میں داخل ہو گیا۔ یہ تقریباً بیس فٹ طویل ڈیوڑھی سی تھی۔ ایک کمرہ دائیں طرف اور ایک بائیں طرف تھا۔ دونوں کے دروازے غائب تھے اور اندر تاریکی تھی۔ میں ڈیوڑھی سے نکل کر کمپاؤنڈ میں پہنچ گیا اور میرے ہونٹوں پہ خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

انڈیا میں میں نے ایسی بہت سی عمارتیں دیکھی تھیں۔ وسط میں کمپاؤنڈ اور اطراف میں کھولی نما کمرے۔ ایسی عمارتوں میں بہ جنوں خاندان رہتے تھے۔

کمپاؤنڈ کے وسط میں دائرے میں کوئی چھوٹی تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ دیوار کا یہ دائرہ کبھی پانی کا حوض رہا ہوگا اور اس کے بیچ میں فوارہ بھی ہوگا لیکن اب صرف نشان باقی رہ گیا تھا۔ کمپاؤنڈ کے چاروں طرف کمرے تھے۔ ان میں بیشتر کے دروازے غائب تھے۔ اگر کسی کمرے کا دروازہ تھا بھی تو وہ بند تھا۔

وہ مدھم سی روشنی بائیں طرف سے آ رہی تھی۔ اس طرف آخر میں دیوار پر لٹکے ہوئے ہولڈر میں سو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔

ڈیوڑھی کے بائیں طرف لکڑی کے تختوں کی سیڑھیاں تھیں اوپر بھی چاروں طرف کمرے تھے لیکن ان کے سامنے سات آٹھ فٹ چوڑی بالکونی تھی جس کے آگے حفاظتی ریلنگ بھی لگی ہوئی تھی۔ سیڑھیوں کے اختتام پر اوپر ایک نیلے سرخ رنگ کا زیرو بلب جل رہا تھا اور اسی طرف والی بالکونی کے سرے پر کسی کمرے میں بھی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اوپر والے حصے پر شیشے لگے ہوئے تھے اور یہ روشنی انہی شیشوں سے جھلک رہی تھی۔

میں اوپر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ رنگا اسی کمرے میں ہوگا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہو

رہی تھی کہ اتنی بڑی بلڈنگ میں ابھی تک کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ میں نے رنگا کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس علاقے کا بہت بڑا دادا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس علاقے میں اپنا کاروبار نہیں جما سکتا۔ حتیٰ کہ منشیات فروش جیسے خطرناک لوگ بھی اسے ہفتہ دیتے تھے اور اب میں سوچ رہا تھا کہ میں کہیں غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا۔ رنگا بدمعاش ضرور ہوگا لیکن اتنا بڑا نہیں جتنا اس کے بارے میں سنا تھا۔ بڑے بدمعاش تو اپنے گرد بہت بڑا گروہ رکھتے ہیں۔ ان کی طاقت دراصل انہی گرگوں میں ہوتی ہے جو انہیں گھیرے رہتے ہیں لیکن یہاں مجھے ابھی تک بلی کا بچہ بھی دکھائی نہیں دیا۔

ہوسکتا ہے رنگا کی داداگیری کے بارے میں کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہو لیکن بہرحال میں یہاں تک آ ہی گیا تھا تو میرے خیال میں اس سے مل لینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے یہ میرے کام کا آدمی ثابت ہو یا اس کے توسط سے کسی اور آدمی سے رابطہ ہو جائے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اپنے عقب میں ایک بھیڑیے جیسی غراہٹ سن کر اچھل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی میری گردن پر کوئی سخت چیز چبھنے لگی تھی۔

”تم جو کوئی بھی ہو ہاتھ اوپر اٹھالو۔“ بھیڑیے کی طرح غراتی ہوئی وہ آواز کہہ رہی تھی۔ ”اور یہ بھی سوچ لو کہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی گولی تمہاری گردن توڑ دے گی۔“

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں اس عمارت کے نچلے حصے کو بالکل ویران سمجھا تھا لیکن اپنے عقب میں اس غراہٹ اور گردن پر چبھتی ہوئی پستول کی ٹھنڈی نالی نے میرا خیال غلط ثابت کر دیا تھا اور میں بھی اس قدر غافل ثابت ہوا تھا کہ اس شخص کے آنے کی آہٹ تک محسوس نہیں کر سکا تھا۔ وہ شخص نہ جانے تاریکی میں کس طرف سے نکل کر میرے سر پر پہنچ گیا تھا۔

”سنا نہیں تم نے؟“ عقب میں وہ غراہٹ دوبارہ سنائی دی اور پھر اس کے ساتھ ہی گردن پر پستول کی نال کا دباؤ بھی بڑھ گیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیے۔ اس شخص نے پستول میری گردن سے لگائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے میرا لباس ٹٹولنے لگا۔ میری پتلون کی ہپ پاکٹ میں پستول موجود تھا جو اس نے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

”کون ہو تم؟“ غراہٹ دوبارہ سنائی دی۔ ”اور یہاں آنے کا مقصد؟“

میں ظاہر ہے کسی غلط ارادے سے یہاں نہیں آیا تھا نہ ہی دنگا فساد کرنے کی میری کوئی نیت تھی لیکن میں نے اس شخص کو دو ہاتھ دکھانے کا فیصلہ کر لیا جس نے تاریکی سے نکل کر مجھے پستول کی زد پر لے لیا تھا۔

پستول کی سرد نال اب بھی میری گردن کو چھو رہی تھی۔ میں نے لمبا سانس لیا اور گردن کو ایک طرف جھکاتا ہوا بڑی تیزی سے نیچے جھک گیا۔ وہ ایک لمحے کو بدحواس سا ہو گیا۔ اس کا پستول والا ہاتھ بھی ہوا میں معلق ہو گیا تھا۔

میں نے برق رفتاری سے گھوم کر ایک ہاتھ اس کے پستول پر ڈالا اور دوسرا ہاتھ اس کی گردن

پر ڈال کر تیزی سے نیچے جھکتا چلا گیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا دھپ سے پشت کے بل میرے سامنے گرا۔ پختہ فرش پر اس طرح گرنے سے اسے یقیناً چوٹ لگی تھی اور اس کے منہ سے کراہ خارج ہو گئی تھی۔ اس کا پستول میرے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ اس شخص نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں اس پر پستول تانتے غرایا۔

”اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا' کھوپڑی اڑا دوں گا۔“

وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ وہ پشت کے بل پڑا تھا اور اس کے دونوں بازو اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

”میں نے تو سنا تھا کہ رنگا نے اپنے گرد بہت مضبوط حصار بنا رکھا ہے مگر تم تو بہت بودے نکلے۔“ میں نے کہا۔

”تم جو کوئی بھی ہو اپنے پیروں پر اس پھاٹک سے باہر نہیں جا سکو گے۔“ وہ شخص بولا۔ ”اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔“

”تمہارے کھوکھلے لہجے میں دھمکی کا تاثر بھی نہیں ہے کہ مجھ جیسا آدمی خوف زدہ ہو سکے۔“ میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ”لیکن میں یہاں کسی بری نیت سے نہیں آیا۔ اگر میرا ارادہ کچھ اور ہوتا تو تمہارے زندہ فرش پر گرنے کے بجائے تمہاری لاش گرتی۔ اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ' مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ تم کوئی شرارت نہیں کرو گے۔“

وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو میں نے پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ لو..... اور اسے استعمال کرنا بھی سیکھو۔“ میں نے کہا۔

”اس قسم کے کھلونوں کو صحیح طریقے سے پکڑا بھی نہ جائے تو یہ اپنے ہی لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔“

وہ میرے سامنے تھا۔ اس کے چہرے پر مدھم سی روشنی پڑ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں شدید الجھن کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ میں نے کہا۔ ”یہ اپنا پستول لے لو اور میرا پستول مجھے واپس کر دو۔“

اس شخص نے میرے ہاتھ سے پستول لے لیا لیکن میرا پستول واپس نہیں کیا۔

”میرا پستول واپس کر دو۔“ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

”مل جائے گا۔“ وہ بولا۔ ”لیکن پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو اور یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟“ وہ بات کرتے کرتے رکا پھر بولا۔

”ہم پولیس اور سی آئی اے کے سارے ہی لوگوں کو جانتے ہیں مگر تم شاید نئے آئے ہو۔“

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرا تعلق نہ پولیس سے ہے اور نہ سی آئی اے سے۔ میں تو رنگا سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”جھوٹ بولتے ہو تم۔“ وہ شخص بولا۔ اس کے ساتھ ہی اب کا پستول میری طرف اٹھ گیا۔ ”اس علاقے میں آنے والا ہر آفیسر خواہ اس کا تعلق پولیس سے ہو یا کسی ایجنسی سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ چند گھنٹوں کے اندر اندر رنگا دادا کو سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گا یا وہ یہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ ایسے

دعوے کرنے والے آفیسر رنگا دادا تک پہنچنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں اور تم......"

"تم غلط سوچ رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔" میں نے کہا نا کہ میرا پولیس یا کسی ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک کاروباری سلسلے میں رنگا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں فائدہ رنگا کا ہی ہے اگر اس سے میری ملاقات نہ ہوئی تو رنگا کو بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑے گا اور اس کی تمام تر ذمے داری تم پر ہوگی اور جب رنگا کو پتا چلے گا تو سوچ لو تمہارا کیا حشر ہوگا۔"

میرا یہ حربہ کام کر گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے الٹے ہاتھ کو دو انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجائی۔ اس کے صرف ایک منٹ بعد گلی سے ایک آدمی پھاٹک میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔

رنگا کے بارے میں میرے خیالات ایک بار پھر بدلنے لگے تھے۔ اس عمارت کو ویران پا کر میں یہی سمجھا تھا کہ رنگا کوئی چھوٹا موٹا بدمعاش ہے جس نے اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے تاکہ علاقے کے لوگ اس کے دباؤ میں رہیں اور اسے ہفتہ ملتا رہے لیکن اب میرے خیالات تبدیل ہو رہے تھے۔ عمارت میں داخل ہونے کے کچھ دیر بعد ایک شخص نے مجھے پستول کی زد پر لے لیا تھا اور اب یہ دوسرا شخص جو گلی پار کر اندر آ گیا تھا' مجھے یقین تھا کہ یہ شخص شروع ہی سے باہر گلی میں کسی جگہ موجود رہا ہوگا اور اس نے مجھے اندر آتے ہوئے بھی ضرور دیکھا ہوگا مگر مداخلت نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رنگا نے اپنی حفاظت کا معقول بندوبست کر رکھا تھا۔

"کیا بات ہے شکرے' کون ہے یہ؟" نو وارد نے اپنے ساتھی کو اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ بھی میری طرف تھا۔

"یہ رنگا دادا سے ملنا چاہتا ہے۔ کہتا ہے فائدے کی بات ہے۔" شکرے نے جواب دیا۔

"کیوں رے ۔۔" نو وارد اب مجھ سے مخاطب تھا۔ "دادا سے کیوں ملنے کا ہے' کیا کام ہے' ہم کو بولو نیں۔"

"مجھے جو کچھ بولنا ہے رنگا سے ہی بولوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم لوگ معاملے کو بلاوجہ بگاڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر رنگا سے ملنا ایسا ہی مشکل ہے تو ٹھیک ہے میں واپس چلا جاتا ہوں اس سے ملاقات کے لیے کسی اور موقع پر کوئی اور طریقہ اختیار کروں گا۔"

"ایسا کیسا واپس چلا جائے گا رے۔" اس شخص نے کہا۔ "کھڑا کھڑا بتاؤ تم کون ہے' جھوٹ بولے گا تو اپنا ناریل گھوم جائے گا اور جب ٹیڈی کا ناریل گھومتا ہے نا تو سمندر سے زیادہ خوفناک طوفان آتا ہے' علاقہ بند ہو جاتا ہے لوگ سالیوں (فلیٹوں) کا کھڑکی سے جھانکنے کا ہمت بھی نہیں کرتے۔"

میں نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہاں اگرچہ روشنی بہت کم تھی مگر اس وقت تک میری آنکھیں اس ماحول سے مانوس ہو چکی تھیں اور میں بخوبی اس کا جائزہ لے سکتا تھا۔

اس نے اپنا نام ٹیڈی بتایا تھا اور میرے خیال میں اس کے لیے یہی نام مناسب تھا۔ پستہ قامت' کسرتی بدن' سیاہ رنگت اور گھنگھریالے بہت چھوٹے بال۔ وہ کوئی سیاہ فام ہی لگتا تھا۔ اس نے ڈارک کلر کی تنگ پائنچوں کی پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کا گہرے رنگ کا یہ لباس بھی تاریکی

کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

"دیکھو۔" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں بزنس کے سلسلے میں رنگا سے ملنے آیا ہوں لیکن تم دونوں نے بلاوجہ ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ میرا پستول تو پہلے ہی تمہارے پاس ہے۔ مزید اطمینان کے لیے تم میری تلاشی لے سکتے ہو اور ویسے اگر میری نیت بری ہوتی تو میں تمہیں بے بس کر چکا تھا۔ میرا راستہ کوئی نہیں روک سکتا تھا۔" آخری الفاظ میں نے شکرے کی طرف دیکھ کر کہے۔ "اور اب بھی اگر میں چاہوں تو تم دونوں بھی میرا راستہ نہیں روک سکو گے۔"

"ارے' تڑی مت دیو رے۔" ٹیڈی غرایا۔

"میں تڑی نہیں دے رہا۔" میرا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔ "ویسے تم بہت گرم جوش ہو۔ رنگا کو تم جیسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے لیکن گرم جوشی ہر جگہ کام نہیں دیتی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہیں تم رنگا کا کام تو نہیں بگاڑ رہے ہو۔ مجھے روک کر۔"

ٹیڈی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن شکرے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے زبان کھولنے سے باز رکھا۔ وہ ٹیڈی کے مقابلے میں معقول آدمی تھا اور میرے اب تک کے رویے نے بھی اسے بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا۔ ٹیڈی نے بھی اسی زبان میں جواب دیا اور پھر وہ تقریباً دو منٹ تک بلوچی زبان میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میرے پلے ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا۔ البتہ دو مرتبہ رنگا کا نام سمجھ میں آیا تھا۔

"چلو رے۔" ٹیڈی آخر کار میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہم تیرے کو پہلے بول دیتا ہوں اگر کوئی گڑبڑ کیا تو ادھر ہی تیرہ مقبرہ بنا دوں گا۔" اور پھر آگے بڑھنے سے پہلے مزید اطمینان کے لیے میری تلاشی لے لینا ضروری سمجھا تھا۔ اس نے میری جیب سے نوٹوں کا بنڈل بھی نکال لیا تھا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے لکڑی کے تختے قدموں کے نیچے چرچرا رہے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کوئی تختہ ٹوٹ نہ جائے۔ ایسی صورت میں ہڈیوں کی سلامتی کی ضمانت بھی نہیں دی جا سکتی تھی لیکن وہ تختے خاصے مضبوط تھے۔ انہوں نے صرف چرچرانے کی حد تک ہی احتجاج کیا تھا۔

اوپر پہنچ کر ہم بالکونی میں سیدھے چلتے رہے۔ ٹیڈی نے اب بھی مجھے پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔

ہم گیلری کے آخر میں اس دروازے کے سامنے رک گئے جس کے اوپر والے حصے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ وہاں سے گیلری دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس طرح عمارت کی اوپر والی منزل کے تمام کمرے اس گیلری کے توسط سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔

شکرے نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہلکے سے دھکے سے دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں تین آدمی تھے جو شکرے اور ٹیڈی کے ساتھ مجھے دیکھ کر چونک سے گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستولوں نے بھی انہیں چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان میں دو ٹیڈی کی طرح سیاہ فام تھے البتہ تیسرا گندمی رنگت کا مالک تھا اور اس کے بال بھی گھنگھریالے نہیں تھے۔ اس شخص نے ٹیڈی کی

طرف دیکھتے ہوئے بلوچی زبان میں کچھ پوچھا' جس کا جواب بھی ٹیڈی نے بلوچی زبان ہی میں دیا تھا۔
وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے گہری نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس طرح سوال کرنے لگا جیسے میں نے یہاں آ کر کوئی بہت بہت جرم کیا ہو۔ مجھے اندازہ ہوا کہ رنگا سے ملنے کی کوشش کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی عام آدمی صوبے کے حاکم اعلیٰ سے ملنے کے لیے کوشاں ہو۔
"تم رنگا دادا سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" اس نے ایک بار پھر وہی سوال دہرایا۔
یہ سوال مجھ سے اتنی بار کیا جا چکا تھا کہ میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔
"یہ میں رنگا ہی کو بتاؤں گا۔" اس مرتبہ میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔
وہ شخص چند لمحے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ٹیڈی وغیرہ کو آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا اور ایک اندرونی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہوگیا۔
شکرے نے کمرے کا بیرونی دروازہ بند کر دیا تھا جس سے گزر کر ہم اندر آئے تھے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا جس کے اطراف میں گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں ٹرے میں چائے کے خالی برتن رکھے ہوئے تھے۔ تام چینی کی نیلی چینک اور چھوٹی پیالیوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ چائے کسی ہوٹل سے منگوائی گئی تھی۔ اس کے قریب ہی اسٹینڈ پر واٹر کولر رکھا ہوا تھا جس کے اوپر شیشے کا ایک گلاس بھی اوندھا پڑا ہوا تھا۔

ایک دیوار پر قریب قریب راکیل ویلچ اور بو ڈی بارڈت کی رنگین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں کسی انگریزی رسالے سے کاٹ کر دیوار پر چپکا دی گئی تھیں۔ کمرے کے دوسرے کونے میں گاؤ تکیے کے قریب قالین پر ایک ٹیلی فون سیٹ بھی پڑا ہوا تھا اس کمرے کی گلی کی طرف والی کھڑکی اگرچہ کھلی ہوئی تھی لیکن کمرے کی فضا میں بیڑی کی بو رچی ہوئی تھی۔
میں ابھی کمرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ باہر قدموں کی آواز اور پھر کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دو تین آدمیوں کے قدموں کی آواز تھی اور لگتا تھا جیسے وہ کسی کو مارتے پیٹتے ہوئے لا رہے ہوں اور پھر کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا۔ ایک آدمی کو زوردار دھکا دے کے اندر گرا دیا گیا۔ وہ منہ کے بل قالین پر گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے پیچھے بھی دو آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی شیدی ہی تھے اور شکلوں سے بدمعاش لگتے تھے۔
قالین پر گرنے والا شخص جب سیدھا ہوا تو میں اس کی صورت دیکھ کر اچھل پڑا۔
یہ گلے میں لٹکے ہوئے کپاٹے میں سگریٹ پان اور ہیروئن کی پڑیاں بیچنے والا وہی شخص تھا جو مجھے اس عمارت کے سامنے چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے اس عمارت میں داخل ہوئے زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ہوئے تھے کہ اس شخص کو بھی پکڑ کر یہاں لے آیا گیا۔ اس سے رنگا کی سیکیورٹی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔
اس شخص کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں تک لاتے ہوئے اس کی کچھ خاطر تواضع بھی کی گئی تھی۔ ناک سے پتلا سا خون بہہ رہا تھا۔
"اس کو ادھر کیوں لایا رے نصرو۔" ٹیڈی نے کپاٹ والے کو دھکا دینے والی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"یہی حرامی تو اس بندے کو یہاں تک لایا تھا۔ ٹیڈی استاد۔" نصرو نے جواب دیا۔ "ہم نے اپنا آنکھ سے اس کو دیکھا۔ دوسرا گلی میں جب ہم اس کو روکا تو یہ بھاگ کھڑا ہوا۔"
"تم اس کو ادھر کیوں لایا' گولی دولی مار کر نالی میں پھینک دیتا نیں۔" ٹیڈی نے قالین پر پڑے ہوئے شخص کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اس کا قتل کا تو پولیس بھی تفتیش نیں کرے گا۔ سالے کا حالت دیکھو جان ہے نئیں اور کام کتنا بڑا کرتا ہے' رنگا دادا کی جاسوسی کرتا ہے۔ کیوں رے حرامی۔ کیا دیا تھا اس نے تیرے کو۔" ٹیڈی نے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ بلبلا اٹھا اور اگلی ٹھوکر سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔
"میرے کو معاف کر دو ٹیڈی استاد۔ اس نے میرے کو مجبور کر دیا تھا۔"
ٹیڈی نے اسے دو تین اور ٹھوکریں رسید کر دیں۔ وہ قالین پر لوٹتا اور چیختا چلاتا رہا۔
"تم رات کو کبھی صدر میں سی آئی اے کے دفتر کے سامنے سے گزرا ہے۔" ٹیڈی نے اس کے کولہوں پر ایک اور ٹھوکر جماتے ہوئے کہا۔ "ادھر رات کو ایسا ایسا خوفناک آواز سنائی پڑتا ہے جیسے بھوت پریت اور آسیب رو رہے ہوں۔ چیخ چلا رہے ہوں۔ باہر کا کوئی آدمی اندر جانے کا ہمت نئیں کرتا اور یہ بلڈنگ بھی بھوت خانہ ہے رے۔ جتنا چاہو رڑی کرو' کوئی اندر نہیں آئے گا۔"
یہ سب کچھ ایک دو منٹ میں ہوگیا تھا۔ وہ شخص بری طرح چیخ رہا تھا۔ کچھ لمحوں تک میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور پھر حواس میں آتے ہی میں نے آگے بڑھ کر ٹیڈی کو زوردار دھکا دے کر ایک طرف ہٹا دیا جو اس شخص کو ایک اور ٹھوکر مارنے جا رہا تھا۔ میں نے ٹیڈی کے ہاتھ میں پستول کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سب مجھ پر پلٹ پڑیں گے۔
ٹیڈی لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے ٹکرایا۔ اس کی سفید چمکتی ہوئی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے پستول والا ہاتھ اٹھایا۔ اسی لمحہ شکرا دوڑ کر سامنے آ گیا۔
"کیا کرتا ہے ٹیڈی استاد۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر رنگا دادا نے اس بندے کو عزت بخش دیا تو تمہارے لیے غضب ہو جائے گا نئیں۔"
"ہٹو رے۔ ہمارا راستہ سے ہٹو۔" ٹیڈی اسے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "بدمعاشی کرتا ہوں پردال نئیں ہے ہم اس کو ایسا مزہ چکھاؤں گا یاد کرے گا۔"
"ہاں آؤ۔" میں نے اشتعال دلانے والے انداز میں کہا۔ "تم ایسے ہی کمزور لوگوں کے ساتھ بدمعاشی کرتے رہے ہو آؤ آج دیکھو بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔"
ٹیڈی تو بدمعاشی دکھانے پر آمادہ تھا لیکن نصرو نے اس وقت بھی بڑی معقولیت کا ثبوت دیا اور معاملے کو سنبھال لیا۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ میں کسی بڑے کام کے سلسلے میں رنگا سے ملنے آیا ہوں اور کسی گڑبڑ کی صورت میں ان کی شامت آ جائے گی۔ یوں تو وہ بھی بدمعاش ہی تھا لیکن وہ اس سے کچھ دار ضرور تھا کہ رنگا سے میری ملاقات تک وہ میرے ساتھ کسی قسم کا سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"اب تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" میں نے ٹیڈی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اس کا کوئی قصور نہیں

ہے۔ اگر میں تمہاری کنپٹی پر پستول کی نال رکھ دیتا تو تم بھی بلاچون وچرا میرے ہر حکم کی تعمیل کرتے۔ یہ تو رنگا کے بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہیں تھا لیکن میں نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ یہ مجھے گلی میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ بے قصور ہے۔ اب اگر تم نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی ......" میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جا ڑے!" ٹیڈی اپنے مخصوص انداز میں غرایا۔ "رنگا دادا کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمہارا ناریل توڑ دیتا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ ٹیڈی مجھے پسند آیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ بلی بھی اپنے گھر پر شیر ہوتی ہے۔ ٹیڈی بھی اپنے اڈے پر شیر کی طرح غرا رہا تھا لیکن میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص بزدل ہرگز نہیں ہے اور کسی بھی جگہ کسی بھی قسم کی سنگین ترین صورتحال سے نمٹنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

کمرے میں موجود دوسرے آدمی اگرچہ لاتعلق سے نظر آ رہے تھے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ پوری طرح چوکس تھے اور ٹیڈی کا اشارہ پا کر کسی بھی لمحہ مجھ پر جھپٹ سکتے تھے۔

"اسے چھوڑ دو ٹیڈی یہ بے قصور ہے۔" میں نے ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس مرتبہ میرا لہجہ دوستانہ تھا۔

"کیسا چھوڑ دے گا اس حرامی کو۔" ٹیڈی بولا۔ "یہ آج تم کو ادھر لایا ہے کل کسی ایجنسی والے کو لائے گا۔ ہمارا لیے تو مصیبت پیدا ہو جائے گا کیں اور کیا پتا تم کون ہے؟"

"اسے کافی سزا مل چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے یقین ہے یہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

ٹیڈی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر انصرو اس سے پہلے ہی بول پڑا۔ وہ بلوچی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ٹیڈی نے بھی اسی زبان میں جواب دیا اور پھر دوسرے بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ ٹیڈی بار بار قالین پر پڑے ہوئے کباب والے کی طرف دیکھ رہا تھا جو منہ سے کرتے کی آستین سے بار بار ناک سے بہنے والا خون پونچھ رہا تھا اور آخر کار ٹیڈی اسے ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

"چلو ڑے شکل گم کرو ادھر سے۔ اگر آئندہ اس علاقے میں نظر آیا نا تو تمہارا ناریل توڑ دے گا۔"

وہ شخص اٹھ کر بدحواسی میں اندر والے دروازے کی طرف دوڑا۔

"ادھر کدھر جاتا ہے ڑے۔" ٹیڈی چیخا۔ "دو ہاتھ پڑنے سے تمہارا متھا گھوم گیا ہے کیا۔"

وہ شخص مڑ کر دوسرے دروازے کی طرف دوڑا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ اگر اسے ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو گئی تو ٹیڈی اپنا ارادہ بدل دے گا اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی پہلے بالکونی میں اور پھر سیڑھی کے تختوں پر اس کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔

اب وہ لوگ پھر میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اب تک کی صورت حال سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ٹیڈی کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں پر حاوی ہے۔ ہوسکتا ہے اسے گروہ میں کوئی اہم پوزیشن حاصل ہو۔

وومنٹ اور گزر گئے اور پھر وہ شخص اندرونی دروازے سے برآمد ہوا جو رنگا کو میرے بارے میں اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا اور پھر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

وومنٹ اور گزر گئے اور پھر وہ شخص اندرونی دروازے سے برآمد ہوا جو رنگا کو میرے بارے میں اطلاع دینے گیا تھا۔ اس نے بلوچی زبان میں ٹیڈی سے کچھ کہا اور پھر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

دوسرا کمرہ بھی ایسا ہی تھا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور اطراف میں دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

اس سے آگے ایک اور دروازہ تھا۔ اس شخص نے ہلکی سی دستک دی اور دروازہ کھول کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا لیکن خود وہیں رک گیا۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔

پہلا قدم اندر رکھتے ہی میں ٹھٹک گیا۔ کمرے کی فضا بھینی بھینی خوشبو سے مہکی ہوئی تھی۔

فرش پر دبیز ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ سرخ پلش کے کور والے گاؤ تکیے تھے۔ ایک طرف قالین کے اوپر چارپائی جتنے فٹ کا ایک اور نہایت خوبصورت کڑھائی والا دبیز کشن رکھا ہوا تھا جس کے ساتھ ایک گاؤ تکیہ بھی تھا۔ دوسرے قالین پر ہی تین مختلف رنگوں کے ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔

دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں جنہیں دیکھ کر رنگا کے ذوق کی داد دینا پڑتی تھی۔ کشن کے سامنے والی دیوار پر تین بائی چار فٹ کا ایک قالین آویزاں تھا جس پر ٹنی ہی میں ایک ایرانی دوشیزہ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس قالین کو بھی قالین بافی کا ایک شاہکار قرار دیا جا سکتا تھا۔

وہ ایرانی دوشیزہ بے حد حسین تھی۔ چہرے پر اگرچہ نقاب پڑا ہوا تھا صرف آنکھیں برہنہ تھیں اور اس نقاب کے باوجود اس کا حسین چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے دائیں کندھے پر ایک لمبی گردن والی خوبصورت صراحی اٹھا رکھی تھی۔ اس دوشیزہ کی گردن بھی صراحی کی طرح لمبی اور خوبصورت تھی۔

یہ قالین بافی کی مہارت کا کمال تھا کہ ہر باریکی واضح تھی۔ اس دوشیزہ کے پیچھے ذرا دائیں طرف ایک ہرنی بھی نظر آ رہی تھی۔ اس قالین کو دیکھ کر عمر خیام کی کسی رباعی کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا اور دراصل یہ عمر خیام کی رباعی ہی تھی جسے بڑی مہارت اور بڑی خوبصورتی سے قالین پر اجاگر کیا گیا تھا۔

اس کے ساتھ والی دیوار پر اوپر سے نیچے تک جھالر والا دبیز خوبصورت پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ پوری دیوار اس پردے سے ڈھکی ہوئی تھی۔

کمرے میں کوئی شخص نہیں تھا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ رنگا کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اس علاقے کا بہت بڑا دادا ہے اور اس کے آدمیوں کو دیکھ کر یہ بات ثابت بھی ہو گئی تھی۔ زندگی میں میرا واسطہ شریف انسانوں سے کم اور بدمعاشوں سے زیادہ پڑا تھا بلکہ میری زندگی ہی بدمعاشوں کے گھیرے میں گزر رہی تھی اور میں نے جس بدمعاش کو بھی دیکھا تھا وہ اپنے حلیے سے ہی بدمعاش لگتا تھا۔ ان کے اڈے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے تھے کسی نے تانگوں کے طبیلے میں ڈیرہ جما رکھا تھا۔ کسی نے گیراج کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا اور کوئی کسی قبرستان میں ڈیرہ جمائے ہوتا۔ میں نے آج تک کسی بدمعاش کو ایسا باذوق نہیں دیکھا تھا۔

رنگا بھی بدمعاش تھا لیکن اس کمرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے میں کسی بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ معزز

اور صاحب ذوق شخص کے ڈرائنگ روم میں آ گیا ہوں، اور یہ ڈرائنگ روم بھی بہت مختلف و منفرد نوعیت کا تھا۔

میں ابھی دروازے کے قریب کھڑا یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے کی دیوار کا پردہ درمیان میں سے چاک ہوا اور جو شخص اس پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

وہ شیدی تھا لیکن رنگت ان آدمیوں سے قدرے صاف تھی جنہیں میں باہر والے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، کسرتی بدن، باڈی بلڈروں جیسی چوڑی چھاتی، گھنگریالے بال اور چہرے کے نقوش قدرے بھدے تھے۔ اس نے بغیر آستین کے سفید ٹی شرٹ اور آف وائٹ کلر کی بیل باٹم قسم کی پتلون پہن رکھی تھی۔ گلے میں سونے کی چین تھی جس میں ایک روپے کے سکے کے برابر ایک گول لاکٹ بھی تھا جس پر کچھ کندہ تھا یا کوئی ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ دائیں کلائی میں چاندی کا ڈھیلا ڈھالا سا کڑا تھا اور بائیں کلائی میں ریمنڈ ویل یا ایسی ہی کوئی قیمتی گھڑی تھی۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں سفیدی نمایاں تھی جو عجیب سی لگ رہی تھی۔

وہ رنگا تھا، اس علاقے کا دادا۔

''تم کون ہے واجا اور میرے سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' اس نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں۔'' میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بھی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ شاید ہم نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو تولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے اس قالین کی طرف اشارہ کیا جس پر کشن رکھا ہوا تھا۔ کشن پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک گاؤ تکیہ میری طرف بڑھا دیا تھا۔ میں بھی اس کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور پھر ہم میں گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔

رنگا بہت صاف اور شستہ اردو بول رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بلوچی زبان کا کوئی لفظ بھی استعمال کر رہا تھا، تاہم انگریزی کے الفاظ وہ بکثرت بول رہا تھا۔ جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے لہجے میں شگفتگی بھی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بدمعاش کیسے ہو سکتا ہے۔

گفتگو کے دوران جب میں نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا اور پھر اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ لاہور میں میری چند سال پہلے والی سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھا۔

''مگر میں نے تو سنا تھا کہ تم پولیس سے بھاگ کر انڈیا گیا تھا۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میں بھاگا نہیں تھا مجھے اغوا کر کے راجستھان پہنچا دیا گیا تھا۔'' میں نے جواب دیا اور پھر اسے

اپنی راجستھان کی سرگرمیوں کے بارے میں مختصراً بتانے لگا۔ آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''لاہور واپس آتے ہی میں غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ شاید تم نے شاہ جی کا نام سنا ہے اس نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو میں نے بھی اسے ایسی چپت رسید کی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ تم نے لاہور میں اس کے ساتھ کیا کیا ہوگا لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ چند روز پہلے کراچی میں اس کا مال پکڑا گیا تھا اور اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مال پکڑوانے میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔'' رنگا نے کہا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ رنگوں کے ڈبوں میں چھپائے گئے اس مال کی اطلاع میں نے ہی دی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ میں رنگا کو یہ سب کچھ اس لیے بتا رہا تھا کہ اتنی دیر کی گفتگو کے دوران میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا شاہ جی کے گروپ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ کہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ اس پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔ اس سے کسی فراڈ کی توقع نہیں تھی اور اب مجھے یہ بھی امید ہو چلی تھی کہ وہ میرے کام کے سلسلے میں میری مدد کرے گا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور ہرے رنگ والے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ چند سیکنڈ بعد نہایت دھیمے لہجے میں بات چیت میں کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ میں اس کے بالکل سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن میں بھی نہیں سن سکا تھا کہ اس نے فون پر کس سے کیا بات کی تھی۔

''ہاں تو واجا۔'' وہ ایک بار پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''تم کراچی میں کس سلسلے میں آئے ہو؟ کیا مستقل کا ارادہ ہے یا ہنگاموں کا ارادہ ہے؟''

''خیال تو یہی ہے کہ یہاں کوئی کاروبار شروع کر کے ان تمام دھندوں سے بالکل الگ ہو جاؤں گا۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن لگتا ہے کہ اس دلدل میں اترنے کے بعد واپس ہونا ممکن نہیں۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس رات جگی اور رضیہ سے تصادم کا قصہ سنانے لگا۔ آخر میں بولا۔ ''اب تو میرے لیے الگ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں کراچی میں بالکل اکیلا ہوں، مجھے تم جیسے مخلص دوستوں کی تلاش ہے اور اس لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''بات یہ ہے واجا۔۔۔'' رنگا نے کہا۔ ''ہیروئن، چرس اور کوکین وغیرہ اپنی لائن کا دھندہ نہیں ہے۔ مجھے ایسی چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ بہت شدید نفرت ہے۔ یہ چیزیں تو آنے والی نسلوں کو بھی مفلوج کر رہی ہیں۔ اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں۔ نوجوانوں کو تو ایسا مضبوط ہونا چاہیے، ہمارا ماتی۔'' اس نے دایاں ہاتھ بائیں بازو کے مسل پر مارا۔ ''یہ جو ہیروئن اور چرس بیچنے والے دراصل وہ دیمک ہے جو اس ملک اور قوم کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ چوہے ہیں، بزدل ہیں۔ وہ پولیس کا نام سنتے ہی اس طرح بھاگتے ہیں جیسے قیامت آ گئی ہو۔ ارے جرم کرتا ہے تو مردوں کی طرح سینہ ٹھونک کر سامنے آؤ، مقابلہ کرو، سینے پر گولی کھاؤ، ہمارا ماتی...... یہ کیا بات ہے کہ معمولی سا خطرہ بھی دیکھا تو دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھو بہادری اس کو بولتا ہے۔'' جوش میں آ کر وہ نہ صرف صاف اردو بولتے بولتے اپنے بندوں کی طرح مخصوص زبان بولنے لگا بلکہ اس نے ٹی شرٹ بھی اتار دی۔ ''یہ دیکھو۔'' وہ اپنے جسم پر نشانات کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سینہ پولیس کی گولیوں کا نشانہ بھی بنا ہے اور دشمنوں کی گولیوں کو بھی اپنے اندر چھپایا ہے۔ ہم نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھایا۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ رنگا کے پیٹ اور سینے پر گولیوں کے سات نشان تھے اور تین نشان لمبے تھے جو یقیناً چاقو یا خنجر کے تھے۔

"تھینک واجا۔" وہ ٹی شرٹ پہن کر اس کے اوپر سونے کا لاکٹ درست کرتے ہوئے بولا۔ "ڈرگس کا دھندہ اپنا لین کا نہیں ہے۔"

"تم غلط سمجھے رنگا۔" میں نے کہا۔ "میں یہاں ڈرگس کا دھندہ شروع نہیں کرنا چاہتا بلکہ میں تو اس ریکٹ کو توڑنا چاہتا ہوں جو یہ دھندہ کر رہا ہے۔" میں ایک لحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔

"پچھلے چند ہفتوں کے دوران میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ کراچی منشیات فروشوں کی جنت ہے۔ میں سب سے نہیں لڑ سکتا۔ ایسے لوگوں تک پہنچنا میرے لیے مشکل نہیں ہے تو آسان بھی نہیں ہوگا۔ میں تو صرف ایک ریکٹ کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور اس میں میرا ذاتی انتقام کا جذبہ بھی شامل ہے اور......"

میں بات کرتے کرتے رک گیا۔ دیوار کے سامنے ریشمی دبیز پردے میں حرکت پیدا ہوئی۔ پردہ چاک ہوا اور اندر داخل ہونے والی ہستی کو دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دوسری دیوار پر آویزاں قالین کی حسینہ زندہ ہو کر قالین سے باہر آ گئی ہو۔

انتہائی خوبصورت تھی وہ لڑکی۔ شیفون جیسے کپڑے کا باریک لباس جس سے بدن کی گلابیاں جھلک رہی تھیں۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال رہی ہوگی۔ قالین والی حسینہ اور اس قیامت میں فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے کندھے پر صراحی نہیں تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں شیشے کی ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں شیشے کے دو گلاس تھے جن میں سنہرے رنگ کا مشروب تھا اور دونوں گلاسوں سے ہلکی سی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے ٹرے ہم دونوں کے بیچ میں رکھ دی اور رنگا کا اشارہ پا کر ایک گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ اس کی نظریں میری طرف اٹھیں اور میرے پورے جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔

"کہاں چلے گئے؟"

رنگا کی آواز سن کر میں اپنے حواس میں آ گیا۔

"رنگا کی طرف سے دوستی کا جام۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں شراب پیش نہیں کر سکتا کہ اس چیز سے مجھے سخت نفرت ہے۔ یہ قہوہ ہماری دوستی کی بنیاد ثابت ہوگا۔"

میں نے اس خوبصورت کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور اس طرف دیکھا لمحہ بھر کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں الف لیلوی بغداد کے کسی شہزادے کی خلوت گاہ میں پہنچ گیا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بھی الف لیلیٰ کی کسی کہانی کا کردار محسوس کرنے لگا۔

میرے ہاتھ میں قہوے کا گلاس دینے کے بعد اس حسینہ نے دوسرا گلاس اٹھا کر رنگا کو پیش کیا اور اس کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس پردے کے پیچھے غائب ہو گئی جہاں سے برآمد ہوئی تھی۔ میں دیر تک ہولے ہولے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہا۔

مجھے اپنے حواس پر قابو پانے میں خاصا وقت لگا تھا۔ قہوے کی پہلی چسکی لیتے ہی میرے منتشر

حواس قابو میں آنے لگے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے رنگا کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ قہوے کی چسکیوں کے ساتھ ہماری گفتگو کا سلسلہ بھی دوبارہ شروع ہو گیا۔

"میں نے انسان کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کی۔" رنگا کہہ رہا تھا۔ "تم جب اس کمرے میں آئے تھے تو میں دیر تک دوسرے کمرے میں بیٹھا تمہارا جائزہ لیتا رہا تھا۔"

میں چونک گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ شارٹ سرکٹ کیمرہ لگا ہوا تھا جس کے ذریعے کسی دوسرے کمرے میں میری نقل و حرکت کا جائزہ لیا جا رہا تھا لیکن میں نے کیمرہ تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

"تمہارے چہرے کے تاثرات سے میں نے بہت کچھ پڑھ لیا تھا۔" رنگا کہہ رہا تھا۔ "اور پھر تمہاری باتیں سن کر بھی مجھے تمہاری صداقت پر یقین آ گیا تھا اور اسی وقت میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"عرصہ پہلے جب لاہور میں تمہاری سرگرمیاں عروج پر تھیں تو چند روز کے لیے مجھے بھی لاہور جانے کا موقع ملا تھا۔ میں نے صرف ایک مرتبہ کسی ہوٹل میں تمہیں دیکھا تھا۔ میں تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن مجھے کراچی واپس آنا پڑا۔"

"اور اب تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے تمہیں پہچاننے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں تم جیسے بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ تمہاری مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی بولو کیا چاہتے ہو؟"

میں چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ میں اس کے پاس کیوں آیا تھا۔

"جی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ بہت چھوٹا اور ہیچ کا آدمی ہے۔ کراچی میں اس سنڈیکیٹ کا اصل آدمی تحریکی ہے۔ اس تک پہنچنا اگرچہ ذرا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ میں ایک دو روز میں معلوم کر لوں گا کہ وہ آج کل کہاں ہے۔ اگر تحریکی کو یہاں سے بھگا دیا جائے تو یہ سمجھ لو کہ کم از کم کراچی میں سنڈیکیٹ ختم ہو جائے گا۔"

"یہ تحریکی کون ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جیوانی کا رہنے والا ہے۔" رنگا نے جواب دیا۔ "اس کا تعلق ہمارے قبیلے کی ایک شاخ سے ہے۔ بنیادی طور پر وہ ماہی گیر ہے۔ ایک چھوٹی سی ساحلی بستی میں رہتا تھا اور اپنے خاندان کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مچھلیاں پکڑا کرتا تھا لیکن پھر ماہی گیری چھوڑ کر اس نے اسمگلنگ شروع کر دی۔ ایک گروہ میں شامل ہو گیا جو جیوانی کے ساحل سے اومان تک ایک تیز رفتار لانچ پر ادھر کا مال ادھر کیا کرتا تھا۔

ایک رات جب لانچ ولایتی شراب کے دو ہزار کریٹ اور دیگر غیر ملکی ممنوعہ سامان کی کھیپ لے کر ویران ساحل پر لنگر انداز ہوئی تو کوسٹ گارڈز کی ایک پارٹی پہلے ہی سے ساحل پر گھات لگائے بیٹھی تھی۔ کوسٹ گارڈز نے دراصل ایک اور اطلاع پر چھاپہ مارنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ ان کے مخبر نے اطلاع دی تھی کہ منشیات کی ایک بھاری کھیپ اس ساحل سے اسمگل کی جانے والی ہے اور کوسٹ گارڈز کی پارٹی کو ریگستان کی طرف سے آنے والی اسمگلروں کی اس پارٹی کا انتظار تھا۔

اسمگلروں کی وہ پارٹی تو اس رات وہاں نہیں پہنچی شاید انہیں ساحلی محافظوں کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی لیکن اتفاق سے تحریکی والی لانچ ساحل پر لنگر انداز ہوئی اور جب لانچ سے مال اتار کر ساحل پر پہاڑیوں میں ایک جگہ چھپایا جا رہا تھا تو کوسٹ گارڈز کی پارٹی نے ہلہ بول دیا۔

ایسے موقعوں پر بڑے پیمانے پر فائرنگ کا تبادلہ ضرور ہوتا ہے۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا۔ کوسٹ گارڈز پارٹی کا ایک اہلکار مارا گیا۔ تحریکی کی پارٹی کے بھی دو آدمی مارے گئے۔ ایک زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ تحریکی اور اس کے تین ساتھی کسی نہ کسی طرح لانچ پر پہنچ گئے اور کھلے سمندر کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اسمگلرز پارٹی کے گرفتار ہونے والے زخمی نے بعد میں انکشاف کیا کہ کوسٹ گارڈز کا اہلکار تحریکی کی گولی سے ہلاک ہوا تھا۔

تحریکی اومان پہنچ گیا۔ اسے بھی اطلاع مل گئی تھی کہ قتل کے سلسلے میں اس کا نام آ چکا ہے۔ اس نے پاکستان آنے کا ارادہ بدل دیا اور اومان ہی میں رہائش اختیار کر لی۔

گوادر سے پسنی جیوانی اور ماڑہ تک کی ساحلی پٹی پر آباد بلوچ خلیج کے دوسری طرف اومان اور مسقط جیسی ساحلی ریاستوں کو اپنا دوسرا گھر سمجھتے ہیں۔ وہاں انہیں رہائش اختیار کرنے ملازمت حاصل کرنے یا کوئی کاروبار شروع کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اومان پہنچنے کے بعد تحریکی کئی سال تک منظر عام سے غائب رہا اور پھر شارجہ اور دبئی میں اس کے دیکھے جانے کی خبریں ملنے لگیں۔ تحریکی چونکہ ہمارے ہی قبیلے کا تھا اس لیے فطری طور پر میں اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً اس کے بارے میں اطلاعات یہاں تک پہنچتی رہیں جن سے پتا چلتا رہا کہ اب وہ کوئی معمولی آدمی نہیں رہا۔ وہ عرب شیخوں کی طرح شاندار زندگی گزار رہا تھا۔ اسے ان عرب ریاستوں میں ایک معزز مقام بھی حاصل تھا۔ یہ عزت اور ساری دولت اسمگلنگ کی مرہون منت تھی اس نے دبئی میں ایک سینڈیکیٹ بنا لیا تھا جس کے تعلقات انٹرنیشنل ڈرگ مافیا سے بھی تھے

تحریکی کے سینڈیکیٹ کے آدمی پاکستان میں بھی موجود تھے۔ پشاور کا انتظام جلات خان نامی شخص نے سنبھال رکھا تھا۔ لاہور میں یہ ذمے داری شاہ جی کے سپرد تھی۔ ہیروئن پشاور سے لاہور آتی اور وہاں سے کراچی بھیج دی جاتی۔ یہاں امت خان نامی شخص اس سارے دھندے کی نگرانی کر رہا تھا۔

شبے سے بچنے کے لیے غیر ممالک کو بھیجا جانے والا مال کبھی کراچی اور کبھی لاہور سے فرضی کمپنیوں کے ناموں سے بھیجا جاتا تھا۔

تحریکی دو تین مرتبہ چوری چھپے کراچی آ چکا تھا۔ پچھلے سال امت خان پولیس سے ایک جھڑپ میں مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد بزنس میں کچھ بدعنوانیوں کا بھی انکشاف ہوا۔ امت خان نے سینڈیکیٹ کے کروڑوں روپے خورد برد کر دیے تھے جن کا کبھی پتا نہیں چلا۔

امت خان کی موت اور بدعنوانیوں کے انکشاف کے بعد تحریکی نے خود کراچی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے بعض کرپٹ حکام سے مل کر جیوانی میں کوسٹ گارڈ اہلکار کے برسوں پرانے قتل کے کیس سے اپنا نام نکلوا دیا اور کراچی آ گیا۔

وہ مستقل طور پر کراچی میں نہیں رہتا' کبھی دبئی' کبھی شارجہ اور کبھی کراچی۔ اس لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ آج کل کہاں ہے اور رضیہ نامی عورت ابھی کے ساتھ رہ رہی ہے یا اوپر کے کسی آدمی کے پاس ہے......"

میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ میرا واسطہ اب تک صرف رضیہ اور شاہ جی سے پڑا تھا لیکن یہاں تو بڑے سنسنی خیز انکشافات ہو رہے تھے۔ شاہ جی اور رضیہ تو چھوٹی مچھلیاں تھیں۔ یہاں تحریکی جیسے مگرمچھ موجود تھے اور اب میرا واسطہ ان ہی مگرمچھوں سے پڑنے والا تھا اور میں خوش قسمت تھا کہ صحیح وقت پر صحیح بندے سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ تحریکی رنگا کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ دونوں جرائم کی دنیا سے وابستہ تھے۔ لائنیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن جرم ظاہر ہے جرم ہی ہوتا ہے خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو۔ ان دونوں کے جرائم کے شعبے الگ تھے۔ آپس میں تصادم یا ٹکراؤ کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ رنگا کو تو ویسے بھی منشیات کے بزنس سے نفرت تھی۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ہر شخص اپنی برادری یا قبیلے کے آدمی کی حمایت میں بولتا ہے اگر وہ کسی جال میں پھنس جائے تو اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہاں صورت حال مختلف تھی۔ رنگا اپنے قبیلے کے اس آدمی سے ٹکرانے کے لیے تیار تھا جس کے خلاف میں مدد کی موہوم سی امید لے کر آیا تھا۔ ایسا کیوں ہے؟ رنگا کی گفتگو کے دوران کہیں بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا جس سے شائبہ بھی ہوتا کہ ان میں کوئی رقابت' کاروباری اختلاف یا کسی قسم کی دشمنی چل رہی ہو۔ یا تحریکی سے اسے کوئی ایسا نقصان پہنچا ہو جس کا وہ انتقام لینا چاہتا ہو اور اب میری وجہ سے اسے موقع مل رہا ہو اور جب یہی سوال میں نے رنگا سے کیا تو اس کے ہونٹوں پر غیر محسوس سی مسکراہٹ آ گئی۔

"سب کچھ پہلی ملاقات ہی میں جان لینا چاہتے ہو؟" اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔

"کیا حرج ہے۔" میں نے بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ رنگا کی اس بات سے مجھے ہلکا سا اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کے لیے وہ تحریکی کے خلاف میرے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔

"اگر کوئی ایسی بات نہ ہو جسے تم راز میں رکھنا چاہو یا اس کے بیان کرنے سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے یا کسی پرانے زخم کے تازہ ہونے کا احتمال ہو تو میں وہ سب کچھ سننا پسند نہیں کروں گا۔"

"ہم بلوچ لوگ ہیں۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "ہمارا ایک الگ معاشرہ ہے۔ الگ روایات ہیں۔ ہم بلوچوں میں ایک خاص بات تم چاہو تو اسے کمزوری بھی کہہ سکتے ہو یہ ہے کہ جب ہم کسی پر اعتماد کرتے ہیں تو کوئی شک شبہ ذہن میں نہیں رکھتے۔ ہمارا اعتماد اندھا ہوتا ہے اور جب کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو اس کے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار رہتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن جب بات دشمنی کی ہو تو ہماری دشمنی بھی انتہائی حد کو چھو لیتی ہے۔ ہم کھلے دل کے لوگ ہیں۔ دھوکا اور فریب پسند نہیں کرتے۔ دھوکا' فریب اور غداری کرنے والوں کو اور دوست بن کر

پیٹھ میں چھرا گھونپنے والوں کو ایسی موت مارتے ہیں کہ دھرتی بھی تھرا اٹھتی ہے۔"

یہ گویا میرے لیے پیغام تھا کہ میں اس کے ساتھ کسی قسم کے دھوکے اور غداری کا خیال بھی ذہن میں نہ لاؤں۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "دشمن کو ہم کبھی معاف نہیں کرتے۔ ہماری دشمنی نسل در نسل چلتی ہے اور دنیا کی کوئی قوم ہماری دوستی کی مثال بھی پیش نہیں کر سکتی۔ دوست کے سامنے تو ہم اپنے دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو میں تم سے کوئی بات چھپاؤں گا نہیں۔ میں تمہیں تمہارے سوال کا جواب ضرور دوں گا۔ تمہیں یہ ضرور بتاؤں گا کہ میں تحریکی جیسے شخص کے خلاف تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ کیوں ہو گیا لیکن گرم گرم قہوے کا ایک ایک گلاس اور پینے کے بعد۔"

اس نے ایک بار پھر ہرے رنگ کا فون اٹھا کر ماؤتھ پیس میں پہلے کی طرح مدہم لہجے میں کسی سے کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ میں ایک انجانے تصور سے اپنے آپ میں سنسنی سی محسوس کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ چند منٹ بعد وہی عمر خیام کی محبوبہ قالین کے تانوں بانوں سے نکل کر میرے سامنے آئے گی اور میرا دل دھڑکنا بھول جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر سامنے دیوار پر آویزاں قالین کی طرف اٹھ گئیں۔

قالین پر سے نظریں ہٹانا اگرچہ دشوار تھا مگر اس خیال سے کہ میری چوری نہ پکڑی جائے میں دوسری پینٹنگز کی طرف بھی نظریں اٹھانے پر مجبور ہو گیا اور پھر بات بناتے ہوئے بولا۔

"یہ قالین اور پینٹنگز......"

"شوق کی بات ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے آرٹ سے ہمیشہ عشق رہا ہے۔ میں نے آرٹ کے بہت قیمتی نمونے اور شاہکار قسم کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں جن پر میں نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے لیکن دو سال پہلے میری اس آرٹ گیلری میں آگ لگ گئی اور سب کچھ ضائع ہو گیا۔ یہ قالین والا شاہکار۔" اس نے دیوار پر آویزاں قالین کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے ایک دوست کا تحفہ ہے جو اس نے مجھے مشہد سے لا کر دیا تھا۔ اسے آرٹ سے میری محبت کا علم تھا۔ اس نے یہ چیز بھی دلا کر دی کہ دل خوش ہو گیا۔" وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ گرے کلر والے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میری طرف دیکھ کر معذرت کرتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

فون پر بلوچی زبان میں بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر برہمی کے تاثرات ابھر آئے اور لہجہ بھی تیز ہو گیا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"تم بیٹھو میں دو منٹ میں آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر اس دروازے سے دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں سے مجھے لایا گیا تھا۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کسی قدر گھوم گیا۔ اب دیوار پر آویزاں وہ قالین میرے بالکل سامنے تھا۔ میں اس تصویر کو دیکھتے ہوئے اس حسینہ کے بارے میں سوچنے لگا جو تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے قہوہ لے کر آئی تھی۔ اس کا خیال آتے ہی میں اپنے آپ میں ایک بار پھر سنسنی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میری نظریں غیر اختیاری طور پردے کی طرف اٹھ گئیں اور میں سوچنے لگا کہ ابھی پردہ چاک ہو گا اور وہ قتالہ نمودار ہو گی۔ میں کمرے میں اکیلا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسے دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو

پا سکوں گا۔

یہ سوچتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن میں رنگا کی وہ بات یاد آ گئی جب اس نے کہا تھا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو وہ دوسرے کمرے میں موجود تھا اور شارٹ سرکٹ ٹی وی اسکرین پر میرا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ کسی پوشیدہ کیمرے کا خیال ذہن میں آتے ہی میں نے ان لغو خیالات کو جھٹک دیا جو اس حسینہ کے حوالے سے میرا سکون غارت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی میں غیر ارادی طور پر گردن گھما کر وہ کیمرہ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کمرے کی چھت فالس سیلنگ کی تھی لیکن ظاہر ہے وہ کیمرہ سیلنگ پر نہیں ہو سکتا تھا۔ سر کے عین اوپر نصب کسی کیمرے سے چہرہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ میں چاروں طرف دیواروں کو گھورنے لگا مگر کوئی بھی ایسی جگہ دکھائی نہیں دی جہاں شارٹ سرکٹ ٹی وی کیمرہ نصب ہونے کا شبہ ہو۔

رنگا کو کمرے سے گئے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے۔ میری نظر ایک بار پھر دیوار والے پردے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

پردے میں حرکت پیدا ہونے سے لہریں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں پھر عین وسط میں پردہ چاک ہوا اور پردے کو حرکت کرتے دیکھ کر میرا دل جس تیزی سے اچھلا تھا اس سے بھی کہیں زیادہ تیزی سے ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ ایک شیدی تھا جو شیشے کی ٹرے میں گیلن کلر قہوے کے دو گلاس لیے پردے کے عقب سے برآمد ہوا تھا۔ میرے منہ سے اس طرح گہرا سانس نکل گیا جیسے بھرے ہوئے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ اس سیاہ رو دبلے پتلے پستہ قامت شیدی کی آنکھوں کی سفیدی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں کچھ زیادہ ہی چمک رہی تھی اور جب وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس کے موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں کے بیچ میں سفید دانت بھی چمک اٹھے۔

اس نے وہ ٹرے قالین پر رکھ دی اور دوسری ٹرے اٹھا کر واپس چلا گیا۔ میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا کچھ دیر اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر ٹرے میں رکھے ہوئے گلاسوں کو دیکھنے لگا۔ ٹرے تو دیکھی ہی تھی شفاف شیشے کی البتہ گلاس مختلف تھے۔ نازک سے گلاسوں پر خوبصورت ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ ان چیزوں کے حوالے سے بھی میں رنگا کے ذوق کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

اور پھر اسی وقت رنگا کمرے میں [illegible] ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی برہمی کے تاثرات نمایاں تھے [illegible] سامنے کشن [illegible] کے تاثرات بدل گئے۔

"قہوہ پیو دوست۔" وہ میری طرف [illegible] ہوئے بولا۔ "ٹھنڈا ہو کر یہ قہوہ کچھ زیادہ مزے کا نہیں رہتا۔ اس کا مزہ گرم گرم پینے ہی میں ہے۔"

میں نے ایک گلاس اٹھایا تو رنگا نے بھی اپنا گلاس اٹھا لیا۔

"فون کال ریسیو کرتے ہوئے تمہارے چہرے پر کچھ برہمی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔" میں نے قہوے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔ "اور جب تم واپس آئے ہو تو بھی ...."

"گڑبڑ ہو گیا تھا۔" اس نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "علاقے کا ایس ایچ او

نیا نیا آیا ہے۔ ہر نئے آنے والے پولیس آفیسر کی طرح اس نے بھی ترّیاں دینی شروع کر دی تھیں کہ سارے بدمعاش یا تو نمازیں پڑھنا شروع کر دیں یا علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ بہت اکڑی کرنے لگا تھا۔"
وہ خاموش ہو کر قہوہ کی چسکیاں لینے لگا پھر بولا۔ "آج وہ سادہ لباس میں علاقے میں گھوم رہا تھا کہ میرے دو آدمیوں نے اس کی ٹھکائی کر دی۔ بس یہی پھڈا تھا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو کئی بار سمجھایا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر پولیس والوں سے پنگے بازی نہ کیا کریں۔ انہیں اپنی ڈیوٹی کرنی ہے اور ہمیں بھی یہیں رہنا ہے لیکن ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی کے ہاتھوں میں خارش ہونے لگتی ہے۔"
"کیا طے ہوا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"یہ پھڈے تو ہم لوگوں کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا اور پھر موضوع بدل دیا۔
"اور وہ بات تو رہ ہی گئی جو تجریکی کے حوالے سے تم مجھے بتانے والے تھے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔
"تجریکی!" رنگا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "وہ ہمارے ہی قبیلے کا آدمی ہے اور اس کا اصل نام مبارک احمد ہے لیکن اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے میں اپنے بارے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔" اس نے قہوے کی ایک دو چسکیاں لیں اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں جیوانی میں پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ بھی ماہی گیر تھا۔ ماہی گیروں کی زندگی کا زیادہ حصہ سمندروں پر ہی گزرتا ہے۔ میرا باپ بھی سمندر کی بپھری ہوئی اور پُرجوش لہروں پر ہی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ کئی کئی روز تک گھر سے باہر رہتا۔ میں چھ سال کا ہوا تو مجھے جیوانی کے پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ ہماری رہائش ساحل کے قریب ایک بستی میں تھی اور جیوانی شہر وہاں سے تقریباً دو میل دور تھا۔ میری ماں روزانہ مجھے بستی سے شہر لے کر آتی اور مجھے اسکول میں چھوڑ کر شہر ہی میں ایک جگہ مزدوری کرنے چلی جاتی۔ اسکول کی چھٹی کے وقت وہ مجھے لے کر بستی آ جاتی۔
پہلے پہل تو مجھے اسکول میں بہت ڈر لگا لیکن پھر پڑھنے میں مزہ آنے لگا۔ میں نئی نئی باتیں سیکھ رہا تھا اور اس چھوٹی سی عمر میں ہی بستی کے ان پڑھ بچوں پر رعب جمانے لگا تھا۔
میں نے پرائمری اسکول پاس کر لیا۔ مجھے پڑھائی کا شوق تھا لیکن ان دنوں جیوانی میں صرف پرائمری اسکول تھا۔ مڈل اور ہائی اسکول گوادر میں تھا۔
میرا باپ بھی مجھے پڑھانا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں بھی اس کی طرح ماہی گیر بنوں اور ساری زندگی سمندر میں مچھلیاں پکڑتے ہوئے گزار دوں اور پھر میرا شوق دیکھ کر بستی والوں کی مخالفت کے باوجود وہ جیوانی چھوڑ کر گوادر آ گیا جہاں مجھے مڈل اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔
میں نے کسی کلاس میں فیل ہوئے بغیر میٹرک پاس کر لیا۔ میرا باپ مجھے پڑھا کر بڑا آفیسر بنانا چاہتا تھا۔ وہ خود ان پڑھ اور جاہل تھا مگر مجھے پڑھانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ اس نے گوادر بھی چھوڑا اور کنبے کو لے کر کراچی آ گیا جہاں مجھے کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ مجھ سے دس سال چھوٹی ایک بہن بھی تھی لیکن اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سات جماعت کے بعد اس نے اسکول چھوڑ دیا۔ وہ گھر

کے کاموں میں مصروف رہتی۔ ہم دونوں میں بہت پیار تھا۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتی تھی۔ میرے مقابلے میں اس کی رنگت بہت صاف تھی اور نین نقش بھی خوب تھے۔ وہ بہت پیاری لڑکی تھی۔
کراچی آ کر میرے ماں باپ کو زیادہ محنت کرنی پڑتی تھی۔ ماں بڑے لوگوں کے گھروں میں کام کر کے کچھ آمدنی حاصل کر لیتی اور باپ اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ ایک ٹرالر پر کام کرنے لگا تھا۔ وہ اب بھی کئی کئی روز تک سمندر میں رہتا تھا۔
یکا یک میرا باپ بیمار ہو گیا۔ نوکری چھوٹ گئی۔ صحت یاب ہونے کے بعد بھی اسے ماہی گیری کے کسی ٹرالر پر نوکری نہیں ملی۔ وہ کمزور ہو گیا تھا اور سمندر کی بپھری ہوئی لہروں سے لڑنے اور مچھلیوں کے جال پھینکنے کے لیے مضبوط ہاتھوں کی ضرورت تھی۔
میرے باپ نے ایک پرانی سائیکل خرید لی اور شہر میں مچھلیاں فروخت کرنے لگا۔ وہ صبح سویرے فش ہاربر پر جاتا، وہاں سے مچھلیاں خریدتا اور سائیکل کے ہینڈل کے دونوں طرف مچھلیوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں لٹکا کر شہر کی گنجان آبادی سے دور جدید اور ماڈرن بستیوں کی طرف نکل جاتا۔ وہ دن بھر سائیکل پر مچھلیاں فروخت کرتا۔ اسے میلوں فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ وہ کمزور آدمی تھا، سخت محنت سے مزید کمزور ہوتا چلا گیا۔ اپنے ماں باپ کی حالت دیکھ کر میں کڑھتا رہتا۔ ایک روز جب میں نے تعلیم چھوڑ کر باپ کے ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کیا تو میرے باپ نے مجھے بہت ڈانٹا۔ وہ ہر صورت میں مجھے اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا تھا۔
میری بہن فاطمہ بھی چاہتی تھی کہ میں تعلیم حاصل کروں۔ اسے بھی میرے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی تھی اور جب میں تھرڈ ایئر میں تھا تو مبارک احمد عرف تجریکی نے ہمارے گھر آنا جانا شروع کیا۔"
رنگا خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اپنی داستانِ الم سناتے ہوئے اس کے چہرے پر بار بار کرب کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔
"تجریکی دراصل میرے والد کے کزن کا بیٹا تھا۔ چند سال پہلے وہ لوگ بھی جیوانی سے کراچی منتقل ہو گئے تھے اور اس طرح ان کا ہمارے گھر آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔
تجریکی میرا ہم عمر ہی تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری بہن فاطمہ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ عام طور پر اس وقت ہمارے گھر آتا جب میں کالج میں ہوتا اور میرا باپ شہر کے کسی علاقے میں مچھلیاں بیچ رہا ہوتا۔
فاطمہ نے بھی اس بات کو نوٹ کر لیا تھا۔ وہ ابھی کم عمر ہی تھی لیکن بڑی سمجھدار لڑکی تھی۔ اس نے تجریکی کی نظروں میں میل دیکھ لیا تھا۔ وہ اس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتی۔
اور پھر اچانک ہی تجریکی نے ہمارے گھر آنا جانا بند کر دیا۔ میں نے ایک روز یونہی فاطمہ سے اس کے بارے میں پوچھ لیا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ آ گئی اور پھر اس نے بتایا کہ اس روز تجریکی آیا تو اماں بھی گھر پر موجود نہیں تھیں۔ تجریکی نے موقع پا کر بدتمیزی کرنے کی کوشش کی۔ اس کا ہاتھ

پکڑ کر لیا جس پر فاطمہ نے اس کے گال پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

اس کے بعد ہی تحریکی نے ہمارے گھر آنا جانا چھوڑا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ہم اس کی بدتمیزی پر اس سے بازپرس کریں گے۔

اور پھر تحریکی جیوانی واپس چلا گیا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ میں اس کے بارے میں معلومات رکھنے کی کوشش کرتا۔

میں نے گریجویشن کر لیا۔ باپ تو مجھے اور پڑھانا چاہتا تھا۔ وہ مجھے بہت اوپر دیکھنے کا خواہش مند تھا لیکن میں نے مزید تعلیم کا خیال ذہن سے نکال کر نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ میرا باپ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اب وہ سائیکل نہیں چلا سکتا تھا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ میں نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن نوکری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ میری طرح اور بھی بہت سے نوجوان ڈگریاں لیے پھر رہے تھے۔

میرا باپ بیمار پڑ گیا۔ وہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلا کر بہت اوپر دیکھنے کا خواہش مند تھا لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے اور پھر ایک روز وہ اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی خواہش کو سینے میں دبائے منوں مٹی کے نیچے دفن ہو گیا۔

میں دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ میں نوکری کا خیال ذہن سے نکال کر سائیکل پر شہر میں مچھلیاں فروخت کرنے لگا۔ میں نے بھی اپنے باپ کی طرح محنت میں کوئی عار نہیں سمجھا تھا۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ میں تحریکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ حالانکہ فاطمہ کے ساتھ بدتمیزی والے واقعہ کو میں بھول چکا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے اس واقعہ کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دی تھی۔

تحریکی ان دنوں جیوانی میں اسمگلروں کی پارٹی میں شامل ہو چکا تھا اور یہ عجیب بات تھی کہ میں گریجویشن کرنے کے بعد شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر مچھلیاں بیچ رہا تھا اور صرف پانچ جماعت تک پڑھا ہوا تحریکی لاکھوں میں کھیل رہا تھا۔

اور پھر یہ اطلاع ملی کہ تحریکی کے ہاتھوں ایک کوسٹ گارڈ اہلکار مارا گیا ہے اور وہ گرفتاری سے بچنے کے لیے فرار ہو کر اومان اور وہاں سے شارجہ وغیرہ کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کے بارے میں اطلاعات ملتی رہیں۔ وہ دولت مند عرب شیخوں جیسی زندگی گزار رہا تھا۔

ایک روز شام کو جب میں واپس آیا تو گھر میں اماں کے پاس ایک اجنبی کو بیٹھے دیکھ کر میں چونک گیا لیکن پھر فوراً ہی میں نے اسے پہچان لیا وہ تحریکی تھا۔

تحریکی چوری چھپے پاکستان آیا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ اس کے خلاف پرانا کیس ختم ہو جائے۔ وہ اس سلسلے میں خاصی بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ اس کے پاس پیسہ تھا اور پاکستان جیسے ملک میں جہاں کرپشن عروج پر ہو پیسہ ہر کرامت دکھا سکتا ہے۔

اس روز تحریکی کافی دیر ہمارے گھر بیٹھا رہا تھا۔ اس دوران اور تو بہت سی باتیں ہوئیں لیکن برسوں پہلے اس ناخوشگوار واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔ نہ وہ کچھ بولا نہ ہم نے کچھ کہا۔ ہم تو حقیقتاً اس واقعہ کو بھول چکے تھے اور فاطمہ کو بھی شاید برسوں پرانی وہ بات یاد نہیں رہی تھی۔

فاطمہ جوان ہو چکی تھی۔ وہ بڑی پیاری لڑکی تھی۔ اس روز وہ بھی تحریکی سے بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔

تحریکی چلا گیا اور تقریباً تین ہفتوں بعد واپس آیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ گھر بیٹھ کر چلا گیا۔

اس سے اگلے روز شام کو جب میں اپنے دھندے سے واپس لوٹا تو گویا قیامت میرا انتظار کر رہی تھی۔

فاطمہ نے گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کر لی تھی۔ ماں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور محلے کی عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد پولیس بھی آ گئی اور انہوں نے فاطمہ کی لاش کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا تھا۔ ماں کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا وہ کچھ بتانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

فاطمہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ہمارے حوالے کی گئی تھی اور میرے لیے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کیا جانے والا انکشاف بہت سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ مرنے سے پہلے فاطمہ کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ سینے میں طوفان سا مچل رہا تھا۔ وہ کون تھا جس نے میری بہن کو اس طرح موت کے منہ میں دھکیلا تھا؟ فاطمہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اس کی پاک دامنی کی قسم تو محلے والے بھی کھاتے تھے۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس کے کسی مرد سے اس طرح کے تعلقات ہوں گے۔ وہ تو عورتوں سے بات کرتے ہوئے بھی جھجکتی تھی۔ کسی مرد کے قریب جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پولیس مجھے الگ پریشان کر رہی تھی۔ ان کے خیال میں شاید مجھے فاطمہ کے کسی مرد سے ناجائز تعلقات کا علم ہو گیا تھا اور میں نے اسے مار ڈالا تھا حالانکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے صاف ظاہر تھا کہ فاطمہ کو موت سے کچھ پہلے ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا اور میں خود اس وقت اپنے گھر سے میلوں دور سائیکل پر گھومتے ہوئے مچھلیاں بیچ رہا تھا لیکن پولیس کو تو کھانے پینے کا بہانہ چاہیے تھا۔ میں ظلم کا شکار ہوا تھا اور مجھے ہی بہن کے قتل کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے بند کر دینے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ آخرکار بستی کے چند معززین کی مداخلت پر دس ہزار روپے دے کر پولیس سے میری گلوخلاصی ہوئی۔

اور پھر تین دن بعد یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ فاطمہ کی خودکشی کا انکشاف ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے تحریکی کو ہمارے گھر میں آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ یہ بات مجھے گلی کی ایک لڑکی نے بتائی تھی۔

فاطمہ کی عمر اگرچہ صرف سترہ سال تھی لیکن سلائی کڑھائی میں اس نے بڑی مہارت حاصل کر لی تھی۔ محلے کی بعض لڑکیاں بھی بلوچی کڑھائی سیکھنے کے لیے اس کے پاس آتی رہتی تھیں۔ زہرہ بھی انہی میں سے تھی جو فاطمہ سے دو تین سال چھوٹی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے مجھے بتایا کہ اس روز وہ کڑھائی کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لیے فاطمہ کے پاس آنا چاہتی تھی تو وہ ابھی ہمارے گھر سے دور ہی تھی کہ اس نے تحریکی کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھا اور واپس چلی گئی۔ اس نے سوچا تھا کہ مہمان کے ہوتے ہوئے اس کا

ہمارے گھر آنا مناسب نہیں تھا۔

زہرہ تحریکی کے نام سے واقف نہیں تھی۔ اس نے حلیہ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مہمان ایک دفعہ پہلے بھی ہمارے گھر آیا تھا اور تقریباً تین مہینے پہلے بھی۔

میں فوراً ہی پولیس کے پاس پہنچ گیا اور آفیسر کو تحریکی کے بارے میں بتایا۔ آفیسر مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ میں نے اتنے برسوں پہلے کا واقعہ بھی بتا دیا کہ کس طرح اس نے فاطمہ کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور فاطمہ نے اس تھپڑ کا انتقام لینے کے لیے فاطمہ کو ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔

تحریکی ان دنوں کراچی میں موجود تھا اور میرا خیال تھا کہ اس انکشاف کے بعد پولیس اسے فوراً ہی گرفتار کر لے گی لیکن تین دن گزرنے کے بعد بھی پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ میں پولیس آفیسر سے الجھ پڑا اور پھر ایک انکشاف ہوا۔ وہ پولیس آفیسر تحریکی سے ملا تھا اور تحریکی نے ایک معقول رقم دے کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں نا کہ پاکستان وہ ملک ہے جہاں پیسہ ہر قسم کی کرامات دکھا سکتا ہے۔ یہاں بھی پیسے نے کرامت دکھائی تھی۔

پولیس آفیسر نے کہا کہ میں پرانی دشمنی کا انتقام لینے کے لیے ایک معزز آدمی پر شرمناک اور سنگین الزام لگا رہا ہوں جس کے نتیجے میں الٹا مجھ پر ہی کیس بن سکتا ہے۔ وہ اسمگلر معزز آدمی تھا اور ایک پڑھا لکھا محنت مزدوری کر کے رزق حلال کمانے والا شریف آدمی مشکوک ہو گیا تھا۔ میں پولیس آفیسر سے الجھ پڑا اور جب میں نے یہ کہا کہ اس نے تحریکی سے رشوت کھائی ہے تو وہ طیش میں آ گیا اور میری دھنائی کرنے کے بعد مجھے حوالات میں بند کر دیا۔

دوسرے دن محلے کے معززین ہی نے پانچ ہزار روپے دے کر مجھے چھڑایا تھا اور مجھے دلاسہ دینے کی کوشش کرتے رہے کہ اب میں اس واقعے کو بھول جاؤں لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اپنی معصوم بہن کی توہین اور اس کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔

تحریکی کو تو میں نے ختم کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا لیکن اس راشی اور بے ضمیر آفیسر کو بھی میں نے سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا

مجھے پتا چل گیا تھا کہ تحریکی گلشن اقبال میں اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اس رات گلشن اقبال پہنچ گیا۔ مجھے وہ بنگلہ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس وقت میرے پاس ایک تیز دھار چھرا بھی تھا۔ یہ چھرا میں مچھلیوں کا پیٹ چاک کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ آج اس چھرے سے تحریکی کا پیٹ چاک کر ڈالوں گا۔

لیکن اس رات قسمت نے میرا زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ تحریکی میرے ہاتھ لگا تو مگر بچ گیا۔ میں اس پر چھرے سے صرف ایک وار کرنے میں کامیاب ہو سکا اور یہ وار اس کی بائیں ران پر لگا تھا۔

تحریکی بھاگ گیا۔ اس کے دوست اور ایک آدمی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی مگر میں بھی وہاں سے بھاگ نکلا۔

تیسرے دن رات کو پولیس نے مجھے میرے گھر سے پکڑ لیا۔ اصولی طور پر پکڑے جانے کے بعد مجھے گلشن اقبال پولیس اسٹیشن کے حوالے کیا جانا چاہیے تھا مگر مجھے ہمارے ہی علاقے کے تھانے میں

لے جایا گیا اور ایک بار پھر میں تھا اور وہی پولیس آفیسر جس سے میرا جھگڑا ہوا تھا۔

مجھے چھت سے الٹا لٹکا کر میرے پیٹ اور کمر پر ڈنڈے برسائے گئے۔ دوسرے طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ مجھے تین دن تک سونے نہیں دیا گیا۔ تیز روشنی میں مجھے اس طرح بٹھائے رکھا جاتا کہ میں اس کی چکاچوند سے بچنے کے لیے آنکھیں بند کرتا تو میرے سر پر ٹھوکریں ماری جاتیں اور مجھے جاگتے رہنے پر مجبور کیا جاتا۔

میرے خلاف کوئی کیس رجسٹر نہیں کیا گیا تھا۔ کیس رجسٹر ہوتا بھی کیسے جبکہ وہ واردات اس تھانے کی حدود سے میلوں دور کسی اور علاقے میں ہوئی تھی۔ ہمارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ پولیس والے جو ہیں نا میں انہیں سرکاری بدمعاش کہتا ہوں۔ ان کے پاس بے پناہ طاقت ہے۔ وردی کی طاقت، بے پناہ اختیارات ہیں یہ جس کو چاہیں سڑک پر ننگا کر دیں اور جسے چاہیں تھانے میں بند کر کے تشدد کا نشانہ بناتے رہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ انہیں کسی کا خوف نہیں یہ تو بے تاج بادشاہ ہیں۔

مجھے بعد میں پتہ چلا کہ تحریکی اس رات میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کر کسی اور ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو میرے خلاف گلشن تھانے میں باقاعدہ رپورٹ لکھوا سکتا تھا۔ قاتلانہ حملے کے الزام میں مجھ پر سنگین کیس بن سکتا تھا۔ میرے لیے مزید مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں لیکن تحریکی نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ خود غیر قانونی طور پر پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہ میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی کیسے کر سکتا تھا۔ تاہم اس نے مجھے سزا دینے کی ذمے داری میرے علاقے کے اس راشی اور بے ضمیر آفیسر کو سونپ دی جس نے مجھے تین دن تک حوالات میں بند رکھ کر روئی کی طرح دھنک دیا۔

جیسے جیسے مجھ پر زیادتیاں ہو رہی تھیں میرا جوش انتقام بڑھتا جا رہا تھا۔ میری ماں اپنا ذہنی توازن کھو چکی تھی۔ میرا خیال ہے اس نے فاطمہ کو بچانے کی کوشش کی ہوگی اور تحریکی نے اس کے سر پر کسی بھاری چیز سے ضرب لگائی تھی جس سے اس کے دماغ پر چوٹ لگی تھی اور پھر تین ماہ کے اندر اندر وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

مجھے ماں کا تھوڑا بہت لحاظ تھا' اس کی وجہ سے بھی میں زیادتیاں برداشت کر کے چپ بیٹھا رہتا تھا لیکن اس کے انتقال کے بعد میں آزاد ہو گیا۔ ایک اور بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ شرافت سے زندہ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ پولیس مجھے ضرورت سے زیادہ ہی پریشان کرنے لگی تھی اور اس انسپکٹر کو تو مجھ سے جیسے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔

تحریکی کراچی ہی میں کہیں روپوش ہو چکا تھا یا ملک سے فرار ہو گیا تھا۔ میں نے انسپکٹر سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کوئی بھی شخص پولیس سے پنگا لینا پسند نہیں کرتا لیکن میرے دو دوستوں ٹیڈی اور منصوری نے میرا ساتھ دیا اور ہم نے ان سرکاری بدمعاشوں سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا

اتفاق سے تیسرے ہی دن میں انہی دوستوں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سادہ لباس میں دو پولیس والے اندر گھس آئے۔ وہ مجھے تھانے لے جانا چاہتے تھے۔ میں نے اور میرے دوستوں نے مزاحمت کی۔ ایک سادہ پولیس والے نے ریوالور نکال لیا۔ ٹیڈی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

حملہ کر کے ریوالور چھین لیا اور گولی چلا دی جو پولیس والے کے بازو پر لگی۔ میں دوسرے سادہ پوش پر جھپٹ پڑا۔ ہم دونوں فرش پر گتھم گتھا ہو رہے تھے... اس دوران سل کا بٹا میرے ہاتھ پر لگ گیا اور میں نے اس کا سر پھاڑ دیا۔

وہ میری اور پولیس کے بیچ پہلی نان آفیشل جھڑپ تھی۔ نان آفیشل اس طرح کہ وہ پولیس والے بغیر کسی وجہ کے زبردستی مجھے تھانے لے جانا چاہتے تھے جبکہ میرے خلاف تھانے میں کسی قسم کی شکایت یا رپورٹ نہیں تھی۔ یہ دراصل اس انسپکٹر کی ناراضگی تھی جو مجھے پریشان کر رہا تھا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس واقعے کے بعد میرے خلاف باقاعدہ رپورٹ درج کر لی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ علاقے کے بعض معززین میری حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پولیس انسپکٹر ایسا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھتا کہ اس کے خود پھنس جانے کا احتمال ہوتا۔ حالانکہ ان لوگوں کے پاس ہزار طریقے ہوتے ہیں۔

ہم تینوں دوست کئی روز تک روپوش رہے اور پھر سامنے آ گئے۔ فاطمہ کی موت کے بعد پولیس کے چکر میں میرے گھر کی ایک ایک چیز بک چکی تھی۔ اب وہ گھر بھی نہیں رہا تھا۔ ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ بعض لوگ ہمدردی میں کچھ دے دیتے تھے۔

انہی دنوں دو تین غنڈوں نے علاقے میں اودھم مچا رکھا تھا۔ وہ دکانداروں سے بھتہ وصول کرنے کے لیے انہیں پریشان کرتے۔ انکار کی صورت میں پٹائی کی جاتی اور توڑ پھوڑ کی جاتی۔

میں نے اپنے دونوں ساتھیوں ٹیڈی اور منصوری کے ساتھ مل کر ان غنڈوں کو علاقے سے دربدر بھگا دیا۔ دکاندار اور اس علاقے میں کاروبار کرنے والے ہم سے بہت خوش ہوئے اور ہمیں نذرانے کے طور پر ہر ہفتے کچھ نہ کچھ دینے لگے اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

علاقے کے دکاندار اور کاروباری لوگ پہلے خوشی سے ہمیں نذرانہ پیش کرتے تھے پھر ہم زبردستی بھتہ وصول کرنے لگے۔ اس کے لیے ہم نے وہی حکمت عملی اپنائی تھی یعنی جو دکاندار بھتہ دے اسے دوسرے غنڈوں سے تحفظ فراہم کیا جائے اور جو نہ دے اس کی نہ صرف پٹائی کی جائے بلکہ اس کی دکان میں بھی توڑ پھوڑ کی جائے۔

بازار میں ٹھیلے والوں سے پہلے پولیس والے بھتہ وصول کرتے تھے۔ پھر یہ کام ہم کرنے لگے۔ جس سے ہماری پولیس سے باقاعدہ ٹھن گئی۔

اب میں پولیس سے نہیں ڈرتا تھا۔ میرے ساتھ دو تین اور لڑکے شامل ہو گئے تھے اور پھر یہ گروہ بتدریج بڑھتا چلا گیا۔ اور گروہ کے تمام لڑکوں نے مجھے اپنا سربراہ تسلیم کر لیا اور میں بہت جلد رنگا دادا کے نام سے مشہور ہو گیا۔

یہ کھنڈر نما بلڈنگ جانے کس کی ملکیت ہے لیکن یہاں ایک منشیات فروش نے قبضہ جما رکھا تھا ہم نے کئی ہفتوں کے مقابلے کے بعد انہیں مار بھگایا اور اس بلڈنگ پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران اس پولیس انسپکٹر کا یہاں سے تبادلہ ہو گیا۔ نئے آنے والے آفیسر نے پہلے تو حسب معمول ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی اور پھر ایک رات وہ یہاں پہنچ گیا اور ہم میں معاملہ طے پا

گیا۔ ہر دو ہفتوں بعد پانچ لاکھ روپے یعنی دس لاکھ روپے مہینہ۔

دس لاکھ روپے مہینہ دینے کے باوجود ہماری پولیس سے ٹھنی رہتی ہے۔ کبھی کبھار کوئی جھڑپ بھی ہو جاتی ہے آج بھی کوئی ایسی ہی گڑبڑ ہوئی ہے۔ نئے آفیسر کو آئے ہوئے صرف تیسرا دن ہے اور اس نے پندرہ لاکھ روپے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ بہرحال یہ معاملہ بھی طے ہو جائے گا۔

رنگا خاموش ہو کر کچھ دیر تک دیوار پر آویزاں قالین کو دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔
”تو دوست یہ ہے میری کہانی۔ اب تم جان گئے ہو گے کہ میں ایک شریف آدمی سے دادا کس طرح بنا؟“

میرے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ ہر غنڈے اور بدمعاش کا پس منظر ایک جیسا ہی تھا۔ اس ملک میں غنڈوں، بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں پولیس کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ یہاں کے پولیس اسٹیشن عقوبت خانے اور جیلیں جرائم کے بڑے ٹریننگ سنٹر ہیں چند ہفتے یا چند مہینے جیل میں گزارنے والا شخص منجھا ہوا مجرم بن کر ہی باہر نکلتا ہے۔

”اور تحریمی اس کا کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ پاکستان سے بھاگ گیا تھا۔“ رنگا نے جواب دیا۔ ”اور چند مہینوں بعد واپس آیا تو میں اپنے معاملات اور پولیس سے الجھا ہوا تھا لیکن بہرحال میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ مجھے پتا چل گیا تھا کہ اس نے بعض بااثر لوگوں سے مل کر اپنا پرسوں پرانا معاملہ طے کر لیا تھا اور یہاں اس نے اپنا سنڈیکیٹ بنا لیا تھا۔

تحریمی نے اپنے گرد ایک مضبوط حصار بنا لیا تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اپنے قدم جما لینے کے باوجود میں اس سے براہ راست ٹکر لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن پس منظر میں رہ کر اسے وقتاً فوقتاً نقصان پہنچاتا رہا۔

وہ ہیروئن کا دھندہ کرتا ہے۔ افغانستان سے پشاور، لاہور اور کراچی اور یہاں سے یورپی ممالک کو ہیروئن سپلائی کی جاتی ہے۔ میں تین مرتبہ اس کا مال پکڑوا چکا ہوں۔ چوتھی مرتبہ تم نے پکڑوا دیا۔ میرے حساب سے تو اتنا نقصان اٹھانے کے بعد اس کی کمر ٹوٹ جانی چاہیے تھی اور اسے اس دھندے سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ لیکن لگتا ہے اس کی پشت بہت مضبوط ہے اور اس بزنس میں عرب شیخوں کا بھی سرمایہ لگا ہوا ہے۔“

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”اور اب تم بھی لگتا ہے اس کے چکر میں آ رہے ہو۔ تم نے بہت اچھا کیا جو میرے پاس آ گئے۔ اب ہم دونوں اس کے خلاف مشترکہ کارروائی کر سکتے ہیں۔ میں بھی کھل کر سامنے آؤں گا جب دو طرف سے حملہ ہو گا تو وہ یقیناً بوکھلا جائے گا اور یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹنے کی کوشش کرے گا لیکن میں اسے بھاگنے نہیں دوں گا۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے گھاٹ نہیں اتاروں گا، مجھے چین نہیں ملے گا اور فاطمہ کی روح کو بھی سکون نہیں ملے گا۔“

”لیکن...... تم ہر وقت تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔“ میں نے کہا۔

”ٹیڈی تمہارے ساتھ رہے گا۔“ رنگا نے جواب دیا۔

"یوں تو میرا ہر ساتھی قابل بھروسا اور نڈر ہے لیکن ٹیڈی شروع سے میرے ساتھ ہے تم اس پر آنکھ بند کر کے بھروسا کر سکتے ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "حریری کو اس کے بل سے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ تم رضیہ یا جی کی نظروں میں آ جاؤ۔ اگر وہ چپ چاپ کر بیٹھے رہے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

"اور وہ دوسرا آدمی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"منصوری۔" رنگا نے جواب دیا۔ "اس پر بھی تم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔ ان دونوں نے بھی میری طرح اپنے سینوں پر بہادری کے تمغے سجا رکھے ہیں۔ یہ اپنی جان تو دے دیں گے لیکن دشمن کو کبھی پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔"

"ایک بات اور......" میں واقعی ساری باتیں جیسے آج ہی پوچھ لینا چاہتا تھا۔ "وہ لڑکی جو قہوہ لے کر آئی تھی؟" سوال کرتے ہوئے میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میری دوست ہے۔ ایرانی ہے۔" رنگا نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک مرتبہ مجھے ایران کے ساحلی شہر بندر عباس جانے کا موقع ملا تھا۔ حریری سے وہیں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے شیدی کو اس طرح پسند کر لیا کہ الگ ہونے کو تیار نہیں ہوئی اور میرے ساتھ ہی چلی آئی۔"

"خوش قسمت ہو۔" میں نے کہا۔

"لوگ ہمیں مجنوں یا پڑنو کہتے ہیں اور میں نے کبھی برا نہیں مانا۔" رنگا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

میں بھی مسکرا دیا۔ وہ دونوں واقعی مجنوں پارٹنر تھے۔ حریری ایسی گوری چٹی کہ ہاتھ لگانے میلی ہو جائے اور رنگا کا الا جوت۔

"اچھا دوست۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا میری چیزیں واپس مل سکتی ہیں۔ جب میں یہاں آیا تھا تو ٹیڈی نے میری تلاشی لے کر سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔"

"ایک منٹ۔" رنگا نے ایک ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ چند سیکنڈ بعد بلوچی زبان میں کچھ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اس کے دو منٹ بعد ٹیڈی کمرے میں داخل ہوا اور میرا پستول، نوٹوں کا بنڈل، کھلی رقم اور دوسری چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔

"تمہاری امانت ہے واجا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم گن لو۔"

"مجھے تم پر کوئی گمان نہیں۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹیڈی۔" رنگا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کل سے تم واجا جی کے ساتھ رہو گے۔" وہ اسے میرے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ناجی اور ہم ایک ہیں۔ ہم سب ایک اکائی کی طرح کام کریں گے۔"

"جو حکم واجا۔" ٹیڈی نے جواب دیا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے اپنے پچھلے رویے پر معذرت کرنے لگا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کی معذرت قبول کر لی اور اس سے کل کی ملاقات کا پروگرام بنانے لگا۔

باتیں کرتے ہوئے میری نظریں دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ میں تقریباً نو بجے کے

قریب یہاں آیا تھا اور اب ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ کام کی ساری باتیں ختم ہو چکی تھیں میں آج کی کارروائی سے مطمئن تھا۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ رہا تھا کہ مجھے رنگا جیسا آدمی مل گیا تھا اور میں کراچی میں بھی رضیہ اور شاہ جی جیسے لوگوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ شاہ جی اور رضیہ کی بیک پر حریری تھا جو رنگا کا دشمن تھا بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مجھے یقین تھا کہ آنے والے دن خاصے سنسنی خیز ثابت ہوں گے۔

فون کی گھنٹی بجی تو رنگا نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحے بات کی اور پھر ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"واجا! تم اس طرف چلے جاؤ۔ ہم دو منٹ میں آتے ہیں۔" اس نے دیوار کے سامنے تنے ہوئے پردے کی طرف اشارہ کیا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس پردے کے دوسری طرف وہ قیامت تھی جسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ رنگا اور ٹیڈی اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ میں بھی اٹھ کر اس پردے کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے مجھے کسی گڑبڑ کا احساس کیوں ہونے لگا تھا۔

میں درمیان سے پردہ ہٹا کر جیسے ہی آگے بڑھا میرے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی اور میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ میں ایک ہاتھ سے پیشانی سہلانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی بڑی شدید قسم کی حیرت میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے رنگا اس جگہ پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا تھا۔ پھر وہ حسینہ قہوہ لے کر ٹھیک اسی جگہ سے نمودار ہوئی تھی اور پھر وہ شیدی بھی اس جگہ سے ہمارے کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن میرے سامنے کنکریٹ کی ٹھوس دیوار تھی جس نے میرا راستہ روک لیا تھا۔ میرا سر اس دیوار سے ٹکرایا تو میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔

"سوری واجا۔" رنگا جلدی سے بولا۔ "مجھ سے غلطی ہو گئی تمہارا نازل پھوٹا تو نہیں؟"

"نہیں۔" "معمولی سی چوٹ ہے لیکن......"

رنگا میری معذرت سنے بغیر دوبارہ کشن پر بیٹھ گیا اور ہرے رنگ کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر ایک بار پھر پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔ اس مرتبہ دیوار تمہارا راستہ نہیں روکے گی۔"

میں نے اس مرتبہ عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بڑے آرام سے پردہ ہٹایا۔ اب میرے سامنے سے دیوار غائب تھی۔ وہ راستہ دروازے کی طرف تھا۔ میں نے رنگا کی طرف دیکھا۔

"میرا انتظار کرنا۔ مجھے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" رنگا نے کہا۔

میں دوسری طرف آ گیا۔ اس طرف مختصر سی راہداری تھی۔ میں دوسری طرف کھڑے ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ فرش سے چھت تک دیوار کا ایک حصہ سلائیڈنگ ڈور کی طرح اپنی جگہ سے سرک رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ راستہ اس طرح بند ہو گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ اس دیوار کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہوگا اور دیوار کے اس میکنزم کا تعلق یقیناً ہرے رنگ کے اس ٹیلی فون سے تھا جس پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

میں ابھی اس دیوار کو گھور ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک نہایت شیریں آواز سن کر اچھل پڑا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے میرے کانوں کے قریب اچانک ہی چاندی کی گھنٹیاں کھنک اٹھی ہوں۔

"خوش آمدید۔"

میں نے مڑ کر دیکھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے سامنے وہی قیامت کھڑی تھی لیکن اس وقت اس کا لباس مختلف تراش اور مختلف رنگ کا تھا۔ وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے قدیم بغداد کی الف لیلیٰ کا کوئی کردار زندہ ہو کر میرے سامنے آ گیا ہو۔

اسے نہ شلوار کہا جا سکتا تھا نہ پاجامہ۔ گھٹنوں سے اوپر تھیلے کی طرح بہت ڈھیلا جس میں بے شمار چنٹیں پڑی ہوئی تھیں اور ٹخنوں سے قریب ٹانگوں سے چپکا ہوا۔ پائینچے پر الاسٹک یا پانچ بٹن لگے ہوئے تھے۔ کمر پر تقریباً چار انچ چوڑی سنہری پٹی جو بیلٹ کی طرح بندھی ہوئی تھی سامنے درمیان میں روپے کے سکے کے برابر سفید ریشمی کپڑے کا دائرہ تھا جس پر یاقوت یا اسی جیسا سرخ رنگ کا کوئی موتی چمک رہا تھا۔

جسم کے بالائی حصے کے لباس کو چولی ہی کہا جا سکتا تھا جس کی آستین چار انچ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ کندھوں پر آستینوں کے کف سے بنے ہوئے تھے۔ چولی کا گریبان اس کی دلنواز مسکراہٹ کی طرح خاصا فراخ تھا۔ چولی کے اختتام پر پیٹ کا کچھ حصہ کندن کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

سر پر کسی قسم کی اٹھی ہوئی ٹوپی یا کلاہ تھا جس پر سفید شیفون کا دوپٹہ پگڑی کی طرح لپٹا ہوا اس کا پلو اس کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

"بالکل وہی عمر خیام کی رباعی۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ میں صرف میٹرک پاس آدمی میری زندگی جرائم کی دنیا میں گزری تھی۔ عمر خیام کو میں کیا جانوں۔ اسے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے اعلیٰ ذوق اور زبان دانی کی ضرورت تھی لیکن بار بار عمر خیام کا تذکرہ اس لیے کر رہا ہوں کہ جب عرصہ پہلے میں لاہور میں اپنی مجرمانہ سرگرمیوں میں مصروف تھا تو ایک روز نولکھا بازار میں ایک کتب فروش کی دکان کے سامنے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ دکان کے دروازے کے قریب ہی ایک کیلنڈر لٹکا ہوا تھا جس پر ایسی ہی حسینہ کی بہت ہی خوبصورت تصویر چھپی ہوئی تھی۔ میں دکان میں داخل ہو گیا۔ اندر اس قسم کی چند تصویریں فریموں میں بھی آویزاں تھیں۔

اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ سیٹھ عبدالشکور کی وہ چلبشر ہر سال عمر خیام کی رباعیات پر اس قسم کے کیلنڈر چھاپا کرتا ہے۔ میں عمر خیام کو پڑھے بغیر اس کی شاعری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر وہ ایسی ہی حسیناؤں کو دیکھ کر اشعار کہا کرتا تھا تو وہ واقعی ایک باذوق آدمی تھا۔ بہرحال میں نے اس دکان سے کئی فریم خرید کر اپنے گھر کے کمروں میں آویزاں کر لیے تھے۔

"عمر خیام مجھے دیکھ کر ہی تو شعر کہتا تھا۔"

وہ کھنکتی ہوئی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ یہ حسینہ باذوق بھی تھی۔ "تو پھر تمہاری عمر میں کیا سوچوں، کیا سمجھوں؟"

اس نے ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا پھر بولی۔

"اب میں کسی کھنڈر کی طرح اتنی قدیم بھی نہیں ہوں۔ عمر خیام کی شاعری تو ہر دور کے لیے ہے۔ صدیوں پہلے میں نہیں تھی مجھ جیسی کوئی اور ہوگی جنہیں دیکھ کر وہ بہک جاتا تھا اور شعر کہتا تھا اور آج وہ زندہ ہوتا تو مجھے دیکھ کر جام پئے بغیر بہک جاتا اور ویسے ہی اشعار کہتا۔"

"دراین چہ شک!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اوہ!" اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ "فارسی جانتے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "بہت عرصہ پہلے اپنے ایک جاننے والے سے یہ جملہ سنا تھا۔ اس وقت بے اختیار زبان سے نکل گیا۔ شاید کسی ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا تھا۔"

"دراین چہ شک۔" وہ مسکرا دی۔ "مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی مہمان مہربان کہ میں نے تمہیں دیر تک یہاں روکے رکھا۔ آؤ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رنگا کو آنے میں تاخیر ہوگی۔"

وہ مجھے ایک ایسے کمرے میں لے آئی جو شاندار طریقے سے آراستہ تھا۔ یہاں بھی فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا جس میں پیر دھنس رہے تھے۔ دیواروں پر شاہکار پینٹنگز آویزاں تھیں اور ان پینٹنگز کے درمیان حریری کی ایک خوبصورت دس بائے بارہ انچ سائز کی رنگین تصویر بھی آویزاں تھی۔ یہ کیمرے کا پورٹریٹ تھا اور اس میں بھی حریری نے ایسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ رنگا نے بتایا تھا کہ وہ ایرانی تھی۔ ایران تو بہت ماڈرن ہو چکا تھا۔ وہاں کی عورتیں تو اسکرٹ بلاؤز پہنتی تھیں لیکن حریری کو شاید یہ لباس زیادہ پسند تھا۔

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی حریر کی طرح تھی۔ نرم و ملائم ملکوتی حسن کی مالک اور اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے قیامت خیز حسن سے بخوبی آگاہ تھی۔

فرشی نشست پر اس قیامت کے سامنے بیٹھنا میرے لیے واقعی قیامت ہو رہا تھا۔ اس کے بات کرنے کا انداز اس کی کھنکتی ہوئی آواز اور اس کی ہر ادا میرے دل پر قیامت ڈھا رہی تھی۔

آدھا گھنٹہ میرے لیے واقعی قیامت بن کر گزرا تھا۔ ہر لمحہ میری یہ کوشش رہی تھی کہ مجھ سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہاں کسی جگہ کوئی کیمرہ پوشیدہ تھا جو میری ہر حرکت کو کسی اور کمرے میں ٹی وی اسکرین پر اجاگر کر رہا ہوگا اس لیے میں بہت زیادہ محتاط بھی تھا۔

اور پھر رنگا کو دروازے میں نمودار ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ آگے نہیں آیا تھا اس نے وہیں رک کر اشارہ کیا اور میں اٹھ کر اس کے ساتھ آ گیا۔

حریری اس کمرے سے نکل کر ایک راہداری تک ہمارے ساتھ آئی تھی اور پھر وہیں رک گئی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے احمریں ہونٹوں پر بڑی دل فریب الوداعی مسکراہٹ تھی اور پھر میں رنگا کے ساتھ دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

اور پھر یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ اس وقت میں اس بوسیدہ عمارت میں نہیں بلکہ اس کے ساتھ والی جدید طرز تعمیر کی حامل عمارت میں تھا۔ یہ عمارت فلیٹوں پر مشتمل تھی۔ ہم ایک فلیٹ کے دروازے سے باہر نکلے تو راہداری میں ایک مسکین جوڑے سے سامنا ہو گیا۔ ادھیڑ عمر آدمی نے بڑے ادب سے ہاتھ اٹھا کر رنگا کو سلام کیا تھا۔

رنگا بتا رہا تھا کہ یہ نئی عمارت اس پرانی عمارت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی تو اس نے یہاں تین فلیٹ بک کروا لیے تھے اور پھر بعد میں لاکھوں روپے خرچ کر کے اس بوسیدہ عمارت اور اس نئی عمارت کے بیچ دیوار میں وہ خفیہ راستہ بنوایا تھا جس کے بارے میں اس کے دو چار وفاداروں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔

جب میں رنگا کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا اس عمارت سے باہر نکلا تو مرکزی گیٹ کے سامنے ٹیڈی ہمارا منتظر تھا۔

''او کے واجد'' رنگا میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

''پھر کسی وقت ملاقات ہوگی۔ تم ٹیڈی کے ساتھ اپنا پروگرام طے کر لو۔ یہ مجھے صورتحال سے آگاہ کرتا رہے گا۔''

میں نے رنگا سے ہاتھ ملایا اور ٹیڈی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ بارہ سے اوپر کا وقت تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے اس علاقے میں ابھی شام اتری ہوئی۔ مرکزی چوک پر تو بڑی رونق تھی۔ تمام ریسٹورنٹس کھلے ہوئے تھے۔ پان کے کھوکھوں اور کولڈ ڈرنکس کی دکانوں کے سامنے بھی لوگ ٹولیوں کی صورت میں کھڑے گپ شپ کرتے ہوئے وقت گزار رہے تھے۔

کراچی واقعی عروس البلاد تھا۔ یہاں بعض علاقوں میں تو رات ہوتی ہی نہیں تھی۔

میں ٹیڈی کے ساتھ چلتے ہوئے کل کا پروگرام بنا رہا تھا اور پھر ایک جگہ ہم رک گئے۔ وہ بھی ایک بارونق چوک تھا۔ ایک طرف دو تین خالی ٹیکسیاں اور تین چار رکشے بھی کھڑے تھے۔ میں نے ٹیڈی سے ہاتھ ملایا اور ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے میں ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بائیں طرف بیٹھا کرتا تھا۔ وجہ کوئی خاص نہیں تھی لیکن یہ میری عادت بن چکی تھی۔ باہر کھڑے ہوئے ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی اور انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میری منزل کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کریم آباد کہہ کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی اور اب مجھے نرگس کا خیال آنے لگا۔ اتنی دیر میں واقعی اسے بھولا رہا تھا لیکن وہ میرے لیے یقیناً بہت پریشان ہوگی۔

ٹیکسی گنجان آبادی والی تنگ سی گلیوں میں چکراتی رہی۔ سڑک کے دونوں طرف بلند عمارتیں تھیں۔ ہر عمارت کے ڈربہ نما فلیٹوں میں رہنے والے نجانے کس طرح زندگی گزار رہے تھے۔ شروع میں جب ہمیں مکان کی تلاش تھی تو پراپرٹی ایجنٹ نے ہمیں دو تین فلیٹ بھی دکھائے تھے لیکن ہمیں کوئی فلیٹ پسند نہیں آیا تھا۔ ہم کھلی فضا میں زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ کسی فلیٹ میں قدم رکھتے ہی دم گھٹنے لگتا تھا۔

ٹیکسی بہت دیر بعد ان گلیوں سے نکل کر مولوی مسافر خانہ کے قریب بندر روڈ پر آگئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور شام سے اب تک کے حالات پر غور کرنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ واقعی خوش نصیب تھا کہ رنگا جیسے آدمی سے ملاقات ہوگئی تھی اور اب مجھے کوئی پریشانی نہیں رہی تھی۔''

ٹائروں کی چرچراہٹ اور ٹیکسی کو لگنے والے زوردار جھٹکے سے میں اپنی جگہ سے اچھل کر اگلی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا۔ رنگا کے فلیٹ میں دیوار پر ٹکرانے سے میری پیشانی ابھی تک ابھری تھی اور اب پیشانی

ہی سیٹ کی پشت سے ٹکرائی تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ خارج ہوگئی۔

میں جھٹکا کھا کر دوبارہ اپنی سیٹ کی پشت سے ٹکرایا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا، ٹیکسی کے دونوں طرف کے دروازے ایک جھٹکے سے کھلے اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

دونوں طرف سے خوفناک صورت والے دو آدمیوں نے مجھے پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

☆......☆......☆

''نیچے اترو۔'' وہ آواز کسی بھیڑیے کی خوفناک غراہٹ سے مشابہ تھی۔ ''کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔''

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا اس کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔

میں بائیں طرف والے دروازے سے ٹیکسی سے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ پرانی نمائش کا چوراہا تھا اور ہماری ٹیکسی سڑک کے انتہائی بائیں طرف ایک پرانی بنگلہ نما دو منزلہ عمارت کے قریب کھڑی تھی۔ اس سے دو تین گز آگے سرخ رنگ کی شیراڈ بھی کھڑی تھی جس کے اسٹیئرنگ کے سامنے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ پرانی نمائش کے اس چوراہے پر بسوں، ویگنوں اور دیگر گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی مگر کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ایک آدمی کو اسلحہ کے زور پر اغوا کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ یہاں تو دن دہاڑے بھری پری سڑکوں پر اغوا کر لیا جاتا ہے اور کوئی دھیان نہیں دیتا۔ آدھی رات کو کس کی شامت آئی تھی کہ مداخلت کرتا۔

''اپنی ٹیکسی یہاں سے بھگا کر لے جاؤ اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش مت کرنا۔'' دوسرے آدمی نے ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''اور اگر کہیں پولیس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں بچو گے۔''

''نہیں مائی باپ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔'' ٹیکسی والا گھگھیایا اس نے انجن اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کو زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا کہ کہیں اسے جانے کی اجازت دینے والے کی نیت نہ بدل جائے۔ ٹیکسی طوفان کی طرح گرومندر کی طرف چلی گئی تھی۔

ان دونوں آدمیوں نے مجھے پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ وہ مجھے دھکے دیتے ہوئے آگے کھڑی ہوئی سرخ شیراڈ کے قریب لے آئے۔ ایک نے میرا لباس تھپتھپا کر پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا اور کار کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف چلا گیا۔ دوسرے شخص نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا اور خود بھی میرے ساتھ بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ دوسری طرف سے دوسرا آدمی بھی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ میں ان دونوں کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا اور ان دونوں کے پستولوں کی نالیں میرے دونوں طرف پہلوؤں میں چبھ رہی تھیں۔

کار کا انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اس کی صورت دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ وجی تھا۔

"ہیلو!" جمی کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ہیلو ہائے بعد میں کر لینا جمی کے بچے پہلے یہاں سے نکلو۔ ہری اپ۔" میرے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔

جمی نے سیدھے ہو کر کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ اس کا رخ بریٹو روڈ کی طرف تھا۔ یہ سڑک زیادہ طویل نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف پرانی طرز کی وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں اور سڑک پر گہرا سناٹا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف اونچے اور گھنے درختوں کی وجہ سے سناٹا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

تقریباً دو سو گز آگے شیراڈ سولجر بازار والی سڑک پر بائیں طرف مڑ گئی اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک پیٹرول پمپ کے دائیں طرف کی گلی میں گھوم گئی۔

جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ماتک جی اسٹریٹ تھی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ اس کے دونوں طرف بھی قدیم طرز تعمیر کی حامل بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں اور یہ سڑک بھی سنسان تھی۔

اور پھر اس علاقے میں گھومنے کے بعد شیراڈ ایک ویسی ہی قدیم کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی کی اصل عمارت گیٹ سے کم از کم بیس گز کے فاصلے پر تھی۔ شیراڈ بجری کے روش پر رینگتی ہوئی وسیع پورچ میں رک گئی۔

مجھے کار سے اتار لیا گیا۔ دونوں آدمی منکر نکیر کی طرح میرے دائیں بائیں پستولیں لیے کھڑے تھے۔ میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا کمپاؤنڈ میں تاریکی ہونے کے باوجود میں اندازہ لگا سکتا تھا۔ یہاں جھاڑ جھنکار کے سوا کچھ نہیں تھا اور یہ کوٹھی بھی غالباً باقاعدہ آباد نہیں تھی اور اس لیے دیکھ بھال پر زیادہ توجہ نہیں تھی

برآمدہ تقریباً تین فٹ اونچا تھا جس پر چڑھنے کے لیے پتھر کی دو سیڑھیاں تھیں جو ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

جمی کار کا انجن بند کر کے ہم سے پہلے ہی اچھل کر تاریک برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور پھر سامنے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آدمی مجھے بھی پستولوں کی زد میں لیے اسی دروازے میں داخل ہو گئے۔

میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ ان دونوں میں سے اگر ایک کے پاس پستول ہوتا تو میں پرانی نمائش والے چوک پر راستے میں یا یہاں کار سے اترتے ہوئے اپنی آزادی کی کوشش کر سکتا تھا لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ ان دونوں کے پاس پستول تھے۔ ایک طرف سے کوشش کرتا تو دوسری طرف سے مارا جاتا۔ لہٰذا میرے بچنے کا کوئی چانس نہیں تھا اور اس دروازے میں داخل ہونے کے بعد تو یہ چانس بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ زندگی میں مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا امید کا دامن ہمیشہ آخری وقت تک تھامے رکھا تھا اور مجھے کبھی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

راہداری کے سامنے ایک وسیع ہال تھا اور میری توقع کے عین مطابق وہاں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ خالی فرش پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں اگرچہ کوئی بلب وغیرہ روشن نہیں تھا لیکن دائیں طرف کی راہداری سے مدھم سی روشنی اس طرف پہنچ رہی تھی۔

مجھے اس راہداری کی طرف دھکا دے دیا گیا۔ یہ راہداری کافی کشادہ تھی جس کے اختتام پر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا اور میرے خیال میں یہ دروازہ عقبی سمت کھلتا تھا۔

راہداری میں ایک طرف ایک دروازہ اور اس کے سامنے دو دروازے تھے اور روشنی اس طرف کے ایک نیم وا دروازے سے جھانک رہی تھی۔

جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں جمی کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں جیسے ہی دو قدم آگے بڑھا جمی نے میرے چہرے پر زوردار گھونسہ جڑ دیا۔ گھونسہ اچانک اور اس قدر شدید تھا کہ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ پورا جبڑا ہل گیا اور میرے خیال میں ایک آدھ دانت بھی اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔

میں اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس سے پہلے کہ سنبھل سکتا جمی نے دوسرا وار کر دیا۔

یہ گھونسہ میرے سر کی طرف آیا تھا جس سے بچنے کے لیے میں ایک طرف جھکا۔ میرا سر تو بچ گیا مگر وہ گھونسہ ہتھوڑے کی طرح میری گردن پر لگا اور اس مرتبہ میں لڑکھڑا کر گرا تو فرش پر گر گیا۔

"میں اس رات کی مار نہیں بھولا ہوں۔" جمی کے حلق سے کتے جیسی غراہٹ نکلی۔ "پہلے میں تم سے اپنی اس مار کا بدلہ لوں گا اور اس کے بعد تم سے کچھ پچھلا حساب لیا جائے گا جس کے لیے یہ دونوں کچھ زحمت کریں گے۔"

اس کے ساتھ ہی جمی نے ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ کم بخت میرے جسم کے ہر حصے کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ جمی غالباً سگریٹ نوشی کا عادی تھا۔ بہت جلد اس کا سانس پھول گیا۔

"بس کرو جمی۔" میرے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ اس کی رنگت قدرے سانولی اور چہرے پر چیچک کے داغ تھے قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب اور جسم کسرتی تھا۔ "ہم نے تم سے اپنی مار کا بدلہ لینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ساری رات تمہارے لیے وقف نہیں کر سکتے ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

جمی نے دو تین ٹھوکریں اور رسید کر دیں اور ایک طرف کھڑے ہو کر ہانپنے لگا۔ میں اسے اس طرح ہانپتے دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

میں دونوں ہاتھ فرش پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ چیچک والے نے میرے کندھے پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

"اٹھو۔" وہ غرایا۔ "بہت عیش کر لیے تم نے کراچی میں۔ اب ذرا تھوڑی تکلیف اٹھانے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ۔"

"اٹھنے کا موقع دو گے تو اٹھ سکوں گا۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس مرتبہ اس شخص نے مجھے ٹھوکر نہیں ماری۔

"تمہارے دو معتقد کہتے ہیں جن کا حساب کرنا ہے۔" چیچک زدہ چہرے والے نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "لاہور میں رخشیہ کے گھر سے چوری کی ہوئی رقم اور اس کی جائیداد فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم' ویسے تم ہو بہت دلیر آدمی تم نے جس طرح جعلسازی سے رخشیہ کی جائیداد فروخت کی

تھی وہ قابل تعریف ہے۔ بہرحال رضیہ کا حساب تو تم سے ہم کریں گے اور تم نے بندرگاہ پر ہمارا جو مال پکڑوایا تھا اس کا حساب تم سے باس لے گا۔ ویسے یہ حساب کچھ زیادہ ہی لمبا ہے ڈھائی سو کلو ہیروئن تھی۔ عالمی منڈی میں ایک کروڑ روپیہ فی کلو کے حساب سے ڈھائی ارب بنتے ہیں۔ بڑی لمبی رقم ہے سو بار جنم لے کر بھی ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارا باس تم سے زیادہ عقلمند ہے وہ کسی پر ادھار نہیں چھوڑتا۔ اپنی رقم وصول کرنے کے ہزاروں طریقے جانتا ہے۔"

"تمہارا باس کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تحریکی۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن فی الحال تمہیں اس کے بارے میں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بعد کی بات ہے فی الحال تو ہم تم سے رضیہ کا حساب لیں گے۔"

"رضیہ کے حساب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے کہا۔ "یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں جانوں اور وہ جانے تم مداخلت کرنے کا کیا حق رکھتے ہو؟"

"حق رکھتے ہیں۔" وہ بولا۔ "رضیہ ہمیں خوش کر رہی ہے تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم بھی کسی معاملے میں اس کی تھوڑی بہت مدد کر دیں۔ تم سے حساب لینے کی اجازت ہمیں رضیہ نے دی تھی چاہو تو خود پوچھ سکتے ہو۔" اس نے کہتے ہوئے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور رضیہ نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات اس کا لباس تھا بہت ہی شرمناک لباس پہن رکھا تھا اس نے۔

"یہ دنیا بہت چھوٹی ہے نائی" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "آج نہیں تو کل تم ہماری نظروں میں آ ہی جاتے بہرحال تم بہت جلد ہماری نگاہ میں آ گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بولی

"حسن اتفاق سے ہمارے ایک بندے نے تمہیں لیاری کے علاقے میں گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس نے تمہاری نگرانی جاری رکھی تم اس تھرڈ ریٹ غنڈے سے ملنے گئے تھے جو اپنے آپ کو بہت بڑا دادا کہتا ہے۔"

"آدھے گھنٹے تک جب تم اس کے اڈے سے باہر نہیں نکلے تو ہمارا آدمی سمجھ گیا تمہیں وہاں دیر لگے گی اس نے عقلمندی یہ کی کہ فون پر بابل کو اطلاع دے دی۔" اس نے چیچک زدہ شخص کی طرف دیکھا۔ "ہم نے فوراً ہی پلاننگ کر لی اور تمہیں یہاں لانے کا منصوبہ بنا لیا گیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ اب تم چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔"

"تم نے اس غنڈے سے رابطہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" چیچک زدہ شخص نے کہا۔ "ہمارے باس تحریکی اور رونگا میں پہلے ہی ٹینشن چل رہی ہے۔ تحریکی کو جب پتہ چلے گا کہ تم اس کے خلاف مدد لینے کے لیے رونگا کے پاس گئے تھے تو اس کا غصہ بڑھ جائے گا۔ ویسے بھی جو شخص اپنی بہن کی عزت کی حفاظت نہ کر سکا ہو وہ کسی اور کی کیا مدد کرے گا۔"

اب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ انہوں نے میرا تعاقب کر کے مجھے کس طرح گھیرا تھا اور [illegible]

میرے خیال میں یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ انہوں نے بیچ راستے ہی میں اچک لیا تھا اگر وہ میرا تعاقب کرتے ہوئے میرے ٹھکانے تک پہنچ جاتے تو مجھے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

مجھے ایک بار پھر نرگس کا خیال آ گیا۔ اس وقت ڈیڑھ بجنے والا ہو گا وہ یقیناً بہت پریشان ہو گی۔

"کیا خیال ہے بالے؟" چیچک زدہ شخص بابل نے اپنے تیسرے ساتھی کی طرف دیکھا۔ "پہل کون کرے گا؟"

"میرا خیال ہے یہ معاملہ چونکہ رضیہ کا ہے اس لیے رضیہ ہی کو پہل کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ لیکن تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ یہ زیادہ زخمی نہ ہونے پائے۔"

"اس بات کا خیال ہم رکھیں گے گاڈ ے!"

کھڑکی کی طرف سے یہ آواز سن کر میں کیا سب ہی اچھل پڑے تھے۔ ٹیڈی کی آواز پہچاننے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

بابل نے بڑی تیزی سے کھڑکی کی طرف گولی چلائی۔ اس کھڑکی میں صرف دو ہی شیشے ثابت بچے تھے گولی ایک شیشے کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ گولی کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کی آواز بھی سناٹے میں پھیل گئی تھی۔

رضیہ اس وقت مجھ سے دو تین قدم کے فاصلے پر تھی فائر کی آواز سے اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے اندرونی دروازے کی طرف لپکنے کی کوشش کی تو میں نے برق رفتاری سے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا اور اس کے دونوں ہاتھ موڑ کر اس طرح پیچھے کر دیے کہ وہ میرے سامنے ڈھال بن گئی۔ میں اسے کھینچتا ہوا پیچھے ہٹ کر دیوار سے لگ گیا۔

اسی لمحے فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس مرتبہ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بابل کی چیخ بھی گونج اٹھی۔ گولی نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا تھا اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

بالے نے فوراً ہی اپنا پستول والا ہاتھ میری طرف اٹھا دیا۔ لیکن میں مطمئن تھا۔ میں نے رضیہ کو ڈھال بنا رکھا تھا۔ اگر ان کے سامنے رضیہ کی کوئی اہمیت تھی تو وہ یقیناً گولی نہیں چلائے گا۔ جمی نے بھی ایک طرف چھلانگ لگاتے ہوئے جیب سے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ باہر سے دوسری کھڑکی سے گولی چلائی گئی۔ جمی چیختا ہوا گردآلود فرش پر گرا گولی نے اس کا سیدھا گھٹنا توڑ دیا تھا۔

"اڑے او چوہے کی اولاد۔" باہر سے ٹیڈی کی آواز سنائی دی۔

"اپنا پستول زمین پر پھینک دو ہمارے آدمیوں نے اس کوٹھی کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ تم لوگ بچ کر نہیں جا سکو گے پستول پھینک دو ورنہ ٹیڈی تم سب کا بھیجا اڑا دے گا۔"

جمی زخمی گھٹنا تھامے بری طرح چیخ رہا تھا۔ رضیہ میرے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ بالے تذبذب کا شکار تھا۔

"ہمارا دوست کو چھوڑ دو۔" باہر سے ٹیڈی کی آواز سنائی دی۔

"ہم وعدہ کرتا ہوں تم لوگوں کو کچھ نہیں بولے گا۔ اگر میرا تین بولنے تک پستول نہیں پھینکا تو تم

میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔" صرف ایک لمحہ کو خاموشی ہوئی اور پھر ٹیڈی نے گنتی شروع کر دی۔ اس نے دو کہا تھا کہ رضیہ چیخ اٹھی۔

"بالے پھینک دو پستول پھینک دو۔"

اور پھر بالے نے پستول پھینک دیا۔

"اس دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ہونے چاہئیں۔" ٹیڈی نے دوسرا حکم دیا۔ "اور لنگڑے تم بھی اپنا پستول جیب سے نکال کر پھینک دو اور بالے کے پاس چلے جاؤ۔"

جمی نے بڑی مشکل سے پتلون کی جیب سے پستول نکال کر پھینک دیا اور گھسٹتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے ابھی تک رضیہ کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے کسمسا رہی تھی اور پھر میں نے اچانک ہی اس کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے زوردار دھکا دیا۔ وہ منہ کے بل گری۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ پیشانی فرش سے ٹکرائی تھی اور خون بہہ نکلا تھا۔

اس لمحہ ٹیڈی کھڑکی کے اوپر چڑھ کر اندر کود آیا۔ وہ اکیلا تھا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس نے کوٹھی کو گھیرے میں لیے جانے کی جو خبر دی تھی وہ بلف تھا اور اس کا بلف سو فیصد کامیاب رہا تھا۔

"واہ!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ان تینوں کو باندھ کر ڈال دو۔ ہم لوگ کو یہاں سے جلدی نکلنا ہے۔"

میں سب سے پہلے رضیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ لباس ترمناک ہونے کے باوجود اس نے دوپٹہ بھی کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ محض شوقیہ طور پر۔ میں نے دوپٹہ کھینچا تو وہ چیخنے چلانے لگی۔

"کیوں چیختا اے رے چھوکری؟" ٹیڈی غرایا۔ "واجا کوئی تمہارا ساتھ زولم تو نہیں کر رہا ہے تمہارا چیخم چیخی بےکار ہے۔ کوئی تمہارا آواز نہیں سنے گا۔"

اور واقعی رضیہ کی چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ بڑی بڑی رہائشی کوٹھیوں پر مشتمل علاقہ تھا۔ دولت مند لوگوں کی رہائش تھی ان کوٹھیوں میں اور دولت مند لوگ دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ مین روڈ سے بھی یہ علاقہ دور تھا۔ چھوٹی سڑکیں تھیں، پولیس کی گشتی پارٹیاں بھی اس طرف کم ہی چکر لگاتی ہوں گی۔ اگر کوئی فون پر پولیس کو اطلاع دے دیے تو دوسری بات تھی۔ لیکن ہمیں فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے رضیہ کے چیخنے کی بھی ہمیں پروا نہیں تھی۔

میں نے دوپٹے سے رضیہ کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے اور اسی دوپٹے کے دوسرے سرے سے اس کے پیر بھی جکڑ دیے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے دانت کٹکٹاتے ہوئے پرانی دھمکی دہرائی۔ "تمہارے ٹکڑے کر کے پھینک دوں گی کتوں کو کھلا دوں گی۔"

"ہمارے جانے کے بعد یہاں کتے آئیں گے اور فی الحال تو وہ تمہارے اس گداز اور حسین جسم پر دعوت اڑائیں گے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر بالے کے قریب آ گیا۔

بالے بھی شاید سمجھ گیا تھا کہ ٹیڈی نے چھ آدمیوں کی موجودگی کی دھمکی دی تھی۔ کیونکہ اب تک ٹیڈی کے علاوہ اسے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دی تھی اور شاید اس لیے اس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہاتھ پیر باندھنے کے لیے کوئی رسی وغیرہ نہیں تھی اور میرے خیال میں یہ کام بالے اور جمی کی بیلٹوں سے لیا جا سکتا تھا۔ میں بالے کی بیلٹ کھولنے کے لیے اس کے قریب پہنچا اس کی پشت پر پہنچ کر میں نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں سے آگے بڑھائے۔ ابھی میری انگلیوں نے اس کے بکل کو چھوا ہی تھا کہ وہ بڑی تیزی سے گھوم گیا۔

مجھے بالے سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔ اس کا دھکا لگنے سے میں لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ بالے نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی۔ شاید وہ مجھے گرفت میں لے کر اپنی ڈھال بنانا چاہتا تھا۔ لیکن میں تیزی سے نیچے جھک گیا اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اپنے اوپر سے پیچھے اچھال دیا۔

بالے بھدی آواز سے پشت کے بل فرش پر گرا۔ وہ واقعی جرأت مند آدمی تھا۔ ٹیڈی کے ہاتھ میں پستول کی پروا کیے بغیر اس نے یہ خطرناک قدم اٹھایا تھا اور فرش پر گرنے کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں اس سے پہلے ہی سنبھل گیا اور اسے ایک بار پھر اٹھا کر اپنے اوپر سے پشت کے بل پٹخ دیا۔

"واہ رے۔" قریب کھڑا ٹیڈی بولا۔ "کیا دھولی پاٹ مارا ہے حرامی کو۔"

میں تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بالے پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ میری ہر ٹھوکر پر وہ بلبلا اٹھتا۔ ایک ٹھوکر اس کے جبڑے پر لگی وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ اس کا کوئی دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے جب تھوکا تو خون کے ساتھ ہی اس کا وہ دانت بھی باہر آ گیا۔ میں نے اسے ایک زوردار گھونسہ مار کر ایک بار پھر زمین پر گرا دیا اور بیلٹ کھول کر اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے۔

جمی خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ جب میں نے اس کی پتلون کی بیلٹ کھولی تو اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر پیروں کو جکڑنے کے لیے مجھے اپنی بیلٹ استعمال کرنا پڑی تھی۔

"ہم تمہارے ساتھیوں کو خبر کر دیں گے۔" میں نے اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ تمہیں آ کر یہاں سے چھڑا لے جائیں گے اور تم۔" میں رضیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "نرگس تمہیں سڑکوں پر ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے اور میں اس کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

جواب میں مجھے رضیہ سے ایسی گندی اور غلیظ گالیاں سننے کو ملی تھیں کہ جمی اور بالے نے بھی نظریں جھکا لی تھیں اور پھر بالے کو طیش آ گیا۔

"اب اپنی یہ بکواس بند کرو۔" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ "صرف تمہاری وجہ سے ہمیں یہ وقت دیکھنا پڑا ہے۔ اگر تم مجھے پستول پھینکنے کو نہ کہتیں تو اس وقت ہماری جگہ یہ دونوں بندھے ہوتے۔ اس کالیے نے جمی کو گھیرے میں لیے جانے کے حوالے سے ہمیں بلف کیا تھا۔ تمہاری وجہ سے ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑے اور تمہاری وجہ سے بابل کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔"

"اب تم کتے کی طرح کیوں بھونک رہے ہو۔" رضیہ بھی چیخی۔ "میرے ساتھ عیاشی کرتے

وقت تو تمہیں کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ کبھی ایسا برا وقت بھی دیکھنا پڑے گا اس وقت جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ کم از کم تحریکی کو تو پتا چل جائے گا کہ اس نے ہیجڑوں کی فوج پال رکھی ہے۔"

پلے نے بھی بہت سخت اور مردانہ قسم کا جواب دیا۔

"ان کو حساب کتاب کرنے دو واجا۔" ٹیڈی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اپنا وقت کیوں برباد کرتا ہے خواہ مخواہ کو نکلو ادھر سے۔"

میں نے بابل کی جیب سے اپنا پستول نکال لیا' جسے اس نے میری تلاشی کے بعد اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ دوسرے پستولوں کو میں نے ہاتھ لگانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ ہم انہیں کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

کوٹھی کے گیٹ سے تقریباً پچاس گز آگے سڑک کے کنارے درخت کے نیچے ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ ٹیڈی نے مجھے اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے بیٹھنے کے بعد اس نے انجن سٹارٹ کیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ ٹھیک اسی وقت پہلے کسی گلی میں پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی تھی۔ میرے خیال میں فائرنگ کی آواز سن کر کسی قریبی کوٹھی کے مکینوں نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ ہم عین وقت پر وہاں سے نکل آئے تھے۔

پولیس سائرن کی آواز سولجر بازار کی طرف سے آ رہی تھی۔ جب کہ ہماری ٹیکسی کا رخ مخالف سمت میں تھا اور آخرکار ٹیکسی نشتر روڈ پر نکل آئی۔ یہاں سے ٹیڈی نے اس کا رخ لسبیلہ چوک کی طرف موڑ دیا۔

"تمہیں کہاں چھوڑوں واجا؟" اس نے پوچھا۔

"کریم آباد کی طرف سے چلو۔" میں نے جواب دیا۔

ٹیڈی ٹیکسی کو چوک سے سیدھا نکال لے گیا اور پھر تین ہٹی سے اسے لالوکھیت کی طرف موڑ دیا۔

"تم اس کوٹھی تک کیسے پہنچ گئے ٹیڈی؟" آخرکار میں نے وہ سوال کر ہی ڈالا جو بہت دیر سے میرے دماغ میں کلبلا رہا تھا۔

"تمہارا قسمت اچھا تھا واجا جو ہم کو خبر ہو گیا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "جب تم اس ٹیکسی پر ادھر سے نکلا تو ہم نے بابل کو ایک سرخ شیراڈ میں بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا۔ کار میں دو آدمی پہلے سے موجود تھا' ہم کو شک ہو گیا وہ سرخ شیراڈ ابھی تمہارا ٹیکسی کے پیچھے جائے گا۔ ہم نے ایک دوست کا ٹیکسی پکڑا اور شیراڈ کا پیچھا شروع کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"ہمارا شک ٹھیک نکلا ہم نے ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ لوگ تمہارا حجامت بنا رہا تھا۔ مگر تم بھی کمال کا چیز ہے واجا۔" اس نے ایک ہاتھ سٹیئرنگ سے اٹھا کر میری ران پر مارا پھر بولا۔ "تم نے بھی جمی کا وہ حالت بنایا کہ وہ بہت عرصہ تک یاد رکھے گا۔ پھر جب وہ لوگ دوبارہ تمہاری پٹائی کا پروگرام بنا رہے تھے تو ہم کو مداخلت کرنا پڑا اور پھر ہمارا کھوپڑی بھی کام کر گیا۔ ایسے ٹائم پر میرا کھوپڑی بڑا تیزی سے کام کرتا ہے۔ میں نے انہیں چھ آدمیوں کا دھمکی دیا تو ان لوگوں نے ہتھیار پھینک دیا۔ وہ عورت ٹھیک

بولا تھا تحریکی نے واقعی ہیجڑوں کا فوج پال رکھا ہے۔ لیکن واجا وہ لونڈیا ہے بڑی زوردار۔"

"اوپر سے زوردار نظر آتی ہے اندر سے ختم ہو چکی ہے۔ باسی مال۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس وقت ٹیکسی کریم آباد کا پل اترتے ہی چوراہے پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے چوراہے سے ذرا آگے پٹرول پمپ والی گلی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ٹیڈی کو اس وقت اپنے ساتھ گھر تک لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں بھی رنگا کی طرح اس اصول پر کاربند تھا کہ یا تو کسی پر بالکل ہی اعتماد مت کرو اور اعتماد کرو تو ایسا کہ کسی بات پر شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ اندھا اعتماد۔ اور میں رنگا اور اس کے آدمیوں پر بھی اندھا اعتماد کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ کے سامنے ٹیکسی رکوا کر میں نیچے اتر آیا۔ ٹیڈی وہیں سے واپس جانا چاہتا تھا لیکن اس وقت اسے ایک کپ چائے یا کافی پلانا میں اپنا فرض سمجھتا تھا۔

میں نے جیسے ہی کال بیل پر انگلی رکھی دوسری طرف سے نرگس کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟" آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔

"میں ہوں۔" میں نے بھی دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

گیٹ فوراً کھل گیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ نرگس واقعی بہت پریشان تھی اور برآمدے کی بتی بجھائے گیٹ کے آس پاس لان میں ٹہل رہی تھی۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔

"کہاں رہ گئے تھے۔ پریشانی سے میری جان نکلی جا رہی تھی۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ جانے میں کیا کیا سوچ......"

ٹیڈی کے کھانسنے کی آواز سے وہ ایک دم مجھ سے الگ ہو گئی۔

"یہ...... یہ کون ہے؟" وہ بوکھلا سی گئی

"دوست ہے اندر چلو آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" میں نے کہا اور پھر گیٹ کے باہر کھڑے ہوئے ٹیڈی کو اندر بلا لیا۔

نرگس نے اس کی طرف دیکھا شاید اندھیرے میں ٹیڈی کی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ وہ مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف چلی گئی۔ میں ٹیڈی کو لے کر اندر آ گیا۔ روشنی میں ٹیڈی کی صورت دیکھ کر نرگس سہم سی گئی۔ ٹیڈی نے اس کی نظروں کو تاڑ لیا۔

"ڈرو نہیں بہن۔ اپنا تو تھوبڑا ہی خدا نے ایسا بنایا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم واجا کا دوست ہوں تم خوش قسمت ہے تم کو ایسا دلیر جوان ملا ہے۔"

"واجا۔" نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ آج اس کا باجا بج ہی گیا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس دیا۔ "میرا باجا تو آج واقعی بج جاتا مگر ٹیڈی نے بروقت پہنچ کر بچا لیا تھا۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا پہلے تم کافی پلاؤ بہت اچھی سی۔"

ٹیڈی کے نام پر بھی نرگس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی تھی۔ وہ ہم دونوں کو گھورتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اور ٹیڈی لاؤنج میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔

ہمیں کافی تقریباً آدھے گھنٹے بعد مل سکی تھی۔ نرگس کپ میز پر رکھ کر میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے شب خوابی کا مہین سا لباس پہنا ہوا تھا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھا ہوا ٹیڈی اس کی طرف نظریں اٹھانے سے گریز کر رہا تھا۔

میں نے ٹیڈی کا مختصر تعارف کرا دیا۔ تفصیل بعد میں بتانے کا ارادہ تھا۔

ٹیڈی کافی ختم کرتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اسے گیٹ تک رخصت کرنے کے لیے آیا تو اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کل میرے پاس پہنچ جائے گا۔

اور جب میں دوبارہ اندر آیا تو نرگس نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ میں بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کا شکوہ بجا تھا۔ مجھے فون پر اطلاع دے دینی چاہیے تھی کہ مجھے دیر ہو جائے گی اور مجھ سے یہ غلطی ہو گئی تھی حالانکہ میں جہاں بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک نہیں دو نہیں تین ٹیلی فون موجود تھے۔

ہم بیڈ روم میں آ گئے اور پھر نرگس کو شروع سے اب تک پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔

"وہ کتیا..... حرام زادی....." نرگس نے دانت کچکچائے۔ "اب وہ میرے ہاتھ لگ جائے میں اس کی بوٹیاں ہی نوچ ڈالوں گی۔"

"تمہیں شاید ایسا موقع نہ ملے۔" میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ اب یہ کام رنگا اور اس کے ساتھی کریں گے۔ رنگا اگرچہ بہت دھیمے لہجے میں بات کرتا ہے لیکن اس کے سینے میں انتقام کا لاوا کھول رہا ہے۔ حریری کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس نے انتقام کی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔" میں نرگس کو رنگا کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ لیکن حریری کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کا نام تک میری زبان پر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ میں نرگس کی فطرت سے اب تک بہت اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ وہ میرے منہ سے اچھے الفاظ میں کسی عورت کا تذکرہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور حریری ظاہر ہے میں اس کا ذکر خوب صورت الفاظ میں کرتا اس کے حسن اور شباب کی تعریف کرتا اور نرگس میرا منہ نوچ لیتی۔ لیکن فی الحال اپنے منہ پر اس کے ناخنوں کی سرخ لکیریں ڈلوانے اور ٹیڈی کے الفاظ میں اپنا فوٹو بگاڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

وہ رات باتوں ہی میں گزر گئی اور جب سوئے تو ایسے سوئے کہ دوپہر سے پہلے ہم دونوں میں سے کسی کی آنکھ نہیں کھل سکی تھی اور ان روز گھر کے کام نرگس ہی کو کرنے پڑے تھے کیونکہ کام کرنے والی عورت صبح گھنٹی بجا بجا کر واپس جا چکی تھی۔

☆ .... ☆☆☆ .... ☆

رات کے دس بجے تھے۔

میں اور نرگس اس وقت ٹیڈی کے ساتھ گلشن اقبال میں موجود تھے۔ وہ بڑی بارونق جگہ تھی۔ میں

نرگس کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور ٹیڈی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ ہم تینوں آئس کریم کھا رہے تھے۔ سامنے آئس کریم کی دکان پر میلہ سا لگا ہوا تھا۔ دکان کے سامنے فٹ پاتھ پر بھی میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور کوئی کرسی خالی نہیں تھی۔ اس لیے ہم نے اپنی کار ہی میں آئس کریم منگوا لی تھی۔ ہماری طرح اور بھی بہت سے لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھے یا ادھر ادھر کھڑے آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ٹیڈی نے آج صبح دس بجے ہمارے ہاں آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ دوپہر ایک بجے کے قریب پہنچا تھا۔ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا تھا۔ ٹیڈی کا خیال تھا کہ ہمیں شہر کے مختلف علاقوں میں آزادی سے گھومنا پھرنا چاہیے تاکہ رضیہ کے ساتھیوں کی طرف سے کسی قسم کے ردعمل کا پتا چل سکے۔ لیکن میں اس وقت کہیں جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے بھی دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مجھ پر سستی طاری ہو جاتی تھی۔

نرگس نے ماسی کو کچھ سودا لینے کے لیے مارکیٹ بھیجا ہوا تھا۔ آج صبح ہمارے ہاں اخبار نہیں آیا تھا۔ ہاکر شاید بھول گیا تھا۔ میں نے ماسی سے کہہ دیا تھا کہ وہ کوئی اخبار بھی لیتی آئے۔
ماسی سودا لے کر آئی تو میں نے اس سے اخبار لے لیا۔ وہ کوئی ایوننگ پیپر تھا۔ اس قسم کے اخبار سنسنی خیز خبریں شائع کرنے میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور یہ اخبار بھی ایسی سنسنی خیز خبروں پر پلتے ہیں۔

مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ پہلے ہی صفحہ پر تین کالمی سرخی کے ساتھ موجود تھی۔ وہ خبر کچھ یوں تھی۔

"شہر میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔"
"سولجر بازار میں تین معزز شہریوں کو لوٹ کر باندھ دیا گیا۔"
"مزاحمت کرنے پر ایک شخص کے سر میں گولی مار دی گئی۔"
میں وہ خبر پڑھتا چلا گیا اور پھر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ رات والے واقعہ کو ایک بالکل ہی مختلف رنگ دے دیا گیا تھا۔
اس خبر کے مطابق پولیس کو رات گئے سولجر بازار کی ایک کوٹھی میں فائرنگ کی اطلاع ملی۔ پولیس جب جائے وقوعہ پر پہنچی تو ڈاکو فرار ہو چکے تھے تاہم کوٹھی میں ایک لاش اور تین افراد ان کے منتظر تھے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔
ان لوگوں کے بیان کے مطابق دو ڈاکو انہیں پرانی نمائش کے چوراہے سے گن پوائنٹ پر اغوا کر کے اس ویران کوٹھی میں لے آئے تھے جہاں ان کی ساتھی عورت پر مجرمانہ حملہ بھی کیا گیا۔ ان کے ایک ساتھی نے ڈاکوؤں کے خلاف مزاحمت کی کوشش کی تو اسے سر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ڈاکوؤں نے ان سے نقدی اور گھڑیاں چھین لیں جبکہ ان کی ساتھی عورت رضیہ کے زیورات بھی نوچ لیے گئے اور اس دونوں ڈاکوؤں نے باری باری زیادتی کا نشانہ بھی بنایا۔ بعد ازاں وہ ڈاکو انہیں باندھ کر فرار ہو گئے۔
ان سب کے بیانات الگ الگ بھی شائع ہوئے تھے۔ بالے اور جمی کے بیانات بھی تھے اور

رضیہ کا بیان بھی۔ رضیہ کا بیان کچھ زیادہ ہی سنسنی خیز تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ لوگ شادی کی ایک تقریب سے واپس آرہے تھے۔ رضیہ نے اس وقت لاکھوں روپے مالیت کے زیورات پہن رکھے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق اس نے شروع ہی سے دو آدمیوں کو ایک کار میں ان کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تاہم اس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی جس کے نتیجے میں انہیں اپنے ایک ساتھی کی زندگی اور قیمتی زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء سے محروم ہونا پڑا تھا۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ ان کے نہیں پولیس کے تیار کردہ بیانات تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کا پولیس سے کوئی معاملہ طے ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے تحریکی کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی ہو اور بیانات والی ساری کارروائی اس کی ہدایت پر عمل میں لائی گئی ہو۔

رضیہ، بالے اور جمی نے میرا اور ٹیڈی کا حلیہ تفصیل سے بیان کیا تھا۔ تاہم خبروں میں کہیں بھی ہمارا نام نہیں تھا۔ نام ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ ان لوگوں کو پولیس سے بچانے کے لیے بیان بازی کی یہ پلاننگ بڑی ہوشیاری سے کی گئی تھی۔ الزام نامعلوم ڈاکوؤں پر تھا۔ ہمارا نام بیچ میں کیسے آسکتا تھا۔ نام ہوتا تو اس سارے پلان کی قلعی کھل سکتی تھی۔

میں نے ٹیڈی کو یہ خبر پڑھ کر سنائی تو وہ مسکرا دیا۔

"ہمارا تو کئی مرتبہ اخبار میں فوٹو چھپا ہے۔ صرف حلیہ چھپنے سے کیا ہوتا ہے واجا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہم لوگ آزاد ہے کون مائی کا لعل ہاتھ ڈالے گا ہم پر۔"

میں دیر تک اس صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پولیس کا کردار میرے لیے باعث افسوس تھا۔ یہ میری زندگی کا طویل تجربہ تھا ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم ثابت کردینا پولیس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا اور یہی ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہاں آج تک قومی تشخص پیدا نہیں کیا گیا، شعور کو ابھارنے کی بھی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ بات صرف پولیس کی نہیں ہر سرکاری محکمہ کا یہی حال ہے۔ ان محکموں سے فرض شناسی تو عنقا ہوچکی ہے۔ کوئی جائز کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا جاتا ہے۔ کبھی جمہوریت کے نام پر اور کبھی انقلاب کے نام پر اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا رہا ہے۔ یہاں ہمیشہ چند خاندانوں کی حکومت رہی ہے۔ ہر خاندان نے اس ملک پر راج کرنے کے لیے باریاں مقرر کررکھی ہیں۔ ایک خاندان ہٹتا ہے تو دوسرا برسر اقتدار آجاتا ہے اور عوام کو ہمیشہ ہی سے بے وقوف بنایا جاتا رہا ہے۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ٹیڈی کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہوگئے وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا سوچتا ہے واجا؟"

"وہ کچھ نہیں۔" میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "میں دراصل انہی لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ انہوں نے کس قدر پلٹا کھایا ہے۔ آپ کو پتہ ہے۔"

"یہ سب پیسہ کا کمال ہے واجا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے صرف دو چیزیں کام آتی ہیں۔ پیسہ اور طاقت اس کے بغیر زندگی نہیں ہوتی۔ تم فکر نہیں کرو ہے۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا پھر بولا۔ "ہم لوگ جو تمہارا ساتھ ہے کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔"

میں نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اسے کیسے بتانا چاہتا تھا کہ میرے پاس کتنا پیسہ ہے اور پیسے کی طاقت سے میں بھی واقف تھا۔

وہ دن ہم نے گھر پر ہی گزارا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم نے باہر نکلنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لیے میں نے اپنی ہی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب ہم نے آزادی سے گھومنے پھرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا تو گاڑی استعمال کرنے میں کیا حرج تھا۔

ہم سب سے پہلے پشاوری آئس کریم کھانے کے لیے گلشن اقبال کے بلاک تھری کے اس بارونق شاپنگ ایریا میں رکے تھے۔ اس کے سامنے کشادہ سڑک کے دوسری طرف بلاک فائیو تھا۔ اس طرف بھی اگرچہ دکانیں تھیں مگر وہاں زیادہ رونق نہیں تھی۔

ہم آئس کریم سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ ٹیڈی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

"وہ اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔" اس نے تقریباً بیس گز دور ایک ہٹے کٹے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ بالا ہے بالا بدمعاش۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "ہیروئن بیچتا ہے حرامی۔ یہی اس کی بدمعاشی اور دادا گیری ہے۔ شام کے بعد اس علاقے میں گھومتا رہتا ہے۔ اس کے گاہک یہیں پر اس سے رابطہ کرتے ہیں۔"

میں نے پہلے بھی بالے کو دیکھا تھا مگر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اب ٹیڈی کے توجہ دلانے پر خیال آیا کہ تھوڑی دیر بعد میں نے کسی نہ کسی آدمی کو بالے کے پاس رکتے ہوئے دیکھا تھا اور اب میں خاص طور پر اس پر توجہ دے رہا تھا۔

ہماری آئس کریم ختم ہوچکی تھی۔ لیکن میں بالے کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا اور وہاں رکے رہنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے لڑکے کو بلا کر مزید آئس کریم منگوالی اور گہری نظروں سے بالے کا جائزہ لیتا رہا۔

بیس منٹ میں تین آدمی بالے کے پاس آکر رکے تھے۔ ان میں دو تو پکی عمر کے آدمی تھے اور تیسرا ایک نوجوان اس کی عمر بیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر اور دو کتابیں بھی تھیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اسٹوڈنٹ ہے۔ اس نے نیلی شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی۔ دبلے پتلے جسم کا مالک وہ بہت مدقوق سا نوجوان تھا۔ نوجوان کہاں اس کی جوانی تو کچھ چکی تھی پچکے ہوئے گال اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا بالے کے پاس رک گیا۔ ان دونوں نے ہاتھ ملائے۔ نوٹوں اور ہیروئن کی پڑیا کا تبادلہ ہوا اور وہ نوجوان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

یہ سب دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ ہیروئن کی لعنت ہماری نوجوان نسل کو کس طرح دیمک بن کر چاٹ رہی تھی۔

میری زندگی زیر زمین دنیا کے اندھیرے راستوں پر چلتے ہوئے ہی گزری تھی۔ اگرچہ میں نے بھی ہیروئن کا دھندہ کیا تھا لیکن جب اس کے تباہ کن اثرات کا اندازہ ہوا تو میں نے یہ دھندہ چھوڑ دیا اور منشیات فروشوں کے خلاف ایک محاذ قائم کرلیا، جس پر میں کئی مرتبہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا تھا۔

میں کوئی دانشور یا عالم فاضل شخص نہیں ہوں۔ لیکن یہ میری زندگی کا طویل تجربہ ہے کہ ملک میں ہیروئن اور دیگر منشیات کا استعمال اس قدر تیزی سے کیوں فروغ پا رہا تھا۔

کسی معاشرے میں منشیات کتنی عام اور مقبول ہیں اس کا انحصار اس معاشرے کی روایات، مذہب سے وابستگی یا غیر وابستگی اور قانون کے احترام یا عدم احترام پر ہوتا ہے۔ عام طور پر نشہ باز معاشرے، ماحول یا خاندان سے راہِ فرار تلاش کرتے ہیں۔ انہیں دکھ، پریشانی، تکلیف یا تھکن سے نجات کی تلاش ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف دوستوں کا دل رکھنے یا کسی انوکھے تجربے کی خاطر منشیات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

تجربے میں آیا ہے کہ نو دولتیے اور نو تعلیم یافتہ طبقے منشیات کے زیادہ عادی ہیں۔ جہاں دولت کی فراوانی ہو یا مفت ہاتھ آ گئی ہو یا سرمایہ داری، نوابی یا جاگیرداری جیسے ٹھاٹھ باٹ ہوں، وہاں منشیات کے استعمال کو فروغ ملتا ہے۔ شہروں کی وسعت، نئی بستیوں کے پھیلاؤ اور بڑھتی ہوئی صنعت کاری کے مسائل کی وجہ سے نوجوانوں پر نگرانی کم ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر معاشرتی اور اقتصادی تبدیلیوں نے اکتاہٹ، افسردگی اور اجنبیت پیدا کر دی ہے۔ بیکاری بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے فرصت کا وقت زیادہ میسر آنے لگا ہے جسے بہتر انداز میں گزارنے کے لیے کوئی مفید مصروفیت یا تفریح کا موزوں پروگرام نہیں ہے۔

مذہبی اور اخلاقی اقدار کی پامالی نے نوجوان طبقے پر اکتاہٹ سی طاری کر دی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ معاشرے میں قانونی بندشیں نہ ہوں تو منشیات شرفاء تک محدود رہتی ہے۔ بندشیں عائد کر دی جائیں یا حصول دشوار ہو جائے تو تجربہ، دلچسپی اور فوقیت پیدا ہوتی ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ روک ٹوک بالکل نہ ہو تو اکثر تجسّس، اداسی، ناکامی اور فرار کی صورت میں نتیجہ نکلتا ہے اگر پابندی سخت ہو تو احتجاج، بغاوت اور انتقام کے جذبے پیدا ہوتے ہیں۔

پریشانی اور الجھنیں زندگی کا لازمہ ہیں۔ ان کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ہی انسان دنیا میں عزت و کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اپنی مخصوص ذہنی ساخت اور تربیت کے باعث اس مقابلے میں ناکام رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں یہ زندگی ان کے لیے بوجھ اور جہنم بن جاتی ہے۔ ایسے لوگ پریشانیوں کے چنگل سے کبھی آزاد نہیں ہو پاتے۔ مایوسیاں اور ناکامیاں انہیں بے حد حساس اور زود رنج بنا دیتی ہیں۔ ان کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ہر مشکل پہاڑ اور ناقابلِ تسخیر نظر آتی ہے۔ جس تکلیف دہ صورت حال سے نجات کی راہ نہیں ملتی تو منشیات کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ پریشانیوں کا براہِ راست مقابلہ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے کے بجائے ان کی تلخیوں کو اپنے قلب و ذہن سے مٹانے اور غم غلط کرنے کی ناکام کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

ہمارے ملک میں سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی صورت حال اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ یہ ملک مذہبی نظریات کے تحت قائم ہوا تھا لیکن آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی مذہب کی حکمرانی قائم نہیں ہو سکی۔ یہاں مذہب کئی فرقوں میں بٹا ہوا ہے۔ ہر فرقے کے علماء اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ نوجوان پریشان ہیں کہ وہ کس طرف جائیں؟ جہاں

مذہب چوں چوں کا مربہ ہو، وہاں کوئی واضح راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ برسرِ اقتدار آنے والا ہر حکمران مذہب کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بناتا رہا ہے۔ سیاستدان اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لیے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ یہ غالباً دنیا کا واحد ملک ہے، جہاں اسمبلیوں میں بھی مار پیٹ اور گالم گلوچ ہوتی ہے۔

نوجوان نسل کی خاصی بڑی تعداد اکتاہٹ و مایوسی کا شکار ہے۔ انہیں زندگی کے حقیقی اور ٹھوس مسائل سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں، کیونکہ ان سے نمٹنے کے لیے نہ تو وہ مناسب تربیت و ہنر سے آراستہ ہیں اور نہ ہی ان کے سامنے کوئی واضح نصب العین ہے۔ انہیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔ یہ صورت حال انہیں آخرکار منشیات کی طرف راغب کرتی ہے۔

ہیروئن ایک سست رفتار موت ہے، جو آہستہ آہستہ بہت دبے قدموں اپنے طلب گار کی طرف بڑھتی ہے اور آخرکار اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیتی ہے۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اس دوران سلور کلر کی ایک قیمتی اور خوب صورت کار بلے بدمعاش سے چند گز کے فاصلے پر آ کر رکی۔ کار میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کریم کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی، جس پر ہلکے نیلے رنگ کا کشیدہ کاری کا بارڈر تھا۔ بلاؤز بھی کریم کلر ہی کا تھا۔

عورت کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اگرچہ وہ خاصی حسین تھی، مگر چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سٹیئرنگ پر ٹکائے چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر دوسری طرف حلیم فروخت کرنے والے کے ملازم لڑکے کو اشارے سے قریب بلا کر اس سے کچھ پوچھا تو لڑکا دور کھڑے ہوئے بلے بدمعاش کی طرف اشارہ کر کے واپس چلا گیا

وہ عورت اب گہری نظروں سے بلے کی طرف دیکھنے لگی جو بے نیازی کے انداز میں کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ عورت نے اسے اشارہ کیا تو وہ بے تکلے قدم اٹھاتا ہوا کار کی طرف چلنے لگا۔

میں نے اپنا آئس کریم کا گلاس نرگس کے ہاتھ میں تھما دیا اور ابھی آیا کہہ کر کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میں چلتے چلتے گرے کلر کی کار کی دوسری طرف رک گیا اور جھک کر اس طرف اپنی ایک آنکھ کو ملنے لگا جیسے آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہو۔ اس دوران میری تمام تر توجہ بلے بدمعاش اور کار میں بیٹھی ہوئی عورت کی طرف مرکوز تھی۔ بلا ڈرائیونگ سائیڈ والی کھڑکی پر جھکا ہوا تھا۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں بلے کے منہ سے نکلا ہوا صرف ایک جملہ سن سکا تھا۔

"آدھے گھنٹے بعد سڑک کے دوسری طرف ان عمارتوں کے پیچھے پارک کے شمالی گیٹ کے سامنے۔"

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں سیدھا ہو کر [illegible] گیا۔ ابھی میں چند ہی گز آگے نکلا ہوں گا کہ وہ کار وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بلا بدمعاش بھی ٹہلنے والے انداز میں چلتا ہوا آگے نکل گیا اور میں دوبارہ اپنی کار میں آ گیا۔

"کہاں گئے تھے؟" نرگس نے مجھے گھورا۔

"بس یونہی تھوڑی سی ہوا خوری کرنے گیا تھا۔" میں نے اس سے اپنا آئس کریم کا گلاس لیتے ہوئے جواب دیا۔

نرگس ایک بار پھر مجھے گھور کر رہ گئی اور یہ غنیمت تھا کہ اس وقت اس نے کوئی جرح نہیں کی تھی۔ میں نے لڑکے کو بلا کر خالی گلاس واپس کیے اور آئس کریم کا بل بھی ادا کر دیا۔ ٹیڈی اپنی سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

گاڑی سٹارٹ ہو کر نیپا چورنگی کی طرف دوڑنے لگی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ چورنگی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"یہاں سے گاڑی واپس موڑ لو ٹیڈی۔"

ٹیڈی نے کوئی سوال کیے بغیر چوراہے پر گاڑی کو واپس گھما لیا۔ اب ہم سڑک کے دوسری طرف تھے اور پھر اس جگہ کے عین سامنے جہاں ہم نے آئس کریم کھائی تھی' میں نے کار رکوائی۔ یہاں چند دکانیں تھیں۔

"کیا ہوا؟" نرگس نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"گھر سے نکلتے ہوئے تم نے کچھ چیزیں خریدنے کو کہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "وہاں سامنے اتنی دیر کھڑے رہے لیکن پتہ نہیں یاد رہا اور نہ مجھے۔ تم ان دکانوں پر دیکھ لو اور میں....." میں نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھا دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ٹیڈی مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں دکانوں کے ساتھ ایک گلی میں گھوم کر پچھلی طرف نکل گیا اور پھر وہ پارک کی تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پارک زیادہ بڑا نہیں تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اجڑا ہوا سا لگ رہا تھا۔ یہاں روشنی کا بھی انتظام نہیں تھا۔ اس کے چاروں طرف تقریباً تیس فٹ چوڑی سڑکیں تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ بنگلے تھے۔

میں پارک کے شمالی گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔ پارک میں اندھیرا تھا اور کسی شخص کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں گیٹ میں داخل ہو کر گارڈینیا کی جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہاں سے میں گیٹ اور سامنے والی سڑک پر بخوبی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

بلے بدمعاش اور اس عورت کی باتیں سن کر میں محض تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آیا تھا۔ میرے ذہن میں اس وقت طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے۔ اگر اس عورت کو صرف ہیروئن ملنی ہوتی تو وہیں پر معاملہ طے ہو سکتا تھا' لیکن بلے بدمعاش نے اسے آدھ گھنٹے بعد یہاں بلایا تھا جس کا مطلب تھا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ میں عام طور پر دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کا عادی نہیں تھا۔ لیکن یہ تجسس مجھے یہاں لے آیا تھا۔ میں نے نرگس اور ٹیڈی کو بھی اصل بات نہیں بتائی تھی اور اب یہی اس بات پر سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میری مدد کو بھی کوئی نہیں آ سکے گا۔

مجھے جھاڑیوں کے پیچھے دبکے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ گہرے رنگ کی ایک کار آہستہ

آہستہ چلتی ہوئی سڑک پر تقریباً بیس گز آگے بجلی کے کھمبے کے قریب رک گئی۔ میں نے گہری نظروں سے کار کی طرف دیکھا۔ سٹیئرنگ کے سامنے وہی عورت بیٹھی ہوئی تھی' جو کچھ دیر پہلے آئس کریم کی دکان کے قریب بلے بدمعاش سے ملی تھی۔ اس کے جسم پر لباس بھی وہی تھا۔ وہ بار بار گردن گھما کر اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

دس منٹ بعد بلا بدمعاش بھی کسی طرف سے نکل کر کار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر جھک کر کوئی سرگوشی کی اور ایک طرف کو چل پڑا۔ وہ عورت بھی کار سے اتر کر اس کے پیچھے چلنے لگی۔

میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ان کا تعاقب کرنے لگا۔ بلا سڑک پار کر کے دوسری گلی میں پہنچ گیا تھا۔ عورت بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

میں گلی کے موڑ پر رک گیا اور دیوار کی آڑ سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ بلا بدمعاش ایک مکان میں داخل ہو گیا' جبکہ وہ عورت مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی تھی۔ شاید وہ اگلا قدم اٹھانے میں جھجک رہی تھی۔ لیکن پھر وہ بھی اندر داخل ہو گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں آڑ سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ مکان کے سامنے پہنچ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ لیکن دروازہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔ میں نے متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ان مکانوں کی پوزیشن دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس مکان کا صحن دوسری طرف ہو گا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر سے گھوم کر پچھلی گلی میں آ گیا اور مطلوبہ مکان کے سامنے رک کر صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

گلی میں تاریکی تھی۔ میں نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور باؤنڈری وال پر چڑھ کر آہستگی سے اندر کود گیا۔ آنگن زیادہ بڑا نہیں تھا' مکان کے صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ جب کہ باقی کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے پہنچ کر رک گیا' جہاں روشنی ہو رہی تھی۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی' لیکن سامنے بھاری پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا پردہ سرکا کر اندر جھانکا' وہ عورت اور بلا بدمعاش کمرے میں موجود تھے۔ عورت اپنے ہینڈ بیگ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی اور چہرے پر پیلاہٹ تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ہیروئن کی عادی تھی اور نشے کی طلب ہی اسے یہاں لے آئی تھی۔ بلا بدمعاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر مکاری اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ اس وقت واقعی جنگلی بلا ہی لگ رہا تھا۔

"پہلے تم پڑیا کہاں سے لیتی تھیں؟" بلے نے عورت سے پوچھا۔

"طارق روڈ پر جھیل پارک کے قریب ایک آدمی سے مل جایا کرتی تھی۔ لیکن دو دن پہلے وہ پکڑا گیا۔ میرے پاس دو دن کی خوراک موجود تھی' لیکن آج صبح سے تلاش میں ہوں کسی نے تمہارے بارے میں بتایا تو تلاش کرتی ہوئی یہاں آ گئی۔" عورت نے جواب دیا۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"شادی شدہ ہو؟" بلے نے ایک اور سوال کیا۔

"بیوہ ہوں۔" عورت نے جواب دیا۔ "چھ سال پہلے شادی ہوئی تھی لیکن چند ہی مہینوں بعد

شوہر کا انتقال ہو گیا۔"

"گزارا کیسے ہوتا ہے؟ میرا مطلب ہے خرچ وغیرہ کیسے چلتا ہے۔ کوئی دھندہ وغیرہ کرتی ہو؟" اس مرتبہ بلے کے لہجے میں چبھن تھی۔

"میں کوئی دھندہ وغیرہ نہیں کرتی۔ شریف عورت ہوں۔ فیروز آباد میں میرے شوہر کی دو کوٹھیاں ہیں' جو اس کی موت کے بعد مجھے وراثت میں ملی ہیں۔ سوسائٹی میں بھی ایک مکان ہے جہاں میں خود رہتی ہوں۔ فیروز آباد والی دونوں کوٹھیاں کرائے پر دے رکھی ہیں۔ صدر میں میرا ایک جنرل سٹور بھی ہے' جسے میرا ملازم چلاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے موٹی اسامی ہو۔" بلے کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا مطلب؟" عورت نے اسے گھورا۔

"مطلب یہ کہ خاصی مال دار عورت ہو اور حسین بھی۔ ویسے یہ عمر تمہارے بیوہ ہونے کی تو نہیں تھی ایک بات بتاؤ۔" بلا چند لمحے اس کے سراپا کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "ہیروئن کی عادت تمہیں کیسے لگی؟ کسی عیاش آدمی کے ہتھے چڑھ گئی تھیں کیا؟"

"زیادہ بکواس مت کرو۔" عورت کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "یہ لعنت مجھے اپنی ایک دوست سے تحفے میں ملی تھی۔ کم بخت پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی اور یہ لعنت ہی مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔"

"بات یہ ہے بی بی۔" بلا بدمعاش اس کے سراپا کو گھورتے ہوئے بولا۔ "آج کل بڑی سختی ہو رہی ہے' اوپر کے دباؤ کی وجہ سے پولیس نے ہم جیسے لوگوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔ ہم جیسے چھوٹے لوگ جن بڑے ایجنٹوں سے مال خریدتے تھے وہ پکڑے جانے کے خوف سے روپوش ہو گئے ہیں اور ہمیں بھی مال نہیں مل رہا ہے۔"

"تو پھر تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا؟" عورت تیز لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

"یہی سب کچھ بتانے کے لیے۔" بلا معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

"میں سڑک پر کھڑے ہو کر تو تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔"

"میں جانتی ہوں تمہارے پاس ہیروئن موجود ہے' مگر تم اس کی زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتے ہو۔" عورت نے کہتے ہوئے بیگ کھولا اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔ "یہ پانچ ہزار روپے ہیں مجھے صرف ایک خوراک چاہیے صرف ایک خوراک میری قوت برداشت اب جواب دیتی جا رہی ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ میرے پاس ایک گرام بھی نہیں ہے۔" بلے نے کہا۔

"تم جیسے لوگ بہت گھٹیا اور کمینے ہوتے ہیں۔ ضرورت مندوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو' لو اور جلدی سے مجھے ایک پڑیا دے دو' صرف ایک خوراک کے لیے تمہیں جو قیمت دے رہی ہوں تم اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔" عورت نے یہ کہتے ہوئے کلائی سے سونے کی چار چوڑیاں اتار کر اس کی

طرف پھینک دیں۔ بلے نے چوڑیوں کو ہوا ہی میں اُچک لینا چاہا' لیکن ہاتھ میں صرف ایک ہی چوڑی آ سکی تھی' باقی تین چوڑیاں فرش پر گر کر لڑھکتی ہوئی صوفے کے نیچے چلی گئیں۔

"تم تو بلاوجہ ضد کر رہی ہو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" بلا بدمعاش اب بھی اپنے مال کی قیمت بڑھانے کے چکر میں تھا۔ اس کی نظریں بار بار عورت کے سراپا کو گھور رہی تھیں۔ عورت کی ساڑھی کا پلو نیچے گر گیا تھا' جس سے اس کا پیٹ برہنہ ہو رہا تھا۔

"ایک خوراک..... صرف ایک خوراک کے بدلے....." عورت چیخی۔ بلے کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لو میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب لے لو۔ صرف ایک خوراک کے لیے تمہیں سب کچھ دینے کو تیار ہوں۔" عورت نے جسم پر لپٹی ہوئی ساڑھی اتار کر پھینک دی پھر بلاؤز بھی اتار دیا۔ اب اس کے بدن پر اوپر کا زیر جامہ اور پیٹی کوٹ رہ گیا تھا اور پھر اس نے پیٹی کوٹ بھی اتار کر پھینک دیا۔ مجھے اپنے دماغ میں سنسنی سی محسوس ہونے لگی۔ سینے میں سانس رکنے لگا۔ مجھے اپنے پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اس کا گلاب جیسا بدن بلب کی روشنی میں کندن کی طرح چمک رہا تھا۔

"لو میں تمہارے سامنے ہوں جتنی قیمت چاہو وصول کر لو لیکن خدا کے لیے مجھے صرف ایک خوراک دے دو۔" عورت کے لہجے میں بے بسی تھی۔

میری ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں سر تا پیر کانپ اٹھا لیکن اس مرتبہ سنسنی اور کپکپاہٹ کسی اور نوعیت کی تھی۔ یہ سوچ کر ہی میرا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا کہ ایک عورت ہیروئن کی صرف ایک خوراک کے لیے اپنی عزت لٹانے کو تیار تھی۔

میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں نے ایک بار پھر کمرے میں جھانکا۔ عورت آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور بلا بدمعاش آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی کریہہ مسکراہٹ تھی.....

میں کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے سامنے آ گیا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے گھمایا۔ دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ میں زور دار دھکے سے دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ بلا بدمعاش اس وقت عورت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اس طرح آگے بڑھا رکھے تھے جیسے عورت کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہو۔

"یہ گندے ہاتھ اس کے جسم سے دور ہی رکھنا بلے۔" میں چیختا ہوا بلے پر حملہ آور ہوا۔

بلا ایک دم پیچھے مڑا لیکن اس دوران میں اس سے ٹکرا گیا تھا۔ بلا میری ٹکر سے لڑکھڑا کر سامنے والے صوفے پر گر گیا۔ وہ میرے قد سے نکلتا ہوا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ اس میں طاقت بھی مجھ سے زیادہ ہی رہی ہو گی لیکن میں نتائج کی پروا کیے بغیر اس پر حملہ آور ہوا تھا۔

میں نے بلے کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی۔ بلا مار کھا گیا تھا۔ میں نے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

دیو قامت بلا زیادہ دیر تک مار نہ کھا سکا۔ اس نے سنبھل کر مجھے گرفت میں لے لیا اور رگیدتا ہوا

دیوار تک لے گیا اور میرا گریبان پکڑ کر سر کو زور زور سے دیوار سے ٹکرانے لگا۔

ہر ٹکر پر میرا دماغ ہل جاتا لیکن میرے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ موقع پا کر اس عورت کی طرف دیکھا جو اپنا ایک ہاتھ منہ پر رکھے شاید چیخ کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ زمین پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھا کر بدحواسی میں پہننے لگی۔ خوف و دہشت سے اس کا پورا جسم تھر تھرا رہا تھا۔

میں کچھ دیر تک تو بلے کے مکّوں پٹتا رہا' پھر ایک ٹانگ سمیٹ کر بلے کی رانوں کے درمیان زوردار ٹھوکر ماری۔ بلا بلبلا اٹھا۔ میں نے زوردار جھٹکے سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ بلے نے دونوں ہاتھ رانوں کے بیچ میں رکھے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

بلا آگے کو جھکا تو میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر مار دی۔ بلا پیچھے الٹ گیا۔ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر ٹھوکروں اور گھونسوں کی بارش کرتا رہا لیکن آخرکار بلے کا ایک داؤ چل ہی گیا۔

وہ کچھ دیر تک میری پٹائی کرتا رہا' پھر مجھے فرش پر گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور دونوں ہاتھ میرے گلے پر جما دیئے۔

بلے کے انگوٹھے میرے نرخرے پر تھے جیسے جیسے دباؤ بڑھ رہا تھا میری سانس رک رہی تھی۔ میری آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں۔ میں نے بلے کی طرف دیکھا۔ بلے کے چہرے پر درندگی کے آثار تھے۔ اس کی حالت اس درندے کی سی تھی جس کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو۔

"کتے کے بچے ___ حرامزادے ___" بلے کے حلق سے خونخوار درندے کی سی غراہٹ نکلی۔ "میں کسی کو اپنے منہ کا اگلا ہوا کھانے کی تو اجازت دے سکتا ہوں لیکن میرا شکار آج تک کوئی مائی کا لعل مجھ سے نہیں چھین سکا۔ تمہیں تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

گلے پر بلے کے ہاتھ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہوں۔ میں اپنی ٹانگیں اوپر کی طرف سمیٹنے لگا اور آخرکار اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے دونوں پیر بلے کی گردن پر لپیٹ دیئے۔ اس نے گردن کو جھٹکا دے کر گرفت چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے اس کی گردن پر ٹیک لاک لگائے رکھا اور جسم کی پوری قوت استعمال کر کے دائیں طرف لوٹ لگا دی۔

بلا میرے اوپر سے لڑھک گیا اور مجھے اس کی گرفت سے نجات مل گئی۔ میں چند لمحے اپنی گردن سہلاتا رہا اور پھر بلے پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوئی اور میں ایک بار پھر بلے کی زد میں آ گیا۔

بلے بدمعاش نے میرے اوپر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ نکلا۔ میری کنپٹی پر لگنے والا آخری گھونسا بڑا زبردست ثابت ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی نکلنے لگیں اور ذہن پر تاریکی چھانے لگی۔

"تمیں زے۔"

یہ آواز سن کر میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکنے لگا۔ تاریکی چھٹتی چلی

گئی اور جب میرے حواس کسی قدر بحال ہوئے تو میں نے ٹیڈی کو بلے بدمعاش سے بھڑے ہوئے پایا۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا وہ عورت موجود نہیں تھی۔ ہماری لڑائی کے دوران موقع پا کر وہ بھاگ نکلی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بلے پر چھلانگ لگا دی جو ٹیڈی کے سر کی ٹکر کھا کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے آ رہا تھا۔

بلا بدمعاش ہم دونوں کے درمیان فٹ بال بن گیا اور پھر اپنی کنپٹی پر ٹیڈی کے سر کی زوردار ٹکر برداشت نہ کر سکا۔ وہ چیخ کر اس طرح گرا کہ پھر حرکت نہیں کر سکا۔

"وہ عورت کہاں گئی۔ تم نے دیکھا تھا اسے؟" میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ٹیڈی سے پوچھا۔

"ہوا ہو گیا' اب تم بھی بھاگو یہاں سے۔" ٹیڈی مجھے اشارہ کرتا ہوا ساتھ والے دروازے کی طرف لپکا۔ میں نے بھی اسی کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ہم اس دروازے سے باہر نکلے تھے جہاں سے میں نے بلے بدمعاش اور اس عورت کو مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم دوڑتے ہوئے گلی سے باہر نکلے۔ سڑک پر گرے کلر کی وہ کار بھی نہیں تھی۔ ہم سڑک پار کر کے پارک کے اندر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف آ گئے اور پھر ہم دوڑنے کے بجائے آرام سے چلنے لگے۔ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہنا رک گیا تھا لیکن تکلیف اب بھی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ میں بار بار بائیں ہاتھ کی پشت اور آستین سے ناک اور ہونٹ پونچھ رہا تھا۔

ہم گلی سے نکل کر دکانوں کی طرف آ گئے۔ روشنی میں آتے ہی میں نے اپنی قمیص پر خون کے چھینٹے دیکھ لیے تھے۔ آستین بھی خون آلود تھی اور ہاتھ کی پشت بھی۔ ویسے بھی میری حالت ایسی نہیں تھی کہ لوگوں کا سامنا کر سکتا اور یہاں دکانوں کے سامنے اب بھی خاصی چہل پہل تھی۔ میں اس طرح رخ پھیر کر چلنے لگا کہ کم سے کم لوگوں کی نظر مجھ پر پڑ سکے۔

نرگس کار سے ٹیک لگائے کھڑی پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور پھر ہمیں دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔

"ارے! یہ کیا ہوا؟" وہ مجھے دیکھتے ہی بدحواس ہو گئی۔ "کہاں گئے تھے تم..... کیا ہوا ہے.....؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے' معمولی سا جھگڑا ہو گیا تھا۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا' چلو کار میں بیٹھو۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

ہم پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ٹیڈی نے سٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر ہم زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ ٹیڈی نے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی تھی۔

"دیکھو واجا! ہم تم کو ایک بات بالکل صاف بولتا ہے۔" گلشن چورنگی سے آگے نکلنے کے بعد ٹیڈی نے اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میرے عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنا متھا ٹھنڈا رکھو۔ دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ چھوٹے چھوٹے بدمعاشوں سے منہ ماری کر کے اپنا طاقت

کو ضائع مت کرو۔"

"لیکن وہ حرامی اس عورت کی عزت پر ہاتھ ڈال رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"تو تمہیں کیا تکلیف پہنچی تھی واجا!" ٹیڈی بولا۔ "ایسا کھیل تماشا تو کراچی شہر میں روز ہوتا ہے اور پھر وہ عورت بھی بوت حرامی تھا۔ نشہ کرنے والی عورت اپنا عزت کو کدھر رکھ سکتا ہے۔ عزت دار ہوتا تو نشہ شروع ہی کیوں کرتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "تم جب آئس کریم والا دکان کے سامنے سے اتر کر بلے بدمعاش کی طرف گیا تھا تو ہم کو اس وقت شک پڑ گیا تھا اور پھر تم نے ادھر گاڑی روکنے کو بولا تو ہم کو یقین ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ہونے والا ہے۔"

"ہم تمہارا پیچھے گیا مگر ہم کو دیر ہو گیا۔ اس عورت کا کار تو ادھر کھڑا تھا مگر وہ دکھائی نہیں پڑا۔ ہم نے پارک میں بھی دیکھا کہ شاید وہ دونوں اندھیرے میں جھاڑیوں کے پیچھے۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ شاید اسے نرگس کی موجودگی کا خیال آ گیا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "پھر ہم نے اس عورت کو گلی میں بھاگتے ہوئے دیکھا اس کا جسم پر پورا کپڑا بھی نہیں تھا ہم اس کو پکڑ لیا' وہ بوت ڈرا ہوا تھا۔ ہمارا پوچھنے پر اس نے مکان کی طرف اشارہ کر دیا اور کار میں بیٹھ گیا اور ایک منٹ کا اندر اندر کار سمیت وہاں سے ہوا ہو گیا۔ گلی میں اس مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر گھس گیا اور اگر ہم کو دیر ہو جاتا تو آج واقعی تمہارا باجا بج جاتا۔"

"ہاں' باجا تو واقعی بج جاتا پر باجا بجانے والے کے بھی دانت ٹوٹ جاتے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ بلا بڑا ہے بڑا کھڑا آدمی۔" ٹیڈی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ چھوٹا چھوٹا بدمعاش لوگ..... انہیں تو اپنا عزت کا بھی پروا نہیں' یہ لوگ کیا جانے بدمعاشی کیا ہوتا ہے۔ ہیروئن بیچنا اور عورتوں پر ہاتھ ڈالنا تو دادا گیری نئی ہوتا نہ۔ ان سے منہ ماری کر کے اپنا طاقت ضائع کیوں کرتا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ بات ادھر ہی ختم نہیں ہوگا۔"

"تو پھر کہاں ختم ہوگا؟" میں نے آستین سے ہونٹ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"بلا بدمعاش پہلے تحریکی کے گروہ کے ساتھ تھا۔ اس کے ایک بندے سے لفڑا ہو گیا تو اسے مار کر وہاں سے بھگا دیا گیا۔ اور سمندر خان کے ساتھ مل گیا۔ سمندر خان بھی دراصل تحریکی ہی کا بندہ ہے۔ یہ سب لوگ اندر سے ایک ہی ہیں کیا بولتا ہے اس کو ایک تھیلے کے چٹے سفید....."

"چٹے سفید نہیں..... چٹے بٹے بولو ٹیڈی بھائی۔" نرگس نے پہلی مرتبہ مداخلت کی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"وہی۔ بہن وہی۔" ٹیڈی نے سر ہلایا۔ "یہ سب لوگ وہی ہیں اپنا واجا نے بلے بدمعاش کا ایک جبڑا اس کے منہ سے چھینا ہے۔ وہ خاموش تو نہیں بیٹھے گا۔ سمندر خان کو بتائے گا اور سمندر خان یہ بات تحریکی تک ضرور پہنچائے گا۔"

"اسے کیا پتا میں کون ہوں۔" میں نے کہا۔

"اڑے وہ میرا تو تو پہچانتا ہے نا۔" ٹیڈی نے ایک ہاتھ کار کے سٹیئرنگ سے اٹھا کر مخصوص

انداز میں اپنے چہرے پر پھیرا۔ "وہ میرا نام بھی جانتا ہے' اچھا ہے تھوڑا مزہ آئے گا۔"

میں جواب دینے کے بجائے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت ہم سہراب گوٹھ والے چوراہے پر پہنچ چکے تھے۔ وہاں سے ٹیڈی نے گاڑی بائیں طرف گھما دی۔ یہی سڑک سیدھی کریم آباد کی طرف چلی گئی تھی۔

اور پھر ہمیں گھر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

بنگلے میں داخل ہوتے ہی میں باتھ روم میں گھس گیا اور اسپرٹ وغیرہ سے اپنی ناک اور سوجے ہوئے ہونٹوں کی مرمت کرنے لگا۔

میں باہر آیا تو ٹیڈی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور نرگس کچن میں تھی۔ میں ٹیڈی کے پاس بیٹھ گیا۔ بیس پچیس منٹ بعد نرگس کافی بنا کر لے آئی۔ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم آج کے واقعہ پر تبصرہ کرنے لگے۔

آج کی گڑبڑ میں قصور واقعی میرا تھا۔ مجھے بلے بدمعاش کے دھندے میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے تھی اور مداخلت کرنے کا سوچا تھا تو ٹیڈی کو بتا دینا چاہیے تھا۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا' اب آئندہ مجھے احتیاط کی ضرورت تھی۔

ٹیڈی کا پروگرام ہمارے ہی ساتھ رہنے کا تھا۔ نرگس نے اس کے لیے اوپر والے کمرے میں بستر لگا دیا تھا لیکن دو بجے سے پہلے ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے۔

ٹیڈی کے اوپر جانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ گئے۔ میرے ہونٹ پھول گئے تھے اور ناک بھی سوجی ہوئی تھی۔ تکلیف اگرچہ بہت زیادہ نہیں تھی لیکن ہلکی ہلکی تکلیف بھی مجھے مسلسل بے چین کیے ہوئے تھی۔ میں ایک بار پھر باتھ روم میں گھس گیا اور آئینے میں اپنے بگڑے ہوئے چوکھٹے کو دیکھنے لگا۔ میں نے ناک کو انگلی سے ٹٹول کر دیکھا۔ ناک کا بانسہ محفوظ ہی رہا تھا۔

میں ابھی آئینے میں اپنی چوٹوں کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ آئینے میں نرگس کا عکس دکھائی دیا اور پھر وہ بھی باتھ روم میں گھس آئی اور میرے ہونٹوں اور ناک کا معائنہ کرنے لگی پھر اس نے میرے زخموں پر دوائی لگایا اور ہم باتھ روم سے باہر آ گئے۔

نرگس نے اگرچہ مجھے ایک پین کلر بھی کھلا دی تھی لیکن تکلیف مجھے مسلسل بے چین کیے ہوئے تھی۔ ہونٹ زیادہ پھول گئے تھے اور مجھے اب بولنے میں بھی خاصی تکلیف ہو رہی تھی۔ نرگس کوئی بات کرتی تو میں جواب میں خاموش ہی رہتا۔

صبح کے چار بجنے والے تھے۔ نرگس سو چکی تھی۔ میں بھی اونگھ جاتا اور کبھی تکلیف کی وجہ سے پھر آنکھ کھل جاتی اور جب میں جاگ جاتا تو اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیتا۔

مجھے اپنے آپ پر واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ کراچی آنے کے بعد میں دو مرتبہ پٹ چکا تھا اور اتفاق سے دونوں مرتبہ ٹیڈی ہی میری مدد کو پہنچ گیا تھا۔

میرے اندر کیا تبدیلی آ گئی تھی کہ میں بھی اور بلے جیسے تھرڈ ریٹ بدمعاشوں سے پٹ گیا تھا۔ حالانکہ راجستھان میں بھی میں ہی تھا جس نے را کے مضبوط ترین ایجنٹوں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا کئی آدمی بیک وقت میرے ہاتھوں پٹے تھے لیکن یہاں آتے ہی میں ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے

ہاتھوں پیروں میں جان نہ رہی ہو۔ یہ یہاں کی آب و ہوا کا اثر تھا یا میری طاقت سلب ہو رہی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ سب آرام پسندی اور کاہلی کا نتیجہ تھا' کئی کئی روز تو میں گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ بستر پر پڑا اینٹھتا رہتا تھا جس سے میری ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ میرے ہاتھوں پیروں کو بھی زنگ لگ رہا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل ہی سے ایکسرسائز شروع کر دوں گا اور یہ سب کچھ سوچتے ہوئے آخر کار میری آنکھ لگ گئی۔

☆............☆☆☆............☆

ناک اور ہونٹوں کی تکلیف کے باوجود میں نے اگلے ہی روز سے اپنے ایکسرسائز والے پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ ہمارے بنگلے کے سامنے اگرچہ پارک موجود تھا لیکن اس میں گھاس نام کو بھی نہیں تھی۔ قرب و جوار میں بھی کوئی ایسا پارک موجود نہیں تھا۔ میں صبح ساڑھے پانچ بجے گاڑی پر گھر سے نکلتا اور گلشن اقبال میں عزیز بھٹی پارک پہنچ جاتا۔ اس سرسبز اور وسیع و عریض پارک میں ایک خوبصورت جھیل بھی تھی لیکن پارک کے عملے کی بے پروائی کے باعث وہ جھیل بیکار ہو گئی تھی۔ پانی کی سطح پر دبیز کائی اور نرسل پھیلی ہوئی تھی۔ بہرحال مجھے اس جھیل سے کوئی غرض نہیں تھی۔

اور بھی بہت سے لوگ صبح سویرے جوگنگ اور ایکسرسائز کے لیے اس پارک میں آتے تھے۔ ان میں خواتین بھی ہوتی تھیں۔ خواتین نے اگرچہ ایکسرسائز کے لیے دبیز گھاس کا ایک الگ حصہ اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا لیکن بہت سی خواتین ایسی بھی تھیں جو مردوں کے شانہ بشانہ جوگنگ اور ایکسرسائز کرتی ہوئی نظر آتیں۔

چند روز بعد ہی میں اپنے آپ میں بڑی تبدیلی محسوس کرنے لگا۔ اب میری پرانی صلاحیتیں عود کر آ رہی تھیں۔ میں اپنے آپ میں برقی لہریں سی دوڑتی ہوئی محسوس کرنے لگا تھا' جس میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا اور پھر ایک روز ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہو گئی۔ اس روز میں جھیل کے اطراف میں پختہ پٹری پر جوگنگ کر رہا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ ان کے پیچھے عورتیں تھیں۔ مخالف سمت سے بھی کچھ لوگ جوگنگ کرتے ہوئے آ رہے تھے۔

جھیل کے آخری سرے پر موڑ کسی قدر تنگ تھا۔ اس جگہ تنگ سی پٹی کے ایک طرف جھیل تھی اور دوسری طرف بھی پانی کی کھاڑی سی تھی۔ دونوں کناروں پر گھنی جھاڑیاں تھیں۔

میں اس موڑ پر پہنچا ہی تھا کہ سامنے سے آنے والے ایک شخص کو دیکھ کر چونک گیا۔

وہ بلا بدمعاش تھا۔

بلا مجھ سے دس گز دور تھا۔ اس نے دھاری دھار ریڈ ووکٹ بنیان اور سفید نیکر پہن رکھی تھی۔ اس کی ٹانگوں اور بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز صاف نظر آ رہے تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ دوسروں کو ہیروئن کا عادی بنا کر ان کے جسموں سے زندگی نچوڑ لینے والے کو اپنی صحت کی کتنی فکر تھی۔ بلا پہلے بھی یہاں آتا ہوگا مگر اس سے میرا سامنا پہلی بار ہوا تھا۔

اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے الجھن اور پھر چمک سی ابھری تھی۔ ایک لمحے کو اس کی رفتار کم ہوئی تھی لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس نے دھاڑتے ہوئے میری طرف چھلانگ لگا دی۔

میں اسے دیکھ چکا تھا اس لیے میں بھی غافل نہیں تھا۔ وہ جیسے ہی میری طرف لپکا۔ میں پھرتی سے نیچے جھک گیا اور بلے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سامنے اچھال دیا۔ وہ مٹی کی وزنی بوری کی طرح دھپ سے زمین پر گرا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی لیکن اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

میرے دائیں بائیں جوگنگ کرنے والے دونوں ادھیڑ عمر آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔ پیچھے آنے والی دونوں عورتیں بھی چیختی ہوئی پلٹ کر پیچھے دوڑ گئی تھیں۔

بلے نے اٹھ کر پھر حملہ کر دیا اس مرتبہ وہ گھونسہ تان کر آگے بڑھا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے اس کا گھونسہ اپنی بائیں کلائی پر روکا اور دائیں ہاتھ سے اس کے جبڑے پر گھونسہ جڑ دیا وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کر پھر چھلانگ لگا دی۔

اس مرتبہ میں اپنا بچاؤ نہیں کر سکا۔ بلا مجھے اپنے ساتھ لے کر نیچے گرا وہ میری گردن دبوچنا چاہتا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو رگیدتے رہے کبھی میں بلے کے اوپر آ جاتا اور کبھی اس کے نیچے دب جاتا اور جب اٹھتے تو خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے اور ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیتے۔

دونوں طرف پانیوں کے بیچ میں خشکی کی وہ پٹی چھ فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی' اس طرف جوگنگ کے لیے آنے والوں کا سارا پروگرام گڑبڑ ہو گیا تھا۔ لوگ ہمارے دونوں طرف دور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے مگر کسی نے قریب آ کر ہمیں چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عورتیں تو چیختی ہوئی وہاں سے بہت دور بھاگ گئی تھیں۔

بلے کا ایک داؤ چل گیا اور اس نے مجھے نیچا کر کے پٹخ دیا۔ لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا اور اگلے ہی لمحے میرا بھرپور گھونسہ اس کی ناک پر پڑا تو وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ لیکن وہ بھی بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی سنبھل کر مجھ پر حملہ کر دیا۔

ہم ایک بار پھر ایک دوسرے کو رگیدنے لگے۔ میں نے اسے گرانے کی کوشش کی لیکن میرا پاؤں پھسل گیا اور میں خشکی کی اس پٹی پر اس طرح گرا کہ میری ٹانگیں تو خشکی پر رہیں مگر اوپر کا آدھا دھڑ کنارے سے نیچے لٹک گیا۔ میں سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بلا میرے سینے پر سوار ہو گیا اور میرے منہ پر گھونسے مارنے لگا۔

میری صورت حال بڑی نازک تھی۔ آدھے دھڑ سے کنارے پر لٹکے ہوئے ہونے کی وجہ سے میں پوری طرح اپنی طاقت بھی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

بلے نے میرے سر کو نیچے جھکا کر جھاڑیوں کے اندر پانی میں غوطہ دیا۔ وہ شاید مجھے اس طرح ڈبو کر مارڈالنا چاہتا تھا۔ یہ میرے لیے خوفناک ترین لمحات تھے۔

میرا سر پانی سے ابھرا تو میں نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ بلے نے میرا سر دوبارہ پانی میں ڈبونا چاہا لیکن اس مرتبہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر جما دیئے۔ اس طرح اس کی طاقت کسی قدر کم ہوئی تھی۔

بلے کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا چہرہ بے حد خوفناک ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی دونوں ٹانگیں بھی سمیٹ لیں اور پوری طاقت ٹانگوں میں مجتمع کر کے اسے اپنے اوپر سے اُچھال دیا۔

بلا بدمعاش جھاڑیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا شڑاپ کی آواز سے جھیل کے پانی میں گرا۔ اس کے منہ سے چیخ بھی نکلی تھی۔ بلے کو اپنے اوپر سے دھکا دیتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا تھا۔ دوسری صورت میں میں بھی پانی میں غوطے کھا رہا ہوتا۔

میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک آدمی دوڑ کر آگے آ گیا اور مجھے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ یہ ان دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو بلے سے مقابلہ ہونے سے پہلے میرے ساتھ جوگنگ کر رہے تھے اور وہ دیکھ ہی چکے تھے کہ پہلے بلے نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔

''میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ بدمعاش آدمی ہے اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' اس شخص نے یہ الفاظ بلے کے لیے کہے تھے۔ ''چند روز پہلے بھی کسی نے اس کے گھر میں گھس کر اس کی پٹائی کی تھی۔ مگر یہ بدمعاش اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔''

دوسرے لوگ بھی اب میرے قریب آ گئے تھے۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جو گلشن میں رہتے تھے اور بلے بدمعاش کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ سب بلے کو گالیاں اور مجھ سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ میں بلے سے بھی بڑا بدمعاش ہوں تو شاید بلے سے زیادہ گالیاں میرے حصے میں آ تیں۔

بلا بدمعاش نجانے کس وقت جھیل سے نکل کر سامنے ریلوے لائن کی طرف والی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے لوگوں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور پارک سے نکل کر سڑک پر اس طرف چلنے لگا جہاں میری کار کھڑی تھی۔

☆......☆......☆
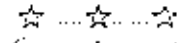
اس روز کے بعد میں گلشن پارک کی طرف نہیں گیا۔ کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ میں نے ٹیڈی کے بتائے ہوئے اس اصول پر عمل شروع کر دیا تھا کہ بلے جیسے چھوٹے چھوٹے بدمعاشوں پر اپنی توانائی ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ٹیڈی کو یا نرگس کو اس روز کے واقعہ کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔

اس سے اگلے روز سے میں نے اپنے بنگلے کے سامنے والے پارک میں جانا شروع کر دیا۔ جوگنگ کرتے ہوئے پارک کے دو تین چکر لگاتا اور گھر واپس آ کر لان میں تھوڑی بہت ورزش کر لیتا۔

اب میں بہت بدل گیا تھا۔ میرے اندر ایک بار پھر پارہ سا بھر گیا تھا اور اب میں پہلے کی طرح بلے جیسے دو چار غنڈوں سے بیک وقت نمٹ سکتا تھا۔

تین ہفتے گزر چکے تھے۔ رنگا سے اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تاہم ٹیلی فون پر ایک دو مرتبہ گپ شپ ضرور ہوئی تھی اور پھر ایک روز رنگا نے ٹیلی فون پر بڑی سنسنی خیز خبر سنائی۔ تحریکی ان دنوں کراچی آیا ہوا تھا۔ کئی روز پہلے جب سولجر بازار کی ویران کوٹھی میں وہ واقعہ پیش

آیا تھا ان دنوں تحریکی شارجہ یا دبئی میں تھا۔ اسے وہیں پر بابل کے قتل اور اپنے دوسرے آدمیوں کی پٹائی کی خبر مل گئی تھی۔ اس رات کراچی میں تحریکی کے نائب نے اپنی صوابدید سے کام لیتے ہوئے صورت حال پر قابو پایا تھا اور اپنے بندوں کو بچانے کے لیے ڈاکوؤں کے خلاف غلط رپورٹ لکھوا دی تھی۔

اتنے روز خاموشی رہی تھی۔ ہم نے بھی اپنی سرگرمیاں معطل کر رکھی تھیں۔ لیکن تحریکی نے آتے ہی غل غپاڑہ شروع کر دیا تھا۔ بابل اس کے چند بہترین آدمیوں میں سے ایک تھا جو اس رات ٹیڈی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ تحریکی اسے آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

تحریکی کے آنے کے دوسرے ہی روز رضیہ اور جمی وغیرہ کے اغوا کی جھوٹی رپورٹ کی روشنی میں پولیس نے ایک تازہ رپورٹ درج کرائی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس پرانی رپورٹ کو ایک نیا رنگ دیا گیا تھا۔

اور تازہ ترین رپورٹ یہ تھی کہ بابل کے قتل کا الزام ٹیڈی پر عائد کر دیا گیا تھا۔ رضیہ، جمی اور بابے نے بھی اپنے تازہ بیان دیئے تھے جن میں انہوں نے کہا تھا کہ پرانی نمائش کے چوراہے سے انہیں اغوا کرنے والے دو آدمی تھے۔ اغوا کرتے وقت انہوں نے چہروں پر نقاب چڑھا رکھے تھے لیکن اس ویران کوٹھی میں جانے کے بعد انہوں نے اپنے چہروں سے نقاب اتار دیئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹیڈی تھا۔ رنگا کا آدمی، جسے انہوں نے پہچان لیا تھا اور بابل کو گولی بھی ٹیڈی ہی نے ماری تھی۔

رضیہ کے بیان میں کچھ اضافی باتیں بھی تھیں۔ رضیہ کے نئے بیان کے مطابق انہیں اغوا کرنے والا ٹیڈی کا دوسرا ساتھی نظیر محمد عرف ناجی تھا (یعنی میں) جو بقول پولیس قتل، ڈکیتی، منشیات کی سمگلنگ، جعلسازی اور دیگر کئی سنگین وارداتوں میں مطلوب تھا۔ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ وہ جمر بازار کی اس ویران کوٹھی میں ناجی ہی نے اس کے جسم سے زیورات اتروائے تھے اور پہلے اس نے پستول کی زد پر دوسرے کمرے میں لے جا کر اس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا اور بعد میں ٹیڈی نے اپنی خواہش پوری کی تھی۔ رضیہ جیسی عورت کے لیے اس قسم کی شرمناک باتیں کوئی معنی نہیں رکھتی تھیں۔ کوئی شریف عورت ایسا لفظ منہ سے نہیں نکالتی، جو اس کی ذلت و رسوائی کا باعث بن سکتا ہو۔ رضیہ ایک فاحشہ عورت تھی۔ اسے اس قسم کا بیان دیتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی۔

رضیہ کے بیان میں میرے لیے ایک اور بات قابل توجہ تھی۔ اس نے کہا تھا کہ ناجی (یعنی میں نے) اس کے جسم سے زیورات اتروائے تھے اور ان زیورات میں اس نیکلس کا خاص طور پر ذکر تھا جس کے لیے شروع ہی سے اس کی نیت خراب تھی۔

یہ باتیں مجھے رنگا سے ٹیلی فون پر معلوم ہوئی تھیں اور کچھ میں نے اخبار میں پڑھ لی تھیں۔ پولیس کو اب بڑی سرگرمی سے ٹیڈی کی اور ناجی کی یعنی میری تلاش تھی۔

رنگا نے فون پر بتایا تھا کہ پولیس نے اگرچہ ٹیڈی کی تلاش میں اس کے ٹھکانوں پر چھاپے مارے تھے لیکن اس کے ذہن میں میرا نام گھوم رہا تھا جس کا مطلب ہے کہ تحریکی کا دماغ بھی کام کر رہا تھا اور ٹیڈی کی گرفتاری کے لیے پولیس محض خانہ پری سے کام لے رہی تھی یا شاید دکھاوے کی یہ کارروائی تحریکی کو تسلی دینے کے لیے کی جا رہی تھی۔

یہ ساری باتیں ٹیڈی کے علم میں بھی آ چکی تھیں۔ رنگا نے تقریباً بیس منٹ تک اس سے بھی بات کی تھی اور رنگا ہی نے ٹیڈی کو مشورہ دیا تھا کہ کم از کم دو دن تک باہر نہ نکلے۔

دو دن بعد رات گیارہ بجے کے قریب رنگا کا فون آ گیا۔ کال میں نے ہی ریسیو کی تھی۔

"تاجی واچا!" رنگا نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ "صورت حال کچھ زیادہ ہی سنگین ہو گئی ہے۔ تحریک بہت اوپر تک پہنچ گیا ہے۔ میں گاڑی بھیج رہا ہوں تم ٹیڈی کو واپس بھیج دو۔ حضوری ٹیڈی کی جگہ لے لے گا۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گا۔"

"کیا ٹیڈی یہاں زیادہ محفوظ نہیں ہے؟" میں نے کہا۔ "اس لیے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اسے چند روز یہیں رہنے دیا جائے۔"

"ٹیڈی تمہارے پاس محفوظ تو ہے لیکن وہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔" رنگا نے جواب دیا۔ "وہ ایک جگہ قید ہو کر بیٹھنے والا نہیں ہے۔ وہ باہر نکل گیا تو کسی کی نظروں میں آ جائے گا اس طرح تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ میرے پاس ایک ایسی جگہ ہے جہاں وہ زیادہ محفوظ رہے گا اور ہاتھ پیر مارنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا اور تم بھی محفوظ رہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات اور......" میں نے کہا۔ "میری حفاظت کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ حضوری کو بھی یہاں مت بھیجو۔"

"کیا مطلب؟" رنگا نے پوچھا۔

"مجھے یہاں صرف رضیہ پیچانتی ہے یا جی اور بالے نے ایک مرتبہ مجھے دیکھا ہے گویا پورے شہر میں صرف تین آدمی ہیں جو صورت سے مجھے پہچان سکتے ہیں اس طرح میرے لیے زیادہ خطرے کی بات نہیں ہے اور اگر حضوری میرے ساتھ ہوگا تو اس کی وجہ سے میں بھی آسانی سے نظروں میں آ جاؤں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا۔"

"بالکل سمجھ گیا واچا۔" رنگا نے جواب دیا۔ "یہ بات پہلے میری کھوپڑی میں کیوں نہیں آئی۔ اچھا ٹھیک ہے ٹیڈی کو فون دو میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

ٹیڈی میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔ میں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک بات کرتا رہا وہ اگرچہ بلوچی زبان میں بات کر رہا تھا' لیکن اس کے منہ سے ایک دو جگہوں کے نام بھی نکلے تھے جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ رنگا سے کس قسم کا پروگرام بنا رہا تھا۔ پھر ٹیڈی نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"گاڑی ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یہاں سے والے پٹرول پمپ سے پچاس گز آگے پہنچ کر رکے گی۔" وہ بات کرتے ہوئے نرگس کی طرف مڑ گیا۔ "سوری باجی (بہن) آپ دونوں کے ساتھ چند روز بڑے آرام سے گزرے اور اس وقت تو تاش کی بازی میں واقعی بڑا مزہ آ رہا تھا۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "لیکن چند روز کی بات ہے اس کے بعد میں پھر آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گا۔"

ٹیڈی کے ساتھ واقعی بڑا اچھا وقت گزر رہا تھا۔ ہم زیادہ تر رمی کھیل کر اپنا وقت گزارتے تھے اور اس وقت رنگا کا فون آنے سے پہلے بھی رمی ہی کھیل رہے تھے۔ ٹیڈی نرگس سے بے تکلف ہو گیا تھا وہ بھی

اسے بھی کہتا اور کبھی باجی کہہ کر پکارتا وہ جب بھی اسے باجی کہتا نرگس میری طرف دیکھ کر مسکرا دیتی۔

تقریباً پچیس منٹ بعد ہم گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ نرگس میرے ساتھ والی سیٹ پر اور ٹیڈی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ پلاسٹک کا وہ تھیلا اس نے اپنے پاس رکھ لیا جس میں اس کے کپڑے تھے۔

پٹرول پمپ ہمارے بنگلے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دو گلیاں گھوم کر مین روڈ پر آ گئے۔ پٹرول پمپ کے ساتھ ہی بس سٹاپ تھا اور اس وقت یہاں خاصی رونق تھی۔ بسوں کی آمدورفت لگی ہوئی تھی بہت سے لوگ اپنے اپنے روٹ کی بسوں کے انتظار میں کھڑے تھے۔ سامنے سڑک کے اس پار مینا بازار والے چوراہے کو دیکھ کر کہا جا سکتا تھا جیسے وہاں ابھی شام اتری ہو۔

مین روڈ پر تقریباً پچاس گز آگے جا کر میں نے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑ کر ٹیڈی سے باتیں کرنے لگا۔

تقریباً دس منٹ بعد سفید رنگ کی ایک سوزوکی ہائی روف ہم سے تقریباً دس گز آگے نکل کر رک گئی۔ ہائی روف کی چھت پر سرخ روشنی فلیش کر رہی تھی اور اس کے دونوں طرف کسی پرائیویٹ ہسپتال کا نام لکھا ہوا تھا۔

ٹیڈی نے مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ نرگس کو سلام کیا اور اپنا تھیلا اٹھا کر کار سے اتر گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایمبولینس کے قریب پہنچ گیا۔ ایمبولینس کا دروازہ کھلا اور ٹیڈی کے اندر بیٹھتے ہی وہ حرکت میں آ گئی۔ چند گز آگے جا کر ایک یوٹرن لیا اور تیزی سے واپسی کی طرف دوڑنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی فلیش کے ساتھ لگے ہوئے سپیکر سے ٹیں ٹیں۔ ٹیں ٹیں کی آواز فضا میں گونجنے لگی تھی۔ میں نے سڑک کے دوسرے حصے پر واپس جاتی ہوئی ایمبولینس کی طرف دیکھا۔ شیشوں پر نیلے رنگ کے ونڈ پردے چڑھے ہوئے تھے اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس ایمبولینس میں کوئی مریض ہوگا یا کوئی خطرناک قاتل سفر کر رہا ہے۔

ہم نے اس وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ تاش کی وہ بازی ختم ہونے کے بعد بندو خان کے ہاں جا کر کباب پراٹھا کھائیں گے۔ یہ تجویز ٹیڈی کی تھی۔ حالانکہ اب وہ بڑی شدت سے پولیس کو مطلوب تھا اور پرانی نمائش کے قریب بندر روڈ پر بندو خان کا ہوٹل اس علاقے میں واقع تھا' جہاں ٹیڈی آسانی سے پولیس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ سولجر بازار کا علاقہ سامنے ہی تو تھا جہاں ٹیڈی کے خلاف بابل کے قتل کی رپورٹ درج تھی۔

ٹیڈی بیس بائیس دن ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ امن پسند آدمی تھا' لیکن اپنا ریوالور استعمال کرنا بھی جانتا تھا۔ تاہم بعض اوقات بقول اس کے اس کا دماغ گھوم جاتا تھا اور غالباً آج کوئی ایسی ہی بات تھی۔

مجھے حالانکہ وہ منع کرتا رہتا تھا کہ ایسے چھوٹے موٹے بدمعاشوں سے الجھ کر اپنی توانائی ضائع نہ کروں۔ لیکن آج رنگا کے منع کرنے کے باوجود اس نے بندو خان کے ہاں کباب پراٹھا کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا اور اس کے بارے میں رنگا کا یہ خیال درست ہی ثابت ہوا تھا کہ وہ میرے قابو میں نہیں

آئے گا اور اس کی وجہ سے میں کسی مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔ میں نے ٹیڈی کو اس پروگرام سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی تھی' مگر ہر مرتبہ اس کا ایک ہی جواب تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا ڈر کے!"

اور پھر اچھا ہی ہوا تھا کہ رنگا نے اسے واپس بلا لیا تھا۔ ٹیڈی کے الگ ہو جانے سے ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اور نرگس نے وہ پروگرام برقرار رکھا اور چند سیکنڈ بعد میں نے بھی انجن سٹارٹ کر کے کار کو آگے بڑھا دیا اور یوٹرن لے کر اسے اس طرف دوڑا دیا جس طرف ایمبولینس گئی تھی۔

بندو خان کے ہوٹل تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی' بند روڈ پر اس ہوٹل کا حدود اربعہ بڑا دلچسپ تھا۔ سڑک سے ہٹ کر کشادہ سروس روڈ تھی اور اس کے بعد ہوٹل کی سنگل سٹوری عمارت' جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کے سائیڈ ہی میں ایک ایسی عمارت میں الحمرا ہوٹل تھا۔ یہ دونوں ہوٹل پورے شہر میں کباب پراٹھے کے لیے خاصی شہرت رکھتے تھے اور بڑے بڑے دولت مند لوگ دور دور سے اپنے ذوق کام و دہن کی تسکین کے لیے یہاں آتے تھے۔

ہوٹل کے دائیں بائیں دور دور تک پلاٹ خالی تھے۔ پچھلی طرف بھی تقریباً دو سو گز تک ویرانہ تھا اور اس کے بعد الاعظم اریا کی آبادی تھی۔

اس وقت اگرچہ رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن ہوٹل کے دائیں بائیں اور پچھلی طرف دور دور تک قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے نہایت کشادہ جگہ تھی۔ جہاں میز کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہوٹل کی عمارت کے اندر بھی ایک کشادہ ہال تھا اور فیملی یا لوبرڈز کے لیے الگ الگ کیبن بھی بنے ہوئے تھے۔

میں جب ہوٹل کی عمارت کے بائیں پہلو میں قدرے تاریک جگہ پر کار روک رہا تھا تو اس وقت نیلے رنگ کی ایک شاندار مرسیڈیز کار ہم سے چند گز آگے نکل کر رک گئی۔ میں اس وقت اپنی کار کا انجن بند کر رہا تھا کہ آگے والی کار کے دونوں طرف کے دروازے کھلے ایک طرف سے ایک ادھیڑ عمر آدمی برآمد ہوا تھا' جس نے سیاہ رنگ کا قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ چہروں میں سفید لوشن تھی۔ وہ بڑی شاندار شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔

کار کے دوسرے دروازے سے اترنے والی عورت کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ لانبا قد' نکھرا نکھرا گداز بدن' چہرے کے نقوش جاذب نظر' چمکتی ہوئی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور سیاہ بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے۔

کار کا دروازہ لاک کر کے اس آدمی نے انہیں ایک بار پھر چیک کیا اور ہوٹل کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ میں نرگس کو اشارہ کرتا ہوا کار سے اتر گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چم چماتی ہوئی قیمتی اور نئی کاروں کے بیچ میں میری یہ سیکنڈ ہینڈ مارگلہ بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

[illegible] ہوٹل کی عمارت [illegible] پہنچے [illegible] خوشگوار لگ رہا تھا۔ یہ ہر ہوا میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میں نے بھی اندر کسی فیملی کیبن میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا اور نرگس کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ جوڑا دائیں طرف والے ایک کیبن میں داخل ہوا۔ ہم جب سامنے سے گزرے تو وہ آدمی پردہ کھینچ رہا تھا۔ اگلا کیبن خالی تھا۔ ہم دونوں اندر بیٹھ گئے۔ دروازے پر پردہ کھینچنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ویٹر نے پہلے ساتھ والے کیبن سے آرڈر لیا پھر ہمارے کیبن کے دروازے پر آ گیا میں نے اسے آرڈر دیا۔

ہمیں بیس منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اس دوران ساتھ والے کیبن سے ابھرنے والی سرگوشیانہ باتوں سے ہمارا دل لگا رہا۔ نرگس بار بار میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ان باتوں سے ہمیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان دونوں میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

کھانا بھی پہلے ساتھ والے کیبن میں سرو کیا گیا پھر ویٹر ہمارے کیبن کے دروازے پر نمودار ہوا اور ہماری مطلوبہ اشیاء ہمارے سامنے سرو کر دیں۔

کھانا کھاتے ہوئے میں اچانک ہی چونک گیا۔ ساتھ والے کیبن سے ابھرنے والی آواز سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"یہ تحریکی کسی روز تمہیں مروا دے گا۔ وہ خود تو سات پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور تم جیسے لوگوں کو آگے کر رکھا ہے۔ کسی وقت پکڑے گئے تو میں تمہاری زیادہ مدد نہیں کر سکوں گی۔ ڈیڈی کو پہلے تم میرے تم سے ملنے پر اعتراض ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ وہ آج شام کی فلائٹ سے اسلام آباد چلے گئے تھے اگر وہ یہاں موجود ہوتے تو آج تم سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ تم اگر تحریکی کا ساتھ چھوڑ دو تو شاید انہیں ہماری ملاقاتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"بس یہ آخری پھیرا تھا۔" چھری کانٹے کی آوازوں کے درمیان اس شخص کی آواز سنائی دی۔ "میں نے تحریکی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس کے بعد میں اس کی کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا۔ آج کا مال اس کے حوالے کر دوں۔ اس کے بعد میں آزاد ہوں گا۔"

"مال کتنا ہے؟" نسوانی آواز سنائی دی۔

"دس کلو۔" آدمی نے جواب دیا۔

"کہاں رکھا ہے؟" لڑکی نے استفسار کیا۔

"گاڑی میں اور کہاں؟" مرد نے جواب دیا۔ "ٹھیک ساڑھے بارہ بجے تحریکی کا ایک آدمی یہاں پہنچ جائے گا اور میں مال اس کے حوالے کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔"

"کیا یہ حماقت نہیں کہ کروڑوں کا مال گاڑی میں چھوڑ آئے ہو۔" لڑکی نے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی۔

"تو کیا میں دس کلو وزنی تھیلا کندھے پر لاد کر یہاں لے آتا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "تھیلا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا ہے۔ اس پر [illegible] [illegible] کے لیے اوپر [illegible] یہاں [illegible]"

میں نے سامنے بیٹھی ہوئی نرگس کی طرف دیکھا۔ یہ باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں بھی عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ میں نے نرگس کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کیے اور بڑی

آہستگی سے آواز پیدا کیے بغیر کیبن سے باہر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھتا ہوا عمارت کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

پچھلی طرف اندھیرا اور ویرانہ تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھوم کر اس طرف آ گیا' جہاں وہ مرسیڈیز اور ہماری کار کھڑی تھی۔ پارکنگ والے اس حصے سے ایک کار اس وقت ریورس میں وہاں سے نکل رہی تھی۔ میں اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنیوں سے بچنے کے لیے جلدی سے ایک کار کی آڑ میں ہو گیا۔

سروس روڈ پر پہنچ کر کار مڑی تو اس کی روشنی کا زاویہ بھی بدل گیا۔ میں کاروں کی آڑ لیتا' تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سفید مرسیڈیز کے قریب پہنچ گیا اور جیب سے اپنی کار کی چابیوں کا گچھا نکال کر ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔

اس وقت میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو رہی تھی۔ اگر کسی نے مجھے کار کے دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

میرے کی رنگ میں ایک ایسی فلیٹ چابی موجود تھی' جس سے ذرا سی کوشش کے بعد کسی بھی کار کا تالا کھولا جا سکتا تھا میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے فلیٹ چابی تالے کے سوراخ میں داخل کر دی۔

مرسیڈیز جیسی قیمتی گاڑیوں کا سسٹم عام گاڑیوں سے مختلف ہوتا ہے' لیکن مجھے امید تھی کہ یہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میری مجرمانہ زندگی میں ایسے کئی مرحلے آئے تھے کہ میں نے پیچیدہ سے پیچیدہ تالے بھی تھوڑی سی کوشش کے بعد کھول لیے تھے۔

دو منٹ گزر گئے مگر تالا ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا۔ گردن پر بھی پسینے کی دھاریں کیچوؤں کی طرح رینگ رہی تھیں۔ کسی بھی وقت دھر لیے جانے کا خوف تھا۔

اور پھر کلک کی ہلکی سی آواز سن کر میرا دل بیسیوں اچھل پڑا۔ میں نے فلیٹ چابی تالے سے باہر نکالی اور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ سیٹ پر رینگ گیا۔

میں نے ایک بار محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر پیچھے جھک کر سیٹ پر پڑے ہوئے میلے کپڑے ایک طرف ہٹا دیئے اور ان کے نیچے سیٹ پر پڑا ہوا نیلے چمڑے کا تھیلا اٹھا لیا خاصا وزنی تھا۔

میں تھیلا اٹھا کر گاڑی سے اتر آیا۔ بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اسے لاک کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں کاروں کی آڑ میں جھکا ہوا اپنی کار کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے کار کی ڈکی کھول کر تھیلا اندر رکھا۔ بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور کاروں کے درمیان جھکا ہوا عمارت کے پچھلی طرف آ گیا۔ میرا جسم اس وقت پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میں بڑے اطمینان سے پچھلے دروازے سے داخل ہو کر اپنے کیبن میں آ گیا یہ محض اتفاق تھا کہ مجھے عمارت سے باہر جاتے یا واپس آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے میں ہر لحاظ سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا۔

نرگس نے [illegible] نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں [illegible] سر ہلا دیا اور آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ساری کارروائی میں دس منٹ لگے تھے اور ان دس منٹوں میں نہ صرف کروڑوں روپے کا نقصان تحریکی کا مقدر بن گیا تھا' بلکہ اس شخص کی زندگی بھی داؤ پر لگ گئی تھی۔ لیکن مجھے نہ تحریکی کے

نقصان کی پروا تھی اور نہ اس شخص کی زندگی کی' جو اب بھی ساتھ والے کیبن میں بیٹھا چڑ چڑ کھانا کھاتے ہوئے اپنی محبوبہ سے باتیں کر رہا تھا اور شاید یہ اس کی زندگی کا آخری کھانا تھا۔

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ لیکن میں اس ڈرامے کا کلائمکس دیکھنا چاہتا تھا' جس میں میں محض اتفاق سے ایک کردار کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ساتھ والے کیبن سے ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔ یہ اس شخص کی آواز تھی جو پہلے سے اپنی محبوبہ کے ساتھ اس کیبن میں موجود تھا۔

"تم پانچ منٹ دیر سے آئے ہو سالار۔"

"اب مزید دیر مت کرو۔" ایک اجنبی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ یقیناً وہی نووارد تھا' جسے سالار کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ "مجھے وہاں سے نکلے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔ مزید دیر ہو گئی تو باس پریشان ہو گا۔"

کرسیاں گھسیٹے جانے کی آواز سنائی دی اور پھر وہ لوگ کیبن سے نکل گئے۔ میں نرگس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد ہم نے بھی سیٹیں چھوڑ دیں۔ بل ادا کیا اور ہال سے باہر آ گئے۔ باہر بچھی ہوئی میزوں پر اب بہت کم گاہک رہ گئے تھے۔ میں نرگس کا ہاتھ پکڑے اس طرف آ گیا جہاں ہماری کار کھڑی تھی۔

اس طرف کا منظر خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ سالار نامی لمبے تڑنگے شخص نے دوسرے سوٹڈ بوٹڈ آدمی کو گریبان سے پکڑ کر مرسیڈیز کے ساتھ دبا رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ عورت بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ ہمیں اس طرف آتے دیکھ کر سالار نے پستول والا ہاتھ نیچے کر لیا گویا وہ پستول ہم سے چھپانا چاہتا تھا۔

"کیا ہوا بھائی صاحب کوئی گڑبڑ؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے از راہ ہمدردی پوچھا۔

"تم سے مطلب؟" سالار بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "بھاگو یہاں سے۔"

میں پیچھے ہٹ گیا۔ جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر اپنی کار کا دروازہ کھولا اور سٹیرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہی دوسری طرف کے دروازے کی ناب اٹھا دی۔ نرگس بھی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

"جلدی سے نکل چلو یہاں سے۔" اس نے سرگوشی کی۔ اس کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے تاثرات ہویدا تھے۔

میں نے انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو ریورس میں لیا اور سروس روڈ لا کر اس کا رخ موڑ دیا۔ کیپری سینما والے چوراہے سے میں نے کار کو بند روڈ پر پرانی نمائش کی طرف موڑا اور ایکسی لیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔

اپنے بنگلے تک پہنچنے میں ہمیں پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ گھر کی چابیاں نرگس کے پرس میں تھیں۔ میں نے گیٹ کے سامنے کار روکی تو وہ اتر کر تالا کھولنے کے لیے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے کار اندر لا کر برآمدے کے سامنے کھڑی کر کے انجن بند کر دیا۔ اس وقت نرگس برآمدے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکی تھی۔

میں نے کار سے اتر کر ڈکی میں سے تھیلا نکالا اور اندر آ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" نرگس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"صبح تم نے کہا تھا کہ آٹا ختم ہو چکا ہے' اس لیے میں نے سوچا کہ دس کلو کا تھیلا لے ہی لیا جائے۔" میں نے جواب دیا۔

"آٹا!" نرگس کی بھنویں تن گئیں۔ "میں نے تمہیں آٹے کے لیے کب کہا تھا اور پھر اس وقت آدھی رات کو کون سی دکان کھلی ہوئی تھی۔ تم تو راستے میں کہیں رُکے بھی نہیں تھے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے اسے گھورا۔ "میں ہوٹل میں کھانا چھوڑ کر جھک مارنے گیا تھا۔"

میں نے تھیلا میز پر رکھ دیا۔ پہلے برآمدے والا دروازہ بند کر کے تالا لگایا' پھر تھیلا اٹھا کر بیڈ روم میں آ گیا۔ نرگس بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات تھے اور میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ۔ میں نے تھیلا بیڈ پر ڈال دیا۔

نرگس چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر پلنگ پر بیٹھ گئی اور تھیلا اپنی طرف کھینچ لیا۔ نیلے رنگ کا موٹے کپڑے کا تھیلا تھا' جس کا منہ بوری کی طرح موٹے ڈوری نما دھاگے سے سلا ہوا تھا اور اس کے دونوں سروں پر سرخ ویکس (لاکھ) سے مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ جھک کر ایک مہر کو دیکھنے لگی۔ مہر پر کوئی مخصوص نشان بنا ہوا تھا جو سمجھ میں نہیں آ سکا۔

نرگس نے تھیلے کی سلائی کو غور سے دیکھا پھر سر کے بالوں میں لگی ہوئی ہیئر پن نکال کر دونوں سروں کے درمیان سلائی ادھیڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ ٹانکوں کے دھاگے کی سلائی خاصی مضبوط تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور جب دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ اس نے کنارے سے تھیلے کو کاٹا اور پھر دوسرے سرے تک کاٹتی چلی گئی۔

اور پھر تھیلے سے جو کچھ بھی برآمد ہوا اسے دیکھ کر میری آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔ میں بھی نرگس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا جو تھیلے میں سے پیکٹ نکال نکال کر پلنگ پر رکھ رہی تھی۔

تھیلیوں میں سفید پوڈر بھرا ہوا تھا۔ میں ایک تھیلا اٹھا کر اسے ہاتھ میں تولنے لگا۔ وزن ایک کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیکٹ کو الٹ کر دیکھا تو میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔

پیکٹ پر ایک مخصوص لوگو چھپا ہوا تھا۔ لوگو کے دائرے میں فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ سب کچھ میری سمجھ میں تو نہیں آ سکا۔ البتہ لفظ افغانستان سمجھ میں آ گیا۔

دس تھیلے تھے اور ہر تھیلے کا وزن ایک کلوگرام تھا۔ گویا دس کلوگرام۔ ہر تھیلے پر مخصوص لوگو چھپا ہوا تھا جس میں افغانستان کا لفظ صاف طور پر پڑھا جا سکتا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ مال افغانستان کی اس لیبارٹری میں تیار ہوا تھا جس کی مہر لگی ہوئی تھی۔

میں طویل عرصہ تک ہیروئن کے دھندے سے وابستہ رہ چکا تھا اور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا

کہ دنیا بھر میں افغانستان میں تیار کی جانے والی ہیروئن کو ترجیح دی جاتی تھی۔ افغانستان نے روس کے نکل جانے کے بعد آپس کی خانہ جنگی سے اپنے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں کو کھنڈر بنا دیا تھا۔ بستی بستی بستیاں اجاڑ دی تھیں۔ انہیں دنیا کی پسماندہ ترین قوم کہا جا سکتا تھا لیکن اعلیٰ کوالٹی کی ہیروئن تیار کرنے میں دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس لیے پوری دنیا میں افغانستان میں تیار کی جانے والی ہیروئن کو ترجیح دی جاتی تھی۔

میں نے نرگس سے قینچی لے کر اس کی نوک سے پیکٹ میں چھوٹا سا سوراخ کر دیا اور بہت معمولی مقدار میں ہیروئن ہتھیلی پر نکال کر اسے چکھا اور میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ یہ اعلیٰ ترین کوالٹی کی ہیروئن تھی۔

"یہ...... یہ ہیروئن ہے۔" نرگس نے میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "کہاں سے لی۔ تم نے تو کئی روز سے کسی سے ملاقات بھی نہیں کی؟"

"تم نے ہوٹل کے کیبن میں اس ادھیڑ عمر آدمی اور خوبصورت عورت کی گفتگو سنی تھی۔" میں نے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "ان کی باتیں سننے کے بعد میں چند منٹ کے لیے باہر گیا تھا اور ان کی مرسیڈیز سے یہ تھیلا نکالنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ یہ تھیلا اپنی کار کی ڈکی میں رکھ کر میں کیبن میں واپس آ گیا تھا اور پھر باہر نکل کر تم نے پارکنگ میں وہ منظر بھی دیکھا تھا۔" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "بعد میں آنے والے سالار نامی شخص نے خوب صورت عورت کے ادھیڑ عمر محبوب کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ بڈھے عاشق نے خود ہیروئن غائب کر دی ہے اور چوری ہونے کا بہانہ بنا رہا ہے۔ وہ اسے تحریکی کے پاس لے گیا ہوگا اور وہ لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" میں ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ "منشیات کا دھندہ کرنے والے موت کے سوداگر۔" میں نے پھر کہنا شروع کیا۔ "یہ شیطان سے زیادہ شیطان اور موت کے فرشتے سے زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ بڈھے عاشق کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔"

میری باتیں سن کر نرگس کانپ اٹھی۔

میں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ محض اتفاقیہ طور پر میں تحریکی کو ایک زبردست چوٹ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ عالمی منڈی میں دس کلو اعلیٰ ترین کوالٹی کی اس ہیروئن کی قیمت کروڑوں ڈالر تھی۔ تحریکی کو یہ نقصان رضیہ کی وجہ سے پہنچا تھا' نہ رضیہ مجھ سے یہاں چلے بازی شروع کرتی اور نہ صورت حال یہ خطرناک رخ اختیار کرتی۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ تحریکی شاید یہی سمجھے گا کہ اس بڈھے عاشق کی نیت میں فتور آ گیا تھا اور اس نے مال غائب کیا تھا۔ وہ پوچھنے کے لیے اسے تشدد کا نشانہ بنا رہے گا۔ اس لیے میرے خیال میں اصل صورت حال کا اس کے علم میں آنا ضروری تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اسے کروڑوں ڈالر کا یہ نقصان محض رضیہ کی وجہ سے پہنچا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اسے اپنے خیال سے آگاہ کیا تو اس کی آنکھوں میں بھی چمک ابھر آئی۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔" وہ بولی۔ "اور پھر رضیہ کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کا تصور ہی میرے لیے دل خوش کن ہوگا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ تجریکی کو اطلاع کیسے دی جائے۔ ہمارے پاس تو اس کا فون نمبر وغیرہ بھی نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے جواب دیا۔

"رنگا سے بات کرو۔" نرگس بولی۔ "اسے پتا ہوگا۔"

رنگا کے نام پر میں اچھل پڑا۔ میری نظریں بے اختیار دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈیڑھ بج رہا تھا اس وقت رنگا کے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زیرزمین دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں اور پھر اتفاق سے اگر وہ سو بھی رہا ہوگا تو میرا نام سن کر اسے جگا دیا جائے گا اور یہ خبر سن کر وہ یقیناً اچھل پڑے گا۔

ٹیلی فون لاؤنج میں تھا۔ میں بیڈ روم سے نکلا تو نرگس بھی میرے ساتھ ہی آ گئی۔ میں نے صوفے پر بیٹھ کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔ وہ پہاڑی کوّے جیسی بھاری مردانہ آواز تھی۔ میں نے اپنا نام بتایا اور رنگا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو دوسری طرف سے جواب ملا کہ وہ چند منٹ پہلے خواب گاہ میں جا چکا ہے اور اب صبح سے پہلے اس سے بات کرنا ممکن نہیں۔

"میرا نام بتاؤ وہ ناراض نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔ "البتہ تم نے اسے نہ بتایا تو ضرور ناراض ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری کھال کھینچ ڈالے۔"

"ہولڈ کرو دادا!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

تقریباً ایک منٹ تک خاموشی رہی اور پھر نہایت شیریں قسم کی نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ حریری تھی۔ ٹیلی فون پر اس کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"خیریت تو ہے نا دادا؟" حریری نے ایک دو رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ٹیلی فون پر حریری کی مترنم آواز سن کر میں اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی محسوس کرنے لگا تھا۔ "ایک بہت ضروری بات کرنی ہے رنگا سے۔"

ایک سیکنڈ خاموشی رہی اور پھر رنگا کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو دادا۔ میں اس وقت مصروف ہوں۔"

وہ اس وقت خواب گاہ میں تھا اور حریری اس کے ساتھ تھی۔ میں اس کی مصروفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا اور یہ تصور کرتے ہی میں اپنے آپ میں عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر [illegible] رنگا۔ میری بات سن کر وہ یقیناً اچھل پڑا ہوگا۔ جھٹ سے بولا۔

"یہ تو تم نے واقعی کمال کر دکھایا دادا۔ تجریکی تو اپنے بال نوچ رہا ہوگا۔"

میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے کہا۔

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اسے یہ اطلاع تمہاری طرف سے ہی ملنی چاہیے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا "پہلے تو وہ اس بڈھے پر ہی شک کرے گا اور پھر ہو سکتا ہے اس کا شبہ میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اسے تم سے اطلاع ملے گی تو وہ بھڑک اٹھے گا۔"

"اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔" میں نے کہا۔ "مجھے اس کا نمبر بتاؤ میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔"

رنگا نے مجھے فون نمبر بتا دیا۔ پھر بولا۔ "اس کے بعد مجھے فون ضرور کرنا میں انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی اسے فون کرتا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

نرگس کمرے میں جا چکی تھی۔ میں چند لمحے خاموشی سے ذہن میں ڈائیلاگ ترتیب دیتا رہا۔ پھر ریسیور اٹھا کر رنگا کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ ایک غراتی ہوئی مردانہ آواز میرے کان میں ٹکرائی۔

"کون ہے؟ کس سے بات کرنی ہے؟"

"تجریکی سے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ مجھ سے واقف نہیں لیکن....."

"یہاں کوئی تجریکی نہیں رہتا۔" اس شخص نے میری بات کاٹ دی۔

"سنو مسٹر! فون بند مت کرنا دس کھرب کا معاملہ ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میری بات سننے سے پہلے ہی فون بند کر دے گا۔ لیکن میرا دس کھرب والا حربہ کامیاب ثابت ہوا اور اس کی غراتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"کیا؟" وہ یقیناً اچھل پڑا ہوگا۔ "کون ہو تم؟"

"تاجی۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "وہ مجھے نہیں جانتا لیکن نام سے ضرور واقف ہوگا۔ اگر اسے یاد نہ آئے تو رضیہ کا حوالہ دے سکتے ہو۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوگا۔ اب یہ مت کہنا کہ تجریکی نام کا کوئی شخص یہاں نہیں رہتا۔ تیس سیکنڈ کے اندر اندر میری بات کراؤ۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔"

اور پھر تیس سیکنڈ ختم ہونے سے پہلے ہی تجریکی کی آواز سنائی دی۔

"تاجی!" اس کے لہجے میں بھی غراہٹ تھی۔ "تم اب تک مجھے بہت نقصان پہنچا چکے ہو۔ یہاں میرا ایک بندہ بھی تمہارے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ لاہور میں تم شاہ جی سے ٹکرائے تھے وہ کم عقل تھا تم سے مار کھا گیا۔ اس کی کم عقلی ہی کی وجہ سے تم نے بندرگاہ پر ہمارا مال پکڑوا دیا تھا۔ لیکن کراچی میں میرے آدمیوں سے پنگا لے کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ تجریکی سے ٹکرا کر تم نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔ یہ مت سمجھنا کہ رنگا جیسا غنڈہ تمہیں بچا لے گا۔ اس میں تو اتنی جرأت نہیں کہ اپنی بل سے نکل کر میرا سامنا کر سکے۔ تمہیں یا تمہیں تو [illegible] کرے گا۔"

"اپنی بکواس جاری رکھو گے یا میری بھی سنو گے۔" میں نے کہا۔

"اپنی زبان کو لگام دو۔" اس کی غراہٹ پہلے سے تیز ہو گئی۔ "فون کیوں کیا تھا؟"

"تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لیے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کال ریسیو کرنے والے نے اسے دس کلو کا حوالہ ضرور دیا ہوگا لیکن وہ جان بوجھ کر خود اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا اور آخر کار میں نے ہی اسے یاد دلایا۔ "سالار جس آدمی کو پکڑ کر تمہارے پاس لایا تھا وہ ابھی تک زندہ ہے یا اسے مار دیا گیا؟"

"ایسے غداروں کو ہم آسانی سے نہیں مارتے۔" تحریکی نے جواب دیا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اور اس لونڈیا کا کیا حال ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"میرے آدمی دعوت اڑا رہے ہیں۔" تحریکی بولا۔ "مگر تم یہ ساری بکواس کیوں کر رہے ہو؟"

"میری بات غور سے سنو تحریکی۔" میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا وہ آدمی بے قصور ہے۔ اس نے تم سے غداری نہیں کی۔"

"کیا بکواس کرتے ہو؟" تحریکی دھاڑا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میرا لہجہ اس مرتبہ بھی پرسکون تھا۔ "وہ ہیروئن اس وقت میرے پاس ہے۔ جو آج رات تمہیں ڈلیور ہونے والی تھی۔"

"کیا بکتے ہو؟" وہ شاید پھیپھڑوں کی پوری قوت سے دہاڑا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ میری تمہارے ساتھ ایک اوپن چیٹ ہے۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گا بہتر ہے کہ اس وقت تک اپنے بال نوچتے رہو۔"

میں نے جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے اسی حالت میں بیٹھا رہا اور پھر جیسے ہی مڑا مجھے جیسے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا

نرگس میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" نرگس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر میں سٹ پٹا گیا۔

"یہ بدتمیزی نہیں اسے پستول کہتے ہیں اور اس میں گولیاں بھی ہیں۔" نرگس نے جواب دیا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ پستول کا رخ اب بھی میرے سینے کی طرف ہی تھا۔

میں نرگس کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ اسے مجھ سے کیا بیر تھا کہ اس طرح پستول میری طرف پستول تان کر کھڑی ہو گئی تھی اور پھر اس نے اچانک ہی پستول میری طرف اچھال دیا تو میں اچھل کر اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹ گیا۔ پستول میرے قریب صوفے پر گرا اور نرگس بھی بڑے اطمینان سے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے ایسا مذاق کیوں کیا تھا۔ وہ صورتحال کی نزاکت سے اچھی طرح واقف تھی۔ ایسی سنگین صورتحال میں تو آدمی اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے۔ اس قسم کی پوزیشن پر کوئی بھی غیر متوقع قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے میں ہی نرگس کی اس حرکت پر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس پر جھپٹ پڑتا اس طرح اسے یا مجھے کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

"اب تک کی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تحریکی نہایت خطرناک اور بہت چالاک آدمی ہے۔" نرگس میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "پولیس میں بھی اس کی بڑی رسائی ہے۔ اس کا اندازہ تم لگا چکے ہو۔ تمہیں اغوا کر کے ایک ویران کوٹھی میں لے جایا گیا تھا۔ اگر بیڈی بروقت وہاں نہ پہنچا ہوتا تو رضیہ تمہارا جو حشر کرتی اس کا اندازہ تم لگا سکتے ہو۔ لیکن تمہیں ان کے شکنجے سے نجات مل گئی اور بعد میں اس کیس کو جو رنگ دیا گیا اس سے تم واقف ہو اور یہ سب کچھ پولیس کی ملی بھگت سے ہی ہوا ہے۔ اسے تم تحریکی کے تعلقات کا ثمر کہہ سکتے ہو اور اس قسم کے تعلقات پیسے کے بغیر استوار نہیں ہوتے۔ سرکاری مشینری اپنے فرائض بھول کر جرائم پیشہ لوگوں کا ساتھ دینے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔"

"میں تمہاری اس لمبی چوڑی تقریر کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" میں نے بدستور الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نرے احمق ہو۔" نرگس بولی۔ "تم کم از کم دس پندرہ منٹ تک فون پر تحریکی سے بات کرتے رہے ہو۔ اتنی دیر میں آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نمبر پر یہ کال کہاں سے کی گئی تھی۔ گو کہ ٹیلی فون ایکسچینج کا عملہ کسی صارف کو ایسی معلومات فراہم کرنے کا پابند نہیں لیکن پیسے میں بڑی طاقت ہے اور اس کا تمہیں

ہی طرح اندازہ ہے۔"

"اوہ۔" میں اچھل پڑا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گاؤں کی رہنے والی ایک عورت اس قدر بات کا ثبوت دے گی۔ "تم اتنی عقلمند کب سے ہوگئی ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"جب سے تم نے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ پستول میں اندر سے اس لئے لے کر آئی ہوں کہ اس سے اپنی حفاظت کا کام لیا جائے۔ مجھے شبہ ہے کہ تحریکی نے یہاں کا ن نمبر معلوم کرا لیا ہوگا اور اسے یا اس کے آدمیوں کو یہاں کا ایڈریس تلاش کرنے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس لئے۔"

"گویا آج کی رات ہم پر بھاری ثابت ہوسکتی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے یاد نہیں کہ ہم نے کوئی رات بھی سکون سے گزاری ہو۔" نرگس نے جواب دیا۔ "میں نے جب سے تمہارے ساتھ گاؤں چھوڑا ہے ایسی ہی صورتحال کا شکار رہی ہوں۔ کبھی پولیس کا خوف اور کبھی بضیہ شاہ جی اور تحریکی جیسے قاتلوں کا خوف۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اس رات تم نے ایک عورت کو بلے کے چنگل سے بچایا تھا۔ بلا ایک بہت معمولی سا اور سڑک چھاپ تھرڈ ریٹ غنڈہ ہے لیکن تم نے اس کے منہ کا نوالہ چھینا تھا اور وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ بات صرف چند سو یا چند ہزار کی تھی لیکن تحریکی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "تم نے اس کے آدمی سے دس کلو ہیروئن چھینی ہے۔ کم از کم دس کروڑ یا اس سے بھی زیادہ کی چپت لگائی ہے۔ اسے پہلے بھی اس سے کئی گنا زیادہ نقصان پہنچا چکے ہو۔ پہلے اسے معلوم نہیں تھا کہ مخبری کرنے والا کون ہے لیکن اب تو وہ تمہارے بارے میں جان چکا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ آرام سے بیٹھا رہے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ رانا تمہارے ساتھ ہے۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے دو دشمن اس کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کر لیں۔ رانا ایک مضبوط آدمی ہے۔ تحریکی اب تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا لیکن تمہارا کھوج لگانے کیلئے وہ زمین آسمان ایک کر دے گا۔ ہوسکتا ہے وہ ٹیلی فون کال ٹریس کر لے اور آج ہی رات۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری بات میں وزن ہے اور تمہارا اندیشہ غلط نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں سب سے پہلے ہمیں اس تھیلے کا بندوبست کرنا ہوگا اور کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ رانا کے کسی آدمی کو بلا کر یہ تھیلا اس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اس تھیلے کیلئے ایک محفوظ جگہ ہے۔" نرگس نے کہا۔

"کونسی جگہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں زیورات والا تھیلا چھپا رکھا ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔ میں ایک دم اچھل پڑا۔ واقعی اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے۔

وزنی الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ ہیروئن کا تھیلا بھی

زیورات والے تھیلے کے ساتھ ڈال کر اس خلا میں پیچھے دھکیل دیا گیا اور الماری کو دھکیل کر دیوار کے بالکل ساتھ ملا دیا۔ تاکہ اس کے پیچھے جھانکنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اب اس الماری کو ہٹانے کے بعد ہی وہ خلا نظروں میں آسکتا تھی۔

میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ اڑھائی بجنے والے تھے۔ میں نے دروازوں اور کھڑکیوں کو اچھی طرح چیک کیا اور پھر میری نظریں ہال کے داخلی دروازے سے ذرا بائیں طرف گول زینے کی طرف اٹھ گئیں۔ چھت پر جانے کیلئے باہر سے سیڑھیاں نہیں تھیں۔ اندر سے یہ گول زینہ تھا۔ برآمدے کے اوپر بھی ایک کمرہ تھا اور یہ گول زینہ اس کمرے تک ہی جاتا تھا۔ اس کمرے کے آگے کھلی چھت تھی جس کے ایک کونے میں کنکریٹ کا تقریباً چھ فٹ اونچا پانی کا ٹینک بنا ہوا تھا۔ ایک فٹ اونچے کنکریٹ کے پلرز تھے اور ان کے اوپر یہ ٹینک بنایا گیا تھا۔

نیچے والے دروازے اور کھڑکیاں چیک کرنے کے بعد میں گول زینے سے اوپر آگیا۔ کمرے کا بیرونی دروازہ کھول کر چھت پر ادھر ادھر دیکھا اور دروازہ بند کرکے بولٹ چڑھا دیا اور نیچے آگیا۔

تمام بتیاں بجھا کر میں بیڈ روم میں آگیا جہاں نرگس شب خوابی کا لباس پہن چکی تھی۔ نرگس کچھ زیادہ ہی ماڈرن ہوئی تھی۔ وہ گاؤں میں تھی تو ایک ہی جوڑا کئی کئی روز تک پہنے رہتی تھی۔ میرے ساتھ قصور سے لاہور شہر آئی تو رضیہ کے ساتھ اس کی کوٹھی میں رہتے ہوئے اسے بھی شہری ہوا لگنے لگی تھی۔ وہ کئی روز تک رضیہ ہی کے کپڑے پہنتی رہی تھی۔ پھر رضیہ ہی نے اس کیلئے کچھ ماڈرن تراش کے ملبوسات خریدے تھے۔ اسے ساڑھی پہننا بھی رضیہ ہی نے سکھایا تھا۔ وہ لاہور میں بھی ساڑھی استعمال کرتی تھی اور کراچی آنے کے بعد تو وہ اکثر ساڑھی ہی پہنا کرتی تھی۔ چند روز پہلے ہی اس نے صدر سے دو تین ساڑھیاں خریدی تھیں اور بہت مہین کپڑے کا شب خوابی کا یہ لباس اس نے زینب مارکیٹ سے خریدا تھا۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اسے تکیے کے نیچے رکھا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔ نرگس نے ٹیوب لائٹ بند کرکے نائٹ بلب جلا دیا اور میرے پہلو میں لیٹ گئی۔

نرگس کچھ ہی دیر بعد سو گئی لیکن میں جاگتا رہا۔ میرے دماغ میں خیالات کا ہجوم سا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

میری زندگی کے کئی سال مار دھاڑ میں گزرے تھے۔ میں ایک سیدھا سادا سا پینڈو نوجوان تھا جو تعلیم حاصل کرنے کیلئے گاؤں سے قصور شہر آیا تھا۔ جہاں رضیہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ شوہر ہونے کے باوجود رضیہ جنم جنم کی پیاسی تھی۔ وہ مجھ سے اپنی پیاس بجھاتی رہی اور میں نادانی میں پستیوں میں گرتا چلا گیا اور جب ہوش آیا تو میں نہ صرف بہت کچھ کھو چکا تھا بلکہ میرے ہاتھ بھی خون میں رنگے جا چکے تھے۔

میری زندگی مختلف کٹھن مراحل سے گزرتی رہی اور آخرکار میں بھاگ کر مرکوٹ آ گیا۔ خیال تھا کہ سندھ کے اس چھوٹے سے قصبے میں گمنامی کی زندگی گزار دوں گا لیکن تقدیر تو میرے لئے کوئی اور ہی فیصلہ کر چکی تھی۔ میں ایک فریب کا شکار ہو کر دہشت گردوں کے ہتھے چڑھ گیا اور مجھے ہندوستان پہنچا دیا گیا۔ وہاں ایک معرکہ سر کرنے کے بعد واپس آیا تو میرے اپنے ہی میری جان کے دشمن ہو گئے۔ میں انہیں غچہ دے کر کراچی بھاگ آیا۔ کراچی انسانوں کا جنگل ہے۔ خیال تھا کہ یہاں کوئی بزنس شروع کرکے

خاموشی کی زندگی گزار رہوں گا مگر لگتا تھا کہ میں جس کمبل کو چھوڑنا چاہتا ہوں وہ مجھے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس رات گلشن میں رضیہ اور جمی سے تصادم کراچی میں بھی ہمارے بیچ ایک طویل مہاجرت کا باعث بن گیا تھا۔
میں کراچی میں اکیلا تھا۔ میں ہمیشہ اکیلا ہی کام کرنے کا عادی تھا۔ وقتی طور پر ضرورت کے تحت کسی کو ساتھ ملا لیا کرتا تھا۔ انڈیا میں بھی میں نے یہی حکمت عملی اپنائی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ رنگا بھی اس شخص کا بنا ہوا تھا جو میرا حریف تھا۔ رنگا بھی اسی سے انتقام لینے کیلئے طویل عرصے سے موقع کی تلاش میں تھا۔

ایک بات میں نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ میں جتنا اس چکر سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا میرے گرد یہ جال اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔

رنگا کے بارے میں سوچتے ہوئے جریری کا تصور ذہن میں ابھر آیا۔ اس کا خیال آتے ہی میں نے گردن گھما کر پہلو میں سوئی ہوئی نرگس کی طرف دیکھا۔ نرگس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن جریری کے سامنے تو اب یہ بیچ نظر آنے لگی تھی۔ میری زندگی میں لاتعداد عورتیں آئی تھیں۔ ان میں کئی تو ایسی تھیں جنہیں ملکہ حسن قرار دیا جا سکتا تھا لیکن جریری ان سب سے مختلف تھی۔ وہ قدرت کا ایک ایسا شاہکار تھی جس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسے جب میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو میرا دل بھی شاید چند لمحوں کیلئے دھڑکنا بھول گیا تھا اور اس وقت بھی اس کا خیال آتے ہی میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی تھی۔
میری اس ہنگامہ خیز زندگی میں جو بھی عورت آئی تھی میں نے اسے حاصل کیا تھا لیکن جریری کی بات مختلف تھی اس کے بارے میں میں سوچ تو سکتا تھا مگر اسے حاصل نہیں کر سکتا تھا وہ میرے لئے ناقابل حصول تھی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں مشکلات تھیں۔ وہ رنگا کی ملکیت تھی اور رنگا نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ وہ دوستوں پر اندھا اعتماد کرتا ہے۔ دھوکا دینے والے کو وہ معاف نہیں کرے گا۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میں جریری کا خیال ذہن سے نہیں نکال سکا۔ میں جیسے جیسے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا میرا ذہن الجھتا گیا۔

باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میرے خیالات کا سلسلہ منتشر ہو گیا۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ کمرے میں زیرو واٹ بلب کی نیلگوں روشنی تھی مگر گھڑی کی چمکتی سوئیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت پونے چار بجنے میں دس منٹ تھے۔ گلی میں اس وقت کسی گاڑی کا آنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن میرے دماغ میں اچانک ہی ایک دھماکا سا ہوا اور میں بڑی تیزی سے بستر سے اتر کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔
کھڑکی کے سامنے دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پردے کا کونا ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔
ہر اگرچہ تاریکی تھی لیکن میں نے ایک ہیولے کو باہر کی طرف سے دیوار پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا ابھی پوری طرح سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ دیوار پر تھے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے آپ کو اوپر اٹھا رہا تھا۔
نرگس کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ جریری نے میری کال ٹریس کر لی تھی۔ ٹیلی فون

نمبر معلوم ہو جانے کے بعد ایڈریس کا پتہ چلا لینا مشکل نہیں ہوتا۔ انہیں اگرچہ معلومات حاصل کرنے میں کچھ وقت لگا تھا لیکن شاید وہ آج کا کام کل پر چھوڑنے کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے رات ختم ہونے سے پہلے ہی کارروائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔
وہ آدمی ابھی پوری طرح دیوار پر نہیں چڑھا تھا کہ اس کے قریب ہی دیوار پر دو ہاتھ اور دکھائی دیئے اور پھر ایک سر بھی اوپر ابھر آیا۔ تاریکی کی وجہ سے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ایک بات طے تھی کہ ان کی تعداد میری توقع سے زیادہ تھی۔ دو تو سامنے آ ہی گئے تھے ممکن ہے دو یا تین آدمی اور بھی ہوں۔ اس قسم کے لوگ کوئی رسک لینا پسند نہیں کرتے اور پھر معاملہ بھی کروڑوں کا تھا۔
میں پردے کا کونا چھوڑ کر تیزی سے بیڈ کے قریب آ گیا اور نرگس کو جھنجھوڑنے لگا۔ نرگس ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تا کہ وہ کوئی آواز نہ نکال سکے۔ وہ وحشت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس طرح جگائے جانے پر وہ یقیناً بدحواس ہو گئی تھی۔
"اپنے حواس قابو میں رکھو۔ وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔"
میں نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی اور منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔
"کک۔۔۔ کون۔" نرگس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔
"جریری کے آدمی۔" میں نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اٹھو جلدی کرو۔ وہ لوگ کسی بھی وقت دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔"
میں نے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا۔ اس پستول میں دو چار ہی گولیاں بچی ہوں گی اور میں جانتا تھا کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک تو ان کی تعداد زیادہ تھی اور پھر ان کے پاس بھی پستول وغیرہ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی رائفل وغیرہ بھی ہو۔ مقابلہ کرنے کی کوشش میں چوہوں کی طرح پکڑے جانے کا احتمال زیادہ تھا اس لئے میں نے ان سے بچنے کا ایک اور راستہ تلاش کر لیا تھا۔
انہیں دروازہ کھول کر یا توڑ کر اندر پہنچنے میں تین چار منٹ ضرور لگیں گے اور یہ وقت ہمارے لئے بہت قیمتی تھا اور کمرہ کا ایک دروازہ پچھلی طرف کے لان میں کھلتا تھا۔ میں دبے پاؤں چلتا ہوا اس دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ بڑی احتیاط سے اس کی لاک ناب ہٹا دی اور اوپر کی چٹخنی بھی کھول دی لیکن میرا اس دروازے سے باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس بنگلے کی عقبی دیوار سے۔ تھ والے بنگلے میں کودنا میرے لئے تو مشکل نہیں تھا لیکن نرگس جیسی ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ یہ طرف اونچی دیوار پر چڑھنا اس کیلئے آسان نہ ہوتا اور اسی دوران ہم ان کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ فرار کی کوشش کرتے دیکھ کر وہ ہمیں گولیوں سے بھون دیتے۔
میں نے نرگس کا ہاتھ پکڑا اور سوئچ بورڈ بجھا دیا اور کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف چلنے لگا۔
نرگس میرے ساتھ گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی۔
میں اندھیرے میں لاؤنج میں رکھے ہوئے فرنیچر سے بچتا ہوا آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ مرکزی دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے باہر سے دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ٹٹولتا ہوا زینے کے قریب پہنچ گیا۔

"آہستہ آہستہ اوپر چڑھتی رہو۔ کوئی آواز نہ پیدا ہونے پائے۔" میں نے نرگس کے کان سے منہ لگا کر سرگوشی کی۔

گول سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی میں نرگس کو سہارا دیئے ہوئے تھا۔ اوپر والے کمرے میں آ کر میں نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے چھت کی طرف والا دروازہ کھولا اور باہر نکلنے سے پہلے میں نے کمرے کے سامنے کے رخ والی کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔

ہماری کوٹھی کے گیٹ کے عین سامنے سیاہ رنگ کی ہائی روف کھڑی تھی۔ اس کے قریب ایک آدمی بھی کھڑا تھا۔ گلی میں کسی بنگلے کے گیٹ پر جلنے والے بلب کی بہت مدھم سی روشنی اگرچہ وہاں تک پہنچ رہی تھی مگر اس شخص کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایک آدمی گیٹ کے اندر بھی دیوار سے لگا کھڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں کلاشنکوف یا اس سے ملتی جلتی کوئی رائفل بھی تھی۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ چار آدمی تھے۔ دو اندر آ گئے تھے۔ ایک گیٹ کے قریب اور دوسرا باہر گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ لوگ مکمل تیاری کر کے آئے تھے۔

کمرے کا دروازہ میں نے کھلا ہی چھوڑ دیا اور ہم جھک کر چھت پر چلتے ہوئے عقبی سرے پر پانی کی ٹنکی کے قریب آ گئے۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے جب میں دروازے وغیرہ چیک کرنے کیلئے اوپر آیا تھا تو اس وقت یہ ٹنکی بھی دیکھی تھی اور جب میں نے ان لوگوں کو دیوار پر چڑھتے دیکھا تو اسی ٹنکی ہی کا خیال ذہن میں آیا تھا۔ یہ ٹنکی اس وقت ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ انہیں بھی اس ٹنکی پر کوئی شبہ نہ ہو جائے۔

ٹنکی کے قریب پہنچ کر میں بڑی احتیاط سے اٹھا تھا۔ یہ چھت کا پچھلا حصہ تھا۔ میں چھت کی منڈیر پکڑ کر کھڑے ہو کر ٹنکی پر چڑھ گیا۔

ٹنکی کے ایک کونے پر ڈھائی فٹ بائی ڈھائی فٹ کا لوہے کا ڈھکن رکھا ہوا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے وہ ڈھکنا ہٹا دیا۔ اس دوران نرگس بھی منڈیر پر چڑھ چکی تھی۔ میں نے اسے ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا اور صرف ایک سیکنڈ بعد اسے ٹنکی میں اتار دیا۔

نیچے وہ لوگ اندر داخل ہو چکے اور اب ان کی چیختی ہوئی آوازیں اوپر تک سنائی دے رہی تھیں۔

"تلاش کرو انہیں۔ وہ لوگ کسی کمرے میں چھپے ہوں گے۔"

ایک چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اور پھر ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکی جا رہی ہوں۔

"یہ پچھلا دروازہ کھلا ہوا ہے۔" ایک اور چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"پیچھے دیکھو۔ پودوں میں چھپے ہوں گے۔ اور بلے تم اوپر جاؤ چھت پر۔" یہ وہی پہلے والی آواز تھی۔

بلے کا نام سن کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ٹیڈی نے اس روز ٹھیک ہی کہا تھا یہ غنڈے اور بدمعاش بظاہر ایک دوسرے سے الگ الگ تھے لیکن درحقیقت ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔

میں بڑی آہستگی سے ٹنکی میں اتر گیا اور کنکریٹ کا ڈھکنا احتیاط سے کھینچ لیا۔ لیکن میں نے ڈھکنا پوری طرح بند نہیں کیا تھا۔ ہوا کی آمد و رفت کیلئے آدھا انچ کے قریب خلا چھوڑ دیا تھا۔

پانی ہماری کمر کے برابر تھا۔ نرگس مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ میں اسے ساتھ لپٹائے ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا۔ تاکہ اگر اوپر سے ڈھکنا کھول کر دیکھنے کی کوشش کی جائے تو ہم نظر نہ آ سکیں۔

یہ میں آپ کو بتانا بھول گیا کہ ٹنکی میں لاتعداد کاکروچ بھرے ہوئے تھے۔ جب میں نے ڈھکنا اٹھایا تھا تو کئی کاکروچ میرے ہاتھوں پر چڑھ گئے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ نرگس کسی کاکروچ کو اپنے بدن پر رینگتے پا کر چیخ اٹھے گی۔ کاکروچ اور چھپکلی یہ وہ بے ضرر مخلوق ہیں جو گھروں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور عورتیں انہیں دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھتی ہیں لیکن یہ اتفاق تھا کہ نرگس ابھی تک کسی کاکروچ کی زد سے بچی ہوئی تھی۔

میں پچھلی دیوار سے بھی چند انچ دور ہی رہا تھا تاکہ وہاں سے کوئی کاکروچ نرگس پر نہ چڑھ جائے۔

چھت پر اب بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹنکی کے قریب آ گیا اور اسی وقت وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ پانی میں تیرتا ہوا ایک کاکروچ نرگس کے کندھے پر پہنچ گیا تھا۔ نرگس کے منہ سے عجیب سی آواز خارج ہونے لگی۔ میں نے فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر تھرتھر کانپنے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر پر لپیٹ کر اسے سختی سے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ہم دونوں میں سے کسی کی حرکت سے پانی بھی حرکت کرتا اور یہ معمولی سی آواز بھی ان لوگوں کو متوجہ کر سکتی تھی۔

قدموں کی وہ آواز ٹنکی کے آس پاس سنائی دیتی رہی اور پھر اس شخص نے شاید منڈیر پر جھک کر کسی سے کہا تھا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ نیچے آ جاؤ۔" عقبی لان سے جواب ملا۔ "وہ شاید عقبی دیوار سے پچھلے بنگلے میں کود گیا ہے۔"

چھت پر موجود دونوں آدمی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ قدموں کی آواز معدوم ہونے کے بعد ہی میں نے نرگس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تھا۔ اس کے منہ سے سانس اس طرح خارج ہوا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔

"مم..... میرے جسم پر کچھ چل رہا ہے۔ سس..... سانپ۔" اس کی تھرتھراتی ہوئی خوفزدہ سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"کوئی سانپ واپ نہیں ہے۔" میں نے سرگوشی کی۔ "کاکروچ ہیں۔ تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔"

"کک کاکروچ۔"

اس سے پہلے کہ نرگس کے منہ سے چیخ نکل جاتی میں نے ایک بار پھر اس کا منہ دبا دیا۔ وہ تھرتھر

کانپنے لگی۔ کاکروچ شاید اس کیلئے سانپ سے زیادہ خطرناک تھا۔

"کاکروچ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے لیکن ان لوگوں کو اگر یہاں ہماری موجودگی کا پتہ چل گیا تو پانی کی یہ ٹنکی ہمارا مقبرہ بن جائے گی۔ خاموشی سے کھڑی رہو۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے دھب دھب کی آوازیں سن کر میں چونک گیا اور پھر دوسرے بنگلے سے عورتوں اور بچوں کی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

وہ لوگ ہماری تلاش میں دوسرے بنگلے میں کود گئے تھے لیکن چند منٹ بعد ہی چیخنے کی آوازیں خاموشی میں ڈوب گئیں۔ دو آدمی اس بنگلے میں کودے تھے وہ آ گئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کوئی انہوں نے اس کوٹھی کے مکینوں کو کس طرح خاموش یا مطمئن کیا ہوگا۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ نیچے سے آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ ٹنکی کا پانی ٹھنڈا تھا اور نرگس اب سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے دانت بجنے لگے تھے اور پھر ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔

"بے تم بیٹھ رکو گے۔" وہ شخص کہہ رہا تھا۔ "وہ حرامی یہاں سے بھاگ گیا ہے۔" اس کے واپس آنے کی امید نہیں ہے لیکن احتیاطاً تم صبح تک یہیں رہو گے۔" ہوسکتا ہے وہ کسی وقت پلٹ بھی آئے۔"

"اگر وہ آ گیا تو زندہ نہیں بچے گا باس۔" یہ بلے کی آواز تھی۔

"وہ مجھے زندہ چاہئے۔" پہلی آواز نے غراتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ تمہارے ہاتھوں مر گیا تو تحریکی تمہاری کھال بھی ادھیڑ دے گا۔"

"ٹھیک ہے باس۔" بلے کی آواز سنائی دی۔ "اسے میں اس قابل رکھوں گا کہ تحریکی کے سوالوں کا جواب دے سکے۔"

اس کے کچھ ہی دیر بعد گاڑی کا انجن سٹارٹ ہونے اور گاڑی کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر برآمدے والا دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

دو تین منٹ مزید انتظار کرنے کے بعد میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بڑی آہستگی سے ٹنکی کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اچک کر ٹنکی سے باہر آ گیا اور نرگس کو بھی باہر نکال لیا۔

ہم دونوں ٹنکی کے قریب کھڑے تھے۔ ہمارے کپڑوں سے پانی دھاروں کی صورت میں بہہ رہا تھا اور نرگس سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"مم... مجھے... سس... سردی لگ رہی ہے۔"

اس کے دانت کانپ رہے تھے اور آواز بھی بمشکل نکل رہی تھی۔

"یہاں سردی سے بچنے کیلئے تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔" میں نے کہا۔ "اس طرف آ جاؤ۔ دیوار کی آڑ میں وہاں زیادہ ہوا نہیں ہوگی۔"

میں اسے بازو سے پکڑ کر بے قدموں چلتا ہوا کمرے کی دیوار کے قریب لے آیا۔ کھلی چھت پر ہوا براہ راست جسم سے ٹکرا رہی تھی لیکن یہاں اگرچہ ہوا سے بچاؤ ہو گیا تھا مگر سردی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں تقریباً آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہے تھے۔ میرے جسم پر تو پورا لباس تھا

لیکن نرگس نے باریک جالی دار کپڑے کی میکسی پہن رکھی تھی۔ اس کے نیچے کوئی لباس نہیں تھا۔ "شاید اس کمرے میں کوئی چادر وغیرہ مل جائے۔" میں نے سرگوشی میں کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا دروازے کی طرف آ گیا۔

دروازہ بند نہیں تھا۔ میں بڑی آہستگی سے اندر آ گیا۔ زینے کی طرف کھلنے والے دروازے میں تقریباً ایک انچ کا خلا تھا۔ نچلے ہال میں بتی جل رہی تھی۔ اس کی بہت مدہم سی روشنی دروازے کے خلا سے اندر بھی آ رہی تھی۔

کمرے میں کچھ فرنیچر تو تھا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے چادر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ہی ایک کھڑکی تھی جس سے نچلے ہال میں جھانکا جاسکتا تھا۔ میں اس کھڑکی کے شیشے سے نیچے دیکھنے لگا اور پھر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

بلا ہال میں صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے سامنے میز پر پستول پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ کمر صوفے کی پشت سے لگی ہوئی تھی اور ایک بازو بھی صوفے کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے باپ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ہو۔

مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بلا کوٹھی میں اکیلا ہی تھا۔ اس کے باس نے صرف اس کا نام لے کر یہاں رہنے کو کہا تھا۔ بلے پر قابو پانا بہت ضروری تھا۔

میں دبے قدموں کمرے سے باہر آ گیا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔ اس پر عمل کرنے کیلئے نرگس کا تعاون ضروری تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ نرگس انکار نہیں کرے گی۔ میں نے سرگوشی میں نرگس کو اپنی سکیم سے آگاہ کیا تو وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"مم... میں... سس... سردی سے مر رہی ہوں اور تم..."

"یہی ایک طریقہ ہے بچنے کا ورنہ یہاں کھڑے کھڑے تم واقعی سردی سے ٹھٹھر کر مر جاؤ گی۔" اور وہ میری سکیم پر عمل کرنے کو تیار ہو گئی۔

ہم دونوں کمرے میں آ گئے۔ میں اندرونی دروازے کے ساتھ دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا اور نرگس کو اشارہ کر دیا۔

نرگس نے سیڑھیوں والا دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

"بچاؤ کوئی ہے مجھے اس درندے سے بچاؤ۔" اس کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی لیکن کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

میں نے بڑی احتیاط سے کھڑکی کے شیشے سے جھانکا۔ بلا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سلگتا ہوا سگریٹ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں پستول پکڑ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر پہلے تو الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے پھر آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اوپر دیکھ رہا تھا جہاں نرگس دروازے سے نکل کر گول سیڑھیوں پر پہنچ چکی تھی۔

نرگس کا باریک بھیگا ہوا لباس اس کے جسم سے چپکا ہوا تھا اور اس لباس میں بھی برہنہ نظر آ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟......" بلے کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "نیچے آ جاؤ اور کوئی گڑبڑ مت کرنا۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سیڑھیوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی نظریں اوپر تھیں اور اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ بھی اوپر کی طرف ہی تھا۔ نرگس کانپتی اور کراہتی ہوئی ریلنگ کا سہارا لئے ہوئے آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔

پستول میرے پاس بھی تھا۔ پانی کی ٹنکی میں اترنے کے بعد بھی میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ پستول پانی میں بھیگنے نہ پائے اور جب میں نے کمر تک گہرے پانی میں نرگس کو سہارا دے رکھا تھا تو میرا پستول والا ہاتھ اس وقت بھی اوپر ہی تھا اور اب بھی پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں اگر چاہتا تو اس وقت بڑی آسانی سے اسے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن میں عجیب فطرت کا مالک تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود ایڈونچر پسند کرتا تھا۔ میں اس موقع پر بھی بلے سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے یہ پتہ چل سکے کہ میں بزدل نہیں ہوں اور یہاں سے بھاگا نہیں تھا۔

نرگس بدستور کراہتی اور کپکپاتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔ بلا بہت محتاط انداز میں کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نرگس نے جیسے ہی آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھا بلے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازو کی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے بظاہر سہارا دینے کیلئے ایسا کیا تھا لیکن اس کی نیت کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں کی چمک سے لگایا جا سکتا تھا۔

نرگس نے اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ بلا اسے کھینچتا ہوا آگے لے گیا اور اسے صوفے پر ڈال دیا۔ باریک چپکے ہوئے لباس میں نرگس بالکل عریاں نظر آ رہی تھی۔ میں نے بلے کی آنکھوں میں وہی چمک دیکھی جو اس رات ہیروئن کی طلب گار عورت کو بے لباس دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ابھری تھی۔

"کون ہو تم؟" بلے کو شاید اپنی ڈیوٹی کا خیال آ گیا۔ "اوپر تو کوئی نہیں تھا۔ میں تو خود دیکھ کر آیا تھا۔ تم ... اور تمہارا لباس ..."

"وہ...... وہ وحشی اوپر لے گیا تھا۔" نرگس نے بدستور کپکپاتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ...... وہ رات کو مجھے لے کر آیا تھا۔ پھر جب باہر گاڑی رکی تو وہ مجھے پستول دکھا کر کھینچتا ہوا اوپر لے گیا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے دشمن آ گئے ہیں۔ وہ مجھے بھی مار ڈالیں گے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "وہ مجھے ساتھ لے کر پانی کی ٹنکی میں گھس گیا تھا۔ جب تم لوگ اوپر آئے تھے تو ہم بھی اوپر ہی تھے۔ پانی کی ٹنکی میں۔ میں نے چھت پر قدموں کی آواز سنی تھی۔ میں چیخنا چاہتی تھی لیکن اس نے میرا منہ دبا رکھا تھا۔"

"وہ...... وہ کہاں ہے؟" بلا ایک دم سیدھا ہو کر اوپر دیکھنے لگا۔

"وہ... وہ اوپر ہے۔" نرگس نے اشارے سے بتایا۔ "ہم پانی کی ٹنکی سے باہر نکلے تو میں نے چھت پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر زور سے مار دیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اب بھی ٹنکی کے قریب بے ہوش پڑا ہوا ہے۔"

"اوہ۔" بلے کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ لیکن اس مرتبہ یہ چمک مختلف نوعیت کی تھی۔ "تم یہیں رکو۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ تمہاری قسمت اچھی تھی جو بچ گئیں ورنہ وہ تمہیں

مار ڈالتا۔"

"ہم...... مجھے سردی لگ رہی ہے۔" نرگس پھر کراہنے لگی۔

بلے نے ادھر ادھر دیکھا پھر کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس کمرے میں چلی جاؤ۔ میں نے وہاں کچھ کپڑے دیکھے تھے۔ میں اس بھیڑیے کو دیکھتا ہوں۔ وہ ایک مرتبہ پہلے میرے ہاتھ سے بچ گیا تھا مگر آج نہیں بچ سکے گا۔ تم اس کمرے سے باہر مت نکلنا۔"

نرگس بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہو سکی تھی اور پھر بلا اسے سہارا دے کر کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اور اس نے جس طرح نرگس کو اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ میرا خون کھول گیا وہ بار بار پیچھے مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نرگس کو کمرے کے دروازے میں چھوڑ کر بھی وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مڑ کر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر تین چار فٹ کھلی جگہ تھی اور اس سے آگے کمرے کا دروازہ۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ بلے نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔ اس نے پستول والا ہاتھ آگے کو نکال رکھا تھا اور اس کا رخ دوسرے دروازے کی طرف تھا جس سے چھت پر پہنچا جا سکتا تھا۔

وہ جیسے ہی دو قدم آگے بڑھا میں بھی بڑی تیزی سے آگے نکل آیا اور پستول کی نال اس کی پشت سے لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی میرے حلق سے غراہٹ نکلی تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو بلے۔ اگر تم نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تو تمہارے جسم میں سوراخ ہو جائے گا۔"

بلا اس طرح رک گیا جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ ایک لمحہ کو تو وہ ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔

"پستول پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" میں ایک بار پھر غرایا اور اس کے ساتھ ہی اس کی پشت پر پستول کا دباؤ بڑھا دیا۔

بلے نے پستول پھینک دیا۔ میں نے اسے پیچھے مڑنے کا حکم دیا۔ وہ جیسے ہی میری طرف گھوما میں نے اس کے جبڑے پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ بلا کراہتے ہوئے لڑکھڑا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو میں نے ایک اور گھونسہ جڑ دیا۔

بلے کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

"پستول ہاتھ میں ہو تو ہیجڑہ بھی مرد بننے کی کوشش کرتا ہے۔" وہ کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ چلو اس طرف۔" میں نے سیڑھیوں والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ میں اس سے پہلے دروازے سے باہر آ گیا تھا لیکن اسے میں نے

پستول کی زد پر لئے رکھا تھا۔ میرے کپڑوں سے اب بھی پانی نچڑ رہا تھا اور پیر بھی بھیگے ہوئے تھے۔ میں زینے اور دروازے کے درمیان کھلی جگہ پر کھڑا تھا۔ یہاں موزائیک کا فرش تھا جو خاصا چکنا تھا۔ بلا دروازے سے باہر نکلا تو میں اسے راستہ دینے کیلئے ایک طرف ہٹ گیا اور ایسا کرتے ہوئے میرا بھیگا ہوا پیر موزائیک کے چکنے فرش پر پھسل گیا۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھلنے کی کوشش کرتا بلے نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے جبڑے پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے الٹ گیا۔

پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں اڑتا ہوا نیچے جا گرا تھا۔ میں الٹ کر زینے کے باہر کی طرف گرا تھا۔ اگر اتفاق سے زینے کی ریلنگ میرے ہاتھ میں نہ آ جاتی تو میں بھی نیچے گرتا۔

میں زینے کی ریلنگ کے ساتھ لٹک گیا تھا۔ بلے نے حماقت یہ کی کہ مجھے نیچے گرانے کیلئے میرے ہاتھوں پر پیر سے ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس کے پیروں میں جوگرز تھے۔ ہر ٹھوکر مجھے کراہنے پر مجبور کر دیتی۔ میں گول ریلنگ کے ساتھ آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا اور بلا بھی سیڑھیوں پر میرے ساتھ ساتھ اتر رہا تھا۔ اگر وہ عقلمندی کا ثبوت دیتا تو میرے ہاتھوں پر ٹھوکریں مارنے کے بجائے کمرے میں گرا ہوا اپنا پستول اٹھا لاتا اور مجھے زد پر لے کر نیچے اترنے پر مجبور کر دیتا۔ اس طرح میں اس کے سامنے بے بس ہو سکتا تھا۔

چند سیڑھیاں باقی تھیں کہ میں نے ریلنگ چھوڑ دی۔ اور بلے نے بھی اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ اس نے چھلانگ تو میرے اوپر لگائی تھی لیکن میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ بلا مجھ سے تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر گرا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر وہ دیوث مجھ سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے اٹھ کر میرے جسم پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

اور پھر میرا داؤ بھی چل گیا۔ اب بلا میری ٹھوکروں کی زد پر تھا۔ وہ اگرچہ مجھ سے زیادہ قد آور اور طاقتور تھا لیکن میں لڑائی کے ساتھ دماغ بھی استعمال کر رہا تھا۔ میری آخری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر لگی اور وہ خوفناک انداز میں کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

میں دوڑ کر کمرے سے رسی لے آیا اور اس کے ہاتھ پیر پشت پر باندھ دیئے اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا کپڑے کا کور اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ میں دوڑتا ہوا کمرے میں گھس گیا۔ نرگس کی جھکی ہوئی مٹھی فرش پر پڑی تھی اور وہ خود کمبل لپیٹے بیڈ پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

کمرے کی حالت خاصی ابتر تھی۔ ہر چیز الٹ پلٹ ہو رہی تھی۔ الماری کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور ہر چیز فرش پر بکھری ہوئی تھی۔ ایک خالی سوٹ کیس الماری کے اوپر رکھا رہتا تھا۔ اس وقت وہ بھی کھلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔

میں نے الماری کے سامنے کپڑوں کے ڈھیر میں سے نرگس کے کپڑوں کا ایک جوڑا اٹھا کر اس کی طرف پھینک دیا۔

"جلدی سے یہ کپڑے پہن لو۔" میں نے کہا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"ہمم.... مجھے سردی لگ رہی ہے۔" وہ رک رک کر بولی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت اور آنکھوں میں انجانا سا خوف تھا۔ ہم آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہے تھے اور نرگس کی حالت دیکھ کر مجھے اندیشہ تھا کہ وہ کہیں نمونیے کا شکار نہ ہو جائے۔

"ہمت سے کام لو نرگس۔" میں نے کہا۔ "کپڑے پہن لو اور پھر کمبل اوڑھ لینا۔ جلدی کرو ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔"

نرگس نے کمبل میں سے ہاتھ نکال کر اپنے کپڑے اٹھا لئے اور پھر کمبل ہٹا کر قمیص پہننے لگی۔ میری اپنی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ میں نے بھی ڈھیر میں سے اپنے کپڑے اٹھائے اور وہیں کھڑے کھڑے بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے لگا۔

کپڑے بدل کر میں الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ لکڑی کی الماری بہت وزنی تھی۔ اسے مزید وزنی بنانے کیلئے ہم نے اس میں بہت سی فالتو چیزیں بھی ٹھونس رکھی تھیں لیکن انہوں نے تلاشی لینے کیلئے ساری چیزیں نکال کر باہر پھینک دی تھیں۔ خالی الماری بھی اچھا خاصا وزن رکھتی تھی۔ میں بڑی مشکل سے الماری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ دونوں تھیلے محفوظ تھے۔

☆....☆....☆

نظیر محمد تابی کی ایڈونچرس سے بھرپور یہ آپ بیتی ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات کیلئے حصہ آخری ملاحظہ فرمائیں

مافیا
6
اقبال کاظمی

چھری کی طرح سخت موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

مکتبہ القریش ® سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

بار اوّل ——— 2003ء

ناشر ——— محمد علی قریشی

مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— نوید بٹ

قیمت ——— -/60 روپے

میں نے دونوں تھیلے خالی سوٹ کیس میں رکھے اور ان کے اوپر اپنے اور نرگس کے کپڑے اٹھا کر ڈالنے لگا۔ نرگس لباس پہن چکی تھی۔ اس پر کمبل بھی اوڑھ لیا تھا اور اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی کچھ چیزیں اٹھا اٹھا کر سوٹ کیس میں ڈالنے لگی تھی۔ گو کہ نرگس اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی لیکن اس کا اس طرح متحرک ہو جانا اچھی علامت تھی۔

سوٹ کیس پیک کر کے میں کمرے سے باہر آ گیا۔ اور پورے گھر کا جائزہ لینے لگا۔ انہوں نے تلاشی لینے کیلئے گھر کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ باورچی خانے کا سامان بھی بکھرا ہوا تھا۔

میں دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ میں نے سوٹ کیس اٹھایا اور نرگس کو اشارہ کرتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ نرگس اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ لاؤنج میں آ کر ہم رک گئے۔ بلا ہوش میں آ چکا تھا اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کی بندشیں کھولنے کیلئے کسمسا رہا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ وہ کچھ بول تو نہیں سکتا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں جیسے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے سوٹ کیس رکھ دیا اور آگے بڑھ کر اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔

”رنڈی۔“ وہ نرگس کی طرف دیکھ کر غرایا۔ ”تجھے میں نے پہچان لیا ہے اور تجھے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ مرتے دم تک یاد رکھو گی۔“

نرگس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بلے کے سینے پر زوردار ٹھوکر ماردی اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”تم تو بہت بڑے بدمعاش ہو۔“ میں نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تمہاری بدمعاشی صرف عورتوں تک محدود ہے۔ اس رات بھی تم نے ایک بے بس اور مجبور عورت پر ہی بدمعاشی دکھانے کی کوشش کی تھی اور اس وقت بھی اس عورت کو دھمکی دے کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میں مردوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے اور یہ بات بھی تم نے اس روز جناح پارک میں ثابت کر دی تھی جب میرے دو ہاتھ کھانے کے بعد بھاگ نکلے تھے۔“

”تم اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش سمجھتے ہو نا۔“ اس مرتبہ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ ”لیکن تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔“

”میں بڑا بدمعاش ہوں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے تو یقیناً بڑا بدمعاش ہوں۔ اس کا

ثبوت یہ ہے کہ تم اس وقت میرے سامنے بے بس پڑے ہوئے ہو۔" میں نے کہا۔ "بدمعاشی کیلئے عقل بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ گینڈے کی طرح طاقتور ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ تم میری عقلمندی کی داد ضرور دو گے کہ تم لوگ جس چیز کی تلاش میں آئے تھے وہ اسی گھر میں موجود تھی تم لوگوں نے گھر کی ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا لیکن دس کلو ہیروئن محفوظ رہی۔"

وہ ابھی ہولی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" میں نے کہا اور سوٹ کیس کھول کر کپڑوں کے نیچے دبا ہوا ہیروئن والا تھیلا نکال لیا اور اس میں سے ایک پیکٹ بھی نکال کر دکھایا تا کہ وہ میری بات کا یقین کر لے۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

نرگس اب تک سنبھل چکی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی نیلاہٹ بھی غائب ہو گئی تھی لیکن کمبل اس نے اب بھی اوڑھ رکھا تھا۔ میں نے بلے کے منہ میں ایک بار پھر کپڑا ٹھونس دیا۔

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر میں چاہوں تو ابھی تمہارا خاتمہ کر سکتا ہوں لیکن میں تم جیسے غلیظ آدمی کے گندے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر بعد میں کسی وقت کوئی مجبوری آن پڑی تو میں ایسا کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں لیکن پریشان مت ہو۔ تمہارے آدمی تمہیں یہاں آ کر چھڑا لیں گے۔ میں ابھی تحریکی کو فون کر دیتا ہوں۔"

میں نے ٹیلی فون اٹھا کر قریب ہی رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر بلے کے سامنے ہی نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ رات کی طرح اس وقت بھی کال ایک عورت ہی نے ریسیو کی تھی اور یہ غالباً وہی عورت تھی۔

"تحریکی سے بات کراؤ۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"تحریکی سو رہا ہے۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اس کو بتاؤ تاجی بول رہا ہوں۔ اس کی نیند اڑ جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ہولڈ کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایک منٹ بعد میرے کان سے تحریکی کی غراتی ہوئی آواز ٹکرائی۔

"تم بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکو گے تاجی۔" اس کی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔ "تم کہیں بھی چلے جاؤ میری نگاہوں سے چھپے نہیں رہ سکو گے۔ تمہیں دنیا کے کسی کونے میں پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"دوسروں کی بات پر بھروسہ کر لینے کا یہی تو نقصان ہوتا ہے تحریکی۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے آدمیوں نے تمہیں یقیناً یہ رپورٹ دی ہو گی کہ میں اس بنگلے سے فرار ہو گیا ہوں لیکن میں آخر وقت تک اسی بنگلے میں موجود تھا اور اب بھی وہیں ہوں اور تمہارا وہ سرکس جھاپ غنڈہ بلا اس وقت میرے سامنے بندھا پڑا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" وہ چیخا۔

"یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔" میں نے کہا۔ میں بھی تمہارے گرگوں سے محفوظ رہا اور دس کلو کا وہ تھیلا بھی۔ "تم نے واقعی احمقوں کی فوج پال رکھی ہے تحریکی۔ تم نے کتنی محنت سے کال ٹریس کر کے میرے ٹھکانے کا پتہ چلایا تھا لیکن تمہارے آدمیوں نے تمہاری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔"

"کہتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" تحریکی بولا۔

"تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" میں نے کہا۔ "لو بلے سے بات کر لو۔ تمہاری تسلی ہو جائے گی۔"

میں نے بلے کے منہ سے کپڑا نکال کر ریسیور اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ...... یہ حرامی ٹھیک کہہ رہا ہے باس۔" بلے نے کہا۔ اس کی آواز میں خوف نمایاں تھا۔ "یہ چھت پر پانی کی ٹنکی میں چھپا ہوا تھا۔ ہیروئن کا تھیلا بھی کسی کمرے میں ہی تھا۔ ٹھیک طرح سے تلاشی نہیں لے سکا تھا۔ وہ تھیلا اب بھی اس کے پاس موجود ہے اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت بھی ہے۔ انہوں نے دھوکے سے مجھے پکڑ کر باندھ دیا۔ ہاں یہ لوگ۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ بلے کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا۔ میں نے ریسیور اپنے کان سے لگا لیا۔

"اب تو تمہاری تسلی ہو گئی نا تحریکی۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم جب چاہو یہاں آ کر اپنے اس بلے کو آزادی دلا سکتے ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم سے ملاقات ہو گی اور بہت جلد ہو گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا اور بلے کے منہ میں ایک بار پھر کپڑا ٹھونس دیا۔

"وہ لوگ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں آ کر تمہیں چھڑا لیں گے۔ اس وقت تک یہاں آرام کرو۔" میں نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میری نظر اپنے پستول پر پڑ گئی جو دیوار کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میں نے پستول اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور سوٹ کیس اٹھا کر نرگس کو اشارہ کیا۔

اس وقت ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ فضا میں دھند پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ نرگس گیٹ کھولنے کیلئے آگے بڑھ گئی تھی۔

میں نے گاڑی باہر نکالی تو نرگس نے گیٹ بند کر دیا اور کار کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گلی میں اس وقت سناٹا تھا۔ بڑے گھروں کے لوگ اتنی جلدی بستر نہیں چھوڑتے۔ میں نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ گلی کے موڑ پر ایک دودھ والے کی موٹر سائیکل اس طرف مڑتی ہوئی نظر آئی۔ اگرچہ دھند پھیلی ہوئی تھی لیکن میں محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ممکن ہے مکان کی نگرانی کیلئے آس پاس کوئی اور آدمی بھی موجود ہو لیکن میرا یہ شبہ غلط نکلا۔ وہ لوگ یہی سمجھے تھے کہ میں بھاگ گیا تھا اور بنگلے کی نگرانی کیلئے انہوں نے صرف ایک ہی آدمی کو یہاں چھوڑنا کافی سمجھا تھا اور وہ بلا بڑی آسانی سے ہمارے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

گلیوں سے نکال کر میں کار کو مین روڈ پر لے آیا اور اس کا رخ عائشہ منزل کی طرف موڑ دیا۔ ہائی وے پر ٹریفک کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ دھند خاصی دبیز تھی۔ تمام گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس روشن تھے اور میں نے بھی اپنی کار کی بتیاں جلا رکھی تھیں۔

دھند کی وجہ سے کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ دوسری گاڑیوں کی رفتار بھی کم تھی۔

ہائی وے پر چلتے ہوئے سہراب گوٹھ چورنگی سے میں نے کار کو دائیں طرف راشد منہاس روڈ پر موڑ دیا۔ قریباً سڑک پر یو بی ایل سٹیڈیم سے ذرا آگے بہت چوڑے گندے نالے کا وہ پل تھا جس سے آگے گلشن اقبال کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ پل عبور کرتے ہی موتی محل کے سناپ پر میں نے کار کو بائیں طرف ایک کشادہ گلی میں موڑ دیا۔ یہ گلشن اقبال کا بلاک تھری تھا۔ کچھ آگے جا کر میں نے کار دائیں طرف سڑک پر موڑ دی اور آخر کار ایک بنگلے کے سامنے روک کر نیچے اتر آیا۔

جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر میں نے گیٹ کھولا اور پھر سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر کار کو اندر لے آیا اور نیچے اتر کر گیٹ بند کر دیا اور آگے بڑھ کر برآمدے والا دروازہ کھولنے لگا۔

اندر کی بتیاں جلا کر میں واپس آیا اور نرگس کی طرف والا دروازہ کھول دیا۔

"نیچے نہیں اترو گی یا کار ہی میں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ کس کا گھر ہے؟" نرگس نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔

"اپنا ہی ہے۔ اندر چلو۔ میں سوٹ کیس لے کر آ رہا ہوں۔" میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میں سوٹ کیس لے کر اندر آیا تو نرگس لاؤنج میں کھڑی الجھی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کمبل اس نے اب بھی جسم پر لپیٹ رکھا تھا۔ میں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا اور نرگس کو صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو میں تمہیں کافی بنا کر پلاتا ہوں۔" میں کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ میں نے چولہا جلا لیا اور کافی تیار کرنے لگا۔

چند منٹ بعد میں کافی بنا کر لایا تو نرگس اب بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے دونوں کپ درمیان کی میز پر رکھ دیئے اور اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم نے بتایا نہیں یہ کس کا مکان ہے؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"اپنا ہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تقریباً ایک مہینہ پہلے مجھے خیال آیا تھا کہ ہمارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانہ بھی ہونا چاہئے تاکہ کسی آڑے وقت میں کام آ سکے اور آج یہ کام آ گیا۔"

"تم نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا؟" اس نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے مجھے گھورا۔

"موقع ہی نہیں ملا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہاں کوئی اور بھی رہتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں یہ شاید تم اس لئے پوچھ رہی ہو کہ ہر چیز صاف ستھری نظر آ رہی ہے اور کچن میں ایسی

چیزیں موجود ہیں کہ میں نے فوراً ہی کافی بنا لی۔" میں نے کہا اور کافی کی چسکی لیتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "یہ تین بیڈ رومز کا فرنشڈ مکان ہے۔ یہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم الگ ہے۔ تمام کمرے ضروری فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ آگے اور پچھلی طرف پودوں کی کیاریاں ہیں جنہیں باقاعدگی سے پانی دیا جاتا ہے۔" میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "اس مکان کی ایک چابی میں نے اس گلی کے مالی کو دے رکھی ہے جو گھر کی صفائی وغیرہ کا خیال رکھتا ہے کچن میں ضروری برتن' خشک دودھ' چائے کی پتی اور کافی وغیرہ میں نے ہی لا کر رکھی ہوئی ہے۔"

نرگس کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے کافی پیتی رہی۔ کافی ختم کرنے کے بعد اس نے کمبل ہٹا کر ایک طرف صوفے پر ڈال دیا اور اٹھ کر گھر کا جائزہ لینے لگی۔ تمام کمروں میں وال ٹو وال کارپٹ تھے۔ ہر کمرے میں ضروری سامان بھی موجود تھا۔ دو کمروں میں سنگل بیڈز تھے اور ایک کمرے میں ڈبل بیڈ کے دوسری طرف سفید فارمیکا کی ڈریسنگ ٹیبل بھی رکھی ہوئی تھی۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ایکسٹینشن سیٹ تھا جبکہ لاؤنج میں بھی ایک سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"اس کا کرایہ کتنا ہے اور مالک کون ہے اس کا؟" نرگس نے پوچھا۔

"کرایہ سات ہزار روپے ماہانہ اور اس کا مالک یہاں نہیں لندن میں رہتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کیا تم نے اس سے لندن جا کر بات کی تھی؟" نرگس نے کہا۔

"اس مکان کا مالک دوہری شہریت کا مالک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میاں بیوی ہیں اور ایک جوان بیٹی۔ بیٹا پہلے ہی لندن میں رہتا ہے۔ یہ لوگ بھی چھ مہینے یہاں اور چھ مہینے لندن میں رہتے ہیں۔ جب یہاں سے جاتے ہیں تو یہ مکان چھ مہینوں کیلئے کرائے پر دے جاتے ہیں۔ اس طرح مکان کی حفاظت بھی رہتی ہے اور انہیں کرایہ بھی ملتا رہتا ہے۔ سامنے والے مکان میں ان صاحب کی بہن رہتی ہے۔ سارا معاملہ اسی سے طے ہوا تھا۔ چھ مہینے کا ایڈوانس کرایہ اور ڈیپازٹ اس خاتون نے مجھ سے وصول کیا تھا اور عین ممکن ہے اسے اس وقت ہماری آمد کا پتہ چل گیا ہو۔"

"ہوں۔" نرگس گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک۔ بہرحال تم نے عقلمندی کی تھی جو یہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ پچھلی رات میری زندگی کی خوفناک ترین رات تھی۔ آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہنا میرے لئے قیامت بن گیا تھا اور پانی سے نکلنے کے بعد تو میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ سردی کی شدت سے سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ پھیپھڑے تک کانپ رہے تھے۔"

"مجھے بھی پریشانی ہو گئی تھی۔" میں نے کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ تمہیں کہیں نمونیہ نہ ہو جائے۔"

"میں رات بھر جاگی ہوں اور اس وقت بھی اپنے آپ کو کچھ زیادہ بہتر محسوس نہیں کر رہی۔ میں سونا چاہتی ہوں۔" نرگس نے کہا۔

"اس وقت کوئی نہ کوئی بیکری کھل گئی ہو گی۔" میں نے کہا۔ "میں ناشتے کا سامان لے آتا ہوں۔ تم ناشتہ کر کے سو جاؤ۔"

نرگس بیرونی گیٹ تک میرے ساتھ آئی تھی۔ میرے نکلنے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا۔

نرگس کو اگرچہ یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس طرف آتے ہوئے میں نے اپنے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔ لیکن میں نے احتیاطاً پستول نرگس کو دے دیا تھا۔

اس وقت سات بج چکے تھے۔ فضا میں ابھی تک دھند پھیلی ہوئی تھی۔ میں گلیوں سے ہوتا ہوا مارکیٹ کی طرف نکل آیا۔ بیکریاں اور دودھ وغیرہ کی دکانیں کھل ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بیکری سے کچھ چیزیں خریدیں اور واپس آ گیا۔

انڈوں کا آملیٹ اور چائے وغیرہ نرگس ہی نے تیار کی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ ڈبل بیڈ والے کمرے میں جا کر کمبل اوڑھ کر سو گئی اور میں الماری کھول کر چیزیں سنبھالنے لگا۔ ہیروئن اور زیورات والا تھیلا الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ دیا اور اپنے اور نرگس کے کپڑے بھی الماری میں رکھ دیئے اور خالی سوٹ کیس الماری کے اوپر ٹکا دیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر میں برآمدے میں آ گیا۔ نو بجنے والے تھے اور دھند چھٹ چکی تھی۔ دھوپ چمک رہی تھی۔

سامنے کا لان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ گیٹ کے عین سامنے گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ تھی۔ اس سے آگے آٹھ فٹ چوڑا گلیارا سا تھا جس میں دونوں طرف گملے رکھے ہوئے تھے۔ دو کمروں کی کھڑکیاں اس طرف کھلتی تھیں۔ پچھلی طرف زیادہ کشادہ جگہ تھی اور اس طرف بھی عقبی دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ اس طرف مکانوں کے سامنے پارک تھا۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ہی یہ مکان کرائے پر لیا تھا۔

اگلے رخ پر مختصر سا برآمدہ تھا جس کے سامنے مختصر سا گھاس کا قطعہ تھا اور اس کے گرد کیاریوں میں پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ میں برآمدے سے اتر کر لان میں آ گیا اور پودوں کو دیکھنے لگا۔ ان کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

گیٹ پر ہلکی سی دستک سن کر میں چونک گیا۔ گیٹ کی جھری میں سے مجھے زنانہ لباس نظر آ گیا۔ میں نے بے دھڑک ہو کر ذیلی دروازہ کھول دیا۔ وہ سامنے والے مکان میں رہنے والی مالک کی بہن مسز ریحان تھی۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس کے لگ بھگ تھی لیکن اتنی عمر کی لگتی نہیں تھیں۔ درمیانہ قد، متناسب جسم اور چہرے کے نقوش بھی خاصے دلفریب تھے۔ "میں نے صبح چھ بجے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔" وہ بلا جھجک دروازے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "آپ کے ساتھ شاید کوئی اور بھی تھا۔"

"جی ہاں۔ میری بیگم۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟" مسز ریحانہ بولی۔

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ ہم رات بھر سفر کر کے صبح سویرے یہاں پہنچے ہیں۔ وہ سو گئی ہے دوپہر کو اس سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

میں نے یہ مکان کرائے پر لیتے ہوئے بتایا تھا کہ میں لاہور میں بجلی کے آلات تیار کرنے والی ایک کمپنی کا پارٹنر ہوں اور کام کے سلسلے میں پورے ملک میں گھومتا رہتا ہوں۔ یہاں یہ مکان میں نے اس لئے لیا ہے کہ جب یہاں آؤں تو مجھے ہوٹلوں میں خوار نہ ہونا پڑے۔ پچھلے ایک ہفتے کے دوران میں یہاں

صرف دو مرتبہ آیا تھا۔ ایک مرتبہ تو تقریباً دو گھنٹے ٹھہرا تھا اور دوسری مرتبہ چار پانچ گھنٹے۔ مالی کو مکان کی چابی بھی میں نے اسی کے کہنے پر دی تھی۔ وہ مختلف بنگلوں میں کام کرتا تھا اور مسز ریحانہ کے خیال میں قابل بھروسہ آدمی تھا۔

"اس مرتبہ مجھے کئی روز کراچی میں رہنا پڑے گا اس لئے بیگم کو بھی ساتھ لے آیا ہوں۔ وہ آپ سے مل کر یقیناً خوش ہو گی۔" میں نے کہا۔

"بہت اچھا کیا آپ نے۔" مسز ریحانہ نے کہا۔

میں دوپہر کو ان سے مل لوں گی اور ہاں دوپہر کا کھانا آپ لوگ ہمارے ہاں کھائیں گے۔ وہ بے چاری سو رہی ہیں۔ دوپہر کو اٹھ کر کہاں کھانا پکانے کے جھنجھٹ میں پڑے گی۔"

"بہت شکریہ جی۔" میں نے کہا۔

وہ کچھ دیر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر دوپہر کو آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد صادق مالی آ گیا۔ میں نے سامان کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر اس کے ہاتھ میں تھمادی اور پیسے دے کر سامان لینے کیلئے بازار بھیج دیا۔ ہمیں یہاں رہنا تھا تو ضرورت کی چیزیں منگوانا بھی ضروری تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ سامان لے آیا۔ جسے میں نے کچن میں رکھوا دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں لاؤنج میں آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رات کو جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے رنگا کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ کال حریری نے ریسیو کی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"میں ناجی بول رہا ہوں۔ رنگا سے بات کراؤ حریری۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"رنگا تھانے گیا ہوا ہے۔" حریری نے جواب دیا۔

"مگر اس نے کئی مرتبہ تم کو فون کیا تھا۔ وہاں سے کوئی اور بول رہا تھا۔ رنگا نے اپنے ایک آدمی کو بھیج کر پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ رات کو تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ رنگا بہت پریشان ہے۔ تم کہاں ہو؟"

"کیا تم پریشان نہیں ہو؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھی پریشان ہوں مگر تم کہاں ہو؟" اس نے سوال دہرایا۔

"میں محفوظ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "رنگا تھانے کیوں گیا ہے؟"

حریری کے ایک آدمی کی لاش رنگا کے علاقے میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ اسے تشدد کر کے ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس نے پوچھ گچھ کیلئے رنگا کو تھانے بلایا ہے۔"

"اوہ۔" میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میرے ذہن میں اس شخص کا چہرہ ابھر آیا جس کی مرسڈیز کار سے گزشتہ رات میں نے دس کلو ہیروئن کا تھیلا چرایا تھا۔ بعد میں اگرچہ میں نے حریری کو فون پر بتا دیا تھا کہ دس کلو ہیروئن کی گمشدگی میں اس کے آدمی کا کوئی قصور نہیں

تھا لیکن اس وقت تک شاید اس پر بے پناہ تشدد کیا جا چکا تھا اور میری طرف سے اطلاع ملنے کے بعد ہی اسے موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش رنگا کے علاقے میں پھینک دی گئی تھی تاکہ رنگا یا اس کے کسی آدمی کو اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی جائے۔

"کہاں چلے گئے تاجی۔"

حریری کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ "اوہ۔" میں نے کہا۔ "کچھ نہیں۔ میں اس لاش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا تم نے وہ لاش دیکھی ہے۔ جانتے ہو اسے؟" حریری نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے نہ تو وہ لاش دیکھی ہے اور نہ ہی اسے جانتا ہوں لیکن کیا رنگا نے کل رات کے بارے میں تمہیں کچھ بتایا تھا۔ میں نے ایک ڈیڑھ بجنے کے قریب فون کیا تھا۔"

"رنگا اگرچہ مجھے ان معاملات سے الگ رکھتے ہوئے ہے لیکن وہ کوئی بات مجھ سے چھپاتا نہیں ہے۔" حریری نے جواب دیا۔ "کل رات تم نے تحریکی کے کسی آدمی سے بڑی مقدار میں ہیروئن چھینی تھی۔"

"اتفاق سے ہاتھ لگ گئی تھی۔" میں نے تصحیح کی۔ "تحریکی نے پوچھ گچھ کیلئے اسے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ مجھے یقین ہے یہ اسی شخص کی لاش ہو گی جسے رنگا کے علاقے میں پھینک دیا گیا تاکہ رنگا کو کسی چکر میں پھنسایا جا سکے۔ بہرحال ایک نمبر نوٹ کرلو۔ رنگا سے کہنا اس نمبر پر فون کر لے۔"

"بات کیا ہوا تھا واجب؟" حریری نے پوچھا۔ "کیا گڑبڑ تھا۔ تم کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا اور پھر اسے گزشتہ رات کے واقعہ کے بارے میں بتانے لگا۔ "اب میں دوسری جگہ پر ہوں اور بالکل محفوظ ہوں۔"

"اپنا جان کا خیال رکھو واجب۔" حریری نے کہا۔

ان الفاظ میں نجانے کیا بات تھی کہ میں اپنے سینے میں گدگدی سی محسوس کرنے لگا۔ میں حریری کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ اس نے یہ سب کچھ محض ہمدردی کی بنا پر ہی کہا ہوگا جو لڑکی ایک شیدی کیلئے اپنا وطن چھوڑ کر آ سکتی تھی وہ کسی اور کے بارے میں کیوں سوچنے لگی۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ جب میں اس کے بارے میں سوچتا تھا تو مجھے عجیب سا لگتا تھا۔ حریری قدرت کا ایک حسین شاہکار تھی اور رنگا کالا بھوت ان کی جوڑی بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔

"پھر غائب ہو گئے واجب۔"

حریری کی آواز سن کر میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔

"نن ... نہیں ... میں نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

جواب میں حریری کے حلق سے قہقہے کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

لائن بند ہو چکی تھی لیکن میں فون کا ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ نقرئی قہقہے کی آواز اب بھی میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ تحریکی کی کوٹھی بھی گلشن اقبال میں

تھی۔ وہ اگرچہ بلاک سکس میں تھا۔ بلاک سکس اور تھرٹین کے بیچ ایک بڑی شاہراہ تھی۔ شاپنگ سنٹرز اکا دکا مارکیٹیں اور دکانیں وغیرہ اس شاہراہ پر یا اس سے ملحق گلیوں میں تھیں۔ دونوں بلاکوں کے رہنے والے لوگ شاپنگ اور روزمرہ کی خرید و فروخت کیلئے اس طرف آتے تھے۔ ظاہر ہے نہ تو نرگس اور میں زیادہ دنوں تک گھر میں قید ہو کر رہ سکتے تھے اور نہ ہی تحریکی یا اس کے آدمیوں کو اس طرف آنے سے روکا جا سکتا تھا۔

اس طرح کسی غیر متوقع تصادم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بلاک سکس میں تحریکی کی موجودگی کا انکشاف رنگا نے کیا تھا۔ اس روز جب میں نے حریری کو پیغام دیا تھا تو دوپہر کے تھوڑی ہی دیر بعد رنگا کا فون آ گیا تھا اور جب میں نے اسے اپنے ٹھکانے کے بارے میں بتایا تو اس نے انکشاف کیا تھا کہ تحریکی بھی قریب ہی جوار میں موجود ہے۔ اس نے مجھے اس کے بنگلے کا نمبر بھی بتا دیا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں عجلت میں کوئی قدم نہ اٹھاؤں۔ وہ ذرا پولیس والے معاملے سے فارغ ہو جائے تو کوئی پروگرام بنائیں گے۔ میں نے رنگا سے اس کے علاقے سے ملنے والی لاش کے بارے میں بھی دریافت کیا تھا اور اس نے جو حلیہ بتایا تھا اس سے تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ وہی آدمی تھا جو اس رات ایک حسین عورت کے ساتھ بندو خان کے ہوٹل میں کھانا کھانے آیا تھا۔ کھانا تو ایک بہانہ تھا اسے تو دس کلو ہیروئن کا تھیلا تحریکی کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا جسے میں نے اڑا لیا تھا اور وہ شخص بعد میں ان کے تشدد سے ہلاک ہو گیا تھا جس کی لاش رنگا کے علاقے میں پھینک دی گئی تھی۔

تین چار دن ہم گھر سے باہر نہیں نکلے۔ سامنے والی مسز ریحان جس کا اپنا نام زبیدہ تھا مکمل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ نرگس کو پسند کرنے لگی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ نرگس کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہا تھا لیکن نرگس نے ہر بار طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے ٹال دیا تھا۔

مجھے تحریکی کے کئی آدمی پہچان چکے تھے۔ نرگس پہلے کبھی ان کی نظروں میں آ گئی تھی لیکن میرے خیال میں اس کیلئے زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ وہ برقع پہن کر باہر نکل سکتی تھی۔ البتہ میرے لئے فی الحال باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ تحریکی کے آدمی شکاری کتوں کی طرح مجھے پورے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے اور پھر میرے پلے کا اڈا بھی تو اسی علاقے میں تھا۔ وہ بلاک سکس کے آس پاس سڑکوں پر گھوم پھر کر ٹوپیاں بیچتا تھا۔ گھومنے پھرنے کی صورت میں میں کسی بھی وقت اس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔

رنگا سے بھی مجھے اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ تحریکی واقعی پاگل ہو رہا تھا اور اس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ رنگا کے کہنے کے مطابق اس نے رضیہ کو کم از کم دو مرتبہ سالار کے ساتھ اس علاقے میں گھومتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید رنگا نے مجھے اپنے علاقے میں کہیں چھپا رکھا ہے۔

ان دونوں گروہوں میں سرد جنگ چل رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ کسی دن ان میں ایسا خوفناک تصادم ہوگا کہ کراچی شہر لرز اٹھے گا۔ ان کی یہ جنگ بہت پرانی تھی اور اتفاق سے میں بھی ایک فریق بن گیا تھا۔ میرا ابھی تحریکی سے پرانا جھگڑا چل رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک ہم میں براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ لاہور میں پہلے شاہ جی اور پھر رضیہ سے سلسلہ شروع ہوئی تھی پھر کراچی آ کر میں نے بندرگاہ پر شاہ جی کا مال پکڑوا دیا اور اس کے بعد ہی یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ اس گروہ کا اصل سرغنہ تحریکی تھا۔ رضیہ اور شاہ جی

وغیرہ تو محض مہرے تھے۔

بعض انکشافات بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوئے تھے۔ رنگا سے دوستی کر کے میں براہ راست اس معاملے میں ملوث ہو گیا تھا اور اسی رات میں نے محض رنگا کی وجہ سے بیس کلو ہیروئن کا وہ بنڈل اڑایا تھا اور میری اس حرکت کی وجہ سے اس شخص کی جان گئی تھی اور پھر میں نے یہ حماقت کی تھی کہ اپنے بارے میں اطلاع دے کر ان خونخوار درندوں کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔ اس رات نرگس کی کھوپڑی کام کر گئی تھی اگر وہ دور کی کوڑی نہ لاتی تو ہم دونوں اس رات مارے جا چکے ہوتے۔

اس بنگلے میں آئے ہوئے آٹھ دس روز گزر چکے تھے۔ میں تو ایک مرتبہ بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ البتہ نرگس کئی مرتبہ زبیدہ کے ساتھ مارکیٹ آ جا چکی تھی۔ وہ برقع پہنتی تھی۔ اور برقع میں کسی عورت کو پہچان لینا ممکن نہیں ہوتا۔ اس رات کھانا کھانے کے بعد میں اور نرگس تاش کھیل رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میں قریب بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ رنگا کی کال تھی۔

"آج ایک اور موقع ہے دوست۔" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"تمہارا دوست شاہ جی رات دو بجے کی فلائٹ سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس کے پاس مال ہے۔ پورے بیس کلو۔"

مجھے شاہ جی سے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن بیس کلو والی بات سن کر میں اچھل پڑا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا رنگا۔" میں نے پوچھا۔

"میں ادھر خاموش تو نہیں بیٹھا ہوں دوست۔" رنگا نے جواب دیا۔ "میں نے لاہور میں بھی اپنے آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ وہ شاہ جی کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہ مال کل اسے پشاور سے ملا ہے جسے لے کر وہ آج یہاں پہنچ رہا ہے۔"

"لیکن جہاز پر وہ اتنا مال کیسے لا سکتا ہے۔ ایئرپورٹ پر تو بڑی سخت چیکنگ ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"پیسے میں بڑی طاقت ہے دوست۔" رنگا نے کہا۔ "اپنی مٹھی ڈھیلی کرو اور جو چاہو کر لو۔ بہرحال مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے اطلاع ملی ہے۔ وہ دو بجے کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہا ہے۔ میرا ایک آدمی بھی اس فلائٹ میں ہوگا۔"

"کیا چاہتے ہو رنگا؟" میں نے پوچھا۔

"کل تحریکی نے میرے ایک آدمی کو اٹھا لیا تھا۔" رنگا کہہ رہا تھا۔ "اس کی دو پسلیاں اور ایک ٹانگ توڑ کر سڑک پر پھینک دیا۔ میں نے بہت صبر کر لیا ہے دوست۔ اب میں تحریکی کو بتانا چاہتا ہوں کہ رنگا بے بس نہیں۔"

"تم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے اپنا پروگرام بتا دو۔" میں نے کہا۔

"میں ایک بجے تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" رنگا نے جواب دیا۔ "ہم شاہ جی کو تحریکی کے بنگلے تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے رنگا میں تمہیں تیار ملوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور نرگس کو رنگا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ نرگس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تاش کے پتے پھینک دیئے اور کچن میں گھس گئی۔ میں سمجھ گیا۔ وہ جب بھی کسی قسم کی ٹینشن محسوس کرتی تھی بڑی سٹرونگ چائے یا کافی ضرور پیتی تھی۔ اس سے اس کے اعصاب کو سکون ملتا تھا۔ اور اس وقت بھی شاید وہ کسی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

وہ تقریباً بیس منٹ بعد کافی بنا کر لے آئی۔ میں نے کپ اٹھا کر ایک چسکی لی۔ کافی بے حد سٹرونگ مگر خوش ذائقہ تھی۔ اور حقیقت تو یہ تھی کہ رنگا سے گفتگو کے بعد میں خود بھی ایسی سٹرونگ کافی کی طلب محسوس کرنے لگا تھا۔

"پتہ نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں۔" نرگس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "ہم تو یہاں اس لئے آئے تھے کہ آرام اور سکون کی زندگی گزار سکیں گے لیکن۔"

"تحریکی والا نمٹا نمٹ جائے تو یہ قصہ ختم ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو نہیں لگتا کہ ہم اس دلدل سے کبھی نکل سکیں گے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "نجانے کیا بات ہے آج کل میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگی ہوں۔ ایک انجانا سا خوف ہے جو ہر وقت دماغ پر طاری رہنے لگا ہے۔ عجیب و غریب وہم اور وسوسے آتے رہتے ہیں۔"

"ڈر خوف اور وسوسے ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اگر ان چیزوں کو دل میں جگہ دے دی جائے تو جینا دشوار ہو جائے گا ویسے تم تو بڑی حوصلہ مند ہو۔ یہ سب کچھ غیر معمولی تو نہیں ہے پھر کس بات کا خوف؟"

"پتہ نہیں گھبراہٹ سی رہنے لگی ہے۔" نرگس نے جواب دیا۔ ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں نرگس کو تسلی دیتا رہا اور پھر ساڑھے بارہ بجے کے قریب میں نے کپڑے تبدیل کئے تو وہ بولی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔"

"نہیں نرگس۔" میں نے منع کر دیا۔ "پتہ نہیں کس قسم کی صورتحال کا سامنا ہو۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔ میرے جانے کے بعد تم دروازے لاک کر لینا اور بہتر ہوگا کہ تم سو جاؤ۔ میری واپسی پتہ نہیں کس وقت ہو۔"

میں بڑی مشکل سے نرگس کو گھر پر رہنے پر آمادہ کر سکا تھا۔ ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ میں گیٹ سے باہر آ گیا۔ رنگا کے کسی آدمی نے یہ مکان دیکھا نہیں تھا۔ میں نے اسے صرف نمبر بتایا تھا اور راستہ سمجھا دیا تھا اور میں یہ سوچ کر باہر آ گیا تھا کہ انہیں مکان تلاش کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ میں نے اپنا پستول نرگس کو دے دیا۔ وہ بھی میرے ساتھ گیٹ میں کھڑی تھی۔ ایک بجنے کے لگ بھگ ایک گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی تو میں نے نرگس کو اشارہ کیا۔ وہ گیٹ بند کر کے اندر چلی گئی۔

وہ سیاہ رنگ کی ایک وین تھی۔ گلی میں داخل ہوتے ہی اس کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی اور پھر میرے قریب آ کر وہ رک گئی۔ وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگریالے بالوں والا سیاہ فام حبشی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چہرہ میرے لئے اجنبی تھا۔ وین کی کھڑکیوں کے شیشوں پر پلاسٹک کی ایسی شیٹس لگی ہوئی تھیں جن سے

اندر سے باہر تو دیکھا جا سکتا تھا لیکن باہر سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں وین کے پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن وین کے رکتے ہی پچھلا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

''اندر آ جاؤ راجہ۔''

دو ٹیڈی کی آواز تھی۔ میں وین میں سوار ہو گیا۔ دروازہ بند ہوا اور وین حرکت میں آ گئی۔ وین میں اندھیرا تھا اور چند سیکنڈ کے بعد ہی میری آنکھیں اس اندھیرے سے مانوس ہو سکی تھیں۔ وین میں ٹیڈی کے ساتھ رنگا بھی بیٹھا ہوا تھا۔

وین گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آ کر ایئرپورٹ کی طرف دوڑتی رہی اور میں رنگا اور ٹیڈی سے باتیں کرتا رہا۔

ایئرپورٹ پر وین پارکنگ پلاٹ پر ایسی جگہ پر کھڑی کر دی گئی جہاں سے ہم روانگی لاؤنج سے برآمد ہونے والے لوگوں پر بھی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ رنگا نے وین کے ڈرائیور کو اکرم کے نام سے مخاطب کر کے بلوچی زبان میں کچھ کہا۔ وہ وین سے اتر کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے بتایا کہ لاہور کی پرواز ٹھیک وقت پر ہی آنے والی تھی۔

پونے دو بجے کے قریب ہمارے بائیں طرف چند گز کے فاصلے پر سفید رنگ کی نئے ماڈل کی ایک ٹویوٹا کار آ کر رکی۔ اس کار میں سے رضیہ کو برآمد ہوتے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ میں نے اپنی سیٹ پر جلدی سے رخ بدل لیا لیکن مجھے فوراً ہی خیال آ گیا کہ باہر کا کوئی شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور سفید ٹویوٹا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت ڈرائیونگ سائیڈ سے سالار بھی اتر رہا تھا۔

رنگا میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت ٹویوٹا کی طرف تھی اس لئے وہ ان لوگوں کو نہیں دیکھ سکا تھا۔

''پیچھے مڑ کر دیکھو رنگا۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ رضیہ ہے اور اس کے ساتھ سالار ہے۔ تحریکی کا آدمی۔''

رنگا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

رضیہ اس وقت ہیئر برش سے بال درست کر رہی تھی۔ پھر اس نے برش کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ میں رکھا اور سالار کے ساتھ پارکنگ سے نکل کر ٹرمینل کی طرف چلے گئی۔

''قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔'' رنگا نے کہا۔ اب ہم لوگوں کو وین سے اترنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لوگ واپسی ادھر ہی آئے گا۔''

رنگا نے ٹھیک ہی کہا تھا ہمیں وین سے اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم ہمیں تقریباً پون گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میری نظریں مسلسل رضیہ اور سالار پر مرکوز رہی تھیں جو روانگی لاؤنج کے سامنے ٹہل رہے تھے۔

پونے تین بجے کے قریب شاہ جی ٹرالی دھکیلتا ہوا روانگی والے گیٹ سے برآمد ہوا۔ ٹرالی پر پھلوں کی دو پیٹیاں اور ان کے اوپر سیاہ رنگ کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ ان

انہی پیٹیوں میں ہوگی۔ وہ کتنی آزادی سے مال لے کر آیا تھا۔ سرکاری محکموں کے اہلکار کس حد تک کرپشن کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

ان تینوں کا رخ پارکنگ پلاٹ کی طرف تھا کچھ اور مسافر بھی اس طرف آ رہے تھے۔ پارکنگ پلاٹ کے کنارے والے فٹ پاتھ پر پہنچ کر شاہ جی وغیرہ رک گئے۔ بریف کیس رضیہ نے سنبھال لیا۔ ایک پیٹی شاہ جی نے اٹھائی اور دوسری سالار نے۔

ہم وین میں بیٹھے ان ہی کی طرف دیکھتے رہے۔ ہم ان سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھے اور وہ ہم سے بے خبر تھے۔

دونوں پیٹیاں کار کی ڈگی میں رکھ دی گئیں۔ سالار نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔ رضیہ اور شاہ جی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار حرکت میں آ گئی۔

''اکرم تم اپنا پستول والیہ کو دے دو اور کار کا تعاقب کرو۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ ان لوگوں کو شبہ نہ ہونے پائے۔'' رنگا نے سیٹ پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو والیہ۔'' ڈرائیور نے اپنا پستول مجھے دے دیا اور سنبھل کر بیٹھتے ہوئے انجن سٹارٹ کر دیا۔

اس وقت تین بجے کے بعد دیگرے کئی انٹرنیشنل فلائٹس بھی آئی تھیں۔ ایئرپورٹ اور اس کے آس پاس آمد و رفت کی سڑکوں پر رونق تھی۔ کئی گاڑیاں اپنے مہمانوں کو لے کر واپس جا رہی تھیں۔ ان کا رخ شاہراہ فیصل کی طرف تھا۔ رضیہ والی سفید ٹویوٹا بھی اسی طرف جا رہی تھی لیکن پھر اچانک ہی وہ دائیں طرف ایک تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔ یہ تنگ سی سڑک ایئرپورٹ کے علاقے میں چکر کاٹتی ہوئی ایئرپورٹ کے پچھلی طرف گلستان جوہر سے جا ملتی تھی۔ ایئرپورٹ کے پچھلی طرف کا علاقہ ویران تھا ... کبھی ٹوٹی ہوئی تھی اس سے آگے گلستان جوہر کا وہ علاقہ بھی ابھی انڈر ڈیولپمنٹ تھا۔ دن کے وقت تو اس طرف تھوڑا بہت ٹریفک رہتا تھا لیکن رات کو تو بہت کم لوگ اس طرف آنے کی ہمت کرتے تھے۔ اس سے آگے گلشن اقبال کیلئے یہ راستہ اگرچہ قریب پڑتا تھا لیکن رات کے اندھیرے میں لوگ اس طرف آنے سے گریز کرتے تھے لیکن رضیہ والی گاڑی اس طرف مڑتے دیکھ کر مجھے کچھ حیرت بھی ہوئی تھی کہ انہوں نے اس راستے کا انتخاب کیوں کیا تھا جبکہ ان کے پاس بیس کلو ہیروئن بھی تھی۔

''یہ لوگ واقعی بیوقوف ہیں۔'' میں نے رنگا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''انہیں اس غیر آباد اور سنسان راستے کے بجائے شارع فیصل کی طرف سے جانا چاہیے تھا۔''

''شارع فیصل پر زیادہ خطرہ ہے۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''شارع فیصل پر سادہ لباس پولیس والے ایئرپورٹ سے آنے والوں کو روک کر پریشان کرتے ہیں۔ یہ پولیس سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لحاظ سے اس سنسان راستے پر زیادہ خطرہ نہیں ہے۔''

رنگا نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا۔

رضیہ والی کار ایئرپورٹ کے پچھلی طرف کچے راستے پر نکل آئی تھی۔ ہم اس سے تقریباً چالیس گز کے فاصلے پر تھے۔ ہمارے پیچھے بھی ایک کار تھی اور ٹھیک کچے راستے پر پیچھے آنے والی کار ہماری اور رضیہ کی

کارکواوورٹیک کرتے ہوئے آگے نکل گئی۔

کچھ راستے کے اختتام پر ایک سڑک تو رن وے جیسے ’کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی اور دوسری بائیں طرف ایک پلیا کے اوپر سے ہوتی ہوئی گلستان جوہر میں داخل ہو جاتی تھی۔ اس کشادہ سڑک کے دونوں طرف بڑے بڑے پلازہ زیر تعمیر تھے۔ ابھی کام ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس سڑک پر زیادہ سناٹا تھا تاہم دو موڑ آگے وہ چورنگی تھی جہاں سے آبادی شروع ہو جاتی تھی اور اسی چورنگی کے آس پاس پولیس کی کسی وین کی موجودگی کا امکان تھا۔

"اکرم۔" رنگا نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اس گاڑی کو روکو۔"

"ابھی او واجی۔" اکرم نے جواب دیا اور وین کی رفتار ایک دم بڑھا دی اور پھر چند ہی سیکنڈ میں وہ وین کو سفید ٹویوٹا سے آگے لے آیا اور اس کار کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

وین رکتے ہی میں اور ٹیڈی چھلانگ لگا کر نیچے اتر آئے۔ ٹیڈی کار کے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھولا اور رضیہ کو بازو سے پکڑ کر کار سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

دوسری طرف رنگا نے بھی شاہ جی کو پکڑ کر کار سے باہر کھینچ لیا تھا۔

"کک کون ہو تم لوگ۔ کیا چاہتے ہو؟" شاہ جی کے منہ سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔

اس دوران رضیہ اپنے آپ پر کسی حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس نے میری شکل دیکھی تو ایک دم چیخ اٹھی۔

"تت۔ تم... میں..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ حرامی۔" وہ میرے ہاتھ میں پستول کی پروا کیے بغیر مجھ پر جھپٹ پڑی۔ میں نے اس کے منہ پر بھرپور تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ چیختی ہوئی تیورا کر نیچے گر پڑی۔ میں نے ایک زوردار ٹھوکر بھی رسید کر دی تھی۔ دوسری طرف شاید شاہ جی نے بھی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تھی۔ رنگا نے اس کے منہ پر پستول کی نال سے ضرب لگائی تو وہ بھی چیختا ہوا کار سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ رنگا نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

"نہیں رے۔"

ٹیڈی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے سالار کی طرف لپکا تھا۔ آگے جھک کر اس نے سالار کو دو تین گھونسے جڑ دیے اور گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

"اس کو بولو کار کا ڈکی کھولے۔" رنگا نے کہا۔

ٹیڈی نے سالار کو زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کار کی ڈکی کھولنے کا حکم دیا۔ سالار نے اگنیشن سے چابیوں کا گچھا نکالا اور کار کے پچھلی طرف آ گیا۔ اس نے ایک چابی نکال کر ڈکی کا لاک کھول دیا۔

"تم تینوں اس طرف بھاگ جاؤ۔ جلدی کرو ورنہ گولی مار دوں گا۔" رنگا نے شاہ جی اور سالار کو ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔

رضیہ ابھی تک زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہو سکی تھی اور پھر ان تینوں نے ٹیلوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ رضیہ دو مرتبہ ٹھوکر کھا کر گری تھی لیکن اس نے دوبارہ اٹھ کر بھاگنے میں دیر

نہیں لگائی تھی۔

میں نے پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا شاہ جی کا سیاہ بریف کیس اٹھا لیا اور ٹیڈی نے بڑی پھرتی سے ڈکی میں رکھی ہوئی پھلوں کی دونوں پیٹیاں کار کی ڈکی سے نکال کر وین میں منتقل کر دیں اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے تھے۔

وین تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی۔ یہ سب کچھ دو منٹ کے اندر اندر اور بڑی آسانی سے ہو گیا تھا۔ وہ نہایت بودے ثابت ہوئے تھے۔ معمولی سی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔

میرا خیال تھا کہ میں راستے میں کسی جگہ اتر جاؤں گا لیکن وین گلشن اقبال کی طرف جانے کے بجائے دوسرے راستوں سے ہوتی ہوئی اندرون شہر کی طرف جا رہی تھی۔

اور جب ہم رنگا کے اڈے پر پہنچے تو چار بجنے والے تھے۔ وین اس پرانی اور خستہ سی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر رک گئی جہاں سب سے پہلے میری ملاقات ٹیڈی اور حضوری سے ہوئی تھی۔ دونوں پیٹیاں اوپر پہنچا دی گئیں۔ شاہ جی کا بریف کیس میرے پاس تھا۔ وین عمارت سے نکل کر کہیں اور چلی گئی تھی۔

پھلوں کی وہ دونوں پیٹیاں اسی کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں پہلے روز رنگا سے ملاقات سے پہلے مجھے تھوڑی دیر کیلئے روکا گیا تھا۔ وہاں حضوری کے علاوہ دو آدمی اور بھی تھے اور ان کے چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔

"پیٹیاں کھولو۔" رنگا نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

پیٹیاں لکڑی کی تھیں۔ ان کے اوپر لوہے کی پتلی پتلی پتیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ ٹیڈی نے ایک دیوار گیر الماری سے پلاس نکال لیا اور ایک پیٹی کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پتیاں کاٹنے لگا اور پھر وہ لکڑی کی پھٹیاں اکھاڑنے لگا۔

اس پیٹی میں کریلے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے رنگا کی طرف دیکھا۔ کریلے دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ ٹیڈی پہلے تو دو دو چار چار کریلے اٹھا کر باہر ڈالتا رہا پھر اس نے پیٹی الٹ دی۔ اس میں کریلے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ٹیڈی اور اس کے ساتھی کریلے توڑ توڑ کر دیکھنے لگے۔ خیال تھا کہ شاید ان میں ہیروئن بھری ہوئی ہو لیکن وہ کریلے ہی تھے۔

"دوسری پیٹی کھولو۔" رنگا کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

دوسری پیٹی کھولنے میں رنگا نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور اس میں بھی کریلے ہی تھے۔ بیس کلو تو کیا ان میں ہیروئن کی دس گرام کی ایک پڑیا تک برآمد نہیں ہوئی تھی۔

میں نے ایک بار پھر رنگا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے اور پھر جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ وہ پیروں سے کریلوں کو کچلنے لگا اور پھر انہیں ٹھوکریں مارتا رہا۔ کریلے پورے کمرے میں فرش پر بکھرتے گئے۔

میں نے آگے بڑھ کر رنگا کو بازو سے پکڑ لیا۔ ایک طرف سے ٹیڈی نے اسے بازو سے تھام لیا اور ہم اسے آگے والے کمرے میں لے آئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں رنگا سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

میں نے اسے کشن پر بٹھا دیا۔

"ایسا دھوکا۔" رنگا کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔ "یہ اس حرامی تحریکی کی چال تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ اطلاع لاہور سے رسول بخش نے دی تھی۔ اسے بھی اسی فلائٹ پر آنا تھا۔ وہ جیسے ہی یہاں پہنچے اسے میرے پاس لے کر آنا۔"

"میں نے اسے روانگی لاؤنج والے گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے گھر چلا گیا ہو یا یہاں پہنچنے والا ہو۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ اور پھر دس منٹ بعد ہی رسول بخش نامی وہ شخص بھی پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر رنگا پر ایک بار پھر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے رسول بخش کو دھنک کر رکھ دیا۔

"تم کو اس لئے لاہور بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ یہ دھوکا ہو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "ہمیں اس طرح بے وقوف بنایا انہوں نے جیسے کسی بچے کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔"

"میری اطلاع بالکل درست تھی واجہ۔" رسول بخش نے کراہتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ رنگا اس پر پھر ہاتھ اٹھاتا یا کچھ کہتا فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ حضوری نے ریسیور اٹھالیا۔ ہیلو کہنے کے بعد چند لمحے دوسری طرف سے کچھ سنتا رہا پھر ریسیور رنگا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تمہارا فون ہے واجہ۔"

رنگا کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ میں نے بھی اس وقت گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔ ساڑھے چار بج رہے تھے۔ میں پھر رنگا کی طرف دیکھنے لگا۔ فون پر بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑتے جا رہے تھے۔ وہ بلوچی میں کچھ کہتا تو اس کے منہ سے ایک دو گالیاں ضرور نکلتیں۔ میں اس کی باتوں اور چہرے کے تاثرات سے کچھ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس کی کال ہو سکتی ہے۔

"میرا ایک بات سن لو حرامی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اب ہمارے اور تمہارے درمیان آخری معرکہ ہوگا اور یقین کرو کہ اس مرتبہ میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔ ہاں ہاں تمہارا دوسرا باپ بھی یہاں موجود ہے لو اس سے بھی بات کر لو۔"

اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"کیسی رہی ناجی۔" ہیلو کے جواب میں تحریکی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کیا تم تحریکی کو بے وقوف سمجھتے ہو کہ ہر مرتبہ تمہارے فریب کا شکار ہو جائے گا۔ تمہارے لئے تو میرے پاس کچھ اچھی گرما گرم خبریں ہیں کہ تمہاری طبیعت صاف ہو جائے گی۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "رنگا کے آدمی کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ رسول بخش کئی روز پہلے شاہ جی کی نظروں میں آ گیا تھا۔ تم دونوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ سکیم میں نے بنائی تھی۔ شاہ جی تو اپنے ساتھ میں کلو کر ہیلے لے کر آیا اور کریلے وہ سبزی ہے جس سے رنگا کو بچپن ہی سے شدید نفرت ہے۔ بہرحال اس جہاز پر ہمارا دوسرا آدمی بیس کلو ہیروئن لے کر آ رہا تھا۔ تم لوگ شاہ جی کے پیچھے لگ گئے اور ہمارا دوسرا آدمی مال لے کر آرام سے یہاں پہنچ گیا اور شاہ جی وغیرہ راستے میں آسانی سے تم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ کیا تم انہیں اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو کہ کروڑوں کا مال لے کر ویرانے کی طرف نکل جاتے۔ نہیں ناجی بیوقوف تو ہم نے تمہیں بنایا

اور اب تمہارے لئے ایک اور خبر لیکن اس سے پہلے یہ آواز سن لو۔ تم یقیناً پہچان لو گے۔" ایک لمحے کو خاموشی رہی اور اس کے بعد ریسیور پر جو آواز سنائی دی اس نے تو مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"ناجی مجھے ان بھیڑیوں سے بچا لو یہ لوگ مجھے۔" وہ نرگس کی آواز تھی۔ جسے پہچاننے میں مجھے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد دوبارہ تحریکی کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم نے اس آواز کو ضرور پہچان لیا ہوگا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہاری اس چھیتی کو کئی روز پہلے رضیہ کے ساتھ جانک تھری کی مارکیٹ میں دیکھا گیا تھا۔ وہ تو اسی وقت نرگس کا تیا پانچہ کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن اتفاق سے میں اس کے ساتھ تھا۔ میں نے رضیہ کو روکے رکھا۔ نرگس کا تعاقب کر کے ہم نے تمہارے ٹھکانے کا پتہ چلا لیا۔ میں موقع کی تلاش میں تھا اور آج میں نے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں تمہیں اور رنگا دونوں کو بیک وقت سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ رنگا کیلئے تو سرپرائز یہ ہے کہ اسے کریلے بھیج کر بے وقوف بنایا گیا اور تمہارے لئے سرپرائز یہ ہے کہ تمہاری دوست اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ اگر تم دس کلو ہیروئن کا تھیلا میرے حوالے کر دو تو نرگس کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ بصورت دیگر تم جانتے ہو کہ تحریکی اس سے کس طرح خار کھائے بیٹھی ہے وہ اس کے اتنے ٹکڑے کر دے گی کہ تم گن بھی نہیں کر پاؤ گے۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دے رہا ہوں۔ میرا فون نمبر تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر یہ ڈیل منظور ہو تو اطلاع دے دینا اور ایک بات ذہن میں رکھنا کسی قسم کی مہم جوئی کی کوشش نہ صرف نرگس کی موت کا باعث بن جائے گی بلکہ تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔ میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ رنگا وغیرہ نے میرے چہرے کے تاثرات سے میری کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"وہ کیا بولا تم کو؟" رنگا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ نرگس کو اغوا کر لے گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں رے۔" ٹیڈی ایک دم بول پڑا۔

"نرگس اس کے قبضے میں ہے۔ مجھے فون پر اس کی آواز بھی سنائی گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ بلف تو نہیں کر رہا؟" رنگا نے کہا۔

"نہیں میں نرگس کی آواز پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا۔ "تحریکی نے مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں نے وہ دس کلو ہیروئن اس کے حوالے نہیں کی تو وہ نرگس کو قتل کر دے گا۔"

"ہیروئن۔" رنگا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ "وہ ہیروئن کہاں ہے۔ میں تو سمجھ تھا کہ تم نے اسے ضائع کر دیا ہوگا۔"

"اسی مکان میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے حیرت ہے انہیں وہاں سے ہیروئن کیوں نہیں ملی۔ انہوں نے فیڈرل بی ایریا والے بنگلے پر چھاپہ مارا تھا تو ہیروئن کی تلاش میں ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی تھی۔ انہوں نے یہاں بھی تلاشی لی ہوگی۔ وہ تھیلا کسی ایسی جگہ پر نہیں رکھا گیا تھا کہ نظروں میں نہ آ سکتا لیکن۔"

"چلو واجد۔" رنگا اٹھتے ہوئے بولا۔ "ابھی چلو۔ دیکھتے ہیں کیا قصہ ہے۔"

رنگا نے ٹیڈی کو اشارہ کیا۔ وہ ہم سے پہلے ہی باہر نکل گیا اور چند منٹ بعد جب ہم کمرے سے نکل کر نیچے آئے تو بلڈنگ کمپاؤنڈ میں وہی ویگن موجود تھی اور ٹیڈی سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں پچھلی سیٹوں پر آ کے سامنے بیٹھ گئے اور ویگن حرکت میں آ کر عمارت سے باہر نکل گئی۔

سڑکوں پر ٹریفک اس وقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ ٹیڈی بڑی تیز رفتاری سے ویگن ڈرائیو کر رہا تھا۔ لیاری سے گلشن اقبال تک پہنچنے میں پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

پانچ بج چکے تھے۔ صبح ہونے کو تھی اور گلی سنسان پڑی تھی۔ ٹیڈی نے گاڑی بنگلے کے سامنے روک دی۔ میں اور رنگا تھیلا تک لگا کر ویگن سے اتر آئے۔ ٹیڈی بھی انجن بند کر کے نیچے آ گیا تھا۔

گیٹ لاک نہیں تھا۔ برآمدے والا دروازہ بھی محض بھڑا ہوا تھا۔ اندر لاؤنج کی بتی جل رہی تھی۔ ایک صوفہ اور دو کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ صورتحال کا اندازہ لگانے میں مجھے دشواری پیش نہیں آئی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ یہاں بھی صورتحال ناگفتہ بہ تھی۔ صاف اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہاں کسی قسم کی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ الماری کے پٹ کھلے ہوئے تھے اور کپڑے باہر فرش پر بکھرے ہوئے تھے لیکن الماری کا سب سے نیچے والا حصہ لاک تھا۔

میں نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک چابی منتخب کر کے الماری کا نچلا خانہ کھولنے لگا۔ دراز کھلتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دونوں تھیلے وہاں موجود تھے۔

آہٹ سن کر میں پیچھے مڑ گیا۔ رنگا دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے وہ دونوں تھیلے الماری سے نکال کر بیڈ پر پھینک دیئے۔

"یہ کیا ہے؟" رنگا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہیروئن ہے۔" میں نے اس تھیلے کا منہ کھول دیا۔ "انہوں نے الماری کی تلاشی لی تھی لیکن مجھے حیرت ہے نیچے والا خانہ کیوں نہیں کھولا۔ ہیروئن والا یہ تھیلا اسی میں رکھا ہوا تھا۔"

"اور یہ دوسرے تھیلے میں کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ زیورات ہیں۔" میں نے کہا اور مختصر طور پر ان زیورات کے بارے میں بتانے لگا۔ "میں نے سوچا تھا ان زیورات کو فروخت کر کے یہاں کوئی چھوٹا سا بزنس شروع کروں گا لیکن یہاں آتے ہی گڑبڑ شروع ہو گئی اور میں پتلے کی طرح اس دلدل میں پھنستا چلا گیا۔"

"ایک بات ہے واجد۔" رنگا نے کہا۔ "آدمی اس دھندے میں آ تو جاتا ہے مگر نکل نہیں سکتا۔ موت ہی اسے نجات دلاتی ہے۔"

اس نے بات کرتے ہوئے زیورات والا تھیلا کھولا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ہو سکتا ہے نرگس نے شور مچا دیا ہو اور پڑوسیوں کی مداخلت کے اندیشے سے انہیں پوری طرح تلاشی لینے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ لوگ نرگس کو لے کر بھاگ گئے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔" میں نے کہا اور پھر اسی لمحہ کال بیل کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔ جہاں ٹیڈی کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس دوران کال بیل کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں برآمدے میں پہنچا تو باہر مختلف آوازیں سن کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آ گیا۔

گیٹ کے سامنے دس بارہ آدمی تھے۔ ان میں سب سے آگے ریحان تھا۔ زبیدہ کا شوہر۔ میں نے اسے پہلے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا۔

"ریحان صاحب۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ وہ کون لوگ تھے؟ آپ لوگوں نے میری بیوی کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

اور پھر ریحان نے جو بات بتائی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا ہوگا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ اپنے کمرے میں لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ دو بجے کے قریب گلی میں کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اسے کچھ تجسس سا ہوا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ جہاں ایک کھڑکی سے باہر گلی میں دیکھا جا سکتا تھا۔ ایک آدمی میرے بنگلے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی سے ایک عورت اور ایک آدمی اتر کر بنگلے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کسی طرح برآمدے والا دروازہ بھی کھول لیا اور وہ تینوں اندر غائب ہو گئے۔

اندر سے نسوانی چیخوں کی آواز سنائی دی تو اس نے زبیدہ کو بھی جگا دیا۔ انہیں یہ اچھی طرح احساس تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے لیکن وہ باہر آنے کی ہمت نہیں کر سکے اور پھر بنگلے سے ایک فائر کی آواز سن کر ریحان نے اپنا لائسنس یافتہ پستول نکال لیا اور اندرونی زینے سے چھت پر چڑھ کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

گلی کے دوسرے گھروں میں بھی لوگ جاگ گئے تھے۔ بعض دوسرے گھروں سے بھی ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی۔

ریحان کے کہنے کے مطابق میرے بنگلے میں گھسنے والے لوگ میری بیوی کو گھسیٹتے ہوئے باہر لائے اور کار میں ڈال کر فرار ہو گئے۔

ریحان کے کہنے کے مطابق اس کے گھر میں ٹیلی فون نہیں تھا لیکن بعض دوسرے گھروں سے ٹیلی فون پر پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ پولیس کی ایک موبائل اس طرف آئی تھی۔ پولیس نے اسے ڈکیتی اور اغوا کی واردات قرار دیا تھا اور ریحان کو گھر کا خیال رکھنے کی ہدایت دے کر وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔

میں نے ریحان کو بتایا کہ میں اپنے دوست کو لینے کیلئے ایئر پورٹ گیا ہوا تھا۔ وہ لوگ [illegible] ہمدردی کرنے لگے۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں سے پیچھا چھڑایا تھا۔

''اب کیا کرنا ہے واجد؟'' میں اندر آیا تو رنگا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ تحریکی کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی کر سکیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس دوران وہ نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تم یہ دونوں تھیلے لے جاؤ۔ میں دن میں کسی وقت آؤں گا اور پھر کوئی پروگرام بنائیں گے۔''

''ابھی ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتے۔'' رنگا نے کہا۔

''ابھی محلے کے لوگوں سے میری بات ہوئی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''انہوں نے بتایا کہ پولیس بھی آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کسی نے پولیس کو فون پر میری آمد کے بارے میں بتا دیا ہو اس وقت پولیس سے منہ چھپانا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہاں میں منیر احمد کے نام سے رہ رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں میری بیوی کو اغوا کر لیا گیا ہے اور میرا پولیس سے رابطہ کرنا ضروری ہے تاکہ میں خود شبہات کی زد سے بچ سکوں۔''

''لیکن اگر تحریکی نے پولیس کو تمہاری اصلیت سے آگاہ کر دیا تو؟'' رنگا نے کہا۔

''وہ ایسا نہیں کرے گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں ہے اگر اس نے پولیس کو میری اصلیت سے آگاہ کر دیا تو اسے ہیروئن سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔''

''سوچ لو ..... کہیں شیدا نہ پھنس جائے۔'' رنگا بولا۔

''میری تم فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ دونوں پیکٹ لے جاؤ۔ ہیروئن کسی گٹر میں بہا کر ضائع کر دینا۔ میری یہ امانت سنبھال کر رکھنا۔'' میں نے زیورات والے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہیروئن تو میں آج ہی گٹر میں بہا دوں گا اور یہ تھیلا تمہارا امانت ہے واجد۔ میں اپنے پاس رکھوں گا۔'' رنگا نے کہا۔

ان کے جانے کے بعد میں فرنیچر اور دوسرا الٹا ہوا سامان درست کرنے لگا۔ باہر دن کی روشنی پھیل رہی تھی اور گلی میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ میں نے کچن میں جا کر چائے بنائی اور لاؤنج میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ کال بیل کی آواز سنائی دی۔ میری نظریں بے اختیار گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ساڑھے سات بج رہے تھے۔

دوسامنے کا پڑوسی ریحان تھا جو میرے لئے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لینا چاہی مگر وہ اندر آ گیا اور لاؤنج میں آ کر اس نے ٹرے کافی ٹیبل پر رکھ دی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''پولیس سے کوئی اطلاع ملی؟''

''میں نے فون پر پولیس سے رابطہ کیا تھا۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ ''پولیس والے یہاں آنے والے ہیں وہ .....''

''آپ کو خود پولیس سٹیشن جانا چاہئے۔'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جب تک آپ پیچھے نہیں پڑیں گے پولیس کوئی کارروائی نہیں کرے گی۔''

''دیکھتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر پولیس یہاں نہ آئی تو مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔''

''میں آٹھ بجے دفتر چلا جاؤں گا۔ پڑوس والے بنگلے میں حفیظ صاحب موجود ہیں۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے اگر آپ ضروری سمجھیں تو انہیں ساتھ لے جائیے یا پولیس یہاں آئے تو انہیں بلا لیجئے۔'' ریحان نے کہا۔

''بہتر ہے۔'' میں نے سر ہلا دیا۔

ریحان کے جانے کے بعد میں ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتہ سلائس، مکھن انڈے کا آملیٹ اور جیم پر مشتمل تھا۔

ناشتے کے تھوڑی ہی دیر بعد موٹر سائیکل پر دو پولیس والے پہنچ گئے۔ ایک ادھیڑ عمر اے ایس آئی تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ میں انہیں اندر لے آیا۔ ریحان ابھی تک دفتر نہیں گیا تھا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ بھی آ گیا اور وہی پولیس کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگا۔

''آپ کہاں تھے؟'' اے ایس آئی نے یہ سوال مجھ سے کیا تھا۔

''میں اپنے ایک دوست کو لینے ایئر پورٹ گیا ہوا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ لاہور سے آیا تھا اور اسے سعودی عرب جانا تھا۔ دو گھنٹوں کا وقت تھا اس لیے میں اس کے ساتھ ایئر پورٹ پر ہی رہا اور پانچ بجے کے قریب واپس آیا تو یہاں یہ صورتحال تھی۔''

اے ایس آئی مجھ سے مختلف نوعیت کے سوالات پوچھتا رہا اور میں نہایت محتاط انداز میں جواب دیتا رہا۔ میں نے اسے بھی یہی بتایا کہ میں بجلی کے آلات کی سپلائی کا کام کرتا ہوں۔ کراچی کی طرف چونکہ اکثر آنا جانا رہتا ہے اس لئے میں نے یہاں یہ مکان کرائے پر لے رکھا ہے۔ اس مرتبہ لمبی مدت کیلئے آیا تھا اس لئے بیوی کو بھی لے آیا۔

اس دوران پڑوس میں رہنے والے حفیظ صاحب اور دو آدمی اور بھی آ گئے تھے۔ مجھ سے یہاں کسی کو شکایت نہیں تھی۔ نرگس بھی محلے کی عورتوں سے ملتی رہتی تھی اس لئے سب سے اچھے تعلقات تھے اور میری حمایت میں بول رہے تھے۔

''آپ کی کسی سے دشمنی؟'' پولیس آفیسر نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''میں تو یہاں بہت کم لوگوں کو جانتا ہوں۔ کسی سے دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کوئی اور نقصان تو نہیں ہوا آپ کا میرا مطلب ہے کوئی نقدی وغیرہ۔ ..''

''وہ لوگ میری بیوی کو اغوا کر لے گئے اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نہیں جانتا وہ کون لوگ تھے آپ ان لوگوں کا سراغ لگا کر میری بیوی کو برآمد کیجئے۔ میں اس کیلئے بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔ تفتیشی سرگرمیوں میں روپے پیسے کی ضرورت ہو تو میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔ آپ خرچ کی فکر مت کریں آفیسر ... اپنی بیوی کیلئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔''

میں جذباتی ہو گیا اور وہ سب کچھ کہہ گیا جو ایک غم زدہ شوہر کو کہنا چاہیے تھا۔

"ٹھیک ہے منیر احمد صاحب۔" اے ایس آئی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "بدقسمتی سے آج صبح سے میرے ہی بلاک فائیو میں قتل کی ایک اور واردات ہو گئی ہے ایس ایچ او صاحب اس طرف گئے ہوئے ہیں آپ بارہ بجے کے بعد تھانے آ جائیے ہم سے جو ہو سکے گا ہم کریں گے۔ شہریوں کی جان و مال کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔"

پولیس آفیسر کو رخصت کرتے ہوئے میں نے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ اس کی مٹھی میں دبا دیا تھا۔ ریحان اور حفیظ وغیرہ بھی چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں گیٹ بند کر کے اندر آ گیا اور صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

میں رات بھر جاگا تھا اور اس صورتحال سے بھی میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ لوگ ہیروئن تلاش کیوں نہیں کر سکے تھے۔ میرے گھر سے چیخنے اور فائر کی آواز سنتے ہی ریحان اور محلے کے دوسرے لوگوں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی اور وہ لوگ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ریحان نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ وہ یقیناً رضیہ تھی۔ محلے والوں کی فائرنگ کی وجہ سے انہیں پوری طرح سے تلاشی لینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

مجھے نرگس کی پریشانی تھی۔ میری وجہ سے اس نے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور اب وہ بدترین دشمنوں کی قید میں تھی۔ تحریمی نے مجھے تین دن کی مہلت دی تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ تین دن تک نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اس کے بعد نرگس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

دس کلو ہیروئن کا تھیلا نرگس کی زندگی کی ضمانت بن سکتا تھا لیکن میں وہ ہیروئن تحریمی کو واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہیروئن واپس کر دینے سے میری اور ان کی دشمنی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے انہیں پہلے بھی کروڑوں کا نقصان پہنچایا تھا۔ وہ اپنے اس نقصان کو فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی میں وہ ہیروئن رنگا کے حوالے کر چکا تھا اور ہو سکتا ہے وہ اب تک ضائع کی جا چکی ہو۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھ لگ گئی اور میں صوفے پر پڑے پڑے سو گیا۔

اور پھر کال بیل کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا دوپہر کے تین بجنے والے تھے۔ کال بیل مسلسل بج رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی بٹن پر انگلی رکھ کر اٹھانا بھول گیا ہو۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس طرح نیند سے بیدار ہونے پر دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور جب میں نے گیٹ کھولا تو میرے دماغ بھک سے اڑ گیا۔

رضیہ میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اگرچہ نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس سے دو قدم پیچھے سالار بھی کھڑا تھا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے والے مکان میں زبیدہ دروازے کی آڑ میں کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ دوسرے مکان سے بھی ایک چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔ رضیہ نے جس طرح گھنٹی بجائی تھی اس سے پڑوسی بھی شاید پریشان ہو گئے تھے۔

"ایسی بھی کیا بے مروتی مجھے اندر آنے کیلئے نہیں کہو گے؟" رضیہ نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

میرے دماغ میں ابھی تک دھماکے ہو رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر میرے دل میں ہلکا سا خوف ابھرا تھا لیکن ایسا بزدل بھی نہیں تھا کہ ڈر کر دروازہ بند کر لیتا۔ میں راستے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ رضیہ اور سالار اندر آ گئے تو میں نے دروازہ بھیڑ دیا۔

ہم لاؤنج میں آ گئے۔ رضیہ متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سالار بھی خاصا محتاط نظر آ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے جیب میں رکھے ہوئے پستول کے دستے پر گرفت جما رکھی ہو گی۔

"اب یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔" رضیہ نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے گہرے کلر کی سلور بارڈر والی ساڑی پہن رکھی تھی۔ بلاؤز سلیولیس اور خاصا مختصر تھا۔ میک اپ بھی سلیقے کا تھا۔ گویا وہ خوب تیاری کر کے آئی تھی۔

"تم اب تک ہمیں اچھا خاصا نقصان پہنچا چکے ہو۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بندرگاہ پر جو مال پکڑوایا تھا اس نے اگرچہ تحریمی کی کمر دوہری کر دی تھی مگر وہ بڑا مضبوط آدمی ہے۔ اس کی پشت پر بین الاقوامی ڈرگ مافیا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی کمپنیاں دیوالیہ ہو سکتی ہیں لیکن ڈرگ مافیا کی تنظیمیں کبھی مالی بحران میں مبتلا نہیں ہو سکتیں۔ کراچی کی بندرگاہ پر پچیس کلو ہیروئن پکڑے جانے سے تحریمی دیوالیہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ تحریمی ایک آدمی کا نام نہیں۔ وہ ایک بہت طاقتور تنظیم کا نمائندہ ہے۔ تم تو کیا یہاں کی حکومت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس کا تم نے بھی اندازہ لگا لیا ہو گا اور پھر تم سے ایک بڑی حماقت یہ ہوئی کہ رنگا جیسے شہدے سے مل گئے۔ رنگا ایک معمولی سا غنڈہ ہے۔ ٹھیلوں اور چھابڑی والوں سے ہفتہ وصول کرنے والا۔ ہو سکتا ہے اس نے اپنے بارے میں تمہیں کوئی دلچسپ کہانی سنائی ہو لیکن اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ تحریمی سے دشمنی اس کا ذاتی معاملہ ہے لیکن کئی سال گزرنے کے بعد بھی وہ تحریمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ وہ تحریمی سے اپنا ذاتی انتقام لینے کیلئے اب تک کئی لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر چکا ہے۔ اس نے تحریمی کے ساتھ کئی بار پنگا بھی لیا لیکن نقصان ہمیشہ اس کا اپنا ہی ہوا۔ اور اب تم اس کے ہتھے چڑھ گئے۔ میرا خیال ہے کہ تم سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہو گا جو رنگا جیسے معمولی غنڈے کے سہارے تحریمی سے ٹکر لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ تحریمی تمہیں چٹکی میں مسل دے گا تائی۔"

"کیا تم تحریمی کے گن گانے کیلئے یہاں آئی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔ "اپنی آمد کا مقصد بتاؤ رضیہ۔"

"مقصد بتانے کیلئے ہی آئی ہوں۔ بلکہ میں تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔" رضیہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس دوران سالار بڑی آزادی سے پورے گھر میں گھوم رہا تھا۔

"تم جانتی ہو میں خطرات سے نہیں ڈرتا۔" میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ صوفے پر اس طرح بیٹھی تھی کہ ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ ساڑی کا پلو تصرف کندھے پر سے سرک گیا تھا

بلکہ اس کی ایک ٹانگ بھی اوپر تک برہنہ ہو گئی تھی۔

"دیکھو ناجی۔" وہ قدرے آگے جھکتے ہوئے بولی۔ "میں نے تمہارے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ وہ میں ہی تھی جس نے ہمیشہ برے وقت پر تمہیں سہارا دیا لیکن تم نے اس کا کیا بدلہ دیا۔ مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور جب طویل عرصہ بعد واپس آئے تو اس وقت بھی میں ہی تمہارا سہارا بنی تھی۔ میں نے پرانی باتیں دل سے نکال دی تھیں لیکن نرگس کی وجہ سے تم مجھ سے دور ہٹتے گئے۔ بلکہ وہ تمہارے دل میں میرے خلاف نفرت بھرتی رہی۔ تم نے اس کی باتوں میں آ کر میرے ساتھ ایک بار پھر دھوکا کیا۔ نہ صرف میرے گھر سے لاکھوں روپے چرا کر لے گئے بلکہ میری جائیداد بھی دھوکے سے بیچ دی اور مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ اگر شاہ جی اور تحریکی مجھے سہارا نہ دیتے تو میں اس وقت سڑکوں پر بھیک مانگ رہی ہوتی۔ لیکن..." وہ خاموش ہو کر پھر اور آگے جھک گئی۔ میری نظریں اس کے بلاؤز کے اندر رینگنے لگیں۔

"میں یہ سب کچھ بھولنے کو تیار ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں وہی رضیہ ہوں جس نے تمہیں زندگی کی لذتوں سے روشناس کرایا تھا۔ میری باہیں اب بھی تمہیں اپنے حصار میں لینے کو تیار ہیں۔ میں ماضی کی ہر بات فراموش کرنے کو تیار ہوں تم نے مجھے جو نقصان پہنچایا ہے میں اسے بھی بھول جاؤں گی اور....."

"اور اس کیلئے تمہاری شرائط کیا ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"تحریکی کی وہ دس کلو ہیروئن واپس کر دو جو تم نے اس کے آدمی سے چھینی تھی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ ماضی میں جو کچھ ہوا تحریکی بھی اسے بھول جائے گا اور اگر تم چاہو تو تحریکی تمہیں اپنے گروہ میں جگہ دینے کو بھی تیار ہے بلکہ وہ تم جیسے ذہین اور نڈر آدمی کو اپنے ساتھ دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ وہ تمہیں کوئی اچھی پیشکش بھی کر سکتا ہے۔ تم زندگی بھر عیش کرو گے اور...."

"اور تمہیں نرگس سے دستبردار ہونا پڑے گا۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "نرگس ہی درحقیقت تمہاری تباہی اور بربادی کی ذمہ دار ہے۔ اگر تم نے اس سے علیحدگی اختیار نہ کی تو وہ تمہیں بالکل برباد کر دے گی اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ جہاں چاہے گی اسے سیٹل کر دیا جائے گا اور اسے اتنی رقم بھی دے دی جائے گی کہ دس بارہ سال تک اسے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

"اور؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اور..." رضیہ نے ایک بار پھر پہلو بدلا۔ اس مرتبہ ٹانگ پر سے ساڑھی کچھ اور سرک گئی تھی۔ "اور تمہیں رنگا سے بھی علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "رنگا ایک معمولی سا غنڈہ اور گروپ کا مینڈک ہے۔ وہ صرف اپنے علاقے تک محدود ہے جہاں اس کی قوم کے لوگوں کی اکثریت آباد ہے۔ بیاری اور بغداد... کے پاس وہ کچھ بھی نہیں۔ اس سے تم کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔"

"اگر میں تمہاری یہ باتیں ماننے سے انکار کر دوں تو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"مر کھپ جانے میں رہو گے۔" رضیہ بولی۔ "تحریکی تمہیں تین دن کی مہلت دے چکا ہے۔ اس وقت تک نرگس بھی محفوظ رہے گی اور تمہارے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اور انکار کی صورت

میں نرگس کی موت اور اپنے نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ ایک بات میں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ تحریکی ایک ایسا عفریت ہے جس سے تمہیں دنیا کے کسی کونے میں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ اچھی طرح سوچ لو تمہارے پاس تین دن ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو گے۔"

"ایک بات میں نے تم سے اب تک نہیں کہی۔" میں نے کہا۔ "صبح چار بجے تحریکی نے مجھے فون پر بتا دیا تھا کہ نرگس اس کے قبضے میں ہے۔ یہاں پولیس بھی مجھ سے پوچھنے کیلئے آئی تھی اور میں نے پولیس کو تم لوگوں کے بارے میں نہیں بتایا اور اگر....."

"تم نے پولیس کو ہمارے بارے میں کچھ نہ بتا کر عقلمندی کی ہے۔" رضیہ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تحریکی بے وقوف نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے ایسی کارروائیاں کسی کے تعاون کے بغیر نہیں کی جا سکتیں۔ اسے بھی "تعاون" حاصل تھا۔ آج صبح پولیس کا ایک ادنیٰ ترین آفیسر تمہارے پاس آیا تھا۔ صرف تمہاری واشک شوئی کیلئے۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے اگر اس سے پہلے تم خود پولیس کے پاس جاتے تو شاید تمہی کو نرگس کے اغوا کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جاتا۔ اس کے علاوہ......" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اس کے علاوہ تحریکی پولیس کو اس معاملے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ معاملہ آپس میں طے ہو جائے۔ اس لئے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ میں نے کھلے دل سے ساری باتیں تمہارے سامنے رکھ دی ہیں۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تمہارے پاس تین دن ہیں اور اگر تم چاہو تو میں یہ تین دن تمہارے پاس رہ سکتی ہوں تاکہ تمہیں تنہائی کا احساس نہ ہو۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رضیہ کچھ اور پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔ میری نظریں بار بار اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ جان بوجھ کر ساڑھی کو سرکاتی جا رہی تھی۔

"تم چاہو تو میں ابھی یہاں رہ جاؤں۔ سالار واپس چلا جائے گا۔" رضیہ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم جا سکتی ہو۔" میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار بھی اس وقت ایک کمرے سے نکل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس دوران وہ تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر چکا تھا۔

رضیہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ساڑھی کا پلو سنبھالنے لگی۔

"ٹھیک ہے ناجی۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اب تین دن بعد ہی تم سے ملاقات ہو گی۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے نرگس کے علاوہ اپنے بارے میں بھی سوچ لینا۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ میں دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے ان کے ساتھ گیٹ تک جانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ رضیہ یا سالار نے باہر نکلنے کے بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ بند کر دیا تھا۔

میرے دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ رضیہ نے یہاں آ کر جس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا اس پر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ تحریکی کے بارے میں میرے اندازے

درست نکلے تھے۔ رنگا نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے میں نے ایک اندازہ قائم کر لیا تھا کہ تحریکی یہاں اپنے قدم خوب مضبوطی سے جما چکا تھا۔ پولیس کا اسے کوئی خوف نہیں رہا تھا بلکہ وہ پولیس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے رہا تھا۔ ایک طرف اس نے رنگا کو پولیس کے ذریعے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف مجھے بھی رضیہ کے ذریعے وارننگ دے دی گئی تھی کہ میں اس کے خلاف پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہ کروں۔

رضیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ کارروائی پولیس تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ وہ لوگ کئی روز پہلے یہاں میری موجودگی سے واقف ہو چکے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو پولیس کو میرے بارے میں آگاہ کر سکتے تھے۔ میں بہت سے سنگین کیسز میں ملک بھر کی پولیس کو مطلوب تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کی دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں تھی۔ انہوں نے نرگس کو اغوا کر لیا تھا اور وہ لوگ پولیس کو ملوث کیے بغیر میرے ساتھ یہ معاملہ سیٹل کرنا چاہتے تھے۔

مجھے رضیہ کے ذریعے تحریکی کا پیغام مل گیا تھا اور میں نے اس پیغام کو پوری طرح سمجھ بھی لیا تھا۔ رضیہ اس معاملے کو طے کرنے کیلئے پچھلی ساری باتیں بھول جانے کو تیار تھی۔ میں نے اس کے گھر سے لاکھوں روپے کی نقدی اٹھائی تھی۔ اس کی جائیداد بھی جعلسازی کے ذریعے لاکھوں روپے میں بیچ دی تھی لیکن وہ سب کچھ فراموش کر دینے کو تیار تھی۔ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ تحریکی کی دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں تھی۔ بین الاقوامی منڈی میں یہ کروڑوں ڈالر کا مال تھا اور پاکستانی کرنسی میں تو اس کی قیمت کئی گنا زیادہ بنتی تھی اور اس ہیروئن کی واپسی پر رضیہ کو شاید بہت بڑا کمیشن ملنے والا تو تھی۔ اس لئے اس نے مجھے یہ پیشکش کی تھی کہ اگر میں ہیروئن کا وہ بنڈل واپس کر دوں تو وہ پچھلی ساری باتیں بھول جائے گی۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر کچن میں آ گیا اور چائے بنانے لگا۔

کچھ دیر بعد چائے پیتے ہوئے میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملایا۔ یہ کال تیسری گھنٹی پر ریسیور کر لی گئی۔ لیکن وہ آواز نہ رنگا کی تھی اور نہ ہی حریری کی۔ حالانکہ پہلے میں نے جب بھی اس نمبر پر فون کیا تھا کال ہمیشہ حریری نے ہی ریسیو کی تھی لیکن اس وقت ایک بھاری مردانہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"رنگا سے بات کراؤ۔ میں ناجی بول رہا ہوں۔" میں نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

"واجہ رنگا تو اس وقت موجود نہیں ہے۔ وہ باہر گیا ہوا ہے۔ آپ پیغام دے دو واجہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ جب بھی واپس آئے کہنا مجھے فون کر لے۔ بہت ضروری کام ہے۔" میں نے کہا۔ ریسیور رکھ کر میں چائے کی چسکیاں لیتا رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ الماری پوری طرح کھلی ہوئی تھی اور سارے کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ بیڈ کا میٹرلیس بھی الٹا ہوا تھا اور پچھلی طرف سے اسے چاقو کی نوک سے کاٹ دیا گیا تھا۔

میں دوسرے کمرے میں آ گیا۔ وہاں بھی بیڈ کا میٹرلیس کٹا ہوا تھا۔ تیسرے بیڈ روم کا بھی یہی

حال تھا۔ رضیہ نے مجھے لاؤنج میں باتوں میں لگائے رکھا تھا اور سالار نے اس دوران خوب اچھی طرح تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر لیا تھا۔ پچھلی مرتبہ انہوں نے فیڈرل بی ایریا والے بنگلے پر چھاپہ مارا تھا تو اس وقت بھی خوب اچھی طرح تلاشی لی تھی لیکن انہیں ہیروئن نہیں ملی تھی اور پھر اسی بنگلے سے جاتے ہوئے میں نے بلے کو بتایا تھا کہ ہم بھی اسی بنگلے میں تھے اور ہیروئن بھی یہیں تھی اور اس مرتبہ شاید سالار کسی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہیروئن کی تلاش میں اس نے میٹرلیس بھی کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔ نہا کر کپڑے بدلے اور باہر جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ میں نے باہر جانے کیلئے اپنی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اب چھپے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں مکمل طور پر ان کی نظروں میں آ چکا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر گاڑی کو بلا مقصد مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ میرا ذہن اس وقت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں اور آخر کار شہید ملت روڈ کے ایک چوراہے پر میں نے کار ایک پہاڑی کے ساتھ سروس روڈ پر اور اس کے فوراً ہی بعد ایک تنگ سی سڑک پر موڑ دی۔ اس پہاڑی کے ایک طرف بنگلے تھے اور دوسری طرف وہ پہاڑی تھی جس کے اوپر پارک بنا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی پہاڑی پر جانے والی تنگ سی سڑک پر موڑ دی۔

وسیع وعریض پہاڑی پر بڑا خوبصورت پارک بنایا گیا تھا لیکن پانی کی قلت نے اس کا حسن بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس پہاڑی کا ایک حصہ باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ جس کے کناروں پر ریلنگ لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ریلنگ کے ساتھ ساتھ کنکریٹ کے بنچ بچھے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا فاصلے پر کھانے پینے کی چیزوں کے سٹال تھے۔ اس طرف خاصی رونق تھی۔ یہاں سے شہر کے اس طرف کے حصے کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

میں ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد کولڈ ڈرنکس کے سٹال کا نوعمر ملازم لڑکا آواز لگاتا ہوا اس طرف آیا تو میں نے اس سے ایک بوتل لے لی اور چسکیاں لیتے ہوئے کبھی نشیب میں دور تک پھیلے ہوئے بنگلوں کو دیکھنے لگا اور کبھی چبوترے پر کھیلتے ہوئے بچوں کو۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی برقی قمقمے جگمگا اٹھے تھے۔ میں اس کے بعد کافی دیر وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر گاڑی میں آ گیا۔

شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے میں نے کار کا رخ لیاری کی طرف موڑ دیا۔ لیاری میں مجھے رنگا کے اڈے تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ایک جگہ پر حضوری کو دیکھ کر میں نے کار روک دی اور اس سے پتہ چلا کہ رنگا علاقے میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ میں شہر کی آوارہ گردی کرتا ہوا رات بارہ بجے کے قریب اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا۔ اور سب سے پہلے میں نے رنگا کو فون کیا۔ اس مرتبہ بھی کال کسی اور نے ریسیور کی تھی لیکن رنگا سے بات ہو گئی تھی۔

"سوری واجہ!" اس نے کہا۔ "میں صبح سے بہت مصروف تھا۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم نے صبح مجھے فون بھی کیا تھا اور شام کو خود بھی آئے تھے۔ بولو کیا معاملہ ہے؟"

اس کا لہجہ محسوس کر کے میں چونکے بغیر نہیں رہا۔ مجھے اوپرے پن کا احساس ہوا تھا۔

تحریکی کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔ میں نے رضیہ کا نام لئے بغیر کہا۔ تحریکی نے پیشکش کی ہے کہ اگر ہیروئن واپس کر دی جائے تو وہ نرگس کو چھوڑ دے گا۔ میں نے اسے رضیہ سے ہونے والی دوسری باتیں بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"تحریکی کو بولو اس ہیروئن کو بھول جائے۔" رنگا نے جواب دیا۔ "وہ زہر تو آج صبح ہی میں نے گٹر میں بہا دیا تھا اور تمہاری دوست نرگس کو ہم اس کے قبضے سے ضرور چھڑا لیں گے۔ ہمارے پاس آج کی رات اور اگلے دو دن باقی ہیں۔ اس دوران ہم بندوبست کر لیں گے۔ میرے آدمی جتے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ نرگس تحریکی کے گلشن والے بنگلے میں نہیں ہے۔ اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہے۔ جیسے ہی پتہ چلے گا ہم ریڈ کر کے نرگس کو چھڑا لیں گے۔ تم فکر مت کرو۔"

ہم میں تقریباً پندرہ منٹ تک بات ہوتی رہی۔ اس دوران مجھے بار بار یہ احساس ہوتا رہا کہ اس کے لہجے میں وہ پہلے جیسی بات نہیں تھی اور یہ احساس مجھے رنگا کے بارے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا۔ میں نے ایک دو مرتبہ رنگا سے بات کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

شام سات بجے کے قریب میں باہر سے آیا تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ریحان اپنی بیوی زبیدہ کے ساتھ آ گیا۔ انہوں نے نرگس کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پولیس اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ حالانکہ میں نہ کل پولیس سٹیشن گیا تھا اور نہ آج۔ کل صبح ایک اے ایس آئی یہاں آیا تھا اس کے بعد کسی پولیس والے نے بھی یہاں آ کر جھانکا تک نہیں تھا۔ انہیں ضرورت بھی کیا تھی۔ یہ کھیل تحریکی نے شروع کیا تھا اور پولیس کی حیثیت اس کھیل میں خاموش تماشائی کی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ لوگ میرے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ میرا نام منیر احمد ہے اور میں بجلی کے آلات سپلائی کرتا ہوں اور یہ کہ نرگس میری بیوی ہے۔ میں یہاں بہت شرافت سے رہ رہا تھا۔ نرگس نے بھی مختلف گھروں کی خواتین سے اچھے تعلقات استوار کر لئے تھے۔ اس لئے اس گلی میں ہماری اچھی عزت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کو میری اصلیت کا پتہ چل جائے تو شاید خود پکڑ کر مجھے پولیس کے حوالے کر دیں۔

باتوں ہی باتوں میں زبیدہ نے کہہ دیا تھا کہ میرے لئے رات کا کھانا ان کے گھر سے آ جائے گا اور پھر تقریباً نو بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو منیر جی۔" ایک نسوانی بھرائی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "میری بات غور سے سنو۔ بیچ میں ٹوکنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "تمہاری دوست نرگس اس وقت ابوالحسن اصفہانی کے ایک ویران جنگل میں ہے۔"

"ابوالحسن اصفہانی روڈ پر جنگل تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟" میں نے کہا۔

"ٹوکو مت۔ میری بات سنتے رہو۔" اس نے کہا۔ "ابوالحسن اصفہانی روڈ پر بھابانی پائینس اور حشمت میموریل سکول کے بیچ میں تقریباً پانچ ایکڑ کا ایک پلاٹ خالی پڑا ہے۔ یہ پلاٹ پتہ نہیں کس کا ہے

لیکن یہاں کیکر کا جنگل آباد ہو چکا ہے۔ اس پلاٹ کے گرد چار دیواری ہے اور بھابانی پائینس کے ساتھ اس پلاٹ کے کارنر پر دیوار کے اندر کی طرف چوکیدار کا کمرہ ہے وہاں چوکیدار بھی رہتا ہے لیکن اسے کچھ معلوم نہیں کہ جنگل کے اندر کیا ہو رہا ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "کئی سال پہلے اس پلاٹ کے عین وسط میں ایک بنگلے کی تعمیر شروع ہوئی تھی لیکن پھر کسی وجہ سے کام ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ بنگلے کا اباچڑاب بھی وہاں موجود ہے اور نرگس کو وہیں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کیلئے وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ تم کوشش کرو تو نرگس کو وہاں سے نکال سکتے ہو۔"

"تم کون ہو اور؟"

"ٹوکو مت اور میری بات سنتے رہو۔" اس عورت نے میری بات کاٹ دی۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک آخری بات بتانا چاہتی ہوں۔ نرگس کو وہاں سے نکال کر تم یہاں نہیں آؤ گے۔ جہاں اس وقت بیٹھے ہوئے ہو۔"

"تو پھر کہاں جاؤں گا؟" میں نے پوچھا۔

"ایک نمبر نوٹ کرو۔" اس نے کہا اور نمبر نوٹ کرانے کے بعد بولی۔ "یہ بنگلہ گلشن اقبال کے بلاک تیرہ ڈی ون میں ہے۔ کامیٹی پٹرول پمپ سے ذرا آگے بائیں طرف گلی سے اس بلاک میں داخل ہو گے تو چند گز آگے بائیں طرف کی گلی میں الٹے ہاتھ پر وہ بنگلہ ہے۔ آسانی سے تلاش کر لو گے۔ تم نرگس کو لے کر سیدھے وہیں پہنچو گے اور میری اجازت کے بغیر وہاں سے باہر نہیں نکلو گے۔"

"تم کون ہو اور ہم سے یہ ہمدردی کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تفصیل بتانے کا وقت نہیں لیکن میرے بارے میں تم بھی جلد ہی جان لو گے۔ فی الحال اللہ نگہبان۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن منقطع ہو گئی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور ریحان اور زبیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیریت کوئی خاص بات۔" ریحان نے پوچھا۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات سے اس فون کال کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"میرے ایک دوست کا فون تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے اندیشہ ہے کہ نرگس کو تاوان کیلئے اغوا کیا گیا ہو۔ آج کل اس قسم کی وارداتیں تو ہو رہی ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چکر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں اور نرگس کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ اگر تاوان کیلئے اغوا کیا گیا ہوتا تو انہیں اب تک مجھ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔"

"یہ لوگ بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔" ریحان بولا۔ "جب تک پولیس کی سرگرمیاں اور تمہاری بھاگ دوڑ کم نہیں ہو گی وہ تم سے رابطہ نہیں کریں گے۔"

"یہی تو سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے کہ وہ بیچاری نجانے کہاں اور کس حال میں ہو گی۔" میں نے کہا۔ میں اب بات ختم کر دینا چاہتا تھا اور میری خواہش تھی کہ اب وہ لوگ چلے جائیں اور آخر کار دس منٹ بعد زبیدہ اٹھ گئی۔

"کھانا تیار ہو گیا ہو گا۔ میں ریحان صاحب سے کہلوا دوں گی تم وہیں آ کر کھا لینا۔ آ و نہ۔"
آخری دو الفاظ اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

ان کے جانے کے فوراً بعد میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور رنگا کا نمبر ملانے لگا۔ کال اس وقت بھی اسی بھاری آواز والے نے ریسیو کی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ تین دن سے میری کال آخر یہ آدمی کیوں ریسیو کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے جب بھی فون کیا تھا کال حریری وصول کرتی تھی اور اب بھی لائن ملنے پر گھنٹی بجتی تھی تو میں اس کی سریلی آواز سننے کا منتظر رہتا تھا لیکن ہر مرتبہ بھونڈی کوے جیسی یہ بھاری آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"رنگا اس وقت بہت بزی ہے واجد۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے کہا گیا۔ "آپ دو گھنٹے بعد فون کرنا۔"

"اسے کہو بہت ضروری بات ہے۔" میں نے کہا۔

دوسری طرف سے تقریباً ڈیڑھ منٹ تک خاموشی رہی پھر رنگا کی آواز سنائی دی۔

"ہاں واجد، ذرا جلدی بولو۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔"

اس کے اس انداز گفتگو سے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت مجبوری کے تحت مجھ سے بات کر رہا ہو۔

"کیا بات ہے رنگا؟ تمہارا لہجہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"غصے میں لٹو ہو گیا ہے واجد۔ بندہ مارا گیا ہے۔ تم بولو کیا بات ہے؟" اس نے کہا۔

"نرگس کا پتہ چل گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن شاید تم اس طرف توجہ نہ دے سکو۔ بہرحال میں خود ہی دیکھ لوں گا۔"

میں نے رنگا کے جواب کا انتظار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری ناراضگی سمجھ گیا ہو گا اور تھوڑی دیر بعد خود ہی فون کرے گا لیکن دس منٹ گزر گئے اور اس کا فون نہیں آیا۔

میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے۔ رضیہ کی کہی ہوئی باتیں یاد آنے لگیں۔ کہیں وہ میرے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں کرے گا۔ میں نے تو ہیروئن کے علاوہ زیورات کا تھیلا بھی اس کے حوالے کر دیا تھا۔ رضیہ نے کہا تھا کہ رنگا نے میری ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے مجھے اپنے بارے میں کوئی فرضی کہانی سنائی ہو گی۔ رضیہ نے کچھ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی بتایا تھا جو رنگا کے ہاتھوں نقصان اٹھا چکے تھے۔ رضیہ حریری کے بہت قریب تھی اور حریری رنگا کا پرانا حریف تھا۔ رضیہ کو یہ ساری باتیں حریری سے ہی معلوم ہوئی ہوں گی لیکن میں نے ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ رنگا میرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر سکتا لیکن بہرحال میں نے طے کر لیا تھا کہ کل سب سے پہلے رنگا سے زیورات کا تھیلا واپس لوں گا۔ دس کلو ہیروئن کی مجھے پروا نہیں تھی۔

اور نرگس والے مشن پر بھی میں نے اکیلے ہی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس پراسرار ہمدرد عورت نے فون پر بتایا تھا کہ نرگس کی نگرانی کیلئے وہاں صرف ایک آدمی ہے اور ایک آدمی سے میں آسانی سے نمٹ سکتا تھا۔

میں ابھی یہ سب سوچ رہا تھا کہ گیٹ کی طرف سے ریحان کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے کھانے کیلئے بلا رہا تھا۔

میں نے بتیاں بند کر دیں اور باہر آ کر برآمدے کا دروازہ لاک کر دیا اور گاڑی بھی باہر نکال کر گیٹ کو بھی تالا لگا دیا۔ اب میرا یہاں واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

ریحان کے گھر آ کر چابیوں کا گچھا میں نے ریحان کے حوالے کر دیا۔

"کل میرا ایک دوست اپنی بیوی کے ساتھ آیا تھا۔" میں نے کہا۔ "میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اس دوران میرا وہ دوست آ جائے تو چابیاں اسے دے دیجئے۔"

چابیاں واپس کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی کہانی تو گھڑنی تھی کیونکہ صاف طور پر تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب جا رہا ہوں اور واپس نہیں آؤں گا۔ اس طرح میں نے واپسی کا راستہ بھی کھلا رکھا تھا۔ کھانا میں نے بے دلی سے کھایا۔ اس کے بعد چائے بھی پی گئی۔ وہ دونوں میاں بیوی بڑے خلوص اور ہمدردی سے پیش آ رہے تھے۔

جب میں ان سے رخصت ہوا تو گیارہ بج رہے تھے۔ میں گلیوں سے ہوتا ہوا پوسٹ آفس کے قریب مین روڈ پر نکل آیا اور گاڑی کو بائیں طرف گھما دیا۔ یہی سڑک سیدھی بھایانی ہائٹس تک چلی گئی تھی۔

کراچی جیسے شہر میں رات گیارہ بجے کا وقت ایسا نہیں تھا کہ رات کا تصور ذہن میں ابھرتا۔ بیشتر علاقوں میں تو رات ایک ڈیڑھ بجے تک زندگی جاگتی تھی اور شہر کے بعض علاقے تو ایسے تھے جہاں رات ہوتی ہی نہیں تھی۔ یہاں بھی ذوالقرنین کے موڑ سے اسکوبیکری کے چوراہے تک دن کا سا سماں تھا۔ اس سے آگے مسکن اپارٹمنٹس والے موڑ پر بھی خاصی رونق تھی۔

بلاک تیرہ کی طرف الآصف اسکوائر کے قریب سپر ہائی وے سے جا ملتی تھی۔ یہی ابوالحسن اصفہانی روڈ تھی۔ مسکن موڑ کے سامنے ہی بھایانی ہائٹس کے کئی بلڈنگوں پر مشتمل تھے۔ میں نے مسکن موڑ سے گاڑی بائیں طرف موڑ لی اور کچھ آگے جا کر ایک تنگ اور سنسان گلی کے موڑ پر روک لی۔

ابوالاصفہانی روڈ دو رویہ سڑک تھی۔ بیچ میں گرین بیلٹ آئی لینڈ تھا جس میں پودے لگے ہوئے تھے۔ میں گاڑی میں بیٹھا سڑک کے دوسری طرف بھایانی ہائٹس کے بغل میں اس وسیع و عریض پلاٹ کی طرف دیکھنے لگا جو واقعی کیکر کے جنگل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

میں اس طرف سے پہلے بھی ایک دو مرتبہ گزر چکا تھا مگر کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ باؤنڈری وال تقریباً پانچ فٹ اونچی تھی جس کے ساتھ کوڑے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ دیوار کے دوسری طرف تاریک جنگل تھا۔ البتہ بھایانی ہائٹس کی طرف دیوار کے کارنر پر اندر کی طرف چوکیدار کا کمرہ تھا۔ وہیں اس کمرے میں آمد و رفت کیلئے ایک چھوٹا سا روشندان بھی تھا جس سے بلب کی روشنی نظر آ رہی تھی۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور اسے گھما کر پلاٹ سے آگے متصل ملحقہ والی گلی میں لے گیا اور چند گز کا فاصلہ طے کر کے اسے پچھلی گلی میں موڑ دیا۔

یہ تنگ سی گلی تھی۔ ایک طرف ماچس کی ڈبیہ کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکان تھے اور دوسری طرف ان کے سامنے کیکر کے جنگل کا پچھلا حصہ تھا۔ اس طرف بھی پانچ چھ فٹ اونچی دیوار تھی

لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

میں گاڑی موڑ کر واپس لے آیا اور مین روڈ پر آہستہ آہستہ بھابانی ہاؤس کی طرف بڑھتا رہا۔ میں گہری نظروں سے جنگل کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا لیکن کہیں بھی کوئی گیپ دکھائی نہیں دیا۔

میں نے گاڑی ذرا آگے لے جا کر روک لی۔ سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت جاری تھی۔ میں گاڑی میں بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ میرے خیال میں چوکیدار کا کمرہ ہی ایک ایسا راستہ تھا جہاں سے اس جنگل میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ دس منٹ گزر گئے اور پھر اسی دیوار میں وہ چھوٹا سا دروازہ کھلتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اندر سے دو آدمی برآمد ہوئے تھے۔ ایک لمبے قد کا جوان آدمی تھا جس نے پینٹ اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور دوسرا آدمی ادھیڑ عمر جس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ ادھیڑ عمر شخص نے دروازے کو تالا لگا کر چابی جیب میں ڈال لی اور وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے سڑک پار کر کے مکین اپارٹمنٹس کی طرف واقع دکانوں کی طرف چلے گئے۔

میں بھی کار سے اتر کر ان کے پیچھے چل پڑا اور سڑک پار کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ اس طرح میں دور رہ کر ان پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ وہ دونوں ایک پٹھان کے ہوٹل کے سامنے بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ اور گاہک بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہوٹل کے ملازم لڑکے نے ان کے سامنے چائے کے دو کپ رکھ دیئے۔

چائے پینے کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھے۔ پینٹ شرٹ والا سڑک پار کر کے میری طرف آ گیا۔ اسی وقت ایک منی بس وہاں آ کر رکی۔ وہ آدمی بس میں سوار ہو گیا اور بس وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ادھیڑ عمر نے چائے کے پیسے دیئے۔ ملازم نے اسے پلاسٹک کی ایک تھیلی بھی تھما دی جس میں غالباً دو تین کپ چائے بھری ہوئی تھی۔ وہ بوڑھا واپس چل پڑا۔ میں بھی سڑک کے دوسری طرف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے متوازی چلتا رہا اور اس سے پہلے اپنی کار کے قریب پہنچ گیا۔

وہ بوڑھا میرے قریب سے گزر کر دیوار میں اس دروازے کے قریب پہنچ گیا اور تالا کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا میں بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتا میں پھرتی سے اندر گھس گیا اور دروازہ بند کر کے جیب سے پستول نکال لیا۔ یہ وہی پستول تھا جو اس رات ایئرپورٹ سے واپسی پر وین کے ڈرائیور اکرم نے مجھے دیا تھا۔

"کک ۔۔۔ کون ۔۔۔ ہو تم اور ۔۔۔"

"خاموش۔" میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ "منہ سے آواز نکالی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

بوڑھے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے دروازے کا اندر سے کنڈا چڑھا دیا۔

"یہاں کتنے آدمی ہیں۔" میں نے بوڑھے کے خوفزدہ چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں بچو گے۔"

"کک کوئی نہیں۔" بوڑھا ہکلایا۔ "اکیلا ہوں ۔۔۔ دیکھ لو۔"

"اور یہ چائے کس کیلئے لائے ہو۔ جبکہ تم خود پی کر آئے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"آ ۔۔۔ آ ۔۔۔ اپنے لئے لایا ہوں۔" اس کا چہرہ خوف کی شدت سے دھواں ہو رہا تھا۔ میں نے

ادھر ادھر دیکھا کمرے کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ "وہ آدمی کون تھا جو یہاں سے گیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مم ۔۔۔ میرا بھتیجا ہے۔ سرکاری دفتر میں کلرک ہے۔ کبھی کبھی مجھے ملنے کو آ جاتا ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جنگل کے اندر اس بنگلے میں عورت کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

بوڑھا اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف ابھر آیا تھا۔

"کک ۔۔۔ کوئی نہیں صاحب جی۔ جنگل میں کوئی بنگلہ نہیں وہ وہاں کوئی نہیں ہے۔" بوڑھا اب خوف سے بولتے ہوئے کانپنے لگا تھا۔

میرا دل تو چاہا تھا کہ اس کے منہ پر گھونسہ مار کر ایک دو دانت باہر نکال دوں لیکن یہ کمرہ لب سڑک تھا اس کی چیخ کی آواز سن کر سڑک پر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص متوجہ ہو سکتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکا اور جھٹکا سا کھا کر چارپائی پر گر گیا۔ میں نے ایک پیر چارپائی کی پٹی پر رکھا اور پستول کی نال ایک بار پھر اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"اب اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں غرایا۔

"بب ۔۔۔ بتاتا ہوں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ "وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ یہ چائے میں اسی کیلئے لایا تھا۔ وہ چائے کیلئے میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"

اور پھر اس نے بہت سی باتیں بتا دیں۔ اس کے کہنے کے مطابق اس پلاٹ کا مالک ایک بہت بڑا سیٹھ ہے جو یہاں کبھی نہیں آیا۔ وہ خود ہر مہینے کی دو تاریخ کو تنخواہ لینے کیلئے اس کے دفتر چلا جاتا ہے۔ ایک آدمی نے اسے بڑی رقم کا لالچ دے کر چند روز کیلئے جنگل کے اندر واقع وہ بنگلہ استعمال کرنے پر آمادہ کر لیا تھا اور اسے یقین دلایا گیا تھا کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ اور اس پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا۔

وہ لوگ دو دن پہلے ایک عورت کو لے کر یہاں آئے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے انہوں نے بنگلے کا فرش وغیرہ صاف کروایا تھا۔ وہ عورت کو عیاشی کیلئے نہیں لائے تھے۔ وہ قیدی تھی اور بہت خوفزدہ تھی۔

اس بوڑھے کے کہنے کے مطابق ایک آدمی صبح سے شام تک اور ایک آدمی شام سے صبح تک اس عورت کی نگرانی کرتا تھا۔ اس عورت کو باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ صرف کھانا کھانے کے وقت یا ضرورت کے وقت اس کے ہاتھ پیر کھولے جاتے تھے۔

"اس بنگلے کا راستہ کس طرف سے ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اس دروازے کے دوسری طرف۔" اس نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ خودرو کیکر کا جنگل ہے۔ ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں لیکن بنگلے تک کا راستہ صاف ہے۔"

میں نے اس کا نام پوچھا اور پھر کونے میں پڑی ہوئی ایک رسی اٹھا کر اس کے ہاتھ پیر پشت پر باندھ دیئے اور منہ میں ایک کپڑا ٹھونس کر اس پر بھی پٹی باندھ دی تاکہ وہ کسی طرح منہ سے کپڑا نکال کر چیخنا شروع نہ کر دے۔

چوکیدار کو باندھنے کے بعد میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چارپائی کے نیچے لوہے کا ایک

ٹنگا ہوا تھا اور دو جوڑے پرانے جوتوں کے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک سالخوردہ سی چھوٹی میز تھی جس پر مختلف چیزیں پڑی ہوئی تھیں اس کے اوپر دیوار پر ایک آئینہ بھی ٹنگا ہوا تھا۔ دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک مٹکا بھی رکھا ہوا تھا۔

جھلنگا سی چارپائی پر تکیے کے قریب ایک ٹارچ بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ ٹارچ اٹھائی اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اس طرف گنجان درخت اور گہری تاریکی تھی۔ جھینگروں اور دیگر حشرات الارض کی آوازیں بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھیں۔ ٹارچ کی روشنی میں میں نے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھے وہ پگڈنڈی سی نظر آ گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ آمدورفت سے جھاڑیاں کچھ دب گئی تھیں۔ اوپر اور دائیں بائیں کچھ شاخیں کاٹ دی گئی تھیں۔ اس طرح لیکر کے ان گنجان درختوں کے درمیان ایسا راستہ بن گیا تھا کہ کسی قدر محتاط ہو کر چلا جا سکتا تھا۔

میں ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔ میرے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دائیں ہاتھ میں پستول جسے میں نے قدرے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ چاروں طرف آبادی کے بیچ میں یہ گنجان جنگل بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

تقریباً پچاس گز آگے جا کر میں جیسے ہی دائیں طرف مڑا مجھے وہ مدھم سی روشنی نظر آ گئی۔ روشنی بہت مدھم تھی۔ اس بنگلے میں کسی جگہ غالباً کیروسین جل رہا تھا۔

سوکھی ہوئی شاخیں اور خشک جھاڑیاں میرے پیروں کے نیچے دب رہی تھیں جس سے چرچراہٹ کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

"کون ہے اوئے؟"

ایک غراتی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔

"میں ہوں قلندر چائے لے کر آیا ہوں۔" میں نے رکے بغیر آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔
میں نے ٹارچ والا ہاتھ آگے کر کے نکال رکھا تھا اور اس کا رخ سامنے کر رکھا تھا تاکہ میں خود روشنی کے ہالے سے بھی بچا رہوں۔

درمیانے قد کا وہ شخص برآمدے میں کھڑا تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس کے جسم کے نیچے والے حصے پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ گیا۔

"آؤ یار بہت دیر سے انتظار کر رہا تھا۔" وہ پستول جیب میں رکھتا ہوا اندر کی طرف مڑ گیا۔ میں برآمدے سے ہوتا ہوا دروازے سے میں داخل ہو گیا۔ یہ بنگلے کا پرانا سٹرکچر تھا اور ظاہر ہے دروازوں اور کھڑکیوں کے پٹ وغیرہ نہیں تھے۔ یہ ہال کمرہ تھا اور روشنی بائیں طرف کے ایک کمرے سے نظر آ رہی تھی۔ وہ شخص اسی کمرے میں گیا تھا۔ میں بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

وہ شخص کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی چھوٹی میز پر جھکا ہوا تھا۔ غالباً کپ اٹھا رہا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس طرح مجھے کمرے کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔

بہت بڑا کمرہ تھا۔ ایک دوسرے سے فاصلے پر دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک چارپائی خالی

تھی اور دوسری پر نرگس پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر ٹخنوں کے قریب رسی سے بندھے ہوئے تھے جبکہ دونوں ہاتھ الگ الگ چارپائی کی پٹیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ نرگس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے اور جسم کے بعض حصوں پر خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔

کمرے کے پچھلی طرف کی دو کھڑکی کی جگہ تھی۔ بائیں طرف وہ بلاک رکھ کر ان پر کور رکھا ہوا تھا جس کے اوپر ایک گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ میز کے قریب دیوار پر ایک چھوٹا سا شیلف لگا ہوا تھا جس پر کیروسین لیمپ رکھا ہوا تھا۔

نرگس کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ وہ اس وقت جاگ رہی تھی۔ پہلے تو اس نے توجہ نہیں دی لیکن میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی جیسے وہ چونک سی گئی۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

"تم چائے کپوں میں ڈالو قلندر میں اسے کھولتا ہوں۔" میز پر جھکا ہوا شخص سیدھا ہو گیا اور پھر جیسے ہی میری طرف مڑا اس دم اچھل پڑا۔ "کک.....کون ہو تم؟" وہ ہکلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

"تمہاری موت۔" میں نے غرا کر کہا۔ "تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

اس شخص نے پتلون کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن میں نے پستول سے اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ رک گیا۔

"اس طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا منہ دیوار کی طرف ہونا چاہئے اور دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر۔"

اس شخص نے میرے حکم کی تعمیل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ میز پر دو سیب اور ان کے قریب ایک چھری بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ٹارچ میز پر رکھ کر پستول بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ سے چھری اٹھا کر نرگس والی چارپائی کے قریب آ گیا اور اس کے ہاتھوں کی بندشیں کاٹنے لگا۔ دونوں ہاتھ کھلتے ہی نرگس اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے چھری اس کے حوالے کر دی اور وہ پیروں پر بندھی ہوئی رسی کاٹنے لگی۔

میں پستول دائیں ہاتھ میں لے کر اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے حکم پر وہ شخص میری طرف مڑ گیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ اب بھی سر سے اوپر اٹھا رکھے تھے۔

"یہاں تک آ کر تم نے واقعی بہادری کا ثبوت دیا ہے۔" وہ شخص کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم تحریکی کو نہیں جانتے۔ اگر تم اس لونڈیا کو یہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو تمہیں کہیں بھی چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔"

"تحریکی سے بھی میں نمٹ لوں گا۔ پہلے تمہارا بندوبست تو کر لوں۔" میں نے جواب دیا اور اس

سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا ایک غیر متوقع صورتحال سامنے آ گئی۔

نرگس نے اچانک چیختے ہوئے اس شخص پر چھری سے حملہ کر دیا تھا۔ نرگس اپنے مقصد میں کامیاب تو نہیں ہو سکی لیکن اس شخص کو موقع مل گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے نرگس کو گرفت میں لے لیا اور ایک ہی جھٹکے سے چھری بھی نرگس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر گر گئی۔

میرے لئے بڑی مشکل ہو گئی تھی۔ اس شخص نے نرگس کو گرفت میں لے کر اپنے سامنے ڈھال بنا رکھا تھا اور میں گولی بھی نہیں چلا سکتا تھا۔

نرگس اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اور پھر وہ اس شخص کو ساتھ لیتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ گرتے ہوئے وہ شخص اس کے اوپر آیا تھا اس طرح مجھے موقع مل گیا۔ میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر زوردار ٹھوکر مار دی۔

وہ شخص بلبلا اٹھا۔ نرگس بھی مچل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ وہ شخص سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا اور پھر وہ شخص زمین پر پڑے پڑے اس طرح اچھلا کہ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول میرے ہاتھ سے نکل کر نرگس والی چارپائی کے نیچے گر گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میری پنڈلی پر لگی تھی۔ میں لڑکھڑا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر اس شخص پر حملہ آور ہوا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے رہے پھر اس شخص نے مجھے اچھال دیا۔ میں دیوار سے ٹکرایا۔ میرا سر دیوار سے لگا تھا۔ میرا دماغ جھنجنا کر رہ گیا۔

میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ شخص میری طرف لپکا لیکن اسی لمحہ فضا فائر کی آواز اور اس شخص کی چیخ سے گونج اٹھی۔ میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں میرا پستول تھا اور وہ خونخوار نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہی تھی۔

گولی اس شخص کے بائیں کندھے پر لگی تھی۔ جہاں سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے مجروح کندھا پکڑ لیا اور پھر اچانک ہی اس نے چھلانگ لگا دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ نرگس پر حملہ آور ہو گا۔ نرگس نے بھی گولی چلا دی تھی۔

لیکن اس شخص نے نرگس پر نہیں کھڑکی کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ نرگس کی چلائی ہوئی گولی سامنے دیوار پر لگی تھی۔ مجھے اس شخص کی پھرتی پر حیرت ہوئی تھی۔ زخمی ہونے کے باوجود ہوا میں اڑتا ہوا کھڑکی سے باہر جا گرا تھا۔ نرگس نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور فائر کر دیا تھا لیکن یہ گولی بھی ضائع گئی۔

میں نے لپک کر نرگس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے چیخا۔

ہم ہال کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے۔ آگے اندھیرا تھا۔ اتنا موقع نہیں تھا کہ میں دوبارہ کمرے میں جا کر تاریخ اٹھاتا۔ اندیشہ یہ تھا کہ اگر وہ شخص ہم سے پہلے چوکیدار کے کمرے تک پہنچ جاتا تو ہمارے فرار کا راستہ مسدود ہو جاتا اور ہم یہاں پھنس کر رہ جاتے۔

میں نرگس کا ہاتھ پکڑ کر درختوں کے بیچ میں اس راستے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ابھی ہم نے چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی تھی

۔ میں نرگس کو پکڑے بھاگتا رہا۔ نرگس چیختی ہوئی نیچے گری۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کے پیروں میں کانٹے چبھ گئے تھے۔ میں اسے سنبھالنا چاہتا تھا کہ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ نرگس کے منہ سے بھی خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ میں اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا تو وہ چیخی۔

”مم... میرے پیٹ میں گولی لگی ہے۔ تت... تم۔“

اسی وقت ایک اور فائر ہوا اس مرتبہ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ میں نے آواز کی سمت میں فائر کر دیا۔ وہ شخص ہم سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گولی چلانے کے بعد اسے اپنی جگہ سے ہٹنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اندھیرے میں چلائی ہوئی میری گولی نشانے پر لگی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس شخص کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔

میں نے جھک کر نرگس کو کندھے پر اٹھا لیا اور چوکیدار کے کمرے کی طرف دوڑنے لگا۔ اس دوران دو فائر اور ہوئے تھے لیکن ہم محفوظ ہی رہے۔

اندھیرے میں بھاگتے ہوئے میرے پیر بھی جھاڑیوں میں الجھ رہے تھے اور اوپر سے درختوں کی جھکی ہوئی کانٹے دار شاخیں بھی میرے چہرے اور جسم سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور مختصر سے جنگل میں کئی گولیاں چلی تھیں۔ آواز دور تک گونجی ہو گی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہمیں سڑک پر روکنے کی کوشش نہ کی جائے۔

چوکیدار کے کمرے میں آ کر میں نے وہ دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ چارپائی پر پڑے ہوئے چوکیدار کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت ابھر آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور تیزی سے باہر آ گیا۔

اپنی کار تک پہنچنے میں مجھے چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ جب میں نرگس کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال رہا تھا تو اسی وقت پیچھے سے آنے والی ایک منی بس میرے قریب سے گزری۔ منی بس میں صرف ایک دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کار کا پچھلا دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر رہا تھا کہ پیچھے بہت دور سے پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ مینہ جو ون پولیس سٹیشن کی طرف سے آنے والی پولیس کی گاڑی کافی دور تھی۔ میں نے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

مجھے بلاک تیرہ ڈی ون تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور پھر مطلوبہ بنگلہ بھی آسانی سے مل گیا۔ اس گلی میں بڑے بڑے بنگلے تھے۔ کئی بنگلوں کے سامنے گاڑیاں کھڑی تھیں لیکن کسی قسم کی آمد و رفت نہیں تھی۔ اس بنگلے کے سامنے کار روک کر میں نیچے اتر آیا اور کال بیل بجا دی۔

میرا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نو بجے کے قریب جب میں نے اس پراسرار عورت کی کال ریسیو کی تھی تو مجھے شبہ تھا کہ مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی لیکن میں نے اس کی اطلاع کو نظر انداز بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اطلاع درست ثابت ہوئی تھی اور میں نرگس کو بھی وہاں سے نکال لایا تھا۔ لیکن اب اس بنگلے کے سامنے پہنچ کر میں ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اگر یہاں ...

گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا اور میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس نے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر کار کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا نام نازلی ہے اور..."

"میں گیٹ کھولتی ہوں۔ گاڑی اندر لے آؤ۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا اور ذیلی دروازہ بند کر کے گیٹ کھولنے لگی۔

میں کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ بنگلہ خاصا بڑا تھا۔ کمپاؤنڈ بہت وسیع تھا۔ ایک طرف لان تھا اور گیٹ سے پختہ روش برآمدے تک چلی گئی تھی۔ بائیں طرف ایک کشادہ گیراج سا تھا جہاں پہلے ہی سے ایک کار کھڑی تھی۔ میں نے اپنی کار برآمدے کے سامنے روکی اور نرگس کو اٹھا کر اندر لے آیا۔ وہ عورت الجھی ہوئی نظروں سے مجھے اور نرگس کو دیکھ رہی تھی۔

"اسے گولی لگی ہے۔" میں نے کہا۔ "اور فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

وہ عورت ہمیں ایک کمرے میں لے آئی۔ میں نے نرگس کو بیڈ پر لٹا دیا اور اس کے زخم کو دیکھنے لگا۔ گولی نرگس کے سینے پر عین درمیان میں لگی تھی۔ اس کے بالائی جسم کا بیشتر حصہ برہنہ تھا اور خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

"یہاں ٹیلی فون ہے؟" میں نے قریب کھڑی ہوئی اس عورت کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا۔ ٹیلی فون لاؤنج میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملایا۔ کال اسی بھاری آواز والے نے ریسیو کی تھی۔

"رنگا نہیں ہے باہر۔" اس نے میرے پوچھنے پر جواب دیا۔ "وہ علاقے میں گیا ہوا ہے۔ یہاں بڑا دنگا فساد ہو رہا ہے۔ اب تک دو آدمی مارے جا چکے ہیں۔ بہت لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ تم کام بتاؤ۔ میں اس کو بول دوں گا۔"

میں اسے نرگس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن نجانے کیا سوچ کر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا اور ریسیور رکھ کر قریب کھڑی ہوئی اس عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری ایک دوست ڈاکٹر ہے۔ میں اسے فون کرتی ہوں۔ تم کمرے میں چلو۔ میں بھی آتی ہوں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نرگس والے کمرے میں آ گیا۔ اس کے زخم سے کافی خون بہہ چکا تھا۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اسے اٹھانے سے میرے اپنے کپڑے خون آلود ہو رہے تھے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ عورت بھی کمرے میں آ گئی۔

"ڈاکٹر کو یہاں آنے میں آدھا گھنٹہ لگے گا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تک ہم اس کیلئے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔"

میں نے پہلی بار توجہ سے اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ صحت مند جسم کی مالک حسین عورت تھی۔ بال گردن تک کٹے ہوئے تھے۔ گلے میں سونے کی چین اور کانوں میں غالباً ہیرے کے بندے تھے۔ چین میں بھی ہیرے کے جڑاؤ والا ایک لاکٹ تھا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ قمیص اوپر سے خاصی تنگ تھی۔

اس نے اب تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی یہ دریافت کیا تھا کہ نرگس کو گولی کیسے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر کبھی مجھے اور کبھی نرگس کو دیکھتی رہی اور پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے چلی گئی۔ میں پلنگ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بے بسی سے نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ عورت واپس آ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ تھے۔ اس نے ایک مگ میری طرف بڑھا دیا۔

"لو چائے پیو اور اپنے آپ کو سنبھالو۔" اس نے کہا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا۔ وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ میرے چہرے پر کئی خراشیں تھیں۔ جن میں جلن ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے اپنی تکلیف سے زیادہ نرگس کا خیال تھا جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

وہ لیڈی ڈاکٹر تقریباً ایک گھنٹے بعد آئی تھی۔ وہ اگرچہ سرجن تھی لیکن یہ کیس اس کے بس کا نہیں تھا۔ نرگس کے سینے سے گولی نکالنے کیلئے آپریشن کی ضرورت تھی اور یہاں آپریشن نہیں ہو سکتا تھا۔

"اسے آپریشن کیلئے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔" اس نے کہا۔

"یہ ممکن نہیں۔" مجھ سے پہلے وہ عورت بول اٹھی۔ "جو کچھ کرنا ہے یہیں پر کرو۔"

"یہاں اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی لیکن بہرحال گولی نکالنے کی کوشش کرتی ہوں۔" لیڈی ڈاکٹر نے جواب دیا اور اپنا بیگ کھولنے لگی۔

لوکل انستھیزیا دے کر تقریباً ایک گھنٹے کی کوشش سے وہ نرگس کے سینے میں پیوست گولی نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔

"اگلے بارہ گھنٹے بہت اہم ہیں۔" وہ باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر یہ بارہ گھنٹے نکال لے تو پھر اس کیلئے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ اسے خون دینا بھی بہت ضروری ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں۔ اگر بندوبست ہو جائے تو۔"

اس نے ایک سرنج میں چند سی سی خون محفوظ کر لیا اور وہاں سے رخصت ہو گئی۔ اس وقت دو بج چکے تھے۔ اس کی واپسی ساڑھے تین بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس نے ایک مخصوص ساخت کے بیگ میں سے خون کی ایک تھیلی نکالی۔ بیگ فریج میں رکھ دیا اور نرگس کو خون لگانے لگی۔ خون کی تھیلی ٹانگنے کیلئے سٹینڈ نہیں تھا۔ تھیلی بیڈ کے ساتھ والی کھڑکی کی گرل سے باندھ دی گئی۔

ڈاکٹر تقریباً پندرہ منٹ تک ٹیوب میں خون کے بہاؤ کا جائزہ لیتی رہی پھر اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے بولی۔

"یہ بوتل کم از کم چار گھنٹوں تک چلے گی۔ میں صبح سات بجے آ کر دیکھوں گی۔ اس دوران اگر ویسی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔"

لیڈی ڈاکٹر کے جانے کے بعد ہم دونوں نرگس والے کمرے میں آ گئے اور تقریباً آدھا گھنٹہ خاموش بیٹھے کبھی نرگس کو اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وہ عورت مجھے اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ شاندار بیڈ روم تھا۔ شیشے کے دروازے والی ایک الماری میں

مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

"وہ باتھ روم ہے۔" اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نہا کر کپڑے بدل لو۔ یہ کپڑے تمہیں فٹ آ جائیں گے۔ خون آلود کپڑے اتار کر باتھ روم میں ہی ایک طرف ڈال دینا اور یہ لوشن رکھا ہے چہرے اور جسم پر دوسری جگہ خراشوں پر لگا لینا۔"

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور الماری کھول کر ٹنگے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر میں نے شلوار قمیص کا ایک جوڑا نکال لیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

آئینے میں جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ چہرے اور گردن پر کانٹوں سے لاتعداد خراشیں آئی تھیں۔ بانہوں پر بھی جگہ جگہ خراشیں تھیں جن میں جلن ہو رہی تھی۔

میں نے نہا کر خراشوں پر لوشن لگایا تو ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں نے کپڑے پہنے اور باہر آ گیا۔ وہ عورت لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نرگس والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور نرگس کا بیڈ وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ میں بھی اس عورت کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کا نام تابندہ تھا۔ وہ بیوہ تھی۔ تین سال پہلے یورپ کے کاروباری دورے کے دوران ایک ہوائی حادثے میں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک سے لگژری آئٹمز درآمد کئے جاتے تھے اور یہاں سے بھی ایسی اشیاء ایکسپورٹ کی جاتی تھیں جن میں خاصا منافع مل جاتا تھا۔

یہ بنگلہ تابندہ کے شوہر نے اپنی موت سے دو سال پہلے خریدا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑی بہت اور جائیداد بھی تھی جس سے ہر مہینے معقول کرایہ بھی مل جاتا تھا۔ تابندہ پڑھی لکھی عورت تھی۔ شوہر کی موت کے بعد اس نے کاروبار سنبھال لیا۔ اس کا منیجر دیانتدار اور محنتی آدمی تھا اور تابندہ کو اس پر مکمل بھروسہ تھا۔ شروع کے دو سال تو وہ باقاعدگی سے دفتر میں بیٹھتی رہی پھر اس نے سارا کام منیجر پر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ہی دفتر جاتی تھی۔

تابندہ کی شادی تقریباً دس سال پہلے ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد اس نے ایک بچی کو جنم دیا تھا جو چند روز بعد ہی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اس کے چند مہینے بعد تابندہ کو ایک حادثہ پیش آ گیا۔ کچھ اندرونی چوٹیں آئی تھیں جس سے وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی۔ اس طرح اس کی کوکھ اجڑ گئی۔

تابندہ کے پاس گھر کے کام کاج کیلئے ایک ملازمہ تھی جو چوبیس گھنٹے اس کے پاس رہتی تھی لیکن دو دن پہلے وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر بہاولپور چلی گئی تھی۔

رات کو مجھے ایک عورت ہی نے ٹیلی فون کیا تھا۔ میں تابندہ سے باتوں کے دوران اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا وہ فون تابندہ ہی نے کیا تھا لیکن اس کی آواز بہت مختلف تھی۔

تابندہ نے ابھی تک مجھ سے میرے یا نرگس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میں نے بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا حالانکہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اگر اس نے مجھے فون نہیں کیا تھا اور وہ مجھے نہیں جانتی تھی تو اس نے میرا نام سنتے ہی گیٹ کیوں کھول دیا تھا اور نرگس کیلئے اتنی پریشان کیوں تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے نرگس کو آپریشن کیلئے ہسپتال لے جانے کو کہا تھا مگر تابندہ نے اس کی سختی سے مخالفت کی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ صورت حال کی نزاکت سے آگاہ تھی۔ نرگس کو ہسپتال لے جانے

کی صورت میں پولیس کی مداخلت لازمی ہو جاتی۔

"رات کو مجھے تم نے فون کیا تھا؟" آخر کار میرے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں اس سے پہلے تمہیں جانتی بھی نہیں تھی بلکہ اب بھی نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم نے مجھے دیکھتے ہی بنگلے کا گیٹ کیوں کھول دیا تھا؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے تمہارا نام بتایا گیا تھا کہ تم یہاں آؤ گے اور تمہارے ساتھ نرگس نام کی ایک عورت بھی ہو گی۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "تمہاری آمد میرے لئے غیر متوقع نہیں تھی لیکن یہ صورتحال بالکل غیر متوقع تھی اور میں نے جو کچھ بھی کیا ہے انسانی ہمدردی کی بنا پر کیا ہے۔ تمہاری دوست کی زندگی بچ گئی تو مجھے خوشی ہو گی لیکن مجھے زیادہ امید نہیں ہے۔ تمہیں بھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہئے۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ آپریشن بھی اس طرح نہیں ہوا جس طرح ہونا چاہئے تھا۔ ڈاکٹر سلمی نے بارہ گھنٹے اہم قرار دئیے ہیں۔ کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔"

نرگس کی صورتحال سے میں بے خبر نہیں تھا۔ اس کی حالت خاصی نازک اور تشویشناک تھی اور میں دل ہی دل میں اس کی سلامتی کیلئے دعائیں مانگ رہا تھا۔

نرگس کا اور میرا بہت پرانا ساتھ تھا۔ جب میں ہندوستان سے واپس آیا تھا تو میرے ہی ہمدردوں نے مجھے لوٹنے اور قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ نرگس ہی تھی جس نے مجھے اپنے گاؤں سے باہر مویشیوں کے باڑے میں پناہ دی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کی مخالفت کی پروا بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اسے گاؤں والوں کا ڈر خوف تھا اور پھر وہ اپنے شوہر اور گاؤں کو ہی چھوڑ کر میرے ساتھ آ گئی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں نہ صرف قتل کے ایک پرانے کیس میں پولیس کو مطلوب ہوں بلکہ لاہور میں قتل کی کئی اور وارداتیں بھی میرے نام سے منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی میں لاتعداد اور سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب تھا۔ میرے پکڑے جانے کی صورت میں وہ بھی لپیٹ میں آ جاتی اور اس کی باقی زندگی بھی جیل میں ہی گزرتی۔

رضیہ نے کہا تھا کہ وہ میرے پاس قیمتی زیورات دیکھ کر میرے ساتھ چلی آئی تھی۔ دولت کے لالچ میں اس نے اپنے شوہر اور اپنے گاؤں کو چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم لاہور میں تھے تو رضیہ گاہے گاہے مجھے نرگس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ رضیہ کے خیال میں نرگس دولت کے لالچ میں میرے ساتھ آئی تھی لیکن رضیہ نے خود میرے زیور چھپانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے برعکس نرگس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے ایسا کوئی تاثر ملتا۔ حالانکہ سب کچھ نرگس ہی کی تحویل میں تھا۔ کروڑوں روپے مالیت کے وہ زیورات بھی اور لاکھوں روپے کی وہ نقد رقم بھی جو لاہور میں رضیہ کی جائیداد فروخت کر کے حاصل کی گئی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس نے تو اپنی زندگی میرے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اس نے میری خاطر بہت دکھ اٹھائے تھے۔ بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں اور اب وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

صبح چھ بجے کے قریب نرگس کو ہوش آیا۔ خون کی کافی مقدار اس کے جسم میں منتقل ہو چکی تھی لیکن اس کے چہرے کی زردی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ ہاتھ پیر مارنے لگی جس سے اس کی اذیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ مار کر بلڈ والی سوئی بھی بازو سے نکال دی تھی۔ خون کے قطرے قالین پر ٹپک رہے تھے۔ تابندہ نے ٹیوب کا سٹاپر بند کر دیا۔ نرگس کی سانس اکھڑنے لگی۔ میں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تابندہ دوڑ کر لاؤنج میں چلی گئی اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

نرگس کبھی بری طرح تڑپنے لگتی اور کبھی بے حس و حرکت ہو جاتی۔ اس کا سانس بار بار اکھڑ رہا تھا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد ڈاکٹر سلمیٰ پہنچ گئی۔ اس وقت نرگس بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ڈاکٹر سلمیٰ کتنی دیر تک اسے چیک کرتی رہی پھر اس نے تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے مایوسی میں سر ہلا دیا۔

"اگر رات کو اسے ہسپتال پہنچا دیا جاتا تو اس کے بچنے کی امید ہو سکتی تھی۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "اسے آکسیجن پر رکھا جاتا اور ایمرجنسی کی صورت میں دیگر ٹریٹمنٹ بھی دیا جا سکتا تھا جبکہ یہاں ایسی کوئی سہولت میسر نہیں تھی۔ مجھے افسوس ہے۔"

"تم جانتی ہو ہم اسے ہسپتال نہیں لے جا سکتے تھے۔ بہرحال اب تم چاہو تو جا سکتی ہو۔" تابندہ نے کہا۔

ڈاکٹر سلمیٰ ایک بار پھر لاش کی طرف متوجہ ہو گئی۔ زخم سے خون رس رہا تھا۔ اس نے اس طرح بینڈیج کر دی کہ مزید خون نہ رس سکے اور پھر وہ اپنا بیگ اٹھا کر رخصت ہو گئی۔

میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے نرگس کی موت کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے خود اس کی نبض ٹٹولنے کی کوشش کی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ گردن کے قریب ایک نس پر انگلی رکھ کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن زندگی موت کے سناٹے میں ڈوب چکی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا نرگس کو دیکھتا رہا۔

تابندہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چند منٹ میرے پاس کھڑی رہی پھر اس نے ایک چادر نرگس پر ڈال دی اور مجھے اٹھا کر کمرے سے باہر لے آئی۔ مجھے اس نے لاؤنج میں ایک صوفے پر بٹھا دیا اور خود ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرنے لگی۔

وہ اگرچہ مجھ سے صرف دس بارہ فٹ کے فاصلے پر تھی لیکن اس قدر دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی کہ اس کی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ پندرہ بیس منٹ تک فون پر بات کرتی رہی پھر ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھا اور کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک کپ میرے سامنے سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیا اور دوسرا خود لے کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میرے ساتھ پوری رات جاگی تھی اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ہم دونوں کافی دیر خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے رہے پھر تابندہ مجھ سے اظہار ہمدردی کرنے لگی اور پھر اس نے ایک چونکا دینے والا سوال کیا۔

"نرگس کون تھی اور تمہارے ساتھ کب سے تھی؟"

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ نرگس کون تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ بیچ بیچ میں کوئی سوال بھی کر دیتی تو میں اس کا جواب دے دیتا۔

باتوں میں مجھے رنگا کا خیال آ گیا۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملانے لگا۔ کال اسی بھاری آواز والے نے ریسیو کی تھی۔

"رنگا یہاں نہیں ہے واجہ۔" اس نے میری آواز سن کر کہا۔ "وہ آج صبح سویرے ایک ضروری کام سے حب چلا گیا ہے۔"

"حب۔" میں نے حیرت سے یہ نام دہرایا۔ میں یہاں مصیبت میں گرفتار تھا۔ نرگس ختم ہو گئی تھی اور رنگا کسی ضروری کام سے حب چلا گیا تھا۔

"اچھا ٹیڈی یا حضوری سے بات کرا دو۔"

"حضوری بھی رنگا دادا کے ساتھ گیا ہے اور ٹیڈی کا کچھ پتا نہیں۔ وہ کل رات سے چھپتا پھر رہا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" میں نے کہا۔ "میں کل شام سے فون کر رہا ہوں۔ رنگا مجھ سے بات کیوں نہیں کرتا آخر ایسا کیا مسئلہ ہے؟"

"کل سارا رات ادھر پھڈا ہوا ہے واجہ۔" اس نے جواب دیا۔ "رنگا دادا کا گروہ میں ٹوٹ پڑ گیا ہے۔ وہ لوگ سارا رات ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے رہے ہیں تا۔ ٹیڈی نے رنگا سے بغاوت کر دیا ہے۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔"

یہ اطلاع میرے لئے بہت ہی حیرت انگیز تھی۔ گزشتہ رات صرف ایک مرتبہ رنگا سے بات ہوئی تھی۔ اس نے یہ تو بتایا تھا کہ علاقے میں لفڑا ہو گیا ہے لیکن بغاوت والی بات اس نے نہیں بتائی تھی اور ٹیڈی وہ تو اس کے بچپن کا دوست تھا۔ رنگا نے خود بتایا تھا کہ حضوری اور ٹیڈی نے بچپن سے اب تک قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے لئے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں لیکن اب یکایک ان میں اس طرح پھوٹ پڑ جانا کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ میرے لئے انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ اس شخص کے کہنے کے مطابق رنگا ایک ضروری کام سے حب چلا گیا تھا۔ حب کراچی کی ساحلی حدود سے ملا ہوا بلوچستان کا ایک قصبہ تھا۔ وہاں بھی رنگا کے قبیلے کے لوگ آباد تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ٹیڈی کا پلڑا بھاری ہو گیا ہو اور رنگا اپنی جان بچانے کیلئے حب کی طرف بھاگ گیا ہو۔ مجھے ان زیورات کی فکر بھی ہو رہی تھی۔ کروڑوں روپے مالیت کے زیورات تھے۔ مجھے اپنی کشتی ڈوبتی ہوئی نظر آنے لگی۔

وہ شخص ابھی تک لائن پر تھا۔ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "تو پھر ایسا کرو حریری سے میری بات کرا دو۔ میرے لئے بھی بہت ایمرجنسی ہے۔"

"حریری کا نام آئندہ زبان پر مت لانا واجہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔

میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ تابندہ کن انکھیوں سے میری

طرف دیکھ رہی تھی اور بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میں نے ریسیور رکھا تو وہ اس وقت بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس نے یہ نہیں پوچھا کہ رنگا کون تھا اور حریری کون تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کال بیل بج اٹھی۔ تابندہ نے برآمدے کے دروازے سے باہر جھانکا پھر مجھے لے کر نرگس والے کمرے میں آ گئی اور چادر نرگس کے چہرے سے ہٹا دی۔

"آخری بار اس کا چہرہ دیکھ لو۔" وہ بولی۔ "یہ جا رہی ہے کبھی واپس نہ آنے کیلئے۔"

"کیا؟" میں چونک گیا۔

"ظاہر ہے اسے زیادہ دیر یہاں نہیں رکھا جا سکتا۔" تابندہ نے کہا۔ "میں نے فون کر دیا تھا۔ وہ لوگ ڈیڈ باڈی لینے کیلئے آئے ہیں۔ اطمینان رکھو اس کی تجہیز و تکفین اور تمام رسومات ہوں گی فرق صرف اتنا ہو گا کہ تم ان آخری رسومات میں شریک نہیں ہو گے۔"

میں نے جھک کے نرگس کی سرد پیشانی پر بوسہ دیا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ تابندہ نے نرگس کا چہرہ چادر سے ڈھک دیا اور مجھے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آئی۔

"جب تک میں نہ کہوں تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی اور دروازہ بھیڑ دیا۔

چند منٹ بعد گیٹ کھلا اور کسی گاڑی کے اندر داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں جس کمرے میں تھا اس کی ایک کھڑکی سامنے کی طرف بھی کھلتی تھی۔ کھڑکی کے سامنے نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا تھا۔ میں نے پردے کا کونا سرکا کر محتاط انداز میں باہر جھانکا۔

وہ سیاہ رنگ کی ایک بند سی وین تھی جو میری کار کے پیچھے کھڑی تھی۔ وین کی کھڑکیوں کے شیشے تاریک تھے۔ تین آدمی وین سے اترے تھے۔ پچھلا دروازہ کھول کر انہوں نے سٹریچر باہر نکالا اور برآمدے میں داخل ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سٹریچر لے کر باہر آ گئے۔ سٹریچر پر نرگس کی لاش تھی۔ سٹریچر وین کے پچھلے حصے میں رکھ دیا گیا اور دو آدمی بھی پیچھے ہی بیٹھ گئے۔ انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ تیسرا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے انجن سٹارٹ کیا اور وین ریورس گیئر میں چلتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ تابندہ نے گیٹ کھول دیا۔ وین باہر چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایمبولینس ہو گی لیکن اس کے سامنے یا دائیں بائیں کہیں بھی ایمبولینس لکھا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کوئی ایسا نشان تھا جس سے یہ پتہ چلتا کہ اس وین کا تعلق کسی ہسپتال یا فلاحی ادارے سے ہے۔

تابندہ گیٹ بند کر کے اندر آ گئی اور اس نے میرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ افسردہ سے لہجے میں ایک بار پھر مجھے تسلی دینے لگی۔

اس کے ایک گھنٹے بعد تابندہ نے مجھے زبردستی ناشتہ کروایا اور میں دوسرے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ میں دیر تک نرگس کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور پھر پتہ نہیں کس وقت میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں پورا دن سوتا رہا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کمرے کی بتی بھی جل رہی تھی۔ دروازہ ایک انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور لاؤنج میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

میرا سر بے حد بوجھل تھا۔ دماغ کی نسوں میں شدید تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ چٹ کی آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں روشنی بھر گئی تھی۔ میں چند لمحے بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکتا اور چھت کو گھورتا رہا پھر دروازے کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حریری دروازے میں کھڑی تھی۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔

میں نے انگلی دانتوں کے نیچے دبا لی اور میرے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔ میں خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ناقابل تردید حقیقت کی طرح میرے سامنے کھڑی تھی۔ ملکوتی حسن کا پیکر قدرت کا حسین ترین شاہکار اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک اور ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ رنگا کے ہاں میں نے جب بھی اسے دیکھا تھا وہ قدیم الف لیلوی لباس میں نظر آئی تھی لیکن اس وقت اس نے انگوری رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ قمیص چولی کی طرح تھی جس کا دامن گھٹنوں سے خاصا اوپر تھا۔ لباس کا دوسرا حصہ فلیپر ٹائپ کے پاجامے پر مشتمل تھا۔ جس کے پائنچے خاصے کھلے تھے۔ قمیص اوپر سے اس قدر تنگ تھی جیسے وہ کپڑا بھی اس کے جسم ہی کا حصہ ہو۔

"میں کوئی سپنا نہیں جیتی جاگتی ہستی ہوں۔" حریری کے لبوں کو حرکت ہوئی اور وہی جلترنگ جیسی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

نجانے کیا بات تھی کہ حریری کو اپنے سامنے دیکھ کر میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔ حالانکہ میں اسے دیکھنے کیلئے اس سے بات کرنے کیلئے کئی دنوں سے بے چین ہو رہا تھا اور اب حریری کو دیکھ کر مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی اور پھر اچانک جیسے رنگا کا خیال آ گیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے دل پر مردنی سی طاری ہو گئی۔ چشم تصور سے اس کالے بھوت کو حریری جیسی اپسرا کے ساتھ دیکھ کر مجھے کراہت سی محسوس ہونے لگی۔ لیکن اسی لمحہ ایک اور خیال بم کے دھماکے کی طرح میرے دماغ میں گونج اٹھا۔

حریری یہاں کیسے آ گئی؟

یہ سوالیہ نشان میرے دماغ میں پھیلتا چلا گیا لیکن یہ سوال زبان پر نہیں آ سکا۔ اس کے برعکس میں غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ حریری شاید میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور جلترنگ جیسی وہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"وہ نہیں ہے۔ اب تم اسے میرے ساتھ نہیں دیکھو گے۔"

اب مجھے اپنی سماعت پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ حریری رنگا کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر آئی تھی۔ ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ٹیڈی نے بھی ایک مرتبہ مجھے بتایا تھا کہ رنگا جب علاقے کے دورے پر بھی نکلتا تھا تو حریری ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لوگ انہیں لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور اب حریری نے

عجیب سی بات کہہ دی تھی کہ رنگا کو اب کبھی اس کے ساتھ نہیں دیکھ سکوں گا۔

دروازہ نیم وا تھا۔ حریری آگے بڑھ آئی۔ میں بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ میرے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور ایک بار پھر وہی خیال ذہن میں ابھرا کہ حریری یہاں کیسے آ گئی۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔ تابندہ سے اس کا کیا تعلق ہے اور یہ کہ وہ رنگا کے بغیر یہاں کیسے آ گئی تھی؟ یہ اور اس جیسے کئی سوالوں کا جواب نہیں تھا۔

"بیٹھ جاؤ کھڑے کیوں ہو گئے؟" حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور خود بھی بڑے تمکنت انداز میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں بیڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسے بات کروں اور کیا بات کروں۔

"تم مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟" حریری نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے بلکہ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں ہوں؟" میں نے کہا۔

"پتہ کیسے نہ ہوتا میں نے ہی تو تمہیں یہاں کا ایڈریس بتایا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔ "کل رات وہ ٹیلی فون کال۔"

"وہ فون میں نے ہی کیا تھا۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔

"نرگس کے بارے میں اطلاع میں نے ہی دی تھی اور اس بنگلے کا پتہ بھی میں نے ہی بتایا تھا۔"

"لیکن وہ آواز۔" میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس انکشاف سے میرے اوپر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

"وہ آواز بھی میری ہی تھی۔" حریری نے انکشاف کیا۔ "آواز بدلنے کی کوشش کے ساتھ میں نے فون کے ماؤتھ پیس پر رومال رکھ دیا تھا۔ اس طرح تم میری آواز نہ پہچان سکے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "تم اپنے مشن میں کامیاب تو ہو گئے لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہاری دوست کی زندگی اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ اسے بچانے کی کوشش تو کی گئی تھی لیکن۔"

حریری نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نرگس کے ذکر سے مجھ پر ایک دم اداسی طاری ہو گئی۔ حریری نے میرے چہرے کے تاثرات سے میری اندرونی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے بات بدل دی۔

اسی وقت دروازہ پوری طرح کھل گیا اور تابندہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

"چائے تیار ہو چکی ہے۔ تم لوگ لاؤنج میں آ جاؤ۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو پہلے چائے پی لو پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" حریری کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

"تم چلو میں آ رہا ہوں۔" میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

حریری کمرے سے باہر چلی گئی اور میں باتھ روم میں گھس گیا۔ میرے دماغ میں ابھی تک سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ میں نے بیسن میں سر جھکا کر نل کھول دیا۔ ٹھنڈے پانی سے مجھے کسی حد تک سکون ملا تھا۔

میں تقریباً دس منٹ بعد کمرے سے باہر آیا۔ لاؤنج میں سنٹر ٹیبل پر چائے اور ناشتہ لگا ہوا تھا۔ چکن پیریڈ اور پنیر کے سینڈوچ تھے۔

تابندہ اور حریری آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ حریری نے ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے پیر نیچے کر لیا۔ میں اس کے سامنے حریری کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم کچھ کھائے بغیر سو گئے تھے اور میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا بلکہ میں خود بھی سو گئی تھی۔" تابندہ نے کہا۔ "کھانا تو ابھی دیر میں بنے گا اس لئے میں نے سینڈوچ بنا لئے ہیں۔ شروع ہو جاؤ۔ تمہیں بھی بھوک لگ رہی ہو گی۔"

میں نے سینڈوچ والی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس وقت حریری کا ہاتھ بھی آگے بڑھا تھا اور ہم نے بیک وقت ایک ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔ حریری نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ معمہ اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔" میں نے سینڈوچ کا ایک بائٹ لے کر چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں نرگس کے بارے میں کیسے پتہ چلا اور تابندہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"تابندہ سے میری پرانی دوستی ہے اور رنگا اس کے بارے میں نہیں جانتا۔" حریری نے جواب دیا۔ "اور نرگس کے بارے میں مجھے ٹیڈی نے بتایا تھا۔"

"ٹیڈی نے۔" میں نے کہا۔ "یہ اطلاع میرے لئے بڑی حیرت انگیز ہے کہ رنگا کے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور ٹیڈی اور رنگا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

"تمہاری اطلاع درست ہے۔" حریری نے جواب دیا۔ "میں بہت عرصے سے محسوس کر رہی تھی کہ ان دونوں میں کلیش ہونے والا ہے۔ رنگا جیسے کم ظرف آدمی کے ساتھ کسی شریف آدمی کا نبھاہ بہت مشکل ہے۔ مجھے حیرت ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اتنا عرصہ کیسے رہ گئے۔"

حریری کی زبان سے رنگا کیلئے کم ظرف کا لفظ سن کر میرا دماغ سنسنا اٹھا۔ میں نے اسے جس انداز میں رنگا کے ساتھ رہتے دیکھا تھا اس کے پیش نظر تو ایسی کوئی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

"ان میں بعض معاملات پر اختلافات تو بہت عرصے سے چلے آ رہے تھے لیکن تمہارا معاملہ بھس تک چنگاری بن گیا اور آگ ایک دم بھڑک اٹھی۔" حریری نے کہا۔

"میرا معاملہ؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ لمبا قصہ ہے۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گی۔ بہرحال تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس۔ اس وقت تو میں وہ امانت تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔" حریری نے کہتے ہوئے تابندہ کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر ایک کمرے میں چلی گئی۔

"میری امانت؟" مجھ پر واقعی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے حریری کو بھی کوئی چیز دی تھی۔ چیز دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میری اس سے صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ اس رات جب میں پہلی مرتبہ رنگا سے ملاقات کیلئے اس کے اڈے پر گیا تھا اور گفتگو کے

دوران کسی پولیس آفیسر کے آ جانے سے رنگا نے مجھے دوسری طرف بھیج دیا تھا جہاں حریری موجود تھی۔ لیکن میں اس کے حسن سے اس قدر مرعوب ہو گیا تھا کہ ڈھنگ سے کوئی بات بھی نہیں کر سکا تھا۔ کوئی امانت اس کے سپرد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

تابندہ واپس آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا ریگزین کا ایک بیگ تھا۔ اس قسم کے بیگ عام طور پر سکول کے بچے استعمال کرتے ہیں۔ قریب آ کر تابندہ نے وہ بیگ میرے حوالے کر دیا۔

"بیگ کھول کر چیک کر لو۔ تمہاری امانت میں کسی قسم کی کوئی خیانت تو نہیں ہوئی۔" حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حریری یہ بات نہ بھی کہتی تو میں بیگ کھول کر ضرور دیکھتا کہ کیا چیز ہے جسے حریری میری امانت کہہ کر میرے حوالے کر رہی ہے۔

میں نے بیگ کی زپ کھول دی اور اس کے اندر کپڑے کا وہ میلا سا تھیلا دیکھ کر میں اچھل پڑا اور پھر وہ تھیلا میز پر پلٹنے میں بھی میں نے دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ تمام زیورات میرے سامنے تھے جو میں ہندوستان سے لایا تھا اور جنہیں میں سنبھال کر رکھ رہا تھا۔ یہی زیورات میرے اور رفیہ کے بیچ اختلاف کا باعث بنے تھے اور یہ اختلاف اس حد تک بڑھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ نرگس کی زندگی بھی چھپکتے ہوئے انہی زیورات کی بھینٹ چڑھ گئی تھی اور چند روز پہلے نرگس کے اغوا کے بعد دس کلو ہیروئن اور زیورات کا یہ تھیلا میں نے رنگا کو دے دیا تھا۔

"یہ... یہ تھیلا تمہارے پاس کیسے آیا یہ تو میں نے؟"

رنگا کو دیا تھا۔" حریری نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔ "اور تمہارے یہ زیورات ہی رنگا اور ریٹیڈی میں فساد اور ہنگامے کا باعث بنے ہیں۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے نکلا۔ "شاید ٹیڈی ان پر قبضہ کرنا چاہتا ہوگا اس کی نیت میں فتور آ گیا ہوگا۔"

"فتور ریٹیڈی کی نہیں رنگا کی نیت میں آیا تھا۔ وہ ان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور ٹیڈی کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔" حریری نے کہا۔

"میرا دماغ الجھتا جا رہا ہے اور کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" میں نے کہا۔

"اس وقت میرا ذہن بھی الجھا ہوا ہے اور میں کچھ آرام کرنا چاہتی ہوں۔" حریری نے کہا۔ "رات کے کھانے کے بعد بات ہوگی۔ میں اب یہیں رہوں گی۔"

حریری اٹھ کر اوپر جانے والے زینے کی طرف چلی گئی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ اب یہیں رہے گی۔ اس بنگلے میں میری نگاہوں کے سامنے۔ وہ زینے پر یوں بڑھ رہی تھی جیسے ہوا میں تیرتی ہوئی جا رہی ہو۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ اوپر بالکونی میں جا کر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

تابندہ بھی برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ملازم نہ ہونے کی وجہ سے سارے کام خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ اس بنگلے پر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنے بڑے بنگلے میں اکیلی رہتی تھی۔ اسے ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔

میں اب تک ایک ہی کمرے تک محدود رہا تھا۔ اب موقع ملا تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس وقت تابندہ بھی کچن سے نکل آئی۔

"گھوم پھر لو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے لان بھی بہت اچھا مین ٹین کر رکھا ہے۔ تمہارے گھومنے پھرنے پر تو کوئی پابندی نہیں البتہ گیٹ سے باہر جانا خود تمہارے مفاد میں نہیں ہوگا۔"

"تم نے کوئی چوکیدار بھی نہیں رکھا ہوا۔ کیا تمہیں اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟" میں نے پوچھا۔

"اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دنوں چوکیدار بھی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ وہ بھی دو چار دن میں آ جائے گا۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "آؤ میں تمہیں گھر دکھاؤں۔"

وہ مجھے گھوم پھر کر گھر دکھانے لگی۔ میں گھر سے زیادہ اسے دیکھ رہا تھا۔ خوب اونچی لمبی اور گوری چٹی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش بھی مجھے قدرے مختلف لگے تھے۔ وہ اگرچہ بہت صاف اردو بول رہی تھی لیکن بعض الفاظ ایسے تھے جو وہ ٹھیک سے نہیں بول سکتی تھی۔ وہ ڑ اور ٹ نہیں بول سکتی تھی۔ ان حروف کو وہ ر اور ت کی طرح استعمال کرتی تھی۔ کچھ اور حروف بھی اس کی زبان سے ٹھیک طرح ادا نہیں ہوتے تھے۔ اس سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔

وہ مجھے گھوم پھر کر اس بنگلے کے بارے میں بتاتی رہی۔ یہ بنگلہ اس کے شوہر نے خریدا تھا اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کے علاوہ اوپر کی منزل بھی بعد میں تعمیر کرائی گئی تھی۔ نیچے لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے علاوہ چار بیڈ رومز تھے جبکہ اوپر ایک وسیع ہال اور دو بیڈ رومز تھے۔ اوپر زیادہ جگہ کھلی چھوڑی گئی تھی۔ اوپر دونوں بیڈ رومز کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک بیڈ روم میں حریری بستر پر سو رہی تھی۔ ہم خاموشی سے اس کمرے کے سامنے سے گزر گئے۔

"تم اردو بہت اچھی بول لیتی ہو لیکن میرے خیال میں تمہاری مادری زبان اردو نہیں ہے۔" میں نے اس سے یہ سوال اوپر سے واپسی پر سیڑھیاں اترتے ہوئے کیا تھا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ "میں ایرانی ہوں لیکن میں نے انگریزی کی ڈگری یہیں سے لی تھی۔ کراچی یونیورسٹی سے۔"

میں میٹرک سے اوپر نہیں جا سکا تھا۔ اس لئے بی اے یا ایم اے کی ڈگریوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ البتہ صرف میٹرک ہونے کے باوجود میری اردو بہت اچھی تھی اور میں انگریزی بھی روانی سے بول لیتا تھا۔ انگریزی تو میں نے ہندوستان میں سیکھی تھی۔

تابندہ کے بارے میں میرا اندازہ بالکل درست نکلا تھا۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں تھی اور وہ پاکستانی بھی نہیں تھی۔

"آؤ میں تمہیں اپنا لان دکھاؤں۔" اس نے کہا۔

ہم دونوں باہر آ گئے۔ برآمدے کی تین سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر کرنٹ سا دوڑ گیا ہو۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ لان میں آنے تک اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ لش گرین لان کے اطراف میں مختلف اقسام کے پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ لان کے عین وسط میں دائرے کی صورت میں گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے۔ وہ کافی دیر تک مجھے پودوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ پھر ہم بانس کی تیلیوں سے بنی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تابندہ مجھے اپنے بارے میں بتانے لگی۔

تابندہ کے کہنے کے مطابق وہ تہران کی رہنے والی تھی۔ اس کا تعلق ایک معزز گھرانے سے تھا۔ ایران کے شاہی خاندان سے بھی کچھ قریبی تعلقات تھے۔ اس کا باپ بہت بڑا بزنس مین تھا۔ تخت جمشید میں ان کی کوٹھی کا لان کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔

مذہبی انقلاب نے ایران کی سرزمین کو تہہ و بالا کر دیا۔ شاہ ملک سے فرار ہو گیا۔ شاہی خاندان اور ان سے تعلق رکھنے والے افراد مذہبی رہنماؤں کے عتاب کا شکار ہونے لگے۔ ہر دولتمند کے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا کہ اس نے یہ دولت ناجائز ذرائع سے جمع کی ہے۔

انقلاب کا ابتدائی دور بہت ہی خوفناک تھا۔ پاسداران پورے ایران میں دہشت کی علامت بن گئے تھے۔ ہر دولت مند شخص ان سے خائف تھا۔ لوگ اپنی جان بچانے کیلئے ملک سے فرار ہو رہے تھے۔

"پاسداران میں زیادہ غنڈے اور بدمعاش شامل تھے اور انہوں نے ہر طرف لوٹ مار مچا رکھی تھی۔" تابندہ بتا رہی تھی۔ "ایک گروہ نے ہمارے محلے پر بھی حملہ کیا تھا لیکن میرے باپ کے پاس سب مشین گن تھی۔ انہوں نے ایک دو ہوائی برسٹ مارے تو حملہ آور بھاگ گئے لیکن یہ طے ہو گیا تھا کہ اب ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "ہم اسی رات تہران سے بھاگ نکلے۔ ہمارے گھر میں کروڑوں کا سامان تھا جو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ میرے باپ صرف زیورات، کچھ ہیرے اور کچھ نقدی اپنے ساتھ لا سکے تھے۔ ایران سے فرار ہونے والے لوگ عام طور پر ترکی کا رخ کر رہے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی کاروبار مل گیا تھا۔ وہ بھاری معاوضہ لے کر سرحد پار کروا دیتے لیکن بہت کم ایسے خوش قسمت تھے جو سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو پاتے۔ ان کے رہنما ہی انہیں راستے میں لوٹ کر قتل کر دیتے۔

"میرے باپ نے بھی دو ایسے آدمیوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو اپنے آپ کو پاسداران کا عہدیدار بتاتے تھے۔ میرے بابا نے انہیں بھاری معاوضہ ادا کیا تھا اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں بندر عباس کی طرف سے سمندر کے راستے بحفاظت ملک سے نکال دیں گے۔

"کرمان تک تو وہ ہمیں خیریت سے لے آئے لیکن پھر ان کی نیت بدل گئی اور شاید انہوں نے پہلے ہی سے ایسا کوئی منصوبہ بنا رکھا تھا۔ کرمان سے تقریباً پچاس میل آگے ایک قصبے میں کچھ دیر رکنے کے بعد انہوں نے ایک ویرانے میں پڑاؤ ڈال دیا کہ رات یہاں گزار کر آگے روانہ ہوں گے۔

"یہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس وقت میں کیسی ہوں گی۔ تہران سے اس مقام تک سفر کے دوران وہ دونوں بار بار مجھے گھورتے رہے تھے اور اس رات جب انہوں نے ویرانے میں پڑاؤ ڈالا تو میرے ماں باپ کو شبہ ہو گیا کہ آج رات کچھ ہونے والا ہے اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"رات کے آخری پہر ان دونوں نے اچانک ہی مجھے دبوچ لیا۔ ایک آدمی نے خنجر میرے گلے پر رکھ دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ میرے بابا کے پاس پستول ہے۔ انہوں نے مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے کر بابا سے پستول چھین لیا۔ بابا ان کی منت سماجت کرتے رہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے لے لیں اور مجھے چھوڑ دیں لیکن وہ انسان نہیں شیطان تھے۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑ دیے۔ میری ماں سے وہ بیگ بھی چھین لیا جس میں ہیرے جواہرات اور نقدی تھی۔ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے پہاڑیوں کی طرف لے جا رہے تھے کہ میری ماں نے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر گولی چلا دی۔ پہلی گولی اس شخص کی کھوپڑی میں لگی جس نے مجھے گرفت میں لے رکھا تھا۔ میرے بابا میری طرف لپکے۔ اس دوران دوسرے وحشی نے بابا سے چھینے ہوئے پستول سے گولی چلا دی جو میرے بابا کے سینے میں لگی۔ میری ماں اس شخص کو نشانے پر لے کر پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ وہ شخص چھلنی ہو کر گر پڑا۔

"ہم دونوں باپ کی طرف دوڑے۔ گولی بابا کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر لگی تھی۔ وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے۔ ہم بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ بابا کو کفن تو کیا دیتے ہم تو ان کیلئے قبر بھی نہیں کھود سکے تھے۔ بابا کی لاش ہم نے پتھروں سے ڈھک دی اور دو دن تک بھوکے پیاسے پہاڑوں میں بھٹکتے ہوئے بام نامی قصبے میں پہنچ گئے۔

"اس قصبے میں بھی انقلاب کے اثرات نمایاں تھے لیکن خوش قسمتی سے ہمیں عطار نامی ایک شخص کے ہاں پناہ مل گئی۔

"عطار ایک شریف آدمی تھا۔ اس نے ہمیں تقریباً تین مہینوں تک اپنے پاس رکھا۔ پورے ایران میں قتل و غارت اب بھی جاری تھی۔ شاہ پسندوں اور دولت مندوں کو اب بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا جا رہا تھا۔ بام نامی اس قصبے کے حالات بھی بگڑتے جا رہے تھے۔ یہاں بھی پاسداران نے دہشت پھیلا رکھی تھی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

"عطار کیلئے بھی مشکلیں پیدا ہو رہی تھیں اور پھر ایک رات وہ اپنے ٹرک میں ہمیں بام سے نکال لایا۔ ہم نے بندر عباس میں اس کے ایک رشتے دار کے ہاں پناہ لی۔ بندر عباس ایک بڑا شہر تھا اور یہاں کے حالات بھی ملک کے دوسرے حصوں سے مختلف نہیں تھے۔ ہم تقریباً ایک مہینہ بندر عباس میں رہے اور پھر ایک رات ہمیں ایک لانچ پر سوار کرا دیا گیا۔ جس نے ہمیں جیوانی کے ساحل پر پہنچا دیا۔ ہم جیوانی سے گوادر اور پسنی ہوتے ہوئے کراچی آ گئے۔"

"تم جانتے ہو کسی دوسرے ملک میں سیٹل ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور سے ایک اکیلی عورت کیلئے جس کے ساتھ ایک جوان اور حسین لڑکی بھی ہو لیکن میری ماں بڑی باہمت عورت تھی۔ کراچی میں آباد بعض ایرانیوں نے بھی ہماری بڑی مدد کی اور ایران سے لائی ہوئی دولت بھی ہمارے بہت کام آئی۔

"سکون سے بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے کالج میں داخلہ لے لیا اور جب گریجوایشن کیا تو میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اکیلی رہ گئی۔

"عطار سے ہمارا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ لوگ بھی بندر عباس میں منتقل ہو گئے تھے اور ہمارے درمیان خط و کتابت جاری رہی تھی۔ میری والدہ کے انتقال کی خبر پا کر وہ تعزیت کیلئے کراچی آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ جب ہم بندر عباس سے رخصت ہوئے تھے تو حریری پانچ چھ سال کی تھی اور جب کراچی میں دیکھا تو وہ بہت بڑی ہو چکی تھی۔

"حریری۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں یہ ہمارے محسن عطار کی بیٹی ہے۔" تابندہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے ایم اے کر لیا تھا۔ اکیلی تھی میرے پاس روپے پیسے کی بھی کمی نہیں تھی۔ یہاں بے شمار ایرانی آباد ہیں۔ بہت سے نوجوان مجھ سے شادی کے خواہشمند تھے۔ لیکن میں ہر ایک کو انکار کرتی رہی اور پھر میں ان لوگوں سے دور ہٹتی رہی۔ اس دوران میری ملاقات عدنان سے ہو گئی۔ وہ لکھنؤ کا رہنے والا تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا اور شادی کر لی لیکن ہم صرف تین سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکے تھے۔ وہ یورپ میں ایک ہوائی حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔

"عدنان کے انتقال کے تین مہینے بعد ایک بار پھر حریری سے ملاقات ہوئی۔ وہ جوان ہو کر پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی تھی اور پھر بندر عباس اور کراچی کے درمیان اس کی آمد و رفت جاری رہی۔ وہ جب بھی آئی مجھ سے ضرور ملتی۔ اس نے اپنے کسی اور جاننے والے کو میرے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا۔

"تین مہینے پہلے میں حریری کو رنگا کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ کہاں حریری اور کہاں رنگا۔ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ ان میں کیا فرق ہے۔ حریری رنگا سے چوری چھپے بھی کبھار مجھ سے مل لیتی تھی۔ اس نے رنگا کو میرے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ حریری نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ کسی مصلحت کی بنا پر رنگا کے ساتھ رہ رہی ہے پھر کل رات اس نے فون کر کے مجھے تمہارے بارے میں بتایا اور اب وہ خود بھی رنگا کو چھوڑ کر یہاں آ گئی ہے۔ اچھا ہوا وہ شیدی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔"

"رنگا کے بارے میں کچھ دلچسپ انکشافات ہو رہے ہیں۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس شہدے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔ حریری ہی تمہیں بتائے گی۔ لو وہ بھی آ گئی۔" تابندہ نے کہتے ہوئے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

میری پشت برآمدے کی طرف تھی میں نے مڑ کر دیکھا۔ حریری برآمدے سے اتر کر اس طرف آ رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ چل نہیں رہی تھی۔ ہوا میں تیر رہی تھی۔ بڑی سبک خرام تھی وہ۔ قریب آ کر اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

لان میں بلب روشن تھے جل رہے تھے۔ ان کی روشنی میں حریری کا حسن اور بھی نکھر آیا تھا۔ مجھے ایسا

لگ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں بے پناہ خمار تھا۔ وہ بے تکلفی سے میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم لوگ بیٹھو میں کچن میں جا رہی ہوں۔" تابندہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "سالن تو دوپہر ہی کو تیار کر لیا تھا صرف روٹیاں پکانی ہیں۔"

"مجھے تو بھوک نہیں ہے اس وقت۔ اگر مجھے چائے بنا دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔" حریری نے کہا۔

"بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے۔ سینڈوچ کھا کر ہی پیٹ بھر گیا تھا۔" میں نے بھی تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کھانا کوئی نہیں کھائے گا۔ تو پھر میں چائے بنا کر لے آتی ہوں۔" تابندہ نے کہا۔

"تم نے بڑے غلط وقت پر اپنی ملازمہ کو چھٹی دے دی۔ گھر کا سارا کام تمہیں خود ہی کرنا پڑ رہا ہے۔" حریری نے کہا۔

"ملازمہ کے ہوتے ہوئے بھی میں بہت سے کام خود کرتی ہوں۔" تابندہ کہتے ہوئے برآمدے کی طرف چلی گئی۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" تابندہ کے جانے کے بعد حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "پندرہ سولہ سال پہلے ایران سے فرار ہوتے وقت تمہارے پاپا نے پناہ دی تھی اور پھر وہاں سے فرار ہونے میں بھی مدد کی تھی۔ وہ بہت احسان مند ہے۔ تمہارے پاپا کی اور تمہیں بھی بہت چاہتی ہے۔"

"ہاں بڑی اچھی عورت ہے۔" حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ موسم بھی بڑا خوشگوار تھا۔ حریری گلاب کے پودوں کی طرف دیکھتے ہوئے بتا رہی تھی کہ ان میں سے بہت سے پودے اس نے تابندہ کو ایران سے لا کر دیئے تھے۔ تابندہ کو گلاب سے عشق ہے ان پودوں کی دیکھ بھال وہ خود کرتی ہے۔

تابندہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران پودوں ہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں اور پھر موضوعات بدلتے رہے۔ گلی میں گاڑیوں اور لوگوں کی آمد و رفت کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر بتدریج خاموشی چھاتی چلی گئی اور پھر چوکیدار کی سیٹی کی آواز سنائی دی تو تابندہ اٹھ گئی۔

"میں تو سونے جا رہی ہوں۔ بہتر ہوگا کہ تم لوگ بھی اندر چلے جاؤ۔ بارہ بج چکے ہیں۔ یہ چوکیدار ٹھیک بارہ بجے آتا ہے۔" اس نے میز پر سے چائے کے خالی کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہم بھی اس کے ساتھ ہی اندر آ گئے۔ تابندہ تو کچن میں چلی گئی اور حریری میں ابھی آئی کہتے ہوئے اوپر چلی گئی اور میں بھی اس کمرے میں آ گیا جہاں دوپہر کو سویا تھا۔ حریری کا دیا ہوا بیگ بھی میں نے اسی کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا جو ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا۔

پندرہ منٹ بعد تابندہ نے دروازے وغیرہ بند کر دیئے اور پھر میرے کمرے میں جھانکتے ہوئے

بولی۔

"میں سونے جا رہی ہوں تم چاہو تو یہیں سو جانا اور دل چاہے تو اوپر چلے جانا وہاں بھی ایک کمرہ خالی ہے۔"

وہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے اوپر بلا رہی تھی۔ میں جب کمرے سے نکلا تو وہ اوپر والی بالکونی سے پیچھے ہٹ رہی تھی۔ مجھے صرف اس کی پشت دکھائی دی تھی۔

میں اوپر آ گیا اس وقت حریری اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر دروازے میں رک گیا۔ حریری ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی لیکن آئینے میں اس کے سامنے کے رخ کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جب میں نے پہلی بار اسے رنگا کے دفتر والے کمرے میں دیکھا تھا' جہاں وہ تھیو سے لے کر آئی تھی' تو اس نے قدیم طرز کا ایرانی لباس پہن رکھا تھا اور اس کے ایک گھنٹے بعد جب کسی پولیس آفیسر کی آمد پر رنگا نے مجھے فلیٹ کے دوسرے حصے میں بھیج دیا تھا تو حریری نے شب خوابی کا یہی لباس پہن رکھا تھا لیکن اس وقت اس لباس کے نیچے اس نے کچھ اور بھی پہنا ہوا تھا اور اب اس مہین سے شب خوابی کے لباس کے نیچے دو نہایت مختصر سیاہ رنگ کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ سفید لباس میں اس کا پورا بدن کندن کی طرح دمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

"آ جاؤ' رک کیوں گئے۔" اس کی جلترنگ جیسی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اسی طرح کھڑی تھی۔ میں آگے بڑھ کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سٹول پر بیٹھ گئی اور گھوم کر رخ میری طرف کر لیا۔ اسے اس طرح اپنے سامنے بیٹھے دیکھ کر میرے دماغ کی نسوں میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔

"کیا بات ہے' کچھ بے چینی محسوس کر رہے ہو؟" حریری نے کہا اس کے ہونٹوں پر بڑی قیامت خیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"وہ دراصل میں سوچ رہا تھا کہ زیورات کا تھیلا تمہارے پاس کیسے پہنچا تھا اور رنگا اور ٹیڈی میں جھگڑا کس بات پر ہوا ہے۔ رنگا اچانک دب کیوں چلا گیا ہے۔ تم تو رنگا کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ تم اس سے متنفر کیوں ہوئی ہو؟" میں نے پہلو بدلتے ہوئے بیک وقت کئی سوالات کر ڈالے لیکن میرے ذہن میں اب بھی سیکڑوں سوالات کلبلا رہے تھے۔

"رنگا بہت ہی گھٹیا آدمی ہے۔" حریری نے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس نے تمہیں کوئی ایسی کہانی سنائی ہو جس سے تمہیں اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف تھرڈ کلاس غنڈہ ہے۔ اس میں وہ ساری صفات موجود ہیں جو ایک سڑک چھاپ غنڈے میں ہونی چاہئیں۔ اس نے چند آدمی اپنے گرد جمع کر لئے ہیں جن کی طاقت کے بل پر وہ اپنے علاقے کے ٹھیلے اور پتھارے والوں سے بھتہ وصول کرتا ہے۔ وہ کسی اصول پر کاربند نہیں وہ صرف ایک بات جانتا ہے۔ جہاں سے پیسے حاصل کرو۔ ٹیڈی اور

خضوری اس کے بچپن کے دوست ہیں۔ انہوں نے رنگا کا بہت ساتھ دیا لیکن ٹیڈی کو اس کی بعض باتوں سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ ٹیڈی اصول پرست ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بدمعاشی اور غنڈہ گردی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ وہ رنگا کو بھی ہمیشہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس اختلاف پر ان میں بعض اوقات چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی ہوتے ہیں اور ہو دن پہلے تو تمہارے زیورات اور دس کلو ہیروئن کی وجہ سے ان میں پیدا ہونے والا اختلاف گروہ میں پھوٹ اور خونی تصادم کی صورت اختیار کر گیا۔

"رنگا یہ دونوں چیزیں ہضم کر لینا چاہتا تھا یعنی ہیروئن بھی اور تمہارے زیورات بھی۔ ٹیڈی آڑے آ گیا۔ رنگا کا خیال تھا کہ تمہیں ٹھینگا دکھا دیا جائے اور اگر تم اکڑ دکھاؤ تو تمہارا کام تمام کر دیا جائے مگر ٹیڈی اس کا سخت مخالف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تاجی کی صورت میں ایک اچھا دوست ملا ہے۔ اس کے ساتھ دھوکا نہیں کرنا چاہئے مگر رنگا نہیں مانا اور تحریری کی ایک اور مخالف پارٹی سے ہیروئن کی سودے بازی شروع کر دی۔"

"سودے بازی۔" میں نے اسے ٹوک دیا۔ "لیکن اسے تو ہیروئن اور ہیروئن فروشوں سے شدید نفرت ہے۔ اس نے تو کہا تھا کہ اس نے وہ ہیروئن ضائع کر دی ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ۔" حریری نے کہا۔ "وہ کم از کم پندرہ کروڑ کا مال ہے۔ وہ اسے ضائع کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کی ابتداء ہی ہیروئن فروشی سے کی تھی۔ پہلے وہ اسی علاقے میں گھوم پھر کر پڑیاں بیچا کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ طاقت اختیار کر گیا اور اس نے کچھ اور لڑکے اپنے ساتھ ملا لئے۔ وہ خان نامی ایک ڈیلر سے ہیروئن خرید کر لاتا اس میں ملاوٹ کرتا۔ پڑیاں بناتا اور اس کے لڑکے علاقے میں گھوم پھر کر یہ پڑیاں فروخت کرتے۔ اس بزنس میں وہ کسی طرح تحریری تک بھی پہنچ گیا۔

"تحریری اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ اس کے بین الاقوامی گروہوں سے تعلقات تھے۔ رنگا جیسے آدمی صرف دور سے اس کی جھلک دیکھ سکتے تھے۔ اس کے قریب ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن رنگا نے اس تک پہنچنے کا ایک سہارا ڈھونڈ لیا۔

"رنگا نے اپنی بہن کو آگے کر دیا۔ اس کی بہن بہت حسین لڑکی تھی جوانی بھی چھلکی پڑ رہی تھی۔ تحریری انہی کے قبیلے کا آدمی تھا۔ ہیروئن کے بزنس میں آنے کے بعد اس کی شرافت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بہت عیاش آدمی ہے۔ شنید ہے کہ اس کے قریب آنے والی کوئی عورت کبھی بچ کر نہیں گئی۔ اس نے رنگا کی بہن فاطمہ کو دیکھا تو اپنے حواس کھو بیٹھا۔ وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"فاطمہ بے حد معصوم لڑکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا بھائی کیا سازش کر رہا ہے۔ رنگا اس معصوم لڑکی کو بڑی ہوشیاری سے استعمال کر رہا تھا۔ وہ اس کی جھلک دکھا کر تحریری سے ادھار مال لیتا رہا۔

"وہ تحریری کا تیس لاکھ کا مقروض ہو گیا۔ تحریری کچھ زیادہ بے چین ہونے لگا۔ نہ تو فاطمہ اس کے شکنجے میں آ رہی تھی اور نہ ہی اسے اپنی رقم مل رہی تھی۔ تیس لاکھ کی رقم اس کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی وہ اپنے ساتھی رقم بھی اسے ملتا تھا لیکن اس کے ہوش پر وہ سوچتا بھی تھ

"رنگا بھی اب صورتحال کی نزاکت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے تحریکی سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اتفاق سے اس منصوبے پر عمل کرنے سے ایک روز پہلے فاطمہ تحریکی کے ہتھے چڑھ گئی۔ تب فاطمہ پر انکشاف ہوا کہ اس کا بھائی کس قدر گھناؤنے کردار کا مالک تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے تحریکی کی منت سماجت کرنے لگی لیکن تحریکی نے اسے معاف نہیں کیا اور اسے روند ڈالا۔

"فاطمہ گھر نہیں آئی۔ وہ برسات کے دن تھے۔ لیاری ندی طغیانی پر تھی۔ فاطمہ نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ رات کو گھر نہیں پہنچی تو رنگا کو زیادہ پریشانی نہیں ہوئی وہ اکثر اپنی خالہ کے پاس چلی جایا کرتی تھی۔ اگلے روز رنگا نے اپنے منصوبے کے مطابق تحریکی کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی لیکن تحریکی بچ گیا اور اس روز لیاری ندی کے کنارے پر جھاڑیوں میں الجھی ہوئی فاطمہ کی لاش بھی مل گئی اور تب رنگا کو احساس ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ ہار چکا ہے اور اس طرح رنگا اور تحریکی میں دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔

"تحریکی اپنے بس اڈے سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے کارندے کے ذریعے وقتاً فوقتاً اپنا مطالبہ دہراتا رہا۔ لیکن رنگا بس اڈہ تو کیا بس ہزار دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے بچنے کی کوشش میں تھا اور اس تاک میں رہا کہ تحریکی کو کسی طرح ختم کر دے۔ لیکن وہ بھی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکا۔ اس دوران اسے چند نڈر اور مخلص آدمی ملے تھے جو تحریکی کے خلاف اس کی مدد کر سکتے تھے لیکن رنگا بدنیت تھا۔ اس نے ہر ایک کے ساتھ دھوکا کیا اور پھر تم اس کے پاس آ گئے۔" حریری نے خاموش ہو کر اس طرح پہلو بدلا کہ مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں نے جان بوجھ کر نظریں پھیر لیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"تحریکی سے ٹکر لینے کیلئے تم اس کی مدد کر سکتے تھے کیونکہ تم پہلے ہی سے اس کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ رنگا کا منصوبہ یہ تھا کہ خود تو پیچھے رہے لیکن تمہیں آگے رکھا جائے۔ اس دوران ایک دو چھوٹے چھوٹے واقعات بھی ہوئے اور نیڈی نے تمہاری مدد کی لیکن جب تم نے اسے دس کلو ہیروئن کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا اور پھر اتفاق یہ ہوا کہ تحریکی کے آدمی نرگس کو اٹھا کر لے گئے اور تم نے دس کلو ہیروئن اور اپنے زیورات رنگا کی تحویل میں دے دیئے۔ رنگا کی نیت بدل گئی۔ وہ یہ دونوں چیزیں ہضم کرنا چاہتا تھا اور اسے تم سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ تم جب بھی فون کرتے وہ تمہیں ٹال دیتا۔ وہ فون پہلے میرے ہی پاس تھا پھر اس نے وہ فون بھی وہاں سے ہٹا دیا۔

"نیڈی کو جب پتہ چلا تو وہ مجھ سے الجھ گیا۔ نیڈی مجھ سے بھی کچھ بے تکلف تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں رنگا کو سمجھاؤں لیکن میں رنگا سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتی تھی۔ رنگا تمہیں نرگس کی تلاش کے معاملے میں بھی ٹال رہا تھا۔ مجھے تم سے ہمدردی تھی۔ میرے کہنے پر نیڈی نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے نرگس کا سراغ لگا کر مجھے بتایا اور میں نے تمہیں اطلاع کر دی۔ اس دوران نیڈی اور رنگا میں اختلاف بڑھ کر ہاتھا پائی تک پہنچ گیا۔ اس رات ان میں اچھی خاصی ہاتھاپائی ہوئی۔ گردم سے آدمی بٹ گئے۔ کچھ رنگا کے ساتھ اور کچھ نیڈی کے ساتھ مل گئے اور ان میں باقاعدہ تصادم شروع ہو گیا جس میں رنگا کے دو آدمی مارے گئے اور رنگا اپنی جان بچانے کیلئے روپوش ہو گیا۔"

"تو کیا وہ حب نکل گیا؟" میں نے پوچھا۔

"حب جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ زخمی ہے اور شہر ہی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ بہرحال۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ "دس کلو ہیروئن کا تو پتہ نہیں اس نے کہاں چھپائی تھی لیکن زیورات والا تھیلا میرے پاس رکھوا دیا تھا۔

"ادھر ان دونوں میں تصادم جاری تھا ادھر مجھے تمہاری اور نرگس کی فکر تھی اور پھر صبح تابندہ نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ تم رات کو کس حالت میں یہاں پہنچے تھے۔ نرگس کو بچانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی لیکن اس کی زندگی پوری ہو چکی تھی۔ میری ہدایت پر نیڈی کے آدمی ڈیڈ باڈی لے گئے تھے اور سہ پہر کے وقت میوہ شاہ کے قبرستان میں اس کی تدفین کر دی گئی تھی۔"

نرگس کے ذکر پر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اس نے میری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ جان دے دی اور میں اس کے جنازے کو کندھا بھی نہ دے سکا تھا۔

"میں فوری طور پر وہاں سے نکلنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریاں آڑے آ رہی تھیں۔ اور پھر موقع ملتے ہی میں شام پانچ بجے کے قریب وہاں سے نکل آئی۔ تم اس وقت سو رہے تھے اور میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"ڈیڈ باڈی لینے کیلئے نیڈی کے آدمی آئے تھے۔ کیا وہ یہاں کا راز فاش نہیں کر دیں گے؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"نیڈی میرے لئے قابل اعتماد آدمی ہے اور وہ اپنے آدمیوں پر بھروسہ کرتا ہے جو رنگا کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ملے ہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "اور پھر ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ڈیڈ باڈی کس عورت کی تھی۔ تمہیں بھی فی الحال ان کے سامنے نہیں آنے دیا گیا تھا۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ جگہ ہمارے لئے بالکل محفوظ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اب تم بھی مستقل یہیں رہو گی۔" یہ سوال کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"ہاں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"مم مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا۔" میں ہکلا گیا۔ حالانکہ اس کے جواب پر میرا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اب وہ میرے سامنے رہے گی۔ پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا تو دل میں بے اختیار اس کے قرب کی خواہش مچلی تھی لیکن رنگا کے اعتماد نے مجھے آگے سوچنے سے روک دیا تھا مگر اب صورتحال بدل گئی تھی۔ نہ صرف رنگا کی اصلیت سامنے آ گئی تھی بلکہ حریری بھی اسے چھوڑ آئی تھی اور اب یہ قدرت کا حسین ترین شاہکار اس کی ملکیت نہیں رہا تھا۔ ملکیت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ جرائم پیشہ گروہوں میں عورت جس کے پاس ہوا سے اسی کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور یہ ملکیت اکثر بدلتی رہتی ہے۔

میری نظریں غیر ارادی طور پر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اڑھائی بج چکے تھے۔ حریری سٹول پر بیٹھی بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی بھی تیرنے لگی تھی۔ شاید اسے نیند آ رہی ہو۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے جانے کو نہ کہہ دے جبکہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں ساری رات اسی طرح بیٹھا اسے دیکھتا رہوں اور یہاں بیٹھے رہنے کیلئے باتوں کا سلسلہ جاری رہنا ضروری تھا۔ میں بہت سی باتیں

اس سے پوچھ چکا تھا مجھے اپنے تقریباً تمام ہی سوالات کا جواب مل گیا تھا اور ظاہر ہے یہاں بیٹھے رہنے کیلئے میں موسم یا سیاست پر گفتگو شروع نہیں کر سکتا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا اور میں نے وہ سوال کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ رنگا سے تمہاری ملاقات کیسے ہوئی تھی اور اسے پسند نہ کرنے کے باوجود تم کب سے اس کے ساتھ رہ رہی ہو؟"

"رنگا سے ملاقات۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "مجھے یقین تھا تم یہ سوال ضرور کرو گے اور شاید ساری باتیں آج ہی جان لینا چاہتے ہو۔" وہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ ایک بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میرے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہونے لگی۔ حریری نے پلنگ کے پائینتی کی طرف پڑی ہوئی چادر اٹھا کر ٹانگوں پر پھیلا لی۔

"کیا تم سمجھتے ہو میں بہت شریف اور پارسا عورت ہوں؟ اور کیا کوئی شریف عورت رنگا جیسے آدمی کے ساتھ رہ سکتی ہے؟"

حریری کی اس بات پر میرے دل پر گھونسہ سا لگا۔ دماغ کے تار ہل کر رہ گئے۔ میرے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچی تھی۔ میں نے جواب دینے کے بجائے نظریں جھکا لیں اور جب دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"تمہیں شاید میری بات بری لگی؟" وہ مدھم لہجے میں بولی۔

میں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"شاید تم میرے بارے میں ایسی کوئی بات سوچنا بھی نہیں چاہتے۔" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "لیکن میں تمہیں کسی فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی۔ تم نے میرے بارے میں نجانے کیا کیا سوچ رکھا ہوگا۔ کیسے کیسے خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ دی ہو۔ میں جانتی ہوں ان چند دنوں کے درمیان تم نے میرے بارے میں بڑے حسین سپنے دیکھے ہوں گے۔ میرے مقابلے میں ہر چیز کو ہیچ سمجھا ہوگا۔ میرے تصوراتی بت تراشے ہوں گے اور اس کی پوجا کرنے کا خیال بھی ذہن میں آیا ہوگا۔ تم نے مجھے بہت ارفع و اعلیٰ سمجھا ہوگا۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔ کچھ غلط تو نہیں کہا؟" اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں گنگ سا بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری قوت گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا وہ اس کی زبان پر آ گیا تھا۔ اس نے میرے دل کی ایک ایک بات اپنی زبان سے کہہ دی تھی اور میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"میں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس لئے میں اپنے بارے میں فی الحال ایسی کوئی بات نہیں کہوں گی جس سے تمہارے جذبات مجروح ہوں۔ بہرحال میں تمہیں یہ ضرور بتاؤں گی کہ رنگا سے میری ملاقات کیسے ہوئی تھی اور میں اس کے ساتھ کب سے رہ رہی ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تابندہ میرے بارے میں جو کچھ بتا چکی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اپنے آبائی قصبے بوم سے نکلنے کے بعد ہمیں بندر عباس میں سیٹل ہونے میں خاصا وقت لگ گیا تھا۔ بابا اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ آئے تھے۔ بندر عباس میں ہم نے ہوبا کے جاننے والے جس شخص کے ہاں پناہ لی تھی وہ بھی دھوکے باز نکلا۔ اس نے ہمارا سب کچھ چھین لیا اور ہمیں گھر سے نکال دیا۔ بابا محنت مزدوری کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی پکڑے جانے کا خوف بھی تھا۔ ہمارا تعلق چونکہ بہائی فرقے سے تھا اس لئے ہر وقت انجانا سا خوف دامن گیر رہتا تھا۔

"میں اگرچہ اس وقت چھوٹی تھی۔ شعوری طور پر صورت حال کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا لیکن لاشعور میں ایک خوف سا جم کر رہ گیا اور میری زندگی بھی اسی خوف سے گزر رہی تھی جس میں میرے والدین مبتلا تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ خوف کی وجہ جانتے تھے اور میں انجان تھی۔

"لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ مجھے بھی آگہی حاصل ہوتی گئی۔ لاعلمی میں خوف کم تھا لیکن آگہی حاصل ہونے کے بعد یہ خوف بتدریج ابھرتا گیا اور میں اسی خوف کے سائے میں بڑی ہوتی گئی۔

"میرے بابا ان دنوں کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کر رہے تھے جن کی سرگرمیاں خاصی پراسرار تھیں۔ وہ شہر کے باہر کسی جگہ کھدائی کر رہے تھے اور یہ کھدائی رات کو چوری چھپے ہوتی تھی۔ بابا جان ان لوگوں کے ساتھ شام کو جاتے اور ان کی واپسی صبح طلوع آفتاب کے بعد ہوتی۔

"ایک روز بابا کچھ جلدی آ گئے۔ میں اس وقت سو رہی تھی لیکن بابا اور ماں کی آوازیں سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ بابا کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی اور وہ ماں کو اس کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔

"میں اپنے بستر سے اٹھ کر ان کے قریب آئی تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ بابا نے وہ چیز چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کے ہاتھ سے فرش پر گر گئی۔ اس سے پہلے کہ بابا ہاتھ بڑھاتے میں نے لپک کر وہ چیز اٹھا لی۔

"وہ کسی دھات کی بنی ہوئی ایک عورت کی مورتی تھی جس کے سر پر ایک خوبصورت تاج بھی تھا جس میں چھوٹے چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ مورتی کی آنکھوں میں بھی ہیرے لگے ہوئے تھے۔

لگتا تھا جیسے وہ کوئی شہزادی ہو۔ وہ مورتی سائز میں چھ انچ سے زیادہ نہیں تھی۔

"بابا نے مجھ سے وہ مورتی لے کر چھپا دی اور مجھے تاکید کی کہ میں کسی سے اس کا ذکر مت کروں۔ میں اس وقت پندرہ سال کی تھی اور بہت سی باتیں سمجھنے لگی تھی۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ یہ مورتی کھدائی کے دوران برآمد ہوئی تھی جسے میرے بابا چھپا کر لے آئے۔

"اگلے روز میرے بابا کام پر گئے تو واپس نہیں آئے۔ دوپہر کو ان کی لاش پہاڑیوں میں پڑی ہوئی ملی اور پھر اس سے اگلی رات دو آدمی ہمارے گھر میں گھس آئے۔ ماں کی آنکھ کھل گئی۔ وہ دونوں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ ماں نے شور مچا دیا تو وہ لوگ بھاگ گئے۔

"چند روز بعد پھر ایسا ہی ہوا۔ ہم سمجھ گئے کہ ان پراسرار لوگوں کو اس مورتی کی تلاش ہے اور بابا کو بھی انہی لوگوں نے قتل کیا تھا۔

"ایک رات ماں مجھے لے کر شہر سے نکل گئی۔ شہزادی کی وہ مورتی بھی ہمارے پاس تھی۔ ہم بندرعباس سے بھاگ کر اباداان آگئے۔ ماں کا خیال تھا کہ اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں لیکن موت ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔

"اباداان آنے کے چند ہی روز بعد آدھی رات کے وقت موت کے ہرکاروں نے گھر میں گھس کر ہمیں گھیر لیا۔ ان دونوں نے ہم پر پستول تان رکھے تھے اور ہمارے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔"

حریری خاموش ہوگئی۔ اس خوفناک واقعہ کی یاد سے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور سانس بے ربط ہوگیا اور میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

حریری کی داستان حیات میرے لیے بڑی سنسنی خیز ثابت ہو رہی تھی۔ اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بھی بار بار بدل رہے تھے۔ کبھی اس کی آنکھوں میں وحشت بھر جاتی اور کبھی ان پرانی یادوں سے اس کے چہرے پر دھندی چھا جاتی۔ میں پلک جھپکے بغیر اسے تکے جا رہا تھا۔

"وہ دو آدمی تھے۔" بالآخر اس نے کہنا شروع کیا۔ "ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ اگر ان کے پاس پستول نہ بھی ہوتے تو ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ گھر میں میرے اور ماں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ہوتا بھی کون۔ بابا کو تو وہ لوگ پہلے ہی ختم کر چکے تھے۔ اپنی جان بچانے کے لیے ہم بندرعباس سے بھاگ کر اباداان آئی تھیں اور انہوں نے ہمیں یہاں بھی تلاش کر لیا تھا۔ وہ دونوں دراز قامت اور ہٹے کٹے آدمی تھے۔ ان کے چہروں پر بڑی سفاکی تھی۔

"مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہماری یہ ساری پریشانی اس مورتی کی وجہ سے تھی۔ وہ شہزادی ہمارے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ اس کے تاج پر اور آنکھوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے جن کی قیمت چند ہزار ریال سے زیادہ نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کا تعلق فارس کے کسی قدیم دور سے تھا اور اسی صفت نے اسے انمول بنا دیا تھا۔ ماں نے مجھے بتایا تھا کہ شہزادی کی یہ مورتی کسی قدیم دور سے تعلق رکھتی تھی اس لیے اس کا شمار بھی نوادرات میں ہوسکتا تھا اور غالباً اسی وجہ سے وہ لوگ ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے اور ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ماں کسی بھی صورت میں اس مورتی کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتی تھی

کی خاطر میرے باپ کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

"ہمارا سب کچھ چھن چکا تھا۔ ہم نان شبینہ تک کے محتاج تھے۔ ماں دن بھر مزدوری کرتی تب کہیں رات کو ہمیں کچھ کھانے کو ملتا۔ بھائی فرتے سے تعلق ہونا بھی ہمارے لیے سنگین جرم بن گیا تھا۔ ہم کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم کون ہیں۔ ماں نے شہزادی کی اس تاریخی مورتی سے بھی بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس مورتی کی فروخت سے ہمیں اتنی رقم مل جائے گی کہ ہم اطمینان و سکون کی زندگی گزار سکیں۔ اسی لیے ہم بندرعباس سے بھاگ کر اباداان آگئے۔ ان دونوں شہروں کے بیچ سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہاں ہم ان لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہیں گے اور کوئی مناسب موقع ملتے ہی وہ مورتی فروخت کر کے کسی اور طرف نکل جائیں گے لیکن موت کے ان ہرکاروں نے ہمیں وہاں بھی ڈھونڈ نکالا تھا۔"

حریری خاموش ہوکر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میری نظریں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"ہم جس مکان میں رہ رہے تھے وہ صرف دو کمروں پر مشتمل تھا جن کے سامنے ایک مختصر سا صحن بھی تھا۔ ایک کمرے کو ہم باورچی خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے جبکہ دوسرا کمرہ ہم دونوں کی مشترکہ خواب گاہ تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ میری چارپائی تھی اور ہمارے کمرے کے پچھلی طرف ایک کھڑکی بھی تھی جس پر جالی لگی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی کے پچھلی طرف ایک تنگ سی گلی تھی۔ یہ نخلستان آبادی والے شہر کا سب سے پسماندہ علاقہ تھا اور یہاں روشنی وغیرہ کا کوئی مناسب انتظام بھی نہیں تھا۔ تنگ اور تاریک سی گلیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔

"سونے سے پہلے ماں نے دونوں کمروں کے دروازے اندر سے بند کر لیے تھے اور وہ دونوں اسی کھڑکی کی جالی کاٹ کر اندر آئے تھے۔ ایک آدمی نے مجھے پستول کی زد میں لے رکھا تھا اور دوسرے نے ماں کو۔

"میں نے اپنے بستر سے اٹھ کر ماں کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن میرے سامنے کھڑے ہوئے درندہ صفت شخص نے مجھے بازو سے پکڑ کر دوبارہ بستر پر گرا دیا۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ اس شخص نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے میرا منہ دبا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

"اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

"اس نے پستول کی نالی میری کنپٹی سے لگا دی۔ میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ اس شخص نے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ اپنی چیخ روکنے کے لیے میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا لیا۔

"میری ماں مجھ سے زیادہ خوفزدہ تھی۔ اس نے اٹھ کر میری طرف آنا چاہا تو دوسرے آدمی نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ منہ سے خون بہہ نکلا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ بے بس اور بے سہارا عورتوں کے ساتھ ظلم کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔" ماں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس کچھ نہیں

ہے۔ ہم تو پیٹ بھر کر ایک وقت روٹی بھی نہیں کھا سکتے۔ یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ تم لوگ غلط جگہ پر آ گئے ہو۔ تمہیں کسی رئیس کا گھر دیکھنا چاہئے۔"

"جتنی دولت تمہارے پاس ہے اتنی تو کسی رئیس کے گھر میں بھی نہیں ہوگی۔" اس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اس بیٹی کے علاوہ تم نے گھر میں وہ دولت بھی چھپا رکھی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

"تم...... میں سمجھی نہیں۔" ماں ہکلا کر رہ گئی۔ "میں سچ کہتی ہوں ہمارے پاس پائی بھی نہیں ہے۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بڑھیا۔ ہم ٹھیک جگہ پر آئے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔ "ہمیں اس مورتی کی تلاش ہے جو چند ماہ پہلے کھدائی کے دوران تمہارے شوہر نے چوری کر لی تھی۔ اگر وہ مورتی ہمارے حوالے کر دیتا تو اسے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے لیکن تم اس سے بھی زیادہ بیوقوف نکلیں۔ لیکن تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہماری نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ تمہارے لیے اب بھی موقع ہے شہزادی کی وہ مورتی ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں اتنی دولت دیں گے کہ کئی سال تک تم ماں بیٹی کو کوئی محتاجی نہیں رہے گی لیکن اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری اس مورتی کو اسی طرح توڑ ڈالیں گے کہ یہ دوبارہ جڑ نہیں سکے گی۔" وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں نہیں۔ میری بچی کو کچھ مت کہنا۔" ماں چیخ اٹھی۔

"تو پھر وہ مورتی ہمارے حوالے کر دو جس کی ہمیں تلاش ہے۔ ہم تم دونوں میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر واپس چلے جائیں گے۔" اس شخص نے کہا۔

"میرے پاس کوئی مورتی نہیں ہے۔ ہم کسی مورتی کے بارے میں نہیں جانتے۔" ماں نے جواب دیا۔

"تو تم اس طرح نہیں مانو گی۔" وہ شخص غرایا۔ اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ دوسرا آدمی ایک بار پھر میرے اوپر جھک گیا۔ وہ چند لمحے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زوردار جھٹکا دیا۔ میری قمیص پھٹ گئی اور میرے جسم کا بالائی حصہ برہنہ ہو گیا۔ میں ایک بار پھر چیخ اٹھی۔ اس نے پھر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور پھر نہ جانے میرے اندر اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ میں نے اچھل کر اس کے منہ پر سر سے زوردار ٹکر ماری۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ ناک پر لگنے والی ٹکر سے وہ بدحواس ہو گیا اس لیے اس کا پستول بھی آسانی سے میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

"میں نے پستول کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ وہ بیڈ پر گرا میں اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔ دوسرا آدمی چیختا ہوا میری طرف لپکا۔ میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا اور پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ کئی گولیاں اس کے سینے میں لگیں اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

"پستول میرے ہاتھوں میں تھا اور میں مبہوت سی کھڑی ان دونوں کی لاشوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے احساس نہیں ہو سکا تھا کہ میں کیا کر چکی ہوں۔ ماں دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور تب مجھے احساس

ہوا کہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اس بھیانک احساس کے ساتھ ہی میں تھر تھر کانپنے لگی۔ ماں نے میرے ہاتھ سے پستول چھین کر بیڈ پر رکھ دیا۔ اس نے مجھے بیڈ پر بٹھا دیا اور دوڑ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"میں بھی ماں کے پیچھے اس کمرے میں آ گئی۔ ماں چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ چولہا پتھر کا تھا اور ماں اسے اکھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

"ہم نے پتھر کا چولہا اکھاڑ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے نیچے ایک گڑھا تھا جو اینٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ماں نے اینٹیں بھی نکال کر باہر پھینک دیں۔ ان کے نیچے گڑھے میں ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا جسے ماں نے نکال لیا۔

"تو یہ شہزادی کی مورتی اس ڈبے میں تھی۔ ماں نے بڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ کپڑے اور چند چیزیں سمیٹیں، پوٹلی بغل میں دبائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر پچھلی کھڑکی کی طرف لپکی۔

"وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ سب کچھ چند منٹ کے اندر اندر ہو گیا تھا۔ یہ گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ ہم جانتے تھے چند منٹ میں لوگ گھروں سے نکل کر اس طرف جمع ہونا شروع ہو جائیں گے اور ماں اس سے پہلے ہی مجھے لے کر یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"میری قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ میں کھڑکی پر چڑھ رہی تھی کہ ماں نے مجھے روک لیا اور کھونٹی پر ٹنگی ہوئی قمیص اتار کر میری طرف پھینک دی۔ میں قمیص بدل رہی تھی کہ مکان کے سامنے والی گلی سے کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ غالباً کوئی پڑوسی تھا جو چیخوں اور فائرنگ کی آوازیں سن کر اپنے گھر سے باہر آ گیا تھا۔ پھر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"میں نے خوفزدہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ میرے پیچھے ہی ماں بھی کھڑکی پر چڑھ کر کود گئی تھی۔

"یہ تنگ سی گلی تھی۔ روشنی بھی نہیں تھی۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی دوڑتی رہیں۔ آگے تنگ اور تاریک گلیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ ہم ان گلیوں سے نکل کر سڑک پر آ گئیں۔ ماں نے ایک لمحہ سڑک پر رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھے کھینچتی ہوئی ایک طرف دوڑنے لگی۔

"ہم اپنے علاقے سے بہت دور نکل آئے تھے لیکن خطرے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ خدشہ تھا کہ کسی گشتی پارٹی کی نظروں میں آ گئے تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ میرا سانس پھول گیا تھا۔ ماں بھی دوڑتے دوڑتے ہانپ گئی تھی۔ لیکن وہ میرا ہاتھ پکڑے دوڑتی رہی۔

"بالآخر ہم ایک ایسے علاقے میں آ گئے جہاں بڑے بڑے بنگلے تھے۔ ہم ایک کشادہ گلی میں مڑے ہی تھے کہ تیز روشنی میں نہا گئے۔ سامنے سے ایک گاڑی آ رہی تھی۔ اس کے ہیڈلیمپس کی تیز روشنی سے ایک لمحہ کو ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ماں نے مجھے اشارہ کیا اور ہم مڑ کر دوسری طرف دوڑنے لگے لیکن ہم اس گاڑی والے کی نظروں میں آ گئے تھے۔

دفعتہً ماں کو کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر سڑک پر گر گئی۔ میں اسے سنبھالنے کی کوشش

گزر رہی تھی کہ وہ کار ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ اس میں ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اور ایک مرد۔ وہ دونوں جلدی سے نیچے اتر آئے۔ عورت نے سہارا دے کر ماں کو اٹھایا اور بیسیوں سوال کر ڈالے۔ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور اس طرح کیوں بھاگ رہے تھے؟

ماں نے انہیں جو کہانی سنائی مجھے یاد نہیں۔ بہرحال اس عورت نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں کار میں بٹھا لیا اور اپنے گھر لے آئی۔ وہ بہت بڑا بنگلہ تھا۔ کئی کمرے تھے۔ ہمیں جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ بہت شاندار تھا۔ اس عورت کا نام ولادت خانم تھا۔ اس نے ہمارے لیے چائے بنوائی۔ وہ مسلسل ہم سے ہمدردی کا اظہار کر رہی تھی۔ ماں نے اسے جو کہانی سنائی تھی خانم کو شاید اس پر یقین نہیں آیا تھا کیونکہ وہ بار بار ہم سے مختلف سوالات کر رہی تھی اور بالآخر ماں کو وہ سب کچھ بتانا پڑا جو ہم پر بیت چکی تھی لیکن اس موتی کا ذکر ماں نے پھر بھی نہیں کیا تھا۔

''ٹھیک ہے سمجھ گئی۔'' خانم نے کہا۔ ''غریبوں سے جینے کا حق چھین لیا گیا ہے اور پھر تمہارا مسئلہ تو یہ ہے کہ تم ایک عورت ہو اور تمہارے ساتھ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی بھی ہے لیکن بہرحال اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔''

وہ رات ہم نے جاگ کر گزاری تھی۔ کسی انجانے خوف کی وجہ سے نیند میری آنکھوں سے بھی کوسوں دور رہی۔ صبح دس بجے کے قریب ولادت خانم ہمارے کمرے میں آئی تو میں ماں کی گود میں سر رکھے پلنگ پر آڑی ترچھی پڑی تھی جبکہ ماں پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ خانم کو دیکھ کر میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میری آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ ماں کی آنکھیں بھی سرخ تھیں۔ خانم نے اندازہ لگا لیا کہ ہم اب تک جاگ رہی ہیں اور ایک لمحہ کو بھی نہیں سو سکی ہیں۔

خانم نے ایک خادمہ کو بلا کر مجھے اس کے حوالے کر دیا کہ مجھے نہلا دھلا کر میرا لباس تبدیل کرا دیا جائے۔ ماں سے بھی اس نے کہا تھا کہ نہا کر لباس تبدیل کرے۔ پھر ناشتہ کر لیا جائے۔

خادمہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گئی۔ یہ کمرہ ہمارے کمرے سے زیادہ بڑا اور زیادہ شاندار تھا۔ خادمہ نے مجھے اس کمرے سے ملحق حمام میں پہنچا دیا جہاں ایک خوبصورت ٹب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز بھی موجود تھی۔ پانی میں کسی قسم کی خوشبو ملی ہوئی تھی۔

میں نے نہا کر وہی لباس پہن لیا اور حمام سے باہر آئی تو خادمہ میری منتظر تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ خادمہ نے میرا وہ لباس اتروا دیا اور دوسرا لباس پہنانے لگی۔ مجھے بڑی شرم آ رہی تھی۔ لباس تبدیل کروا کے اس نے میرے بال سنوارے اور مجھے لے جا کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

میں اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر مبہوت سی رہ گئی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ میں ہوں۔ لگتا تھا جیسے الف لیلیٰ کی داستان کی کوئی شہزادی میرے سامنے آن کھڑی ہوئی ہو۔ اس قسم کا شاہانہ لباس تو میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ پہنا تھا۔ اپنا روپ دیکھ کر مجھے بھی حیرت ہو رہی تھی۔

خادمہ مجھے اس کمرے سے باہر لے آئی۔ ماں نے بھی نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیا تھا۔ اس نے اپنا کپڑے پہنے تھے جو وہ پوٹلی میں باندھ کر گھر سے لے کر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر ایک لمحہ کو تو ماں بھی سکتے میں آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

خانم نے مجھے دیکھا تو بے اختیار آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر وہ ہمیں کھانے کے کمرے میں لے آئی جہاں میز پر انواع و اقسام کی نعمتیں سجی ہوئی تھیں۔ کئی طرح کے پھل بھی رکھے ہوئے تھے۔ کھانے کی میز پر دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک تو وہی جوان العمر آدمی تھا جو رات کو گاڑی میں خانم کے ساتھ تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا۔ خانم سے ان کا کیا رشتہ تھا، نہ ہم نے پوچھا نہ خانم نے بتانے کی ضرورت سمجھی۔

ناشتے کے بعد خانم گھوم پھر کر ہمیں اپنا گھر دکھانے لگی۔ محل نما وہ کوٹھی بہت شاندار تھی۔ ساز و سامان بھی بہت قیمتی تھا۔ ہر کمرے کے فرش پر دیوار سے دیوار تک مشہد و اصفہان کے قالین بچھے ہوئے تھے

لان بھی کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ دبیز سبز گھاس، پھولوں کے پودے اور پھلوں کے بھی کئی درخت تھے۔ پورچ میں تین شاندار کاریں کھڑی تھیں۔ دو خادمائیں اور دو خادم تھے۔ اس گھر میں دولت کی ریل پیل دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔

انقلاب کے بعد پورے ایران میں دولت مندوں کی شامت آئی ہوئی تھی۔ مذہبی رہنما اور پاسداران دندناتے پھر رہے تھے۔ کوئی بھی ان سے محفوظ نہیں تھا۔ دولت مند اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور جو کسی وجہ سے فرار نہیں ہو سکے تھے وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے چھپتے پھر رہے تھے۔ لیکن خانم کے اس عشرت کدے کو دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ خانم کا تعلق بھی بہائی فرقے سے تھا۔ حالانکہ انقلاب کے دوران اور اس کے بعد بھی بہائی فرقہ ہی سب سے زیادہ زیر عتاب آیا تھا۔ لیکن خانم کے ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔

ناشتے کے تھوڑی ہی دیر بعد خانم جوان العمر آدمی کے ساتھ چلی گئی جبکہ ادھیڑ عمر آدمی گھر پر ہی رہا تھا۔

شام کو خانم واپس آئی تو ماں کو لے کر ایک الگ کمرے میں بیٹھ گئی۔ ایک گھنٹے بعد ماں اس کمرے سے برآمد ہوئی تو اس کے چہرے پر خوف کے سائے نظر آ رہے تھے اور یہ اطلاع میرے لیے بھی بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ ہمارے محلے کے لوگوں کو صبح ہی ہمارے مکان میں دو آدمیوں کے قتل کا پتا چل گیا تھا۔ پاسداران کی ایک پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی تھی جنہوں نے ہم ماں بیٹی کو قاتل قرار دے دیا تھا اور پورے شہر میں ہمیں تلاش کیا جا رہا تھا۔ ہمارے مکان کے ایک کمرے میں اکھڑا ہوا چولہا اور اس کے نیچے وہ گہرا گڑھا دیکھ کر پاسداران نے یہ فرض کر لیا تھا کہ یہاں کوئی خزانہ دفن تھا جسے ہم نکال کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور پاسداران کو ہم سے زیادہ اس خزانے کی تلاش تھی۔

اسی رات کھانے کے بعد ولادت خانم ہمارے کمرے میں آ گئی۔ صبح ماں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاتھوں دو آدمی مارے گئے تھے صرف اتنا کہا تھا کہ بدمعاش ہمارے گھر میں گھس آئے تھے۔ وہ مجھے اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے اور ہم بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگی تھیں۔ لیکن اب دو آدمیوں کے قتل کے انکشاف سے صورت حال بدل گئی تھی۔

خانم کو بھی شاید ان دو آدمیوں کے قتل کی پروا نہیں تھی۔ وہ بھی اس خزانے کے بارے میں

سوالات کرتی رہی جو ہم چولہے کے نیچے گڑھے سے نکال کر بھاگی تھیں۔ ماں قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ وہاں کوئی خزانہ نہیں تھا۔ وہ چولہا ہم نے نہیں اکھاڑا تھا۔

خانم کا لہجہ اگرچہ اب بھی ہمدردانہ تھا لیکن اس نے واشگاف الفاظ میں ہمیں بتا دیا تھا کہ اب کچھ عرصہ تک اس گھر سے باہر نکلنا ہمارے لیے خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کی یہ کوٹھی ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ ہم جب تک یہاں رہیں گی محفوظ رہیں گی۔ باہر نکلتے ہی دھر لی جائیں گی۔

خانم سے اس گفتگو کے بعد ماں کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ وہ میرے لیے بہت زیادہ پریشان تھی۔ وہ مجھے لے کر یہاں سے بھی نکل جانا چاہتی تھی۔ لیکن خانم نے یہ بات بھی غلط نہیں کہی تھی کہ باہر ہمارے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ہم پر دو آدمیوں کے قتل کا الزام تو تھا ہی اب خزانے کی چیخ بھی لگ گئی تھی۔ پاسداران سے کون واقف نہیں تھا۔ انسانی زندگیوں کی تو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ انقلاب کے مخالفین دولت مندوں اور شاہ پرستوں کو جس طرح اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ معمولی سے شبہ پر کسی کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا تھا۔ تاہم دولت سے ان پاسداران کو بڑی محبت تھی۔ دوسروں سے چھینی ہوئی دولت پر یہ لوگ جس طرح عیش کر رہے تھے وہ بھی سب کے سامنے تھا۔ انقلاب سے پہلے یہی لوگ سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے اور اب شاندار قیمتی کاروں پر گھومتے تھے۔ ہمارے گھر میں اکھڑا ہوا چولہا اور اس کے نیچے گڑھا دیکھ کر انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ ہم وہاں سے کوئی خزانہ نکال کر لے گئی ہیں۔ انہیں ہم سے زیادہ خزانے کی تلاش تھی۔ اگر ہم ان کے ہاتھ لگ گئیں تو خزانے کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے وہ ہمارے جسموں کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔

ہمارے لیے صورت حال واقعی بہت سنگین ہوگئی تھی۔ باہر موت کے سائے منڈلا رہے تھے کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں ہم پناہ لے سکتے۔ ہم اس چار دیواری کے اندر ہی محفوظ تھے۔ صرف پاسداران ہی تو ہماری تلاش نہیں تھی۔ جن دو آدمیوں کو میں نے قتل کیا تھا وہ بھی ایسے ویسے نہیں تھے۔ ان کا تعلق بھی کسی گروہ سے تھا۔ وہ مورتی ان کے لیے یقیناً بہت قیمتی تھی جس کے لیے اب تک تین قتل ہو چکے تھے۔ پہلے میرے باپ کو قتل کیا گیا اور پھر یہاں دو آدمی میرے ہاتھ سے مارے گئے۔ وہ لوگ اپنے آدمیوں کے قتل پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے آدمیوں کی شاید انہیں بھی پروا نہ ہو لیکن مورتی کے لیے وہ لوگ بھی ہمیں پورے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہ چار دیواری ہی ہمارے لیے سب سے زیادہ محفوظ تھی۔

ہمیں اس کوٹھی میں رہتے ہوئے تین دن ہو گئے۔ ولادت خانم ہر طرح سے ہمارا خیال رکھے ہوئے تھی۔ وہ گھر پر ہوتی تو مجھے ہر وقت اپنے پاس بٹھائے رکھتی۔ صبح شام میرا لباس تبدیل کرایا جاتا۔ میں نے کبھی میک اپ نہیں کیا تھا لیکن خانم خود مجھے سامنے بٹھا کر میرا میک اپ کرتی اور پھر مجھے لے جا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیتی۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر دم بخود سی رہ جاتی۔

میں تو خانم کے طرز عمل سے بہت خوش تھی لیکن ماں کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھی اور مجھے لے جا کر جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مجھے ماں کی اس وحشت پر حیرت بھی ہوتی تھی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ میرے لیے اتنی پریشان کیوں

تھی۔

"تم نہیں سمجھتی ہو بیٹی۔" ایک روز میرے استفسار پر اس نے جواب دیا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ولادت خانم بہت اچھی عورت ہے۔ ہمارے ساتھ اس کا طرز عمل بھی مثالی ہے لیکن نجانے کیا بات ہے کہ میں کچھ مطمئن نہیں ہوں۔"

"کیا آپ کو خانم پر کوئی شبہ ہے؟" میں نے پوچھا۔ "ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔ "خانم وہ نہیں ہے جو بظاہر نظر آتی ہے۔ یہ بھی ہماری طرح بہائی فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے فرقے سے تعلق رکھنے والا ہر شخص عتاب کا شکار ہے لیکن ولادت خانم جس طرح عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہے اس پر مجھے شبہ ہوتا ہے۔ یہاں میں نے بچیوں اور لڑکوں کو بھی آتے ہوئے دیکھا ہے۔ نجانے کیوں میں یہاں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آپ کو وہم ہو رہا ہے ماں۔" میں نے کہا۔ "خانم تو بہت اچھی عورت ہے۔ ہمارا کتنا خیال رکھتی ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں۔" ماں نے جواب دیا۔ "لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا بغیر کسی غرض کے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔"

ماں کسی طور بھی ولادت خانم سے مطمئن نہیں تھی اور میں اس سے بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھی۔ ادھر خانم ہمیں روزانہ ہی شہر کی صورت حال سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ ابادان زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ کوئی معمولی سا واقعہ شہر کے کسی بھی حصے میں رونما ہوتا اس کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً پورے شہر میں پھیل جاتی اور یہاں تو دو آدمیوں کا قتل ہوا تھا۔ ایسی سنگین وارداتیں تو کبھی کبھار ہی ہوتی ہیں۔ دوہرے قتل کی یہ واردات بھی غالباً کئی سال بعد ہوئی تھی اور پورے شہر میں اس کا چرچا تھا اور اس واردات کے ساتھ تو کسی پراسرار خزانے کا دم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔ ہر محفل میں اس کا چرچا تو ہو گا اور اخبارات بھی باقاعدگی سے اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر شائع کر رہے تھے۔ دو انسانوں کی زندگی سے زیادہ اہمیت اس پراسرار خزانے کو دی جا رہی تھی۔

خانم روزانہ اخبار بھی لے کر آتی تھی۔ اخبار میں اس واقعہ کے حوالے سے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی تھی۔ بعض اخبارات تو اسے سنگین تر بنانے کی کوشش کر رہے تھے اور ہمارے خلاف خوب زہر اگلا جا رہا تھا۔ ہمارا تعلق بہائی فرقے سے تھا اور ہمیں انقلاب دشمن طاقتوں کا ایجنٹ قرار دیا جا رہا تھا۔ اور ایک اخبار نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ یہ دوہرا قتل ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوا ہے۔ اس اخبار نے میرے ہاتھوں مرنے والے ایک مردود کا تعلق بندر عباس کے ایک مذہبی رہنما سے جوڑ دیا تھا اور ایک فرضی کہانی گھڑ لی تھی کہ ہمارا باپ عطار بھی بوشہر سے لے کر فرار ہوا تھا۔ ہمارے پاس بیروں جواہرات کا خزانہ تھا۔ بندر عباس میں عطار کے پراسرار قتل کے بعد ہم ماں بیٹی وہ خزانہ لے کر ابادان آ گئی تھیں اور یہاں ہم نے وہ خزانہ چولہے کے نیچے گڑھا کھود کر چھپا دیا تھا لیکن وہ دونوں ہماری تلاش میں یہاں پہنچ گئے تو ہم نے انہیں قتل کر دیا اور خزانہ لے کر فرار ہو گئیں۔

اخبارات ہماری تصویریں شائع کرنے سے قاصر رہے تھے کیونکہ کسی کے پاس ہماری کوئی تصویر

تھی ہی نہیں البتہ ہم پر شرمناک الزامات ضرور لگائے جا رہے تھے۔

یہ تمام خبریں پڑھ کر ماں کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ ہر مرتبہ یہاں سے نکلنے کا ارادہ ترک کر دیتی تھی۔ وہ بھی یہی سمجھتی تھی کہ فی الحال یہ چار دیواری ہی ہمارے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ ہے۔

چند روز اور گزر گئے۔ اخبارات اب بھی دوہرے قتل کے اس واقعہ کی یاد تازہ رکھے ہوئے تھے۔ کسی اخبار نے ہمیں مظلوم اور بے گناہ قرار نہیں دیا تھا۔ کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم بے بس و بے سہارا عورتیں کس طرح زندگی کے دن گزار رہی ہیں۔ ہمارا تعلق بہائی فرقے سے تھا۔ جسے اس ملک میں یہودیوں سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ترین سمجھا جا رہا تھا اس لیے پریس کا سارا زور بھی ہمیں مجرم گردانے میں صرف ہو رہا تھا۔

اس دوران ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے ہم ماں بیٹی کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس روز صبح سویرے ہی دو آدمی خانم کے گھر پر آئے تھے۔ خانم نے ہمیں فوراً ہی کوٹھی کے عقبی لان میں قد آور گنجان پودوں میں چھپا دیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کا تعلق پاسداران سے تھا۔ دونوں باریش تھے۔ دونوں نے عبا پہن رکھی تھی۔ ایک نے سیاہ رنگ کی اور دوسرے نے گہرے براؤن رنگ کی۔ دونوں کے سروں پر پگڑیاں تھیں اور دونوں کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ ان میں ایک اس علاقے کی کمیٹی (پاسداران فورس کا نام) کا انچارج تھا اور دوسرا اس علاقے کا ایک مذہبی رہنما۔ دونوں ہی آیت اللہ تھے۔ وہ دو گھنٹوں تک کوٹھی کی تلاشی لیتے رہے۔ انہوں نے لان میں بھی ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھا۔ جب وہ پیچھے لان میں آئے تھے تب ہی میں نے ان کی شکلیں دیکھی تھیں۔

ان کے جانے کے ایک گھنٹے بعد خانم ہمیں پودوں سے نکال کر کوٹھی کے اندر لے گئی تھی۔

"یہ..... یہ لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟" میں نے خانم سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

"تم لوگوں کی تلاش میں۔" خانم نے جواب دیا۔ "کسی نے کمیٹی کے دفتر کو اطلاع دی تھی کہ تم دونوں یہاں چھپی ہوئی ہو۔ اس لیے ان دونوں نے صبح سویرے اچانک ہی یہاں چھاپہ مارا تھا۔"

"لیکن..... یہ اطلاع کس نے دی ہوگی؟" ماں نے کہا۔ "تمہارے ہاں مہمان تو ضرور آتے ہیں لیکن ہم تو کبھی کسی کے سامنے بھی نہیں آئیں۔"

"میں معلوم کر لوں گی کہ وہ بدبخت کون ہے۔" خانم نے جواب دیا۔ "لیکن اب ہمیں پہلے سے زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ پاسداران کے بارے میں سب ہی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو اسے آسانی سے نہیں چھوڑتے۔ اس وقت تو وہ لوگ خاموشی سے واپس چلے گئے لیکن میں جانتی ہوں کہ اب وہ بار بار یہاں آئیں گے۔ احتیاط کے باوجود ہم سے کسی وقت کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے....."

"کیا تم ہمارے شہر سے نکلنے کا بندوبست کر سکتی ہو؟" ماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ان لوگوں کو یقین ہے کہ تم لوگ ابھی تک اس شہر میں موجود ہو۔" خانم نے جواب دیا۔ "شہر

سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پہرے لگے ہوئے ہیں۔ جن عورتوں پر شبہ ہوتا ہے انہیں روک لیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں مکمل چھان بین کے بعد ہی جانے کی اجازت دی جاتی ہے اور تم جانتی ہو عورتوں کا اکیلے سفر کرنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن تم لوگوں کو یہاں سے نکالنے کا ایک راستہ ہے میرے ذہن میں۔"

"وہ کیا؟" ماں نے جلدی سے پوچھا۔

"شہر سے چند میل دور سربندر شہر والی ہائی وے کے قریب میرا فارم ہاؤس ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ آج رات تم لوگوں کو وہاں منتقل کر دیا جائے۔ وہاں تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ جب یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو تم لوگوں کو کہیں اور بھیج دیا جائے گا۔ اہواز، شادگان یا بندر ماہ شہر..... جہاں تم لوگ جانا چاہو گی۔"

ماں نے خانم کی تجویز سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ وہ تو مجھے لے کر یہاں سے ہٹنا چاہتی تھی۔ شاید اس نے کوئی اور بات بھی سوچ رکھی ہو۔ بہرحال وہ دن بہت احتیاط سے گزارا گیا تھا۔ خانم اس روز زیادہ تر گھر پر ہی رہی تھی۔ شام کو باہر گئی تھی لیکن ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی لوٹ آئی تھی۔

اس رات دو بجے کے قریب ایک وین کوٹھی میں آ گئی۔ ہم لوگ تیار ہی بیٹھے تھے۔ وین میں ہمارے ساتھ خانم کے علاوہ دو آدمی اور بھی بیٹھے تھے۔

وین کوٹھی سے نکل کر شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتی رہی اور پھر شہر کے نواح میں کچے اور تنگ راستوں پر آ گئی۔

وین تقریباً آدھے گھنٹے تک کچے اور ناہموار راستوں پر چلتی رہی اور پھر سربندر شہر والی ہائی وے پر آ گئی۔ آدھی رات یا اس کے بعد سڑکوں پر سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ شہر میں پھیلے ہوئے پاسداران ہر شخص کو روک کر پوچھ گچھ کرتے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہمیں بھی کہیں نہ کہیں ضرور روکا جائے گا لیکن ڈرائیور وین کو نجانے کن راستوں سے نکال کر لایا تھا کہ کہیں بھی نہیں روکا گیا تھا۔

ہائی وے پر تقریباً دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وین ایک بار پھر کچے راستے پر چلنے لگی۔ راستہ کچھ زیادہ ہی ناہموار تھا اس لیے وین کی رفتار بھی کم تھی۔ سفر کے دوران ہم زیادہ تر خاموش ہی رہے تھے لیکن ایک سوال میرے ذہن میں بار بار کلبلا رہا تھا جو میں خانم سے پوچھنا چاہتی تھی اور بالآخر وہ سوال میری زبان پر آ ہی گیا۔

"خانم! آپ بھی تو ہماری طرح بہائی ہیں۔ آپ کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہے اور یہی وہ چیزیں دینی رہنماؤں اور پاسداران کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔" میں نے کہا۔ "لیکن ان لوگوں کا طرز عمل آپ کے ساتھ بالکل مختلف ہے۔ یہ مذہبی رہنما جب کسی دولت مند شخص کے گھر میں گھستے ہیں تو اسے کھنڈر بنا کر ہی باہر نکلتے ہیں لیکن لگتا ہے آپ کو انہوں نے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" خانم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری چھوٹی بہن ایک آیت اللہ کی بیوی ہے۔"

"کیا.....؟" میں اچھل پڑی۔

"یہ انقلاب سے پہلے کی بات ہے۔" خانم نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ایران میں رہنے والے سب ایرانی تھے۔ قبیلوں کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ یہودی، بہائی، مسلمان اور دوسرے کئی فرقے رشتے داریوں کے ذریعے آپس میں مربوط تھے۔ وہ تو انقلاب کے وقت بعض جنونیوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ایران میں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں، ورنہ ہوگا۔ بہرحال...." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"انقلاب سے دو سال پہلے میری چھوٹی بہن تہران یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھی۔ نورصادق اس کا کلاس فیلو تھا۔ ان دونوں میں بڑی دوستی تھی اور پھر انہوں نے شادی کرلی۔

انہی دنوں انقلاب کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ نورصادق انقلابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔ میری بہن بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی اور جب انقلاب اپنے عروج پر پہنچا تو نورصادق ایک بہت بڑا لیڈر بن چکا تھا۔ وہ چند مرکزی رہنماؤں میں شمار ہونے لگا۔

ہمارے آباؤاجداد بھی یہاں صدیوں سے آباد ہیں۔ ہماری زمینداری ہے۔ ہم بھی شرپسندوں سے محفوظ نہیں رہے۔ اس رات ہمارے گھر پر حملہ کر کے میرے ماں باپ کو قتل کر دیا گیا اور شرپسند گھر کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔

اتفاق سے میں اس رات اپنی ایک دوست کے گھر پر تھی۔ اس لیے میں بچ گئی۔ ہمارے گھر پر شرپسندوں کے حملے، لوٹ مار اور میرے ماں باپ کے قتل کی خبر تہران پہنچ گئی۔ میری بہن اور نورصادق دوسرے ہی روز یہاں پہنچ گئے۔ نورصادق مرکزی رہنماؤں میں سے ایک تھا۔ اس کی ہر بات کو حکم سمجھا جاتا تھا۔ اس نے یہاں میری جان اور املاک کی حفاظت کا بندوبست کر دیا۔ میری بہن بھی چند روز یہاں رہنے کے بعد تہران واپس چلی گئی۔

نورصادق کی وجہ سے ہمیں امان مل گئی۔ میرے ماں باپ تو نہیں رہے تھے۔ سب کچھ مجھے سنبھالنا پڑا۔ بعض دوستوں نے میری مدد بھی کی۔ کئی سال بعد میں اپنے آپ کو پوری طرح سنبھالنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگئی۔ ویگن ناہموار کچے راستوں پر ہلکی رفتار سے چلتی رہی۔ خانم کچھ دیر گہرے گہرے سانس لیتی رہی، پھر بولی۔

"نورصادق کو اب بھی انقلابی حکومت میں مرکزی عہدہ حاصل ہے اور اس کی وجہ سے میں بھی بچی ہوئی ہوں لیکن کبھی کبھی کوئی مذہبی رہنما یا کمیٹی کے لوگ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے آج انہیں کہیں سے سن گن مل گئی کہ میں نے تم دونوں کو اپنی کوٹھی میں چھپا رکھا ہے تو وہ دونوں چلے آئے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ انہیں تم سے زیادہ اس خزانے کی تلاش ہے جس کے بارے میں اخبارات نے بڑی سنسنی خیز کہانیاں شائع کی ہیں۔ آج صبح ان کی باتوں سے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ انہیں ان دو آدمیوں کے قتل کا زیادہ افسوس نہیں۔ وہ تو تم سے اس خزانے کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہ خزانہ کروڑوں کی مالیت کا ضرور ہوگا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی خزانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" ماں نے اس کے خاموش

ہونے پر کہا۔ "اگر ہمارے پاس کوئی خزانہ ہوتا تو ہم اس طرح ماری ماری نہ پھرتیں۔"

خانم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ہمارے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی خاموش بیٹھے تھے۔ راستہ بہت ہی ناہموار تھا۔ ویگن کو بری طرح ہچکولے لگ رہے تھے۔

باہر ہر سو گہری تاریکی تھی۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد ایک جگہ روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ اکلوتا بلب تھا جو اس پرانے میں جل رہا تھا۔ ویگن اس طرف مڑ گئی تھی۔

چند منٹ بعد ویگن رک گئی اور ہم نیچے اتر آئے۔ اچانک ہی کسی طرف سے دو کتے نمودار ہوئے اور بھونکتے ہوئے ہماری طرف لپکے۔ لیکن خانم کی ڈانٹ سن کر ہم سے دور ہی رک گئے۔

فارم ہاؤس کی عمارت خاصی بڑی اور دو منزلہ تھی۔ ویگن کے ہارن کی آواز سن کر دو آدمی فارم ہاؤس سے باہر آگئے تھے۔ وہ گہری نیند سے بیدار ہوئے تھے لیکن خانم کو دیکھ کر ایک دم مستعد ہو گئے۔

ہمارے ساتھ آنے والے دونوں آدمی نیچے ہی رک گئے جبکہ خانم ہمیں اوپر والی منزل پر لے آئی تھی۔ ہمیں ایک کمرے میں چھوڑ کر وہ خود دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

کمرے میں ڈبل بیڈ تھا۔ میں تو بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تھی۔

میری آنکھ بھی صبح دیر سے کھلی تھی۔ ماں جاگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے رات کا باقی حصہ شاید جاگ کر ہی گزارا تھا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر ماں کے ساتھ نیچے آگئی جہاں خانم ناشتے پر ہماری منتظر تھی۔

"تم لوگ چند روز یہاں آرام سے رہ سکو گی۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ناشتے کے دوران خانم نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ "یہاں تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو سہراب اور رزقی یہاں موجود ہیں۔ ان سے کہہ دینا۔ میں بھی دوسرے تیسرے دن چکر لگاتی رہوں گی۔ حالات جیسے ہی بہتر ہوئے تم دونوں کو یہاں سے بھیج دیا جائے گا جہاں تم جانا چاہو گی۔"

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد خانم واپس چلی گئی۔ ہمارے ساتھ آنے والے دو آدمیوں میں سے ایک خانم کے ساتھ چلا گیا تھا جبکہ دوسرا وہیں رہ گیا تھا۔ وہ لمبے قد، بھری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ سر گنجا اور ناک پچکی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ وہ کسی زمانے میں پیشہ ور باکسر رہ چکا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی باکسنگ کے ایک مقابلے کے دوران ہی ٹوٹی تھی۔

خانم کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ماں تو اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں ادھر ادھر گھومنے لگی۔ رزقی میرے ساتھ تھا اور وہ مجھے ان لہلہاتی فصلوں کے بارے میں بتا رہا تھا جو ہر طرف حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک فارم ہاؤس کے آس پاس ہی کھیتوں میں گھومتی رہی اور جب واپس آئی تو ماں اوپری بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس کی آواز سن کر میں اوپر آگئی۔ ماں کے چہرے پر بڑی وحشت سی نظر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا ماں.... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ.... وہ صوفی.... آؤ میرے ساتھ اندر آؤ۔" وہ کہتے ہوئے راہداری کی طرف مڑ گئی۔

میں کمرے میں آئی تو ہمارا سامان بیڈ پر بکھرا ہوا تھا اور خالی سوٹ کیس بھی ایک طرف پڑا تھا۔ جب ہم اپنے گھر سے فرار ہوئی تھیں تو ماں نے چند کپڑے ضرورت کی کچھ چیزیں اور مورتی والا ڈبہ ایک پوٹلی میں باندھ لیا تھا۔ خانم کے گھر آنے کے بعد اس نے ماں کو ایک سوٹ کیس دے دیا تھا۔ مجھے اور ماں کو بہت سے کپڑے بھی دیئے تھے۔

تمام چیزیں بیڈ پر بکھری ہوئی تھیں۔ ایک طرف مورتی والا ڈبہ بھی پڑا ہوا تھا۔ لیکن وہ خالی تھا۔ میں بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ مگر شہزادی کی مورتی کہیں دکھائی نہیں دی۔

"کیا بات ہے ماں؟" میں نے پوچھا۔ "تم اتنی پریشان کیوں ہو؟ یہ سب کچھ کیوں پھیلا رکھا ہے اور شہزادی کی مورتی کہاں ہے؟"

"وہ.....وہ مورتی ہی تو نہیں ہے۔" ماں نے جواب دیا

"کیا.....؟" میں اچھل پڑی۔ "کہاں گئی.....تم نے سوٹ کیس ہی میں تو رکھی تھی۔" میں نے جھپٹ کر ڈبہ اٹھا لیا اور اسے اس طرح الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی جیسے مجھے مورتی نہیں کسی کاغذ کی تلاش تھی جو شاید ڈبے سے چپک گیا ہو۔

"کئی دن پہلے یہ ڈبہ میں نے سوٹ کیس ہی میں رکھا تھا۔" ماں نے جواب دیا۔ "اس دوران سوٹ کیس کھولنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ اس وقت میں اپنے کپڑے نکال رہی تھی تو دیکھا یہ ڈبہ خالی ہے۔"

"کہاں جا سکتی ہے مورتی؟" میں نے کہا۔ "شاید کوٹھی کی کسی خادمہ نے چرائی ہو۔"

"نہیں۔ کوئی خادمہ ایسی حرکت نہیں کر سکتی۔" ماں نے جواب دیا۔

"ہمیں ولادت خانم کی ہمدردی مہنگی پڑی۔ اس مورتی سے تو میں نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ بھی ہاتھ سے گئی۔"

"آپ کا مطلب ہے وہ مورتی خانم نے چرائی ہوگی؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی بلاوجہ کسی سے ہمدردی کا اظہار نہیں کرتا۔" ماں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم پر تو ویسے ہی دو آدمیوں کے قتل کا الزام ہے۔ ہمیں پناہ دینا تو اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس رات خانم نے ہمیں مظلوم جان کر اپنے گھر میں پناہ دی تھی لیکن دوسرے روز جب ہمارے بارے میں انکشافات ہوئے تھے تو خانم کو تو ہمیں اپنے گھر سے رخصت کر دینا چاہئے تھا۔ وہ ہمیں پولیس کے حوالے کر دیتی لیکن ہماری کہانی کے ساتھ خزانے کی بات بھی کی ہوئی تھی۔ خانم کو بھی یقین ہوگا کہ ہمارے پاس کوئی خزانہ موجود ہے اور شہزادی کی وہ مورتی ہی اصل خزانہ تھی، جو ہم سے چھن گئی۔"

"اب کیا ہوگا ماں؟" میں نے پوچھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ ہم نے خانم پر بھروسہ کیا تھا اور خانم نے ہمیں اس طرح دھوکا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے بچی۔" ماں نے جواب دیا۔ "اب بات میری سمجھ آ رہی ہے۔ اس

رات خانم نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہمیں پناہ نہیں دی تھی۔ ہم ان کی نظروں میں آ گئی تھیں۔ وہ تو ہم پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ خزانے والا معاملہ تو اتفاق سے بیچ میں آ گیا تھا۔ یہاں بھی ہمیں دھوکے سے لایا گیا ہے۔ اب میں اس کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی ماں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور یہ بات میں واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ ولادت خانم مجھ پر قبضہ کیوں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن جو بات ماں سوچ رہی تھی وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں تھی۔

"تم ابھی سمجھو گی بھی نہیں۔" ماں نے کہا۔ "اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ ہر صورت میں۔ میں ولادت خانم کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ وہ کوئی شریف عورت نہیں ہے۔ آج رات.....آج رات ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"کہاں جائیں گے ماں؟" میں نے کہا۔ "یہ جگہ سڑک سے میلوں دور ہے۔ ہمیں راستہ بھی معلوم نہیں۔ اگر ہم کسی طرح ہائی وے پر پہنچ بھی گئے تو کہاں جائیں گے؟"

"کہیں بھی چلے جائیں گے لیکن یہاں رہ کر میں تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" ماں نے جواب دیا اور بستر پر بکھری ہوئی چیزیں اور کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونسنے لگی۔

ماں کی اس بات نے مجھے پہلی مرتبہ چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں بھلا کیسے برباد ہو سکتی ہوں۔ خانم میرا کتنا خیال رکھتی تھی۔ مجھے شہزادیوں کی طرح بنا سنوار کر رکھتی تھی۔ میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی تو اپنے آپ کو واقعی شہزادی سمجھنے لگتی۔ لیکن ماں کے ذہن میں ایسی باتیں پتہ نہیں کیوں آ رہی تھیں۔ خانم نے اگر ہمارے سامان سے وہ مورتی چرائی تھی تو بہت برا کیا تھا۔ اس سے اس سلسلے میں بات کی جا سکتی تھی۔ اس سے مورتی کی واپسی کا مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ اور جب یہی بات میں نے ماں سے کہی تو وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"اس مورتی کو اب بھول جاؤ۔ عزت اور جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ہمیں آج رات ہر صورت یہاں سے نکلنا ہے۔"

"ٹھیک ہے ماں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

ماں نے سوٹ کیس اٹھا کر الماری کے اوپر رکھ دیا اور خود پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔ میں بھی اس کے پاس لیٹ گئی۔ جب ہم اپنے شہر سے نکلے تھے تو میں چھ سات سال کی تھی مجھے اچھی طرح یاد تھا جس میں ہمارا گھر بہت بڑا اور شاندار ہوا کرتا تھا۔ میرے والد کا بہت وسیع کاروبار تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ لیکن ہمیں سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔

بندرعباس میں کئی سال گزر رہے تھے۔ میرے والد محنت مزدوری کرتے تھے۔ عیش و آرام قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ ہمارا گزارا بڑی تنگ دستی میں ہوتا تھا لیکن بابا اور ماں اس پر بھی مطمئن تھے۔ پریشانیوں کے باوجود ان کے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا تھا۔

پھر شہزادی کی وہ تاریخی مورتی ہماری زندگی میں داخل ہوئی۔ اس مورتی کے لیے میرے بابا کو قتل کر دیا گیا اور ہمیں بھی اس شہر سے بھاگنا پڑا۔ ماں نے بتایا تھا کہ وہ تاریخی مورتی بہت قیمتی تھی۔ اس کی

فروخت سے ہمیں لاکھوں روپے مل سکتے تھے۔ لیکن فوری طور پر اسے فروخت کرنے کی کوشش کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ماں نے وہ مورتی چولہے کے نیچے گڑھا کھود کر چھپا دی تھی اس جگہ پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

ہمیں اباران میں رہتے ہوئے بھی تقریباً ڈھائی سال ہو چکے تھے۔ یہ خوفناک واقعہ پیش آنے سے چند روز پہلے ہی ماں نے کہا تھا کہ ہم لوگ اہواز چلے جائیں گے اور وہاں مورتی فروخت کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اس رات وہ افسوسناک واقعہ پیش آ گیا جس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔

ماں کا خیال تھا کہ ڈھائی سال بعد وہ لوگ ہمیں اور اس مورتی کو بھول چکے ہوں گے لیکن انہوں نے ہماری تلاش جاری رکھی اور بالآخر ہمیں ڈھونڈ نکالا تھا۔

اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ماں نے مجھے ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھا تھا۔ میں بہت بزدل تھی۔ کسی اجنبی سے بات کرتے ہوئے میرے دل پر خوف سا طاری ہو جاتا تھا لیکن اس رات نجانے میرے اندر اتنا حوصلہ کہاں سے آ گیا تھا کہ میں نے ان دونوں کو ڈھیر کر دیا۔ ہم اپنے گھر سے بھاگے تو ولادت خانم کے ہتھے چڑھ گئے۔

ماں شروع ہی سے ولادت خانم کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔ جبکہ میں خانم کو بہت اچھا سمجھتی تھی۔ لیکن ماں کے شبہات درست نکلے۔

ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ ٹوٹی ہوئی ناک والے کو ہماری نگرانی کے لیے وہاں چھوڑا گیا تھا۔ اس کا نام خرم تھا۔ اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں اور ماں کھیتوں میں ٹہلتی ہوئی دور نکل گئیں۔ ہمارا رخ چند گھروں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی کی طرف تھا جو کھیتوں کے دوسری طرف واقع تھی۔ یہ کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کی بستی تھی۔ ہم نے ابھی نصف فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اچانک ہی خرم نے ہمارے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔ یہاں مکئی کی فصل کافی اونچی تھی اور وہ کھیتوں ہی کھیتوں میں ہماری نگرانی کرتا ہوا ہم سے آگے نکل گیا تھا اور اچانک ہی تنگ سی پگڈنڈی پر نمودار ہو کر ہمارا راستہ روک لیا۔

"تم لوگ یہاں سے آگے نہیں جا سکتیں۔ واپس چلی جاؤ۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں درشتی نمایاں تھی۔

"ہم اس بستی تک جا رہے ہیں۔ گھوم پھر کر واپس آ جائیں گے۔ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔" ماں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بستی کی طرف جانا مناسب نہیں ہے۔" خرم نے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں کو یہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تم ہمیں روکنے والے کون ہوتے ہو؟ ہٹو راستے سے۔" میں نے آگے بڑھ کر دھکا دیتے ہوئے اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

خرم پگڈنڈی پر لڑکھڑا کر سنبھل گیا۔ اس کی بھنویں تن گئی تھیں۔

"مجھے سختی پر مجبور نہ کرو خانم۔ تم اس بستی کی طرف نہیں جا سکتیں۔" اس مرتبہ اس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"سختی! کیا کرو گے تم؟" میں نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

خرم بھی چند لمحے خونخوار نظروں سے ماں کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے اچانک ہی ماں کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ ماں چیخ کر نیچے گری۔ میں نے جلدی سے جھک کر ماں کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اس کے گال پر خرم کی انگلیوں کے نشان بن گئے تھے۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس ذلیل آدمی کی یہ جرأت! دوسرے ہی لمحے میں خرم پر جھپٹ پڑی اور چیختے ہوئے اس کا منہ نوچنے لگی۔ خرم کے چہرے پر میرے ناخنوں سے چند خراشیں آ گئیں اور پھر اس نے مجھے اٹھا کر پودوں میں پٹخ دیا۔ میں اٹھ کر پھر اس پر جھپٹی۔

ہم دونوں میں باقاعدہ دھینگا مشتی ہونے لگی تھی۔ میری قمیض پھٹ گئی لیکن میں نے خرم کو نہیں چھوڑا اور اسے ناخنوں سے نوچنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کی قمیض بھی پھٹ چکی تھی۔

ماں کچھ دیر زمین پر پڑی اپنا گال سہلاتی رہی پھر وہ بھی اٹھ کر خرم پر پل پڑی۔ خرم نے ماں کے پیٹ پر زوردار لات مار دی۔ وہ چیختی ہوئی پودوں میں گری۔ لیکن اپنی تکلیف کی پروا کیے بغیر اٹھ کر دوبارہ خرم پر جھپٹی۔

خرم ہٹا کٹا بدمعاش آدمی تھا۔ اور ہم دونوں کمزور عورتیں۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں اور پھر رزاقی بھی ہماری چیخیں سن کر دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ رزاقی ہماری مدد کرے گا لیکن وہ بھی ہمارا دشمن ہی نکلا۔ اس نے ماں کو بالوں سے کھینچ کر خرم سے الگ کیا اور وہ دونوں ہمیں گھسیٹتے ہوئے فارم ہاؤس میں لے آئے اور ہمارے کمرے میں دھکیل دیا گیا۔

"اگر تم دونوں میں سے کسی نے فارم ہاؤس سے باہر قدم رکھنے کی کوشش کی تو کتے چھوڑ دوں گا تم پر۔" خرم نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھیڑیے کی سی غراہٹ تھی۔

ماں بستر پر گر گئی تھی۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ میں ماں کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا سر اور جسم دبانے لگی۔

اپنی بے بسی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ ماں کی باتیں اب میری سمجھ میں آ رہی تھیں۔ ولادت خانم واقعی کوئی شریف عورت نہیں تھی۔ وہ ہمیں دھوکے سے یہاں لے آئی تھی اور ہماری حیثیت یہاں قیدیوں کی سی تھی۔ سہراب اور رزاقی تو پہلے ہی سے یہاں موجود تھے اور خرم جیسے مشٹنڈے کو بھی ہماری نگرانی کے لیے یہاں چھوڑا گیا تھا۔

کھیتوں میں ان لوگوں سے دھینگا مشتی میں ماں کے کپڑے بھی پھٹ گئے تھے اور اس کے چہرے اور گردن پر کچھ خراشیں بھی آئی تھیں۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ سوٹ کیس میں سے اپنے اور ماں کے لیے دوسرے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں سے اینٹی سپٹک لوشن لے آئی۔ پہلے ماں کے جسم پر آنے والی خراشوں پر لوشن لگایا پھر اس کے کپڑے تبدیل کرائے اور پھر اپنے کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ میری بانہوں اور گردن پر بھی پودوں سے چند خراشیں آئی تھیں۔ میں نے بھی خراشوں پر لوشن لگا لیا اور ماں کے پاس بیٹھ گئی۔ ماں کی حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میں جیسے جیسے سوچتی رہی میرا ذہن الجھتا رہا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوگا کیا۔ ماں نے

کہا تھا کہ خانم مجھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت میں ماں کی اس بات کو وہم اور اس کا بے بنیاد خدشہ سمجھ رہی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ خانم کی نیت شروع ہی سے خراب تھی۔ وہ ہمیں یہاں اس لیے لے کر آئی تھی کہ ہم کہیں جانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ جگہ ہائی وے سے میلوں دور تھی اور ہماری نگرانی بھی کی جا رہی تھی۔

اس واقعہ کے بعد یہاں سے فرار کی ساری امیدیں بھی ختم ہو گئی تھیں۔ خرم نے وارننگ دے دی تھی کہ اگر ہم نے اس فارم ہاؤس سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو وہ ہم پر کتے چھوڑ دے گا۔ یہاں کے کتوں کو میں دیکھ چکی تھی۔ بڑے خونخوار قسم کے تھے۔ ہماری وجہ سے صبح سے انہیں باندھ کر رکھا گیا تھا لیکن اب شاید انہیں کھول دیا گیا تھا کیونکہ ان کی آوازیں مختلف سمتوں سے سنائی دے رہی تھیں۔

شام ہو چکی تھی۔ کمرے میں بھی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ لیکن میں نے اٹھ کر بتی نہیں جلائی تھی۔

شاید آٹھ بجے کا وقت تھا۔ دروازے کو پہلے باہر سے ہینڈل گھما کر کھولنے کی کوشش کی گئی پھر زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے لاک کر رکھا تھا۔ لیکن جب دروازہ بار بار دھڑ دھڑایا جانے لگا تو پہلے اٹھ کر بتی جلائی اور پھر لاک ہٹا دیا۔

رزقی اور خرم کمرے میں داخل ہوئے۔ رزقی نے کھانے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی جو اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھ دی۔ خرم بیڈ کے قریب آ گیا اور ماں کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

”اگر تمہارا دماغ ٹھیک ہو گیا ہو تو اٹھ کر کھانا کھا لو۔“

ماں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی تیزی سے اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے سر پر وار کرنا چاہتی تھی لیکن خرم نے بڑی پھرتی سے ایک طرف جھک کر اپنا سر بچا لیا۔ گلدان اس کے کندھے پر لگا۔ ماں کو دوسرا وار کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ خرم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے ماں کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا۔ ماں چیخ اٹھی۔ خرم نے اس کے ہاتھ سے گلدان چھین کر فرش پر پھینک دیا اور اسے کھینچ کر پلنگ سے نیچے گرا دیا۔

”تم ایسے نہیں مانو گی۔“ وہ بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ ”میں نے تو سوچا تھا کہ کل خانم کے آنے تک انتظار کر لیا جائے لیکن تم اپنی شامت کو خود دعوت دے رہی ہو۔ اب ہمیں خانم کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہاری بیٹی کے حسن و شباب سے فیض یاب ہونے کی حسرت تو شاید حسرت ہی رہے لیکن تم بھی تو اس سے کم نہیں ہو...... آج ہم تم پر دعوت اڑائیں گے۔ اس طرح تمہارا دماغ ٹھکانے پر آ جائے گا۔ اور ساری اکڑفوں ختم ہو جائے گی۔“

یہاں میں تمہیں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میری ماں کی اور میری عمر میں صرف پندرہ سولہ برس کا فرق تھا۔ اس کی شادی کم عمری میں ہو گئی تھی اور میں اس کی پہلی اور واحد اولاد تھی۔ وہ اس وقت بیس کے لگ بھگ ہوگی۔ اکثر لوگ ہمیں ماں بیٹی نہیں بہنیں سمجھتے تھے۔

خرم میری ماں کو گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں نے بھی پلنگ سے چھلانگ لگا دی اور ماں کو اس کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ قریب کھڑے ہوئے رزقی نے مجھے دبوچ لیا۔ خرم میری ماں کو باہر لے گیا۔ رزقی نے مجھے دھکا دے کر پلنگ پر گرا دیا اور دوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے بھی پلنگ سے چھلانگ لگا دی لیکن دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا اور باہر سے کنڈا لگا دیا گیا۔ میں دروازے پر مکے برسانے لگی۔

باہر سے ماں کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ میں کمرے کی عقبی کھڑکی کی طرف لپکی لیکن کھڑکی میں موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ میں دوبارہ دروازے کی طرف لپکی۔ پہلے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کرتی رہی پھر مکے برسانے لگی۔ لیکن دروازے کو نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔

باہر میری ماں کی چیخیں گونج رہی تھیں اور کمرے میں، میں چلا رہی تھی۔ لیکن ہماری چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ باہر کچھ دیر تک ماں کی چیخیں سنائی دیتی رہیں پھر آواز معدوم ہو گئی۔ اور میں بھی چیختے چیختے نڈھال ہو کر گر پڑی۔ اور اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

رات کو میری ماں واپس نہیں آئی۔ میں رات بھر دروازے کے قریب ہی پڑی روتی رہی۔ مجھے بھی کسی نے آ کر نہیں پوچھا تھا۔ صبح بھی میں نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ دوپہر بارہ بجے کے قریب میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ خرم کے ساتھ واہیات خانم کو دیکھ کر میں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ہم پر یہ ساری مصیبت اسی عورت کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ نہ یہ ہمارے ساتھ دھوکا کرتی نہ ہم اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔

خانم میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ تھی۔ حالانکہ یہی مسکراہٹ مجھے بہت اچھی لگا کرتی تھی۔ لیکن اب تو اسے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا۔ میں نے لپک کر اسے گلے سے دبوچ لیا۔

”تم...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میری ماں کہاں ہے...... بتاؤ میری ماں کہاں ہے۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مار ڈالوں گی تمہیں......“ میں چیختے ہوئے اسے زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی۔

خانم اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئی۔ میں اس کے اوپر لد گئی۔ خرم نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا اور پیچھے کھینچنے لگا۔ اس نے مجھے اٹھا کر پلنگ پر پٹخ دیا اور منہ پر دو تین الٹے سیدھے تھپڑ مار دیئے۔ میں بری طرح چیخ پڑی۔ تھپڑ بڑے زوردار تھے۔ میرا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا۔

خانم اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے گلا سہلا رہی تھی۔ اس کا گلا سرخ ہو گیا تھا۔ اگر مجھے ایک منٹ اور مل جاتا تو میں اسے مار ہی ڈالتی۔

”اس کتیا کو دوسرے کمرے میں لے جا کر بند کر دو اور بھوکا رکھو اسے۔“ خانم غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”میری احسان مند ہونے کے بجائے مجھے مارنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں اسے وہ سبق سکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔“

خرم مجھے گھسیٹتا ہوا ایک اور کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر صرف قالین بچھا ہوا تھا اور فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ اس کمرے میں پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی

بس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

میں قالین پہ پڑی روتی رہی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد باہر کسی گاڑی کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں اٹھ کر دروازے پہ گھونسے برسانے لگی۔ لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ وہاں سے رخصت ہو چکی ہے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ خانم واپس چلی گئی ہے۔

میں قالین پہ پڑی روتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ دوپہر کے بعد سورج فارم ہاؤس کے عقب کی طرف آ گیا جس سے دھوپ کھڑکی کے راستے اندر آنے لگی۔

دوپہر ڈھل گئی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ میں کھڑکی کے سامنے کھڑی ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھتی رہی۔ میری قسمت کا سورج غروب ہو رہا تھا۔

سورج غروب ہونے کے بعد کمرے میں بھی اندھیرا بھر گیا۔ میں نے بتی جلا لی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میرے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میں ضبط کی کوشش کرتی تو دل بھر آتا اور خود بخود سسکیاں خارج ہونے لگتیں۔

میں بار بار ماں کے بارے میں سوچتی رہی۔ پتہ نہیں اس بے چاری کے ساتھ ان ظالموں نے کیا سلوک کیا تھا۔ وہ زندہ بھی تھی یا...... میں اس سے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے کل دوپہر کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا اور اس وقت بھوک پیاس سے میری حالت بری ہو رہی تھی۔ بھوک تو میں دو دن اور برداشت کر سکتی تھی لیکن پیاس ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور زبان لکڑی کی طرح سوکھ گئی تھی۔

آدھی رات ہو چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ میں بھی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو کر تاریک سناٹے میں گھورنے لگتی اور کبھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی اور سسکیاں بھرنے لگتی۔

پیاس ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ میں اٹھ کر دروازے پہ گھونسے برسانے لگی۔ دروازے کی دھڑ دھڑاہٹ اور میرے چیخنے کی آواز سن کر تقریباً پندرہ منٹ بعد راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ رزاقی اور سہراب سامنے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے۔ کیوں چیخ رہی ہو؟" رزاقی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے سہراب کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آ رہا تھا۔

"پانی...... خدا کے لیے مجھے پپ...... پانی دے دو......" میرے حلق سے آواز بھی اٹک اٹک کر نکل رہی تھی۔

رزاقی چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے سہراب کو اشارہ کیا۔ وہ چند منٹ میں پانی سے بھرا ہوا پلاسٹک کا جگ لے آیا۔ اس نے جگ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

"پانی پی کر سو جاؤ۔ ہماری نیند حرام کرنے کی کوشش مت کرو۔" رزاقی نے کہا۔

"مم...... میری ماں کہاں ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتا دو۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"اس کے ساتھ وہی ہوا ہے جو ہونا چاہیے تھا۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو آرام سے یہاں پڑی رہو۔" رزاقی نے جواب دیا اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

باہر سے تالا لگائے جانے کی آواز سنائی دی۔ میں پیچھے ہٹ گئی۔ جگ سے منہ لگا کر چند گھونٹ پانی پیا۔ جگ ایک طرف رکھ دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ماں کا خیال آتے ہی میری آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو جاری ہو گئے۔

رات کے آخری پہر میں سو گئی اور جب بیدار ہوئی تو کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ میرا خیال ہے دس بجے کا وقت ہو گا۔ مجھ سے زیادہ دیر نہیں کھڑا ہوا گیا۔ فاقے کا آج تیسرا دن تھا۔ پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی تھی اور کمزوری کی وجہ سے ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں۔ میں ایک بار پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور جگ اٹھا کر پانی پینے لگی۔ لیکن چند گھونٹ سے زیادہ نہیں پی سکی۔ پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔

وقت گزرتا رہا اور میرے پیٹ میں تکلیف بڑھتی رہی۔ میں نے کبھی کھانے کا ایک وقت کا فاقہ بھی نہیں کیا تھا۔ ماں میرے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ٹھیک وقت پر کھانا کھلانے کے علاوہ بھی میں کچھ نہ کچھ کھاتی ہی رہتی تھی اور آج تیسرے دن کی دوپہر ہو رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا شاید یہ لوگ مجھے بھوکا رکھ کر مار دیں گے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تو لڑکھڑا کر گر پڑی۔ کمزوری اتنی ہو گئی تھی کہ کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ خالی پیٹ بار بار پانی پینے سے پیٹ کا درد بڑھتا جا رہا تھا اور اس وقت میں نے پانی کا ایک گھونٹ بھرنے کے لیے جگ اٹھانا چاہا تو وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور سارا پانی قالین پر بہہ گیا۔

میں اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی دروازے کے قریب ہو گئی۔ میں چیخنا چاہتی تھی لیکن منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ جسم میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ ہاتھ کو حرکت دے کر دروازہ کھٹکھٹا سکوں۔ میں نیم مردہ سی دروازے سے چند فٹ دور فرش پہ پڑی رہی۔

اور پھر راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ آواز دروازے کے سامنے رک گئی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر دیکھا۔ خرم اور رزاقی کے ساتھ خانم بھی تھی۔ اس کے گلے پہ کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر اس وقت بھی پہلے کی طرح شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میرا خون کھولنے لگا۔ لیکن ظاہر ہے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

"میرا خیال ہے اب تمہارے ہوش ٹھکانے آ چکے ہوں گے۔" خانم نے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ مجھ سے دور ہی رہی تھی۔ شاید اسے یہ خدشہ ہو کہ میں اس پہ جھپٹ نہ پڑوں۔

"مم...... میری ماں کہاں ہے......؟" آواز میرے حلق میں پھنس رہی تھی۔

"بھول جاؤ اسے!" خانم نے جواب دیا۔ "کتے اور بھیڑیے اسے کھا چکے ہوں گے۔ کھیتوں میں کہیں اس کی ہڈیاں پڑی ہوں گی۔ کبھی موقع ملا تو دیکھ لینا۔"

میرے ہونٹوں سے سسکیاں خارج ہونے لگیں۔ وہ کتنی بے دردی سے میری ماں کی موت کا ذکر کر رہی تھی۔ کتنی سفاکی تھی اس کے لہجے میں۔

"میری ماں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیوں اتنا ظلم کیا تم نے اس پر؟" میں نے رک رک کر کہا۔

"اس نے خرم کے ساتھ بدتمیزی کی تھی جس کی اسے سزا ملی۔" خانم نے جواب دیا۔ "تم نے میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اب تک تکلیف ہو رہی ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو اس کی لاش بھی کتے کھا چکے ہوتے۔ لیکن میں نے تمہیں زندہ رکھا کیونکہ تم ایسی چیز نہیں ہو کہ جسے ضائع کر دیا جائے۔ تمہارے لیے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد بھی کہ تم دو آدمیوں کو قتل کر چکی ہو۔ سرداران اور رضا مراد کے آدمی تم ماں بیٹی کو شکاری کتوں کی طرح تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ اگر تم ماں بیٹی کو میرے گھر سے برآمد کر لیا جاتا تو تمہارے ساتھ تو جو ہوتا سو ہوتا مجھے بھی فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا۔ میں نے تمام خطرات مول لیے صرف تمہاری خاطر...... اس رات تمہیں سڑک پر دیکھتے ہی میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا اس لیے تم لوگوں کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ اگر تم نے اس ملک کے سب سے بڑے انقلابی لیڈر کو بھی قتل کر دیا ہوتا تو میں تم سے دستبردار نہ ہوتی۔"

"کیوں...... آخر کیوں...... یہ ظلم کیوں کر رہی ہو تم؟" میں نے کہا۔

"یہ ظلم نہیں۔" خانم مسکرائی۔ "تمہیں تھوڑا سا سبق دینے اور تمہیں راہِ راست پر رکھنے کے لیے ہلکی سی سزا دی گئی ہے۔ اس کے بعد اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس سے بھی کڑی سزا دی جائے گی۔"

اس نے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے سہراب کو اشارہ کیا۔ سہراب اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھا جس میں مشروب بھرا ہوا تھا۔ قریب بیٹھ کر اس نے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایک دو گھونٹ پینے کے بعد میں نے گلاس اس سے لے لیا اور ایک ہی سانس میں سارا مشروب پی گئی۔

مشروب میٹھا اور خوش ذائقہ تھا۔ مجھے اپنے اندر توانائی کا احساس ہونے لگا۔ پیٹ کی اینٹھن ختم ہو گئی۔ خانم نے خرم کو اشارہ کیا اس نے جھک کر مجھے اٹھانا چاہا تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور خود ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ٹانگوں میں اتنی نقاہت تھی کہ میرے جسم کا بوجھ نہ سہار سکیں اور میں لڑکھڑا کر رہ گئی۔ خرم نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے سنبھال لیا لیکن میں نے ایک بار پھر اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا۔

خانم آگے آ گئی۔ اس نے مجھے سہارا دیا تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میرا دل تو چاہا تھا کہ اس کا گلا دبوچ لوں لیکن نہ ہاتھوں میں اتنی سکت تھی اور نہ حوصلہ باقی تھا کہ فاقہ برداشت کر سکوں۔

وہ مجھے نیچے لے آئے۔ خانم مجھے باتھ روم میں لے آئی۔ میرا منہ ہاتھ دھلایا اور پھر مجھے اس کمرے میں لے آئی جہاں میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ خانم نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور مجھے ایک اور کمرے میں لے گئی۔

یہ بھی شاندار بیڈ روم تھا۔ کھانا کھانے سے اگرچہ میرے اندر کچھ توانائی آ گئی تھی لیکن میں نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ خانم بھی میرے قریب بیٹھ گئی اور مجھے سمجھانے لگی کہ زندگی گزارنے کے لیے وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

میرا خیال تھا کہ خانم واپس چلی جائے گی لیکن وہ وہیں رہی۔ پیٹ بھر جانے کے بعد مجھ پر خمار طاری ہونے لگا۔ پچھلے تین دن بڑی اذیت میں گزرے تھے۔ ذرا سا آرام ملتے ہی میں سو گئی۔

مجھے خانم ہی نے جگایا تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ خانم مجھے باتھ روم میں لے گئی۔ یہ باتھ روم بھی بڑا شاندار تھا۔ ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا جس سے بھینی بھینی سی مہک اٹھ رہی تھی۔

نہانے کے بعد میں ایک بڑا تولیہ جسم پر لپیٹ کر باہر نکل آئی۔ خانم کمرے میں موجود تھی۔ بیڈ پر ایک بہت خوبصورت لباس پڑا ہوا تھا۔ میں خانم کی موجودگی میں جسم پر سے تولیہ ہٹاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ لیکن خانم باہر جانے کو تیار نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے اس کی موجودگی میں ہی تولیہ ہٹا کر لباس پہننا پڑا۔ خانم نے میرے قریب آ کر لباس درست کیا پھر میرے بال سنوارنے لگی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھا کر میک اپ بھی کر دیا۔ مجھے حیرت تھی کہ خانم میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کر رہی تھی۔ پھر اچانک ہی خیال آیا کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ واپس لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو ایک لمحہ کو مبہوت سی رہ گئی۔ میں بالکل شہزادی تو لگ رہی تھی۔

رات کا کھانا بھی خانم نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھلایا اور پھر اس کمرے میں لے آئی جہاں میں نے لباس تبدیل کیا تھا۔

"اگر تم شرافت کا ثبوت دو گی تو تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔" خانم نے کہا۔ "میں بھی آج رات یہیں رہوں گی۔ صبح تمہیں اپنے ساتھ شہر لے چلوں گی۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔ عیش کرو گی میرے پاس۔"

وہ ابھی بات کر ہی رہی تھی کہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ "میں نے یہاں کچھ مہمانوں کو بلایا تھا۔ تم بیٹھو میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں نے اٹھ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔ خانم کو شاید مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔ میں بیڈ پر لیٹ گئی اور کچھ ہی دیر بعد میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

آہٹ سن کر میری آنکھ کھلی تو نظریں سب سے پہلے سامنے والی دیوار پر آویزاں گھڑی کی طرف اٹھی تھیں۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ہینڈل گھوم رہا تھا اور پھر دروازہ کھل گیا۔

خانم دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر میری آنکھیں سی الجھن سی تیر گئی۔ وہ دونوں شراب کے نشے میں دھت تھے۔ ان میں سے ایک کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ دراز قامت، صحت مند جسم اور چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ دوسرا پینتالیس سے کچھ اوپر رہا ہو گا۔ وہ کلین شیو تھا۔ درمیانہ قد اور جسم بھاری بھرکم۔

"یہ میرے مہمان ہیں حریم۔" خانم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ان کے ساتھ ذرا گپ شپ کرو۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

خانم نے باہر جاتے ہوئے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں کمرے میں پڑی ہوئی

کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے لیکن وہ پلنگ کے قریب آئے تو میں وحشت زدہ سی ہو کر سمٹ کر بیٹھ گئی۔

داڑھی والا پلنگ پر بیٹھ گیا۔ میری طرف جھکا تو بو کا ایک بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا۔ میں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

میں چیخ پڑی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس نے ایک جھٹکے سے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ دوسرا آدمی بھی پلنگ پر آ گیا اور وہ بھی دست درازی کرنے لگا۔ میں مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ایک موقع پر میں نے انہیں دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ لیکن دروازے کو باہر سے لاک لگا دیا گیا تھا۔

اب ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ خانم نے اسی لیے مجھے بنایا سنوارا تھا۔ یہ مہمان گاہک تھے۔ اس نے میرا سودا کیا تھا اور یہ دونوں شرابی اپنی قیمت وصول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ دونوں مجھے پکڑ کر دوبارہ پلنگ پر لے آئے۔ میں مزاحمت کرتی رہی لیکن ان دو بھوکے شرابی مشٹنڈوں کے سامنے میں بے بس ہو گئی۔ میرا لباس تار تار ہو گیا۔ میں چیختی رہی لیکن میری چیخیں ان شیطانوں کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔

وہ رات بھر خونخوار بھیڑیوں کی طرح مجھے بھنبھوڑتے رہے اور مجھے ادھ موا چھوڑ کر چلے گئے۔ خانم میرے کمرے میں آئی تو میں اس وقت بھی بے لباس اور مردوں کی طرح پڑی ہوئی تھی۔

میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ بہت ہی بھیانک اور خوفناک۔ اب میں نے مزاحمت چھوڑ دی تھی۔ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ میں نے یہاں سے بھاگنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دیا۔ بھاگ کر کہاں جاتی۔ میرا اس دنیا میں کون تھا۔ میری عزیز ترین ہستی وہ ماں ہی تھی جو مجھے زمانے کے گرم سرد سے بچاتی رہی تھی۔ میری خاطر اس نے بھی جان دے دی تھی۔ ان خونی بھیڑیوں نے اسے بھی چیر پھاڑ ڈالا تھا اور لاش پتا نہیں کہاں پھینکی تھی۔ ماں کی باتیں اب مجھے یاد آ رہی تھیں۔ وہ ٹھیک ہی کہا کرتی تھی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ ولاوت خانم نے اس رات ہماری مدد کی تھی۔ ہمیں پناہ دی تھی اور اب وہ میرے جسم سے اس کی قیمت وصول کر رہی تھی۔

میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ لیکن خانم سے نفرت میرے دل سے نہیں نکلی تھی اور میں نے طے کر رکھا تھا کہ موقع ملتے ہی خانم سے اپنی بربادی کا انتقام ضرور لوں گی۔

میں تقریباً چھ مہینے اس فارم ہاؤس میں رہی۔ اس دوران اگرچہ مجھے بہت کم استعمال کیا گیا لیکن میں جانتی تھی کہ خانم اپنی بساط پر مجھے مہرے کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔

ان چھ مہینوں کے دوران خانم تو ہر دوسرے تیسرے دن یہاں کا چکر لگاتی رہتی تھی البتہ اس کے مہمان مہینے میں ایک آدھ بار ہی آتے تھے۔ وہ ایک رات یہاں رہتے۔ میں ان کا دل بہلاتی اور صبح ہوتے ہی چلے جاتے۔

اس عرصے میں میں نے خانم کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اور یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ خانم منشیات سمگل کرنے والے ایک گروہ کی سرغنہ تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ ایران جیسے ملک میں منشیات کا بزنس! منشیات کے کاروبار سے تعلق رکھنے والوں کو تو پوچھے

بغیر گولی سے اڑا دیا جاتا تھا۔

ولاوت خانم کے بارے میں ہر بات میرے لیے سنسنی خیز انکشافات کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ بہائی فرقے سے تعلق رکھتی تھی لیکن بہت ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزار رہی تھی۔ جبکہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگ عتاب کا شکار تھے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے چھپتے پھر رہے تھے اور پھر منشیات کی سمگلنگ اس کے مہمانوں میں غیر ملکی بھی شامل ہوتے تھے۔ غیر ملکی ان دنوں ایران کا رخ کرنے سے کتراتے تھے لیکن خانم کے مہمان بڑی آزادی سے یہاں آتے تھے۔

خانم کا یہ گروہ بڑے منظم طریقے سے کام کر رہا تھا۔ اس میں نہایت اعلیٰ سطح کے کچھ سرکاری افسران بھی شریک تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بزنس میں خانم کو اپنے بھوئی نور صادق کا آشیرباد بھی حاصل ہو۔

میری ان معلومات کا ذریعہ خرم تھا۔ وہی خرم جس نے میری ماں کو مار دیا تھا اور پھر اسے غائب کر دیا تھا۔ مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ میری ماں کے قتل میں بھی اسی کا ہاتھ تھا کیونکہ ماں کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہوا وہی گھسیٹ کر لے گیا تھا۔

اپنی بربادی کے بعد میں نے اپنے آپ کو اس طرح بدل لیا تھا کہ وہی خونخوار خرم اب میرا گرویدہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی میرے حسن و شباب سے فیض یاب ہونے کا خواہشمند تھا۔ لیکن میں نے اسے کبھی ایسا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ تاہم میرے اشارے پر وہ لٹو کتے کی طرح میرے پیر چاٹنے لگتا تھا۔ میں خرم سے بھی اپنی ماں کی توہین اور قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اور اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

چھ مہینے فارم ہاؤس پر رکھنے کے بعد خانم مجھے اپنی شہر والی کوٹھی میں لے آئی۔ یہاں مجھ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ البتہ خانم نے یہ ہدایت کر دی تھی کہ جب میں باہر نکلوں تو حجاب لگاؤں۔ ایران میں خواتین پر پردے کی پابندی تو پہلے ہی تھی۔ حجاب کے بغیر کوئی عورت گھر سے باہر قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حجاب دراصل سکارف تھا جو سر پر ڈال کر اس طرح لپیٹا جاتا کہ چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جاتا۔ اکثر خواتین تو آنکھوں کے سوا پورا چہرہ ہی ڈھانپ لیتی تھیں۔ میں بھی باہر نکلتی تو میری صرف آنکھیں برہنہ ہوتیں باقی پورا چہرہ حجاب میں چھپا ہوتا۔ اس طرح میں آزادی سے شہر میں گھومنے پھرنے لگی۔ میرے لیے بہترین کاریں موجود تھیں۔ میں کوئی بھی کار لے جا سکتی تھی۔ شروع میں تو میں ڈرائیور کی محتاج ہوتی لیکن پھر میں نے خود ڈرائیونگ سیکھ لی اور جب دل چاہتا کوئی گاڑی لے کر کسی بھی طرف نکل جاتی۔

جیسا کہ پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ابادان زیادہ بڑا شہر نہیں تاہم اس شہر کو قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین امتزاج کہا جا سکتا ہے۔ ایک طرف قدیم تاریخی عمارتیں اپنے ماضی کی عظمت کی داستانیں دہراتی نظر آتی ہیں تو دوسری طرف جدید اور خوبصورت کئی کئی منزلہ عمارتیں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔

ایک روز تیز رفتاری سے ایک موڑ گھومتے ہوئے میری کار دوسری طرف سے آنے والی ایک کار سے ٹکرا گئی۔ میری بدقسمتی تھی کہ وہ کار ایک مذہبی چلا رہا تھا اور مزید ستم یہ ہوا کہ میرے پاس ڈرائیونگ

لائسنس بھی نہیں تھا۔ مجھے فوراً ہی پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔
پولیس سٹیشنوں پر بھی پاسداران کا قبضہ تھا۔ پولیس والے تو ان کے حکم کے غلام بن کر رہ گئے تھے۔

پولیس سٹیشن پر مجھے انہوں نے گھیر رکھا تھا اور جس آیت اللہ سے میری گاڑی ٹکرائی تھی اس نے تو چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ حالانکہ اس کی گاڑی کا ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹا تھا۔ زیادہ نقصان میری گاڑی کا ہوا تھا۔ میں اس کی گاڑی کا نقصان پورا کرنے کو تیار بھی تھی لیکن وہ بڑے بڑے لوگوں کے نام لے کر مجھے زندگی بھر جیل میں سڑانے کی دھمکیاں دیتا رہا۔
میں بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ مجھے یہ خوف بھی تھا کہ اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ میں پہلے ہی دو آدمیوں کے قتل کے الزام میں پولیس کو مطلوب ہوں تو پھر شاید واقعی مجھے باقی زندگی جیل میں گزارنا پڑے۔ اس لیے میں چاہتی تھی کہ کسی کو شبہ ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤں لیکن مجھے ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مجھے ٹیلیفون کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی تھی۔
دو گھنٹے گزر گئے۔ اور پھر خرم کو پولیس سٹیشن کے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر مجھے کچھ حوصلہ ملا۔
خرم جس انداز سے پاسداران کے انچارج سے بات کر رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے ہاتھ بھی خاصے لمبے تھے۔ اس کی باتوں سے مرعوب ہو کر پاسداران مجھے چھوڑنے کو تیار ہو گئے لیکن گاڑی کا مالک مجھے بدستور دھمکیاں دیتا رہا۔ صرف مجھے ہی نہیں اب تو وہ افسروں کو بھی دھمکیاں دے رہا تھا۔

خرم نے آفیسر کے کان میں کوئی سرگوشی کی۔ آفیسر فوراً ہی اس آیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"کیا میں آپ کا ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے کاغذات دیکھ سکتا ہوں؟"
آیت اللہ گڑبڑا سا گیا۔ اس کے پاس نہ تو ڈرائیونگ لائسنس تھا اور نہ ہی گاڑی کے کاغذات۔
"میرا داماد تہران میں ایک بہت اعلیٰ سرکاری آفیسر ہے۔ یہ گاڑی اس کی ہے اور کاغذات بھی اس کے پاس ہیں۔ میں ابھی اسے فون کرتا ہوں، تم سب کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔" اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔
آفیسر نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر کریڈل پر رکھ دیا اور آیت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔
"آقائے فراش! میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے دعوے سے دستبردار ہو کر یہاں سے تشریف لے جائیے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلاف کیس بن جائے۔"
آقائے فراش تلملایا تو بہت لیکن بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کی دھمکیوں کا سلسلہ رک گیا۔ وہ میرے خلاف اپنی رپورٹ بھی واپس لینے کو تیار ہو گیا۔ تاہم اس نے ہرجانے کا مطالبہ کر دیا جس کی میں نے شروع میں پیشکش کی تھی۔ لیکن اب خرم نے ہرجانہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اور بالآخر وہ آیت اللہ پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔
میں خرم کے ساتھ پولیس سٹیشن سے باہر آ گئی۔ گاڑی پولیس سٹیشن کے سامنے موجود تھی۔ اس کا

نہ صرف ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹ گیا تھا بلکہ ونڈ سکرین پر بھی مکڑی کا جالا سا بن گیا تھا۔ خرم نے وہ گاڑی وہیں چھوڑی اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔
ایک ورکشاپ کے سامنے اس نے گاڑی روک لی۔ مکینک کو بلا کر اسے گاڑی کے بارے میں بتایا۔ چابی اس کے حوالے کر دی اور اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔
اس وقت شام کا جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ خرم نے کوٹھی کی طرف جانے کے بجائے کارنیشن پارک کی طرف موڑ دیا۔ پہلے اس پارک کا نام کچھ اور تھا لیکن انقلاب کے بعد اس کا نام [illegible] رکھ دیا گیا تھا۔ راستے میں خرم بتا رہا تھا کہ ان کے کسی جاننے والے نے خانم کی کار پہچان کر حادثے کی اطلاع دی تھی۔ خانم اس وقت کوٹھی پر نہیں تھی۔ اطلاع ملتے ہی وہ خود پولیس سٹیشن پہنچ گیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اگر وہ وقت پر نہ آتا تو میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکتی تھی۔
بہت خوبصورت پارک تھا اور اس وقت بڑی رونق تھی۔ اگرچہ خواتین بھی موجود تھیں لیکن ہر ایک نے چادر لپیٹ رکھی تھی اور حجاب پہنے ہوئے تھیں۔ یہاں تک کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی حجاب پہنے ہوئے تھیں تاہم زیادہ تعداد مردوں اور بچوں کی تھی۔
ہم کنج میں پڑے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد خرم آئس کریم لے آیا۔ کچھ دیر تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر خرم نے وہ موضوع چھیڑ دیا جس پر میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن جھجک رہی تھی۔

چند روز پہلے خانم نے مہمانوں کی موجودگی میں خرم کو نہ صرف ڈانٹ دیا تھا بلکہ اس کے منہ پر تھپڑ بھی رسید کر دیا تھا۔ خرم نیا آدمی نہیں تھا کہ اس بات کو بھول جاتا۔ اس کے سینے میں انتقام کا لاوا پک رہا۔ اور بالآخر آج میرے سامنے اس نے غبار نکال دیا۔
خرم نے خانم کے بارے میں ایک اور دلچسپ کہانی سنائی تھی۔ کئی سال پہلے وہ اصفہان میں رضا مراد کی داشتہ تھی۔ رضا مراد چوری چھپے تاریخی مقامات پر کھدائی کر کے قدیم نوادرات برآمد کرتا اور انہیں غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ اس کے گروہ کے آدمی پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو اسے مفید معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔ آثار قدیمہ کے کئی اہلکار بھی اس کے ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ وہ بھی اسے نوادرات کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔
رضا مراد اربوں ڈالر مالیت کے قدیم تاریخی نوادرات دنیا کے مختلف ممالک کو فروخت کر چکا تھا۔ اس کے گاہکوں میں کئی ممالک کے عجائب گھر بھی تھے اور نوادرات جمع کرنے والے وہ دولت مند لوگ بھی جنہوں نے اپنے ذاتی میوزیم بنا رکھے تھے۔
ایک موقع پر ولارت خانم نے کچھ قیمتی نوادرات غائب کر دیے ان کی مالیت کروڑوں ریال تھی۔ رضا مراد کو پتا چل گیا۔ خانم اصفہان سے بھاگ کر تہران پہنچ گئی جہاں اس کا انقلابی لیڈر بہنوئی موجود تھا۔ نور صادق رضا مراد کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ نور صادق نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے خانم کو کوئی نقصان پہنچایا تو وہ اسے زندگی بھر کے لیے سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گا۔
ولارت خانم کچھ عرصے بعد آبادان آ گئی جہاں اس کے باپ کی زرعی اراضی ہے جو [illegible] کی

موت کے بعد ٹھیکے پر دے دی گئی تھی۔ خانم نے ٹھیکہ منسوخ کر کے زمینیں اپنے قبضے میں لے لیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے آدمی رکھ لیے۔

یہاں بھی خانم کو اپنے انقلابی لیڈر بہنوئی کا آشیرباد حاصل تھا اس کی وجہ سے خانم کو یہاں پاسداران اور بعض مذہبی رہنماؤں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ خانم انہیں وقتاً فوقتاً نذرانے پیش کرتی رہتی ہے اور اس لیے وہ یہاں عیش کی زندگی گزار رہی ہے۔

تین سال پہلے خانم کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جو منشیات کے بزنس میں ملوث تھا۔ دراصل اس شخص نے خود ہی خانم سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے لالچ دے کر خانم کو اپنے بزنس میں شریک کر لیا۔ یہ بہت سودمند بزنس تھا۔ خانم کو اب اس شخص کی پارٹنرشپ کھلنے لگی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے خانم نے ایک اور چکر چلایا۔ اس کے خلاف مخبری کر دی۔

پولیس نے اس شخص کے مکان پر چھاپہ مارا تو بڑی مقدار میں ہیروئن اور شراب کی بوتلیں برآمد ہوئیں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اس شخص کے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا اور اسے فائرنگ سکواڈ کے حوالے کر دیا۔ اس شریف آدمی نے اپنی جان دے دی لیکن خانم اور اس کے گروہ کے کسی دوسرے آدمی کا نام نہیں بتایا۔

اس شخص کے بعد اس گروہ کی قیادت ولادت خانم نے سنبھال لی۔ یہاں بہت سے اعلیٰ افسران خانم کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اس کا بہنوئی بہت اونچی شے ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ خانم کے خلاف جب کوئی بات ہو گی تو وہ بھی بہت اوپر کی سطح پر ہو گی اور تہران میں اس کا بہنوئی بھی اسے آپ کو نہیں بچا سکے گا۔

خانم جس رات ہمیں اپنے گھر لے کر آئی تھی اس سے اگلے ہی روز اسے ہمارے بارے میں پتا چل گیا تھا کہ ہم کون ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی خزانے کی کہانی نے اسے ساری کہانی سنا دی تھی۔ ان دونوں آدمیوں کی لاشوں کی تصویریں اخبار میں چھپی تھیں اور خانم نے پہچان لیا تھا کہ وہ رضا مراد کے آدمی تھے۔

خانم کو شہزادی کی اس مورتی کے بارے میں معلوم تھا جو اس کا ایک آدمی چرا کر بھاگ گیا تھا بعد میں اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کی بیوی اور بچی مورتی لے کر غائب ہو گئی تھیں اور رضا مراد کے آدمی ان کی تلاش میں تھے۔

اخبار میں رضا مراد کے آدمیوں کی لاشوں کی تصویریں اور کسی خفیہ خزانے کے بارے میں پڑھ کر خانم سمجھ گئی کہ وہ خزانہ کیا ہو سکتا ہے۔

اور جب خرم نے بتایا کہ وہ مورتی خانم کے قبضے میں ہے تو میں اچھل پڑی۔

"وہ مورتی اس روز چرائی گئی تھی جب تمہیں اور تمہاری ماں کو فارم ہاؤس بھیجا جانے والا تھا۔" خرم کہہ رہا تھا۔ "مجھے تمہاری ماں کی موت کا بھی افسوس ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ فارم ہاؤس میں تمہارے اور تمہاری ماں کے ساتھ میں نے جو تربیت کی تھی وہ دراصل تمہیں ڈرانے دھمکانے کے لیے تھی۔ تمہاری ماں کو تو اس رات شہر بھیج دیا گیا تھا جہاں اسے ایک ٹرک کے نیچے

کچل کر حادثے کا رنگ دیا گیا تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا خانم کے کہنے پر ہوا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "خانم وہ عورت ہے جس سے وفا کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ پہلے اس نے رضا مراد کو دھوکا دیا پھر منشیات کے بزنس میں اپنے شریک کار کو پھنسا کر مروا دیا اور چند روز پہلے تم نے میرے ساتھ بھی اس کا سلوک دیکھ لیا۔ میرا سینہ تو اس وقت سے انتقام کی آگ سے سلگ رہا ہے لیکن میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔ اس نے خانم کے بارے میں جو نئی کہانی سنائی تھی ہو سکتا ہے وہی درست ہو لیکن میری ماں کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا تھا میں اسے ماننے کو تیار نہیں تھی۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ میری ماں کو اس نے فارم ہاؤس میں قتل کر دیا تھا اور لاش کہیں دبا دی تھی اور اب میری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ الزام خانم کے سر تھوپ رہا تھا۔

"تم بھی خانم کے ظلم کا شکار ہو۔" خرم نے کہا۔ "تمہاری بربادی کی ذمہ دار بھی وہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ مل کر اس سے انتقام لے سکتی ہو۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم بھی انتقام کی آگ میں جل رہی ہو اور ہمارے لیے اسے راستے سے ہٹانے کے لیے ایک بہترین موقع آنے والا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

خرم چند لمحے خاموش رہا پھر دھیمے لہجے میں بتانے لگا کہ ولادت خانم سے کس طرح انتقام لیا جا سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن یہ سوچ لو کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ وہ ہمیں کتے کی موت مار دے گی۔" میں نے کہا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا ہے۔" خرم نے جواب دیا۔

ہم کافی دیر تک اس منصوبے پر بحث کرتے رہے۔ ہمیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ میں نے ایک مرتبہ ادھر ادھر دیکھا تو پارک تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ اس وقت رات کے نو بج چکے تھے۔

"آؤ اب چلیں۔" خرم اٹھتے ہوئے بولا۔ "لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ خانم کو ہمارے تعلقات پر شبہ نہ ہونے پائے۔ وہ بڑی گھاگ عورت ہے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

میں نے جواب دینے کے بجائے سر ہلا دیا اور ہم پارک سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ خانم اس وقت بھی گھر میں موجود نہیں تھی۔ خرم اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلے ایک ہفتے کے دوران میں گہری نظروں سے خانم کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتی رہی۔ ایک رات خانم گھر پر نہیں تھی اور مجھے اس کے کمرے کی تلاشی لینے کا موقع مل گیا اور میں نے وہ خفیہ تجوری تلاش کر لی جس میں شہزادی کی تاریخی مورتی، قیمتی زیورات اور لاکھوں ریال کی نقد رقم موجود تھی۔

یہ تجوری دیوار میں بنی ہوئی تھی اور اسے چھپانے کے لیے خانم نے اپنی ایک خوبصورت تصویر کا

فریم آویزاں کر رکھا تھا۔ اس کی چابی بھی مجھے ڈریسنگ ٹیبل میں مل گئی تھی۔ تجوری کی تلاشی لینے کے بعد میں نے چابی اسی جگہ رکھ دی تھی۔

اس کے تین دن بعد میں شام کو لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ خرم کی گاڑی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ خانم اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی۔ خرم گاڑی سے اتر کر سیدھا میرے پاس آ گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"اپنی تیاری مکمل کرلو۔ آج رات ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"اور خانم کا کیا ہوگا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا بندوبست میں نے کرلیا ہے۔ وہ رات دس بجے کے بعد اس دنیا میں نہیں رہے گی۔" خرم نے جواب دیا۔

میں کانپ کر رہ گئی۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ایک خادم کو اس طرف آتے دیکھ کر خرم مڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔

خانم آٹھ بجے کے قریب آئی تھی اور نو بجے کے قریب وہ واپس چلی گئی۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ شہر سے باہر جا رہی ہے۔ واپسی میں اچھی خاصی دیر ہو جائے گی۔ خانم کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد میں نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کرلیا اور الماری میں سے اپنے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال کر سوٹ کیس میں پیک کرنے لگی۔

خرم بھی خانم کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ اس رات میں نے اکیلے ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ عجیب سی وحشت طاری ہو رہی تھی۔ میں کبھی اپنے کمرے میں آ جاتی اور کبھی لان میں آ کر ٹہلنے لگتی۔ ایک خادمہ نے میری اس کیفیت کو نوٹ کرلیا۔ اس نے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

گیارہ بجے کے قریب اسی خادمہ نے بتایا کہ خرم فون پر مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ میں اس وقت لان میں تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر گئی۔ ٹیلی فون کا ریسیور میز پر الگ رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"تیار رہنا حریری۔" میری ہیلو کے جواب میں خرم کی آواز سنائی دی۔ "خانم اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہو چکی ہے۔ میں آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ رہا ہوں۔ اس کے فوراً بعد ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔"

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے وہاں کھڑی رہی اور پھر جیسے ہی پلٹی خادمہ کو کچن کی طرف سے آتے دیکھ کر رک گئی۔ وہ چائے لے کر آ رہی تھی۔ میں اس وقت واقعی چائے یا کافی جیسی کسی چیز کی طلب محسوس کر رہی تھی۔ کیا اس خادمہ کو میری اندرونی کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اس نے چائے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ میں نے صوفے پر بیٹھ کر کپ اٹھایا اور ہلکی ہلکی چسکیاں بھرنے لگی۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ مجھ سے چائے نہیں پی جا رہی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے چند

گھونٹ بھرے اور کپ میز پر رکھ کر خانم کے کمرے میں گھس گئی۔

میں نے دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔ میں خانم کے کمرے میں بلا روک ٹوک آتی جاتی تھی لیکن اس وقت میرے دل میں عجیب سا خوف طاری تھا جیسے مجھے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے گا۔

میں نے الماری میں سے ایک کینوس کا بیگ نکال کر خالی کر دیا اور دیوار پر آویزاں خانم کی تصویر والا فریم اتار کر تجوری کھولنے لگی۔ اس وقت میرے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے۔

میں نے شہزادی کی مورتی کے علاوہ تجوری میں رکھے ہوئے تمام زیورات اور نقد رقم بھی تھیلے میں ڈال لی اور تجوری بند کر کے فریم دوبارہ اسی جگہ پر لٹکا دیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے تھیلا سوٹ کیس میں کپڑوں کے نیچے رکھ کر سوٹ کیس لاک کر دیا اور کمرے ہی میں بیٹھ کر خرم کا انتظار کرنے لگی۔ اس وقت مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ ذہن پر خوف طاری تھا اور دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

میری نظریں بار بار دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ خرم نے آدھے گھنٹے کا کہا تھا اور اب ایک گھنٹہ ہونے والا تھا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ خانم اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہو چکی ہے۔ لیکن اگر......

میں اس اگر سے آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی کیونکہ اس اگر سے آگے بھیانک موت بھی ہو سکتی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ میرے خدشات بڑھتے جا رہے تھے۔ اگر خرم اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا ہو تو......؟ اس تصور ہی سے میرا دل کانپ اٹھا۔ ایک مرتبہ تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے خانم کی تجوری سے جو کچھ بھی نکالا تھا اسے واپس رکھ دوں اور یہاں سے فرار کا خیال ذہن سے نکال دوں۔

چند منٹ اور گزر گئے۔ میں نے سوٹ کیس میں سے تھیلا نکال لیا اور اپنے کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ ایک گاڑی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔ خرم کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں تیزی سے دوبارہ کمرے میں گھس گئی اور تھیلا سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

میں کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ خرم بھی پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔

"جلدی کرو۔ تم باہر جا کر گاڑی میں بیٹھو۔ میں آ رہا ہوں۔" خرم کہتے ہوئے دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

میں نے کمرے میں جا کر سوٹ کیس اٹھایا اور باہر آ گئی۔

لینڈ کروزر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد خرم برآمدے میں نمودار ہوا۔ اس نے بھی ایک درمیانے سائز کا سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا۔ اس کے ساتھ وہی خادمہ بھی تھی جس نے مجھے چائے پلائی تھی۔ خرم نے جیب سے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکال کر خادمہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ جھک کر اس کے ہونٹوں پر بوسہ دیا اور گاڑی کی طرف آ گیا۔

خرم نے جس انداز میں خادمہ کے ہونٹوں پر بوسہ دیا تھا اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان میں پہلے ہی سے کچھ اس قسم کے تعلقات استوار تھے۔

خرم نے بھی اپنا سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

گاڑی جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ گیٹ کے بالکل سامنے سیاہ رنگ کی ایک کار نے ہمارا راستہ روک لیا اور اس کار میں ایک افسر کو دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بڑی پھرتی سے اپنی کار سے اتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔

"ولادت خانم کہاں ہے؟" اس نے خرم کی طرف گھڑے ہو کر رعب دار لہجے میں پوچھا۔

"ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔" خرم نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

وہ شخص اوپر سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رائفل اس نے اپنی ٹانگوں کے بیچ میں رکھ لی تھی۔

وہ مطمئن تھا جیسے اسے خرم یا مجھ سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

خرم گاڑی کو کار سے بچا کر گلی میں لے آیا اور پھر اسے مختلف گلیوں میں گھماتا ہوا مین روڈ پر آ گیا۔ اس وقت ایک بجنے والا تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی نظر آ جاتی تھی۔

لینڈ کروز شہر سے باہر نکلی تو وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟" اس نے پوچھا۔ لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"ولادت خانم اپنے چند غیر ملکی دوستوں کے ساتھ ماہ آباد کے ایک مکان میں مزے اڑا رہی ہے۔ آج اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا بہترین موقع ہے۔ اس کا بہنوئی بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔"

وہ مطمئن ہو گیا۔ ماہ آباد شہر کی ایک نواحی بستی تھی اس لیے اسے خرم کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

لینڈ کروزر شہر کی حدود سے تقریباً تین میل باہر آ چکی تھی۔ خرم نے گاڑی روک لی۔ انجن بند کر دیا اور اچانک ہی افسر کی طرف جھکتے ہوئے اس کی رائفل اپنے قبضے میں کر لی۔

"نیچے اترو۔" وہ رائفل کو اس کے پہلو سے لگاتے ہوئے غرایا۔

افسر بدحواس ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ خرم نے اس کے پہلو پر رائفل سے دباؤ ڈالا تو وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ خرم بھی رائفل سنبھالے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ افسر پہلے تو خرم کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا پھر گھگیانے لگا اور رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ مجھے اس کی حالت پر ہنسی آ گئی۔ دوسروں پر تو انہوں نے کبھی رحم نہیں کیا تھا۔ انہیں جس طرح اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا وہ سب جانتے تھے اور اب خود اپنی موت کو سامنے دیکھ کر رحم کی بھیک مانگنے لگا تھا۔

خرم اسے رائفل کی زد پر دھکیلتا ہوا چند گز دور ایک کھڈ کے کنارے پر لے گیا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس شخص کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ مرنے سے پہلے ہی مر گیا ہو۔ بے پناہ خوف تھا اس کی آنکھوں میں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ موت کتنی خوفناک ہوتی ہے۔

دفعتاً فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور اس شخص کی چیخوں سے گونج اٹھی۔ وہ ہراتا ہوا پیچھے کھڈ میں جا گرا۔ اس کی چیخوں کی بازگشت دیر تک فضا میں گونجتی رہی۔

خرم نے رائفل بھی کھڈ میں پھینک دی اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ میں دہشت زدہ سی سیٹ پر سمٹی بیٹھی تھی۔

گاڑی حرکت میں آ گئی اور کچھ ہی دیر بعد تیز رفتاری سے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

خرم نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے مطابق ہمیں اہواز جانا تھا اور ہمارا رخ اہواز ہی کی طرف تھا لیکن خرم بتا رہا تھا کہ اب ہم اہواز کی طرف نہیں جائیں گے۔ شط العرب کی طرف عراق سے کئی برسوں سے جنگ جاری تھی۔ اس جنگ کے اثرات اگرچہ پورے ملک پر ہو رہے تھے لیکن اہواز سوسن گرد و یزفل اور قرب و جوار کے علاقے براہِ راست متاثر ہو رہے تھے اس لیے خرم نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا تھا۔

اس ہائی وے پر چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے خرم نے گاڑی کا رخ دائیں طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ سڑک چھوٹے قصبوں اور دیہی علاقوں سے ہوتی ہوئی شادگان کی طرف چلی گئی تھی لیکن ہم شادگان کی طرف جانے کے بجائے ایک اور کچی سڑک پر ہوتے ہوئے ابادان سے بندر ماہ شہر کی طرف جانے والے ہائی وے پر نکل آئے۔ یہی ہائی وے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ بندر عباس تک چلا گیا تھا۔

ایران کی شاہراہوں پر سفر کرنا آسان نہیں تھا۔ خود ساختہ انقلابی لیڈر اور پاسداران شاہراہوں پر بھی گشت کرتے رہتے تھے۔ ان کا کام لوگوں کے لیے پریشانیاں پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خواتین کے لیے تو ایران میں زندگی عذاب بن گئی تھی۔ وہ تو اپنے شہروں میں بھی آزادی سے سفر نہیں کر سکتی تھیں ان کے ساتھ کسی محرم کا ہونا ضروری تھا۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر سنگین ترین جرم تھا۔

ہمارا سفر بہت طویل تھا جگہ جگہ چیکنگ کا اندیشہ تھا۔ خرم کو بھی ان دشواریوں کا اندازہ تھا جو ہمیں راستے میں پیش آ سکتی تھیں۔ ہم دونوں میں کوئی قریبی تو کیا دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں تھا۔ چیکنگ کی صورت میں ہم پر بڑی آسانی سے حرام کاری کا جرم عائد ہو سکتا تھا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔

خرم شاہراہ سے بچ کر ان راستوں کا انتخاب کرتا رہا جہاں چیکنگ کا زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں پچھلی سیٹ پر نیم دراز اونگھتی رہی۔ کبھی آنکھ کھل جاتی تو چاروں طرف تاریکی میں گھورنے لگتی۔

صبح ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ہم بروز جان پہنچ گئے۔ یہاں سے ایک سڑک ساحل سمندر پر واقع بوشہر کی طرف چلی گئی تھی۔ لیکن ہم نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ قصبے سے آگے نکل کر ایک پٹرول پمپ سے گاڑی میں پٹرول ڈلوایا اور اہرم کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہم اہرم میں بھی نہیں رکے۔ تقریباً اسی کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے فورموج نامی قصبے کے نواح میں واقع ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے خرم نے گاڑی روک لی۔ اس وقت تک ہم تقریباً دو سو کلومیٹر کا سفر طے کر چکے تھے۔ تھکن سے میری بری حالت ہو رہی تھی۔

اگر ہم چاہتے تو قصبے کے کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہر کر کچھ دیر آرام بھی کر سکتے تھے لیکن وہاں چیکنگ کا اندیشہ تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹہ اس چھوٹے سے ہوٹل میں رکے۔ ناشتے کے علاوہ ہم نے کھانے پینے کی

کچھ چیزیں ساتھ بھی لے لی تھیں اور اس کے بعد ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

بندرعباس اب بھی ہم سے تقریباً آٹھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اور یہ فاصلہ ہم نے کس طرح طے کیا میں اس کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں سمجھتی۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب خرم نے گاڑی شاہراہ سے ہٹا کر درختوں کے ایک جھنڈ میں روک لی۔ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔

ہم گاڑی سے اتر کر چشمے کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ اس طویل سفر نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور گھاس پر لیٹ گئی۔

مجھے نہیں معلوم کہ خرم نے آئندہ کے لیے کیا منصوبہ بنا رکھا تھا لیکن میں نے جو سوچ رکھا تھا اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ ولادت خانم ختم ہو چکی تھی۔ میں اب وان سے سینکڑوں میل دور آ گئی تھی۔ میری ماں کا قاتل میرے ساتھ تھا اور میرے خیال میں اب وقت آ گیا تھا کہ اس سے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لے لیا جائے۔

بندرعباس یہاں سے چند میل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں اگرچہ تقریباً چار سال اس شہر سے دور رہی تھی لیکن یہاں بہت سے لوگوں کو اب بھی جانتی تھی جو مجھے پناہ دے سکتے تھے۔

ہم تقریباً دو گھنٹے درختوں کے اس جھنڈ میں آرام کرتے رہے۔ خرم مجھ سے چند گز کے فاصلے پر چشمے کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھا بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں گھاس پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی نظروں سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں آئی کہ اب چونکہ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ذہنی طور پر کچھ سکون ملا تھا اور شاید یہ طمانیت ہی خرم کی نیت میں ڈانواں ڈول کی سی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ لیکن میں بھی غیر محتاط نہیں تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی اور اسی طرح پڑی رہی۔ تاہم میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی تھی جس کا اندازہ میرے سینے کے زیر و بم سے لگایا جا سکتا تھا۔

خرم کی نظروں میں ہوس کی چمک بڑھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ میرے اوپر جھکنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور پوری قوت سے دھکا دے کر اسے پیچھے گرا دیا۔ اور خود بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی میں نے بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر وہ پستول نکال لیا جو میں نے ایسے ہی مواقع کے لیے چھپا رکھا تھا۔ یہ پستول بھی مجھے خانم کی تجوری سے ہی ملا تھا۔

خرم پشت کے بل پڑا تھا۔ اسے شاید میری طرف سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے سینے سے لگا کر اظہار محبت کروں گی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی لیکن میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وحشت خوف میں بدل گئی۔

"یہ..... یہ کیا کر رہی ہو تم۔ پاگل تو نہیں ہو گئیں؟" وہ چیخا۔

"میں پوری طرح اپنے حواس میں ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ کیا کر رہی ہوں۔" میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پاگل تو تم ہو۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں اپنی ماں کے قاتل کو معاف کر دوں گی۔ میں ان لمحات کو کبھی نہیں بھولی جب تم نے میری ماں پر تشدد کیا

تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔ اس معصوم اور بے گناہ عورت کی چیخیں آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ تم نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں اپنی ماں پر ہونے والا ظلم و تشدد بھول کر تمہارے ساتھ رنگ رلیاں مناؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ بے تکلف ہوئی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئی تھی۔ میں تو کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی۔ اس شام تیتی پارک میں خانم کے خلاف سازش میں مجھے اپنے ساتھ شریک کر کے تم نے میرا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ خانم کو تم نے ٹھکانے لگا دیا اور آج تمہاری باری ہے۔ میں نے یہ طویل عرصہ انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزارا ہے۔ آج میری ماں کی بے چین روح کو بھی سکون مل جائے گا اور مجھے بھی قرار آ جائے گا۔"

"تت..... تم غلط سمجھ رہی ہو ہریش۔" خرم کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ "میں نے تمہاری ماں کو قتل نہیں کیا تھا۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ....."

میں نے ٹریگر دبا دیا۔ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ پتلون کی جیب کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ رک گیا اور وہ اٹھ کر چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں پستول کا ٹریگر دباتی چلی گئی۔ تمام گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوئی تھیں۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔ پستول کا رخ اب بھی خرم کی طرف تھا۔ اس کے جسم سے بہنے والا خون گھاس کو تر کر رہا تھا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر ٹریگر دبا دیا۔ یہ آخری گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ اس کے جسم نے جھٹکا لیا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ میں چند لمحے نفرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے منہ پر تھوک دیا اور پستول بھی اس کے قریب پھینک کر چشمے پر آ گئی۔ ہاتھ دھوئے۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ چند گھونٹ پانی کے پیے اور گاڑی کا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ میں پتھریلے راستوں پر گاڑی کو ہلکی رفتار سے چلاتی ہوئی ہائی وے پر لے آئی اور پھر اسے تیز رفتاری سے شہر کی طرف دوڑا دیا۔

شہر میں داخل ہونے کے لیے میں نے ایک غیر معروف راستہ استعمال کیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں نے گاڑی ایک ویران سڑک پر چھوڑ دی اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف چلنے لگی۔ خرم والا سوٹ کیس میں نے گاڑی ہی میں رہنے دیا تھا۔

وہاں سے کافی دور نکل آنے کے بعد میں ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر بس اسٹینڈ کی طرف آ گئی اور وہاں سے ٹیکسی بدل کر شہر کے گنجان آبادی والے علاقے میں آ گئی۔

میں کئی سال بعد بندرعباس آئی تھی۔ شہر میں کئی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اس گلی کے موڑ پر ایک پرانی سی عمارت ہوا کرتی تھی جس کے نیچے چند دوسری دکانوں کے علاوہ ایک بیکری بھی ہوا کرتی تھی۔ اس بیکری سے میں اکثر ڈبل روٹی لینے کے لیے آیا کرتی تھی لیکن اب وہاں کئی منزلہ شاندار عمارت تھی۔

کئی سال پہلے جب ہم بندرعباس میں رہائش پذیر تھے تو خانم مہرین وہ واحد ہستی تھی جس سے میری ماں کی گہری دوستی تھی۔ پاپا کے قتل کے بعد جب سورن کی تلاش میں مجھے اور میری ماں کو قتل کرنے کی

کوشش کی گئی تھی تو خانم مہر نے ہی ہمیں شہر سے فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میں اگرچہ کئی سال بعد یہاں آئی تھی لیکن خانم مہر نے مجھے فوراً ہی پہچان لیا۔ اس نے مجھے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور جب میں نے اسے ماں کے بارے میں بتایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مجھے بھی یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ خانم مہر بھی دو سال پہلے بیوہ ہو چکی تھی۔ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ مجھے وہ پہلے بھی بہت پیار کیا کرتی تھی اور اب بھی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

وہ رات ہم نے تقریباً جاگ کر گزاری۔ پہلے چند برسوں کے دوران ہم پر جو بیتی تھی وہ میں نے خانم مہر کو بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں آج شام ایک آدمی کو قتل کر کے یہاں آئی ہوں۔ اس کے باوجود خانم مہر نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ میں نے سوٹ کیس میں سے نقدی اور زیورات والا تھیلا نکال کر خانم کے سامنے رکھ دیا اور خانم مہر نے اسے میری امانت کہتے ہوئے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا۔

اگلے روز اخبار میں شہر کی ایک ویران سڑک پر کھڑی ہوئی ابادان کی نمبر پلیٹ والی ایک گاڑی کے بارے میں خبر چھپی کہ اس لاوارث گاڑی میں ملنے والے سوٹ کیس میں سے پولیس لاکھ ریال کی رقم برآمد ہوئی تھی۔ پولیس گاڑی کے مالک کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اخبار میں خرم کی لاش کا کوئی ذکر نہیں تھا اور مجھے یقین تھا کہ کئی روز تک اس کی لاش کا پتا نہیں چلے گا اور جب وہ ملے گی تو وہ یا تو ناقابل شناخت ہو چکی ہوگی یا ڈھانچے میں بدل گئی ہوگی۔

مجھے خرم کے اس سوٹ کیس کا افسوس تھا جو پولیس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دولت بھی خانم کی تھی جسے خرم اڑا لایا تھا۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ اس سوٹ کیس میں اتنی دولت ہو سکتی ہے تو میں اسے گاڑی میں نہ چھوڑ دیتی لیکن بہرحال میرے پاس بھی دولت کی کمی نہیں تھی۔

میں جو منصوبہ لے کر بندر عباس آئی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ میری رہائش کسی اچھے اور صاف ستھرے علاقے میں ہو۔ چنانچہ چند روز بعد میں نے خانم مہر کے توسط سے شہر کے ایک پوش علاقے میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی اور خانم مہر کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئی۔ خانم مہر نے اپنے اس آبائی مکان کو تالا لگا دیا تھا۔ خانم مہر ہی کے توسط سے ایک قابل اعتماد خادمہ اور خادم کو بھی ملازم رکھ لیا۔

چند روز مزید آرام میں گزر گئے۔ اور پھر میں نے اپنے اصل منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ چند ہی روز بعد مجھے پتا چل گیا کہ رضا مراد آج کل بندر عباس ہی میں ہے۔ اسے تلاش کرنے میں بھی مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے رضا مراد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

رضا مراد اب بھی اسی کاروبار سے وابستہ تھا یعنی نوادرات کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ۔ وہ ایران کے مختلف علاقوں سے تاریخی نوادرات خریدتا اور انہیں غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ یہ نوادرات پہلے سمندر کے راستے پاکستان پہنچائے جاتے اور پھر پاکستان سے دوسرے ممالک کو اسمگل کر دیے جاتے۔

پاکستان بھی ان دنوں تاریخی نوادرات کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ افغانستان میں جنگ کی وجہ سے نہ صرف وہاں کی معیشت تباہ ہو چکی تھی بلکہ وہاں کی ثقافت اور ثقافتی ورثے

کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا۔ کابل کا عجائب گھر روسی فوج کی بمباری کے باعث تباہ ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر افغانوں کی خانہ جنگی نے پوری کر دی تھی۔ عجائب گھر میں بھری ہوئی چیزیں بے دردی سے لوٹی جا رہی تھیں۔ بہت سی نادر اور قیمتی اشیاء روسی لے گئے تھے۔ بچی کھچی چیزیں عام لوگوں نے لوٹ لی تھیں۔ جن کے پاس لوٹ کی ایسی چیزیں موجود تھیں وہ انہیں ایک وقت کی روٹی کے بدلے میں فروخت کر رہے تھے۔ مہاتما بدھ کی ایک قد آدم مورتی صرف ایک ڈبل روٹی کے بدلے فروخت کر دی گئی تھی۔

پاکستان میں تاریخی نوادرات کے اسمگلر اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ دنیا کے کئی ممالک کے عجائب گھروں کے ایجنٹ پشاور میں جمع تھے۔ وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے جو افغانستان سے اس قسم کی چیزیں چرا کر لائے ہوں۔

رضا مراد اور اس کے ایجنٹ کراچی کی طرف سرگرم تھے۔ یہاں انہیں اپنی چیزوں کے گاہک آسانی سے مل جاتے تھے۔ بہرحال رضا مراد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لینے کے بعد میں نے اس سے رابطہ کر لیا۔ اس سے میری پہلی ملاقات ایک کلب میں ہوئی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس بھی ایک شاہکار موجود ہے۔ میں نے اسے اگلے روز اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

اور جب میں نے اسے شہزادی کی مورتی دکھائی تو وہ اچھل پڑا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ یہ مورتی مجھے ابادان میں ایک ایسی عورت نے دی تھی جو زندگی کی آخری سانس لے رہی تھی۔

رضا مراد اس مورتی کو خریدنا چاہتا تھا۔ میں نے جب قیمت دریافت کی تو اس نے کہا۔

"اس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی لیکن میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔ چندرہ لاکھ بیس لاکھ تیس لاکھ ریال......"

"میں یہ مورتی تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ لیکن"

"لیکن کیا......؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اتنی قیمت بتاؤں گی یا کوئی ایسی شرط رکھوں گی جسے پورا کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔

"میں تم سے اس کی کوئی قیمت نہ لوں گی۔" میں نے کہا۔

"کیا......؟" وہ اچھل پڑا۔

"میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں یہ مورتی اس شخص کے حوالے کرنا چاہتی تھی جو اس کی قدر جانتا ہو۔ میں تمہاری باتوں سے مطمئن ہوں۔ اس لیے اس مورتی کو میری طرف سے تحفہ یا نذرانہ سمجھ کر اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔"

"کیا؟" وہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر بے یقینی کے سے تاثرات پھیل گئے۔ "میں اس مورتی کے لیے تمہیں لاکھ ریال کی پیشکش کر چکا ہوں لیکن اس کی قیمت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور تم بغیر کسی"

"میں دوستی کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور دوستی میں دیے جانے والے تحفوں کی قیمت نہیں لگائی جاتی۔"

"تو پھر آج سے ہماری دوستی پکی۔" رضا مراد نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

میں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس طرح ہماری دوستی کا آغاز ہوا۔ نوادرات کی اسمگلنگ سے قطع نظر رضا مراد بہت شریف آدمی تھا۔ بہت مخلص اور قابل اعتماد۔ وہ مجھ پر بھی مکمل بھروسہ کرنے لگا تھا۔ چند روز بعد ہی میں اپنا کرائے کا مکان چھوڑ کر اس کی شاندار کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ ہم دونوں اگرچہ ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے لیکن اس نے میری طرف کبھی میلی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہم گھنٹوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہتے لیکن اس نے مجھے کبھی چھوا تک نہیں تھا۔

رضا مراد بھی مجھ پر اسی طرح اعتماد کرنے لگا تھا کہ وہ اپنے بزنس کی باتیں بھی مجھے بتانے لگا اور پھر اس نے مجھے اپنے بزنس میں شریک کر لیا۔ شراکت داری بس ایسی ہی تھی۔ وہ ہر بات مجھے بتا دیتا تھا۔ کون سی چیز کہاں اور کس ذریعے سے مل سکتی ہے اور اسے کن ذرائع سے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ میں ان لوگوں سے بھی ملنے لگی جو اس کے ساتھ اس بزنس میں شریک تھے۔ ایک سال کے اندر اندر میں نوادرات کے اس بزنس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

رضا مراد کی عمر اس وقت ساٹھ سے کچھ اوپر ہی تھی۔ وہ بظاہر تندرست اور صحت مند نظر آتا تھا لیکن شراب نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا تو پھر اٹھ نہ سکا۔ علاج کے لیے تہران سے دو ڈاکٹروں کو بلایا گیا لیکن اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ بیس بائیس روز بیمار رہنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

رضا مراد کی موت کے بعد مجھے اس سینڈیکیٹ کا چیئرپرسن منتخب کر لیا گیا لیکن دو آدمیوں نے بغاوت کر دی۔ وہ اپنا حصہ لے کر سینڈیکیٹ سے الگ ہو گئے اور انہوں نے اپنا بزنس شروع کر دیا۔

میں بڑی مشکل میں پڑ گئی تھی۔ میرے ساتھ جو آدمی رہ گئے تھے وہ اگرچہ اس بزنس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے لیکن ان کے پاس وسائل نہیں رہے تھے۔ چھ مہینوں کی جدوجہد کے بعد میں بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکی تھی۔

میں ان دنوں زاہدان سے تقریباً دو سو کلومیٹر دور سیستان کے ایک قدیم شہر شہر سوختہ میں جھیل کے کنارے پر کھدائی کر رہی تھی۔ اس علاقے میں پہلے بھی کئی مرتبہ کھدائی ہو چکی تھی اور بعض قیمتی نوادرات برآمد ہوئے تھے۔ میں نے جس مقام پر کھدائی کروائی تھی وہ اس جگہ سے کافی دور تھی اور اس خطے کے بارے میں ایک سرکاری ماہر آثار قدیمہ کی خفیہ سروے رپورٹ میں نے دو لاکھ ریال میں خریدی تھی۔ اس ماہر آثار قدیمہ نے یقین دہانی کرائی تھی کہ یہاں سے ہمیں بہت کچھ ملے گا۔

تقریباً ڈیڑھ مہینے سے کھدائی کا کام جاری تھا۔ میں زاہدان میں کیمپ لگائے ہوئے تھی۔ کھدائی کے بارے میں حوصلہ افزا رپورٹیں مل رہی تھیں۔ دھات کے چند ٹوٹے پھوٹے ظروف برآمد ہونے کی اطلاع پا کر میں بھی شہر سوختہ پہنچ گئی۔

ہمارا کیمپ شہر سے تقریباً بیس میل دور تھا۔ وہاں پہنچ کر انکشاف ہوا کہ کھدائی کے دوران چند اور چیزیں بھی برآمد ہو چکی ہیں اور پھر اسی رات میری موجودگی میں ایک تابوت بھی برآمد ہوا۔ لکڑی کا یہ تابوت ٹوٹا پھوٹا تھا۔ اس کے سائز اور حجم سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس میں کسی بچے کو دفن کیا گیا ہوگا۔ لیکن بعد

میں لاش اسی تابوت سے نکالی گئی تھی یا چوری کر لی گئی تھی۔ بہرحال ہم نے اس علاقے میں کھدائی جاری رکھی۔ مجھے تو قع تھی کہ ایسی ہی کوئی اور چیز ضرور ملے گی۔

میں تین دن کیمپ میں مقیم رہی اور پھر زاہدان آ گئی۔ زاہدان پہنچنے کے تیسرے روز مجھے ایک اور سنسنی خیز اطلاع ملی جو شخص اطلاع لے کر آیا تھا اس نے بتایا کہ کھدائی میں ایک اور تابوت برآمد ہوا ہے جس میں ایک عورت کی ممی بھی موجود ہے۔ میں اگلے ہی روز وہاں پہنچ گئی۔ لیکن ایک اور سنسنی خیز اطلاع وہاں میری منتظر تھی۔

کیمپ کے دو آدمی گزشتہ رات ممی والا تابوت لے کر غائب ہو گئے تھے۔ پولیس کو بھی کسی طرح یہ خبر مل گئی تھی۔ اس وقت پولیس کی ایک پارٹی بھی کیمپ میں موجود تھی۔ ہم غیر قانونی طور پر کھدائی کر رہے تھے۔ پولیس ہمارے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیکن میں نے معاملے کو سنبھال لیا اور اس کے لیے مجھے پچاس ہزار ریال خرچ کرنے پڑے تھے۔ پولیس نے ہمارا پیچھا تو چھوڑ دیا تھا لیکن تابوت کی چوری کی تحقیقات سے دستبردار نہیں ہوئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اگر تحقیقات جاری رہیں تو معاملہ بہت آگے نکل جائے گا اور ہم بھی اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکیں گے۔ پولیس کو تحقیقات سے روکنے کے لیے مجھے مزید بیس ہزار ریال کی قربانی دینی پڑی تھی۔

بہرحال پولیس سے ہمیں نجات مل گئی۔ پولیس کے جانے کے بعد میں نے اپنے آدمیوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ کیمپ کے سپروائزر نے بتایا کہ وہ تابوت کل دوپہر کے وقت برآمد ہوا تھا جو سیاہ رنگ کی بہت بڑی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس پر لگا ہوا تالا بھی بہت مضبوط اور پیچیدہ قسم کا تھا۔ سپروائزر کے کہنے کے مطابق اس نے وہ تالا توڑ دیا اور جب تابوت کا ڈھکنا کھولا گیا تو وہ دنگ رہ گیا۔

تابوت کے اندر ایک جوان عورت کی ممی رکھی ہوئی تھی جس کے سر پر سونے کا خوبصورت تاج تھا اور سینے پر سونے کی ایک تختی بھی رکھی ہوئی تھی جس پر قدیم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

جس خیمے میں تابوت کھولا گیا تھا وہاں سپروائزر کے علاوہ اس کا ایک اسسٹنٹ تھا۔ کسی تیسرے آدمی کو خبر نہیں ہو سکی تھی کہ اس تابوت کے اندر کیا تھا۔ سپروائزر نے اپنے ماتحت کو مجھے اطلاع دینے کے لیے اسی وقت زاہدان روانہ کر دیا جو شام کو وہاں پہنچا تھا۔

سپروائزر کے کہنے کے مطابق رات دو بجے کے قریب کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا تو کیمپ کی ایک پک اپ تیز رفتاری سے ہائی وے کی طرف جا رہی تھی۔

سپروائزر کو اچانک ہی کچھ خیال آیا اور وہ دوڑتا ہوا اس خیمے میں پہنچ گیا جہاں تابوت رکھا گیا تھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور وہ تابوت غائب تھا۔ کھدائی کے دوران چھوٹی موٹی چیزیں تو چوری ہوتی ہی رہتی تھیں لیکن اتنی بڑی چیز چوری ہونے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

سپروائزر نے شور مچا کر دوسرے آدمیوں کو بھی جگا دیا۔ وہ لوگ مسلح ہو کر ایک گاڑی کی طرف دوڑے لیکن اس گاڑی کے چاروں پہیوں کی ہوا نکلی ہوئی تھی۔ کیمپ میں اس وقت دو گاڑیاں تھیں۔ دوسری

گاڑی کے پہیوں کی بھی ہوا نکلی ہوئی تھی۔

وہ پک اپ نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس کا پیچھا کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ سپروائزر کے کہنے کے مطابق کیمپ سے دو آدمی غائب تھے۔ وہ دونوں آدمی ہم نے شہر سوختہ ہی سے لیے تھے۔

ہم نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ تین دن بعد پتا چلا کہ ہمارے کیمپ سے چوری ہونے والی پک اپ کو سرحد پار کر کے پاکستان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

ہمارے دو آدمی پاکستان بھی گئے تھے لیکن وہ بھی ان کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ میں نے تابوت میں وہ ممی نہیں دیکھی تھی لیکن مجھے اس کی چوری کا بہت دکھ ہوا تھا۔ ایک اچھی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

تین مہینے بعد پاکستان سے اس ممی کے بارے میں کچھ خبریں سنائی دینے لگیں۔ پہلی اطلاع تو یہ تھی کہ بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں اس ممی کو بیچنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس کا سودا تو نہیں ہو سکا تاہم دو پارٹیوں میں تصادم ہو گیا جس میں ایک آدمی مارا بھی گیا تھا۔ دو آدمی پولیس کے ہاتھ لگے تھے جنہوں نے اس ممی کے بارے میں انکشاف کیا تھا۔ تاہم وہ ممی غائب ہو چکی تھی۔ پولیس نے چھاپے مار کر متعدد لوگوں کو گرفتار کیا تھا لیکن اس پراسرار ممی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں اور کس کے قبضے میں ہے۔

چند مہینے پہلے کراچی میں اس ممی کی موجودگی کی اطلاع ملی۔ میرے ایک دو آدمی کراچی میں بھی موجود تھے جو نوادرات کی فروخت کے سلسلے میں میرے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ میں نے ممی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کی ذمے داری انہیں سونپ دی اور ایک مہینے بعد مجھے اطلاع ملی کہ وہ پراسرار ممی حاجی مستان نامی ایک آدمی کے قبضے میں ہے جو اس کی فروخت کے لیے گاہک تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں کراچی آنا چاہتی تھی لیکن کوئی ذریعہ نہیں بن رہا تھا۔ اس کے علاوہ بندر عباس میں بھی کچھ ایسے پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے تھے جنہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی تھی۔

اتفاق سے چند روز بعد بندر عباس میں رنگا سے ملاقات ہو گئی۔"

حریری خاموش ہو گئی۔ میں اس کے سامنے بے حس و حرکت بیٹھا اس کی یہ دلچسپ اور سنسنی خیز باتیں سن رہا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں وہ زندگی کے کتنے سنگین تجربات سے گزری تھی۔

حریری نے پہلو بدلتے ہوئے سامنے دیوار پر آویزاں گھڑی کی طرف دیکھا۔ میری نظریں بھی اس طرف اٹھ گئیں۔ صبح کے چار بجنے والے تھے لیکن ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا۔

"رنگا منشیات کے بزنس میں ملوث تھا۔" حریری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بندر عباس میں اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑی توپ ہے۔ کراچی میں اگرچہ میرے دو آدمی موجود تھے اور تابندہ بھی یہاں تھی جس سے میرا ہمیشہ کسی نہ کسی طرح سے رابطہ رہا تھا لیکن اس پراسرار ممی کے حصول کے لیے مجھے رنگا جیسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے بندر عباس ہی میں رنگا سے تعلقات بڑھانا شروع کر دیے۔ وہ دو ہفتے وہاں رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ کراچی آنے کی پیشکش کی

جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ میرے اس طرح ساتھ چلے آنے پر رنگا سمجھا کہ میں اس کے عشق میں مبتلا ہو چکی ہوں۔ بہرحال یہاں آ کر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ رنگا وہ نہیں جو اس نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔ یہ انکشاف تو میرے لیے بہت دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ رنگا ایک تھرڈ ریٹ غنڈہ ہے جو بہت چھوٹے پیمانے پر منشیات کا دھندہ کرتا ہے اور دکانوں اور ٹھیلے والوں سے بھتہ وصول کرتا ہے۔ اس نے کبھی کسی اصول کی پابندی نہیں کی۔ اس کی بے اصولیوں کی وجہ سے اپنے آدمیوں سے بھی اختلافات رہتے تھے جو بالآخر ایک تصادم کی صورت میں کھل کر سامنے آ گئے اور ٹیڈی جیسے مخلص لوگ اس سے الگ ہو گئے۔

یہاں آنے کے کچھ بعد میں نے خفیہ طور پر تابندہ سے رابطہ رکھا تھا۔ رنگا کو میں نے اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ تاہم ٹیڈی کو میں نے بتا دیا تھا۔ وہ شروع ہی سے میرے ساتھ بہت مخلص رہا ہے اور مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ ٹیڈی کو بھی پتا چل گیا تھا کہ رنگا تم سے دھوکا کر رہا ہے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں رنگا کے اڈے سے ہٹ جاؤں۔ نرگس کا سراغ بھی ٹیڈی ہی نے لگایا تھا۔ رنگا کو تو اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ نرگس پر کیا گزرتی ہے اور تمہیں کس قسم کی صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ رنگا ایسا آدمی نہیں ہے جسے دوستی کے قابل سمجھا جائے۔"

"لیکن تم تو شاید کئی مہینے......"

"وہ میری مجبوری تھی جو میں تمہیں بتا چکی ہوں۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے دو چار دن میں ہی احساس ہو گیا تھا کہ رنگا کچھ نہیں ہے۔ اگر میں نے اس سے مدد لینے کی کوشش کی تو وہ میرے لیے ہی مسئلہ بن جائے گا لیکن میں وہاں رہنے پر اس لیے بھی مجبور تھی کہ مجھے کچھ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اور وہ آدمی مجھے ایسے ماحول میں رہ کر ہی مل سکتے تھے۔ میں نے شروع ہی میں ٹیڈی کو نگاہوں میں رکھا تھا۔ دو چار مرتبہ میں نے اسے آزمایا بھی۔ وہ میری ہر آزمائش پر پورا اترا۔ میں نے موقع پا کر اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ وہ میرا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا۔ ٹیڈی نے تمہارے بارے میں بھی بہت سی معلومات جمع کر لی تھیں۔ اس کے خیال میں تمہارا ساتھ ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اور تمہارے خیال میں؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں فون پر تم سے رابطہ نہ کرتی اور یہاں کا پتا بھی نہ بتاتی۔" حریری نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں اب ہر بات کی وضاحت ہو چکی ہے۔ رنگا کا کردار بھی تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب اگر میں تمہیں کوئی پیشکش کروں تو تم انکار نہیں کرو گے لیکن اگر تم چاہو تو انکار بھی کر سکتے ہو۔ تمہارے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔"

"تمہاری پیشکش سننے سے پہلے میں بھی کچھ باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم جانتی ہو تحریکی سے بھی میری دشمنی چل رہی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے بھی میں اسے بڑا نقصان پہنچا چکا ہوں۔ نرگس کو اس کے شکنجے سے چھڑانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ تو بری طرح بلبلا رہا ہوگا اور پھر میں رنگا کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ وہ کلو ہیروئن بھی اس کے قبضے میں ہے۔ میں اسے آسانی سے معاف تو نہیں کر سکتا۔"

"اس مسئلے کا حل ہے میرے پاس۔" حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تحریکی کو اس کی دس کلو ہیروئن مل جائے تو وہ تم سے دشمنی بھول جائے گا۔"

"لیکن یہ ہیروئن اسے واپس کیسے مل سکتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم تحریکی کو یہ یقین دلا دیں گے کہ وہ ہیروئن رنگا کے قبضے میں ہے۔ اسے یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ رنگا نے وہ ہیروئن کہاں چھپا رکھی ہے۔ تحریکی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ تم اگر مزید پنگے بازی نہیں کرو گے تو وہ تمہارا خیال بھی ذہن سے نکال دے گا۔"

"تحریکی سے میرا کچھ اور بھی حساب ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کی وجہ سے نرگس جس طرح اذیت ناک موت مری ہے اسے زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔"

"میں جانتی ہوں۔ نرگس کی موت کا تمہیں بہت صدمہ ہوگا۔" حریری نے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے اب تمہیں پچھلے واقعات کو بھول جانا چاہیے۔ اسی لیے میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا......؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تحریکی کے چکر سے نکل کر میرے ساتھ کام کرو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں جس مشن پر آئی ہوں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کرو۔ اس کے بعد ہم ایران چلے جائیں گے۔"

"ایران!" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کی دعوت دے رہی تھی۔

میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تو تو اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اسے پانے کی خواہش دل میں ابھری تھی لیکن اسے رنگا کی ملکیت جان کر اپنے بیے شجر ممنوعہ سمجھ لیا تھا لیکن وہ رنگا کی ملکیت نہیں تھی۔ اس کے جال سے نکل آئی تھی اور اب مجھے اپنے ساتھ ایران لے جانے کی دعوت دے رہی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کراچی میں اپنا مشن پورا کرنا چاہتی تھی۔

"تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس پراسرار ممی کی تلاش جو ہم نے دریافت کی تھی لیکن ہمارے کیمپ سے چوری ہو گئی۔" حریری نے جواب دیا۔ "وہ ممی میرے لیے بہت اہم ہے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ ایک پرانی لاش تمہارے یا کسی اور کے لیے اتنی اہم کیوں ہو سکتی ہے؟" میں نے کہا۔

[illegible] حریری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "مصر کے بارے میں تم نے پڑھا ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ [illegible] دریافت ہونے والے مقبروں سے آج بھی قدیم ممیاں برآمد ہو رہی ہیں۔ ان [illegible] کے ساتھ برآمد ہونے والی مصری اشیاء سے قدیم تاریخ اور ثقافت کا پتا چلتا ہے۔ دنیا کے [illegible] خرید لیتے ہیں۔ میں نے [illegible] ایک مورتی کے بارے میں [illegible] خاطر [illegible] ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور وہ مورتی [illegible] کتنے میں فروخت کی تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ایسی چیزوں سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔" میں نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ مورتی پیرس کے ایک پرائیویٹ میوزیم نے ایک کروڑ امریکی ڈالر میں خریدی تھی۔" حریری نے بتایا۔

ایک معمولی سی مورتی کی اتنی قیمت میرے لیے واقعی حیرت کی بات تھی لیکن اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں تھی۔ شوق کی تو بہر حال کوئی قیمت نہیں تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ وہ ممی حاجی مستان نامی کسی آدمی کے قبضے میں ہے۔" میں نے کہا۔ "آخر تم کس طرح......" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "دو مہینے پہلے حاجی مستان کو بھی کوئی ہڑ کر ہلاک کیا جا چکا ہے۔ وہ ممی ایک بار پھر لاپتا ہو چکی ہے لیکن میرے آدمی اس کے بارے میں بہت سی مفید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"مثلاً؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جاننا چاہتے ہو؟ آؤ میرے ساتھ۔" حریری کہتے ہوئے بیڈ سے اتر آئی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہو گیا۔

میں حریری کی طرف دیکھ رہا تھا جو بیڈ سے اتر کر اپنا لباس درست کر رہی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان صرف ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس کے بدن سے اٹھنے والی بھینی بھینی مہک میرے حواس پر چھا رہی تھی۔

"سامنے والے کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" حریری نے کہتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا

میں حریری کی خواب گاہ سے نکل کر سامنے والے کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ کافی کشادہ تھا اور نشست گاہ کے طور پر آراستہ تھا۔ ایک طرف خوبصورت ٹرالی پر ٹیلی ویژن رکھا ہوا تھا۔ ٹرالی کے نچلے خانے میں انگلش اور انڈین فلموں کے ویڈیو کیسٹس بھرے ہوئے تھے اور اس سے نچلے خانے میں وی سی آر سیٹ رکھا ہوا تھا۔

[illegible] کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر صوفہ سیٹ اور کرسیاں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ میں کمرے میں [illegible] دیکھنے لگا۔ دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ ان میں ایک پینٹنگ میں کسی [illegible] غروب آفتاب کا منظر دکھایا گیا تھا۔ [illegible] مصور نے بڑی خوبصورتی [illegible] پیش کیا تھا۔

میں [illegible] کمرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ حریری اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ویڈیو کیسٹ تھی۔ وہ ٹی وی ٹرالی [illegible] ویڈیو کیسٹ [illegible] وی سی آر میں کیسٹ لگانے کے بعد اس نے ٹی وی آن کر دیا اور [illegible] کا اشارہ [illegible] کے قریب [illegible] بیٹھ گیا۔

ٹی وی اسکرین پر [illegible] مرے کا منظر ابھر آیا [illegible]

تابوت پر فوکس ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی انگریزی میں تبصرہ بھی سنائی دینے لگا۔

مبصر اس تابوت کے بارے میں بتا رہا تھا اور کیمرہ بڑی خوبصورتی سے تابوت کے مختلف حصوں کو نمایاں کر رہا تھا۔ تابوت پر قدیم طرز کے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ پھر ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اس کے ساتھ ہی تابوت میں رکھی ہوئی ممی دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ کسی شہزادی کی ممی تھی۔ پورا جسم مخصوص کپڑوں کی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا' تاہم چہرہ برہنہ تھا۔ چہرے سے اس کی عمر کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا جو میرے حساب سے سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ کوئی شہزادی ہو اور تھک کر گہری نیند سوئی ہو۔ اس کے سر پر سونے کا خوبصورت تاج تھا اور سینے پر چھ انچ چوڑی اور آٹھ انچ لمبی سونے کی ایک تختی رکھی ہوئی تھی جس پر کسی قدیم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

مبصر پہلے تاج اور سونے کی اس تختی کے بارے میں بتاتا رہا پھر اس ممی کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے مطابق اس ممی کا تعلق ڈھائی ہزار سال پہلے کے دور سے تھا۔ جب فارس (ایران) پر سائرس اعظم کے خاندان کی حکومت تھی۔ تبصرے کے ساتھ ساتھ کیمرہ بھی حرکت کرتا رہا۔ کیمرہ بار بار چہرے کو نمایاں کر کے دکھا رہا تھا۔ اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

تقریباً چالیس منٹ کے اس کیسٹ میں اس ممی کے بارے میں بہت کچھ بتایا گیا۔ کئی تاریخی حوالے دیئے گئے۔

فلم ختم ہوئی۔ اسکرین پر چمکیلے ذرات بکھر گئے۔ حریری نے ٹی وی اور وی سی آر آف کر دیا۔

"یہ فلم تمہیں کہاں سے ملی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے جو دو آدمی یہاں موجود ہیں وہ بہت کام کر رہے ہیں۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ فلم ایک ہفتہ پہلے ملی تھی۔ شہزادی کی ممی اسی شہر میں موجود ہے اور میرے آدمی اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے چند روز میں اس کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ جس شخص کے قبضے میں یہ ممی موجود ہے وہ امریکہ کے ایک پرائیویٹ میوزیم سے اس کا سودا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس ممی کے لیے بیس کروڑ ڈالر کی پیشکش ہو چکی ہے جبکہ اس شخص کا مطالبہ پچاس کروڑ ڈالر ہے۔"

"پچاس کروڑ!" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اسے تیس پینتیس کروڑ تک مل جائیں گے۔" حریری نے جواب دیا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ممی کو ملک سے باہر کیسے بھیجا جائے گا۔ یہ کوئی ہیروئن کا پیکٹ تو ہے نہیں جسے سوٹ کیس یا بیگ کے کسی خفیہ خانے میں چھپا لیا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔" حریری نے جواب دیا۔ "دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں سرکاری ملازمین میں کرپشن نہ ہو۔ اسمگلنگ کی روک تھام تو ممکن

نہیں۔ جو لوگ اس دھندے سے وابستہ ہیں ان کے پاس بڑی طاقت ہے۔ یہاں تو سوئی سے لے کر ہاتھی تک بغیر کسی روک ٹوک کے اسمگل ہو جاتے ہیں۔ وہ پراسرار ممی ابھی کراچی میں موجود ہے لیکن کسی دن تم نیو یارک' پیرس' لندن یا کسی اور شہر میں اس کی موجودگی کی خبر سنو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس ممی کو ملک سے باہر جانے سے پہلے میں اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہوں اور تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"اس کے لیے تم گاہک کہاں سے تلاش کرو گی؟" میں نے کہا۔

"گاہک!" حریری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "آج اگر ممی مل جائے تو کل اس کا سودا ہو سکتا ہے۔ ایک بات اور جو میں شروع ہی میں واضح کر دینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ممی مل جانے کی صورت میں سودا ہو جانے کے بعد تمہیں پندرہ پرسنٹ ملے گا۔" حریری نے جواب دیا۔ "یہ کاروباری معاملہ ہے۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ ہر بات کی شروع ہی میں وضاحت ہو جائے تاکہ بعد میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور ہمارے تعلقات میں کوئی رخنہ نہ آئے۔"

حریری کی اس بات پر مجھے دھچکا سا لگا۔ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی لیکن وہ لگی لپٹی رکھے بغیر کاروباری معاملہ لے بیٹھی تھی۔ ویسے ایک لحاظ سے یہ اچھی بات تھی۔

"تم تعلقات رکھنا چاہتی ہو یا کاروبار کو ترجیح دو گی؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید تمہیں میری بات بری لگی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور ایک اچھے دوست کو اپنانے کے لیے میں ہر چیز قربان کر سکتی ہوں۔ لیکن میں نے کچھ اصول بھی بنا رکھے ہیں۔ تم بزنس میں میرا ساتھ دو گے تو تمہیں اس میں حصہ بھی ملنا چاہیے۔"

حریری کی اس صاف گوئی پر میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے تمہاری پندرہ پرسنٹ والی شرط منظور ہے لیکن اس کے بعد....."

"یہ مشن مکمل ہونے کے بعد ہم ایران چلے جائیں گے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"زندگی گزارنے کے لیے ہمارا ملک بھی برا نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم پرسکون زندگی گزارنے کے لیے کوئی گوشہ تلاش کر ہی لیں گے۔"

حریری بھی میری اس بات پر مسکرا دی۔ اس نے جھک کر وی سی آر میں سے کیسٹ نکال لیا اور کھڑکیوں کے پردے ہٹانے لگی۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی اور میرے خیال میں کچھ ہی دیر بعد سورج بھی طلوع ہونے والا تھا۔

"رات بیت گئی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔ شام کو بات ہو گی۔"

میں نے حریری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ میں بھی اپنی آنکھوں میں

جلن سی محسوس کر رہا تھا۔

ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔ حریری تو اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔

بستر پر لیٹ کر میں حریری کے بارے میں سوچنے لگا۔ پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر میرا دل اچھلا تھا۔ میں نے اسے اپنے لیے شجر ممنوعہ سمجھا تھا لیکن اب وہ میری دسترس میں تھی۔ اس کے حسین تصور سے میرے سینے میں گدگدی سی ہونے لگی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد میں نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

☆☆ ☆☆.........☆☆

حریری کو پہلی مرتبہ رنگا کے ڈیرے پر دیکھا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک خیال ابھرا تھا کہ وہ رنگا کی داشتہ کی شوقین۔ غنڈوں اور بدمعاشوں کے ہر گروہ کا سرغنہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا رکھتا تھا اور میں حریری کو بھی ایسا ہی سمجھا تھا لیکن حریری میری سوچ سے بہت زیادہ مختلف ثابت ہوئی تھی۔

اس کی داستان حیات نے بھی مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ مصائب جھیلتے ہوئے اور کٹھن حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی۔ منشیات کے اسمگلروں کے گروہوں میں خوبصورت لڑکیوں کی موجودگی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی بلکہ یہ خوبصورت لڑکیاں اس گھناؤنے کاروبار کا ایک لازمی حصہ بن جاتی تھیں۔ جو کام کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی تھی وہ ان خوبصورت لڑکیوں سے لیے جاتے تھے۔

حریری بھی اگرچہ ایک غیر قانونی دھندے سے وابستہ تھی لیکن اس نے ایک مختلف شعبے کا انتخاب کیا تھا اور اس میں اسے خاصی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ جس طرح اپنے گروہ کو سنبھالے ہوئے تھی وہ قابل تعریف بات تھی۔ وہ جس طرح ممی کی تلاش میں کراچی تک آ گئی تھی اور جس طرح اس نے یہ کوٹھی حاصل کر لیا تھا اس سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اس ممی تک بھی ضرور پہنچ جائے گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران نہ تو حریری اس کوٹھی سے باہر نکلی تھی اور نہ ہی میں نے ہی باہر قدم نکالا تھا۔ تاہم حریری دن میں کئی بار ٹیلی فون پر کسی نہ کسی سے بات کرتی رہتی تھی۔

اس شام ٹیڈی کو کوٹھی میں دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ٹیڈی بڑی گرمجوشی سے مجھ سے ملا تھا۔

ٹیڈی ان پڑھ اور جاہل آدمی تھا لیکن اس نے نہایت معقول انداز میں نرگس کی تعزیت کی تھی۔ وہ چند روز ہمارے ساتھ رہا تھا اور نرگس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ نرگس کو تو وہ بہن کہا کرتا تھا اور اب اسے یاد کر کے دیر تک آنسو بہاتا اور آہیں بھرتا رہا۔

نرگس کے تذکرے پر فضا کچھ دیر کے لیے سوگواری ہو گئی تھی۔ حریری بھی ہمارے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ حزن و ملال نے اس کے چہرے کو بھی سوگوار بنا رکھا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد نازندہ کے آ جانے سے موضوع بدل گیا۔

نازندہ کی ملازمہ بھی دو دن پہلے واپس آ گئی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کی انگلی عورت تھی اور اس کی رہائش

بھی کوٹھی کے پچھلی طرف واقع سرونٹ کوارٹر ہی میں تھی۔ لیکن اس کا زیادہ وقت کوٹھی میں ہی گزرتا تھا۔ ملازمہ نے ہمارے سامنے چائے لا کر رکھ دی۔

ٹیڈی مجھے صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ حریری کے بارے میں ابھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ رنگا کے بارے میں بتا رہا تھا جو حریری کے چلے جانے سے پاگل کتوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔

"وہ بولتا ہے حریری مل جائے تو اس کو قتل وتل کر دے گا۔" ٹیڈی کہہ رہا تھا۔ "وہ حریری کو اپنا جو یلا سمجھتا تھا۔ اس پاگل کا بچہ کو پتا نہیں تھا کہ حریری نے اس بھوت کے ساتھ رہ کر اس پر احسان کیا تھا۔ اس کا عزت بڑھایا تھا۔ مگر واجا وہ تو بے حس بے عزت آدمی۔ اب سب لوگ اس کو چھوڑ دیا ہے نا۔ اس کا ہوش ٹھکانے پر آ گیا ہے۔ اس کو تو ہم نے ویسے بھی ننگا کر دیا ہے۔"

"وہ واقعی بے وقوف آدمی ہے۔" میں نے کہا۔

"ایسا ویسا۔" ٹیڈی بولا۔ "جیسا ہم لوگوں نے اس کا ساتھ دیا ہے کوئی اور ہوتا تو ہمارا بوت عزت کرتا مگر وہ تو ہم لوگوں کو اپنا غلام سمجھتا تھا۔ ہم اس کو بوت سمجھایا ہوں مگر اس کا دل میں برائی ہے۔ اب بچو کو پتا چلے گا۔"

"تم نے کوئی اور حرکت کی ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ دیکھو واجا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ گہرے رنگ کا کینوس کا ایک سفری بیگ دیوار کے قریب پڑا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" ٹیڈی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بدستور تھی۔

میں نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اور اٹھ کر بیگ کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے جھک کر بیگ کی زپ کھولی۔ اس کے اندر جو کچھ بھی تھا اس کے اوپر میلا سا ایک کپڑا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے جیسے ہی کپڑا ہٹایا تو میں اچھل پڑا۔ بیگ میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ سب سے اوپر والے پیکٹ پر وہ مہر صاف نظر آ رہی تھی جو اس سے پہلے بھی میں دیکھ چکا تھا۔ یہ وہی ہیروئن تھی جو میں نے تحریکی کے آدمی سے چھینی تھی۔

"نہیں ڈرے!" میں نے ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈرے۔" ٹیڈی چہکا۔

میں نے بیگ کی زپ لگا دی اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور کبھی ٹیڈی اور کبھی حریری کی طرف دیکھنے لگا۔ حریری نے اس ہیروئن کے حوالے سے مجھے کچھ اور پروگرام بتایا تھا۔

"اب ہم نے پروگرام بدل دیا ہے۔" حریری نے کہا۔ اس نے شاید میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔ "اگر ہم تحریکی کو رنگا کے پیچھے لگا دیتے اور وہ ہیروئن حاصل کر بھی لیتا تو تم سے اس کی عداوت ختم نہ ہوتی۔ ٹیڈی نے دو دن پہلے رنگا کے خفیہ ٹھکانے سے یہ ہیروئن چرائی تھی۔ رنگا کو اس کا ابھی تک پتا نہیں چل سکا تھا۔ اب ہمارا پروگرام یہ ہے کہ یہ ہیروئن تمہارے ذریعے سے تحریکی تک پہنچا دی جائے اور اسے یہ بھی یقین

دہانی کرا دی جائے کہ ہماری طرف سے آئندہ اس کے کاروبار میں مداخلت نہیں ہوگی۔ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا اور ہم اطمینان و سکون سے اپنا کام کر سکیں گے۔"

"مجھے یہ ہیروئن واپس کرتے ہوئے افسوس ہوگا۔" میں نے کہا۔ "میں نے تو یہ عہد کیا تھا کر اس گروہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا اور....."

"وہی ہوگا جو تم نے سوچ رکھا ہے۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "لیکن اب یہ کام تم نہیں کوئی اور کرے گا۔ اور یہ ہیروئن۔" اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہیروئن اسے واپس تو مل جائے گی لیکن وہ اس میں سے ایک پڑیا بھی فروخت نہیں کر سکے گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "اسے کون روک سکتا ہے؟"

"ہم روکیں گے۔" حریری نے جواب دیا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص پلان؟" میں نے پوچھا۔

حریری نے ٹیڈی کی طرف دیکھا اور ٹیڈی قدرے آگے جھک کر مجھے اپنے پلان سے آگاہ کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو؟"

"گڑبڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا واجا۔" ٹیڈی بولا۔ "ہم کچا کوئی نہیں کھیلا ہوں۔ ایسا بندوبست کیا ہوں کہ حریری ادھر الجھا رہے گا اور ہم آرام سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تو یہ بیگ اب اس کے حوالے کرنا ہوگا؟"

"ایک دو دن میں سب کچھ فائنل کر کے تمہیں بتا دیا جائے گا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔

ٹیڈی اس رات کافی دیر تک ہمارے پاس بیٹھا رہا تھا۔

چوتھے دن رات گیارہ بجے سیاہ رنگ کی ایک وین کوٹھی میں داخل ہوئی۔ یہ وہی وین تھی جس پر نرگس کی ڈیڈ باڈی لے جائی گئی تھی۔ وین میں ٹیڈی کے ساتھ صرف ایک آدمی بیٹھا تھا۔ ہیروئن والا بیگ کمرے سے نکال کر وین میں رکھ دیا گیا۔ ٹیڈی کا ساتھی وین کے پچھلے حصے میں بیٹھ گیا۔ ٹیڈی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کے ساتھ دوسری سیٹ پر براجمان ہوگیا۔

وین کوٹھی سے نکل کر مختلف گلیوں میں گھومنے کے بعد مین روڈ پر آ گئی اور نیپا چورنگی سے ہوتی ہوئی یونیورسٹی کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

سفاری پارک سے ذرا آگے وین دائیں طرف مڑ گئی۔ اس سڑک پر اب تو رات کو دیر تک ٹریفک جاری رہتا ہے لیکن جس زمانے کی میں بات کر رہا ہوں اس زمانے میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد یہاں سناٹا چھا جاتا تھا۔ تقریباً تین کلو میٹر آگے جوہرا اسکوائر تک بیچ میں کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے تھے۔ کہیں کہیں کسی تعمیراتی پراجیکٹ پر ابتدائی کام شروع ہوا تھا۔ لیکن اس وقت آدھی رات کے قریب تو یہاں دور دور تک سناٹا ہی تھا۔

ٹیڈی نے وین ایک اور ذیلی سڑک پر موڑ کر روک لی۔ اس سے آگے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں

جن کے درمیان پتھریلا راستہ تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک گاڑی ہم سے تقریباً پچاس گز پیچھے آ کر رک گئی اور اس کے ہیڈ لیمپس بجھ گئے۔

میں اور ٹیڈی وین سے اتر آئے۔ میں نے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑسے ہوئے پستول کو چھو کر محسوس کیا۔ اور وین سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ ٹیڈی بھی میرے قریب ہی کھڑا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جوہرا اسکوائر کی طرف سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ گاڑی سڑک کے بائیں طرف آ رہی تھی۔ لیکن قریب آ کر وہ ہماری سائیڈ پر مڑ گئی اور ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن ہیڈ لیمپس فوراً ہی بجھ گئے۔

وہ شاندار مرسیڈیز کار تھی جس کے اندر کی بتی جل رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص بہت ہی خونخوار قسم کا لگ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر رضیہ کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ گوری چٹی رنگت کلین شیو اور سر پر سرخ اور سفید چیک کا رومال مخصوص انداز میں لپٹا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر وہ پر وقار شخصیت کا مالک تھا۔

وہ حریری تھا۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ حریری اور رضیہ کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ دونوں کار سے اتر آئے اور ٹھیک اسی وقت ایک جیپ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر سڑک کے دوسری طرف آ کر رکی تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس بھی فوراً ہی بجھ گئے۔

ٹیڈی شاید حریری کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"اچھا ہوا تم نے رنگا کا ساتھ چھوڑ دیا۔" حریری اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "وہ کم ظرف اور محسن کش آدمی ہے۔ تم جیسے لوگوں کے لیے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔" حریری میری طرف گھوم گیا۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے انداز میں بڑی گرمجوشی تھی۔ "تمہارے بارے میں رضیہ اور شاہ جی سے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ اگر پہلے ہم دوستوں کی طرح ملے ہوتے تو آج صورتحال مختلف ہوتی۔ بہر حال میرے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی۔"

"یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے۔" میں نے بھی اسی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری امانت واپس کر رہا ہوں اسے میری بزدلی مت سمجھنا۔ یہ دھندہ مجھے پسند نہیں آیا اس لیے الگ ہو رہا ہوں۔"

"اگر تم بزدل ہوتے تو میں تمہیں اپنے پاس آنے کی دعوت ہرگز نہ دیتا۔" حریری نے کہا۔ "ویسے ایک بات یاد رکھنا اس دھندے سے نکل جاؤ تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اس دھندے میں آنے کے بعد کسی کو واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"اس کا انحصار نیت پر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میری پیشکش برقرار رہے گی۔" حریری نے کہا۔ "تم جب چاہو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اور میرا خیال ہے اب معاملے کی بات ہو جائے۔"

ٹیڈی نے وین پر ہاتھ مارا۔ اندر بیٹھے ہوئے آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ وین کے اندر کی بتی

بھی بول گئی۔ ٹیڈی نے بیگ باہر کھینچ لیا۔

"چیک کر کے اپنا اطمینان کر لو۔ بعد میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے۔" ٹیڈی نے کہا۔

"حریری کی یہی عادت بہت بری ہے کہ وہ ہر ایک پر اعتماد کر لیتا ہے لیکن تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے چیک کر لینا چاہیے۔" حریری نے کہا اور ٹیڈی کو اشارہ کیا۔

بیگ دوبارہ وین کے اندر رکھ دیا گیا۔ ہر پیکٹ پر مہر جوں کی توں موجود تھی۔ اس نے تمام پیکٹ دوبارہ بیگ میں پیک کر دیے اور نیچے اتر کر اپنے ڈرائیور کو اشارہ کیا جو قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھا لیا۔

"رضیہ تمہارے لیے بہت پریشان رہی ہے۔" حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ پچھلے گلے شکوے بھولنے کو تیار ہے۔ اگر تم پسند کرو تو یہ تمہارے ساتھ جا سکتی ہے۔"

"مجھے اب کسی رضیہ کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ایک اور بات میں تم سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ہماری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری یہ امانت واپس کرتے ہوئے ہماری نیتوں میں کوئی فتور نہیں ہے لیکن یہاں سے رخصت ہونے کے بعد کوئی ایسی بات ہوتی ہے تو اس کی ذمے داری ہم پر نہیں ہوگی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" حریری نے رخصتی مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ "تمہارے لیے میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ ہم اس وقت اچھے اور خوشگوار ماحول میں ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ملاقات ہوئی تو ایسے ہی خوشگوار ماحول میں ہوگی۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں چند روز بعد لاہور جا رہی ہوں۔" رضیہ نے پہلی بار ہماری باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم بھی لاہور واپس آ جاؤ تو میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

میں نے جواب دینے کے بجائے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ کار حرکت میں آ گئی۔ یوٹرن لیا اور اسی طرف چلی گئی جس طرف سے آئی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی جیپ بھی اسی طرف چلی گئی تھی۔

مجھے کچھ گڑبڑ کا اندیشہ تھا لیکن یہ معاملہ خیریت سے نمٹ گیا تھا۔ ہمارے پیچھے تقریباً پچاس گز دور کھڑی ہوئی گاڑی بھی حرکت میں آئی اور ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ اس کار میں اسٹیئرنگ کے سامنے حریری کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ ایک آدمی اس کے ساتھ والی سیٹ پر اور دو پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان تینوں کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں جن کی نالیاں کھڑکیوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

وہ تینوں آدمی کار سے اتر کر سیاہ وین میں بیٹھ گئے اور میں کار کا دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حریری کے ہونٹوں پر اس وقت بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے کار واپس موڑ لی۔ ٹیڈی والی سیاہ وین بھی ہمارے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

مینا چورنگی سے ہماری کار تو دائیں طرف مڑ گئی اور سیاہ وین سیدھی حسن اسکوائر کی طرف چلی گئی۔ ہمیں کوٹھی تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ کے ذیلی دروازے کے اوپر لوہے کا آنکڑا سا پھنسا ہوا تھا۔ میں نے وہ آنکڑا ہٹا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر گیٹ کھول دیا۔ حریری گاڑی کو اندر لے آئی۔

برآمدے والا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ دروازے عام طور پر اس وقت تک کھلے ہی رہتے تھے جب تک تابندہ جاگ رہی تھی۔ سونے سے پہلے وہی دروازہ وغیرہ بند کرتی تھی۔

لاؤنج کی بتیاں جل رہی تھیں لیکن نہ تو تابندہ دکھائی دی اور نہ ہی ملازمہ نظر آئی۔ حریری نے تابندہ کا نام لے کر آواز بھی دی لیکن جواب نہیں ملا۔

"کمرے میں دیکھو شاید سو گئی ہو۔" حریری نے کہا۔

میں تابندہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے نیچے سے کمرے کے اندر کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔ لیکن اندر قدم رکھتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ سر پر لگنے والی وہ ضرب بہت شدید تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے ننھی ننھی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں ابھی سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ جبڑے پر زوردار گھونسا لگا۔ میں لڑکھڑا کر ایک کرسی سے ٹکرا گیا اور اس کا سہارا لے کر سنبھل گیا اور سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے لگا۔

آنکھوں کے سامنے چھانے والی دھند چھٹنے لگی اور جب میرے حواس بحال ہوئے تو اپنے سامنے رنگا کو دیکھ کر میرے دماغ میں دھماکے ہونے لگے اور سنسنی کی ایک لہر میرے پورے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔

☆ ……☆…… ☆

رنگا کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ دروازے کے پیچھے ایک اور آدمی بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی رنگا ہی کے قبیل کا تھا۔ سیاہ رنگت، گھنگھریالے بال اور چمکتے ہوئے سفید دانت۔ اس شخص کو بھی میں رنگا کے ڈیرے پر دیکھ چکا تھا۔ لیکن مجھے اس کا نام معلوم نہیں تھا۔

رنگا کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ میں نے پہلے بھی سن رکھا تھا کہ وہ چاقو چلانے میں بڑا ماہر تھا اور پستول سے زیادہ اپنے پاس چاقو رکھنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس دوسرے شیدی کے پاس بھی چاقو ہی تھا۔

بیڈ پر تابندہ پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔

رنگا کے چہرے پر سفاکی اور آنکھوں میں بے پناہ نفرت جھلک رہی تھی۔ وہ چاقو کو بار بار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کر رہا تھا۔ میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑا ایک ہاتھ سے اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔ اچانک ہی باہر سے حریری کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مجھے اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ لاؤنج میں بھی رنگا کا کوئی ساتھی موجود تھا جو ہمارے آنے پر غالباً کسی صوفے کے پیچھے چھپ گیا تھا اور اس نے حریری کو قابو کر لیا تھا۔

"تم تو بڑا حرامی نکلا واجا۔" رنگا میری طرف دیکھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ "ہم نے تم کو پہلے ہی دن وارننگ دیا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ کرے گا تو ہم تم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"دھوکے باز میں نہیں تم ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم تو

اپنے ان ساتھیوں کے وفادار نہیں رہے جنہوں نے کئی بار تمہاری خاطر اپنی جانوں کی بازی لگا دی تھی۔ میرے ساتھ تم کیا وفا کرتے۔ دھوکا اور بے وفائی تو تمہاری فطرت میں شامل ہے۔ مجھے الزام کیوں دے رہے ہو۔"

"ہم نے تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔" وہ غرایا۔ "تم نے میرے ساتھیوں کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ تمہاری وجہ سے میرے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی اور میرے پرانے ساتھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں تمہاری یہ ساری باتیں معاف کر دیتا لیکن تم تو میری عورت کو بھی ورغلا کر لے آئے۔"

"میں نے تمہارے کسی ساتھی کو نہیں ورغلایا۔ وہ تمہاری بدخلقی اور تمہاری بے اصولیوں کی وجہ سے تم سے الگ ہوئے ہیں اور جہاں تک اس عورت کا سوال ہے تو حریری نہ پہلے کبھی تمہاری تھی اور نہ آئندہ ہوگی۔ تم جیسے بھوت کے ساتھ تو اس نے چند ہفتے مجبوری کی حالت میں گزارے تھے۔"

"زبان روکو جوان..." رنگا چیختے ہوئے چاقو لہراتا ہوا حملہ آور ہوا۔

میں اسے اشتعال دلانا چاہتا تھا اور میرا حربہ کامیاب ہوا تھا۔ وہ طیش میں آ کر سوچے سمجھے بغیر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنی ہی جھونک میں آگے نکل گیا۔ میں نے گھوم کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک کرسی سمیت الٹ گیا۔

رنگا کے ساتھی نے بھی بڑی تیزی سے میرے اوپر حملہ کیا تھا۔ میں نے اس کا وار روک لیا۔ اس کی چاقو والی کلائی میری گرفت میں آ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کے اسی بازو کی بغل میں زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا اچھلا اور جب وہ نیچے جھکا تو میں بڑی تیزی سے بیٹھ گیا اور اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کی کہنی اپنے گھٹنے پر ماری۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا تھا۔

میں نے اسے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کے جبڑے پر پے در پے تین گھونسے رسید کر دیئے۔ ٹھیک اسی وقت رنگا بھی اٹھ کر میری طرف لپکا تھا۔ میں نے اپنے حریف کو پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔ رنگا اس سے ٹکرایا اور وہ دونوں قالین پر ڈھیر ہو گئے۔

میں نے رنگا کو کبھی لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے منہ سے اس کی بہادری کی داستانیں بہت سنی تھیں۔ جب میری اس سے دوستی تھی تو وہ اکثر اپنے جنگلی معرکوں کے قصے سنایا کرتا تھا۔ "میں نے چار آدمیوں کو قتل کر دیا..... میں نے دو آدمیوں کی ٹانگیں چیر دیں اور چھ آدمیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وغیرہ۔"

وہ بازار سے بھتہ وصول کیا کرتا تھا۔ شریف لوگ اس سے ضرور مار کھاتے ہوں گے لیکن ایسا آدمی کوئی نہیں ٹکرایا ہوگا جو تھپڑ کا جواب گھونسے سے دے سکے۔ آج شاید پہلی مرتبہ اسے اس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لڑائی کے فن سے بالکل واقف نہیں تھا۔

دوسرا آدمی قالین پر پڑا کراہتا رہا۔ اس کی کہنی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی یا بہت شدید ضرب آئی تھی۔ اس کا وہ بازو حرکت کے قابل نہیں رہا تھا۔ تاہم رنگا بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ اب وہ خالی ہاتھ تھا۔ میری شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اگرچہ پستول اڑسا ہوا تھا اور میں چاہتا تو بڑی آسانی

سے اس کے جسم میں کئی سوراخ بنا سکتا تھا لیکن اسے جان سے مارنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو اسے سبق سکھانا چاہتا تھا کہ دوستوں سے دھوکے اور فریب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

رنگا نے کسی باکسر کی طرح دونوں ہاتھ آگے نکال لیے۔ میرا خیال تھا کہ چاقو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ باکسنگ کا کوئی حربہ آزمائے گا لیکن وہ اچانک ہی جھک کر بڑی تیزی سے میری طرف لپکا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی ارنا بھینسا دشمن پر حملہ آور ہو رہا ہو۔

مجھے اچانک ہی یاد آ گیا کہ یہ شیدی لوگ لڑائی بھڑائی میں اپنے سر کو زیادہ استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات تو وہ سر کی ٹکروں ہی سے دشمن کو لہولہان کر دیتے ہیں لیکن میرے سوچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے سر کی ٹکر میرے پیٹ میں لگی اور وہ مجھے دھکیلتا ہوا پیچھے لے گیا۔

میں پلنگ سے ٹکرا کر پشت کے بل تابندہ کے اوپر گرا۔ تابندہ تڑپ کر رہ گئی۔ رنگا بھی میرے اوپر آ رہا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے اس کی پتلون کا بیلٹ پکڑ لیا اور پوری قوت استعمال کر کے اسے اوپر اٹھانے لگا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ رنگا آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اب وہ میرے پیٹ پر سر کے بل کھڑا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اسے پیچھے اچھال دیا۔ اس کی ٹانگیں بیڈ کے دوسری طرف الماری سے ٹکرائیں اور وہ چیختا ہوا بیڈ اور الماری کے درمیان خالی جگہ پر گرا۔

اس کا دوسرا ساتھی بائیں ہاتھ میں چاقو پکڑے مجھ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں نے دونوں پیر پوری قوت سے اس کے سینے پر رسید کر دیئے۔ وہ چیختا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔

میں اٹھ کر پلنگ پر چڑھ گیا اور دوسری طرف رنگا پر چھلانگ لگا دی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک تو اسے وہیں رگیدتا رہا پھر اسے کھینچتا ہوا کھلی جگہ پر لے آیا اور ایک بار پھر اسے رگیدنے لگا۔

رنگا میرے نیچے تھا۔ میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے آپ کو اوپر اٹھاتے ہوئے سر سے ٹکر ماری۔ شاید وہ میری ناک کو نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے بھی سر کو تیزی سے حرکت دی تھی۔ اس کے سر کی ٹکر میرے رخسار کی ہڈی پر لگی اور میرا دماغ تک جھنجھنا اٹھا۔ میری گرفت ایک لمحہ کو ڈھیلی ہوئی تھی اور رنگا نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اس نے مجھے پیچھے اچھال دیا۔ میں قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل دروازے سے باہر جا گرا۔

لاؤنج میں حریری ایک اور آدمی سے گتھم گتھا ہو رہی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ نازک سی لڑکی اب تک اس ہٹے کٹے شیدی کے قابو میں نہیں آئی تھی۔ میں نے سنبھلتے ہی اس شیدی کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر ماردی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں اس پر پھر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن رنگا اور اس کا دوسرا ساتھی کمرے سے برآمد ہوئے اور بیک وقت مجھ پر پل پڑے۔ رنگا کے پیر کی ایک زوردار ٹھوکر میری کھوپڑی پر پڑی۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر جھکتا چلا گیا اور وہ دونوں میرے اوپر ٹھوکروں اور گھونسوں کی بارش کرتے رہے۔

جب حواس بحال ہوئے تو بازی پلٹ چکی تھی۔ حریری اور میں ایک صوفے کے قریب قالین پر پڑے تھے اور وہ تینوں ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ رنگا کا ایک ساتھی تو اپنا سیدھا بازو دوسرے ہاتھ سے

سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا جبکہ خود رنگا اور دوسرے آدمی نے ہاتھوں میں چاقو لے رکھے تھے۔

"تم تو سنا چھ چھ آدمی کو مار گراتا تھا مگر تم تو بالکل چوہا نکلا۔ واجا۔" رنگا نے مجھے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم رنگا ہوں۔ میرے سامنے تو بڑا بڑا بدمعاش لوگ ماتھا ٹیکتا ہے۔ تم کس باغ کا مولی ہے واجا۔"

"مولی باغ میں نہیں کھیت میں ہوتی ہے رنگا۔" میں نے کہا۔

"ہم جدھر مرضی مولی اگالے تم ٹوکنے والا کون ہوتا ہے۔" رنگا نے مجھے ایک اور ٹھوکر ماردی۔

"اور یہ رنڈی!" اس نے دوسری ٹھوکر حریری کو ماری۔ وہ کراہ کر رہ گئی۔ "اس کو اپنے حسن پر بڑا ناز ہے نا۔ آج ہم اس کا فوٹو ایسا بگاڑے گا کہ لوگ اس کی طرف دیکھ کر تھوکے گا بھی نہیں۔ لیکن اس کا فوٹو تو ہم بعد میں بگاڑے گا پہلے یہ ہم کو بتائے گا کہ اس نے زیور والا وہ تھیلا کدھر کیا ہے؟"

"تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھ سکو گے۔" حریری نے جواب دیا۔ "تم نہایت گھٹیا اور بے ایمان آدمی ہو۔ اگر نانی کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرتے تو اس کے ساتھ مل کر بزنس میں اس سے کہیں زیادہ کما سکتے تھے۔ حریری جیسا آدمی بھی تمہارے قدموں پر جھک جاتا لیکن تم چند لاکھ کے زیورات اور صرف دس کلو ہیروئن دیکھ کر ایک ایسے شخص کو دھوکا دینے پر تیار ہو گئے جس نے تم پر اندھا اعتماد کیا تھا اور اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر رہا تھا۔ تمہیں اپنی بداعمالیوں کی سزا مل رہی ہے رنگا۔ اب تم بالکل قلاش ہو چکے ہو۔ تمہارے وفادار ساتھی تمہیں چھوڑ گئے۔ وہ زیورات اور دس کلو ہیروئن بھی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ بہت جلد تمہارے یہ آدمی بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تم سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آؤ گے۔"

"چپ رہو رنڈی۔" رنگا غرایا۔ "میں تمہیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"نہیں رنگا۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔" حریری کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آ گئی۔ "تم تو اتنے عرصے میں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اب کیا کرلو گے۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔"

رنگا ایک دم طیش میں آ گیا۔ اس نے حریری کو تین چار ٹھوکریں رسید کر دیں۔ حریری ہر ٹھوکر پر کراہتی ضرور تھی لیکن وہ چیخی وہ ایک مرتبہ بھی نہیں تھی۔ اسے اس طرح پٹتے دیکھ کر میں نے ایک مرتبہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے دوسرے ساتھی نے چاقو کی نوک میری گردن سے لگا دی تھی۔ اس طرح میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

"تمہاری باتوں سے پتا چل گیا ہے کہ وہ حرامی ٹیڈی بھی تم لوگوں سے ملا ہوا ہے۔ ہیروئن وہی چرا کر بھاگا تھا۔ اب تو میں تم لوگوں سے اس تھیلے کے علاوہ ہیروئن کا بیگ بھی وصول کروں گا۔"

"تم ہم سے کچھ بھی وصول نہیں کر سکو گے رنگا۔" حریری نے کہا۔

رنگا ایک بار پھر حریری کو ٹھوکر مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس مرتبہ مجھے موقع مل گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنا ایک پیر آگے کر دیا۔ رنگا کا پیر میرے پیر میں الجھا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کے ساتھیوں کی توجہ ایک لمحہ کو میری طرف سے ہٹی اور میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی جگہ سے

چھلانگ لگا دی۔ اس شخص نے چاقو سے حملہ کیا لیکن میں اپنے آپ کو بچا کر تیزی سے کھڑا ہو گیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حریری بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بلی کی طرح غراتی ہوئی رنگا پر حملہ آور ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے گویا یہاں غدر مچ گیا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ رنگا کا تیسرا ساتھی بھی اسی لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ تو اب کسی کام کا نہیں رہا تھا تاہم وہ دونوں سے کام چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ ہنگامہ جاری تھا کہ ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔

"بس بہت ہو چکا...... ختم کرو یہ ہنگامہ...... رنگا چھوڑ دو انہیں ورنہ گولی مار دوں گی۔"

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تابندہ اپنے کمرے میں کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ہمارا ہنگامہ لاؤنج میں ہو رہا تھا اور اس دوران تابندہ نے کسی طرح اپنے ہاتھ پیر کھول لیے تھے اور وہ کہیں سے پستول نکال کر لے آئی تھی جس پر سائلنسر بھی لگا ہوا تھا۔

رنگا نے اس وقت حریری کی گردن دبوچ رکھی تھی۔ اس نے بھی تابندہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا لیکن اس نے حریری کی گردن نہیں چھوڑی۔ تابندہ آگے آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر رنگا کو وارننگ دی اور پھر پستول نے تو شور نہیں مچایا البتہ رنگا چیخ اٹھا تھا۔ گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی اور پنڈلی کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ٹانگ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

رنگا نے حریری کو چھوڑ دیا اور زمین پر گر کر دونوں ہاتھوں سے ٹانگ پکڑ لی۔ اس کے دونوں ساتھی جونکوں کی طرح مجھ سے لپٹے ہوئے تھے۔ رنگا کو زخمی ہو کر گرتے دیکھ کر وہ بھی مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئے اور دونوں نے ہاتھ سروں سے بلند کر لیے۔

حریری چند لمحے گردن سہلاتی رہی پھر اس نے رنگا کو ایک دو ٹھوکریں ماریں اور الگ ہٹ گئی۔ میں نے بھی اپنی شرٹ کے نیچے سے پستول نکال لیا۔

"میں اگر چاہتا تو شروع ہی میں تم تینوں میں سے کسی ایک کی کھوپڑی اڑا کر اس قصے کو ختم کر دیتا۔" میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں بلاوجہ خون میں ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ تم جیسے بے غیرت کے لیے اتنی ہی سزا کافی ہے۔ میری طرف سے تمہیں چھٹی ہے۔ تاہم حریری اگر تمہیں کوئی سزا دینا چاہے تو......"

"لعنت بھیجو اس کم ظرف پر۔" حریری نے کہتے ہوئے رنگا کے منہ پر تھوک دیا۔ "اس کے لیے اتنی ہی سزا کافی ہے۔ اگر آئندہ اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اور تم دونوں......" وہ اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "اگر تم لوگ اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس کا ساتھ چھوڑ دو۔ یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل کروایا جائے۔ اب اسے اٹھاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

رنگا کی عجیب کیفیت تھی۔ اس ذلت اور رسوائی سے اس کا چہرہ بگڑ اور سیاہ ہو گیا تھا۔ وہ خونخوار نظروں سے کبھی حریری اور کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"ایک بات اور ذہن میں رکھنا رنگا۔" حریری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خانم تابندہ

ایک شریف اور معزز عورت ہے۔ یہاں آ کر تم نے غلطی کی تھی۔ اور یہ پہلی غلطی تھی اس لیے تمہیں معاف کر دیا گیا ہے لیکن آئندہ اگر تم اس کوٹھی کے آس پاس بھی دیکھے گئے تو تمہاری لاش ہی واپس جائے گی۔ اب تمہیں اس طرف کا راستہ بھی بھول جانا چاہیے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "یہ بدمعاشی تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے دھندے تو اپنے زور بازو پر کیے جاتے ہیں۔ دوسروں کے بل بوتے پر نہیں۔ دوسرے اب تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور جو رہ گئے ہیں ان کا حشر تم دیکھ چکے ہو۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ماہی گیری شروع کر دو۔ ویسے بھی اس دھندے میں تمہارے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ ہم نے وہ ہیروئن تحریکی کو واپس کر دی ہے اور تحریکی تمہارے پیچھے لگ چکا ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

رنگا خونخوار نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی اسے سہارا دے کر لاؤنج والے دروازے سے باہر لے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی تھا۔

وہ گیٹ سے باہر نکل کر گلی میں دائیں طرف مڑ گئے۔ ان کی گاڑی شاید موڑ پر کسی جگہ کھڑی تھی۔ میں نے گیٹ بند کر دیا اور واپس آ گیا۔ برآمدے والا دروازہ بھی بند کر دیا۔

حریری اور تابندہ لاؤنج میں موجود تھیں۔ اس ہنگامہ آرائی میں حریری کی قمیص ایک کندھے سے پھٹ گئی تھی۔ اس کے بال بکھر کر چڑیا کے بکھرے ہوئے گھونسلے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ تابندہ کی حالت بھی خاصی ابتر تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہمارے آنے سے پہلے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

اس وقت دو بجنے والے تھے۔ تابندہ حریری کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور باتھ روم میں گھس کر خراشوں پر لوشن وغیرہ لگانے لگی۔

میرا حلیہ بھی ابتر ہو رہا تھا۔ میں اپنے کمرے میں جانے کے لیے صوفے سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں ایک دم اچھل پڑا۔ گھنٹی کی آواز بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو کے جواب میں ٹیڈی کی آواز سنائی دی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"کیا بات ہے ٹیڈی۔ خیریت تو ہے؟" میں نے پوچھا۔ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر تابندہ اور حریری بھی باہر آ کر دروازے کے قریب رک گئی تھیں اور دونوں الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میں چند منٹ پہلے علاقے میں پہنچا ہوں اور یہاں آتے ہی مجھے پتا چلا ہے کہ رنگا دو آدمیوں کے ساتھ تمہاری طرف گیا ہے۔ اسے کسی طرح تابندہ کی کوٹھی کا پتا چل گیا تھا۔ وہ شاید پہنچنے ہی والا ہوگا۔ میں بھی یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔ گھبرانا مت واجا۔" ٹیڈی ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ٹیڈی۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ان کے ارادے خطرناک ہیں واجا۔ تم رنگا کو نہیں سمجھتے۔ وہ بہت کمینہ آدمی ہے۔" ٹیڈی نے کہا۔

"وہ اپنی کمینگی کے ساتھ واپس جا چکا ہے اور اب علاقے میں پہنچنے ہی والا ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے۔

"ٹھیک ہے واجا۔" ٹیڈی نے کہا۔ "میں یہاں انتظار کرتا ہوں۔ وہ جوان کا بچہ آ جائے تو ہم بھی اس سے دو بات کر لوں گا۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور حریری اور تابندہ کو ٹیڈی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ دونوں پھر کمرے میں گھس گئیں اور میں بھی اپنے کمرے میں آ کر چوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد میں باہر نکلا تو حریری لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کپڑے بدل چکی تھی اور اپنا حلیہ درست کر چکی تھی۔ رنگا نے اس کی اچھی خاصی پٹائی کی تھی۔ اسے شاید کچھ اندرونی چوٹیں بھی تھیں۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

تابندہ کچن میں تھی۔ چند منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ کپ میز پر رکھنے کے بعد وہ درد رفع کرنے والی ایک گولی اور پانی کا گلاس بھی لے آئی۔ اس نے گولی حریری کو کھلا دی اور پھر چائے کی چسکیوں کے ساتھ ہم آج کے اس واقعہ پر تبصرہ کرنے لگے۔

"اب ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔ "رنگا دوبارہ بھی کوئی اوچھی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "میں اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں۔ وہ اپنے سے کمتر لوگوں پر تو ظلم کر سکتا ہے لیکن برابر کے لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اس کے آدمی بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو ایک دو رہ گئے ہیں وہ بھی بھاگ جائیں گے۔ یہاں سے وہ پٹ کر گیا ہے۔ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ یہاں اس کی عزت افزائی میں جو کسر رہ گئی ہے وہ ٹیڈی پوری کر دے گا۔ اور پھر تحریکی بھی موجود ہے۔ ہمارے منصوبے کے مطابق تحریکی کے ساتھ بھی اب تک بہت کچھ ہو چکا ہوگا۔ وہ یقیناً ہم پر شبہ کرے گا لیکن اب ہم بڑی آسانی سے اس کے شبے کا رخ رنگا کی طرف موڑ سکیں گے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں ہونے والا رنگا کا ہنگامہ ہمارے کام آئے گا۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم نے رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب تحریکی سے ڈیلنگ کی تھی۔ ہمارے منصوبے کے مطابق ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان اس پر حملہ ہوا ہوگا اور ٹھیک اسی وقت رنگا یہاں موجود تھا لیکن اپنے علاقے سے باہر۔ اور زخمی حالت میں واپس گیا ہے۔ ہم بڑی آسانی سے تحریکی کو باور کرا سکتے ہیں کہ اس پر حملہ رنگا نے کیا تھا۔ حملہ آور پارٹی میں دو آدمی ایسے بھی ہیں جو رنگا کی پارٹی میں رہ چکے ہیں۔ ان میں ایک آدھا گر مارا بھی گیا ہوگا تو تحریکی اسے شناخت کر لے گا اور اگر کوئی پکڑا گیا ہوگا تو طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ رنگا ہی کا نام لے گا۔ ہم پر کوئی حرف نہیں آنے گا۔"

میں گہری نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے کتنی معصوم اور بھولی بھالی نظر آتی تھی وہ لیکن اس کا ذہن بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس نے جس طرح منصوبہ بنایا تھا اور پھر اس نئی کہانی کے تانے بانے بنے تھے یہ اس کی ذہانت کا ثبوت تھا۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اس نے زندگی کی پروا نہ کی

عورت کی طرح گھر میں بیٹھ کر نہیں گزاری تھی۔ وہ بچپن ہی سے ابتلا کا شکار رہی تھی۔ اس نے بڑی کٹھن زندگی گزاری تھی۔ زندگی کے نشیب و فراز کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں وہ زندگی کے جن سنگین تجربات سے گزر رہی تھی اس کی میرے سامنے کوئی اور مثال نہیں تھی۔ اور یہ ان سنگین تجربات ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اس گروہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھی جس نے اس کے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایران کی جو صورت حال تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ بڑے بڑے طرم خان یا تو تائب ہو چکے تھے یا ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کسی معمولی سے جرم کا تصور ہی دہلا کر رکھ دیتا تھا۔ اس میدان میں جو لوگ رہ گئے تھے وہ واقعی بڑے دل گردے والے تھے اور ان میں ایک نازک و حسین لڑکی جس طرح غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف تھی اس پر واقعی داد دینے کو دل چاہتا تھا۔ بہرحال اس وقت بھی اس نے جو پلاننگ کی تھی بہت عمدہ تھی۔

اس وقت ٹیڈی کی جو کال آئی تھی وہ ہمارے لیے غیر متوقع تھی۔ ہمیں جس کال کا انتظار تھا وہ چار بجے کے قریب متوقع تھی اور اس لیے ہم جاگ بھی رہے تھے۔

ہمیں ٹیڈی کے فون سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ رنگا کو کسی طرح تابندہ کی کوٹھی کا پتا چل گیا تھا اور وہ اپنے دو آدمیوں کو لے کر چڑھ دوڑا تھا۔ اس سے پہلے بھی ہمیں ٹیڈی ہی کے توسط سے اس کے بارے میں رپورٹیں ملتی رہتی تھیں۔ اپنے گروہ میں پھوٹ پڑ جانے سے رنگا بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ جب حریری بھی اسے چھوڑ کر غائب ہو گئی تھی تو وہ اس کی تلاش میں پورے شہر میں پاگل کتے کی طرح بھاگتا پھرتا تھا۔ حریری خالی ہاتھ جاتی تو شاید اسے زیادہ افسوس نہ ہوتا۔ وہ تو زیورات کا وہ تھیلا بھی ساتھ لے گئی تھی جو جیمس نے رنگا کے پاس امانت کے طور پر رکھوایا تھا اسے زیادہ ضرورت اس تھیلے کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہمیں ذرا دھمکا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جس طرح اسے ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اس کا تو شاید اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔

تابندہ بتا رہی تھی کہ ہمارے آنے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے گیٹ کی کال بیل بجی تھی۔ ملازمہ کو چھٹی دے کر اس کے سرونٹ کوارٹر میں بھیج چکی تھی۔ تابندہ خود ہی گیٹ کھولنے چلی گئی تھی۔ گیٹ کھولتے ہی پہلے رنگا دھکا دے کر اندر داخل ہوا اور چاقو کی نوک اس کے سینے سے لگا دی اور پھر اس کے دونوں ساتھی بھی اندر آ گئے۔

وہ تابندہ سے پہلے ہمارے بارے میں پوچھتے رہے پھر زیورات والے تھیلے کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ [illegible] کے لیے انہوں نے تابندہ پر تشدد بھی کیا تھا۔ پھر اسے باندھ کر بیڈ پر ڈال دیا اور گھر کی تلاشی لینے لگے۔ جنہیں مطلوبہ چیز نہیں ملی۔ اسی دوران ہم بھی پہنچ گئے۔

ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ ٹیڈی ہی کی کال تھی۔

"مبارک ہو واجا۔" ٹیڈی نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "مشن کامیاب رہا۔"

"تفصیل سے بتاؤ ٹیڈی۔" میں نے کہا۔

"ہمارے آدمیوں نے حریری کو اس کی کوٹھی سے ذرا پہلے گھیر لیا تھا۔" ٹیڈی کہہ رہا تھا۔ "فائرنگ

کا تبادلہ جاری تھا کہ رینجرز کی ایک پیٹرولنگ گاڑی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس طرح حریری کی گاڑی دونوں طرف سے گھیرے میں آ گئی تھی۔ حریری نے بیگ اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کی تو ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگی۔ وہ بیگ پھینک کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس ہنگامے میں ہمارا ایک آدمی مارا گیا اور ایک حریری کی پارٹی کا۔ ہمارے باقی آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ رضیہ اور حریری کا ایک اور آدمی بھاگنے کی کوشش میں زخمی ہو کر پکڑا گیا ہے۔ ہیروئن والا بیگ بھی رینجرز کے قبضے میں جا چکا ہے۔"

"تمہارا جو آدمی مارا گیا ہے وہ کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"کالو" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں واجا۔ اگر اس کی شناخت ہو بھی گئی تو پولیس رنگا کے پیچھے لگے گی ہمارا کچھ نہیں جائے گا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم لوگ چند روز کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "تمہارا تعلق بھی رنگا سے رہا ہے۔ ایسا نہ ہو تم لوگ بھی اس لپیٹ میں آ جاؤ۔"

"اپنی فکر مت کرو واجا" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "ہم لوگ پولیس کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ تم لوگ اپنا خیال رکھو۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں ریسیور رکھ کر حریری کے قریب اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تابندہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں انہیں ٹیڈی سے حاصل ہونے والی تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

"اور سب کچھ تو ہمارے منصوبے کے مطابق ہوا ہے۔ لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی۔" میں نے آخر میں کہا۔

"وہ کیا؟" حریری نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رضیہ پکڑی گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ بہ پرانی حریف ہے۔ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس لائن میں لانے والی بھی وہی ہے۔ وہ پولیس کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دے گی۔"

"لیکن اس ٹھکانے کا تو اسے پتا نہیں ہے نا۔" حریری بولی۔

"تم رنگا کو بھول رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "کالو کی شناخت کے بعد پولیس رنگا تک ضرور پہنچے گی اور رنگا کو ہم نے ذلیل کر کے یہاں سے بھیجا ہے۔ وہ پولیس کو یہاں کا راستہ دکھا دے گا۔"

"اوہ۔" حریری اچھل پڑی۔

تابندہ کی آنکھوں میں بھی تشویش ابھر آئی۔ وہ چند لمحے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

"جلدی کرو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "اپنی ضروری چیزیں سمیٹو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

حریری نے میری طرف دیکھا اور ہم فوراً ہی اٹھ گئے۔

آدھے گھنٹے میں ہم تیار ہو گئے۔ تابندہ نے کوٹھی کے عقبی حصے میں واقع سرونٹ کوارٹر میں جا کر ملازمہ کو جگا دیا۔ عائشہ کئی سال سے تابندہ کے پاس کام کر رہی تھی اور ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھی۔ تابندہ نے اسے چند ضروری باتیں سمجھا دیں اور ہم باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔

ڈرائیونگ سیٹ تابندہ نے سنبھال لی تھی۔ حریری اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر دوڑنے لگی۔ کار کی سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی لیکن حریری میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح میرے اتنا قریب آئی تھی۔ میں اپنے آپ میں عجیب سنسنی سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی ناظم آباد کے بلاک آئی میں داخل ہو کر ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ راستے میں نہ تو حریری نے تابندہ سے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی میں نے۔

یہ بنگلہ بھی چھ سو مربع گز رقبے پر مشتمل تھا۔ تابندہ کے کہنے پر میں نے کار سے اتر کر گیٹ کے ساتھ کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ تین مرتبہ بیل بجانے اور پانچ منٹ انتظار کے بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔ اس نے صرف پاجامہ اور بنیان پہن رکھی تھی۔ صبح سویرے اس طرح جگایا جانا اسے شاید اچھا نہیں لگا تھا۔

"جی کون ہیں آپ؟ کس سے ملنا ہے؟" وہ ناگواری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے کار کی طرف اشارہ کر دیا۔ کار میں تابندہ کو دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

"محترم! آپ گیٹ کھول دیجئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اندر بھاگ گیا۔

میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے اندر سے کنڈا ہٹا کر گیٹ کھول دیا۔ کار اندر داخل ہونے کے بعد میں نے گیٹ بند کر دیا اور جب پورچ کے قریب پہنچا تو تابندہ اور حریری کار سے اتر رہی تھیں۔ اور تقریباً اسی وقت وہ آدمی بھی برآمدے والے دروازے سے باہر آ گیا۔ اس نے کرتا پہن لیا تھا۔

"میڈم آپ ہم...... مجھے اطلاع کر دی ہوتی...... خیریت تو ہے نا۔ میرا مطلب ہے صبح سویرے..."

"فی الحال تو خیریت ہے اشرف صاحب۔" تابندہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم بن بلائے مہمان ہیں لیکن آپ کو ہماری میزبانی تو کرنی پڑے گی۔"

"زہے نصیب...... زہے نصیب...... آپ اندر تشریف لایئے نا۔" اشرف نے کہا۔

ہم لوگ اندر آ گئے۔ گھر مناسب فرنیچر اور مناسب طریقے سے آراستہ تھا۔ اشرف ہمیں بٹھا کر باورچی خانے میں گھس گیا۔ ہم لوگ صوفوں پر بیٹھے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ تابندہ بتا رہی تھی کہ اشرف اس کی امپورٹ ایکسپورٹ کمپنی کا جنرل منیجر ہے جو اس کے شوہر کے وقت سے کام کر رہا ہے۔ وہ نہایت شریف اور قابل بھروسہ آدمی ہے۔ شوہر کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد تابندہ نے اسے جنرل منیجر بنا کر سارا کام اس کو سونپ دیا تھا۔ یہ کوٹھی بھی تابندہ ہی کی ملکیت تھی جو کرائے کے بغیر اشرف کو رہائش کے لیے دے دی گئی تھی۔ اشرف کی فیملی ایک مہینے سے انڈیا گئی ہوئی تھی اور مزید دو مہینوں تک ان کی واپسی کی توقع

نہیں تھی۔

اشرف چائے بنا کر لے آیا۔ وہ ہمارے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

چائے پینے کے دوران ہی تابندہ نے اسے بتا دیا کہ ہم لوگ چند روز یہاں رہیں گے اور کسی کو ہمارے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے۔ اشرف ساری بات سمجھ گیا تھا۔

ہم ایک ہفتہ اشرف کی کوٹھی میں رہے۔ اس دوران ٹیلی فون پر ٹیڈی سے بھی ہمارا رابطہ رہا تھا اور اشرف کے ذریعے کوٹھی کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی رہی تھیں۔

کوئی غیر معمولی بات سننے کو نہیں ملی تھی۔ تاہم ٹیڈی سے ملنے والی ایک دلچسپ خبر یہ تھی کہ رنگا کراچی سے فرار ہو گیا تھا۔ پولیس نے اس کے بچے کھچے آدمیوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا تھا۔ رنگا کا اڈہ ویران ہو گیا تھا اور اب وہاں پولیس کا پہرہ تھا۔

حریری بھی روپوش تھی۔ یہ معاملہ چونکہ دس کلو ہیروئن کا تھا اور کارروائی رینجرز نے کی تھی اس لیے کارروائی بھی بہت اوپر سے ہو رہی تھی۔ اخبارات بھی ان واقعات کو خوب اچھال رہے تھے اور میری توقع کے عین مطابق رضیہ نے میرے خلاف بڑا زہرآلود بیان دیا تھا۔ پولیس میری تلاش میں بھی تھی لیکن بہرحال فوری طور پر میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ کراچی کی پولیس میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

دو دن مزید اشرف کے مہمان رہنے کے بعد ہم دوبارہ تابندہ والی کوٹھی میں آ گئے۔ ٹیڈی کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔ وہ بھی اس رات ہمارے پاس پہنچ گیا۔

یہاں آنے کے بعد دو چار روز تو ہم خاصے محتاط رہے لیکن پھر ہمارے دلوں سے خوف نکل گیا اور ہم نے اپنی دوسری سرگرمیوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

☆☆......... ☆☆......... ☆☆

ڈھائی ہزار سال قدیم شہزادی کی وہ ممی ایک سال پہلے تک لی مارکیٹ میں رہنے والے حاجی مستان کے قبضے میں تھی لیکن اس کے قتل کے بعد وہ ممی بھی پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔

حریری کے کہنے کے مطابق ایک سال پہلے تک تین پارٹیاں اس تابوت کی تلاش میں تھیں۔ ان دنوں انڈر گراؤنڈ ورلڈ میں اس کا خوب غلغلہ سنائی دیتا رہا۔ لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔ حریری ہی کے کہنے کے مطابق پچھلے چند مہینوں سے ممی کے بارے میں کوئی نئی بات سننے میں نہیں آئی تھی تاہم درجن بھر غیر ملکی ایجنٹ کراچی میں موجود تھے جو اس ممی کو خریدنا چاہتے تھے لیکن وہ تو گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکی تھی۔

"ہوسکتا ہے وہ ممی ملک سے باہر جا چکی ہو اور کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔" میں نے کہا۔ اس وقت میں حریری کے پاس اوپر والے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"ناممکن۔" حریری نے جواب دیا۔ "وہ ممی کراچی ہی میں ہے۔ اگر سرحد پار کر چکی ہوتی تو دنیا کے کسی نہ کسی ملک میں اس کی موجودگی کی اطلاع ضرور ملتی۔ ہر طرف خاموشی ہے۔ دنیا بھر سے درجن بھر نوادرات کے گھروں کے نمائندے کراچی میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سے زیادہ باخبر ہیں۔ اگر ممی پاکستان کی سرحدوں سے نکل چکی ہوتی تو یہ لوگ یہاں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔"

"تو پھر اسے کس طرح تلاش کیا جائے گا۔ کیا اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے ہمیں اس کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے گی یا کوئی شریف آدمی تابوت ہمارے دروازے پر چھوڑ جائے گا۔"

"اب ایسی شرافت کا زمانہ بھی نہیں رہا۔" حریری مسکرائی۔ "پہلے دو ہفتے تو رنگا اور تحریکی کے ہنگاموں میں گزر گئے ہیں۔ اب میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو متحرک کر دیا ہے۔ امید ہے چند روز میں وہ کوئی سراغ لگا لیں گے۔ ویسے ان کاموں میں انتظار اور صبر کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ شکاری کی طرح گھات لگا کر بیٹھنا پڑتا ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ ہم تو گھات لگائے بیٹھے رہیں اور شکار کوئی اور لے جائے۔" میں نے کہا۔

"بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حریری مسکرائی۔

"وہ کیسٹ تم نے کہاں سے لیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میری اطلاع کے مطابق اس قسم کے تین کیسٹ تیار کیے گئے تھے۔ دو تو ملک سے باہر ہیں اور تیسرا میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

"کیا اس آدمی سے معلوم نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ کیسٹ لیا تھا؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"ضرور معلوم ہو جاتا بشرطیکہ وہ زندہ ہوتا۔" حریری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ شخص ہمارے ہاتھ تو زندہ ہی لگا تھا لیکن اگلے روز جب ہم بات کرنے اس کے گھر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ پولیس بھی موجود تھی۔ پتا چلا کہ کسی نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ہم خاموشی سے واپس آ گئے۔ پولیس نے لاش کو لاوارث قرار دے کر ایک فلاحی ادارے کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے مکان کو ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں سربمہر کر دیا گیا تھا۔ وہ مکان آج بھی سربمہر ہے اور اس کا کوئی وارث آج تک سامنے نہیں آیا۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دو مہینے پہلے کی۔ ان دنوں میں رنگا کے پاس رہ رہی تھی۔" حریری نے جواب دیا۔ "لیکن تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں شہزادی کا تابوت اس کے گھر میں رکھا ہوگا۔"

"اس نے وہ کیسٹ تمہیں دیا تھا تا کہ ممی کا سودا کیا جا سکے۔ ٹھیک؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ حریری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن دوسرا رابطہ ہونے سے پہلے اسے قتل کیا جا چکا تھا۔ قاتل کوئی بھی ہو۔ قتل کی وجہ کچھ رہی ہو لیکن اس کے گھر میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور موجود ہوگی جس سے اس کے رابطوں کا پتا چل سکے۔"

"ہاں۔۔۔ یہ ممکن ہے۔" حریری نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔ "لیکن وہ گھر سربمہر ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک تو وہاں ایک پولیس والا بھی ڈیوٹی دیا کرتا تھا۔ اب پتا نہیں۔"

"ہمیں ایک کوشش کر لینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کوئی سراغ مل جائے۔" میں نے کہا۔ "وہ مکان کہاں ہے؟"

"دستگیر سوسائٹی میں۔" حریری نے جواب دیا۔ "اس علاقے میں بھی مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ چوری چھپے اندر داخل ہونا آسان نہیں ہوگا۔"

"چلو۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ ہم تینوں فوراً ہی تیار ہو گئے۔ تابندہ نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ وہ کھانا تیار کرے ہم واپس آ کر کھائیں گے۔

ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھالی تھی۔ حریری میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی اور تابندہ پچھلی سیٹ پر۔

واٹر پمپ چورنگی سے آگے نکل کر میں نے گاڑی دستگیر سوسائٹی میں ایوب منزل کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ پورا بازار کھلا ہوا تھا۔ بڑی رونق تھی۔ حریری کے کہنے پر میں نے کار بلاک چودہ کی ایک گلی میں موڑ لی۔ اس گلی کے اختتام پر پارک تھا۔ پارک کا تو نام ہی ریت کا میدان تھا۔

حریری کے اشارے پر میں نے کار آخری گلی میں بائیں طرف موڑ لی۔ یہ تنگ سی گلی تھی۔ تیسرے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے حریری نے اشارے سے بتا دیا کہ یہی مکان ہے۔ میں کار کو اوپر سے گھما کر پچھلی طرف لے آیا۔ اس طرف مکانوں کے سامنے پارک تھا۔ پارک اور مکانوں کی قطار کے درمیان تقریباً بیس فٹ کشادہ جگہ تھی۔ اس طرف بھی مکانوں کے صحن تھے اور اکثر لوگوں نے اس طرف بھی دروازے نکالے ہوئے تھے۔ اکثر مکانوں کے اندر بتیاں جل رہی تھیں لیکن باہر اندھیرا تھا۔ سامنے پارک کی وجہ سے بھی اس طرف سناٹا تھا۔

وہ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی دیوار آٹھ فٹ کے قریب اونچی تھی لیکن میرے خیال میں اس طرف سے اندر داخل ہونا مشکل نہیں تھا۔ میں نے گلی کا ایک اور چکر لگایا۔ لوگوں کی آمد و رفت تو تھی لیکن کوئی پولیس والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں کار کو گھماتا ہوا دوبارہ سڑک پر لے آیا اور اس کا رخ واٹر پمپ چورنگی کی طرف موڑ دیا۔

اس وقت ہم نے گیارہ بجے کے قریب کھانا کھایا اور پھر میں نے تیاری شروع کر دی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج ہی رات اس مکان کو چیک کر لیا جائے۔ اگر کوئی سراغ مل گیا تو فوراً ہی کوئی منصوبہ بنا لیا جائے گا بصورت دیگر کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے۔

ایک بجے کے قریب میں اور حریری کوٹھی سے نکل آئے۔ تابندہ کو اس وقت ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

دستگیر سوسائٹی والی سڑک پر بعض جگہوں پر اس وقت بھی رونق تھی۔ چودہ نمبر والی گلی میں مڑتے ہوئے میں نے کار کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی لائٹ بھی بجھا دی اور کار کو ہلکی رفتار سے چلاتا ہوا میدان میں لے گیا۔ اس میدان کے دوسری طرف نصیر آباد کا علاقہ تھا۔

اپنے مطلوبہ مکان سے تقریباً بیس گز دور میدان ہی میں میں نے کار روک لی۔ اندھیری رات میں سیاہ رنگ کی کار کو دور سے دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے اوزاروں کا ایک چھوٹا تھیلا اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا

اور حریری کو کچھ ہدایات دے کر کار سے اتر آیا۔

اس مکان کے قریب پہنچ کر میں خاصا محتاط ہو گیا۔ میدان کے چاروں طرف کبھی تاروں کی باڑ لگی ہوگی لیکن وہ باڑ تو غائب ہو چکی تھی البتہ کہیں کہیں کنکریٹ کے پلرز موجود تھے۔ میں ایک پلر کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس طرف اگرچہ کسی کسی مکان کے صحن میں بتی جل رہی تھی لیکن سناٹا تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا اس مکان کے قریب پہنچ گیا۔ اور اچھل کر آٹھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں بڑی آہستگی سے دوسری طرف اتر گیا۔ صحن میں تاریکی زیادہ گھمبیر تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔

مختصر سا برآمدہ تھا۔ میں نے دروازہ کو ٹٹول کر دیکھا۔ کوئی تالہ وغیرہ نہیں تھا۔ اس دروازے کو اندر سے کنڈا لگا کر گلی والے دروازے کو تالا لگا کر سر بمہر کر دیا گیا تھا۔ لکڑی کا دروازہ تھا اور اندر سے کنڈا کھولنا ممکن نہیں تھا۔ میں کھڑکی کی طرف آ گیا۔ کھڑکی کو بھی اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔

میں نے تھیلا زمین پر رکھ کر اس میں سے اسکاچ ٹیپ کا رول اور شیشہ کاٹنے کا قلم نکال لیا۔ قلم سے اوپر والے شیشے پر ذرا سا دباؤ ڈال کر ایک دائرہ بنایا اور اس پر اسکاچ ٹیپ چپکا دی۔ جیب سے رومال نکال کر شیشے پر رکھا اور اس پر ہاتھ سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری اور کٹا ہوا شیشہ ٹیپ کے ساتھ لٹک گیا۔ میں نے شیشے کا ٹکڑا زمین پر رکھ دیا اور خلا میں ہاتھ ڈال کر اندر کی چٹخنی کھولنے لگا۔

مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ کھڑکی کھول کر میں بڑی آہستگی سے اندر کود گیا اور تاریکی میں گھورنے لگا۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے پنسل ٹارچ نکال لی اور اس کی محدود روشنی میں اپنے اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

یہ ایک مختصر سی راہداری تھی۔ جس کے آخر میں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ایک کمرہ دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔

ایک طرف میں تین کمرے تھے۔ ایک بیڈروم تھا جس میں پلنگ وغیرہ بچھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹی میز پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے میں لکڑی کا ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ دو تین کرسیاں تھیں۔ تیسرا کمرہ خالی تھا۔

میں بیڈروم میں آ گیا۔ اس مکان کے سامان کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں فرد واحد کی رہائش تھی۔

اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے بھی پردہ تنا ہوا تھا۔ میں ٹارچ کی محدود روشنی میں کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ سب سے پہلے میں نے الماری کھول کر خوب اچھی طرح تلاشی لی۔ پھر دوسری چیزوں کو چیک کرنے لگا۔

میرے خیال میں اس مکان میں ایسا سامان بھی نہیں تھا جس کی حفاظت کے لیے مکان کو سر بمہر کر کے پولیس کا پہرہ بٹھانا پڑا تھا لیکن بہرحال یہاں قتل کی واردات ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے قتل کی شہادتیں محفوظ رکھنے کے لیے مکان کو سر بمہر کیا گیا ہو۔ ہر چیز پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں جس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ جب سے یہ مکان بند کیا گیا تھا کوئی اندر داخل نہیں ہوا تھا۔

میں بڑے اطمینان سے تلاشی لیتا رہا۔ مجھے کسی ڈائری، کاغذ یا کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے اس مکان میں رہنے والے شخص کا کسی اور شخص سے رابطے کا پتا چل سکتا ہو لیکن مجھے ایسی کوئی چیز نہیں ملی۔ میں میز پر رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھا کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر ٹیلی فون کے نیچے نیلے بال پین سے لکھے ہوئے دو نمبر دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ دونوں فون نمبر ہی تھے جنہیں میں نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس نوٹ کر لیا اور فون دوبارہ اسی جگہ رکھ دیا۔

مجھے اس مکان میں آئے ہوئے تقریباً چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ میں ٹارچ کی روشنی میں کمرے کی چیزوں پر آخری نظر ڈال رہا تھا کہ وسل کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ وہ چوکیدار نے وسل کی آواز تھی جو مکان کے عین سامنے گلی میں سنائی دی تھی۔ دوسری مرتبہ یہ آواز ذرا فاصلے پر سنائی دی۔

میں نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا اور اس کمرے میں آ گیا جس کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا تھا۔ باہر آ کر میں نے کھڑکی بھیڑ دی اور اپنا بیگ اٹھا لیا۔ اندر سے بھی دیوار پر چڑھنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں پیر نیچے لٹکا کر کودنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ ایک آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں اسی طرح لٹکے لٹکے گردن گھما کر بائیں طرف دیکھنے لگا۔

گلی کے موڑ پر چوکیدار کھڑا تھا۔ وہ سائیکل پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پیر زمین پر ٹکا رکھا تھا۔ ایک ہاتھ سائیکل کے ہینڈل پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ وہ سائیکل چھوڑ کر چیختا ہوا میری طرف بھاگا۔

میں نے چھلانگ لگا دی اور دھپ سے نیچے گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا چوکیدار نے ڈنڈے سے وار کر دیا۔ ڈنڈا میرے کولہے پر لگا۔ میں نے چوکیدار کو دوسرا وار کرنے کا موقع نہیں دیا اور ایک ہاتھ سے اس کا ڈنڈا پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔

چوکیدار مجھ سے لپٹنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے میرے پیٹ میں دو تین گھونسے رسید کر دیے اور ایک بار پھر میری ایک ٹانگ سے لپٹ گیا۔ ساتھ ہی وہ زور زور سے چیخ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ گھروں سے نکل کر نہ آ جائیں۔

میں نے دوسری ٹانگ سمیت کر اس کے سینے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ پہلی ٹھوکر زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئی تاہم دوسری ٹھوکر اس کے منہ پر لگی۔ وہ بلبلا اٹھا اور میری ٹانگ چھوڑ دی۔

اسی لمحے میں کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ چوکیدار ایک بار پھر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے زور سے دھکا دے کر گرا دیا اور میدان کی طرف دوڑ لگا دی۔

کار بھی تیزی سے میری طرف آ رہی تھی اور پھر ٹھیک اسی وقت ایک مکان سے شور کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ کسی نے گھر کے صحن سے ہوائی فائر کر دیا تھا۔

کار ابھی دور ہی تھی کہ چوکیدار نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

اب صورتحال کچھ سنگین ہو گئی تھی۔ چوکیدار سے نمٹنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے گھوم کر اس کے جبڑے پر بھرپور گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا گرا۔ اس دوران کار چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ میں دوڑ کر

کار کے قریب پہنچ گیا اور اگلا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ کار تیزی سے گھومتی ہوئی میدان سے نصیر آباد کی طرف دوڑنے لگی۔

"وہ کون تھا؟ پولیس والا یا کوئی اور؟" حریری نے پوچھا۔

"چوکیدار تھا۔ اس نے مجھے دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "کم بخت نے اس زور کا ڈنڈا مارا تھا کہ میرے کولہے پر اب تک جلن ہو رہی ہے۔"

حریری مسکرا کر رہ گئی۔ کار میدان سے نکل کر نصیر آباد کے علاقے میں داخل ہو کر مین روڈ پر نکل آئی اور واٹر پمپ چورنگی سے ہوتی ہوئی گلشن کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

میں اس چوکیدار کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کے پاس صرف ڈنڈا تھا اور وہ بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے مجھے پکڑنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ یہ اس کی فرض شناسی کا ثبوت تھا اور اس میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔ ہمارے ہاں چوکیدار کا نظام ایسا ہی ہے مجھے اگر بھاگنے کی فکر نہ ہوتی تو میں بڑی آسانی سے اسے قابو کر سکتا تھا یا اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے گولی مار دیتا۔ کئی چوکیدار چوروں یا ڈاکوؤں کو پکڑنے کے چکر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ان کے گھر والوں کو اس کا صلہ کیا ملتا تھا۔ زندگی بھر کا دکھ آہیں اور رونا ...

گلشن چورنگی والے موڑ پر پولیس نے ہمیں روکا تھا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو شاید کوئی پرابلم ہوتی لیکن گاڑی میں ساتھ خواتین ہوں تو پولیس والے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ کون ہو کہاں سے آ رہے ہو۔ اس وقت بھی حریری کی وجہ سے گاڑی پوری طرح رکنے سے پہلے ہی ایک پولیس والے نے ہمیں جانے کا اشارہ کر دیا اور حریری نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

"کچھ پتہ چلا؟" حریری نے کار اپنے بلاک کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

"دو فون نمبر۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی۔"

تابندہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ میں نے وہ کاغذ جیب سے نکال کر حریری کے سامنے رکھ دیا۔ ان میں سے ایک نمبر دیکھ کر حریری کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"یہ تو لی مارکیٹ کا نمبر ہے۔" اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے اوپر والے نمبر کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ دوسرا نمبر صدر کے علاقے کا ہے۔"

"یہ دونوں نمبر مجھے اس لیے مشتبہ لگے تھے کہ یہ ٹیلی فون سیٹ کے نیچے کی طرف رکھے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ان نمبروں سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

"یہ لی مارکیٹ والا نمبر مجھے کچھ زیادہ اہم لگتا ہے۔" حریری نے کہا۔ "کراچی میں جو لوگ نوادرات کی اسمگلنگ میں ملوث ہیں وہ زیادہ تر اسی علاقے میں رہتے ہیں۔ اس نمبر سے ہمیں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ ملے گا۔"

"اس سے معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نمبر کس کا ہے؟" میں نے کہا۔ اور تابندہ سے دریافت کیا کہ اس کے پاس نمبریکل ڈائریکٹری ہے یا نہیں۔

"دفتر میں ہے۔ صبح منگوا لوں گی۔" تابندہ نے کہا۔

اس کے بعد ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھے۔ حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا اور بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ حریری اور تابندہ جاگ چکی تھیں۔ تابندہ نے اپنے دفتر سے نمبریکل ڈائریکٹری بھی منگوا لی تھی۔ ڈائریکٹری کے قریب ہی وہ کاغذ بھی رکھا ہوا تھا جس پر دونوں نمبر لکھے ہوئے

لی مارکیٹ والے نمبر کے سامنے بخش محمد نام اور ایڈریس لکھا ہوا تھا جبکہ دوسرا نمبر صدر کے ایک ہوٹل کا تھا۔ اس کے آگے سدرشن لکھا ہوا تھا۔ یہ یقیناً کوئی ہندو تھا۔

"محمد بخش کون ہے؟ جانتی ہو اسے؟" میں نے حریری سے پوچھا۔

"میں نے اپنے ایک آدمی کو یہ نام اور ایڈریس نوٹ کرا دیا ہے۔ آج شام تک پتا چل جائے گا۔" حریری نے جواب دیا۔

"اور یہ سدرشن؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ اس ہوٹل کا مالک ہے۔" حریری نے کاغذ پر لکھے ہوئے ہوٹل کے نام کی طرف اشارہ کیا۔ "سندھ کے سرحدی علاقے میں اس کی زمینداری بھی ہے۔ یہ اپنے علاقے کا وڈیرہ ہے۔ چند سال پہلے اس نے اپنی کچھ زمین بیچ کر یہ ہوٹل خریدا تھا۔ اس کی اپنی رہائش ڈیفنس میں ہے۔ غلام علی کے پاس اس کے فون نمبر کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ سدرشن بھی نوادرات کے بزنس میں ملوث ہے۔"

"غلام علی کون؟" میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گزشتہ رات جس کے گھر میں گھسے تھے۔" حریری نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس ممی کے حوالے سے محمد بخش اور سدرشن سے غلام علی کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ اسی لیے ان دونوں کے فون نمبر اس نے بڑی حفاظت سے لکھے ہوئے تھے تاکہ دوسروں کی نظروں میں نہ آ سکیں۔" میں نے کہا۔ "ہمیں ان دونوں میں کسی ایک سے تابوت کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے۔"

"شام تک انتظار کر لو۔ اپنے آدمی کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی ہم کوئی قدم اٹھائیں گے۔" حریری نے جواب دیا۔

اس روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں حریری کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گیا۔ میں اب تو بہت خوش قسمت سمجھ رہا تھا کہ دنیا کی حسین ترین اس لڑکی کے اس قدر قریب آ گیا ہوں جسے دیکھ کر میرا دل مچل اٹھا تھا۔ حریری کے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد اگرچہ یہ پتا چل گیا تھا کہ وہ ناقابل حصول نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ شدید ترین خواہش کے باوجود میں ابھی تک اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکا تھا۔ حالانکہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں جب بھی آگے بڑھوں گا حریری پیچھے نہیں ہٹے گی لیکن ایک جھجک مانع تھی اور میں اسی جھجک کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

شام چھ بجے کے قریب ٹیڈی بھی آ گیا۔ رنگا کا گروہ ٹوٹنے کے بعد اگرچہ اس کے کئی آدمی نیازی اور ٹیڈی کی طرف آنے کو تیار تھے لیکن حریری اس معاملے میں خاصی محتاط ثابت ہوئی تھی۔ اس نے

صرف ٹیڈی کا انتخاب کیا تھا۔ ٹیڈی نے دو آدمی تحریکی والے مشن میں استعمال کیے جن میں ایک ہلاک ہو چکا تھا اور دوسرے کو فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔

حریری اپنے اس کاروبار میں زیادہ بھیڑ بھاڑ مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ دو آدمی اس کے پاس پہلے سے موجود تھے۔ مجھے اور ٹیڈی کو ملا کر یہ تعداد چار ہوگئی تھی جبکہ پانچویں وہ خود تھی۔ تابندہ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ عملی طور پر اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔

رنگا کے بارے میں ٹیڈی نے کچھ مزید دلچسپ انکشافات کیے تھے۔ تحریکی بھی اگرچہ زخمی ہوکر روپوش ہو چکا تھا لیکن یہ پتا چل گیا تھا کہ اس رات کوٹھی کے قریب اس پر رنگا کی پارٹی نے حملہ کیا تھا۔ ٹیڈی کا جو آدمی اس ہنگامے میں مارا گیا تھا اس سے تصدیق ہوگئی تھی کہ یہ کارروائی رنگا ہی نے کی تھی اور اس ہنگامے کی وجہ سے ریشمرز کی کشتی پارٹی کو مداخلت کرنی پڑی تھی جس سے نہ صرف تحریکی کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور رضیہ اور ایک آدمی زخمی ہوکر پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے اور دس کلو ہیروئن بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ہماری طرف سے تحریکی کا دل صاف ہو گیا تھا اور سارا نزلہ رنگا پر گرا تھا۔ تحریکی کے آدمی رنگا کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور رنگا اپنے آپ کو بچانے کے لیے لاپتا ہو چکا تھا۔

دس بجے کے قریب ہم کھانا کھا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تابندہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ چند سیکنڈ بات کرتی رہی پھر حریری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہارا فون ہے۔"

حریری نے اٹھ کر تابندہ کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور تقریباً دس منٹ تک بات کرتی رہی۔ اس کے اور ہمارے درمیان آٹھ دس فٹ کا فاصلہ تھا لیکن وہ ماؤتھ پیس سے منہ لگائے اس قدر مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی کہ اس کی آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ صرف ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ بالآخر اس نے ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا لیکن حریری فون کال کے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ میں سمجھ گیا ٹیڈی کی موجودگی میں کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی اس لیے میں نے بھی زبان بند ہی رکھی۔

دس بجے کے قریب ٹیڈی چلا گیا۔ تابندہ بھی اپنے کمرے میں کسی کام میں مصروف تھی۔ حریری مجھے اشارہ کیا اور اوپر چلی گئی۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پھر چند منٹ بعد میں بھی اوپر چلا گیا۔

حریری کے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں دستک دیے بغیر بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھے پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ حریری لباس تبدیل کر رہی تھی۔ میں دروازے سے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد حریری کی آواز سنائی دی۔ میں اندر داخل ہوا تو اس وقت میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی۔ حریری کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور یہ بھی مقام شکر تھا کہ یہ لباس ذرا ڈھنگ کا تھا۔

میں حسب معمول بیڈ کے سامنے اس کرسی پر بیٹھ گیا جہاں ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا۔ حریری بیڈ پر لیٹ

لگا کر نیم دراز ہوگئی۔ اور اس طرح معمول کے مطابق ہماری گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ اس ٹیلی فون کال کے بارے میں بتا رہی تھی جو کھانے کے دوران ہوئی تھی۔

"وہ میرے ایک آدمی خورشید کی کال تھی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "وہ معلومات حاصل کرتا ہوا آج شام سدرشن تک پہنچ گیا تھا۔ سدرشن نے اسے پہچان لیا۔"

"کیا وہ پہلے بھی ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" میں نے ٹوک دیا۔

"میرے دونوں آدمی خورشید اور کمال بہت عرصے سے یہاں ہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "مجھ سے کاروباری تعلق ہونے سے پہلے بھی وہ کئی برسوں سے یہی کام کر رہے ہیں۔ سدرشن بھی اس بزنس میں موجود ہے۔ ظاہر ہے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہوگی۔"

"تو..... میرا مطلب ہے ان دونوں کی اس تازہ ترین ملاقات کا نتیجہ کیا نکلا؟" میں نے پوچھا۔

"سدرشن مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔" حریری نے کہا۔ "کل رات کھانے پر ملاقات طے ہوئی ہے۔ پی سی میں۔"

"پی سی میں کیوں...... اپنے ہوٹل میں کیوں نہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" حریری نے کندھے اچکائے۔ "کل رات نو بجے۔"

"ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں گے۔" میں نے بھی کندھے اچکا دیے۔

اور پھر اگلے روز رات نو بجے ہم گھر سے نکلے تھے۔ تابندہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ملاقات کا وقت اگرچہ نو بجے تھا لیکن ہم جان بوجھ کر نو بجے گھر سے نکلے تھے۔ آدھا گھنٹہ راستے میں لگ گیا۔

خورشید ہمیں مرکزی دروازے پر ہی مل گیا۔ وہ ہمیں پول سائیڈ پر لے آیا جہاں الگ تھلگ میز پر سدرشن بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور جوان لڑکی بھی تھی۔ سدرشن ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ کلین شیو اور گوری چٹی رنگت۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔

تابندہ خورشید اور سدرشن کی دوست دوسری میز پر بیٹھ گئیں۔ حریری اور میں سدرشن والی میز پر بیٹھے تھے۔ سدرشن الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ میرا بزنس پارٹنر ریاض ہے۔" حریری نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "جو بھی بات ہوگی اس کی موجودگی میں ہوگی۔"

"اوکے۔" سدرشن نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر دونوں میزوں پر کھانا سرو کرنے کا آرڈر دے دیا اور پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھ کر باتیں کرنے لگا۔ وہ زیادہ تر حریری کی طرف متوجہ تھا اور باتیں بھی اس کے بارے میں ہو رہی تھیں۔ اسے بھی اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ حریری جیسی حسین لڑکی اس بزنس میں کیسے آ گئی تھی۔

"دنیا کا کوئی بھی بزنس حسین لڑکیوں کی شرکت کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔ "اور اس قسم کے کاروبار تو ان کے بغیر چل ہی نہیں سکتے۔ جو کام میں اور آپ نہیں کر سکتے وہ کام یہ حسین لڑکیاں بڑی آسانی سے کر سکتی ہیں۔"

"ہاں۔" حریری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کام نکلوانے کے لیے عورت کو جن مراحل

سے گزرنا پڑتا ہے اس کا شاید تم لوگوں کو احساس نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے ہم موضوع سے ہٹ رہے ہیں۔" سدرشن کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

اور پھر ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا اور ہم جلد ہی اصل موضوع پر آ گئے۔ سدرشن کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہارا نام تو سنا تھا۔ کل اتفاق سے خورشید سے ملاقات ہوئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "مجھے کئی ہفتے پہلے پتا چل گیا تھا کہ تم اس ممی کے سلسلے میں بندر عباس سے آئی ہو لیکن پھر تمہارا نام رنگا جیسے تھرڈ ریٹ غنڈے اور منشیات فروش کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا تو میں نے تمہارا خیال ذہن سے نکال دیا۔ کل خورشید سے پتا چلا کہ تم کسی خاص وجہ سے رنگا کے ساتھ رہ رہی تھیں اور اب رنگا اور تم الگ ہو چکے ہو۔ اس لیے کل خورشید سے ملاقات ہوئی تو میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ ممی میں نے ہی کھدائی میں دریافت کی تھی۔" حریری نے کہا۔ "میرے کیمپ کے دو آدمی وہ تابوت چوری کر کے لے گئے تھے۔ کچھ عرصے تک اس کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی گئی پھر پتا چلا کہ وہ ممی کراچی میں موجود ہے لیکن یہاں آ کر میں رنگا کے معاملات میں الجھ گئی۔ اب میں فارغ ہوئی ہوں تو میں نے اصل منصوبے پر کام شروع کیا ہے۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو ہم مل کر یہ کام کر سکتے ہیں۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ ممی کہاں ہے۔ اسے وہاں سے نکالنا تمہارا کام ہے۔" سدرشن نے کہا۔

"اگر مجھے پہلے ہی سے معلوم ہو کہ وہ ممی کہاں ہے تو......"

"ایسی صورت میں میں تمہیں ایک اچھی آفر دے سکتا ہوں۔" سدرشن نے حریری کی بات کاٹ دی۔ "میرے پاس ایک اچھا گاہک موجود ہے۔"

"گاہک تو میرے پاس بھی بہت ہیں لیکن اگر تمہارے توسط سے سودا ہوتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" حریری نے جواب دیا۔

اس دوران ویٹر ہماری میز پر کھانا سرو کرنے لگا۔ چکن تکا، روغنی نان اور کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔

"محمد بخش کے بارے میں کبھی سنا ہے؟" ویٹر کے جانے کے بعد سدرشن نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایک سال سے غائب ہے۔ حاجی مستان کو اسی نے گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ اس وقت تک ممی حاجی مستان کے قبضے میں تھی۔ اس کی ہلاکت کے بعد ممی بھی غائب ہوگئی اور محمد بخش بھی۔" حریری نے کہا۔

سدرشن کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں محمد بخش کہاں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"حسین ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔" سدرشن مسکرا دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم محمد بخش کے نام

وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ محض مجھے ٹرخانے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ بہرحال یہ آئندہ کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ ہمارا بزنس ایک ہی ہے۔ ایک دوسرے سے رابطہ رہے گا۔"

"ضرور۔" حریری نے جواب دیا۔

اور پھر کھانے کے دوران ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔ میں نے ایک دو مرتبہ سدرشن کی طرف دیکھا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے میں کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ تعلقات میں مجھے بڑے سنگین تجربات ہو چکے تھے۔ میرے چند مہینے ہندوستان میں گزرے تھے اور اس دوران قدم قدم پر مجھے ان کی فریب کاریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اب سدرشن سامنے تھا۔ اس کی باتوں میں اگرچہ چاشنی تھی لیکن میں مطمئن نہیں تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم سدرشن سے رخصت ہوگئے۔ واپسی پر خورشید بھی ہمارے ساتھ تھا۔ حریری کار ڈرائیو کرتے ہوئے خورشید کو سدرشن سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر رہی تھی۔

"یہ شخص محمد بخش کا نام ضرور جانتا ہے لیکن اسے اور کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔" خورشید نے کہا۔ "ابھی اس سے تمہیں اس کی طرف سے محتاط ہی رہنا چاہیے۔ یہ ہمارے آدمیوں کے ذریعے محمد بخش تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"میں اس کی باتوں سے شروع ہی میں سمجھ گئی تھی اسی لیے تو میں نے گفتگو کا رخ ہی بدل دیا تھا۔"

حریری ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "ہم خانم تابندہ کو کوٹھی پر چھوڑ کر پی ای سی ایچ ایس کی مارکیٹ جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں اپنی معلومات پر پورا بھروسہ ہے؟"

"بالکل!" خورشید نے جواب دیا۔ "میرے مخبر کی فراہم کردہ اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔"

"تو ٹھیک ہے۔" حریری بولی۔ "اور کیا تمہارے خیال میں وہاں کسی ہنگامے کا امکان تو نہیں؟"

"ہے بھی اور نہیں بھی۔" خورشید نے جواب دیا۔ "آپ کو تو ایسے کاموں کا طویل تجربہ ہے۔ بعض اوقات کام اس طرح ہو جاتا ہے کہ کسی تیسرے شخص کو کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی اور بعض اوقات مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں۔ ٹھیک کہتے ہو۔" حریری نے گہرا سانس لیا۔ "وہ کار کہاں ہے؟"

"وہیں۔ پی ای سی ایچ ایس ایل مارکیٹ کے علاقے میں کھڑی ہے۔" خورشید نے جواب دیا۔ حریری کار کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی اور آخرکار تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم گلشن اقبال کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ مزید چند منٹ بعد کار تابندہ کی کوٹھی کے سامنے رک چکی تھی۔

تابندہ کو اتار کر حریری نے کار آگے بڑھا دی۔ اس مرتبہ ہم لوکل ریلوے لائن کی کراسنگ کی طرف سے حسن اسکوائر پر نکلے تھے۔ مین روڈ پر آتے ہی حریری نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

کار تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔۔۔ ہم ایک لاش چوری کرنے جا رہے تھے۔ ایک ایسی شہزادی کی لاش جو ڈھائی ہزار سال پہلے مری تھی!

☆.....☆.....☆

رات کے ساڑھے بارہ بجنے لگے تھے لیکن ماڈیٹ کے مرکزی چوک نے علاقے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے یہاں ابھی شام اتری ہو۔ بڑی رونق اور گہما گہمی تھی۔ تمام چھوٹے بڑے ریسٹورنٹ کھلے ہوئے تھے۔ فٹ پاتھ پر بھی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ کسی طرف سے بھاری توے پر کلیجی، گردے، فرائی کرنے والوں کی کھٹا کھٹ آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور کسی طرف شربت بیچنے والے ٹھیلے کے پاس گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ مقوی اور غذائیت بخش شربت بنانے کے لئے اس میں پستہ، بادام، چہار مغز اور خشخاش گھوٹ کر ملائی جاتی تھی اور بڑی سی کونڈی میں جس ڈنڈے سے یہ مقوی میوہ جات گھوٹے جا رہے تھے اس کے اوپر والے سرے پر گھنگھرو بندھے ہوئے تھے اور گھنگھروؤں کی یہ جھنکار ہی راہگیروں کو اس طرف متوجہ کر رہی تھی۔ ایک فٹ پاتھ پر سلاجیت بیچنے والا ایک عطائی مجمع لگائے ہوئے تھا۔ اس کے پاس مردانہ کمزوری کی ہر دوا موجود تھی۔ پیچھے دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑا بینر آویزاں تھا جس پر جنگلوں اور پہاڑوں کے مناظر بنے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی بندر کسی درخت سے لٹکا ہوا تھا، کہیں شیر گھات لگائے بیٹھا تھا اور ایک خان صاحب سر پر کلاہ سجائے بندوق سے کسی عجیب الخلقت جانور کو نشانہ بنا رہے تھے۔
مجمع لگانے والا عطائی بھی ایک پٹھان ہی تھا جو اپنے مخصوص لہجے اور انداز میں بینر پر دکھائے گئے مناظر کے حوالے سے ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی سنا رہا تھا۔
اس مجمع سے ذرا آگے بلوچ ریسٹورنٹ تھا۔ ریسٹورنٹ کے اندر بھی رش تھا اور سامنے فٹ پاتھ پر بھی لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔
اس چوک پر ٹرک بھی کھڑے تھے اور بسوں کا اڈہ بھی تھا۔ حب، لسبیلہ، تربت، گوادر اور بلوچستان کے دوسرے علاقوں سے آنے والی بسیں یہیں ٹھہرتی تھیں اور صبح یہیں سے روانہ ہوتی تھیں۔
اس علاقے میں کئی رہائشی ہوٹل بھی تھے۔ بیرونی شہروں سے آنے والے لوگ زیادہ تر انہی ہوٹلوں میں ٹھہرتے تھے۔ یہ علاقہ اگرچہ لیاری اور بغدادی سے زیادہ مختلف نہیں تھا لیکن یہاں بسوں کا اڈہ ہونے کی وجہ سے زیادہ رونق تھی۔
اس علاقے میں داخل ہوتے ہی حریری نے کار کی رفتار بہرحال کم کر دی تھی۔ میں تجسس بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لاہور کے بھاٹی چوک پر بھی آدھی رات کے بعد کچھ ایسی ہی رونق ہوا کرتی ہے۔
"وہ سامنے بابا ہوٹل ہے۔" خورشید نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گاڑی اس کے ساتھ والی گلی میں موڑ لیں۔"

حریری نے رفتار کچھ اور کم کر دی۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ کھا جانے والی نظروں سے حریری کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بلوچوں کی آبادی تھی یہاں دن کے وقت بھی عورتیں کم ہی نظر آتی تھیں اور ان کے لباس بھی ایسے ہوتے تھے کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ بیشتر عورتوں نے تو سروں پر دوپٹے اس طرح لپیٹ رکھے ہوتے تھے کہ چہرے بھی چھپ جاتے تھے اور صرف آنکھ برہنہ دکھائی دیتی تھی اور رات کے وقت تو عورتوں کے گھروں سے باہر نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس علاقے کی آبادی پردہ نشینوں پر مشتمل تھی اور سب ہی قدیم روایات کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اسی پسماندہ علاقے میں ایسے ماڈرن لوگوں کی رہائش بھی تھی جنہیں دیکھ کر یورپ کی خواتین بھی شرماتی ہوں گی۔
حریری نے گاڑی کی رفتار مزید کم کرتے ہوئے بابا ہوٹل کے ساتھ والی سڑک پر موڑ لیا۔ یہ رہائشی ہوٹل تھا اوپر رہائشی کمرے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ریسٹورنٹ تھا۔ جہاں محنت کش طبقے کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے سامنے پان، سگریٹ کے کیبن تھے۔ بہت سے لوگ ادھر ادھر کھڑے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اپنے تفکرات کو دھوئیں میں اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔
بابا ہوٹل کے ساتھ والی سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دونوں طرف ہاتھ سے کھینچنے والے [illegible] کے لاتعداد ٹھیلے کھڑے تھے جن کی وجہ سے راستہ کچھ اور بھی تنگ ہو گیا تھا۔ تقریباً پچاس گز آگے [illegible] ایک اور سڑک سے جا ملتی تھی۔ اس کی چوڑائی اس سے بھی کم تھی اور یہاں بھی دونوں طرف ٹھیلے [illegible] کھڑے تھے۔
یہاں پرانی طرز کی عمارتیں تھیں۔ کوئی سنگل اسٹوری، کوئی دو منزلہ اور کوئی تین منزلہ۔ ان میں [illegible] عمارت کم از کم سو سال پرانی ضرور تھی اور ان میں کہیں کہیں کوئی جدید عمارت بھی پھنسی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ گلی میں سناٹا تھا۔ آگے ایک اور موڑ تھا جہاں سیاہ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن بھی کھڑی تھی۔ اس [illegible] قریب ہی ٹھیلے پر ایک آدمی سو رہا تھا۔
خورشید کے اشارے پر حریری نے کار اسٹیشن ویگن کے قریب روک لی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی [illegible] پڑتے ہی ٹھیلے پر سویا ہوا وہ شخص اٹھ گیا۔ اس نے پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ غالباً یہ لباس [illegible] سے اس کے جسم سے الگ نہیں ہوا تھا۔ پتلون بھی میلی اور مسلی ہوئی تھی اور ٹی شرٹ بھی۔ اس شخص [illegible] بال بھی بکھرے ہوئے تھے اور شیو بھی بڑھا ہوا تھا اس حلیے سے وہ کوئی مزدور، پیشہ ہی لگتا تھا۔
کار رکتے ہی وہ شخص اٹھ کر قریب آ گیا۔ اس نے ڈرائیونگ سائیڈ والی کھڑکی پر جھک کر حریری کو سلام کیا۔ وہ کوئی اس علاقے کا مزدور نہیں، خورشید کا دوسرا ساتھی کمال تھا۔
"کیا صورت حال ہے کمال؟" حریری نے پوچھا۔
"وہ تقریباً ایک گھنٹہ پہلے اپنے گھر گیا ہے اس کے ساتھ۔۔۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور کن [illegible] نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔
"خاموش کیوں ہو گئے۔ اس کے ساتھ اور کون ہے؟" حریری نے پوچھا۔

"ایک عورت..... جسے وہ ایک ہوٹل سے پکڑ لایا تھا۔" کمال نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"اس میں تمہارے لئے شرمانے کی کیا بات ہے؟" حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں انتظار کرو۔" اس نے خاموش ہو کر خورشید کی طرف دیکھا اور خورشید نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

حریری نے گاڑی آگے بڑھا کر بائیں طرف موڑ لی۔ یہ بھی ایک کشادہ گلی تھی اور یہاں دکانوں کے ٹھیلے کھڑے تھے۔ تقریباً پچیس گز آگے یہ گلی بند ہو گئی۔ آگے چست ٹین کی چادر والا بہت بڑا پھاٹک تھا جس کا ذیلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس ذیلی دروازے سے سائیکل، موٹر سائیکل یا پیدل افراد گزر سکتے تھے۔

حریری نے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور اپنی طرف کا شیشہ چڑھانے لگی۔ میں نے شیشہ چڑھا کر اندر سے لاک ناب دبا دیا۔

کار سے اتر کر ہم پھاٹک کے ذیلی دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ خورشید آگے تھا اور ہم اس کے پیچھے۔

پھاٹک کے اندر تنگ اور پر پیچ گلیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا یہ کراچی کا قدیم علاقہ تھا۔ پرانے طرز کی عمارتیں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ایسے علاقوں پر سرکاری محکمے بھی توجہ نہیں دیتے اور زندگی کے تمام مسائل انہی علاقوں میں جنم لیتے ہیں۔ علاقے میں اگرچہ بجلی موجود تھی لیکن گلیاں تاریک تھیں۔ بعض گلیوں میں تو اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ خورشید ہم سے تین چار گز آگے تھا اور وہ بار بار مڑ کر ہمیں راستے کی ہدایت کر رہا تھا۔

ایک موقع پر حریری کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر لڑکھڑائی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر میں نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ نرم و گداز ہاتھ میرے اندر عجیب سی سنسنی پیدا کر رہا تھا۔

تین چار گلیاں گھومنے کے بعد خورشید ایک جگہ رک گیا اور بائیں طرف کی ایک گلی میں اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"وہ سامنے والی کھڑکی اس کے مکان کی ہے۔ دروازہ دائیں طرف گلی میں ہے۔"

وہ کھڑکی زمین کی سطح سے تقریباً چار فٹ اونچی تھی۔ قریب پہنچ کر پہلے ہم اندر سے سن گن لینے کی کوشش کرتے رہے لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

حریری نے خورشید کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی گلی میں مڑ گئی۔ یہ گلی تنگ سی گلی تھی۔ ناہموار زمین پر پانی پھیلا ہوا تھا۔ حریری کا پیر پانی میں پڑا تو شڑاپ کی آواز ابھری۔ وہ لڑکھڑائی تھی لیکن میں نے اسے سنبھال لیا۔

وہ دروازہ تقریباً بیس فٹ آگے تھا۔ ساتھ ساتھ ملے ہوئے دو تین مکان ابھرے تھے۔ سامنے والے مکان بھی منزل منزلی تھے۔

دروازے والی دیوار تقریباً آٹھ فٹ بلند تھی۔ میں نے پہلے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اندر سے بند تھا۔ میں دروازے کے آس پاس دیوار کو ٹٹول کر دیکھتا رہا پھر ٹوٹی ہوئی اینٹوں پر پیر جما کر چڑھ گیا۔

دوسری طرف کودنے میں، میں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ چند لمحے دیوار کے ساتھ چپکا سن گن لیتا رہا پھر بڑی آہستگی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا اور حریری کے اندر آنے کے بعد دروازہ بھیڑ دیا۔

یہ مکان باہر سے بظاہر چھوٹا سا لگتا تھا لیکن اندر سے کافی بڑا تھا۔ صحن بہت کشادہ تھا۔ اس کے آگے مکان کی اصل عمارت تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک بے حس و حرکت کھڑے تاریکی میں گھورتے رہے۔ میری نظریں تاریکی سے کچھ مانوس ہوئیں تو پتا چلا کہ یہ مکان کافی بڑا تھا لیکن ابتلائے زمانہ سے اس کے کچھ حصے گر کر کھنڈر میں تبدیل ہو چکے تھے تاہم کچھ حصے رہائش کے قابل تھے۔

میں دروازے کے بائیں طرف بڑھ گیا۔ اس طرف ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس کی کھڑکی گلی کی طرف تھی۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ میں نے احتیاط سے آگے بڑھ کر وہ کھڑکی کھول دی اور باہر گلی میں کھڑے ہوئے خورشید کو اندر بلا لیا۔

خورشید کو اس کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر میں حریری کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مکان کے ٹوٹے ہوئے حصے میں راہداری کی طرح ایک کشادہ راستہ تھا جو آگے جا کر بائیں طرف مڑ گیا تھا اس کھنڈر کو دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جب یہ مکان بنا تھا تو بہت شاندار ہوگا۔

دوسری طرف مڑتے ہی میں حریری کا ہاتھ پکڑ کر رک گیا۔ آگے دائیں طرف ایک کمرے سے روشنی جھلک رہی تھی اور کسی عورت کے ہنسنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ حریری بھی میرے ساتھ تھی۔ میں نے دروازے سے جھانک کر اندر دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ دروازے کی آڑ میں تھے۔

میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا حریری نے آگے بڑھ کر دروازے پر زوردار ٹھوکر مار دی۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ اچھل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی نسوانی چیخ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

کمرے کا منظر بڑا سنسنی خیز تھا۔ بیڈ دروازے کی آڑ میں تھا۔

ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک مرد ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔ دونوں کے جسموں پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پلنگ کے قریب ہی ایک چھوٹی میز پر دیسی شراب کی ایک بوتل اور دو گلاس بھی رکھے ہوئے تھے۔ دونوں گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی شراب بھی موجود تھی۔

وہ عورت چیختی ہوئی اچھل کر پلنگ کے دوسری طرف کود گئی اور پلنگ پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ جبکہ اس کا ساتھی مرد بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے پلنگ کی چادر کھینچ کر اپنے اوپر ڈال لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ شرمناک منظر دیکھ کر حریری رخ پھیر لے گی لیکن وہ تن کر سامنے کھڑی رہی۔

میں پستول کا رخ سامنے کی طرف کر کے ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس عورت کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ کسی قدر کھلتی ہوئی رنگت اور ڈھلکا ہوا بدن [illegible]

ہوئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو حسین اور جاذبِ نظر بنانے میں چہرے پر گہرا میک اپ بھی کیا تھا جواب بگڑ چکا تھا۔ وہ ڈھلتی عمر کی سستی قسم کی طوائف تھی جس کی خدمات سے مزدور طبقہ کے آوارہ مزاج مرد ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

اس مرد کی عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ درمیانہ قد اور کسی قدر بھاری بھر کم جسم۔ دو تین دن کا بڑھا ہوا شیو اور سر کے بال چھوٹے تھے۔ اس کے دائیں کان میں چاندی کی ایک بالی بھی چمک رہی تھی۔

"کپڑے پہنو اور وہیں ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔" حریری نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی یا تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو زندہ نہیں بچو گی۔"

اس عورت نے جھک کر اپنے کپڑے اٹھائے اور رخ پھیر کر جلدی جلدی پہننے لگی۔ اس نے قمیص الٹی پہن لی تھی لیکن اسے درست کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پلنگ کے دوسری طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"اور تم بھی جامے میں آ جاؤ۔" میں نے پستول سے مرد کو اشارہ کیا وہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ پتلون اٹھا کر چادر کی آڑ میں پہننے لگا اور پھر اس نے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ میں اب بھی اسے پستول کی زد میں لئے کھڑا تھا۔ اس نے چادر ایک طرف اچھالتے ہی بالکل اچانک اپنی جگہ سے اچھل کر میرے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر ماردی۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل کر چمگادڑ کی طرح اڑتا ہوا کمرے کی ایک پرانی سی الماری کے اوپر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل پاتا اس شخص نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر وحشی بھینسے کی طرح میرے سینے پر سر سے ٹکر ماردی۔

میں کراہتا ہوا لڑکھڑا گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے وزنی ہتھوڑے سے زوردار ضرب لگائی گئی ہو۔ میرا خیال تھا وہ دوبارہ حملہ کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی لیکن اسے باہر نکلنا نصیب نہیں ہوا۔ حریری نے بڑی پھرتی سے اپنی ایک ٹانگ آگے کردی اور وہ کراہتا ہوا منہ کے بل دروازے کے قریب گرا۔ اسے سنبھلنے کا موقع دینے سے پہلے ہی میں نے اسے چھاپ لیا۔

اس نے ایک بار پھر وہی حربہ استعمال کیا۔ میری گرفت میں ہونے کے باوجود اس نے میرے چہرے پر سر سے ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی۔ ٹکر میری ٹھوڑی پر لگی اور میرا نیچے کا جبڑا ہل کر رہ گیا۔ میں نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر اس کی کھوپڑی پر کہنی سے ضرب لگائی لیکن شاید اس پر زیادہ اثر نہیں ہوا تھا۔ میں نے ایک اور ضرب لگائی۔

میرے حریف نے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ میں نے بھی اس کی دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اس طرح میں خود تو پیچھے جھکتا چلا گیا اور اسے اوپر اٹھاتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ٹانگیں دوہری کر کے دونوں پیر بھی اس کے پیٹ پر جما دیئے تھے اور پھر پوری قوت سے اسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

وہ بھد سے پشت کے بل پلنگ پر گرا اور لڑھک کر دوسری طرف زمین پر بیٹھی ہوئی عورت کے اوپر گر گیا۔ عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میرے حریف نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھ کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ کلہاڑی پلنگ کے نیچے پڑی ہوئی تھی جو اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

کلہاڑی کا دستہ تقریباً چار فٹ لمبا تھا۔ اس کا پھل پتلا اور چوڑا تھا۔ یہ کلہاڑی لکڑیاں کاٹنے کے لئے نہیں تھی۔ کئی مہینے پہلے جب میں اندرون سندھ گیا تھا تو بہت سے مقامی لوگوں کے پاس بھی ایسی کلہاڑیاں دیکھی تھیں جنہیں وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے اور اب وہ شخص مجھ پر یہ خطرناک ہتھیار تانے کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی ابھر آئی تھی۔ اس نے کلہاڑی کے دستے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ایک دو مرتبہ حملہ کرنے والے انداز میں لہرایا اور پھر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔

میں تیزی سے ایک طرف جھکا۔ کلہاڑی پلنگ کے گدے پر لگی اور اسے کاٹتے ہوئے بلیڈ اندر تک گھس گیا۔ گدے میں ناریل کا چھلکا بھرا ہوا تھا۔ کلہاڑی کا بلیڈ اس میں پھنس گیا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہاتھ کلہاڑی کے دستے پر ڈال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا۔

میرے حریف نے کلہاڑی کا دستہ چھوڑ دیا اور میرے اوپر چھلانگ لگادی۔ میں اس مرتبہ دھوکا کھا گیا۔ وہ مجھے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ میں اس کے نیچے دب گیا۔ اس نے میرے جبڑوں پر دونوں طرف دو چار کرارے قسم کے گھونسے لگائے اور پھر دروازے کی طرف چھلانگ لگادی لیکن دوسرے ہی لمحہ چیختا ہوا الٹے قدموں لڑکھڑا کر پھر میرے اوپر گرا۔ میں نے اسے ایک طرف اچھال دیا اور تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس لمحے خورشید بھی سیدھے ہاتھ کو سہلاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے جب دروازے کے باہر چھلانگ لگائی تھی تو باہر سے خورشید ہی نے اسے گھونسہ مار کر دوبارہ اندر دھکیل دیا تھا۔

حریری نے ابھی تک کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی بڑی خاموشی سے اس شخص کو پٹتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ ہم دونوں کے درمیان فٹ بال بن گیا تھا۔ کمرے میں زیادہ جگہ نہیں تھی اس لئے ہمارا یہ کھیل بھی زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا تھا اور اس شخص میں بھی شاید اب زیادہ دیر تک مار کھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"تم لوگ کون ہو؟" اور اس طرح میرے گھر میں کیوں گھس آئے ہو؟" وہ ایک ہاتھ کی پشت سے ہونٹوں سے رسنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

"یہ سوال تم پہلے پوچھتے تو بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔" میں نے جواب دیا۔

"تم لوگ کون ہو؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔ "کسی کے گھر میں اس طرح گھسنا جرم ہے۔ اخلاقی بھی اور قانونی بھی۔ میں......"

"تم صرف اس بات کا جواب دو گے جو ہم پوچھیں گے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ عورت تمہاری......"

"میری بیوی ہے یہ۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

میں نے کچھ کہنے سے پہلے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ "جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو

کھول ادھیڑ دوں گا۔" میں نے کہا۔ "تم اسے تو ہوٹل سے لے کر آئے تھے۔ شرم آنی چاہئے تمہیں۔"

"م میں سچ کہتا ہوں، یہ میری بیوی......"

"جھوٹ بولتا ہے یہ۔" وہ عورت اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "یہ مجھے ہوٹل سے لے کر آیا تھا۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔"

"تمہیں تو ہم پولیس کے حوالے کریں گے۔ فی الحال خاموشی سے بیٹھی رہو۔" حریری نے اسے ڈپٹ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"تم لوگ کون ہوں؟ آخر کیا چاہتے ہو؟" وہ شخص بولا۔

"ہمارا خیال تھا ہم تم سے یہیں پر بات کریں گے لیکن اب کچھ ایسی صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" حریری نے کہا۔

"کہاں......؟" وہ شخص خوفزدہ سی نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔ اگر تم نے ہمیں کوئی چکر دینے کی کوشش کی تو پھر اس مکان اور اس کی ہر چیز کو آخری مرتبہ دیکھ لو پھر شاید تمہیں یہاں آنا نصیب نہ ہو۔" حریری نے کہا۔ اس نے خاموش ہوکر خورشید کو اشارہ کیا۔

خورشید کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پلنگ کے نیچے اسے ایک رسی مل گئی۔ اس شخص کے ہاتھ پشت پہ باندھ دیئے گئے۔ میں نے ایک کرسی پر کھڑے ہوکر الماری کے اوپر سے اپنا پستول اٹھالیا۔

حریری کے اشارے پر وہ عورت بھی اٹھ گئی۔ وہ اب بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اور واسطے دے دے کر اپنی جان بخشی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے بتی بجھا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ مکان سے باہر آکر بھی میں نے بیرونی دروازہ بھیڑ کر اوپر کی زنجیر لگادی اور ہم پر پیچ گلیوں میں چلنے لگے۔

کار کے قریب پہنچ کر ہم رک گئے۔

"خورشید!" حریری اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم اسے لے کر میرے ٹھکانے پر پہنچو۔ اگر یہ راستے میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے اسے مار کر لاش کسی سڑک پہ پھینک دینا۔ اور ہاں......" وہ اس عورت کی طرف گھوم گئی۔ "تم ہمارے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھو۔"

عورت ایک بار پھر گڑگڑانے لگی۔ حریری نے اس کے منہ پہ زوردار تھپڑ مار کر اسے خاموش کرا دیا۔ خورشید اس شخص کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حریری نے کار کے دروازے کھول دیئے۔ میں اس عورت کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور حریری نے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔

تنگ سی گلی میں گاڑی ریورس میں لے جانا خاصا مشکل کام تھا لیکن حریری بڑی مہارت سے گاڑی پیچھے لے جاتی رہی اور پھر ایک موڑ پہ پہنچ کر اس نے کار کو دوسری گلی میں موڑ دیا۔ خورشید اس شخص کو دھکیلتا ہوا اس گلی میں مڑ گیا تھا جہاں سیاہ رنگ کی سٹیشن ویگن کھڑی تھی۔

حریری جس طرح کار کو گلیوں میں گھما رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ راستوں سے بخوبی واقف تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم لی مارکیٹ کے مرکزی چوک پر نکل آئے۔ چوک کی رونق میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کراچی کے بعض علاقے تو ایسے تھے جہاں رات ہوتی ہی نہیں تھی اور لی مارکیٹ کا یہ مرکزی چوک بھی ان میں سے ایک تھا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی وہ عورت پہلے تو منت سماجت کرتی رہی پھر اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

ہم اندرونی سڑکوں پہ گھومتے ہوئے نشتر روڈ پر آگئے۔ یہاں بھی ابھی تک بعض مقامات پر خاصی رونق تھی۔ بازار حسن بھی اس علاقے میں واقع تھا۔ حریری نے ایک موڑ پر گاڑی روک لی۔ اس جگہ دو ریسٹورنٹ بھی تھے اور پان سگریٹ کے تین چار کیبن بھی۔ خاصی رونق تھی وہاں۔

"ناجی! اس عورت کو یہاں اتار دو۔" حریری نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں نہیں۔ خدا کے لئے مجھے یہاں مت اتارو۔ یہ لوگ مجھے بھیڑیوں کی طرح چیر ڈالیں گے۔" وہ عورت گھگھیائی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔

"یہی تمہارا اصل ٹھکانہ ہے۔" حریری نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاموشی سے اتر جاؤ ورنہ میں کسی کو بلا کر تمہیں اس کے حوالے کر دوں گی۔"

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے جھک کر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت خوفزدہ سی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ایک پان کے کھوکھے کے قریب کھڑے ہوئے کچھ لوگ بھی ادھر دیکھ رہے تھے اور پھر ایک آدمی سگریٹ کا کش لگاتا ہوا کار کی طرف آنے لگا۔ میں نے اس عورت کو دھکا دے کر نیچے اتار دیا اور دروازہ بند کرلیا۔ اسی لمحے حریری نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ہم نشتر روڈ، لسبیلہ چوک، تین ہٹی اور لیاقت آباد سے ہوتے ہوئے عائشہ منزل کی طرف نکل آئے میں اگلی سیٹ پر آگیا تھا۔ راستے میں پولیس نے دو مرتبہ ہماری گاڑی کو روکا تھا لیکن حریری کی وجہ سے ہمیں پریشان نہیں کیا گیا۔

عائشہ منزل سے حریری نے گاڑی دستگیر سوسائٹی کی طرف موڑ لی۔ یہی سڑک یاسین آباد سے ہوتی ہوئی گلشن اقبال تک چلی گئی تھی۔

خورشید وغیرہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

"کہیں پولیس نے انہیں نہ روک لیا ہو۔" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"وہ تجربہ کار لوگ ہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "پولیس سے نمٹنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

حریری نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ اس وقت پہلی مرتبہ انکشاف ہوا کہ اس کوٹھی کے نیچے تہہ خانہ بھی تھا۔ قیدی کو فوراً ہی تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں آپ کو یہ بتا تا چلوں کہ ہمارا یہ قیدی محمد بخش تھا جس کا فون نمبر دستگیر والے مکان کے ٹیلی فون کی پشت پر لکھا ہوا ملا تھا۔

تابندہ تہہ خانے میں نہیں آئی تھی۔ میں اور حریری، خورشید اور کمال کے ساتھ تہہ خانے میں

موجود تھے۔ محمد بخش گرد آلود فرش پر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"ہاں تو محمد بخش۔" حریری اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "تم نے مجھے دیکھتے ہی پہچان تو لیا تھا لیکن خاموش رہے جیسے میں بھی تمہیں پہچان جانے کے باوجود خاموش رہی تھی۔ لیکن اب ......"

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ اس سے پہلے میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔" محمد بخش نے جواب دیا۔

حریری نے اس کے سینے پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ چیختا ہوا پشت کے بل لڑھک گیا۔

"میں جو چہرہ ایک بار دیکھ لیتی ہوں اسے کبھی نہیں بھولتی۔" حریری نے کہا۔ "تم ان مزدوروں میں سے ایک ہو جنہیں شہر سوختہ میں کھدائی کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ تمہارا نام محمد بخش نہیں، پرویز ہے۔ میں نے تمہیں کیمپ میں صرف ایک مرتبہ ......"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" محمد بخش یا پرویز نامی اس شخص نے حریری کی بات کاٹ دی۔ "میرا نام ......"

"تمہارا نام کچھ بھی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" حریری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن تم وہی ہو جو اپنے دوست کے ساتھ ہمارے کیمپ سے ممی لے کر فرار ہوئے تھے۔ تم لوگوں کی وجہ سے نہ صرف مجھے پولیس کو بھی ایک بڑی رقم دینی پڑی بلکہ اور بھی بہت سا نقصان اٹھانا پڑا۔ میں اس وقت سے تم لوگوں کی تلاش میں ہوں۔ تمہارا دوست شاید کوئٹہ میں مارا گیا تھا لیکن تم ممی والا تابوت لے کر غائب ہو گئے۔ میں نے تمہاری تلاش میں اپنا بہت کچھ گنوایا ہے۔ لیکن اگر تم وہ ممی میرے حوالے کر دو تو میں سب کچھ بھول جانے کو تیار ہوں اور تمہیں ایک نہایت معقول رقم بھی دی جائے گی جس سے تم اپنی باقی زندگی اطمینان و سکون سے گزار سکو گے۔ دوسری صورت میں، میں تمہارے جسم کے ٹکڑے کر دوں گی اور تمہیں اس وقت تک مرنے بھی نہیں دوں گی جب تک ممی کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔"

"میں کسی ممی کے بارے میں نہیں جانتا۔ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" پرویز نے جواب دیا۔

"میں تو چاہتی تھی کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ لیکن تم ایسا نہیں چاہتے۔" حریری نے کہتے ہوئے خورشید اور کمال کو اشارہ کیا۔

کمال نے آگے بڑھ کر پرویز کے ہاتھ کھول دیئے اور اسے پتلون کے بیلٹ سے پکڑ کر اوپر اٹھا دیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس کے پیٹ میں گھونسا رسید کر دیا۔ پرویز کراہ کر دوہرا ہو گیا۔ کمال نے پوری قوت سے اپنا گھٹنا اوپر ابھارا یا زوردار ضرب پرویز کی ٹھوڑی پر لگی۔ وہ چیختا ہوا سیدھا ہو گیا اور پھر کمال نے اسے گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ خورشید بھی اس کار خیر میں شامل ہو گیا۔ میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا اور جب مڑ کر دیکھا تو حریری تہہ خانے میں نہیں تھی۔

پرویز ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا رہا۔ چند منٹ بعد حریری تہہ خانے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں گوشت کاٹنے والا چاپڑ تھا جس کی دھار خاصی تیز تھی۔

"اس نے زبان کھولی یا نہیں؟" اس نے قریب آ کر پوچھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے بھی مجھے اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے۔

"ابھی تو کچھ نہیں بکا میڈم۔ لیکن آپ پریشان مت ہوں۔ یہ پانچ منٹ میں زبان کھول دے گا۔" خورشید نے کہا۔

"تم لوگ رات بھر اس پر تشدد کرتے رہو گے تو بھی یہ کچھ نہیں بتائے گا۔" حریری نے کہا۔ "اس کا ہاتھ پکڑ کر زمین پر رکھو۔ میں ایک منٹ میں اس کی زبان کھلواتی ہوں۔"

کمال نے پرویز کو زمین پر گرا کر جکڑ لیا جبکہ خورشید نے اس کا ایک ہاتھ فرش پر رکھ کر بڑی سختی سے گرفت میں لے لیا۔

حریری قریب آ گئی۔ اس نے چاپڑ اوپر اٹھایا۔ پرویز کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ میں نے حریری کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ اس کا چاپڑ والا ہاتھ بڑی تیزی سے نیچے آیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

پرویز کی بھیانک چیخ تہہ خانے میں گونج اٹھی اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں کٹ چکی تھیں۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنے مجروح ہاتھ کو پکڑے گرد آلود فرش پر لوٹ رہا تھا۔ کٹی ہوئی انگلیوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر حریری کی طرف اٹھ گئیں۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندوں جیسی سفاکی تھی اور آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ کتنی معصوم تھی وہ لیکن ایک دم درندہ بن گئی تھی۔ میرے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین سا لگ رہا تھا۔ لیکن حقیقت میرے سامنے تھی جسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ حریری خود بھی ذہنی صورت حال کا شکار رہتی تھی۔ پہلے ایک مورتی کے لئے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ جان بچانے کے لئے بھاگتی رہی تھی۔ پھر اس کی ماں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس کی عزت کو بھی ہوس کی سولی پر چڑھا دیا گیا۔ وہ قدم قدم پر دھوکے اور فریب کا شکار ہوتی رہتی۔ اس کے پیچھے ہوس زر تھی اور کچھ نہیں۔ یہ شخص اس کے کیمپ سے ایک بہت قیمتی ممی چرا کر لے آیا تھا اور وہ عرصے سے اس کی تلاش میں تھی۔ اب جبکہ وہ مل گیا تھا تو وہ اسے کس طرح معاف کر سکتی تھی۔ اسے دولت کے لئے لوٹا گیا تھا۔ قدم قدم پر دھوکے دیئے گئے تھے۔ اس کے ماں باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور وہ خود دوسروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیسے کر سکتی تھی۔ اس نے تو ابھی صرف دو انگلیاں کاٹی تھیں لیکن اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ مورتی کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے وہ پرویز کا قیمہ بھی بنا سکتی تھی۔

"اس کا ہاتھ دوبارہ فرش پر رکھو۔" حریری غرائی۔ "اب میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گی۔ اس کا پورا ہاتھ کلائی سے کاٹ دوں گی۔ پھر دوسرے ہاتھ کی باری آئے گی۔"

خورشید اور کمال نے پھر پرویز کو گرفت میں لے لیا۔ خورشید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرش پر رکھ دیا۔ حریری نے چاپڑ والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو پرویز چیخ اٹھا۔

"بب...... بتاتا ہوں۔ رک جاؤ۔"

حریری نے ہاتھ نیچے کرلیا۔ "بتاؤ جلدی بولو۔" وہ غرائی۔

"مم... ممی کا تابوت اس مکان میں پلنگ کے نیچے زمین میں دفن ہے۔" پرویز نے جواب دیا۔ "زمین کچی ہے۔ تابوت بھی زیادہ گہرائی میں نہیں ہے۔"

حریری ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔

"کمال۔ تم یہیں رکو گے۔ میں تابندہ کو بھیجتی ہوں۔ وہ اس کے زخموں کی ڈریسنگ کردے گی۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔ اور تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" اس نے مجھے اور خورشید کو اشارہ کیا۔

ہم تینوں اوپر آگئے۔ حریری نے چارپر کچن میں پھینک دیا اور تابندہ کو کچھ ہدایات دیتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اور خورشید بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ تابندہ بھی گیٹ بند کرنے کے لئے ہمارے ساتھ آئی تھی۔

ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ خود حریری نے سنبھال لی۔ میں اور خورشید پچھلی سیٹ پر اکٹھے ہی بیٹھ گئے۔

گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آتے ہی حریری نے وین کو طوفانی رفتار سے دوڑا دیا۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ حریری وین کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

گرومندر کے قریب پولیس نے رکنے کا اشارہ کیا تو حریری نے رفتار کم کرلی۔

"نا جی۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بولی۔ "خورشید کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ ہم اسپتال جا رہے ہیں۔ میری بات سمجھ گئے؟"

"بالکل سمجھ گئے۔" میں نے جواب دیا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر خورشید والی سیٹ پر آگیا۔

خورشید سیٹ پر لیٹ گیا۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

وین رک گئی۔ تین چار پولیس والے رائفلیں سنبھالے الرٹ کھڑے تھے۔ ایک اے ایس آئی ڈرائیونگ سائیڈ پر آگیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور اس وقت ؟"

"آفیسر۔" حریری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میرے بھائی پر دل کا دورہ پڑا ہے۔ اس کی حالت بہت نازک ہے۔ تاخیر اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ اپنا ایک آدمی گاڑی میں بٹھا دو۔ وہ راستے میں ہم سے سوال جواب کرتا رہے گا۔"

نوجوان اے ایس آئی نے پچھلے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ حریری نے اندر کی بتی جلا دی۔

خورشید کی حالت ایسی تھی جیسے واقعی اس پر دل کا دورہ پڑا ہو۔

"پلیز! جائیے آپ لوگ۔" آفیسر نے دروازہ بند کردیا۔

حریری نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وین کو زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ تقریباً پچاس گز آگے نکلتے ہی خورشید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں تو کسی تھیٹر میں ہونا چاہئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چند منٹ پہلے تمہیں دیکھ کر تو لگتا تھا کہ جیسے واقعی دل کا بہت شدید دورہ پڑا ہو۔"

"یہ دنیا ایک بہت بڑا اسٹیج ہے میرے دوست۔" خورشید نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں اداکاری کرنی ہی پڑتی ہے۔ ویسے اس وقت تو میڈم حریری کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی جس کی بروقت سوجھ نے ہمیں بچا لیا۔"

"ہاں...... اس کی ذہانت کا تو میں شروع ہی سے قائل ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

حریری ہماری گفتگو سے بے نیاز تیز رفتاری سے وین دوڑاتی رہی۔ اس کے بعد راستے میں کوئی اور غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔

نئی مارکیٹ والے چوک کی رونق اجڑ چکی تھی۔ ایک آدھ ریسٹورنٹ ہی کھلا تھا۔ گاہک بھی اکا دکا تھے۔ حریری نے وین بابا ہوٹل کے ساتھ والی گلی میں موڑ لی اور دو تین گلیوں گھوم کر اس جگہ روک لی جہاں سے مکان ہمارا منتظر تھا۔

ہم وین اسی جگہ چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پھاٹک والی گلی میں داخل ہوئے اور جب مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے پرویز والے مکان کے سامنے پہنچے تو ٹھٹک کر رہ گئے۔ میں نے یہاں سے جاتے ہوئے باہر سے کنڈا لگایا تھا لیکن اب باہر سے تو کنڈا کھلا ہوا تھا جبکہ اندر سے دروازہ بند تھا۔

میں نے سرگوشیوں میں ان دونوں کو صورتحال سے آگاہ کیا اور خورشید کے کندھے پر چڑھ کر دیوار پر چڑھ گیا اور بڑی آہستگی سے اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ حریری اور خورشید بھی اندر آگئے۔ خورشید کے ہاتھ میں پستول تھا اور حریری نے بھی اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا تھا۔

ہم ایک دوسرے سے ہٹ کر دبے قدموں آگے بڑھنے لگے۔ پہلے میں اس راہداری نما راستے میں داخل ہوا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد رک گیا۔ ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی وزنی چیز گھسیٹی جا رہی ہو۔

میں دو قدم اور آگے بڑھا لیکن اسی وقت سامنے سے ایک آواز سنائی دی۔

"اے کون ہے؟"

اس کے ساتھ ہی ایک شعلہ میری طرف لپکا اور وہ مکان فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ میں نے آواز سنتے ہی ایک طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ نیچے گرتے ہوئے میں نے بھی گولی چلا دی۔ وہ آدمی میری طرف دوڑا تھا۔ میری چلائی ہوئی گولی کے ساتھ اس شخص کی چیخ بھی گونج اٹھی۔

اور پھر مکان میں ہلچل سی مچ گئی۔ حریری اور خورشید بھی دوڑتے ہوئے آگئے۔ یہ کھنڈر نما مکان میدان جنگ بن گیا۔ خورشید دوڑتا ہوا اس دروازے کے سامنے سے گزر کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ دروازے سے آگے ایک کھڑکی تھی۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر پے در پے فائرنگ شروع کردی۔ اندر سے ایک اور چیخ سنائی دی اور چند سیکنڈ بعد ایک اور چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"فائرنگ بند کردو۔ میں باہر آرہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ باہر آجاؤ۔" خورشید نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ "لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم ہمارے نشانے میں ہو۔ کوئی غلط حرکت کی تو چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

ایک آدمی کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے دونوں ہاتھ گردن پر رکھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ سدرشن تھا۔ ہندوؤں کی فطرت کے بارے میں، میں نے جن خیالات کا اظہار پہلے کیا تھا وہ ایک بار پھر بالکل درست ثابت ہوئے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سدرشن نے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل ہی سے ہمارا تعاقب کر کے محمد بخش عرف پرویز کے اس ٹھکانے کا سراغ لگایا تھا۔ ہم پرویز کو لے کر یہاں سے چلے گئے تھے لیکن اسے شاید شبہ ہوگا کہ ممی والا تابوت اسی مکان میں کسی جگہ پوشیدہ ہوگا۔

کمرے کے اندر دو لاشیں ہماری منتظر تھیں۔ یہ دونوں خورشید کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ تیسرا میری گولی کا شکار ہوا تھا جس کی لاش راہداری میں پڑی تھی۔

کمرے میں پلنگ ایک دیوار کے ساتھ ایستادہ تھا اور پلنگ کے نیچے کا فرش کھدا ہوا تھا۔ آبنوسی رنگ کی لکڑی کا ایک تابوت آدھا اس گڑھے کے اندر تھا اور آدھا باہر۔ تابوت مٹی سے اٹا ہوا تھا۔

اس مکان میں فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ بڑی گہری نیند میں ہوتے ہیں لیکن فائرنگ کی آواز تو بعض اوقات مردوں کو بھی جگا دیتی ہے۔ آس پاس کے مکانوں میں کچھ لوگ فائرنگ کی آواز سن کر جاگ گئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کوئی صورتحال معلوم کرنے کے لئے مکان سے باہر بھی آجائے اس لئے ہمارا جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔

میں نے حریری کو اشارہ کیا۔ اس نے سدرشن پر پستول تان لیا۔ وہ میرا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے سدرشن جھک کر ہمارے ساتھ تابوت کو گڑھے سے باہر کھینچنے لگا۔

تابوت بہت وزنی تھا ہم تینوں اسے کندھوں پر اٹھا کر مکان سے باہر آگئے۔ حریری ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔

رات اپنے آخری پہر سے گزر چکی تھی۔ تاریکی دم توڑ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد فجر کی اذان ہونے والی تھی۔ نماز پڑھنے والے عام طور پر منہ اندھیرے ہی اٹھ جایا کرتے ہیں۔ اندیشہ تھا کہ کسی گلی میں کسی ایسے آدمی سے سامنا نہ ہوجائے لیکن خیریت گزری۔ ہم چھ تک والی گلی سے نکل کر تیز تیز چلتے ہوئے اپنی وین کے قریب آگئے۔

تابوت زمین پر رکھ دیا گیا اور خورشید وین کا پچھلا دروازہ کھول کر آمنے سامنے کی سیٹوں کو فولڈ کرنے لگا۔ تابوت خاصا وزنی تھا میرا کندھا بری طرح دکھ گیا تھا۔ میں نے آج تک کسی جنازے کو کندھا نہیں دیا تھا اور یہ شہزادی خوش قسمت تھی کہ میں نے اس کے جنازے کو نہ سہی، تابوت کو تو کندھے پر اٹھایا تھا۔

سیٹیں فولڈ کر دینے سے وین میں اچھی خاصی جگہ بن گئی تھی۔ ہم تینوں نے تابوت کو اٹھا کر وین کے اندر رکھ دیا۔

”تم جیت گئیں حریری۔“ سدرشن ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس طرح بولا جیسے رخصت ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہو۔

”گاڑی میں بیٹھو۔“ حریری نے اسے پستول سے اشارہ کیا۔ ”ابھی تو تمہارا حساب کرنا ہے۔“

”میرا خیال ہے اب کوئی حساب نہیں رہ گیا۔“ سدرشن بولا۔ ”میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ اس شہزادی کو تم نے دریافت کیا تھا۔ چوری ہونے کے بعد یہ دوبارہ تمہارے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس پر اب صرف اور صرف تمہارا حق ہے تم اس کا سودا کرنے میں آزاد ہو۔“

”لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں بھی کچھ حصہ دیا جائے۔ گاڑی میں بیٹھو۔ ہم اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں گے۔“ حریری نے کہا اور مجھے اور خورشید کو بھی گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خورشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ حریری پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں اور سدرشن تابوت کے قریب بیٹھ گئے۔ وین اسٹارٹ ہو کر حرکت میں آگئی اور چند منٹ بعد ہی گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر دوڑنے لگی۔

دن کا بہت مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔ حریری اپنی سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑ کر بیٹھ گئی۔

”تمہارے خیال میں تمہیں کتنا حصہ ملنا چاہئے سدرشن؟“ وہ سدرشن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تم مذاق کر رہی ہو۔“ سدرشن بولا۔ ”بہتر ہوگا کہ مجھے یہاں اتار دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ بھی ہمارے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔“

”ضرور۔“ حریری نے کہتے ہوئے پستول کا رخ اس کی کھوپڑی کی طرف کر دیا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ میں ایسے شخص کو زندہ نہیں رکھنا چاہتی جس سے مجھے کوئی خطرہ ہو۔“
سدرشن کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن حریری کے پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ گولی سدرشن کی پیشانی میں لگی تھی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پیشانی سے نکلنے والا خون تابوت کو بھی تر کرنے لگا۔

”خورشید! اس موڑ پر گاڑی روکو اور ناجی تم اس حرامی کی لاش کو نیچے پھینک دو۔“ حریری نے بیک وقت ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔

موڑ پر پہنچتے پہنچتے خورشید نے وین کی رفتار کم کر دی۔ اس دوران میں سدرشن کی لاش گھسیٹ کر دروازے کے قریب لا چکا تھا۔ وین جیسے ہی موڑ پر پہنچی میں نے دروازہ کھول کر لاش کو نیچے دھکیل دیا۔ خورشید نے وین کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔

سدرشن کی موت پر مجھے نہ تو حیرت ہوئی تھی، نہ ہی افسوس۔ پی سی میں اس سے پہلی ہی ملاقات میں، میں نے اس سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے حریری کو بلف کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر ہمیں دوبارہ پرویز کے مکان پر پہنچنے میں آدھے گھنٹے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ ممی کو لے جا چکا ہوتا یا مقابلے میں ہم اس کے قابو آجاتے تو وہ بھی ہمارا یہی حشر کرتا۔ بڑی جب بہت بڑی ہو تو حریف کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ انسانی زندگی تو ایسے کسی کھیل میں ویسے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ سڑکوں پر آمدورفت شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت ہماری وین تیز رفتاری سے روڈ پر

لسبیلہ چوک کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"کس طرف جانا ہے میڈم؟" خورشید نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چار نمبر۔" حریری نے مختصر سا جواب دیا۔

اس چار نمبر کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خورشید نے لسبیلہ چوک سے وین کا رخ بائیں طرف موڑ دیا۔ وین تیز رفتاری سے گولیمار، ناظم آباد چورنگی سے سیدھی نکل گئی۔ غالب لائبریری والے چوک سے آگے ایک سڑک عباسی شہید اسپتال کی طرف مڑ گئی تھی جبکہ ایک اور سڑک دائیں طرف ناظم آباد نمبر چار کی طرف مڑ جاتی تھی۔ خورشید نے وین اس طرف موڑ لی۔

ناظم آباد نمبر چار رہائشی علاقہ تھا۔ دو سو چالیس اور چار سو گز کے بنگلے تھے۔ مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے خورشید نے وین ایک بنگلے کے سامنے روک لی۔ انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اترا اور جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر بنگلے کا گیٹ کھولنے لگا۔ اس دوران حریری اپنی جگہ سے ہٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ چکی تھی۔ گیٹ کھلتے ہی اس نے وین آگے بڑھا دی۔

خورشید نے برآمدے والا دروازہ بھی کھول دیا اور پھر ہم تینوں بڑی مشکل سے اس تابوت کو وین سے اتار کر اندر لے آئے۔ کچھ دیر دم لینے کے بعد خورشید نے ایک کمرے میں تہہ خانے کا راستہ کھول دیا اور ہم تینوں نے مل کر تابوت کو اس تہہ خانے میں پہنچا دیا۔

خورشید نے ایک کپڑا لے کر تابوت صاف کر دیا۔ آبنوسی رنگت کی بہت مضبوط لکڑی کا اور بہت خوبصورت تابوت تھا۔ اس پر وہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے جو میں ویڈیو فلم میں دیکھ چکا تھا۔ تابوت کے ڈھکنے پر شیشہ لگا ہوا تھا جس سے تابوت میں شہزادی کی ممی نظر آ رہی تھی۔ میں اس ممی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ شہزادی ڈھائی ہزار سال پہلے اپنی زندگی میں یقیناً بہت حسین رہی ہوگی۔

میں حریری کے قریب کھڑا تھا اور خورشید تابوت کے دوسری طرف ایستادہ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"مبارک ہو میڈم۔" اس نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا تھا۔ میرے خیال میں اس سے یہ حرکت غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی۔

لیکن حریری مجھ سے زیادہ ذہین ثابت ہوئی۔ اس نے خورشید کو ہاتھ جیب سے نکالتے ہوئے دیکھ لیا۔ میری نظریں اچانک ہی اس طرف اٹھ گئیں اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا حریری نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول نکال کر فائر کر دیا۔

گولی خورشید کے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر لگی۔ وہ چیخ کر گرا۔ وہ اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا لیکن گولی کھا کر گرا تو پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے کبھی خورشید کی لاش اور کبھی حریری کو دیکھ رہا تھا۔ حریری اب بھی پرسکون تھی۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اگر میں اسے نہ مارتی تو یہ ہمیں مار دیتا۔" وہ بولی۔

"یہ بہت گندا کھیل ہے۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے چاق و چوبند رہنا پڑتا ہے۔ معمولی سی

غفلت زندگی کو موت کے کنویں میں دھکیل دیتی ہے۔ آج ہی رات میں کئی مثالیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ سدرشن کا داؤ چل جاتا تو وہ ہمارا وجود ختم کر دیتا اور خورشید کو چند لمحوں کی مہلت مل جاتی تو وہ ہماری لاشیں یہاں گرا دیتا۔"

"لیکن تم دونوں تو پرانے ساتھی تھے؟" میں نے کہا۔

"ساتھ نیا ہو یا پرانا لیکن جب ایسی کوئی دیوار بیچ میں آ جائے تو سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔" حریری نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تابوت تو بہت قیمتی ہے۔ کئی ملین ڈالرز یہاں تو چند روپوں کے لئے گلا کاٹ دیا جاتا ہے۔ بہرحال، چلو اب چلیں۔ میں بہت تھک چکی ہوں۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے مجھے ایک اور کام بھی کرنا ہے۔"

"اور یہ لاش؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہیں پڑی رہے گی۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔" حریری نے جواب دیا۔

ہم تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ حریری نے تہہ خانے کا راستہ بند کر دیا۔ برآمدے والے دروازے کو تالا لگا کر چابیوں کا گچھا جیب میں ڈال لیا اور وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر باہر والا گیٹ کھول دیا۔ گاڑی باہر نکلنے کے بعد میں نے گیٹ بند کر دیا۔ آٹومیٹک لاک خود بخود بند ہو گیا تھا۔

اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا۔ نرم دھوپ پھیل رہی تھی۔ گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ حریری واپسی کے لئے بھی وہی راستہ اختیار کرے گی جس طرف سے ہم آئے تھے لیکن اس نے وین دوسری طرف موڑ دی تھی۔

لوکل ریلوے لائن کے ساتھ بجلی آبادی کے بیچ سے گزرتے ہوئے ہم ضیاءالدین اسپتال کی طرف نکل گئے۔ وہاں سے کریم آباد کی طرف اور کریم آباد کے چوک سے وین عائشہ منزل کی طرف مڑ گئی۔

حریری کو گاڑی چلاتے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شہر کی سڑکوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ میں نے اس بنگلے کے بارے میں دریافت کیا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"یہ بنگلہ میں نے تابندہ کے توسط سے ایک سال پہلے اس وقت کرائے پر لیا تھا جب میں خود بندرعباس میں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "خورشید اور کمال یہاں رہ رہے تھے۔ کراچی آنے کے بعد میں رنگا سے چوری کئی مرتبہ یہاں آ چکی ہوں۔"

"تابندہ کو بھی معلوم ہوگا؟" میں نے دریافت کیا۔

"نہیں۔" حریری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میرے ایک دو ٹھکانے ایسے ہیں جن کے بارے میں تابندہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا بلکہ ایک ٹھکانہ تو ایسا ہے جو تابندہ کو بھی معلوم نہیں۔"

"کیا تمہیں تابندہ پر بھی اعتماد نہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بات اعتماد کی نہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "اس بزنس میں رازداری بہت اہمیت رکھتی ہے اور پھر میں اس اصول پر کاربند ہوں کہ اندھے بھی ایک ٹوکری میں نہ رکھے جائیں اور پھر یہ معاملہ تو تم

اندازہ لگا چکے ہو کہ کتنا اہم ہے۔"

میں جواب دینے کے بجائے سامنے سڑک پر دیکھتا رہا۔ وین عائشہ منزل کے چوراہے سے ونگیری کی طرف مڑ گئی تھی۔

کوٹھی کا گیٹ تابندہ ہی نے کھولا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ رات بھر نہیں سوئی تھی۔ کمال، پرویز کے ساتھ اس وقت بھی تہہ خانے میں تھا۔ حریری رکے بغیر تہہ خانے میں آ گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

پرویز فرش پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ زخمی ہاتھ خون آلود پٹی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ آیا۔

"کیا رہا میڈم؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے حریری کی طرف دیکھا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ وہ گمشدہ شہزادی طویل عرصے بعد مجھے دوبارہ مل گئی۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں۔ اب مجھے تمہاری خدمات کی مزید ضرورت نہیں رہی اس لئے یہاں سے ہمارے راستے الگ ہو جاتے ہیں۔ خورشید کو میں نے رخصت کر دیا ہے اور اب تمہیں بھی خدا حافظ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں میڈم!" کمال کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"میں سمجھاتی ہوں۔" حریری نے کہتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ سامنے کر دیا۔

حریری کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر کمال کی جو حالت ہوئی سو ہوئی، میرا دماغ بھی چکرا گیا۔ کمال کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ دوسرے ہی لمحے تہہ خانہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولی کمال کی آنکھوں کے عین وسط میں پیشانی میں پیوست ہوئی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

دوسری گولی فرش پر پڑے ہوئے پرویز کی پیشانی پر لگی تھی۔ وہ بھی گرد آلود فرش پر لوٹنے لگا۔

میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کتنی پرسکون تھی وہ۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اب میں مطمئن ہوں۔" وہ بولی۔ "میری گمشدہ شہزادی مجھے واپس مل گئی ہے۔ مجھے بھی سکون مل گیا۔ آؤ اب اوپر چلیں۔ میں تھک گئی ہوں۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔ بہت عرصے بعد گہری نیند سوؤں گی۔"

میں سحر زدہ سے انداز میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اوپر آ گیا۔ میں نے جو کچھ بھی دیکھا تھا اس پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ آج رات میں نصف درجن افراد ہلاک ہوئے تھے اور ان میں سے چار تو ایسے تھے جنہیں حریری نے اپنے ہاتھوں سے گولی مار کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور وہ کس قدر پرسکون تھی۔ اس طرح مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ کتنی معصوم تھی وہ اور کتنی سنگدل اور بے رحم تھی۔ چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بھی اس کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اوپر آ کر اس نے تابندہ کو ناشتہ تیار کرنے کو کہا اور اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور باتھ روم میں گھس کر شاور کھول دیا۔

میرا دماغ سلگ رہا تھا۔ اعصاب میں شدید تناؤ تھا۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے کھڑا رہا۔

لباس تبدیل کر کے کمرے سے نکلا تو ٹھیک اسی وقت حریری بھی زینے سے اتر رہی تھی۔ اس نے شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پچھلے چند گھنٹوں کے دوران چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔

تابندہ کی ملازمہ کچن میں تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ رات بھر میں اس کوٹھی میں کیا ہو چکا تھا۔ تابندہ کچن سے چیزیں اٹھا اٹھا کر میز پر رکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

ناشتہ کرتے ہوئے میں بار بار حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اب وہ پہلے جیسی حریری لگ رہی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مشن کے دوران اس کے سکون و اطمینان میں ایک لمحہ کو بھی فرق نہیں آیا تھا۔

ناشتے کے دوران ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس سے یہ تاثر ملتا کہ وہ پریشان یا خوفزدہ ہے۔ اس کے برعکس وہ بڑے مطمئن لہجے میں تابندہ کو شہزادی کی ممی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ تابندہ بھی ہوں ہاں میں جواب دیتی اور کبھی محض سر ہلا کر رہ جاتی۔

اس وقت میں نے تابندہ میں ایک خاص بات نوٹ کی تھی۔ پہلے وہ خوب چہکا کرتی تھی لیکن اب خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد حریری فوراً ہی اٹھ گئی۔

"بھئی میں تو سونے جا رہی ہوں۔ مجھے شام تک کوئی نہ جگائے۔ بہت تھک گئی ہوں۔ آج کا دن خوب آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں کچھ دیر ڈائننگ ٹیبل پر تابندہ کے پاس بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ لیکن اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔

کمال اور خورشید، حریری کے پرانے ساتھی تھے لیکن وہ ممی قبضے میں آتے ہی حریری نے انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ حریری کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ "یہ بہت گندا کھیل ہے۔ انسان کو چاق و چوبند رہنا پڑتا ہے۔ موقع ملتے ہی اپنے حریف کو ختم کر دو ورنہ وہ تمہیں مار ڈالے گا۔" لیکن کمال اور خورشید تو اس کے حریف نہیں تھے لیکن حریری نے انہیں بھی ختم کر دیا تھا اور اس کے اس قتل کے پیچھے وہ دولت تھی جو شہزادی کی ممی کی فروخت سے ملنے والی تھی۔

میں حریری کا حریف نہیں تھا۔ اس سے تعلقات بھی زیادہ پرانے نہیں تھے۔ ممی والے مشن کے سلسلے میں اس نے خود ہی مجھے پندرہ فیصد پر پارٹنر شپ کی پیشکش کی تھی۔ میرا کمیشن بھی کروڑوں ڈالر بنتا تھا۔ کیا حریری اپنے وعدے پر قائم رہے گی اور ممی کی فروخت سے رقم ملنے کے بعد مجھے بھی اپنے ساتھ ایران لے جائے گی یا کمال اور خورشید کی طرح مجھے بھی گولی کا نشانہ بنا دے گی؟

یہ بھیانک خیال آتے ہی میں نے اٹھ کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور بستر پر گرتے ہی نیند

کی آغوش میں پہنچ گیا۔

بیدار ہوا تو شام ڈھل چکی تھی۔ میں کچھ دیر تک بیڈ پر ہی پڑا اینٹھتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی سے نہا کر کسلمندی بڑی حد تک دور ہوگئی لیکن دماغ میں ابھی تک ہلکی سی سنسناہٹ موجود تھی۔

میں کمرے سے باہر آیا تو تابندہ صوفے پر نیم دراز اخبار پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سیدھی ہوگئی۔ اس کے قریب ہی ملازمہ قالین پر پھسکڑا مارے بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ تابندہ نے اسے چائے بنانے کے لئے کہا اور اخبار میری طرف بڑھا دیا۔

ملازمہ اپنا تام جھام سمیٹ کر کچن میں چلی گئی اور میں اخبار لے کر تابندہ کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

یہ اردو کا ایوننگ پیپر تھا جو سنسنی پھیلانے میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ معمولی سی خبر کو بھی اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا کہ پڑھنے والا کانپ کر رہ جاتا لیکن آج کی خبریں تو واقعی سنسنی خیز تھیں اور لگتا تھا کہ قتل و غارت کی ان خبروں کے علاوہ اس اخبار کو کوئی اور خبر ملی ہی نہیں تھی۔

ہیڈ لائن لی مارکیٹ میں محمد بخش عرف پرویز کے گھر میں ملنے والی تین لاشوں کے حوالے سے تھی۔ اس خبر میں کمرے میں کھدے ہوئے گڑھے کا بھی حوالہ تھا۔ اس کے ساتھ تین کالموں پر مشتمل تصویر اس مکان کے قریب گلی میں پائی جانے والی سدرشن کی لاش کے حوالے سے تھی۔ ایک اور تین کالمی سرخی سدرشن کے حوالے سے تھی جس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔

پہلا اور آخری صفحہ انہی خبروں اور تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ رپورٹروں نے ان خبروں کے ذریعے سنسنی پیدا کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال کی تھیں۔ کچھ ایسے لوگوں کے بیانات بھی شائع کئے تھے جو ان واقعات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان بیانات کو پڑھ کر صاف لگتا تھا کہ یہ رپورٹروں کے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ کسی شخص نے ہمیں آتے جاتے یا لاشیں گراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ایک رپورٹر البتہ بڑی دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس نے ذاتی تجزیے کے مطابق سدرشن، خورشید اور محمد بخش نوادرات کے ناجائز کاروبار سے وابستہ تھے اور ان کے نام پہلے ہی سے مشتبہ افراد کی لسٹ پر موجود تھے۔ اس رپورٹر نے اپنے تجزیے میں ڈھائی ہزار سال پرانی شہزادی کی اس ممی کا بھی حوالہ دیا تھا جس کا چرچا تقریباً ایک سال پہلے سنا گیا تھا۔ محمد بخش کے مکان کے ایک کمرے میں اس گڑھے کو بنیاد بناتے ہوئے رپورٹر نے اس شبے کا اظہار کیا تھا کہ ممی کا تابوت وہاں دفن تھا جسے نکال کر کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا۔ رپورٹر نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اس قتل و غارت کے پیچھے محمد بخش کا ہاتھ ہو سکتا ہے جو ممی والا تابوت لے کر غائب ہو گیا تھا۔

اس رپورٹر کا تجزیہ بڑی حد تک درست تھا۔ اس کی سوچ صحیح رخ پر تھی لیکن محمد بخش کے حوالے سے وہ ذرا بھٹک گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے سامنے جو صورت حال تھی وہ اس سے یہی نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔

ایک خبر میں جمیلہ نامی اس طوائف کا بھی تذکرہ تھا۔ اس خبر میں بعض لوگوں کے بیانات کے

حوالے سے بتایا گیا تھا کہ گزشتہ رات محمد بخش کو آخری بار جمیلہ نامی اس طوائف کے ساتھ دیکھا گیا تھا جسے وہ آدھی رات کے وقت نور ہوٹل سے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ پولیس کو جمیلہ کی بھی تلاش تھی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اخبار نے پوری تگلت میں نوادرات کی اسمگلنگ کے حوالے سے ایک مختصر اداریہ بھی لکھ ڈالا تھا۔ اس اداریے کے مطابق قیمتی نوادرات طویل عرصے سے پاکستان سے باہر اسمگل کئے جا رہے تھے۔ پاکستان کا یہ ثقافتی ورثہ جس طرح لوٹا جا رہا تھا اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی تھی۔ نوادرات کی اسمگلنگ میں متعلقہ محکموں کے بعض اعلیٰ حکام کو ملوث کرتے ہوئے اخبار نے مطالبہ کیا تھا کہ اعلیٰ سطح پر اس واقعے کی تحقیقات کرائی جائے اور شہزادی کی ڈھائی ہزار سال پرانی اس ممی کا سراغ لگایا جائے جو پاکستان کے ثقافتی ورثے میں نہ صرف اہم اضافہ ثابت ہو سکتی ہے بلکہ یہ ڈھائی ہزار سال قدیم تاریخ کا کھوج لگانے میں بھی مددگار ثابت ہوگی۔

ملازمہ چائے لے کر آ گئی۔ میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور تابندہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک لاش کے لئے اتنی قتل و غارت ہو سکتی ہے۔“ تابندہ نے اپنا کپ اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تو حریری کو دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ماضی میں اس کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئی ہیں لیکن یہ نازک اندام اور معصوم سی لڑکی اس قدر سفاک اور بے رحم ثابت ہوگی۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔“

تابندہ کی اس بات نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ حریری کی ان سرگرمیوں سے خوش نہیں تھی۔

”کیا تم پہلے سے یہ سب کچھ نہیں جانتی تھیں؟“ میں نے پوچھا۔

”میں اتنا جانتی تھی کہ وہ نوادرات کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ لیکن یہ قتل و غارت! میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ انسان دولت کے لئے اس قدر خونخوار درندہ بن سکتا ہے مجھے تو تمہاری دوست نرگس کی موت پر بھی بہت دکھ ہوا تھا۔ میں تو تمہیں بھی سمجھانا چاہتی تھی کہ منشیات کے دھندے سے الگ ہو جاؤ۔ راکا اور حریری والا قصہ ختم ہو جانے پر میں بہت خوش ہوئی تھی کہ اب یہ قصہ ختم ہو گیا۔ میں تم سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا اور اب یہ سب کچھ دیکھ کر میرے تو حواس مختل ہوئے جا رہے ہیں۔ دولت کی ہوس نے اس معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کو بھی درندہ بنا دیا ہے۔“

”میرا خیال ہے یہ سب کچھ دولت کے لئے نہیں ہے۔“ میں نے تابندہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ ”حریری کے باپ اور پھر اس کی ماں کو بھی ایک معمولی سی مورتی کے لئے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور پھر خود حریری کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے۔ انتقام اس کے لاشعور میں بس گیا تھا اور اس نے جو کچھ بھی کیا......“

”شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔“ تابندہ نے میری بات کاٹ دی۔

”لیکن کیا تم......“ وہ کہتے کہتے خاموش ہو کر میرے پیچھے زینے کی طرف دیکھنے لگی۔

میں نے بھی گھوم کر دیکھا اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ حریری زینے سے

اتر رہی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی جس کے پائنچے پنڈلیوں تک تھے اور پنڈلیوں سے چپکے ہوئے تھے۔ جسم کے بالائی حصے پر اس نے نہایت مختصر سا بلاؤز پہن رکھا تھا جس کے اوپر اوپن شرٹ تھی۔ شرٹ پر کوئی بٹن وغیرہ نہیں تھا۔ درمیان میں سامنے سے کھلا ہوا تھا جس کے دونوں کناروں پر ایک انچ چوڑی اور چار چار انچ لمبی پٹیاں لگی ہوئی تھیں جنہیں بو تائی کی طرح گرہ لگا دی گئی تھی۔ شرٹ سامنے سے پوری طرح کھلی ہوئی تھی اور اس کے اندر قیامت کا جو منظر تھا وہ ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر خراماں خراماں چلتی ہوئی ہمارے قریب رک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”آج میں بہت خوش ہوں۔“ وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ”اس خوشی میں تم دونوں کو میری طرف سے دعوت ہو گی۔ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ نو بجے یہاں سے نکلیں گے۔“

”تہہ خانے میں پڑی ہوئی لاشوں کا کیا کرنا ہے؟“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اگر انہوں نے بو چھوڑ دی تو.....“

”ان لاشوں کو بھی آج رات ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔“ حریری نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا جیسے اسے زیادہ پریشانی نہ ہو۔

تابندہ نے ملازمہ سے چائے کے لئے کہہ دیا۔ حریری نے میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔ وہ اردو بول تو بہت اچھی سکتی تھی لیکن پڑھ نہیں سکتی تھی۔ مگر تصویریں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

”یہ..... یہ کیا لکھا ہے۔ مجھے پڑھ کر سناؤ۔“ اس نے اخبار میرے سامنے کر دیا۔

”میں پڑھ چکا ہوں۔ تمہیں زبانی بتا دیتا ہوں۔“ میں نے کہا اور اسے اخبار کی خبروں کے بارے میں بتانے لگا۔

”ہوں۔“ اس نے ہنکارا بھرا۔ ”ابھی انہیں محمد بخش پر شبہ ہے لیکن جب محمد بخش کی لاش ملے گی تو کہانی کا رخ بدل جائے گا۔“

”اب تو کئی کہانیاں جنم لیں گی۔“ میں نے کہا۔ ”ان خبروں میں شہزادی کی ممی کا ذکر بھی آیا ہے اور میرا خیال ہے اب پولیس بہت سرگرم ہو جائے گی اور.....“

”اس کی تم فکر مت کرو۔“ حریری نے میری بات کاٹ دی۔ ”اب تک ہم پولیس کو چکمہ دیتے آئے ہیں۔ اب بھی پولیس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ مشکل وقت گزر چکا ہے۔ اب تو راوی ہماری قسمت میں عیش ہی عیش لکھتا ہے۔“

ملازمہ ان کے لئے چائے لے کر آ گئی اور اس کے ساتھ ہی ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔

ہم لوگ نو بجے گھر سے نکلے تھے۔ آدھے گھنٹے میں شاہراہ فیصل پر واقع اس قلعہ ریسٹورنٹ پہنچ گئے۔ اس ریسٹورنٹ کی ڈشیں خاصی شہرت رکھتی تھیں۔ سروس بھی عمدہ تھی۔

گیارہ بجے ہم ریسٹورنٹ سے باہر نکلے۔ حریری تفریح کے موڈ میں تھی۔ وہ کار کو شہر کی مختلف

سڑکوں پر گھماتی رہی اور جب گھر پہنچے تو رات کا ایک بج چکا تھا۔

ملازمہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تابندہ نے اسے چھٹی دے کر سرونٹ کوارٹر میں بھیج دیا اور ہم بوریاں لے کر تہہ خانے میں اتر گئے۔ لاشیں اگرچہ صبح سے یہاں پڑی تھیں لیکن تہہ خانے کی فضا میں کسی قدر خنکی تھی۔ لاشوں پر کوئی برا اثر نہیں پڑا تھا۔

دونوں لاشوں کو بوریوں میں ٹھونسنے اور انہیں تہہ خانے سے نکال کر کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی وین میں منتقل کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

حریری نے حسب معمول اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر تابندہ بیٹھ گئی اور میں پچھلی سیٹ پر بوریوں کے قریب بیٹھ گیا۔

وین مین روڈ پر آ کر گلشن چورنگی پار کر کے سیدھی دوڑتی رہی۔ اس سڑک کے اختتام پر حریری نے وین ابوالحسن اصفہانی روڈ پر دائیں طرف موڑ لی اور سفاری پارک کے قریب اسے یونیورسٹی روڈ پر بائیں طرف موڑ دیا۔

گلستان جوہر ان دنوں انڈر ڈویلپمنٹ تھا۔ ایک دور افتادہ سڑک پر مڑ کر دونوں بوریاں نیچے گرا دی گئیں اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وین راشد منہاس روڈ پر نکل آئی۔

نیپا چورنگی سے ذرا پہلے ریلوے کراسنگ کے قریب پولیس کی ایک پارٹی نے ہمارا راستہ روک لیا۔ پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر حریری سے سوال جواب کرتا رہا۔ حریری نے بتایا کہ ہم شادی کی ایک تقریب سے لوٹ رہے ہیں۔ پولیس آفیسر وین کی تلاشی لینے پر بضد تھا۔ حریری نے انجن بند کر دیا اور بڑبڑاتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ تابندہ اور میں بھی نیچے آ گئے۔ ایک کانسٹیبل وین میں گھس گیا۔ اس نے سیٹوں کے نیچے تک کی تلاشی لی اور پھر باہر آ گیا۔ اپنا اطمینان ہو جانے کے بعد آفیسر نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

وین حرکت میں آ گئی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر گلستان جوہر کی طرف جاتے ہوئے پولیس کی کوئی پارٹی ہمیں روک لیتی اور تلاشی لی جاتی تو ہمیں بچاؤ کا کوئی راستہ نہ ملتا۔

کوٹھی پر واپس پہنچے تو تین بج چکے تھے۔ اب میں کسی قدر مطمئن تھا۔ لاشوں سے نجات مل چکی تھی۔ کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں اگرچہ عروج پر تھیں لیکن ہمارے لئے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔

گھر آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ دروازہ اندر سے لاک کر کے میں نے جوتے اتار کر پھینکے اور لباس تبدیل کئے بغیر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازے پر بہت ہلکی دستک سن کر میں چونک گیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ تابندہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ مجھے کچھ کہے بغیر مجھے ایک طرف ہٹا کر اندر آ گئی اور دروازہ بڑی آہستگی سے بھیڑ دیا۔ اس پر کچھ گھبراہٹ سی طاری تھی۔

”نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم سے گپ شپ میں کچھ وقت گزارا جائے۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب

تو نہیں کیا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بالکل نہیں۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ بیٹھ جاؤ۔" میں نے اس کے لئے کرسی سیدھی کر دی۔

تابندہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس نے اگرچہ منہ ہاتھ دھولیا تھا لیکن چہرے پر میک اپ کے اثرات ابھی تک باقی تھے۔ تابندہ کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس کا جسم بے حد پرکشش اور چہرہ بڑا جاذب نظر تھا۔ میک اپ کے بغیر بھی وہ بڑی حسین لگتی تھی اور اس وقت وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ کرسی پر ٹک گئی اور میں اس کے سامنے پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"میں دراصل کئی روز سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میری کوئی بات اگر بری لگے تو اسے نظر انداز کر دینا۔ ویسے میں جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہوں گی۔"

"میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ویسے آج شام اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ حریری سے کچھ بددل ہو گئی ہے۔

"خود تمہاری باتوں سے تمہارے بارے میں جو کچھ جان سکی ہوں اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تمہیں زبردستی جرائم کے راستے پر دھکیلا گیا ہے۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئی بولی۔

"ظاہر ہے خوشی سے کوئی بھی شخص اس راستے پر نہیں آتا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں یہ بھی ماننے کو تیار ہوں کہ کسی کو کوئی مجبوری اس طرف لے آتی ہے تاہم بھی کبھار انسان حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ میرا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں....."

"میں سمجھ رہی ہوں۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "لیکن اب تمہارے حالات بھی تو پہلے جیسے نہیں رہے۔ بقول تمہارے تحریکی تمہارا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن اب اس سے بھی تمہاری مفاہمت ہو چکی ہے۔ تم اگر چاہو تو اپنا راستہ بدل کر سکون اور اطمینان کی زندگی گزار سکتے ہو۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "جو شخص گردن تک جرائم کی دلدل میں دھنسا ہوا ہو وہ....."

"میں اس دلدل سے نکلنے میں تمہاری مدد کروں گی۔" اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی اور میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

اور پھر رات کا باقی حصہ ایسی ہی باتوں میں گزر گیا۔ میں کئی روز سے اس کوٹھی میں تابندہ کے ساتھ رہ رہا تھا حریری کے آنے سے پہلے میں اس کے ساتھ اکیلا ہی رہتا تھا۔ ہم رات گئے آمنے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ نہ کبھی میرے دل میں اس کے بارے میں ایسی کوئی بات آئی تھی اور نہ ہی کبھی اس نے ایسی کوئی حرکت کی تھی جس سے مجھے کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع ملتا۔ پہلے بھی وہ دبے چھپے الفاظ میں ایسی باتیں کرتی رہی تھی اور آج تو اس نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی تھی جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ لیکن میں نے کوئی بات واضح طور پر نہیں کی۔

میرے دل و دماغ پر تو حریری چھائی ہوئی تھی۔ عجیب بات تھی کہ دل میں شدید خواہش ہونے کے باوجود میں نے کبھی اس کی طرف پیش رفت کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں حریری کے حوالے سے صورتحال کو یوں ہی قائم رکھنا چاہتا تھا تاکہ میرے دل میں تجسس برقرار رہے۔

اس رات تابندہ کی باتوں سے میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے حریری سے دور رکھنا چاہتی ہے۔

اس سے اگلے روز رات کو حریری پھر باہر جانے کو تیار ہو گئی۔ میں انکار نہیں کر سکا۔ تاہم تابندہ بڑی مشکل سے ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوئی تھی۔

ہم رات ایک بجے تک ہوٹل شیرٹن کی رونق میں گم رہے۔ گھر آتے ہی تابندہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں دیر تک حریری کے کمرے میں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

حریری نے ٹھیک کہا تھا۔ راوی ہمارے لئے عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ ہم دن بھر کوٹھی میں پڑے یا تو سوتے رہتے یا تاش یا کیرم بورڈ کھیلتے۔ تابندہ دن میں دو تین گھنٹوں کے لئے اپنے دفتر بھی چلی جاتی۔ دن میں حریری باہر نہیں نکلتی تھی۔ تاہم میں نے کئی مرتبہ اسے فون پر مختلف لوگوں سے باتیں کرتے سنا تھا۔ وہ بعض غیر ملکی پارٹیوں سے شہزادی کی ممی کا سودا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ چوتھا روز تھا۔ میں اور حریری شیرٹن دربار ہال میں بیٹھے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے کہ ایک مرد اور ایک عورت کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ عورت جوان تھی۔ اس نے سیلولیس بلاؤز اور ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس کا ساتھی اگرچہ ادھیڑ عمر تھا لیکن اس کی صحت قابل رشک تھی۔ سرخ و سفید رنگت پر عربی لباس بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سر پر سرخ چمکدار اسکارف تھا جس پر سیاہ رنگ کی مخصوص ڈوری بھی لپٹی ہوئی تھی۔ شکل و صورت اور لباس سے وہ کوئی عرب شیخ لگتا تھا لیکن وہ کوئی عرب شیخ نہیں تحریکی تھا۔

تحریکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ہماری میز کے قریب آ کر رک گئے۔ ان کے استقبال کے لئے ہمیں اٹھنا پڑا۔ میں کسی ہنگامے کی بو سونگھ رہا تھا لیکن توقع کے برعکس تحریکی نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ دونوں بلاتکلف ہماری سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حریری نے ویٹر کو طلب کر کے ان کے لئے بھی کافی منگوالی۔

"ہماری یہ ملاقات محض اتفاق ہے۔" تحریکی نے کہا۔

"لیکن اگر بزنس کی بات ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

"بزنس کی کوئی بات نہیں ہوگی تحریکی۔" میں نے جواب دیا۔ "ہماری یہ ملاقات اتفاق ہے، اسے اتفاق ہی رہنے دو۔ میرے بارے میں اگر تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو کھل کر اس کا اظہار کر دو۔"

"تمہارے لئے میرے دل میں صرف ایک ہی بات ہے۔ یعنی وہ پیشکش اب بھی برقرار ہے۔" تحریکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"سوری تحریکی۔ میں تمہاری یہ پیشکش قبول نہیں کر سکتا۔ میں واقعی اس بزنس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ویسے میرا تجربہ ہے کہ جرائم کی دنیا میں آنے کے بعد کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔" تحریکی

نے کہا۔ ''یہاں آنے کے راستے تو بہت ہیں، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ جب کوئی نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے سامنے بہت اونچی دیواریں کھڑی کردی جاتی ہیں اور جانتے ہو یہ دیواریں کھڑی کرنے والے کون ہوتے ہیں؟''

''کون؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''قانون کے محافظ۔'' تحریکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''جرائم پیشہ لوگ اندھیروں سے نکل کر آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں تو قانون کے محافظوں کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے اور پھر ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تو ہم جیسے لوگ ہی ہیں۔ ہم اگر سارے دھندے چھوڑ کر شرافت کی زندگی اپنالیں تو بیچارے تو بھوکے مرجائیں گے۔ اس لئے قانون کے یہ محافظ بھی نہیں چاہیں گے کہ ہم لوگ اس دھندے سے نکل سکیں۔''

''میں نکلنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے کہا اور پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے بولا۔ ''اس رات کیا ہوا تھا۔ اگلے روز مجھے پتا چلا تھا کہ رنگا نے تم پر حملہ کردیا تھا؟''

سوال کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن خودبخود تیز ہوگئی تھی۔

''ہونا کیا تھا۔'' تحریکی مسکرادیا۔ ''میرا مال پکڑا گیا تھا۔ دو آدمی مارے گئے تھے۔ مجھے بھی گولی لگی تھی اور رضیہ بھی زخمی ہوئی تھی۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''رنجبرز کی مداخلت کی وجہ سے کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی تھی اور یہ پریشانی بھی صرف تین دن رہی تھی۔ چوتھے روز مال میری کوٹھی پر پہنچ گیا تھا اور ہمارا پیچھا بھی چھوڑ دیا گیا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ تحریکی کو ہم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور سارا الزام رنگا پر گرا تھا۔

''رضیہ نے میرے خلاف بہت سخت بیان دیا تھا۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ بے وقوف عورت تمہیں اب بھی بہت چاہتی ہے۔'' تحریکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ اب بھی یہی چاہتی ہے کہ تم اس کے ساتھ رہو۔''

''لیکن یہ اب ممکن نہیں ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ویسے اب وہ کیسی ہے؟ میرا مطلب ہے اسے بھی گولی لگی تھی۔''

''وہ دو دن پہلے لاہور جاچکی ہے۔'' تحریکی نے جواب دیا اور پھر حریری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے اپنے دشمنوں کا جس طرح صفایا کیا ہے اس پر تم مبارکباد کی مستحق ہو۔ اگر تمہیں ابھی تک اپنے مال کا گاہک نہیں مل سکا یا کوئی دشواری پیش آرہی ہو تو میں تمہیں ایک آدمی کا پتہ بتا سکتا ہوں۔'' اس نے اپنے لباس کی اندرونی جیب سے پھولا ہوا ویلٹ نکالا۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ کچھ کاغذات اور وزیٹنگ کارڈز بھی تھے۔ اس نے ایک کارڈ نکال کر دیکھا اور حریری کی طرف بڑھادیا۔ ''منصور دبئی میں بزنس کرتا ہے۔ پچھلے دنوں وہ کراچی بھی آیا ہوا تھا لیکن مایوس ہوکر واپس چلا گیا۔ تم اگر مناسب سمجھو تو روزاس سے رابطہ کرلینا۔ وہ تمہیں اچھی قیمت دلادے گا۔''

اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ بہت باخبر آدمی تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ وہ مال ابھی حریری کے قبضے میں ہے اور حریری اس کی معلومات کو چیلنج نہیں کرسکتی تھی۔ اس طرح ایک لمبی بحث چل نکلتی۔ حریری نے خاموشی سے کارڈ لے کر دیکھے بغیر اپنے پرس میں رکھ لیا۔

تحریکی تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔ ہماری یہ ملاقات بڑی خوشگوار رہی تھی۔ اس ایک گھنٹے کی ملاقات کے دوران اس نے نہ تو اپنی ساتھی عورت کا تعارف کرایا تھا اور نہ ہی اس نے ہماری گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کی تھی۔

شیرٹن سے نکل کر کوٹھی کی طرف آتے ہوئے ہم نے اپنے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔ اس کے لئے ہمیں شہر کے بعض علاقوں کے طویل چکر بھی کاٹنے پڑے تھے۔ بالآخر مطمئن ہونے کے بعد حریری نے گاڑی کا رخ گلشن اقبال کی طرف موڑ دیا۔

اس رات ہم ایک بجے کے قریب گھر پہنچے تھے۔ خلاف معمول تابندہ اپنے کمرے میں سوچکی تھی ورنہ روز وہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی ہوتی تھی۔ تابندہ کے معمول کی اس تبدیلی پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ حریری نے بھی معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا۔

''میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ گپ شپ کا موڈ ہو تو اوپر آجانا۔'' حریری کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے میں تحریکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس رات دس کلو ہیروئن کا بیگ اس کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے جو ڈرامہ کیا تھا اور رنجبرز بھی بیچ میں کود پڑے تھے تو مجھے یقین تھا کہ تحریکی کو کچھ عرصے کے لئے اس ملک سے فرار ہونا پڑے گا لیکن آج یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ چوتھے ہی روز قانون کے محافظوں سے اس کا مک مکا ہوگیا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا، دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ تو مجھے بھی تھا کیونکہ میں اس قسم کے تجربات سے گزر چکا تھا۔ یہاں بھی اور ہندوستان میں بھی۔ تحریکی کے پاس تو دولت بھی تھی اور حسین لڑکیاں بھی۔ ہمارے سرکاری آفیسروں کو یہی دو چیزیں سب سے زیادہ مرغوب ہیں۔ دولت اور حسین لڑکیاں پیش کرکے تو ان سرکاری آفیسروں سے کوئی بھی کام نکلوایا جاسکتا ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں اپنے کمرے سے نکلا۔ تابندہ والے کمرے کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا۔ اندر نیلے رنگ کا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے جھانک کر دیکھا۔ تابندہ سو رہی تھی۔ نیلگوں روشنی میں اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ میں آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا اور دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔

حریری شب خوابی کا لباس پہنے بیڈ پر نیم دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سیدھی ہوگئی اور میں معمول کے مطابق بیڈ کے سامنے کوچ پر بیٹھ گیا۔ میری توقع کے عین مطابق ہماری گفتگو کا موضوع تحریکی ہی تھا۔ ہم کافی دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر ہمارا موضوع بدل گیا۔

گفتگو کے دوران ہمارے موضوع بدلتے رہے۔ کبھی رنگا، کبھی ٹیڈی اور کبھی وہ واردات جو ہم نے کی تھی۔ حریری بار بار پہلو بدل رہی تھی اور کچھ ایسی باتیں چھیڑ دیتی۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ میں نے کوچ پر ایک دو مرتبہ پہلو بدلا تو حریری اپنی ٹانگیں سمیٹتے ہوئے

بولی۔

"تم وہاں بے آرام بیٹھے ہو۔ بیڈ پر آجاؤ۔ آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھو۔"

بیڈ کے پیروں کی طرف بھی چند انچ اونچا تختہ لگا ہوا تھا جسے ٹیک کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں معمولی سی جھجک کے بعد بیڈ پر آ گیا اور اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی اگرچہ ٹانگیں سمیٹ رکھی تھیں لیکن کچھ دیر بعد ہی میرے پیر پھیلنے لگے۔

باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ حریری کے پیر بھی پھیلنے لگے تھے۔ گفتگو کے دوران میری نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔ بار بار پہلو بدلتے ہوئے اس کا شب خوابی کا لباس بھی بے ترتیب ہو رہا تھا۔ میں اپنی نظریں ہٹانے کی کوشش کرتا مگر یہ کم بخت نظریں کسی طرح میرے قابو میں نہیں آ رہی تھیں اور جب حریری کے پیر میرے پیروں سے ٹکرائے تو میرے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑتی چلی گئی۔

حریری نے اپنے پیر کچھ اور دراز کر لئے۔ اب میرے پیر کی انگلیاں اس کی گداز اور سڈول پنڈلی کو چھو رہی تھیں۔ میں نے حریری کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے ایک ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے بھی غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حریری کی نازک سی مخروطی انگلیوں نے میری انگلیوں کو گرفت میں لے لیا۔ کچے دھاگے کی طرح یہ رابطہ بڑا مضبوط ثابت ہوا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر حریری کی طرف جا گرا۔

کئی مہینے پہلے حریری کو رنگا کے اڈے پر دیکھ کر میرے دل میں جو شدید ترین خواہش ابھری تھی آج وہ تکمیل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ دماغ میں سنسناہٹ اور پورے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

آج وہ حجاب اٹھ گیا تھا جو میں نے اپنے اور حریری کے درمیان تان رکھا تھا۔ وہ تجسس اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا جس نے مجھے عرصے سے ایک عجیب قسم کے اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ میرے اعصاب میں شدید تناؤ پیدا ہو رہا تھا۔ جذبات اور ہیجان کا ایک شدید سیلاب تھا جو مجھے ایک معمولی تنکے کی طرح اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا۔

مجھے نہیں معلوم حریری نے کس وقت بیڈ سوئچ دبا کر لائٹ بجھا دی تھی لیکن میں تو اندھیرے میں بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

میرے اعصاب کا تناؤ کم ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں بتدریج پرسکون ہوتا چلا گیا۔ میں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ حریری کی گرم سانسوں کا لمس بھی میں اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگا۔

اور پھر دفعتاً میں چونک گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی دبے قدموں دروازے کے سامنے گزرا ہو۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو حریری نے مجھے دبوچ لیا۔

میں حریری کے کمرے سے نکلا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں نے تابندہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بیڈ خالی تھا۔ میں نے بڑی آہستگی سے دروازہ تھوڑا سا مزید کھول دیا۔ دائیں طرف باتھ روم کی بتی جل رہی تھی اور دروازہ بھی

[illegible] کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بستر پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس وقت اپنے آپ کو ہوا میں تیرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سا سرور تھا جس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں کئی بار ان لذت آفریں اور سنسنی خیز تجربوں سے گزر چکا تھا لیکن آج نجانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ ہو۔ مجھ پر بالکل وہی کیفیت طاری تھی جو پہلی مرتبہ رضیہ کے ساتھ ملاپ سے ہوئی تھی۔

ہلکی سی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ دل و دماغ پر طاری سنسنی اور سحر کی لپیٹ سے باہر آنے کو نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے آنکھیں کھول کر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ آہٹ کیسی تھی۔

اور پھر آنکھیں بند ہونے کے باوجود مجھے یوں لگا جیسے کوئی ہیولہ میرے قریب آ کر رکا ہو۔ دوسرے ہی لمحے اپنی پیشانی پر تپتے ہوئے ہونٹوں کا لمس محسوس کر کے میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑتی چلی گئیں۔

وہ ہیولہ میرے اوپر سے ہٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک ہیولہ دروازے سے نکلتا نظر آیا۔ وہ حریری تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور چند منٹ بعد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں حالانکہ صبح پانچ بجے کے بعد سویا تھا لیکن دس بجے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے ساری کسلمندی دور ہو گئی۔ میں کمرے سے نکلا تو تابندہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ملازمہ کو آواز دے کر میرے لئے ناشتہ تیار کرنے کو کہا۔

"رات کو تم جلدی سو گئی تھیں۔" میں نے میز پر سے اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ سر میں درد تھا۔ گولی کھا کر سو گئی تھی۔" تابندہ نے جواب دیا۔

گفتگو کے دوران تابندہ کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ اس کی ناراضگی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ رات کو جب میں حریری کے ساتھ کمرے میں تھا تو میں نے دروازے کے سامنے کوئی آہٹ سنی تھی اور پھر صبح تابندہ کو اپنے کمرے میں دیکھا تھا۔ وہ میری پیشانی پر بوسہ دے کر واپس چلی گئی تھی۔ تو کیا وہ بھی تابندہ ہی تھی جو اوپر حریری کے کمرے کے سامنے سے گزری تھی؟ اور شاید وہ اس سے ناراض بھی تھی۔

ملازمہ نے میز پر ناشتہ لگا دیا۔ اس وقت پتا چلا کہ تابندہ نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس دوران فون کی گھنٹی بجی تو تابندہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ دو تین منٹ تک فون پر بات کرتی رہی پھر دوبارہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

"میرے آفس سے فون آیا تھا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہارا موڈ ہو تو چلو تم بھی۔ حریری تو شام سے پہلے اپنے کمرے سے نہیں نکلے گی۔ تم اکیلے کیا کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ حریری کی بات کرتے ہوئے میں نے اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز محسوس کیا تھا۔

ایک گھنٹے بعد میں تابندہ کے ساتھ اس کی کار میں کوٹھی سے نکل رہا تھا۔

تابندہ کا دفتر محمد علی سوسائٹی میں ٹیپو سلطان روڈ پر واقع ایک دو منزلہ کوٹھی میں تھا۔ ہزار مربع گز پر مشتمل یہ کوٹھی بہت شاندار تھی۔ بیچ کا پاؤنڈ تھا۔ گیٹ کے اندر کی طرف ڈرائیو وے میں تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بائیں طرف نیلے رنگ کے چند ڈرم لکڑی کی پیٹیاں اور اس قسم کی دوسری چیزیں پڑی تھیں۔ تابندہ کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ دفتر بہت شاندار تھا اور کمپنی کا اسٹاف بھی کئی افراد پر مشتمل تھا۔

کمپنی کے جنرل منیجر اشرف نے ٹھنڈے مشروبات سے ہماری تواضع کی پھر تابندہ اور اشرف تو فائلیں کھول کر بیٹھ گئے اور میں گھوم پھر کر دفتر کا جائزہ لینے لگا۔ دفتر کے کئی لوگوں سے گپ شپ بھی ہوئی ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ کمپنی کا بزنس خاصا منافع بخش تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہم دفتر سے نکل آئے۔ واپس آتے ہوئے تابندہ نے گاڑی حسن اسکوائر سے ذرا آگے عثمانیہ ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی اور ہم اتر کر ریسٹورنٹ میں آ گئے۔

یہاں کا کھانا بھی بہت عمدہ اور لذیذ تھا۔ یوں تو کراچی میں ہر قسم کے بزنس کی کامیابی کے بہترین مواقع موجود تھے لیکن کھانے پینے کی اشیاء کا بزنس سب سے زیادہ منافع بخش تھا۔ آئے دن شہر کے کسی نہ کسی علاقے میں کسی بڑے اور معیاری ریسٹورنٹ کا افتتاح ہوتا تھا۔ کے ایف سی اور میکڈونلڈ جیسی بین الاقوامی کمپنیوں نے بھی یہاں قدم جما لئے تھے۔

پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ اس سرزمین کا بچہ بچہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور بڑی طاقتوں کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ یہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ ہزاروں ڈالر کا مقروض ہوتا ہے لیکن کراچی کی عالیشان عمارتوں، غیر ملکی کمپنیوں کے دفاتر، بین الاقوامی بینکوں اور سڑکوں پر چمچماتی قیمتی کاروں کی بھرمار دیکھ کر یہی تاثر ملتا ہے کہ یہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ اس ملک کی آبادی تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ عوام، سرکار اور بزنس مین۔

پاکستانی عوام بلاشبہ اس ملک کا ہی نہیں، دنیا کا غریب ترین اور مظلوم ترین طبقہ ہے۔ مہنگائی کا سارا بوجھ اس طبقے پر ہے۔ فاقہ کشی کے باوجود اس طبقے سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کی کمر اور کندھے بہت مضبوط ہیں۔ مہنگائی کا پہاڑ جیسا بوجھ اٹھانے کے باوجود انہوں نے کبھی احتجاج نہیں کیا۔

بزنس مین طبقہ خوشحال ہے لیکن سرکار سے تعلق رکھنے والا طبقہ خوشحال ترین۔ سب سے زیادہ دولت انہی کے پاس ہے۔ گریڈ اٹھارہ اور اس سے اوپر ہر سرکاری عہدیدار عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ لاکھوں روپے ماہانہ تنخواہ، بے حساب سرکاری مراعات کے علاوہ رشوت ان کی اضافی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے جسے یہ خدا کا فضل کہتے ہیں۔

میں شاید بہک گیا ہوں۔ مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ کسی کو بھی ایسی باتیں سوچنے کا حق حاصل نہیں ہے بہرحال، اس ریسٹورنٹ کا کھانا بھی بڑا لذیذ تھا۔ تابندہ نے دو آدمیوں کے کھانے کا جو بل ادا کیا تھی رقم میں ایک غریب گھر کا ایک ہفتے کا خرچ بڑی آسانی سے چل سکتا تھا۔

ہم جب کوٹھی پر پہنچے تو ساڑھے تین بج چکے تھے۔ حریری ابھی تک اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹا تو غنودگی نے لپیٹ میں لے لیا۔

ہماری وہ شام میریٹ میں گزری۔ تابندہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ حریری مجھ سے چپکی ہوئی تھی جبکہ تابندہ مجھ سے قدرے کھنچی کھنچی سی رہی۔

راوی واقعی میرے نئے عیش لکھ رہا تھا۔ میرے شب و روز حریری جیسی حسین ترین لڑکی کے پہلو میں گزر رہے تھے۔ لوگ اسے دیکھ کر ٹھنڈے سانس بھرتے، ہر شخص اس کے قرب کا خواہشمند نظر آتا لیکن وہ خوش قسمت صرف میں تھا جس کا ایک ایک پل اس حسینہ کے پہلو میں گزر رہا تھا۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ اس دوران پولیس کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں۔ ایک ہی رات میں ملیر کے علاقے میں کئی آدمیوں کے قتل کی واردات قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ اس دوران حریری بھی دو تین مرتبہ دن کے وقت میرے بغیر کہیں گئی تھی۔ وہ اکثر فون پر بھی بعض لوگوں سے گفتگو کرتی رہتی تھی۔

اس رات میں حریری کے ساتھ شیرٹن کے دربار ہال میں تھا۔ وہاں کوئی پارٹی بھی تھی۔ ہال کا ایک حصہ پارٹی کے لئے مخصوص تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ خوبصورت ساڑھیوں میں ملبوس حسین عورتیں، حسین تتلیوں کی طرح ادھر ادھر منڈلا رہی تھیں۔ ان کے دبے دبے نقرئی قہقہے فضا میں بکھر رہے تھے۔

میں اور حریری پارٹی والے حصے سے دور ہال کے کونے میں ایک میز پر بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح میری نظریں بھی بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔

ایک عورت کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس نے فیروزی رنگ کی بہت قیمتی اور خوبصورت ساڑھی پہن رکھی تھی۔ سلیولیس بلاؤز جو پہلے ہی بہت مختصر تھا۔ پشت پر بلاؤز کا کپڑا نہیں باریک ڈوریاں تھیں۔ اس طرح اس کی پشت بالکل برہنہ تھی۔

پارٹی میں شریک لوگ مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس عورت کے ہاتھ میں بھی مشروب کا گلاس تھا۔ وہ کسی ادھیڑ عمر آدمی سے باتیں کرتے ہوئے ذرا سی گھومی تو میں اس کا چہرہ دیکھ کر چونکا۔ پہلے تو میں اسے اپنا وہم سمجھا لیکن وہ وہم نہیں حقیقت تھا۔ بیلا کو تو میں لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتا تھا۔

بیلا نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ایک لمحہ کو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ اس دوران ایک آدمی اور دو عورتیں اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔

میں اپنا کپ میز پر رکھ کر اٹھ گیا۔

”کیا ہوا؟“ حریری نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”تم یہیں بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کوئی پسند آ گئی کیا؟“ حریری مسکرائی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آ گیا جہاں بیلا کو دیکھا تھا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہجوم میں بیلا کہیں بھی دکھائی نہیں دی اور پھر میں ڈور کے قریب فیروزی ساڑھی کے آنچل کی جھلک دیکھ کر میں تیزی سے اس طرف لپکا۔

وہ عورت کاریڈور میں چند گز آگے نکل چکی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا لیکن وہ بیلا نہیں تھی۔ میں کاریڈور سے نکل کر کھلی فضا میں آ گیا۔ باہر کا گیٹ میری نظروں میں تھا لیکن بیلا اس طرف بھی نہیں گئی۔

میں آدھے گھنٹے تک پورے ہوٹل میں گھومتا رہا لیکن بیلا اس طرح غائب ہو گئی تھی جیسے اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

میں ہال میں واپس آیا تو حریری کے ساتھ ایک اور آدمی کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس آدمی کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا لیکن انداز گفتگو سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان میں پہلے سے جان پہچان ہے۔ چند منٹ بعد ہی وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔

"یہ کون تھا؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے حریری کی طرف دیکھا۔

"پرانا جاننے والا تھا۔ اتفاق سے ملاقات ہو گئی۔" حریری نے جواب دیا۔ "لیکن تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"مجھے بھی پرانی جان پہچان کی ایک خاتون نظر آ گئی تھی۔ لیکن حیرت ہے وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی۔ پورا ہوٹل چھان مارا اس کا پتا ہی نہیں چلا۔" میں نے جواب دیا۔

"اسے تلاش کرنے کا ارادہ ہے یا چلیں؟" حریری بولی۔

"اب وہ آسانی سے نہیں ملے گی۔" میں نے کہا۔ "چلو اب چلیں۔"

ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی میں تجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا لیکن بیلا نظر نہیں آئی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور غائب ہو گئی تھی۔

بیلا کی کراچی میں موجودگی خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ یقیناً کسی اہم مشن پر یہاں آئی تھی اور اس کا سراغ لگانا ضروری تھا۔

اس رات بھی ہم ایک بجے کے لگ بھگ ہی گھر پہنچے تھے۔ تابندہ سو گئی تھی۔ میری وہ رات بھی حریری کی خواب گاہ میں گزری۔

صبح گیارہ بجے میں بیدار ہوا تو نہ تابندہ گھر میں موجود تھی اور نہ حریری۔ ملازمہ نے بتایا کہ تابندہ تو اپنے دفتر گئی تھی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری بھی کچھ بتائے بغیر نکل گئی تھی۔

بارہ بجے کے قریب میں بھی نکل گیا۔ میرے خیال میں بیلا کسی بڑے ہوٹل ہی میں مل سکتی تھی۔ سب سے پہلے میں نے پی سی کا رخ کیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد میں شیرٹن پہنچ گیا۔ تقریباً تین بجے تک وہاں رہا اور پھر میریٹ پہنچ گیا۔

میں رات گیارہ بجے تک ان فائیو اسٹار ہوٹلوں میں گھومتا رہا لیکن بیلا کا سراغ نہیں ملا۔ میری تلاش کا طریقہ بھی شاید غلط تھا۔ بیلا کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی جو کہیں پڑی ہوگی اور میں اسے اٹھا لوں گا۔ اس نے کل رات مجھے دیکھ لیا تھا اور پراسرار طور پر ہوٹل سے غائب ہو گئی تھی۔ اب وہ آسانی سے ہاتھ آنے والی

نہیں تھی۔

گھر پہنچا تو حریری موجود نہیں تھی۔ پوچھنے پر انکشاف ہوا کہ وہ صبح سے گئی اب تک نہیں لوٹی تھی۔ تابندہ اس کے لئے خاصی پریشان تھی۔

میرے لئے بھی یہ تشویش کی بات تھی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ حریری شاید ناظم آباد والے اس بنگلے میں موجود ہو جہاں تہہ خانے میں شہزادی کی ممی والا تابوت چھوڑا تھا۔ میں نے تابندہ سے بات کی تو وہ بولی۔

"وہ وہاں نہیں ہے۔ میں نے فون کیا تھا، کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے ایک دو اور ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن وہ کہیں نہیں ہے۔"

ہمیں زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا۔ بارہ بجے کے قریب حریری واپس آ گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے صرف اتنا بتایا کہ وہ اس ممی کے سلسلے ہی میں مصروف رہی ہے۔ وہ ان دونوں کو باری باری ایک خفیہ ٹھکانے پر لے گئی تھی جہاں ممی والی ویڈیو دکھا کر ان سے بات چیت ہوئی رہی۔ اس نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ چند روز میں ممی کا سودا ہو جائے گا۔

دو تین دن اور گزر گئے۔ تابندہ اور حریری میں کھنچاؤ میں نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ اس روز شام سات بجے کے قریب حریری اکیلی ہی کہیں گئی تھی اور خلاف معمول اس نے تابندہ کی گاڑی لے جانے کے بجائے ٹیکسی پر جانے کو ترجیح دی تھی اور اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے رات کو واپس آنے کا موقع ہی نہ ملے۔

حریری رات کو واپس نہیں آئی، اگلے دن بھی نہیں آئی۔ تابندہ کی سوچ اس کے بارے میں کچھ بھی رہی ہو لیکن میرے سوچنے کا انداز مختلف تھا۔ یہ خیال بار بار میرے دماغ میں چوکے لگا رہا تھا کہ حریری نے رات کس کے ساتھ بسر کی ہوگی۔ وہ کون ہوگا جس کے پہلو کی زینت وہ بنی ہوگی۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے سینے میں رقابت کے جذبات سر ابھارنے لگے لیکن میرا رقیب کون تھا؟ کوئی بھی ہو سکتا تھا۔

شام سات بجے کے قریب تابندہ اور میں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ملازمہ نے فون کال کی اطلاع دی۔ تابندہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے حریری کے بارے میں سوچتا رہا۔ چند منٹ بعد تابندہ نے برآمدے والے دروازے میں نمودار ہو کر مجھے بھی بلا لیا۔

"حریری کا فون ہے بات کر لو۔" تابندہ نے کہا۔ اس کے چہرے پر اس وقت عجیب سے تاثرات تھے۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیلی فون والی میز کے قریب پہنچ گیا۔ تابندہ بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ ریسیور الگ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو حریری" میں نے کہا۔ "تم کہاں غائب ہو۔ تم نے کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔ ہم پریشان ہو رہے ہیں۔"

"میں اس وقت گوادر میں ہوں۔" حریری کی آواز سنائی دی۔

"کیا......؟" میں اس طرح اچھلا جیسے میرے سر پر بم پھٹا ہو۔ "تم شاید مذاق کر رہی ہو۔ گوادر

تو یہاں سے.....''

''بہت دور ہے۔تم بھی کہنا چاہتے ہونا۔'' حریری نے میری بات کاٹ دی۔''لیکن یہ کوئی مذاق نہیں۔ میں گوادر میں ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں آج رات یہاں سے چلی جاؤں گی، بندرعباس کی طرف۔''

''نہیں حریری۔تم اکیلی کیسے جا سکتی ہو؟ میرا مطلب ہے میرے بغیر!'' میں نے کہا۔''اور پھر وہ شہزادی۔لیکن تم وہاں کیسے''

''میں اکیلی نہیں ہوں تاجی۔وہ شہزادی میرے ساتھ ہے۔اس کے بغیر تو میں واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔'' حریری نے ایک بار پھر میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حریری کی آواز میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون کیا ہے۔ اگر تم میری مدد نہ کرتے تو میں شہزادی کی گمشدہ ممی کو دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکتی۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ تمہارے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔ میں آج رات یہاں سے نکل جاؤں گی اور تم میرا پیچھا کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

''نہیں حریری تم ایسا نہیں کر سکتیں۔'' میں چیخا۔

''مجھے افسوس ہے تاجی۔'' حریری کی مدھم سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔''مجھے ایسا کرنے سے اب کوئی نہیں روک سکتا۔ میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے تم سے جدا ہونے کا افسوس رہے گا اور ہاں، ٹیڈی بھی میرے ساتھ ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔''مجھے تابندہ سے جدا ہونے کا بھی افسوس ہے۔ وہ بہت اچھی خاتون ہے۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں پسند کرنے لگی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ بھاگ دوڑ چھوڑ کر تابندہ کا ہاتھ تھام لو......''

''شٹ اپ۔'' میں چیخا۔''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا حریری......''

''خدا حافظ تاجی...... میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور لائن بے جان ہو گئی۔

میں ہیلو ہیلو کرتے ہوئے پاگلوں کی طرح بار بار کریڈل پہ ہاتھ مارنے لگا۔ قریب کھڑی ہوئی تابندہ نے میرے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ دیا۔ میں بے حس و حرکت کھڑا پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

تابندہ مجھے بازو سے پکڑ کر صوفے پہ لے آئی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی جڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میرے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

''وہ...... وہ چلی گئی تابندہ اور...... اور شہزادی کو بھی لے گئی۔''

''کیا......؟'' تابندہ اچھل پڑی۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مجھ سے پہلے حریری نے تابندہ سے

بات کی تھی تو اسے ممی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

''کیا کہا اس نے۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں چلی گئی؟''

''تت...... تمہیں اس نے کچھ نہیں بتایا؟'' میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اس نے کہا تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گی۔'' تابندہ نے جواب دیا۔

''اس کی باتوں سے میں یہ سمجھی تھی کہ یہاں رہتے ہوئے وہ مجھے تمہارے اور اپنے درمیان رکاوٹ سمجھتی ہے اور اس نے کہیں اور رہائش کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ میں اس وقت بھی یہی سمجھی کہ وہ تمہیں بھی اپنے پاس بلانا چاہتی ہے۔ لیکن...... مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے اور اس نے کیا کہا تھا؟''

میں گہری نظروں سے تابندہ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔

''وہ اس وقت گوادر میں ہے اور ٹیڈی بھی اس کے ساتھ ہے۔'' میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے حریری سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

''وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔'' تابندہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔''یہ بہت گندا کھیل ہے۔ دولت کے لئے انسان اپنوں کا گلا بھی کاٹ دیتا ہے۔''

''لیکن اس نے مجھے زندہ چھوڑ کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔'' میں نے کہا۔''میں دنیا کے آخری سرے تک اس کا پیچھا کروں گا اور اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''ہوا کے پیچھے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' تابندہ نے کہا۔''تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ بہتر ہے کہ اس کا خیال ذہن سے نکال دو۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر مدھم لہجے میں بولی۔''میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو۔ یہاں تمہیں کیا نظر آتا ہے؟'' وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ دوبارہ بولنا شروع کیا تو آواز مزید دھیمی ہو گئی۔ الفاظ بھی رک رک کر ہونٹوں سے نکل رہے تھے۔

''میرے پاس تمہارے لئے نہ تو دولت کی کمی ہے نہ پیار کی۔ تم زندگی کی چلچلاتی دھوپ میں خطرناک راستوں پہ دوڑتے رہے ہو۔ بار بار ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔ اب تمہیں سنبھل جانا چاہئے۔ میں زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں تمہارے لئے وہ نخلستان ثابت ہوں گی جہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر تم آرام کر سکو گے۔ اس راستے پہ چار قدم چل کر تو دیکھو......''

تابندہ کی مدھری آواز میرے کانوں میں رس گھولتی رہی۔ میری عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا۔ تابندہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی اور دھیرے دھیرے بولتی رہی۔

میری زندگی میں بہت سی عورتیں آئی تھیں۔ رضیہ وہ پہلی عورت تھی جس نے مجھے نئے راستوں سے آشنا کرایا تھا لیکن ان راستوں میں ہیجان خیزی تھی۔ ہوس تھی...... پریم کی چاشنی نہیں تھی۔ پھر بیلا سے تصادم ہوا۔ اس میں سیکس کی بارخیزی تھی۔ پھر ادا کی ہوتری، رادھا اور کئی حسینائیں آئیں۔ ان سب نے اپنے آپ کو ایک خوش ذائقہ ڈش کی طرح پلیٹ میں سجا کر میرے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان پہ دل کے پیچھے

بھی ہوس اور غرض تھی۔ پاکستان واپس آیا تو نرگس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے میری خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔ اس کے دل میں کچھ خلوص تھا۔ میرے لئے کچھ چاہت تھی۔ وہ مجھے ان خاردار راستوں سے نکال کر امن و آشتی اور پیار کی وادی میں لے جانا چاہتی تھی لیکن وہ زیادہ عرصہ تک میرا ساتھ نہ دے سکی۔ میرے دشمنوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گئی۔

اور پھر حریری میرے راستے میں آ گئی۔ بہت عرصہ تک میں اسے اپنے لئے شجر ممنوعہ سمجھتا رہا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آ گری۔ اس نے مجھے مستقبل کے سہانے سپنے دکھائے۔ میں اس کے حسن میں اس طرح پاگل ہو گیا تھا کہ اس کے اشاروں پر چلتا رہا۔ کئی آدمیوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور اس کے لئے ایک مشکل ترین مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ گمشدہ ممی کے حصول کے لئے اس کی مدد کی۔ اس نے مجھے پندرہ فیصد کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ خود فریبی کا شکار رہی تھی اس کے دل میں بھی مکر و فریب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ بے حد مکار و عیار ثابت ہوئی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے مجھے بے وقوف بنایا اور نہایت خاموشی سے ممی کو لے کر غائب ہو گئی۔ مجھے کیا ملا؟ چند راتوں کا وصال اور شاید یہی میرا کمیشن تھا۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا تو ضرور کیا تھا لیکن مجھے محروم بھی نہیں رکھا تھا اور اب تابندہ۔

میں کئی ہفتوں سے تابندہ کی کوٹھی میں رہ رہا تھا۔ کئی مرتبہ ایسے مواقع آئے تھے کہ وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جذبات کا اظہار کر سکتی تھی لیکن اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ مجھے حریری کی خوابگاہ میں گزری ہوئی وہ رات یاد آ گئی۔ آج جب میں اپنے کمرے میں سونے کی کوشش کر رہا تھا تو تابندہ ہیولے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی اور میری پیشانی پر بوسہ دے کر واپس پلٹ گئی تھی۔ خاموشی سے! اور اب میں اسی کی گود میں سر رکھے سسک رہا تھا اور وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مجھے ایسا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دے رہی تھی جو مجھے شروع ہی میں اپنا لینا چاہئے تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میری یہ داستان نہ ہوتی۔

میں تابندہ کی گود میں سر رکھے رکھے اونگھ گیا۔ تیز گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے سب کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ نیا نیا لگ رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ تابندہ نے قریب جا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر کسی سے باتیں کرتی رہی پھر ریسیور رکھ کر میری طرف مڑی تو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"اشرف کا فون تھا۔" اس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون اشرف؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے دفتر کا جی ایم۔" تابندہ نے کہا۔ "کل اس کے گھر کچھ مہمان آنے والے ہیں اور اس نے ہمیں بھی چائے پر بلایا ہے۔"

"کوئی خاص تقریب؟" میں نے پوچھا۔

"اشرف کے کچھ رشتے دار اس کی بیٹی کے رشتے کی بات کرنے آ رہے ہیں اور اس کے خیال میں اس موقع پر میری موجودگی بھی ضروری ہے۔ خیر! یہ تو آنے والے کل کی بات ہے۔ تم ابھی اٹھ کر تیار ہو

جاؤ۔ رات کا کھانا ہم باہر کھائیں گے۔"

"کہاں.....؟" میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جیم خانہ میں۔ آج وہاں بھی ایک تقریب ہے۔ میرا جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن تم ساتھ ہو گے تو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن جیم خانہ ہی کیوں، کسی اور جگہ کیوں نہ چلا جائے؟"

"میں جیم خانہ کی ممبر ہوں، میں باقاعدگی سے تو وہاں نہیں جاتی، کبھی کبھار کسی تقریب میں چلی جاتی ہوں اس طرح کچھ دوستوں سے ملاقات کا موقع بھی مل جاتا ہے۔" تابندہ نے بتایا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم جیم خانہ ہی چلیں گے۔" میں نے کہا۔ "لیکن کیا میری وجہ سے کسی کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"اعتراض کیسا۔" تابندہ مسکرائی۔ "ہر ممبر کو ایک مہمان اپنے ساتھ لانے کی اجازت ہے۔ پھر تم پر اعتراض کیوں ہوگا۔ تمہیں مل کر تو لوگ خوش ہوں گے۔"

"کیوں، مجھے سرخاب کے پر لگے ہیں کیا؟" میں نے چھیڑا۔

"بعض انجان اور اجنبی لوگوں سے مل کر بھی خوشی ہوتی ہے۔ مجھے پہلی مرتبہ تمہیں یہاں دیکھ کر بھی خوشی ہوئی تھی۔" اس نے آخری الفاظ کچھ جھجکتے ہوئے کہے تھے۔

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے پہلے ہی دن سے مجھے اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت بھی ہو گیا تھا جب میری راتیں حریری کی خوابگاہ میں بسر ہوتی تھیں۔ دو دن پہلے تک تابندہ کا موڈ آف رہا تھا۔ لیکن اب اچانک ہی اس میں یہ تبدیلی آ گئی تھی اور وہ بلبل کی طرح چہکنے لگی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حریری جا چکی تھی۔ گویا اس کے راستے کا کانٹا نکل گیا تھا۔

"اچھا۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں بھی اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔" تابندہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر باتھ روم کے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ حریری کے فراق میں، میں نے دو دن سے شیو نہیں کیا تھا۔ پہلے میں نے شیو بنایا اور پھر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے بے حد سکون ملا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں جسم پر تولیہ لپیٹے غسل خانے سے برآمد ہوا اور الماری کھول کر ہینگروں پر ٹنگے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگا۔ پچھلے دنوں حریری کے ساتھ میں نے کئی ریڈی میڈ ملبوسات خریدے تھے۔ ایک سوٹ تابندہ کے ساتھ بھی خریدا تھا بلکہ میرے لئے یہ سفاری سوٹ تابندہ ہی نے پسند کیا تھا۔ پستئی رنگ کا یہ سفاری سوٹ مجھے بھی پسند تھا اور اس وقت میں نے یہی نکال لیا۔

میں تیار ہو کر کمرے سے باہر آ گیا۔ تابندہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں سامنے ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے تقریباً بیس منٹ بعد تابندہ کمرے سے برآمد ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ چہرے پر میک اپ تو وہ پہلے بھی کرتی تھی لیکن اس وقت نہایت ہلکے میک اپ اور گہرے کلر کی ساڑھی نے اس کی ہیئت ہی بدل دی تھی۔ کانوں میں ڈائمنڈ کے آویزے، گلے میں خوبصورت نیکلس اور بائیں ہاتھ کی

کلائی میں چار عدد طلائی چوڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"بہت خوب، بہت حسین۔" میں نے جواب دیا۔ "ماتھے پر کالا ٹیکہ بھی لگا لو تا کہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

"کوہ قاف کی پری بھی نہیں ہوں جسے نظر لگ جائے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس سے بھی زیادہ حسین ہو تم۔" میں نے جواب دیا۔ "کالا ٹیکہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ جو میلی نظروں سے تمہاری طرف دیکھے گا اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔"

"ایک منٹ۔ ذرا میرے ساتھ اندر آؤ۔" تابندہ نے کہا۔

میں تابندہ کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ میں بھی دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ تابندہ نے گویا مجھے اپنا ساتھی مان لیا تھا۔ وہ واقعی بہت معصوم تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ایرنٹی کی بوتل اٹھا کر میرے لباس پر اسپرے کرنے لگی۔ بڑی مسحور کن خوشبو تھی اس کی۔

باہر نکلتے ہوئے تابندہ نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ رات کو ہماری واپسی دیر سے ہوگی۔

پورچ میں گاڑی کے قریب پہنچ کر تابندہ جیسے ہی ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے قریب پہنچی، میں تیزی سے آگے آ گیا۔

"ڈرائیو میں کروں گا۔ تم ادھر بیٹھو۔ پسنجر سیٹ پر۔" میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف لے آیا۔ اسے پسنجر سیٹ پر بٹھا کر میں اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

تابندہ راستے میں بھی چہک رہی تھی۔ عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ صرف دو گھنٹے پہلے تک حریری کی گمشدگی سے ہم دونوں کے موڈ آف تھے۔ تابندہ کا موڈ تو کئی روز سے اس لئے آف تھا کہ اس کے خیال میں حریری مجھے اس سے دور کر رہی تھی اور میں اس لئے پریشان تھا کہ حریری اطلاع دیے بغیر دو دن سے غائب تھی اور پھر اس کا فون آنے کے بعد میں بری طرح بپھر گیا تھا۔ اگر حریری میرے سامنے ہوتی تو میں اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ اس نے جس طرح مجھے دھوکا دیا تھا اس سے شاید میں اپنے حواس کھو بیٹھتا لیکن وہ تابندہ ہی تھی جس نے میرا غصہ ٹھنڈا کیا تھا۔ اس کی باتوں نے بارش کی ہلکی پھوار کی طرح میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی جذبات کی آگ ٹھنڈی کر دی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر تابندہ اس وقت میرے پاس نہ ہوتی تو نجانے میں کیا کر بیٹھتا۔ حریری اگرچہ سینکڑوں میل دور تھی لیکن ہو سکتا ہے میں غصے میں پاگل ہو کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا لیکن تابندہ نے مجھے سنبھال لیا تھا اور صرف دو گھنٹوں بعد ہم دونوں کے موڈ بدل گئے تھے اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے بعد ہم میں سے کسی نے اچھے یا برے الفاظ میں حریری کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں شاید اسے بھول گئے تھے۔

ہوٹل میٹروپول کے پہلو میں چیف گیسٹ ہاؤس کے ساتھ وہ سڑک سیدھی پرل کانٹی نینٹل اور شیرٹن ہوٹل والے چوراہے تک چلی گئی تھی۔ جم خانہ اس خوبصورت سڑک کے دائیں طرف شروع ہی میں

تھا۔ سڑک کے دونوں طرف چمچماتی ہوئی قیمتی گاڑیاں قطاروں میں کھڑی تھیں۔ میں نے بھی جگہ دیکھ کر گاڑی سائیڈ میں لگا دی۔

جم خانہ میں بڑی رونق تھی۔ شہر کے بڑے بڑے صنعت کار، ساہوکار، بزنس مین اور اعلیٰ سرکاری حکام اپنی بیگمات کے ساتھ یہاں موجود تھے۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں کے علاوہ ایسی ہی جگہوں پر بڑی بڑی پراسرار کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ خواتین چپکے چپکے ایسے ایسے کارنامے انجام دے ڈالتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

تابندہ کا جس طرح استقبال ہوا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اعلیٰ ترین سوسائٹی کے اس حلقے میں اسے بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر بیشتر لوگوں کو حیرت ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور بعض کی آنکھوں میں حسد و رقابت کی چنگاریاں چمک اٹھی تھیں۔

"تمہارے شوہر کے بعد یہ پہلا شخص ہے جسے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔" ایک بڑے صنعت کار کی بیوہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کون ہے یہ؟ کیا ارادہ ہے؟"

"تمہارے بھی تو آج کل اشفاق پائی والا کے ساتھ بڑے چرچے سنے جا رہے ہیں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" تابندہ نے کہا۔ "میرا تو مشورہ ہے کہ اس کے ساتھ دو بول پڑھوا کر لوگوں کے منہ بند کر دو۔"

"تمہارے اس دوست کو دیکھ کر تو میری نیت ڈانواں ڈول ہونے لگی ہے۔" صنعت کار کی بیوہ اشتیاق سے مسکرا دی۔

"تابندہ۔" قریب کھڑی ہوئی ایک اور عورت نے کہا۔ "اپنے دوست کی خیریت چاہتی ہو تو اسے لے کر یہاں سے ہٹ جاؤ۔ جانتی ہو پچھلی مرتبہ اس تکرم نے بیگم کریم کے دوست کا کیا حشر کیا تھا؟"

اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ تین بیوہ خواتین کی ایک الگ پارٹی تھی جنہوں نے اس فضا کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔ لوگوں نے انہیں تکرم کا نام دے رکھا تھا۔ وہ تینوں جوانی میں بیوہ ہوئی تھیں اور ان میں سے کسی کی عمر بھی پینتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ تینوں بلاشبہ کروڑپتی تھیں اور بڑی ذہانت سے اپنے بزنس سنبھال رکھے تھے۔ ان کے بارے میں آئے دن سکینڈل بنتے رہتے تھے مگر انہوں نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔

تقریب جو ہونی تھی وہ ہوئی اور پھر دس بجے ڈنر شروع ہو گیا۔ لوگ اپنی اپنی پلیٹیں لے کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ہمارے ساتھ بیگم نصیر اور عارف صدیقی تھے۔ ان دونوں کا تعلق بزنس سے تھا اور ظاہر ہے بزنس ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں اپنا کھانا کھاتے ہوئے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

ہم اس وقت لان میں تھے۔ ایک جوڑے کو گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر میں ٹھٹک گیا۔ مرد کو تو میں نہیں جانتا تھا لیکن وہ عورت بیا تھی۔ اس نے آبی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بہت سی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

میں قریب ہی رات کی رانی کے پودوں کی آڑ میں ہو گیا۔ میرا خیال تھا وہ دونوں بھی ان

طرف ہی آئیں گے لیکن وہ دوسری طرف مڑ گئے تھے۔ چند منٹ بعد ہی وہ لان میں آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی کھانے کی پلیٹیں تھیں۔ وہ ایک گروپ میں شامل ہو گئے۔

میں پودوں کے پیچھے کچھ اور پیچھے کی طرف سرک گیا۔ میرے اور بیلا کے درمیان دس بارہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ میرے دوسری طرف بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

تابندہ نے شاید محسوس کر لیا کہ میں کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ میری طرف آ گئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "مجھے لگتا ہے تم کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ آدمی کون ہے۔ دائیں طرف، وہ جس نے نیلے پوکا ڈاٹس والی ٹائی پہن رکھی ہے۔"

"وہ رمضان سیٹھ کرسی والا!" تابندہ بولی۔ "لوگ اسے بدروح کہتے ہیں۔ ہر جگہ گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمر ساٹھ سے کم نہیں ہوگی اور صورت دیکھ رہے ہو اس کی۔ نہ ناک نہ نقشہ۔ پھٹکار برستی ہے اس کی صورت پر لیکن اس کے ساتھ ہمیشہ جوان اور خوبصورت عورتوں ہی کو دیکھا گیا ہے۔ اس عورت کو میں نے ایک مرتبہ پہلے بھی اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ شاید پندرہ دن پہلے کی بات ہے لیکن تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"مجھے اس بدروح سے نہیں، اس عورت سے دلچسپی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا ؟" تابندہ نے مجھے گھورا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں مسکرایا۔

"اس سے پہلے کہ وہ عورت مجھے دیکھ لے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"لگتا ہے تم اس کی کوئی قیمتی چیز چھین کر بھاگے ہوئے ہو اور اب پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ رہے ہو۔" تابندہ نے کہا۔

"جو چاہو سمجھ لو۔ فی الوقت تو یہاں سے نکلنا بہت ضروری ہے۔ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو پھر غائب ہو جائے گی اور اسے تلاش کرنا مشکل ہوگا۔" میں نے اپنی پلیٹ پودے کے قریب گھاس پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر تابندہ کی پلیٹ بھی اس سے لے کر نیچے رکھ دی۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔" تابندہ ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ "غائب ہونے کی کوشش تو تم کر رہے ہو اور......"

"میں سمجھا دوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں پودوں کی آڑ میں ہوا لان سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ تابندہ ایک جگہ رک کر کسی سے باتیں کرنے لگی تھی پھر وہ بھی تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف آ گئی۔

اس مرتبہ بھی ڈرائیونگ سیٹ میں نے ہی سنبھالی تھی۔ تابندہ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"تم نے کھانا بھی نہیں کھانے دیا۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" وہ ڈیش بورڈ پر رکھے ہوئے ڈبے میں سے ٹشو پیپر نکالتے ہوئے بولی۔

"بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ راستے میں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں گے۔" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔

کار کو ہوٹل میٹروپول کے قریب سے گھما کر میں شاہراہ فیصل پر لے آیا۔ اس وقت بھی ٹریفک کے اژدھام کی وجہ سے گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ وہ عورت کون تھی جس کی وجہ سے تم اس طرح وہاں سے فرار ہوئے ہو۔" تابندہ میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ عورت بیلا تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "تم اس کے بارے میں سن کر شاید یقین نہیں کرو گی۔"

"میں تمہاری ہر بات کا یقین کر لوں گی۔ تم بتاؤ تو سہی۔" وہ مسکرا دی۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر شروع سے اسے اپنے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔ میں نے اپنی داستان اس وقت سے شروع کی تھی جب عمرکوٹ سے مجھے اغوا کیا گیا تھا۔ راجستھان میں بیلا سے بار بار ٹکراؤ، را کے دوسرے ایجنٹوں سے معرکے، دہشت گردوں کو تربیت دینے والے کیمپ کی تباہی، وہاں سے فرار اور پاکستان واپس آ کر رضیہ اور شاہ جی سے ٹکراؤ اور پھر کراچی کے حالات، میں زیادہ تفصیل میں نہیں گیا تھا تاہم اپنی زندگی کے اہم واقعات بتا دیئے تھے۔

"یہ وہی بیلا ہے۔" میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ "چند روز پہلے یہ شیرٹن میں بھی نظر آئی تھی لیکن وہاں اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور غائب ہو گئی تھی۔ یہاں میں اپنے آپ کو اس کی نظروں سے اس لئے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر پھر غائب نہ ہو جائے۔"

"لیکن تم اسے چھوڑ کر چلے کیوں آئے؟" تابندہ نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ "اس طرح تو اسے پھر غائب ہونے کا موقع مل جائے گا۔ بہتر طریقہ تو یہ تھا کہ تم اسے پولیس کے حوالے کر دیتے اور یہ بہترین موقع بھی تھا کیونکہ اس وقت جم خانہ میں ایک ایس پی بھی موجود تھا۔"

"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بیلا اکیلی نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ اور دوسرے ایجنٹ بھی ہوں گے اور ان میں یقیناً دو چار خوبصورت لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ بیلا تو پکڑی جاتی لیکن اس کے دوسرے ساتھی ہوشیار ہو جاتے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "مجھے اس طرح سے اطمینان ہو گیا ہے کہ سیٹھ رمضان کرسی والا عرف بدروح کی وجہ سے اسے دوبارہ تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ میں اس بدروح کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

"وہ واقعی بدروح ہے۔" تابندہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ذات کا راجپوت ہے اور راجستھان ہی کا رہنے والا ہے۔ اپنے آپ کو کسی مہاراجہ کے خاندان کا بتاتا ہے لیکن یہاں بھی سب لوگ اس کی اصلیت سے واقف ہیں۔ سنا ہے راجستھان میں شتربانی کیا کرتا تھا۔ چند سال پہلے اسمگلروں کی ایک پارٹی کے ساتھ سرحد پار کر کے پاکستان آ گیا۔ کچھ عرصے میرپور خاص میں رہا پھر کراچی آ گیا اور یہاں سبزی منڈی میں آڑھت شروع کر دی لیکن پھر اچانک ہی آڑھت کا کام چھوڑ کر کرسی کا کاروبار شروع کر دیا۔ اب تو اس کے پاس باقاعدہ لائسنس ہے اور اس کے بزنس کو قانونی تحفظ حاصل ہے جانتی

عام تاثر یہ ہے کہ لائسنس کی آڑ میں وسیع پیمانے پر کرنسی کا غیر قانونی دھندہ کرتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بتانے لگی۔

"اس کی عمر ساٹھ سے کچھ اوپر ہی ہے۔ شکل و صورت تم دیکھ چکے ہو۔ کوئی ذی ہوش عورت اس کے قریب آنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ لیکن دولت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ حسین اور جوان عورتیں اس کے دفتر میں جمع رہتی ہیں۔ اس کے دفتر کا اسٹاف بھی جوان اور حسین لڑکیوں پر مشتمل ہے۔ اب تک پانچ شادیاں کر چکا ہے لیکن کوئی بھی شادی چند مہینوں سے زیادہ نہیں چلی۔ بیوی کے حوالے سے آج کل فارغ ہی ہے۔ اس کی شامیں گھر سے باہر ہی گزرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حسین عورت دیکھی جاتی ہے۔ زیادہ تر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شخص غیر ملکیوں کو بھی نہایت آسانی سے پھانس لیتا ہے۔ ان ہوٹلوں میں اس کا زیادہ وقت چٹی چمڑی والی عورتوں کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔"

"اس کی رہائش کہاں ہے؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"ڈیفنس میں بہت شاندار کوٹھی بنوا رکھی ہے جہاں پر چاند کی چودھویں شب کو سوئمنگ پارٹی ہوتی ہے۔" تابندہ نے بتایا۔

"سوئمنگ پارٹی!" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" تابندہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کوٹھی کے عقبی لان میں سوئمنگ پول ہے۔ سوئمنگ پارٹی میں زیادہ تر جوان اور حسین عورتوں کو ہی مدعو کیا جاتا ہے۔ دو چار مرد بھی ہوتے ہیں۔"

"حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔"

"یہ پوچھو کہ یہاں کیا کچھ نہیں ہوتا۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "یہ سب دولت کے کھیل ہیں۔ دولت نہ صرف سارے عیب چھپا لیتی ہے بلکہ اونچی سوسائٹی کے لوگ تو قانون کو بھی اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اس ملک میں جس طرح قانون اور اخلاق کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

یہ میرے لئے کوئی انکشاف نہیں تھا۔ میں تو خود ان تجربات سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں نے تو اس اعلیٰ سوسائٹی میں ایسی چیزیں بھی دیکھی تھیں کہ شیطان بھی شرما جائے مگر ان لوگوں کو شرم نہیں آتی تھی۔

ہم شاہراہ فیصل پر بہت ہلکی رفتار سے سفر کرتے ہوئے ڈرگ روڈ اسٹیشن کے سامنے راشد منہاس روڈ پر مڑ گئے تھے۔ یہ سڑک ایوان صنعت کے سامنے سے ہوتی ہوئی گلشن اقبال کی طرف چلی گئی تھی۔

"لیکن تمہیں اس کے بارے میں اتنی ساری معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"ایک مرتبہ اس نے مجھ پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔" تابندہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے۔ ہمارا آمنا سامنا ایک تقریب میں ہوا تھا۔ اسے جب پتا چلا کہ میں بیوہ ہوں اور دولت مند بھی ہوں تو ہاتھ جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس نے جتنی بھی شادیاں کی ہیں دولت مند بیواؤں سے کی ہیں۔ ان سے بھی اس نے اچھی خاصی دولت

بٹوری تھی۔ یہ ایک مرتبہ مجھے اپنی کوٹھی پر بھی لے گیا تھا۔ اس کی نیت تو یقیناً اچھی نہیں تھی، لیکن یہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بعد بھی یہ کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اسے بھی منہ نہیں لگایا۔ اس سے ہمیشہ دور ہی رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"مردوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ میرا مطلب ہے سرکاری افسران اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بعض لوگ تو اسے قریب نہیں پھٹکنے دیتے اور بعض لوگوں سے اس کے تعلقات بہت اچھے ہیں اور ان میں وہ لوگ شامل ہیں جنہیں یہ چاند کی چودھویں شب کو اپنے ہاں ہونے والی سوئمنگ پارٹیوں میں بلاتا رہتا ہے۔" تابندہ نے جواب دیا۔

کار نیپا چورنگی پر پہنچ چکی تھی۔ چورنگی سے آگے نکل کر میں نے کار کے ایف سی والی گلی میں موڑ کر روک لی۔

اس وقت اگرچہ رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن کے ایف سی کے ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔ ایک ویٹر ہماری رہنمائی کرتا ہوا اوپر والے ہال میں لے آیا۔ اس ہال میں بھی صرف دو میزیں خالی تھیں جن میں سے ایک پر ہم نے قبضہ کر لیا۔

ایک بجے ہم باہر نکلے تو اس وقت بھی اس فوڈ پارلر کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

اس رات گھر پہنچ کر بھی ہم دیر تک بیٹھے اور سیٹھ رمضان کرنسی والا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تابندہ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کس قسم کا انسان تھا۔ کسی بھی ملک میں غیر ملکی ایجنٹوں کو ایسے ہی لوگوں کی تلاش ہوتی ہے اور سیٹھ رمضان جیسے لوگ تو بڑی آسانی سے ان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ شکل و صورت بھی ایسی نہیں تھی کہ کوئی عورت اس کی توجہ حاصل کر سکے۔ ایسی صورت حال میں نیلا جیسی حسین عورت خود بخود اس کی طرف کھنچی چلی آئے تو وہ اس کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہی ثابت ہوتی۔

غیر ملکی ایجنٹ عام طور پر جوان اور پھرتیلے لوگوں کو پسند کرتے ہیں لیکن سیٹھ رمضان جیسے بوڑھے بھی ان کے لئے بڑے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے سماجی رتبے اور تعلقات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سیٹھ رمضان کے بھی اعلیٰ سرکاری حکام سے تعلقات تھے۔ وہ انہیں اپنی کوٹھی پر سوئمنگ پارٹیوں میں بلایا کرتا تھا۔ سوئمنگ پول پر حسیناؤں کے جھرمٹ میں وہ لوگ کیا کیا گل نہیں کھلاتے ہوں گے۔ ایسے موقع پر تو ان سے کوئی بھی بات اگلوائی جا سکتی تھی۔

☆......☆......☆

میں بیلا سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ دنیا کی خطرناک ترین عورت تھی۔ اس میں بے پناہ صلاحیتیں تھیں اور وہ ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا بھی جانتی تھی۔ سیٹھ رمضان کرنسی والا جیسے بدصورت اور حکومت کو اپنا آلۂ کار بنا کر وہ بڑی آسانی سے دوسروں تک پہنچ سکتی تھی۔

بیلا کسی معمولی مشن پر یہاں نہیں آئی ہوگی۔ را میں اس کی اہمیت سے بھی میں اچھی طرح واقف تھا۔ اسے بڑے اور اہم مشنوں پر ہی ملک سے باہر بھیجا جاتا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ پاکستان آ چکی تھی اور جب بھی یہاں آئی تھی یہاں خاصی افراتفری مچا کر گئی تھی۔ آخری مرتبہ وہ اس وقت آئی تھی جب دہشت گردی کی تربیت کیلئے نوجوانوں کو منتخب کر کے راجستھان کے ٹریننگ کیمپوں میں بھیجا جا رہا تھا۔ بعض نوجوان حسین عورتوں، شراب اور دولت کے لالچ میں آ کر اس کے شکنجے میں پھنس جاتے تھے۔ بعض کو اغوا کر کے سرحد پار پہنچا دیا جاتا جہاں ان کی برین واشنگ کر کے ان کی سوچوں کا رخ بدل دیا جاتا اور انہیں پاکستان واپس بھیج کر انہی سے تخریب کاری کرائی جاتی۔

مجھے بھی اسی مقصد کیلئے اغوا کیا گیا تھا لیکن سرحد پار کرتے ہی میں ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور بیلا میری قیدی بن گئی لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ایک منصوبے میں ناگ راج کے سامنے مجھے پیش کر دیا لیکن میں وہاں سے بھاگ نکلا اور اس کے بعد ہمارے درمیان ایک طویل جنگ شروع ہو گئی۔

میں نے ماؤنٹ آبو میں ان کا دہشت گردی کا ٹریننگ کیمپ تباہ کر دیا۔ ناگ راج خطرناک ترین آدمی تھا۔ وہ سانپ کے زہر سے ایک ایسا انجکشن تیار کر رہا تھا جو انسانیت کیلئے تباہ کن ثابت ہوتا۔ یہ زہریلا اور خوفناک ترین انجکشن خاص طور پر پاکستان کیخلاف استعمال کے لیے تیار کیا جا رہا تھا لیکن میں نے ناگ راج کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔

راجستھان میں طویل عرصے تک بیلا سے میری آنکھ مچولی جاری رہی تھی۔ کبھی میں اس کے پیچھے چڑھ جاتا اور کبھی وہ میری گرفت میں آ جاتی لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو چکمہ دیتے رہے اور بالآخر میں وہاں سے فرار ہو کر پاکستان آنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اب بیلا یہاں دکھائی دے رہی تھی اور میں نے اسے دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جس مقصد سے بھی آئی ہو میں اسے اس کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

تابندہ نے بھی میری باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ایک بار پھر ایک نئے راستے پر چلنے والا

کی آنکھوں میں اور چہرے پر تشویش نمایاں تھی۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

"میری ایک بات مان لو تاجی۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم شتر بے مہار کی طرح بھاگتے رہے ہو۔ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو تمہیں سنبھال سکتا۔ جو بھی ملا اس نے تمہیں اپنے گھناؤنے مقاصد کیلئے استعمال کیا۔ تم اپنی زندگی کے کئی سال ضائع کر چکے ہو۔ تم اپنے بیتے ہوئے دنوں پر فخر نہیں کر سکتے۔ تم کسی محفل میں بیٹھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بہت بڑے منظر رہے ہو۔ یا تمہارے ہاتھوں کتنے آدمی مارے جا چکے ہیں۔ کوئی بھی قابل فخر بات تمہارے ماضی سے وابستہ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کا ذمے دار میں خود نہیں ہوں۔ مجھے اس وقت ایک غلط راستے پر ڈال دیا گیا جب مجھے اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں تھی۔ کوئی شعور نہیں تھا۔ مجھے نوعمری میں ایک ایسی چاشنی سے روشناس کرا دیا گیا جسے میں زندگی کی معراج سمجھ بیٹھا اور میرے لیے سب کچھ وہی بن گیا۔ میں نے عورت اور دولت کے حصول کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیا۔ مجھے یہ سوچنے بھی نہیں دیا گیا کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ از خود مجھے احساس ہو گیا کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں غلط کر رہا ہوں۔ ہیروئن کی پڑیا فروخت کر کے میں اپنے لئے تو زندگی کی تمام آسائشیں خرید سکتا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ اس پڑیا میں موجود چٹکی بھر پاؤڈر کیا گل کھلا سکتا ہے اور جب احساس ہوا تو وقت گزر چکا تھا۔ میں نے ایک نوجوان کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے دیکھا تو کانپ اٹھا۔ پڑیا کے چٹکی بھر پاؤڈر نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا۔ زندگی قطرہ قطرہ کر کے اس کے جسم سے نکل چکی تھی۔ دھواں بن کر ہوا میں اڑ گئی تھی۔ وہ نوجوان جس طرح ناخنوں سے اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا وہ سب دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ مجھے اس دھندے سے نفرت ہو گئی اور جب میں نے اس دھندے سے الگ ہونا چاہا دوسروں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو انکشاف ہوا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں جتنا میں نے سوچا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ منشیات کا دھندہ کرنے والے یہ لوگ اتنے طاقتور ہیں کہ حکومت کے تختے بھی الٹ سکتے ہیں۔ میں تو ان کے سامنے ایک معمولی سا تنکا تھا جسے وہ چٹکی پھونک سے اڑا سکتے تھے۔ لیکن میں پیچھے نہیں ہٹا۔ اس پڑیا کی تباہ کاریاں میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے کئی بڑے سوداگروں کو اس طرح چت کیا کہ ان میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی۔ بعض میرے ہاتھوں مارے گئے۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کارناموں پر مجھے میڈل ملنے چاہئیں تھے لیکن میں مجرم تھا پھر قاتل بن گیا۔ قانون بھی میرے پیچھے لگ گیا۔ مجھے دونوں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ایک طرف موت کے سوداگر تھے اور دوسری طرف قانون کے محافظ۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ وہ مجھے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ میں ان سے بچنے کیلئے بھاگتا رہا۔

"اس وقت میں نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی گمنام جگہ پر گمنامی کی زندگی گزاروں گا لیکن مقدر نے پلٹا اور قلابازی کھائی اور میں ہندوستان پہنچ گیا۔ وہاں کی صورتحال میرے لئے پاکستان سے بھی زیادہ سنگین ثابت ہوئی۔ یہاں میرے ملک کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں۔ میں نے بھی اپنے ملک میں کوئی قابل فخر کارنامے انجام نہیں دیئے تھے۔ میں یہاں بھی مجرم تھا، قاتل تھا اور قانون کو مطلوب تھا لیکن ایک غیر جگہ

پر اپنے ملک کے خلاف ہونے والی سازشوں سے میرے اندر حب الوطنی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ ہندوستان میں قدم رکھتے ہی میرے ہاتھوں کئی آدمی مارے گئے تھے اور وہاں کا قانون اور ایک بہت بڑی طاقت بھی میرے پیچھے لگ گئی اور میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچاتا رہا۔" میں خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تابندہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میں کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں دوبارہ اپنی سرزمین پر آ گیا۔ ہندوستان میں میرے کارناموں کی داستانیں یہاں تک پہنچ چکی تھیں لیکن ان سے یہاں میرے دشمنی پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں اب بھی قانون کو مطلوب تھا اور موت کے سوداگر وہ جھیڑیا فطرت انسان گھات لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے ایک بار پھر بھاگنا پڑا لیکن اس بار مجھے ان پر کچھ بالادستی بھی حاصل تھی۔ نرگس مجھے کراچی لے آئی۔ ہمارا خیال تھا کہ کراچی انسانوں کا جنگل ہے۔ یہاں ہمیں تلاش نہیں کیا جا سکے گا اور ہم یہاں گمنام رہ کر سکون کی زندگی گزار سکیں گے لیکن یہاں جو کچھ ہوا تم دیکھ چکی ہو۔

"لاہور کے ملک رمضان سے لے کر کراچی کے تحریکی تک' رضیہ سے لے کر حریری تک بیسیوں ہستیاں میری زندگی میں آ گئیں۔ ہر ایک نے حسب توفیق مجھ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ کسی نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے پناہ دے گا۔ اور اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ میں گردن تک گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس کے باوجود تم مجھے اپنانا چاہتی ہو۔ یہاں میرے بیکڑوں دشمن ہیں۔ کسی کی انگلی کا اشارہ مجھے کسی بھی لمحے آنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے اور میرا انجام پھانسی کے تختے پر ہی ہوگا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں بچا سکے گی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔"

"ہاں۔ میں تمہیں اپنانا چاہتی ہوں۔" تابندہ نے میری بات کاٹ دی۔ "میں تمہاری جوانی اور رعنائی پر عاشق نہیں ہوئی' نہ ہی میرا کوئی اور مفاد وابستہ ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہیں اس دلدل سے نکالوں گی۔ تمہیں دنیا کی نظروں سے چھپا کر رکھوں گی۔ یہاں نہیں تو میں تمہیں کہیں اور لے جاؤں گی۔ ہم یہ ملک چھوڑ دیں گے۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں دبئی میں بیٹھ کر بھی یہ بزنس چلا سکتی ہوں۔ یہاں اشرف جیسے دیانتدار لوگ موجود ہیں۔ وہ اس دفتر کو سنبھال لیں گے۔ میں تمہیں لے کر یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی اور تم پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دوں گی۔"

"تم جذباتی ہو رہی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں ناجی۔ میں جذباتی نہیں ہو رہی۔" تابندہ نے جواب دیا۔ وہ چند لمحے میرے چہرے کو تکتی رہی اور پھر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ "انکار مت کرنا ناجی۔"

وہ سسکی بھرتے ہوئے بولی۔ "بیسیوں لوگ میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں' ان میں کروڑ پتی' صنعت کار بھی ہیں اور بزنس مین بھی۔ میں کسی کو بھی ایک اشارے پر اپنے قدموں میں جھکا سکتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں وہ صرف اور صرف میرے حسن کی وجہ سے مجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے نوادرات کے ذخیرے میں ایک آئٹم کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان کی خواہش پوری ہو جائے گی' ان کا دل بھر

جائے گا تو وہ مجھے طاق نسیاں پر رکھ دیں گے۔ میں شوپیس نہیں بننا چاہتی میں زندگی گزارنا چاہتی ہوں کسی ایسے شخص کے ساتھ جو مجھے سمجھ سکے۔ مجھے کسی نمائشی چیز یا کنیز سمجھنے کے بجائے میرے احساسات کو سمجھ سکے اور۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے مجھے دونوں بانہوں سے پکڑ کر میرا چہرہ اپنے سامنے کر لیا۔ "اور تم وہ شخص ہو جو میرے ساتھ قدم ملا کر چل سکتا ہے۔"

"تابندہ۔" میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "میں بہت دنوں سے یہاں رہ رہا ہوں۔ اس دوران یہ اندازہ لگا چکا ہوں کہ یہاں تمہاری بہت عزت ہے۔ اونچی سوسائٹی میں لوگ تمہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کسی کو میرے بارے میں شبہ بھی ہو گیا تو تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔ میں تو بارود کا وہ ڈھیر ہوں جسے معمولی سی چنگاری بھی دھماکے سے اڑا سکتی ہے اور جب دھماکہ ہوگا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔" تابندہ نے کہا۔ "میں نے ہر قیمت پر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"میری زندگی میں آنے والی تم پہلی ہستی ہو جس کے سوچنے کا انداز دوسروں سے مختلف ہے۔" میں نے کہا۔ "میں بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اس خاردار راستے پر کوئی تو ایسا ملا جو میرا ہمدرد اور بہی خواہ ہو لیکن۔"

"لیکن کیا۔" اس نے اپنے چہرے پر ٹکے ہوئے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"بیلا یہاں موجود ہے۔" میں نے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا لئے۔ "اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ کتنی خطرناک عورت ہے۔ وہ یقیناً کسی بڑے مشن پر یہاں آئی ہے۔ میں خاموش یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تو نہیں رہ سکتا۔"

"میں تمہیں روکوں گی نہیں۔" تابندہ نے کہا۔ "لیکن یہ کام کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی سرگرمیاں روکی جا سکتی ہیں۔"

"مثلاً؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے۔ پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔" تابندہ نے کہا۔

"یہ بات میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ صرف بیلا کی گرفتاری سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔ "یہاں تو را کا پورا نیٹ ورک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم از کم کراچی میں موجود سب لوگوں پر بیک وقت ہاتھ ڈالا جائے۔"

"تو پھر ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔" تابندہ بولی۔

"سی آئی اے کا انسپکٹر فرمان میرا دوست ہے۔" اس نے کہا۔ "اس سے بات کی جائے۔ وہ لوگ اپنے طور پر بیلا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں تحقیقات کر کے کارروائی کریں گے۔"

"لیکن اس طرح خود میرے لیے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "انسپکٹر فرمان کو اگر ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ میں کون ہوں تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔" "ایسا نہیں ہوگا۔" تابندہ مسکرائی۔ "یہ

سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو بلکہ میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آ رہی ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں سامنے آنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔"

"کیسی ترکیب؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے ذرا سوچ لینے دو۔ ہم کل بات کریں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تو پھر یہ محفل برخاست کر دی جائے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

تابندہ میری اس بات پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

لباس تبدیل کر کے میں بستر پر لیٹ گیا۔ رات کے سوا دو بج رہے تھے میں اگرچہ نیند کا بہانہ کر کے وہاں سے اٹھ تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میری آنکھوں میں کوسوں دور تک نیند کا نشان نہیں تھا۔

میں تابندہ کے بارے میں سوچتا رہا وہ میرے بارے میں جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے میرے اندر ایسی کیا بات نظر آ گئی تھی۔ میں جرائم پیشہ تھا۔ گردن تک گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ میں کسی بھی وقت پولیس کی نظروں میں آ سکتا تھا یا حریری جیسے لوگ مجھے دوبارہ اس دلدل میں دھکیل سکتے تھے۔ میں ہی جانتا تھا کہ میرا اور تابندہ کا ساتھ زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا تھا۔ ہم زیادہ عرصے تک خوشیاں نہیں سمیٹ سکتے تھے۔ یہ بات میں نے تابندہ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ مجھ سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ایک مرتبہ تو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں۔ کسی بھی طرف۔ یہ ملک بہت بڑا تھا۔ کہیں بھی گمنامی کی زندگی گزار سکتا تھا لیکن اس خیال کو میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے ساتھ قدم قدم پر دھوکے ہوئے تھے۔ لیکن میں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا اور تابندہ کو تو بالکل نہیں۔ وہ بہت معصوم تھی۔ میری تمام برائیوں سے واقف تھی اور مجھے ڈر یہ تھا کہ مجھے نکالنے کی کوشش میں کہیں وہ خود اس دلدل میں نہ پھنس جائے۔

میری ذہنی رو بھٹک گئی اور اب بیلا میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے میں نے دو ڈھائی سال بعد دیکھا تھا لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ وہ پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی تھی۔

بیلا کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ وہ یقیناً کسی بہت اہم مشن پر یہاں آئی تھی۔ میں اس کی سرگرمیوں کو روکنا چاہتا تھا لیکن تابندہ مجھے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ بیلا کو روکنے کی کوشش میں خود نہ پھسل جاؤں اور کہیں اس سے دور نہ چلا جاؤں۔

تابندہ سی آئی اے کے انسپکٹر فرنان کے توسط سے جو پروگرام بنانا چاہتی تھی وہ ابھی تک خود اس کے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ لیکن میرے خیال میں ایجنسی کے کسی آدمی کو اس معاملے میں ملوث کرنا خود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن بہرحال اس کا منصوبہ جاننے کے بعد ہی کوئی صحیح رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

صبح چار بجے کے قریب میں سویا ہوں تو میری آنکھ گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلی تھی۔ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو ملازمہ نے بتایا کہ تابندہ دس بجے کے قریب دفتر چلی گئی تھی۔

میں ناشتہ کر رہا تھا کہ تابندہ کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ دفتر کے ضروری کاموں میں مصروف ہے۔ اسے دیر ہو جائے گی۔ میں دوپہر کے کھانے پر اس کا انتظار نہ کروں۔

میں ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر تک لاؤنج ہی میں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اوپر آ گیا اور میرے قدم غیر ارادی طور پر حریری والی خواب گاہ کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

میں نے کمرے میں داخل ہو کر بتی جلا دی۔ ہر چیز جوں کی توں پڑی تھی۔ حریری کا شب خوابی کا وہ لباس بھی بستر پر بکھرا پڑا تھا جو اس کے جانے سے ایک رات پہلے میں نے اس کے جسم پر دیکھا تھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر جھک کر وہ لباس اٹھا لیا۔ اس میں اب بھی حریری کے بدن کی بو رچی ہوئی تھی۔

میں دیر تک کمرے میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ حیرت ہے کل شام فون پر حریری سے بات ہونے کے بعد سے اب تک ایک لمحہ کو بھی مجھے حریری کی یاد نہیں آئی تھی۔ لیکن اب اچانک ہی اس کی یاد نے یلغار کر دی تھی۔ اس کمرے میں اس کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ کسی فلم کے حسین منظر کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔

اس کی سب چیزیں کمرے میں جوں کی توں بکھری پڑی تھیں۔ بائیں طرف الماری کے قریب کرسی پر اس کا سوٹ کیس بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کھول لیا اور اس میں رکھی ہوئی چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔ زیادہ تر کپڑے ہی تھے جنہیں میں نے دوبارہ سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا پلنگ کے سامنے ریشمی کشن والے اس کوچ پر بیٹھ گیا جہاں عام طور پر بیٹھا کرتا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے ابھی چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ راہداری میں قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی اور پھر دروازے میں ملازمہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

"بیگم صاحبہ کا فون ہے صاحب جی۔ آپ سے بات کریں گی۔"

ملازمہ کی آواز سن کر میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ میں اپنے آپ میں خجالت سی محسوس کرنے لگا تھا۔ ملازمہ مجھے اس کمرے میں دیکھ کر کیا سوچتی ہو گی۔

میں نیچے آ گیا۔ فون کا ریسیور میز پر الگ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" میں نے ماؤتھ پیس میں دھیمے لہجے میں کہا۔

"سو رہے تھے کیا؟" جواب میں تابندہ کی آواز سنائی دی۔

"نہیں۔ ذرا گھوم پھر کر تمہارے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ کوئی خاص بات؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بہت ہی خاص بات۔ تم نے ابھی تک کوئی ایوننگ پیپر تو نہیں دیکھا ہو گا۔" تابندہ بولی۔

"نہیں تمہارے گھر میں تو صبح سات بجے ایک روزنامہ آتا ہے' میں نے ابھی وہ بھی نہیں دیکھا۔ کوئی خاص خبر؟"

"ہاں بہت ہی خاص۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "حریری ماری گئی۔"

"کیا؟" میں اس طرح اچھل پڑا جیسے میرے پیروں پر بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"میں اخبار لے کر آ رہی ہوں۔ خود ہی دیکھ لینا۔ بس دفتر سے نکل رہی ہوں میں۔" تابندہ نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

میں کتنی دیر تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا اور پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر قریب ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

حریری ماری گئی کب؟ کہاں؟ کیسے؟ اس جیسے درجنوں سوالات بگولوں کی طرح میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

تابندہ نے ادھوری بات بتا کر مجھ پر بڑا ظلم کیا تھا۔ میں اس وقت گویا انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ بے چینی تھی کہ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ حریری کیسے مر گئی؟ اسے کس نے مارا؟ طرح طرح کے سوالات میرے ذہن میں بگولوں کی طرح ناچ رہے تھے۔

نہیں حریری نہیں مر سکتی۔ میں بڑبڑایا۔ ابھی چند مدت پہلے ہی تو میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ جہاں اس کے بکھرے ہوئے ملبوسات اور ہر چیز سے اس کے بدن کی مہک اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تو زندگی کی مہک تھی۔ وہ کیسے مر سکتی تھی۔

حریری نے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا تھا اس کی موت کی خبر سن کر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن ہمارا کئی مہینوں کا ساتھ تھا۔ رنگا اور تجری کے معاملات نمٹانے میں اس نے میری مدد کی تھی اور قدیم شہزادی کی تلاش میں بھی اس نے اس کی مدد کی تھی۔ ہم قدم سے قدم ملا کر چلے تھے اور آخری چند راتیں تو بڑی یادگار گزری تھیں۔

حریری قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار تھی۔ وہ خود تو دوسروں کیلئے موت کا وسیلہ بن سکتی تھی لیکن موت نے اسے کیسے چاٹ لیا۔ کیا موت کو اس کے حسن اور اس کی معصومیت پر رحم نہیں آیا ہوگا۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اسی دوران ملازمہ نے میرے سامنے چائے لا کر رکھ دی۔ ناشتے کے بعد میں نے ابھی تک چائے نہیں پی تھی اور اس وقت میں واقعی اس کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے صاحب جی بہت پریشان دکھتے ہو۔ خیر تو ہے نا؟“ بیگم صاحبہ تو ٹھیک ہے نا۔ ابھی ان کا فون آیا تھا۔“ ملازمہ نے پوچھا۔ اس نے چہرے کے تاثرات سے میری پریشانی کا اندازہ لگایا تھا۔

”حریری مر گئی۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”ہائے اللہ۔“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”کیسے مر گئی حریری بی بی؟ اتنے دنوں سے وہ کہاں تھی؟“

”وہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے کراچی سے باہر گئی ہوئی تھی۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اس کے مرنے کی خبر اخبار میں چھپی ہے۔ تابندہ گھر پہنچنے والی ہے۔ اس سے ساری تفصیل معلوم ہوگی۔“

ملازمہ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑی میری طرف دیکھتی رہی پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ حریری ہمیں دھوکا دے کر گئی تھی اور اب خود زندگی سے دھوکا کھا گئی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ پھر کپ ہاتھ میں اٹھا کر لاؤنج سے نکل کر سامنے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد گاڑی گیٹ کے سامنے آ کر رکی اور ساتھ ہی ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں

کرسی سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ملازمہ دروازے سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ گاڑی پورچ میں آ کر رکی۔ تابندہ گاڑی سے برآمد ہوئی تو میں بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں فولڈ کیا ہوا اخبار بھی تھا۔ تابندہ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ روتی رہی تھی۔

وہ برآمدے ہی میں میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور کچھ کہے بغیر اخبار میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے تہیں کھول کر اخبار سیدھا کیا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ خبر ہیڈ لائن میں تھی اور حسب معمول سرخی کو سنسنی خیز بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہیڈ لائن کے نیچے تقریباً دس لائنیں ذیلی سرخیوں میں تھیں۔ میں وہ ذیلی سرخیاں پڑھتا چلا گیا۔ اصل متن دس بارہ سنگل کالم لائنوں سے زیادہ نہیں تھا۔ اس میں وہی باتیں دہرائی گئی تھیں جو ذیلی سرخیوں میں تھیں۔

اس رپورٹ کے مطابق گزشتہ شام گوادر میں کوسٹ گارڈ چوکی کو خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ کچھ نامعلوم سمگلر قیمتی نوادرات سمندری راستے سے ایران کی طرف سمگل کرنے کی کوشش کریں گے۔ کوسٹ گارڈز نے ساحلی پٹی اور سمندر میں نگرانی سخت کر دی۔ رات کے پچھلے پہر تین بجے کے قریب ویران ساحل سے گہرے سمندر کی طرف جانے والی ایک لانچ کو روکنے کی کوشش کی گئی تو اس سے کوسٹ گارڈ کی لانچ پر فائر کھول دیا گیا۔ کوسٹ گارڈز نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی اور سمندر میں تقریباً تین میل تک تعاقب کرنے کے بعد سمگلروں کی لانچ کو روک لیا گیا۔ تب انکشاف ہوا کہ سمگلروں کی لانچ پر سوار چاروں افراد جن میں ایک نہایت حسین لڑکی بھی شامل تھی مارے گئے تھے۔ کوسٹ گارڈز نے لانچ پر قبضہ کر لیا۔ تلاشی لینے پر لانچ سے ایک تابوت دریافت ہوا جس میں ایک ممی رکھی ہوئی تھی۔

اخبار کی اطلاع کے مطابق سمگلروں کی لانچ پر چار ہی افراد سوار تھے جو سب مارے گئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں میں لڑکی کا نام حریری، ایک آدمی کا نام ٹیڈی، دوسرے کا منصور بخش اور تیسرے کا نام مولا بخش تھا۔ حریری کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کا تعلق ایران سے قیمتی نوادرات سمگل کرنے والے ایک گروہ سے ہے۔ مزید انکشافات کی توقع ہے۔

اس ہیڈ لائن کے علاوہ شہزادی کی ممی کے بارے میں کئی خبریں الگ الگ چھپی تھیں۔ ایک چھوٹی خبر میں بتایا گیا تھا کہ اس ممی کو کراچی لانے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں جہاں اسے قومی عجائب گھر میں رکھا جائے گا اور آثار قدیمہ کے ماہرین اس کا جائزہ لینے کے بعد حتمی رائے کا اظہار کریں گے۔

اخبار اس پراسرار ممی اور نوادرات کی سمگلنگ کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی خبروں سے بھرا ہوا تھا لیکن مجھے اس وقت دوسری خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے حریری کی موت والی مرکزی خبر کو دوبارہ پڑھا اور اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر تابندہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سرخ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

میں اسے اٹھا کے اندر لے آیا۔ کمرے میں آتے ہی وہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے

گئی۔ اس کے اندر جانے کب سے غبار بھرا ہوا تھا جو اب پھٹ پڑا تھا۔ میں اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دینے لگا۔

"میں نے اسے منع کیا تھا' ہمیشہ منع کرتی تھی۔" تابندہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ رنگا کے ساتھ کراچی آئی تھی اور جب مجھے اس کے عزائم کا پتا چلا تو میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ آگ سے کھیلنے کے بجائے کہیں ایک جگہ ٹک کر سکون سے زندگی گزارے۔ جب بھی میری ملاقات ہوتی میں اسے یہی بات سمجھاتی لیکن وہ نادان لڑکی اس نے میری کوئی بات نہیں مانی۔" اس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔

میں نے اسے پلنگ پر بٹھا دیا اور فریج میں سے ٹھنڈا پانی لے آیا۔ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی۔ لیکن آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

یوں تو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا کہ تابندہ حریری کو کتنا چاہتی تھی لیکن اب اس کی حالت دیکھ کر اس کے جذباتی لگاؤ کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ رہ رہ کر حریری ہی کی باتیں کرتی رہی۔

سوگواری کی فضا دو تین روز تک گھر پر طاری رہی۔ میرا اندازہ تھا کہ تابندہ طویل عرصے تک حریری کی یادوں کو دل سے نہیں نکال سکے گی۔

شہزادی کی ممی کراچی لائی جا چکی تھی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس کے بارے میں روزانہ کوئی نہ کوئی خبر اخباروں میں شائع ہوتی رہتی تھی۔ اس ممی کی وجہ سے اب تک پاکستان میں کئی قتل ہو چکے تھے اور شاید اس حوالے سے ایک اخبار نے اسے کسی بدروح ممی کا نام دے دیا تھا۔

تقریباً ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ اس ہفتے کے دوران ہم صرف ایک مرتبہ رات کا کھانا کھانے کیلئے میریٹ ہوٹل گئے تھے۔ ہمارا زیادہ وقت گھر پر ہی گزرتا تھا۔ تابندہ دفتر بھی نہیں جا رہی تھی۔ کوئی بہت ضروری کام ہوتا تو فون پر اشرف سے بات کر لیتی۔

مجھے بیلا کی فکر پریشان کر رہی تھی۔ وہ نجانے کن سرگرمیوں میں مصروف تھی اور ظاہر ہے اس کی سرگرمیاں اس ملک کی سلامتی کے خلاف ہی رہی ہوں گی۔

ایک ہفتے بعد ہم اپنے اصل پروگرام کی طرف لوٹ آئے۔ تابندہ نے سی آئی اے انسپکٹر فرمان کے حوالے سے جو پروگرام بنایا تھا اس میں اگرچہ میرے لیے بھی رسک تھا لیکن قابل عمل تھا اور میں یہ رسک لینے کو تیار تھا۔

اس رات ہم کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ ہمارے سامنے میز پر ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک مختصر سا مضمون لکھ کر اپنے سامنے رکھا ہوا تھا اور پھر میں وہ مضمون اپنی آواز میں ریکارڈ کرنے لگا۔ ٹیپ کو پلے کر کے چیک کیا گیا۔ اس میں کچھ خامیاں نظر آئیں۔ دوبارہ ریکارڈنگ ہوئی اور پھر سہ بارہ۔ وہ رات اسی چکر میں بیت گئی۔ آخری پہر وہ ٹیپ تیار ہو گیا جس کی ہمیں ضرورت تھی۔ اس ٹیپ میں تابندہ کی آواز بھی شامل تھی۔ ہم دونوں کی آوازیں ہماری اصل آوازوں سے بہت مختلف تھیں اور اس کیلئے ہم نے بڑی محنت کی تھی۔ دو افراد کی گفتگو میں بیلا کے بارے میں چند سنسنی خیز انکشافات کیے گئے تھے اور ایرانی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس گفتگو میں چند وہ نام بھی شامل تھے جو ماؤنٹ آبو کے ٹریننگ کیمپ کی تباہی کے بعد اور انکا آئی جی ہوٹل کے تہ خانے سے مجھے ملے تھے۔ یوں تو ان ناموں کی فہرست بہت طویل

تھی لیکن میں نے چند اہم ناموں کا ہی حوالہ دیا تھا۔

اس سے اگلے روز تابندہ دفتر سے واپس آئی تو اس کے پاس ایک ایسا شاپنگ بیگ بھی تھا جس پر راجستھان کے شہر جے پور کے ایک بہت مشہور سپر سٹور کا نام اور ایڈریس وغیرہ چھپا ہوا تھا۔ یہ بیگ بہت مضبوط تھا اور اسے پکڑنے کیلئے ریشمی ڈوری کا ہینڈل بھی لگا ہوا تھا۔ اس بیگ میں چند اور چیزوں کے علاوہ دو ساڑھیاں بھی تھیں جن کے کناروں پر میڈ ان انڈیا چھپا ہوا تھا۔

شام سات بجے کے قریب اس نے سی آئی اے انسپکٹر فرمان کو فون کیا۔ اتفاق سے وہ اس وقت گھر پر ہی تھا اور کال اسی نے ریسیور کی تھی۔ تابندہ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسری طرف سے شکوے شکایات کا دفتر کھول دیا تھا۔ تابندہ بھی کچھ ایسے ہی ڈائیلاگ بول رہی تھی۔ "اچھا سنو" تابندہ کہہ رہی تھی۔ "یہ شکوے تو بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔ میں نے ایک اہم کام کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ تمہارے فائدے کی بات ہے۔ میں تمہارے ہاں آ جاؤں یا تم میرے ہاں آ سکتے ہو؟" وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی آواز سنتی رہی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی اور ہاں! تم میرے ساتھ ہی کھاؤ گے۔"

"اس نے فون بند کر دیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"وہ آٹھ بجے تک یہاں پہنچ جائے گا۔" اس نے کہا اور پھر ملازمہ کو بلا کر اسے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگی۔

ہم دونوں لان میں آ گئے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ کراچی کا موسم تو ویسے بھی شام کے بعد بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ دن میں کتنی ہی شدید گرمی کیوں نہ ہو ٹھنڈی اور سہانی شام سارے گلے شکوے دور کر دیتی ہے۔

آٹھ بجے کے قریب انسپکٹر فرمان پہنچ گیا۔ وہ دراز قامت خوبرو شخص تھا۔ عمر کا اندازہ چالیس کے لگ بھگ لگایا جا سکتا تھا۔ بادامی رنگ کا سفاری سوٹ اس پر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تابندہ نے ملازمہ سے کہہ کر چائے وہیں منگوا لی۔

چائے کے دوران بھی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ثابت ہوا کہ انسپکٹر فرمان' تابندہ کے شوہر کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ کراچی یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعد فرمان پولیس کے محکمے میں آ گیا تھا اور تابندہ کے شوہر نے بزنس لائن اختیار کر لی تھی۔

ان دونوں میں بڑی گہری دوستی رہی۔ تابندہ کے شوہر کا انتقال ہوا تو فرمان جیسے مخلص دوست ہی تابندہ کے کام آئے تھے۔ اسے فرمان جیسے دوستوں سے بڑا حوصلہ ملا تھا لیکن ادھر کچھ عرصے سے ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا۔ انسپکٹر فرمان اپنے فرائض کے سلسلے میں مصروف رہا اور تابندہ' حریری کے کراچی آ جانے سے جان بوجھ کر فرمان سے ملنے سے گریز کرتی رہی۔

"تم نے فون پر میرے فائدے کی کوئی بات کی تھی؟" انسپکٹر فرمان نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"آخر ہو نا پولیس والے۔ ہمیشہ اپنے ہی فائدے کی سوچتے ہو۔" تابندہ نے کہا۔ "آؤ اندر

چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ہم لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تابندہ نے وہ شاپنگ بیگ فرمان کے سامنے رکھ دیا۔

"میں آج کسی کام کے سلسلے میں ڈیفنس گئی تھی۔ میری گاڑی میں پٹرول ختم ہو گیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ایک رکشے پر بیٹھ کر وہاں سے تقریباً ایک میل دور واقع پمپ پر پٹرول لینے کیلئے چلی گئی۔ واپسی پر پٹرول پمپ کے سامنے مجھے ایک پیلی ٹیکسی مل گئی۔ پچھلی سیٹ کے سامنے فٹ میٹ پر یہ شاپنگ بیگ پڑا ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ پہلے میں نے سوچا کہ ٹیکسی ڈرائیور سے کہوں کہ کوئی مسافر اپنا یہ بیگ بھول گیا ہے لیکن پھر نجانے کیا سوچ کر میں خاموش ہو گئی اور جب ٹیکسی سے اتری تو یہ شاپنگ بیگ بھی اٹھا لیا۔ میری نیت خراب نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس میں کوئی ایڈریس وغیرہ ہوگا تو میں بیگ متعلقہ شخص تک پہنچا دوں گی۔

گھر آ کر میں نے بیگ کی چیزوں کو چیک کیا۔ اس میں ایک آڈیو کیسٹ بھی ہے۔ میرا خیال تھا کیسٹ میں گانے بھرے ہوں گے۔ میں نے یہ کیسٹ پلے کی تو اس میں گانوں کے بجائے کچھ اور ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا کیونکہ یہ تمہارے مطلب کی چیز ہے۔"

انسپکٹر فرمان بیگ میں سے چیزیں نکال نکال کر دیکھ رہا تھا۔ دو سڑھیاں انڈین میڈ کی کے چاکلیٹ کا ایک ڈبہ، مہندی کا ایک ڈبی اور کچھ اور چیزوں کے علاوہ آڈیو کیسٹ۔ اس نے کیسٹ کور میں سے نکال لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"میں ابھی ریکارڈ پلیئر لے کر آتی ہوں۔" تابندہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ "یہ کیسٹ سننے کے بعد ہی تمہیں اندازہ ہوگا کہ اس کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔"

وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ اس کی واپسی میں تقریباً پانچ منٹ لگے تھے۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر سینڈ ٹیبل پر رکھ کر پلگ صوفے کے پیچھے دیوار پر ساکٹ میں لگا دیا اور فرمان کے ہاتھ سے کیسٹ لے کر ریکارڈر میں لگایا اور پلے کا بٹن دبا دیا۔ انسپکٹر فرمان اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب آ گیا۔

وہ بڑی گہری توجہ سے وہ آوازیں سن رہا تھا۔ بیس منٹ کی مرد اور عورت کی اس گفتگو میں کم از کم تین مرتبہ بیلا اور دو مرتبہ سیٹھ رمضان کرنی والے کا نام آیا تھا۔ دو تین اور نام بھی لیے گئے تھے۔

اس گفتگو سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ بیلا بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی را کی خطرناک ایجنٹ ہے جو کسی اہم مشن پر کراچی آئی ہوئی ہے اور سیٹھ رمضان کرنی والا سے اس کا رابطہ ہے۔ دوسرے ناموں کے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی تاثر ملتا تھا۔

گفتگو ختم ہو گئی۔ ریکارڈر کے اسپیکر سے خالی ٹیپ چلنے کی سرسر کی آواز سنائی دینے لگی۔ تابندہ نے ٹیپ بند کر دیا اور فرمان کی طرف دیکھنے لگی۔

فرمان کے چہرے پر سنسنی کے عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"یہ ٹیپ کہاں سے ملا تھا۔ میرا مطلب ہے ڈیفنس میں تم کس جگہ سے ٹیکسی میں بیٹھی تھیں جس سے یہ شاپنگ بیگ تمہیں ملا تھا؟" فرمان نے تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پٹرول پمپ کے ساتھ ہی شہر کی طرف ایک سڑک جاتی ہے جو آگے جا کر مین بلیوارڈ سے جا

ملی ہے۔" تابندہ نے بتایا اور اسے اس علاقے کی پوزیشن سمجھانے لگی۔ سیٹھ رمضان کرنی والا کی کوٹھی بھی اس علاقے میں تھی۔ تابندہ نے بہت خوبصورت کہانی گھڑی تھی۔ علاقے کی نسبت سے بھی یہ اشارہ ملتا تھا کہ وہ فرمان کی توجہ سیٹھ رمضان کرنی والا کی طرف مبذول کرانا چاہتی تھی۔

"سیٹھ رمضان کرنی والا۔" انسپکٹر فرمان بڑبڑایا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے اس شخص کے بارے میں ایک رپورٹ آئی تھی۔ اس کے پاس اگرچہ کرنسی کے بزنس کا لائسنس موجود ہے لیکن اس کی آڑ میں یہ کرنسی کا ناجائز دھندہ بھی کرتا ہے اور یہ ٹیپ۔" اس نے اشارہ کیا۔ "اس سے لگتا ہے کہ وہ کسی اور خطرناک قسم کی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہے۔ بہرحال اب اس کیس کو میں خود دیکھوں گا۔"

"یہ لوگ جو کوئی بھی ہیں ان کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔" تابندہ نے کہا۔ "پہلے میں نے سوچا تھا کہ یہ کیسٹ پولیس سٹیشن پر دے دوں لیکن پھر مجھے تمہارا خیال آ گیا۔ اس لیے۔"

"اب تم بالکل مطمئن ہو جاؤ۔" انسپکٹر فرمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ لوگ اپنے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

تابندہ نے کیسٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور میز پر بکھری ہوئی چیزیں شاپنگ بیگ میں بھرنے لگی۔

"یہ بیگ بھی لے جانا۔ چاکلیٹ بچے کھا لیں گے اور تمہاری بیگم بھی سڑھیاں دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔" تابندہ نے کہا۔

انسپکٹر فرمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "وہ تحائف سے خوش نہیں ہوتی۔ اسے خوشی تو اس وقت ہوتی ہے جب میں گھر پر موجود رہتا ہوں لیکن تم جانتی ہو اپنی ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ گھر میں ٹکنے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔"

"تہمینہ بہت اچھی عورت ہے۔" تابندہ بولی۔ "اسے چند روز کیلئے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ میرے کچھ کام ہیں اور تہمینہ میری بہت مدد کر سکتی ہے۔"

"کیا میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔" فرمان بولا۔ "کہو تو میں بھی چند روز کیلئے یہاں آ جاؤں۔"

"تمہیں بھی آنا ہی پڑے گا۔" تابندہ بولی۔

"کوئی خاص بات۔" فرمان نے اسے گھورا۔ "تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہیں؟" اس نے خاموش ہو کر معنی خیز نگاہوں سے میری طرف بھی دیکھا تھا۔

تابندہ نے نظریں جھکا لیں اور دھیمے لہجے میں بتانے لگی کہ ہم چند روز میں شادی کرنے والے ہیں۔

"بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا ہے تم نے تابندہ۔" انسپکٹر فرمان نے کہا۔ پھر اس نے مجھے بھی مبارکباد دی اور بولا۔ "کل صبح ہی تہمینہ یہاں آ جائے گی اور میرے لیے کوئی کام ہو تو بلا جھجک بتا دینا۔"

اور پھر اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی دوران ملازمہ نے آ کر بتایا کہ کھانا لگ گیا ہے۔ ہم اٹھ کر کھانے کی میز پر آ گئے۔

کھانے کے دوران بھی اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور پھر گیارہ بجے کے قریب انسپکٹر فرمان رخصت ہو گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ بیلا والے کیس پر وہ جلد سے جلد کام شروع کر دے گا۔

انسپکٹر فرمان کے جانے کے بعد ہم تابندہ والے کمرے میں آ گئے اور دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تابندہ نے تو اپنی بات واضح کر دی تھی۔ اس نے انسپکٹر فرمان کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے والی ہے۔ میں نے بھی اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔

میں دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا اور اب میں بھی کسی ایک جگہ تک جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے مجھے پھانسے دیئے گئے تھے لیکن تابندہ ان سب لوگوں سے مختلف ثابت ہوئی تھی۔ وہ مجھے سنبھلنے کا موقع دے رہی تھی اور میں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن خدشات بھی اپنی جگہ موجود تھے۔

کراچی میں بھی میرے بیشتر دشمن موجود تھے۔ رنگا اگرچہ اس فیلڈ سے آؤٹ ہو گیا تھا اور لاہور آ گیا تھا تھا اس کی راجدھانی میری وجہ سے لٹ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی وقت سامنے آ جائے لیکن اس کی مجھے زیادہ پروا نہیں تھی۔ تاہم دوسری طرف تحریکی بھی موجود تھا۔ میں نے اس کی دس کلو ہیروئن واپس کر دی تھی اور بظاہر وہ میری طرف سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس نے مجھے ایک بات اور بھی کہی تھی۔ "جرائم کی دنیا میں آنے کے راستے تو بہت ہیں لیکن یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔" اس نے یہ بات ایک لحاظ سے درست بھی کہی تھی۔ میں نے بھی کسی کو اپنی مرضی سے اس فیلڈ سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اگر کوئی نکلا بھی تھا تو مر کر ہی نکلا تھا۔

تحریکی نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ میرے خلاف کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ میں کراچی پولیس کی نظروں سے پوشیدہ تھا لیکن تحریکی میرے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں تابندہ کے ساتھ رہ رہا ہوں۔

اور اب سی آئی اے کا انسپکٹر فرمان بھی اس معاملے میں ملوث ہو گیا تھا۔ اس کی پوزیشن اگرچہ دوسری تھی لیکن اس کو اس معاملے میں ملوث کرنا میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ تابندہ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ اسے بہن کی طرح عزیز سمجھتا تھا لیکن وہ آخر کو تھا تو پولیس والا اور پولیس والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نہ ان کی دشمنی اچھی نہ دوستی اور میرے حوالے سے تو بازی بہت اونچی تھی۔ میری گرفتاری تو ہر پولیس والے کا خواب بن گئی تھی۔ عین ممکن ہے جب فرمان کو میری اصلیت کا پتا چلے تو وہ تابندہ سے تمام رشتے ناتے بھول کر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دے۔ یہ تیر بہرحال ہمارے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا۔ اب مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

تابندہ بڑی عجلت دکھا رہی تھی۔ اس نے نکاح کیلئے آنے والے جمعہ کا دن بھی مقرر کر دیا تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ تقریب بہت سادگی سے ہوگی اور چند بہت قریبی دوست مدعو کیے جائیں گے۔ انسپکٹر فرمان کی بیوی اور بچے بھی یہاں آ گئے تھے۔ تہمینہ بڑی سلیقہ مند عورت تھی۔ اس نے آتے ہی سارے انتظامات سنبھال لیے تھے۔ تین دن پہلے کمپنی کے جنرل منیجر اشرف کی بیگم اور دونوں بیٹیاں بھی آ گئیں۔ گھر میں بڑی رونق ہو گئی۔

میں نچلا کمرہ چھوڑ کر اوپر والی منزل پر منتقل ہو گیا تھا۔ میری اپنی کچھ مصروفیات تھیں اس کے

کی حرکات بھی دامن گیر تھے۔ دن میں ایک آدھ بار انسپکٹر فرمان سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی اس سے پتا رہتا تھا کہ بیلا والے معاملے میں کس قدر پیش رفت ہوئی ہے۔

انسپکٹر فرمان کے کہنے کے مطابق سیٹھ رمضان کرنسی والا اور بیلا کی نگرانی سے ان کے تین اور ساتھیوں کا سراغ لگا لیا گیا تھا جن کی چوبیس گھنٹے نگرانی ہو رہی تھی۔ یہ لوگ پہلے بھی دہشت گردی اور تخریب کاری کے حوالے سے مشتبہ افراد کی لسٹ پر تھے۔ ان کے کچھ اور ساتھیوں کا بھی سراغ لگایا جا رہا تھا۔ فرمان کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت عملی قدم اٹھانا چاہتا تھا جب ان کے تمام آدمی نظروں میں آ جائیں۔ وہ بیک وقت کارروائی کرنا چاہتا تھا تاکہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔

وہ جمعہ کا دن تھا۔ کوٹھی میں بڑی رونق تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ تمام مہمان آ گئے جنہیں مدعو کیا گیا تھا۔ وہ سب بڑے لوگ تھے۔ ان کا شمار شہر کی معزز ترین ہستیوں میں ہوتا تھا۔ کوئی صنعت کار تھا' کوئی بزنس مین' کوئی اعلیٰ سرکاری آفیسر اور لطف کی بات یہ تھی کہ ایس ایس پی رینک کا اور پولیس آفیسر بھی اپنی بیوی کے ساتھ اس تقریب میں شریک تھا اور میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ میں مشیات کا سوداگر تھا۔ میرے ہاتھ کئی افراد کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ قانون کیلئے میں موسٹ وانٹڈ آدمی تھا۔ جناب پولیس نے میری گرفتاری پر لاکھوں روپے انعام بھی مقرر کر رکھا تھا اور میں یہاں معزز ترین لوگوں کی موجودگی میں ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہا تھا۔

نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ تقریب میں مدعو تمام مرد لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اشرف صاحب چھوہارے بانٹ رہے تھے۔ فرمان بھی ادھر سے ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔ گیارہ بارہ سال کی عمر کے ایک بچے نے میرے قریب آ کر کان میں سرگوشی کی۔ "بوا آپ کو بلا رہی ہے۔" میں قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے معذرت کر کے اٹھ گیا۔ خادمہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

"آپ کیلئے فون ہے صاحب جی۔"

میرا دل یک بارگی دھڑک اٹھا۔ میرے لیے کس کی کال ہو سکتی تھی۔ میں اندر آ گیا۔ لاؤنج میں خواتین بھری ہوئی تھیں وہ سب میری طرف دیکھنے لگیں۔ ایک دو نے دلچسپ جملے بھی کسے تھے۔ میں نے میز کے قریب پہنچ کر الگ رکھا ہوا فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"نئی زندگی مبارک ہو ناجی۔"

میں اس طرح اچھلا جیسے سر پر ایٹم بم پھٹا ہو۔ یہ آواز تو میں لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

وہ رضیہ تھی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک لمحہ تو مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کھڑے کھڑے گر جاؤں گا۔ لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ مجھے احساس تھا کہ کمرے میں بھری ہوئی خواتین میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ سب کی نگاہیں مجھ پر لگی ہوئی تھیں۔ شادی کی تقریب میں دولہا ہی مرکز نگاہ ہوتا ہے اور میں ہی اس وقت تمام نگاہوں کا مرکز تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات سے میری اندرونی کیفیت کا اندازہ بہت آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً ہی

اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"مت... تم۔" کوشش کے باوجود میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔

"پریشان ہو گئے میری آواز سن کر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "تم تو مجھے بھول گئے لیکن میں تمہیں نہیں بھولی۔ دیکھ لو میں نے عین وقت پر تمہیں مبارکباد دینے کیلئے فون کیا ہے۔"

"جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو جلدی کہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے لہجے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں اس وقت کوٹھی مہمانوں سے بھری ہوئی ہے۔ بڑے بڑے دولت مند اور بااثر لوگ موجود ہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ تمہاری شادی کی اس تقریب میں دو پولیس آفیسر بھی شریک ہیں۔ اگر کسی کو بھی تمہاری اصلیت معلوم ہو جائے تو شادی کی یہ تقریب تمہارے جنازے کے جلوس میں بدل جائے گی۔"

"بکواس بند کرو۔" میں ہولے سے غرایا۔ "جو کچھ کہنا ہے جلدی سے کہو۔" اس کی بات سن کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ اسے کیسے پتا چلا تھا کہ اس تقریب میں شہر کے معززین کے علاوہ دو پولیس آفیسر بھی شریک ہیں۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ ابھی اسی وقت۔" رضیہ نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" میں نے دانت کچکچائے۔

"میں اس وقت تمہاری کوٹھی والی گلی کے موڑ پر موجود ہوں۔" رضیہ نے میرے لہجے کی پروا کیے بغیر پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اپنی کوٹھی کے گیٹ سے نکل کر دائیں طرف آ جاؤ۔ موڑ پر آٹھ دس قدم آگے سیاہ رنگ کی ایک سٹیشن ویگن کھڑی ہے۔ میں اس ویگن میں بیٹھی موبائل فون پر تم سے بات کر رہی ہوں۔ میں صرف پانچ منٹ تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم نہ آئے تو خود آ جاؤں گی اور پھر اس کوٹھی میں کچھ ہو گا اس کے ذمے دار بھی تم خود ہو گے۔ پانچ منٹ... صرف پانچ... منٹ۔"

میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کیا جا چکا تھا۔ میں ریسیور کان سے لگائے کچھ دیر تک گم صم سا کھڑا رہا۔ ہال میں بھری ہوئی خواتین اب بھی میری طرف دیکھ رہی تھیں اور میری حالت ایسی تھی کہ دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا اور اوپر کمرے میں جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر ادھر بیٹھی ہوئی خواتین بڑی متجسس نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے تو دلچسپ قسم کا جملہ بھی کسا تھا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور آگے بڑھتا گیا۔

اوپر اپنے کمرے میں آ کر میں نے دروازہ بند کر لیا۔ گلے میں پڑے ہوئے پھولوں کے ہار اتار کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے اور الماری کھول کر اس کے سب سے نچلے خانے میں کپڑوں میں چھپایا پستول نکال کر پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور کمرے کو دیکھنے لگا۔

یہ کمرہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کی سجاوٹ میں تہمینہ نے بڑا حصہ لیا تھا۔ پروگرام کے مطابق دلہن کو کوٹھی کے نچلے حصے سے رخصت ہو کر اوپر آنا تھا اور اس کمرے کو حجلہ عروسی بنایا گیا تھا۔

میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ نچلے ہال میں ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیوں کے گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں سیڑھیاں اتر کر ایک سیکنڈ کو رکا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

لان میں ہر طرف لوگ بکھرے ہوئے تھے۔ برآمدے سے اترتے ہی انسپکٹر فرمان نے مجھے دیکھ لیا۔

"ارے تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔" وہ بولا۔ "لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"فرمان بھائی میں ابھی آتا ہوں۔ صرف پانچ منٹ میں۔" میں نے جواب دیا۔

اس وقت ایک اور آدمی فرمان کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچتا ہوا لے گیا اور میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

گلی کے موڑ پر دائیں طرف دس بارہ گز آگے سیاہ رنگ کی ایک ویگن کھڑی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جیسے ہی قریب پہنچا اس کا دروازہ کھل گیا۔

"اندر آ جاؤ۔"

یہ رضیہ کی آواز تھی۔ میں اندر گھس گیا اور جھٹکے سے دروازہ بند ہو گیا۔ ویگن کے اندر کی بتی جل رہی تھی۔ کھڑکیوں پر گہرے رنگ کے دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر ایک بھاری بھرکم آدمی پیچھے کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سب سے پچھلی سیٹ پر بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ صورتوں سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے تھے۔ ان دونوں کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ درمیان والی سیٹ پر رضیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی خباثت تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے کہا اور پیچھے بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کو اشارہ کر دیا۔

میں ابھی سیٹ پر پوری طرح بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس آدمی نے آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے میری تلاشی لینی شروع کر دی۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی تو اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے گینڈے نما شخص نے پستول کی نال میری گردن سے لگا دی۔ تلاشی لینے والے نے بڑے اطمینان سے پستول میری جیب سے نکال لیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر رائفل سنبھال لی اور اس کے ساتھ ہی ویگن بھی حرکت میں آ گئی۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ ڈئیر۔" رضیہ نے کہا۔ "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یقین کرو اگر تم تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"

"تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ میرے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میرے اس طرح غائب ہو جانے پر وہ لوگ کیا سوچیں گے؟"

"کسی کی سوچ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔" رضیہ بولی۔

"ہم تمہیں زیادہ دیر نہیں روکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔"

"اسے گاڑی روکو۔" میں ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

"دروازہ نہیں کھلے گا۔" رضیہ نے کہا۔ "یہ کوئی عام ویگن نہیں ہے۔ دروازوں کا سسٹم ڈیش بورڈ سے منسلک ہے اور اس کی شیشے بھی بلٹ پروف ہیں۔ تم انہیں توڑ بھی نہیں سکتے اور شور تم اس لیے نہیں مچاؤ گے کہ اس طرح تمہاری اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آرام سے بیٹھے رہو۔"

"میڈم ٹھیک کہتی ہے۔" پچھلی سیٹ سے آواز سنائی دی۔ "آرام سے بیٹھے رہو ورنہ تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی رائفل کی نال میری گردن سے لگ گئی۔

میرا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور میں بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ میں اس وقت ایک پستول اور دو رائفلوں کی زد پر تھا۔ کسی قسم کی بہادری دکھانا خودکشی کے مترادف تھا اور میں فی الحال خودکشی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی لیکن رضیہ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور سرک کر پیچھے ہٹ گئی اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل فون پر کوئی نمبر ملانے لگی۔ کال غالباً فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ رضیہ نے نہایت مدھم لہجے میں کوئی بات کی اور فون آف کر دیا۔ وہ میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی لیکن میں اس کی آواز نہیں سن سکا۔ صرف ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔

ویگن کی کھڑکیوں پر اگرچہ دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے لیکن سامنے والی ونڈ سکرین سے میں باہر دیکھ سکتا تھا۔ ویگن اس وقت گلشن ہی کے بلاک تیرہ ڈی نو والی سڑک پر جا رہی تھی۔ اس کے ایک طرف بنگلے تھے اور دوسری طرف لوکل ریلوے لائن اور پھر ریلوے پھاٹک کراس کر کے ویگن پہلے حسن سکوائر اور وہاں سے نیشنل سٹیڈیم کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

"تم لوگوں سے میرا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ اب تم کیا چاہتی ہو اور تم تو ویسے بھی لاہور جا چکی تھیں اچانک تم یہاں کیسے ٹپک پڑیں؟" میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم جیسے لوگوں کے معاملات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اور پھر میرا اور تمہارا تو بہت لمبا حساب باقی ہے۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں لاہور ضرور گئی تھی لیکن چند روز آرام کرنے کیلئے۔ دو دن پہلے مجھے اطلاع ملی کہ تم تابندہ سے شادی کرنے والے ہو اور زور و شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں تو میں کل رات ہی یہاں پہنچ گئی۔ میں اگر چاہتی تو کوٹھی میں ایک بم پھنکوا دیتی سب کچھ ختم ہو جاتا لیکن تابندہ سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میرا معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں کوٹھی سے بلوا لیا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اس کے تھوڑی سی دیر بعد تم نے مجھے فون کیا تھا۔" میں نے کہا۔

"جب تمہارا نکاح ہو رہا تھا تو میں بھی اس وقت کوٹھی میں موجود تھی۔" رضیہ نے بتایا اور میں اس انکشاف پر اچھل پڑا۔ "اس تقریب میں موجود تمام خواتین ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں۔ مجھ سے بھی کسی نے نہیں پوچھا تھا کہ میں کون ہوں۔ میرا تعلق دلہن سے ہے یا دولہا سے۔ میں تقریب میں کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے واپس آ گئی اور موبائل فون پر تمہیں شادی کی مبارکباد دے دی۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"تھوڑا صبر کرو سب کچھ بتا دیا جائے گا۔" رضیہ نے جواب دیا۔

ویگن نیشنل سٹیڈیم کے سامنے کارساز روڈ پر مڑ کر کے ڈی اے سکیم نمبر ایک میں داخل ہو گئی اور کئی ...ں گھومنے کے بعد ایک بہت بڑی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ اس کوٹھی کی چار دیواری کسی فصیل کی طرح ...تھی۔

پورچ میں ویگن سے اتر کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بہت وسیع و عریض کوٹھی تھی۔ یہاں ابھی ... صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ ایک گن مین گیٹ کے قریب کھڑا تھا اور دوسرا پورچ میں جہاں ایک ...ر لینڈ کروزر اور نیلے رنگ کی ایک کار بھی کھڑی تھی۔

ہمارے ساتھ آنے والے گن مین برآمدے ہی میں رک گئے اور میں رضیہ کے ساتھ اندر آ... بہت وسیع اور شاندار ہال تھا جو قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک جوان لڑکی ...ی ہوئی تھی۔ لڑکی کے جسم پر لباس ایسا تھا کہ دیکھ کر ہی شرم آتی تھی۔

"مارگلہ۔" رضیہ اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم لوگ یہاں سے جاؤ اور باس کو بتا دو ... آ گیا ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ رضیہ نے دروازہ بھیڑ دیا اور مجھے ایک صوفے کی ...ف اشارہ کر کے خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

"تمہیں شادی کرنی ہی تھی تو حریم کو کیوں جانے دیا تھا؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ...۔ اس سے دو بول پڑھوا کر گھر میں ڈال لیتے۔ ویسے میں نہیں سمجھ سکی کہ تابندہ میں تمہیں کیا نظر آ گیا تھا ...اس پر ریشہ خطمی ہو گئے اور میرے اندر کس چیز کی کمی ہے۔ دیکھو میری طرف دیکھو سب کچھ وہی ہے جو ...ندہ کے پاس ہے تم تو میرے بدن آشنا ہو۔ میں ہی وہ ہستی ہوں جس نے تمہیں زندگی کی حقیقی لذتوں ...آشنا کیا تھا۔ میں نے تو تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی۔ تم ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ تم نے ... بہت نقصان پہنچایا۔ اس کے باوجود میں نے اپنے دروازے تمہارے لئے کھلے رکھے۔ میری پیشکش تو ... وقت تک برقرار رہی۔ دیکھو میں وہی ہوں۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی میرے اندر۔ دیکھو میری طرف دیکھو کیا ...ہے مجھ میں اور تابندہ میں۔"

رضیہ نے لباس اتار دیا۔ اس کے جسم پر صرف مختصر سے انڈر گارمنٹس رہ گئے تھے۔

"تابندہ اور تم میں یہ فرق ہے کہ وہ ایک شریف عورت ہے اور تم طوائف۔" میں نے جواب ... کپڑے پہن لو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

رضیہ بھڑک اٹھی۔ اس نے مجھ پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن میں پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

"مطلب کی بات کرو رضیہ میرا وقت ضائع مت کرو۔" میں نے کہا۔

"وقت کو اب بھول جاؤ۔" وہ غرائی۔ "میرا تمہارے ساتھ بہت لمبا حساب ہے۔ یہاں سے ... تمہاری لاش ہی جائے گی۔"

"سنو رضیہ۔" میں نے کہا۔ "تمہاری رقم اور وہ زیورات جو میں راجستھان سے لایا تھا ابھی تک ...ے پاس محفوظ ہیں۔ میں وہ سب کچھ تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اب میں سکون کی

زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے برباد کر کے تم سکون کی زندگی کیسے گزار سکتے ہو۔ میں تمہاری زندگی کو جہنم بنا دوں گی۔" رضیہ نے کہا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن اسی وقت دروازہ کھلا اور وہ خاموش ہو گئی۔

وہ تحریکی تھا جس کے ہاتھ میں پیلے کور والا ریا فائل تھی۔ اس کے پیچھے تین گن مین تھا جس نے کسی کمانڈو کی طرح رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ تحریکی کے ہونٹوں پر بڑی خباثت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"بہت عیش کر لیے تم نے اس مالدار بیوہ کے ساتھ۔" بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "لیکن اب تمہیں کام کی طرف دھیان دینا پڑے گا۔ میں نے تمہارے لیے ایک بہت اچھا کام سوچ رکھا ہے۔"

"تم نے بدعہدی کی ہے تحریکی۔" میں نے کہا۔ "میں نے تمہاری ہیروئن واپس کر دی تھی اور ہمارا معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم بڑے بااصول آدمی ہو لیکن تم نے یہ بڑی گھٹیا حرکت کی ہے۔"

"میں اب بھی اپنے اصولوں پر قائم ہوں۔" تحریکی بولا۔ "میرا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اپنے ساتھ دھوکا کرنے والے کو معاف نہیں کرتا۔ تمہارے معاملے میں فیصلہ کرنے میں کچھ تاخیر ہو گئی لیکن بڑے ٹھیک ہی کہہ گئے ہیں کہ دیر آید درست آید۔ تمہاری وجہ سے مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ چند مہینے پہلے بندرگاہ پر پکڑا جانے والا مال کروڑوں ڈالر کا تھا۔ میں تو سمجھا تھا کہ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہوگی جس سے سسٹم کو ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا لیکن مجھے تو چند روز پہلے ہی پتا چلا ہے کہ اس کی مخبری تم نے کی تھی۔ میں تم پر ہاتھ ڈالنے کیلئے مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا اور میرے خیال میں اس سے زیادہ بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ مالدار عورت تمہاری بیوی بن چکی ہے۔ تم کم سے کم اسے بچانے کیلئے تو کوئی قربانی دے سکو گے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میرے خلاف کوئی چال بچھا رہا ہے۔

"فی الحال اس کاغذ پر دستخط کرنے کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں کرنا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا فائل میری طرف بڑھا دیا۔ "دستخط کر کے تم واپس جا سکتے ہو۔ وہاں پہنچ کر کوئی بہانہ کر دینا کہ کسی نہایت ضروری کام کی وجہ سے کسی کو اطلاع دیے بغیر کہیں جانا پڑ گیا تھا۔ تمہاری معذرت کے بعد بات ختم ہو جائے گی۔ انکار کی صورت میں آج کے بعد تم کھلا آسمان نہیں دیکھ سکو گے۔ اسے پڑھ لو۔ فیصلہ کرنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

اس نے فائل میرے سامنے پھینک دیا۔ میں نے فائل اٹھا کر کھولا اس میں صرف ایک ہی کاغذ لگا ہوا تھا جس پر اوپر سے نیچے تک اردو میں ایک عبارت تحریر تھی۔ یہ عبارت شکستہ لکھائی میں تھی لیکن پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

میں جیسے جیسے اس عبارت کو پڑھتا گیا میرے خون کی گردش تیز ہوتی گئی۔ دماغ کی نسوں میں تناؤ سا پیدا ہو گیا اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ اس عبارت کے آخر میں دستخط کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ میں نے وہ فائل دور پھینک دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ میرے جرائم کا اعتراف نامہ تھا۔

اس کہانی کی ابتداء قصور سے کی گئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ میں سکول میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے گاؤں سے قصور آیا تھا جہاں پہلوان شجاع نامی ایک ہمدرد شخص نے مجھے اپنے گھر میں جگہ دے دی اور میرے تمام اخراجات بھی وہی اٹھا رہا تھا۔

رضیہ، شجاع کی بیوی، جوان اور حسین تھی۔ شجاع اکثر کئی کئی روز تک کاروباری سلسلے میں گھر سے باہر رہتا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر میری نیت خراب ہو گئی۔ ایک رات میں نے چاقو دکھا کر رضیہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو بتایا تو اسے قتل کر دوں گا۔ اس رات کے بعد بھی میں رضیہ کو ڈرا دھمکا کر اکثر و بیشتر یہ حرکت دہراتا رہا۔ ایک روز شجاع کو پتا چل گیا۔ اس نے مجھے پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دی لیکن میں نے اسے مار ڈالا اور قصور شہر سے فرار ہو کر لاہور آ گیا۔

میری طرف سے اس اعتراف نامے میں میرے جرائم کی طویل فہرست شامل تھی جس میں کئی ایسے لوگوں کے نام تھے جو میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور آخر میں لاہور میں رضیہ کے گھر سے زیورات اور لاکھوں روپے نقدی اور جعلسازی سے اس کی کوٹھی فروخت کرنے کی تفصیل بھی شامل تھی۔

میں سمجھ گیا کہ یہ سکرپٹ رضیہ کی مشاورت سے تیار ہوا تھا۔ وہ واقعی بے غیرت تھی اپنی سکرپٹ میں اس نے جس طرح اپنی عزت لٹنے کی کہانی سنائی تھی ایسی باتیں اس جیسی عورتیں ہی کر سکتی تھیں۔

"نہیں تحریکی۔" میں نے تحریکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس کاغذ پر دستخط نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے تمہیں دستخط کر دینے چاہئیں۔" تحریکی مسکرا دیا۔

"تاکہ تم مجھے زندگی بھر بلیک میل کر سکو۔" میں نے کہا۔

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو تاجی۔" تحریکی بولا۔ "ہم جیسے لوگ جو اس دھندے میں آ چکے ہیں کبھی شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتے لیکن اس کے باوجود ہمیں بڑے بڑے شرفا سے زیادہ شریف اور معزز سمجھا جاتا ہے۔ تم ہم سے الگ ہو کر جو خواب دیکھ رہے ہو وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔ اس کاغذ پر دستخط کر دو اور اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم تمہیں مکمل تحفظ فراہم کریں گے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتے رہو۔ صرف کبھی کبھار ہمارے لیے تھوڑا بہت کام کرنا ہوگا۔ اس طرح ہمارا پچھلا نقصان بھی پورا ہو جائے گا۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے زندہ رہنے کیلئے یہ شرط منظور نہیں۔"

"سوچ لو وہ شریف عورت دوسری مرتبہ بیوہ ہو جائے گی۔" تحریکی نے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر بڑی مکارانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"وہ بڑی مضبوط عورت ہے۔ یہ صدمہ برداشت کر لے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اس صدمے کا سامنا کرنے سے پہلے اسے کئی اور صدمے سہنے پڑیں گے اور ہو سکتا ہے پے در پے ان صدمات سے اس کا دماغ پلٹ جائے اور پگلوں کی طرح کپڑے پھاڑ کر سڑکوں پر نکل آئے۔" تحریکی بولا۔

"میں جانتا ہوں تم ایسا کر سکتے ہو لیکن۔"

"رضیہ۔" تحریکی میری بات کاٹتے ہوئے رضیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم اس کی پرانی دوست ہو۔ تم ہی اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید تمہاری زبان اس کی سمجھ میں آ جائے۔"

تحریکی اپنے محافظ کے ساتھ باہر چلا گیا۔ رضیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور میرے قریب آ گئی۔ رضیہ کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر کوئی بھی شخص دیوانہ ہو سکتا تھا لیکن مجھے اس عورت سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ بے غیرتی میں یہ کوٹھے پر بیٹھی ہوئی طوائفوں سے بھی آگے نکل گئی تھی۔

وہ میرے سامنے کھڑی چند لمحے میرے چہرے کو تکتی رہی پھر مجھے پکڑ کر صوفے پر گر گئی۔

"دیکھو ڈیئر۔" وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "ان لوگوں کو جتنا میں جانتی ہوں تم نہیں جانتے۔ یہ انسان نہیں بھیڑیے ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ جو کریں گے سو کریں گے یہ تو تابندہ کی زندگی بھی جہنم بنا دیں گے۔ وہ ایک شریف عورت ہے اور اب تو وہ تمہاری بیوی بھی ہے۔ تمہاری عزت کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیوی پر تمہارے سامنے بھیڑیے چھوڑ دیئے جائیں۔ انسانی بھیڑیے جو درندوں سے زیادہ خطرناک ہیں اور منٹوں میں اس کا تیا پانچہ کر دیں گے۔"

"مجھے دھمکا رہی ہو؟" میں نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ دھمکی نہیں ہے میں تمہیں بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر رہی ہوں۔" رضیہ بولی۔ "میری بات مان لو اور اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ تم تو ویسے بھی باغی رہ چکے ہو۔ اپنے خلاف دوسرے محاذ کھولنے کے بجائے ان سے مفاہمت کر لو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ یہ تمہیں تحفظ فراہم کریں گے۔ ان کے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ ان کے اشاروں پر تو حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ بڑی طاقتوں کے مالک ہیں یہ لوگ ان کے ساتھ مل کر فائدے میں رہو گے۔ تابندہ بھی آرام و سکون سے زندگی گزار سکے گی۔ میری بات مان لو۔"

"تم ان کی وکالت کیوں کر رہی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک بات میں تمہیں بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ تحریکی تمہیں مہرے کی طرح استعمال کر رہا ہے تم خوبصورت ہو تم پر ابھی شباب کا تھوڑا سا سرمایہ باقی ہے لیکن جیسے ہی تمہارا یہ خوبصورت جسم ڈھلنا شروع ہوا تم ان عالیشان کوٹھیوں سے نکل کر سڑکوں پر پہنچ جاؤ گی اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے دس دس روپے والے گاہک تلاش کرتی پھرو گی۔"

"میری بات چھوڑو تم اپنی فکر کرو۔" رضیہ نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور وہ ہتھکنڈے استعمال کرنے لگی جن سے کوئی عورت کسی بھی مرد کو زیر کر سکتی ہے۔

میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بانہیں پھیلائے دوبارہ میری طرف جھکنے لگی تو میں نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

رضیہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ پیچھے الٹ گئی۔ چند لمحے گال سہلاتے ہوئے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر خونخوار بلی کی طرح میرے اوپر جھپٹی۔ میں نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کر دیا۔

رضیہ پر جنون سا طاری ہو گیا۔ وہ بلی ہی کی طرح غراتی ہوئی ناخنوں سے میرا چہرہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں نے اس کے ہاتھ اپنے چہرے تک نہیں پہنچنے دیئے۔

وہ میرا ایک اور تھپڑ کھا کر لڑکھڑاتی ہوئی صوفے سے ٹکرا کر پشت کے بل قالین پر گری۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگ رہی تھیں۔

"میں چاہتی تھی کہ تم شرافت سے ہماری بات مان لو۔ اس طرح تم زندگی بھر عیش کرتے لیکن کسی نے ٹھیک کہا ہے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ہم تشدد کا راستہ اختیار کریں۔ ٹھیک ہے تمہارے ساتھ اب دوسری زبان میں بات ہو گی۔" رضیہ نے کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کپڑے اٹھائے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں رضیہ کو پکڑنے کیلئے تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ وہ میری نیت کو بھانپ گئی اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں قریب پہنچا تو دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ میں نے ہینڈل کو جھٹکے دیتے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔

میں چند لمحے دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پچھلی طرف کھڑکی کی طرف لپکا جس کے سامنے دبیز پردہ لٹکا ہوا تھا میں نے ایک جھٹکے سے پردہ ایک طرف کھینچ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ کھڑکی میں باہر کی طرف آہنی سلاخوں کا جنگلا لگا ہوا تھا۔

میں وہیں رک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس طرف بھی بہت وسیع کھلی جگہ تھی۔ ناریل اور آم کے چند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ خودرو جھاڑیاں بکثرت پھیلی ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں اور سوکھی ہوئی زرد گھاس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس طرف بھی توجہ ہی نہیں دی گئی۔ اس بنجر اور ویران لان کے پرلی طرف کوٹھی کی عقبی دیوار تھی جو دو چندرہ فٹ اونچی تھی۔

میں کوٹھی کا عقبی منظر دیکھ رہا تھا کہ آہٹ سن کر پیچھے گھوم گیا۔ دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ دونوں دراز قامت اور گینڈے کی طرح مضبوط جسموں کے مالک تھے۔ ان کے چہروں ہی سے لگ رہا تھا کہ مار دھاڑ میں وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ایک کی پیشانی پر زخم کا لمبا نشان نظر آ رہا تھا۔ غالباً کسی زمانے میں چاقو وغیرہ لگا ہو گا۔ ان دونوں نے جینز اور پیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھیں۔ پیروں میں جوگرز تھے۔

وہ دونوں میرے قریب آ کر رک گئے اور خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔

"کیوں بے پلے۔" ایک نے ایک قدم مزید آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تیرے اندر جان تو ہے نہیں ہمیں دعوت دے کر بلا لیا۔ ابے کر دے اس کاغذ پر سائن کیوں اپنی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔"

"تم لوگوں کو جس کام کیلئے بھیجا گیا ہے وہ کرو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"ارادے تو بڑے مضبوط ہیں بھئی تمہارے۔" وہ بولا۔ "رستم کے دو چار ہاتھ بھی برداشت کر لو تو شاگرد ہو جاؤں گا تیرا۔"

جملہ ختم کرتے ہی اس نے بڑی پھرتی سے ہاتھ کو حرکت دی۔ وہ میرے جبڑے پر گھونسا مارنا چاہتا تھا۔ میں بھی غافل نہیں تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا وار روک لیا اور دائیں ہاتھ سے اس کی بغل کے نیچے زوردار گھونسا جما دیا۔ وہ منہ سے اوغ کی آواز نکالتا ہوا اپنی جگہ سے کوئی چھ انچ اوپر اچھلا۔ موقع پا کر میں نے ایک اور گھونسا اسی جگہ رسید کیا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جما کر اس کے بازو کو موڑتا ہوا بڑی تیزی سے گھوم گیا اور اسے اپنی کمر پر لاد کر دھوبی پاٹ کی طرح آگے کی طرف پٹخ دیا۔

وہ پشت کے بل کرسی پر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ میں نے تیزی سے گھوم کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ میں تیزی سے دوسرے آدمی کی طرف گھوم گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی۔

"یہ رستم تھا اور تم۔" میں نے اشتعال دلانے والے لہجے میں دونوں کو حرکت دی۔ "میرا خیال ہے تمہارا نام سہراب ہوگا۔ آؤ آؤ ذرا تمہیں بھی دیکھ لوں۔"

وہ تیزی سے مجھ پر جھپٹا میں اس کے حملے کیلئے تیار تھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں پھرتی سے نیچے جھک گیا اور جب سیدھا ہوا تو سہراب میری پشت پر لدا ہوا تھا۔ میں نے گھوم کر اسے رستم کی طرف اچھال دیا۔ رستم اس وقت اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سہراب اس کے اوپر گرا اور وہ چیختا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دونوں پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ لیکن ایک موقع پر رستم نے بڑی تیزی سے لوٹ لگا کر میری ٹانگ پر گھٹنے کے ٹھیک پیچھے ٹھوکر ماری۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پشت کے بل گرا اور پھر مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔

اب ان کی باری تھی۔ وہ دونوں مجھ پر گھونسے اور ٹھوکریں برسانے لگے۔ ہر ٹھوکر میرے جسم کو ہلائے دے رہی تھی۔ میں بچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ دونوں بڑے پھرتیلے نکلے تھے۔ شروع میں تو مار کھا گئے تھے اب گن گن کر بدلے لے رہے تھے۔

سہراب نے مجھے بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور بڑی تیزی سے پیچھے پہنچ کر دونوں ہاتھ بغلوں میں ڈال دیے اور گردن کے پیچھے لے جا کر انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں۔ سامنے سے رستم میرے پیٹ پر گھونسے برسانے لگا۔

میری پوزیشن بڑی آکورڈ تھی۔ میری گردن اس کے شکنجے میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اگر آگے کو جھکتا تو دباؤ پڑنے سے گردن کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔ سامنے سے رستم پیٹ اور سینے پر گھونسے برسا رہا تھا۔ میرے پاس اب ایک ہی حربہ رہ گیا تھا۔

میں دونوں کہنیوں سے پیچھے کی طرف رستم کی پسلیوں پر ضربیں لگانے لگا۔ میری یہ کوشش رنگ لائی۔ چند ضربیں لگنے کے بعد رستم نے میری گردن چھوڑ دی۔ اس وقت رستم میرے سامنے تھا۔ میں نے اس پر وہ داؤ استعمال کیا جو ایک مرتبہ رنگا نے مجھ پر استعمال کیا تھا۔ میرے سر کی بھرپور ٹکر رستم کے سینے پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میں نے اس کی گردن پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔ وہ میرے قدموں میں گر گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا سہراب نے مجھے کمر سے بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا اور پوری قوت سے گھما کر ایک طرف اچھال دیا۔ میں صوفے پر گرا اور صوفے سمیت دوسری طرف الٹ گیا اور پھر مجھے

سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ان دونوں نے ایک بار پھر مجھے چھاپ لیا۔ وہ دونوں ایک بار پھر میری دھنائی کرنے لگے۔

میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے میرے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں واقعی بہت ڈھیٹ تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ڈھیر ہو چکا ہوتا۔

رستم نے میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور میرا سر زور زور سے کرسی کے ہتھے سے ٹکرانے لگا۔ میری پیشانی کی کھال پھٹ گئی جس سے خون رسنے لگا۔

اس وقت تحریکی کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر رستم اور سہراب نے ہاتھ روک لیے۔ وہ دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے۔ میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔ میری حالت بھی بہت غیر ہو رہی تھی۔ ہونٹ ناک اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ مزید مار کھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ان کا مطالبہ پورا کر کے میں اپنی جان بچا سکتا تھا لیکن میں اپنی موت کے پروانے پر دستخط نہیں کر سکتا تھا۔

تحریکی تلے تلے قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آ کر رک گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر رستم کو اشارہ کیا۔ رستم نے وہ فائل اٹھا کر اس کے حوالے کر دی۔ تحریکی نے بال پین نکال لیا اور جھک کر میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "ایک دستخط تمہیں اس اذیت سے نجات دلا سکتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ کاغذ میری تجوری میں محفوظ رہے گا اور کبھی کسی اور کی نظروں میں نہیں آئے گا۔ لو دستخط کر دو۔ تمہاری نوبیاہتا بیوی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ ہم تمہارا حلیہ درست کر کے تمہیں ایک گھنٹے میں اس کے پاس پہنچا دیں گے اور پھر مزے سے سہاگ رات مناتے رہنا۔"

میں نے اس طرح ہاتھ آگے بڑھایا جیسے اس کے ہاتھ سے بال پین لینا چاہتا ہوں۔ تحریکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی لیکن دوسرے ہی لمحے میرا بھرپور گھونسا اس کی ناک پر لگا اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

وہ چوٹ کھائے ہوئے کتے کی طرح بلبلا رہا تھا۔ میرا گھونسا اس کی ناک کے بانسے پر لگا تھا۔ ہڈی ٹوٹی تھی یا نہیں اس کا تو مجھے علم نہیں تھا لیکن خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا جس سے اس کا سفید اجلا عربی لباس داغدار ہونے لگا۔

رستم اور سہراب پہلے تو سمجھ ہی نہیں سکے کہ یہ سب کیا ہو گیا تھا لیکن جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو وقت گزر چکا تھا۔ تحریکی کی گردن پوری طرح میرے بازو کے شکنجے میں آ چکی تھی۔

رستم اور سہراب مجھ پر پل پڑے۔ ان کے گھونسے اور ٹھوکریں وزنی ہتھوڑوں کی طرح میرے جسم پر پڑ رہی تھیں۔ میں تحریکی کی گردن کو زور زور سے جھٹکے دیتا رہا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

رستم چیخ چیخ کر کسی کو پکار رہا تھا۔ دو آدمی اور دوڑتے ہوئے کمرے میں آ گئے اور وہ بھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

ان چاروں نے بڑی مشکل سے تحریکی کو میرے چنگل سے چھڑایا تھا۔ تحریکی قالین پر اوندھا پڑا تھا۔ رستم نے سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا جبکہ باقی تین میری خاطر تواضع کرتے رہے۔ میری چیخیں

کمرے میں گونجتی رہیں اور پھر تحریکی کی آواز بھی میری چیخوں میں شامل ہو گئی۔

"مارو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "مارو اس کو اتنا مارو کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں۔"

مجھ پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی جو بارش ہو رہی تھی اس میں کچھ اور بھی شدت آ گئی۔ لیکن اسی دوران مجھے ایک اور موقع مل گیا۔ میں اپنے آپ کو ان تینوں کی گرفت سے چھڑا کر ہوا میں اڑتا ہوا تحریکی کے اوپر جا گرا اور ہم صوفے سمیت پیچھے الٹ گئے۔ میں ایک بار پھر تحریکی کی گردن گرفت میں لینا چاہتا تھا لیکن اس مرتبہ مجھے موقع نہیں مل سکا۔ وہ تینوں ایک بار پھر مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان میں سے کسی کی زور دار ٹھوکر میرے سر پر پڑی۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر اندھیرے کی سیاہ چادر میری نظروں کے سامنے پھیلتی چلی گئی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر بیہوش رہا تھا۔ ہوش آیا تو میں ایک ایسے کمرے میں تھا جہاں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش گرد آلود تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ناک اور ہونٹوں سے بہنے والا خون جم چکا تھا۔ سر پہ ہاتھ رکھا تو بالوں میں چپچپاہٹ سی محسوس ہوئی۔ سر پہ بھی چوٹ لگی تھی اور خون جم چکا تھا۔

میں کتنی دیر تک اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میرے حواس بتدریج بحال ہوتے چلے گئے۔ میں بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھ سکا تھا۔ یہ کمرہ دس بائے دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ چھت پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور پنکھا چل رہا تھا لیکن کسی دیوار پر پنکھے یا بلب کا سوئچ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کوئی تہہ خانہ تھا اور بلب اور پنکھے کے سوئچ بھی اس کمرے سے باہر تھے۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر بیٹھ گیا اور اپنے جسم کی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لینے لگا۔ یوں تو میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا لیکن بائیں بازو میں کندھے اور کہنی کے درمیان اٹھنے والے درد نے مجھے چونکا دیا۔ یہ درد قدرے مختلف محسوس ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تھا اور مجھے انجکشن لگا تھا اور دو تین دن تک ایسا ہی درد ہوتا رہا تھا۔

میں نے اپنے بازو کو ٹٹولا اور اس جگہ کو چٹکی میں لے کر دیکھنے لگا اور پھر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ باریک سا سرخ نشان واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ مجھے انجکشن کیوں لگایا گیا تھا۔ میں دیر تک سوچتا رہا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ دروازہ باہر سے مضبوطی سے بند تھا۔ میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میرے دماغ میں اس وقت آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ یہ لوگ مجھے میری شادی کی تقریب سے اٹھا کر لائے تھے۔ وہاں بہت سارے معززین جمع تھے۔ میرے اس طرح غائب ہو جانے پر ان لوگوں نے کیا سوچا ہوگا۔ تابندہ کیا سوچتی ہوگی۔ اس کی کیا حالت ہوگی؟ کیا مجھے دھوکے باز سمجھ کر انسپکٹر فرمان کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا؟

میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ مجھے اور کسی کی پروا نہیں تھی۔ مجھے تو صرف تابندہ کی پریشانی تھی۔

تحریکی بہت خبیث انسان ثابت ہوا تھا۔ یہ مجھ سے ایسی تحریر پر دستخط کرانا چاہتا تھا کہ میں زندگی بھر اس کے چنگل میں پھنسا رہوں اور اس کے اشاروں پر ناچتا رہوں۔ تحریکی بچ گیا تھا اگر وہ آ گیا میرے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کی گردن مروڑ دیتا لیکن اس کے گرگوں نے اسے بچا لیا تھا۔

اس تہہ خانے میں وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میں کتنی دیر بے ہوش پڑا رہا تھا۔

میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے ٹانگیں پھیلا لیں۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو صورتحال جوں کی توں تھی۔ میں گرد آلود فرش پر پڑا تھا۔ میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک بات اور محسوس کی تھی۔ مجھ پر عجیب طرح کی سستی اور نقاہت سی طاری ہو رہی تھی۔

پتا نہیں کتنا وقت گزرا ہوگا۔ گھنٹہ دو گھنٹے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا۔

تین آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ رستم، سہراب اور تیسرا چہرہ میرے لئے اجنبی تھا۔

وہ تینوں میرے قریب آ کر رک گئے۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو رستم اور سہراب نے مجھے گرفت میں لے لیا۔ تیسرے آدمی نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔ اس میں نیالے سے رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے نیڈل پر چڑھی ہوئی پلاسٹک کی کیپ اتار کر پھینک دی اور سوئی میرے بازو میں پیوست کر دی۔ سرنج میں بھرا ہوا سیال آہستہ آہستہ میرے جسم میں منتقل ہونے لگا۔

مجھ پر اس وقت عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ تینوں مجھے چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے اور میں اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا متوحش سی نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

ان دونوں کے کمرے سے باہر نکلتے ہی دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ میں باوجود کوشش کے ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کر پایا تھا۔ اور خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھے جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں اس وقت ایک عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی اور میں خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا سا محسوس کر رہا تھا..... میں اپنی اس کیفیت پر حیران تو ضرور تھا لیکن اس وقت میرا ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں' ذہن ایک بار پھر تاریکیوں میں ڈوبنے لگا لیکن مکمل تاریکی چھانے سے پہلے ایک کوندا سا میرے ذہن میں لپکا ..... لفظ "ہیروئن" میرے ذہن کی سکرین پر ابھرا اور اس کے بعد میرے حواس نے ایک بار پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

نہ جانے میں کب تک یونہی ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میری کیفیت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو رہی تھی' چند لمحوں تک تو مجھے یہ بھی یاد نہیں آ سکا کہ میں اس وقت کہاں موجود ہوں؟ میری زبان چمڑے کی طرح سخت ہو رہی تھی۔ مجھے شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی اور نقاہت بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔

رفتہ رفتہ میرے حواس پر چھائی ہوئی دھند ذرا چھٹی اور میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو اذیت کی ایک لہر میرے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے سختی سے دانت پر دانت جمائے اور کسی نہ کسی طرح دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس تہہ خانے میں دن و رات کے بارے میں اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ چھت پر مدھم روشنی کا بلب روشن تھا اور پنکھا بھی بدستور چل رہا تھا۔

پنکھا چلنے کی مدھم سی سرسراہٹ کے علاوہ اردگرد مکمل خاموشی طاری تھی۔ نہ جانے مجھے یہاں قید ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ باہر کی دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹے کتنے گھنٹے' کتنے پہر گزر چکے تھے..... مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا لیکن ایک بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ مجھے ہیروئن کے انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ تحریمی نے مجھے توڑنے' میری قوت ارادی کو کمزور کرنے کیلئے مجھ پر یہ حربہ استعمال کیا تھا تاکہ میں اس کاغذ پر دستخط کرنے پر مجبور ہو جاؤں' جس پر اس نے میرے کردہ و ناکردہ گناہ اپنی مرضی کے مطابق تحریر کیے تھے کہ میں اس کے اشاروں پر ناچنے کیلئے تیار ہو جاؤں۔

یہ بات وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ میں آسانی سے اس کے قابو میں آنے والا نہیں ہوں کیونکہ میں خالی ہاتھوں اس کو اچھا خاصا زخمی کر چکا تھا اگر اس کے پالتو غنڈے مداخلت نہ کرتے تو شاید میں اس کا قیمہ بنا دیتا۔ میں اکیلا تھا اور وہ کئی پھر بھی میں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ بالآخر میں سر پر

لگنے والی ایک زوردار ضرب کے نتیجے میں بیہوش ہو گیا تھا اور تحریمی نے مجھے اس تہہ خانے میں ڈلوا دیا تھا۔

یہ شاید تحریمی کے اسی عالی شان بنگلے کا تہہ خانہ تھا جہاں مجھے میری شادی کی تقریب سے اٹھا کر لایا گیا تھا..... شادی کی تقریب کا خیال آتے ہی میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ نہ جانے میرے بعد تابندہ کا کیا حال ہوگا؟ اس نے مہمانوں کو کس طرح فیس کیا ہوگا؟ سب سے بڑھ کر اس نے اپنے قریبی دوست انسپکٹر فرمان کو کیا کہہ کر مطمئن کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ بات ماننے کیلئے بالکل تیار نہیں ہوا ہوگا کہ تابندہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ وہ مجھے تلاش کرنے کیلئے سی آئی اے انسپکٹر فرمان یا پولیس فورس کی مدد لیتی اور وہ مجھے ڈھونڈ بھی نکالتے تو مجھے پانے کے باوجود کھو دیتی..... اور اگر وہ کسی کی مدد نہ لیتی تب بھی میری بازیابی تقریباً ناممکن تھی۔ یعنی دونوں صورتوں میں محرومی اس کا مقدر تھی۔ یہ سب کچھ ایک ایسی دلہن کے ساتھ پیش آ رہا تھا جو رخصت ہو کر حجلۂ عروسی تک بھی نہیں پہنچ پائی تھی۔ جسے بڑے ارمانوں سے سجایا گیا تھا..... اور اس کا وہ روپ جو گھونگٹ کے پیچھے کسی کی پرشوق نگاہوں کا منتظر تھا۔ سب کا ماند پڑ چکا ہوگا۔

میں دانت بھینچ کر اذیت کی اس لہر کو دبانے کی کوشش کرنے لگا جو ان تکلیف دہ یادوں کے ساتھ میرے وجود میں ابھری تھی۔ جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کا تو میں عادی ہو گیا تھا اور کافی سخت جان ہو چکا تھا لیکن میں روحانی اذیت کا بھی شکار تھا جو مجھے کمزور کر رہی تھی۔

تحریمی نے شاید فیصلہ کر لیا تھا کہ نشے کے انجکشن لگانے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر میری قوت مزاحمت کو بالکل کچل ڈالے گا۔ اس لئے اب تک مجھے کسی نے پل کیلئے بھی نہیں پوچھا تھا۔ پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے۔ میری نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں لیکن ادھر سے کسی کی آمد کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔

میرا سر انتہائی بھاری ہو رہا تھا اور جسم کی رگوں میں تناؤ سا پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ شاید مجھے ہیروئن کا جو آخری انجکشن دیا گیا تھا اس کا اثر اب ختم ہو رہا تھا۔ میں ایک ناقابل بیان سی اذیت کا شکار تھا۔

بالآخر میرے اعصاب جواب دے گئے۔ مجھ پر وحشت سی طاری ہونے لگی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو مجھے زور کا ایک چکر آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اپنی تمام تر قوت ارادی کو بروئے کار لا کر اپنا سر جھٹکا اور آنکھیں کھولیں تو اردگرد کا منظر مجھے دوبارہ نظر آنے لگا۔ میں گھسٹتا ہوا دروازے تک پہنچا اور پوری قوت سے پیٹنے لگا۔ کچھ دیر بعد میں رک گیا لیکن دوسری طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا تو میں دوبارہ دروازہ پیٹنے لگا اور ساتھ ساتھ چلانے بھی لگا۔ "کوئی ہے ..... دروازہ کھولو ..... دروازہ کھولو....." حالانکہ مجھے احساس تھا کہ میری یا دروازہ پیٹنے کی آواز اس تہہ خانے سے باہر نہیں جا سکے گی لیکن میں اپنی سی کوشش کرنا چاہتا تھا۔

دفعتاً باہر سے دروازے کا کنڈا کھولے جانے کی آواز سنائی دی۔ شاید کسی نے دروازہ پیٹے جانے اور میرے شور مچانے کی آواز سن لی تھی یا پھر وہ لوگ خود ہی میری حالت کا جائزہ لینے کی غرض سے

آئے تھے۔ دروازہ کھلا تو میں تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں فرش پر لڑھک گیا۔ رستم اور سہراب گردنیں اکڑائے خوفناک تیوروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وہ یوں حقارت سے میری طرف دیکھ رہے تھے جیسے میں انسان نہیں فرش پر پڑا ہوا کوئی کیڑا مکوڑا ہوں۔

ان دونوں کے پیچھے رضیہ اندر داخل ہوئی۔ میں اس وقت فرش پر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی اور استہزائیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''کیا حال ہیں شہزادے؟ ہماری مہمان نوازی تمہیں پسند آئی یا نہیں......؟''

میں نے بمشکل تمام اپنی اکڑی ہوئی زبان کو حرکت دی اور کہا۔ ''مجھے کم از کم تم سے ایسی کم ظرفی اور کمینے پن کی توقع نہیں تھی رضیہ!''

''جیسا سلوک تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بدلے میں تم مجھ سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو؟'' وہ غرائی۔ ''تم نے ہمیشہ میرے ساتھ دھوکا کیا اور میری توہین کی ہے...... اب تمہارے ساتھ وہ سلوک ہوگا کہ تم موت کی تمنا کرو گے اور تمہیں موت نصیب نہیں ہو سکے گی۔ تم ایڑیاں رگڑو گے اپنے دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچو گے۔ میں تمہاری حالت پر قہقہے لگاؤں گی۔'' غصے سے اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے اور آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

رستم اور سہراب خاموش کھڑے تھے لیکن ان دونوں کی نگاہ مسلسل مجھ پر تھی۔ ان کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی بھی غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن اس وقت میرا ان سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ میری حالت اس وقت اتنی دگرگوں تھی کہ میں کسی بھی قسم کی ایکٹیوٹی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

''اس قدر غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ''کم از کم مجھے پانی تو پلوا دو۔''

وہ بدستور قہر برساتی نظروں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میری کیفیت کو محسوس کر کے اس کے چہرے کے تاثرات کچھ تبدیل ہوئے اور وہ میری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہنے لگی۔ ''پانی تو تمہیں تب ہی مل سکے گا جب تم اس کاغذ پر دستخط کرو گے......''

چند لمحوں تک صورتحال پر غور کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں دستخط کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن پہلے مجھے یہاں سے نکال کر کسی معقول جگہ پر پہنچاؤ پھر میں تحریکی سے چند باتیں طے کرنے کے بعد......''

''تم کوئی شرط پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو ناجی!'' رضیہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ''اگر تم دستخط کرنے کیلئے تیار ہو تو وہ کاغذ یہیں منگوا لیا جائے گا۔''

''لیکن میرا تحریکی سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔''

''تحریکی چند روز کیلئے ملک سے باہر گیا ہے۔'' رضیہ نے درشتی سے بتایا۔ ''میں اس کی جگہ تم سے بات کرنے آئی ہوں...... اور کان کھول کر سن لو مجھے صرف ہاں یا نہ میں تمہارا جواب چاہئے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن میں تمہیں اس کا قائم مقام سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں دستخط کروں گا تو صرف تحریکی کی موجودگی میں...... اور اس کے آنے تک تمہیں میرے ساتھ کسی انسان کا سا سلوک کرنا ہوگا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا تو ایک لمحے کیلئے وہ سوچ میں پڑ گئی پھر رستم اور سہراب سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ ''تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ذرا دیر میں واپس آتی ہوں۔''

وہ تہہ خانے سے باہر چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کسی طرح تحریکی سے رابطہ کر کے اسے ساری صورتحال بتائے گی اور پھر اس کے جاری کردہ نئے حکم نامے کے مطابق میرے بارے میں کوئی نیا قدم اٹھایا جائے گا۔

اس وقت میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ جب میں نے رضیہ سے کہا تھا کہ پہلے مجھے اس تہہ خانے سے باہر نکالا جائے اور تحریکی سے میری ملاقات کرائی جائے...... اس وقت میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں دستخط کرنے پر آمادگی ظاہر کر کے سوچنے کیلئے کچھ مہلت حاصل کر لوں۔ شاید مجھے تعاون پر آمادہ پا کر یہاں سے باہر نکالا جائے اور باہر نکلنے کے بعد مجھے ایکشن میں آنے کا کوئی موقع مل جائے ورنہ اس تہہ خانے میں رہ کر تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں یونہی بھوکا پیاسا پڑا ایڑیاں رگڑتا رہتا اور ہیروئن کا زہر میری رگوں میں پہنچتا رہتا۔ پھر یقیناً ایک وقت ایسا آتا کہ مجھے ان کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑتے اور اس وقت تک میری حالت بالکل تباہ ہو چکی ہوتی اور میری قوت مزاحمت بھی دم توڑ چکی ہوتی۔

میں اپنے خیالات میں غلطاں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور رستم و سہراب منکر نکیر کی طرح میرے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ دفعتاً تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آئی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن وہ میری طرف متوجہ ہونے کے بجائے رستم و سہراب سے مخاطب ہوئی۔ ''اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اوپر لے چلو۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سیاہ رنگ کی ایک کپڑے کی پٹی رستم کی طرف بڑھائی۔ رستم نے وہ پٹی لے کر میری آنکھوں پر باندھ دی۔ پھر میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے اٹھایا گیا۔

یہ یقیناً رستم اور سہراب تھے جو میرا ایک ایک بازو سختی سے اپنی اپنی گرفت میں لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد سیڑھیاں شروع ہو گئی تھیں۔ جب میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کے باوجود مجھے قدرے روشنی میں آنے کا احساس ہوا۔ وہ دونوں مجھے بازوؤں سے پکڑے نہ جانے کن بھول بھلیوں سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک جگہ لے گئے پھر مجھے کسی نرم سی جگہ پر بٹھا دیا گیا۔

جب میری آنکھوں سے پٹی اتاری گئی تو میں نے خود کو ایک درمیانہ سائز کے کمرے میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کمرے میں ایک سنگل بیڈ چھوٹی سی ایک میز اور کرسی کے علاوہ کوئی دوسرا فرنیچر نہیں تھا۔ داخلی دروازے کے علاوہ بائیں جانب ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ میرے خیال کے مطابق شاید یہ باتھ روم کا دروازہ تھا۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔

رضیہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ''تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں اس تہہ خانے سے

نکال کر یہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ کچھ دیر بعد تمہیں کھانا اور پانی بھی مل جائے گا اور تمہاری مرہم پٹی بھی کروا دی جائے گی..... لیکن کسی بھی قسم کی گڑبڑ کا خیال ہرگز دل میں نہیں لانا ورنہ تمہیں پہلے سے بھی زیادہ سخت سزا دی جائے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں مجبوراً جان سے مارنا پڑے..... ویسے بھی یہاں کا سیکورٹی کا نظام انتہائی سخت ہے اور اگر چیخ پکار کرنے کی احمقانہ کوشش کی تو تمہاری آواز اس عمارت سے تو کیا اس کمرے سے بھی باہر نہیں پہنچ سکے گی۔ امید ہے کہ تم اپنی مشکلات میں اضافہ کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

اس نے اس طرح مجھے سمجھایا جیسے میں کوئی نادان بچہ تھا۔

انتہائی خراب حالت میں ہونے کے باوجود اس کی بات سن کر میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "جب یہاں کا سکیورٹی سسٹم اتنا موثر ہے تو تم مجھ سے اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟ تہہ خانے سے اوپر اس کمرے تک آنے کیلئے تم نے میری آنکھوں پر پٹی بندھوائی اور ان دو جلادوں کو بھی اب تک میرے سر پر مسلط کر رکھا ہے۔" میں نے رستم اور سہراب کی طرف اشارہ کیا۔

میری بات سن کر اس کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر تبدیل ہونے لگے لیکن اس نے خود پر قابو پا لیا اور شاید مصلحتاً مجھے کوئی تلخ جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں تک وہ سپاٹ سی نظروں سے میری جانب دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔ "تحریکی نے تمہیں پیغام دیا ہے کہ اگر تم اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کاغذ پر سائن کر دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"نہیں..... سائن تو میں تحریکی کی موجودگی میں ہی کروں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اس کا انتظار کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

رضیہ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ گویا اسے مجھ سے اسی جواب کی توقع تھی..... اس نے رستم اور سہراب کو چلنے کا اشارہ کیا پھر وہ تینوں چلے گئے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔

ان تینوں کے جانے کے بعد میں نے ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر وہاں کا بھی جائزہ لیا۔ باتھ روم میں بھی کوئی روشن دان وغیرہ نہیں تھا۔

میرے زخموں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے بمشکل تمام الٹا..... ہاتھ منہ دھویا اور آ کر بستر پر گر گیا۔ ذرا دیر بعد ایک شخص میرے لئے کھانا اور پانی لے کر آیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا جو بظاہر تو خالی ہاتھ تھا لیکن اس کا ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں تھا۔ وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ لیکن میں اس کی طرف توجہ دینے کے بجائے پانی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر چلے گئے۔

تہہ خانے سے باہر نکلتے ہی مجھے اس بات کا احساس تو ہو گیا تھا کہ یہ دن کا وقت تھا لیکن تاریخ اور وقت کے بارے میں میں ابھی تک لاعلم تھا کیونکہ میری رسٹ واچ یہاں آنے کے بعد تحریکی اور اس کے کارکنوں سے ہاتھا پائی کے دوران کھل کر گر گئی تھی۔ اس کمرے میں بھی کوئی وال کلاک وغیرہ نہیں تھا۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن اس تمام عرصے کے دوران میں اتنی اذیتیں سہہ چکا تھا کہ مجھے یہ عرصہ صدیوں پر محیط محسوس ہو رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ آئندہ کے محسوسات بھی یہی ہوں گے۔

میں اپنی کوشش کے نتیجے میں اپنے لئے کافی رعایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہو گا؟ ابھی میرے ذہن میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ یہی غنیمت تھا کہ میں اس عقوبت خانے سے باہر آ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ مجھے تحریکی سے کسی رعایت کی توقع نہیں تھی جبکہ رضیہ بھی میری جان کی دشمن ہو رہی تھی۔ لیکن تحریکی نے نہ جانے کس خیال کے تحت میرا مطالبہ منظور کر لیا تھا۔

مجھے اس کمرے میں آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ کھانا وغیرہ پہنچانے کے بعد میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس دوران مجھے وہ منحوس انجکشن لگانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ میرے خیال کے مطابق رات ہو چکی تھی۔ میرے زخموں میں رہ رہ کر ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ کئی جگہوں پر اندرونی چوٹیں بھی آئی تھیں۔ ان میں بھی درد ہو رہا تھا۔ میں اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھے سوچ رہا تھا کہ رضیہ نے مجھے فرسٹ ایڈ دینے کی بات تو کی تھی لیکن کم بخت نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

ابھی مجھے اس کا خیال آیا ہی تھا کہ وہ شیطان کی طرح حاضر ہو گئی..... اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ گویا اس وقت وہ کسی دم چھلے کو ساتھ نہیں لائی تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے فرسٹ ایڈ باکس پکڑا ہوا تھا۔

وہ میرے قریب بیٹھ کر غور سے میرے چہرے کے زخموں کا جائزہ لینے لگی۔ میں اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر سختی کے بجائے نرمی تھی ورنہ اس سے پہلے تو وہ آتش فشاں بنی ہوئی تھی۔

مجھے مسلسل اپنی جانب گھورتا ہوا پا کر کہنے لگی۔ "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "دیکھ رہا ہوں کبھی دشمن جان بن جاتی ہو کبھی....."

وہ باکس سے روا اور کاٹن وغیرہ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم مجھے دشمنی کا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہو۔ کوئی عورت اپنی اس قدر توہین برداشت نہیں کر سکتی ورنہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں؟"

میں اس کی چاہت کے دعوے پر دل ہی دل میں مسکرایا کیونکہ میں اس کی چاہت کی حقیقت سے خوب واقف تھا۔ اس نے جس راستے پر مجھے ڈالا تھا اس پر چلتے چلتے آج میں اس مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے مصلحتاً مسکرا کر کہا۔ "میں بھی تو تمہیں انتہائی چاہتا ہوں..... لیکن ہم دونوں ہی حالات کی ستم ظریفیوں کا شکار رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے سے بدگمان ہو جاتے ہیں....."

"تو پھر تم صرف مجھ ہی کو کیوں الزام دیتے ہو؟" وہ روئی کو کسی اینٹی سیپٹک میں بھگو کر میرے زخموں کو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

میں نے کہا۔ "میں کوئی الزام نہیں دے رہا' چلو جو ہوا سو ہوا' میرے خیال میں اب ہم دونوں کا حساب برابر ہو گیا....."

وہ میرے زخم پر ٹیوب لگاتے لگاتے رک کر معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"میں تمہاری تمام رقم اور وہ زیورات تمہیں واپس کر دوں گا۔" میں نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ وہ خاموش رہی پھر میں نے آہستگی سے پوچھا۔ "رضیہ! تم لوگوں نے تابندہ کے ساتھ تو کچھ نہیں کیا نا؟"

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "تابندہ کا بڑا خیال ہے تمہیں! اس کے پاس ایسا کیا ہے جو میرے پاس نہیں؟"

میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے لجاجت سے کہا۔ "رضیہ ڈیئر! تم جانتی ہو وہ بے قصور ہے اور میں اس کے بارے میں اس لئے فکرمند ہوں کہ وہ بالکل اکیلی ہے۔"

"بے فکر رہو، ہم نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ویسے وہ اپنے بنگلے پر موجود نہیں ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس بات پر خوشی ہوئی تھی کہ شاید وہ کسی محفوظ جگہ پر منتقل ہو گئی تھی۔

رضیہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے ایسی نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے میری جہالت اور کم علمی پر افسوس کر رہی ہو۔ وہ اب میری مرہم پٹی سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس نے دو تین زخموں پر ٹیپ کی مدد سے بینڈیج چپکا دی تھی اور چند ایک معمولی زخموں پر ٹیوب لگا کر یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے اس کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ٹھیک ہو گیا لیکن سارے جسم میں شدید درد ہو رہا ہے۔"

"اس کیلئے میں تمہیں پین کلر دوں گی۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔ پھر میرے بازوؤں کے مسلز ٹٹولتے ہوئے کہنے لگی۔ "کچھ نہیں ہوتا تمہیں...... بہت سخت جان ہو۔"

میں نے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ تم نے یہ ڈاکٹری کب سے سیکھ لی؟"

"اس کے علاوہ بھی بہت کچھ سیکھ چکی ہوں......" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"ہاں وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں......" میں نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے تیز انداز میں کہا۔ وہ اس وقت بھی ایسے لباس میں تھی جس میں اس کا حسن اور نمایاں ہو رہا تھا۔ مجھے اس طرح اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھوکی بلی کی طرح وحشیانہ چمک نظر آئی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ میرے اوپر آن گری۔ میں نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔ پھر تند و تیز جذبات کا ایک ریلا آیا اور بالآخر گزر گیا۔ اس دوران مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رضیہ کے جذبات میں پہلے سے زیادہ تندی آتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ پرسکون انداز میں آنکھیں موندے میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی اور اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا اور اس وقت رضیہ کی کیفیت پر غور کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

یکا یک وہ بڑبڑائی۔ "میں تمہیں صرف اپنے پاس دیکھنا چاہتی ہوں ناجی۔" پھر اس نے آنکھیں

کھول دیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "پہلے تمہیں وہ نرگس لے اڑی تھی اور اب یہ تابندہ۔ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کی آواز میں غراہٹ سی آ گئی۔

"تمہیں اسے چھوڑنا ہوگا ناجی۔"

"ٹھیک ہے میں اسے چھوڑ دوں گا لیکن تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔" میں نے کہا۔

"وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ "تم پھر مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو۔ تابندہ سے چار دن کی شناسائی میری برسوں پرانی رفاقت پر حاوی ہو گئی۔" اس کے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی اور آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

اس کی یہ خطرناک کیفیت میرے سارے منصوبے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ میں نے پیار کے حربے سے اسے رام کیا اور کہا۔ "دیکھو تم جانتی ہو کہ میں بلاوجہ کسی انسان کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا بس اتنی سی بات ہے۔"

وہ نرم پڑ گئی۔ "ٹھیک ہے لیکن میں تحریکی کی کسی حرکت کی ذمہ دار نہیں ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ تحریکی کب تک واپس آئے گا؟"

وہ کہنے لگی۔ "کل یا پرسوں تک آ جائے گا لیکن وہ تمہیں اس کاغذ پر دستخط کرائے بغیر چھوڑے گا نہیں۔"

میں نے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تحریکی کے واپس آنے سے پہلے ہم دونوں کسی طرح یہاں سے نکل چلیں؟"

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔ "میرے ساتھ تمہارا یہاں سے نکلنا ناممکن تو نہیں لیکن تحریکی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔"

"ہم یہاں سے کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے اور پھر ملک سے باہر نکل جائیں گے۔ تابندہ کو میں طلاق کے کاغذات روانہ کر دوں گا۔" میں نے رضیہ کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملک سے باہر جا کر ہم اطمینان سے شادی کر لیں گے اور وہیں رہیں گے۔ اخراجات کیلئے ہمارے پاس ایک معقول رقم اور قیمتی زیورات بھی موجود ہیں۔"

"لیکن وہ زیورات میں بیچوں گی نہیں۔" رضیہ نے بے ساختہ کہا۔ میں نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ وہ مارا یعنی وہ میرے دام میں آ گئی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اسے تحریکی کے گروہ میں اہم حیثیت حاصل ہے اور اس کی عدم موجودگی میں یہاں وہ اس کی قائم مقام تھی۔ وہ کسی بھی بہانے سے مجھے نکال کر لے جا سکتی تھی اور جب تک تحریکی کو صورتحال کا علم ہوتا اور وہ واپس آتا تب تک ہم اس کی دسترس سے دور جا چکے ہوتے۔

طے یہ پایا کہ ہم صبح سویرے یہاں سے نکل جائیں گے۔ رضیہ نے بتایا کہ یہاں سے نکلنے کیلئے اسے صرف ایک آدمی کو مطمئن کرنا ہوگا۔ باقی لوگوں کو وہ جواب دہ نہیں تھی ویسے بھی صبح سویرے سب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر بعد وہ میرے پاس سے رخصت ہو گئی اور میں آئندہ پیش آنے والے متوقع حالات و واقعات پر غور کرنے لگا۔ کچھ دیر پریشان رہنے کے بعد میں نے سر جھٹکا اور خود کو سمجھایا کہ فی الحال یہاں سے نکلنا سب سے زیادہ اہم ہے اور کچھ دیر کیلئے سونے کی کوشش کرنے

لگا۔

صبح کو رضیہ ہی نے مجھے آ کر جگایا۔ میں نے باتھ روم جا کر جلتی ہوئی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔ رضیہ نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکلا تو خود کو اسی ہال میں پایا۔ ہال سے باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ یہ حصہ بنگلے کی اصل عمارت سے ذرا الگ تھلگ تھا۔ بنگلے کی عمارت سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

رضیہ میرا ہاتھ پکڑے ڈرائیو وے تک آئی جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رضیہ نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ چوکیدار پہلے ہی گیٹ پر الرٹ کھڑا ہوا تھا' اس نے فوراً آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

کار جب گیٹ سے نکل کر آگے بڑھی تو بے اختیار ایک طویل سانس میرے لبوں سے خارج ہوئی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی آسانی کے ساتھ اس قید خانے سے نکل آیا ہوں۔ رضیہ نے کنکھیوں سے میری جانب دیکھا اور مسکرائی۔ "پریشان ہو؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "جب تم ساتھ ہو تو مجھے بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ اس وقت سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھا اس لئے وہ خاصی تیز رفتاری کے ساتھ کار کو دوڑا رہی تھی۔ ہمیں اس وقت کلفٹن پہنچنا تھا۔ رضیہ نے رات کو مجھے بتایا تھا کہ اس نے کسی آڑے وقت پر پناہ لینے کی خاطر کلفٹن پر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھا تھا جس کا علم اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔

کچھ دور جا کر اس نے ایک سڑک کے کنارے کار روک دی ہم اس سے نیچے اترے اور پیدل مین روڈ تک جا پہنچے۔ مین روڈ سے ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اس میں بیٹھ کر کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایسا ہم نے احتیاطی تدبیر کے طور پر کیا تھا۔

ٹیکسی کو رضیہ نے اپنے اپارٹمنٹ سے کافی دور ہی رکوا لیا تھا۔ ہم پیدل اس بلڈنگ تک پہنچے جس میں رضیہ نے اپارٹمنٹ کرائے پر لیا ہوا تھا۔ اس وقت تک چاروں طرف دھوپ پھیل چکی تھی۔ بلڈنگ کا چوکیدار رضیہ کو پہچانتا تھا۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور رضیہ سے کہنے لگا۔ "آج آپ کا گاڑی کدھر ہے مس صیب؟"

"ہماری گاڑی دراصل راستے میں خراب ہو گئی تھی تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا ہم نے سوچا واک کرتے ہوئے چلے جائیں۔" رضیہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اوپر جا کر میں ورکشاپ فون کر دوں گی وہ گاڑی لے جائیں گے۔" چوکیدار نے خوش دلی سے سر ہلایا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

رضیہ کا اپارٹمنٹ چھٹی منزل پر تھا۔ ہم لفٹ کے ذریعے اوپر آئے۔ میں نے دیکھا کہ اپارٹمنٹ اچھی خاصی صاف ستھری حالت میں تھا کیونکہ رضیہ موقع پا کر اکثر یہاں آتی رہتی تھی۔ ضرورت کی تقریباً تمام چیزیں یہاں موجود تھیں۔ فرج میں کچھ کھانے پینے کا سامان بھی موجود تھا۔

یہ دو بیڈ روم کا اپارٹمنٹ تھا اور رضیہ کے کہنے کے مطابق یہاں سکیورٹی کا نظام اچھا تھا۔ کوئی

ملاقاتی منہ اٹھا کر عمارت کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا اور ہر وزیٹر کو مطلوبہ اپارٹمنٹ تک پہنچنے سے پہلے انٹرکام پر بات کر کے اپنی پہچان کرانی پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں لوگ ایک دوسرے کے معاملات سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ کون آیا' کون گیا' کسی کو اس سے غرض نہیں تھی۔

میں ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ رضیہ بھی میرے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت تابندہ مجھے شدت سے یاد آ رہی تھی۔ میں اپنے خیالات میں گم سر جھکائے بیٹھا تھا کہ اچانک رضیہ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میں چند لمحوں کیلئے بالکل بھول گیا تھا کہ وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔

وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں جانتی ہوں تم اس وقت تابندہ کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ تم مجبوراً میرے ساتھ آ تو گئے ہو لیکن خیر اب وہ تمہاری بیوی ہے اور تم اس سے محبت بھی کرتے ہو۔" وہ میرے پاس سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ پردہ سرکا کر شیشے سے باہر جھانکا پھر کہنے لگی۔ "دو تین دن ذرا صبر کر لو میں اس کا پتا ڈھونڈ نکالوں گی۔" میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کا انداز بدلا بدلا سا تھا۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ "ویسے رقم اور زیورات تابندہ کے پاس تو ہیں نا؟" اس نے اچانک ہی وہ سوال کر ڈالا جو اس نے ابھی تک مجھ سے نہیں کیا تھا۔ میں کچھ حیران بھی تھا کہ اس نے اب تک یہ بات مجھ سے کیوں نہیں پوچھی تھی۔

"نہیں' نہیں۔" میں نے بلاتاخیر جواب دیا کیونکہ تاخیر کی صورت میں اسے میری سچائی پر شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ "رقم اور زیورات کسی کے حوالے کر کے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ایک محفوظ جگہ پر ہیں۔"

"ہوں۔" اس نے پرخیال انداز میں ہنکارا بھرا۔ میں غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کا دھیان تابندہ کی طرف سے ہٹ جائے ورنہ وہ لالچی عورت رقم اور زیورات کی خاطر اسے نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔

"یہ نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی محفوظ جگہ ہے؟" رضیہ نے سوال کیا۔

"دراصل کراچی آنے کے بعد میں چند دن بھی سکون سے ایک جگہ نہیں رہ سکا۔" میں نے کہا۔ "میرا سارا وقت ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ میں ہی گزرا ہے۔ میں ہر وقت ان چیزوں کو ساتھ لئے لئے نہیں گھوم سکتا تھا اس لئے ایک رات میں نے ان چیزوں کو پولی تھین میں اچھی طرح پیک کیا اور گلستان جوہر کے ایک ویران علاقے کے ایک ایسے پلاٹ میں گہرا گڑھا کھود کر دفن کر دیا جس کے گرد ایک کچی سی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔"

رضیہ غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن میں نے یہ سب کچھ اتنی روانی سے بتایا تھا کہ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ حالانکہ میں نے پہلے سے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"اب تو تم مجھے گھورتی رہو گی یا کچھ چائے وغیرہ بھی پلاؤ گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سر میں سخت درد ہو رہا ہے' مجھے دیکھنے کیلئے تو ساری عمر پڑی ہے۔ دیکھتی رہنا۔"

اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "ہاں ابھی لاتی ہوں۔" وہ کچن میں گھس گئی۔

میں گھوم پھر کر اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے لگا۔ کافی شاندار اور سجا سجایا اپارٹمنٹ تھا۔ میں ایک بیڈ روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ چہرے پر چپکی ہوئی پٹیاں میں نے وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اتار کر پھینک دی تھیں تاکہ میری جانب کوئی خاص طور سے متوجہ نہ ہونے پائے لیکن زخم تو بہر حال ابھی موجود تھے اور ورم کے باعث چہرہ کچھ پھولا پھولا سا ہو رہا تھا۔ شرٹ کچھ میلی سی نظر آ رہی تھی کیونکہ لباس میں نے رات ہی کو تبدیل کیا تھا۔

میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا کہ رضیہ ناشتے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوئی۔ "تمہیں شاید یہ بیڈ روم پسند آ گیا ہے۔" اس نے میز پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ "اس لئے میں ناشتہ بھی یہیں لے آئی ہوں۔"

رات کو رضیہ میرے ساتھ گزرے ہوئے ابتدائی دنوں کو یاد کرتے کرتے اور مجھ پر اپنی ادائیں نثار کرتے کرتے سو چکی تھی۔ لیکن میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جانے تابندہ اس وقت کہاں ہو گی؟ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی کہ میں ایک دھوکے باز تھا؟

لیکن نہیں وہ میرے بارے میں غلط انداز سے نہیں سوچ سکتی۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے' میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا نہ ہی اسے کوئی دھوکہ دیا تھا بلکہ میری امانت بھی اس کے پاس تھی۔ پھر وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار کیسے ہو سکتی تھی؟

دوسری طرف میں رضیہ کی طرف سے فکر مند تھا۔ میں اسے بارہا آزما چکا تھا' وہ انتہائی ناقابل اعتبار عورت تھی۔ اس کا یہ مہربان رویہ بھی مجھے الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ رقم اور زیورات کی خاطر میرا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ یہ بات بھی مجھ پر واضح کر چکی تھی کہ دولت کی کمی تو اسے تحریکی کے ساتھ رہتے ہوئے بھی نہیں تھی لیکن وہ اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہنے اور اس کے اشارے پر ایک آغوش سے دوسری آغوش میں جا کرنے کو مزید تیار نہیں تھی۔ وہ آزاد زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ میرے علاوہ کسی کی محکومی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

مجھے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں تھا لیکن میں اس مشکل وقت میں اس کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔ حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں تمام مصلحتوں کو بھلا کر باہر نکل جاؤں اور تابندہ کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ جاؤں لیکن اس وقت میرے لئے خطرات پہلے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے تحریکی کی جانب سے تھا کیونکہ وہ غصے سے پاگل ہو کر چاروں طرف میری تلاش میں آدمی دوڑائے گا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا۔ یہی باتیں سوچتے سوچتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے کافی رات گزر گئی۔ بالآخر رات کے پچھلے پہر کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

کئی روز اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران ہم دونوں نے اپارٹمنٹ سے قدم تک باہر نہیں نکالا۔ رات کو ہم کافی دیر سے سوتے تھے لہٰذا گیارہ بارہ بجے سے پہلے ہماری صبح نہیں ہوتی تھی۔ ناشتہ اور کھانا وغیرہ رضیہ خود ہی بناتی تھی۔ اس نے تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ تک کا سب ضروری سامان سٹور کیا ہوا تھا۔ باقی وقت وہ میرے ساتھ باتیں کرنے اور ٹی وی دیکھنے میں گزارتی تھی۔ ہماری بات چیت کا موضوع زیادہ تر ہمارے موجودہ حالات ہی ہوتے تھے کیونکہ انہی کی روشنی میں ہمیں یہ طے کرنا تھا کہ ہمارا آئندہ اقدام کیا ہونا چاہئے۔ رضیہ کا کہنا تھا کہ ہمیں چند دن بالکل خاموشی سے اسی اپارٹمنٹ میں گزارنے چاہئیں کیونکہ ابھی

اس کے خیال میں یہ جگہ بالکل محفوظ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کا یہ خیال درست ہی تھا کیونکہ باہر نکلنے کی صورت میں رضیہ کو تو صرف تحریکی کے گروہ کی طرف سے خطرہ تھا لیکن میرے تو تحریکی کے علاوہ بھی ان گنت دشمن تھے جو ماضی میں مجھ سے کوئی نہ کوئی گہری چوٹ کھا چکے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں ایک اشتہاری مجرم تھا اور میرے سر کی قیمت بھی لگائی جا چکی تھی۔

لیکن میں ساری زندگی تو اس طرح روپوش رہ کر نہیں گزار سکتا تھا میری اس بات کے جواب میں رضیہ نے بھی وہی تجویز پیش کی تھی جو اس سے پہلے تابندہ نے میرے سامنے پیش کی تھی یعنی اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اس ملک سے بحفاظت نکال لے جائے گی اور ہم کسی دوسرے ملک میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ ہمیں اس اپارٹمنٹ میں آئے ہوئے اب چھٹا روز تھا۔ اس رات رضیہ میرے بازو پر سر رکھے میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی اور پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "ناجی چند روز بعد سب سے پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ اس پلاٹ سے اپنی رقم اور زیورات نکال لائیں گے۔ میرا خیال ہے اس کیلئے رات کا وقت مناسب رہے گا۔ اس کے بعد میں باہر جانے کا انتظام کروں گی۔ میں ایک ایسے شخص کو جانتی ہوں جو رقم لے کر ہمارا ہر مسئلہ رازداری کے ساتھ حل کر سکتا ہے۔ اصل مسئلہ بس رقم کا ہے تم تو جانتے ہو میں تمہارے ساتھ خالی ہاتھ آئی ہوں۔"

اس کے لہجے میں اتنی معصومیت اور شیرینی گھلی ہوئی تھی کہ چند لمحوں کیلئے تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ واقعی میرے ساتھ مخلص ہے لیکن فوراً ہی مجھے یاد آ گیا کہ وہ کتنی مکار اور فریبی عورت ہے۔ میں اسے اس وقت سے جانتا تھا جب میں سترہ سال کا تھا۔ اس کی پوری زندگی میرے سامنے تھی۔ وہ لوگوں کو استعمال کرنا خوب جانتی تھی اور اپنے مفاد کی خاطر کسی کی بھی جان سے کھیل سکتی تھی۔

وہ تقریباً ہر روز ہی گھما پھرا کر رقم اور زیورات کے بارے میں بات کرتی تھی۔ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے اس پلاٹ کا درست محل وقوع معلوم کر لے جہاں میرے کہنے کے مطابق یہ چیزیں دفن تھیں۔ میں نے ہر مرتبہ اس پر یہی ظاہر کیا تھا کہ چونکہ میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف نہیں ہوں اس لئے زبانی طور سے پتا سمجھانا میرے لئے بہت مشکل تھا' البتہ اس علاقے میں پہنچ کر میں وہ جگہ پہچان سکتا تھا۔ اسے چار و ناچار میری بات پر اعتبار کرنا ہی پڑتا تھا۔

اب تک تو میں اسے ٹالتا ہی چلا آ رہا تھا۔ وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اسے بنا رہا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ آئندہ چند روز بعد اسے کس طرح مطمئن کر سکوں گا؟ اور میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے؟

اس بات کا جواب مجھے اسی رات مل گیا اور کسی حد تک مجھ پر واضح ہو گیا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔

ہوا یوں کہ رات کو کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ رضیہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ باتھ روم میں ہو گی یا پانی پینے فریج تک گئی ہو گی۔ یکا یک مجھے احساس ہوا کہ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اگر اس وقت مجھے پیاس محسوس نہ ہو رہی ہوتی تو شاید میں دوبارہ نیند میں ڈوب جاتا۔

چند لمحوں تک میں رضیہ کے آنے کا انتظار کرتا رہا پھر پیاس کے ساتھ مجھ پر تجسس کا احساس بھی

ی ہو گیا۔ میں بیڈ سے اٹھ کر دبے قدموں بیڈ روم سے باہر آ گیا کیونکہ بیڈ روم میں مدھم سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تو مجھے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

میں نے غور سے سنا تو یہ رضیہ کی آواز تھی۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "فکر کرنے کی ضرورت نہیں! وہ میرے پاس سے کہیں جانے کا خیال دل میں نہیں لا سکتا۔"

"یہ تو شاید میرے بارے میں بات کر رہی ہے لیکن کس سے؟" میں نے سوچا اور ذرا سا خطرہ مول لے کر دیوار سے لگے لگے گردن بڑھا کر دروازے سے اندر جھانکا۔ وہ بیڈ پر ترچھی بیٹھی ہوئی موبائل فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ اور وہ کسی تحریکی ہی ہو سکتا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہو کر غور سے سننے کی کوشش کرنے لگا۔

چند لمحوں تک خاموش رہ کر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔ "میں آہستہ آہستہ اسے لائن پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میں اس کے مزاج کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ وہ سختی سے قابو میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اسے تشدد کے ذریعے زیر کرنا مشکل ہے اور اگر وہ مر گیا تو ساری محنت بیکار۔"

چند لمحوں تک وہ خاموش رہی' پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "ہاں ہاں' کتنی مرتبہ تو تمہیں یقین دلا چکی ہوں۔ سائن تو میں اس سے کسی بھی بہانے سے کرا لوں گی' سادے کاغذ پر پھر تم جو چاہے اس پر لکھتے رہنا۔"

اس کے بعد دو تین مرتبہ اس کے ہوں' ہاں کہنے کی آواز سنائی دی۔ جب اس نے خدا حافظ کہا تو میں تیزی سے پلٹا اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا واپس آیا اور بیڈ پر لیٹ کر سوتا ہوا بن گیا۔

کچھ دیر بعد رضیہ بھی واپس آ گئی اور آہستگی سے بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹ گئی۔

میں آنکھیں بند کیے اس نئی صورتحال پر غور کر رہا تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ میرے لئے بالکل ہی غیر متوقع نہیں تھا اور نہ ہی رضیہ کا یہ روپ میرے لئے انوکھا یا نیا تھا لیکن پھر بھی میں اس وقت ہیجان کا شکار تھا۔

اب مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی دو تین راتوں کو میں نے اسے بستر سے غائب پایا تھا لیکن تب شاید نیند کی کیفیت میں' میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔

گویا میرے خلاف یہ نیا جال بنا جا رہا تھا۔ مجھے اس مکار عورت پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا ابھی اٹھوں اور اس کی گردن مروڑ دوں لیکن ایسا کر کے میں اپنی مشکلات میں اضافہ نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ یہ نیا پلان رضیہ ہی کا بنایا ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ اس بارے میں بہت پر اعتماد تھی۔

اس شاندار اپارٹمنٹ میں سب کچھ موجود تھا۔ سوائے ٹیلی فون کے مجھے اس بات پر حیرانی تھی میرے استفسار پر رضیہ نے بتایا تھا کہ اس نے یہاں فون لگوانے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ وہ یہاں آتی تو تھی نہیں ضرورت کے تحت موبائل فون اس کے پاس موجود ہوتا ہی تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق اس دن وہ اپنا موبائل گھبراہٹ میں تحریکی کے بنگلے ہی میں بھول آئی تھی۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بات کچھ ہی دیر

پہلے ثابت ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا موبائل دوسرے بیڈ روم کی الماری میں یا پھر سائیڈ بورڈ کی دراز میں چھپا کر رکھا ہوا تھا اور روز رات کو میرے گہری نیند میں ڈوب جانے کے بعد وہ تحریکی سے رابطہ کر کے اسے ساری رپورٹ دیتی تھی۔ کہ وہ کامیابی کے کس مرحلے تک پہنچ چکی ہے۔

یعنی اب تک جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ سب ڈرامہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری چھٹی حس جو مجھے بار بار کسی گڑبڑ کا احساس دلاتی تھی' وہ احساس درست تھا کیونکہ رضیہ مجھے جتنی آسانی کے ساتھ وہاں سے نکال لائی تھی وہ کچھ عجیب سا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ بار بار مجھے وہاں کے سکیورٹی کے نظام سے ڈرانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

اس بارے میں مجھے مطمئن کرنے کیلئے اس نے یہی توجیہہ پیش کی تھی کہ اس کی حیثیت اس گروہ میں نمبر دو کی سی تھی اور صرف تحریکی ہی اس سے باز پرس کر سکتا تھا' جو کہ اس وقت ملک سے باہر تھا ورنہ کسی اور میں یہ جرأت نہیں تھی۔

اب یہ بات بھی میرے ذہن میں واضح ہو چکی تھی کہ مجھے یہاں لانے سے پہلے یہاں سے فون ہٹا دیا گیا ہوگا تاکہ میں کسی سے رابطہ نہ کر سکوں باہر نکلنے سے تو اس نے مجھے ترکیبوں کے ذریعے روکا ہوا تھا اور اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ کچھ آدمی اس بلڈنگ کی نگرانی پر مامور رہے ہوں گے تاکہ میرے نکلنے کی صورت میں فوراً ایکشن میں آ سکیں۔

جس طرح شیر کو شکار کرنے کیلئے ہانکا کر کے ایک مخصوص مقام تک لایا جاتا ہے' کچھ ایسا ہی احساس مجھے بھی ہو رہا تھا۔ دشمنوں کا گھیرا میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اب مجھے تابندہ کی زیادہ فکر لاحق ہو رہی تھی۔ یہ لوگ یقیناً اس کی تلاش میں ہوں گے تاکہ اس پر قابو پا کر مجھے مزید کمزور کر سکیں۔

یقیناً وہ کسی محفوظ جگہ پر ہو گی ورنہ اب تک ان لوگوں کی نظر میں آ چکی ہوتی۔ میرے خیال کے مطابق تابندہ کو یہ تحفظ اس کے دوست اور خیر خواہ سی آئی اے کے انسپکٹر فرمان نے فراہم کیا ہوگا۔ میں اب تابندہ سے رابطہ کرنے کیلئے پہلے سے بھی زیادہ بے قرار تھا حالانکہ ایسا کرنے کی صورت میں میری سلامتی کو شدید خطرہ تھا کیونکہ انسپکٹر فرمان اب تک میری حقیقت سے واقف ہو چکا ہوگا لیکن اب مجھے اس بات کی بھی زیادہ پرواہ نہیں رہی تھی۔ کیونکہ میرے ایک طرف کنواں تھا تو دوسری طرف گہری کھائی۔

دونوں صورتوں میں تباہی میرا مقدر تھی تو کم از کم میں اپنی پسندیدہ صورت منتخب کرنے کی کوشش تو کر سکتا تھا۔

صبح میں نے اپنے طرز عمل سے رضیہ پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ دن بھر میں اس پر کچھ زیادہ ہی ملتفت رہا۔ آج میں نے خود جلد از جلد پلاٹ تک جا کر وہاں سے اپنی امانت نکالنے اور ملک سے نکل جانے کی خواہش ظاہر کی۔

وہ اپنی محنت بارآور ثابت ہونے پر بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ مستقبل کے بارے میں خوش آئند باتیں کرتے کرتے اس نے تیکھی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے اچانک پوچھا۔ "تم تابندہ سے نہیں ملو گے؟"

میں اس اچانک سوال پر کچھ گڑبڑا سا گیا۔ پھر میں نے سنبھلتے ہوئے فوراً ہی جواب دیا۔ "جب

اس سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا تو پھر ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" رضیہ گہری نظروں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔

پھر میں نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔ "تم اس کا اتا پتا لگانے کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ معلوم ہوا؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں تو تب سے تمہارے ہی ساتھ ہوں۔ تحریمی اس کا سراغ لگانے کی کوشش کی تھی مگر اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اگر تمہیں اس سے کونٹیکٹ کرنے کا کوئی ذریعہ معلوم ہے تو مجھے بتاؤ میں تمہیں اس سے ملوانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔" میں خاموش رہا۔

"تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک دیکھتے ہوئے پوچھا جسے میں نے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ "میں تم سے محبت کرتی ہوں تاجی میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتی۔ اگر تم اس کے پاس جانا چاہو گے تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گی۔" اس نے اپنی عیاری اور مکاری کو اداسی کے پردے میں چھپاتے ہوئے کہا۔ میں نے جواب میں اسی ردعمل کا اظہار کیا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔

پھر میں نے زبان سے کہا۔ "اب اس موضوع پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوگی۔ ٹھیک؟"

اس نے کچھ شرماتے ہوئے اور کچھ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے اس کی اداکاری پر اسے دل ہی دل میں داد دی پھر مجھے خیال آیا کہ مجھے خود کو بھی تو شاباش دینی چاہئے کیونکہ میں بھی خاصی کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم حسب معمول دیر تک ٹی وی دیکھتے رہے۔ تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے میں جمائیاں لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا۔ "بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔"

"تم جا کر سو جاؤ میں ذرا یہ پروگرام دیکھ لوں پھر آتی ہوں۔" اس نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔

میں نے سر ہلایا اور ٹی وی لاؤنج سے بیڈروم میں آ گیا۔ نیند تو مجھے واقعی آ رہی تھی لیکن میں سونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ سو جانے کی صورت میں، میں رضیہ کی خفیہ نوعیت کی سرگرمیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا

میں آنکھیں بند کئے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ بیڈروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لاؤنج سے ٹی وی کی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ مجھے کمرے میں آئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن رضیہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ میرے لئے آنکھیں بند کئے چپ چاپ لیٹے رہنا مشکل ہونے لگا تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور دبے پاؤں ٹی وی لاؤنج کی طرف آیا۔

وہاں ٹی وی اسی طرح چل رہا تھا لیکن رضیہ اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کل کی طرح اس وقت دوسرے بیڈروم میں ہوگی۔ میں بے آواز قدموں سے دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تو دیکھا کہ آج بیڈروم کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کر کچھ سن گن لینے کی کوشش کی لیکن بے سود دوسری طرف سے کوئی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ پائی۔

میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگائی تو کمرے کے ایک گوشے میں رضیہ موبائل فون پر بات کرتی ہوئی نظر آئی لیکن دروازے سے کافی دور ہونے کے باعث اس کے صرف ہونٹ ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں اسی طرح دبے پاؤں اپنے بیڈروم میں واپس آ گیا اور دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔

دو تین منٹ بعد ٹی وی کی آواز آنا بند ہو گئی۔ شاید رضیہ نے ٹی وی آف کر دیا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ بیڈروم میں تھی۔ میں حسب دستور آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے بیڈ پر دراز ہو گئی اور پھر کچھ دیر بعد اس کی سانسوں کی آواز گہری ہو گئی۔ میں نے اس کی جانب کروٹ لے کر دیکھا تو وہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی۔

میں آہستہ سے بیڈ سے اترا اور آہستگی سے چلتا ہوا دوسرے بیڈروم میں آ گیا۔ مجھے خاص طور سے رضیہ کے موبائل کی تلاش تھی۔ سب سے پہلے میں الماری کی طرف بڑھا۔ الماری حسب توقع لاک تھی۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل کی تمام درازوں کی تلاشی لے ڈالی مجھے کمرے میں کہیں کوئی بھی چابی نہیں مل سکی۔ بالآخر میں نے اپنی وہی پرانی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں چند بال پنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک پن لے کر میں نے تالے پر قسمت آزمائی شروع کر دی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد الماری کا لاک کھل چکا تھا۔ ایک دراز میں موبائل رکھا ہوا تھا۔ الماری میں چھوٹا سا ایک لاکر نما خانہ تھا جو مقفل تھا۔ میرے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ اسے بھی کھول کر دیکھا جائے۔ یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی اہم چیز موجود ہو گی۔ یا شاید کچھ رقم اس میں رکھی ہوگی۔

اسی خیال کے تحت میں نے ایک بار پھر الماری کی درازوں کی تلاشی لی تو مجھے ایک رنگ میں پڑی ہوئی دو چابیاں نظر آ گئیں۔ ان میں سے ایک چابی سے وہ لاکر کھل گیا۔ لاکر میں ہزار ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا پھر ایک گڈی اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی اور لاکر کو دوبارہ اسی طرح بند کر دیا۔

موبائل فون اس وقت میری دسترس میں تھا لیکن میرے لئے بیکار تھا۔ تابندہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھی اور یہ آفس ٹائم بھی نہیں تھا ورنہ میں تابندہ کی کمپنی کے جی ایم اشرف صاحب سے بات کر لیتا۔ تابندہ ان پر بہت اعتماد کرتی تھی۔ وہ یقیناً ساری صورتحال سے واقف ہوں گے۔ ان کے گھر کا فون نمبر مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ اس وقت ان سے بات ہو سکتی تھی۔ میں ایک مرتبہ تابندہ کے ساتھ ان کے بنگلے پر بھی گیا تھا جو کہ ناظم آباد کے علاقے میں تھا۔

موبائل فون کو چھیڑنا میں نے مناسب نہیں سمجھا اور الماری کے پٹ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر ایکشن میں آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد اب یہاں ایک ایک منٹ مجھ پر بھاری تھا۔

میں نے واپس آ کر دیکھا، رضیہ اسی طرح سو رہی تھی جیسا کہ میں اسے چھوڑ کر گیا تھا پھر میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کے پونے تین بجے تھے۔ گویا میں صرف بارہ تیرہ منٹ میں واپس آ گیا تھا۔ رضیہ کو گہری نیند میں دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا۔ اب میرے خیال میں ایک منٹ بھی ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں فوری طور پر یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا کیونکہ ابھی دشمن اس خوش فہمی میں

تھے کہ میں اصل حقیقت سے بے خبر ہوں لہٰذا ان کا گھیرا ابھی میرے گرد اتنا تنگ نہیں ہوا تھا کہ اس سے نکلنا میرے لئے ناممکن ہو جاتا۔

داخلی دروازے کا آٹومیٹک لاک کھول کر میں باہر نکل آیا اور دروازے کو کھینچ کر آہستگی سے دوبارہ بند کر دیا۔ راہداری بالکل سنسان پڑی تھی۔ ماحول پر سکوت طاری تھا۔ رات کے اس پہر سب ہی اپنے اپنے کمروں میں آرام کی نیند سو رہے تھے۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ اور بے آواز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

میں سیڑھیوں کے بجائے لفٹ کے ذریعے بھی نیچے جا سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ سیڑھیوں کے ذریعے جانا نسبتاً محفوظ تھا کیونکہ اس طرح میں اپنے اطراف پر نظر رکھ سکتا تھا اور اپنا بچاؤ بھی کر سکتا تھا۔

نیچے آنے کے بعد آگے بڑھنے سے پہلے میں نے محتاط انداز میں اردگرد کا جائزہ لیا اور مین گیٹ کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ باؤنڈری وال کے قریب جا کر میں نے اس کا جائزہ لیا۔ دیوار خاصی اونچی تھی لیکن میری تو ساری زندگی ہی ایسی رکاوٹوں کو عبور کرتے گزری تھی۔ لہٰذا میں اپنے جسم کو متوازن رکھتے ہوئے سپرنگ کی طرح اوپر اچھلا اور دونوں ہاتھ دیوار کی منڈیر پر جما کر آہستہ آہستہ جسم کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا' بالآخر میں دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔

دیوار پر سے دوسری جانب اترنے سے قبل ایک لمحے کیلئے میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ باہر ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور دور تک بالکل سناٹا تھا۔ میں پلٹ کر دیوار کی دوسری جانب لٹک گیا پھر آہستہ سے زمین پر چھلانگ لگا دی۔

میں جلد از جلد مین روڈ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت کسی پولیس والے سے میرا سامنا نہ ہو تو بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں میرے لئے یہ وضاحت کرنا مشکل ہو جاتا کہ میں کہاں سے آ رہا تھا اور کہاں جا رہا تھا؟ اس وقت میرے پاس نوٹوں کی ایک گڈی ضرور موجود تھی جس سے بہت سے کام نکالے جا سکتے تھے لیکن اگر مجھے پہچان لیا جاتا تو شاید یہ نوٹ بھی میرے کسی کام نہیں آ سکتے تھے۔

رضیہ اور تحریکی کے بارے میں سوچ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے ایک بار پھر ان کے اندازے غلط ثابت کر دیئے تھے۔ اس وقت مجھے تحریکی کے کارکنوں کی جانب سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ رضیہ کے کہنے پر یقیناً میری نگرانی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلے گی تو وہ ایک بار پھر اپنے بال نوچتی رہ جائے گی۔ اس کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی خود اعتمادی اسے لے ڈوبی تھی۔

اس وقت شاید میری تقدیر مجھ پر مہربان تھی۔ میں نہ صرف بخیر و عافیت مین روڈ تک پہنچ گیا بلکہ چند ہی منٹ کے انتظار کے بعد مجھے ایک ٹیکسی بھی مل گئی۔ میں نے ٹیکسی والے کو ناظم آباد چلنے کیلئے کہا۔ اس نے بڑی بے نیازی سے ایک نگاہ غلط انداز مجھ پر ڈالی اور کہنے لگا۔ "کرایہ ڈبل ہوگا جناب۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ٹیکسی فراٹے بھرتی ہوئی ناظم آباد کی طرف جا رہی تھی جہاں تابندہ کی کمپنی کے جی ایم اشرف کا بنگلہ تھا۔ اس وقت وہی مجھے ایک ایسا موزوں شخص نظر آ رہا تھا جس پر اعتبار کرتے ہوئے میں اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔

میں صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر کیلئے تابندہ کے ساتھ اس کے بنگلے گیا تھا لیکن چونکہ مجھے اپنی یادداشت پر کافی بھروسہ تھا اس لئے مجھے یقین تھا کہ میں وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

اپنی یادداشت کے سہارے میں نے ٹیکسی کو اشرف کے بنگلے سے کچھ دور رکوایا اور ہزار کا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھایا جو میں پہلے ہی گڈی سے علیحدہ کر چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کی سانس لی کہ ڈرائیور نے خاموشی سے نوٹ لے لیا اور تھایا میرے ہاتھ میں تھما دیئے ورنہ میرے لئے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا' غنیمت تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس چینج موجود تھا۔

ٹیکسی آگے بڑھ گئی تو میں اشرف کے بنگلے کی طرف چل دیا۔ چند ہی منٹ بعد میں بنگلے کے گیٹ پر کھڑا تھا اور گیٹ کے باہر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اشرف صاحب کا نام وغیرہ پڑھ کر اس بات کی تصدیق کر چکا تھا کہ میں درست جگہ پہنچا تھا۔ ابھی تک چاروں جانب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ صبح کے چار' سوا چار بجے کا وقت رہا ہوگا' یقیناً وہ کسی شریف آدمی کے گھر جانے کا وقت نہیں تھا' لیکن مجبوری تھی۔

میں نے کال بیل کا بٹن کئی مرتبہ دبایا۔ کئی منٹ گزر گئے لیکن کسی کی آمد کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ اس طرح زیادہ دیر تک گیٹ کے باہر کھڑے رہنا میرے لئے مناسب نہیں تھا۔ میں نے اضطراب کے عالم میں ایک بار پھر کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ ذرا دیر بعد میں نے گیٹ کی جھری سے اشرف کو گیٹ کی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اندر ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی' میں نے دیکھا کہ اشرف آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا محتاط انداز میں گیٹ کی طرف آ رہا تھا' جونہی وہ گیٹ کے قریب پہنچا میں نے بے صبری سے دبی دبی آواز میں اسے پکارا۔ "اشرف صاحب گیٹ کھولئے یہ میں ہوں' نظیر' تابندہ کا شوہر۔"

اس نے میری آواز سن لی تھی وہ لپک کر گیٹ کی اسی جھری کی سمت آیا جس سے میں لگا کھڑا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہٹ گیا تا کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ سکے۔ چند ہی لمحوں بعد گیٹ کھلا اور اشرف نے ہاتھ بڑھا کر مجھے اندر کھینچ لیا پھر جلدی سے گیٹ بند کر دیا۔

گیٹ بند کر کے وہ میری طرف مڑا اور دونوں ہاتھوں سے میرے بازوؤں کو پکڑے ہوئے ہیجان زدہ لہجے میں کہنے لگا۔ "آپ' آپ ٹھیک تو ہیں نظیر صاحب؟ ہم سب آپ کیلئے بے حد پریشان تھے اور میڈم۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اشرف صاحب۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "باقی باتیں اندر چل کر کرتے ہیں۔"

"اوہ ہاں آیئے آیئے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ "دراصل غیر متوقع طور پر آپ کو دیکھ کر میں کچھ بدحواس سا ہو گیا تھا۔"

وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر

کے آیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "اشرف صاحب سب سے پہلے یہ بتایئے کہ تابندہ کہاں ہے اور کیسی ہے؟"

وہ کہنے لگا "ظہیر صاحب' یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ میڈم کہاں ہیں لیکن آپ اطمینان رکھئے وہ بالکل محفوظ جگہ پر ہیں۔"

مجھے اس کا یہ جواب کچھ عجیب سا لگا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا مطلب؟ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ وہ کسی محفوظ جگہ پر ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ کہاں ہے؟"

وہ جواب میں کہنے لگا۔ "بات دراصل یہ ہے جناب کہ آپ کے اچانک غائب ہو جانے سے میڈم تابندہ بہت پریشان ہوئی تھیں ان کی حالت کافی خراب ہوئی تھی۔ یہ بات تو تقریباً سب کو معلوم تھی کہ آپ کیلئے کوئی فون آیا تھا جسے سن کر آپ کچھ دیر بعد واپس آنے کا کہہ کر باہر چلے گئے تھے۔ اتفاق سے دو مہمان بچوں نے آپ کو کسی بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا' اس کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں بتا سکے تھے۔ انسپکٹر فرمان نے فوری طور پر آپ کی تلاش شروع کروا دی تھی۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ کی کوئی تصویر موجود نہیں تھی اور آپ کے بارے میں میڈم تابندہ کی خاموشی سے بھی وہ الجھے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ میڈم سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں کیونکہ اس طرح ان کے ذہنی دباؤ میں اضافہ ہو سکتا ہے اور حالت مزید خراب ہو سکتی ہے' لہٰذا انسپکٹر صاحب اور ان کی بیگم میڈم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔

تقریباً دو دن بعد جب میڈم کی ذہنی کیفیت ذرا نارمل ہوئی تو انہوں نے انسپکٹر فرمان کو بتایا کہ کچھ جرائم پیشہ افراد آپ کی جان کے دشمن ہو رہے تھے کیونکہ آپ نے ان کی مخبری کر کے ان کا مال پکڑوایا تھا اور انہیں شدید نقصان پہنچایا تھا۔

جب میڈم نے تحریکی کا نام لیا اور اس پر شبہ ظاہر کیا تو انسپکٹر فرمان نے میڈم کو فوری طور پر اپنے گھر سے کسی اور محفوظ جگہ منتقل کر دیا اور ان کا پتا شاید انسپکٹر فرمان کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔"

اس نے خاموش ہو کر ایک طویل سانس لی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا اور سانس روکے ہوئے اس کا طویل جواب سن رہا تھا۔ اس نے ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں بتا ڈالی تھیں۔ یہ جان کر میرے دل کو اطمینان ہوا کہ تابندہ صحیح سلامت تھی اور محفوظ ہاتھوں میں تھی۔ تب یکایک مجھے شدید پیاس کا احساس ہوا' میں نے اشرف سے ایک گلاس پانی مانگا۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور چند ہی لمحوں کے بعد پانی کا گلاس لے کر واپس آ گیا۔

میں نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھا تو وہ کہنے لگا۔ "میں آپ کیلئے چائے بنا کر لاتا ہوں لیکن آپ کو چند منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ بیوی بچے گھر پر موجود ہوتے تو اب تک چائے بن کر آ چکی ہوتی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا سب لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

وہ کہنے لگا۔ "پہلے میں آپ کیلئے چائے لے آؤں پھر تفصیل سے آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔"

وہ جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "چائے کو رہنے دیجئے اشرف صاحب کوئی خاص طلب محسوس نہیں ہو رہی ہے اطمینان سے بیٹھئے اور بتایئے کہ کیا بات ہے؟"

میرے منع کرنے پر وہ بیٹھ گیا اور چند لمحوں تک خاموش بیٹھا اپنے ہاتھوں کو گھورتا رہا' جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ بات کیسے شروع کرے۔ مجھے وہ پہلے ہی کچھ پریشان اور مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ خیال تھا کہ وہ ایک مخلص اور وفادار آدمی تھا اس لئے میرے اور تابندہ کے مسئلے کی وجہ سے فکرمند تھا لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور بات ضرور تھی جو اس کیلئے زیادہ پریشان کن تھی۔

اسے خاموش پا کر میں نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔ "کیا بات ہے اشرف صاحب؟ آپ خاموش کیوں ہو گئے آپ تو کچھ بتانے والے تھے۔"

وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ "کیا بتاؤں ظہیر صاحب آپ پہلے ہی اتنی مشکلات کا شکار ہیں' نہ جانے کن مصائب سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں' مجھے یہ بات چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی۔" وہ اضطراب کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔

میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "اس طرح تو آپ میری پریشانی کو اور بڑھا رہے ہیں اشرف صاحب جو بھی مسئلہ ہے پلیز آپ اس پر کھل کر بات کریں۔"

وہ افسردہ سی آواز میں بتانے لگا۔ "میڈم تابندہ کے روپوش ہونے کے بعد مسلسل مجھے گمنام نمبروں سے دھمکی آمیز فون موصول ہونے لگے۔ مجھ سے کہا جاتا کہ میں میڈم کا پتا بتا دوں ورنہ مجھے اس کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ میں نے انسپکٹر فرمان کو ان فون کالوں کے بارے میں بتایا' چیک کرنے پر پتا چلا کہ تمام کالیں کسی نہ کسی پبلک بوتھ سے کی گئی تھیں۔ انسپکٹر صاحب مسلسل اپنے ذرائع سے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہے تھے جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا' مگر وہ لوگ اس میدان کے ماہر کھلاڑی اور جرائم کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ کوئی ثبوت نہ ملنے کی بنا پر تحریکی کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ خیر تو میں ان فون کالوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

اشرف نے دوبارہ موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا ورنہ میں اسے ٹوکنے ہی والا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ کہنے لگا۔ "میری بیوی اور دونوں بیٹیوں کو بھی ان ٹیلی فون کالوں کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ محتاط اور فکرمند تھے۔ انسپکٹر فرمان نے دو سپاہیوں کی ڈیوٹی میرے گھر پر لگا دی تھی لیکن پرسوں شام کے وقت چار افراد جانے کس طرح ڈیوٹی پر موجود دونوں سپاہیوں کو بے ہوش کر کے ریوالور لہراتے ہوئے ہمارے سروں پر آن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہم چاروں کو ایک کمرے میں جمع کر کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیئے اور مجھ سے میڈم تابندہ کا پتا پوچھنے لگے۔ میرے مسلسل لاعلمی ظاہر کرنے پر انہوں نے مجھے زدوکوب کیا' گھونسوں اور لاتوں سے بری طرح مارا۔ میری بیوی اور بیٹیاں بری طرح سہمی ہوئی تھیں' جب میں مسلسل اس بات کی تکرار کرتا رہا کہ مجھے میڈم تابندہ کا پتا نہیں معلوم تو ان میں سے ایک غنڈے نے جو الگ کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا اور ان سب کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا' کوئی اشارہ کیا۔ دو غنڈے میری بیوی اور بیٹیوں کی طرف بڑھے جو ایک دوسرے سے

چھٹی ہوئی کھڑی تھیں۔ انہوں نے میری بڑی بیٹی کو کھینچ کر الگ کر لیا۔

میں فوراً چلایا۔ "چھوڑو میری بیٹی کو اسے کیوں پکڑا ہے تم لوگوں نے؟" دہشت کے باعث بری طرح کانپ رہی تھی۔

ان کا سرغنہ جواب تک الگ کھڑا ہوا تھا میرے قریب آیا اور ریوالور میری کنپٹی سے لگا کر بولا۔ "زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہاری بیٹی کو ساتھ لے جا رہے ہیں تاکہ تمہارا حافظہ بہتر کام کرنے لگے اور تمہیں اپنی میڈم کا پتا یاد آ جائے۔ تمہیں چند دن کی مہلت دی جا رہی ہے اس دوران کسی نہ کسی طرح اس عورت کا ٹھکانہ معلوم کرو ورنہ پہلے تمہاری بیٹی کی عزت جائے گی اور پھر جان۔"

میں ان ظالموں کے آگے بہت گڑگڑایا لیکن اس شخص نے میرے منہ پر ریوالور کا دستہ رسید کیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا، وہ میری بچی کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور جاتے ہوئے بیڈروم کا دروازہ باہر سے بند کر گئے۔ میرا موبائل ساتھ لے جانے کے علاوہ وہ ٹیلی فون کی تاریں بھی کاٹ گئے تھے۔ ہم کافی دیر تک کمرے میں بند گم صم بیٹھے رہے۔ جب سپاہیوں کو ہوش آیا تو انہوں نے باہر سے کمرہ کھولا۔ اب تک میری بچی کی کوئی خبر نہیں ہے۔" اپنی روداد سناتے سناتے اشرف کی آواز بھرا گئی۔ وہ خاموش ہو کر رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرنے لگا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اشرف کے برابر جا بیٹھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کی بیگم اور چھوٹی بیٹی کہاں ہیں اشرف صاحب؟"

"انہیں میں نے اپنی بیگم کے والدین کے پاس اسلام آباد روانہ کر دیا تھا۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "اور میں خود یہاں ان لوگوں کے فون کے انتظار میں ایک ایک پل گن گن کر گزار رہا ہوں۔ ان بے رحموں نے اب تک مجھ سے رابطہ نہیں کیا ہے، نہ جانے میری بچی کس حال میں ہوگی۔" اس کی آواز ایک بار پھر بھرانے لگی تھی۔

"انسپکٹر فرمان کو تو ساری صورتحال معلوم ہوگی۔" میں نے سوالیہ نظروں سے اشرف کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر صاحب تو بیک وقت کئی معاملات میں الجھے ہوئے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس وقت ان کی تمام تر کوششیں میری بیٹی کی بازیابی پر صرف ہو رہی ہیں۔"

میں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر اچانک ایک خیال کے تحت میں نے پوچھا۔ "اب تو آپ کی حفاظت کیلئے یہاں پولیس والے نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

"وہ غنڈے جانے سے پہلے دھمکی دے کر گئے تھے کہ اب اگر تمہارے گھر کے اردگرد بھی کوئی پولیس والا نظر آیا تو ہم تمہارے بنگلے کو بم سے اڑا دیں گے لہٰذا میں نے انسپکٹر صاحب سے درخواست کی کہ یہاں کسی کو نہ بھیجیں، میری حفاظت کی فکر نہ کریں، بس میری بچی کو ڈھونڈ نکالیں۔"

مجھے اس کا جواب سن کر کچھ اطمینان ہوا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ انسپکٹر فرمان کو فوری طور پر میری آمد کی اطلاع مل جائے۔ میں سکون کے ساتھ اپنے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کرنا چاہتا تھا۔

اشرف صاحب کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اب تک میری اصل حقیقت سے لاعلم تھے۔

انہوں نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے انسپکٹر فرمان کو بھی میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اس سلسلے میں میری احتیاط پسندی بھی میرے کام آئی تھی کہ میں نے تابندہ کو شادی کی مووی اور تصاویر بنوانے سے منع کر دیا تھا ورنہ انسپکٹر فرمان اب تک میری اصل حقیقت کا کھوج لگا چکا ہوتا لیکن مجھے اس بارے میں زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ معاملات اس حد تک الجھ چکے تھے کہ جلد یا بدیر حقیقت کو آشکار ہونا تھا۔ بہرحال میں ایک اشتہاری مجرم تھا۔

میں دنیا سے لڑتے لڑتے اور دوڑتے دوڑتے اب تھک چکا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنے انجام سے پہلے تابندہ کو دیکھ لوں چند روز سکون کے ساتھ اس کی زلفوں کی چھاؤں میں گزار لوں۔ میری زندگی کی دھوپ میں دوڑتے دوڑتے جب مجھے ایک مہربان سایہ دار آنچل نظر آیا تو مجھے اپنی زندگی ہی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔

اشرف صاحب میرے منع کرنے کے باوجود چائے بنانے کیلئے چلے گئے تھے۔ ان کو پیش آنے والی ٹریجڈی کے بارے میں سوچ کے میرے ذہن میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ بے چارے ایماندار اور وضع دار قسم کے انسان تھے، حق نمک ادا کرتے کرتے گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پس رہے تھے۔

اس وقت مجھے رضیہ پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ مجھے نوعمری سے غلط راستے پر ڈالنے اور میری زندگی کو تباہ کرنے میں سراسر اس کا ہاتھ تھا۔ اس وقت بھی میری اور مجھ سے متعلق لوگوں کی تمام پریشانیوں کی ذمہ دار تھی۔

تحریکی کے جذبہ انتقام کو ابھارنے میں بھی دراصل اسی کا ہاتھ تھا۔ تحریکی کی آڑ میں وہ اپنا کھیل کھیل رہی تھی۔

تابندہ سے میری شادی کی خبر سن کر وہ لاہور سے دوڑی چلی آئی تھی کیونکہ وہ میرے ہاتھوں شکست اٹھا چکی تھی۔ اب وہ مجھ سے اپنا حساب کتاب برابر کرنا چاہتی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر وہ انتہائی حد تک جا سکتی تھی۔ اس کی ایک مثال اشرف صاحب کی بیٹی کا اغوا تھا۔

میں اس کے قبضے میں تھا، اس دوران وہ اور تحریکی مختلف حربوں سے مجھ پر قابو پانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ رضیہ جانتی تھی کہ یہ بہت مشکل تھا لہٰذا مجھے مکمل طور سے زیر کرنے کے لئے وہ تابندہ کی تلاش میں تھی۔ تابندہ تک پہنچنا بھی انتہائی مشکل تھا، اس لئے وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی تھی۔

میں انہی خیالات میں غلطاں صوفے کے پشتے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ اشرف صاحب چائے اور کچھ بسکٹ وغیرہ لے کر آ گئے۔ اس وقت تک باہر صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔

اشرف صاحب نے خاموشی سے مجھے چائے بنا کر دی۔ میں ضروری ترمیم کے ساتھ مختصر الفاظ میں اپنے حالات انہیں سنا کر مطمئن کر چکا تھا۔ میں نے انہیں یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ فی الحال کسی مصلحت کے تحت میں نہیں چاہتا کہ انسپکٹر فرمان کو میرے بارے میں بتایا جائے۔ میں نے اپنی گفتگو سے انہیں ایسا تاثر دیا گویا اس بات کا تعلق تابندہ کی سلامتی کے معاملے سے ہے۔ اشرف صاحب نے توقع کے مطابق مجھے تعاون کا یقین دلایا تھا۔

میں چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے؟ اب تک کوئی ایسی تدبیر میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی کہ میں کسی کے علم میں لائے بغیر اور مزید خطرات کو دعوت دیئے بغیر تابندہ سے مل سکتا۔

بہت سوچ بچار کے بعد کوئی بھی مناسب تدبیر میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ میں اس وقت خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا تھا۔ حالات کا شکنجہ میرے گرد بہت تنگ ہو گیا تھا' کچھ مصلحتیں آڑے رہی تھیں ورنہ میں سوچ بچار کے بجائے عمل کر گزرنے کا عادی تھا۔

صرف ایک ہی طریقہ میری سمجھ میں آ رہا تھا' جس پر عمل کرنے سے کامیابی کی کچھ زیادہ امید نظر نہیں آ رہی تھی اور خطرہ بھی بہت زیادہ تھا مگر میں نے چانس لینے کا فیصلہ کر لیا تھا' کچھ نہ کچھ تو بہرحال کرنا ہی تھا۔

اشرف صاحب خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ میں نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ وہ اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے تھے' چہرے پر گہری اداسی اور پیشانی پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

"اشرف صاحب۔" میں نے انہیں مخاطب کیا تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئے۔ "میں تحریکی ایک ٹھکانہ جانتا ہوں جہاں مجھے رکھا گیا تھا' مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بھی وہیں پر ہو گی۔" اپنی بات شروع کرنے سے پہلے میں نے ان کی ڈھارس بندھانے اور مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اداسی سے سر ہلایا۔ "انسپکٹر فرمان اب تک تحریکی کے سارے ٹھکانوں پر چھاپے مار چکے ہیں۔"

"لیکن اس خفیہ جگہ تک ان کی رسائی نہیں ہو پائی ہو گی۔" میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ "ڈی اے سکیم نمبر ایک میں واقع تحریکی کی عالی شان کوٹھی میں ایک خفیہ تہ خانہ ہے' جس کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لئے کوئی خفیہ میکنزم ہو گا۔ میں اس میکنزم کے بارے میں کوئی اندازہ اس لئے نہیں لگا سکا کہ مجھے بے ہوشی کی حالت میں وہاں پہنچایا گیا تھا اور باہر نکلتے وقت میری آنکھوں پر پٹی تھی۔ آپ انسپکٹر صاحب کو خصوصی طور پر یہ بات بتائیں گے تو ان کی خصوصی ماہرین پر مشتمل ٹیم تہ خانے کا راستہ ڈھونڈ نکالے گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی بیٹی وہیں سے برآمد ہو گی۔"

"خدا کرے خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔" وہ جذبات کی شدت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولے' ان کے چہرے پر امید کی چمک دکھائی دینے لگی۔

"لیکن یہ کام آپ میرے یہاں سے جانے کے بعد کریں گے۔" میں نے کہا۔ "میں بس کچھ ہی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ذرا دیر اور مجھے برداشت کرنا ہو گا۔"

وہ کہنے لگے۔ "کیسی باتیں کرتے ہیں سر؟ آپ کیلئے جان بھی حاضر ہے۔"

میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ سوا سات بج رہے تھے۔ "آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ انسپکٹر فرمان آج کل کس وقت تک گھر سے نکل جاتے ہیں؟" میں نے اشرف صاحب سے پوچھا۔

وہ کہنے لگے۔ "انسپکٹر صاحب کو تو آج کل گھر جانے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ وہ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی پر ہیں۔ دو تین روز کے بعد صرف ایک آدھ گھنٹے کیلئے گھر جاتے ہیں۔ پہلے آپ کی گمشدگی کا مسئلہ درپیش تھا' اس کے ساتھ ساتھ انہیں را کے ایجنٹوں سے بھی نمٹنا پڑا' اور اب میری بیٹی کی بازیابی کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے سر لی ہے۔"

را کے ایجنٹوں کے ذکر پر مجھے بیلا کا خیال آیا جو پاکستان آئی ہوئی تھی اور تابندہ نے انسپکٹر فرمان کے توسط سے بیلا اور اس کے ساتھیوں کو پکڑوانے کا باقاعدہ پروگرام بنایا تھا جس میں میں نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ انسپکٹر فرمان بیلا اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھے' وہ انہیں کسی اہم موقع پر ایک ساتھ پکڑنا چاہتا تھا۔ ابھی معاملہ یہیں تک پہنچا تھا کہ رضیہ نے تابندہ کے اور میرے نکاح کے فوراً بعد تحریکی کی مدد سے مجھے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں نے اشرف صاحب سے سوال کیا۔ "کیا را کی ایجنٹ بیلا اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے؟"

وہ کہنے لگے۔ "مجھے زیادہ تفصیل تو نہیں معلوم لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ لڑکی بیلا اور سیٹھ رمضان کراچی والا فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے' البتہ ان کے کئی ساتھی بمعہ ثبوتوں کے گرفتار ہو گئے تھے۔ سیٹھ رمضان کے توسط سے بیلا ایک اہم اعلیٰ سرکاری افسر سے ہمارے ملک کے کچھ دفاعی راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ انسپکٹر فرمان کی بروقت مداخلت سے وہ کوئی اہم دستاویز یا تحریری مواد ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

بیلا کے نکل جانے کی خبر سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ ہر مرتبہ ملک کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کے بعد وہ بچ کر نکل جاتی تھی۔ کیونکہ یہاں [illegible] اس کی مدد کرنے والے سیٹھ رمضان کراچی والا جیسے غدار اور بااثر لوگ جو موجود تھے۔

بہرحال اس وقت تو میں افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت میں خود اپنے لئے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ میرا زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا' رضیہ' تحریکی کے پالتو غنڈوں کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی تھی۔

میں نے اشرف صاحب سے کہا۔ "آپ کو میری ایک مدد اور کرنی ہو گی۔"

وہ بولے۔ "حکم کریں۔"

میں نے کہا۔ "آپ انسپکٹر فرمان کے گھر فون کر کے معلوم کریں کہ وہ گھر پر موجود ہیں یا نہیں؟ اگر وہ موجود ہوں تو آپ ان سے اپنے متعلق کوئی بات کر کے فون بند کر دیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو آپ ریسیور مجھے دے دیجئے گا۔"

انہوں نے بلاتامل کوئی سوال کئے بغیر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون پر نمبر ملایا۔ میں سانس روکے بیٹھا تھا اور مجھے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

انہوں نے انسپکٹر فرمان کے بارے میں پوچھنے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے ریسیور کان سے لگایا اور بات کی تو معلوم ہوا کہ دوسری طرف انسپکٹر فرمان کی بیگم تھیں۔

میں نے بمشکل تمام اپنے حواس یکجا کر کے کہا۔ "تہمینہ بھابی میں نظیر محمد بات کر رہا ہوں۔ تابندہ کا شوہر۔"

دوسری طرف سے ان کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں نظیر بھائی؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں اشرف صاحب کے گھر سے بات کر رہا ہوں۔ آپ پلیز فوری طور پر مجھے تابندہ کا پتہ یا فون نمبر بتا دیں۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے کہا۔ "آپ فرمان سے کونٹیکٹ کر لیں وہی آپ کو گائیڈ کریں گے۔"

میں نے لجاجت سے کہا۔ "بھائی اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ آپ اس کا فون نمبر ہی بتا دیجئے پلیز فرمان بھائی سے میرا رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے اس وقت صرف آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔"

میرے انداز سے شاید وہ پسیج گئیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے کہا۔ "اچھا نمبر نوٹ کرو۔"

میں ٹیلی فون سیٹ کے قریب ایک پیڈ اور پین رکھا ہوا دیکھ چکا تھا۔ جلدی سے میں نے نمبر نوٹ کر لیا اور شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد فوراً ہی میں نے وہ نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

بلاشبہ وہ تابندہ کی آواز تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا۔

"ہیلو تابندہ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ میں ہوں۔"

"کون۔۔۔۔؟ تاجی۔" اس کی ہیجان زدہ سی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں ہو؟ کیسے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں بالکل خیریت سے ہوں۔ دیکھو اس وقت زیادہ لمبی بات نہیں ہو سکتی۔ کیا تم اس وقت کسی کو بتائے بغیر فوری طور پر وہاں سے نکل سکتی ہو؟ یا انسپکٹر فرمان سے اجازت لینا ضروری ہے؟"

وہ کہنے لگی۔ "نہیں فرمان کو کچھ بتانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ وہ تمہاری طرف سے مشکوک ہو چکا ہے۔ میں کوئی بہانہ بنا کر نکل سکتی ہوں لیکن آنا کہاں ہے؟"

میں نے کہا۔ "میں جلد سے جلد ڈیوٹی فری شاپ کے سامنے پہنچ کر تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ اگر تم پہلے پہنچ جاؤ تو تم وہاں میرا انتظار کرنا۔ میرا خیال ہے کہ ہم فوری طور پر یہ شہر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد آگے سوچیں گے۔"

تابندہ سے بات ختم کرنے کے بعد میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اشرف صاحب کو خدا حافظ کہہ کر جلدی سے باہر نکلا۔ کچھ ہی دور جانے پر مجھے ٹیکسی مل گئی۔ راستے بھر میں تابندہ کے بخیر و عافیت وہاں سے نکلنے کی دعا کرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ہم سیدھے ایئرپورٹ جا کر لاہور کے علاوہ کسی بھی دوسرے شہر جانے والی فلائٹ پکڑ لیں گے۔ وہاں پہنچ کے تابندہ اپنے اثر و رسوخ اور پیسے کی بدولت ملک سے باہر جانے کا انتظام کر لے گی اور ہم کسی دوسرے ملک نکل جائیں گے۔ مجھ سے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد تابندہ خود بھی ایسا ارادہ ظاہر کر چکی تھی۔

مقررہ جگہ پہنچنے کے بعد میں نے ٹیکسی رکوائی اور ٹیکسی کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ تابندہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد تابندہ ایک ٹیکسی سے اتری۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ کرایہ ادا کر کے وہ سیدھی میری ٹیکسی کی طرف آ گئی۔ میں بے حس و حرکت بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی کمزور لگ رہی تھی اور چہرے سے سرخی کے بجائے زردی جھلک رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر میرے برابر بیٹھ گئی۔

دفعتاً نہ جانے کس طرف سے ایک وین نمودار ہوئی اور ہماری ٹیکسی کے آگے ترچھی کھڑی ہو گئی۔ وین کا دروازہ کھلا اور دو آدمی ریوالور ہاتھ میں لیے باہر نکلے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا انہوں نے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر مجھے اور تابندہ کو باہر گھسیٹ لیا اور کھینچ کر وین کی طرف لے گئے۔ اندر رضیہ ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔ یکایک میرا دماغ گھوم سا گیا۔

"تم یہ سمجھ رہے تھے کہ تم مجھے جھانسہ دے کر بڑی آسانی سے فرار ہو جاؤ گے؟ تم بہت بھولے ہو جی! تم نے ابھی تک مجھے سمجھا نہیں۔ بہرحال کوئی بات نہیں۔ اب میں تمہیں بہت اچھی طرح سے سمجھا دوں گی کہ میں کیا ہوں۔ اب تم اچھے بچوں کی طرح اپنی اس لاڈلی کو لے کر اندر آ جاؤ اور ہاں اس مرتبہ اگر کسی قسم کی چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو اپنی اس لاڈلی بیوی کے ساتھ بلا تاخیر عالم آخرت کو روانہ کر دیئے جاؤ گے۔ یہ جو تمہارے پیچھے دو آدمی کھڑے ہیں انہیں تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" وہ بڑے زہریلے انداز میں بول رہی تھی۔ اتنی سفاکی میں نے اس سے قبل رضیہ کے لہجے میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ ایک بدلی ہوئی عورت لگ رہی تھی۔ ایک ایسی زہریلی ناگن جو اپنے شکار کو ڈس لینے کے لیے ہر لمحہ تیار پھن پھیلائے موقع کی تاک میں ہو۔

مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تابندہ میرے ساتھ تھی اور دو سفاک قاتل ہماری پشت پر ہاتھوں میں ریوالور لیے ہر لحظہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ایسے موقع پر ذرا سی غفلت بھی ہماری زندگیوں کا خاتمہ کر دینے کیلئے کافی ہوتی۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی ایسی پروا بھی نہیں تھی۔ میری تو ساری زندگی موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے گزری تھی۔ میرے جیسے لوگ تو ہر وقت موت کو گلے لگانے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن تابندہ ایک ایسی ہستی تھی جس نے میرے سامنے زندگی کا ایک نیا رخ پیش کیا تھا جس نے میرے دل میں دوسروں کے لیے زندہ رہنے کی ایک نئی امنگ کو جنم دیا تھا۔ اس نے میری خاطر ہر قسم کے تمام خطرات کو قبول کیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی اور اپنی چاہتوں اور امنگوں بھری پہلی رات ہی میں مجھ سے جدا کر دی گئی تھی۔ اگر میری کسی غلطی کی وجہ سے اسے کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچتا تو میرے لیے یہ بڑے ننگ کی بات ہوتی۔

ایک لمحے میں، میں نے یہ سوچا اور یک لخت شدید قسم کے تاسف نے میرے حواس پر برف جما دی۔ مجھے بڑی شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ میں نے تابندہ کو یہاں بلا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں نے اسے حفاظت کے قلعے سے موت کے میدان میں گھسیٹ لیا تھا۔ اس غلطی کا ازالہ ناممکن تھا۔ بہرحال میں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ اب مجھے فی الحال تحمل سے کام لینا چاہیے۔ کچھ وقت درکار تھا۔ مجھے کچھ دیر کے لیے سنبھل کر حالات کا جائزہ لینا تھا۔ موت کے اس بھیانک جال سے اپنی محسن بیوی کو نکالنے کے لیے مجھے کسی مہربان لمحے کا انتظار کرنا تھا۔

تابندہ میرے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کا بدن کپکپا رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ میں اس کو حوصلہ دینا چاہتا تھا۔ میں اسے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ بالکل بھی نہ گھبرائے، میں اس کے ساتھ ہوں میں اس کی حفاظت کروں گا اسے کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دوں گا۔ لیکن

میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میرے ہاتھ کے لمس نے میرا پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ میں اس کے بدن کی کپکپی دور ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

میں وین میں داخل ہو گیا اور میں نے تابندہ کو بھی سہارا دے کر وین میں داخل کرا دیا۔ وین میں دو نشستیں آمنے سامنے وین کے دونوں پہلوؤں میں موجود تھیں۔ ایک نشست پر رضیہ ایک کونے میں تنی بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے والی نشست پر ہم دونوں بیٹھ گئے تو وہ دونوں آدمی بھی اندر آ کر رضیہ کے ساتھ سامنے والی نشست پر براجمان ہو گئے۔ وہ دونوں کرخت چہروں والے سنجیدہ قسم کے آدمی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ان کی میرے سامنے پہلی رونمائی تھی۔

وین حرکت میں آ چکی تھی اور اب تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ وین کے شیشوں پر نیلے رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر ساکت بیٹھے رہنے کے بعد میں نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تھوڑا سا کسمسا کر اپنا رخ ونڈ سکرین کی طرف پھیرا تاکہ معلوم کر سکوں کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ جیسے ہی میں نے رخ پھیرا ویسے ہی سامنے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پھنکارتی ہوئی سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بلاحس و حرکت بیٹھے رہو۔ ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش مت کرو، ورنہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ساکت ہونا پڑے گا۔'' اس کی آواز میں سچائی کی بو تھی۔ مجھے ساکت ہو جانا پڑا۔ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ وہ ہمیں گولیاں مار کر کہیں پھینک کر بھی جا سکتے تھے۔ مجھے ابھی کچھ مہلت درکار تھی۔ کسی مہربان لمحے کا انتظار تھا۔ میں نے اس کی ہدایت پر کان دھرے اور بلاحس و حرکت بیٹھا رہا۔ ان دونوں کی صورتوں سے میٹنگی کا اظہار نمایاں تھا۔ مجھے اپنی نہیں تابندہ کی زندگی درکار تھی۔ میں انہیں کسی حرکت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی سے نظریں جھکا کر نیچے تکنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا وہ مہربان لمحہ کب آئے گا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں ان پر کیسے قابو پا سکتا ہوں۔ میں تابندہ کو ان کے چنگل سے نکال کر کیسے بھاگ سکتا ہوں۔ میں اکیلا ہوتا تو بے دریغ ان کے ساتھ بھڑ جاتا۔ پھر دیکھتے کیا ہوتا۔ آر یا پار۔ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ مجھے اپنی پرواہ کب تھی، لیکن تابندہ...... میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی تھی۔ وہ میری محسنہ تھی۔ میری بیوی تھی۔ وہ ایک ناتواں عورت تھی۔ موت اور زندگی کے کھیل اس نے کب کھیلے تھے۔ وہ تو ایک امن پسند شریف شہری تھی۔ اسے مار دھاڑ اور دھینگا مشتی سے کب سروکار رہا تھا۔ میں نے اسے اس آگ میں گھسیٹا تھا۔ اب یہ میرا ہی فرض تھا کہ میں اسے اس میدان کارزار سے صاف نکال کر لے جاتا۔ مگر کیسے

میں اسی ادھیڑ بن میں رہا۔ تابندہ میرے ساتھ چپکی بیٹھی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ گاڑی کے انجن کی گونج ایک تسلسل کے ساتھ کانوں میں سمائی رہی۔ گاڑی کتنے موڑ مڑی اور کس کس جانب کو اس نے رخ کیا کچھ اندازہ نہیں رہا۔

پھر جب گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ رکی اور انجن بھی خاموش ہو گیا تو میں نے جانا کہ میں اپنے محبس تک پہنچ چکا ہوں۔ کتنی بار محبوس ہو چکا تھا، مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ یہ آنکھ مچولی تو زندگی بھر کی تھی، لیکن اس بار کچھ اور ہی رنگ تھا۔ اس مرتبہ میرے ساتھ تابندہ تھی۔ مجھے اس خارزار سے نکال کر زندگی کے باغ و بہار کی طرف لے جانے کا خواب دیکھنے والی تابندہ اب میرے ساتھ اس قفس تک آن پہنچی

تھی۔

وہ دونوں ریوالور بردار آدمی پہلے نیچے اترے تھے۔ پھر رضیہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے نیچے اترنے کے لیے کہا تھا۔ میں وین سے باہر آ گیا اور تابندہ کو بھی سہارا دے کر نیچے اتار لیا۔ آخر میں رضیہ باہر آئی تھی۔ اس کے چہرے سے خشم کا اظہار نمایاں تھا۔ وہ جیسے ایک بدلی ہوئی عورت تھی۔ جیسے وہ مجھے نہیں پہچانتی تھی۔ نیچے آتے ہی اس نے مجھے حکم دیا کہ میں تابندہ سے پانچ قدم ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو جاؤں۔ دونوں آدمی ریوالور ہم دونوں پر تانے کھڑے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی فائر کر دیں گے۔ میں نے بلاچون و چرا رضیہ کی ہدایت پر عمل کیا اور تابندہ سے پانچ قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

تب رضیہ نے ان دو میں سے ایک کو اشارہ کیا اور ساتھ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''تلاشی کے دوران اگر تم نے کوئی نازیبا حرکت کی تو میں سب سے پہلے تابندہ کو شوٹ کر دوں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بیگ میں سے پستول نکال لیا تھا۔ اس کے پستول کا رخ تابندہ کی طرف تھا۔ جس شخص کو اس نے میری تلاشی لینے پر مامور کیا تھا وہ محتاط انداز میں میری طرف بڑھا اور میرے عقب میں آ کر اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں میرے سارے لباس کو ٹٹول کر میری تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے اسے کوئی ہتھیار تو نہیں ملا البتہ رضیہ کی الماری سے نکالی ہوئی ہزار ہزار کے نوٹوں کی وہ گڈی اسے میری جیب سے مل گئی جسے اس نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ پھر وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر اس نے نوٹوں کی گڈی رضیہ کے حوالے کر دی جسے اس نے اپنے بیگ میں رکھ لیا اور پھر وہ تابندہ کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئی۔ اس دوران دونوں ریوالور بردار آدمی مجھے اپنے نشانے پر لیے رہے۔

تابندہ کے پاس سے بھی انہیں کوئی اسلحہ نہیں مل سکا تھا۔ ظاہر ہے تابندہ اپنے لباس میں اسلحہ چھپا کر نہیں لائی تھی۔ وہ تو میرے پاس آئی تھی اور میں نے اسے بڑی عجلت میں طلب کیا تھا۔ اسے کوئی ہتھیار لینے کا خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔ اور میں تو پہلے ہی رضیہ کے قید خانے سے فرار ہو کر آیا تھا اور مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی میرا تعاقب کرتی ہوئی مجھ تک پہنچ جائے گی۔

بہرحال، وہ پہنچ گئی تھی اور اب ہم دونوں غیر مسلح حالت میں، بے بسی کے ساتھ تن بہ تقدیر اسی عمارت کی پارکنگ لاٹ میں کھڑے تھے جو نہ جانے ہمارا قید خانہ بننے والی تھی یا مقتل... اور ہمارے دشمن اسلحے سے لیس ہمارے سروں پر مسلط ہمیں اپنے نرغے میں لیے کھڑے تھے۔

پھر سب سے پہلے رضیہ نے اپنی جگہ سے حرکت کی تھی۔ اس نے اپنا رخ عمارت کی طرف کیا اور قدم اٹھا دیے۔ وہ آگے آگے چلی تو دونوں مسلح آدمیوں کے اشارے پر ہم دونوں نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ ہم ایک وسیع پورچ سے درمیانے درجے کی ایک عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رضیہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بنگلے کے برآمدے سے گزر کر صدر دروازے سے ہم عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ سامنے ایک طویل سنسان راہداری تھی۔ راہداری کے دونوں اطراف میں آمنے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دروازے تھے جو سارے ہی بند تھے۔ آخری دروازے کے سامنے پہنچ کر رضیہ رکی تو ہمارے تعاقب میں آنے والے آدمیوں میں سے ایک نے مردآواز میں کہا۔

''رکو۔'' ہم بھی رک گئے۔ رضیہ کے اور ہمارے درمیان چار پانچ قدم کا فاصلہ تھا۔ اور وہ دونوں

اسلحہ بردار ہم سے چار پانچ قدم پیچھے تھے۔

رضیہ نے ایک چابی لگا کر دروازے کا تالا کھولا اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ ہمارے نگرانوں میں سے ایک نے ہمیں بھی آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تو ہم دونوں بھی اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ سامنے رضیہ کمرے کی دیوار سے لگی کھڑی تھی اور اس نے پستول تان رکھا تھا۔ یہ پستول میں نے راستے میں اس کے پاس نہیں دیکھا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے ضرور یہ خطرہ محسوس ہوا ہوگا کہ میں کوئی شرارت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کروں گا۔

پہلے میں نے بھی یہ سوچا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی رضیہ کو پکڑ کر ڈھال بنا لوں گا لیکن پھر تابندہ کا خیال آیا تو میں نے سوچا کہ وہ شاید اس صورت حال کے لیے فوری طور پہ تیار نہ ہو سکے گی اور بوکھلاہٹ میں شاید کوئی اوچھی حرکت ان دونوں شکاریوں سے کہیں سرزد نہ ہو جائے۔ اس لیے میں نے اپنے اس خیال سے دست برداری اختیار کر لی تھی لیکن رضیہ نے مجھے کسی بھی قسم کا کوئی موقع فراہم نہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اسے اپنی جانب پستول تانے دیکھ کر میرے ہونٹوں پہ بے اختیار ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

مجھے مسکراتا دیکھ کر وہ بھی زہرخند سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں میرے لیے ایک توہین آمیز تاثر تھا۔ میں نظرانداز کر گیا اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ پیچھے مڑ کر مخالف سمت میں کھلنے والے ایک اور دروازے سے گزر کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اب وہ ایک اور راہ داری سے گزر رہی تھی جو پہلی راہ داری سے کم طویل تھی۔ اس راہ داری کے آخر میں زینے تھے جو نیچے اترتے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ ہمیں کسی تہہ خانے میں لے جایا جا رہا ہے۔

میں نے زینوں پر بھی خود کو قابو میں رکھا۔ دس بارہ سیڑھیاں نیچے اتر کر رضیہ ایک جانب گھوم گئی۔ وہ دونوں شیطان چند زینے پیچھے ہمارے سروں پہ سوار تھے۔ مجھے کوئی موقع نہیں ملا۔ اب ہم ایک مرتبہ پھر ایک راہ داری میں تھے جس کے دونوں اطراف میں بھی یقیناً کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازے اس راہ داری میں کھلتے تھے۔ کوئی دروازہ ہمیں کھلا ہوا نہیں ملا۔ چار پانچ دروازوں کے سامنے سے گزرنے کے بعد رضیہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی تو ہمیں بھی ٹھہرنے کا حکم ملا۔ ہم رک گئے۔

رضیہ نے دروازے کے ساتھ لگے ہوئے ایک بورڈ پر موجود چند بٹنوں کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ دبایا تو وہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ دروازہ کسی خاص میکنزم کے ساتھ منسلک تھا۔ جسے کھولنے کے لیے اس پر لگے ہوئے بورڈ پر موجود بٹنوں کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ دبانا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا دوسرے دروازوں پر بھی اسی قسم کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ یہ عمارت خاص تھی۔ اس بات کا اندازہ مجھے ہو چلا تھا۔ گیٹ پر موجود ایک سیاہ رنگت اور گٹھے ہوئے جسم والے ادھیڑ عمر چوکیدار کے علاوہ مجھے عمارت میں اور کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے باقی لوگ کمروں کے اندر ہوں۔

دروازہ کھلا تو رضیہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"تم اندر جاؤ!" وہ دروازے سے تین چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ میری جانب تھا۔ خاصی مستعد دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے قدم اٹھایا تو میرے ساتھ تابندہ بھی آگے بڑھی تھی۔ تب وہ ناگن رضیہ وہ بدلی ہوئی عورت باآواز بلند غرائی۔

"یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی تم اکیلے اندر جاؤ گے۔ تابندہ بیگم! اور آگے قدم بڑھایا تو تمہارے محبوب کی کھوپڑی ابھی تمہاری نظروں کے سامنے اڑ جائے گی۔" اس کی آواز میں بلا کی سفاکی تھی۔ تابندہ یک دم رک گئی۔ میں بھی ٹھٹک گیا۔ ایک لمحے کے لیے رکا تھا کہ رضیہ کی کرخت آواز دوبارہ میری سماعت سے ٹکرائی۔

"چپ چاپ اندر چلے جاؤ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

"تابندہ کو میرے ساتھ رہنے دو۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" میں نے ملتجیانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ یہ میرے لیے بہت ہی مخدوش صورتحال تھی۔ وہ لوگ نہ جانے میری غیر موجودگی میں تابندہ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اس خیال نے میرے اندر ایک عجیب کرب کو جنم دیا تھا۔

"اس میں ہمارا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔ اس کے لہجے میں جھنجلا دینے والا طنز تھا۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"اور اب اگر تمہیں تابندہ کی زندگی عزیز ہے تو" جلدی سے کمرے میں چلے جاؤ اور اپنی چونچ کو بند رکھو۔" اس کمینی کا لہجہ بہت ہی سنگین تھا۔ وہ جیسے پتھر کی ایک بولتی مورتی تھی۔ جذبات و احساسات سے عاری۔

میں نے ایک حسرت کی نظر تابندہ پر ڈالی۔ مجھے اس کے جسم میں کپکپی محسوس ہوئی۔ پھر میں نے رخ دروازے کی طرف کرتے ہوئے تابندہ سے کہا۔

"گھبرانا نہیں تابندہ! خود کو مضبوط رکھو۔ ہم جلد ہی ملیں گے۔" میں نے دل میں انشاءاللہ کہا تھا۔ مجھے بلند آواز سے انشاءاللہ کہتے ہوئے شرم آئی تھی۔ میری زندگی ایسی ہی گزری تھی۔ جو اغم کی دنیا میں آوارہ و سرگرداں، اپنے خالق سے روٹھا ہوا۔ اپنے مالک کو بھلائے یہاں سے وہاں بھاگتا رہا تھا۔ میں بھولا رہا تھا کہ وہ رسی دراز کرتا ہے، اپنے باغیوں کی اور پھر یک دم کھینچ لیتا ہے۔ پھر مہلت بھی نہیں ملتی۔

بے بسی میں خدا یاد آتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے میں بے بس ہوا تو اپنے مالک کی یاد آئی۔ اس عظیم آقا کی یاد آئی تو ندامت نے مجھے گھیر لیا۔ اس کا نام زبان پر لاتے ہوئے شرم آ گئی اور میں دل ہی دل میں اسے یاد کرنے لگا۔

دروازہ میری پشت پر بند ہو چکا تھا۔ میں اکیلا اس کمرے میں کھڑا تھا۔ وہ درمیانے سائز کا ایک کھلا کمرہ تھا اور شاید اس لیے بھی کھلا محسوس ہوتا تھا کہ اس میں ایک قالین اور ایک تکیے کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ویسے کمرہ صاف ستھرا تھا۔ دیوار پر ایک بلب بلندی پر لگا جل رہا تھا۔ کمرہ روشن تھا۔ سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا تو میں اسی کی طرف بڑھا۔ دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا اٹیچ باتھ تھا۔ غسل خانے میں ایک لوٹے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرہ سامان سے بالکل خالی تھا۔ فرش پر ایک اوسط درجے کا قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف دیوار کے ساتھ تکیہ پڑا تھا۔ ان دو چیزوں کے علاوہ کمرے میں

کوئی سامان نہیں تھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں میں نے ایک دیوار کو بجا کر دیکھا وہ خاصی مضبوط تھی۔ میں تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور موجودہ صورتحال پر غور کرنے لگا۔

مجھے زیادہ فکر تابندہ کی تھی۔ وہ لوگ اسے کہاں لے گئے ہوں گے؟ وہ ضرور اسی عمارت کے کسی کمرے میں قید ہوگی۔ شاید ساتھ والے کمرے میں ہو وہ اسے پریشان نہ کریں اسے تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس پر تشدد نہ کریں، وہ کیا کر سکتے تھے۔ میں سوچنے لگا۔

یہ کیسے ہو گیا تھا سب کچھ۔ وہ رضیہ عین موقع پر ڈیوٹی فری شاپ کے سامنے کیسے پہنچ گئی تھی۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ میں تابندہ کو لینے وہاں پہنچنے والا ہوں؟ وہ یقیناً میرے تعاقب میں رہی ہوگی۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر اس کے فلیٹ سے نکلا تھا۔ وہ اس وقت گہری نیند میں تھی، لیکن...... کیا ضروری ہے کہ وہ نیند ہی میں رہی ہو۔ ممکن ہے وہ نیند کا ڈرامہ کر رہی ہو۔ ممکن ہے وہ جاگ رہی ہو اور سونے کی اداکاری کر رہی ہو اور میرے فلیٹ سے نکل جانے کے بعد اپنے ساتھیوں کو لے کر میرے پیچھے چل پڑی ہو۔ یا ممکن ہے کہ اس کے فلیٹ کی نگرانی اس کے کارندے کر رہے ہوں اور انہوں نے چھپ کر مجھے فلیٹ سے نکلتے دیکھ لیا ہو اور اسے جا کر جگا دیا ہو اور پھر وہ میرے تعاقب میں پہلے اشرف صاحب کے گھر تک اور پھر ڈیوٹی فری شاپ تک آ پہنچے تھے۔

بہرحال یہ جیسے بھی ہوا تھا رضیہ کی مکاری اس کے پیچھے کارفرما تھی۔ وہ ایک ایسی مکارہ تھی کہ جس کے مکر کو شیطان بھی نہیں پا سکتا تھا۔ اس نے اوائل عمری سے مجھے تباہی کے راستے پر ڈالا تھا اور تا حال میں اس کے مکر و فریب کے بنے ہوئے جال سے چھٹکارا نہیں پا سکا تھا۔

میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ اپنی زندگی کے واقعات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ اپنی ہنگامہ خیز زندگی کی سرگزشت کو اپنے ذہن میں دہراتا رہا۔ اندیشوں اور وسوسوں کی اندھی وادیوں میں بھٹکتا رہا۔ ندامت و پشیمانی کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا رہا۔

مجھے وہاں بیٹھے بیٹھے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں رہا۔ میں اس وقت چونک کر اپنی محویت سے نکلا جب میں نے دروازے پر کچھ آہٹ محسوس کی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازے کے باہر سامنے مجھے پہلے رضیہ نظر آئی وہ اس طرح پستول تانے کھڑی تھی جیسے میں نے اس کمرے میں آنے سے قبل اسے دیکھا تھا۔

پھر مجھے تابندہ بھی نظر آ گئی وہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ جیسے بہت ہی گہری سوچ میں پڑی محسوس ہوتی تھی۔ پریشانی اور تفکر اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو میں بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر رضیہ اپنی سنسناتی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

"تابندہ بیگم! تمہارے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اگر تم نے اسے کھو دیا تو پھر سب کچھ کھو دو گی۔ میں ٹھیک دو گھنٹے کے بعد تمہیں لینے آ جاؤں گی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر دروازے پر لگے بورڈ پر کسی بٹن کو دبایا تھا اور دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی تابندہ مجھ سے چمٹ گئی تھی۔ وہ میرے گلے لگ کر رو رہی تھی۔ اس کی

سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ جب کچھ دیر میں اس کا رونا کم ہوا تو میں نے اسے دلاسا دیا اور اسے ہمت دلانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اسے قالین پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسے تسلی دینے لگا۔ جب کچھ دیر کے بعد اس کے آنسو تھمے تو میں نے اس سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ ان لوگوں نے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا تو اس نے مجھے بتایا۔

"نہیں انہوں نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، لیکن ان کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ وہ...... وہ یقیناً ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے تو وہ یہیں ختم کر دیں گے۔ اسی عمارت میں اور تمہیں شاید ہندوستان لے جا کر ختم کریں۔" اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔ میں نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے ہمت سے کام لینے کی درخواست کرتے ہوئے کہا

"تابندہ! میری جان! اگر تم اسی طرح ہمت ہارتی رہو گی تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم اتنا کیوں ڈرتی ہو موت سے، موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ کیا تم موت کے خوف سے ہی مر جاؤ گی۔"

"نہیں میں اپنی موت سے نہیں ڈرتی...... لیکن میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ نانی! میں نے تمہیں چاہا ہے...... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

"نہیں کچھ نہیں ہو گا۔ تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔" اللہ کے نام پر اس نے عجیب محویت کے ساتھ میری طرف دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پر سکون پھیلتا چلا گیا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ وہ ذات اقدس مظلوموں کی فریاد سنتی ہے۔ وہ کافروں کے مقابلے میں ضرور ہماری مدد کرے گا۔" اس کے چہرے پر ایک عزم تھا اور ایک تقدس تھا۔ میں نے اس کی بات سنی تو میں چونک گیا۔

"تم کن کافروں کی بات کر رہی ہو؟ رضیہ تو مسلمان ہے اور تحریکی بھی......"

"نہیں نہیں...... تحریکی مسلمان نہیں ہے۔ وہ...... وہ ہندو ہے اور رضیہ ان ہندوؤں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ وہ ان کی آلہ کار ہے۔" اس نے دھیمی لیکن پرجوش آواز میں کہا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"تابندہ مجھے بتاؤ تم کیا کچھ دیکھ کر آئی ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تحریکی ہندو ہے۔ مجھے ساری بات بتاؤ۔"

"میں یہی سب کچھ بتانے کے لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔ وقت بہت کم ہے۔ میں تمہیں مختصراً بتاؤں گی۔ جب انہوں نے تمہیں اس کمرے میں بند کر دیا تھا تو وہ مجھے لے کر مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے ایک سجے سجائے ہال نما کمرے میں پہنچے تھے۔ وہ کمرہ فرانسیسی رومن طرز پر سجا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار پر ایک قد آدم تصویر کاندھی کی لگی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے میری نظر اسی تصویر پر پڑی تھی۔ کمرے کے وسط میں صوفوں پر دو آدمی اور ایک عورت بیٹھے تھے۔ تین آدمی ان کے پیچھے رائفلیں سنبھالے کھڑے تھے۔ صوفوں پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں میں سے ایک کو تو میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی...... جانتے ہو وہ کون تھا۔ وہ سیٹھ رمضان کرنسی والا تھا۔ دوسرا آدمی تحریکی تھا۔ وہ ہندوؤں کے روایتی لباس میں تھا اور ان دونوں

کے بیچ والے صوفے پر جو عورت بیٹھی تھی اسے بھی میں پہچان گئی وہ بیلا تھی۔ جب یہ لوگ مجھے لے کر ان کے سامنے پہنچے تو سب سے پہلے سیٹھ رمضان کرنسی والا ہی بولا تھا۔

”آیئے آیئے...... تابندہ بیگم! کیا حال ہیں؟ آپ کچھ پریشان سی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ آپ کے شوہر نامدار کیسے ہیں؟ وہ بھی تو آپ کے ساتھ ہی آئے تھے انہیں کہاں چھوڑ آئیں؟“ وہ خبیث بوڑھا میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ میں خاموش رہی اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگی۔

پھر وہ عورت بیلا راجستھانی بولی میں ان دونوں آدمیوں سے بات کرنے لگی۔ یقیناً ان تینوں کا خیال تھا کہ میں ان کی باتوں سے لاعلم تھی، لیکن میں ان کی ساری باتیں سمجھ رہی تھی نا نی! اکثر لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ میری والدہ راجستھان کے ایک غیر معروف قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ میرے والد صاحب اپنے ایک راجستھانی دوست کے ساتھ راجستھان کے دور افتادہ صحرائی علاقوں میں ہرن کے شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ شکار کی ایسی ہی کسی مہم کے دوران ان کی ملاقات میری والدہ سے ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنے دوست کے توسط سے میرے نانا سے ان کا رشتہ مانگ لیا اور شادی کر کے انہیں اپنے ساتھ ہی شہر لے آئے۔ پھر وہ اپنے گاؤں کم کم ہی جاتی تھیں۔ راجستھانی میری ماں کی زبان تھی وہ جب تک زندہ رہیں میرے ساتھ اسی زبان میں بات کرتی رہیں۔ جب میں بارہ سال کی تھی تو ان کا ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے بھی اپنی ماں کی زبان کسی کو بات کرتے نہیں دیکھا تھا اور آج دیکھا ہے تو کتنا بڑا المیہ ہے۔“ تابندہ کی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے لگے تھے۔

”تابندہ مجھے بتاؤ وہ آپس میں کیا گفتگو کر رہے تھے۔“ میں نے بے چینی سے اسے مخاطب کیا۔

”وہ عورت جسے تم بیلا کہتے ہو بہت خطرناک عورت ہے۔ وہ تحریکی اور سیٹھ رمضانی کے ساتھ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے کہ وہ دونوں اس کے ماتحت ہوں۔ اصل میں وہ آئندہ کا سارا پروگرام بنا رہے تھے۔ ان کے سارے منصوبے کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریکی اور بیلا دونوں کا مشن پورا ہو چکا ہے جس کے لیے وہ انڈیا سے ہمارے ملک میں آئے تھے۔ تحریکی کے ذمے تمہاری بازیابی اور تم پر قابو پا کر تمہیں ہندوستان بھجوانا تھا۔ جس میں وہ رضیہ کی مدد سے کامیاب ہو چکا ہے اور آج وہ تمہیں لے کر ایک ویران ساحل تک پہنچائیں گے جہاں ایک بوٹ پہلے سے موجود ہوگی۔ بیلا اور سیٹھ رمضان کرنسی والا بھی وہیں موجود ہوں گے جو تمہیں لے کر اپنے دو آدمیوں کے ساتھ سمندری راستے سے انڈیا چلے جائیں گے۔ تحریکی بعد میں کسی مناسب موقع پر واپس جائے گا اور اگر ان کے بڑوں نے ضروری سمجھا تو اسے مزید کچھ عرصہ تک پاکستان ہی میں قیام کرنا ہوگا۔

بیلا کے ذمے پاکستان کے بعض اہم رازوں کو چرا کر ہندوستان پہنچانا تھا چنانچہ وہ بھی اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس مشن میں سیٹھ رمضان کرنسی والا نے اس کی بہت زیادہ مدد کی ہے۔ بیلا اس غدار کی بہت تعریفیں کر رہی تھی اور انڈین حکومت سے اس کے لیے خصوصی مراعات اور انعام وغیرہ کی یقین دہانی کرا رہی تھی......“

”لیکن تمہارے منیجر اشرف صاحب نے تو مجھے بتایا تھا کہ بیلا کوئی اہم دستاویز یا تحریری مواد اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔“ میں نے کہا

”ہاں پولیس والے یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تمام تحریری مواد اپنے قبضے میں لے لیا تھا لیکن بیلا کی باتوں سے مجھے علم ہوا ہے کہ بعض اہم دستاویزات ابھی تک اس کے قبضہ میں ہیں اور اس کی خوشی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس کے لیے ایک بہت ہی بڑا کارنامہ ہے۔ وہ بہت ہی مکار عورت ہے نانی! وہ یقیناً پولیس کو بھی جل دے گئی ہے۔“ تابندہ نے بتایا۔

”وہ مجھے کب لے کر جائیں گے، اس ویران ساحل پر؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”آج رات ڈیڑھ بجے وہ تمہیں لے کر یہاں سے نکلیں گے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

”اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں۔ رات ہونے میں ابھی بہت وقت ہے۔ اس سے پہلے بہت کچھ ہو سکتا ہے، لیکن رضیہ کے آنے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ انہوں نے مجھے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا ہے مجھے تمہارے پاس آئے۔ مزید ہمارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ اس آدھے گھنٹے میں ہمیں آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرنا ہے“ تابندہ نے کچھ سوچتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

”تم کیا کرنا چاہتی ہو؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کے چہرے پر عزم نظر آیا تھا۔

”میں تمہیں بتاتی ہوں۔“ اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”یہ گھڑی جو تم میری کلائی پر دیکھ رہے ہو، یہ عام گھڑی نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک جدید وائرلیس سسٹم کے ساتھ منسلک ٹرانسمیٹر ہے۔ فرمان نے مجھے یہ گھڑی دی تھی۔ میں چونکہ بہت خوف زدہ تھی اور ہر وقت اندیشوں کا شکار رہتی تھی اس لیے اس نے یہ گھڑی مجھے دے دی تھی اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی سمجھا دیا تھا اور کہا تھا کہ خدانخواستہ اگر میں کسی وقت کسی مشکل میں پھنس جاؤں تو واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کر کے اسے صورتحال سے آگاہ کروں۔ ویسے فرمان کا خیال تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر اور میری تسلی کے لیے اس نے یہ گھڑی مجھے دے دی تھی۔“ ایک لمحے کے توقف کے بعد تابندہ پھر بولی۔

”اس مقصد کے تحت میں تمہارے پاس آئی ہوں تاکہ فرمان سے رابطہ قائم کر سکوں۔ میں نے ان شیطانوں کو یقین دلایا ہے کہ میں تم سے ان زیورات کا پتہ معلوم کر کے انہیں بتا دوں گی جو تم ہندوستان سے لے کر آئے ہو۔

انہوں نے مجھ سے ان زیورات کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ ظاہر ہے میں انہیں کیسے یہ بتا سکتی تھی کہ میں نے وہ زیورات اپنے گھر میں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ ویسے مجھے ان زیورات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن وہ تمہاری امانت ہیں میں تمہاری اجازت کے بغیر انہیں ان زیورات کا پتہ نہیں دے سکتی تھی اور پھر مجھے ان کی باتوں سے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ زیورات کے حصول کے فوراً بعد وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

بیلا نے تو یہ تجویز دی تھی کہ مجھے اور رضیہ دونوں کو فوری طور پر شوٹ کر دیا جائے۔ اسے

زیورات، رضیہ اور مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، لیکن تحریمی کی درخواست پر یہ طے پایا تھا کہ زیورات حاصل کرنے کے بعد مجھے ختم کردیا جائے گا اور تحریمی کو اگر کسی بھی موقع پر رضیہ کی وفاداری پر کوئی شبہ ہوا تو وہ فوراً اس کا بھی خاتمہ کردے گا۔

ویسے تحریمی کو رضیہ کی وفاداری پر پورا اعتماد ہے اور وہ رضیہ کو اس کے زیورات بھی واپس دلانا چاہتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ جب مجھے ساری صورتحال کا علم ہو گیا تو میں نے تمہارے پاس آنے کے لیے انہیں یہ یقین دلا دیا کہ میں اپنی اور تمہاری جان بچانے کے لیے تمہیں وہ سارا مال ان کے حوالے کر دینے کے لیے رضامند کرلوں گی جو تمہاری تحویل میں ہے۔

پھر تحریمی نے بڑی عیاری کے ساتھ مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ میں اسے اپنا دشمن نہ سمجھوں۔ بس اسے تو اپنا وہ مال واپس لینا ہے جو تم نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ کہنے لگا ہمیں آپ سے دشمنی نہیں ہے آپ مجھے میرا مال واپس دلا دیں تو ہم بڑے احترام کے ساتھ آپ کو اور ناجی کو واپس آپ کے گھر چھوڑ آئیں گے اور اگر آپ اس میں ناکام ہو گئیں تو پھر مجھے افسوس ہوگا کہ ناجی کے ساتھ آپ بھی بے موت ماری جائیں گی۔" حالانکہ وہ تمہیں ہندوستان بھیجنا چاہتا ہے اور مجھے زیورات حاصل کرنے کے فوراً بعد شوٹ کر دینے کا پروگرام بنا چکا ہے۔" تابندہ نے مختصر الفاظ میں مجھے تمام صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تابندہ! تم انسپکٹر فرمان کو کیا بتاؤ گی؟" میں نے متفکرانہ لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"اسے بھول گئی کہ سی آئی اے کو جن مجرموں کی اور انڈین جاسوسوں کی تلاش ہے ہم دونوں اس وقت انہی کی قید میں ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں ان کے چنگل سے نکال لے گا۔" تابندہ نے کہا۔

"لیکن فرمان کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ ہم کہاں ہیں؟"

"ہاں مجھے اس کا کچھ کچھ اندازہ ہے، اگر میرا اندازہ درست نکلا تو فرمان یقیناً یہاں تک پہنچ جائے گا۔" تابندہ نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہیں ایک مرتبہ بتایا تھا کہ ایک مرتبہ سیٹھ رمضان کرنسی والا نے مجھے بھی اپنی ہوس کے جال میں پھانسنے کے لیے مجھ پر بھی ڈورے ڈالے تھے اور ایک مرتبہ وہ مجھے اپنی ڈیفنس والی کوٹھی میں بھی لے کر گیا تھا۔ یہ دو سال پہلے کی بات ہے۔ لیکن میں نے دوبارہ کبھی اسے گھاس نہیں ڈالی۔ البتہ وہ کچھ عرصہ تک مجھے پھانسنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ انہی دنوں ایک تقریب میں اس نے مجھے ایک دوسری جگہ کا ایڈریس دیا تھا اور میرے ساتھ ملاقات کا وقت بھی طے کیا تھا، لیکن میں نے نہ جانے کا ارادہ کیا اور نہ گئی۔ وہ ایڈریس شیر شاہ میں برلب سڑک ایک پرانے بنگلے کا تھا۔ ایک مرتبہ شیر شاہ سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ایک بنگلے پر پڑی تو میں نے اس کے پورچ میں سیٹھ رمضان کی سرخ گاڑی کھڑی دیکھی تھی۔ اس وقت مجھے خیال آیا تھا کہ سیٹھ رمضان کرنسی والا نے مجھے شیر شاہ کے جس بنگلے میں آنے کی دعوت دی تھی غالباً یہ وہی بنگلہ ہے۔"

"لیکن تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ ہم اس وقت شیر شاہ میں ہیں؟" میں نے اس سے دریافت کیا۔

"یہ فقط میرا اندازہ ہے اور اس اندازے کو جس چیز نے تقویت دی ہے وہ اس کے گیٹ پر بیٹھا وہ شخص ہے جسے میں نے ایک مرتبہ سیٹھ رمضان کی کوٹھی میں دیکھا تھا اور پھر سیٹھ رمضان خود بھی یہاں موجود ہے۔ بہرحال یہ ایک اندازہ ہے اور میں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہتی۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان درندوں کے چنگل سے نکال ہی لے۔" اس نے پرامید انداز میں کہا۔

"ہاں اللہ کرے ایسا ہی ہو، لیکن رضیہ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گی اسے کیا جواب دو گی؟" میں نے تشویش ناک انداز میں اس سے پوچھا۔

"وہ بعد میں سوچ لیں گے۔ میں پہلے فرمان سے بات کرلوں۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی اپنی کلائی سے اتاری اور اس کی سائیڈ پر لگے ہوئے ایک بٹن کو کھینچ کر باہر نکالا اور اسے گھمانے لگی۔ گھڑی کے ڈائل پر ایک جگہ نمبر ظاہر ہو گئے اس نے نمبروں کو ترتیب دے کر بٹن کو تھوڑا سا اندر کی جانب دبا کر گھمایا تو گھڑی کے ڈائل پر ایک باریک سی روشنی ظاہر ہو کر جلنے بجھنے لگی اور مجھے اس میں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد فرمان کی ہلکی سی لیکن واضح آواز آئی۔

"ہیلو تابندہ...... ہیلو، ہیلو میں فرمان بول رہا ہوں۔"

"فرمان! تابندہ بول رہی ہوں۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"تابندہ! تم کہاں ہو......؟ میں صبح سے تمہیں جگہ جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہوں تم خیریت سے تو ہو؟ ناجی تمہارے ساتھ ہے کیا؟" فرمان کی آواز آئی۔

"ہاں! فرمان! ناجی میرے ساتھ ہے۔ تم ذرا غور سے میری بات سنو میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔" پھر تابندہ نے مختصراً اسے سارے حالات سے آگاہ کر دیا اور اسے اس بنگلے کا محل وقوع بھی سمجھا دیا جہاں تابندہ کے خیال کے مطابق ہم لوگوں کو رکھا گیا تھا۔

"تابندہ تم نے جو حالات بتائے ہیں ان کی روشنی میں، میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ اس مال کے حصول کے لیے کم از کم ناجی کے انڈیا روانہ ہونے تک تمہیں ڈھیل دے سکتے ہیں تم انہیں کسی طرح رات ڈیڑھ بجے تک ٹالتی رہو اور انہیں ان زیورات کا پتہ اس وقت تک نہ بتاؤ جب تک کہ وہ ناجی کو روانہ نہ کر دیں۔ ناجی کے روانہ ہونے کے بعد یعنی رات ڈیڑھ بجے تم انہیں زیورات کا پتہ بتا سکتی ہو۔ ناجی کے اس بنگلے سے نکلنے کے فوراً بعد ہم بنگلے پر ریڈ کر دیں گے اور انشاء اللہ تمہیں اور اشرف صاحب کی بیٹی کو ان کے چنگل سے نکال لیں گے۔" فرمان نے کہا۔

"اور ناجی کا کیا ہو گا فرمان!" تابندہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"ناجی کے متعلق تم بالکل فکر نہ کرو۔ وہ لوگ ناجی کو انڈیا بھیجنا چاہتے ہیں اور اگر ناجی نے کوئی مزاحمت نہ کی تو وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسے بے ہوش کر سکتے ہیں لیکن تم بے فکر رہو میں اسے انڈیا جانے نہیں دوں گا۔ دراصل میں بیلا اور سیٹھ رمضان کو اس بوٹ سمیت اور ان تمام اہم دستاویزات کے ساتھ گرفتار کرنا چاہتا ہوں جو بیلا کے قبضے میں ہیں۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ناجی ان کے ساتھ بغیر کوئی مزاحمت کیے ساحل تک پہنچ جائے۔ ویسے ہم لوگ ابھی سے اس بنگلے کا اندر آ کر روشن کر لیں گے۔"

"فرمان! سارا کام احتیاط سے کرنا۔ یہ لوگ بڑے بے حس اور ظالم ہیں۔ اگر انہیں شک ہو گیا کہ سی آئی اے والے ان کے تعاقب میں ہیں تو نہ جانے وہ کیا کچھ کر گزریں۔ تابندہ نے اپنی پریشانی کا

اظہار کیا۔

"تم بے فکر رہو۔ میں پوری احتیاط کروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے فرمان اب وہ عورت رضیہ بس آنے ہی والی ہے۔" تابندہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تابندہ! جیسے میں نے کہا ہے ویسے ہی کرو۔ اللہ حافظ۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ڈائل پر ظاہر ہونے والی روشنی بجھ گئی۔ تابندہ نے گھڑی کے پہلو سے باہر نکلے ہوئے بٹن کو دبا کر اندر کر دیا اور گھڑی کو اپنی کلائی پر باندھ لیا۔

میں نے تابندہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تابندہ! تم انہیں رات ڈیڑھ بجے تک کیسے ٹالتی رہو گی؟ آخر تم انہیں کس بہانے سے ٹال سکتی ہو؟"

"ہاں یہ سوچنے کی بات ہے۔ تم بتاؤ میں انہیں کیا کہوں۔ کیا میں انہیں یہ کہہ دوں کہ تم نے مجھے ان زیورات کا پتہ نہیں بتایا۔" تابندہ نے پوچھا۔

"نہیں اگر تم نے انہیں یہ بات کہہ دی تو وہ تم سے نا امید ہو جائیں گے اور پھر انہیں تمہاری کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تم ان پر یہی ظاہر کرو کہ میں نے تمہیں زیورات کا پتہ بتا دیا ہے۔" میں نے ایک لمحہ ٹھہر کر کہا۔ "تاکہ انہیں تم سے امید باقی رہے۔"

"تو پھر تو وہ مجھ پر تشدد کریں گے تاکہ میں ان کے سامنے زبان کھول دوں۔" تابندہ کے چہرے سے خوف اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اسی اثنا میں کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں رضیہ کھڑی نظر آئی۔ وہ باہر راہداری میں کھڑی تھی اور پستول اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز سے کہا "آ جاؤ تابندہ! تمہارا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

تابندہ نے میری جانب دیکھا اور اٹھ کر باہر کو چل دی۔ تب میں نے اسے بلند آواز میں کہا۔

"انہیں زیورات کا پتہ مت بتانا تابندہ! پہلے یہ ہمیں یہاں سے رہا کریں گے بعد میں ہم انہیں زیورات کا پتہ بتا دیں گے...... میں نے تمہاری بات مان لی ہے اب تم بھی میری یہ بات مان لو، انہیں زیورات کا پتہ مت بتانا۔ میری بات ختم ہوئی تو تابندہ نے دروازے سے باہر قدم رکھ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ اسے میری تجویز پسند آئی ہے۔ اب وہ انہیں رات ڈیڑھ بجے تک کسی نہ کسی طرح ٹال سکتی تھی۔

دروازہ ایک دم بند ہو گیا اور میں کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ اب میں تھا اور خیالات کا ہجوم تھا۔ اندیشوں کے بادل تھے اور غموں کے سائے تھے۔ امیدوں کی بجلیاں رہ رہ کر چمکتی تھیں اور پھر نا امیدی کے اندھیرے مجھے گھیر لیتے تھے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تھا۔ دل ہی دل میں اس مالک کو پکارتا تھا۔ اس خالق حقیقی سے رحم کی اپیل کرتا تھا۔ اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتا تھا اور آئندہ کے لیے اس کی نافرمانیوں سے توبہ کرتا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ آئندہ لمحات میں کیا ہونے والا تھا۔ میں ایک ایسے کمرے میں بند تھا جس سے باہر نکلنا میرے بس سے باہر تھا۔ میری نو بیاہتا بیوی میرے دشمنوں کے نرغے میں مجھ سے جدا نہ جانے کن حالات سے دوچار تھی۔ میں اپنی بے بسی پر بھی نوحہ کناں ہوتا تھا اور کبھی حالات کی ستم ظریفی پر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے کو جی کرتا تھا۔

میں کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا اور کبھی گھٹنوں میں منہ دے کر دیوار سے لگ کر بیٹھ جاتا تھا۔ مجھے کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ وقت یقیناً گزر رہا ہوگا لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وقت تھم چکا ہے اور میں جیسے ازل سے اس کمرے میں قید تھا اور جیسے ابد تک مجھے یہیں رہنا تھا۔

پھر نہ جانے وہ وقت کیسے گزر گیا۔ آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب کسی نے باہر سے دروازہ کھول دیا میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا دروازے کے سامنے ایک آدمی ہاتھ میں مشین گن لیے کھڑا تھا۔ مشین گن کا رخ میری جانب تھا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

"اٹھو اور خاموشی سے باہر آ جاؤ۔"

میں آہستہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باہر آ گیا۔ باہر راہداری میں ایک اور آدمی مشین گن اٹھائے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اسی طرف چل دیا جس طرف سے رضیہ ہمیں صبح لے کر یہاں آئی تھی۔

وہ آدمی جس نے مجھے کمرے سے باہر نکلنے کے لیے کہا تھا بولا:

"اس کے پیچھے چلو اور اگر ہوشیار بننے کی کوشش کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

میں چل پڑا۔ میں جانتا تھا، وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ میں خاموشی سے چلتا رہا۔ عمارت سے باہر پورچ میں ایک بڑی سی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ انہوں نے مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور ایک آدمی میرے ساتھ بیٹھ گیا اس کا اور اس کی مشین گن کا رخ میری جانب تھا۔ دوسرا آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا تو ڈرائیور نے گاڑی کو سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ گاڑی کے شیشے سیاہ تھے اور سڑکوں پر ٹریفک کم تھا۔ کوئی مجھے دیکھنے والا نہیں تھا اور مجھے بھی کسی کو نہیں دیکھنا تھا۔ ساحل پر پہنچنے تک کا وقت سکون کا وقت تھا۔ مجھے علم تھا اس سے پہلے پولیس والے مداخلت نہیں کریں گے۔ میں چپ چاپ آنکھیں بند کیے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ گاڑی فراٹے بھرتی رہی۔

پھر ہم ساحل پر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے گاڑی سے باہر نکالا۔ سامنے سمندر کی لہریں پرسکون تھیں یہ چاند کی آخری تاریخیں تھیں سمندر پرسکون تھا۔ ساحل ویران تھا میں نے ادھر ادھر نظریں گھما کر جائزہ لیا کہ وہ سی آئی اے والے کہاں ہیں۔ مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ میں پیش آئندہ حالات و واقعات کا انتظار کرنے لگا۔ وہ دونوں مشین گنوں والے میرے دائیں بائیں مشین گنیں مجھ پر تانے کھڑے تھے۔ ڈرائیور گاڑی سے نہیں اترا تھا۔

پھر سمندر کی لہروں پر ایک دھبہ نظر آنے لگا۔ ایک ہیولہ، پھر اس کی آواز بھی کانوں تک آنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سپیڈ بوٹ اس ویران ساحل کے قریب آ کر رک گئی پھر آہستہ آہستہ قریب ہوتے ہوئے ساحل کے ساتھ آ لگی۔ بوٹ کے اندر سے پہلے دو آدمی باہر نکلے ان میں سے ایک بوٹ پر رہا اور دوسرا ساحل پر اتر آیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی مشین گنیں دبی ہوئی تھیں۔ پھر ایک عورت

سپیڈ بوٹ کے اندر سے برآمد ہوتی نظر آئی۔ وہ بیلا تھی جیسے ہی وہ عورت بوٹ سے نکل کر اوپر آ کر کھڑی ہوئی تو یوں لگا جیسے اندھیرے نے دو گولیاں اگل دی ہوں۔ بیک وقت کئی اطراف سے فائر ہوا تھا اور وہ چاروں مشین گنوں والے ڈھیر ہو گئے تھے اور چشم زدن میں دو آدمی جیسے اڑتے ہوئے بوٹ پر گرے تھے اور انہوں نے بیلا کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ دیے تھے۔ اسی اثنا میں دو آدمیوں نے گاڑی کے ڈرائیور کو قابو کر کے جکڑ لیا تھا۔

پولیس والے بڑے مستعد لوگ تھے انہوں نے فوری طور پر بوٹ پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ بوٹ کے اندرونی حصے سے دو مزید آدمی گرفتار کیے گئے تھے ان میں ایک سیٹھ رمضان کرسی والا تھا دوسرا بیلا کا ساتھی رہا ہوگا جو بوٹ کو ڈرائیو کرتا تھا۔

آناً فاناً سی آئی اے کے تربیت یافتہ لوگوں نے ساری صورتحال پر قابو پا لیا تھا۔ چار اسلحہ بردار آدمی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ بیلا، سیٹھ رمضان ہمارے ساتھ جانے والے گاڑی کے ڈرائیور اور سپیڈ بوٹ کے ڈرائیور کو گرفتار کر کے اور رسیوں سے باندھ کر کچھ فاصلے پر کھڑی پولیس کی گاڑیوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ بوٹ کی مکمل تلاشی لی گئی تھی جس میں سے دو فائل اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ ملا تھا۔

پھر ہماری واپسی ہوئی۔ اس آپریشن میں حصہ لینے والے سی آئی اے کے دو بڑے افسران کے ساتھ ایک جیپ میں مجھے بھی سوار کر لیا گیا۔ راستے میں، میں نے ایک آفیسر سے تابندہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ سیٹھ رمضان کے شیر شاہ والے بنگلے پر کامیاب ریڈ ہوا تھا جس کی اطلاع موبائل سروس کے ذریعے انہیں تھوڑی دیر قبل ملی تھی۔ اس ریڈ میں تابندہ اور اس کے منیجر اشرف صاحب کی بیٹی کو بحفاظت بازیاب کر لیا گیا ہے اور تحریکی، رضیہ اور چند دوسرے لوگ مارے گئے ہیں اور بنگلے میں موجود بقیہ تمام افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ مختصر اطلاع تھی تفصیل واپس پہنچ کر معلوم ہو گی۔

تابندہ کی خیریت معلوم کر کے دل کو اطمینان ملا۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت اپنے مالک کے حضور سجدہ میں گر جاؤں۔ اس کے انعامات بے شمار تھے۔ اس کی کون کون سی نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شرابور رہنے کے باوجود اس محبوب حقیقی سے بھاگا پھرتا ہے۔ میں نے ساری زندگی اپنے مالک کی نافرمانی میں گزار دی تھی۔ اس کے انعامات کی شکرگزاری کے بجائے میں نے اس کے احکامات کی بجا آوری سے منہ موڑے رکھا تھا۔ اسے بھلائے رکھا تھا۔ دل ہی دل میں میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور آئندہ اس کی چاہت والی زندگی گزارنے کا عزم کیا۔

سی آئی اے کے آفس میں پہنچ کر میرا تفصیلی بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میں نے اپنے اغوا کر کے انڈیا لے جائے جانے سے اب تک کے وہ تمام واقعات جن کا تعلق را کی بدنام زمانہ تنظیم کے ساتھ تھا، اپنی بعض لغزشوں کو حذف کرتے ہوئے بیان کر دیے۔

بیان دینے کے بعد جب میں ایک افسر کے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں پہنچا تو وہاں تابندہ، اشرف صاحب کی بیٹی اور فرمان پہلے سے موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ تینوں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور مجھ سے میری خیریت دریافت کرنے لگے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں بالکل خیریت سے ہوں۔

پھر میرے دریافت کرنے پر تابندہ نے مجھ سے الگ ہونے کے بعد سے لے کر اب تک کے سارے واقعات بتا دیے۔ اس کے بیان کے مطابق تحریکی اور رضیہ نے زیورات کا پتہ معلوم کرنے کے لیے اسے بہت زیادہ ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اسی ایک بات پر مصر رہی کہ پہلے وہ انہیں رہا کر دیں پھر بعد میں ہم انہیں زیورات حوالے کر دیں گے۔ اس نے بتایا کہ انہوں نے اسے رات ایک بجے تک کا وقت دے کر اشرف صاحب کی بیٹی کے ساتھ بند کر دیا تھا اور یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ایک بجے تک اس نے زیورات کا پتہ نہ بتایا تو وہ ناجی سمیت ہم تینوں کو قتل کر دیں گے۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے تحریکی دو مسلح آدمیوں کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے تابندہ سے کہا کہ اگر وہ اب بھی زیورات کا پتہ نہیں بتاتی تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ قتل کرنے کے لیے انہوں نے پہلے اشرف صاحب کی بیٹی کا انتخاب کیا تھا اور جب وہ اسے گولی مارنے لگے تو تابندہ نے اس کی جان بچانے کے لیے انہیں زیورات کا پتہ بتا دیا۔ تحریکی نے کہا کہ ہم پہلے تمہاری اطلاع کی تصدیق کریں گے اگر ہمیں زیورات مل گئے تو تمہیں چھوڑ دیں گے اور اگر تمہاری خبر غلط ثابت ہوئی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

پھر کچھ دیر کے بعد سی آئی اے والوں نے بنگلے پر دھاوا بول دیا تھا۔ ساری فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ سی آئی اے والوں کا چھاپہ کامیاب رہا تھا۔ رضیہ اور تحریکی فرار ہوتے ہوئے مارے گئے تھے۔ تمام مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا تھا تابندہ اور اشرف صاحب کی بیٹی کو وہاں سے نکال کر یہاں سی آئی اے کے آفس لے آیا گیا تھا۔ جہاں ان دونوں کے بیانات لینے کے بعد یہ لوگ میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔

فرمان نے بتایا کہ جن لوگوں کو تحریکی نے تابندہ کے گھر کی تلاشی کے لیے بھیجا تھا انہیں بھی راستے ہی میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس سارے آپریشن میں دس آدمی مجرموں کے قتل ہوئے تھے اور پولیس کے دو آدمی معمولی زخمی ہوئے تھے۔

میں نے فرمان سے کہا کہ وہ زیورات میں حکومت کے حوالے کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں ان پر اپنا کوئی حق خیال نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ یہ بہت اچھی بات ہے اور وہ کل دن میں کسی وقت ہمارے یہاں پہنچ کر ان زیورات کو اپنی تحویل میں لے لے گا۔ اس نے مجھے بتایا کہ سی آئی اے کے اعلیٰ افسران نے را کے خلاف میری کارروائیوں کو بہت زیادہ سراہا ہے۔ میرے تمام کارناموں کی تفصیلی رپورٹ باضابطہ طور پر تیار کی جا رہی ہے اور امید ہے کہ حکومت میرے ان کارناموں کی قدر افزائی کے صلے میں مجھے اعزاز و اکرام سے بھی نوازے گی اور اس کے لیے خاص طور سے ایک تقریب کا اہتمام کیا جائے گا، لیکن اس سے قبل مجھے اپنے خلاف دائر مقدمات کی صفائی کے لیے سی آئی اے کے وکیل صفائی کی مدد کرنا پڑے گی۔ فرمان نے کہا کہ اسے امید ہے کہ چند روز میں ہی میرے خلاف تمام مقدمات خارج ہو جائیں گے۔

سی آئی اے کے دفتر سے ہم چاروں پہلے اشرف صاحب کے گھر پہنچے وہاں وہ شریف آدمی پریشان بیٹھا اپنی بیٹی کی بازیابی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ بیٹی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوشی اور تشکر کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے اپنی بیٹی کو گلے لگایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمان کا از حد ممنون ہوا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ فرمان کا شکریہ کیسے ادا کرے۔

صبح کا اجالا پھیل چکا تھا جب ہم لوگ اپنے گھر پہنچے۔ تابندہ نے فرمان کو ناشتے کے لیے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں رکا۔ وہ بہت تھک چکا تھا۔ وہ کئی روز سے مسلسل بھاگ رہا تھا اب وہ گھر پہنچ کر آرام کرنے کے موڈ میں تھا۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے روانہ ہو گیا۔

''تابندہ تم مجھے ناشتے پر ٹرخانا چاہتی ہو۔ ابھی تو تمہاری شادی کا کھانا اور ولیمہ بھی تم لوگوں پر قرض ہے۔ اور ناجی کی بازیابی پر ایک شاندار پارٹی بھی تمہارے ذمے ہے۔ میں یہ سارے کھانے کھا کر چھوڑوں گا اس کے بعد ناشتے کی باری آئے گی۔ سمجھیں تم؟ اب مجھے اجازت دو۔''

وہ چلا گیا۔ ہم دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب اس کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تب ہم نے مڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور میں نے مضبوطی سے تابندہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر اندر کی جانب چل پڑا۔